الف لیلہ و لیلہ

صاحب الف لیلہ

۲۰۰۴ء

• پیش لفظ

محمد طارق جمیل

"الف لیلہ" خطہ عرب کی مشہور داستان ہے جو نسل در نسل سفر کرتی ہوئی پوری دنیا میں پھیل چکی ہے۔ الف لیلہ داستانوی ادب میں کلاسیک کا درجہ رکھتی ہے اور صدیوں سے انتہائی دلچسپی سے پڑھی جا رہی ہے۔ اس داستان کا شمار دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی چند عظیم داستانوں میں ہوتا ہے۔ اس دنیا بھر میں مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ الف لیلہ کا لفظی مطلب ہزار راتیں ہیں۔ زیر نظر داستان ایک ہزار ایک راتوں پر مشتمل ہے۔ ادارہ "میٹا کرافٹ اردو سروس" کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ اس نے پہلی بار اس داستان کا اردو ترجمہ انٹرنیٹ پر چلانے کا اہتمام کیا ہے جو کہ قارئین کے لیے بہت دلچسپی اور تفریح کا موجب بنے گا۔

○○○

• شہر یار بادشاہ اور اس کے بھائی کی کہانی

غیب کی باتیں تو خدا بہتر جانتا ہے' لیکن پرانے قصے کہانیوں میں یوں بیان کیا جاتا ہے کہ اگلے زمانے میں بنی ساسان کا ایک بادشاہ تھا۔ اس کی حکومت جزائر ہند اور چین تک تھی اور اس کی فوجوں اور باج گزاروں اور شان و شوکت کی کوئی انتہا نہ تھی۔
اس کے دو بیٹے تھے' ایک بڑا ایک چھوٹا۔ یوں تو دونوں بڑے بہادر اور شہسوار تھے لیکن بڑا بیٹا شہسواری میں چھوٹے سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ کئی ملک اس کی حکومت میں آئے اور وہ اپنی رعیت کے ساتھ بڑے عدل و انصاف سے پیش آتا تھا اور اس کی رعایا اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ اس بادشاہ کا نام شہر یار تھا۔ چھوٹے بھائی کا نام شاہ زمان تھا اور اس کا ملک سمرقند تھا۔
بیس سال تک دونوں بادشاہ اپنے اپنے ملکوں پر نہایت خوشی و خرمی کے ساتھ عادلانہ حکومت کرتے رہے۔ اسی زمانے میں بڑے بھائی کو اپنے چھوٹے بھائی کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ اس نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ وہ جائے اور اس کے چھوٹے بھائی کو اپنے ساتھ لے آئے۔ وزیر نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور روانہ ہو گیا اور صحیح و سلامت پہنچ گیا اور چھوٹے بھائی کے پاس باریاب ہو کر اسے بادشاہ کا سلام پہنچایا اور عرض کی کہ آپ کے بھائی کا آپ سے ملنے کو دل چاہتا ہے اور انہوں نے درخواست کی ہے کہ آپ ان سے ملنے کے لیے تشریف لے چلیں۔
بادشاہ نے اسے بسر و چشم منظور کیا اور سفر کی تیاری کرنے لگا اور خیمے اور اونٹ اور خچر اور خدمتگار اور مددگار سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ اس نے اپنے وزیر کو اپنا قائم مقام بنایا اور اپنے بھائی سے ملنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ آدھی رات کے وقت اسے یاد آیا کہ وہ ایک چیز محل میں بھول آیا ہے اور پلٹ پڑا۔ جب وہ اپنے محل میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کے بچھونے میں اس کی بیوی ایک حبشی غلام کو لیے پڑی

ہے۔ یہ دیکھتے ہی اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ ابھی تو میں شہر سے نکلا بھی نہیں اور یہاں ایسا واقعہ پیش آیا' اگر میں اپنے بھائی کے ساتھ ایک مدت تک رہا تو خدا جانے یہ حرام زادی کیا کچھ نہ کر گزرے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی تلوار کھینچی اور دونوں کو اسی بچھونے پر قتل کر ڈالا اور فوراً وہاں سے چل دیا اور کوچ کا حکم دے دیا۔

الغرض وہ اپنے بھائی کے دارالسلطنت پہنچ گیا اور شہر میں داخل ہونے سے پہلے اس نے اپنے آنے کی خبر بھائی کو بھیجی۔ بھائی اس کے خیر مقدم کے لیے آیا اور اس سے ملا اور صاحب سلامت کی اور بہت خوش ہوا اور سارے شہر میں چراغاں کرایا۔ اب دونوں بیٹھ کر خوشی خوشی ایک دوسرے سے بات چیت کرنے لگے۔ اس وقت شاہ زمان بادشاہ کو اپنی بیوی کا واقعہ یاد آیا اور وہ دل ہی دل میں کڑھنے اور بے چین ہونے لگا اور اس کا چہرہ فق ہو گیا اور جسم مضمحل۔ جب بھائی نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اس کو خیال ہوا کہ ہو نہ ہو میرے بھائی کو اپنے ملک کے چھوٹنے کا قلق ہے۔ اس لیے اس کے متعلق پھر اور باتیں نہ کیں۔

کچھ دنوں کے بعد اس نے اپنے بھائی سے کہا کہ بھائی میں دیکھتا ہوں کہ تم روز بروز کمزور ہوتے چلے جاتے ہو اور تمہارے چہرے کا رنگ اڑتا جاتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بھائی' میرے دل کے اندر ایک زخم ہے مگر اپنی بیوی کا واقعہ اس نے بیان نہ کیا۔ بھائی نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ شکار کھیلنے چلو تاکہ تمہاری طبعیت ذرا بہل جائے لیکن اس نے نہ مانا اور وہ اکیلا شکار کے لیے روانہ ہو گیا۔

بادشاہ کے محل میں چند کھڑکیاں تھیں جو اس کے بھائی کے باغ کی طرف کھلتی تھیں۔ ان میں سے ایک کھڑکی کھلی اور اس میں سے بیس لونڈیاں نکلیں اور بیس غلام اور ان کے بیچ میں اس کے بھائی کی بیوی تھی جو حسن و جمال میں یکتا تھی۔ جب وہ ایک حوض کے پاس پہنچے تو سب کے سب کپڑے اتار کر ننگے ہو گئے اور بادشاہ کی بیوی

نے پکار کر کہا کہ اے مسعود، تو کہاں ہے؟ یہ سن کر ایک حبشی غلام آیا اور اس سے لپٹ گیا اور وہ اس سے لپٹ گئی اور دونوں ہم صحبت ہونے لگے۔ دوسرے غلام بھی باقی لونڈیوں کے ساتھ اسی فعل میں مشغول ہو گئے۔ دن نکلنے تک یہی بوس و کنار اور ہم صحبتی ہوتی رہی۔ جب بادشاہ کے بھائی نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ واللہ میری مصیبت تو اس مصیبت کا پاسنگ بھی نہیں اور اس کا غم و غصہ ہوا ہو گیا اور اس نے اپنے دل میں کہا کہ میں نے اس سے بڑھ کر اب تک کوئی بات نہیں دیکھی اور پھر اس نے کھانا پینا شروع کر دیا۔

اس کے بعد اس کا بھائی سفر سے لوٹا اور دونوں میں صاحب سلامت ہوئی۔ شہر یار بادشاہ نے دیکھا کہ اس کا بھائی شاہزمان بادشاہ کا چہرہ بحال نظر آتا ہے اور سرخ و سفید ہو گیا ہے اور یا تو پہلے کچھ کھاتا نہ پیتا تھا اور یا اب وہ بدستور کھانے پینے لگا ہے۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا کہ بھائی، اب تک تمہارا رنگ فق تھا اور چہرہ اترا ہوا تھا، اب تم پھر بحال نظر آتے ہو۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ رنگ فق ہونے کی وجہ تو میں آپ کو بتا دوں گا۔ لیکن دوبارہ بحال ہو جانے کی وجہ بتانے سے آپ مجھے معاف رکھئے۔ بھائی نے کہا خیر، رنگ فق ہونے اور کمزوری کی وجہ پہلے بتاؤ تو سہی تا کہ میں سنوں۔ اس نے جواب دیا کہ جب آپ نے اپنے وزیر کو میرے بلانے کے لیے بھیجا تھا تو میں نے سفر کا سامان تیار کیا اور اپنے شہر سے باہر آیا۔ اس وقت مجھے یاد آیا کہ جو ہیرا میں آپ کے لیے لانے والا تھا، اسے اپنے محل میں بھول آیا ہوں۔ میں گھر واپس گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے بچھونے پر ایک حبشی غلام میری بیوی کے ساتھ ہم بستر ہے۔ میں نے وہیں دونوں کو قتل کر دیا اور روانہ ہو گیا۔ اب یہاں آیا ہوں تو وہی بات میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے۔ یہ ہے سبب میرے چہرے کے رنگ اڑنے اور کمزوری کا۔ مگر اس بات سے آپ مجھے معاف رکھئے کہ میں اپنے بحال ہونے کی وجہ آپ سے بیان کروں۔

جب اس کے بھائی نے اس کی باتیں سنیں تو کہا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دے کر

کہتا ہوں کہ دوبارہ بحال ہونے کی وجہ بھی بتاؤ۔ اس پر اس نے جو کچھ دیکھا تھا' سب کہہ دیا۔ شہر یار نے اپنے بھائی شاہزمان سے کہا کہ میں یہ ماجرا اپنی آنکھ سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ شاہ زمان نے کہا کہ اچھا آپ یہ ظاہر کیجئے کہ آپ شکار کے لیے جا رہے ہیں اور میرے مکان میں چھپ جائیے۔ اس طرح سے آپ سب کچھ اپنی آنکھ سے دیکھ لیں گے۔ بادشاہ نے فوراً کوچ بول دیا اور خیمے اور لشکر شہر کے باہر نکل آئے اور بادشاہ بھی باہر آ گیا اور خیمے کے اندر جا بیٹھا اور اپنے نوکروں سے کہا کہ میرے پاس کوئی نہ آئے۔ پھر وہ بھیس بدل کر نکلا اور اس محل میں آیا جہاں اس کا بھائی تھا اور اس کی کھڑکی میں آ کر بیٹھ گیا جس کا دروازہ باہر باغ کی طرف تھا۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ لونڈیاں اور ان کی مالکہ غلاموں کے ساتھ آئیں اور وہی کاروائی ہونے لگی جو اس کے بھائی نے کہا تھا۔ یہ باتیں عصر کے وقت تک ہوتی رہیں۔

جب شہر یار بادشاہ نے یہ ماجرا دیکھا تو اس کے ہاتھ کے طوطے اڑ گئے اور اس نے اپنے بھائی شاہ زمان سے کہا کہ چلو' ہم جس طرح بیٹھے ہیں اٹھ کھڑے ہوں۔ ملک اور دولت کی کیا پروا! چلو دیکھیں کہ دنیا میں کوئی اور بھی ہے جس کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا ہو۔ ورنہ ایسے جینے سے تو مرنا بہتر ہے۔ دونوں بھائی محل کے چور دروازے سے باہر آئے اور کئی دن اور کئی رات چلنے کے بعد سمندر کے کنارے ایک سبزہ زار میں پہنچے جہاں ایک چشمہ بہہ رہا تھا اور بیچ میں ایک درخت تھا۔ اس چشمے سے انہوں نے پانی پیا اور بیٹھ کر ستانے لگے۔ جب ایک پہر دن گزر چکا تو وہ کیا دیکھتے ہیں کہ سمندر میں تلاطم اٹھا اور اس میں سے ایک سیاہ ستون سا اوپر کی طرف بڑھا۔ جب انہوں نے یہ دیکھا تو دونوں بھائی ڈر کے مارے درخت کے اوپر چڑھ گئے جو بہت اونچا تھا اور دیکھنے لگے کہ اب کیا ہوتا ہے۔ وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک لمبا چوڑا بڑی اور چپٹی کھوپڑی والا دیو سر پر ایک صندوق لیے خشکی میں آ نکلا اور اسی درخت کے پاس آ پہنچا جس پر یہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں بیٹھ کر اس نے صندوق کھولا اور اس میں سے ایک بڑا پیالہ نکالا۔ پھر اس نے وہ پیالا کھولا اور اس میں سے ایک نوجوان

لڑکی نکلی جس کا بدن سڈول اور جس کے چہرے کے آگے سورج مات تھا' جیسا کہ عطیہ شاعرہ نے کہا ہے:

"اندھیرے میں وہ اس طرح چمکتی ہے کہ گویا دن نکل آیا ہے اور اپنے اوپر درختوں کو روشن کر دیتی ہے۔

"آفتاب کو اس کے نور سے روشنی پہنچتی ہے اور جب وہ باہر نکل کر جلوہ افروز ہوتی ہے تو چاند تک شرما جاتا ہے۔"

"جب وہ پردہ اٹھا کر سامنے آتی ہے تو ساری خدائی اس کے سامنے سر کے بل گر پڑتی ہے۔"

"جب اس کے حسن کے سبزہ زار پر اس کے ناز و ادا کی بجلیاں کوندتی ہیں تو لوگوں کی آنکھوں سے آنسو برسنے لگتے ہیں۔"

دیو نے اس لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا کہ "اے شریف زادیوں کی سرتاج جس کو میں نکاح کی رات اٹھا لایا ہوں' اب میں چاہتا ہوں کہ ذرا سو لوں۔" یہ کہہ کر وہ لڑکی کے زانوں پر سر رکھ کر سو گیا۔ لڑکی نے سر اوپر اٹھایا تو ان دونوں بادشاہوں کو درخت کے اوپر بیٹھا دیکھا۔ یہ دیکھ کر اس نے دیو کے سر کو اپنے زانو پر سے اٹھا کر زمین پر رکھ دیا اور خود درخت کے نیچے آ کر کھڑی ہو گئی اور اشارے سے کہنے لگی کہ اتر آؤ اور دیو سے نہ ڈرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ خدا کے واسطے ہمیں بدکاری سے معاف رکھو۔ لڑکی نے کہا کہ اگر تم نہ اترو گے تو میں دیو کو جگا کر تمہارے پیچھے لگا دوں گی اور وہ بری طرح سے تمہیں موت کے گھاٹ اتارے گا۔ ڈر کے مارے وہ دونوں اتر کر اس کے پاس آ گئے۔ وہ قریب آئی اور کہا کہ آؤ میرے اوپر آؤ! ورنہ میں ابھی دیو کو جگاتی ہوں۔ دیو کے ڈر سے شہر یار نے اپنے بھائی شاہزمان سے کہا کہ بھائی اس کا کہنا مان لو۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں پہلے آپ شروع کیجئے! وہ یہی بات کر رہے تھے کہ پہلے کون اس سے صحبت کرے کہ لڑکی نے کہا کہ میں دیکھتی ہوں کہ تم دونوں نخرے کر رہے ہو اور اگر تم نے فوراً وہ فعل شروع نہ کیا

تو میں ابھی دیو کو جگا دوں گی۔ دیو کے ڈر کے مارے دونوں نے اس کے ساتھ صحبت کی۔ جب دونوں فارغ ہو چکے تو اس نے اپنی جیب سے ایک تھیلی نکالی جس میں ایک ہار کی شکل میں پانچ سو ستر (۵۷۰) انگوٹھیاں پروئی ہوئی تھیں اور ان سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا' نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ ان لوگوں کی انگوٹھیاں ہیں جو دیو کی موجودگی میں مجھ سے ہم صحبت ہوئے ہیں۔ تم دونوں بھائی بھی اپنی اپنی انگوٹھی مجھے دے دو۔ انہوں نے بھی انگوٹھیاں اتار کر اسے دے دیں۔ اس نے کہا کہ سنو! یہ دیو مجھے نکاح کی رات اٹھا لایا ہے اور ایک پیالے میں بند کر کے اس صندوق میں رکھا ہے اور اس صندوق میں سات قفل لگا کر مجھے گہرے اور موجزن سمندر کی اتھاہ میں پوشیدہ رکھتا ہے مگر اسے یہ خبر نہیں کہ ہم عورتیں اگر کچھ چاہیں تو دنیا کی کوئی چیز ہمیں روک نہیں سکتی' جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

"عورتوں کی طرف سے مطمئن ہو کر نہ بیٹھو اور ان کے وعدوں پر بھروسا مت کرو!"

"ان کی خوشی اور ناخوشی ان کی فرجوں کے ساتھ وابستہ ہے۔"

"وہ جھوٹی محبت کا اظہار کرتی ہیں اور بے وفائی ان کا پیشہ ہے۔"

"حضرت یوسف کے قصے سے عبرت حاصل کرو۔ اس میں تمہیں ان کی بعض سازشوں کا پتہ لگے گا۔"

"کیا تمہیں باوا آدم کا حال معلوم نہیں کہ وہ انہیں کی وجہ سے نکالے گئے۔"

اس لڑکی کی یہ باتیں سن کر دونوں بادشاہ ششدر رہ گئے اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ دیکھو یہ تو دیو ہے لیکن جو ماجرا اس کے ساتھ ہوا وہ ہم میں سے کسی کے ساتھ بھی نہ ہوا۔ ایسی بات تو اب تک دنیا میں کسی کے ساتھ بھی پیش نہ آئی ہو گی۔ وہ فوراً الٹے پاؤں پھرے اور شہر یار بادشاہ کے دارالسلطنت میں پہنچے۔ شہر یار اپنے محل میں داخل ہوا اور اپنی بیوی اور ان سب لونڈیوں اور غلاموں کی گردن مار دی۔ اس کے بعد اس کا یہ دستور رہا کہ وہ ہر رات ایک باکرہ سے ہم صحبت کرتا اور پھر اس کو قتل کر ڈالتا تھا۔ یہ ماجرا تین سال تک جاری رہا' یہاں تک کہ لوگ اپنی اپنی بیٹیاں

لے کر بھاگ گئے اور اس شہر میں کوئی نوجوان لڑکی باقی نہ رہی جو ہم صحبتی کے قابل ہو۔ بادشاہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ وہ بدستور ہر روز ایک لڑکی لائے۔ وزیر گیا اور بہت جستجو کی' لیکن اسے کوئی لڑکی نہ ملی۔ آخر کار وہ مغموم ہو کر گھر آیا اور دل ہی دل میں بادشاہ کی طرف سے بہت خائف تھا۔

اس وزیر کی دو لڑکیاں تھیں۔ بڑی کا نام شہر زاد تھا اور چھوٹی کا نام دنیا زاد۔ بڑی نے تاریخ اور پرانے بادشاہوں کے حالات اور گزشتہ قوموں کے واقعات کے متعلق بہت سی کتابیں پڑھی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے کتب خانے میں گزشتہ قوموں اور پرانے بادشاہوں اور شاعروں کے متعلق ایک ہزار کتابیں موجود تھیں۔ اپنے باپ کی یہ حالت دیکھ کر اس نے کہا کہ آپ کیوں اس قدر پریشان نظر آتے ہیں اور کس چیز نے آپ کو غمگین کر دیا ہے۔ اس کے متعلق کسی شاعر کا قول ہے:

"جو شخص غمگین ہو اس سے کہہ دو غم ہمیشہ نہیں رہتا
جس طرح کہ خوشی فانی ہے غم بھی ہے۔"

جب وزیر نے اپنی بیٹی کو یہ کہتے سنا تو اس نے سارا ماجرا بیان کر دیا جو اس کے اور بادشاہ کے درمیان پیش آیا تھا۔ لڑکی نے کہا کہ اباجان' میں آپ کو خدا کی قسم دیتی ہوں کہ آپ میری شادی بادشاہ کے ساتھ کر دیجئے۔ یا تو میں زندہ بچ جاؤں گی اور یا مسلمان بچیوں پر نثار ہو جاؤں گی اور ان کو اس بادشاہ کے پنجے سے نجات دوں گی۔ باپ نے کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ ایسی باتوں کو اپنے دل سے نکال ڈال۔ اس نے کہا کہ یہ تو ہو کر رہے گا۔ باپ نے کہا کہ کہیں تیرا وہی حال نہ ہو جو گدھے اور بیل کا کسان کے ساتھ ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ کیا تھا؟

○○○

• بیل اور گدھے کی کہانی

وزیر نے کہا کہ اچھا بیٹی سن! ایک سوداگر تھا۔ اس کے پاس بہت مال و دولت تھی اور بہت سے مویشی۔ سوداگر کی ایک بیوی تھی اور کئی اولادیں۔ خدا نے اسے جانوروں اور چڑیوں کی بولیاں سمجھنے کا علم عطا کیا تھا۔ اس کا مکان سمندر کے کنارے تھا۔ اس کے گھر میں ایک گدھا اور ایک بیل تھا۔ ایک روز بیل گدھے کے تھان پر آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ جھاڑو سے جھاڑا جھٹکا اور اس پر پانی کا چھڑکاؤ کیا ہوا ہے اور گدھے کے "توبڑے" میں چھنے ہوئے جو اور صاف ستھری گھاس پڑی ہوئی ہے۔ کبھی کبھی اس کا مالک کسی خاص ضرورت کے لیے اس پر سوار ہوتا ہے' مگر فوراً واپس آ جاتا ہے۔

ایک روز سوداگر نے بیل کو گدھے سے کہتے ہوئے سنا کہ خدا تجھے خوشحالی مبارک کرے۔ میں تھکا ماندہ رہتا ہوں اور تو عیش و آرام میں زندگی بسر کرتا ہے' تو چھنے ہوئے جو کھاتا ہے اور لوگ تیری خدمت کرتے ہیں۔ مالک کبھی کبھی تجھ پر سوار ہو کر نکلتا ہے مگر فوراً لوٹ آیا ہے۔ مجھے تو دیکھ کہ میں ہمیشہ ہل اور چکی میں جتا رہتا ہوں۔ گدھے نے جواب دیا کہ اچھا' ایسا کر کہ جب تجھے کھیت پر لے جائیں اور تجھ پر جو رکھیں تو تو لیٹ جائیو! اور اگر تجھے ماریں تب بھی مت اٹھیو! اٹھیو اور گر پڑیو! جب وہ تجھے گھر لائیں اور تیرے آگے چارہ ڈالیں تو مت کھائیو! گویا تو بے حد کمزور ہے۔ اسی طرح دہ تین دن تک کھانا پینا چھوڑ دے' پھر تجھے بھی محنت مشقت سے آرام مل جائے گا۔

سوداگر ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ جب چرواہا بیل کے پاس چارہ لایا تو اس نے صرف دو ایک منہ مارے اور بس۔ جب دوسرے دن صبح کو وہ بیل کو کھیت میں لے جانے کے لیے آیا تو اسے بے حد کمزور پایا۔ ہرواہا بہت اداس ہوا اور سمجھا کہ اس کی وجہ

یہ ہو گی کہ وہ کل دن بھر جتا رہا ہے۔ یہ خبر اس نے سوداگر کو پہنچائی اور کہا کہ
اے آقا' بیل آج کام کے قابل نہیں ہے۔ رات بھر اس نے چارہ چھوا تک نہیں۔
سوداگر سمجھ گیا کہ کیا معاملہ ہے اور کہنے لگا کہ اچھا' اس کی بجائے آج دن بھر گدھے
کو جوت۔ جب دن بھر جتنے کے بعد گدھا شام کو گھر آیا تو بیل نے اس کی مہربانی
کا بہت شکریہ ادا کیا کیونکہ اس کی وجہ سے وہ دن بھر عیش و آرام سے رہا۔ لیکن گدھے
نے کچھ جواب نہ دیا اور دل ہی دل میں شرمندہ تھا۔ جب گدھا دن بھر کا تھکا ماندہ
گردن ڈالے ہوئے واپس آیا تو بیل نے اسے دیکھ کر پھر اس کا شکریہ ادا کیا اور اس
کی تعریف کی۔ گدھے نے کہا کہ سن میں تیری خیر خواہی چاہتا ہوں' اس لیے میں
تجھ سے یہ کہتا ہوں کہ میں نے مالک کو کہتے سنا ہے کہ اگر بیل اپنی جگہ سے اٹھنے
کے قابل نہ رہا ہو تو اسے قصاب کے حوالے کر دینا چاہیے تاکہ وہ اسے ذبح کر
ڈالے اور اس کی کھال کے ٹکڑے کر ڈالے۔ اس لیے مجھے تجھ پر ترس آتا ہے اور
میں تجھے محض نصیحت کرتا ہوں اور بس۔
جب بیل نے گدھے کو یہ کہتے سنا تو اس نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہنے لگا کہ کل
میں ان کو پریشان نہ کروں گا۔ اس روز اس نے سارے چارے کو صفا چٹ کر دیا۔
یہاں تک کہ خالی توبڑا چاٹنے لگا۔ مالک یہ ساری باتیں سن رہا تھا۔ جب صبح ہوئی تو
سوداگر اپنی بیوی کے ساتھ بیل کے تھان پر گیا۔ اتنے میں ہرواہا آیا اور بیل کو لے
کر جانے لگا۔ جب بیل نے آقا کو دیکھا تو اکڑ کر چلنے اور ریح خارج کرنے لگا۔ اس
پر سوداگر کو اتنی ہنسی آئی کہ اس کے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ اس کی بیوی نے کہا
کہ تم کس بات پر ہنستے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ ایک راز کی بات ہے جو میں نے
سنی اور دیکھی ہے۔ اور اگر میں اسے ظاہر کر دوں تو مر جاؤں گا۔ بیوی نے کہا کہ
خواہ تم مر ہی کیوں نہ جاؤ تمہیں اپنی ہنسی کی وجہ ضرور بتانی پڑے گی۔ اس نے دوبارہ
کہا کہ مرنے کے ڈر سے میں اظہار نہیں کر سکتا۔ بیوی نے کہا کہ ہو نہ ہو تم
مجھ پر ہنستے ہو۔ پھر اس نے اتنا اصرار کیا کہ سوداگر مجبور ہو گیا۔ اس نے اپنے بیٹے

بیٹیوں کو جمع کیا اور قاضی اور گواہوں کو بلوایا اور یہ ٹھان لی کہ آخری وصیت کر دے اور بیوی کو راز بتا دے اور جان دے دے' کیونکہ وہ اسے بہت پیاری تھی اور اس کی چچیری بہن اور اس کی اولاد کی ماں تھی اور اس کی عمر ایک سو بیس سے زیادہ ہو چکی تھی۔ اس نے سارے اہل و عیال اور محلے والوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ میرے پاس ایک بھید ہے جس کسی کے پاس یہ بھید ہو اور وہ اسے ظاہر کر دے تو اس کی سزا موت ہے۔

اس پر تمام حاضرین نے بیوی سے کہا کہ خدا کے لیے اس بات کو جانے دو! خدانخواستہ کہیں تمہارا شوہر اور تمہارے بچوں کا باپ مر نہ جائے۔ بیوی نے کہا کہ اسے اپنا بھید بتانا پڑے گا خواہ وہ مر ہی کیوں نہ جائے۔ یہ سن کر وہ سب خاموش ہو گئے۔ سوداگر اٹھا اور جانور خانے کی طرف گیا تاکہ وضو کرے اور واپس آئے اور راز کہے اور مر جائے۔ اس کے یہاں ایک مرغا اور پچاس مرغیاں تھیں اور ایک کتا۔ سوداگر نے سنا کہ کتا مرغے کو سخت سست کہہ رہا اور گالیاں دے رہا اور چلا کر کہہ رہا ہے کہ تو خوشیاں منا رہا اور ہمارا آقا مرنے جا رہا ہے۔ مرغے نے کتے سے کہا کہ یہ کیونکر؟ کتے نے مرغے کے آگے سارا ماجرا شروع سے آخر تک کہہ ڈالا۔ مرغے نے کہا واللہ ہمارا آقا بھی کیسا ناسمجھ آدمی ہے۔ مجھے تو دیکھ کہ میری پچاس بیویاں ہیں۔ کبھی ایک کو راضی کرتا اور کبھی دوسرے کے ساتھ صلح کرتا ہوں۔ آقا کے پاس تو ایک ہی بیوی ہے' پھر بھی اس کے آگے اس کی نہیں چلتی۔ وہ ایسا کیوں نہیں کرتا کہ شہتوت کی چھڑیاں توڑے اور اسے تہہ خانے میں لے جا کر اتنی چھڑیاں لگائے کہ یا تو وہ مر جائے یا توبہ کرے کہ اب میں تجھ سے کچھ نہیں پوچھتی۔ سوداگر نے یہ سن کر شہتوت کی چھڑیاں توڑیں اور تہہ خانے میں چھپا دیں۔ اس کے بعد وہ اپنی بیوی کو لے کر اس میں داخل ہوا اور اس سے کہنے لگا کہ میں چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ راز یہاں تہہ خانے میں کہوں اور یہیں مر جاؤں تاکہ کوئی اور مجھے نہ دیکھے۔ پھر اس نے کواڑ بند کر دیے اور اپنی بیوی کو اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گئی اور کہنے

لگی کہ میں توبہ کرتی ہوں اور وہ اس کے ہاتھ پاؤں جوڑنے اور توبہ کرنے لگی۔ آخر کار دونوں تہہ خانے سے نکل آئے اور تمام لوگ خوش ہو گئے اور مرتے دم تک دونوں نے ہنسی خوشی زندگی بسر کی۔

جب وزیر زادی نے اپنے باپ کی یہ باتیں سنیں تو کہنے لگی کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو' اب اس سے مفر نہیں۔ وزیر اسے بنا سنوار کر بادشاہ کے پاس لے گیا۔ جاتے وقت وہ اپنی چھوٹی بہن سے کہتی گئی کہ جب میں بادشاہ کے پاس پہنچوں گی تو تجھے بلا بھیجوں گی اور جب تو آئے اور دیکھے کہ بادشاہ اپنی ضرورت مجھ سے پوری کر چکا ہے تو تو کہیو کہ اے بہن' کوئی کہانی سنا کہ رات کٹے۔ میں تجھے ایک کہانی سناؤں گی اور خدا نے چاہا تو وہی ہم سب کی نجات کا باعث ہو گا۔ جب وزیر اپنی بیٹی کو لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا اور بادشاہ نے اسے دیکھا تو باغ باغ ہو گیا اور کہنے لگا کہ تو نے میری ضرورت پوری کر دی؟ وزیر نے کہا کہ جی حضور۔ جب بادشاہ نے کہا کہ کیوں روتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بادشاہ سلامت' میری ایک بہن ہے' میں چاہتی ہوں کہ اس سے رخصت ہو لوں۔ بادشاہ نے اسے بلوا بھیجا اور وہ اپنی بہن کے پاس آئی اور اس سے بغل گیر ہوئی اور تخت کے پاس نیچے بیٹھ گئی۔ بادشاہ اٹھا اور اس نے لڑکی کی بکارت زائل کی۔ پھر تینوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ چھوٹی بہن نے کہا کہ اے بہن کوئی کہانی سنا کہ ہم سب کی رات کٹے۔ اس نے جواب دیا کہ بسرو چشم بشرطیکہ بادشاہ سلامت اجازت دیں۔ بادشاہ رنجیدہ تھا لیکن جب اس نے دونوں کی باتیں سنیں تو کہانی سننے کے خیال سے خوش ہو گیا اور اس کو اجازت دے دی۔

○○○

پہلی رات

شہر زاد نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ کہتے ہیں کہ ایک سوداگر تھا۔ اس کا کاروبار اور بیوپار بہت سے ملکوں میں پھیلا ہوا تھا۔ ایک روز وہ سوار ہو کر کسی ملک کی طرف روانہ ہوا۔ جب گرمی تیز پڑنے لگی تو وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور اس نے اپنی خرجی میں ہاتھ ڈالا اور ایک ٹکرا روٹی کا اور ایک چھوارا نکالا اور اس روٹی کے ٹکڑے اور چھوارے کو کھانے لگا۔ جب کھانے سے فارغ ہوا تو اس نے گٹھلی پھینک دی۔ اب کیا دیکھتا ہے کہ ایک دیو سامنے آکھڑا ہوا' لمبا تڑنگا' ہاتھ میں ننگی تلوار لیے ہوئے۔ دیو سوداگر کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اٹھ' جس طرح تو نے میرے بیٹے کو قتل کیا ہے' میں بھی تجھے قتل کروں گا۔ سوداگر نے کہا کہ میں نے تیرے بیٹے کو کیونکر قتل کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب تو نے چھوارا کھایا اور اس کی گٹھلی پھینکی تو وہ میرے بیٹے کے سینے پر جا کر لگی اور وہ فوراً مر گیا۔ سوداگر نے کہا کہ اناللہ واناالیہ راجعون۔ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔ اگر میں نے اسے قتل کیا تو بے جانے بوجھے' مجھے معاف کر! دیو نے کہا میں تجھے قتل کر کے رہوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے سوداگر کو پکڑ کر کھینچا اور اسے زمین پر پٹخ دیا اور تلوار کھینچ لی کہ اس پر وار کرے۔ سوداگر رونے لگا اور اس نے کہا کہ میں اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں اور یہ اشعار پڑھنے لگا:

"دنیا میں دو ہی دن ہیں' ایک آرام کا ایک تکلیف کا۔ زندگی کے دو حصے ہیں' ایک صاف' ایک گدلا۔"

"جو شخص ہم پر یہ الزام لگاتا ہے کہ ہم کو زمانہ الٹتا پلٹتا رہتا ہے اس سے کہ دو کہ زمانہ اسی کی مخالفت کرتا ہے جس سے وہ خوف کھاتا ہے۔"

"تو نے یہ نہیں دیکھا کہ جب آندھیاں چلتی ہیں تو وہی درخت گرتے ہیں جو تناور ہوتے

ہیں؟"

"تو نے کبھی سمندر کو بھی دیکھا ہے کہ مردار چیز اس کے اوپر تیرنے لگتی ہے اور موتی ڈوب کر اس کی اتھاہ میں پہنچ جاتے ہیں۔"

"اگر زمانہ ہم کو ادھر ادھر پھینکتا اور اپنی بدذاتی سے ہمیں نقصان پہنچاتا رہتا ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ آسمان بے بے گنتی ستارے ہیں مگر گرہن چاند اور سورج ہی کو لگتا ہے۔"

"زمین پر خشک اور تر نباتات کی انتہا نہیں مگر پتھر اسی درخت پر پھینکے جاتے ہیں جس میں پھل لگے ہوں۔"

"اگر زمانہ نیکی کرتا ہے تو تو اس کی طرف نیک گمان کرتا ہے اور جو برائی تجھے تقدیر دکھاتی ہے' اس سے خوف نہیں کھاتا۔"

جب سوداگر یہ اشعار پڑھ چکا تو دیو نے کہا کہ بس اب زیادہ باتیں نہ بنا۔ خدا کی قسم میں تجھے مار کر چھوڑوں گا۔ سوداگر نے کہا کہ اے دیو' تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میرے اوپر قرضہ بھی ہے اور میرے پاس بہت سا مال بھی ہے۔ میری بیوی ہے اور بچے اور میرے پاس لوگوں کی مانتیں ہیں۔ مجھے گھر جانے دے تاکہ میں سارا حساب بے باق کر سکوں اور ٹھیک ایک سال کے بعد میں تیرے پاس واپس آ جاؤں گا۔ میں خدا کو حاضر و ناضر جان کر کہتا ہوں کہ میں ضرور آؤں گا پھر تیرا جو جی چاہے' میرے ساتھ کیجیو۔ اس کی گواہی میں' میں خدا کو پیش کرتا ہوں۔ دیو نے اس پر یقین کیا اور اسے جانے دیا۔

سوداگر اپنے شہر میں واپس آیا اور تمام تعلقات منقطع کیے اور حق والوں کو ان کے حقوق دیئے اور بیوی بچوں کو سارے واقعات سنائے اور سال کے آخر تک ان کے ساتھ رہا۔ پھر وہ جانے کے لیے آمادہ ہو گیا' وضو کیا' اور کفن اپنے بغل میں دبایا اور اپنے اہل و عیال اور پڑوسیوں اور عزیز و اقارب کو خدا حافظ کہا اور ہمت کر کے نکل کھڑا ہوا۔ لوگ بہت روئے پیٹے' لیکن وہ چلتا ہوا اسی باغ میں پہنچ گیا۔ یہ دوسرے سال کا پہلا دن تھا۔ جب وہ بیٹھا ہوا اپنی حالت پر افسوس کر رہا اور ہاتھ مل رہا تھا تو کیا

دیکھتا ہے کہ ایک بڈھا ایک ہرنی کو زنجیر سے باندھے ہوئے سامنے آیا اور سلام کیا اور کہا کہ تو اس جگہ اکیلا کیوں بیٹھا ہوا ہے؟ یہاں تو جنات رہتے ہیں۔ سوداگر نے اس سے سارا ماجرا بیان کر دیا جو اس کے اور دیو کے درمیان پیش آیا تھا۔ ہرنی والے بڈھے کو سخت تعجب ہوا اور وہ کہنے لگا کہ خدا کی قسم' اے میرے بھائی' تیرا ماجرا بھی عجیب و غریب ہے اور تیرا قصہ ایک اعجوبہ۔ اگر یہ قصہ سوئیوں سے آنکھوں کے کونوں میں لکھا جائے تو لوگوں کے لیے بڑی عبرت کا باعث ہو گا۔ پھر وہ بڈھا سوداگر کے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ بھائی' جب تک میں یہ نہ دیکھ لوں کہ تیرے اور اس دیو کے درمیان کیا ماجرا گزرا' میں تیرے پاس سے نہ ہٹوں گا۔ پھر دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور وہ سوداگر نہایت مغموم اور خائف تھا اور وہ بڈھا اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک دوسرا بڈھا آیا جس کے ساتھ دو کتے تھے' کالے اور شکاری' اس نے ان دونوں شخصوں کو سلام کیا اور ان کا حال پوچھا اور کہا کہ تم لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ یہاں تو دیو جن رہتے ہیں۔ انہوں نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ ابھی وہ بیٹھے ہی تھے کہ تیسرا بڈھا آیا۔ اس کے ساتھ سبز رنگ کا ایک خچر تھا۔ اس نے انہیں سلام کیا اور پوچھا کہ تم لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟ انہوں نے سارا قصہ شروع سے آخر تک بیان کر دیا (اور اے میرے بزرگو' دہرانے میں کوئی فائدہ نہیں) وہ بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا کہ اتنے میں غبار اٹھا اور سخت آندھی چلنے لگی۔ غبار پھٹا اور اس میں سے وہی دیو نکلا۔ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی اور اس کی آنکھوں سے انگارے نکل رہے تھے۔ وہ ان کی طرف لپکا اور اس کے درمیان میں سے اس سوداگر کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لیا اور اس سے کہنے لگا کہ ادھر آ' تاکہ میں تجھے قتل کروں جس طرح تو نے میرے لخت جگر' میرے بیٹے کو قتل کیا ہے۔ سوداگر رونے پیٹنے لگا اور وہ تینوں بڈھے بھی روتے اور واویلا کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پہلا بڈھا جس کے پاس ہرنی تھی' آگے بڑھا اور دیو کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر کہنے لگا کہ اے دیو' اور دیوؤں کے سرتاج' میں تجھ سے اپنا اور اس ہرنی کا قصہ

بیان کرتا ہوں۔ اگر وہ تجھے عجیب و غریب معلوم ہو تو اس سوداگر کا تہائی خون بخش دیجیو۔ اس نے کہا کہ بہت خوب' اے بڈھے' تو قصہ بیان کر۔ اگر وہ مجھے عجیب و غریب معلوم ہو گا تو میں اس سوداگر کا تہائی خون بخش دوں گا۔

○ پہلے بڈھے کا قصہ

بڈھے نے کہا اے دیو' سن! یہ ہرنی میری چچیری بہن اور میرا گوشت و پوست ہے۔ اس کی شادی اس وقت ہوئی جب وہ کمسن تھی۔ تقریباً تیس سال تک میں اس کے ساتھ رہا لیکن کوئی اولاد نہ ہوئی۔ پھر میں نے ایک لونڈی سے ہم بستری کی اور اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا' جو چودھویں رات کے چاند کی طرح تھا اور جس کی آنکھیں اور بھویں اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔ جب وہ بڑھ کر پندرہ سال کا ہوا تو اس وقت مجھے بعض شہروں کے دورہ کرنے کی ضرورت پیش آئی' اور میں سوداگری کا سامان لے کر روانہ ہو گیا۔ یہ میری چچیری بہن بچپن سے جادو ٹونا جانتی تھی۔ اس نے میرے لڑکے کو جادو کے زور سے بچھڑا بنا دیا اور اس کی ماں کو گائے' اور دونوں کو چرواہے کے سپرد کر دیا۔ جب ایک مدت کے بعد سفر سے لوٹا تو میں نے اپنے بیٹے اور اس کی ماں کا حال پوچھا۔ اس نے کہا کہ تیری بیوی مر گئی اور تیرا لڑکا نہ معلوم کہاں بھاگ گیا۔ میں نہایت غمگین اور آب دیدہ رہنے لگا' یہاں تک کہ ایک سال گزر گیا اور بڑی عید آئی۔ میں نے چرواہے کو بلا بھیجا اور اسے حکم دیا کہ ایک موٹی تازی گائے لائے۔ وہ ایک موٹی تازی گائے لے آیا اور وہ گائے وہی لونڈی تھی جس پر اس ہرنی نے جادو کیا تھا۔ جب میں قربانی کرنے کے لیے آمادہ ہوا اور چھری ہاتھ میں لی کہ اس کو ذبح کروں تو وہ چلانے اور شور مچانے لگی۔ مجھے تعجب ہوا اور اس پر ترس آیا اور میں نے ہاتھ روک لیا اور چرواہے سے کہا کہ دوسری گائے لا۔ اس پر میری چچیری بہن چلا اٹھی کہ نہیں' اسی کو ذبح کر' اس سے اچھی اور موٹی تازی ہمارے پاس کوئی

اور گائے نہیں ہے۔ میں دوبارہ اسے ذبح کرنے کے لیے اٹھا' لیکن وہ پھر چلانے لگی۔ میں نے چرواہے سے کہا کہ لے تو اس کو ذبح کر اور اس کی کھال کھینچ۔ اس نے ذبح کیا اور اس کی کھال کھینچی' لیکن سوائے کھال اور ہڈیوں کے نہ تو اس میں گوشت نکلا اور نہ چربی۔ اسے ذبح کر کے میں نہایت پچھتایا۔ لیکن اب پچھتانے سے کیا ہوتا تھا۔ میں نے وہ گائے اسی چرواہے کے حوالے کر دی اور اس سے کہا کہ اچھا ایک موٹا تازہ بچھڑا لا۔ وہ میرے لڑکے کو لے آیا۔ جب بچھڑے نے مجھے دیکھا تو وہ رسی تڑا کر میرے پاس آ گیا اور میرے سامنے زمین پر لوٹنے اور چلانے اور رونے لگا۔ مجھے ترس آ گیا اور میں نے چرواہے سے کہا کہ کوئی اور گائے لا اور اس کو چھوڑ دے۔ یہ سنتے ہی یہ ہرنی جو میری چچیری بہن ہے' میرے اوپر چلا کر دوڑی اور کہنے لگی کہ تجھے اس بچھڑے کو ذبح کرنا ہو گا۔ آج کا دن مبارک دن ہے جس میں صرف عمدہ جانور ذبح کیا جاتا ہے' اور ہمارے بچھڑوں میں سے نہ تو کوئی اس سے زیادہ موٹا تازہ ہے اور نہ خوبصورت۔ میں نے کہا کہ دیکھ' اس گائے میں کیا نکلا جس کو میں نے تیرے کہنے پر ذبح کیا تھا؟ ہمیں کچھ بھی ہاتھ نہ لگا اور ذبح کر کے الٹا پچھتانا پڑا۔ اب میں تیری بات ہرگز نہ مانوں گا اور میں بچھڑے کو ذبح نہ کروں گا۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم' آج سے مبارک دن میں تجھے اسی کو ذبح کرنا پڑے گا' اور اگر تو نے ذبح نہ کیا تو آج سے نہ تو میرا شوہر ہے اور نہ میں تیری بیوی۔ جب میں نے اس سے اس طرح کی سخت بات سنی اور اس کے دل کی مجھے خبر نہ تھی' تو میں ہاتھ میں چھری لے کر بچھڑے کی طرف بڑھا۔

جب شہر زاد یہاں تک بیان کر چکی تو اس کی صبح ہوتی ہوئی نظر آئی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔ بہن نے کہا کہ تیری کہانی کیسی اچھی اور عمدہ اور مزے دار اور میٹھی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اگر بادشاہ سلامت نے مجھے زندہ چھوڑا تو کل کی کہانی اس سے بڑھ چڑھ کر ہو گی۔ بادشاہ نے اپنے دل میں کہا

کہ خدا کی قسم، جب تک میں باقی کہانی نہ سن لوں گا، ہرگز قتل نہ کروں گا۔ پھر ان دونوں نے وہ باقی رات ہم آغوش ہو کر گزاری۔ جب صبح ہوئی تو بادشاہ دربار میں آیا اور وزیر بغل میں کفن دبائے حاضر ہوا۔ بادشاہ نے احکام جاری کیے اور کسی کا تقرر کیا اور کسی کو برخاست کیا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ مگر وزیر کو سخت تعجب ہوا۔
اب دربار برخاست ہوا اور شہر یار بادشاہ اپنے محل میں داخل ہوا۔

ooo

• دوسری رات

جب دوسری رات ہوئی تو دنیا زاد نے اپنی بہن شہر زاد سے کہا کہ بہن' اپنی وہ کہانی سوداگر اور دیو والی پوری کر۔ اس نے کہا بسرو چشم بشرطیکہ بادشاہ سلامت مجھے اجازت

دیں۔ بادشاہ نے کہا کہ ہاں کہہ! اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ اور اے رہبر آقا' میں نے سنا ہے کہ جب سوداگر نے بچھڑے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو اس کا دل کڑھا اور اس نے چرواہے سے کہا کہ اس بچھڑے کو لے جا کر اور جانوروں میں چھوڑ دے۔

بڈھا اس قصے کو دیو سے بیان کر رہا تھا اور دیو کو اس عجیب و غریب قصے پر تعجب ہو رہا تھا۔ ہرنی والے بڈھے نے کہا کہ اے دیوؤں کے سرتاج' یہ باتیں ہو رہی تھیں اور میری چچیری بہن یہ ہرنی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی اور کہتی جاتی تھی کہ اسی بچھڑے کو ذبح کر کیونکہ وہ بہت موٹا تازہ ہے۔ لیکن میرا دل اس کے ذبح کرنے کے خیال سے کڑھتا تھا۔ میں نے چرواہے کو حکم دیا کہ اسے لے جا! اور وہ اسے لے کر چلتا ہوا۔ دوسرے روز میں بیٹھا ہوا تھا کہ چرواہا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے آقا میں آپ کو ایک خوش خبری دینے آیا ہوں۔ کیا اس کے بدلے آپ بھی مجھے کوئی خوش خبری دیں گے؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ سنیے! میری ایک بیٹی ہے۔ اس نے بچپن ہی میں ایک بڑھیا سے جو میرے یہاں تھی' جادو سیکھا ہے۔ کل جب آپ نے مجھے بچھڑا دیا تو میں اسے لے کر اپنے گھر اپنی بیٹی کے پاس گیا۔ اس نے اسے دیکھ کر اپنا منہ چھپا لیا اور پہلے رونے پھر ہنسنے لگی اور کہا کہ ابا' کیا میں تیرے آگے اتنی ذلیل ہو گئی ہوں کہ تو میرے پاس پرائے مردوں کو لاتا ہے۔ میں نے کہا کہ پرایا مرد کون ہے؟ اور اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے تو رونے اور پھر ہنسنے لگی؟ اس نے کہا کہ یہ بچھڑا جو تیرے ساتھ ہے' وہ ہمارے آقا کا بیٹا ہے

جو جادو کے زور سے بچھڑا بنایا گیا ہے اور خود اس کی سوتیلی ماں نے اس پر اور اس کی ماں پر جادو کیا ہے۔ یہ ہے سبب میرے ہنسنے کا۔ اور رونے کا سبب اس کی ماں ہے جسے خود اس کے باپ نے ذبح کیا ہے۔ یہ سن کر مجھے بے حد تعجب ہوا اور ابھی پو نہ پھوٹی تھی کہ میں آپ کے پاس آیا اور سارا ماجرا سنایا۔

اے دیو' جب میں نے چرواہے سے یہ باتیں سنیں تو میں اس کے ساتھ باہر نکلا اور مجھے اتنی خوشی تھی کہ میں بے پئے مست تھا۔ جب میں اس کے مکان پر پہنچا تو چرواہے کی بیٹی نے میرا خیر مقدم کیا اور میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ پھر بچھڑا میرے پاس دوڑا ہوا آیا اور زمین پر لوٹنے لگا۔ میں نے چرواہے کی لڑکی سے کہا کہ جو کچھ تو نے اس بچھڑے کی بابت کہا ہے کیا وہ سچ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جی ہوں' حضور وہ آپ کا بیٹا اور آپ کا لخت جگر ہے۔ میں نے کہا کہ اگر تو اسے اصلی شکل میں لے آئے تو میرا جس قدر مال اور مویشی تیرے باپ کے سپرد ہیں سب تیرے ہیں۔ وہ مسکرائی اور کہنے لگی کہ آقا بغیر دو شرطوں کے مجھے آپ کے مال کی ضرورت نہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ آپ اس کی شادی میرے ساتھ کر دیں۔ دوسری یہ ہے کہ جس نے اس پر جادو کیا ہے اس پر میں بھی جادو کروں اور اسے قید کروں ورنہ اس کے مکر سے میں محفوظ نہیں رہ سکتی۔

اے دیو' جب میں نے چرواہے کی بیٹی سے یہ باتیں سنیں تو میں نے کہا کہ علاوہ اس کے جو تو مانگتی ہے تمام جانور اور مال جو تیرے باپ کی سپردگی میں ہیں' سب تیرے ہیں اور میری چچیری بہن کا خون بھی تیرے لیے مباح ہے۔ جب اس نے یہ سنا تو وہ ایک کٹورا لائی اور اس میں پانی بھرا اور اس پر کچھ پڑھ کر پھونکا اور پانی کو بچھڑے کے اوپر چھڑکا اور کہا کہ اگر تو واقعی بچھڑا ہے اور خدا نے تجھے بچھڑا ہی پیدا کیا ہے تو اسی شکل میں رہ اور صورت تبدیل نہ کرو۔ اور اگر تجھ پر جادو کیا گیا ہے تو خدا کے حکم سے اپنی اصلی شکل میں آ جا! اس نے یہ کہا ہی تھا کہ بچھڑا اپنی شکل بدل کر انسان بن گیا۔ میں اس سے لپٹ گیا اور کہنے لگا کہ تجھے خدا کی قسم ہے کہ جو

کچھ میری چچیری بہن نے تیرے اور تیری ماں کے ساتھ کیا ہے سب بیان کرا اس نے ساری سرگزشت بیان کر دی۔ میں نے کہا کہ بیٹا' تیرے نجات دینے والے کو خدا نے اپنے پاس سے بھیجا ہے۔

اے دیو' اس کے بعد میں نے اس کی شادی چرواہے کی بیٹی سے کر دی۔ پھر اس نے میری چچیری بہن کو جادو کے زور سے اس ہرنی کی شکل میں تبدیل کر دیا اور مجھ سے کہنے لگی کہ یہی اچھی صورت ہے' بری ہوتی تو آنکھوں کو تکلیف پہنچتی۔ اس کے بعد چرواہے کی لڑکی رات دن ہمارے ساتھ رہنے لگی۔ یہاں تک کہ اللہ میاں نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ جب وہ فوت ہو گئی تو میرے لڑکے نے ہندوستان کا سفر کیا اور یہی اسی شخص کا وطن ہے جس کے اور تیرے درمیان یہ ماجرا پیش آیا ہے۔ اس سفر میں میں نے اپنی چچیری بہن ہرنی کو ساتھ لے لیا ہے اور اس کے ساتھ شہر شہر پھر رہا ہوں تا کہ اپنے بیٹے کا پتا لگاؤں' یہاں تک کہ قسمت مجھے یہاں لے آئی اور میں نے اس سوداگر کو دیکھا کہ یہاں بیٹھا رو رہا ہے۔ بس یہ ہے میرا قصہ۔ دیو نے کہا کہ یہ قصہ عجیب و غریب ہے اور میں نے تہائی خون بخش دیا۔

○ دوسرے بڈھے کا قصہ

اس کے بعد وہ بڈھا جس کے ساتھ دو شکاری کتے تھے آگے بڑھا اور دیو سے کہا کہ اب میں تجھ سے وہ ماجرا بیان کرتا ہوں جو میرے اور میرے دونوں بھائیوں اور ان دو کتوں کے ساتھ پیش آیا ہے۔ اگر تیرے خیال میں وہ عجیب و غریب ہو تو اس کا دوسرا تہائی خون بھی بخش دیجیو! دیو نے کہا کہ اگر تیرا قصہ بھی واقعی عجیب و غریب ہو گا تو میں ایسا ہی کروں گا۔ بڈھے نے کہا کہ اے دیوؤں کے سرتاج' سن! یہ دونوں کتے میرے دو بھائی ہیں اور میں تیسرا بھائی ہوں۔ جب ہمارے باپ نے وفات پائی تو ہمیں تین ہزار دینار ترکے میں ملے۔ میں نے ایک دوکان کھولی اور خرید و فروخت میں مشغول ہو گیا۔ اسی طرح میرے ان دونوں بھائیوں نے بھی دوکانیں کھولیں۔ کچھ دنوں

کے بعد میرے بعد بڑے بھائی نے جو ان کتوں میں سے ایک ہے اپنی دوکان کا سارا مال ایک ہزار دینار میں بیچ کر تجارت کا مال خریدا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ ایک سال گزرنے کے بعد ایک روز میں اپنی دوکان میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک فقیر آیا اور بھیک مانگنے لگا۔ میں نے جواب دیا کہ خدا تجھے زیادہ دے! وہ رو کر کہنے لگا کہ اب تو مجھے پہچانتا بھی نہیں۔ میں نے غور سے دیکھا تو وہ میرا بھائی تھا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا اور اس کا خیر مقدم کیا اور اس کو اپنی دوکان کے اندر لے آیا اور اس کی خیریت پوچھی۔ اس نے کہا کہ کچھ نہ پوچھ! میرا مال اب میرا مال نہیں اور میرا حال ظاہر ہے۔ میں نے اسے حمام میں بھیجا اور اپنے روزمرہ کے کپڑے اسے پہننے کے لیے دیئے اور اسے اپنے ساتھ ٹھہرایا۔ پھر میں نے اپنی دوکان کا بہی کھاتا کھولا اور خرید و فروخت کا جائزہ لیا۔ میں نے دیکھا کہ مجھے ایک ہزار دینار کا فائدہ ہوا ہے اور میری پونجی دو ہزار دینار ہے۔ یہ میں نے اپنے اور اپنے بھائی کے درمیان برابر تقسیم کی اور اس سے کہا کہ تو یہ خیال کر کہ تو نے گویا سفر نہیں کیا اور یہاں سے باہر نکلا ہی نہیں۔ اس نے قبول کیا اور خوش ہوا اور اپنی الگ دوکان کھولی۔ اس پر پھر ایک زمانہ گزر گیا۔ اب میرے دوسرے بھائی نے، جو دوسرا کتا ہے، اپنی ساری پونجی بیچ ڈالی اور سفر کی ٹھان لی۔ ہم نے اسے بہت روکنا چاہا مگر وہ نہ رکا۔ اس نے تجارت کا مال خریدا اور قافلے کے ساتھ روانہ ہو گیا اور ایک سال تک واپس نہ آیا۔ جب وہ ایک سال کے بعد لوٹا تو اسی طرح جس طرح کہ بڑا بھائی لوٹا تھا۔ میں نے کہا کہ بھائی، کیا میں نے تجھے مشورہ نہ دیا تھا کہ سفر نہ کر۔ وہ رونے لگا اور کہا کہ یہ قسمت کی بات ہے اب تو میں فقیر ہو گیا ہوں۔ میرے پاس ایک درہم بھی نہیں اور میں ننگا ہوں، میرے پاس پہننے کے لیے ایک کرتہ تک نہیں۔

اے دیو، میں اسے حمام میں لے گیا اور پہننے کے لیے اپنے روزمرہ کے کپڑے دیئے اور اسے اپنی دوکان میں لایا اور ہم دونوں نے ساتھ بیٹھ کر کھایا پیا۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ بھائی، میں ہر سال کے آخر میں ایک بار اپنی دوکان کا حساب کرتا ہوں۔

میرے پاس اصل سے جتنا زائد ہو گا اسے اپنے اور تیرے درمیان تقسیم کر دوں گا۔
اے دیو' یہ کہہ کر میں اٹھا اور حساب کیا تو دو ہزار دینار زائد نکلے۔ میں خدا کا شکر بجا لایا۔ ایک ہزار دینار میں نے اپنے بھائی کو دیئے اور ایک ہزار خود رکھے۔ میرے بھائی نے پھر ایک دوکان کھولی اور اسی طرح ہم سب زندگی بسر کرنے لگے۔ پھر ایک زمانے کے بعد دونوں بھائی میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ چلو ہم سب سفر میں چلیں! میں نے انکار کیا اور کہا کہ تم دونوں نے سفر میں کونسا تیر مارا ہے کہ مجھے بھی اس پر آمادہ کرنا چاہتے ہو۔ میں نے ان کی بات نہ مانی اور ہم تینوں اپنی اپنی دوکانوں میں خرید و فروخت کرتے رہے۔ ہر سال وہ مجھے سفر کی ترغیب دیتے تھے اور میں راضی نہ ہوتا تھا' یہاں تک کہ چھ سال گزر گئے۔ اب میں نے ان سے سفر کا وعدہ کر لیا اور کہا کہ بھائیو' چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ لیکن پہلے دکھاؤ کہ تمہارے پاس کتنا مال ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں' وہ سب کچھ فضول خرچی میں گنوا چکے ہیں' کیونکہ وہ دن رات کھانے پینے اور عیاشی میں مشغول رہتے تھے۔ میں نے ان سے اس بارے میں کچھ نہ کہا بلکہ اپنی دوکان کا حساب جانچا اور سارا مال نکالا تو چھ ہزار دینار نکلے۔ اس پر میں بہت خوش ہوا اور اس کے دو حصے کیئے اور ان سے کہا کہ ان تین ہزار دینار سے ہم تجارت کریں گے۔ باقی تین ہزار دینار میں نے زمین میں گاڑ دیئے تاکہ اگر میرا حال بھی انہیں کا سا ہوا تو واپس آکر ہم سب اپنی اپنی دوکانیں پھر کھول لیں گے۔ اسے سب نے منظور کیا اور میں نے دونوں بھائیوں کو ایک ایک ہزار دینار سپرد کر دیئے اور خود ایک ہزار دینار اپنے پاس رکھے۔ پھر ہم نے ضروری سامان خریدا اور سفر کی تیاری کر دی اور ایک کشتی کرائے پر لی اور اس پر سارا سامان لادا اور روانہ ہو گئے۔
دن گنتے گنتے پورے ایک مہینے کے بعد ہم اپنا مال لے کر ایک شہر میں داخل ہوئے اور ہمیں ایک میں دس کا فائدہ ہوا۔ جب ہم واپسی کے لیے سمندر کے کنارے پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک نوجوان لڑکی پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے سامنے آئی اور اس

نے میرے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہنے لگی کہ اے آقا' اگر تو میرے ساتھ نیکی کرے گا تو میں تجھے اس کا بدلہ دوں گی۔ میں نے کہا بہت خوب! میں چاہتا ہوں کہ نیکی کروں اور یہ بھی کہ تو مجھے اس کا بدلہ نہ دے۔ اس نے کہا کہ اے آقا' میرے ساتھ نکاح کر لے اور مجھے اپنے وطن لے چل' کیونکہ میں دل و جان سے تیری ہوں۔ میرے ساتھ نیک سلوک کر اور میں واقعی اس قابل ہوں کہ میرے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ میں تجھے نیکی کا بدلہ دوں گی۔ میری ظاہری صورت سے دھوکا مت کھا! جب میں نے اس کی باتیں سنیں تو مجھے اس پر ترس آیا اور میں نے اسے ساتھ لے لیا اور اسے کپڑے دیئے اور اس کے لیے کشتی میں نرم بچھونا بچھوایا اور اس کی عزت اور حرمت کی اور کشتی چل دی۔ مجھے اس سے بڑی محبت ہو گئی اور میں دن رات اس کے ساتھ رہنے لگا یہاں تک کہ اس کی وجہ سے میں اپنے بھائیوں کو بھی بھول گیا۔ اس وجہ سے وہ مجھ سے ناراض رہنے لگے اور میرے مال و دولت پر حسد کرنے لگے۔ اب وہ اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح میرے مال کو اپنے قبضے میں لائیں اور وہ آپس میں مجھے قتل کرنے اور میرا سارا مال لے لینے کے بارے میں کانا پھوسی کرنے لگے اور یہ ٹھان لی کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں اور میرا مال دبا بیٹھیں۔ اس فعل کو شیطان نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ان کے سامنے پیش کیا۔ ایک بار جب انہوں نے دیکھا کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ سو رہا ہوں تو انہوں نے ہم دونوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔

جب میری بیوی کی آنکھ کھلی اور اس نے ادھر ادھر دیکھا تو وہ جن بن گئی اور مجھے اٹھا کر ایک جزیرے میں لے آئی اور خود تھوڑی دیر کے لیے غائب ہو گئی۔ دوسرے دن صبح کو وہ لوٹی اور کہنے لگی کہ میں تیری لونڈی ہوں' میں ہی تجھے اٹھا لائی ہوں اور خدا کے حکم سے تجھ کو قتل ہونے سے بچایا ہے۔ سن! میں جن ہوں۔ میں نے تجھے دیکھا تھا اور تجھ پر عاشق ہو گئی تھی۔ میں خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہوں۔ یہی سبب ہے کہ میں تیرے پاس اس بھیس میں آئی تھی جس میں تو نے مجھے دیکھا

تھا' اور تیرے ساتھ نکاح کیا تھا۔ دیکھ' اب میں نے تجھے ڈوبنے سے بچایا ہے اور تیرے بھائیوں سے سخت ناراض ہوں اور ان کو بے مارے نہ چھوڑوں گی۔

جب میں نے اس کی باتیں سنیں تو مجھے سخت تعجب ہوا اور میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس سے کہا کہ میرے بھائیوں کا قتل کرنا ٹھیک نہیں۔ پھر میں نے اس سے سارا ماجرا بیان کر دیا جو میرے اور ان کے درمیان پیش آیا تھا۔ جب اسے سب باتیں معلوم ہو گئیں تو اس نے کہا کہ میں آج ہی رات اڑ کر ان کے پاس جاؤں گی اور ان کی کشتی کو ڈبو دوں گی اور ان کو مار ڈالوں گی۔ میں نے کہا تجھے خدا کی قسم' ایسا مت کر' کیونکہ مثل ہے کہ اے نیک کردار' بدکردار کے لیے خود اس کی بدکرداری کافی ہے۔ اور وہ تو بہرحال میرے بھائی ہیں۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم' میں ان کو بے مارے نہ چھوڑوں گی۔ میں نے آہستہ آہستہ اس کا غصہ ٹھنڈا کیا اور وہ مجھے لے کر اڑی اور میرے گھر کی چھت پر لے جا کر اتارا۔ میں نے دروازے کھولے اور جو زمین کے نیچے دفن کر آیا تھا اسے نکالا اور لوگوں سے صاحب سلامت کی اور اپنی دوکان پھر کھولی اور اس کے لیے مال خریدا۔

عشا کے وقت جب میں اپنے گھر واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ یہ دونوں کتے میرے گھر میں بندھے پڑے ہیں۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور رونے اور مجھ سے چمٹنے لگے۔ مجھے تو کچھ پتہ نہ تھا لیکن میری بیوی نے کہا کہ یہ تیرے بھائی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ ان پر جادو کس نے کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں اپنی بہن کو بلا کر لائی تھی' اس نے جادو کیا ہے اور یہ دس سال سے پہلے چھٹکارا نہ پائیں گے۔ اب دس سال ہونے کو آئے ہیں اور میں اس کے پاس ان کے چھٹکارے کے لیے جا رہا تھا کہ یہاں میں نے اس جوان کو دیکھا اور اس نے مجھے اپنا ماجرا سنایا اور میں ٹھہر گیا کہ دیکھوں تو کہ تیرے اور اس کے درمیان کیا پیش آتا ہے۔ یہ ہے میرا قصہ۔ یہ سن کر دیو نے کہا کہ یہ قصہ واقعی عجیب و غریب ہے اور میں تیری خاطر اس کا دوسرا تہائی خون اور گناہ معاف کرتا ہوں۔

○ تیسرے بڈھے کا قصہ

تیسرے' خچر والے بڈھے نے کہا کہ میں تجھ سے ایک ایسا قصہ بیان کرتا ہوں جو پہلے دونوں قصوں سے زیادہ عجیب و غریب ہے اور اے دیو' تو اس کا باقی خون اور گناہ بھی بخش دیجیو! دیو نے کہا کہ بہت خوب۔ اس نے کہا کہ اے بادشاہ اور جنات کے سردار' یہ خچر میری بیوی ہے۔ ایک بار میں سفر پر گیا اور پورے سال تک اس سے جدا رہا۔ جب میں سفر سے واپس آیا اور رات کے وقت گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک حبشی غلام کے ساتھ پلنگ پر پڑی لیٹی ہوئی ہے اور دونوں میں راز و نیاز اور ہنسی مذاق ہو رہا ہے اور دونوں ایک دوسرے سے گتھے ہوئے ہیں۔ جونہی اس نے مجھے دیکھا' وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور ایک پانی بھرا لوٹا لائی اور اس پر کچھ پڑھ کر میرے اوپر چھڑک دیا اور کہنے لگی کہ اپنی صورت بدل کر کتے کی صورت بن جا! میں فوراً کتا بن گیا اور اس نے مجھے دھتکار کر گھر سے نکال دیا۔ میں دروازے سے باہر آیا اور چلتے چلتے ایک قصاب کی دوکان پر پہنچا اور ہڈیاں کھانے لگا۔ جب قصاب نے یہ دیکھا تو وہ مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا۔ جب قصاب کی بیٹی نے مجھے دیکھا تو اس نے میرے سامنے اپنا منہ چھپا لیا اور کہنے لگی کہ یہ تو مردوئے کو لے کر ہمارے پاس آیا ہے۔ باپ نے کہا کہ مردوا کہاں ہے۔ اس نے کہا کہ یہی کتا جس پر اس کی بیوی نے جادو کیا ہے' میں اسے اچھا کر سکتی ہوں۔ جب باپ نے اس کی باتیں سنیں تو کہنے لگا کہ بیٹی' تجھے خدا کی قسم' اسے اچھا کر دے! لڑکی نے ایک پانی بھرا لوٹا لیا اور اس پر کچھ پڑھ کر دم کیا اور اس میں سے تھوڑا سا میرے اوپر چھڑک دیا اور کہا کہ اس شکل کو بدل کر اپنی اصلی صورت میں آجا! میں پھر اصلی صورت میں آ گیا اور میں نے اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو میری بیوی پر جادو کر جس طرح اس نے مجھ پر کیا ہے۔ اس نے مجھے تھوڑا سا پانی دیا اور کہا کہ جب وہ سو رہی ہو' اس وقت یہ پانی اس پر چھڑک دیجیو اور جو چاہیو کہیو' وہ وہی ہو جائے

گی جو تو چاہے گا۔ میں وہ پانی لے کر اپنی بیوی کے پاس گیا اور اس کو سوتا پایا اور اس پر وہ پانی چھڑک دیا اور کہا کہ اپنی صورت بدل کر خچر کی صورت بن جا اور وہ فوراً خچر بن گئی اور وہ یہی ہے جسے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے' اے بادشاہ اور جنوں کے سرتاج! اس نے خچر سے کہا کہ کیا یہ سچ ہے؟ اس نے اپنا سر ہلایا اور اشارہ کیا' یعنی جی ہاں' یہ ہے میرا قصہ! جب وہ بیان کر چکا تو دیو خوشی کے مارے ناچنے لگا اور جو تہائی خون رہ گیا تھا' وہ بھی بخش دیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی' جس کی اسے اجازت ملی تھی۔ اس کی بہن نے کہا کہ اے بہن! تیری کہانی کیسی اچھی اور عمدہ اور مزے دار اور میٹھی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اگر میں زندہ رہی اور بادشاہ سلامت نے مجھے قتل نہ کیا تو جو کہانی میں کل رات تم لوگوں سے بیان کروں گی اس میں اور اس میں زمین آسمان کا فرق ہو گا۔ بادشاہ نے کہا کہ خدا کی قسم! جب تک میں اس سے باقی کہانی نہ سن لوں گا' اس وقت تک اسے قتل نہ کروں گا' کیونکہ یہ کہانی بڑی نرالی ہے۔ پھر وہ دونوں صبح تک ایک دوسرے کے گلے لگے رہے۔ اس کے بعد بادشاہ دربار میں داخل ہوا اور لشکر اور وزیر حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے دربار کیا اور شام تک احکام صادر کرتا رہا۔ کسی کو عہدہ دیا اور کسی کو برخاست کیا اور کسی بات کی ممانعت کی اور کسی کا حکم دیا۔ پھر دربار برخاست ہوا اور شہر یار بادشاہ اپنے محل میں گیا۔ جب رات ہوئی تو اس نے وزیر زادی سے اپنی ضرورت پوری کی۔

○○○

• تیسری رات

جب تیسری رات ہوئی تو اس کی بہن دنیا زاد نے کہا کہ اے بہن' اپنی کہانی ختم کر۔
اس نے جواب دیا کہ بسرو چشم۔ اے نیک بخت بادشاہ ------ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ

تیسرے بڈھے نے پہلے دو قصوں سے زیادہ عجیب و غریب قصہ دیو سے بیان کیا۔ دیو
بے حد خوش ہوا اور خوشی کے مارے ناچنے لگا اور کہا کہ میں نے اس کا باقی گناہ تیری
خاطر بخش دیا اور تم لوگوں کی خاطر اسے جانے دیتا ہوں۔ سوداگر بڈھوں کے پاس آیا۔
اور ان کا شکریہ ادا کیا' اور انہوں نے اس کی سلامتی پر مبارک باد دی اور وہ سب
اپنے اپنے وطن واپس گئے لیکن یہ کہانی ماہی گیر کی کہانی سے زیادہ انوکھی نہیں ہے۔
بادشاہ نے کہا' وہ کیسے؟

○ ماہی گیر کی کہانی

اس نے جواب دیا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ میں نے سنا ہے کہ ایک ماہی گیر
تھا جو بہت بوڑھا ہو چکا تھا' اور اس کی ایک بیوی اور تین اولادیں تھیں' اور وہ بہت
غریب تھا' اس کا دستور تھا کہ ہر روز صرف چار بار جال ڈالتا تھا' اس سے زیادہ نہیں۔
ایک روز تیسرے پہر کو وہ گھر سے نکلا اور سمندر کے کنارے پہنچا' اور اپنا ٹوکرا زمین
پر رکھ دیا' اور اپنا کرتہ اوپر چڑھایا اور سمندر میں گھسا اور اپنا جال پھینکا اور انتظار کرتا
رہا کہ وہ پانی میں بیٹھ جائے۔ جب اس نے تار جمع کئے تو اسے ایسا معلوم ہوا کہ
جال بھاری ہے۔ اس نے اسے کھینچنے کی کوشش کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا' تب
وہ خشکی کے کنارے آیا اور وہاں ایک کھونٹا گاڑا اور جال کو اس سے مضبوط باندھ
دیا۔ پھر اس نے اپنے کپڑے اتارے اور پانی میں غوطہ مارا اور جال کے آس پاس چکر

لگایا اور اس کو نکال کو چھوڑا اور خوش ہوا اور پانی سے باہر آیا اور اپنے کپڑے پہنے لیکن جب جال کے پاس پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس میں ایک مرا ہوا گدھا پھنسا ہوا ہے جس کی وجہ سے جال پھٹ گیا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ بہت غمگین ہوا اور لاحول پڑھی اور کہنے لگا کہ یہ روزی بھی انوکھی روزی ہے اور یہ اشعار پڑھنے لگا:

"اے اندھیری رات اور ہلاکت میں گھسنے والے' اتنی زیادہ تکلیف نہ اٹھا کیونکہ روزی دوڑ دھوپ سے نہیں ملتی۔

"تو یہ نہیں دیکھتا کہ ایک سمندر ہے اور ایک ماہی گیر' اس پر استادہ ہے اور ستارے کمر باندھے کھڑے ہیں؟"

"اب وہ اس میں غوطہ لگاتا ہے اور لہریں اسے تھپیڑے مارتی ہیں مگر اس کی نظر جال سے نہیں ہٹتی۔"

"یہاں تک کہ اس نے خوشی خوشی ساری رات گزار دی اور ایک مچھلی لے کر آیا' جس کا تالو خونخوار کانٹے سے پھٹ گیا تھا' اور اس مچھلی کو اس شخص نے خریدا جو سردی سے بچا ہوا ساری رات عیش و آرام سے بسر کر رہا تھا۔"

"سبحان اللہ! وہ ایک کو دیتا اور دوسرے کو محروم رکھتا ہے۔ ایک مچھلی پکڑتا ہے اور دوسرا اس کو کھاتا ہے۔"

اس کے بعد اس نے دل میں کہا کہ اٹھ! اس میں انشاءاللہ کوئی بھلائی ضرور ہو گی اور یہ اشعار پڑھنے لگا:

"جب تو تنگی میں مبتلا ہو تو بڑے لوگوں کی طرح صبر کا جامہ پہن۔

"یہی دانشمندی ہے۔

"خدا کی شکایت بندوں سے مت کر' کیونکہ ایسا کرنے سے تو رحیم کی شکایت غیر رحیم سے کرتا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے گدھے کو جال سے نکالا اور جال کو نچوڑا' جب اسے نچوڑ چکا تو اسے پھر پھیلایا اور سمندر میں غوطہ مارا اور بسم اللہ کہہ کر جال پھینکا اور انتظار کیا یہاں

تک کہ وہ پانی میں بیٹھ گیا اور بھاری پڑ گیا اور پہلے سے زیادہ پھنس گیا۔ وہ سمجھا کہ مچھلی ہے۔ اس نے جال کو باندھ دیا اور کپڑے اتارے اور پانی میں اترا اور غوطہ لگایا یہاں تک کہ اس کو خشکی پر لا کر چھوڑا۔ اس نے دیکھا کہ اس میں ایک بڑا مٹکا آیا ہے اور اس میں ریت اور مٹی بھری ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر وہ بہت غمگین ہوا اور یہ اشعار پڑھنے لگا:

"اے زمانے کی تیزی رک جا! اگر تو کسی اور کے روکے نہیں رکتی تو خود رک جا!"

"میں نے اپنی روزی کے لیے ہاتھ بڑھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ روزی ہاتھ سے نکل گئی۔"

"کتنے جاہل ہیں جو ثریا تک پہنچ گئے ہیں اور کتنے عالم خاک میں چھپے پڑے ہیں۔"

اس نے وہ مٹکا تو پھینک دیا اور جال کو نچوڑا اور اسے صاف کیا اور خدا سے مدد چاہی اور تیسری بار سمندر کی طرف گیا اور جال پھینکا اور انتظار میں بیٹھا رہا۔ جب جال بیٹھ گیا تو اس نے اسے کھینچا اور دیکھا کہ اس میں ٹھیکریاں اور شیشے کے ٹکڑے اور ہڈیاں آئی ہیں۔ اس پر اسے بڑا غصہ آیا اور وہ رو رو کر یہ اشعار پڑھنے لگا:

"رزق وہی ہے جو نہ کشادہ ہو اور نہ بستہ۔ روزی نہ علم سے ملتی ہے اور نہ لکھنے پڑھنے سے۔"

"خوشی اور روزی دونوں قسمت سے ملتی ہیں۔ کوئی زمین سبزہ زار ہوتی ہے اور کوئی بنجر۔"

"زمانے کی رفتار مہذب لوگوں کو پسپا کر دیتی ہے اور نااہل کو بلند۔"

"اے موت' آجا! کیونکہ جب شاہین زمین پر گرنے اور بطخیں اڑنے لگیں تو زمانہ رذیل ہو چکا ہے۔"

"یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے کہ پڑھا لکھا تو غریب ہو اور جاہل اپنی دولت پر اکڑتا پھرے۔"

"ایسی چڑیاں بھی ہوتی ہیں جو اپنی روزی کے لیے مشرق اور مغرب تک اڑتی پھرتی ہیں اور ایسی بھی جو چل نہیں سکتیں اور انہیں مزے مزے کے چارے ملتے ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا کہ خداوندا' تو جانتا ہے کہ میں اپنا

جال کسی روز چار بار سے زیادہ نہیں ڈالتا۔ آج تین بار تو ڈال چکا ہوں اور کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ اب اس بار تو میرے لیے روزی بھیج۔ اس نے خدا کا نام لے کر سمندر میں جال پھینکا اور بیٹھا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ وہ پانی میں بیٹھ گیا۔ اس نے اسے کھینچنا چاہا تو نہ کھنچا کیونکہ وہ تھاہ میں پھنس گیا تھا۔ اس نے لاحول پڑھی' یہ اشعار گانے لگا:

"تف ہے دنیا پر اگر اس کا یہی طور ہے۔ میں اس دنیا میں بلا اور تکلیف میں مبتلا ہوں۔"

"اگر کسی کی زندگی صبح کو صاف ستھری ہے تو رات ہوتے ہوتے زمانہ اس کا ہلاکت کا جام پلا دیتا ہے۔"

"واقعی' میری حالت پہلے ایسی تھی کہ اگر پوچھا جاتا کہ سب سے زیادہ عیش و آرام میں کون ہے تو جواب ملتا کہ میں۔"

اب اس نے اپنے کپڑے اتارے اور غوطہ مارا اور کوشش کرتے کرتے اسے خشکی پر لے آیا۔ اب جب اس نے جال کھولا تو اس میں سے ایک بھری ہوئی پیتل کی پیلی لٹیا نکلی۔ اس پر حضرت سلیمان بن داؤد علیہما اسلام کی مہر سیسے کے اوپر لگی ہوئی تھی۔ ماہی گیر اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ میں اسے پیتل والوں کے بازار میں لے جا کر بیچوں گا تو اس کے دام دس دینار ملیں گے۔ جب اس نے لٹیا کو ہلایا تو بھاری معلوم ہوئی اور چاروں طرف سے بند۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ دیکھوں تو سہی کہ اس لٹیا میں ہے کیا۔ اس کے بعد اسے بیچنے لے جاؤں گا۔ اس نے چھری نکالی اور سیسے پر مارنے لگا۔ یہاں تک کہ اسے لٹیا سے الگ کر کے ایک طرف پھینک دیا اور اس لٹیا کو ہلانے لگا تاکہ جو کچھ اس کے اندر ہو' نکل آئے لیکن جب اس میں سے کچھ نہ نکلا تو اسے تعجب ہوا۔ اب اس میں سے دھواں سا نکلتا نظر آیا جو آسمان کی طرف اٹھتا اور زمین پر چلتا جاتا تھا۔ جب سب کا سب دھواں نکل چکا اور یکجا ہوا اور اس میں حرکت پیدا ہوئی تو وہ ایک دیو بن گیا۔ اس کا سر بادلوں میں تھا اور پاؤں زمین میں دھنسے ہوئے تھے۔ اس کا سر گنبد کا سا تھا اور ہاتھ سینگوں کی کنگھیوں کے

ہے۔ پاؤں مسطول کے سے' منہ غار کا سا' دانت پتھروں کے سے' نتھنے لوٹوں کے سے۔ آنکھیں ایسی جیسے دو کالے چراغ' چہرہ تاریک اور تیوری چڑھی ہوئی تھی۔

جب ماہی گیر نے اس دیو کو دیکھا تو اس کے پٹھے تھرتھرانے اور دانت بجنے لگے اور تھوک خشک ہو گیا اور اسے اپنے آگے کچھ نہ سوجھتا تھا۔ جب دیو نے اسے دیکھا تو کہنے لگا کہ لا الہ الا اللہ و سلیمان نبی اللہ اور پھر کہا کہ اے اللہ کے نبی' مجھے قتل مت کر! اب میں کسی بات میں تیری مخالفت نہیں کروں گا اور تیرے سارے حکم بجا لاؤں گا۔ ماہی گیر نے اس سے کہا کہ اے خبیث! تو سلیمان نبی اللہ کہتا ہے حالانکہ ان کو مرے ہوئے اٹھارہ سو سال ہو چکے ہیں اور اب ہم آخری زمانے میں ہیں۔ بتا تو سہی کہ تیرا قصہ کیا ہے اور تو اس لٹیا میں کیوں کر آیا؟ جب اس خبیث نے ماہی گیر کی باتیں سنیں تو کہنے لگا کہ لا الہ الا اللہ اے ماہی گیر' میں تجھے ایک خبر سناتا ہوں۔ ماہی گیر نے کہا کہ وہ کیا خبر ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں تجھے ابھی بری سے بری موت ماروں گا۔ ماہی گیر نے کہا کہ اے دیوؤں کے سردار' اے مردود' اس خبر کے بدلے خدا تجھے ذلیل کرے! میں نے کون سی ایسی بات کی ہے کہ تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ میں نے تو تجھے لٹیا سے نکالا ہے اور تجھے سمندر کی تھاہ سے چھٹکارا دیا ہے اور تجھے لے کر خشکی پر آیا ہوں۔ دیو نے کہا' کہ بس! اگر کچھ تجھے کہنا ہے تو یہ کہہ کہ تو کون سے موت مرنا اور کس طرح قتل ہونا چاہتا ہے؟ ماہی گیر نے کہا کہ آخر تو مجھے کس گناہ کی سزا دیتا ہے؟ دیو نے جواب دیا کہ اچھا' میرا قصہ سن! ماہی گیر نے کہا کہ اچھا' کہہ! مگر اختصار کے ساتھ! کیونکہ میری جان منہ کو آ رہی ہے۔"

اس نے کہا کہ اچھا ماہی گیر' سن! میرا شمار نافرنبردار جنات میں سے ہے۔ میں نے اور صخرا الجنی نے حضرت سلیمان بن داؤد کی نافرمانی کی تھی۔ اس پر انہوں نے اپنے وزیر آصف بن برخیا کو میرے پاس بھیجا اور وہ مجھے زبردستی پکڑ کر لے گئے اور مجھے باوجود میرے غرور کے ذلیل کیا اور مجھے اپنے سامنے کھڑا رکھا۔ جب حضرت سلیمان نے

مجھے دیکھا تو انہوں نے مجھ سے خدا کی پناہ مانگی اور کہا کہ ایمان لا اور میری اطاعت کر۔ جب میں نہ مانا تو انہوں نے ایک لٹیا منگوائی اور مجھے اس میں بند کر دیا اور لٹیا کا منہ سیسے سے بند کر کے اس پر اسم اعظم کی مہر لگا دی اور جنات کو حکم دیا کہ مجھے سمندر کے بیچوں بیچ میں ڈال دیں۔ وہاں ایک سو برس تک میں اپنے دل میں کہتا رہا کہ جو کوئی مجھے نکالے گا' اس کو میں ہمیشہ کے لیے امیر بنا دوں گا۔ یہ سو برس گزر گئے اور کسی نے مجھے نکالا نہیں۔ جب دوسری صدی آئی تو میں نے کہا اب جو کوئی مجھے نکالے گا' اس کے لیے میں دنیا کے خزانے کھول دوں گا' لیکن پھر بھی کسی نے مجھے نہیں نکالا۔ اسی طرح اور چار سو سال گزر گئے۔ پھر میں نے کہا کہ جو کوئی اب مجھے نکالے گا' اس کی تین حاجتیں پوری کروں گا لیکن پھر بھی کسی نے مجھے نہیں نکالا۔ اس پر میں نہایت غضبناک ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر اب کسی نے مجھے نکالا تو میں اس کو مار ڈالوں گا اور اسے اختیار دوں گا کہ وہ بتائے کہ کون سی موت مرنا چاہتا ہے اور دیکھ اب تو نے مجھے نکالا ہے۔ مانگ کہ تو کون سی موت مرنا چاہتا ہے۔

جب ماہی گیر نے دیو کی باتیں سنیں تو اس نے کہا کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ میں نے تجھے نکالا بھی تو ان دنوں میں! پھر ماہی گیر نے کہا کہ میرے قتل سے باز آ! خدا تیرے قتل سے باز آئے گا اور مجھے نہ مار! کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا تجھ پر کوئی قاتل مسلط کر دے! اس خبیث نے کہا کہ میں تجھے بے مارے نہ چھوڑوں گا۔ ہاں یہ مانگ کہ تو کون سی موت مرنا چاہتا ہے۔ جب ماہی گیر کو موت کا یقین آ گیا تو وہ دیو کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اس احسان کی بنا پر مجھے معاف کر دے کہ میں نے تجھے رہائی دی ہے۔ دیو نے کہا کہ اسی رہائی دینے کی وجہ سے تو میں تجھے قتل کر رہا ہوں۔

ماہی گیر نے کہا کہ اے دیووں کے سردار' یہ اچھی رہی کہ میں تجھ سے بھلائی کروں اور تو اس کا بدلہ برائی سے دے۔ ہاں یہ مثل سچ ہے جو ان اشعار میں بیان ہوئی ہے:

"ہم ان کے ساتھ نیکی کرتے ہیں اور وہ الٹا بدلہ دیتے ہیں۔ اپنے سر کی قسم' رنڈیوں کا یہی دستور ہے۔"
"جو شخص نااہل کے ساتھ نیکی کرتا ہے تو بدلے میں برائی پاتا ہے۔"
جب دیو نے ماہی گیر کی باتیں سنیں تو کہنے لگا کہ بس اب زیادہ بک بک مت کر' موت سے تجھے چھٹکارا نہیں۔ ماہی گیر اپنے دل میں سوچنے لگا کہ یہ دیو ہے اور میں انسان۔ خدا نے مجھے پوری سمجھ دی ہے۔ میں بھی ترکیب اور سمجھ سے اس کے مارنے کی کوشش کرتا ہوں' جس طرح کہ وہ مکر اور بدذاتی سے مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ اس نے دیو سے کہا کہ کیا تو مجھے مار کر ہی چھوڑے گا؟ اس نے کہا کہ ہاں! ماہی گیر نے کہا کہ میں تجھے اسم اعظم کی قسم دیتا ہوں جو حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی پر کندہ ہے کہ میں تجھ سے ایک سوال کرتا ہوں اور تو مجھے ٹھیک ٹھیک جواب دے۔ اس نے کہا اچھا' مگر جوں ہی اس نے اسم اعظم کا ذکر سنا تو وہ پریشان ہو کر کانپنے لگا اور کہا کہ پوچھ' مگر اختصار کے ساتھ۔ اس نے کہا کہ کیا تو ہی اس لٹیا کے اندر تھا حالانکہ اس کے اندر نہ تیرا ہاتھ سما سکتا ہے اور نہ پاؤں۔ تو سارے کا سارا کیسے اندر آ گیا؟ دیو نے کہا کہ کیا تجھے یقین نہیں آتا کہ میں اس کے اندر تھا؟ ماہی گیر نے کا کہ جب تک اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لوں' میں تیری بات ہرگز نہیں مان سکتا۔
یہاں تک کہنے کے بعد شہر زاد نے دیکھا کہ صبح ہو رہی ہے اور اس نے کہانی کہنی بند کر دی' جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چوتھی رات

جب چوتھی رات ہوئی تو اس کی بہن نے کہا کہ بہن' اگر تجھے نیند نہ آتی ہو تو اپنی کہانی پوری کر دے۔ اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ میں نے سنا ہے کہ ماہی گیر نے دیو سے کہا کہ جب تک میں تجھے خود اپنی آنکھ سے اس کے اندر نہ دیکھ لوں' ہرگز مجھے یقین نہیں آ سکتا۔ دیو نے اپنے آپ کو جنبش دی اور دھواں بن کر سمندر کے اوپر پھیل گیا۔ پھر یکجا ہو کر آہستہ آہستہ لٹیا میں داخل ہونے لگا' یہاں تک کہ سارے کا سارا دھواں اس کے اندر سما گیا۔ ماہی گیر فوراً آگے بڑھا اور سیسے کی مہر شدہ ڈاٹ لے کر لٹیا کہ منہ پر لگا دی اور دیو سے پکار کر کہا کہ مانگ کون سی موت مرنا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم! میں تجھ کو اس سمندر میں پھینک دوں گا اور یہاں اپنے لیے ایک گھر بناؤں گا اور کسی کو اس جگہ مچھلیاں نہ مارنے دوں گا اور کہوں گا کہ اس میں ایک دیو ہے اور جو کوئی اسے نکالے گا' اس سے وہ کہے گا کہ مانگ' کون سی موت مرنا چاہتا ہے اور کس طرح قتل ہونا چاہتا ہے۔ جب دیو نے ماہی گیر کی باتیں سنیں اور اپنے آپ کو اندر پایا اور نکلنا چاہا اور نہ نکل سکا' کیونکہ حضرت سلیمان کی مہر اسے نکلنے نہ دیتی تھی اور اسے یقین ہو گیا کہ ماہی گیر نے مجھے دھوکے سے بند کیا ہے تو اس نے کہا کہ اے ماہی گیر' میں تو تیرے ساتھ مذاق کرتا تھا۔ ماہی گیر نے کہا کہ اے سب سے زیادہ رذیل اور ناپاک اور کمینے دیو' تو جھوٹا ہے۔ اب ماہی گیر لٹیا کو لے کر سمندر کی طرف بڑھا تو دیو نے کہا کہ ہائیں! ہائیں! تو یہ کیا کرتا ہے؟ ماہی گیر نے کہا کہ ہاں! ہاں! وہ خبیث گڑگڑانے لگا اور خوشامد کرنے لگا اور اس نے کہا' اے ماہی گیر' تو میرے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں تجھے سمندر میں پھینک دوں گا اور اگر تو اٹھارہ سو سال اور اس میں رہے

تو میں تجھے رہنے دوں گا' یہاں تک کہ قیامت آ جائے۔ اب میں تجھ سے ہرگز نہ کہوں گا کہ "مجھے زندہ رہنے دے' خدا تجھے سلامت رکھے! اور مجھے قتل نہ کرنا' کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا تجھے قتل کر ڈالے۔" اور تو میری بات نہ مانے اور میرے ساتھ بے وفائی کرے۔ اب خدا نے مجھے تیرے اوپر قابو دیا ہے اور اب میں تیرے ساتھ بے وفائی کرتا ہوں۔ دیو نے کہا کہ اگر تو مجھے کھول دے تو میں تیرے ساتھ بھلائی کروں گا۔ ماہی گیر نے کہا کہ تو جھوٹا ہے' اے مردود! میری اور تیری مثال ایسی ہے جیسے یونان بادشاہ کے وزیر اور دوبان حکیم کی۔ دیو نے کہا کہ یونان بادشاہ کا وزیر اور دوبان حکیم کون ہیں اور ان کا کیا قصہ ہے؟

○ یونان بادشاہ کے وزیر کی کہانی

ماہی گیر نے کہا کے اے دیو' سن! اگلے زمانے میں فارس اور روم کا ایک بادشاہ تھا۔ اس کا نام تھا یونان۔ اس کے پاس بے حد مال و دولت اور لاؤ لشکر تھا۔ وہ بڑے دبدبے والا تھا اور اس کے خراج گزار بہت سارے تھے لیکن اسے کوڑھ کی بیماری تھی اور حکیم اور طبیب اس کے علاج سے عاجز آ چکے تھے۔ وہ بہت سی دواؤں اور سفوف اور مالشوں کا استعمال کر چکا تھا لیکن کسی سے فائدہ نہ ہوا اور کوئی طبیب اسے اچھا نہ کر سکا۔ ایک بار یونان بادشاہ کے دارالسلطنت میں ایک بڑا اور بوڑھا حکیم آیا۔ اس کا نام دوبان حکیم تھا۔ اس نے یونانی' فارسی' رومی' عربی اور سریانی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اور طب اور نجوم اور ان کے اصول و قواعد میں بڑا ماہر تھا اور ان کے نفع و نقصان سے بخوبی واقف تھا اور مفید مضر نباتات اور جڑی بوٹیوں کی پہچان میں بڑی دسترس رکھتا تھا۔ فلسفی تھا اور طباعت وغیرہ کے ہر پہلو سے واقف۔

جب یہ حکیم شہر میں آیا اور کچھ دنوں وہاں رہا تو اس نے سنا کہ بادشاہ کو کوڑھ کی

بیماری ہے اور سارے حکیم اور طبیب اس کے علاج سے عاجز آ چکے ہیں۔ جب حکیم کو اس کی خبر پہنچی تو وہ رات بھر سوچتا رہا اور جب صبح ہوئی اور روشنی پھیلی تو اس نے اپنے بہترین کپڑے پہنے اور یونان بادشاہ کے پاس پہنچا اور اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ خدا تیری عزت آبرو اور دولت ہمیشہ قائم رکھے اور بہترین تقریر کی اور اپنا تعارف کرایا۔ اس کے بعد کہا کہ بادشاہ سلامت' مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے بدن میں کوئی مرض ہے اور بہت سے طبیب اس کے دور کرنے سے عاجز آ گئے ہیں۔ جب یونان بادشاہ نے یہ سنا تو اسے تعجب ہوا اور اس نے پوچھا کہ آخر پھر کس طرح علاج ہو گا؟ قسم ہے خدا کی اگر تو میرا مرض دور کر دے تو میں تجھے پشت ہا پشت تک دولت مند بنا دوں گا اور تجھے اپنا ہم پیالہ و ہم نوالہ بناؤں گا۔ پھر بادشاہ نے اسے خلعت عطا کیا اور اسے انعام و اکرام سے سرفراز کیا اور اس سے کہا کہ کیا تو مجھے بے دوا بے مالش اچھا کر دے گا؟ اس نے جواب دیا کہ جی ہاں! بادشاہ کو اور پر تعجب ہوا اور اس نے حکیم سے کہا کہ اے حکیم! جو علاج تو کرنا چاہتا ہے' وہ کس روز اور کس وقت ہو گا۔ بیٹا ذرا جلدی کر! اس نے کہا کہ بسر و چشم' کل ہو جائے گا۔

یہ کہہ کر وہ شہر میں آیا اور ایک مکان کرائے پر لیا اور اس میں اپنی کتابیں اور دوائیں اور جڑی بوٹیاں رکھیں۔ پھر دواؤں اور جڑی بوٹیوں سے ایک پولو کا بلا بنایا اور اسے اندر سے خالی رکھا اور اس کا ایک دستہ بنایا اور اپنے علم کی بنا پر پولو کی گیند۔ جب وہ سب چیزیں بنا چکا تو دوسرے روز بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دربار میں پہنچ کر اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ آپ سوار ہو کر میدان میں نکلئے اور اس گیند اور بلے سے پولو کھیلئے۔ بادشاہ کے ساتھ ساتھ سارے امرا اور وزرا اور شرفا ہو لیے۔ جوں ہی یہ سب میدان میں جمع ہوئے تو دوبان حکیم وہاں پہنچا اور بادشاہ کو بلا دے کر کہنے لگا کہ اسے اس طرح پکڑیئے اور میدان میں بڑھئے اور ہاتھوں کو خوب جھونک دے کر گیند پر بلا ماریئے یہاں تک کہ آپ کے ہاتھ اور سارا بدن پسینے پسینے

ہو جائے۔ اس طرح سے دوا ہتھیلیوں میں سے ہو کر جسم میں سرایت کرے گی۔ جب آپ کھیل چکیں اور دوا سرایت کر چکی ہو تو اپنے محل میں واپس جائیے اور حمام میں جا کر نہائیے اور سو رہیے۔ بس آپ اچھے ہو جائیں گے۔

یہ سن کر یونان بادشاہ نے حکیم کے ہاتھ سے بلا لے لیا اور اسے اپنے ہاتھوں میں خوب زور سے پکڑا اور گھوڑے پر سوار ہوا اور گیند کو اپنے آگے پھینکا اور خود اس کے پیچھے دوڑا اور پاس پہنچ کر اسے زور سے مارا اور بلے کو مضبوط پکڑے رہا۔ اس طرح وہ گیند کو مارتا اور اس کے پیچھے دوڑتا اور پھر مارتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ دونوں ہتھیلیاں اور سارا بدن پسینے پسینے ہو گیا اور دوا دستے میں ہو کر سرایت کر گئی۔ جب دوبان حکیم کو یقین آ گیا کہ دوا سارے بدن میں سرایت کر چکی ہے۔ تو اس نے کہا کہ اب آپ محل میں تشریف لے جائیے اور فوراً حمام کیجیے۔ یونان بادشاہ فوراً واپس گیا اور حکم دیا کہ اس کے لیے حمام خالی کیا جائے۔ جب حمام خالی ہو چکا تو فراشوں نے اس میں فوراً فرش بچھایا اور غلام حاضر ہوئے اور کپڑے لائے۔ بادشاہ حمام میں داخل ہوا اور دل کھول کر نہایا اور وہیں حمام کے اندر کپڑے بدلے اور وہاں سے نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے محل میں آیا اور سو گیا۔

یہ تو بادشاہ کا حال ہوا۔ اب دوبان حکیم کا ماجرا سنیئے! وہ اپنے گھر آیا اور سو رہا۔ جب صبح ہوئی تو وہ بادشاہ کے یہاں گیا اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ بادشاہ نے اندر بلا لیا۔ وہ اندر آیا اور بادشاہ کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور اس کے لیے تشبیہ یہ اشعار گا کر پڑھے:

"جب بزرگیاں تیری طرف منسوب کی جاتی ہیں تو ان کا دماغ آسمان پر چڑھ جاتا ہے اور اگر کبھی کسی دوسرے کی طرف منسوب کی جائیں تو انکار کر دیں گی۔"

"تیرا چہرہ ایسا ہے کہ بھیانک سے بھیانک چیز کی تکلیف کو دور کر دیتا ہے۔ خدا کرے کہ تیرا چہرہ ہمیشہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا رہے' خواہ زمانے کا چہرہ کتنا

ہی غضبناک کیوں نہ ہو!"

"تو نے اپنے فضل و کرم سے مجھ پر وہ احسان کیے ہیں جو بادل پہاڑیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔"

"تو نے اپنا مال نیکی کرنے میں اس قدر خرچ کیا ہے کہ بالاخر تو بلندی کے اعلیٰ زینے پر پہنچ گیا ہے۔"

جب وہ یہ اشعار پڑھ چکا تو بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور اپنے پہلو میں بیٹھنے کو جگہ دی اور بہترین خلعت عطا کیے۔

جب بادشاہ حمام سے نکلا تھا اور اپنے بدن پر نظر ڈالی تھی تو کوڑھ کا کوئی اثر باقی نہ تھا بلکہ اس کا جسم سفید چاندی کی طرح صاف تھا۔ بادشاہ اس پر خوشی کے مارے پھولا نہ سمایا اور اس کے دل کو بڑی خوشی ہوئی۔ جب صبح ہوئی اور وہ دربار میں آیا اور تخت پر بیٹھا تو وزیر اور ملک کے شرفا ادھر ادھر کھڑے ہوئے اور دوبان حکیم داخل ہوا۔

جب بادشاہ نے اسے دیکھا تو فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اور عمدہ عمدہ کھانے لائے گئے اور اسے اپنے ساتھ کھلایا اور دن بھر اسے اپنی ہمراہی میں رکھا۔ جب رات ہونے کو آئی تو اس نے دوبان حکیم کو دو ہزار دینار دیئے اور بہت سے خلعت' اس کے علاوہ اور بھی بہت انعام و اکرام کیا اور اس کو اپنا خاص گھوڑا سواری کے لیے دیا اور وہ اپنے گھر واپس گیا۔ یونان بادشاہ اس کے اس علاج پر سخت تعجب کرتا اور کہتا کہ اس شخص نے میرا علاج بیرونی طریقے سے کیا اور تیل سے مالش تک نہ کی۔ خدا کی قسم' یہ بڑی حکمت کا کام ہے۔ ایسے شخص کے ساتھ جتنا انعام و اکرام کیا جائے' کم ہے۔ بادشاہ نے اسے اپنا رفیق اور دوست بنا لیا۔ اس نے رات خوشی خوشی گزاری کیونکہ اس کے بدن سے بیماری دور ہو گئی تھی اور وہ بالکل تندرست ہو گیا تھا۔ جب صبح ہوئی تو یونان بادشاہ باہر نکلا اور شاہی کرسی پر بیٹھا اور ملک کے رؤسا دست بستہ کھڑے ہوئے اور وزرا اور امرا اس کے داہنے بائیں بیٹھے۔ اس وقت اس

نے دوبان حکیم کو یاد کیا۔ وہ آیا اور اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا۔ بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا اور اسے اپنے پہلو میں جگہ دی اور اس کے ساتھ کھانا کھایا اور دعا مانگی کہ خدا اس کی زندگی زیادہ کرے اور اسے خلعت عطا کئے اور انعام دیا اور رات تک اس کے ساتھ بات چیت کرتا رہا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ اسے اور پانچ خلعت اور ایک ہزار دینار دیئے جائیں۔ حکیم بادشاہ کا شکریہ ادا کرتا ہوا گھر واپس آیا۔ جب صبح ہوئی تو بادشاہ اپنے دربار میں آیا۔ امراء' وزرا اور خدام اس کے اردگرد کھڑے ہوئے۔
راوی کہتا ہے کہ بادشاہ کا ایک وزیر تھا جو نہایت بدصورت اور کمینہ اور کنجوس اور حاسد تھا اور حسد کرنے میں اسے بڑا مزہ آتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ بادشاہ نے دوبان حکیم کو اپنا مقرب بنایا ہے اور اسے اس قدر انعام دیئے ہیں تو اس کے دل میں حسد کی آگ بھڑکنے لگی اور وہ اسے نقصان پہنچانے کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا۔ کیونکہ ضرب المثل ہے کہ کوئی جسد نہیں جس میں حسد نہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ظلم ہر شخص کے اندر پایا جاتا ہے۔ فرق محض اتنا ہے کہ طاقتور اسے ظاہر کر دیتا ہے اور کمزور اسے چھپائے رکھتا ہے۔ الغرض وزیر یونان بادشاہ کے پاس آیا اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ جہاں پناہ' میں نے آپ ہی کی نیکیوں کے اندر پرورش پائی ہے اور میں ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ اگر میں اسے اپنے دل میں چھپائے رکھوں تو حرام زادہ ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو کہوں' بادشاہ کو یہ سن کر پریشانی ہوئی اور وہ کہنے لگا کہ آخر وہ کون سے نصیحت ہے؟ وزیر نے کہا کہ اے جلیل القدر بادشاہ! بزرگوں کا قول ہے کہ جو کوئی انجام کو نہیں سوچتا' زمانہ اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ بادشاہ ٹھیک کاروائی نہیں کر رہا' وہ اپنے ایسے دشمن پر جو اس کے ملک کا ستیا ناس کرنا چاہتا ہے' انعام و اکرام کر رہا ہے اور اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آتا ہے اور اسے بہت بڑا مرتبہ دے رکھا ہے اور اپنا مقرب بنایا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں بادشاہ کو نقصان نہ پہنچے۔ بادشاہ بہت گھبرایا اور اس کے چہرے کا رنگ اڑ

گیا اور اس نے پوچھا کہ تیرا گمان کس طرف ہے اور تو کس کی طرف اشارہ کر رہا ہے؟ وزیر نے کہا کہ اگر آپ سو رہے ہوں تو جاگ جائیے۔ میرا اشارہ دوبان حکیم کی طرف ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ لعنت ہو تجھ پر! وہ تو میرا دوست ہے اور میں اس سے سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں' کیونکہ اس نے میرا علاج ایک ایسی دوا سے کیا جسے میں نے محض ہاتھ میں لیا اور بیماری جاتی رہی۔ اس بیماری کے علاج سے تمام حکیم عاجز آ چکے تھے۔ اس کا ثانی اس زمانے میں نہیں' نہ دنیا کے مشرق میں نہ مغرب میں۔ اس کے متعلق تو ایسی بات کہتا ہے! میں آج ہی سے اس کا روزینہ اور تنخواہ مقرر کیے دیتا ہوں۔ ہر مہینے اسے ایک ہزار دینار دیا کروں گا۔ اگر میں اسے اپنے ملک کا بھی ساجھے دار بنا لوں تو کم ہے۔ میں خوب سمجھتا ہوں کہ تو محض حسد کی وجہ سے یہ باتیں کرتا ہے' جیسے سندباد بادشاہ کے ساتھ پیش آیا ہے۔

شہر زاد نے یہاں تک بیان کیا تھا کہ اسے صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچویں رات

جب پانچویں رات ہوئی تو اس کی بہن نے کہا کہ اگر تجھے نیند نہ آتی ہو تو اپنی کہانی کہہ ڈال۔ اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ یونان بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا کہ اے وزیر اس حکیم کی وجہ سے تیرے اندر حسد کی آگ بھڑک رہی ہے اور تو چاہتا ہے کہ میں اسے قتل کر دوں اور پھر پچھتاؤں' جس طرح کہ سندباد بادشاہ اپنے باز کو مار کر پچھتایا۔ وزیر نے کہا کہ بادشاہ سلامت' اگر آپ اجازت دیں تو میں پوچھوں کہ یہ کیا قصہ ہے۔

○ سند باد بادشاہ کی کہانی

بادشاہ نے کہا کہ خدا بہتر جانتا ہے لیکن لوگ کہتے ہیں کہ فارس کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا۔ اسے عیش و عشرت اور صید و شکار سے بڑا شوق تھا۔ اس نے ایک باز پال رکھا تھا اور دن رات اسے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ رات بھر اسے اپنے ہاتھ پر بٹھائے رکھتا اور جب شکار کے لیے جاتا تھا تب بھی اس کو اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔ اس کے لیے اس نے ایک سونے کا کٹورا بنوایا تھا جو اس کی گردن میں لٹکا رہتا تھا اور جس میں وہ پانی پیا کرتا تھا۔ ایک روز وہ بیٹھا ہوا تھا کہ رخہ کے صوبیدار نے عرض کی کہ آج کل شکار کا اچھا موسم ہے۔ بادشاہ نے کوچ کا حکم دے دیا اور باز کو اپنے ہاتھ پر بٹھا کر سب کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ ایک وادی میں پہنچ کر شکار کے لیے گھیرا ڈالا گیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ گھیرے کے اندر ایک ہرنی آ گئی ہے۔

بادشاہ نے کہا کہ جس کسی کے سر کے اوپر سے یہ ہرنی کود کر نکل جائے گی' اس کو قتل کر دوں گا۔ اب گھیرا تنگ ہوتا چلا جاتا تھا کہ اتنے میں ہرنی بادشاہ کی قیام

گاہ کے پاس آئی اور پچھلے پاؤں پر کھڑی ہو کر اگلے پاؤں سینے پر باندھ لیے گویا وہ بادشاہ کے آگے زمین کو بوسہ دینا چاہتی تھی۔ بادشاہ نے ہرنی کی خاطر اپنا سر جھکایا تو وہ اس کے سر کے اوپر سے کود کر جنگل کی طرف بھاگ گئی۔ بادشاہ نے دیکھا کہ اس کے سپاہی اس کی طرف آنکھیں مار رہے ہیں اور وزیر سے اس کا سبب پوچھا۔ اس نے عرض کی کہ وہ کہتے ہیں کہ آپ کا حکم تھا کہ جس کے سر کے اوپر سے ہرنی کود کر نکل جائے گی' اس کا سر اڑا دیا جائے گا۔ بادشاہ نے کہا کہ سر کی قسم' میں اس کا پیچھا کروں گا اور اس کو لا کر چھوڑوں گا' یہ کہہ کر اس نے ہرنی کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا اور اس کا پیچھا کرتے کرتے ایک پہاڑی تک جا پہنچا۔ جہاں ہرنی ایک کھڈ کے اوپر سے کود کر نکل گئی۔ بادشاہ نے باز کو اس کے پیچھے چھوڑا اور اس نے پنجے مار مار کر ہرنی کو اندھا اور پریشان کر دیا۔ بادشاہ نے گرز کھینچ کر اس پر وار کیا اور وہ زمین پر لوٹنے لگی۔ بادشاہ گھوڑے سے اتر پڑا اور اسے ذبح کیا اور اس کی کھال کھینچی اور اپنے گھوڑے کی کاٹھی سے لٹکا لیا۔ اتنے میں تیسرے پہر کے سونے کا وقت ہو گیا۔ جنگل بیابان تھا' جس میں پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ بادشاہ کو پیاس لگی اور گھوڑا بھی پیاسا تھا۔ بادشاہ نے ادھر ادھر چکر لگایا تو دیکھا' ایک درخت سے پانی مثل مکھن کے ٹپک رہا ہے۔ بادشاہ کے ہاتھوں میں چمڑے کے دستانے تھے' اس نے باز کی گردن سے کٹورا اتارا اور اس میں وہی پانی بھر کر اپنے سامنے رکھا۔ باز نے پر مار کر کٹورا الٹ دیا۔ پھر اس نے دوسری بار کٹورا لیا اور اس میں ان قطروں کو ٹپکنے دیا۔ یہاں تک کہ وہ پھر بھر گیا۔ بادشاہ نے خیال کیا کہ باز پیاسا ہو گا۔ اس لیے وہ پانی اس کے سامنے کر دیا۔ باز نے پھر پر مار کر الٹ دیا۔ بادشاہ کو باز پر غصہ آیا اور پھر اٹھا اور پانی بھر کر گھوڑے کے آگے بڑھایا۔ باز نے پھر بازو مار کر پانی گرا دیا۔ بادشاہ نے کہا کے اے منحوس چڑیا' خدا تجھ سے سمجھے نہ تو نے مجھے پانی پینے دیا اور نہ گھوڑے کو اور نہ خود پیا۔ یہ کہہ کر اس نے باز پر تلوار کا ایک ہاتھ مارا

کہ اس کے دونوں بازو کٹ کر گر گئے۔ باز نے اپنا سر اوپر کی طرف اٹھایا' گویا یہ اشارہ کیا کہ دیکھ اوپر کیا ہے۔ بادشاہ نے نظر اوپر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہے کہ درخت کے اوپر کالے سانپ کے بچے ہیں اور یہ پانی انہیں کا زہر۔ بادشاہ باز کے بازو کٹنے پر بہت پچھتایا اور اٹھ کھڑا ہوا اور ہرنی کو لے کر چل دیا۔ خیمہ گاہ میں پہنچ کر اس نے ہرنی اپنے باورچی کو دی کہ اسے لے جا کر تل لا۔ بادشاہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور باز اس کے ہاتھ پر۔ باز نے ایک ہچکی لی اور دم توڑ دیا' بادشاہ رنج اور افسوس کے مارے چلانے لگا کہ ہائے' جس باز نے میری جان بچائی ہے' میں نے اسے خود مار ڈالا۔

یہ ہے سندباد بادشاہ کی کہانی جب وزیر نے یونان بادشاہ سے یہ سنا تو کہنے لگا کہ جہاں پناہ' جو کچھ اس نے کیا' مجبوری کی وجہ سے کیا اور میں اس میں کوئی برائی نہیں پاتا اور جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ محض آپ کی محبت کی وجہ سے ہے تاکہ آپ کو صحیح واقعہ معلوم ہو جائے ورنہ آپ بھی یونہی تباہ ہو جائیں گے جس طرح وہ وزیر ہوا جس نے شہزادے کے ساتھ دغابازی کی تھی۔ یونان بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کس طرح؟

○ دغاباز وزیر کی کہانی

وزیر نے کہا کہ جہاں پناہ' سنئے! ایک بادشاہ تھا' اس کا ایک وزیر تھا اور ایک شہزادہ۔ شہزادے کو صید و شکار کا بڑا شوق تھا اور اس کے باپ کا وزیر اس کے ہمراہ تھا۔ راہ میں انہیں ایک بڑا جنگلی جانور دکھائی دیا۔ وزیر نے کہا کہ لیجئے' وہ جنگلی جانور ہے' اسے ماریئے! شہزادہ نے اس کا پیچھا کیا' یہاں تک کہ وہ وزیر کی نظر سے غائب ہو گیا اور جانور اس کی نظر سے غائب ہو کر جنگل میں چلتا ہوا اور کچھ پتا نہ ملا کہ وہ کہاں چلا گیا۔ اب وہ کیا دیکھتا ہے کہ راہ کے کنارے ایک نوجوان لڑکی بیٹھی رو رہی ہے۔ شہزادے نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں ہندوستان کے ایک راجہ کی

بیٹی ہوں۔ میں اس جنگل میں سفر کر رہی تھی کہ مجھے نیند آ گئی اور بے ہوشی کی حالت میں' میں اپنی سواری پر سے گر پڑی اور اب اکیلی اور پریشان پھر رہی ہوں۔ یہ سن کر شہزادے کو ترس آیا اور اسے اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور آگے چل دیا۔ جب وہ ایک کھنڈر کے پاس پہنچے تو لڑکی نے کہا کہ اے آقا' میں اپنی حاجت رفع کرنا چاہتی ہوں۔ شہزادے نے اسے کھنڈر کے قریب اتار دیا۔ جب اسے وہاں دیر لگی تو شہزادہ سمجھا کہ بڑی ست ہے اور فوراً اس کے پیچھے پہنچا۔ وہ تو اس سے واقف نہ تھا لیکن یہاں آکر اسے معلوم ہوا کہ وہ چڑیل ہے۔ وہ اپنے بچوں سے کہہ رہی تھی کہ "اے بچو! میں آج تمہارے لیے ایک موٹا تازہ نوجوان لڑکا لائی ہوں۔" انہوں نے کہا کہ "اماں' ضرور لا تاکہ ہم اسے اپنے پیٹ کے اندر چرنے بھیجیں۔" جب شہزادے نے ان کی باتیں سنیں تو اسے اپنی موت آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگی اور اس کے پٹھے تھر تھر کانپنے لگے اور وہ اپنی موت سے ڈرا اور جھٹ واپس آ گیا۔ اتنے میں چڑیل بھی باہر آئی اور دیکھا کہ وہ ڈر کے مارے کانپ رہا ہے اور کہا کہ تو کیوں ڈر رہا ہے؟ شہزادے نے جواب دیا کہ میرا ایک دشمن ہے اور مجھے اس سے ڈر لگتا ہے۔ چڑیل نے کہا کہ تو تو اپنے آپ کو شہزادہ کہتا ہے ناں؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ اس چڑیل نے کہا کہ تو اسے روپیہ پیسہ دے کر راضی کیوں نہیں کر لیتا؟ اس نے کہا کہ وہ روپے پیسے سے راضی نہیں ہوتا بلکہ جان مانگتا ہے۔ میں اپنے آپ کو مظلوم سمجھ کر اس سے ڈرتا ہوں۔ اس نے کہا کہ اگر اپنے آپ کو مظلوم سمجھتا ہے تو خدا سے مدد مانگ کہ وہ تجھے مخدوش دشمن کے شر سے بچا لے۔ شہزادے نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور دعا مانگنے لگا کہ "خداوندا! جو پریشان حالوں کی دعا قبول کرتا ہے اور برائیوں کو دور کرتا ہے' اے میرے مولا' مجھے دشمن پر فتح دے اور اس سے میرا پیچھا چھڑا۔ تو جو چاہے کر سکتا ہے۔" جب چڑیل نے اس کی دعا سنی تو وہ چلتی ہوئی۔ شہزادہ اپنے باپ کے پاس واپس آ گیا اور وزیر کا سارا ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ نے وزیر کو بلایا اور اسے قتل کر دیا۔

جہاں پناہ' اگر آپ بھی اس حکیم پر بھروسہ کریں گے تو وہ آپ کو بری موت مارے گا۔ جسے آپ نے مقرب بنایا اور جس کے ساتھ بھلائی کی ہے وہ آپ کے مارنے کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس نے ایک دوا آپ کے ہاتھ میں دی اور اس بیرونی علاج سے آپ اچھے ہو گئے' آپ یقین کیجئے کہ اسی طرح وہ آپ کو مار بھی سکتا ہے۔ یونان بادشاہ نے کہا کہ وزیرا تو سچ کہتا ہے' اے ناصح وزیرا یہی ہونے والا ہے۔ ہو نہ ہو حکیم میرے قتل کرنے کے لیے جاسوس بن کر آیا ہے۔

اگر وہ یہ کر سکتا تھا کہ ایک چیز میرے ہاتھ میں دے کر مجھے اچھا کر دیا تو وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ کوئی چیز سنگھا کر مجھے مار ڈالے۔ پھر اس نے کہا کہ اے وزیر' اب کیا کیا جائے؟ وزیر نے کہا کہ اسے بلوا بھیجئے اور جب وہ آئے تو اس کی گردن مار دیجئے۔ یونان بادشاہ نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے اور حکیم کو بلوا بھیجا۔ وہ خوش خوش آیا' اسے کیا معلوم تھا کہ خدا نے اس کی قسمت میں کیا لکھ چھوڑا ہے۔ کسی شاعر کا قول ہے:

"اے زمانے سے ڈرنے والے' خدا پر بھروسہ کر اور اپنے سارے کام اس کے سپرد کر دے' وہی زمین کا بنانے والا ہے۔"

"جو چیز تیری قسمت میں لکھی ہے' وہ ہو کر رہے گی اور جو تیری قسمت میں نہیں ہے تو اس سے بچا رہے گا۔"

جب حکیم بادشاہ کے پاس آیا تو اس نے یہ اشعار پڑھے:

"اگر تو کہے کہ میں تیرا کافی شکر گزار نہیں ہوا تو بتا کہ آخر میں نے اپنی نظم اور نثر کس کے لیے تیار کی ہے؟"

"تو نے مانگنے سے پہلے ہی میرے پاس نعمتیں بھیجیں اور وہ بغیر ٹال مٹول کئے میرے پاس آ گئیں۔"

"پھر میں تیری تعریف کیوں کر نہ کروں اور پوشیدہ اور اعلانیہ تیری بخششوں کا گیت کیوں نہ گاؤں۔"

اور اسی مضمون کے یہ اشعار پڑھے:
"اپنے رنج و غم کو خیال میں مت لا اور اپنے سارے کام قضا و قدر کے سپرد کر دے۔
موجودہ فائدے سے خوش ہو اور گزری ہوئی باتیں سب بھول جا۔ بہت سی تکلیف دہ باتیں
ایسی ہوتی ہیں کہ آگے چل کر ان سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔"
"خدا جو چاہتا ہے' وہی ہوتا ہے' اس لیے تیرا کسی چیز کی خواہش کرنا بے فائدہ ہے۔"

اور اسی مضمون کے یہ اشعار پڑھے:
"اپنے سارے کام اس کے سپرد کر دے جو ذرا ذرا سی بات جانتا ہے اور دنیا والوں سے
اپنا دل پریشان مت کر۔"
"تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ ہر چیز تیری مرضی کے موافق نہیں ہوتی بالکہ خدا کی مرضی
کے موافق جو احکم الحاکمین ہے۔"

بادشاہ نے حکیم دوبان سے کہا کہ تجھے معلوم ہے کہ میں نے تجھے کیوں بلایا؟ حکیم نے
کہا کہ پوشیدہ باتیں سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ بادشاہ نے کہا کہ میں نے تجھے
قتل کرنے اور تیری جان لینے کے لیے بلایا ہے۔ دوبان حکیم کو اس بات سے سخت اچنبھا
ہوا اور اس نے کہا کہ جہاں پناہ' کون سا ایسا گناہ مجھ سے سرزد ہوا ہے کہ آپ
میرے قتل کے درپے ہیں؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ تو جاسوس ہے
اور مجھے قتل کرنے کے لیے آیا ہے۔ دیکھ' قبل اس کے کہ تو مجھے قتل کرے' میں
تجھے قتل کر دوں گا۔ بادشاہ نے جلاد کو بلا کر کہا کہ اس دغا باز کی گردن اڑا دے
اور مجھے اس کے شر سے نجات دے۔ حکیم نے کہا کہ مجھے مت ماریئے' خدا آپ
کو سلامت رکھے! مجھے قتل نہ کیجئے' ایسا نہ ہو کہ خدا کا غضب آپ پر نازل ہو۔
اے دیو' اس نے بار بار وہی کہا جو میں نے تجھ سے کہا تھا' جب تو مجھے مارنے پر
تلا کھڑا تھا۔ یونان بادشاہ نے دوبان حکیم سے کہا کہ جب تک میں تجھے قتل نہ کر
ڈالوں' اس وقت تک مجھے اپنی جان کی طرف سے اطمینان نہیں۔ مجھے تو نے ایسی دوا
دی کہ اس کو ہاتھ میں لیتے ہی میں اچھا ہو گیا۔ مجھے ڈر ہے کہ مجھے کوئی دوا سنگھا

کر تو مار ڈالے گا۔ حکیم نے کہا کہ جہاں پناہ' میری نیکی کا یہی برائی بدلہ ہے؟ بادشاہ نے کہا کہ سوائے اس کے اور چارہ نہیں کہ میں تجھے فوراً مار ڈالوں۔ جب حکیم کو

اپنے مرنے کا یقین ہو گیا تو وہ رونے اور اس بات پر افسوس کرنے لگا کہ اس نے نااہل کے ساتھ بھلائی کی۔ جلاد آیا اور اس نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھی اور اپنی تلوار میان سے نکالی اور بادشاہ سے اجازت چاہی۔ حکیم رو رو کر بادشاہ سے کہہ رہا تھا کہ مجھے نہ ماریئے' خدا آپ کو سلامت رکھے! حکیم نے بادشاہ سے کہا کہ یہ میرا بدلہ تو وہی مگرمچھ کا بدلہ ہے۔ بادشاہ نے کا کہ مگرمچھ کا کیا قصہ ہے؟ حکیم نے کہا کہ اس حالت میں میرے لیے بیان کرنا ممکن نہیں۔ خدا کے لیے آپ مجھے نہ ماریئے' خدا آپ کو سلامت رکھے! یہ کہہ کر حکیم زار زار رونے لگا۔ بادشاہ کا ایک مقرب اٹھا اور کہنے لگا کہ جہاں پناہ' آپ اس کا خون مجھے بخش دیجیے۔ ہم نے اسے آپ کے ساتھ کوئی برائی کرتے نہیں پایا اور اس کے سوا کچھ نہیں دیکھا کہ اس نے آپ کو ایسی بیماری سے اچھا کیا ہے جس سے تمام حکیم ناامید ہو چکے تھے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم لوگ نہیں جانتے کہ میں اس حکیم کو کیوں قتل کرنا چاہتا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ اگر میں اسے زندہ چھوڑ دوں گا تو میری جان جائے گی۔ جس نے میرے ہاتھ میں دوا دے کر اچھا کر دیا ہے وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ کوئی دوا سنگھا کر مجھے مار ڈالے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھے ضرور مار ڈالے گا اور اس کے بدلے رشوت لے گا۔ وہ جاسوس ہے اور محض مجھے قتل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اب سوائے اس کے اور چارہ نہیں کہ میں اسے قتل کر ڈالوں اور خود اطمینان سے رہوں۔ حکیم نے کہا' کہ مجھے نہ ماریئے' خدا آپ کو سلامت رکھے! مجھے قتل نہ کیجیے' کہیں خدا اپنا غضب آپ پر نازل نہ کرے۔

اے دیو! جب حکیم کو یقین ہو گیا کہ بادشاہ اسے بے قتل کیے نہ چھوڑے گا تو اس نے کہا کہ بادشاہ سلامت' اگر آپ مارنا ہی چاہتے ہیں تو اتنی مہلت دیجیے کہ میں گھر

جا کر اپنے گھر والوں اور پڑوسیوں کو اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق انتظام کر آؤں اور اپنے قرضے اتار آؤں اور طب کی کتابیں لوگوں کو سپرد کر آؤں۔ میرے پاس ایک خاص کتاب ہے، وہ میں آپ کے کتب خانے کی نذر کروں گا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اس کتاب میں کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اس کتاب میں بے شمار چیزیں ہیں اور سب سے چھوٹی چیز اس میں یہ ہے کہ جب آپ میرا سر کاٹ چکیں تو اس کتاب کے تین ورق الٹئے اور بائیں صفحے کی تین سطریں پڑھیے تو میرا سر آپ سے باتیں کرے گا اور آپ کے تمام سوالات کے جواب دے گا۔ بادشاہ کو اس پر بڑا اچنبھا ہوا اور خوشی کے مارے پھڑک گیا اور کہنے لگا کہ اے حکیم، جب میں تیرا سر کاٹ ڈالوں گا تو کیا تو مجھ سے باتیں کرے گا؟ اس نے کہا کہ جی ہاں! بادشاہ نے کہا کہ یہ بڑی نرالی بات ہے۔ پھر بادشاہ نے پہرے کے ساتھ اسے روانہ کیا۔ حکیم گھر پہنچ کر اس روز اپنی تمام ضروریات چکانے میں مشغول رہا اور دوسرے روز وہ دربار میں آیا اور تمام امرا اور وزرا اور خدام اور نواب اور رؤسا سب حاضر ہوئے اور ان سے دربار گلزار ہو گیا۔ جب حکیم بادشاہ کے سامنے پہرے کے ساتھ کھڑا ہوا تو اس کے ہاتھ میں ایک پرانی کتاب تھی اور ایک سرمہ دانی جس کے اندر معطر سفوف تھا۔ وہ بیٹھ گیا اور کہا کہ ایک سینی لاؤ۔ جب سینی آئی تو اس نے وہ سفوف اس میں ڈال کر پھیلا دیا اور کہنے لگا کہ جہاں پناہ، یہ کتاب لیجئے اور جب آپ میرا سر کاٹ چکیں تو اسے کھولئے اور میرے سر کر اس سینی میں رکھ کر سفوف پر خوب دبایئے۔ ایسا کرنے سے خون بند ہو جائے گا۔ پھر کتاب کھولئے۔ بادشاہ نے اس کے سر کے اڑا دینے کا حکم دیا اور اس کے ہاتھ سے کتاب لے لی۔ جلاد نے اٹھ کر اس کا سر اڑا دیا اور اسے سینی کے بیچ میں رکھ کر سفوف کے اوپر خوب دبایا۔ یہاں تک کہ خون بند ہو گیا۔ اب حکیم دوبان نے آنکھیں کھول دیں اور کہا کہ جہاں پناہ، اب کتاب کھولئے۔ بادشاہ نے دیکھا کہ اس کے ورق چپکے ہوئے ہیں۔ اس لیے اس نے اپنی انگلیوں میں تھوک لگایا اور ایک ورق کھولا، پھر دوسرا، پھر تیسرا۔ ہر ورق بڑی مشکل سے کھلتا تھا۔ بادشاہ نے چھ

ورق کھولے اور دیکھا کہ اس میں کوئی نوشتہ نہیں۔ اس نے حکیم سے کہا کہ اس میں تو کوئی نوشتہ نہیں۔ حکیم نے کہا کہ اور کھولیئے۔ اس نے تین ورق اور کھولے۔ اتنے میں زہر اس کے بدن میں سرایت کر چکا تھا کیونکہ کتاب زہر آلود تھی۔ بادشاہ تھرانے لگا اور چلا کر کہا کہ زہر میرے بدن میں سرایت کر گیا۔ جب حکیم کا سر باتیں کر چکا تو بادشاہ بھی فوراً مر کر گر پڑا۔

اے دیو، تجھے جاننا چاہیے کہ اگر یونان بادشاہ دوبان حکیم کو زندہ رہنے دیتا تو خدا اسے بھی صحیح و سلامت رکھتا لیکن اس نے اس کا کہنا نہ مانا اور اس کے خون کا پیاسا ہو گیا، اس لیے خدا نے اسے بھی موت کی سزا دی۔ اے دیو، اگر تو مجھے چھوڑ دیتا تو خدا تجھے بھی بچا لیتا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھٹی رات

جب چھٹی رات ہوئی تو اس کی بہن دنیا زاد نے کہا کہ اپنی کہانی تمام کر۔ اس نے کہا کہ بشرطیکہ بادشاہ سلامت اجازت دیں۔ بادشاہ نے کہا کہ کہہ۔ اس نے کہنا شروع کیا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ماہی گیر نے دیو سے کہا کہ اگر تو مجھے چھوڑ دیتا تو اس وقت تو بھی قید نہ ہوتا لیکن تو میرے قتل پر تلا کھڑا تھا۔ اس لیے اب میں تجھے اس لٹیا میں بند کر کے مارتا ہوں اور تجھے سمندر میں پھینکے دیتا ہوں۔ وہ خبیث چلانے لگا اور اس نے کہا کہ اے ماہی گیر' خدا کے لیے ایسا مت کر اور مجھے چھوڑ دے اور میری برائی کا بدلہ مت دے۔ اگرچہ میں نے تیرے ساتھ برائی کی ہے' تو میرے ساتھ بھلائی کر۔ لوگوں کا مقولہ ہے کہ "اے بروں کے ساتھ بھلائی کرنے والے' برا کرنے والے کے لیے خود اس کی برائی کافی سزا ہے۔" تو میرے ساتھ ایسا نہ کر جو امامہ نے عاتکہ کے ساتھ کیا۔ ماہی گیر نے کہا کہ امامہ نے عاتکہ کے ساتھ کیا کیا تھا؟ دیو نے کہا کہ یہ وقت قصہ بیان کرنے کا نہیں ہے کیونکہ میں قید ہوں۔ اگر تو مجھے چھوڑ دے تو میں ضرور بیان کروں گا۔ ماہی گیر نے کہا کہ چل' باتیں نہ بنا۔ میں تجھے سمندر میں بے پھینکے نہ مانوں گا اور تو کبھی اس سے نکل نہ سکے گا۔ تجھے یاد نہیں کہ میں تیری خوشامد کرتا اور تیرے آگے گڑگڑاتا تھا اور تو ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ میں نے نہ کبھی تیرا کچھ بگاڑ تھا اور نہ تیرے ساتھ برائی کی تھی۔ اگر کچھ کیا تھا تو بھلائی ہی بھلائی' کیونکہ میں نے تجھے قید سے رہائی دی تھی لیکن جب تو نے برائی پر کمر باندھی تو میں سمجھ گیا کہ تو بدکردار ہے۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جب میں تجھے اس سمندر میں پھینک دوں گا تو پھر جو کوئی بھی تجھے نکالے گا' وہ تجھے دوبارہ پھینک دے گا کیونکہ میں اپنے ماجرے سے اسے مطلع اور خبردار کردوں گا اور قیامت تک میں یہیں ٹھہرا رہوں گا۔ یہاں تک کہ تو تباہ ہو جائے۔

دیو نے کہا، کہ مجھے چھوڑ دے کیونکہ یہ نیکی کرنے کا وقت ہے اور میں تجھ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں کبھی تیری نافرمانی نہیں کروں گا اور تجھے ایسی چیز دوں گا کہ

تو امیر ہو جائے۔
کہا جاتا ہے کہ ماہی گیر نے اس سے وعدہ لیا کہ اگر میں تجھے چھوڑوں تو، تو ہرگز مجھے تکلیف نہ دے گا بلکہ میرے ساتھ بھلائی کرے گا۔ جب ماہی گیر کو یقین آ گیا اور اس نے اس سے اسم اعظم کی قسم کھلائی تو اس نے لٹیا کھولی اور اس میں سے دھواں نکلنا شروع ہوا۔ جب سب دھواں نکل چکا تو وہ اچھا خاصا دیو بن گیا۔ اسے نے لٹیا کو ٹھوکر ماری اور وہ سمندر میں جا گری۔ جب ماہی گیر نے دیکھا کہ اس نے لٹیا کو سمندر میں پھینک دیا ہے تو اسے اپنی موت کا یقین آ گیا اور وہ اپنے کپڑے دانت سے کاٹنے لگا اور کہا کہ خدا خیر کرے، یہ برا شگون ہے۔ پھر اس نے اپنے دل کو مضبوط کر کے کہا کہ اے دیو، خدا کہتا ہے کہ اپنا وعدہ پورا کیا کرو، کیونکہ قیامت کے دن اس کی پرسش ہو گی۔ تو نے مجھ سے وعدہ کیا اور حلف اٹھایا ہے کہ مجھ سے دغا بازی نہ کرے گا، ورنہ خدا تجھ سے سمجھے گا۔ وہ بڑا غیور ہے، ڈھیل دیتا ہے مگر جانے نہیں دیتا۔ میں نے تجھ سے وہی کہا ہے جو دوبان حکیم نے یونان بادشاہ سے کہا تھا کہ مجھے مت مار، خدا تجھے سلامت رکھے!

○ تالاب اور رنگ برنگی مچھلیوں کی کہانی

دیو ہنسا اور اس کے آگے آگے روانہ ہوا اور ماہی گیر سے کہا کہ میرے پیچھے پیچھے آ ماہی گیر اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا اور اسے یقین نہ آتا تھا کہ اس کی جان نہ جائے گی۔ چلتے چلتے وہ ایک شہر کے پاس پہنچے اور ایک پہاڑ پر چڑھے اور وہاں سے ایک لمبے چوڑے جنگل میں اترے۔ وہاں ایک صاف شفاف تالاب تھا۔ دیو اس میں اترا اور ماہی

گیر سے کہا کہ میرے پیچھے پیچھے آ۔ ماہی گیر بیچ تالاب اس کے پیچھے پیچھے گیا۔ وہاں پہنچ کر دیو ٹھہر گیا اور ماہی گیر سے کہا کہ جال پھینک اور مچھلیاں پکڑ۔ ماہی گیر نے دیکھا کہ تالاب میں رنگ برنگی مچھلیاں ہیں' سفید اور لال اور نیلی پیلی۔ اسے سخت اچنبھا ہوا اور اس نے جال کھول کر پھینکا اور پھر کھینچا تو دیکھا کہ اس میں چار رنگ کی مچھلیاں آئی ہیں۔ یہ دیکھ کر ماہی گیر باغ باغ ہو گیا۔ دیو نے کہا کہ انہیں بادشاہ کے پاس لے جاؤ اور اسے پیش کرو۔ وہ اس کے بدلے تجھے امیر کر دے گا۔ اب خدا کے لیے مجھے معاف کر۔ اس وقت اور کوئی سبیل مجھے نظر نہیں آتی کیونکہ میں اٹھارہ سو سال سمندر کے اندر رہا ہوں اور سوائے اس وقت کے دنیا کی شکل نہیں دیکھی۔ اس تالاب میں کسی دن ایک بار سے زیادہ مچھلیاں نہ پکڑیو۔ یہ کہہ کر وہ چلتا ہوا اور چلتے چلتے کہنے لگا کہ خدا ہم دونوں کو پھر ملائے۔ پھر اس نے زمین پر ٹھوکر ماری۔ زمین پھٹی اور وہ سما گیا۔

ماہی گیر شہر کی طرف روانہ ہوا اور وہ دیو کے واقعے سے سخت اچنبھے میں تھا۔ مچھلیاں لے کر جب وہ گھر پہنچا تو اس نے ایک کونڈے میں پانی بھر کر مچھلیاں اس میں ڈال دیں۔ پانی کے اندر کونڈے میں مچھلیاں کلیلیں کرنے لگیں۔ ماہی گیر اس کونڈے کو سر پر رکھ کر محل کی طرف روانہ ہوا جیسا کہ دیو نے اس سے کہا تھا۔ جب ماہی گیر بادشاہ کے پاس پہنچا اور اسے مچھلیاں پیش کیں تو بادشاہ کو سخت اچنبھا ہوا کیونکہ جس قسم کی مچھلیاں ماہی گیر لایا تھا' اس نے تمام عمر نہ دیکھی تھیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ مچھلیاں باورچن لونڈی کو دے دی جائیں۔ کہتے ہیں کہ تین دن ہوئے یہ لونڈی روم کے بادشاہ نے تحفے میں بھیجی تھی اور بادشاہ نے ابھی تک اس کے کھانا پکانے کا تجربہ نہیں کیا تھا۔ وزیر نے حکم دیا کہ وہ ان کو تلے اور کہا کہ اے لونڈی' بادشاہ سلامت کہتے ہیں کہ اے میری جان' ہم نے مجبوری کی حالت میں تم کو تکلیف دی ہے۔ تجھے چاہیے کہ ہمیں اپنی کاریگری اور کھانا پکانے کے فن سے خوش کر دے'

کیونکہ یہ مچھلیاں بادشاہ کے لیے تحفے میں آئی ہیں۔ وزیر یہ کہہ کر واپس گیا اور بادشاہ نے اسے حکم دیا کہ ماہی گیر کو چار سو دینار دے دے۔ وزیر نے چار سو دینار دے دیئے۔ ماہی گیر نے انہیں اپنی بغل میں دبایا اور گھر بھاگا۔ کبھی گر پڑتا' پھر اٹھ کھڑا ہوتا اور کبھی ڈگمگاتا چلتا اور یہ خیال کرتا کہ خواب دیکھ رہا ہے۔ اس نے اپنے اہل و عیال کے لیے ضرورت کی چیزیں خریدیں اور اپنی بیوی کے پاس گیا اور مارے خوشی کے پھولا نہ سماتا تھا۔

یہاں تک تو ماہی گیر کا قصہ ہوا۔ اب لونڈی کا واقعہ سنئے! اس نے مچھلیاں لے کر ان کو صاف کیا اور کڑاہی چڑھائی اور مچھلیوں کو گلایا۔ جب وہ ایک طرف پک چکیں اور اس نے انہیں دوسری طرف پلٹا تو کیا دیکھتی ہے کہ باورچی خانے کی دیوار پھٹی اور اس میں سے ایک نوجوان لڑکی نمودار ہوئی' سڈول قد' چکنے چکنے رخسار' سرگیں آنکھیں' مجسم حسن' کوفی ریشم کا لباس پہنے ہوئے جس میں نیلی گوٹ لگی ہوئی تھی' دونوں کانوں میں بالیاں اور کلائیوں میں پری بند' انگلیوں میں انگوٹھیاں' جن میں قیمتی ہیروں کے قیمتی نگ جڑے ہوئے تھے' ہاتھ میں خیزراں کی چھڑی' جسے اس نے کڑاہی میں مارا اور کہا کہ "اے مچھلیو' تم اپنے وعدے پر قائم ہو ناں؟" جب لونڈی نے یہ دیکھا تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ اس لڑکی نے دوبارہ اور سہ بارہ وہی کہا۔ مچھلیوں نے کڑاہی سے سر نکالا اور نہایت صاف الفاظ میں کہا کہ "ہاں ہاں۔" پھر انہوں نے یہ شعر پڑھا:

"اگر تو پھر جائے گی تو ہم بھی پھر جائیں گے اور اگر تو وعدہ پورا کرے گی تو ہم بھی کریں گے اور اگر تو ہمیں چھوڑ دے گی تو پھر ہم بھی اپنے ذمے سے بری ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نوجوان لڑکی نے کڑاہی الٹ دی اور جدھر سے آئی تھی' ادھر چلی گئی اور دیوار بند ہو گئی جیسے کہ پہلے تھی۔ اب لونڈی کو ہوش آیا تو کیا دیکھتی ہے کہ چاروں مچھلیاں جل کر کوئلہ ہو گئی ہیں۔ اس نے کہا کہ ہائے سر منڈاتے ہی اولے پڑے اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ وہ اسی حالت میں تھی کہ وزیر آیا اور دیکھا

کہ لونڈی حواس باختہ پڑی ہے اور اسے جمعرات اور سنیچر میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔
وزیر نے اسے پاؤں سے ہلایا تو اس کو ہوش آیا اور وہ رونے لگی اور وزیر سے سارا ماجرا بیان کیا۔ وزیر کو سخت اچنبھا ہوا اور کہنے لگا یہ عجیب و غریب ماجرا ہے۔ اس نے ماہی گیر کو بلا بھیجا۔ جب وہ آیا تو وزیر نے اس سے درخواست کی کہ ویسی ہی چار مچھلیاں اور لا۔ ماہی گیر اس تالاب میں گیا اور جال پھینکا۔ جب اسے کھینچا تو اسی طرح کی چار مچھلیاں اس میں تھیں۔ وہ انہیں لے کر وزیر کے پاس پہنچا اور وزیر ان کو لے کر لونڈی کے پاس گیا اور کہا کہ اٹھ' انہیں میرے سامنے تل تاکہ میں بھی دیکھوں کہ کیا پیش آیا ہے۔
لونڈی اٹھی اور مچھلیوں کو بنایا اور چولہے پر کڑاہی رکھی اور اس میں مچھلیاں ڈال دیں۔
ابھی مچھلیاں کڑاہی میں پڑی ہی تھیں کہ دیوار پھٹی اور وہی لڑکی پہلی کی طرح آ پہنچی۔ اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ اسے اس نے کڑاہی پر مارا اور کہا کہ اے مچھلیو' اے مچھلیو' تم اپنے پرانے وعدے پر قائم ہو نہ؟ تمام مچھلیوں نے سر اٹھایا اور وہی شعر پڑھا۔
اب شہر زاد کی صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• ساتویں رات

جب ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ مجھے معلوم ہوا کہ جب مچھلیوں نے باتیں کیں اور لڑکی نے چھڑی مار کر کڑاہی الٹ دی اور جدھر سے آئی تھی' ادھر چلی گئی اور دیوار بند ہو گئی تو وزیر اٹھا اور اس نے کہا کہ یہ واقعہ بادشاہ سے ضرور بیان کرنا چاہیے۔ وہ بادشاہ کے پاس گیا اور سارا ماجرا بیان کیا جو اس کا چشم دید تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ اسے میں خود اپنی آنکھ سے دیکھنا چاہتا ہوں۔

اس نے ماہی گیر کو بلوایا اور ویسی ہی چار مچھلیوں کے لانے کا حکم دیا اور تین آدمی اس کے اوپر تعینات کر دیئے۔ ماہی گیر گیا اور ویسی ہی چار مچھلیاں لے کر فوراً آ گیا۔ بادشاہ نے اسے چار سو دینار دینے کا حکم دیا اور وزیر کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اٹھ' مچھلیوں کو یہیں میرے سامنے تل۔ وزیر نے کہا کہ بسر و چشم۔ وہ کڑاہی لایا اور مچھلیوں کو بنا کر کڑاہی آگ پر چڑھائی اور مچھلیاں اس میں ڈال دیں تو کیا دیکھتا ہے کہ دیوار پھٹی اور اس میں سے ایک حبشی غلام نکلا' جیسے کالی چٹان یا عاد کی قوم کا پسماندہ۔ اس کے ہاتھ میں ہرے درخت کی ایک ٹہنی تھی اور اس نے بڑی کرخت آواز سے کہا کہ اے مچھلیو' اے مچھلیو' تم اپنے پرانے وعدے پر قائم ہو؟ مچھلیوں نے اپنا سر کڑاہی سے نکال کر کہا کہ ہاں' ہاں' ہم وعدے پر قائم ہیں۔

غلام کڑاہی کی طرف بڑھا اور اسے اس شاخ سے جو اس کے ہاتھ میں تھی' الٹ دیا اور جدھر سے آیا تھا' ادھر چلتا بنا۔ بادشاہ اور وزیر دونوں نے دیکھا کہ مچھلیاں کوئلہ ہو گئی ہیں۔ بادشاہ حیران ہوا اور کہا کہ اس واقعے کا پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں۔ ان مچھلیوں کے متعلق کوئی بھید ضرور ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس ماہی گیر کو بلایا جائے۔ جب وہ آیا تو بادشاہ نے کہا کہ لعنت ہو تجھ پر' یہ مچھلیاں تو کہاں سے لایا تھا؟ ماہی گیر

نے جواب دیا کہ شہر کے سامنے والے پہاڑ کے نیچے چار پہاڑیاں ہیں' ان کے درمیان میں ایک تالاب ہے' اسی میں سے یہ مچھلیاں لایا ہوں۔ بادشاہ نے ماہی گیر کی طرف غور سے دیکھا اور کہا کہ کے دن کی راہ ہے؟ ماہی گیر نے جواب دیا کہ اے میرے آقا۔ میرے سلطان' صرف آدھ پہر کی راہ ہے۔ بادشاہ حیران ہوا اور اس نے حکم دیا کہ لشکر نکلے اور سوار ہو۔ ماہی گیر آگے آگے تھا اور دیو پر لعنت بھیجتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑ پر چڑھے اور ایک بڑے لمبے چوڑے جنگل میں اترے' جسے انہوں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سلطان اور سارے سپاہی سخت حیران تھے۔ الغرض انہوں نے دیکھا کہ جنگل ہے اور اس کے بیچ میں چار پہاڑیوں کے درمیان ایک تالاب ہے اور اس میں چار رنگ کی مچھلیاں ہیں' لال اور سفید اور پیلی اور نیلی۔ بادشاہ ٹھہر گیا اور اسے سخت تعجب تھا۔ اس نے سپاہیوں اور باقی تمام حاضرین سے پوچھا کہ تم نے یہ تالاب پہلے کبھی دیکھا ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ جہاں پناہ' ہم نے اسے آج تک نہیں دیکھا۔ انہوں نے بڑے بوڑھوں سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ ہم نے اس جگہ پر تالاب کبھی نہیں دیکھا۔ بادشاہ نے کہا کہ جب تک میں اس تالاب اور ان مچھلیوں کا بھید نہ دریافت کر لوں گا خدا کی قسم ہے کہ میں شہر میں داخل نہ ہوں گا اور نہ تخت پر بیٹھوں گا۔ بادشاہ نے تمام لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ان پہاڑیوں کے آس پاس اتر جائیں اور وزیر کو طلب کیا۔ وزیر بہت زیرک اور دانا اور عاقل اور سیاست دان تھا۔ جب وہ آیا تو بادشاہ نے کہا کہ میں ایک کام کرنا چاہتا ہوں اور تجھے مطلع کرنا چاہتا ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آج رات میں اکیلا رہوں اور اس تالاب اور مچھلیوں کے راز کا پتہ لگاؤں۔ تو میرے خیمے کے دروازے پر بیٹھا رہ اور امرا اور وزرا اور خدام اور نوابوں میں سے جو کوئی میرے متعلق دریافت کرے اس سے کہہ دیجیو کہ سلطان بیمار ہے اور مجھے حکم ہے کہ میں کسی کو اندر نہ جانے دوں اور کسی کو بھی میرے ارادے کی خبر نہ ہو۔ وزیر کو یہ طاقت کب تھی

کہ وہ بادشاہ کی بات نہ مانتا۔

بادشاہ نے بھیس بدلا اور تلوار لگائی اور ایک پہاڑی کے اوپر چل دیا اور باقی رات صبح تک چلتا رہا۔ دوسرے دن بھر چلا اور بسبب دب رات چلنے کے گرمی سے بیتاب تھا۔ پھر دوسری رات پھر صبح تک چلتا رہا۔ اب اسے دور سے ایک سیاہ دھبہ سا نظر آیا۔ وہ خوش ہو گیا اور دل میں کہنے لگا کہ شاید مجھے یہاں کوئی مل جائے اور تالاب اور مچھلیوں کا بھید بتا سکے۔ جب قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ ایک محل ہے جو کالے پتھر کا بنا ہوا ہے اور اس پر لوہے کے پتر جڑے ہیں اور دروازے کا ایک پٹ کھلا ہوا ہے اور دوسرا بند۔ بادشاہ خوش ہو کر دروازے پر ٹھہر گیا اور آہستہ آہستہ دستک دی لیکن جواب نہ ملا۔ پھر دوسری بار دستک دی اور پھر تیسری بار لیکن جواب نہ ملا۔ پھر اس نے بڑی زور سے دستک دی لیکن پھر بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ اس نے خیال کیا کہ یہ مکان ضرور خالی ہو گا۔ اب وہ ہمت کر کے محل کے دروازے سے دہلیز تک گیا اور زور سے آواز دی کہ اے محل والو! میں ایک پردیسی آدمی اور مسافر ہوں۔ تمہارے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ ہے؟ یہی اس نے دوبارہ اور سہ بارہ کہا لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔ اب وہ اپنے دل کو مضبوط کر کے دہلیز سے آگے بڑھا اور محل کے بیچ میں پہنچ گیا۔ اب بھی وہاں کوئی نہ ملا۔ مگر اس نے دیکھا کہ ریشم اور زربفت کا فرش بچھا ہوا ہے اور پردے پڑے ہوئے ہیں اور محل کے بیچ میں ایک بڑا آنگن ہے اور اس میں چار ایوان اور ایک بارہ دری ہے۔ ایوان آمنے سامنے ہیں اور ایک شامیانہ لگا ہوا ہے اور ایک حوض ہے جس کے اوپر سرخ سونے کے چار درندے بنے ہوئے ہیں اور ان کے منہ سے پانی مثل موتی اور ہیرے کے نکلتا ہے اور محل میں چاروں طرف چڑیاں ہیں اور محل کے اوپر سونے کی جالی لگی ہوئی ہے تاکہ وہ باہر نہ جا سکیں۔ مگر کسی انسان کا نام و نشان نہیں۔ بادشاہ حیران ہوا اور اسے اس بات پر افسوس ہوا کہ یہاں بھی کوئی شخص نہیں جو اس جنگل اور تالاب کی مچھلیوں اور پہاڑیوں اور محل کا بھید بتا سکے۔ وہ آنگن میں بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اتنے میں کسی شخص کی نہایت درد

ناک آواز سنائی دی جو رو رو کر یہ شعر گا رہا تھا:

"میں نے تیری باتوں کو بہت چھپایا لیکن وہ ظاہر ہو ہی گئیں اور بجائے نیند کے میری آنکھوں میں بیداری سما گئی۔"

"اے زمانے' میرے اوپر رحم مت کھا اور اس کا ساتھ مت چھوڑ' میری روح تکلیف اور خطرے میں پھنسی ہوئی ہے۔"

"اس قوم کے ایسے شریف پر کوئی رحم نہیں کھاتا جو محبت کی راہ میں ذلیل ہو چکا ہو اور نہ ایسے امیر پر جو غریب ہو چکا ہو۔"

"مجھے تیرے متعلق نسیم پر بھی رشک آتا ہے لیکن جب قسمت نے یاوری نہ کی تو آنکھیں بھی اندھی ہو گئیں۔"

"تیر انداز کیا کرے اگر اس کا دشمن سامنے ہو اور وہ تیر چلانا چاہے اور کمان کا چلہ ٹوٹ گیا ہو۔"

"اگر انسان پر رنج و غم کی مصیبت ٹوٹ پڑے تو وہ قضا و قدر سے بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے!"

جب سلطان نے رونے کی آواز سنی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس آواز کی طرف چل دیا۔ اب اس نے دیکھا کہ ایک نشست گاہ پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس نے پردہ اٹھایا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کے پیچھے ایک نوجوان ایک کرسی پر جو زمین سے گز بھر اونچی ہے' بیٹھا ہوا ہے۔ نوجوان نہایت حسین' قد و قامت نہایت دل کش' زبان فصیح' چہرہ چمکدار' رخسار سرخ سفید' اس پر عنبر کی ٹکیا کی طرح ایک تل۔ بادشاہ اسے دیکھ کر باغ باغ ہو گیا اور اسے سلام کیا اور دیکھا کہ وہ نوجوان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے' اس کا لباس ریشمی ہے جس پر مصری سونے سے کشیدہ کڑھا ہوا ہے' اس کے سر پر ہیروں سے جڑا ہوا تاج ہے۔ لیکن اس کا چہرہ غمگین نظر آتا ہے۔ بادشاہ کے سلام کا اس نے بہتر جواب دیا اور کہنے لگا کہ اے میرے بزرگ! مجھے تیرے خیر مقدم کے لیے کم از کم اٹھ کھڑا ہونا تھا' لیکن میں معذور ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ اے نوجوان' میں

تیری معذرت قبول کرتا ہوں' میں تیرا مہمان ہوں اور ایک ضروری کام کے لیے آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تو مجھے اس تالاب اور مچھلیوں اور محل اور اپنی تنہائی اور رونے کا بھید بتا دے۔ جب نوجوان نے یہ باتیں سنیں تو اس کے چہرے پر آنسو بہنے لگے اور وہ زار زار رونے لگا اور ایک سرد آہ کھینچ کر اس نے کہا:

"تمام باتیں خدا پر چھوڑ دے اور غم اور فکر میں مت پڑ۔ یہ مت پوچھ کہ فلاں بات یوں کیوں ہوئی' یہی تقدیر میں لکھا تھا۔"

بادشاہ کو تعجب ہوا اور وہ کہنے لگا کہ اے نوجوان! تو کیوں روتا ہے؟ اس نے کہا کہ بات ہی رونے کی ہے۔ جب میں اس حالت میں گزر کروں۔ وہ اپنے دامن کی طرف ہاتھ لے گیا اور اسے اٹھایا تو نیچے کا آدھا دھڑ پتھر کا تھا اور ناف سے لے کر سر کے بالوں تک وہ انسان تھا۔ جب بادشاہ نے نوجوان کو اس حالت میں دیکھا تو اسے بے حد رنج و غم اور افسوس ہوا اور اس نے کہا کہ اے نوجوان! تو نے میرے رنج کو دوبالا کر دیا۔ اب تک تو میں محض مچھلیوں کی حالت جاننا چاہتا تھا اور اب ان کی اور تیری دونوں کی ولا حول ولا قوہ الاباللہ العلی العظیم خدا کے واسطے اپنا حال جلد بیان کر۔

اس نے کہا' سن اور دیکھ۔ بادشاہ نے کہا کہ میرے کان اور آنکھیں حاضر ہیں۔ نوجوان نے کہا کہ میرا اور ان مچھلیوں کا عجیب و غریب واقعہ ہے۔ اگر اسے سوئی کی نوک سے آنکھوں کے کونوں میں لکھا جائے تو لوگوں کے لیے بڑی عبرت کا باعث ہو گا۔

بادشاہ نے کہا کہ کس طرح؟

○ نوجوان کی کہانی جس پر جادو کیا گیا تھا

نوجوان نے کہا کہ اے میرے بزرگ' سن۔ میرا باپ اس شہر کا بادشاہ تھا۔ اس کا نام محمود تھا اور اس کی حکومت جزائر سیاہ پر تھی اور وہ ان چاروں پہاڑوں کے بیچ میں رہتا تھا۔ ستر سال حکومت کر کے اس کا انتقال ہو گیا اور میں بادشاہ ہوا۔ اور میں

نے اپنی چچیری بہن سے شادی کی۔ اسے مجھ سے اتنی محبت تھی کہ اگر میں موجود نہ ہوتا تو وہ نہ کھانا کھاتی نہ پانی پیتی۔ اسی طرح پانچ سال تک میرا اور اس کا ساتھ رہا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ وہ حمام میں گئی اور باورچی سے کہا کہ ہمارے لیے کوئی چیز جلد پکا کر رات کا کھانا تیار کر۔ پھر میں اس محل میں آ کر اپنی خواب گاہ میں سو گیا اور دو لونڈیوں کو حکم دیا کہ وہ پاس رہیں' ایک سرہانے اور دوسری پائنتی۔ مجھے اپنی بیوی کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے بڑی پریشانی تھی اور نیند نہ آتی تھی۔ ہاں میری آنکھیں تو بند تھیں مگر روح بیدار تھی۔ اب میں کیا سنتا ہوں کہ سرہانے والی لونڈی پائنتی والی سے کہہ رہی کہ اے مسعودہ' مجھے اپنے آقا اور اس کی جوانی پر ترس آتا ہے۔ اسے ہماری مالکہ سے' خدا اس رنڈی پر لعنت بھیجے' کیا نقصان پہنچ رہا ہے! اس نے کہا کہ ہاں' خدا کی مار ہو دغاباز اور زانی عورت پر! وہ ہمارے آقا اور اس کی جوانی کے قابل نہیں' وہ ہر رات باہر سوتی ہے۔ پھر سرہانے والی لونڈی نے کہا کہ معلوم نہیں کہ ہمارا آقا گونگا ہے یا اس پر جادو ٹونا کیا گیا ہے کہ وہ اس سے باز پرس نہیں کرتا۔ اس پر دوسری لونڈی نے کہا کہ چل چپ ہو! وہ ہمارا آقا ہے۔ یا تو وہ سب کچھ جانتا ہے اور یا اس نے اسے اختیار دے رکھا ہے۔ تجھے معلوم نہیں کہ جو شراب کا پیالہ وہ اسے سوتے وقت دیتی ہے' اس میں بھنگ ملا دیتی ہے اور اسے دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی اور یہ بھی اسے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کہاں جاتی ہے۔ شراب پلانے کے بعد وہ اپنے بہترین کپڑے پہنتی اور عطر لگاتی ہے اور اس کے پاس چلتی ہوتی ہے اور تڑکے تک غائب رہتی ہے۔ جب وہ واپس آتی ہے تو اس کی ناک میں کسی چیز کی دھونی دیتی ہے اور وہ جاگ اٹھتا ہے۔

جب میں نے لونڈی کو یہ کہتے سنا تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا لیکن اس کا یقین نہ آیا۔ یہاں تک کہ دوسری رات ہوئی اور میری چچیری بہن حمام سے نکلی۔ ہم نے دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا اور تھوڑی دیر تک بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ جیسے کہ ہر روز کیا کرتے تھے۔ پھر اس نے شراب منگائی جسے میں ہر روز کی طرح پی گیا مگر

میں نے اسے گریبان میں انڈیل دیا اور فوراً لیٹ گیا اور سٹی مار لی۔ اس نے کہا کہ رات بھر سوتا رہیو اور ہرگز مت جاگیو۔ خدا کی قسم! مجھے تجھ سے اور تیری صورت سے

نفرت ہے اور میں تیرے ساتھ سونے پر لات مارتی ہوں۔ نہ معلوم خدا کب تری روح قبض کرے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھی اور اپنے بہترین کپڑے پہنے اور عطر لگایا اور میری تلوار لے کر کمر سے باندھی اور محل کے دروازے کھولے اور چلتی ہوئی۔ میں اٹھا اور اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا اور محل سے باہر آیا۔ وہ شہر کے گلی کوچوں میں ہوتی ہوئی شہر کے دروازے پر پہنچی۔ وہاں اس نے کچھ پڑھا جو میری سمجھ میں نہیں آیا اور سارے قفل کھل کر گر پڑے اور دروانہ اپنے آپ کھل گیا۔ وہ شہر سے باہر نکلی اور میں اس کے پیچھے پیچھے لگا ہوا تھا مگر اس کو اس بات کی خبر نہ تھی۔ یہاں تک کہ کوڑے کے دو ڈھیروں کے بیچ میں پہنچی اور ایک جھونپڑی کے پاس آئی جو اینٹوں کی بنی ہوئی تھی اور اس پر ایک گنبد تھا اور اس کا ایک دروانہ۔ وہ اندر داخل ہوئی اور میں گنبد کے اوپر چڑھ کر پیٹھ کے بل لیٹ گیا اور انہیں جھانکنے لگا۔ اب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میری چچیری بہن ایک حبشی غلام کے پاس ہے جس کا ایک ہونٹ چونڑ کی طرح اور دوسرا قالین کی طرح تھا' وہ اپنے ہونٹوں سے کنکریوں کے اوپر سے ریت چن سکتا تھا۔ وہ پھٹے پرانے چیتھڑے پہنے پیال کے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے اس کے سامنے آکر زمین کو بوسہ دیا۔ غلام نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور کہنے لگا کہ اے مردود تو اب تک کہاں تھی؟ میرے یہاں میرے حبشی چچیرے بھائی آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے شراب پی اور ہر ایک کے ساتھ ایک ایک لڑکی تھی۔ میں نے تیری وجہ سے شراب تک نہ پی۔ اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا' میرے پیارے' میری آنکھ کے تارے' تجھے معلوم ہے کہ میں اپنے چچیرے بھائی کی بیوی ہوں اور مجھے اس کی صورت سے نفرت ہے اور میں اس کی ہم بستری سے کوسوں بھاگتی ہوں۔ اگر مجھے تیرا خیال نہ ہوتا تو سورج نکلنے سے پہلے سارے شہر کو تباہ کر دیتی اور اس میں کوے اور الو بولنے لگتے اور گیدڑ اور بھیڑیے آکر رہتے اور اس کی اینٹیں اور پتھر کوہ قاف کے پیچھے

پھینک آتی۔ غلام نے کہا کہ اے حرام زادی تو جھوٹی ہے۔ مجھے حبشیوں کی عزت کی قسم ہے اور ہماری شرافت کو گورے لوگوں کی شرافت نہ سمجھ' اگر آج کے بعد تو

نے اتنی دیر لگائی تو ہم بستر تو درکنار میں اپنے جسم کو تیرے سے مس تک نہ کروں گا۔ اے حرام زادی' تو میرے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتی ہے اور ہم سے اپنی شہوت پوری کراتی ہے۔ اے مردار' اے کتیا' اے ذلیل ترین گوری۔

میں نے جب یہ باتیں سنیں' اور جو کچھ ان کے درمیان ہو رہا تھا وہ میں سن اور دیکھ رہا تھا۔ تو دنیا میری آنکھوں میں تاریک ہو گئی اور مجھے یہ بھی معلوم نہ رہا کہ میں ہوں کہاں؟ میری چچیری بہن کھڑی اس کے آگے رو رہی تھی اور اس کی خوشامد کرتی اور غلام سے کہتی تھی کہ اے میرے پیارے' میرے جگرپارے' اگر تو مجھ سے ناراض ہو گا تو میرا دنیا میں اور کون ہے؟ اگر تو مجھے نکال دے گا تو میں کس کے پاس جاؤں گی؟ اے میرے پیارے' میری آنکھوں کے نور۔ وہ اسی طرح روتی اور گڑگڑاتی رہی یہاں تک کہ وہ راضی ہو گیا۔ وہ خوشی کے مارے پھول گئی اور اٹھ کر اپنے اوپر اور نیچے کے کپڑے اتارے اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا' تیرے پاس کوئی چیز ہے جو تیری لونڈی کھائے۔ اس نے کہا کہ فلاں لگن کھول اس میں کچھ چوہوں کی ہڈیاں ہیں جو آج پکے تھے' ان کو کھالے اور دیکھ فلاں ہنڈیا میں کچھ بچی کچھی شراب ہے' اسے پی جا۔ وہ اٹھی اور کھا پی کے اپنے منہ ہاتھ دھوئے اور پیال پر غلام کے پاس لیٹ گئی اور ننگی ہو کر اس کے چیتھڑوں کے اندر گھس گئی۔ جب میں نے اپنی چچیری بہن کی یہ کاروائی دیکھی تو میں اپنے آپ کو بالکل بھول گیا اور گنبد پر سے اتر کر وہ تلوار اٹھا لی جو میری چچیری بہن لائی تھی اور اسے کھینچ کر مصمم ارادہ کر لیا کہ دونوں کو قتل کر دوں گا۔ پہلے میں نے غلام کی گردن پر وار کیا اور خیال کیا کہ اس کا کام تمام ہو گیا۔

شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھویں رات

جب آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- جوان نے بادشاہ سے کہا کہ جب میں نے غلام پر وار کیا تو اس کا سر دھڑ سے الگ ہو جائے تو اس کی نرخسی بھی نہیں کٹی بلکہ محض گلے کی ہڈی اور کھال اور گوشت۔ میں سمجھا کہ وہ مر گیا لیکن وہ زور زور سے کراہنے لگا۔ اتنے میں میری بہن نے نیند میں کروٹ بدلی تو میں الٹے پاؤں پھرا اور تلوار کو اپنی جگہ چھوڑ کر شہر میں آیا اور محل میں داخل ہوا اور بستر پر صبح تک سو گیا۔ اب میری چچیری بہن واپس آئی اور اس نے مجھے جگایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس نے اپنے بال کاٹ ڈالے ہیں اور سوگ کے کپڑے میں ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اے چچیرے بھائی میرے اس فعل کو برا مت مان' مجھے خبر ملی ہے کہ میری ماں فوت ہو گئی اور باپ جہاد میں مارا گیا اور ایک بھائی کو بچھو نے کاٹ لیا اور دوسرا لڑائی میں مارا گیا۔ اب میرا فرض ہے کہ روؤں اور سوگ کروں۔ یہ سن کر میں چپ ہو گیا اور اس سے کہا کہ جو تیرا جی چاہے کر۔ میں تیری مرضی کے خلاف کچھ نہیں چاہتا۔ اس نے پورے ایک سال سوگ کیا اور رونے دھونے میں گزارا۔ سال گزرنے کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ محل کے اندر ایک گنبد نما مقبرہ بنواؤں اور اسے اپنے سوگ کے لیے مخصوص کردوں اور اس کا نام بیت الاحزان رکھوں۔ میں نے کہا' جو تیرا جی چاہے کر۔ اس نے سوگ کے لیے ایک بارہ دری بنوائی اور اس کے بیچ میں ایک گنبد اور قبر نما ایک مدفن۔ پھر اس نے غلام کو لا کر وہاں رکھا۔ اس میں جان تو تھی لیکن اس سے اسے کوئی فائدہ نہ پہنچ سکتا تھا۔ ہاں وہ شراب پیتا تھا اور جس روز سے اسے زخم لگا تھا' اس کی زبان بند ہو گئی مگر موت نہ آئی۔ وہ ہر صبح و شام اس کے پاس جاتی اور گنبد کے اندر اس پر نالہ و زاری کرتی اور اسے دن رات شراب مقوی یخنیاں پینے کو دیتی۔

یہی حالت تھی کہ دوسرا سال آ پہنچا۔ میں اپنے آپ کو بہت روکے ہوئے رکھتا تھا مگر اس کی طرف کوئی التفات نہ تھا۔ ایک روز میں اس کے بے جانے بوجھے وہاں پہنچ گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ رو رو کر کہہ رہی ہے کہ تو میری آنکھوں سے کیوں اوٹ ہے' میرے دل کے سکون' میرے ساتھ باتیں کر' اے میری جان' بول' اے میرے پیارے۔

جب وہ اپنی باتیں ختم کر چکی تو میں نے اس سے کہا کہ اے چچیری بہن' اب سوگ کافی ہو چکا۔ زیادہ رونا دھونا بے سود ہے' اب جو کچھ باقی رہ گیا ہے' اس سے فائدہ اٹھا۔ اس نے کہا کہ تو میری باتوں میں دخل اندازی مت کر۔ اگر تو نہ مانے گا تو میں فوراً جان دے دوں گی۔ یہ سن کر میں چپ ہو گیا اور اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ وہ اور ایک سال گریہ و زاری اور سوگ میں رہی۔ تیسرے سال کے بعد میں پھر ایک روز اس کے پاس گیا اور مجھے کسی اور بات سے سخت پریشانی تھی اور اس نے بہت طول کھینچا تھا۔ میں نے اسے دیکھا کہ وہ گنبد کے اندر قبر کے ایک پہلو میں بیٹھی ہوئی یہ کہہ رہی ہے کہ اے میرے آقا' تو مجھ سے کوئی بات نہیں کرتا۔ اے میرے آقا' آخر تو مجھے جواب کیوں نہیں دیتا۔ پھر اس نے یہ شعر پڑھے:

"اے قبر' تو میرے لیے نہ زمین ہے نہ آسمان' تو پھر تیرے اندر سورج اور چاند کہاں سے جمع ہو سکتے ہیں!"

جب میں نے اس کی باتیں اور اشعار سنے تو میرا غصہ اور بھی بڑھ گیا اور میں نے کہا کہ یہ سوگ آخر کب تک رہے گا؟ پھر میں نے یہ اشعار پڑھے:

"اے قبر' اے قبر' کیا اس کی بے ہودہ باتیں ختم ہو گئیں؟ یا اس کا گندہ چہرہ جو تیری روشنی کا باعث تھا' نہ رہا؟"

"اے قبر' تو نہ حوض ہے اور نہ دیگچی' تو پھر تیرے اندر کوڑا کرکٹ کیوں کر جمع ہو سکتا ہے!"

جب اس نے میری باتیں سنیں تو اچھل پڑی اور کہنے لگی کہ تف ہو تجھ پر' اے کتے'

تو کیا' تو نے ہی یہ کام کیا اور میرے دلی معشوق کو زخمی کیا اور مجھے اور اس کی جوانی کو برباد کر دیا؟ تین سال ہوئے کہ نہ وہ مرتا ہے نا جیتا۔ میں نے جواب دیا کہ اے ناپاک رنڈی اور اے گندی پتریا اور کرائے کے غلاموں کی آشنا' ہاں' میں نے ہی کیا ہے۔ یہ کہہ کر میں نے تلوار پر ہاتھ مار کر اسے کھینچ لیا اور اس کی طرف لپکا کہ اس کا کام تمام کر دوں۔ جب اس نے میری باتیں سنیں اور دیکھا کہ میں اس کے قتل پر کمر بستہ ہوں' تو وہ ہنسی اور کہنے لگی کہ چل ہٹ' اے کتے' جو کچھ ہو چکا ہے وہ تو واپس نہیں آسکتا اور نہ مردے دوبارہ زندہ ہوتے ہیں' لیکن جس نے میرے ساتھ یہ برا سلوک کیا ہے' اس پر میرا بھی زور چلتا ہے اور میرے دل میں اس کی طرف سے وہ آگ بھڑک رہی ہے جو کبھی بجھ نہیں سکتی اور ایسے شعلے نکل رہے ہیں' جو چھپ نہیں سکتے۔ یہ کہہ کر وہ دونوں پاؤں سیدھی کھڑی ہو گئی اور کچھ پڑھنے لگی جو میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا اور کہا کہ میرے جادو سے آدھا پتھر ہو جا اور آدھا انسان اور میری یہ حالت ہو گئی' جسے تو دیکھ رہا ہے۔ اب میں اٹھ بیٹھ نہیں سکتا' نہ زندہ ہوں نہ مردہ' جب میری یہ حالت ہو گئی تو اس نے شہر اور اس کے تمام گلی کوچوں اور باغوں پر بھی جادو کیا۔ ہمارے شہر میں چار قومیں آباد تھیں! مسلمان' عیسائی' یہودی اور آتش پرست۔ اس نے ان سب کو مچھلیاں بنا دیا۔ مسلمانوں کو سفید' آتش پرستوں کو سرخ' عیسائیوں کو نیلا اور یہودیوں کو پیلا اور چاروں جزیروں کو تالاب کے آس پاس چار پہاڑ بنا دیا۔ اب وہ ہر روز مجھے ستاتی اور سو کوڑے مارتی ہے۔ یہاں تک کہ میں لہولہان ہو جاتا ہوں۔ پھر وہ میرے کاندھے کھرچتی اور یہ اونی کپڑے جو تو اوپر کے بدن پر دیکھ رہا ہے' پہناتی ہے اور اس کے اوپر یہ قیمتی عبا ڈال دیتی ہے۔

یہ کہہ کر وہ جوان رونے لگا۔

کہتے ہیں کہ اب بادشاہ جوان کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے نوجوان! تو نے میرا غم دوبالا کر دیا بعد اس کے کہ تجھے دیکھ کر میرا غم دور ہو گیا تھا لیکن آخر وہ عورت کہاں ہے اور کہاں ہے وہ مدفن' جس میں غلام ہے؟ جوان نے کہا کہ غلام

مدفن میں اس گنبد کے نیچے پڑا ہے جو میرے دروازے کے سامنے فلاں بارہ دری میں واقع ہے۔ عورت سورج نکلنے سے پہلے میرے پاس آتی ہے اور میرے کپڑے اتار کر اتنے زور سے سو کوڑے مارتی ہے کہ میں رونے اور چلانے لگتا ہوں۔ میں اتنا بھی نہیں بل سکتا کہ اپنے آپ کو بچاؤں۔ مجھے مار پیٹ کر وہ غلام کے پاس جاتی ہے اور اسے شراب اور یخنی پینے کے لیے دیتی ہے۔ اب کل تڑکے وہ پھر آئے گی۔ بادشاہ نے کہا کہ اے جوان' میں تیرے ساتھ ایسی بھلائی کروں گا' جسے لوگ ایک دوسرے سے بیان کریں گے اور جس کا ذکر قیامت تک تاریخ کی کتابوں میں رہے گا۔ اب بادشاہ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی اور دونوں سو گئے۔ صبح سویرے بادشاہ جاگا اور اس نے اوپر کے کپڑے اتار دیئے اور تلوار کھینچ کر اس جگہ پہنچا جہاں غلام تھا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں چراغ اور قندیلیں اور عطریات اور روغن رکھے ہوئے ہیں۔ اس نے غلام کو ادھر ادھر تلاش کیا اور اس کے پاس پہنچ کر ایک وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر اسے اپنی پیٹھ پر لادا اور لے جا کر ایک کنوئیں میں ڈال دیا جو اسی محل کے اندر تھا۔ پھر وہ وہیں واپس آیا اور غلام کے کپڑے پہن کر قبر کے اندر لیٹ گیا اور ننگی تلوار اپنے برابر رکھ لی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ حرام زادی جادوگرنی آئی اور آتے ساتھ ہی اپنے چچیرے بھائی کے کپڑے اتارے اور کوڑا لے کر اسے مارنا شروع کیا۔ اس نے کہا کہ آہ میری بہن' کیا میری موجودہ مصیبت کافی نہیں! اے بہن' میرے حال پر رحم کھا۔ اس نے کہا کہ ہاں' جس طرح تو نے میرے اوپر رحم کھا کر میرے معشوق کو زندہ رکھا ہے؟ جب وہ کوڑے مارے مارتے تھک گئی اور اس کے جسم سے خون بہنے لگا تو اس نے اسے اونی کپڑے پہنائے اور ان کے اوپر سے عبا۔ پھر وہ شراب کا جام اور یخنی کا پیالہ لے کر غلام کے پاس گئی اور گنبد میں داخل ہو کر رونے پیٹنے لگی کہ اے میرے آقا' کچھ تو کہہ اور باتیں کر۔ بادشاہ نے زبان مروڑ کر دھیمی آواز سے حبشیوں کے لہجے میں کہا کہ آہ' آہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم عورت نے جب اسے بات کرتے سنا تو مارے خوشی

کے چلا اٹھی اور بے ہوش ہو گئی۔ جب اسے ذرا ہوش آیا تو اس نے کہا کہ واقعی تو تندرست ہو گیا ہے؟ بادشاہ نے اپنی آواز اور زیادہ دھیمی کر کے کہا کہ اے حرام زادی' کیا تو اس قابل ہے کہ میں تجھ سے بات کروں۔ عورت نے کہا کہ کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ اس لیے کہ تو دن بھر اپنے شوہر کو ستاتی ہے اور وہ واویلا کرتا ہے اور میری نیند رات سے صبح تک حرام کر دیتا ہے۔ وہ روتا پیٹتا اور مجھے اور تجھے کوستا ہے۔ اس سے مجھے بہت تکلیف پہنچتی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو میں کب کا تندرست ہو چکا ہوتا۔ اسی لیے میں تجھ سے بولتا بھی نہیں۔ اس نے کہا کہ اگر تیری مرضی ہے تو میں اسے ابھی اچھا کیے دیتی ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ ہاں' اسے اچھا کر دے تاکہ مجھے آرام ملے۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم' اور اٹھ کھڑی ہوئی اور گنبد سے نکل کر محل میں گئی اور ایک پیالے میں پانی بھر کر اس پر کچھ پڑھ کر پھونکا۔ پانی کھولنے لگا اور اس پر بلبلے اٹھنے لگے اور ہانڈی کی طرح جوش آنے لگا۔ اس پانی میں سے اس نے اپنے شوہر پر چھڑکا اور کہنے لگی کہ اگر تو میرے جادو اور فریب کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے تو اس صورت کو بدل کر اپنی اصلی صورت اختیار کر لے۔ اس نے یہ کہا ہی تھا کہ جوان کو حرکت ہوئی اور وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ اپنے آپ کو تندرست پا کر وہ پھولا نہ سمایا اور کہا کہ اشھدان لاالا الااللہ واشھدان محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) عورت نے کہا کہ یہاں سے نکل جا اور پھر کبھی ہرگز واپس نہ آئیو ورنہ میں تجھے قتل کر ڈالوں گی۔ یہ کہہ کر اس نے شوہر کو بہت ڈانٹا ڈپٹا اور وہ چلا گیا۔ عورت گنبد کے اندر ئی اور کہنے لگی کے اے میرے آقا' باہر نکل تاکہ میں تیرا دیدار کروں۔ بادشاہ نے دھیمی آواز میں اس سے کہا کہ جو کچھ تو نے کیا ہے' اس سے مجھے محض جزوی مسرت حاصل ہوئی ہے' مکمل نہیں۔ اس نے کہا کہ اے میرے معشوق' میرے پیارے حبشی' مکمل کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اے ملعونہ' تجھ پر خدا کی لعنت' وہ اس شہر اور چاروں جزیروں کے باشندے ہیں۔ ہر روز آدھی رات کو مچھلیاں اپنا سر نکال کر واویلا کرتی اور مجھے اور تجھے کوستی ہیں۔ اس وجہ سے مجھے

بالکل چین نہیں آتا۔ جا اور ان کو جلد آزاد کر کے واپس آ اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اٹھا کیونکہ اب میں کسی قدر تندرست ہوں۔ جب اس نے بادشاہ کی باتیں سنیں' اور وہ اسے غلام سمجھ کر خوش ہو رہی تھی' تو اس نے کہا کہ اے میرے آقا' بسرو چشم' بسم اللہ' اور مارے خوشی کے اٹھ کھڑی ہوئی تالاب کے پاس جا کر اس میں سے تھوڑا سا پانی لیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## نویں رات

جب نویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- مجھے معلوم ہوا ہے کہ جب جادوگرنی نے تالاب میں سے پانی لیا اور اس پر کچھ پڑھ کر پھونکا جو سمجھ میں نہ آتا تھا تو مچھلیاں رقص کرنے لگیں اور انہوں نے اپنے اپنے سر نکالے اور فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں اور شہر والوں کا جادو اتر گیا اور شہر دوبارہ آباد ہو گیا۔ دوکاندار خرید و فروخت کرنے لگے' ہر شخص اپنے کام کاج میں لگ گیا۔ جزیرے پہلے کی طرح ہو گئے۔ جادوگرنی فوراً بادشاہ کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ اے پیارے' اپنا ہاتھ مجھے دے اور اٹھ کھڑا ہو۔ بادشاہ نے دھیمی آواز سے کہا کہ قریب آ۔ وہ قریب آئی یہاں تک کہ اس کے بدن سے بدن مل گیا۔ بادشاہ نے تلوار کھینچ کر اس کے سینے پر ایسا وار کیا کہ تلوار چمکتی ہوئی دوسری طرف پیٹھ سے نکل آئی۔ پھر بادشاہ نے دوسرا وار کر کے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور خود باہر نکل آیا۔ یہاں اس نے دیکھا کہ جوان اس کے انتظار میں کھڑا ہوا ہے۔ جوان نے اس کی سلامتی پر اسے مبارک باد دی اور اس کے ہاتھ چومے۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر تیرا جی چاہے تو اپنے اسی شہر میں ٹھہر' ورنہ میرے ساتھ شہر چل۔ جوان نے کہا کہ تجھ کو معلوم ہے کہ تو اپنے شہر سے کتنی دور ہے؟ بادشاہ نے کہا کہ ڈھائی دن کا فاصلہ ہے۔ جوان نے کہا کہ اے بادشاہ' اگر تو خواب میں ہے تو بیدار ہو جا۔ یہاں سے تیرے شہر تک ایک تیز رو مسافر کی رفتار سے پورے سال کا راستہ ہے۔ تو جو ڈھائی دن میں پہنچ گیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ شہر جادو کے اثر میں تھا۔ اے بادشاہ! میں تجھ سے لحہ بھر کے لیے بھی جدا نہ ہوں گا۔ بادشاہ نے کہا کہ شکریہ ہے خدا کا جس نے تجھے مجھ کو عطا کیا۔ آج سے تو میرا بیٹا ہے' کیونکہ عمر بھر میرے کوئی بیٹا پیدا نہیں ہوا۔ دونوں گلے لپٹ گئے اور خوشی کے مارے ان کی باچھیں کھل گئیں۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر وہ محل میں

پہنچے۔ جوان بادشاہ نے تمام رؤسا کو حکم دیا کہ سفر کی تیاری کی جائے اور ساری ضروریات مہیا کی جائیں۔ دس روز تیاری ہوتی رہی۔ پھر دونوں بادشاہ روانہ ہو گئے۔ اس عجیب و غریب جدائی کی وجہ سے سلطان کے دل میں اپنے شہر کو دوبارہ دیکھنے کی آگ بھڑک رہی تھی۔ راہ میں ان کے ساتھ پچاس غلام اور بہت سے تحفے تحائف تھے۔ دن رات سفر کرتے کرتے وہ پورے ایک سال کے بعد سلطان کے شہر تک پہنچے اور انہوں نے سلطان کے صحیح و سلامت پہنچنے کی خبر وزیر کو بھیجی۔ وزیر و سپاہ جو بادشاہ کے دیدار سے ہاتھ دھو چکے تھے' استقبال کے لیے آئے۔ لشکر آگے بڑھا اور سلطان کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس کی سلامتی پر مبارک باد دی۔ سلطان دربار میں آکر کرسی پر جلوہ افروز ہوا۔ وزیر آگے آیا اور اس نے نوجوان کا سارا قصہ سلطان سے سنا اور اس کو بھی سلامتی پر مبارکباد دی۔ اب سلطنت کے کاروبار پھر جاری ہو گئے۔ سلطان نے بہت لوگوں پر انعام و اکرام کیا اور وزیر کو حکم دیا کہ ماہی گیر کو بلایا جائے جو مچھلیاں لایا تھا اور شہر والوں کو خلاصی کا اصل سبب تھا۔ جب وہ آیا تو سلطان نے اسے خلعت عطا کیا اور اس کی خیر و عافیت دریافت کر کے اس سے پوچھا کہ تیرے کوئی اولاد ہے؟ اس نے کہا کہ میری دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔ بادشاہ نے ان تینوں کو بھی دربار میں طلب کیا اور ایک لڑکی سے خود شادی کی اور دوسری کی شادی اس جوان سے کر دی اور لڑکے کو خزانچی کے عہدے پر مامور کیا۔ وزیر کی کمر میں تلوار باندھ کر اسے جوان کے شہر کا جو جزائر سیاہ تھے' سلطان بنا کر بھیج دیا اور پچاس غلام جو اس کے ہمراہ آئے تھے' وزیر کے ساتھ روانہ کر دیئے اور تمام امرا کے لیے خلعت روانہ کئے۔ وزیر سلطان کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر سفر کے لیے روانہ ہو گیا اور سلطان اور نوجوان وہیں ٹھہر گئے۔ ماہی گیر اپنے زمانے کا امیر ترین شخص ہو گیا اور اس کی بیٹیاں مرتے دم تک رانیاں رہیں لیکن یہ کہانی حمال کی کہانی سے زیادہ عجیب نہیں ہے۔

○ حمال اور تین لڑکیوں کی کہانی

بغداد میں ایک حمال رہتا تھا۔ جس کے بیوی بچے نہ تھے۔ ایک روز وہ بغداد میں اپنے ٹوکرے سے تکیہ لگائے کھڑا تھا کہ ایک عورت آئی۔ اس کا برقعہ موصلی ریشم کا تھا۔

جوتوں پر زردوزی کا کام تھا اور ان کے حاشیوں پر موتی اور ہیرے ٹکے ہوئے تھے۔ اس کے گیسو بل رہے تھے' اس نے اپنا نقاب اٹھایا تو اس کے نیچے دو کالی کالی آنکھیں چمکتی ہوئی نظر آئیں' جن پر پلکوں کی گوٹ لگی ہوئی تھی۔ اس کا بدن نازک اور نازنین اور حسن کامل تھا۔ اس نے حمال کی طرف متوجہ ہو کر پیاری اور میٹھی آواز سے کہا کہ اپنا ٹوکرا لے کر میرے پیچھے پیچھے آ۔ حمال کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا اور ٹوکرا لے کر اس کے پیچھے دوڑا اور کہنے لگا کہ اے نیک بختی کے دن' اے کامیابی کے دن! چلتے چلتے وہ ایک مکان کے دروازے پر ٹھہر گئی اور دروازہ کھٹکھٹانے لگی۔ ایک عیسائی نیچے آیا' اس نے اسے ایک دینار دیا اور ایک زیتونی رنگ کی شراب کی بوتل لے کر ٹوکرے میں رکھ دی اور حمال سے کہا کہ اٹھا اور میرے پیچھے پیچھے چل۔ حمال نے اپنے دل میں کہا کہ واللہ' آج کا دن بڑا مبارک اور دعا کے قبول ہونے کا دن ہے اور ٹوکرا اٹھا کر اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اب وہ ایک میوہ فروش کی دوکان پر ٹھہری اور وہاں سے شامی سیب' عثمانی ناشپاتیاں' عمانی آڑو' چنبیلی' شامی نیلوفر' اقلامی ککڑیاں' مرابی نیبو' سلطانی نارنگیاں' ریمانی مرسینا' مہندی پھل' بابونہ' شقائق النعمان' بنفشہ گلنار اور نسرین خرید کر سب چیزیں حمال کے ٹوکرے میں ڈال دیں اور کہا کہ اٹھا۔ وہ اٹھا کر پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اب وہ ایک قصاب کی دوکان پر ٹھہری اور کہا کہ دس رطل گوشت کاٹ دے۔ اس نے گوشت کاٹ دیا۔ اور لڑکی نے اس کی قیمت ادا کر کے گوشت کو کیلے کے پتے میں لپیٹ کر ٹوکرے میں رکھ دیا اور کہا کہ اے حمال' اٹھا' اس نے ٹوکرا اٹھایا اور لڑکی کے پیچھے ہو لیا۔ وہاں سے چل کر وہ ایک بنئے کی دوکان پر ٹھہری' وہاں سے چھلے ہوئے پستے' تہامی کشمش اور بادام خرید کر اس میں مختلف قسم کی مٹھائیاں

مثلاً مشک دانے' صابونیاں' نیبوپارے' مربے' نیب کنگھی' چھوارے' راحت لقم اور طرح طرح کے حلوے بھر کر اسے ٹوکرے میں رکھ دیا۔ حمال نے کہا' اگر مجھے معلوم ہوتا تو اپنے ساتھ ایک اونٹ لیتا آتا اور یہ سارا سامان اس پر لاد لیتا۔ لڑکی نے مسکرا کر اپنا ہاتھ اس کی گدی پر مارا اور کہا کہ جلد چل اور باتیں نہ بنا۔ خدا نے چاہا تو تجھے کافی مزدوری ملے گی۔ پھر وہ ایک عطر فروش کی دوکان پر ٹھہری اور دس قسم کے مختلف عطر خریدے مثلاً گلاب' شگوفہ' نیلوفر' بید مشک وغیرہ اور مصری خریدی اور گلاب پاش اور ایک لوبان کی ڈلی اور عود اور عنبر اور مشک اور اسکندرانی موم بتیاں اور انہیں ٹوکرے میں رکھ کر کہا کہ اٹھا اپنا ٹوکرا اور پیچھے پیچھے چل۔ حمال نے اپنا ٹوکرا اٹھایا اور اس کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ ایک خوبصورت مکان کے پاس پہنچی' جس کے سامنے ایک وسیع میدان تھا۔ مکان بلند اور اس کے ستون مضبوط تھے۔ دروازے کے دونوں پٹ آبنوس کے تھے اور ان پر سونے کے پتر جڑے ہوئے تھے۔ لڑکی دروازے کے پاس ٹھہر گئی اور نقاب الٹ کر آہستہ سے دستک دی۔ حمال اس کے پیچھے کھڑا ہوا اس کے حسن و جمال میں محو تھا۔ اب دونوں پٹوں نے جنبش کی اور دروازہ کھلا۔ حمال نے دروازہ کھولنے والی کو دیکھا' نو عمر لڑکی بلند و بالا' سینہ ابھرا ہوا' حسن و جمال اور آب و تاب اور قد و اعتدال میں لاجواب' روشن پیشانی' سرخ رخسار' نیل گائے یا غزال کی سی آنکھیں' شعبان کے چاند کی کمان کے سے ابرو' شقائق النعمان کے سے رخسار' سلیمان کی انگوٹھی کا سا منہ' مرجان کی طرح سرخ ہونٹ' موتی کی لڑی کی طرح دانت' غزال کی سی گردن' شامیانے کی طرح سینہ' پستان جیسے دو انار' پیٹ ریشم کی طرح نرم' ناف جس میں آدھ چھٹانک لوبان کا تیل آ جائے۔ حمال نے اسے دیکھا تو ہوش اڑ گئے اور قریب تھا کہ ٹوکرا اس کے سر کے اوپر سے گر پڑے' اس نے اپنے دل میں کہا کہ آج سے زیادہ مبارک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ دروازہ کھولنے والی لڑکی نے سامان لانے والی لڑکی سے کہا کہ اندر آ اور اس بیچارے حمال پر سے سامان اتار لے۔ سامان لانے والی لڑکی دروازے کے اندر داخل ہوئی' اس کے پیچھے پیچھے دروازہ

کھولنے والی پھر حمال۔ چلتے چلتے وہ ایک وسیع صحن میں داخل ہوئے جو نہایت سڈول اور خوبصورت بنا ہوا تھا اور جس میں نقش و نگار اور پچی کاری کا کام تھا۔ اس میں بارہ دریاں اور چھجے اور محرابیں تھیں نیز الماریاں جن پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ صحن کے بیچ میں پانی بھرا ہوا تھا۔ اس کے وسط میں ایک فوارہ تھا۔ صحن کے بالائی حصے میں ایک تخت پڑا ہوا تھا جو صنوبر کی لکڑی کا بنا ہوا اور جس میں ہیرے' جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ تخت کے اوپر لال اطلس کی چھتری لگی ہوئی تھی' جس کے حاشئے میں بعض گولیوں کے برابر اور بعض ان سے بھی بڑے موتی ٹکے ہوئے تھے۔ اس کے اندر سے ایک نو عمر لڑکی نکلی۔ اس کی پیشانی چمکدار تھی۔ حسن دو فریب' اندر فلسفیانہ' جسم چاند کا سا' آنکھیں جادو بھری' بھنویں ترچھی کمانوں کی سی' قد تیر کا سا' خوشبو عنبر کی سی' ہونٹ لعل کی طرح سرخ اور شکر کی طرح میٹھے۔ اس کے چہرے کی آب و تاب کے آگے سورج شرمندہ تھا اس کی مثال آسمانی تارے کی سی یا سنہرے گنبد کی سی تھی یا آرستہ و پیراستہ دلہن کی سی یا عربی نیزے کی سی۔

یہ تیسری نو عمر لڑکی تخت پر سے اتری اور ناز و انداز سے چلتی ہوئی صحن کے وسط تک اپنی بہنوں کے پاس پہنچی اور کہنے لگی کہ کھڑی کیا کرتی ہو؟ بیچارے حمال کے سر پر سے بوجھ اترواؤ۔ سامان لانے والی لڑکی نے حمال کے آگے سے ہاتھ لگایا اور دروازہ کھولنے والی نے پیچھے سے اور تیسری نے ان کی مدد کی اور حمال کا ٹوکرا اتروایا اور اس میں سے چیزیں نکال کر انہیں اپنی اپنی جگہ سلیقے سے رکھ دیا اور حمال کو دو دینار دے کر کہا جا۔ حمال نے لڑکیوں کی طرف نظر ڈالی اور ان کی خوش صورتی اور خوش سیرتی کا نظارہ کرنے لگا۔ ایسا اچھا منظر عمر بھر اس کی آنکھوں کے سامنے نہ آیا تھا لیکن اس نے دیکھا کہ ان کے یہاں کوئی مرد نہیں اور یہ بھی کہ اس کے پاس کس قدر شرابیں اور میوہ جات اور عطریات وغیرہ ہیں۔ اس پر اسے سخت اچنبھا ہوا اور ٹھٹھک گیا ایک لڑکی نے کہا کہ تو جاتا کیوں نہیں؟ کیا تجھے کافی مزدوری نہیں ملی؟ یہ کہہ کر وہ اپنی بہن سے مخاطب ہوئی اور کہا کہ ایک دینار اور دے دے۔ حمال نے کہا

کہ اے میری مالکہ' مزدوری تو مجھے کم نہیں ملی کیونکہ میری مزدوری دو درہم سے زیادہ نہیں۔ مگر میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ کیا بات ہے کہ تم لوگ اکیلی ہو اور گھر میں کوئی مرد نہیں جو تمہارا ساتھ دے۔ تمہیں معلوم ہے کہ دعوت میں چار سے کم نہیں ہوتے اور تمہارے ساتھ کوئی چوتھا نہیں۔ عورتوں کا کھیل کود بغیر مرد کے اچھا نہیں لگتا۔ تم تین ہو' تمہیں چوتھے کہ ضرورت ہے جو عقلمند اور سمجھدار اور جہاندیدہ اور رازدار ہو۔ جب ان لڑکیوں نے اس کی باتیں سنیں تو وہ ان کو بھلی معلوم ہوئیں اور وہ ہنسنے لگیں اور کہا کہ ایسا ہمیں کون مل سکتا ہے؟ ہم تو لڑکیاں ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم کوئی راز کی بات کہیں اور وہ تشت ازبام ہو جائے۔ حمال نے کہا کہ تمہاری جان کی قسم' میں سمجھ دار اور امانت دار آدمی ہوں۔ میں نے بہت سے کتابوں بالخصوص تاریخ کا مطالعہ کیا ہے۔ میں اچھی بات کو ظاہر کرنا اور بری بات کو چھپاتا ہوں۔

جب لڑکیوں نے یہ سنا تو کہنے لگیں کہ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے اپنی ساری دولت اس مکان میں لگا دی ہے۔ بتا کہ تیرے پلے کچھ ہے کہ ہمارے ساتھ معاملہ کرے؟ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ہم تجھے اپنے ساتھ بٹھلائیں اور اپنا ہم مشرب بنائیں اور اپنے حسین و ملیح چہرے دکھائیں اور تو ان کے بدلے ہمیں کچھ نہ دے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ بے پیسے کی محنت ذرا برابر بھی نہیں ہوتی۔ دروازہ کھولنے والی نے کہا کہ اے دوست' اگر تیرے پلے کچھ ہے تو ایک چیز ہے' اور اگر تیرے پلے کچھ نہیں تو ناکام لوٹ جا۔ سامان لانے والی لڑکی نے کہا کہ بہنو' اسے دق مت کرو۔ اس نے آج بڑا کام کیا ہے۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اکتا جاتا' جو کچھ اس کے ذمے ہے وہ میں اپنے اوپر لیتی ہوں۔ حمال کی باچھیں کھل گئیں اور اس نے زمین کو بوسہ دیا اور شکریہ ادا کیا۔ تخت والی لڑکی نے کہا کہ خدا کی قسم' بغیر ایک شرط کے تجھے ہرگز اپنے ساتھ نہ بٹھاؤں گی اور وہ یہ ہے کہ جس چیز سے تیرا واسطہ نہ ہو' وہ ہرگز نہ پوچھیو' ورنہ میں تجھے ماروں گی۔ حمال نے کہا کہ منظور ہے اے مالکہ

بسر و چشم۔ دیکھ میں ابھی سے گونگا ہوا جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر سامان لانے والی لڑکی اٹھی اور اپنی کمر کس کر بوتلوں کو ایک صف میں آراستہ کیا اور شراب کو نتھارا اور پھول دانوں کے اردگرد پھول پتیاں لگائیں اور باقی ضروری چیزیں لا کر رکھیں۔ پھر وہ اپنی بہنوں کے ساتھ بیٹھی اور حمال کو اپنے ساتھ بٹھایا۔ اور شراب کا دور چلنے لگا۔ حمال کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا خواب دیکھ رہا ہے۔ لڑکی نے شراب کی صراحی اٹھائی اور ایک جام بھر کر پی گئی' پھر دوسرا' پھر تیسرا' پھر جام بھر کر اس نے اپنی بہنوں کے سامنے پیش کیا' پھر اور جام اور بھر کر حمال کو دیئے اور کہنے لگی:

پی جا' تجھے مبارک ہو اور آرام دہ! اس کے پینے سے ساری بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ حمال نے جام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور آداب بجا لا کر شکریہ ادا کیا اور یہ اشعار پڑھنے لگا:

"شراب محض
اس شخص کے ساتھ پی جاتی ہے
جس پر اعتبار ہو
جو پاک طینت ہو
اور جس کا شجرہ
دور تک پہنچتا ہو"

"شراب کی حالت ہوا کی سی ہے
اگر خوشبو دار چیز کے اوپر سے گزرے تو خوشبودار ہو جاتی ہے
اور اگر مردار پر سے گزرے
تو بدبودار ہو جاتی ہے"

پھر اس نے یہ شعر پڑھا:
"اگر تو شراب پئے تو

معشوق کے ہاتھ سے پی
تا کہ تجھ میں
لطیف خیالات پیدا ہوں"

یہ اشعار پڑھنے کے بعد اس نے ان لڑکیوں کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور شراب پی اور جھومنے لگا۔ پھر اس لڑکی نے ایک جام بھر کر اپنی منجھلی بہن کو دیا۔ اس نے جام لے کر بہن کا شکریہ ادا کیا اور چڑھا گئی۔ پھر اس نے دوسرا جام بھر کر تخت والی کو دیا اور ایک پیالہ بھر کر حمال کو۔ حمال نے زمین کو بوسہ دیا اور شکریہ ادا کر کے پی گیا۔ اب وہ محل کی مالکہ کے آگے آیا اور کہنے لگا کہ اے مالکہ میری' میں تیرا غلام' زر خرید بندہ اور خادم ہوں۔ اس نے کہا کہ تجھے راس آئے! اور پی' خدا مبارک کرے اور تجھے صحت و عافیت دے! حمال نے پیالہ لے کر اس کے ہاتھ چومے اور چڑھا گیا۔ اب لڑکی نے خود ایک پیالہ لیا اور پی گئی۔ اور اپنی بہنوں کے پاس آئی اور حمال کو اپنے ساتھ بٹھا کر مے نوشی میں مشغول ہو گئی اور سب کے سب مل کر گانے' ناچنے اور اشعار پڑھنے لگے۔ اور حمال ان کے ساتھ بوس و کنار کرنے لگا' کبھی انہیں کاٹتا' کبھی چٹکیاں لیتا۔ لڑکیوں میں سے کوئی اس کے منہ میں نوالہ دیتی' کوئی کے مارتی' کوئی چپت لگاتی' کوئی خوشبو سنگھاتی اور اس میں اسے بڑا مزہ آ رہا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ جنت میں حوروں کی صحبت میں ہے۔ وہ اسی حالت میں تھے کہ شراب ان کے سروں میں چڑھنے لگی۔

جب شراب کافی چڑھ چکی تو دروازہ کھولنے والی لڑکی اٹھی اور اپنے کپڑے اتار کر برہنہ ہو گئی اور اپنے لمبے لمبے بالوں سے بدن کو ڈھانپ لیا اور حوض میں کود پڑی اور پانی کے ساتھ کھیلنے لگی' کبھی منہ میں پانی بھر کر ادھر ادھر پھینکتی اور کبھی حمال پر کلی کرتی-----

یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ پھر سب سے بڑی لڑکی جو سب سے زیادہ خوبصورت تھی اٹھی اور برہنہ ہو کر حوض میں کود پڑی اور غوطے لگانے اور نہانے اور کھیلنے لگی۔ حمال

نے اسے برہنہ دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ گویا وہ چاند کا ٹکڑا تھی' اس کا چہرہ پورے چاند کی طرح تھا یا روشن صبح کی طرح۔ اس نے اس کے قد و قامت اور سینے پر نظر ڈالی اور ان بھاری کولھوں پر جو مٹک رہے تھے اور وہ سر تا پا برہنہ تھی جس طرح کہ خدا نے اسے پیدا کیا تھا۔ جمال اس کی طرف مخاطب ہو کر یہ شعر پڑھنے لگا:

"اگر میرے تیرے قد کو
ہری بھری ٹہنی سے تشبیہ دوں
تو یہ زیادتی اور زبردستی ہے
کیونکہ ٹہنی
اس وقت بھلی لگتی ہے
جب کہ وہ اپنے لباس میں ہوتی ہے
اور تو اس وقت
جب کہ تو برہنہ ہوتی ہے"

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دسویں رات

جب دسویں رات ہوئی تو اس کی بہن دنیا زاد نے کہا کہ بہن' اپنی کہانی تمام کر۔
اس نے کہا بسر و چشم! اے نیک بخت بادشاہ ------ لڑکیاں حمال سے کہتی جاتی تھیں

کہ زب' ایر' خازوق' اور وہ ان کے بوسے لیتا اور کاٹتا اور گلے لگاتا جاتا تھا' یہاں تک
کہ اس کا دل سیر ہو گیا اور لڑکیاں مارے ہنسی کے لوٹی جاتی تھیں۔ آخر کار انہوں
نے کہا کہ اچھا بھائی تو ہی بتا کہ اس کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ تمہیں سچ مچ
اس کا نام معلوم نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ ہے سدھا
ہوا خچر جو پل پر کی ناز بو رتا ہے اور بے چھلکے کے تل کھاتا ہے اور ابو منصور کی
سرائے میں آرام کرتا ہے۔ اس پر وہ ہنستے ہنستے لوٹ گئیں۔ اب پھر دور چلنے لگا یہاں
تک کہ شام ہو گئی اور انہوں نے حمال سے کہا کہ بسم اللہ' اے آقا' اٹھ اور جوتے
پہن اور سلام کر اور چلتا بن۔ حمال نے کہا کہ خدا کی قسم میری روح کا نکل جانا
آسان تر ہے بہ نسبت اس کے کہ میں تمہارے پاس سے جاؤں۔ آؤ' ہم اس رات
کو کل صبح سے ملا دیں اور پھر ہم سب اپنی اپنی راہ لیں۔ سامان لانے والی نے کہا کہ
میری جان کی قسم' اسے آج رات یہیں ہمارے یہاں سونے دو تاکہ ہم کچھ دیر اور
اس کا مذاق اڑا لیں۔ ایسے شخص کے دوبارہ ملنے تک کون جیتا ہے! وہ بڑا مسخرا اور
ظریف ہے۔ انہوں نے کہا کہ تو ایک شرط کے ساتھ یہاں رات کو رہ سکتا ہے کہ
تو ہماری ہر بات مانے اور اگر کوئی بھی بات دیکھے تو اس کا سبب نہ پوچھے۔ اس نے
کہا کہ بہت خوب۔ انہوں نے کہا کہ اٹھ اور دروازے پر جو کتبہ لکھا ہوا ہے کہ
جو شخص ایسی بات کرے گا جس سے اسے کوئی تعلق نہیں تو وہ منہ کی کھائے گا۔
حمال نے کہا کہ میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں کوئی ایسی بات نہ کروں
گا جس سے میرا کوئی تعلق نہ ہو۔ سامان لانے والی اٹھی اور سب کے لیے کھانا لائی۔

انہوں نے کھانا کھایا اور موم بتیاں اور قندیلیں روشن کیں اور موم بتیوں سے عنبر اور عود سوز جلائے اور شرابیں پی پی کر اپنے اپنے معشوقوں کا ذکر کرنے لگے۔ پھر وہ وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ گئیں اور وہاں تازے پھل کھائے اور شرابیں پیں۔

ابھی انہیں کھانے پینے اور شراب نوشی اور نقل اور ہنسی مذاق اور اٹکھیلیوں میں ایک پہر سے زیادہ نہ گزرا ہو گا کہ انہوں نے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنی۔ اس سے انہیں بالکل گھبراہٹ نہ ہوئی بلکہ ایک لڑکی اطمینان سے اٹھ کر دروازے پر گئی اور واپس آ کر کہا کہ آج رات ہماری خوش وقتی مکمل ہو جائے گی۔ سبب دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ دروازے پر تین ایرانی قلندر کھڑے ہیں جن کی داڑھیاں اور سر اور بھویں منڈی ہوئی ہیں اور تینوں بائیں آنکھ سے کانے ہیں۔ یہ بڑا عجیب اتفاق ہے اور وہ سفر کرتے کرتے ابھی یہاں پہنچے ہیں۔ ان کی صورت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسافر ہیں اور آج پہلی بار ہمارے شہر میں داخل ہوئے ہیں۔ ہمارا دروازہ کھٹکھٹانے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں کوئی جگہ رات بسر کرنے کے لیے نہ ملی تو انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید اس ڈیوڑھی کا مالک ہمیں اپنے اصطبل یا کسی غیر آباد گھر کی کنجی دے دے اور ہم وہاں رات گزار سکیں۔ واقعی رات زیادہ ہو گئی ہے اور وہ پردیسی ہیں اور یہاں کسی سے واقف نہیں جہاں اتر سکیں۔ اے بہنو' ان میں سے ہر ایک کی شکل صورت مضحکہ انگیز ہے۔ لڑکی لگاتار ان کی سفارش کرتی رہی یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ اچھا نہیں اندر بلا لا' مگر ان سے یہ شرط کر لیجیو کہ وہ کوئی ایسی بات نہ پوچھیں جس سے انہیں تعلق نہ ہو ورنہ منہ کی کھائیں گے۔

لڑکی خوش ہو کر چلی گئی اور تینوں داڑھی مونچھ مونڈوں کو لے آئی۔ انہوں نے آکر سلام کیا اور آداب بجا لائے اور ٹھٹھک گئے۔ لڑکیاں اٹھ کھڑی ہوئیں اور ان کا خیر مقدم کیا اور ان کی سلامتی پر مبارک باد دی اور انہیں بٹھلایا۔ قلندروں نے دیکھا کہ کیا خوبصورت محل ہے اور صاف ستھری جگہ' چاروں طرف پھول پتیوں سے آراستہ ہے' موم بتیاں جل رہی اور خوشبوئیں نکل رہی ہیں اور نقل اور میوے اور شراب رکھی ہوئی

ہے اور تینوں لڑکیاں باکرہ ہیں۔ تینوں نے کہا کہ واللہ' کیا خوب! اب وہ حمال کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ وہ مزے میں آ رہا ہے اور نشے کی وجہ سے اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔ اسے دیکھ کر انہیں خیال ہوا کہ وہ بھی گھر والوں میں سے ہے اور وہ کہنے لگے کہ وہ بھی ہماری طرح قلندر ہے' خواہ وہ پردیسی ہو یا عرب۔ جب حمال نے یہ باتیں سنیں تو وہ اٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگا اور کہا کہ بیٹھ جاؤ اور فضول بک بک مت کرو۔ کیا تم نے دروازے پر کتبہ نہیں پڑھا؟ تم جیسے فقیروں کے لیے شایاں نہیں کہ ہمارے اوپر اپنی زبان کھولیں۔ انہوں نے کہا کہ اے فقیر ہم خدا سے معافی مانگتے ہیں اور تیرے آگے سر جھکاتے ہیں۔ لڑکیاں ہنس پڑیں اور انہوں نے اٹھ کر قلندروں اور حمال کے درمیان صلح کرا دی اور قلندروں کے سامنے کھانا پیش کیا۔ انہوں نے کھانا کھایا اور پھر شراب پینے بیٹھ گئے۔ دروازہ کھولنے والی شراب پلا رہی تھی اور شراب کا دور چل رہا تھا کہ حمال نے قلندروں سے کہا کہ بھائیو' اگر تمہیں کوئی کہانی یا عجیب و غریب قصہ معلوم ہو تو سناؤ۔ اس پر انہیں جوش آ گیا اور انہوں نے کہا کہ باجے منگواؤ۔ دروازہ کھولنے والی لڑکی اٹھی اور ایرانی ڈھولک اور سارنگی اور چنگ لے آئی۔ قلندر اٹھے اور باجوں کو ملایا' ایک نے ڈھولک اور سارنگی اور تیسرے نے چنگ اور وہ بجانے لگے۔ لڑکیوں نے اتنی تعریف کی کہ ان کا دماغ عرش پر پہنچ گیا۔ یہی ہو رہا تھا کہ پھر کسی نے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھولنے والی اٹھی کہ دروازہ پر جا کر دیکھی کہ کون ہے۔

شہرزاد نے کہا کہ بادشاہ سلامت' دروازہ کھٹکھٹانے کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ ہارون الرشید اور اس کا وزیر جعفر اور جلاد مسرور اس رات تفریح کرنے اور شہر کا حال چال دیکھنے نکلے تھے۔ خلیفہ کا دستور تھا کہ وہ سوداگر کا بھیس بدل کر نکلتا تھا۔ جب وہ اس رات نکلے اور شہر کا چکر لگایا اور اس ڈیوڑھی کے پاس پہنچے تو انہوں نے باجے اور گانے کی آواز سنی۔ خلیفہ نے جعفر سے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اس ڈیوڑھی میں چل کر گانا سنیں اور گھر والوں کو دیکھیں۔ جعفر نے کہا کہ امیرالمومنین' یہ لوگ نشے میں

ہیں' مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان سے ہمیں تکلیف نہ پہنچے۔ خلیفہ نے کہا کہ ہمیں ضرور اندر چلنا چاہیے........ اور میں چاہتا ہوں کہ تو اندر چلنے کی کوئی تدبیر نکال۔ جعفر نے

کہا کہ بسرو چشم' اور آگے بڑھ کر اس نے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھولنے والی نے آکر دروازہ کھولا۔ جعفر آگے بڑھا اور زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ اے بی بی' ہم لوگ طبریہ کے سوداگر ہیں' بغداد میں آئے ہوئے ہمیں صرف دس دن ہوئے ہیں' ہم اپنا سامان بیچ چکے ہیں اور سوداگروں کی سرائے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ آج رات ایک سوداگر نے ہماری دعوت کی تھی۔ ہم وہاں گئے اور اس نے کھانا پیش کیا۔ ہم نے کھانا کھایا اور ایک پہر تک شراب نوشی میں مشغول رکھ کر اس نے ہمیں رخصت کیا۔ ہم پردیسی تو ہیں ہی' رات کے وقت ہم اپنی سرائے کا راستہ بھول گئے۔ اب تم لوگوں کی مہربانی سے امید ہے کہ تم ہمیں آج کی رات اپنے یہاں بسر کرنے دو۔ خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔ دروازہ کھولنے والی نے دیکھا کہ ان کا حلیہ سوداگروں کا سا ہے اور ان کی چہرے شان دار ہیں۔ اور اپنی بہنوں کے پاس گئی اور جو کچھ جعفر نے کہا تھا انہیں کہہ سنایا۔ لڑکیوں کو ان پر رحم آیا اور کہنے لگیں کہ ان کو اندر بلا لا۔ وہ واپس گئی اور ان کے دروازہ کھول دیا۔ انہوں نے کہا کہ تیری اجازت سے ہم اندر آتے ہیں۔ اس نے کہا کہ ہاں' اندر آؤ' خلیفہ' اور مسرور اندر داخل ہوئے۔ جب لڑکیوں نے انہیں دیکھا تو وہ سروقد کھڑی ہو گئیں اور ان کو بٹھلایا اور ان کی خاطر تواضع کی اور مرحبا اور اہلاً و سہلاً کہا مگر کہنے لگیں کہ تمہیں ہم سے ایک شرط کرنی پڑے گی۔ انہوں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ لڑکیوں نے کہا کہ جس بات سے تمہیں تعلق نہ ہو اسے مت پوچھنا ورنہ گالیاں سنو گے۔ انہوں نے کہا کہ بہت خوب۔ اب وہ لڑکیاں شراب نوشی کے لیے بیٹھ گئیں۔

خلیفہ نے تینوں قلندروں کی طرف نظر اٹھائی اور یہ دیکھ کر اسے سخت حیرانی ہوئی کہ وہ تینوں کے تینوں بائیں آنکھ سے کانے ہیں اور لڑکیوں کا حسن و جمال دیکھ کر وہ سخت

متحیر تھا۔ لڑکیوں نے شراب نوشی اور بات چیت شروع کر دی اور خلیفہ سے کہا کہ پی۔ اس نے کہا کہ میں حج کے لیے جانے والا ہوں۔ یہ سن کر دروازہ کھولنے والی اٹھی اور ایک زردوزی کا دسترخوان لا کر بچھا دیا اور اس پر ایک چینی کا پیالہ رکھ کر اس میں بید مشک کا عرق' ایک چمچہ برف اور مصری ڈال دی۔ خلیفہ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنے دل میں کہا کہ واللہ' میں اس کی بھلائی کا بدلہ پرسوں ضرور دوں گا۔ اب وہ شراب نوشی میں مشغول ہو گئے۔ جب شراب کا نشہ چڑھنے لگا تو بڑی لڑکی اٹھی اور آداب بجا لائی اور سامان لانے والی کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ بہن' اٹھ تاکہ ہم اپنا قرضہ ادا کریں۔

دونوں بہنوں نے کہا کہ بہت خوب۔ یہ کہہ کر دروازہ کھولنے والی ان کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ لیکن اس سے پہلے وہ چھلکے باہر پھینک آئی اور نئے اگر سوز لا کر لگائے اور کمرے کو صاف ستھرا کیا اور قلندروں کو لے جا کر محل کے کنارے ایک دیوان پر اور خلیفہ اور جعفر اور مسرور کو دوسرے کنارے دوسرے دیوان پر بٹھا آئی اور حمال سے چلا کر کہا کہ اے بے عزت' تجھے کیا ہو گیا ہے؟ تو کوئی اجنبی شخص نہیں' تو تو گھر والوں میں سے ہے۔ حمال کمر کس کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ تو کیا چاہتی ہے؟ اس نے کہا کہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہ۔ اب سامان لانے والی اٹھی اور کمرے کے بیچ میں ایک کرسی ڈالی اور ایک کوٹھڑی کھول کر حمال سے کہا کہ آ' میری مدد کر۔ حمال نے دیکھا کہ دو کتیاں زنجیر میں جکڑی ہوئی ہیں۔ لڑکی نے اس سے کہا کہ انہیں لے چل۔ حمال انہیں کمرے کے بیچ میں لے کر آیا۔ اب مکان کی مالکہ اٹھی اور آستینیں

چڑھا ہاتھ میں ایک کوڑا لے لیا اور حمال سے کہا کہ ایک کتیا کو یہاں لا۔ وہ زنجیر کھینچ کر اسے لایا۔ کتیا روتی اور لڑکی کی طرف اپنا سر ہلاتی جاتی تھی۔ لڑکی نے اسے کوڑے مارنے شروع کیے اور کتیا چلانے لگی۔ اس نے اتنے کوڑے مارے کہ اس کی کلائیاں تھک گئیں۔ اب اس نے کوڑا پھینک کر کتیا کو سینے سے لگا لیا اور اس کے

آنسو اپنے ہاتھ سے پونچھنے اور اسے بوسے دینے لگی۔ پھر اس نے حمال سے کہا کہ اسے لے جا اور دوسری کتیا کو لا۔ جب وہ دوسری کتیا کو لایا تو اس لڑکی نے اس کے ساتھ وہی کیا جو پہلی کے ساتھ کیا تھا۔ اس پر خلیفہ کا دل کڑھا اور اسے سخت پریشانی ہوئی اور اس کا صبر ہاتھ سے جاتا رہا اور اسے ان کتیوں کا حال جاننے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ اس نے جعفر کی طرف اشارہ کیا۔ جعفر نے اس کی طرف متوجہ ہو کر اشارے سے جواب دیا کہ چپ رہیے۔

اب اس لڑکی نے دروازہ کھولنے والی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اٹھ اور اپنا فرض ادا کر۔ اس نے کہ کہ بہت خوب۔ یہ کہہ کر وہ لڑکی تخت کے اوپر گئی جو صنوبر کی لکڑی کا بنایا ہوا تھا اور جس میں سونے چاندی کے پتر لگے ہوئے تھے اور دروازہ کھولنے والی اور سامان لانے والی سے کہا کہ اب تمہاری باری ہے۔ وہ دونوں اٹھیں اور تخت کے پہلو میں کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ سامان لانے والی ایک کوٹھڑی میں گئی اور وہاں سے اطلس کا ایک تھیلا لے آئی جس میں ہری جھالر اور دو سونے کے پھندے لگے ہوئے تھے۔ مالکہ کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے تھیلا کھولا اور اس میں سے ایک سارنگی نکالی اور اس کے تار ملائے اور کھونٹیاں کسیں اور اسے خوب ٹھیک کر کے بجانے اور گانے لگی۔ جب مالکہ نے ان کا گانا سنا تو اس کے دل سے ایک سرد آہ نکلی اور اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑیں۔ خلیفہ نے دیکھا کہ اس کے بدن پر چھڑی اور کوڑے مارنے کے نشان ہیں اور وہ سخت حیران ہوا۔

اب دروازہ کھولنے والی اٹھی اور اس پر پانی کا چھینٹا دیا اور عمدہ پوشاک لا کر اسے پہنائی۔ جب سب لوگوں نے یہ ماجرا دیکھا تو انہیں سخت پریشانی ہوئی اور ان میں سے کسی کو اس کے قصے کی خبر نہ تھی۔ خلیفہ نے جعفر سے کہا کہ اس لڑکی اور اس کی حالت اور کوڑے کے نشان کو دیکھ تو سہی۔ جب تک مجھے سارا واقعہ اس لڑکی اور دونوں کتیوں کا حال معلوم نہ ہو جائے میں چپ نہیں بیٹھ سکتا۔ جعفر نے کہا کہ اے میرے آقا' انہوں نے ہمارے سامنے شرط کی ہے کہ جس بات سے ہمیں تعلق نہ ہو اس پر زبان

نہ کھولیں‘ ورنہ منہ کی کھائیں گے۔ اب اس لڑکی نے سامان لانے والی سے کہا کہ بہن‘ قریب آ اور اپنا فرض ادا کر۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم‘ اور سارنگی لے کر اپنے سینے سے ٹیک لی اور بجانے اور گانے لگی۔ جوں ہی مالکہ نے یہ دوسرا گیت سنا تو چلا کر کہنے لگی کہ واللہ کیا خوب کہا اور پہلے کی طرح اپنے ہاتھوں سے اپنے کپڑے پھاڑنے لگی اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔ سامان لانے والی اٹھی اور اس نے اس پر پانی چھڑکا اور دوسرے کپڑے پہنائے۔ اب وہ اٹھ بیٹھی اور اپنی بہن سے کہنے لگی کہ اور سنا اور میرا قرضہ پورا پورا ادا کر۔ یہ سنتے ہی سامان لانے والی نے پھر سارنگی اٹھائی اور گانے لگی۔ جب لڑکی نے سنا تو چلانے لگی اور اپنے کپڑے‘ دامن تک چاک کر ڈالے اور تیسری بار بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی اور مار کے نشان پھر کھل گئے۔ قلندروں نے کہا کہ کاش کہ ہم اس گھر میں نہ آئے ہوتے اور باہر گھوڑے پر سو رہتے۔ اس جگہ ٹھہرنے سے ہمارا دل پاش پاش ہو رہا ہے۔ خلیفہ ان کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ یہ کیوں؟ انہوں نے کہا کہ یہ باتیں دیکھ کر ہمارے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ تو کیا تم اس گھر کے رہنے والے نہیں ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ آج سے پہلے ہم نے کبھی اس مکان کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ خلیفہ کو تعجب ہوا اور اس نے کہا کہ شاید وہ شخص جو تمہارے پاس بیٹھا ہے ان کی بابت کچھ جانتا ہو۔ اس نے حمال کو اشارے سے بلا کر پوچھا۔ اس نے کہا کہ واللہ‘ ہم سب ایک ہی محبت کے مارے ہوئے ہیں۔ میں بغداد ہی میں بڑھا پلا ہوں‘ لیکن آج سے پہلے کبھی اس مکان میں نہیں آیا اور میرا اس جگہ ٹھہر جانے کا ماجرا عجیب و غریب ہے۔ انہوں نے کہا کہ واللہ‘ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ تو بھی انہیں میں سے ہے مگر اب معلوم ہوا کہ تو بھی ہماری ہی طرح ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ دیکھو ہم سات مرد ہیں اور یہ محض تین عورتیں اور ان کے ساتھ کوئی چوتھا شخص نہیں۔ آؤ ان کا حال دریافت کریں۔ اگر وہ خوشی سے نہ بتائیں گی تو انہیں مجبوراً بتانا پڑے گا۔

اس پر سب متفق ہو گئے لیکن جعفر نے کہا کہ یہ کوئی رائے نہیں۔ انہیں چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ ہم ان کے مہمان ہیں اور انہوں نے ہمارے سامنے ایک شرط پیش کی ہے اور تم سب جانتے ہو کہ ہم اس شرط کو مان چکے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم اس معاملے میں زبان نہ کھولیں۔ اب تھوڑی سی رات باقی رہ گئی ہے' اس کے بعد ہم اپنی اپنی راہ چلتے ہوں گے۔ پھر اس نے خلیفہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ایک پہر سے زیادہ رات باقی نہیں' ہم ان کو کل آپ کے سامنے پیش کر دیں گے اور آپ ان سے سارا قصہ سن لیجئے گا۔ خلیفہ نے اپنا سر اٹھایا اور ناراض ہو کر ڈانٹنے لگا اور کہا کہ اب مجھ سے زیادہ صبر نہیں ہو سکتا۔ قلندروں کو بلا کر کہا کہ وہ ان سے پوچھیں۔ جعفر نے کہا کہ یہ ٹھیک رائے نہیں ہے۔ اب سب میں یہ بحث ہونے لگی کہ پہلے ان سے کون پوچھے اور حمال پر آخر فیصلہ ٹھہرا۔ حمال اٹھا اور اس نے مالکہ سے کہا کہ اے میری آقا' یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تو ان سے کتیوں کا حال بیان کرے' اور یہ کہ تو نے انہیں کیوں مارا اور پھر کیوں رونے اور ان کو بوسہ دینے لگی اور اپنی بہنوں اور اپنے چھڑیوں سے مارے جانے کا قصہ بیان کر۔ وہ یہی چاہتے ہیں اور بس۔ مالکہ نے مہمانوں سے پوچھا کہ کیا اس کا کہنا صحیح ہے؟ سب نے کہا کہ ہاں مگر جعفر چپ رہا۔ لڑکی نے کہا کہ واللہ' اے مہمانو' تم نے مجھے سخت اذیت دی کیونکہ جب تم آئے تھے تو ہم نے تم سے یہ شرط کر لی تھی کہ جو کوئی ایسی بات پوچھے گا جس سے اس کا کوئی تعلق نہیں تو وہ کھری سنے گا۔ کیا یہ کافی نہ تھا کہ ہم نے تمہیں اپنے گھر میں پناہ دی اور کھانا کھلایا۔ لیکن یہ تمہاری خطا نہیں۔ خطا اس کی ہے جو تمہیں ہمارے پاس لائی۔ یہ کہہ کر اس نے آستین چڑھائی اور تین بار زمین پر ہاتھ مارا اور کہا کہ جلد آؤ۔ اب ایک کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور اس میں سے سات غلام شمشیر بدست نکل آئے۔ لڑکی نے کہا کہ ان فضول گویوں کا کاندھے سے کاندھا ملا کر باندھ دو۔ انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور کہا کہ اے پردہ نشین' کیا تو

حکم دیتی ہے کہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں۔ اس نے کہا کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ پہلے ذرا میں ان کے حالات دریافت کر لوں۔ حمال نے کہا کہ اے بی بی' خدا سے شرم کر' دوسروں کے گناہ پر مجھے مت مار۔ سوائے میرے سب نے غلطی کی ہے اور گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ خدا کی قسم' اگر یہ قلندر نہ آتے تو ہماری رات کیسی اچھی گزرتی۔

اگر یہ آباد شہر میں داخل ہوں تو وہ بھی ویران ہو جائے۔

جب حمال یہ کہہ چکا تو لڑکی ہنسنے لگی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی نظر آئی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• گیارہویں رات

جب گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جب لڑکی غصے کے مارے ہنسنے لگی تو لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر اس نے کہا کہ اپنا اپنا حال بیان کر دو کیونکہ اب تمہاری زندگی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں۔ اگر تم لوگ بڑے اور قوم کے بزرگ اور حکام نہ ہوتے تو تم بحث مباحثہ نہ کرتے۔ خلیفہ نے کہا اے جعفر' تجھ پر خدا کی مار! اس سے ہمارا قصہ بیان کر دے ورنہ غلط فہمی میں آکر ہماری بھی جانے جائے گی اور اس کے ساتھ سلیقے سے باتیں کر تا کہ ہم پر کوئی بلا نازل نہ ہو۔ جعفر نے کہا کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ اس پر خلیفہ نے چلا کر کہا کہ مذاق کا دوسرا وقت ہے' یہ وقت سنجیدہ باتوں کا ہے۔ لڑکی نے قلندروں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کیا تم بھائی بھائی ہو؟ انہوں نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ ہم بھائی بھائی نہیں' مگر ہم سب فقیر اور عجمی ہیں۔ لڑکی نے ان میں سے ایک سے پوچھا کہ کیا تو مادرزاد کانا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ میرے ساتھ ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے میری ایک آنکھ جاتی رہی۔ میرا قصہ ایسا ہے کہ اگر سوئی کی نوکوں سے آنکھوں کے کونوں پر لکھا جائے تو عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت کا باعث ہو گا۔ کہتے ہیں کہ اس نے دوسرے اور پھر تیسرے قلندر سے یہی سوال کیا اور انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو پہلے نے دیا تھا اور کہنے لگے کہ ہم تینوں مختلف شہروں کے باشندے اور شاہزادے اور ملک و رعیت کے حاکم ہیں۔ لڑکی ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی کہ تم سب اپنی اپنی واردات مجھ سے بیان کرو اور ہمارے پاس آنے کا سبب بتاؤ' پھر آداب بجا لاؤ اور اپنی اپنی راہ لو۔

سب سے پہلے حمال آگے آیا اور کہنے لگا کہ اے بی بی' میں حمال ہوں۔ اس سامان لانے والی نے میرے اوپر سامان لادا اور شراب نوشی کے مکان سے قصاب کی دوکان پر

گئی اور قصاب کی دوکان سے میوہ فروش کی دوکان پر اور پھر وہاں سے بنئے کی دوکان پر اور بنئے سے حلوائی اور عطر فروش کے پاس اور وہاں سے یہاں آئی۔ اس کے آگے میرا قصہ وہی ہے جو تم لوگوں کا ہے۔ یہ ہے میری کہانی اور بس۔ لڑکی ہنسی اور کہنے لگی کہ آداب بجا لا اور چلتا ہو۔ اس نے کہا کہ جب تک میں اپنے دوستوں کا قصہ نہ سن لوں یہاں سے ہرگز نہ ٹلوں گا۔

○ پہلے قلندر کی کہانی

پہلا قلندر آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ اے مالکہ' میری داڑی منڈنے اور آنکھ کانی ہونے کا سبب یہ ہے کہ میرا باپ بادشاہ تھا اور اس کا ایک بھائی تھا جو کسی اور شہر کا بادشاہ تھا۔ اب ایسا اتفاق ہوا کہ میں اور چچیرا بھائی ایک ہی دن پیدا ہوئے۔ دن اور سال گزرنے کے بعد ہم دونوں جوان ہوئے۔ میں اپنے چچا کی ملاقات کے لیے اکثر جاتا اور اس کے ساتھ مہینوں ٹھہرتا اور میرا چچیرا بھائی مجھے بڑی عزت سے رکھتا اور بھیڑیں ذبح کرتا اور شراب نتھارتا اور ہم ساتھ بیٹھ کر شراب پیتے۔ ایک روز جب شراب چڑھی ہوئی تھی تو میرے چچیرے بھائی نے کہا کہ اے بھائی' مجھے تجھ سے ایک اشد ضرورت آ پڑی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تو اس میں میری مخالفت نہ کرے اور جو کچھ میں کہوں' کر دے۔ میں نے کہا کہ بسرو چشم۔ اس نے مجھ سے بڑی بڑی قسمیں کھلوائیں اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور تھوڑی دیر کے لیے غائب ہو گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے پیچھے پیچھے ایک عورت تھی جس کا لباس نہایت نفیس اور زیور بے حد قیمتی تھے۔ ابھی وہ عورت اس کے پیچھے ہی تھی کہ وہ میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اس عورت کے ساتھ فلاں مقبرے میں جا۔ اس مقبرے کو اس نے تفصیل سے بیان کیا اور میں سمجھ گیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہاں پہنچ کر فلاں تربت کے اندر داخل ہوجیو اور وہاں میرا انتظار کیجیو۔ میں قسم کھا چکا تھا' اس لیے نہ اس کی مخالفت کر

دکتا تھا نہ اس کے سوال کو رد کر سکتا تھا۔ میں اس عورت کو لے کر چل دیا اور وہاں پہنچ کر ہم دونوں اس تربت میں داخل ہوئے۔ ہم اس میں جا کر بیٹھے ہی تھے کہ میرا چچیرا بھائی پہنچ گیا۔ اس کے پاس ایک پانی بھر تشت اور ایک تھیلے میں چونا اور ایک کدال تھی۔ وہ کدال لے کر ایک قبر کے پاس گیا جو تربت کے بیچ میں تھی اور اس کو توڑا اور اس کے پتھر اٹھا کر تربت کنارے رکھ دیے۔ پھر وہ قبر کے نیچے کدال سے کھودنے لگا یہاں تک کہ لوہے کے پتر میں سے ایک چھوٹے دروازے کے برابر سوراخ ہو گیا۔ اس نے اسے اٹھایا تو اس کے نیچے ایک سیڑھی بندھی ہوئی دکھائی دی۔

اب اس نے اس عورت سے کہا کہ اترو اور جو چاہے کر۔ عورت اس سیڑھی سے اتری۔ اب اس نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے بھائی' تیری سب سے بڑی بھلائی میرے ساتھ یہ ہو گی کہ جب میں نیچے اتر جاؤں تو پتر کو بند کر دیجیو اور اس کے اوپر پہلے کی طرح مٹی ڈال دیجیو۔ بس یہی تیری بہترین مہربانی ہو گی۔ اور یہ جو پانی تشت میں ہے اس سے چونے کو گوند کر جو بوری میں ہے' قبر کو پہلے کی طرح پوت دیجیو تا کہ کوئی دیکھ کر یہ نہ کہہ سکے کہ قبر تو پرانی ہے مگر یہ شگاف نیا ہے۔ میں نے سال بھر اس پر محنت کی ہے اور سوائے خدا کے کوئی اس سے واقف نہیں۔ بس میری تجھ سے یہی درخواست ہے۔ چلتے چلتے اس نے مجھ سے کہا کہ اے بھائی خدا تجھے ہمیشہ آباد رکھے اور سیڑھی سے نیچے اتر گیا۔

جب وہ میری نظروں سے غائب ہو گیا تو میں اٹھا اور اس پتر کو پھر وہیں لگا دیا اور جو کچھ اس نے کہا تھا کر دیا اور قبر کی شکل پہلی سی ہو گئی۔ میں نشے میں چور تھا اور جب چچا کے محل میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ شکار کھیلنے گیا ہے اور میں اس رات خوب سویا۔ جب صبح ہوئی تو میں گزشتہ رات کی باتوں کو سوچنے لگا اور یہ کہ میرے چچیرے بھائی پر کیا گزری۔ میں سخت پشیمان تھا' لیکن ایسی بات پر پشیمانی سے کیا فائدہ جو میں نے اس کی مرضی سے کی تھی۔ مجھے گمان ہوا کہ شاید میں نے خواب دیکھا ہے اور لوگوں سے اپنے چچیرے بھائی کے متعلق پوچھنا شروع کیا' لیکن کوئی مجھے ٹھیک

بتا نہ سکا۔ میں نے مقبرے میں جا کر وہ تربت تلاش کی مگر اس کی شناخت نہ کر سکا۔ میں ایک تربت سے دوسری تربت اور ایک قبر سے دوسری قبر پر جاتا تھا کہ رات ہو گئی اور مجھے وہ نہ ملی۔ میں محلؔ میں واپس آیا مگر نہ کھایا نہ پیا۔ میرا دھیان اپنے چچیرے بھائی کی طرف لگا ہوا تھا اور اس کا پتہ نہ چلتا تھا۔ میں بہت غمگین تھا اور اسی غم میں رات گزر کر صبح کی۔ اب میں دوبارہ قبرستان گیا اور سوچ رہا تھا کہ میرے بھائی نے کیا کیا اور میں پشیمان تھا کہ میں نے اس کا کہنا کیوں مانا۔ میں نے تمام قبروں کا چکر لگایا' لیکن وہ تربت نہ ملی اور نہ وہ قبر۔ اس پر میں بہت پشیمان ہوا اور سات دن تک میری یہی حالت رہی اور کوئی علاج میری سمجھ میں نہ آیا۔ اب میرے دل میں اور زیادہ وسوسے آنے لگے اور قریب تھا کہ میں پاگل ہو جاؤں۔ غم غلط کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ مجھے نظر آیا کہ میں باپ کے پاس جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

جب میں اپنے باپ کے شہر کے پاس پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جھتے کا جتھا شہر کے دروازے سے نکلا اور میری مشکیں باندھ لیں۔ اس پر مجھے بڑا تعجب ہوا کیونکہ میں اسی شہر کے بادشاہ کا بیٹا تھا اور وہ سب لوگ میرے باپ کے نوکر چاکر اور میرے غلام تھے۔ اب میں اور بھی ڈرا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدانخواستہ میرے باپ پر کوئی مصیبت تو نہیں آئی! جو لوگ مجھے پکڑے ہوئے تھے ان سے میں نے سبب دریافت کیا مگر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے ایک شخص نے جو ہمارے ہاں کا نوکر تھا' مجھ سے کہا کہ زمانے نے آپ کے والد کے ساتھ بے وفائی کی اور لشکر اس سے ناراض ہو گیا اور وزیر نے اسے قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اسی کے حکم سے ہم آپ کی گھات میں لگے ہوئے تھے۔ اب وہ پکڑ کر مجھے لے چلے' جو باتیں میں نے اپنے والد کے متعلق ابھی سنی تھیں' ان کی وجہ سے مجھے دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی اور میں وزیر کے سامنے پیش کیا گیا۔ مجھ میں اور وزیر میں پرانی دشمنی تھی اور اس دشمنی کا سبب یہ تھا کہ مجھے غلیل چلانے کا بڑا شوق تھا۔ ایک روز میں

اپنے محل کے چھت پر کھڑا ہوا تھا کہ ایک چڑیا آکر وزیر کے محل کی چھت پر بیٹھ گئی اور وزیر وہاں کھڑا ہوا تھا۔ میں نے چڑیا کے مارنے کا ارادہ کیا لیکن نشانہ خطا گیا اور غلہ وزیر کی آنکھ میں جا کر لگا اور وہ پھوٹ گئی۔ یہی اس کی قسمت میں لکھا تھا۔

قلندر نے کہا کہ وزیر کی آنکھ تو پھوٹ گئی لیکن وہ مجھ سے کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ میرا باپ اس شہر کا بادشاہ تھا۔ یہ تھی وجہ میرے اور اس کے درمیان عداوت کی۔ اب جت کہ میں اس کے سامنے کھڑا تھا اور میری مشکیں بندھی ہوئی تھیں تو اس نے حکم دیا کہ میری گردن اڑا دی جائے۔ میں نے پوچھا کہ آخر تو کس جرم میں مجھے قتل کرتا ہے؟ اس نے اپنی کانی آنکھ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ کیا اس سے بڑھ کر اور بھی کوئی جرم ہو سکتا ہے! میں نے کہا کہ یہ بات قصداً نہیں ہوئی۔ اس نے کہا کہ آخر فرق کیا ہے؟ تو نے غلطی سے کیا اور میں قصداً کرتا ہوں۔ پھر اس نے کہا اسے میرے قریب لاؤ اور وہ مجھے اس کے قریب لے گئے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر میری بائیں آنکھ میں انگلی بھونک دی اور اسے پھوڑ دیا۔ اسی وقت سے میں کانا ہوں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ پھر اس نے میری مشکیں باندھ کر مجھے ایک صندوق میں ڈال دیا اور جلاد سے کہا کہ میں اسے تیرے سپرد کرتا ہوں' تو اسے شہر کے باہر لے جا اور تلوار کھینچ کر اسے قتل کر ڈال تاکہ وحشی جانور اور پرندے اسے کھا ڈالیں۔ جلاد مجھے لے کر چل دیا اور چلتے چلتے شہر کے باہر ایک جنگل کے بیچ میں پہنچا اور مجھے صندوق سے نکالا۔ میرے ہاتھ باندھے ہوئے تھے اور پاؤں میں زنجیر پڑی ہوئی تھی۔

جلاد نے چاہا کہ میری آنکھیں باندھ کر مجھے قتل کر دے۔ میں زار زار رونے لگا اور وہ بھی رو پڑا۔ یہ جلاد میرے باپ کا بھی جلاد تھا اور میں نے اس کے ساتھ احسانات کیے تھے۔ اس نے کہا کہ اے میرے آقا' اب میں کیا کروں! میں تو نوکر ہوں۔ پھر اس نے یہ کہا کہ اپنی جان لے کر بھاگ جائیے اور کبھی اس شہر کی طرف رخ نہ کیجئے ورنہ ہم دونوں کی جان جائے گی۔ میں نے اس کے ہاتھ چومے اور مجھے یقین

نہیں آتا تھا کہ میں زندہ بچ گیا۔ جان جانے کے مقابلے میں آنکھ کا پھوٹنا مجھے غنیمت معلوم ہوا۔

وہاں سے روانہ ہو کر میں اپنے چچا کے شہر میں گیا اور اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے والد اور اپنی آنکھ پھوٹنے کا ماجرا بیان کیا اور وہ بہت رویا اور کہنے لگا کہ تیری وجہ سے میرا رنج و غم دوبالا ہو گیا۔ تیرا چچیرا بھائی کئی روز سے غائب ہے اور مجھے کچھ خبر نہیں کہ اس پر کیا گزری۔ کوئی بھی اس کی خبر لا کر نہیں دیتا۔ یہ کہہ کر وہ اتنا رویا کہ بے ہوش ہو گیا۔ مجھے اس پر بڑا ترس آیا۔ اس نے میری آنکھ کا علاج کرنا چاہا لیکن دیکھا کہ آنکھ محض خول ہو کر رہ گئی ہے اور کہنے لگا کہ بیٹا' آنکھ گئی تو گئی' جان تو بچ گئی۔ مجھ سے یہ نہ ہو سکتا تھا کہ اپنے چچیرے بھائی کی بابت جو اس کا بیٹا تھا' خاموشی اختیار کروں۔ اس لیے میں نے اس سے سارا ماجرا بیان کر دیا کہ۔ میرے بیان کو سن کر چچا بہت خوش ہوا کہ کچھ تو اس کے بیٹے کا پتہ چلا اور مجھ سے کہنے لگا کہ اٹھ' مجھے اس تربت کے پاس لے چل۔ میں نے کہا کہ چچا جان' میں اس واقعے کے بعد کئی بار وہاں جا چکا ہوں' لیکن اس کی جگہ نہ ملی اور میں نے بہت چھان بین کی مگر ناکام رہا۔ بالاخر میں اور چچا قبرستان گئے اور ادھر ادھر ڈھونڈنا شروع کیا اور اب میں نے اسے پہچان لیا اور ہم دونوں بہت خوش ہو گئے۔ تربت میں داخل ہو کر مٹی اٹھائی' پتھر ہٹایا اور سیڑھی پر تقریباً پچاس پٹڑیاں اتر گئے۔ جب سیڑھی کے نیچے پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہماری طرف ایک دھواں سا اٹھا جس سے ہماری آنکھیں چندھیا گئیں۔ چچا نے کہا کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم! ایسے الفاظ کہنے والے کو سرمانے کی ضرورت نہیں۔ اب ہم اور آگے بڑھے اور ایک کمرے میں پہنچے جس میں آٹا' غلہ اور دوسری کھانے کی چیزیں وغیرہ بھری ہوئی تھیں۔ کمرے کے بیچ میں ایک شامیانہ تھا اور اس کے اندر ایک تخت پڑا ہوا تھا۔ چچا نے دیکھا کہ اس تخت پر اس کا بیٹا اور وہ عورت جو اس کے ساتھ آئی تھی' باہم لپٹے ہوئے پڑے ہیں اور کوئلے کی طرح سیاہ ہو گئے ہیں گویا کہ وہ تنور میں ڈال دیے گئے ہیں۔ چچا نے

اسے دیکھ کر اس کے منہ پر تھوک دیا اور کہا کہ ٹھہر' اے سور' یہ دنیا کی سزا ہے اور ابھی آخرت کا عذاب باقی ہے جو اس سے زیادہ سخت ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• بارہویں رات

جب بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ مجھے معلوم ہوا ہے کہ قلندر لڑکی سے یہ قصہ کہہ رہا تھا اور لوگ کان لگائے سن رہے تھے' بالخصوص خلیفہ اور جعفر۔ قلندر نے کہا کہ چچا نے اپنے [ان] بیٹے کو جوتوں سے مارا' جب کہ وہ وہاں کوئلے کی طرح سیاہ پڑا ہوا تھا۔ اس پر مجھے سخت تعجب ہوا اور چچیرے بھائی کے لیے دل کڑھنے لگا۔ یہ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ اور لڑکی کیوں کوئلے کی طرح سیاہ ہو گئے۔ میں نے کہا کہ چچا جان' خدا کے لیے اپنا غصہ ٹھنڈا کیجئے۔ میرے دل پر چوٹ لگ رہی ہے اور مجھے اس بات کا صدمہ ہے کہ آپ کے بیٹے کا یہ کیا حال ہوا' اور وہ اور لڑکی دونوں کیوں کوئلے کی طرح سیاہ ہو گئے۔ آپ نے اس کو کافی نہ سمجھا اور اسے جوتوں سے مارا۔ اس نے جواب دیا کہ اے بھتیجے' یہ میرا لڑکا بچپن سے اپنی بہن کے عشق میں مبتلا تھا۔ میں اسے منع کرتا رہتا اور دل میں خیال کرتا کہ یہ ابھی بچے ہیں۔ بڑے ہو کر انہوں نے بدکاری شروع کر دی۔ جب میرے کان تک یہ خبر پہنچی تو مجھے اس کا یقین نہ آیا۔ پھر بھی میں نے اسے بہت ڈانٹا ڈپٹا۔ نوکروں نے بھی اس سے کہا کہ ایسی باتیں چھوڑ دے۔ ایسی بات نہ کبھی کسی نے پہلے کی ہے اور نہ بعد میں کرے گا۔ ایسا کرنے سے تو تو قیامت تک دوسرے بادشاہوں میں بھی بدنام ہو گا اور سوار ہماری یہ خبریں دور دور پہنچائیں گے۔ خبردار ایسی حرکت تجھ سے پھر سرزد نہ ہو! ورنہ بادشاہ ناراض ہو گا اور تمہیں قتل کر دے گا۔ میں نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ رکھا مگر اس چھنال کو اس سے بے حد عشق تھا' شیطان ان پر غالب تھا اور ان کی بدکاری کو اس نے ان کے سامنے خوبصورت رنگ میں پیش کیا۔ جب اس نے دیکھا کہ میں نے اسے علیحدہ رکھا ہے تو اس نے زمین کے نیچے یہ مکان بنا کر آراستہ کیا اور کھانے پینے کی ساری چیزیں یہاں لا کر جمع کیں جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔ اس

کی خبر اس نے مجھے بالکل نہ دی۔ جب میں شکار کے لیے گیا تو وہ یہاں چلا آیا۔ خدا نے لڑکے اور لڑکی کو سزا دی اور جلا کر راکھ کر دیا۔ لیکن آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت ہو گا۔ یہ کہہ کر وہ رو پڑا اور میں بھی اس کے ساتھ رونے لگا۔ اس نے مجھے دیکھ کہ کہا کہ اس کے بدلے اب تو میرا بیٹا ہے۔ تھوڑی دیر تک میں اس خیال میں غرق تھا کہ دنیا میں کیسے کیسے حادثے پیش آتے ہیں اور وزیر کس طرح میرے باپ کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا اور میری آنکھ پھوڑ دی اور میرے چچیرے بھائی کے ساتھ کیا عجب واقعات پیش آئے۔ یہ سوچ کر میں رو پڑا اور میرا چچا بھی میرے ساتھ رونے لگا۔ اب ہم اوپر آئے اور پتھر اور مٹی اپنی اپنی جگہ رکھ دی اور قبر کو پہلے کی طرح بند کر دیا۔

گھر واپس آکر بیٹھے ہی تھے کہ ڈھولوں اور بگلوں اور نقاروں اور جنگ آوروں کے نیزوں کی آوازیں سنائی دیں اور دیکھا کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے وہ گرد اٹھ رہی ہے کہ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ ہم دنگ تھے کہ یااللہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ دریافت کرنے پر لوگوں نے کہا کہ جس وزیر نے آپ کے باپ کا ملک چھین لیا ہے' اس نے ایک بڑا لشکر جمع کر کے آراستہ کیا اور بدوؤں کو اس میں نوکر رکھا اور اب ہمارے اوپر ایسے لشکر کے ساتھ ٹوٹ پڑا ہے جن کی تعداد ریت کی سی ہے اور جو گنے نہیں جا سکتے اور جن کے مقابلے کی طاقت کسی میں نہیں۔ انہوں نے بے خبری میں شہر پر حملہ کر دیا۔ شہر والوں میں ان کے روکنے کی قوت نہ تھی اور انہوں نے شہر کو حوالہ کر دیا۔ لڑائی میں میرا چچا کام آیا اور میں شہر کے باہر بھاگ گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر تو اس کے ہتھے چڑھا تو وہ تجھے بے قتل کیے نہ چھوڑے گا۔ اس خیال سے میرا رنج و غم اور بڑھ گیا اور وہ تمام واقعات میری آنکھوں کے آگے پھرنے لگے جو میرے باپ اور چچا کے ساتھ پیش آئے تھے اور میں سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ اگر میں باہر نکلا تو شہر والے اور خود میرے باپ کے سپاہی مجھے پہچان لیں گے اور یہ میرے قتل و ہلاکت کا باعث ہو گا۔ بچنے کی کوئی اور سبیل مجھے نظر نہ آئی۔ سوائے

اس کے کہ میں داڑھی اور مونچھیں مونڈ ڈالوں۔ میں بھیس بدل کر وہاں سے نکل کھڑا ہوا اور یہاں پہنچا تا کہ شاید مجھے کوئی امیرالمومنین اور خدا کے خلیفہ تک پہنچا دے اور میں اسے سے سارا قصہ اور اپنی واردات بیان کر دوں۔ رات کے وقت میں اس شہر میں پہنچا اور حیران کھڑا تھا کہ کہاں جاؤں؟ اتنے میں میں نے اس دوسرے قلندر کو دیکھا اور سلام کر کے کہا کہ میں پردیسی ہوں۔ اس نے کہا کہ میں بھی پردیسی ہوں۔ ہم میں یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ تیسرا ساتھی وہاں پہنچا اور ہمیں سلام کر کے کہنے لگا کہ میں پردیسی ہوں۔ ہم نے کہ ہم بھی پردیسی ہیں۔ اب ہم تینوں ساتھ ہو لیے۔ یہاں تک کہ اندھیرا ہو گیا اور قسمت ہمیں تمہارے پاس لے آئی۔ یہ ہے سبب میری داڑھی مونچھ منڈنے اور میری آنکھ پھوٹنے کا۔ لڑکی نے کہا کہ آداب بجا لا اور چلتا ہو۔ اس نے جواب دیا کہ دوسروں کی کہانی سنے بغیر نہ جاؤں گا۔ لوگوں کو اس کی کہانی پر بڑا تعجب ہوا اور خلیفہ نے جعفر سے کہا کہ اس قلندر کی سی واردات میں نے سنی نہ دیکھی۔

○ دوسرے قلندر کی کہانی

اب دوسرا قلندر آگے آیا اور زمین کو بوسہ دے کر کہنے لگا کہ اے بی بی' میں بھی مادرزاد کانا نہیں۔ میری کہانی ایسی عجیب و غریب ہے کہ اگر سوئی کی نوک سے آنکھوں کے گوشوں میں لکھی جائے تو عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت کا باعث ہو گا۔ وہ یہ ہے کہ میں بادشاہ اور بادشاہ زادہ ہوں۔ میں قرآن شریف کی ساتوں قراتوں سے واقف ہوں اور بہت سی اور کتابیں پڑھی ہیں اور عالموں سے بحث مباحثہ کیا ہے اور نجوم اور شاعروں کا کلام پڑھا ہے۔ سارے علوم میں مجھے اجتہاد کا درجہ حاصل ہے اور میرا ہم پلہ کوئی نہیں۔ میرا خط تمام خوش نویسوں کے خط سے بہتر ہے۔ اس وجہ سے میں تمام شہروں اور ملکوں اور ان کے بادشاہوں میں مشہور ہو گیا۔ جب میری خبر

ہندوستان کے راجہ تک پہنچی تو اس نے میرے باپ کے پاس پیغام بھیج کر مجھے بلوایا اور میرے باپ کے لیے شاہانہ تحفے تحائف بھیجے۔ میرے باپ نے چھ کشتیوں میں سامان بھر کر میرے ساتھ روانہ کر دیا۔ پورے ایک مہینے تک سمندر کا سفر کرنے کے بعد ہم خشکی پر اترے اور گھوڑوں کو کشتیوں میں سے نکالا اور دس اونٹوں پر تحفے تحائف لاد کر روانہ ہو گئے۔ ابھی تھوڑی دور چلے تھے کہ ہم نے ایک غبار اٹھتا دیکھا جو پھیل کر چاروں طرف چھا گیا۔ ایک پہر دن چڑھے غبار ہٹا اور اس میں سے پچاس سوار شیروں کی طرح خونخوار اور زرہ بکتر پہنے نمودار ہوئے۔ ہم نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ بدو ڈاکو ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ہم محض چند نفر ہیں اور ہمارے ساتھ ہندوستان کے راجہ کے لیے دس اونٹوں پر تحفے تحائف لدے ہوئے ہیں تو وہ ہماری طرف بڑھے اور اپنے نیزے ہمارے سامنے کر دیے۔ ہم نے انگلیوں کے اشارے سے ان سے کہا کہ ہم ہندوستان کے مہاراجہ کے ایلچی ہیں' ہمیں نہ ستاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہ ہم اس کے ملک کے باشندے ہیں اور نہ اس کی رعایا۔ انہوں نے بعض غلاموں کو قتل کر دیا اور باقی بھاگ گئے۔ میں بھی زخمی ہو کر بھاگ نکلا۔ بدو مال اور تحفوں کے لوٹنے میں مشغول ہو گئے' جو ہمارے ساتھ تھے۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جاؤں۔ پہلے تو میں بڑا آدمی تھا اور اب بالکل ذلیل ہو گیا۔ چلتے چلتے میں پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا اور صبح تک ایک غار میں پناہ لی۔ پھر چلتے چلتے ایک شہر میں پہنچا جہاں امن و امان تھا اور جو چہار دیواری سے محفوظ تھا۔ سردیاں وہاں سے گزر چکی تھیں اور بہار گلابوں کو لے کر آ پہنچی تھی۔ شہر گلزار تھا اور اس میں نہریں بہہ رہی اور چڑیاں گا رہی تھیں۔

وہاں پہنچ کر میں بہت خوش ہوا۔ کیونکہ میں چلتے چلتے تھک گیا اور غم سے میرا رنگ فق ہو گیا تھا اور میری حالت ابتر تھی۔ مگر میری سمجھ میں نہ آیا تھا کہ کہاں جاؤں؟ یہاں تک کہ میں ایک درزی کے پاس سے گزرا جو اپنی دوکان میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اسے سلام کیا اور اس نے سلام کا جوا دیا اور مرحبا کہا اور خوش ہوا۔ اس نے

مجھے دلاسا دیا اور میری غربت کا سبب پوچھا۔ میں نے سارا ماجرا اول سے آخر تک بیان کر دیا۔ اسے میری حالت پر بڑا افسوس ہوا اور کہنے لگا کہ اے جوان' اپنا حال کسی اور پر ظاہر مت کیجیو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس شہر کا بادشاہ تیرے ساتھ بدسلوکی نہ کرے۔ کیونکہ وہ تیرے باپ کا سخت دشمن ہے اور خون کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ پھر وہ کھانا لایا اور میں نے کھایا اور میرے ساتھ اس نے بھی کھایا۔ رات کے وقت ہم بات چیت میں مشغول رہے۔ اس نے اپنی دوکان کے بازو میں ایک کوٹھڑی میرے لیے مخصوص کر دی اور اوڑھنا بچھونا جس کی مجھے ضرورت تھی' لے آیا۔ تین روز مہمان رکھنے کے بعد اس نے کہا کہ کیا تجھے کوئی دستکاری آتی ہے جس کے ذریعے سے تو کما کھا سکے۔ میں نے کہا کہ میں فقیہ' عالم' کاتب' حساب داں اور خوش نویس ہوں۔ اس نے کہا کہ یہ تیری چیزیں ہمارے شہر میں بیکار ہیں۔ ہمارے شہر میں کوئی شخص سوائے تجارت کے لکھنا پڑھنا تک نہیں جانتا۔ میں نے کہا کہ واللہ' جن چیزوں کا میں نے تجھ سے ذکر کیا ہے' ان کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔ اس نے کہا کہ اچھا' اپنی کمر باندھ اور کلہاڑی اور رسی لے کر جنگل سے لکڑیاں کاٹ لایا کر۔ اس سے تیرا کھانا پینا چلتا رہے گا جب تک کہ خدا تیری مصیبت دور کر دے۔ کسی سے یہ ذکر مت کیجیو کہ تو کون ہے ورنہ وہ تجھے مار ڈالیں گے۔ پھر اس نے میرے لیے ایک کلہاڑی اور ایک رسی خریدی اور بعض لکڑہاروں کو بلا کر مجھے ان کے سپرد کر دیا۔ میں ان کے ساتھ روز جاتا اور دن بھر لکڑیاں کاٹتا اور سر پر لاد کر لاتا اور انہیں آدھ دینار میں بیچتا' کچھ اس میں سے کھانے پینے میں صرف کرتا اور کچھ بچا رکھتا۔ ایک سال تک میری یہ حالت رہی۔ اس کے بعد ایک روز میں اپنے دستور کے موافق جنگل میں گیا اور ساتھیوں سے دور جا پڑا۔ اب کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نشیب میں بہت سے درخت اور لکڑیاں ہیں۔ میں اس نشیب میں اترا اور وہاں ایک موٹے درخت کی جڑ دیکھی۔

جب میں اس کے آس پاس کھودنے اور مٹی ہٹانے لگا تو میری کلہاڑی ایک تانبے کے حلقے پر پڑی اور جھن سے آواز آئی۔ میں نے مٹی ہٹائی تو دیکھا کہ وہ لکڑی کے تختے

میں جڑی ہوئی ہے۔ جب میں نے لکڑی پر سے مٹی دور کی تو مجھے اس کے نیچے زینہ نظر آیا۔ میں زینے کے نیچے اترا تو وہاں ایک دروازہ دکھائی دیا اور میں اس میں داخل ہو گیا۔ اب کیا دیکھتا ہوں کہ اندر ای نہایت خوبصورت اور مضبوط محل ہے اور اس میں ایک نو عمر لڑکی بیٹھی ہوئی ہے۔ جیسے ایک بیش بہا موتی' جسے دیکھ کر رنج و غم اور مصیبتیں دور اور جس کی گفتگو سے تکلیفیں زائل ہو جاتی ہیں اور جس کے سامنے بڑے بڑے ہوشیار لوگ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ بلند بالا' سینہ ابھرا ہوا' رخسار نرم نرم' چمک دار' صورت شکل ملیح' کالے کالے بالوں کے بیچ میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا اور سینے کی اٹھان کے اوپر اس کے دانت دمک رہے تھے۔

جب میں نے اس کی طرف نظر اٹھائی تو اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر اس کے خالق کے آگے سجدہ کیا۔ اس نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ تو کون ہے؟ انسان یا جن؟ میں نے کہا کہ انسان۔ اس نے پوچھا کہ تجھے یہاں کون لایا ہے؟ بولی "میں یہاں پچیس سال سے ہوں اور کبھی انسان کی شکل نہیں دیکھی۔" اس کی گفتگو میں شرینی تھی اور میں دل و جان سے اس پر قربان ہو چکا تھا۔ میں نے کہا کہ اے میرے آقا' میری خوش وقتی مجھے یہاں لائی ہے تا کہ میرا رنج و غم دور ہو جائے۔ اب میں نے اپنا سارا ماجرا اول سے آخر تک بیان کر دیا۔ اسے میرے حال پر ترس آیا اور رونے لگی اور کہا کہ اب دوسرا قصہ میرا سن۔ میں افتیاموس بادشاہ کی بیٹی ہوں جس کی حکومت جزیرہ آبنوس پر ہے۔ اس نے میری شادی میرے چچیرے بھائی سے کی تھی لیکن پہلی ہی رات مجھے ایک دیو جس کا نام جرجیس بن رجموس ہے اور جو ابلیس کا خالہ زاد بھائی ہے چرا کر اڑا لایا اور اس مکان میں اتارا اور ساری ضروری چیزیں یہاں لا کر رکھیں۔ مثلاً پوشاک' زیور' کپڑے' خانہ داری کی چیزیں' کھانا پینا وغیرہ وغیرہ۔ ہر دسویں روز ایک بار وہ یہاں آتا اور ایک رات رہ کر چلا جاتا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے خاندان کی مرضی کے خلاف مجھے لیا ہے۔ اس نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ

جب کبھی دن میں یا رات میں کوئی ضرورت پڑے تو میں ان دو سطروں پر ہاتھ پھیروں جو اس گولے پر لکھی ہوئی ہیں اور ہاتھ پھیرنے کے ساتھ میں اسے اپنے پاس دیکھوں گی۔ اسے گئے آج چار دن ہوئے ہیں اس کے آنے میں ابھی چھ دن باقی ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تو پانچ روز یہاں ٹھہرے اور اس کے آنے سے ایک روز پہلے چلا جائے۔ میں نے کہا کہ ہاں' کاش کہ یہ خواب سچا نکلے! وہ مارے خوشی کے اٹھ کھڑی ہوئی اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک محراب دار دروازے سے ہوتی ہوئی ایک نہایت عمدہ اور نفیس حمام میں پہنچی۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے اپنے کپڑے اتار ڈالے اور اس نے بھی اپنے کپڑے اتار ڈالے اور غسل کیا اور باہر اکر ایک دیوان پر بیٹھ گئی اور مجھے اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور مشک آمیز شکر کا شربت لائی اور مجھے پلایا۔ پھر اس نے کہا کہ ذرا سو جا آرام کر لے کیونکہ تو تھکا ہوا ہے۔ "اچھا میری آقا" اب میں سو گیا اور مجھے یاد نہیں کہ کیا ماجرا گزرا اور میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ وہ میرے پاؤں داب رہی ہے۔ میں نے اسے دعا دی اور تھوڑی دیر ہم بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس نے کہا کہ خدا گواہ ہے کہ میں بڑی پریشان ہو رہی تھی کیونکہ پچیس سال سے میں یہاں زمین کے نیچے اکلی ہوں اور کسی سے بات چیت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے تجھے میرے لیے بھیجا۔ پھر اس نے پوچھا کہ اے جوان' تجھے شراب سے بھی شوق ہے؟ میں نے کہا کہ تیری مرضی۔ وہ نعمت خانے میں گئی اور ایک مہردار پرانی شراب کی بوتل لے آئی اور پھول پتیاں سجائیں اور یہ اشعار پڑھنے لگی:

"اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ تم آنے والے ہو تو ہم اپنے دل کا خون اور آنکھوں کی سیاہی راہ میں بچھا دیتے۔"

"اور ہم اپنے چہروں کو فرش بنا دیتے تاکہ ہم تمہیں دیکھیں اور تم ہماری پلکوں پر چلو۔"

جب وہ یہ اشعار پڑھ چکی تو میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کی محبت میرے دل

میں جاگزین ہو چکی تھی اور میرا رنج و غم دور ہو چکا تھا۔ رات تک ہم مے نوشی میں مشغول رہے اور رات اس کے ساتھ گزاری۔ اس جیسی حسین میں نے عمر بھر نہ دیکھی تھی۔ دوسرے روز دوپہر تک ایک مزہ جاتا اور ایک آتا تھا۔ میں نشے میں اتنا چور تھا کہ مجھے اپنی بھی خبر نہ رہی اور چلتا تو جھومتا جاتا۔ میں نے اس سے کہا کہ اے پری جمال' اٹھ' میں تجھے زمین کے نیچے سے نکال کر اس دیو سے نجات دوں گا۔ وہ مسکرا کر کہنے لگی کہ قناعت کر اور چپ رہ۔ دس دن میں نو دن تیرے ہیں اور ایک دن دیو کا۔ میں نشے میں چور تھا۔ میں نے کہا کہ میں ابھی اس گولے کو توڑ ڈالتا ہوں جس پر نقش بنا ہوا ہے۔ دیو کو آنے دے' میں اسے قتل کر ڈالوں گا۔ میں دیووں کے قتل کرنے کا عادی ہوں۔ جب اس نے میری باتیں سنیں تو اس چہرہ زرد پڑ گیا اور کہنے لگی کہ خدا کے لیے ایسا نہ کر اور یہ شعر پڑھنے لگی:

"جس چیز میں تیری ہلاکت ہو اس سے اپنے آپ کو بچائے رکھ۔"

جب وہ یہ شعر پڑھ چکی تو میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور گولے پر زور سے ٹھوکر ماری۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی نظر آئی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تیرہویں رات

جب تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ دوسرے قلندر نے لڑکی سے کہا کہ اے بی بی' میں نے گولے پر ٹھوکر ماری ہی تھی کہ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا اور بجلیاں چمکنے اور کڑکنے لگیں اور زمیں میں زلزلہ آیا اور دنیا تاریک ہو گئی۔ اب میرا نشہ ہرن ہو گیا اور میں نے اس سے کہا کہ کیا ماجرا ہے؟ اس نے کہا کہ دیو آ پہنچا۔ کیا میں نے اس بات سے تجھے خبردار نہیں کیا تھا؟ واللہ' تو نے مجھے بڑی مصیبت میں گرفتار کیا۔ اب اپنی جان لے کر بھاگ اور جس راستے سے آیا ہے' اس سے چلتا ہو۔ مارے ڈر کے میں اپنے جوتے اور کلہاڑی وہیں بھول آیا۔ جب میں نے دو سیڑھیاں چڑھنے کے بعد پھر کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ زمین پھٹی اور اس میں سے ایک کالا بجھنگ دیو نکلا اور کہنے لگا کہ یہ کیا شور و غل مچا رکھا ہے؟ کون سی مصیبت تجھ پر آ پڑی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کچھ نہیں۔ میرا دل ذرا گھبرا رہا تھا اور اس گھبراہٹ کے دور کرنے کے لیے میں نے شراب پی لی اور حاجت رفع کرنے کے لیے اٹھنا چاہتی تھی' مگر میرے سر میں چکر آیا اور میں گولے پر گر پڑی۔ دیو نے کہا کہ تو جھوٹی ہے' اے چھنال! پھر وہ ادھر ادھر محل میں دیکھنے لگا اور اس کی نظر جوتوں اور کلہاڑی پر پڑی اور اس نے کہا کہ یہ تو انسان کا پہناوا ہے۔ سچ بتا کہ تیرے پاس کون آیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے ان چیزوں کو ابھی دیکھا ہے اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو انہیں لایا ہے۔ دیو نے کہا کہ یہ ناممکن ہے' اے رنڈی! اب اس نے اسے ننگا کر کے شہتیروں کے بیچ میں باندھ دیا اور اسے مارنے پیٹنے لگا اور کہا کہ اقرار کر۔ اس کے رونے سے میرا دل کڑھنے لگا اور میں زینے پر چڑھ کر چلا گیا اور خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔ جب میں اوپر پہنچ گیا تو گھیرے کو اپنی جگہ پر رکھ کر اسے مٹی سے پاٹ دیا۔ اپنے کیے پر میں سخت پشیمان تھا اور وہ

رہ کر اس لڑکی اور اس کے حسن و جمال کا خیال آتا تھا اور یہ کہ وہ ملعون اسے نہ معلوم کیسی کیسی تکلیفیں پہنچائے گا اور یہ پچیس سال اس نے کس طرح کاٹے ہوں گے اور میری وجہ سے اس پر کیا مصیبت نازل ہوئی۔ پھر میں اپنے باپ اور اس کی بادشاہی کو سوچنے لگا اور یہ کہ میں کس طرح لکڑہارا بنا اور عیش و عشرت کے بعد میری زندگی کیسی تلخ ہو گئی۔ یہ باتیں سوچ کر میں رونے اور یہ شعر پڑھنے لگا:

"اگر زمانہ کسی روز تجھے مصیبت میں مبتلا کرے تو دلگیر مت ہو کیونکہ ایک روز تیرے سامنے عیش و آرام آئے گا اور ایک روز تکلیف۔"

وہاں سے چل کر میں اپنے دوست کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ میرے پیچھے سخت پریشان ہے اور میری راہ دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا کہ کل رات بھر میرا جی تجھ میں لگا رہا اور مجھے ڈر تھا کہ کہیں کسی درندے وغیرہ سے تو پالا نہیں پڑا لیکن میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ تو صحیح و سلامت ہے۔ میں نے اس کی محبت کا شکریہ ادا کیا اور اپنی کوٹھڑی میں چلا گیا اور اپنی ساری سرگزشت پر سوچ میں پڑ گیا اور اپنی بیہودگی اور اس گولے کو ٹھکرانے پر لعنت ملامت کرنے لگا۔ میں اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ میرا دوست درزی اندر آیا اور کہنے لگا کہ اے جوان' باہر آ ایک عجمی بوڑھا تجھے تلاش کر رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں تیری کلہاڑی اور تیرے جوتے ہیں۔ انہیں لے کر وہ لکڑہاروں کے پاس آیا تھا اور ان سے کہا تھا کہ جس وقت موذن نے فجر کی اذان دی اس وقت میں گھر سے نکلا تو یہ دونوں چیزیں مجھے پڑی ملیں اور مجھے معلوم نہیں کہ یہ کس کی ہیں۔ تم مجھے ان کے مالک کا پتہ بتا دو۔ لکڑہارے اسے لے کر تیرے پاس آئے ہیں کیونکہ وہ تیری کلہاڑی پہچانتے ہیں۔ وہ شخص میری دوکان میں بیٹھا ہوا ہے۔ چل اور اس کا شکریہ ادا کر اور اپنی کلہاڑی اور جوتے اس سے لے لے۔ جب میں نے اس سے یہ سنا تو میرا رنگ فق ہو گیا اور میری حالت دگرگوں ہو گئی۔ میں اسی حالت میں تھا کہ میری کوٹھڑی کا فرش پھٹا اور وہی عجمی اس میں سے نمودار

ہوا اور نکلتے ہی اس نے فوراً دیو کی صورت اختیار کر لی۔ اس نے اس لڑکی کو بہت مارا پیٹا تھا لیکن اس نے کسی بات کا اقرار نہیں کیا۔ تب دیو نے کلہاڑی اور جوتے ہاتھ میں لیے اور لڑکی سے کہنے لگا کہ اگر میرا نام جرجیس ہے اور میں ابلیس کے خاندان سے ہوں تو میں اس کلہاڑی اور ان جوتوں کے مالک کو پکڑ کر ابھی یہاں لاتا ہوں۔ اس بہانے سے وہ لکڑہاروں کے پاس گیا اور پھر میرے یہاں پہنچا۔ اس نے مجھے ذرا بھی مہلت نہ دی بلکہ فوراً مجھے اٹھا کر ہوا میں اڑ گیا۔ پھر وہ اترا اور زمین کی اندر گھس گیا۔

مجھے اپنی خبر بالکل نہ تھی۔ پھر وہ اسی محل میں آ نکلا جہاں میں نے وقت گزارا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ لڑکی ننگی بندھی پڑی ہے اور اس کے بدن سے خون جاری ہے۔ یہ دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اب دیو نے اسے پکڑ کر کہا کہ اے رنڈی' بتا کہ یہی تیرا آشنا ہے؟ اس نے میری طرف دیکھا اور کہا کہ میں اسے بالکل نہیں پہچانتی اور اس وقت سے پہلے میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ دیو نے اس سے کہا کہ اتنی مار پیٹ پر بھی تو اقرار نہیں کرتی۔ لڑکی نے کہا کہ میں نے آج تک اس کی شکل نہیں دیکھی اور خدا اجازت نہیں دیتا کہ میں کسی پر بہتان رکھوں۔ دیو نے کہا کہ اگر تو اسے نہیں جانتی تو یہ تلوار لے اور اس کا گلا کاٹ ڈال۔ لڑکی تلوار لے کر میرے پاس آئی اور میرے سر پر کھڑی ہو گئی۔ میں نے اس کی طرف اپنی بھوؤں سے اشارہ کیا اور میرے چہرے پر آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ میرا اشارہ سمجھ گئی اور مجھے اشارے سے جواب دیا کہ یہ سب کچھ تیرا ہی کرا دھرا ہے۔ میں نے اشارے سے کہا کہ یہ وقت معاف کر کرنے کا ہے۔

اے میری آقا' اب اس لڑکی نے تلوار پھینک دی اور کہنے لگی کہ میں ایک ایسے شخص کی کس طرح گردن ماروں جس کو نہ میں جانتی ہوں اور جس نے کبھی میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ یہ میرے دین و مذہب میں روا نہیں۔ یہ کہہ کر وہ ٹھٹھک گئی۔ دیو نے کہا کہ آشنا کا قتل کرنا کوئی آسان بات نہیں۔ وہ ایک رات تیرے ساتھ

سویا ہے۔ تو تکلیفیں برداشت کر رہی ہے مگر اقرار نہیں کرتی کہ تیرا آشنا یہی ہے۔ اب مجھے معلوم ہو گیا کہ ہم جنس کو ہم جنس سے محبت ہوتی ہے۔ یہ کہہ کر دیو میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ اے انسان تو بھی اسے نہیں پہچانتا؟ میں نے کہا کہ میں کیا جانوں یہ کون ہے۔ اس سے پہلے میں نے اس کی صورت تک نہیں دیکھی۔ اس نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو یہ تلوار لے اور اس کی گردن اڑا دے۔ پھر میں تجھے چھوڑ دوں گا اور تیرا جہاں جی چاہے' جائیو اور تیرے اوپر کوئی سختی نہ کروں گا کیونکہ مجھے یقین آ جائے گا کہ تو اسے ہرگز نہیں جانتا۔ میں نے کہا کہ بہت خوب اور تلوار لے کر خوش خوش آگے بڑھا اور اپنے ہاتھ اٹھائے۔ لڑکی نے اپنی بھوؤں سے اشارہ کر کے کہا کہ میں نے تیرا کوئی گناہ نہیں کیا۔ کیا اس کا بدلہ یہی ہے؟ میں اس کا اشارہ سمجھ گیا اور اپنی آنکھ سے اشارہ کر کے میں نے کہا کہ میں تجھے بچانے کی خاطر اپنی جان قربان کر دوں گا۔ میرے آنسو ڈبڈبا آئے اور میں نے تلوار ہاتھ سے پھینک دی اور کہنے لگا کہ اے زبردست دیو اور اے بہادر سورما' جب ایک عورت نے جس کی عقل اور جس کا دین ناقص ہوتا ہے میری گردن مارنے کو حرام سمجھا تو میرے لیے یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اس کی گردن ماروں اور میں نے اسے کبھی دیکھا بھی نہیں۔ میں ہرگز ایسا نہ کروں گا' خواہ تو مجھے موت کے گھاٹ ہی کیوں نہ اتار دے۔ دیو نے کہا کہ تم دونوں میں سازش ہے۔ میں ابھی تمہارے کیے کا مزہ چکھاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے تلوار اٹھا لی اور لڑکی کے ہاتھ پر ایک ایسا وار کیا کہ وہ کٹ کر گر پڑا۔ پھر دوسرا وار کیا اور دوسرا ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ اسی طرح چار وار کر کے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔ میں یہ دیکھ رہا تھا اور مجھے اپنی موت کا یقین آتا جاتا تھا اور لڑکی میری طرف آنکھوں سے اشارہ کر رہی تھی گویا وہ مجھ سے رخصت ہو رہی ہے۔ دیو نے اس سے کہا کہ تو اپنی آنکھ سے بدفعلی کر رہی ہے اور ایک ایسی ضرب لگائی کہ اس کا سر اڑ گیا۔

اب وہ دیو میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ اے انسان ہمارے مذہب میں یہ ہے

کہ اگر بیوی زنا کرے تو ہمارے لیے اس کا خون حلال ہے۔ اس لڑکی کو میں اس کے نکاح کی رات اٹھا لایا تھا اور اس وقت اس کی عمر بارہ سال تھی۔ وہ میرے سوا کسی سے واقف نہ تھی۔ میں ہر دسویں دن ایک رات کے لیے اس کے پاس آتا اور عجمی کے بھیس میں ظاہر ہوتا تھا۔ اب جبکہ مجھے یقین آ گیا کہ اس نے خیانت کی تو میں نے اسے قتل کر دیا مگر تیرے متعلق ابھی تک مجھے تحقیق نہیں ہوئی کہ آیا تو نے خیانت کی کہ نہیں۔ مگر یہ ضرور ہے کہ میں تجھے بھی آرام سے نہ رہنے دوں گا۔ مانگ' کیا چاہتا ہے" اے میرے آقا' اس پر میں بے حد خوش ہوا اور کہا کہ تجھ سے کیا مانگوں؟ اس نے کہا کہ یہ مانگ کہ میں جادو سے تجھے کیا بنا دوں' کتا یا گدھا یا بندر؟ مجھے امید تھی کہ وہ مجھے معاف کر دے گا اس لیے میں نے کہا' واللہ اگر تو مجھے معاف کر دے گا تو ایک مسلمان کو معاف کرنے کے صلے میں خدا بھی تجھے معاف کر دے گا اور اذیت نہ دے گا۔ میں بڑی خوشامد درامد کرنے لگا اور اس کے سامنے رہتا اور اس سے کہتا جاتا تھا کہ میں مظلوم ہوں۔ اس نے کہا کہ اب زیادہ باتیں نہ بنا۔ تیرا قتل کرنا میرے لیے مشکل نہیں لیکن میں تجھے اختیار دیتا ہوں۔ میں نے کہا کہ اے دیو مجھے معاف کر دینا تیری شان کے شایاں تر ہے۔ اس لیے مجھے معاف کر دے جس طرح کہ محسود نے حاسد کو معاف کر دیا تھا۔ دیو نے کہا کہ وہ کیسے؟

○ حاسد اور محسود کی کہانی

میں نے کہا کہ اے دیو' کہتے ہیں کہ کسی شہر میں دو شخص رہتے تھے۔ ان کے مکان اس طرح ملے ہوئے تھے کہ دونوں کے درمیان دیوار حائل تھی۔ ان میں سے ایک شخص دوسرے پر حسد کرتا اور اس پر نظر لگاتا اور اس کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتا اور ہر وقت اس پر رشک کھاتا تھا۔ اس کا حسد یہاں تک بڑھا کہ اس کے کھانے

پینے اور میٹھی نیند سونے میں کمی آ گئی۔ لیکن محسود کی حالت بہتر ہوتی رہی۔ حاسد جتنی زیادہ کوشش کرتا محسود اتنا ہی زیادہ بڑھتا پھلتا اور پنپتا۔ جب محسود کو معلوم ہوا کہ اس کا پڑوسی اس پر حسد کرتا اور اس کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ پڑوس چھوڑ کر اس کے گھر سے دور جا بسا اور کہنے لگا کہ واللہ' اگر اس کی وجہ سے مجھے دنیا چھوڑنی پڑے تو چھوڑ دوں گا۔ اب اس نے ایک دوسرے شہر میں جا کر سکونت اختیار کی اور اپنے لیے ایک چھوٹا سا ٹکڑا زمین کا خریدا جس میں ایک قدیم نہر کا کنواں تھا۔ اس کنویں پر اس نے ایک حجرہ بنوایا اور اس کے لیے تمام ضروریات کی چیزیں خریدیں اور اس میں بیٹھ کر خدا کی عبادت کرنے لگا۔ ہر طرف سے فقرا اور مساکین اس کے پاس آتے یہاں تک کہ اس کا نام سارے شہر میں مشہور ہو گیا۔ اب اس کے حاسد پڑوسی کو بھی خبر ملی کہ وہ کتنا بڑا ہو گیا ہے اور شہر کے بڑے بڑے لوگ اس کے پاس آتے جاتے ہیں۔ یہ سن کر وہ حجرے میں پہنچا۔ محسود پڑوسی نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اسے بڑی عزت سے رکھا۔ اب حاسد نے کہا کہ مجھے تجھ سے کچھ باتیں کرنی ہیں جس کی وجہ سے میں یہاں تیرے پاس آیا ہوں اور میں تجھے ایک خوش خبری سنانا چاہتا ہوں' اٹھ اور اپنے حجرے میں میرے ساتھ چل۔ محسود اٹھ کھڑا ہوا اور حاسد کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر حجرے کے کنارے تک گیا۔ حاسد نے کہا کہ فقیروں سے کہہ دے کہ باہر چلے جائیں کیونکہ میں تجھ سے بطور راز کے کچھ کہنا چاہتا ہوں جسے کوئی اور سننے نہ پائے۔ محسود نے فقیروں سے کہا کہ تم لوگ باہر چلے جاؤ' اور سب اس کے کہنے پر باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں اس پرانے کنویں پر پہنچے اور حاسد نے محسود کو دھکا دے کر کنویں کے اندر دھکیل دیا اور کسی کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ حاسد وہاں سے چلتا ہوا اور وہ سمجھا کہ محسود مر گیا ہو گا۔

اس کنویں میں جنات رہتے تھے۔ انہوں نے اسے آہستہ آہستہ نیچے اتار کر ایک پتھر پر بٹھا دیا اور ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ تم جانتے ہو کہ یہ کون شخص ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ مگر ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ وہ شخص ہے جو اپنے حاسد

سے کنارہ کشی کر کے ہمارے شہر میں آیا اور یہ حجرہ بنایا ہے اور جس نے ہمیں خدا کی عبادت اور قرآن خوانی سے مانوس کیا ہے۔ لیکن اس کا حاسد چل کر یہاں آیا اور اس سے ملاقات کی اور اسے دھوکے سے یہاں تمہارے پاس پھینک دیا۔ یہاں اس کی آمد کی خبر آج ہی رات اس شہر کے بادشاہ کو پہنچی ہے اور وہ کل اپنی بیٹی کے بارے میں اس کے پاس آنے والا ہے۔ ایک جن نے پوچھا کہ بیٹی کا کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا کہ وہ دیوانی ہو گئی ہے اور میمون بن دمدم اس پر عاشق ہے۔ اگر بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ اس کا علاج کیا ہے تو وہ اسے اچھا کر سکتا ہے' اور علاج بالکل آسان ہے۔ ایک جن نے پوچھا کہ کیا علاج ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کالی بلی جو اس شخص کے پاس حجرے میں ہے اور جس کی دم کی نوک پر ایک سفید داغ ہے' اگر اس کے سات سفید بال لیے جائیں اور ان کی دھونی بیمار کو دی جائے تو وہ خبیث اس کے سر پر سے چلا جائے گا اور پھر کبھی نہ لوٹے گا اور وہ فوراً اچھی ہو جائے گی۔

اے دیو' محسود ان تمام باتوں کو سن رہا تھا۔ جب صبح کی پو پھٹی اور روشنی ہونی شروع ہوئی تو فقیر لوگ شیخ کے پاس آنے لگے اور دیکھا کہ وہ کنویں کے اندر سے نکل رہا ہے تو ان کے دلوں میں اس کی بڑی عزت ہوئی۔ محسود کو معلوم تھا کہ بس کالی بلی ہی علاج ہے' اس لیے اس نے اس کی دم کے سفید داغ میں سے سات بال نوچ کر اپنے پاس رکھ لیے۔ ابھی سورج نہ نکلا تھا کہ بادشاہ مع لشکر کے پہنچ گیا۔ بادشاہ اور اراکین اندر داخل ہوئے اور باقی فوج کو باہر ٹھہرنے کا حکم ملا۔ جب بادشاہ محسود کے حجرے میں داخل ہوا تو اس نے اس کا خیر مقدم کیا اور اپنے پاس بٹھایا اور اس سے کہا کہ کیا میں تیرے آنے کی وجہ بیان کروں؟ بادشاہ نے کہا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ تو میرے ملنے کے لیے آیا ہے کیونکہ تیرے دل میں یہ خیال ہے کہ تو اپنی بیٹی کے بارے میں مجھ سے سوال کرے۔ بادشاہ نے کہا کہ اے نیک مرد' درست ہے۔ محسود نے کہا کہ اسے بلوا بھیج اور خدا نے چاہا تو وہ فوراً اچھی ہو جائے گی۔ بادشاہ

نے خوش ہو کر اپنی بیٹی کو بلوایا۔ جب لوگ اسے لائے تو اس کی مشکیں بندھی ہوئی اور پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ محمود نے اسے بٹھا کر اس کے اوپر کپڑا ڈال دیا اور بال نکال کر ان کی دھونی دی۔ جن جو اس کے سر پر سوار تھا چلا کر بھاگا اور لڑکی اپنے آپے میں آ گئی اور اس نے اپنا چہرہ چھپا لیا اور کہنے لگی کہ یہ کیا قصہ ہے؟ مجھے کون اس جگہ لایا ہے؟ بادشاہ بے انتہا خوش ہوا اور لڑکی کی آنکھوں کو بوسہ دیا اور شیخ کے ہاتھ چومے۔ اب وہ اراکین کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ تمہارے خیال میں وہ شخص کس انعام کا مستحق ہے جس نے میری بیٹی کو اچھا کیا؟ انہوں نے کہا کہ اس کی شادی اس سے ہو جانی چاہیے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم سچ کہتے ہو اور اس نے اپنی بیٹی کو اس سے بیاہ دیا اور محمود بادشاہ کا داماد بن گیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد وزیر کا انتقال ہو گیا تو بادشاہ نے پوچھا کہ اب کسے وزیر بنانا چاہیے؟ انہوں نے کہا کہ اپنے داماد کو' اور محمود وزیر ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد بادشاہ فوت ہو گیا تو لوگوں نے مشورہ کیا کہ اب کسے بادشاہ بنایا جائے اور یہ فیصلہ ہوا کہ وزیر کو۔ اب انہوں نے وزیر کو بادشاہ بنا دیا اور وہ بادشاہ ہو کر حکومت کرنے لگا۔

ایک روز وہ گھوڑے پر سوار جا رہا تھا اور حاسد بھی اسی راستے سے گزر رہا تھا۔ محمود شاہانہ لباس پہنے اپنے امرا اور وزرا اور رؤسا کے درمیان میں تھا۔ اس کی آنکھ اپنے حاسد پر پڑی اور اس نے اپنے ایک وزیر سے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس لے آ لیکن وہ ڈرنے نہ پائے۔ وزیر گیا اور حاسد پڑوسی کو لے آیا۔ بادشاہ نے کہا کہ اسے میرے خزانے سے ایک ہزار مثقال سونا دے دو اور بیس بوجھ ساز و سامان کے' اس کے ساتھ کر دو اور پہرے کے ہمراہ اسے اس کے شہر میں بھجوا دو۔ بادشاہ اس سے رخصت ہو کر واپس گیا لیکن اس کے کرتوتوں کی سزا نہیں دی۔

دیکھو اے دیو' کہ محمود نے حاسد کو کس طرح معاف کر دیا حالانکہ اس نے ابتدا ہی سے کیسا حسد کیا تھا' پھر اذیت پہنچائی' پھر سفر کر کے اس کے پاس پہنچا اور اسے کنویں میں گرا دیا کہ وہ مر جائے۔ لیکن اس نے تکلیف کا بدلہ تکلیف نہیں دیا بلکہ اس

کو معاف کر دیا اور اس سے درگزر کی۔ اے میری آقا' اس کے بعد میں اتنا رویا کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھا۔ دیو نے کہا کہ یا تو میں تجھے مار ڈالوں گا اور اگر نہ بھی مارا تو تجھے بالکل معاف کرنے کا تو ہرگز نہیں۔ کم از کم میں تجھ پر جادو ضرور کروں گا۔ اب اس نے جھپٹ کر مجھے زمین سے اٹھا لیا اور ہوا میں لے کر اڑ گیا یہاں تک کہ زمین مجھے ایسی معلوم ہوئی جیسے کہ پانی کے بیچ میں پیالہ۔ پھر اس نے مجھے ایک پہاڑ پر اتارا اور تھوڑی سی مٹی لی اور اس پر کچھ آہستہ آہستہ پڑھ کر پھونکا اور وہ مٹی میرے اوپر چھڑک دی اور کہنے لگا کہ اس صورت کو چھوڑ کر بندر بن جا۔ اس وقت سے میری شکل صد سالہ بندر کی سی ہو گئی۔ جب میں نے اپنے آپ کو اس قدر بدصورت دیکھا تو میں اپنے اوپر رونے لگا اور زمانے کے ظلم و ستم پر صبر اختیار کیا اور مجھے یقین آ گیا کہ زمانہ کسی کا بھی نہیں ہوتا۔ اب میں پہاڑ سے نیچے اترا اور دیکھا کہ ایک بڑا وسیع جنگل ہے۔ چلتے چلتے ایک مہینے کے بعد میں سمندر کے کنارے پہنچا۔ ایک پہر کے قریب میں وہاں ٹھہرا ہوں گا کہ سمندر میں ایک کشتی نظر آئی جس کی خوشبو پھیلی معلوم ہوتی تھی اور جو خشکی کی طرف آ رہی تھی۔ میں جنگل میں ایک طرف ہو کر ایک چٹان کے پیچھے چھپ گیا اور کشتی کے پہنچنے کا انتظار کرتا رہا۔ پھر میں اس کے اندر چلا گیا۔ ایک مسافر نے کہا کہ اس منحوس کو یہاں سے نکالو۔ ناخدا نے کہا کہ ہم کو چاہیے کہ اسے مار ڈالیں۔ دوسرے نے کہا کہ میں ابھی اس تلوار سے اس کا خاتمہ کیے دیتا ہوں۔ میں نے ناخدا کا دامن پکڑ لیا اور رونے لگا یہاں تک کہ میرے آنسو بہنے لگے۔ ناخدا کو میرے اوپر ترس آیا اور وہ کہنے لگا کہ اے سوداگرو' اس بندر نے مجھ سے پناہ مانگی اور میں نے اسے پناہ دی ہے اور اب وہ میری پناہ میں ہے اس لیے کوئی اس پر حملہ نہ کرے اور نہ اسے پریشان کرے۔

ناخدا میرے ساتھ اچھا سلوک کرتا اور جو کچھ وہ کہتا میں سمجھ جاتا اور اس کی ساری ضروریات پوری کر دیتا اور کشتی میں اس کی خدمت کرتا اور وہ مجھ سے محبت کرتا۔

پچاس دن تک موافق ہوا کے ساتھ چلنے کے بعد ہم نے ایک بڑے شہر کے پاس لنگر

ڈالا جس کی آبادی اتنی زیادہ تھی کہ اس کا گننا سوائے خدا کے اور کسی کے لیے ممکن نہ تھا۔ جب ہم وہاں پہنچ گئے اور کشتی ٹھہری تو اس شہر کے بادشاہ کے کارندے ہمارے پاس آئے اور تمام سوداگروں کو صحیح و سلامت پہنچنے پر مبارکباد دی اور کہنے لگے کہ ہمارا بادشاہ تمہاری سلامتی پر تم کو مبارک باد دیتا ہے اور اس نے تمہارے پاس یہ کاغذ کا ورق بھیجا ہے تاکہ تم میں سے ہر شخص اس پر ایک ایک سطر لکھے۔ قصہ یہ ہے کہ بادشاہ کا ایک خوش نویس وزیر تھا' وہ فوت ہو گیا ہے اور بادشاہ نے قسم کھائی ہے اور بڑے بڑے حلف اٹھائے ہیں کہ اب وہ اسی شخص کو وزیر بنائے گا جو اس کی طرح خوش نویس ہو۔ یہ کہہ کر انہوں نے وہ ورق جس کی لمبائی دس ہاتھ اور چوڑائی ایک ہاتھ تھی سوداگروں کو دیا تاکہ جس جس کو لکھنا آتا ہو وہ لکھیں۔ میں اٹھا اور میں بندر کی شکل میں تھا' اور ان کے ہاتھ سے وہ ورق لے لیا۔ لوگ ڈرے کہ کہیں میں اس کو پھاڑ نہ ڈالوں اور وہ مجھے جھڑکنے لگے۔ میں نے اشارے سے انہیں سمجھایا کہ میں لکھوں گا۔ ناخدا نے اشارے سے کہا کہ اسے لکھنے دو۔ اگر اس نے کچھ گڑبڑ کی تو میں اسے نکال دوں گا اور اگر اچھی طرح لکھا تو میں اسے اپنا بیٹا بنا لوں گا۔ میں نے اس سے زیادہ سمجھدار بندر آج تک نہیں دیکھا۔ اب میں نے قلم پکڑا اور دوات سے روشنائی لی اور رقاعی اور ریحانی اور ثلث اور نسخ اور طومار اور محقق خطوں میں دو دو شعر لکھے اور کاغذ ان کو دے دیا۔ ان میں سے بھی ہر ایک نے ایک ایک سطر لکھی۔

اسے لے کر وہ بادشاہ کے پاس گئے۔ جب بادشاہ نے اس کاغذ کو دیکھا تو اسے سوائے میرے خط کے اور کسی کا خط پسند نہ آیا۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ اس خط کے لکھنے والے کے پاس جاؤ اور اسے خچر پر سوار کر کے نوبت نقارے کے ساتھ یہاں لے آؤ' اور اسے نفیس کپڑے پہنا کر میرے حضور میں پیش کرو۔ جب انہوں نے بادشاہ کی باتیں سنیں تو وہ مسکرانے لگے۔ بادشاہ ان پر ناراض ہوا اور کہنے لگا کہ اے حرام زادو' میں تم سے ایک کام کے لیے کہتا ہوں اور تم مجھ پر ہنستے ہو۔ انہوں نے کہا

کہ بادشاہ سلامت' ہمارے ہنسنے کی ایک خاص وجہ ہے۔ اس نے پوچھا کہ وہ کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ بادشاہ سلامت' آپ حکم دیتے ہیں کہ ہم اس شخص کو آپ کے

روبرو شخص کریں جس نے یہ خط لکھا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ لکھنے والا بندر ہے' آدمی نہیں اور وہ کشتی کے ناخدا کے ساتھ ہے! بادشاہ نے کہا کہ کیا تم سچ کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ جی حضور' آپ کی بخششوں کی قسم۔ بادشاہ کو ان کی بات پر تعجب ہوا اور وہ مارے خوشی کے جھومنے لگا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ناخدا سے اس بندر کو خرید لوں۔ اس نے کشتی میں ایک ایلچی بھیجا اور خچر اور لباس اور نوبت نقارے اس کے ساتھ کر دیئے اور کہنے لگا کہ تم ضرور اس کو یہ کپڑے پہناؤ اور خچر پر سوار کرو۔ ان سب چیزوں کو لے کر کشتی میں جاؤ اور اسے لے آؤ۔ وہ لوگ کشتی میں آئے اور مجھے ناخدا سے لے لیا اور مجھے کپڑے پہنائے اور خچر پر سوار کیا۔ لوگ حیران تھے اور سارا شہر تہ و بالا تھا اور سب کے سب میرا مذاق اڑاتے تھے۔ جب وہ مجھے لے کر بادشاہ کے پاس پہنچے اور اس نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا تو میں نے اس کے آگے تین بار زمین کو بوسہ دیا۔ اس نے حکم دیا کہ میں بیٹھ جاؤں اور میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ میرا شعور و تمیز دیکھ کر تمام حاضرین اچنبھے میں تھے اور سب سے زیادہ اچنبھا خود بادشاہ کو تھا۔ بادشاہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اٹھ جائیں اور وہ اٹھ گئے اور سوائے میرے اور اور بادشاہ اور خواجہ سرا اور ایک کم سن غلام کے اور کوئی باقی نہ رہا۔ بادشاہ کے حکم سے دسترخوان لگایا گیا اور اس پر قسم قسم کا نرم گوشت چنا گیا بالخصوص ان جانوروں کا گوشت جو اڑتے اور گھونسلوں میں جفتی کھاتے ہیں مثلاً بٹیر اور تیتر اور تمام قسم کی چڑیاں۔ بادشاہ نے میری طرف اشارے سے کہا کہ میں اس کے ساتھ کھاؤں۔ میں اٹھا اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور بیٹھ کر اس کے ساتھ کھانے لگا۔ اب دسترخوان بڑھایا گیا اور میں نے سات بار ہاتھ دھوئے اور قلم دوات لے کر چند اشعار لکھ دیئے اور اٹھ کر دور جا بیٹھا۔

جب بادشاہ نے دیکھا کہ میں نے کیا لکھا ہے اور اسے پڑھا تو وہ حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ عجیب بات ہے کہ بندر اور یہ فصاحت اور خوش خطی۔ واللہ' یہ ایک اعجوبہ ہے۔ اس کے بعد بادشاہ کے لیے خاص شراب شیشے میں رکھ کر لائی گئی۔ اس نے اسے پی کر میرے آگے بڑھا دیا۔ میں نے زمین کو بوسہ دیا اور پی گیا۔ بادشاہ اچنبھے میں پڑ گیا اور کہنے لگا کہ اگر اتنا علم کسی انسان میں ہوتا تو وہ اپنے زمانے میں یکتا ہوتا۔ اس کے بعد بادشاہ کے لیے شطرنج کی بساط بچھائی گئی اور اس نے کہا کہ کیا تو میرے ساتھ کھیلے گا؟ میں نے سر سے اشارہ کیا کہ جی ہاں' اور آگے بڑھا اور شطرنج رکھی۔ ہم نے دو بازیاں کھیلیں اور میں نے دونوں میں مات دی۔ بادشاہ دنگ رہ گیا۔ پھر میں نے دوات قلم لے کر ایک پرچے پر اور دو اشعار لکھ دیئے۔ بادشاہ اسے پڑھ کر متعجب اور خوش اور بشاش ہو گیا اور اس لیے خواجہ سرا سے کہا کہ اپنی مالکہ ست الحسن کے پاس جا اور اس سے کہہ کہ بادشاہ کے پاس آ کر باتیں کر اور عجیب و غریب بندر کے ساتھ دل خوش کر۔ خواجہ سرا گیا اور مالکہ کو لے آیا۔ جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو اس نے منہ چھپا لیا اور کہنے لگی کہ اباجان' یہ آپ کو کس طرح گوارا ہے کہ آپ نے مردوں کے ساتھ دل بہلانے کے مجھے بلوایا؟ اس نے کہا کہ اے ست الحسن' میرے پاس سوائے چھوٹے غلام اور مقدم کے جس نے تیری پرورش کی ہے اور کوئی نہیں اور میں تیرا باپ ہوں' آخر تو منہ کس سے چھپاتی ہے؟ اس نے کہا کہ یہ بندر ایک نوجوان شہزادہ ہے۔ اس کے باپ کا نام افتیادوس ہے۔ اس پر' جرجیس دیو نے جو ابلیس کا رشتہ دار ہے' جادو کیا ہے اور اس کی بیوی کو جو افتاموس بادشاہ کی بیٹی تھی مار ڈالا ہے۔ جس کو آپ بندر سمجھتے ہیں وہ ایک عالم اور عاقل شخص ہے۔

بادشاہ کو اپنی بیٹی کی باتوں پر تعجب ہوا اور میری طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ جو کچھ یہ تیری بابت کہتی ہے وہ کیا سچ ہے؟ میں نے سر سے اشارہ کر کے کہا کہ جی ہاں' اور رونے لگا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تجھے کہاں سے معلوم ہوا کہ اس پر جادو

کیا گیا ہے؟ اس نے کہا کہ اباجان' جب میں چھوٹی تھی تو میرے پاس ایک بڑی ہوشیار بڑھیا جادوگرنی تھی۔ اس نے مجھے جادو اور عمل سکھایا ہے۔ مجھے وہ برزبان یاد ہے اور ہمیں تکمیل کا درجہ حاصل ہے۔ اس کے ایک سو ستر کرتب مجھے ازبر ہیں۔ ان میں سے سب سے چھوٹا یہ ہے کہ میں تیرے شہر کی اینٹ اینٹ کوہ قاف کے پیچھے پھینک سکتی اور شہر کو سمندر اور اہالی کو اس کے اندر مچھلیاں بنا سکتی ہوں۔ باپ نے کہا کہ بیٹی تجھے میری جان کی قسم' اس جوان کا جادو توڑ دے تاکہ میں اسے اپنا وزیر بنا لوں کیونکہ وہ نوجوان ہے اور عالی ظرف اور دانش مند۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھ میں ایک چھری لی اور اس سے ایک کنڈل کھینچا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کے کہنے کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چودھویں رات

جب چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہنا شروع کیا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
قلندر نے لڑکی سے کہا کہ اے میری آقا' شہزادی نے اپنے ہاتھ میں ایک چھری لی جس پر عبرانی زبان میں نام لکھے ہوئے تھے اور اس سے محل کے بیچ میں ایک کنڈل کھینچا اور اس میں کچھ نام اور کچھ جادو کی باتیں لکھیں اور کچھ جادو پڑھا جس میں سے کچھ تو سمجھ میں آتا تھا اور کچھ سمجھ سے باہر تھا۔ ایک لمحہ کے بعد ہمارے چاروں طرف اندھیرا چھا گیا اور وہی دیو اپنی اصلی شکل و صورت میں ہمارے پاس آکھڑا ہوا۔ اس کے ہاتھ جیلیوں کی طرح تھے اور پاؤں مستولوں کی طرح اور دونوں آنکھیں آگ کے شعلوں کی طرح۔ ہم اسے دیکھ کر ڈر گئے۔ شہزادی نے کہا کہ تیرے لیے نہ تو خوش آمدی اور نہ سلام۔ دیو نے شیر کی صورت اختیار کر کے کہا کہ اے دغاباز' تو نے عہد و پیمان توڑ ڈالا۔ کیا ہم نے باہم عہد و پیمان نہ کیا تھا کہ کوئی دوسرے کی مخالفت نہ کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ اے مردود' کیا تجھ جیسے سے میں کوئی عہد و پیمان کر سکتی ہوں! دیو نے کہا کہ اچھا لے' وہ آیا۔ اب شیر نے منہ کھول کر لڑکی پر حملہ کیا۔ لڑکی نے جلدی سے اپنا ایک بال توڑا اور اپنے ہاتھ میں لے کر اسے ہلایا اور اپنے ہونٹوں سے کچھ جادو پڑھا۔ بال تیز تلوار کی طرح ہو گیا اور اس نے شیر کے ایک ایسا ہاتھ تلوار کا مارا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور اس کا اوپر کا دھڑ بچھو بن گیا۔ لڑکی زمین پر لوٹ کر اژدھا بن گئی اور اس مردود کی طرف جھپٹی در آنحالیکہ وہ بچھو کی مشکل میں تھا۔ دونوں میں سخت لڑائی ہونے لگی۔ اب بچھو گدھ بن گیا اور اژدھا عقاب بن کر گدھ کے پیچھے پڑ گیا اور ایک پہر تک اس پر حملہ کرتا رہا۔ اب گدھ نے کالی بلی کی صورت اختیار کر لی اور لڑکی چتکبرا بھیڑیا بن گئی اور دونوں پہر بھر محل کے اندر لڑتے رہے۔ جب بلی نے دیکھا کہ میں ہار رہی ہوں

تو اس نے ایک بڑے سرخ انار کی صورت اختیار کر لی اور وہ انار محل کے حوض کے بیچ میں آ بیٹھا۔ اب بھیڑیا اس کی طرف بڑھا تو انار ہوا میں اڑا اور محل کے چکنے فرش پر گر کر ٹوٹ گیا اور اس کا دانہ دانہ بکھر گیا اور سارا محل انار کے دانوں سے بھر گیا۔ بھیڑیے نے اپنے آپ کو جنبش دی اور مرغا بن کر ان دانوں کو چگ لیا یہاں تک کہ ایک دانہ بھی باقی نہ چھوڑا۔ لیکن خدا کی قدرت کہ ایک دانہ لنڈھک کر حوض کے کنارے جا پہنچا تھا۔ مرغا شور مچانے اور پھڑپھڑانے اور اپنی چونچ سے ہماری طرف اشارہ کرنے لگا مگر ہم اس کا مطلب بالکل نہ سمجھے۔ مرغا اتنے زور سے چلایا کہ ہم سمجھے کہ محل ہمارے اوپر ٹوٹ پڑے گا اور وہ سارے محل میں چکر لگانے لگا یہاں تک کہ اس کی نظر اس دانے پر پڑی جو حوض کے کنارے لنڈھک کر جا پڑا تھا اور اسے چگ لینے کے لیے دوڑا' لیکن دانہ حوض کے پانی کے اندر گھس گیا اور مچھلی بن کر پانی کی تھاہ میں چلا گیا۔ مرغا مگرمچھ بن کر اس کے پیچھے پانی میں کود پڑا اور تھوڑی دیر کے لیے غائب ہو گیا اور ہم نے رونے چلانے کی آواز اٹھتی سنی اور ہم کانپ اٹھے۔ اس کے بعد دیو آگ کے شعلے کی شکل میں باہر نکلا۔ جب وہ منہ کھولتا تو اس میں سے آگ نکلتی تھی اور اس کی دونوں آنکھوں اور نتھنوں میں سے آگ اور دھواں نکلتا تھا۔ لڑکی بھی مثل آگ کے انگارے کے باہر نکلی اور دونوں دیر تک لڑتے رہے یہاں تک کہ دونوں کے اردگرد آگ چھا گئی اور سارے محل میں دھواں پھیل گیا۔ ہم سب ڈرنے لگے اور چاہا کہ حوض کے اندر گھس جائیں کیونکہ ہمیں اندیشہ تھا کہ کہیں جل کر ہلاک نہ ہو جائیں۔ بادشاہ نے کہا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اناللہ واناالیہ راجعون۔

میں اس بندر کی خلاصی کے لیے شہزادی کو اس تکلیف میں نہ ڈالتا اور وہ اس مزدور' دیو کی وجہ سے' جو دنیا کے تمام موجودہ دیووں سے زیادہ طاقتور ہے' اس مصیبت میں نہ پڑتی۔ اور کاش کہ میں اس بندر سے کبھی نہ ملتا۔ منحوس تھا اور نامبارک تھی وہ

گھڑی جس میں ہم نے اس کے ساتھ خالصتہ" للہ نیکی کرنے اور اسے جادو سے چھڑانے کا ارادہ کیا اور خود تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔

اے میری آقا' مگر میری زبان بند تھی اور میں اس سے کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ اب ہم نے دیکھا کہ دیو آگ کے نیچے سے چلایا اور ہمارے پاس محل میں آگیا اور ہمارے چہروں پر شعلے پھونکنے لگا۔ لڑکی نے اس پر حملہ کیا اور اس کی طرف آگ پھونکنے لگی۔ دونوں کی چنگاریاں ہم تک پہنچتی تھیں مگر اس لڑکی کی چنگاریوں سے ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچتا تھا۔ برخلاف اس کے دیو چنگاریوں میں سے ایک چنگاری میری آنکھ میں لگی اور وہ پھوٹ گئی اور میں ابھی تک بندر کی شکل میں تھا۔ اور دیو کی ایک چنگاری بادشاہ کے چہرے پر بھی پڑی جس سے اس کا آدھا منہ اور ٹھوڑی اور نیچے کے دانت گر پڑے۔ ایک چنگاری جا کر خواجہ سرا کے سینے پر لگی اور وہ فوراً جل کر مر گیا۔ اب ہمیں موت کا یقین آ گیا اور ہم زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ ہم نے کسی کو یہ کہتے سنا اللہ اکبر اللہ اکبر! فتح و نصرت! نامراد ہے وہ جو محمد کے چاند سے دین پر ایمان نہ لایا۔ کہنے والی خود شاہزادی تھی جس نے دیو کو جلا ڈالا تھا اور وہ راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ گیا تھا۔ لڑکی نے ہمارے پاس آکر کہا کہ مجھے ایک پیالہ پانی دو۔ لوگ پیالہ لائے اور اس نے اس پر کچھ پڑھا جو ہماری سمجھ میں نہ آیا اور مجھ پر پانی چھڑک کر کہنے لگی کہ میں تجھے خدا اور اسم اعظم کا واسطہ دیتی ہوں کہ اپنی اصلی شکل میں آ جا۔

اب میں نے اپنے آپ کو جنبش دی اور میں پہلے کی طرح انسان ہو گیا لیکن میری آنکھ جا چکی تھی۔ لڑکی کہنے لگی کہ آگ! آگ! ابا جان' اب میں زندہ نہیں رہ سکتی کیونکہ مجھے جنات سے لڑنے کی مشق نہیں۔ اگر وہ انسان ہوتا تو میں اسے کب کا قتل کر چکی ہوتی۔ جب تک انار نہ پھٹا تھا اور میں نے اس کے دانے نہ چگے تھے اس وقت تک میں بالکل تھکی نہ تھی لیکن جس دانے میں دیو کی جان تھی اس کو میں بھول

گئی۔ اگر اس کو بھی میں چوک گئی ہوتی تو وہ فوراً مر جاتا لیکن قضا و قدر کی کسے خبر تھی۔ اس لیے وہ مجھ پر ٹوٹ پڑا اور ہم دونوں میں زمین کے نیچے اور ہوا اور پانی میں سخت جنگ ہوئی۔ جب کبھی میں اس کے اوپر ایک دروازہ کھولتی تو وہ میرے اوپر دوسرا دروازہ کھول دیتا یہاں تک کہ اس نے میرے اوپر آگ کا دروازہ کھول دیا۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ جس پر آگ کا دروازہ کھولا جائے وہ اس سے بچ جائے۔ محض قسمت نے اس کے مقابلے میں میری مدد کی اور میں نے اسے پہلے جلا دیا۔ میں اسے اسلام لانے کی دعوت دیتی جاتی تھی۔ اب مجھ کو بھی مردہ سمجھو' میں تم لوگوں کو خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ اس کے بعد اس نے جہنم سے پناہ مانگی اور پناہ مانگ ہی رہی تھی کہ ایک کالی چنگاری اس کے سینے کی طرف بڑھی اور پھر چہرے کی طرف۔ جب وہ چنگاری چہرے پر پہنچی تو وہ رونے لگی اور کہا کہ اشھد ان لا الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ۔ اب ہماری نظر اس کی طرف پڑی تو وہ بھی دیو کے ڈھیر کے پاس راکھ کا ڈھیر ہو چکی تھی۔ اس پر ہم سب غم زدہ تھے اور میں چاہتا تھا کہ کاش میں اس کی جگہ ہوتا اور میں نے یہ خوب صورت چہرہ نہ دیکھا ہوتا جس نے میرے ساتھ یہ بھلائی کی اور خود جل کر راکھ ہو گئی۔ لیکن خدا کا حکم ٹلتا نہیں۔

جب بادشاہ نے دیکھا کہ اس کی بیٹی راکھ کا ڈھیر ہو گئی ہے تو اس نے رہی سہی داڑھی بھی نوچ ڈالی اور منہ پیٹنے لگا اور کپڑے پھاڑ ڈالے۔ میں بھی اسی کی طرح کرنے لگا اور ہم دونوں گریہ و زاری کرنے لگے۔ اب حاجب اور دوسرے بڑے لوگ آئے اور دیکھا کہ سلطان کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے اور راکھ کے دو ڈھیر لگے ہوئے ہیں تو وہ حیران ہو گئے اور بادشاہ کے ارگرد چکر لگانے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اس کی حالت ذرا سنبھلی اور اس نے اپنی بیٹی اور دیو کا ماجرا بیان کیا تو ان کی مصیبت اور بھی دوبالا ہو گئی اور عورتیں اور لونڈیاں رونے پیٹنے لگیں اور سات دن تک یہ سوگ جاری رہا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی بیٹی کی راکھ پر ایک عالیشان گنبد بنایا جائے

اور اس کے اندر موم بتیاں اور قندیلیں جلائی جائیں۔ اور دیو کی راکھ پر لعنت بھیج کر ہوا میں اڑا دی گئی۔ اس کے بعد بادشاہ ایسا بیمار پڑا کہ مرتے مرتے بچا اور یہ بیماری ایک مہینے تک رہی۔ پھر وہ اچھا ہو گیا اور اسؒ کی داڑھی نئے سرے سے نکل آئی۔ اب اس نے مجھے بلا کر کہا کہ اے نوجوان' تیرے آنے تک ہماری زندگی بہترین عیش و عشرت سے گزری اور زمانے کی مصیبتوں سے ہم محفوظ رہے۔ کاش کہ میں نے تیری صورت اور وہ منحوس دن جب کہ تو آیا تھا نہ دیکھا ہوتا! ہم نے تجھ پر ترس کھایا اور تیری وجہ سے خود مرنے کے قریب پہنچ گئے۔ پہلے تو میری بیٹی مری جو سو مردوں کے برابر تھی۔ پھر جو میری حالت آتشزدگی سے ہوئی وہ ظاہر ہے اور میرے دانت ٹوٹ گئے اور میرا غلام جان سے گیا۔ لیکن نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد ہم نے کوئی بات تیری طرف سے دیکھی۔ بلکہ جو کچھ میرے یا تیرے ساتھ ہوا وہ خدا کی طرف سے ہے اور ساری تعریفیں خدا کے لیے ہیں۔ مگر میری بیٹی تجھے چھٹکارا دے کر تیری وجہ سے ہلاک ہو گئی۔ اس لیے اے لڑکے' میرے شہر سے نکل جا۔ جو کچھ تیرے سبب سے ہو چکا ہے وہ کافی ہے۔ یہ سب تیری اور ہماری قسمت میں لکھا تھا۔ اب سلامتی کے ساتھ چلا جا۔ اگر تو پھر لوٹا اور میں نے تجھے دیکھ پایا تو تجھے قتل کر ڈالوں گا۔

یہ کہہ کر اس نے مجھے ڈانٹا اور اے مالکہ' میں اس کے پاس سے چلتا بنا۔ لیکن مجھے اپنے بچ جانے کا یقین نہ آتا تھا اور میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جاؤں۔ اب تک جو واردات میرے اوپر گزری تھی وہ سب آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ لوگوں کا مجھے لوٹنا' میرا ان سے بچ کر نکل جانا' چلتے چلتے ایک مہینے کے بعد ایک شہر میں پردیسی کی طرح داخل ہونا' درزی کی ملاقات' زمین کے نیچے لڑکی سے ملنا' دیو سے چھٹکارا باوجود یہ کہ وہ میرے مارنے پر تلا کھڑا تھا' اور شروع سے لے کر آخر تک جو کچھ میرے اوپر گزری تھی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا محض آنکھ گئی مگر جان بچی۔ شہر چھوڑنے سے پہلے میں حمام میں گیا' اپنی داڑھی مونڈی' کالا اونی لباس پہنا اور سر پر بھبوت ملا۔

اے مالکہ' اب میں ہر روز روتا اور ان مصیبتوں کو یاد کرتا ہوں جو مجھ پر گزری ہیں' خاص کر آنکھ پھوٹنے کو۔ جب مجھے ان کی یاد آتی ہے تو میں رو پڑتا ہوں۔ اس کے بعد میں نے ملکوں اور شہروں کا سفر کرنا شروع کیا اور دارالسلام بغداد کا قصد کیا تا کہ میں امیرالمومنین سے مل کر اپنی سرگزشت بیان کروں۔ آج ہی رات میں بغداد پہنچا اور دیکھا کہ یہ میرا پہلا رفیق حیران پریشان کھڑا ہے۔ میں سلام کر کے اس سے باتیں کرنے لگا کہ اتنے میں یہ ہمارا تیسرا ساتھی ہمارے پاس پہنچا اور کہا السلام علیکم' میں پردیسی ہوں۔ ہم نے کہا کہ ہم بھی پردیسی ہیں اور مبارک ہے یہ رات جس میں ہم ملے ہیں۔ اب ہم تینوں ساتھ ساتھ چل کھڑے ہوئے اور ہم میں سے کوئی بھی دوسرے کا قصہ نہ جانتا تھا اور تقدیر ہمیں اس دروازے پر لے آئی اور ہم تمہاری خدمت میں پہنچ گئے۔ یہ ہے سبب میری داڑھی مونچھ منڈنے اور میری آنکھ پھوٹنے کا۔ لڑکی نے کہا کہ تیری داستان عجیب و غریب ہے' آداب بجا لا اور اپنی راہ لے۔ اس نے کہا کہ جب تک میں تمام ساتھیوں کی کہانیاں نہ سن لوں یہاں سے نہیں ٹلنے کا۔

○ تیسرے قلندر کی کہانی

اب تیسرا قلندر آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ اے عالیشان ملکہ' میری کہانی ان لوگوں کی کہانی کی سی نہیں بلکہ کہیں زیادہ عجیب و غریب ہے اور وہی سبب ہے میری داڑی منڈنے اور آنکھ پھوٹنے کا۔ ان لوگوں کی تو تقدیر میں یہ پہلے سے لکھا ہوا تھا اور میں تقدیر کو زبردستی کھینچ کر لایا ہوں اور اپنی جان کو مصیبت میں ڈالا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ میں بادشاہ اور بادشاہ زادہ ہوں۔ میرا باپ مر چکا تھا اور میں بادشاہ بنا تھا۔ میں نے حکومت کی اور عدل و انصاف برتا اور رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ مجھے اس بات کا شوق تھا کہ کشتی پر سوار ہو کر سمندر کا سفر کیا کروں۔ میرا شہر سمندر کے کنارے واقع تھا۔ سمندر بے حد وسیع تھا اور اس میں بے شمار بڑے بڑے جزیرے تھے۔ میرے پاس

پچاس تجارتی کشتیاں تھیں جو سمندر میں چلتی تھیں اور ان سے چھوٹی اور پچاس کشتیاں سیرو تفریح کے لیے' اور ایک سو پچاس جنگی کشتیاں جنگ اور جہاد کے لیے۔ ایک بار میں نے ارادہ کیا کہ جزیروں کی سیر کروں اور دس کشتیاں لے کر روانہ ہو گیا اور پورے مہینے کا کھانا پینا ساتھ رکھ لیا۔ بیس دن چلنے کے بعد ایک رات مخالف ہوائیں چلنے لگیں اور سمندر میں سخت تلاطم اٹھا اور موجیں تھپیڑے مارنے لگیں یہاں تک کہ ہم زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا اور میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ کسی کا اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا کوئی تعریف کی بات نہیں ہے خواہ صحیح و سلامت ہی کیوں نہ پہنچ جائے۔ ہم خدا سے دعائیں مانگتے اور عاجزی کرتے تھے لیکن رات بھر مخالف ہوائیں چلتی اور موجیں تھپیڑے مارتی رہیں۔ جب تڑکا ہوا تو ہوا تھمی اور سمندر ساکت ہوا۔ اس کے بعد سورج نکلا اور ہم ایک جزیرے میں پہنچے اور خشکی پر اترے اور کھانا پکا کر کھایا اور دو دن آرام کیا۔ بیس دن اور سفر کرنے کے بعد ہم نے دیکھا کہ پانی پھر ہم پر اور ناخدا پر تھپیڑے مار رہا ہے اور ناخدا راہ بھول گیا ہے۔ ہم نے دیدبان سے کہا کہ مستول پر چڑھ کر سمندر کر دیکھ۔ دیدبان مستول پر چڑھ کر دیکھنے لگا اور ناخدا سے کہا کہ اے ناخدا مجھے دہنی طرف ایک بڑی مچھلی پانی کی سطح پر دکھائی دیتی ہے اور سمندر کے وسط میں دور سے ایک دھبا سا نظر آتا ہے جو کبھی سیاہ اور کبھی سفید ہو کر چمکتا ہے۔

جب ناخدا نے دیدبان کو یہ کہتے سنا تو اس نے اپنی پگڑی نیچے دے پٹکی اور اپنی داڑی نوچنے لگا اور لوگوں سے کہا کہ تباہی کی خبر ایک دوسرے کو پہنچا دو' ہم سب کی تباہی کی' کیونکہ ہم میں سے ایک بھی نہیں بچنے کا۔ یہ کہہ کر وہ رو پڑا اور ہم سب کے سب رونے لگے۔ میں نے کہا کہ اے ناخدا' کہہ تو سہی کہ دیدبان نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا کہ جس روز طوفان اٹھا تھا ہم راستہ بھول گئے تھے۔ اس کے بعد دو دن تک ہوا بند رہی اور ہم ٹھہرے رہے اور سمندر میں راستے کا پتہ نہ چلا۔ اس سے لے

کر گیارہ دن تک ہم راہ بھولے رہے اور کوئی ایسی ہوا نہ چلی جو ہمیں اس جگہ پہنچا دیتی جہاں ہم جانا چاہتے تھے۔ کل شام کو ہم ایک کالے پتھر کے پہاڑ کے پاس پہنچیں گے جس کا نام مقناطیس پتھر ہے اور پانی ہمیں زبردستی اس کے نیچے کھینچ لے جائے گا اور کشتی کی ساری کیلیں پہاڑ کی طرف کھینچ کر اس میں چمٹ جائیں گی اور کشتی کے تختے تختے الگ ہو جائیں گے۔ خدا نے مقناطیس پتھر میں ایک بھید رکھ اہے اور وہ یہ ہے کہ لوہے کی ہر چیز اس کی طرف کھینچ جاتی ہے۔ اس وجہ سے اس پہاڑ میں بے حد لوہا اکٹھا ہو گیا ہے جس کی مقدار سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں' کیونکہ قدیم زمانے سے لے کر اب تک اس پہاڑ پر بے شمار کشتیاں ٹوٹ چکی ہیں۔ سمندر سے ملا ہوا ایک پیتل کا گنبد ہے جو دس کھمبوں پر رکا ہوا ہے۔ گنبد کے اوپر پیتل کا ایک گھوڑا اور ایک سوار ہے اور اس کے ہاتھ میں پیتل کا ایک نیزہ اور سینے پر سیسے کی ایک تختی آویزاں ہے جس پر مختلف اسما اور طلسمات کندہ ہیں۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ بادشاہ سلامت' لوگوں کی تباہی کی وجہ یہی سوار ہے جو اس گھوڑے پر ہے۔ جب تک یہ سوار اس گھوڑے پر سے گر نہ جائے نجات کی کوئی صورت نہیں۔

اے مالکہ' یہ کہہ کر وہ زار زار رونے لگا اور ہمیں اپنی موت کا بالکل یقین آ گیا۔ ہم میں سے ہر شخص اپنے اپنے رفیق سے رخصت ہوا اور آخری وصیت کی' اس خیال سے کہ شاید وہ بچ جائے۔ اس رات ہم میں سے کسی کو نیند نہ آئی۔ صبح ہوتے ہی ہم اس پہاڑ کے قریب پہنچ گئے اور پانی زبردستی کھینچ کر اس کے پاس لے گیا۔ جب کشتیاں اس کے نیچے پہنچتی تھیں تو تختے الگ الگ ہو جاتے تھے اور کیلیں اور باقی لوہے کی چیزیں نکل کر مقناطیس پر چلی جاتی اور جالی کی شکل میں اس پر چمٹ جاتی تھیں۔ شام کے قریب ہم اس کے اردگرد چکر لگانے لگے۔ بعض ہم میں سے ڈوب گئے اور بعض بچ گئے۔ جو بچے تھی وہ ایک دوسرے کو پہچانتے نہ تھے کیونکہ موجوں اور طوفان کے تھپیڑوں کی وجہ سے سب کے سب حواس باختہ وہ گئے تھے مگر اے مالکہ' خدا نے مجھے

بچا لیا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ مجھے ابھی اور زیادہ تکلیف اور مصیبت میں گرفتار کرے۔
میں ایک تختے پر چڑھ گیا اور ہوا اسے مار کر پہاڑ کے پاس لے گئی۔ وہاں مجھے ایک پگڈنڈی زینے کی طرح اوپر کی طرف جاتی دکھائی دی جو پہاڑ میں کھدی ہوئی تھی۔ میں نے خدا کا نام لیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پندرہویں رات

جب پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ مجھے معلوم ہوا ہے
کہ تیسرے قلندر نے لڑکی سے کہا' در آنحالیکہ لوگوں کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں اور

غلام تلواریں لیے ان کے سر پر کھڑے تھے' کہ میں نے خدا کا نام لیا اور اس سے
دعا مانگی اور اس کے سامنے گڑگڑایا اور پہاڑ کے کھدے ہوئے زینوں کو پکڑ کر لٹک گیا۔
میں ابھی پہاڑ پر تھوڑا ہی چڑھنے پایا تھا کہ خدا کے حکم سے ہوا رک گئی اور مجھے چڑھنے
میں آسانی ہو گئی۔ میں خوش ہو کر پہاڑ کے اوپر چڑھ گیا۔ وہاں ایک ہی راستہ تھا
جو گنبد کو جاتا تھا۔ میں اپنی سلامتی پر بے حد خوش تھا اور گنبد میں داخل ہو گیا اور
وضو کر کے دو رکعت شکرانے کی نماز ادا کی کہ خدا نے مجھے صحیح و سلامت پہنچا دیا۔
پھر میں گنبد کے نیچے سو گیا تو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے
کہ اے خضیب کے بیٹے' جب تو نیند سے جاگیو تو اپنے پاؤں کے نیچے کھودیو۔ وہاں
تجھے ایک پیتل کی کمان اور تین سیسے کے تیر ملیں گے جن کے اوپر طلسم کے الفاظ
لکھے ہوئے ہوں گے۔ ان تیروں اور کمان کو لے کر اس سوار پر نشانہ لگائیو جو گنبد کے
اوپر ہے۔ اس طرح تو لوگوں کو اس بری بلا سے نجات دے گا۔ جب تو سوار پر تیر
چلائے گا تو وہ سمندر میں گر پڑے گا اور کمان تیرے پاس گر پڑے گی۔ کمان کو
اسی جگہ گاڑ دیجیو جہاں وہ پہلے تھی۔ جب تو اس سے فارغ ہو جائے گا تو سمندر اٹھ
کر پہاڑ کے برابر ہو جائے گا اور اس میں سے ایک بجرا نکلے گا جس پر پیتل کا ایک
آدمی ہو گا' مگر وہ نہیں جس کو تو نے مار کر گرایا ہو گا' اور آدمی تیرے پاس آئے
گا اور اس کے ہاتھ میں ایک چپو ہو گا۔ تو اس کے ساتھ کشتی میں بیٹھ جائیو مگر خدا
کا نام نہ لیجیو۔ وہ کشتی کھیئے گا اور دس دن تیرے ساتھ سفر کرنے کے بعد تجھے سلامتی
کے سمندر میں پہنچا دے گا۔ وہاں پہنچنے پر تجھے لوگ ملیں گے جو تجھے تیرے شہر میں

پہنچا دیں گے۔ مگر یہ ساری باتیں اسی وقت ہوں گی جب تو خدا کا نام نہ لے گا۔
اب میں نیند سے جاگا اور مارے خوشی کے اٹھ کھڑا ہوا اور جو کچھ ہاتف نے کہا تھا وہ کیا۔ سوار کو تیر مار کر گرا دیا اور وہ سمندر میں گر پڑا اور کمان میرے پاس گر پڑی۔ کمان کو لے کر میں نے گاڑ دیا۔ اب سمندر میں ہیجان اٹھا اور وہ بلند ہو کر پہاڑ کے برابر آ گیا اور مجھے تک پہنچ گیا۔ ابھی ایک لحہ نہ گزرنے پایا تھا کہ میں نے سمندر میں ایک بجرا دیکھا جو میری طرف آ رہا تھا اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ جب وہ بجرا میرے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اس میں پیتل کا ایک آدمی ہے اور اس کے سینے پر سیسے کی ایک تختی آویزاں ہے جس پر اسما اور طلسمات لکھے ہوئے ہیں۔ میں بجرے میں سوار ہو گیا اور چپ تھا اور بالکل بولتا نہ تھا۔ اس شخص نے کھینا شروع کیا اور ایک دن کھینا پھر دوسرے دن' پھر تیسرے دن یہاں تک کہ پورے دس دن ہو گئے۔ اب میں نے نظر اٹھائی تو سلامتی کے جزیرے دکھائی دیئے۔ میں بہت خوش ہو گیا اور مارے خوشی کے خدا یاد آ گیا۔ میں نے خدا کا نام لیا اور لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہا۔ میرا یہ کہنا تھا کہ بجرے نے مجھے پانی میں الٹ دیا اور لوٹ کر سمندر کی طرف چلتا ہوا۔ مجھے تیرنا آتا تھا اور میں دن بھر رات تک تیرتا رہا یہاں تک کہ میری بانہیں رہ گئیں اور کاندھوں نے جواب دے دیا اور میں تھک گیا اور سوائے موت کے اور کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا۔ میں نے شہادت کا کلمہ پڑھا کیونکہ مجھے موت کا یقین آ چکا تھا۔
اب ہوا کی زیادتی کی وجہ سے سمندر میں تلاطم اٹھا اور ایک لہر قلعے کی طرح بلند ہوئی اور اس نے مجھے اٹھا کر پھینک دیا اور میں خشکی پر جا پڑا جیسا کہ خدا کو منظور تھا۔
خشکی میں پہنچ کر میں نے اپنے کپڑے نچوڑے اور رطوبت دور کر کے ان کو زمین پر پھیلا دیا اور میں سو گیا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے کپڑے پہنے اور اٹھ کر دیکھنے لگا کہ کہاں جاؤں۔ اتنے میں میری نظر ایک نشیب زمین پر پڑی اور میں اس کے پاس جا کر چاروں طرف چکر لگانے لگا۔ اب مجھے یہ معلوم ہوا کہ جہاں میں ہوں وہ محض ایک

چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ اور چاروں طرف سمندر ہی سمندر ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ جب ایک مصیبت سے نجات پاتا ہوں تو اس سے بڑی دوسری مصیبت میں پھنس جاتا ہوں۔ ابھی میں اپنے بارے میں سوچ ہی رہا تھا اور موت کی آرزو کر رہا تھا کہ مجھے دور سے ایک کشتی دکھائی دی جس میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور جو اسی جزیرے کی طرف آ رہی تھی جس میں میں تھا۔ میں اٹھا اور ایک درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔
اب کشتی کنارے آ لگی اور اس میں سے دس غلام اترے جن کے پاس لوہے کی بیلچے تھے۔ وہاں سے چل کر وہ جزیرے کے وسط میں آئے اور زمین کھودنے لگے۔ کھودتے کھودتے وہ ایک طبق پر پہنچے اور اس کو اٹھایا اور اس کا دروازہ کھول کر وہ کشتی کی طرف لوٹ آئے۔ وہاں سے وہ روٹیاں اور آٹا اور مکھن اور شہد اور بھیڑیں بکریاں اور باقی تمام خانہ داری کی چیزیں لائے۔ غلام اسی طرح کشتی میں آتے جاتے اور غار میں اترتے رہے یہاں تک کہ کشتی کا سارا سامان غار میں لے آئے۔ اس کے بعد پھر غلام بہترین پوشاکیں لے کر نکلے اور ان کے ساتھ ایک بہت بوڑھا شخص تھا جس میں اب کچھ باقی نہ رہا تھا کیونکہ زمانہ اس کو خوب پیس چکا تھا اور اس کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا' گویا کہ وہ مرنے کے قریب تھا۔ وہ ایک نیلی گدڑی پہنے ہوئے تھا جو ہوا سے ادھر ادھر ہلتی جاتی تھی۔ یہ بوڑھا ایک لڑکے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھا جو حسن و جمال اور کمال کے قالب میں ڈھلا ہوا تھا اور اس کی خوب صورتی ضرب المثل ہو سکتی تھی۔ وہ ایک ہری بھری ٹہنی کی مانند تھا اور اپنے حسن کی وجہ سے ہر دل پر جادو کر سکتا اور اپنی آن بان سے ہر عقل کو سلب کر سکتا تھا۔
اے مالکہ چلتے چلتے وہ سب لوگ طبق تک پہنچے اور کم و بیش ایک پہر تک غائب رہے۔ اس کے بعد غلام بوڑھے کے ساتھ باہر نکلے لیکن ان کے ساتھ وہ لڑکا نہ نکلا۔ انہوں نے طبق کے دروازے کو پہلے کی طرح بند کر دیا اور کشتی میں بیٹھ کر میری نظر سے غائب ہو گئے۔ جب وہ چل دیئے تو میں اٹھا اور درخت کے نیچے اترا اور غار کے پاس

گیا اور مٹی کھود کر وہاں سے ہٹائی اور اپنے آپ کو دلاسا دیتا رہا یہاں تک کہ ساری مٹی ہٹ گئی اور طبق کھل گیا جو لکڑی کا بنا ہوا تھا اور چکی کے پاٹ کے سوراخ کے برابر تھا۔ جب میں نے اسے اٹھایا تو اس کے نیچے پتھر کا ایک گول زینہ نظر آیا۔ مجھے اس پر تعجب ہوا اور میں زینے زینے اتر کر سب سے نیچی پیڑی تک پہنچ گیا۔

وہاں میں نے ایک نہایت صاف ستھرا مکان دیکھا جس میں طرح طرح کے فرش اور ریشمی قالین بچھے ہوئے تھے اور وہی لڑکا ایک بلند دیوان پر ایک گاؤ تکیہ لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پنکھا تھا اور اس کے سامنے خوشبوئیں اور پھول کھلے ہوئے تھے' اور وہ اکیلا تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ میں نے سلام کیا اور کہا کہ اطمینان رکھ اور ڈر مت' تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچنے کا۔ میں بھی تیری طرح انسان ہوں اور بادشاہ زادہ' قسمت مجھے تیرے پاس لے آئی ہے کہ تیری تنہائی میں تیرا دل بہلاؤں۔ بتا تو سہی کہ تیرا قصہ کیا ہے کہ تو تنہا زمین کے نیچے رہتا ہے۔ جب اسے یقین آ گیا کہ میں بھی اسی کی جنس سے ہوں تو وہ خوش ہو گیا اور اس کے چہرے کی زردی جاتی رہی اور مجھے اپنے قریب بٹھا کر کہنے لگا کہ بھائی' میرا قصہ عجیب و غریب ہے اور وہ یہ ہے کہ میرا باپ ایک جوہری سوداگر ہے جس کا بڑا بیوپار ہے اور جس کے کالے اور سفید غلام سوداگر اس کا مال کشتیوں میں بھر کر دور دراز ملکوں میں تجارت کرتے ہیں اور ان کے ہمراہ اونٹ اور بے شمار مال رہتا ہے۔ لیکن اس کے کوئی اولاد نہ ہوتی تھی۔ ایک روز اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کے ایک لڑکا پیدا ہو گا مگر وہ زیادہ نہ جئے گا۔ جب میرا باپ صبح کو اٹھا تو وہ رونے اور چلانے لگا۔ دوسری رات کو میری ماں کے حمل رہ گیا اور باپ نے حمل کی تاریخ لکھ لی۔ جب دن پورے ہو چکے تو میں پیدا ہوا۔ میرا باپ بہت خوش تھا اور اس نے لوگوں کو دعوتیں دیں اور غریبوں اور فقیروں کو کھانا کھلایا کیونکہ میں اس کے بڑھاپے کی اولاد تھا۔ باپ نے منجموں اور زائچہ کھینچنے والوں اور بڑے بڑے حکیموں اور تاریخ دانوں اور جنم پترا بنانے والوں کو بلوایا۔ انہوں نے میری پیدائش کا جنم پترا تیار کیا اور کہا کہ

تیرا بیٹا پندرہ سال جئے گا۔ اس عمر میں اس کی لکیر میں ایک رخنہ پایا جاتا ہے اگر وہ اس سے نکل گیا تو بہت بڑی عمر پائے گا۔ اس کی موت کا سبب یہ ہو گا کہ ہلاکت کے سمندر میں ایک مقناطیس کا پہاڑ ہے جس پر پیتل کا ایک سوار اور ایک گھوڑا ہے' سوار کے سینے پر ایک تختی آویزاں ہے۔ جب یہ سوار اپنے گھوڑے پر سے گر پڑے گا تو اس کے پچاس دن کے بعد تیرا بیٹا مر جائے گا اور اس کا قاتل وہی شخص ہو گا جس نے سوار کو مار کر گرایا ہو گا۔ وہ ایک بادشاہ ہے جس کا نام عجیب بن خضیب ہے۔ یہ سن کر میرے باپ کو بڑا رنج ہوا۔ اس نے میری تعلیم و تربیت کی اور بہت اچھی طرح سے کی یہاں تک کہ میں پندرہ سال کا ہوا۔ دس دن ہوئے کہ میرے باپ کو خبر ملی کہ سوار سمندر میں گر پڑا ہے اور جس شخص نے اس کو گرایا ہے اس کا نام عجیب ہے اور وہ بادشاہ خضیب کا بیٹا ہے۔ میرا باپ ڈرا کہ کہیں قتل نہ ہو جاؤں اس لیے اس نے مجھے اس جگہ لا کر رکھا ہے۔ بس یہ ہے میرا قصہ اور میری تنہائی کی وجہ۔

جب میں نے اس کا قصہ سنا تو میں حیران رہ گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں ہی تو وہ شخص ہوں جس نے یہ سب کیا ہے' مگر میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میں کبھی اس کو قتل نہ کروں گا۔ اس کی طرف مخاطب ہو کر میں نے کہا کہ اے دوست' تکلیفیں اور اذیتیں اب کافی پہنچ چکی ہیں' خدا نے چاہا تو آئندہ نہ تجھے رنج پہنچے گا اور نہ غم اور نہ تشویش ہو گی۔ میں تیرے پاس رہوں گا اور تیری خدمت کروں گا اور ان مخصوص دنوں میں تیری رفاقت کرنے کے بعد میں اپنی راہ لوں گا۔ تو میرے ساتھ چند غلام کر دیجیو جو مجھے میرے شہر تک پہنچا آئیں۔ اس کے بعد میں رات تک اس کے ساتھ بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ جب رات ہوئی تو میں اٹھا اور ایک بڑی موم بتی جلائی اور قندیلوں کو ٹھیک کیا۔ پھر ہماری نظر کھانے پر پڑی اور ہم نے کھانا کھایا اور بیٹھ گئے۔ اس کے بعد میں اٹھا اور مجھے کچھ شیرینی نظر آئی اور ہم نے اسے کھایا اور بیٹھ

کر ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے یہاں تک کہ رات کا بڑا حصہ ختم ہو گیا اور وہ لڑکا سو گیا۔ میں نے اسے چادر اڑھا دی اور خود بھی جا کر سو رہا۔ جب سویرا ہوا تو میں اٹھا اور تھوڑا پانی گرم کیا اور اسے آہستہ سے جگایا۔ جب وہ جاگ پڑا تو میں اس کے پاس گرم پانی لایا۔ اس نے منہ ہاتھ دھویا اور کہا کہ اے جوان' خدا تجھے نیک بدلہ دے۔ خدا کی قسم جب میں اپنی موجودہ حالت سے صحیح و سلامت نکل جاؤں گا اور اس شخص سے بچ جاؤں گا جس کا نام عجیب بن خصیب ہے تو میں اپنے باپ سے کہہ کر تجھے بہت انعام دلواؤں گا لیکن اگر میں مر گیا تو خدا تجھے سلامت رکھے! میں نے کہا کہ خدا وہ دن نہ کرے کہ تجھے نقصان پہنچے اور خدا کرے کہ میری موت تجھ سے پہلے آئے! اس کے بعد میں نے کچھ کھانا پیش کیا اور ہم دونوں نے کھایا۔ پھر میں نے اس کے لیے خوشبو سلگائی اور وہ خوش ہو گیا اور میں نے ایک چوسر بنائی اور ہم دونوں نے کھیلنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد ہم نے کچھ مٹھائی کھائی اور رات تک کھیلتے رہے۔ جب رات ہوئی تو میں نے اٹھ کر چراغ جلائے اور کھانا سامنے لا کر رکھا اور ہم بیٹھ کر باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ تھوڑی رات رہ گئی اور لڑکے کو نیند آ گئی۔ میں نے اسے چادر اڑھا دی اور خود بھی جا کر سو رہا۔

اے میری مالکہ' میں رات دن اس کے ساتھ رہتا تھا اور اس کی محبت میرے دل میں جاگزین ہو گئی تھی اور میرا رنج و غم جاتا رہا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ منجم جھوٹے ہیں۔ خدا کی قسم' میں اسے قتل نہ کروں گا۔ انتالیس دن اور انتالیس راتیں میں اس کی خدمت کرتا رہا اور اس کا ساتھ نہ چھوڑا اور اس سے بات چیت کرتا رہا۔ چالیسویں دن لڑکے نے خوش ہو کر کہا کہ بھائی' الحمدللہ کہ میں موت سے بچ گیا۔ یہ تیری اور تیرے آنے کی برکت ہے۔ میں خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ تجھے تیرے وطن پہنچا دے۔ لیکن بھائی' ذرا میرے لیے پانی گرم کر دے تاکہ میں غسل کروں اور اپنا بدن دھوؤں۔ میں نے کہا بسرو چشم' اور بہت سا پانی گرم کر کے اس کے پاس

لے آیا اور اس کے بدن کو ابٹن سے خوب دھویا اور مالش کی اور اس کی خدمت کی اور اس کے کپڑے بدلے اور اس کے لیے اونچا پلنگ بچھایا جس پر وہ آکر لیٹ گیا اور حمام کی تکان کی وجہ سے سو گیا۔ جب وہ جاگا تو اس نے کہا کہ بھائی' ہمارے لیے ایک تربوز کاٹ اور مصری گھول کر اس پر ڈال۔ میں نعمت خانہ میں گیا تو دیکھا کہ وہاں ایک نہایت خوب صورت تربوز ایک تشت کے اوپر رکھا ہوا ہے۔ میں نے لڑکے کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے میرے آقا' تیرے پاس چھری نہیں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ کیا میرے سرہانے اس اونچے طاق پر رکھی ہے۔ میں جلدی میں اٹھا اور چھری کو اس کا پھل پکڑ کر اٹھا لیا اور الٹا پھرا۔ لیکن میرا پاؤں پھسلا اور میں ہاتھ میں چھری لیے لڑکے کے اوپر گر پڑا۔ چھری نے جلد وہ کام تمام کر دیا جو ازل میں لکھا گیا تھا' چھری لڑکے کے دل میں گھس گئی اور وہ فوراً مر گیا۔ جب وہ مر چکا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ میں ہی اس کا قاتل ہوں تو میں زور سے رونے چلانے اور منہ پیٹنے لگا اور کپڑے پھاڑ ڈالے اور کہا کہ اناللہ وانا الیہ راجعون!

اے مسلمانو' جو رخنہ منجموں اور حکیموں کے کہنے کے موافق لڑکے پر چالیس دن کے بعد آنے والا تھا اس میں ابھی ایک دن باقی تھا اور اس پری جمال کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہوئی تھی۔ کاش کہ میں اس سے پہلے تربوز نہ کاٹتا۔ انہیں کا تو نام مصیبتیں اور تکلیفیں ہے' لیکن خدا جس کام کو مقدر کر دیتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سولھویں رات

جب سولھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- عجیب نے لڑکی سے کہا کہ جب مجھے یقین آ گیا کہ میں ہی اس کا قاتل ہوں تو میں اٹھا اور زینے پر چڑھ کر باہر نکلا اور مٹی کو اس جگہ پر ڈال دیا۔ اب میری نظر سمندر پر پڑی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی کشتی پانی کاٹتی ہوئی خشکی کی طرف چلی آ رہی ہے۔ میں ڈرا اور دل میں کہنے لگا کہ وہ لوگ ابھی یہاں پہنچ جائیں گے اور لڑکے کو قتل کیا ہوا پائیں گے اور سمجھ جائیں گے کہ میں نے ہی اسے قتل کیا ہے اور وہ مجھے ضرور مار ڈالیں گے۔ اس لیے میں ایک اونچے درخت کے پاس گیا اور اس کے اوپر چڑھ کر پتوں میں چھپ گیا۔ ابھی درخت پر چڑھے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ غلام مع اس بوڑھے کے جو لڑکے کا باپ تھا' کشتی سے نیچے اتر گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ لڑکا سو رہا ہے اور حمام کے اثر سے اس کے چہرے پر رونق ہے اور وہ صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے ہے اور چھری اس کے سینے میں گڑی ہوئی ہے تو وہ چلانے اور رونے اور اپنا منہ پیٹنے اور قاتل پر لعنت بھیجنے اور ہلاکت کی بددعا دینے لگے۔ بڈھا بڑی دیر تک بے ہوش پڑا رہا' یہاں تک کہ غلاموں کو گمان ہوا کہ وہ بیٹے کے مرنے کے بعد زندہ نہیں رہنے کا۔ انہوں نے لڑکے کو اس کے کپڑوں میں لپیٹا اور اس کے اوپر ریشمی لنگی ڈال دی اور کشتی کی طرف روانہ ہو گئے اور بوڑھا ان کے پیچھے چلا۔ جب اس نے اپنے بیٹے کو لمبا لیٹا ہوا دیکھا تو وہ زمین پر گر پڑا اور سر پر خاک ڈالنے اور منہ پر طمانچے مارنے لگا اور داڑھی نوچنے لگا اور جوں جوں وہ اپنے بیٹے کے قتل ہونے کا خیال کرتا تھا' اس کی گریہ و زاری اور بڑھتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ پھر بے ہوش ہو گیا۔ اب ایک غلام جا کر ایک ٹکڑا ریشم کے کپڑے کا لے آیا اور انہوں نے بوڑھے کو اس پر وہیں

لمبا لٹا دیا' جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا اور خود اس کے سرہانے بیٹھ گئے۔ یہ ساری باتیں ہو رہی تھیں اور میں اوپر درخت پر بیٹھا یہ سارا ماجرا دیکھ رہا تھا اور میرے سر سے پہلے میرا دل بوڑھا ہو گیا تھا کیونکہ میں نے اس قدر درد و الم سے تھے۔

اے میری مالکہ' مغرب کے قریب تک پیر مرد بے ہوش پڑا رہا۔ جب اسے ہوش آیا تو س نے اپنے لڑکے کو دیکھا اور یہ کہ اس پر کیا گزری اور آخر وہی ہوا جس سے وہ ڈر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ اپنے منہ اور سر پر طمانچے مارنے لگا۔ پھر اس نے ایک آہ بھری اور روح جسم سے نکل گئی۔ غلام آقا آقا پکار کر چلانے اور اپنے سر پر خاک ڈالنے اور زیادہ زور زور سے رونے لگے۔ پھر انہوں نے اپنے آقا کو کشتی میں لیجا کر اس کے بیٹے کے پہلو میں لٹا دیا اور کشتی کا لنگر اٹھا کر میری نظر سے غائب ہو گئے۔

اب میں درخت سے اتر کو طبق کے نیچے گیا اور جوان کا بار بار خیال کرتا اور اس کی باتوں کو یاد کرتا تھا۔ اے میری مالکہ' اس کے بعد میں طبق سے اوپر نکلا اور دن بھر جزیرے کا چکر لگاتا اور رات کو تہہ خانے میں اتر جاتا تھا۔ اسی طرح ایک مہینہ گزر گیا اور میں دیکھتا تھا کہ جزیرے کے پچھم کی طرف سمندر اتر رہا اور اس طرف پانی کم ہو رہا ہے اور تلاطم جاتا رہا ہے۔ پورے ایک مہینے کے بعد سمندر اس طرف بالکل اتر گیا۔ میں خوش ہو گیا اور مجھے بچنے کا یقین آ چلا۔ اب میں اٹھا اور جو تھوڑی سی نمی رہ گئی تھی' اس میں گھس کر اصلی خشکی پر پہنچ گیا۔ وہاں میں نے ریت کے ایسے تودے دیکھے' جن میں اونٹ کا پاؤں بھی گھٹنے تک دھنس جائے' میں نے ہمت کر کے وہ ریت قطع کی تو مجھے دور سے ایسی آگ چمکتی ہوئی دکھائی دی جو گویا بہت تیزی سے جل رہی تھی۔ میں اس کی طرف چل کھڑا ہوا اور مجھے امید تھی کہ شاید مجھے خوشی حاصل ہو۔ جب میں چلتے چلتے آگ کے قریب پہنچا تو دیکھا وہ ایک محل ہے' جس کا دروازہ پیتل کا ہے اور جب سورج چمکتا ہے تو وہ دور سے آگ کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ میں اسے دیکھ کر خوش ہو گیا اور آکر دروازے کے سامنے بیٹھ گیا۔ ابھی مجھے

بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ دس جوان نفیس کپڑے پہنے اور ان کے ساتھ ایک بوڑھا آدمی میرے سامنے آیا۔ لیکن سب کے سب جوان بائیں آنکھ سے کانے تھے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر اور یہ کہ سب کے سب ایک آنکھ سے کانے ہیں، مجھے سخت حیرانی ہوئی، جب ان کی نظر مجھ پر پڑی تو انہوں نے سلام کیا اور میرا حال اور ماجرا پوچھا۔ میں نے ان سے ساری سرگزشت اور جو جو مصیبتیں مجھ پر گزری تھیں، بیان کر دیں۔ وہ لوگ میرا قصہ سن کر حیران ہو گئے اور مجھے محل کے اندر لے گئے۔ وہاں محل کے صحن میں، میں نے دس تخت پڑے ہوئے دیکھے، جن کے گدے اور لحاف سب نیلے تھے۔ ان تختوں کے بیچ میں ایک چھوٹا تخت بچھا ہوا تھا اور اس کے اوپر جو بھی چیزیں تھیں، وہ بھی مثل دوسرے تختوں کے نیلی تھیں۔ جب ہم محل میں داخل ہوئے تو ہر جوان اپنے اپنے تخت پر چڑھ گیا اور وہ بوڑھا، اس چھوٹے تخت پر جو اور تختوں کے درمیان میں تھا، بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اے جوان، اس محل میں قیام کر لیکن ہمارا حال اور ہمارے کانے ہونے کی وجہ مت پوچھ۔ یہ کہہ کر وہ بوڑھا ہر ایک کے سامنے ایک برتن میں کھانا اور ایک میں شراب لایا اور علیٰ ہذالقیاس میرے سامنے بھی۔ اس کے بعد وہ سب بیٹھ گئے اور میرا حال اور ماجرا پوچھنے لگے۔ میں نے ان سے سارا قصہ بیان کیا۔ یہاں تک کہ رات کا بڑا حصہ گزر گیا۔ اب جوانوں نے کہا کہ اے پیرو مرد، تو نے ابھی تک ہمارا روزینہ ہمیں پیش نہیں کیا، حالانکہ اس کا وقت آ چکا ہے۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم، اور وہ اٹھ کر محل کی ایک کوٹھڑی میں گیا اور تھوڑی دیر غائب رہنے کے بعد واپس آیا اور اس کے سر پر دس سینیاں تھیں اور ہر سینی پر نیلے کپڑے کا سرپوش پڑا ہوا تھا۔ اس نے ہر جوان کے سامنے ایک ایک سینی پیش کی اور دس موم بتیاں جلا کر ایک ایک سینی پر رکھ دی۔ جب اس نے سرپوش اٹھائے اور اس کے نیچے سینیوں میں راکھ اور کچھ کوئلہ اور ہانڈی کی کالک رکھی ہوئی دکھائی۔ سب نے اپنی اپنی آستینیں چڑھا لیں اور رونے پیٹنے اور چہرہ کالا کرنے اور کپڑے

پھاڑنے اور طمانچے مارنے اور سینہ پیٹنے لگے اور کہا کہ ہم لوگ آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے لیکن ہماری فضول باتوں نے بیٹھے بٹھائے ہمیں مصیبت میں ڈال دیا۔ صبح تک وہ یہی بار بار کہتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو بوڑھا اٹھا اور ان کے لیے پانی گرم کیا۔ انہوں نے منہ ہاتھ دھویا اور پرانے کپڑے بدل کر نئے کپڑے پہنے۔

اے میری سرتاج' جب میں نے یہ دیکھا تو میری عقل دنگ ہو گئی اور میں حیران پریشان ہو گیا اور میرے دل میں ایک آگ سی بھڑکنے لگی۔ یہاں تک کہ جو کچھ مجھ پر گزری تھی' میں وہ سب بھول گیا۔ اب میں زیادہ چپ نہ رہ سکا۔ اور ان کی طرف مخاطب ہو کر ان سے پوچھنے لگا کہ خوشی اور چہل پہل کے بعد یہ تم نے کیا کیا؟ تم تو خدا کے فضل سے بڑے سمجھدار لوگ ہو اور ایسی باتیں تو پاگل کیا کرتے ہیں۔ میں عزیز ترین چیز کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ تم اپنا قصہ اور اپنی آنکھیں پھوٹنے اور چہروں کو راکھ اور کالک سے کالا کرنے کی وجہ بتاؤ۔

انہوں نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے نوجوان! اپنی جوانی کے دھوکے میں مت آ اور اپنا سوال واپس لے لے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور میں بھی ان کے ساتھ اٹھا اور بوڑھے نے کچھ کھانا پیش کیا۔ جب ہم کھانا کھا چکے اور برتن بڑھائے جا چکے تو وہ سب بیٹھ کر باتیں چیتیں کرنے لگے۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی اور بوڑھے نے اٹھ کر موم بتیاں اور قندیلیں جلائیں اور ہمارے سامنے کھانا پیش کیا۔ اس سے فارغ ہو کر ہم لوگ باتیں اور شراب نوشی کرنے لگے۔ یہاں تک کہ آدھی رات ہو گئی اور جوانوں نے بوڑھے سے کہا کہ ہمارا روزینہ ہمیں دے کیونکہ اب سونے کا وقت آ گیا ہے۔ بوڑھا اٹھا اور سینیاں لایا جن میں کالی ریت تھی اور انہوں نے پھر وہی کیا جو پہلی رات کیا تھا۔ اس طرح سے میں نے ان کے ساتھ ایک مہینہ گزارا اور وہ ہر روز رات کو اپنا چہرہ کالا کرتے اور پھر دھوتے اور کپڑے بدلتے تھے۔ اس وجہ سے میں سخت حیران تھا اور میری پریشانی یہاں تک بڑھ گئی کہ کھانا پینا بند ہو

گیا۔ بالآخر میں نے ان سے کہا کہ اے جوانو' کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ میرا رنج و الم دور ہو اور تم اپنا چہرہ کالا کرنے کی وجہ بتا دو؟ انہوں نے جواب دیا کہ بہتر ہے کہ ہم اپنا راز فاش نہ کریں۔ میں ان کے معاملے میں حیران تھا اور میرا کھانا پینا بند تھا۔ آخرکار میں نے ان سے کہا کہ تمہیں ان باتوں کا سبب بتانا پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ اس سے تجھے تکلیف پہنچے گی اور تو بھی ہماری طرح ہو جائے گا۔ میں نے کہا کہ تمہیں ضرور بتانا پڑے گا ورنہ تم مجھے چھوڑ دو کہ میں سفر کر کے اپنے اہل و عیال کے پاس چلا جاؤں اور ان باتوں کے دیکھنے سے مجھے تکلیف نہ ہو۔ مطلب ہے کہ تم سے دوری بہتر ہے کیونکہ جو چیز آنکھ نہیں دیکھتی' اس سے قلب کو تکلیف نہیں پہنچتی۔

یہ کہہ کر وہ ایک مینڈھا لائے اور اسے ذبح کیا اور اس کی کھال کھینچی اور مجھ سے کہنے لگے کہ یہ کھال لے اور اس کے اندر داخل ہو کر اسے اپنے اوپر سی لے۔ جب تو یہ کر چکے گا تو ایک پرندہ تیرے پاس آئے گا جس کا نام رخ ہے۔ وہ تجھے اٹھا کر ایک پہاڑ پر اتار دے گا۔ پھر تو کھال کو پھاڑ کر باہر نکل آئیو۔ پرندہ تجھ سے ڈر کر بھاگ جائے گا اور تجھے اکیلا چھوڑ دے گا۔ آدھے دن چلنے کے بعد تجھے اپنے سامنے ایک عجیب المنظر محل دکھائی دے گا' اس میں داخل ہو جائیو۔ بس تیرا مطلب حاصل ہو گیا! ہمارے منہ سیاہ کرنے اور ہماری آنکھیں پھوٹنے کا یہی سبب ہے کہ ہم اس محل میں داخل ہوئے تھے۔ اگر ہم خود اپنی وارداتیں تجھ سے بیان کریں تو ان کی تفصیل بہت طول کھینچے گی کیونکہ ہر ایک کی بائیں آنکھ پھوٹنے کی ایک الگ کہانی ہے۔

یہ سن کر میں خوش ہو گیا اور جیسا انہوں نے مجھ سے کہا تھا۔ میں نے ویسا ہی کیا اور وہ پرندہ مجھے لے جا کر اس پہاڑ پر اتار آیا۔ کھال سے نکل کر میں نے چلنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ محل میں داخل ہو گیا۔ اس محل میں چالیس نو عمر لڑکیاں تھیں۔ جو چاند کی طرح خوبصورت تھیں اور جن کے دیکھنے سے کبھی سیری نہ ہوتی تھی۔ جوں

ہی انہوں نے مجھے دیکھا' وہ یک زبان ہو کر کہنے لگیں۔ کہ اھلا و سھلا و مرحبا اے ہمارے آقا' ہم ایک مہینے سے تیری راہ دیکھ رہے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ اس شخص کو یہاں لایا جو ہمارے قابل ہے اور جس کے ہم قابل ہیں۔ اب انہوں نے مجھے ایک بلند دیوان پر بٹھایا اور کہنے لگیں کہ آج کے دن تو ہمارا مالک اور حکمران ہے اور ہم سب تیری لونڈیاں ہیں اور فرمانبردار۔ ہم پر اپنا حکم چلا۔ ان کا یہ حال دیکھ کر مجھے سخت اچنبھا ہوا۔ پھر وہ کھانا لائیں اور ہم سب نے مل کر کھایا۔ پھر وہ میرے لیے شراب لائیں اور میرے آس پاس بیٹھ گئیں۔ اب ان میں سے پانچ لڑکیاں اٹھیں اور انہوں نے چٹائی بچھائی اور اس کے اردگرد بہت سی خوشبوئیں اور پھل اور نقل لا کر جمع کیا اور شراب حاضر کی اور ہم سب پینے بیٹھ گئے۔ اب انہوں نے ایک سارنگی لے کر گانا بجانا شروع کیا اور جام وسبو کا دور چلنے لگا۔ مجھ پر ایسی مسرت طاری ہوئی کہ دنیا بھر کے غم غلط ہو گئے اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ واقعی عیش و عشرت اس کا نام ہے اور میں نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا یہاں تک کہ سونے کا وقت آ گیا۔ اب انہوں نے کہا کہ ہم میں سے جسے تو چاہے کہ وہ تجھ سے ہم بستر ہو' اسے ساتھ لے جا۔ میں نے ان میں سے ایک کو اپنے ساتھ لیا۔ جس کا چہرہ خوبصورت' آنکھیں سرگیں' بال کالے کالے' آگے کے دانت کشادہ' ادائیں مکمل' بھوئیں ملی ہوئیں تھیں۔ وہ گویا ایک نازک شاخ یا خوشبو دار ٹہنی تھی جس کو دیکھ کر عقل حیران و پریشان ہو جاتی تھی۔ میں اٹھا اور اس کے ساتھ رات بھر رہا۔ اس سے زیادہ حسین عورت میں نے عمر بھر نہ دیکھی تھی۔ جب صبح ہوئی تو وہ مجھے حمام لے گئیں اور غسل دیا اور بہترین کپڑے پہنائے اور کھانا پیش کیا اور ہم نے کھایا اور شراب پیش کی اور ہم نے پی۔ رات ہونے تک ہمارے درمیان جام کا دور چلتا رہا۔ اب میں نے ان میں سے ایک اور لڑکی پسند کی جو سر تاپا حسن کی دیوی تھی اور جس کا جسم پھول کی طرح نرم تھا۔ میں اس کے ساتھ رہا اور صبح تک وہ رات ایسی گزری کہ کبھی نہ گزری تھی۔

قصہ مختصر' اے میری آقا' میں نے ان کے ساتھ ایک سال نہایت عیش و آرام میں گزارا جب سال ختم ہوا تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ کاش ہماری ملاقات تجھ سے نہ ہوئی ہوتی۔ لیکن اگر تو ہمارے کہنے پر چلے تو اس میں تیری بھلائی ہے۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگیں اور میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ آخر بات کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم بادشاہ زادیاں ہیں اور برسوں سے یہاں رہتی ہیں۔ صرف چالیس دن کے لیے ہم یہاں سے چلے جاتے ہیں اور پھر ایک سال یہاں ساتھ رہ کر کھاتے پیتے اور مزے اڑاتے اور خوشیاں مناتے اور پھر چلے جاتے ہیں۔ بس ہمارا یہی دستور ہے۔ اس لیے ہمیں ڈر ہے کہ ہمارے چلے جانے کے بعد تو ہماری عدول حکمی کرے گا۔ لے ہم تجھے محل کی کنجیاں دیتے ہیں۔ اس محل میں یہ چالیس مخزن ہیں ان میں سے انتالیس دروازوں کو کھولو' مگر خبردار اس چالیسویں دروازے سے دور رہیو' ورنہ ہم میں مفارقت ہو جائے گی۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر یہ ہماری جدائی کا باعث ہے تو میں اسے ہرگز نہ کھولوں گا۔ اب ان میں سے ایک لڑکی آگے بڑھی اور مجھے گلے لپٹا کر رونے لگی۔ جب میں نے اسے روتے دیکھا تو کہا کہ میں اسے ہرگز نہ کھولوں گا' اور اس سے رخصت ہوا۔ وہ سب وہاں سے نکل کر اڑ گئیں اور میں محل میں اکیلا بیٹھا رہ گیا۔ جب شام قریب ہوئی تو میں پہلا مخزن کھول کر اس میں داخل ہوا اور میں نے دیکھا کہ وہاں جنت کے مانند ایک مکان اور اس میں ایک باغ ہے' جس کے درخت ہرے بھرے اور پھل پکے ہوئے اور چڑیاں گاتی ہوئی اور پانی بہتا ہوا ہے۔ میرا دل اسے دیکھ کر باغ باغ ہو گیا اور میں درختوں کے درمیان چہل قدمی کرنے اور پھول سونگھنے اور چڑیوں کے راگ سننے لگا جو یکتا اور زبردست خدا کی تسبیح کر رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ سیبوں کا رنگ سرخی مائل زرد ہے۔ پھر میری نظر بہیوں پر پڑی جن کی خوشبو کے آگے مشک اور عنبر مات تھے۔ پھر مجھے خوبانیاں دکھائی دیں جن کو دیکھ کر آنکھوں میں تروتازگی ہوتی تھی اور جو نرم یاقوت کی طرح خوبصورت تھیں۔

اس کے بعد میں اس مکان سے نکلا اور مخزن کا دروازہ بند کر دیا جیسا کہ پہلے تھا' جب

دوسرا دن ہوا تو میں نے دوسرا مخزن کھولا اور اس میں داخل ہوا وہاں میں نے ایک بہت بڑا میدان دیکھا' جس میں بہت سے کھجور کے درخت تھے اور ایک نہر بہہ رہی تھی۔ جس کے کنارے گلاب اور چنبیلی اور سدابہار اور نسرین اور نرگس اور تلسی کے درخت فرش کی طرح بچھے ہوئے تھے۔ جب ان خوشبو دار پھولوں پر ہوا چلتی تو خوشبوؤں کو ادھر ادھر منتشر کرتی تھی۔ ان چیزوں سے مجھے بے حد مسرت پہنچی اور میں اس مکان سے باہر آیا اور مخزن کا دروازہ بند کر دیا جیسا کہ پہلے تھا۔ پھر میں نے تیسرے مخزن کا دروازہ کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں ایک بارہ دری ہے' جس کا فرش سنگ مرمر اور قیمتی معدنیات اور کمیاب پتھروں کا ہے اور اس میں صندل اور عود کے پنجرے ٹنگے ہوئے ہیں' جن میں بھانت بھانت کی چڑیاں بیٹھی گا رہی ہیں۔ مثلاً بلبلیں' فاختائیں' شحرورین' قمریاں اور نوبیاں۔ یہ دیکھ کر میرا دل کھل گیا اور غم غلط ہو گیا۔ اس مکان میں' میں صبح تک سوتا رہا۔ پھر میں نے چوتھے مخزن کا دروازہ کھولا اور اس میں ایک بڑا مکان دیکھا' جس میں چالیس مخزن تھے اور ان سب کے دروازے کھلے ہوئے تھے' میں ان کے اندر گیا اور وہاں ایسے ایسے موتی اور یاقوت اور زبرجد اور زمرد اور دوسرے قیمتی جواہرات دیکھے جن کی تعریف سے زبان قاصر ہے۔ یہ دیکھ کر میری عقل دنگ رہ گئی اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ چیزیں تو شہنشاہوں کے خزانے میں بھی نہ ہوں گی۔ یہ دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا اور غم غلط۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں اب اپنے زمانے کا بادشاہ ہوں اور یہ سارا مال خدا کے فضل سے میرا ہی ہے اور چالیس لڑکیاں میرے قبضے میں ہیں' جن کا سوائے میرے اور کوئی نہیں۔
اسی طرح میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا تھا' یہاں تک کہ انتالیس روز گزر گئے اور اس مدت میں' میں سارے مخزن کھول چکا تھا اور وہی ایک باقی رہ گیا تھا' جس کا دروازہ کھولنے سے انہوں نے منع کیا تھا۔
لیکن اے میری آقا! میرا دل اسی مخزن میں اٹکا رہا جو ان چالیس مخزنوں کا آخری تھا

اور یہ میری بدبختی تھی کہ مجھے شیطان نے مجبور کیا کہ اسے کھولوں اور میں ضبط نہ کر سکا' اگرچہ معیاد کا ایک روز باقی تھا۔ میں مذکورہ مخزن کے پاس گیا اور اس کا دروانہ کھول کر اس میں داخل ہو ہی گیا۔ وہاں مجھے ایسی خوشبو ائی کہ اس سے پہلے میں نے کبھی نہ سونگھی تھی۔ اس خوشبو نے مجھے متوالا کر دیا اور میں ایک پہر تک بے ہوش پڑا رہا۔ جب ہوش آیا تو میں اپنا دل مضبوط کر کے مخزن کے اندر چلا گیا اور دیکھا کہ اس کے فرش پر زعفران اور سونے کی قندیلیں اور ایسی خوشبوئیں رکھی ہوئی ہیں جن میں سے مشک اور زعفران کی بو پھوٹ رہی ہے۔ اور میں نے دو عود سوز دیکھے جن میں سے ہر ایک میں عود اور عنبر اور میٹھی خوشبوئیں بھری ہوئی تھیں' جن سے سارا مکان معطر تھا اور وہاں اے میری آقا! میں نے ایک مشکی گھوڑا دیکھا جو اندھیری رات کی طرح کالا تھا۔ اس کے سامنے سفید بلور کی ایک ناند رکھی ہوئی تھی جس کے اندر چھلے ہوئے تل تھے اور اسی کی طرح ایک دوسری ناند جس میں مشک آمیز گلاب کا پانی تھا گھوڑا بندھا ہوا تھا اور اس پر لگام چڑھی ہوئی تھی اور کاٹھی سرخ سونے کی تھی۔ اسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس میں ضرور کوئی راز ہے۔ میں نے اسے باہر نکالا اور اس پر سوار ہو گیا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ٹلا۔ پھر میں نے اپنے پاؤں اس کے سینے پر مارے لیکن وہ پھر بھی نہ ہلا۔ اب میں نے چابک لے کر اسے مارنا شروع کیا۔ جب اس کو مار کر احساس ہوا تو ایسی زور سے ہنہنانے لگا جیسے کہ کان پھوڑنے والی بجلی اور اس نے اپنے دونوں بازو کھولے اور مجھے لے کر اڑا اور ایک پہر تک ہوا میں نظروں سے غائب ہو گیا اور ایک چھت پر پہنچ کر مجھے اپنی پیٹھ سے اتار دیا اور اپنی دم اس طرح مجھ پر ماری کہ میری بائیں آنکھ پھوٹ کر میرے چہرے پر سے لنڈکتی ہوئی گر گئی۔ جب میں چھت سے اترا تو میں نے انہیں دس کانوں کو وہاں پایا۔ انہوں نے کہا کہ تجھے ہم نہ مرحبا کہتے ہیں اور نہ اھلا و سھلا میں نے کہا کہ دیکھو' میں بھی تمہاری طرح ہو گیا ہوں اور چاہتا

ہوں کہ تم مجھے کالک کی سینی دو تا کہ اس سے میں اپنا چہرہ کالا کروں اور مجھے اپنی ہمراہی میں قبول کرو۔ انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم' ہم تیرے ساتھ ہرگز نہ بیٹھیں گے۔ نکل جا یہاں سے! جب انہوں نے مجھے اپنے پاس سے نکال دیا اور میں بہت تنگ دل ہوا اور سوچنے لگا کہ دیکھنا چاہیے کہ ابھی اور تقدیر میں لکھا ہے۔ تو میں وہاں سے غمگین اور روتا ہوا چل دیا اور چپکے چپکے کہنے لگا کہ میں آرام سے زندگی بسر کر رہا تھا لیکن میری فضول باتوں نے بیٹھے بٹھائے مجھے مصیبت میں ڈال دیا۔ یہ کہہ کر میں نے اپنی داڑھی مونچھ مونڈ ڈالی اور ملک ملک کا چکر لگاتا رہا اور خدا نے میری قسمت میں سلامتی لکھی تھی' یہاں تک کہ آج شام کو بغداد پہنچا اور دیکھا کہ یہ دونوں حیران و پریشان کھڑے ہیں۔ میں نے انہیں سلام کیا اور کہا کہ میں پردیسی ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم بھی پردیسی ہیں اور ہم تینوں قلندر یکساں بائیں آنکھ سے کانے تھے۔ اے میری آقا! یہ ہے سب میری داڑھی منڈانے اور آنکھ پھوٹنے کا۔ لڑکی نے کہا کہ آداب بجا لا اور چلتا ہو۔ میں نے کہا کہ واللہ جب تک ان لوگوں کا قصہ نہ سن لوں' میں یہاں سے نہیں ٹلنے کا۔

اب لڑکی نے خلیفہ اور جعفر اور مسرور کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اب تم لوگ اپنا قصہ سناؤ۔ جعفر آگے بڑھا اور اس نے وہی قصہ بیان کیا جو داخل ہوتے وقت دروازہ کھولنے والی سے بیان کیا تھا۔ جب لڑکی نے اس کی باتیں سنیں تو کہا کہ تم میں سے بعضوں کی خاطر تمہاری بھی جان بخشی کی جاتی ہے۔ اب سب لوگ باہر آئے اور چلتے چلتے بازار تک پہنچے۔ خلیفہ نے قلندروں سے کہا کہ اے لوگو' اس وقت تم کہاں جاؤ گے کیونکہ ابھی تک پو نہیں پھوٹی؟ انہوں نے جواب دیا کہ واللہ' اے میرے آقا' ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ کہاں جائیں۔ خلیفہ نے ان سے کہا کہ چلو آج کی رات ہمارے ساتھ گزارو اور جعفر سے کہا کہ انہیں لے جا اور کل میرے سامنے حاضر کرنا کہ ہم سارا ماجرا لکھ لیں۔ جعفر نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی اور خلیفہ اپنے

محل میں چلا گیا اور اس رات اسے بالکل نیند نہیں آئی۔ جب صبح ہوئی تو وہ حکومت کی کرسی پر بیٹھا اور جب سارے اراکین جمع ہو چکے تو وہ جعفر کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا' کہ تینوں لڑکیوں اور دونوں کتیوں اور قلندروں کو میرے سامنے حاضر کر۔ جعفر اٹھا اور ان سب کو حاضر کیا۔ لڑکیاں نقاب ڈالے ہوئے داخل ہوئیں اور جعفر نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ ہم تمہیں معاف کرتے ہیں کیونکہ تم نے پہلے ہمارے ساتھ احسان کیا ہے اور ہم کو پہچانا نہیں۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم اس وقت اس شخص کے سامنے کھڑی ہو جو بنی عباس کا پانچواں خلیفہ ہارون الرشید ہے اور جو بھائی ہے موسیٰ الہادی بن المہدی محمد بن ابی جعفر المنصور بن محمد کا بھائی ہے السفاح بن محمد کا۔ اس لیے جو کچھ کہو سچ کہو۔ جب لڑکیوں نے جعفر کی زبان سے امیرالمومنین کا حکم سنا تو بڑی لڑکی آگے بڑھی اور کہنے لگی کہ اے امیر المومنین میرا قصہ ایسا ہے کہ اگر سوئیوں سے آنکھوں کے گوشوں پر لکھا جائے تو وہ عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت کا باعث ہو گا اور نصیحت پکڑنے والوں کے لیے نصیحت۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی' جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• سترھویں رات

جب سترھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ جب وہ لڑکی امیرالمومنین کے سامنے آئی تو کہا کہ میری داستان عجیب و غریب ہے اور یہ دونوں کالی کتیاں میری بہنیں ہیں۔ ہم تینوں سگی بہنیں ایک ماں باپ سے تھے' اور یہ دونوں لڑکیاں' جن میں سے ایک کے بدن پر مار کا نشان ہے اور دوسری جو سامان لانے والی ہے' دوسری ماں سے ہیں۔ جب ہمارے باپ کا انتقال ہوا تو ہم سب نے میراث میں سے اپنا اپنا حصہ لے لیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد میری ماں کا انتقال ہو گیا۔ اس نے تین ہزار دینار ترکے میں چھوڑے اور ہر لڑکی کے حصے میں ہزار ہزار دینار آئے' میں ان سب سے عمر میں چھوٹی ہوں' اور میری بہنوں نے شادی کا سامان کر کے ایک ایک مرد سے شادی کر لی اور ایک مدت تک سب ساتھ رہے۔ پھر دونوں مردوں نے تجارت کی تیاری اور دونوں نے اپنی اپنی بیویوں سے ایک ایک ہزار دینار لیے اور انہیں ساتھ لے کر روانہ ہو گئے اور مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔ پانچ سال تک وہ باہر رہے اور اس اثنا میں شوہروں نے سارا مال گنوا دیا اور فقیر ہو گئے اور بیویوں کو پردیس میں چھوڑ کر چلتے ہوئے۔ پانچ سال کے بعد بڑی بہن فقیرانہ حالت میں پھٹے پرانے اور میلے لباس میں میرے پاس آئی اور اس کی حالت نہایت ابتر تھی۔ جب میں نے اسے دیکھا تو میں نے اس کی طرف کچھ خیال نہ کیا اور اس کو پہچانا نہیں' لیکن جب میں نے اسے پہچانا تو کہا کہ یہ تیری کیا حالت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بہن باتیں بنانے سے اب کچھ فائدہ نہیں' جو کچھ خدا کا حکم تھا' وہ تقدیر میں لکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے حمام بھیجا اور پہننے کو کپڑے دیئے اور اس سے کہا کہ بہن تو ماں اور باپ کی بجائے ہے اور جو ترکہ مجھے تمہارے ساتھ ملا تھا' اس میں خدا نے برکت دی اور میں اس کی وجہ سے عیش و عشرت میں ہوں اور میری حالت بہت اچھی ہے اور ہم تم ایک ہیں۔ میں نے اس کے ساتھ بہت

بھلائی کا سلوک کیا اور وہ میرے ساتھ پورے ایک سال تک رہی لیکن ہمارا دل دوسری بہن میں لگا ہوا تھا۔ کچھ دن گزرنے کے بعد وہ بھی بڑی بہن سے زیادہ میلے کپڑوں میں آئی۔ میں نے پہلی بہن سے بھی بڑھ کر اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور دونوں کو اپنے مال میں ساجھی دار بنا لیا۔ کچھ مدت کے بعد انہوں نے کہا کہ بہن' ہم شادی کرنا چاہتی ہیں کیونکہ بغیر شوہر کے بیٹھا رہنا ہم سے نہیں ہو سکتا۔ میں نے کہا کہ اے میری آنکھ کی پتلیو' شادی کرنے میں اب کوئی فائدہ نہیں کیونکہ آج کل اچھا مرد بالکل ناپید ہے۔ جو کچھ تم کر رہی ہو اس میں' میں کوئی بھلائی نہیں پاتی اور تم تو شادی کا تجربہ بھی حاصل کر چکی ہو مگر انہوں نے میری بات نہ مانی اور بغیر میری مرضی کے شادی کر لی۔ پھر بھی میں نے اپنے مال میں سے انہیں جہیز دیا اور ان کے لیے کپڑے بنوائے۔

دونوں بہنیں اپنے شوہروں کو لے کر چل دیں اور کچھ مدت تک ساتھ رہیں۔ شوہروں نے دھوکا دے کر جو کچھ ان کے پاس تھا' لے لیا اور وہاں سے ان کو چھوڑ کر چلتے ہوئے۔ اب وہ پھر مصیبت زدہ ہو کر میرے پاس آئیں اور معافی مانگی اور کہنے لگیں کہ ہم پر ناراض مت ہو کیونکہ تو ہم سے عمر میں چھوٹی اور تو عقل میں بڑی ہے۔ ہم اب ہرگز شادی کا ذکر نہ کریں گے۔ ہم کو اپنے پاس لونڈیاں بنا کر رکھ تاکہ ہم تیرا نمک کھائیں۔ میں نے کہا کہ مرحبا! میری بہنو' میرے لیے تم سے زیادہ عزیز اور کوئی چیز نہیں اور میں نے ان کو بوسہ دیا اور ان کے ساتھ پہلے سے زیادہ انعام و اکرام کیا۔ اس طرح سے ہم نے ایک سال گزارا۔ اس کے بعد میرا ارادہ ہوا کہ ایک کشتی پر تجارتی مال لے کر بصرے جاؤں اور میں نے ایک بڑی کشتی تیار کی اور تجارتی مال و متاع اور دوسری ضرورت کی چیزیں اس میں رکھ کر اپنی بہنوں سے کہا کہ تمہارا جی چاہے تو یہیں گھر پر ٹھہرو' یہاں تک کہ میں سفر سے واپس آ جاؤں' اور جی چاہے تو ہمارے ساتھ چلو۔ انہوں نے کہا کہ ہم تیرے ساتھ چلیں گے کیونکہ ہمیں تیری جدائی کی طاقت نہیں۔ میں نے ان کو اپنے ساتھ لے لیا اور اپنی پونجی کے

دو حصے کیے' ایک کو ساتھ رکھا اور دوسرے کو امانت رکھ گئی کیونکہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کشتی پر کوئی مصیبت آ جاتی ہے مگر زندگی میں کچھ مدت باقی رہتی ہے۔ اگر ہم ایسی حالت میں لوٹے تو کچھ پسماندہ ہمارے پاس ہو گا' جس سے ہم فائدہ اٹھا سکیں گے۔ کئی دن رات چلنے کے بعد کشتی غلط راستے پر پڑ گئی اور ناخدا راہ بھول گیا اور کشتی اس سمندر سے دور ہو کر' جس میں ہم جانا چاہتے تھے' دوسرے سمندر میں داخل ہو گئی اور ہمیں ایک مدت تک اس کا پتہ نہ چلا۔ اس کے بعد دس دن تک موافق ہوا چلتی رہی اور دیدبان نے اوپر چڑھ کر ادھر ادھر نظر دوڑائی اور کہنے لگا کہ خوشخبری ہو' اس کے بعد وہ خوش خوش اترا اور کہنے لگا کہ میں نے شہر کی طرح ایک چیز دیکھی ہے جو کبوتر کے برابر ہے۔ یہ سن کر ہمیں بڑی خوشی ہوئی اور ابھی ایک پہر دن نہ گزارا تھا کہ دور سے ایک شہر چمکتا ہوا نظر آیا۔ ہم نے ناخدا سے پوچھا کہ اس شہر کا کیا نام ہے' جس کی طرف ہم جا رہے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم' مجھے معلوم نہیں۔ میں نے نہ اس کو پہلے کبھی دیکھا ہے اور نہ کبھی میرا اس سمندر میں گزر ہوا ہے' لیکن خدا کی طرف سے سلامتی کا حکم آ گیا ہے۔ اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ تم لوگ اس شہر میں جاؤ اور دیکھو کہ اپنا مال بیچ سکتے ہو کہ نہیں۔ اگر بیچ سکتے ہو تو بیچو اور جو کچھ اس شہر میں ملے' اسے اپنے ہاتھ لے چلو اور اگر تمہارے لیے بکری کا کوئی امکان نہ ہو تو ہم دو دن یہاں ٹھہر کر اور راہ کی ضروریات لے کر چل دیں گے۔

اب ہم خشکی پر اترے اور ناخدا شہر میں گیا اور تھوڑی دیر بعد ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اٹھو اور شہر میں جاؤ۔ خدا نے جو مخلوق پیدا کی ہے' اس کو تعجب کی نظر سے دیکھو اور اس کی ناراضگی سے پناہ مانگو۔ ہم شہر کی طرف چڑھے اور جب میں دروازے پر پہنچی تو میں نے بہت سے آدمی دیکھے جو ہاتھوں میں چھڑیاں لیے دروازے پر کھڑے تھے۔ جب میں ان کے پاس پہنچی تو معلوم ہوا کہ ان پر خدا کا قہر نازل ہوا ہے اور

وہ پتھر ہو کر رہ گئے ہیں۔ اب ہم شہر کے اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سبھی کے سبھی خدا کے قہر میں مبتلا ہو کر کالے پتھر کے ہو گئے ہیں، نہ کوئی باشندہ وہاں باقی ہے نہ کوئی آگ دہکانے والا۔ اس سے ہمارے اوپر دہشت طاری ہوئی۔ تاہم ہم بازاروں میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ سودے کا مال سارا رکھا ہوا ہے حتیٰ کہ سونا اور چاندی بھی پہلے کی طرح رکھا ہوا ہے۔ ہم خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ ہو نہ ہو اس میں کوئی بھید ہے، اسی لیے شہر کے راستوں میں منتشر ہو گئے اور ہر شخص اپنے ساتھی سے جدا ہو کر سامان اور مال اور کپڑے جمع کرنے لگا۔

اب میرا ماجرا سنئے۔ میں قلعے کو گئی اور دیکھا کہ وہ مضبوط بنا ہوا ہے اور میں بادشاہ کے محل میں داخل ہو گئی۔ وہاں پر میں نے دیکھا کہ سارے برتن سونے چاندی کے ہیں اور ساتھ ساتھ میری نظر بادشاہ پر پڑی اور دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے اور اس کے پاس اس کے ملازم اور صوبہ دار وزیر ہیں اور اس کا لباس اس قسم کا ہے کہ عقل کو حیرت ہوتی ہے۔ جب میں بادشاہ کے پاس پہنچی تو دیکھا کہ وہ ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے جس میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے ہیں اور اس کی پوشاک سونے کی ہے اور اس کے جواہرات ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں اور اس کے اردگرد پچاس گورے غلام کھڑے ہوئے ہیں جن کے لباس طرح طرح کے ریشم کے ہیں اور جن کے ہاتھ میں برہنہ شمشیریں ہیں۔ جب میں نے یہ دیکھا تو میری عقل دنگ رہ گئی۔ اب میں آگے بڑھی اور حرم سرا میں داخل ہوئی تو دیکھا کہ اس کی دیواروں پر ریشمی پردے پڑے ہوئے ہیں، جن میں سنہرے بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ملکہ وہاں سو رہی ہے اور اس کی پوشاک میں تازے موتی جڑے ہوئے ہیں اور اس کے سر پر ایک تاج ہے، جس میں طرح طرح کے نگینے جڑے ہوئے ہیں اور وہ گلے میں ہار اور لڑیاں پہنے ہوئے ہے اور اس کے لباس اور زیور میں ذرا بھی فرق نہیں آیا لیکن وہ بھی خدا کے قہر کی ماری کالا پتھر ہو کر رہ گئی ہے۔

وہاں میں نے ایک کھلا ہوا دروازہ دیکھا اور اس پر چڑھ گئی۔ وہ ایک سات منزلہ مکان

تھا اور بالکل مرمر کا بنا ہوا تھا اور اس میں سنہرا فرش بچھا ہوا تھا۔ وہاں میں نے ایک تخت دیکھا جو صنوبر کی لکڑی کا تھا اور جس میں موتی اور جواہرات اور زمرد کے دو انار جڑے ہوئے تھے اور اس کے اوپر ایک چھجا تھا' جس کے پردے میں موتی پروئے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اس چھجے کے دروازے سے روشنی آ رہی ہے اور میں اس کے اوپر چڑھ گئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ چھجے کے صدر میں ایک چھوٹی سی کرسی اور اوپر بطخ کے انڈے کے برابر ایک ہیرا رکھا ہوا ہے' جو شمع کی طرح روشن ہے اور جس کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اور تخت کے اوپر طرح طرح کے ریشم بچھے ہوئے ہیں' جن کو دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ جب میں نے یہ دیکھا تو مجھے سخت تعجب ہوا اور میں نے دیکھا کہ وہاں موم بتیاں جل رہی ہیں اور اپنے دل میں کہا کہ یہاں کوئی نہ کوئی ضرور ہونا چاہیے' جس نے یہ موم بتیاں جلائی ہیں۔ یہ سوچ کر میں آگے بڑھی اور ایک دوسرے کمرے میں داخل ہوئی اور وہاں تفتیش کرنے اور ادھر ادھر چکر لگانے لگی اور حیرانی کی وجہ سے اپنے آپ کو بھول گئی اور سوچ میں پڑ گئی۔ یہاں رات ہو گئی۔ اب میں نے نکلنے کا ارادہ کیا تو باہر جانے کا کوئی راستہ نہ ملا اور میں راہ بھول گئی۔ لہٰذا میں چھجے میں واپس آئی جہاں ایک موم بتی جل رہی تھی اور تخت پر بیٹھ کر لحاف اوڑھ لیا اور قرآن کی بعض آیتیں پڑھنے لگی۔ میں نے چاہا کہ سو جاؤں لیکن نیند نہ آئی کیونکہ میں بے چین تھی' جب آدھی رات ہوئی تو میں نے کسی شخص کو نہایت پیار مگر دھیمی آواز سے قرآن پڑھتے سنا۔ میں خوش ہو کر آواز کی طرف چلی اور ایک کوٹھڑی کے پاس پہنچی۔ جس کا دروازہ بند تھا' جب میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ مسجد ہے اور اس میں ایک محراب ہے اور بہت سی قندیلیں لٹکی ہوئی اور دو موم بتیاں جل رہی ہیں اور وہاں ایک مصلہ بچھا ہوا ہے اور اس پر ایک حسین جوان بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے رحل پر ایک قرآن رکھا ہوا ہے اور وہ اس کو پڑھ رہا ہے۔ میں حیران ہو گئی کہ تمام شہر والوں میں سے یہ اکیلا کس طرح بچ گیا!

میں اندر گئی اور اس کو سلام کیا۔ اس نے نظر اٹھائی اور سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا کہ میں تجھے اس خدا کی کتاب کی قسم دے کر جس کو تو پڑھ رہا ہے' کہتی ہوں

کہ تو میرے سوال کا جواب دے۔ جوان میری طرف نظر اٹھائے ہوئے تھا اور مسکرا رہا تھا اور اس نے کہا کہ اے لڑکی' تو اپنے اس مکان میں داخل ہونے کا سبب مجھے بتا اور میں تجھے اپنے اور اس شہر والوں کے ماجرے سے مطلع کروں گا۔ میں نے اپنا قصہ بیان کیا تو اسے بہت تعجب ہوا۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ اب اس شہر کا حال بتا۔ اس نے کہا کہ اے بہن' ذرا ٹھہر جا۔ یہ کہہ کر اس نے قرآن کو بند کیا اور اسے ایک اطلس کے جزدان میں بند کر کے اوپر رکھ دیا اور مجھے اپنے پاس بٹھایا۔ میں نے دیکھا کہ وہ مثل چودھویں رات کے چاند کے ہے' جس کے اعضا خوبصورت' جسم ملائم اور چہرہ حسین ہے' گویا وہ اچھے قوام والی مصری کی ڈلی ہے اور خدا نے اسے انتہائی خوبصورتی کا جامہ پہنایا ہے اور اس کو پیارا اور دلکش بنانے کے لیے اس میں اس کے رخسار کی گوٹ لگائی ہے۔

میں نے اس کو ایک نظر دیکھا ہی تھا کہ ہزاروں ارمان دل میں جاگ اٹھے اور میرا دل اس کی محبت میں پھنس گیا۔ میں نے کہا کہ اے آقا' میرے سوال کا جواب دے۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم۔ اے خدا کی لونڈی' تجھے معلوم ہو کہ یہ شہر میرے باپ کا شہر ہے اور میرا باپ وہی ہے جس کو تو نے کرسی پر بیٹھا دیکھا ہے اور جو خدا کے قہر سے کالا پتھر بن گیا ہے اور وہ ملکہ جس کو تو نے چھجے میں دیکھا ہے' وہ میری ماں ہے۔ یہاں کے سب لوگ آتش پرست تھے جو زبردست خدا کو چھوڑ کر آگ کی پرستش کرتے تھے اور آگ کی روشنی اور سائے اور دھوپ اور گھومنے والے آسمان کی قسم کھاتے تھے۔ میرے باپ کے کوئی اولاد نہ تھی اور میں اس کی آخری عمر میں پیدا ہوا۔ اس نے میری تربیت کی اور میں بڑا ہوا۔ میری خوش قسمتی سے ہمارے یہاں ایک بڑھیا تھی جو بہت بوڑھی ہو چکی تھی' مسلمان تھی اور دل میں خدا اور اس کے رسول پر ایمان

رکھتی تھی اور ظاہراً میرے خاندان کے دین پر چلتی تھی۔ اس کی پرہیزگاری اور عفت کی وجہ سے میرے باپ کو اس پر بڑا بھروسہ تھا اور وہ آئے دن اس کی زیادہ عزت کیا کرتا تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ اسی کے دین و مذہب پر ہے۔ جب میں بڑا ہوا تو میرے باپ نے مجھے اس کے سپرد کیا اور کہا کہ اسے لے جا اور اس کی تربیت کر اور ہمارا دین سکھا اور تربیت میں کوتاہی نہ کر اور اس کی دیکھ بھال کر۔ بڑھیا نے مجھے لے جا کر اسلام کی تعلیم دی مثلاً وضو اور نماز کے فرائض اور مجھے قرآن حفظ کرایا اور کہا کہ سوائے خدا کے کسی کی پوجا مت کر۔ جب یہ سب کچھ ہو چکا تو اس نے مجھ سے کہا کہ بیٹا' اس بات کو اپنے باپ سے چھپائیو اور اس کو خبر نہ دیجنو' کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تجھے قتل کر ڈالے۔ میں نے یہ باتیں اپنے باپ سے پوشیدہ رکھیں۔ تھوڑے دنوں کے بعد بڑھیا فوت ہو گئی اور شہر والوں کا کفر اور بے دینی اور گمراہی بڑھتی گئی۔ اسی حالت میں انہوں نے سنا کہ کوئی منادی' بجلی کی کڑک کی طرح زور سے کہہ رہا ہے اور دور اور نزدیک والے سب سن رہے ہیں کہ اے اس شہر کے باشندو' آگ کی پرستش چھوڑ کر اللہ کی عبادت کرو جو مالک اور رحمٰن ہے۔ شہر والے اس سے ڈر گئے اور میرے باپ کے پاس آئے جو اس شہر کا بادشاہ تھا اور کہنے لگے کہ یہ ڈراؤنی آواز کیسی ہے' جسے سن کر ہمیں دہشت ہوتی ہے؟ اس نے کہا کہ آواز سے مت ڈرو اور خوف نہ کھاؤ اور اپنے دین سے نہ پھرو۔ میرے باپ کا کہنا ان کے دل میں بیٹھ گیا اور انہوں نے آگ کی پرستش جاری رکھی اور ان کی گمراہی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ پہلی آواز سنے ایک سال ہو گیا۔ پھر وہی منادی دوسری بار ظاہر ہوا اور انہوں نے اسے سنا اور پھر تیسرے سال تیسری بار' یعنی ہر سال ایک بار' لیکن وہ اپنے پرانے اعتقاد سے باز نہ آتے تھے' یہاں تک کہ ان کے اوپر ایک روز تڑکا ہونے کے بعد آسمان سے خدا کا قہر و غضب نازل ہوا اور وہ اور ان کے چوپائے اور مویشی قہر میں مبتلا ہو کر سیاہ پتھر ہو گئے اور اس شہر والوں میں سے سوائے میرے کوئی نہ بچا۔ جس دن سے یہ واقعہ پیش آیا ہے' میں اسی طرح نماز روزے اور قرآن

کی تلاوت کرنے میں مشغول ہوں' مگر تنہائی سے اکتا گیا ہوں کیونکہ میرے پاس کوئی نہیں ہے' جس سے میں دل بہلاؤں۔

یہ سن کر میں نے کہا' ورانحا لیکہ وہ میرے دل پر قبضہ کر چکا تھا' کہ اے جوان' اگر تیرا جی چاہے تو میرے ساتھ بغداد چل اور عالموں اور فقیہوں سے مل کر اپنے علم و فہم اور فقہ میں اضافہ کر۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ لونڈی جو تیرے سامنے کھڑی ہے' اپنی قوم کی سردار ہے اور اس کی حکومت بہت سی رعایا اور نوکروں اور غلاموں پر ہے اور میرے ساتھ کشتی ہے' جس پر تجارت کا سامان لدا ہے۔ قسمت ہمیں اس شہر میں لے آئی ہے' جس کی وجہ سے ہمیں یہ ساری باتیں معلوم ہوئیں اور ہماری تقدیر میں آپس میں ملنا لکھا تھا اور میں برابر اسے محبت اور ترکیب سے آمادہ کرتی رہی یہاں تک کہ وہ مان گیا اور اقرار کر لیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی' جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• اٹھارہویں رات

جب اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ لڑکی نے کہا کہ میں نہایت خوبی سے جوان کو اپنی طرف مائل کرتی رہی یہاں تک کہ اس نے مجھ سے اقرار کر لیا اور میں اس رات اس کی رانوں کے نیچے سوئی اور مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ مجھے کس قدر فرحت ہو رہی ہے۔ جب سویرا ہوا تو ہم اٹھے اور خزانوں میں گئے اور ہلکی اور قیمتی چیزیں اپنے ساتھ لے لیں اور قلعے سے اتر کر شہر میں آئے۔ یہاں ہم نے دیکھا کہ غلام اور ناخدا ہمیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ جب ان کی نظر ہم پر پڑی تو وہ خوش ہو گئے۔ میں نے جو کچھ دیکھا تھا' ان سے بیان کیا اور اس جوان کا قصہ اور اس شہر پر خدا کا قہر نازل ہونے کا سبب شروع سے آخر تک سنا۔ یہ سن کر وہ حیران رہ گئے لیکن جب میری دونوں بہنوں' ان کتیوں نے مجھے اور میرے ساتھ اس جوان کو دیکھا تو میرے اوپر حسد کرنے لگیں اور طیش میں آ گئیں اور پوشیدہ مکرو فریب کرنے لگیں۔ اب ہم خوش خوش کشتی میں سوار ہوئے اور اپنی کمائی پر خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے۔ لیکن مجھے سب سے زیادہ خوشی اس جوان کی تھی۔ اب ہم ہوا کا انتظار کرنے لگے اور جوں ہی موافق ہوا چلی' ہم نے بادبان کھولے دیئے اور روانہ ہو گئے۔ میری دونوں بہنیں ساتھ تو تھیں ہی اور ہم نے بات چیت شروع کر دی تو ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ بہن' اس خوبصورت جوان کا تو کیا کرے گی؟ میں نے جواب دیا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اسے اپنا شوہر بناؤں۔ پھر میں نے اس جوان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے میرے آقا' میں تجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں' بشرطیکہ تو مخالفت نہ کرے اور وہ یہ ہے کہ جب ہم اپنے وطن بغداد پہنچیں تو میں حرم کی رسم کے موافق اپنے آپ کو تیری غلامی میں پیش کروں اور تو میرا شوہر اور میں تیری بیوی ہو جاؤں۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم۔ میں نے اپنی بہنوں کی طرف مخاطب ہو کر

کہا کہ میرے لیے یہ جوان کافی ہے اور جس جس نے جو جو چیزیں حاصل کی ہیں' وہ ان کی ملکیت رہیں۔ انہوں نے کہا کہ جو کچھ تو نے کیا' ٹھیک ہے لیکن ان کے دل میں میری طرف سے پوشیدہ کھوٹ رہی۔ ہوا موافق تھی اور ہماری کشتی چلتی رہی یہاں تک کہ ہم مخدوش سمندر سے نکل کر امن و امان میں پہنچے اور کچھ دنوں کے بعد بصرے کے قریب آئے اور اس کی شہر پناہ چمکتی ہوئی دکھائی دی اور ہم سو گئے تو میری بہنیں اٹھیں اور مجھے بستر سمیت لے کر سمندر میں پھینک دیا۔ یہی حرکت انہوں نے جوان کے ساتھ کی اور چونکہ اس کو اچھی طرح تیرنا نہ آتا تھا' وہ ڈوب گیا اور خدا نے اسے شہادت کا درجہ عطا کیا۔ کاش کہ میں بھی اس کے ساتھ ڈوب گئی ہوتی لیکن خدا نے میری تقدیر میں سلامتی لکھی تھی اور میں بچ گئی۔ جب میں سمندر میں پڑی ہوئی تھی تو خدا نے میرے لیے لکڑی کا تختہ بھیج دیا اور میں اس پر چڑھ گئی اور لہروں نے مار کر مجھے جزیرے کے کنارے پھینک دیا۔ باقی رات میں نے جزیرے پر ادھر ادھر چلتے گزار دی۔ جب سویرا ہوا تو میں نے دیکھا کہ جزیرے کے پاس سے انسان کے قدم کے برابر چوڑا راستہ خشکی کو جاتا ہے۔ چونکہ سورج نکل چکا تھا۔ میں نے اپنے کپڑے دھوپ میں سکھائے اور جزیرے کے کچھ پھل کھائے اور پانی پیا اور چل کھڑی ہوئی۔

جب میں چلتے چلتے خشکی کے قریب پہنچی اور مجھ میں اور شہر میں دوپہر کی راہ باقی رہی تو کیا دیکھتی ہوں کہ کھجور کے درخت پر اتنا موٹا ایک سانپ میری طرف بھاگتا چلا آتا ہے اور میں نے دیکھا کہ وہ دہنے بائیں گھومتا چلا آ رہا ہے' یہاں تک کہ وہ میرے قریب پہنچ گیا اور میں نے دیکھا کہ اس کی زبان بالشت بھر لٹکی ہوئی ہے اور وہ مٹی اڑاتا چلا آ رہا ہے اور اس کے پیچھے پیچھے ایک اژدہا لگا ہوا تھا جو اس پر حملہ آور تھا اور وہ لمبا اور پتلا تھا اور لمبائی میں نیزے کے برابر تھا۔ اسی اژدہے سے وہ سانپ بھاگ رہا تھا اور دہنے بائیں پھرتا جاتا تھا کیونکہ اژدہے نے اس کی دم پکڑ لی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور دوڑنے کی وجہ سے اس کی زبان لٹک پڑی تھی۔

مجھے اس سانپ پر ترس آیا اور میں نے ایک پتھر اٹھا کر اژدہے کے سر پر دے مارا اور وہ فوراً مر گیا۔ اب سانپ نے دو بازو کھولے اور ہوا میں اڑ گیا اور میری نظر سے غائب ہو گیا۔ میں بیٹھ کر اس پر تعجب کرنے لگی اور میں تھکی ہوئی تو تھی ہی' مجھے نیند آ گئی اور میں اپنی جگہ پر سو گئی۔ جب میں ایک پہر کے بعد اٹھی تو میں نے دیکھا کہ میرے پاؤں کے پاس ایک لڑکی بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے ساتھ دو کتیاں ہیں اور وہ میرے پاؤں داب رہی ہے۔ مجھے اس سے شرم آئی اور میں اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس سے کہنے لگی کہ بہن' تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کتنی جلد تو مجھے بھول گئی! میں وہی ہوں جس کے ساتھ تو نے بھلائی کی ہے اور نیکی کا بیج بویا ہے اور میرے دشمن کو قتل کیا ہے۔ میں وہی ہوں جسے تو نے اژدہے سے بچایا تھا۔ میں جنیہ ہوں اور وہ اژدھا جن تھا اور میرا دشمن بغیر تیرے میرا چھٹکارا نہ ہوتا۔

جب تیری وجہ سے مجھے نجات ملی تو میں ہوا میں اڑ کر اس کشتی پر پہنچی' جس میں تیری بہنوں نے تجھے پھینک دیا تھا اور جو کچھ اس کشتی میں تھا' وہ میں نے تیرے مکان میں منتقل کر کے کشتی کو ڈبو دیا اور تیری بہنوں کو کالی کتیاں بنا دیا' کیونکہ جو کچھ تیرے اور ان کے درمیان پیش آیا تھا' وہ سب مجھ کو معلوم تھا' جوان تو ڈوب چکا۔ یہ کہہ کر وہ مجھے اور دونوں کتیوں کو اٹھا کر لے گئی اور میرے مکان کی چھت پر ڈال دیا۔ میں نے دیکھا کہ جو کچھ مال کشتی کے اندر تھا' وہ سب مکان کے بیچ میں پڑا ہوا ہے اور اس میں سے ذرا سا بھی ضائع نہیں ہوا۔ اس کے بعد سانپ نے مجھ سے کہا کہ تجھے ہمارے سردار سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کے نقش کی قسم ہے کہ اگر تو ان میں سے ہر ایک کو روز تین سو کوڑے نہ مارے گی تو میں آ کر تجھے بھی انہی کی طرح کر دوں گی' میں نے کہا کہ بسرو چشم۔ اسی لیے اے امیرالمومنین' میں برابر انہیں اسی قدر کوڑے مارتی ہوں اور ساتھ ساتھ ان پر ترس بھی کھاتی ہوں اور انہیں بخوبی معلوم ہے' ان کے مارنے میں میری کوئی خطا نہیں اور وہ میرا عذر قبول کرتی ہیں۔ یہ ہے

میرا قصہ اور میری حکایت! راوی کہتا ہے کہ خلیفہ کو اس پر سخت تعجب ہوا اور دوسری لڑکی سے کہنے لگا کہ تیرے جسم پر جو مار کے نشان ہیں' ان کا کیا سبب ہے؟

○ دوسری لڑکی کی کہانی

اس نے کہا کہ اے امیرالمومنین' جب میرا باپ فوت ہوا تو اس نے بہت سا مال ترکے میں چھوڑا۔ اس کے مرنے کے کچھ مدت کے بعد میں نے ایک شخص سے نکاح کیا اور اپنے زمانے میں وہ سب سے زیادہ نیک بخت تھا۔ ایک سال زندہ رہ کر وہ بھی انتقال کر گیا اور مجھے اسی ہزار دینار سونے کے' میراث میں ملے اور شرع کے موافق یہی میرا حصہ تھا۔ اب میں بہت زیادہ امیر ہو گئی اور میری خبر دور دور پہنچی اور میں نے دس جوڑے کپڑے بنوائے تھے' جن میں سے ہر جوڑے کی قیمت ایک ہزار دینار تھی۔ ایک روز جب کہ میں بیٹھی ہوئی تھی تو ایک بڑھیا' میرے پاس آئی جس کے گال پچکے ہوئے تھے اور بھوئیں بے بال اور آنکھیں اندر گھسی ہوئی اور دانت ٹوٹے ہوئے اور چہرے پر جھریاں پڑی ہوئی اور آنکھیں چندھلی اور سر چونے کی طرح سفید اور بال کھچڑی اور جسم پھوڑے پھنسیوں سے بھرا ہوا اور قد جھکا ہوا اور رنگ بدلا ہوا تھا۔ جب بڑھیا اندر آئی تو اس نے سلام کیا اور میرے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور مجھ سے کہنے لگی کہ میری ایک یتیم لڑکی ہے اور آج رات کو میں اس کا نکاح اور منہ دکھائی کی رسم ادا کر رہی ہوں اور ہم لوگ اس شہر میں پردیسی ہیں اور کسی کو نہیں جانتے' اس وجہ سے ہم دل شکستہ ہو رہے ہیں۔ تو اس کی منہ دکھائی میں شامل ہو کر اجر اور ثواب حاصل کر۔ جب شہر کی شریف زادیاں سنیں گی کہ تو شامل ہو رہی ہے تو وہ خود بھی آئیں گی اور لڑکی کی دلجمعی بھی ہو گی کیونکہ وہ دل شکستہ ہے اور سوائے خدا کے اس کا کوئی نہیں۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگی۔ مجھے اس پر رحم اور ترس آیا اور میں نے کہا

کہ بسرو چشم۔ پھر میں نے کہا کہ اگر خدا نے چاہا تو میں اس کے ساتھ کچھ سلوک بھی کروں گی اور میں اس کی منہ دکھائی کی رسم اپنے ہی کپڑوں اور زیور اور گہنے میں ادا کروں گی۔ بڑھیا خوش ہو گئی اور جھک کر میرے قدم چومنے لگی کہ خدا تجھے نیک بدلہ دے گا اور تیری دلجمی کرے گا جس طرح تو نے میری دل جمعی کی ہے۔ لیکن اے میری مالکہ' ابھی سے تکلیف نہ کر' بلکہ عشا کے وقت تیار رہ اور میں تجھے آکر لے جاؤں گی۔ یہ کہہ کر اس نے میرے ہاتھ چومے اور چلی گئی۔ اب میں اٹھی اور نہا دھو کر کپڑے بدلے اور سنگھار کیا۔ بڑھیا آئی اور کہنے لگی کہ اے مالکہ شہر کی شریف زادیاں آ گئی ہیں اور میں نے ان سے تیرے آنے کا ذکر کر دیا ہے' وہ خوش ہیں اور تیرا انتظار کر رہی ہیں اور تشریف آوری کی راہ دیکھ رہی ہیں۔ میں اپنی عبا پہن کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی کنیزوں کو ساتھ لے کر چل کھڑی ہوئی۔ چلتے چلتے میں ایک گلی میں پہنچی۔ جہاں جھاڑو دی گئی تھی اور پانی چھڑکا ہوا تھا۔ وہاں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور نہایت صفائی تھی۔ اب ہم ایک دروازے کی طرف بڑھے جس کے اوپر ایک مضبوط مرمر کا گنبد تھا اور جس کے آگے محل کا دروازہ تھا' جو زمین سے لے کر بادلوں تک بلند تھا۔

جب ہم دروازے پر پہنچے تو بڑھیا نے دستک دی اور دروازہ کھلا اور ہم اندر گئے۔ ہم نے دیکھا کہ قالین بچھا ہوا ہے اور جلتی ہوئی قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں اور شمع دانوں میں جواہرات اور قیمتی معدنیات پروئے ہوئے ہیں۔ ڈیوڑھی سے چل کر ہم ایک بے مثل دالان میں داخل ہوئے' جس میں ریشم کا فرش بچھا ہوا تھا اور جلتی ہوئی قندیلیں لٹکی ہوئی تھیں اور جھاڑ اور فانوس کی دو صفیں تھیں اور دالان کے صدر میں صنوبر کا ایک تخت تھا' جس میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے اور جس کے اوپر اطلس کا ایک شامیانہ تھا۔

ہم ان چیزوں میں محو تھے کہ شامیانے کے نیچے سے ایک لڑکی نکلی۔ جب میں نے اسے دیکھا تو اے میر المومنین' وہ چودھویں کے چاند سے زیادہ خوبصورت تھی اور اس کا چہرہ

چمکتی ہوئی صبح سے زیادہ روشن تھا۔ لڑکی شامیانے سے نیچے آئی اور کہنے لگی کہ مرحبا اھلاً و سھلاً اے عزیز اور عالی قدر بہن' ہزار بار مرحبا۔ پھر وہ بیٹھ گئی اور کہنے لگی کہ بہن' میرا ایک بھائی ہے' جس نے تجھے بعض تماشوں اور عید کے دنوں میں دیکھا ہے اور وہ جوان ہے اور مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ وہ دل و جان سے تجھ پر عاشق ہے کیونکہ تیرا حسن و جمال لاجواب ہے' اور اس نے یہ بھی سنا ہے کہ تو اپنی قوم کی سردار ہے اور وہ بھی اپنی قوم کا سردار ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ وہ تجھ سے رشتہ قائم کرے اور مجھے تجھ سے ملانے کا یہ سب حیلہ تھا۔ وہ تجھ سے اللہ اور اس کے رسول کی سنت کے موافق نکاح کرنا چاہتا ہے اور حلال کام میں کوئی عیب نہیں۔ جب میں نے اس کی باتیں سنیں اور دیکھا کہ میرا دل مکان پر آ چکا ہے تو میں نے لڑکی سے کہا بسرو چشم۔ وہ خوش ہو گئی اور اس نے تالی بجائی اور ایک دروازہ کھولا۔ اس میں سے ایک جوان نکلا جو جوانی میں چور تھا۔ اور عمدہ لباس پہنے ہوئے تھا اور قد اور جسم کے اعتدال اور حسن اور جمال اور خوبصورتی میں یکتا تھا' اس کا انداز دلکش اور بھویں کمان کی طرح تھیں اور اس کی آنکھیں دلوں پر جلال جادو چلاتی تھیں۔

جب میں نے اسے دیکھا تو میرا دل بھی اس پر آ گیا اور اس کی محبت میرے دل میں سما گئی۔ وہ میرے پاس آکر بیٹھ گیا اور ایک پہر تک میں اس کے ساتھ باتیں کرتی رہی۔ اب اس لڑکی نے دوبارہ تالی بجائی اور نعمت خانے کا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک قاضی اور چار گواہ نکلے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ میں نے جوان کے ساتھ نکاح کا معاہدہ لکھا اور وہ لوگ چلے گئے۔ اب جوان نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ یہ کیسی مبارک رات ہے! پھر کہا کہ اے میری مالکہ' میں تیرے ساتھ ایک شرط کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ اے میرے مالک' وہ شرط کیا ہے؟ وہ اٹھا اور قرآن لے آیا اور کہنے لگا کہ حلف اٹھا کہ تو میرے سوا کسی اور پر نظر نہ ڈالے گی اور اس کی طرف مائل نہ ہو گی۔ میں نے اس بات کا حلف اٹھا لیا اور وہ بہت خوش ہو گیا اور مجھے گلے لگا لیا اور اس کی محبت نے میرے دل پر قبضہ کر لیا۔ اب لوگ

میرے لیے دسترخوان لائے اور ہم نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد وہ جوان ہمارے پاس آیا اور مجھے لے کر عروسی کے بستر پر گیا اور صبح تک بوس و کنار میں مشغول رہا۔ ایک مہینے تک اس کی یہی حالت رہی اور ہماری خوشی اور سرور کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ایک مہینے کے بعد میں نے اس سے اجازت مانگی کہ بازار سے کچھ کپڑے خرید لاؤں اور اس نے مجھے جانے کی اجازت دے دی۔ میں نے عبا پہنی اور بڑھیا اور ایک لونڈی کو اپنے ساتھ لیا۔ بازار پہنچ کر میں ایک نوجوان دوکاندار کی دوکان میں جا بیٹھی جو بڑھیا کا واقف تھا۔ بڑھیا نے مجھ سے کہا کہ اس لڑکے کا باپ مر چکا ہے اور اس کے لیے بہت بڑی میراث چھوڑی ہے اور اس کے پاس بہت سامان ہے جو کچھ تو چاہے گی وہ اس کی دوکان میں مل جائے گا۔ بازار بھر میں اس کے کپڑوں سے اچھے کپڑے کہیں نہ ملیں گے۔ پھر بڑھیا نے دوکاندار سے کہا کہ اس نوجوان لڑکی کے لیے بہترین کپڑے نکال۔ اس نے کہا بسر و چشم۔ بڑھیا نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ مگر میں نے کہا کہ ہمیں تیرے شکریے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم ضرورت کی چیزیں اس سے لے کر اپنے گھر واپس جائیں۔

جو کچھ ہم چاہتے تھے' وہ اس نے نکال کر دیا اور ہم نے اس کے لیے دام نکالے۔ لیکن اس نے دام لینے سے انکار کیا اور کہنے لگا کہ اے آپ لوگ آج کے دن میری طرف سے مہمانی خیال فرمائیں۔ بڑھیا نے کہا کہ اگر تو دام نہیں لیتا تو ہم تیرے کپڑے تجھے واپس کیے دیتے ہیں۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا اور تمام چیزیں ایک بوسے کے بدلے مفت نذر ہیں کیونکہ ایک بوسہ میری دوکان کے سارے مال سے زیادہ قیمتی ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ ایک بوسے سے تجھے کیا مل جائے گا؟ پھر وہ مجھ سے کہنے لگی کہ اے بیٹی' تو نے سنا کہ یہ جوان کیا کہتا ہے؟ اگر اس نے تیرا ایک بوسہ لے لیا تو تیرا کیا بگڑ جائے گا؟ اور اس کے بدلے جو تیرا جی چاہے' لے لے۔ میں نے جواب دیا کہ کیا تو نہیں جانتی کہ میں نے حلف اٹھایا ہے؟ اس نے کہا کہ اسے بوسہ لے لینے دے اور تو خاموش رہیو۔ اس میں تیرا کوئی ہرج نہیں

اور تجھے یہ دام بھی واپس ملتے ہیں۔ وہ اس بات کو ایسے اچھے پیرائے میں بیان کرتی رہی کہ بالآخر میں نے اپنا منہ گریبان میں ڈال دیا اور راضی ہو گئی۔ پھر میں نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنی عبا لے کر راہ گیروں کی طرف سے اوٹ کر لی' اور وہ اپنا عبا کے اندر میرے رخسار تک لایا۔ جب اس نے میرا بوسہ لیا تو اتنی زور سے کاٹا کہ میرے رخسار کا ایک ٹکڑا گوشت کا جدا ہو گیا اور میں بے ہوش ہو گئی اور بڑھیا نے مجھے اپنی گود میں اٹھا لیا۔ جب مجھے افاقہ ہوا تو دیکھا کہ دوکان میں قفل لگا ہوا ہے اور بڑھیا میرے اوپر افسوس کر رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ خدا اسے بڑی مصیبت سے بچائے۔ اب اس نے مجھ سے کہا کہ اٹھ اور گھر چل اور دل کو مضبوط کر' کہیں ایسا نہ ہو کہ فضیحت ہو جائے۔ جب گھر پہنچیو تو بیمار بن کر لیٹ جائیو اور میں تیرے اوپر چادر ڈال دوں گی اور ایک دوا لے آؤں گی جس سے یہ زخم جلد بھر آئے گا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اپنی جگہ سے اٹھی اور مجھے بڑی تشویش تھی اور میں بہت ڈر رہی تھی اور میرے قدم آہستہ آہستہ پڑ رہے تھے۔ جب میں گھر پہنچی تو بیمار بن کر پڑ گئی۔ جب رات ہوئی تو میرا شوہر آیا اور کہنے لگا کہ بی بی' تجھے آج باہر جا کر کیا ہو گیا ہے؟ میں نے کہا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے' سر میں درد ہے۔ اس نے مجھے دیکھا اور پھر ایک موم بتی جلائی اور میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تیرے رخسار پر یہ زخم کیسا ہے؟ اور وہ بھی نرم گوشت میں؟ میں نے کہا کہ میں جب آج دن میں تجھ سے اجازت لے کر کپڑے خریدنے گئی تو ایک اونٹ سے ٹکر لگ گئی' جس پر لکڑیاں لدی ہوئی تھیں اور میرا نقاب پھٹ گیا اور میرا رخسار زخمی ہو گیا۔ جیسا تو دیکھ رہا ہے کیونکہ یہ شہر بہت تنگ ہے۔ اس نے کہا کہ میں کل ہی جا کر شہر کے حاکم سے کہتا ہوں کہ وہ شہر کے تمام لکڑہاروں کو پھانسی دے دے۔ میں نے کہا کہ تو ایک شخص کے گناہ پر صبر نہیں کر سکتا؟ واقعہ تو یہ ہے کہ میں گدھے پر سوار تھی اور وہ گر پڑا اور میں زمین پر آ پڑی اور ایک لکڑی جو وہاں پڑی ہوئی تھی'

میرے رخسار پر لگی اور میں زخمی ہو گئی۔ اس نے کہا کہ کل اس ماجرے کی اطلاع' جعفر برمکی کو دوں گا اور وہ اس کے شہر کے تمام گدھوں کو مروا ڈالے گا۔ میں نے کہا کہ میرے سبب تمام گدھوں کو ہلاک کر دینا چاہتا ہے جو کچھ میرے ساتھ ہوا وہ تقدیر میں لکھا ہوا تھا' اس نے کہا کہ میں ضرور ایسا کروں گا اور مجھ سے اصرار کرتا رہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ میں بھاگی اور اس سے سخت کلامی کرنے لگی۔

اے امیرالمومنین' اب وہ سمجھ گیا کہ میں نے کیا کیا اور کہنے لگا کہ تو نے اپنی قسم توڑ ڈالی اور زور سے چلایا اور ایک دروازہ کھلا اور اس میں سے سات حبشی غلام نکلے اور اس کے حکم کے بموجب انہوں نے مجھے بچھونے پر سے کھینچ کر مکان کے بیچ میں ڈال دیا۔ اب اس نے ایک غلام کو حکم دیا کہ وہ میرے گھٹنوں پر بیٹھ کر میرے دونوں پاؤں پکڑ لے پھر ایک تیسرا آیا جس کے ہاتھ میں تلوار تھی اور وہ کہنے لگا کہ اے سردار' کیا میں تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دوں؟ اور دونوں غلام ایک ایک ٹکڑا لے کر دجلے میں پھینک آئیں تاکہ ان کو مچھلیاں کھا جائیں اور یہی سزا اس شخص کی ہے جو قسم اور محبت کو توڑتا ہے۔ پھر اس نے غلام سے کہا کہ اے سعد' اس کی گردن اڑا دے۔ جب غلام کو یقین آ گیا تو وہ میرے سر پر آکر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ میری مالکہ' شہادت کا کلمہ پڑھ اور اگر تیری کوئی حاجت ہے تو ہم سے کہہ کیونکہ اب تیری زندگی ختم ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ اے نیک غلام' ذرا مجھے مہلت دے تاکہ میں آخری وصیت کر دوں۔ اب میں نے اپنا سر اٹھایا اور اپنے حال پر غور کرنے لگی اور یہ کہ میں عزت کے بعد کس قدر ذلت میں مبتلا ہو گئی۔ پھر میرے آنسو بہنے لگے اور میں زار و قطار رونے لگی اور وہ میری طرف غضبناک ہو کر دیکھنے لگا۔ اے امیرالمومنین' جب میں نے اسے دیکھا تو میں رونے اور اس کی طرف دیکھنے لگی۔ لیکن اس سے اس کا غصہ اور بڑھ گیا۔ میں روتی اور گڑگڑاتی تھی اور اپنے دل میں کہتی تھی کہ میں اسے باتوں سے لبھا لوں گی' ممکن ہے کہ وہ میرے قتل

سے باز آئے۔ خواہ وہ میرا سارا مال متاع لے لے۔ میں روتی جاتی تھی اور وہ میری طرف دیکھتا اور مجھے ڈانٹتا اور گالیاں دیتا جاتا تھا۔ اب اس نے للکار کر غلام سے کہا کہ اس کے دو ٹکڑے کر ڈال اور مجھے اس سے نجات دے کیونکہ اس میں ہمیں اب کوئی فائدہ نہیں۔

اے امیرالمومنین' جب ہم اس حالت میں تھے' اور مجھے اپنی موت کا یقین آ چکا تھا اور میں اپنی زندگی سے ناامید ہو چکی تھی اور میں اپنا معاملہ خدا کے سپرد کر چکی تھی تو کیا دیکھتی ہوں کہ وہی بڑھیا آئی اور جوان پر گر پڑی اور ان کو چومنے اور رونے لگی اور کہا کہ بیٹا' میری تربیت اور خدمت کے حق کے بدلے اس لڑکی کو معاف کر دے کیونکہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے جس کی وجہ سے اس سزا کی مستحق ہو' اور تو ابھی کمسن ہے' میں ڈرتی ہوں کہ کہیں تو اس کی وجہ سے گناہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ مثل ہے کہ قاتل کو قتل کی سزا دی جاتی ہے۔ اس گندگی سے کیا فائدہ! اس کو اپنے پاس اور اپنے دل سے دور کر دے۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگی اور خوشامد پر خوشامد کرتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ مان گیا اور کہنے لگا کہ میں نے اسے معاف کیا لیکن یہ ضرور ہے کہ میں اس پر کوئی نشانی لگا دوں جو عمر بھر اس کے ساتھ رہے۔ اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ میرے کپڑے اتاریں اور مجھے گھسیٹ کر لمبا لٹا دیں اور غلام میرے اوپر بیٹھ گئے اور جلاد غلام اٹھا اور بہی کی ایک چھڑی لا کر مجھے مارنا شروع کر دیا اور میری پیٹھ اور پہلو پر اتنی چھڑیاں ماریں کہ میں اس کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ اب اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ جب رات ہو جائے تو مجھے وہاں سے اٹھا لے جائیں اور بڑھیا کو ساتھ لے لیں تاکہ وہ گھر کا پتہ بتائے اور مجھے اس گھر میں ڈال آئیں' جہاں میں پہلے تھی۔ انہوں نے ایسا ہی کیا جیسا کہ ان کے سردار نے انہیں حکم دیا تھا اور مجھے میرے گھر میں ڈال آئے اور چلے گئے۔ رات بھر میں بے ہوش پڑی رہی۔ جب سویرا ہوا تو مرہم اور دواؤں سے

میں نے اپنی حالت ذرا درست کی اور اپنے جسم کا علاج کیا۔ لیکن جیسا کہ تو جانتا ہے کہ کوڑے کے نشان میری پسلیوں پر باقی رہ گئے۔ چار مہینے تک میں کمزور اور بستر پر پڑی رہی اور میرا علاج ہوتا رہا یہاں تک کہ مجھے فائدہ ہوا اور میں اچھی ہو گئی۔ اب میں پھر اس مکان کی طرف گئی جہاں میرے ساتھ یہ ساری واردات ہوئی تھی اور دیکھا کہ وہ کھنڈر ہو گیا ہے اور گلی کی گلی مسمار پڑی ہے اور وہ مکان مٹی کا ڈھیر ہو کر رہ گیا ہے لیکن مجھے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ اب میں اپنی سوتیلی بہن کے پاس گئی اور دیکھا کہ اس کے ساتھ یہ دونوں کالی کتیاں ہیں' میں نے اسے سلام کیا اور اپنی حالت اور ساری داستان سنائی۔ اس نے کہا کہ بہن' زمانے کی گردش سے کون بچا ہے! لیکن خدا کا شکر ہے کہ تو صحیح سلامت ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی داستان سنائی اور ماجرا بیان کیا جو اس کی بہنوں کے ساتھ پیش آیا تھا اور جو نتیجہ ظاہر ہوا۔ اب ہم دونوں ساتھ ساتھ رہنے لگے اور پھر کبھی شادی کا ذکر اپنی زبان پر نہ لائے۔ پھر یہ سودا خریدنے والی لڑکی بھی ہمارے ساتھ ہو گئی۔ وہ ہر روز جا کر تمام چیزیں خرید لاتی ہے جن کی ہمیں دن یا رات کے لیے ضرورت ہوتی ہے' کل تک ہم اسی دستور پر قائم تھے کہ ہماری بہن بازار سے ہمارے لیے کچھ خریدنے گئی جیسا کہ وہ ہر روز کیا کرتی تھی اور حمال اور ان تینوں قلندروں کا وہ واقعہ پیش آیا جو معلوم ہے۔ ہم نے ان سے گفتگو کی اور انہیں اپنے گھروں میں لائے اور ان کی خاطر تواضع کی اور ابھی تھوڑی ہی رات اور گزری ہو گی کہ موصل کے تین معزز سوداگر ہمارے پاس آئے اور انہوں نے اپنی داستان بیان کی اور ہم ان سے بات چیت کرنے لگے۔ ہم نے ان کے ساتھ ایک شرط کی تھی جو انہوں نے توڑ ڈالی اور ہم نے انہیں عہد شکنی کی سزا دی اور ان سے کہا کہ اپنی اپنی داستان بیان کرو۔ جب انہوں نے اپنی اپنی حکایتیں اور ماجرے بیان کیے تو ہم نے ان کو معاف کر دیا اور آج تک جبکہ ہم تیرے حضور میں حاضر نہ ہوئے تھے' ہم سارے واقعات سے بے خبر تھے۔ خلیفہ کو اس پر تعجب ہوا اور اس نے سارا قصہ لکھوا کر اپنے کتب خانے میں داخل کر دیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی نظر آئی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• انیسویں رات

جب انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ خلیفہ نے حکم دیا کہ یہ داستان قلمبند کر لی جائے اور شاہی کتب خانے میں داخل کر دی جائے۔ پھر اس نے پہلی لڑکی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تجھے کچھ معلوم ہے کہ وہ دیونی کہاں ہے' جس نے تیری بہنوں پر جادو کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے امیرالمومنین' اس نے مجھے اپنے کچھ بال دیئے ہیں اور کہا ہے کہ جب تو مجھے بلانا چاہے تو ان بالوں میں سے ایک بال لے کر جلائیو اور میں فوراً آ جاؤں گی' خواہ میں کوہ قاف کے پار ہی کیوں نہ ہوں۔ خلیفہ نے کہ کہ مجھے وہ بال دے۔ لڑکی نے اسے بال دیئے اور خلیفہ نے لے کر انہیں جلایا۔ جب اس کی بو پھیلی تو محل ہلنے لگا اور بجلی کی کڑک اور لوہوں کے ٹکرانے کی سی آواز سنائی دی اور دیونی آ پہنچی۔ چونکہ وہ اسلام لا چکی تھی' اس نے کہا کہ السلام علیکم اے خدا کے جانشین! اس نے کہا وعلیکم السلام و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ دیونی نے کہا کہ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اس لڑکی نے میرے ساتھ ایسی بھلائی کی ہے' جس کا بدلہ دینے سے میں قاصر ہوں کیونکہ اس نے مجھے موت کے پنجے سے چھڑایا ہے اور میرے دشمن کو مار ڈالا ہے اور جو کچھ اس کی بہنوں نے اس کے ساتھ کیا وہ میرا چشم دید واقعہ ہے۔ اس لیے میری رائے ہوئی کہ میں ان سے بدلہ لوں اور میں نے جادو سے انہیں کتیاں بنا دیا۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ انہیں قتل کر ڈالوں لیکن مجھے ڈر ہوا کہ یہ اس لڑکی پر گراں گزرے گا۔ اب اے امیرالمومنین' اگر تو چاہے تو میں تیری اور اس لڑکی کی خاطر ان کو چھٹکارا دے دوں کیونکہ میں مسلمان ہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ ہاں' ان کو اچھا کر دے اور اس کے بعد ہم کوڑے کے نشان والی لڑکی کے ماجرے کی تحقیقات کریں گے اگر مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ سچ کہتی ہے تو میں اس کے ظالم سے اس کا بدلہ لوں گا۔ دیونی نے کہا کہ اے امیرالمومنین'

دیکھ' میں ان کو ابھی اچھا کرتی ہوں اور تجھے اس شخص کا بھی پتہ بتاتی ہوں' جس نے لڑکی کے ساتھ یہ حرکت کی ہے اور اس پر ظلم کیا ہے اور اس کا مال چھین لیا ہے'

اور وہ تیرا قریب ترین رشتہ دار ہے۔
اس کے بعد دیونی نے ایک پیالہ پانی لیا اور اس پر کچھ پڑھ کر پھونکا اور کچھ ایسے الفاظ کہے جو میری سمجھ میں نہ آئے اور وہ پانی دونوں کتیوں پر چھڑک دیا اور کہنے لگی کہ اپنی اصلی انسان صورت پر آ جاؤ اور وہ اپنی پرانی صورت پر آ گئیں۔ پھر دیونی نے کہا کہ اے امیرالمومنین' جس نے اس لڑکی کو مارا ہے' وہ تیرا بیٹا امین' مامون کا بھائی ہے۔ اس نے اس لڑکی کے حسن و جمال کی تعریف سنی تھی اور چالا کی سے بلوایا اور حلال طریقے سے اس سے نکاح کیا۔ اس لڑکی کے مارنے میں اس پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا کیونکہ اس نے اس سے شرط کرائی تھی اور بڑی بڑی قسمیں کھلائی تھیں کہ اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو لیکن اس نے قسم توڑ دی۔ اس پر اس نے لڑکی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن خدا سے ڈر کر چھوڑ دیا اور محض کوڑے مارنے پر اکتفا کیا اور اسے' اس کے گھر بھیج دیا۔ بس یہی داستان ہے دوسری لڑکی کی اور اللہ بہتر جانتا ہے۔
جب خلیفہ نے دیونی کی باتیں سنیں اور لڑکی کی مار کا اسے علم ہو گیا تو وہ بے حد اچنبھے میں آ گیا اور کہنے لگا کہ پاک ہے ذات' خدا کی جو بزرگ اور عالی شان ہے' جس نے میرے اوپر یہ احسان کیا ہے اور دونوں لڑکیوں کو جادو اور تکلیف سے نجات دی ہے اور اس لڑکی کی داستان سے مجھے مطلع کیا ہے۔ خدا کی قسم ہے کہ میں ایسا کام کروں گا جو میرے بعد تواریخ میں لکھا جائے۔ پھر اس نے اپنے بیٹے امین کو اپنے پاس بلایا اور اس سے دوسری لڑکی کا ماجرا پوچھا۔ اس نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ اب خلیفہ نے قاضیوں اور گواہوں کو طلب کیا اور تینوں قلندروں کو اور پہلی لڑکی اور اس کی دونوں بہنوں کو جو جادو کی ماری تھیں' بلوایا اور ان تینوں لڑکیوں کا نکاح تینوں قلندروں سے کرا دیا جو اپنے قول کے بموجب بادشاہ تھے اور ان کو حاجبوں کا عہدہ عطا کیا اور

ان کے لیے ساری ضروریات مہیا کر دیں اور ان کا مشاہرہ مقرر کر دیا اور بغداد کا محل ان کو رہنے کے لیے دیا اور مار کے نشان والی لڑکی اپنے بیٹے امین کو واپس کر دی اور اس کے عہد نامے کی تجدید کی اور اس لڑکی کو بہت سا مال عطا کیا اور حکم دیا کہ وہ بہترین سے بہترین مکان بنوائے اور خود خلیفہ نے سودا لانے والی لڑکی سے شادی کر لی اور اس رات وہ اس کے ساتھ سویا اور دوسرے دن اس کے لیے ایک علیحدہ محل مخصوص کر دیا اور خدمت کے واسطے اسے لونڈیاں دیں اور اس کا روزینہ مقرر کر دیا۔ اپنے قریب اس کا مکان بنوایا۔ لوگوں کو خلیفہ کی اس سخاوت اور عالی ہمتی اور دانشمندی پر سخت تعجب ہوا۔ اب خلیفہ نے حکم دیا کہ ان سب کی کہانیاں قلمبند کر لی جائیں۔

دنیا زاد نے اپنی بہن شہر زاد سے کہا کہ بہن' واللہ یہ قصہ نہایت پیارا اور لطیف ہے اور ایسا کبھی سننے میں نہیں آیا لیکن اب کوئی اور کہانی سنا جس سے آج رات کی بیداری کٹے۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم۔ بشرطیکہ بادشاہ سلامت اجازت دیں۔ بادشاہ نے کہا کہ کہانی کہہ اور جلد کہہ۔

○ تین سیبوں کی کہانی

اس نے کہا کہ اے زمانے کے بادشاہ اور دنیا جہان کے مالک' ایک رات خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے وزیر جعفر کو بلوایا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ شہر میں گشت کروں اور عام لوگوں سے حکام کے متعلق دریافت کروں اور جن کی وہ شکایت کریں' ان کو معزول کر دوں اور جس جس کا شکریہ ادا کریں' ان کو ترقی دوں۔ جعفر نے کہا بسرو چشم۔ جب خلیفہ اور جعفر اور مسرور شہر سے ہو کر گزرے اور بازاروں اور گلیوں میں پھرنے لگے تو انہوں نے ایک گلی میں ایک بڑے بوڑھے شخص کو دیکھا جو اپنے سر پر جال اور ٹوکرا رکھے اور اپنے ہاتھ میں ڈنڈا لیے آہستہ آہستہ چلا جا رہا اور یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

"لوگ کہتے ہیں کہ تو اپنے علم و فضل کی وجہ سے دنیا میں اتنا ممتاز ہے جتنی کہ چاندنی رات۔"
"تو میں ان کو جواب دیتا ہوں کہ چلو باتیں نہ بناؤ کیونکہ اگر قسمت یاوری نہ کرے تو علم ہیچ ہے۔"

"اگر وہ مجھے میرے علم اور کتابوں اور دو دواتوں سمیت گرو رکھیں اور انہیں اس کے بدلے مجھے ایک دن کا کھانا دینا پڑے تو وہ کہیں گے کہ اس گرو کو واپس کر دو اور اس کا قصہ کوتاہ کرو۔"
فقیر اور فقیر کی زندگی کیسی گندی چیزیں ہیں۔ گرمیوں میں اسے کھانے کو نہیں ملتا اور سردیوں میں وہ انگیٹھی پر پڑا رہتا ہے۔"
"گلی کے کتے اس پر حملہ کرتے ہیں اور ہر ذلیل شخص اس کو ڈانٹتا ہے۔"
"اگر وہ کسی کے آگے اپنا دکھڑا روتا ہے تو کوئی اس کو تسلیم نہیں کرتا۔ اگر فقیر کی زندگی یہی ہے تو اس سے بہتر ہے کہ وہ مر جائے۔"
جب خلیفہ نے اسے یہ اشعار پڑھتے سنا تو جعفر سے کہا کہ اس فقیر کو دیکھ اور ان اشعار کو۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ کوئی حاجب مند ہے۔ خلیفہ اس کی طرف بڑھا اور کہنےلگا کہ بڑے میاں' تیرا کیا پیشہ ہے؟ اس نے کہا کہ اے میرے سردار' میں ماہی گیر ہوں اور میرے بال بچے ہیں۔ میں آج دوپہر سے اپنے گھر سے نکلا ہوں اور اس وقت تک خدا نے کوئی چیز مقسوم نہیں کی جس سے میں اپنے بال بچوں کو روٹی دے سکوں۔ اب میں اپنے آپ سے تنگ آ گیا ہوں اور موت کی آرزو کر رہا ہوں۔
خلیفہ نے کہا کہ اگر تو چاہتا ہے تو ہمارے ساتھ دریا پر چل اور دجلے کے کنارے کھڑے ہو کر میری قسمت کا جال پھینک اور جو کچھ نکلے گا اسے میں سو دینار میں خریدوں گا۔ یہ سن کر وہ بوڑھا خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ بسرو چشم' میں تم لوگوں کے ساتھ چلتا ہوں۔ اب ماہی گیر ان کے ساتھ دریا پر گیا اور جال پھینکا اور تھوڑی دیر انتظار کے بعد ڈوریوں کو ملا کر جال اپنی طرف کھینچا تو کیا دیکھتا ہے کہ جال میں ایک بھاری

صندوق' جس میں قفل لگا ہوا ہے' آیا۔ خلیفہ نے اسے دیکھ کر اٹھایا تو اسے بوجھل پایا' اور ماہی گیر کو سو دینار دے کر محل کی طرف لوٹا اور مسرور صندوق کو اٹھا کر خلیفہ کے ساتھ ہو لیا اور وہ اسے لے کر محل میں داخل ہوئے اور موم بتیاں جلائیں اور صندوق خلیفہ کے سامنے رکھا۔ اب جعفر اور مسرور نے آگے بڑھ کر صندوق کو توڑا اور دیکھا کہ اس کے اندر کھجور کے پتوں کا ایک دونا ہے جو لال اون کے ڈورے سے سلا ہوا ہے۔ انہوں نے اس ڈورے کو کاٹا تو دیکھا کہ اس کے اندر ایک قالین کا ٹکڑا ہے۔ جب وہ ٹکڑا انہوں نے اٹھایا تو اس کے نیچے ایک عبا کو پایا' جس کے اندر ایک نو عمر لڑکی تھی جو خالص چاندی کے ٹکڑے کی طرح تھی' مگر مقتول اور ٹکڑے ٹکڑے کی ہوئی۔ جب خلیفہ نے اس کو دیکھا تو اس کو بڑا افسوس ہوا اور اس کے رخسار پر آنسو بہنے لگے اور اس نے جعفر کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے وزیروں کے کتے' میری حکومت اور لوگ قتل ہو کر دریا میں پھینک دیئے جائیں! قیامت کے دن یہ مقتول مجھ سے دامن گیر ہوں گے' خدا کی قسم کہ میں اس لڑکی کا قصاص اس کے قاتل سے لوں گا اور اسے بری موت ماروں گا اور جعفر سے کہا کہ قسم ہے مجھے بنی عباس کے خلیفہ ہونے کی اگر تو اس شخص کو میرے پاس نہ لایا جس نے اس لڑکی کو قتل کیا ہے تاکہ میں اس سے اس کا بدلہ لوں تو میں تجھ کو اور تیرے چالیس چچا زاد بھائیوں کو اپنے محل کے دروازے پر لٹکا دوں گا۔ یہ کہہ کہ خلیفہ طیش میں آ گیا۔ جعفر وہاں سے روانہ ہوا اور کہا کہ مجھے تین دن کی مہلت دی جائے۔ خلفیہ نے کہا کہ میں تجھے تین دن کے مہلت دیتا ہوں۔

اب جعفر شہر میں آیا اور وہ نہایت غمگین تھا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں کہاں سے اس بات کا پتہ لگاؤں کہ اس لڑکی کو کس نے قتل کیا ہے تاکہ میں اس کو خلیفہ کے سامنے پیش کروں! اور اگر میں کسی اور کو اس کے سامنے پیش کروں گا تو اس کا عذاب میرے سر ہو گا کیونکہ نہ معلوم وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا!

اب جعفر تین دن تک اپنے گھر میں بیٹھا رہا اور چوتھے دن خلیفہ نے اس کے پیچھے اپنے ملازمین بھیجے اور اسے بلوایا۔ جب وہ حاضر ہوا تو خلیفہ نے پوچھا کہ لڑکی کا قاتل کہاں ہے؟ جعفر نے کہا کہ اے امیرالمومنین' میں کوئی مقتولوں کا داروغہ ہوں کہ اس کے قاتل کو پہچان لوں! خلیفہ طیش میں آ گیا اور حکم دیا کہ اسے محل کے پائیں میں لٹکا دیا جائے اور ایک ڈھنڈورا پیٹنے والے کو حکم دیا کہ بغداد کی گلیوں میں ڈھنڈورا پیٹ دے کہ جو کوئی جعفر برمکی خلیفہ کے وزیر اور دوسرے چالیس برمکیوں کو جو اس کے چچیرے بھائی ہیں' خلیفہ کے محل کے دروازے پر لٹکتا دیکھ کر خوش ہونا چاہے' وہ آئے اور دیکھ کر خوش ہو۔ لوگ ہر محلے سے جعفر اور اس کے چچیرے بھائیوں کے لٹکنے کا تماشہ دیکھنے آئے لیکن اس لٹکائے جانے کی وجہ کسی کو معلوم نہ تھی۔ اب تختے لگائے گئے اور ان کو ان کے نیچے کھڑا کیا گیا تاکہ پھانسی دی جائے اور خلیفہ کے حکم کا انتظار تھا۔ لوگ جعفر اور اس کے چچیرے بھائیوں پر ماتم کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک خوبصورت جوان آ پہنچا' جس کی پوشاک نفیس اور چہرہ چاند سا اور آنکھیں حور کی سی اور پیشانی روشن اور رخسار سرخ اور سبزہ اگا ہوا اور مسا گویا عنبر کی ٹکیا تھی۔ لوگوں کو چیرتا پھاڑتا وہ جعفر کے سامنے آکر ٹھہر گیا اور کہنے لگا کہ امیروں کے سردار اور فقیروں کے پشت پناہ' تو اس مصیبت سے بچ گیا ہے۔ جس شخص نے اس مقتولہ کو قتل کیا ہے' جسے تم نے صندوق میں دیکھا ہے' وہ میں ہوں۔ اس کے جرم میں مجھے پھانسی دے اور مجھ سے اس کا بدلہ لے۔ جب جعفر نے جوان کی باتیں سنیں تو اپنی رہائی پر خوش ہوا مگر جوان پر غمزدہ ہوا۔ ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بڑا بوڑھا سن رسیدہ لوگوں کو چیرتا پھاڑتا چلا آتا ہے یہاں تک کہ وہ جعفر اور اس جوان تک پہنچ گیا اور انہیں سلام کر کے کہنے لگا کہ اے وزیر اور بڑے سردار' جو کچھ یہ کہتا ہے' اسے یقین نہ کر کیونکہ لڑکی کا قاتل سوائے میرے اور کوئی نہیں' اس لیے اس کا بدلہ مجھ سے لے ورنہ خدا کے سامنے میں تجھ سے جواب طلب

کروں گا۔ جوان نے کہا کہ اے وزیر' یہ بوڑھا کھوسٹ ہے' اسے معلوم نہیں کہ یہ کیا بک رہا ہے میں نے اس لڑکی کو قتل کیا ہے' مجھ سے اس کا بدلہ لے۔ اس پر بوڑھے نے کہا کہ بیٹا تو ابھی کم عمر ہے اور تجھے دنیا کی خواہش ہے اور میں بوڑھا اور دنیا سے سیر ہو چکا ہوں اور میں اپنی جان تجھ پر اور وزیر اور اس کے چچیرے بھائیوں پر فدا کرتا ہوں اور لڑکی کو میں نے ہی قتل کیا ہے۔ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے جلد پھانسی دے دے کیونکہ اس لڑکی کے بعد اب جینے میں کوئی مزہ نہیں۔

جب وزیر نے یہ دیکھا تو اسے تعجب ہوا اور جوان اور بوڑھے دونوں کو لے کر خلیفہ کے پاس گیا اور زمین کو بوسہ دیا اور کہنےلگا کہ اے امیر المومنین' لڑکی کے قاتل کو ہم لے آئے ہیں۔ خلیفہ نے کہا کہ وہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ جوان کہتا ہے کہ میں قاتل ہوں اور یہ بوڑھا اسے جھٹلاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں قاتل ہوں اور یہ دونوں حاضر ہیں۔ خلیفہ نے بوڑھے اور جوان کی طرف دیکھا اور کہا کہ تم دونوں میں سے کس نے لڑکی کو قتل کیا ہے؟ جوان نے کہا کہ میں نے اور بوڑھے نے کہا کہ میرے سوا کسی نے اسے قتل نہیں کیا۔ خلیفہ نے جعفر سے کہا کہ ان دونوں کو لے جا کر پھانسی پر چڑھا دے۔ جعفر نے کہا کہ اگر ان میں سے ایک قاتل ہے تو دوسرے کو پھانسی دینا ظلم ہو گا۔ جوان نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آسمان کو بلند کیا اور زمین کو بچھایا ہے' میں نے اس لڑکی کو قتل کیا ہے اور ان چیزوں کا ذکر کیا جو خلیفہ نے پائی تھیں۔ اب خلیفہ کو یقین آ گیا کہ جوان ہی نے لڑکی کو قتل کیا ہے۔

خلیفہ کو ان کی باتوں پر تعجب ہوا اور اس نے جوان سے پوچھا کہ تو نے کس وجہ سے بلاحق کے اس لڑکی کو قتل کیا؟ اور بغیر سزا کے قتل کا اقرار کیوں کر لیا اور خود بخود آکر تو یہ کیوں کہتا ہے کہ اس کا بدلہ مجھ سے لو؟

جوان نے جواب دیا کہ اے امیرالمومنین' یہ لڑکی میری بیوی ہے اور میری چچیری بہن

اور یہ بوڑھا اس کا باپ ہے اور میرا چچا۔ میں نے اس سے اس وقت شادی کی جب وہ باکرہ تھی اور خدا نے مجھے اس سے تین نرینہ اولادیں عطا کیں۔ وہ مجھ سے محبت کرتی اور میری خدمت کرتی تھی اور میں نے اس کی کوئی برائی نہیں دیکھی۔ میں بھی اسے بہت چاہتا تھا یہاں تک اس مہینے کی پہلی تاریخ کو وہ سخت بیمار پڑی۔ میں نے حکیموں کو بلایا اور اسے تھوڑا افاقہ ہونا شروع ہوا۔ اب میں نے چاہا کہ اسے حمام میں لے جاؤں لیکن اس نے مجھ سے کہا کہ حمام جانے سے پہلے میں ایک چیز چاہتی ہوں کیونکہ میرا اس کے لیے بہت جی چاہتا ہے۔ میں نے کہا کہ بسرو چشم' وہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ ایک سیب سونگھوں اور اس کا ایک ٹکڑا کاٹ لوں۔ میں فوراً شہر گیا اور سیب تلاش کئے مگر کہیں بھی نہ ملے۔ اگر ایک دینار کا بھی ایک سیب ملتا تو میں خرید لیتا۔ اس سے مجھے بہت پریشانی ہوئی اور میں گھر واپس آیا اور کہنے لگا کہ اے میری چچازاد' خدا کی قسم' مجھے کوئی سیب نہیں ملا۔ اس پر اسے بہت تشویش ہوئی اور کمزور تو تھی ہی' اس رات اور زیادہ کمزور ہو گئی۔ میں نے ساری رات سوچتے گزاری اور جب سویرا ہوا تو میں اپنے مکان سے نکلا اور ایک ایک باغ کا چکر لگایا لیکن وہاں بھی کوئی سیب نہ ملا۔ اتفاقاً مجھے ایک پرانا خانساماں ملا اور میں نے اس سے سیبوں کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ بیٹا' یہ چیز بہت کمیاب بلکہ ناپید ہے اور اگر کہیں ملے گی بھی تو امیرالمومنین کے باغ میں جو بصرے میں ہے وہاں کا خانساماں خلیفہ کے لیے جمع کرتا ہے۔ اب میں گھر واپس آیا اور اس کی محبت نے مجھے یہاں تک مجبور کیا کہ بالاخر میں نے سفر پر کمر باندھ لی۔ آنے جانے میں پندرہ دن اور پندرہ راتیں لگیں اور میں تین سیب لے آیا' جن کو میں نے بصرے کے خانساماں سے تین دینار میں خریدا تھا اور گھر میں گیا اور میں نے وہ سیب اس کو دیئے لیکن اس نے کوئی خوشی کا اظہار نہ کیا اور ان کو ایک طرف پڑا رہنے دیا کیونکہ کمزوری اور بخار میں زیادتی ہو گئی تھی۔ دس دن تک وہ یوں ہی کمزور پڑی رہی۔ اس

کے بعد جب وہ ذرا اچھی ہوئی تو میں گھر سے نکلا اور اپنی دوکان پر گیا اور بیٹھ کر خرید و فروخت کرنے لگا۔ اسی اثنا میں' میں نے دوپہر کے وقت دیکھا کہ ایک حبشی غلام میرے پاس سے گزرا اور اس کے ہاتھ میں ان تین سیبوں میں سے ایک سیب ہے اور وہ اس سے کھیل رہا ہے۔ میں نے کہا کہ اے نیک غلام' تو یہ سب کہاں سے لایا ہے؟ میں بھی لانا چاہتا ہوں۔ اس پر وہ ہنس کر کہنے لگا کہ یہ سیب میری آشنا نے مجھے دیا ہے۔ میں باہر سفر پر گیا ہوا تھا اور اب اس کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ کمزور پڑی ہے اور اس کے پاس تین سیب رکھے ہوئے ہیں اور وہ کہنے لگی کہ میرا بھولا بھالا شوہر ان کی خاطر بصرے گیا تھا اور ان کو تین دینار میں خرید لایا ہے۔ یہ سیب اسی نے مجھ کو دیا ہے۔

اے امیرالمومنین' میں نے جب غلام کی باتیں سنیں تو دنیا میری آنکھوں میں تاریک ہو گئی اور میں اٹھا اور دوکان بند کر کے گھر آیا اور غصے کی وجہ سے میری عقل جاتی رہی' اور دیکھا کہ واقعی دو ہی سیب رکھے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ تیسرا کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں اور نہ مجھے اس کی خبر ہے۔ اب مجھے غلام کی بات کا یقین آ گیا اور میں اٹھا اور ایک چھری لایا اور اس کے پیچھے سے آیا اور بغیر ایک لفظ کہے اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور اسے چھری سے ذبح کر ڈالا اور اس کا سر کاٹ کر جلدی سے ٹوکری میں ڈال دیا اور اوپر سے عبا اوڑھا دی اور اس کو سی دیا اور اس پر قالین کا ایک ٹکڑا ڈال دیا اور صندوق میں رکھ کر قفل لگا دیا اور اپنے خنجر پر لاد کر اسے دجلے میں بہا دیا۔ اے امیرالمومنین' تجھے خدا کی قسم' مجھے جلد پھانسی پر چڑھا دے کیونکہ میں قیامت کے مطالبے سے ڈرتا ہوں۔ جب میں اسے دجلے میں پھینک چکا اور کسی کو اس کی کانوں کان خبر نہ تھی' اور گھر واپس آیا تو دیکھا میرا بیٹا رو رہا ہے مگر اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ میں نے اس کی ماں کے ساتھ کیا کیا۔ میں نے کہا کہ بیٹا' تو کیوں رو رہا ہے؟ اس نے کہا کہ میں اماں کے سیبوں میں سے ایک سیب لے کر گلی میں اپنے بھائیوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ لمبا تڑنگا حبشی غلام

آیا اور اس نے وہ سیب مجھ سے چھین لیا اور کہنے لگا کہ تجھے یہ سیب کہاں سے ملا؟
میں نے کہا کہ اس سیب کی خاطر میرا باپ بصرے گیا تھا اور وہاں سے میری ماں کے لیے لے کر آیا ہے کیونکہ وہ بیمار اور کمزور ہے۔ ایسے تین سیب اس نے تین دینار میں خریدے ہیں۔ اس کے بعد اس نے سیب لے کر رکھ لیا اور میری کچھ پروا نہ کی۔ پھر میں نے دوبارہ اس سے یہی کہا اور پھر سہ بارہ لیکن اس نے کچھ توجہ نہ کی اور مجھ کو مارا اور سیب لے کر چلتا ہوا۔ میں ڈرا کہ میری ماں مجھے اس سیب کی وجہ سے مارے گی اور اس کی ڈر سے میں اپنے بھائیوں کو لے کر شہر سے باہر چلا گیا۔ اب رات زیادہ ہو گئی ہے اور مجھے ماں کا ڈر ہے۔ ابا' میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ ماں سے کچھ نہ کہیو ورنہ وہ اور کمزور ہو جائے گی۔ جب میں نے لڑکے کی یہ باتیں سنیں تو مجھے یقین آ گیا کہ غلام نے میری چچا زاد پر بہتان لگایا ہے اور اسے قتل کرنا ظلم تھا۔ اب میں زار زار رونے لگا کہ اتنے میں یہ بوڑھا جو میرا چچا اور اس کا باپ ہے' آیا اور میں نے اسے سارا ماجرا بیان کیا۔ وہ بھی میرے پہلو میں بیٹھ کر رونے لگا اور آدھی رات تک ہم دونوں روتے پیٹتے رہے اور پانچ دن تک سوگ کرتے رہے جو آج ختم ہوا ہے۔ ہمیں نہایت افسوس ہے کہ وہ بے گناہ ماری گئی اور اس کا سارا گناہ غلام کے سر ہے۔ یہ ہے سبب اس کے قتل کا۔ میں تجھے تیرے آباؤ اجداد کی عزت کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ مجھے جلد قتل کرا دے کیونکہ اس کے بعد اب جینے میں کوئی لطف نہیں' اور اس کا بدلہ مجھ سے لے لے۔ خلیفہ کو جوان کی یہ باتیں سن کر تعجب ہوا اور کہنے لگا کہ واللہ' میں سوائے اس ملعون غلام کے کسی کو پھانسی نہ دوں گا' اور میں ایسی کاروائی کروں گا جس سے بیمار شفا پائیں گے اور خدا راضی ہو گا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے کہانی بند کر دی' جس کی اسے اجازت دی گئی تھی۔

- بیسویں رات

جب بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ خلیفہ نے قسم کھا کر کہا کہ وہ سوائے غلام کے اور کسی کو پھانسی نہ دے گا' کیونکہ جوان معذور تھا۔ پھر اس نے جعفر کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اس ملعون غلام کو میرے سامنے حاضر کر' جس کی وجہ سے یہ معاملہ چلا ہے' اور اگر تو اسے حاضر نہ کرے گا تو پھر اس کی جگہ تو ہو گا۔ جعفر وہاں سے روانہ ہوا اور رو رو کر کہتا تھا کہ دو موتیں تو میرے سامنے آ چکی ہیں اور مثل ہے کہ گھڑا ہر بار کنوئیں سے ثابت نہیں نکلتا۔ اس میں تدبیریں نکالنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ جس نے مجھے پہلی بار بچایا ہے' وہی اس بار بھی بچائے گا۔ خدا کی قسم کہ میں تین دن تک اپنے گھر سے نہ نکلوں گا اور خدا کی جو مرضی ہو گی' وہ ہو گا۔ تین دن تک وہ اپنے گھر میں بیٹھا رہا اور چوتھے دن قاضیوں اور گواہوں کو بلایا اور اپنے بیٹے اور بیٹیوں سے رخصت ہو کر رونے لگا۔ اتنے میں خلیفہ کا فرستادہ اس کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ خلیفہ بے حد غصے میں ہے اور مجھے تیرے لانے کے لیے بھیجا ہے اور اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ تجھے شام سے پہلے پھانسی دے دے گا۔ جب جعفر نے یہ سنا تو وہ رونے لگا اور اس کے ساتھ اس کے بیٹے اور بیٹیاں اور غلام اور سارے گھر والے ماتم کرنے لگے۔ جب وہ سب سے رخصت ہو چکا تو اپنی چھوٹی بیٹی کے پاس گیا کہ اس سے رخصت ہو لے کیونکہ وہ اسے تمام اولادوں سے زیادہ چاہتا تھا' جب اسے سینے سے لگایا اور اسے بوسہ دیا اور اس کی جدائی کی وجہ سے رونے لگا تو اس کی جیب میں کوئی گول سی چیز معلوم ہوئی۔ اس نے کہا کہ تیری جیب میں کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ابا جان سیب ہے' جس پر ہمارے آقا خلیفہ کا نام لکھا ہوا ہے' ہمارا غلام ریحان اسے لایا ہے' وہ چار دن سے میرے پاس ہے' بغیر دو دینار لیے اس نے یہ سیب مجھے نہیں دیا۔

جب جعفر نے غلام اور سیب کا ماجرا سنا تو خوش ہو گیا اور اپنی بیٹی کی جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ سیب نکال لیا اور پہچان گیا کہ وہ یہی سیب ہے اور کہنے لگا کہ خوشی قریب ہے۔ اب اس نے غلام کو بلانے کا حکم دیا اور وہ حاضر ہوا۔ جعفر نے کہا کہ حیف ہے تجھ پر اے ریحان' تجھے کہاں سے یہ سیب ملا؟ غلام نے کہا کہ اے آقا' خدا کی قسم' اگر جھوٹ بولنے سے نجات مل سکتی ہے تو سچ بولنے سے تو اور بھی زیادہ نجات مل سکتی ہے۔ میں نے یہ سیب نہ تو تیرے محل سے چرایا ہے اور نہ امیرالمومنین کے محل سے اور نہ اس کے باغ سے۔

واقعہ یہ ہے کہ پانچ دن ہوئے کہ میں شہر کی ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ بچے کھیل رہے ہیں اور ان میں سے ایک کے پاس یہ سیب ہے۔ میں نے طمانچہ مار کر اس سے یہ سیب چھین لیا اور وہ رونے لگا اور اس نے کہا کہ اے جوان یہ میری ماں کا سیب ہے' وہ بیمار ہے اور اس نے میرے باپ سے ایک سیب کی خواہش ظاہر کی تھی' اور وہ بصرے جا کر اس کے لیے تین سیب تین دینار میں خرید لایا تھا۔ میں کھیلنے کے لیے ان میں سے ایک چرا لایا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگا لیکن میں نے اس کا کچھ خیال نہ کیا اور سیب کو لے کر چلا آیا اور چھوٹی بی بی نے دو سونے کے دینار دے کر اسے لے لیا۔ بس یہی میرا قصہ ہے۔ جب جعفر نے یہ قصہ سنا تو اسے اچنبھا ہو گیا کیونکہ اسے معلوم ہوا کہ اس سارے فتنے اور لڑکی کے قتل ہونے کا بانی یہی میرا غلام ہے اور اس بات سے غمزدہ ہو کر غلام اس کی طرف منسوب ہے مگر اپنے چھٹکارے سے اسے خوشی ہوئی اور وہ یہ اشعار پڑھنے لگا:

"اگر تیرے اوپر غلام کی وجہ سے کوئی مصیبت آئے تو اسے اپنے اوپر فدا کر دے کیونکہ نوکر تجھے بہت مل جائیں گے لیکن تیرا بدل نہیں ملنے کا۔"

اب اس نے غلام کا ہاتھ پکڑا اور اسے خلیفہ کے پاس لے گیا اور اس سے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ خلیفہ کو اس پر بڑا تعجب ہوا اور وہ ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور اس نے حکم دیا کہ اس قصے کو قلمبند کر لیا جائے اور اسے لوگوں کے

درمیان شائع کیا جائے۔ جعفر نے کہا کہ اے امیر المومنین! تعجب مت کر کیونکہ یہ کہانی نور الدین علی مصری اور اس کے بھائی شمس الدین محمد کی کہانی سے عجیب تر نہیں ہے۔ خلفیہ نے کہا کہ سنا۔ دیکھیں تو سہی کہ وہ کون سے کہانی ہے جو اس سے زیادہ عجیب و غریب ہے۔ جعفر نے کہا کہ اے امیرالمومنین' میں اسے محض اس ایک شرط پر بیان کروں گا کہ تو میرے غلام کو قتل نہ کرے۔ اس نے کہا کہ اگر وہ اس ماجرے سے جس کا اتفاق ہمیں ہوا ہے' عجیب تر ہو گی تو میں تیری خاطر اس کا خون بخش دوں گا اور اگر اس سے عجیب نہ ہوئی تو تیرے غلام کو قتل کر دوں گا۔

○ وزیر نورالدین اور اس کے بھائی کی کہانی

جعفر نے کہا کہ اے امیرالمومنین' پرانے زمانے میں مصر میں ایک بادشاہ تھا جو انصاف پسند اور امن دوست تھا۔ فقیروں سے محبت کرتا اور عالموں سے ہم مجلس ہوتا تھا۔ اس کا ایک وزیر تھا جو بہت عاقل اور دانا اور حکمرانی اور سیاست میں یکتا تھا۔ وہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور اس کے دو بیٹے تھے گویا وہ دو چاند تھے اور حسن و جمال میں بے نظیر تھے۔ بڑے کا نام شمس الدین محمد اور چھوٹے کا نورالدین علی تھا۔ چھوٹا خوبصورتی اور ملاحت میں بڑے سے زیادہ تھا' یہاں تک کہ دوسرے ملکوں کے لوگ اس کے حسن کا چرچا سن کر اس کے پاس آتے تھے تاکہ اس کے حسن کا نظارہ کریں۔ اب ایسا اتفاق ہوا کہ ان کا باپ فوت ہو گیا اور سلطان کو اس کا بڑا رنج ہوا۔ اس نے دونوں بیٹوں کو بلا کر انہیں اپنا مقرب بنایا اور انہیں خلعتیں عطا کیں اور ان سے کہا کہ تم میرے پاس بمنزلہ اپنے باپ کے ہو لہٰذا پریشان خاطر مت ہو۔ وہ خوش ہو گئے اور انہوں نے اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور پورے ایک مہینے اپنے باپ کے سوگ میں رہے۔ اس کے بعد وہ وزیر کے عہدے پر آئے اور اسی طرح حکمرانی کرنے لگے جس طرح کہ ان کا باپ کرتا تھا اور جب کبھی بادشاہ سفر پر جاتا تو ان میں سے

ایک اس کی مصاجت میں رہتا۔ ایک رات جبکہ بڑے بھائی کی سلطان کے ساتھ سفر کرنے کی باری تھی یہ اتفاق پیش آیا کہ باتوں باتوں میں بڑے بھائی نے چھوٹے سے کہا کہ ہم دونوں کا بیاہ ایک ہی رات میں ہو۔ چھوٹے بھائی نے کہا کہ جیسا تیرا جی چاہتا ہے کر' مجھے تیرا کہنا منظور ہے۔ اس پر دونوں متفق ہو گئے اس کے بعد بڑے بھائی نے چھوٹے سے کہا کہ اگر خدا نے ایسا ہی کیا اور ہم دونوں نے دونوں بہنوں سے شادی کی اور ایک ہی رات ان کے ساتھ مجامعت کی اور ایک ہی دن دونوں بچے پیدا ہوئے اور خدا کو منظور ہوا کہ تیری بیوی کے لڑکا پیدا ہو اور میری بیوی کے لڑکی تو ہم ان دونوں کا بیاہ آپس میں کر دیں گے کیونکہ وہ چچیرے بھائی بہن ہوں گے۔

نورالدین نے کہا کہ بھائی یہ تو بتا تو میرے بیٹے سے اپنی بیٹی کا کتنا مہر لے گا؟ اس نے جواب دیا کہ میں تیرے بیٹے سے اپنی بیٹی کے لیے تین ہزار دینار اور تین باغ اور تین جاگیریں لوں گا اور اگر لڑکے نے اس سے کم معاہدے میں لکھا تو یہ نہ مانا جائے گا۔ جب نورالدین نے یہ بات سنی تو کہنے لگا کہ یہ بھی کوئی مہر ہے' جس کی شرط تو میرے بیٹے سے کرنا چاہتا ہے۔ تجھے معلوم نہیں کہ ہم بھائی بھائی ہیں اور خدا کے فضل سے ہم دونوں وزیر ہیں اور ہم دونوں کا ایک سا رتبہ ہے؟ تجھے تو یہ لازم ہے کہ تو اپنی بیٹی میرے بیٹے کو بغیر مہر کے دے اور اگر مہر کا ہونا لابدی ہے تو تھوڑا سا مہر مقرر کر لیجئو تاکہ لوگ جان جائیں کہ مہر بندھا ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ لڑکا' لڑکی سے بہتر ہوتا ہے اور میرا لڑکا ہے اور لڑکے سے ہمارا نام چلے گا نہ کہ تیری لڑکی سے۔ اس نے بھی پوچھا تو پھر اس سے کیا ہو گا؟ نورالدین نے جواب دیا کہ اس کی وجہ سے امراء میں ہمارا نام ہو گا۔ لیکن تو چاہتا ہے کہ میرے ساتھ وہ معاملہ کرے جو اس شخص کے ساتھ کیا گیا تھا جو اپنے ایک دوست کے پاس ایک حاجت لے کر آیا تھا تو اس نے جواب دیا کہ بسم اللہ۔ میں تیری حاجت پوری کر دوں گا لیکن کل۔ اس شخص نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

"اگر تجھے کوئی حاجت پیش آ جائے اور حاجت روا کرنے والا کہے کہ کل تک ٹھہر جا

تو اگر تو سمجھدار ہے تو سمجھ جا کہ اس کے معنی انکار کے ہیں۔"
شمس الدین نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ تو میری ہتک کر رہا ہے اور اپنے بیٹے کو میری بیٹی پر ترجیح دیتا ہے۔ بیشک تو ناسمجھ ہے اور اخلاق سے مبرا۔ تو وزارت میں شرکت کا ذکر کرتا ہے مگر تجھے معلوم نہیں کہ میں نے تجھ پر مہربانی کی ہے کہ تجھے اپنے ساتھ وزارت میں شریک کر لیا ہے تاکہ تو میری مدد کرے اور میرا معین ہو اور تیری دل شکنی نہ ہو۔ اب چونکہ تو ایسی باتیں کرتا ہے' خدا کی قسم' میں اپنی بیٹی کی شادی تیرے بیٹے سے ہرگز نہ کروں گا خواہ تو لڑکی کو سونے ہی میں کیوں نہ تول دے۔
جب نور الدین نے اپنی بھائی کی باتیں سنیں تو اسے غصہ آ گیا اور کہنے لگا کہ میں بھی اپنے بیٹے کی شادی تیری بیٹی سے کبھی نہ کروں گا۔ اس پر شمس الدین نے کہا کہ میں کبھی اس بات پر رضا مند نہ ہوں گا کہ تیرا بیٹا میری بیٹی کا شوہر بنے۔ اگر میں پابرکاب نہ ہوتا تو تجھے مزہ چکھا دیتا لیکن جب میں سفر سے واپس آؤں گا تو دیکھ لیجنو کہ میری عزت کا اقتضا کیا ہے۔ جب نورالدین نے اپنے بھائی کی باتیں سنیں تو وہ طیش میں آ گیا اور اسے دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔ لیکن اس نے ظاہر نہ کیا اور دونوں نے الگ الگ رات گزاری۔ جب سویرا ہوا تو سلطان نے کوچ کر دیا اور جیزہ پہنچا اور اہرام کو دیکھنے روانہ ہو گیا اور وزیر شمس الدین اس کی معیت میں تھا۔
اب اس کے بھائی نورالدین کا حال سنئے۔ اس نے وہ رات نہایت غیظ و غضب میں گزاری۔ جب تڑکا ہوا تو وہ اٹھا اور فجر کی نماز پڑھی اور انبار خانے میں جا کر ایک چھوٹی سی خرجی لی اور اس میں سونا بھرا اور اپنے بھائی کی باتیں اور حقارت کے الفاظ یاد کر کے یہ اشعار پڑھتا تھا:
"سفر کر اور پرانے دوستوں کے عوض نئے پیدا کر کیونکہ محنت مشقت ہی میں مزیدار زندگی ہے' ایک جگہ رہ پڑنے میں نہ عزت حاصل ہوتی ہے اور نہ مقصد' اگر کچھ ملتا ہے تو تکلیف سے۔ اس لیے وطن کو چھوڑ کر پردیس میں چلا جا۔ جب پانی رک جاتا ہے تو خراب ہو جاتا ہے' اگر بہتا ہے تو اچھا رہتا ہے اور اگر نہیں بہتا تو اچھا نہیں رہتا۔

اگر چاند کبھی کبھی چھپ نہ جاتا تو لوگ ہر وقت اس کے انتظار میں نہ رہتے۔ اگر شیر اپنا غار نہ چھوڑے تو کبھی شکار نہیں مار سکتا اور اگر تیر کمان سے جدا نہ ہو تو وہ کبھی نشانے پر نہیں بیٹھ سکتا۔ سونا جب تک کان میں ہے' مٹی ہے اور عود اپنی پیدائش کی جگہ اور لکڑیوں کی طرح لکڑی ہے' جب سونا کان سے باہر نکلتا ہے تو اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے اور جب عود اپنا ملک چھوڑ کر جاتا ہے تو وہ بیش بہا ہو جاتا ہے۔"

جب وہ یہ اشعار پڑھ چکا تو اس نے اپنے ایک غلام کو حکم دیا کہ نوبی خچر پر زردوزی کی زین کسے۔ وہ خچر چتکبرا تھا اور بلند بالا مثل گنبد کے جو ستونوں کے اوپر بنایا گیا ہو۔ زین سونے کی تھی اور رکابیں فولاد کی اور اس کے اوپر ایک شاہانہ جھول پڑی ہوئی تھی اور وہ خچر مثل نئی دلہن کے معلوم ہوتا تھا۔ اس نے غلام کو حکم دیا کہ خچر پر ریشمی قالین اور مصلٰی رکھے اور خرجی کو مصلے کے نیچے رکھ لیا اور نوکروں چاکروں سے کہنے لگا کہ میں چاہتا ہوں کہ ذرا شہر کے باہر سیرو تفریح کروں اور قلیوبیہ کے گرد و نواح میں جاؤں اور تین دن وہاں گزاروں۔ کوئی میرے پیچھے نہ آئے کیونکہ میرا دل گھبراتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ فوراً خچر پر سوار ہو گیا اور اپنے ساتھ تھوڑا سا کھانے پینے کا سامان رکھ لیا اور شہر سے نکل کر جنگل کی راہ لی۔ ابھی ظہر کا وقت نہ ہوا تھا کہ وہ بلبیس شہر میں داخل ہوا۔ وہاں وہ خچر پر سے اتر پڑا اور سستایا اور خچر کو سستانے دیا اور کچھ کھانا نکال کر کھایا اور کچھ کھانا اور کچھ چارا بلبیس سے لے کر خچر پر لادا اور چل کھڑا ہوا۔ ابھی رات نہ ہونے پائی تھی کہ اس کا گزر ایک شہر میں ہوا' جس کا نام سعدیہ تھا۔ وہاں اس نے رات گزاری اور کچھ کھانا نکال کر کھایا اور قالین بچھا کر خرجی اپنے سر کے نیچے رکھ کر وہیں باہر سو گیا اور وہ غصے کے مارے بے چین تھا۔ اس نے رات اس جگہ گزاری اور جب سویرا ہوا تو وہ خچر پر سوار ہو کر چل دیا اور حلب پہنچا اور ایک کارواں سرائے میں اتر کر تین دن آرام کیا اور خچر کو آرام دیا اور ہوا کھائی۔ اس کے بعد اس نے پھر سفر کی ٹھان لی اور اپنے خچر پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا اور اسے معلوم نہ تھا کہ کہاں جا رہا ہے۔ چلتے چلتے وہ بصرے

پہنچا اور جب تک وہ سرائے میں داخل نہ ہوا' اس کو معلوم نہ تھا کہ یہ شہر بصرہ ہے۔ وہاں اس نے خرجی خچر پر سے اتاری اور مصلیٰ بچھایا اور خچر کو مع چار جامے کے دربان کے حوالے کیا کہ اسے پھرا لائے۔ دربان اسے پھرانے لے گیا۔ اب یہ اتفاق پیش آیا کہ بصرے کا وزیر اپنے محل کی کھڑکی میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کی نظر خچر اور اس کے قیمتی چار جامے پر پڑی اور اسے خیال ہوا کہ یہ شاہانہ جلوس کا خچر ہے اور وزیروں بلکہ خود بادشاہوں کی سواری کا ہے۔ وہ اس سوچ میں پڑ گیا اور اس کی عقل دنگ رہ گئی۔ اس نے ایک نوکر کو حکم دیا کہ اس دربان کو لے آئے۔ نوکر گیا اور دربان کو لے کر وزیر کی خدمت میں پیش کیا۔ دربان نے آگے بڑھ کر زمین کو بوسہ دیا۔ وزیر نے جو بہت بوڑھا تھا۔ دربان سے کہا کہ اس خچر کا مالک کون ہے اور اس کا حلیہ کیا ہے؟ دربان نے جواب دیا کہ اے سردار' اس خچر کا مالک ایک کمسن جوان ہے۔ خوش سیرت اور اس کے چہرے سے ہیبت اور وقار ٹپکتا ہے اور وہ سوداگر زادہ ہے۔

جب وزیر نے دربان کی باتیں سنیں تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور سوار ہو کر سرائے گیا اور جوان سے ملا۔ جب نورالدین نے دیکھا کہ وزیر اس کے پاس آیا ہے تو وہ سروقد کھڑا ہو گیا اور آگے بڑھ کر اس کو سلام کیا۔ وزیر نے اسے مرحبا کہا اور گھوڑے سے اتر کر اسے سینے سے لگا لیا اور اپنے پاس بٹھا کر اس سے پوچھا کہ بیٹا' تو کہاں سے آیا ہے اور کیا چاہتا ہے؟ نورالدین نے جواب دیا کہ اے میرے آقا! میں مصر سے آیا ہوں اور وہاں کے وزیر کا بیٹا ہوں اور میرے باپ کا انتقال ہو چکا ہے اور پھر اس نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا اور کہنے لگا کہ میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ جب تک تمام شہروں اور ملکوں کی سیر نہ کر لوں' گھر واپس نہ جاؤں گا۔ جب وزیر نے یہ سنا تو اس نے کہا کہ بیٹا' اپنی خواہش کی پیروی مت کر ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا کیونکہ اکثر ملک غیر آباد ہیں اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تو مصیبت میں نہ پھنس جائے یہ کہہ کر اس نے اس کی خرجی کو خچر پر رکھا اور قالین اور مصلیٰ ساتھ لیا اور نورالدین کو اپنے ساتھ گھر لے گیا اور اس کو نفیس مکان میں

اتارا اور اس کے ساتھ اکرام و احسان کیا اور بے حد محبت کا اظہار کیا اور کہنے لگا کہ بیٹا' میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرے کوئی بیٹا نہیں' مگر خدا نے مجھے ایک بیٹی عطا کی ہے جو حسن میں تجھ سے کم نہیں۔ میں نے اس کے بہت سے شادی کے پیغام رد کر دیئے ہیں مگر تیری محبت میرے دل میں جاگزین ہو گئی ہے۔ اس لیے اگر تو میری بیٹی کو اپنی خدمت کے لیے قبول کر لے اور اس کا شوہر ہونا پسند کرے تو میں بصرے کے سلطان کے پاس تجھے لے چلوں گا اور کہوں گا کہ تو میرا بھتیجا ہے اور تجھے اپنی جگہ وزیر بنوا دوں گا اور خود گھر بیٹھوں گا کیونکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔

جب نورالدین نے بصرے کے وزیر کی باتیں سنیں تو اس نے اپنا سر نیچا کر لیا اور کہا کہ بسرو چشم۔ وزیر خوش ہو گیا اور نوکروں سے کہا کہ اس کے لیے کھانا لائیں اور بیٹھک کا بڑا کمرہ جس میں بڑے لوگوں کی شادیاں رچائی جاتی ہیں' آراستہ کریں' اس کے بعد اس نے اپنے دوستوں اور حکومت کے بڑے لوگوں اور بصرے کے تاجروں کو بلایا اور وہ اس کے پاس آئے اور اس نے ان سے کہا کہ میرا ایک بھائی مصر میں وزیر تھا اور خدا نے اسے دو بیٹے عطا کئے تھے اور جیسا کہ تم جانتے ہو' خدا نے مجھے ایک بیٹی عطا کی ہے' میرے بھائی نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی اس کے ایک بیٹے سے کر دوں اور میں نے اسے مان لیا تھا۔ جب دونوں شادی کی عمر کو پہنچے تو اس نے اپنے ایک بیٹے کو میرے پاس بھیجا ہے اور وہ یہی جوان ہے جو یہاں موجود ہے۔ اب چونکہ وہ یہاں آیا ہوا ہے' میں چاہتا ہوں کہ اس کا نکاح اپنی بیٹی سے کر دوں اور وہ اس کے ساتھ عروسی کی رات میرے یہاں گزارے۔ غیر شخص سے شادی کرنے سے یہ اچھا ہے' اس کے بعد اگر وہ چاہے تو میرے یہاں ٹھہرے اور چاہے تو میں اس کا انتظام کر دوں گا کہ وہ مع اپنی بیوی کے اپنے باپ کے پاس چلا جائے۔

سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ تیری رائے خوب ہے۔ جب انہوں نے جوان کو دیکھا تو وہ انہیں بہت پسند آیا۔ اب وزیر نے گواہوں اور قاضیوں کو بلوایا اور انہوں نے نکاح نامہ مرتب کیا۔ پھر سب کے عطر لگایا گیا اور سب نے شربت پیا' اور ان پر

گلاب چھڑکا گیا اور وہ اپنے اپنے گھر واپس گئے اور اب وزیر نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ نوالدین کو حمام میں لے جائیں اور وزیر نے اپنی خاص پوشاکوں میں سے اس کو ایک پوشاک عطا کی اور اس کے لیے تولئے اور پیالے اور خوشبو کی انگیٹھیاں وغیرہ بھیجیں۔ جب وہ باہر نکلا اور کپڑے بدلے تو وہ چودھویں رات کے چاند کی مانند تھا۔ حمام سے نکل کر وہ اپنے خچر پر سوار ہوا اور وزیر کے محل میں گیا۔ محل میں پہنچ کر وہ خچر سے اترا اور وزیر کے پاس گیا اور اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور وزیر نے اسے مرحبا کہا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی' جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• اکیسویں رات

جب اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- وزیر اس کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور مرحبا کہا اور کہنے لگا کہ اٹھ' آج رات اپنی بیوی کے ساتھ سو۔ کل میں تیرے ساتھ بادشاہ کے پاس چلوں گا اور خدا سے تیرے لیے بھلائی کی دعا کروں گا۔ نورالدین اٹھا اور اپنی بیوی کے پاس گیا جو وزیر کی بیٹی تھی۔

یہ تو نورالدین کا قصہ ہوا۔ اب اس کے بھائی کا ماجرا سنیئے۔ وہ ایک مدت تک سلطان کے ساتھ سفر میں رہا اور جب لوٹا تو اپنے بھائی کو نہ پایا۔ اس نے نوکروں سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ جس روز تو سلطان کی ہمراہی میں روانہ ہوا ہے' اسی روز اس نے اپنے خچر پر جلوسانہ چار جامہ چڑھایا اور سوار ہو کر چلا گیا اور کہنے لگا کہ میں ایک یا دو روز کے لیے قیلوبیہ کی طرف جاتا ہوں کیونکہ میرا دل گھبرا رہا ہے اور کوئی میرے پیچھے نہ آئے۔ مگر جس روز سے وہ گیا ہے' آج تک اس کی کوئی خبر نہیں آئی۔

شمس الدین اپنے بھائی کے فراق میں بہت پریشان تھا اور اسے اس کے چلے جانے کا بے حد غم ہوا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ میں نے اسے اس رات جھڑکا تھا۔ یہ اس کے دل پر گراں گزرا اور وہ چلا گیا۔ مجھے چاہیے کہ اس کی تلاش میں لوگوں کو روانہ کروں۔ اس نے سلطان کو اس واقعے سے مطلع کیا اور ہر صوبے میں خطوط روانہ کیئے اور ہر جگہ نوجوانوں کے پاس ڈاک بھیجی مگر نورالدین بیس دن میں ملک سے غائب ہو کر دور دراز ممالک طے کر رہا تھا۔ انہوں نے بہت تلاش کی لیکن کہیں اس کی خبر نہ ملی اور وہ واپس آ گئے۔ اب شمس الدین اپنے بھائی کی طرف سے ناامید ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں نے بچوں کی شادی کے متعلق اپنے بھائی سے سخت کلامی کی۔ لوگ ایسی حرکت کم کرتے ہیں' اور میں نے جو کچھ کیا وہ عقل کی کمی اور ناسمجھی کی وجہ سے تھا۔ تھوڑے دنوں کے بعد اس نے مصر کے ایک

سوداگر کی بیٹی سے شادی کی اور نکاح نامہ لکھ کر دیا اور اس کے ساتھ ہم بستر ہوا۔
یہ اتفاق تھا کہ جس رات شمس الدین اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا' اسی رات نورالدین بھی اپنی بیوی سے جو بصرے کے وزیر کی بیٹی تھی' ہم بستر ہوا اور خدا یوں ہی چاہتا تھا کہ وہ اپنا حکم اپنے بندوں پر نافذ کرے اور جیسا کہ ان دونوں نے کہا تھا' دونوں عورتیں حاملہ ہو گئیں اور شمس الدین مصر کی وزیر کی بیوی کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی' جس کا جواب سارے مصر میں نہ تھا اور نورالدین کی بیوی کے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ساری دنیا میں یکتا تھا اور اس نے اس کا نام بدالدین حسن رکھا' اور اس کا نانا جو بصرے کا وزیر تھا' خوشی کے مارے پھولا نہ سمایا اور لوگوں کو دعوتیں دیں اور ایسے ایسے کھانے کھلائے جو شہزادوں کو کھلائے جاتے تھے۔
اب وزیر نورالدین کو لے کر بادشاہ کے پاس گیا۔ جب نورالدین بادشاہ کے سامنے پہنچا تو اس نے زمین کو بوسہ دیا اور زبان کا فصیح اور دل کا مضبوط اور حسین اور خوش اطوار تو تھا ہی۔ اس نے یہ شعر پڑھے:
"اے میرے سرتاج' خدا کی عنایتیں تیرے اوپر ہمیشہ رہیں اور جب تک روشنی اور تاریکی دنیا میں قائم رہیں' تو بھی زندہ رہیو۔ جب کبھی تیری ہمت و مردانگی کا ذکر ہوتا ہے تو زمانہ ناچنے لگتا اور عالم تالیاں بجانے لگتا ہے۔"
بادشاہ ان دونوں کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور نوالدین کے الفاظ کا شکریہ ادا کیا اور وزیر سے پوچھا کہ یہ کون جوان ہے؟ وزیر نے اس کا سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا اور کہا کہ یہ میرا برادر زادہ ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تیرا برادر زادہ کہاں سے آیا کیونکہ ہم نے کبھی اس کے متعلق نہیں سنا! اس نے جواب دیا کہ اے میرے سرتاج بادشاہ' میرا ایک بھائی تھا جو مصر میں وزیر تھا' اس کا انتقال ہو گیا ہے اور اس کے دو بیٹے ہیں۔ بڑا بیٹا تو باپ کی بجائے وزیر ہو گیا ہے۔ اور یہ چھوٹا بیٹا میرے پاس آیا ہے۔ میں نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیٹی کی شادی سوائے

اس کے کسے کے ساتھ نہ کروں گا اور جب وہ آیا تو میں نے اس کی شادی اس کے ساتھ کر دی۔ وہ جوان ہے اور میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری سماعت میں کمی آ گئی ہے اور میری سیاست کمزور ہو گئی ہے۔ اب میری درخواست اپنے سرتاج بادشاہ سے یہ ہے کہ میرا عہدہ اسے دے دیا جائے کیونکہ وہ میرا برادر زادہ اور داماد ہے اور وزارت کا مستحق۔ وہ عقلمند ہے اور سیاست داں۔ بادشاہ نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور وہ اسے پسند آیا اور جو عہدہ وزیر اس کے لیے چاہتا تھا وہ عطا کیا اور وزارت اس کے سپرد کر دی اور حکم دیا کہ اسے ایک عالیشان خلعت عطا کی جائے اور اپنے خاص خچروں میں سے ایک خچر دیا اور اس کے لیے روزینہ اور مشاہرہ مقرر کر دیا۔ نورالدین نے بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنے سسر کے ساتھ گھر روانہ ہو گیا اور وہ دونوں بہت خوش تھے اور کہتے تھے کہ یہ سب بچے حسن کی برکت ہے۔

دوسرے روز نورالدین بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زمین کو بوسہ دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ وہ وزارت کی کرسی پر بیٹھے اور وہ بیٹھ گیا اور اپنی خدمت انجام دینے لگا اور وزیروں کے دستور کے موافق لوگوں کے کاروبار اور انہیں حکم دینے میں مشغول ہوا۔ سلطان اسے دیکھتا تھا اور اس کے احکام اور عقل اور تدبیر اور دور بینی پر متعجب ہوتا تھا۔ بادشاہ کو اس سے محبت ہو گئی اور اس نے اسے اپنا مقرب بنا لیا۔ جب دربار برخاست ہوا تو نورالدین گھر گیا اور اپنے سسر سے سارا ماجرا بیان کیا اور وہ پر بہت خوش ہوا۔ نورالدین برابر وزارت کے عہدے پر مامور رہا یہاں تک کہ وہ دن رات میں کبھی سلطان سے جدا نہ ہوتا تھا اور بادشاہ نے اس کے روزینے اور مشاہرے میں اضافہ کر دیا یہاں تک کہ اس کی حالت بہت اچھی ہو گئی اور اس کی ملکیت میں بہت سی کشتیاں ہو گئیں جو تجارت کا مال لے کر ادھر ادھر جاتی تھیں اور بہت سے مفید اور کالے غلام اور دولاب اور باغ اور اس نے بہت سے گاؤں آباد کیے۔ جب اس کے بیٹے حسن کی عمر چار سال کی ہوئی تو بڑے وزیر کا انتقال ہو گیا جو نورالدین کا سسر تھا اور اس نے اس کی تجہیز و تکفین میں بہت کچھ خرچ کر کے اسے دفن کیا۔

اب نورالدین نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ کی اور جب وہ سات کا ہوا تو اسے گھر پر پڑھانے کے لیے ایک فقیہہ مقرر کیا اور اس سے کہا کہ علم و ادب اور اچھی تربیت سکھائے۔ اس نے اسے پڑھایا اور چند سال کی مدت میں اسے مختلف علوم اور قرآن حفظ کرایا' اور حسن روز بروز خوبصورتی اور قد و قامت اور اعتدال میں بڑھتا جاتا تھا۔ فقیہہ اسے اس کے باپ کے محل میں پڑھانے آتا تھا اور جب سے وہ بڑا ہوا تھا' کبھی وزارت کے محل سے باہر نہ گیا تھا۔ ایک روز وزیر نورالدین نے اسے عمدہ کپڑے پہنائے اور اپنے بہترین خچر پر سوار کر کے اسے سلطان کے پاس لے گیا۔

جب وہ داخل ہوا تو بادشاہ نے وزیر نورالدین کے بیٹے بدر الدین حسن کو دیکھا اور وہ اسے پسند آیا اور اس سے محبت کرنے لگا اور رعایا کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اسے پہلی بار اس روز دیکھا جب کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ بادشاہ کے پاس گیا اور انہیں اس کے حسن کا علم ہوا اور وہ راہ میں کھڑے رہے کہ واپسی پر اسے دیکھیں اور اس کے حسن و جمال اور قد اور اعتدال کو دیکھ کر خوش ہوں۔ جب سلطان نے اسے دیکھا تو اسے انعام دیا اور اس سے محبت کرنے لگا اور اس کے باپ سے کہا کہ اے وزیر تو اسے ہر وقت اپنے ساتھ لایا کیجیو۔

اس نے کہا کہ بسرو چشم اور اپنے بیٹے کو لے کر گھر گیا۔ وہ اسے ہر روز بادشاہ کے پاس لے جاتا تھا' یہاں تک کہ وہ پندرہ سال کا ہو گیا اور اس کا باپ وزیر نورالدین ضعیف ہو گیا۔ اس نے اپنے بیٹے کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ بیٹا' تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا فنا ہونے والی ہے اور آخرت ہمیشگی کا گھر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تجھے چند وصیتیں کر دوں' اس لیے جو کچھ میں کہتا ہوں' اسے سمجھ اور اپنے ذہن کو اس کی طرف مائل کر۔ اس نے یہ وصیت کی کہ لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور تدبیر سے کام کرنا چاہیے۔

اب نورالدین اپنے بھائی اور وطن اور ملک کو یاد کر کے رونے لگا اور احباب کی جدائی اس پر گراں گزر رہی تھی اور وہ اپنے آنسو پونچھتا جاتا تھا۔ جب رونا بند ہوا تو وہ اپنے

بیٹے کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ وصیت سے پہلے میں تجھ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تیرا ایک چچا ہے' جو مصر میں وزیر ہے۔ میں اسے چھوڑ کر اور بغیر اس کی مرضی کے چلا آیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تو کاغذ لے اور جو کچھ میں کہوں' لکھتا جا۔ بدر الدین حسن نے کاغذ کا ایک ورق لیا اور جو کچھ اس کا باپ کہتا جاتا تھا' وہ لکھتا جاتا تھا۔ پہلے باپ نے سارا ماجرا شروع سے آخر تک لکھوایا اور اپنی شادی اور وزیر کی بیٹی کے ساتھ مجامعت کی تاریخ لکھوائی اور وہ تاریخ جب کہ وہ بصرے پہنچا اور وزیر سے ملا تھا۔ پھر یہ کہ اب جھگڑا ہوئے چالیس سال سے زیادہ ہو گئے ہیں اور یہ ہے میرا خط بھائی کے نام اور میں اپنے بعد اسے خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اب اس نے خط کو بند کر کے مہر لگا دی اور کہنے لگا کہ بیٹا حسن' میری وصیت یاد رکھیو اور اس رقعے کے اندر تیرا شجرہ اور حسب نسب درج ہے۔ اگر تجھے کوئی مصیبت پیش آئے تو مصر جا کر اور اپنے چچا کا پتہ پوچھ کر اس کے پاس جائیو اور اس سے کہیو کہ میں پردیس میں بے اسے دیکھے مر گیا ہوں۔

بدر الدین حسن نے رقعہ لے کر لپیٹا اور قمیض اور عبا کے درمیان سی لیا اور اس کے اوپر ٹپکا باندھ لیا اور اپنے باپ اور اس کی جدائی پر گریہ و زاری کرنے لگا حالانکہ وہ ابھی کمسن تھا۔ نورالدین نے کہا کہ میں تجھے پانچ چیزوں کی وصیت کرتا ہوں:

اول یہ کہ کسی سے زیادہ میل جول مت رکھیو اور مخالفت اور مباشرت زیادہ نہ کیجنو تاکہ تو اس کے شر سے محفوظ رہے کیونکہ سلامتی گوشہ نشینی میں ہے۔

دوم یہ کہ کسی پر ظلم نہ کیجیو ورنہ زمانہ تیرے اوپر ظلم کرے گا کیونکہ زمانہ ایک روز تیرے موافق ہو گا اور ایک روز مخالف۔ دنیا ایک قرضہ ہے جو ادا کرنا پڑے گا۔

سوم خاموشی اختیار کیجیو اور دوسروں کے عیب چھوڑ کر اپنے عیبوں کو دیکھیو۔ مثل ہے کہ جس نے خاموشی اختیار کی' وہ آفتوں سے بچ گیا۔

چہارم اے بیٹا' شراب پینے سے دور رہیو کیونکہ شراب سارے فتنوں کی جڑ ہے اور وہ عقل کو زائل کر دیتی ہے۔ خدا بچائے شراب پینے سے۔

پنجم اے بیٹا' اپنے مال کو بچائیو تا کہ وہ تجھے بچائے' اپنے مال کی حفاظت کیجیو تا کہ وہ تیری حفاظت کرے۔ اسراف نہ کیجیو ورنہ ذلیل لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑے گا۔ درہم کی حفاظت کیجیو کیونکہ وہ مرہم ہے۔

نورالدین یہ وصیت کر ہی رہا تھا کہ اس کی جان نکل گئی اور گھر میں رونا پیٹنا مچ گیا اور سلطان اور سارے امراء غمزدہ ہو گئے اور اس کو دفن کیا۔ بدر الدین اپنے باپ کے سوگ میں دو مہینے تک رہا حتیٰ کہ وہ نہ سوار ہوا اور نہ دفتر گیا اور نہ سلطان سے ملا۔ سلطان کو اس بات پر بڑا غصہ آیا اور ایک حاجب کو اس کی جگہ مقرر کر کے وزیر بنا دیا اور اسے حکم دیا کہ نورالدین کے مکانات اور مال اور عمارتوں اور املاک پر مہر لگا دے۔ وزیر روانہ ہوا کہ ان پر مہر لگا دے اور بدر الدین حسن کو گرفتار کر کے سلطان کے سامنے لے جائے تا کہ وہ اپنی رائے کے مطابق کارروائی کرے۔ فوج میں مرحوم وزیر کا ایک غلام تھا۔ جب اس نے یہ سنا تو وہ گھوڑا دوڑا کر بدر الدین حسن کے پاس آیا اور دیکھا کہ وہ سر جھکائے اور غمگین اور شکستہ دل گھر کے دروازے پر بیٹھا ہوا ہے۔ غلام نے گھوڑے سے اتر کر اس کا ہاتھ چوما اور کہا کہا اے میرے سردار اور سردار کے بیٹے بھاگ' موت آ پہنچی ہے۔ حسن کانپ اٹھا اور کہنے لگا کہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ سلطان برہم ہو گیا ہے اور اس نے تیرا محاصرہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ بلا تیرے سر پر آ پہنچی ہے' اپنی جان لے کر بھاگ۔ اس نے کہا کہ میرے پاس اتنا وقت ہے کہ میں اندر جا کر کچھ دنیوی چیزیں لے لوں' جس سے مجھے پردیس میں مدد ملے؟ غلام نے جواب دیا کہ اے میرے سرتاج' فوراً یہاں سے چل دے اور گھر کا نام نہ لے۔

جب اس نے غلام کی باتیں سنیں تو اپنا دامن سر پر ڈال کر چل دیا۔ یہاں تک کہ شہر کے باہر پہنچا۔ یہاں اس نے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ سلطان نے نئے وزیر کو مرحوم وزیر کے گھر بھیجا ہے کہ وہ اس کے مال اور مکانوں پر مہر لگا دے اور اس کے بیٹے بدر الدین حسن کو گرفتار کر کے سلطان کے پاس لے جائے تا کہ وہ اسے جان سے مار

دے۔ لوگ اس کے حسن و جمال پر افسوس کر رہے تھے۔ جب اس نے لوگوں کی باتیں سنیں تو وہ سر اٹھا کر ایک طرف چل دیا اور اسے معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں جاتا ہے۔ وہ برابر چلتا جا رہا تھا یہاں تک کہ قسمت اسے اس کے باپ کی قبر پر لے گئی۔ مقبرے میں داخل ہو کر قبروں میں گھستا پلٹتا وہ اپنے باپ کی قبر پر جا بیٹھا اور اپنی عبا کے دامن سے اپنا سر ڈھانپ لیا اور دیکھا کہ اس پر سنہرے الفاظ میں یہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔

"اے وہ شخص' جس کا ستارہ اور شبنم کی طرح چمکدار ہے' جان کہ نہ تیرے عزت و آبرو ہمیشہ رہے گی اور نہ تیری بزرگی۔"

ابھی وہ اپنے باپ کی قبر پر بیٹھا ہی ہوا تھا کہ ایک یہودی اس کے پاس پہنچا جو صراف معلوم ہوتا تھا کیونکہ اس کے پاس ایک تھیلی میں بہت سا سونا تھا۔ یہ یہودی حسن بصری کی طرف بڑھا اور اس سے کہنے لگا کہ اے آقا' خیر تو ہے' تیرا رنگ کیوں فق ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں ابھی گھر میں سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا باپ مجھ سے کسی بات پر ناخوش ہے کہ میں اسے دیکھنے نہیں آتا۔ ڈر کے مارے میں جاگ اٹھا کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دن ختم ہو جائے اور میں اس کی زیارت نہ کر سکوں اور مجھے اس سے تکلیف پہنچے۔ یہودی نے اس سے کہا کہ اے آقا' تیرے باپ نے چند کشتیاں تجارت کے لیے روانہ کی تھیں اور بعض ان میں سے واپس آ گئی ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ ان ایک ہزار دینار سونے کے عوض اس کشتی کا مال خریدوں جو سب سے پہلے آئی ہے۔ یہ کہہ کر یہودی نے ایک تھیلی نکالی' جس میں سونا بھرا ہوا تھا اور اس میں سے ایک ہزار دینار گن کر وزیر زادے کو دیئے اور کہا کہ مجھے ان کی رسید لکھ کر اپنی مہر لگا دے۔

وزیر زادے نے ایک ورق کاغذ لے کر یہ لکھ دیا! اس کا لکھنے والا وزیر زادہ حسن ہے اور اس نے ایک ہزار دینار کے عوض اپنے باپ کی پہلی کشتی کا کل سامان یہودی اسحٰق کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے۔ اب اس نے جلدی سے دینار اٹھا لیے اور یہودی نے وہ ورق

لے لیا۔ حسن اپنی گزشتہ عزت یاد کر کے رونے لگا اور یہاں تک رویا کہ رات ہو گئی اور وہ اپنے باپ کی قبر کا تکیہ لگا کر لیٹ گیا اور اسے نیند آ گئی اور اس کی آنکھ اس وقت تک نہ کھلی جب تک کہ چاند نہ نکلا اور اس کا سر قبر پر سے پھسل پڑا اور وہ پیٹھ کے بل سونے لگا اور اس کا چہرہ چاندنی میں چمکنے لگا۔

اس مقبرے میں مسلمان جن رہتے تھے۔ ان میں سے ایک جنیہ نے حسن کو سوتے دیکھا اور اس کے حسن و جمال پر حیران ہوئی اور وہ کہنے لگی کہ سبحان اللہ' یہ تو جنت کے لڑکوں میں سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنی عادت کے موافق ہوا میں اڑ گئی اور اس نے وہاں ایک اور جن کو اڑتا ہوا دیکھا' جن نے اسے سلام کیا اور اس نے جن سے پوچھا کہ تو کہاں سے آ رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہیں سے۔ جنیہ نے کہا کہ اگر تو میرے ساتھ چلے تو میں تجھے ایک حسین جوان دکھاؤں جو یہاں مقبرے میں سو رہا ہے۔ اس نے کہا کہ بہت خوب۔ وہ اڑ کر قبر پر اترے اور جنیہ نے کہا کہ کیا تو نے اس کی طرح کسی کو دیکھا ہے؟ جن نے اس کو دیکھ کر کہا کہ پاک ہے محض وہ ذات جس کی شبیہہ کہیں نہیں! لیکن اے بہن' اگر تو اجازت دے تو میں بیان کروں کہ میں نے کیا دیکھا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس جوان کا سا حسین مصر کے ملک میں دیکھا ہے اور وہ وزیر شمس کی بیٹی ہے اور اس کی عمر تقریباً بیس سال کی ہے اور وہ حسن و جمال اور خوبی و کمال اور قد و اعتدال میں لاجواب ہے۔ جب وہ اس عمر کو پہنچی تو مصر کے سلطان نے اس کا شہرہ سنا۔ اس کے باپ کو جو وزیر ہے بلا کر کہا کہ اے وزیر' میں نے سنا ہے کہ تیری ایک بیٹی ہے' میں اس سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ وزیر نے کہا کہا اے میرے سرتاج سلطان' میرا عذر قبول کر اور میرے آنسوؤں کی لاج رکھ لے۔ تجھے معلوم ہے کہ میرا بھائی نورالدین جو وزارت میں میرا شریک تھا' یہاں سے چلا گیا ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ کہاں گیا۔ اور وہ ناراض ہو کر چلا گیا ہے کیونکہ ہم دونوں ایک روز شادی اور اولاد کا ذکر کر رہے تھے' اور اسی پر وہ ناراض ہو گیا۔ تقریباً اٹھارہ سال ہوئے

جبکہ وہ لڑکی پیدا ہوئی تھی، میں نے قسم کھائی تھی کہ سوائے اپنے برادر زادے کے اس بیٹی کی شادی کسی اور سے نہ کروں گا۔ تھوڑے دن ہوئے کہ میں نے سنا ہے کہ میرے بھائی نے بصرے کے وزیر کی بیٹی سے شادی کی ہے اور اس کا ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اپنے بھائی کی خاطر میں اپنی بیٹی کی شادی اس کے سوا کسی اور سے نہ کروں گا۔ میں نے اپنی شادی اور حمل اور اس لڑکی کی پیدائش کی تاریخیں لکھ رکھی ہیں اور اسے اپنے برادر زادے سے منسوب کر رکھا ہے۔ ہمارے آقا سلطان کے لیے بہت سی لڑکیاں ہیں۔

جب سلطان نے وزیر کی باتیں سنیں تو وہ طیش میں آ گیا اور کہنے لگا کہ اگر مجھ جیسا تجھ جیسے کی بیٹی سے شادی کرے تو یہ تجھ پر احسان کرتا ہے اور تو ہے کہ ست حجتیں پیش کرتا ہے۔ میں اپنے سر کی قسم کھاتا ہوں کہ میں تیرا غرور توڑنے کے لیے اس کی شادی اپنے ایک کمترین نوکر سے کروں گا۔ بادشاہ کا ایک سائیس تھا جو آگے سے بھی کبڑا تھا اور پیچھے سے بھی۔ بادشاہ نے اسے بلا کر اس کا نکاح نامہ زبردستی وزیر کی بیٹی کے ساتھ لکھ دیا اور حکم دیا ہے کہ وہ آج ہی رات داخل ہو کر اس سے ہم بستری کرے۔ میں اسے اس حالت میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ سلطان کے غلام حمام کے دروازے پر اس کے اردگرد بیٹھے موم بتیاں جلا رہے اور اس کا مذاق اڑا رہے ہیں اور وزیر کی لڑکی دائیوں اور سنگھار کرنے والیوں کے درمیان بیٹھی رو رہی ہے۔ وہ لڑکی اس جوان سے بے حد مشابہ ہے اور اس کے باپ کو حکم ملا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کے پاس نہ جائے۔ اے بہن میں نے اس کبڑے سے زیادہ ڈراؤنی شکل کا انسان نہیں دیکھا اور وہ لڑکی اس جوان سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• بائیسویں رات

جب بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جب جن نے جنیہ سے بیان کیا کہ بادشاہ نے اس کی لڑکی کا نکاح کبڑے سائیس سے کر دیا ہے اور وہ بہت غمگین ہے اور سوائے اس جوان کے کوئی دوسرا حسن میں اس کے مشابہ نہیں تو جنیہ نے کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے کیونکہ یہ جوان دنیا بھر میں زیادہ خوبصورت ہے' جن نے اس کی تردید کی اور کہا کہ اے بہن' خدا کی قسم' لڑکی اس سے زیادہ خوبصورت ہے لیکن سوائے اس کے اور کوئی اس کے قابل نہیں کیونکہ وہ ایک دوسرے سے مشابہ ہیں اور سگے! چچیرے بھائی بہن معلوم ہوتے ہیں۔ افسوس کہ یہ کبڑا اس کے پالے پڑا ہے۔ جنیہ نے کہا کہ بھائی' چل ہم اس کے نیچے داخل ہو جائیں اور اسے اٹھا کر لڑکی کے پاس لے چلیں' جس کا تو ذکر کرتا ہے اور دیکھیں کہ دونوں میں کون زیادہ خوبصورت ہے۔ جن نے کہا کہ بسر و چشم۔ یہ تو نے ٹھیک کہا اور تیری رائے اس وقت بہترین ہے۔ میں ابھی اسے اٹھائے لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اسے اٹھا لایا اور ہوا میں اڑنے لگا اور جنیہ اس کے ساتھ ہو لی۔ یہاں تک کہ وہ جن اسے لے کر مصر شہر میں اترا اور اسے ایک اڈے پر بٹھا کر جگا دیا۔ جب وہ نیند سے جاگا تو اس نے دیکھا کہ میں بصرے میں اپنے باپ کی قبر پر نہیں ہوں۔ اس نے دہنے بائیں دیکھا اور اپنے آپ کو بصرے کے علاوہ کسی اور جگہ پایا اور قریب تھا کہ وہ چلائے کہ اتنے میں جن نے اسے ایک مکا مارا۔ جن اس کے لیے عمدہ لباس لایا تھا جو اس نے اس کو پہنایا اور ایک موم بتی روشن کی اور اس سے کہنے لگا کہ میں تجھے لایا ہوں اور میں تیرے ساتھ فی سبیل اللہ ایک کام کرنے والا ہوں۔ اس موم بتی کو اپنے ہاتھ میں لے اور اپنے سامنے والے حمام کی طرف جا اور لوگوں میں شریک ہو جا' اور ان کا ساتھ نہ چھوڑیو جبکہ تو دلہن کے کمرے کے

پاس نہ پہنچ جائیو۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر کمرے میں داخل ہو جائیو اور کسی سے نہ ڈریو۔ داخل ہوتے ہی کبڑے دولہے کی دہنی طرف ٹھہر جائیو اور سنگھار کرنے والیوں اور ڈومنیوں اور دائیوں میں سے جو جو تیرے پاس آتی جائیں ان کے لیے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالیو' جو سونے سے بھری ہو گی' اسے جلدی سے نکال کر ان کی طرف پھینک دیجیو اور کچھ فکر مت کیجیو کیونکہ جتنی بار تو جیب میں ہاتھ ڈالے گا' اسے سونے سے بھرا پائے گا۔ جو کوئی تیرے پاس آئے' اسے چنگل بھر بھر اشرفیاں دیجیو اور کسی چیز سے نہ ڈریو اور اپنے پیدا کرنے والے پر بھروسہ کیجیو کیونکہ یہ تیری طاقت سے نہیں بلکہ خدا کے حکم سے ہو گا۔

جب بدر الدین حسن نے جن کی یہ باتیں سنیں تو وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ آخر یہ لڑکی کون ہے اور اس بھلائی کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے! اب وہ آگے بڑھا اور موم بتی جلا کر حمام کے پاس آیا تو دیکھا کہ کبڑا گھوڑے پر سوار ہے۔ بدر الدین حسن لوگوں کے درمیان داخل ہو گیا۔ وہ نہایت آن بان کے ساتھ اور خوبصورت تھا اور وہ کلاہ پہنے ہوئے تھے اور اس پر پگڑی بندھی ہوئی تھی اور اس کی قبا سنہرے تاروں سے بنی ہوئی تھی اور وہ اکڑتا ہوا چلا جاتا تھا اور جب کبھی ڈومنیاں یا اور لوگ اس کے پاس آتے تو وہ اپنا ہاتھ جیب میں ڈالتا اور اسے اشرفیوں سے بھرا ہوا پاتا اور جلدی سے نکال کر انہیں ڈومنی کی ڈھپلی میں ڈال دیتا یہاں تک کہ اس نے ڈھپلی کو سونے سے بھر دیا۔ ڈومنیوں کی عقل دنگ رہ گئی اور لوگوں کو اس کے حسن و جمال پر اچنبھا ہوتا تھا۔ اسی طرح وہ وزیر کے گھر تک گئے۔ اب حاجیوں نے غیر لوگوں کو اندر آنے سے روکا اور ان سے کہا کہ وہ واپس چلے جائیں لیکن ڈومنیوں نے کہا کہ جب تک یہ نوجوان ہمارے ساتھ اندر نہ آئے گا' ہم بھی داخل نہیں ہونے کے' کیونکہ اس نے ہمیں انعام دے کر ہماری جھولیاں بھر دی ہیں' اور ہم دلہن کی منہ دکھائی نہ کریں گے جب تک وہ موجود نہ ہو گا۔ الغرض وہ اسے لے کر شادی کے کمرے میں گئیں اور اسے کبڑے دولہے کی آنکھوں کے سامنے بٹھایا۔ امرا اور وزرا اور حاجیوں کی بیویاں

دو رویہ صف باندھے کھڑی تھیں اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک بڑی موم بتی جل رہی تھی اور ہر ایک کے چہرے پر ایک ہلکی سی نقاب تھی اور وہ دلہن کے بیٹھک سے لے کر محل کے صدر تک جو دلہن کے نکلنے کی جگہ تھی' دہنے بائیں صف باندھے کھڑی تھیں۔

جب عورتوں نے بدالدین حسن اور اس کے حسن و جمال کو دیکھا' کیونکہ اس کا چہرہ نئے چاند کی طرح چمک رہا تھا' تو یہ سب اس کی طرف مائل ہو گئیں اور ڈومنیوں نے عورتوں سے کہا کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حسین مرد نے ہمارے ساتھ سرخ سونے کی بخشش کی ہے' اس کی خدمت کرنے میں کوتاہی نہ کرنا اور جو کچھ وہ کہے' اسے ضرور ماننا۔ اب عورتیں موم بتیاں لیے اس کے اردگرد جمع ہو گئیں اور اس کا حسن و جمال دیکھنے اور اس کی خوبصورتی پر رشک کھانے لگیں۔ ان میں سے ہر ایک کا یہ جی چاہتا تھا کہ کاش کہ وہ تھوڑی دیر اس کی گود میں بیٹھتی نہیں بلکہ سال بھر تک اور انہوں نے اپنے چہروں سے نقابیں اتار لیں کیونکہ ان کی عقلیں سلب ہو چکی تھیں اور کہنے لگیں کہ کیسی خوش قسمت ہو گی وہ عورت جو اس کی ملکیت ہو۔ پھر وہ اس کبڑے سائیس اور اس شخص کو جس کی وجہ سے اس کی شادی اس خوبصورت لڑکی سے ہوئی' بددعائیں دینے لگیں اور جب بدالدین حسن کو دعائیں دیتی تھیں اس کبڑے کو بھی ساتھ ساتھ بددعائیں دیتی تھیں۔ اب ڈومنیوں نے ڈھولکیں بجانا اور طبلوں پر گانا شروع کیا اور سنگھار کرنے والیاں نکلیں اور ان کے بیچ میں وزیر کی لڑکی تھی۔ انہوں نے اسے خوب خوشبوئیں اور عطر لگائی تھیں اور معطر کیا تھا اور اس کے بالوں کو خوبصورت بنایا تھا اور انہیں دھونی دی تھی اور اسے زیور اور شاہانہ لباس پہنایا تھا۔ مجنملہ اس کے لباس کے ایک پوشاک تھی جس پر سرخ سونے کے بیل بوٹوں اور جانوروں اور چڑیوں کی تصویریں تھیں اور وہ پوشاک قبا کی طرف لباس کے اوپر پڑی ہوئی تھی اور ان کے گلے میں کئی ہزار دینار کا یمنی ہار پڑا ہوا تھا۔ جس میں ایسے ہیرے جڑے ہوئے تھے'

جو نہ تبع اور نہ قیصر کو کبھی نصیب ہوئے ہوں گے۔ دلہن چودھویں رات کے چاند کی طرح تھی اور جب وہ سامنے آئی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ جنت کی حور ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اسے اس خوبروئی کے ساتھ پیدا کیا۔ جب عورتوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ تارے ہیں اور دلہن چاند جو ابھی بادلوں میں سے نکلا ہے۔

بدر الدین حسن بیٹھا ہوا تھا اور لوگ اسے دیکھنے میں محو تھے کہ اتنے میں دلہن نازو ادا سے چلتی ہوئی آئی۔ کبڑا سائیس اٹھا کہ اسے بوسہ دے لیکن لڑکی نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور دوسری طرف چل دی یہاں تک کہ وہ اپنے چچیرے بھائی کے سامنے پہنچی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ وہ بدر الدین حسن کی طرف مائل ہے تو وہ زور زور سے ہنسنے لگے اور ڈومنیاں چلانے لگیں۔

اس نے فوراً جیب میں ہاتھ ڈالا اور اشرفیاں نکال کر ڈومنیوں کی ڈھولکوں میں ڈال دیں اور وہ خوش ہو گئیں اور کہنے لگیں کہ ہم چاہتے ہیں کہ یہ تیری دلہن بنے۔ حسن مسکرایا اور سب کے سب اس کی طرف دیکھنے لگے اور کبڑا سائیس بندر کی طرح اکیلا رہ گیا اور جب لوگ اس کے لیے موم بتی جلاتے تھے تو وہ نہ جلتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ ششدر رہ گیا اور اندھیرے میں بیٹھا ہوا دل میں کڑھ رہا تھا لیکن بدر الدین حسن کے سامنے لوگ موم بتیاں لیے کھڑے تھے' اور جب اس نے دیکھا کہ ایک طرف تو دولہا اندھیرے میں اکیلا کھڑا ہے اور دوسری طرف وہ خود لوگوں کے درمیان ہے اور موم بتیاں اس کے آگے جل رہی ہیں تو وہ حیران ہو گیا اور سخت متعجب ہوا۔ جب بدر الدین حسن نے اپنی چچیری بہن پر نظر ڈالی تو وہ خوشی کے مارے پھولا نہ سمایا اور اس نے دیکھا کہ اس کا چہرہ حسن کی چمک دمک دکھا رہا ہے اور وہ سرخ اطلس کی پوشاک پہنے ہوئے ہے۔ اب سنگھار کرنے والیوں نے اسے منہ دکھائی کی پہلی خلعت پہنائی اور وہ اس کی خوبروئی پر گرویدہ ہو گیا اور جب وہ اپنے حسن کے غرور میں مٹک مٹک کر چلنے لگی تو عورتوں اور مردوں دونوں کی عقلیں زائل ہو گئیں۔

اب انہوں نے یہ پوشاک بدل کر دوسری آسمانی رنگ کی پوشاک پہنائی اور جب وہ اس لباس میں باہر نکلی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاند نکل آیا' اس کے بال کالے کالے تھے' رخسار نرم نرم' چہرہ ہنس مکھ' سینہ ابھرا ہوا' پہلو اور کلائیاں نرم نرم اور وہ منہ دکھائی کی دوسری پوشاک پہنے ہوئی تھی' پھر انہوں نے تیسری پوشاک بدلی اور گھنے بال اس کے اوپر چھوڑ دیئے اور کالی اور لمبی لٹیں بکھیر دیں جو کالی راتوں کی طرح سیاہ اور طویل معلوم ہوتی تھیں' اور وہ اپنی جادو بھری آنکھوں سے دلوں پر تیر چلانے لگی اور تیسری پوشاک اس کے بدن پر تھی۔ اب انہوں نے چوتھی پوشاک بدلی تو وہ نکلتے ہوئے سورج کی طرف سامنے آئی اور ناز و ادا سے جھوم جھوم کر چلنے اور غزالوں کی طرح دیکھنے اور اپنی پلکوں کے تیروں سے دلوں کو پاش پاش کرنے لگی۔ پھر وہ پانچویں پوشاک میں نکلی مثل ایک پیاری لڑکی کے' گویا وہ بید کی چھڑی تھی یا پیاسا ہرن' اور اس کی لٹوں کے بچھو رینگ رہے تھے اور ان کے عجائبات ظاہر ہو رہے تھے اور اس کے کولہے مٹک رہے تھے اور گردن اٹھی ہوئی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک سبز پوشاک میں اس کی منہ دکھائی کی اور اس کے سیدھے قد کے آگے نیزہ شرمانے لگا اور وہ سارے جہان کے حسینوں سے بازی لے گئی اور اس کے چہرے کی چمک دمک کے آگے چودھویں رات کا چاند مدھم پڑ گیا اور اس کے حسن و جمال نے اس کی آرزوئیں پوری کر دیں اور اس کی لوچ اور لچک کے آگے نئی ٹہنیاں شرمندہ تھیں اور وہ اپنی خوبروئی سے دلوں کو چکنا چور کر رہی تھی۔ پھر انہوں نے ساتویں پوشاک میں منہ دکھائی کی جو دھانی رنگ کی تھی۔

جب دلہن نے آنکھیں کھولیں تو کہنے لگی کہ خدایا' اس شخص کو میرا شوہر بنا اور اس کبڑے سائیس سے میرا پیچھا چھڑا۔ ان لوگوں نے ساتوں کی ساتوں منہ دکھائیاں بدر الدین حسن کے سامنے کیں اور وہ کبڑا سائیس ایک طرف بیٹھا رہا۔ جب وہ اس سے فارغ ہو چکیں تو لوگوں سے کہا کہ اب جاؤ اور تمام عورتیں اور لڑکے لڑکیاں جو تماشے میں

مشغول تھے' چلے گئے اور محض بدر الدین حسن اور کبڑا سائیس باقی رہ گئے۔ اب سنگھار کرنے والیاں دلہن کے کمرے میں داخل ہوئیں تاکہ اس کے کپڑے اور زیور اتار کر اسے دولہا کے لیے تیار کریں' اس پر کبڑا سائیس بدر الدین حسن کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا' تیری وجہ سے آج کی رات خوب کٹی اور تو نے اپنے احسانات سے ہمیں مالا مال کر دیا۔ تو اب اٹھ کر باہر جا۔ اس نے کہا بسم اللہ اور وہ اٹھ کر دروازے کے باہر چلا گیا' جن نے اسے دیکھ کر کہا کہ اے بدر الدین ٹھہر' جب کبڑا پاخانے جائے تو فوراً اندر جا کر دالان میں بیٹھ جائیو اور جب دلہن سامنے آئے تو اس سے کہیو کہ تیرا شوہر میں ہوں۔ بادشاہ نے یہ چال اس لیے چلی تھی کہ کہیں نظر نہ لگ جائے اور جس شخص کو تو نے دیکھا ہے' وہ ہمارا ایک سائیس ہے۔ پھر تو آگے بڑھ کر اس کا چہرہ کھولیو' کیونکہ ہم اپنی غیرت مندی کے لیے یہ کام کر رہے ہیں۔

جن بدالدین سے یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ سائیس نکل کر پاخانے میں گیا اور کھڈی پر بیٹھ گیا۔ اب جن چوبچے کے پانی میں سے چوہے کی شکل میں نکل اور زیق زیق کرنے لگا کبڑے نے کہا کہ خیر تو ہے' تجھے کیا ہوا؟ اب چوہا بڑھتے بڑھتے بلی بن گیا اور میاؤں میاؤں کرنے لگا اور پھر بڑھ کر کتا ہو گیا اور عمہ عمہ کی آواز نکالنے لگا۔

جب سائیس نے یہ دیکھا تو ڈر گیا اور کہنے لگا کہ دور ہو' اے منحوس' لیکن کتا بڑھ کر گدھے کے برابر ہو گیا اور اس کے آگے رینگنے اور چلانے لگا! ہاق ہاق۔ اب وہ اور بھی ڈر گیا اور کہنے لگا کہ اے گھر والو' دوڑو۔ اب گدھا بڑھتے بڑھتے بھینس کے برابر ہو گیا اور اس کا راستہ روک لیا اور انسان کی طرح باتیں کرنے لگا اور اس سے کہا کہ لعنت ہو تجھ پر' اے کبڑے' اے گندے! سائیس کے پیٹ میں درد ہونے لگا اور وہ بغیر کپڑے اتارے کھڈی پر بیٹھ گیا اور ڈر کے مارے اس کے دانت بجنے لگے۔

اب جن نے اس سے کہا کہ دنیا تیرے اوپر اتنی اوپر اتنی تنگ ہو گئی تھی کہ تجھے میری معشوقہ کے علاوہ اور کوئی نکاح کے لیے نہ ملا۔ سائیس چپ تھا اور جن نے کہا

کہ جواب دے' ورنہ میں تجھے زمین کے اندر گاڑ دوں گا۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میرا کوئی گناہ نہیں' لوگوں نے میرے ساتھ زبردستی کی ہے اور مجھے معلوم نہ تھا کہ اس کے عاشق پھنسے ہیں۔ میں خدا کے سامنے اور پھر تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ جن نے کہا کہ میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ اگر تو اس وقت یہاں سے نکلا یا سورج نکلنے سے پہلے کوئی بات کی تو میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔ جب سورج نکل چکے تو' تو یہاں سے نکل کر چل دیجیو اور پھر کبھی مکان کی طرف رخ نہ کیجیو۔ اب دیو نے کبڑے سائیس کو پکڑ کر اسے سر کے بل کھڈی میں کھڑا کر دیا اور اس کے پاؤں اوپر کی طرف کر دیئے اور کہنے لگا کہ میں تجھے یہاں چھوڑتا ہوں مگر سورج نکلنے تک میں تجھے پر پہرہ داری کروں گا۔

یہاں تک تو کبڑے کا قصہ ہوا۔ اب بدر الدین حسن البصری کا ماجرا سنیئے۔ اس نے کبڑے اور جن کو جھگڑتا چھوڑا اور مکان میں داخل ہوا اور دالان کے بیچ میں آکر بیٹھ گیا۔ اتنے میں دلہن آئی اور اس کے ساتھ ایک بڑھیا تھی۔ بڑھیا کمرے میں دروازے پر ٹھہر گئی اور کہنے لگی کہ اے سروقد والے' اٹھ اور خدا کی امانت لے۔ یہ کہہ کر بڑھیا الٹے پاؤں پھر گئی اور دلہن نے دالان میں قدم رکھا۔ اس کا نام ست الحسن تھا اور اس کا دل ٹوٹا ہوا تھا اور وہ اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہ اپنے آپ کو اس کے حوالے ہرگز نہ کروں گی' خواہ وہ مجھے قتل ہی کیوں نہ کر ڈالے۔ جب وہ دالان کے اندر پہنچی تو اس کی نظر بدر الدین حسن پر پڑی اور وہ کہنے لگی کہ اے پیارے' تو اب تک یہیں کھڑا ہے! میں اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہ تیری اور کبڑے سائیس کی شرکت میں ہوں۔ بدر الدین حسن نے کہا کہ سائیس کی کیا مجال کہ وہ تیرے قریب بھی آئے! بھلا اس کی یہ قدرت ہو سکتی ہے کہ وہ تجھ میں میرا شریک ہو۔ لڑکی نے کہا کہ میرا شوہر کون ہے؟ تو یا وہ؟ بدر الدین نے کہا کہ اے ست الحسن' ہم نے اس کا مذاق اڑانے کے لیے یہ سوانگ باندھا تھا' تو نے دیکھا نہیں کہ سنگھار

کرنے والیاں اور ڈومنیاں اور تیرے گھر والیاں تیری منہ دکھائی میرے سامنے کر رہی تھیں؟ تیرے باپ نے اسے دس دینار دے کر کرائے پر بلایا تھا تاکہ ہم پر نظر نہ لگے'

اب وہ چل دیا ہے۔
جب ست الحسن نے بدر الدین کی باتیں سنیں تو وہ مسکرائی اور خوش ہو گئی اور نہایت ناز و ادا سے ہنسنے لگی اور اس نے کہا کہ خدا کی قسم' تو نے میرا غم دور کر دیا۔ وہ تجھے خدا کی قسم دیتی ہوں کہ مجھے اپنے پہلو میں لے لے اور اپنے سینے سے لگا۔ وہ برہنہ تھی اور پاؤں سے لے کر گردن تک کوئی کپڑا نہ تھا۔ اس لیے اس کا اندام نہانی اور کولہے بھی ننگے تھے۔ جب بدر الدین نے یہ دیکھا تو اس کی شہوت جوش میں آئی اور وہ بھی کھڑا ہو گیا اور اپنے کپڑے اتار ڈالے اور اس سونے کی تھیلی کو جس میں یہودی کے دیئے ہوئے ایک ہزار دینار تھے اپنے پاجامے میں لپیٹ کر بچھونے کے نیچے رکھ لیا اور اپنی پگڑی اتار کر کرسی پر لٹکا دی اور محض ایک انگی قمیض پہنے رہا اور اس قمیض میں سنہرے بیل بوٹے تھے' اب ست الحسن اٹھی اور اس نے اسے اپنی طرف کھینچا اور بدر الدین نے اسے اپنی طرف کھینچا اور اسے لپٹا لیا اور اس کی جوانی کے مزے لوٹے اور وہ حاملہ ہو گئی۔ جب بدر الدین فارغ ہو چکا تو دونوں نے ایک دوسرے کے سر کے نیچے ہاتھ رکھا اور لپٹ کر سو گئے۔
یہ تو بدر الدین اور اس کے چچا زاد ست الحسن کا واقعہ ہوا۔ اب جن اور جنیہ کا قصہ سنئے۔ جن نے جنیہ سے کہا کہ اٹھ اور جوان کو اٹھا لا اور ہم اسے اس کے مکان میں پہنچا آئیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ صبح ہو جائے' کیونکہ صبح قریب ہے۔ اب جنیہ بڑھی اور اسے سوتا اٹھا لائی اور لے کر اڑ گئی اور وہ محض قمیض پہنے ہوئے اسی حالت میں تھا اور کوئی کپڑا اس کے بدن پر نہ تھا۔ ابھی جنیہ اسے لیے اڑ رہی تھی کہ جن اس کے ساتھ ساتھ تھا اور وہ راہ ہی میں تھے کہ صبح ہو گئی اور موذن نے حی علی الفلاح کہنا شروع کیا۔ خدا نے اپنے فرشتوں سے کہا کہ جن پر آگ کے انگارے

پھینکیں۔ جن جل کر خاکستر ہو گیا اور جنیہ بچ گئی اور وہ بدر الدین کے ساتھ اسی جگہ پر اتر پڑی جہاں جن پر انگارے پڑے تھے کیونکہ اسے ڈر تھا کہ کہیں بدر الدین پر کوئی مصیبت نازل نہ ہو۔ ان کی قسمت میں یہ لکھا تھا کہ وہ دمشق پہنچ جائیں۔ یہاں پہنچ کر جنیہ نے اسے دمشق کے ایک دروازے پر اتار دیا اور وہ خود اڑ کر چل دی۔ جب دن نکلا اور شہر کے دروازے کھلے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک پری جمال نوجوان محض قمیض اور ٹوپی پہنے پڑا ہوا ہے اور ان کے علاوہ اور کوئی کپڑا اس کے بدن پر نہیں اور وہ رات کو جاگنے کی وجہ سے نیند میں چور ہے۔ جب لوگوں نے اسے دیکھا تو کہنے لگے کہ کیسی خوش نصیب ہے وہ عورت' جس کے ساتھ اس نے رات گزاری ہے' کاش کو وہ اتنا تو ٹھہرا ہوتا کہ کپڑے پہن لیتا! دوسرے نے کہا کہ بیچارہ بچہ بھٹی سے کسی ضرورت کے لیے نکلا ہو گا مگر نشہ چڑھ گیا اور جہاں جاتا تھا' وہاں کی راہ بھول گیا اور شہر کے دروازے پر آ پہنچا اور اسے بند پا کر وہیں سو گیا ابھی لوگ اس کے متعلق شش و پنج میں تھے کہ ہوا چلی اور بدر الدین کی قمیض پیٹ تک اٹھ گئی اور اس کا پیٹ اور گول ناف اور دنوں پنڈلیاں اور رانیں بلور کی طرف چمکنے لگیں۔ لوگوں نے کہا کہ خدا کی قسم' کیسا خوبصورت ہے! اب بدر الدین کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک شہر کے دروازے پر ہے اور وہاں بہت سے لوگ جمع ہیں۔ اس پر اسے تعجب ہوا اور وہ کہنے لگا کہ میں کہاں ہوں؟ اے نیک بخت لوگو' اور تم لوگ یہاں کیوں جمع ہو اور تمہیں میرے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے فجر کی اذان کے وقت تجھے یہاں پڑا سوتا پایا ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ بتا تو سہی کہ آج رات تو نے کہاں بسر کی؟ بدر الدین حسن نے کہا کہ اے لوگو' واللہ' آج رات میں مصر میں سویا ہوں۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا تو بھنگ کھاتا ہے؟ دوسرے نے کہا کہ تو پاگل ہے' مصر میں رات گزارتا ہے اور صبح کے وقت دمشق میں سوتا نظر آتا ہے! اس نے کہا کہ اے نیک مرد' خدا کی

قسم میں نے تم سے جھوٹ نہیں کہا ہے۔ میں کل رات واقعی مصر میں تھا اور کل دن میں بصرے میں۔ ایک نے کہا کہ بہت خوب۔ دوسرے نے کہا کہ یہ جوان پاگل ہے اور سب کے سب اس پر تالیاں بجانے اور ایک دوسرے سے کانا پھوسی کرنے لگے اور کہا کہ افسوس آتا ہے' اس کی جوانی پر' واللہ اس کے پاگل ہونے میں بالکل شک نہیں۔ پھر انہوں نے اس سے کہا کہ اپنے ہوش ٹھکانے کر اور سمجھ کر باتیں کر۔ بدر الدین نے کہا کہ کل میری شادی مصر میں ہوئی۔ انہوں نے جواب دیا کہ شاید تو نے خواب دیکھا ہے اور جو کچھ تو کہہ رہا ہے وہ خواب کی باتیں ہیں۔ حسن سوچ میں پڑ گیا اور پھر ان سے کہنے لگا کہ واللہ یہ خواب نہیں اور نہ میں نے اسے نیند میں دیکھا ہے۔ واقعی میں وہاں گیا ہوں اور انہوں نے دلہن کی منہ دکھائی میرے سامنے کی ہے اور تیسرا شخص ہمارے ساتھ کبڑا سائیس تھا۔ واللہ اے میرے بھائیو' یہ کوئی خواب نہیں ہے اور اگر خواب ہوتا تو میری سونے کی تھیلی کہاں ہے اور کہاں ہے میرے کپڑے اور لباس اور پگڑی۔

اب وہ اٹھ کر شہر میں داخل ہوا اور اس کی سڑکوں اور بازاروں میں سے ہو کر گزرا۔ لوگ اس کے اردگرد جمع ہوتے جاتے اور اس کا مذاق اڑاتے تھے' یہاں تک کہ وہ ایک بارچی کی دوکان میں داخل ہوا۔ یہ طباخ بڑا شاطر تھا یعنی شاطر چور' لیکن اب وہ چوری سے توبہ کر چکا تھا اور اس نے باورچی کی دوکان کھول رکھی تھی۔ دمشق کے سب لوگ اسے سے خوف کھاتے تھے' کیونکہ وہ بڑا طاقتور تھا۔ اس لیے جب لوگوں نے دیکھا کہ جوان باورچی کی دوکان میں چلا گیا ہے تو وہ ڈر کے مارے وہاں سے چلتے ہوئے۔ جب باورچی کی نظر بدر الدین پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ وہ کیسا خوبرو جوان ہے تو اس کے دل میں اس کی محبت بیٹھ گئی اور وہ کہنے لگا کہ اے نوجوان' تو کہاں سے آتا ہے' اپنا ماجرا تو بیان کر کیونکہ میں تجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں' اس نے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر آکر تک بیان کر دیا۔ باورچی نے اس سے کہا کہ اے میرے آقا بدر الدین' یہ عجیب و غریب واقعہ ہے لیکن بیٹا' جب تک خدا

تیری حالت درست نہ کر دے' اپنا قصہ کسی سے مت بیان کیجیو اور میرے ساتھ اس گھر میں ٹھہر۔ میرے کوئی بیٹا نہیں ہے' اس لیے میں تجھے اپنا بیٹا بناؤں گا۔ بدر الدین نے کہا کہ بہت خوب چچا! اب باورچی بازار گیا اور بدر الدین کے لیے قیمتی قیمتی کپڑے خرید کر لایا اور اسے وہ کپڑے پہنا کر قاضی کے پاس لے گیا اور رسمی طور پر اسے اپنا بیٹا بنا لیا اور دمشق میں خبر مشہور ہو گئی کہ وہ باورچی کا بیٹا ہے' اور وہ دوکان میں باورچی کے ساتھ بیٹھتا اور دام اپنی تحویل میں لیتا رہا۔ اس طرح سے اس نے باورچی کے ساتھ اپنے دن کاٹے۔

یہ تو بدر الدین حسن کا ماجرا ہوا۔ اب اس کی چچا زاد ست الحسن کا حال سنئے جب سویرا ہوا اور وہ نیند سے جاگی تو اس نے بدر الدین حسن کو نہ پایا اور خیال کیا کہ وہ بیت الخلا گیا ہو گا۔ وہ بیٹھی اس کی راہ دیکھ رہی تھی کہ اس کا باپ آیا۔ وہ اس واقعے پر نہایت غم زدہ تھا جو بادشاہ کے ساتھ پیش آیا تھا اور نیز بادشاہ کی ناراضگی پر اور اس پر کہ اس نے اس کی بیٹی کی شادی زبردستی اپنے ایک غلام سے کر دی اور وہ بھی ایک کبڑے سائیس سے اور اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ اگر اس لڑکی نے اس مردود کو اپنا بدن حوالے کیا تو میں اس کو قتل کر دوں گا۔ وہ چل کر دالان تک گیا اور دروازے پر ٹھہر کر ست الحسن کو آواز دی۔ اس نے کہا کہ اے میرے سرتاج میں حاضر ہوں۔ یہ کہہ کر وہ باہر آئی اور وہ خوشی کے مارے جھوم رہی تھی' اس نے زمین کو بوسہ دیا اور اس معشوق کی ہم آغوشی کی وجہ سے اس کے چہرے کی چمک دمک اور بڑھ گئی۔ جب اس کے باپ نے اسے اس حالت میں دیکھا تو کہنے لگا کہ اے ملعون' اس سائیس کی وجہ سے اتنی خوش ہے۔ جب ست الحسن نے اپنے باپ کو یہ کہتے سنا تو مسکرائی اور کہنے لگی واللہ' میرے ساتھ کافی مذاق ہو چکا ہے جبکہ لوگ میری ہنسی اڑاتے اور سائیس کے متعلق مجھے طعنے دیتے تھے جو میرے شوہر کے کٹے ہوئے ناخن کے برابر بھی نہیں۔ خدا کی قسم' کل رات جیسی میں نے عمر بھر کوئی رات نہیں

گزاری' اس کبڑے کا ذکر کر کے میرا مذاق مت اڑا۔ جب اس کے باپ نے اسے یہ کہتے سنا تو وہ غصے میں بھر گیا اور اس کی آنکھیں نیلی پڑ گئیں اور وہ کہنے لگا کہ لعنت ہو تجھ پر! یہ تو کیا باتیں کہہ رہی ہے؟ کبڑا سائیس تیرے ساتھ سویا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتی ہوں کہ اس کا ذکر مت کر۔ خدا اس کے باپ پر لعنت بھیجے! اور میری ہنسی مت اڑا۔ سائیس کا واقعہ تو دس دینار کے عوض ایک چال تھی اور وہ اپنی مزدوری لے کر چلتا ہوا۔ اس کے بعد میں دالان میں آئی اور میں نے دیکھا کہ میرا شوہر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے قبل ڈومنیاں اس کے آگے میری منہ دکھائی کر چکی تھیں اور اس نے اتنی اشرفیاں بانٹی تھیں کہ جو غریب وہاں موجود تھے' سب امیر ہو گئے۔ اسی جوان کالی کالی آنکھوں اور ملی ہوئی ابرو والے شوہر کےساتھ میں نے رات بسر کی۔ جب اس کے باپ نے یہ باتیں سنیں تو دنیا اس کی آنکھوں کے آگے تاریک ہو گئی اور وہ کہنے لگا کہ اے چھنال' یہ تو کیا بک رہی ہے؟ تیری عقل کو کیا ہو گیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے باپ' تو میرا دل توڑ رہا ہے۔ اب بس کر اور مجھے زیادہ تنگ مت کر۔ میرا شوہر جس نے میری بکارت زائل کی ہے' بیت الخلا گیا ہے اور میں اس سے حاملہ ہو چکی ہوں۔

باپ متعجب ہو کر کھڑا ہو گیا اور بیت الخلا میں گیا تو دیکھتا ہے کہ کبڑا سائیس سر کے بل کھڈی میں کھڑا ہے اور اس کے پاؤں اوپر کی طرف ہیں۔ یہ دیکھ کر وزیر حیران ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ ہو نہ ہو یہی کبڑا ہے اسے آواز دی کہ اے کبڑے۔ کبڑے نے یہ خیال کیا کہ جن اس سے باتیں کر رہا ہے اور تغوم' تغوم کرنے لگا۔ وزیر نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ بول ورنہ میں اس تلوار سے تیرا سر اڑا دوں گا۔ یہ سن کر کبڑے نے کہا کہ اے جنوں کے سردار خدا کی قسم جب سے تو نے مجھے اس جگہ کھڑا کیا ہے۔ میں نے اپنا سر بالکل نہیں اٹھایا۔ میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھ پر رحم کھا۔ جب وزیر نے کبڑے کو یہ کہتے سنا تو کہنے لگا کہ تو کیا بک رہا ہے؟ میں تو دلہن کا باپ ہوں' جن نہیں۔ اس نے کہا کہ تو نے

ہی میری جان پر یہ عذاب ڈالا ہے۔ اب تو یہاں سے چلتا ہو قبل اس کے کہ جن تیرے سر پر بھی آکر سوار ہو جائے' جس نے میرے ساتھ یہ کاروائی کی ہے۔ تم نے مجھے لا کر بھینسوں اور جنوں کی معشوقہ کے ساتھ میری شادی کر دی ہے۔ لعنت ہو اس پر جس نے اس کی شادی میرے ساتھ کی اور لعنت ہو اس پر جس کی وجہ سے یہ شادی ہوئی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی' جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تنیسویں رات

جب تنیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ کبڑا سائیس وزیر سے' جو دلہن کا باپ تھا' باتیں کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ لعنت ہو اس پر' جس کی وجہ سے یہ ہوا۔ وزیر نے اس سے کہا کہ اٹھ اور یہاں سے نکل۔ اس نے جواب دیا کہ کیا میں کوئی پاگل ہوں کہ جن کی اجازت کے بغیر تیرے ساتھ چلا جاؤں' کیونکہ اس نے کہا ہے کہ سورج نکل آئے تو یہاں سے نکل کر اپنی راہ لیجیو۔ بتا کہ سورج نکلا ہے کہ نہیں' کیونکہ نکلنے سے پہلے میں اپنی جگہ سے نکل نہیں سکتا۔ اب وزیر نے کہا کہ تجھے یہاں کون لایا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں کل یہاں آیا تھا تاکہ اپنی حاجت رفع اور ضرورت زائل کروں اور میں نے دیکھا کہ پانی میں سے ایک چوہا نکلا اور چیں چیں کرنے لگا اور بڑھتے بڑھتے بھینس کے برابر ہو گیا اور مجھ سے کہا جو میرے گوش گزار ہو گیا۔ اس کے بعد وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ لعنت ہو دلہن پر اور اس پر جس نے اس کی شادی میرے ساتھ کی۔ یہ سن کر وزیر آگے بڑھا اور اس کو کھڈی میں سے نکالا۔ وہ وہاں سے نکل کر چلا مگر اسے یقین نہیں آتا تھا کہ سورج نکل چکا ہے۔ وہاں سے وہ بادشاہ کے پاس گیا اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔

دلہن کے باپ وزیر کا یہ قصہ تھا کہ وہ اپنی بیٹی کے بارے میں ہوش و حواس باختہ مکان میں داخل ہوا اور کہنے لگا کہ بیٹی' اپنا ماجرا صاف بیان کر۔ اس نے کہا کہ میرا شوہر جس کے سامنے میری منہ دکھائی ہوئی تھی' رات بھر میرے ساتھ سویا اور میری بکارت زائل کی اور میں اس سے حاملہ ہو گئی ہوں' اگر تجھے یقین نہیں آتا تو دیکھ' یہ اس کی پگڑی ہے جو اب تک لپٹی کرسی پر لٹکی ہوئی ہے' اور اس کی پوشاک بچھونے کے نیچے ہے اور اس میں کوئی چیز لپٹی ہوئی ہے' لیکن مجھے معلوم نہیں کہ وہ کیا ہے۔

جب اس کے باپ نے یہ باتیں سنیں تو وہ دالان میں داخل ہوا اور اپنے برادر زادے بدر الدین حسن کی پگڑی دیکھی اور اسے فوراً اپنے ہاتھ میں اٹھا لیا اور الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا اور کہا کہ یہ تو وزیروں کا سا عمامہ ہے کیونکہ یہ موصل کا بنا ہو اہے۔ اب اس کی نظر اس تعویذ پر پڑی جو اس کی ٹوپی میں سلا ہوا تھا اور اس نے ٹانکے توڑ کر اسے نکال لیا اور اس کے کپڑے اٹھائے تو اسے ایک تھیلی ملی جس میں ایک ہزار دینار تھے۔ اس نے اسے کھولا تو اس کے اندر ایک کاغذ کا ورق تھا اور وہ اسے پڑھنے لگا تو وہ اس یہودی کی رسید تھی اور اس میں بدر الدین حسن بن نورالدین علی المصری کا نام تھا اور ہزار دینار تھے۔ جب شمس الدین نے وہ کاغذ پڑھا تو اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا اور سارا قصہ اس کی سمجھ میں آ گیا تو وہ حیران ہو گیا اور کہنے لگا کہ سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں جو ہر چیز پر قادر ہے۔ پھر وہ کہنے لگا کہ اے بیٹی تجھے معلوم ہے کہ تیرا کنورا پن کس نے لیا؟ اس نے کہا کہ نہیں' اس نے جواب دیا کہ وہ میرا برادر زادہ اور تیرا چچیرا بھائی ہے' اور یہ ہزار دینار تیرا مہر ہے' سبحان اللہ' کاش مجھے معلوم ہوتا کہ یہ قصہ کیسے پیش آیا' اب اس نے تعویذ کھولا جو سلا ہوا تھا اور اس کے اندر ایک تحریر پائی جس میں اس کے بھائی نورالدین المصری کے خط میں تاریخیں لکھی ہوئی تھیں جو بدر الدین حسن کا باپ تھا۔ جب اس نے اپنے بھائی کا خط دیکھا تو یہ اشعار پڑھنے لگا:

"جب ان کے آثار دیکھتا ہوں تو محبت کے مارے پگھلا جاتا ہوں اور ان کے گھروں پر آنسو بہاتا ہوں اور اس شخص سے' جس نے ان کی جدائی سے مجھے دلفگار کیا ہے' دعا مانگتا ہوں کہ وہ انہیں ایک روز واپس لا کر مجھے شکر گزار کرے۔"

جب وہ یہ اشعار پڑھ چکا تو اس نے تعویذ کو پڑھا "اس بصرے کے وزیر کی بیٹی سے شادی کی تاریخ تھی اور اس کی ہم بستری کی تاریخ اور بدر الدین حسن کی پیدائش کی تاریخ اور مرتے وقت تک اس کی عمر۔ یہ پڑھ کر وہ حیران ہو گیا اور مارے خوشی کے

کانپنے لگا۔ اب اس نے اپنے اور اپنے بھائی کے واقعات کا مقابلہ کیا تو دونوں کو ایک دوسرے کے موافق پایا:

اس کی اور اس بھائی کے نکاح کی تاریخ ایک تھی۔ اسی طرح سے اس کی بیٹی ست الحسن اور بدر الدین کی پیدائش کی تاریخ بھی۔ اب وہ یہ کاغذ لے کر سلطان کے پاس پہنچا اور شروع سے لے کر آخر تک سارا ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ کو تعجب ہوا اور اس نے حکم دیا کہ یہ واقعہ فوراً قلم بند کر لیا جائے۔

اب وزیر اپنے برادر زادے کا دن بھر انتظار کرتا رہا لیکن وہ نہ آیا۔ پھر دوسرے دن اور پھر تیسرے دن۔ اسی طرح جب سات دن گزر گئے اور اس کی کوئی خبر معلوم نہ ہوئی تھی تو اس نے کہا کہ خدا کی قسم' اب میں ایک ایسا کام کرنا چاہتی ہوں' جو کسی نے نہ کیا ہو گا۔ یہ کہہ کر اس نے قلم او ردوات نکالی اور سارے گھر کا خاکہ ایک کاغذ پر کھینچ دیا! کہ خس خانہ فلاں جگہ پر ہے اور فلاں پردہ فلاں جگہ پر۔ اسی طرح سے تمام چیزوں کا جو گھر میں تھیں۔ اب اس نے اس کاغذ کو لپیٹا اور حکم دیا کہ اس کے سارے کپڑے لائے جائیں لوگ اس کی پگڑی اور ٹوپی اور کلاہ اور تھیلی لائے اس کے سپرد کیا اور اس نے انہیں بند کر کے لوہے کا قفل ڈال دیا اور اس پر اپنی مہر لگا دی کہ جب تک اس کا برادر زادہ حسن البصری نہ آئے' اسے کوئی نہ کھولے۔

اب وزیر کی بیٹی کا قصہ سنئے۔ جب اس کے حمل کی مدت پوری ہو چکی تو اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا' جو چاند سا خوبصورت تھا اور حسن اور جمال اور انتہائی خوبروئی اور آب و تاب میں باپ کی طرح تھا۔ انہوں نے اس کی ناف کاٹی اور اس کی آنکھوں میں سرمہ لگایا اور اسے دائیوں کے سپرد کیا اور اس کا نام عجیب رکھا۔ اس کا ایک دن ایک مہینے ایک سال کے برابر۔ جب وہ سات سال کا ہوا تو اس نے اسے ایک ملا کے سپرد کیا اور اسے تنبیہہ کی کہ وہ اسے پڑھائے اور اس کی اچھی طرح سے تربیت کرے۔

اسی طرح سے وہ چار سال تک مکتب میں پڑھتا رہا اور اس کی یہ حالت تھی کہ وہ مکتب کے لڑکوں سے لڑتا جھگڑتا اور سخت کلامی کرتا اور ان سے کہتا کہ تم میں سے کون میرے برابر ہے! میں مصر کے وزیر کا بیٹا ہوں! لڑکوں نے اس کی شکایت جا کر مکتب کے ناظم سے کی کہ عجیب ان سے کیسی بدسلوکی کرتا ہے۔ ناظم نے کہا کہ میں تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں اور کل جب وہ آئے تو تم وہ ترکیب چلنا۔ پھر وہ مکتب میں آنا چھوڑ دے گا۔

اور وہ ترکیب یہ ہے کہ جب وہ کل آئے تو تم اس کے اردگرد بیٹھ جانا اور ایک دوسرے سے کہنا کہ خدا کی قسم' یہ کھیل ہمارے ساتھ وہی کھیلے گا جو ہمیں اپنے ماں باپ کا نام بتائے گا' اور جو اپنے ماں باپ کا نام نہ جانتا ہو' وہ حرامی ہے اور ہمارے ساتھ نہیں کھیل سکتا۔ جب دوسرا دن ہوا تو سب لڑکے مکتب میں آئے اور عجیب بھی آیا۔ لڑکے اس کے اردگرد جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ آج ہم ایک خاص کھیل کھیلنا چاہتے ہیں مگر اس میں وہی لڑکے شامل ہو سکتے ہیں جو اپنے ماں باپ کا نام بتا سکیں۔ سب نے کہا کہ واللہ یہ ٹھیک ہے اور ایک لڑکے نے کہا کہ میرا نام ماجد ہے اور میری ماں کا علویہ اور باپ کا عزیز الدین۔ دوسرے نے بھی اسی طرح کہا یہاں تک کہ اب عجیب کی باری آئی اور وہ کہنے لگا کہ میرا نام عجیب اور میری ماں کا ست الحسن اور باپ کا شمس الدین جو مصر کا وزیر ہے۔

لڑکوں نے کہا کہ واللہ وزیر تیرا باپ نہیں ہے۔ عجیب نے جواب دیا کہ واقعی وزیر میرا باپ ہے۔ اس پر سارے لڑکے اس کا مذاق اڑانے لگے اور تالیاں بجانے لگے اور کہا کہ اس کے باپ کا پتہ نہیں۔ یہاں سے چلا جا کیونکہ جو اپنے باپ کا نام نہ جانتا ہو' وہ ہمارے ساتھ نہیں کھیل سکتا۔ یہ کہہ کر لڑکے فوراً تتربتر ہو گئے اور اس کا مذاق اڑانے لگے۔ اس پر وہ بہت دل شکستہ ہوا اور روتے روتے اس کا دم گھٹنے لگا۔ ناظم نے اس سے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ وزیر تیرا نانا اور تیری ماں ست الحسن کا باپ

ہے لیکن تیرا باپ نہیں۔ نہ تو اپنے آپ کو جانتا ہے اور نہ ہم' کیونکہ سلطان نے تیری ماں کی شادی کبڑے سائیس سے کر دی تھی اور جن اس کے پاس آ کر سوئے تھے اور تیرے باپ کا کسی کو پتہ نہیں۔ جب تک تجھے اپنے باپ کا علم نہ ہو' اس وقت تک مکتب کے لڑکوں سے برابری کا دعویٰ مت کرو ورنہ وہ تجھے حرامی سمجھیں گے۔ تجھے معلوم نہیں کہ بنئے کا لڑکا بھی اپنے باپ کو جانتا ہے اور تو مصر کے وزیر کا ناتی ہے لیکن تیرے باپ کو ہم نہیں جانتے۔ ہماری رائے یہی ہے کہ تیرا کوئی باپ نہیں' اس لیے ذرا سوچ سمجھ کر باتیں کیا کر۔ جب اس نے ناظم اور لڑکوں کی یہ باتیں سنی جو اس کے لیے توہین کا باعث تھیں تو وہ فوراً اٹھا اور اپنی ماں ست الحسن کے پاس گیا اور اس سے شکایت کرنے لگا' اور وہ اتنا رو رہا تھا کہ اس کے منہ سے بات نہ نکلتی تھی۔ جب اس کی ماں نے اس کی باتیں اور رونا سنا تو اس کا دل اس پر کڑھنے لگا اور اس نے کہا کہ بیٹا' تو کیوں رو رہا ہے؟ ذرا اپنا حال تو کہہ۔ اس پر عجیب نے وہ تمام باتیں کہہ دیں جو اس ناظم اور لڑکوں سے سنی تھیں اور کہنے لگا کہ اے میری ماں' میرا باپ کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تیرا باپ مصر کا وزیر ہے۔ عجیب نے کہا کہ جھوٹ مت بول کیونکہ وزیر تیرا باپ ہے نہ کہ میرا۔ بتا میرا باپ کون ہے؟ اگر تو نے سچ سچ نہ بتایا تو میں اپنے آپ کو اس خنجر سے قتل کر ڈالوں گا۔ جب اس کی ماں نے اس کے باپ کا ذکر سنا تو وہ اپنے چچا زاد بھائی کو یاد کر کے رونے لگی اور بدر الدین البصری کے سامنے اس کی منہ دکھائی اور باقی سارے ماجرے اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے' اور وہ زور زور سے رونے لگی اور اس کا بیٹا بھی۔

اتنے میں وزیر ان کے پاس آیا اور انہیں روتا دیکھ کر اس کے دل کو صدمہ پہنچا اور وہ کہنے لگا کہ تم دونوں کیوں رو رہے ہو؟ بیٹی نے سارا ماجرا بیان کر دیا جو اس کے بیٹے اور مکتب کے لڑکوں کے درمیان پیش آیا تھا۔ یہ سن کر وزیر بھی رونے لگا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا بھائی اور جو کچھ اس کے ساتھ اسے پیش آیا تھا اور

اس کی بیٹی کا سارا ماجرا پھرنے لگا اور اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ آخر اس میں کیا بھید ہے۔ اب وزیر فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور دفتر گیا اور بادشاہ کے روبرو حاضر ہو کر سارا قصہ سنایا اور اس سے اس بات کی اجازت مانگی کہ وہ پچھم کی طرف سفر کرے اور بصرے پہنچ کر اپنے بھتیجے کو تلاش کرے۔ پھر اس نے سلطان سے یہ درخواست کی کہ وہ اسے شاہی فرامین ہر ملک کے لیے دے دے کر جہاں کہیں وہ اپنے بھتیجے کو پائے' وہاں سے لے آئے۔ یہ کہہ کر وہ بادشاہ کے سامنے رونے لگا اور بادشاہ کو اس پر ترس آیا اور اسے ہر ملک کے لیے فرامین لکھ کر دے دیے۔ وزیر اس پر بہت خوش ہوا اور سلطان کو دعائیں دیتا ہوا رخصت ہو گیا۔ گھر پہنچ کر اس نے فوراً سفر کی تیاری کی اور تمام ضرورت کی چیزوں اور اپنی لڑکی اور اس کے بیٹے عجیب کو لے کر چل دیا۔ اس نے پہلے دن سفر کیا اور دوسرے دن اور تیسرے دن یہاں تک کہ دمشق پہنچا اور دیکھا کہ وہاں بہت سے باغ اور نہریں ہیں۔

وزیر میدان الحصی میں اترا اور وہاں خیمے ڈال دیئے اور غلاموں سے کہا کہ ہم یہاں دو دن آرام کریں گے۔ اب غلام اپنی اپنی ضروریات کے لیے شہر گئے' کوئی خرید و فروخت کرنے کوئی حمام جانے اور کوئی بنی امیہ کی مسجد کی سیر کرنے' جس کا جواب دنیا میں نہیں تھا۔ عجیب اپنے خادم کے ساتھ سیر کرنے کے لیے شہر میں داخل ہوا۔ خادم عجیب کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک ایسا ڈنڈا تھا کہ اگر اونٹ پر پڑ جائے تو پھر وہ چل نہ سکے۔ جب دمشق والوں نے دیکھا کہ اس کا قد و قامت اور اعتدال اور حسن و جمال کیا عجیب و غریب ہے اور کیسا حسین اور آن بان والا اور اتر کی ہوا سے زیادہ لطیف اور پیاسے کے لیے میٹھے پانی سے زیادہ شیریں اور بیمار کے لیے صحت سے زیادہ لذیذ ہے تو ایک بھیڑ کی بھیڑ اس کے پیچھے ہولی۔ بعض اس کے پیچھے چلنے لگے اور بعض آگے بڑھ کر اس کے راستے میں بیٹھ گئے تاکہ وہ وہاں سے گزرے تو اس کو دیکھیں۔ اب یہ قسمت کی بات تھی کہ غلام اس کے باپ بدر الدین حسن کی دوکان پر ٹھہر گیا۔ بارہ سال کی مدت میں اس کی داڑھی بڑھ گئی اور اس

کی عقل کامل ہو چکی تھی۔ باورچی مر چکا تھا اور بدر الدین حسن اس کے مال اور اس کا دوکان پر قابض ہو چکا تھا کیونکہ قاضیوں اور گواہوں کے آگے اس نے یہ اظہار کر دیا تھا کہ وہ اس کا بیٹا ہے۔

جب اس روز اس کا بیٹا اور خادم اس کے قریب آکر ٹھہرے تو اس کی نظر اپنے بیٹے عجیب پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ وہ کیسا خوش رو ہے اور اس کا دل دھڑکنے لگا اور خون کی کشش خون کی طرف ہونے لگی اور اس کا دل اس کی طرف کھنچنے لگا۔

اس روز اس نے میٹھے انار دانے پکائے تھے اور چونکہ قدرتی محبت اس کے دل میں جوش زن تھی اس نے اپنے بیٹے عجیب کو آواز دی اور کہا کہ اے میرے آقا میرے دل کے مالک جس کی طرف میرا قلب کھنچ رہا ہے' اندر آ اور میرے دل کو جوڑ اور کھانا کھا۔ اب اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے اور وہ اپنی گزشتہ اور موجودہ حالت پر سوچنے لگا۔ جب عجیب نے اپنے باپ کی باتیں سنیں تو اس کا دل بھی اس کی طرف کھنچا اور وہ خادم کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ میرا دل اس باورچی کی طرف کھنچ رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ اپنے بیٹے سے جدا ہو گیا ہے۔ چل اس کے پاس چلتے ہیں تا کہ اسے تسکین ہو اور ہم اس کی دعوت کھائیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے اس سلوک کی وجہ سے خدا بھی ہمارے باپ سے ملا دے۔

جب خادم نے عجیب کی باتیں سنیں تو کہنے لگا کہ واللہ کیا خوب! وزیر زادہ ہو کر تو باورچی کی دوکان پر کھانا کھائے گا! میں تو اس ڈنڈے سے لوگوں کو روکتا ہوں کہ وہ تجھے نہ دیکھیں' تو میں پھر کیسے مطمئن ہو سکتا ہوں کہ تو باورچی کی دوکان میں جائے۔

جب بدر الدین نے نوکر کی باتیں سنیں تو اسے تعجب ہوا اور وہ اس کی طرف متوجہ ہوا اور اس کی رخسار پر آنسو بہہ رہے تھے' اب عجیب نے خادم سے کہا کہ میرے دل کی کشش اس کی طرف ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ایسی باتیں مت کر اور دوکان کے اندر مت جا۔ اب عجیب کا باپ نوکر کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ اے بزرگ' تو کیوں میرے دل پر مرہم نہیں رکھنا چاہتا اور اندر داخل نہیں ہوتا' اے وہ شخص

جو اخروٹ کی طرف باہر سیاہ اور دل میں سفید ہے' اے وہ شخص جس کی تعریف بعض شاعروں نے کی ہے! خادم ہنسا اور کہنے لگا کہ کیا تعریف کی ہے' خدا کی قسم اختصار

کے ساتھ کہہ۔ بدر الدین حسن نے فوراً یہ اشعار پڑھے:

"اگر وہ تمیزدار اور اعتبار کے قابل نہ ہوتا تو بادشاہوں کے محلوں میں اس پر بھروسہ نہ کیا جاتا اور نہ حرم میں۔ وہ کیسا اچھا ملازم ہے کہ آسمان کے فرشتے اس کی خدمت کرتے ہیں۔"

ملازم اس کلام سے خوش ہو گیا اور عجیب کو لے کر باورچی کی دوکان کے اندر گیا اور نورالدین حسن نے ایک گہرا پیالہ بھر کر انار دانے نکالے جس میں بادام اور شکر پڑی ہوئی تھی اور دونوں کھانے بیٹھ گئے۔ بدر الدین حسن نے کہا کہ تم نے میرے اوپر مہربانی کی ہے' کھاؤ' خدا مبارک کرے! لیکن عجیب نے اپنے باپ سے کہا کہ تو بھی ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھا تاکہ خدا ہمیں اس شخص سے ملا دے' جس سے ملنے کی ہمیں آرزو ہے۔ بدر الدین حسن نے کہا کہ بیٹا' تجھے اس کم سنی میں احباب کی جدائی ملی ہے؟ عجیب نے کہا کہ ہاں اے چچا' میرے دل میں احباب کی جدائی کی آگ بھڑک رہی ہے اور وہ میرا باپ ہے اور اس کے لیے میں اور میرا نانا ملک ملک پھر رہے ہیں۔ دیکھیں ہمیں خدا کب ملاتا ہے! یہ کہہ کر وہ زار زار رونے لگا اور اس کی جدائی اور رونے کی وجہ سے اس کا باپ بھی رونے لگا' اور اس کے بعد اپنے ماں باپ کی جدائی کا۔ ملازم کو بھی اس کے اوپر بڑا افسوس ہوا۔ اب تینوں کھانے بیٹھ گئے اور پیٹ بھر کر کھایا۔ اس کے بعد دونوں اٹھے اور بدر الدین حسن کی دوکان سے باہر آئے۔ اب اسے ایسا محسوس ہوا کہ گویا اس کی روح اس کے بدن سے نکل کر ساتھ جا رہی ہو۔ وہ صبر نہ کر سکا اور دوکان بند کر کے اس کے پیچھے ہو لیا' مگر یہ اسے معلوم نہ تھا کہ وہ اسی کا بیٹا ہے۔ وہ تیز تیز چلنے لگا یہاں تک کہ اس نے انہیں پکڑ لیا۔ قبل اس کے کہ وہ بڑے دروازے سے نکلیں۔ اب نوکر نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ خیر تو ہے؟ بدر الدین حسن نے جواب دیا کہ جب تم لوگ میرے پاس سے

جانے لگے تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میری روح بھی تمارے ساتھ چل دی' اور دروازے کے باہر شہر میں مجھے ایک کام ہے' اس لیے میرا ارادہ ہوا کہ میں بھی تمہارے ہمراہ

چلوں اور کام پورا کر کے لوٹ جاؤں۔

اس پر ملازم کو غصہ آ گیا اور وہ عجیب سے کہنے لگا کہ میں اسی بات سے تو ڈرتا تھا۔ ہم نے وہ منحوس نوالہ کھایا اور اب ہمیں اس کی پچ کرنی ہے اور وہ ہمارا جگہ جگہ پیچھا کر رہا ہے۔ عجیب نے پیچھے پھر کر دیکھا کہ باورچی ان کے ساتھ لگا ہوا ہے اور مارے غصے کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا لیکن اس نے ملازم سے کہا کہ یہ ہر مسلمان کی عام راہ ہے اگر وہ اس پر چل رہا ہے تو چلنے دے۔ لیکن جب ہم اپنے خیموں میں جائیں گے' اگر اس وقت بھی ہمارے پیچھے پیچھے آیا تو اسے نکال باہر کریں گے۔ یہ کہہ کر لڑکے نے سر نیچا کر لیا اور آگے بڑھا اور ملازم اس کے پیچھے پیچھے تھا اور بدر الدین حسن ان دونوں کے پیچھے۔ جب وہ میدان الحصی میں پہنچے اور خیمے قریب آ گئے تو ان دونوں نے الٹ کر دیکھا کہ وہ پیچھے لگا ہوا ہے۔ عجیب کو غصہ آیا اور وہ ڈرا کہ کہیں ملازم اس کے نانا کو خبر نہ کر دے۔ اس پر وہ غصب ناک ہوا کہ کہیں وہ یہ نہ کہہ دے کہ میں باورچی کی دوکان میں گیا تھا اور باورچی میرے پیچھے آ رہا ہے۔ اب اس نے دوبارہ پھر کر دیکھا اور اسے یہ نظر آیا کہ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے ہے اور اس پر مردنی چھائی ہوئی ہے۔ عجیب کو یہ محسوس ہو کہ وہ کوئی دھوکے باز یا حرامی ہے' اور اس کا غصہ اور بڑھ گیا اور اس نے ایک پتھر اٹھا کر اپنے باپ پر مارا۔ بدر الدین حسن بے ہوش ہو کر گڑ پڑا اور اس کے چہرے پر خون بہنے لگا اور عجیب اور نوکر خیمے میں چلے گئے۔

جب بدر الدین حسن کو ہوش آیا تو اس نے اپنا خون پونچھا اور اپنی پگڑی میں سے تھوڑا سا ٹکڑا پھاڑ کر اپنے سر پر پٹی باندھ لی اور اپنے آپ کو ملامت کرنے اور کہنے لگا کہ میں نے لڑکے پر ظلم کیا ہے کہ اپنی دوکان بند کر کے اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا اور اسے اس بات کا موقع دیا کہ وہ مجھے دھوکے باز خیال کرے۔ یہ کہہ کر وہ اپنی دوکان

کو واپس گیا اور کھانے کی چیزیں بیچنے میں مشغول ہو گیا اور اس کے دل میں اپنی ماں سے ملنے کی تمنا جوش مارنے لگی اور وہ اس کو یاد کر کے رونے لگا۔ ادھر بدر الدین حسن اپنا کھانا بیچنے میں مشغول رہا اور ادھر اس کا چچا جو وزیر تھا' دمشق میں تین دن ٹھہر کر حمص کی طرف روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچ گیا وہ راستے میں اور جہاں کہیں وہ سفر میں قیام کرتا تھا' تفتیش کرتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دیار بکر اور ماردین اور موصل پہنچا اور پھر سفر کرتے کرتے بصرے میں داخل ہوا۔ جب اس نے وہاں اپنی قیام گاہ درست کر لی تو وہاں کے سلطان کے پاس گیا اور اس سے ملا۔ سلطان نے اس کے رتبے کے موافق اس کا احترام کیا اور اس سے آنے کا سبب پوچھا۔ وزیر نے اپنا سارا قصہ بیان کر دیا اور یہ کہ نورالدین علی اس کا بھائی تھا۔ سلطان نے کہا کہ خدا اس پر رحم کرے اور وزیر کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے وزیر' وہ میرا وزیر تھا اور پندرہ سال تک میں نے اس کے ساتھ بڑی محبت کا سلوک کیا۔ اب وہ فوت ہو گیا ہے اور اس کا ایک بیٹا ہے جو محض ایک مہینہ ٹھہر کر غائب ہو گیا اور ہمیں اس کی بالکل خبر نہیں۔ مگر اس کی ماں یہاں ہے کیونکہ وہ میرے بڑے وزیر کی بیٹی ہے۔ جب وزیر شمس الدین نے بادشاہ سے سنا کہ اس کے بھتیجے کی ماں صحیح سلامت ہے تو وہ خوش ہو گیا اور بادشاہ سے کہنے لگا کہ جہاں پناہ' میں اسے ملنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے اسے فوراً اجازت دے دی اور اپنے بھائی نورالدین کے مکان میں اس سے ملنے گیا۔ اس نے گھر کے اندر چاروں طرف نظر دوڑائی اور اس کی دہلیزوں کو چوما اور نورالدین اور اس کے پردیس میں مرنے کو سوچ کر رونے لگا۔

اب دروازے سے آگے بڑھ کر وہ ایک بڑے آنگن اور محرابی دروازے میں داخل ہوا جو سخت مضبوط پتھر کا بنا ہوا تھا اور جس میں طرح طرح کے رنگ کے پتھروں کی پچی کاری تھی' اور وہ محل میں ادھر ادھر گھومنے لگا اور اس کو دیکھنے لگا اور اس کی نظر ایک طرف جا پڑی۔ اس کے بھائی نورالدین کا نام سونے کے پانی سے لکھا ہوا تھا۔ اس نے اس کے نام کے پاس جا کر اسے بوسہ دیا اور اس کی جدائی کو یاد کر کے رونے

لگا۔ اب وہ چلتے چلتے اپنی بھاوج بدر الدین حسن کی ماں کے کمرے تک پہنچا۔ جب سے اس کا بیٹا غائب ہوا تھا وہ دن رات گریہ و زاری کرتی رہتی تھی۔ جب کئی سال گزر گئے تو اس نے اپنے کمرے کے بیچ میں اپنے بیٹے کی ایک قبر مرمر کی بنوائی اور دن رات اس کے فراق میں روتی تھی اور سوتی بھی تھی تو اسی قبر کے پاس۔ جب وزیر اس کی قیام گاہ کے قریب پہنچا تو اس نے اس کے رونے کی آواز سنی اور وہ دروازے کے آگے ٹھہر گیا۔ اس نے ابھی رونا ختم نہیں کیا تھا کہ وزیر شمس الدین اندر آیا اور اسے سلام کیا اور کہنے لگا کہ میں تیرا جیٹھ ہوں۔ پھر اس نے سارا ماجرا بیان کیا اور تمام قصہ سنایا اور کہا کہ تیرا بیٹا بدر الدین حسن ایک پوری رات میری بیٹی کے ساتھ سویا ہے' جس کو اب دس سال ہونے کو آتے ہیں مگر صبح کو وہ غائب ہو گیا اور میری بیٹی کے تیرے بیٹے کا حمل رہ گیا اور اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا' جس کو میں ساتھ لایا ہوں کیونکہ وہ تیری اولاد ہے اور میری بیٹی کے بطن سے تیرا پوتا۔ جب اس نے اپنے بیٹے کا حال سنا اور یہ کہ وہ زندہ ہے اور اس کا جیٹھ اس کے سامنے کھڑا ہے تو وہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑی ہو گئی اور اس کے پاؤں پر گر پڑی اور انہیں چومنے لگی۔ اب وزیر نے عجیب کو بلوایا اور جب وہ پہنچا تو اس کی دادی کھڑی ہو گئی اور اسے گلے لگا کر رونے لگی۔ اس پر شمس الدین نے کہا کہ یہ رونے کا وقت نہیں ہے بلکہ تو سفر کی تیاری کر کے ہمارے ساتھ مصر چل۔ ممکن ہے کہ خدا ہمیں اور تجھے تیرے بیٹے' میرے بھتیجے سے ملا دے۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم اور فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور ضرورت کی چیزیں اور سامان اور زیور اکٹھا کر کے تیار ہو گئی۔

وزیر شمس الدین بصرے کے بادشاہ کے پاس گیا اور اس سے رخصت چاہی۔ بادشاہ نے مصر کے سلطان کے لیے تحفے تحائف اس کے ساتھ کر دیئے اور وہ فوراً چل دیا اور چلتے چلتے دمشق پہنچا اور القانون میں اترا اور خیمے ڈال دیئے اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ ہم یہاں ایک ہفتہ ٹھہر کر سلطان کے واسطے ہدیے اور تحفے خریدیں گے۔ عجیب

خیمے سے نکلا اور خادم سے کہنے لگا کہ اے لائق' میں ذرا سیرو تفریح کرنا چاہتا ہوں۔ چل ذرا بازار چلیں اور دمشق میں گھومیں اور دیکھیں کہ اس باورچی کا کیا حال ہے جس کا ہم نے کھانا کھایا اور سر پھوڑا تھا۔ اس نے ہمارے ساتھ نیکی کی تھی اور ہم نے اس کے ساتھ برائی۔

خادم نے کہا کہ بسرو چشم' اور عجیب اور اس کا خادم خیمے سے نکل کھڑے ہوئے اور پدری رشتہ اسے باپ کی طرف کھینچے لیے جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ جلد شہر میں داخل ہو گئے اور چلتے چلتے باورچی کی دوکان پر پہنچے اور دیکھا کہ وہ دوکان میں کھڑا ہوا ہے۔ عصر کا وقت قریب تھا اور یہ اتفاق تھا کہ اس نے پھر انار دانے پکائے تھے۔ جب دونوں اس کے قریب پہنچے اور عجیب کی نظر اس پر پڑی تو اس کے دل کو اس کی طرف کشش ہوئی اور اس نے اس کی پیشانی پر پتھر کی چوٹ کا نشان دیکھا اور کہا کہ السلام علیک اے فلاں۔ دیکھ کر میرا دل تجھ میں لگا ہوا ہے۔ جب بدر الدین نے اسے دیکھا تو اس کی آنتیں قل قل کرنے لگیں اور اس کا دل دھڑکنے لگا اور اس نے اپنا سر نیچا کر لیا اور چاہتا تھا کہ زبان سے کچھ کہے لیکن نہ کہہ سکا۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور اپنے بیٹے کی طرف خوشامد اور عاجزی سے دیکھنے لگا اور ان سے کہا کہ میرے دل کو تسلی دو اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ خدا کی قسم! جب میں نے تجھے پہلی بار دیکھا تو میرا دل دھڑکنے لگا تھا اور میں محض بدحواسی کی حالت میں تیرے پیچھے گیا تھا۔ عجیب نے کہا کہ واللہ تجھے ہم سے محبت ہے اور ہم نے تیری دعوت کھائی تھی مگر اس کے بعد تو ہمارے ساتھ ہو لیا تھا اور ہماری توہین کرنا چاہتا تھا۔ اب ہم محض اس شرط پر تیرا کھانا کھائیں گے کہ تو قسم کھائے کہ ہمارے پیچھے نہ آئے گا' ورنہ ہم اس کے بعد کبھی تیرے پاس نہ آئیں گے کیونکہ ہم ایک ہفتہ یہاں ٹھہریں گے اور میرا نانا بادشاہ کے لیے ہدیے خریدے گا۔ بدر الدین نے کہا کہ منظور ہے۔ اب عجیب اور نوکر دوکان کے اندر گئے اور اس نے ایک پیالہ بھر کر انار دانے ان کے سامنے پیش

کیئے۔ عجیب نے کہا کہ تو بھی ہمارے ساتھ کھا تاکہ خدا ہمیں خوشی عطا فرمائے۔ بدر الدین خوش ہو گیا اور ان کے ساتھ کھانے بیٹھ گیا' مگر اس کی آنکھیں عجیب کی طرف لگی ہوئی تھیں اور وہ دل و جان سے اس پر فدا ہو رہا تھا۔ عجیب نے کہا کہ میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ تو بڑا بھاری عاشق ہے اس لیے تو جتنا میرے چہرے کی طرف دیکھ سکتا ہے دیکھ۔

بدر الدین کبھی عجیب کے منہ میں لقمہ دیتا تھا اور کبھی نوکر' یہاں تک کہ وہ کھا کر سیر ہو چکے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب حسن اٹھا اور ان کے ہاتھ دھلائے اور اپنی کمر سے ایک ریشمی رومال کھول کر اس کے ہاتھ پونچھے اور پھر ان پر گلاب چھڑکا جو اس کے پاس ایک بوتل میں تھا۔ اب وہ دوکان سے باہر گیا اور ایک صراحی شربت بھری لے آیا' جس میں گلاب اور مشک ملا ہوا تھا اور ان کے سامنے پیش کیا اور کہنے لگا کہ میرے ساتھ پورا پورا احسان کرو۔ عجیب نے شربت لے کر پیا اور پھر نوکر کے آگے بڑھا دیا اور دونوں نے اتنا کھایا پیا کہ عادت کے خلاف ان کے پیٹ بھر گئے اور وہ سیر ہو گئے۔ اب وہ وہاں سے لوٹے اور جلد از جلد چل کر اپنے خیموں میں پہنچے اور عجیب اپنی دادی کے پاس گیا جو اس کے باپ بدر الدین حسن کی ماں تھی۔ دادی نے اسے بوسہ دیا اور اپنے بیٹے بدر الدین حسن کے دھیان غرق ہو گئی۔ پھر اس نے عجیب سے کہا کہ بیٹا' تو کہاں تھا؟ اس نے جواب دیا کہ شہر میں۔ اب وہ اٹھی اور اس نے ایک پیالہ انار دانوں کا اس کے سامنے لا رکھا جس میں مٹھاس کم تھی اور خادم سے کہا کہ اپنے آقا کے ساتھ بیٹھ جا۔ خادم نے اپنے دل میں کہا کہ واللہ' ہمارا جی کھانے کو بالکل نہیں چاہتا' مگر وہ بیٹھ گیا۔ عجیب بھی جب کھانے بیٹھا تو اس کا پیٹ بھی ان چیزوں سے بھرا ہوا تھا جو ابھی کھا پی کر آیا تھا۔ بہرحال اس نے ایک لقمہ اٹھایا اور اسے انار دانوں میں ڈبو کر کھایا مگر وہ اسے پھیکا سا معلوم ہوا کیونکہ اس کا پیٹ بھرا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ افوہ' یہ کیسا خراب کھانا ہے! اس کی دادی نے کہا کہ بیٹا' تو میرے کھانے میں عیب نکالتا ہے' میں نے خود اسے پکایا ہے اور سوائے تیرے

باپ بدر الدین حسن کے میری طرح کوئی کھانا نہیں پکا سکتا۔ عجیب نے کہا کہ اے میری آقا' واللہ یہ تیرا کھانا خراب ہے۔ ہم نے ابھی شہر میں ایک باورچی کو دیکھا ہے' جس نے انار دانے اتنے عمدہ پکائے تھے کہ اس کی خوشبو سے جی خوش ہو جاتا ہے اور ذائقہ اتنا اچھا تھا کہ جی چاہتا تھا کہ کھائے چلا جائے۔ تیرے کھانے اور اس کے کھانے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جب اس کی دادی نے اس کی یہ باتیں سنیں تو اسے سخت غصہ آیا اور اس نے خادم کی طرف دیکھا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی نظر آئی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی' جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چوبیسویں رات

جب چوبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ میں نے سنا ہے کہ جب عجیب کی دادی نے اس کی باتیں سنیں تو وہ غصے میں بھر گئی اور خادم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور کہنے لگی کی لعنت ہو تجھ پر! تو نے میرے بچے کو خراب کر دیا ہے کیونکہ تو اسے لے کر باورچیوں کی دوکانوں میں جاتا ہے۔ نوکر ڈرا اور کہنے لگا کہ جی نہیں' ہم دوکان میں نہیں گئے تھے۔ محض اس کے پاس سے گزرے تھے۔ عجیب نے کہا کہ واللہ' ہم گئے تھے اور کھانا کھایا تھا اور وہ کھانا تیرے کھانے سے اچھا تھا۔ یہ سن کر اس کی دادی اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی خبر اپنے جیٹھ کو کی اور اسے نوکر کے خلاف ورغلایا۔ اب نوکر' وزیر کے پاس حاضر ہوا اور وزیر نے اس پوچھا کہ تو میرے بیٹے کو باورچی کی دوکان میں کیوں لے گیا تھا؟ نوکر ڈرا اور کہنے لگا کہ ہم نہیں گئے تھے' عجیب نے کہا کہ ہاں' ہم گئے تھے اور ہم نے انار دانے کھائے تھے۔ یہاں تک کہ ہم سیر ہو گئے اور باورچی نے ہمیں برف اور شکر کا شربت بھی پلایا تھا۔ یہ سن کر وزیر' نوکر پر اور زیادہ غضب ناک ہو گیا اور اس سے دوبارہ پوچھا لیکن اس نے دوبارہ انکار کیا۔ اس پر وزیر نے کہا کہ اگر تو سچ کہتا ہے تو ہمارے سامنے بیٹھ کر کھا۔ اب خادم آگے بڑھا اور کھانے کا ارادہ کیا لیکن اس سے کھایا نہ گیا اور اس نے لقمہ پھینک دیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا' میں کل کے کھانے سے ابھی سیر ہوں۔ وزیر سمجھ گیا کہ باورچی کے پاس سے کھا کر آیا ہے اور اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ اسے زمین پر پٹکیں اور انہوں نے اسے پٹکا اور وزیر نے سخت مار مارنی شروع کی تو نوکر پناہ مانگنے لگا اور کہا کہ اے میرے سردار مجھے مت مار۔ میں تجھ سے سچ سچ کہے دیتا ہوں۔ اس پر وزیر نے ہاتھ روک لیا اور کہنے لگا کہ سچ سچ کہہ۔ اس نے جواب دیا کہ سن' ہم واقعی باورچی کی دوکان میں گئے تھے جبکہ وہ انار دانے پکا رہا تھا۔ اور اس نے ہمیں اس میں سے چکھنے کے لیے دیا تھا۔ خدا کی قسم'

میں نے عمر بھر ایسا کھانا نہیں کھایا' اور نہ اس کھانے سے جو ہمارے آگے ہے' بدتر کھانا کبھی چکھا۔

بدر الدین حسن کی ماں کو غصہ آ گیا اور وہ کہنے لگی کہ تجھے ابھی اس کے پاس جا کر اس کے انار دانوں میں سے ایک پیالہ لانا اور انہیں اپنے آقا کو دیکھانا ہو گا تا کہ وہ فیصلہ کرے کہ دونوں میں سے کون سا بہتر اور زیادہ مزے دار ہے۔ نوکر نے کہا کہ بہت خوب' اور اس نے نوکر کو ایک پیالہ اور نصف دینار دیا۔ نوکر روانہ ہوا اور دوکان پر پہنچ کر باورچی سے کہا کہ ہم نے تیرے کھانے پر شرط لگائی ہے کیونکہ ہمارے آقا کے گھر بھی آج انار دانے پکے ہیں۔ اس آدھ دینار کے انار دانے ہمیں دے اور نتیجے کا انتظار کر کیونکہ ہم نے تیرے کھانے کے پیچھے سخت مار کھائی ہے۔ بدر الدین ہنسا اور کہنے لگا کہ واللہ اس کھانے کو سوائے میرے اور میری ماں کے اور کوئی اچھی طرح نہیں پکا سکتا اور وہ اس وقت یہاں سے بہت دور ہے۔ یہ کہہ کر اس نے پیالہ بھر دیا اور اسے اپنے ہاتھ میں لے کر اوپر سے مشک اور گلاب کا عرق چھڑک دیا۔ نوکر اسے لے کر بھاگا اور ان کو وہ پیالہ دیا۔ حسن کی والدہ نے اسے لے کر چکھا اور دیکھا کہ کیسا اچھا مزہ ہے اور کس خوبی سے پکا ہوا ہے اور وہ سمجھ گئی کہ اس کا پکانے والا کون ہے اور وہ رونے لگی اور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ وزیر دم بخود ہو کر رہ گیا اور اس کے اوپر گلاب چھڑکا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اس کو افاقہ ہوا تو اس نے کہا کہ اگر میرا بیٹا ابھی تک زندہ ہے تو یہ انار دانے سوائے اس کے اور کسی نے نہیں پکائے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ وہ میرا بیٹا بدر الدین حسن ہے اور دیکھ لینا یہی نکلے گا کیونکہ یہ کھانا ہم دو پکا سکتے ہیں اور میں نے ہی اسے سکھایا ہے۔

جب وزیر نے یہ سنا تو خوشی کے مارے اس کی باچھیں کھل گئیں اور وہ کہنے لگا کہ آہ میری تمنا اپنے بھتیجے کو دیکھنے کی! کیا تمہارا ابھی یہی خیال ہے کہ زمانہ ہمیں اس سے ملا کر رہے گا؟ اور ہم سوائے خدا کے اور کسی سے یہ دعا نہیں کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس سے ملائے۔ یہ کہتے ہی وزیر اٹھ کھڑا ہوا اور باہر جا کر اپنے آدمیوں

سے کہنے لگا کہ تم میں سے بیس آدمی ابھی باورچی کی دوکان پر جائیں اور اسے مسمار کر دیں اور اس کی پگڑی سے اس کی مشکیں باندھ کر زبردستی میرے پاس لے آئیں' لیکن اسے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ بہت خوب۔ اس کے بعد وزیر سوار ہو کر فوراً حکومت کے ایوان میں گیا اور دمشق کے حاکم سے ملاقات کی اور وہ اسے خطوط دکھائے جو وہ سلطان سے لایا تھا۔ حاکم نے انہیں الٹ پلٹ کر پڑھا اور اپنے سر پر رکھا اور کہنے لگا کہ وہ تیرا مجرم کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک باورچی۔ حاکم نے اپنے پیش کاروں کو حکم دیا کہ وہ اس کی دوکان پر جائیں۔ جب وہ وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ دوکان مسمار پڑی ہے اور اس کی ساری چیزیں توڑ ڈالی گئی ہیں کیونکہ جب وہ حکومت کے ایوان میں گیا تھا تو اس کے نوکر اس کا حکم بجا لائے اور اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ وہ حکومت کے ایوان سے واپس آئے۔ بدر الدین حسن ان سے کہہ رہا تھا کہ بتاؤ تو سہی کہ انار دانوں میں انہوں نے کیا بات دیکھی کہ یہاں تک نوبت پہنچی۔

اب وزیر بھی دمشق کے حاکم کے پاس سے لوٹ آیا تھا اور اس سے یہ حکم لے لیا تھا کہ وہ مجرم کو لے کر روانہ ہو جائے۔ جب وزیر اپنے خیموں میں پہنچا تو اس نے باورچی کو طلب کیا اور لوگوں نے اسے اس حالت میں پیش کیا کہ اس کے عمامے سے اس کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں۔ جب بدر الدین حسن نے اپنے چچا کو دیکھا تو وہ زار و قطار رونے لگا اور اس نے کہا کہ اے میرے سردار میں نے تمہارا کیا گناہ کیا ہے؟ وزیر نے کہا کہ تو ہی نے انار دانے پکائے ہیں؟ اس نے کہا کہ جی ہاں۔ اس میں کون سی ایسی چیز پائی گئی ہے کہ اس کے جرم میں' میں گردن زدنی ٹھہرا؟ وزیر نے کہا کہ میں تیرے اوپر احسان کرتا ہوں اور تیری سزا کم کئے دیتا ہوں۔ اس نے کہا کہ اے میرے آقا' تو مجھے میرا گناہ کیوں نہیں بتاتا؟ وزیر نے جواب دیا کہ ابھی بتاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے غلاموں کو چلا کر آواز دی اور کہا کہ ساربان کو بلاؤ۔

لوگوں نے بدر الدین حسن کو اپنے ساتھ لیا اور اسے ایک صندوق میں بند کر کے اس میں قفل لگا دیا اور روانہ ہو گئے۔ جب چلتے چلتے رات ہو گئی تو وہ ٹھہرے اور کچھ کھانا کھایا اور بدر الدین کو نکال کر کھانا کھلایا اور پھر اسے صندوق میں بند کر دیا۔

یہی ان کا دستور جاری رہا یہاں تک کہ وہ قمرہ پہنچے اور انہوں نے بدر الدین حسن کو صندوق سے نکالا اور وزیر نے اس سے پوچھا کہ تو ہی نے انار دانے پکائے تھے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں' میرے آقا۔ وزیر نے حکم دیا کہ اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دو۔ انہوں نے بیڑیاں ڈال کر پھر صندوق میں بند کر دیا اور چلتے چلتے وہ مصر پہنچے اور ریدانیہ میں اترے۔ وزیر نے حکم دیا کہ بدر الدین حسن کو صندوق سے نکالیں اور ایک بڑھئی کو بلائیں۔ جب بڑھئی آیا تو وزیر نے کہا' اس کے لیے ایک لکڑی کا صلیب بنا۔ بدر الدین حسن نے کہا کہ صلیب کا تو کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ تجھے اس پر چڑھا کر کیلوں سے جڑ دوں گا اور پھر تجھے سارے شہر میں پھراؤں گا۔ اس نے پوچھا کہ کس گناہ پر تو میرے ساتھ یہ حرکت کرے گا؟ وزیر نے کہا کہ اس گناہ پر کہ تو نے انار دانے خراب پکائے تھے۔ تو نے کیسا پکایا ہے کہ اس میں کالی مرچیں بالکل نہیں؟

اس نے کہا کہ محض کالی مرچوں کے نہ ہونے سے تو یہ ساری سزائیں مجھے دے رہا ہے۔ کیا یہ کافی نہیں ہے کہ تو نے مجھے قید کر رکھا ہے اور ہر روز ایک بار کھانے کو دیتا ہے؟ وزیر نے کہا کہ کالی مرچیں نہیں ہیں اور اس کے بدلے تیری سزا قتل ہے۔ اس پر بدر الدین کو تعجب ہوا اور وہ اپنی زندگی پر افسوس کرنے لگا۔ وزیر نے پوچھا کہ تو کیا سوچ رہا ہے؟ اس نے کہا کہ ان لوگوں کو جن کے دماغ میں تیری طرح گھن لگ گیا ہے' کیوں کہ اگر عقل درست ہوتی تو' تو میرے ساتھ یہ کروائی نہ کرتا۔ وزیر نے کہا کہ تجھے سزا دینی ضروری ہے تاکہ تو پھر ایسا کام نہ کرے۔ بدر الدین حسن نے جواب دیا کہ جو کاروائی تو نے میرے ساتھ کی ہے اس کے مقابلے میں سزا کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس نے کہا بغیر اس کے چارہ نہیں کہ تجھے پھانسی دی

جائے۔
یہ گفتگو باہم ہو رہی تھی اور بڑھئی تختے بنا رہا تھا اور بدر الدین اسے دیکھ رہا تھا۔ اس اثنا میں رات ہو گئی اور اس کے چچا نے اسے لے کر صندوق میں بند کر دیا اور کہا کہ باقی کارروائی کل کی جائے گی۔ اس کے بعد وہ انتظار میں رہا کہ بدر الدین سو جائے۔ جب اس کو یقین ہو گیا کہ وہ سو گیا ہے تو وہ اٹھا اور گھوڑے پر سوار ہوا اور صندوق کو اپنے آگے رکھ لیا اور شہر پہنچ کر اپنے گھر آیا اور اپنی بیٹی ست الحسن سے کہا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے تجھے تیرے چچا زاد سے ملایا۔ اٹھ اور گھر کو اسی طرح فرش فروش سے آراستہ کر' جس طرح تو نے منہ دکھائی کے دن کیا تھا۔ لوگ اٹھے اور انہوں نے شمعیں روشن کیں اور وزیر نے وہ کاغذ نکالا' جس میں اس نے لکھ چھوڑا تھ اکہ کون سی چیز کہاں تھی اور لوگوں نے اسی کے مطابق ہر چیز کو آراستہ کیا' یہاں تک کہ دیکھنے والے کو بالکل شک نہ ہو سکتا تھا کہ یہ بعینہ منہ دکھائی کی رات ہے' اس کے بعد وزیر نے حکم دیا کہ بدر الدین حسن کی پگڑی اسی جگہ رکھی جائے جہاں اس نے اسے خود اپنے ہاتھ سے رکھا تھا۔ اسی طرح پاجامہ اور تھیلی جو بچھونے کے نیچے تھی۔ پھر وزیر نے اپنی لڑکی سے کہا کہ اپنے کپڑے اتار ڈال' جس طرح تو نے منہ دکھائی کی رات خلوت میں کیا تھا اور جب تیرا چچا زاد تیرے پاس آئے تو اس سے کہیو کہ تو نے بیت الخلا سے لوٹنے میں بہت دیر لگائی اور اسے اپنے پاس سونے دیجیو اور اس سے باتیں کیجیو یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔ صبح کے وقت میں اس سے سارا ماجرا بیان کر دوں گا۔
یہ کہہ کر وزیر نے بدر الدین کو صندوق سے نکالا اور اس کے پاؤں کی بیڑیاں کاٹیں اور اس کے سارے کپڑے اتار ڈالے اور انگی سونے کی قمیض بغیر پاجامے کے پہنا دی۔ یہ ساری باتیں ہو رہی تھیں اور وہ خواب میں تھا اور اسے کچھ خبر نہ تھی۔ اب خدا کو یہ منظور تھا کہ بدر الدین نے کروٹ بدلی اور جاگ پڑا اور اپنے آپ کو ایک روش دہلیز میں پایا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں پریشان خواب دیکھ رہا تھا اب اٹھ

کر دوسرے کمرے تک گیا تو دیکھا کہ یہ وہی کمرہ ہے جہاں اس کی دلہن کی منہ دکھائی اس کے سامنے کی گئی تھی اور وہی دالان اور وہی کرسی۔ جب اس کی نظر اپنے عمامے اور کپڑوں پر پڑی تو وہ حواس باختہ ہو گیا اور اس کا ایک قدم آگے اور ایک پیچھے پڑنے لگا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں خواب میں ہوں یا جاگ رہا ہوں؟ وہ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتا جاتا اور تعجب سے کہتا جاتا تھا کہ واللہ یہ تو وہی مکان ہے، جس میں دلہن کی منہ دکھائی میرے سامنے ہوئی تھی! آخر میں ہوں کہاں! میں تو صندوق میں بند تھا۔

وہ اپنے دل میں یہی باتیں کر رہا تھا کہ اتنے میں ست الحسن نے دالان کا پردہ اٹھایا اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا، اندر کیوں نہیں آتا، تو نے بیت الخلا میں بہت دیر لگا دی۔ جب اس نے اسے یہ کہتے سنا اور اس کا چہرہ دیکھا تو وہ ہنسنے لگا اور کہا کہ میں پریشان خواب دیکھ رہا تھا۔ یہ کہہ کر وہ اندر گیا اور ایک لمبی سی سانس کھینچی اور سارے ماجرے پر غور کرنے اور تعجب کرنے لگا اور جا اس نے اپنی پگڑی اور پاجامہ اور وہ تھیلی دیکھی جس میں ایک ہزار دینار تھے تو اسے اور بھی مشکل پڑی اور وہ کہنے لگا کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میں پریشان خواب دیکھ رہا تھا۔ اب ست الحسن نے اس سے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو ایسا حیران اور بدحواس معلوم ہوتا ہے؟ شروع رات میں تو، تو ایسا نہ تھا! وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ مجھے یہاں سے گئے کتنا وقت ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ خدا تجھے سلامت رکھے اور اس کا نام تیری حفاظت کرے تو حاجت رفع کرنے گیا تھا اور اب واپس آیا ہے کیا تیری عقل جاتی رہی؟

جب بدر الدین نے یہ سنا تو وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ تو سچ کہتی ہے لیکن جب میں تیرے پاس سے گیا تو بیت الخلا میں جا کر سو گیا اور میں نے خواب میں دیکھا کہ میں دمشق میں باورچی ہوں اور وہاں دس سال قیام کیا اور یہ دیکھا تھا کہ میرے پاس ایک لڑکا آیا جو کسی بڑے آدمی کا بیٹا تھا اور اس کے ساتھ ایک نوکر تھا۔ یہ کہہ کر بدر الدین حسن نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور چوٹ کا نشان محسوس کیا اور کہنے لگا کہ

اے میری آقا' یہ تو واقعہ معلوم ہوتا ہے' کیونکہ اس نے میری پیشانی پر پتھر مارا تھا اور وہ پھٹ گئی تھی۔ یہ تو بیداری کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ پھر وہ کہنے لگا کہ جب ہم دونوں آپس میں لیٹ کر سو گئے تھے تو گویا میں نے یہ سب باتیں خواب میں دیکھیں اور یہ کہ میں بغیر ٹوپی اور پاجامے کے دمشق گیا اور وہاں باورچی گیری کرنے لگا۔

اس کے بعد وہ پھر تھوڑی دیر تک بدحواس رہا اور کہنے لگا کہ میں نے دیکھا کہ میں نے انار دانے پکائے ہیں' جن میں مرچیں کم تھیں۔ واللہ میں بیت الخلا گیا ضرور سو گیا ہوں گا اور یہ سب خواب دیکھا ہو گا۔

اب ست الحسن کہنے لگی کہ خدا کی قسم بتا کہ تو نے کیا دیکھا اور بدر الدین نے سارا قصہ بیان کیا اور کہنے لگا کہ واللہ اگر میں جاگ نہ پڑتا تو وہ مجھے صلیب پر چڑھا دیتے۔

اس نے پوچھا کس وجہ سے؟ اس نے جواب دیا کہ انار دانوں میں مرچوں کی کمی کی وجہ سے اور گویا انہوں نے میری دوکان ڈھا دی تھی اور میرے برتن توڑ ڈالے تھے اور مجھے صندوق میں بند کر دیا تھا اور ایک بڑھئی کو بلا لائے تھے جس نے تختے بنائے تھے کیونکہ وہ مجھے پھانسی دینا چاہتے تھے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ یہ ساری باتیں خواب میں پیش آئیں' جاگتے میں نہیں۔ اس پر ست الحسن ہنس پڑی اور دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر سو گئے۔ اب وہ سوچ میں پڑ گیا اور کہنے لگا کہ واللہ یہ باتیں تو بیدار کی سی معلوم ہوتی ہیں۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ دونوں میں کون سے بات صحیح ہے۔

یہ کہہ کر وہ لیٹ گیا اور سخت حیران تھا' کبھی کہتا تھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے اور کبھی کہتا تھا کہ نہیں یہ بیداری کی باتیں ہیں۔ صبح تک وہ اسی پریشانی میں تھا کہ اس کا چچا وزیر شمس الدین اس کے پاس آیا اور سلام کیا۔ بدر الدین حسن اسے دیکھ کر کہنے لگا کہ کیا تو وہی شخص نہیں ہے جس نے یہ حکم دیا تھا کہ میں قید کر لیا جاؤں اور صلیب پر جڑ دیا جاؤں اور میری دوکان ڈھا دی جائے کیونکہ انار دانوں میں مرچیں کم تھیں؟ یہ سن کر وزیر نے کہا کہ بیٹا سچ ظاہر ہو گیا جو بات پوشیدہ تھی' وہ کھل

گئی۔ تو واقعی میں برادر زادہ ہے۔ یہ سارا گورکھ دھند اس لیے کیا تھا کہ مجھے تحقیق کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ تو ہی اس رات میری بیٹی کے ساتھ سویا تھا۔ یہ تحقیق مجھے اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک تو نے مکان کو اور اپنی پگڑی اور پاجامے کو اپنے دیناروں کو اور اس کاغذ کو جو تو نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور اس کاغذ کو جو تیرے باپ نے لکھا تھا جو میرا بھائی تھا' پہچان نہ لیا کیونکہ میں نے تجھے کبھی نہ دیکھا تھا اور تجھے پہچانتا نہ تھا۔ میں تیری ماں کو بصرے سے اپنے ساتھ لیتا آیا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اس سے لپٹ گیا اور رونے لگا۔ جب بدر الدین حسن نے چچا کی باتیں سنیں تو اسے سخت تعجب ہوا اور وہ اپنے چچا کے گلے سے لپٹ گیا اور مارے خوشی کے رونے لگا۔

اب وزیر نے اس سے کہا کہ یہ ساری باتیں اس وجہ سے ہوئیں جو میرے تیرے والد کے درمیان پیش آئی تھی۔ یہ کہہ کر اس نے وہ سارا ماجرا بیان کر دیا اور یہ کہ اس کا باپ کیوں بصرے گیا۔ اب وزیر نے عجیب کو بلوایا اور جب اس کے باپ نے اسے دیکھا تو کہنے لگا کہ یہی وہ لڑکا ہے' جس نے مجھے پتھر مارا تھا۔ وزیر نے کہا کہ یہ تیرا بیٹا ہے۔ یہ سن کر وہ اس سے لپٹ گیا۔ اتنے میں اس کی ماں آئی اور اس سے لپٹ گئی اور اس کے جانے کے بعد سارا واقعہ بیان کیا اور اس نے بھی اپنی ماں سے اپنی ساری سرگزشت بیان کی' اور سب نے دوبارہ ملنے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

جب وزیر شمس الدین کو آئے ہوئے دو روز ہو گئے تو وہ سلطان کے پاس گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور شاہانہ شان کے مطابق اسے سلام کیا۔ سلطان خوش ہو گیا اور اس کے چہرے پر بشاشت آ گئی اور اسے اپنے پاس بلایا اب وزیر نے اپنے سفر کا سارا قصہ اس سے بیان کیا۔ سلطان نے کہا کہ شکر ہے خدا کا' تجھے اپنے ارادے میں کامیابی ہوئی تو تو صحیح و سالم اپنے اہل و عیال کے پاس واپس آیا۔ میں تیرے برادر زادے حسن البصری کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ کل اسے دربار میں حاضر لائیو۔ شمس الدین نے کہا کہ انشاء اللہ تیرا غلام کل ضرور حاضر ہو گا۔ یہ کہہ کر وہ آداب بجا لایا اور چلا گیا۔ گھر آ کر اس نے اپنے برادر زادے سے کہا

کہ سلطان تیری ملاقات کا مشتاق ہے۔ حسن نے کہا کہ غلام اپنے آقا کا فرمانبردار ہے۔
الغرض وہ اپنے چچا شمس الدین کے ساتھ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور جب اس کے سامنے پہنچا تو بہترین اور مکمل ترین طریقے سے سلام بجا لایا۔ سلطان نے مسکرا کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ اپنے چچا شمس الدین کے قریب بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے اس کا نام پوچھا' اس نے کہا کہ تیرا حقیر ترین غلام حسن البصری کہلاتا ہے اور وہ دن رات تیرے لیے دعا کرتا ہے۔ سلطان کو اس کی باتیں پسند آئیں' اس نے چاہا کہ اس کے علم و ادب کا امتحان کرے اور اس سے کہنے لگا کہ تل کی تعریف تجھے کچھ یاد ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جی ہاں' اور یہ اشعار پڑھے۔

"جب میں اپنے محبوب کو یاد کرتا ہوں تو میرے آنسوؤں کا تار بندھ جاتا ہے اور میں زور زور سے چلانے لگتا ہوں۔ اس کے ایک تل سے جو خوبصورتی اور رنگ میں آنکھ کی پتلی یا دل کے سیاہ نقطے کی طرح ہے۔"

بادشاہ کو یہ دونوں شعر بہت پسند آئے اور اس نے کہا کہ' خدا تعالیٰ تیرے باپ پر رحم کرے اور تیری گویائی میں برکت دے! پھر اس نے دو شعر پڑھے:

"جو لوگ تل کو مشک کے دانے سے تشبیہہ دیتے ہیں ان کی بات پر تعجب مت کر بلکہ اس چہرے پر تعجب کر جس میں سارا حسن کوٹ کوٹ کر بھرا ہے اور ایک دانے کی بھی کمی بیشی نہیں ہے۔"

بادشاہ مارے خوشی کے جھومنے لگا اور کہا کہ اور کہہ' خدا تیری عمر زیادہ کرے! اس نے کہا:

"تیرے رخسار کا تل ایسا ہے جیسا کہ یاقوت پر مشک کا نقطہ۔ اے میرے دل کے نقطے اور اس کی خوراک مجھے اپنے وصال سے خوش کر اور سخت دل مت ہو۔"

بادشاہ نے کہا کہ اے حسن' خوب کہا اور تکمیل کو پہنچا دیا۔ اچھا یہ بتا کہ لغت میں خال کتنے معنوں میں استعمال ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا بادشاہ کو سلامت رکھے اٹھاون معنوں اور بعض کہتے ہیں کہ پچاس معنوں میں۔

بادشاہ نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے۔ اچھا یہ بتا کہ تجھے حسن کی تفصیل معلوم ہے۔ اس نے کہا کہ جی ہاں۔ چہرے کا حسن صباحت کہلاتا ہے۔ رنگ کا وضاءت' ناک کا جمال' آنکھوں کا حلاوت' منہ کا ملاحت' زبان کا ظرافت' قد کا رشاقت' عادت و اطوار کا لیاقت اور باتوں کا حسن کمال ہے۔

بادشاہ یہ سن کر خوش ہو گیا اور اس سے محبت کرنے لگا اور اس سے کہا کہ اس مثل کے کیا معنی ہیں کہ شریح لومڑی سے زیادہ چالاک ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بادشاہ سلامت خدا تجھے کامرانی دے! طاعون کے زمانے میں شریح نجف گیا اور جب وہ نماز پڑھنے کھڑا ہوتا تو ایک لومڑی اس کے سامنے آ کر اس کی نقل اتارتی اور اس کی توجہ نماز کی طرف سے ہٹ جاتی۔ جب اس طرح کئی دن گزرے تو اس نے ایک روز اپنی قمیض اتار کر ایک لکڑی پر ٹانگی اور اس کی دونوں آستینیں باہر نکال کر

اس پر اپنی پگڑی رکھ دی اور اس کے بیچ پٹکا باندھ لیا اور اس لکڑی کو اس جگہ کھڑا کر دیا' جہاں وہ نماز پڑھا کرتا تھا۔ اب لومڑی اپنی عادت کے موافق آئی اور اس کے سامنے کھڑی ہو گئی اور شریح نے پیچھے سے آکر اسے پکڑ لیا۔ یہی وجہ ہے اس مثل کی۔

جب سلطان نے حسن البصری کا بیان سنا تو اس کے چچا شمس الدین سے کہنے لگا کہ یہ تیرا برادرزادہ ادب کے فن میں کامل ہے اور میرے خیال میں اس کی نظیر مصر میں ناپید ہے۔ اس پر حسن البصری اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اپنے آقا کے سامنے غلاموں کی طرح بیٹھ گیا۔ سلطان کو حسن البصری کی زبان دانی پر بے حد خوشی ہوئی اور اس نے اسے ایک نفیس خلعت عطا کی اور اس کی حالت بہتر کرنے کے لیے ایک عہدہ اس کے سپرد کر دیا۔ حسن البصری اٹھا اور زمین کو بوسہ دیا اور دعا دی کہ خدا اس کی عزت ہمیشہ قائم رکھے' اور اپنے چچا کے ساتھ جانے کی اجازت مانگی اور بادشاہ نے اسے اجازت دے دی۔ اب چچا بھتیجے نکل کر گھر

آئے اور ان کے سامنے کھانا لایا گیا اور جو کچھ خدا نے ان کو دیا تھا' انہوں نے کھایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر حسن اپنی بیوی ست الحسن کے پاس گیا اور جو کچھ اسے بادشاہ کے دربار میں پیش آیا تھا کہہ سنایا۔ اس نے کہا کہ وہ تجھے ضرور اپنا ندیم بنائے گا اور تیری تنخواہ میں اضافہ کرے گا اور تجھے اور زیادہ تحفے دے گا کیونکہ خدا کے فضل سے تو سورج کی مانند ہے اور سمندر یا خشکی میں جہاں کہیں بھی ہو گا' اپنے کمال کی روشنی پھیلائے گا۔ اس نے کہا کہ میں بادشاہ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھنا چاہتا ہوں تاکہ اس کے دل میں میری محبت اور زیادہ ہو جائے۔ اس نے کہا کہ تیرا ارادہ درست ہے۔ جا اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر لکھ اور اپنے کلام میں عقل و حکمت کی باتیں بیان کر اور مجھے یقین ہے کہ سلطان کو بہت پسند آئے گا۔

جب وہ قصیدہ لکھ چکا تو اسے اپنے چچا کے ایک غلام کے ہاتھ سلطان کے پاس بھیجا۔ بادشاہ اسے پڑھ کر بہت خوش ہوا اور اسے حاضرین کے سامنے پڑھا اور انہوں نے اس کی بڑی تعریف کی۔ اب بادشاہ نے اسے اپنے دربار میں طلب کیا اور جب وہ آیا تو بادشاہ نے کہا کہ تو آج سے میرا ندیم ہے۔ اور تیری پرانی تنخواہ کے علاوہ میں تیرے لیے اور ایک ہزار دینار مشاہرہ مقرر کرتا ہوں۔ حسن البصری اٹھا اور اس نے اس کے آگے تین بار زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ خدا تیری عزت ہمیشہ قائم رکھے اور تیری عمر میں برکت دے! اب حسن البصری کی قدر و منزلت بڑھتی گئی اور اس کا شہرہ دور دراز ملکوں میں پہنچا اور اس نے مرتے دم تک اپنے چچا اور اہل و عیال کے ساتھ عیش و عشرت کی زندگی بسر کی۔

جب ہارون الرشید نے جعفر کے منہ سے یہ کہانی سنی تو وہ حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ ان کہانیوں کو ضرور سونے کے پانی سے لکھ۔ یہ کہہ کر اس نے غلام کو چھوڑ دیا اور حکم دیا کہ جوان کو ہر مہینے اتنا دیا جائے کی اس کی زندگی عیش و عشرت سے گزرے اور اسے اپنے پاس سے ایک لونڈی عطا کی اور اسے اپنا ندیم بنایا۔

لیکن یہ کہانی درزی اور کبڑے اور یہودی اور خانساماں اور عیسائی کی کہانی سے زیادہ عجیب

نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ وہ کیا کہانی ہے:

○ درزی اور کبڑے اور یہودی اور خانساماں اور عیسائی کی کہانی

شہر زاد نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ پرانے زمانے میں چین کے شہر میں ایک درزی رہتا تھا جو بڑا فضول خرچ تھا اور کھیل کود کا شائق اور وہ اور اس کی بیوی اکثر کھیل تماشے دیکھنے جایا کرتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ وہ صبح کے وقت گھر سے نکلے اور شام کے قریب لوٹے تو راہ میں ایک کبڑے کو دیکھا جس کی صورت دیکھ کر مصیبت زدہ ہنس پڑے اور غمگین کا رنج و الم دور ہو جائے۔ درزی اور اس کی بیوی اس کا مذاق اڑانے لگے اور پھر انہوں نے اس سے کہا کہ ہمارے ساتھ چل کہ آج کی رات بیٹھ کر مئے نوشی کریں۔ اس نے اسے منظور کر لیا اور ان کے ساتھ ان کے گھر گیا۔ درزی بازار گیا' اور رات تو ہو چکی تھی' اور اس نے تلی ہوئی مچھلیاں اور روٹی اور نیبو اور میٹھا منہ کرنے کے لیے مٹھائی خریدی۔ آکر مچھلیاں کبڑے کے آگے رکھ دیں اور سب کھانے لگے۔ اب درزی کی بیوی نے مچھلی کا ایک بڑا ٹکڑا لے کر اس کبڑے کے منہ میں دے دیا اور اپنے ہاتھ سے اس کا منہ بند کر لیا اور کہنے لگی کہ اسے ایک بار ایک ہی سانس میں نگل جا' میں تجھے چبانے نہ دوں گی۔ کبڑا اسے نگل گیا' اس میں ایک موٹا سا کانٹا تھا جو اس کے حلق میں چبھ گیا اور وہ مر گیا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی' جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پچیسویں رات

جب پچیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب درزی کی بیوی نے کبڑے کو مچھلی کا بڑا سا لقمہ دیا تو اس کی قضا آ چکی تھی اور وہ فوراً مر گیا۔ درزی نے کہا کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ اس کی موت اس طرح ہمارے ہاتھوں لکھی ہوئی تھی۔ درزی کی بیوی نے کہا کہ اب دیر کیسی! اس کے شوہر نے کہا کہ کیا کیا جائے؟ اس نے جواب دیا کہ اٹھ اور اسے اپنی گود میں لے اور اس کے اوپر ایک ریشمی رومال ڈال اور چل۔ میں تیرے آگے آگے چلوں گی اور تو پیچھے پیچھے آئیو۔ رات تو ہے ہی۔ اگر کوئی پوچھے تو کہیو کہ یہ میرا بیٹا ہے اور یہ اس کی ماں اور ہم دونوں اسے حکیم کے پاس لے جا رہے ہیں تا کہ اس کی نبض دیکھے۔ درزی یہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور کبڑے کو گود میں اٹھا کر چل دیا۔ اس کی بیوی کہتی جاتی تھی کہ بیٹا' خدا تجھے تندرستی دے' تیرے کہاں درد ہوتا ہے؟ اور چیچک تیرے کس جگہ نکلی ہے؟ جو کوئی انہیں راہ میں ملتا تو وہ کہتے کہ ہم بیمار بچے کو لیے جا رہے ہیں۔ اسی طرح وہ حکیم کے گھر کا پتہ پوچھتے چلے جا رہے تھے اور لوگوں نے انہیں ایک یہودی حکیم کے گھر پہنچا دیا۔ انہوں نے دستک دی اور ایک کالی لونڈی نے آکر دروازہ کھولا اور دیکھا کہ ایک شخص بچے کو لیے کھڑا ہے اور اس کی بیوی ساتھ ہے۔ لونڈی نے پوچھا کہ کیا ہے؟ درزی کی بیوی نے جواب دیا کہ ہم ایک بچے کو لائے ہیں اور چاہتے ہیں کہ حکیم جی اسے دیکھیں۔ یہ چوتھائی دینار لے اور اپنے آقا کو دے اور اس سے کہ کہ اتر کر میرے بیٹے کو دیکھ لے کیونکہ وہ بیمار ہے۔ لونڈی اوپر گئی اور درزی کی بیوی دروازے کے اندر جا کر اپنے شوہر سے کہنے لگی کہ کبڑے کو یہاں لا کر چھوڑ دے اور ہم یہاں سے اپنی جان لے کر بھاگ چلیں۔ درزی نے کبڑے کو دیوار

سے ٹیک لگا کر کھڑا کر دیا اور اپنی بیوی کو لے کر وہاں سے چلتا ہوا۔
اب لونڈی کا قصہ سنئے! وہ یہودی کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ دروازے پر ایک شخص ہے' جس کے ساتھ ایک بیمار عورت ہے۔ انہوں نے مجھے ربع دینار دیا ہے کہ تجھے دوں اور تو اتر کر اس کی نبض دیکھے اور نسخہ لکھ دے۔ جب یہودی نے وہ ربع دینار دیکھا تو خوش ہو گیا اور اٹھ کر فوراً اندھیرے میں نیچے اترا اور اترتے ہی اس کا پاؤں کبڑے پر پڑا اور وہ گر گیا کیونکہ وہ مردہ تو تھا ہی۔ یہودی کہنے لگا کہ عزیز کی دہائی۔ دہائی موسیٰ اور دس احکام کی! دہائی ہارون اور یوشع بن نون کی! میں ہی نے اس بیمار کو گرا کر مار ڈالا! اب میں اس مردے کو کس طرح باہر نکالوں! یہ کہہ کر اس نے مردے کو لادا اور گھر کے اندر گیا اور اپنی بیوی سے سارا ماجرا بیان کیا۔ بیوی نے اس سے کہا کہ یہاں ٹھہرنے سے کیا فائدہ! اگر تو صبح تک یونہی ٹھہرا رہا تو ہم دونوں کی جان جائے گی۔ چل ہم دونوں اسے چھت پر لے چلیں اور اپنے مسلمان پڑوسی کے گھر میں پھینک دیں۔
یہ پڑوسی سلطان کے باورچی خانے کا خانساماں تھا اور وہ بہت سا روغن اور چربی اپنے گھر لاتا اور بلیاں اور چوہے' اسے آکر کھاتے اور جب رات ذرا زیادہ ہو جاتی تو چھتوں پر سے کتے آتے اور اسے کھینچ کر لے جاتے۔ اس طرح سے جو چیزیں وہ گھر لاتا' جانور اسے بہت نقصان پہنچاتے۔ اب یہودی اور اس کی بیوی کبڑے کو لے کر چھت پر گئے اور اس کے ہاتھ پاؤں پکڑ کر اسے نیچے اتار دیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا کر دیا اور گھر واپس چلے گئے۔ انہوں نے ابھی کبڑے کو اتارا ہی تھا کہ خانساماں گھر آیا اور دروازہ کھولا اور ایک شمع جلا کر گھر میں داخل ہوا اور دیکھا کہ روشن دان کے نیچے ایک کونے میں کوئی کھڑا ہے۔ خانساماں نے کہا کہ واہ! واللہ کیا خوب ہے! ہماری چیزیں چرانے والا ایک انسان ہے! اب وہ اس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ یہ گوشت اور چربی تو لے جاتا ہے۔ میں اب تک اس خیال میں تھا کہ بلیاں اور کتے لے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے میں نے محلے کے تمام کتے اور بلیاں مار ڈالی ہیں اور

ان کی وجہ سے گناہ کا مرتکب ہوا ہوں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ چھتوں پر سے اترنے والا تو ہے! یہ کہہ کر اس نے ایک بڑا ہتھوڑا لیا اور اسے چھپا کر لایا اور کبڑے کے پاس جا کر اس کے سینے پر مارا۔ اب اس نے دیکھا کہ وہ مر گیا تو اسے بہت افسوس ہوا اور کہنے لگا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور ڈرا کہ کہیں مجھ پر کوئی مصیبت نہ آ جائے اور کہنے لگا کہ خدا لعنت بھیجے روغن اور چربی پر جس کی وجہ سے اس شخص کی موت میرے ہاتھ سے لکھی ہوئی تھی۔ اب اس نے اس کی طرف غور سے نظر کی تو دیکھا کہ وہ کبڑا ہے اور کہنے لگا کہ کیا تیرے لیے کبڑا ہونا ہی کافی نہ تھا کہ تو چوری بھی کرتا ہے اور گوشت اور روغن چراتا ہے' اے ستار' میری پردہ پوشی کر۔

یہ کہہ کر اس نے اسے اپنے کاندھے پر لادا اور چونکہ رات آخری تھی' اس لیے اسے قریب کے بازار میں لے گیا اور نکڑ کے پاس ایک دوکان سے لگا کر کھڑا کر دیا اور اسے وہاں چھوڑ کر چلتا ہوا۔ اتنے میں وہاں ایک عیسائی پہنچا جو سلطانی سند یافتہ دلال تھا۔ وہ نشے میں چور حمام جا رہا تھا کیونکہ وہ نشے میں یہ خیال کر رہا تھا کہ صبح کی اذان کا وقت قریب ہے۔ وہ جھومتا ہوا چلا جاتا تھا کہ کبڑے کے قریب پہنچا اور اس کے آگے پیشاب کرنے بیٹھ گیا۔ اب اس نے نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہے کہ وہاں ایک شخص کھڑا ہوا ہے۔ اسی شام کو کوئی شخص اس کی پگڑی لے کر بھاگا تھا۔ جب اس نے کبڑے کو وہاں کھڑا ہوا دیکھا تو اس کو یہ گمان ہوا کہ کہیں وہ بھی اسی کی پگڑی نہ لے بھاگے۔ لہٰذا اس نے کبڑے کی گردن پر ایک مکا مارا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ اب عیسائی نے چلا کر بازار کے چوکیدار کو آواز دی اور نشے کی زیادتی کی وجہ سے کبڑے پر چڑھ بیٹھا اور اسے گھونسے مارنے لگا اور گلا گھونٹنے لگا۔ جب چوکیدار وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ عیسائی ایک مسلمان کے سینے پر سوار ہے اور اسے مکے مار رہا ہے۔ اس پر چوکیدار نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ عیسائی نے جواب دیا کہ یہ شخص میری پگڑی لے کر بھاگنے آیا ہے۔ چوکیدار نے کہا کہ اٹھ اس کے اوپر سے' اور وہ

اٹھ کھڑا ہوا۔ چوکیدار آگے بڑھا اور دیکھا کہ وہ مردہ ہے۔ اس پر اس نے کہا کہ کیا خوب! عیسائی اور مسلمان کو قتل کرے!

اب چوکیدار نے عیسائی کو پکڑ کر اس کی مشکیں باندھیں اور اسے شہر کے حاکم کے گھر لے گیا۔ عیسائی اپنے دل میں کہتا تھا کہ یا مسیح' یا باکرہ مریم' یہ میرے ہاتھ سے کس طرح مارا گیا! ایک ہی مکے میں اس کا کام تمام ہو گیا! اب اس کا نشہ ہرن ہو گیا اور اسے ہوش آ گیا اور دلال اور کبڑا اور عیسائی تینوں رات بھر حاکم کے گھر رہے۔ صبح کے وقت حاکم نکلا۔ اور حکم دیا کہ قاتل کو پھانسی دی جائے اور جلاد کو حکم دیا کہ اس بات کا ڈھنڈورا پیٹ دیا جائے۔ اس نے عیسائی کے لیے تختے لگوائے اور اسے ان کے نیچے کھڑا کیا اور جلاد آیا اور اس نے عیسائی کی گردن میں رسی ڈالی اور قریب تھا کہ وہ اسے لٹکا دے کہ اتنے میں وہی خانساماں لوگوں کو چیرتا پھاڑتا پہنچا اور دیکھا کہ عیسائی پھانسی پر چڑھایا جا رہا ہے اور لوگوں میں گھس پیٹھ کر جلاد سے کہنے لگا کہ رک جا' میں اس کا قاتل ہوں۔ حاکم نے پوچھا کہ تو نے اسے کیوں قتل کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں کل رات اپنے گھر گیا تو دیکھا کہ وہ روشن دان سے اتر کر میری چیزیں چرا رہا ہے۔ اس پر میں نے اس کے سینے پر ایک ہتھوڑا مارا اور وہ مر گیا' اور میں اسے لاد کر بازار لے گیا اور اسے فلاں فلاں نکڑ پر کھڑا کر آیا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ کیا میرے لیے یہ کافی نہیں کہ میں نے ایک مسلمان کو قتل کیا کہ ایک عیسائی بھی میری وجہ سے قتل ہو! میرے علاوہ کسی اور کو پھانسی پر مت چڑھا۔

جب حاکم نے خانساماں کی باتیں سنیں تو اس نے عیسائی دلال کو چھوڑ دیا اور جلاد سے کہا کہ خانساماں کو پھانسی پر چڑھا کیوں کہ وہ خود اقرار کرتا ہے۔ جلاد نے رسی عیسائی کے گلے سے نکال کر خانساماں کے گلے میں ڈال دی اور اسے تختے کے نیچے کھڑا کر دیا اور اسے لٹکانے ہی والا تھا کہ اتنے میں یہودی حکیم پہنچا اور لوگوں کو چیر پھاڑ کر

زور زور سے کہنے لگا کہ ایسا مت کر، اسے میں نے قتل کیا ہے۔ رات میں اپنے گھر میں تھا کہ ایک مرد اور ایک عورت نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا اور اس کے ساتھ یہ بیمار کبڑا تھا۔ انہوں نے میری خادمہ کو ربع دینار دیا اور خادمہ نے مجھے آکر واقعہ بیان کیا اور دام میرے حوالے کیے۔ اتنے میں وہ مرد اور عورت کبڑے کو مکان کے اندر لا کر زینے پر بٹھا کر چل دیئے تھے۔ میں اندھیرے میں اسے دیکھنے کے لیے اترا اور اس سے ٹکر لگی اور وہ زینے سے گر کر فوراً مر گیا۔ اب میں اور میری بیوی اسے لاد کر چھت پر لائے، اور اس خانساماں کا مکان میرے مکان سے لگا ہوا ہے، ہم نے اس کبڑے کو روشندان کی راہ سے خانساماں کے گھر میں اتار دیا، مگر وہ مردہ تھا اور جب خانساماں اپنے گھر آیا تو یہ خیال کیا کہ یہ کوئی چور ہے اور اس پر ایک ہتھوڑا مارا اور زمین پر گر پڑا۔ اس لیے اسے گمان ہوا کہ اس نے اسے قتل کیا ہے۔ ایک مسلمان کا لاعلمی میں قتل کرنا میرے لیے کافی نہیں ہے کہ ایک دوسرے مسلمان کا خون جان بوجھ کر اپنی گردن پر لوں۔

جب حاکم نے یہودی کی باتیں سنیں تو اس نے جلاد سے کہا کہ خانساماں کو چھوڑ دے اور یہودی کو پھانسی پر چڑھا۔ جلاد نے اسے پکڑ کر اسے کے گلے میں رسی ڈال دی۔

اتنے میں درزی پہنچا اور لوگوں کو چیرتا پھاڑتا جلاد سے کہنے لگا کہ رک جا، اس کا قاتل میں ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں کل دن میں شیر تماشے کے لیے گیا ہوا تھا اور جب رات کو گھر واپس آ رہا تھا تو دیکھا کہ یہ کبڑا نشے میں چور ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک ڈھپلی ہے اور وہ گا رہا ہے۔ میں اس کے پاس گیا اور اسے اپنے گھر لے آیا اور میں نے مچھلیاں خریدیں اور ہم جب کھانے بیٹھے تو میری بیوی نے ایک ٹکڑا مچھلی کا لیا اور اس کا لقمہ بنا کر اس کے منہ میں ٹھوس دیا۔ اس کا کچھ حصہ اس کے گلے میں اٹک گیا اور وہ فوراً مر گیا۔ اب میں اور میری بیوی یہودی کے گھر پہنچے اور ایک خادمہ نے آکر دروازہ کھولا اور ہم نے کہا کہ اپنے آقا سے جا کر کہہ کہ دروازے پر ایک مرد اور ایک عورت آئے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ ایک بیمار

ہے۔ تو آکر اسے دیکھ۔ یہ کہہ کر میں نے اسے ربع دینار دیا اور وہ اپنے آقا کے پاس گئی۔ اب میں نے کبڑے کو لے کر زینے کے سرے پر ٹیک لگا کر کھڑا کر دیا

اور میں اور میری بیوی چلتے ہوئے۔ جب یہ یہودی اترا تو اس کی ٹھوکر کبڑے کے لگی اور اس کو گمان ہوا کہ اسی کی وجہ سے یہ مر گیا ہے۔ درزی نے یہودی سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ صحیح ہے ناں؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ اب درزی حاکم کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ یہودی کو چھوڑ دے اور مجھے پھانسی چڑھا۔

جب حاکم نے اس کی باتیں سنیں تو اسے اس کبڑے کے معاملے میں سخت تعجب ہوا اور کہنے لگا کہ اس کو قلم بند کر لیا جائے۔ اب اس نے جلاد سے کہا کہ یہودی کو چھوڑ دے اور درزی کو پھانسی پر چڑھا کیونکہ وہ خود قتل کا اقرار کرتا ہے۔ جلاد نے اسے آگے بڑھایا اور کہنے لگا کہ میں تو تھک گیا ہوں' ایک کو آگے بڑھاتا اور دوسرے کو پیچھے ہٹاتا ہوں' اور پھانسی پر کوئی بھی نہیں چڑھتا۔ یہ کہہ کر اس نے درزی کے گلے میں رسی ڈال دی۔

یہ تو ان لوگوں کا قصہ ہوا۔ اب کبڑے کا حال سنئے۔ وہ سلطان کا مسخرہ تھا اور سلطان اس سے کبھی جدا نہ ہوتا تھا۔ جب کبڑا متوالا ہو گیا اور بادشاہ کی خدمت میں اس رات حاضر نہ ہوا اور دوسرے دن دوپہر تک بھی نہ آیا تو بادشاہ نے درباریوں سے اس کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ اے ہمارے آقا' شہر کے حاکم کو وہ مردہ ملا ہے اور اس نے قاتل کو پھانسی پر چڑھانے کا حکم دیا ہے لیکن جب حاکم قاتل کو پھانسی دینے نیچے اترا تو ایک دوسرا شخص پہنچا اور پھر ایک تیسرا اور سب کے سب یہی کہتے ہیں کہ سوائے میرے اور کسی نے اسے قتل نہیں کیا اور سب حاکم کو قتل کا سبب بتاتے ہیں۔ جب بادشاہ نے یہ باتیں سنیں تو اس نے حاجب کو آواز دی اور کہا کہ حاکم کے پاس جا کر ان سب کو یہاں لے آ۔ جب حاجب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ جلاد' درزی کو پھانسی دینے جا رہا ہے۔ حاجب نے کہا کہ ٹھہر جا اور حاکم کو بادشاہ

کا پیغام پہنچایا اور کبڑے کو سواری پر لاد کر اور حاکم اور درزی اور یہودی اور عیسائی اور خانساماں کو ساتھ لے کر چل دیا۔ جب حاکم بادشاہ کے سامنے پہنچا تو اس نے زمین کو بوسہ دیا اور سارے لوگوں کو قصہ سنایا اور اسے دہرانے میں کوئی فائدہ نہیں۔ جب بادشاہ نے یہ قصہ سنا تو حیران رہ گیا اور اسے بڑی مسرت ہوئی اور اس نے حکم دیا کہ اسے سونے کے پانی سے لکھا جائے۔ اب اس نے حاضرین سے پوچھا کہ تم میں سے کس نے اس کبڑے سے زیادہ عجیب و غریب قصہ سنا ہے۔ یہ سن کر عیسائی آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ جہاں پناہ' اگر تو اجازت دے تو میں ایک اپنی سرگزشت بیان کروں جو کبڑے کے قصے سے زیادہ عجیب و غریب اور مضحکہ انگیز ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ بیان کر اپنی سرگزشت۔

○ عیسائی دلال کی کہانی

اس نے کہا کہ جہاں پناہ' جب میں اس ملک میں آیا تو تجارت کا مال لے کر آیا تھا۔ تقدیر مجھے یہاں لے آئی ہے۔ مگر میری پیدائش کی جگہ مصر ہے اور میں وہاں کے قبطیوں میں سے ہوں اور میری تعلیم و تربیت وہیں ہوئی ہے۔ میرا باپ دلال تھا۔ جب میں بالغ ہوا تو میرے باپ کا انتقال ہو گیا اور میں دلالی کرنے لگا۔ ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک نہایت خوبصورت جوان آیا جو نہایت اچھے کپڑے پہنے ہوئے گدھے پر سوار تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو سلام کیا اور میں اس کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ایک رومال نکالا' جس میں کچھ تل تھے اور کہنے لگا کہ ان تلوں کا فی اردب کیا بھاؤ ہے؟ میں نے کہا کہ سو درہم۔ اس نے کہا کہ حمالوں اور تولنے والوں کو لے کر خان الجوالی میں جو باب النصر میں ہے' آ اور میں تجھے وہیں ملوں گا۔ یہ کہہ کر وہ مجھے چھوڑ کر چلتا ہوا اور مجھے وہ رومال دیتا گیا' جس میں تلوں کا نمونہ تھا۔ اب میں نے خریداروں کا چکر لگایا اور معلوم ہوا کہ ایک اردب کی قیمت ایک سو

بیس درہم ہے اور میں چار حمال لے کر اس کے پاس گیا اور دیکھتا ہوں کہ وہ میری راہ دیکھ رہا ہے۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو مخزن کا دروازہ کھول کر اسے بالکل خالی کر دیا۔ جب تل تولے گئے تو پچاس اردب نکلے' جن کی قیمت پانچ ہزار درہم ہوئی۔ جوان نے کہا کہ میں تجھے فی اردب دس درہم دلالی کے دوں گا۔ تو اس کی قیمت وصول کر کے میرے چار ہزار پانچ سو درہم اپنے پاس جمع کر لیجیو۔ جب میں اپنا سامان بیچ کر فارغ ہو جاؤں گا تو آکر تجھ سے اپنے دام لے جاؤں گا۔ میں نے کہا کہ بہت خوب' اور اس کے ہاتھ چوم کر میں چلا گیا اور اس دن مجھے ایک ہزار پانچ سو درہم کا فائدہ ہوا۔

اب وہ ایک مہینے کے بعد پھر آیا اور کہنے لگا کہ درہم کہاں ہیں؟ میں نے اٹھ کر سلام کیا اور کہا کہ ہمارے یہاں کچھ کھانا کھالے۔ لیکن اس نے نہ مانا اور کہا کہ درہم تیار رکھ' میں اس وقت جا رہا ہوں' پھر آ کر تجھ سے لے جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور میں اٹھا اور اس کے درہم لایا اور اس کی راہ دیکھنے لگا۔ اب وہ ایک مہینے کے بعد لوٹا اور کہنے لگا کہ درہم کہاں ہیں؟ میں نے اٹھ کر اسے سلام کیا اور کہا کہ کچھ کھانا کھا لے۔ لیکن اس نے انکار کیا اور کہا کہ درہم تیار رکھ میں اس وقت جا رہا ہوں' پھر آکر تجھ سے لے جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا۔ میں اٹھا اور اس کے درہم لایا اور اس کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن ایک مہینے تک نہ لوٹا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ جوان بڑے دل والا ہے۔ اب ایک مہینے کے بعد وہ ایک خچر پر سوار آیا اور عمدہ پوشاک پہنے ہوئے تھا اور اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ ابھی حمام سے نکلا ہے کیونکہ اس کا چہرہ چاند کی طرح تھا اور رخسار سرخ تھے اور پیشانی چمک رہی تھی اور اس پر ایک تل عنبر کی ٹکیہ کی طرح تھا۔ جب میں نے اسے دیکھا تو اس کے ہاتھ چومے اور اس کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑا ہو اور اسے دعا دی اور اس سے کہا کہ اے میرے آقا' تو اپنے درہم کیوں نہیں لے جاتا۔ اس نے کہا کہ جلدی کیا ہے! میں اپنے سامان سے فارغ

ہو لوں تو آکر تجھ سے لے جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ چلتا ہوا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ واللہ جب وہ اس مرتبہ آئے گا تو میں ضرور اس کی دعوت کروں گا کیونکہ میں نے اس کے درہموں سے تجارت کی اور بہت فائدہ اٹھایا ہے۔
جب سال تمام ہوا تو وہ آیا اور وہ پہلے سے زیادہ قیمتی پوشاک پہنے ہوئے تھا۔ میں نے اسے قسم دے کر کہا کہ میرے یہاں ٹھہر اور میری دعوت کھا۔ اس نے کہا کہ اس شرط سے کہ جو کچھ تو میرے اوپر خرچ کرے وہ میرے داموں میں سے ہو جو تیرے پاس ہیں۔ میں نے کہا کہ بہت خوب' اور میں نے اسے بٹھلایا اور کھانے پینے کی چیزیں وغیرہ جن کی ضرورت تھی' لا کر اس کے آگے رکھیں اور کہا کہ بسم اللہ۔ وہ دسترخوان پر بڑھا اور بایاں ہاتھ بڑھایا اور میرے ساتھ کھانے لگا۔ اس پر مجھے تعجب ہوا۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں نے اس کا ہاتھ دھلایا اور اسے پونچھنے کے لیے تولیہ دیا اور اس کے سامنے کچھ شیرینی پیش کرنے کے بعد ہم دونوں باتیں کرنے لگے۔ اب میں نے اس سے کہا کہ اے میرے سردار' میرے دل سے ایک تکلیف دور کر اور مجھے بتا کہ تو نے بائیں ہاتھ سے کیوں کھانا کھایا؟ شاید تیرے دہنے ہاتھ میں کچھ تکلیف ہے۔ جب اس نے مجھے یہ کہتے سنا تو اس نے آستین سے اپنا ہاتھ نکالا اور میں نے دیکھا کہ وہ کٹا ہوا ہے۔ بازو ہے' مگر ہاتھ ندارد۔ اس سے مجھے تعجب ہوا۔ اس نے کہا کہ تعجب مت کر اور اپنے دل میں یہ نہ کہہ کہ میں نے تیرے ساتھ غرور کی وجہ سے بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا۔ میرے دہنے ہاتھ کٹنے کی ایک عجیب و غریب وجہ ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کیا؟
اس نے کہا کہ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں بغداد کا رہنے والا ہوں اور میرا باپ وہاں کے سب سے بڑے آدمیوں میں سے تھا۔ جب میں بڑا ہوا تو میں نے سیاحوں اور مسافروں اور سوداگروں سے مصر کے حالات سنے اور میرے دل سے یہ باتیں نہ نکلیں۔ یہاں تک کہ میرے باپ کا انتقال ہو گیا۔ اب میں نے بہت سا مال متاع لیا اور بغدادی اور موصلی کپڑے تجارت کے لیے تیار کیے اور سب کو بند کیا اور بغداد سے چل

کھڑا ہوا اور خدا نے سلامتی کے ساتھ تمہارے شہر میں پہنچا دیا۔ یہاں پہنچ کر میں نے اپنے کپڑے خان مسرور میں اتارے اور اپنا سازو سامان کھول کر سرائے میں داخل ہوا اور خادم کو چند درہم دیئے کہ کچھ کھانے کے لیے لے آئے۔ کھانا کھا کر میں ذرا سو گیا۔ جب نیند سے جاگا تو میں بین القصرین کی سڑک پر ٹہلنے چلا گیا۔ وہاں سے لوٹ کر میں نے رات گزاری اور جب صبح ہوئی تو میں نے کپڑوں کی ایک گٹھڑی کھولی اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں کسی بازار میں جا کر مول تول دریافت کروں گا۔ اس لیے میں نے کچھ کپڑے لے کر ایک غلام کے سر پر لادے اور چلتے چلتے قیصریہ جرجس پہنچا۔ یہاں مجھے دلال ملے کیونکہ انہیں میرے آنے کا علم ہو چکا تھا۔ انہوں نے مجھ سے کپڑے لے کر آواز لگائی لیکن کوئی خریدار خرید کی قیمت دینے پر راضی نہ ہوا۔ اس پر مجھے سخت رنج ہوا۔ اب دلالوں کے چودھری نے مجھ سے کہا کہ اے میرے آقا' میں تجھے ایک ترکیب بتاتا ہوں جس سے تجھے فائدہ ہو گا اور وہ ترکیب یہ وہی ہے جو اور سوداگر کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ تو اپنا مال میعاد پر ادھار بیچ اور بیع نامہ کاتب سے لکھوا کر اور گواہ کی گواہی لے کر صراف کے حوالے کر دے اور ہر جمعرات اور پیر کو دام وصول کر لیا کر۔ اس طرح تجھے ہر درہم پر دو درہم بلکہ زیادہ کا فائدہ ہو گا۔ باقی وقت میں مصر اور نیل کی سیر کیا کر۔

میں نے کہا کہ یہ رائے معقول ہے۔ اب میں دلالوں کو ساتھ لے کر سرائے میں گیا۔ اور وہ کپڑے لاد کر قیصریہ لائے اور میں نے انہیں بیچا اور ان سے بیع نامہ لکھوا کر صراف کے حوالے کر دیا اور اس سے رسید لے کر سرائے واپس گیا اور کئی روز تک بیٹھا رہا اور ہر روز ایک پیالے شراب کا ناشتہ کرتا تھا اور کل مہینے کے لیے چوزے کا گوشت اور مٹھائی جمع کر رکھی' یہاں تک کہ دوسرا مہینہ آپہنچا جو دام وصول کرنے کا مہینہ تھا۔ میں ہر جمعرات اور پیر کو قیصریہ جا کر سوداگروں کی دوکانوں پر بیٹھ جاتا اور عصر کے بعد تک صراف اور کاتب سوداگروں سے دام وصول کر کے لاتے جاتے۔ میں ان کو گنتا اور مہر لگا کر سرائے لے جاتا۔

ایک روز پیر کو یہ واقعہ پیش آیا کہ میں حمام کر کے سرائے میں آیا اور اپنی جگہ پہنچ کر ایک پیالے شراب کا ناشتہ کیا اور سو گیا۔ جو سو کر اٹھا تو میں نے مرغی کا گوشت کھایا اور عطر لگا کر ایک سوداگر کی دوکان پر پہنچا' جس کا نام بدر الدین البستانی تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو مرحبا کہا اور میرے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ یہاں تک کہ بازار کھلا اور دوکان پر ایک عورت آئی جس کی چال میں لچک تھی اور جو مٹکتی ہوئی چلتی تھی۔ اس کے ساتھ بہت سی کنیزیں تھیں اور اس کی خوشبو اڑ رہی تھی۔ جب اس نے اپنی نقاب اٹھائی تو میری نظر اس کی کالی کالی آنکھوں پر پڑی۔ اس نے بدر الدین کو سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا اور ٹھہر کر اس سے باتیں کرنے لگا۔ جب میں نے اس کی باتیں سنیں تو میرا دل اس پر آ گیا۔ اس نے بدر الدین سے کہا کہ تیرے پاس کوئی ٹکڑا کپڑے کا ہے' جس پر سچے کلابتوں کا کام ہو؟ اس نے ایک ٹکڑا ان ٹکڑوں میں سے نکالا جو اس نے مجھ سے خریدا تھا اور اسے اس عورت کے ہاتھ ایک ہزار دو سو درہم میں بیچا۔ اس نے سوداگر سے کہا کہ میں اس ٹکڑے کو اپنے ساتھ لیے جاتی ہوں اور گھر پہنچ کر تجھے دام بھیج دوں گی۔ سوداگر نے جواب دیا کہ اے میری آقا' یہ ممکن نہیں ہے۔ کپڑے کا مالک یہ بیٹھا ہوا ہے اور مجھے اس کی ایک قسط ادا کرنی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تف ہو تجھ پر! میں ہمیشہ تجھ سے تھان کے تھان بغیر ایک درہم دیے لے جایا کرتی ہوں اور دوسروں سے زیادہ مہنگا خریدتی ہوں اور دام بھیج دیتی ہوں۔ اس نے کہا یہ درست ہے مگر میں آج قیمت لینے پر مجبور ہوں۔ یہ سن کر اس نے کپڑا اس کے سینے پر دے پٹکا اور کہنے لگی کہ تم لوگ کسی کی قدر و قیمت نہیں جانتے۔ یہ کہہ کر وہ چل دی۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ میری جان بھی اس کے ساتھ جا رہی ہے اور میں نے اٹھ کر اسے روک لیا اور کہنے لگا کہ اے میری آقا' میرے اوپر مہربانی کر اور میری طرف قدم رنجہ فرما۔ وہ لوٹ آئی اور مسکرا کر کہنے لگی کہ میں تیری خاطر لوٹی ہوں اور دوکان پر میرے سامنے بیٹھ گئی۔

میں نے بدر الدین سے کہا کہ اس ٹکڑے کی قیمت تیرے ذمے کتنی ہے؟ اس نے

جواب دیا کہ ایک ہزار ایک سو درہم۔ میں نے کہا کہ اور تیرا نفع سو درہم۔ ایک ورق کاغذ مجھے دے تاکہ میں اس کی رسید تجھے دے دوں۔ یہ کہہ کر میں نے وہ ٹکڑا کپڑے کا اس سے لے لیا اور اسے اپنی دستخطی رسید دے دی۔ یہ ٹکڑا میں نے اس عورت کے حوالے کیا اور اس سے کہا کہ اسے لے جا۔ اگر تیرا جی چاہے تو آئندہ بازار کے دن اس کی قیمت لیتی آئیو اور اگر تو منظور کرے تو یہ میری طرف سے تیری دعوت ہے۔ اس نے کہا کہ خدا تجھے نیک بدلہ دے اور میرا سارا مال تجھے عطا کرے اور تجھے میرا شوہر بنائے۔ اللہ نے اس کی دعا قبول کی۔ اب میں نے اس سے کہا کہ اے میری آقا' یہ ٹکڑا تیری نذر ہے اور ایک اور ایسا ٹکڑا' مجھے ایک نظر اپنا چہرہ دکھا دے۔ جب میں نے ایک نظر بھر کر اس کی طرف دیکھا تو میرے دل میں ہزاروں آرزوئیں آنے لگیں اور میں اس کے عشق میں مبتلا ہو گیا اور مجھے اپنے دل پر قابو نہ رہا۔ اب اس نے اپنی نقاب گرا دی اور کپڑے کا ٹکڑا لے لیا اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا' مجھے اپنے دل سے نہ بھلائیو۔

یہ کہہ کر وہ چل دی اور میں عصر کے بعد تک قیصریہ میں بیٹھا رہا اور میں دیوانہ وار تھا کیونکہ عشق کا تسلط میرے اوپر ہو چکا تھا۔ محبت نے مجھے یہاں تک مجبور کیا کہ میں اٹھا اور میں نے تاجر سے اس کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا کہ یہ بڑی امیر ہے اور ایک بڑے امیر کی بیٹی ہے' اس کا باپ فوت ہو چکا ہے اور اس نے بہت مال اور دولت چھوڑی ہے۔ اب میں اس سے رخصت ہو کر سرائے میں آیا اور میرے آگے رات کا کھانا پیش کیا گیا۔ مگر میرا دھیان اسی میں لگا ہوا تھا اور میں نے بالکل کھانا نہ کھایا۔ پھر میں سونے کے لیے لیٹ گیا مگر بالکل نیند نہ آئی اور صبح تک میں جاگتا رہا۔ صبح کو اٹھ کر میں نے کپڑے بدلے اور ایک پیالہ شراب کا پیا اور تھوڑا سا ناشتہ کیا اور اسی سوداگر کی دوکان پر گیا اور اسے سلام کر کے اس کے پاس بیٹھ گیا۔ کل کے وقت پر وہ عورت پھر پہنچی اور اس کا لباس کل سے بھی زیادہ نفیس تھا اور اس کے ساتھ ایک لونڈی تھی۔ اس نے بدر الدین کو چھوڑ کر مجھے سلام کیا اور ایسی پیاری

آواز ہے، جس سے زیادہ میٹھی اور دل کش میں نے کبھی نہ سنی تھی۔ کہنے لگی کہ کسی کو میرے ساتھ بھیج کہ وہ ایک ہزار دو سو درہم کپڑے کی قیمت لے آئے۔

میں نے کہا کہ ایسی جلدی کیا ہے! اس نے جواب دیا کہ خدا تیری جدائی نصیب نہ کرے! یہ کہہ کر اس نے مجھے دام دے دیئے اور ہم دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

اب میں نے اس کی طرف آنکھ سے اشارہ کیا اور وہ سمجھ گئی کہ میں اس کے وصال کا خواہاں ہوں۔ اس پر وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور مجھے چھوڑ کر چل دی۔ میرا دل تو اس سے پھنسا ہوا تھا ہی، میں بھی بازار کے باہر تک اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اتنے میں ایک لونڈی میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا، میری مالکہ تجھ سے باتیں کرنا چاہتی ہے۔ مجھے تعجب ہوا اور میں نے کہا کہ یہاں مجھے کوئی جاننے والا نہیں ہے۔ لونڈی نے جواب دیا کہ اے میرے آقا، تو کتنی جلدی میری مالکہ کو بھول گیا، جو آج فلاں تاجر دوکان پر تھی۔ اب میں اس کے ساتھ صراف کی دوکان پر گیا اور جونہی اس نے مجھے دیکھا، وہ مجھے ایک طرف لے جا کر کہنے لگی کہ اے میرے آقا پیارے، تو میرے دل میں سما گیا ہے اور میں تیری محبت میں گرفتار ہو چکی ہوں اور جس وقت سے میں نے تجھ کو دیکھا ہے، مجھ پر کھانا پینا اور سونا حرام ہو گیا ہے۔ میں نے کہا کہ میری حالت اس سے دگنی خراب ہے اور شکایت سے گزر چکی ہے۔

اس نے کہا کہ اے میرے پیارے، یا تو مجھے اپنے گھر لے چل ورنہ میرے گھر آ۔ میں نے کہا کہ میں پردیسی ہوں اور سوائے سرائے کے میرے اور کوئی جگہ نہیں۔ اگر تو مہربانی کرے تو تیرے گھر چلیں۔ اس نے کہا کہ بہت خوب، لیکن آج جمعرات ہے، آج کچھ نہیں ہو سکتا لیکن کل نماز کے بعد۔ نماز پڑھ کر تو اپنے گدھے پر سوار ہو جیو اور جبانیہ کا پتہ پوچھیو۔ وہاں پہنچ کر برکات النقیب کی حویلی دریافت کیجیو جو ابو اشامہ کے نام سے موسوم ہے۔ بس وہیں میں رہتی ہوں۔ دیر مت کیجیو کیونکہ میں تیرا انتظار کروں گی۔ اب میں اور بھی زیادہ خوش ہو گیا۔

ہم دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے اور میں سرائے واپس گیا' جہاں میں مقیم تھا اور رات بھر جاگتے گزاری اور جب صبح نمودار ہوئی تو مجھے اس کا یقین نہ آتا تھا۔

بہرحال میں اٹھا اور کپڑے بدلے اور عطر لگایا اور ایک رومال میں پچاس دینار باندھ کر مسرور کی سرائے سے باب زویلہ گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے ایک گدھا سواری کے لیے لیا اور گدھے والے سے کہا کہ مجھے حبانیہ پہنچا دے۔ وہ فوراً روانہ ہو گیا اور ذرا سی دیر میں ایک سڑک پر پہنچا۔ جس کا نام درب المنقری تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ گلی کے اندر جا کر نقیب کی حویلی دریافت کر۔ وہ جاتے ہی واپس آیا اور کہنے لگا کہ اتر۔ میں نے کہا کہ تو حویلی آگے آگے چل اور کل یہیں سے آکر مجھے لے جائیو۔
اس نے کہا بسم اللہ' اور میں نے اسے سونے کا ربع دینار دیا ور وہ لے کر چل دیا۔
اب میں نے دروازے پر دستک دی تو دو چھوٹی لڑکیاں باہر نکلیں' جن کے سینے ابھرے ہوئے تھے اور جو ابھی باکرہ تھیں اور چاند کی طرح خوب صورت۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اندر آ' ہماری آقا تیرا انتظار کر رہی ہے۔ تیرے آنے کی خوشی میں وہ رات بھر نہیں سوئی ہے۔
اب میں حویلی میں داخل ہوا جس میں سات محرابی دروازے اور چاروں طرف کھڑکیاں تھیں' جو ایک باغ کی طرف کھلتی تھیں' جس میں رنگ برنگ کے میوے تھے اور نہریں بہہ رہی تھیں اور چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ کمرہ اتنا سفید تھا کہ اس میں آدمی اپنا چہرہ دیکھ سکتا تھا' اور چھت پر سونے کا کام تھا اور لاجورد کے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ جن کی تعریف نہیں کی جا سکتی اور جن کے دیکھنے سے آنکھیں چکا چوند ہوتی تھیں۔
اس کا فرش رنگ برنگ مرمر کا تھا اور اس کے بیچ میں ایک حوض تھا اور حوض کے کنارے موتی اور جواہرات کی چڑیاں تھیں۔ اثاث البیت میں قالین اور رنگ برنگ' ریشم اور تخت تھے۔ جب میں وہاں داخل ہوا تو بیٹھ گیا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی' جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• چھبیسویں رات

جب چھبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جوان سوداگر نے عیسائی سے کہا کہ میں اندر جا کر بیٹھا ہی تھا کہ وہ لڑکی آ پہنچی اور اس کے سر پر ایک تاج تھا' جس میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے اور اس کے چہرے پر غازہ ملا ہوا تھا اور مصنوعی تل جڑے ہوئے تھے۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو وہ مسکرانے لگی اور مجھ سے لپٹ گئی اور مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور اپنا منہ میرے منہ پر رکھ دیا اور میری زبان چوسنے لگی اور میں اس کی زبان چوسنے لگا۔ اس نے کہا کہ کیا یہ درست ہے کہ تو میرے پاس آیا ہے! میں نے کہا کہ میں تیرا غلام ہوں۔ اس نے کہا مرحبا اهلا و سهلا خدا کی قسم جس دن سے میں نے تجھے دیکھا ہے۔ نہ نیند میں مزا آتا ہے اور نہ کھانے میں۔ میں نے کہا کہ میرا بھی یہی حال ہے۔ اب ہم بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور میں شرم کی وجہ سے سر نیچے کئے ہوئے تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد دسترخوان بچھایا گیا اور اس پر بہترین سے بہترین کھانے چنے گئے مثلاً کلیجے اور تلا ہوا حلوہ' خالص شہد میں ڈوبا ہوا اور بھنی ہوئی مرغی۔ ہم دونوں نے کھانا کھایا اور پھر لوگ سلیبچی اور لوٹا لائے اور میں نے اپنے ہاتھ دھوئے اور ان کو گلاب اور مشک کے پانی سے معطر کیا۔ اب ہم بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ وہ مجھ سے اپنا درد بیان کرتی تھی اور میں اس سے اپنا۔ اس کی محبت میرے دل میں گھر کر چکی تھی اور مجھے اپنے مال و دولت کی بالکل پروا نہ رہی۔ اب ہم نے کھیلنا اور ہاتھا پائی اور بوسہ بازی شروع کی۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی اور کنیزیں کھانا اور شراب لائیں اور وہ بالکل اپنے آپے سے باہر تھی۔ آدھی رات تک ہم شراب پیتے رہے اور پھر بچھونے پر جا کر لیٹ گئے اور میں نے اس کے ساتھ صبح تک ہم بستر رہا اور ایسی رات میں نے عمر بھر نہیں گزاری تھی۔

جب صبح ہوئی تو میں اٹھا اور میں نے اس کے لیے فرش کے نیچے وہ رومال ڈال دیا' جس میں دینار بندھے ہوئے تھے اور جانے کے لیے اس سے رخصت ہوا اور وہ رونے لگی اور کہتی تھی کہ اے میرے پیارے آقا' یہ پیارا چہرہ میں پھر کب دیکھوں گی؟ میں نے جواب دیا کہ آج رات میں پھر تیرے پاس آؤں گا۔ جب میں باہر نکلا تو دیکھا کہ گدھے والا جو مجھے کل لایا تھا' میرا انتظار کر رہا ہے۔ میں سوار ہو کر اس کے ساتھ چل دیا اور خان مسرور پہنچ کر اتر پڑا اور گدھے والے کو آدھا دینار دے کر کہا کہ مغرب کے وقت پھر آئیو۔ اس نے کہا کہ بہت خوب۔ اب میں ناشتہ کر کے اپنے کپڑوں کے دام وصول کرنے گیا اور وہاں سے لوٹ کر میں نے اس لڑکی کے لیے ایک میمنہ تلا اور کچھ شیرینی اپنے ساتھ لی اور حمال کو بلا کر یہ چیزیں اس کی ٹوکری میں رکھ دیں اور اجرت دے کر اس لڑکی کے گھر روانہ کر دیا۔ شام تک میں کام کاج میں مشغول رہا۔ مغرب کے وقت گدھے والا آیا اور میں نے پچاس دینار اپنے رومال میں باندھے اور اس کے گھر پہنچ گیا اور دیکھا کہ انہوں نے مرمر کو مانج کر خوب صاف کیا اور پیتل کے برتنوں کو جلا دی ہے اور قندیلوں کی مرمت کر کے ان میں موم بتیاں جلائی ہیں اور کھانوں کو چن رکھا اور شراب کو چھان رکھا ہے۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو اپنے دونوں ہاتھ میرے گلے میں ڈال دیئے اور کہنے لگی کہ تو نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔ اب ہمارے آگے دسترخوان لایا گیا اور ہم نے پیٹ بھر کر کھایا۔ اس کے بعد کنیزوں نے دسترخوان بڑھایا اور شراب پیش کی اور ہم نے پینا شروع کیا۔ پیتے پیتے جب آدھی رات ہو گئی تو ہم اٹھ کر سونے کے کمرے میں گئے اور صبح تک ہم بستر رہے۔

جب صبح ہوئی تو میں اٹھا اور دستور کے موافق اسے پچاس دینار دیئے اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ باہر میں نے گدھے والے کو دیکھا اور سوار ہو کر سرائے پہنچا۔ تھوڑی دیر سونے کے بعد میں اٹھا اور شام کا کھانا تیار کیا۔ میں نے کالی مرچوں کے ساتھ چاول پکائے اور اس پر اخروٹ اور بادام جمائے اور قلقاس کی جڑیں تلیں اور میوے اور نقل اور عطریات لے کر لڑکی کے گھر روانہ کر دیا اور میں نے سرائے جا کر پچاس دینار

رومال میں باندھے اور اسی طرح گدھے پر سوار ہو کر حویلی پہنچا اور اندر گیا اور کھا پی کر صبح تک ہم بستر رہا۔ پھر اٹھ کر میں نے رومال ڈال دیا اور دستور کے موافق سوار ہو کر سرائے چلا گیا۔

ایک مدت تک یہ حالت رہی یہاں تک کہ ایک رات جب میں سویا اور صبح کو اٹھا تو نہ میرے پاس کوئی دینار تھا اور نہ درہم۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ سارا شیطانی کام تھا۔ اب میں سرائے سے نکل کر بین القصرین کی سڑک پر گیا اور چلتے چلتے باب زویلہ پہنچا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ لوگوں کا بڑا مجمع ہے اور اس بھیڑ کی وجہ سے دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ اتفاقاً اس بھیڑ میں' مین نے ایک سپاہی سے ٹکر کھائی اور میرا ہاتھ اس کی جیب پر جا پڑا اور میں نے ٹٹولا تو اس کی جیب میں ایک تھیلی معلوم ہوئی اور میرا ہاتھ اس کے بالکل قریب تھا۔ میں نے وہ تھیلی اس کی جیب سے نکال لی۔ اب سپاہی کو اپنی جیب ہلکی معلوم ہوئی تو اس نے اپنا ہاتھ جیب پر ڈالا اور اس کو خالی پا کر میری طرف متوجہ ہوا اور اپنا ڈنڈا اٹھا کر میرے سر پر مارا۔ میں زمین پر گر پڑا اور لوگ میرے گرد جمع ہو گئے اور سپاہی کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہنے لگے کہ تو نے اسے محض اس وجہ سے مارا ہے کہ اس کا دھکا تجھے لگا۔ سپاہی نے انہیں ڈانٹ کر کہا کہ یہ مردود چور ہے۔ اتنے میں ہوش آیا اور میں نے لوگوں کو کہتے سنا کہ یہ جوان حسین ہے' اس نے کچھ نہیں چرایا' اور بعض اس کی تصدیق اور بعض تکذیب کرتے تھے۔ بہت قیل و قال کے بعد لوگوں نے مجھے کھینچا تاکہ مجھے اس سے چھڑا لیں' لیکن اتفاق سے اسی وقت شہر کا حاکم مع پیش کاروں اور پیادوں کے' دروازے میں داخل ہوا دیکھا کہ میرے اور سپاہی کے گرد لوگ جمع ہیں۔ یہ دیکھ کر حاکم نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ سپاہی نے کہا کہ اے امیر' واللہ یہ شخص چور ہے' اس نے میری جیب میں سے نیلی تھیلی نکال لی ہے' جس میں بیس دینار تھے جب کہ میں بھیڑ میں تھا۔

حاکم نے سپاہی سے پوچھا کہ تیرے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟ اس نے کہا کہ نہیں۔

حاکم نے پیش کار کو پکارا اور اس نے آکر مجھے گرفتار کر لیا اور میری بے عزتی تو ہو ہی چکی تھی۔ حاکم نے اس سے کہا کہ اسے ننگا کر۔ جب مجھے ننگا کیا گیا تو میرے کپڑوں میں وہ تھیلی ملی' اور حاکم نے اسے کھولا اور دینار گنے تو سپاہی کے کہنے کے مطابق بیس ہی دینار پائے گئے۔ اس پر حاکم کو طیش آگیا اور اس نے چلا کر پیش کاروں سے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ اور اس نے مجھ سے کہا کہ اے لڑکے' سچ کہہ کہ تو نے یہ تھیلی چرائی ہے؟ میں نے سر جھکا لیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر میں کہتا ہوں کہ میں نے نہیں چرائی تو انہوں نے خود اسے میرے کپڑوں میں سے نکالا ہے اور اگر میں کہتا ہوں کہ میں نے چرائی تو مصیبت میں پھنستا ہوں۔ اب میں نے سر اٹھایا اور کہا کہ ہاں' میں نے لی ہے۔

جب حاکم نے میری بات سنی تو اسے تعجب ہوا اور اس نے گواہ بلوائے اور انہوں نے میرے اقرار کی گواہی دی۔ یہ ساری باتیں باب زویلہ میں پیش آئیں۔ اب حاکم نے جلاد کو حکم دیا کہ میرا داہنا ہاتھ کاٹ ڈالے اور اس نے کاٹ ڈالا۔ اس پر سپاہی کا دل پسیجا اور اس نے میری سفارش حاکم سے کی اور حاکم مجھے چھوڑ کر چلا گیا اور لوگ میرے آس پاس جمع رہے اور انہوں نے مجھے ایک پیالہ شراب پینے کو دی۔ سپاہی نے وہ تھیلی میرے حوالے کر دی اور کہنے لگا کہ تو حسین جوان ہے' تو چور نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر سپاہی مجھے چھوڑ کر چلتا ہوا اور تھیلی میرے پاس رہنے دی۔ اب میں وہاں سے روانہ ہوا اور اپنے ہاتھ کو اپنے کپڑے سے لپیٹ کر عبا کے اندر چھپا لیا مگر میری حالت دگرگوں ہو رہی تھی اور میرا رنگ اس واقعے سے پیلا پڑ گیا تھا۔ اب میں وہاں سے گرتا پڑتا حویلی گیا اور مجھ سے سیدھا کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا اور آخر میں فرش کے اوپر گر پڑا۔ لڑکی نے دیکھا کہ میرا رنگ فق ہے اور پوچھا کہ تجھے کیا تکلیف ہے اور تیری حالت کیوں متغیر ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میرا سر دکھتا ہے اور طبیعت ذرا خراب ہے۔ اس پر اسے بڑی پریشانی اور تشویش ہوئی اور کہنے لگی کہ اے میرے

آقا' میرا دل مت دکھا' بیٹھ اور اپنا سر اونچا کر اور کہہ کہ آج تجھ پر کیا گزری؟ کیونکہ تیرے چہرے سے مصیبت ظاہر ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے چپ رہنے دے۔ اس پر وہ رونے لگی اور اس نے کہا کہ ہاں' اَب تیری غرض پوری ہو چکی ہے' کیوں کہ تو پہلے کی طرح آج نہیں۔ میں چپ تھا اور وہ باتیں کرتی جاتی تھی اور میں جواب نہ دیتا تھا۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی اور وہ میرے لیے کھانا لائی۔ میں نے کھانے سے انکار کیا کیونکہ میں ڈرتا تھا کہ کہیں وہ یہ نہ دیکھ لے کہ میں بائیں ہاتھ سے کھاتا ہوں۔ میں نے کہا کہ اس وقت میرا جی کھانے کو نہیں چاہتا۔ اس نے کہا کہ بیان کر کہ آج تجھ پر کیا گزری ہے اور تو کیوں مغموم اور پریشان خاطر ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ٹھہر جا' میں ابھی تجھ سے بیان کرتا ہوں۔
اب اس نے میرے آگے شراب پیش کی اور کہا کہ لے' کیونکہ اس سے تیرا غم دور ہو جائے گا۔ پی اور اپنا قصہ بیان کر۔ میں نے کہا کہ کیا مجھے بتانا ہی پڑے گا؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں' میں نے کہا کہ اگر بے بتائے چارہ نہیں تو مجھے اپنے ہاتھ سے پلا۔ اس نے ایک پیالہ بھرا اور خود چڑھا گئی اور اسے دوبارہ بھر کر مجھے دیا اور میں نے بائیں ہاتھ سے لے لیا اور میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور میں زار زار رونے لگا۔ اس پر بھی وہ زور زور سے چلانے اور مجھ سے پوچھنے لگی کہ تیرے رونے کا سبب کیا ہے؟ میرے دل میں آگ لگی ہوئی ہے' اور اس کی کیا وجہ ہے کہ تو نے پیالہ بائیں ہاتھ سے لیا؟ میں نے کہا کہ میرے ہاتھ میں ایک پھوڑا ہے۔ اس نے کہا کہ ہاتھ نکال' میں پھوڑے کو چیر کر اچھا کر دوں گی۔ میں نے کہا کہ ابھی چیرنے کا وقت نہیں آیا ہے۔ اس لیے مجھے پریشان مت کر۔ میں فی الحال اپنا ہاتھ نہیں نکال سکتا۔ یہ کہہ کر میں پیالہ چڑھا گیا اور وہ مجھے برابر پلاتی رہی۔ یہاں تک کہ مجھے نشہ چڑھ گیا اور میں بیٹھے بیٹھے سو گیا۔ اب اس نے دیکھا کہ میرا بازو بغیر ہاتھ کے ہے اور اس نے ادھر ادھر ٹٹولا تو دیکھا کہ میرے پاس اشرفیوں کی ایک تھیلی ہے۔ یہ دیکھ کر وہ اتنی غمگین ہوئی کہ جس کی کوئی حد نہیں اور میری وجہ سے صبح تک غم زدہ رہی۔

جب میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ اس نے میرے لیے یخنی تیار کی ہے اور جب وہ یخنی میرے آگے لائی تو میں نے دیکھا کہ چار مرغی کے چوزوں کی یخنی ہے' اور وہ میرے پینے کے لیے شراب لائی۔ کھا پی کر میں نے تھیلی نیچے ڈال دی اور چاہتا تھا کہ چل دوں۔ اتنے میں وہ کہنے لگی کہ کہاں جاتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ جہاں میں روز جاتا ہوں۔ اس نے کہا کہ مت جا' بیٹھ۔ میں بیٹھ گیا اور وہ کہنے لگی کہ تیری محبت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ تو نے اپنا سارا مال صرف کر دیا اور اپنا ہاتھ کھو بیٹھا۔ میں تجھے اپنے اوپر گواہ بناتی ہوں' اور اصلی گواہ تو خدا ہے کہ میں تجھے ہرگز نہ چھوڑوں گی' اور تو ابھی دیکھ لے گا کہ میں سچ کہتی ہوں۔

یہ کہہ کر اس نے گواہ بلوائے اور جب وہ آئے تو اس نے ان سے کہا کہ میرا نکاح نامہ اس جوان کے ساتھ لکھو اور اس بات کی گواہی لکھو کہ میں مہر لے چکی ہوں۔ انہوں نے میرا نکاح نامہ اس کے ساتھ لکھ دیا۔ پھر اس نے کہا کہ اس بات کی بھی گواہی تحریر کرو کہ اس صندوق میں جتنا مال ہے اور میرے جتنے غلام اور باندیاں ہیں' وہ سب اس جوان کی ملکیت ہیں۔ انہوں نے یہ بھی لکھ کر گواہی ثبت کر دی اور میں نے ملکیت قبول کر لی اور وہ لوگ اپنی اجرت لے کر چل دیئے۔ اب وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک کمرے میں لے گئی اور وہاں لے جا کر مجھے کھڑا کر دیا اور ایک بڑا صندوق کھول کر مجھ سے کہا کہ دیکھ اس صندوق میں کیا ہے؟ میں نے دیکھا تو اس میں رومال بھرے ہوئے تھے' اس نے کہا کہ یہ تیرا مال ہے جو میں نے تجھ سے لیا ہے۔ جب تو مجھے رومال میں پچاس دینار باندھ کر دیتا تھا تو میں اسے لپیٹ کر اس صندوق میں ڈال دیتی تھی۔ اپنا مال لے کیونکہ اب وہ تیری طرف لوٹ آیا ہے۔ آج میرے دل میں تیری عزت بہت زیادہ ہو گئی ہے کیونکہ میری وجہ سے قضا و قدر نے تیرا داہنا ہاتھ کٹوا دیا ہے اور میں اس کا بدلہ نہیں دے سکتی۔ اگر میں جان بھی دے دوں تو کم ہے اور پھر بھی تیرا قرضہ میرے اوپر رہے گا۔ اب اس نے مجھ سے کہا کہ اپنے مال پر قبضہ کر۔ میں نے اس کے صندوق کا مال اپنے صندوق میں منتقل کیا

اور اپنا مال اور اس کا مال جو میں نے اسے دیا تھا ایک کر دیا۔ اب میرے دل کو فرحت ہوئی اور میرا غم دور ہو گیا۔ میں نے اٹھ کر اسے بوسہ دیا۔ اس نے کہا کہ

تو نے میری محبت میں اپنا ہاتھ نذر کر دیا' میں کس طرح اس کا بدلہ تجھے دے سکتی ہوں۔ اگر میں اپنی جان بھی قربان کر دوں تو کم ہے اور اس سے تیرا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی ساری دولت کا ہبہ نامہ میرے نام لکھ دیا حتیٰ کہ بدن کے کپڑوں اور زیوروں اور سارے سامان کا۔ اس رات وہ میرے غم کی وجہ سے بالکل نہ سوئی اور میں نے اپنا سارا ماجرا اس سے بیان کیا اور تمام رات اس کے ساتھ گزاری۔

ابھی ایک مہینہ نہ گزرا ہو گا کہ وہ کمزور ہونا شروع ہو گئی اور مرض بڑھتا گیا اور پچاسویں دن وہ آخرت کی طرف کوچ کر گئی۔ میں نے اس کی تجہیز و تکفین کر کے اسے دفن کیا اور قرآن ختم کرائے اور اس کے اوپر بہت سا مال خیرات کیا۔ جب میں قبر سے لوٹا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس کا بے حد مال اور املاک اور جاگیریں ہیں اور منجملہ ان کے تلوں کا ایک ذخیرہ' جس میں سے میں نے کچھ تیرے ہاتھ بیچا ہے اور ان دنوں تیرے پاس نہ آنے کی وجہ یہی تھی کہ میں باقی ذخیرے کے بیچنے میں مشغول تھا اور اب تک میں قیمت وصول کرنے سے فارغ نہیں ہوا ہوں۔ اب جو کچھ میں تجھ سے کہنے والا ہوں' اس کو رد مت کیجیو۔ میں نے تیرا نمک کھایا ہے اور جو قیمت تلوں کی تیرے ذمے باقی ہے' وہ میں تیری نذر کرتا ہوں۔ یہ ہے سبب میرے داہنے ہاتھ کے کٹنے اور بائیں ہاتھ سے کھانے کا۔ میں نے کہا کہ یہ تیرا احسان ہے اور تیری بزرگی کی دلیل ہے۔ اب اس نے مجھ سے کہا کہ کیا تو یہ منظور کرے گا کہ میرے ساتھ میرے ملک کو چلے۔ میں نے قاہرہ اور اسکندریہ کا بہت سا تجارت کا مال خریدا ہے' تو میرے ساتھ چل۔ اس نے کہا کہ اچھا اور دوسرے مہینے کے شروع کا وعدہ کیا اور میں اور وہ جوان تمہارے اس ملک میں پہنچے۔ جوان نے اپنا تجارتی مال بیچ کر اس کے داموں سے تمہارے ملک کا سامان خریدا اور مصر چلا گیا اور میری قسمت

یہ لکھا تھا کہ میں کل رات یہاں ٹھہروں اور پردیس میں مجھ پر مصیبت آئے۔
اے بادشاہ' کیا یہ قصہ کبڑے کے قصے سے زیادہ عجیب و غریب نہیں ہے! بادشاہ نے کہا کہ نہیں' میں سب کو پھانسی دیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی' جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• ستائیسویں رات

جب ستائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب چین کے بادشاہ نے کہا کہ میں تم کو پھانسی دیئے بغیر نہ چھوڑوں گا تو خانساماں چین کے بادشاہ کے آگے آیا اور کہنے لگا کہ اگر تو اجازت دے تو میں تجھ سے اپنی ایک واردات بیان کروں جو اسی زمانے میں پیش آئی ہے۔ قبل اس کے کہ میں نے اس کبڑے کو دیکھا اور اگر وہ اس شخص کی کہانی سے زیادہ عجیب ہو تو ہم سب کی جان بخشی کیجیو۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھا!

○ خانساماں کی کہانی

اس نے کہا کہ کل رات کو میں بعض اشخاص کے ساتھ تھا' جو قرآن ختم کر رہے تھے اور فقیہ لوگ وہاں جمع تھے' جب پڑھنے والے پڑھ کر فارغ ہوئے تو دسترخوان بچھایا گیا اور منجملہ کھانوں کے زیرہ گوشت لایا گیا اور ہم نے آگے بڑھ کر زیرہ گوشت کھانا شروع کیا۔ مگر ہم میں سے ایک نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اس کے کھانے سے انکار کیا۔ ہم نے اسے قسم دی کہ کھا اور اس نے قسم کھائی کہ میں ہرگز نہ کھاؤں گا۔ جب ہم نے زیادہ اصرار کیا تو اس نے کہا کہ میرے ساتھ زبردستی مت کرو۔ اس کے کھانے سے جو کچھ مجھ پر گزر چکی ہے' وہ کافی ہے۔ اب ہم نے کہا کہ تجھے خدا کی قسم' بتا کہ تو زیرہ گوشت کیوں نہیں کھاتا۔ اس نے کہا کہ اگر تم مجبور کرتے ہو کہ میں زیرہ گوشت کھاؤں تو بغیر اس کے نہیں کھا سکتا کہ اول چالیس بار اپنے ہاتھ صابن سے دھوؤں اور چالیس بار سوڈے سے اور پھر چالیس بار خوشبو سے۔ یہ تمام ایک سو بیس بار ہوئے۔ اس پر میزبان نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ پانی جو جو

چیزیں اس نے مانگی ہیں' لائیں' اب وہ جوان شادو ناشاد بیٹھ گیا اور اس نے ڈرتے ڈرتے اپنا ہاتھ بڑھایا اور زیرہ گوشت میں لقمہ ڈبو کر کھانے لگا' مگر معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے اوپر جبر کر کے کھا رہا ہے۔ ہمیں اس پر نہایت تعجب ہوا کیونکہ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ کا انگوٹھا کٹا ہوا ہے اور وہ محض چار انگلیوں سے کھا رہا ہے۔ ہم نے کہا کہ خدا کے لیے یہ تو بتا کہ تیرے انگوٹھے پر کیا گزری کہ وہ ایسا ہو گیا؟ آیا وہ پیدائشی اسی طرح ہے یا اس پر کوئی حادثہ گزرا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے بھائیو' یہی ایک انگوٹھا نہیں بلکہ دوسرے ہاتھ اور دونوں پاؤں کے انگوٹھوں کا بھی یہی حال ہے۔ لیکن جب تک تم اپنی آنکھوں سے نہ دیکھو گے' تمہیں یقین نہیں آئے گا۔

یہ کہہ کر اس نے دوسرا ہاتھ دکھایا اور وہ بھی داہنے ہاتھ کی طرح تھا۔ اسی طرح دونوں پاؤں بغیر انگوٹھوں کے تھے۔ سب نے اس کی یہ حالت دیکھی تو ہمیں اور بھی تعجب ہوا اور ہم نے کہا کہ اب ہم بے صبری کے ساتھ منتظر ہیں کہ تو اپنا ماجرا اور انگوٹھوں کے کٹنے کا سبب اور ایک سو بیس مرتبہ ہاتھ دھونے کی وجہ بیان کرے۔ اس نے کہا کہ اچھا' سنو۔ میرے باپ کا شمار بڑے سوداگروں میں تھا اور وہ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں بغداد کا سب سے بڑا سوداگر تھا لیکن اسے مے خوری کا اور سارنگی اور دوسرے باجے سننے کا بڑا شوق تھا۔ جب وہ فوت ہوا تو اس نے کوئی ترکہ نہ چھوڑا۔ بہرحال میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور قرآن ختم کرائے اور کئی دن رات اس کے سوگ میں رہا۔ جب میں نے اس کی دوکان کھولی تو دیکھا کہ سامان تو بہت کم ہے مگر اس پر قرضے بہت سے ہیں۔ میں نے قرض خواہوں کو دلاسہ دیا اور ان کی خاطر جمعی کی اور میں ہفتہ وار خرید و فروخت کر کے قرض خواہوں کو دیتا تھا۔ ایک مدت تک ایسا کرنے کے بعد میں نے سارے قرضے ادا کر دیئے اور اب میری پونجی دن رات بڑھنے لگی۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ یکایک ایک لڑکی پہنچی جس سے

زیادہ حسین میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ زیوروں اور پوشاک سے بنی سنوری ہوئی تھی اور خچر پر سوار تھی اور ایک غلام اس کے پیچھے تھا۔ قیصریہ پہنچ کر اس نے خچر روکا اور اندر آئی اور ایک غلام اس کے پیچھے پیچھے آیا۔ غلام نے کہا کہ اے میری سردار' یہاں سے جلد چل اور کسی کو خبر مت کر' کہیں ایسا نہ ہو کہ شورش برپا ہو جائے۔ یہ کہہ کر اس نے سامنے سے اوٹ کر لی اور وہ سوداگروں کی دوکانیں دیکھنے لگی اور دیکھا کہ سوائے میرے اور کسی نے دوکان نہیں کھولی ہے۔ اب وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور غلام اس کے پیچھے پیچھے تھا اور آکر میری دوکان پر بیٹھ گئی اور مجھے سلام کیا۔ اس سے زیادہ میٹھی اور پیاری پیاری باتیں میں نے کبھی نہیں سنی تھیں۔

اب اس نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دی تو میں نے دیکھا کہ وہ چاند کی طرح خوبصورت ہے۔ میں نے ایک نظر بھر کر اسے دیکھا ہی تھا کہ ہزاروں تمنائیں میرے دل میں آنے لگیں اور میں اس کے عشق میں گرفتار ہو گیا اور بار بار اس کی طرف دیکھنے لگا۔

اس نے کہا کہ اے جوان' تیرے پاس عمدہ قسم کے کپڑے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ اے میری سردار' تیرا غلام غریب آدمی ہے' لیکن ذرا ٹھہر جا کہ اور سوداگر اپنی دوکانیں کھول لیں۔ اس وقت جو کچھ تجھے درکار ہو گا' میں لے آؤں گا۔ اب ہم دونوں باتیں کرنے لگے اور میں اس کی محبت میں غرق تھا یہاں تک کہ سوداگروں نے اپنی دوکانیں کھولیں اور میں اٹھا اور جو کچھ اسے درکار تھا' لے آیا۔ اس سارے سامان کی قیمت پانچ ہزار درہم تھی۔ اس نے اسے خادم کے حوالے کر دیا اور دونوں قیصریہ سے باہر چلے گئے۔ وہاں اس کا خچر آیا اور وہ سوار ہو گئی اور مجھ سے یہ بھی نہ کہا کہ وہ کہاں سے آئی ہے اور مجھے پوچھتے شرم آئی۔ اب سوداگر میرے پیچھے پڑے اور میں نے پانچ ہزار درہم کی ہنڈی لکھ دی۔

جب میں گھر میں لوٹا تو اس کے عشق میں بدمست تھا۔ لوگ رات کا کھانا لائے لیکن

میں نے ایک نوالے سے زیادہ نہ کھایا کیونکہ میں اس کے حسن و جمال کو یاد کر رہا تھا۔ پھر میں نے سونے کا ارادہ کیا مگر نیند نہ آئی۔ ایک ہفتے تک میری یہ حالت رہی۔
اب سوداگروں نے اپنے داموں کا مطالبہ کیا اور میں نے ان سے دوسرے ہفتے تک صبر کرنے کی درخواست کی۔ ایک ہفتے کے بعد وہ خچر پر سوار آئی اور اس کے ساتھ ایک خادم اور دو غلام تھے۔ اس نے مجھے سلام کیا اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا' کپڑوں کی قیمت ادا کرنے میں دیر ہو گئی۔ صراف کو بلا اور دام لے۔ صراف آیا اور خادم نے دام نکال کر دیے۔ میں نے دام لیے اور ہم دونوں باتیں کرنے لگے۔ یہاں تک کہ بازار کھلا اور اس نے کہا کہ میرے لیے فلاں فلاں چیز لے آ۔ میں سوداگروں سے وہ چیزیں لے آیا' جو اس نے کہی تھیں۔ وہ انہیں لے کر چل دی اور قیمت کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہا۔ جب وہ چلی گئی تو میں سخت پشیمان ہوا کیونکہ جو چیزیں اس نے لی تھیں' اس کی قیمت ایک ہزار دینار تھی جب وہ میری نظر سے غائب ہو گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بھی کوئی محبت سی محبت ہے کہ اس نے مجھے پانچ ہزار درہم ادا کئے اور ایک ہزار دینار کا سامان لے گئی۔ اب میں ڈرا کہ دوسرے سوداگروں کا مال لینے کی وجہ سے میں غریب ہو جاؤں گا اور دل میں کہنے لگا کہ سوداگر تو مجھ ہی کو جانتے ہیں۔ یہ عورت چال باز معلوم ہوتی ہے اور وہ مجھے اپنے حسن و جمال کے فریب میں لے آئی ہے اور مجھے کم مایہ دیکھ کر میرا مذاق اڑاتی ہے اور میں نے اس کے مکان کا پتہ تک نہیں پوچھا۔
میں اسی شش و پنج میں مبتلا تھا اور اسے گئے ایک مہینے سے زیادہ ہو چکا تھا کہ سوداگروں نے مطالبہ شروع کر دیا اور مجھے اتنا تنگ کیا کہ میں نے مجبور ہو کر سارا گھر بار بیچنے کے لیے ان کے سامنے پیش کر دیا اور اپنی تباہی کا تہیہ کر لیا اور سوچ میں آکر بیٹھ گیا کہ اتنے میں وہ بازار کے دروازے پر اتری اور میرے پاس پہنچی۔ جب میں نے اسے دیکھا تو میرا سارا تفکر جاتا رہا اور میرا غم غلط ہو گیا اور میرے ساتھ میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگی۔ پھر اس نے کہا کہ صراف کو بلا اور اپنے دام تول کر لے

لے۔ اس نے ان کپڑوں کے دام مجھے دیئے جو وہ لے گئی تھی اور کچھ زیادہ اور مجھ سے باتیں کرنے لگی اور میں مارے خوشی اور فرحت کے مرا جاتا تھا۔ اب اس نے مجھ سے پوچھا کہ تیری بیوی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں' بلکہ کسی عورت سے جان پہچان تک نہیں۔ یہ کہہ کر میں رونے لگا اور اس نے پوچھا کہ تو کیوں روتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ خیریت ہے۔ اس کے بعد میں نے چند دینار نکال کر خادم کو دیئے اور اس سے کہا کہ میری سفارش کرے۔ وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ وہ تجھ سے بڑھ کر تجھ پر عاشق ہے۔ جو کپڑے اس نے تجھ سے خریدے ہیں' ان کی ضرورت اسے بالکل نہیں بلکہ محض تیری محبت کی وجہ سے اس نے یہ کام کیا۔ تو اپنا ارادہ اس پر ظاہر کر کیونکہ وہ تیری بات کو نہیں ٹالنے کی۔ جب میں نے خادم کو دینار دیئے تھے' تو وہ دیکھ رہی تھی۔ اب میں آکر اس کے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اپنے غلام کو صدقہ دے اور جو وہ کہتا ہے' اسے قبول کر لے۔ اب میں نے اپنا دل کھول کر اس کے آگے رکھ دیا اور اس نے منظور کر لیا اور خادم سے کہا کہ تو میرا پیغام اسے پہنچا دیجیو' اور مجھ سے کہا کہ خادم جس طرح کہے' اسی طرح کیجیو' یہ کہہ کر وہ اٹھی اور چل دی۔

اب میں نے جا کر سوداگروں کو دام دیے بلکہ کچھ زیادہ۔ لیکن پھر اس کی خبر نہ ملنے کی وجہ سے مجھے سخت پریشانی ہوئی اور میں نے رات بھر جاگتے گزاری۔ کچھ دنوں کے بعد اس کا خادم میرے پاس آیا اور میں نے اس کی تعظیم کی اور اس سے لڑکی کا حال پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ وہ بیمار ہے۔ میں نے کہا کہ اس کا قصہ مجھے تفصیل کے ساتھ بتا۔ اس نے کہا کہ اس لڑکی کو خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ نے پالا ہے اور وہ اس کی ایک کنیز ہے۔ اس نے باہر آنے جانے کی اجازت اپنی ملکہ سے مانگی ہے اور وہ اسے مل گئی ہے اور وہ زبیدہ کی خزانچی ہے۔ اس نے اپنی مالکہ سے تیرا ذکر کیا تھا اور اس سے درخواست کی کہ وہ اس کی شادی تیرے ساتھ کر دے۔ مگر مالکہ نے جواب دیا کہ جب تک کہ میں اس مرد کو دیکھ نہ لوں' نہ کروں گی۔

اگر وہ بھی تیری طرح خوبصورت ہو گا تو میں تیری شادی اس کے ساتھ کروں گی۔ اب ہم تجھے محل میں لے جانا چاہتے ہیں۔ اگر تجھے اندر پہنچنے میں کامیابی ہو گئی تو تیری شادی اس کے ساتھ ہو جائے گی اور اگر راز فاش ہو گیا تو تیری گردن مار دی جائے گی۔ اب بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں تیرے ساتھ چلوں گا خواہ میرا وہی حال کیوں نہ ہو جو تو نے بیان کیا ہے۔ خادم نے کہا کہ آج رات مسجد میں جا کر نماز پڑھیو اور وہیں رہیو' اس مسجد میں جو زبیدہ نے دجلے کے کنارے بنوائی ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ بسرو چشم۔ جب رات ہوئی تو اس مسجد میں گیا اور وہاں نماز پڑھ کر سو گیا۔ جب تڑکا ہوا تو میں نے دیکھا کہ دو خادم ایک بجرے میں آئے اور ان کے ساتھ خالی صندوق تھے۔ وہ ان صندوقوں کو مسجد میں رکھ کر چلے گئے۔ مگر ان میں سے ایک نے ذرا توقف کیا اور میں نے غور سے دیکھا تو یہ وہی خادم تھا جو میرے اور اس لڑکی کے درمیان میانجی بنا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہی لڑکی جو میری دوست تھی' میرے پاس آئی۔ جب وہ میرے سامنے پہنچی تو میں اٹھ کھڑا ہوا اور اسے گلے سے لگا لیا' اور وہ مجھے بوسے دینے اور رونے لگی۔ تھوڑی باہم گفتگو کرنے کے بعد اس نے مجھے لے جا کر صندوق میں بٹھا دیا اور اسے بند کر دیا۔ اس کے بعد وہ خادم کی طرف بڑھی' جس کے ساتھ بہت سا سامان تھا۔ اس کو لے کر اس نے ان صندوقوں میں بھرا اور ان کو ایک ایک کر کے بند کر دیا۔ جب سب صندوق بھر چکے تو انہوں نے انہیں بجرے میں رکھ دیا اور زبیدہ کے محل کی طرف روانہ ہو گئے۔

اب مجھے بڑی فکر ہوئی اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ میری شہوت نے مجھے تباہ کر دیا اور معلوم نہیں کہ وہ ملے گی بھی یا نہیں! یہ کہہ کر میں صندوق کے اندر رونے لگا اور خدا سے دعا مانگتا تھا کہ وہ مجھے اس مصیبت سے رہائی دے۔ اب وہ لوگ صندوقوں کے ساتھ باب الخلیفہ پر پہنچے' جن میں سے ایک صندوق میں' میں تھا اور ان نوکروں کی جماعت سے گزر کر جو حرم کی حفاظت اور اس کی پردہ داری کرتے تھے' ایک بڑے خادم تک پہنچے۔ اس نے نیند سے چونک کر زور سے کہا کہ ان صندوقوں میں کیا ہے؟

لڑکی نے کہا کہ ان میں زبیدہ بیگم کا سامان بھرا ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ ایک ایک کر کے کھول تا کہ میں دیکھوں کہ ان میں کیا ہے؟ لڑکی نے کہا کہ تو کیوں کھولنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تو زیادہ باتیں مت بنا۔ تجھے یہ صندوق کھولنے پڑیں گے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پہلا ہی صندوق جو اس نے کھولنا چاہا' اس میں' میں تھا۔ یہ دیکھ کر میرے ہوش جاتے رہے اور مارے ڈر کے میں نے پیشاب کر دیا اور پیشاب صندوق کے باہر بہنے لگا۔ اس پر لڑکی نے پہرے دار سے کہا کہ اے پہرے دار' تو مجھے بھی تباہ کرے گا اور خود بھی تباہ ہو گا کیونکہ تو نے دس ہزار دینار کا مال خراب کر دیا ہے۔ اس صندوق میں رنگین کپڑے ہیں اور چار من زمزم کا پانی اور وہ پانی بھی کھل گیا ہے۔ اور ان کپڑوں کے اوپر سے بہنے لگا ہے جو صندوق میں ہیں۔ اس کی وجہ سے ان کا رنگ خراب ہو جائے گا۔ یہ سن کر پہرے دار نے کہا کہ اپنے صندوق لے کر دور ہو' خدا تجھ پر لعنت بھیجے! اب خادم میرا صندوق لے کر جلدی سے روانہ ہوئے اور دوسرے صندوقوں کے ساتھ جا کر شامل ہو گئے۔ وہ لوگ ابھی جا ہی رہے تھے کہ میں نے کسی کو کہتے سنا کہ ہائے افسوس! خلیفہ! خلیفہ! جب میں نے یہ سنا تو میری روح بدن سے نکل گئی اور میں نے وہ کلمہ پڑھا جس سے کس کو پشیمانی نہیں ہوتی: لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم یہ مصیبت میں نے خود خریدی ہے۔ اب میں نے خلیفہ کو لڑکی سے کہتے سنا کہ لعنت ہو تجھ پر! تیرے ان صندوقوں میں کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے صندوقوں میں زبیدہ بیگم کے کپڑے ہیں۔ خلیفہ نے کہا کہ انہیں کھول کر مجھے دکھا۔ جب میں نے سنا کہ میرے مرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ واللہ آج کا دن میری زندگی کا آخری دن ہے لیکن اگر میں اس سے بچ گیا تو اس سے شادی کروں گا۔ اس میں کلام نہیں اور اگر میرا راز فاش ہو گیا تو میری گردن مار دی جائے گی۔ میں اشھدان لاالہ الا اللہ محمد ارسول اللہ پڑھنے لگا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی' جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• اٹھائیسویں رات

جب اٹھائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- جب جوان نے اشھدان لاالہ الا اللہ پڑھا تو اس نے کہا کہ میں نے لڑکی کو کہتے سنا کہ ان صندوقوں میں کچھ پرانے کپڑے ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ ان کا حال کسی پر ظاہر نہ ہو۔ خلیفہ نے کہا کہ تجھے کھولنا پڑے گا تاکہ میں دیکھوں کہ ان میں کیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے نوکروں کو آواز دی اور کہا کہ یہ صندوق میرے پاس لاؤ۔ اب مجھے موت کا یقین بلا کسی شک کے آ گیا اور مجھے دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔ نوکر ایک ایک کر کے صندوق لاتے اور خلیفہ دیکھتا کہ ان میں عطر اور کپڑے اور عمدہ پوشاکیں ہیں۔ وہ برابر صندوق کھولتے جاتے تھے اور خلیفہ دیکھتا جاتا تھا کہ ان میں کپڑے وغیرہ ہیں' یہاں تک کہ اب اس صندوق کی باری آئی' جس میں' میں تھا۔ لوگوں نے اسے کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ لڑکی نے جھٹ سے آگے بڑھ کر خلیفہ سے کہا کہ یہ صندوق جو اب تیرے آگے ہے' اسے زبیدہ بیگم کے آگے کھولیو' کیونکہ اس میں اس کی راز کی چیزیں ہیں۔ جب خلیفہ نے اسے یہ کہتے سنا تو صندوق کو اندر لے جانے کا حکم دے دیا اور نوکروں نے میرے صندوق کو اٹھا کر دوسرے صندوقوں کے درمیان آنگن میں رکھ دیا اور میرا لعاب خشک ہو گیا تھا۔ اب میری دوست نے مجھے نکالا اور کہا کہ اب تجھے ڈرنے اور خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ خوش اور دل شاد ہو کر زبیدہ بیگم کے آنے تک بیٹھا رہ' خدا نے چاہا تو تیری مراد میرے متعلق پوری ہو جائے گی۔ میں تھوڑی دیر بیٹھا ہوں گا کہ دس کنیزیں آئیں جو باکرہ اور چاند سی خوبصورت تھیں اور آ کر پانچ پانچ آمنے سامنے بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد بیس کنیزیں اور آئیں جو باکرہ تھیں اور جن کے سینے ابھرے ہوئے تھے' اور ان کے درمیان میں زبیدہ بیگم تھی جو اتنے زیور اور پوشاکوں سے لدی ہوئی تھی کہ چل نہ سکتی تھی۔

جب وہ سامنے آئی تو کنیزیں ادھر ادھر چلتی ہوئیں۔ اب میں اس کے سامنے آیا اور زمین کو بوسہ دیا۔ اس نے اشارے سے کہا کہ بیٹھ جا اور میں اس کے سامنے بیٹھ گیا اور اس نے مجھ سے سوالات کرنے شروع کئے اور میرا حسب نسب پوچھا۔ میں نے اس کے سارے سوالوں کا جواب دیا اور وہ خوش ہو گئی اور کہنے لگی کہ لڑکی' میری تربیت بیکار نہیں گئی۔ پھر وہ مجھ سے کہنے لگی کہ یہ لڑکی میری بیٹی کی جگہ ہے اور تیرے پاس خدا کی امانت ہے۔ میں نے اس کے آگے زمین چومی اور وہ رضامند ہو گئی کہ میں لڑکی سے شادی کر لوں۔

اب اس نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے یہاں دس دن تک ٹھہروں اور میں ٹھہر گیا مگر اس مدت میں لڑکی کو میں نے کبھی نہیں دیکھا اور ایک لونڈی دن اور رات کا کھانا لا کر مجھے دے جاتی تھی۔ دس دن گزرنے کے بعد زبیدہ بیگم نے اپنی لڑکی کی شادی کے متعلق خلیفہ سے مشورہ کیا۔ خلیفہ نے اجازت دے دی اور اسے دس ہزار دینار دینے کا حکم دے دیا۔ اب زبیدہ بیگم نے گواہوں اور قاضی کو بلوایا اور انہوں نے میرا نکاح نامہ اس لڑکی کے ساتھ لکھ دیا۔ پھر انہوں نے شیرینی اور عمدہ کھانے پکوا کر گھر گھر تقسیم کرائے اور یہ حال دس دن تک رہا۔ یہ کل بیس دن ہوئے اور اس کے بعد لڑکی حمام گئی اور ایک خوانچہ لایا گیا' جس میں کھانے تھے اور منجملہ ان کے پاس ایک پیالہ زیرہ گوشت کا' جس میں شکر بھری ہوئی تھی اور اوپر سے مشک آمیز گلاب پڑا ہوا تھا اور اندر مرغی کے سینے سرخ اور رنگ برنگ تھے جن سے عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ خدا کی قسم میں زیرہ گوشت کے پاس بیٹھ تو گیا اور خوب سیر ہو کر کھایا' اور اس کے بعد میں نے اپنے ہاتھ پونچھے' مگر ان کو دھونے کا خیال نہ رہا اور بیٹھا رہا' یہاں تک کہ اندھیرا ہو گیا اور موم بتیاں جلیں اور ڈومنیاں ڈھپلیاں لے کر پہنچیں اور دلہن کی منہ دکھائی اور اشرفیاں وصول کرنے لگیں۔ یہاں تک کہ وہ سارے محل کا چکر لگا آئیں۔ اب وہ اسے میرے سامنے لائیں اور اس کے کپڑے اتارے۔ جب

اس کے ساتھ پلنگ پر اکیلا ہوا اور اسے گلے لگایا' اور مجھے اس کے وصال کا یقین نہیں آتا تھا' تو اسے میرے ہاتھوں سے زیرہ گوشت کی بو آئی اور وہ شور مچانے لگی' اب ہر طرف سے کنیزیں دوڑ پڑیں اور مجھے معلوم نہ تھا کہ کیا واقعہ ہے اور وہ کہنے لگی کہ اے بہن' تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ اس پاگل کو یہاں سے نکال دو' میں تو سمجھتی تھی کہ یہ سمجھدار ہے۔ میں نے کہا کہ میرے پاگل پن کی کون سی بات ظاہر ہوئی؟ اس نے جواب دیا کہ اے پاگل تو نے زیرہ گوشت کھا کر ہاتھ کیوں نہیں دھوئے؟ خدا کی قسم' میں تجھے اس فعل پر سزا دوں گی۔ کیا تجھ جیسا مجھ جیسی سے مباشرت کرے گا!

یہ کہہ کر اس نے ایک طرف بٹا ہوا کوڑا نکالا اور میری پیٹھ اور چوتڑوں پر مارنا شروع کیا یہاں تک کہ مجھے دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔ اتنی مار اس نے مجھے ماری۔ پھر اس نے کنیزوں سے کہا کہ اسے پکڑ کر شہر کے حاکم کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالے جس سے اس نے زیرہ گوشت کھایا اور دھویا نہیں۔ جب میں نے یہ سنا تو میں نے کہا کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ تو میرا ہاتھ اس جرم پر کاٹتی ہے کہ میں نے زیرہ گوشت کھا کر اسے دھویا نہیں۔ اب کنیزیں اس کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ بہن اس بار اس کا جرم معاف کر دے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس کی چند انگلیاں کاٹے بغیر نہ رہوں گی۔ یہ کہہ کر وہ چل دی اور دس دن تک غائب رہی اور میرے سامنے نہ آئی۔ دس دن کے بعد وہ میرے پاس آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ اے کل مونہے' میں تجھے زیرہ گوشت کھا کر ہاتھ نہ دھونے کا مزہ چکھاؤں گی۔ یہ کہہ کر اس نے کنیزوں کو آواز دی اور انہوں نے میری مشکیں کسیں اور اس نے ایک تیز استرا لا کر میرے انگوٹھے کاٹ ڈالے جیسا کہ اے حاضرین' تم دیکھ رہے ہو۔ اس کے بعد میں بے ہوش ہو گیا اور اس نے انگوٹھوں پر کوئی سفوف چھڑکا اور خون بند ہو گیا اور میں کہتا جاتا تھا کہ میں کبھی زیرہ گوشت نہ کھاؤں گا' اگر کھا کر چالیس بار سوڈے اور چالیس بار خوشبو اور چالیس بار صابن سے نہ دھوؤں۔ اس کے

بعد میں نے قسم کھائی کہ میں کبھی زیرہ گوشت نہ کھاؤں گا۔ اگر اس کے بعد میں اپنے ہاتھ نہ دھوؤں جیسا کہ میں نے تم سے بیان کیا ہے۔ اس لیے جب تم یہ زیرہ گوشت لائے تو میرا رنگ فق ہو گیا اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہی میرے انگوٹھوں کے کٹنے کا سبب ہے اور جب تم نے میرے ساتھ زبردستی کی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے قسم پوری کرنی چاہیے۔

حاضرین نے پوچھا کہ اس کے بعد کیا ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ جب میں نے قسم کھائی تو اس کا دل پسیج گیا اور اس کے ساتھ سویا اور اس طرح ہم ایک مدت تک رہتے رہے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ شاہی محل میں ہمارا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ یہاں سوائے تیرے اور کوئی نہیں آتا اور وہ بھی زبیدہ بیگم کی مہربانی سے۔ یہ کہہ کر اس نے پچاس ہزار دیئے اور کہا کہ یہ دام لے اور ہمارے لیے ایک کشادہ مکان خرید۔ میں نے جا کر ایک خوبصورت اور کشادہ مکان خریدا اور اس میں جتنا اس کا سامان تھا اور جو مال اور کپڑے اور تحفے تحائف اس نے جمع کیے تھے، منتقل کیے۔ یہ ہے سبب میرے انگوٹھوں کے کٹنے کا۔ اس کے بعد ہم کھانا کھا کر واپس آئے اور کبڑے کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا۔ بس یہی میری باتوں کا مقصد ہے۔ اور بس! بادشاہ نے کہا کہ یہ کہانی کبڑے کی کہانی سے زیادہ بامزہ نہیں ہے بلکہ کبڑے کی کہانی اس سے کہیں زیادہ مزیدار ہے، اور میں تم سب کو بغیر پھانسی دیئے نہ چھوڑوں گا۔ اب یہودی آگے بڑھا اور اس نے زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ جہاں پناہ میں تجھ سے ایک کہانی کہتا ہوں، جو کبڑے کی سرگزشت سے زیادہ عجیب و غریب ہے۔ چین کے بادشاہ نے کہا کہ اچھا، اپنی کہانی سنا۔

○ یہودی کی کہانی

اس نے کہا کہ سب سے عجیب ماجرا میرے ساتھ گزرا ہے۔ وہ یہ ہے کہ میں جب دمشق میں پڑھتا تھا تو ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا کہ دمشق کے وزیر کے گھر سے ایک غلام آیا اور کہنے لگا کہ میرا مالک تجھ سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ میں اٹھا اور اس کے ساتھ وزیر کے گھر گیا۔ جب میں اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ محل کے صدر میں صنوبر کا ایک تخت پڑا ہوا ہے۔ جس پر سونے کے پتر چڑھے ہوئے ہیں اور اس پر ایک بیمار لیٹا ہوا ہے اور وہ ایک جوان ہے اور اس سے زیادہ خوبصورت جوان دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔ میں اس کے سرہانے بیٹھ گیا اور اس کی صحت کی دعا مانگی۔ اس نے اپنی آنکھ کے اشارے سے جواب دیا۔ میں نے کہا کہ اے آقا' اپنا ہاتھ مجھے دے' خدا تجھے صحت عطا کرے! اس نے اپنا بایاں ہاتھ نکال کر دیا۔ اس پر مجھے تعجب ہوا اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ خداوند' یہ عجیب بات ہے کہ یہ جوان اتنا خوبصورت اور اتنے بڑے گھرانے کا اور اسے تمیز نہیں! یہ عجیب و غریب بات ہے۔ اب میں نے اس کی نبض دیکھ کر اسے نسخہ لکھ دیا اور دس دن تک میرا آنا جانا اس کے یہاں رہا۔ یہاں تک کہ اچھا ہو گیا اور حمام گیا اور غسل کر کے نکلا۔

وزیر نے مجھے ایک خوبصورت خلعت عطا کی اور مجھے اس شفاخانے کا رئیس بنا دیا جو دمشق میں تھا۔ ایک دن جب میں اس جوان کے ساتھ حمام گیا اور اس نے کپڑے اتارے تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کا دہنا ہاتھ کٹا ہوا ہے اور یہ حال کا واقعہ ہے' اور اس کی بیماری کا یہی سبب تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے تعجب ہوا اور اس پر میرا دل کڑھنے لگا۔ اب میری نظر اس کے بدن پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ اس پر کوڑے کے نشان ہیں اور اسی وجہ سے وہ تیل کی مالش کراتا تھا۔ اس پر میں پریشان تھا اور پریشانی کے آثار میرے چہرے سے نمایاں تھے۔ جوان نے مجھے دیکھا اور سمجھ گیا کہ مجھ پر کیا گزری ہے اور کہنے لگا کہ اے نامور حکیم' میری حالت پر تعجب مت کر۔ حمام سے نکل کر میں اپنی آپ بیتی تجھ سے بیان کروں گا۔ جب ہم حمام سے نکل کر گھر آئے اور کھانا کھا کر آرام کرنے لگے تو جوان نے کہا کہ آیا تو بالاخانے کی سیر کرنا چاہتا ہے؟

میں نے کہا کہ ہاں۔ اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ فرش اوپر لے چلیں اور ایک میمنہ تل کر لائیں اور کچھ میوے۔ غلام میوے لائے اور ہم دونوں نے کھائے لیکن اس نے بائیں ہاتھ سے کھایا۔ اب میں نے اس سے کہا کہ اپنا ماجرا بیان کر۔

اس نے کہا کہ اے نامور حکیم' میں موصل کا رہنے والا ہوں۔ جب میرے دادا کا انتقال ہوا تو اس کے دس بیٹے تھے اور منجملہ ان کے میرا باپ اے حکیم' سب سے بڑا تھا۔ جب وہ جوان ہوئے تو انہوں نے شادیاں کیں اور اپنے باپ سے میں پیدا ہوا لیکن باقی نو بھائیوں کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اب میں بڑا ہوا اور میرے چچاؤں کو نہایت خوشی تھی۔ جب میں بالغ ہوا تو ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں اپنے والد کے ساتھ موصل کی جامع مسجد میں آ گیا۔ جمعے کا دن تھا اور جمعے کی نماز پڑھ کر لوگ جا چکے تھے لیکن میرے والد اور چچا بیٹھ کر ملکوں اور شہروں کے عجائبات کا ذکر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ مصر کا ذکر ہونے لگا اور میرے چچاؤں نے کہا کہ مسافروں کا بیان ہے کہ مصر اور نیل سے زیادہ خوبصورت جگہ دنیا بھر میں نہیں ہے۔ جب میں نے یہ سنا تو میرے دل میں مصر کا شوق پیدا ہو گیا۔ میرے والد کہنے لگے کہ جس نے مصر نہیں دیکھا' اس نے دنیا میں کچھ نہیں دیکھا۔ اس کی مٹی سونا اور نیل اعجوبہ' وہاں کی عورتیں حوریں ہیں اور مکانات محل اور آب و ہوا معتدل اور اس کی خوشبو کے آگے عود اور اگر تم کو شرم آتی ہے اور اس کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے کیونکہ دنیا وہی ہے۔ اگر تم اس کے باغوں کو عصر کے بعد دیکھو جب کہ سایہ بڑھ رہا ہو تو تمہیں عجیب و غریب نظارہ دکھائی دے گا اور تمہیں اس سے بڑی مسرت حاصل ہو گی یہ کہہ کر انہوں نے مصر اور نیل کی تعریفوں کے پل باندھنے شروع کر دیئے۔ جب وہ فارغ ہوئے اور میں نے مصر کی یہ تعریفیں سنیں تو وہ دل میں بیٹھ گئیں وہ تو اٹھ کر گھر چلتے ہوئے لیکن مجھے رات بھر نیند نہ آئی اور کھانا پینا حرام ہو گیا۔

کچھ دنوں کے بعد میرے چچاؤں نے مصر کی سفر کی تیاریاں کی اور میں اپنے باپ کی

خوشامد کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے میرے لیے بھی تجارت کا مال تیار کیا اور میں ان کے ساتھ روانہ ہو گیا اور میرے باپ نے ان سے کہا کہ اس کو مصر نہ لے جانا بلکہ وہ دمشق میں رہ کر اپنا مال فروخت کرے۔ اب میں اپنے والد سے رخصت ہو کر روانہ ہو گیا اور موصل سے سفر کرتے کرتے ہم حلب پہنچے۔ وہاں کچھ دن ٹھہر کر ہم روانہ ہو گئے اور دمشق پہنچے۔ ہم نے دیکھا کہ اس شہر میں بے شمار درخت اور نہریں اور میوہ جات اور چڑیاں ہیں' گویا کہ وہ جنت ہے اور وہاں ہر قسم کے میوے موجود ہیں۔ وہاں ہم ایک سرائے میں اترے اور میرے چچاؤں نے چند روز وہاں قیام کر کے خرید و فروخت کی اور میرا سامان بھی بیچا اور مجھے ایک درہم میں پانچ کا فائدہ ہوا' جس پر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ اب میرے چچا مجھے وہاں چھوڑ کر مصر روانہ ہو گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد میں وہاں ٹھہرا رہا اور میں نے ایک خوبصورت کوٹھی لی جس کی تعریف سے زبان قاصر ہے۔ اس کا کرایہ دو دینار ماہوار تھا۔ میں نے وہاں رہ کر کھانے پینے میں زندگی گزاری یہاں تک کہ جتنا روپیہ پیسہ میرے پاس تھا' سب ختم ہو گیا۔ ایک دن میں اپنی کوٹھی کے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک نوجوان لڑکی آئی جو بہترین لباس پہنے ہوئے تھی' اس سے بہتر لباس میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہ دیکھا تھا۔ میں نے اس کی طرف آنکھ ماری اور وہ فوراً دروازے میں داخل ہو گئی۔ جب وہ اندر گئی تو میں بھی اندر گیا اور میں نے دروازہ بند کر لیا۔ جب اس نے اپنی نقاب الٹی اور اپنی قبا اتاری تو میں نے دیکھا کہ وہ حسن میں لاجواب ہے اور میرا دل اس پر آ گیا۔ میں اٹھا اور ایک خوانچہ لایا جس میں بہتر سے بہتر کھانے تھے اور میوہ جات اور تمام چیزیں جو اس موقعے کے لیے ضروری تھیں' میں نے اسے لا کر رکھا اور ہم دونوں نے کھانا کھایا اور پھر ہنسی مذاق کرنے لگے۔ اس کے بعد ہم نے شراب پینی شروع کی' یہاں تک کہ مدہوش ہو گئے اور میں اٹھا اور اس کے ساتھ بچھونے پر گیا اور صبح تک ایسی رات گزاری کہ کبھی نہ گزاری تھی۔ اب میں نے اسے دس دینار

دینا چاہے اور اس نے تیوری چڑھائی اور اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور وہ خفا ہو کر کہنے لگی کہ تف ہو تم پر اے موصل والو! تو سمجھتا ہے کہ میں تیرے مال کی لالچ میں آئی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی قمیض کی جیب سے پندرہ دینار نکال کر میرے آگے ڈال دیئے اور کہنے لگی کہ خدا کی قسم' اگر تو انہیں نہ لے گا تو میں پھر کبھی تیرے پاس نہ آؤں گی۔ اس لیے میں نے وہ دینار لے لیے اور وہ کہنے لگی کہ اے میرے پیارے' تین دن کے بعد مغرب اور عشاء کے درمیان میری راہ دیکھیو اور میں آؤں گی اور ان دیناروں سے آج کی طرح دعوت مہیا کیجیو۔

یہ کہہ کر وہ رخصت ہوئی اور چل دی اور میری عقل بھی اس کے ساتھ چلتی ہوئی۔ تین دن گزرنے کے بعد وہ پھر آئی اور پہلے سے زیادہ زرکش لباس اور زیور پہنے ہوئی تھی اور میں نے اس کے آنے سے پہلے اس جگہ کو آراستہ و پیراستہ کر رکھا تھا۔ اب ہم نے کھانا کھایا اور شراب پی اور پہلے کی طرح ہم بستر رہے۔ اب اس نے مجھے پھر پندرہ دینار دیئے اور تین دن کے بعد آنے کا وعدہ کر گئی۔ میں نے اس مقام کو اس کے لیے پھر آراستہ کیا اور وہ تین دن کے بعد آئی اور اس کا لباس پہلی دو مرتبہ سے بھی زیادہ عمدہ تھا اور مجھ سے کہنے لگی کہ اے میرے مالک' کیا میں خوبصورت نہیں ہوں؟ میں نے جواب دیا کہ واللہ تو خوبصورت ہے۔ اس نے کہا کہ اگر تیری اجازت ہو تو میں اپنے ساتھ ایک اور لڑکی لاؤں جو مجھ سے زیادہ حسین اور کمسن ہے تا کہ ہم سب باہم کھیلیں کودیں اور تو اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرے اور اس کا دل بھی خوش ہو کیونکہ وہ ایک زمانے سے غمگین ہے۔ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میرے ساتھ آ کر رات گزارے۔ جب میں نے اس کی باتیں سنیں تو کہا کہ بہت خوب۔ اب ہم شراب پی کر مست ہو گئے اور صبح تک ہم بستر رہے۔ پھر اس نے مجھے پندرہ دینار نکال کر دیئے کہ دوسری لڑکی کی خاطر جو میرے ساتھ آئے گی' اس جگہ کو اور زیادہ آراستہ و پیراستہ کیجیو۔ یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور میں نے چوتھے

دن دستور کے موافق مکان کو سجایا۔ مغرب کے بعد وہ آئی اور اس کے ساتھ ایک اور تھی جو قبا میں لپٹی ہوئی تھی۔ دنوں آئیں اور بیٹھ گئیں۔ مجھے اس پر بڑی خوشی ہوئی

اور میں نے موم بتیاں جلائیں اور کشادہ پیشانی سے ان سے ملا۔ وہ اٹھیں اور انہوں نے اپنے کپڑے اتارے۔ جب نئی لڑکی نے اپنا منہ کھولا تو میں نے دیکھا کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے اور میں نے ایسا چہرہ کبھی نہیں دیکھا ہے۔

اب میں اٹھ کر ان کے لیے کھانا اور شراب لایا اور ہم سب نے کھایا پیا اور میں نئی لڑکی کے منہ میں نوالے دیتا اور اس کے لیے پیالہ بھرتا اور اس کے ساتھ شراب پیتا تھا۔ اس لیے پہلی لڑکی دل ہی دل میں رشک کھانے لگی اور اس نے کہا کہ خدا کی قسم بتا کہ یہ لڑکی مجھ سے زیادہ حسین نہیں ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں' واللہ اس نے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ تو اس کے ساتھ سو۔ میں نے کہا کہ بسر و چشم۔ اب وہ اٹھی اور ہم دونوں کے لیے بچھونا بچھایا اور میں اس لڑکی کے پاس گیا اور صبح تک سویا۔ جب میں جاگا تو میں نے دیکھا کہ میں پانی میں نہایا ہوا ہوں اور مجھے خیال ہوا کہ پسینہ آیا ہو گا۔ میں بیٹھ گیا اور لڑکی کو جگانے لگا اور اس کے کاندھے ہلائے تو اس کا سر تکیے پر سے گر پڑا۔ اس سے میرے حواس جاتے رہے اور میں چلایا اور کہنے لگا کہ اے پردہ پوش' میرا پردہ رکھیو۔ کیونکہ میں نے اسے ذبح ہوا پایا۔ اب میں اٹھا اور دنیا میری آنکھوں کے آگے تاریک تھی اور میں نے اپنی پرانی دوست کو ڈھونڈا مگر اس کو نہ پایا اور مجھے معلوم ہوا کہ ہو نہ ہو اسی نے حسد کی وجہ سے اس لڑکی کی گردن کاٹ ڈالی ہے۔ میں نے کہا کہ "لا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم" اب میں کیا کروں۔ تھوڑی دیر تک سوچنے کے بعد اٹھا اور کپڑے اتار کر آنگن کے بیچ میں ایک گڑھا کھودا اور لڑکی کو مع اس کے زیور کے لے کر اس میں ڈال دیا اور اوپر سے اسے مٹی اور پتھروں سے پاٹ دیا اور نہا دھو کر صاف کپڑے پہن کر اور باقی مال لے کر گھر سے نکلا اور اس میں قفل ڈال دیا اور کوٹھی کے مالک کے پاس ہمت کر کے

گیا اور اسے ایک سال کا کرایہ دے کر کہا کہ میں چچاؤں کے پاس مصر جا رہا ہوں۔
یہ کہہ کر میں مصر چلا گیا اور اپنے چچاؤں سے ملا۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور وہ تجارت کا مال بیچ چکے تھے۔ انہوں نے مجھ سے آنے کا سبب پوچھا اور میں نے جواب دیا کہ تم لوگوں سے ملنے کو جی چاہتا تھا۔ مگر میں نے ان سے یہ نہ کہا کہ میرے پاس اب تک کچھ دام باقی ہیں۔ میں ایک سال تک ان کے ساتھ رہا اور مصر اور اس کے نیل کی سیر کی اور جو دام میرے پاس تھے' ان کو خرچ کیا اور خوب کھایا پیا۔ جب میرے چچا چلنے لگے تو میں بھاگ کر چھپ گیا۔ انہوں نے خیال کیا کہ میں دمشق چلا گیا ہوں گا۔ جب وہ چلے گئے تو میں نکلا اور تین سال اور مصر میں گزارے یہاں تک کہ اب میرے پاس کچھ باقی نہ رہا۔ میں ہر سال دمشق کی کوٹھی والے کے پاس کوٹھی کا کرایہ بھیجتا تھا مگر تین سال کے بعد میری حالت اتنی نازک ہو گئی ہ میرے پاس سوائے ایک سال کے کرائے کے اور کچھ نہ تھا۔ اس لیے میں وہاں سے روانہ ہو کر دمشق پہنچا اور اسی کوٹھی میں اترا۔ کوٹھی کا مالک مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ میں نے دیکھا کہ تمام کمرے ویسے ہی بند ہیں' جیسے میں انہیں بند کر گیا تھا۔ میں نے انہیں کھول کر اپنی ضرورت کی چیزیں نکالیں۔ اب میں کیا دیکھتا ہوں کہ اس فرش کے نیچے جس پر اس رات اس لڑکی کے ساتھ سویا تھا جو ذبح کر دی گئی تھی' ایک سونے کا طوق پڑا ہوا ہے' جس میں جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ میں نے اسے اٹھا لیا اور مذبوحہ لڑکی کو خون لگا ہوا تھا' اسے پونچھا اور سوچنے اور تھوڑی دیر تک رونے لگا۔ دو دن رہنے کے بعد تیسرے دن میں حمام گیا اور کپڑے بدلے اور چونکہ میرے پاس بالکل دام نہ رہے تھے' میں بازار گیا اور شیطان نے میرے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ قضا و قدر کا حکم نافذ ہو۔ میں جواہرات کا ہار لے کر بازار گیا اور دلال کے حوالے کیا۔ وہ مجھے مکان والے کے پاس بٹھا کر چلتا ہوا اور جب بازار گرم ہوا تو بغیر میرے جانے اس نے خفیہ آواز لگائی۔ ہار پر دو ہزار دینار دام لگے ہوئے تھے۔ دلال میرے

پاس آیا اور کہنے لگا کہ یہ لڑی تانبے کی ہے' جھوٹی ہے اور یورپ کی بنی ہوئی ہے اور اس کے ہزار دام سے زیادہ نہیں ملتے۔ میں نے کہا کہ ہاں' اسے ہم نے ایک عورت کا مذاق اڑانے کے لیے بنوایا تھا اور یہ میری بیوی کی میراث میں ملا ہے اور میں اسے بیچنا چاہتا ہوں۔ جا اور ایک ہزار درہم لے آ۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی' جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

انتیسو یں رات

جب انتیسو یں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب میں

نے دلال سے کہا کہ ایک ہزار درہم لے آؤ تو اسے شبہ ہوا اور وہ ہار کو لے کر
بازار کے رئیس کے پاس گیا اور اسے دیا۔ وہ اسے لے کر حاکم کے پاس گیا اور کہنے
لگا یہ ہار میرے یہاں سے چوری کیا گیا ہے اور چور کا پتہ ہم نے لگا لیا ہے اور وہ
سوداگر کے لڑکے کے لباس میں ہے۔ مجھے اس کی خبر نہ تھی کہ سپاہیوں نے آکر مجھے
گھیر لیا اور لے جا کر حاکم کے سامنے پیش کر دیا۔ حاکم نے مجھ سے اس ہار کے
بارے میں دریافت کیا اور میں نے اس سے وہی کہا جو دلال سے کہا تھا۔ حاکم اس
پر ہنسا اور کہنے لگا کہ یہ سچ نہیں ہے۔ ابھی مجھے اس کی خبر نہ ہونے پائی تھی کہ
انہوں نے میرے کپڑے اتار کر مجھے کوڑے مارنے شروع کر دیئے۔ مار کی تکلیف کی
وجہ سے میں نے کہا کہ ہاں' میں نے چرایا ہے۔ میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ بہتر
ہے کہ میں کہوں کہ میں نے چرایا ہے بہ نسبت اس کے کہ میں کہوں کہ اس
کی مالکہ میرے گھر مری پڑی ہے ورنہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ انہوں نے قلم بند
کر لیا کہ میں نے چرایا ہے اور میرا ہاتھ کاٹ ڈالا اور زیتون کے تیل سے داغ دیا۔
اس پر میں بے ہوش ہو گیا اور انہوں نے مجھے شراب پلائی یہاں تک کہ مجھے ہوش
آیا اور میں اپنا ہاتھ لے کر اپنی کوٹھی گیا۔ کوٹھی والے نے مجھے دیکھ کر کہا کہ
چونکہ تیرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے' میری کوٹھی خالی کر دے اور کسی دوسری جگہ
جا کر رہ کیونکہ تجھ پر چوری کا الزام ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ میرے آقا' دو

تین روز مجھے رہنے دو تا کہ میں کوئی جگہ تلاش کر لوں۔ اس نے جواب دیا کہ اچھا اور مجھے چھوڑ کر چلا گیا اور میں بیٹھا رو رہا اور اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ کٹا ہوا ہاتھ لے کر میں کس طرح اپنے خاندان کے پاس جاؤں گا اور وہ یہ کس طرح جانیں گے کہ میں بے جرم ہوں۔ کاش کہ خدا کوئی سبیل پیدا کر دے! یہ کہہ کر میں زار زار رونے لگا اور کوٹھی والے کے چلے جانے کے بعد مجھ پر سخت غم طاری ہوا اور دو دن پریشانی میں گزرے۔ تیسرے روز بغیر میرے علم کے گھر کا مالک چند سپاہیوں اور بازار کے رئیس کو لے کر میرے پاس پہنچا اور یہ دعویٰ کیا کہ میں نے ہار چرایا ہے۔ میں نے باہر آکر ان سے سارا ماجرا بیان کیا لیکن انہوں نے مجھے ذرا بھی مہلت نہ دی اور میری مشکیں باندھ دیں اور میری گردن میں زنجیر ڈال دی اور مجھ سے کہنے لگے کہ جو ہار تیرے پاس تھا وہ دمشق کے صاحب کا جو اس کا وزیر اور حاکم ہے' ثابت ہوا ہے۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ہار مع اس کی بیٹی کے تین سال ہوئے کہ غائب ہو گیا تھا۔

جب میں نے یہ باتیں سنیں تو میرا دل بیٹھ گیا اور میں دل ہی دل میں کہنے لگا کہ اب میری جان گئی۔ اب میرے لیے سوائے اس کے چارہ نہیں کہ میں وزیر سے اپنا سارا قصہ بیان کر دوں۔ چاہے معاف کر دے۔ جب ہم وزیر کے پاس پہنچے تو اس نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور مجھے کن اکھیوں سے دیکھنے لگا اور حاضرین سے کہا کہ تم نے اس کا ہاتھ کیوں کاٹا ہے کیونکہ وہ بے جرم ہے اور تم نے اس پر ظلم کیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ جب میں نے یہ باتیں سنیں تو میرا دل مضبوط ہو گیا اور میری طبیعت بحال ہو گئی اور میں نے کہا کہ اے میرے سردار خدا کی قسم میں چور نہیں ہوں لیکن ان لوگوں نے یہ بری تہمت مجھ پر لگائی ہے اور بیچ بازار میں میرے کوڑے لگائے ہیں اور مجھے مجبور کیا ہے کہ میں اقرار کروں۔ اس لیے میں اپنے ضمیر کے خلاف جھوٹ بولا ہوں اور چوری کا اقرار کیا ہے اگرچہ میں بے جرم ہوں۔ وزیر نے

کہا کہ تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس بازار کے رئیس پر یہ سزا مقرر کی کہ تو اس کے ہاتھ کاٹنے کا بدلہ دے ورنہ میں تجھے پھانسی پر لٹکا دوں گا اور تیرا سارا مال ضبط کر لوں گا۔ اب اس نے اپنے پیش کاروں کو آواز دی اور وہ اسے کھینچ کر باہر لے گئے اور میں وزیر کے ساتھ تنہا رہ گیا۔ لوگوں نے اس کے حکم پر میری زنجیر گلے سے اتاری اور مشکیں کھولیں اور اس نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ بیٹا' مجھ سے سچ سچ کہہ کہ تجھے یہ ہار کیسے ملا۔ میں نے کہا کہ اے میرے سرتاج' میں تجھ سے سچ سچ کہتا ہوں' اور میں نے پہلی لڑکی کا سارا ماجرا بیان کیا یہ کہ وہ دوسری لڑکی کو کس طرح لائی اور رشک کی وجہ سے ذبح کر دیا۔

الغرض میں نے سارا کچا چٹھا اس سے کہہ دیا۔ جب اس نے میری باتیں سنیں تو اپنے سر کو جنبش دی اور دہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر مارا اور اپنے رومال کو منہ پر رکھ کر رونے لگا اور پھر وہ میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ بیٹا' سن۔ بڑی لڑکی میری بیٹی تھی اور میں اس پر سخت پہرہ رکھتا تھا۔ جب وہ بالغ ہوئی تو میں نے اس کی شادی مصر میں اپنے چچیرے بھائی سے کر دی۔ جب وہ فوت ہو گیا تو وہ پھر میرے پاس لوٹ آئی مگر اس مدت میں وہ مصر کی عورتوں سے تمام برائیاں سیکھ آئی تھی۔ وہ چار مرتبہ تیرے پاس گئی اور چوتھی مرتبہ اپنی چھوٹی بہن کو لے کر۔ دونوں سگی بہنیں تھیں اور ایک دوسرے سے بہت محبت رکھتی تھیں۔ جب بڑی کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تو اس نے اپنا راز چھوٹی بہن سے کہا اور چھوٹی نے بھی اس کے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کی۔ جب دونوں گئیں تو بڑی اکیلی لوٹی اور میں نے پوچھا کہ دوسری بہن کہاں ہے؟ لیکن اس کے اوپر زار زار رونے لگی مگر اس نے میرے پیچھے ماں سے کہا کہ اس نے اپنی بہن کو کس طرح ذبح کر ڈالا ہے۔ وہ برابر روتی اور کہتی تھی کہ خدا کی قسم میں مرتے دم تک اپنی بہن پر روؤں گی آخر کار ایسا ہی ہوا۔ بیٹا جو کچھ ہو چکا ہے وہ تو تو جانتا ہے' اب میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک بات میں میرا کہنا مان لے

اور وہ یہ ہے کہ میں اپنی چھوٹی بیٹی کی شادی تجھ سے کر دوں کیونکہ وہ دونوں کی سگی بہن نہیں ہے' سوتیلی ہے اور وہ باکرہ ہے۔ میں تجھ سے کچھ مہر نہ لوں گا بلکہ تم دونوں کے لیے اپنی طرف سے مشاہرہ مقرر کر دوں گا اور تو میرے یہاں میرے بیٹے کی جگہ رہیو۔ میں نے کہا کہ بہت خوب۔

قسمت تو دیکھو کہ ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ اب اس نے فوراً قاضی اور گواہ بلوائے اور میرا نکاح نامہ لکھوا دیا اور وزیر نے بازار کے رئیس سے مجھے بہت سا مال دلوایا اور اس نے مجھے بڑے احترام کے ساتھ رکھا۔ اسی سال میرے والد کا انتقال ہو گیا اور وزیر نے اپنی طرف سے ایلچی بھیج کر سارا مال منگوا لیا جو میرے والد نے چھوڑا تھا' اور آج میں بڑے عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوں۔ یہ ہے سبب میرے دہنے ہاتھ کے کٹنے کا۔ مجھے اس پر بڑا تعجب ہوا اور میں تین دن اس کا مہمان رہا اور اس نے مجھے بہت مال عطا کیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر میں تمہارے اس شہر میں پہنچا اور میں عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہا تھا کہ کبڑے کے ساتھ یہ ماجرا پیش آیا۔

چین کے بادشاہ نے کہا کہ یہ سرگزشت کبڑے کی سرگزشت سے زیادہ عجیب و غریب نہیں ہے۔ میں تم سب کو بغیر پھانسی دیئے نہ چھوڑوں گا لیکن ابھی درزی باقی ہے اور وہ سارے گناہ کی جڑ ہے۔ یہ کہہ کر وہ درزی کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ اے درزی' اگر تو کبڑے کی سرگزشت سے زیادہ عجیب کوئی سرگزشت بیان کرے تو میں تم سب کی خطا معاف کر دوں گا۔

○ درزی کی کہانی

یہ سن کر درزی آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ جہاں پناہ' سب سے زیادہ عجیب بات جو میرے ساتھ پیش آئی اور مجھ پر گزری ہے' یہ ہے کہ قبل اس کے کہ میرا ساتھ کل کبڑے سے ہو' میں صبح کے وقت اپنے ایک دوست کے یہاں دعوت میں گیا ہوا تھا اور اس

کے یہاں شہر کے تقریباً بیس آدمی جمع تھے اور منجملہ ان کے صنعت کار تھے۔ جیسے درزی اور ریشم بننے والے اور بڑھئی وغیرہ۔ جب سورج نکلا تو کھانا آیا تاکہ ہم کھائیں۔

اتنے میں ہمارا میزبان آیا اور اس کے ساتھ ایک پردیسی نوجوان لڑکا تھا' نہایت حسین' بغداد کا رہنے والا' بہترین کپڑے پہنے ہوئے اور نہایت خوبرو مگر لنگڑا۔ جب وہ ہمارے پاس آیا تو اس نے سلام کیا اور ہم اس کے احترام کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اب وہ بیٹھنے ہی والا تھا کہ اس کی نظر ایک نائی پر پڑی اور وہ تھم گیا اور چاہتا تھا کہ باہر نکل جائے مگر ہم نے اور میزبان نے اسے روکا اور اسے قسم دے کر کہا کہ اندر آنے کے بعد تیرے باہر جانے کا سبب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا' مجھے روک مت کیونکہ میرے باہر جانے کا سبب یہ منحوس نائی ہے جو یہاں بیٹھا ہوا ہے۔ جب میزبان نے یہ بات سنی تو اسے بے انتہا تعجب ہوا اور کہنے لگا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے! یہ جوان تو بغداد کا رہنے والا ہے' اور وہ اس نائی کو دیکھ کر پریشان خاطر ہوتا! اب ہم سب نے اس کی طرف دیکھا اور اس سے کہا کہ اس نائی پر غضبناک ہونے کی وجہ تو بیان کر۔ جوان نے کہا کہ اے حاضرین' میرے اور اس نائی کے درمیان بغداد میں' جو میرا وطن ہے' ایک واقعہ پیش آیا ہے جس کی وجہ سے میری ٹانگ ٹوٹ گئی ہے اور میں لنگڑا ہوں اور میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں' کبھی اس کے ساتھ ایک جگہ یا ایک شہر میں نہ رہوں گا۔ اسی وجہ سے میں نے بغداد چھوڑا اور وہاں سے چل کر اس شہر میں رہنے کے لیے آیا۔ اس لیے میں آج کی رات سفر میں گزاروں گا۔ ہم نے کہا کہ خدا کے لیے اپنی سرگزشت تو بیان کر۔

جوان نے کہنا شروع کیا' اور نائی کا چہرہ فق ہو گیا کہ اے حاضرین' میرا باپ بغداد کے بڑے سوداگروں میں سے تھا مگر میرے سوا اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ جب میں بالغ ہوا تو میرے باپ نے انتقال کیا۔ رحمتہ اللہ علیہ اور میری میراث میں بہت سا مال اور نوکر چاکر آئے۔ میں اچھے کپڑے پہنتا اور اچھا کھانا کھاتا لیکن مجھے عورتوں سے

نفرت تھی۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں بغداد کی ایک گلی میں جا رہا تھا کہ چند عورتیں میرے سامنے آئیں۔ ان کے دیکھتے ہی میں بھاگ کر ایک کوچے میں چلا گیا جو عام راستہ نہ تھا اور اس کے دوسرے سرے پر جا کر ایک چبوترے پر بیٹھ گیال۔ ابھی میں بیٹھا ہی ہوں گا کہ اس مکان کا ایک جھروکا کھلا جس کے سامنے میں بیٹھا تھا اور ایک لڑکی چودھویں رات کے چاند کی طرح اس میں سے جھانکنے لگی۔ میں نے تمام عمر ایسا حسین کبھی نہ دیکھا تھا' اور وہ پھولوں کے گملوں میں جو جھروکے میں تھے' پانی دینے لگی۔ اس کے بعد اس نے دہنے بائیں دیکھا اور جھروکا بند کر کے چلی گئی۔ میرے اندر ایک آگ سی جلنے لگی اور میرا دل بے چین ہو گیا اور میری نفرت محبت میں بدل گئی۔ میں مغرب کے وقت تک بیٹھا رہا اور مجھے دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ اتنے میں شہر کا قاضی گھوڑے پر سوار وہاں پہنچا۔ اس کے آگے آگے غلام تھے اور پیچھے پیچھے خدام۔ گھوڑے سے اتر کر وہ اسی مکان میں چلا گیا' جس میں سے اس لڑکی نے جھانکا تھا اور مجھے یقین ہوا کہ وہ لڑکی کا باپ ہے۔ اب میں غمگین گھر واپس آیا اور رنج و الم کا مارا فرش پر لیٹ گیا۔ میری کنیزیں آکر میرے پاس بیٹھ گئیں اور انہیں معلوم نہ تھا کہ میں کیوں بے حال ہوں' اس لیے وہ رونے اور میرے حال پر افسوس کرنے لگیں۔ اس کے بعد ایک بڑھیا میرے پاس آئی اور مجھے دیکھ کر اس کو میری حالت کا پتہ چل گیا اور وہ میرے سرہانے بیٹھ کر مجھ سے باتیں کرنے لگی اور کہا کہ بیٹا' اپنا ماجرا بیان کر تاکہ میں تیرے وصال کی تدبیر سوچوں۔ میں نے اپنا سارا قصہ اس سے بیان کر دیا اور وہ کہنے لگی بیٹا' وہ بغداد کے قاضی کی بیٹی ہے اور وہ پردے میں ہے اور جہاں تو نے اسے دیکھا ہے وہ اسی منزل پر رہتی ہے اور نیچے والی منزل پر اس کے باپ کا بڑا کمرہ ہے۔ اپنی منزل میں وہ تنہا رہتی ہے۔ میں ان کے یہاں اکثر آیا جایا کرتی ہوں اور اگر تیرے وصال کی صورت ہو سکتی ہے تو میرے ہی توسط سے ہو سکتی ہے' لہٰذا غمگین مت ہو۔

جب میں نے اسے یہ کہتے سنا تو میرے دل کو اطمینان ہوا اور میرے گھر والے خوش ہو گئے اور دوسرے دن میں خوش خوش صبح کو اٹھا اور اتنے میں بڑھیا جا کر واپس آ گئی تھی اور اس کا چہرہ متغیر تھا۔ وہ کہنے لگی کہ بیٹا' جب میں نے اس سے تیرا ذکر کیا تو مت پوچھ کہ میرے اوپر کیا گزری! اس نے کہا کہ اے منحوس بڑھیا' اگر تو چپ نہ ہو گی تو میں تیرے ساتھ وہ کاروائی کروں گی جس کی تو مستحق ہے۔ لیکن میں ایک بار اور ضرور اس کے پاس جاؤں گی۔ جب میں نے اس کی باتیں سنیں تو میری بیماری دوبالا ہو گئی۔ چند روز کے بعد وہ بڑھیا پھر میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ بیٹا' میں تجھ سے ایک خوشخبری کا انعام پانا چاہتی ہوں۔ جب میں نے یہ سنا تو میری جان میں جان آئی اور میں نے کہا کہ خدا تیرے ساتھ بھلائی کرے۔ اس نے کہا کہ میں کل اس لڑکی کے پاس گئی تھی اور اس نے دیکھا کہ میں دل شکستہ ہوں اور میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ خالہ' تو کیوں پریشان خاطر ہے؟ جب اس نے یہ کہا تو میں اور رونے لگی اور میں نے کہا کہ اے میری آقا' میں تیرے پاس ایک جوان کا پیغام لے کر آئی ہوں جو تیرے عشق میں گرفتار ہے اور تیری وجہ سے مرنے کے قریب ہے۔ اب اس کا دل پسیجا اور وہ کہنے لگی کہ یہ جوان کون ہے' جس کا تو ذکر کرتی ہے؟ میں نے کہا کہ وہ میرا بیٹا اور میرے دل کا ٹکڑا ہے اور اس نے تجھے ایک دن جھروکے میں دیکھا تھا جب کہ تو پھولوں کو پانی دے رہی تھی۔ تجھے دیکھتے ہی وہ تجھ پر عاشق ہو گیا۔ پہلے دن جب میں نے اسے وہ باتیں کہیں جو تو نے مجھ سے کہی تھیں تو اس کی بیماری اور بڑھ گئی اور وہ بچھونے پر پڑ گیا اور اس کے مرنے میں کوئی کسر باقی نہیں ہے۔ یہ سن کر اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا اور وہ کہنے لگی کہ یہ سب میری وجہ سے ہے؟ میں نے جواب دیا کہ خدا گواہ ہے' اب تیرا کیا ارادہ ہے؟

اس نے کہا کہ جا کر اسے میری طرف سے سلام کہیو اور یہ پیغام دیجیو کہ میری حالت تجھ سے دونی خراب ہے۔ آئندہ جمعے کے دن وہ میرے مکان پر آئے اور جب

وہ آئے تو اتر کر دروازہ کھولیو اور اسے اپنے ساتھ لے کر اوپر' میرے پاس آئیو اور ہم دونوں ایک گھڑی ساتھ رہیں گے اور قبل اس کے کہ میرا باپ نماز سے لوٹے' وہ واپس چلا جائے۔ جب میں نے بڑھیا سے یہ سنا تو میرا رنج و غم جاتا رہا اور میرا دل خوش ہو گیا اور جو چادر میں اوڑھے ہوئے تھا وہ اتار کر بڑھیا کو دے دی اور وہ چلی گئی اور چلتے چلتے مجھ سے کہتی گئی کہ دل شاد رہ۔ میں نے کہا کہ اب مجھے بالکل غم نہیں ہے۔ میرے گھر والے اور دوست آشنا میری صحت پر ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔ دوسرے جمعے تک میری یہی حالت رہی کہ یک بیک بڑھیا آئی اور میرا مزاج پوچھا۔ میں نے کہا کہ خیر و عافیت سے ہوں۔ اب میں اٹھا اور کپڑے پہنے اور عطر ملا اور انتظار کرنے لگا کہ لوگ نماز کو چلے جائیں تو میں اس کے یہاں جاؤں۔ بڑھیا نے کہا کہ تیرے پاس وقت کافی ہے' اگر تو حمام ہو آئے اور بال منڈوا ڈالے بالخصوص اس وجہ سے کہ تو سخت بیمار تھا تو اس میں تیرے لیے بہتری ہے۔ میں نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے' لیکن میں پہلے سر منڈواؤں گا اور پھر حمام جاؤں گا یہ کہہ کر میں نے سر منڈوانے کے لیے نائی بلوایا مگر غلام سے کہا کہ بازار جا کر ایسے نائی کو لائیو جو سمجھدار ہو اور بک بک کم کرتا ہو تاکہ اس کی فضول گوئی سے میرے سر میں درد نہ ہو۔ غلام جا کر اس بدذات بڈھے کو لے آیا۔

جب وہ آیا تو اس نے مجھے سلام کیا اور میں نے سلام کا جواب دیا۔ اس نے کہا کہ تو دبلا بہت معلوم ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں' میں بیمار تھا۔ اس نے کہا کہ خدا تیرا رنج و غم اور تکلیف دور کرے! میں نے کہا کہ خدا تیری دعا قبول کرے! اس نے کہا کہ اے میرے آقا' خوش ہو کہ تو تندرست ہو گیا ہے۔ تو بال کٹواتا یا فصد کھلواتا چاہتا ہے؟ کیونکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے جمعے کے دن ایک بھی بال کٹوایا' خدا اس کی ستر بیماریاں دور کر دے گا اور انہیں سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جس نے جمعے کے دن فصد کھلوائی' وہ اندھے ہونے اور بیماریوں کی زیادتی

سے محفوظ رہا۔ میں نے اس سے کہا کہ باتیں مت کر اور فوراً میرا سر مونڈ کیونکہ میں بیمار آدمی ہوں۔ وہ اٹھا' اپنا ہاتھ بڑھا کر ایک رومال نکالا اور اسے کھولا تو اس میں ایک اصطرلاب تھی' جس میں سات تختیاں تھیں جن پر چاندی کا پانی چڑھا ہوا تھا۔ وہ اسے لے کر آنگن کے بیچ میں گیا اور سورج کی کرن کی طرف اپنی نظر اٹھائی اور بہت دیر تک دیکھنے کے بعد مجھ سے کہنے لگا کہ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ آج کا دن جو جمعہ تھا' گزر چکا ہے اور وہ جمعہ دسویں صفر سنہ چھ سو ترپن (۶۵۳) نبی کی ہجرت کا ہے' خدا اس ہجرت والے پر بہترین برکتیں اور سلامتیاں بھیجے! اور سکندری تاریخ کا سات ہزار تین سو بیسواں سال ہے اور حساب کی رو سے مریخ آٹھ درجے اور چھ دقیقے طلوع ہو چکا ہے اور اتفاق سے وہ ایک عطارد برج میں ہیں۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ بال منڈانا مبارک ہے اور مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تو کسی سے وصل کا طالب ہے۔ اس کے لیے یہ مبارک گھڑی ہے لیکن اس کے بعد ایک بات پیش آنے والی ہے' جس کا ذکر میں تجھ سے نہیں کرنا چاہتا۔

میں نے اس سے کہا کہ واللہ تو نے مجھے دق کر ڈالا ہے اور مجھے تنگ کر دیا ہے اور میرے لیے بری فال نکالی ہے۔ میں نے تو تجھے محض سر منڈانے کے لیے بلایا تھا۔ اٹھ اور میرا سر مونڈ اور زیادہ باتیں مت کر۔ اس نے کہا کہ واللہ اگر تجھے معلوم ہوتا کہ تیرے ساتھ کیا ہونے والا ہے تو' تو آج کچھ نہ کرتا۔ میں تجھے مشورہ دیتا ہوں کہ جو کچھ میں ستاروں کے حساب سے بتاؤں' اس پر عمل کر۔ میں نے کہا کہ واللہ' میں نے سوائے تیرے کسی نائی کو نہیں دیکھا جس کو نجوم میں مہارت ہو لیکن مجھے بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ تو بڑا بکی ہے۔ میں نے تو تجھے محض بال بنانے کے لیے بلایا تھا اور تو مجھے بے ہودہ باتیں کر رہا ہے۔ نائی نے کہا کہ اگر تو اس سے بھی زیادہ جاننا چاہتا ہے تو تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ خدا نے تجھے ایک ایسا نائی دیا ہے جو منجم ہے اور کیمیا اور سیمیا اور صرف و نحو اور لغت و معانی و بیان اور منطق اور حساب اور ہیئت اور ہندسے اور فقہ اور حدیث اور تفسیر کا عالم ہے۔ میں نے بہت سی کتابیں

پڑھی ہیں اور ان کو یاد کیا ہے اور مختلف امور کا تجربہ کیا اور ان کو سمجھا ہے اور مختلف علوم کو یاد کیا اور سمجھا ہے اور مختلف صنعتوں کو پڑھا اور ان میں تکمیل تک پہنچا ہوں اور کوئی ایسی چیز نہیں' جس کو میں نے سوچا نہ ہو اور عمل میں لایا نہ ہوں۔
میری کم گوئی کی وجہ سے تیرے باپ کو مجھ سے بڑی محبت تھی۔
اسی لیے تیری خدمت کرنی میرے اوپر فرض ہے کیونکہ میں کم گو ہوں اور جیسا تو خیال کرتا ہے' ویسا نہیں ہوں۔ اسی لیے لوگ مجھے خاموش اور شرمیلے کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ تیرے لیے بہتر ہے کہ تو خدا کا شکر کرے اور میرا کہنا مانے کیونکہ میں تجھے نیک مشورہ دیتا ہوں اور تجھ پر مہربان ہوں اور چاہتا ہوں کہ پورے سال تیری خدمت کروں تاکہ تجھ پر میری حقیقت کھلے اور اس کے بدلے میں تجھ سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ جب میں نے اس کی یہ باتیں سنیں تو میں نے اس سے کہا کہ تو آج بے میری جان لیے نہ چھوڑے گا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی' جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تیسویں رات

جب ٹھیک تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جوان نے اس سے کہا کہ تو مجھے آج زندہ نہ چھوڑے گا۔ اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا' مجھے تو لوگ خاموش کہتے ہیں کیونکہ میں کم گو ہوں' برخلاف اپنے چھ بھائیوں کے جن میں سے بڑے کا نام البقبوق ہے اور دوسرے الہدار اور تیسرے کا فقیق اور چوتھے کا الکور الاسوانی اور پانچویں کا النشار اور چھٹے کا شقاشق اور ساتویں کا الصامت یعنی خاموش ہے اور وہ میں ہوں۔ جب نائی نے بہت باتیں کرنی شروع کیں تو میرا پتا پھٹنے لگا اور میں نے غلام سے کہا کہ اسے ربع دینار دے دے اور اس سے کہہ خدا کے لیے جائے' مجھے سر منڈوانے کی ضرورت نہیں۔ جب اس نے مجھے غلام سے یہ کہتے سنا تو وہ کہنے لگا کہ اے میرے سردار' یہ بھی کوئی بات ہے! خدا کی قسم' جب تک میں تیری خدمت نہ کر لوں گا' تجھ سے کوئی اجرت نہ لوں گا' اور میں تیری خدمت ضرور کروں گا کیونکہ تیری خدمت کرنی میرے اوپر فرض ہے اور نیز تیری حاجت پوری کرنی۔ اور اگر میں تجھ سے درہم نہ بھی لوں تو مضائقہ نہیں کیونکہ اگرچہ تو میری قدر نہیں جانتا لیکن میں تیری قدر جانتا ہوں۔ تیرا باپ' خدا اس پر رحم کرے' میرے ساتھ بڑی بھلائی کیا کرتا تھا کیونکہ وہ بڑا سخی تھا۔ خدا کی قسم اس نے ایک دن مجھے بلوایا جو آج ہی کی طرح مبارک دن تھا اور جب میں آیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے پاس بہت سے دوست احباب بیٹھے ہوئے ہیں' اس نے مجھ سے کہا کہ میری فصد کھول۔ میں نے اصطرلاب نکال کر سورج کا زاویہ دریافت کیا اور مجھے معلوم ہوا کہ طالع نحس اور اس میں کون نکالنا راس نہ آئے گا۔ میں نے اس سے کہا تو اس نے میرے کہنے پر عمل کیا اور صبر سے کام لیا اور میں نے اس کی تعریف میں یہ شعر پڑھے:

"میں اپنے آقا کے پاس

خون نکالنے گیا لیکن
میں نے دیکھا کہ
یہ ساعت تندرستی کے لیے راس نہیں ہے
اس لیے میں بیٹھ کر
مزے مزے کی باتیں کرنے لگا

وہ میری باتیں سن کر خوش ہو گیا اور
کہنے لگا کہ اے علم کی کان
تیرا علم وہم و گمان سے باہر ہے
میں نے جواب دیا کہ اے ساری دنیا کے سردار
اگر مجھے تجھ سے فیض نہ پہنچتا تو
میری عقل میں زیادتی نہ ہوتی گویا کہ تو
فضل اور جود و عطا کا مالک ہے اور علم
اور فہم اور دانش مندی کی کان"

یہ سن کر تیرا باپ خوشی کے مارے اچھل پڑا اور غلام کو آواز دی اور اس سے کہا کہ ایک سو تین دینار دے دے اور ایک خلعت عطا کرے۔ غلام نے یہ ساری چیزیں مجھے دیں اور میں نے نیک ساعت کا انتظار کر کے اس کی فصد کھولی اور اس نے میرا کہنا مانا اور میرا شکر گزار ہوا۔ فصد کھولنے کے بعد مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے اس سے پوچھا کہ "اے میرے آقا' خدا کے لیے یہ بتا کہ تو نے غلام سے ایک سو تین دینار کے لیے کیوں کہا؟" اس نے جواب دیا کہ ایک دینار تیرے نجومی ہونے کا' ایک دینار تیری قصہ گوئی کا' ایک دینار فصد کھولنے کا اور ایک سو دینار اور خلعت میری مدح سرائی کا۔ میں نے جواب دیا کہ خدا میرے باپ پر رحم نہ کرے کیونکہ اسے تجھ جیسے شخص سے شناسائی ہوئی ہے۔ یہ نائی ہنسا اور کہنے لگا کہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پاک ہے وہ ذات جو متغیر کرتی ہے اور خود متغیر نہیں ہوتی۔ میں تو تجھے سمجھدار

آدمی جانتا تھا لیکن بیماری کی وجہ سے تو اول فول بکنے لگا ہے۔ مگر خدا فرماتا ہے کہ جنت ان لوگوں کے لیے ہے جو غصے کو ضبط کرتے ہیں اور لوگوں کے قصوروں کو معاف کرتے ہیں مگر تو معذور ہے۔ معلوم نہیں کہ تجھے اتنی جلدی کیوں ہے! حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ تیرا باپ اور دادا بغیر میرے مشورے کے کوئی کام نہ کرتے تھے۔ مثل ہے کہ مشورہ دینے والے کو اعتماد کے قابل ہونا چاہیے۔ مشورہ لینا کوئی بری بات نہیں۔ ایک مثل یہ بھی ہے کہ جو شخص کسی کو اپنے سے بڑا نہیں سمجھتا' وہ خود بڑا نہیں ہو سکتا۔ مجھ سے زیادہ تجربہ کار تو کسی اور کو نہ پائے گا اور میں اس وقت تیری خدمت میں کھڑا ہوں اور تجھ سے ناراض نہیں ہوں' تو کیوں مجھ سے ناراض ہوتا ہے؟ میں تیرے باپ کے احسانوں کی خاطر تیری باتیں برداشت کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ اے گدھے کی دم' تو نے میرے ساتھ بہت بک بک کی اور میرے کان کھا لیے اور میں تجھ سے محض اتنا چاہتا ہوں کہ میرا سر مونڈ اور چلتا ہو۔

اب اس نے میرے سر میں پانی لگایا اور کہنے لگا کہ میں جانتا ہوں کہ تو مجھ سے ناراض ہے لیکن میں اس کا بدلہ تجھ سے نہیں لوں گا کیونکہ تیری عقل کمزور ہے اور تو ابھی بچہ ہے۔ یہ کل کی بات ہے کہ میں تجھے کاندھے پر بٹھا کر مکتب لے جاتا تھا۔ میں نے کہا کہ بھائی میرے' میری حاجت روائی تک چپ رہ' ورنہ چلتا ہو۔ یہ کہہ کر میں اپنے کپڑے پھاڑنے لگا۔ جب اس نے مجھے یہ کاروائی کرتے دیکھا تو اس نے استرا لے کر سلی پر چڑھایا اور اتنی دیر تک چڑھاتا رہا کہ میرے حواس جاتے رہے۔ اب وہ میرے سر کی طرف بڑھا اور اس کا ایک حصہ مونڈ کر ہاتھ کھینچ لیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا' جلدی کرنا شیطان کا کام ہے اور آہستگی رحمٰن کا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اے میرے سردار' میرے خیال میں تو میری قدر و منزلت نہیں جانتا۔

میرا ہاتھ بادشاہوں اور امرا اور وزرا اور حکما اور فضلا کے سروں پر پڑتا ہے۔ میں نے کہا کہ بیکار باتیں جانے دے' تو نے مجھے دل تنگ اور پریشان خاطر کر رکھا ہے۔ اس نے کہا کہ شاید تجھے جلدی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں' ہاں' ہاں۔ اس نے کہا

کہ آہستگی سے کام لے کیونکہ جلد بازی شیطان کا کام ہے اور اس سے پشیمانی اور ناامیدی کا سامنا ہوتا ہے۔ رسول اللہ نے' ان پر درود اور سلام ہو جیو' کہا ہے کہ بہترین کام وہ ہے' جس میں آہستگی پائی جائے۔ میں واللہ تیرے متعلق شک میں پڑ گیا ہوں' اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تو اپنا ارادہ ظاہر کر دے کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ ابھی نماز میں تین گھڑی کا وقت باقی ہے۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ میں وقت کے متعلق شک میں نہیں رہنا چاہتا بلکہ چاہتا ہوں کہ اس کی تحقیق کر لوں کیونکہ اگر کوئی بات انکل پچو ہوتی ہے تو اس میں خرابی پیدا ہوتی ہے' بالخصوص مجھ جیسے شخص کے لیے کیونکہ میں لوگوں میں مشہور و معروف ہو چکا ہوں' اس لیے مجھے اور منجموں کی طرح انٹ سنٹ نہ کہنا چاہیے۔

یہ کہہ کر اس نے استرا الگ رکھ دیا اور اصطرلاب لے کر دھوپ میں گیا اور بڑی دیر تک وہاں رہنے کے بعد لوٹا اور کہنے لگا کہ واقعی نماز میں پورے تین گھڑی کی دیر ہے' نہ کم نہ زیادہ۔ میں نے کہا کہ بس اور باتیں مت بنا کیونکہ میرا دل چکنا چور ہو چکا ہے۔ اب اس نے پھر استرا اٹھایا اور اسے سلی دی' جس طرح پہلے دی تھی اور کچھ حصہ سر کا مونڈ کر کہنے لگا کہ تیری جلد بازی پر مجھے افسوس ہوتا ہے۔ اگر تو اس کا سبب مجھے بتا دے تو تیرے لیے بہتر ہے کیونکہ تجھے معلوم ہے کہ تیرا باپ اور تیرا دادا بغیر میرے مشورے کے کوئی کام نہ کرتے تھے۔ جب مجھے اس سے کوئی چھٹکارے کا راستہ نہ دکھائی دیا اور میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ نماز کا وقت آ پہنچا ہے اور مجھے وہاں تک پہنچنا ہے قبل اس کے کہ لوگ نماز سے نکلیں۔ اگر مجھے ذرا بھی دیر ہو گئی تو معلوم نہیں کہ میری رسائی اس تک کس طرح ہو گی۔ اب میں نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ جلدی کر اور بے ہودہ گوئی جانے دے کیونکہ میں ایک دوست کی دعوت پر جا رہا ہوں۔ جب اس نے دعوت کا نام سنا تو کہنے لگا کہ آج کا دن میرے لیے مبارک دن ہے۔ کل میں اپنے چند دوستوں کو دعوت دے آیا تھا مگر ان کے لیے کھانا تیار کرانا میرے خیال سے اتر گیا تھا اور ابھی یاد آیا ہے۔ اب

میں کس قدر رسوا ہوں گا! میں نے کہا کہ اس کا کوئی اہتمام نہ کر کیونکہ میں خود تو آج مدعو ہوں اس لیے میرے گھر میں جتنا کھانا پینا ہے' وہ سب تیرا ہے بشرطیکہ تو میرا کام جلد نمٹا دے اور سر مونڈنے میں جلدی کرے۔ اس نے کہا کہ خدا تجھے نیک بدلہ دے! لیکن ذرا کہہ تو سہی کہ تیرے یہاں میرے مہمانوں کے لیے کیا کیا چیزیں ہیں تاکہ مجھے معلوم ہو جائے؟ میں نے جواب دیا پانچ قسم کے کھانے اور دس مرغیاں جو بھن کر سرخ ہو گئی ہیں اور ایک تلا ہوا میمنہ۔ اس نے کہا کہ ان کو منگا تاکہ میں دیکھو تو سہی۔ میں نے ان سب کو منگوایا۔ جب اس نے دیکھا تو کہا کہ ابھی شراب کی کسر ہے۔ میں نے کہا کہ وہ بھی میرے پاس ہے۔ اس نے کہا کہ منگا اور میں نے منگائی۔ اس نے کہا کہ سبحان اللہ تو کیسا سخی آدمی! لیکن ابھی خوشبو اور عطر اور باقی ہیں۔ میں نے ایک صندوقچی اگر اور عود اور عنبر اور مشک کی' اس کے سامنے لا کر رکھی جس کی قیمت پچاس دینار تھی۔ اب وقت اور بھی تنگ ہو چکا تھا اور میرا دل گھبرا رہا تھا' میں نے کہا کہ تو یہ سب لے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میرا سارا سر مونڈ دے۔ نائی نے کہا کہ میں اس وقت تک نہ لوں گا جب تک یہ نہ دیکھ لوں کہ اس میں ہے کیا۔ میں نے غلام کو حکم دیا کہ وہ صندوقچی کو کھولے اور اس نے کھولا۔ اب نائی نے اصطرلاب ایک طرف رکھ دی اور زمین پر بیٹھ کر عطروں اور خوشبوؤں اور عود کو جو صندوقچی میں تھیں' الٹنے پلٹنے لگا یہاں تک کہ میں پریشان ہو گیا۔ اب وہ آگے بڑھا اور استرا لے کر پھر میرا سر تھوڑا سا مونڈا اور یہ شعر پڑھنے لگا: "بچہ اپنے باپ کے ڈھرے پر بڑا ہوتا ہے' جس طرح کہ ہر درخت جڑ پر اگتا ہے" اور کہا کہ بیٹا' مجھے واللہ معلوم نہیں کہ تیرا شکرگزار ہوں یا تیرے باپ کا! میری آج کی دعوت تمام تیری نیکی اور احسان کی وجہ سے ہے۔ اگرچہ میں اس کے قابل نہیں ہوں۔ میری دعوت میں بڑے باعزت بزرگ شامل ہوں گے مثلاً زنتوت حمامی اور صلیبح بقال اور سیلت باقلہ فروش اور عکرشہ بنیا اور حمید کھادی

اور سعید ساربان اور سوید دربان اور ابو مکارش مالشی اور قسیم چوکیدار اور کریم سائیس ان میں سے کوئی بھی نہ خشک مزاج ہے نہ دھوکے باز نہ باتونی اور نہ کنجوس۔ ان میں سے ہر ایک نے کوئی نہ کوئی ناچ ایجاد کیا ہے جسے وہ خود ناچتا ہے اور اشعار جو وہ خود گاتا ہے' اور ان میں سب سے اچھی یہ بات ہے کہ وہ سب کے سب تیرے غلام کی طرح کم گو اور کم سخن ہیں۔ حمامی کا تو یہ حال ہے کہ وہ اپنی ڈھولک پر جادو کی طرح گاتا ہے اور اٹھ کر ناچنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ "آقا" میں جا رہا ہوں' میری تھیلی بھر دے۔ اور بقال اپنا ہنر سب سے بہتر جتاتا ہے اور ناچتا ہے اور کہتا ہے کہ "اے رونے والی' اے میری آقا' تو نے پورا حق ادا کیا" اور لوگ اس پر ہنستے ہنستے لوٹ جاتے ہیں اور جب کھادی گانے پر آتا ہے تو چڑیاں ٹھہر جاتی ہیں اور وہ ناچتا اور گاتا ہے کہ "جو باتیں میری بیوی جانتی ہے وہ صندوق میں بند ہو جاتی ہیں" اور اس میں موزونیت ہے کیونکہ وہ ظریف اور مسخرہ ہے۔

الغرض ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی فن میں طاق ہے جس کی ظرافت اور مسخرہ پن سے عقل دنگ رہ جاتی ہے لیکن سننا دیکھنے کے برابر نہیں۔ اگر تو ہمارے جلسے میں شریک ہونا چاہے تو اس سے تجھے اور ہمیں بڑا لطف آئے گا اور تو اپنے دوستوں کے پاس جانے کا خیال چھوڑ دے جن کے پاس جانے کے لیے تو تڑپ رہا ہے کیونکہ ابھی تک تجھ پر بیماری کا اثر باقی ہے اور ممکن ہے کہ ان میں ایسے بھی لوگ ہوں جو بہت باتونی ہوں اور فضول بک بک کرتے ہوں یا ان میں کوئی بے ہودہ گو ہو جس کی باتوں سے تیرے سر میں درد ہونے لگے' تو بیماری سے یوں ہی کمزور ہو چکا ہے میں نے کہا کہ یہ کسی اور دن سہی اور میں غصہ بھرے دل سے ہنسنے لگا اور کہا کہ میرا کام پورا کر اور میں فی امان اللہ رخصت ہوتا ہوں اور تو اپنے دوستوں کے پاس جا کیوں کہ وہ تیرے آنے کے منتظر ہوں گے۔ اس نے کہا کہ میری خوشی تو اس میں تھی کہ میں تجھے ان لوگوں کے ساتھ بٹھاؤں جو سب کے سب بڑے ظریف لوگ ہیں اور ان میں کوئی بھی باتونی یا بکی نہیں۔ جب سے میں بڑا ہوا ہوں کبھی ایسے شخص کے

ساتھ اٹھنا بیٹھنا گوارا نہیں کرتا جو ایسی باتیں پوچھے جس سے اسے کوئی تعلق نہ ہو اور اسی شخص کی صحبت پسند کرتا ہوں جو میری طرح کم سخن ہو۔ اگر تو ایک بار ان کی صحبت میں بیٹھ کر دیکھے گا تو اپنے تمام دوستوں کو بھول جائے گا۔ میں نے کہا کہ خدا ان کے ساتھ تجھے پوری مسرت پہنچائے اور میں ضرور ایک نہ ایک دن ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ اس نے کہا کہ میری خواہش تو یہی تھی کہ تو آج ہی ان سے ملتا اگر تیری خواہش ہے تو میرے ساتھ اپنے احباب کے پاس ضرور جائے تو مجھے اجازت دے کہ میں جلدی سے یہ چیزیں جو تو نے مرحمت کی ہیں' اپنے مہمانوں کے پاس پہنچا آؤں اور چونکہ تجھے اپنے دوستوں سے آج ہی ملنا ہے تو میں ان کو تیری ضیافت کی چیزیں دے کر کہوں گا کہ وہ کھائیں پئیں اور میرا انتظار نہ کریں اور یہ کہہ کر تیرے پاس واپس آ جاؤں گا اور تیرے ساتھ تیرے دوستوں کے پاس چلوں گا۔ میرے اور میرے دوستوں کے درمیان کوئی تکلف تو ہے نہیں کہ ان کو چھوڑ کر فوراً تیرے پاس نہ آ جاؤں اور تیرے ساتھ جہاں تو جائے' وہاں جاؤں۔

میں نے کہا کہ "لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم" تو اپنے دوستوں کے پاس جا اور ان کے ساتھ خوشی منا اور مجھے میرے دوستوں کے پاس جانے دے کہ آج کا دن میں ان کے ساتھ گزاروں کیونکہ وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اس نائی نے کہا کہ میں تجھے اکیلا نہ جانے دوں گا۔ میں نے کہا کہ جہاں میں جا رہا ہوں' وہاں سوائے میرے کسی اور کا گزر نہیں۔ اس نے کہا کہ میرے خیال میں تیرا آج کسی عورت سے ملنے کا وعدہ ہے ورنہ تو مجھے اپنے ساتھ لے کر چلتا۔ میں سب سے زیادہ اس کا مستحق ہوں اور مجھ سے تجھے اپنے مقصد میں مدد ملے گی کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ تو ایک اجنبی عورت کے پاس جا رہا ہے' اپنی جان کھوئے گا۔ یہ بغداد ہے' اس میں کسی شخص کی یہ طاقت نہیں کہ ایسا کام کرے بالخصوص آج جیسے دن میں اور ایسے حاکم کے زمانے میں جو بڑا ظالم ہے۔ میں نے کہا کہ لعنت ہو تجھ پر اے بدذات بڈھے! دور ہو یہاں سے! تو ایسی باتیں مجھ سے کیوں کرتا ہے! اس نے جواب دیا کہ اے نا سمجھ تو مجھ

سے ایسی باتیں کرتا ہے جس سے مجھے شرم آتی ہے اور اپنا راز مجھ سے چھپاتا ہے لیکن میں سب کچھ یقین کے ساتھ جانتا ہوں اور سوائے اس کے اور کچھ نہیں چاہتا کہ اپنی جان لڑا کر تیری مدد کروں۔ اب مجھے ڈر لگا کہ کہیں میرے گھر والے اور پڑوسی نائی کی باتیں نہ سن لیں' اور میں دیر تک چپ رہا۔ یہاں تک کہ نماز کا وقت آ پہنچا اور خطبے کا وقت قریب تھا اور میرا سر منڈ چکا تھا۔ اب مین نے کہا کہ یہ کھانا پینا لے اور اپنے دوستوں کے پاس جا اور میں تیرا انتظار کروں گا کہ تو واپس آئے اور میرے ساتھ چلے۔ اس طرح میں اس ملعون کو دھوکا دینا چاہتا تھا تا کہ وہ میرے پاس سے چلا جائے۔ لیکن اس نے کہا کہ تو مجھے دھوکا دینا چاہتا ہے اور تو تنہا جا کر ایسی مصیبت میں پھنس جائے گا جس سے کبھی چھٹکارا نہ ہو گا۔ میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ جب تک میں لوٹ نہ آؤں بے میرے ہرگز مت جائیو تا کہ مجھے تیرا حال معلوم ہوتا رہے۔ میں نے کہا کہ بہت خوب' دیر مت کیجیو۔

اب وہ تمام کھانا اور شراب وغیرہ لے کر جو میں نے اس کو دیا تھا نکلا اور اس ملعون نے انہیں حمال کے ہاتھ اپنے گھر بھیجا اور خود ایک گلی میں چھپ رہا۔ موذن اذان دے چکے تھے۔ اس لیے میں فوراً اٹھا اور کپڑے پہن کر اکیلا نکل کھڑا ہوا۔ اب میں اس کوچے میں پہنچ کر اس مکان کے دروازے پر آکھڑا ہوا جس میں وہ لڑکی رہتی تھی اور میں نے دیکھا کہ وہ بڑھیا کھڑی میرا انتظار کر رہی ہے۔ اس کے ساتھ میں اس منزل پر گیا جہاں وہ لڑکی رہتی تھی۔ میں داخل ہی ہوا تھا کہ مکان کا مالک نماز سے گھر لوٹا اور مکان میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ اب میں نے کھڑکی میں سے جھانکا تو کیا دیکھتا ہوں کہ یہی نائی خدا اس پر لعنت بھیجے دروازے پر کھڑا ہے اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس شیطان نے میرا پتہ کیسے لگا لیا! اب اتفاقاً یہ واقعہ پیش آیا' جس سے خدا چاہتا تھا کہ میری پردہ دری کرے' کہ مکان کے مالک کی لونڈی سے کوئی جرم سرزد ہوا اور مالک نے اسے مارا اور وہ چلانے لگی۔ یہ سن کر اس کا غلام دوڑا کہ لونڈی کو بچائے اور مالک نے اسے بھی مارا اور وہ بھی چلانے لگا۔ اب اس

ملعون کو یہ خیال ہوا کہ لوگ مجھے مار رہے ہیں اور وہ چلانے اور اپنے کپڑے پھاڑنے اور سر پر خاک ڈالنے لگا وہ چلاتا جاتا اور لوگوں سے مدد مانگتا جاتا تھا اور لوگ اس کے گرد جمع تھے اور وہ کہہ رہا تھا کہ میرا آقا قاضی کے گھر مار ڈالا گیا۔

اب یہ نائی چلاتا ہوا اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے ------ میرے گھر پہنچا اور میرے گھر والوں اور غلاموں کو خبر دی' اور وہ بغیر میرے علم کے کپڑے پھاڑے اور بال بکھیرے ہوئے اور ہائے آقا چلاتے ہوئے پہنچے اور یہ نائی ان کے آگے آگے اپنے کپڑے پھاڑ رہا تھا اور ایک بھیڑ اس کے ساتھ تھی۔ میرے گھر والے برابر شور مچا رہے تھے اور یہ ان سب کے آگے چلا رہا تھا اور وہ کہہ رہے تھے کہ ہائے مقتول' ہائے مقتول' اور اس مکان کی طرف چلے آ رہے تھے' جس میں' میں تھا۔ جب مکان کے مالک نے سنا کہ اس کے دروازے پر شور اور واویلا ہو رہا ہے تو اس نے اپنے ایک غلام سے کہا کہ دیکھ تو کیا بات ہے۔ غلام باہر جا کر لوٹا اور اپنے آقا سے کہنے لگا کہ اے میرے آقا' دروازے پر دس ہزار مرد عورتوں کا مجمع ہے اور وہ ہائے مقتول چلا چلا کر ہمارے مکان کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ جب قاضی نے یہ سنا تو اس پر سخت ناگوار ہوا اور غصے میں بھر گیا اور اٹھ کر دروازہ کھولا اور باہر نکلا اور اس پر بڑی بھیڑ کو دیکھ کر گھبرا گیا اور کہنے لگا کہ اے لوگو' کیا بات ہے؟ میرے غلام کہنے لگے کہ اے ملعون' اے کتے' اے سور' تو نے ہمارے آقا کو قتل کر دیا ہے۔ قاضی نے کہا کہ تمہارے آقا سے کون سا جرم سرزد ہوا تھا کہ میں اس کو قتل کرتا؟

اب شہر زاد کو صبح ہوتی نظر آئی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی' جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• اکتیسویں رات

جب اکتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ قاضی نے غلاموں سے پوچھا کہ تمہارے آقا نے کون سا جرم کیا تھا کہ میں اسے قتل کی سزا دیتا؟ اور یہ میرا گھر تمہارے سامنے ہے' دیکھ لو۔ اس نائی نے کہا کہ تو نے بھی اسے کوڑے مارے ہیں اور میں نے اسے چلاتے سنا ہے۔ قاضی نے کہا کہ اس نے جرم کیا کیا تھا جس پر میں نے اسے قتل کیا اور اسے میرے گھر کون لایا اور وہ کہاں سے آیا اور کہا گیا؟ اس نائی نے کہا کہ بڈھے کھوسٹوں کی طرح باتیں مت کر' مجھے سارا حال اور واقعہ معلوم ہے۔ تیری بیٹی اس پر عاشق ہے اور وہ تیری بیٹی پر۔ جب تجھے معلوم ہوا کہ وہ تیرے گھر میں آیا ہے تو تو نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ اسے ماریں۔ واللہ ہمارے اور تیرے درمیان سوائے خلیفہ کے اور کوئی فیصلہ نہ کرے گا ورنہ تو ہمارے آقا کو نکال کر اس کے گھر والوں کے حوالے کر دے اور اگر ایسا نہیں ہے تو میں خود اندر آکر اس کو نکال لاؤں گا اور تجھے شرمندگی ہو گی۔ قاضی کی زبان بند تھی اور وہ لوگوں کے سامنے شرمندہ تھا اور کہتا تھا کہ اگر تو سچ کہتا ہے تو اندر آ اور اسے نکال کر لے جا۔ یہ سن کر نائی جھپٹ کر اندر آ گیا۔

جب میں نے دیکھا کہ نائی اندر آ گیا ہے تو میں دیکھنے لگا کہ کسی طرح سے نکل کر بھاگ جاؤں مگر کوئی راستہ نظر نہ آیا اور میں نے دیکھا کہ جس منزل پر میں ہوں' وہاں ایک بڑا سا صندوق رکھا ہوا ہے۔ میں نے اس کے اندر جا کر ایک چادر اوڑھ لی اور سانس بند کر لی۔ اب وہ کمرے میں داخل ہوا اور اندر آتے ہی میری طرف پھرا اور جہاں میں تھا' وہاں جھانکا اور دہنے بائیں دیکھ کہ وہ صندوق اپنے سر پر اٹھا لیا۔ یہ دیکھ کر میرے حواس جاتے رہے۔ اب وہ تیز تیز چلنے لگا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ مجھے نہیں چھوڑے گا تو میں سنبھل کر بیٹھا اور صندوق کھول کر نیچے کود پڑا

اور میری ٹانگ ٹوٹ گئی۔ چونکہ دروازہ کھلا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ دروازے پر ایک بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ میری آستین میں بہت سی اشرفیاں تھیں جو میں نے ایسے موقعوں اور کاموں کے لیے اٹھا رکھی تھیں۔ اب میں ان کو لوگوں کے سامنے لٹانے لگا تاکہ ان کی توجہ ان کی طرف بٹ جائے۔ واقعی وہ انہیں لوٹنے لگے اور ان کی طرف مشغول ہو گئے اور میں بغداد کی گلیوں میں دہنے بائیں بھاگ رہا تھا اور یہ مردود نائی میرے پیچھے پیچھے وہاں پہنچتا اور کہتا جاتا کہ انہوں نے میرے آقا کو قتل کرنے کی ٹھان لی تھی' لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس نے ان پر فتح عطا کی اور میرا آقا ان کے ہاتھوں سے بچ گیا۔ تو اپنی بری تدبیروں سے باز نہ آیا یہاں تک کہ تو نے یہ حرکت کی۔ اگر خدا میری بدولت تجھ پر مہربانی نہ کرتا تو اس مصیبت سے تو کبھی نہ نکلتا بلکہ وہ تجھے ایسی مصیبت میں ڈال دیتے کہ تو اس سے کبھی نہ نکل سکتا۔ مگر آخر کب تک جیوں گا کہ تجھے ہر بار چھٹکارا دے سکوں۔ خدا کی قسم' تو نے اپنی بری تدبیروں سے مجھے ہلاک کر ڈالا ہے! اور اس پر لطف یہ کہ تو اکیلا جانا چاہتا تھا لیکن میں تیری نادانی پر تجھ سے ناراض نہیں ہوں کیونکہ تو ابھی ناسمجھ ہے اور جلدباز۔ میں نے کہا کہ تیری گزشتہ حرکتیں کافی نہیں ہیں کہ تو میرے پیچھے دوڑ رہا ہے اور بازار میں ایسی باتیں کہہ رہا ہے۔ غصے کی وجہ سے میری جان نکل رہی تھی لہٰذا میں بازار کے اندر ایک دوکان میں گھس گیا اور جلاہے سے' جو اس کا مالک تھا' پناہ مانگی۔ اس نے نائی کو اندر آنے سے روکا اور میں جلاہے کے ایک مخزن میں جا کر بیٹھ گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں کسی طرح سے بھی اس معلون نائی سے اپنا پیچھا چھڑا سکتا کیونکہ وہ دن رات میرے پیچھے پڑا رہے گا اور مجھے اس کی صورت دیکھنے کی تاب نہیں۔

اب میں نے گواہ طلب کر کے اپنے گھر والوں کے نام وصیت نامہ لکھا اور اپنی جائیداد کو تقسیم کر کے ان پر ایک ناظر مقرر کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ میرے گھر اور جاگیروں کو بیچ ڈالے اور چھوٹے بڑوں کی نگہبانی کرے۔ یہ انتظام کر کے میں فوراً نکل

کھڑا ہوا تا کہ اس کٹنے سے میرا پیچھا چھوٹے اور تمہارے شہر میں آکر سکونت اختیار کی اور میں یہاں ایک مدت سے ہوں۔ اب جب کہ تم نے مجھے کھانے پر بلایا ہے تو کیا دیکھتا ہوں کہ یہی ملعون تمہارے یہاں بھی موجود ہے اور صدر میں بیٹھا ہوا ہے۔ ایسی حالت میں میرا دل یہاں ٹھہرنے سے کیوں کر خوش ہو سکتا ہے! کیونکہ اس نے میرے ساتھ یہ حرکتیں کی ہیں اور اسی کی وجہ سے میری ٹانگ ٹوٹی ہے۔ یہ کہہ کر نوجوان نے ٹھہرنے سے انکار کر دیا۔

جب ہم نے یہ قصہ سنا تو نائی سے پوچھا کہ جوان نے جو کچھ تیرے متعلق کہا ہے سچ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ واللہ، میں نے اپنی سمجھ اور عقل اور مروت کی بنا پر اس کے ساتھ یہ کارروائی کی۔ اگر میں نہ ہوتا تو یہ مر جاتا۔ فقط میں اس کی نجات کا سبب ہوا۔ یہ بہتر تھا کہ اس کی ٹانگ گئی بہ نسبت اس کے کہ اس کی جان جاتی۔ اگر میں باتونی ہوتا تو اس کے ساتھ بھلائی نہ کرتا۔ میں تم لوگوں سے ایک ماجرا بیان کرتا ہوں جس سے تمہیں اس بات کی تصدیق ہو جائے گی کہ میں کم سخن ہوں اور اپنے چھ بھائیوں کی طرح فضول گو نہیں۔

○ نائی کی کہانی

اور وہ یہ ہے کہ جب المستصر باللہ ابن المستضی باللہ بغداد میں خلیفہ تھا تو میں وہیں رہتا تھا۔ اسے فقیروں اور غریبوں سے بہت محبت تھی اور عالموں اور نیکوں کی صحبت بہت مرغوب۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ دس آدمیوں پر ناراض ہوا اور اس نے بغداد کے حاکم کو حکم دیا کہ وہ انہیں عید کے دن اس کے سامنے پیش کرے۔ یہ لوگ ڈاکو تھے جو شاہراہ پر ڈاکہ ڈالتے تھے۔ شہر کا حاکم گیا اور اس نے انہیں گرفتار کر کے ایک کشتی میں بٹھایا۔ جب میری نظر ان پر پڑی تو میں نے خیال کیا کہ یہ لوگ غالباً دعوت کے لیے جمع ہوئے ہیں اور میرا خیال ہے وہ دن بھر اسی کشتی میں کاٹیں گے

اور کھائیں پئیں گے۔ میرا جی چاہا کہ میں بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاؤں۔ حضرات' میں اپنی مروت اور دانشمندی کی وجہ سے ان کی کشتی میں اتر کر ان کے ساتھ مل گیا یہاں تک کہ وہ دریا کو پار کر کے دوسری طرف پہنچے۔

جب ہم وہاں پہنچے تو سپاہی اور چوکیدار زنجیریں لیے وہاں کھڑے تھے اور انہوں نے ان کی گردنوں میں زنجیریں ڈال دیں اور ایک زنجیر میری گردن میں بھی ڈال دی' حاضرین' کیا یہ میری مروت اور کم گوئی کی دلیل نہیں کہ میں چپ تھا اور کچھ کہنا نہ چاہتا تھا۔ اب وہ ہم سب کو زنجیروں میں باندھ کر لے گئے اور امیرالمومنین المستصرباللہ کے سامنے پیش کیا اور اس نے حکم دیا کہ دسوں کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ اب جلاد نے آکر ہمیں گردن زنی کے گدے پر بٹھایا اور اپنی تلوار کھینچ کر ایک ایک کی گردن اڑانی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ دسوں کی گردنیں اڑا دیں۔ اب میں باقی رہ گیا اور خلیفہ نے جلاد کی طرف دیکھ کر کہا کہ تو نے محض نو کی گردنیں کیوں اڑائیں؟ اس نے کہا کہ معاذ اللہ تو دس کی گردنیں اڑانے کا حکم دے اور میں محض نو کی گردنیں اڑاؤں! خلیفہ نے کہا کہ میرے خیال میں تو نے نو ہی گردنیں اڑائی ہیں اور یہ جو تیرے سامنے بیٹھا ہوا ہے' دسواں ہے۔ جلاد نے کہا کہ تیرے احسانات کی قسم وہ پورے دس ہو چکے۔ لوگوں نے انہیں گنا تو واقعی دس تھے۔

اب خلیفہ نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ ایسی حالت میں تیری خاموشی کا کیا مطلب ہے اور تو خونیوں کے ساتھ کیسے آیا ہے؟ اس کا سبب بتا کیونکہ تو بڑا بوڑھا آدمی ہو کر اتنی کم عقلی کی باتیں کرتا ہے۔ جب میں نے امیرالمومنین کی گفتگو سنی تو اس سے کہا کہ اے امیر المومنین' میں واقعی بہت خاموش بوڑھا ہوں اور مجھے حکمت میں سے بڑا حصہ ملا ہے اور عقل کی پختگی اور فہم کی تیزی اور کم گوئی کی تو کوئی انتہا ہی نہیں اور میں نائی کا پیشہ کرتا ہوں۔ کل صبح میں نے دیکھا کہ یہ دس کشتی کی طرف جا رہے تھے اور میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا اور انہیں کے ساتھ کشتی

سے اترا۔ اس لیے کہ میں نے خیال کیا کہ وہ دعوت میں جا رہے ہیں۔ ابھی ایک پہر بھی نہ گزرا ہو گا کہ پہرے دار آئے اور انہوں نے ان کی گردنوں میں زنجیریں ڈال دیں اور ایک زنجیر میری گردن میں بھی ڈال دی۔ مروت کی وجہ سے میں خاموش رہا اور ایک بات بھی نہ کی۔ یہ سب میری مروت کی دلیل ہے۔ اب وہ لوگ ہمیں لے کر آئے اور تیرے سامنے کھڑا کر دیا اور تو نے حکم دیا کہ دسوں کی گردن مار دی جائے اور محض میں جلاد کے سامنے باقی رہ گیا۔ پھر بھی میں نے نہ کہا کہ میں کون ہوں؟ یہ محض انتہا درجے کی مروت کی وجہ سے تھا کہ میں ان کے ساتھ قتل ہونے میں بھی شریک تھا۔ میں نے عمر بھر لوگوں کے ساتھ اسی طرح کی بھلائی کی ہے اور انہوں نے مجھے برے سے برا بدلہ دیا ہے۔

جب خلیفہ نے میری باتیں سنیں اور اسے معلوم ہو گیا کہ میں بڑی مروت والا اور کم سخن ہوں اور فضول باتیں نہیں بناتا جیسا کہ اس جوان کا خیال ہے جس کو میں نے تکلیفوں سے چھٹکارا دیا ہے تو وہ زور سے ہنسنے لگا یہاں تک کہ لوٹ گیا اور مجھ سے کہا کہ اے خاموش' اور تیرے چھنوں بھائی بھی علم اور حکمت اور کم گوئی میں تیری طرح ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ نہ وہ کبھی میری طرح تھے اور نہ ہوں گے۔ اے امیر المومنین' تو مجھے برائی کی طرف منسوب کرتا ہے۔ تیرے لیے یہ شایان نہیں کہ تو مجھے اور انہیں برابر سمجھے۔ کیونکہ فضول گوئی اور کم مروتی کی وجہ سے ان میں کوئی نہ کوئی عیب پیدا ہو گیا ہے۔ ایک ان میں سے کانا ہے اور دوسرا مفلوج اور تیسرا بوچا اور نکٹا اور چوتھے کے ہونٹ کٹے ہوئے ہیں اور پانچوں کبڑا ہے اور چھٹا اندھا ہے۔

اے امیرالمومنین' یہ نہ خیال کر کہ میں باتونی ہوں اور میرے لیے یہ ضروری ہے کہ میں تجھ پر ثابت کر دوں کہ میں ان سے زیادہ بامروت ہوں اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کوئی نہ کوئی واقعہ پیش آیا ہے جس کی وجہ سے وہ عیب اس میں پیدا ہو گیا' اور میں تجھے سے ابھی بیان کرتا ہوں۔

○ نائی کے پہلے بھائی کی کہانی

اے امیرالمومنین' میرا ایک بھائی جو کہ کبڑا ہے' بغداد میں درزی کا پیشہ کرتا تھا اور ایک دوکان میں بیٹھ کر سیتا تھا جو اس نے ایک بڑے امیر آدمی سے کرائے پر لی تھی۔ یہ شخص دوکان کے اوپر والی منزل پر رہتا تھا اور اس کے مکان کے نیچے ایک چکی تھی۔ ایک دن میرا کبڑا بھائی اپنی دوکان میں بیٹھا سی رہا تھا کہ اس نے اوپر کی طرف دیکھا اور اس کی نظر ایک عورت پر پڑی جو چودھویں رات کے چاند کی طرح تھی اور کھڑکی میں کھڑی لوگوں کا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ جب میرے بھائی نے اس کو دیکھا تو وہ اس پر فریفتہ ہو گیا اور دن بھر وہیں دیکھتا رہا اور شام تک اپنا سینا پرونا بند کر دیا۔ دوسرے روز صبح کو اس نے پھر اپنی دوکان کھولی اور سینے کے لیے بیٹھ گیا۔ وہ ایک ٹانکا لگاتا اور کھڑکی کی طرف دیکھتا اور اس کو اسی طرح پاتا۔ اب اس کی محبت اور عشق اور بھی زیادہ ہو گیا۔ جب تیسرا دن ہوا تو وہ اپنی جگہ پر بیٹھ کر پھر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اب عورت نے اسے دیکھا اور اسے معلوم ہو گیا کہ وہ اس کی محبت میں گرفتار ہے اور وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ اور وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اب وہ وہاں سے چلتی ہوئی اور اس کے پاس اپنی ایک کنیز کو ایک بقچہ دے کر بھیجا' جس میں سرخ مشجر کا ایک ٹکڑا تھا۔ کنیز نے آکر کہا کہ میری آقا تجھے سلام بھیجتی ہے اور کہتی ہے کہ اس ٹکڑے میں سے اس کے لیے ایک قمیض عمدہ طرز سے کاٹ کر خوبصورتی کے ساتھ سی دے۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم۔ یہ کہہ کر اس نے اسی روز کاٹ کر سی دی۔ دوسرے دن صبح کو پھر وہ کنیز اس کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میری آقا نے تجھے سلام کہا ہے اور پوچھا ہے کہ تو کل رات کس طرح سویا؟ مگر اسے تیری یاد میں بالکل نیند نہیں آئی۔ یہ کہہ کر اس نے اسے ایک ٹکڑا زرد اطلس کا دیا اور کہنے لگی کہ میری آقا نے کہا ہے کہ اس ٹکڑے میں سے دو شلواریں کاٹ کر

آج ہی سی دے۔ اس نے جواب دیا کہ بسرو چشم۔ میرا اسے بہت سلام کہیو اور کہیو کہ تیرا غلام تیرا فرمانبردار ہے' تو جو چاہے حکم دے۔ اب وہ کاٹنے لگا اور بہت محنت سے دونوں شلواریں سینے لگا۔

ایک پہر کے بعد وہ عورت جھروکے میں سے جھانکی اور اشارے سے اسے سلام کیا اور کبھی وہ آنکھیں نیچی کر لیتی اور کبھی اس کے سامنے مسکرا دیتی' اور اسے خیال ہوا کہ اب وہ اسے مل جائے گی۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گئی اور کنیز میرے بھائی کے پاس آئی اور اس نے اسے دو شلواریں حوالے کر دیں اور وہ لے کر چلی گئی۔ جب رات ہوئی تو وہ اپنے بچھونے پر پڑ گیا اور کروٹیں بدلتے رات گزاری۔ جب صبح ہوئی تو وہ اٹھا اور اپنی دوکان میں جا بیٹھا۔ کنیز نے آکر کہا کہ میرا آقا تجھے بلاتا ہے۔ جب اس نے یہ سنا تو ڈرا۔ کنیز نے جب یہ دیکھا کہ وہ ڈر گیا ہے تو کہنے لگی کہ تجھے کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔ اس میں تیرے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ میری آقا نے تیرے اور میرے مالک کے درمیان تعارف کرا دیا ہے۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا اور کنیز کے ساتھ چل کھڑا ہوا اور جب اس کے مالک کے پاس پہنچا جو اس کی مالکہ کا شوہر تھا تو زمین کو بوسہ دیا اور اس نے سلام کا جواب دیا اور بہت سے کپڑے اسے دے کر کہا کہ ان میں سے کاٹ کر میرے لیے قمیض سی دے۔ میرے بھائی نے کہا کہ بسرو چشم اور رات تک کاٹتا رہا۔ یہاں تک کہ بیس قمیضیں کاٹ کا تیار کیں اور بالکل کھایا پیا نہیں۔

مالک نے پوچھا کہ ان کی سلائی کیا ہو گی؟ اس نے کہا کہ بیس درہم۔ لڑکی کے شوہر نے کنیز کو آواز دی اور کہا کہ بیس درہم لے آ۔ میرا بھائی چپ رہا اور لڑکی نے اس کی طرف اشارے سے کہا کہ اس سے کچھ مت لے۔ میرے بھائی نے مالک سے کہا واللہ' میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا۔ اور اپنی تلے دانی لے کر باہر چلا گیا۔ واقعہ یہ تھا کہ میرے بھائی کو داموں کی بہت ضرورت تھی اور تین دن تک اس نے بہت کم کھایا پیا کیونکہ وہ ان کی سلائی میں مشغول رہا۔ اب کنیز آئی اور اس نے

کہا کہ کہاں تک پہنچا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تیار ہیں اور قمیضوں کو لے کر وہ ان کے گھر گیا اور ان کے شوہر کے حوالے کر کے الٹے پاؤں پھر آیا۔ لڑکی اپنے شوہر سے میرے بھائی کا سارا ماجرا بیان کر چکی تھی لیکن اس کو کچھ خبر نہ تھی۔ شوہر بیوی دونوں نے یہ صلاح کر لی تھی کہ اس سے بے اجرت دیے سلوائیں اور اس پر اس کا مذاق اڑائیں۔ دوسرے دن صبح کو جب وہ پھر دوکان پر آیا تو کنیز نے آکر اس سے کہا کہ میرا مالک تجھ سے باتیں کرنا چاہتا ہے اور وہ اٹھ کر اس کے ساتھ چل دیا۔ جب وہ مالک کے پاس پہنچا تو اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے پانچ شلوکے کاٹے۔ اس نے کاٹ کر وہ کپڑے اپنے ساتھ لیے اور چل دیا۔ ان شلوکوں کو سی کر وہ مالک کے پاس لے گیا۔ اس نے سلائی پسند کی اور آواز دی کہ درہموں کی تھیلی لا اور اپنا ہاتھ بڑھایا۔ لڑکی نے پھر اپنے شوہر کے پیچھے سے اشارہ کیا کہ کچھ مت لے اور اس نے کہا کہ اے میرے آقا' جلدی کیا ہے! بہت وقت پڑا ہے' لے لوں گا۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا اور اس کی حالت گدھے سے بھی بدتر تھی کیونکہ پانچ چیزیں اکٹھی ہو چکی تھیں۔ عشق اور ناداری اور بھوک اور برہنگی اور مشقت' مگر وہ اپنے اوپر جبر کر کے صبر کر رہا تھا۔

جب میرا بھائی ان کے سارے کام کر چلا تو انہوں نے اس کے ساتھ ایک چال چلی اور اس کی شادی اپنی کنیز سے کر دی۔ اور ہم بستری کی رات اس سے کہا کہ آج کی رات خراس میں جا کر صبح تک سو' اس میں تیری بہتری ہے۔ میرے بھائی نے اس کو سچ سمجھا اور خراس میں جا کر اکیلا سو گیا۔ اب لڑکی کا شوہر خراس والے کے پاس گیا اور اس سے سازش کی وہ اسے خراس میں جوتے۔ خراس والا آدھی رات کے وقت پہنچا اور کہنے لگا کہ یہ بیل آج رات بیکار کھڑا ہوا ہے اور خراس نہیں چلاتا اور ابھی غلہ بہت باقی ہے۔ یہ کہہ کر وہ خراس میں اترا اور پرات میں غلہ بھر کر میرے بھائی کے پاس گیا اور ایک رسی جو اس کے ہاتھ میں تھی' اس کی گردن میں باندھی اور کہنے لگا کہ ہیو' خراس چلا۔ کیا تو فقط کھانے اور گوبر کرنے اور موتنے کے

لیے یہاں ہے! یہ کہہ کر اس نے کوڑا لیا اور اسے مارنا شروع کیا اور میرا بھائی رو اور چلا رہا تھا اور کوئی اس کی مدد کو نہ آتا تھا۔ اس طرح وہ صبح کے وقت تک غلہ پیستا رہا۔ اب مکان کا مالک آیا اور اس نے دیکھا کہ میرے بھائی پر جوا رکھا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ چلا گیا اور دن نکلے کنیز وہاں پہنچی اور کہنے لگی کہ تیرے ماجرے سے مجھے سخت تکلیف ہوئی اور ہم تیرے درد میں شامل ہیں' لیکن مار اور مشقت کی وجہ سے میرے بھائی کی زبان بند تھی۔

اب میرا بھائی گھر آیا اور فوراً وہ کاتب پہنچا جس نے اس کا نکاح نامہ لکھا تھا اور سلام کر کے کہنے لگا کہ خدا تجھے بڑی عمر دے! تیرے چہرے سے پتہ چلتا ہے کہ تو رات سے لے کر صبح تک مزے اور بوس و کنار میں مشغول رہا ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ خدا جھوٹ کو تباہ کرے' اے قرم ساق۔ واللہ' میں نے بیل کی جگہ صبح تک چکی چلائی ہے۔ اس نے کہا کہہ تو سہی' آخر کیا ہوا! اور میرے بھائی نے ساری سرگزشت بیان کی۔ اس نے کہا کہ تیرا ستارہ اس کے ستارے کے ساتھ موافق نہیں آیا۔ لیکن اگر تو چاہے تو میں تیرا نکاح نامہ بدل دوں۔ اس نے جواب دیا کہ دیکھ' شاید کوئی اور دغابازی ابھی میرے لیے رہ گئی ہو۔ یہ کہہ کر وہ اس کے پاس سے چل دیا اور دوکان میں آ کر انتظار کرنے لگا کہ شاید کوئی شخص کام لے کر اس کے پاس آئے' جس سے اس کی روزی چلے۔ اتنے میں پھر وہی کنیز پہنچی اور کہنے لگی کہ میری مالکہ تجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ چل دور ہو' اے نیک بخت لڑکی' اب میرے اور تیری مالکہ کے درمیان کوئی معاملہ باقی نہیں رہا۔ لڑکی نے جا کر مالکہ کو اس کی خبر دی اور میرے بھائی کو ابھی اس کی خبر بھی نہ تھی کہ وہ پھر کھڑکی سے جھانک کر رونے اور کہنے لگی کہ پیارے' کیا ہوا کہ اب میرے اور تیرے درمیان کوئی معاملہ باقی نہیں رہا۔ لیکن میرے بھائی نے کوئی جواب نہ دیا اور لڑکی نے قسم کھا کر کہا کہ جو کچھ تجھ پر اس میں پیش آیا ہے' اس میں' میں بے گناہ ہوں اور بری الذمہ۔ جب میرے بھائی کی نظر اس کے حسن پر پڑی اور اس نے اس کی میٹھی باتیں

سنیں تو جو کچھ اسے رنج پہنچا تھا' جاتا رہا اور اس نے اس کا عذر قبول کر لیا اور اس کو دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اب اس لڑکی کو سلام کیا اور اس کے ساتھ باتیں کیں اور سینے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کنیز آئی اور کہنے لگی کہ میری مالکہ نے تجھے سلام کہا اور پیغام بھیجا ہے کہ آج میرے شوہر کا ارادہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ شب باشی کرے۔ جب وہ چلا جائے تو' تو ہمارے ہاں آئیو اور صبح تک میری مالکہ کے ساتھ مزے کیجیو۔ اس سے قبل اس کا شوہر اسے پوچھ چکا تھا کہ کیا کرنا چاہیے جس سے تیرا پیچھا اس سے چھٹے اور اس نے جواب دیا تھا کہ میں اس کے ساتھ ایک چال چلوں گی اور اسے سارے شہر میں ہنڈواؤں گی لیکن میرے بھائی کو عورتوں کی دغابازی کا حال کچھ معلوم نہ تھا۔ جب شام ہوئی تو کنیز آئی اور میرے بھائی کو اپنے ساتھ لے گئی۔ جب لڑکی نے میرے بھائی کو دیکھا تو کہنے لگی کہ اے میرے آقا' خدا کی قسم' میں تیری بہت مشتاق تھی۔ اس نے کہا کہ خدا کے واسطے اور کاروائی سے پہلے مجھے جلدی سے ایک بوسہ دے۔ ابھی اس کی بات ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ قریب کے کمرے سے لڑکی کا شوہر نکلا اور میرے بھائی سے کہنے لگا کہ واللہ' میں تجھے بغیر پولیس کے حوالے کیے نہ چھوڑوں گا۔ میرے بھائی نے بہت گریہ و زاری کی لیکن اس نے ایک نہ سنی اور اسے شہر کے حاکم کے پاس لے گیا اور اس نے اسے کوڑے مارے ایک ایک اونٹ پر بٹھا کر سارے شہر میں پھرایا۔ لوگ اسے دیکھ کر کہتے تھے کہ واقعی اس شخص کی یہی سزا ہے جو دوسروں کی بیویوں پر دست درازی کرتا ہے۔ اب وہ شہر بدر کر دیا گیا اور شہر سے نکلا' مگر اسے معلوم نہ تھا کہ کہاں جائے؟ اس پر میں خوف زدہ ہوا اور اس سے جا کر ملا اور اسے اپنے ساتھ واپس لے آیا اور وہ اب تک میرے ہی ساتھ رہتا ہے۔ خلیفہ میری بات سن کر ہنسنے لگا اور اس نے کہا کہ اے خاموش' اے کم گو' تو نے خوب کیا' اور اس نے حکم دیا کہ مجھے انعام دے کر رخصت کر دیا جائے۔ میں نے کہا کہ جب تک میں اپنے دوسرے بھائیوں کی بھی سرگزشت نہ بیان کر لوں تجھ سے کچھ نہ لوں گا' اور تو مجھے باتونی خیال مت

کر۔

○ نائی کے دوسرے بھائی کی کہانی

اے امیرالمومنین' میرے دوسرے بھائی کا نام بقباقہ ہے جو مفلوج ہے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ کسی کام کے لیے جا رہا تھا کہ ایک بڑھیا اس کے سامنے آئی اور کہنے لگی کہ اے مردوے' ذرا ٹھہر جا تا کہ میں تیرے سامنے ایک بات پیش کروں اور اگر وہ تجھے پسند ہو تو اسے میری خاطر کر دے' خدا تیرا بھلا کرے! میرا بھائی ٹھہر گیا اور بڑھیا نے کہا کہ میں تجھ سے ایک بات کہوں گی اور تجھے اس کا راستہ بھی بتاؤں گی' لیکن باتیں نہ بنائیو۔ میرے بھائی نے کہا' کہہ۔ بڑھیا نے کہا کہ اس بارے میں تیری کیا مرضی ہے کہ ایک خوبصورت مکان ہو اور دل کش باغ جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور پھل ہوں اور شراب اور ایک حسین چہرہ جس کے ساتھ تو رات سے صبح تک ہم آغوش رہے؟ اگر تو میرے کہنے پر عمل کرے گا تو اس میں تیرے لیے بھلائی ہے۔ جب میرے بھائی نے یہ باتیں سنیں تو اس سے کہا کہ اے میری آقا' ایسے کام کے لیے تو نے ساری دنیا کو چھوڑ کر میری طرف کیوں التفات کیا؟ میری کون سی بات تجھے پسند آئی؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے کہا نہ تھا کہ بہت باتیں مت بنائیو۔ بس خاموش رہ اور میرے ساتھ چل۔

یہ کہہ کر بڑھیا واپس ہوئی اور میرا بھائی ان چیزوں کی لالچ میں جو بڑھیا نے اس سے بیان کی تھیں' اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا' یہاں تک کہ وہ ایک مکان میں پہنچے جو بہت کشادہ تھا اور جس میں بہت سے نوکر چاکر تھے۔ اب وہ بڑھیا میرے بھائی کو لے کر زینے پر چڑھی اور اس نے دیکھا کہ یہ ایک عالی شان محل ہے۔ جب گھر والوں نے اسے دیکھا تو اس سے کہا کہ تجھے کون یہاں لایا ہے؟ بڑھیا نے انہیں جواب دیا کہ چپ رہو اور اس کی طبعیت مکدر نہ کرو۔ وہ دستکار ہے اور ہمیں اس کی ضرورت

ہے۔ یہ کہہ کر وہ ایک آراستہ کمرے میں اسے لے گئی جس سے زیادہ خوبصورت دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ جب دونوں کمرے میں داخل ہوئے تو عورتیں کھڑی ہو گئیں ور اسے مرحبا کہا اور اپنے پاس بٹھایا۔ ابھی وہ بیٹھا ہی تھا کہ اسے شور و غل سنائی دیا اور کئی کنیزیں آئیں جن کے وسط میں ایک لڑکی تھی جو چودھویں رات کے چاند کی طرح خوبصورت تھی۔ میرے بھائی کی نظر اس پر پڑی تو وہ سروقد کھڑا ہو گیا اور آداب بجا لایا اور اس لڑکی نے مرحبا کہا اور کہا کہ بیٹھ جا اور وہ بیٹھ گیا۔ اب وہ لڑکی اس کے سامنے آئی اور کہنے لگی کہ خدا تجھے عزت دے! تو خیریت سے تو ہے؟ میرے بھائی نے جواب دیا کہ اے میری آقا' میں سرتاپا خیریت سے ہوں۔ اب اس نے کھانا منگوایا اور اس کے لیے بہت اچھا کھانا لایا گیا اور وہ کھانے بیٹھ گئی اور ہنسی کے مارے لوٹی جاتی تھی اور جب میرا بھائی اس کی طرف دیکھتا تو وہ اپنی کنیزوں کی طرف منہ پھیر لیتی گویا کہ وہ ان پر ہنس رہی ہے اور میرے بھائی سے محبت کا اظہار کرتی اور مزے مزے کی باتیں کرتی۔ میرا بھائی گدھا کچھ بھی نہ سمجھا بلکہ شوق کی زیادتی کی وجہ سے وہ سمجھتا تھا کہ لڑکی اس پر عاشق ہے اور وہ بھی اس کی آرزو پوری کرے گی۔

جب کنیزیں اسے کھانا کھلا چکیں تو شراب لائیں۔ اس کے بعد وہ تار والے باجے لائیں اور زور زور سے گانے لگیں۔ اب میرا بھائی مزے میں آگیا اور اس لڑکی کے ہاتھ سے ایک پیالہ لے کر پی گیا اور اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد لڑکی نے بھی ایک پیالہ پیا اور میرے بھائی نے اس سے کہا کہ تندرستی! اور آداب بجا لایا۔ اب لڑکی نے اسے ایک پیالہ پلایا اور وہ پی گیا اور لڑکی نے اس کی گردن پر ایک مکا مارا۔ جب میرے بھائی نے یہ حال چال دیکھا تو وہ وہاں سے نوک دم بھاگا لیکن بڑھیا اس کے پیچھے پہنچی اور اس سے اشارے سے کہنے لگی کہ لوٹ آ۔ اور وہ لوٹ آیا۔ لڑکی نے اس سے کہا کہ بیٹھ جا اور وہ بیٹھ گیا۔ اور بیٹھا رہا مگر کوئی بات نہ کی۔ لڑکی نے اس کی گدی پر ایک اور تھپڑ مارا۔ یہی نہیں بلکہ اپنی تمام کنیزوں سے

کہا کہ اس کے تھپڑ لگائیں اور وہ بڑھیا سے کہتا جاتا تھا کہ اس سے اچھا نظارہ میں نے عمر بھر نہیں دیکھا اور بڑھیا کہتی جاتی تھی کہ اے میری مالکہ' بس کر۔ لیکن کنیزوں نے اسے اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد وہ بیت الخلا جانے لگا لیکن بڑھیا پیچھے سے اس کے پاس پہنچی اور کہنے لگی کہ اگر تو ذرا اور صبر کرے تو اپنی مراد کو پہنچ جائے گا۔ میرے بھائی نے اسے جواب دیا کہ آخر کب تک صبر کروں! مارے تھپڑوں کہ میں بے ہوش تو ہو چکا ہوں۔ اس نے کہا کہ جب اسے نشہ چڑھ جائے گا تو تیری مراد حاصل ہو گی۔ یہ سن کر میرا بھائی واپس آیا اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اب سب کی سب کنیزیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور لڑکی نے انہیں حکم دیا کہ اس کے خوشبو لگائیں اور اس کے منہ پر گلاب چھڑکیں اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اب لڑکی نے کہا کہ خدا تجھے عزت بخشے! تو میرے گھر آیا اور میری شرط پوری کی جو کوئی میری مخالفت کرتا ہے' اس کو میں نکال باہر کرتی ہوں اور جو کوئی صبر کرتا ہے' اپنی مراد کو پہنچتا ہے۔ میرے بھائی نے اس سے کہا کہ اے میری مالکہ' میں تیرا غلام ہوں اور تیرا فرمانبردار۔ اس نے کہا' تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ خدا نے مجھے کھیل کود کا گرویدہ بنایا ہے۔ اس لیے جو کوئی میرا کہنا مانے' اس کی مراد بر آئے گی۔ اب اس نے کنیزوں کو حکم دیا کہ بلند آواز سے گائیں یہاں تک کہ ساری مجلس سرور میں آ جائے۔ پھر اس نے ایک کنیز سے کہا کہ اپنے آقا کو لے جا کر اس کی حاجت رفع کرا کے فوراً میرے پاس لے آ۔ کنیز میرے بھائی کو لے چلی مگر اسے یہ معلوم نہ تھا کہ آخر وہ اس کے ساتھ کیا کرے گی۔ اب بڑھیا پھر پیچھے سے پہنچی اور اس سے کہنے لگی کہ ذرا اور صبر کر' اب تھوڑی ہی سی کسر باقی ہے۔ یہ سن کر اس کے چہرے پر رونق آ گئی اور وہ پھر لڑکی کے سامنے پہنچا' بڑھیا برابر کہتی جاتی تھی کہ ذرا صبر کر' تو اپنی مراد کو پہنچ گیا ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ وہ کیا چاہتی ہے کہ یہ کنیز میرے ساتھ کیا کرے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ میں تیرے قربان

جاؤں! سوائے بھلائی کے کچھ نہیں۔ وہ یہ چاہتی ہے کہ یہ تیری بھنویں رنگے اور تیری مونچھیں تراش دے۔ میرے بھائی نے کہا کہ بھنوؤں کا رنگ تو دھونے سے جاتا رہے گا مگر مونچھوں کو نوچنا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ اس کی مخالفت مت کر کیونکہ وہ اپنا دل تجھے دے چکی ہے۔ میرے بھائی نے اپنی بھنوئیں رنگوانے اور اپنی مونچھیں نچوانے دیں۔ اب کنیز نے جا کر اپنی مالکہ کو اس کی خبر پہنچائی مگر اس نے کہا کہ ابھی ایک چیز اور باقی ہے اور یہ ہے کہ تو اس کی داڑھی بھی مونڈ ڈال تاکہ اس کی شکل بے داڑھی مونچھ والے لڑکے کی سی نکل آئے۔

کنیز نے اس کے پاس جا کر اپنی مالکہ کے حکم سے اسے مطلع کیا۔ میرے احمق بھائی نے اس سے کہا کہ ایسی بات کیونکر کر سکتا ہوں جس سے لوگوں میں میری بدنامی ہو! بڑھیا نے کہا کہ وہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں چاہتی تو بلا داڑھی کے امرد ہو جائے تاکہ تیرے چہرے پر کوئی ایسی چیز نہ رہے جو اس کے چبھے کیونکہ اس کے دل میں تیری طرف سے بڑی محبت پیدا ہو گئی ہے۔ ذرا اور صبر کر لے اور تیری مراد حاصل ہو گی۔ میرے بھائی نے دل پر جبر کر کے کنیز کا کہنا مان لیا اور اپنی داڑھی مونڈ ڈالی۔ اب کنیز اسے لڑکی کے پاس اس ہیئت میں لائی کہ اس کی بھنویں رنگی ہوئی تھیں اور مونچھیں کٹی ہوئی اور داڑھی منڈی ہوئی اور چہرہ سرخ۔ پہلے تو وہ اسے دیکھ کر ڈر گئی لیکن پھر اتنا ہنسی کہ ہنستے ہنستے لوٹ گئی اور اس سے کہنے لگی کہ اے میرے آقا' واقعی تو نے اپنی اس نیک اطواری سے میرا دل لبھا لیا ہے۔ اب میں تجھے اپنی جان کی قسم دے کر کہتی ہوں کہ اٹھ اور ناچ۔ وہ اٹھا اور ناچنے لگا اور لڑکی نے ایک ایک تکیہ اٹھا کر اسے مارا اور اسی طرح کل کنیزوں نے نارنگیوں اور نیبوؤں اور ترنجوں سے اسے مارنا شروع کیا یہاں تک کہ تکیوں کی مار اور گدی کے مکوں اور پھلوں کی مار کھانے کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ بڑھیا نے کہا کہ اب تیری مراد بر آئی اور تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اب مار کا خاتمہ ہو چکا ہے اور محض ایک چیز

باقی رہ گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ اس کی عادت میں سے ہے کہ جب وہ نشے میں ہوتی ہے تو کسی کو ہاتھ نہیں لگانے دیتی۔ جب تک کہ اپنے کپڑے اور پاجامہ اتار کر مادر زاد ننگی نہ ہو جائے۔ اس کے بعد وہ تجھ سے کہے گی کہ تو بھی اپنے کپڑے اتار ڈال اور میرے پیچھے دوڑ وہ تیرے آگے آگے دوڑے گی گویا کہ وہ تجھ سے بھاگ رہی ہے اور تو جگہ جگہ اس کا پیچھا کرے گا اور وہ تیرے ہاتھ آ جائے گی۔
اب اس بڑھیا نے اس سے کہا کہ اپنے کپڑے اتار ڈال۔ وہ اٹھا' اور اپنے آپے میں تو تھا ہی نہیں اور اپنے سارے کپڑے اتار کر ننگا ہو گیا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- بتیسویں رات

جب بتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب بڑھیا نے نائی کے بھائی سے کہا کہ کپڑے اتار ڈال اور وہ اٹھا' اور وہ اپنے آپ میں تو تھا ہی نہیں اور اپنے کپڑے اتار ڈالے اور ننگا ہو گیا تو نائی یہ بیان کرتا ہے کہ لڑکی نے میرے بھائی سے کہا کہ آ ہم دونوں دوڑیں۔ یہ کہہ کر وہ بھی ننگی ہو گئی اور اس سے کہنے لگی کہ اگر تو کچھ چاہتا ہے تو میرا پیچھا کر۔ یہ کہہ کر وہ آگے آگے بھاگی اور میرا بھائی پیچھے پیچھے دوڑا۔ اور وہ ایک کمرے سے دوسرے میں جاتی اور پھر نکل کر تیسرے میں اور میرا بھائی اس کے پیچھے لگا ہوا تھا اور شوق اسے بے چین کئے ہوئے تھا' گویا کہ وہ بالکل دیوانہ تھا۔ اب وہ دوڑ کر ایک اندھیرے کمرے کے آگے پہنچ گئی اور میرا بھائی اس کے پیچھے دوڑتا ہوا اس میں پہنچا اور اس کا پاؤں ایک کمزور جگہ پر پڑا اور وہ نیچے گر پڑا اور وہ یک بیک کیا دیکھتا ہے کہ وہ بیچ بازار میں ہے اور وہ بازار چمڑا فروشوں کا ہے اور چمڑوں پر آواز لگا رہے ہیں اور خرید و فروخت کر رہے ہیں۔ جب انہوں نے اسے اس حالت میں دیکھا کہ وہ ننگا ہے۔ اور اس کی داڑھی اور بھویں منڈی ہوئی ہیں اور چہرہ لال رنگا ہوا ہے تو وہ اسے دیکھ کر تالیاں پیٹنے لگے اور اسے چمڑوں سے خوب مارا۔ وہ ننگا تو تھا ہی' مار سے بے ہوش ہو گیا اور وہ اسے ایک گدھے پر بٹھا کر حاکم کے حوالے کر آئے۔ حاکم نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ اسی حالت میں وزیر کے محل سے ہمارے اوپر گرا تھا۔ حاکم نے اسے سو درے لگائے اور بغداد سے شہر بدر کر دیا۔ میں اس کے پیچھے جا کر اسے پوشیدہ طور سے شہر میں لے آیا اور اس کا کھانا پینا مقرر کر دیا اور اگر مجھ میں مروت نہ ہوتی تو میں اس جیسے شخص کا متحمل نہ ہو سکتا تھا۔

○ نائی کے تیسرے بھائی کی کہانی

میرے تیسرے بھائی کا نام فقیق ہے اور وہ اندھا ہے۔ ایک دن وہ قسمت کا مارا ایک بڑے مکان پر پہنچا اور دستک دی تاکہ اس کا مالک اس سے سبب پوچھے اور وہ سوال کرے۔ مالک مکان نے کہا کہ کون ہے؟ لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔ اب میرے بھائی نے سنا کہ وہ بلند آواز سے پوچھ رہا ہے کہ کون ہے؟ لیکن میرے بھائی نے پھر بھی جواب نہ دیا اور سنا کہ کوئی آ رہا ہے' یہاں تک کہ وہ دروازے پر پہنچ گیا اور اسے کھولا اور اس سے کہا کہ کیا تو اندھا ہے؟ میرے بھائی نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ مجھے اپنا ہاتھ دے اور اس نے اسے اپنا ہاتھ دیا' اس امید پر کہ شاید وہ اسے کچھ دے گا۔ لیکن وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر مکان کے اندر لے گیا اور زینے پر چڑھتے چڑھتے سب سے اوپر کی منزل پر پہنچ گیا اور میرا بھائی اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ یا تو وہ اسے کھانا کھلائے گا یا کچھ بھیک دے گا۔ جب وہ سب سے اوپر پہنچ چکا تو اس نے کہا کہ اے اندھے' کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا کے لیے کچھ دے۔ اس نے کہا کہ خدا تجھے زیادہ دے! میرے بھائی نے کہا کہ اے فلاں' یہ تو نے مجھ سے نیچے ہی کیوں نہ کہا؟ اس نے جواب دیا کہ اے کمینے' جب میں نے تجھے پہلی بار آواز دی تھی تو' تو نے بھی تو جواب نہیں دیا تھا؟ میرے بھائی نے کہا کہ اس وقت تو میرے ساتھ کچھ بھلائی نہیں کرنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ اچھا' مجھے زینے سے نیچے اتار دے۔ اس نے جواب دیا کہ راستہ تیرے سامنے ہے۔ میرا بھائی اٹھ کر آگے بڑھا اور اترتے اترتے یہاں تک پہنچا کہ اس کے اور دروازے کے درمیان بیس پٹریاں باقی رہ گئیں۔ اب اس کا پاؤں پھسلا اور وہ گر کر دروازے کے پاس آ پڑا اور اس کا سر پھٹ گیا اور وہ باہر نکلا اور اسے معلوم نہ تھا کہ کہاں جائے۔ اتنے میں اسے اس کے چند اندھے رفیق مل گئے اور انہوں نے اس سے پوچھا کہ آج تو نے کتنی کمائی کی؟ اور اس نے ان سے ساری سرگزشت بیان کر دی اور

ان سے کہا کہ اے میرے بھائیو' میں چاہتا ہوں کہ جو درہم میرے پاس باقی رہ گئے ہیں' ان کو نکال کر اپنے اوپر خرچ کروں۔
مکان کا مالک اس کے پیچھے پیچھے لگا ہوا تھا اور اس کی باتیں سن رہا تھا' لیکن نہ میرے بھائی کو اس کی خبر تھی اور نہ ہی اس کے ساتھیوں کو۔ اب میرا بھائی اپنے گھر پہنچا اور اندر گیا اور وہ شخص بھی اندر چلا گیا اور میرے بھائی کو اس کی خبر نہ ہوئی اور میرا بھائی بیٹھ کر اپنے ساتھیوں کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ داخل ہوئے تو اس نے کہا کہ دروازہ بند کر دو اور مکان کی تلاشی لو' کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی غیر آدمی ہمارے پیچھے پیچھے آ گیا ہو۔ جب اس شخص نے میرے بھائی کو یہ کہتے سنا تو اٹھ کر ایک رسی سے لٹک گیا جو چھت سے بندھی ہوئی تھی۔ انہوں نے سارے مکان کو چھان ڈالا اور کسی کو نہ پایا اور واپس آکر میرے بھائی کے پاس بیٹھ گئے اور اپنے اپنے درہم نکال کر گننے لگے تو بارہ ہزار درہم نکلے۔ ان کو انہوں نے مکان کے ایک کونے میں رکھ دیا۔ ہر ایک نے محض اتنے درہم لے لیے جتنے کی اسے ضرورت تھی اور باقیوں کو زمین میں گاڑ دیا۔ اب انہوں نے کچھ کھانا نکالا اور بیٹھ کر کھانے لگے' لیکن میرے بھائی نے اپنے پہلو میں کسی غیر آدمی کے چبانے کی آواز سنی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمارے ساتھ کوئی غیر آدمی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اس شخص کا ہاتھ پکڑ لیا جو مکان کا مالک تھا اور سب نے مل کر اسے خوب پیٹا۔ جب وہ دیر تک اسے پیٹ چکے تو چلانے لگے کہ اے مسلمانوں' ہمارے یہاں چور گھسا ہے اور ہمارا مال چرانا چاہتا ہے۔
یہ سن کر بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور وہ شخص آگے بڑھ کر ان سے لپٹ گیا اور وہی دعویٰ کرنے لگا جو اندھے اس کے اوپر کرتے تھے اور اپنی آنکھیں نیچی کر لیں تاکہ کوئی شک نہ کرے کہ وہ بھی ان کی طرح اندھا نہیں ہے اور چلانے لگا کہ اے مسلمانو' دہائی خدا کی اور سلطان کی! دہائی خدا کی اور شہر کے حاکم کی! کیوں کہ میں حاکم کو ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔

اتنے میں لوگوں نے میرے بھائی سمیت سب کو گھیر لیا اور ان کو حاکم کے مکان پر لے گئے۔ حاکم نے ان سب کو اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ ٹھہر جا' بغیر سزا دیئے تجھے کسی بات کا پتہ نہ چلے گا۔ سب سے پہلے مجھ سے شروع کر اور مجھے سزا دے اور پھر اس میرے سردار کو۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھ سے میرے بھائی کی طرف اشارہ کیا۔ اب لوگوں نے اسے لٹا کر اس کی پیٹھ پر چار سو ڈنڈے مارے۔ جب کسی قدر مار سے اسے تکلیف ہوئی تو اس نے ایک آنکھ کھول دی۔ اور جب اور مار پڑی تو دوسری آنکھ بھی کھول دی۔ حاکم نے کہا کہ اے ملعون' یہ کیا حرکت ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے جان بخشی کا پروانہ مہر لگا کر دے تو میں سارا بھید کھول دوں۔ ہم چاروں اپنے آپ کو اندھا بنا کر زبردستی لوگوں کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور مکانوں میں داخل ہو کر عورتوں کا نظارہ کرتے ہیں اور ان کو بد راہ کرتے ہیں۔ اس طرح سے ہمارے پاس بڑی دولت جمع ہو گئی ہے جو بارہ ہزار درہم ہے۔ جب میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرا حصہ تین ہزار درہم مجھے دے دو تو وہ اٹھ کر مجھے مارنے لگے اور میرا مال ضبط کر بیٹھے اور میں خدا کی اور تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھے میری بات کا یقین آ جائے۔ لہٰذا ان میں سے ہر ایک کو مجھ سے زیادہ ڈنڈے مار اور اپنی آنکھیں کھول دے گا۔ حاکم نے ان کو سزا دینے کا حکم دیا اور میرے بھائی سے شروع کیا اور اسے شہتیر سے باندھ کر کہنے لگا کہ اے گنہگارو' تم خدا کی نعمتوں کا کفران کرتے ہو اور اپنے آپ کو اندھا ظاہر کرتے ہو۔ میرے بھائی نے کہا کہ اللہ اللہ' ہم میں سے واللہ کوئی انکھیارا نہیں۔

اب اس پر اتنی مار پڑی کہ وہ بیہوش ہو گیا۔ حاکم نے کہا کہ اسے ہوش میں آ جانے دو' پھر دوبارہ اسے مارنا۔ پھر اس نے اس کے ساتھیوں کو مارنے کا حکم دیا۔ ہر ایک کو تین تین سو ڈنڈے۔ اور انکھیارا ان سے کہتا جاتا تھا کہ آنکھیں کھول دو ورنہ مار پڑے گی۔ اب اس شخص نے حاکم سے کہا کہ یہ لوگ آنکھیں تو کھولتے نہیں

لہٰذا کسی کو میرے ساتھ کر دے کہ درہم لے آئے۔ یہ ڈرتے ہیں کہ کہیں لوگوں میں ندامت نہ ہو۔ حاکم نے درہم منگوا کر ان میں سے تین ہزار درہم جو اس کا حصہ تھا' اسے دے دیا اور باقی کو ضبط کر لیا اور تینوں کو شہر بدر کر دیا۔

اے امیر المومنین' اب میں جا کر اپنے بھائی سے ملا اور حال پوچھا اور اس نے وہ ماجرا بیان کیا جو میں نے ابھی تجھ سے کہا ہے اور میں اسے چھپا کر شہر میں لے آیا اور اس کے لیے پوشیدہ طور پر کھانے پینے کا انتظام کر دیا۔ خلیفہ یہ سن کر ہنسا اور کہنے لگا کہ اسے انعام دے کر رخصت کر دو۔ اس نے کہا کہ واللہ جب تک میں امیرالمومنین سے اپنے سب بھائیوں کی سرگزشت نہ بیان کر لوں' میں کچھ نہیں لینے کا کیونکہ میں بہت کم گو ہوں۔

○ نائی کے چوتھے بھائی کی کہانی

اب نائی نے کہا کہ امیرالمومنین' میرا چوتھا بھائی جو کانا ہے' بغداد میں قصاب تھا' گوشت بیچتا اور مینڈھے پالتا تھا اور بڑے بڑے اور امیر لوگ اس کے یہاں آکر گوشت خریدتے اس طرح سے اس نے بہت سا پیسہ کمایااور بہت سے مویشی اور مکانات خریدے اور ایک مدت تک اس کی یہی حالت رہی۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ اپنی دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بڑھا لمبی داڑھی والا اس کے پاس آیا اور درہم نکال کر کہنے لگا کہ مجھے ان کا گوشت دے دے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے درہم دیے اور اس نے گوشت دیا اور بوڑھا چلا گیا۔ اب میرے بھائی نے دیکھا کہ بوڑھے کے درہم بہت سفید اور چمکدار ہیں۔ اس لیے ان کو اوروں سے علیحدہ ایک کونے میں رکھ دیا۔ بوڑھا پانچ مہینے برابر اس کے یہاں آتا رہا اور میرا بھائی اس کے درہموں کو علیحدہ ایک صندوق میں رکھتا گیا۔ ایک دن اس کو خیال ہوا کہ درہموں کو نکال کر بھیڑیں خریدے اور اس نے صندوق کھولا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس

میں محض گول گول کٹے ہوئے سفید کاغذ پڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ اپنے منہ پر طمانچے مارنے اور چلانے لگا اور بہت سے لوگ آکر جمع ہو گئے اور جب اس نے ان سے اپنی سرگزشت بیان کی تو ان کو بڑا تعجب ہوا۔ اب میرا بھائی اپنے دستور کے موافق اٹھا اور ایک مینڈھے کو ذبح کیا اور اسے دوکان کے اندر لٹکا دیا اور اس میں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر باہر نکال کر لٹکا دیا۔ میرا بھائی کہہ رہا تھا کہ کاش کہ وہ منحوس بڈھا آتا ہو! ابھی ایک پہر بھی نہ گزرا تھا کہ بوڑھا آیا اور اس کے پاس وہی چاندی تھی۔
میرے بھائی نے اٹھ کر اسے پکڑ لیا اور شور مچانے لگا کہ اے مسلمانو' دوڑو اور اس فاجر کی سرگزشت میرے ساتھ سنو۔ جب بوڑھے نے اسے یہ کہتے سنا تو کہنے لگا کہ دو باتوں میں سے تو کون سی بات پسند کرتا ہے' یہ کہ تو مجھے جانے دے یا یہ کہ میں لوگوں میں تیری فضیحت کراؤں۔ میرے بھائی نے جواب دیا کہ تو کس بات پر میری فضیحت کرائے گا؟ اس نے جواب دیا کہ تو آدمیوں کے گوشت کو بھیڑ کا گوشت کہہ کر بیچتا ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ اے ملعون تو جھوٹا ہے۔ بوڑھے نے جواب دیا کہ ملعون وہ ہے جس کی دوکان میں آدمی لٹکا ہوا ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ اگر تیرا کہنا سچ ہے تو میرا مال اور خون تیرے لیے حلال ہیں۔
بوڑھے نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے لوگو' اگر تم میری بات کی تحقیق کرنا چاہتے ہو اور جاننا چاہتے ہو کہ میں سچ کہتا ہوں تو اس کی دوکان کے اندر جا کر دیکھ لو۔ لوگ میرے بھائی کی دوکان کے اندر دوڑ پڑے اور وہ مینڈھا واقعی انسان کی شکل میں ہو گیا تھا اور لٹک رہا تھا۔
جب انہوں نے یہ دیکھا تو میرے بھائی کو پکڑ کر شور مچانے لگے کہ اے کافر' اے فاجر اور جو اس کے عزیز ترین دوست تھے' اسے گھونسے اور تھپڑ مارنے لگے اور کہنے لگے کہ تو ہمیں انسان کا گوشت کھانے کو دیتا ہے۔ بوڑھے نے اس کی ایک آنکھ پر اس زور سے تھپڑ مارا کہ وہ اندھی ہو گئی۔ اب لوگ اس ذبح کئے ہوئے انسان کو لے کر شہر کے داروغہ کے پاس پہنچے اور بوڑھے نے اس سے کہا کہ اے حاکم' یہ شخص

آدمیوں کو ذبح کرتا ہے اور بھیڑ کا گوشت کہہ کر بیچتا ہے۔ ہم اسے پکڑ کے تیرے پاس لائے ہیں' اٹھ اور خدا کا حق ادا کر۔ میرے بھائی نے اپنی صفائی پیش کی لیکن اس نے ایک نہ سنی اور حکم دیا کہ اسے پانچ سو ڈنڈے مارے جائیں اور اس کا سارا مال ضبط کر لیا جائے۔ اگر مال نہ ہوتا تو وہ قتل بھی کر دیا جاتا۔

اب میرا بھائی وہاں سے سر کے بل بھاگا اور ایک بڑے شہر میں پہنچا اور اس نے یہ بہتر خیال کیا کہ موچی کی دوکان کھولے اور وہ دوکان کھول کر بیٹھ گیا اور کچھ کام کاج شروع کر دیا تاکہ کچھ کھانا پینا ملے۔ ایک دن وہ کسی ضرورت سے باہر گیا ہوا تھا کہ اس نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی اور پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ بادشاہ شکار کے لیے باہر جا رہا ہے۔ میرا بھائی بھی بادشاہ کی شان و شوکت دیکھنے کے لیے ٹھہر گیا۔ اب بادشاہ کی نظر میرے بھائی کی آنکھ پر پڑی اور اس نے آنکھ نیچی کر لی اور کہنے لگا کہ اللہ' مجھے آج کی برائی سے بچائیو۔ یہ کہہ کر اس نے باگ پھیر دی اور سب غلاموں کو لے کر لوٹ گیا۔ اب اس کے حکم کے مطابق غلاموں نے میرے بھائی کو آلیا اور اتنا سخت مارا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گیا لیکن میرے بھائی کو کچھ نہ معلوم ہوا کہ اس پر کیوں مار پڑی۔ جب وہ نیم جان گھر واپس آ رہا تھا تو اسے راستے میں بادشاہ کا ایک نوکر ملا اور اس نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ نوکر ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور کہنے لگا کہ بھائی' بادشاہ کو اس کی برداشت نہیں کہ اس کی نظر کانے پر پڑے' بالخصوص جب وہ دہنی آنکھ سے کانا ہو تو وہ اسے بے قتل کیے نہیں چھوڑتا۔ جب میرے بھائی نے یہ سنا تو اس شہر سے بھاگ جانے کا تہیہ کیا اور اٹھ کر وہاں سے چل کھڑا ہوا اور ایک دوسری جگہ پہنچا جہاں وہ کسی کو نہ جانتا تھا اور وہاں بہت دنوں رہا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ میرا بھائی اپنے بارے میں پریشان تھا اور دل بہلانے باہر نکلا کہ اتنے میں اس نے اپنے پیچھے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آتی ہوئی سنی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ پھر مقدر نے مجھے آگھیرا اور وہ دیکھنے لگا کہ کہاں جا کر چھپے مگر

اسے کوئی جگہ نظر نہ آئی۔ اب اس کی نظر ایک بند دروازے پر پڑی اور اس نے اسے دھکا دے کر گرا دیا اور اندر گھس گیا اور دیکھا کہ وہاں ایک لمبی غلام گردش ہے اور وہ اس کے اندر داخل ہو گیا۔ ابھی اس کو کسی بات کی خبر نہ تھی کہ دو آدمیوں نے آکر اسے پکڑ لیا اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا کہ تو ہمارے ہتھے چڑھا۔ اے خدا کے دشمن! تین راتوں سے تو نے ہمیں بالکل سونے نہ دیا' نہ چین لینے دیا اور ہمیں مرنے کے قریب پہنچا دیا۔ میرے بھائی نے کہا کہ اے لوگو' بات کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تو ہمارے اوپر چھاپا مارتا ہے اور ہماری فضیحت کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے طرح طرح کی چالیں سوچتا ہے اور مکان کے مالک کا گلا کاٹنا چاہتا ہے۔ کیا یہ کافی نہیں کہ تو نے اور تیرے ساتھیوں نے اسے قلاش کر دیا ہے! بہرحال وہ چھری نکال کر ہمارے حوالے کر جس سے تو ہمیں ہر رات ڈراتا ہے۔ اب انہوں نے تلاشی لی تو انہیں اس کی کمر میں ایک چھری ملی۔

اس نے کہا کہ اے لوگو' میرے بارے میں خدا سے ڈرو اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میری سرگزشت کیا ہے؟ اور اس نے سارا قصہ بیان کر دیا' اس امید پر کہ وہ اسے جانے دیں گے۔ لیکن انہوں نے بھائی کی ایک نہ سنی اور اسے پکڑ کر مارنا شروع کر دیا اور اس کے کپڑے اتار ڈالے۔ اب انہوں نے دیکھا کہ اس کے بدن پر کوڑے کی مار کے نشان ہیں اور اس سے کہنے لگے کہ یہ تو مار کے نشان ہیں اور وہ اسے حاکم کے پاس لے گئے۔ میرا بھائی اپنے دل میں کہتا تھا کہ یہ میرے گناہوں کی سزا ہے اور سوائے خدا کے اور کوئی مجھے نجات نہیں دے سکتا۔ اب حاکم نے میرے بھائی سے کہا کہ اے فاجر' تجھے کس بات نے اس پر آمادہ کیا کہ تو قتل کے ارادے سے ان کے گھر میں گھستا ہے؟ میرے بھائی نے کہا کہ اے حاکم' میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ میری بات سن اور جلدی مت کر۔ حاکم نے جواب دیا کہ ہم اور ڈاکو کی باتیں سنیں' جس نے لوگوں کو غریب بنا دیا ہے اور جس کی پیٹھ پر مار کے نشان ہیں! تو نے کوئی بہت بڑا جرم کیا ہو گا جس کی وجہ سے لوگوں نے تیری یہ گت بنائی

ہے! یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ میرے بھائی کے سو درے لگائے جائیں اور اس کے سو درے لگائے گئے اور ایک اونٹ پر بٹھا کر اسے پھرایا گیا اور لوگ کہتے جاتے تھے کہ یہ اس شخص کی کم از کم سزا ہے جو لوگوں کے گھروں پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ اب حاکم نے اسے شہربدر کرنے کا حکم دیا اور میرے بھائی کا چہرہ فق ہو گیا۔ جب میں نے اس کا حال سنا تو میں نے اس کے پاس جا کر ماجرا پوچھا اور اس نے اپنی ساری سرگزشت بیان کی اور میں اس کے ساتھ ساتھ چکر لگا رہا تھا اور لوگ ڈھنڈورا پیٹتے جاتے تھے۔ اب انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور میں اس کے پاس گیا اور اسے لے کر چپکے سے شہر میں آیا اور اس کے کھانے پینے کا انتظام کر دیا۔

○ نائی کے پانچویں بھائی کی کہانی

میرا پانچواں بھائی دونوں کانوں سے بوچا تھا۔ اے امیرالمومنین' اور فقیر تھا' رات کو لوگوں سے بھیک مانگتا اور دن میں اس پر گزارا کرتا تھا۔ اور ہمارا باپ عمر رسیدہ بوڑھا تھا۔ وہ بیمار ہوا اور مر گیا اور سات سو دینار ہمارے لیے ترکے میں چھوڑے اور ہم میں سے ایک نے ایک ایک سو درہم لے لیے لیکن جب میرے پانچویں بھائیوں کو اس کا حصہ ملا تو وہ حیران ہو گیا اور اس کی سمجھ میں یہ نہ آیا کہ کیا کرنا چاہیے؟ وہ اسی شش و پنج میں تھا کہ اسے خیال ہوا کہ ان داموں سے طرح طرح کے کانچ کے برتن خریدے اور ان سے فائدہ اٹھائے۔ یہ سوچ کر اس نے سو درہم کے کانچ کے برتن خریدے اور انہیں ایک تشت میں رکھ کر ایک جگہ بیٹھ کر بیچنے لگا۔ اس کے پہلو میں ایک دیوار تھی' اس سے وہ تکیہ لگا کر بیٹھ گیا اور اپنے دل میں سوچنے لگا کہ ان کانچ کے برتنوں میں میری پونجی ایک سو درہم کی ہے اور ان کو دو سو درہم میں بیچوں گا۔ پھر میں دو سو درہم کے کانچ کے برتن خریدوں گا اور ان کو چار سو درہم میں بیچوں گا۔ اسی طرح سے میں خریدتا اور بیچتا رہوں گا' یہاں تک کہ میرے پاس بہت سا مال جمع ہو جائے

گا اور میں اس سے ہر طرح کا تجارت کا مال اور جواہرات اور عطر خریدوں گا۔ ان سے بے حد فائدہ اٹھاؤں گا۔ اس کے بعد میں ایک خوبصورت محل خریدوں گا اور غلام اور گھوڑے اور سونے کی کاٹھیاں خریدوں گا۔ اور خوب کھاؤں پیوں گا اور شہر کا کوئی گویا اور ڈومنی نہ ہو گی جس کو میں اپنے یہاں نہ بلاؤں گا اور اگر خدا کو منظور ہے تو میں اپنی پونجی ایک لاکھ درہم تک پہنچا دوں گا۔

وہ اپنے دل میں یہی حساب لگا رہا تھا اور کانچ کے برتنوں کا تشت اس کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ اب وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ جب میرا مال ایک لاکھ درہم ہو جائے گا تو میں شاہزادیوں اور وزیر زادیوں سے نکاح کے لیے کٹنیاں بھیجوں گا اور وزیر کی بیٹی کے پاس شادی کا پیغام بھیجوں گا کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ حسن میں لاجواب اور جمال میں یکتا ہے اور ایک ہزار دینار اس کا مہر مقرر کروں گا۔ اگر اس پر اس کا باپ راضی ہو گیا تو خیر' ورنہ میں اس کی مرضی کے خلاف لڑکی کو جبراً لے آؤں گا اور جب وہ میرے گھر آ چکے گی تو میں اس کے لیے دس ننھے ننھے غلام خریدوں گا اور اپنے لیے بادشاہوں اور سلطانوں کی پوشاکوں میں سے ایک پوشاک خریدوں گا اور ایک سونے کی زین بنوا کر اسے قیمتی جواہرات سے آراستہ کروں گا۔ پھر میں سوار ہوں گا اور میرے اردگرد اور سامنے سفید غلام ہوں گے اور میں شہر کا چکر لگاؤں گا اور لوگ مجھے سلام کریں گے اور دعا دیں گے۔ اب میں اس وزیر کے یہاں پہنچوں گا جو لڑکی کا باپ ہے اور سفید غلام میرے آگے' پیچھے اور دہنے اور بائیں ہوں گے۔ جب وزیر مجھے دیکھے تو کھڑا ہو جائے گا اور مجھے اپنی جگہ بٹھائے گا اور خود نیچے بیٹھ جائے گا کیونکہ وہ میرا سسر ہے۔

میرے ساتھ دو غلام ہوں گے جن کے پاس ہزار دینار کی تھیلیاں ہوں گی اور میں وزیر کو ایک ہزار اس کی لڑکی کے مہر کے دوں گا اور ایک ہزار اس کو تحفہ دوں گا تاکہ اس کو معلوم ہو کہ میں کتنا بامروت اور سخی اور بڑے دل والا ہوں اور دنیا میری نظر میں کتنی حقیر ہے۔ جب وہ مجھ سے دس باتیں کرے گا تو میں دو باتوں کا جواب

دوں گا اور پھر اپنے گھر واپس آ جاؤں گا۔

جب کوئی شخص میری سسرال سے آئے گا تو میں اسے نقد اشرفیاں دوں گا اور خلعت پہناؤں گا اور اگر کوئی ہدیہ لے کر آئے گا تو میں اسے منظور نہ کروں گا اور واپس کر دوں تا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ میں عالی دماغ ہوں اور اپنی شان نہیں چھوڑتا۔ پھر میں نئی شوکت اور دبدبے سے ان کے یہاں جاؤں گا۔ جب یہ سب کچھ ہو چکے گا تو میں انہیں حکم دوں گا کہ شادی کی رات کا انتظام کیا جائے اور میں اپنے گھر کو نمایاں طور پر سجاؤں گا۔ جب منہ دکھائی کا وقت آئے گا تو میں اپنی بہترین پوشاک پہنوں گا اور ریشمی لباس میں تکیہ لگا کر بیٹھوں گا اور داہنے بائیں نہ دیکھوں گا کیونکہ یہ میری عقل کی بڑائی اور سمجھ کی پختگی کی دلیل ہو گی' اور میری بیوی میرے سامنے چاند کی طرح کھڑی ہو گی اور اپنی پوشاک اور زیور پہنے ہو گی اور میں تکبر اور غرور سے اس کی طرف نہ دیکھوں گا۔ یہاں تک کہ سارے حاضرین کہیں گے کہ اے آقا' تیری بیوی اور تیری لونڈی تیرے سامنے کھڑی ہے۔' اس پر مہربانی کر اور ایک نظر ڈال کیونکہ کھڑے کھڑے اس کو تکلیف ہوتی ہیں۔ یہ کہہ کر وہ کئی بار میرے آگے زمین کو بوسہ دیں گے۔ اب میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور ایک نظر اس کو دیکھوں گا اور پھر سر نیچا کر لوں گا۔ اس کے بعد وہ اسے سونے کے کمرے میں لے جائیں گے اور میں اٹھ کر اپنے کپڑے بدلوں گا اور بہترین لباس پہنوں گا۔ جب وہ دلہن کو دوسری بار لائیں گے تو جب تک وہ کئی بار میری خوشامد نہ کر لیں گے' میں اس کی طرف نہ دیکھوں گا' اور ایک بار دیکھ کر پھر آنکھیں نیچی کر لوں گا اور اس کی منہ دکھائی کے ختم ہونے تک یونہی رہوں گا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی ختم کر دی' جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ تینتیسویں رات

جب تینتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ نائی کے بھائی نے کہا کہ پھر میں نظر نیچی کر لوں گا اور اس کی منہ دکھائی کے ختم ہونے تک یونہی

رہوں گا۔ اب میں ایک خادم کو حکم دوں گا کہ وہ ایک تھیلی لائے' جس میں پانچ سو دینار ہوں۔ جب دینار آ جائیں تو میں انہی ڈومنیوں کو حکم دوں گا کہ مجھے دلہن کے پاس لے چلیں۔ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گی تو میں نہ اس کی طرف آنکھ اٹھاؤں گا اور نہ اس سے بات چیت کروں گا تاکہ اس میں حقارت پائی جائے اور لوگ کہیں کہ میں کیسا عالی دماغ آدمی ہوں۔ اب اس کی ماں آئے گی اور میرا سر اور دونوں ہاتھ چوم کر کہے گی کہ اے میرے آقا اپنی لونڈی کو ایک نظر دیکھ اور اس کی دل دہی کر کیونکہ اسے آرزو ہے کہ اسے تیرا قرب حاصل ہو۔ میں اس کا کوئی جواب نہ دوں گا۔ جب وہ یہ دیکھے گی تو اٹھ کر بار بار میرے پاؤں چومے گی اور کہے گی کہ اے آقا' میری بٹی نہایت حسین لڑکی ہے اور ابھی تک کسی مرد پر اس کی نظر نہیں پڑی ہے' اگر وہ تیری یہ سرد مہری دیکھے گی تو اس کی دل شکنی ہو گی' اس کی طرف متوجہ ہو کر اس سے باتیں کر۔ یہ کہہ کر وہ اٹھے گی اور میرے لیے ایک پیالہ لائے گی' جس میں شراب ہو گی اور اس کی بیٹی اس کے ہاتھ سے وہ پیالہ لے لے گی اور اسے میرے پاس لائے گی لیکن میں اسے اپنے سامنے کھڑا رہنے دوں گا اور میں ایک گول زرکش تکیے سے تکیہ لگائے ہوئے ہوں گا اور اپنی بزرگی کی وجہ سے اس کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھوں گا تاکہ وہ سمجھے کہ میں عظیم الشان سلطان ہوں۔ اب وہ مجھ سے کہے گی کہ اے میرے آقا' میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ اپنی لونڈی کے ہاتھ سے پیالے کو رد نہ کر' کیونکہ میں واقعی تیری لونڈی ہوں' مگر میں اس سے بات نہ کروں گا' یہاں تک کہ وہ میری خوشامد کرے گی اور کہے گی کہ تجھے پینا پڑے گا اور پیالہ میرے منہ کی طرف بڑھائے گی اور میں اسے ایک تھپڑ لگاؤں

گا اور اسے اپنے پاؤں سے اس طرح ٹھوکر ماروں گا'
یہ کہہ کر اس نے اپنے پاؤں سے ایک ٹھوکر ماری اور تشت مع کانچ کے برتنوں کے الٹ گیا اور چونکہ وہ اونچی جگہ پر تھا' اس لیے زمین پر گر کر سارے برتن ٹوٹ گئے۔

اب میرا بھائی چلانے لگا اور کہتا جاتا تھا کہ یہ سب میرے غرور کی وجہ سے ہوا۔ اے امیرالمومنین' اب میرے بھائی نے اپنے طمانچے لگانے اورکپڑے پھاڑنے شروع کر دیے۔ وہ روتا جاتا اور طمانچے لگاتا جاتا تھا اور لوگ جو جمعے کی نماز کو جا رہے تھے' بعض اس کو دیکھ کر اس پر ترس کھاتے تھے اور بعض کو اس کا کچھ خیال نہ تھا' اور میرے بھائی کی یہ حالت تھی کہ اس کی پونجی اور فائدہ دونوں ضائع ہو گئے۔ وہ کچھ دیر تک کھڑا رویا کیا کہ اتنے میں ایک حسین عورت وہاں سے گزری' اس کے ساتھ بہت سے خادم تھے اور وہ ایک خچر پر سوار تھی' جس پر سونے کی زین کسی ہوئی تھی اور اس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی اور وہ جمعے کی نماز پڑھنے جا رہی تھی۔ جب اس نے کانچ کے برتن دیکھے اور اور میرے بھائی کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ رو رہا ہے تو اسے اس پر ترس آ گیا اور اس کا دل پسیج گیا اور اس نے حال دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا کہ اس کے پاس کانچ کے برتنوں کا ایک تشت تھا' جس سے وہ اپنی روزی کماتا تھا' وہ ٹوٹ گیا ہے اور اس کی حالت تیرے اوپر ظاہر ہے۔ یہ سن کر اس نے ایک خادم کو بلایا اور کہا کہ جو کچھ تیرے پاس ہے' اس مسکین کو دے دے اور اس نے اسے ایک توڑا حوالے کر دیا' جس میں پانچ سو دینار تھے۔ جب یہ توڑا میرے بھائی کے ہاتھ میں آیا تو وہ مارے خوشی کے مرا جاتا تھا اور اس نے آگے بڑھ کر اسے دعا دی' جب گھر پہنچا تو وہ امیر تھا۔

ابھی وہ بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک بڑھیا کھڑی ہے جس کو وہ پہچانتا نہ تھا۔ اس نے کہا کہ' بیٹا' تو جانتا ہے کہ نماز کا وقت قریب آ گیا ہے اور میں بے وضو کے ہوں اور چاہتی ہوں کہ تیرے گھر میں وضو کروں اس نے کہا کہ بسرو چشم۔ میرا بھائی اندر گیا اور اس

سے کہا کہ آ جا۔
جب وہ اندر آئی تو اس نے اسے وضو کرنے کے لیے ایک لوٹا دیا اور خود الگ جا کر بیٹھ گیا اور دیناروں کے ملنے کی وجہ سے پھولے نہ سماتا تھا۔ اب اس نے وہ دینار اپنے ازار بند میں باندھ لیے۔ جب باندھ چکا اور بڑھیا وضو کر چکی تو وہ اس جگہ آئی جہاں میرا بھائی بیٹھا ہوا تھا اور دو رکعت نماز پڑھی اور میرے بھائی کے لیے دعا مانگی۔
اس نے بڑھیا کا شکریہ ادا کیا اور اپنا ہاتھ دیناروں کی طرف بڑھایا اور دو دینار نکال کر اسے دیے اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ میری طرف سے صدقہ ہے۔ جب بڑھیا نے دینار دیکھے تو کہنے لگی کہ سبحان اللہ جو تجھے چاہتی ہے' اسے تو فقیر سمجھتا ہے! اپنے دینار رہنے دے' مجھے ان کی حاجت نہیں' انہیں اپنے دل سے جدا نہ کر۔ اگر تو چاہتا ہے کہ اس سے ملے' جس نے تجھے دینار دیئے ہیں تو میں تجھے اس سے ملا دوں گی کیونکہ وہ میری مالکہ ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ اس سے ملنے کی ترکیب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے بیٹا' اس کا میلان امیر آدمیوں کی طرف ہے۔ اس لیے اپنے سارے دینار لے کر میرے ساتھ چل تاکہ تیری مراد پوری ہو۔ جب تو اس کے ساتھ ہو جیو تو ہرگز کسی قسم کی ملاطفت اور پیاری پیاری باتوں میں کمی نہ کیجیو کیونکہ اس طرح سے اس کا سارا حسن اور مال تیرا ہو جائے گا۔
میرے بھائی نے اپنا سارا سونا لیا اور اٹھ کر بڑھیا کے ساتھ روانہ ہو گیا اور اسے یقین نہیں آتا تھا۔ جب بڑھیا آگے آگے چلی اور میرا بھائی اس کے پیچھے پیچھے' یہاں تک کہ وہ ایک بڑے دروازے پر پہنچے اور بڑھیا نے دستک دی اور ایک رومی لڑکی نے آکر دروازہ کھولا۔ بڑھیا اندر گئی اور میرے بھائی سے کہا کہ میرے ساتھ آ۔ اب وہ ایک بڑے محل میں داخل ہوئے' جس میں ایک بہت بڑی بیٹھک تھی اور فرش پر عمدہ عمدہ قالین بچھے ہوئے تھے اور پردے پڑے ہوئے تھے۔ میرا بھائی وہاں بیٹھ گیا اور اپنی اشرفیاں سامنے رکھ لیں اور اپنی پگڑی گھٹنوں پر رکھ لی کہ اتنے میں ایک لڑکی آئی جس سے زیادہ حسین کسی کی نظر سے نہ گزری ہو اور وہ زرق برق لباس پہنے ہوئی تھی۔ اسے

دیکھ کر میرا بھائی سروقد کھڑا ہو گیا۔ جب لڑکی نے اسے دیکھا تو وہ مسکرائی اور خوشی کا اظہار کیا اور اشارے سے کہا کہ بیٹھ جا۔ اب اس نے حکم دیا کہ دروازہ بند کر

دیا جائے اور میرے بھائی کے پاس آئی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دونوں ایک تنہا کمرے میں پہنچے جس میں ریشمی فرش بچھے ہوئے تھے۔ وہاں میرا بھائی بیٹھ گیا اور اس کے پہلو میں وہ بھی بیٹھ گئی اور اس سے تھوڑی دیر ہنسی مذاق کرتی رہی۔ اب وہ اٹھی اور کہنے لگی کہ جب تک میں واپس نہ آ جاؤں یہاں سے مت جائیو۔ یہ کہہ کر وہ چل دی اور میرا بھائی اکیلا رہ گیا کہ اتنے میں ایک لمبا چوڑا حبشی غلام اس کمرے میں آیا اور اس کے پاس ایک ننگی تلوار تھی اور میرے بھائی سے کہنے لگا کہ تف ہو تجھ پر! تجھے یہاں کون لایا ہے اور تو کیا کر رہا ہے؟ جب میرے بھائی نے اسے دیکھا تو اسے جواب دینے کی طاقت باقی نہ رہی اور اس کی زبان بند ہو گئی اور منہ سے کوئی بات نہ نکلی۔ اب حبشی نے میرے بھائی کو پکڑ کر اس کے کپڑے اتارے اور اسے تلوار کی سطح سے اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا اور منحوس غلام کو خیال ہوا کہ وہ مر گیا۔

اب میرے بھائی نے اسے کہتے سنا کہ نمک چھڑکنے والی کہاں ہے؟ یہ سن کر ایک لونڈی آئی اور اس کے ہاتھ میں ایک بڑی سینی تھی اور اس میں بہت سا نمک تھا اور غلام، بھائی کے زخموں پر چھڑکنے لگا، مگر وہ جنبش نہ کرتا کہ کہیں غلام کو معلوم نہ ہو جائے کہ وہ زندہ ہے اور وہ اسے قتل کر کے اس کی جان نکال لے۔ اب وہ لونڈی چلی گئی اور غلام نے آواز دی کہ تہہ خانے والی کہاں ہے؟ یہ سن کو وہی بڑھیا آئی اور اسے پاؤں سے پکڑ کر کھینچا اور تہہ خانے میں لے جا کر اسے لاشوں کے ڈھیر پر ڈال دیا۔ وہاں وہ دو روز تک پڑا رہا اور خدا نے نمک کو اس کی زندگی کا سبب بنا دیا کیونکہ اس سے خون رک گیا۔ اب میرے بھائی نے دیکھا کہ اس میں جنبش کرنے کی قوت آ گئی ہے اور اس نے اٹھ کر تہہ خانے کا چور دروازہ کھولا اور ڈرتے ڈرتے

باہر نکلا۔ خدا نے اس کی پردہ پوشی کی اور وہ اندھیرے میں چل نکلا اور صبح تک بیٹھک میں چھپا رہا۔ جب صبح ہوئی تو وہ معلون بڑھیا دوسرے شکار کی تلاش میں نکلی اور میرا بھائی بھی اس کے پیچھے نکل آیا' اور بڑھیا کو اس کا پتہ نہ چلا۔ اب وہ اپنے گھر پہنچ کر علاج کرنے لگا' یہاں تک کہ اچھا ہو گیا۔ لیکن وہ ہر روز دیکھتا تھا کہ بڑھیا لوگوں کو ایک ایک کر کے لے جاتی ہے اور اس مکان میں چھوڑ آتی ہے' اور وہ کچھ نہ کہتا تھا مگر جب اس کی جان میں جان آئی اور قوت پیدا ہوئی تو اس نے ایک چیتھڑا لے کر اس کی تھیلی بنائی اور اس میں کانچ کے ٹکڑے بھر کر اسے اپنی کمر سے باندھ لیا اور بھیس بدل کر نکلا تاکہ اس کو کوئی پہچانے نہیں اور عجمی لباس پہن کر اس میں ایک تلوار چھپا لی۔ جب اسے وہ بڑھیا نظر آئی تو اس نے عجمیوں کے لہجے میں کہا کہ اے بڑھیا' میں پردیسی ہوں اور آج ہی اس شہر میں پہنچا ہوں اور یہاں کسی سے واقف نہیں ہوں۔ تیرے پاس ترازو ہو گا جس میں نو سو دینار آ جائیں؟ اس کے بدلے میں تجھے ان میں سے کچھ دینار دوں گا۔ بڑھیا نے جواب دیا کہ میرا بیٹا صراف ہے اور اس کے پاس ہر قسم کے ترازو ہیں۔ میرے ساتھ چل قبل اس کے کہ وہ مکان سے چلا جائے اور اپنی اشرفیاں تول لے۔

میرے بھائی نے کہا کہ تو آگے آگے چل اور وہ چلی اور میرا بھائی اس کے پیچھے ہو لیا۔ یہاں تک کہ وہ اسی دروازے پر پہنچی اور اسے کھٹکھٹایا اور بعینہ اور وہی لونڈی آئی اور اس نے دروازہ کھولا۔ بڑھیا اس کو دیکھ کر مسکرا دی اور کہنے لگی کہ میں آج تمہارے لیے چربی والا گوشت لائی ہوں۔ لونڈی نے میرے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اسے مکان کے اندر داخل کر لیا اور یہ وہی مکان تھا جس میں وہ پہلے گیا تھا۔ تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھنے کے بعد لڑکی اٹھی اور اس نے کہا کہ جب تک میں واپس نہ آ جاؤں' یہاں سے اٹھیو مت۔ یہ کہہ کر وہ چل دی اور اس کے جاتے ہیں ملعون غلام ننگی تلوار لے کر آدھمکا اور میرے بھائی سے کہنے لگا کہ اے ملعون اٹھ۔ میرا بھائی اٹھا اور

غلام آگے آگے چلا اور میرا بھائی پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اب اس نے اپنا ہاتھ تلوار کی طرف بڑھایا جو اس کے کپڑوں میں پوشیدہ تھے اور غلام پر ایسا وار کیا کہ اس کا سر تن سے جدا ہو گیا اور وہ اسے پاؤں سے کھینچ کر تہہ خانے میں لے گیا اور آواز دی کہ نمک چھڑکنے والی کہاں ہے؟ اب وہ ایک سینی لے کر پہنچی' جس میں نمک تھا اور جب اس نے دیکھا کہ میرا بھائی شمشیر بدست کھڑا ہے تو وہ الٹے پاؤں بھاگی لیکن میرے بھائی نے پیچھے سے ایک ایسی تلوار ماری اور اس کا سر اڑا دیا۔ اب اس نے آواز دی کہ بڑھیا کہاں ہے؟ اور جب وہ آئی تو اس نے کہا کہ اے منحوس بڑھیا' تو مجھے پہچانتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں میرے آقا' اس نے کہا کہ میں وہی درہم والا ہوں جس کے گھر آکر تو نے وضو کیا تھا اور نماز پڑھی تھی اور پھر مجھے یہاں مصیبت میں ڈال گئی تھی۔ بڑھیا نے کہا کہ خدا سے ڈر اور مجھے معاف کر لیکن اس نے اس کی ایک نہ سنی اور تلوار سے اس کے چار ٹکڑے کر ڈالے۔

اب وہ اس لڑکی کی تلاش میں نکلا اور جوں ہی لڑکی کی نظر اس پر پڑی' وہ حواس باختہ ہو گئی اور اس نے امان مانگی اور میرے بھائی نے اسے امان دی اور اس سے پوچھا کہ تو کس طرح اس حبشی کے ہتھے چڑھی؟ اس نے جواب دیا کہ میں ایک سوداگر کی کنیز ہوں اور یہ بڑھیا ہمارے یہاں آیا جایا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ میں اس سے مانوس ہو گئی۔ ایک روز وہ مجھ سے کہنے لگی کہ آج ہمارے یہاں ایک شادی ہے کہ آج تک کسی نے ایسی نہ دیکھی ہو گی اور میں چاہتی ہوں کہ تو اس میں شریک ہو۔ میں نے کہا بسرو چشم۔ یہ کہہ کر اٹھی اور اپنے بہترین کپڑے اور زیور پہنے اور ایک تھیلی میں سو دینار لے کر اس کے ساتھ چل کھڑی ہوئی اور اس مکان میں پہنچی یہاں پہنچتے ہی اس حبشی نے میری عصمت لی اور بڑھیا کی اس چالا کی کی وجہ سے میں تین سال سے یہاں ہوں۔ میرے بھائی نے پوچھا کہ اس کے پاس کچھ مال و دولت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بہت کچھ ہے۔ اگر تو اسے یہاں سے لے جا سکتا ہے تو

لے جا اور خدا سے بھلائی طلب کر۔ اب میرا بھائی اٹھ کر اس کے ساتھ چلا اور اس نے بہت سے صندوق کھول کر دکھائے' جن میں تھیلیاں تھیں۔ یہ دیکھ کر میرا بھائی دنگ ہو گیا اور لڑکی نے اس سے کہا کہ میں یہیں ٹھہرتی ہوں اور تو جا کر لوگوں کو لے آ اور مال کو یہاں سے لے چل۔ میرا بھائی باہر گیا اور دس آدمیوں کو ٹھہرا کر لے آیا۔ لیکن جب وہ دروازے پر پہنچا تو اسے کھلا ہوا پایا اور دیکھا کہ نہ وہاں وہ لڑکی ہے اور نہ ہی تھیلیاں۔ صرف کپڑے اور کچھ اور چھوٹی ہوئی چیزیں پڑی ہوئی ہیں۔

اب اس کی سمجھ میں آیا کہ لڑکی نے اسے دھوکا دیا اور جو کچھ باقی رہ گیا تھا' وہ اس نے اپنے قبضے میں کیا اور کوٹھڑیاں کھول کر ان میں سے سب کچھ نکال لی اا ور گھر کے اندر کچھ نہ چھوڑا اور گھر جا کر مزے سے سو رہا۔

جب سویرا ہوا تو بیس سپاہی اس کے پاس پہنچے اور اسے گرفتار کر کے کہنے لگے کہ شہر کے حاکم نے تجھے بلایا ہے' اور اسے لے چلے۔ میرے بھائی نے ان سے اجازت مانگی کہ وہ ذرا گھر میں ہو آئے۔ لیکن انہوں نے اسے نہ چھوڑا کہ وہ گھر کے اندر داخل ہو۔ اس نے انہیں سارے درہم دینے کا وعدہ کیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور اسے ایک رسی سے خوب جکڑ کر باندھا اور لے کر چلتے ہوئے۔ راستے میں میرے بھائی کا ایک دوست ملا اور اس نے اس کا دامن پکڑ کر اس سے التجا کی کہ ٹھہر جا اور مجھے ان لوگوں کے ہاتھ سے چھڑانے میں مدد کر۔ وہ شخص ٹھہر گیا اور اس نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حاکم کا حکم ہے کہ ہم اس شخص کو گرفتار کر کے اس کے سامنے حاضر کریں اسی لیے ہم اسے لیے جا رہے ہیں۔ میرے بھائی کے دوست نے کہا کہ میں تمہیں پانچ سو دینار دیتا ہوں' تم اسے چھوڑ دو اور حاکم کے پاس جا کر کہہ دینا کہ وہ ہمیں ملا نہیں۔ انہوں نے اس کی بات بھی نہ مانی اور اسے منہ کے بل کھینچتے لیے چلے گئے اور حاکم کے سامنے پیش کر دیا۔

جب والی نے میرے بھائی کو دیکھا تو کہنے لگا کہ یہ کپڑے اور مال تجھے کہاں سے ہاتھ لگے؟ میرے بھائی نے کہا کہ مجھے امان دے تو کہوں۔ حاکم نے امان کا رومال اسے دیا اور اس نے سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ جو اسے بڑھیا کے ساتھ پیش آیا تھا اور نیز یہ کہ لڑکی کس طرح غائب ہو گئی۔ اس کے بعد وہ والی سے کہنے لگا کہ جو چیزیں میں نے لی ہیں ان میں سے جو کچھ تیرا دل چاہے لے لے اور میرے پاس محض اتنا چھوڑ دے کہ میں اس سے اپنی روزی کما سکوں۔ والی نے سارے کپڑے اور تمام مال اس سے لے لیا۔ مگر اس ڈر سے کہ کہیں سلطان کو خبر نہ ہو جائے۔ اس نے میرے بھائی کو بلا کر کہا کہ اس شہر سے نکل جاؤ ورنہ میں تجھے پھانسی پر چڑھا دوں گا۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم اور ایک دوسرے شہر کو روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا اور اس کے کپڑے اتار لیے اور اسے مارا اور اس کے دونوں کان کاٹ ڈالے۔ جب اس کا حال معلوم ہوا تو میں کپڑے لے کر اس کے پاس گیا اور اسے چوری سے شہر میں لے آیا اور اس کے کھانے پینے کے لیے روزینہ مقرر کر دیا۔

○ نائی کے چھٹے بھائی کی کہانی

اے امیرالمومنین' میرا چھٹا بھائی جس کے دونوں ہونٹ کٹے ہوئے تھے' فقیر تھا ایک روز وہ بھیک مانگنے کے لیے نکلا تاکہ وہ بھوک کے مارے مر نہ جائے اور اس نے ایک گلی میں ایک خوبصورت مکان دیکھا جس کی بیٹھک بہت کشادہ اور بلند تھی اور دروازے پر بہت نوکر چاکر تھے اور احکام جاری کیے جا رہے تھے۔ میرے بھائی نے ایک شخص سے پوچھا جو وہاں کھڑا ہوا تھا کہ یہ کس کا مکان ہے؟ اس نے کہا کہ ایک برمکی کا۔ یہ سن کر میرا بھائی دربانوں کے پاس گیا اور ان سے سوال کیا۔ انہوں نے کہا کہ اندر جا' جو جو تو چاہے گا' ہمارا آقا تجھے دے گا۔ اب وہ بیٹھک میں داخل ہوا اور

تھوڑی دیر چلنے کے بعد ایک حویلی دیکھی جو انتہا درجے کی خوشنما اور خوبصورت تھی اور اس کے بیچ میں ایک باغ تھا' ایسا باغ اس نے اپنی زندگی میں کبھی نہ دیکھا تھا۔ حویلی میں مرمر کا فرش تھا اور پردے پڑے ہوئے تھے۔ میرا بھائی یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کدھر جائے۔ آخر کار وہ مکان کے صدر کی طرف بڑھا اور وہاں اس نے ایک شخص کو دیکھا' جس کا چہرہ حسین تھا اور داڑھی بہت خوبصورت تھی۔ جب اس نے میرے بھائی کو دیکھا تو اٹھ کھڑا ہوا اور مرحبا کہا اور اس کی مزاج پرسی کی۔ اس نے جواب دیا کہ میں محتاج ہوں۔ جب اس نے میرے بھائی کو یہ کہتے سنا تو اسے نہایت غم ہوا اور اس نے اپنے کپڑوں کی طرف ہاتھ بڑھائے اور ان کو پھاڑنے لگا اور کہا کہ جس شہر میں' میں ہوں' اس میں تو بھوکا رہے! یہ میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر اس نے اس سے ہر قسم کی مدد کا وعدہ کیا اور کہنے لگا کہ تجھے میرے ساتھ کھانا کھانا ہو گا۔ میرے بھائی نے جواب دیا کہ اے میرے آقا' مجھ میں اب صبر کی طاقت نہیں' میں بے حد بھوکا ہوں۔

اب اس نے غلام کو آواز دی کہ تشت اور لوٹا لا اور کہنے لگا کہ اے میرے مہمان' آگے آ اور اپنے ہاتھ دھو۔ میرا بھائی ہاتھ دھونے کے لیے اٹھا لیکن نہ اسے کوئی تشت نظر آیا نہ لوٹا۔ مگر میزبان اپنے ہاتھ اس طرح ہلا رہا تھا کہ گویا وہ ہاتھ دھو رہا ہے۔ اس کے بعد اس نے آواز دی کہ دستر خوان بچھاؤ لیکن میرے بھائی نے کچھ نہ دیکھا۔ اب اس نے میرے بھائی سے کہا کہ بسم اللہ یہ کھانا کھا اور تکلف مت کر' اور اس نے اپنے ہاتھ اس طرح چلائے کہ گویا وہ کھانا کھا رہا ہے۔ وہ شخص میرے بھائی سے کہتا جاتا تھا کہ کھا اور دیکھ کہ یہ روٹی کیسی سفید اور خوبصورت ہے لیکن میرے بھائی کو کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی۔

اب میرے بھائی نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایسا شخص معلوم ہوتا ہے جو لوگوں کے ساتھ مذاق کرنا پسند کرتا ہے اور اس شخص کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے میرے

آقا' میں نے تمام عمر نہ اس سے زیادہ خوبصورت سفید روٹی دیکھی ہے اور نہ اس سے زیادہ مزیدار کھائی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ روٹی ایک کنیز نے پکائی ہے جس کو میں نے پانچ سو دینار میں خریدا ہے۔ اب اس نے آواز دی کہ اے غلام' ہریسہ لا جو بہترین کھانا ہے' مگر اس میں بہت سا روغن ڈال لائیو' اور میرے بھائی سے کہنے لگا کہ اے میرے مہمان' خدا کی قسم سچ سچ کہہ کہ تو نے اس ہریسے سے بہتر کبھی کھایا ہے؟ تجھے میری جان کی قسم' کھا اور تکلف مت کر۔ پھر اس نے غلام سے کہا کہ سکباج لا جو موٹے بٹیروں کا بنا ہوا ہے' اور میرے بھائی سے کہا کہ آ' اے میرے مہمان اور کھا کیونکہ تو بھوکا ہے اور تجھے اس کی ضرورت ہے' اور وہ اپنے جبڑے چلا رہا اور چباب رہا تھا۔ وہ شخص اس طرح ایک کھانے کے بعد دوسرا منگاتا اور کوئی چیز نہ آتی۔ مگر وہ میرے بھائی سے کہتا کہ کھا۔

اب اس نے پھر غلام کو آواز دی کہ چوزے لا جن کے اندر پستے بھرے ہوئے ہیں اور میرے بھائی سے کہا کہ تیری جان کی قسم اے میرے مہمان' ان چوزوں کو میں نے پستے کھلا کر موٹا کیا ہے' کھا کیونکہ ایسی چیز تو نے کبھی نہیں کھائی ہو گی۔ میرے بھائی نے کہا کہ اے میرے آقا' اس کا کیا کہنا! اب وہ اپنے ہاتھ کو میرے بھائی کے منہ کی طرف اس طرح بڑھانے لگا' گویا کہ وہ اس کے منہ میں لقمہ دے رہا ہے اور وہ تمام کھانوں کا شمار اور ان کی تعریف کرتا جاتا تھا۔ لیکن میرا بھائی بھوکا تھا اور اس کی بھوک بڑھتی جاتی تھی اور اسے تمنا تھی کہ کاش جو کی روٹی ہی مل جائے۔

اب اس نے کہا کہ ان کھانوں کے مسالوں سے بہتر کبھی تو نے دیکھا ہے؟ میرے بھائی نے جواب دیا کہ اے میرے آقا' کبھی نہیں۔ اس نے کہا کہ خوب کھا اور تکلف مت کر۔ میرے بھائی نے کہا کہ اب میرا پیٹ بھر گیا ہے۔ اس پر اس شخص نے آواز دی کہ ان کھانوں کو بڑھاؤ اور شیرینی لاؤ۔ اور میرے بھائی سے کہا کہ یہ کھانا کھا کیونکہ یہ بہت نفیس ہے اور یہ میٹھے ٹکڑے کھا' تجھے میری جان کی قسم' لے اس

میٹھے ٹکڑے کو لے قبل اس کے کہ اس کا شیرہ بہہ جائے۔ میرے بھائی نے کہا کہ اے میرے آقا' خدا تیرا سایہ میرے اوپر رکھے! اور وہ میٹھے ٹکڑوں میں مشک کی زیادتی کے متعلق پوچھنے لگا۔ اس نے جواب دیا کہ میں اسی کا عادی ہوں' میرے لیے ہر میٹھے ٹکڑے میں سے ایک مثقال مشک اور آدھا مثقال عنبر ڈالا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور میرا بھائی سر اور منہ ہلاتا جاتا اور جبڑوں سے کھیلتا جاتا تھا۔
اب اس نے میرے بھائی سے کہا کہ یہ بادام کھا اور تکلف مت کر۔ میرے بھائی نے جواب دیا کہ میں سیر ہو گیا اور اب میں زیادہ نہیں کھا سکتا۔ اس نے کہا کہ اے میرے مہمان' اگر اور کھا سکتا ہے تو کھا اور لطف اٹھا مگر خدا کے لیے بھوکا مت رہ۔ میرے بھائی نے کہا کہ اے میرے آقا' جس نے اتنے قسم قسم کے کھانے کھائے ہوں وہ کیونکر بھوکا رہ سکتا ہے! میرا بھائی سوچنے لگا' اس نے اپنے دل میں کہا کہ اب میں ایسی بات کرتا ہوں کہ وہ ایسی حرکتوں سے توبہ کر لے۔ اب اس شخص نے کہا کہ ہمارے لیے شراب لاؤ اور لوگوں نے اپنے ہاتھ ہوا میں ہلائے یہاں تک کہ گویا وہ شراب لائے اور اس نے میرے بھائی کو پیالہ دے کر کہا کہ اے میرے آقا اس کی خوشبو بہت اچھی ہے لیکن مجھے بیس (۲۰) سالہ پرانی نبیذ پینے کی عادت ہے۔
اس شخص نے جواب دیا کہ میں تجھ سے شرط لگاتا ہوں کہ تو اس کا ایک گھونٹ بھی پی نہیں سکتا۔ میرے بھائی نے جواب دیا کہ اے میرے آقا' تیرا بڑا احسان ہو گا اور اپنے ہاتھوں کو اس طرح جنبش دی کہ گویا وہ پی رہا ہے اور کہا کہ جام صحت! اب مکان کے مالک نے بھی اپنے ہاتھوں کے اشارے سے پی اور ایک دوسرا پیالہ میرے بھائی کو دیا۔ اس نے وہ بھی پی لیا اور ظاہر کیا کہ گویا بدمست ہو گیا ہے۔ اب میرے بھائی نے اس غافل پا کر اس کا ہاتھ اوپر اٹھایا یہاں تک کہ اس کی بغل سفید سفید دکھائی دینے لگی اور اس کی گردن پر اس زور سے تھپڑ مارا کہ سارا مکان گونج اٹھا اور پھر دوسرا تھپڑ لگایا۔
اس شخص نے کہا کہ اے کمینے یہ کیا؟ میرے بھائی نے جواب دیا کہ اے میرے

آقا' میں تیرا غلام ہوں۔ تو نے اس پر مہربانی کی اور اپنے گھر میں آنے دیا اور اسے کھانا کھلایا اور پرانی شراب پلائی اور وہ تیری خدمت میں گستاخ ہو گیا۔ لیکن تو اس بات سے اعلیٰ ہے کہ اس نادانی کا بدلہ لے اور اس کا گناہ معاف کر۔ جب اس نے میرے بھائی کی باتیں سنیں تو بڑے زور زور سے ہنسا اور کہنے لگا کہ میں ایک مدت سے لوگوں کے ساتھ مذاق کرتا ہوں اور اپنے دوستوں کی ہنسی اڑاتا ہوں لیکن سوائے تیرے میں نے کسی میں اتنا استقلال نہ پایا نہ اتنی سمجھ کہ وہ میری بات میں شریک ہو سکے۔ میں نے تجھے معاف کیا اور تجھے میں واقعی اپنا ہم پیالہ و ہم نوالہ بناتا ہوں' تو میرا ساتھ کبھی نہ چھوڑیو۔ اب اس نے وہی طرح طرح کے کھانے منگوائے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے اور اس نے اور میرے بھائی نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ اس کے بعد وہ وہاں سے اٹھ کر مئے نوشی کے کمرے میں گئے اور دیکھا کہ وہاں چاند کی طرح حسین کنیزیں ہیں جو طرح طرح کے باجوں پر طرح طرح کے گیت گا رہی ہیں۔ وہاں ان دونوں نے شراب پینی شروع کی یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ وہ شخص میرے بھائی کے ساتھ بہت مانوس ہو گیا گویا دونوں بھائی بھائی تھے اور آپس میں بے حد محبت ہو گئی اور اس نے میرے بھائی کو خلعت عطا کی۔ دوسرے روز صبح کو پھر وہی کھانا پینا شروع ہوا اور ان کی یہ حالت بیس برس تک رہی۔

اس کے بعد وہ شخص فوت ہو گیا اور سلطان نے اس کا سارا مال اور جو کچھ میرے بھائی کے پاس تھا' ضبط کر لیا اور میرے بھائی سے یہاں تک مطالبہ کیا کہ وہ بالکل فقیر ہو گیا۔ اور اس کے پلے کچھ نہ رہا۔ اب میرا بھائی وہاں سے بھاگا مگر راستے میں بدوؤں نے اس پر حملہ کیا اور پکڑ کر اپنے قبیلے میں لے گئے۔ اور جس شخص نے اسے قید کیا تھا وہ اسے طرح طرح کی تکلیفیں دیتا اور کہتا تھا کہ فدیہ دے کر اپنی جان مجھ سے خرید لے ورنہ میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔ لیکن میرا بھائی رو کر جواب دیتا کہ خدا کی قسم میرے پاس ایک ٹکا بھی نہیں۔ مگر میں تیرا قیدی ہوں' تیرا جو جی چاہے'

میرے ساتھ کر۔ اس پر بدو نے ایک چھری نکال کر میرے بھائی کے دونوں ہونٹ کاٹ ڈالے اور زیادہ سختی سے مطالبہ کرنے لگا۔

اس بدو کی ایک حسین بیوی تھی' اور جب وہ بدو باہر ہوتا تو وہ میرے بھائی کے ساتھ راز و نیاز کرتی مگر وہ اسے روکتا۔ لیکن ایک دن ایسا ہوا کہ وہ میرے بھائی سے راز و نیاز کی باتیں کر رہی تھی اور میرا بھائی اٹھا اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے لگا اور اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اتنے میں اس کا شوہر آ گیا اور اس نے میرے بھائی کو دیکھ کر کہا کہ تف ہو تجھ پر' اے مردود' اب تو میری بیوی کو بھی خراب کرنا چاہتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک چھری نکالی اور میرے بھائی کو خصی کر دیا اور اسے اونٹ پر بٹھا کر ایک پہاڑ کے اوپر چھوڑ آیا۔ اتفاقاً بعض مسافر ادھر سے گزرے اور انہوں نے اسے پہچانا اور اسے کھلایا پلایا اور مجھے اس کی خبر پہنچائی۔ میں وہاں گیا اور اسے سواری پر بٹھا کر شہر میں لے آیا اور ضرورت کے موافق اس کے کھانے پینے کا انتظام کر دیا اور اب اے امیرالمومنین' میں تیری خدمت میں حاضر ہوں اور مجھے ڈر تھا کہ بغیر تجھے خبر کئے کہیں میں واپس نہ چلا جاؤں کیونکہ ایسا کرنا غلطی تھا۔ اب میرے ساتھ چھ بھائی ہیں اور ان کا کھانا پینا میرے ذمے ہے۔

جب امیرالمومنین نے میرا قصہ سنا اور جو کچھ میں نے اپنے بھائیوں کے متعلق کہا تھا' سنا تو وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ اے خاموش تو سچ کہتا ہے کہ تو کم گو ہے اور فضول باتیں نہیں کرتا۔ لیکن اب تو اس شہر سے نکل جا اور کہیں اور جا کر رہ' اور اس نے میرے شہر بدر ہونے کا فرمان جاری کر دیا۔ اب میں ملک ملک اور اقلیم اقلیم پھرتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے اس کی موت اور دوسرے شخص کے خلیفہ ہونے کی خبر ملی اور میں اس شہر میں واپس آیا اور دیکھا کہ میرے سب بھائی فوت ہو چکے ہیں اور میرا اس جوان سے پالا پڑا اور میں نے اس کے ساتھ بہترین سلوک کیا' اور اگر میں بیچ میں نہ پڑتا تو وہ قتل ہو چکا ہوتا۔ وہ میرے اوپر ایسی بات کا الزام رکھتا ہے جو مجھ میں نہیں ہے۔ اے لوگو' جو کچھ میری فضول گوئی کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے'

جھوٹ ہے۔ اسی جوان کی بدولت میں شہر بہ شہر مارا مارا پھرا یہاں تک کہ اس خطے میں پہنچا اور اسے تمہارے پاس دیکھا۔ اے نیک مردو' کیا یہ میری مروت کی دلیل

نہیں ہے؟

اب درزی نے چین کے بادشاہ سے کہا کہ جب ہم نے نائی کا قصہ سنا اور اس کی فضول گوئی کا علم ہوا اور یہ کہ اس نے جوان کے ساتھ کیا ظلم کیا تو ہم نے اسے پکڑ کر قید کر دیا اور آرام سے بیٹھ کر کھایا پیا۔ عصر کی اذان کے وقت دعوت ختم ہوئی تو میں وہاں سے روانہ ہو کر گھر آیا اور دیکھا کہ میری بیوی ناک بھوں چڑھائے بیٹھی ہے۔ مجھے دیکھ کر اس نے کہا کہ تو اپنے دوستوں کے ساتھ مزے اڑاتا ہے اور میں گھر میں غمگین بیٹھی ہوئی ہوں۔ اگر تو میری طبیعت بہلانے باہر نہ لے چلے گا تو میں تجھے چھوڑ دوں گی اور ہماری جدائی کا یہی سبب ہو گا۔ یہ سن کر میں اسے لے کر باہر گیا اور عشاء کے وقت تک سیر تماشے میں مشغول رہا۔ جب ہم لوٹے تو ہمیں یہ کبڑا ملا اور وہ نشے میں چور تھا اور یہ دو اشعار پڑھ رہا تھا:

"جام بھی صاف ہے اور شراب بھی دونوں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ اس لیے بڑی مشکل کا سامنا ہے کیونکہ کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شراب ہی شراب ہے اور پیالہ ندارد اور کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیالہ ہی پیالہ ہے اور شراب ندارد۔"

میں نے اسے دعوت دی اور تلی ہوئی مچھلیاں خرید کر لایا اور ہم سب کھانے بیٹھ گئے۔ میری بیوی نے ایک نوالے میں ایک ٹکڑا مچھلی کا رکھ کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا اور اس کا منہ بند کر دیا اور وہ مر گیا۔ اب میں اسے لاد کر لے گیا اور چالاکی سے اسے اس یہودی طبیب کے گھر ڈال آیا اور یہودی چالاکی سے خانساماں کے گھر اور خانساماں چالاکی سے عیسائی دلال کے راستے میں ڈال آیا۔ یہ ہے میرا کل ماجرا اور کیا یہ کبڑے کے قصے سے زیادہ عجیب نہیں ہے؟

جب چین کے بادشاہ نے یہ قصہ سنا تو مارے خوشی کے وہ سر ہلانے لگا اور تعجب میں

آ کر کہنے لگا کہ جو ماجرا اس جوان اور فضول گو نائی کے درمیان پیش آیا ہے وہ اس جھوٹے کبڑے سے زیادہ اچھا اور دل خوش کن ہے۔ یہ کہہ کر بادشاہ نے اپنے چند حاجیوں کو حکم دیا کہ اس درزی کے ساتھ جاؤ اور نائی کو قید خانے سے نکال کر میری خدمت میں حاضر کرو' کیونکہ میں اس کی باتیں سننا چاہتا ہوں اور یہ تم سب کی نجات کا باعث ہو گا' اور ہم اس کبڑے کو دفن کرا دیں گے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

چونتیسویں رات

جب چونتیسو یں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ چین

کے بادشاہ نے کہا کہ نائی کو میرے پاس لاؤ' اس کی وجہ سے تم سب کو نجات ملے گی اور ہم اس کبڑے کو دفن کرا دیں گے کیونکہ وہ کل سے مردہ پڑا ہے اور اس کی قبر بنوا دیں گے۔ حاجب اور درزی فوراً قید خانے گئے اور وہاں سے نائی کو نکال کر لے چلے اور بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے۔ جب بادشاہ نے اسے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ بہت بوڑھا ہے اور نوے برس سے زیادہ اس کی عمر ہو گی' اس کا چہرہ سیاہ اور داڑھی اور بھویں سفید ہیں' کان کٹے ہوئے' ناک لمبی اور چہرے سے حماقت ٹپک رہی ہے۔ اسے دیکھ کر بادشاہ ہنس پڑا اور اس سے کہنے لگا کہ اے خاموش' میں چاہتا ہوں کہ تو اپنا قصہ مجھ سے بھی بیان کرے۔ نائی نے کہا کہ جہاں پناہ' لیکن اس عیسائی اور یہودی اور اس مسلمان اور اس مردہ کبڑے کا' جو تم لوگوں کے درمیان ہے' کیا قصہ ہے؟ اور ان سب کے جمع ہونے کے کیا معنی ہیں؟ چین کے بادشاہ نے کہا کہ تو پوچھ کر کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ میں ان کا حال اس لیے پوچھتا ہوں تاکہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں فضول گو نہیں ہوں اور جو لوگ مجھ پر باتونی ہونے کا الزام لگاتے ہیں' میں اس سے بری ہوں اور میں وہ شخص ہوں جسے لوگ خاموش کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور میں واقعی اسم باسمکی ہوں۔

بادشاہ نے کہا کہ اس کبڑے کا قصہ اس نائی سے بیان کر دو اور یہ کہ اس کے ساتھ عشاء کے وقت کیا پیش آیا اور عیسائی اور یہودی اور خانساماں اور درزی نے کیا واردات بیان کی۔ دہرانے میں کوئی فائدہ نہیں۔ اب نائی نے اپنا سر ہلایا اور کہا کہ واللہ یہ ایک اعجوبہ بات ہے۔ اس کبڑے کا منہ کھولو۔ انہوں نے اس کا منہ کھولا اور نائی اس

کے سر کے پاس بیٹھ گیا اور پھر اس کے سر کو اپنی گود میں لے کر اس کا منہ دیکھنے لگا اور اتنا ہنسا کہ ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور کہنے لگا کہ یوں تو ہر موت عجیب چیز ہے لیکن اس کبڑے کی موت اس قابل نہیں کہ سونے کے پانی سے لکھی جائے۔ نائی کے اس کہنے پر لوگوں کو سخت حیرانی ہوئی اور بادشاہ اس کی بات سن کر دنگ رہ گیا اور کہنے لگا کہ اے خاموش' آخر یہ کیا بات ہے' کہہ تو سہی۔ نائی نے کہا کہ جہاں پناہ' تیری نعمتوں کی قسم اس جھوٹے کبڑے میں ابھی جان باقی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے کمر میں سے کسوت نکالی اور اسے کھول کر اس میں سے ایک سرمے دانی نکالی' جس میں تیل تھا اور اس تیل سے اس نے کبڑے کے گلے اور گلے کے رگ پٹھوں کی مالش کی اور ایک لوہے کی چمٹی نکال کر اس کے حلق میں ڈالی اور ایک ٹکڑا مچھلی کا کانٹے سمیت نکال لیا۔ جب وہ نکالا تو وہ خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ اب کبڑے نے چھینک لی اور کود کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا اور اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگا کہ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھدان محمد رسول اللہ۔ بادشاہ اور حاضرین یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے اور بادشاہ ہنستے ہنستے بے ہوش ہو گیا اور تمام حاضرین کا بھی یہی حال تھا۔

اب بادشاہ نے کہا کہ واللہ یہ قصہ عجیب و غریب ہے اور اس سے بڑھ کر تمام عمر میں کبھی نہ دیکھا۔ پھر اس نے کہا کہ اے مسلمانو! اے فوج والو! کیا تم نے اپنی زندگی میں کبھی یہ دیکھا ہے کہ کوئی شخص مر کر زندہ ہو جائے! اگر کبڑے کو یہ نائی نہ ملتا' اور وہی تو اس کی زندگی کا سبب ہے' تو وہ مر گیا ہوتا۔ سب نے کہا کہ یہ واقعی ایک اعجوبہ ہے۔

اب چین کے بادشاہ نے حکم دیا کہ اس قصے کو قلم بند کر لیا جائے اور انہوں نے قلمبند کر کے اسے بادشاہ کے دفتر میں رکھ دیا۔ بادشاہ نے یہودی اور عیسائی اور خانساماں الغرض ہر ایک کو ایک ایک نفیس خلعت عطا کر کے ان کو رخصت کیا اور وہ رخصت ہوئے۔

اب بادشاہ درزی کی طرف مخاطب ہوا اور اسے ایک نہایت عمدہ خلعت عطا کی اور اسے اپنے خاص درزی کا عہدہ دیا اور اس کا روزینہ مقرر کر دیا' اور اس کے اور کبڑے

کے درمیان صلح کرا دی اور کبڑے کو ایک بیش قیمت اور خوبصورت خلعت عطا کی اور اس کا بھی روزینہ مقرر کر کے اسے اپنا ہم پیالہ و ہم نوالہ بنایا اور نائی کو بھی انعام اور ایک خلعت دے کر اس کا روزینہ مقرر کر دیا اور اسے اپنا ہم پیالہ و ہم نوالہ اور شاہی نائی بنایا۔ اس طرح وہ سب نہایت عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگے یہاں تک کہ انہیں موت نے آ لیا جو تمام لذتوں کو زائل کرنے والی اور تمام صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی ہے۔ لیکن یہ دو وزیروں اور انیس الجلیس کی کہانی سے زیادہ عجیب و غریب نہیں ہے۔ بہن نے کہا کہ وہ کیا؟

○ دو وزیروں اور انیس الجلیس کی کہانی

اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ بصرے میں ایک بادشاہ تھا' جسے فقیروں اور غریبوں سے بڑی محبت تھی اور رعایا کو بہت عزیز رکھتا اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا' اسے مال و دولت دیتا۔ اس کا نام محمد بن سلیمان الزینی تھا۔ اس کے دو وزیر تھے' ایک کا نام معین بن ساویٰ تھا اور دوسرے کا فضل بن خاقان' فضل بن خاقان اپنے زمانے کا سب سے زیادہ سخی آدمی تھا اور اس کی سیرت بڑی اچھی تھی اور تمام لوگ اس سے محبت کرتے اور اس سے مشورہ لیتے اور سب اس کو عمر کی زیادتی کی دعا دیتے کیونکہ وہ سرتاپا نیکی تھا اور برے وقت میں آڑے آتا تھا۔ لیکن معین بن ساویٰ لوگوں سے نفرت کرتا تھا اور نیکی سے دور بھاگتا تھا اور سرتاپا بدی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ لوگ جتنا فضل بن خاقان کو چاہتے تھے' اتنا ہی معین بن ساویٰ سے نفرت کرتے تھے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ بادشاہ محمد بن سلیمان الزینی اپنی حکومت کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور ملک کے اراکین اس کے اردگرد جمع تھے کہ اتنے میں اس نے اپنے وزیر فضل

بن خاقان کو آواز دی اور اس سے کہا کہ مجھے ایسی لڑکی کی ضرورت ہے' جس سے زیادہ حسین دنیا بھر میں نہ ہو اور جو کمال خوبصورت ہو اور اعتدال میں یکتا ہو اور عادات و اطوار کی اچھی ہو۔

اراکین نے کہا کہ ایسی لڑکی دس ہزار دینار سے کم میں نہیں مل سکتی۔ یہ سن کر بادشاہ نے خزانچی کو بلایا اور کہا کہ دس ہزار دینار فضل بن خاقان کے گھر پہنچا دیئے جائیں۔ خزانچی نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی۔ سلطان کے حکم کے بموجب وزیر ہر روز بازار جاتا اور دلالوں کے تنبیہہ تھی جس کنیز کے دام ہزار دینار سے زائد ہوں وہ بغیر وزیر کے سامنے پیش کئے بیچی نہ جائے۔ اس لیے دلال ایسی کنیز کو بغیر اس کے سامنے پیش کئے نہ بیچتے۔ مگر جتنی کنیزیں ان کے ہاتھ لگیں وہ وزیر کو پسند نہ آتیں۔ ایک روز دلال وزیر فضل بن کاقان کے گھر آیا اور دیکھا کہ وہ بادشاہ کے محل کو جانے کے لیے پا برکاب ہے۔ اس نے وزیر کی رکاب کھٹکھٹائی اور کہا کہ اے میرے آقا' جس کے لیے شاہی فرمان جاری ہوا ہے کہ اس کی تلاش کی جائے۔ وہ حاضر ہے۔ وزیر نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ یہ سن کر دلال چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک لڑکی کو لے کر واپس آیا جو سروقد تھی اور جس کا سینہ ابھرا ہوا تھا اور آنکھیں کالی کالی تھیں اور رخسار نرم اور چکنے تھے اور کمر پتلی تھی اور کولہے بھاری تھے اور پوشاک بہترین تھی اور لعاب شربت سے زیادہ شیریں تھا اور قد جھکی ہوئی ٹہنیوں سے زیادہ معتدل تھا اور آواز صبح کی نسیم سے زیادہ نرم۔

جب وزیر نے اسے دیکھا تو اسے وہ بہت پسند آئی اور اس نے دلال سے پوچھا کہ اس کی قیمت کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اس کی قیمت دس ہزار دینار لگ رہی ہے۔ لیکن اس کا مالک قسم کھا کر کہتا ہے کہ جو چوزے اس نے کھائے ہیں اور جو شراب اس نے پی ہے اور جو خلعتیں اس نے اپنے استادوں کو دی ہیں محض ان کی قیمت دس ہزار دینار سے زیادہ ہے کیونکہ اس نے خوشنویسی اور نحو اور لغت اور تفسیر اور

فقہ اور دینیات اور طب اور نجوم اور باجے بجانے کی تعلیم پائی ہے۔ وزیر نے کہا کہ اس کے مالک کو میرے پاس لا اور دلال نے اسے فوراً حاضر کر دیا۔ وہ ایک ایرانی تھا جس کے ساتھ زمانے نے لڑ لڑ کر اس کا بہت کم حصہ باقی چھوڑا تھا۔ وزیر نے کہا کہ کیا تو اس بات پر راضی ہے کہ اس لڑکی کے عوض سلطان محمد بن سلیمان الزینی سے دس ہزار دینار قبول کرے؟ ایرانی نے کہا کہ میں اسے بلامعاوضہ سلطان کی خدمت میں پیش کرتا ہوں' یہ میرا فرض ہے۔ اب وزیر نے دینار لانے کا حکم دیا اور جب دینار آئے تو اس نے تول کر عجمی کو دے دیے۔ اب دلال آگے بڑھا اور وزیر سے کہنے لگا کہ اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں۔ وزیر نے کہا کہ کہہ۔ اس نے کہا کہ میری رائے میں اس لڑکی کو آج بادشاہ کے پاس نہ لے جا کیونکہ وہ ابھی سفر سے آئی ہے اور آب و ہوا بدلی ہے اور وہ سفر کی وجہ سے تھکی ہوئی ہے۔ دس دن تو اسے اپنے محل میں رکھ اور جب اس کی حالت درست ہو جائے تو اسے حمام بھیجیو اور بہترین پوشاک پہنا کر سلطان کے پاس لے جائیو۔ اس میں تیرے لیے بہبودی ہے۔ دلال کی بات پر وزیر نے غور کیا تو اسے مناسب معلوم ہوئی اور وہ لڑکی کو محل میں لے آیا اور اس کا ایک زنانہ حصہ اس کے لیے خالی کرایا اور اس کے لیے کھانا اور شراب وغیرہ جس جس چیز کی اسے ضرورت تھی' مہیا کی اور وہ ایک مدت تک اس حال میں رہی۔

وزیر فضل بن خاقان کا ایک بیٹا تھا جو چودھویں رات کے چاند کی طرح خوبصورت تھا' اس کا چہرہ حسین تھا اور رخسار سرخ اور اس پر عنبر کے نقطے کی طرح ایک تل تھا اور وہ سبزہ آغاز تھا۔ اس لڑکے کو اس لڑکی کا ماجرا معلوم نہ تھا کیونکہ اس کے باپ نے لڑکی سے کہا تھا کہ بیٹی میں نے تجھے محض بادشاہ محمد بن سلیمان الزینی کی ہم بستری کے لیے خریدا ہے لیکن میرا ایک لڑکا ہے' جس نے محلے کی کسی لڑکی کو نہیں چھوڑا۔ اس سے خبردار رہیو اور اسے اپنا چہرہ دکھانے اور اپنی آواز سنانے سے پرہیز کیجیو۔ لڑکی نے جواب دیا کہ بسرو چشم۔ یہ کہہ کر وہ اس کے پاس سے چلا گیا۔

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ وہ لڑکی محل کے حمام میں گئی اور کنیزوں نے اسے غسل دیا اور اس نے نفیس کپڑے پہنے' جس سے اس کا حسن و جمال دوبالا ہو گیا اور وہ وزیر کی بیوی کے پاس آئی اور اس کے ہاتھ چومے۔ نعیم نے اس سے کہا کہ اے انیس الجلیس یہ حمام کیسا خوبصورت ہے! اس نے جواب دیا کہ اے میری آقا' وہاں سوائے تیری موجودگی کے اور کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ اب مالکہ نے کنیزوں سے کہا کہ ہمیں بھی حمام میں لے چلو۔ انہوں نے کہا کہ بسرو چشم' اور اس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئیں اور چلتے چلتے اس نے اس کمرے کے دروازے پر جہاں انیس الجلیس تھی' دو چھوٹی کنیزیں مقرر کر کے ان سے کہہ دیا تھا کہ کوئی شخص لڑکی کے پاس جانے نہ پائے اور انہوں نے جواب دیا کہ بسرو چشم۔ اسی اثنا میں انیس الجلیس کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی' نور الدین علی' جو وزیر کا بیٹا تھا' اندر آیا اور پوچھا کہ ماں اور دوسرے لوگ کہاں ہیں؟ دونوں کنیزوں نے جواب دیا کہ حمام گئی ہیں۔ اب انیس الجلیس نے کمرے کے اندر سے نور الدین علی وزیر کے بیٹے کی باتیں سنیں اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ دیکھوں تو سہی آخر یہ کس شان کا لڑکا ہے' جس کے بارے میں وزیر نے مجھ سے کہا ہے کہ محلے کی کوئی لڑکی اس سے چھوٹی نہیں۔

واللہ میرا جی چاہتا ہے کہ اسے ایک نظر دیکھوں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھی اور ابھی تک حمام کا اثر اس پر باقی تھا' اور کمرے کے دروازے کی طرف بڑھی اور نور الدین علی کو دیکھا کہ وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے اور دیکھتے ہی ہزاروں ارمان اس کے دل میں امنڈنے لگے اور اس نے دیکھا کہ لڑکے کی توجہ بھی اس کی طرف ہے۔

اب لڑکے نے اسے ایک نظر دیکھا جس سے ہزاروں حسرتوں کا پتہ چلتا تھا اور دنوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو گئے۔ لڑکا دونوں کنیزوں کی طرف بڑھا اور انہیں ڈانٹا اور وہ بھاگ کر دور جا کھڑی ہوئیں اور دیکھنے لگیں کہ وہ کیا کرتا ہے اور دیکھا کہ وہ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا اور اسے کھول کر لڑکی کے پاس گیا اور

کہنے لگا کہ کیا تو ہی وہ کنیز ہے جسے میرے باپ نے میرے لیے خریدا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ یہ سن کر لڑکا اس کی طرف بڑھا اور نشے میں تو تھا ہی۔ اس سے لپٹ گیا۔

جب دونوں کنیزوں نے یہ دیکھا کہ ان کا چھوٹا آقا انیس الجلیس کے ساتھ مشغول ہے تو وہ چیخنے چلانے لگیں۔ لیکن اتنے میں لڑکا اپنا کام کر چکا تھا اور وہ نکلا اور اپنی جان بچا کر بھاگا اور اپنے فعل کی سزا کے ڈر سے چلتا ہوا۔ جب مالکہ نے دونوں کنیزوں کو چلاتے سنا اور حمام سے نکل آئی اور پسینہ ٹپک رہا تھا اور کہنے لگی کہ گھر کے اندر یہ شور و غل کیسا؟ جب وہ ان دونوں کنیزوں کے پاس پہنچی جن کو وہ کمرے کے دروازے پر کھڑا کر کے گئی تھی تو اس نے ان سے کہا کہ مردودو' کیا ہوا؟ جب انہوں نے اسے دیکھا تو کہا کہ ہمارا آقا نور الدین ہمارے پاس آیا تھا اور اس نے ہمیں مارا اور ہم وہاں سے بھاگ آئے اور اس کے بعد وہ انیس الجلیس کے پاس گیا اور اسے گلے لگایا۔ اس کے بعد اس نے کیا کیا' ہمیں نہیں معلوم۔ جب ہم نے تجھے پکارا تو وہ بھاگ گیا۔

اب مالکہ انیس الجلیس کے پاس گئی اور اس سے ماجرا پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ میری آقا' میں بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک خوبصورت لڑکا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تو وہی کنیز ہے' جسے میرے باپ نے میرے لیے خریدا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ اے میری آقا' خدا کی قسم مجھے یقین تھا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ اس کے بعد وہ میرے پاس آیا اور اس نے مجھے گلے لگایا۔ مالکہ نے پوچھا کہ علاوہ یہ بات کرنے کے' اس نے تیرے ساتھ اور بھی کچھ کیا؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں' اس نے میرے تین بوسے لیے۔ مالکہ نے کہا کہ بغیر انزال ہوئے اس نے تجھے نہیں چھوڑا ہے۔ یہ کہہ کہ وہ رونے اور منہ پیٹنے لگی اور ساری کنیزیں بھی یہی کرنے لگیں۔ اس ڈر سے کہ نور الدین کا باپ کہیں اس کی گردن نہ اڑا دے۔ اتنے میں وزیر بھی آ پہنچا اور کہنے لگا کہ کیا ماجرا ہے؟ اس کی بیوی نے کہا کہ پہلے حلف اٹھاؤ کہ جو کچھ

میں کہوں گی' اسے تو ٹھنڈے دل سے سن لے گا۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ اب اس نے بیٹے کی ساری حرکت اس سے کہہ دی۔ یہ سن کر وہ بہت غمزدہ ہوا اور اپنے کپڑے پھاڑنے اور اپنا منہ پیٹنے اور اپنی داڑھی نوچنے لگا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ اپنی جان نہ مار' میں اس کنیز کی قیمت جو دس ہزار دینار ہے' اپنے مال میں سے تجھے دوں گی۔ یہ سن کر اس نے اپنا سر اٹھایا اور اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ تو سمجھتی نہیں' مجھے اس کی قیمت کی ضرورت نہیں' بلکہ مجھے یہ ڈر ہے کہ میری جان اور میرا مال دونوں ضائع نہ ہو جائیں۔

بیوی نے کہا کہ اے میرے آقا' یہ کس طرح؟ اس نے جواب دیا کہ تجھے معلوم نہیں کہ ہمارے پیچھے ایک دشمن لگا ہوا ہے جس کا نام معین بن ساوی ہے؟ اگر اس کو اس بات کی خبر ہو گئی تو وہ فوراً سلطان کے پاس پہنچے گا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پینتیس ویں رات

جب پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ وزیر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے معلوم نہیں کہ ہمارے پیچھے ایک دشمن لگا ہوا ہے' جس کا نام معین بن ساوی ہے' اگر اسے اس بات کی خبر ہو گئی تو وہ فوراً سلطان کے پاس پہنچے گا اور اس سے کہے گا کہ جس وزیر کے بارے میں تیرا یہ خیال ہے کہ وہ تجھ سے محبت کرتا ہے اس نے تجھ سے دس ہزار دینار لے کر ایک کنیز خریدی' جس کی نظیر دنیا میں نہیں' اور جب وہ اسے پسند آئی تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تو اسے لے لے کیونکہ سلطان سے زیادہ تو اس کا مستحق ہے' اور اس نے اسے لے لیا اور اس کی بکارت زائل کی اور اب وہ اس کی کنیز ہے۔ بادشاہ کہے گا کہ تو جھوٹا ہے۔ وہ جواب دے گا کہ اگر حکم ہو تو ابھی اس کے گھر پر چھاپا مار کر اسے لے آؤں۔ سلطان اس کو اس بات کی اجازت دے دے گا اور وہ ہمارے گھر پر حملہ کر کے کنیز کو لے جا کر سلطان کے سامنے پیش کر دے گا۔ اور وہ کنیز سے پوچھے گا اور اسے مکرتے بن نہ پڑے گی۔ اس پر وزیر سلطان سے کہے گا کہ اے میرے آقا' تو جانتا ہے کہ میں تجھے ٹھیک مشورہ دیتا ہوں لیکن تیرے دل میں میری قدر نہیں۔ یہ سن کر سلطان مجھے سزا دے گا اور میری جان لے لے گا اور لوگ مجھ پر خوشیاں منائیں گے۔ اس کی بیوی نے کہا کہ یہ بات خفیہ طور پر ہوئی ہے' اس کی خبر کسی کو مت کر اور اس معاملے کو خدا کے سپرد کر۔ یہ سن کر وزیر کے دل کو اطمینان ہوا۔

یہ تو وزیر کا قصہ ہوا۔ اب نور الدین علی کا ماجرا سنیئے۔ وہ ڈرا کہ اسے اس کی بدکاری کی سزا ملے گی۔ اس لیے وہ دن بھر باغوں میں سرگشتی کرتی اور رات کو آ کر اپنی ماں کے پاس سو رہتا اور صبح کو اٹھ کر پھر باغ میں چلا جاتا۔ اس طرح ایک مہینہ گزر

گیا اور اس نے باپ کو اپنی صورت نہ دکھائی۔ ایک روز اس کی ماں اس کے باپ سے کہنے لگی کہ اے میرے آقا کیا تو چاہتا ہے کہ ہم اس لڑکی اور اپنے لڑکے دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں کیونکہ اگر یہی لیل و نہار رہے تو وہ ہمارے یہاں سے چلتا ہو گا۔

اس نے کہا کہ تو پھر کیا کرنا چاہیے؟ بیوی نے جواب دیا کہ آج رات جاگتا رہ اور جب وہ آئے، اسے پکڑ لے اور باہم صلح کر کے اس کو وہ لڑکی حوالے کر دے کیونکہ لڑکی کو اس سے محبت ہے اور اس کو لڑکی سے، اور اس کے دام میں تجھے دے دوں گا۔

وزیر نے رات تک انتظار کیا اور جب اس کا لڑکا آیا تو اس نے اسے پکڑ لیااور چاہا کہ اسے ذبح کر ڈالے۔ ماں دوڑی ہوئی آئی اور پوچھا کہ تو کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اسے ذبح کر ڈالوں گا۔ بیٹے نے باپ سے کہا کہ کیا تو یہ ٹھنڈے دل سے کر سکتا ہے؟ یہ سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور اس نے کہا کہ بیٹا، میرے جان و مال کا جانا تو نے کس طرح ٹھنڈے دل سے گوارا کر لیا! لڑکے نے کہا کہ ابا! شاعر کا قول سن:

"مجھے معاف کر کیونکہ عقلمند لوگ ہمیشہ مجرموں کو معاف کرتے ہیں جو تیرا دشمن پست ترین درجے میں ہے، وہ تجھ سے ضرور معافی کا خواستگار ہو گا کیونکہ تیرا درجہ بہت بلند ہے۔"

یہ سن کر وزیر اپنے بیٹے کے سینے پر سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ بیٹا، میں نے تجھے معاف کیا کیونکہ اس کا دل پسیج گیا تھا۔ لڑکا اٹھا اور اس نے اپنے باپ کے ہاتھ چومے۔ باپ نے کہا کہ بیٹا، اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تو انیس الجلیس کے ساتھ انصاف سے پیش آئے گا تو میں اسے بھی تیرے حوالے کر دوں۔ لڑکے نے جواب دیا کہ ابا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس کے ساتھ انصاف نہ کروں! باپ نے کہا کہ میں تجھے مشورہ دیتا ہوں کہ تو اس کے اوپر دوسری شادی نہ کریو اور اسے تکلیف نہ پہنچائیو اور اسے مت بیچنو۔ اس نے جواب دیا کہ ابا، میں تیرے سامنے حلف اٹھانے کو تیار ہوں کہ میں نہ اس کے اوپر دوسری شادی کروں گا اور نہ اسے بیچوں گا۔ یہ

کہہ کر اس نے حلف اٹھایا اور لڑکی کے ساتھ ہم بستر ہوا اور ایک سال تک اس کے ساتھ رہا اور خدا کا کرنا یہ ہوا کہ سلطان کے دماغ سے لڑکی کا قصہ بالکل اتر گیا۔

معین بن ساوئ کا قصہ یہ ہے کہ اس کو اس واقعے کی خبر تو ہوئی لیکن اس ڈر سے کہ سلطان وزیر کی بڑی قدر کرتا ہے اس کی یہ ہمت نہ پڑی کہ سلطان کے سامنے زبان کھولے۔ ایک سال کے بعد وزیر فضل الدین بن خاقان ایک روز حمام کر کے باہر نکلا اور چونکہ وہ پسینے پسینے ہو رہا تھا' اسے ہوا لگ گئی اور وہ بستر پر لیٹ گیا۔ اب اس کی بیماری بڑھتی گئی اور کمزوری جاری رہی۔ اس حالت میں اس نے اپنے بیٹے نور الدین علی کو اپنے پاس بلایا اور جب وہ آیا تو اس نے کہا کہ بیٹا' تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ روزی قسمت سے ہے اور موت لابدی ہے اور ہر ایک کو ایک نہ ایک دن موت کا جام پینا ہی پڑتا ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ سوائے اس کے اور کوئی نصیحت میں تجھے نہیں کرتا ہوں کہ خدا سے ڈریو اور عاقبت کا خیال رکھیو اور انیس الجلیس کا خیال رکھیو لڑکے نے کہا کہ ابا' تیری نظیر موجود نہیں' سب لوگ جانتے ہیں کہ تو ہمیشہ ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔ اور وہ منبروں پر تیرے لیے دعا مانگتے ہیں۔ اس نے کہا کہ بیٹا' میں یہ چاہتا ہوں کہ خدا اسے قبول کرے۔ یہ کہہ کر اس نے دونوں شہادتیں پڑھیں اور نیک بندوں کے ساتھ جا کر مل گیا۔ اب محل میں رونا پیٹنا مچ گیا اور سلطان کو خبر پہنچی۔ جب شہر والوں کو فضل بن خاقان کی موت کا حال معلوم ہوا تو مکتب کے بچوں تک نے گریہ و زاری کی۔ اس کے بیٹے نور الدین نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور اس میں تمام امرا اور وزرا اور حکام اور شہر والے شامل ہوئے اور شامل ہونے والوں میں وزیر معین بن ساوئ بھی تھا۔

جب لوگ اسے دفن کر چکے اور اہل و عیال اور دوست احباب واپس گئے تو نور الدین بھی گھر لوٹا اور روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ اس کے بعد وہ ایک مدت تک اپنے باپ کی یاد میں ملول و غمگین رہا۔ ایک دن جب وہ اپنے باپ کے گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ نور الدین نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ اس

کے باپ کا ایک دوست اور ہم پیالہ و ہم نوالہ ہے۔ اس نے اندر آکر نور الدین کو بوسہ دیا اور کہا کہ جس شخص نے تجھ جیسا بیٹا چھوڑا ہو' اسے مردہ نہ کہنا چاہیے اور آخر کار پہلوں اور پچھلوں کے راہبر رسول اللہ کو بھی اسی راستے پر چلنا پڑا ہے۔ اے میرے آقا' اپنے دل کو سنبھال اور رنج و غم کو دور کر۔ یہ سن کر نور الدین بیٹھک کے کمرے میں گیا اور تمام ضروریات کی چیزیں وہاں منتقل کیں اور اس کے یار دوست جمع ہوئے اور اس نے اپنے ساتھ کنیز کو بھی شامل کیا اور دس سوداگر زادے اس کے پاس آئے اور ان سب نے کھانا کھایا اور شراب پی۔ اب روز دعوتیں ہونے لگیں اور اس نے بخشش و انعام و اکرام جاری کر دیا۔ یہ دیکھ کر ایک دن اس کا وکیل اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا نور الدین' کیا تو نے یہ مثل نہیں سنی کہ جو شخص خرچ کرتا چلا جاتا ہے اور حساب نہیں کرتا وہ ایک دن فقیر ہو جاتا ہے اور اس کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی۔ پھر اس نے کہا کہ اے میرے آقا' اسراف اور بڑی بخششوں کی وجہ سے مال ضائع ہو جاتا ہے۔ جب نور الدین نے اپنی وکیل کو یہ کہتے سنا تو اس کی طرف نظر اٹھائی اور کہنے لگا کہ جو کچھ تو نے کہا اس کا ایک لفظ بھی میں نے نہیں سنا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اے وکیل' اگر تیرے پاس میرے ناشتے کے لیے دام موجود ہیں تو رات کے کھانے کے بارے میں میرے کان مت کھا۔ یہ سن کر وکیل وہاں سے چل دیا اور نور الدین علی اپنے عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔

اب اس کی یہ حالت ہو گئی کہ اگر اس کے ندیموں میں سے کہتا کہ یہ چیز اچھی ہے تو وہ کہتا کہ یہ تیرے نذر ہے' اور اگر دوسرا کہتا کہ فلاں مکان خوبصورت ہے تو وہ کہتا کہ یہ تیرے نذر ہے۔ نور الدین ان کے لیے صبح کو ایک دعوت کرتا اور شام کو دوسری یہاں تک کہ ایک سال گزر گیا۔ سال کے بعد ایک روز بیٹھا ہوا تھا کہ کنیز انیس الجلیس آئی اور یہ اشعار پڑھنے لگی:

"اگر زمانہ تیرے ساتھ نیکی کرتا ہے تو تو سمجھتا ہے کہ وہ اچھا ہے اور اس سے بے

خبر ہو جاتا ہے کہ تیری قسمت میں برائیاں بھی لکھی ہوئی ہیں۔ اگر زمانہ تجھے صحیح و سلامت رکھتا ہے تو تو اپنے آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ اس سلامتی کے پہلو بہ پہلو تباہی بھی ہے۔

جب وہ یہ اشعار پڑھ چکی تو کسی نے دروازے پر دستک دی۔ نور الدین اٹھا اور بغیر اس کے کہ اس کو خبر ہو اس کا ایک دوست اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ اس کا وکیل کھڑا ہوا ہے۔ نور الدین نے اس سے کہا کہ کیا خبر ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا' جس چیز کا مجھے تیرے بارے میں ڈر تھا' وہ پیش آ گئی۔ اس نے پوچھا کہ وہ کیا؟ وکیل نے کہا کہ میری تحویل میں اب کوئی چیز باقی نہیں جس کی قیمت کم و بیش ایک درہم ہو۔ دیکھ یہ بھی کھاتے موجود ہیں' جن میں خرچ بھی درج ہے جو میں نے کیا اور اصل بھی۔ جب نور الدین نے اس کی باتیں سنیں تو اپنا سر جھکا لیا اور کہنے لگا کہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ جب اس شخص نے' جو اس کے پیچھے پیچھے جاسوسی کرنے آیا تھا' وکیل کی باتیں سنیں تو اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ آیا اور کہنے لگا کہ ذرا دیکھ بھال کر کام کرنا کیونکہ نور الدین علی مفلس ہو چکا ہے۔ جب علی نور الدین کے پاس واپس آیا تو اس کے چہرے سے غم کے آثار نمایاں تھے۔

اب نور الدین کا ایک ساتھی اٹھا اور اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ اے میرے آقا' اگر اجازت ہو تو میں رخصت ہوں۔ نور الدین نے پوچھا کہ آج رخصت کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ آج میری بیوی کے بچہ ہونے والا ہے اور میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا' اس لیے میں چاہتا ہوں کہ جا کر اس کی دیکھ بھال کروں۔ نور الدین نے اسے اجازت دے دی۔ پھر دوسرا اٹھا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا نور الدین' آج میں اپنے بھائی کے پاس جانا چاہتا ہوں کیونکہ اس کے بیٹے کا ختنہ ہے۔

اسی طرح ہر ایک نے کوئی نہ کوئی بہانہ نکالا اور وہاں سے چلتا ہوا اور نور الدین اکیلا رہ گیا۔ اب اس نے اپنی کنیز کو بلا کر کہا کہ اے انیس الجلیس' تجھے معلوم ہے

کہ مجھ پر کیا آ بنی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے وکیل کی باتیں دہرا دیں۔ لڑکی نے جواب دیا کہ کئی دن سے میں بھی یہی ارادہ کر رہی تھی کہ تجھ سے اس کا ذکر کروں مگر میں نے دیکھا کہ تو ہمیشہ یہ اشعار پڑھتا ہے:

"اگر زمانہ تیرے ساتھ بخشش کرے تو تو بھی لوگوں کو دل کھول کر دے قبل اس کے کہ زمانہ اپنا ہاتھ کھینچ لے کیونکہ جب امیری آتی ہے تو بخشش سے وہ فنا نہیں ہوتی اور جب وہ جانے لگتی ہے تو کنجوسی سے وہ رک نہیں جاتی۔"

جب میں یہ دیکھتی تھی کہ تو یہ اشعار پڑھا کرتا ہے تو میں چپ ہو جاتی اور تجھ سے کچھ نہ کہتی تھی۔ نور الدین نے کہا کہ اے انیس الجلیس تجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنا مال محض اپنے دوستوں پر صرف کیا ہے اور وہ مجھے غریب چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ میرے ساتھ ضرور ہمدردی کریں گے۔ انیس الجلیس نے کہا کہ واللہ ان سے تجھے رتی بھر بھی فائدہ نہ پہنچے گا۔ نور الدین نے کہا کہ میں ابھی جا کر ان کے دروازے کھٹکھٹاتا ہوں تاکہ مجھے ان سے کچھ مل جائے اور میں اسے اپنی پونجی بنا کر اس سے تجارت کروں اور کھیل کود سے دست بردار ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور چلتے چلتے اس گلی میں پہنچا جہاں اس کے دسوں دوست رہتے تھے۔ اتفاق سے وہ دسوں اسی گلی میں مقیم تھے۔ اب وہ ایک دروازے کی طرف بڑھا اور اسے کھٹکھٹایا ایک کنیز نے آکر پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اپنے آقا سے جا کر کہہ کہ نور الدین علی دروازے پر کھڑا ہے۔ کنیز نے اندر جا کر اپنے آقا کو خبر دی لیکن وہ اس پر ناراض ہوا اور کہنے لگا کہ جا اور کہہ کہ تیرا آقا یہاں نہیں ہے۔ کنیز نور الدین کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا' میرا مالک گھر میں نہیں ہے۔

نور الدین اپنی طرف متوجہ ہو کر دل میں کہنے لگا کہ اگر یہ شخص حرامی ہے اور گھر میں چھپ گیا ہے تو دوسرا حرامی نہ ہو گا۔ یہ کہہ کر دوسرے دروازے کی طرف

بڑھا اور وہی کہا جو پہلے کہا تھا مگر اس نے بھی کہلا بھیجا کہ وہ گھر میں نہیں ہے۔
اب وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ سب کا امتحان کرنا ضروری ہے' شاید ان میں سے کوئی نہ کوئی ایسا نکل آئے جو سب کی کسر نکال دے۔ یہ کہہ کر اس نے دسوں کے ہاں چکر لگایا مگر ان میں سے ایک بھی ایسا نہ نکلا جو دروازہ کھولے یا اسے اپنی صورت دکھائے یا اسے ٹکڑا روٹی کا توڑ کر دے۔
اب وہ لوٹ کر اپنی کنیز کے پاس گیا اور اس کا رنج و غم دوبالا ہو گیا تھا۔ لڑکی نے کہا تھا کہ اے میرے آقا' میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ ان سے تجھے ذرا برابر بھی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم' ان میں سے کسی نے اپنی صورت تک نہ دکھائی اور پہچانا تک نہیں۔ اس نے کہا کہ میرے آقا' گھر کا سارا سامان اور برتن بیچ ڈال۔ جب تک کہ خدا کوئی اور صورت پیدا نہ کر دے' اور تھوڑا تھوڑا خرچ کر۔ اس لیے اس نے گھر کی چیزیں بیچنی شروع کیں۔ یہاں تک کہ ساری چیزیں بیچ ڈالیں اور اب کچھ باقی نہ رہا۔ اس نے انیس الجلیس کی طرف دیکھ کر کہا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا' اب میری رائے یہ ہے کہ تو فوراً اٹھ اور مجھے بازار لے جا کر بیچ ڈال۔ تجھے معلوم ہے کہ تیرے باپ نے مجھے دس ہزار دینار میں خریدا تھا اور خدا نے چاہا تو تجھے کم و بیش اتنی ہی قیمت مل جائے گی۔ اگر خدا کو منظور ہے کہ ہم پھر ملیں تو مل جائیں گے۔ اس نے کہا کہ اے انیس الجلیس' واللہ تیری جدائی مجھے ایک پہر بھی گوارا نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اے میرے آقا' مجھے بھی نہیں ہے لیکن ضرورت کے قانون جداگانہ ہیں۔
اب وہ اٹھا اور انیس الجلیس کو اپنے ساتھ لیا اور اس کے آنسو اس کے چہرے پر بارش کی طرح جاری تھے اور چلتے چلتے بازار پہنچا اور اسے دلال کے حوالے کیا اور اس نے کہا کہ اے حاجی حسن' تجھے اس کی قیمت معلوم ہے جس پر تو بولی بولنے والا ہے؟ دلال نے جواب دیا کہ اے میرے آقا مجھے تجارت کے اصول حفظ یاد ہیں۔ پھر اس

نے کہا کہ یہ وہی انیس الجلیس ہے نا جسے تیرے باپ نے مجھ سے دس ہزار دینار میں خریدا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ ان باتوں کے بعد دلال سوداگروں کے پاس گیا مگر دیکھا کہ ابھی سب اکٹھے نہیں ہوئے ہیں۔ وہ انتظار کرنے لگا یہاں تک سوداگر اکٹھے ہوئے اور بازار قسم قسم کی کنیزوں سے گرم ہوا۔ مثلاً ترکی اور فرنگی اور چرکس اور حبشی اور نوبی اور تکروری اور رومی اور تاتاری اور جرجی وغیرہ وغیرہ۔ جب دلال نے دیکھا کہ بازار گرم ہے تو وہ آگے بڑھا اور کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے سوداگرو' اے دولت مندو' ہر گول چیز اخروٹ نہیں ہوتی اور نہ ہر لمبی چیز کیلا۔ ہر سرخ چیز گوشت نہیں ہوتی اور نہ ہر سفید چیز چربی ہوتی ہے۔ اے سوداگرو' میرے پاس وہ بیش بہا موتی ہے جو ہر قیمت سے بالاتر ہے۔ اس پر میں کتنے کی بولی لگاؤں؟ ایک سوداگر نے جواب دیا کہ چار ہزار پانچ سو دینار کی بولی لگا اور دلال نے پہلی بولی چار ہزار پانچ سو کی لگائی اور یہ بولی لگا ہی رہا تھا کہ دیکھا کہ وزیر معین بن ساوئ بازار میں سے گزر رہا ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ نور الدین بازار میں ایک طرف کھڑا ہوا ہے تو وہ اپنے دل میں سوچنے لگا کہ ابن خاقان یہاں کیوں کھڑا ہے! کیا اس جونک کے پاس ابھی اتنے دام باقی ہیں کہ وہ لونڈیاں خریدے! اب اس نے نور الدین کو غور سے دیکھا اور دلال کی بولی سنی اور دیکھا کہ وہ بیچ بازار کے بولی لگا رہا ہے اور سوداگر اس کے اردگرد جمع ہیں۔ وزیر نے اپنے دل میں کہا کہ میرا ایسا خیال ہے کہ وہ مفلس ہو گیا ہے اور اپنی کنیز انیس الجلیس کو بیچنے لایا ہے۔ میرے دل کو اس سے کیسی فرحت ہوتی ہے!

اب وزیر نے بولی والے دلال کو بلایا اور اس نے آکر وزیر کے سامنے زمین کو بوسہ دیا۔ وزیر نے کہا کہ میں اس کنیز کو خریدنا چاہتا ہوں۔ جس پر تو بولی لگا رہا ہے۔ دلال کو اس کی مخالفت کرنے کی مجال نہ تھی اور اس نے کہا کہ اے میرے آقا بسم اللہ۔

اب لڑکی آگے آئی اور دلال نے اسے وزیر کے سامنے پیش کیا اور اسے وہ پسند آئی اور اس نے کہا کہ اے حسن' اس کنیز کے کتنے دام تجھے مل رہے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ چار ہزار پانچ سو سے ابتدا ہوئی ہے۔ معین نے کہا کہ یہ چار ہزار پانچ

سو دینار میرے ذمے۔ جب سوداگروں نے یہ سنا تو کسی کی ہمت نہ پڑی کہ اس پر ایک درہم بھی بڑھائے بلکہ وہ پیچھے ہٹ گئے کیونکہ انہیں وزیر کے ظلم کا حال معلوم تھا۔

معین بن ساوی نے دلال کی طرف دیکھ کر کہا کہ تو کھڑا کیوں ہے؟ جا اور مشورہ کر کہ میرے ذمے چار ہزار دینار ہیں اور تیرا حق پانچ سو دینار ہے۔ دلال نور الدین کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا' کنیز تیرے ہاتھ سے مفت جا رہی ہے۔

اس نے پوچھا کہ یہ کیسے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس کی قیمت چار ہزار پانچ سو دینار سے شروع کی تھی کہ اتنے میں یہ ظالم معین بن ساوی بازار میں پہنچا اور جب اس نے کنیز کو دیکھا تو وہ اسے پسند آئی اور اس نے مجھ سے کہا کہ مالک سے چار ہزار کا فیصلہ کر لے اور پانچ سو تیرا حق ہے۔

میرے خیال میں اسے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ کنیز تیری ہے۔ اگر وہ فوراً قیمت ادا کر دے تو اچھی بات ہے' لیکن میں اس کے ظلم کا حال جانتا ہوں کہ وہ تیرے لیے اپنے ایک عامل کے نام ہنڈی لکھ دے گا اور تیرے پیچھے وہ کسی کو روانہ کر دے گا کہ اسے کچھ مت دینا۔ جب تو ان سے مطالبہ کرنے جائے گا تو وہ کہیں گے کہ ہم ابھی دیتے ہیں اور وہ ہر روز یہی کہتے رہیں گے اور تو غیور طبیعت کا انسان ہے' اور جب وہ تیرے مطالبے سے تنگ آ جائیں گے تو تجھ سے کہیں گے کہ کاغذ دکھلا اور اسے لے کر پھاڑ ڈالیں گے۔ اس طرح سے کنیز کی قیمت سے بھی تجھے ہاتھ دھو ڈالنا پڑے گا۔

جب نور الدین علی نے دلال کی باتیں سنیں تو وہ اس کا منہ دیکھنے لگا اور کہا کہ پھر کیا کرنا چاہیے؟ اس نے کہا کہ میں تجھے مشورہ دیتا ہوں اور اگر تو نے اسے مان لیا تو اس میں تیرا بڑا فائدہ ہے۔ نور الدین نے کہا کہ وہ کیا؟ اس نے جواب دیا کہ جب میں بازار میں کھڑا ہوں تو فوراً میرے پاس آئیو اور کنیز کو میرے ہاتھ سے چھین کر اسے ایک تھپڑ لگائیو اور کہیو اے میری بیسوا' جو قسم میں نے کھائی تھی وہ پوری

کی اور تجھے بازار میں لایا کیونکہ میں نے حلف اٹھایا تھا کہ تجھے بازار لے جا کر تجھ پر دلال سے بولی بلواؤں گا۔ اگر تو نے یہ کیا تو غالباً یہ چال وزیر اور تمام لوگوں پر چل جائے گی اور ان کو یقین آ جائے گا کہ تو محض اپنی قسم پوری کرنے اسے بازار میں لایا ہے۔ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ اب دلال اسے چھوڑ کر بیچ بازار میں آیا اور کنیز کا ہاتھ پکڑا اور وزیر معین بن ساوئی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اے میرے آقا' لے اس کنیز کا مالک آ گیا ہے۔

نور الدین نے دلال کی طرف بڑھ کر کنیز کو اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور اس کے طمانچے مارے اور کہا کہ اے بیسوا میں اپنی قسم پوری کرنے کے لیے تجھے بازار میں لایا تھا۔ چل یہاں سے گھر جا اور میری مخالفت کرنی چھوڑ دے۔ تف ہو تجھ پر! کیا مجھے تیری قیمت کی ضرورت ہے جو میں تجھے بیچوں۔ اگر میں محض اپنے گھر کا سامان بیچوں تو تیری قیمت سے کئی گنا مجھے مل سکتا ہے۔ جب معین بن ساوئی نے نور الدین کو دیکھا تو کہنے لگا کہ حیف ہو تجھ پر! تیرے پاس رہا کیا ہے جو تو خریدے یا بیچے! یہ کہہ کر اس نے چاہا کہ نور الدین کو پکڑے مگر سوداگر اس کی طرف دیکھنے لگے کیونکہ وہ سب اسے چاہتے تھے اور اس نے ان سے کہا کہ اس وقت میں یہاں تمہارے سامنے کھڑا ہوں اور تم نے اس کے ظلم کو دیکھ لیا۔ وزیر نے کہا کہ اگر تم لوگ اس وقت یہاں نہ ہوتے تو میں اسے قتل کر دیتا۔ سب لوگوں نے نور الدین کی طرف آنکھ سے اشارہ کیا کہ اس وقت موقع ہے' اس سے سمجھ لے' اور کہنے لگے کہ ہم میں کوئی بھی تیرے اور اس کے درمیان بیچ بچاؤ نہ کرے گا۔ یہ سن کر نور الدین وزیر' ابن ساوئی کی طرف بڑھا اور وہ بہادر تو تھا ہی اس نے وزیر کو زین سے کھینچ کر زمین پر گرا دیا۔ اس جگہ گارے کا ایک گڑھا تھا۔ وزیر اس کے بیچ میں آ پڑا اور نور الدین نے اسے تھپڑ اور گھونسے لگانے شروع کر دیئے ایک گھونسا وزیر کے دانتوں پر پڑا اور اس کے خون سے اس کی داڑھی رنگ گئی۔ وزیر کے ساتھ دس غلام تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے آقا کی یہ گت بن رہی ہے تو انہوں نے اپنے ہاتھ

اپنی تلواروں کے قبضے پر رکھے اور چاہتے تھے کہ ان کو کھینچ کر نور الدین علی پر حملہ کریں اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں لیکن لوگوں نے غلاموں سے کہا کہ یہ وزیر ہے اور یہ وزیر زادہ' اگر ان دونوں میں کسی وقت صلح ہو گئی تو تم دونوں کے برے ٹھہرو گے اور اگر اس کا ایک وار تم پر پڑ گیا تو تم سب کے سب بڑی بری موت کے گھاٹ اترو گے۔ ہمارے رائے یہ ہے کہ تم ان کے بیچ میں نہ پڑو۔

جب نور الدین وزیر کو خوب پیٹ چکا تو وہ لڑکی لے کر گھر چل دیا' وہاں سے فوراً چلتا ہوا۔ اس حالت میں کہ اس کے کپڑے تین رنگ کے تھے' کیچڑ سے کالے اور خون سے سرخ اور راکھ سے بھورے۔ جب اس نے اپنی یہ حالت دیکھی تو روئی لے کر اپنے گلے میں باندھ لی اور چیتھڑوں سے ہاتھوں میں گانٹھیں دے لیں اور سلطان کے محل کے نیچے جا کر چلانے لگا کہ جہاں پناہ' مظلوم مظلوم! لوگ اس کو بادشاہ کے سامنے لے گئے تو اس نے دیکھا کہ بڑا وزیر ہے اور کہنے لگا کہ اے وزیر' یہ حرکت تیرے ساتھ کس نے کی؟ وزیر کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا' جو تجھ سے محبت رکھتا ہے اور تیری خدمت کرتا ہے کیا اس کی یہی گت بننی چاہیے! سلطان نے کہا کہ جلد کہہ اور اپنا ماجرا بیان کر اور بتا کہ تیرے ساتھ یہ حرکت کس نے کی؟ تیری عزت میری عزت ہے۔

وزیر نے کہا کہ اے میرے آقا' سن۔ میں آج کنیز بازار میں گیا تھا کہ ایک باورچن کنیز خریدوں۔ وہاں میں نے ایک کنیز دیکھی جس سے زیادہ حسین تمام عمر میری نظر سے نہ گزری تھی اور میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے اپنے آقا سلطان کے لیے خرید لوں۔ میں نے اس کے اور اس کے مالک کے متعلق دلال سے دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ یہ علی بن فضل بن خاقان کی کنیز ہے۔ ہمارے آقا سلطان نے اس کے باپ کو ایک بار دس ہزار دینار دیئے تھے کہ وہ ان داموں سے ایک حسین کنیز خریدے اور اس نے اسی کنیز کو خریدا تھا۔ جب اس کو وہ پسند آئی تو اس نے ہمارے آقا سلطان کے ساتھ بخل کیا اور وہ اپنے بیٹے کو دے دی۔ جب باپ مر گیا تو بیٹے نے تمام املاک

اور باغ اور برتن تک جو اس کے پاس تھے' بیچ ڈالے۔ یہاں تک کہ مفلس ہو گیا اور آخرکار اس کنیز کو بیچنے بازار لایا اور دلال کے سپرد کیا۔ دلال نے اس پر بولی لگائی اور سوداگروں نے بولیاں بولنی شروع کیں یہاں تک کہ اس کے دام چار ہزار دینار تک آ گئے میں نے دل میں سوچا کہ اس کنیز کو اپنے آقا سلطان کے لیے خرید لوں۔ آخر کار اس کے دام سلطان ہی نے ادا کئے تھے۔ یہ سوچ کہ میں نے نور الدین سے کہا کہ بیٹا' اس کی قیمت چار ہزار دینار مجھ سے لے لے۔ یہ سن کر اس نے میری طرف گھور کر دیکھا اور کہا کہ اے منحوس بڈھے' میں اسے یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاتھ بیچوں گا مگر تیرے ہاتھ نہیں۔ میں نے کہا کہ میں اسے اپنے لیے نہیں خریدتا بلکہ اپنے سلطان کے لیے جس کے ہم دونوں نمک خوار ہیں۔ جب اس نے مجھ سے یہ سنا تو غصے میں آگیا اور مجھے کھینچ کر گھوڑے سے گرا دیا اور میں بوڑھا تو ہوں ہی' اس نے میرے تھپڑ اور مکے مارے یہاں تک کہ میری یہ درگت بنی جو تو دیکھ رہا ہے۔ اس نے یہ میری گت اس لیے بنائی کہ میں تیرے لیے اس کنیز کو خرید رہا تھا۔

یہ کہہ کر وزیر زمین پر گر پڑا اور رونے اور کانپنے لگا۔ جب سلطان نے اس کی یہ حالت دیکھی اور اس کی باتیں سنیں تو مارے غصے کے' اس کی آنکھوں کے درمیان پسینہ بہنے لگا۔ اب وہ حکام کی طرف متوجہ ہوا اور فوراً چالیس شمشیر زن اس کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے ان سے کہا کہ فوراً تم لوگ علی بن خاقان کے گھر جاؤ اور اس کو لوٹ لو اور ڈھا دو اس کی اور لڑکی کی مشکیں باندھ کر منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے میرے پاس لاؤ۔ انہوں نے کہا کہ بسرو چشم اور زرہ بکتر پہن کر باہر نکلے اور نور الدین علی کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔ سلطان کا ایک حاجب تھا جس کا نام علم الدین سنجر تھا اور جو پہلے فضل بن خاقان کا زر خرید غلام تھا۔ مگر بڑھتے بڑھتے سلطان کا حاجب ہو گیا تھا۔ جب اس نے سلطان کا حکم سنا اور دیکھا کہ دشمن اس کے آقا کے بیٹے کے قتل کی تیاری کر رہے ہیں تو یہ اس پر گراں گزرا اور وہ سلطان کے پاس سے غائب ہو کر گھوڑے پر سوار ہوا اور چلتے چلتے نور الدین کے مکان پر پہنچا اور

دروازے پر دستک دی۔ نور الدین باہر نکلا اور اس کو دیکھ کر پہچان گیا مگر اس نے کہا کہ اے میرے آقا' یہ وقت سلام اور کلام کا نہیں ہے۔ نور الدین نے کہا کہ اے علم الدین خیر تو ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اٹھ اور کنیز کو لے کر بھاگ کیونکہ معین بن ساوی نے تم دونوں کے لیے جال بچھایا ہے اور اگر تم اس کے ہتھے چڑھ گئے تو تمہیں بے قتل کیئے نہ چھوڑے گا۔ سلطان تمہارے پیچھے چالیس شمشیر زن روانہ کر چکا ہے اور میری رائے ہے کہ تم دونوں بھاگ جاؤ قبل اس کے کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے بٹوے میں ہاتھ ڈالا اور دیکھا کہ اس میں چالیس دینار ہیں۔ وہ نکال کر اس نے نور الدین کو دیئے اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا' ان کو سفر میں اپنے ساتھ رکھ لے' اگر میرے پاس اور دینار ہوتے تو میں وہ بھی تجھے دے دیتا۔ لیکن اب زیادہ کہنے سننے کا وقت نہیں۔ یہ سن کر نور الدین لڑکی کے پاس گیا اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور وہ دونوں ہاتھ ملنے لگے اور دونوں نکل کھڑے ہوئے اور شہر کے باہر پہنچے۔ خدا نے ان کی پردہ پوشی کی اور وہ دریا کے کنارے پہنچ گئے اور دیکھا کہ وہاں ایک کشتی روانہ ہونے کے لیے تیار کھڑی ہے اور ناخدا بیچ کشتی میں کھڑا کہہ رہا ہے کہ اگر کسی کو کھانے پینے کا سامان لینا یا اہل و عیال سے رخصت ہونا باقی رہ گیا ہو یا اگر کوئی شخص کوئی اور ضرورت کی چیز بھول گیا ہو تو اسے لے آئے کیونکہ ہم لنگر اٹھانے والے ہیں۔ سب نے جواب دیا کہ اے ناخدا' اب ہمارا کوئی کام باقی نہیں رہا۔ ناخدا نے لوگوں سے کہا کہ چلو' رسیاں کھول دو اور لنگر اٹھالو۔ نور الدین نے پوچھا کہ اے ناخدا' کشتی کہاں جا رہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ درالسلام بغداد۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چھتیس ویں رات

جب چھتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب ناخدا نے نور الدین علی سے کہا کہ ہم دارالسلام بغداد جا رہے ہیں تو نور الدین علی اور اس کے ساتھ وہ لڑکی سوار ہو گئی۔ ملاح کشتی کو کھینچ کر گہرے پانی میں لائے اور بادبان کھول دیئے اور کشتی اس طرح چل نکلی جیسے چڑیا اپنے پروں پر۔ اب کشتی ان کو لے کر چلی اور ہوا موافق تھی۔

یہ تو ان لوگوں کا حال ہوا۔ اب غلاموں کا قصہ سنئے۔ وہ وزیر نور الدین کے گھر پہنچے اور اس کے دروازے توڑ کر اندر داخل ہو گئے اور کمرے کمرے ان دونوں کو ڈھونڈا لیکن کہیں ان کا پتہ نہ چلا۔ گھر کو ڈھا کر وہ واپس گئے اور سلطان کو خبر دی۔ سلطان نے کہا کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں' ان کو ڈھونڈھ نکالو۔ انہوں نے کہا کہ بسرو چشم۔

اب وزیر معین بن ساوئی گھر گیا اور چونکہ سلطان نے اسے خلعت عطا کی تھی اور وہ مطمئن ہو گیا تھا اور سلطان نے اس سے کہا تھا کہ تیرا بدلہ سوائے میرے اور کوئی نہ لے گا۔ اس نے سلطان کو دعا دی کہ اس کی عمر زیادہ ہو۔ اب سلطان نے حکم دیا کہ شہر میں یہ ڈھنڈورا پٹوا دیا جائے' "اے تمام لوگو' ہمارے آقا سلطان کا حکم ہے کہ جو کوئی نور الدین علی ابن خاقان کو پکڑ کر سلطان کے پاس لائے گا تو اسے سلطان خلعت عطا کرے گا اور ہزار دینار نقد انعام دے گا اور جو کوئی اس کو چھپا کر رکھے گا یا جسے اس کی خبر ہو گی اور وہ اس کی اطلاع نہ دے گا تو جو کچھ سزا دی جائے کم ہے۔" اب نور الدین علی کی تلاش شروع ہو گئی لیکن نہ وہ کسی کے ہاتھ لگا اور نہ کسی کو اس کی خبر معلوم ہوئی۔

اب نور الدین اور اس کی کنیز کا حال سنئے کہ وہ صحیح سلامت' بغداد پہنچ گئے اور ناخدا

نے پکار کر کہا کہ یہ بغداد ہے اور امن و امان کا شہر۔ وہاں سردیاں ختم ہو چکی تھیں اور بہار کے گلاب کھل رہے تھے اور درختوں میں پھول نکل آئے تھے اور نہریں جاری ہو گئی تھیں۔ اب نور الدین اور اس کی کنیز کشتی سے اترے اور ناخدا کو پانچ دینار دے کر چل کھڑے ہوئے۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد وہ اتفاق سے باغوں کے درمیان پہنچے اور ان کا گزر ایک جگہ ہوا جہاں جھاڑو دی ہوئی تھی اور پانی چھڑکا ہوا تھا اور لمبی چوکیاں پڑی ہوئی تھیں اور پانی بھرے مٹکے لٹکے ہوئے تھے اور گلی کی تمام لمبائی میں سرکنڈوں کا چھپر پڑا ہوا تھا اور گلی کے بیچ میں باغ کا دروازہ تھا لیکن وہ بند تھا۔ نور الدین علی نے لڑکی سے کہا کہ واللہ کیا خوب جگہ ہے! اس نے کہا کہ اے میرے آقا' ہم اس چوکی پر بیٹھ کر ذرا آرام کر لیں۔ اب وہ اوپر چڑھ کر چوکیوں پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے ہاتھ منہ دھویا اور ہوا چلی تو ان کو نیند آ گئی۔ بزرگ ہے وہ ذات جس کو کبھی نیند نہیں آتی! اس باغ کا نام بستان النزہت تھا اور اس میں ایک محل تھا جس کو قصر الفرجہ والتماثیل کہتے تھے اور یہ خلیفہ ہارون الرشید کی ملکیت تھی اور جب کبھی خلیفہ کی طبیعت گھبراتی تو وہ اس باغ اور محل کی سیر کے لیے آتا اور وہاں بیٹھتا۔ اس محل میں اسی (۸۰) جھروکے تھے۔ جن میں اسی (۸۰) قندیلیں لٹکی ہوئی تھیں اور ان کے بیچ میں ایک بڑا سونے کا شمعدان تھا۔ جب خلیفہ یہاں آتا تو کنیزوں کو حکم دیتا کہ جھروکے کھول دیں اور اسحٰق بن ابراہیم الندیم اور کنیزوں سے کہتا کہ گائیں۔ اس سے اس کی طبیعت بحال ہو جاتی اور غم دور ہو جاتا۔

اس باغ کا ایک باغبان تھا جو بڑا بوڑھا تھا اور جسے شیخ ابراہیم کہتے تھے۔ جب کبھی وہ کسی ضرورت سے باہر جاتا تو تماش بین رنڈیوں کو لے کر وہاں پہنچ جاتے۔ اس پر وہ سخت ناراض تھا اور خلیفہ کے آنے کا منتظر۔ ایک روز جب خلیفہ وہاں آیا تو اس نے خلیفہ سے شکایت کی۔ خلیفہ نے کہا کہ جس کسی کو باغ کے دروازے پر پائے تو جو تیرا جی چاہے اس کے ساتھ کر۔ اس روز جب شیخ ابراہیم باغبان کسی ضرورت سے

باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ یہ دنوں ایک چادر اوڑھے باغ کے دروازے پر سو رہے ہیں۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ خوب! ان دونوں کو اس بات کی خبر نہیں ہے کہ خلیفہ نے مجھے اجازت دے رکھی ہے کہ جس کسی کو یہاں پاؤں، قتل کر دوں۔ اور ان دونوں کو تو میں بری طرح سے ماروں گا تاکہ پھر اور کوئی باغ کے دروازے کے پاس نہ پھٹکے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک کھجور کا ایک ہرا ڈنڈا کاٹا اور اسے لے کر ان کے قریب پہنچا اور انہیں مارنے کے لیے اپنا ہاتھ اتنا اونچا اٹھایا کہ اس کی بغل کی سفیدی دکھائی دینے لگی۔ اب وہ دل میں سوچنے لگا اور کہا کہ ابراہیم، تو بغیر ان کی حالت جانے ہوئے کس طرح مارتا ہے؟ ممکن ہے کہ یہ پردیسی ہوں یا مسافر اور قسمت کے مارے وہ یہاں آ پڑے ہوں! اس لیے پہلے میں ان کی چادر اٹھا کر ان کو دیکھ تو لوں۔ یہ کہہ کر اس نے ان کے چہروں سے چادر الٹ دی اور کہنے لگا کہ یہ دنوں حسین ہیں، ان کو مارنا مناسب نہیں، اور پھر ان کے چہرے ڈھک دیئے اور نور الدین کے پاؤں کی طرف جا کر انہیں دابنے لگا۔

اب نور الدین کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ اس کے پاؤں کے پاس ایک بڑا بوڑھا شخص بیٹھا ہوا ہے جس کے چہرے سے ہیبت اور وقار ٹپکتا ہے۔ اس نے شرم کے مارے اپنے پاؤں کھینچ لیے اور اٹھ بیٹھا اور شیخ ابراہیم کے ہاتھ کو لے کر اسے بوسہ دیا۔ بوڑھے نے کہا کہ بیٹا، تو کہاں سے آتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا، ہم پردیسی ہیں، اور اس کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے۔ شیخ ابراہیم نے کہا کہ بیٹا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پردیسیوں کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت کی ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ بیٹا اگر تیرا جی چاہتا ہو تو باغ کے اندر چل کر سیر کر اور طبیعت بہلا۔ نور الدین نے کہا کہ اے میرے آقا، یہ باغ کس کا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بیٹا، یہ باغ مجھ کو اپنے بزرگوں سے ورثے میں ملا ہے۔ جواب سے شیخ ابراہیم کا مقصد محض یہ تھا کہ وہ مطمئن ہو جائیں اور باغ میں چلیں۔ جب نور الدین نے اسے یہ کہتے سنا تو اس نے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہ اور اس کی کنیز اٹھ کھڑے

ہوئے اور شیخ ابراہیم آگے آگے ہو لیا اور وہ سب باغ کے اندر پہنچے اور دیکھا کہ واہ واہ کیا باغ ہے! اس کے دروازے محراب دار ہیں گویا وہ ایک محل ہے اور اس پر انگور کی بیلیں چڑھی ہوئی ہیں اور ان میں رنگ برنگ انگور لگے ہوئے ہیں' جو سرخ ہیں یاقوت معلوم ہوتے ہیں اور جو سیاہ ہیں آبنوس۔ اب وہ ایک برگ پوش میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ پھل خوشوں میں اور تنہا لگے ہیں اور چڑیاں ٹہنیوں پر بیٹھی ہوئی گا رہی ہیں اور بلبلیں طرح طرح کے گیت الاپ رہی ہیں اور قمریوں کی آواز سے سارا مکان گونج رہا ہے اور شحر دریں انسان کی طرح گا رہی ہیں اور فاختائیں گویا نشے میں چور ہیں اور درختوں پر تمام پھل پک چکے ہیں اور میوؤں کے جوڑے لگے ہوئے ہیں اور کشمش کافوری اور بادامی اور خراسانی ہیں اور آلو بخارے حسینوں کے سے رنگ والے اور ناشدانے جن سے دانتوں کی زردی دور ہو جائے اور انجیر سرخ اور سفید جدا جدا اور پھول گویا موتی اور مرجان اور گلاب جن کی سرخی کے آگے حسینوں کے رخسار شرما جائیں اور بنفشہ گویا رات کے وقت آگ پر گندھک جل رہی ہے اور مہندی اور لونگ اور ارغواں اور شقائق النعمان ساتھ ساتھ اور پتوں پر بادل کے آنسوؤں کے موتی جڑے ہوئے ہیں اور بابونہ کھل کھلا کر ہنس رہا ہے اور نرگس گلاب کی طرف حبشیوں کی آنکھ سے دیکھ رہی ہے اور چکوترے گویا جام رکھے ہوئے ہیں اور نیبو گویا سونے کی گیندیں ہیں اور زمین پر رنگ رنگ پھول پھول بچھے ہوئے ہیں' بہار آ چکی تھی اور اس نے ہر جگہ کو اپنی خوبصورتی سے چمکا دیا تھا اور نہریں شور مچا رہی تھیں اور چڑیاں چہچہا رہی تھیں اور ہوائیں سیٹیاں بجا رہی تھیں کیونکہ زمانہ معتدل تھا۔

اس کے بعد شیخ ابراہیم ان کو لے کر ہوا محل میں گیا اور انہوں نے دیکھا کہ وہ کیسا خوبصورت ہے! اور جھروکوں میں شمعیں لٹکی ہوئی ہیں۔ اب نور الدین کو گزشتہ مقامات یاد آ گئے جو اب اس کے ہاتھ سے جا چکے تھے اور وہ کہنے لگا کہ واللہ یہ نہایت خوبصورت مقام ہے!

اب دونوں بیٹھ گئے اور شیخ ابراہیم نے ان کے سامنے کھانا پیش کیا اور انہوں نے پیٹ

بھر کر کھایا اور پھر ہاتھ دھوئے اور نور الدین ایک کھڑکی کی طرف گیا اور اپنی کنیز کو آواز دی اور وہ آئی اور دونوں درختوں کو دیکھنے لگے جو ہر قسم کے میووں سے لدے ہوئے تھے اور نور الدین نے شیخ ابراہیم کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے شیخ ابراہیم تیرے پاس شراب نہیں ہے کیونکہ لوگ کھانے کے بعد شراب پیا کرتے ہیں۔ شیخ ابراہیم ٹھنڈا شربت لایا مگر نور الدین نے کہا کہ اے شیخ ابرہیم' یہ تو وہ پینے کی چیز نہیں ہے جو میں نے مانگی تھی۔ اس نے کہا کہ شاید تو نشے والی شراب چاہتا ہے۔ نور الدین نے کہا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ خدا اس سے بچائے! تیرہ سال سے میں نے یہ کام نہیں کیا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پینے والے اور بنانے والے اور بیچنے والے اور خریدنے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ نور الدین نے کہا کہ مجھ سے دو باتیں سن۔ اس نے کہا کہ کہہ۔ نور الدین نے کہا کہ اگر اس ملعون گدھے پر کوئی لعنت بھیجے تو کیا وہ لعنت تجھ پر لگ جائے گی؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ نور الدین نے کہا کہ یہ دینار اور دو درہم لے جا اور گدھے پر سوار ہو کر جا اور دور کھڑا رہ۔ جو شخص شراب خرید رہا ہو' اس کو پکار کر کہہ کہ یہ دو درہم تو تو لے اور اس دینار کی شراب خرید لا اور اس گدھے پر رکھ دے اس طرح سے نہ تو اس کا لانے والا ہوتا ہے اور نہ خریدنے والا لہٰذا اس کا کوئی ضرر تجھے نہیں پہنچے گا۔

شیخ ابراہیم اس کی باتیں سن کر ہنسا اور کہنے لگا کہ بیٹا' میں نے تجھ سے زیادہ خوش طبع آج تک نہیں دیکھا اور نہ تجھ سے زیادہ میٹھی باتیں سنیں۔ یہ کہہ کر شیخ ابراہیم نے نور الدین کا کہنا کر دیا اور اس پر وہ اس کا بہت شکر گزار ہوا اور کہنے لگا کہ ہمارا دارومدار تیرے ہی اوپر ہے' لہٰذا ہماری مدد کر اور جن جن چیزوں کی ہمیں ضرورت ہے' مہیا کر۔ شیخ ابراہیم نے کہا کہ بیٹا' یہ میرا ذخیرہ تیرے آگے ہے اور یہ امیرالمومنین کے لیے اکٹھا کیا گیا ہے۔ اس کے اندر جا اور جس چیز کی تجھے ضرورت ہو لے آ' کیونکہ اس میں تیری ضرورت سے زیادہ چیزیں موجود ہیں۔ نور الدین مخزن کے اندر گیا اور دیکھا کہ اس میں سونے چاندی اور بلور کے برتن ہیں جن میں جواہرات جڑے ہوئے

ہیں۔ اس نے ان کو نکال کر آراستہ کیا اور صراحیوں اور کوزوں میں شراب انڈیلی اور ان کو دیکھ کر اسے خوشی اور تعجب ہوا۔ اب شیخ ابراہیم ان کے لیے میوے اور عطریات لایا اور خود جا کر ان سے دور بیٹھ گیا۔ دونوں نے خوب پی اور مزے میں آگئے اور شراب بڑھی اور ان کے رخسار سرخ ہو گئے اور آنکھیں چڑھ گئیں اور بال بکھر گئے اور رنگ بدل گیا۔ شیخ ابراہیم اپنے دل میں کہنے لگا کہ آخر میں ان سے دور کیوں بیٹھا ہوں؟ اور ان کے پاس بیٹھنے میں کیا حرج ہے؟ مجھے پھر کب ایسا موقع ہاتھ آئے گا کہ میرے یہاں ایسے دو شخص آئیں جو چاند کی طرح خوبصورت ہوں! یہ کہہ کر شیخ ابراہیم آگے بڑھا اور ان کے قریب ایوان کے کنارے آکر بیٹھ گیا۔ نور الدین نے کہا کہ اے میرے آقا' تجھے میری جان کی قسم کہ ہمارے پاس آکر بیٹھ۔ شیخ ابراہیم ان کے پاس آکر بیٹھ گیا اور نور الدین نے ایک پیالہ بھرا اور اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ پی تاکہ تجھے اس کا ذائقہ معلوم ہو۔ اس نے جواب دیا کہ خدا پناہ میں رکھے! تیرہ سال ہونے کو آئے ہیں کہ مجھ سے یہ فعل سرزد نہیں ہوا۔ نور الدین نے اس سے تغافل کر کے پیالہ پی لیا اور زمین پر گر پڑا گویا کہ وہ مدہوش ہو گیا ہے۔ اب انیس الجلیس نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے شیخ ابراہیم' دیکھ کہ یہ شخص ہمیشہ میرے ساتھ یوں ہی کرتا ہے' تھوڑی دیر پی کر سو جاتا ہے اور میں اکیلی رہ جاتی ہوں اور مجھے کوئی ہم پیالہ نہیں ملتا جو میرے ساتھ پئے اور نہ ایسا کہ وہ پیتا جائے اور میں گاتی جاؤں۔

شیخ ابراہیم کا دل پگھل گیا اور اس کی باتوں کی وجہ سے اس کا دل اس کی طرف کھنچا اور وہ کہنے لگا کہ واللہ یہ بڑی بری بات ہے۔ اب لڑکی نے ایک پیالہ بھرا اور اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگی کہ میری جان کی قسم اسے لے اور پی اور رد مت کر اور میرے دل کو تسکین دے۔ یہ سن کر شیخ ابراہیم نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور پیالہ لے کر چڑھا گیا۔ اب اس کے لیے دوسرا پیالہ بھرا اور اسے شمع کے مقابلے میں لے جا

کر کہا کہ اے میرے آقا' یہ تیرا حصہ اور باقی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ واللہ' اس کو میں نہیں پی سکتا۔ جتنا میں نے پیا وہ میرے لیے کافی ہے۔ لڑکی نے کہا کہ اسے ضرور پینا ہو گا۔ اس نے وہ پیالہ بھی لے کر پی لیا۔ پھر اس نے تیسرا پیالہ دیا اور شیخ نے اسے لے لیا اور پینا چاہتا ہی تھا کہ نور الدین اٹھ کر بیٹھ گیا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• سینتیسویں رات

جب سینتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ نور الدین علی اٹھ کر بیٹھ گیا اور شیخ ابراہیم سے کہنے لگا کہ یہ کیا؟ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ میں نے تجھے قسم دی تھی لیکن تو نے انکار کیا اور کہا کہ تیرہ سال سے تو نے یہ کام نہیں کیا ہے۔ شیخ ابراہیم نے شرمندہ ہو کر کہا کہ میری خطا نہیں ہے بلکہ اس لڑکی نے مجھ سے کہا تھا۔ نور الدین ہنسا اور اب تینوں میں شراب کا دور چلنے لگا۔ اب لڑکی نے اپنے آقا کی طرف مخاطب ہو کر چپکے سے کہا کہ سوائے ان دونوں کے اور کوئی نہ سن سکتا تھا کہ اے میرے آقا' پی اور شیخ ابراہیم کو مجبور مت کر تا کہ میں اس کا مذاق تجھے دکھاؤں۔ اب لڑکی پیالہ بھر بھر کر اپنے آقا کو پلانے لگی اور اس کا آقا پیالہ بھر بھر کر اسے پلانے لگا۔ وہ بار بار یہی کر رہے تھے کہ شیخ ابراہیم نے ان کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ خوب صحبت ہے! خدا پیٹو پر لعنت بھیجے! بھائی' تو مجھے کیوں نہیں پلاتا؟ یہ بھی کوئی بات ہے' اے مبارک شخص! یہ سن کر وہ دونوں ہنستے ہنستے لوٹ گئے اور اب خود بھی پی اور اسے بھی پلائی' یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی۔

اب لڑکی نے کہا کہ اے شیخ ابراہیم' اگر تو اجازت دے تو میں ان شمعوں میں سے جو ایک قطار میں لگی ہوئی ہیں' ایک کو روشن کر دوں۔ اس نے جواب دیا کہ ایک سے زیادہ روشن نہ کیجیو۔ اس نے اٹھ کر پہلی شمع سے شروع کیا اور اسی کی اسی جلاتی ہوئی چلی گئی اور پھر آکر بیٹھ گئی۔ اس کے بعد نور الدین نے کہا کہ اے شیخ ابراہیم' اور میری قسم کا کیا حشر ہو گا؟ مجھے بھی اجازت دے کہ میں ان قندیلوں میں سے ایک کو جلا دوں۔ شیخ ابراہیم نے اس سے کہا کہ اٹھ اور ایک قندیل جلا دے مگر دوسری کو ہاتھ مت لگائیو۔ وہ اٹھا اور ایک ایک کو جلاتا ہوا تمام . اسی کی اسی قندیلوں

کو جلا دیا۔ اب ایسا معلوم ہونے لگا کہ سارا محل رقص کر رہا ہے۔ شیخ نشے میں چور تو تھا ہی، وہ ان سے کہنے لگا کہ تم دونوں مجھ سے زیادہ نشے میں ہو اس نے اٹھ کر سارے کے سارے جھروکے کھول دیئے اور تینوں بیٹھ کر شراب پینے اور اشعار پڑھنے لگے یہاں تک کہ سارا مکان گونج اٹھا۔

اب خدا کو جو ہر چیز پر قادر ہے اور ہر بات کے لیے ایک سبب پیدا کر دیتا ہے، یہ منظور ہوا کہ خلیفہ کا اسی وقت دل گھبرایا اور چاندنی رات میں اس کی نظر ان جھروکوں پر پڑی جو دجلے کی طرف تھے اور اس نے دیکھا کہ قندیلوں اور شمعوں کی روشنی کا عکس دریا پر پڑ رہا ہے۔ اب اس نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کے باغ کا محل شمعوں اور قندیلوں سے چراغاں ہو رہا ہے۔ اس نے حکم دیا کہ جعفر برمکی کو میرے پاس بلاؤ۔ اس کے کہنے کی دیر تھی کہ وہ امیرالمومنین کے سامنے آ کر حاضر ہو گیا۔ خلیفہ نے کہا کہ اے وزیروں کے کتے، تو نے بغداد پر اپنا قبضہ جما لیا ہے اور مجھے اس کی خبر تک نہیں کی! جعفر نے کہا کہ یہ تو کیا کہہ رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر بغداد کو تو نے اپنے قبضے میں نہ کر لیا ہوتا تو قصر التماثیل قندیلوں اور شمعوں سے نہ جگمگا رہا ہوتا۔ اور جھروکے کھلے ہوئے نہ ہوتے۔ حیف ہو تجھ پر! اگر تو نے میری خلافت نہ چھین لی ہوتی تو کس کی مجال تھی کہ ایسا کام کرتا۔ یہ سن کر جعفر کانپنے لگا اور کہا تجھے کیونکر معلوم ہوا کہ قصر التماثیل روشن ہے اور اس کے جھروکے کھلے ہوئے ہیں؟ خلیفہ نے جواب دیا کہ ادھر آ کر دیکھ۔ جعفر خلیفہ کے پاس آیا اور باغ کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا کہ محل واقعی تاریکی کے بیچ میں چراغاں ہے۔ اور اس نے چاہا کہ باغبان شیخ ابراہیم کی طرف سے معذرت پیش کرے کیونکہ ایسا کرنے میں اس کی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہو گی۔ وہ کہنے لگا کہ اے امیر المومنین گزشتہ ہفتے میں شیخ ابراہیم نے مجھ سے کہا تھا کہ اے میرے آقا، جعفر، میں چاہتا ہوں کہ میں امیرالمومنین کی اور تیری زندگی میں اپنی اولاد کو خوش کروں۔ میں نے پوچھا کہ اس کے لیے تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خلیفہ سے اس بات کی اجازت

لے دے کہ میں اپنے لڑکوں کا ختنہ محل میں کروں۔ میں نے کہا کہ جا اور ان کا ختنہ کر اور خلیفہ سے مل کر اس کو خبر کر دوں گا۔ وہ چلا گیا اور میں تجھ سے کہنا

بھول گیا۔

خلیفہ نے کہا کہ اے جعفر' پہلے تو ایک گناہ کا مرتکب تھا' اب دو ہو گئے کیونکہ تو نے دہرا جرم کیا۔ ایک یہ کہ تو نے مجھے خبر نہ دی اور دوسرا یہ کہ تو نے شیخ ابراہیم کا مدعا پورا نہ کیا' کیونکہ اس کے تیرے پاس آنے اور تجھ سے کہنے کی وجہ محض یہ تھی کہ وہ تجھ سے کچھ دام چاہتا تھا جس سے اس کا کام چلے۔ تو نے نہ تو اس کو کچھ دیا اور نہ مجھ کو خبر دی۔ جعفر نے کہا کہ اے امیرالمومنین' میں بھول گیا۔ خلیفہ نے کہا کہ مجھے اپنے باپ دادا کی قسم میں باقی رات اس کے ساتھ گزاروں گا کیونکہ وہ نیک مرد ہے اور مشائخ اور فقرا کی صحبت میں رہتا ہے اور ان کی ضیافت کرتا ہے اور وہ لوگ ضرور اس کے پاس ہوں گے۔ ممکن ہے کہ ان کی ایک دعا سے ہمیں دنیا اور آخرت بھی بھلائی ملے۔ مصلحت کا متقضا یہی ہے کہ میں بھی اس کے پاس موجود ہوں۔ علاوہ بریں شیخ ابراہیم کو اس سے خوشی بھی ہو گی۔ جعفر نے کہا کہ امیرالمومین رات زیادہ ہو چکی ہے اور وہ اٹھ رہے ہوں گے۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ ان کے پاس ضرور چلنا چاہیے۔ جعفر چپ ہو گیا اور اس کو حیرانی ہوئی اور اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے۔

خلیفہ اٹھ کھڑا ہوا اور جعفر اس کے ساتھ تھا اور دونوں کے ہمراہ مسرور خادم تھا۔ تینوں کے تینوں بھیس بدل کر چل دیئے اور خلیفہ کے محل سے نکل کر وہ گلی کوچوں کو سوداگروں کے لباس میں طے کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اس باغ کے دروازے پر پہنچ گئے۔ اب خلیفہ آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہے کہ باغ کا دروانہ کھلا ہوا ہے۔ اس پر اسے تعجب ہوا اور کہنے لگا کہ اے جعفر' دیکھ شیخ ابراہیم نے اس وقت تک دروانہ کیوں کھول رکھا ہے؟ وہ تو ایسا کبھی نہیں کرتا تھا۔ اب وہ اندر گئے اور باغ کے آخر تک پہنچ کر محل کے نیچے ٹھہر گئے۔ خلیفہ نے کہا کہ اے' جعفر میں چاہتا ہوں کہ اندر

جانے سے پہلے میں ان کو چھپ کر دیکھ لوں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور مشائخ کا بھی نظارہ کر لوں کیونکہ اب تک میں ان کی کوئی آہٹ نہیں پاتا اور نہ کسی فقیر کو خدا کا ذکر کرتے ہوئے سنتا ہوں۔ اب خلیفہ نے ادھر ادھر دیکھا تو اس کی نظر ایک اخروٹ کے اونچے درخت پر پڑی اور وہ کہنے لگا کہ اے جعفر' میں چاہتا ہوں کہ اس درخت پر چڑھ جاؤں کیونکہ اس کی شہنیاں جھروکوں کے قریب ہیں اور ان کو دیکھوں۔
یہ کہہ کر خلیفہ درخت پر چڑھ گیا اور ایک شاخ سے دوسری پر گزرتا ہوا اس شاخ پر جا پہنچا جو جھروکے کے سامنے تھی اور اس پر جا کر بیٹھ گیا اور محل کے جھروکے میں سے دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے گویا دو چاند' پاک ہے ذات جس نے انہیں پیدا کیا اور ان کی شکل و صورت بنائی! اور اس نے دیکھا کہ شیخ ابراہیم بیٹھا ہوا ہے اور اس کے ہاتھ میں پیالہ ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ اے حسینوں کی آقا' شراب بغیر گانے کے بے کار ہے کیونکہ میں نے ایک شاعر کو یہ کہتے سنا ہے:
"شراب کا دور بوڑھوں اور جوانوں دونوں میں چلا اور اسے اس شخص کے ہاتھ سے لے جو روشن چاند کی طرح حسین ہو اور بغیر گانے کے مت پی کیونکہ گھوڑے بھی سیٹی کے ساتھ پیتے ہیں۔"
جب خلیفہ نے شیخ ابراہیم کو یہ حرکت کرتے دیکھا تو اس کے غصے کی رگ دونوں آنکھوں کے درمیان پھول گئی اور وہ درخت پر سے اتر کر کہنے لگا کہ اے جعفر' میں نے نیک بندوں کو کبھی اس حالت میں نہیں دیکھا۔ اب تو بھی اس درخت پر چڑھ کر نظارہ کر تاکہ تو بھی نیک بندوں کی برکتوں سے مستفید ہو۔
جب جعفر نے امیرالمومنین کو یہ کہتے سنا تو حیران ہو گیا اور درخت پر چڑھا تو کیا دیکھتا ہے کہ نور الدین اور شیخ ابراہیم اور لڑکی وہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور شیخ کے ہاتھ میں پیالہ ہے۔ جب جعفر نے یہ دیکھا تو اسے یقین آ گیا کہ اب میری جان کی خیر نہیں۔
وہاں سے وہ نیچے اترا اور امیرالمومنین کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ خلیفہ نے اس سے کہا

کہ اے جعفر' خدا کا شکر ہے کہ ہم ظاہری شریعت کے پیرو ہیں! جعفر کے منہ سے مارے شرمندگی کے کوئی بات نہ نکلی۔ خلیفہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ آخر ان کو اس جگہ کون لایا اور کس نے انہیں میرے محلؔ میں داخل کیا! لیکن اس لڑکے اور لڑکی کا سا حسن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ جعفر نے اس کی رضا جوئی کے لیے کہا کہ اے میرے آقا سلطان' تو بالکل سچ کہتا ہے۔ اس نے کہا کہ اے جعفر' چل ہمارے ساتھ اس شاخ پر چڑھ جو ان کے سامنے ہے تاکہ ہم لطف اٹھائیں۔

اب دونوں کے دونوں درخت پر چڑھ کر ان کو دیکھنے لگے اور شیخ ابراہیم کو یہ کہتے سنا کہ اے میری مالکہ' میں نے شراب پی کر اپنا سارا وقار کھو دیا مگر بغیر باجے گاجے کے اس میں مزہ نہیں۔ انیس الجلیس نے جواب دیا کہ اے شیخ ابراہیم' واللہ اگر ہمارے پاس کوئی باجا ہوتا تو ہم پوری طرح لطف اٹھا سکتے۔ جب شیخ نے یہ سنا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور خلیفہ نے جعفر سے کہا کہ دیکھیں یہ کیا کرنے جا رہا ہے! جعفر نے کہا کہ مجھے بھی معلوم نہیں۔ اب شیخ ابراہیم غائب ہو گیا اور ایک سارنگی لے کر لوٹا۔ خلیفہ نے غور کیا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ ابو اسحٰق الندیم کی سارنگی ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ اگر یہ لڑکی برا گائے گی تو میں تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا اور اگر یہ اچھا گائے گی تو میں ان کو معاف کر دوں گا اور محض تجھ کو سولی پر چڑھا دوں گا۔

جعفر نے کہا کہ خدایا وہ برا گائے! خلیفہ نے پوچھا کہ یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ اس وجہ سے کہ تو ہم سب کو سولی پر چڑھا دے اور ایک دوسرے کی ہمدردی کرے۔ خلیفہ یہ سن کر ہنس پڑا۔ اب لڑکی نے سارنگی کو اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا کہ اس کے تار اترے ہوئے ہیں اور ان کو ٹھیک کر کے اس طرح بجانا شروع کیا کہ سب کے دل اس کی طرف مائل ہو گئے اور وہ یہ اشعار گانے لگی:

"اے ہم مسکین عاشقوں کے مددگار' محبت اور آرزوؤں کی آگ ہم کو جلا رہی ہے۔ اگر تم ہماری مدد کرو تو ہم اس کے مستحق ہیں۔ ہم نے تمہارے یہاں آکر پناہ لی ہے لٰہذا

ہمیں برا مت کہو۔ ہم ذلیل اور غریب ہیں اس لیے تمہارا جو جی آئے ہمارے ساتھ کرو۔ اگر تم ہمیں اپنے گھر میں قتل کر ڈالو تو یہ بات تمہارے لیے فخر کا باعث نہ ہو گی' مگر ہمیں ڈر ہے تو یہ کہ کہیں تم گناہ میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔"

خلیفہ نے کہا کہ اے جعفر' واللہ کیا خوب گائی! میں نے عمر بھر اس کی طرح خوش کن آواز نہیں سنی۔ جعفر نے کہا کہ شاید اب خلیفہ کا غصہ جاتا رہا۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں جاتا رہا۔ اب وہ دونوں درخت پر سے اترے اور خلیفہ جعفر سے کہنے لگا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان کے پاس جا کر بیٹھوں اور لڑکی میرے سامنے گا کر سنائے۔ اس نے کہا کہ اگر تو ان کے پاس جائے گا تو ان کی خوشی مکدر ہو جائے گی اور شیخ ابراہیم تو مارے ڈر کے مر جائے گا۔ خلیفہ نے کہا کہ اے جعفر تو کوئی نہ کوئی ترکیب نکال کہ ہم ان کے پاس جائیں اور انہیں معلوم نہ ہو۔

اب خلیفہ اور جعفر دجلے کے کنارے پہنچے اور اسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک ماہی گیر محل کے جھروکوں کے نیچے کھڑا مچھلیاں پکڑ رہا ہے۔ اس سے پہلے خلیفہ نے ایک بار شیخ ابراہیم کو بلا کر پوچھا تھا کہ محل کے جھروکوں کے نیچے سے یہ کیا آواز آ رہی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ماہی گیروں کی آواز ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ جا انہیں اس جگہ سے مچھلیاں پکڑنے سے منع کر اور ماہی گیروں کو ممانعت کر دی گئی کہ وہاں مچھلیاں نہ پکڑا کریں۔ اس رات پھر ایک ماہی گیر وہاں پہنچا' جس کا نام کریم تھا اور دروازہ کھلا دیکھ کر دل میں کہنے لگا کہ لوگ اس وقت بے خبر ہیں' اس کو مچھلیاں پکڑنے کے لیے غنیمت سمجھنا چاہیے۔ یہ کہہ کر اس نے جال لیا اور دریا میں پھینکا۔ اتنے میں خلیفہ اکیلا اس کے سر پر آ پہنچا اور اسے پہچان لیا اور کہنے لگا کہ اے کریم! جب اس نے کسی کو اپنا نام لیتے سنا تو وہ اس طرف متوجہ ہوا اور جب دیکھا کہ خلیفہ ہے تو اس کا بدن کانپنے لگا اور اس نے کہا کہ اے امیرالمومنین' خدا کی قسم' میں نے تیرے حکم کا مذاق اڑانے کے لیے یہ نہیں کیا بلکہ

فاقے اور اہل و عیال کی مجبوری کی وجہ ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ میرے نام سے مچھلیاں پکڑ۔ ماہی گیر خوش ہو کر آگے بڑھا اور جال پھینکا اور تھوڑی دیر انتظار کیا یہاں تک کہ وہ تھاہ میں پہنچ گیا۔ اب اس نے جال کھینچا تو طرح طرح کی مچھلیاں آئیں۔ خلیفہ خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے کریم' اپنے کپڑے اتار۔ جب اس نے اپنے کپڑے اتارے تو اس کے جبے میں سخت اونی کپڑوں کے سینکڑوں پیوند لگے ہوئے تھے اور اس میں دم دار جوئیں تھیں اور اس نے اپنے سر سے پگڑی اتاری جس کو اس نے تین سال سے نہیں کھولا تھا۔ اور جو چیتھڑا اسے ملتا' وہ اس کے اوپر ہی سی لیتا۔ جب اس نے اپنا جبہ اور عمامہ اتار دیا تو خلیفہ نے اپنے بدن پر سے دو لباس اتارے جو اسکندریہ اور بعلبک کے ریشم کے تھے' ایک قمیض تھی اور ایک قبا۔ اب اس نے صیاد سے کہا کہ ان کو لے کر پہن لے اور خلیفہ نے ماہی گیر کا جبہ اور عمامہ پہن لیا اور اس کے پلو سے اپنا منہ لپیٹ لیا اور اس سے کہا کہ جا اپنا کام کر۔

اس شخص نے خلیفہ کے پاؤں چومے اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ اتنے میں خلیفہ کے بدن پر جوئیں رینگنے لگیں اور وہ انہیں دہنے اور بائیں ہاتھ سے اپنی گردن پر سے پکڑ پکڑ کر پھینکتا جاتا تھا۔ اس نے ماہی گیر سے کہا کہ تف ہو تجھ پر! تیرے جبے میں کتنی جوئیں ہیں! اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا' ابھی تو تجھے معلوم ہو گا کہ وہ کاٹتی ہیں لیکن ایک ہفتے کے بعد بالکل محسوس نہ ہوں گی بلکہ تجھے ان کا خیال بھی نہ آئے گا۔ خلیفہ ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ تف ہو تجھ پر! کیا میں اس جبے کو ہمیشہ پہنے رہوں گا! ماہی گیر نے کہا کہ میں تجھ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے کہہ۔ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین' میرے دل میں ابھی یہ خیال گزرا ہے کہ چونکہ تو مچھلیاں پکڑنا سیکھنا چاہتا ہے تاکہ ایک فائدہ مند پیشہ تجھے آ جائے' یہ جبہ تیرے لیے بہت مناسب ہے۔ خلیفہ ماہی گیر کی باتوں پر ہنسنے لگا اور ماہی گیر چلتا ہوا۔ اب خلیفہ نے مچھلیوں کا ٹوکرا لیا اور اس کے اوپر گھاس ڈال کر جعفر کے پاس آیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ جعفر نے خیال کیا کہ وہ کریم

ماہی گیر ہے اور ڈرا کہ کہیں اسے نقصان نہ پہنچے اور اس سے کہنے لگا کہ اے کریم! تو یہاں کیوں آیا ہے' بھاگ اپنی جان بچا کیونکہ آج رات خلیفہ باغ میں ہے' اگر اس نے تجھے دیکھ پایا تو تیرا سر اڑا دے گا۔ خلیفہ جعفر کی باتیں سن کر ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی سے جعفر نے اسے پہچان لیا اور کہنے لگا کہ غالباً تو ہمارا آقا سلطان ہے۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ ہاں' اے جعفر' اور تو میرا وزیر ہے اور ہم تم یہاں ساتھ آئے ہیں مگر تو نے مجھے پہچانا نہیں تو شیخ ابراہیم جو نشے میں ہے' مجھے کس طرح پہچان سکتا ہے! تو یہاں ٹھہرا رہ۔ جب تک کہ میں واپس نہ آؤں۔ جعفر نے کہا کہ بسرو چشم۔

اب خلیفہ محل کے دروازے پر گیا اور آہستہ سے دستک دی۔ نور الدین نے کہا کہ اے شیخ ابراہیم' کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ اس نے پوچھا کہ دروازے پر کون ہے؟ جواب آیا کہ اے شیخ ابراہیم' میں ہوں۔ شیخ نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں کریم ماہی گیر ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تیرے یہاں مہمان آئے ہیں۔ اس لیے میں تیرے لیے کچھ مچھلیاں لایا ہوں کیونکہ وہ بہت اچھی ہیں۔ جب نور الدین اور لڑکی نے مچھلیوں کا نام سنا تو وہ خوش ہو گئے اور کہنے لگے کہ اے میرے آقا' دروازہ کھول کر اس کو مع مچھلیوں کے اندر لے آ۔ شیخ ابراہیم نے دروازہ کھولا اور خلیفہ ماہی گیر کے بھیس میں اندر آیا اور سب سے پہلے سلام کیا۔

شیخ ابراہیم نے اس سے کہا کہ مرحبا' اے ڈاکو' چور اور جواری' آ اور اپنی مچھلیاں ہمیں دکھا۔ جب انہوں نے دیکھا تو مچھلیاں زندہ تھیں اور حرکت کر رہی تھیں۔ لڑکی نے کہا کہ اے میرے آقا' یہ مچھلیاں بہت اچھی ہیں' کاش کہ وہ تلی ہوئی ہوتیں! شیخ ابراہیم نے کہا کہ واللہ اے میری آقا' تو سچ کہتی ہے اور اس نے خلیفہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے ماہی گیر تو ان مچھلیوں کو تل کر کیوں نہیں لایا؟ فوراً اٹھ اور انہیں تل کر لا۔ خلیفہ نے کہا کہ میں انہیں ابھی تل کر حاضر کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ جلدی کر۔ خلیفہ اٹھ کر چل دیا اور جعفر کے پاس پہنچا اور اس سے کہنے لگا کہ

اے جعفر! اس نے جواب دیا کہ ہاں اے امیرالمومنین' خیر تو ہے! اس نے کہا کہ وہ مجھ سے تلی ہوئی مچھلیاں مانگتے ہیں۔ جعفر نے کہا کہ مجھے اپنے آباؤ اجداد کی قسم' میں انہیں خود اپنے ہاتھ سے تلوں گا۔ یہ کہہ کر خلیفہ باغبان کے جھونپڑے میں گیا اور تلاش کر کے ہر چیز نکالی حتیٰ کہ نمک اور زعفران اور پودینہ وغیرہ وغیرہ اور چولہے کے پاس جا کر اس پر کڑاہی چڑھائی اور مچھلیوں کو نہایت خوبی سے تلا۔ جب تل چکا تو اس نے انہیں کیلے کے پتے پر رکھا اور باغ میں سے گرے ہوئے پھل اور نیبو لیے اور جا کر مچھلیوں کو ان کے سامنے رکھ دیا۔ لڑکا اور لڑکی اور شیخ ابراہیم آگے بڑھے اور انہوں نے کھایا۔ جب کھا چکے تو ہاتھ دھوئے۔

نور الدین نے کہا کہ اے ماہی گیر' آج رات تو نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے اور اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ان دیناروں میں سے جو اسے سنجر نے چلتے وقت دیئے تھے' تین دینار نکالے اور صیاد سے کہا کہ معاف کر! خدا کی قسم اگر میری اس حالت سے پہلے میری ملاقات تجھ سے ہوتی تو میں تیری غربت کی تکلیف دور کر دیتا۔ لیکن انہیں تبرک لے لے۔ یہ کہہ کر اس نے دینار خلیفہ کی طرف پھینکے اور خلیفہ نے انہیں اٹھا کر بوسہ دیا۔ اس سے خلیفہ کا مقصد محض یہ تھا کہ لڑکی کا گانا سنے اور اس نے کہا کہ تو نے میرے ساتھ احسان کیا اور بھلائی کی' مگر میں تجھ سے اس بھلائی کا خواہش مند ہوں کہ یہ لڑکی مجھے ایک راگ سنا دے اور میں اسے سن لوں۔ نور الدین علی نے کہا کہ اے انیس الجلیس! میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ نور الدین نے کہا کہ تجھے میری جان کی قسم' اس ماہی گیر کی خاطر کچھ گا کر سنا کیونکہ وہ تیرا گانا سننا چاہتا ہے۔ جب لڑکی نے اپنے آقا سے یہ سنا تو اس نے سارنگی اٹھائی اور تار درست کر کے اسے بجانے اور گانے لگی اور اتنا اچھا بجایا کہ حاضرین دنگ رہ گئے۔ خلیفہ کو وجد آ گیا اور وہ جھومنے لگا اور مارے خوشی کے آپے سے باہر ہو گیا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم' کیا خوب! خدا کی قسم کیا خوب! خدا کی قسم کیا خوب! نور الدین نے ماہی

گیر سے پوچھا کہ تجھے یہ لڑکی پسند ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم ہاں۔ نور الدین نے کہا کہ وہ میری طرف سے تیری نذر ہے' ایسے سخی کی نذر جو دے کر واپس نہیں لیتا اور بخشش کر کے لوٹاتا نہیں۔ اب نور الدین اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی چادر لے کر ماہی گیر کی طرف پھینک دی اور کہا کہ لڑکی کو لے کر چلتا ہو۔ لڑکی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے میرے آقا' تو بغیر رخصت ہوئے چلا جا رہا ہے۔ اگر جانا ہی ہے تو ذرا ٹھہر جا تاکہ تجھ سے رخصت ہو لوں اور اپنا حال تجھے سنا دوں۔ یہ کہہ کر وہ یہ اشعار پڑھنے لگی۔

"جب میرے دل میں عشق کی آگ اور تمنا اور افسوس کی آگ بھڑک رہی ہو تو جسم میں کمزوری کے آثار کیوں نہ نمایاں ہوں۔ اے میرے دوستو' یہ مت کہو کہ ہم تمہیں تسلی دیں گے کیونکہ میری حالت ابتر ہے اور میرا درد لا دوا۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ کوئی شخص اپنے آنسوؤں میں تیرے تو سب سے پہلے میں اپنے آنسوؤں میں تیرتی۔ تیری محبت میرے دل میں اس طرح مل جل گئی ہے جیسے پیالے میں پانی اور شراب۔ آج وہی جدائی کا دن آ گیا۔ جس سے میں ڈرتی تھی' تیری محبت سے میرے دل و جگر کمزور ہو گئے ہیں۔ اے ابن خاقان' تو میرا مقصد اور تو ہی میری آرزو ہے اور تیری محبت میرے دل میں ہمیشہ کے لیے جاگزیں ہو گئی ہے۔ تو نے میرے متعلق ہمارے آقا اور سردار کی نافرمانی کی ہے اور وطن کو چھوڑ کر یہاں آ پڑا ہے۔ خدا کرے کہ میرا آقا مجھے چھوڑ کر پریشان نہ ہو! تو نے مجھے ایک سخی اور ممدوح کے حوالے کیا ہے۔"

جب وہ یہ اشعار پڑھ چکی تو نور الدین نے ان اشعار میں اس کا جواب دیا:

"وہ مجھ سے جدائی کے روز رخصت ہوئی اور مارے اشتیاق کے رو رو کر یہ کہتی تھی کہ میری جدائی کے بعد تو کیا کرے گا؟ میں نے اس سے کہا کہ یہ تو اس سے پوچھ جو تیرے بعد زندہ رہے۔"

جب خلیفہ نے اس کے یہ الفاظ سنے کہ تو نے مجھے ایک سخی کے حوالے کیا ہے تو

اس کے دل میں اس کی محبت بڑھ گئی اور اس کے دل پر یہ گراں گزرا کہ دونوں میں جدائی ہو اور وہ لڑکے سے کہنے لگا کہ اے میرے آقا' اس لڑکی نے اپنے اشعار میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ تو نے اس کے آقا کی نافرمانی کی ہے اور اس کے مالک کی۔ بیان کر کہ تو نے کس کی نافرمانی کی اور کون تیرے پیچھے لگا ہوا ہے؟ نور الدین نے کہا کہ اے ماہی گیر' میرا اور اس لڑکی کا عجیب و غریب ماجرا ہے' اگر اسے سوئیوں سے آنکھوں کے گوشے پر لکھا جائے تو اس سے عبرت حاصل کرنے والے عبرت حاصل کریں گے۔ خلیفہ نے کہا کہ ہم سے اپنا ماجرا بیان کر اور ہمیں اپنا قصہ سنا' تعجب نہیں کہ یہ تیری خوشی کا باعث ہو! کیونکہ خدا کی طرف سے خوشی جلد آنے والی ہے۔ اور پر نور الدین نے اپنا سر نیچا کر کے سارا قصہ بیان کر دیا اور دہرانے میں کوئی فائدہ نہیں۔ جب وہ اپنا قصہ سنا چکا تو خلیفہ نے کہا کہ اے میرے آقا' نور الدین' اپنی حالت اور زیادہ تفصیلی کے ساتھ سنا۔ جب خلیفہ کو اس کا سارا حال شروع سے آخر تک معلوم ہو گیا تو س نے پوچھا کہ اب تیرا قصد یہاں سے کہاں جانے کا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ میں تجھے سلطان محمد بن سلیمان الزینی کے نام ایک خط دیتا ہوں' جب وہ اسے پڑھے گا تو پھر وہ تجھے تکلیف اور اذیت نہ پہنچائے گا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• اڑتیسویں رات

جب اڑتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب خلیفہ نے نور الدین سے کہا کہ میں سلطان محمد بن سلیمان الزینی کے نام ایک خط دیتا ہوں' جو وہ اسے پڑھے گا تو پھر وہ تجھے تکلیف اور اذیت نہ پہنچائے گا تو نور الدین نے کہا کہ دنیا میں کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ماہی گیر بادشاہوں سے خط و کتابت کریں' یہ ناممکن بات ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے لیکن اس کا ایک خاص سبب ہے۔ ہم دونوں نے ایک ہی مکتب میں اور ایک ہی ملا سے پڑھا ہے اور میں مکتب کا ناظم تھا۔ اس کے بعد قسمت نے اس کی یاوری کی اور وہ والی ہو گیا اور خدا نے مجھے گرا کر ماہی گیر بنا دیا۔ مگر جب کبھی میں نے اس سے کوئی درخواست کی ہے تو اس نے وہ پوری کی ہے اور اگر میں اس سے ہر روز ہزار درخواستیں بھی کروں تو وہ پوری کرے گا۔ جب نور الدین نے یہ سنا تو کہا کہ بہت خوب' لکھ۔ میں دیکھوں تو سہی۔ اس نے قلم دوات لی اور بسم اللہ کے بعد لکھا: یہ خط ہاروں الرشید بن المہدی کی طرف سے محمد بن سلیمان الزینی کے نام ہے جس پر میں نے یہ احسان کیا ہے کہ اس کو ایک پورے صوبے کا والی بنایا۔ یہ خط میں تیرے پاس نور الدین علی ابن خاقان الوزیر کے ہاتھ بھیجتا ہوں۔ اس خط کے پہنچتے ہی تو حکومت سے دست بردار ہو جائیو اور اس کو والی بنا دیجیو اور میرے حکم کی نافرمانی مت کیجیو۔ واالسلام" یہ خط لکھ کر اس نے نور الدین کو دے دیا۔ نور الدین نے اسے لے کر بوسہ دیا اور اپنی پگڑی میں رکھ کر فوراً وہاں سے روانہ ہو گیا۔

یہ نور الدین کا قصہ ہوا۔ اب خلیفہ کا حال سنئے۔ وہ ماہی گیروں کے بھیس میں تو تھا ہی۔ شیخ ابراہیم نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے ذلیل ترین ماہی گیر' تو ہمارے لیے دو مچھلیاں لایا جن کی قیمت دس درہم ہوتی ہے اور اس کے عوض میں تجھے تین

دینار ملے' اب تو چاہتا ہے کہ لڑکی کو بھی لے جائے۔ جب خلیفہ نے اس کی باتیں سنیں تو اسے ڈانٹا اور مسرور کی طرف اشارہ کیا۔ مسرور پردے سے نکل کر اس کی طرف دوڑا۔ اس اثنا میں جعفر نے باغ کے پیادوں میں سے ایک شخص کو شاہی محل کے دربان کے پاس بھیجا تھا کہ وہ جا کر اس سے بادشاہ کی پوشاک لے آئے۔ وہ شخص جا کر پوشاک لے آیا اور آکر خلیفہ کے آگے زمین پر بوسہ دیا۔ خلیفہ نے وہ کپڑے جو وہ پہنے ہوئے تھا' اتار کر اس کے ہاتھ میں تھما دیئے اور پوشاک پہن لی۔ شیخ ابراہیم کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور خلیفہ اس کے سامنے کھڑا دیکھ رہا تھا کہ اب کیا ہوتا ہے' اور اس نے دیکھا کہ شیخ گھبرا گیا اور اس کے حواس جاتے رہے۔ اور وہ دانتوں سے اپنی انگلیاں کاٹنے لگا اور اس نے کہا کہ یا اللہ' میں سو رہا ہوں یا بیدار ہوں! خلیفہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے شیخ ابراہیم' اس وقت تیری کیا حالت ہو رہی ہے؟ یہ سن کر اس کا نشہ ہرن ہو گیا اور وہ زمین پر گر پڑا اور معافی مانگنے لگا۔
خلیفہ نے اسے معاف کر دیا اور حکم دیا کہ لڑکی کو محل میں پہنچا دیا جائے۔ جو وہ محل میں پہنچی تو خلیفہ نے اس کے لیے محل کا ایک حصہ خالی کرا دیا اور اس کی خدمت کے لیے نوکر چاکر مقرر کر دیئے اور اس سے کہا کہ میں نے تیرے آقا کو والی بنا کر بصرے بھیج دیا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک خلعت روانہ کروں گا اور تجھے اس کے پاس بھیج دوں گا۔

یہ تو ان لوگوں کا ماجرا ہوا۔ اب نور الدین علی ابن خاقان کا قصہ سنئے۔ وہ وہاں سے چل کر بصرے گیا اور سلطان کے محل میں پہنچا اور بلند آواز سے پکارا۔ بادشاہ نے اس کی آواز سنی اور اسے بلا لیا۔ جب وہ اس کے سامنے حاضر ہوا تو اس نے زمین کو بوسہ دیا اور خط نکال کر اس کے سامنے پیش کیا۔ جوں ہی اس نے دیکھا کہ سرنامہ امیرالمومنین کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے تو وہ سروقد کھڑا ہو گیا اور خط کو تین بار بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ بسرو چشم' میں پہلے خدا کا اور پھر امیرالمومنین کا فرمانبردار ہوں۔ اس کے بعد اس نے چار قاضیوں اور امراء کو بلایا اور چاہتا تھا کہ حکومت سے دست بردار

ہو جائے کہ اتنے میں اس کا وزیر معین بن ساویٰ پہنچا اور سلطان نے اسے وہ خط دے دیا۔ اس نے پڑھا ور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے منہ پر ڈال لیا اور چبا کر تھوک دیا۔ سلطان نے غصے میں آکر اس سے کہا کہ تف ہو تجھ پر! تو نے یہ حرکت کیوں کی؟ اس نے جواب دیا کہ اے ہمارے آقا سلطان' تیری جان کی قسم' یہ شخص نہ خلیفہ سے ملا ہے اور نہ اس کے وزیر سے بلکہ محض دھوکے باز ہے' شیطان ہے' مکار ہے۔ اس کے ہاتھ خلیفہ کا ایک جعلی خط لگ گیا ہے اور وہ اس سے اپنا مطلب نکالنا چاہتا ہے۔ خلیفہ نے اسے ہرگز نہیں بھیجا ہے اور نہ وہ تجھ کو حکومت سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے اور نہ اس شخص کے پاس شاہی خط ہے اور نہ فرمان' بلکہ وہ ہرگز ہرگز خلیفہ کے پاس سے نہیں آیا ہے۔ اگر یہ بات درست ہوتی تو وہ اس کے ساتھ کوئی حاجب یا وزیر ضرور بھیجتا۔ لیکن وہ تنہا آیا ہے۔ حاکم نے پوچھا تو پھر کیا کرنا چاہتا؟ وزیر نے کہا کہ اس جوان کو میرے ساتھ کر دے اور میں اسے تیرے پاس سے لے جا کر ایک حاجب کے ہمراہ بغداد بھیجتا ہوں۔ اگر وہ سچا ہے تو ہمارے پاس بادشاہی خط اور پروانہ لے آئے گا اور اگر نہ لایا تو میں اس سے بدلہ لوں گا کیونکہ یہ میرا مجرم ہے۔

جب حاکم نے وزیر معین بن ساویٰ کی باتیں سنیں تو کہا کہ اچھا اسے لے جا۔ وزیر اسے لے کر اپنے گھر گیا اور غلاموں کو بلایا اور انہوں نے اسے زمین پر لٹا کر یہاں تک مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ پھر وہ اس کے پاؤں میں بھاری بیڑیاں ڈال کر قید خانے لے گئے۔ وزیر نے قید خانے کے داروغہ کو بلایا۔ اس نے آکر اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اس داروغہ کا نام قطیط تھا۔ وزیر نے اس سے کہا کہ "قطیط' میں چاہتا ہوں کہ تو اسے لے جا کر قید خانے کی ایک کالی کوٹھری میں بند کر دے اور دن رات اسے سزا دیا کرے۔" داروغہ نے کہا کہ بسرو چشم اور اسے قید خانے لے گیا اور اندر سے قفل ڈال دیا اور ایک چوکی صاف کرا کے جو دروازے کے پیچھے تھی اس پر ایک گدا اور قالین بچھوایا اور نور الدین کو بٹھا کر اس کی بیڑیاں کھول دیں اور

اسے اچھی طرح سے رکھا۔ وزیر ہر روز داروغہ کے پاس حکم بھیجتا کہ وہ اسے مارے مگر وہ مارنے سے باز رہتا۔ سلطان نے اسے دیکھا تو وہ اسے بہت پسند آیا اور اس نے اس کے بارے میں وزیروں سے مشورہ کیا۔ بعضوں نے کہا کہ ہو نہ ہو' یہ ہدیہ نئے سلطان کے لیے ہے۔ وزیر معین بن ساوی نے کہا کہ بہتر تھا اگر وہ آتے ہی قتل کر دیا گیا ہوتا! سلطان نے کہا کہ تو نے خوب یاد دلایا! اس کو یہاں لا کر اس کی گردن اڑا دے۔ وزیر نے جواب دیا کہ بسرو چشم' اور اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں چاہتا ہوں کہ شہر میں ڈھنڈورا پٹوا دوں کہ جو کوئی نور الدین علی بن خاقان کی گردن زدنی کا تماشا دیکھنا چاہتا ہو' وہ محل کے پاس آئے۔ یہ سن کر چھوٹے بڑے تماشہ دیکھنے آئیں گے اور میرا دل ٹھنڈا ہو گا اور میرے دشمن منہ کی کھائیں گے۔ سلطان نے کہا کہ جو تیرا جی چاہے کر۔ وزیر خوش وہاں سے روانہ ہوا اور شہر کے حاکم کے پاس جا کر کہا کہ ڈھنڈورا پٹوا دے۔

جب لوگوں نے ڈھنڈورا سنا تو سب کے سب غمزدہ ہو گئے اور رونے پیٹنے لگے۔ حتیٰ کہ مکتب کے بچے اور دوکانوں کے دوکاندار تک' اور لوگوں نے آ آ کر بہت پہلے سے جگہیں گھیر لیں تاکہ وہاں سے تماشا دیکھیں اور بعض تو قید خانے پہنچے تاکہ اس کے ساتھ ساتھ آئیں' اور وزیر بھی دس غلاموں کو لیکر قید خانے پہنچا۔ قطیط نے پوچھا کہ اے ہمارے آقا' وزیر کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس حرامزادے کو حاضر کر۔ داروغہ نے کہا کہ میں نے مارتے مارتے اس کا برا حال کر دیا ہے۔ اب داروغہ نے اندر جا کر اس کے عمدہ کپڑے اتار ڈالے اور اسے ایک جوڑا سیلے کپڑے پہنا کر وزیر کے پاس لے گیا۔ نور الدین نے دیکھا کہ اب وہ اپنے دشمن کے پاس ہے جو اسے قتل کرنا چاہتا ہے تو رونے لگا اور وزیر سے کہا کہ کیا تو زمانے کے ہاتھ سے بچ جائے گا۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اے علی' کیا یہ باتیں تو میرے ڈرانے کے لیے کرتا ہے؟ آج میں بصرے والوں کی مرضی کے خلاف تیری گردن مار ڈالوں گا اور مجھے اس کی بالکل پروا نہیں کہ زمانہ میرے

ساتھ کیا کرے اور تیرے مشورے کو میں بالکل دھیان میں نہیں لانے کا۔ اب وزیر نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اسے خچر پر بٹھائیں۔ غلاموں پر یہ بات سخت گزری اور انہوں نے نور الدین سے کہا کہ ہمیں اجازت دے کہ ہم اسے زمین پر پٹک کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ نور الدین نے کہا کہ ایسا ہرگز مت کرنا۔

اب نور الدین پر ڈھنڈورا پٹنے لگا کہ یہ کم سے کم سزا اس شخص کی ہے جو بادشاہوں پر بہتان لگاتا ہے اور لوگ اسے بصرے میں پھرانے لگے اور پھرا کر محل کے جھروکے کے نیچے لے آئے اور اسے خونی چبڑے سے لٹکا دیا اور جلاد آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا' میں محض غلام ہوں اور اس کام پر مامور کیا گیا ہوں۔ اگر کوئی تیری خواہش ہو تو کہہ تاکہ میں پورا کر دوں کیونکہ اب تیری زندگی اسی وقت تک ہے جب تک سلطان جھروکے سے منہ نہ نکالے۔ یہ سن کر نور الدین دہنے اور بائیں اور آگے اور پیچھے دیکھنے لگا اور دیکھا کہ لوگ اس پر رو رہے ہیں اور جلاد جا کر اس کے لیے ایک گھونٹ پانی لایا اور اس کے سامنے پیش کیا۔ یہ دیکھ کر وزیر اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک ہاتھ مار کر پانی کے کوزے کو توڑ ڈالا اور جلاد سے ڈانٹ کر کہا کہ اس کی گردن اڑا دے۔ اب جلاد نے نور الدین کی دونوں آنکھوں پر پٹی باندھی اور لوگوں نے وزیر پر شور مچانا شروع کر دیا اور مجمع میں رونا پیٹنا مچ گیا اور ایک دوسرے سے سوال پر سوال ہونے لگے۔

اب وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک گرد اٹھی چلی آ رہی ہے اور غبار سے ہوا بھر گئی ہے۔ جب سلطان نے اپنے محل میں سے یہ دیکھا تو لوگوں سے کہنے لگا کہ دیکھو' کیا بات ہے۔ وزیر نے کہا کہ پہلے ہم اس کی گردن اڑا دیں۔ سلطان نے کہا کہ خبر آنے تک ٹھہر جا۔ یہ غبار خلیفہ کے وزیر جعفر برمکی اور اس کے ساتھیوں کا تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ تیس دن تک خلیفہ کو نور الدین کی کچھ خبر نہ ملی تھی اور کسی سے بھی اس کا حال معلوم نہ ہوا تھا یہاں تک کہ ایک دن وہ انیس الجلیس کے کمرے کے پاس سے گزرا اور دیکھا کہ وہ رو رہی ہے۔ خلیفہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا

اور انیس الجلیس کو روتے ہوئے پایا۔ جب اس نے خلیفہ کو دیکھا تو وہ زمین پر گر پڑی اور تین بار اس کے پاؤں چومے۔ خلیفہ نے کہا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں وہی کنیز ہوں جسے علی ابن خاقان نے تجھ کو ہدیے میں دیا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ تو اپنا وعدہ پورا کرے جو تو نے مجھ سے کیا تھا کہ تو مجھے خلعت کے ساتھ اس کے پاس بھیج دے گا۔ آج تیس دن ہوتے ہیں کہ میں نے نیند کا مزہ بالکل نہیں چکھا۔

یہ سن کر خلیفہ نے جعفر برمکی کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ اے جعفر تیس دن سے علی بن خاقان کی کوئی خبر نہیں آئی ہے اور میرا خیال ہے کہ سلطان نے اسے قتل کر دیا ہے لیکن مجھے اپنے سر کی اور اپنے آباؤ اجداد کی مٹی کی قسم' اگر اس کے ساتھ کوئی بری بات پیش آئی تو میں اس کے مرتکب کو بے تباہ کئے نہ چھوڑوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تو ابھی بصرے جا کر خبر لا کہ ملک محمد بن سلیمان الزینی نے علی ابن خاقان کے ساتھ کیا کیا اور اس سے کہا کہ اگر آنے جانے سے زیادہ تو نے دیر لگائی تو تیری گردن اڑا دوں گا۔ تو میرے بھائی سے نور الدین علی بن خاقان کا قصہ بیان کیجیو اور یہ کہ میں نے اسے اپنا خط دے کر بھیجا تھا اور اے میرے بھائی' اگر تو دیکھے کہ سلطان نے میرے حکم کے خلاف کوئی حرکت اس کے ساتھ کی ہے تو اسے وزیر معین بن ساوئی کو جس طرح وہ بیٹھے ہوں' لے آئیو اور راہ کے سفر سے زیادہ دیر نہ لگائیو۔ جعفر نے کہا کہ بسرو چشم اور فوراً سفر کی تیاری کر کے چل دیا یہاں تک کہ بصرے پہنچا۔ مگر اس کے بصرے پہنچنے سے پہلے محمد بن سلیمان الزینی کو اس کے آنے کی خبر معلوم ہو چکی تھی۔ جب جعفر وہاں پہنچا اور شور و غل اور بھیڑ دیکھی تو اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ بھیڑ کیسی ہے؟ انہوں نے نور الدین علی بن خاقان کا سارا ماجرا بیان کیا۔ یہ سن کر جعفر بہت تیزی سے سلطان کے پاس پہنچا اور اسے سلام کر کے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اور یہ کہ اگر علی بن خاقان کا ذرا بھی بال بیکا ہوا تو خلیفہ اس کے مرتکب کو تباہ کر ڈالے گا۔

یہ کہہ کر اس نے سلطان اور وزیر معین بن ساوی دونوں کو گرفتار کر لیا اور حکم دیا کہ نور الدین کو رہا کر دیا جائے اور اسے سلطان محمد بن سلیمان الزینی کی جگہ سلطان بنا کر بٹھا دیا اور تین دن تک جو ضیافت کی مدت ہے' بصرے میں ٹھہرا رہا۔ جب چوتھا دن ہوا تو علی ابن خاقان نے جعفر سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں امیرالمومنین کی زیارت کا مشتاق ہوں۔ جعفر نے محمد بن سلیمان الزینی سے کہا کہ سفر کی تیاری کر کیونکہ ہم نماز پڑھ کر بغداد کے لیے سوار ہو جائیں گے۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم۔ اب وہ نماز پڑھ کر سب کے سب چل دیئے اور وزیر معین بن ساوی ان کے ساتھ تھا اور اپنے کئے پر سخت پشیمان تھا۔

نور الدین علی ابن خاقان جعفر کے پہلو بہ پہلو گھوڑے پر سوار تھا۔ چلتے چلتے وہ دارالسلام بغداد پہنچے اور خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو انہوں نے اس سے نور الدین کا قصہ بیان کیا اور یہ کہ انہوں نے اس کو مرنے کے قریب دیکھا۔

یہ سن کر خلیفہ نے علی بن خاقان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ یہ تلوار لے اور اس سے دشمن کی گردن اڑا دے۔ وہ تلوار لے کر معین بن ساوی کی طرف بڑھا۔ معین نے کہا کہ میں نے اپنی فطرت کے موافق عمل کیا ہے' تو اپنی فطرت کے موافق عمل کر۔ نور الدین نے تلوار اپنے ہاتھ سے پھینک دی اور خلیفہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ اے امیرالمومنین' اس نے اپنی باتوں سے مجھے فریفتہ کر لیا ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ اچھا تو اسے مت مار' اور مسرور سے کہا کہ اے مسرور' تو اٹھ اور اس کی گردن اڑا دے۔ مسرور اٹھا اور اس نے اس کی گردن اڑا دی۔

اب خلیفہ نے علی ابن خاقان سے کہا کہ جو تو چاہے مجھ سے مانگ۔ اس نے جواب دیا کہ اے میرے سردار' مجھے بصرے کی حکومت کی ضرورت نہیں بلکہ میری تمنا ہے کہ میں تیری خدمت سے ممتاز ہوں اور تجھے دیکھا کروں۔ خلیفہ نے کہا کہ بسرو چشم' اب خلیفہ نے لڑکی کو بلایا اور جب وہ آئی تو اس نے ان کے ساتھ انعام و اکرام کیا اور بغداد کے محلوں میں سے ایک محل ان کے رہنے کے لیے دیا اور ان کے لیے

روزینہ مقرر کیا اور نور الدین کو اپنا ہم پیالہ بنایا' اور مرتے دم تک انہوں نے عیش و عشرت سے زندگی گزاری لیکن یہ کہانی سوداگر اور اس کی اولاد کی کہانی سے زیادہ عجیب

و غریب نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ وہ کیا ہے؟

○ غانم بن ایوب کی کہانی

اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ پرانے زمانے میں ایک سوداگر تھا۔ اس کے پاس بہت دولت تھی اور اس کا ایک لڑکا تھا جو چودھویں رات کے چاند کی طرح خوبرو تھا اور اس کی گفتگو بہت پیاری تھی۔ اس کا نام غانم بن ایوب اور لقب سودائی اور عشق کا قتیل تھا۔ اس کی ایک بہن تھی' جس کا نام فتنہ تھا اور جو حسن و جمال میں یکتا تھی۔ جب ان کے باپ کا انتقال ہوا تو اس نے ان کے لیے بہت دولت ترکے میں چھوڑی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

انتالیسویں رات

جب انتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ اس سوداگر نے ان کے لیے بے حد مال چھوڑا۔ منجملہ اس کے سو گٹھے ریشم اور دیباج کے اور بہت سے

نافے مشک کے اور گٹھوں کے اوپر لکھا تھا کہ یہ بغداد کے لیے مخصوص ہیں اور یہی اس کا ارادہ تھا کہ بغداد کا سفر کرے۔ جب اس کا انتقال ہو گیا اور اس پر ایک زمانہ گزر گیا تو اس کے بیٹے نے گٹھے لے کر بغداد کا سفر کیا اور یہ زمانہ خلیفہ ہارون الرشید کا تھا۔ روانگی سے پیشتر وہ اپنی ماں اور عزیز و اقارب اور شہر والوں سے رخصت ہوا اور خدا پر بھروسہ کر کے چل پڑا۔ خدا نے اس کی تقدیر میں سلامتی لکھی تھی اور وہ بغداد پہنچ گیا اور راہ میں اس کے ساتھ کئی اور سوداگر تھے۔ وہاں پہنچ کر اس نے ایک خوبصورت مکان کرائے پر لیا اور اس میں قالین بچھائے اور تکیے لگائے اور پردے لٹکائے اور ان گٹھوں اور خچروں اور اونٹوں کو وہاں اتارا اور کچھ روز وہاں رہ کر آرام کیا اور سوداگر اور بغداد کے دوسرے بڑے بڑے لوگ اس کے سلام کو آئے۔

اب اس نے ایک بقچہ لیا جس میں دس تھان نفیس کپڑوں کے تھے اور جن پر دام پڑے ہوئے تھے اور انہیں لے کر سوداگروں کے بازار میں پہنچا۔ انہوں نے اس کی آؤ بھگت کی اور آداب بجا لائے اور اس کا احترام کیا اور اسے اتار کر بازار کے چودھری کی دوکان پر بٹھایا۔ اس نے چودھری کو وہ بقچہ دیا اور اس نے اس میں سے تھان نکال کر بیچے اور ہر دینار پر دو دینار کا فائدہ ہوا۔ اس پر غانم بہت خوش ہوا اور کپڑوں اور تھانوں کو ایک ایک کر کے بیچنے لگا۔ یہ دستور پورے ایک سال تک رہا۔ دوسرے سال کے شروع میں جب وہ قیصریہ آیا جو بازار کے اندر ہے تو دیکھا کہ اس کا دروازہ بند ہے۔ سبب پوچھنے پر لوگوں نے کہا کہ ایک سوداگر کا انتقال ہو گیا ہے اور تمام دوسرے سوداگر اس کے جنازے میں گئے ہوئے ہیں، تو بھی ان کے ساتھ جا کر ثواب حاصل کر۔ اس

نے جواب دیا کہ بہت خوب' اور پوچھا کہ جنازہ کہاں ہے؟ لوگ اسے جنازے کی جگہ لے گئے اور وضو کر کے سوداگروں کے ساتھ ساتھ ہو لیا یہاں تک کہ وہ مسجد پہنچے اور جنازے کی نماز پڑھی۔ اب تمام سوداگر جنازے کے آگے آگے قبرستان چلے اور شرم کی وجہ سے غانم بھی ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اب وہ جنازے کو لے کر بغداد سے باہر چلے اور قبروں کے بیچ میں سے وہتے ہوئے دفن کی جگہ پہنچے۔ یہاں انہوں نے دیکھا کہ میت والوں نے قبر کے اوپر خیمہ لگا رکھا ہے اور موم بتیاں اور قندیلیں لا کر رکھی ہیں۔ انہوں نے میت کو دفن کیا اور قاری قرآن پڑھنے قبر پر بیٹھ گئے اور تمام سوداگر بھی بیٹھ گئے اور ان کے ساتھ غانم بن ایوب بھی' کیونکہ شرم و حیا اس پر غالب تھی اور وہ اپنے دل میں کہتا تھا کہ میں ان کو چھوڑ کر جا نہیں سکتا' انہیں کے ساتھ جاؤں گا۔ وہ لوگ عشاء کے وقت تک بیٹھے قرآن سنا کئے اور اس کے بعد ان کے سامنے رات کا کھانا اور شرینی پیش کی گئی اور انہوں نے پیٹ بھر کر کھایا اور ہاتھ دھو کر پھر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

غانم کا دل اپنے مکان اور مال میں لگا ہوا تھا اور اسے چوروں کا ڈر تھا اور وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا میں پردیسی ہوں اور لوگ جانتے ہیں کہ میرے پاس مال ہے۔ اگر میں آج رات گھر سے دور رہا تو چور گھر میں سے مال اور گٹھے چرا کر لے جائیں گے۔

اس ڈر سے وہ اٹھا اور لوگوں سے علیحدہ ہو کر ان سے اجازت مانگی کہ مجھے ایک ضرورت درپیش ہے۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا اور راہ کی ٹوہ لگاتے لگاتے شہر کے دروازے پر پہنچ گیا۔ یہ آدھی رات کا وقت تھا اور اس نے دیکھا کہ شہر کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور نہ کوئی آ رہا ہے نہ جا رہا ہے اور سوائے کتوں کے بھونکنے اور بھیڑوں کے چلانے کے کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ وہ لوٹ پڑا اور کہنے لگا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ! میں اپنے مال کے ڈر کے مارے وہاں سے چلا آیا لیکن یہاں دروازہ بند نکلا اور اب مجھے اپنی جان کا بھی ڈر لگ رہا ہے۔ وہ پیچھے لوٹ کر دیکھنے لگا کہ شاید اسے کوئی جگہ ایسی مل جائے' جہاں وہ رات کاٹ سکے اور اسے ایک مقبرہ دکھائی دیا جس کے گرد چار دیواری تھی

اور اندر ایک کھجور کا درخت تھا ور اس کا دروازہ جو پتھر کا تھا' کھلا ہوا تھا۔ وہ اس کے اندر گیا اور ارادہ کیا کہ سو جائے لیکن اسے نیند نہ آئی بلکہ اسے وہاں ڈر لگتا تھا ور وحشت ہوتی تھی کیونکہ چاروں طرف قبریں ہی قبریں تھیں۔ اب وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دروازہ کھول کر ادھر ادھر دیکھنے لگا تو اسے دور سے ایک روشنی دکھائی دی جو کہ شہر کے دروازے کی طرف سے آ رہی تھی۔ وہ ذرا آگے بڑھا تو دیکھا کہ روشنی اسی راستے پر ہے جو اس مقبرے کو آتا ہے جس میں کہ وہ ہے۔ اب غانم کو اپنی جان کا ڈر لگا اور فوراً دروازہ بند کر کے کھجور کے درخت پر چڑھ گیا اور اپنے دل میں سوچنے لگا اور دیکھا کہ روشنی آہستہ آہستہ مقبرے کے قریب آ رہی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس تک پہنچ گئی۔ اس نے روشنی کی طرف غور کیا تو تین حبشیوں کو دیکھا جن میں دو کے سر پر ایک صندوق تھا اور تیسرے کے ہاتھ میں چراغ اور بیلچہ۔ جب وہ مقبرے کے پاس پہنچے تو ان دونوں حبشیوں میں سے جن کے سر کے اوپر صندوق تھا ایک نے کہا کہ اے صواب' یہ کیا بات ہے! دوسرے حبشی نے کہا کہ اے کافور' یہ کیا بات ہے! کیا عشاء کے وقت جب ہم یہاں تھے تو ہم نے دروازہ کھلا ہوا نہیں چھوڑا تھا؟ دوسرے نے جواب دیا کہ تو سچ کہتا ہے۔ اس نے کہا کہ اب وہ بند ہے اور دونوں پاٹ ملے ہوئے ہیں۔ تیسرے نے جو بیلچہ اور روشنی لیے ہوئے تھا اور جس کا نام نجیت تھا کہا کہ تم کیسے کم عقل ہو! تمہیں معلوم نہیں کہ بغداد کی نرم جگہ کے رہنے والے یہاں سیر کرنے آتے ہیں اور جب رات ہو جاتی ہے تو یہاں اندر آکر دروازہ بند کر لیتے ہیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری طرح حبشی ان کو پکڑ لیں اور تل کر کھا جائیں ل۔ انہوں نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے لیکن ہم میں سے کوئی تجھ سے زیادہ کم عقل نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ تم اس وقت مجھے سچا جانو گے جب ہم مقبرے میں جائیں اور دیکھیں کہ واقعی وہاں کوئی شخص موجود ہے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ جب اس نے ہمارے ساتھ روشنی دیکھی تو ہمارے ڈر کے مارے کھجور کے درخت پر چڑھ

گیا۔

جب غانم نے غلام کی باتیں سنیں تو اپنے دل میں کہنے لگا کہ اے ملعون ترین غلام' خدا تجھے اور تیری عقل و معرفت کو رسوا کرے!

لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم! میرے پاس ہے کیا جس کی وجہ سے ان حبشیوں سے چھٹکارا ملے۔ اب صندوق لادنے والوں نے اس سے کہا جس کے پاس بیلچہ تھا کہ اے نجیت' دیوار پر چڑھ کر اندر سے دروازہ کھول کیونکہ ہم صندوق کو گردن پر لادے لادے تھک گئے ہیں۔ اگر تو ہمارے لیے دروازہ کھول دے گا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ جن کو ہم اندر پکڑیں گے' ان میں سے ایک کو تیرے لیے اس خوبی سے تلوں گا کہ اس کی چربی میں سے ایک قطرہ بھی ضائع نہ ہونے پائے گا۔ نجیب نے کہا کہ میں ایک بات سے ڈرتا ہوں جو میری کم عقلی کی وجہ سے میرے خیال میں آئی ہے' اس لیے ہمیں چاہیے کہ صندوق کو دروازے کے پیچھے پھینک دیں کیونکہ اس میں ذخیرہ ہے۔ دونوں نے جواب دیا کہ اگر ہم اسے پھینکیں گے تو وہ ٹوٹ جائے گا۔ اس نے ان دونوں سے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ مقبرے کے اندر کہیں چور نہ ہوں جو لوگوں کو قتل کر کے ان کا مال اڑا لاتے ہیں کیونکہ رات کے وقت وہ لوگ ایسی ہی جگہوں پر آکر اپنا مال تقسیم کرتے ہیں۔ دونوں صندوق اٹھانے والوں نے کہا کہ اے کم عقل' ان کی مجال ہے کہ وہ اس مقبرے میں داخل ہو سکیں! یہ کہہ کر ان دونوں نے صندوق اٹھایا اور دیوار پر چڑھ کر اندر اتر گئے اور دروازہ کھول دیا' اور تیسرا حبشی جو نجیت تھا' وہ ان کے پاس چراغ اور بیلچہ اور ایک ٹوکری لیے کھڑا تھا' جس میں کچھ چونا تھا۔ اب وہ دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے اور ایک ان میں سے کہنے لگا کہ بھائیو' ہم چلنے اور صندوق کو اٹھانے بٹھانے اور دروازہ کو کھولنے بند کرنے کی وجہ سے تھک گئے ہیں اور اب آدھی رات ہو چکی ہے اور ہم میں اتنی جان نہیں کہ مقبرے کو کھود کر صندوق کو گاڑیں۔ اس لیے آؤ' ذرا تین گھنٹے آرام کر لیں' اس کے بعد اٹھ کر

اپنا کام کر لیں گے' اب ہم میں سے کوئی ایک اپنی سرگزشت بیان کرے۔

○ کافور اور اس کے خصی ہونے کی کہانی

کافور غلام نے کہا کہ اے بھائیو' بچپن میں جبکہ میری عمر آٹھ سال کی تھی۔ میں بردہ فروشوں سے ہر سال ایک جھوٹ بولتا تھا مگر ایسا کہ وہ ایک دوسرے سے لڑ پڑتے تھے۔ اس پر میرا بردہ فروش مجھ سے بہت ناراض ہوا اور مجھے دلال کے سپرد کر کے اس سے کہا کہ بولی لگا کہ اس غلام کو باوجود اس کے عیب کے کون خریدنا چاہتا ہے؟ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا عیب ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہر سال ایک جھوٹ بولتا ہے۔ یہ سن کر ایک سوداگر دلال کی طرف بڑھا اور کہا کہ اس عیب کی بنا پر اس کے کیا دام لگتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ چھ سو درہم۔ سوداگر نے کہا کہ اور تیرا حق بیس درہم۔ جب اس کے اور بردہ فروش کے درمیان فیصلہ ہو گیا اور بردہ فروش نے اس سے درہم لے لیے تو دلال نے مجھے اس سوداگر کے گھر پہنچایا اور اپنی دلالی لے کر واپس چلا گیا۔ سوداگر نے مجھے مناسب کپڑے پہنائے اور سال بھر تک میں اس کی خدمت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ دوسرے سال کا چاند بخیر و خوبی نکلا۔ یہ سال مبارک سال تھا اور کھیتی کی افراط تھی۔ اس لیے سوداگر ہر روز دعوت کرتے اور ہر روز ایک ایک کی باری ہوتی یہاں تک کہ میرے مالک کی باری آئی اور دعوت کے لیے شہر سے باہر ایک باغ مقرر کیا گیا۔ میرے مالک نے کھانے پینے کا سامان لیا اور سوداگروں کو ساتھ لے کر باغ کو روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر ان لوگوں نے بیٹھ کر کھانا پینا اور شراب نوشی کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا۔ اب میرے مالک کو گھر سے کسی چیز کے لانے کی ضرورت پڑی اور اس نے مجھ سے کہا کہ اے غلام' خچر پر سوار ہو جا اور اپنی مالکہ سے فلاں چیز لے کر فوراً آ۔

میں اس کا حکم بجا لایا اور گھر گیا۔ جب میں مکان کے قریب پہنچا تو میں چلانے لگا۔

یہ دیکھ کر محلے کے سارے چھوٹے بڑے جمع ہو گئے۔ جب میرے مالک کی بیوی اور اس کی بیٹیوں نے میرا رونا پیٹنا سنا تو انہوں نے دروازہ کھول کر مجھ سے ماجرا پوچھا۔ میں نے کہا کہ میرا آقا اور اس کے ساتھی ایک پرانی دیوار کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ دیوار ان پر آ پڑی۔ جب میں نے یہ ماجرا دیکھا تو میں خچر پر سوار ہو کر فوراً تمہیں خبر دینے آیا ہوں۔ جب مالک کی بیٹیوں اور بیوی نے یہ سنا تو وہ چلانے اور اپنے کپڑے پھاڑنے اور سر پیٹنے لگیں اور محلے والے ان کے پاس آ پہنچے۔ میرے مالک کی بیوی نے مکان کا سارا سامان ایک دوسرے کے اوپر لوٹ دیا اور الماریاں خراب کر دیں اور طاق اور جھروکے توڑ ڈالے اور دیواروں کو مٹی اور نیل سے لیپ دیا اور مجھ سے کہنے لگی کہ اے کافور' تف ہو تجھ پر' آ کر میری مدد کر اور ان الماریوں کو خراب کر اور ان برتنوں اور چینی کے سامان وغیرہ کو توڑ ڈال۔ میں اس کے پاس گیا اور اس کے ساتھ مل کر الماریاں اور جو کچھ الماریوں میں تھا' توڑ ڈالا۔ اب میں چھتوں پر اور تمام کمروں میں گیا اور وہاں جتنے چینی کے برتن وغیرہ پائے' توڑ ڈالے۔ یہاں تک کہ کوئی چیز باقی نہ چھوڑی اور میں چلاتا جاتا کہ ہائے میرے آقا!

اب میری مالکہ منہ کھولے ہوئے اور بالوں پر محض رومال باندھے ہوئے باہر آئی اور اس کے ساتھ اس کے لڑکے' لڑکیاں آئیں اور کہنے لگے کہ ہمارے آگے آگے چل اور ہمیں وہ جگہ دکھا جہاں تیرا آقا دیوار کے نیچے مردہ پڑا ہے تا کہ ہم اسے ملبے کے نیچے سے نکال کر تابوت میں رکھیں اور گھر لے آئیں اور خوبصورتی کے ساتھ اس کا جنازہ نکالیں۔ میں ان کے آگے آگے' "ہائے میرے آقا" چلاتا ہوا جاتا تھا اور وہ میرے پیچھے پیچھے منہ کھولے ہوئے اور سر برہنہ آ رہے تھے اور مردے پر ہائے ہائے کر رہے تھے۔ محلے کے سارے مرد اور عورتیں اور بچے اور بوڑھے ہمارے ساتھ تھے اور منہ پیٹ رہے تھے اور روتے جاتے تھے۔ اس حالت میں' میں اس کے ساتھ شہر سے گزر رہا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اور انہوں نے جو کچھ مجھ سے سنا تھا' بیان کر دیا۔ لوگوں نے کہا کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ۔ ایک شخص نے کہا کہ وہ بڑا شخص

تھا' ہمیں چاہیے کہ جا کر حاکم کو خبر کریں۔ جب وہ حاکم کے پاس پہنچے اور اس کو خبر دی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی' جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

چالیسویں رات

جب پوری چالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ۔ جو وہ لوگ والی کے پاس پہنچے اور اسے خبر کی تو وہ فوراً اٹھ کر سوار ہو گیا اور اپنے ساتھ مزدوروں کو لیا جن کے پاس بیلچے اور ٹوکرے تھے اور وہ سب کے سب میرے پیچھے ہو لیے۔ اس کے ساتھ بہت سے لوگ تھے اور میں ان کے آگے آگے منہ پر طمانچے مارتا ہوا واویلا کر رہا تھا اور میری مالکہ اور اس کے بال بچے میرے پیچھے رو پیٹ رہے تھے۔ اب میں ان کے آگے آگے دوڑ کر ان سے بہت آگے بڑھتا گیا اور میں چلا جاتا اور سر پر خاک ڈالتا جاتا اور منہ پر طمانچے مارتا جاتا تھا۔ جب میں باغ میں پہنچا اور میرے مالک نے دیکھا کہ میں طمانچے مار مار کر یہ کہہ رہا ہوں کہ ہائے میری مالکہ! ہائے! ہائے! میری مالکہ کے بعد اب کون میرے ساتھ ہمدردی کرے گا! کاش اس کے بجائے میں مر جاتا۔ جب میرے آقا نے مجھے دیکھا تو وہ پریشان ہو گیا اور اس کا رنگ زرد پڑ گیا اور کہنے لگا کہ اے کافور' تجھے کیا ہوا؟ آخر کیا خبر ہے؟ میں نے جواب دیا کہ جب تو نے مجھے اپنے گھر بھیجا اور میں اندر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کمرے کی دیوار گری پڑی ہے اور میری مالکہ اور اس کے بچے سب اس کے نیچے دب گئے ہیں۔ اس نے مجھ سے کہا کہ تیری مالکہ بچی نہیں؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں خدا کی قسم' اے میرے آقا' ایک بھی نہیں بچا اور سب سے پہلے میری بڑی آقا مری۔ اس نے کہا کہ میری چھوٹی بیٹی بچ گئی؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اور میرے خچر کا کیا حال ہے' جس پر میں سوار ہوتا ہوں؟ وہ تو بچ گیا ہے ناں؟ میں نے کہا کہ اے میرے آقا' خدا کی قسم' وہ بھی نہیں بچا کیونکہ گھر اور اصطبل کی دیواروں نے گر کر مکان کی ہر چیز کو تباہ کر دیا حتیٰ کہ بھیڑوں اور مرغیوں تک کو' اور وہ گوشت کا لوتھڑا ہو کر رہ گئیں اور کتے انہیں کھا گئے اور ایک کا بھی نشان

باقی نہیں رہا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ تیرا بڑا آقا تو صحیح سالم ہے؟ میں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! ان میں سے ایک بھی نہیں بچا اور اس وقت نہ مکان کا پتہ ہے اور نہ مکین کا۔ حتیٰ کہ ان کا نشان تک باقی نہیں اور بھیڑوں اور بطخوں اور مرغیوں کو تو بلیوں اور کتوں نے کھا کر ختم کر دیا۔

جب میرے آقا نے میری باتیں سنیں تو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور اس کے ہوش و حواس جاتے رہے اور پاؤں تھرانے لگے اور اعضاء شل ہو گئے اور کمر ٹوٹ گئی اور اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور داڑھی نوچ ڈالی اور سر پر سے پگڑی اتار کر پھینک دی اور اپنے منہ پر اتنے طمانچے مارے کہ خون بہنے لگا اور وہ چلانے لگا کہ ہائے میری اولاد! ہائے میری بیوی! ہائے میری مصیبت! جو مصیبت مجھ پر آئی وہ کسی پر نہ آئی ہو گی! اس کے رونے پیٹنے کی وجہ سے اس کے دوسرے رفیق سوداگر بھی رونے پیٹنے لگے اور اس کی حالت پر ان کا دل کڑھنے لگا اور انہوں نے بھی اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اب میرا آقا اس باغ سے نکلا اور وہ اپنی مصیبت کی وجہ سے طمانچے مار رہا تھا اور طمانچوں کی وجہ سے وہ متوالا سا ہو رہا تھا۔

جوں ہی وہ سوداگروں کے ساتھ باغ کے دروازے سے نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ سخت گرد و غبار اٹھ رہا ہے اور لوگ واویلا کر رہے ہیں۔ اب اس نے ان آنے والوں کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ والی اور اس کے ساتھ چلے آ رہے ہیں اور ایک عالم تماشائی ہے اور ان کے پیچھے پیچھے اس کے بال بچے چلا رہے اور واویلا کر رہے ہیں اور رو پیٹ رہے ہیں۔ سب سے پہلے میرے آقا کی نظر اپنی بیوی بچوں پر پڑی۔ ان کو دیکھ کر وہ گھبرا گیا اور ہنسنے لگا اور ٹھہر گیا اور کہنے لگا کہ تم لوگوں کا کیا حال ہے؟ اور تم پر گھر میں کیا گزری؟ اور تمہاری سرگزشت کیا ہے؟ جب انہوں نے اس کو دیکھا تو کہنے لگے کہ شکر ہے خدا کا تو صحیح و سالم ہے۔ یہ کہہ کر وہ اس سے لپٹ گئے اور اس کے بچوں نے اسے گلے لگا لیا اور چلانے لگے کہ ہائے ابا جان! خدا کا شکر ہے

کہ تو سلامت ہے' اے ہمارے باپ! اور اس کی بیوی نے اس سے کہا کہ تو خیریت سے تو ہے! شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں تیرا دیدار سلامتی کے ساتھ کرا دیا اور اسے دیکھ کر وہ سہم گئی اور اس کی عقل جاتی رہی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا تو اور تیرے رفیق سوداگر کس طرح بچ گئے؟ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ گھر میں تمہارے اوپر کیا گزری؟ اس نے جواب دیا کہ ہم سب بخیر و عافیت ہیں اور ہمارے گھر پر بھی کوئی حادثہ نہیں گزرا' سوائے اس کے کہ تیرا غلام کافور بال کھلے اور کپڑے پھٹے ہمارے پاس آیا اور وہ ہائے آقا! ہائے آقا! چلا رہا تھا۔ ہم نے کہا کہ اے کافور کیا بات ہے! اس نے جواب دیا کہ باغ کی دیوار میرے آقا اور دوسرے سوداگروں پر جو اس کے ساتھ تھے' آ پڑی اور وہ سب کے سب مر گئے۔ اس نے کہا کہ اور ابھی وہ میرے پاس آیا اور چلا چلا کر کہنے لگا کہ ہائے میری آقا اور میری آقا کی اولاد! اور کہنے لگا کہ میری آقا اور اس کی اولاد سب کے سب مر گئے۔

اب اس نے ایک طرف دیکھا تو اس کی نظر میرے اوپر پڑی اور میرے سر پر پگڑی پھٹی ہوئی تھی اور میں چلا رہا تھا اور زار زار رو رہا تھا اور اپنے سر پر خاک ڈالتا جاتا تھا۔ اس نے مجھے بلایا اور جب میں اس کے پاس پہنچا تو وہ کہنے لگا کہ اے منحوس غلام' اے حرام زادے' اے ملعون جنس' یہ تو نے کیا جھوٹ گھڑے ہیں؟ واللہ میں تیری کھال اتاروں گا اور تیرے تکے بوٹیاں کر ڈالوں گا۔ میں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم' تو میرا کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ تو نے اس شرط سے مجھے خریدا ہے کہ مجھ میں ایک عیب ہے اور جب تو نے میرے عیب کے ساتھ مجھے خریدا تھا تو اس پر گواہوں کی گواہیاں بھی موجود ہیں اور تجھے اس کا علم ہے' اور وہ عیب یہ ہے کہ ہر سال ایک جھوٹ بولتا ہوں۔ یہ تو آدھا جھوٹ تھا' جب سال پورا ہو جائے گا تو میں دوسرا آدھا جھوٹ بولوں گا تاکہ پورا ایک جھوٹ ہو جائے۔ اب اس نے مجھے ڈانٹ کر کہا کہ اے کتے کے پلے' اے منحوس ترین غلام' یہ سارا آدھا جھوٹ ہے جو اتنی بڑی مصیبت لایا! دور ہو میرے سامنے سے! میں تجھے فی سبیل اللہ آزاد کرتا ہوں۔

میں نے جواب دیا کہ تیرے آزاد کرنے سے کیا ہوتا ہے! میں تجھے اس وقت تک آزاد نہ کروں گا جب تک کہ سال پورا نہ ہو جائے اور میں باقی آدھا جھوٹ نہ بول لوں۔ جب میں جھوٹ کو پورا کر لوں تو تو مجھے بازار لے جا کر اسی میرے عیب کی شرط سے بیچ ڈالیو' جس شرط سے تو نے مجھے خریدا ہے۔ مگر مجھے آزاد مت کر کیونکہ میں کوئی دست کاری نہیں جانتا جس سے میں اپنی روزی کما سکوں۔ یہ مسئلہ جو میں تجھ سے بیان کر رہا ہوں شرعی مسئلہ ہے جس کا بیان فقیہوں نے باب العتق میں کیا ہے۔

ہم میں یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ سب لوگ بھیڑ کے بھیڑ اور محلے کے مرد اور عورتیں سب کے سب عزاداری کے لیے پہنچ گئے اور والی مع اپنے ساتھیوں کے بھی آ پہنچا اور میرا آقا اور دوسرے سوداگر اس کے پاس گئے اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور یہ کہ ابھی آدھا جھوٹ ہوا ہے۔ جب انہوں نے اس کی زبانی سنا تو انہوں نے کہا کہ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے اور انہیں اس پر سخت تعجب ہوا اور وہ مجھ پر لعنت بھیجنے اور مجھے برا بھلا کہنے لگا اور میں وہاں کھڑا ہنس رہا اور کہہ رہا تھا کہ میرا آقا کس بنا پر مجھے قتل کرے گا کیونکہ یہ عیب جانتے ہوئے اس نے مجھے خریدا ہے۔

جب میرا آقا گھر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سب چیزیں ٹوٹی پھوٹی پڑی ہیں اور ان میں سے سب سے زیادہ چیزیں میں نے ہی توڑی تھیں اور ایسی ایسی چیزیں توڑ ڈالی تھیں جو بے حد قیمتی تھیں اور اس کی بیوی نے بھی یہی کیا تھا۔ اب اس کی بیوی نے اس سے کہا کہ اسی کافور نے برتن اور چینی کا سامان توڑا ہے۔ یہ سن کر مالک اور طیش میں آگیا اور اس نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا اور کہا کہ واللہ' میں نے ایسا حرامی زندگی بھر کبھی نہیں دیکھا جیسا کہ یہ غلام ہے اور اس پر اس کا دعویٰ ہے کہ یہ ابھی آدھا جھوٹ ہوا۔ اگر پورا جھوٹ ہوتا تو دو ایک شہر تباہ ہو جاتے۔ اب مارے طیش کے وہ والی کے پاس گیا اور اس نے مجھے ناشتے میں کوئی ایسی چیز صفائی سے کھلا دی کہ میں بے ہوش ہو گیا اور مجھے دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔ مجھے اس غشی کی حالت میں چھوڑ کر وہ ایک نائی کو بلا لایا جس نے مجھے خصی کر کے داغ دیا۔ جب میری

آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو طواشی پایا اور میرا آقا مجھ سے کہنے لگا کہ جس طرح تو نے میری عزیز ترین چیزوں پر میرا دل جلایا ہے اسی طرح تیرے عزیز ترین عضو پر میں نے تیرا دل جلایا ہے۔ اب اس نے مجھے لے جا کر زیادہ قیمت پر بیچ ڈالا کیونکہ میں طواشی ہو چکا تھا اور میں جہاں کہیں بک کر جاتا' وہاں فتنہ برپا کرتا۔ اسی طرح میں ایک امیر سے دوسرے امیر کے پاس اور ایک بڑے آدمی سے دوسرے بڑے آدمی کے پاس پہنچا یہاں تک کہ امیرالمومنین کے محل میں آیا۔ لیکن اب میرا دل ٹوٹ چکا ہے اور میں ترکیبیں بھول چکا ہوں۔ جو دونوں غلاموں نے اس کی باتیں سنیں تو ہنسنے لگے اور کہا کہ تو پیدائشی گندہ اور پلید ہے اور برے سے برا جھوٹ بول سکتا ہے۔

اب انہوں نے تیسرے غلام سے کہا کہ تو اپنا قصہ بیان کر۔ اس نے جواب دیا کہ اے میرے بھائیو' جو کچھ کافور نے بیان کیا ہے فضول ہے۔ میرا قصہ بڑا لمبا چوڑا ہے اور اس وقت وہ بیان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اے میرے بھائیو' صبح قریب ہے اور اگر صبح ہونے تک یہ صندوق ہمارے پاس رہا تو ہماری رسوائی ہو گی بلکہ ہماری جان جائے گی لہٰذا دروازہ کھول دیا' دوسرے دونوں بھی اندر آ گئے اور انہوں نے چار قبروں کے درمیان صندوق کی لمبائی اور چوڑائی کے برابر ایک گڑھا کھودا۔ کافور کھودتا جاتا اور صواب ٹوکری سے مٹی ہٹاتا جاتا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے آدھے قد کے برابر کھودا اور صندوق کو اس کے اندر رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی اور مقبرے سے نکل کر دروازہ بند کیا اور چلتے ہوئے اور غانم بن ایوب کی نظر سے غائب ہو گئے

جب سناٹا ہو گیا اور غانم کو میدان صاف نظر آیا اور اس کو یقین ہو گیا کہ وہ اکیلا ہے تو وہ یہ سوچنے لگا کہ آخر صندوق میں کیا ہو گا؟ اور اس نے اپنے دل میں کہا کہ معلوم تو کرنا چاہیے کہ اس صندوق میں کیا ہے۔ تھوڑی دیر وہ ٹھہرا رہا لیکن جب صبح ہوئی اور روشنی پھیلنے لگی تو وہ کھجور کے درخت سے پرے اترا اور ہاتھوں سے مٹی ہٹانے لگا' یہاں تک کہ مٹی ہٹ گئی اور صندوق نکل آیا۔ اب اس نے ایک بڑا سا پتھر لے کر قفل کو مار مار کر توڑ دیا اور اس کا ڈھکنا اٹھا کر دیکھا تو اس میں ایک

لڑکی کو پایا جو بھنگ کے اثر سے بے ہوش سو رہی تھی لیکن سانس آتی جاتی تھی اور وہ بے ہوش تھی اور اس کے سونے کے زیور اور جواہرات کے ہار اتنے قیمتی تھے' جتنے کہ کسی سلطان کی ساری بادشاہت اور جن کی قیمت داموں میں ادا نہیں کی جا سکتی۔

جب غانم بن ایوب نے اس کو دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ اسے دھوکا دے کر بھنگ پلا دی گئی ہے جوں ہی اس کو اس بات کا یقین آ گیا تو اسے اس کے علاج کی فکر ہوئی اور اس نے اسے صندوق میں سے نکال کر اس کی پیٹھ پر لٹا دیا۔ جب وہ کھلی ہوا میں آئی اور صاف ہوا اس کے نتھنوں میں داخل ہوئی تو اس نے چھینک لی۔ اس کے بعد وہ اٹھ بیٹھی اور اسے کھانسی آنے لگی اور اس کے حلق میں اقربطشی بھنگ کی اتنی بڑی ٹکیہ نکل پڑی کہ اگر وہ ہاتھ کو بھی سونگھائی جاتی تو وہ ایک رات سے لے کر دوسری رات تک بے ہوش رہتا۔ اب اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور ادھر ادھر نظر دوڑا کر بیٹھی اور فصیح زبان سے کہنے لگی کہ تف ہو تجھے پر اے ہوا! نہ تو تجھ سے پیاسوں کی پیاس بجھ سکتی ہے اور نہ سیروں کی دل جمعی ہو سکتی ہے۔ کہاں ہے زہرا بستان؟ اس پر اسے کوئی جواب نہ ملا تو اس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیرا اور کہنے لگی کہ اے صبیحہ! اے شجرہ الدرا اے نور الہدیٰ' اے نجمتہ الصبح تو تو پاک میٹھی اور خوبصورت دنیا میں ہے۔ آخر بولو تو سہی۔ پھر بھی اسے کوئی جواب نہ ملا۔

اب اس نے اپنی نظر چاروں طرف دوڑائی اور کہا کہ افسوس میری حالت پر! کیا تو نے مجھے قبروں کے درمیان دفن کر دیا؟ اے دلوں کے بھید جاننے والے اور قیامت کے دن جزا و سزا دینے والے کس نے مجھے پردوں اور خیموں سے لا کر یہاں چار قبروں کے بیچ میں رکھ دیا ہے۔

وہ یہ باتیں کر رہی تھی اور غانم چپ چاپ کھڑا ہوا تھا لیکن اب اس نے کہا کہ اے میری آقا' پردوں اور محلوں اور قبروں کا کیا ذکر! یہاں تو سوائے تیرے غلام غانم بن ایوب کے جو تیرا دیوانہ ہے اور کوئی نہیں اور خدا اسے تیری نجات کے لیے یہاں لے

آیا ہے اور اب تیرا انتہائی مقصد حاصل ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا۔ جب سارا معاملہ لڑکی کی سمجھ میں آ گیا تو اس نے کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ' اور دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا اور غانم کی طرف متوجہ ہو کر میٹھی میٹھی زبان سے کہنے لگی کہ اے مبارک جوان' مجھے یہاں کون لایا ہے؟ دیکھ' اب میں ہوش میں آ گئی ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ اے میری آقا' تین خصی غلام اس صندوق میں رکھ کر تجھے یہاں لائے تھے۔ یہ کہہ کر اس نے لڑکی سے اپنا سارا ماجرا بیان کر دیا اور یہ کہ اس نے رات کس طرح یہاں گزاری۔ یہاں تک کہ اس کی وجہ سے وہ بچ گئی ورنہ اس کا دم وہیں گھٹ گیا ہوتا۔

اب غانم نے کہا کہ تو اپنا قصہ سنا۔ اس نے کہا کہ اے نوجوان' شکر ہے خدا کا جو مجھے تجھ جیسے کے پاس لے آیا۔ اب فوراً اٹھ کر مجھے پھر اس صندوق میں بند کر دے اور باہر سڑک پر جا اور اگر تجھے کوئی کرائے کے گدھے یا خچر والا ملے تو اسے کرائے پر لے آنا کہ وہ اس صندوق کو لاد کر تیرے گھر پہنچا دے۔ اگر میں تیرے گھر رہی تو اس میں بھلائی ہے اور پھر میں تجھ سے اپنا قصہ بیان کروں گی اور میری وجہ سے تیرا بھلا ہو گا۔ غانم خوش ہو کر مقبرے سے باہر گیا اور دیکھا کہ دن نکل آیا ہے۔ اور چاروں طرف روشنی پھیل گئی ہے اور لوگ نکل کر چلنے پھرنے لگے ہیں۔

وہ ایک خچر والے کو کرائے پر ٹھہر کر مقبرے میں لایا اور صندوق کو اٹھا کر اس پر رکھا اور لڑکی اس صندوق کے اندر تھی اور اس کی محبت غانم کے دل میں گھر کر چکی تھی اور وہ اسے لے کر وہاں سے خوش خوش روانہ ہو گیا' کیونکہ لڑکی دس ہزار دینار سے کم کی نہ تھی اور اس کے کپڑے اور زیور تو اور بھی قیمتی تھے۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ وہ گھر پہنچ کر صندوق اتارے گا اور اسے کھول کر لڑکی کو نکالے گا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• اکتالیسویں رات

جب اکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب غانم بن ایوب صندوق لے کر اپنے گھر پہنچا تو اس نے اسے کھول کر لڑکی کو اس میں سے نکالا۔ اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی اور دیکھا کہ وہ مکان ایک خوبصورت محل ہے اور اس میں طرح طرح کے دل خوش کن رنگ کے قالین بچھے ہوئے ہیں اور کپڑوں کے ڈھیر اور گٹھے رکھے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر اسے معلوم ہو گیا کہ وہ بڑا سوداگر اور مالدار آدمی ہے۔ اب اس نے اپنا چہرہ کھولا اور اس کی طرف نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ خوبرو جوان ہے۔ اسے دیکھتے ہی وہ اس پر عاشق ہو گئی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا' کھانے کے لیے کوئی چیز لا۔ غانم نے کہا کہ بسرو چشم اور بازار جا کر اس نے ایک تلا ہوا میمنہ اور ایک سینی بھر مٹھائی خریدی اور نقل موم بتیاں اور نبیذ اور دوسری پینے کی چیزیں اور عطریات غرضکیہ جن جن کی ضرورت تھی' انہیں لے کر وہ گھر آیا۔ جب لڑکی نے یہ دیکھا تو وہ مسکرائی اور اس نے اسے بوسے دیئے اور گلے لگایا اور پیاری پیاری باتیں کرنے لگی جس کی وجہ سے غانم کی محبت اس کے ساتھ اور زیادہ ہو گئی اور وہ دل و جان سے اس پر فدا ہو گیا۔ اب دونوں کھانے اور شراب پینے بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی اور دونوں ایک دوسرے پر فریفتہ تھے کیونکہ دونوں کا سن ایک تھا اور دونوں ایک دوسرے کی طرح حسین تھے۔ جب رات ہوئی تو غانم بن ایوب اٹھا اور اس نے موم بتیاں اور قندیلیں روشن کر کے مکان کو چراغاں کر دیا۔ اب وہ مئے نوشی کے سامان لایا اور میز لگائی اور دونوں بیٹھ گئے۔ وہ شراب بھر کر اسے پلاتا تھا اور وہ بھر کر اسے پلاتی تھی اور دونوں ہنسی مذاق کرتے اور اشعار پڑھتے تھے۔ ان کی خوشی بڑھتی جاتی اور ایک دوسرے کا عشق زیادہ ہوتا جاتا تھا' پاک ہے وہ ذات جو دلوں کو ملاتی ہے! یہ ان کی حالت صبح کے قریب تک رہی۔ اب ان پر نیند کا غلبہ

ہوا اور دونوں اپنی اپنی جگہ جا کر سو گئے۔
جب سویرا ہوا تو غانم بن ایوب اٹھ کر بازار گیا اور کھانا پینا اور سبزی اور گوشت اور شراب وغیرہ وغیرہ جن جن چیزوں کی ضرورت تھی' خرید کر گھر لایا اور دونوں کھانے پینے بیٹھ گئے اور اتنا کھایا کہ سیر ہو گئے۔ اس کے بعد وہ شراب لائے اور مئے نوشی اور ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کی آنکھیں سیاہ اور رخسار سرخ ہو گئے۔ لڑکی کی آنکھ میں نیند بھری ہوئی تھی اور غانم بن ایوب کا جی چاہتا تھا کہ وہ اسے بوسہ دے۔ اس نے کہا کہ اے میری آقا' مجھے اجازت دے کہ میں تیرے منہ کو بوسہ دوں' شاید اس سے میرا دل ٹھنڈا ہو جائے۔ اس نے جواب دیا کہ اے غانم' صبر کر' یہاں تک کہ میں نشے میں بے ہوش ہو جاؤں' اس وقت تو میرا بوسہ چپکے سے لیجیو تاکہ مجھے معلوم نہ ہو کہ تو نے میرا بوسہ لیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ کھڑی ہو گئی اور اپنے کچھ کپڑے اتار ڈالے اور ایک چھوٹی قمیص اور ریشمی سربند پہنے رہی۔ یہ دیکھ کر غانم بے چین ہونے لگا اور اس نے کہا کہ اے میری آقا' جو بات میں نے تجھ سے کہی تھی اس کی مجھے اجازت دے دے۔ اس نے جواب دیا کہ واللہ' یہ بات تجھے نہیں حاصل ہونے کی کیونکہ میرے ازار بند پر ایک سخت جملہ لکھا ہوا ہے۔ یہ سن کر غانم بن ایوب کا دل ٹوٹ گیا اور محبت بڑھ گئی کیونکہ مقصد تک پہنچنے میں اسے دشواری نظر آئی اور اس کے دل کی آگ بھڑک اٹھی۔ ادھر اس کا یہ حال تھا اور ادھر وہ اس کو منع کرتی جاتی اور کہتی تھی کہ تیرے لیے میرا وصال ناممکن ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے عشق میں مبتلا تھے اور ساتھ بیٹھ کر شراب پی رہے تھے اور غانم بن ایوب' محبت کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا لیکن لڑکی کی سخت دلی اور ضد بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ رات کا اندھیرا چھا گیا اور دونوں پر نیند کا پردہ پڑ گیا۔ غانم نے اٹھ کر قندیلیں جلائیں اور موم بتیاں روشن کیں اور اس جگہ کو مع میز کے جھاڑ پونچھ کر صاف کیا۔ اب اس نے لڑکی کی دونوں ٹانگوں کو لے کر بوسہ دیا اور دیکھا کہ وہ تازے مکھن کی طرح ہیں اور اپنا منہ رگڑنے لگا اور اس نے

کہا کہ اے میری آقا' اپنی محبت کے گرفتار اور اپنی آنکھوں کے مارے پر رحم کر کیونکہ اگر میں تجھے نہ دیکھتا تو میرا دل قابو سے باہر نہ ہوتا۔

یہ کہہ کر وہ تھوڑی دیر روتا رہا اور لڑکی نے کہا کہ اے میرے آقا' میری آنکھوں کے نور' خدا کی قسم' میں تجھ پر عاشق ہوں اور تیرا یقین کرتی ہوں لیکن میں جانتی ہوں کہ تجھے میرا وصال حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس نے پوچھا کہ آخر کون سی چیز مانع ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں آج رات تجھ سے اپنا قصہ بیان کروں گی اور تو میری معذرت قبول کر لے گا۔ یہ کہہ کر وہ اس سے لپٹ گئی اور اپنی بانہیں اس کی گردن میں ڈال دیں اور اسے بوسے دینے لگی اور اسے بالکل اپنا گرویدہ بنا لیا اور اس سے وصال کا وعدہ کیا اور دونوں ہنستے کھیلتے رہے یہاں تک کہ دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت نے گھر کر لیا۔ ہر روز ان کی یہی حالت رہتی اور ہر رات وہ ایک ہی فرش پر سوتے لیکن جب وہ وصال کا طالب ہوتا تو وہ اسے ٹال دیتی۔ اس پر ایک مہینہ گزر گیا اور دونوں ایک دوسرے کی محبت سے بے چین ہو گئے اور دونوں میں سے کسی کے دل میں صبر و قرار باقی نہ رہا۔ ایک رات جبکہ دونوں نشے میں سو رہے تھے۔ غانم نے اپنا ہاتھ لڑکی کے جسم کی طرف بڑھایا اور اس پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ ہاتھ پھیرتے پھیرتے وہ اپنا ہاتھ اس کے پیٹ پر لے گیا اور پھر پیٹ سے اتر کر ناف تک۔

اب اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور اپنے کپڑے ٹٹولنے لگی اور دیکھا کہ وہ بندھے ہوئے ہیں اور پھر سو گئی۔ اب غانم پھر اس پر ہاتھ پھیرنے لگا اور ہاتھ پھیرتے پھیرتے اس کے ازاربند تک پہنچ گیا اور اس کا ازاربند پکڑ کر کھینچا۔ لڑکی کی آنکھ کھل گئی اور وہ اٹھ بیٹھی اور غانم اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ لڑکی نے کہا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ غانم نے جواب دیا کہ میں تیرے ساتھ ہم بستری چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ اب میں اپنی حالت تجھ پر ظاہر کر دینا چاہتی ہوں تا کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ میں کون ہوں اور میرا راز تجھ پر مکمل کھل جائے اور میری معذرت تجھ پر ظاہر

ہو جائے۔ اس نے کہا کہ بہت خوب۔ اب اس نے اپنی قمیص کا دامن پھاڑ کر اپنا ہاتھ اپنے ازرابند کی طرف بڑھایا اور اس سے کہا کہ اے میرے آقا' جو اس ازرابند پر لکھا ہوا ہے' اسے پڑھ۔ غانم نے ازرابند اپنے ہاتھ میں لیا اور دیکھا کہ اس پر سونے کے پانی سے لکھا ہوا ہے۔

"اے نبی کے چچیرے بھائی میں تیری ہوں اور تو میرا۔"

جب غانم نے یہ الفاظ پڑھے تو اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اس سے کہا کہ اپنا ماجرا سنا۔ اس نے جواب دیا کہ بہت خوب' سن۔ میں امیرالمومنین کی کنیز ہوں اور میرا نام قوت القلوب ہے اور امیرالمومنین نے اپنے محل میں مجھے تربیت دی ہے۔ جب میں بڑی ہوئی اور خلیفہ نے میری خوبیوں اور میرے حسن و جمال کو جو خدا نے مجھے عطا کیا ہے' دیکھا تو اسے مجھ سے محبت ہو گئی اور اس نے مجھے اپنے لیے مخصوص کر لیا اور میرے رہنے کے لیے حرم سرا دی' اور میری خدمت کے لیے دس کنیزیں مقرر کر دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے یہ زیور دیئے جو تو دیکھ رہا ہے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ خلیفہ کہیں باہر گیا ہوا تھا اور زبیدہ خانم میری ایک کنیز کے پاس آکر کہنے لگی کہ مجھے تجھ سے ایک ضرورت ہے۔ اس نے پوچھا کہ اے میری آقا' وہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یا تو جب تیری آقا قوت القلوب سو جائے تو یہ ٹکڑا بھنگ کا اس کے نتھنوں میں ڈال دیجیو اور یا اس کی شراب میں ڈال کر پلا دیجیو۔ اس کے بدلے میں تجھے اتنا مال دوں گی کہ تیری عمر بھر کے لیے کافی ہو گا۔ کنیز نے کہا کہ بسرو

چشم۔ یہ کہہ کر اس نے بھنگ لے لی اور وہ مال ملنے کی امید میں بڑی خوش تھی اور وہ پہلے زبیدہ ہی کی کنیز تھی۔ کنیز نے آکر میری شراب میں بھنگ ڈال دی اور جب رات ہوئی تو میں نے وہ شراب پی۔ بھنگ میرے پیٹ میں پہنچی ہی ہو گی کہ میں زمین پر گر پڑی اور میرا سر پاؤں سے لگ گیا اور مجھے بالکل اپنی خبر نہ رہی کیونکہ میں دوسری دنیا میں پہنچ چکی تھی۔ جب زبیدہ کی چال چل گئی تو اس نے مجھے اس صندوق میں بند کیا اور غلاموں کو چپکے سے بلا کر انہیں رشوت دی اور اسی طرح دربانوں کو بھی رشوت دے کر مجھے غلاموں کے ہاتھ اسی رات بھیجا جبکہ تو کھجور کے درخت پر تھا اور انہوں نے جو کچھ میرے ساتھ کیا وہ تو نے خود دیکھا ہے۔ میری نجات تیرے ہاتھوں سے ہوئی اور تو ہی نے مجھے اس مکان میں لا کر مجھ پر بڑا احسان کیا۔ پس یہ ہے میرا قصہ۔ مجھے معلوم نہیں کہ میرے پیچھے خلیفہ پر کیا گزری۔ لہٰذا میری حالت پر رحم کھا اور میری تشہیر مت کر۔

جب خانم بن ایوب نے قوت القلوب کی باتیں سنیں اور اسے یقین آ گیا کہ وہ خلیفہ کی خواص ہے تو وہ پیچھے کو ہٹ گیا اور اسے خلیفہ کا ڈر لگا اور وہ مکان کے ایک کونے میں تنہا بیٹھ کر اپنے اوپر لعنت و ملامت کرنے لگا۔ وہ اپنی حالت میں متفکر تھا اور اپنے دل کو سمجھا رہا تھا اور اس بات پر حیران تھا کہ اس عشق میں وصال کی کوئی صورت نہیں یہاں تک کہ وہ محبت کی زیادتی کی وجہ سے رونے اور زمانے کے مظالم کی شکایت کرنے لگا اور اس نے دیکھا کہ کسی کی طرف مفر نہیں۔

پاک ہے وہ ذات جو دلوں میں محبت اور محبوب کو جگہ دیتی ہے! اب قوت القلوب نے اٹھ کر اس کو گلے سے لگا لیا اور اس کے بوسے لینے لگی اور اس کی محبت میں دیوانی ہو گئی اور اپنے دل کا راز اس سے کہہ دیا اور یہ کہ وہ اسے کتنا چاہتی ہے اور اس کی گردن میں دونوں بانہیں ڈال کر اس کے بوسے لینے لگی' مگر وہ خلیفہ کے ڈر سے اسے روکتا تھا۔ اس کے بعد وہ تھوڑی دیر تک باتیں کرتے رہے اور دونوں ایک

دوسرے کے پیچھے مر رہے تھے یہاں تک کہ سویرا ہو گیا۔ غانم اٹھا اور کپڑے پہن کر دستور کے موافق بازار گیا اور وہاں سے تمام ضریات کی چیزیں لے کر گھر آیا اور دیکھا کہ قوت القلوب رو رہی ہے۔ جب اس نے غانم کو دیکھا اور رونا بند کر دیا اور مسکرا کر کہنے لگی کہ اے میرے دلی محبوب' تو نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔ یہ ایک گھڑی جو میں نے تیرے فراق میں گزاری' میرے لیے ایک سال کے برابر تھی۔ تیری محبت کی زیادتی کی وجہ سے میں نے اپنا سارا کچا چٹھا تجھ سے بیان کر دیا ہے۔ اب اٹھ اور پرانی باتوں کو چھوڑ اور مجھ سے اپنا ارمان نکال۔ اس نے کہا کہ اعوذ باللہ' ایسی بات نہیں ہو سکتی۔ کتا شیر کی جگہ نہیں بیٹھ سکتا۔ مالک کا مالک غلام کے لیے حرام ہے۔ یہ کہہ کر وہ اس سے الگ ہو گیا اور فرش کے ایک کونے پر بیٹھ گیا اور اس کی بے اعتنائی کی وجہ سے لڑکی کو اس سے اور زیادہ عشق ہو گیا۔ اب وہ آکر اس کے پاس بیٹھ گئی اور اس کے ساتھ مئے نوشی اور ہنسی مذاق کرنے لگی۔

اب دونوں نشے میں چور ہو گئے اور وہ اس بات پر مر رہی تھی کہ غانم اس کے ساتھ ہم بستر ہو۔ غانم رونے لگا اور وہ بھی اس کے ساتھ رونے لگی اور رات تک دونوں شراب نوشی کرتے رہے۔ اب غانم اٹھا اور اس نے دو فرش علیحدہ علیحدہ بچھائے۔ قوت القلوب نے کہا کہ یہ دوسرا فرش کس کے لیے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ میرے لیے اور وہ تیرے لیے ہے اور آج سے ہم دونوں اس طرح سوئیں گے کیونکہ جو چیزیں آقا کی ہیں' وہ غلام کے لے حرام ہیں۔ لڑکی نے کہا کہ اے میرے آقا' ان باتوں کو جانے دے جو چیز ہوتی ہے وہ تقدیر سے ہوتی ہے۔ لیکن اس نے نہ مانا اور لڑکی کے دل میں آگ اور بھڑک اٹھی اور اس کا عشق بڑھ گیا اور وہ اس سے لپٹ گئی اور کہنے لگی کہ خدا کی قسم' ہم ساتھ ساتھ سوئیں گے' مگر اس نے جواب دیا کہ معاذ اللہ' اور وہ اس پر غالب آ گیا اور صبح تک اکیلا سویا۔

اس سے لڑکی کی محبت اور زیادہ ہو گئی اور اس کا عشق اور بڑھ گیا۔ اس طرح سے

تین مہینے گزر گئے اور جب کبھی وہ پیش دستی کرتی تو وہ اسے روک دیتا اور کہتا کہ جو چیز مالک کی ہے' وہ غلام کے لیے حرام ہے۔ یہ ماجرا اس کے اور غانم کے درمیان ایک مدت تک رہا اور لڑکی کا اندوہ و الم بڑھتا گیا' مگر غانم مارے ڈر کے اسے ہاتھ نہ لگاتا۔

یہ تو غانم بن ایوب کا قصہ ہوا۔ اب زبیدہ بیگم کا حال سنئے۔ جب اس نے خلیفہ کی غیر موجودگی میں قوت القلوب کے ساتھ یہ حرکت کی تو وہ حیران تھی اور اپنے دل میں کہتی تھی کہ جب خلیفہ آکر اس کا حال مجھ سے پوچھے گا تو میں کیا کہوں گی اور کیا جواب دوں گی۔ یہ سوچ کر اس نے ایک بڑھیا کو بلایا جو اس کے یہاں نوکر تھی اور اس سے اپنا بھید بیان کر کے کہا کہ قوت القلوب پر یہ معاملہ گزرنے کے بعد اب میں کیا کروں؟ جب بڑھیا سارا واقعہ سمجھ چکی تو اس نے کہا کہ اے میری آقا' خلیفہ جلد آنے والا ہے۔ ایک بڑھئی کو بلا کر حکم دے کہ ایک لکڑی لے کر مردے کی شکل بنائے اور ہم محل کے بیچ مین ایک قبر کھود کر اس کو اس میں دفن کر دیں گے اور تو اس قبر کے اوپر ایک کمرہ بنوائیو اور ہم اس میں موم بتیاں اور قندیلیں جلائیں گے اور تو سارے محل والوں کو حکم دے دیجیو کہ کالے کپڑے پہنیں اور اپنے غلاموں اور کنیزوں کو حکم دے کہ خلیفہ سفر سے واپس آئے تو دہلیزوں میں پیال بچھا دیں۔ جب خلیفہ داخل ہو گا تو پوچھے گا کہ کیا خبر ہے؟ وہ جواب دیں کہ قوت القلوب کا انتقال ہو گیا' خدا اس کے بدلے تجھے زیادہ ثواب دے اور چونکہ ہماری آقا اس کی بڑی عزت کرتی تھی اس لیے اس نے اسے اپنے محل میں دفن کیا ہے۔ خلیفہ کو اس کی موت کا بڑا صدمہ ہو گا اور وہ رونے لگے گا اور اس کے قرآن ختم کرائے گا اور اس کی قبر پر راتوں کو جاگے گا۔ اگر اس نے اپنے دل میں کہا کہ میری چچا زاد زبیدہ نے رشک کی وجہ سے مروا ڈالا ہے یا اس پر محبت کا غلبہ ہوا تو اس نے قوت القلوب کو قبر سے نکلوایا تو اس سے مت ڈریو۔ کیونکہ جب لوگ قبر کھود کر اس

تک پہنچیں گے اور خلیفہ اسے انسانی صورت میں دیکھے گا اور وہ قیمتی کفنوں میں لپٹی ہو
گی اگر اس وقت خلیفہ اس کی صورت دیکھنے کے لیے کفن اٹھائے تو تو اسے منع کیجیو
اور کوئی دوسری عورت بھی اسے منع کرے اور کہے کہ اس کے بدن کا پوشیدہ حصہ
دیکھنا حرام ہے۔ پھر اسے یقین آ جائے گا کہ وہ مر چکی ہے اور وہ اسے قبر میں واپس
کر دے گا اور تیرا شکر گزار ہو گا اور انشاء اللہ تو اس بھنور سے نکل جائے گا۔
جب زبیدہ خانم نے اس کی باتیں سنیں تو اسے ٹھیک معلوم ہوئیں اور اس نے اسے
خلعت عطا کی اور اسے بہت سا مال دے کر اس سے کہا کہ ایسا ہی کرے۔ بڑھیا
نے فوراً کام شروع کر دیا اور بڑھئی سے کہا کہ وہ ایک پتلا بنائے جس کا ذکر کیا جا
چکا ہے۔ جب وہ پتلا بن چکا تو وہ اسے زبیدہ خانم کے پاس لائی اور اس نے اسے کفن
پہنا کر دفن کیا اور شمعیں اور قندیلیں جلائیں اور قبر کے پاس قالین بچھائے اور خود
بھی کالا لباس پہنا اور اپنی کنیزوں کو بھی حکم دیا کہ کالا لباس پہنیں اب محل میں یہ
مشہور ہو گیا کہ قوت القلوب کا انتقال ہو گیا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد خلیفہ سفر سے
لوٹا اور محل میں داخل ہوا لیکن اس کے دل میں قوت القلوب ہی قوت القلوب تھی
اور اس نے دیکھا کہ غلام اور نوکر اور کنیزیں سب کے سب کالے کپڑے پہنے ہوئے
ہیں۔ اس پر وہ سہم گیا اور جب وہ محل میں داخل ہوا تو دیکھا کہ زبیدہ خانم بھی
سیاہ پوش ہے۔ اس نے اس کی وجہ پوچھی تو اس سے کہا گیا کہ قوت القلوب کا
انتقال ہو گیا ہے۔ یہ سن کر خلیفہ بے ہوش ہو گیا اور جب اسے ہوش آیا تو اس
نے پوچھا کہ اس کی قبر کہاں ہے؟ زبیدہ خانم نے کہا کہ امیر المومنین' چونکہ میرے
دل میں اس کی بڑی عزت تھی اس لیے میں نے اس کو اپنے محل میں دفن کیا ہے۔
خلیفہ سفر کے کپڑے پہنے قوت القلوب کی قبر کی زیارت کے لیے پہنچا اور دیکھا کہ
قالین بچھا ہوا ہے اور شمعیں اور قندیلیں روشن ہیں۔ یہ دیکھ کر اس نے زبیدہ کا شکریہ
ادا کیا مگر وہ اس بارے میں حیران تھا کہ اس کا ایک دل اس کی تصدیق اور ایک
دل تکذیب کرتا تھا اور جب شبہ اس پر غالب ہوا تو اس نے قبر کھدوا کر اسے نکالا۔

لیکن جوں ہی اس نے کفن دیکھا اور اسے ہٹانا چاہا تا کہ اسے دیکھے' خدا سے ڈرو اور بڑھیا نے لوگوں سے کہا کہ اسے قبر میں رکھ دو۔ خلیفہ نے فوراً فقیہوں اور قرآن خوانوں کو بلوایا اور اس کی قبر پر قرآن ختم کرائے اور اس کی قبر پر بیٹھا روتا رہا یہاں تک کہ بے ہوش ہو گیا۔ یہ دستور اس نے ایک مہینے تک جاری رکھا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• بیالیسویں رات

جب بیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہنا شروع کیا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
خلیفہ ایک مہینے تک اس کی قبر پر آتا جاتا رہا۔ ایک روز کا ماجرا ہے کہ جب امراء اور وزرا اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو خلیفہ خواب گاہ میں جا کر تھوڑی دیر سو گیا۔ ایک کنیز اس کے سرہانے بیٹھی پنکھا جھل رہی تھی اور دوسری اس کے پاؤں کے پاس بیٹھی پاؤں دبا رہی تھی۔ جب وہ سو کر بیدار ہوا اور اپنی آنکھیں کھول کر پھر بند کر لیں تو اس نے سنا کہ وہ کنیز جو اس کے سر کے پاس ہے اس کنیز سے کہہ رہی ہے جو اس کے پاؤں کے پاس ہے کہ اے خیزران' تو سنتی ہے' اس نے کہا کہ ہاں اے قضیب البان۔ قضیب البان نے کہا کہ ہمارے آقا کو واقعے کی خبر ہی نہیں۔ اور وہ رات رات بھر ایک قبر پر جاگتا ہے' جس کے اندر محض ایک لکڑی کا ٹکڑا ہے جسے بڑھئی نے تراشا ہے۔ دوسری کنیز نے کہا کہ اور قوت القلوب پر کیا حادثہ گزرا؟ پہلی کنیز نے جواب دیا کہ زبیدہ خانم نے ایک کنیز کے ہاتھ ایک ٹکیہ بھنگ کی بھیجی اور اس نے قوت القلوب کو بھنگ دے دی۔ جب اس پر بھنگ کا اثر ہو گیا تو زبیدہ نے اسے ایک صندوق میں بند کر کے صواب اور کافور کو حکم دیا کہ وہ اسے مقبرے میں پھینک آئیں۔ اس پر خیزراں نے کہا کہ اے قضیب البان' سچ بتا کہ قوت القلوب واقعی مری نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں' خدا کی قسم' اس کی جوانی موت سے بچی ہوئی ہے۔ لیکن میں نے زبیدہ خانم کو یہ کہتے سنا ہے کہ قوت القلوب ایک دمشقی جوان سوداگر کے گھر ہے' جس کا نام غانم بن ایوب ہے۔ آج چار مہینے سے وہ اس کے یہاں ہے اور یہ ہمارا آقا روتا ہے اور ایک ایسی قبر پر رات بھر جاگا کرتا ہے' جس کے اندر کوئی مردہ نہیں۔ دونوں یہ باتیں کر رہی تھیں اور خلیفہ ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ جب دونوں کنیزیں باتیں کر چکیں اور خلیفہ کو سارا حال معلوم ہو چکا اور

یہ کہ قبر محض دھوکے کی ٹٹی اور سوانگ ہے اور قوت القلوب چار مہینے سے غانم بن ایوب کے مکان میں ہے تو خلیفہ سخت طیش میں آ گیا اور اٹھ کر اپنی حکومت کے امراء کے پاس پہنچا۔ اس وقت وزیر جعفر برمکی حاضر ہوا اور اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا۔ خلیفہ نے غصہ بھری آواز میں کہا کہ اے جعفر فوج کا ایک دستہ لے کر جا اور غانم بن ایوب کا مکان دریافت کر کے اس کو ڈھا کر میری کنیز قوت القلوب کو لے آ اور میں اس کو بغیر سزا دیئے نہ چھوڑوں گا۔ جعفر نے کہا کہ بسرو چشم۔

یہ کہہ کر جعفر چل دیا اور والی اور لوگوں کا مجمع اس کے ساتھ ہو لیا۔ چلتے چلتے وہ لوگ غانم کے مکان پر پہنچے۔ غانم اس وقت ایک دیگچی بھر گوشت لے کر آیا تھا اور وہ اور قوت القلوب کھانے کے لیے ہاتھ بڑھانے ہی والے تھے کہ لڑکی کی توجہ دوسری طرف مبذول ہو گئی اور اس نے دیکھا کہ چاروں طرف گھر پر مصیبت آ رہی ہے اور وزیر اور والی اور سپاہی اور غلام ننگی تلواریں لیے مکان کے گرد اس طرح جمع ہیں جس طرح کہ آنکھ کی سفیدی اس کی سیاہی کے گرد۔

اب اسے یقین آ گیا کہ اس کی خبر اس کے آقا خلیفہ کو پہنچ گئی اور اسے اپنے مارے جانے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا اور اس کا رنگ زرد پڑ گیا اور اس کا حسین چہرہ متغیر ہو گیا۔ اب اس نے غانم کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے میرے پیارے، اپنی جان لے کر بھاگ۔ اس نے جواب دیا کہ کیسے بھاگوں اور کہاں جاؤں، میری ساری دولت اور میرا سارا رزق تو اس مکان میں ہے! لڑکی نے کہا کہ اب دیر مت کر، ورنہ تو بھی مارا جائے گا اور تیرا مال بھی ضائع ہو گا۔ غانم نے کہا کہ اے میری دلربا اور میری آنکھوں کی روشنی، میں کدھر نکل کر بھاگوں! لوگ تو چاروں طرف سے مکان کو گھیرے ہوئے ہیں۔ لڑکی نے کہا کہ ڈر مت۔ یہ کہہ کر اس نے غانم کے کپڑے اتارے اور اسے پرانے کپڑے پہنائے اور گوشت کی ہانڈی لا کر اس کے سر پر رکھی اور اسے ایک ٹوکری میں رکھ کر اس کے اردگرد روٹی کے ٹکڑے اور کھانے کے پیالے

رکھ دیئے اور اس سے کہا کہ اس بھیس میں تو نکل جا اور میرا غم نہ کر کیونکہ میں جانتی ہوں کہ خلیفہ کی کونسی کل میرے ہاتھ میں ہے۔ جب غانم نے قوت القلوب کی گفتگو سنی تو وہ ٹوکری سر پر رکھ کر لوگوں کے درمیان سے نکلتا ہوا چلا گیا اور اس کی نیک نیتی کی برکت کی وجہ سے پردہ پوش خدا نے اس کی پردہ پوشی کی اور وہ لوگوں کے فریب اور آزار سے بچ گیا۔

جب وزیر جعفر مکان کے قریب پہنچا تو وہ گھوڑے سے اتر پڑا اور مکان کے اندر داخل ہوا اور دیکھا کہ قوت القلوب بنی سنوری بیٹھی ہے اور ایک صندوق میں سونا اور زیور اور جواہرات اور نایاب چیزیں جو ہلکی اور قیمتی تھیں' بھر رکھی ہیں۔ جب جعفر اس کے پاس پہنچا اور اس کی نظر اس پر پڑی تو وہ سروقد کھڑی ہو گئی اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا' خدا کے حکم کو قلم پہلے ہی سے لکھ چکا ہے۔ جب جعفر نے یہ ماجرا دیکھا تو اس نے کہا کہ اے میری آقا' خلیفہ نے محض غانم بن ایوب کے پکڑنے کا مجھے حکم دیا ہے۔ لڑکی نے کہا کہ اے میرے آقا' وہ تو تجارت کا مال لے کر دمشق چلا گیا اور اس سے زیادہ مجھے اس کی خبر نہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ تو اس صندوق کو حفاظت سے رکھ اور اسے لے جا کر امیرالمومنین کے محل میں تو میرے حوالے کر دیجیو۔ جعفر نے کہا کہ بسرو چشم' اور صندوق لے کر لوگوں سے کہا کہ اسے قوت القلوب کے ساتھ خلیفہ کے محل میں لے چلیں اور اس کے ساتھ عزت و احترام کا برتاؤ کریں۔ اس سے پہلے وہ غانم کا مکان لوٹ چکے تھے اور س کے بعد وہ خلیفہ کے پاس پہنچے اور جعفر نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس پر خلیفہ نے قوت القلوب کے لیے ایک کالی کوٹھڑی مقرر کی کہ وہ اس میں رہے اور اس کا کام کاج کرنے کے لیے ایک بڑھیا مقرر کی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ غانم اس کے ساتھ ہم بستر ہوا ہے۔

اب اس نے اپنے نائب محمد بن سلیمان الزینی کے نام دمشق ایک فرمان بھیجا' جس کا مضمون

یہ تھا کہ اس خط کے پہنچتے ہی غانم بن ایوب کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دیجیو۔
جب یہ فرمان اس کے پاس پہنچا تو اس نے اسے بوسہ دیا اور اپنے سر پر رکھا اور بازاروں میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ جو شخص لوٹنا چاہے وہ غانم بن ایوب کے مکان پر پہنچے۔ جب لوگ اس کے مکان پر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ غانم کی ماں اور بہن نے بیچ مکان میں اس کے لیے ایک قبر بنا رکھی ہے اور وہاں بیٹھی ہوئی اس پر ماتم کر رہی ہیں۔ اب انہوں نے مکان کو لوٹ لیا' ان دونوں کو گرفتار کر لیا' اور ان کو کچھ خبر نہ تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ جب وہ سلطان کے سامنے پیش کی گئیں تو اس نے پوچھا کہ غانم کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک سال سے زیادہ ہونے کو آیا کہ ہمیں اس کی بالکل خبر نہیں۔ یہ سن کر نائب نے انہیں ان کے مکان پر واپس بھیج دیا۔
یہ تو ان دونوں کا قصہ ہوا۔ اب غانم بن ایوب کا ماجرا سنئے۔ جب اس کا گھر بار لٹ چکا تو وہ اپنی حالت پر رونے لگا یہاں تک کہ اس کا دل پاش پاش ہو گیا اور اس کے چہرے سے پریشانی کے آثار ظاہر ہونے لگے اور شام تک پیدل چلتا رہا یہاں تک کہ بھوک نے زور پکڑا اور وہ چلتے چلتے تھک گیا۔ جب وہ ایک قصبے میں داخل ہوا تو ایک مسجد میں جا کر ایک چٹائی پر بیٹھ گیا اور مسجد کی دیوار سے تکیہ لگا لیا۔ مگر بھوک اور تکان کی زیادتی کی وجہ سے وہ گر پڑا۔ یہاں وہ صبح تک پڑا رہا اور مارے بھوک کے پریشان تھا اور پسینے کی وجہ سے اس کے بدن میں جوئیں پڑ گئی تھیں اور اس کی سانس پھول گئی تھی اور اس کی حالت دگرگوں ہو رہی تھی۔ جب قصبے والے صبح کی نماز پڑھنے آئے تو انہوں نے دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے وہ دبلا اور کمزور پڑ گیا ہے مگر ناز و نعم کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں ہیں۔ جب وہ لوگ نماز پڑھ کر اس کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ ٹھٹھرا اور بھوکا پڑا ہے۔ انہوں نے اسے ایک پرانی قبا لا کر دی' جس کی آستینیں پھٹی ہوئی تھیں اور اس سے کہا کہ اے پردیسی' تو

کہاں سے آیا ہے اور تیری بیماری کا کیا سبب ہے؟ اس پر اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور ان کو دیکھ کر رونے لگا لیکن کچھ جواب نہ دیا۔ ان میں سے ایک شخص سمجھ گیا کہ وہ بھوکا ہے اور وہ جا کر ایک پیالہ شہد اور دو روٹیاں لے آیا۔ غانم نے تھوڑا سا کھایا اور وہ لوگ سورج نکلتے تک اس کے پاس بیٹھے رہے اور پھر اپنے اپنے کاموں پر چلے گئے۔ اس طرح سے وہ ایک مہینے تک ان کے ساتھ رہا اور اس کی کمزوری اور بیماری آئے دن زیادہ ہوتی جاتی تھی اور وہ اس کی حالت پر روتے اور اس سے ہمدردی کرتے تھے۔ بالآخر انہوں نے آپس میں اس کے متعلق مشورہ کیا اور یہ فیصلہ ٹھہرا کہ وہ اسے بغداد کے شفاخانے میں بھیج دیں گے۔

اسی اثناء میں دو فقیر عورتیں اس کے پاس مسجد میں پہنچیں اور یہ اس کی ماں اور بہن تھیں۔ جب اس نے ان کو دیکھا تو اس نے اپنے سرہانے سے روٹی نکال کر انہیں دے دی اور وہ رات انہوں نے اس کے ساتھ گزاری لیکن اس نے ان کو پہچانا نہیں۔ دوسرے روز گاؤں والے اس کے پاس آئے اور ایک ساربان کو اس کے پاس لائے اور اس سے کہا کہ اس بیمار کو اونٹ پر بٹھا کر لے جا اور بغداد پہنچ کر اسے شفاخانے کے دروازے پر اتار دیجیو تاکہ اس کا علاج ہو اور وہ اچھا ہو جائے اور تجھے اس کا ثواب ملے۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم۔ اس کے بعد انہوں نے غانم بن ایوب کو مسجد سے نکالا اور اسے چٹائی سمیت' جس پر وہ سو رہا تھا اونٹ پر لاد دیا۔ منجملہ اور لوگوں کے اس کی ماں اور بہن بھی تماشہ دیکھنے نکلیں لیکن انہوں نے اسے پہچانا نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور کہنے لگیں کہ یہ تو ہمارے غانم کا ہم شکل ہے کہیں یہ بیمار وہی تو نہیں۔

اب غانم کا حال سنئے۔ جب تک اسے اونٹ پر لاد کر کرسی سے نہ باندھا اس وقت تک اس کی آنکھ نہ کھلی۔ جب وہ جاگا تو رونے اور فریاد کرنے لگا۔ گاؤں والے دیکھ رہے تھے اس کی ماں اور بہن اس پر رو رہی ہیں لیکن اسے پہچانتی نہیں۔ اب وہ دونوں

بھی وہاں سے روانہ ہو کر بغداد پہنچیں اور ساربان نے بھی غانم کو لے جا کر شفا خانے کے دروازے پر اتار دیا اور اپنا اونٹ لے کر چلتا ہوا۔ یہاں غانم سویرے تک پڑا رہا۔
جب لوگ اس راستے سے گزرنے لگے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ سینک کی طرح دبلا ہو گیا ہے اور اس کا تماشا دیکھنے لگے۔ اتنے میں بازار کا کھیا وہاں سے گزرا اور لوگوں کو چیرتا پھاڑتا غانم تک پہنچا اور کہنے لگا کہ میں اس بیچارے کے عوض جنت حاصل کروں گا کیونکہ اگر لوگ اسے شفاخانے لے گئے' وہاں ایک ہی دن میں اس کا کام تمام ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ وہ اسے گھر لے چلیں۔
گھر پہنچ کر اس نے اس کے لیے ایک نیا بستر بچھایا اور نیا تکیہ رکھا اور اپنی بیوی سے کہا کہ خبرداری کے ساتھ اس کی خدمت کر۔ بیوی نے کہا کہ بہت خوب' بسرو چشم۔
یہ کہہ کر اس نے اپنی آستینیں چڑھالیں اور پانی گرم کر کے اس کے ہاتھ پاؤں

اور جسم کو خوب دھلایا اور اپنی ایک کنیز کی قبا اسے پہننے کو دی اور ایک پیالہ شراب پلائی اور اس پر گلاب چھڑکا۔ جب اسے افاقہ ہوا تو وہ رونے لگا اور اس کی معشوقہ قوت القلوب کی یاد اسے اور زیادہ ستانے لگی۔
یہ تو غانم کی سرگذشت ہوئی اور قوت القلوب پر یہ گزری کہ جب خلیفہ اس پر ناراض ہوا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تینتالیسویں رات

جب تینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب خلیفہ قوت القلوب پر ناراض ہوا اور اسے کالی کوٹھڑی میں بند کر دیا اور اس پر اسی (۸۰) روز گزر گئے تو خلیفہ اتفاقاً ادھر سے گزرا اور اس نے قوت القلوب کو اشعار پڑھتے سنا۔ جب وہ اشعار پڑھ چکی تو کہنے لگی کہ اے میرے پیارے' اے غانم تو کیسا نیک کردار ہے تیری ذات کیسی پاکباز ہے! تو نے اس شخص کے ساتھ نیکی کی جو تیرے ساتھ برائی کر رہا ہے اور اس شخص کی حرمت کی حفاظت کی جو تیری حرمت تباہ کر رہا ہے اور اس شخص کی بیوی کو پناہ دی جو تجھے اور تیرے خاندان کو قید کرنے کے درپے ہے مگر ایک وہ دن ضرور آنے والا ہے جبکہ تو اور امیرالمومنین دونوں ایک عادل حاکم کے سامنے کھڑے ہوں گے اور اس کے مقابلے میں تیرے ساتھ انصاف کیا جائے گا اور وہ اس روز ہو گا جبکہ خدا قاضی ہو گا اور فرشتے گواہ۔ جب خلیفہ نے اس کی باتیں سنیں تو اس کی فریاد پر غور کیا تو اس کو یقین آ گیا کہ وہ مظلوم ہے۔ اب وہ اپنے محل میں گیا اور اپنے خادم مسرور کو اس کے پاس بھیجا۔ جب وہ خلیفہ کے سامنے آئی تو سر نیچا کئے ہوئے تھی کیونکہ وہ رو رہی تھی اور اس کا دل غمناک تھا۔ خلیفہ نے کہا کہ اے قوت القلوب میں دیکھتا ہوں کہ تو مجھے ظالم ٹھہراتی ہے اور میرے ظلم کی شکایت کرتی ہے اور تیرا گمان ہے کہ میں نے اس شخص کے ساتھ برائی کی جس نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے آخر وہ کون شخص ہے جس نے میری حرمت کی حفاظت کی اور میں نے اس کی بے حرمتی کی اور جس نے میرے خاندان کی ستر پوشی کی اور میں نے اس کے خاندان کو گرفتار کروایا۔ لڑکی نے جواب دیا کہ وہ غانم بن ایوب ہے کیونکہ اس نے کبھی بری نظر سے مجھے نہیں دیکھا۔ اس پر اے امیرالمومنین'

میں تیری بخششوں کی قسم کھاتی ہوں۔ یہ سن کر خلیفہ نے کہا کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ! اے قوت القلوب مانگ اور جو کچھ تو مانگے گی' تجھے ملے گا۔ اس نے جواب دیا کہ میں تجھ سے اپنے محبوب غانم بن ایوب کو مانگتی ہوں۔ خلیفہ نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ اس نے کہا کہ اے امیرالمومنین' اگر میں اس کو یہاں لے آؤں تو کیا تو مجھے اس کے حوالے کر دے گا؟ خلیفہ نے کہا کہ اگر وہ یہاں آئے تو میں تجھے اس کی نذر کر دوں گا مثل اس سخی کے' جو دے کر واپس نہیں لیتا۔ لڑکی نے کہا کے اے امیرالمومنین' مجھے اجازت دے کہ میں جا کر اسے تلاش کروں' ممکن ہے کہ اللہ مجھے اس سے ملا دے' خلیفہ نے کہا کہ جو تیرا جی چاہے' کر۔

یہ سن کر وہ خوش ہو گئی اور ایک ہزار سونے کے دینار لے کر نکل کھڑی ہوئی اور اللہ والوں کی زیارت کی اور انہیں غانم کے نام پر خیرات دی۔ دوسرے روز وہ سوداگروں کے بازار میں گئی اور بازار کے مکھیا سے سارا ماجرا بیان کیا اور اسے درہم دے کر کہا کہ ان کر پردیسیوں پر خیرات کر دے۔ یہ کہہ کر وہ چلتی ہوئی اور پھر آئندہ جمعے کو ایک ہزار دینار لے کر بازار آئی اور سناروں اور جوہریوں کے بازار میں داخل ہوئی اور چودھری کو بلوایا۔ جب وہ آیا تو اس نے اسے ایک ہزار دینار دے کر کہا کہ انہیں پردیسیوں پر خیرات کر دے۔ چودھری نے جو بازار کا مکھیا تھا' اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے میری آقا' اگر تجھے تکلیف نہ ہو تو میرے گھر چل کر ایک پردیسی جوان کو دیکھ کہ وہ کیسا حسین و جمیل ہے۔ یہ جوان غانم بن ایوب تھا لیکن چودھری کو اس کی خبر نہ تھی بلکہ اس کا یہ گمان تھا کہ وہ کوئی غریب قرضدار ہے' جس کا مال ضبط ہو چکا ہے یا کوئی عاشق ہے جو اپنے محبوب سے جدا ہو گیا ہے۔ جب لڑکی نے اس کی باتیں سنیں تو اس کا دل دھڑکنے لگا اور آنتیں پیچ و تاب کھانے لگیں اور اس نے کہا کہ کسی کو میرے ساتھ کر دے جو مجھے تیرے گھر لے چلے۔ اس نے ایک چھوٹے لڑکے کو اس کے ساتھ کر دیا اور وہ لڑکا اسے چودھری کے گھر پہنچا آیا' جہاں وہ پردیسی تھا۔ اور اس نے لڑکے کا شکریہ ادا کیا۔ یہاں پہنچ کر وہ مکان کے اندر داخل ہوئی اور

چودھرانی کو سلام کیا۔ چودھرانی اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا کیونکہ وہ اس سے واقف تھی۔

قوت القلوب نے کہا کہ بیمار جو تیرا مہمان ہے' کہاں ہے؟ اس پر وہ رونے لگی اور کہا کہ اے میری آقا' وہ کیا ہے واللہ وہ شریف زادہ معلوم ہوتا ہے اور نازو نعمت کے آثار اس سے ظاہر ہیں۔ دیکھ وہ فرش پر لیٹا ہے۔ یہ سن کر لڑکی اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اس پر نظر ڈالی اور دیکھا کہ گویا وہ بعینہ غانم ہے لیکن اس کے دبلے پن کی وجہ سے وہ اسے پہچان نہ سکی کیونکہ وہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا۔ اس لیے یہ راز اس پر نہ کھل سکا اور اسے اس بات کی تحقیق نہ ہو سکی کہ وہ غانم ہے لیکن اس کا دل اس پر کڑھنے لگا اور وہ رونے لگی اور اس نے کہا کہ انسان اپنے ملکوں میں کتنے ہی امیر کیوں نہ ہوں لیکن پردیس میں آ کر وہ مفلس ہو جاتے ہیں۔

یہ واقعہ اس پر سخت گراں گزرا اور اگرچہ اس نے غانم کو پہچانا نہیں لیکن اس کا دل اس پر کڑھنے لگا اور اس نے اس کے لیے شراب اور دوائیں تیار کیں اور تھوڑی دیر تک اس کے سرہانے بیٹھی رہی۔ اس کے بعد وہ سوار ہو کر اپنے محل چلی گئی۔ مگر وہ ہر روز غانم کی تلاش میں بازار بازار پھرتی۔ ایک روز چودھری اس کی ماں اور اس کی بہن فتنہ کو لے کر قوت القلوب کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے نیکی کرنے والوں کی سرتاج' آج ہمارے شہر میں ایک عورت مع اپنی بیٹی کے داخل ہوئی ہے اور ان دونوں کے چہرے خوبصورت ہیں اور ان پر ناز پروردگی کے آثار نمایاں ہیں اور ان سے شرافت ٹپک رہی ہے لیکن وہ اونی کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور ہر ایک کی گردن میں تونبی لٹکی ہوئی اور آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہیں اور دل غمزدہ ہیں۔ میں ان دونوں کو لے کر تیرے پاس آیا ہوں تاکہ تو انہیں پناہ دے اور انہیں گداگری سے بچائے کیونکہ ان کی شان گداگری کی نہیں معلوم ہوتی' اور اگر خدا نے چاہا تو ہم بھی ان کے طفیل جنت میں داخل ہوں گے۔ اس نے کہا کہ اے میرے آقا' تو نے مجھے

ان کا مشتاق بنا دیا ہے۔ بتا وہ کہاں ہے؟ انہیں میرے پاس لا۔ یہ سن کر اس نے خادم کو حکم دیا کہ وہ ان دونوں عورتوں کو قوت القلوب کے پاس لائے اور فتنہ اور اس کی ماں اس کے پاس آئیں۔ جب قوت القلوب نے دیکھا کہ وہ دونوں خوبصورت ہیں تو وہ ان کی حالت پر رونے لگی اور اس نے کہا کہ خدا کی قسم' یہ نازو نعم کی پالی ہوئی ہیں اور امارت کے آثار ان کے چہرے سے نمودار ہیں۔ چودھرانی نے کہا کہ اے میری آقا' ہمیں محض ثواب کی خاطر فقیروں اور مسکینوں سے محبت ہے اور ان پر تو ظالموں نے ظلم کیا ہے اور ان کا مال متاع چھین لیا ہے اور ان کے مکانوں کو لوٹ لیا ہے۔ یہ سن کر وہ دونوں زار زار رونے لگیں اور اس عیش و عشرت کو سوچنے لگیں' جس میں وہ کبھی زندگی بسر کر رہی تھیں اور اس افاقے اور تکلیف کو جس میں وہ اب آ پڑی تھیں اور غانم بن ایوب کی یاد انہیں ستانے لگی۔ جب وہ روتی تھیں تو قوت القلوب بھی ان کو روتا دیکھ کر رونے لگتی تھی اور وہ کہتی تھی کہ ہم خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ ہمیں ہمارے محبوب سے ملائے جو ہمارا بیٹا غانم بن ایوب ہے' جب قوت القلوب نے یہ باتیں سنیں تو اس کو یقین ہو گیا کہ یہ عورت اس کے مشعوق کی ماں ہے اور دوسری اس کی بہن۔ اس پر وہ اتنی روئی کہ بے ہوش ہو گئی۔

جب اسے افاقہ ہوا تو وہ ان کے سامنے آئی اور ان سے کہا کہ تم ڈرو مت۔ آج کا دن تمہاری خوشی بختی کا پہلا اور بدبختی کا آخری دن ہے' غمگین مت ہو۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چوالیسویں رات

جب چوالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب قوت القلوب نے ان سے کہاکہ غمگین مت ہو تو ساتھ ہی ساتھ اس نے چودھری سے کہا

کہ وہ انہیں اپنے گھر لے جائے اور اپنی بیوی سے کہے کہ وہ انہیں حمام کرا کے انہیں اچھے کپڑے پہنائے اور ان کی خبر گیری کرے اور ان کا نہایت احترام کرے۔ یہ کہہ کر اس نے سارا مال چودھری کو دے دیا۔ دوسرے روز قوت القلوب سوار ہو کر چودھری کے مکان پر پہنچی اور اس کی بیوی کے پاس گئی۔ بیوی سروقد کھڑی ہو گئی اور س نے اس کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اس کے احسان کا شکریہ ادا کیا۔ اب لڑکی نے دیکھا کہ چودھری کی بیوی نے غانم کی ماں اور بہن کو حمام کرا کے انہیں دوسرے کپڑے پہنائے ہیں اور اب ان سے ناز پروردگی کے آثار نمودار ہیں تو وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر ان سے باتیں کرتی رہی۔ اس کے بعد اس نے چودھری کی بیوی سے بیمار کا حال پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ وہ اسی طرح ہے۔ اس پر قوت القلوب نے کہا کہ چلو ہم چل کر اس کی عیادت کریں۔ اب وہ اور چودھری کی بیوی اور غانم کی ماں اور اس کی بہن اٹھ کھڑی ہوئیں اور غانم کے پاس جا کر بیٹھیں۔ جب غانم نے ان کی زبان سے قوت القلوب کا نام سنا تو اگرچہ اس کا جسم گھل گیا تھا اور ہڈی پسلیاں نکل آئی تھیں تاہم اس کی جان میں جان آ گئی اور اس نے تکیے کے اوپر سے اپنا سر اٹھایا اور کہنے لگا کہ اے قوت القلوب! اب اس نے غانم کی طرف دیکھا اور غور کیا اور اسے پہچان لیا اور زور سے جواب دیا کہ ہاں میرے پیارے۔ غانم نے کہا کہ میرے قریب آ۔ اس نے کہا کہ یقیناً تو غانم بن ایوب ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں' میں ہی غانم ہوں۔ یہ سنتے ہی وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ جب اس کی بہن فتنہ اور اس کی ماں نے ان دونوں کی گفتگو سنی تو مارے خوشی کے چلا اٹھیں اور بے

ہوش ہو کر گر پڑیں۔ جب انہیں ہوش آیا تو قوت القلوب نے غانم سے کہا کہ شکر ہے خدا کا جس نے ہمیں تجھ سے اور تیری ماں بہن سے ملایا۔
یہ کہہ کر وہ آگے بڑھی اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا جو اس کے اور خلیفہ کے درمیان پیش آیا تھا اور کہا کہ میں نے امیرالمومنین سے سچ سچ کہہ دیا ہے اور اس نے میری بات کا یقین کر لیا ہے اور تجھ سے بہت خوش ہے۔ حتیٰ کہ وہ تجھ سے ملنے کا مشتاق ہے پھر اس نے یہ بھی بیان کیا کہ خلیفہ نے مجھے تیرے حوالے کر دیا ہے۔ یہ سن کر وہ بے حد خوش ہوا۔ قوت القلوب نے ان سے کہا کہ جب تک میں واپس نہ آ جاؤں تم لوگ یہاں سے نہ نکلنا یہ کہہ کر وہ فوراً اٹھی اور اپنے محل میں گئی اور وہ صندوق نکالا جو غانم کے گھر سے لائی تھی اور اس میں سے دینار نکال کر چودھری کو دیئے اور اس سے کہا کہ یہ دام لے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے بہترین کپڑے کے چار چار جوڑے کپڑے اور بیس بیس رومال اور ان کے علاوہ جن جن چیزوں کی انہیں ضرورت ہو' خرید۔ یہ کہہ کر وہ دونوں عورتوں اور غانم کو حمام لے گئی اور ان کو نہلوایا اور جب وہ حمام سے نکلے اور انہوں نے کپڑے پہنے تو اس نے ان کے لیے یخنیاں اور خولنجان اور سیب کا عرق تیار کیا اور تین دن تک ان کے ساتھ رہی اور ان کو مرغی کا گوشت اور یخنیاں کھلائیں اور مصری کا شربت پلایا۔ تین دن کے بعد ان کے جان میں جان آئی اور وہ انہیں دوبار حمام لے گئی اور ان کے کپڑے بدلے اور انہیں چودھری کے گھر چھوڑ کر محل میں گئی اور خلیفہ سے ملنے کی اجازت مانگی۔
جب وہ اندر گئی تو اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس سے سارا قصہ بیان کیا اور کہا کہ میرا آقا غانم بن ایوب حاضر ہے اور اس کی ماں اور بہن بھی حاضر ہیں۔
جب خلیفہ نے قوت القلوب کی باتیں سنیں تو خادموں سے کہا کہ غانم کو میرے پاس لاؤ۔ یہ سن کر جعفر اس کی طرف روانہ ہوا مگر قوت القلوب اس سے پہلے وہاں پہنچ گئی اور غانم کے پاس جا کر اس سے کہا کہ خلیفہ نے تجھے اپنے پاس بلایا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے غانم کو صلاح دی کہ شیریں زبانی سے کام لیجیو اور دل کو مضبوط رکھیو

اور میٹھی میٹھی باتیں کیجیو۔ اب اس نے غانم کو نفیس کپڑے پہنائے اور اسے بہت سے دینار دیئے اور کہا کہ جاتے وقت خلیفہ کے نوکروں کو خوب انعام دیجیو۔ اتنے میں جعفر اپنے خچر پر سوار آ پہنچا اور غانم اٹھ کر اس کے سامنے آیا اور اسے سلام کیا اور اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا۔ اب اس کی خوش وقتی کا ستارہ نکل آیا تھا اور چمک رہا تھا اور جعفر اس کو لے کر چل دیا۔ یہاں تک کہ دونوں چلتے چلتے خلیفہ کے پاس پہنچے۔ جب غانم دربار میں حاضر ہوا تو اس نے دیکھا کہ وزرا اور امرا اور حجاب اور حکام اور رؤسا اور سپہ سالار وہاں موجود ہیں۔ یہ دیکھ کر اس نے خلیفہ کی طرف نظر اٹھائی اور پھر نیچی کر کے فصاحت اور شیریں بیانی سے اس کی مدح کرنے لگا' جب غانم مدح گوئی سے فارغ ہو چکا تو خلیفہ خوش ہو گیا اور اس کی فصاحت اور شیریں بیانی اسے بہت پسند آئی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

پینتالیسویں رات

جب پینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب خلیفہ کو غانم کی فصاحت اور نظم اور شیریں زبانی بہت پسند آئی تو اس نے غانم سے کہا کہ

میرے پاس آ۔ جب وہ پاس آیا تو اس نے کہا کہ اپنا قصہ مجھ سے بیان کر اور اپنی سرگزشت سے مطلع کر۔ یہ سن کر غانم بیٹھ گیا اور خلیفہ سے سارا ماجرا بیان کیا جو اسے بغداد میں پیش آیا تھا اور نیز اپنا مقبرے میں سونا اور غلاموں کے چلے جانے کے بعد صندوق کو نکالنا غرضیکہ اس نے ساری سرگزشت شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دی اور دہرانے میں کوئی لطف نہیں۔

جب خلیفہ کو اس کی راست گوئی کا یقین آ گیا تو اس نے اسے خلعت عطا کیا اور اسے اپنا مقرب بنایا اور اس سے کہا کہ میری تقصیر معاف کر۔ غانم نے کہا کہ اے ہمارے آقا سلطان' غلام اور اس کی ساری ملکیت اس کے آقا کی ہے۔ خلیفہ اس بات پر بہت خوش ہوا اور اسے ایک علیحدہ محل رہنے کو دیا اور اس کا روزینہ اور مشاہرہ مقرر کر دیا اور بے حد انعام و اکرام کیا اور اس کو اور اس کی بہن کو اور ماں کو محل میں منتقل کر دیا۔ اب خلیفہ کو یہ خبر ملی کہ اس کی بہن فتنہ حسن میں واقعی فتنہ ہے تو اس نے غانم سے فتنہ کو نکاح میں طلب کیا۔ غانم نے کہا کہ وہ تیری لونڈی ہے اور میں تیرا غلام۔

خلیفہ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اسے ایک لاکھ دینار انعام میں دیئے اور قاضی اور گواہوں کو طلب کیا اور انہوں نے ایک ہی دن میں دو نکاح نامے لکھے۔ ایک خلیفہ کا فتنہ کے ساتھ اور دوسرا غانم بن ایوب کا قوت القلوب کے ساتھ اور خلیفہ اور غانم ایک ہی رات اپنی بیویوں سے ہم بستر ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو خلیفہ نے حکم دیا کہ غانم کا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک قلمبند کر لیا جائے تاکہ وہ خزانے میں ہر وقت موجود رہے

اور آئندہ آنے والے لوگ اسے پڑھیں اور قدرت کے ہیر پھیر سے تعجب کریں اور
اپنے سارے کام اس ذات کے سپرد کریں جس نے دن اور رات پیدا کئے ہیں۔
لیکن یہ کہانی بادشاہ عمر بن النعمان اور اس کے دو بیٹوں شرکان اور ضوء المکان اور
ان عجیب و غریب باتوں سے جو اس کے ساتھ پیش آئیں' زیادہ تعجب انگیز نہیں ہے۔
بادشاہ نے کہا کہ وہ کیا کہانی ہے؟

○ بادشاہ عمر بن النعمان اور اس کے بیٹوں شرکان اور ضوء المکان کی کہانی

اس نے جواب دیا کہ اے نیک بخت بادشاہ عبدالملک بن مروان کی خلافت سے پہلے
مدینہ السلام بغداد میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام عمر بن النعمان تھا۔ اس کا شمار بڑے
زبردست بادشاہوں میں تھا اور اس نے کسریٰ اور قیصر دونوں کو زیر کر رکھا تھا۔ اس
کی آگ میں کسی شخص کو تاپنے کی مجال نہ تھی اور جنگ میں کسی کو اس کی برابری
کا دعویٰ نہ تھا اور جب وہ غصے میں آتا تھا تو اس کی نتھنوں سے چنگاریاں نکلتی تھیں۔
ہر چہار جہت پر اس کی حکومت تھی اور خدا نے اپنے تمام بندوں کو اس کا فرمانبردار
کیا تھا اور س کے احکام تمام شہروں پر جاری کئے تھے اور اس کی فوجوں کا گزر دور
دراز ملکوں تک ہو چکا تھا' مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کے تمام ممالک مثلاً ہند
اور سندھ اور چین اور حجاز اور یمن اور جزائر اور ہند چین اور بلاد شمال اور دیار بکر اور
ارض سوڈان اور جزائر البحار اور دنیا کے بڑے بڑے مشہور دریا مثلاً سیحون اور جیحون
اور نیل اور فرات اس کے مطیع تھے اور اس کے ایلچی دور دور کے شہروں میں جا کر
یہ خبر لاتے کہ لوگوں کے ساتھ انصاف کیا جا رہا ہے اور وہ فرمانبردار ہیں اور امن
و امان سے ہیں اور سلطان عمر بن النعمان کے لیے دعا مانگتے ہیں اور اے جہاں پناہ'
عمر بن النعمان بڑے دبدبے والا بادشاہ تھا اور ہر جگہ سے اس کے پاس تحفے اور تحائف
اور خراج آتے تھے۔ اس کا ایک بیٹا تھا جس کا نام شرکان تھا اور جو اس سے بے

حد مشابہ تھا اور گویا آفت کا پرکالہ تھا اور جس نے بہادروں کو زیر کر رکھا تھا اور ہر مقابل کا قلع قمع کر دیا تھا۔ اس لیے اس کے باپ کو اس سے اتنی محبت تھی کہ جس سے بڑھ کر ہونا ممکن نہ تھا اور اس نے اسے اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ جب شرکان بڑھ کر جوان ہوا تو اس کی عمر بیس برس کی ہوئی تو خدا نے اپنی ساری مخلوق کو اس کا فرماں بردار بنا دیا کیونکہ وہ بے حد قوی اور بہادر تھا۔

اس کے باپ عمر بن النعمان کی قرآن اور حدیث کی بنا پر چار بیویاں تھیں۔ لیکن سوائے شرکان کے ان سے کوئی اولاد نہ تھی۔ ان میں سے اس کا ایک بیٹا شرکان تھا اور باقی تین بانجھ تھیں جن میں سے کسی کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کے علاوہ قطبی سال کے دنوں کی تعداد کے اعتبار سے اس کی تین سو ساٹھ کنیزیں تھیں اور یہ کنیزیں ہر قوم میں سے تھیں اور ان میں سے ہر ایک کے لیے اس نے ایک محل سرا بنوائی تھی اور کل محل سرائیں شاہی محل کے اندر تھیں۔ اس طرح سے کہ سال کے مہینوں کے اعتبار سے اس نے بارہ محل بنوائے اور ہر محل میں تیس تیس محل سرائیں۔ اس طرح سے کل محل سراؤں کی تعداد تین سو ساٹھ ہوئی۔ ان محل سراؤں میں اس نے کنیزوں کو رکھا تھا اور ان میں سے ہر ایک کنیز کے پاس جانے کے لیے رات مقرر تھی۔ اس طرح ہر ایک کی باری پورے سال کے بعد آتی تھی۔ اسی حالت میں وہ ایک زمانے تک بسر کرتا رہا۔ اس اثنا میں اس کے بیٹے شرکان کا ڈنکا ساری دنیا میں بجنے لگا اور باپ کو اس پر نہایت خوشی ہوئی اور اس کی قوت دوبالا ہو گئی اور اس نے دوسرے ملکوں پر فوج کشی کی اور قلعوں اور ولایتوں کو فتح کیا۔ اب عمر بن النعمان کی قسمت میں یہ لکھا تھا کہ اس کی کنیز کو حمل رہ گیا اور اس کا چرچا ہوا اور اس کی خبر بادشاہ تک پہنچی اور وہ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ کاش کہ میری ساری اولادیں لڑکے ہوں! اور اس نے حمل کا دن لکھ لیا اور اس کنیز کے ساتھ بہت احسانات کرنے لگا۔

جب شرکان کو اس کی خبر ہوئی تو اسے رنج ہوا اور اس پر یہ امر گراں گزرا اور وہ کہنے لگا کہ حکومت میں میرا رقیب آ پہنچا۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ اگر کنیز کے

لڑکا پیدا ہوا تو میں اسے قتل کر ڈالوں گا مگر اس خیال کو اس نے کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ یہ تو شرکان کا قصہ ہوا۔ اب کنیز کا ماجرا سنئے۔ وہ یونانی کنیز تھی اور قیساریہ کے رومی بادشاہ نے اسے عمر بن النعمان کے پاس بطور ہدیہ بھیجا تھا اور اس کے ہمراہ بہت سے تحفے تحائف روانہ کیئے تھے۔ اس کنیز کا نام صفیہ تھا اور وہ سب کنیزوں سے زیادہ خوبصورت اور ناک نقشے والی تھی اور اپنی عزت آبرو کا اسے بہت خیال تھا اور بڑی سمجھدار اور حسین تھی۔

جس روز بادشاہ کی باری اس کے ساتھ ہونے کو تھی اس روز اس نے اس کی بہت خدمت کی اور کہا کہ اے بادشاہ' میں آسمان کے خدا سے التجا کرتی ہوں کہ وہ میرے بطن سے تجھے ایک لڑکا عطا کرے اور میں اس کی تربیت بہترین طریقے سے کروں اور اس کی تعلیم اور پختگی میں جان توڑ کر کوشش کروں۔ اس پر بادشاہ خوش ہوا اور اس یہ باتیں پسند آئیں۔ اسی حالت میں اس کے حمل کی مدت پوری ہوئی اور وہ زچہ خانے میں آکر بیٹھی۔ اپنے حمل کے زمانے میں وہ ہمیشہ بھلائی کے کام کرتی اور خوب عبادت میں مصروف رہتی اور خدا سے دعا مانگتی کہ وہ اسے نیک اولاد عطا کرے اور اس کی ولادت میں تکلیف نہ ہو۔ خدا نے اس کی دعا قبول کی اور بادشاہ نے ایک خادم کو مقرر کر دیا تھا کہ اسے یہ خبر دے کہ لڑکا پیدا ہو یا لڑکی؟ اسی طرح سے شرکان نے بھی یہ خبر لینے کے لیے ایک آدمی کو مقرر کر رکھا تھا۔ جب صفیہ کے بچہ پیدا ہوا تو دائیوں نے تحقیقات کر کے یہ معلوم کیا کہ وہ لڑکی ہے' جس کا چہرہ چاند سے زیادہ چمک دار ہے اور انہوں نے حاضرین کو یہی خبر دی۔ یہ سن کر بادشاہ کا ایلچی واپس گیا اور اس کو خبر پہنچائی اور شرکان کے فرستادہ نے بھی اسے جا کر خبر کی اور اسے' اس پر بہت خوشی ہوئی۔

جب خادم واپس گئے تو صفیہ نے دائیوں سے کہا کہ ذرا ٹھہر جاؤ' کیونکہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے پیٹ میں ابھی کچھ اور باقی ہے۔ یہ کہہ کر وہ پھر کراہنے لگی اور اسے زہ کا درد دوبارہ محسوس ہوا اور خدا نے اسے بچے کی پیدائش میں آسانی کر

دی اور س کے دوسرا بچہ پیدا ہوا اور دائیوں نے اسے دیکھا تو وہ لڑکا تھا جس کی روشن پیشانی اور سرخ گلاب کے سے رخسار چودھویں رات کے چاند کی طرح تھے۔ یہ دیکھ کر صفیہ اور نوکر چاکر اور تمام حاضرین خوش ہو گئے اور صفیہ نفاس سے فارغ ہوئی اور محل میں رنگ رلیاں ہونے لگیں۔ جب اور کنیزوں نے یہ خبر سنی تو وہ حسن کرنے لگیں لیکن عمر بن النعمان کو اس پر بے حد خوشی ہوئی اور وہ فوراً اٹھ کر اس کے پاس گیا اور اس کے سر کو بوسہ دیا اور پھر اس نے لڑکے پر نظر ڈالی اور اس کی طرف جھکا اور اس کو بوسہ دیا۔ اب کنیزیں ڈھولکیں اور دوسرے باجے بجانے لگیں اور بادشاہ نے حکم دیا کہ لڑکے کا نام ضوء المکان رکھا جائے اور اس کی بہن کا نزہت الزماں۔ لوگوں نے اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کہا کہ بسرو چشم۔ بادشاہ نے ان کی خدمت کے لیے دائیاں اور کھلائیاں اور نوکر چاکر مقرر کر دیئے اور شکر اور شربتوں اور مالشوں اور ایسی چیزوں کا روزینہ مقرر کر دیا جن کی تعریف سے زبان قاصر ہے۔

جب بغداد والوں کو ان اولادوں کی خبر ہوئی جو خدا نے بادشاہ کو عطا کی تھیں تو انہوں نے شہر کو سجایا اور نقارے بجائے اور امراء اور وزرا اور رؤسا نے بادشاہ عمر بن النعمان کو اس کے بیٹے ضوء المکان اور بیٹی نزہت الزماں پر مبارک باد دی۔ بادشاہ نے مبارکباد پر ان کا شکریہ ادا کیا اور انہیں خلعت عطا کئے اور انہیں پہلے سے زیادہ انعام و اکرام دیا اور ہر خاص و عام پر جو وہاں موجود تھے' بخشش کی۔ یہ حالت چار سال تک رہی اور اس اثناء میں وہ تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد صفیہ اور اس کے بچوں کی خیریت دریافت کرتا رہتا تھا۔ مگر چار سال گزرنے کے بعد اس نے حکم دیا کہ بہت سا زیور اور پوشاکیں اور مال و دولت صفیہ کو عطا کی جائیں اور اسے حکم دیا کہ ان کی تعلیم و تربیت بہترین طریقے سے کرے۔

ادھر تو یہ ہو رہا تھا اور ادھر شہزادے شرکان کو اس کی خبر بھی نہ تھی کہ اس کے باپ کے ایک لڑکا پیدا ہوا ہے بلکہ سوائے نزہت الزماں کے اور کسی اولاد کا علم نہ تھا

اور لوگوں نے ضوء المکان کی پیدائش اس سے بالکل پوشیدہ رکھی یہاں تک کہ ایک رات گزر گئی اور اس اثناء میں وہ بہادروں کی لڑائی اور شہسواروں کی جنگ میں مشغول رہا۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ بادشا عمر بن النعمان بیٹھا ہوا تھا کہ حاجب اندر آئے اور زمین کو بوسہ دے کر کہنے لگے کہ اے بادشاہ' روم کے بادشاہ کے ایلچی آئے ہوئے ہیں جو عالی شان قسطنطنیہ کا مالک ہے اور تیری خدمت میں حاضر ہونے اور تیرے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا چاہتا ہے۔ اگر بادشاہ سلامت انہیں اندر آنے کی اجازت دیں تو ہم اندر لے آئیں ورنہ کون ہے جو اس کے حکم کو ٹال سکتا ہے! یہ سن کر بادشاہ نے ان کو اندر آنے کی اجازت دی۔ جب وہ اندر آئے تو بادشاہ ان کی طرف متوجہ ہوا اور مخاطب ہو کر ان کی مزاج پرسی کی اور ان کے آنے کا سبب دریافت کیا۔

یہ سن کر ایلچیوں نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ اے عظیم الشان بادشاہ اور اے بڑی طاقت والے' سن' جس شخص نے ہمیں تیرے پاس بھیجا ہے' وہ افریدون بادشاہ ہے جو یونان کے ملک اور ان عیسائی فوجوں کا مالک ہے جو قسطنطنیہ میں مقیم ہیں۔ وہ تیرے گوش گزار کرنا چاہتا ہے کہ وہ آج ایک ظالم بے رحم بادشاہ کے مقابلے میں لڑ رہا ہے جو قیساریہ کا بادشاہ ہے اور اس لڑائی کی وجہ یہ ہے کہ پرانے زمانے میں عرب کے ایک بادشاہ کو سکندر کے زمانے کا خزانہ ملا تھا۔ اس خزانے میں بے انتہا مال و دولت اپنے ساتھ لے گیا تھا منجملہ اور چیزوں کے جو اس کے ہاتھ لگیں تین گول جواہرات تھے جو شتر مرغ کے انڈوں کے برابر تھے' وہ کسی خالص سفید جواہرات کی کان سے نکلے تھے جس کی نظیر پائی نہیں جاتی اور ان میں سے ہر ایک کے اوپر یونانی زبان میں جادو منقش تھا۔ اور ان میں بڑی خاصیتیں اور فائدے تھے' منجملہ ان کے ایک یہ کہ اگر ان میں سے ایک کسی بچے کے گلے میں پہنایا جائے تو وہ جب تک وہ اس کے گلے میں رہے گا بچے کو نہ تو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ روئے گا اور نہ بیمار پڑے گا۔

جب یہ جواہرات اس کے ہاتھ لگے اور ان کے بھید سے اسے آگاہی ہوئی تو اس نے افریدون بادشاہ کو بعض عجیب و غریب چیزیں اور مال بطور ہدیئے کے بھیجا اور منجملہ ان کے وہ تینوں جواہرات بھی تھے۔ ان چیزوں کو اس نے دو جہازوں کے ہمراہ روانہ کیا' ایک میں تو ہدیے تھے اور دوسرے میں لوگ جو ان کو سمندر میں ڈاکوؤں سے بچائیں۔ بااین ہمہ اس کو یقین تھا کہ جہازوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ وہ عرب کے بادشاہ کا مال تھا اور ان جہازوں کا راستہ جن میں تحفے اور تحائف تھے اس سمندر میں سے ہو کر جاتا تھا جو قسطنطنیہ کے بادشاہ کی حکومت میں تھا اور وہ جہاز اسی کے پاس جا رہے تھے اور اس سمندر کے کنارے سوائے بڑے بادشاہ افریدون کی رعایا کے اور کوئی نہ رہتا تھا۔ جب وہ جہاز تیار کر کے روانہ کر چکا تو وہ چلتے چلتے ہمارے ملک کے قریب پہنچے تو وہاں کے ڈاکوؤں نے جن میں قیساریہ کے بادشاہ کا لشکر بھی شامل تھے' ان پر حملہ کیا اور تمام تحفے تحائف اور مال اور ذخیرے اور تینوں جواہرات غرضیکہ جو کچھ بھی جہاز میں تھا' سب لوٹ لیا اور لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ جب ہمارے بادشاہ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے ان کے خلاف ایک لشکر بھیجا لیکن انہوں نے اس لشکر کو تتر بتر کر دیا۔ اس کے بعد اس نے ایک دوسرا لشکر روانہ کیا جو پہلے سے زیادہ زبردست تھا لیکن انہوں نے اسے بھی بھگا دیا۔ اس پر بادشاہ کو سخت غصہ آیا اور اس نے قسم کھائی کہ وہ خود اپنے تمام لشکر کے ہمراہ حملہ آور ہو گا اور اس وقت تک واپس نہ آئے گا جب تک وہ ارمنی قیساریہ کو تباہ نہ کر ڈالے اور سارے ملک کو جس پر اس کا بادشاہ حکمرانی کرتا ہے' درہم برہم نہ کر ڈالے۔ اور ہمارا مقصد جہاں پناہ بادشاہ عمر بن النعمان بغداد اور خراسان کے فرمانروا کے پاس آنے سے یہ ہے کہ وہ ہماری مدد اپنی فوج سے کرے تاکہ یہ اس کے لیے فخر کا باعث ہو اور ہمارے بادشاہ نے ہمارے ساتھ طرح طرح کے ہدیئے روانہ کئے ہیں اور اس کی درخواست ہے کہ جہاں پناہ انہیں قبول کر کے اس پر مہربانی فرمائیں۔ یہ کہہ کر ایلچیوں نے زمین کو بوسہ دیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھیالیسویں رات

جب چھیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب سپاہیوں اور ایلچیوں نے جو قسطنطنیہ کے بادشاہ کے پاس سے آئے تھے بادشاہ عمر بن النعمان کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس سے سارا ماجرا بیان کر چکے تو انہوں نے اس کے سامنے ہدیے کیے جو یہ تھے: پچاس کنیزیں جو یونان کے ملک میں منتخب تھیں اور پچاس گورے غلام جو اطلس کی قبائیں پہنے ہوئے اور سونے اور چاندی کی پٹیاں باندھے ہوئے تھے اور ہر غلام کے کان میں ایک ایک سونے کی بالی تھی جس میں ایک ہزار مثقال سونے کی قیمت کا ایک موتی جڑا ہوا تھا اور کنیزوں کی بھی یہی حالت تھی اور سب کے سب نہایت بیش قیمت پوشاکیں پہنے ہوئے تھے۔ جب بادشاہ نے ان کو دیکھا تو اس نے خوشی کے ساتھ انہیں قبول کیا اور ایلچیوں کو عزت و احترام سے رکھے جانے کا حکم دیا اور اپنے وزیروں کی طرف متوجہ ہو کر ان سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے؟

یہ سن کر ان میں سے ایک وزیر اٹھا جو بہت بوڑھا تھا اور جس کا نام دندان تھا اور اس نے بادشاہ عمر بن النعمان کے آگے زمین کو بوسہ دے کر کہا کہ اے بادشاہ' اس سے بہتر کوئی بات نہیں کہ تو ایک جرار لشکر تیار کرے اور اپنے بیٹے شرکان کو اس کا سپہ سالار بنائے اور ہم سب اس کی غلامی کے لیے حاضر ہیں۔ میرے نزدیک یہ رائے دو وجہوں سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اول یہ کہ یونان کے بادشاہ نے تجھ سے مدد مانگی ہے اور تیرے لیے ہدیے بھیجے ہیں جو تو نے قبول کر لیے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ دشمن کی ہمت ہمارے ملک میں آکر لڑنے کی تو پڑتی نہیں لہٰذا اگر تیرا لشکر یونان کے بادشاہ کی حفاظت کرے اور اس کے دشمن کو شکست دے تو یہ فتح تیری طرف منسوب ہو گی اور اس کی شہرت ہر ملک اور خطے میں پھیل جائے گی اور بالخصوص جب یہ خبر جزائر البحر میں پہنچے گی اور پچھم والے اسے سنیں گے تو وہ تیرے پاس

ہدیے اور تحفے اور مال و دولت روانہ کریں گے۔ جب بادشاہ نے وزیر کی باتیں سنیں تو وہ اسے بہت پسند آئیں اور اس کے خیال میں وہ ٹھیک تھیں اور اس نے وزیر کو خلعت عطا کی اور کہا کہ تجھ ہی جیسے آدمی سے بادشاہوں کو مشورہ لینا چاہیے اور تجھے فوج کی سپہ سالاری اور میرے بیٹے شرکان کو تیرے پیروی کرنی چاہیے۔

یہ کہہ کر بادشاہ نے اپنے بیٹے شرکان کو حاضر کیے جانے کا حکم دیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو اس نے اپنے باپ کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور بیٹھ گیا۔ اب بادشاہ نے اس سے سارا قصہ بیان کیا اور ایلچیوں اور وزیر دندان کی گفتگو سے اسے مطلع کیا اور اس سے کہا کہ سارا سامان لے کر سفر کی تیاری کر اور وزیر دندان کی کسی کاروائی میں مخالفت نہ کریو۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ میرے لشکر میں سے دس ہزار سوار چن لے جن کے پاس لڑائی کا مکمل سامان ہو اور جو جم کر لڑنے والے ہوں اور جنگ کی تکلیف کو برداشت کر سکیں۔ شرکان نے اپنے باپ عمر بن النعمان کا حکم مان لیا اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور شاہی لشکر میں سے دس ہزار سوار منتخب کیے اور اپنے محل میں داخل ہو کر لشکر کا معائنہ کیا اور انہیں انعام و اکرام دیا اور ان سے کہا کہ تم لوگوں کو تین دن کی مہلت ہے۔ یہ سن کر انہوں نے اس کی فرمانبرداری کے اظہار میں اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس کے پاس سے رخصت ہو کر تیاری میں لگ گئے۔ اب شرکان نے اسلحہ خانے میں جا کر اسلحہ اور جن جن چیزوں کی ضرورت تیاری کے لیے تھی، لیں اور اصطبل میں جا کر اصیل گھوڑے وغیرہ منتخب کیے۔

تین روز ٹھہرنے کے بعد لشکر بغداد سے باہر نکلا اور عمر بن النعمان اپنے بیٹے شرکان سے رخصت ہونے کے لیے آیا۔ شرکان نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس نے شرکان کو مال و دولت کے ساتھ خزانے بطور ہدیے کے دیے اور وزیر دندان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں اپنے لڑکے کا لشکر تیرے سپرد کرتا ہوں۔ وزیر نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ بسرو چشم۔ اب بادشاہ نے اپنے بیٹے شرکان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ہر معاملے میں وزیر سے مشورہ کیجیو۔ اس نے قبول کیا

اور اس کا باپ شہر کو واپس گیا۔ اب شرکان نے سرداروں کو حکم دیا کہ وہ لشکر کا جائزہ لیں اور انہوں نے جائزہ لیا تو لشکر کی تعداد واقعی دس ہزار سوار تھی۔ بھیر ان کے علاوہ تھی۔ اب لوگوں نے سارا سامان لادا اور ڈھول اور شہنائیاں بجنے لگیں اور جھنڈے اور علم اڑنے لگے۔ شاہزادہ شرکان گھوڑے پر سوار تھا اور اس کے پہلو میں اس کا وزیر دندان اور ان کے اوپر جھنڈے لہلہا رہے تھے۔ اسی طرح وہ ایلچیوں کی رہبری میں چلے جاتے تھے یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا اور رات ہو گئی اور انہوں نے اتر کر آرام کیا اور رات گزاری۔

پھر جب خدا نے دن نکالا تو وہ سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ اسی طرح سے بیس روز تک وہ کوچ کرتے رہے اور ایلچی ان کی رہبری کرتے جاتے تھے۔ اکیسویں دن وہ ایک وادی میں پہنچے جو بڑی لمبی چوڑی تھی اور جس میں بہت سے درخت اور سبزہ تھا۔ چونکہ لشکر رات کے وقت اس وادی میں پہنچا تھا اور لیے شرکان نے حکم دیا کہ لوگ وہاں اتر کر تین روز تک قیام کریں۔ سپاہیوں نے اتر کر ڈیرے ڈنڈے ڈال دیئے اور ادھر ادھر متفرق ہو گئے۔ وزیر دندان وادی کے بیچ میں اترا اور اس کے ساتھ قسطنطنیہ کے بادشاہ افریدون کے ایلچی تھے اور شہزادہ شرکان لشکر کے اترنے کے ایک پہر بعد تک ٹھہرا رہا۔ یہاں تک کہ سبھوں نے وادی میں ہر طرف متفرق ہو کر ڈیرے ڈنڈے ڈال دیے۔ اس کے بعد اس نے اپنے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی تا کہ وادی کا حال دریافت کرے اور اپنے باپ کی نصیحت کے بموجب خود پہرے داری کرے کیونکہ یہاں سے دشمن کے ملک یونان کی ابتدا ہوتی تھی۔ الغرض اس نے اپنے غلاموں اور مقربین کو وزیر دنداں کے پاس اترنے کا حکم دیا اور خود تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر وادی کے ایک طرف روانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ چوتھائی رات گزر گئی اور وہ تھک گیا اور نیند اس پر غالب آ گئی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے گھوڑے کو ایڑ بھی نہ لگا سکتا تھا۔ اس کو گھوڑے کی پیٹھ پر سو جانے کی عادت تھی' اس لیے جب اس پر نیند کا غلبہ ہوا تو وہ

سو گیا اور گھوڑا اسے لیے چلتا رہا۔ یہاں تک کہ آدھی رات ہو گئی اور گھوڑا اس کے ساتھ ایک گھنی جھاڑی میں پہنچا جہاں بہت سے درخت تھے۔ شرکان کی آنکھ اس وقت تک نہ کھلی جب تک کہ گھوڑے کی ٹاپیں زمین پر تڑ تڑ نہ پڑنے لگیں اور جب وہ جاگا تو اس نے دیکھا کہ اس کے چاروں طرف درخت ہی درخت ہیں اور چاندنی مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہے۔ جب شرکان نے اپنے آپ کو اس جگہ پر دیکھا تو وہ سہم گیا اور کلمہ پڑھنے لگا جس کے پڑھنے والے کو کبھی شرمندگی نہیں ہوتی یعنی لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔

وہ اسی حالت میں تھا اور اسے وحشی جانوروں سے ڈر لگ رہا تھا اور چاندنی سبزہ زار پر اس طرح کھیت کیے ہوئے تھی کہ وہ جنت کا سبزہ زار معلوم ہوتا تھا کہ اتنے میں اسے پیاری پیاری باتیں اور اونچی آواز اور ایک ایسا قہقہہ سنائی دیا جو مردوں کی عقل کو سلب کر لیتا ہے۔ یہ سن کر شاہزادہ شرکان اپنے گھوڑے پر سے اتر پڑا اور اسے ایک درخت سے باندھ دیا اور چلتے چلتے ایک دریا کے قریب پہنچا جو بہہ رہا تھا اور وہاں اس نے ایک عورت کو عربی میں کہتے سنا کہ مسیح کی قسم' تمہاری یہ بات نازیبا ہے اور اگر تم میں سے کسی نے ایک لفظ بھی کہا تو میں اسے اٹھا کر پٹک دوں گی اور اس کی پیٹی سے اس کی مشکیں باندھ دوں گی۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں اور شرکان اس طرف چلا جا رہا تھا جدھر سے آواز آ رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اس دریا پر پہنچ گیا جو بہہ رہا تھا اور جہاں پرندے چہچہا رہے تھے اور غزال ٹہل رہے تھے اور چڑیاں اپنی اپنی بولیوں میں خوشی منا رہی تھیں۔ یہ جگہ طرح طرح کے سبزہ زار سے زردوز تھی۔
شرکان نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو اسے ایک خانقاہ دکھائی دی جس کے اندر چاندنی میں ایک بلند قلعہ نظر آتا تھا۔ اس خانقاہ کے بیچ میں ایک نہر تھی جس کے پانی سے یہ سارے باغ سینچے جاتے تھے اور وہاں ایک عورت تھی جس کے آگے دس کنیزیں بیٹھی ہوئی تھیں جو چاند کی طرح خوبصورت تھیں اور جن کے لباس اور زیور کو دیکھ کر آنکھیں

چندھیا جاتی تھیں اور وہ سب کی سب باکرہ تھیں۔

شرکان نے ان دسوں پر نظر ڈالی اور دیکھا کہ ان کے بیچ میں ایک لڑکی چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔ اس کے بال گھونگر والے ہیں اور پیشانی چمک دار اور آنکھیں بڑی بڑی اور کالی کالی اور گیسو بچھو کی طرح' صورت اور سیرت میں کامل۔ شرکان نے سنا کہ وہ کنیزوں سے کہہ رہی ہے کہ آؤ کشتی لڑیں۔ قبل اس کے کہ چاند ڈوب جائے اور سویرا نکل آئے۔ یہ سن کر ایک ایک آگے بڑھتی اور لڑکی اسے پٹک کر اس کی پٹی سے مشکیں باندھ دیتی۔ اسی طرح سے وہ ان سے کشتی لڑتی اور انہیں پٹکتی رہی یہاں تک کہ سب کو پٹک چکی۔ اب اس لڑکی کی طرف ایک بڑھیا متوجہ ہوئی جو اس کے آگے کھڑی تھی اور غصے میں آکر اس سے کہنے لگی کہ اے پتریا' ان کنیزوں کو بچھاڑ کر تو پھولی نہیں سماتی۔ ادھر دیکھ کہ اگرچہ میں بڑھیا ہوں لیکن ان کو چالیس بار بچھاڑ چکی ہوں۔ آخر تجھے کس بات پر گھمنڈ ہے! اگر تجھے میرے مقابلے میں آنے کی ہمت ہے تو اٹھ تاکہ میں تیرا مقابلہ کروں اور تیرے سر کو تیری ٹانگوں کے بیچ میں کر دوں۔ اس پر وہ لڑکی ظاہراً مسکرائی لیکن اندر ہی اندر غصے میں بھری ہوئی تھی اور اٹھ کر کہنے لگی کہ اے میری آقا ذات الدواہی' تجھے مسیح کی قسم' سچ بتا کہ تو مجھ سے واقعی کشتی لڑنا چاہتی ہے یا میرے ساتھ مذاق کر رہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ واقعی لڑنا چاہتی ہوں۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سینتالیسویں رات

جب سینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب لڑکی نے ذات الدواہی سے کہا کہ میں تجھے مسیح کی قسم دیتی ہوں کہ سچ بتا کہ تو واقعی مجھ

سے لڑنا چاہتی ہے یا محض مذاق کر رہی ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں تجھ سے واقعی لڑنا چاہتی ہوں' اور شرکان ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لڑکی نے کہا کہ اگر تجھ میں ہمت ہو تو اٹھ اور کشتی لڑ۔ جب بڑھیا نے یہ سنا تو وہ طیش میں آگئی اور س کے بدن کے بال سیہ کے کانٹوں کی طرح کھڑے ہو گئے اور اس نے ایک جست ماری اور لڑکی بھی اس کے مقابلے میں آئی اور بڑھیا اس سے کہنے لگی کہ اے پتریا' قسم ہے مسیح کی کہ میں تجھ سے بغیر برہنہ ہوئے نہ لڑوں گی۔ یہ کہہ کر اس نے ایک ریشمی رومال لیا اور اپنے لباس کے بند کھولے اور دونوں ہاتھ کپڑوں کے نیچے ڈال کر ان کو سر کے اوپر سے اتار لیا اور رومال کو بٹ کر اپنی کمر میں باندھ لیا۔ اب اس کی شکل گنجی چڑیل یا چتکبرے سانپ کی سی نکل آئی اور وہ لڑکی کی طرف جھکی اور کہنے لگی کہ تو بھی میری طرح کر۔

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور ادھر شرکان ان دونوں کو کھڑا دیکھ رہا تھا اور بڑھیا کی صورت دیکھ کر ہنستا جاتا تھا۔ جب بڑھیا تیار ہو چکی تو لڑکی اطمینان سے اٹھی اور ایک یمنی لنگی دوہری کر کے اپنی کمر میں باندھ لی اور اپنی شلوار چڑھا لی یہاں تک کہ دو پنڈلیاں مرمر کی طرح دکھائی دینے لگیں جن کے اوپر بلور کا ایک نرم اور گول تودہ تھا اور ایک پیٹ جس کے گڑھوں میں سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ گویا اس پر شقائق النعمان کا بچھونا بچھا ہوا ہے اور ایک سینہ جس پر دو پستان تھے گویا دو دانے انار کے۔ اب بڑھیا اس کی طرف جھکی اور دونوں نے ایک دوسرے کو پکڑا۔ یہ دیکھ

کر شرکان نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور اللہ سے دعا مانگی کہ لڑکی بڑھیا سے جیت جائے۔ اب لڑکی بڑھیا کے نیچے گھس گئی اور اپنا بایاں ہاتھ اس کے کمر بند پر

رکھا اور دہنا اس کی گردن اور حلقوم پر اور اسے اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا۔
اب بڑھیا نے چاہا کہ لڑکی کے ہاتھ چھڑا کر آزاد ہو جائے لیکن ایسا کرنے میں وہ زمین پر چت آ پڑی اور اس کی دونوں ٹانگیں اوپر اٹھ گئیں اور اس کی شرمگاہ کے بال چاندنی میں چمکنے لگے اور اس سے دو ریحیں خارج ہو گئیں۔ ایک تو زمین سے جا کر ٹکرائی اور دوسری ہوا کے اوپر کی طرف اڑ گئی۔ اس پر شرکان ہنستے ہنستے لوٹ گیا۔
اس کے بعد وہ اٹھا اور اپنی تلوار کھینچی اور دہنے بائیں دیکھا لیکن سوائے بڑھیا کے اور کوئی نظر نہ آیا جو زمین پر چت پڑی تھی۔ شرکان نے اپنے دل میں کہا کہ جس نے تیرا نام ذات الدور رکھا ہے بالکل ٹھیک رکھا ہے تجھے تو اس لڑکی کی قوت کا پتہ لگ چکا تھا اور جب وہ دوسروں سے کشتی لڑتی تھی۔
یہ کہہ کر وہ دونوں کے قریب گیا تاکہ سنے کہ ان دونوں میں کیا پیش آتا ہے اور اس نے دیکھا کہ لڑکی آگے بڑھی اور اس نے بڑھیا پر ایک باریک ریشم کا رومال ڈال دیا اور اسے کپڑے پہنائے اور اس سے معافی مانگی اور کہنے لگی کہ اے میری آقا ذات الدواہی' میرا مقصد محض تجھے بچھاڑ دینا تھا مگر یہ نہ تھا جو تیرے ساتھ پیش آیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تو اپنے بدن کو مروڑ کر میرے ہاتھ سے نکل جانا چاہتی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ تو صحیح سلامت ہے۔ بڑھیا نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور شرمندہ ہو کر اٹھی اور چلتی ہوئی اور چلتے چلتے نظر سے غائب ہو گئی اور وہاں محض کنیزیں مشکیں بندھی ہوئی پڑی تھیں اور وہ لڑکی تنہا کھڑی تھی۔ شرکان نے اپنے دل میں کہا کہ ہر مقدر کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے اور میرے نیند نہ آنے اور میرے گھوڑے کا مجھے اس جگہ لانے کا سبب میری خوش بختی ہے تاکہ یہ لڑکی اور تمام کنیزیں جو اس کے ساتھ ہیں میرے ہاتھ لگیں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا اور

اس پر چڑھ کر ایڑ لگائی اور وہ اسے لے کر یوں اڑا جس طرح کمان سے تیر اور شرکان کے ہاتھ میں برہنہ تلوار تھی اور اس نے پکار کر اللہ اکبر کہا۔ جب لڑکی نے اسے دیکھا تو وہ فوراً کھڑی ہوئی اور نہر کے اس کنارے پر اپنے قدم جما کر کھڑی ہو گئی۔ نہر کی چوڑائی مستعمل گز سے چھ گز تھی۔ اس نے ایک چھلانگ ماری اور نہر کے دوسرے کنارے پہنچ گئی اور مضبوطی سے کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا کہ اے شخص' تو کون ہے کہ تو نے ہماری خوشی کو مکدر کیا ہے؟ اور تو تلوار کھینچے کہاں جا رہا ہے گویا کہ تو فوج پر حملہ آور ہے؟ تو کہاں سے آ رہا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ سچ سچ بیان کر' کیونکہ سچائی تیرے لیے زیادہ مفید ہے اور جھوٹ مت بول کیونکہ جھوٹ بولنا رذیلوں کی عادت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آج رات تو راہ بھول گیا ہے اور اس جگہ آ پہنچا ہے جہاں سے بچ کر چلا جانا بڑی خوش قسمتی ہو گی۔ اس وقت تو ایک ایسے میدان میں ہے کہ اگر میں ایک آواز دوں تو ابھی چار ہزار جوان آموجود ہوں گے۔ کہہ تو کیا چاہتا ہے؟ اگر تو چاہتا ہے کہ ہم تجھے راہ بتا دیں تو ہم بتا دیں گے اور اگر تو ہماری مدد چاہتا ہے تو ہم مدد کرنے کو تیار ہیں۔

جب شرکان نے اس کی باتیں سنیں تو اس نے کہا کہ میں ایک پردیسی مسلمان ہوں' آج رات میں غنیمت کی تلاش میں تنہا نکلا تھا اور اس چاندنی رات میں ان دس کنیزوں سے بڑھ کر غنیمت کا مال میرے ہاتھ نہیں لگا۔ لہٰذا میں ان کو لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ لڑکی نے کہا کہ غنیمت کے مال تک تو تو ابھی پہنچا نہیں اور کنیزیں تو واللہ تیرا غنیمت کا مال نہیں ہیں۔ میں نے کہا نہ تھا کہ جھوٹ بولنا عیب کی بات ہے۔ اس نے جواب دیا کہ عقلمند وہ شخص ہے جو دوسروں سے سبق حاصل کرے۔ لڑکی نے کہا کہ مسیح کی سچائی کی قسم' اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ کہیں تیری موت میرے ہاتھ سے نہ آئے تو میں ابھی ایک آواز دیتی جس سے یہ میدان سواروں اور پیادوں سے بھر جاتا' لیکن میں پردیسیوں پر رحم کھاتی ہوں اور اگر تو غنیمت کا خواہش مند ہے تو میں یہ چاہتی ہوں کہ اپنے گھوڑے پر سے اتر اور اپنے دین کی

قسم کھا کہ تو میرے پاس کوئی ہتھیار لے کر نہ آئے گا بلکہ تو مجھ سے کشتی لڑے گا۔ اگر تو نے کشتی میں مجھے بچھاڑ دیا تو مجھے اپنے گھوڑے پر بٹھا کر ہم سب کو بطور غنیمت کے مال کے لیے جائیو۔ اور اگر میں تجھے بچھاڑ دوں تو میں تجھ پر اپنا حکم چلاؤں گی مگر پہلے قسم کھا' میں ڈرتی ہوں کہ کہیں تو دغابازی نہ کرے! کیونکہ یہ ضرب المثل ہے کہ اگر کسی کی گھٹی میں دغابازی پڑی ہو تو وہ اعتبار کے قابل نہیں ہوتا لیکن اگر تو حلف اٹھا لے تو میں ابھی کود کر تیرے پاس پہنچتی ہوں۔

شرکان کو اس کے پکڑنے کا لالچ تو تھا ہی' اس نے اپنے دل میں کہا کہ اسے اس بات کی خبر نہیں کہ میرا شمار سورماؤں میں ہے۔ پھر اس نے اس سے کہا کہ مجھے تو جس چیز کی چاہے قسم دے اور جس قسم پر تیرا بھروسہ ہو کہ' میں تیرے پاس کوئی چیز لے کر نہ آؤں گا جب تک تو پوری تیاری نہ کر لے گی اور مجھ سے نہ کہے گی کہ قریب آ تاکہ میں تجھ سے کشتی لڑوں۔ بس اس وقت میں تیرے قریب آؤں گا۔ اگر تو نے مجھے بچھاڑ دیا تو میرے پاس اتنا مال ہے کہ میں اسے دے کر اپنے آپ کو چھڑا لوں' اور اگر میں نے تجھے بچھاڑ دیا تو یہ میرے لیے بڑا غنیمت کا مال ہے۔

لڑکی نے کہا کہ یہ مجھے منظور ہے۔ شرکان اس پر متحیر ہوا اور کہنے لگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی قسم کہ میں بھی اپنی طرف سے راضی ہوں۔ لڑکی نے کہا کہ اب اس ذات کی قسم کھا جس نے جسموں میں جان ڈالی ہے اور انسانوں کے لیے قوانین بنائے ہیں کہ اگر کشتی کے علاوہ تو میرے ساتھ کوئی اور حرکت کرے اور تو اسلامی موت نہ مرے۔ شرکان نے کہا کہ اگر کوئی قاضی مجھ سے قسم کھلواتا' خواہ وہ قاضی القضاہ ہی کیوں نہ ہوتا' تو وہ بھی مجھ سے یہ قسمیں نہ کھلواتا۔ یہ کہہ کر اس نے جتنی قسمیں کھلوائیں وہ سب شرکان نے کھا لیں اور اپنے گھوڑے کو درخت سے باندھ دیا اور سوچ میں ڈوب گیا اور کہنے لگا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اسے حقیر پانی سے پیدا کیا۔ یہ کہہ کر شرکان نے اپنی کمر کس لی اور کشتی کے لے تیار

ہو گیا اور لڑکی سے کہا کہ نہر کو پار کر کے ادھر آ۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے کیا غرض کہ پار کر کے تیرے پاس آؤں۔ اگر تو چاہتا ہے تو پار کر کے میرے پاس آ۔ شرکان نے جواب دیا کہ یہ میرے بس سے باہر ہے۔ لڑکی نے کہا کہ اے جوان' اچھا تو میں ہی تیرے پاس آتی ہوں۔

یہ کہہ کر اس نے اپنا دامن اٹھایا اور ایک چھلانگ مار کر نہر کے اس کنارے آ گئی جہاں شرکان تھا۔ اب شرکان اس کے قریب آیا اور جھکا اور ہاتھ پر ہاتھ مارا' مگر وہ اس کے حسن و جمال میں محو تھا کیونکہ اس نے ایک ایسی صورت کا مشاہدہ کیا جس کو قدرت کے ہاتھ نے پریوں کی خوبصورتی میں سے اپنے چلو سے نکالا ہے اور حفاظت کے ہاتھ نے اس کی تربیت کی ہے اور سعادت کی ہوائیں اس پر چلی ہیں اور اس کی پیدائش کے وقت نیک طالع نے اسے دودھ پلایا ہے۔ الغرض وہ لڑکی آئی اور اس نے بلند آواز سے کہا کہ اے مسلمان! کشتی کے لیے آگے بڑھ قبل اس کے کہ دن نکلے۔

یہ کہہ کر اس نے اپنی آستین چڑھا لی اور اس کی کلائیاں تروتازہ دہی کی طرح چمکنے لگیں اور ان سے وہ ساری جگہ روشن ہو گئی۔ شرکان کو حیرانی ہوئی مگر وہ جھکا اور ہاتھ پر ہاتھ مارا اور اس لڑکی نے بھی ہاتھ پر ہاتھ مارا اور اس سے لپٹ گئی اور وہ بھی اس سے لپٹ گیا اور دونوں باہم گتھ گئے اور شرکان نے اپنا ہاتھ اس کی پتلی کمر پر رکھا اور اس کی انگلیاں اس کے نرم نرم پیٹ پر چبھ گئیں اور س کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے اور حسرتوں نے اسے آگھیرا اور اس کی نظر پیٹ پر پڑی جو لوچ دار تھا اور وہ اس طرح کانپنے لگا جیسے کہ تیز ہوا میں ایرانی سینتھا۔ ادھر اس کا یہ حال تھا اور ادھر لڑکی نے اسے اٹھا کر زمین پر دے پٹکا اور چوتڑوں کے بل جو ریت کے تودے کی طرح تھے' اس کے سینے پر چڑھ بیٹھی۔ یہاں تک کہ اس کی عقل جاتی رہی۔ اب اس لڑکی نے کہا کہ اے مسلمان' تم لوگوں کے یہاں عیسائیوں کو قتل کرنا جائز ہے۔ پس اگر میں تجھے قتل کر ڈالوں تو تو کیا کہے گا؟ اس نے کہا کہ اے میری آقا' تیرا فیصلہ میرے قتل کے متعلق حرام ہے کیونکہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے

عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں اور گوشہ نشینوں کو قتل کرنے کی ممانعت کی ہے۔ لڑکی نے جواب دیا کہ اگر تمہارے پیغمبر پر اس قسم کی وحی اتری ہے تو ہمیں لازم ہے کہ

ہم بھی اس کی نیکی کا بدلہ نیکی سے دیں۔ اس لیے اٹھ میں تیری جان بخشی کرتی ہوں کیونکہ انسان کے ساتھ احسان کرنا ضائع نہیں جاتا۔

یہ کہہ کر وہ شرکان کے سینے پر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور وہ بھی ٹیڑھی پسلیوں والی کے سامنے اپنے سر سے خاک جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ اس کی طرف جھک کر کہنے لگی کہ شرمندہ مت ہو مگر یہ بتا کہ جو شخص یونان کے ملک میں داخل ہوتا ہے اور غنیمت کے مال کا طالب ہوتا ہے اور بادشاہوں کی مدد کرنے آتا ہے اس میں اتنی بھی قوت نہیں کہ وہ ٹیڑھی پسلی والیوں سے اپنی مدافعت کر سکے۔ شرکان نے جواب دیا کہ یہ میری کمزوری کی دلیل نہیں ہے اور نہ تو نے اپنی قوت سے مجھے بچھاڑا ہے لیکن وہ تیرا حسن ہے جس نے مجھے دے پٹکا ہے۔ اگر تو مجھے ایک بار اور موقع دے تو تیری مہربانی ہو گی۔ یہ سن کر وہ ہنس پڑی اور کہنے لگی کہ منظور ہے مگر کنیزوں کی مشکیں بہت دیر سے بندھی ہوئی ہیں اور ان کی کلائیاں اور پہلو دکھنے لگے ہوں گے اس لیے مناسب ہے کہ میں ان کی مشکیں کھول دوں کیونکہ ممکن ہے کہ تیرے ساتھ یہ دوسری بازی کشتی دیر تک چلے۔ یہ کہہ کر وہ کنیزوں کے پاس گئی اور ان کی مشکیں کھول دیں اور ان سے یونانی زبان میں کہنے لگی کہ امن و امان کی جگہ چلی جاؤ تاکہ اس مسلمان کے لالچ سے محفوظ رہو۔ یہ سن کر کنیزیں چلتی ہوئیں اور شرکان دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا اور وہ سب ان دونوں کا تماشا دیکھنے لگیں۔ اب وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب آئے اور پیٹ سے پیٹ لگا۔ جب لڑکی نے یہ دیکھا تو بجلی سے زیادہ پھرتی کے ساتھ اس نے شرکان کو اپنے ہاتھ پر اٹھا کر زمین پر دے پٹکا اور وہ چاروں شانے چت گر پڑا۔ لڑکی نے کہا کہ اٹھ' میں نے دوبارہ تیری جان بخشی کی۔ پہلی بار میں نے تیرے پیغمبر کی وجہ سے تجھ پر احسان کیا کیونکہ اس نے عورتوں کا قتل کرنا روا

نہیں رکھا اور دوسری بار میں تیری کمزوری اور کم سنی اور تیرے پردیسی ہونے کی وجہ سے تجھے چھوڑتی ہوں۔

لیکن میں تجھ سے یہ کہتی ہوں کہ اگر مسلمانوں کی فوج میں جو عمر بن النعمان نے قسطنطنیہ کے بادشاہ کی مدد کے لیے بھیجی ہے کوئی شخص تجھ سے زیادہ طاقتور ہو تو اسے میرے پاس بھیج اور اس سے کہہ کہ میرے ساتھ کشتی لڑے کیونکہ کشتی کے بہت سے طریقے اور مدارج اور قسمیں ہیں' منجملہ ان کے مسابقہ اور منازلہ اور دونوں ٹانگیں لینا اور ان کو کاٹنا اور معرکہ اور شباک۔ شرکان کو غصہ آیا اور اس نے کہا کہ اگر آج استاد صفدی یا محمد قیمال یا ابن السدی موجود ہوتے تو وہ بھی یہ پیچ مجھے نہ سکھا سکتے جو تو نے بیان کیے ہیں۔ لیکن اے میری آقا' تو نے اپنے زور سے مجھے زیر نہیں کیا' لیکن تو دھوکا دے کر مجھے اپنے کولھوں کے پاس لے آئی اور ہم عراق والے موٹی رانوں پر مرتے ہیں' اس لیے میرے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اگر تو مجھ سے ایسی حالت میں کشتی لڑنی چاہتی ہے جبکہ میرے ہوش و حواس درست ہوں تو محض اس اصول سے لڑ سکتا ہوں کیونکہ اس حالت میں میری عقل سلامت رہ سکتی ہے۔

جب لڑکی نے اس کی یہ باتیں سنیں تو کہنے لگی کہ اے مغلوب' اس کشتی سے تیرا کیا مقصد ہے؟ اچھا آ' مگر جان لے کہ یہ آخری کشتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ جھکی اور شرکان کو کشتی کے لیے بلایا۔ شرکان بھی اس کی طرف جھکا اور اس بار مذاق سے نہیں بلکہ سنجیدگی سے اور تھوڑی دیر تک دونوں گتھے رہے اور لڑکی نے محسوس کیا تھا کہ اس میں طاقت ہے اور اس سے کہنے لگی کہ اے مسلمان' تو بڑی احتاط کے ساتھ لڑ رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں' تجھے معلوم ہے کہ یہ تیرے ساتھ میری آخری کشتی ہے اور اس کے بعد ہم دونوں اپنی اپنی راہ چلتے ہوں گے۔ یہ سن کر وہ ہنسنے لگی اور شرکان بھی ہنس پڑا۔ اسی حالت میں وہ اس کی ران کی طرف بڑھی اور ابھی اس کو خبر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اس نے ران پر ہاتھ مارا اور شرکان کو زمین پر پٹک

دیا اور وہ چاروں شانے چت گر پڑا۔ اب وہ ہنسنے لگی کہ تو چوکر کی روٹی کھاتا ہے اور یا تو دبلے لمبے بدو کی طرح ہے جو ایک گھڑکی میں گر جاتا ہے' اور یا تو پر کی طرح ہے جو ہوا سے گر پڑتا ہے۔ حیف ہے تجھ پر' اے کمبخت! پھر وہ کہنے لگی کہ مسلمانوں کے لشکر میں جا اور میرے مقابلے میں کسی اور کو بھیج۔ کیونکہ تو بہت کمزور ہے اور عربوں اور ایرانیوں اور ترکوں اور دیلمیوں میں ڈھنڈورا پٹوا دے کہ جس میں طاقت ہو وہ میرے پاس آئے۔

یہ کہہ کر اس نے ایک چھلانگ ماری اور نہر کے دوسرے کنارے جا پہنچی اور شرکان سے مذاقاً کہنے لگی کہ اے میرے آقا' تیری جدائی میرے اوپر شاق ہے مگر پو پھٹنے سے پہلے اپنے ساتھیوں کے پاس چلتا ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ سورما' آکر تجھے نیزوں کی نوکوں پر رکھ لیں۔ تجھ میں عورتوں سے مدافعت کی قوت تو ہے نہیں' پھر تو اپنے آپ کو بہادر سواروں سے کس طرح بچا سکے گا۔ شرکان اپنے دل ہی دل میں حیران ہوا اور اس سے کہنے لگا' درآنحالیکہ وہ اس کی طرف منہ پھیر کر دیر کی طرف جانے لگی' کہ اے میری آقا' کیا تو مجھ غمزدہ پردیسی مسکین اور دل شکستہ کو چھوڑ کر جا رہی ہے؟ اب وہ ہنس کر اس کی طرف مخاطب ہوئی اور کہنے لگی کہ مانگ کیا چاہتا ہے تاکہ میں تیری حاجت روائی کروں۔ اس نے جواب دیا کہ میں تیری زمین پر قدم رکھوں اور تیری مہربانیوں کی مٹھاس چکھوں اور بغیر تیرا نمک کھائے واپس جاؤں' حالانکہ میں تیرا غلام ہو چکا ہوں۔ لڑکی نے جواب دیا کہ سوائے رذیل شخص کے کوئی بھلائی سے منہ نہیں موڑتا۔ چل اللہ کے نام پر۔ بسرو چشم! اپنے گھوڑے پر سوار ہو لے اور میرے ساتھ ساتھ نہر کی دوسری طرف چل' کیونکہ تو میرا مہمان ہے۔ شرکان خوش ہو گیا اور اپنے گھوڑے کے پاس گیا اور اس پر سوار ہو کر لڑکی کے مقابلے میں چلنے لگا اور وہ اس کے مقابلے میں چلنے لگی۔ یہاں تک کہ وہ ایک پل کے پاس پہنچا جو لکڑی کا بنا ہوا اور فولاد کی زنجیروں سے کسا ہوا تھا اور جس میں قفل لگے ہوئے تھے۔ شرکان

کی نظر اس پل پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ وہاں وہ کنیزیں جو اس لڑکی کے ساتھ کشتی لڑی تھیں' کھڑی اس کا انتظار کر رہی ہیں۔ جب لڑکی ان کے پاس پہنچی تو وہ ان میں سے ایک کی طرف مخاطب ہو کر یونانی[1] زبان میں کہنے لگی کہ اس شخص کے پاس جا اور اس کے گھوڑے کی لگام تھام کر اسے نہر کے دوسرے طرف دیر میں پہنچا دے۔
اب وہ لڑکی آگے آگے چلی اور شرکان پیچھے پیچھے ہو لیا یہاں تک کہ وہ پل کے پار ہو گیا اور جو کچھ اس نے دیکھا تھا' اس سے اس کی عقل دنگ تھی اور وہ اپنے دل میں کہتا جاتا تھا کہ کاش کہ وزیر دندان یہاں میرے ساتھ ہوتا اور وہ اپنی آنکھوں سے ان حسین چہروں کو دیکھتا۔ اب وہ اس لڑکی کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ اے حسن کی پتلی' اب تیرے اوپر میرے دو حق ہو گئے ایک تو صحبت کا حق اور دوسرا اس بات کا کہ میں نے تیری ضیافت قبول کی ہے اور تیرے گھر جا رہا ہوں اور تیرا تابع اور فرمانبردار بن چکا ہوں۔ کاش کہ اب تو میرے اوپر مہربانی کرے اور میرے ساتھ اسلامی ممالک میں چلے اور تمام بہادر سرداروں کو دیکھے اور یہ معلوم کرے کہ میں کون ہوں! جب لڑکی نے اس کی یہ باتیں سنیں تو اسے غصہ آ گیا اور وہ کہنے لگی کہ قسم ہے حضرت عیسیٰ کی حقانیت کی' اب تک میں تجھے سمجھ دار خیال کرتی تھی' لیکن اب مجھے معلوم ہوا کہ تیرے دل میں کھوٹ ہے؟ تیرے لیے یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ تو ایسی باتیں کرے جن کی وجہ سے تیرے اوپر دغابازی کا گمان ہو۔ اور میں ایسا کام کس طرح کر سکتی ہوں جیسا کہ مجھے معلوم ہے کہ اگر میں تمہارے بادشاہ عمر بن النعمان کے پاس پہنچ گئی تو وہاں سے چھٹکارا ناممکن ہے کیونکہ میرا جواب نہ اس کے شہر میں ہے اور نہ اس کے محلوں میں' مانا کہ وہ بغداد اور خراسان کا بادشاہ ہے اور اس کے بارہ محل ہیں اور ان تمام محلوں میں اتنی کنیزیں ہیں جتنے کہ سال میں دن ہوتے ہیں اور محلوں کی تعداد اتنی ہے جتنی کہ سال میں مہینوں کی۔
اگر کہیں میں اس کے پاس پہنچ گئی تو وہ مجھ سے ہرگز درگزر نہ کرے گا کیونکہ تمہارے

اعتقاد کے موافق میں تمہارے لیے حلال ہوں جس طرح سے کہ تمہاری کتابوں میں مذکور ہے کہ "یا وہ عورتیں جو تمہاری ملکیت ہیں تمہارے لیے حلال ہیں" پھر تو مجھ سے اس طرح کی باتیں کیوں کرتا ہے! اور تیرا یہ کہنا کہ میں مسلمان سورماؤں کا تماشا دیکھوں' مسیح کی حقانیت کی قسم! سچ نہیں' کیونکہ دو روز سے جب سے کہ تمہارا لشکر ہمارے ملک میں داخل ہوا ہے' میں اس کو دیکھ رہی ہوں اور مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تمہاری تربیت شاہانہ تربیت نہیں بلکہ تم لوگ تیتر بٹیروں کی طرح جمع کر لیے گئے ہو اور تیرا یہ کہنا کہ تا کہ میں جانوں کہ تو کون ہے' بے معنی ہے' کیونکہ میں تیرے ساتھ اس لیے بھلائی نہیں کرتی کہ تو بڑا آدمی ہے بلکہ اس لیے کہ اس میں میرے لیے فخر کی بات ہے اور اگر تو بادشاہ عمر بن النعمان کا بیٹا شرکان بھی ہوتا جس کا ڈنکا زمانے میں بج رہا ہے تاہم مجھ جیسے کے متعلق تیرا یہ کہنا زیبا نہیں۔ اس نے کہا کہ کیا تو جانتی ہے کہ شرکان کون ہے؟ لڑکی نے جواب دیا کہ ہاں اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ لشکر کے ساتھ آیا ہے جس کی تعداد دس ہزار سوار ہیں۔ اور اس کے باپ عمر بن النعمان نے یہ فوج اس کے ساتھ قسطنطنیہ کے بادشاہ کی مدد کے لیے بھیجی ہے۔ شرکان نے کہا کہ اے میری آقا' میں تجھے تیرے دین کی قسم دیتا ہوں جس پر تیرا اعتقاد ہے کہ تو مجھے اس کے سبب سے مطلع کرے تا کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ اور اس جنگ کا وبال کس کے سر ہے۔ لڑکی نے جواب دیا کہ میں تجھے تیرے مذہب کی قسم دے کر کہتی ہوں کہ اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ لوگوں میں یہ خبر مشہور ہو جائے گی کہ میں یونانی لڑکی ہوں تو میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر دس ہزار سواروں کے مقابلے میں نکل کھڑی ہوتی اور ان کے سردار وزیر دندان کو قتل کرتی اور ان کے شہسوار شرکان کو زیر کرتی اور یہ میرے لیے کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن میں نے کتابیں پڑھی ہیں اور عربی ادب کی تعلیم پائی ہے اس لیے میں بہادری میں اپنی تعریف نہیں کرتی۔ اگرچہ تو نے کشتی اور فصاحت و بلاغت میں میری قوت اور کرتب کا تجربہ کر لیا ہے اور اگر تیری جگہ اس وقت شرکان

ہوتا اور اس سے کہاجاتا کہ اس نہر کو پھاند تو وہ نہ پھاند سکتا۔ اور میری آرزو ہے کہ کاش کہ حضرت مسیح اسے میرے سامنے اس دیر میں لے آئیں اور میں مردوں کی طرح اس کا مقابلہ کروں اور اسے گرفتار کر کے اس کے بیڑیاں ڈال دوں۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی معلوم ہوئی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• اڑتالیسویں رات

جب اڑتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب اس عیسائی لڑکی نے شرکان سے یہ باتیں کہیں اور نیز یہ کہ اگر شرکان سے میری مڈبھیڑ ہو جائے تو میں مردانہ وار اس کا مقابلہ کروں گی اور اسے زین سے نیچے گرا کر اسے بیڑیوں اور زنجیروں سے جکڑ دوں گی تو یہ سن کر شرکان کی غیرت اور حمیت اور بہادرانہ نخوت جوش میں آ گئی اور اس نے ارادہ کیا کہ اپنے آپ کو ظاہر کر دے اور اس پر حملہ کر بیٹھے لیکن لڑکی کا حسن اس وقت اس کے آڑے آ گیا۔ اب وہ آگے بڑھی اور شرکان اس کے پیچھے پیچھے تھا اور اس کی نظر لڑکی کی پیٹھ پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ اس کے کولھے متلاطم سمندر کی طرح لہریں مار رہے ہیں۔ چلتے چلتے وہ دونوں ایک محرابی دروازے پر پہنچے جس کی محراب مرمر کی تھی اور لڑکی نے دروازہ کھولا اور شرکان کے ساتھ ایک لمبی غلام گردش میں داخل ہوئی جس کے اوپر دس محرابیں تھیں جو ایک دوسرے سے پیوست تھیں اور ہر محراب میں بلور کا ایک ایک شمعدان لٹکا ہوا تھا جو جلتی ہوئی آگ کی طرح روشن تھا۔ اس کے دوسرے کنارے پر معطر موم بتیوں کے ساتھ اس کا استقبال کنیزوں نے کیا جن کے سروں پر نگینوں سے جڑی ہوئی زرکش ٹوپیاں تھیں اور یہ نگینے' طرح طرح کے جواہرات تھے۔ یہ کنیزیں آگے ہو لیں اور لڑکی ان کے پیچھے پیچھے اور اس کے پیچھے پیچھے شرکان یہاں تک کہ وہ خانقاہ میں پہنچیں اور شرکان نے دیکھا کہ خانقاہ کے چاروں طرف آمنے سامنے تخت بچھے ہوئے ہیں اور ان پر سونے کے کڑھے ہوئے پردے پڑے ہیں اور خانقاہ کا فرش رنگ برنگ پتھروں کی پچی کاری کا ہے اور بیچ میں پانی کا حوض ہے جس میں چوبیس سونے کے فوارے ہیں جن میں سے پگھلی ہوئی چاندی کی طرح پانی نکل رہا ہے اور اس نے دیکھا کہ صدر میں ایک تخت بچھا ہوا ہے اور اس پر ریشمی فرش ہے۔

لڑکی نے شرکان سے کہا کہ اے میرے آقا' اس تخت پر بیٹھ۔ وہ تخت پر بیٹھ گیا اور لڑکی وہاں سے چلی گئی اور کچھ دیر تک غائب رہی۔ شرکان نے بعض ملازموں سے پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ اپنی آرامگاہ میں ہے اور ہم لوگ اس کے حکم کے بموجب تیری خدمت کے لیے حاضر ہیں۔ اس کے بعد ملازم طرح طرح کے کھانے لائے اور وہ کھا کر سیر ہو گیا۔ پھر وہ ایک سونے کی سیلبچی اور ایک چاندی کا لوٹا لائے اور اس نے ہاتھ دھوئے۔ لیکن اس کا دل اپنے لشکر میں لگا ہوا تھا کیونکہ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اس کے بعد ان پر کیا گزری ہو گی؟ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اس نے اپنے باپ کی نصیحت کو کس طرح فراموش کر دیا۔ وہ انہیں باتوں پر متحیر اور اپنے کیے پر پشیمان تھا کہ صبح ہو گئی اور دن نکل آیا۔ اس پر وہ افسوس کرنے اور آہیں بھرنے لگا اور سوچ میں ڈوب گیا اور اشعار پڑھنے لگا۔ جب وہ پڑھ چکا تو اسے ایک عجیب و غریب تماشا نظر آیا۔ وہ کیا دیکھتا ہے کہ بیس سے زیادہ چاند کی سی کنیزوں کے درمیان وہ لڑکی وہاں آموجود ہوئی جیسے ستاروں کے درمیان چودھویں رات کا چاند ہو۔ کنیزیں اس کو بیچ میں لے ہوئے تھیں اور اس کا لباس شاہانہ اطلس کا تھا اور وہ اپنی کمر میں گندھی ہوئی پیٹی باندھے ہوئے تھی جس میں طرح طرح کے جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔ یہ پیٹی اس کی کمر سے چست بندھی ہوئی تھی اور اس کے کولھے ابھرے ہوئے تھے گویا چاندی کی شاخ کے نیچے بلور کے تودے تھے۔ اور اس کے دونوں سینے گویا بڑے اناروں کا جوڑا تھا۔ جب شرکان نے یہ دیکھا تو مارے خوشی کے اس کی عقل اڑ گئی اور وہ اپنے لشکر اور وزیر کو بھول گیا اور اس لڑکی کے سر کو غور سے دیکھنے لگا تو وہ کیا دیکھتا ہے کہ اس پر موتیوں کا ایک جال پڑا ہوا ہے اور اس میں جواہرات جڑے ہوئے ہیں اور کنیزیں دہنے بائیں اس کا دامن اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ ناز سے جھومتی چلی آتی ہے۔ یہ دیکھ کر شرکان فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے حسن و جمال کا نظارہ کرنے لگا اور کہنے لگا کہ پناہ' پناہ' اس پیٹی سے!

اب لڑکی دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی اور بار بار دیکھا کی۔ یہاں تک کہ وہ یقین

کے ساتھ اس کو پہچان گئی اور آگے بڑھ کر کہنے لگی کہ اے شرکان' غریب خانہ تیری وجہ سے معزز اور روشن ہو گیا۔ اے عالیشان مرد' ہمارے چلے جانے اور تجھ کو اکیلا چھوڑ جانے کے بعد تیری رات کیسی گزری؟ اس کے بعد وہ کہنے لگی کہ جھوٹ بولنا بادشاہوں کے لیے عیب ہے اور بری بات' بالخصوص بڑے بادشاہوں کے لیے۔ اور تو بادشاہ عمر بن النعمان کا بیٹا شرکان ہے' لہٰذا اپنے راز کو مت چھپا اور اس کے بعد مجھ سے جھوٹ مت بول کیونکہ جھوٹ بولنے سے بغض اور دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ قسمت کا تیر تیرے لگ چکا ہے' اب تیرے لیے سوائے تسلیم اور رضا کے کوئی چارہ نہیں۔ جب لڑکی نے یہ کہا تو شرکان کے لیے انکار کا کوئی امکان نہ رہا۔ اس لیے اس نے ہاں کہہ دیا اور کہنے لگا کہ میں عمر بن النعمان کا بیٹا شرکان ہوں جس پر زمانے نے مصیبت ڈالی اور اس جگہ لے آیا' اب تیرا جو جی چاہے' میرے ساتھ کر۔ اس پر وہ دیر تک سر نیچا کیے رہی۔ بالآخر اس نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ خوش ہو اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر کیونکہ تو میرا مہمان ہے اور ہمارے درمیان روٹی اور نمک کا واسطہ ہو چکا ہے' تو میری پناہ میں ہے لہٰذا مطمئن رہ۔ مسیح کی قسم' اگر سارا زمانہ تجھے ایذا پہنچانا چاہے تو جب تک تیری خاطر میری روح نہ نکل جائے' کوئی تیرے قریب نہیں پھٹک سکتا کیونکہ تو میری اور مسیح کی امان میں ہے۔

یہ کہہ کر وہ اس کے پہلو میں بیٹھ گئی اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے لگی یہاں تک کہ اس کا رہا سہا ڈر جاتا رہا اور اسے یقین ہو گیا کہ اگر وہ اسے قتل کرنا چاہتی تو آج رات کر چکی ہوتی۔ اس کے بعد اس نے ایک کنیز سے یونانی زبان میں کچھ کہا اور وہ جا کر شراب کا پیالہ اور کھانے اور دستر خوان لے آئی۔ لیکن شرکان نے کھانے میں توقف کیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ کہیں اس نے کھانے میں کچھ ملا نہ دیا ہو! لڑکی اس کے دل کی بات سمجھ گئی اور اس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی کہ مسیح کی سچائی کی قسم' یہ بات نہیں ہے جو تیرا خیال ہے وہ اس کھانے میں ملا ہوا نہیں۔ اگر میں تجھے مار ڈالنا چاہتی تو پہلے مار چکی ہوتی۔ یہ کہہ کر وہ دستر

خوان کی طرف بڑھی اور ہر کھانے میں سے ایک نوالہ کھایا' اس پر شرکان بھی کھانے لگا۔ لڑکی خوش ہو گئی اور وہ بھی اس کے ساتھ کھانے لگی۔ یہاں تک کہ دونوں سیر ہو گئے اور انہوں نے ہاتھ دھوئے۔ جب دونوں ہاتھ دھو چکے تو وہ بھی اٹھی اور اس نے ایک کنیز کو حکم دیا کہ وہ عطریات اور شراب کا سامان یعنی سونے چاندی اور بلور کے جام لائے اور کہا کہ شرابیں تمام قسموں کی ہونی چاہیئں۔ کنیز وہ تمام چیزیں لے آئی جو اس نے مانگی تھیں۔ اب لڑکی نے پہلا جام بھرا اور شرکان سے پہلے اسے پی لیا جس طرح کہ اس نے کھانے کے ساتھ کیا تھا۔ پھر اس نے دوسرا بھرا اور شرکان کو دیا اور وہ پی گیا۔ لڑکی نے کہا کہ اے مسلمان' دیکھ کہ تو کیسے عیش اور مسرت کے مزے میں ہے۔ وہ برابر اس کے ساتھ پیتی اور اسے پلاتی رہی یہاں تک کہ وہ نشے میں چور ہو گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• انچاسویں رات

جب انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ لڑکی برابر پیتی جاتی اور شرکان کو پلاتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ شراب اور اس کی محبت کے نشے میں چور ہو گیا۔ اب لڑکی نے ایک کنیز کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے مرجانہ' کوئی ساز لا۔ اس نے جواب دیا کہ بسرو چشم اور جا کر دمشقی سارنگی اور ایرانی چنگ اور تاتاری "نے" اور مصری بربط لے آئی۔ لڑکی نے سارنگی لی اور اس کے تار ٹھیک کیے اور کسے اور ایسی پیاری آواز سے گانے لگی جو نسیم سے زیادہ ہلکی اور جنت کے پانی سے زیادہ میٹھی تھی اور جو سلیم دل سے نکل رہی تھی۔ اس کے بعد سب کنیزیں ایک ایک باجا لے کر کھڑی ہو گئیں اور یونانی زبان میں گانے لگیں اور شرکان وجد میں آ گیا۔ اب ان کی مالکہ بھی گانے لگی اور اس نے کہا کہ اے مسلمان' کیا تو میرا گانا نہیں سمجھا؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں' لیکن میرے وجد کی وجہ تیری انگلیوں کی خوبصورتی ہے' لڑکی نے ہنس کر کہا کہ اگر میں عربی میں گاؤں تو تیرا کیا حال ہو گا؟ اس نے جواب دیا کہ میری عقل جاتی رہے گی۔ لڑکی نے باجا اپنے ہاتھ میں لیا اور تان بدل کر بجانے اور گانے لگی۔ جب وہ گا چکی تو کیا دیکھتی ہے کہ شرکان اپنے آپے سے باہر ہے اور ان کے درمیان میں پڑا ہوا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اس کو افاقہ ہوا تو وہ گانے کو یاد کر کے وجد کرتا تھا۔ اس کے بعد وہ مے نوشی میں مشغول ہو گئے اور ہنسی مذاق کرنے لگے یہاں تک کہ دن رات سے بدل گیا اور رات نے اپنے پر پھیلا دیے اور وہ لڑکی اٹھ کر اپنی خوابگاہ میں چلی گئی۔ شرکان نے لوگوں سے پوچھا کہ وہ کہاں گئی۔ انہوں نے جواب دیا کہ خوابگاہ میں۔ اس نے کہا کہ خدا اسے اپنی امان میں رکھے!

جب صبح ہوئی تو ایک کنیز آ کر کہنے لگی کہ میری مالکہ تجھے یاد کرتی ہے۔ شرکان اٹھ

کھڑا ہوا اور کنیز کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ جب وہ لڑکی کے کمرے کے پاس پہنچا تو کنیزوں نے اس کا استقبال ڈھولکوں اور گیتوں سے کیا یہاں تک کہ وہ ایک بڑے دروازے پر پہنچا جو ہاتھی دانت کا بنا ہوا تھا اور جس میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ جب وہ اس کے اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ بہت بڑا مکان ہے اور اس کے صدر میں ایک دالان جس میں طرح طرح کے ریشمی فرش بچھے ہوئے ہیں اور دالان کے چاروں طرف جھروکے دار کھڑکیاں ہیں جو کھلی ہوئی ہیں اور جن کے نیچے درخت ہیں اور نہریں جاری ہیں اور مکان میں بت رکھے ہوئے ہیں اور ان کے اندر کچھ ایسے آلات ہیں کہ جب ہوا ان میں داخل ہوتی ہے تو دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ باتیں کر رہے ہیں اور وہ لڑکی بیٹھی ہوئی ان کو دیکھ رہی ہے۔ جب لڑکی نے شرکان کو دیکھا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اور اس سے پوچھا کہ رات کس طرح گزاری؟ شرکان نے اسے دعا دی اور وہ دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے اور شراب پینے لگے یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا اور رات کی سیاہی چھا گئی۔ اب لڑکی اٹھی اور اپنی خوابگاہ میں جا کر سو رہی اور شرکان اپنی جگہ سو رہا۔ جب صبح ہوئی اور وہ بیدار ہوا تو کنیزیں دستور کے موافق ڈھولکیں اور دوسرے باجے لے کر اس کے پاس پہنچیں اور اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگیں کہ بسم اللہ' چل' ہماری مالکہ یاد کرتی ہے۔ شرکان اٹھ کھڑا ہوا اور کنیزیں اس کے اردگرد ڈھولکیں اور دوسرے باجے بجاتی ہوئی چلیں یہاں تک کہ وہ اس مکان سے نکل کر دوسرے مکان میں داخل ہوا جو زیادہ وسیع تھا اور جس میں چڑیوں اور جانوروں کی مورتیں تھیں جن کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ شرکان کو اس مکان کی کاریگری دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔

جب لڑکی نے شرکان کو دیکھا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے شرکان کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور کہنے لگی کہ اے بادشاہ عمر بن النعمان کے بیٹے' تو شطرنج کھیلنا بھی جانتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ اب اس نے شرکان کے آگے شطرنج

کی بساط بچھائی اور اس کے ساتھ کھیلنے لگی۔ جب شرکان اس کی چال کو دیکھتا تو اس کی صورت میں محو ہو جاتا اور بجائے فیل کے گھوڑا اور بجائے گھوڑے کے فیل چل دیتا۔ اس پر لڑکی ہنستی اور کہتی کہ اگر تو اس طرح کھیلتا ہے تو تو کچھ بھی نہیں جانتا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ تو پہلی بازی ہے' یہ کسی شمار میں نہیں۔ جب وہ ہار چکا تو شرکان نے دوسری بازی بچھائی اور لڑکی کے ساتھ کھیلنے لگا۔ لیکن وہ دوسری بار بھی جیت گئی اور تیسری بار بھی اور چوتھی بار بھی اور پانچویں بار بھی۔ اس پر لڑکی نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو تو ہر چیز میں ہار جاتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تجھ جیسے سے جو کھیلے گا وہ ضرور ہارے گا۔ اس کے بعد اس نے کھانا منگوایا اور دونوں نے کھایا اور ہاتھ دھوئے۔ پھر ان دونوں کے لیے شراب لائی گئی اور انہوں نے پی اور لڑکی نے رباب اٹھایا کیونکہ وہ اس میں بڑی ماہر تھی اور بجانے لگی۔ رات تک ان کا یہی شغل رہا اور یہ دن پہلے دن سے بھی زیادہ مزے میں گزرا۔ جب رات ہو گئی تو لڑکی اپنی خوابگاہ میں گئی اور شرکان کے پاس سوائے کنیزوں کے اور کوئی باقی نہ رہا اور وہ فرش پر لیٹ کر سو گیا۔ جب صبح ہوئی تو کنیزیں دستور کے موافق ڈھولکیں اور دوسرے باجے لے کر آئیں۔ انہیں دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھا اور کنیزیں اسے اپنے ساتھ لے کر لڑکی کے پاس گئیں۔ لڑکی اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور اس سے پوچھا کہ رات کیسی گزری؟ شرکان نے اسے دعائیں دیں کہ خدا تیری عمر میں ترقی دے اور وہ سارنگی لے کر گانے بجانے لگی۔

وہ اسی حالت میں تھے کہ انہیں شور و غل سنائی دیا اور سپاہی اور سردار جن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں چمک رہی تھیں غول کے غول آ پہنچے اور یونانی زبان میں کہنے لگے کہ اے شرکان' تو اب ہمارے ہاتھ آ گیا ہے' اب تو اپنی موت یقینی جان' جب شرکان نے یہ سنا تو وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ واللہ' اس لڑکی نے مجھے دھوکا دیا ہے اور مجھے اسی لیے روکے رکھا تھا کہ اس کا لشکر آ پہنچے اور یہ وہی سردار ہیں جن سے وہ

ڈراتی تھی مگر میں نے خود اپنی جان ہلاکت میں ڈالی ہے۔ اب وہ لڑکی کی طرف متوجہ ہوا اور اسے ڈانٹنے لگا لیکن اس نے دیکھا کہ لڑکی کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور ان سے کہنے لگی کہ تم لوگ کون ہو؟ اس پر ان کے اعلیٰ سردار نے جواب دیا کہ اے عالی قدر شہزادی اور لاجواب موتی' کیا تو نہیں جانتی کہ تیرے پاس یہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں' میں نہیں جانتی ہوں۔ بتاؤ کہ یہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ وہی ہے جس نے شہروں کو تباہ کیا ہے اور جو شہسواروں کا سوار ہے۔ یہ بادشاہ عمر بن النعمان کا بیٹا شرکان ہے۔ یہ وہی ہے جس نے قلعے فتح کیے ہیں اور زبردست گڑھیوں کو سر کیا ہے۔ اس کی خبر تیرے باپ بادشاہ حردوب کو تیری ماں ذات الدواہی سے ملی ہے اور اس سے یہ خبر سن کر ہمارے بادشاہ تیرے باپ کو یقین آ گیا ہے۔ اس کمبخت شیر کو گرفتار کر کے تو نے یونانی فوج کو کامیاب کر دیا ہے۔ جب لڑکی نے سردار کی باتیں سنیں تو وہ اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگی کہ تیرا نام کیا ہے؟
اس نے جواب دیا کہ میرا نام ماسورہ ہے اور میرا باپ تیرا غلام موسورہ اور دادا کاشردہ ہے اور میں سرداروں کا سردار ہوں۔ لڑکی نے کہا کہ تو بغیر میری اجازت کے کیسے اندر آ گیا؟ اس نے جواب دیا کہ اے میری آقا' جب میں پھاٹک پر پہنچا تو کسی حاجب نے مجھے روکا اور نہ کسی دربان نے۔ بلکہ سب دربان کھڑے ہو کر ہمارے آگے آگے چلنے لگے جیسا کہ ان کا دستور ہے۔ لیکن جب میرے علاوہ اور کوئی آتا ہے تو وہ اسے پھاٹک پر کھڑا رکھتے ہیں اور پہلے اندر آ کر اجازت لیتے ہیں۔ مگر اب زیادہ باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے کیونکہ بادشاہ انتظار میں ہے کہ ہم اس شہزادے کو لے کر اس کے پاس لوٹیں' کیونکہ اسلامی لشکر کی شوکت کا سبب یہی ہے' اور وہ اس کو قتل کرے اور اس کی فوج بغیر لڑائی لڑے اپنے گھر واپس جائے۔
جب لڑکی نے اس کی باتیں سنیں تو کہنے لگی کہ تو بڑی نامناسب باتیں کرتا ہے۔ لیکن ذات الدواہی نے جھوٹ کہا ہے' سچ نہیں کہا کیونکہ وہ حقیقت سے ناواقف ہے۔ مسیح

کی سچائی کی قسم' یہ شخص جو میرے یہاں ہے شرکان نہیں اور نہ وہ میرا قیدی ہے بلکہ وہ ایک معمولی شخص ہے جو ہمارے پاس آیا اور ہماری مہمانی کی درخواست کی ہے اور ہم نے اسے اپنا مہمان بنایا ہے۔ اگر مجھے تحقیق کے ساتھ معلوم بھی ہو جائے کہ یہ شرکان ہی ہے اور ہمیں اس میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے تو بھی میری مروت یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ جس شخص کو میں نے پناہ دی ہو اسے تم لوگوں کے حوالے کر دوں۔ لہٰذا میرے مہمان کے بارے میں برا نہ بناؤ اور لوگوں میں میری رسوائی نہ کراؤ۔ بلکہ مناسب ہے کہ تو میرے باپ بادشاہ کے پاس واپس جا اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دے اور اس سے کہہ کہ واقعہ اس کے خلاف ہے جو ذات الدواہی نے بیان کیا ہے۔ سردار ماسورہ نے کہا کہ اے ابریزہ' میں بغیر اس دشمن کو لیے ہوئے بادشاہ کے پاس واپس نہیں جا سکتا۔ لڑکی نے طیش میں آکر کہا کہ تو میرا جواب لے کر بادشاہ کے پاس جا' تیرے اوپر کوئی الزام نہیں۔ ماسورہ نے کہا کہ بے اس کے واپس نہ جاؤں گا۔ اس پر لڑکی کا رنگ متغیر ہو گیا اور اس سے کہنے لگی کہ زیادہ بک بک مت کر اور باتیں نہ بنا کیونکہ جب یہ شخص یہاں آیا ہے تو اس یقین کے ساتھ آیا ہے کہ وہ تنہا سو سواروں پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ اگر تو اس سے پوچھے گا کہ تو ہی بادشاہ عمر بن النعمان کا بیٹا شرکان ہے تو وہ جواب دے گا کہ ہاں۔ لیکن میں تمہیں اسے منہ لگانے نہ دوں گی اور اگر تم اس کے مقابلے میں آؤ گے تو وہ جب تک اس گھر میں سب کو قتل نہ کر ڈالے گا یہاں سے نہ لوٹے گا۔ دیکھ اس وقت وہ یہاں میرے پاس موجود ہے اور میں اسے ڈھال اور تلوار دے کر تمہارے سامنے پیش کرتی ہوں۔ سردار ماسورہ نے جواب دیا کہ اگر میں تیرے غضب سے بچ بھی جاؤں تاہم تیرے باپ کے غضب سے نہیں بچ سکتا۔ جب میں اسے دیکھوں گا تو دوسرے سرداروں کو اشارہ کروں گا کہ وہ اسے قید کر کے ذلت کے ساتھ بادشاہ کے پاس لے چلیں۔ جب لڑکی نے یہ باتیں سنیں تو اس نے کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ رذالت کی ابتدا ہے کیونکہ وہ اکیلا ہے اور تم سو سوار ہو۔ اگر تم اس کا مقابلہ کرنا چاہتے

ہو تو ایک ایک کر کے اس کے سامنے آؤ تاکہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ تم میں سے بہادر کون ہے؟

اب شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پچاسویں رات

جب پوری پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ شہزادی ابریزہ نے سردار سے کہا کہ یہ شخص اکیلا ہے اور تم سو لیکن اگر تم اس سے لڑنا چاہتے ہو تو ایک ایک کر کے آؤ تا کہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ تم میں سے کون بہادر ہے؟ سردار ماسوہ نے کہا کہ مسیح کی سچائی کی قسم' تیری رائے ٹھیک ہے۔ لیکن سب سے پہلے میں اس کے مقابلے میں آؤں گا۔ لڑکی نے کہا کہ ذرا صبر کر تا کہ میں اس کے پاس جا کر تیرا پیغام پہنچا دوں اور دیکھوں کہ وہ کیا جواب دیتا ہے؟ اگر وہ مان گیا تو اچھا ہے اور اگر اس نے انکار کر دیا تو میں اور میری کنیزیں اور جو کوئی اس خانقاہ میں ہے سب کے سب اس پر صدقے ہو جائیں گے۔ یہ کہہ کر وہ شرکان کے پاس گئی اور اس سے سارا ماجرا کہا۔ شرکان مسکرایا کیونکہ اسے یقین ہو چکا تھا کہ اس نے اس کا بھید کسی سے نہیں کہا بلکہ اس کی خبر پھیلتے پھیلتے بغیر اس لڑکی کے ارادے کے بادشاہ تک پہنچ گئی۔ یہ سوچ کر وہ اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے لگا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ آخر میں نے یونانیوں کے ملک میں آکر اپنی جان جوکھوں میں کیوں ڈالی! جب وہ لڑکی کی باتیں سن چکا تو کہنے لگا کہ ان کا ایک ایک کر کے میرے مقابلے میں آنا ان کے لیے بہت تکلیف دہ ہو گا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ دس دس میرے مقابلے میں آئیں۔ لڑکی نے کہا کہ یہی تو ظلم ہے۔ بس ایک کے مقابلے میں ایک!

جب شرکان نے یہ سنا تو وہ اچھل پڑا اور نکل کر ان کے سامنے آگیا اور اس کی تلوار اور دوسرے ہتھیار اس کے پاس تھے۔ یہ دیکھ کر سردار نے لپک کر اس پر حملہ کیا۔ شرکان نے شیر کی طرح اس کا مقابلہ کیا اور اس کی گردن پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ وہ چمکتی ہوئی اس کی پیٹھ اور آنتوں میں ہو کر نکل گئی۔ یہ دیکھ کر لڑکی کے دل

میں اس کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور یقین آ گیا کہ جب اس نے شرکان کو کشتی میں پچھاڑا تھا تو اپنی طاقت سے نہیں بلکہ اپنے حسن و جمال کی وجہ سے پچھاڑا تھا۔ اب لڑکی نے دوسرے سرداروں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اپنے ساتھی کا بدلہ لو۔ یہ سن کر مقتول کا بھائی جو بڑا قوی ہیکل تھا' آگے آیا اور اس نے شرکان پر حملہ کیا مگر شرکان نے اسے ذرا بھی مہلت نہ دی اور ایسی تلوار ماری کہ وہ گردن کو کاٹتی ہوئی چمک کر آنتوں کے پار ہو گئی۔ اب پھر لڑکی نے چلا کر کہا کہ اے مسیح کے بندو' اپنے ساتھی کا بدلہ لو۔ یہ سن کر وہ ایک ایک کر کے آتے گئے اور شرکان ان کی گردنیں اڑاتا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے ان میں سے پچاس سرداروں کو لڑکی کی آنکھ کے سامنے قتل کر ڈالا۔ باقی لوگوں پر اتنا رعب بیٹھا کہ کسی کی ہمت تنہا آگے آنے کی نہ ہوئی بلکہ سب نے ایک ساتھ دھاوا بول دیا اور شرکان نے بھی اپنے دل کو پتھر سے زیادہ مضبوط کرکے ان کا مقابلہ کیا اور ان کا کچلا بنا دیا۔ یہاں تک کہ ان کی جان نکل گئی اور ہوش و حواس جاتے رہے۔ لڑکی نے اپنی کنیزوں سے پوچھا کہ خانقاہ میں کون باقی رہ گیا ہے؟ انہوں نے کہا دربانوں کے علاوہ کوئی نہیں۔ اب شہزادی آگے بڑھ کر اس کے پاس آئی اور اسے گلے لگایا۔ اس معرکے کو سر کرنے کے بعد شرکان شہزادی کے ساتھ محل کے اندر داخل ہوا کیونکہ جو سردار باقی رہ گئے تھے' وہ خانقاہ کے کونوں میں جا کر چھپ گئے۔ جب لڑکی نے دیکھا کہ اب محض تھوڑے سے باقی رہ گئے ہیں تو شرکان کے پاس سے چلی گئی اور جب لوٹی تو وہ ایک تنگ حلقوں کی زرہ پہنے ہوئی تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک ہندی تلوار تھی اور اس نے کہا کہ مسیح کی سچائی کی قسم! میں اپنے مہمان کی خاطر اپنی جان سے بھی دریغ نہ کروں گی اور نہ میں اس کا ساتھ چھوڑوں گی خواہ اس وجہ سے میں کل یونان میں بدنام ہی کیوں نہ ہو جاؤں۔

جب اس نے مقتول سرداروں کا شمار کیا تو اسے معلوم ہوا کہ شرکان نے ان میں سے اسی کو قتل کر دیا ہے اور باقی بیس بھاگ گئے ہیں۔ جب اس نے دیکھا تو کہا اے

شرکان' واہ رے بہادر شہسوار تجھ پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔ اب شرکان اٹھا اور اپنی تلوار کو مقتولوں کے خون سے پونچھ کر صاف کیا۔ جب وہ فارغ ہو چکا تو لڑکی مسکراتی ہوئی اس کے سامنے آئی اور اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنی زرہ اتار ڈالی جو وہ پہنے ہوئے تھی۔ شرکان نے کہا کہ اے میری آقا' تو نے یہ زرہ کیوں پہنی تھی اور ننگی تلوار لے کر کیوں آئی تھی؟ اس نے کہا کہ تجھے ان رذیلوں سے بچانے کے لیے۔

اس کے بعد لڑکی نے دربانوں کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ تم نے بادشاہ کے لوگوں کو بغیر میری اجازت کے کیوں اندر آنے دیا؟ انہوں نے کہا کہ اے شہزادی' یہ دستور نہیں ہے کہ بادشاہ کے ایلچیوں کے لیے ہم تجھ سے اجازت لیں بالخصوص بڑے سردار کے لیے۔ اس نے کہا کہ میرے خیال میں تمہارا مطلب یہی تھا کہ میری ہتک ہو اور میرا مہمان مارا جائے۔ یہ کہہ کر اس نے شرکان سے کہا کہ ان کی گردنیں اڑا دے اور اس نے اڑا دیں۔ باقی نوکروں سے اس نے کہا کہ تم اس سے زیادہ کے مستحق ہو۔ اس کے بعد وہ شرکان کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ اب میرا راز تجھ پر ظاہر ہو گیا' لہٰذا میں اپنا سارا قصہ تجھے سنائے دیتی ہوں۔

سن' میں یونان کے بادشاہ حردوب کی بیٹی ہوں اور میرا نام ابریزہ ہے اور وہ بڑھیا جس کا نام ذات الدواہی ہے' میری دادی ہے اور اسی نے میرے باپ کو تیری خبر پہنچائی ہے۔ اب وہ ضرور مجھے ہلاک کرنے کے لیے کوئی چال چلے گی بالخصوص جبکہ تو نے میرے باپ کے سرداروں کو قتل کیا ہے اور میرے متعلق یہ مشہور ہو چکا ہے کہ میں مسلمانوں کے ساتھ تنہا رہ کر خراب ہو چکی ہوں۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ جب تک ذات الدواہی میرے پیچھے لگی ہوئی ہے' اس وقت تک میں یہاں نہ رہوں۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ جس طرح میں نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے' تو بھی میرے ساتھ بھلائی کرے کیونکہ تیرے سبب سے میرے اور میرے باپ کے درمیان دشمنی ہو چکی ہے۔ لہٰذا میری تمام باتیں مان کیونکہ یہ سب تیری ہی وجہ سے ہوا ہے۔ جب شرکان نے یہ باتیں سنیں تو مارے خوشی کے اس کی عقل اڑ گئی اور اس کا سینہ پھول گیا

اور وہ کہنے لگا کہ خدا کی قسم' جب تک میری جان میں جان ہے' کوئی تجھے ہاتھ نہیں لگا سکتا' لیکن یہ بتا کہ تو اپنے باپ اور خاندان کی جدائی برداشت کر سکتی ہے؟ اس پر شرکان نے اس سے حلف اٹھوایا اور دونوں میں معاہدہ ہو گیا۔ لڑکی نے کہا کہ اب میرا دل ٹھنڈا ہو گیا لیکن ابھی ایک اور شرط تیرے لیے باقی ہے۔ شرکان نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ یہ ہے کہ تو اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ اپنے ملک کو واپس چلا جا۔ شرکان نے کہا کہ اے میری آقا' میرے باپ عمر بن النعمان نے مجھے تیرے باپ سے لڑنے کے لیے بھیجا ہے کیونکہ اس نے کچھ مال لوٹ لیا ہے۔ منجملہ ان کے تین بڑے جواہرات ہیں جن میں بہت سے خاصیتیں ہیں۔ لڑکی نے کہا کہ اطمینان رکھ اور خوش ہو' میں ابھی ان کا قصہ تجھ سے بیان کرتی ہوں اور یہ کہ ہم میں اور قسطنطنیہ کے بادشاہ میں کیوں دشمنی ہوئی۔ ہمارے یہاں ہر سال ایک عید ہوتی ہے جس کا نام خانقاہ کی عید ہے۔ اس میں ہر طرف سے بادشاہ اور بڑے لوگوں کی بیٹیاں اور بیویاں آتی ہیں۔ یہ عید سات دن تک رہتی ہے اور میں بھی اس میں شامل ہوتی ہوں۔جب دونوں بادشاہوں میں دشمنی ہو گئی تو میرے باپ نے سات سال تک مجھے اس عید میں شریک ہونے سے منع کر دیا۔

ایک سال ایسا اتفاق ہوا کہ دستور کے موافق بڑے لوگوں کی بیٹیاں عید کے موقع پر خانقاہ آئی ہوئی تھیں اور منجملہ ان کے' قسطنطنیہ کے بادشاہ کی بیٹی بھی تھی جو نہایت حسین تھی اور جس کا نام صفیہ تھا۔ چھ دن رہ کر ساتویں دن لوگ واپس گئے۔ مگر صفیہ نے کہا کہ میں تو سوائے سمندر کے راستے کے اور کسی راستے سے قسطنطنیہ نہ جاؤں گی لہٰذا اس کے لیے ایک کشتی تیار کی گئی اور وہ مع اپنی سہیلیوں کے' اس میں بیٹھی اور کشتی کے لنگر اٹھا دیے گئے۔ کشتی چلی جا رہی تھی کہ طوفان اٹھا اور کشتی راہ سے بے راہ ہو گئی۔ اتفاقاً اس جگہ جزیرہ کافور کے عیسائیوں کی ایک کشتی تھی جس میں پانچ سو مسلح فرنگی تھے جن کو جہاز رانی کرتے زمانہ گزر چکا تھا۔ جب انہوں نے اس کشتی کے بادبان دیکھے جس میں صفیہ اور اس کے ساتھ لڑکیاں تھیں تو وہ اس کی طرف تیز

تیز بڑھے اور ایک گھنٹے کے اندر اندر اس کشتی کو آ لیا اور کانٹے پھینک کر اسے کھینچ لیا اور اس کے بادبان گرا دیئے اور اپنے جزیرے کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابھی تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ ہوا پلٹ گئی اور انہیں ایک درے میں دھکیل لائی اور ان کے بادبان پھاڑ ڈالے اور وہ چار و ناچار ہماری سرحد میں آ پڑے۔ ہمارے لوگ وہاں پہنچے اور یہ دیکھ کر کہ وہ غنیمت کا مال ہے' انہوں نے مردوں کو لے کر قتل کر دیا اور سارے تحفے تحائف اور مال ہمارے ہاتھ لگا۔ منجملہ ان کے صفیہ بھی جو بادشاہ کی بیٹی تھی۔ ہمارے لوگوں نے سب پر قبضہ کر کے کنیزوں کو میرے باپ کے پاس بھیج دیا لیکن ہمیں یہ معلوم نہ ہوا کہ ان میں قسطنطنیہ کے بادشاہ افریدون کی بیٹی ہے۔ ان میں سے دس کنیزیں میرے باپ نے اپنے لیے منتخب کر لیں جن میں شاہزادی بھی تھی اور باقیوں کو اپنے درباریوں میں تقسیم کر دیا لیکن ان دس میں سے اس نے پانچ کو علیحدہ کر دیا جن میں شاہزادی بھی تھی اور ان کو بطور تحفے کے تیرے باپ عمر بن النعمان کے پاس بھیج دیا اور ان کے ہمراہ کچھ اونی اور رومی ریشمی کپڑے۔ تیرے باپ نے قبول کیا اور منجملہ پانچ کنیزوں کے افریدون کی بیٹی صفیہ کو منتخب کیا۔

اس سال کے شروع میں اس کے باپ نے میرے والد کو خط لکھا اور اس میں ایسی باتیں لکھیں جن کا ذکر یہاں مناسب نہیں اور اسے ڈانٹا ڈپٹا اور یہ لکھا کہ دو سال ہوئے تم نے ہماری کشتی لوٹی ہے جو فرنگی ڈاکوؤں کے قبضے میں تھی۔ اس میں میری بیٹی صفیہ اور تقریباً ساٹھ اس کی کنیزیں تھیں۔ اس کی تم نے مجھے بالکل خبر نہ دی اور نہ کسی کو اس کے متعلق میرے پاس بھیجا۔ اور میں اپنی رسوائی کے ڈر سے اس خبر کو ظاہر نہ کر سکا تاکہ میری بیٹی کی ہتک نہ ہو۔ اس لیے اس سال تک میں اس خبر کو چھپائے رہا اور بعض فرنگی ڈاکوؤں سے خط و کتابت کر کے اپنی بیٹی کے متعلق دریافت کیا کہ وہ جزیروں کے اندر کس بادشاہ کے پاس ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم' ہم اسے تیرے ملک سے نہیں لائے لیکن ہم نے سنا ہے کہ اسے بادشاہ حردوب بعض ڈاکوؤں

سے چھین کر لے گیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ آگے چل کر اس نے میرے باپ کے خط میں یہ لکھا کہ اگر تم مجھ سے دشمنی نہیں مول لینا چاہتے اور میری رسوائی اور میری بیٹی کی توہین کے خواہاں نہیں ہو تو اس خط کے پہنچتے ہی تم میری بیٹی کو اپنے پاس سے یہاں بھیج دو۔ اور اگر تم میرے خط کی پروا نہ کرو گے اور میری نافرمانی کرو گے تو میں ضرور تمہارے کرتوتوں کی سزا دوں گا۔

جب یہ خط میرے باپ کے پاس پہنچا اور اس نے پڑھا اور اس کا مضمون اس کی سمجھ میں آ گیا تو یہ امر اس پر بہت گراں گزرا اور اسے سخت پشیمانی ہوئی۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ افریدون بادشاہ کی بیٹی صفیہ منجملہ ان کنیزوں کے ہے تو وہ اسے ضرور اس کے باپ کے پاس بھیج دیتا۔ اس پر اس کو سخت پریشانی ہوئی اور اس کے لیے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ اتنی زیادہ مدت کے بعد وہ بادشاہ عمر بن النعمان کے پاس کسی کو بھیج کر اسے منگوا لے۔ بالخصوص جبکہ ہم کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ افریدون بادشاہ کی بیٹی صفیہ سے اس کی اولادیں ہو چکی ہیں۔ جب ہمیں ان تمام باتوں کا یقین ہو چکا تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ خط ہمارے لیے بڑی مصیبت لے کر آیا ہے۔ اب میرے باپ کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ افریدون بادشاہ کو جواب لکھے اور اس میں معذرت کرے اور قسمیں کھائے کہ اسے اس بات کا علم نہ تھا کہ منجملہ ان کنیزوں کے جو کشتی میں تھیں' صفیہ بھی تھی۔ اس خط نے اس بات کا بھی اظہار کیا کہ اس نے صفیہ کو بادشاہ عمر بن النعمان کے پاس روانہ کر دیا تھا اور اب اس سے اولاد بھی ہو چکی ہے۔

جب میرے باپ کا خط قسطنطنیہ کے بادشاہ افریدون کے پاس پہنچا تو وہ بے چین ہو گیا اور چلانے لگا اور اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگی اور اس نے کہا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس نے میری بیٹی کو قید کیا اور وہ بھی مثل ایک کنیز کے ہو گئی اور اب ایک کے پاس سے دوسرے کے پاس جاتی ہے اور بادشاہ اس کے ساتھ بغیر شادی کیے ہم بستری کرتے ہیں۔ مسیح کی سچائی کی قسم' جب تک میں اس کا بدلہ نہ لے

لوں اور ذلت کو دور نہ کر لوں نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔ اب میں ایک ایسا کام کرنا چاہتا ہوں جس کا ذکر میرے بعد تک کیا جائے گا۔ اس خط کے بعد وہ سوچتا رہا یہاں تک کہ ایک حیلہ اس کے ہاتھ لگا اور اس نے ترکیبیں سوچیں اور تیرے باپ عمر بن النعمان کے پاس ایلچی بھیجے اور اسے وہ باتیں پہنچائیں جو تو سن چکا ہے حتیٰ کہ اس نے صفیہ کی وجہ سے لشکر تیار کر کے تیرے ساتھ بھیجا ہے تا کہ تو مع لشکر کے میرے باپ کو آکر گرفتار کرے۔ اب رہے تینوں جواہرات جن کا ذکر اس نے تیرے باپ کے خط میں کیا ہے' اس میں ایک لفظ بھی صحیح نہیں کیونکہ وہ اس کی بیٹی صفیہ کے پاس تھے اور جب وہ اس کی لونڈیاں میرے باپ کے قبضے میں آئیں تو اس نے وہ تینوں جواہرات اس سے لے کر مجھے دے دیئے اور اب وہ میرے قبضے میں ہیں۔ لہٰذا اب تو اپنے لشکر میں واپس جا اور انہیں واپس لے جا۔ قبل اس کے کہ وہ فرنگیوں اور یونانیوں کے ملک میں بہت اندر چلے جائیں اور بند ہو جائیں۔ کیونکہ اگر تم لوگ بند ہو گئے تو تمہیں نکلنا مشکل پڑ جائے گا اور قیامت تک تمہارا چھٹکارا ان کے ہاتھ سے نہ ہو گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تیری فوجیں اپنی جگہ پر ٹھہری ہوئی ہیں کیونکہ تو ان کو تین دن ٹھہرنے کا حکم دے آیا ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ لوگ تیری غیر موجودگی سے پریشان ہیں اور نہیں جانتے کہ کیا کریں۔

جب شرکان نے یہ باتیں سنیں تو تھوڑی دیر تک وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے بعد اس نے شہزادی ابریزہ کا ہاتھ چوم کر کہا کہ شکر ہے خدا کا جس نے تیری وجہ سے مجھ پر احسان کیا اور تجھے میری اور میرے ہمراہیوں کی سلامتی کا سبب بنایا۔ لیکن تیری جدائی میرے اوپر شاق ہے اور معلوم نہیں کہ میرے پیچھے تجھ پر کیا گزرے گی؟ لڑکی نے جواب دیا کہ اس وقت تو اپنے لشکر میں واپس جا اور ان کو لوٹا دے اور اگر ایلچی وہاں موجود ہوں تو ان کو گرفتار کر لے تا کہ وہ سچ سچ کہہ دیں۔ ابھی تک تم اپنے ملک سے بہت دور نہیں آئے ہو۔ تین دن کے بعد میں تجھ سے آ ملوں گی اور ہم سب ایک ساتھ بغداد میں داخل ہوں گے۔ جب وہ جانے لگا تو لڑکی نے کہا کہ لیکن جو عہد

مجھ میں اور تجھ میں ہو چکا ہے' اسے مت بھولیو یہ کہہ کر وہ کھڑی ہو گئی تا کہ اس سے رخصت ہو اور اسے گلے لگائے اور عشق کی آگ بجھائے اور اس نے اسے گلے لگایا اور رخصت ہوئی اور بلک بلک کر رونے اور یہ اشعار پڑھنے لگی۔

"جب میں اس سے رخصت ہوا تو دہنے ہاتھ سے تو میں اپنے آنسو پونچھتا جاتا تھا اور بائیں سے اس کو گلے لگا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ کیا تجھے رسوائی کا ڈر نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا کہ نہیں فراق کا دن اور عاشقوں کی رسوائی!"

اب شرکان اس سے رخصت ہو کر خانقاہ کے نیچے آیا۔ لوگ اس کا گھوڑا لائے اور وہ سوار ہو کر پل کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ اس کے اوپر سے گزرا اور انہیں درختوں کے بیچ میں داخل ہوا۔ جب درختوں سے نکلا اور اس سبزہ زار میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ تین سوار آ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ خبردار ہو گیا اور تلوار نکال لی اور ان کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ جب وہ ایک دوسرے کے قریب آئے اور ایک دوسرے کو غور سے دیکھا تو ایک تو ان میں سے وزیر دندان تھا اور اس کے ساتھ دو سردار اور تھے۔ وہ شرکان کو دیکھ کر پہچان گئے اور گھوڑوں سے اتر پڑے اور اس کو سلام کیا اور وزیر نے اس کے غائب ہونے کا سبب پوچھا۔ اس نے ان سے وہ سارا ماجرا بیان کر دیا جو اس کے اور شہزادی ابریزہ کے درمیان پیش آیا تھا۔ وزیر نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد شرکان نے کہا کہ چلو اس ملک سے نکل چلیں کیونکہ جو ایلچی ہمارے ساتھ آئے تھے وہ روانہ ہو گئے ہیں تا کہ بادشاہ کو ہمارے آنے کی خبر دیں۔ ممکن ہے کہ وہ لوگ جلد آکر ہمیں گھیر لیں۔ اب شرکان نے کوچ بول دیا اور لشکر چل کھڑا ہوا اور تیز تیز کوچ کرتا ہوا وادی کے اوپر پہنچ گیا۔ اس اثنا میں ایلچیوں نے اپنے بادشاہ کے پاس جا کر شرکان کے آنے کی خبر پہنچا دی اور اس نے ایک لشکر تیار کر کے شرکان اور اس کے ہمراہیوں کو گرفتار کرنے کے لیے بھیج دیا۔

یہ تو ایلچیوں اور ان کے بادشاہ کا قصہ ہوا۔ اب شرکان اور وزیر دندان اور دونوں سرداروں

کا حال سنئے۔ جب وہ چاروں اپنے لشکر میں آئے اور کوچ بول دیا تو وہ فوراً روانہ ہو گئے اور ایک دن کوچ کیا' پھر دوسرے دن' پھر تیسرے دن' یہاں تک کہ وہ پانچویں دن ایک وادی میں اترے جہاں بہت سے درخت تھے اور وہاں ذرا ستائے۔ اس کے بعد وہ پھر چل کھڑے ہوئے اور پچیس دن کوچ کرنے کے بعد وہ اپنے ملک کی سرحد میں داخل ہوئے اور انہیں اطمینان ہوا اور آرام کرنے ٹھہر گئے۔ یہاں والوں نے ان کی مہمانی کی اور ان کے جانوروں کے لیے چارہ اور دانہ لائے۔ یہاں دو دن ٹھہرنے کے بعد سب لوگ تو اپنے ملک کو روانہ ہو گئے مگر شرکان سو سواروں کے ساتھ وہیں ٹھہر گیا اور لشکر کی کمان وزیر دندان کے سپرد کر دی اور وہ لشکر کو لے کر روانہ ہو گیا۔ ان کی روانگی کے ایک دن بعد شرکان نے کوچ بول دیا اور سو سوار بھی سوار ہو گئے۔ دو فرسخ چلنے کے بعد وہ ایک درے میں پہنچے اور کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے سامنے گرد و غبار اڑتا چلا آتا ہے کہ پہر بھر تک ان کے گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ جب غبار پھٹا تو وہ کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے نیچے سو سوار ہیں جو شیروں کی طرح تیوریاں چڑھائے ہوئے ہیں اور زرہ بکتر میں غرق ہیں۔

جب وہ سوار شرکان اور اس کے ساتھیوں کے قریب پہنچے تو انہوں نے للکار کر کہا کہ یوحنا اور مریم کی سچائی کی قسم' ہماری مراد بر آئی۔ ہم تمہارے پیچھے دن رات لگے ہوئے تھے یہاں تک کہ اس جگہ ہم تم سے پہلے پہنچ گئے۔ اپنے گھوڑوں سے اتر پڑو اور ہمیں اپنے ہتھیار دے دو اور اپنے کو ہمارے حوالہ کر دو تاکہ ہم تمہاری جان بخشی کر دیں۔ جب شرکان نے یہ سنا تو وہ آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا اور اس کے رخسار سرخ ہو گئے اور وہ کہنے لگا کہ اے عیسائی کتو' تم نے ہمارے ملک میں آنے کی کیونکر جسارت کی؟ یہی نہیں بلکہ تمہاری یہ بھی ہمت ہو گئی کہ تم ہمیں اس طرح مخاطب کرو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ہم سے بچ کر اپنے ملک کو واپس جا سکتے ہو! اس کے بعد اس نے للکار کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ان کتوں کا مقابلہ کرو کیونکہ وہ شمار میں تمہارے برابر ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی تلوار کھینچ لی اور ان پر حملہ کر دیا

اور اس کے سو سواروں نے بھی حملہ بول دیا اور فرنگیوں نے پتھر سے مضبوط دل کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور دونوں طرف کے لوگ ایک دوسرے سے ٹکر کھانے لگے اور بہادر ایک دوسرے سے بھڑ گئے اور سخت لڑائی ہونے لگی اور خوف برپا ہو گیا اور باتیں بند ہو گئیں۔ وہ اسی طرح جنگ و قتال میں مشغول تھے اور تلواریں چل رہی تھیں کہ دن ختم ہو گیا اور رات کی سیاہی پھیل گئی اور جنگجو ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

جب شرکان نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا تو دیکھا کہ سوائے چار کے اور کوئی زخمی نہیں ہوا اور وہ بھی ہلکے۔ اس پر اس نے کہا کہ واللہ' میں نے اپنی ساری عمر جنگ کے تلاطم سمندر میں گزاری ہے اور بہادروں سے مقابلہ کیا ہے لیکن ان سورماؤں سے بڑھ کر ثابت قدم اور جنگ آور نہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ اے شہزادے' ان میں ایک فرنگی شہسوار ہے جو ان کا سردار ہے جو بڑا بہادر ہے اور جس کا وار کبھی خالی نہیں پڑتا۔ لیکن اس نے ہم میں سے ہر چھوٹے بڑے سے درگزر کی اور جو کوئی اس کے ہاتھ لگا اس سے اس نے درگزر کی اور اس پر حملہ نہیں کیا۔ خدا کی قسم' اگر وہ ہمیں قتل کرنا چاہتا تو ہم سب کو قتل کر ڈالتا۔

جب شرکان نے اس شہسوار کے متعلق یہ باتیں سنیں کہ اس نے کیا کیا ہے تو وہ کہنے لگا کہ ہم کل صف آراء ہو کر ان کا مقابلہ کریں گے۔ ہم بھی سو ہیں اور وہ بھی سو اور میں آسمان کے مالک سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں فتح دے۔ اسی ارادے میں انہوں نے رات بسر کی۔ اب فرنگیوں کا حال سنئے۔ وہ سب اپنے سردار کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارا مقصد آج تو حاصل نہیں ہوا۔ سردار نے جواب دیا کہ کل ہم لوگ صف آرا ہو کر ایک ایک کر کے لڑیں گے اور انہوں نے بھی اس ارادے میں رات گزاری اور طرفین نے اپنے اپنے اوپر چوکیدار مقرر کر دیے۔ جب صبح ہوئی تو شہزادہ شرکان مع اپنے ساتھیوں کے' سوار ہو کر میدان میں آیا اور دیکھا کہ فرنگی بھی جنگ کے لیے صف بستہ کھڑے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ دیکھو'

فرنگی اپنے ارادے پر تلے کھڑے ہیں۔ لہٰذا جم کر ان کا مقابلہ کرو۔ اتنے میں فرنگیوں میں سے ایک شخص نے منادی کی کہ آج ہم ایک کے مقابلے میں ایک بھیجیں گے۔

یعنی تمہاری طرف سے ایک بہادر نکلے اور ہماری طرف سے ایک۔ یہ سن کر شرکان کے ساتھیوں میں سے ایک جنگجو نکلا اور دونوں صفوں کے درمیان میں آکر کہنے لگا کہ کون میرے مقابلے میں آتا ہے؟ مگر کوئی ست یا کمزور نہ ہو۔ وہ ابھی اپنی بات ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ فرنگیوں کی طرف سے ایک سوار اپنے اسلحہ میں ڈوبا ہوا اور زرکش کپڑے پہنے ہوئے نکلا۔ وہ ایک شبرنگ گھوڑے پر سوار تھا اور اس کی داڑھی مونچھ نہ تھی۔ گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ بیچ میدان میں آ گیا اور دونوں میں تلواروں اور نیزوں کے وار ہونے لگے۔ ابھی تھوڑی دیر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ فرنگی نے اپنے مقابل کو نیزہ مار کر گھوڑے سے نیچے گرا دیا اور اسے قید کر لیا اور حقارت کے ساتھ اسے کھینچ لے گیا۔ اس پر اس کے ساتھی بڑے خوش ہوئے اور اسے دوبارہ میدان میں جانے سے روکا اور ایک اور کو بھیجا۔ اس کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کی طرف سے ایک دوسرا شخص نکلا جو قیدی کا بھائی تھا اور میدان میں آکر اس کے مقابلے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک فرنگی نے مسلمان کو مغالطہ دے کر نیزے سے حملہ کیا اور اسے گھوڑے سے گرا کر قید کر لیا۔

اسی طرح مسلمان ایک ایک کر کے نکلتے اور فرنگی ان کو قید کرتے جاتے۔ یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا اور رات کی سیاہی پھیل گئی۔ اس وقت تک بیس مسلمان قید ہو چکے تھے۔ جب شرکان نے یہ دیکھا تو اسے بہت رنج پہنچا اور وہ اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے کہنے لگا کہ ہم پر یہ کیا مصیبت نازل ہوئی؟ کل میں خود میدان میں جاؤں گا اور ان کے سردار کو مقابلے کے لیے بلاؤں گا اور دیکھوں گا کہ وہ کیوں ہمارے ملک میں گھس آئے اور اس سے کہوں گا کہ وہ مقابلہ کرنے سے باز رہے۔ اگر اس نے انکار کیا تو میں اس کا مقابلہ کروں گا اور اگر اس نے صلح کی تو میں صلح کر لوں گا۔ اسی

حالت میں انہوں نے رات گزاری یہاں تک کہ خدا نے صبح نمودار کی اور دونوں گروہ سوار ہو کر صف بستہ ہوئے۔ شرکان میدان میں آنے ہی والا تھا کہ وہ کیا دیکھتا ہے کہ فرنگیوں کے ایک سوار کے سامنے آدھے سے زیادہ لوگ پیادہ ہو کر اس کے آگے آگے میدان کے بیچ میں آئے۔ شرکان نے اس سوار کو غور سے دیکھا اور اسے معلوم ہوا کہ یہ سوار ان کا سردار ہے اور اطلس کی نیلی قبا پہنے ہوئے ہے اور اس میں سے اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا ہے اور وہ اس قبا پر ایک تنگ حلقوں والی زرہ پہنے ہوئے ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک فولادی تلوار ہے اور وہ ایک مشکی گھوڑے پر سوار ہے جس کی پیشانی پر درہم کے برابر سفید نشان ہے۔ اس فرنگی کے بھی داڑھی مونچھیں نہیں ہیں۔ گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ بیچ میدان میں آ گیا اور مسلمانوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے شرکان' اے عمر بن النعمان کے بیٹے' اے وہ شخص جس نے قلعوں کو فتح کیا اور شہروں کو برباد کیا ہے' جنگ اور قتال کے لیے تیار ہو جا اور اس شخص کے مقابلے میں آ کیونکہ تو اور وہ آدھے آدھے میدان کے مالک ہیں۔ تو بھی اپنی قوم کا سردار اور میں بھی۔ ہم میں سے جو کوئی دوسرے کو مغلوب کرے وہی دوسرے کی قوم کا بھی مالک ہو گا۔ ابھی اس نے اپنی بات پوری نہ کی تھی کہ شرکان طیش سے بھرا ہوا اس کے مقابلے کے لیے نکل آیا اور اپنا گھوڑا بڑھا کر میدان میں فرنگی کے پاس آ پہنچا اور غصے میں بھرے ہوئے شیر کی طرح اس پر حملہ کیا اور دونوں میں تلواریں اور نیزے چلنے لگے اور دونوں بڑھ بڑھ کر اور پیچھے ہٹ ہٹ کر وار کرنے اور وار روکنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دو پہاڑ ٹکرا رہے ہیں یا دو سمندر موجیں مار رہے ہیں۔ ابھی ان کی لڑائی ختم نہ ہوئی تھی کہ دن ختم ہو گیا اور رات کی سیاہی پھیلنے لگی اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنے اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آ گئے۔

جب شرکان اپنے ہمراہیوں کے پاس پہنچا تو کہنے لگا کہ میں نے اس سوار کی طرح آج تک کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے اس کا ایک دستور دیکھا جو کسی اور میں نہیں' اور

وہ یہ ہے کہ جب وہ اپنے دشمن میں کوئی ایسی جگہ کھلی پاتا ہے جہاں وہ کاری ضرب لگا سکے تو وہ اپنا نیزہ پھیر کر دستے کی طرف سے مارتا ہے معلوم نہیں کہ میری اور اس کی جنگ کا کیا نتیجہ نکلنے والا ہے! کاش کہ اس کی اور اس کے ساتھیوں کی طرح ہمارے لشکر میں بھی ہوتے۔ جب رات گزر چکی اور صبح نمودار ہوئی تو فرنگی اس کے مقابلے کے لیے بیچ میدان میں اترا اور شرکان نے اس کا مقابلہ کیا اور دونوں میں جنگ ہونے لگی اور لڑائی اور جولانی نے طول پکڑا اور لوگ گردنیں نکال نکال کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔ دونوں میں برابر لڑائی اور تلواروں کی ضربیں اور نیزہ بازی ہوتی رہی یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا اور رات کا اندھیرا چھا گیا اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنے اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آ گئے اور ان سے اپنے اپنے مقابل کا حال بیان کیا۔ فرنگی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کل فیصلہ ہو جائے گا اور سب نے سو کر صبح کی۔ جب صبح ہوئی تو دونوں سوار ہو کر میدان میں آئے اور ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے اور دوپہر تک برابر لڑتے رہے۔ اس کے بعد فرنگی نے یہ ترکیب کی کہ پہلے تو اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پھر اسے لگام تھام کر روک لیا۔ گھوڑے کے ٹھوکر لگی اور اس نے اپنے سوار کو گرا دیا۔ یہ دیکھ کر شرکان دشمن پر کود پڑا اور چاہتا ہی تھا کہ تلوار سے اس کا خاتمہ کر دے تاکہ لڑائی ختم ہو جائے کہ فرنگی چلا کر کہنے لگا کہ شہسوار ایسا نہیں کرتے بلکہ وہی لوگ جو عورتوں سے مغلوب ہو چکے ہیں۔ جب شرکان نے سوار کو یہ کہتے سنا تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ شہزادی ابریزہ ہے جس کے ساتھ اسے خانقاہ میں وہ واقعات پیش آئے تھے۔

اس کو پہچانتے ہی شرکان نے تلوار ہاتھ سے پھینک دی اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ یہ تو نے کیا کیا؟ اس نے کہا کہ میں چاہتی تھی کہ میدان میں تیرا امتحان کروں اور لڑائی اور نیزہ بازی میں تیری ثابت قدمی دیکھوں میرے ساتھی سب کنیزیں ہیں اور باکرہ لڑکیاں اور انہوں نے تیرے سواروں کا میدان میں ناطقہ بند کر دیا

ہے۔ اگر میرا گھوڑا ٹھوکر کھا کر مجھے گرا نہ دیتا تو تو میری قوت اور بہادری دیکھ لیتا۔
شرکان یہ سن کر مسکرایا اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا' اے شہزادی' کہ ہم صحیح و

سالم ایک دوسرے سے ملے۔ اب شہزادی ابریزہ نے اپنی کنیزوں سے پکار کر کہا کہ پیادہ ہو جائیں اور شرکان کے ساتھیوں میں سے جن بیس کو گرفتار کیا ہے' چھوڑ دیں۔ کنیزوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور آکر ان دونوں کے سامنے زمین کو بوسہ دیا۔ شرکان نے کہا کہ تم واقعی اس قابل ہو کہ بادشاہوں کے ساتھ رہو اور مصیبت کے وقت ان کے کام آؤ۔ اب اس نے اپنے ہمراہیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ شہزادی کے سامنے آداب بجا لاؤ۔ وہ لوگ گھوڑوں سے اتر پڑے اور شہزادی کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور سارے ماجرے کی انہیں پہلے ہی خبر ہو چکی تھی۔ اس کے بعد وہ کل دو سو سوار ہو کر چھ دن رات چلنے کے بعد اپنے ملک میں پہنچے اور شرکان نے شہزادی ابریزہ اور اس کی کنیزوں سے کہا کہ جو فرنگی لباس وہ پہنے ہوئے ہیں اسے اتار ڈالیں۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

اکیاونویں رات

جب اکیاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ شرکان نے شہزادی ابریزہ اور اس کی کنیزوں سے کہا کہ اپنا لباس اتار کر رومی لڑکیوں کا لباس پہن لیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے چند ساتھیوں کو بغداد بھیجا تا کہ وہ اس کے والد عمر بن النعمان کو اس کے آنے کی خبر پہنچا دیں اور کہیں کہ اس کے ہمراہ روم کے بادشاہ حردوب کی بیٹی ابریزہ ہے تا کہ وہ اس کے خیر مقدم کے لیے کسی کو بھیجے۔ اس کے بعد وہ فوراً اسی جگہ ٹھہر گئے اور جہاں پہنچے تھے اور شرکان نے ڈیرے ڈال دیے اور سب سو گئے۔ جب خدا نے صبح نمودار کی تو شرکان مع اپنے ساتھیوں کے اور شہزادی ابریزہ اپنے ساتھیوں کے سوار ہو گئے اور بغداد کے پاس پہنچے۔ یہاں انہوں نے دیکھا کہ وزیر دندان ہزار سواروں کے ساتھ شہزادی ابریزہ اور شرکان کے استقبال کے لیے موجود ہے اور یہ بادشاہ عمر بن النعمان کے حکم سے ہوا ہے۔ جب وہ لوگ ان دونوں کے قریب پہنچے تو ان کی طرف بڑھے اور ان کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ اب وہ دونوں سوار ہوئے اور ان کے ساتھ وہ تمام لوگ بھی سوار ہو گئے یہاں تک کہ وہ ان دونوں کے ساتھ ساتھ شہر میں داخل ہوئے۔ یہاں پہنچ کر وہ دونوں شاہی محل میں گئے اور شرکان اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ اس کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور اسے گلے سے لگا لیا اور اس سے حال دریافت کیا۔ شرکان نے وہ سارا ماجرا کہہ سنایا جو شہزادی ابریزہ نے بیان کیا تھا اور جو کچھ اسے اس کے پاس پیش آیا تھا اور یہ کہ وہ اپنے ملک اور اپنے باپ کو چھوڑ کر کس طرح آئی ہے۔ اس نے یہ بھی بیان کیا کہ شہزادی نے ان کے ساتھ سفر کرنا اور ان کے یہاں رہنا پسند کیا ہے اور یہ کہ قسطنطنیہ کے بادشاہ نے اپنی بیٹی صفیہ کی خاطر یہ چال چلی تھی کیونکہ روم کے بادشاہ نے اس سے سارا قصہ بیان کر دیا تھا منجملہ اس کے یہ بھی کہ وہ صفیہ

کو تیرے پاس بھیج چکا ہے اور یہ بھی کہ روم کے بادشاہ کو اس کی خبر نہ تھی کہ وہ قسطنطنیہ کے بادشاہ افریدون کی بیٹی ہے۔ اگر اسے یہ معلوم ہوتا تو وہ صفیہ کو ہرگز تجھے نہ دیتا بلکہ اس کے والد کے پاس بھیج دیتا۔ اس کے بعد شرکان نے اپنے باپ سے بیان کیا کہ اگر ابریزہ نہ ہوتی تو ہمارا چھٹکارا نہ ہوتا اور اس سے زیادہ بہادر میں نے آج تک کسی کو نہیں دیکھا۔ الغرض اس نے ابریزہ کا سارا قصہ شروع سے آخر تک بیان کر دیا حتیٰ کہ کشتی اور جنگ کے واقعات بھی۔

جب عمر بن النعمان نے اپنے بیٹے شرکان سے یہ باتیں سنیں تو اس کے دل میں ابریزہ کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور وہ اس کے دیکھنے کا مشتاق ہو گیا اور اس سے زبانی گفتگو کرنے کے لیے اسے بلایا۔ شرکان اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ بادشاہ تجھے بلاتا ہے۔ اس نے بسرو چشم قبول کیا اور شرکان اسے لے کر اپنے باپ کے پاس گیا۔

اس وقت بادشاہ اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا' اس نے اپنے اراکین سے کہا کہ باہر چلے جائیں اور سوائے خادموں کے وہاں اور کوئی باقی نہ رہا۔ شہزادی ابریزہ اس کے پاس آئی اور اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے گفتگو کی۔

بادشاہ کو اس کی فصاحت پر تعجب ہوا اور جو سلوک اس نے اس کے بیٹے شرکان کے ساتھ کیا تھا اس پر شکریہ ادا کیا اور اس سے بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ بیٹھ گئی اور اس نے اپنا چہرہ کھول دیا۔ جب بادشاہ کی نظر اس پر پڑی تو اس کی عقل جاتی رہی اور اس نے اسے اپنا مقرب بنا لیا اور اس کے اور اس کی کنیزوں کے لیے ایک محل مخصوص کر دیا اور روزینہ مقرر کر دیا۔ اب وہ اس سے ان تینوں جواہرات کے متعلق پوچھنے لگا۔

اس نے جواب دیا کہ وہ میرے پاس ہیں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھی اور اپنی قیام گاہ میں گئی اور اپنا سامان کھول کر اس میں سے ایک صندوق نکالا اور صندوق میں سے سونے کی ایک ڈبیا۔ کھول کر اس نے اس میں سے وہ تینوں جواہرات نکالے اور انہیں چوم کر بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا اور خود چلی گئی اور اپنی مٹھی میں بادشاہ کا دل بھی

لیتی گئی۔

جب وہ جا چکی تو بادشاہ نے اپنے بیٹے شرکان کو بلوایا۔ جب وہ حاضر ہوا تو بادشاہ نے اسے ان تینوں جواہرات میں سے ایک عطا کیا۔ جب اس نے باقی دو کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ بیٹا' ان میں سے ایک میں نے تیرے بھائی ضوء المکان کو دیا ہے اور دوسرا تیری بہن نزہت الزمان کو۔ جب شرکان کو یہ معلوم ہوا کہ اس کا ایک بھائی بھی ہے جس کا نام ضوء المکاں ہے' کیونکہ اس کو سوائے اپنی بہن نزہت الزماں کے اور کسی کا علم نہ تھا' تو وہ اپنے باپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے بادشاہ' کیا میرے علاوہ تیرا اور کوئی بیٹا بھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں اور اس وقت اس کی عمر چھ سال کی ہے' اس کا نام ضوء المکاں ہے اور نزہت الزماں اس کی بہن ہے اور دونوں ایک ماں سے ہیں۔ شرکان پر یہ بات گراں گزری لیکن اس نے اپنے دل کا بھید ظاہر نہ کیا اور باپ سے کہا کہ خدا برکت دے! اور اس جواہر کو ہاتھ سے پھینک دیا اور اپنے کپڑے جھاڑنے لگا۔ بادشاہ نے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے کہ اس خبر کے سنتے ہی تیری حالت کچھ سے کچھ ہو گئی حالانکہ میرے بعد تو ہی بادشاہ ہو گا؟ فوج تیرے لیے حلف اٹھا چکی ہے اور امراء وعدہ کر چکے ہیں اور تینوں جواہرات میں سے یہ تیرے لیے ہے۔ شرکان نے سر نیچا کر لیا اور شرم کے مارے اپنے باپ سے دوبدو نہ ہوا اور جواہر کو بوسہ دے کر چلتا ہوا۔ مگر طیش کے مارے اسے یہ سمجھ نہ آتا تھا کہ کیا کرے۔ چلتے چلتے وہ شہزادی ابریزہ کے محل میں پہنچا۔ جب وہ شہزادی کے سامنے آیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی کارگزاری کا شکریہ ادا کیا اور اس کے اور اس کے باپ کے لیے دعا کی اور بیٹھ گئی اور اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ جب وہ بیٹھ چکا تو شہزادی نے دیکھا کہ اس کے چہرے سے غصے کے آثار نمودار ہیں اور اس کا سبب پوچھا۔ شرکان نے جواب دیا کہ صفیہ کے بطن سے میرے والد کی دو اولادیں ہوئی ہیں' ایک لڑکا اور ایک لڑکی' لڑکے کا نام ضوء المکان اور لڑکی کا نزہت الزماں ہے۔ میرے باپ نے ان دونوں کو دو جواہرات دیے ہیں اور تیسرا مجھے مگر میں نے اس

کے لینے سے انکار کر دیا۔ دونوں اولادوں کی مجھے اس وقت تک خبر نہ تھی حالانکہ اب وہ چھ چھ سال کے ہو چکے ہیں۔ یہ خبر سن کر مجھے بڑا غصہ آیا۔ یہ ہے سبب میرے غصے کا اور میں تجھ سے کوئی بات نہیں چھپاتا۔

علاوہ بریں اب مجھے یہ بھی ڈر لگا ہے کہ کہیں وہ تجھ سے شادی نہ کر لے کیونکہ اس کو تجھ سے محبت ہو گئی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس کا جی تجھ پر للچا رہا ہے۔ اب تیری کیا رائے ہے؟ اگر اس نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو تو کیا کہے گی! لڑکی نے جواب دیا کہ اے شرکان' میں تیرے باپ کے حکم کی تابع نہیں ہوں اور میری مرضی بغیر وہ مجھے نہیں لے سکتا اور اگر اس نے زبردستی کی تو میں خودکشی کر لوں گی۔ اب رہا تینوں جواہرات کا معاملہ! میرا یہ خیال ہرگز نہ تھا کہ وہ انہیں اپنی اولاد کو دے گا بلکہ میں یہ سمجھتی تھی کہ وہ ان کو اور ذخیروں کے ساتھ اپنے خزانے میں رکھے گا۔ مگر موجودہ حالت میں میری تجھ سے یہ درخواست ہے کہ جو جواہر تیرے باپ نے تجھ کو دیا ہے' وہ مجھے دے دے' بشرطیکہ تو اسے واقعی قبول کر چکا ہے۔ شرکان نے کہا بسرو چشم' اور وہ جواہر اس کو دے دیا۔ شہزادی نے کہا کہ اس میں کوئی ڈر کی بات نہیں ہے اور پھر وہ دونوں بات چیت کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد شہزادی نے کہا کہ اگر مجھے ڈر ہے تو اس بات کا کہ جب میرا باپ یہ خبر سنے گا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو وہ نچلا نہ بیٹھے گا بلکہ مجھے تلاش کرنے کی کوشش کرے گا اور وہ میری خاطر اور افریدوں بادشاہ اپنی بیٹی صفیہ کی خاطر آپس میں متفق ہو کہ تمہارے اوپر فوجیں لے کر چڑھ آئیں گے اور شور و شر برپا کر دیں گے۔ جب شرکان نے یہ باتیں سنیں تو اس نے کہا کہ اے میری آقا' اگر تو ہمارے ساتھ رہنے کے لیے راضی ہے تو اگر خشکی اور سمندر والے سب کے سب جمع ہو کر ہمارے اوپر چڑھائی کر دیں تو ان کی پروا مت کر۔ اس نے کہا کہ انشاء اللہ خیریت رہے گی اور تم لوگوں کے متعلق یہ ہے کہ اگر تم میرے ساتھ اچھا سلوک کرو گے تو میں تمہارے ساتھ رہوں گی اور

اگر برا سلوک کرو گے تو تمہارے ہاں سے چلی جاؤں گی۔ اس کے بعد اس نے کنیزوں کو حکم دیا کہ کچھ کھانا لائیں۔ دسترخوان بچھایا گیا اور شرکان نے کچھ تھوڑا سا کھایا

اور غمناک گھر واپس گیا۔

یہ تو شرکان کا قصہ ہوا۔ اب اس کے والد عمر بن النعمان کا ماجرا سنئے۔ جب اس کا بیٹا شرکان چلا گیا تو وہ اٹھ کر اپنی کنیز صفیہ کے پاس گیا اور دونوں جواہرات اپنے ساتھ لیتا گیا۔ جب صفیہ نے اسے دیکھا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بیٹھ گیا اور اس کے بیچے ضوء المکان اور نزہت الزماں اس کے پاس آئے۔ جب باپ نے ان کو دیکھا تو ان کو بوسے دیئے اور ہر ایک کے گلے میں ایک ایک جواہر پہنا دیا۔ دونوں بچے خوش ہو گئے اور باپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اپنی ماں کے پاس گئے۔ وہ بھی خوش ہو گئی اور بادشاہ کو عمر کی درازی کی دعا دی۔ بادشاہ نے کہا تو نے اتنی مدت تک مجھے یہ اطلاع کیوں نہ دی کہ تو قسطنطنیہ کے بادشاہ افریدون کی بیٹی ہے تاکہ میں تیرے ساتھ زیادہ احترام اور فراخ دلی سے پیش آتا اور تیرا رتبہ بڑھاتا۔ صفیہ نے کہا کہ اے بادشاہ جس رتبے میں میں ہوں اس سے بڑھ چڑھ کر میں اور کیا چاہتی! تیرے انعام اور بھلائیوں سے میں دبی پڑی ہوں اور خدا نے مجھے تجھ سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی عنایت کی ہے۔ بادشاہ کو اس کی یہ باتیں بہت پسند آئیں اور وہاں سے رخصت ہو گیا اور اس نے صفیہ اور اس کے بچوں کے لیے ایک عالیشان محل رہنے کو دیا اور ان کے لیے خادم اور فقیہ اور حکیم اور نجومی اور طبیب اور جراح مقرر کیے اور انہیں حکم دیا کہ وہ ان کی خدمت کریں اور وہ خود ان کا احترام زیادہ کرنے لگا اور ان کے ساتھ انتہا درجے کے احسانات کیے اور وہاں سے وہ درباری محل میں واپس آیا۔

یہ تو اس کا قصہ صفیہ اور اس کی اولاد کے ساتھ ہوا۔ اب اس کا حال شہزادی ابریزہ کے ساتھ سنئے۔ بادشاہ کے دل میں اس کی محبت کی آگ بھڑک رہی تھی اور دن رات اسی کی یاد رہتی تھی۔ وہ ہر رات اس کے پاس جاتا اور اس سے باتیں کرتا اور باتوں سے اسے گرویدہ کرنا چاہتا' لیکن وہ اس کے کہنے میں نہ آتی اور اس سے کہتی کہ

جہاں پناہ' فی الحال مجھے مرد کی خواہش نہیں ہے۔ جب بادشاہ نے دیکھا کہ وہ انکار کیے چلی جاتی ہے تو اس کی محبت اور بڑھ گئی اور عشق اور جنون نے اور زور پکڑا۔ جب اس میں زیادہ تاب باقی نہ رہی تو اس نے اپنے وزیر دندان کو بلوایا اور اسے محبت سے مطلع کیا جو اسے بادشاہ حردوب کی بیٹی شہزادی ابریزہ سے تھی اور یہ بھی کہ وہ میرا کہنا نہیں مانتی۔ اس کی محبت مجھے مارے ڈالتی ہے اور میرا ارمان پورا نہیں ہوتا۔ یہ سن کر وزیر دندان نے بادشاہ سے کہا کہ آج جب رات ہو تو ایک ٹکڑا بھنگ کا جو تقریباً ایک مثقال ہو اپنے ساتھ لے جائیو۔ پہلے اس کے ساتھ شراب پیجیو اور جب صحبت اور مے نوشی کا خاتمہ ہونے لگے تو ایک آخر جام اس کو دیجیو اور بھنگ ملا کر اسے پلا دیجیو۔ وہ اپنی خواب گاہ تک نہ جانے پائے گی کہ بھنگ کا اثر اس پر ہو جائے گا۔ تب تو اس کے پاس جا کر وصال کیجیو اور اپنی مراد پوری کیجیو۔ بس یہ ہے میری رائے۔ بادشاہ نے کہا کہ تیرا مشورہ نہایت عمدہ ہے۔ یہ کہہ کر وہ انبار خانے میں گیا اور وہاں سے دو آتشہ بھنگ کا ٹکڑا لیا کہ اگر ہاتھی اسے اس سال سونگھتا تو آئندہ سال تک سوتا رہتا۔ اس بھنگ کو لے کر اس نے جیب میں رکھا اور ذرا انتظار کیا اور جب تھوڑی رات گزر گئی تو وہ شہزادی ابریزہ کے پاس اس کے محل میں گیا۔ جب اس نے بادشاہ کو دیکھا تو وہ کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ نے کہا کہ بیٹھ جا۔ وہ بیٹھ گئی اور بادشاہ اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس سے شراب کے بارے میں گفتگو کرنے لگا۔ شہزادی نے شراب کا دستر خوان پیش کیا اور پیالوں کو ایک قطار میں رکھا اور موم بتیاں جلائیں اور نقل اور مٹھائیاں اور پھل اور باقی تمام ضرورت کی چیزیں منگوائیں اور دونوں پینے لگے۔ بادشاہ اس کا ساتھ دے رہا تھا یہاں تک کہ شہزادی ابریزہ کے سر میں نشہ چڑھ گیا۔

جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا تو اس نے بھنگ کا ٹکڑا اپنی جیب سے نکال کر اپنی انگلیوں کے بیچ میں دبا لیا اور ایک جام بھر کر پہلے خود پی گیا اور پھر دوسرا جام بھر کر شہزادی ابریزہ سے کہا کہ تیری رفاقت! اور بغیر اس کے کہ شہزادی کو خبر ہو اس بھنگ کا

ٹکڑا شراب میں ڈال دیا اور وہ اسے لے کر پی گئی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد بادشاہ کو یقین آ گیا کہ بھنگ اپنا اثر کر چکی ہو گی اور اس کے ہوش جاتے رہے ہوں گے تو وہ اس کے پاس گیا اور دیکھا کہ وہ چت پڑی ہوئی ہے اور اس کی شلوار اتری ہوئی ہے اور ہوا سے اس کی قمیص کا دامن اوپر اٹھ گیا ہے۔ جب بادشاہ نے اسے اس حالت میں دیکھا اور یہ دیکھا کہ اس کے سرہانے ایک موم بتی جل رہی ہے اور دوسری اس کے پاؤں کے پاس ہے جس سے اس کی رانوں کے بیچ میں روشنی پہنچ رہی ہے تو اس کی عقل سلب ہو گئی اور شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا اور وہ ضبط نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنی شلوار اتار ڈالی اور اس پر آ پڑا اور اس کی بکارت زائل کر دی۔ اس پر سے اٹھ کر وہ اس کی ایک کنیز کے پاس گیا جس کا نام مرجانہ تھا اور کہنے لگا کہ اپنی مالکہ کے پاس جا کر باتیں کر۔ جب کنیز اس کے پاس پہنچی تو دیکھا کہ وہ چت پڑی ہوئی ہے اور اس کی پنڈلیوں پر خون بہہ رہا ہے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنا ایک رومال نکالا' اپنی مالکہ کو ٹھیک ٹھاک کیا اور خون پونچھا اور رات بھر اس کے پاس رہی۔ جب خدا نے سویرا کیا تر مرجانہ نے اٹھ کر اپنی مالکہ کا منہ اور اس کے ہاتھ پاؤں دھوئے۔ پھر گلاب لا کر اس کے چہرے پر چھڑکا۔ اس پر شہزادی ابریزہ کو چھینک اور جمائی آئی اور بھنگ کی ٹکیا اس کے اندر سے نکل پڑی۔ اس نے ہاتھ منہ دھو کر مرجانہ سے پوچھا کہ بتا مجھ پر کیا گزری۔ مرجانہ نے سارا حال بیان کیا اور اس کا سارا قصہ کہہ سنایا۔

اب اس کو یقین ہو گیا کہ بادشاہ عمر بن النعمان اس کے ساتھ ہم بستر ہوا ہے اور صحبت کی ہے اور اس کی چال اس پر چل گئی ہے۔ اس پر وہ بہت غمزدہ ہوئی اور باہر نکلنا چھوڑ دیا اور اپنی کنیزوں سے کہا کہ کسی کو میرے پاس آنے نہ دینا۔ اور کہنا کہ میں بیمار ہوں۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ خدا کی کیا مرضی ہے۔ جب بادشاہ عمر بن النعمان کو خبر پہنچی کہ شہزادی ابریزہ بیمار ہے تو اس نے اس کے پاس طرح طرح کی شرابیں اور مٹھائیاں اور معجونیں بھیجیں اور شہزادی کئی مہینے تک اسی طرح گھر

میں بند پڑی رہی۔ بادشاہ کی آگ ٹھنڈی ہو چکی تھی شوق بجھ چکا تھا اور اسے صبر آ چکا تھا مگر شہزادی کو حمل رہ گیا تھا۔ جوں جوں حمل کے مہینے اس پر گزرتے جاتے تھے اس کا حمل ظاہر ہوتا جاتا اور اس کا پیٹ بڑھتا جاتا تھا اور دنیا اس پر تنگ ہوتی جاتی تھی۔ ایک روز اس نے اپنی کنیز مرجانہ سے کہا کہ سن لوگوں نے میرے اوپر ظلم نہیں کیا بلکہ میں خود گنہگار ہوں کیونکہ میں نے اپنے ماں باپ او وطن کو ترک کیا ہے۔ اب مجھے جینے سے نفرت ہے اور میری ہمت ٹوٹ گئی ہے اور نہ اب مجھ میں جرات باقی ہے نہ طاقت۔ پہلے جب میں گھوڑے پر سوار ہوتی تھی تو اسے اپنے قابو میں رکھتی تھی۔ اب مجھ میں سوار ہونے کا بھی قابو نہیں۔ اگر ان لوگوں کے یہاں میرے بچہ پیدا ہوا تو میں اپنی کنیزوں کو کیا منہ دکھاؤں گی اور اگر میں اپنے باپ کے پاس جاؤں تو کیا منہ لے کر جاؤں اور اسے کس طرح اپنا منہ دکھاؤں۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

"آخر مجھے تسکین کیونکر ہو' نہ تو میرا خاندان ہے اور نہ وطن' نہ ہم مشرب نہ جام نہ گھر۔"

مرجانہ نے اس سے کہا کہ تو جو حکم دے میں اس کی تعمیل کروں گی۔ شہزادی نے کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ ابھی چپکے سے نکل جاؤں اور سوائے تیرے کسی کو خبر نہ ہو اور ماں باپ کے یہاں روانہ ہو جاؤں۔ کیونکہ جب گوشت میں بدبو آنے لگتی ہے تو سوائے اپنے اہل و عیال کے اس کا ٹھکانا کہیں نہیں ہوتا اور خدا کو جو منظور ہو گا میرے ساتھ کرے گا۔ کنیز نے کہا کہ اے شہزادی' جو کچھ تیری مرضی ہے ٹھیک ہے۔ اب شہزادی نے اپنا سامان باندھنا شروع کر دیا مگر کسی کو اس کی خبر نہ دی اور کئی دن تک انتظار کرتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک روز بادشاہ سیر و شکار کے لیے گیا اور اس کا بیٹا شرکان کچھ مدت کے لیے قلعوں پر گیا۔ اب ابریزہ نے اپنی کنیز مرجانہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں آج رات ہی یہاں سے چل دینا چاہتی ہوں مگر

قسمت کا کیا کروں کہ مجھے نہ کا درد محسوس ہو رہا ہے۔ اگر میں چار پانچ دن اور یہاں ٹھہری تو یہیں بچہ پیدا ہو جائے گا اور میں اپنے وطن تک نہ پہنچ سکوں گی اور میرے نصیب میں یہی لکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد وہ ذرا سوچنے لگی اور پھر مرجانہ سے کہا کہ کسی مرد کو تلاش کر جو ہمارے ساتھ چلے اور راہ میں ہماری خدمت کرے کیونکہ ہتھیار اٹھانے کی طاقت اب مجھ میں نہیں ہے۔ مرجانہ نے جواب دیا کہ اے میری آقا' میں یہاں محض ایک حبشی غلام کو جانتی ہوں جس کا نام غضبان ہے اور وہ بادشاہ عمر بن النعمان کا غلام ہے اور بہادر ہے اور ہمارے محل کا دربان ہے۔ بادشاہ نے اسے ہماری خدمت کے لیے مقرر کیا ہے اور ہمارے اس کے اوپر بہت سے احسانات ہیں۔ میں ابھی جا کر اس سے گفتگو کرتی ہوں۔ اسے مال دینے کا وعدہ کرتی ہوں اور یہ کہتی ہوں کہ اگر وہ ہمارے ساتھ ٹھہرنا چاہے گا تو ہم اس کی مرضی کے موافق اس کی شادی بھی کرا دیں گے۔ ابھی پرسوں کا ذکر ہے کہ وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ وہ ڈاکو تھا۔ اگر وہ ہمارا کہنا مان لے تو ہماری مراد حاصل ہو جائے گی اور ہم اپنے وطن پہنچ جائیں گے۔ شہزادی نے کہا کہ اسے میرے پاس بلا تاکہ میں اس سے گفتگو کروں۔ مرجانہ اس کی تلاش میں نکلی اور اسے پکار کر کہا کہ اے غضبان' اگر تو میری آقا کا کہنا مان لے تو تیرے لیے بڑی بھلائی ہے۔

یہ کہہ کر اس نے غضبان کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنی مالکہ کے پاس لے آئی۔ جب وہ شہزادی کے پاس پہنچا تو اس نے اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا لیکن جب شہزادی کی نظر اس پر پڑی تو اس کے دل میں اس کی طرف سے نفرت پیدا ہوئی لیکن وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ مجبوری میں سب کچھ کرنا پڑتا ہے اور اس سے مخاطب ہو کر باتیں کرنے لگی۔ اگرچہ دل میں اس سے متنفر تھی۔ بالآخر اس نے کہا کہ اے غضبان' کیا تو مجھے زمانے کی مصیبتوں سے بچانے کے لیے تیار ہے؟ اور اگر میں اپنا راز تجھ پر ظاہر کر دوں تو اسے پوشیدہ رکھے گا؟ جب غلام نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو اس کے دل پر اس کا قبضہ ہو چکا تھا اور وہ اس کے عشق میں مبتلا ہو چکا تھا اور

سوائے اس کے اور کوئی بات اس کے منہ سے نہ نکل سکی کہ اے میری آقا' جو حکم تو دے گی میں اس کو پورا کروں گا۔ شہزادی نے کہا کہ میں تجھ سے یہ چاہتی ہوں کہ مجھ کو اور میری اس کنیز کو یہاں سے نکال لے چل اور اس کام کے لیے دو اونٹنیاں تیار کر اور شاہی گھوڑوں میں سے دو گھوڑے لا اور ہر گھوڑے پر ایک ایک خرجی لاد اور اس میں کچھ مال اور کچھ راستے کے لیے کھانا رکھ لے اور ہمارے ساتھ ہمارے وطن چل۔ اگر تو ہمارے ساتھ رہنا پسند کرے گا تو تجھے میری جو کنیز پسند ہو گی تیری اس کے ساتھ شادی کر دوں گی اور اگر تو اپنے وطن کو جانا چاہے گا وہ ساتھ کر دوں گی۔ جب غضبان نے یہ باتیں سنیں تو خوشی کے مارے پھول گیا اور کہنے لگا کہ میری آقا' میں تم دونوں کی خدمت اپنی پلکوں سے کروں گا اور تمہارے ساتھ چلوں گا اور تمہارے لیے گھوڑے کس کر ابھی لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ خوش خوش چلتا ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب میں جو کچھ ان سے چاہوں گا وہ مجھے ملے گا اور اگر وہ میرا کہنا نہ مانیں گی تو ان کو قتل کر دوں گا اور ان کا سارا مال لے لوں گا لیکن اس نے اس خیال کا اظہار کسی پر نہیں کیا۔

جب وہ لوٹا تو اس کے ساتھ دو اونٹنیاں تھیں اور تین گھوڑے جن میں سے ایک پر وہ خود سوار تھا۔ اب وہ شہزادی ابریزہ کے سامنے آیا اور ایک گھوڑا پیش کیا اور وہ اس پر سوار ہو گئی اور دوسرے پر مرجانہ کو سوار کیا۔ وہ درد سے بے چین تھی اور تکلیف کی وجہ سے جان سے بیزار تھی۔ اب وہ تینوں پہاڑوں کے راستے دن رات سفر کرتے رہے یہاں تک کہ اب ان کے ملک تک صرف ایک دن کا سفر رہ گیا۔ یہاں اسے زہ کا درد ہوا اور وہ تڑپنے لگی اور اس نے غضبان سے کہا کہ مجھے اتار دے کیونکہ میں درد سے بے قرار ہوں اور مرجانہ سے کہا کہ اتر اور میرے پاس بیٹھ اور بچہ جننے میں مدد کر۔ اب مرجانہ اپنے گھوڑے پر سے اتر پڑی اور غضبان اپنے گھوڑے پر سے اتر پڑا اور دونوں گھوڑوں کی لگامیں باندھ دیں۔ اب شہزادی ابریزہ اپنے گھوڑے سے اتری اور درد کی شدت کی وجہ سے اسے دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ جب غضبان

نے اس کو زمین پر اترتی دیکھا تو شیطان نے اس کے اندر قبضہ کر لیا اور اس نے اپنی تلوار کھینچ لی اور اس کے سامنے آکر کہنے لگا کہ اے میری آقا' اپنے وصال سے مجھے بہرہ ور کر۔ جب شہزادی نے یہ سنا تو وہ اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی کیا اب میرے لیے کالے غلام ہی رہ گئے ہیں۔ بعد اس کے کہ میں عالی شان بادشاہوں سے راضی نہ ہوئی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• باونویں رات

جب باونویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب شہزادی ابریزہ نے غضبان غلام سے کہا کہ کیا اب میرے لیے کالے غلام ہی رہ گئے ہیں بعد اس کے میں عالی شان بادشاہوں سے راضی نہ ہوئی اور اسے اس پر غصہ آیا اور کہنے لگی کہ اے مردود یہ کیا بیہودہ بات بک رہا ہے۔ لعنت ہو تجھ پر! ایسی باتیں میرے سامنے مت کر۔ تو جانتا ہے کہ اگر مجھے زہر کا پیالہ بھی پینا پڑے تب بھی میں تیری بات نہیں مان سکتی لیکن ذرا صبر کر کہ میرے رحم کی حالت ٹھیک ہو جائے اور میں تندرست ہو جاؤں۔ اس کے بعد اگر تو کچھ میرے ساتھ کر سکے تو کر لیجیو۔ اور اگر اس وقت تو بیہودہ گوئی سے باز نہ آیا تو میں خود کشی کر لوں گی اور اس دنیا سے چلتی بنوں گی اور ان تمام باتوں سے آرام مل جائے گا۔ جب غضبان نے یہ سنا تو اسے طیش آ گیا اور اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور اس کا چہرہ غباری رنگ کا ہو گیا اور اس کے نتھنے پھول گئے۔ اور اس کے ہونٹ پسر پڑے اور اس کی دشمنی اور بڑھ گئی۔ ابریزہ یہ سن کر بلک بلک کر رونے لگی اور کہا کہ لعنت ہو تجھ پر اے غضبان' کیا تو اتنا بڑا ہو گیا ہے کہ مجھ سے اس طرح کی باتیں کرے' اے ولد الزنا اور رذیل تربیت! کیا تو سمجھتا ہے کہ لوگ سب ایک سے ہیں۔ جب اس مردود غلام نے یہ باتیں سنیں تو وہ طیش میں آگیا اور اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور وہ اس کی طرف بڑھا اور اس کی گردن پر تلوار کا وار کر کے اسے قتل کر دیا اور مال و دولت لے کر پہاڑوں کی طرف چلتا بنا۔

یہ تو غضبان کا قصہ ہوا۔ اب ابریزہ کا حال سنئے۔ اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جو چاند کی طرح خوبصورت تھا۔ مرجانہ نے اسے لے کر جھاڑا پونچھا اور ماں کے پہلو میں لٹا دیا۔ اس نے ماں کا دودھ پیا حالانکہ وہ مر چکی تھی۔ مرجانہ رونے پیٹنے لگی اور اس

نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور سر پر خاک ڈالنے اور منہ پر طمانچے مارنے لگی۔ یہاں تک کہ اس کے چہرے سے خون بہنے لگا اور وہ کہنے لگی کہ ہائے میری آقا! ہائے افسوس' تو ایک کالے غلام کے ہاتھ سے ماری گئی جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں' حالانکہ تو خود بڑی شہسوار تھی۔ وہ رو رہی تھی کہ اسے ایک غبار اٹھتا ہوا نظر آیا جو چاروں طرف پھیل گیا۔ جب یہ غبار بیٹھا تو اس کے نیچے ایک جرار لشکر نظر آیا۔ یہ لشکر شہزادی ابریزہ کے باپ بادشاہ حردوب کا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب اس نے سنا کہ اس کی بیٹی اور کنیزیں بغداد بھاگ گئی ہیں اور وہ بادشاہ عمر بن النعمان کے پاس ہے تو وہ نکل کھڑا ہوا اور لشکر کو ساتھ لے لیا اور وہ راہ گیروں اور مسافروں سے پوچھتا جاتا تھا کہ آیا انہوں نے اس کی بیٹی کو بادشاہ عمر بن النعمان کے پاس دیکھا ہے۔ جب وہ اپنے شہر سے ایک دن کی راہ طے کر چکا تو اسے دور سے تین سوار نظر آئے اور اس نے ارادہ کیا کہ ان کے پاس جا کر پوچھے کہ وہ کہاں سے آتے ہیں اور آیا ان کو اس کی بیٹی کی کچھ خبر معلوم ہے؟ یہ تین شخص جن کو اس نے دور سے دیکھا تھا اس کی بیٹی اور بیٹی کی کنیز اور غضبان غلام تھا۔ جب بادشاہ خبر پوچھنے کے لیے ان کی طرف بڑھا تو غلام ڈرا اور شہزادی کو قتل کر دیا اور اپنی جان لے کر بھاگ گیا۔ جب وہ ان کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ بیٹی مقتول پڑی ہے اور اس کی کنیز بیٹھی گریہ و زاری کر رہی ہے۔ یہ دیکھ کر وہ گھوڑے سے گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا اور تمام سوار اور امرا اور وزرا پیادہ ہو گئے اور وہیں پہاڑ پر ڈیرے ڈال دیے اور بادشاہ حردوب کے لیے ایک گنبد نما گول خیمہ لگایا اور سارے اراکین اس خیمے کے باہر کھڑے ہو گئے۔

جب مرجانہ نے اپنے مالک کو دیکھا تو وہ اسے پہچان گئی اور' اور زیادہ بلک بلک کر رونے لگی۔ جب بادشاہ کو ہوش آیا تو اس نے مرجانہ سے حال دریافت کیا۔ مرجانہ نے سارا ماجرا بیان کر دیا اور یہ کہا کہ جس شخص نے تیری بیٹی کو قتل کیا ہے' وہ

عمر بن النعمان کے غلاموں میں سے ایک غلام ہے' اور جو کچھ بادشاہ عمر بن النعمان نے اس کے ساتھ کیا تھا' وہ بھی کہہ سنایا۔ جب بادشاہ حردوب نے یہ سنا تو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور وہ زار زار رونے لگا اور ایک تابوت منگا کر بیٹی کی لاش اس میں رکھی اور اسے قیساریہ لے جا کر محل کے اندر لے گیا۔ اس کے بعد بادشاہ حردوب اپنی ماں ذات الدواہی کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا کہ کیا مسلمانوں کو میری بیٹی کے ساتھ یہ سلوک کرنا تھا! پہلے تو بادشاہ عمر بن النعمان نے زبردستی اس کی عصمت لی اور پھر اس کے ایک حبشی غلام نے اس کو قتل کر دیا۔ مسیح کی سچائی کی قسم' میں اپنی بیٹی کا بدلہ لے کر چھوڑوں گا تاکہ اپنی ذلت کو دور کروں۔ ورنہ میں اپنے ہاتھ سے اپنی جان لے لوں گا۔ یہ کہہ کر وہ زور زور سے رونے لگا۔ اس کی ماں ذات الدواہی نے کہا کہ تیری بیٹی کی قاتل سوائے مرجانہ کے اور کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ دل میں اس سے نفرت کرتی تھی۔ اب رہا اس کا بدلہ لینا' مسیح کی سچائی کی قسم کہ میں بادشاہ عمر بن النعمان کے پاس سے اس وقت تک نہ لوٹوں گی جب تک کہ اس کو اور اس کی اولاد کو قتل نہ کر ڈالوں اور اس کے ساتھ ایسی چال چلوں گی جو اب تک کسی چالباز یا بہادر نے نہ چلی ہو اور جس کا ذکر ہر ملک اور ہر جگہ کیا جائے گا لیکن میں چاہتی ہوں کہ میں تجھ سے جو کچھ کہوں تو اس کی تعمیل کرے۔ جب کوئی شخص کسی بات پر تل جاتا ہے تو وہ اسے کر کے چھوڑتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ مسیح کی سچائی کی قسم' میں تیرے مخالفت ہرگز نہ کروں گا کہہ تو کیا چاہتی ہے؟

ذات الدواہی نے کہا کہ چند باکرہ اور ابھرے ہوئے سینے والی کنیزیں لا دے اور چند بڑے پائے کے حکما بلوا تاکہ وہ ان کنیزوں کو حکمت اور شاہانہ آداب اور ندیمی اور اشعار سکھائیں اور انہیں حکمت اور پند کی باتیں بتائیں اور یہ حکما مسلمان ہوں تاکہ وہ انہیں عرب کے حالات اور خلفا کی تاریخ اور پرانے اسلامی بادشاہوں کے قصوں سے آگاہ کریں۔ اگر اس میں چار سال بھی لگ جائیں تب بھی مطلب برآری کے لیے یہ

کوئی بڑی مدت نہیں ہے۔ لہٰذا صبر کے ساتھ انتظار کر کیونکہ عربوں کا مقولہ ہے کہ اگر چالیس سال کے بعد بھی بدلہ مل جائے تو جلد ہے۔ جب ہم ان کنیزوں کو تعلیم دے چکیں گے تو ہم جو کچھ چاہیں گے اپنے دشمن سے حاصل کر لیں گے۔ کیونکہ بادشاہ عمر بن النعمان کنیزوں کا بڑا شائق ہے اور اس کے پاس تین سو چھیاسٹھ کنیزیں پہلے ہی سے ہیں اور اب تیری وہ کنیزیں بھی شامل ہو گئیں جو مرحومہ کے ساتھ تھیں۔

جب میں کنیزوں کو تعلیم و تربیت مکمل کر چکوں گی جس طرح کہ میں نے تجھ سے بیان کیا ہے تو میں ان کے لے کر روانہ ہو جاؤں گی۔ جب بادشاہ حردوب نے اپنی ماں ذات الدواہی سے یہ باتیں سنیں تو وہ خوش ہو گیا اور اٹھ کر اس کے سر کو بوسہ دیا اور سیاحوں اور ایلچیوں کو فوراً ملک میں ادھر ادھر روانہ کر دیا تاکہ وہ مسلمان حکما کو لے کر آئیں۔ انہوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور فوراً دور دراز ملکوں میں جا کر اس کی خواہش کے موافق حکما اور علما کو لے آئے۔ جب وہ بادشاہ کے پاس پہنچے تو اس نے ان کی بڑی عزت کی اور انہیں خلعتیں عطا کیں اور روزینے مقرر کیے اور تنخواہیں معین کیں اور کہا کہ اگر وہ کنیزوں کو تعلیم دیں گے تو مالا مال کر دیے جائیں گے۔ یہ کہہ کر اس نے کنیزوں کو طلب کیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ترپنویں رات

جب ترپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب علماء اور حکماء بادشاہ حردوب کے پاس پہنچے تو اس نے ان کا بہت زیادہ احترام کیا اور کنیزوں کو بلا کر کہا کہ ان کو حکمت اور آداب کی تعلیم دیں اور انہوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔

یہ تو حردوب بادشاہ کا قصہ ہوا۔ اب بادشاہ عمر بن النعمان کا حال سنئے۔ جب وہ سیر و شکار سے لوٹا تو محل میں گیا اور شہزادی ابریزہ کو تلاش کیا مگر نہ پایا اور کسی سے اس کا حال معلوم نہ ہوا کیونکہ کسی کو اس کی خبر نہ تھی۔ یہ بات اس پر بہت شاق گزری اور وہ کہنے لگا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک کنیز محل سے نکل جائے اور کسی کو اس کی خبر نہ ہو! اگر میری حکومت کا یہی حال رہا تو اسے ناکارہ سمجھنا چاہیے اور بے حاکم۔ اب میں کبھی سیر و شکار کے لیے نہ جاؤں گا جب تک کہ دروازوں پر پاسبانوں کو نہ چھوڑ جاؤں۔ بادشاہ کو شہزادی ابریزہ کے فراق میں بڑا صدمہ ہوا اور اس کا دل بیٹھ گیا۔ وہ اس حالت میں تھا کہ اس کا بیٹا شرکان سفر سے لوٹا اور اس نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ جب میں سیرو شکار میں مشغول تھا تو وہ بھاگ گئی۔ یہ سن کر شرکان کو بڑا غم ہوا۔ بادشاہ روز اپنے بچوں کے پاس جاتا اور ان کی تعظیم اور تکریم کرتا اور اس نے علماء اور حکما کو طلب کیا تاکہ وہ اس کے بچوں کو تعلیم دیں اور ان کے واسطے روزینے مقرر کر دیے۔ جب شرکان نے یہ دیکھا تو وہ غصے سے بھر گیا اور اپنے بھائی بہن پر حسد کرنے لگا۔ حتیٰ کہ غم و غصے کا اثر اس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگا اور وہ بیمار پڑ گیا۔ ایک دن اس کے باپ نے اس سے کہا کہ تو کیوں روز بہ روز کمزور ہوتا چلا جاتا ہے اور تیرا رنگ کیوں پیلا پڑتا چلا جاتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے باپ' جب میں دیکھتا ہوں کہ تو میرے بھائی

بہن کو پیار کرتا ہے اور ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہے تو مجھے رشک آتا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ رشک بڑھتے بڑھتے مجھے ان کے قتل پر آمادہ نہ کر دے اور اس کی پاداش میں تو مجھے قتل نہ کر دے۔ اسی وجہ سے میرا جسم گھلتا جاتا اور میرا رنگ پیلا پڑتا جاتا ہے۔ اس لیے میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو میرے اوپر یہ مہربانی کر کے مجھے کسی دور دراز والایت میں بھیج دے جہاں میں اپنی باقی عمر گزار دوں۔ مقولہ ہے کہ دوست سے دور رہنا میرے لیے بہتر اور خوب تر ہے۔ کیونکہ نہ آنکھ دیکھے اور نہ دل کڑھے۔ یہ کہہ کر اس نے سر نیچا کر لیا۔

جب بادشاہ عمر بن النعمان نے بیٹے کی باتیں سنیں اور اسے اس کے رنج کا سبب معلوم ہو گیا تو اس کے دل کو صدمہ ہوا اور اپنے بیٹے سے کہنے لگا کہ بیٹا' میں تیری یہ درخواست منظور کرتا ہوں۔ میری بادشاہت میں دمشق سے بڑی کوئی ولایت نہیں۔ میں اسی وقت سے تجھے اس کا والی بنا دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے فوراً کاتبوں کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ اس کے بیٹے شرکان کے نام دمشق کا وثیقہ لکھ دیں۔ انہوں نے لکھ دیا اور اس نے سفر کی تیاری کر دی اور وزیر دندان کو اپنے ساتھ لیا۔ بادشاہ نے وزیر کو حکومت اور سیاست کے متعلق احکام دیے اور تمام امور اس کے سپرد کر کے اس سے کہا کہ وہ شرکان کی ہمراہی میں رہے۔ اب شرکان اپنے باپ اور امراء اور دیگر رؤسا سے رخصت ہوا اور لشکر کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ دمشق پہنچا۔ جب وہ دمشق پہنچا تو شہر والوں نے باجے گاجے کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور شہر کو چراغاں کیا اور بڑے جلوس کے ساتھ اس کے استقبال کو گئے۔ اس ترتیب سے کہ دہنی طرف کھڑے ہوئے امراء میمنے میں تھے اور بائیں طرف کھڑے ہونے والے میسرے میں۔

یہ تو شرکان کا قصہ ہوا۔ اب اس کے باپ عمر بن النعمان کا حال سنئے۔ شرکان کے چلے جانے کے بعد حکما اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے ہمارے آقا' تیرے بچے علم حاصل کر چکے ہیں اور حکمت اور آداب میں مکمل ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر

بادشاہ بہت خوش ہوا اور حکما کو انعام و اکرام دیا۔
اب اس نے دیکھا کہ ضوء المکان بڑا ہو چکا ہے اور تندرست ہے اور گھوڑے پر سواری کرتا ہے اور اس کی عمر چودہ سال کی ہو چکی ہے اور دینداری اور عبادت میں مشغول رہتا ہے اور فقیروں اور عالموں اور حافظوں کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور تمام بغداد والے خواہ مرد ہوں یا عورت اسے عزیز رکھتے ہیں۔ حج کے زمانے کے قریب عراق کا محمل حج اور نبی کریم کی قبر کی زیارت کے لیے تیار ہونے اور شہر میں گھومنے لگا۔ جب ضوء المکان نے یہ جلوس دیکھا تو اس کو بھی حج کا شوق ہوا اور باپ کے پاس جا کر اس نے کہا کہ میں تیرے پاس اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ تو مجھے حج کرنے کی اجازت دے۔ باپ نے اسے روکا اور کہا کہ اگلے سال تک ٹھہر جا۔ اس وقت ہم دونوں ساتھ چلیں گے۔ بیٹے نے سوچا کہ اس میں تو ابھی بہت دیر ہے اور وہ اپنی بہن نزہت الزماں کے پاس گیا اور دیکھا کہ وہ کھڑی نماز پڑھ رہی ہے۔ جب وہ نماز ختم کر چکی تو بھائی نے اس سے کہا کہ مجھے بیت اللہ کے حج اور نبی کریم کی قبر کی زیارت کا شوق مارے ڈالتا ہے۔ میں نے والد سے اجازت چاہی تھی لیکن وہ منع کرتا ہے۔ اس لیے میرا ارادہ ہے کہ کچھ مال لے کر چپکے سے حج کے لیے چل دوں اور والد کو بالکل خبر نہ کروں۔ بہن نے کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتی ہوں کہ مجھے بھی ساتھ لے چل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت سے مجھے محروم نہ کر۔ بھائی نے کہا کہ اچھا اب اندھیرا ہو جائے تو اس جگہ سے نکل آئیو اور کسی کو خبر نہ کیجیو۔
جب آدھی رات ہوئی تو نزہت الزماں اٹھی اور کچھ مال اپنے ساتھ لیا اور مردانہ کپڑے پہن لیے۔ اس کی عمر بھی اتنی ہی تھی جتنی ضوء المکان کی۔ چلتے چلتے وہ محل کے دروازے پر پہنچی اور دیکھا کہ اس کا بھائی ضوء المکان اونٹنیاں لیے تیار کھڑا ہے۔ اب وہ بھی سوار ہو گیا اور بہن کو بھی سوار کر لیا اور اندھیرے میں چل کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ حاجیوں کے پاس آ گیا اور دونوں ان کے جلوس کے بیچ میں پہنچے۔ خدا نے ان کی قسمت

میں سلامتی لکھی تھی اور وہ مکے تک پہنچ گئے اور عرفات میں ٹھہرے۔ اس کے بعد حج کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لیے روانہ ہو گئے اور اس کی زیارت

کی اور اس کے بعد اپنے وطن کو لوٹنے کا ارادہ کر لیا۔ ضوء المکان نے اپنی بہن سے کہا کہ اے بہن' میرا دل چاہتا ہے کہ بیت المقدس اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر کی زیارت کروں۔ بہن نے جواب دیا کہ میرا دل بھی یہی چاہتا ہے اور دنوں متفق ہو کر باہر آئے اور بیت المقدس جانے والوں کے ساتھ سواری کرایہ پر لی اور سفر کی تیاری کی اور جلوس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ اب ایسا اتفاق ہوا کہ اسی رات بہن کو ٹھنڈا بخار آ گیا اور وہ بہت تکلیف میں رہی۔ بعد میں وہ تو اچھی ہو گئی مگر بھائی بیمار پڑ گیا اور بہن اس کی بیماری میں اس کی تیمارداری کرنے لگی اور چلتے چلتے وہ اب بیت المقدس پہنچ گئے اور ضوء المکان کی بیماری بڑھ گئی اور کمزوری زیادہ ہو گئی۔ یہاں وہ ایک سرائے میں اترے اور اپنے لیے ایک کوٹھڑی کرائے پر لی اور اس میں ٹھہر گئے۔ مگر ضوء المکان کا مرض بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ وہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا اور بیہوش ہو گیا۔

اس پر نزہت الزماں بہت غم زدہ ہوئی اور کہنے لگی کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم! خدا کو یہی منظور تھا۔ دونوں اسی جگہ رہنے لگے۔ بھائی کی بیماری بڑھتی جاتی تھی اور بہن اس کی تیمارداری کرتی جاتی اور اپنے اور اس کے اوپر مال خرچ کرتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ سب مال ختم ہو گیا اور وہ غریب ہو گئی حتیٰ کہ ایک درہم بھی اس کے پاس نہ بچا۔ لہٰذا اس نے اپنے کچھ کپڑے لے کر سرائے کے خادم کے ہاتھ بازار بھیجے۔ وہ بیچ آیا اور نزہت الزماں نے وہ دام بھی اپنے بھائی کے اوپر صرف کیے۔ اس کے بعد اس نے کوئی دوسری چیز بیچی۔ اس طرح سے ایک ایک کر کے اس نے ساری چیزیں بیچ ڈالیں اور ایک چٹائی کے ٹکڑے کے سوا اس کے پاس کچھ باقی نہ رہا۔ وہ روتی جاتی اور کہتی جاتی تھی کہ خدا نے جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا۔ ایک دن

اس کے بھائی نے کہا کہ بہن' اب میں اچھا ہو رہا ہوں اور میرا جی بھنا ہوا گوشت کھانے کو چاہتا ہے۔ بہن نے کہا کہ خدا کی قسم' بھیک مانگنے کی تو میری ہمت نہیں پڑتی' مگر میں کل کسی بڑے آدمی کے گھر جا کر نوکری کروں گی اور اپنا اور تیرا گزارہ کروں گی۔ پھر کچھ سوچ کر کہنے لگی کہ تیری جدائی مجھ پر شاق ہے کیونکہ تو اس حالت میں ہے لیکن میں اپنے دل پر جبر کر کے جاؤں گی۔ بھائی نے کہا کہ کیا عزت کے بعد تو اپنے آپ کو ذلیل کرنا چاہتی ہے' لاحول ولا قوہ الا باللہ! یہ کہہ کر وہ رونے لگا اور وہ بھی رو پڑی اور کہنے لگی کہ بھائی' ہم یہاں پردیسی ہیں اور ایک سال سے رہ رہے ہیں مگر آج تک کسی نے ہمارے دروازے پر دستک نہیں دی۔ کیا ہم بھوکے مر جائیں! میری رائے اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں جا کر نوکری کروں اور تیرے لیے کھانے کو لاؤں یہاں تک کہ تجھ کو صحت ہو اور اس کے بعد ہم وطن کو روانہ ہو جائیں۔ یہ کہہ کر وہ دیر تک روتی رہی اور وہ بھی تکیہ لگائے روتا رہا۔

اس کے بعد نزہت الزماں اٹھی اور ساربان کے عبا سے اپنا سر ڈھانکا جو اس کا مالک بھولے سے ان کے پاس چھوڑ گیا تھا اور اپنے بھائی کے سر کو بوسہ دیا اور اسے گلے سے لگایا اور روتی ہوئی باہر گئی۔ اسے یہ تو خبر نہ تھی کہ کہاں جائے مگر وہ چلتی رہی اور بھائی انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ عشا کا وقت آ گیا مگر وہ پھر بھی نہ لوٹی۔ اب انتظار کرتے کرتے صبح ہو گئی اور وہ نہ آئی تو بھائی کو سخت تشویش ہوئی اور اس کا دل کانپنے لگا اور وہ مارے بھوک کے پریشان ہو گیا۔ اب وہ کوٹھڑی سے نکلا اور سرائے کے ملازم کو بلا کر کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے بازار لے چل۔ اس نے لے جا کر اسے بازار میں ڈال دیا۔ بیت المقدس والے اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس پر رونے لگے۔ اسی حالت میں اس نے اشارے سے کچھ کھانے کے لیے مانگا۔ اس پر وہ لوگ کسی سوداگر سے چند درہم لے آئے اور کچھ کھانا خرید کر اسے کھلایا۔ اس کے بعد وہ اسے ایک دوکان پر لے گئے اور اس کے لیے ایک بوریا بچھا دیا اور اس کے سرہانے ایک لوٹا رکھ دیا۔ جب رات ہوئی تو لوگ اس کے پاس سے چلے گئے لیکن ان کا دل

اسی میں لگا رہا۔ آدھی رات کے وقت اس کو بہن کی یاد آئی اور اس کا غم اور بڑھ گیا اور کمزوری زیادہ ہو گئی اور کھانے پینے کو بالکل ہاتھ نہ لگایا اور بیہوش ہو گیا۔

اب بازار والوں نے سوداگروں سے چندہ کر کے تیس چاندی کے درہم اکٹھے کیے اور ایک اونٹ کرائے پر لیا اور ساربان سے کہا کہ اس بیمار کو لے جا کر دمشق کے شفاخانے میں پہنچا دے۔ ممکن ہے کہ اس کی حالت سنبھل جائے اور وہ تندرست ہو جائے۔

ساربان نے کہا کہ سر آنکھوں پر! اگر وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں اس بیمار کو کس طرح لے جاؤں گا' یہ تو گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے بیمار کو لیا اور رات تک کسی جگہ چھپا رہا اور پھر اس نے اس کو ایک حمام کی بھٹی کے ساتھ راکھ کے ڈھیر پر ڈال دیا اور خود چلتا بنا۔

جب صبح ہوئی تو حمام کا ملازم آگ جلانے کے لیے پہنچا اور دیکھا کہ وہاں ایک شخص چت پڑا ہے اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ لوگ اس مردے کو یہیں لا کر کیوں پھینک گئے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے پاؤں سے ٹھوکر ماری مگر دیکھا کہ وہ جنبش کرتا ہے۔

اس پر آگ جلانے والے نے کہا کہ تم میں سے جب کوئی شخص بھنگ کھا لیتا ہے تو جہاں چاہتا ہے گر پڑتا ہے۔ اب جب اس کی نظر مریض کے چہرے پر پڑی تو دیکھا کہ ابھی اس کے داڑھی مونچھ نہیں نکلی ہیں اور بڑا خوبرو نوجوان ہے۔ اس لیے اس پر اسے رحم آ گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ بیمار ہے اور پردیسی۔ اس نے لاحول ولا قوہ الا باللہ پڑھا اور کہا کہ اس لڑکے کی وجہ سے میں گنہگار ہوا ہوں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پردیسیوں کا احترام کرنے کا حکم دیا ہے بالخصوص جب پردیسی بیمار بھی ہو۔ یہ کہہ کر وہ اسے اپنے گھر لے گیا اور اپنی بیوی کے پاس جا کر کہا کہ اس کے لیے بچھونا بچھا اور اس کی تیمارداری کر۔ بیوی نے بچھونا بچھایا اور اس کے سر کے نیچے تکیہ رکھا اور پانی گرم کر کے اس کے ہاتھ پاؤں اور منہ دھلایا۔ اب آگ جلانے والا بازار گیا اور اس کے لیے گلاب کا عرق اور کچھ مٹھائی لایا اور اس کے منہ پر گلاب چھڑک کر اسے شربت پلایا اور ایک صاف قمیص نکال کر اسے پہنائی۔ اس پر وہ تندرست

ہونے لگا اور سے ہوش آنے لگا اور وہ تکیہ لگا کر بیٹھ گیا۔ آگ جلانے والا خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا یہ لڑکا تندرست ہو رہا ہے۔ خداوند میں تیری غیب دانی کے طفیل میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں کہ اس جوان کی تندرستی میرے ہاتھوں سے ہو۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چونویں رات

جب چونویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ آگ جلانے والے نے کہا کہ خداوند' میں تیری غیب دانی کے طفیل میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کے اس لڑکے کی زندگی میرے ہاتھ سے ہو! اور وہ تین دن تک برابر اس کی تیمارداری کرتا رہا اور اسے شکر اور بید مشک اور بید گلاب کا شربت پلاتا رہا اور اس کی بہت زیادہ خبر گیری کرتا اور اس کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آتا رہا یہاں تک کہ وہ تندرست ہو گیا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اب آگ جلانے والا اس کے پاس آیا اور دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے اور اس کے چہرے پر بشاشت ہے اور اس سے کہنے لگا کہ بیٹا' تیرا مزاج اب کیسا ہے؟ اس نے کہا کہ الحمدللہ اب میں خدا کی مہربانی سے اچھا ہو گیا ہوں۔ آگ جلانے والے نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا اور بازار جا کر اس کے لیے دس چوزے خرید لایا اور اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ ہر روز دو چوزے اس کے لیے ذبح کر' ایک صبح کو اور ایک شام کو۔ بیوی اٹھی اور اس نے ایک چوزہ ذبح کیا اور اس کو ابالا اور اس کی یخنی اسے پلائی اور گوشت کھلایا۔ جب وہ کھا پی چکا تو وہ عورت گرم پانی لائی اور اس کے ہاتھ دھلائے اور تکیئے پر سر رکھ کر لیٹ گیا اور عورت نے اسے چادر اوڑھا دی اور وہ عصر کے وقت تک سوتا رہا۔ اب وہ اٹھی اور اس نے دوسرے چوزے کی یخنی بنائی اور اسے کاٹ کر اس کے پاس لائی اور کہنے لگی کہ بیٹا' کھا۔ وہ کھا ہی رہا تھا کہ اس کا شوہر گھر آیا اور اس نے دیکھا کہ وہ اسے کھلا رہی ہے۔ وہ اس کے سرہانے بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ بیٹا' اب تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ شکر ہے خدا کا' میں اچھا ہوں' خدا تجھے نیک بدلہ دے! آگ سلگانے والا یہ سن کر خوش ہو گیا اور جا کر بنفشے کا شربت اور بید مشک کا عرق لے آیا اور ایک درہم کے چوزے خریدے اور ایک مہینے تک اس کی خدمت کی' یہاں تک کہ بیماری کے

تمام اثر زائل ہو گئے اور وہ تندرست ہو گیا۔ ضوء المکان کی صحت کی وجہ سے آگ سلگانے والا اور اس کی بیوی بہت خوش ہو گئے اور انہوں نے ضوء المکان سے کہا کہ تو میرے ساتھ حمام چلے گا؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ اس پر وہ بازار جا کر ایک گدھے والے کو لے آیا اور ضوء المکان کو گدھے پر سوار کیا اور خود اسے تھامے رہا یہاں تک کہ وہ حمام پہنچ گئے اور اس نے ضوء المکان کو بٹھا دیا اور گدھے والے کو بھٹی کے پاس بٹھا کر خود بازار گیا اور اس کے لیے بیری کے پتے اور ابٹن خریدا اور اس سے کہنے لگا کہ اے میرے آقا' بسم اللہ' حمام کے اندر چل تا کہ میں تجھے نہلاؤں۔ اب وہ دونوں حمام میں داخل ہوئے اور آگ سلگانے والا ضوء المکان کے پاؤں دہلانے اور اس کا بدن' بیری کے پتوں اور ابٹن سے ملنے لگا۔ اسی اثناء میں حمامچی نے ضوء المکان کے پاس غسال کو بھیجا۔ جب وہ آیا تو اس نے دیکھا کہ آگ سلگانے والا اس کو نہلا رہا اور اس کے پاؤں مل رہا ہے۔

اتنے میں حمامچی بھی وہاں پہنچ گیا اور کہنے لگا کہ واللہ' یہ غسال کی حق تلفی ہے۔ آگ سلگانے والے نے کہا کہ واللہ' غسال کا احسان ہم پر بے انتہا ہے۔ اس کے بعد حمامچی نے ضوء المکان کا سر مونڈنا شروع کر دیا اور ضوء المکان اور آگ سلگانے والا دونوں نہا دھو کر نکلے اور گھر گئے اور اس نے ضوء المکان کو ایک عمدہ قمیص اور اپنی قباؤں میں سے ایک قبا اور ایک عمدہ پگڑی اور ایک خوبصورت پٹی دی اور اس کے گلے میں ایک رومال باندھا۔ اسی اثناء میں اس کی بیوی نے دو چوزے ذبح کر کے پکا رکھے تھے۔ جب ضوء المکان آکر فرش پر بیٹھا تو آگ سلگانے والے نے اٹھ کر بید مشک کے عرق میں شکر گھول کر ملائی اور اسے پینے کو دیا۔ اب دسترخوان بچھایا گیا اور آگ سلگانے والا چوزوں کو کاٹ کاٹ کر اسے کھلاتا جاتا اور یخنی پلاتا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ سیر ہو گیا اور ہاتھ دھوئے اور اپنی سلامتی پر خدا کا شکر ادا کیا اور آگ سلگانے والے سے کہنے لگا کہ خدا نے تیرے ذریعے میرے اوپر احسان کیا اور تیرے ہاتھوں سے مجھے سلامتی بخشی۔ آگ سلگانے والے نے کہا کہ یہ باتیں مت کر اور بتا کہ تو اس شہر میں

کیوں آیا اور تو کہاں کا رہنے والا ہے؟ تیرے چہرے سے ناز پروردگی کے آثار نمایاں ہیں۔ ضوء المکان نے کہا کہ پہلے یہ بتا کہ میں تجھے کس طرح ملا۔ اس کے بعد میں اپنا سارا قصہ تجھ سے بیان کروں گا۔ آگ سلگانے والے نے کہا کہ صبح کے وقت جب میں اپنے کام پر جا رہا تھا تو میں نے تجھے کوڑے کے ڈھیر پر پایا جو بھٹی کے دروازے پر ہے۔ معلوم نہیں کہ تجھے کون وہاں ڈال گیا تھا اور تجھے اپنے گھر لے آیا۔ بس یہی میرا قصہ ہے۔ ضوء المکان نے کہا کہ پاک ہے وہ ذات جو سڑی گلی ہڈیوں میں جان ڈالتی ہے۔ بھائی' تو نے کسی نااہل کے ساتھ نیکی نہیں کی اور تو عنقریب اس کا پھل پائے گا۔

اس نے آگ سلگانے والے سے پوچھا کہ اس وقت میں کس جگہ ہوں؟ اس نے جواب دیا کہ بیت المقدس میں۔ اب وہ اپنی غربت اور اپنی بہن کی جدائی کو یاد کر کے رونے لگا اور اس نے آگ سلگانے والے پر اپنا بھید ظاہر کر دیا اور اپنا قصہ کہہ سنایا۔ اس کے بعد اب وہ اور زیادہ رونے لگا۔ آگ سلگانے والے نے کہا کہ رو مت بلکہ اپنی سلامتی اور تندرستی پر خدا کا شکر ادا کر۔ صوء المکان نے پوچھا کہ یہاں سے دمشق کتنی دور ہے؟ اس نے جواب دیا کہ چھ دن کی راہ۔ ضوء المکان نے کہا کہ کیا تو مجھے وہاں بھیج سکتا ہے؟ آگ سلگانے والے نے کہا کہ اے میرے آقا' میں تجھے اکیلا کیوں کر جانے دے سکتا ہوں' تو ابھی بچہ ہے اور پردیسی۔ اگر تو دمشق جانا چاہتا ہے تو میں خود تیرے ساتھ چلوں گا اور اگر میری بیوی نے میری بات سنی اور میرا کہنا مان لیا اور میرے ساتھ چلی تو میں وہاں ٹھہر جاؤں گا کیونکہ تیری جدائی مجھ پر شاق ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو میرے ساتھ دمشق چلنا چاہتی ہے یا یہ چاہتی ہے کہ تو یہیں رہے اور میں اپنے آقا کو دمشق پہنچا کر تیرے پاس واپس آ جاؤں' کیونکہ وہ دمشق جانا چاہتا ہے اور مجھ پر اس کی جدائی شاق ہے اور پھر راہ میں ڈاکوؤں کا بھی ڈر ہے۔ بیوی نے جواب دیا کہ میں تم دونوں کےساتھ چلوں گی۔ آگ سلگانے والے نے کہا کہ شکر ہے خدا کا ہم دونوں کی ایک رائے ہے اور یہی فیصلہ ٹھہرا ہے۔

اب آگ سلگانے والا اٹھا اور اپنے اور اپنی بیوی کے لیے سامان خرید لایا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پچپنویں رات

جب پچپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- تنورچی اور اس کی بیوی ضوء المکان کے ساتھ دمشق جانے کے راضی ہو گئے ہیں اور تنورچی نے اپنے اور اپنی بیوی کے لیے سامان خریدا اور ایک اونٹ مول لیا اور ایک گدھا کرائے پر لے کر ضوء المکان کو اس پر سوار کیا اور تینوں روانہ ہو گئے۔ چھ دن چلنے کے بعد وہ دمشق پہنچے اور شام کے وقت وہاں اترے۔ تنورچی دستور کے موافق کھانے پینے کی چیزیں خرید لاتا۔ پانچ دن انہوں نے اس طرح سے گزارے۔ اس کے بعد تنورچی کی بیوی بیمار پڑ گئی اور کچھ دن بیمار رہ کر اس نے انتقال کیا۔ ضوء المکان کو اس کا بڑا صدمہ ہوا کیونکہ وہ اس سے ہل گیا تھا اور وہی اس کی خدمات کرتی تھی۔ اس کی موت پر تنورچی کو بھی بڑا رنج پہنچا۔

ضوء المکان اس کے پاس آیا اور دیکھا کہ وہ غمگین بیٹھا ہے اور کہنے لگا کہ غم مت کر کیونکہ ہم سب کو اسی دروازے سے گزرنا ہے۔ تنورچی اس کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ خدا تجھے اس کا نیک بدلہ دے' اے میرے بیٹے' خدا اس کے بدلے اپنا فضل و کرم عطا کرے گا اور غم کو دور کرے گا۔ بیٹا' کیا تیرا جی چاہتا ہے کہ ہم چل کر دمشق کی سیر کریں تاکہ تیرا دل بہلے؟ ضوء المکان نے کہا کہ تیرا کہنا بجا ہے اور وہ دونوں چل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ دمشق کے والی کے اصطبل کے پاس پہنچے۔ یہاں انہوں نے دیکھا کہ اونٹوں پر صندوق اور قالینیں اور ریشمی کپڑے لدے ہوئے ہیں اور گھوڑوں پر زینیں کسی ہوئی ہیں اور بہت سے بختی اونٹ اور کالے اور سفید غلام ہیں اور لوگ ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں۔ ضوء المکان نے اپنے دل میں کہا کہ یااللہ' یہ غلام اور اونٹ اور کپڑے کس کے لیے ہیں! کسی خادم سے اس نے پوچھا کہ یہ سامان کہاں جا رہا ہے' اس نے کہا کہ یہ دمشق کے والی کا ہدیہ ہے جو شام کے خراج

کے ساتھ بادشاہ عمر بن النعمان کے پاس جا رہا ہے۔
جب ضوء المکان نے یہ سنا تو اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور وہ رونے لگا۔ تنورچی نے کہا کہ بیٹا' ابھی تک ہمیں یقین نہیں آتا کہ تو تندرست ہے' خوش ہو اور رو مت کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں بیماری عود نہ کر آئے۔ وہ ضوء المکان کے ساتھ مہربانی کی باتیں اور ہنسی مذاق کرتا جاتا اور ضوء المکان آہیں بھرتا اور اپنی عزت اور بہن کی جدائی اور وطن چھوٹنے پر افسوس کرتا جاتا اور آنسو بہاتا جاتا۔
ضوء المکان اپنی غربت پر روتا اور آنسو بہاتا جاتا اور تنورچی اپنی بیوی کی جدائی پر گریہ و زاری کرتا تھا لیکن وہ برابر ضوء المکان کی دل دہی کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ سویرا ہو گیا۔ جب سورج نکلا تو تنورچی نے کہا کہ ہاں' اور میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا اور تجھے خدا کو سونپتا ہوں کیونکہ میں ان لوگوں کے ساتھ جاتا ہوں اور ان کے ساتھ چلتے چلتے میں اپنے وطن پہنچ جاؤں گا۔ تنورچی نے کہا کہ میں تیرے ساتھ ہوں کیونکہ مجھے تیری جدائی گوارا نہیں ہے۔ میں نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ تیری خدمت میں رہ کر اس کو مکمل کر دوں۔ ضوء المکان نے کہا کہ خدا تجھے اس کا نیک بدلہ دے! اور وہ اس پر بہت خوش ہوا کہ تنورچی بھی اس کے ساتھ چلے گا۔ تنورچی نے فوراً جا کر اونٹ بیچ ڈالا اور ضوء المکان کے لیے دوسرا گدھا خریدا اور راہ کے لیے کھانا پینا ساتھ لے لیا اور اس سے کہا کہ گدھے پر سوار ہو کر سفر کر۔ اگر تو اس پر بیٹھے بیٹھے تھک جائے تو پیدل چلیو۔ ضوء المکان نے کہا کہ خدا تجھے برکت دے اور تجھے اس کا صلہ دینے میں میری مدد کرے! تو نے میرے ساتھ وہ بھلائی کی ہے جو کوئی اپنے بھائی کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔ جب اندھیرا چھا گیا تو انہوں نے اپنا سامان اور کھانا پینا گدھے پر لادا اور روانہ ہو گئے۔
یہ تو ضوء المکان اور تنورچی کا قصہ ہوا۔ اب اس کی بہن نزہت الزماں کی سرگزشت سنئے۔ جب وہ اپنے بھائی سے رخصت ہوئی تھی تو عبا لپیٹ کر بیت المقدس کی سرائے سے نکلی تا کہ کہیں نوکری کر کے اپنے بھائی کے لیے تلا ہوا گوشت لے کر آئے'

جس کی اسے بھوک تھی۔ وہ روتی ہوئی نکلی اور اسے نہ معلوم تھا کہ کہاں جائے' اس کا دل بھائی میں لگا ہوا تھا اور گھر بار اور وطن کی یاد آتی تھی اور خدا سے دعا مانگ رہی تھی کہ وہ ان بلاؤں کو دور کرے۔ اسی طرح روتی ہوئی وہ چلی جاتی اور دہنے بائیں دیکھتی جاتی تھی کہ اسے ایک بدو شیخ مسافر جس کے ساتھ پانچ اور بدو تھے' نظر آیا۔ شیخ کی نظر نزہت الزماں پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ وہ ایک حسین لڑکی ہے اور ایک پھٹی ہوئی عبا پہنے ہوئے ہے۔ اس کا حسن دیکھ کر بدو کو تعجب ہوا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس کے حسن سے میری عقل دنگ ہے مگر وہ خستہ حال معلوم ہوتی ہے۔ خواہ وہ اسی شہر کی ہو یا پردیسی' میں اسے ضرور لے جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ آہستہ آہستہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ ایک تنگ گلی میں اس کے آگے آیا اور اسے آواز دی کہ حال پوچھے اور کہنے لگا کہ بیٹی' تو کنیز ہے یا آزاد؟ جب نزہت الزماں نے اس کی باتیں سنیں تو اس نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگی کہ تجھے اپنے سر کی قسم' میرے غم کو تازہ مت کر۔ اس نے کہا کہ خدا نے مجھے چھ بیٹیاں عطا کی تھیں جن میں سے پانچ فوت ہو چکی ہیں اور ایک جو سب سے چھوٹی ہے' باقی ہے۔ اس لیے میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ خواہ تو پردیسی ہو یا اسی شہر کی رہنے والی' آیا میں تجھے لے چل کر اس کے ساتھ رکھوں تاکہ اس کا دل بہلے اور تیری وجہ سے بہنوں کی جدائی کا غم غلط ہو۔ اگر تیرے آگے پیچھے کوئی نہیں تو میں تجھے انہیں کی طرح اپنی اولاد بنا کر رکھوں گا۔

جب نزہت الزماں نے اس کی باتیں سنیں تو وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ میں اپنے آپ کو کس طرح اس شیخ کے سپرد کر سکتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے شرم سے اپنا سر نیچا کر لیا اور کہنے لگی کہ چچا' میں ایک پردیسی غریب زادی ہوں اور میرا ایک بھائی ہے جو بیمار ہے تیری بیٹی کے پاس میں ایک شرط سے چل سکتی ہوں کہ دن بھر اس کے ساتھ رہوں اور رات کو اپنے بھائی کے پاس چلی جاؤں۔ اگر یہ شرط تجھے منظور

ہے تو میں تیرے ساتھ چلتی ہوں کیونکہ میں پردیسن ہوں۔ اپنی قوم میں بڑی باعزت ہوں لیکن اس وقت حقیر ہوں اور میں اپنے بھائی کے ساتھ حجاز سے آئی ہوں اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بھائی کو خبر نہ ہو کہ میں کہاں ہوں۔

جب بدو نے اس کی باتیں سنیں تو اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا کی قسم' اب میرا مطلب بر آیا اور لڑکی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ میرے لیے تجھ سے زیادہ اور کوئی چیز نہیں اور میرا بھی یہی مقصد ہے کہ تو دن بھر میری بیٹی کے ساتھ رہے اور شام ہوتے ہی تو اپنے بھائی کے پاس چلی جائے اور اگر تو چاہے تو اپنے بھائی کو ہمارے یہاں لے آ۔

بدو اسی طرح اس سے میٹھی باتیں کر کے اس کو پھسلاتا رہا یہاں تک کہ اس کا دل پسیج گیا اور اس نے نوکری کی ہامی بھر دی۔ بدو آگے آگے چلا اور لڑکی پیچھے پیچھے ہو لی۔ اب اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے آگے پہنچ کر اونٹوں کو تیار کیا اور ان کے اوپر سامان لادا اور کھانا پینا رکھا کہ جوں ہی شیخ وہاں پہنچے' اونٹ روانہ ہو جائیں۔

اب یہ بدو حرام زادہ ڈاکو اور دھوکے باز اور چور اور مکار اور دغاباز تھا۔ نہ اس کے لڑکی تھی نہ لڑکا۔ وہ محض راستہ چل رہا تھا کہ اتفاق سے اس غریب بچی کا آمنا سامنا ہو گیا۔ بدو نے اس کو باتوں میں لگائے رکھا یہاں تک کہ وہ بیت المقدس کے باہر آ گیا اور اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور دیکھا کہ انہوں نے اونٹ تیار کر رکھے ہیں۔ بدو ایک اونٹ پر سوار ہو گیا اور لڑکی کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور وہ رات بھر چلتے رہے۔ اب نزہت الزماں کو معلوم ہوا کہ اس کی باتیں محض دغا بازی تھیں اور اس نے اسے دھوکا دیا ہے۔ وہ ساری رات روتی پیٹتی رہی اور انہوں نے پہاڑ کا راستہ لیا کہ کہیں کوئی ان کو دیکھ نہ لے۔ فجر کے قریب وہ اونٹوں سے اترے اور بدو شیخ نے نزہت الزماں کے پاس آکر کہا کہ اے شہری' یہ رونا پیٹنا کیسا؟ اے شہری نجاست' اگر تو نے رونا بند نہ کیا تو میں مارتے مارتے تیرا کچلا کر دوں گا۔ جب نزہت الزماں نے اس کی

باتیں سنیں تو اس کی زندگی اجیرن ہو گئی اور وہ موت کی تمنا کرنے لگی اور بدو کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی کہ اے منحوس بڈھے اور اے جہنمی کھوسٹ میں نے تیرے اوپر بھروسہ کیا اور تو نے میرے ساتھ دغا بازی کی اور اب تو مجھے تکلیف دینا چاہتا ہے۔ جب بدو نے یہ باتیں سنیں تو کہنے لگا کہ اے پتریا' تیری یہ ہمت ہو گئی کہ مجھے لوٹ کر جواب دیتی ہے اور کوڑا لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور اسے مارنے لگا اور کہا کہ اگر تو چپ نہ ہو گئی تو میں تجھے مار ڈالوں گا۔ لڑکی چپ ہو گئی اور اپنے بھائی اور گزشتہ عیش و عشرت کو یاد کرنے اور اندر ہی اندر رونے لگی۔ دوسرے دن اس نے بدو کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تو مجھے دھوکا دے کر اس بنجر پہاڑ میں کیوں لایا ہے؟ آخر تیرا کیا مقصد ہے؟

جب بدو نے اس کی یہ باتیں سنیں تو اس کا دل اور بھی سخت ہو گیا اور اس سے کہنے لگا کہ اے منحوس پتریا' تیری یہ ہمت ہو گئی کہ مجھے لوٹ کر جواب دیتی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے کوڑا لیا اور اس کی پیٹھ پر مارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گئی۔ اس کے بعد وہ بدو کے پاؤں پر گر پڑی اور انہیں چومنے لگی۔ اس پر اس نے ہاتھ روک لیا لیکن برا بھلا کہتا رہا اور کہنے لگا کہ مجھے اپنے عمامے کی قسم' اگر میں نے تجھے روتا دیکھا یا سنا تو میں تیری زبان کاٹ کر تیری۔۔۔۔ کے اندر گھسیڑ دوں گا۔ اے شہری پتریا! یہ سن کر وہ چپ ہو گئی اور کوئی جواب نہ دیا۔ مار سے اسے تکلیف ہو رہی تھی اور وہ گھٹنوں میں ہاتھ ڈال کر بیٹھ گئی اور اس حلقے کے اوپر اپنا سر رکھ لیا اور سوچنے لگی کہ آج وہ کس حالت میں ہے اور عزت کے بعد اسے کتنی ذلت اٹھانی پڑی اور اس نے کتنی مار کھائی۔ ساتھ ساتھ اسے اپنے بھائی اور اس کی بیماری اور تنہائی اور غربت بھی یاد آ رہی تھی اور آنسو چہرے پر بہہ رہے تھے اور وہ اندر ہی اندر روتی تھی۔ یہ دیکھ کر بدو اس کے پاس آیا اور اسے دلاسا دیا اور اس کے ساتھ ہمدردی کی اور اس کے آنسو پونچھے اور جو کی ایک ٹکیا اسے دی اور کہنے لگا کہ

مجھے یہ پسند نہیں کہ غصے کے وقت کوئی مجھے لوٹ کر جواب دے۔ تو بھی پھر ایسی بے ہودہ باتیں مجھ سے نہ کیجیو۔ میں چاہتا ہوں کہ تجھے ایک دوسرے شخص کے ہاتھ بیچ ڈالوں جو میری ہی طرح بھلا مانس ہے اور وہ میری ہی طرح تجھ سے بھلائی کرے گا۔ لڑکی نے کہا کہ جو کچھ تو کرے ٹھیک ہے۔ جب رات زیادہ ہو گئی اور وہ بھوک سے بیتاب ہونے لگی تو اس نے وہ جو کی ٹکیا تھوڑی سے کھائی۔ جب آدھی رات ہوئی تو بدو نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ کوچ کریں۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چھپنویں رات

جب چھپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب بدو نے نزہت الزماں کو جو کی ٹکیا دی اور کہا کہ وہ اسے اپنی طرح ایک بھلے مانس کے ہاتھ بیچے گا تو اس نے جواب دیا کہ تیری یہ بات بہت مناسب ہے۔ جب آدھی رات ہوئی اور بھوک سے بے چین ہو گئی تو اس نے اس جو کی ٹکیا میں سے ایک ٹکڑا کھا لیا۔ اس کے بعد بدو نے اپنے لوگوں سے کہا کہ کوچ کرو اور انہوں نے اونٹ لادے اور بدو ایک اونٹ پر سوار ہو گیا۔ اور نزہت الزماں کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور چل دیا۔ تین دن کے سفر کے بعد وہ دمشق پہنچے اور خان السطان میں جو باب النائب کے پاس ہے' اترے۔ سفر کی تھکان اور دلی صدمے کی وجہ سے نزہت الزماں کا رنگ متغیر ہو گیا تھا اور وہ روتی جا رہی تھی۔ یہ دیکھ کر بدو اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے شہری لونڈیا۔ مجھے اپنے سر کی قسم' اگر تو نے رونا بند نہ کیا تو تجھے میں کسی یہودی ہی کے ہاتھ بیچوں گا۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک کوٹھڑی میں لے گیا اور خود بازار گیا اور ان سوداگروں کے پاس پہنچا جو کنیزوں کا کاروبار کرتے تھے اور ان سے بات چیت کی اور کہنے لگا کہ میرے پاس ایک کنیز ہے جس کو میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔ اس کا بھائی بیمار ہے اور میں نے اسے بیت المقدس میں اپنے گھر بھیج دیا ہے تاکہ اس کا علاج ہو اور وہ اچھا ہو جائے۔ اس کنیز کو میں بیچنا چاہتا ہوں۔ جب سے اس کا بھائی بیمار پڑا ہے' وہ روتی ہے اور بھائی کی جدائی اس پر شاق ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ جو شخص اسے خریدنا چاہے' اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کرے اور کہے کہ تیرا بھائی میرے پاس بیت المقدس میں ہے۔ اس پر میں لڑکی کو سستا بیچ دوں گا۔ یہ سن کر ایک سوداگر اٹھا اور کہنے لگا کہ اس کی کیا عمر ہے؟ بدو نے جواب دیا کہ وہ باکرہ بالغہ ہے اور سمجھ دار اور آداب سے واقف اور باشعور اور نہایت حسین

ہے۔ جب سے میں نے اس کے بھائی کو بیت المقدس بھیجا ہے' لڑکی کا دل اس میں لگا رہتا ہے اور اس کا چہرہ متغیر ہو گیا ہے اور رنگ روپ بدل گیا ہے۔
جب سوداگر نے یہ سنا تو بدو کے ساتھ چل کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے شیخ' میں تیرے ساتھ چل کر تجھ سے وہ کنیز خریدے لیتا ہوں جس کی تو مدح کرتا ہے اور جس کی عقل اور آداب دانی اور حسن و جمال کی تو تعریف کرتا ہے اور اس کے دام تجھے دیتا ہوں۔ مگر میں تیرے ساتھ کچھ شرطیں کروں گا اور اگر تو نے وہ شرطیں مان لیں تو میں اس کی قیمت نقد ادا کروں گا اور اگر نہ مانیں تو میں کنیز تجھ کو واپس دے دوں گا۔ بدو نے کہا کہ اگر تو چاہے تو والی کے پاس چل کر جو شرطیں چاہے میرے ساتھ کر۔ کیونکہ جب تو اسے بغداد اور خراسان کے بادشاہ عمر بن النعمان کے شہزادے شرکان کے پاس لے جائے گا تو اگر اس کی سمجھ میں آ گیا تو وہ تجھے کنیز کی قیمت سے زیادہ دے گا۔ سوداگر نے کہا کہ مجھے والی سے ایک ضرورت درپیش ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ مجھے ایک پروانہ دے دے کہ مجھ سے چنگی نہ لی جائے اور میرے لیے ایک سفارشی خط اپنے باپ عمر بن النعمان کے نام لکھ دے۔ اگر شرکان نے مجھ سے کنیز قبول کر لی تو میں فوراً اس کی قیمت تول کر تجھے دے دوں گا۔ بدو نے کہا کہ منظور ہے' اور چلتے چلتے اب دونوں اس جگہ پہنچ گئے جہاں نزہت الزماں تھی اور بدو نے کوٹھڑی کے پاس کھڑے ہو کر آواز دی کہ اے ناجیہ اور یہ نام بدو نے اس کو دیا تھا۔ جب لڑکی نے اس کی آواز سنی تو وہ رونے لگی اور کچھ جواب نہ دیا۔ بدو سوداگر کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ وہ یہ کیا تیرے سامنے بیٹھی ہے۔ اس کے پاس جا کر اسے دیکھ لے اور جیسا کہ میں نے تجھ سے کہا ہے' اس کے ساتھ نرمی کے ساتھ گفتگو کر۔ سوداگر ہنس مکھ چہرہ بنا کر اس کے آگے آیا۔ اور دیکھا کہ وہ حسن و جمال میں لاجواب ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کر وہ عربی جانتی ہے۔ سوداگر نے اپنے دل میں کہا کہ اگر وہ ایسی نکلی جیسا کہ مجھ سے بیان کیا گیا ہے تو اس کے ذریعے سے جو کچھ میں والی سے چاہوں گا' مجھے مل جائے گا۔

اب سوداگر نے لڑکی سے کہا کہ السلام علیک' اے بیٹی' تیرا مزاج کیسا ہے؟ یہ سن کر لڑکی اس کی طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی کہ تقدیر میں یہی لکھا تھا' اور دیکھا کہ وہ بڑا شان دار آدمی ہے اور اس کا چہرہ خوبصورت ہے اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ شاید یہی مجھے خریدنے آیا ہے' اگر میں اس سے انکار کروں گی تو پھر میں اسی ظالم کی بندی میں رہوں گی اور وہ مجھے مارتے مارتے مار ڈالے گا۔ بہرحال یہ شخص حسین ہے اور اس کمینے بدو کی بہ نسبت اس سے زیادہ بھلائی کی امید ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ میری باتیں سننے آیا ہو' لہٰذا مجھے چاہیے کہ اسے اچھا جواب دوں۔ وہ یہی سوچ رہی تھی او سر نیچا کئے ہوئے تھی۔ اب اس نے اس شخص کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا اور نہایت میٹھی آواز سے کہنے لگی کہ و علیک السلام' اے میرے آقا' ورحمتہ اللہ و برکاتہ یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ رہا تیرا یہ پوچھنا کہ میرا حال کیسا ہے؟ اگر وہ تجھے معلوم ہو جائے تو تو اسے سوائے اپنے دشمنوں کے کسی اور کے لیے نہ چاہیو۔ یہ کہہ کر وہ چپ ہو گئی۔ جب سوداگر نے اس کی باتیں سنیں تو مارے خوشی کے اس کے ہوش جاتے رہے اور بدو کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اس کی قیمت کیا ہے؟ کیونکہ وہ واقعی عالی شان ہے۔ اس پر بدو کو غصہ آگیا اور وہ کہنے لگا کہ ایسی باتیں کر کر کے تو لڑکی کو خراب کر دے گا۔ تو نے یہ کیوں کہا کہ وہ عالی شان ہے؟ وہ تو کنیزوں کی تلچھٹ ہے اور لوگوں کا کوڑا کرکٹ۔ اسے تیرے ہاتھ ہرگز نہ بیچوں گا۔ جب سوداگر نے بدو کی باتیں سنیں تو وہ سمجھ گیا کہ یہ شخص کم عقل ہے اور کہنے لگا کہ ناراض مت ہو' میں باوجود ان تمام عیبوں کے جو تو نے بیان کئے خرید لوں گا۔ بدو نے کہا کہ اس کی کتنی قیمت دے گا؟ سوداگر نے کہا کہ بیٹے کا نام باپ رکھتا ہے۔ مانگ تو کیا مانگتا ہے؟ بدو نے کہا کہ تو ہی کہہ۔ سوداگر نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بدو بے عقل ہے اور اس کا سر پھرا ہوا ہے۔ واللہ میں اس کی قیمت مقرر نہیں کر سکتا کیونکہ اس نے اپنی شیریں بیانی اور خوبصورتی سے میرے دل

کے اوپر قبضہ کر لیا ہے۔ اگر اسے لکھنا پڑھنا بھی آتا ہو تو اس کے اور اس کے خریدار کے لیے یہ پوری نعمت ہے لیکن یہ بدو اس کی قیمت سے بے خبر ہے۔
اب وہ بدو کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے شیخ العرب' اس کے عوض میں تجھے دو سو دینار نقد دیتا ہوں جن پر نہ سلطان کا حق ہو اور نہ کوئی اور بار ہو۔ بدو یہ سن کر طیش میں آگیا اور سوداگر کو برا بھلا کہنے لگا اور کہا کہ فوراً اٹھ اور چلتا ہو۔ خدا کی قسم' اگر تو اس عبا کے عوض جو وہ پہنے ہوئے ہے' دو سو دینار دے تو میں اسے بھی نہ بیچوں گا۔ اب میں اسے ہرگز نہ بیچوں گا بلکہ اونٹ چرانے اور آٹا پیسنے کی خاطر اپنے پاس رکھوں گا۔ اور اس نے چلا کر لڑکی سے کہا کہ اے نجاست یہاں آ میں تجھے ہرگز نہ بیچوں گا۔ اب وہ سوداگر کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ میں تجھے سمجھ دار جانتا تھا۔ قسم ہے میرے عمامے کی' اگر تو یہاں سے نہ گیا تو میں تجھے کھری کھری سناؤں گا۔ سوداگر نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بدو پاگل ہے اور اسے اس کی قیمت معلوم نہیں۔ اب میں اس کی قیمت کے متعلق اس سے کچھ نہ کہوں گا۔
اگر اس میں عقل ہوتی تو وہ ہرگز نہ کہتا کہ میرے عمامے کی قسم۔ خدا کی قسم۔ وہ کسریٰ کی حکومت کے برابر ہے اور اتنی قیمت میرے پاس کہاں سے آئی؟ اگر وہ زیادہ بھی طلب کرے گا تو جو وہ مانگے گا میں اس کو دوں گا خواہ وہ میرا سارا مال کیوں نہ مانگ لے۔ یہ کہہ کر وہ بدو کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ اے شیخ العرب' ناراض نہ ہو اور ہوش میں آ اور کہہ کہ اس کے کوئی کپڑے تیرے پاس ہیں کہ نہیں؟ بدو نے کہا کہ اس پتریا کو کپڑوں کی کیا ضرورت! خدا کی قسم' جس عبا میں یہ لپٹی ہوئی ہے' وہی اس کے لیے بہت زیادہ ہے۔ سوداگر نے کہا کہ اگر تیری اجازت ہو تو میں اس کا چہرہ کھول کر ادھر ادھر دیکھوں جیسا کہ لوگ کنیزوں کو خریدنے کے لیے کرتے ہیں۔ بدو نے کہا کہ جو چاہے کر' خدا تیری جوانی سلامت رکھے! اس کا ظاہر اور باطن سب دیکھ لے اور اگر تیرا جی چاہے تو اس کے کپڑے اتار ڈال اور

اس کو ننگا دیکھ۔ سوداگر نے کہا کہ معاذ اللہ! میں سوائے اس کے چہرے کے اور کچھ نہ دیکھوں گا۔ یہ کہہ کر سوداگر اس کے حسن و جمال سے شرماتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ستاونویں رات

جب ستاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ سوداگر نزہت الزماں کے حسن و جمال سے شرماتا ہوا اس کی طرف بڑھا اور اس کے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اے میری آقا' تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ تو میرا آج کا نام جاننا چاہتا ہے یا آج سے پہلے کا؟ سوداگر نے کہا' کیا ترا ایک آج کا نام ہے اور ایک آج سے پہلے کا؟ اس نے کہا کہ ہاں' میرا آج سے پہلے نزہت الزماں تھا اور آج غصہ الزماں ہے۔ جب سوداگر نے یہ سنا تو اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور کہنے لگا کہ کیا تیرا کوئی بھائی بھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں سچ ہے لیکن زمانے نے اس کو مجھ سے جدا کر دیا اور وہ بیت المقدس میں بیمار پڑا ہے۔ لڑکی کی اس شیریں کلامی پر سوداگر کو بڑا تعجب ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ بدو نے سچ کہا تھا۔ اب وہ اپنے بھائی اور اس کی بیماری اور غربت اور اس سے جدائی اور اس خیال سے کہ وہ بیمار ہے اور نہ معلوم کہ اس پر کیا گزری ہو گی اور اس بدو نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہو اور اپنے ماں باپ اور وطن سے دوری کو یاد کرنے لگی اور آنسو اس کے رخسار پر بہنے لگے اور وہ رونے لگی۔ سوداگر بھی رو پڑا اور چاہتا تھا کہ ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھے مگر اس نے اپنا چہرہ چھپا لیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا' ایسا نہ کر۔ جب اس نے تاجر کے سامنے اپنا چہرہ چھپا لیا تو بدو بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا کہ وہ اس کے آنسو پونچھنا چاہتا ہے اور اسے گمان ہوا کہ لڑکی سودا کرنے سے اسے روکنا چاہتی ہے اور وہ اٹھ کر اس کے پاس آیا اور اونٹ کی نکیل اٹھا کر اس کے کاندھے پر اس زور سے ماری کہ وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑی اور زمین کی کنکریاں اس کی بھوؤں میں چبھ گئیں اور وہ پھٹ گئیں اور خون ان میں سے نکل کر اس کے چہرے پر بہنے لگا۔ اس پر وہ زور سے چلائی اور بے ہوش ہو گئی اور رونے لگی اور

سوداگر بھی اس کے ساتھ رونے لگا۔

سوداگر نے اپنے دل میں کہا کہ میرے اوپر فرض ہے کہ اس کو خرید لوں خواہ اس کے برابر تول کر سونا ہی کیوں نہ دینا پڑے اور اس ظالم کے پنجے سے اسے نجات دوں۔

وہ بے ہوش پڑی تھی اور سوداگر بدو کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے اپنے چہرے سے آنسو اور خون پونچھا اور اپنے سر پر پٹی باندھی اور نظر اوپر کی طرف اٹھا کر غمزدہ دل سے خدا کے سامنے دست بہ دعا ہوئی۔ جب وہ دعا مانگ چکی تو سوداگر کی طرف مخاطب ہو کر دھیمی آواز سے کہنے لگی کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتی ہوں کہ مجھے اس ظالم کے پاس مت چھوڑ جو خدا کو بھی نہیں پہچانتا۔ اگر میں آج کی رات اور اس کے پاس رہ گئی تو خودکشی کر لوں گی۔ مجھے اس سے نجات دے' خدا تجھے دوزخ کی آگ سے نجات دے گا۔ تاجر اٹھا اور بدو سے کہنے لگا کہ اے شیخ العرب' یہ تیرے مطلب کی نہیں ہے' جس قیمت میں تو چاہے اسے میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ بدو نے کہا کہ اسے لے جا اور مجھے اس کے دام دے دے ورنہ میں اسے لے جا کر اپنے خیمے میں چھوڑ آؤں گا تاکہ وہ لیدر بٹورے اور اونٹ چرائے۔ سوداگر نے کہا کہ میں تجھے پچاس ہزار دینار دوں گا۔ بدو نے کہا کہ خدا نے ابتدا تو ٹھیک کی ہے۔ سوداگر نے کہا کہ ستر ہزار دینار۔ بدو نے کہا کہ خدا اور زیادہ کرے' یہ تو سرمائے سے بھی کم ہے کیونکہ نوے ہزار دینار کی تو وہ میرے یہاں جو کی روٹی کھا چکی ہے۔ سوداگر نے کہا کہ تو اور تیرے خاندان اور قبیلے نے عمر بھر میں ایک ہزار دینار کے جو بھی نہ کھائے ہوں گے مگر میں تجھ سے آخری بات کہنا چاہتا ہوں اور اگر تو نے اسے نہ مانا تو میں دمشق کے والی سے جا کر تیری شکایت کروں گا اور وہ تجھ سے زبردستی چھین لے گا۔ بدو نے کہا کہ بول۔ سوداگر نے کہا کہ ایک لاکھ دینار۔ بدو نے کہا کہ منظور ہے اور ان داموں سے میں کم از کم نمک خرید سکوں گا۔ سوداگر یہ سن کر ہنس پڑا اور گھر جا کر دام لایا اور بدو کو دیئے۔ بدو نے دام لے کر اپنے دل میں کہا کہ اب مجھے ضرور بیت المقدس جا کر اس کے بھائی کو بھی لا کر بیچنا چاہیے۔ یہ کہہ

کر وہ سوار ہوا اور روانہ ہو گیا اور بیت المقدس پہنچ کر سرائے میں گیا اور پوچھا کہ اس کا بھائی کہاں ہے لیکن وہ نہ ملا۔ یہ تو بدو کا قصہ ہوا۔ اب سوداگر اور نزہت الزماں کا ماجرا سنئے۔ جب اس نے اسے خرید لیا تو اس کے اوپر اپنے لباس میں سے ایک کپڑا ڈال کر اسے اپنے گھر لے گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

اٹھاونویں رات

جب اٹھاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- جب سوداگر نے نزہت الزماں کو بدوی سے اپنی تحویل میں لیا تو وہ گھر گیا اور اسے نہایت نفیس کپڑے پہنائے اور اسے لے کر بازار گیا اور جو جو زیور اس نے کہا' اس کے لیے خریدا اور انہیں اطلس کے ایک بقچے میں رکھا اور نزہت الزماں کے سامنے پیش کر کے کہا کہ یہ سب تیرا ہے اور میں تجھ سے محض یہ چاہتا ہوں کہ جب میں تجھے لے کر دمشق کے والی کے پاس جاؤں تو اس سے یہ کہہ دیجیو کہ میں نے تجھے کتنے میں خریدا ہے اگرچہ وہ تیری حیثیت سے بہت کم ہے۔ جب میں اس کے پاس پہنچوں اور وہ تجھے خرید لے تو اس سے کہیو کہ میں نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور اس سے میرے لیے ایک شاہی پروانہ لے لیجیو جو میں اس کے باپ بغداد کے بادشاہ عمر بن النعمان کے پاس لے جاؤں تاکہ وہ میرے کپڑوں اور دوسری سوداگری کی چیزوں پر چنگی معاف کر دے۔ جب لڑکی نے یہ باتیں سنیں تو وہ رونے اور چلانے لگی۔ سوداگر نے کہا کہ اے میری آقا' میں دیکھتا ہوں کہ جونہی میں نے بغداد کا ذکر کیا' تیری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ کیا وہاں کوئی شخص ہے جس سے تجھے محبت ہے' بتا کہ وہ سوداگر ہے یا کوئی اور۔ کیونکہ میں وہاں کے تمام سوداگروں وغیرہ کو جانتا ہوں اور اگر تجھے کوئی خط بھیجنا ہو تو میں پہنچا دوں گا۔ لڑکی نے کہا کہ میں وہاں کسی سوداگر وغیرہ کو نہیں جانتی بلکہ بغداد کے بادشاہ عمر بن النعمان کو جانتی ہوں۔ سوداگر یہ بات سن کر ہنس پڑا اور بہت خوش ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا کی قسم' میری مراد بھر آئی! پھر اس نے لڑکی سے کہا کہ کیا تو کبھی اس کے سامنے پیش کی گئی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں' بلکہ میں نے اور اس کی بیٹی نے ساتھ ساتھ تربیت پائی ہے اور وہ مجھے بہت عزیز رکھتا اور میری بڑی عزت کرتا تھا۔ اگر تو چاہتا ہے کہ بادشاہ عمر

بن النعمان تیری خواہش کے مطابق تجھے پروانہ دے دے تو قلم دوات لا' تجھے میں خط لکھ دوں گی۔ جب تو بغداد پہنچیو تو محض بادشاہ کے ہاتھ میں یہ خط دیجیو اور اس سے کہیو کہ تیری لونڈی نزہت الزماں کو لیل و نہار کی گردش نے ذلیل کر دیا ہے حتیٰ کہ وہ ایک کے ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ بک رہی ہے اور وہ تجھے سلام بھیجتی ہے اور اگر وہ پوچھے کہ میں کہاں ہوں تو کہیو کہ دمشق کے والی کے پاس ہوں۔

سوداگر کو اس کی شیریں بیانی پر تعجب ہوا اور اس کی محبت اس کے دل میں بیٹھ گئی اور وہ کہنے لگا کہ میرا گمان ہے کہ لوگوں نے تیری عقل اور دانش سے فائدہ اٹھانا چاہا ہے اور دولت حاصل کرنے کے لیے تجھے بیچا ہے۔ کیا تجھے قرآن حفظ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں اور میں حکمت اور طب میں مقدمتہ المعرفہ اور جالینوس حکیم کی شرح فصول بقراط سے واقف ہوں اور میں نے خود بھی اس کی شرح لکھی ہے۔ میں نے تذکرہ پڑھا ہے اور برہان کی شرح لکھی ہے۔ مفردات ابن البیطار کا مطالعہ کیا ہے اور ابن سینا کے قانون پر مباحثہ کیا ہے اور اس کے رموز حل کئے ہیں اور مشکل باتوں کی تشریح کی ہے اور پیائش کے علم پر مباحثہ کیا ہے اور تشریح الابدان میں کمال حاصل کیا ہے اور شافعی مذہب کی کتابیں پڑھی ہیں اور حدیث اور نحو پر عبور ہے اور ہر علم میں مناظرہ کیا ہے۔ منطق اور بیان اور حساب اور زائچے میں کتابیں تصنیف کی ہیں اور روحانی علوم اور صوم و الصلوہ کے اوقات سے واقف ہوں اور ان تمام علوم میں کافی دسترس ہے۔ اس کے بعد اس نے سوداگر سے کہا کہ قلم دوات لا تاکہ میں تیرے لیے ایک تحریر لکھ دوں جو تجھے سفر میں کام دے اور جس کی وجہ سے تجھے اور کسی راہداری کے پروانے کی ضرورت نہ پڑے۔

جب سوداگر نے اس کی باتیں سنیں تو واہ واہ چلا اٹھا اور کہنے لگا کہ کیسا خوش قسمت ہے وہ شخص جس کے محل میں تو ہو۔ یہ کہہ کر وہ دوات اور کاغذ اور پیتل کا قلم لایا اور اس کے سامنے پیش کر کے زمین کو تعظیماً چوما اور نزہت الزماں نے کاغذ اٹھایا

اور قلم لے کر لکھنا شروع کر دیا۔ جب وہ چند اشعار لکھ چکی تو اس کے بعد یہ لکھا کہ یہ اس کا کلام ہے جس کو تفکرات نے ہلاک کر دیا اور بیداری نے گھلا دیا اور اس پر ظلم کیا ہے۔ اسے کوئی روشنی نہیں دکھائی دیتی اور رات اور دن میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ وہ جدائی کی خواب گاہ میں کروٹیں بدلتی اور آنکھوں میں بیداری کا سرمہ لگاتی ہے۔ ستاروں کی پاسبانی کرتی اور تاریکی کا ساتھ دیتی ہے۔ فکر اور کمزوری نے اسے گھلا دیا ہے اور اس کی تشریح بہت طول طویل ہے اور سوائے آنسوؤں کے اس کا کوئی رفیق نہیں۔" اس کے بعد وہ رونے لگی اور آنسو جاری ہو گئے۔ پھر اس نے خط کے پائیں میں لکھا کہ "یہ اس کا خط ہے جو خاندان اور وطن سے دور پڑی ہے اور جس کا دل غم زدہ ہے۔ یعنی نزہت الزماں۔"

اس کے بعد اس نے خط لپیٹ کر سوداگر کو دے دیا۔ سوداگر نے اسے لے کر بوسہ دیا اور اس کا مضمون پڑھ کر خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے تیری تصویر بنائی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• انسٹھ ویں رات

جب انسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ نزہت الزماں نے خط لکھ کر سوداگر کو دیا۔ اس نے لے لیا اور پڑھا اور مضمون سے واقف ہوا اور کہنے لگا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے تیرا نقشہ کھینچا۔ اب وہ اس کا احترام اور زیادہ کرنے لگا اور دن بھر اس کے ساتھ نرمی سے پیش آتا۔ جب رات ہوئی تو وہ بازار گیا اور کچھ کھانا لا کر اسے کھلایا۔ پھر اسے حمام لے گیا اور ایک غسالہ کو اس کے لیے لایا اور اس سے کہنے لگا کہ جب تو اس کا سر دھلانے سے فارغ ہو جائیو تو اسے کپڑے پہنائیو اور مجھے خبر کیجیو۔ غسالہ نے کہا کہ بسر و چشم۔ اب وہ جا کر کھانا اور میوے اور موم بتیاں لایا اور یہ سب حمام کی چوکی پر رکھ دیا۔ جب غسالہ اسے نہلا چکی تو اسے کپڑے پہنائے اور وہ حمام سے نکل کر چوکی پر بیٹھ گئی اور غسالہ کو بھیجا کہ سوداگر کو خبر کر دے اور دیکھا کہ دسترخوان حاضر ہے اور اس نے اور غسالہ نے مل کر کھانا اور میوے کھائے اور جو باقی بچ رہا وہ نہلانے والے اور حمام کے چوکیدار کو دے دیا۔ اس کے بعد وہ سو گئی اور سوداگر اس سے دور دوسری جگہ جا کر سو رہا۔ جب وہ سو کر اٹھا تو اس نے نزہت الزماں کو جگایا اور ایک نفیس قمیض اسے پیش کش کی اور ایک کوفی دوپٹہ جو اس نے ایک ہزار دینار میں خریدا تھا اور ایک زرکش ترکی جوڑا اور سرخ سونے کے زرکش موزے جس میں موتی اور جواہرات ٹکے ہوئے تھے' اور اس کے کان میں موتی جڑی ہوئی بالیاں پہنائیں جن کی قیمت ایک ہزار دینار تھی اور اس کی گردن میں ایک سونے کی ہنسلی پہنائی جو اس کے سینے کے دونوں اناروں کے درمیان پہنچتی تھی اور ایک ہار عنبر کا جو اس کے سینے اور ناف کے درمیان تک پہنچتا تھا۔ اس ہار میں دس قمقمے اور نو ہلال تھے اور ہر ہلال کے بیچ میں یاقوت کا ایک ایک نگینہ اور ہر قمقمے میں بلخش تھا۔ اس ہار کی قیمت تین ہزار دینار تھی اور ہر قمقمہ

بیس ہزار درہم کا تھا۔
الغرض اس کی ساری پوشاک اور زیور کی قیمت بے حساب تھی۔ جب وہ کپڑے اور زیور پہن چکی تو سوداگر نے کہا کہ سنگار کر اور اس نے بہترین سنگار کیا اور اپنی آنکھوں پر ایک جالی ڈالی اور چل دی اور سوداگر آگے آگے چلتا تھا۔ جب لوگ اس کو دیکھتے تو اس کے حسن و جمال پر مبہوت ہو کر رہ جاتے اور کہتے کہ تبارک اللہ احسن الخالقین! کیسا بختاور ہے وہ شخص جس کے پاس یہ لڑکی ہے! سوداگر آگے آگے چلا جاتا تھا اور لڑکی پیچھے پیچھے یہاں تک کہ وہ شہزادے شرکان کے پاس پہنچ گئے۔ جب سوداگر شہزادے کے سامنے آیا تو اس نے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ اے نیک سیرت بادشاہ' میں تیرے لیے ایک ہدیہ لایا ہوں' جس کے اوصاف عجیب و غریب ہیں اور جس کی مثال ناپید ہے اور جس میں ظاہر اور باطنی خوبیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ شہزادے نے کہا کہ اسے لا تاکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ سوداگر باہر جا کر اسے اپنے پیچھے پیچھے لے آیا اور لا کر شہزادے شرکان کے سامنے کھڑا کر دیا۔ جب اس نے لڑکی کو دیکھا تو خون کو خون کی طرف کشش ہوئی۔ وہ اس وقت بچہ تھی جب شرکان اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا اور اس نے اسے نہ دیکھا تھا' کیونکہ اس کی پیدائش کے بعد اسے اس بات کا علم ہوا تھا کہ اس کی ایک بہن ہے' جس کا نام نزہت الزماں ہے اور ایک بھائی ہے جس کا نام ضوء المکان ہے اور حکومت کی خاطر وہ اس سے بغض رکھتا ہے یہی سبب تھا کہ وہ ان سے واقف نہ تھا۔
جب سوداگر نے لڑکی کو اس کے سامنے پیش کیا تو وہ کہنے لگا کہ جہاں پناہ' علاوہ اس کے کہ وہ اتنی حسین ہے کہ آج اس کی نظیر دنیا میں نہیں وہ تمام دینی اور دنیوی اور سیاسی اور ریاضی علوم میں ماہر ہے۔ شہزادے نے سوداگر سے کہا کہ جتنے میں تو نے اسے خریدا ہے' اتنی قیمت مجھ سے لے لے اور اسے یہاں چھوڑ جا۔ اس نے کہا کہ بسر و چشم' لیکن مجھے ایک پروانہ لکھ دے کہ میری تجارت کا دسواں حصہ نہ لیا جائے۔ شہزادے نے کہا کہ یہ تو ظاہر ہے لیکن یہ بتا کہ تو نے اس کی کتنی قیمت

تول کر دی ہے۔ سوداگر نے جواب دیا کہ ایک لاکھ دینار اور ایک لاکھ دینار کے اس کے کپڑے اور زیور ہیں۔ جب شہزادے نے یہ سنا تو کہنے لگا کہ میں اس سے زیادہ تجھے دوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے خزانچی کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ اس سوداگر کو تین لاکھ بیس ہزار دینار دے دے تاکہ اس کو ایک لاکھ بیس ہزار دینار کا فائدہ ہو۔ اب شہزادہ شرکان نے چارہ گواہوں کو طلب کر کے اس کے سامنے سوداگر کو دام دے دیئے اور گواہوں سے کہنے لگا کہ میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس کنیز کو آزاد کیا اور میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر گواہوں نے آزادی کا پروانہ لکھ دیا اور اس کے بعد نکاح نامہ۔ اب شہزادے نے حاضرین کے سر سے بہت سی اشرفیاں نچھاور کیں اور جو وہ نچھاور کرتا جاتا غلام اور نوکر اس کو اٹھاتے جاتے۔ سوداگر کو مال دینے کے بعد شہزادے شرکان نے حکم دیا کہ اسے ایک پروانہ دے دیا جائے کہ اس کی تجارت پر نہ دسواں حصہ لیا جائے اور نہ چنگی اور سارے ملک میں اسے کوئی شخص نقصان نہ پہنچائے۔ اس کے بعد اس نے سوداگر کو ایک قیمتی خلعت عطا کی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پوری ساٹھویں رات

جب پوری ساٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ...... شہزادہ شرکان نے سوداگر کو مال دینے کے بعد تحریراً ایک غیر متعین وقت کے لیے پروانہ دے دیا کہ وہ اپنی تجارت کا دسواں حصہ نہ دے اور ملک میں اسے کوئی شخص اذیت نہ پہنچائے اور اسے ایک قیمتی خلعت عطا کی۔ اس کے بعد سب حاضرین وہاں سے چلے گئے اور سوائے گواہوں اور سوداگر کے کوئی باقی نہ رہا۔ شرکان نے گواہوں سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اس لڑکی کی گفتگو علم اور آداب کے متعلق سنو جس کا دعویٰ اس سوداگر نے کیا ہے تاکہ اس کی سچائی ظاہر ہو جائے۔ انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ شرکان نے حکم دیا کہ میرے اور میرے ساتھیوں اور اس لڑکی اور اس کی ساتھیوں کے درمیان پردہ ڈال دیا جائے۔ پردے کے پیچھے تمام عورتیں جو لڑکی کے ساتھ تھیں' اسے مبارک باد دینے اور اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگیں کیونکہ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ وہ شہزادے کی بیوی ہو چکی ہے۔ اب وہ سب لڑکی کے گرد جمع ہو گئیں اور اس کے کپڑے اتار کر اسے بوجھ سے ہلکا کیا اور اس کے حسن و جمال کو دیکھنے لگیں۔ اب امرا اور وزرا کی بیویوں کو خبر ہوئی کہ شہزادہ شرکان نے ایک ایسی کنیز کو خریدا ہے' جس کا جواب خوبصورتی اور علم و حکمت اور حساب دانی میں نہیں اور جو تمام علوم میں ماہر ہے اور جس کی قیمت اس نے تین لاکھ بیس ہزار دینار تول کر دیئے ہیں اور اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح نامہ لکھوا لیا ہے اور چاروں گواہوں کو اس کے امتحان کے لیے طلب کیا ہے تاکہ وہ اس کے سوالوں کا جواب دے اور وہ اس سے مناظرہ کریں۔ اس پر ان عورتوں نے اپنے اپنے شوہروں سے اجازت لی اور اس محل میں گئیں جہاں نزہت الزماں تھی۔ جب وہ وہاں پہنچیں تو انہوں نے دیکھا کہ نوکر چاکر ہاتھ باندھے اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ جب اس نے وزرا اور امرا

کی اور اراکین کی بیویوں کو اپنے پاس آتے دیکھا تو وہ کھڑی ہو گئی اور ان کا خیر مقدم کیا اور کنیزیں اس کے پیچھے تھیں اور وہ عورتوں کو مرحبا کہتی جاتی اور ان کے سامنے مسکراتی جاتی تھی۔ اس طرح اس نے ان کے دلوں پر قبضہ کر لیا اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا وعدہ کیا اور ان کو درجہ بدرجہ بٹھایا گویا کہ اس کی تربیت ان کے ساتھ ہوئی تھی۔

حسن و جمال کے ساتھ اس کی عقل اور آداب دانی پر عورتوں کو بڑا تعجب ہوا اور وہ ایک دوسرے سے کہنے لگیں کہ یہ تو کنیز نہیں معلوم ہوتی بلکہ کسی بادشاہ کی بیٹی شہزادی ہے۔ اب وہ اس کی تعظیم کرتی ہوئی بیٹھ گئیں اور اس سے کہنے لگیں کہ اے ہماری آقا' تیری وجہ سے ہمارا شہر نورانی ہو گیا اور تو نے ہمارے ملک اور مکانوں اور وطنوں اور حکومت کو شرف بخشا۔ یہ ملک تیرا ملک اور یہ محل تیرا محل ہے اور ہم سب تیری لونڈیاں ہیں۔ ہمیں اپنے احسانات اور اپنے حسن کے دیدار سے محروم نہ کیجیو۔ لڑکی نے اس پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ یہ ساری باتیں ہو رہی تھیں اور پردے کے ایک طرف اور اس کے ساتھ کی بیویاں تھیں اور دوسری طرف شرکان اور چاروں گواہ اور وہ سوداگر اور وہ سب شہزادے کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اب شہزادہ شرکان نے لڑکی کو آواز دی کہ اے عالی قدر ملکہ' یہ سوداگر تیرے علم اور ادب کی تعریف کرتا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ تو ہر فن مولیٰ ہے حتیٰ کہ نجوم میں بھی دسترس رکھتی ہے لہٰذا جو کچھ تو نے اس سوداگر سے بیان کیا ہے' اس میں سے کچھ ہمیں بھی سنا اور ہر ایک میں سے تھوڑا تھوڑا بیان کر۔

جب اس نے یہ سنا تو کہنے لگی کہ بسر و چشم' اے بادشاہ! اس میں سب سے پہلا باب سیاست اور ملکی آداب کا ہے اور اس بات کا کہ شرعی حاکموں کے لیے کن باتوں کی ضرورت ہے اور اچھے اخلاق سے پہلے ان پر کیا چیز لازم ہے۔ سن' اے بادشاہ' اخلاق کی خوبیاں دین اور دنیا کا مجموعہ ہیں۔ بغیر دنیا کے توسط سے کسی شخص کی رسائی دین

تک نہیں ہوتی کیونکہ وہ آخرت کا بہترین راستہ ہے اور دنیا کا کام بغیر دنیا والوں کے افعال کے، منتظم نہیں ہوتا اور انسان کا فعل چار حصوں پر منقسم ہے: حکومت اور تجارت

اور زراعت اور صناعت، حکومت کے لیے مکمل سیاست اور سچی فراست کی ضرورت ہے کیونکہ حکومت کا دارومدار ہے دنیا کے معمور ہونے پر جو کہ آخرت کا راستہ ہے۔ خدا نے دنیا کو اپنے بندوں کے لیے اس طرح بنایا ہے جیسے کہ مقصد تک پہنچنے کے لیے مسافر کے واسطے راہ کا کھانا پینا۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ دنیا سے محض اتنا لے کہ وہ اسے خدا تک پہنچا دے، نہ اتنا جتنا کہ اس کے نفس کی خواہش کا مقتضا ہے۔ اگر لوگ دنیا کو انصاف سے تقسیم کریں تو سارا جھگڑا مٹ جائے لیکن وہ اس کو ظلم اور ہوا و ہوس کی بنا پر تقسیم کرتے ہیں اور اس انہماک کی وجہ سے دشمنی پیدا ہوتی ہے اور ان کو حاکم کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ ان کے درمیان انصاف کرے اور ان کے معاملات کو سنبھالے۔ اگر بادشاہ لوگوں کو روکے نہ رکھیں تو قوی ضعیف کو دبا ڈالے۔ اردشیر نے کہا ہے کہ دین اور ملک جڑواں اولاد ہیں۔ دین خزانہ ہے اور ملک خزانچی۔ تمام شریعتیں اور عقل اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ لوگوں پر لازم ہے کہ ان کا ایک بادشاہ ہو جو مظلوم کو ظالم سے بچائے اور قوی کے مقابلے میں کمزور کے ساتھ انصاف کرے اور ظالم اور باغی کی روک تھام رکھے۔

اے بادشاہ، سن، زمانے کا دارومدار بادشاہ کے نیک چال چلن پر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان میں دو چیزیں ہیں۔ اگر وہ ٹھیک ہیں تو لوگ ٹھیک ہو جاتے ہیں اور اگر وہ بگڑ جائیں تو لوگ بگڑ جاتے ہیں: علماء اور امراء۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ بادشاہ تین طرح کے ہوتے ہیں: دین کا بادشاہ اور حلال و حرام کی محافظت کا بادشاہ اور اپنی ہوا و ہوس کا بادشاہ۔ دین کا بادشاہ اپنی رعیت کو ان کے دین کی پیروی پر مجبور کرتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ خود سب سے زیادہ دین دار ہو کیونکہ لوگ دین کے معاملے میں اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ

جو کچھ شرعی احکام کی بنا پر حکم دے' اسے لوگ مانیں۔ علاوہ اس کے اس کو چاہیے
کہ راضی اور ناراض میں فرق نہ کرے کیونکہ اسے قسمت کو تسلیم کرنا پڑے گا۔
حلال و حرام کی محافظت کا بادشاہ دین و دنیا کے معاملات کا حاکم ہوتا ہے اور وہ لوگوں
کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ شرع کی پیروی اور انسانی حقوق کی محافظت کریں۔
اس کو قلم اور تلوار دونوں پر حاوی ہونا چاہیے۔ جو شخص قلم کی تحریر کو نہیں مانتا اس
کا قدم ڈگمگانے لگتا ہے۔ بادشاہ کو چاہیے کہ تلوار کی دھار سے اس کا ٹیڑھا پن نکالے
اور تمام لوگوں میں انصاف کا دور دورہ کرے۔
اب رہا اپنے ہوا و ہوس کا بادشاہ۔ سوائے نفس پرستی کے' اس کا کوئی دین نہیں۔ وہ
اپنے خدا سے' جس نے اسے بادشاہ بنایا ہے' نہیں ڈرتا۔ اس لیے اس کی حکومت روبہ
انحطاط ہوتی ہے اور اس کے غرور کا نتیجہ تباہی۔ حکیموں کا قول ہے کہ بادشاہ کو بہت
سے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے مگر ان سب کو محض ایک کی۔ اس لیے ضرورت ہے
کہ وہ ان کی عادتوں سے واقف ہو تاکہ وہ ان کے اختلاف کو موافقت سے بدل دے
اور سب کے ساتھ انصاف سے پیش آئے اور اپنے احسان سے انہیں مالا مال کر دے۔
اے بادشاہ' سن' اردشیر کو لوگوں نے تیز انگارے کا لقب دیا ہے اور وہ فارس کے بادشاہوں
میں سے تیسرا بادشاہ ہے جو تمام اقلیموں کا مالک تھا اور اس نے انہیں چار حصوں میں
تقسیم کیا تھا اور اس وجہ سے اس نے چار مہریں بنوائی تھیں' ہر قسم کے لیے ایک
جدا مہر۔

پہلی مہر سمندر اور پولیس اور مدافعت کی تھی اور اس کے اوپر کندہ تھا ------ نیابت

دوسری مہر خراج اور مال کے ادخال کی تھی اور اس پر کندہ تھا ------ عمارت

تیسری مہر کھانے پینے کے سامان کی تھی' اس پر کندہ تھا ------ ارزانی

چوتھی مظالم کی مہر تھی اس پر کندہ تھا ------ انصاف

یہ دستور فارس میں اسلام کے آنے تک قائم رہا۔ کسریٰ نے اپنے بیٹے کو جب کہ
وہ لشکر کشی کر رہا تھا' لکھا تھا کہ اپنے لشکر کو بہت زیادہ مت دے کیونکہ اس کی

وجہ سے وہ تجھ سے مستغنی ہو جائیں گے۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• اکسٹھویں رات

جب اکسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ کسریٰ نے اپنے بیٹے کو لکھا کہ اپنے لشکر کو بہت مت دے ورنہ وہ تجھ سے مستغنی ہو جائیں گے اور نہ ان کے ساتھ کنجوسی کر' ورنہ تیری شکایت کریں گے۔ سوچ سمجھ کر ان کے ساتھ بخشش کر اور بغیر احسان رکھے ان کو دے۔ ارزانی کے وقت ان کو زیادہ دے اور گرانی کے وقت ان پر تنگی مت کر۔ کہتے ہیں کہ ایک بدو' خلیفہ منصور کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اپنے کتے کو بھوکا رکھ تا کہ وہ تیرے پیچھے پیچھے آئے۔ جب منصور نے یہ سنا تو اسے بدو پر غصہ آیا۔ ابوالعباس ملوسی کہنے لگا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسرا اسے روٹی کا ٹکڑا دکھا کر اپنے پیچھے کر لے اور کتا تیرا ساتھ چھوڑ دے۔ اس پر منصور کا غصہ جاتا رہا اور وہ سمجھ گیا کہ اسے بدو کی بات کا برا نہ ماننا چاہیے اور اسے انعام دیا اور اے بادشاہ' سن' جب عبدالملک بن مروان نے اپنے بھائی عبدالعزیز کو مصر بھیجا تو اسے ایک خط میں یہ لکھا کہ اپنے کاتبوں اور حاجبوں کا خیال رکھ کیونکہ کاتب تجھے تیرے حقوق کی خبر دیتے رہتے ہیں اور حاجب رسم اور دستور کی۔ اور جو شخص تجھ سے دور ہے' وہ تجھے تیری فوج کی خبر دے گا۔ جب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی نوکر رکھتے تو اس سے چار شرطیں طے کر لیتے۔ اول یہ کہ وہ لادو جانوروں پر سواری نہ کرے' دوم یہ کہ وہ مہین کپڑا نہ پہنے' سوم یہ کہ وہ لوٹا ہوا مال نہ کھائے اور چہارم یہ کہ نماز وقت سے' دیر کر کے نہ پڑھے۔ مثل ہے کہ کوئی مال عقل سے زیادہ کھرا نہیں اور کوئی عقل تدبیر اور سمجھ سے بڑھ کر نہیں اور کوئی سمجھ تقویٰ کے برابر نہیں اور کوئی خدائی تقرب کا ذریعہ' نیک اخلاق سے زیادہ نہیں اور کوئی میزان' ادب سے بڑھ کر نہیں اور کامیابی سے بڑھ کر کوئی فائدہ نہیں اور نیک عمل کے مانند کوئی دوسری تجارت نہیں اور خدا کے ثواب کی طرح کوئی

اور فائدہ نہیں اور سنت کی حدوں پر قائم رہنے کی طرح کوئی اور پرہیزگاری نہیں اور غور و فکر سے بڑھ کر کوئی علم نہیں اور فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں اور حیا کے برابر کوئی ایمان نہیں اور تواضع سے زیادہ کوئی حسب نسب نہیں اور علم کے مقابلے میں کوئی اور شرف نہیں۔ لہٰذا اپنے دماغ اور خیالات کی حفاظت کر اور اپنے پیٹ اور کھانے سے خبردار رہ اور موت اور مصیبت کو مت بھول۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کی خباثت سے بچو اور ان سے ہمیشہ ڈرتے رہو اور کسی بات میں ان سے مشورہ مت کرو اور ان کے ساتھ بھلائی میں کوتاہی مت کرو تاکہ ان کو دغا بازی کا خیال نہ آئے۔ انہیں کا یہ بھی مقولہ ہے کہ جس نے میانہ روی کو ترک کیا' اس کی عقل زائل ہو گئی اور اس کے اور اصول بھی ہیں جن کو اگر خدا نے چاہا تو میں پھر بیان کروں گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عورتیں تین قسم کی ہوتی ہیں: ایک دین دار عورت' خدا سے ڈرنے والی بہت پیار کرنے والی اور اولاد پیدا کرنے والی۔ یہ زمانے کے مقابلے میں اپنے شوہر کا ساتھ دیتی ہے اور شوہر کے مقابلے میں زمانے کا ساتھ نہیں دیتی۔ دوسری' وہ جس کی خواہش محض اولاد کی خاطر کی جاتی ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ تیسری' ایک طوق ہے جس کو خدا جس کی گردن میں چاہتا ہے' ڈال دیتا ہے اور مرد بھی تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو اپنی سمجھ سے کام لیتا ہے' جب اس کے سامنے کوئی رائے پیش کی جاتی ہے۔ دوسرا اس سے زیادہ سمجھ دار ہے اور وہ شخص ہے کہ اگر اسے کوئی امر درپیش آئے اور اس کا انجام اس کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ عقلمند لوگوں کے پاس جاتا ہے اور ان کی رائے پر چلتا ہے۔ تیسرا مخبوط ہے جس کو نہ تو خود سیدھا راستہ معلوم ہوتا ہے نہ راہبر کی اطاعت کرتا ہے۔

دوسرا باب عدل ہے اور اس کا ہر چیز میں ہونا لازمی ہے حتیٰ کہ کنیزوں کو بھی عدل کی ضرورت ہے۔ اس کے متعلق ڈاکوؤں کا حال بطور مثال کے پیش کیا جاتا ہے جن کی زندگی کا دارومدار ہی لوگوں کے ساتھ ظلم کرنے پر ہے۔ اگر وہ آپس میں انصاف

نہ کریں اور حصہ بخرا کرنے میں عدل سے کام نہ لیں تو ان کا سارا نظام بگڑ جائے۔

منجملہ ان کے اور سب سے بڑھ کر درجے والا کریم اور نیک خلق ہے۔ اس کے بعد نزہت الزماں بادشاہوں کی سیاست پر دیر تک تقریر کرتی رہی یہاں تک کہ حاضرین سے رہا نہ گیا اور کہنے لگے کہ ہم نے آج تک اس لڑکی کی طرح کسی کو سیاست کے بارے میں تقریر کرتے نہیں سنا۔ امید ہے کہ وہ ہمیں اب کچھ اور سنائے گی۔

جب نزہت الزماں نے ان کی باتیں سنیں اور اس کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں تو وہ کہنے لگی کہ دوسرا باب آداب کا ہے اور اس میں بہت گنجائش ہے کیونکہ وہ تمام کمالات کو مجمع ہے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ معاویہ کے پاس اس کے ندیموں میں سے ایک شخص آیا اور عراق والوں اور ان کی سمجھ داری کا ذکر کرنے لگا اور اس کی بیوی میسون یزید کی ماں ان کی باتیں سن رہی تھی۔ جب وہ چلا گیا تو میسون نے کہا کہ اے امیرالمومنین' میں چاہتی ہوں کہ تو عراقیوں میں سے بعض لوگوں کو بلائے تاکہ وہ تجھ سے گفتگو کریں اور ان کی باتیں سنوں۔ معاویہ نے لوگوں سے کہا کہ دیکھو دروازے پر اس وقت کون ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ بنو تمیم کے قبیلے کے لوگ۔ اس نے کہا کہ اندر بلا لاؤ اور وہ اندر آئے اور ان کے ساتھ احنف بن قیس تھا۔ معاویہ نے اس سے کہا کہ میرے قریب آ' اے ابو بحر اور دونوں کے درمیان پردہ ڈال دیا۔ اس طرح سے کہ میسون ان دونوں کی باتیں سن سکے۔ معاویہ نے کہا کہ تیرا مشورہ میرے لیے کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مانگ نکال اور مونچھوں کو چھوٹا کر اور ناخن کٹوا اور بغل کے بال نوچ اور ناف کے نیچے کے بال مونڈ اور ہمیشہ مسواک کیا کر کیونکہ اس میں بہتر فضیلتیں ہیں اور جمعے کے دن نہانے سے دونوں جمعوں کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• باسٹھویں رات

جب باسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ احنف بن قیس نے معاویہ سے کہا کہ ہمیشہ مسواک کیا کر۔ کیونکہ اس میں بہتر فضیلتیں اور جمعے کا نہانا دنوں جمعوں کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ معاویہ نے کہا کہ تیرا مشورہ خود اپنے متعلق کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں زمین پر اپنے پاؤں کے بل چلوں اور انہیں آہستہ آہستہ اٹھاؤں اور ان کو خود اپنی آنکھ سے دیکھوں۔ معاویہ نے کہا کہ جب تو اپنی قوم میں سوائے سرداروں کے کسی اور سے ملتا ہے تو کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں حیا سے سر نیچا کر لیتا ہوں اور خود پہلے سلام کرتا ہوں اور جس بات سے میری کوئی غرض نہیں ہوتی' اس کا ذکر نہیں کرتا اور باتیں کم کرتا ہوں۔ معاویہ نے کہا کہ اور اگر تو اپنے برابر والے کے پاس جاتا ہے تو کیا کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب وہ کچھ کہتے ہیں تو میں کان لگا کر سنتا ہوں اور اگر وہ سخت کلامی کرتے ہیں تو میں سخت کلامی نہیں کرتا۔

پھر معاویہ نے کہا کہ اگر اپنے سرداروں کے پاس جاتا ہے تو کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ بغیر ان کی طرف سے اشارے کے' سلام کرتا ہوں اور جواب کا انتظار کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنے قریب بلاتے ہیں تو میں ان کے قریب جاتا ہوں اور اگر وہ مجھے دور رکھنا چاہتے ہیں تو میں ان سے دور رہتا ہوں۔ پھر معاویہ نے پوچھا کہ تو اپنی بیوی کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ اے امیرالمومنین' اس سے مجھے معاف رکھ۔ معاویہ نے کہا کہ تیرے سر کی قسم' ضرور بتا۔ اس نے کہا کہ میں اس کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتا ہوں اور محبت کر اظہار کرتا ہوں اور نان نفقے میں فراخ دلی سے کام لیتا ہوں' کیونکہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ معاویہ نے کہا کہ جب تو اس سے مجامعت کرنا چاہتا ہے تو تیرا کیا سلوک ہوتا ہے؟ اس نے کہا

کہ میں اس سے باتیں کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ وہ راضی ہو جائے اور اس کے بوسے لیتا ہوں یہاں تک کہ وہ خوشی سے پھول جائے۔ پھر اگر اس کی حالت وہ ہو جاتی ہے جو تو جانتا ہے تو میں اسے چت لٹا دیتا ہوں۔ اگر اس کے رحم میں نطفہ قرار پا جاتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ خداوند اس کو مبارک بنائیو اور شقی نہ کیجیو اور اس کی خوب صورت کیجیو۔ پھر میں اٹھ کر وضو کرتا ہوں اور پہلے ہاتھوں پر پھر جسم پر پانی بہاتا ہوں۔ اس کے بعد میں اس نعمت پر جو خدا نے مجھے عطا کی ہے شکر کرتا ہوں۔

اس پر معاویہ نے کہا کہ تو نے خوب جواب دیا۔ مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں یہ مانگتا ہوں کہ رعیت کے معاملے میں خدا سے ڈر اور ان کے ساتھ پورا پورا انصاف کر۔ یہ کہہ کر وہ معاویہ کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا۔ جب وہ چلا گیا تو میسون نے کہا کہ اگر عراق میں اس کے سوا اور کوئی نہ ہو تو کافی ہے۔ اب نزہت الزماں کہنے لگی کہ یہ باب الادب کا ایک تھوڑا سا حصہ ہے اور اے بادشاہ' سن کر عمر بن الخطاب کی خلافت میں معیقب' المال کا خزانچی تھا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تریسٹھ ویں رات

جب تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ نزہت الزماں نے کہا کہ اے بادشاہ' سن معیقب' بن عمر بن الخطاب کی خلافت میں بیت المال کا خزانچی تھا۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ اس کی نظر عمر کے بیٹے پر پڑی اور اس نے اسے بیت المال میں سے ایک درہم نکال کر دے دیا۔ معیقب کہتا ہے کہ اس کو درہم دے کر میں گھر چلا گیا اور وہاں بیٹھا ہی تھا کہ عمر کا پیادہ آ پہنچا۔ میں خیر مقدم کر کے اس کی طرف متوجہ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ درہم اس کے ہاتھ میں ہے اور اس نے مجھ سے کہا کہ افسوس ہے تجھ پر' اے معیقب' مجھے تیرے دل میں کھوٹ معلوم ہوتا ہے' میں نے پوچھا کہ وہ کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اس درہم کے بارے میں قیامت کے دن تجھ میں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں جھگڑا ہو گا۔

عمر نے ایک بار ابو موسیٰ اشعری کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: جب تجھے میرا خط ملے تو لوگوں کا حق ادا کر کے جو باقی رہے' میرے پاس بھیج دیجیو۔ اس نے اس کی تعمیل کی۔ جب عثمان خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی ابو موسیٰ کو اسی مضمون کا خط لکھا اور اس کی بھی تعمیل کی گئی اور زیاد اس کے ساتھ آیا۔ جب خراج کا مال عثمان کے سامنے رکھا گیا تو ان کے بیٹے نے آکر اس میں سے ایک درہم لے لیا۔ اس پر زیاد رونے لگا۔ عثمان نے پوچھا کہ تو کیوں روتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک بار میں عمر کے پاس بھی اسی طرح آیا تھا اور ان کے بیٹے نے ایک درہم اٹھا لیا تھا تو انہوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ وہ اس سے چھین لیا جائے۔ آج تیرے بیٹے نے بھی وہی کیا اور چھین لینا تو درکنار میں یہ بھی نہیں دیکھتا ہوں کہ کوئی اسے کچھ کہے۔ عثمان نے جواب دیا کہ عمر کی طرح اب لوگ ہیں کہاں!

زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا کہ میں ایک رات عمر کے ساتھ نکلا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد ہم نے دور سے آگ جلتی ہوئی دیکھی۔ عمر نے کہا کہ اے اسلم' غالباً وہاں سوار ہیں' جنہیں سردی لگ رہی ہے۔ چل' ان کے پاس چلیں۔ جب ہم دونوں وہاں پہنچے تو دیکھا' وہاں ایک عورت ہے اور ایک دیگچی آگ پر چڑھی ہوئی ہے اور دو بچے رو رہے ہیں۔ عمر نے کہا کہ السلام علیکم' اے روشنی والو' مگر آگ والو کہنا پسند نہ کیا' تمہارا کیا حال کہ یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟ عورت نے جواب دیا کہ بھوک سے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ دیگچی کیسی ہے؟ اس نے کہا کہ اسے دکھا کر بچوں کو تسلی دیتی ہوں اور قیامت کے دن خدا عمر بن الخطاب سے ان کے متعلق جواب طلب کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ عمر کو ان کے حال کی کیا خبر! عورت نے کہا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس نے لوگوں کی ذمہ داری لی ہے اور ان کے حالات سے غافل ہے! اسلم کہتا ہے کہ عمر نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ چل اور ہم تیز تیز چلنے لگے یہاں تک کہ دار الصرف پہنچے۔ وہاں سے انہوں نے ایک بوری آٹا لیا اور ایک برتن میں روغن اور مجھ سے کہنے لگے کہ یہ میرے اوپر لاد دے۔ میں نے کہا کہ تیرے عوض انہیں میں لے چلتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ کیا تو قیامت کے دن بھی میرے بوجھ اٹھائے گا! یہ سن کر میں نے وہ بوجھ ان کے اوپر لاد دیا اور ہم دوڑے یہاں تک کہ ہم نے وہ بوری اس عورت کے پاس لا کر کھڑی کر دی۔ پھر انہوں نے اس میں سے آٹا نکالا اور عورت سے کہنے لگے کہ یہ کام مجھے کرنے دے اور وہ خود دیگچی کے نیچے آگ پھونکتے جاتے تھے اور چونکہ ان کی داڑھی بڑھی تھی اس میں سے دھواں نکلتا دکھائی دیتا تھا۔ جب وہ پک چکا تو انہوں نے روغن نکال کر اس میں ڈالا اور اس سے کہا کہ بچوں کو کھلاؤ اور میں اسے ٹھنڈا کرتا جاتا ہوں۔ الغرض وہ کھا کر سیر ہو گئے اور باقی چیزیں انہوں نے اس عورت کے پاس چھوڑ دیں۔ اس کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ اے اسلم' میں

نے دیکھا کہ وہ واقعی بھوک سے رو رہے ہیں' اس لیے میں چاہتا تھا کہ جب تک بھوک کا سبب نہ دریافت کر لوں' یہاں سے نہ جاؤں۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چونسٹھویں رات

جب چونسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ نزہت الزماں نے کہا کہ ایک بار عمر ایک غلام چرواہے کے پاس سے گزرے اور کہا کہ ایک بھیڑ میرے ہاتھ بیچ دے۔ اس نے جواب دیا کہ "یہ بھیڑیں میری ملکیت نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تجھ ہی ایسے شخص کی مجھے تلاش تھی۔ یہ کہہ کر اس غلام کو انہوں نے خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ غلام نے کہا کہ خدایا' تو نے چھوٹی آزادی تو عطا کی ہے' اب بڑی آزادی بھی دیجیو! بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر نوکروں کو میٹھا دودھ پینے کو دیتے اور خود گاڑھا جما ہوا کھاتے اور نرم لباس ان کو پہناتے اور خود موٹا اور سخت پہنتے اور لوگوں کو ان کا حق دیتے بلکہ اس سے بھی زیادہ بطور بخشش کے دیتے۔ اسی طرح ایک بار انہوں نے ایک شخص کو چار ہزار درہم دیئے اور ایک ہزار کا اضافہ کر دیا۔ لوگوں نے کہا کہ جس طرح تو نے اس شخص کو زیادہ دیا ہے' اپنے بیٹے کو بھی دے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس شخص کا باپ احد کی لڑائی میں ثابت قدم رہا ہے۔ حسن سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت عمر کے پاس بہت سا مال آیا اور وہ اسے اپنی بیٹی حفصہ کے پاس لے گئے۔ حفصہ نے کہا کہ اے امیر المومنین' اپنے رشتے داروں کا حق دے۔ آپ نے فرمایا کہ اے حفصہ' یہ ٹھیک ہے کہ خدا نے رشتے داروں کا حق دینے کا ارشاد کیا ہے لیکن مسلمانوں کے مال میں سے نہیں۔ یا حفصہ' تو نے رشتے داروں کا دل خوش کر دیا لیکن اپنے باپ کو ناراض کر دیا۔ اس پر وہ اٹھ کر دامن کھینچتی ہوئی چلی گئیں۔

ابن عمر سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سال بھر خدا سے گڑگڑا کر دعا کرتا رہا کہ وہ مجھے خواب میں میرے باپ کا دیدار دکھائے۔ بالآخر ایک بار میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا

کہ ابا جان' تیرا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر خدا کی رحمت مجھے بچا نہ لیتی
تو میں تباہ ہو چکا تھا۔ اس کے بعد نزہت الزماں نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
اب اول باب کی دوسری فصل سن جو تابعینؒ اور باقی نیک لوگوں کے متعلق ہے۔ حسن
بصری کہتے ہیں کہ بغیر تین چیزوں پر افسوس کیے انسان کی روح دنیا سے نہیں جاتی۔
اول یہ کہ جو کچھ اس نے جمع کیا تھا اس سے کافی فائدہ نہ اٹھایا' دوسرے یہ کہ
جو اس کی آرزوئیں تھیں وہ پوری نہ ہوئیں' تیسرے یہ کہ جہاں وہ جا رہا ہے وہاں
کے لیے اس نے کافی سامان مہیا نہیں کیا۔ سفیان ثوری سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا
یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص زاہد ہو اور اس کے پاس دولت بھی ہو؟ انہوں نے جواب
دیا کہ ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ جب وہ مصیبت میں ہو تو صبر کرے اور جب خدا اس
کو دے تو وہ اس کا شکر کرے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب عبداللہ بن شداد مرنے کے
قریب تھے تو انہوں نے اپنے بیٹے محمد کو بلایا اور اسے نصیحت کی کہ اے میرے بیٹے'
میں دیکھ رہا ہوں کہ موت کا فرشتہ مجھے بلانے آ گیا ہے لہٰذا میں تجھے نصیحت کرتا
ہوں کہ ظاہر و باطن میں خدا سے ڈریو اور خدا کا شکر گزار رہیو اور سچ بولیو۔ شکر سے
نعمتوں میں زیادتی ہوتی ہے اور خدا کا ڈر بہترین توشہ ہے۔
اس کے بعد نزہت الزماں نے کہا کہ بادشاہ پہلے باب کی دوسری فصل کے چند اور نکتے
بھی سننے چاہئیں۔ پوچھا گیا کہ وہ کیا ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جب عمر بن عبدالعزیز
خلیفہ ہوئے تو جو کچھ مال و دولت اس کے خاندان والوں کے پاس تھی' وہ انہوں نے
ان سے لے کر بیت المال میں جمع کر دی۔ اس کی فریاد بنو امیہ نے جا کر اس کی
پھوپھی فاطمہ بنت مروان سے کی۔ فاطمہ نے عمر بن عبدالعزیز کے پاس کہلا بھیجا کہ
میں تجھ سے ملنا چاہتی ہوں اور رات کے وقت ملنے کو گئی۔ عمر نے اسے سواری پر
سے اتارا اور وہ بیٹھ گئی۔ عمر نے کہا کہ اے پھوپھی' پہلے تو بات کر کیونکہ تو حاجت
لے کر آئی ہے۔ کہہ تیرا کیا مقصد ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے امیرالمومنین'
تو ہی ابتدا کر کیونکہ تو ان تمام باتوں کو تاڑ جاتا ہے جو لوگوں کے سمجھ سے باہر ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ خدا نے محمد رسول اللہ کو بعض لوگوں کے لیے رحمت اور دوسروں کے لیے عذاب بنا کر بھیجا اور اس کے بعد ان کے ساتھیوں کو برگزیدہ کیا اور

انہیں اپنے پاس بلا لیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• پینسٹھ ویں رات

جب پینسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ نزہت الزماں نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا کہ خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض

کے لیے رحمت اور بعضوں کے لیے عذاب بنا کر بھیجا۔ اس کے بعد ان کے اصحاب کو برگزیدہ کر کے رسول اللہ کو اپنے پاس بلا لیا اور ان کے لیے ایک نہر چھوڑ گئے جس میں سے وہ پانی پئیں۔ ان کے بعد ابوبکر صدیق خلیفہ ہوئے اور انہوں نے بھی نہر کو اسی حالت میں چھوڑا اور خدا کی مرضی کے مطابق کام کیا۔ اس کے بعد عمر نے خلافت کی اور انہوں نے ایسے کام کیے جن کی طرح اور کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ مگر جب عثمان خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس نہر کو کاٹ کر ایک اور نہر نکالی اور معاویہ نے اپنی حکومت میں اور بہت سی نہریں کاٹ دیں اور اسی طرح یزید اور بنو مروان مثلاً عبدالملک اور ولید اور سلیمان نہریں کاٹتے گئے یہاں تک کہ بڑی نہر خشک ہو گئی۔ اب میں حاکم ہوں اور چاہتا ہوں کہ بڑی نہر پہلے کی طرح ہو جائے۔ فاطمہ نے کہا کہ میں تجھ سے گفتگو اور مذاکرہ کرنے آئی تھی لیکن اگر تیرا بیان اسی طرح کا ہے تو میں تجھ سے کچھ نہیں کہتی۔ یہ کہہ کر وہ بنو امیہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ تم نے جو عمر بن الخطاب کے خاندان میں شادی کی ہے' اس کا مزہ چکھو۔

بیان کیا جاتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو اکٹھا کیا۔ مسلمہ بن عبدالملک نے اس سے کہا کہ اے امیرالمومنین' تو اپنی اولاد کو کیوں غریبی میں چھوڑ جاتا ہے حالانکہ تو ان کا پاسبان ہے۔ اگر تو انہیں بیت المال میں سے اتنا دے دے کہ وہ امیر ہو جائیں تو کوئی تیرا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ تیرے بعد تیرے جانشین کے دست نگر ہوں۔ عمر نے مسلمہ کی طرف غصے اور تعجب سے دیکھا اور کہا کہ اے مسلمہ' میں نے اپنی زندگی میں انہیں اس سے روکا ہے' تو پھر یہ کیونکر

ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے میں مرنے کے بعد شقی بنوں۔ میری اولاد بھی اوروں کی طرح ہے۔ جو کوئی ان میں سے خدا کی فرمانبرداری کرے گا تو خدا اس کی حالت سنبھال دے گا اور جو نافرمان ہو گا اس کی نافرمانی میں' میں مددگار نہیں بن سکتا۔ اے مسلمہ' تجھے یاد ہے کہ بنی مروان میں سے ایک شخص کے دفن میں ہم دونوں موجود تھے۔ وہیں میری آنکھ بند ہو گئی اور میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ خدا اسے سزا دے رہا ہے۔ اس سے میں ڈر گیا اور میں نے خدا سے وعدہ کیا کہ اگر میں کبھی بادشاہ ہوا تو اس شخص کی طرح کام نہ کروں گا۔ عمر بھر میں نے اس کے پورا کرنے کی کوشش کی ہے اور چاہتا ہوں کہ خدا کا عفو میرا ساتھ دے۔

مسلمہ کا بیان ہے کہ ایک شخص کے' دفن کے وقت میں موجود تھا۔ جب میں دفن سے فارغ ہو چکا تو میری آنکھ لگ گئی اور میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک باغ میں ہے جہاں نہریں جاری ہیں اور وہ سفید پوشاک پہنے ہوئے ہے۔ مجھے دیکھ کر وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے مسلمہ' لوگوں کو چاہیے کہ ان چیزوں کے حاصل کرنے کی خاطر نیک عمل کریں۔

اس قسم کے واقعات اور بھی بہت سے ہیں۔

ایک سچے راوی کا بیان ہے کہ عمر بن عبدلعزیز کی خلافت میں میں دودھ دوہنے کا پیشہ کیا کرتا تھا۔ ایک دن میں ایک چرواہے کے پاس سے گزرا اور دیکھا کہ اس کی بھیڑیوں کے ساتھ بھیڑیے ہیں۔ میں نے بھڑیا کبھی پہلے نہیں دیکھا تھا اس لیے مجھے گمان ہوا کہ وہ ریوڑ کے کتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ ان کتوں کو کیا کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ کتے نہیں ہیں بلکہ بھیڑیے ہیں۔ میں نے کہا کہ کیا بھیڑوں کو بھیڑیے نقصان نہیں پہنچاتے؟ اس نے جواب دیا کہ جب سر سالم ہوتا ہے تو سارا جسم سالم ہو جاتا ہے۔

ایک بار عمر بن عبدالعزیز نے مٹی کے منبر پر خطبہ پڑھا اور خدا کی حمد و ثنا کرنے کے بعد تین جملے کہے' ایک یہ کہ اے لوگو' تم اپنے بھائیوں کے متعلق دل میں نیک خیال

رکھو تاکہ تمہارا ظاہر بھی نیک ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ دنیاداری سے اپنے آپ کو روکے رکھو۔ اور تیسرا یہ کہ کسی شخص اور آدم کے درمیان کوئی زندہ نہیں بچا بلکہ سب مر گئے۔ عبدالملک اور اس سے پہلے جتنے تھے سب مر مٹے اور عمر اور اس کے بعد جتنے آئیں گے' سب مر جائیں گے۔ مسلمہ نے کہا کہ اے امیرالمومنین' اجازت ہو تو ہم تیرے لیے ایک تکیہ بنا دیں تاکہ تو ذرا اس سے ٹیک لگا لے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن اس کی وجہ سے کہیں میری گردن عذاب میں نہ پڑے۔ اس کے بعد اس کا دم چڑھنے لگا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ فاطمہ چلانے لگی کہ اے مریم' اے مزاحم' اے فلاں' ان کی خبر لو اور وہ خود اس کے منہ پر پانی چھڑکنے اور رونے لگی۔ جب انہیں ہوش آیا تو انہوں نے دیکھا کہ وہ رو رہی ہے اور پوچھا کہ اے فاطمہ' تو کیوں روتی ہے؟ اس نے کہا کہ تجھے اپنے سامنے گرتا دیکھ کر موت کے وقت تیرا خدا کے سامنے گرنا اور دنیا سے تیری رحلت اور اپنا تجھ سے جدا ہونا مجھے یاد آ گیا' اس وجہ سے میں رونے لگی۔ اس نے کہا کہ اے فاطمہ بس کر تو مبالغہ کرتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور پھر گر پڑا۔ فاطمہ نے اسے سینے سے لگا لیا اور کہنے لگی کہ اے امیرالمومنین' تیرے اوپر میں نے ماں باپ کو قربان کیا' ہم سب تجھ سے گفتگو کرنے سے عاجز ہیں۔

اب نزہت الزماں نے اپنے بھائی شرکان اور قاضیوں سے کہا کہ سنو' اب پہلے باب کی دوسری فصل کا تتمہ آتا ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چھیاسٹھویں رات

جب چھیاسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ نزہت الزماں نے قاضیوں' گواہوں اور تاجر کے سامنے اپنے بھائی شرکان سے کہا' مگر اسے معلوم نہ تھا کہ وہ اس کا بھائی ہے' کہ اب پہلے باب کی دوسری فصل کا تتمہ آتا ہے۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے حاجیوں کو یہ خط لکھا کہ میں مبارک شہر اور حج کے دن خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں تم پر ظلم کیے جانے اور تم پر زیادتی کرنے والے کی زیادتی سے بری ہوں۔ نہ تو میں نے اس کا حکم دیا اور نہ میرا یہ منشا تھا اور نہ اس کی کوئی خبر مجھے پہنچی اور نہ مجھے اس کا علم ہوا' اور مجھے امید ہے کہ خدا مجھے معاف کرے گا کیونکہ میں نے کسی کو کسی پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس لیے کہ خدا ہر مظلوم کی باز پرس مجھ سے کرے گا اور اگر میرے عاملوں میں کوئی عامل سیدھے راستے سے بھٹک جائے اور قرآن اور سنت پر عمل نہ کرے تو جب تک وہ ان کی طرف دوبارہ رجوع نہ کرے تم اس کی اطاعت سے بری ہو اور انہیں کا قول ہے' خدا ان سے راضی ہو! کہ میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ موت سے مجھے چھٹکارا ملے کیونکہ وہ آخری چیز ہے جس پر مومن کو اجر ملتا ہے۔

ایک معتبر راوی کا بیان ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ تھے تو میں ان کے پاس گیا اور دیکھا کہ ان کے سامنے بارہ درہم رکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے حکم دیا کہ وہ بیت المال میں داخل کر دیے جائیں۔ میں نے کہا کہ اے امیرالمومنین' تو نے اپنی اولاد کو غریب کر دیا ہے اور نادار۔ ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ کاش کہ تو ان کے اور خاندان کے دوسرے غریبوں کے لیے کچھ ترکہ چھوڑ جاتا! انہوں نے کہا کہ میرے قریب آ۔ جب میں ان کے قریب گیا تو انہوں نے کہا کہ تیرا یہ کہنا کہ میں نے اپنی اولاد کو غریب بنا دیا لہٰذا میں ان کے اور خاندان کے دوسرے غریبوں کے لیے کچھ

ترکہ چھوڑ جاؤں ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ میرے بعد میری اولاد اور خاندان کے لیے میرا قائم مقام اللہ ہے اور وہی ان کا نگہبان ہے اور وہ دو حالت سے خالی نہ ہوں گے' یا تو وہ خدا سے ڈرنے والے ہوں گے تو اس حالت میں خدا ان کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ نکال دے گا اور یا گناہ گاری پر مصر ہوں گے تو میں اس حالت میں خدا کی نافرمانی میں ان کا معین و مددگار نہیں بننا چاہتا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور وہ بارہ لڑکے تھے۔ جب انہوں نے بیٹوں کو دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور وہ کہنے لگے کہ تمہارا باپ دو حالتوں سے خالی نہیں' یا تو تم امیر ہو اور وہ دوزخ میں جائے اور یا تم غریب رہو اور تمہار باپ جنت میں داخ ہو اور تمہارے باپ کو یہ زیادہ محبوب ہے کہ وہ جنت میں جائے بہ نسبت اس کے کہ تم امیر ہو۔ اب جاؤ' خدا تمہاری مدد کرے! میں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔

خالد بن صفوان سے منقول ہے کہ یوسف بن عمر میرے ساتھ ہشام بن عبدالملک کے پاس گیا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو وہ اسی وقت اپنے رشتے داروں اور نوکروں کے ساتھ باہر آیا ہوا تھا۔ جب وہ سواری سے اترا تو اس کے لیے خیمے لگائے گئے اور جب لوگ بیٹھ چکے تو فرش کے ایک کنارے کی طرف سے میں آیا اور اسے دیکھا۔ جوں ہی ہماری آنکھیں چار ہوئیں تو میں نے کہا کہ اے امیرالمومنین' خدا تجھے اپنی نعمتیں بھرپور دے! اور جو عہدہ اس نے تیرے سر ڈالا ہے اس میں تیری ہدایت کرے! اور تیری خوشی میں غم نہ ملائے! اور میں تجھے اس سے بہتر کوئی نصیحت نہیں کر سکتا جو تجھ سے پہلے ایک بادشاہ کو کی گئی ہے۔ ہشام اس وقت تکیہ لگائے بیٹھا ہوا تھا مگر یہ سن کر وہ سیدھا ہو بیٹھا اور کہنے لگا کہ اے صفوان' کہہ جو کچھ تو کہنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین آج سے پہلے ایک بادشاہ جو تجھ سے قبل گزرا ہے اسی جگہ آکر بیٹھا تھا اور اس نے اپنے ہم مجلس سے کہا کیا تم نے میرا سا جاہ و جلال کبھی دیکھا ہے؟ اور کیا کسی اور کے پاس وہ چیزیں موجود ہیں جو میرے پاس ہیں؟ اسی وقت اس کے پاس ان لوگوں میں سے ایک شخص موجود تھا جو حجت والے ہیں اور سچ بات کے

مددگار اور خود سچائی کے راستے پر چلنے والے۔ اس نے کہا کہ اے بادشاہ' تو نے بڑی
بات پوچھی ہے۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ میں جواب دوں؟ بادشاہ نے کہا کہ ہاں۔
اس شخص نے کہا کہ جس حال میں تو اس وقت ہے آیا تو اس کو باقی سمجھتا ہے یا
فانی؟ اس نے کہا کہ وہ ایک فانی چیز ہے۔ اس شخص نے کہا کہ تو پھر یہ عجیب بات
ہے کہ تو ایسی چیز پر ناز کرتا ہے جس میں تو تھوڑے دن رہے گا مگر جس کی باز
پرس بہت طول طویل ہو گی اور جس کا حساب دینا تیرے اوپر فرض ہو گا۔ بادشاہ نے
کہا کہ پھر میں اسے چھوڑ کر کہاں بھاگوں اور کس مقصد کے حاصل کرنے کی کوشش
کروں؟ اس نے جواب دیا کہ یا تو بادشاہ بنا رہ اور خدا کی فرمانبرداری کر یا گدڑی
پہن لے اور خدا کی عبادت کر یہاں تک کہ تیرے دن ختم ہو جائیں۔ پھر اس شخص
نے کہا کہ کل سویرے میں تیرے پاس پھر آؤں گا۔
خالد بن صفوان کہتے ہیں کہ دوسرے دن صبح کو اس شخص نے پھر بادشاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا
اور دیکھا کہ اس نے اپنا تاج اتار چھوڑا ہے اور وہاں سے چل دینے کا تہیہ کر لیا
ہے۔ اس قدر اس پر نصیحت کا اثر ہوا! یہ سن کر ہشام بن عبدالملک دھاڑیں مار مار
کر رونے لگا یہاں تک کہ اس کی داڑھی بھیگ گئی اور اس نے حکم دیا کہ میرے
شاہی کپڑے اتار لو اور وہ محل میں جا کر گوشہ نشین ہو گیا یہ دیکھ کر اس کے نوکر
چاکر خالد بن صفوان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تو نے امیرالمومنین کے ساتھ کیا
کیا کہ اس کی لذتیں خراب ہو گئیں اور زندگی برباد۔
اس کے بعد نزہت الزماں نے شرکان سے کہا کہ اس باب میں بے حد پند و نصائح ہیں
اور ان کا بیان ایک مجلس میں کرنا ناممکن ہے۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

• سڑسٹھویں رات

جب سڑسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ نزہت الزماں نے شرکان سے کہا کہ اے بادشاہ' اس باب میں اتنے پند و نصائح ہیں کہ میں ایک مجلس میں ان کے بیان کرنے سے عاجز ہوں لیکن اے بادشاہ آگے چل کر میں سب کچھ بیان کر دوں گی۔

قاضیوں اور گواہوں نے کہا کہ اے بادشاہ' یہ لڑکی تو اعجوبہ ہے اور اس زمانے میں اس کی مثال نہیں اور ہم نے عمر بھر ایسا شخص دیکھا' نہ سنا۔ یہ کہہ کر انہوں نے شہزادے کو دعا دی اور رخصت ہو گئے۔ اب شرکان نے نوکروں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اب تم لوگ ولیمے کی دعوت کا انتظام شروع کر دو اور طرح طرح کے کھانے پکواؤ۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور طرح طرح کے کھانے تیار کرائے۔ شرکان نے امرا اور وزراء اور رؤسا کی بیویوں کو کہلا بھیجا کہ منہ دکھائی اور دعوت کھانے سے پہلے نہ جائیں۔ ابھی عصر کا وقت بھی نہ ہوا تھا کہ دسترخوان بچھ گیا اور اس پر ایسی ایسی چیزیں آ گئیں جن سے دل خوش ہو جائے اور آنکھیں مسرور۔ مثلاً تلا ہوا گوشت اور بطخیں اور مرغیاں۔ لوگوں نے اتنا کھایا کہ سیر ہو گئے۔ دمشق کی ساری ڈومنیاں بلوائی گئی تھیں اور وہ سب موجود تھیں۔ نیز بادشاہ اور امرا کی کنیزیں جن کو گانا بجانا آتا تھا' وہ سب کی سب محل میں آئیں۔ جب شام ہوئی اور اندھیرا چھانے لگا تو قلعے سے لے کر محل تک دہنے بائیں قندیلیں روشن کی گئیں اور امرا اور وزراء اور رؤسا شہزادہ شرکان کے آگے آگے روانہ ہوئے اور ڈومنیاں اور سنگار کرنے والیاں لڑکی کو بنانے سنوارنے اور کپڑے پہنانے لے گئیں مگر انہوں نے دیکھا کہ اس کے حسن و جمال کو بناؤ سنگھار کی حاجت ہی نہیں۔

شہزادہ شرکان حمام گیا اور وہاں سے نکل کر تخت پر بیٹھ گیا اور دلہن کی منہ دکھائی

سات مختلف پوشاکوں میں اس کے سامنے کی گئی۔ اس کے بعد اس کے کپڑے اتارے گئے اور اس سے وہ بات کی گئی جو زفاف کی رات دلہنوں سے کی جاتی ہے اور شرکان اس کے ساتھ ہم بستر ہوا اور اس کا کنوار پن زائل کیا اور اسے اسی وقت حمل رہ گیا۔ اس کا ذکر لڑکی نے شرکان سے کیا اور وہ مارے خوشی کے پھولے نہ سمایا اور حکما کو حکم دیا کہ حمل کی تاریخ لکھ رکھیں۔ جب صبح ہوئی تو وہ کرسی پر آکر بیٹھا اور امرا نے آکر اس کو مبارک باد دی۔ اب اس نے اپنے نج کے کاتب کو بلوایا اور اس سے کہا کہ میرے والد عمر بن النعمان کو ایک خط لکھ کہ میں نے ایک بڑی عالم اور آداب داں کنیز خریدی ہے جو حکمت کے سارے فنون سے واقف ہے۔ میں اسے ضرور بغداد بھیجوں گا تاکہ وہ میرے بھائی ضوء المکان اور میری بہن نزہت الزماں سے ملے۔ میں نے اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح نامہ لکھوا لیا ہے اور اس کے ساتھ ہم بستری کر چکا ہوں اور اسے حمل بھی رہ گیا ہے۔ الغرض اس نے لڑکی کی دانشمندی کی بڑی تعریف کی اور اپنے بھائی بہن اور وزیر دندان اور تمام امرا کو سلام لکھا اور خط پر مہر لگا دی اور قاصد کے ہاتھ سے اپنے باپ کے پاس روانہ کر دیا۔

پورے ایک مہینے کے بعد قاصد جواب لے کر لوٹا اور اس نے وہ خط شرکان کے حوالے کیا۔ شرکان نے خط لیا اور اسے کھول کر پڑھا تو اس میں بسم اللہ کے بعد یہ لکھا ہوا تھا: یہ خط اس مصیبت زدہ اور پریشان خاطر کی طرف سے ہے جس کی دو اولادیں کھو گئی ہیں اور جو اپنے وطن میں پردیسی ہے۔ یعنی بادشاہ عمر بن النعمان کی طرف سے اپنے بیٹے شرکان کے نام۔ تجھے معلوم ہو کہ تیرے جانے کے بعد مجھ پر دنیا تنگ ہو گئی ہے حتیٰ کہ میرا صبر و قرار جاتا رہا ہے اور میں اپنے رنج و الم کو چھپا نہیں سکتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جب میں ایک دن سیر و شکار کے لیے جا رہا تھا تو ضوء المکان نے مجھ سے حجاز جانے کی اجازت مانگی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ کسی مشکل میں گرفتار نہ ہو جائے اور میں نے کہا کہ اس سفر کو پار سال یا پرار سال تک ملتوی رکھ۔ جب میں سیر و شکار کے لیے گیا تو مجھے وہاں ایک پورا مہینہ لگ گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• اڑسٹھویں رات

جب اڑسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ عمر بن النعمان نے اپنے خط میں لکھا کہ سیر و شکار میں مجھے پورا مہینہ لگ گیا۔ جب میں واپس آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ تیرا بھائی اور تیری بہن تھوڑے سے دام لے کر حاجیوں کے ساتھ چپکے سے حج کرنے چل دیے ہیں۔ یہ معلوم کر کے میرا دم گھٹنے لگا اور اے میرے بیٹے پھر میں حاجیوں کی واپسی کا انتظار کرنے لگا کہ شاید وہ ان کے ساتھ واپس آئیں۔ جب حاجی لوٹے تو میں نے دونوں کے متعلق دریافت کیا لیکن کسی سے کوئی خبر معلوم نہ ہوئی اور میں نے ان کی وجہ سے رنج و الم کا لباس پہن لیا۔ اب میرا دل انہیں میں لگا ہوا ہے اور نیند عنقا ہو گئی ہے اور دن رات آنسوؤں میں ڈوبا رہتا ہوں۔ اس کے بعد منجملہ اور باتوں کے اس نے لکھا کہ میں تجھے اور تیرے ساتھیوں کو سلام بھیجتا ہوں اور تجھ سے کہتا ہوں کہ ان کا پتہ لگانے میں کوتاہی نہ کیجیو۔ کیونکہ یہ ہمارے لیے ذلت کی بات ہے۔

جب شرکان نے یہ خط پڑھا تو اسے باپ کی حالت پر رنج ہوا مگر اپنے بھائی بہن کے غائب ہو جانے سے خوش ہوا اور وہ اس خط کو لے کر فوراً اپنی بیوی نزہت الزماں کے پاس گیا۔ نہ اس کو خبر تھی کہ یہ میری بہن ہے اور نہ بہن کو کہ یہ میرا بھائی ہے حالانکہ دونوں کا دن رات کا ساتھ تھا۔ اب اس کی مدت پوری ہو گئی اور وہ زچہ خانے میں آئی اور خدا نے اس کے اوپر ولادت سہل کر دی اور اس کے لڑکی پیدا ہوئی۔ اس پر شرکان کو بلوایا اور اس سے کہا کہ یہ تیری بیٹی ہے' اس کا نام اپنی مرضی کے مطابق رکھ۔ اس نے جواب دیا کہ دستور یہ ہے کہ بچے کا نام پیدائش کے ساتویں دن رکھا جاتا ہے۔ یہ کہہ کر شرکان جھکا اور اس نے اپنی بیٹی کو بوسہ دیا اور دیکھا کہ اس کے گلے میں ان جواہرات میں سے ایک لٹکا ہوا ہے جو شہزادی ابریزہ روم سے

لائی تھی۔ یہ دیکھتے ہی وہ حیران ہو گیا اور غصے میں بھر گیا اور اس کی آنکھیں طیش سے بھر گئیں اور جواہر کا قصہ اس کی سمجھ میں آ گیا۔ اب اس نے نزہت الزماں کی

طرف دیکھا اور کہا کہ اے کنیز' یہ جواہر تیرے ہاتھ کیسے لگا؟ جب اس نے شرکان کے یہ الفاظ سنے تو وہ کہنے لگی کہ میں تیری اور تیرے تمام محل والوں کی آقا ہوں۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ تو مجھے کنیز کے نام سے یاد کرتا ہے۔ میں بادشاہ کی بیٹی شہزادی ہوں۔ اب راز فاش ہو گیا اور واقعہ کھل گیا اور یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ بادشاہ عمر بن النعمان کی بیٹی نزہت الزماں ہے۔ جب شرکان نے یہ سنا تو وہ کانپنے لگا اور اس نے سر نیچا کر لیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• انہترویں رات

جب انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب شرکان نے یہ سنا تو اس کا دل کانپنے لگا اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وہ تھرتھرانے لگا اور اس نے سر نیچا کر لیا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ دونوں ایک ہی باپ سے ہیں اور بھائی بہن ہیں اور اس پر غشی طاری ہو گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ حیران اور پریشان تھا لیکن اس کا دل نہ مانتا تھا اور اس نے کہا کہ اے میری آقا' کیا تو واقعی بادشاہ عمر بن النعمان کی بیٹی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ شرکان نے کہا کہ اپنے باپ سے چھٹنے اور اپنے بکنے کا حال بیان کر' اور اس نے شروع سے آخر تک سارا ماجرا بیان کر دیا اور یہ بھی کہا کہ میں اپنے بھائی کو بیت المقدس میں بیمار چھوڑ آئی ہوں اور وہ بدو مجھے چرا لایا تھا اور اس نے تاجر کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔ جب شرکان نے یہ باتیں سنیں تو اس کو یقین ہو گیا کہ وہ اس کی بہن اور اس کے باپ کی بیٹی ہے اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں نے کیونکر اپنی بہن سے شادی کی! میں ابھی اس کی شادی ایک حاجب سے کیے دیتا ہوں اور اگر یہ بات ظاہر ہو گئی تو میں کہوں گا کہ میں نے دخول سے پیشتر اسے طلاق دے دی ہے اور بڑے حاجب سے اس کی شادی کر دی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے سر اٹھایا اور افسوس کرنے لگا کہ اے نزہت الزماں' تو واقعی میری بہن ہے اور جس گناہ میں ہم مبتلا ہوئے ہیں' اس کی مغفرت میں خدا سے چاہتا ہوں کیونکہ میں بھی بادشاہ عمر بن النعمان کا بیٹا شرکان ہوں۔ یہ سن کر وہ اس کی طرف دیکھنے لگی اور اسے معلوم ہو گیا کہ وہ سچ کہتا ہے۔ جب اس نے شرکان کو پہچانا تو اس کے قدم ڈگمگانے لگے اور وہ رونے اور اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگی اور کہا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ! ہم کس گناہ میں مبتلا ہو گئے! اب کیا کریں اور اگر ماں باپ پوچھیں کہ یہ بیٹی کہاں سے آئی تو کیا جواب دوں! شرکان

نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تیری شادی میں اپنے حاجب سے کر دوں اور تو میری بیٹی کو اس کے گھر میں پالے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے کہ تو میری بہن ہے اور جو کچھ خدا نے ہمارے ساتھ کیا اس میں اس کی کوئی مصلحت ہو گی۔ اب ہمارا راز سوائے اس کے نہیں چھپ سکتا کہ میں تیری شادی اس حاجب سے کر دوں قبل اس کے کہ کسی کو ذرا بھی خبر ہو۔

یہ کہہ کر وہ اسے دلاسا دینے اور اس کے سر کو بوسہ دینے لگا۔ اب اس نے پوچھا کہ تو اس لڑکی کا نام کیا رکھنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ اس کا نام قضی فکان رکھا جائے۔ اس کے بعد اس نے اس کی شادی بڑے حاجب سے کر دی اور اس کو اور اس کی بیٹی کو اس کے گھر منتقل کر دیا۔ وہاں بچی کی پرورش کنیزوں کی گود میں ہوئی اور اسے ہر روز شربت اور طرح طرح کے سفوف دیئے جانے لگے۔ ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور ادھر اس کا بھائی ضوء المکان دمشق میں آگ سلگانے والے کے پاس تھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ بادشاہ عمر بن النعمان کا قاصد شہزادہ شرکان کے پاس آیا اور اپنے ساتھ ایک خط لایا۔ اس نے خط لے کر پڑھا تو اس میں بسم اللہ کے بعد یہ لکھا ہوا تھا کہ اے عزیز شہزادے' میں اپنے اولاد کے غم میں سخت مبتلا ہوں اور سونا سوگند ہو گیا ہے اور بیداری نے آ لیا ہے۔ اس خط بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ جوں ہی وہ تجھے ملے تو مال اور خراج فوراً روانہ کر دیجیو اور اس کے ہمراہ وہ کنیز بھی جسے تو نے خریدا اور جس کے ساتھ نکاح کیا ہے' کیونکہ میں اس کو دیکھنا اور اس کی گفتگو سننا چاہتا ہوں۔ یہاں میرے اس روم کے ملک سے ایک پارسا بڑھیا آئی ہے اور اپنے ساتھ پانچ نوجوان باکرہ کنیزیں لائی ہے اور وہ کنیزیں ان تمام علوم اور آداب میں ماہر ہیں جن کی ضرورت انسان کو پڑتی ہے اور اس بڑھیا اور ان کنیزوں کی تعریف سے زبان قاصر ہے۔ کیونکہ وہ علم اور فضیلت اور حکمت کا ذخیرہ ہیں۔ میں انہیں دیکھتے ہی ان سے محبت کرنے لگا اور میں چاہتا ہوں کہ وہ میرے محل میں میری ملکیت ہو کر رہیں کیونکہ ان کی نظیر کسی بادشاہ کے پاس پائی نہیں جاتی۔ میں نے بڑھیا سے ان

کی قیمت پوچھی تو وہ کہتی ہے کہ میں دمشق کے خراج سے کم نہ لوں گی اور میرے خیال میں یہ قیمت زیادہ نہیں ہے کیونکہ ان میں سے ایک ایک کی قیمت اتنی ہے۔
میں نے یہ شرط منظور کر لی ہے اور ان کو محل میں لے لیا ہے اور اب وہ میری ملکیت ہیں۔ لہٰذا خراج جلد روانہ کرتا کہ بڑھیا اپنے وطن واپس جائے اور اپنی کنیز بھی یہاں بھیج تاکہ وہ ان سے علما کے سامنے مناظرہ کرے۔ اگر وہ غالب آ گئی تو میں اسے تیرے پاس بغدا کے خراج کے ساتھ بھیج دوں گا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پوری سترویں رات

جب پوری سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ بادشاہ عمر بن النعمان نے اپنے خط میں لکھا کہ اس کنیز کو بھیج دے تا کہ وہ علماء کے سامنے ان کنیزوں سے مناظرہ کرے۔ اگر وہ غالب آ گئی تو میں اسے تیرے پاس واپس کر دوں گا اور بغداد کا خراج اس کے ساتھ کر دوں گا۔
جب شرکان کو یہ خبر پہنچی تو وہ اپنی بہنوئی کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا کہ اپنی بیوی کو بلا جس کی شادی میں نے تیرے ساتھ کی ہے۔ جب وہ آئی تو شرکان نے اسے خط کا مضمون سنایا اور اس سے کہنے لگا کہ بہن' تیری رائے میں اس کا کیا جواب دیا جائے۔ اس نے کہا کہ جو تیری رائے ہو مناسب ہے مگر چونکہ وہ اپنے خاندان اور وطن کی مشتاق تھی اس نے کہا کہ میرے شوہر حاجب کے ساتھ مجھے بھی بھیج دے تا کہ میں باپ سے اپنا قصہ بیان کروں اور جو کچھ مجھ پر اس بدو کے ساتھ گزری ہے' جس نے مجھے سوداگر کے ہاتھ بیچا ہے' کہوں اور یہ بتاؤں کہ سوداگر نے مجھے تیرے ہاتھ بیچا اور تو نے مجھے آزاد کر کے میرا نکاح حاجب سے کر دیا۔ شرکان نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے اور اس نے اپنی بیٹی کو لے کر دایاؤں اور ماماؤں کے سپرد کر دیا اور خراج اکٹھا کر کے اسے حاجب کے حوالے کیا اور کہا کہ اسے اور اپنی بیوی کو لے کر بغداد جا' اور حکم دیا کہ ایک محمل حاجب کے لیے تیار کیا جائے اور ایک بیوی کے لیے۔
حاجب نے یہ حکم بسر و چشم منظور کیا اور شرکان نے اونٹ اور خچر لدوائے اور ایک خط لکھ کر حاجب کو دیا اور اپنی بہن نزہت الزماں سے رخصت ہوا اور اس سے وہ جواہر لے کر اور ایک خالص سونے کی لڑی میں پرو کر اپنی بیٹی کی گردن میں پہنا دیا۔ حاجب اسی رات روانہ ہو گیا۔
اب ایسا اتفاق ہوا کہ ضوء المکان اور بھٹی سلگانے والا دونوں اپنی جھونپڑی کے پاس ٹہل

رہے تھے کہ انہوں نے اونٹ اور بختی اور زین کسے ہوئے خچر اور روشن مشعلیں اور قندیلیں دیکھیں اور ضوء المکان نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا سامان ہے اور کون اس کا مالک ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ دمشق کا خراج ہے جو بغداد کے بادشاہ عمر بن النعمان کے پاس جا رہا ہے۔ ضوء المکان نے پوچھا کہ اس قافلے کا سردار کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ بڑا حاجب جس نے اس لڑکی کے ساتھ شادی کی ہے جو علم اور حکمت میں ماہر ہے۔ یہ سن کر وہ رونے لگا اور سوچ میں پڑ گیا اور اپنے ماں باپ اور بہن اور وطن کو یاد کرنے لگا اور اس نے بھٹی والے سے کہا کہ اب میرا یہاں ٹھہرنا مشکل ہے۔ میں اس قافلے کے ساتھ جاتا ہوں اور چلتے چلتے اپنے وطن پہنچ جاؤں گا۔ بھٹی والے نے کہا کہ قدس سے یہاں تک تیرے آنے میں تو مجھے اطمینان نہ تھا' تیرے بغداد جانے میں میں کس طرح مطمئن ہو سکتا ہوں۔ میں بھی تیرے ساتھ چلتا ہوں اور جب تک تو اپنا مقصد حاصل نہ کر لے تیرے ساتھ رہوں گا۔ ضوء المکان نے کہا کہ بڑے شوق سے چل۔ بھٹی والے نے تیاری شروع کر دی اور اس کے لیے ایک گدھا کسا اور اس گدھے پر اس کی خرجی لادی اور اس میں راہ کے لیے کچھ توشہ رکھ لیا اور خود کمر باندھ کر تیار ہو گیا اور ذرا توقف کیا یہاں تک کہ لدے ہوئے جانور اس کے پاس سے گزرے اور اس نے دیکھا کہ حاجب ایک محمل میں سوار ہے اور اس کے آس پاس پیادے ہیں۔ اب ضوء المکان بھٹی والے کے گدھے پر سوار ہوا اور اس سے کہنے لگا کہ تو بھی میرے ساتھ سوار ہو جا۔ اس نے کہا کہ میں سوار نہ ہوں گا بلکہ تیری اردلی میں چلوں گا۔ ضوء المکان نے کہا کہ تجھے بھی کچھ دیر سوار ہونا پڑے گا۔ اس نے کہا کہ اچھا جب میں تھک جاؤں۔ ضوء المکان نے کہا کہ بھائی' اب دیکھیو کہ میں گھر پہنچ کر تیرے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں۔ چلتے چلتے اب سورج نکل آیا اور جب قیلولے کا وقت ہوا تو حاجب نے ٹھہرنے کا حکم دیا اور لوگ ٹھہر گئے اور آرام کیا اور اونٹوں کو پانی پلایا۔ اس کے بعد اس نے پھر کوچ بول دیا اور چلتے چلتے وہ پانچ دن کے بعد حماہ پہنچے اور اتر کر تین دن قیام کیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## اکہترویں رات

جب اکہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ قافلے نے تین دن تک حماہ میں ٹھہر کر کوچ کیا یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے شہر میں پہنچا۔ وہاں بھی تین دن آرام کیا اور وہاں سے روانہ ہو کر وہ لوگ دیار بکر پہنچے اور بغداد کی ہوا آنے لگی اور ضوء المکان کو اپنی بہن نزہت الزماں اور ماں باپ اور وطن یاد آنے لگے اور یہ بھی کہ وہ اب کس طرح بغیر اپنی بہن کے باپ کے پاس واپس جا رہا ہے۔ یہ سوچ کر وہ رونے اور آہیں بھرنے اور شکایت کرنے لگا۔ بھٹی والے نے کہا کہ ہم حاجب کے خیمے کے پاس ہیں۔ یہاں رونا اور آہیں بھرنا ٹھیک نہیں۔ ضوء المکان نے کہا کہ میں تو ضرور روؤں اور اشعار پڑھوں گا۔ ممکن ہے کہ میرے دل کی آگ ذرا ٹھنڈی ہو جائے۔ بھٹی والے نے کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں اس غمگینی کو اس وقت تک جانے دے جب تک ہم تیرے وطن نہ پہنچ جائیں۔ اس کے بعد جو تیرا جی چاہے کیجیو اور میں ہر دم تیرے ساتھ ہوں۔ ضوء المکان نے کہا کہ خدا کی قسم' میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا منہ بغداد کی طرف کیا۔ چاند نکلا ہوا تھا اور چاندنی پھیلی ہوئی اور اس رات نزہت الزماں کو بالکل نیند نہ آتی تھی اور وہ کروٹیں بدل رہی اور اپنے بھائی کو یاد کر کے رو رہی تھی۔ اسی حالت میں اس نے اپنے بھائی ضوء المکان کو روتے ہوئے اور اشعار گاتے ہوئے سنا۔ جب وہ گا چکا تو اس نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

یہ تو ضوء المکان کا حال تھا اور ادھر نزہت الزماں کو رات بھر نیند نہ آئی تھی۔ کیونکہ وہ اس جگہ اپنے بھائی کو یاد کر رہی تھی۔ جب اس نے رات کے وقت وہ آواز سنی تو اس کے دل کو ذرا سکون ہوا اور وہ خوش ہو گئی اور اٹھ کر خادم کو آواز دی۔ خادم نے کہا کہ کیا حکم ہے؟ اس نے کہا کہ جا کر اس شخص کو لے آ جو اشعار

پڑھ رہا ہے۔ خادم نے کہا کہ میں نے تو کوئی شعر نہیں سنے۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• بہترویں رات

جب بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب نزہت الزماں نے اپنے بھائی کو اشعار پڑھتے سنا تو اس نے بڑے خادم کو بلا کر کہا کہ جا کر اس اشعار پڑھنے والے کو بلا لا۔ اس نے کہا کہ میں نے تو کسی کو پڑھتے نہیں سنا اور نہ میں اسے پہچانتا ہوں اور سب لوگ سو رہے ہیں۔ نزہت الزماں نے کہا کہ جس کو تو جاگتا پائے بس وہی اشعار پڑھ رہا ہے۔ خادم نے تلاش کی اور سوائے بھٹی والے اور ضوء المکان کے کسی کو جاگتا نہ پایا مگر ضوء المکان بے ہوش تھا۔ جب بھٹی والے نے خادم کو اپنے سر پر کھڑا دیکھا تو وہ ڈرا۔ خادم نے پوچھا کہ کیا تو ہی اشعار پڑھتا تھا جن کو میری آقا نے سنا ہے۔ بھٹی والے کو یقین ہو گیا کہ اشعار سن کر مالکہ کو غصہ آ گیا ہے۔ وہ ڈرا اور کہنے لگا کہ میں نے نہیں پڑھے۔ خادم نے کہا کہ پھر بتا کہ کون پڑھ رہا تھا کیونکہ تو بیدار ہے اور تو اسے ضرور جانتا ہو گا۔ بھٹی والا ضوء المکان کی خاطر ڈرا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خادم سے اسے کوئی نقصان پہنچے اور خادم کو جواب دیا کہ خدا کی قسم' میں اسے نہیں جانتا۔ خادم نے کہا کہ واللہ تو جھوٹا ہے کیونکہ یہاں سوائے تیرے اور کوئی بیدار نہیں تو اسے ضرور جانتا ہے۔ بھٹی والے نے کہا کہ واللہ' میں تجھ سے سچ کہتا ہوں اشعار گانے والا کوئی راہرو تھا جس نے مجھے جگا کر مصیبت میں ڈالا۔ اس سے خدا سمجھے! خادم نے کہا کہ اچھا اگر اب اسے دیکھیو تو مجھے خبر کیجیو اور اسے پکڑ لیجیو۔ اس نے کہا کہ اچھا تو جا اور میں اسے پکڑ کر لے آؤں گا۔ یہ سن کر خادم وہاں سے چلا گیا اور اپنی مالکہ کے پاس جا کر ماجرا بیان کیا اور کہا اسے کوئی نہیں جانتا' وہ کوئی راہ گیر ہو گا۔ یہ سن کر وہ چپ ہو گئی۔

اب ضوء المکان کا حال سنئے۔ جب اس غش سے افاقہ ہوا تو اس نے دیکھا کہ چاند بیچ

آسمان پر آ چکا ہے اور صبح کی بھینی بھینی ہوا چل رہی ہے۔ اس کے دل میں تمنائیں اور غم امنڈنے لگے اور اس نے اپنی آواز سدھاری اور چاہتا ہی تھا کہ گائے کہ بھٹی والے نے کہا کہ تو کیا کرتا ہے؟ جواب دیا کہ میں اشعار پڑھنا چاہتا ہوں تاکہ میرے دل کی آگ بجھے۔ بھٹی والے نے کہا کہ تجھے معلوم نہیں کہ مجھ پر کیا گزری اور اگر میں خادم کی خوشامد نہ کرتا تو وہ مجھے مار ڈالتا۔ ضوء المکان نے کہا کہ تفصیل سے بیان کر۔ اس نے کہا جب تو بے ہوش تھا تو خادم میرے پاس آیا اور اس کے پاس بادام کی لکڑی کا ایک لمبا ڈانڈا تھا اور وہ ہر شخص کے چہرے کی طرف دیکھتا جاتا اور پوچھتا جاتا کہ کس نے اشعار گائے ہیں۔ سوائے میرے کوئی بیدار نہ تھا اور اس نے مجھ سے دریافت کیا۔ میں نے کہا کہ کوئی راہ گیر تھا۔ اس پر وہ چلا گیا اور خدا نے میری جان بچا لی ورنہ وہ مجھے مار ڈالتا۔ اب وہ مجھ سے کہہ گیا ہے کہ اگر دوبارہ سنیو تو اسے میرے پاس لے آئیو۔ جب ضوء المکان نے یہ سنا تو وہ رونے لگا اور کہا کہ دیکھوں مجھے شعر پڑھنے سے کون روکتا ہے! میں تو پڑھوں گا خواہ میرے اوپر کچھ ہی گزرے! اب میں اپنے وطن کے قریب ہوں اور کسی کی پروا نہیں کرتا۔ بھٹی والے نے کہا کہ تو اپنی ہلاکت پر تلا بیٹھا ہے۔ ضوء المکان نے کہا کہ میں تو ضرور پڑھوں گا۔ اس نے جواب دیا کہ اس وقت سے مجھ میں اور تجھ میں جدائی ہوتی ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ جب تک تجھے تیرے وطن نہ پہنچا دوں اور تجھے تیرے باپ ماں سے نہ ملا دوں تیرا ساتھ ہرگز نہ چھوڑوں۔ ڈیڑھ سال سے تو میرے پاس ہے اور میں نے تجھے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ آخر تو اشعار پڑھنے پر اصرار کیوں کرتا ہے؟ حالانکہ ہم چلنے اور بیداری کی وجہ سے تھکے ہوئے ہیں اور سب لوگ سو رہے ہیں تاکہ ان کی تھکن اتر جائے اور سونا ان کے لیے ضروری ہے۔ ضوء المکان نے کہا کہ میں تو باز نہیں آنے کا اور اس کے درد و غم نے اسے پردہ دری پر مجبور کر دیا اور وہ اشعار پڑھنے لگا۔ جب وہ پڑھ چکا تو اس نے تین بار چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ بھٹی والا اٹھا اور اس نے اسے چادر اڑھا دی۔

جب نزہت الزماں نے پہلی بار اشعار سنے تھے تو اسے اپنے باپ اور ماں اور بھائی کی یاد آئی تھی۔ اب جب دوبارہ اس نے اشعار سنے تو وہ رونے لگی اور خادم پر ناراض ہو کر کہنے لگی کہ حیف ہو تجھ پر' جس نے پہلے اشعار پڑھے تھے اس نے پھر پڑھے ہیں اور وہ شخص یہاں سے قریب ہے۔ خدا کی قسم' اگر تو اسے میرے پاس نہ لایا تو حاجب سے کہہ کر تجھے خوب پٹوا کر نکلوا دوں گی۔ لیکن یہ سو دینار لیتا جا اور اسے دے اور اسے نرمی کے ساتھ بلا لا اور اسے تکلیف مت پہنچا۔ اگر وہ لینے سے انکار کرے تو اسے یہ تھیلی دیجیو جس میں ایک ہزار دینار ہیں۔ اگر وہ اسے بھی نہ لے تو اسے مجبور مت کیجیو۔ بلکہ اس کا گھر اور پیشہ پوچھ لیجیو اور یہ کہ وہ کس ملک کا ہے اور جلد میرے پاس لوٹ کر آ جائیو دیر مت کیجیو۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• تہترویں رات

جب تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ نزہت الزماں نے خادم کو بھیجا کہ اس کی تلاش کرے اور کہا کہ خبردار اگر تو نے پھر میرے پاس آکر کہا کہ وہ نہیں ملا! خادم گیا اور لوگوں میں ادھر ادھر گھومنے لگا اور ان کے خیموں کے اندر بھی گیا کسی کو جاگتا نہ پایا کیونکہ سب لوگ تکان کی وجہ سے سو رہے تھے۔ اب وہ بھٹی والے کے پاس آیا اور دیکھا کہ وہ سر کھولے بیٹھا ہوا ہے۔ خادم نے قریب آکر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ تو نے ہی اشعار گائے ہیں۔ اسے اپنی جان کا ڈر لگا اور وہ کہنے لگا کہ اے قوم کے سردار' میں نے نہیں گائے ہیں۔ خادم نے کہا کہ جب تک تو مجھے اس شخص کے پاس نہ لے چلے گا جس نے گائے ہیں میں تجھے ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ اگر میں بغیر اس شخص کے اپنی مالکہ کے پاس جاؤں گا تو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے سزا دے گی۔ جب بھٹی والے نے خادم کی باتیں سنیں تو اسے ضوء المکان کی طرف سے بہت ڈر لگا اور وہ زار زار رونے لگا اور اس نے خادم سے کہا کہ واللہ نہ میں نے اشعار گائے اور نہ میں یہ جانتا ہوں کہ کس نے گائے مگر میں نے ایک راہ گیر کو گاتے سنا ہے۔ میری وجہ سے گنہگار مت بن' میں پردیسی ہوں اور قدس اور خلیل سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ خادم نے کہا کہ میرے ساتھ چل اور اپنی زبان سے میری مالکہ سے بیان کر کیونکہ اس وقت تیرے سوا اور کوئی جاگتا ہوا نہیں ہے۔ بھٹی والے نے کہا کہ پہلی بار بھی تو نے مجھے اس جگہ بیٹھے دیکھا تھا۔ کوئی شخص اپنی جگہ سے یہاں ہل نہیں سکتا ورنہ اسے چوکیدار پکڑ لیں گے۔ تو واپس جا اور اگر اس کے بعد تو کسی کو شعر پڑھتے سنے' خواہ وہ دور ہو یا نزدیک' تو وہ میں ہوں گا یا میں اس کو جانتا ہوں گا اور مجھ ہی سے تجھے اس کا پتہ چلے گا۔ یہ کہہ کر اس نے خادم کے سر کو بوسہ دیا اور اس کی خوشامد کرنے لگا۔ خادم اس کو چھوڑ

کر چلا گیا اور ایک چکر لگا کر بھٹی والے کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا کیونکہ بغیر نتیجے کے اپنی مالکہ کے پاس جانے سے وہ ڈرتا تھا۔
اب بھٹی والا اٹھا اور اس نے ضوء المکان کو جگایا اور کہا کہ اٹھ کر بیٹھ جا' میں تجھ سے ماجرا بیان کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اٹھ بیٹھا اور بھٹی والے نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ ضوء المکان نے کہا کہ ارے جانے بھی دے' میں کسی کی پروا نہیں کرتا اور نہ کسی سے ڈرتا ہوں کیونکہ میرا ملک قریب ہے۔ بھٹی والے نے کہا کہ آخر تو کیوں اپنے نفس اور شیطان کی پیروی کرتا ہے؟ تو کسی سے نہیں ڈرتا مگر میں اپنی اور تیری بابت ڈرتا ہوں۔ تجھے خدا کی قسم' جب تک اپنے شہر نہ پہنچ جائیو' ہرگز اشعار نہ گائیو۔ میں تجھے ایسا ہرگز نہ جانتا تھا۔ تجھے معلوم نہیں کہ یہ خانم جو حاجب کی بیوی ہے تجھے سزا دینا چاہتی ہے کیونکہ تو اسے دق کر رہا ہے۔ غالباً وہ بیمار ہے یا سفر کی تکان سے اسے نیند نہیں آتی۔ یہ دوسری مرتبہ ہے کہ اس نے خادم کو تیری تلاش میں بھیجا ہے۔ ضوء المکان اس کی باتوں کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوا بلکہ تیسری بار اس نے آہ کھینچی اور اشعار پڑھنے لگا۔ خادم چھپا ہوا کھڑا تھا اور اس کے اشعار سن رہا تھا۔ جب وہ پڑھ چکا تو خادم اس کے سر پر آ پہنچا۔ بھٹی جھونکنے والا یہ دیکھ کر بھاگا اور دور کھڑا ہو کر دیکھنے لگا کہ اب کیا ہوتا ہے۔ خادم نے کہا کہ السلام علیکم' اے میرے آقا' ضوء المکان نے جواب دیا کہ وعلیکم السلام و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ خادم نے کہا کہ اے میرے آقا.....
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چوہترویں رات

جب چوہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ خادم نے ضوء المکان سے کہا کہ اے میرے آقا' میں آج رات تیرے پاس تین بار آ چکا ہوں کیونکہ میری مالکہ نے تجھے یاد کیا ہے۔ اس نے کہا کہ" یہ کون کتیا ہے جو مجھے یاد کرتی ہے؟ خدا اس پر اور اس کے ساتھ اس کے شوہر پر لعنت بھیجے! یہ کہہ کر اس نے خادم کو برا بھلا کہنا شروع کیا' لیکن خادم کو یہ مجال نہ ہوئی کہ اسے جواب دے کیونکہ اس کی مالکہ نے اس سے کہہ دیا تھا کہ اسے تکلیف نہ پہنچائیو اور اسے زبردستی نہ لائیو اور اگر وہ تیرے ساتھ نہ آئے تو اسے سو دینار دیجیو۔ اس لیے خادم اس سے ملائمت سے باتیں کرنے لگا اور اس سے کہا کہ اے میرے آقا' یہ لے اور میرے ساتھ چل۔ ہم نے نہ تو تیرا کچھ بگاڑا ہے اور نہ کوئی جرم کیا ہے۔ میرا مطلب محض اتنا ہے کہ تو ہماری مالکہ کے یہاں قدم رنجہ فرمائے تاکہ وہ تجھ سے کچھ پوچھے اور پھر تو بخیر و خوبی واپس آ جائے۔ ہم تجھے ایک بڑی خوش خبری سنانا چاہتے ہیں۔ جب اس نے خادم سے یہ سنا تو اٹھ کھڑا ہوا اور لوگوں پر کودتا پھاندتا چل دیا۔ بھٹی والا اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا اور اس کو برابر دیکھا جاتا اور اپنے دل میں کہتا جاتا تھا کہ ہائے اس کی جوانی! کل وہ اسے پھانسی پر چڑھا دیں گے۔ بھٹی والا ان کے پیچھے پیچھے تھا مگر انہوں نے اس کو نہ دیکھا اور جب وہ اپنی جگہ پہنچ گئے تو وہ بھی ٹھہر گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر وہ کہے کہ میں نے اس سے اشعار پڑھنے کو کہا تھا تو اس کی یہ بڑی رذالت ہو گی۔

یہ تو بھٹی والے کا قصہ ہوا۔ اب ضوء المکان کا حال سنئے۔ وہ خادم کے ساتھ چلتے چلتے محمل تک پہنچا اور خادم نے نزہت الزماں کے پاس جا کر خبر کی اور کہا کہ اے میرے آقا' جس کو تو چاہتی تھی اسے میں لے آیا ہوں اور وہ بڑا حسین جوان ہے اور ناز پروردگی کے آثار اس سے نمودار ہیں۔ جب نزہت الزماں نے یہ سنا تو اس کا دل دھڑکنے

لگا اور اس نے کہا کہ اس سے کہہ کہ اشعار پڑھے تاکہ میں قریب سے بھی سنوں۔ اس کے بعد اس کا نام اور وطن پوچھیو۔ یہ سن کر خادم آیا اور کہنے لگا کہ اگر اور شعر یاد ہوں تو پڑھ' میری مالکہ تیرے قریب کھڑی سن رہی ہے۔ اس کے بعد میں تیرا نام اور وطن اور حال دریافت کروں گا۔ ضوء المکان نے کہا بسر و چشم لیکن اگر تو میرا نام جاننا چاہتا ہے تو وہ مٹ چکا ہے اور میرا پتہ فنا ہو چکا ہے اور میرا جسم گھل چکا ہے۔ اور میری سرگزشت ایسی ہے جس کی ابتدا نامعلوم ہے اور انتہا نا مفہوم اور میری حالت اس متوالے کی سی ہے جس نے بہت شراب پی لی ہو اور اپنے اوپر ظلم کیا ہو اور حوادث کا شکار بنا ہو اور جس کا سر پھر گیا ہو اور جو اپنے معاملے میں حیران و پریشان اور فکر کے سمندر میں غرق ہو۔ جب نزہت الزماں نے یہ باتیں سنیں تو وہ رو پڑی اور خوب روئی اور آہیں بھرنے لگی اور خادم سے کہا کہ اس سے پوچھ کہ کیا تو کسی عزیز دوست سے جدا ہو گیا ہے مثلاً باپ یا ماں سے۔ خادم نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور ضوء المکان نے جواب دیا کہ ہاں' میں سب سے جدا ہو گیا ہوں اور ان میں سے سب سے زیادہ عزیز میری بہن ہے جسے زمانے نے مجھ سے جدا کر دیا ہے۔ نزہت الزماں یہ سن کر چپ ہو گئی اور کہنے لگی کہ خداوندا اس کو اپنے عزیزوں سے ملا دے!

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پچھترویں رات

جب پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب نزہت الزماں نے اس کی باتیں سنیں تو کہنے لگی کہ خدا اسے اس کے عزیزوں سے پھر ملائے! اس کے بعد وہ خادم سے کہنے لگی کہ اس سے کہہ کہ وہ اپنے خاندان اور وطن کی مفارقت میں مجھے کچھ سنائے۔ خادم نے اپنی مالکہ کے حکم کی تعمیل کی اور ضوء المکان سرد آہ بھر کر اسے اشعار سنانے لگا۔ جب وہ اشعار پڑھ چکا اور نزہت الزماں انہیں سن چکی تو اس نے محمل کا پردہ اٹھا دیا اور اسے دیکھنے لگی۔ جب اس کی نظر ضوء المکان کے چہرے پر پڑی تو اس نے اسے پہچان لیا اور اسے یقین آ گیا کہ وہ ضوء المکان ہے اور وہ چلا اٹھی کہ بھائی ضوء المکان! وہ بھی اس کی طرف دیکھنے لگا اور اسے پہچان لیا اور چلا اٹھا کہ بہن نزہت الزماں! وہ بھائی سے لپٹ گئی اور بھائی نے اسے گود میں لے لیا اور دونوں بے ہوش ہو گئے۔ جب خادم نے ان کی یہ حالت دیکھی تو اسے ان پر بڑا تعجب ہوا اور اس نے دونوں پر چادر ڈال دی اور ان کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتا رہا۔ جب انہیں ہوش آیا تو نزہت الزماں مارے خوشی کے پھولے نہ سماتی تھی اور اس کا رنج و الم سب دور ہو گیا اور خوشی نے ان کی جگہ لے لی۔ اب ضوء المکان نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور مارے خوشی کے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور تھوڑی دیر تک وہ دونوں محمل کے دروازے پر بیٹھے رہے۔ اس کے بعد وہ کہنے لگی کہ محمل کے اندر چل اور تو اپنی سرگزشت مجھ سے بیان کر اور میں تجھ سے اپنی سرگزشت بیان کروں۔ جب وہ اندر آئے تو ضوء المکان نے کہا کہ پہلے تو کہہ۔ اس نے اپنا قصہ شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنایا۔ اس وقت سے لے کر جب وہ اس سے سرائے میں رخصت ہوئی تھی اور یہ کہ بدو اور تاجر کے ساتھ کیا واقعہ

پیش آیا اور تاجر اسے کس طرح بدو سے خرید کر اس کے بھائی شرکان کے پاس لے گیا اور اس کے ہاتھ بیچا اور اس نے خرید کر اسے آزاد کیا اور اس کے ساتھ نکاح نامہ لکھوایا اور اس کے ساتھ ہم بستر ہوا اور جب اس کے باپ نے اس کی خبر سنی تو اس نے خط لکھ کر اسے بلوایا۔

اس کے بعد وہ کہنے لگی کہ شکر ہے خدایا جس نے میرے اوپر احسان کیا اور تجھ سے ملایا اور جس طرح ہم باپ کے یہاں سے ساتھ ساتھ نکلے تھے اسی طرح ساتھ ساتھ واپس جا رہے ہیں۔ پھر اس نے یہ بیان کیا کہ میرے بھائی شرکان نے میری شادی اس حاجب سے کر دی ہے تاکہ وہ مجھے میرے باپ تک پہنچا دے۔ بس یہ میری سرگذشت اول سے لے کر آخر تک۔ اب تو کہہ کہ میرے جانے کے بعد تجھ پر کیا گزری۔ اس نے بھی شروع سے لے کر آخر تک سارا قصہ بیان کر دیا اور یہ کہ خدا نے اس پر احسان کیا اور اس بھٹی والے سے ملا دیا اور وہ اس کے ساتھ سفر میں ہے اور اپنا مال اس پر خرچ کر رہا ہے اور دن رات اس کی خدمت کرتا ہے۔ بہن نے کہا کہ میں اس پر اس کی بہت شکر گزار ہوں۔ ضوء المکان نے کہا کہ بہن' اس بھٹی والے نے میرے ساتھ وہ احسان کیا ہے جو نہ دوست دوست کے ساتھ کرتا ہے اور نہ باپ بیٹے کے ساتھ۔ حتیٰ کہ وہ مجھے کھانا کھلاتا اور خود بھوکا رہتا ہے اور مجھے سوار کرتا اور خود پیادہ چلتا اور میرے زندہ رہنے کا سبب وہی ہے۔ نزہت الزماں نے کہا کہ اگر خدا نے چاہا تو ہم حتی المقدور اس کا بدلہ دیں گے۔ اب نزہت الزماں نے خادم کو آواز دی اور اس نے آکر ضوء المکان کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ نزہت الزماں نے اس سے کہا کہ اے نیک مرد' میں تجھے بھی خوشخبری دیتی ہوں کیونکہ تیرے ذریعے سے میں اپنے بھائی سے ملی ہوں۔ تھیلی اور جو کچھ اس میں ہے' تیرا ہے۔ اب فوراً جا کر اپنے مالک کو بلا لا۔ خادم خوش ہو گیا اور حاجب کے پاس جا کر کہا کہ میری مالکہ تجھے بلاتی ہے۔ حاجب اس کے ساتھ آیا اور اپنی بیوی نزہت الزماں کے پاس گیا اور دیکھا کہ اس کا بھائی اس کے پاس ہے اور اس نے قصہ دریافت کیا۔ بیوی نے ساری سرگزشت شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دی اور اس کے بعد کہنے

لگی کہ اے حاجب، تو نے کسی کنیز کے ساتھ شادی نہیں کی بلکہ بادشاہ عمر بن النعمان کی بیٹی کے ساتھ کی ہے۔ کیونکہ میں نزہت الزماں ہوں اور یہ میرا بھائی ضوء المکان۔

جب حاجب نے یہ سارا قصہ سنا اور اسے اس کا یقین آ گیا اور اسے سارا واقعہ معلوم ہو گیا اور وہ یہ جان گیا کہ وہ بادشاہ عمر بن النعمان کا داماد ہے تو وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب تو کسی نہ کسی صوبے کا میں والی بنایا جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ ضوء المکان کی طرف متوجہ ہوا اور اس کی سلامتی اور بہن سے ملنے پر مبارک باد دی اور فوراً نوکروں چاکروں کو حکم دیا کہ ضوء المکان کے لیے ایک خیمہ اور بہترین گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا تیار کریں۔ نزہت الزماں نے کہا کہ اب ہم وطن کے قریب پہنچ گئے ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ وطن پہنچنے تک میں اپنے بھائی کے ساتھ تنہا رہوں اور ہم مل کر لطف اٹھائیں۔ یہاں تک کہ سیر ہو جائیں کیونکہ ہم بہت دنوں تک جدا رہے ہیں۔ حاجب نے کہا کہ تیرا حکم سر آنکھوں پر! یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور ان کے لیے شمعیں اور طرح طرح کی مٹھائیاں اور ضوء المکان کے لیے تین جوڑے بہترین لباس کے بھیجے۔ اس کے بعد وہ پھر محمل میں آیا اور اپنی دریا دلی بیان کی۔ نزہت الزماں نے اس سے کہا کہ خادم کو بھیج کر بھٹی والے کو بلوا اور اس کی سواری کے لیے ایک گھوڑا دے تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر چلے اور صبح شام اس کے لیے دسترخوان تیار کر اور اس سے کہہ کہ وہ ہمارا ساتھ نہ چھوڑے۔ یہ سن کا حاجب نے خادم کو بلوایا اور اسے سارے احکامات دے دیے۔ خادم نے کہا کہ بسر و چشم اور اپنے ساتھ نوکروں کو لے کر بھٹی والے کی تلاش میں گیا اور دیکھا کہ وہ قافلے کے پیچھے اپنا گدھا کس رہا ہے اور بھاگنا چاہتا ہے اور اپنی جان کے خوف اور ضوء المکان کی جدائی کے رنج سے اس کے چہرے پر آنسو بہہ رہے ہیں اور کہہ رہا ہے کہ میں نے فی سبیل اللہ اسے نصیحت کی تھی لیکن اس نے میری نہ سنی۔ معلوم نہیں کہ اب وہ کس حال میں ہے۔ ابھی وہ یہ باتیں ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ خادم اس کے سر پر آ پہنچا

اور نوکر چاکر اس کے آس پاس گھومنے لگے۔ بھٹی والے نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ خادم اس کے سر پر کھڑا ہے اور اس کے اردگرد بہت سے نوکر چاکر ہیں۔ یہ دیکھ کر

وہ سہم گیا اور اس کا رنگ فق ہو گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چھترویں رات

جب چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب بھٹی والے نے ارادہ کیا کہ اپنے گدھے پر کاٹھی رکھ کر بھاگ جائے اور جب وہ اپنے دل میں یہ باتیں کر رہا تھا کہ دیکھنا چاہیے کہ اس کا کیا حال ہو تو ابھی یہ باتیں ختم نہ کرنے پایا تھا کہ خادم اس کے سر پر آ کھڑا ہوا اور دوسرے نوکر چاکر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ جب بھٹی والے نے دیکھا کہ خادم اس کے سر پر کھڑا ہے تو اس کے پٹھے کانپنے لگے اور وہ سہم گیا اور بلند آواز سے کہنے لگا کہ اس نے میری ساری بھلائیوں پر پانی پھیر دیا اور وہ اس خادم اور دوسرے نوکر چاکروں کو میرے پیچھے لگایا گویا میں بھی اس کے گناہ میں شامل ہوں۔ اتنے میں خادم نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ اے جھوٹے' اشعار کون پڑھتا تھا! تو نے مجھ سے یہ کیوں کہا کہ نہ تو تو نے اشعار پڑھے اور نہ تجھے معلوم کہ کس نے پڑھے؟ حالانکہ وہ تیرا رفیق ہے۔ اس لیے میں یہاں سے لے کر بغداد تک تیرا پیچھا نہ چھوڑوں گا اور جو تیرے رفیق کا حال ہو گا وہی تیرا بھی ہو گا۔ جب اس نے خادم کو یہ کہتے سنا تو وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ جس سے میں ڈرتا تھا' وہی پیش آیا۔

اب خادم نے دوسرے نوکروں سے ڈانٹ کر کہا کہ اسے گدھے سے اتار لو اور انہوں نے اسے اتار لیا اور اسے گھوڑے پر سوار کیا اور قافلے کے ساتھ روانہ کر دیا اور نوکر چاکر اس کے اردگرد تھے اور آنکھ مارتے جاتے تھے۔ خادم نے ان سے چپکے سے کہا اسے عزت سے رکھنا ذلیل نہ کرنا۔ اگر اس کا ذرا بھی بال بیکا ہوا تو تمہاری خیر نہیں۔ بھٹی والے نے جب نوکروں کو اپنے اردگرد دیکھا تو وہ زندگی سے ناامید ہو گیا اور خادم کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے سردار' میں نہ اس شخص کا بھائی ہوں اور نہ عزیز' نہ میرا اس سے کوئی رشتہ ناطہ ہے' نہ ہی اس کا مجھ سے۔ میں

ایک بھٹی جھونکنے پر مامور ہوں اور میں نے ایک دن اسے کوڑے کے ڈھیر پر بیمار پایا تھا۔ قافلہ چلا جا رہا تھا اور وہ رو رہا تھا اور اس کے دل میں ہزاروں وسوسے آ جا رہے تھے اور خادم اس کے ساتھ ساتھ تھا اور اسے واقعات سے مطلع نہ کرتا بلکہ یہ کہتا کہ تو نے اور اس لڑکے نے شعر پڑھ پڑھ کر میری مالکہ کو دق کیا ہے اور تجھے اپنی جان کا خوف نہیں۔ خادم دل ہی دل میں اس پر ہنستا اور جب وہ ٹھہرتے تو وہ کھانا لاتا اور دونوں ایک ہی برتن میں کھاتے اور وہ کھانا کھا چکتے تو شراب کی صراحی منگواتا اور خود پیتا اور بھٹی والے کو پلاتا لیکن اپنی جان کے خوف اور ضوء المکان کے فراق کی وجہ سے اس کے آنسو بند نہ ہوتے اور وہ یہ سوچتا کہ پردیس میں آکر وہ کس مصیبت میں پھنس گیا! وہ یہی سوچتا جاتا اور خادم اس کے ہمراہ چلتا جاتا تھا۔ حاجب کبھی تو بادشاہ عمر بن النعمان کے بیٹے ضوء المکان اور اس کی بہن کی خدمت میں محل کے دروازے پر حاضر ہوتا اور کبھی بھٹی والے کا تماشہ دیکھتا اور نزہت الزماں اور اس کا بھائی ضوء المکان بات چیت اور شکوے شکایت میں مصروف تھے۔

وہ اسی حالت میں چلتے چلتے ملک کے قریب پہنچے اور ان کے درمیان محض تین روز کا فاصلہ رہ گیا۔ اب شام ہوتے ہی وہ اتر پڑے اور آرام کرنے لگے اور صبح تک آرام کرتے رہے۔ جب صبح نمودار ہوئی تو وہ اٹھے تو سامان لادنے ہی والے تھے کہ ان کو ایک گرد اٹھتی دکھائی دی اور ہوا تاریک ہو کر اندھیری رات کی طرف ہو گئی۔ حاجب نے آواز دی کہ ٹھہرو' ابھی مت لادو اور وہ اس کے غلام سوار ہو کر گرد کی طرف روانہ ہوئے۔ جب قریب پہنچے تو انہیں گرد کے نیچے ایک بڑا لشکر نظر آیا جو متلاطم سمندر کی طرح تھا اور جس کے ساتھ جھنڈے اور علم اور ڈھول اور سوار اور سورما تھے۔ حاجب کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا۔ جب لشکر والوں نے اس کو دیکھا تو تقریباً پانچ سوار آگے بڑھ کر حاجب اور اس کے ساتھیوں کے پاس آئے اور ان کو گھیر لیا اور ایک ایک غلام کے گرد پانچ پانچ سوار جمع ہو گئے۔ حاجب نے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے اور یہ لشکر کہاں سے آیا ہے کہ ہمارے ساتھ یہ حرکت کر رہا ہے؟ انہوں نے کہا کہ تو کون

ہے اور کہاں سے آ رہا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں بغداد اور خراسان کے بادشاہ عمر بن النعمان کے بیٹے شرکان کا' جو دمشق کا والی ہے حاجب ہوں اور اس نے مجھے خراج اور ہدیے لے کر اپنے باپ کے پاس بغداد بھیجا ہے۔ جب انہوں نے اس سے یہ سنا تو منہ پر رومال ڈال کر رونے لگے اور کہا کہ عمر بن النعمان فوت ہو چکا ہے اور وہ بھی زہر سے۔ تیرے لیے کوئی ہرج نہیں' تو جا کر بڑے وزیر دندان سے ملاقات کر۔

جب حاجب نے یہ سنا تو رونے پیٹنے لگا اور کہنے لگا کہ ہائے' اس سفر میں ہماری ناکامی! یہ کہہ کر وہ اس کے سب ہمراہی رونے لگے اور دوسرے لشکر میں جا کر وزیر دندان سے ملنے کی اجازت مانگی۔ وزیر نے اجازت دے دی اور اپنے خیمے لگوا کر خود ایک خیمے کے بیچ تخت پر بیٹھ گیا اور حاجب نے کہا کہ بیٹھ۔ جب وہ بیٹھ گیا تو وزیر نے اس سے حال دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ میں دمشق کا امیر حاجب ہوں اور ہدیئے اور دمشق کا خراج لے کر آیا ہوں۔ جب وزیر نے سنا تو بادشاہ عمر بن النعمان کو یاد کر کے رونے لگا اور اس سے کہا بادشاہ عمر بن النعمان کو زہر دے دیا گیا ہے اور اس کی موت کے بعد لوگوں میں اختلاف ہو گیا ہے کہ کس کو بادشاہ بنائیں یہاں تک کہ ان میں کشت و خون ہو گیا تھا مگر اراکین اور امراء اور چاروں قاضیوں نے ان کو روکا اور لوگوں کو اس بات پر اتفاق ہوا کہ جو کچھ چاروں قاضی کہیں' اسے سب لوگ مان لیں اور چاروں اس بات پر متفق ہیں کہ ہم دمشق جا کر شہزادہ شرکان کو لائیں اور اسے باپ کے تخت پر بٹھائیں مگر لوگوں میں ایک جماعت ہے جو اس کے دوسرے بیٹے کو تخت پر بٹھانا چاہتے ہیں جس کا نام ضوء المکان اور جس کی بہن نزہت الزماں ہے پانچ سال ہوئے کہ وہ حجاز گئے تھے اور آج تک ان کا پتہ نہیں۔ جب حاجب نے یہ سنا تو اس کو یقین آ گیا کہ جو قصہ اس کی بیوی نے بیان کیا تھا' صحیح ہے۔ بادشاہ کی موت پر اسے بہت غم ہوا لیکن ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی بالخصوص ضوء المکان کے آنے کی وجہ سے کیونکہ اس کا گمان تھا کہ وہ اپنے باپ کی جگہ بغداد کے تخت

پر بیٹھے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ستترویں رات

جب ستترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بادشاہ' جب شرکان کے حاجب نے وزیر دندان کی باتیں سنیں کہ بادشاہ عمر بن النعمان فوت ہو چکا ہے تو اسے افسوس ہوا لیکن اپنی بیوی اور اس کے بھائی ضوء المکان کی خاطر وہ بہت خوش تھا کہ وہ اپنے باپ کی جگہ بغداد میں بادشاہ بنے گا۔ اب اس نے وزیر دندان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارا قصہ عجیب و غریب ہے۔ اے بڑے وزیر' اب جب کہ تم ہم سے ملے ہو تو خدا نے تمہاری پریشانی دور کر دی ہے اور نہایت آسانی کے ساتھ تمہاری مطلب برآری ہو گئی ہے کیونکہ خدا ضوء المکان اور اس کی بہن کو یہاں لے آیا ہے اور سارا معاملہ صاف اور آسان ہو گیا ہے۔
جب وزیر نے یہ سنا تو مارے خوشی کے پھول گیا اور حاجب سے کہنے لگا کہ بیان کر' ان کا کیا قصہ ہے اور ان پر کیا گزری اور وہ اب تک کیوں ناپید رہے؟ حاجب نے اس سے سارا قصہ کہہ سنایا جو نزہت الزماں نے اس سے بیان کیا تھا اور کہا کہ اب وہ میری بیوی ہے اور ضوء المکان کی سرگزشت بھی شروع سے آخر تک کہہ سنائی۔
جب حاجب اپنی باتیں ختم کر چکا تو وزیر دندان نے امراء اور وزراء اور ملک کے بڑے لوگوں کو بلوایا اور انہیں ساری باتوں سے مطلع کیا۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور ان واقعات سے انہیں سخت تعجب ہوا۔ اب وہ سب کے سب حاجب کے پاس آئے اور اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوئے اور زمین کو بوسہ دیا اور وزیر بھی فوراً حاجب کے پاس آیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس روز حاجب نے ایک بڑا دربار کیا' وہ اور وزیر تخت پر بیٹھے اور ان کے سامنے سارے امراء و اراکین اپنے اپنے درجوں کے مطابق کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے گلاب کے پانی میں شکر گھولی اور اسے پیا۔ اب امراء سے مشورہ کرنے بیٹھ گئے اور باقی لشکر کو حکم دیا کہ آہستہ آہستہ آگے

بڑھیں اور مشورہ ختم کرنے کے بعد وہ ان سے آ ملیں گے۔ انہوں نے حاجب کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور سوار ہو گئے اور جھنڈے ان کے آگے آگے روانہ ہوئے۔ جب امراء مشورے سے فارغ ہو چکے تو سوار ہو کر ان سے جا ملے۔ اب حاجب وزیر دندان کے سامنے آیا اور کہنے لگا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم سے آگے چل دوں تا کہ میں نئے بادشاہ کی خاطر خواہ جگہ تیار کروں اور اسے تم لوگوں کے آنے کی خبر پہنچاؤں اور یہ کہ تم نے اس کے بھائی شرکان کو چھوڑ کر اسے اپنے اوپر بادشاہ بنایا ہے۔ وزیر نے کہا کہ تیری رائے مناسب ہے۔

یہ کہہ کر حاجب اٹھا اور وزیر دندان بھی تعظیماً اٹھ کھڑا ہوا اور حاجب کے سامنے تحفے پیش کئے اور اس کو قسم دی کہ انہیں قبول کرے۔ اسی طرح بڑے بڑے امرا اور منصب داروں نے تحفے تحائف پیش کئے اور اسے دعا دی اور اس سے کہا کہ سلطان ضوء المکان سے ہماری سفارش کیجیو تا کہ وہ ہمیں ہمارے عہدوں پر بحال رکھے۔ حاجب نے ان کی درخواست منظور کر لی اور اپنے غلاموں کو کوچ کا حکم دے دیا۔ وزیر دندان نے حاجب کے ہمراہ خیمے بھیجے اور فراشوں کو حکم دیا کہ انہیں شہر سے ایک دن کی راہ پر نصب کریں اور انہوں نے جواب دیا کہ بہت خوب۔ حاجب سوار ہو کر خوش خوش چل دیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ سفر کیسا مبارک ہے! اور اس کے دل میں اپنی بیوی اور ضوء المکان کی قدر بڑھ گئی۔ اب وہ تیز تیز چلتے ایک جگہ پہنچا جہاں سے شہر ایک دن کے فاصلے پر تھا اور فوج کو ٹھہرنے کا حکم دیا تا کہ آرام کریں اور سلطان ضوء المکان کے لیے جگہ تیار کریں۔ اس کے بعد وہ ابھی نزہت الزماں کے بالکل قریب نہ پہنچا تھا کہ گھوڑے سے اتر پڑا اور اس کے ساتھ اس کے سفید اور کالے غلام بھی پیادہ ہو گئے اور اس نے ان سے کہا کہ مالکہ سے اجازت مانگیں کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے اجازت مانگی اور مالکہ نے اجازت دی اور وہ اندر جا کر اس سے اور اس کے بھائی سے ملا اور انہیں ان کے باپ کے مرنے کی خبر پہنچائی

اور یہ کہ امراء نے باپ کی جگہ اس کو بادشاہ منتخب کیا ہے اور ان کو حکومت ملنے پر مبارک باد دی۔ دونوں اپنے باپ کے مرنے کی خبر سن کر رونے لگے اور اس کے قتل کا سبب دریافت کیا۔ حاجب نے کہا کہ اس کی خبر وزیر دندان کو ہے اور وہ مع اپنے لاؤ لشکر کے عنقریب یہاں پہنچ جائے گا۔ اب اے بادشاہ سوائے اس کے اور چارہ نہیں کہ تو ان کے انتخاب کو منظور کرے کیونکہ انہوں نے یکرائے ہو کر تجھے منتخب کیا ہے اور اگر تو منظور نہیں کرے گا تو وہ کسی دوسرے کو سلطان بنا دیں گے اور اس کے ہاتھ سے تو امن و امان میں نہ رہ سکے گا' ممکن ہے کہ وہ تجھے قتل کر دے یا تم دونوں میں جھگڑا ہو اور سلطنت دونوں کے ہاتھ سے نکل جائے۔

اس پر ضوء المکان تھوڑی دیر تک سر جھکائے رہا اور پھر کہنے لگا کہ میں نے منظور کیا کیونکہ اس سے مفر نہیں۔ اسے یقین آ گیا کہ حاجب کا مشورہ درست ہے اور وہ اس سے کہنے لگا کہ چچا' تو پھر میرے بھائی شرکان کا کیا حشر ہو گا؟ اس نے کہا کہ بیٹا' وہ دمشق کا سلطان ہے اور تو بغداد کا ہو گا۔ تو اپنا ارادہ مضبوط رکھ اور اپنے کام میں مشغول ہو جا۔ ضوء المکان نے اسے منظور کر لیا۔ اس کے بعد حاجب نے اسے شاہی لباس پیش کیا جو وزیر دندان اپنے ساتھ لایا تھا اور خنجر دیا اور باہر جا کر فراشوں کو حکم دیا کہ ایک بلند مقام چن کر اس میں بڑے بڑے خیمے لگائیں تاکہ جب امراء بادشاہ سے ملنے آئیں تو وہاں بیٹھ کر ان سے ملے۔ اس کے بعد اس نے باورچیوں کو حکم دیا کہ عمدہ عمدہ کھانے پکا کر حاضر کریں اور سقوں کو حکم دیا کہ پانی کی ناندیں لگائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد انہیں غبار اڑتا دکھائی دیا یہاں تک کہ وہ چاروں طرف پھیل گیا۔ جب غبار پھٹا تو اس کے نیچے متلاطم سمندر کی طرح ایک جرار لشکر دکھائی دیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی۔ اب اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• اٹھترویں رات

جب اٹھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب حاجب نے فراشوں کو حکم دیا کہ بڑا خیمہ لگائیں' جس میں بادشاہ دربار کر سکے تو انہوں نے شاہی قاعدے کے موافق ایک بڑا خیمہ لگا دیا۔ جب وہ یہ کام کر چکے تو انہیں ایک غبار اٹھتا ہوا دکھائی دیا اور جب ہوا نے غبار کو دور کر دیا تو اس کے نیچے سے ایک جرار لشکر نکلا اور انہوں نے معلوم کیا کہ یہ بغداد و خراسان کا لشکر ہے اور اس کا سردار وزیر دندان ہے اور سب ضوء المکان کے بادشاہ ہونے پر خوش و خرم ہیں۔

ضوء المکان شاہی پوشاک پہنے ہوئے اور شاہی تلوار لگائے ہوئے تھا۔ حاجب نے اس کے سامنے گھوڑا پیش کیا اور وہ سوار ہوا اور اس کے غلام اور دوسرے لوگ جو خیمے میں اس کی خدمت میں تھے پیادہ روانہ ہوئے یہاں تک کہ وہ بڑے گنبد نما خیمے میں داخل ہوا اور بیٹھ گیا اور خنجر کو اپنے زانو پر رکھ لیا اور حاجب اس کی خدمت کے لیے اس کے آگے کھڑا ہو گیا اور غلام ہاتھوں میں برہنہ شمشیر لے کر خیمے کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں فوجیں اور لشکر آ پہنچا اور اجازت طلب کی۔ حاجب نے اندر آکر ان کے لیے اجازت چاہی اور ضوء المکان نے حکم دیا کہ دس دس کر کے اندر آ جائیں۔ حاجب نے یہ حکم ان کو پہنچا دیا اور انہوں نے اسے بسر و چشم تسلیم کر لیا اور سب کے سب آکر دروازے پر ٹھہر گئے اور ان میں سے دس دس اندر داخل ہوئے اور دروازے پر حاجب ان کے بیچ میں شامل ہو گیا اور ان کو سلطان ضوء المکان کے پاس لے گیا۔ جب انہوں نے اسے دیکھا تو وہ اس کی ہیبت سے مرعوب ہو گئے لیکن وہ ان سے بڑی اچھی طرح ملا اور ان کے ساتھ بھلائی کرنے کا وعدہ کیا۔ انہوں نے اس کی سلامتی پر مبارک باد دی اور اس کے لیے دعا کی اور سچی قسمیں کھائیں کہ وہ اس کی کسی امر میں نافرمانی نہ کریں گے۔ اس کے بعد انہوں نے اس کے

آگے زمین کو بوسہ دیا اور چلے گئے اور دوسرے دس اندر آئے اور بادشاہ نے ان کے ساتھ وہی کیا جو ان سے پہلے والوں کے ساتھ کیا تھا۔ اس کے بعد دس دس آتے رہے' یہاں تک کہ سوائے وزیر دندان کے اور کوئی باقی نہ رہا۔

اب وزیر دندان بھی اندر آیا اور بادشاہ کے آگے زمین بوس ہوا۔ صوء المکان اٹھ کر آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ مرحبا' اے وزیر اور بڑے باپ' تو نے ہمیشہ عزیز مشیر کا کام دیا ہے اور تیری تدبیریں ہمیشہ دانشمندی کے ساتھ ہوئی ہیں۔ اس کے بعد اس نے حاجب کو حکم دیا کہ فوراً دسترخوان بچھایا جائے اور سب لشکریوں کو کھانا کھلایا جائے۔ وہ سب آئے اور انہوں نے کھایا پیا۔ اس کے بعد بادشاہ ضوء المکان نے وزیر دندان سے کہا کہ لشکر کو حکم دے کہ دس دن یہاں ٹھہریں تا کہ میں تجھ سے تخلئے میں باتیں کر لوں اور تو مجھے میرے باپ کے قتل کے سبب سے آگاہ کرے۔ وزیر نے سلطان کے حکم کی تعمیل کی اور کہا کہ یہ ضروری ہے۔ اس کے بعد وہ باہر گیا' جہاں آس پاس خیمے لگے ہوئے تھے اور فوج کو دس روز ٹھہرنے کا حکم دیا اور انہوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور وزیر نے ان کو اجازت دی کہ وہ سیرو تفریح کریں اور کوئی عہدہ دار اس کے پاس تین دن تک نہ آئے کیونکہ اس عرصے میں وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہے گا۔ اس پر سب لوگ گڑگڑا کر ضوء المکان کو دعا دینے لگے کہ وہ ہمیشہ باعزت رہے۔ اس کے بعد وزیر بادشاہ کے پاس گیا اور اس سے ساری سرگزشت بیان کی۔

بادشاہ نے رات تک انتظار کیا اور پھر اپنی بہن نزہت الزماں کے پاس جا کر اس سے پوچھا تجھے باپ کے قتل ہونے کی وجہ معلوم ہے یا نہیں؟ اس نے جواب دیا' نہیں۔

اس پر ضوء المکان نے ایک ریشمی پردہ ڈلوایا اور خود باہر کی طرف بیٹھا اور وزیر دندان کو بلوایا۔ جب وہ حاضر ہوا تو اس سے کہا کہ اب میرے بادشاہ عمر بن النعمان کے قتل کی وجہ بالتفصیل بیان کر۔

وزیر دندان نے کہا کہ اے بادشاہ' سن۔ جب بادشاہ عمر بن النعمان سیرو شکار سے واپس آیا اور شہر پہنچا تو اس نے تم دونوں کے متعلق دریافت کیا لیکن کوئی تمہارا پتہ معلوم

نہ ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ تم دنوں حج کرنے چلے گئے ہو۔ اس پر وہ بہت غمگین ہوا اور اسے بہت غصہ آیا اور اس کو دلی صدمہ پہنچا۔ چھ مہینے تک وہ برابر ہر آنے جانے والے سے تمہارے متعلق پوچھتا رہا لیکن کسی کو تمہاری خبر نہ تھی۔ تمہارے چلے جانے کے ایک سال بعد کا واقعہ ہے کہ ایک دن جب ہم اس کی خدمت میں حاضر تھے ایک بڑھیا آئی جس کی صورت سے عبادت کے آثار نمودار تھے۔ اس کے ساتھ پانچ کنیزیں تھیں جن کے سینے ابھرے ہوئے تھے اور جو باکرہ تھیں گویا وہ چاند تھیں اور ایسی حسین و جمیل تھیں کہ زبان ان کی تعریف سے قاصر ہے۔ علاوہ حسین ہونے کے وہ قرآن پڑھ سکتی تھیں اور حکمت اور تاریخ سے واقف تھیں۔ بڑھیا نے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔ بادشاہ نے اجازت دے دی اور بڑھیا حاضر ہوئی اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ اس وقت میں بادشاہ کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ بڑھیا کہ چہرے سے زاہد و عبادت کے آثار نمایاں ہیں تو اسے اپنے پاس بلایا۔

جب بڑھیا اس کے پاس بیٹھ گئی تو بادشاہ کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ اے بادشاہ' میں اپنے ساتھ پانچ کنیزیں لائی ہوں جن کا جواب کسی بادشاہ کے پاس نہیں پایا جاتا کیونکہ وہ دانشمندی اور حسن و جمال اور کمال میں یکتا ہیں۔ قرآن کی مختلف قرائتیں جانتی ہیں اور علوم اور تاریخ سے واقفیت رکھتی ہیں اور اے جہاں پناہ' وہ تیری خدمت کے لیے حاضر ہیں اور تیرے سامنے کھڑی ہیں' اور امتحان کے بعد انسان کی عزت یا ذلت کا پتہ چلتا ہے۔ مرحوم نے نظر اٹھا کر کنیزوں کی طرف دیکھا اور دیکھ کر خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ تم میں سے ہر ایک مجھے گزشتہ لوگوں اور قوموں کے حالات سے کچھ سنائے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• اناسی ویں رات

جب اناسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ وزیر دندان نے بادشاہ ضوء المکان سے کہا کہ مرحوم نے کنیزوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور دیکھ کر خوش ہو گیا اور ان سے کہنے لگا کہ تم میں سے ہر ایک مجھے گزشتہ لوگوں اور قوموں کے حالات سے کچھ سنائے۔ یہ سن کر ایک کنیز آگے بڑھی اور اس کے آگے زمین بوس ہو کر کہنے لگی کہ اے بادشاہ' سن۔ آداب داں شخص کا یہ فرض ہے کہ وہ فضول گوئی سے اجتناب کرے اور اپنے آپ کو فضیلتوں سے آراستہ کرے اور فرائض کو پورا کرے اور کبیرہ گناہ سے پرہیز کرے اور اس کا اتنا التزام کرے کہ اسے یقین ہو کہ اگر وہ اس کو چھوڑ دے گا تو ہلاک ہو جائے گا۔ آداب کی بنیاد نیک اخلاق پر ہے۔ جان لے کہ کھانے پینے کا مقصد زندگی کی خواہش ہے اور زندگی کا مقصد خدا کی عبادت۔ اس لیے ضروری ہے کہ تو لوگوں کے ساتھ بھلے خلق سے پیش آئے اور اس راہ سے ہرگز نہ پھرے۔ جس شخص کو جتنا زیادہ خطرہ ہوتا ہے' اسے اتنی ہی زیادہ تدبیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ عوام الناس سے زیادہ بادشاہوں کو تدبیر اور سیاست کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ عوام الناس بغیر نتیجے کے سوچے سمجھے' کام میں پڑ جاتے ہیں۔ دوسری بات اس میں یہ ہے کہ تو جان و مال کو خدا کی راہ میں صرف کرے۔ جان کہ تیرا دشمن تیرا مقابل ہے' اس کا مقابلہ حجت کے ساتھ کر اور اس سے بچتا رہ۔ اب رہا دوست۔ تیرے اور اس کے درمیان اچھے خلق کے سوا اور کوئی قاضی نہیں۔ لہٰذا پہلے اس کو ٹھونک بجا کر دیکھ لے۔ اگر وہ دین والوں میں سے ہے تو وہ ایسا ہونا چاہیے کہ وہ ظاہری شرح کا پابند ہو اور باطن کا حتی الامکان عارف' اور اگر وہ دنیا والوں میں سے ہو تو آزاد اور سچا ہو نہ کہ جاہل اور شریر۔
جاہل اس قابل ہوتا ہے کہ خود اس کے ماں باپ اس سے کوسوں بھاگیں۔ جھوٹا آدمی

دوست نہیں ہو سکتا کیونکہ صدیق لفظ جس کے معنی دوست کے ہیں' صدق سے نکلا ہے اور صدق وہ چیز ہے جو سچے دل سے نکلتی ہے اور یہ اس وقت ناممکن ہے جب کہ زبان پر جھوٹ جاری ہو اور جان کہ شرع کی پیروی فائدہ مند چیز ہے۔ اگر تیرا دوست اس صفت سے موصوف ہو تو اس سے محبت کر اور اس سے تعلقات مت توڑ' خواہ اس سے کبھی ایسی بات بھی سرزد ہو جائے جو تجھے ناپسند ہو کیونکہ دوست عورت کی طرح نہیں ہوتا کہ آج طلاق دی اور کل پھر شادی کر لی' بلکہ اس کا دل شیشے کی طرح ہوتا ہے' جب ٹوٹ گیا تو پھر نہیں جڑ سکتا۔

اس کے بعد اس کنیز نے اپنی تقریر کے آخر میں ہماری طرف اشارہ کر کے کہا کہ عقلمندوں کا قول ہے کہ بہترین دوست وہ ہے جو نصیحت کرنے میں سب سے سخت ہو اور بہترین عمل وہ ہے' جس کا انجام اچھا ہو۔ اور بہترین تعریف وہ ہے جو آدمیوں کی زبان پر ہو۔ یہ بھی کہا گیا کہ کہ بندے کو خدا کے شکر سے غافل نہ ہونا چاہیے بالخصوص دو نعمتوں پر: عافیت اور عقل۔ اور یہ بھی لوگوں کا قول ہے کہ جو اپنے نفس کو بڑا جانتا ہے اس پر نفس کی شہوتیں آسان ہو جاتی ہیں اور جو شخص چھوٹی مصیبتوں کو بڑا کر کے دکھاتا ہے اس کو خدا بڑی مصیبتوں میں گرفتار کر دیتا ہے۔ جو شخص اپنی ہوا و ہوس کی اطاعت کرتا ہے' وہ اپنے حقوق کو ضائع کر دیتا ہے اور جو چغل خور کی باتیں سنتا ہے' اپنے دوست کو کھو بیٹھتا ہے۔ جو شخص تیرے متعلق نیک گمان رکھتا ہے' اس کے گمان کو سچا کر دکھا۔ جو شخص دشمنی میں حد سے تجاوز کرتا ہے' وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ جو شخص ظلم کرنے سے نہیں ڈرتا وہ تلوار سے نہیں بچتا۔

اب میں قاضیوں کے آداب کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتی ہوں۔ اے بادشاہ' جان کہ کوئی فیصلہ سچائی کے لیے سود مند نہیں ہوتا جب تک کہ چھان بین کر کے نہ کیا جائے قاضی کو چاہیے کہ تمام لوگوں کو ایک درجے پر رکھے تا کہ بڑے آدمی کو ظلم کرنے کی ہمت نہ ہو اور کمزور کو انصاف سے ناامیدی نہ ہو۔ اس کو یہ بھی چاہیے کہ مدعی

سے ثبوت مانگے اور جو انکار کرے' اس سے حلف اٹھوائے۔ مسلمانوں کے درمیان میں صلح کرانا جائز ہے مگر نہ ایسی صلح جس سے حرام' حلال ہو جائے اور حلال' حرام۔ اگر تجھے آج کسی بات میں شک ہو تو اپنی عقل سے مشورہ کر اور خدائی ہدایت سے اس کے عقد کشائی کر' تاکہ تو حق کی طرف راجع ہو' کیونکہ حق فرض ہے اور حق کی طرف رجوع کرنا باطل میں پڑے رہنے سے بہتر ہے۔ نظیروں سے آگاہی حاصل کر اور فیصلوں سے واقفیت۔ مدعی اور مدعا علیہ کے ساتھ برابر کا سلوک کر اور اپنی نظر کو محض سچائی پر موقوف رکھ اور اپنے کام کو خدا کے سپرد کر۔ مدعی پر ثبوت کا بار ڈال' اگر اس نے ثبوت پیش کر دیا تو اس کا حق اسے دے ورنہ مدعا علیہ سے حلف اٹھوا۔ یہ خدا کا حکم دیا ہے کہ حکام ظاہری حالت کے موافق احکام دیں اور باطن کو خدا پر چھوڑ دیں۔ قاضی پر یہ بھی واجب ہے کہ رنج اور بھوک کی زیادتی کے وقت فیصلہ نہ کرے اور لوگوں کے درمیان فیصلے کے وقت محض خدا کی خوشنودی کا خیال رکھے کیونکہ جس کی نیت نیک ہے اور اس کے اور خدا کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں تو اس کے اور لوگوں کے درمیان خدا کافی ہے۔ زہری کہتا ہے کہ اگر قاضی میں تین چیزوں میں سے ایک بھی ہو تو اس کو معزول کر دینا چاہیے: جب وہ رذیلوں کی عزت کرے اور اپنی تعریف پسند کرے اور معزول ہونے کو ناپسند کرے۔ ایک بار عمر بن عبدالعزیز نے ایک قاضی کو معزول کیا۔ اس نے پوچھا کہ تو نے مجھے کیوں معزول کیا؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تیری باتیں تیرے درجے سے بڑھ کر ہیں۔ سکندر نے اپنے قاضی سے کہا کہ میں نے تجھے ایک ایسا درجہ دیا ہے جس میں میری روح اور عزت اور مروت شامل ہے لہٰذا اس درجے کی حفاظت اپنی جان اور عقل سے کر۔ اور اس نے اپنے باورچی سے کہا کہ تو میرے جسم کا مالک ہے لہٰذا دل و جان سے اس کے ساتھ مہربانی کر۔ اور اس نے اپنے کاتب سے کہا کہ تو میری عقل کا محافظ ہے لہٰذا جو کچھ تو میری طرف سے لکھے اس میں میری حفاظت کر۔

یہ کہہ کر پہلی کنیز پیچھے ہٹ گئی اور دوسری آگے بڑھی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی' جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• پوری اسی ویں رات

جب پوری اسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ وزیر دندان نے ضوء المکان سے کہا کہ یہ کہہ کر پہلی کنیز پیچھے ہٹ گئی اور دوسری نے آگے بڑھ کر تیرے والد بادشاہ کے آگے سات بار زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگی کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ بغیر تین وقتوں کے وہ معلوم نہیں ہو سکتیں: حکیم غصے کے وقت' بہادر لڑائی کے وقت اور تیرا دوست اس وقت جب تجھے اس کی ضرورت پڑے۔ اور یہ بھی ایک مقولہ ہے کہ ظالم نادم ہو کر رہتا ہے خواہ لوگ اس کی مدح کریں اور مظلوم سلامت' خواہ لوگ اس کی برائی کریں۔ خدا فرماتا ہے کہ ہرگز یہ خیال مت کر کہ جو لوگ اپنے عمل پر مغرور ہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی تعریف ان باتوں میں کریں جو انہوں نے نہیں کی ہیں' عذاب سے بچ جائیں گے بلکہ انہیں سخت عذاب ہو گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فرماتے ہیں' خدا ان پر درود و سلام بھیجے! کہ سب کاموں کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص پر محض نیت کی مسئولیت ہو گی۔ انہیں کا یہ بھی کہنا ہے کہ "جسم کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے' اگر وہ ٹھیک ہے تو کل جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے' غور سے سنو کہ وہ قلب ہے۔" سب سے زیادہ عجیب چیز جو انسان کے اندر ہے' اس کا قلب ہے کیونکہ اس کے تمام کاموں کی باگ اس کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا اگر قلب میں لالچ زور پکڑتا ہے تو حرص انسان کو ہلاک کر دیتی ہے' اگر تکلیف اس پر قابو پا جاتی ہے تو افسوس اس کو قتل کر ڈالتا ہے اور اگر قلب میں غصے کی شدت ہوتی ہے تو انسان کو خطرہ آ گھیرتا ہے اور اگر قلب کو قناعت کی نعمت عطا ہوتی ہے تو انسان رنج سے محفوظ رہتا ہے' اور اگر دل میں خوف جاگزیں ہو جاتا

ہے تو انسان دن رات غمگین رہتا ہے اور اگر دل پر کوئی مصیبت آ جاتی ہے تو رنج و الم انسان کو چکنا چور کر ڈالتے ہیں۔ اگر انسان کو دولت مل جاتی ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ اگر فاقہ اس کا گلا گھونٹتا ہے تو غم اس کو گھیر لیتا ہے اور اگر شکایت اسے جھنجھوڑتی ہے تو ضعف اس کو بے کار کر دیتا ہے۔ بہرحال سوائے اس کے اس کا کوئی علاج نہیں کہ خدا کی یاد کرے اور اپنی روزی کمائے اور آخرت کو سدھارے۔

کسی عالم سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ خوش حال کون شخص ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جس کی مردانگی اس کی شہوت پر غالب آ جائے اور اس کی ہمت بہت بلندی پر پرواز کرے تاکہ اس کی معرفت میں وسعت اور معذرت میں کمی واقع ہو۔

اس کے بعد کنیز کہنے لگی کہ اب زاہدوں کے واقعات سنئے: ہشام بن بشر کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبید سے پوچھا کہ زہد کی حقیقت کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں اس کی تفصیل کی ہے کہ زاہد وہ ہے جو قبر اور مصیبت کو کبھی نہ بھولے اور باقی کو فانی پر ترجیح دے اور یہ نہ سمجھے کہ وہ کل بھی زندہ رہے گا اور اپنا شمار مرے ہوؤں میں کرے۔ اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ابوذر کہا کرتے تھے کہ میں فقیری کو تونگری سے زیادہ دوست رکھتا ہوں اور بیماری کو صحت سے۔ یہ سن کر ایک شخص نے کہا کہ خدا ابوذر پر رحم کرے! مگر میرا یہ قول ہے کہ جو اس بات پر بھروسہ رکھتا ہے کہ خدا جو کچھ کرتا ہے' اچھا کرتا ہے تو وہ ہمیشہ اس حال پر خوش رہتا ہے جس میں خدا اسے رکھتا ہے۔ ایک معتبر راوی کا قول ہے کہ ایک بار ہم نے ابن ابی اوفی کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو انہوں نے اس میں یا ایہاالمدثر پڑھنا شروع کیا جب وہ فاذا نقرالناقور پر پہنچے تو گر پڑے اور مر گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ثابت بنانی اتنا رویا کرتے تھے کہ ان کی آنکھیں قریب قریب جاتی رہیں۔ لوگ ایک معالج کو لائے' اس نے کہا کہ میں اس شرط پر

علاج کروں گا کہ وہ میرا کہنا مانیں۔ ثابت نے پوچھا کہ کس بات میں؟ طبیب نے کہا کہ پھر مت روئیو۔ ثابت نے جواب دیا کہ میری آنکھوں کی خوبی ہی کیا ہے اگر وہ آنسو نہ بہائیں۔ ایک شخص نے محمد بن عبداللہ سے کہا کہ مجھے نصیحت کر۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی نظر آئی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• اکیاسی ویں رات

جب اکیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- وزیر دندان نے ضوء المکان سے کہا کہ دوسری کنیز نے تیرے مرحوم والد عمر بن النعمان سے کہا کہ ایک شخص نے محمد بن عبداللہ سے کہا کہ مجھے نصیحت کر۔ اس نے کہا کہ میں تجھے یہ نصیحت کرتا ہوں کہ دنیا میں مالک اور زاہد بن کر رہ اور آخرت میں مملوک اور لالچی۔ اس شخص نے کہا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ محمد نے کہا کہ دنیا سے الگ تھلگ رہنے والا دنیا اور آخرت دونوں کا مالک ہوتا ہے۔

غوث بن عبداللہ کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل میں دو بھائی تھے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ تو نے سب سے زیادہ خوفناک عمل کیا کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں ایک بار مرغی کے ڈربے کے پاس سے گزرا اور اس میں سے ایک مرغی کا بچہ اٹھایا تھا۔ یہ میرا سب سے زیادہ خوفناک عمل ہے اور تیرا کون سا سب سے زیادہ خوفناک عمل ہے؟ اس نے جواب دیا کہ سب سے زیادہ خوفناک عمل جو میں کرتا ہوں یہ ہے کہ جب میں نماز پڑھنے کے لیے اٹھتا ہوں تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ میں اسے محض ثواب کی خاطر پڑھتا ہوں۔ ان کا باپ ان کی یہ باتیں سن رہا تھا اور اس نے کہا کہ خداوند' اگر یہ دونوں سچ کہتے ہیں تو ان کی روحیں قبض کر لے۔ ایک دانش مند کا قول ہے کہ یہ دونوں بہترین اولادیں ہیں۔ عبد بن جبر کہتے ہیں کہ جب میں فضالہ بن عبید کی صحبت میں تھا تو میں نے اس سے کہا کہ نصیحت کر۔ اس نے جواب دیا کہ یہ دو خصلتیں یاد رکھ: خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت کر اور خلق میں سے کسی کو اذیت مت پہنچا۔

اب دوسری کنیز پیچھے ہٹ گئی اور تیسری نے آگے بڑھ کر کہا کہ زہد کا باب بہت وسیع ہے لیکن نیک بزرگوں کے متعلق چند باتیں جو اس وقت میرے خیال میں آتی ہیں'

بیان کروں گی۔ ایک عارف باللہ کا قول ہے کہ میں موت سے بہت خوش ہوں اگرچہ مجھے اس میں سوائے ایک آرام کے اور کسی کا یقین نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ موت انسان اور اس کے اعمال کے درمیان حائل ہو جاتی ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ میرے نیک اعمال دگنے ہو جائیں اور بداعمال منطقع۔ جب عطاء السلمی اپنے وعظ یا نصیحت کو ختم کرتا تو کانپنے لگتا اور زار زار روتا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ مجھے ایک بڑی مشکل کا سامنا پڑتا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں خدا کے سامنے اپنی نصیحت کے مطابق کام کرنے والا ثابت ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جب علی زین العابدین بن الحسین نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو کانپنے لگتے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں کس کے آگے کھڑا ہوتا اور کسے مخاطب کرتا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ سفیان ثوری کے پڑوس میں ایک اندھا رہتا تھا۔ جب رمضان کا مہینہ آتا تو وہ گھر سے باہر اتا اور امامت کرتا مگر اس کے بعد وہ چپ ہو جاتا اور ٹھٹک جاتا۔ سفیان کا قول ہے کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو اہل القرآن لائے جائیں گے اور ان کی پہچان یہ ہو گی کہ ان پر اور لوگوں سے زیادہ رحمت کی نشانیاں ہوں گی۔ سفیان کا یہ بھی قول ہے کہ اگر انسان کے دل میں روح اس طرح سے ہو جس طرح سے ہونی چاہیے تو وہ جنت کی خوشی اور شوق اور دوزخ کے رنج اور خوف کی وجہ سے اڑ جائے۔ یہ بھی سفیان کا قول ہے کہ ظالم کا چہرہ بھی دیکھنا گناہ میں شامل ہے۔

یہ کہہ کر تیسری کنیز بھی پیچھے ہٹ گئی اور چوتھی آگے بڑھی اور کہنے لگی کہ اب میں نیک لوگوں کی چند باتیں بیان کرنا چاہتی ہوں' جو اس وقت میرے خیال میں آئی ہیں۔ بشر حانی کو قول ہے کہ میں نے خالد کو یہ کہتے سنا ہے کہ پوشیدہ شرک سے بچو۔ میں نے پوچھا کہ پوشیدہ شرک کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ کوئی شخص نماز پڑھے اور اپنے رکوع اور سجدے کو اتنا طول دے کہ اسے حدث ہو جائے۔ ایک عارف باللہ کا قول ہے کہ نیکی کرنے سے برائیاں دور ہو جاتی ہیں۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے بشر بن الحافی سے کہا کہ مجھے حقائق کے اسرار سے مطلع کر۔ انہوں نے جواب دیا کہ بیٹا' یہ علم ہر ایک کو سکھایا نہیں جا سکتا بلکہ مال کی زکوٰۃ کی طرح ہر سو میں سے پانچ کو۔ ابراہیم بن ادھم کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات بہت پیاری اور اچھی معلوم ہوئی۔ ایک بار جب کہ میں نماز پڑھنے والا تھا تو میں نے دیکھا کہ بشر بھی نماز پڑھنے والا ہے' لہٰذا میں اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور اس بات کا انتظار کر رہا تھا کہ موذان اذان دے چکے کہ اتنے میں ایک شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے لوگو' نقصان پہچانے والی سچائی سے بچو مگر فائدہ مند جھوٹ میں کوئی ہرج نہیں۔ مجبوری پر کوئی اختیار نہیں۔ اگر بخشش نہ کی جائے تو محض باتیں بنانے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ جس طرح سے کہ بخشش کے وقت خاموشی سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ بشر نے ایک دانق نیچے ڈال دیا۔ میں نے اسے اٹھا لیا اور اس کے بدلے ایک درہم نکال کر اس شخص کو دیا۔ اس نے کہا کہ اسے نہیں لیتا۔ میں نے کہا کہ یہ حلال کی کمائی کا ہے۔ اس نے کہا کہ میں آخرت کی نعمتوں کے بدلے دنیا کی نعمتیں نہیں چاہتا روایت کی جاتی ہے کہ بشر حافی کی بہن احمد بن حنبل کے پاس گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• بیاسی ویں رات

جب بیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ وزیر دندان نے ضوء المکان سے کہا کہ کنیز نے تیرے والد سے کہا کہ بشر حافی کی بہن احمد بن حنبل کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ اے دین کے امام' ہم لوگ رات کو سوت کاتتے ہیں اور دن میں گھر بار کا کام کرتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بغداد کے حاکموں کی مشعلیں ہمارے پاس سے گزرتی ہیں اور ہم چھت پر اس کی روشنی میں اپنا سوت کاتتے ہیں' کیا یہ ہمارے لیے حرام ہے؟ انہوں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بشر الحافی کی بہن۔ انہوں نے کہا کہ اے بشر کی خاندان والی' میں پرہیزگاری کے گھونٹ ہمیشہ تمہیں لوگوں کے دلوں سے پیتا ہوں۔ ایک عارف باللہ کا قول ہے کہ جب خدا کسی کے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہے تو اس پر عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ مالک بن دینار جب بازاروں میں سے گزرتے اور کوئی چیز ان کو پسند آتی تو وہ کہتے کہ اے نفس' صبر کر کیونکہ جو تو چاہتا ہے وہ میں تجھے ہرگز نہ دوں گا۔ اور یہ بھی انہی کا قول ہے' خدا ان سے راضی رہے! کہ نفس کی سلامتی اس کی مخالفت میں ہے' اور اس کی ہلاکت اس کی متابعت میں۔ منصور بن عمار بیان کرتے ہیں کہ میں ایک سال حج کے لیے کوفے کے راستے سے مکے روانہ ہوا۔ رات تاریک تھی اور میں نے سنا کہ کوئی شخص رات کے وقت بلند آواز سے یہ کہہ رہا ہے: خداوند' تیری عزت و جلال کی قسم' میں نے تیری مخالفت کی وجہ سے گناہ نہیں کیئے اور نہ میں تجھ سے ناواقف تھا لیکن ان گناہوں کو تو نے ازل میں میرے لیے لکھ دیا تھا' لہٰذا میری زیادتیوں سے درگزر کر کیونکہ میں نے اپنی جہالت کی وجہ سے تیری نافرمانی کی۔ جب وہ شخص یہ دعا مانگ چکا تو اس نے یہ آیت پڑھی "اے مومنو' اپنی اور اپنے خاندان والوں کی روحوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔" اس کے بعد میں نے

کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی لیکن معلوم نہ ہو سکا کہ کیا گرا اور میں چلتا گیا۔
دوسرے دن صبح کو جب ہم اپنے راستے پر چلے جا رہے تھے تو ہمیں ایک جنازہ نظر پڑا جس کے پیچھے پیچھے ایک بڑھیا تھی جو بالکل کمزور تھی۔ میں نے اس سے میت کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ یہ جنازہ ایک شخص کا ہے جو کل ہمارے پاس سے گزرا تھا جب کہ میرا بیٹا نماز پڑھ رہا تھا۔ جب میرے بیٹے نے قرآن کی ایک آیت پڑھی تو اس شخص کا پتہ پھٹ گیا اور وہ مردہ ہو کر زمین پر گر پڑا۔
یہ کہہ کر چوتھی کنیز پیچھے ہٹ گئی اور پانچویں آگے بڑھی اور کہنے لگی کہ اب میں نیک بندوں کے حالات کچھ بیان کرنا چاہتی ہوں جو اس وقت میرے خیال میں آتے ہیں: مسلمہ بن دینار کا قول ہے کہ اگر ضمیر کی اصلاح کی جائے تو چھوٹے اور بڑے گناہ سب معاف ہو جاتے ہیں اور جب بندہ گناہوں سے دست بردار ہو جائے تو اس کے لیے کامیابیاں ہی کامیابیاں ہیں۔ انہیں کا قول ہے کہ جس نعمت سے خدا کا قرب حاصل نہ ہو' وہ بلا ہے۔ تھوڑی سی دنیا بڑی آخرت کو بھلا دیتی ہے اور بہت سی دنیا رہی سہی آخرت کو بھی تیرے دل سے نکال دیتی ہے۔ ابوحازم سے پوچھا گیا کہ خوش حال ترین شخص کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ شخص جس نے اپنی ساری عمر خدا کی اطاعت میں گزاری ہو' پھر لوگوں نے پوچھا کہ احمق ترین شخص کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس نے اپنی آخرت کو دوسرے کے ہاتھ دنیا کے عوض بیچ ڈالا ہو۔
روایت کی جاتی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام مدین میں کنوئیں کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ اے میرے رب' جو بھلائی تو نے میرے لیے بھیجی ہے' میں اس کا محتاج ہوں۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا' نہ کہ لوگوں سے۔ جب وہ لڑکیاں آئیں تو انہوں نے دونوں کو پانی دیا لیکن چرواہے نہ آئے۔ جب وہ دونوں گھر گئیں تو انہوں نے اپنے باپ شعیب علیہ السلام کو خبر کی۔ انہوں نے کہا کہ شاید وہ بھوکا ہے۔ پھر انہوں نے ایک لڑکی سے کہا کہ جا کر اسے لے آ۔ جب وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی تو اس نے اپنا منہ چھپا لیا اور کہا کہ میرا باپ تجھے بلاتا ہے تاکہ

وہ تجھے ہمیں پانی پلانے کی اجرت دے۔ موسیٰ علیہ السلام کو یہ برا لگا اور اس کے ساتھ جانا مناسب نہ سمجھا۔

اس لڑکی کے بڑے بڑے کولہے تھے اور ہوا سے اس کا دامن اٹھ جاتا اور کولہا کھل جاتا تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنی نظر نیچی کر لی اور لڑکی سے کہا کہ تو پیچھے پیچھے چل اور میں آگے آگے چلتا ہوں۔ لڑکی پیچھے پیچھے ہولی' یہاں تک کہ وہ شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے' رات کا کھانا تیار تھا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تراسی ویں رات

جب تراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ وزیر دندان نے ضوء المکان سے کہا کہ پانچویں کنیز نے تیرے والد سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام' حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے تو کھانا تیار تھا اور انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ اے موسیٰ میں چاہتا ہوں کہ دنوں لڑکیوں کو پانی دینے کی اجرت تجھے دوں۔ حضرت موسیٰ نے کہا کہ میں اس گھرانے سے ہوں جو آخرت کے کام کو دنیا کے تمام سونے چاندی کے عوض بھی نہیں بیچتے۔ حضرت شعیب نے کہا کہ اے نوجوان' لیکن تو میرا مہمان ہے اور مہمانوں کو احترام کے ساتھ کھانا کھلانا میرا اور میرے بزرگوں کا دستور رہا ہے۔ حضرت موسیٰ بیٹھ گئے اور کھانا کھایا۔ اس کے بعد حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ کو آٹھ سال کے لیے نوکر رکھ لیا اور اس کی اجرت یہ ٹھہرائی کہ وہ اس کی شادی اپنی ایک بیٹی سے کر دیں گے اور حضرت موسی کی اجرت لڑکی کا مہر ہو گی۔ خدا نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کی شادی تیرے ساتھ کر دوں اور اس کے بدلے تو آٹھ سال میری نوکری کرے اور اگر تو دس سال پورے کر دے تو یہ تیری طرف سے احسان ہو گا لیکن میں اپنی طرف سے تجھ پر زور نہیں ڈالتا۔"

ایک شخص نے اپنے دوست کو مدت کے بعد دیکھا اور اس سے کہا کہ میں پریشان تھا کہ تجھے ایک مدت تک نہ دیکھا۔ اس نے کہا کہ ابن شہاب کے ساتھ مشغول رہنے کی وجہ سے تجھ سے نہ مل سکا۔ کیا تو اسے جانتا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ ہاں' وہ تیس سال سے میرا پڑوسی ہے مگر کبھی اس سے میری بات نہیں ہوئی۔ دوست نے کہا کہ تو خدا کو بھول گیا ہے' اس لیے پڑوسی کو بھی بھول گیا۔ اگر تجھے خدا سے محبت ہوتی تو پڑوسی سے بھی ہوتی۔ معلوم ہے کہ پڑوسی کا پڑوسی پر وہی حق ہے جو رشتے

دار کا۔
حذیفہ سے روایت ہے کہ میں ابراہیم بن ادھم کے ساتھ مکہ گیا تو دیکھا کہ شقیق بلخی بھی اسی سال حج کے لیے آئے ہوئے ہیں اور طواف کے وقت ہماری ملاقات ہوئی۔ ابراہیم نے کہا کہ تمہارا دستور اپنے ملک میں کیا ہے؟ شقیق نے کہا کہ جب ہمیں کھانے کو ملتا ہے تو کھاتے ہیں اور جب بھوکے رہتے ہیں تو صبر کرتے ہیں۔ ابراہیم نے شقیق سے کہا کہ بلخ کے کتوں کا بھی یہی دستور ہے لیکن جب ہمیں رزق ملتا ہے تو ہم ایثار کرتے ہیں اور بھوکے رہتے ہیں تو شکر کرتے ہیں۔ یہ سن کر شقیق ابراہیم کے سامنے بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ تو میرا استاد ہے۔ محمد بن عمران سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حاتم اصم سے پوچھا کہ تو کس وجہ سے خدا پر توکل کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ دو وجہوں سے' ایک تو یہ کہ میں جانتا ہوں کہ میرا رزق کوئی دوسرا نہیں کھا سکتا' لہٰذا مجھے اس طرف سے اطمینان ہے' دوسرے یہ کہ میں جانتا ہوں کہ میں بغیر خدا کے علم کے پیدا نہیں ہوا' لہٰذا مجھے اس کے آگے شرم آتی ہے۔
یہ کہہ کر پانچویں کنیز پیچھے ہٹ گئی اور بڑھیا نے آگے بڑھ کر تیرے باپ کے آگے نو بار زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگی کہ اے بادشاہ' زہد کے بارے میں تو نے ان سب کا بیان سنا۔ اب میں ان کی پیروی کرتی ہوں اور بزرگوں کے اقوال جو مجھ تک پہنچے ہیں' بیان کرتی ہوں۔ کہتے ہیں کہ امام شافعی رات کو تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے: پہلی تہائی علم کے لیے' دوسرے سونے کے لیے اور تیسری تہجد کے لیے۔ امام ابو حنیفہ آدھی رات جاگا کرتے تھے۔ ایک روز جب وہ کہیں جا رہے تھے تو ایک شخص 'نے دوسرے سے کہا کہ دیکھ' یہ شخص ساری رات جاگتا ہے۔ جب آپ نے یہ سنا تو کہنے لگے کہ مجھے خدا کے آگے اس بات سے شرم آتی ہے کہ لوگ میری تعریف میں ایسی بات کریں جو مجھے میں موجود نہ ہو' اس کے بعد وہ رات بھر جاگنے لگے۔
ربیع سے روایت ہے کہ امام شافعی رمضان کے مہینے میں ستر بار قرآن ختم کرتے اور یہ محض نماز کے ساتھ۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دس سال تک میں نے

جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی کیونکہ سیری سے دل سخت ہوتا ہے اور عقل زائل ہوتی ہے اور نیند آتی ہے اور نماز پڑھنے میں کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ عبداللہ بن محمد السکری کہتے ہیں کہ میں اور عمر ایک دن باتیں کر رہے تھے کہ اس نے کہا کہ میں نے محمد بن ادریس الشافعی سے زیادہ پرہیزگار اور خوش بیان کسی کو نہیں دیکھا۔

ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ میں اور حارث بن لبیب الصفار جو مزنی کا شاگرد نہ تھا' ساتھ ساتھ باہر نکلے۔ اس کی آواز بہت اچھی تھی اور اس نے قرآن کی یہ آیت پڑھی:

ھذا یوم لا ینطقون ولا یوذن لھم فیعتذرون میں نے دیکھا کہ امام شافعی کا رنگ فق ہو گیا اور ان کا بدن کانپنے لگا اور وہ سخت مضطرب ہو کر بے ہوش گر پڑے۔ جب انہیں ہوش آیا تو کہنے لگے کہ خداوند' مجھے جھوٹوں کے پاس ٹھہرنے اور غافلوں کے سامنے جانے سے بچائیو! خداوندا! تیرے آگے عارفوں کے دل خضوع و خشوع کرتے ہیں' خداوند' اپنے کرم سے میرے گناہ بخش دیجیو اور اپنی پردہ پوشی سے میری آبرو رکھ لیجیو اور اپنی مہربانی سے میری کوتاہیوں کو معاف کیجیو! اس کے بعد میں اٹھ کر چلا گیا۔

ایک معتبر راوی کا بیان ہے کہ جب میں بغداد گیا تو امام شافعی وہیں تھے۔ میں دریا کے کنارے بیٹھا ہوا نماز کے لیے وضو کر رہا تھا کہ ایک شخص میرے پاس سے گزرا اور کہنے لگا کہ صاحبزادے' اپنا وضو ٹھیک طرح سے کر' خدا تجھے دنیا اور آخرت کی نیکی دے گا۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور دیکھا کہ بہت سے لوگ اس کے پیچھے پیچھے ہیں۔ میں نے جلدی جلدی وضو ختم کیا اور اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس پر اس شخص نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کیا تو کچھ چاہتا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں' جو کچھ خدا نے تجھے سکھایا ہے' مجھے بھی سکھا دے۔ اس نے کہا کہ سن' جو خدا کے سامنے سچ بولتا ہے' وہ نجات پاتا ہے اور جو اپنے دین پر جما رہتا ہے' وہ تباہی سے محفوظ ہو جاتا ہے اور جو دنیا سے کنارہ کشی کرتا ہے' اس کی آنکھیں آخرت کے روز ٹھنڈی ہوں گی۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اور کچھ تجھے بتاؤں؟ میں نے جواب دیا کہ

ہاں۔ اس نے کہا کہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر اور آخرت سے لو لگا اور ہر بات میں سچائی سے کام لے تا کہ تو بھی نجات پانے والوں میں سے ایک ہو۔ یہ کہہ کر وہ شخص چلتا ہوا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے تو معلوم ہوا کہ امام شافعی۔ انہیں کا مقولہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو اس میرے علم سے فائدہ پہنچے بشرطیکہ اس میں کوئی چیز میری طرف منسوب نہ ہو۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چوراسی ویں رات

جب چوراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- وزیر دندان نے ضوء المکان سے کہا کہ بڑھیا نے تیرے والد سے کہا کہ امام شافعی کا قول ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگ میرے اس علم سے فائدہ اٹھائیں بشرطیکہ اس میں سے کچھ میری طرف منسوب نہ کیا جائے۔ انہیں کا قول ہے کہ جب کبھی میں نے کسی شخص سے مناظرہ کیا تو میں نے ہمیشہ خدا سے یہی چاہا کہ وہ اسے سچائی کی طرف ہدایت کرے۔ اور سچائی کے اظہار میں اس کا معین و مددگار ہو' اور جب کبھی میں نے کسی سے مناظرہ کیا تو وہ محض سچائی کے اظہار کے لیے کیا اور اس بات کی پروا نہ کی کہ وہ سچائی خدا میری زبان سے ظاہر کراتا ہے یا اس کی زبان سے۔ انہیں کا قول ہے' خدا ان سے راضی رہے! کہ اگر تجھے اپنے علم پر مغرور ہو جانے کا ڈر ہے تو یہ سوچ لیا کر کہ تو کس کی رضا کا طالب ہے اور تجھے کن نعمتوں کی خواہش ہے اور کس عذاب سے ڈر ہے۔ جب ابوحنیفہ سے کہا گیا کہ امیرالمومنین ابو جعفر المنصور نے آپ کو قاضی بنایا ہے اور دس ہزار درہم تنخواہ مقرر کی ہے تو انہوں نے منظور نہ کیا۔

جس روز ان کو یہ خیال ہوا کہ آج درہم آئیں گے اور اس روز وہ صبح کی نماز پڑھ کر چادر اوڑھ کر لیٹ گئے اور بات چیت کرنا بند کر دیا جب امیر المومنین کا فرستادہ درہم لے کر آیا اور ان سے گفتگو کرنی چاہی تو انہوں نے کوئی بات نہ کی۔ خلیفہ کے فرستادہ نے کہا کہ یہ مال حلال ہے تو انہوں نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ میرے لیے حلال ہے مگر مجھے اس سے کراہت آتی ہے کہ میرے دل میں جابروں کی محبت بیٹھ جائے۔ فرستادہ نے کہا کہ تو ان کے پاس جا مگر ان کی محبت سے بچتا رہ۔ انہوں نے جواب دیا کہ کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ میں سمندر کے اندر گھسوں اور میرے کپڑے نہ بھیگیں۔

شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ کلام ہے "اے نفس' اگر تو میری بات مانے تو ہمیشہ باعزت اور غنی رہے گا۔ لالچ اور امیدیں چھوڑ دے کیونکہ بہت سی امیدیں ایسی ہیں کہ موت کا منہ دکھاتی ہیں "سفیان ثوری نے ایک بار علیؓ بن الحسن اسطمی کو یہ وصیت کی کہ ہمیشہ سچ بول اور جھوٹ اور خیانت اور ریا اور غرور سے کنارہ کش رہ کیونکہ خدا نیک کام کو گرا کر ان خصلتوں میں مبدل کر دیتا ہے۔ قرضہ اسی سے لے جو شفقت کے ساتھ قرضہ دے۔ اپنا جلیس اسی کو بنا جو تجھے دنیا سے کنارہ کشی سکھائے۔ موت کی یاد اور استغفار اکثر کیا کر اور اپنی آئندہ زندگی کے لیے خدا سے سلامتی طلب کر۔ اگر کوئی مومن تجھ سے دین کے معاملے میں سوال کرے تو اسے نیک مشورے دے۔ مومن کے ساتھ خیانت مت کر کیونکہ جو شخص مومن کے ساتھ خیانت کرتا ہے تو وہ گویا خدا اور رسول کے ساتھ خیانت کرتا ہے۔ دشمنی اور جھگڑے سے بچتا رہ جس چیز میں تجھے شک ہو' اس کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کر' جس میں شک نہ ہو تاکہ تو محفوظ رہے۔ نیک کا کرنے کام حکم دے اور برے کام سے منع کر تاکہ تو خدا کا محبوب ہو جائے۔ اپنے باطن کو اچھا بنا تو خدا تیرے ظاہر کو اچھا بنائے گا۔ جو شخص تجھ سے توڑنا چاہے اس سے جوڑ اور جو تجھ پر ظلم کرے' اسے معاف کر تاکہ تو نبیوں کا رفیق بنے۔ ظاہر اور باطن میں اپنے تمام کام خدا کے سپرد کر۔ خدا سے اس طرح ڈر کہ گویا تو مر چکا ہے اور قبر سے اٹھا ہے اور حشر کی طرف جا رہا ہے اور خدا کے سامنے کھڑا ہے۔ یہ یاد کیا کر کہ تجھے دو گھروں میں سے ایک میں جانا ہے: یا عالی شان جنت میں یا جلتی ہوئی دوزخ میں۔

یہ کہہ کر بڑھیا کنیزوں کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ جب تیرے مرحوم والد نے ان کی باتیں سنیں تو اسے یقین آ گیا کہ زمانے میں ان سے بڑھ کر نہیں اور اس نے ان کے حسن و جمال پر نظر ڈالی اور دیکھا کہ وہ بہت زیادہ ادب والیاں ہیں تو اس نے انہیں اپنے پاس جگہ دی اور بڑھیا کا بہت احترام کیا اور اس کے اور اس کی کنیزوں

کے رہنے کے لیے وہ محل دیا جس میں روم کے بادشاہ کی بیٹی اور شہزادی اور ابریزہ اتری تھی اور ان کے لیے بہتر سے بہتر چیزیں جن کی انہیں ضرورت تھی مہیا کیں۔ کنیزیں اور بڑھیا وہاں دس دن تک ٹھہریں اور جب وہ اس محل میں جاتا تو بڑھیا کو رات میں نماز پڑھتے اور دن میں روزہ رکھتے دیکھتا۔ اس کی وجہ سے بادشاہ کے دل میں اس کی محبت بڑھ گئی اور مجھ سے کہنے لگا کہ اے وزیر' اس بڑھیا کا شمار صالحہ عورتوں میں ہے اور اس کی ہیبت میرے دل میں سما گئی ہے۔ گیارہویں دن اس نے اس سے کنیزوں کی قیمت ادا کرنے کے بارے میں گفتگو کی۔ بڑھیا نے کہا کہ اے بادشاہ' ان کنیزوں کی قیمت انسانوں کے لین دین سے بالاتر ہے کیونکہ ان کے عوض نہ میں سونا مانگتی ہوں اور نہ چاندی اور نہ جواہرات' خواہ کم ہوں یا زیادہ۔

جب تیرے باپ نے اس کی باتیں سنیں تو اسے تعجب ہوا اور وہ کہنے لگا کہ اے آقا' آخر پھر ان کی قیمت کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں ان کو تیرے ہاتھ محض ایک مہینے کے روزے کے بدلے دے سکتی ہوں اور اس طرح سے کہ تو دن میں روزے رکھے اور رات کو نمازیں پڑھے محض فی سبیل اللہ۔ اگر تو نے یہ شرط پوری کی تو وہ تیرے محل میں تیری ملکیت ہیں' جو چاہے ان کے ساتھ کر۔ بادشاہ کو اس کی اس انتہائی نیکی اور زہد اور پرہیزگاری پر تعجب ہوا اور اس کی قدر اس کے دل میں بڑھ گئی اور وہ کہنے لگا کہ خدا اس صالحہ عورت کے طفیل میں ہمیں فائدہ پہنچائے اور اس بات پر رضامند ہو گیا کہ بڑھیا کی شرط کے موافق ایک مہینے کے روزے رکھے۔ بڑھیا نے اس سے کہا کہ اور میں بہت سی دعائیں دے کر تیری مددگار بنوں گی' ایک پانی کا کوزہ منگوا۔ اس نے کوزہ منگوایا اور بڑھیا نے اس سے لے کر اس پر کچھ جادو کے الفاظ پڑھے اور تھوڑی دیر تک بیٹھی کچھ پڑھتی رہی جو ہماری سمجھ میں نہ آتا تھا اور نہ کبھی ہم نے سنا تھا۔ اس کے بعد اس نے کوزے کو ایک کپڑے سے ڈھانک کر اس پر مہر لگا دی اور تیرے والد کو دے دیا اور کہا کہ جب تو اول دس روزے رکھ چکے تو

گیارہویں شام کو اس چیز سے افطار کیجیو جو اس کوزے میں ہے' اس کا اثر یہ ہو گا کہ تیرے دل سے اس دنیا کی محبت نکل جائے گی اور اس میں نور ایمان بھر جائے گا۔ کل میں یہاں سے جا کر غیب کے آدمیوں سے ملوں گی جو میرے ساتھی ہیں' کیونکہ میں ان سے ملنے کی مشتاق ہوں۔ جب دس روز اور گزر جائیں گے تو میں واپس آؤں گی۔ اس کے بعد تیرے والد نے وہ کوزہ لیا اور وہاں سے اٹھ کر محل میں گوشہ نشین ہو گیا اور کوزہ اپنے ساتھ رکھ لیا اور خلوت خانے کی کنجی اپنی جیب میں رکھ لی۔ جب دوسرا دن ہوا تو بادشاہ نے روزہ رکھا اور بڑھیا چلتی ہوئی اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی' جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پچاسی ویں رات

جب پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- وزیر دندان نے ضوء المکان سے کہا کہ دوسرے دن بادشاہ نے روزہ رکھا اور بڑھیا چلتی ہوئی۔ جب وہ دس روزے رکھ چکا تو اس نے گیارہویں دن کوزے کو کھول کر پیا اور اپنے دل میں ایک نہایت خوشگوار اثر محسوس کیا۔ مہینے کے دوسرے عشرے میں بڑھیا لوٹی اور ایک دونے میں جو درخت کے پتوں سے مشابہ نہ تھے کچھ مٹھائی لائی اور تیرے باپ کے پاس جا کر سلام کیا۔ جب بادشاہ نے اسے دیکھا تو وہ سروقد کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ مرحبا اے صالحہ عورت۔ اس نے کہا کہ اے بادشاہ غیب کے مردوں نے تجھے سلام کہا ہے کیونکہ میں نے ان سے تیرا ذکر کیا تھا۔ تیرا ذکر سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے مجھے یہ مٹھائی دی ہے جو آخرت کی مٹھائیوں میں سے ہے۔ آج شام کو اس پر افطار کیجیو۔ اس پر تیرا باپ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ شکر یہ خدا کا جس نے غیب کے مردوں کو میرا دوست بنایا۔ اس کے بعد اس نے بڑھیا کا شکریہ ادا کیا اور اس کے ہاتھ چومے اور اس کا اور اس کی کنیزوں کا بڑا احترام کرنے لگا۔ اب تیرے باپ کو روزے رکھتے رکھتے بیس دن گزر گئے اور پچیسویں دن بڑھیا بادشاہ کے پاس آکر کہنے لگی کہ اے بادشاہ میں نے غیب کے مردوں سے اس محبت کا ذکر کیا ہے جو میرے اور تیرے درمیان اور ان سے کہا کہ میں کنیزوں کو تیرے پاس چھوڑ آئی ہوں اور وہ اس بات پر بہت خوش ہیں کہ کنیزیں تجھ جیسے بادشاہ کے پاس ہیں۔ وہ مرد جب ان کنیزوں کو دیکھتے تھے تو ان کے لیے بہت زیادہ دعائیں کرتے تھے جو ہمیشہ قبول ہوتی تھیں۔ لہٰذا میرا ارادہ یہ ہے کہ میں کنیزوں کو غیب کے مردوں کے پاس لے جاؤں اور ان کے لیے ان مردوں کو دعائیں حاصل کروں اور بہت ممکن ہے کہ جب وہ لوٹیں تو تیرے لیے دنیا کے خزانوں میں سے ایک خزانہ لیتی آئیں تا کہ

تو روزوں کے ختم ہونے کے بعد ان کے لیے پوشاکیں بنوائے اور باقی مال و دولت جو وہ لائیں' اپنے کام میں خرچ کرے۔

جب تیرے باپ نے بڑھیا کو یہ کہتے سنا تو اس نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میں تیری مخالفت کرتا ہوں تو میں نہ خزانہ چاہتا ہوں اور نہ کوئی اور چیز لیکن یہ بتا کہ تو کب انہیں لے کر جائے گی؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ ستائیسویں رات کو اور آئندہ مہینے کے پہلے روز ان کو لے کر واپس آ جاؤں گی۔ اس وقت تک تو اپنے روزے ختم کر چکا ہو گا اور وہ اپنے ایام سے فارغ ہو چکی ہوں گی اور تیری ملکیت ہوں گی اور تیری فرماں بردار۔ خدا کی قسم ہر کنیز کی قیمت تیرے ملک سے کئی گنی ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اے بزرگ خاتون اور پارسا عورت' مجھے یہ معلوم ہے۔ اس کے بعد بڑھیا نے کہا کہ جو تیرے محل میں تجھے سب سے زیادہ عزیز ہو' اسے بھی ان کنیزوں کے ساتھ بھیج تاکہ اسے قلبی اطمینان حاصل ہو' غیب کے مردوں کی برکت ملے۔ بادشاہ نے کہا کہ میرے پاس ایک رومی کنیز ہے' جس کا نام صفیہ ہے اور جس سے میری دو اولادیں ہیں' ایک لڑکا اور ایک لڑکی' لیکن وہ کئی سال سے گم ہیں' اس کنیز کو اپنے ساتھ لیتی جا تاکہ وہ برکت حاصل کرے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چھیاسی ویں رات

جب چھیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- وزیر دندان نے ضوء المکان سے کہا کہ جب بڑھیا نے تیرے باپ سے کنیزوں کو ساتھ لے جانے کی اجازت مانگی تو اس نے کہا کہ میرے پاس ایک رومی کنیز ہے' جس کا نام صفیہ ہے اور جس سے میری دو اولادیں ہیں' ایک لڑکا اور ایک لڑکی لیکن وہ دونوں کئی سال سے گم ہیں۔ اسے اپنے ساتھ لیتی جا تاکہ اسے برکت ملے۔ ممکن ہے کہ رجال الغیب خدا سے دعا کریں کہ وہ اس کے دونوں بچے اسے واپس دے دے اور وہ ان سے مل جائے۔ بڑھیا نے کہا کہ تو نے خوب کہا! اس بڑھیا کا سب سے بڑا مقصد یہی تھا۔
اس کے بعد تیرا باپ اپنے روزے ختم کرنے میں لگ گیا اور بڑھیا نے کہا کہ بیٹا' اب میں غیب کے مردوں کے پاس جا رہی ہوں' لٰہذا صفیہ کو بلا۔ اس نے صفیہ کو بلوایا اور وہ فوراً حاضر ہوئی اور بادشاہ نے اسے بڑھیا کے سپرد کر دیا۔ بڑھیا نے اسے دوسری کنیزوں کے ساتھ لیا اور اپنی کوٹھڑی میں جا کر بادشاہ کے لیے ایک سر بہ مہر جام لائی اور اس کے حوالے کر کے کہا جب تیسواں روزہ ہو تو حمام جائیو اور وہاں سے نکل کر اپنے محل کے ایک خلوت خانے میں اس جام کو پی کر سو جائیو۔ بس تیری مراد پوری ہو گی۔ والسلام۔
یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور اس نے اس کا شکریہ ادا کیا اور ہاتھ چومے۔ بڑھیا نے کہا کہ میں تجھے خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ اے پارسا خاتون' اب میں پھر کب تجھ سے ملوں گا کیونکہ میں تجھ سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ بڑھیا نے اسے دعا دی اور کنیزوں اور ملکہ صفیہ کو لے کر چل دی۔ اس کے جانے کے تین دن بعد جب چاند نکلا تو بادشاہ اٹھا اور حمام چلا گیا اور وہاں سے نکل کر اپنے محل کے خلوت خانے میں داخل ہوا اور حکم دیا کہ اس کے پاس کوئی نہ آئے اور دروازہ بند کر لیا۔

اس کے بعد جام پی کر وہ سو گیا اور ہم شام تک بیٹھے اس کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ خلوت سے نہ نکلا۔ ہم نے خیال کیا کہ غالباً وہ حمام اور شب بیداری اور دن میں روزے رکھنے کی وجہ سے تھکا ہوا ہے اور اسی وجہ سے اسے نیند غالب آ گئی ہے۔

دوسرے دن بھی ہم نے انتظار کیا لیکن وہ نہ نکلا۔ اب ہم لوگوں نے دروازے پر کھڑے ہو کر زور سے آواز دی تاکہ وہ بیدار ہو جائے اور سبب دریافت کرے لیکن یہ بے سود نکلا۔ تب تو ہم دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے اور دیکھا کہ اس کا گوشت پارہ پارہ ہو گیا ہے اور ہڈیاں ریزہ ریزہ۔ جب ہم نے اس کو اس حال میں دیکھا تو ہمیں سخت صدمہ ہوا۔ اور ہم نے پیالہ اٹھایا تو دیکھا کہ اس کے ڈھکنے میں ایک کاغذ کا ٹکڑا رکھا ہوا ہے، جس میں یہ لکھا ہے:

"جو شخص برائی کرتا ہے اس کو کوئی یاد نہیں کرتا۔ یہ اس شخص کی سزا ہے جو بادشاہوں کی بیٹیوں کو دھوکا دے کر خراب کرتا ہے۔ جو بات ہم اس کاغذ کے پڑھنے والوں پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب شرکان ہمارے ملک میں آیا تو اس نے شہزادی ابریزہ کو ہم سے فرنٹ کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ اسے ہمارے یہاں سے لے بھی گیا اور تمہارے پاس لایا۔ اس کے بعد اسے ایک حبشی غلام کے ساتھ بھیجا۔ جس نے اسے قتل کر دیا اور ہم نے اسے میدان میں مقتول پڑا ہوا پایا۔ بادشاہ ایسا نہیں کرتے اور جو کوئی ایسا کرے اس کی یہی سزا ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔ تم کسی اور پر اس کے قتل کا الزام نہ رکھنا کیونکہ اسے اس چالاک جادوگرنی نے قتل کیا ہے جس کا نام ذات الدواہی ہے اور میں بادشاہ کی بیوی صفیہ کو لے کر اس کے باپ قسطنطنیہ کے بادشاہ افریدوں کے پاس چلی گئی ہوں۔ اب ہم ضرور تم سے لڑ کر تمہیں قتل کریں گے اور تمہارا ملک چھین لیں گے اور تم سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے اور کوئی بھی نہ بچے گا جو آگ سلگائے مگر وہ شخص جو صلیب اور پٹی کو پوجا کرے۔"

جب ہم نے یہ کاغذ پڑھا تو سمجھ گئے کہ بڑھیا نے ہمیں دھوکا دے دیا اور اس کی چال چل گئی اور ہم چلانے اور منہ پیٹنے اور رونے لگے۔ مگر اب رونے سے کیا ہوتا تھا۔

اس کے بعد فوج میں اس بات پر جھگڑا پیدا ہوا کہ کسے بادشاہ بنایا جائے۔ بعض تجھے چاہتے تھے اور بعض تیرے بھائی شرکان کو۔ ایک مہینے تک یہ جھگڑا ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ہم میں سے کچھ لوگ جمع ہو کر تیرے بھائی شرکان کے پاس روانہ ہوئے اور سفر کرتے کرتے تجھ تک پہنچ گئے۔ یہ ہے سبب بادشاہ عمر بن النعمان کی موت کا۔

جب وزیر دندان اپنی گفتگو ختم کر چکا تو ضوء المکان اور اس کی بہن نزہت الزماں اور حاجب تینوں کے تینوں رونے لگے۔ اس کے بعد حاجب نے ضوء المکان سے کہا کہ اے بادشاہ' رونے سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ اپنے دل کو مضبوط اور اپنے ارادے کو پختہ کر اور اپنی مملکت کو سنبھال' کیونکہ جس نے تجھ جیسا جانشین چھوڑا ہے' اس کو مردہ نہ سمجھنا چاہیے۔ یہ سن کر اس نے رونا بند کر دیا اور حکم دیا کہ دروازے کے آگے تخت بچھایا جائے اور لشکر اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ حاجب اس کے پہلو میں کھڑا ہوا اور تمام سلاحدار اس کے پیچھے اور وزیر دندان اس کے روبرو کل امراء اور اراکین اپنے اپنے مرتبے کے موافق کھڑے ہوئے۔ اب بادشاہ ضوء المکان نے وزیر دندان سے اپنے باپ کے خزانوں کے متعلق دریافت کیا اور اس نے بخوشی مال و دولت کے خزانوں کی اطلاع دی اور یہ کہ خزانوں میں کیا کیا ذخیرے اور جواہرات موجود ہیں اور جو کچھ خزانوں میں تھا وہ اس کے آگے لا رکھا۔ بادشاہ نے ان میں سے لشکر کو عطا کیا اور وزیر دندان کو ایک نہایت فاخرہ خلعت دے کر کہا کہ تو اپنی جگہ پر بحال رہ۔ وزیر نے اس کے آگے زمین چومی اور دعا دی کہ وہ زندہ رہے۔ اس کے بعد اس نے دوسرے امراء کو خلعتیں بخشیں اور حاجب سے کہا کہ دمشق کا خراج جو تیرے ساتھ ہے' اس کو پیش کر۔ جب حاجب نے مال و دولت اور تحفے تحائف اور جواہرات کے صندوق پیش کئے تو بادشاہ نے انہیں لے کر لشکر میں تقسیم کر دیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• ستاسی ویں رات

جب ستاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ضوء المکان نے حاجب کو حکم دیا کہ وہ دمشق کا خراج پیش کرے اور اس نے سارے مال اور تحفے تحائف

اور جواہرات کے صندوق لا کر سامنے رکھ دیئے۔ اس نے لے کر سارا کا سارا لشکریوں میں تقسیم کر دیا اور کچھ باقی نہ چھوڑا۔ سارے امراء نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور عمر کی درازی کی دعا دی اور کہنے لگے کہ ہم نے کسی بادشاہ کو اتنی بخششیں کرتے نہیں دیکھا۔ یہ کہہ کر وہ اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ جب دوسرا دن ہوا تو بادشاہ نے کوچ بول دیا اور تین دن سفر کرنے کے بعد چوتھے دن وہ بغداد کے پاس پہنچ گئے اور شہر میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ شہر آراستہ و پیراستہ ہے۔ بادشاہ ضوء المکان اپنے باپ کے محل میں داخل ہوا اور تخت پر بیٹھا۔ اب فوجی سردار' وزیر دندان اور دمشق کا حاجب اس کے سامنے کھڑے ہوئے۔ اب اس نے اپنے ذاتی کاتب سے کہا کہ میرے بھائی شرکان کے نام ایک خط لکھ اور شروع سے آخر تک سارا ماجرا لکھ اور آخر میں یہ لکھ کہ جب یہ خط تیرے پاس پہنچے فوراً تیار ہو کر فوج کے ساتھ یہاں آ جا تا کہ ہم کفار سے لڑیں اور ان سے اپنے والد کا بدلہ لیں اور اس عار کو دور کریں۔ اس خط کو لپیٹ کر اس نے مہر لگائی اور وزیر دندان سے کہنے لگا کہ تو خود اس خط کو لے جا لیکن اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کرنا اور کہنا کہ اگر تو باپ کی سلطنت کا خواہش مند ہے تو وہ تیری ہے اور تیرا بھائی دمشق میں تیری نیابت کرنے میں خوش ہے۔ اس کی خبر ہم پہلے بھی تجھے دے چکے ہیں۔ وزیر دندان نے اس کے پاس سے رخصت ہو کر سفر کی تیاری کر دی۔ اس کے بعد ضوء المکان نے حکم دیا کہ بھٹی سلگانے والے کے لیے ایک عالی شان مکان درست کیا جائے اور وہ بہترین سامان سے سجایا جائے۔ اس کا قصہ بہت لمبا چوڑا ہے۔

اس کے بعد ایک روز کا واقعہ ہے کہ ضوء المکان سیر و شکار کے لیے گیا اور جب لوٹا تو ایک امیر نے اصیل گھوڑے اور خوبصورت کنیزیں پیشکش کیں جن کی تعریف سے زبان عاجز ہے۔ ان کنیزوں میں سے ایک اسے پسند آئی اور وہ اس کے ساتھ تخلئے میں گیا اور اسی رات ہم بستر ہوا اور وہ فوراً حاملہ ہو گئی۔ کچھ مدت کے بعد وزیر دندان سفر سے لوٹا اور بادشاہ کو خبر دی کہ تیرا بھائی شرکان آ رہا ہے اور اسے یہ مشورہ دیا کہ تو شہر کے باہر جا کر اس کا خیر مقدم کیجیو۔ ضوء المکان نے کہا کہ بسر و چشم اور حکومت کے خاص خاص لوگوں کو لے کر وہ بغداد سے ایک دن کے سفر پر پہنچا اور وہاں خیمے لگائے اور اپنے بھائی کا انتظار کرنے لگا۔ جب سویرا ہوا تو شہزادہ شرکان شام کی فوجوں کے ساتھ پہنچا جن کے ساتھ بہادر سوار اور شہ زور شیر اور جنگجو سورما تھے۔ جب فوجیں قریب آئیں اور گردو غبار اڑنے لگا اور بہادر لوگ سامنے آئے اور جھنڈے پھڑپھڑ کرنے لگے تو بادشاہ شرکان اور اس کے ساتھیوں سے ملنے کے لیے آگے بڑھا اور جوں ہی اس کی نظر اپنے بھائی پر پڑی تو وہ چاہتا تھا کہ گھوڑے پر سے اتر پڑے لیکن شرکان نے اسے قسم دی کہ ایسا مت کر اور خود پیادہ پا ہو کر چند قدم چلا اور جوں ہی وہ ضوء المکان کے پاس پہنچا تو وہ شرکان سے لپٹ گیا اور شرکان نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور دونوں زار زار رونے اور ایک دوسرے کو تسلی دینے لگے۔ اس کے بعد دونوں سوار ہو کر روانہ ہو گئے اور لشکر ان کے ساتھ ہو لیا۔ یہاں تک کہ وہ بغداد پہنچے اور اتر پڑے اور شاہی محل میں داخل ہوئے اور رات وہیں گزاری۔ جب صبح ہوئی تو ضوء المکان نے نکل کر حکم دیا کہ فوجیں ہر طرف سے اکٹھا کی جائیں اور لڑائی اور جہاد کی منادی کر دی جائے۔ اب وہ ہر صوبے سے فوجوں کے آنے کا انتظار کرنے لگے اور جو جو آتے جاتے ان کا احترام ہوتا اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا۔ یہاں تک کہ ایک مہینہ گزر گیا اور لوگ جوق در جوق آنے لگے۔

اب شرکان نے اپنے بھائی سے کہا کہ بھائی' اپنی سرگزشت بیان کر اور اس نے سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا اور یہ بھی کہ بھٹی والے نے اس کے

ساتھ کیا احسان کیا۔ اس پر شرکان نے کہا کہ آیا تو نے اس کی نیکی کا بدلہ بھی دیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ابھی نہیں لیکن جب لڑائی سے لوٹوں گا تو انشاء اللہ بدلہ

دوں گا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

اٹھاسی ویں رات

جب اٹھاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ شرکان نے اپنے بھائی سے پوچھا کہ آیا تو نے بھٹی والے کی نیکی کا بدلہ بھی دیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بھائی' ابھی تک تو نہیں' لیکن جب میں لڑائی سے لوٹوں گا اور وقت ملے گا تو انشاء اللہ میں اس کا بدلہ دوں گا۔ اب شرکان کو یہ بھی یقین آ گیا کہ جو کچھ اس کی بہن نزہت الزماں نے کہا تھا سچ تھا۔ لیکن اس نے اپنا اور بہن کا بھید کسی پر ظاہر نہیں کیا اور اس کے شوہر حاجب کے ہاتھ اسے سلام کہلا بھیجا اور بہن نے بھی اسی کے ہاتھ سلام کا جواب دیا اور اسے دعا دی اور اپنی بیٹی قضی فکان کی حالت دریافت کی۔ شرکان نے جواب دیا کہ وہ خیریت سے ہے اور صحیح و سلامت ہے۔ اس پر اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور شرکان کی شکر گزار ہوئی اور شرکان کوچ کے بارے میں مشورہ کرنے اپنے بھائی کے پاس چلا گیا۔ بھائی نے کہا کہ اے بھائی' لشکر مکمل ہو چکا ہے اور گاڑیاں ہر جگہ سے آ چکی ہیں۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ کھانے پینے کا سامان اور اسلحہ تیار کیے جائیں۔

اب ضوء المکان اپنی بیوی کے پاس گیا۔ چونکہ اس کے حمل کے پانچ مہینے ختم ہو چکے تھے اور اس نے زائچے اور حساب جاننے والے اپنی بیوی کے لیے مامور کیے اور ان کے لیے روزینے اور تنخواہیں مقرر کر دیں اور بعد ازیں کہ شام کی فوج کو آئے ہوئے تین مہینے گزر چکے تھے اور گاڑیاں اور فوجیں ہر طرف سے پہنچ چکی تھیں وہ روانہ ہو گیا اور فوجوں اور لشکروں نے کوچ کر دیا اور بے شمار سپاہی چل دیے۔ ویلم کی فوج کا سردار رستم تھا اور ترکوں کی فوج کا سردار بہرمان۔ فوج کے بیچ میں ضوء المکان تھا اور اس کے دہنے اس کا بھائی شرکان اور بائیں اس کا بہنوئی حاجب۔ اسی حالت میں وہ

ایک مہینے تک سفر کرتے رہے۔ جمعے کے روز وہ کسی جگہ ٹھہر جاتے اور تین دن تک آرام کرتے کیونکہ بے شمار لوگ ان کے ساتھ تھے۔ اسی طرح کوچ کرتے کرتے وہ روم کے ملک میں پہنچے اور وہاں سے ہر گاؤں اور جاگیر والے اور غربا بھاگ بھاگ کر ڈر کے مارے قسطنطنیہ چلے گئے۔ جب ان کے بادشاہ افریدون نے یہ خبر سنی تو وہ اٹھ کر ذات الدواہی کے پاس گیا' کیونکہ اس نے وہ چال چلی تھی اور بغداد جا کر بادشاہ عمر بن النعمان کو قتل کیا تھا اور کنیزوں اور شہزادی صفیہ کو لے کر اپنے ملک واپس آئی تھی۔ جب وہ اپنے بیٹے کے پاس پہنچی جو روم کا بادشاہ تھا اور اسے اپنی جان کا خطرہ نہ رہا تو وہ اپنے بیٹے سے کہنے لگی کہ خوش ہو کیونکہ میں نے تیری بیٹی ابریزہ کا بدلہ لے لیا ہے اور بادشاہ عمر بن النعمان کو قتل کر دیا ہے اور صفیہ کو لے آئی ہوں۔ لہٰذا فورا اٹھ اور قسطنطنیہ کے بادشاہ کے پاس جا کر اسے اس کی بیٹی صفیہ واپس دے اور اس سے سارا ماجرا بیان کر تاکہ ہم اپنے بچاؤ کا سامان مہیا کریں اور لڑائی کی تیاری کریں۔ پس تیرے ساتھ قسطنطنیہ کے بادشاہ افریدون کے پاس چلتی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مسلمان ہم سے لڑنے میں دیر نہ کریں گے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ ذرا توقف کر جب وہ ہمارے ملک کے قریب پہنچیں گے تو ہم لڑائی کی تیاری کریں گے۔

اب انہوں نے فوجیں اور لڑائی کا سامان تیار کرنا شروع کیا اور جوں ہی ان کو معلوم ہوا کہ فوجیں جمع ہو گئیں اور سامان تیار ہو گیا ہے تو وہ قسطنطنیہ روانہ ہو گئے اور ذات الدواہی ان کے ہراول کے ساتھ تھی۔ جب وہ قسطنطنیہ کے قریب پہنچے تو بادشاہ افریدون اعظم کو خبر ملی کہ روم کا بادشاہ حردوب آ رہا ہے اور وہ اس کے خیر مقدم کے لیے روانہ ہوا اور اس سے مل کر اس کی خیریت اور آنے کی وجہ دریافت کی۔ حردوب نے اس سے اپنی ماں ذات الدواہی کی چال بازیاں بیان کیں جن سے اس نے مسلمانوں کے بادشاہ کو قتل کیا اور اس کے پاس سے شہزادی صفیہ کو لے آئی اور کہا کہ وہ یہ بھی کہتی ہے کہ مسلمان اپنی فوج جمع کر کے آ رہے ہیں۔ اس لیے ہمیں ضروری

ہے کہ ہم یک جان و دو قالب ہو کر ان کا مقابلہ کریں۔ بادشاہ افریدون کو اپنی بیٹی کی واپسی اور عمر بن النعمان کے قتل پر بڑی خوشی ہوئی اور اس نے مدد مانگنے کے لیے سارے ملکوں میں ایلچی بھیج دیے اور انہیں بادشاہ عمر بن النعمان کے قتل ہونے کا سبب کہلا بھیجا۔ اب عیسائیوں کی فوجیں جوق جوق آنی شروع ہو گئیں اور ابھی تین مہینے پورے نہ ہونے پائے تھے کہ روم کی فوجیں مکمل ہو گئیں اور ہر چہار طرف سے فرنگی آ پہنچے۔ مثلاً فرانسیسی اور جرمن اور دوبرہ اور جورنہ اور بندقیہ اور پیلے رنگ کے باقی تمام لوگ۔ جب فوجیں مکمل ہو گئیں اور ان سے میدان بھر گئے تو بادشاہ افریدون اعظم نے حکم دیا کہ قسطنطنیہ سے کوچ کریں اور وہ روانہ ہو گئے اور دن تک برابر کوچ کرنے کے بعد وہ وادی النعمان کے پاس پہنچے جو سمندر کے قریب ایک بڑی وسیع وادی ہے۔ فوجیں وہاں تین دن ٹھہریں اور چوتھے دن جب انہوں نے وہاں سے کوچ کا ارادہ کیا تو انہیں خبر ملی کہ اسلام کی فوجیں اور خیرالانام کی ملت کے حامی آ رہے ہیں۔ اس لیے وہ تین دن اور وہاں ٹھہر گئے اور چوتھے دن انہیں گرد اٹھتی دکھائی دی۔ یہاں تک کہ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ ابھی ایک پہر دن گزرا تھا کہ گرد پھٹی اور ہوا میں مل کر اڑ گئی اور نیزوں کے ستاروں اور تلواروں کی بجلیوں نے اس کا اندھیرا دور کر دیا اور اس کے نیچے سے اسلامی جھنڈے اور محمدی علم نمودار ہوئے اور سوار سمندر کی موج کی طرح آگے بڑھے اور زرہ بکتر میں وہ ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے چاند کے اوپر بادل۔

اب دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہوئی اور دو سمندر موجزن ہوئے اور آنکھ سے آنکھ ملی تو پہلا شخص جو میدان میں جنگ کے لیے آمادہ ہوا وزیر دندان تھا اور شام کی فوجیں جن کی تعداد تیس ہزار سوار تھی اور وزیر کے ساتھ ترکی سردار رستم اور دیلمی سردار بہرام بیس ہزار سواروں کے ساتھ تھے۔ یہ اس طرف مشغول تھے کہ ان کے پیچھے سے ایک لشکر سمندر کے کنارے سے آ پہنچا جو فولاد کی زرہ بکتروں میں ڈوبا ہوا تھا اور ایسا چمک

رہا تھا جیسے کہ کالی رات میں چمکتا ہوا چاند۔ یہ عیسائیوں کا لشکر تھا جو عیسیٰ اور مریم اور مردود صلیب کے نعرے لگا رہے تھے اور وہ لوگ وزیر دندان اور اس کے ہمراہیوں شام کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ یہ ساری ترکیبیں بڑھیا ذات الدواہی کی تھیں۔ کیونکہ روانگی سے پہلے بادشاہ اس کے پاس آیا اور اس سے کہا تھا کہ بتا کیا کرنا چاہیے۔ یہ ساری تیری کرتوت ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اے بڑے بادشاہ اور اے زبردست امام' میں تجھے ایک ایسی ترکیب بتاتی ہوں کہ جس کا تدارک شیطان سے بھی نہ ہو سکے خواہ وہ اپنے سارے منحوس ساتھیوں کو کیوں نہ لے آئے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نواسی ویں راتے

جب نواسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ یہ ساری ترکیبیں بڑھیا کی تھیں کیونکہ کوچ سے پہلے بادشاہ نے اس سے آکر پوچھا تھا کہ اب کیا کرنا چاہیے کیونکہ اس مہم کا سبب تو ہی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اے بڑے بادشاہ اور زبردست امام' میں تجھے ایسی چال بتاتی ہوں جس کا تدارک خود شیطان سے نہ ہو سکے خواہ وہ اپنے سارے منحوس ساتھیوں کو کیوں نہ لے آئے اور وہ ترکیب یہ ہے کہ تو پچاس ہزار فوج کو جہازوں پر بٹھا کر سمندر کے راستے سے جبل الدخان بھیجے اور وہ وہاں سے نہ ہٹیں جب تک کہ وہاں اسلامی جھنڈے نہ پہنچ جائیں۔ اس وقت تم لوگ ان پر حملہ کرنا اور بحری لشکر ان پر پیچھے سے چھاپہ مارے۔ اسی وقت جب کہ ہم خشکی کی طرف سے حملہ آور ہوں۔ اس وقت کوئی بھی بچ کر نہ جا سکے گا اور ہماری مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور ہم پھر ہمیشہ آرام سے رہیں گے۔ بادشاہ افریدون کو بڑھیا کی باتیں ٹھیک معلوم ہوئیں اور اس نے کہا کہ اے چالباز بوڑھیوں کی سردار اور اٹھتے ہوئے فتنوں کے وقت دانشمندوں کی مرجع' تیری رائے بہت ٹھیک ہے۔

جب اسلام کے لشکر نے اس وادی میں ان پر حملہ کیا تو قبل اس کے کہ ان کے ہوش درست ہوں ان کے خیموں میں آگ لگ گئی اور تلواریں جسموں کو پاش پاش کرنے لگیں۔ اب بغداد اور خراسان کی فوجیں آگے بڑھیں جن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی اور ان کے ہراول میں ضوء المکان تھا جب کفار کے لشکر نے' جو سمندر میں تھا ان کو دیکھا تو وہ سمندر سے نکل کر ان کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ جوں ہی ضوء المکان کی نظر ان پر پڑی تو اس نے کہا کہ اے منتخب نبی کے گروہ' کفار کی طرف پلٹ پڑو رحمٰن اور رحیم خدا کے حکم کے موافق کافروں اور نافرمانوں سے جنگ کرو۔ اور شرکان مسلمانوں کے لشکر کے دوسرے حصے کو لے کر آگے بڑھا جن کی تعداد بھی ایک لاکھ

بیس ہزار تھی۔ کفار کا لشکر سولہ لاکھ تھا۔ جب مسلمانوں کی ان سے مڈبھیڑ ہوئی تو ان کے دل مضبوط ہو گئے اور انہوں نے بلند آواز سے کہا کہ خدا نے ہمیں کامیابی کا وعدہ دیا ہے اور کفار کو ناکامی کی گھڑکی دی ہے اور وہ تلواریں اور نیزے لے کر پل پڑے۔ شرکان صفوں کو پھاڑتا ہوا نکلا اور ہزاروں پر پل پڑا اور ایسی جنگ کی کہ جس سے بچے بھی بوڑھے ہو جائیں۔ وہ کفار کی فوج میں ادھر سے ادھر جاتا اور تیز تلوار سے ان کا کام تمام کرتا اور اللہ اکبر کے نعرے مارتا رہا یہاں تک کہ اس نے دشمن کو سمندر کے کنارے مار کر بھگا دیا اور ان کے بدن کانپنے لگے اور خدا نے اسلام کو فتح دی اور لوگ اس طرح لڑ رہے تھے کہ گویا وہ بے پئے نشے میں ہیں۔ اس لڑائی میں چون ہزار کافر کام آئے اور مسلمان محض ساڑھے تین ہزار شہید ہوئے۔ اس رات نہ دین کا شیر شہزادہ شرکان سویا اور نہ اس کا بھائی ضوء المکان بلکہ دونوں لوگوں کو مبارک باد دیتے اور اور زخمیوں کی تیمار داری کرتے اور فوج کو یہاں کامیابی اور سلامتی اور قیامت کے دن ثواب کی خوشخبری دیتے رہے۔

یہ تو مسلمانوں کا حال تھا۔ اب قسطنطنیہ کے بادشاہ افریدون اور روم کے بادشاہ اور اس کی ماں بڑھیا ذات الدواہی کا قصہ سنئے۔ انہوں نے لشکر کے سرداروں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ ہم مراد کو پہنچ چکے اور اپنا دل ٹھنڈا کر چکے تھے لیکن ہمیں اپنی فوج کی زیادتی پر گھمنڈ تھا' اس وجہ سے ہم ناکام رہے۔ بڑھیا ذات الدواہی نے ان سے کہا کہ سوائے اس کے تمہیں کسی بات سے فائدہ نہیں پہنچ سکتا تم مسیح کا قرب حاصل کرو اور سچے دین کو مضبوطی سے پکڑو۔ مسیح کی سچائی کی قسم' کہ مسلمانوں کے لشکر کی قوت کی وجہ محض یہ شیطان تھا جس کا نام شہزادہ شرکان ہے۔ بادشاہ افریدون نے کہا کہ میں نے یہ ٹھان لی ہے کہ کل میں خود صفیں آراستہ کروں اور مسلمانوں کے مقابلے میں مشہور شہسوار لوقا بن شلوط کو بھیجوں کیونکہ اگر اس نے شہزادہ شرکان کا مقابلہ کیا تو وہ اسے قتل کر دے گا اور اس کے علاوہ اور سورماؤں کو بھی نیچا دکھائے گا یہاں تک کہ ان میں سے کوئی باقی نہ بچے گا اور میں نے یہ بھی ٹھان لی ہے کہ تمہیں

آج رات میں پاک دھونی سے متبرک بناؤں۔ جب انہوں نے اس کی باتیں سنیں تو زمیں بوس ہوئے۔ یہ دھونی دینے کی خوشبو ان کے کافر اور لعین لاٹ پادری کا فضلہ تھا اور لوگ اس کی اتنی قدر کرتے اور اس کی برائیوں کو اتنا اچھا سمجھتے تھے کہ روم کے بڑے بڑے پادری اس کو ریشمی کپڑے میں رکھ کر اور اس میں مشک اور عنبر ڈال کر تمام عیسائی ملکوں میں بھیجتے اور جب اس کی خبر بادشاہوں کو پہنچتی تو اس کا ایک ایک درہم ہزار ہزار دینار دے کر خریدتے۔ حتیٰ کہ بادشاہ دلہنوں کو خوشبو دینے کے واسطے اسے منگاتے اور دوسرے پادری اس میں اپنا فضلہ بھی ملا دیتے ورنہ وہ دس ملکوں کے لیے کافی نہ ہوتا تھا۔ خاص خاص بادشاہ تو اسے سرمے میں ملا کر آنکھوں میں لگاتے اور اس سے بیماروں اور معدے کے مریضوں کا علاج کرتے۔

جب دوسرا دن ہوا اور روشنی پھیلی اور سواروں نے اپنے ہاتھوں میں نیزے لیے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی نظر آئی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• نوے ویں رات

جب پوری نوویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب سویرا ہوا اور روشنی پھیلی اور سواروں نے اپنے ہاتھوں میں نیزے لیے تو بادشاہ افریدون نے اپنے خاص خاص پادریوں اور روٴسا کو بلایا اور ان کو خلعتیں دیں اور ان کی پیشانیوں پر صلیب کھینچی اور انہیں اس خوشبو سے معطر کیا جس کا بیان اوپر کیا جا چکا ہے جو لاٹ پادری اور دغاباز امام کا فضلہ تھا اور لوقا بن شلوط کو طلب کیا جسکا نام لوگوں نے مسیح کی تلوار رکھا تھا اور اسے اسی فضلے کی دھونی دی اور دھونی دینے کے بعد وہ گندگی اس کے جسم پر ملی اور اس کے رخساروں کو اس سے لتھیڑ دیا اور اس کی مونچھوں پر مل دی۔ روم کے سارے ملک میں اس ملعون لوقا سے بڑھ کر نہ کوئی سورما تھا اور نہ تیر انداز اور نہ شمشیرزن اور نہ نیزہ باز۔ وہ بڑا بدصورت تھا۔ اس کا چہرہ گدھے کا تھا اور صورت بندر کی اور ناک نقشہ زہریلے سانپ کا۔ اس کی نزدیکی معشوق کی دوری سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔ اس کے حصے میں رات سے محض تاریکی آئی تھی اور شیر سے محض بدبو اور چیتے سے محض گندی سانس اور کفر سے محض اس کی پھکا اور اب اس نے آگے بڑھ کر بادشاہ افریدون کے قدم چومے اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ افریدون نے اس سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو دمشق کے والی اور عمر بن النعمان کے بیٹے شرکان کا مقابلہ کر اور اس مصیبت سے ہمیں پناہ دے۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم۔ اس کے بعد بادشاہ نے اس کی پیشانی پر صلیب کھینچی اور سمجھا کہ عنقریب فتح ہونے والی ہے۔

اب لوقا بادشاہ افریدون کے پاس سے چل دیا اور وہ معلون ایک مشکی گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس کا لباس سرخ تھا اور اس کی زرہ سونے کی تھی جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے اور اس کے ہاتھ میں تین پھل والا نیزہ تھا۔ گویا وہ احزاب کی جنگ کے دن ملعون

شیطان ہے۔ اب وہ اور اس کے ساتھ کفار آگے بڑھے گویا وہ دوزخ میں جا رہے ہیں اور ایک مناد عربی میں یہ کہتا تھا کہ اے محمد کی امت' (خدا ان پر درود و سلام بھیجے!) سوائے سیف الاسلام شرکان کے جو دمشق کا حاکم ہے اور کوئی مقابلے میں نہ آئے۔
ابھی اس کی بات پوری نہ ہونے پائی تھی کہ میدان میں ایک شور اٹھا جو ہر شخص کو سنائی دیا اور گھوڑے کی ٹاپیں دونوں صفوں کے درمیان پٹ پٹ پڑنے لگیں اور لوگوں کو حنین کی لڑائی یاد آ گئی' بزدل لوگ ڈر گئے اور گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے۔ جب اسے پہچانا تو وہ بادشاہ عمر بن النعمان کا بیٹا شہزادہ شرکان تھا۔ جب اس کے بھائی ضوء المکان نے اس ملعون کو دیکھا اور منادی سنی تو وہ اپنے بھائی شرکان کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ وہ تجھ سے لڑنا چاہتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ ایسا ہے تو کیا کہنا! جب لوگ ساری باتیں سمجھ چکے اور منادی سن چکے جو یہ تھی کہ سوائے شرکان کے اور کوئی نہ نکلے تو انہیں یقین ہو گیا کہ یہ ملعون روم کا شہسوار ہے جو یہ قسم کھا چکا تھا کہ میں دنیا کو مسلمانوں سے خالی کر دوں گا ورنہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔
یہ وہی شخص تھا جس نے لوگوں کے کلیجے جلا دیے تھے اور جس کی بہادری سے ترکی دیلمی اور کردی فوجیں ڈرتی تھیں۔ غرض اب شرکان نکلا گویا وہ غضب ناک شیر تھا۔ اس کا گھوڑا حبشی غزال کی طرح تھا اور اس نے اسے لوقا کی طرف بڑھایا اور اس کے پاس پہنچ کر اپنے نیزے کو افعی سانپ کی طرح اپنے ہاتھ میں ہلایا اور عربی کے رجزیہ اشعار پڑھنے لگا۔
لیکن لوقا نہ اشعار کا مطلب سمجھا اور نہ اس کی اہمیت بلکہ اپنے ہاتھ سے منہ پر طمانچے لگائے اور اس کا مقصد اس سے صلیب کی تعظیم تھی جو اس کی پیشانی پر منقوش تھی اور پھر ہاتھ چومنے لگا اور نیزے کا رخ شرکان کی طرف کر کے گھوڑے کو اس کی طرف ایڑ لگائی۔ پھر اس نے نیزے کو ایک ہاتھ سے اوپر اچھالا یہاں تک کہ وہ نظروں سے غائب ہو گیا اور دوسرے ہاتھ سے اسے روک لیا جس طرح کہ جادوگر کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے نیزے کو اس زور سے شرکان کی طرف پھینکا جیسے کہ ٹوٹتا

ہوا تارا۔ اس پر لوگ شور کرنے لگے اور ڈرے کہ کہیں شرکان کو ضرر نہ پہنچے۔ لیکن جب نیزہ شرکان کے قریب پہنچا تو اس نے اسے اڑتا ہوا پکڑ لیا اور لوگ دنگ رہ گئے۔
اب شرکان نے اسی نیزے کو جو اس نے عیسائی سے لیا تھا' اپنے ہاتھ میں لے کر اتنا موڑا کہ قریب تھا کہ وہ ٹوٹ جائے اور اسے اوپر کی طرف ہوا میں پھینکا یہاں تک کہ وہ نظر سے غائب ہو گیا اور جب وہ گرا تو دوسرے ہاتھ سے فی الفور پکڑ لیا زور سے ایک نعرہ لگایا اور کہنے لگا کہ اس ذات کی قسم جس نے سات طبق آسمان پیدا کیا ہے' میں اس ملعون کو قتل کر کے سارے جہان میں اس کی تشہیر کروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے وہ نیزہ لوقا کی طرف پھینکا۔ لوقا نے چاہا کہ ویسا ہی کرے جیسا کہ شرکان نے کیا تھا اور اپنا ہاتھ بڑھایا کہ نیزے کو ہوا میں پکڑے۔ اس پر شرکان نے فوراً دوسرا نیزہ اس کی طرف پھینکا جو آکر ٹھیک صلیب پر لگا جو اس کی پیشانی پر تھی اور خدا نے اس کی روح فوراً دوزخ میں پہنچا دی جو بری رہنے کی جگہ ہے۔ جب کفار نے لوقا بن شلوط کو مر کر گرتے دیکھا تو وہ اپنا منہ پیٹنے اور ہائے افسوس چلانے اور خانقاہوں کے پادریوں سے مدد طلب کرنے لگے۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی نظر آئی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت مل تھی۔

○○○

• اکیانوے ویں رات

جب اکیانوویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب کفار نے لوقا بن شلوط کو بے جان ہو کر گرتے دیکھا تو وہ اپنا منہ پیٹنے اور ہائے افسوس چلانے اور خانقاہوں کے پادریوں سے مدد طلب کرنے لگے' اور کہنے لگے کہ کہاں ہیں صلیبیں اور کیا ہوا رہبانوں کا زہد و تقویٰ! اب سب کے سب شرکان پر ٹوٹ پڑے اور تلواروں اور نیزوں کو بلند کیا اور دھاوا بول دیا اور دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہو گئی اور گھوڑوں کی ٹاپیں مردوں کے سینوں پر پڑنے لگیں اور تلواروں اور نیزوں کا دور دورہ ہو گیا اور کلائیاں اور پنجے کمزور پڑنے لگے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑوں کی ٹانگیں ہی نہیں اور لڑائی کے رجز خوان نعرے لگانے لگے اور ہاتھ سن پڑ گئے اور دن ختم ہو گیا اور رات کا اندھیرا چھا گیا اور دونوں لشکر جدا ہو گئے۔ شمشیر زنی اور نیزہ بازی کی وجہ سے بہادروں کو نشہ چڑھ گیا اور میدان مقتولوں سے بھر گیا اور زخمیوں کی کثرت ہو گئی اور یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ کون مرا اور کون زخمی ہوا۔

اب شرکان اپنے بھائی ضوء المکان اور وزیر دندان اور حاجب سے آکر ملا اور اس نے اپنے بھائی ضوء المکان اور حاجب سے کہا کہ خدا نے کفار کے لیے ہلاکت کا دروازہ کھول دیا ہے' اس پر شکر ہے اس خدا کا جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ ضوء المکان نے اپنے بھائی سے کہا کہ ہم اس بات پر ہمیشہ خدا کا شکر ادا کریں گے کہ اس نے عرب اور عجم سے اس مصیبت کو دور کر دیا' اور لوگ نسلاً بعد نسل اس کارنامے کا ذکر کریں گے جو تو نے ملعون لوقا کے ساتھ کیا جو انجیل کے محرف کا ہم نام ہے اور اس بات کا کہ تو نے نیزے کو ہوا میں سے پکڑ کر اس شخص پر ضرب لگائی جو دنیا میں خدا کا دشمن تھا۔ تیرا یہ قصہ قیامت تک لوگوں کے زباں زد رہے گا۔ اب شرکان نے حاجب سے کہا کہ اے عالی قدر حاجب اور زبردست پیشوا اور اس نے جواب دیا کہ میں حاضر

ہوں۔ شرکان نے کہا کہ تو وزیر دندان اور بیس ہزار سواروں کے ساتھ سمندر کی طرف روانہ ہو جا جو یہاں سے سات فرسخ ہے اور تیزی کے ساتھ کوچ کر۔ جب تو ساحل کے قریب پہنچ جائے اور تجھ میں اور دشمن میں دو فرسخ کا فاصلہ رہ جائے تو تم لوگ گڑھوں میں چھپ جانا۔ جب کفار کشتیوں سے اتریں گے تو تمہیں نعرے سنائی دیں گے۔ جب تم یہ دیکھنا کہ ہمارا لشکر پیچھے ہٹ رہا ہے گویا وہ بھاگ رہے ہیں اور کفار ان کا ہر طرف سے تعاقب کر رہے ہیں حتیٰ کہ ساحل اور خیموں کی طرف سے بھی' تو تم گھات میں لگے رہنا اور جب تمہیں ایک جھنڈا دکھائی دے جس پر لا الہ الا اللہ محمد رسوال اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہو تو تم ہرا جھنڈا بلند کرنا اور اللہ اکبر کہہ کر ان پر پیچھے سے حملہ کر دینا اور اس بات کی کوشش کرنا کہ دشمن کی فوج بھاگتے ہوئے کفار اور سمندر کے درمیان حائل نہ ہونے پائے۔ حاجب نے کہا کہ بسر و چشم' اور سب لوگ اس پر فوراً راضی ہو گئے اور وہ لوگ تیاری کر کے روانہ ہو گئے اور شرکان کے حکم کے بموجب حاجب نے اپنے ساتھ وزیر دندان اور بیس ہزار سوار لے لیے۔

جب صبح ہوئی تو لوگ سوار ہو گئے اور انہوں نے تلواریں کھینچ لیں اور نیزوں کو رکابوں پر رکھ لیا اور زرہ بکتر پہن لیے اور میدانوں اور پہاڑوں میں منتشر ہو گئے۔ دوسری طرف پادریوں نے نعرے لگانے شروع کیے اور اپنے سر کھول دیے اور جہاز کے مستولوں پر صلیبیں بلند ہوئیں اور وہ ہر طرف سے ساحل پر اترنے لگے اور انہوں نے گھوڑوں کو خشکی پر اتارا اور لڑائی کا تہیہ کر لیا اور تلواریں چمکنے لگیں اور فوجیں آمنے سامنے آئیں اور نیزے تاروں کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر زرہوں پر گرنے لگے اور سواروں اور پیادوں کے سروں پر موت کی چکی چلنے لگی اور جسموں سے سر جدا ہونے لگے اور زبانیں گونگی ہونے لگیں اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا اور لوگوں کے چھکے چھوٹنے لگے اور تیز تلواریں اپنا کام کرنے لگیں اور کھوپڑیاں اڑنے اور کلائیاں کٹنے لگیں اور گھوڑے خون میں ڈوب گئے اور داڑھیاں رنگ گئیں اور اسلام کے لشکر نے رسول اللہ پر درود

اور سلام اور خدا پر حمد و ثنا کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔ ادھر کفار کا لشکر صلیب اور زنار اور شراب اور شراب کشوں اور پادریوں اور رہبانوں اور عیدوں اور لاٹ پادری کی تعریف میں مشغول ہوا۔ اب ضوء المکان اور شرکان دونوں ٹھہر گئے اور ان کی فوجیں پیچھے ہٹیں گویا کہ وہ دشمن کے سامنے سے بھاگ رہی ہیں اور کفار کا لشکر یہ خیال کر کے کہ وہ بھاگ رہے ہیں ان کی طرف بڑھا اور نیزہ بازی اور شمشیر زنی کا تہیہ کر لیا اور مسلمانوں نے بلند آواز سے سورہ البقرہ کی شروع کی آیتیں پڑھنی شروع کیں اور مقتول لوگ گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچلے جانے لگے اور رومی منادیہ ندا کرنے لگا کہ اے مسیح کے بندو اور سچے دین والو' اے لاٹ پادری کے خادمو' کامیابی تمہیں اپنا منہ دکھا رہی ہے' اسلام کا لشکر بھاگنے کے لیے پر تول رہا ہے لہٰذا ان کی طرف پیٹھ مت پھیرو بلکہ ان کی گردنوں میں تلواریں بھونک دو اور ان کا پیچھا نہ چھوڑو' ورنہ مسیح ابن مریم سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں جس نے گھوارے میں باتیں کی ہیں' قسطنطنیہ کے بادشاہ افریدون نے بھی یہی خیال کیا کہ کفار کا لشکر فاتح ہے مگر اس کا اسے گمان نہ ہوا کہ یہ مسلمانوں کی ایک عمدہ ترکیب ہے اور اس نے روم کے بادشاہ کو کامیابی کی مبارک باد بھیجی اور یہ کہلا بھیجا کہ یہ محض لاٹ پادری کے فضلے کی برکت ہے جس کی خوشبو حاضر اور غائب صلیب کے بندوں کی داڑھیوں اور مونچھیوں میں پھیل گئی ہے اور میں معجزوں اور تیری بیٹی ابریزہ کی جو عیسائی اور باکرہ ہے اور بپتسمے کے پانی کی قسم کھاتا ہوں کہ میں دنیا میں ایک جہاد کرنے والے کو نہ چھوڑوں گا اور اس نیت کو پورا کر کے چھوڑوں گا۔ یہ پیغام لے کر ایلچی روانہ ہو گیا اور کفار آپس میں چلا چلا کر کہنے لگے کہ لوقا کا بدلہ لو۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی نظر آئی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• بانوے ویں رات

جب بانویویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ کفار نے ایک دوسرے سے چلا کر کہا کہ لوقا کا بدلہ لو اور روم کے بادشاہ نے بلند آواز سے کہا کہ ہاں یہ ابریزہ کا قصاص ہے! یہ سن کر بادشاہ ضوء المکان نے نعرہ لگایا کہ اے جزا و سزا دینے والے خدا کے بندو' تلواروں کی سفیدی اور نیزوں کی زردی سے کافروں اور نافرمانوں کا قلع قمع کر دو۔ یہ سن کر مسلمان کافروں پر ٹوٹ پڑے اور تیز تلواروں سے ان کی گردنیں اڑانے لگے اور مسلمانوں کا منادی یہ ندا کرنے لگا کہ اے منتخب نبی کے پیارو' دین کے دشمن جانے نہ پائیں۔ یہ کریم اور غفار خدا کے راضی کرنے کا وقت ہے اور اے قیامت کے دن نجات کے خواستگارو جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔ شرکان مع اپنے دستے کے کفار پر ٹوٹ پڑا اور ان کے بھاگنے کا راستہ بند کر دیا اور صفوں کے درمیان ادھر ادھر جانے اور گھومنے پھرنے لگا۔ اب وہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک خوش رو' سوار کفار کے لشکر کو کاٹتا ہوا چلا جاتا ہے اور کافروں کے درمیان شمشیر اور نیزہ بازی کر رہا ہے اور سروں اور بدنوں کو کاٹ کاٹ کر زمین پر پھینکتا جاتا ہے اور کفار اس کی زدوں سے تھرا رہے ہیں اور ان کی گردنیں اس کے نیزے اور تلوار کے آگے جھک رہی ہیں۔ اس کے پاس دو تلواریں ہیں' ایک نظر کی اور دوسری شمشیر اور دو نیزے' ایک اس کا قد اور دوسرا نیزہ۔ جب شرکان نے اسے دیکھا تو کہنے لگا کہ اے شہسواروں کے شہسوار' میں تجھے قرآن اور خداوندی نشانیوں کی قسم دیتا ہوں' بتا کہ تو ہے کون؟ کیونکہ تو نے کافروں اور نافرمانوں کو بھگا کر جزا و سزا کے خدا کو راضی کیا ہے جس کو ایک کام دوسرے سے غافل نہیں کرتا۔ سوار نے کہا کہ کل میرا تیرا معاہدہ ہوا تھا اور آج تو مجھے بھول گیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا لی اور اس کی پوشیدہ خوب روئی ظاہر ہو گئی اور وہ ضوء المکان تھا۔ یہ

دیکھ کر شرکان خوش ہو گیا لیکن ڈرا کہ کہیں بہادر اور سورما اس پر حملہ نہ کر بیٹھیں۔
یہ دو وجوہ سے تھا: ایک تو یہ کہ وہ ابھی کم سن تھا' کہیں اسے نظر نہ لگ جائے۔

دوسرے یہ کہ اس کی زندگی حکومت کے لیے اشد ضروری تھی۔ اس نے کہا کہ اے بادشاہ' تو اپنی جان کو خطرے میں ڈال رہا ہے' اپنے گھوڑے کو میرے گھوڑے کے قریب لے آ۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں دشمن تجھے نقصان نہ پہنچائیں۔ مصلحت یہ ہے کہ تو دشمنوں کے لشکر سے نکل جا اور اپنے تیروں سے جو کبھی خطا نہیں کرتے' دشمنوں پر حملہ کر۔ ضوء المکان نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ جنگ میں تجھ سے پیچھے نہ رہوں اور تیرے سامنے اپنی جان نہ چراؤں۔
اب اسلامی لشکر کفار پر ٹوٹ پڑا اور انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور ان کے مقابلے میں جہاد کا حق ادا کر دیا اور کفر اور تفرقے اور فساد کی قوت کو توڑ دیا۔ جب بادشاہ افریدون نے دیکھا کہ روم کی کیسی کرکری ہوئی اور وہ دم دبا کر بھاگے تو اسے بے حد رنج پہنچا اور جوں ہی انہوں نے کشتیوں کا رخ کیا تو سمندر کے کنارے سے مسلمانوں کا لشکر ان پر حملہ آور ہوا' ان کے آگے آگے سورماؤں کو زیر کرنے والا وزیر دندان تھا جو تلوار اور نیزہ لے کر پل پڑا تھا۔ اسی طرح امیر بہرام جو شام کے صوبوں کا حاکم تھا اور جس کے ساتھ بیس ہزار سورما تھے' اور اسلامی فوجوں نے انہیں آگے اور پیچھے سے گھیر لیا۔ مسلمانوں کے ایک دستے نے ادھر کا رخ کیا جدھر کشتیاں سپاہیوں سے بھری ہوئی تھیں اور ان پر موتیں برسانی شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ وہ سمندر میں کود پڑے۔ کافروں کی بڑی تعداد اس روز ماری گئی جو ایک لاکھ بہادروں سے زیادہ تھی اور ان کے سورماؤں میں سے نہ چھوٹا بچا نہ بڑا۔ ان کی تمام کشتیاں علاوہ بیس کے مسلمانوں کے ہاتھ لگیں جن میں بہت سا مال و دولت تھا اور مسلمانوں کو اتنا غنیمت کا مال ملا جتنا اس سے پہلے کبھی کسی کو نہ ملا تھا اور نہ ایسی جنگ کبھی پہلے ہوئی تھی۔
علاوہ ذخیروں اور مقتولوں کے مال کے جن کا حد و حساب نہیں مسلمانوں کے ہاتھ پچاس

ہزار گھوڑے لگے اور انہیں اتنی خوشی ہوئی جس سے زیادہ ممکن نہیں کیونکہ خدا نے ان کو مدد دی اور کامیابی عطا فرمائی۔

یہ تو ان کا حال ہوا۔ اب بھگوڑوں کا حال سنئے۔ وہ بھاگ کر قسطنطنیہ پہنچے مگر پہلی خبر ان کے متعلقین کو یہ پہنچی تھی کہ بادشاہ افریدون مسلمانوں پر غالب آ گیا ہے اور بڑھیا ذات الدواہی نے کہا تھا کہ میں جانتی ہوں کہ میرا بیٹا روم کا بادشاہ شکست نہیں کھا سکتا اور اسلامی لشکر سے بالکل نہیں ڈرتا بلکہ وہ ساری دنیا کو عیسائی بنا کر چھوڑے گا۔ اس لیے اس نے بادشاہ افریدون اعظم سے کہا تھا کہ شہر کو سجائے اور انہوں نے خوشیاں منائیں اور شرابیں پیں کیونکہ انہیں معلوم نہ تھا کہ قسمت نے کیا گل کھلائے ہیں۔ وہ خوشیاں منا رہے تھے کہ غم و رنج کی خبر ان کو پہنچی اور بیس کشتیاں جو وہاں سے بھاگی تھیں' آ گئیں اور انہیں میں روم کا بادشاہ بھی تھا۔ قسطنطنیہ کے بادشاہ نے سمندر کے کنارے ان کا خیر مقدم کیا اور انہوں نے بیان کیا کہ مسلمانوں نے ان کی کیسی گت بنائی اور یہ کہہ کر وہ بہت روئے اور چلائے اور خوشخبری کی خوشی مٹی میں مل گئی۔ انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ لوقا بن شملوط پر کیا گزری اور موت کے تیر نے اس کا کس طرح کام تمام کیا۔ یہ سنتے ہی بادشاہ افریدون پر قیامت ٹوٹ پڑی اور اسے یقین ہو گیا کہ مصیبت اب ٹالے نہیں ٹلتی اور لوگوں میں ماتم برپا ہو گیا اور ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اور عورتیں گریہ و زاری کرنے لگیں اور ہر طرف رونا پیٹنا مچ گیا۔

جب روم کا بادشاہ' بادشاہ افریدون کے پاس پہنچا اور اس نے سارا واقعہ بیان کیا اور یہ کہا کہ مسلمانوں کا بھاگنا محض دھوکے کی ٹٹی تھی تو اس نے یہ بھی کہا کہ جو سپاہ یہاں پہنچ چکی ہے اس کے علاوہ اب کوئی اور نہیں لوٹنے کا۔ جب بادشاہ افریدون نے یہ باتیں سنیں تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور کہنے لگا کہ شاید حضرت مسیح ان سے ناراض ہو گئے ہیں اور مسلمانوں کو ان پر مسلط کر دیا ہے۔ اس کے بعد لاٹ پادری

غمگین صورت بنائے ہوئے بادشاہ کے پاس آیا اور بادشاہ نے اس سے کہا کہ اے ہمارے باپ' ہمارا لشکر تباہ ہو گیا ہے اور مسیح نے ہم کو سزا دی ہے۔ پادری نے کہا کہ غمگین مت ہو اور افسوس مت کرو' تم میں سے ضرور کسی نے مسیح کی شان میں گناہ کیا ہے اور اس گناہ کا خمیازہ سب کو بھگتنا پڑا ہے۔ لیکن اب ہم گر جاؤں اور خانقاہوں میں تمہارے لیے دعا کریں گے اور یہ محمدی لشکر تم سے ہٹا لیے جائیں گے۔ اس کے بعد بڑھیا ذات الدواہی آئی اور کہنے لگی کہ اے بادشاہ' مسلمانوں کا لشکر بہت زیادہ ہے اور بغیر چالبازی کے ہم ان کا کچھ کر نہیں سکتے۔ میرا ارادہ ہے کہ ان کے پاس جا کر کوئی حیلہ اور فریب کروں۔ یقین ہے کہ میں ان کے شہسوار اور سردار تک پہنچ کر اس کو بھی اسی طرح قتل کر دوں گی جس طرح کہ اس کے باپ کو کیا تھا۔

اگر میرا فریب چل گیا تو پھر اس کے لشکر کا ایک آدمی بھی اپنے ملک واپس نہ جا سکے گا کیونکہ ان سب کی قوت کا سبب وہی ایک شخص ہے لیکن میں چاہتی ہوں کہ شام کے عیسائی جو ہر مہینے اور ہر سال اپنا مال بیچنے جاتے ہیں' میری مدد کریں۔ کیونکہ انہیں کے ذریعے سے میرا مطلب حاصل ہو سکتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ جب تو کہے یہ ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ شام کے شہر نجران سے سو آدمی بلوائے جائیں اور لوگ انہیں بادشاہ کے پاس لے آئیں۔

بادشاہ نے کہا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے کہ عیسائیوں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے کیا نقصان پہنچا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ بادشاہ نے کہا کہ سنو۔ اس عورت نے اپنی جان کو مسیح پر قربان کر دیا اور چاہتی ہے کہ تمہارے ساتھ مسلمانوں کے بھیس میں جائے اور کوئی ایسا حیلہ کرے جس سے ہمیں فائدہ پہنچے اور مسلمان ہم تک نہ آ سکیں۔ بتاؤ کہ کیا تم بھی اپنی جانیں مسیح کی نذر کر سکتے ہو؟ میں تمہیں ایک من سونا دوں گا۔ تم میں جو زندہ رہے گا وہ سونے سے فائدہ اٹھائے گا اور جو مر جائے گا مسیح اسے بدلہ دے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے بادشاہ' ہم اپنی جانیں مسیح پر فدا کرتے ہیں

اور تیرے اوپر قربان ہوتے ہیں۔ اب بڑھیا نے ضرورت کے موافق کچھ جڑی بوٹیاں لیں اور انہیں پانی میں ڈال کر آگ پر ابالا یہاں تک کہ ان میں سے ایک سیاہ مادہ نکل آیا۔ جب وہ ٹھنڈا ہو گیا تو اسے رومال کے ایک کونے میں مل کر ان کے چہروں پر پھیر دیا اور اپنے لباس کے اوپر کشیدے کی ایک عبا پہن لی اور اپنے ہاتھ میں ایک تسبیح لے لی۔ اس طرح سے وہ بادشاہ کے پاس گئی اور بادشاہ نے اور نہ دوسرے مصاحبوں میں سے کسی نے اسے پہچانا۔ جب اس نے اپنا چہرہ کھول دیا تو مجلس میں ہر ایک نے اس مکر پر اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کا بیٹا خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ مسیح تیری ذات کو سلامت رکھے! اس کے بعد وہ نجران کے عیسائیوں کو لے کر چل دی اور بغداد کے لشکر کا رخ کیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی نظر آئی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ترانویں رات

جب ترانویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب بادشاہ افریدون نے یہ باتیں سنیں تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو ڈر کے مارے اس کی آنتیں منہ کو آنے لگیں اور اس نے بڑھیا ذات الدواہی سے اس کی شکایت کی۔ یہ ملعونہ جادوگرنیوں کی جادوگرنی تھی۔ اور سحر اور فریب میں شطارہ' چتریا اور مکارہ' فاجرہ اور غدارہ۔ اس کے منہ سے بدبو آتی تھی' اس کی پلکیں سرخ اور چہرہ زرد تھا۔ منہ سیاہ اور آنکھیں چندھی اور جسم خارش دار اور بال بھورے اور پیٹھ کبڑی اور رنگ بدنما اور ناک بہتی ہوئی۔ لیکن اس نے اسلامی کتابیں پڑھی تھیں اور کعبے کا سفر کیا تھا اور یہ سب محض اس وجہ سے کہ اسے مختلف مذہبوں سے واقفیت ہو جائے اور قرآن کی آیتیں یاد ہو جائیں۔ دو سال تک وہ یہودی بن کر بیت المقدس میں رہی تھی تاکہ وہ جن و انس کے جادوؤں کی ماہر ہو جائے۔ وہ مصیبتوں کی ایک مصیبت اور بلاؤں کی ایک بلا تھی۔ اس کا دین فاسد تھا اور وہ کسی مذہب کی بھی پیرو نہ تھی۔ وہ زیادہ تر اپنے بیٹے بادشاہ حردوب روم کے بادشاہ کے ساتھ رہتی تھی اور اس کی وجہ وہی کنواری لڑکیاں تھیں' کیونکہ اسے مالش کرانا بہت مرغوب تھا اور اگر اس میں دیر ہوتی تو وہ بے چین ہو جاتی۔ جو لڑکی اسے پسند ہوتی تو وہ اسے ترکیب بتا دیتی اور اس پر زعفران ملتی جس کی وجہ سے وہ لڑکی دیر تک شہوت کے مارے بے چین رہتی۔ جو لڑکی اس کا کہنا مانتی تو وہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتی اور اپنے بیٹے کی توجہ اس کی طرف مبذول کراتی اور جو اس کا کہنا نہ مانتی تو وہ اسے ہلاک کرنے کی ترکیبیں لگاتی۔ ابریزہ کی کنیزیں مرجانہ اور ریحانہ اور اترجہ یہ جانتی تھیں اور خود شہزادی ابریزہ اس سے نفرت کرتی تھی اور اس کے قریب سونا پسند نہ کرتی تھی کیونکہ اس کی بغل سے بدبو نکلتی تھی اور اس کی گندگی کی بو مردار جانور سے بدتر تھی اور اس کا بدن

تاڑ کے پتوں سے زیادہ سخت تھا اور وہ لوگوں کو جواہرات دے کر اور پھسلا کر مالش کے لیے آمادہ کرتی تھی اور ابریزہ اس سے خدا کی پناہ مانگتی تھی۔
اب ہم اس کے فریب اور چالبازیوں کا پھر ذکر کرتے ہیں۔ وہ بڑے بڑے عیسائیوں اور ان کے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کی فوجوں کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس کے بعد بادشاہ حردوب بادشاہ افریدون کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا کہ اے بادشاہ' اب ہمیں نہ لاٹ پادری کی ضرورت ہے اور نہ اس کی دعا کی بلکہ ہم اب والدہ ذات الدواہی کی رائے پر چلیں گے اور دیکھیں گے کہ وہ اپنے لامتناہی مکر و فریب سے مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ کیا کرتی ہے کیونکہ وہ اپنی ساری قوت کے ساتھ ہمارے اوپر بڑھ رہے ہیں اور عنقریب یہاں پہنچ کر ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیں گے۔ جب بادشاہ افریدون نے یہ باتیں سنیں تو اس کے دل میں ڈر بیٹھ گیا اور اس نے فوراً تمام عیسائی ممالک کو خطوط لکھے کہ کوئی عیسائی اور صلیب کا پوجنے والا پیچھے نہ رہے۔ بالخصوص وہ جو قلعوں کے مالک ہیں' بلکہ پیادے اور سوار اور عورتیں اور بچے سب کے سب آئیں کیونکہ مسلمانوں کے لشکر ہمارے ملک میں پہنچ چکے ہیں' لہٰذا جلدی کرو قبل اس کے کہ مصیبت سر پر سوار ہو جائے۔
یہ تو ان لوگوں کا حال ہوا اب ذات الدواہی بڑھیا کا ماجرا سنئے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ شہر سے چل دی اور ان کو مسلمان سوداگروں کا لباس پہنایا اور سو خچروں پر انطا کی کپڑے لادے مثلاً سنہرے کام کی اطلس اور شاہانہ مخمل وغیرہ وغیرہ اور بادشاہ افریدون کا ایک پروانہ اس کے پاس تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ یہ سوداگر شام کے ملک کے ہیں اور ہمارے ملک میں آئے ہوئے تھے۔ کوئی شخص ان کو نقصان نہ پہنچائے اور ان سے دسواں حصہ چنگی کا نہ لے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے وطن اور امن کی جگہ پہنچ جائیں۔ کیونکہ ملک کی معموریت کا دارومدار سوداگروں پر ہے اور یہ لوگ لڑائی جھگڑے والے نہیں ہیں۔ ملعون ذات الدواہی نے ان سے کہا کہ میں مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے ایک چال چلنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اے ملکہ' جو تیرا جی چاہے ہمیں

حکم دے، ہم ماننے کے لیے تیار ہیں، مسیح تیری کوششوں کو کامیاب کرے! اس کے بعد بڑھیا نے سفید اون کا ایک نہایت نفیس لباس پہنچا اور اپنی پیشانی پر رگڑ کر ایک بڑا نشان بنایا اور اس پر ایک روغن ملا جو اس نے خود بنایا تھا جس سے وہ نشان چمکنے لگا۔ یہ ملعون بڑھیا لاغر جسم کی تھی اور اس کی آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنے دونوں پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں اور اس طرح سے مسلمانوں کے لشکر تک پہنچی۔ وہاں پہنچ کر اس نے بیڑیاں اتار ڈالیں مگر ان کے نشان اس کی پنڈلیوں میں بن گئے تھے اور اس نے ان نشانوں پر دم الاخوین ملا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے خوب مارو اور ایک صندوق میں بند کر دو اور توحید کے کلمے کو زور سے پڑھو۔ ایسا کرنے میں تمہارا کچھ نہ بگڑے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تجھے کیوں کر مار سکتے ہیں۔ کیونکہ تو ہماری آقا ذات الدواہی ہے اور اس بادشاہ کی ماں جس پر ہمیں فخر ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور ضرورت کے وقت برے کام بھی اچھے ہو جاتے ہیں۔ اور جب تم مجھے صندوق میں بند کر چکنا تو اس کو اور اس سامان کے ساتھ خچروں پر لاد دینا اور اسے لے کر اسلامی لشکر کے بیچ میں ہو کر لے جانا اور کسی بات سے نہ ڈرنا۔ اگر مسلمانوں میں سے کوئی تعرض کرے تو اسے سارے خچر اور سارا مال حوالے کر دینا اور ان کے بادشاہ ضوء المکان کے پاس جا کر فریاد کرنا اور کہنا کہ ہم کافروں کے ملک میں تھے اور انہوں نے ہم سے کچھ نہ لیا بلکہ ایک پروانہ لکھ کر ہمیں دے دیا کہ ہم سے کوئی تعرض نہ کرے۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تم نے ہمارا مال چھین لیا اور یہ روم کے بادشاہ کا پروانہ ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ہمارے ساتھ کوئی شخص برا سلوک نہ کرے اور اگر بادشاہ پوچھے کہ تم کو روم کے ملک میں کتنا فائدہ ہوا تو جواب دینا کہ ہمیں فائدے میں ایک زاہد ملا ہے جو پندرہ سال سے ایک تہہ خانے میں بند تھا اور دن رات دہائی مانگتا مگر اس کی کوئی مدد نہ کرتا بلکہ کافر اسے رات دن تکلیف پہنچاتے۔ ہمیں اس کا بالکل علم نہ تھا حالانکہ ہم بہت دنوں قسطنطنیہ میں ٹھہرے اور اپنا مال بیچا اور دوسرا مال خریدا اور تیار ہو کر اپنے ملک کو روانہ ہو

گئے اور رات بھر سفر کی گفتگو ہوتی رہی۔

جب صبح ہوئی تو ہمیں دیوار پر ایک تصویر نظر آئی۔ ہم نے قریب جا کر غور سے دیکھا تو وہ حرکت میں آئی اور کہنے لگی کہ اے مسلمانو' تم میں سے کوئی ہے جو رب العالمین کے ساتھ سودا کرے؟ ہم نے پوچھا کہ یہ کس طرح؟ اس تصویر نے جواب دیا کہ خدا نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تم سے باتیں کروں تا کہ تمہارا اعتقاد قوی ہو اور مذہب کے لشکر میں جاؤ کیونکہ ان میں خدا کی تلوار اور زمانے کا سورما شاہزادہ شرکان ہے۔ اسی کے ذریعے سے خدا قسطنطنیہ کو فتح کرے گا اور عیسائی مذہب والوں کو تباہ کرے گا۔ جب تم تین دن کی راہ طے کر چکو گے تو تمہیں ایک خانقاہ ملے گی جس کا نام دیر مطروحنی ہے۔ اس میں ایک صومعہ ہے تم لوگ سچی نیت سے وہاں جاؤ اور عزم بالجزم کر کے کسی نہ کسی حیلے سے اس صومعے میں داخل ہو۔ اس میں ایک عبادت گزار شخص رہتا ہے جو بیت المقدس کا رہنے والا اور جس کا نام عبداللہ ہے۔ اس کا شمار دین دار ترین لوگوں میں ہے اور اس میں ایسی کراماتیں ہیں جن کی وجہ سے کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ ایک رہبان نے اسے دھوکا دے کر اپنے تہہ خانے میں قید کر دیا ہے اور وہ وہاں ایک مدت سے پڑا ہے۔ اب خدا کی مرضی ہے کہ اس کو رہا کر دیا جائے کیونکہ اس کو آزاد کرنا بہترین جہاد ہے۔ جب بڑھیا اور اس کے ساتھیوں میں اس بات پر اتفاق ہو گیا تو اس نے کہا کہ جب شاہزادہ شرکان تمہاری طرف متوجہ ہو جائے تو اس سے کہنا کہ جب ہم نے اس تصویر سے یہ باتیں سنیں تو ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ بڑا عابد ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی نظر آئی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چورانویں رات

جب چورانویویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب بڑھیا اور اس کے ہمراہیوں میں اس پر اتفاق ہو گیا تو اس نے کہا کہ جب شاہزادہ شرکان تمہاری طرف متوجہ ہو جائے تو اس سے کہنا کہ جب ہم نے اس تصویر سے یہ باتیں سنیں تو ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ عابد بڑے صالحین میں سے ہے اور خدا کا ایک مخلص بندہ ہے۔ تین دن سفر کرنے کے بعد ہمیں وہ خانقاہ دکھائی دی تو ہم اس کی طرف پھرے اور وہاں ایک دن خرید و فروخت میں مشغول رہے جیسا کہ سوداگروں کا دستور ہے۔ جب دن ختم ہو چکا اور رات کا اندھیرا پھیل گیا تو ہم اس خانقاہ کی طرف چلے جس میں وہ تہہ خانہ تھا اور ہم نے سنا کہ وہاں کوئی شخص قرآن کی آیتیں اور اشعار پڑھ رہا ہے۔ اس کے بعد بڑھیا نے کہا کہ جب تم مجھے مسلمانوں کے لشکر میں پہنچا دو گے اور میں وہاں پہنچ جاؤں گی تو دیکھنا کہ میں کس طرح دغابازی سے ان سب کو قتل کرتی ہوں۔ جب عیسائیوں نے بڑھیا کی یہ باتیں سنیں تو پہلے تو انہوں نے اس کے ہاتھ چومے پھر اسے خوب مارا کیونکہ اس کا کہنا ماننا ان کے اوپر فرض تھا اور اسے صندوق میں بند کر کے مسلمانوں کے لشکر کی طرف روانہ ہو گئے جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

یہ تو اس ملعونہ ذات الدواہی اور اس کے ہمراہیوں کا قصہ ہوا۔ اب مسلمانوں کے لشکر کا حال سنئے۔ جب خدا نے انہیں فتح دی اور کشتیوں کا مال و دولت ان کو غنیمت میں ملا تو وہ ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے اور ضوء المکان نے اپنے بھائی سے کہا کہ خدا نے ہمیں اس وجہ سے فاتح کیا ہے کہ ہم انصاف پسند اور ایک دوسرے کے فرمانبردار ہیں۔ ایک شرکان' خدا کے واسطے میرا کہنا مان کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے باپ کے عوض دس بادشاہوں کو قتل کروں اور پچاس ہزار عیسائیوں کو ذبح کروں اور قسطنطنیہ

میں داخل ہوں۔ اس کے بھائی شرکان نے کہا کہ میری جان تجھ پر فدا ہو! میں ضرور جہاد کروں گا خواہ مجھے اس کے لیے ان کے ملک میں کئی سال ٹھہرنا پڑے۔ لیکن بھائی' دمشق میں میری ایک لڑکی ہے جس کا نام قضی فکان ہے اور مجھے اس سے بڑی محبت ہے کیونکہ وہ ایک اعجوبہ ہے اور اب وہ بالغ ہو چکی ہو گی۔ ضوء المکان نے کہا کہ میں بھی اپنی کنیز کو حاملہ چھوڑ کر آیا ہوں جبکہ اس کے دن قریب تھے اور مجھے معلوم نہیں کہ خدا نے مجھے کیا عطا کیا ہے۔ اے بھائی' وعدہ کر کہ اگر میرا لڑکا ہو تو تو مجھے اپنی بیٹی قضی فکان عنایت کرے گا تاکہ وہ میرے بیٹے کی ہو جائے۔ اس بارے میں تو قسم کھا اور وعدہ کر۔ شرکان نے کہا کہ بسر و چشم اور اپنے بھائی کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور کہا کہ اگر تیرے لڑکا ہو تو میں اپنی بیٹی اسے دوں گی۔ ضوء المکان اس پر خوش ہو گیا اور دونوں ایک دوسرے کو دشمن پر فتح کی مبارک باد دینے لگے۔

وزیر دندان نے بھی شرکان اور اس کے بھائی کو مبارک باد دی اور ان سے کہا کہ اے بادشاہو' خدا نے ہمیں اس وجہ سے فتح دی کہ ہم نے اپنی جانیں اس کے نذر کر دی ہیں اور اہل و عیال اور وطن کو چھوڑ کر یہاں آئے ہیں۔ اب میری رائے یہ ہے کہ ہم ان کا پیچھا کریں اور محاصرہ کر کے ان سے جنگ کریں تاکہ خدا ہماری آرزو پوری کرے اور ہم اپنے دشمنوں کو جڑ سے کاٹ کر پھینک دیں۔ اگر تمہاری مرضی ہو تو ان کشتیوں پر سوار ہو کر سمندر کی راہ سے روانہ ہو اور ہم خشکی خشکی چلیں اور ڈٹ کر لڑائی میں مقابلہ کریں۔ اس کے بعد وزیر دندان ان کو لڑائی کے لیے ابھارتا رہا اور ان سے کہنے لگا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مدد ہمیں عطا کی اور سونا چاندی غنیمت میں دیا۔ یہ سن کر ضوء المکان نے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا اور وہ نہایت تیزی کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو گئے یہاں تک کہ وہ ایک وسیع سبزہ زار میں پہنچے جہاں طرح طرح کی عمدہ چیزیں موجود تھیں۔ جانور چر رہے اور ہرن چوکڑی بھر رہے تھے۔ اس سے پہلے چھ روز انہیں بیابان میں گزرے تھے۔ اس لیے جب وہ اس سبزہ زار میں پہنچے تو عجیب و غریب نہروں اور نہایت نفیس پھلوں کا نظارہ کرنے

لگے۔ یہ قطعہ گویا جنت کا ٹکڑا تھا اور اپنا لباس پہن کر آراستہ و پیراستہ ہو گیا تھا اور شاخیں نشے میں جھوم رہی تھیں اور جھک گئی تھیں اور ان میں تسنیم کی شراب اور صبح کی نسیم' دونوں آکر مل گئی تھیں اور انہیں دیکھ کر دیکھنے والے کی عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ جب ضوء المکان نے دیکھا کہ اس سبزہ زار کے درخت جھکے ہوئے ہیں اور پھول کھلے ہوئے ہیں اور چڑیاں چہک رہی ہیں تو اس نے اپنے بھائی شرکان کو آواز دی اور اس سے کہا کہ اے بھائی' ایسی جگہ دمشق میں بھی نہیں۔ لہٰذا تین دن تک ہم یہاں سے آگے نہ بڑھیں گے بلکہ یہیں آرام کریں گے تا کہ اسلامی لشکر میں نئی روح پیدا ہو جائے اور رذیل کافروں کے مقابلے کی قوت ان میں آ جائے۔ اس لیے انہوں نے وہاں ڈیرے ڈنڈے ڈال دیے۔

اسی اثناء میں انہیں دور سے آواز سنائی دی اور ضوء المکان نے اس کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہاں شام کے سوداگر ٹھہرے ہوئے آرام کر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لشکریوں میں سے کسی نے ان کا کچھ مال لے لیا ہے جو ان کے پاس تھا اور جو وہ کفار کے ملک سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سوداگر آئے اور انہوں نے چلانا اور بادشاہ کی دہائی دینا شروع کیا۔ ضوء المکان نے یہ دیکھ کر انہیں بلوایا اور انہوں نے حاضر ہو کر کہا کہ اے بادشاہ' جب ہم کفار کے ملک میں تھے تو کسی نے کچھ نہ لوٹا۔ اب یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ جب ہم مسلمانوں کے ملک میں آ پہنچے ہیں تو ہمارے مسلمان بھائی ہمارا مال لوٹ رہے ہیں! جب ہم نے تمہارے لشکروں کو دیکھا تو ہم ان کے پاس آئے اور انہوں نے جو کچھ ہمارے پاس تھا' چھین لیا۔ یہ ہے ہمارا سارا قصہ۔ اس کے بعد انہوں نے قسطنطنیہ کے بادشاہ کا پروانہ نکال کر اسے دیا اور شرکان نے اسے لے کر پڑھا اور کہنے لگا کہ جو کچھ تم سے چھینا گیا ہے' وہ ہم تمہیں ابھی واپس دلا دیں گے تمہیں چاہیے کہ تم تجارت کا مال کافروں کے ملک میں نہ لے جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ اے ہمارے آقا' خدا ہمیں ان کے ملک میں اس لیے لے گیا تھا کہ ہمیں وہ چیز حاصل ہو جو کسی غازی کو اب تک نہیں ملی ہے اور نہ

تم کو تمہارے تمام غزووں میں حاصل ہوئی ہے۔ شرکان نے پوچھا کہ وہ کیا چیز ہے جو تمہارے ہاتھ لگی ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس کا بیان ہم تنہائی میں کر سکتے ہیں کیونکہ اگر یہ بات لوگوں میں مشہور ہو گئی تو ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہم بھی ہلاک نہ ہو جائیں اور تمام وہ مسلمان لوگ بھی جو آئندہ روم کے ملک میں جائیں۔ ان لوگوں نے وہ صندوق پوشیدہ رکھا تھا جس میں ملعونہ ذات الدواہی تھی۔ اب ضوء المکان اور اس کا بھائی انہیں لے کر تنہائی میں گئے اور انہوں نے ان سے زاہد کی سرگزشت تفصیل کے ساتھ بیان کی اور رونے لگے اور وہ دونوں بھی رو پڑے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پچانویں رات

جب پچانویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب وہ عیسائی
جو سوداگروں کے بھیس میں تھے ضوء المکان اور اس کے بھائی شرکان کے ساتھ تنہائی
میں گئے تو انہوں نے اس زاہد کا حال تشریح کے ساتھ بیان کیا اور رونے لگے اور وہ
دونوں بھی رو پڑے اور عیسائیوں نے وہی باتیں بیان کیں جو اس شطارہ ذات الدواہی
نے ان سے کہ تھیں۔ یہ سن کر شرکان کو اس زاہد پر بڑا ترس آیا اور اس کا دل
کڑھنے لگا اور اس میں فی سبیل اللہ جوش پیدا ہو گیا اور اس نے ان سے پوچھا کہ
تم اس زاہد کو چھڑا لائے ہو یا وہ ابھی تک اس خانقاہ میں ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم
اس کو نکال لائے ہیں اور اس خانقاہ کے رہبان کو ہم نے قتل کر دیا ہے تاکہ ہم
پر کوئی مصیبت نہ آئے۔ اس کے بعد موت کے ڈر سے ہم بھاگ آئے ہیں۔ بعض
معتبر لوگوں سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس خانقاہ میں سونے اور چاندی اور جواہرات
کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ لوگ صندوق لائے اور اس ملعونہ کو اس میں
سے نکالا اور وہ کالے پن اور دبلے پن کی وجہ سے کھیرے کی کھانپ معلوم ہوتی تھی
اور اس کے زنجیریں اور بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ جب ضوء المکان اور دوسرے حاضرین
نے اسے دیکھا تو انہیں یقین ہو گیا کہ نیک ترین عابد اور بہترین زاہد ہے۔ خصوصاً
اس وجہ سے کہ اس کی پیشانی اس روغن کی وجہ سے چمک رہی تھی جو اس نے اپنے
منہ پر ملا تھا۔ یہ دیکھ کر ضوء المکان اور اس کا بھائی دونوں رونے لگے اور اٹھ کر
اس کے ہاتھ پاؤں چومے اور آہیں بھرنے لگے۔ لیکن اس نے اشارے سے کہا کہ رونا
بند کر دو اور میری بات سنو۔ اس کے حکم کی تعمیل میں انہوں نے رونا بند کر دیا اور
وہ کہنے لگی کہ سنو' جو کچھ میرے مالک نے میرے ساتھ کیا ہے' میں اس سے راضی
ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ جو بلا مجھ پر نازل ہوئی تھی' وہ میرا امتحان کرنے کے

لیے تھی۔ جو شخص مصیبتوں اور تکلیفوں پر صبر نہیں کرتا اس کی رسائی جنت تک نہیں ہوتی۔ میری تمنا محض یہ تھی کہ میں اپنے وطن کو لوٹوں' نہ اس لیے کہ میں تکلیفوں سے ڈرتا تھا بلکہ اس لیے کہ میں چاہتا تھا کہ میری موت ان مجاہدوں کے گھوڑوں کے پاؤں تلے ہو جو قتل ہونے کے بعد مرتے نہیں بلکہ زندہ رہتے ہیں۔

جب بڑھیا یہ باتیں کہہ چکی تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس کی پیشانی روغن کی مالش کی وجہ سے چمک رہی تھی۔ شرکان نے اٹھ کر اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اس کے لیے کھانا منگوایا لیکن اس نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے پندرہ سال سے کچھ نہیں کھایا ہے' اب اس وقت میں کس طرح افطار کر سکتا ہوں! حالانکہ میرے مولیٰ نے مجھے کفار کی قید سے چھٹکارا دیا ہے اور ایسی تکلیف دور کر دی ہے جو دوزخ کے عذاب سے زیادہ سخت تھی۔ اس لیے میں غروب تک صبر کرنا چاہتا ہوں۔ جب شام ہوئی تو شرکان اور ضوء المکان نے آکر اس کے آگے کھانا پیش کیا اور کہنے لگے کہ اے زاہد' کھا۔ اس نے جواب دیا کہ یہ وقت کھانے کا نہیں ہے بلکہ مہربان مالک کی عبادت کرنے کا ہے۔ یہ کہہ کر وہ محراب میں کھڑی ہو گئی اور نماز پڑھنے لگی یہاں تک کہ ساری رات گزر گئی۔ اس طرح سے اس نے تین دن اور تین راتیں گزار دیں اور سوائے التحیات پڑھنے کے کبھی نہ بیٹھی۔ جب ضوء المکان نے اس کی یہ حالت دیکھی تو وہ اس کا معتقد ہو گیا اور شرکان سے کہنے لگا کہ اس عابد کے لیے سابر کا ایک خیمہ لگوا اور فرشتوں کو اس کی خدمت کے لیے متعین کر دے۔ چوتھے دن اس نے کھانا مانگا اور اس کے سامنے ایسے ایسے کھانے پیش کیے گئے جن کے کھانے کو دل چاہتا ہے اور جنہیں دیکھ کر آنکھیں خوش ہو جاتی ہیں مگر اس نے ان تمام کھانوں میں سے سوائے ایک روٹی اور نمک کے کچھ نہ کھایا اور اس کے بعد روزے کی نیت کر لی اور جب رات ہوئی تو وہ نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ شرکان نے ضوء المکان سے کہا کہ اس نے دنیا کو انتہا درجے چھوڑ رکھا ہے اور اگر اس وقت میں جہاد میں نہ ہوتا تو میں اس کے ساتھ مرتے دم تک رہ کر خدا کی عبادت

کرتا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس کے خیمے میں جا کر تھوڑی دیر تک اس کے ساتھ باتیں کروں۔ ضوء المکان بولا کہ میرا جی بھی یہی چاہتا ہے اور چونکہ ہم کل قسطنطنیہ پر جہاد کرنے جا رہے ہیں اس لیے اس وقت سے بہتر اور کوئی گھڑی ہمارے پاس نہیں۔ وزیر دندان نے کہا کہ میرا بھی جی اس زاہد کے دیکھنے کو چاہتا ہے تاکہ وہ میرے لیے دعا مانگے کہ میری مراد اس جہاد میں بر آئے اور میں خدا سے جا ملوں کیونکہ میں دنیا کو چھوڑ چکا ہوں۔

جب رات ہوئی تو وہ اس شطارہ ذات الدواہی کے پاس اس کے خیمے میں گئے اور دیکھا کہ وہ کھڑی نماز پڑھ رہی ہے۔ وہ اس کے قریب آئے اور اس پر ترس کھا کر رونے لگے لیکن وہ ان کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوئی یہاں تک کہ آدھی رات ہو گئی اور اس نے سلام پھیرا اور ان کی طرف مخاطب ہو کر انہیں سلام کیا اور ان سے آنے کا سبب پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ اے عابد' کیا تو نے ہمیں اپنے اردگرد روتے نہیں سنا؟ اس نے جواب دیا کہ جو شخص خدا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ وہ اپنے وجود سے خارج ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ نہ کسی کی آواز سنتا ہے اور نہ کسی کو دیکھتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ تو اپنے قید ہونے کا سبب بتائے اور آج رات ہمارے لیے دعا کرے کیونکہ تیری دعا ہمارے لیے قسطنطنیہ کی حکومت سے بہتر ہے۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ اگر تم لوگ مسلمانوں کے سردار نہ ہوتے تو میں تم سے کبھی یہ ماجرا بیان نہ کرتا کیونکہ میں سوائے خدا کے اور کسی سے شکایت نہیں کرتا۔ لو میرے قید ہونے کا قصہ سنو۔ میں قدس میں بعض ابدال اور حال والوں کے ساتھ تھا مگر میں اپنے آپ کو ان سے بڑا نہ سمجھتا تھا کیونکہ خدا نے مجھ میں تواضع اور زہد کا مادہ دیا تھا۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ میں سمندر میں جا کر پانی پر چلنے لگا۔ معلوم نہیں کہ کس طرح مجھ میں غرور سما گیا اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ میری طرح کون ہے جو پانی پر چلے! اسی وقت سے میرے دل میں قساوت آ گئی اور خدا نے میرے دل میں سفر کی محبت ڈال دی اور میں روم کے ملک میں گیا اور ایک سال تک سفر کرتا

رہا۔ یہاں تک کہ کوئی ایسی جگہ باقی نہ رہی جہاں میں نے خدا کی عبادت نہ کی ہو۔
جب میں اس جگہ پہنچا تو میں اس پہاڑ پر چڑھا اور وہاں ایک راہب کی خانقاہ ہے جس کا نام مطروحنی ہے۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو وہ نکل کر میرے پاس آیا اور میرے ہاتھ پاؤں چومے اور کہنے لگا کہ جب سے تو روم کے ملک میں آیا ہے میں تجھے دیکھ رہا ہوں اور تیری وجہ سے اسلامی ممالک کا شوق میرے دل میں پیدا ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے خانقاہ کے اندر لے گیا اور ایک اندھیری کوٹھڑی میں میرے ساتھ گیا۔ جب میں اس کے اندر تھا تو اس نے مجھے غافل پا کر باہر سے دروازہ بند کر دیا چالیس دن تک مجھے بے کھانے پینے کے اس میں پڑا رہنے دیا کیونکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ مجھے بند کر کے مار ڈالے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہاں ایک بڑا پادری آیا جس کا نام دقیانوس تھا اور جس کے ساتھ دس لڑکے تھے اور ایک لڑکی جس کا نام تماثیل تھا اور جس کی مثال حسن میں ناپید ہے۔
جب وہ لوگ خانقاہ میں آئے تو راہب مطروحنی نے ان سے میرا قصہ بیان کیا۔ پادری نے کہا کہ اسے نکالو کیونکہ اب تو اس میں اتنا گوشت بھی باقی نہ رہا ہو گا کہ چڑیاں کھا سکیں۔ جب انہوں نے اس اندھیری کوٹھڑی کا دروازہ کھولا تو دیکھا کہ میں محراب میں کھڑا نماز اور قرآن پڑھ رہا اور خدا کی تسبیح کر رہا اور اس کے آگے گڑگڑا رہا ہوں۔ جب انہوں نے میری یہ حالت دیکھی تو مطروحنی کہنے لگا کہ یہ جادوگر ہے۔
جب انہوں نے اسے یہ کہتے سنا تو سب کے سب میرے اوپر دوڑ پڑے اور دقیانوس اور اس کے ساتھیوں نے مجھے پکڑ کر خوب مارا۔ یہ دیکھ کر میں موت کی تمنا کرنے لگا اور اپنے آپ کو ملامت کرتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ سزا ہے اس شخص کی جو تکبر کرتا ہے اور اس چیز پر گھمنڈ کرتا ہے جو اس کے رب نے اسے عطا کی ہے۔ اور جو خود اس کی طاقت سے باہر ہے اور اے نفس، تجھ میں غرور اور گھمنڈ آ گیا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ غرور سے خدا سخت ناراض ہوتا ہے اور دل سخت ہو جاتا ہے اور انسان دوزخ میں جاتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے بیڑیاں پہنا کر کوٹھڑی میں پھر بند کر

دیا اور جو اس مکان کا تہہ خانہ تھا اور ہر تیسرے دن لوگ میرے پاس ایک جو کی ٹکیہ اور تھوڑا سا پانی رکھ جاتے اور ہر مہینے یا دوسرے مہینے بڑا پادری آتا اور اس خانقاہ میں داخل ہوتا۔ اس اثناء میں اس کی بیٹی تماثیل بڑی ہو گئی کیونکہ جب میں نے اسے پہلے دیکھا تھا تو اس کی عمر نو سال کی تھی اور میں پندرہ سال قید میں رہا۔ اس لیے اب اس کی عمر چوبیس سال کی ہے اور اس سے زیادہ حسین نہ ہمارے ملک میں ہے اور نہ روم کے ملک میں۔ اس کے باپ کو یہ ڈر تھا کہ کہیں بادشاہ اسے مجھ سے نہ چھین لے۔ اس نے اپنے آپ کو مسیح کے حوالے کر رکھا تھا۔ بجز اس کے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ سواروں کا لباس پہن کر سواری کرتی تھی اور حسن و جمال میں اس کا جواب نہ تھا۔ جو کوئی اسے دیکھتا اسے یہ نہ معلوم ہوتا کہ وہ عورت ہے۔ باپ نے اپنا سارا مال اس خانقاہ میں جمع کر رکھا تھا اور جس کسی کے پاس قیمتی چیزیں ہوتیں وہ انہیں اسی خانقاہ میں لا کر رکھتا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے وہاں طرح طرح کے سونے اور چاندی کی چیزیں اور جواہرات دیکھے ہیں اور ایسے ایسے برتن اور دیگر چیدہ چیزیں جن کی تعداد سوائے خدا کے اور کسی کو معلوم نہیں۔ ان چیزوں کے مستحق تم ان کافروں سے زیادہ ہو۔ اس لیے تمہیں چاہیے کہ جو کچھ اس خانقاہ میں ہے اسے لے کر مسلمانوں اور بالخصوص مجاہدین پر خرچ کرو۔

جب سوداگر قسطنطنیہ پہنچے اور اپنا تجارت کا مال بیچ چکے تو اس تصویر نے جو دیوار پر ہے' ان سے گفتگو کی اور یہ ایک کرامت ہے جو خدا نے مجھ کو عطا کی ہے' اور انہوں نے خانقاہ میں آکر پادری مطروحنی کو پہلے تو خوب مارا اور اس کی داڑھی پکڑ کر اسے کھینچا اور وہ انہیں اس جگہ لے گیا جہاں میں تھا' اور پھر اسے قتل کر دیا اور وہاں سے بھاگ آئے تاکہ وہ بھی کہیں مارے نہ جائیں۔ کل رات پھر تماثیل اس خانقاہ میں آئے گی جیسا کہ اس کا دستور ہے اور اس کا باپ مع اپنے غلاموں کے اس کے ساتھ ہو گا کیونکہ وہ اسے اکیلا چھوڑنے سے ڈرتا ہے۔ اگر تم اس کا نظارہ کرنا چاہتے

ہو تو میرے پیچھے پیچھے آؤ اور میں پادری دقیانوس کا سارا خزانہ اور مال جو اس پہاڑ میں ہے' تمہارے حوالے کر دوں گا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے انہیں سونے چاندی کے پیالوں میں شراب پیتے دیکھا ہے اور ان کے پاس ایک کنیز دیکھی ہے جو عربی کے گیت گاتی ہے۔ کاش کہ یہ پیاری آواز قرآن پڑھنے کے کام میں آئے! اور اگر تمہاری مرضی ہو تو اس خانقاہ میں جا کر چھپ رہنا یہاں تک کہ دقیانوس اپنی بیٹی کی ساتھ وہاں آئے اور تم لڑکی کو پکڑ لینا کیونکہ سوائے شاہزادے شرکان یا بادشاہ ضوء المکان کے اور کوئی اس کے قابل نہیں ہے۔

جب انہوں نے یہ باتیں سنیں تو وہ خوش ہو گئے۔ لیکن وزیر دندان کو اس کا یقین نہ آیا اور اس کی باتیں اس کی سمجھ میں نہ آئیں لیکن بادشاہ کے ڈر کی وجہ سے اس نے بڑھیا سے کچھ نہ کہا اگرچہ اس کی باتوں کا اسے یقین نہ آیا اور اس کے چہرے سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس کی باتیں ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اب بڑھیا ذات الدواہی نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کر پادری آئے اور سبزہ زار پر ان لشکروں کو دیکھ کر اس کی ہمت اندر آنے کی نہ ہو۔ لہٰذا بادشاہ نے حکم دے دیا کہ لشکر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو جائے اور کہا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ میں اپنے ساتھ سو سوار اور بہت سے خچر لے کر اس پہاڑ کی طرف جاؤں اور خانقاہ سے سارا مال لاد لاؤں۔ اس نے حکم دیا کہ بڑا حاجب فوراً حاضر ہو اور وہ حاضر ہوا اور تمام سردار اور ترک اور دیلمی آئے۔ بادشاہ نے کہا کہ صبح ہوتے ہی تم لوگ قسطنطنیہ کی طرف کوچ کر دو' اور اے حاجب' میں رائے اور تدبیر کے لیے تجھے اپنا نمائندہ بناتا ہوں اور اے رستم' تو جنگ میں میرے بھائی کی جگہ ہے' اور کسی سے یہ مت کہنا کہ ہم تمہارے ساتھ نہیں ہیں۔ تین دن کے بعد ہم تم سے آ ملیں گے۔ اس کے بعد اس نے سو سوار منتخب کیے جو بڑے سورما تھے اور وہ اس کا بھائی شرکان اور وزیر دندان اور سو سوار صندوق اور خچر لے کر چل دیے تاکہ ان پر مال لاد کر لائیں۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

چھیانویں رات

جب چھیانویویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ شرکان اور اس کا بھائی ضوء المکان اور وزیر دندان اور سو سوار اس خانقاہ کی طرف روانہ ہو گئے جس کی تعریف ملعونہ ذات الدواہی نے کی تھی اور مال و دولت لادنے کے لیے اپنے ساتھ خچر اور صندوق لے لیے۔
جب صبح ہوئی تو حاجب نے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا اور وہ چل دیے اور ان کو خیال تھا کہ شرکان اور ضوء المکان اور وزیر دندان ان کے ساتھ ہیں اور یہ ان کو خبر نہ تھی کہ وہ خانقاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔
یہ تو لشکر کا قصہ ہوا۔ اب شرکان اور اس کے بھائی ضوء المکان اور وزیر دندان کا حال سنئے۔ وہ شام تک ٹھہرے رہے۔ اس اثناء میں وہ کافر لوگ جو ذات الدواہی کے ساتھ آئے تھے' اس کے پاس آئے اور اس کے ہاتھ چومے اور جانے کی اجازت مانگی' اس نے اجازت دے دی اور وہ چپکے سے چلے گئے اور اس نے ان سے کہہ دیا کہ اسے اپنے حیلے کے لیے کن کن باتوں کی ضرورت ہے۔ جب رات کا اندھیرا ہوا تو بڑھیا نے ضوء المکان اور اس کے ساتھیوں سے آکر کہا کہ میرے ساتھ پہاڑ پر چلو اور تھوڑے سے لشکری اپنے ساتھ لے لو۔ انہوں نے اس کا کہنا مان لیا اور پانچ سواروں کو پہاڑ کے دامن میں چھوڑ دیا اور باقی ذات الدواہی کے ساتھ ہو لیے اور اسی خوشی کی وجہ سے اس میں اور زیادہ قوت آ گئی۔ ضوء المکان نے کہا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اس زاہد کو قوت عطا کی جس کی نظیر دنیا میں نہیں۔ اس اثناء میں اس چڑیل نے کبوتر کے ذریعے سے ایک خط قسطنطنیہ کے بادشاہ کو بھیجا جس میں اس نے سارا ماجرا بیان کیا اور آخر میں لکھا کہ میں چاہتی ہوں کہ تو روم کے بہادروں میں سے دس ہزار سوار میرے پاس روانہ کر اور وہ چھپ کر پہاڑ کے دامن دامن آئیں تا کہ مسلمانوں کے

لشکر کو ان کی خبر نہ ہو اور وہ آکر خانقاہ میں چھپ جائیں اور اس بات کا انتظار کریں کہ مسلمانوں کے بادشاہ اور اس کے بھائی کے ساتھ ان کے پاس پہنچ جاؤں کیونکہ میں ان کو پھسلا کر وہاں لا رہی ہوں اور ان کے ساتھ سوائے وزیر اور سو سواروں کے اور کوئی نہیں ہے۔ میں ان کو عنقریب صلیبوں پر چڑھا دوں گی اور جو خانقاہ میں ہیں اور میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ راہب مطروحنی کو قتل کر دیا جائے کیونکہ بغیر اس کے میری چال نہیں چل سکتی۔ اگر میری چال چل گئی تو مسلمانوں میں سے ایک بھی اپنے ملک کو واپس نہ جا سکے گا اور مطروحنی کو نصرانی ملت اور صلیب کے پجاریوں پر قربان ہو جانا پڑے گا اور سارا لشکر ابتدأ اور انتہ مسیح کے لیے ہے۔ جب یہ خط قسطنطنیہ پہنچا تو کبوتروں کا داروغہ اسے بادشاہ افریدون کے پاس لایا اور اس نے خط پڑھتے ہی فوراً لشکر کو نکالا اور ہر سپاہی کو ایک ایک گھوڑا اور اونٹ اور خچر اور راہ کا توشہ دے کر حکم دیا کہ اس خانقاہ میں پہنچ جائیں اور وہ اس مشہور خانقاہ میں پہنچ کر وہاں چھپ گئے۔

یہ تو ان لوگوں کا حال ہوا۔ ادھر بادشاہ ضوء المکان اور اس کا بھائی شرکان اور وزیر دندان اور لشکر جب خانقاہ پہنچے اور اس کے اندر داخل ہوئے تو انہوں نے راہب مطروحنی کو دیکھا کہ وہ آگے بڑھ کر ان کا حال دریافت کرنے آ رہا ہے۔ زاہد نے کہا کہ اس ملعون کو قتل کر ڈالوں اور انہوں نے تلوار کا ایک وار کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد وہ ملعونہ ان کو اس جگہ لے گئی جہاں نذریں چڑھائی جاتی ہیں اور وہاں انہیں ایسی ایسی نایاب چیزیں ملیں جن کا ذکر بھی اس نے ان سے نہ کیا تھا اور انہوں نے ان کو اکٹھا کر کے صندوقوں میں بند کیا اور خچروں پر لادا۔ مگر مسلمانوں کے ڈر سے نہ تماثیل وہاں آئی اور نہ اس کا باپ۔ ضوء المکان اس دن' دن بھر اس کا انتظار کرتا رہا اور پھر دوسرے دن اور پھر تیسرے دن۔ شرکان نے کہا کہ خدا کی قسم میرا دل اسلامی لشکر میں لگا ہوا ہے' معلوم نہیں کہ ان پر کیا گزری ہو گی؟ اس کے بھائی نے کہا کہ ہم سارا مال تو لے چکے ہیں اور میرا خیال ہے کہ نہ تماثیل

اس خانقاہ میں آئے گی اور نہ اور کوئی کیونکہ روم کے لشکر کی بری گت بن چکی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ خدا نے جو کچھ ہمیں دیا ہے اس پر قناعت کریں اور یہاں سے چل دیں' یقین ہے کہ قسطنطنیہ کے فتح کرنے میں خدا ہماری مدد کرے گا۔ یہ کہہ کر وہ پہاڑ سے نیچے اترے اور ذات الدواہی ان کو روک نہ سکی تا کہ ان کا فریب کھل نہ جائے اور چلتے چلتے وہ درے کے دہانے پر پہنچے جہاں بڑھیا نے دس ہزار سواروں کو کمین گاہ میں بٹھلا رکھا تھا۔ جب ان سواروں نے ان کو دیکھا تو انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور ان کی طرف نیزے سیدھے کر لیے اور تلواریں کھینچ لیں اور کفر کے کلموں کے نعرے لگانے لگے اور اپنی غداری کے تیروں کو چلوں میں لگا لیا۔ جب ضوء المکان اور اس کے بھائی شرکان اور وزیر دندان کی نظر ان پر پڑی تو دیکھا کہ وہ بہت بڑا لشکر ہے اور وہ کہنے لگے کہ خدا جانے اس لشکر کو کس نے ہماری خبر دے دی! شرکان نے کہا کہ بھائی' یہ وقت باتیں کرنے کا نہیں ہے بلکہ شمشیر زنی اور تیر اندازی کا ہے' اپنے ارادوں کو مضبوط کر لو اور اپنے دلوں کو قوی۔ کیونکہ یہ درہ مثل ایک سڑک کے ہے جس کے دو دروازے ہیں۔ عرب و عجم کے مالک کی قسم' کہ اگر یہ جگہ تنگ نہ ہوتی تو میں ان سب کو ملیا میٹ کر دیتا خواہ ایک لاکھ سوار ہی کیوں نہ ہوتے۔

ضوء المکان نے کہا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا تو ہم پانچ ہزار سوار اپنے ساتھ لے آتے۔ وزیر دندان نے کہا کہ اگر ہمارے ساتھ دس ہزار سوار بھی ہوتے تو اس تنگ جگہ میں بیکار تھے لیکن ان لوگوں کے مقابلے میں خدا ہماری مدد کرے گا۔ میں اس درے سے بخوبی واقف ہوں کہ وہ تنگ ہے اور جانتا ہوں کہ اس میں بہت سی پناہ لینے کی جگہیں ہیں کیونکہ جب ہم نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تھا تو بادشاہ عمر بن النعمان کے ساتھ ہم یہاں کفار سے لڑے تھے اور یہیں قیام کیا تھا۔ یہاں کا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے۔ چلو ہم یہاں سے نکل چلیں قبل اس کے کہ کفار کا لشکر ہم پر ازدحام کرے اور ہم سے پہلے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جائے اور وہاں سے ہمارے اوپر پتھر برسائے اور ہم

ان کا کچھ نہ کر سکیں۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ جلدی سے اس درے سے نکل جائیں کہ اتنے میں زاہد نے انہیں دیکھ کر کہا کہ اس ڈرنے کے کیا معنی؟ کیونکہ تم تو اپنی جانیں خدا کی راہ میں بیچ چکے ہو۔ مجھے دیکھو کہ میں پندرہ سال زمین کے نیچے قید رہا لیکن کبھی خدا سے شکایت نہ کی کہ تو نے کیا کیا۔ تم بھی خدا کی راہ میں لڑو۔ جو تم میں سے مارا جائے گا اس کو جنت میں گھر ملے گا اور جو مارے گا اس کی عزت بڑھے گی۔

جب انہوں نے زاہد کی یہ باتیں سنیں تو ان کا غم غلط ہو گیا اور وہ ثابت قدم ہو گئے اور کفار نے ہر طرف سے ان پر دھاوا بول دیا اور تلواریں ان کی گردنوں کے ساتھ کھیلنے لگیں اور ان کے درمیان موت کا جام چلنے لگا اور مسلمانوں نے خدا کے حکم کے بموجب سخت جنگ کی اور دشمن کے بدن نیزوں اور تیروں سے چھلنی کر دیے۔ ضوء المکان تلوار کے وار کرتا اور سورماؤں کو نیچا دکھاتا اور پانچ پانچ دس دس کر کے ان کے سر اڑاتا تھا۔ وہ اسی حالت میں تھا کہ اس کی نظر اس ملعونہ پر پڑی کہ وہ تلوار سے ان کی طرف اشارہ کر رہی اور ان کو اکسا رہی ہے اور جو شخص ڈرتا ہے بھاگ کر اس کے پاس جاتا ہے اور وہ انہیں اشارے سے کہتی ہے کہ شرکان کو قتل کرو اور وہ ٹولیاں بنا کر اسے قتل کرنے آتے ہیں لیکن جب وہ اس پر حملہ کرتے ہیں تو وہ حملہ کر کے انہیں بھگا دیتا ہے۔ اس کے بعد دوسری ٹولی حملہ کرتی ہے اور وہ بھی پیٹھ پھیر کر بھاگتی ہے اور وہ تلوار لے کر ان کے پیچھے دوڑتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ کفار کے مقابلے میں ان کی فتح اس عابد کی برکت سے ہے اور اپنے دل میں کہتا ہے کہ خدا کی عنایت کی نظر اس عابد کی طرف ہے اور اس کی پاک نیت کی وجہ سے خدا نے میرا عزم مضبوط کر دیا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ مجھ سے ڈرتے ہیں اور میرے پاس نہیں پھٹکتے اور جب حملہ کرتے ہیں تو دم دبا کر بھاگتے ہیں۔ اب انہوں نے باقی دن بھی لڑتے گزارا یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ جب رات ہونے لگی

تو انہوں نے اس درے کے ایک غار میں پناہ لی کیونکہ انہیں بہت تکلیف پہنچی تھی اور پتھر آکر لگے تھے۔ اس روز ان کے پینتالیس آدمی کام آئے۔ جب وہ اکٹھا ہوئے تو انہوں نے اس زاہد کو ڈھونڈا لیکن اس کا پتہ کہیں نہ چلا۔ اس پر انہیں بہت صدمہ ہوا اور انہوں نے خیال کیا کہ شاید وہ شہید ہو گیا۔ شرکان نے کہا کہ میں نے دیکھا تھا کہ وہ ربانی اشاروں سے سواروں کے دل بڑھا رہا ہے اور رحمانی نشانیوں سے ان کو پناہ میں لے رہا ہے۔

وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ ملعونہ ذات الدواہی ان کے سامنے پہنچی۔ اس کے ہاتھ میں بڑے سردار کا سر تھا جو بست ہزاری تھا اور بڑا ظالم اور بدکردار اور مردود شیطان تھا۔ اسے ایک ترک نے تیر سے مارا تھا اور خدا نے اس کو بہت جلد جہنم واصل کر دیا تھا۔ جب کفار نے دیکھا کہ اس مسلمان نے ان کے سردار کے ساتھ کیا کیا تو سب کے سب اس کے اوپر ٹوٹ پڑے اور اسے تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور خدا نے اسے فوراً جنت میں داخل کر دیا۔ اس معلونہ نے اس کا سر کاٹ کر شرکان اور بادشاہ ضوء المکان اور وزیر دندان کے سامنے لا کر پھینک دیا۔ جب شرکان نے یہ دیکھا تو وہ کود کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے عابد مجاہد اور زاہد' خدا کا شکر ہے کہ ہم نے تجھے صحیح سلامت پھر دیکھا۔ اس نے جواب دیا کہ بیٹا' میں چاہتا تھا کہ آج مجھے شہادت نصیب ہو اور میں کفار کے لشکر میں پل پڑا تھا لیکن وہ مجھ سے ڈر کر بھاگتے تھے۔ جب دونوں لشکر جدا ہونے لگے تو مجھے رشک آیا اور میں نے ان کے بڑے سردار پر جو ان کا سپہ سالار تھا حملہ کر دیا جو ایک ہزار سواروں کا مقابلہ کر سکتا تھا اور اس کے سر کو بدن سے جدا کر دیا اور کفار میں سے کسی کی یہ ہمت نہ پڑی کہ میرے نزدیک پھٹکے اور یہ اس کا سر حاضر ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• ستانویں رات

جب ستانویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب ملعونہ ذات الدواہی بیست ہزاری سردار کا سر لائی تو اسے ضوء المکان اور اس کے بھائی شرکان اور وزیر دندان کے سامنے لا کر پھینک دیا اور کہنے لگی کہ جب میں نے تمہاری حالت دیکھی تو مجھے تم پر رشک آیا اور میں نے ان کے بڑے سردار پر حملہ کر دیا اور تلوار سے وار کر کے اس کا سر اڑا دیا اور کسی کافر کی ہمت نہ پڑی کہ میرے پاس پھٹکے۔ اب وہ سر لے کر میں تمہارے پاس آیا ہوں تاکہ تمہارے دل جہاد کے لیے مضبوط ہو جائیں اور تم اپنی تلواروں سے خدا کو راضی کر لو۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تم جہاد میں مشغول ہو اور میں تمہارے لشکر کے پاس جاؤں' خواہ وہ قسطنطنیہ ہی میں کیوں نہ ہوں' اور وہاں سے بیس ہزار سوار لا کر ان کافروں کا قلع قمع کرا دوں۔ شرکان نے کہا کہ اے زاہد' تو کس طرح جائے گا؟ وادی کے چاروں طرف تو کفار گھیرا ڈالے پڑے ہیں۔ معلونہ نے کہا کہ خدا مجھے ان کی نظروں سے پوشیدہ رکھے گا اور وہ مجھے نہ دیکھ سکیں گے اور اگر کسی نے مجھے دیکھا بھی تو وہ میرے پاس آنے کی جسارت نہ کرے گا کیونکہ میں اس وقت فنا فی اللہ ہوں گا اور خدا میری طرف سے اپنے دشمنوں سے لڑے گا۔ شرکان نے کہا کہ اے زاہد' تو سچ کہتا ہے کیونکہ میں نے خود اس کا مشاہدہ کیا ہے' اور اگر تو شام ہی سے جا سکے تو یہ ہمارے لیے بہتر ہو گا۔ اس نے جواب دیا کہ میں ابھی جاتا ہوں اور اگر تو چاہتا ہے کہ میرے ساتھ چلے اور تجھے کوئی نہ دیکھ سکے تو اٹھ' اور اگر تیرا بھائی بھی ہمراہ ہونا چاہے تو ہم اس کو بھی ساتھ لے چلیں گے لیکن کسی اور کو نہیں کیونکہ ولی اللہ دو سے زیادہ کو نہیں چھپا سکتا۔ شرکان نے کہا کہ میں تو اپنے ساتھیوں کو نہیں چھوڑ سکتا لیکن اگر میرا بھائی اس پر راضی ہو جائے تو مضائقہ نہیں کہ وہ تیرے ساتھ جائے اور اس مصیبت سے اسے چھٹکارا

ملے کیونکہ وہ مسلمانوں کا پشت و پناہ ہے اور خدا کی تلوار۔ اگر وہ چاہے تو وزیر دندان کو اپنے ساتھ لیتا جائے یا کسی اور کو ان منحوسوں کے مقابلے کے لیے ہمارے پاس دس ہزار سوار بھیج دے۔ سب لوگ مشورہ کر کے اس رائے سے متفق ہو گئے۔ اس کے بعد بڑھیا نے کہا کہ مجھے پہلے جانے دو تاکہ میں دیکھ آؤں کہ کافر سو رہے یا جاگ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم بھی تیرے ساتھ چلیں گے اور خدا پر بھروسہ کریں گے۔ اس نے کہا کہ اگر میں تمہارا کہنا مانوں تو پھر مجھے الزام نہ دینا بلکہ خود اپنے آپ کو۔ میری رائے ہے کہ تم مجھے ان کی خبر لے آنے دو۔ شرکان نے کہا کہ تو جا اور ہماری وجہ سے دیر مت کر' ہم تیرا انتظار کریں گے۔ ذات الدواہی چل دی اور اس کے جانے کے بعد شرکان نے اپنے بھائی سے اس کا ذکر کیا اور کہا کہ اگر یہ زاہد بڑی کرامت والا نہ ہوتا تو اس ظالم سردار کو کبھی قتل نہ کر سکتا۔ اس زاہد کی کرامت یہی کافی ہے کہ اس نے اس سردار کو قتل کر کے کفار کی شان و شوکت مٹا دی' کیونکہ وہ ظالم' پر غرور اور مردود شیطان تھا۔

وہ زاہد کی یہی کرامتیں بیان کر رہے تھے کہ معلونہ ذات الدواہی آ پہنچی اور اس نے دعویٰ کیا کہ تمہیں کافروں پر فتح ملے گی۔ انہوں نے اس پر زاہد کا شکریہ ادا کیا کیونکہ ان کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ محض حیلہ اور فریب ہے۔ اس ملعونہ نے پوچھا کہ جہاں پناہ ضوء المکان کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ حاضر ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ اپنے ساتھ وزیر کو لے لے اور میرے پیچھے پیچھے آ تاکہ ہم قسطنطنیہ چلیں۔ ذات الدواہی کفار سے کہہ آئی تھی کہ وہ کیا چال چل رہی ہے اور اس پر وہ بے حد خوش تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ ہمارا دل اس وقت تک ٹھنڈا نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہم اپنے سردار کے بدلے ان کے بادشاہ کو قتل نہ کر لیں کیونکہ اس سردار سے بڑھ کر کوئی شہسوار ہمارے پاس نہ تھا۔ جب اس منحوس بڑھیا ذات الدواہی نے ان سے کہا تھا کہ میں مسلمانوں کے بادشاہ کو تمہارے پاس لا رہی ہوں تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ جب تو اسے ہمارے پاس لائے گی تو ہم اسے بادشاہ افریدون کے پاس لے جائیں

گے۔ اب بڑھیا ذات الدواہی آگے آگے چلی اور ضوء المکان اور وزیر دندان پیچھے پیچھے ہو لیے اور اس نے کہا کہ چلو' خدا تمہیں برکت دے! ان دونوں نے کہا کہ بسم اللہ اور قضا اور قدر کا تیر ان کے آ لگا۔ بڑھیا ان کے ساتھ چلتے چلتے رومیوں کے لشکر کے بیچ میں پہنچ گئی جو اس تنگ درے میں تھا جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے اور کفار ان کو دیکھتے اور ان سے کچھ نہ کہتے کیونکہ اس ملعونہ نے ان کو یہ پٹی پڑھا دی تھی۔
جب ضوء المکان اور وزیر دندان نے کفار کے لشکر کو دیکھا کہ وہ ان کو دیکھ رہے ہیں مگر کچھ نہیں کرتے تو وزیر دندان نے کہا کہ بے شک یہ اس زاہد کی کرامت ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ خدا کے خاص بندوں میں سے ہے۔ ضوء المکان نے کہا کہ واللہ' میرے خیال میں کفار اندھے ہو گئے ہیں کیونکہ ہم ان کو دیکھتے ہیں اور وہ ہمیں نہیں دیکھتے۔ وہ ابھی زاہد کی تعریف اور اس کی کرامتوں اور زہد اور عبادت کا ذکر کر ہی رہے تھے کہ کفار ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو گھیر کر پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ کیا تمہارے ساتھ اور بھی کوئی ہے؟ ہم اسے بھی گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ وزیر دندان نے کہا کہ کیا تمہیں یہ شخص نظر نہیں آتا جو ہمارے سامنے کھڑا ہے؟ لیکن کفار نے جواب دیا کہ مسیح اور راہبوں اور بڑے پادری اور پوپ کی قسم ہمیں سوائے تمہارے اور کوئی نظر نہیں آتا۔ ضوء المکان نے کہا کہ واللہ ہمارے اوپر خدا کا قہر نازل ہوا ہے۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• اٹھانویں رات

جب اٹھانویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب کفار نے بادشاہ ضوء المکان اور وزیر دندان کو گرفتار کر لیا تو وہ ان سے کہنے لگے کہ تمہارے ساتھ اور بھی کوئی ہے تا کہ ہم اس کو بھی پکڑ لیں؟ وزیر دندان نے کہا کہ کیا تمہیں یہ تیسرا شخص دکھائی نہیں دیتا جو ہمارے ساتھ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مسیح اور راہبوں اور لاٹ پادری اور پوپ کی سچائی کی قسم' ہمیں سوائے تم دو کے اور کوئی نظر نہیں آتا۔ یہ کہہ کر کفار نے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں اور رات کے لیے ان پر پہرے دار مقرر کر دیئے' اور بڑھیا ذات الدواہی وہاں سے چلتی ہوئی۔ وہ افسوس کرنے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ بزرگوں کا کہنا نہ ماننے سے اس سے بھی زیادہ مصیبت آتی ہے اور اس کی سزا یہ آفت ہے جو ہمارے اوپر نازل ہوئی۔
یہ تو ضوء المکان اور وزیر دندان کی سرگزشت ہوئی۔ ادھر جب شرکان جاگا اور صبح نمودار ہوئی تو وہ اٹھا اور اس نے فجر کی نماز پڑھی اور پھر وہ اپنے لشکریوں کو لے کر کفار سے لڑنے کے لیے تیار ہو گیا اور ان کے دل مضبوط کیے اور ان کے ساتھ ہر طرح کی نیکی کرنے کا وعدہ کیا' اور وہ چل کھڑے ہوئے اور یہاں تک کہ کفار کے پاس آ پہنچے۔ جب کفار کی نظر ان پر پڑی تو وہ دور سے پکار اٹھے کہ اے مسلمانو' ہم نے تمہارے بادشاہ اور اس کے وزیر کو جو تمہارا منتظم ہے گرفتار کر لیا ہے اور اگر تم ہم سے جنگ کرنے سے باز نہ آؤ گے تو ہم تم سب کو قتل کر ڈالیں گے۔ اور اگر تم اپنے آپ کو حوالہ کر دو گے تو ہم تمہیں اپنے بادشاہ کے پاس لے چلیں گے اور وہ تم سے اس شرط پر صلح کرے گا کہ تم ہمارے ملک سے نکل جاؤ اور اپنے ملک کو چلے جاؤ' اور نہ تم ہمیں نقصان پہنچاؤ اور نہ ہم نقصان پہنچائیں۔ اگر تم نے یہ شرط بخوشی منظور کر لی تو اس میں تمہارا فائدہ ہے اور اگر تم نے انکار کیا تو سوائے قتل کے

چارہ نہیں۔ ہم اب تمہیں ساری باتیں سمجھا چکے ہیں' اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جب شرکان نے ان کی باتیں سنیں تو اسے یقین آ گیا کہ اس کا بھائی اور وزیر دندان گرفتار ہو گئے ہیں تو اسے بے حد رنج ہوا اور وہ رونے لگا اور اس کی قوت سلب ہو گئی اور اسے موت کا یقین آ گیا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ آخر ان کے گرفتار ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے! کیا ان سے زاہد کے حق میں کوئی بے ادبی سرزد ہوئی ہے یا انہوں نے اس کا کہنا نہیں مانا اور کیا بات ہو سکتی ہے؟ اس کے بعد مسلمان کفار کے ساتھ جنگ میں مشغول ہو گئے اور ان کے بہت سے آدمی قتل کیے اور اس روز بہادر اور بزدل میں فرق معلوم ہو گیا اور تلواریں اور نیزے خون میں رنگ گئے اور ان پر کفار اس طرح گرتے تھے جیسے شراب پر مکھیاں ہر طرف سے گرتی ہیں۔ شرکان اور اس کے ساتھی موت سے نڈر ہو کر لڑتے تھے یہاں تک کہ وادی میں خون بہنے لگا اور زمین مقتولوں سے بھر گئی۔

جب رات ہوئی تو دونوں لشکر علیحدہ ہو کر اپنی اپنی جگہ چلے گئے اور مسلمان پھر اسی غار میں لوٹ کر آئے اور اپنے فائدے اور نقصان کا جائزہ لیا اور انہیں معلوم ہوا کہ اب ان میں سے بہت کم باقی رہ گئے ہیں اور سوائے خدا اور تلوار کے اور کسی پر بھروسہ نہیں کیونکہ اس دن ان کے پینتیس بڑے بڑے شہسوار شہید ہو چکے تھے اور انہوں نے اپنی تلواروں سے کئی ہزار پیادوں اور سواروں کا کام تمام کر دیا تھا۔ جب شرکان نے یہ دیکھا تو وہ دل تنگ ہوا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو خدا کی مرضی ہے وہی ہو گا۔ جب دوسرا دن ہوا تو شرکان نے اپنے باقی ساتھیوں سے کہا کہ اگر تم آج جنگ کے لیے جاؤ گے تو تم میں سے ایک بھی بچ کر نہ لوٹے گا کیونکہ ہمارے پاس بہت تھوڑا کھانا پینا رہ گیا ہے۔ اب یہ رائے مجھے ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ تم لوگ تلواریں کھینچ کر اس غار کے دروازے پر کھڑے ہو جاؤ تاکہ اگر کوئی تم پر حملہ کرے تو تم اپنے آپ کو بچا سکو۔ غالباً زاہد

مسلمانوں کے لشکر میں پہنچ گیا ہو گا اور دس ہزار سوار لا رہا ہو گا جو کفار سے لڑنے میں ہماری مدد کریں گے اور غالباً کفار اسے اور اس کے ساتھیوں کو نہ دیکھ سکیں گے۔

اس کے ساتھیوں نے کہا کہ یہ رائے ٹھیک ہے اور اس کے درست ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اب لشکر نکل کر غار کے دروازے پر آ گیا اور لوگ اس کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے اور جو کافر وہاں آتا وہ اسے قتل کر دیتے اور دروازے کے پاس پھٹکنے نہ دیتے اور وہ کفار کے مقابلے میں جمے رہے یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا اور رات کا اندھیرا چھا گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ننانوے ویں رات

جب ننانویویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ مسلمانوں کا لشکر غار کے دروازے پر آکر اس کے دونوں طرف کھڑا ہو گیا اور کفار کو پاس پھٹکنے نہ دیتا تھا اور جو کوئی حملہ آور ہوتا تو قتل کر دیا جاتا اور مسلمان ڈٹ کر لڑتے رہے یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا اور رات کا اندھیرا چھا گیا' اور شرکان کے پاس محض پچیس آدمی رہ گئے۔ کفار کہنے لگے کہ نہ معلوم یہ جنگ کب ختم ہو گی کیونکہ ہم مسلمانوں سے لڑتے لڑتے تھک گئے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ چلو ہم ان پر دھاوا بول دیں کیونکہ اب ان کے ساتھ محض پچیس نفر باقی رہ گئے ہیں۔ اگر ہم ان کو زیر نہ کر سکے تو ہم آگ جلا کر ان کو تباہ کر دیں گے۔ اس کے بعد اگر انہوں نے ہار مان لی اور اپنے آپ کو حوالے کر دیا تو ہم انہیں گرفتار کر لیں گے اور اگر نہ مانا تو ہم انہیں آگ میں جل جانے دیں گے تاکہ سمجھ دار لوگ ان سے عبرت حاصل کریں اور مسیح ان کے آباؤ اجداد پر رحم نہ کرے اور نہ عیسائیوں کی جنت میں انہیں جگہ دے۔ یہ کہہ کر وہ لکڑیاں لائے اور غار کے منہ پر رکھ کر ان میں آگ لگا دی اور شرکان اور اس کے ساتھیوں کو مرنے کا یقین ہو گیا اور انہوں نے اپنے آپ کو حوالے کر دیا۔ وہ اسی حالت میں تھے کہ ان کے رئیس نے اس شخص کی طرف مخاطب ہو کر کہا جس نے مسلمانوں کو قتل کرنے کو مشورہ دیا تھا کہ ان کو محض افریدون بادشاہ کے پاس قتل کیا جا سکتا ہے تاکہ اس کے دل کی بھڑاس نکل جائے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم انہیں قیدی رکھیں اور کل ان کو لے کر قسطنطنیہ جائیں اور بادشاہ افریدون کے حوالے کر دیں اور اس کا جو جی چاہے ان کے ساتھ کرے۔ لوگوں نے کہا کہ بس یہی ٹھیک رائے ہے اور ان کی مشکیں باندھ کر ان پر پہرے دار مقرر کر دیئے۔ جب رات زیادہ ہوئی تو کافر کھیل کود اور کھانے پینے میں مشغول

ہوئے' اس کے بعد انہوں نے شراب منگوائی اور اتنی پی کہ سب کے سب لیٹ گئے اور شرکان اور اس کا بھائی مقید تھے اور علیٰ ہذا لقیاس دوسرے سورما بھی۔
اب شرکان کی نظر اپنے بھائی پر پڑی اور اس نے کہا کہ اے بھائی' اب چھٹنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ ضوء المکان نے کہا کہ میں کیا کہہ سکتا ہوں' ہماری حالت تو ایسی ہے جیسے پنجروں میں چڑیاں۔ شرکان غصے میں بھرا بیٹھا تھا اور طیش کے مارے الٹی سانسیں لے رہا تھا۔ اب اس نے زور لگایا اور بیڑیاں ٹوٹ گئیں۔ جب وہ آزاد ہو گیا تو پہرے داروں کے چودھری کے پاس گیا اور اس کی جیب سے کنجیاں نکالیں اور ضوء المکان اور وزیر دندان اور باقی قیدیوں کو چھڑایا اور اپنے بھائی اور وزیر دندان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ پہرے داروں میں سے تین کو قتل کر ڈالوں اور ان کے لباس لے کر ہم تینوں پہن لیں اور اس رومی لباس کے ساتھ ان کے درمیان میں سے نکل چلیں تاکہ وہ ہم کو پہچان نہ سکیں اور ہم اپنے لشکر میں پہنچ جائیں۔
ضوء المکان نے کہا کہ یہ رائے مجھے ٹھیک نہیں معلوم ہوتی کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر ہم انہیں قتل کریں گے تو کوئی نہ کوئی ان کی آواز سن لے گا اور کفار کو متنبہ کر دے گا اور وہ ہمیں مار ڈالیں گے۔ صائب رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہم اس درے سے نکل چلیں۔ اس رائے کو سب لوگوں نے مان لیا۔ جب وہ درے سے ذرا فاصلے پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ کچھ گھوڑے بندھے ہوئے ہیں اور سوار سو رہے ہیں۔ شرکان نے اپنے بھائی سے کہا کہ چلو ہم سب ان میں سے ایک ایک گھوڑا لے لیں کیونکہ ان سواروں کی تعداد بھی پچیس تھی اور خدا نے اپنی کسی حکمت کی بنا پر انہیں نیند میں غرق کر رکھا تھا۔ اس کے بعد شرکان نے کفار کے اسلحہ میں سے اتنی تلواریں اور نیزے لے لیے جس قدر کہ ان کو ضرورت تھی اور ان کے گھوڑوں پر سوار ہو کر چل دیئے۔
کافر اس گمان میں تھے کہ ضوء المکان اور اس کے بھائی اور ان کے ساتھیوں کو کوئی چھڑا نہیں سکتا اور نہ وہ بھاگ سکتے ہیں۔ جب وہ قید سے رہا ہو کر امن و امان میں پہنچ

گئے تو شرکان اپنے دوسرے ہمراہیوں سے جا ملا اور دیکھا کہ وہ اس کے انتظار میں ہیں اور سخت بے چین اور بے حد پریشان ہیں۔ شرکان ان کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ ڈرومت کیونکہ خدا نے ہمیں بچا لیا ہے۔ اب میری یہ رائے ہے' اور غالباً وہ ٹھیک ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ وہ کیا؟ اس نے جواب دیا کہ تم سب کے سب پہاڑ پر چڑھ جاؤ اور یک زبان ہو کر تکبیر کا نعرہ لگاؤ اور کہو کہ اسلامی لشکر آ پہنچا۔ جب ہم سب ایک ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ لگائیں گے تو وہ تتر بتر ہو جائیں گے اور کوئی ترکیب ان کی سمجھ میں نہ آئے گی کیونکہ وہ سب بدمست ہیں۔ یہ یہی خیال کریں گے کہ مسلمانوں کے لشکر نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا اور ان میں پل پڑے ہیں' اس لیے وہ آپس میں ایک دوسرے کو تلواروں سے مارنے لگیں گے کیونکہ نشہ اور نیند ان پر غالب ہے' اور خود انہیں کی تلواروں سے ان کا کام تمام ہو جائے گا اور دن چڑھے تک وہ تلواریں چلاتے رہیں گے۔ ضوء المکان نے کہا کہ یہ رائے ٹھیک نہیں ہے بلکہ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے لشکر کی طرف چل دیں اور بالکل زبان نہ کھولیں کیونکہ اگر ہم نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا تو وہ جاگ اٹھیں گے اور ہم پر حملہ کر دیں گے اور ہم میں سے کوئی نہ بچے گا۔ شرکان نے کہا کہ اگر وہ جاگ پڑے تو ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میری یہ رائے مان لو' اس میں خیریت ہے۔ ان سب نے مان لیا اور پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے اور تکبیر کا نعرہ لگایا اور خدا کے خوف سے پہاڑ اور درخت اور پتھر بھی نعرہ لگانے لگے' اور کفار یہ تکبیر سن کر شور مچانے لگے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پوری سوویں رات

جب پوری سوویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ شرکان نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اس رائے میں میرا ساتھ دو اور اس میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔ انہوں نے مان لیا اور پہاڑ پر چڑھ کر تکبیر کا نعرہ بلند کر دیا اور خدا کے خوف سے پہاڑ اور درخت اور پتھر بھی ان کے ساتھ نعرہ لگانے لگے۔ کفار نے جب یہ سنا تو وہ ایک دوسرے کو شور مچا کر جگانے لگے اور سب نے ہتھیار باندھ لیے اور چلا اٹھے کہ مسیح کی سچائی کی قسم' دشمن ہم پر آ پڑے ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیا اور ان میں سے اتنے مارے گئے کہ ان کی گنتی سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ جب دوسرا دن ہوا تو وہ قیدیوں کو ڈھونڈنے لگے لیکن ان کا نشان تک نہ پایا۔ اس پر ان کے سرداروں نے کہا کہ یہ ساری کرتوت انہیں قیدیوں کی ہے جو ہمارے پاس تھے' لہٰذا ان کا پیچھا کرو اور ان تک پہنچ کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دو اور بالکل مت ڈرو۔ یہ سن کر وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور ان کے پیچھے دوڑے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد ان کو آ گھیرا۔ جب ضوء المکان نے یہ دیکھا تو وہ اور بھی ڈرا اور اپنے بھائی سے کہنے لگا کہ جس چیز کا مجھے ڈر تھا وہ سامنے آ گئی اور اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ہم جہاد بول دیں۔ یہ سن کر شرکان چپ ہو گیا اور ضوء المکان نے پہاڑ پر سے اتر کر تکبیر کا نعرہ لگایا اور سب لوگوں نے اس میں اس کا ساتھ دیا اور اپنے اوپر جہاد فرض کر لیا اور اپنی جانوں کو خدا کی عبادت کے لیے رہن کر دیا۔

وہ اسی حالت میں تھے کہ ان کو لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر اور رسول اللہ پر درود و سلام کی آوازیں سنائی دیں۔ جب وہ ان کی آوازوں کی طرف ملتفت ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی فوجیں اور موحدین کے لشکر آ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ان کے دل

مضبوط ہو گئے اور شرکان نے کفار پر حملہ کر دیا اور اس نے اور اس کے مسلمان ساتھیوں نے تکبیر اور تہلیل کے نعرے بلند کیے اور زمین اس کے زلزلے سے کانپ اٹھی اور کفار کا لشکر پہاڑ پر منتشر ہو گیا اور مسلمانوں نے تلواروں اور نیزوں سے ان کا پیچھا کیا اور ان کے سر بدنوں سے اڑا دیئے۔ ضوء المکان اور اس کے مسلمان بھائی برابر کفار کی گردنیں اڑا رہے تھے کہ دن ختم ہو گیا اور رات کا اندھیرا چھا گیا۔ اب مسلمان اکٹھا ہوئے اور رات بھر ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے رہے۔ جب صبح ہوئی اور روشنی پھیلی تو انہوں نے دیکھا کہ دیلمیوں کا سردار بہرام اور ترکوں کا سردار رستم بیس ہزار سواروں کے ساتھ جو شیروں کی طرح ہیں چلے آ رہے ہیں۔ جب ان کی نظر ضوء المکان پر پڑی تو سواروں نے پیادہ ہو کر اس کو سلام کیا اور اس کے آگے زمین بوس ہوئے۔ ضوء المکان نے ان سے کہا کہ خوش ہو کہ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کفار ہلاک ہوئے۔ اس کے بعد وہ ایک دوسرے کو اپنی سلامتی اور قیامت کے دن کے ثواب پر مبارک باد دینے لگے۔

اسلامی لشکر کے اس جگہ پہنچنے کہ وجہ یہ ہوئی کہ جب امیر بہرام اور امیر رستم اور بڑا حاجب مسلمانوں کے لشکر کو لے کر جھنڈوں کو لہراتے ہوئے قسطنطنیہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ کفار نے شہر پناہ پر چڑھ کر برجوں اور قلعوں پر قبضہ کر لیا ہے اور جوں ہی انہوں نے سنا کہ اسلامی لشکر اور محمدی جھنڈے آ رہے ہیں تو ساری گڑھیاں لڑائی کے سامان سے آراستہ کر دیں اور جب انہوں نے ہتھیاروں کی جھنکاریں اور شوروغل سنا تو انہوں نے دیکھا کہ مسلمان آ رہے ہیں اور گرد کے نیچے سے گھوڑوں کی آواز آ رہی ہے کیونکہ وہ ٹڈیوں کی طرح منتشر اور بادلوں کی طرح برس رہے تھے اور انہوں نے مسلمانوں کو قرآن پڑھتے اور خدا کی تسبیح کرتے سنا۔ اور جو کچھ بڑھیا ذات الدواہی نے اپنے مکر اور فریب اور بہتان اور شرارت سے کیا تھا اس کی خبر کفار کو ہو گئی تھی۔

جب وہ کفار کے لشکر کے قریب آئے تو انہوں نے دیکھا کہ اس میں اتنے پیادے اور سوار اور عورتیں اور لڑکے ہیں کہ وہ ابلتے ہوئے سمندر کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

یہ دیکھ کر ترکوں کے امیر نے دیلمیوں کے امیر سے کہا کہ اے امیر' ہمیں دشمن سے جو شہر پناہ کے اوپر ہے اندیشہ ہے۔ دیکھ ان برجوں کو اور ان لوگوں کو جو متلاطم سمندر کی طرح ہیں۔ ان کی تعداد ہم سے سو گنی ہے اور ہمیں اس طرف سے اطمینان نہیں ہے کہ کسی جاسوس نے ان کو یہ خبر نہ پہنچا دی ہو کہ بادشاہ ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ ہمیں دشمن سے یوں بھی اندیشہ ہے کیونکہ وہ بے شمار ہیں اور جن کو ہمیشہ مدد پہنچ سکتی ہے اور ہمارے ساتھ نہ بادشاہ ضوء المکان ہے اور نہ اس کا بھائی اور نہ عالی قدر وزیر دندان۔ اس وجہ سے وہ ان کی غیبت کا فائدہ اٹھا کر ہمارے مقابلے میں باہمت ہو جائیں گے اور تلوار سے ہمارا بالکل قلع قمع کر دیں گے اور ہم میں سے ایک بھی نہ بچے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ تو موصل والوں اور ترکوں میں سے دس ہزار سوار لے کر ہمارے ساتھیوں کی تلاش میں مطروحنی کی خانقاہ اور ملوفنا کے سبزہ زار کو جا۔ اگر تم نے میرا کہنا مان لیا اور روانہ ہو گئے تو اس میں بھلائی ہے ورنہ کفار ضرور ان کو دبا رہے ہوں گے اور تم ان کے چھٹکارے کا سبب ہو گے' اور اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو پھر مجھ پر ملامت نہ کرنا۔ اور اگر تم جاؤ تو جلد ہمارے پاس واپس آنا کیونکہ بدگمانی دانشمندی کی دلیل ہے۔ دیلمیوں کے سردار نے اس کی بات مان لی اور دونوں سرداروں نے بیس ہزار سوار منتخب کیے اور وہ راستوں کو طے کرتے اس سبزہ زار اور خانقاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ تھا ان کے آنے کا سبب۔

اب بڑھیا ذات الدواہی کا حال سنئے۔ جب وہ بادشاہ ضوء المکان اور اس کے بھائی شرکان اور وزیر دندان کو کفار کے حوالے کر چکی تو اس بیسوا نے ایک گھوڑا لیا اور اس پر سوار ہوئی اور کفار سے کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ مسلمانوں کے لشکر میں جا کر ان کو تباہ کرنے کا کوئی حیلہ کروں کیونکہ وہ قسطنطنیہ پہنچ چکے ہیں اور ان سے کہوں کہ تمہارے ساتھی قتل ہو چکے ہیں۔ جب وہ مجھ سے یہ خبر سنیں گے تو وہ تتربتر ہو جائیں گے۔ اس کے بعد میں قسطنطنیہ کے بادشاہ افریدوں اور اپنے بیٹے روم کے بادشاہ حردوب کے پاس جا کر یہ خبر پہنچاؤں گی اور وہ دونوں اپنے لشکر لے کر مسلمانوں پر حملہ کر

دیں گے اور ان کو ایسا تباہ کریں گے کہ ان میں سے ایک بھی نہ بچے گا۔ یہ کہہ کر وہ رات بھر گھوڑے پر چلتی رہی۔ جب صبح ہوئی تو اسے بہرام اور رستم کا لشکر دکھائی دیا اور وہ ایک جھاڑی میں چھپ گئی اور اپنا گھوڑا بھی وہیں چھپا دیا۔ اس کے بعد وہ وہاں سے نکل کر آہستہ آہستہ چلنے لگی اور اپنے دل میں کہتی جاتی تھی کہ شاید مسلمانوں کے لشکر قسطنطنیہ کی لڑائی سے بھاگ کر آ رہے ہیں۔ جب وہ ان کے قریب پہنچی اور انہیں دیکھا اور ان کے جھنڈوں پر غور کیا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ شکستہ نہیں ہیں اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ بغیر بھاگے اور بے ڈرے اپنے بادشاہ اور ساتھیوں کے پاس جا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ ان کی طرف مردو شیطان کی طرح تیز تیز دوڑی اور ان کے پاس پہنچ کر ان سے کہنے لگی کہ اے خدائی لشکر والو' فوراً جاؤ اور شیطانی گروہ کے ساتھ جہاد کرو۔ جب بہرام نے اسے دیکھا تو وہ اس کی طرف بڑھا اور گھوڑے سے اتر کر اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس سے کہا کہ ولی اللہ' تو انہیں کس حال میں چھوڑ کر آیا ہے؟ اس نے کہا کہ کچھ مت پوچھ کہ ان کا حال کیسا بدتر ہے اور وہ کس مصیبت میں گرفتار ہیں کیونکہ جب ہمارے ساتھیوں نے مطروحنی کی خانقاہ سے مال و دولت لے کر قسطنطنیہ کا رخ کیا تو ان کے اوپر کفار کا ایک زبردست لشکر ٹوٹ پڑا۔ اس کے بعد اس ملعونہ نے ان کے ڈرانے کو ان سے سارا قصہ بیان کر دیا اور کہا کہ اکثر ان میں سے مارے گئے ہیں اور سوائے پچیس آدمیوں کے اور کوئی نہیں بچا۔

بہرام نے کہا کہ اے زاہد' تو ان سے کب جدا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اسی رات۔ بہرام نے کہا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے تیرے لیے زمین کو لپیٹ دیا حالانکہ تو پیدل چل رہا ہے اور تیرے ساتھ ہاتھ میں محض کھجور کی ایک ٹہنی ہے' لیکن تو ضرور ان اولیاء میں سے ہے جو اڑتے ہیں اور جن پر وحی کا الہام ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ان جھوٹ اور دغابازی کی باتوں سے جو اس نے سنی تھیں حیران اور پریشان تھا اور کہنے لگا کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ' ہماری دوڑ دھوپ

بیکار ہو گئی اور ہمارا دل بیٹھ گیا اور ہمارا بادشاہ پکڑا گیا اور اس کے ہمراہی گرفتار ہو گئے۔ اس کے بعد وہ دن رات مارا مار بھاگتے رہے اور صبح کے وقت وہ درے کے منہ پر پہنچ گئے اور انہوں نے دیکھا کہ ضوء المکان اور اس کا بھائی تکبیر اور تہلیل اور رسول اللہ پر درود اور سلام کے نعرے لگا رہے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی اس نے اور اس کے ساتھیوں نے حملہ کر دیا اور کفار کو اس طرح گھیر لیا جیسے کہ سیلاب بیابان کو اور ان کے اوپر کڑکنے لگے جس سے بہادر ڈر گئے اور پہاڑ گونج اٹھے۔ جب سویرا ہوا اور روشنی پھیل گئی اور صبح کی نسیم نے ضوء المکان کی خوشبو ان تک پہنچائی اور انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو پہچانا تو جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے انہوں نے ضوء المکان اور اس کے بھائی شرکان کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ شرکان نے وہ تمام واقعہ بیان کیا جو ان کو غار میں پیش آیا تھا۔ جس پر انہیں تعجب ہوا اور انہوں نے کہا کہ اب ہمارے ساتھ جلد قسطنطنیہ چلو کیونکہ ہم اپنے ساتھیوں کو وہاں چھوڑ آئے ہیں اور ہمارا دل انہیں میں لگا ہوا ہے۔ لہٰذا وہ تیزی کے ساتھ روانہ ہو گئے اور خدا پر بھروسہ کیا اور ضوء المکان نے مسلمانوں کا دل مضبوط کیا اور اسے اس کے بھائی شرکان نے سلامتی پر مبارک باد دی اور اس کی کارگزاری کا شکریہ ادا کیا۔ اب وہ تیزی کے ساتھ چلنے لگے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو ایک ویں رات

جب ایک سو ایک ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ شرکان نے اپنے بھائی ضوء المکان کو سلامتی پر مبارک باد دی اور اس کی کارگزاری کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد وہ اپنے لشکر کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ تو ان کا حال ہوا' اب بڑھیا ذات الدواہی کا قصہ سنئے۔ بہرام اور رستم کے لشکر سے ملنے کے بعد وہ اس جھاڑی میں واپس گئی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اسے تیزی سے دوڑایا یہاں تک کہ وہ مسلمانوں کے لشکر میں پہنچ گئی جو قسطنطنیہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ وہاں وہ اتر پڑی اور اپنے گھوڑے کی باگ تھام کر حاجب کے خیمے میں پہنچی۔ جب حاجب نے اسے دیکھا تو وہ کھڑا ہو گیا اور اشارے سے اسے مرحبا کہا اور پھر خبر پوچھی۔ اس نے جھوٹ اور دروغ آمیز خبر اسے بھی سنا دی اور کہنے لگی کہ مجھے امیر رستم اور امیر بہرام کی جان کا اندیشہ ہے کیونکہ میں ان سے راستے میں ملا تھا جب وہ لشکر کے ساتھ تھے اور ان کو بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کے پاس روانہ کر آیا ہوں۔ ان کے ساتھ بیس ہزار سوار ہیں مگر کفار کی تعداد ان سے زیادہ ہے لہٰذا اب میں یہ چاہتا ہوں کہ تو بہت جلد اپنا کل لشکر ان کے پاس بھیج دے ورنہ وہ سب کے سب مارے جائیں گے۔ آخر میں اس نے کہا کہ جلدی کر۔ جب حاجب دوسرے مسلمانوں نے اس کی یہ باتیں سنیں تو ان کی ہمت ٹوٹ گئی اور وہ رونے لگے۔ لیکن ذات لدواہی نے ان سے کہا کہ خدا سے مدد مانگو اور اس مصیبت پر صبر کرو' تمہارے پاس محمدی امت کے بزرگوں کی مثالیں موجود ہیں' جو شہید ہو گا اس کے لیے خدا نے محلوں والی جنت تیار کر رکھی ہے۔ مرنا تو ہر ایک کو ہے لیکن جہاد میں مرنا بہتر ہے۔ جب حاجب نے ملعونہ ذات الدواہی کی باتیں سنیں تو اس نے امیر بہرام کے بھائی کو بلوایا جو بڑا شہسوار تھا اور جس کا نام ترکاش تھا اور اس کے لیے دس ہزار بہادر شیر

دل سواروں کو منتخب کر کے کوچ کا حکم دے دیا اور وہ دن بھر اور رات بھر چلنے کے بعد مسلمانوں کے قریب پہنچ گئے۔ جب صبح نمودار ہوئی تو شرکان نے گرد اٹھتی ہوئی دیکھی تو اسے مسلمانوں کے متعلق اندیشہ ہوا اور وہ کہنے لگا کہ یہ لشکر ہماری طرف آ رہا ہے' اگر وہ مسلمانوں کا لشکر ہے تو یہ ہمارے لیے ضرور فتح کا باعث ہے اور اگر یہ کفار ہیں تو تقدیر سے چارہ نہیں۔ اس کے بعد اس نے اپنے بھائی ضوء المکان کے پاس آکر کہا کہ ڈریو مت کیونکہ میں اپنی جان قربان کر کے تجھے تباہی سے بچاؤں گا۔ اگر یہ لوگ اسلام کے لشکر والے ہیں تو نور علیٰ نور اور اگر یہ ہمارے دشمن ہیں تو سوائے لڑائی کے چارہ نہیں۔ لیکن میری یہ آرزو ہے کہ مرنے سے پہلے ایک بار میں اس عابد سے مل لوں تاکہ میں اس سے یہ درخواست کروں کہ وہ میرے لیے یہ دعا کرے کہ میں مروں تو شہید ہو کر مروں۔

وہ اسی گفتگو میں تھے کہ جھنڈے دکھائی دینے لگے جن پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ شرکان نے بلند آواز سے پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ خیرو عافیت سے ہیں' اور ہم اس لیے آئے ہیں کہ ہمیں ڈر تھا کہ کہیں تم کو تکلیف نہ پہنچے۔ اب لشکر کا سردار گھوڑے پر سے اتر پڑا اور اس کے سامنے زمین بوس ہو کر کہنے لگا کہ اے ہمارے آقا' بادشاہ اور وزیر دندان اور رستم اور میرے بھائی بہرام کا کیا حال ہے؟ کیا وہ سب بخیریت ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں' سب خیریت سے ہیں لیکن ہماری خبر تمہیں کس نے دی؟ انہوں نے جواب دیا کہ زاہد نے' اور یہ کہا کہ وہ میرے بھائی بہرام اور رستم سے ملا تھا اور اس نے ہم کو تمہارے پاس روانہ کیا ہے' اور اس نے ہم سے یہ کہا تھا کہ کفار نے تم کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اور مجھے یہ الٹی بات نظر آتی ہے کیونکہ تم جیتے ہوئے ہو۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ وہ تمہارے پاس کس طرح پہنچا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ پیدل' اور وہ ایک دن رات میں اتنا چلتا تھا جتنا کہ ایک تیز سوار دس دن میں۔ شرکان نے کہا کہ لاریب وہ ولی اللہ ہے۔ اور اب وہ کہاں

ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اسے اپنے اسلامی لشکر کے پاس چھوڑ کر آئے ہیں اور وہ انہیں کافروں اور نافرمانوں سے لڑنے کے لیے ابھار رہا ہے۔ یہ سن کر شرکان خوش ہو گیا اور ان کی اور زاہد کی سلامتی پر خدا کا شکر کیا اور مقتولوں پر خدا کے رحم کی دعا مانگی۔ وہ کہنے لگے کہ یہی قسمت میں لکھا ہوا تھا۔ یہ کہہ کر وہ تیزی کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

وہ چل ہی رہے تھے کہ انہیں گرد اٹھتی دکھائی دی جس سے چاروں طرف اندھیرا چھا گیا اور دن تاریک ہو گیا۔ شرکان نے اس گرد کی طرف دیکھ کر کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں کافروں نے اسلامی لشکر کو زک نہ دے دی ہو کیونکہ یہ گرد مشرق سے مغرب تک چھا گئی ہے اور شمال سے جنوب تک پھیلی ہوئی ہے۔ پھر اس گرد کے نیچے تاریکی کا ایک مستول سا دکھائی دیا جو مصیبت کے دن سے زیادہ تاریک تھا اور یہ ستون ان کے قریب آتا چلا گیا جو قیامت کے خوف سے زیادہ خوف ناک تھا۔ یہ دیکھ کر سوار اور پیادے اس کی طرف تیز تیز بڑھے تاکہ اس بدحالی کا سبب دریافت کریں اور ان کی نظر اس زاہد پر پڑی اور وہ سب کے سب جمع ہو کر اس کے ہاتھ چومنے لگے اور وہ زاہد کہتا جاتا تھا کہ اے بہترین شخص کی امت کے لوگو اور تاریکی کے چراغو' کفار نے مسلمانوں کو دھوکا دے دیا ہے لہٰذا جلد موحدین کے لشکر کی مدد کو پہنچو اور ان کو ملعون کافروں کے ہاتھ سے چھڑاؤ' کیونکہ انہوں نے ان کے خیموں پر حملہ کر دیا ہے اور وہ سخت مصیبت میں گرفتار ہیں۔ اس سے پہلے وہ اپنی جگہ پر امن و امان میں تھے۔

جب شرکان نے یہ باتیں سنیں تو اس کا دل بے چین ہو گیا اور وہ حیران اور پریشان ہو کر گھوڑے سے کود پڑا اور زاہد کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا۔ اس کے بھائی ضوء المکان اور لشکر کے باقی سوار پیادوں نے بھی یہی کیا مگر وزیر دندان الگ رہا اور وہ اپنے گھوڑے سے نہ اترا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم' میرا دل اس زاہد سے متنفر ہے کیونکہ محض فساد ڈالنے والے دین کی ریاکاری کرتے ہیں۔ لہٰذا اس کو چھوڑو اور اپنے مسلمان ساتھیوں

کے پاس چلو۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو خدا کی بارگاہ سے نکالے ہوئے ہیں۔ میں نے بادشاہ عمر بن النعمان کے ساتھ کئی جہاد کیے ہیں اور اس جگہ سے گزرا ہوں۔ شرکان نے اس سے کہا کہ ایسا برا گمان مت کر۔ تجھے معلوم نہیں کہ یہ عابد مومنین کو لڑائی کے لیے ابھارتا ہے اور تلواروں اور تیروں کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔ پیٹھ پیچھے اس کی برائی مت کر کیونکہ پیٹھ پیچھے برائی کرنا بری بات ہے اور نیک بندوں کا گوشت زہر آلود ہوتا ہے دیکھ کہ وہ ہمیں دشمن سے لڑنے کے لیے ابھارتا ہے۔ اگر خدا کو اس سے محبت نہ ہوتی تو بعد اس کے کہ وہ اسے سخت عذاب میں مبتلا رکھ چکا ہے اس کے لیے زمین کو لپیٹ نہ دیتا۔ اس کے بعد شرکان نے حکم دیا کہ زاہد کے لیے ایک نوبی خچر لایا جائے تاکہ وہ اس پر سوار ہو اور زاہد سے کہا کہ اے زاہد پارسا اور عابد' سوار ہو۔ لیکن اس نے اسے منظور نہ کیا اور سوار ہونے سے انکار کر دیا اور ریاکاری سے زہد کا اظہار کیا تاکہ اس کی مراد حاصل ہو' اور ان کو اس بات کی خبر نہ تھی کہ یہ زاہد فریبی اور مکار ہے۔ اس کے بعد وہ زاہد سواروں اور پیادوں کے درمیان پیدل چلتا تھا جس طرح کہ مکار لومڑی کسی دغابازی کی سوچ میں ہو' اور بلند آواز سے قرآن کی آیتیں پڑھتا تھا اور خدا کی تسبیح کرتا تھا۔ اب وہ لوگ چلتے چلتے اسلامی لشکر کے پاس پہنچ گئے اور شرکان نے دیکھا کہ وہ مغلوب ہو چکے ہیں اور حاجب بھاگنے کے لیے تیار ہے اور رومی تلواروں نے اچھوں اور بروں سب کا کام تمام کر دیا ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## ایک سو دو ویں رات

جب ایک سو دو ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ شرکان نے مسلمانوں کو ابتر حالت میں اور حاجب کو بھاگنے کے لیے تیار دیکھا۔ تلوار نے نیکوں اور بدوں کا کام تمام کر دیا تھا۔ اس شکست کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت دین کی دشمن ملعون ذات الدواہی نے دیکھا کہ بہرام اور رستم اپنے لشکر کے ساتھ شرکان اور اس کے بھائی ضوء المکان کی طرف روانہ ہو گئے تو وہ مسلمانوں کے لشکر کی طرف چل دی اور وہاں سے امیر ترکاش کو روانہ کر دیا جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اور اس کا مقصد اس سے یہ تھا کہ مسلمانوں کا لشکر متفرق ہو جائے تاکہ وہ کمزور ہو جائیں اس کے بعد وہ ان کو چھوڑ کر قسطنطنیہ چل دی اور وہاں پہنچ کر رومی سرداروں کو بلند آواز سے پکارا کہ ایک رسی لٹکا دو تاکہ میں یہ خط اس میں باندھ دوں اور تم اسے لے کر اپنے بادشاہ کو پہنچا دو تاکہ وہ اور میرا بیٹا اسے پڑھیں اور جو کچھ میں نے اس میں کرنے کے لیے کہا ہے وہ کریں اور جس چیز سے منع کیا ہے اس سے باز آئیں۔ انہوں نے ایک رسی لٹکا دی اور بڑھیا نے اس میں خط باندھ دیا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا: یہ خط بڑی چالباز اور شطارہ ذات الدواہی کی طرف سے بادشاہ افریدون کے نام ہے۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے ایک ایسی چال چلی ہے جس سے تم مسلمانوں کو تباہ کر سکتے ہو۔ لہٰذا تم مطمئن رہو' میں نے ان کو اور ان کے بادشاہ اور وزیر کو قید کر لیا ہے اور ان کے لشکر میں جا کر ان کو خبر کر دی ہے اور ان کا زور ٹوٹ گیا ہے اور ان کی قوت کمزور ہو گئی اور جو لوگ قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں' میں نے ان کو دھوکا دے کر ان میں سے بارہ ہزار سواروں کو امیر ترکاش کے ساتھ قیدی لشکر کی مدد کے لیے بھیج دیا ہے اور اب ان میں سے بہت تھوڑے یہاں باقی رہ گئے ہیں۔ اب میں یہ چاہتی ہوں کہ تم آج ہی اپنا تمام لشکر لے کر ان پر دھاوا

بول دو اور ان کے خیموں پر حملہ کر دو لیکن تم ایک ساتھ سب کے سب نکلنا اور ان میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑنا کیونکہ حضرت مسیح تم پر مہربان ہیں اور عذرا مریم کی توجہ تمہاری طرف ہے اور میں چاہتی ہوں کہ حضرت مسیح میری اس کارگزاری کو نہ بھولیں۔"

جب بڑھیا کا خط بادشاہ افریدون کے پاس پہنچا تو وہ خوشی کے پھولا نہ سمایا۔ وہ بھی خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ دیکھ' میری ماں نے کیسی چال چلی ہے جس کی وجہ سے تلواروں کی بالکل ضرورت نہ رہی' محض اس کی موجودگی خوفناک جنگ کا کام کرتی ہے۔ بادشاہ افریدون نے کہا کہ مسیح تیری ماں کو سلامت رکھے! یہ کہہ کر اس نے سرداروں کو حکم دیا کہ شہر کے باہر کوچ بول دیں۔ یہ خبر کل قسطنطنیہ میں مشہور ہو گئی اور جیسا کہ لشکر اور صلیب کے مددگار نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے تیر' تلواریں کھینچ لیں اور کفر اور الحاد کے کلموں کے نعرے لگانے اور خدا کی نافرمانی کرنے لگے۔ جب حاجب نے یہ دیکھا تو وہ کہنے لگا کہ رومی ہمارے پاس پہنچ گئے ہیں کیونکہ ان کو معلوم ہو گیا ہے کہ ہمارا بادشاہ موجود نہیں ہے۔ اب وہ ہمارے اوپر دھاوا بول دیں گے اور ہمارے لشکر کا بڑا حصہ بادشاہ ضوء المکان کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ حاجب نے غصے میں آ کر کہا کہ مسلمانوں کے لشکر اور مضبوط دین کے حامیو' اگر تم بھاگے تو تباہ ہو جاؤ گے اور اگر ڈٹے رہے تو فتح پاؤ گے۔ جان لو کہ بہادری صبر کرنے کا نام ہے اور کوئی تنگی ایسی نہیں ہے جس کو خدا کشادہ نہ کر سکے۔ خدا تمہیں برکت دے اور تمہیں عنایت کی نظر سے دیکھے! یہ سنتے ہی مسلمانوں نے تکبیر کہنی شروع کر دی اور موحدین نعرے لگانے لگے اور نیزہ بازی اور شمشیر زنی ہونے لگی اور تیز تلواریں اور نیزے اپنا کام کرنے لگے اور خون کے ندی نالے بہنے لگے اور پادریوں اور رہبانوں نے اپنے منتر پڑھنے شروع کر دیئے اور اپنی پیٹیاں کس لیں اور صلیبیں اٹھا لیں۔ ادھر مسلمانوں نے جزا و سزا کے مالک کے نعرے بلند کئے اور زور زور سے قرآن پڑھنے لگے اور رحمٰن اور شیطان کے

گروہوں میں مڈبھیڑ ہو گئی اور سر' بدنوں سے اڑنے لگے اور خدا کے حبیب نبی کی امت پر نیک فرشتے آنے جانے لگے اور تلواریں چلتے چلتے دن ختم ہو گیا اور رات کا اندھیرا

چھا گیا اور کفار نے مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ان کا خیال تھا کہ وہ عذاب سے بچ گئے اور مشرکوں کو ایمان والوں کی تباہی کا حوصلہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ صبح نمودار ہوئی اور روشنی پھیلی۔ اب حاجب اور اس کا لشکر سوار ہوا اور سب لوگ خدا سے فتح کے آرزو مند ہوئے اور ادھر والے ادھر والوں میں مل جل گئے اور جنگ برپا ہو گئی اور کھوپڑیاں اڑنے لگیں اور بہادر ثابت قدمی کے ساتھ آگے بڑھے اور بزدل پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے اور موت کے قاضی نے فیصلے کرنے شروع کر دیئے یہاں تک کہ سورما زینوں سے گرنے لگے اور سبزہ زار مردوں سے بھر گئے۔ مسلمانوں کے قدم پیچھے ہٹنے لگے اور رومی ان کے بعض خیموں اور دوسری جگھوں پر قابض ہو گئے اور مسلمانوں نے میدان چھوڑ کر بھاگنے کا ارادہ کر لیا۔

وہ اسی حالت میں تھے کہ شرکان مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ آ پہنچا اور موحدین کے جھنڈے اڑنے لگے اور شرکان نے آگے بڑھ کر کفار پر حملہ کر دیا اور اس کے پیچھے ضوء المکان پہنچ گیا اور ان دونوں کے بعد وزیر دندان حملہ آور ہوا اور علی ہذا لقیاس دیلمیوں کا سردار بہرام اور رستم اور اس کا بھائی ترکاش۔ جب کافروں نے دیکھا تو ان کی عقل جاتی رہی اور ان کی تدبیریں سلب ہو گئیں اور گرد اٹھنے لگی اور چاروں طرف پھیل گئی اور نکو کردار مسلمان اپنے نیک بھائیوں سے آ ملے اور شرکان حاجب سے ملا اور اس کی ثابت قدمی کا شکر گزار ہوا اور اسے مدد اور فتح یابی کی خوش خبری سنائی۔ مسلمان خوش ہو گئے اور ان کے دل مضبوط ہو گئے اور انہوں نے اپنے دشمنوں پر دھاوا بول دیا اور خالصتاً للہ جہاد میں مشغول ہو گئے۔ جب کافروں نے اسلامی جھنڈے دیکھے جن پر اسلامی خلوص کے الفاظ لکھے ہوئے تھے تو وہ واویلا کرنے اور خانقاہوں کے راہبوں سے مدد مانگنے لگے اور یوحنا اور مریم اور مردود صلیبوں کے نعرے لگانے لگے اور ان کے ہاتھ لڑائی سے رک گئے۔ اب بادشاہ افریدون روم کے بادشاہ کے پاس آیا اور ان

میں سے ایک میمنے کے ساتھ ہوا اور دوسرا میسرے کے ساتھ۔ ان کے ساتھ ایک مشہور سوار تھا جس کا نام لادیا تھا' وہ بیچ میں آیا اور انہوں نے لڑائی کے لیے صف بندی شروع کر دی حالانکہ وہ ڈر رہے اور کانپ رہے تھے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے صف بندی کی اور شرکان اپنے بھائی ضوء المکان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ جہاں پناہ' وہ لوگ واقعی لڑنا چاہتے ہیں اور ہم بھی اس سے زیادہ کیا چاہتے ہیں لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے لشکر میں سے سب سے زیادہ ثابت قدم لوگوں کو آگے بڑھاؤں کیونکہ تدبیر آدھی زندگی ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اے صائب رائے والے' تیرا کیا مطلب ہے؟ شرکان نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں کفار کے لشکر کے قلب کی طرف ہوں اور وزیر دندان ان کے میسرے اور تو میمنے کی طرف ہو اور امیر بہرام داہنے اور امیر رستم بائیں بازو' یعنی تو' اے عظیم الشان بادشاہ' جھنڈوں اور علموں کے نیچے ہو کیونکہ تو ہماری پشت و پناہ ہے اور خدا کے بعد ہمارا بھروسہ تیرے اوپر ہے اور ہم سب تجھ پر قربان ہیں تاکہ تجھے کوئی اذیت نہ پہنچے۔ اس پر ضوء المکان نے اس کا شکریہ ادا کیا اور نعرے بلند ہونے لگے اور تلواریں کھینچ گئیں۔

وہ اسی حالت میں تھے کہ رومی لشکر سے ایک سوار برآمد ہوا۔ جب وہ قریب آیا تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک ست رو خچر پر سوار ہے جو تلواروں کی زد سے ڈر کر اپنے سوار کو بھگائے لیے چلا آ رہا ہے اور اس کا چار جامہ سفید ریشم کا ہے اور اس پر ایک کشمیری قالین پڑا ہوا ہے اور اس کے اوپر ایک بوڑھا شخص سوار ہے جو خوش رو' ہے اور جس کے چہرے سے ہیبت ٹپکتی ہے اور وہ سفید اون کا لباس پہنے ہوئے ہے' اور وہ خچر کو دوڑائے چلا آ رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مسلمانوں کے لشکر کے قریب آ گیا اور کہنے لگا کہ میں تم لوگوں کی طرف ایلچی بن کر آیا ہوں اور ایلچی کا کام محض پیغام پہنچانا ہے۔ لہٰذا اگر تم لوگ مجھے امان دو اور بات کرنے کی اجازت دو تو میں تمہیں پیغام پہنچاؤں۔ شرکان نے اس سے کہا کہ تجھے امان ہے' تجھے نہ تلوار کی ضرب کا ڈر ہے اور نہ نیزے کی زد کا۔ یہ سن کر وہ بوڑھا پیادہ ہو گیا اور اس نے صلیب کو گردن سے

اتار کر سلطان کے سامنے رکھ دیا اور اس طرح گڑگڑانے لگا جیسے کوئی انعام کا خواہش مند ہو' مسلمانوں نے پوچھا کہ تو کیا پیغام لایا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں افریدون بادشاہ کا فرستادہ ہوں۔ میں نے اسے یہ رائے دی تھی کہ وہ انسانی صورتوں اور خدا کی بنائی ہوئی تصویروں کو تلف نہ کرے اور اس پر میں نے ثابت کر دیا کہ بہتر یہ ہے کہ خونریزی بند کر دی جائے اور محض دو سوار میدان میں آکر لڑیں۔ اس نے میری بات مان لی ہے اور تمہیں یہ پیغام بھیجا ہے کہ میں اپنی جان کو اپنے لشکر کے اوپر قربان کرنا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کا بادشاہ بھی ایسا ہی کرے اور اپنی جان کو اپنے لشکر پر قربان کر دے۔ اگر وہ مجھے قتل کر دے گا تو کفار کے لشکر کو کوئی سہارا باقی نہ رہے گا اور اگر میں اسے قتل کر دوں گا تو اسلامی لشکر کا کوئی سہارا باقی نہ رہے گا۔

جب شرکان نے یہ باتیں سنیں تو اس نے کہا کہ اے راہب مجھے منظور ہے کیونکہ یہ انصاف کی بات ہے اور اس سے اختلاف نہیں کرتا۔ خود میں اس کے مقابلے میں آؤں گا اور اس سے جنگ کروں گا کیونکہ جس طرح وہ کافروں کا شہ سوار ہے' میں مسلمانوں کا شہ سوار ہوں۔ اگر اس نے مجھے قتل کر دیا تو وہ فاتح ٹھہرے گا اور مسلمان لشکر کے لیے سوائے بھاگنے کے اور کوئی چارہ نہ ہو گا۔ لہٰذا اے راہب اس کے پاس واپس جا اور کہہ کہ کل ہم دونوں میں مقابلہ ہو گا کیونکہ میں آج سفر کر کے آ رہا ہوں اور تھکا ہوا ہوں اور آرام کرنے کے بعد کسی ملامت کی گنجائش نہیں۔ راہب خوش خوش واپس گیا اور بادشاہ افریدون اور بادشاہ حردوب کے پاس پیغام لے گیا اور بادشاہ افریدون یہ سن کر بہت خوش ہوا اور اس کا درد و الم دور ہو گیا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں اس شرکان پر شمشیر کا وار اور نیزے کی زد کروں گا۔ اگر میں نے اسے مار لیا تو ان کی ہمت پست ہو جائے گی اور ان کا زور ٹوٹ جائے گا۔

دراصل یہ اس کو ذات الدواہی نے لکھا تھا اور خط میں یہ بھی ذکر کیا تھا کہ شرکان سورماؤں کا شہ سوار اور سورما ہے اور اس نے افریدون کو شرکان سے خبردار کیا تھا لیکن

افریدون بھی بڑا شہ سوار تھا کیونکہ اسے جنگ میں طرح طرح کے کرتب آتے تھے۔ اسے گوپھن پھینکنا اور تیر اندازی کرنا اور لوہے کی سلاخ سے لڑنا آتا تھا اور سخت سے سخت لڑائی سے وہ ڈرتا نہ تھا۔ اس لیے جب افریدون نے راہب کا پیغام سنا کہ شرکان نے اس سے جنگ کرنا منظور کر لیا ہے تو مارے خوشی کے اس کی باچھیں کھل گئیں کیونکہ اسے اپنے اوپر بھروسہ تھا اور وہ جانتا تھا کہ اس کی طاقت کو کوئی نہیں پہنچتا۔ وہ رات کفار نے خوشی اور سرور اور شراب خوری میں گزاری۔

جب دوسرا دن ہوا تو سوار گندمی نیزے اور سفید تلواریں لے کر نکلے ہی تھے کہ اتنے میں ایک سوار میدان میں نکلا جو ایک اصیل گھوڑے پر سوار تھا اور جنگ اور مبازرے کے لیے بالکل تیار تھا اور اس کے اعضا مضبوط تھے۔ یہ سوار فولاد کی زرہ پہنے ہوئے تھا اور سخت سے سخت مقابلے کے لیے تیار تھا۔ اس کے سینے پر جواہرات کا ایک آئینہ تھا اور ہاتھ میں ایک تیز تلوار اور ہلکا خولنجی نیزہ تھا جو عجیب و غریب فرنگی ساخت کا تھا۔ اب اس سوار نے اپنی نقاب اٹھا دی اور کہنے لگا کہ جو مجھے جانتا ہے اس کے لیے محض یہی کافی ہے اور جو مجھے نہیں پہچانتا تو وہ عنقریب جان لے گا کہ میں کون ہوں۔ میں ذات الدواہی کی برکتوں میں ڈوبا ہوا افریدون ہوں۔ ابھی وہ یہ جملہ ختم بھی نہ کر پایا تھا کہ مسلمانوں کا شہ سوار شرکان اس کے سامنے آ گیا۔ وہ ایک مشکی گھوڑے پر سوار تھا جس کی قیمت ایک ہزار اشرفی تھی۔ شرکان کا لباس موتیوں اور جواہرات سے پرویا ہوا تھا اور اس کی کمر سے ہندی فولاد کی بجھی ہوئی تلوار بندھی تھی جو گردنوں کو کاٹتی اور مشکل امور کو آسان کر دیتی تھی۔ اس کی ہیبت سے وہ دونوں صفوں کے درمیان گھوڑا دوڑانے لگا اور سارے سوار اس کی طرف نظر اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے۔ افریدون نے چلا کر کہا کہ اے ملعون' حیف ہو تجھ پر۔ کیا تو مجھے بھی ویسا ہی سمجھتا ہے جیسے کہ اور سواروں کو جن سے تو نے مقابلہ کیا ہے اور جو تیرے مقابلے میں بالکل نہ ٹھہر سکے۔

اب دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا دو پہاڑ ایک

دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں یا دو سمندر موجزن ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب آتے اور دور ہٹتے اور ملتے اور جدا ہوتے تھے۔ دونوں کبھی آگے بڑھتے اور کبھی پیچھے ہٹتے' کبھی مذاق کرتے' کبھی سنجیدہ ہو جاتے' کبھی تلواریں چلاتے اور کبھی نیزے' اور دونوں لشکر ان کی طرف دیکھتے تو کوئی تو یہ کہتا کہ شرکان غالب ہے اور کئی افریدون کو غالب بتاتا۔ دونوں سوار اسی حالت میں تھے کہ چہ میگوئیاں بند ہو گئیں اور گردو غبار اٹھنے لگا اور دن ڈھل گیا اور سورج پیلا پڑنے لگا اور بادشاہ افریدون نے شرکان سے للکار کر کہا کہ مسیح کے دین اور سچے اعتقاد کی قسم' تو محض حملہ آور سوار اور خوب لڑنے والا ہے' مگر تو دھوکے باز ہے اور تیری فطرت نیکوں کی سی نہیں ہے کیونکہ میں ترے افعال تعریف کے قابل نہیں پاتا اور نہ تیری جنگ شہزادوں کی سی جنگ پاتا ہوں اور تیری قوم تجھ کو غلام بچہ کہتی ہے اور وہ تیرے لیے ایک گھوڑا نکال کر لائے ہیں جو تیرا نہیں ہے تاکہ تو اس پر سوار ہو کر جنگ کرے۔ میں اپنے مذہب کی قسم کھاتا ہوں کہ تیری لڑائی سے میں عاجز آ گیا ہوں اور تیری شمشیر زنی اور نیزہ بازی سے تھک گیا ہوں اور اگر تو آج رات مجھ سے جنگ جاری رکھنا چاہتا ہے تو نہ اپنے ہتھیار بدل اور نہ اپنا گھوڑا تاکہ سواروں پر تیری شرافت اور جنگ ظاہر ہو جائے۔ جب شرکان نے اسے یہ کہتے سنا کہ خود اس کے لوگ اسے غلام بچہ کہتے ہیں تو اسے طیش آ گیا اور وہ پیچھے کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے ارادہ کیا کہ ان سے اشارے سے کہے کہ وہ نہ اس کا گھوڑا بدلیں اور نہ ہتھیار کہ اتنے میں افریدون نے اپنے نیزے کو حرکت دی اور اسے شرکان کی طرف پھینک کر مارا۔ جب شرکان پیچھے پھرا تو اس نے دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ اس ملعون کا مکرو فریب ہے اور اس نے جلدی سے اپنا منہ پھیرا' مگر اتنے میں نیزہ اس کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو بچانا چاہا اور جھک کر کاٹھی کی کمان تک پہنچ گیا مگر نیزہ اس کے سینے میں آکر لگا' اور چونکہ شرکان کا سینہ ابھرا ہوا تھا نیزہ اس کے سینے کی کھال میں

چبھ گیا۔ اس پر اس نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا۔ ملعون افریدون بہت خوش ہوا اور سمجھا کہ اس نے اسے مار لیا ہے اور چلا کر اس نے کفار کے آگے خوشی کا اظہار کیا اور کافروں کے دل بڑھ گئے اور ایمان والے رونے لگے۔ جب ضوء المکان نے اپنے بھائی کو گھوڑے پر جھکتا ہوا دیکھا اور ڈرا کہ وہ کہیں گر نہ پڑے تو اس نے سواروں کو اس طرف دوڑایا اور وہ بڑھ کر اسے اس کے پاس لے آئے اور کافروں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور دونوں لشکر پل پڑے اور دونوں صفیں گڈ مڈ ہو گئیں اور یمنی تلواریں موت برسانے لگیں' جو شخص سب سے پہلے شرکان کے پاس پہنچا' وہ وزیر دندان تھا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• ایک سو تین ویں رات

جب ایک سو تین ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب ضوء المکان نے دیکھا کہ اس لعین نے شرکان پر بھالا پھینک کر مارا تو اس کا خیال ہوا کہ وہ مر گیا اور اس نے فوراً سواروں کو دوڑایا اور سب سے آگے جو لوگ پہنچے‘ وہ وزیر دندان اور ترکوں کا سردار بہرام اور دیلمیوں کا سردار رستم تھے۔ جب وہ پہنچے تو شرکان کو جھکا ہوا پایا اور اسے سہارا دے کر وہ اسے اس کے بھائی ضوء المکان کے پاس لے آئے اور اسے غلاموں کے سپرد کر کے خود لڑنے اور نیزہ اندازی کرنے چلے گئے۔ جنگ بڑی شدت کی ہوئی اور بھالوں کے پھل آپس میں ٹکرانے لگے اور چہ میگوئیاں بند ہو گئیں اور سوائے بہتے ہوئے خون اور جھکی ہوئی گردنوں کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا اور تلواریں گردنیں اڑا رہی تھیں اور لڑائی شدت سے ہو رہی تھی یہاں تک کہ رات زیادہ ہو گئی اور دنوں فریق لڑتے لڑتے تھک گئے اور انہوں نے جنگ بند کرنے کی منادی کی اور ہر فریق اپنے اپنے خیموں میں واپس گیا۔ کفار سارے کے سارے اپنے بادشاہ افریدون کے پاس گئے اور اس کے آگے زمین بوس ہوئے اور پادریوں اور راہبوں نے اسے شرکان کو زیر کرنے پر مبارک باد دی۔ اس کے بعد بادشاہ افریدون قسطنطنیہ میں داخل ہوا اور حکومت کی کرسی پر بیٹھا اور بادشاہ حردوب نے آکر کہا کہ مسیح تیری کلائی مضبوط کر دے اور ہمیشہ تیری مدد کرے اور جو کچھ میری نیک ماں تیرے حق میں دعا کرے‘ وہ اسے قبول کرے! اب شرکان کے بعد مسلمانوں کی کوئی ٹیک باقی نہیں رہی۔ افریدون نے کہا کہ کل فیصلہ ہے جب کہ میں لڑائی میں جاؤں گا اور ضوء المکان کو طلب کر کے اس کو قتل کر دوں گا تو ان کے لشکر پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

یہ تو کفار کا حال ہوا۔ اب اسلامی لشکر کا قصہ سنئے۔ جب ضوء المکان خیموں کی طرف لوٹا تو وہ اپنے بھائی کی دیکھ بھال میں مشغول ہوا کیونکہ اس نے دیکھا کہ اس کی بری

حالت ہے اور جان کا خوف ہے۔ لہٰذا اس نے وزیر دندان اور رستم اور بہرام کو مشورے کے لیے بلایا اور ان کی یہ رائے ہوئی کہ حکیموں کو علاج کے لیے بلایا جائے اور وہ رونے اور کہنے لگے کہ دنیا پھر ایسا شخص پیدا نہ کرے گی اور انہوں نے وہ رات جاگ کر گزاری۔ آخر رات میں وہ زاہد ان کے پاس روتا ہوا آیا۔ جب ضوء المکان نے اسے دیکھا تو وہ سروقد کھڑا ہو گیا اور زاہد کا ہاتھ لے کر اپنے بھائی کے زخم پر پھیرا اور قرآن کی کچھ آیتیں پڑھیں اور پڑھ کر اس پر دم کیا اور صبح تک اس کے پاس جاگتا رہا۔ اب شرکان کو افاقہ ہوا اور اس نے آنکھیں کھول دیں اور اپنی زبان منہ کے اندر گھمانے اور باتیں کرنے لگا۔ بادشاہ ضوء المکان خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ یہ زاہد کی برکت کا اثر ہے۔ شرکان نے کہا کہ میں اپنی صحت پر خدا کا شکر کرتا ہوں کیونکہ میں اب تندرست ہوں۔ اس معلون نے مجھے دھوکا دیا تھا اور اگر میں بجلی سے زیادہ تیزی کے ساتھ نہ گھوم جاتا تو بھالا میرے سینے میں اتر جاتا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے بچا لیا۔ کہہ کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ ضوء المکان نے جواب دیا کہ وہ تیری وجہ سے گریہ و زاری کر رہے ہیں۔ شرکان نے کہا کہ میں بخیر و عافیت ہوں اور زاہد کہاں ہے؟ وہ زاہد سرہانے بیٹھا ہوا تھا۔ ضوء المکان نے کہا کہ وہ تیرے سرہانے ہے۔ یہ سن کر شرکان نے اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کے ہاتھ چومے اور زاہد کہنے لگا کہ اے بیٹے، صبر کر، خدا تجھے بڑا اجر دے گا کیونکہ جتنی تکلیف زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی اجر بڑھتا ہے۔ شرکان نے کہا کہ میرے لیے دعا کر اور اس نے دعا کی۔

جب سویرا ہوا تو روشنی چمکی تو مسلمان لڑائی کے میدان میں نکلے اور کفار تلواریں اور بھالے ان پر چلانے پر تل گئے۔ مسلمانوں کے لشکر نے آگے بڑھ کر لڑنا چاہا اور ہتھیار کھینچ لیے اور بادشاہ ضوء المکان اور افریدون ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ جب ضوء المکان میدان میں نکلا تھا تو اس کے ساتھ وزیر دندان اور حاجب بھی نکلے تھے اور انہوں نے ضوء المکان سے کہا تھا کہ ہم تیرے اوپر قربان ہوتے ہیں لیکن اس نے جواب دیا کہ بیت اللہ اور زمزم اور مقام ابراہیم کی قسم، میں ان جنگلی گدھوں

پر حملہ کرنے سے نہ باز آؤں گا جب وہ میدان میں آیا تو تلوار اور بھالے کے کرتب دکھانے لگا جس سے سوار دنگ رہ گئے اور دونوں فریق حیران ہو گئے۔ اب اس نے میمنے پر حملہ کر کے ان کے دو سرداروں کو قتل کیا اور میسرے پر حملہ کر کے بھی دو سرداروں کو مار ڈالا اور بیچ میدان میں کھڑے ہو کر کہنے لگا کہ افریدون کہاں ہے تا کہ میں اسے ذلت کی موت ماروں؟ اس ملعون نے ارادہ کیا کہ دھوکا دے کر اس پر پلٹ پڑے لیکن جب بادشاہ حردوب نے یہ حالت دیکھی تو اس نے اسے قسم دے کر کہا کہ تو نہ نکل اور کہنے لگا کہ اے بادشاہ' کل تیری جنگ تھی اور آج میری ہے۔ میں اس کی بہادری کو دھیان میں نہیں لاتا۔ یہ کہہ کر وہ نکل پڑا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تیز تلوار تھی اور ان کے نیچے ایک گھوڑا گویا وہ عنتر کا گھوڑا ابجر تھا اور مشکی تھا۔ اب دونوں ایک دوسرے پر حملہ کرنے اور ایک دوسرے کی ضرب سے بچنے لگے اور جو جو کرتب ان کو یاد تھے' دکھانے لگے اور کبھی آگے بڑھ کر اور کبھی پیچھے ہٹ کر حملہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ دونوں تنگ آ گئے اور ان میں زیادہ صبر کرنے کی طاقت نہ رہی۔ اتنے میں ضوء المکان نے ایک نعرہ اور ارمنوں کے بادشاہ حردوب پر تلوار سے ایسا وار کیا کہ اس کا سر اڑا دیا اور اس کی جان نکال دی۔

جب کافروں نے یہ دیکھا تو سب کے سب اس پر ٹوٹ پڑے لیکن اس نے بیچ میدان میں سب کا مقابلہ کیا۔ اب تلواریں اور بھالے چلنے لگے یہاں تک کہ خون کے ندی نالے بہنے لگے۔ مسلمان تکبیر اور تہلیل اور رسول اللہ پر درود کے نعرے لگاتے اور دل کھول کر لڑتے تھے اور خدا نے ان کو فتح اور کافروں کو شکست کی ذلت نصیب کی۔

وزیر دندان نے نعرہ لگایا کہ بادشاہ عمر بن النعمان اور اس کے بیٹے شرکان کا بدلہ لو۔ اس نے اپنا سر برہنہ کر لیا اور ترکوں کو للکار کر پکارا۔ چوبیس ہزار سے زیادہ اس کے ایک جانب میں تھے اور وہ سب کے سب ایک دم ٹوٹ پڑے اور کفار کے لیے سوائے بھاگنے کے اور چارہ نہ رہا۔ تیز تلواروں نے ان میں سے تقریباً پچاس ہزار سواروں کا خاتمہ کر دیا اور اس سے زیادہ گرفتار ہوئے تھے۔ جب وہ بھاگ کر دروازے میں

داخل ہونے لگے تو بھیڑ کی وجہ سے وہ کثیر تعداد میں مارے گئے۔ اس کے بعد رومیوں نے دروازہ بند کر لیا اور مارے ڈر کے شہر پناہ پر چڑھ گئے اور مسلمانوں کے جتھے فتح ہو کر اپنے خیموں میں آئے۔ بادشاہ ضوء المکان اپنے بھائی کے پاس آیا اور دیکھا کہ اس کی حالت بہت اچھی ہے اور اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے بھائی کے پاس آ کر اس کی سلامتی پر اسے مبارک باد دی۔ شرکان نے کہا کہ یہ اس پارسا زاہد کی برکت ہے' سوائے اس کی دعا کے جو ہمیشہ قبول ہوتی ہے' تم کبھی کامیاب نہ ہوتے کیونکہ وہ دن بھر بیٹھا مسلمانوں کی فتح یابی کی دعا مانگتا رہا ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو چارویں رات

جب ایک سو چارویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب ضوء المکان اپنے بھائی شرکان کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ عابد کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ خوش ہو گیا اور آگے بڑھ کر اس کی سلامتی پر اس کو مبارک باد دی۔ شرکان نے کہا کہ ہم سب پر اس زاہد کی برکت کا اثر ہے۔ اگر وہ تمہارے لیے دعا نہ کرتا تو تمہیں کبھی فتح نہ ہوتی کیونکہ وہ دن بھر مسلمانوں کے لیے دعا کرتا رہا ہے اور جب میں تمہاری تکبیریں سنتا تھا تو میرا دل مضبوط ہو جاتا تھا اور مجھے یقین ہوتا تھا کہ تم اپنے دشمنوں پر غالب آ رہے ہو۔ اب اے بھائی' تو اپنا حال سنا۔ اس نے سارا واقعہ بیان کیا جو اسے معلون حردوب کے ساتھ پیش آیا تھا اور یہ کہا کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے اور خدا کی لعنت اسے لے گئی ہے۔ جب ذات لدواہی نے جو زاہد کے بھیس میں تھی' اپنے بیٹے بادشاہ حردوب کے قتل کی خبر سنی تو اس کا رنگ زرد پڑ گیا اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے لیکن اس نے اسے پوشیدہ رکھا۔ اس نے اپنے دل میں کہا کی مسیح کہ قسم' میری زندگی بے کار ہو گی اگر میں نے اس کا دل اس کے بھائی شرکان پر نہ جلایا ہو جس طرح کہ اس نے میرا دل عیسائی ملت اور صلیب کے پجاریوں کی پشت پناہ بادشاہ حردوب پر جلایا ہے لیکن یہ باتیں اس نے اپنے دل میں ہی رکھیں۔ وزیر دندان اور بادشاہ ضوء المکان اور حاجب شرکان کے پاس بیٹھے رہے اور اس کے لیے مرہم اور مالش بناتے رہے اور اس کو دوا پلائی یہاں تک کہ وہ بحال ہو گیا اور وہ خوش ہو گئے۔ اس کی خبر انہوں نے لشکر کو دی اور سب مسلمان اس پر خوش ہو گئے اور کہنے لگے کہ وہ کل ہمارے ساتھ محاصرے میں شریک ہو گا۔ اب شرکان نے ان سے کہا کہ تم آج لڑے ہو اور جنگ کرتے کرتے تھک گئے ہو اس لیے تمہیں چاہیے کہ زیادہ مت جاگو بلکہ اپنی اپنی جگہ جا کر سو رہو۔ انہوں

نے اس کا کہنا مان لیا اور اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے اور شرکان کے پاس سوائے چند غلاموں اور بڑھیا ذات الدواہی کے اور کوئی باقی نہ رہا۔ اس نے بڑھیا سے کچھ باتیں کیں اور پھر سونے کے لیے لیٹ گیا اور غلام بھی لیٹ گئے اور ان پر نیند غالب آ گئی اور وہ مردوں کی طرح بے ہوش ہو گئے۔

یہاں تک تو شرکان اور اس کے غلاموں کا قصہ ہوا مگر ان کے سو جانے کے بعد بڑھیا ذات الدواہی اکیلی جاگتی رہی اور جب دیکھا کہ شرکان نیند میں ڈوبا ہوا ہے تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ گنجی لچھنی یا چت کبرا سانپ ہے اور اس نے اپنی کمر سے زہر آلود خنجر نکالا جس کی زد سے پتھر بھی پگھل جاتا اور اسے کھینچ کر شرکان کے پاس پہنچی اور اس کی گردن پر چلا کر اسے ذبح کر ڈالا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس کے بعد وہ دوڑ کر غلاموں کے پاس گئی جو سو رہے تھے اور ان کی گردنیں بھی کاٹ ڈالیں اس ڈر سے کہ کہیں وہ جاگ نہ پڑیں۔ پھر وہ وہاں سے نکل کر بادشاہ کے خیموں کے پاس گئی اور دیکھا کہ پہرے دار ابھی تک سوئے نہیں ہیں اور وہاں سے پھر کر وزیر دندان کے خیمے کے پاس پہنچی مگر دیکھا کہ وہ قرآن کی تلاوت کر رہا ہے۔ وزیر نے اسے دیکھ کر کہا کہ اے زاہد عابد مرحبا۔ جب اس نے وزیر کو یہ کہتے سنا تو اس کا دل کانپنے لگا اور اس نے کہا کہ اس وقت میرے اس جگہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ایک ولی اللہ کی آواز سنی ہے اور میں اس کے پاس جا رہا ہوں۔ وزیر نے اپنے دل میں کہا کہ واللہ' آج رات میں اس زاہد کا پیچھا کروں گا اور اٹھ کر پیچھے ہو لیا۔ جب اس معلونہ نے اس کے پاؤں کی آہٹ سنی اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ اس کے پیچھے آ رہا ہے تو وہ ڈری کہ کہیں اس کا راز نہ کھل جائے اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ اگر میں نے اس کو کوئی چکمہ دیا تو میری فضیحت ہو جائے گی۔ اس لیے وہ دور ہی سے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ اے وزیر' میں اس ولی کے پیچھے جا رہی ہوں تا کہ یہ دیکھوں کہ وہ

کون ہے؟ جب مجھے یہ معلوم ہو جائے گا تو میں اس سے تیرے لیے اجازت مانگوں گی کہ تو بھی اس سے ملے اور تیرے پاس آ کر تجھے خبر دوں گی۔ اگر اس کی اجازت سے پہلے تو میرے ساتھ چلے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ مجھ سے بیزار نہ ہو جائے۔
جب وزیر نے یہ سنا تو شرم کے مارے اسے کچھ جواب نہ دیا اور اسے چھوڑ کر اپنے خیمے کی طرف چلا گیا اور سونے کا ارادہ کیا مگر نیند نہ آئی اور ایسا معلوم ہوا کہ دنیا اس پر ٹوٹے پڑتی ہے۔ اب وہ اٹھ کر اپنے خیمے سے باہر آیا اور دل میں کہنے لگا کہ چلو شرکان کے پاس چل کر صبح تک اس سے باتیں کریں۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا اور شرکان کے خیمے میں گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ خون کے نالے بہہ رہے ہیں اور تمام غلام ذبح کئے ہوئے پڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس نے ایسی زور دار چیخ ماری کہ سب لوگ جاگ پڑے اور اس کی طرف دوڑے اور دیکھا کہ خون بہہ رہا ہے اور وہ واویلا کرنے لگے۔
اب بادشاہ ضوء المکان کی آنکھ کھل گئی اور اس نے پوچھا کہ کیا خبر ہے؟ لوگوں نے بیان کیا کہ تیرا بھائی اور اس کے غلام قتل ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے خیمے میں گیا اور دیکھا کہ وزیر دندان رو پیٹ رہا ہے اور اس کے بھائی کا جسم بے سر کے پڑا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ بے ہوش ہو گیا اور سارا لشکر رونے پیٹنے اور ضوء المکان کے گرد چکر لگانے لگے۔ جب اسے ذرا ہوش آیا تو وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور علیٰ ہذا القیاس وزیر رستم اور بہرام بھی۔ اور حاجب تو چلانے اور واویلا کرنے لگا اور اسے اتنا صدمہ پہنچا کہ اس نے وہاں سے جانے کی اجازت مانگی۔
بادشاہ نے پوچھا کہ آخر میرے بھائی کو کس نے قتل کیا؟ اور وہ زاہد کہاں ہے جو دنیا سے دست بردار ہو چکا ہے؟ وزیر نے کہا کہ یہ آفت اسی شیطان زاہد کی برپا کی ہوئی ہے۔ خدا کی قسم' میرا دل اس سے شروع سے لے کر آخر تک متنفر تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ ریاکاری کرنے والے مکار اور خبیث ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے بادشاہ سے سارا واقعہ بیان کیا اور یہ کہ وہ اس کا پیچھا کرنا چاہتا تھا مگر اس نے اجازت

نہ دی۔ اب تمام لوگ رونے پیٹنے لگے اور خدا سے دعا مانگی کہ وہ زاہد ان کے ہاتھ لگ جائے جو منافق اور نابنجار ہے۔ انہوں نے شرکان کی تجہیز و تکفین کر کے اسے اسی پہاڑی پر دفن کر دی اور اس کی خوبیاں یاد کر کر کے رونے لگے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو پانچویں رات

جب ایک سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ انہوں نے شرکان کی تجہیز و تکفین کر کے اسی پہاڑ پر دفن کر دیا اور اس کی خوبیاں یاد کر کر کے رونے لگے اب وہ لوگ شہر کے دروازے کے کھلنے کا انتظار کرنے لگے لیکن نہ تو دروازہ کھلا اور نہ شہر پناہ پر کوئی دکھائی دیا۔ اس پر سب کو تعجب ہوا اور ضوء المکان کہنے لگا' جب تک میں اپنے بھائی شرکان کا بدلہ نہ لے لوں اور قسطنطنیہ کو تباہ نہ کر ڈالوں اور عیسائی بادشاہوں کو قتل نہ کر لوں اس وقت تک میں یہاں سے نہ ٹلوں گا خواہ اس میں کئی سال لگ جائیں اور میں اس رذیل دنیا سے کوچ کر جاؤں۔ اب اس نے وہ مال منگوایا جو انہوں نے مطروحنی کی خانقاہ سے لوٹا تھا اور لشکریوں کو بلا کر ان میں تقسیم کر دیا اور کسی کو بھی محروم نہ کیا۔ اس نے ہر گروہ میں سے تین تین سو سوار بلوائے اور ان سے کہا کہ یہ خرچ تم اپنے اپنے لوگوں کے گھر پہنچا دوں کیونکہ جب تک میں اپنے بھائی شرکان کا بدلہ نہ لے لوں' یہاں سے نہیں ہٹنے کا۔ خواہ اس میں کئی سال لگ جائیں اور میں یہیں مر مٹوں۔ جب لشکریوں نے یہ سنا تو انہوں نے وہ مال لیا جو اس نے ان کو عطا کیا تھا اور کہنے لگے کہ بسر و چشم۔ ضوء المکان نے قاصدوں کو طلب کر کے انہیں خطوط دیئے اور کہا کہ ان خطوں اور مال کو لشکریوں کے گھر پہنچا دو' ان سے کہنا کہ ہم صحیح و سلامت ہیں اور قسطنطنیہ کا محاصرہ کر رہے ہیں اور یا تو ہم اس کو تباہ کر کے چھوڑیں گے اور یا مر جائیں گے' خواہ اس میں مہینے اور سال کیوں نہ لگ جائیں۔ بغیر اسے فتح کیے ہم یہاں سے نہ جائیں گے۔ اس کے بعد اس نے وزیر دندان سے کہا کہ ایک خط میری بہن نزہت الزماں کو لکھ اور اس میں ہمارا حال اور جو کچھ ہم پر گزری ہے' بیان کر اور یہ لکھ

کہ وہ میرے بیٹے کی اچھی طرح خبر گیری کرے' کیونکہ جب میں روانہ ہوا تھا تو بچہ ہونے والا تھا اور اب ہو چکا ہو گا۔ اگر لڑکا پیدا ہوا ہو جیسا کہ میں نے سنا ہے تو قاصد فوراً واپس آکر مجھے خبر دیں۔ یہ کہہ کر اس نے ان کو کچھ مال دے کر روانہ کیا اور وہ فوراً چل دیئے۔ لوگ ان کو رخصت کرنے کے لیے گئے اور اپنا مال بھی ان کے ہاتھ بھیج دیا۔ جب وہ چلے گئے تو بادشاہ نے وزیر دندان سے کہا کہ لوگوں کو حکم دے کہ وہ شہر پناہ کے قریب جمع ہوں۔ جب وہ جمع ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ شہر پناہ کے اوپر کوئی بھی نہیں ہے۔ اس پر ان کو بڑا تعجب ہوا اور بادشاہ غمگین ہوا اور وہ اپنے بھائی شرکان پر مغموم تھا اور خائن زاہد پر حیران و پریشان۔ تین دن تک وہ اسی حالت میں رہے لیکن انہیں کوئی نظر نہ آیا۔

یہ تو مسلمانوں کا حال تھا۔ اب رومیوں اور ان تین دن تک ان کے جنگ سے غائب ہونے کا حال سنئے۔ جب ذات الدواہی شرکان کو قتل کر چکی تو وہ تیزی کے ساتھ شہر پناہ پر پہنچی اور رومی زبان میں پہرے داروں سے کہا کہ میرے لیے ایک رسی لٹکا دو۔ انہوں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں ذات الدواہی ہوں۔ وہ اسے پہچان گئے اور انہوں نے اس کے لیے رسی لٹکا دی۔ اس نے وہ رسی اپنے باندھ لی اور انہوں نے اسے اوپر کھینچ لیا۔ جب وہ ان کے پاس پہنچی تو بادشاہ افریدون نے اس کے پاس جا کر اس نے کہا کہ یہ کیا خبر ہے جو میں نے مسلمانوں سے سنی ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ میرا بیٹا حردوب مارا گیا۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس پر وہ رونے چلانے لگی اور اتنا روئی کہ افریدون اور سارے حاضرین رو پڑے۔ اب اس نے افریدون سے کہا کہ میں شرکان اور اس کے تیس غلاموں کو ذبح کر آئی ہوں۔ اس پر افریدون خوش ہو گیا اور اس نے اس کے ہاتھ چومے اور اس کا شکریہ ادا کیا اور دعا کی کہ خدا اسے اس کے بیٹے پر صبر عطا کرے۔ اس نے جواب دیا کہ مسیح کی قسم' میں اس سے خوش نہیں ہوں کہ ایک عالی شان بادشاہ کے بدلے مسلمان کتوں میں سے ایک کتا مارا جائے۔ میں ضرور کوئی نہ کوئی ایسی چال چلوں گی اور ایسی ترکیب لڑاؤں گی کہ

بادشاہ ضوء المکان اور وزیر دندان اور حاجب اور رستم اور بہرام اور اس کے لشکر میں سے دس ہزار سواروں کو قتل کر ڈالوں۔ میرے بیٹے کے سر کا بدلہ شرکان نہیں ہو سکتا۔ یہ ہرگز ممکن نہیں۔ اس کے بعد اس نے بادشاہ افریدون سے کہا کہ جہاں پناہ' میں چاہتی ہوں کہ اپنے بیٹے کا سوگ کروں اور چپٹی کو کاٹ پھینک دوں اور صلیبوں کو توڑ ڈالوں۔ افریدون نے کہا کہ جو تیرا جی چاہے کر' میں تیری کسی بات کی مخالفت نہ کروں گا اور تیرا سوگ کتنا ہی لمبا کیوں نہ ہو میرے نزدیک کم ہے کیونکہ وہ خواہ کتنے ہی سال تک ہمارا محاصرہ کیوں نہ کریں' ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور انہیں سوائے تکلیف اور تکان کے کچھ نہ ملے گا۔

جب وہ ملعونہ آفت بپا کر چکی اور مکر و فریب سے فارغ ہو چکی تو اس نے دوات اور کاغذ لیا اور یہ خط لکھا: یہ خط ذات الدواہی کا مسلمانوں کے نام ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے تمہارے ملک میں آکر تمہارے بڑے لوگوں کو دھوکا دیا اور پہلے تمہارے بادشاہ عمر بن النعمان کو اس کے محل کے اندر قتل کیا اور درے اور غار کی لڑائی میں بہت سے لوگوں کو مارا اور آخر میں شرکان اور اس کے غلاموں کو ذبح کیا۔ اگر خدا' نے میرے ساتھ موافقت کی اور شیطان نے میرا کہنا مانا تو میں بادشاہ اور وزیر دندان کو بھی قتل کر کے چھوڑوں گی۔ میں وہی ہوں جو زاہد کے بھیس میں آئی تھی اور تمہارے ساتھ فریب اور حیلے کیئے تھے۔ اگر اس کے بعد تم اپنی سلامتی چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ اور اگر تم اپنے آپ کو ہلاک کرنا چاہتے ہو تو ٹھہرے رہو۔ اگر تم کئی سال بھی یہاں رہو گے' تب بھی اپنی مراد نہ پاؤ گے والسلام"۔ اس خط کے لکھنے کے بعد اس نے تین دن تک بادشاہ حردوب کا سوگ کیا۔ چوتھے دن اس نے ایک سردار کو بلوایا اور کہا کہ اس خط کو تیر میں باندھ کر مسلمانوں کی طرف پھینک دے۔ اس کے بعد وہ کلیسا میں جا کر اپنے بیٹے کے مرنے پر گریہ و زاری کرنے لگی اور اس کے جانشین سے کہا کہ میں ضوء المکان اور اسلام کے باقی سرداروں کو مار کر چھوڑوں گی۔

یہ تو اس کا بیان ہوا۔ اب مسلمانوں کا حال سنئے۔ تین دن انہوں نے رنج و غم میں گزارے

اور جب چوتھا دن ہوا تو انہوں نے شہر پناہ کی طرف ایک سردار کو دیکھا جس کے پاس ایک تیر تھا اور تیر میں خط بندھا ہوا تھا۔ انہوں نے اس تیرے کے پھینکنے کا انتظار کیا اور جب تیر آیا تو بادشاہ نے وزیر دندان سے کہا کہ اس کو پڑھ۔ جب اس نے وہ خط پڑھا اور ضوء المکان نے سنا اور اس کا مطلب اس کی سمجھ میں آیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور اس کے فریب پر وہ چلانے اور پیٹنے لگا۔ وزیر نے کہا کہ میرا دل اس سے ہمیشہ متنفر تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ اس پتریا نے ہمیں کس طرح دو بار دھوکا دیا! لیکن خدا کی قسم، جب تک میں اسے چڑیا کی طرح پنجرے میں نہ بند کر دوں اور اس کو خود اس کے بالوں سے باندھ کر قسطنطنیہ کے دروازے پر سولی نہ چڑھا دوں، یہاں سے نہیں ٹلنے کا۔ اس کے بعد وہ اپنے بھائی کو یاد کر کے رونے لگا۔ ادھر جب ذات الدواہی کفار کے پاس گئی اور انہیں اپنی کارگزاری سنائی تو وہ شرکان کے مارے جانے اور ذات الدواہی کی سلامتی سے بڑے خوش ہوئے۔ اس کے بعد مسلمان قسطنطنیہ کے دروازے کی طرف بڑھے اور بادشاہ نے ان سے یہ وعدہ کیا کہ اگر میں نے یہ شہر فتح کر لیا تو میں سارا غنیمت کا مال تم لوگوں میں برابر تقسیم کر دوں گا۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی کے غم میں اس کے آنسو نہ تھمتے تھے اور اس کا جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا۔ وزیر دندان نے اس کے پاس آ کر کہا کہ غمگین مت ہو کیونکہ تیرا بھائی محض اپنی قضا سے مرا ہے اور رنج و غم کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ رونا پیٹنا بند کر اور ہتھیار اٹھانے کے لیے اپنے دل کو مضبوط کر۔ اس نے کہا کہ اے وزیر، میرا دل باپ اور بھائی کے مرنے کی وجہ سے غم زدہ ہے اور اس وجہ سے بھی کہ ہم اپنے وطن سے دور ہیں۔ میرا دل رعیت میں لگا ہوا ہے۔ یہ سن کر وزیر اور تمام حاضرین رونے لگے اور انہوں نے مدت تک قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔ اسی اثناء میں ایک امیر بغداد سے خبر لے کر پہنچا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ بادشاہ ضوء المکان کی بیوی کے لڑکا بڑا ہو کر بڑا ہونہار نکلے گا کیونکہ ابھی سے اس سے عجیب و غریب باتیں سرزد ہوتی ہیں۔ نزہت الزماں نے عالموں اور واعظوں کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ تمہارے

لیے منبروں پر دعا کریں اور نمازوں میں بھی اس کا انتظام کر دیا ہے۔ ہم سب بخیریت ہیں اور بارش خوب ہوئی اور تیرا دوست بھٹی والا نہایت آرام و آسائش سے ہے اور اس کے پاس بہت سے خادم اور غلام ہیں لیکن اسے اب تک تمہاری خیریت معلوم نہیں ہوئی۔ والسلام۔ ضوء المکان نے کہا کہ اب میری پیٹھ مضبوط ہو گئی ہے کیونکہ خدا نے مجھے بیٹا عطا کیا ہے اور اس کا نام کان ماکان ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو چھویں رات

جب ایک سو چھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب بادشاہ ضوء المکان کو خبر ملی کہ اس کی بیوی کے لڑکا پیدا ہوا ہے تو وہ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ اب میری پیٹھ مضبوط ہو گئی ہے کیونکہ میرے ایک بیٹا ہوا ہے اور اس کا نام کان ماکان ہے۔ اس نے وزیر دندان سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس سوگ کو ختم کر دوں اور اپنے بھائی کے لیے قرآن ختم کراؤں اور خیرات کروں۔ وزیر نے جواب دیا کہ تیرا خیال بہت ٹھیک ہے۔ اس لیے اس نے اپنے بھائی کی قبر پر خیمے گڑوائے اور لشکر میں سے ان لوگوں کو اکٹھا کیا جو قرآن پڑھنا جانتے تھے اور ان میں سے بعض تو قرآن پڑھتے اور بعض صبح تک خدا کے ذکر میں مشغول رہتے تھے اور بادشاہ ضوء المکان قبر پر آتا اور آنسو بہاتا اور اس کے ساتھ سب رونے لگتے۔ ایک بار وہ قبر پر آیا اور مارے غم و الم کے قبر پر گر پڑا اور وزیر شعر پڑھ پڑھ کر رونے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جیسے کہ پروئے ہوئے موتی ہوتے ہیں۔ اس کے بعد شرکان کے ندیموں میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور ایسا رونے لگا جس سے اس کے اندرونی غم کا پتہ چلتا تھا اور شرکان کے احسانوں کا ذکر کرتا جاتا تھا۔ اس کے بعد ضوء المکان اور وزیر دندان واویلا کرنے لگے اور سارے لشکری رونے پیٹنے لگے پھر وہ لوگ اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے اور بادشاہ وزیر دندان کی طرف مخاطب ہو کر جنگ کے بارے میں مشورہ کرنے لگا۔ یہ حالت کئی دن تک جاری رہی اور ضوء المکان رنج و غم کے مارے روتا پیٹتا رہا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ میں لوگوں کے حالات اور بادشاہوں کے قصے اور عاشقوں کی حکایتیں سننا چاہتا ہوں تاکہ میرے دل کا درد دور ہو جائے اور رونا پیٹنا جاتا رہے۔ وزیر نے کہا کہ اگر تیری طبیعت محض اس بات سے بہل سکتی ہے تو بادشاہوں کے عجیب و غریب قصے اور گزشتہ عاشقوں کے حالات سنے

تو کوئی مشکل کام نہیں کیونکہ تیرے مرحوم والد کے زمانے میں سوائے قصہ گوئی اور شعر خوانی کے میرا اور کوئی کام نہ تھا۔ آج رات میں تجھ سے ایک عاشق و معشوق کی کہانی کہوں گا کہ تیرے دل کی تسکین ہو۔ جب ضوء المکان نے وزیر سے یہ سنا اس کا دل اس کے وعدے میں لگا رہا اور رات ہونے کا انتظار کرتا رہا تا کہ سنے کہ وزیر دندان پرانے بادشاہوں اور عاشقوں کی کیا کہانیاں بیان کرتا ہے۔ ابھی پوری طور سے رات بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اس نے موم بتیاں اور قندیلیں جلانے کا حکم دے دیا اور کہا کہ کھانے پینے کی چیزیں اور خوشبو کے آلات لاؤ۔ جب وہ لوگ یہ سب چیزیں لے آئے تو اس نے وزیر کو بلوایا اور وہ حاضر ہوا۔ اس کے بعد اس نے بہرام اور رستم اور ترکاش اور حاجب کو بلوایا اور وہ حاضر ہوئے۔ جب وہ سب حاضر ہو چکے تو اس نے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے وزیر' رات ہو چکی ہے اور اس نے اپنے پردے ہمارے اوپر ڈال دیئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جن کہانیوں کا تو نے وعدہ کیا تھا' وہ سنا۔ وزیر نے جواب دیا کہ بسر و چشم۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• ایک سو ساتویں رات

جب ایک سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب وزیر اور حاجب اور رستم اور بہرام' ضوء المکان کے پاس حاضر ہوئے تو اس نے وزیر دندان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے وزیر' رات ہو چکی ہے اور اس نے اپنے پردے ہمارے اوپر ڈال دیئے ہیں' اب ہم چاہتے ہیں کہ جن کہانیوں کا تو نے وعدہ کیا ہے' وہ سنا۔ وزیر نے جواب دیا کہ بسر و چشم۔

○ تاج الملوک اور شہزادی دیٖا کی کہانی

اے نیک بخت بادشاہ ------ سن ایک کہانی عاشق و معشوق اور ان کے پیغام بر کی' اور وہ عجیب و غریب باتیں جو ان کے درمیان پیش آئی ہیں' جن کے سننے سے غم غلط ہوتا ہے اور اگر حضرت یعقوب کی طرح بھی رنج ہو تو وہ دور ہو جاتا ہے۔ وہ قصہ یہ ہے کہ پرانے زمانے میں اصفہان کے پہاڑوں کے اس طرف ایک شہر تھا جس کا نام مدینہ خضرا تھا اور اس میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا' جس کا نام سلیمان شاہ تھا۔ وہ بڑا بخشش والا اور محسن اور عادل اور امن پسند اور فاضل اور داد گر تھا۔ ہر ملک سے مسافر اس کے پاس آتے اور اس کا ذکر ہر ملک اور ہر شہر میں لوگوں کی زبان پر تھا' اس نے ایک مدت تک عزت اور امن و امان کے ساتھ حکومت کی۔ لیکن اس کے نہ کوئی بیوی تھی اور نہ اولاد۔ اس کا ایک وزیر تھا جو عطا و بخشش میں اس سے کم نہ تھا۔
ایک دن کا واقعہ ہے کہ اس نے اپنے وزیر کو اپنے پاس بلوایا اور کہنے لگا کہ اے میرے وزیر' بیوی بچے نہ ہونے کی وجہ سے میرا دل تنگ ہے اور میری ہمت ٹوٹ گئی اور میرا جسم کمزور ہو گیا ہے۔ یہ کسی بادشاہ کا دستور نہیں رہا ہے جس کی رعایا میں

امیر اور غریب سب ہوں۔ ان کو اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ ان کے بعد ان کی اولاد رہے گی اور وہ روز افزوں ترقی کرتی جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا قول ہے کہ "نکاح کرو اور اپنی نسل کی تعداد بڑھاؤ کیونکہ تمہاری وجہ سے میں قیامت کے دن دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔" اے وزیر' اس میں تیری کیا رائے ہے؟ جو مناسب مشورہ ہو' وہ مجھے دے۔ جب وزیر نے یہ بات سنی تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس نے کہا کہ جہاں پناہ' خدا ایسا نہ کرے کہ میں خدائی باتوں میں دخل انداز ہوں۔ کیا تو چاہتا ہے کہ میں خدا کے غضب میں مبتلا ہوں؟ میری رائے میں تو ایک کنیز خرید لے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ اے وزیر' سن۔ اگر بادشاہ ایک کنیز خریدتا ہے تو اسے اس کا حسب نسب معلوم نہیں ہوتا' اور نہ اس کی طبیعت کی برائیوں کی خبر ہوتی ہے' کہ وہ ان سے بچ سکے اور نہ اچھائیوں کی تاکہ وہ ان سے مانوس ہو۔ اگر اس نے اس کے ساتھ ہم بستری کی اور وہ حاملہ ہو گئی تو اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ لڑکا منافق' ظالم اور خونریزی پیدا کرتا ہے۔ ایسی عورت کی مثال شور زمین کی سی ہوتی ہے! اگر اس میں کوئی چیز بوئی جائے تو وہ اچھی طرح سے پیدا نہیں ہوتی اور جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ دیر تک نہیں رہتی۔ ایسی اولاد پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور وہ خدا کے اوامر و نواہی کی پرواہ نہیں کرتی۔ اس لیے میں کنیز خرید کر ہرگز اس کا سبب نہیں ہونا چاہتا بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تو کسی بادشاہ کی بیٹی سے میری نسبت کرائے جس کا حسب نسب سب جانتے ہوں اور جس کے حسن و جمال کی سب تعریف کرتے ہوں۔ اگر تو میرے لیے کوئی ایسی لڑکی پیدا کرے جو حسب و نسب والی اور کسی مسلمان بادشاہ کی بیٹی ہو تو میں اس کے پاس پیغام بھیجوں گا اور گواہوں کی شہادت کے ساتھ اس سے نکاح کروں گا تاکہ خدا مجھ سے راضی ہو۔

وزیر نے جواب دیا کہ خدا نے تیری آرزو پوری کر دی اور تیری مراد حاصل ہو گئی۔ میں نے سنا ہے کہ ارض بیضا کے بادشاہ زہر شاہ کی ایک بیٹی ہے جو حسن و جمال میں یکتا ہے اور جس کی تعریف سے زبان قاصر ہے اور جس کی نظیر اس زمانے میں موجود

نہیں کیونکہ وہ خوبروئی میں مکمل ہے اور قد میں متعدل۔ اس کی آنکھیں کالی کالی اور بال لمبے لمبے اور کمر پتلی اور کولہے بھاری۔ جب وہ سامنے آتی ہے تو فتنہ بپا کرتی ہے اور جب پیٹھ پھیر کر جاتی ہے تو قتل کرتی ہے اور دلوں اور آنکھوں دونوں پر برابر جادو کرتی ہے۔ جب وزیر اس لڑکی کی تعریف کر چکا تو وہ سلیمان شاہ سے کہنے لگا کہ میری رائے یہ ہے کہ تو اس کے باپ کے پاس ایک ایسا ایلچی بھیجے جو ہوش مند اور باخبر اور تجربہ کار ہو تاکہ وہ تیری نسبت کا پیغام اس کے باپ کو نہایت سلیقے سے دے کیونکہ اس کی مثال نہ قریب کے ملکوں میں پائی جاتی ہے اور نہ دور کے اور تجھے اس سے بڑا خط حاصل ہو گا اور خدا تجھ سے خوش ہو گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے "اسلام میں رہبانیت نہیں۔"

یہ سن کر بادشاہ بے حد مسرور ہوا اور اس کا دل باغ باغ ہو گیا اور اس کا رنج مٹ گیا اور وہ وزیر کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے وزیر' یہ کام سوائے تیرے اور کوئی نہیں کر سکتا کیونکہ تو عقل و شعور میں کمال رکھتا ہے۔ اب تو گھر جا کر خانہ داری کے امور طے کر اور تیار ہو کر کل روانہ ہو جا اور اس لڑکی کے لیے پیغام لے جا کیونکہ تیرے بیان کی وجہ سے اس کی جگہ میرے دل میں ہو گئی ہے اور بغیر اس کے مت لوٹیو۔ وزیر نے کہا کہ بسر و چشم اور گھر جا کر جواہرات اور نفیس چیزیں منگوائیں جو بادشاہوں کو ہدیئے میں دی جا سکتی ہیں اور جو وزن میں کم اور قیمت میں زیادہ ہوں۔ ان کے علاوہ اس نے عربی گھوڑے اور داؤدی زرہیں اور مال و دولت کے صندوق لیے جن کی تعریف زبان سے نہیں ہو سکتی۔ ان سامانوں کو اس نے خچروں اور اونٹوں پر لادا اور سو فیصد حبشی غلام اور سو کنیزیں لے کر وزیر جھنڈوں اور علموں کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے اسے بادشاہ کا یہ حکم ملا تھا کہ بہت جلد واپس آئیو۔

جب وہ روانہ ہو گیا تو سلیمان شاہ کے دن نہایت بے چینی سے گزرے اور وہ دن رات اسی لڑکی کی محبت میں گرفتار رہتا تھا۔ ادھر وزیر دن رات میدانوں اور بیابانوں کو طے

کرتا چلا جاتا تھا' یہاں تک کہ اس کے اور اس شہر کے درمیان جہاں وہ جا رہا تھا محض ایک دن کی راہ باقی رہ گئی۔ یہاں وہ ایک دریا کے کنارے اتر پڑا اور اپنے ایک خاص شخص کو بلا کر حکم دیا کہ تو زہر شاہ کے پاس فوراً جا کر میرے آنے کی خبر دے۔ اس نے کہا کہ بسر و چشم اور فوراً اس شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو یہ اتفاق ہوا کہ اسی وقت بادشاہ زہر شاہ کے دروازے کے سامنے اپنے ایک "ہوا محل" میں بیٹھا ہوا تھا اور اسے آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ یہ کوئی پردیسی ہے تو اس نے حکم دیا کہ اسے یہاں لاؤ۔ ایلچی آیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ ارض خضرا اور جبال اصفہان کے بادشاہ سلیمان شاہ کا وزیر آ رہا ہے۔ اس پر بادشاہ زہر شاہ خوش ہو گیا اور ایلچی کا بہت اچھی طرح سے خیر مقدم کیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر محل گیا اور اس سے پوچھا کہ تو نے وزیر کو کس جگہ چھوڑا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اسے آج صبح فلاں دریا کے کنارے چھوڑا ہے اور وہ کل تیری خدمت میں پہنچ جائے گا' خدا تجھے اپنی نعمتیں ہمیشہ دے اور تیرے والدین پر رحم کرے! زہر شاہ نے اپنے ایک وزیر کو حکم دیا کہ سلیمان شاہ کی تعظیم کی خاطر تو بڑے بڑے خواصوں اور حاجبوں اور نوابوں اور حکومت کے اراکین کو لے کر وزیر کو خیر مقدم کے لیے جا کیونکہ اس کا حکم تمام دنیا پر چلتا ہے۔

یہ تو زہر شاہ کا قصہ ہوا۔ اب وزیر کا حال سنئے۔ وہ آدھی رات تک اس جگہ ٹھہرا رہا اور اس کے بعد وہ شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب صبح نمودار ہوئی اور پہاڑوں اور وادیوں میں سورج چمکا تو اس کو خبر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ زہر شاہ کا وزیر حاجب اور ملک کے دوسرے اراکین اور حکومت کے خاص خاص لوگ اس کے پاس پہنچ گئے اور ابھی شہر تک پہنچنے میں کئی فرسخ باقی تھے۔ وزیر کو یقین آ گیا کہ اب میری مراد بر آئی ہے اور ان لوگوں کو سلام کیا جو اس سے ملنے آئے تھے۔ اب وہ لوگ برابر اس کے آگے آگے چلتے رہے یہاں تک کہ وہ بادشاہ کے محل میں پہنچ گئے اور محل

کے دروازے کی ساتویں دہلیز پر اترے جہاں کوئی شخص سواری پر نہیں جا سکتا تھا۔ کیونکہ وہ جگہ بادشاہ کے قریب تھی' لہٰذا وزیر گھوڑے پر سے اتر کر پیادہ پا ہو لیا اور چلتے چلتے

ایک اونچے ایوان میں پہنچا جس کے صدر میں مرمر کا ایک تخت پڑا ہوا تھا' جس میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے اور جس کے چاروں پائے ہاتھی دانت کے تھے۔
اس تخت پر سبز اطلس کا فرش تھا اور اس پر سرخ سونے کے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔
تخت کے اوپر ایک شامیانہ تھا جو موتیوں اور جواہرات سے جڑا ہوا تھا۔ اس تخت پر زہر شاہ جلوہ افروز تھا اور حکومت کے اراکین اس کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے تھے
جب وزیر اس کے پاس پہنچا اور اس کے روبرو کھڑا ہوا تو اس کا دل مطمئن ہو گیا اور اس کی زبان کھل گئی اور اس نے وزیرانہ فصاحت اور بلیغانہ لسانیت سے گفتگو شروع کی۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو آٹھویں رات

جب ایک سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب بادشاہ سلیمان کا وزیر بادشاہ زہر شاہ کے پاس پہنچا اور اس کا دل مطمئن ہو گیا اور اس کی زبان کھل گئی اور اس نے وزیرانہ فصاحت اور بلیغانہ لسانیت سے گفتگو شروع کی اور نہایت ادب سے اس کو مخاطب کیا۔ بادشاہ زہر شاہ نے اسے اپنے قریب بلایا اور نہایت عزت و احترام سے اپنے پہلو میں جگہ دی اور ہنس مکھ چہرہ بنا کر اس سے میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگا۔ صبح تک یہی عالم رہا۔ اب اس ایوان میں کھانا لایا گیا۔ جب سب لوگ کھا کر سیر ہو گئے تو دسترخوان بڑھایا گیا اور تمام حاضرین رخصت ہو گئے اور سوائے خاص درباریوں کے اور کوئی باقی نہ رہا۔ جب وزیر نے دیکھا کہ اب خلوت ہے تو وہ اٹھا اور اس نے بادشاہ کی تعریف کی اور اس کے آگے زمین بوس ہوا اور کہنے لگا کہ اے عالی شان بادشاہ اور زبردست آقا' میں جو تیرے پاس تیزی کے ساتھ آیا تیری خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ وہ ایک کام سے ہے جس میں تیرے لیے بھلائی اور فلاح اور فائدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نکاح کا پیغام لے کر تیرے پاس آیا ہوں اور تیری باحسب و نسب بیٹی کی نسبت بادشاہ سلیمان شاہ سے کرانا چاہتا ہوں جو بڑا عادل اور صلح پسند اور فاضل اور داد گر ہے اور جس کی حکومت ارض خضرا اور جبل اصفہان پر ہے۔ اس نے تیرے لیے بہت سے ہدیے اور طرح طرح کے تحفے بھیجے ہیں اور وہ تجھ سے رشتہ چاہتا ہے۔ کیا تجھے یہ رشتہ منظور ہے؟ یہ کہ کر وزیر چپ ہو گیا اور اس کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

جب بادشاہ زہر شاہ نے یہ باتیں سنیں تو وہ سروقد کھڑا ہو گیا اور تعظیماً زمین کو بوسہ دیا۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ بادشاہ ایلچی کے آگے ایسی انکساری کا اظہار کرتا ہے اور ان کی عقلیں دنگ رہ گئیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے خدا کی حمد و ثناء کی اور کھڑے

کھڑے کہنے لگا کہ اے بزرگ وزیر اور محترم آقا' میری گفتگو سن۔ میں اپنے آپ کو بادشاہ سلیمان شاہ کی رعیت سمجھتا ہوں اور اس کے ساتھ نسبت کرنا ہمارے لیے شرف کا باعث ہے اور میں خود اس نسبت کی دل سے آرزو رکھتا ہوں اور میری بیٹی اس کی کنیز ہے اور اس سے بڑھ کر میری کیا آرزو ہو سکتی ہے کہ وہ میرا سہارا اور پشت پناہ ہو۔ یہ کہہ کر اس نے قاضیوں اور گواہوں کو طلب کیا اور انہوں نے گواہی دی کہ بادشاہ سلیمان شاہ نے اپنے وزیر کو نکاح کا وکیل بنا کر بھیجا ہے اور بادشاہ زہر شاہ بخوشی اپنی بیٹی کی وکالت کرتا ہے۔ قاضیوں اور گواہوں نے نکاح باندھ دیا اور دونوں کے لیے کامیابی کی دعا کی۔

اب وزیر نے کھڑے ہو کر تمام ہدیے اور نفیس تحفے بادشاہ زہر شاہ کے پیش کش کیے۔ اس کے بعد بادشاہ نے اپنی بیٹی کا جہیز تیار کرانا شروع کیا اور وزیر کا بہت احترام کیا اور ہر چھوٹے بڑے کو ولیمے کی دعوت دی اور دو مہینے تک خوشیاں رچاتا رہا اور کوئی ایسی چیز نہ چھوڑی جس سے دل اور آنکھ کو فرحت حاصل نہ ہو سکتی ہو۔ جب دلہن کی ساری ضروریات پوری ہو چکیں تو بادشاہ نے خیمے نکلوائے اور ان کو شہر کے باہر لگوایا اور کپڑوں کو صندوق کے اندر بند کیا اور رومی اور ترکی کنیزوں کو آراستہ و پیراستہ کیا اور دلہن کے ہمراہ نفیس چیزیں اور قیمتی جواہرات کیے۔ اس کے لیے سرخ سونے کا محل بنوایا گیا تھا اور اس میں موتی اور جواہرات جڑے گئے تھے جہیز بیس خچروں پر لادا گیا تھا اور محل ایسا تھا جیسا کہ محل کا کمرہ اور محل والی خوبصورت حوروں میں سے ایک حور تھی اور اس کی قیام گاہ گویا جنت کا ایک محل تھا۔ اب سارا جہیز اور مال لاد کر جمع کیا گیا اور انہوں نے اسے خچروں اور اونٹوں پر لادا۔ بادشاہ زہر شاہ تین فرسخ تک ان کے ہمراہ گیا اور وہاں وزیر اور اس کے ہمراہیوں کو رخصت کر کے خوش و خرم اپنے گھر واپس آیا۔

ادھر وزیر شاہزادی کو لے کر روانہ ہو گیا اور جنگل اور بیابان طے کرتا ہوا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• ایک سو نویں رات

جب ایک سو نویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ وزیر شہزادی کو لے کر روانہ ہو گیا۔ جنگل اور بیابان طے کرتا اور دن رات تیز رفتاری سے چلتا ہوا اپنے شہر سے تین روز کی راہ پر پہنچ گیا۔ وہاں اس نے بادشاہ سلیمان شاہ کو دلہن کے آنے کی خبر بھیجی اور ایلچی نے تیزی کے ساتھ جا کر بادشاہ کو خبر کی کہ دلہن آ رہی ہے۔ بادشاہ سلیمان شاہ خوش ہو گیا اور اس نے ایلچی کو خلعت عطا کی اور لشکر کو حکم دیا کہ بڑے جلوس کے ساتھ روانہ ہوں اور دلہن اور اس کے ساتھیوں کا بڑے احترام کے ساتھ خیر مقدم کریں اور اپنی بہترین وردیاں پہن کر اور سر پر جھنڈے اڑاتے ہوئے جائیں۔ ادھر انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور روانہ ہو گئے اور ادھر شہر میں ڈھنڈورا پٹوا دیا گیا کہ کوئی کنواری پردہ نشین یا محترم آزاد عورت یا ضعیف بڑھیا ایسی نہ ہونا چاہیے جو دلہن کو دیکھنے نہ آئے۔ اس لیے سب کی سب اسے دیکھنے اور بڑی سے بڑی بیگمیں اس کی خدمت کرنے کے لیے ادھر ادھر دوڑتی تھیں۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ دلہن کو رات کے وقت بادشاہ کے محل میں لائیں اور حکومت کے اراکین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ راستوں کو سجائیں اور وہاں ٹھہرے رہیں۔ جب تک کہ دلہن غلاموں اور کنیزوں کے ہمراہ اور اپنے باپ کی دی ہوئی پوشاک پہنے ہوئے وہاں سے گزر نہ جائے۔ دلہن وہاں پہنچی تو لشکر اس کے داہنے بائیں ہو لیا اور محمل چلتے چلتے محل کے قریب پہنچ گیا۔ کوئی ایسا نہ تھا جو اس کا تماشہ دیکھنے نہ نکلا ہو۔ ڈھول بجتے جاتے تھے اور نیزوں کے کرتب ہوتے جاتے تھے اور بگل شور مچاتے جاتے تھے اور خوشبوئیں مہک رہی تھیں اور جھنڈے لہلہا رہے تھے اور گھوڑے ایک دوسرے سے سبقت کر رہے تھے اور یہاں تک کہ وہ محل کے دروازے پر پہنچ گئے اور غلام

محمل کو لے کر پردہ سرا میں داخل ہوئے اور اس کے حسن سے سارا محل چکا چوند ہو گیا اور اس کی زیب و زینت سے چاروں طرف روشنی پھیل گئی۔

جب رات ہوئی تو غلاموں نے پردہ سرا کے پردے اٹھا دیئے اور احتیاط کے ساتھ دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں دلہن نکلی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا تاروں کے درمیان چاند ہے یا موتیوں کے ہار میں ایک بے بہا موتی۔ وہاں سے نکل کر وہ خلوت خانے میں داخل ہوئی جہاں اس کے لیے ایک مرمر کا تخت بچھایا گیا تھا جس میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس تخت پر وہ جلوہ افروز ہوئی اور بادشاہ اس کے پاس آیا اور خدا نے اس کی محبت اس کے دل میں ڈال دی اور بادشاہ ایک مہینے تک اس کے ساتھ رہا مگر وہ پہلی رات ہی حاملہ ہو چکی تھی۔ جب مہینہ پورا ہوا تو وہ نکل کر حکومت کے تخت پر بیٹھا اور اپنی رعیت کے ساتھ عدل و انصاف کرنے میں مشغول ہو گیا یہاں تک کہ اس کی بیوی کے حمل کے ایام پورے ہو گئے اور نویں مہینے کے آخری دن صبح کو اسے زچہ کا درد محسوس ہوا اور وہ ولادت کی کرسی پر بیٹھی۔ خدا نے اس کی ولادت آسان کر دی اور اس کے لڑکا پیدا ہوا جس کے چہرے سے نیک بختی کے آثار نمودار تھے۔ جب بادشاہ کو بیٹے کے پیدا ہونے کی خبر ملی تو وہ بہت خوش ہوا اور قاصد کو بہت کچھ انعام دیا۔ مارے خوشی کے وہ بیٹے کے پاس آیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان اسے بوسہ دیا اور اس کی خوبصورتی پر اسے تعجب ہوا۔ دائیوں نے بچے کو لے کر اس کی نال کاٹی اور اس کی آنکھوں میں سرمہ لگایا۔ اس کا نام تاج الملوک فاران رکھا گیا اور اسے محبت کا دودھ پلایا گیا اور اقبال کی گود میں اس نے پرورش پائی۔ اسی طرح دن اور سال گزرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کی عمر سات سال ہو گئی۔ اب بادشاہ سلیمان نے علماء اور حکما کو طلب کیا اور حکم دیا کہ وہ اسے خوش خطی اور حکمت اور آداب کی تعلیم دیں۔ چند سال کے بعد وہ تمام چیزیں پڑھ کر فارغ ہو گیا۔ جب وہ ان تمام علوم میں ماہر ہو چکا جو بادشاہ چاہتا تھا تو اس نے اسے معلموں اور فقہا سے اٹھا کر ایک استاد کے سپرد کیا جو اس کو شہ سواری سکھائے استاد اس کو شہ سواری

کی تعلیم دیتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی عمر چودہ سال ہو گئی۔ جب وہ کسی کام کے لیے باہر جاتا تو جو اس کو دیکھتا' اس پر فریفتہ ہو جاتا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

ایک سو دسویں رات

جب ایک سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ جب سلیمان شاہ کا بیٹا تاج الملوک فاران شہ سواری میں ماہر ہو گیا اور اس فن میں کوئی اس کا ہم پلہ نہ رہا تو جب کبھی وہ کسی کام کے لیے باہر جاتا تو اس کے انتہائی حسن کی وجہ سے جو سے دیکھتا' اس پر فریفتہ ہو جاتا' یہاں تک کہ لوگ اس کی تعریف میں اشعار نظم کرتے اور اس کی خوبصورتی کی وجہ سے بڑے شرفا اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتے۔ جب وہ اٹھارہ سال کا ہوا تو اس کے سرخ و سفید رخساروں پر سبزہ کا آغاز ہوا اور ایک تل نے جو عنبر کے دانے کی طرح تھا' سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ لوگوں کی عقلیں اور نظریں اس پر محو ہونے لگیں۔ جب وہ اس طرح جوان ہو گیا اور اس کی خوبصورتی اور بھی نکھر آئی تو اس کے دوست احباب سب کی یہی تمنا تھی کہ باپ کے مرنے کے بعد وہی بادشاہ ہو اور وہ لوگ اس کے امرا بنیں۔ شہزادے کو سیرو شکار سے بہت شوق پیدا ہو گیا اور وہ ایک پہر کے لیے بھی اس سے دست بردار نہ ہونا چاہتا تھا مگر اس کا باپ سلیمان شاہ اسے ہمیشہ اس سے منع کرتا تھا۔ اس ڈر سے کہ کہیں جنگل کے وحشی جانوروں سے اسے نقصان نہ پہنچے لیکن شہزادہ اس سے باز نہ آتا تھا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ اس نے اپنے خادموں سے کہا کہ دس دن کا کھانا پینا اور چارہ دانہ ساتھ لے لو' اور انہوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ جب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سیرو شکار کے لیے روانہ ہوا تو چار دن تک جنگل میں چلتے چلتے وہ لوگ ایک سبزہ زار میں پہنچے اور دیکھا کہ وہاں جنگلی جانور چر رہے ہیں اور درخت پھلوں سے لدے ہوئے ہیں اور چشمے بہہ رہے ہیں۔ تاج الملوک نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ ایک بڑے حلقے میں یہاں جال ڈال دو اور فلاں جگہ پر حلقے کے پاس ہم سب ملیں گے۔ انہوں

نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور اس جگہ ایک بڑے حلقے میں جال بچھا دیئے۔ طرح طرح کے ہرن اور دوسرے وحشی جانور وہاں آکر جمع ہوئے اور لوگوں کو دیکھ کر شور مچانے لگے اور گھوڑوں کو دیکھ کر بھاگنے لگے۔ لہٰذا انہوں نے شکاری کتے اور تیندوے شکرے ان پر چھوڑ دیئے۔ اور ان کی طرف تیر چلانے اور ان کو مار کر گرانے لگے۔ ابھی وہ حلقے کے آخر تک نہ پہنچے تھے کہ بے شمار جنگلی جانور ان کے ہاتھ لگے اور جو رہ گئے تھے' بھاگ گئے۔ اس کے بعد تاج الملوک چشمے کے کنارے اترا اور شکار منگوا کر انہیں تقسیم کیا اور خاص خاص جنگلی جانور اپنے باپ سلیمان شاہ کے لیے علیحدہ رکھے اور انہیں بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ باقی جانور اس نے اپنے اراکین میں تقسیم کئے اور رات اسی جگہ بسر کی۔

جب صبح ہوئی تو ایک بڑا قافلہ وہاں پہنچا جس کے ساتھ بہت سے تاجر اور سفید اور کالے غلام تھے۔ اس قافلے نے بھی اس چشمے اور سبزہ زار پر ڈیرے ڈنڈے ڈال دیئے۔ جب تاج الملوک نے انہیں دیکھا تو اس نے اپنے ایک درباری سے کہا کہ ان لوگوں کا حال دریافت کر کے مجھے بتا کہ وہ یہاں کیوں اترے ہیں؟ جب فرستادہ ان کے پاس پہنچا تو ان سے کہنے لگا کہ جلد بتاؤ کہ تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم تاجر ہیں اور یہاں آرام کرنے کے لیے اترے ہیں کیونکہ ہم دور سے چل کر آئے ہیں۔ یہاں ہم نے اس لیے منزل کی ہے کہ ہمیں بادشاہ سلیمان شاہ اور اس کے بیٹے کی طرف سے اطمینان ہے اور جو کوئی بھی اس کی حکومت میں اترتا ہے وہ امن میں رہتا ہے۔ ہم شہزادے تاج الملوک کے لیے نفیس کپڑے لے کر آئے ہیں۔ یہ سن کر فرستادہ شہزادے کے پاس واپس آیا اور جو کچھ اس نے تاجروں سے سنا تھا' وہ بیان کیا۔ شہزادے نے کہا کہ چوں کہ وہ میرے لیے کچھ چیزیں لائے ہیں لہٰذا میں جب تک ان سے نہ مل لوں یہاں سے نہ ٹلوں گا اور شہر نہ جاؤں گا یہ کہہ کر وہ سوار ہو گیا اور اس کے غلام اس کے پیچھے پیچھے ہو لیے یہاں تک کہ وہ قافلے کے پاس پہنچ گیا۔ تاجر اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور اس کے لیے نصرت اور اقبال اور

عزت کے دوام اور بزرگیوں کی دعا مانگی اور سرخ اطلس کا خیمہ اس کے لیے نصب کیا جس میں موتیوں اور جواہرات کے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے اور اس کے لیے انہوں نے ریشمی فرش پر شاہی گدے لگائے جس کا سرہانہ[1] زمرد سے کڑھا ہوا تھا۔

تاج الملوک بیٹھ گیا اور غلام ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور تاجروں کو بلوا کر اس نے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے' لا کر دکھاؤ۔ تاجر اپنا اپنا مال اس کے پاس لائے اور اس نے دیکھ کر جو چیزیں اس کے قابل تھیں لے لیں اور ان کی پوری قیمت ادا کر دی۔ اس کے بعد وہ سوار ہو کر روانہ ہو ہی رہا تھا کہ اس کی نظر قافلے پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ ان میں ایک خوبصورت نوجوان ہے جس کی پوشاک نفیس اور چہرہ خوبصورت ہے' پیشانی آب و تاب والی اور منہ چاند کا سا' لیکن اس جوان کا حلیہ بدلا ہوا اور رنگ زرد پڑ گیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ احباب کا فراق اسے غم زدہ کیے ہوئے ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• ایک سو گیارہویں رات

جب ایک سو گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ تاج الملوک کی نظر قافلے پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ ان کے درمیان ایک خوبصورت نوجوان ہے جس کی پوشاک نفیس ہے اور چہرہ خوبصورت' پیشانی آب و تاب والی اور منہ چاند سا۔ لیکن اس جوان کا حلیہ بدلا ہوا ہے اور رنگ زرد پڑ گیا ہے۔ گویا وہ احباب کی جدائی کے صدمے اٹھا رہا ہے اور بہت رو پیٹ رہا ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور وہ درد آمیز اشعار پڑھ رہا ہے۔ جب وہ اشعار پڑھ چکا تو رونے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد بے ہوش ہو گیا۔ تاج الملوک اس کو دیکھ رہا تھا اور اس کے حال پر حیران تھا۔ جب اسے ذرا افاقہ ہوا تو وہ کھوکھلی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے اور پھر اشعار پڑھنے لگا۔ اس کے بعد اس نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی اور بے ہوش ہو گیا۔

جب تاج الملوک نے اسے اس حالت میں دیکھا تو وہ حیران ہو گیا اور چل کر اس کے پاس گیا۔ جب اس کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ شہزادہ اس کے پاس کھڑا ہے اور وہ فوراً اٹھ کر اس کے آگے زمیں بوس ہوا۔ تاج الملوک نے کہا کہ تو اپنا مال ہمارے سامنے کیوں نہیں لایا؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے مالک' میرے سامان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو تیرے قابل ہو۔ تاج الملوک نے کہا کہ اپنا سامان ضرور مجھے دکھا اور اپنا حال سنا کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو رو رہا ہے اور غم زدہ ہے۔ اگر تو مظلوم ہے تو میں ظلم کی تلافی کر دوں گا اور اگر مقروض ہے تو تیرا قرضہ ادا کر دوں گا۔ جب سے میں نے تجھے دیکھا ہے میرے دل میں آگ لگی ہوئی ہے۔

اب تاج الملوک نے دو کرسیاں منگوائیں اور انہوں نے ایک کرسی لا کر رکھی جو ہاتھی دانت اور آبنوس کی تھیں اور جس کی جالی سونے اور ریشم کی تھی اور اس جوان کے

لیے انہوں نے ریشمی فرش بچھایا۔ تاج الملوک کرسی پر بیٹھ گیا اور جوان کو فرش پر بٹھایا اور اس سے کہنے لگا کہ اب سامان دکھا۔ جوان نے کہا کہ اس کا ذکر مت کر کیونکہ میرا مال تیرے شان کے قابل نہیں۔ تاج المَلوک نے کہا کہ تجھے دکھانا ہو گا اور ایک غلام کو حکم دیا کہ اس کا مال لے آئے اور وہ زبردستی لے آیا۔ جب جوان نے اپنا سامان دیکھا تو اس کے آنسو بہنے لگے اور وہ رونے اور آہیں بھرنے اور شکوہ شکایت کرنے لگا اور اس کی ہچکی بندھ گئی اور وہ اشعار پڑھ کر گانے لگا اس کے بعد اس نے اپنا سامان کھولا اور ایک ایک کر کے تاج الملوک کو دکھانے لگا۔ منجملہ اور چیزوں کے ایک اطلس کی پوشاک تھی جس میں سونے کا کام تھا جس کی قیمت دو ہزار دینار تھی۔ جب تاج الملوک نے اسے کھولا تو اس کے بیچ میں سے ایک ٹکڑا کپڑے کا نکل پڑا۔ جوان نے جلدی سے اسے لے کر اپنی ران کے نیچے دبا لیا اور بے ہوش ہو گیا اور اسی حالت میں اشعار گانے لگا۔ تاج الملوک کو اس کی شعر خوانی پر بڑا تعجب ہوا مگر اسے اس کا سبب معلوم نہ ہو سکا۔ جب اس نے وہ ٹکڑا لے کر اپنی ران کے نیچے دبا لیا تو تاج الملوک نے پوچھا کہ یہ کیا کپڑا ہے؟ اس نے کہا کہ اے میرے مالک تجھے اس ٹکڑے کی کوئی ضرورت نہیں۔ شہزادے نے کہا کہ دکھا تو سہی' اس نے کہا کہ اسی کپڑے کی وجہ سے تو میں اپنا مال تجھے نہیں دکھاتا تھا کیونکہ میرے لیے ممکن نہیں کہ وہ میں تجھے دکھاؤں۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو بارہویں رات

جب ایک سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ اس جوان نے تاج الملوک سے کہا کہ اس کپڑے کی وجہ سے تو میں اپنا مال تجھے نہ دکھاتا تھا کیونکہ میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ میں وہ کپڑا تجھے دکھاؤں۔ تاج الملوک نے کہا کہ میں ضرور دیکھوں گا اور اصرار کیا اور ناراض ہوا۔ اس پر جوان نے اس کپڑے کو ران کے نیچے سے نکالا اور رونے اور آہیں بھرنے اور شکوہ شکایت کرنے لگا اور بہت سی آہیں بھر کر اشعار گا کر پڑھنے لگا۔ جب وہ اشعار گا چکا تو تاج الملوک نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تیری حالت ابتر ہے۔ بتا کہ تو اس کپڑے کو دیکھ کر کیوں روتا ہے؟ جب جوان نے کپڑے کا نام سنا تو وہ آہیں بھرنے لگا اور کہا کہ اے میرے مالک میرا قصہ اور میری حالت عجیب و غریب ہے جو اس کپڑے کے ٹکڑے اور اس کی مالکہ اور ان تصویروں کے بنانے والی کے ساتھ پیش آئی۔ یہ کہہ کر اس نے وہ کپڑا کھول کر پھیلا دیا اور تاج الملوک نے دیکھا کہ اس میں ایک ہرن کی تصویر' ریشم اور سنہری کلابتوں سے بنی ہوئی ہے۔ اس ہرن کے سامنے ایک اور ہرن کی تصویر ہے جو روپہلے کلابتوں سے کڑھی ہوئی ہے۔ اس ہرن کے گلے میں سرخ سونے کا ایک طوق پڑا ہوا ہے جس میں زبرجد کے تین نگ جڑے ہیں۔ جب تاج الملوک نے اس زردوزی کی خوبصورتی کو ملاحظہ کیا تو بے ساختہ اس کی زبان سے نکل پڑا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے انسان کو وہ چیز سکھائی جو اسے نہ آتی تھی۔ تاج الملوک کا دل اس کے قصے میں لگا ہوا تھا۔ اس نے جوان سے کہا کہ اپنا قصہ سنا جو تجھے اس ہرن والی کے ساتھ پیش آیا۔

○ عزیزہ اور اس کی کہانی

جوان نے کہا کہ اے میرے آقا سن۔ میرے باپ کا شمار بڑے تاجروں میں تھا لیکن میرے سوا اس کی کوئی اور اولاد نہ تھی اور میرے ایک چچیری بہن تھی جس کی تربیت میرے ساتھ میرے باپ کے گھر میں ہوئی تھی کیونکہ اس کا باپ مر چکا تھا اور مرنے سے پہلے اس نے میرے باپ سے یہ شرط لے لی تھی کہ وہ میری شادی اس کے ساتھ کرے۔ جب میں بالغ ہو گیا اور وہ بالغہ تو انہوں نے نہ اس کا پردہ مجھ سے کرایا اور نہ میرا اس سے۔ میرے باپ نے میری ماں سے اس کے متعلق گفتگو کی اور کہا کہ اسی سال ہم عزیز کا عقد عزیزہ سے کر دیں گے اور دونوں والدین اس پر رضا مند ہو گئے اور میرے باپ نے ولیمہ کا سامان کرنا شروع کر دیا۔ ادھر تو یہ ہو رہا تھا اور ادھر میں اور میری چچیری بہن باہم ایک ہی فرش پر سوتے تھے اور ہمیں کچھ خبر نہ تھی لیکن وہ مجھ سے زیادہ باعقل و شعور تھی۔ جب میرے باپ نے شادی کا سامان تیار کر لیا اور سوائے اس کے اور کچھ باقی نہ رہا کہ نکاح نامہ لکھوا لیا جائے اور میں اس کے ساتھ ہم بستر ہوں تو میرے باپ نے ارادہ کیا کہ جمعہ کے روز نماز کے بعد نکاح نامہ مرتب ہو۔ اس کے بعد میرا باپ اپنے تاجر دوستوں کے پاس گیا اور انہیں اس کی خبر کی اور میری ماں اپنی سہیلیوں اور اپنے رشتے داروں کے پاس گئی اور اس کو دعوت دے آئی۔ جب جمعہ کا دن ہوا تو براتیوں کے بیٹھنے کا کمرہ دھلوایا گیا اور اس کا مرمر خوب صاف کیا گیا اور سارے مکان میں فرش بچھوایا گیا اور ہر ضرورت کی چیز مہیا کی گئی اور دیواروں پر سنہری پردے ڈالے گئے اور لوگ تیار ہو گئے کہ جمعہ کی نماز کے بعد ہمارے گھر آئیں۔ میرے باپ نے جا کر حلوے اور مٹھائیوں کی سینیاں تیار کیں اور سوائے نکاح نامے کے اور کوئی چیز باقی نہ رہی۔

اب میری ماں نے مجھے حمام بھیجا اور میرے پیچھے بہترین لباس کا ایک جوڑا بھجوایا۔ حمام سے نکل کر میں نے اس جوڑے کو پہن لیا اور وہ عطر میں بسا ہوا تھا۔ جب میں اسے پہن کر چلا تو اس کی خوشبو سے تمام راستے مہک اٹھے۔ اب میں جامع مسجد جانے کا

ارادہ کر ہی رہا تھا کہ مجھے اپنا ایک دوست یاد آیا اور میں اس کی تلاش میں لوٹ پڑا تاکہ نکاح نامے کے لکھے جانے کے وقت وہ بھی موجود ہو اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں نماز کے وقت تک اس سے فارغ ہو جاؤں گا۔ یہ کہہ کر میں ایک گلی میں داخل ہوا جہاں پہلے کبھی نہ گیا تھا اور حمام اور نئی پوشاک کی وجہ سے جو میں پہنے ہوئے تھا' پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ پسینہ بہہ رہا تھا ور خوشبو پھیل رہی تھی۔ اس لیے میں گلی کے کنارے ایک چوکی پر ذرا آرام کرنے بیٹھ گیا اور ایک کڑھا ہوا رومال جو میرے پاس تھا' نیچے بچھا لیا۔ اب مجھے اور زیادہ گرمی معلوم ہونے لگی اور پسینہ پیشانی سے بہہ بہہ کر چہرے پر آنے لگا مگر میں رومال سے اپنے چہرے کا پسینہ نہ پونچھ سکتا تھا کیونکہ وہ میرے نیچے بچھا ہوا تھا۔ اس لیے میں نے ارادہ کیا کہ اپنا دامن لے کر اپنے رخساروں سے پسینہ پونچھوں کہ اتنے میں اوپر سے ایک سفید رومال میرے پاس آگرا جو نسیم سے زیادہ ہلکا تھا اور جس کی شکل بیمار کی صحت سے زیادہ لطیف تھی۔

میں نے اس رومال کو اٹھا لیا اور سر اٹھا کر دیکھنے لگا کہ وہ رومال کہاں سے گرا ہے کہ اتنے میں میری اس ہرن والی سے چار آنکھیں ہو گئیں۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• ایک سو تیرہویں رات

جب ایک سو تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جوان نے تاج الملوک سے کہا کہ میں سر اٹھا کر دیکھنے لگا کہ رومال کہاں سے گرا ہے؟

کہ اتنے میں اس ہرن والی سے میری آنکھیں چار ہو گئیں اور میں نے دیکھا کہ وہ ایک چھجے پر پیتل کے جھروکے کے پاس کھڑی ہے۔ اس جیسا حسین میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا اور بالجملہ اس کی تعریف کرنے سے میری زبان قاصر ہے۔ جب اس نے مجھے اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا تو اس نے ایک انگلی اپنے منہ میں لی اور بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے ملا کر اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان اپنے سینے پر رکھا۔ پھر اس نے اپنا سر چھجے کے اندر کر کے اس کا دروازہ بند کر دیا اور چلی گئی۔ یہ دیکھ کر میرے سینے میں اک آگ سی لگ گئی اور اسے دیکھنے کے ساتھ ہی ہزاروں آرزوئیں جوش مارنے لگیں اور میں حیران ہو کر رہ گیا لیکن نہ میں نے اس کی کوئی بات سمجھی اور نہ اس کے اشارے میری سمجھ میں آئے۔ میں نے دوبارہ چھجے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا مگر اس کو بند پایا اور میں مغرب تک بیٹھا انتظار کرتا رہا لیکن نہ میں نے کوئی آواز سنی اور نہ کسی کو دیکھا۔ جب میں اس کے دیدار سے ناامید ہو گیا تو اس رومال کو لے کر وہاں سے اٹھا اور اسے کھولا تو اس میں سے مشک کی خوشبو نکل رہی تھی۔ اس خوشبو سے مجھے اتنی فرحت ہوئی کہ گویا میں جنت میں ہوں۔ اب میں نے اس رومال کو اپنے ہاتھ میں لے کر کھولا تو اس میں سے ایک مہین کاغذ کا پرزہ گرا۔ جب میں نے اس پرزے کو کھولا تو دیکھا کہ وہ نہایت لطیف خوشبوؤں میں بسا ہوا ہے اور اس کے بیچ میں تین اشعار لکھے ہوئے ہیں اور دو حاشیوں پر دو دو شعر۔ جب میں نے وہ اشعار پڑھے جو رومال پر لکھے ہوئے تھے تو میرے دل میں آگ بھڑک اٹھی اور آرزوؤں اور پریشانیوں کی کوئی انتہا نہ رہی اور میں وہ رومال اور کاغذ لے کر گھر آیا

اور کوئی تدبیر وصل کی سمجھ میں نہ آتی تھی اور نہ اپنے عشق کی حالت کسی سے تفصیل کے ساتھ بیان کر سکتا تھا۔ جب میں گھر پہنچا تو بہت رات گزر چکی تھی اور میں نے دیکھا میری چچیری بہن بیٹھی رو رہی ہے۔

جب اس نے مجھے دیکھاتو وہ آنکھوں سے آنسو پونچھ کر میرے سامنے آئی اور اس نے میرے کپڑے اتارے اور میرے غائب ہو جانے کا سبب پوچھا اور کہا کہ سارے امیرو کبیر اور تجار وغیرہ یہاں آئے تھے اور قاضی اور گواہ بھی موجود تھے۔ ان سب نے کھانا کھایا اور دیر تک بیٹھے تیرے آنے کا انتظار کرتے رہے تا کہ نکاح نامہ مرتب کریں۔ جب انہیں تیری طرف سے ناامیدی ہو گئی تو ایک ایک کر کے چلے گئے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ تیرا باپ اس وجہ سے سخت ناراض ہے اور اس نے قسم کھائی ہے کہ ایک سال سے پہلے پھر نکاح نامہ نہ لکھوائے گا کیونکہ اس شادی کی تیاری کی وجہ سے وہ مقروض ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا کہ آخر آج تجھ پر کیا گزری جو اب تک گھر نہ آیا اور تیری غیر موجودگی کی وجہ سے یہ ساری باتیں پیش آئیں؟ میں نے کہا کہ اے بہن' کچھ مت پوچھ کر مجھ پر کیا گزری' اور میں نے اس سے رومال کا قصہ اور ساری سرگزشت اول سے آخر تک بیان کر دی۔ اس نے کاغذ اور رومال لے کر پڑھا کہ اس میں کیا لکھا ہے اور اس کے رخساروں پر آنسو بہنے لگے۔ اس کے بعد اس نے پوچھا کہ اس لڑکی نے تجھ سے کیا کہا اور کیا اشارہ کیا؟ میں نے جواب دیا کہ بات تو اس نے کچھ نہیں کی مگر اپنی ایک انگلی منہ میں لی۔ پھر اس کو بیچ کی انگلی سے ملا کر دونوں کو اپنے سینے پر رکھا اور زمین کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے بعد وہ اپنا سر اندر لے گئی اور چھجے کو بند کر دیا اور میں نے پھر اس کو نہ دیکھا اور میرا دل اس کے ساتھ چلتا ہوا' سورج ڈوبتے تک میں نے انتظار کیا کہ شاید وہ پھر چھجے پر آئے' لیکن وہ نہ آئی اور میں ناامید ہو کر وہاں سے اٹھا اور یہاں آیا۔ یہ ہے میری ساری داستان اور اب چاہتا ہوں کہ تو میری اس مصیبت میں مدد کرے۔

یہ سن کر اس نے اپنا سر اٹھایا اور میری طرف دیکھ کر کہنے لگی کہ بھائی' اگر تو میری آنکھوں کا بھی خواہش مند ہو تو میں تیرے آگے رکھ دوں گی اور تیری آرزو پوری کرنے میں تیری مدد کروں گی اور اس کی آرزو پوری کرنے میں اس کی مدد کروں گی کیونکہ جس طرح تو اس کی محبت میں گرفتار ہے وہ بھی تیرے عشق میں سرگشتہ و پریشان ہے۔ میں نے کہا کہ اس کے اشاروں کے کیا معنی ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ منہ میں انگلی رکھنے کے یہ معنے ہیں کہ تو اس کے لیے ایسا ہے جیسا کہ بدن کے لیے روح اور وہ تیرے وصال کی مشتاق ہے۔ رومال کے معنے ہمیشہ یہ ہوتے ہیں کہ دوست دوست کو سلام بھیجتا ہے۔ کاغذ کے ورق کے یہ معنے ہیں کہ اس کی روح تجھی میں لگی ہوئی ہے اور اس کا دونوں انگلیوں کا چھاتیوں کے درمیان سینے پر رکھنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ چاہتی ہے کہ تو دو روز کے بعد وہاں جاتا کہ اس کا رنج و الم دور ہو جائے۔ اے بھائی' تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ تجھ پر دل و جان سے عاشق ہے۔ یہ ہے میرے خیال میں اس کے اشاروں کی تفسیر۔ اگر میں باہر آتی جاتی ہوتی تو میں تم دونوں کو بہت جلد ملا دیتی اور تمہاری پردہ پوشی کرتی۔ جوان نے کہا' جب میں نے اس کی باتیں سنیں تو میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں دو دن صبر کروں گا اور میں واقعی دو دن تک گھر کے اندر بیٹھا رہا اور باہر آنا جانا بند کر دیا اور نہ کھاتا تھا اور نہ پیتا۔ بلکہ اپنی چچیری بہن کی گود میں سر رکھے پڑا رہتا تھا۔ وہ مجھے تسلی دیتی اور کہتی تھی کہ دل کو مضبوط کر اور بے چین مت ہو۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو چودھویں رات

جب ایک سو چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جوان نے تاج الملوک سے کہا کہ جب دو دن گزر چکے تو میری چچا زاد بہن نے مجھ سے کہا کہ خوش ہو اور دل شاد ہو اور دل مضبوط کر اور کپڑے بدل اور وعدے کے مطابق اس کے پاس جا۔ یہ کہہ کر وہ اٹھی اور اس نے میرے کپڑے بدلوائے اور خوشبو لگائی۔ اب میں اٹھا اور دل کو مضبوط کر کے نکل کھڑا ہوا اور چلتے چلتے اس گلی میں پہنچ گیا اور اسی چوکی پر جا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہاں بیٹھا ہوں گا کہ چھجا کھلا اور میں نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور دیکھتے ہی غش کھا کر گر پڑا۔
جب مجھے ہوش آیا تو میں نے دل مضبوط کر کے اور پختہ ارادہ کر کے دوبارہ اسکی طرف دیکھا اور پھر بے ہوش ہو گیا۔ جب مجھے دوبارہ ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک آئینہ اور ایک سرخ رومال ہے۔ جوں ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی تو اس نے اپنی کلائی برہنہ کر کے پانچوں انگلیاں کھول دیں اور ان پانچ انگلیوں اور ہتھیلی سے اپنا سینہ ٹھونکا۔ پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر اس نے آئینے کو چھجے سے باہر نکالا اور اس سرخ رومال کو لے کر اندر چلی گئی۔ پھر لوٹی اور رومال کو تین بار نیچے گلی کی طرف لٹکایا۔ اس طرح سے کہ وہ لٹکاتی اور پھر اٹھا لیتی تھی۔ اس کے بعد اس نے رومال کو نچوڑ کر اپنے ہاتھ میں لپیٹ لیا اور اپنے سر کو باہر نکالا اور پھر اندر کی طرف کر لیا اور چھجے کو بند کر کے چلی گئی اور ایک بات بھی نہ کی۔ میں حیران تھا اور اس کے اشاروں کو بالکل نہ سمجھا اور عشا کے وقت تک بیٹھ کر گھر لوٹ آیا۔ اب آدھی رات ہو گئی تھی اور میں نے دیکھا کہ میری چچیری بہن ہاتھ پر سر رکھے بیٹھی ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور وہ اشعار پڑھ رہی ہے۔
جب میں نے اس کے شعر سنے تو میرا غم دوبالا ہو گیا اور درد و الم بڑھ گیا اور میں

گھر کے ایک کونے میں گر پڑا۔ وہ اٹھ کر میرے پاس آئی اور اس نے مجھے اٹھایا اور میرے کپڑے اتارے اور اپنی آستین سے میرے آنسو پونچھے اور میرا ماجرا پوچھا۔ میں نے اپنی ساری داستان جو اس کے ساتھ پیش آئی تھی سنا دی۔ اس نے کہا کہ بھائی ہتھیلی اور پانچ انگلیوں سے اشارے کے یہ معنے ہیں کہ پانچ دن کے بعد آ' اور آئینے اور سرخ رومال لٹکانے اور اٹھانے اور چھجے سے سر نکالنے کے معنے یہ ہیں کہ رنگریز کی دوکان پر بیٹھ کر میرے قاصد کا انتظار کر۔ اس کی باتیں سنتے ہی میرے دل کی آگ بھڑک اٹھی اور میں نے کہا کہ اے بہن' خدا کی قسم' تیری تفسیر بالکل درست ہے کیونکہ اس گلی میں ایک یہودی رنگریز کی دوکان ہے۔ یہ کہہ کر میں رونے لگا مگر میری چچیری بہن نے کہا کہ اپنا ارادہ پکا رکھ اور دل کو مضبوط کر کیونکہ تجھے اوروں کی طرح اس محبت کی کامیابی میں زیادہ مدت نہ لگے گی اور عشق کی حرارت زیادہ نہ ستائے گی بلکہ ایک ہی ہفتے میں تیری مراد حاصل ہو جائے گی۔ اس لیے تیری فریاد بے کار ہے۔ یہ کہہ کر وہ مجھے تسلی دینے لگی اور میرے لیے کھانا لائی۔ میں نے ایک لقمہ اٹھایا اور چاہا کہ کھاؤں لیکن نہ مجھ سے کچھ کھایا گیا نہ پیا گیا اور نہ نیند آتی تھی اور رنگ زرد پڑ گیا اور رنگ روپ بگڑ گیا کیونکہ اس سے پہلے میں کبھی عاشق نہ ہوا تھا اور محبت کا مزہ نہ چکھا تھا۔ اس وجہ سے میں دبلا ہو گیا اور میری وجہ سے میری چچا زاد بہن دبلی ہونے لگی۔ وہ ہر رات میری تسلی کے لیے عاشقوں اور معشوقوں کی کہانیاں سناتی یہاں تک کہ میں سو جاتا اور جب میری آنکھ کھلتی تو میں دیکھتا کہ وہ میری خاطر جاگ رہی ہے اور اس کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے ہیں۔ اسی حالت میں وہ پانچوں دن گزر گئے۔ اب میری چچیری بہن نے اٹھ کر میرے لیے پانی گرم کیا اور مجھے نہلایا اور کپڑے بدلے اور کہا کہ اس کے پاس جا' خدا تیری مراد پوری کرے اور تیری آرزو بر لائے اور تجھے تیرے معشوق سے ملائے! میں چل کھڑا ہوا اور چلتے چلتے اسی گلی میں پہنچا۔ یہ سنیچر کا دن تھا اور میں نے دیکھا کہ رنگریز کی دوکان

بند ہے مگر میں وہاں بیٹھ گیا۔ یہاں تک عصر کی اذان ہوئی اور پھر سورج پیلا پڑنے لگا اور مغرب کی اذان ہوئی اور پھر رات ہو گئی مگر نہ میں نے اسے دیکھا اور نہ اس کی آواز سنی اور نہ کوئی خبر آئی۔ چونکہ میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا مجھے ڈر لگا اور میں اٹھ کر متوالوں کی طرح جھومتا چل دیا اور گھر پہنچا اور دیکھا کہ میری چچیری بہن عزیزہ کھڑی ہوئی ہے اور ایک ہاتھ سے کھونٹی پکڑے ہوئے ہے جو دیوار میں گڑی ہوئی ہے اور دوسرا ہاتھ اپنے سینے پر رکھے ہوئے ہے اور آہیں بھر بھر کر اشعار پڑھ رہی ہے۔
جب وہ فارغ ہوئی تو اس نے میری طرف متوجہ ہو کر اپنی آستین سے میرے آنسو پونچھے اور مسکرانے لگی اور مجھ سے کہا کہ اے بھائی' خدا نے جو تجھے دیا ہے وہ مبارک ہو! مگر تو رات کو اپنے معشوق کے ساتھ کیوں نہیں سویا اور اپنا ارمان کیوں نہیں نکالا؟
جب میں نے یہ سنا تو میں نے اپنے پاؤں سے اس کے سینے میں ٹھوکر ماری اور وہ وہیں کمرے میں گر پڑی اور اس کی پیشانی ایک کھونٹی پر لگی جو کمرے کے ایک طرف گڑی ہوئی تھی۔ جب میں نے غور کیا تو دیکھا کہ اس کی پیشانی پھٹ گئی ہے اور اس سے خون بہہ رہا ہے۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو پندرہویں رات

جب ایک سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جوان نے تاج الملوک سے کہا کہ جب میں نے اپنی چچیری بہن کے سینے پر ٹھوکر ماری تو وہ کمرے میں گر پڑی اور اس کی پیشانی میں کیل لگ گئی اور وہ پھٹ گئی اور اس سے خون بہنے لگا۔ اس پر وہ چپ ہو گئی اور اس نے ایک لفظ بھی نہ کہا اور کوئی چیز جلا کر اس کو زخم میں بھر دیا اور اوپر سے پٹی باندھ لی اور جو خون فرش پر گرا تھا' اس کو رگڑ کر پونچھ ڈالا گویا کہ کچھ بھی نہ ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ میرے پاس آئی اور مسکرا کر نرمی سے کہنے لگی کہ بھائی جو کچھ میں نے کہا تھا اسے میرا مقصد نہ تیرا مذاق اڑانا تھا اور نہ اس کا۔ میرے سر میں درد ہو رہا تھا اور میں چاہتی تھی کہ تھوڑا سا خون نکل جائے۔ اب میرا سر ہلکا ہو گیا ہے اور میرے ماتھے میں آرام ہے۔ اب بتا کہ آج تجھ پر کیا گزری؟ میں نے اس روز کی ساری سرگزشت بیان کر دی اور اس کے بعد رونے لگا۔ اس نے کہا کہ اے میرے چچیرے بھائی خوش ہو کہ تیری مراد بر آئی اور تیری آرزو پوری ہو گئی کیونکہ یہ مقصد براری کی نشانی ہے اور وہ اس طرح کہ وہ غائب ہو کہ تیرا امتحان کرنا چاہتی ہے اور یہ جاننا چاہتی ہے کہ تو صبر کر سکتا ہے یا نہیں۔ اور محبت میں سچا ہے کہ نہیں۔ کل تو پھر اسی جگہ جا کر دیکھیو کہ وہ کیا اشارہ کرتی ہے۔ اب خوشی کا زمانہ قریب آ گیا ہے اور تیرا غم دور ہونے والا ہے۔ وہ مجھے تسلی دیتی جاتی تھی اور میرا رنج و غم بڑھتا جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ میرے لیے کھانا لائی مگر میں نے ایک ایسی ٹھوکر ماری کہ ساری پیالیاں ایک طرف جا پڑیں اور میں نے کہا کہ ہر عاشق پاگل ہوتا ہے۔ نہ تو اسے کھانے کی طرف میلان ہوتا ہے اور نہ سونے میں مزہ آتا ہے۔ میری چچیری بہن عزیزہ نے کہا کہ بھائی واللہ یہ محبت کی علامت ہے اور رونے لگی۔ اب اس نے پیالیوں کے ٹکڑے

جمع کیے اور گرا ہوا کھانا پونچھ کر اٹھایا اور باتیں کرنے لگی اور میں خدا سے یہ دعا مانگ رہا تھا کہ صبح ہو۔

جب صبح ہوئی اور روشنی پھیلی تو میں پھر وہاں گیا۔ جلدی سے گلی میں داخل ہوا اور اس چوکی پر جا کر بیٹھ گیا۔ اب کیا دیکھتا ہوں کہ چھجا کھلا اور اس نے اپنا سر اس میں سے نکالا اور مسکرائی۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گئی اور پھر نکلی تو اس کے پاس ایک آئینہ تھا اور ایک تھیلی اور ایک سبزی کا گملا اور اس کے ہاتھ میں ایک قندیل۔ پہلے تو اس نے آئینے کو لے کر تھیلی میں ڈال دیا اور پھر اس کا منہ باندھ کر اسے گھر کے اندر پھینک دیا۔ پھر اس نے اپنے بال اپنے چہرے پر لٹکا دیے اور تھوڑی دیر کے لیے قندیل کو گملے پر رکھ دیا۔ اس کے بعد وہ ان تمام چیزوں کو لے کر اندر چلی گئی اور بالاخانے کو بند کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر میں بے حال ہو گیا کہ وہ پوشیدہ اشارے کرتی ہے مگر کوئی بات نہیں کرتی اور میری محبت کی آگ بھڑک اٹھی اور میرا عشق اور درد اور زیادہ ہو گیا۔ اب میں روتا ہوا اور غمگین وہاں سے لوٹا۔ جب میں گھر کے اندر آیا تو میں نے دیکھا کہ میری چچیری بہن دیوار کی طرف منہ کیے بیٹھی ہے اور اس کا دل رنج و غم اور رشک سے جل رہا ہے لیکن اس کی محبت اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اپنی محبت کا حال مجھ سے بیان کرے کیونکہ وہ دیکھ رہی تھی کہ میں عشق میں مبتلا ہوں۔ اب جو میری نظر اس کے اوپر پڑی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے سر پر دو پٹیاں بندھی ہوئی ہیں۔ ایک تو اس واقعے کی وجہ سے جو اس کے ماتھے کے ساتھ پیش آیا تھا اور دوسری اس کی آنکھوں پر کیونکہ روتے روتے اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا اور اس کا حال بہت برا تھا اور وہ رو رو کر اشعار پڑھ رہی تھی۔ جب وہ اس سے فارغ ہوئی تو اس نے رو کر میری طرف دیکھا اور میں اس کے آنسو پونچھنے لگا۔ اب وہ اٹھ کر میرے پاس آئی مگر اپنی محبت کا اظہار نہ کر سکی اور تھوڑی دیر تک چپ رہنے کے بعد کہنے لگی کہ بھائی' بتا کہ آج کیا واقعہ

اس کے ساتھ پیش آیا؟ میں نے اس سے سارا حال بیان کر دیا اور وہ کہنے لگی کہ ذرا اور صبر کر کیونکہ تیرے وصال کے دن آ پہنچے ہیں اور تیری آرزو پوری ہونے والی ہے۔ آئینے سے اشارہ کرنے اور اسے تھیلی میں ڈال دینے کے یہ معنی ہیں کہ سورج کے غروب ہونے کا انتظار کر۔ بالوں کو چہرے پر ڈالنے کے یہ معنے ہیں کہ جب رات ہو جائے اور اندھیرا پھیل جائے اور دن کی سفیدی جاتی رہے تو آئیو۔ سبزی والے گملے کا یہ مطلب ہے کہ وہ تجھ سے کہنا چاہتی ہے کہ جب تو آئے تو اس باغ میں آئیو جو گلی کے پیچھے ہے اور قندیل سے اشارہ کرنے کے یہ معنے ہیں کہ جب تو باغ میں داخل ہو تو جہاں تجھے قندیل جلتی ہوئی دکھائی دے' وہاں آکر اس کے پاس بیٹھ جائیو اور میرا انتظار کیجیو۔ کیونکہ تیری محبت مجھے مارے ڈالتی ہے۔ جب میں نے اپنی چچیری بہن کی یہ باتیں سنیں تو میں محبت کے جوش میں چیخ اٹھا اور کہنے لگا کہ آخر تو کب تک مجھے دلاسا دے گی اور میں اس کے پاس جا کر نامراد لوٹوں گا اور تیری تفسیر کے صحیح معنے معلوم نہ ہوں گے؟ یہ سن کر میری چچیری بہن ہنسنے لگی اور اس نے کہا کہ بس اب تیرے لیے اتنا صبر باقی ہے کہ تو آج کا دن گزر جانے دے۔ یہاں تک کہ دن ختم ہو جائے اور رات کا اندھیرا پھیل جائے۔ اس وقت تیرا وصال اس کے ساتھ ہو جائے گا اور تیرا ارمان نکل جائے گا۔ یہ بات ٹھیک ہے اور اس میں کوئی چال نہیں۔

اس کے بعد وہ میرے پاس آکر نرم کلامی سے مجھے تسلی دینے لگی مگر اس کی یہ ہمت نہ پڑی کہ میرے لیے کھانا لاتی کیونکہ اسے ڈر تھا کہ کہیں میں اس سے ناراض نہ ہو جاؤں۔ مگر وہ چاہتی تھی کہ میرا میلان اس کی طرف ہو اور اس کا ارادہ تھا کہ وہ میرے پاس آکر میرے کپڑے بدلے۔ جب وہ یہ کر چکی تو اس نے مجھ سے کہا کہ بھائی' بیٹھ تاکہ میں تیرے ساتھ باتیں کروں جس سے دن گزرنے تک تیرا دل بہلے اور اگر خدا نے چاہا تو رات ہونے سے پہلے تو اپنی محبوبہ کی بغل میں ہو گا۔ مگر میں اس کی طرف بالکل ملتفت نہ ہوا اور رات کے آنے کا انتظار کرتا رہا اور

کہتا تھا کہ اے رب' رات جلد لا۔ جب رات ہوئی تو میری چچیری بہن بلک بلک کر
رونے لگی اور اس نے مجھے خالص مشک کا ایک دانہ دے کر کہا کہ اے میرے چچیرے
بھائی' یہ دانہ اپنے منہ میں ڈال لے اور جب تو اپنی محبوبہ سے ہم صحبت ہو اور تیری
آرزو اس سے پوری ہو جائے اور تیری مراد بر آئے تو اسے یہ شعر پڑھ کر سنا دیجیو:
اے عاشقو' خدا کے واسطے یہ تو کہو کہ جب کسی پر عشق کا جنون سوار ہو تو وہ کیا
کرے؟ اس کے بعد اس نے مجھے بوسہ دیا اور قسم دی کہ میں یہ شعر اس وقت پڑھوں
جب کہ میں اس کے پاس سے رخصت ہو رہا ہوں اور میں نے کہا کہ بسر و چشم۔
جب عشا کا وقت ہوا تو میں روانہ ہو گیا اور چلتے چلتے اس باغ تک پہنچ گیا اور دیکھا
کہ اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ میں اس کے اندر داخل ہو گیا اور مجھے دور سے ایک
روشنی نظر آئی اور میں اس طرف چل دیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے وہاں ایک
نشست گاہ دیکھی جس کے اوپر ہاتھی دانت اور آبنوس کا گنبد تھا اور اس گنبد کے بیچ
میں ایک قندیل لٹک رہی تھی۔ نشست گاہ کا فرش ریشم کا تھا جو سونے اور چاندی کے
تاروں سے کڑھا ہوا تھا اور اس پر ٹھیک اس قندیل کے نیچے سونے کے شمع دان میں
ایک بہت بڑی موم بتی جل رہی تھی اور نشست گاہ کے بیچ میں ایک حوض تھا جس
میں طرح طرح کی مورتیں تھیں اور اس کے کنارے چینی کی ایک بڑی صراحی تھی
جس میں شراب بھری ہوئی تھی اور دسترخوان کے اوپر بلور کا ایک جام رکھا ہوا تھا جس
پر سونے کا کام تھا۔ ان تمام چیزوں کے پاس سرپوش سے ڈھکا ہوا ایک بڑا طشت تھا۔
میں نے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں قسم قسم کے میوے تھے۔ مثلاً انجیر اور انار
اور انگور اور نارنگیاں اور کھٹ مٹھے اور سنگترے' اور ان کے درمیان میں خوشبودار پھول
رکھے ہوئے تھے۔ مثلاً گلاب اور چنبیلی اور مہندی اور نسرین اور نرگس' اور طرح طرح
کے عطر۔ میں اس جگہ کو دیکھ کر دنگ ہو گیا اور بہت خوش ہوا اور میرا رنج و الم
دور ہو گیا۔ لیکن خدا کی مخلوق میں سے میں نے کسی کو وہاں نہ دیکھا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو سولھویں رات

جب ایک سو سولھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جوان نے تاج الملوک سے کہا کہ میں اس جگہ کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اور بہت خوش ہوا۔ لیکن خدا کی مخلوق میں سے میں نے کسی کو وہاں نہیں دیکھا اور نہ کوئی غلام یا کنیز وہاں دکھائی دی اور نہ کوئی ایسا شخص جس نے ان کو سجایا ہو اور نہ کوئی رکھوالی کرنے والا۔ میں وہاں بیٹھ کر اپنی دلی محبوبہ کا انتظار کرنے لگا یہاں تک کہ پہلا پہر گزر گیا اور پھر دوسرا پہر اور پھر تیسرا پہر مگر وہ نہ آئی۔ بھوک کی تکلیف بڑھتی جاتی تھی کیونکہ ایک مدت سے میں نے محبت کی زیادتی کی وجہ سے کچھ نہ کھایا تھا۔ اب جبکہ میں نے اس جگہ کو دیکھا اور مجھے یقین آ گیا کہ میری چچازاد بہن نے میری محبوبہ کے اشاروں کی ٹھیک تعبیر کی ہے تو مجھے اطمینان ہوا اور بھوک کی تکلیف محسوس ہونے لگی اور ان کھانوں کی خوشبو سے جو دسترخوان پر تھے میرا دل للچانے لگا اور جبکہ میں نے دیکھا کہ میں اس کے اندر ہوں اور مجھے وصال کا یقین ہو گیا تو میرا دل چاہا کہ کھاؤں۔ اور میں دسترخوان کی طرف بڑھا اور اس پر سے چادر اتار دی اور دیکھا کہ دسترخوان کے بیچ میں چینی کا ایک طشت ہے جس میں چار مرغیاں سرخ تلی ہوئی اور مسالے دار رکھی ہوئی ہیں اور طشت کے اردگرد چار پیالے رکھے ہوئے ہیں۔ ایک میں حلوہ اور دوسرے میں انار دانے اور تیسرے میں بقلاوہ اور چوتھے میں شہدپارے' یعنی میٹھی اور ترش دونوں طرح کی چیزیں۔ اب میں نے شہدپاروں میں سے کچھ چکھا اور ایک ٹکڑا گوشت کا کھایا۔ پھر بقلاوے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور جتنا کھا سکا کھایا۔ پھر حلوے کی باری آئی اور اس میں سے میں نے ایک یا دو تین یا چار چمچے کھائے۔ پھر کچھ مرغی کا گوشت کھایا اور ادھر ادھر سے ایک ایک نوالہ اٹھایا یہاں تک کہ میرا پیٹ بھر گیا اور اعضاء ڈھیلے پڑ گئے۔ جاگتے جاگتے میں تھکا ہوا تو تھا ہی' ہاتھ دھو کر تکیے پر سر

رکھ کر لیٹ گیا اور مجھے نیند آ گئی اور دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔ میری آنکھ اس وقت تک نہ کھلی جب تک کہ دھوپ نے مجھے جلانا شروع نہ کیا کیونکہ کئی دن سے میں نے نیند کا مزہ نہ چکھا تھا۔

جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میرے پیٹ پر ایک ٹکڑا نمک کا اور ایک کوئلے کا رکھا ہوا ہے۔ میں اٹھ بیٹھا اور کپڑے جھاڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا لیکن کسی کو وہاں نہ پایا اور دیکھا کہ میں بغیر کسی بچھونے کے مرمر کے فرش پر ہوں۔ اس پر مجھے بڑا اچنبھا ہوا اور میں بہت رنجیدہ ہوا اور میرے آنسو رخساروں پر بہنے لگے اور میں نے اپنے اوپر بڑا افسوس کیا اور اٹھ کر گھر چلا آیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ میری چچیری بہن اپنے ہاتھ سے سینہ پیٹ رہی ہے اور آنسوؤں کی بارش ہو رہی ہے۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے آنسو پونچھ کر میرے پاس آئی اور نرمی سے کہنے لگی کہ اے میرے چچیرے بھائی' تیرے عشق کے معاملے میں خدا تجھ پر مہربان ہے کیونکہ تیرا معشوق تجھ سے محبت کرتا ہے اور میں تیرے فراق میں روتی اور غمگین رہتی ہوں اور تو مجھے لعنت ملامت کرتا اور برا بھلا کہتا ہے لیکن خدا میری وجہ سے تجھ پر ناراض نہ ہو! اس کے بعد وہ میرے اوپر غصے سے مسکرائی اور مجھے پیار کیا اور میرے کپڑے اتار کر ان کو پھیلا دیا اور کہنے لگی کہ واللہ' یہ اس شخص کی خوشبو نہیں ہے جو اپنے محبوب سے فائز المرام ہوا ہو' لہٰذا بھائی' ذرا اپنی واردات تو بیان کر۔ میں نے اپنی ساری واردات بیان کر دی اور وہ دوبارہ غصے کی مسکراہٹ مسکرائی اور کہنے لگی کہ میرا دل بھرا ہوا اور دکھی ہے۔ خدا کرے کہ جس نے تیرا دل دکھایا کبھی سکھی نہ ہو! اس عورت کا تیرے اوپر بڑا اثر رہا ہے۔ مگر بھائی' مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تجھے اس سے نقصان نہ پہنچے۔ نمک کے معنے یہ ہیں کہ تو نیند میں غرق ہے اور بدمزہ ہے اور لہٰذا ضروری ہے کہ تو نمک میں بسایا جائے تاکہ طبیعت تجھ کو قے کے ساتھ باہر نہ پھینک دے۔ تو اپنے آپ کو بڑے عاشقوں میں شمار کرتا ہے مگر عاشقوں کے لیے نیند حرام ہے۔ اس لیے تیرا محبت کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ مگر

بھائی' اس کی محبت بھی جھوٹی ہے۔ کیونکہ جب اس نے تجھے سوتا پایا تو جگایا نہیں۔ اگر اس کی محبت سچی ہوتی تو وہ تجھے جگا دیتی۔ اور کوئلے کے معنے یہ ہیں کہ خدا تیرا منہ کالا کرے کیونکہ تیرا محبت کا دعویٰ جھوٹا ہے اور تو ابھی بچہ ہے اور سوائے کھانے پینے اور سونے کے تیرا اور کوئی مقصد نہیں۔ یہ ہے تفسیر اس کے اشاروں کی۔ خدا کرے کہ تجھے اس سے چھٹکارا ملے۔ جب میں نے اس کی باتیں سنیں تو میں سینہ کوٹنے لگا اور کہا کہ خدا کی قسم یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ میں سو گیا تھا مگر عاشقوں کو سونا نہ چاہیے' میں نے اپنے اوپر ظلم کیا کیونکہ کھانے اور سونے نے مجھے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ اب کیا کرنا چاہیے! میں اور زیادہ رونے لگا اور میں نے اپنی چچیری بہن سے کہا کہ مجھے کوئی ترکیب بتا تا کہ میں اس پر عمل کروں اور میرے اوپر رحم کھا' خدا تیرے اوپر رحم کرے! ورنہ میں مر جاؤں گا۔ میری چچیری بہن کو مجھ سے بڑی محبت تھی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

ایک سو سترہویں رات

جب ایک سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جوان نے تاج الملوک سے کہا کہ میں نے اپنی چچیری بہن سے کہا کہ مجھے کوئی ترکیب بتا تاکہ میں اس پر عمل کروں اور میرے اوپر رحم کھا' خدا تیرے اوپر رحم کرے! اسے مجھ سے بڑی محبت تھی اور اس نے کہا کہ بسر و چشم۔ لیکن بھائی' میں تجھ سے بارہا کہہ چکی ہوں کہ اگر میں باہر آتی جاتی تو تم دونوں کو جلد ملا دیتی اور تمہاری پردہ پوشی کرتی۔ یہ کام میں محض تیری رضامندی کے لیے کروں گی اور اگر خدا نے چاہا تو تم دونوں کے ملانے میں جان توڑ کوشش کروں گی۔ لیکن میری بات سن اور میرا کہنا مان۔ تو پھر اسی جگہ جا اور جہاں پہلے بیٹھا تھا' بیٹھ۔ جب عشا کا وقت ہو تو اسی جگہ جا کر بیٹھ جانا جہاں پہلے بیٹھا تھا لیکن خبردار کچھ کھانا مت کیونکہ کھانے سے نیند آتی ہے اور تیرے لیے سونا مضر ہے وہ چوتھائی رات گزرنے کے بعد تیرے پاس آئے گی۔ بس جا خدا تجھے اس کی برائی سے بچائے۔

جب میں نے اس کی باتیں سنیں تو میں خوش ہو گیا اور خدا سے دعا مانگنے لگا کہ رات جلد ہو۔ جب رات ہوئی اور میں جانے لگا تو میری چچازاد بہن نے مجھ سے کہا کہ اس سے ملنے کے بعد جب تو واپس آنے لگے تو مذکورہ شعر ضرور پڑھیو۔ میں نے کہا کہ بسر و چشم۔ اب میں وہاں سے روانہ ہو کر باغ میں پہنچا اور دیکھا کہ وہ جگہ کل کی طرح آراستہ اور وہاں ضرورت کے مطابق کھانے پینے اور نقل اور عطریات وغیرہ موجود ہیں۔ میں نشست گاہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور مجھے کھانے کی خوشبوئیں آنے لگیں اور میرے دل نے چاہا کہ کھاؤں۔ میں نے دل کو کئی بار روکا مگر وہ رک نہ سکا اور میں اٹھ کر دسترخوان کے پاس آیا اور اس کی چادر اٹھائی اور دیکھا کہ رکابی مرغ کے گوشت کی رکھی ہوئی ہے اور اس کے اردگرد چار پیالے ہیں جن میں طرح طرح

کے کھانے ہیں۔ میں نے ہر ایک میں سے ایک ایک لقمہ کھایا اور خوب حلوہ کھایا اور ایک ٹکڑا گوشت کا بھی کھایا اور زعفرانی یخنی پی اور چونکہ وہ مزے دار معلوم ہوئی' اس لیے چمچہ لے کر اسے خوب پیا یہاں تک کہ میں سیر ہو گیا اور میرا پیٹ خوب بھر گیا اور میری پلکیں بھاری پڑنے لگیں۔ میں نے ایک تکیہ لے کر اپنے سر کے نیچے رکھ لیا اور خیال کیا کہ سوؤں گا نہیں۔ لیکن میری آنکھ بند ہو گئی اور میں سو گیا۔ جب میں بیدار ہوا تو سورج نکل چکا تھا اور میں نے دیکھا کہ میرے پیٹ کے اوپر ایک نخنے کی ہڈی اور ایک لکڑی کا کھلونا اور ایک کھجور کی گٹھلی اور ایک خرنوب کا بیج رکھا ہوا ہے' لیکن فرش وغیرہ غائب ہے گویا کہ رات یہاں کچھ بھی نہ تھا۔ اب میں نے یہ ساری چیزیں پھینک دیں اور غصہ سے اٹھ کر چل گیا۔

گھر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ میری چچیری بہن سسکیاں لے لے کر رو رہی ہے۔ میں اسے لعنت ملامت کرنے اور برا بھلا کہنے لگا اور وہ رو پڑی۔ پھر اس نے آنسو پونچھے اور میرے پاس آکر مجھے بوسے دینے اور مجھے سینے سے لگانے لگی اور میں اس سے دور بھاگتا تھا اور اپنے آپ کو برا بھلا کہتا تھا۔ اس نے کہا کہ اے میرے چچیرے بھائی' تو آج رات بھی سو گیا۔ میں نے جواب دیا کہ ہاں' مگر جب میں جاگا تو میں نے نخنے کی ایک ہڈی اور کھجور کی ایک گٹھلی اور کھلونے کی ایک لکڑی اور خرنوب کا ایک بیج پایا۔ معلوم نہیں اس کا اس سے کیا مطلب ہے۔ یہ کہہ کر میں رونے لگا اور اس کے پاس آکر میں نے کہا کہ ان اشاروں کے معنے بیان کر اور بتا کہ اب کیا کروں اور اس مصیبت میں میری مدد کر۔ اس نے کہا کہ بسر و چشم۔ کھلونے کی لکڑی سے جو اس نے تیرے پیٹ کے اوپر رکھی تھی' اس کا یہ مطلب ہے کہ تو تو حاضر ہے مگر تیرا دل غائب اور گویا وہ کہنا چاہتی ہے کہ عشق اس طرح نہیں ہوتا۔ اس لیے تو اپنا شمار عاشقوں میں مت کر اور کھجور کی گٹھلی سے یہ اشارہ ہے کہ اگر تو واقعی عاشق ہوتا تو تیرے دل میں محبت کی آگ لگی ہوتی اور تو کبھی سونے کا مزہ نہ چکھتا۔ محبت کی لذت کھجور کی طرح ہے جو دل میں انگارے پیدا کر دیتی ہے۔ خرنوب

کے بیچ کے یہ معنے ہیں کہ عاشق کا دل تھکا ہوا ہوتا ہے اور گویا وہ یہ کہنا چاہتی ہے کہ ہمارے فراق پر ایوب کا سا صبر کر۔

جب میں نے یہ تفسیر سنی تو میرے سینے میں شعلے بھڑکنے لگے اور غم دوبالا ہو گیا اور میں چلانے اور کہنے لگا کہ میری کم بختی کی وجہ سے خدا نے میرے اوپر نیند مسلط کر دی۔ اس کے بعد میں نے اپنی چچیری بہن سے کہا کہ تجھے میری جان کی قسم' کوئی نہ کوئی تدبیر نکال جس سے میں اس تک پہنچ سکوں۔ وہ رونے لگی اور اس نے کہا کہ اے عزیز' اے میرے چچیرے بھائی' میرا دل افکار میں غرق ہے اور میرے منہ سے بات نہیں نکلتی لیکن آج پھر اسی جگہ جا مگر سونا مت تاکہ تیری مراد بر آئے۔ یہی مناسب مشورہ ہے اور بس۔ میں نے کہا کہ اگر خدا نے چاہا تو میں آج نہ سوؤں گا اور تیرا کہنا مانوں گا۔ اب میری چچیری بہن اٹھ کر میرے لیے کھانا لائی اور کہنے لگی کہ ابھی پیٹ بھر کر کھا لے تاکہ تو سیر ہو جائے اور میں نے خوب پیٹ بھر کر کھا لیا۔ جب رات ہوئی تو میری چچیری بہن اٹھی اور میرے لیے ایک عمدہ لباس لائی اور مجھے پہنایا اور مجھے قسم دے کر کہا کہ میں اس شعر کو ضرور پڑھوں اور نیند سے مجھے خبردار کیا۔ میں اپنی چچیری بہن کے پاس سے اٹھ کر باغ کی طرف چل دیا اور اس نشست گاہ پر پہنچ کر ادھر ادھر باغ میں دیکھنے لگا۔ جب رات کا اندھیرا پھیلا تو میں انگلیوں سے اپنی آنکھوں کو کھولنے اور سر ہلانے لگا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• ایک سو اٹھارہویں رات

جب ایک سو اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- جوان نے تاج الملوک سے کہا کہ میں باغ میں پہنچ کر اس نشست گاہ پر چڑھ گیا اور باغ میں ادھر ادھر نظر دوڑانے لگا اور جوں ہی رات کا اندھیرا چھایا' میں اپنی انگلیوں سے آنکھیں کھولنے اور سر ہلانے لگا جاگتے جاگتے مجھے بھوک لگ گئی اور کھانوں کی خوشبو سے میری بھوک اور بھی زیادہ ہو گئی۔ دسترخوان کے پاس جا کر میں نے اس کی چادر اٹھا دی اور ہر قسم کے کھانوں میں سے ایک ایک لقمہ کھایا اور ایک ٹکڑا گوشت کا کھایا اور شراب کی صراحی کے پاس آکر میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں ایک ہی جام پیوں گا۔ اب میں نے ایک جام پیا اور پھر دوسرا اور پھر تیسرا یہاں تک کہ میں دس جام چڑھا گیا اور ہوا جو لگی تو میں مردے کی طرح زمین پر گر پڑا اور صبح تک پڑا رہا۔ جب میری آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں باغ کے باہر پڑا ہوں اور میرے پیٹ پر ایک تیز چھری اور ایک لوہے کا سکہ رکھا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر میں کانپ اٹھا اور ان دونوں چیزوں کو لے کر گھر آیا اور دیکھا کہ میری چچیری بہن کہہ رہی ہے کہ میں اس گھر میں مسکین اور غم زدہ ہوں اور سوائے گریہ و زاری کے میرا کوئی مددگار نہیں۔ جب میں داخل ہوا تو لمبا لمبا پڑ گیا اور چھری اور سکہ ہاتھ سے پھینک دیا اور بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو میں نے اس سے ساری سرگزشت بیان کی اور کہا کہ میری مراد کبھی بر نہ آئے گی۔ جب اس نے مجھے روتے اور غم زدہ دیکھا تو اسے میری حالت پر بہت ترس آیا اور وہ کہنے لگی کہ میں تو عاجز آ گئی۔ میں نے تجھے ہر بار مشورہ دیا کہ سوئیو مت مگر تو نے میرا مشورہ کبھی نہ مانا اور اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ میں نے کہا خدا کے لیے یہ تو بتا کہ چھری اور لوہے کے سکے کا کیا مطلب ہے؟ اس نے جواب دیا کہ لوہے کے سکے سے اس کی داہنی آنکھ مراد ہے'

گویا وہ اس کی قسم کھاتی اور کہتی ہے کہ خدا اور میری داہنی آنکھ کی قسم' اگر تو پھر آیا اور آکر سو گیا تو میں تجھے اس چھری سے ذبح کر ڈالوں گی۔ اے بھائی' میں ڈرتی ہوں کہ اس کے مکر و فریب سے کہیں تجھے نقصان نہ پہنچے' تیرے اوپر میرا دل کڑھتا ہے مگر میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ اگر تجھے اپنے اوپر اتنا بھروسہ ہے کہ وہاں جا کر تو پھر نہ سو جائے گا' تو جا اور سو مت' کیونکہ اسی حالت میں تیری مراد بر آئے گی اور اگر تیرا خیال ہے کہ تو وہاں جا کر پھر پہلے کی طرح سو جائے گا اور تو وہاں گیا اور سو گیا تو وہ تجھے ذبح کر ڈالے گی۔ میں نے کہا کہ بہن' پھر کیا کرنا چاہیے۔ خدا کے لیے تو اس مصیبت میں میری مدد کر۔ اس نے کہا کہ بسر و چشم لیکن تیری مراد اسی حالت میں بر آئے گی جبکہ تو میری بات سنے اور میرا کہنا مانے۔ میں نے کہا کہ میں تیری بات سنوں گا اور تیرا کہنا مانوں گا۔ اس نے کہا کہ جب جانے کا وقت آئے گا تو میں بتاؤں گی۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے سینے سے لگا کر فرش پر لٹا دیا اور میرے ہاتھ پاؤں دابنے لگی۔ یہاں تک کہ نیند مجھ پر غالب آئی اور میں سو گیا اور پنکھا لے کر میرے سرہانے بیٹھ گئی اور دن ڈھلے تک پنکھا جھلتی رہی۔ جب اس نے مجھے جگایا اور میں جاگا تو میں نے دیکھا کہ وہ ہاتھ میں پنکھا لیے میرے سرہانے بیٹھی رو رہی ہے اور آنسوؤں سے اس کے کپڑے تر ہیں۔

جب اس نے دیکھا کہ میں جاگ اٹھا تو وہ اپنے آنسو پونچھ کر میرے لیے کھانا لائی لیکن میں نے کھانے سے انکار کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے کہا نہ تھا کہ میرا کہنا مانیو' لہٰذا کھا۔ اب میں نے کھایا اور اس کی مخالفت نہ کی۔ وہ میرے منہ میں نوالے دیتی جاتی تھی اور میں چباتا جاتا تھا یہاں تک کہ میں سیر ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے عناب کا شربت پلایا اور میرے ہاتھ دھلائے اور رومال سے انہیں پونچھا اور میرے اوپر گلاب کا عرق چھڑکا اور میں آرام کے ساتھ اس کے پاس بیٹھا رہا۔ جب رات تاریک ہوئی تو اس نے مجھے کپڑے پہنائے اور کہا کہ بھائی' ساری رات جاگیو اور سوئیو مت۔ کیونکہ وہ آج تیرے پاس اخیر رات میں آئے گی اور اگر خدا نے چاہا تو آج

رات تیرا اس سے وصل ہو جائے گا لیکن میری نصیحت نہ بھولیو۔ یہ کہہ کہ وہ رونے لگی اور اتنا روئی کہ میرا دل کڑھنے لگا اور میں نے اس سے کہا کہ تو نے کیا نصیحت کی تھی؟ اس نے جواب دیا کہ جب تو اس کے پاس سے لوٹیو تو وہ شعر جس کا میں نے ذکر کیا تھا' پڑھیو۔ اب میں خوش خوش اس کے پاس سے روانہ ہوا اور باغ میں پہنچ کر نشست گاہ میں جا بیٹھا۔ میں سیر تو تھا ہی' اس لیے چوتھائی رات تک بیٹھا جاگتا رہا اور مجھے معلوم ہوتا تھا کہ رات کیا ہے' ایک پورا سال ہے۔ اب جاگتے جاگتے تین چوتھائی رات گزر چکی اور مرغے بانگ دینے لگے اور زیادہ جاگنے کی وجہ سے مجھے زور کی بھوک لگی۔ میں اٹھا اور دسترخوان کے پاس جا کر اتنا کھایا کہ سیر ہو گیا اور میرا سر بھاری پڑنے لگا اور میں سونا چاہتا ہی تھا کہ مجھے دور سے روشنی اتی دکھائی دی۔ میں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور نیند کو ٹالا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ آ پہنچی۔ اس کے ساتھ دس کنیزیں تھیں اور وہ ان کے بیچ میں ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے کہ تاروں کے بیچ میں چودھویں رات کا چاند' وہ سبز اطلس کا ایک لباس پہنے ہوئی تھی جو سرخ سونے سے کڑھا ہوا تھا۔

جب اس نے مجھے دیکھا تو وہ مسکرائی اور کہنے لگی کہ کیا وجہ ہے کہ تو جاگ رہا ہے سویا نہیں۔ چونکہ تو جاگتا رہا' اس لیے مجھے یقین ہو گیا کہ تو عاشق ہے کنیزوں کو اشارہ کیا کہ چلی جائیں اور وہ چلی گئیں۔ اب وہ میرے پاس آئی اور مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور اس نے مجھ کو بوسے دیے اور میں نے اس کو۔ اس نے میرا اوپر کا ہونٹ چوسا اور میں نے اس کا نیچے کا ہونٹ۔ پھر میں نے اس کی کمر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس کو لپٹا لیا اور آپس میں ہنسی مذاق کرنے لگے۔ یہ رات دل کی مسرت اور آنکھ کی ٹھنڈک کی رات تھی اور ہم دونوں لپٹ کر صبح تک سوتے رہے۔ جب میں جانے لگا تو اس نے مجھے پکڑ لیا اور کہا کہ ٹھہر' میں تجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• ایک سو انیسویں رات

جب ایک سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جوان نے تاج الملوک سے کہا کہ جب میں چلنے لگا تو اس نے مجھے پکڑ لیا اور کہا کہ ٹھہر' میں تجھ سے کچھ کہنا چاہتی اور تجھے مشورہ دینا چاہتی ہوں۔ میں ٹھہر گیا اور اس نے ایک رومال کھول کر یہ کپڑے کا ٹکڑا نکالا اور اسے میرے سامنے پھیلا دیا میں نے اس میں اس طرح کی ایک ہرن کی تصویر دیکھی اور اسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا اور میں نے اسے لے لیا اور ہم دونوں میں یہ وعدہ ہوا کہ میں ہر رات اس سے ملنے کے لیے باغ میں آیا کروں۔ اب میں خوش خوش اس سے رخصت ہوا اور مارے خوشی کے وہ شعر یاد سے اتر گیا جو میری چچیری بہن نے پڑھنے کے لیے کہا تھا۔ جب اس نے مجھے یہ کپڑا دیا جس پر ہرن کی تصویر ہے تو مجھ سے کہا کہ یہ میری بہن نے کاڑھا ہے۔ میں نے پوچھا کہ تیری بہن کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ اس کا نام نور الہدیٰ ہے۔ اس کپڑے کو حفاظت سے رکھیو۔ اب میں خوش خوش اس سے رخصت ہو کر چلا اور چلتے چلتے گھر پہنچا اور دیکھا کہ میری چچیری بہن لیٹی ہوئی ہے۔ مجھے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے آنسو بہنے لگے اور میرے پاس آکر اس نے میرے سینے کو بوسہ دیا اور کہنے لگی کہ تو نے وہ شعر بھی پڑھا ہے جو میں نے تجھ سے پڑھنے کے لیے کہا تھا؟ میں نے جواب دیا کہ میں بھول گیا اور اس کے بھول جانے کی وجہ یہ غزال ہے۔ یہ کہہ کر میں نے وہ کپڑا اس کے آگے پھینک دیا۔ وہ کھڑی ہوتی اور پھر بیٹھ جاتی تھی اور بے چین تھی اور اس کے آنسو بہنے لگے اور اس نے یہ دو شعر پڑھے:

"اے فراق کے طالب' ذرا ٹھہر جا اور ہم کنار ہونے پر گھمنڈ مت کر"

"ذرا صبر کر کیونکہ زمانے کی عادت دھوکہ بازی اور وصال کے بعد فراق ہے۔"

جب وہ یہ اشعار پڑھ چکی تو اس نے کہا کہ اے میرے چچیرے بھائی' مجھے یہ کپڑا دکھا۔ جب میں نے اسے دکھایا تو اس نے اسے لے کر کھولا اور دیکھا کہ اس کے اندر کیا ہے۔ جب دوسرے دن میرے جانے کا وقت ہوا تو اس نے کہا کہ بھائی جا' خدا تجھے سلامت رکھے! اور جب اس کے پاس سے لوٹیو تو وہ شعر پڑھ دیجیو جو میں نے تجھ سے پہلے ہی دن کہا تھا اور جس کو تو بھول گیا تھا۔ میں نے کہا کہ وہ شعر ایک بار اور پڑھ دے اور اس نے پڑھ دیا۔ اس کے بعد میں باغ میں پہنچ کر اسی نشست گاہ میں داخل ہوا اور دیکھا کہ وہ لڑکی میرا انتظار کر رہی ہے۔ جب اس کی نظر میرے اوپر پڑی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے مجھے بوسہ دیا اور اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اس کے بعد ہم نے کھایا پیا اور اپنا ارمان پہلے کی طرح نکالا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے وہ شعر پڑھا:

"اے عاشقو' خدا کے لیے یہ تو کہو کہ جب انسان کا عشق بہت زور پکڑے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟"

جب اس نے یہ شعر سنا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے یہ شعر پڑھا:

"اسے چاہیے کہ اپنے عشق کو روک تھام کر رکھے اور اپنا بھید ظاہر نہ ہونے دے اور جو کچھ اس پر گزرے' اس پر صبر کرے اور فروتنی اختیار کرے"

میں نے اس شعر کو برزبان یاد کر لیا اور میں خوش تھا کہ میں نے اپنی چچیری بہن کی خواہش پوری کر دی اور وہاں سے روانہ ہو کر اپنی چچیری بہن کے پاس آیا اور دیکھا کہ وہ لیٹی ہوئی ہے اور میری ماں اس کے سرہانے بیٹھی رو رہی ہے۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو میری ماں نے کہا کہ ایسے چچیرے بھائی پر لعنت ہو! یہ تو نے کس طرح گوارا کیا کہ تیری چچیری بہن بیمار ہو اور تو یہ بھی نہ پوچھے کہ کیا بیماری ہے؟ جب میری چچیری بہن نے مجھے دیکھا تو اس نے اپنا سر اٹھایا اور اٹھ کر بیٹھ گئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ عزیز تو نے وہ شعر پڑھا جو میں نے کہا تھا؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں' مگر جب اس نے وہ شعر سنا تو وہ رونے لگی اور اس نے ایک شعر پڑھا جو

میں نے بر زبان یاد کر لیا ہے۔ میری چچیری بہن نے کہا کہ سنا۔ جب میں نے سنایا تو وہ زار زار رونے لگی اور پھر اس نے یہ دو شعر پڑھے۔

"وہ کس طرح عشق کی روک تھام کر سکتا ہے جب عشق اسے مارے ڈالتا ہو اور ہر روز اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہو۔"

"وہ صبر کرنا چاہتا ہے کیونکہ صبر اچھی چیز ہے مگر وہ اسے کیا کرے کہ اس کا ایک ہی دل ہے اور وہ بھی پاش پاش۔"

میری چچیری بہن نے مجھ سے کہا کہ جب تو پھر اس کے پاس جائیو تو یہ دونوں شعر جو تو نے ابھی سنے ہیں' اس کے سامنے پڑھ دیجیو۔ میں نے کہا کہ بسر و چشم۔ یہ کہہ کر میں عادت کے موافق باغ پہنچا اور ہمارے درمیان وہ باتیں پیش آئیں' جن کی تعریف زبان سے نہیں ہو سکتی۔ جب میں رخصت ہونے لگا تو میں نے وہ دونوں شعر پڑھ دیئے۔ انہیں سن کر اس کے آنسو جاری ہو گئے اور اس نے یہ شعر پڑھا:

"اگر اس میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنا بھید پوشیدہ رکھ سکے تو میرے خیال میں اس کے لیے مر جانا بہتر ہے۔"

میں نے یہ شعر بر زبان یاد کر لیا اور گھر گیا۔ جب میں اپنی چچیری بہن کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ بے ہوش پڑی ہوئی ہے اور میری ماں اس کے سرہانے بیٹھی ہے۔ جب اس نے میری آواز سنی تو آنکھیں کھول دیں اور کہنے لگی کہ عزیز' تو نے وہ دونوں شعر اس کو سنا دیئے؟ میں نے کہا کہ ہاں' لیکن ان کو سن کر وہ رونے لگی اور اس نے یہ شعر پڑھا: "اگر میں اتنی طاقت--- الخ" جب میری چچیری بہن نے وہ شعر سنا تو پھر بے ہوش ہو گئی اور جب اسے ہوش آیا تو وہ یہ دو شعر پڑھنے لگی:

"میں نے سنا اور تسلیم کر لیا اور مر گئی۔ میرا سلام اس کو پہنچا دو جو مجھے وصل سے روکتا ہے۔"

"جن کو نعمت ملی ہے ان کو وہ نعمت مبارک اور بے چارے عاشق کو غم کے گھونٹ!"

جب رات ہوئی تو میں عادت کے مطابق باغ میں گیا اور دیکھا کہ لڑکی میرا انتظار کر رہی ہے۔ ہم نے ساتھ ساتھ بیٹھ کر کھایا پیا اور صبح تک سوتے رہے۔ جب میں چلنے لگا تو وہ اشعار پڑھے جو میری چچا زاد بہن نے کہے تھے۔ انہیں سن کر وہ چلانے اور رونے پیٹنے لگی اور کہا کہ آہ! ان اشعار کی کہنے والی مر چکی ہے۔ یہ کہہ کر وہ رو پڑی اور کہنے لگی کہ اے ناشاد' ان اشعار کے کہنے والی سے تیرا کیا تعلق ہے؟ میں نے کہا کہ وہ میری چچیری بہن ہے۔ اس نے کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔ اگر وہ تیری چچیری بہن ہوتی تو تجھے بھی ضرور اس سے ایسی ہی محبت ہوتی جیسے کہ اسے تجھ سے ہے۔ تو ہی اس کے مرنے کا سبب ہے جس طرح تو نے اسے مارا' خدا تجھے مارے! خدا کی قسم' اگر تو نے مجھ سے کہا ہوتا کہ تیری ایک چچیری بہن ہے تو میں کبھی تجھ کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیتی۔ میں نے کہا کہ جو اشارے تو میرے ساتھ کرتی تھی' اس کے معنے وہی بتاتی تھی اور اسی نے مجھے تجھ سے ملنے کی تدبیر بتائی۔ اگر وہ نہ ہوتی تو میں تجھ سے ہرگز نہ مل سکتا۔ اس نے کہا کہ کیا وہ ہمارے متعلق جانتی تھی؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ جیسے تو نے اسے جوانی کی حسرت میں مارا' خدا تجھے بھی جوانی کی حسرت میں مارے! اس کے بعد اس نے کہا کہ جا اور اسے دیکھ۔ میں پریشان خاطر وہاں سے چل کھڑا ہوا اور چلتے چلتے اپنی گلی میں پہنچا اور دیکھا کہ وہاں رونا پیٹنا مچ رہا ہے۔ میرے پوچھنے پر لوگوں نے کہا کہ ہم نے عزیزہ کو دروازے کے پیچھے مردہ پایا ہے۔ جب میں مکان کے اندر گیا اور میری ماں نے مجھے دیکھا تو وہ کہنے لگی کہ اس کا عذاب تیری گردن پر ہے۔ خدا اس کا خون معاف نہ کرے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پوری ایک سو بیسویں رات

جب پوری ایک سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
نوجوان عزیز نے تاج الملوک سے کہا کہ پھر میں مکان کے اندر داخل ہوا اور جوں ہی میری ماں نے مجھے دیکھا مجھ سے کہنے لگی کہ اس کا عذاب تیرے سر ہے۔ خدا اس کا خون نہ بخشے! ایسے چچیرے بھائی پر خدا کی مار! اس کے بعد میرا باپ آیا اور ہم نے اس کی تجہیز و تکفین کر کے اسے دفن کیا اور اس کی قبر پر قرآن ختم کرائے اور وہاں تین دن تک ٹھہرنے کے بعد گھر واپس آئے اور میں اس کے مرنے پر سخت غمگین تھا۔ میری ماں نے میرے پاس آکر کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ تو مجھے بتائے کہ تو نے اس کے ساتھ کیا کیا جس سے اس کا پتہ پھٹ گیا اور اے میرے بیٹے' میں اس سے ہمیشہ پوچھتی تھی کہ تو کیوں بیمار ہے؟ لیکن وہ کچھ نہ کہتی تھی۔ اب میں تجھے خدا کی قسم دیتی ہوں کہ تو بتا کہ تو نے اس کے ساتھ کیا کیا کہ وہ مر گئی؟ میں نے کہا کہ میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ اس نے کہا کہ خدا اس کا بدلا تجھ سے لے کیونکہ اس نے مجھ سے کچھ نہ کہا بلکہ ہمیشہ اپنا راز چھپاتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ مر گئی مگر تجھ پر ناراض نہ ہوئی! جب اس کا دم نکلا تو میں اس کے پاس تھی اور اس نے آنکھیں کھول کر مجھ سے کہا تھا کہ اے میرے چچا کی بیوی' خدا تیرے بیٹے کو میرا خون معاف کرے اور اس سے بدلہ نہ لے! خدا مجھے اس فانی دنیا سے ہمیشگی کی آخرت میں لیے جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ اے میری بیٹی' خدا تجھے اور تیری جوانی کو سلامت رکھے! میں نے اس کی بیماری کا سبب بہت پوچھا لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ مسکرا کر کہا کہ اے میرے چچا کی بیوی' اپنے بیٹے سے کہہ دیجیو کہ جب وہ اس شخص کے پاس جائے جہاں روز جایا کرتا ہے تو رخصت کے وقت وہ

یہ دو جملے کہہ دے: وفا خوب ہے اور بے وفائی نامرغوب" یہ اس کے ساتھ میری مہربانی ہے تاکہ میں مرنے کے بعد بھی اس کے ساتھ ویسی ہی نیکی کروں جیسی کہ زندگی میں کرتی تھی۔ اس کے بعد اس نے تیرے لیے مجھے ایک چیز دی اور مجھے قسم دے کر کہا کہ میں وہ تجھے اس وقت تک نہ دوں جب تک کہ تجھے اس پر روتا اور نوحہ کرتا نہ دیکھ لوں۔ وہ چیز میرے پاس ہے اور جب میں تجھے اس حالت میں دیکھوں گی جس کا میں نے ذکر کیا ہے تو تجھے دے دوں گی۔ میں نے کہا کہ دکھا تو سہی لیکن اس نے یہ بھی نہ مانا۔

ادھر میں اپنے عیش میں مشغول ہو گیا اور میری چچیری بہن کی یاد دل سے اتر گئی کیونکہ میری عقل اپنی جگہ پر نہ تھی اور میرا دل یہی چاہتا تھا کہ میں دن رات اپنی محبوبہ کے پاس رہوں۔ اب مجھے معلوم بھی نہ ہوا کہ رات ہو گئی اور میں باغ گیا اور دیکھا کہ لڑکی میرا انتظار کرتے کرتے بے چین ہے۔ ابھی اسے میری موجودگی کا پورا یقین بھی نہ ہوا تھا کہ وہ مجھ سے لپٹ گئی اور میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور میری چچیری بہن کا حال پوچھنے لگی۔ میں نے جواب دیا کہ وہ فوت ہو گئی اور ہم نے اس کے لیے دعائیں کروائیں اور قرآن ختم کرائے۔ اس کو مرے چار دن ہو چکے ہیں اور آج پانچواں ہے۔ یہ سن کر وہ چلانے اور رونے لگی اور کہنے لگی کہ میں نے کہا نہ تھا کہ تو اسے مار کر چھوڑے گا۔ اگر تو مجھے اس کا حال مرنے سے پہلے بتا دیتا تو میں اس کے ان احسانوں کا بدلہ دیتی جو اس نے میرے ساتھ کیے ہیں کیونکہ اس نے میرے ساتھ نیکی کی ہے اور تجھے مجھ سے ملایا ہے۔ اگر وہ نہ ہوتی تو ہم دونوں کبھی نہ ملتے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تو اس گناہ کی وجہ سے مصیبت میں نہ پھنس جائے۔

میں نے کہا کہ اس نے مرنے سے پہلے مجھے معاف کر دیا ہے۔ اس کے بعد میں نے اس سے تمام باتیں بیان کر دیں جو میری ماں نے کی تھیں۔ اس نے کہا میں تجھے قسم دیتی ہوں کہ جب تو اپنی ماں کے پاس جائیو تو پوچھیو کہ وہ تیرے لیے کون

سی چیز چھوڑ گئی ہے۔ میں نے کہا کہ میری ماں نے یہ بھی کہا ہے کہ میری چچیری بہن مرتے وقت مجھے یہ پیغام دے گئی ہے کہ جب میں اس جگہ جاؤں جہاں میں روزانہ جایا کرتا ہوں تو یہ دو جملے کہوں: "وفا خوب ہے اور بے وفائی نامرغوب" جب لڑکی نے یہ سنا تو کہنے لگی کہ خدا اس پر رحمت بھیجے کیونکہ اس نے تجھے مجھ سے بچا لیا ہے۔ میں تجھے نقصان پہنچانا چاہتی تھی لیکن اب نہ پہنچاؤں گی اور نہ تکلیف دوں گی۔

اس پر مجھے تعجب ہوا اور میں نے پوچھا کہ آخر وہ کیا نقصان تھا جو تو مجھے پہنچانا چاہتی تھی حالانکہ ہم دونوں کے درمیان محبت ہے؟ اس نے کہا کہ تو مجھ پر مرتا ہے لیکن تو ابھی کم سن ہے اور ناتجربہ کار اور تیرے دل میں چھل فریب نہیں کیونکہ تجھے ہم لوگوں کے مکرو فریب کی خبر بھی نہیں۔ اگر وہ زندہ ہوتی تو وہ تیری مدد کر سکتی کیونکہ وہی تیری سلامتی کا سبب ہوئی اور تجھے ہلاکت سے بچاتی رہی۔ اب میں تجھے یہ نصیحت کرتا ہوں کہ تو کسی سے اس کا ذکر مت کیجیو اور نہ ہم لوگوں میں سے کسی کی طرف متوجہ ہو جیو خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی۔ خبردار! خبردار! تو ابھی ناتجربہ کار ہے اور عورتوں کے چھل فریب سے واقف نہیں اور جو شخص کہ تجھے اشاروں کی تفسیر بتاتا تھا' وہ مر چکا ہے اس لیے مجھے ڈر ہے کہ کہیں تو کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے اور تجھے بچانے والا کوئی نہ ملے۔ کیونکہ تیری چچیری بہن تو مر چکی ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• ایک سو اکیسویں رات

جب ایک سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جوان نے تاج الملوک سے کہا کہ لڑکی نے مجھ سے کہا کہ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں تو مصیبت میں نہ پھنس جائے اور تجھے بچانے والا نہ ملے۔ ہائے تیری چچیری بہن! کاش کہ اس کے مرنے سے پہلے مجھے معلوم ہوتا' تاکہ میں اس نیکی کا بدلہ دے سکتی جو اس نے میرے ساتھ کیا ہے اور اس سے ملتی! خدا اس پر رحمت بھیجے! اس نے اپنا بھید چھپائے رکھا اور اپنے دل کا حال کسی پر ظاہر نہ کیا۔ اگر وہ نہ ہوتی تو کبھی تیری رسائی مجھ تک نہ ہو سکتی۔ اب میں تجھ سے ایک بات کی درخواست کرتی ہوں' میں نے پوچھا کہ وہ کیا؟ اس نے کہا کہ مجھے اس کی قبر پر لے چل تاکہ میں اس کی قبر کی زیارت کروں۔ جس کے اندر وہ ہے اور اس پر چند اشعار لکھ آؤں۔ میں نے کہا کہ اگر خدا کو منظور ہے تو ہم کل چلیں گے۔ اس کے بعد میں اس کے ساتھ لیٹ گیا اور رات بھر لیٹا رہا اور وہ ہر لمحے کے بعد کہتی تھی کہ کاش تو اپنی چچیری بہن کے مرنے سے پہلے اس کا ذکر کرتا۔ میں نے پوچھا کہ ان دو جملوں کے کیا معنی ہیں جو اس نے مجھ سے کہے تھے اور جو یہ ہیں: وفا خوب ہے اور بے وفائی غیر مرغوب؟ لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

جب دوسرا دن ہوا تو وہ اٹھی اور دیناروں کی ایک تھیلی لے کر مجھ سے کہنے لگی کہ اٹھ اور مجھے اس کی قبر پر لے چل تاکہ میں اس کی زیارت کروں اور اس پر اشعار کندہ کر دوں اور اس پر ایک گنبد بنواؤں اور اس کے لیے دعا کروں اور ان دیناروں کو اس کی روح پر تصدق کروں۔ میں نے کہا کہ بسر و چشم۔ میں آگے آگے چل دیا اور وہ پیچھے پیچھے ہو لی۔ چلتے چلتے وہ نچھاور کرتی جاتی اور جب نچھاور کرتی تو یہ الفاظ کہتی کہ یہ عزیزہ کی روح کا صدقہ ہے جس نے اپنا راز یہاں تک چھپایا کہ موت

نے اسے آ لیا مگر اس نے اپنی محبت کا اظہار نہ کیا۔ وہ تھیلی میں سے لے کر نچھاور کرتی اور یہ کہتی جاتی تھی کہ عزیزہ کی روح کا صدقہ! یہاں تک کہ تھیلی خالی ہو گئی اور ہم قبر پر پہنچ گئے جب اس کی نظر قبر پر پڑی تو وہ رونے لگی اور قبر پر گر پڑی۔ اس کے بعد اس نے ایک فولاد کی چھینی نکالی اور ایک چھوٹی سی ہتھوڑی اور اس کی قبر پر چند دردناک اشعار کندہ کر دیئے۔

اب وہ روتی ہوئی چل دی اور میں اس کے ساتھ ہو لیا اور ہم باغ میں پہنچے اور اس نے مجھ سے کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتی ہوں کہ مجھے کبھی نہ چھوڑیو۔ میں نے کہا بسر و چشم اور میں اسی کا ہو رہا اور اسی کے یہاں آتا جاتا رہا۔ جب کبھی میں اس کے ساتھ رات بسر کرتا تو وہ میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتی اور مجھے محبت کی نظر سے دیکھتی اور وہ دو جملے پوچھتی تھی جو میری چچیری بہن عزیزہ نے میری ماں سے کہے تھے اور میں ان کو دہراتا۔ اب میں کھانے پینے اور بوس و کنار اور نفیس کپڑے پہننے میں خوب مشغول رہا یہاں تک کہ میں موٹا تازہ ہو گیا اور سارا رنج و الم جاتا رہا اور میں اپنی چچیری بہن کو بالکل بھول گیا۔ ایک سال تک میری یہ حالت رہی' اس کے بعد میں حمام گیا اور اپنے آپ کو خوب بنایا سنوارا اور عمدہ پوشاک پہنی اور حمام سے نکل کر ایک پیالہ شراب کا پیا اور اپنے لباس کی خوشبوئیں سونگھیں جو طرح طرح کے عطروں میں بسا ہوا تھا اور میرا دل باغ باغ ہو گیا اور مجھے زمانے کی بے وفائی اور حوادث کی بدبختیوں کی بالکل خبر نہ رہی۔ جب عشاء کا وقت ہوا تو میرے جی نے کہا کہ اس کے پاس چلوں۔ میں نشے میں تھا اور معلوم نہیں کہ کدھر جا رہا تھا۔ اس کے گھر کی طرف جاتے جاتے میں نشے کی وجہ سے ایک گلی میں پھر گیا جس کا نام زقاق النقیب تھا۔ اس گلی میں' میں چل ہی رہا تھا کہ میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو کیا نظر آیا کہ ایک بڑھیا چلی آ رہی ہے جس کے ہاتھ میں ایک جلتی ہوئی موم بتی اور دوسرے ہاتھ میں ایک خط ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو بائیسویں رات

جب ایک سو بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ نوجوان نے جس کا نام عزیزہ تھا' تاج الملوک سے کہا کہ جب میں ایک گلی میں داخل ہوا جس کا نام زقاق النقیب تھا تو میں نے دیکھا کہ ایک بڑھیا چلی آ رہی ہے' جس کے ایک ہاتھ میں ایک جلتی ہوئی موم بتی ہے اور دوسرے میں ایک لپیٹا ہوا خط۔ میں اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہے۔ مجھے دیکھ کر اس نے کہا کہ بیٹا' تو پڑھنا جانتا ہے؟ میں نے موج میں آکر کہا کہ ہاں خالہ' جانتا ہوں۔ اس نے کہا کہ اچھا یہ خط لے اور مجھے پڑھ کر سنا دے۔ یہ کہہ کر اس نے خط مجھے دے دیا۔ میں نے اسے لے کر کھولا اور اسے پڑھ کر سنا دیا۔ وہ خط کسی غیر موجود شخص کی طرف سے تھا اور اس میں اپنے دوستوں کو سلام لکھا تھا۔ جب اس نے خط کا مضمون سنا تو وہ خوش ہو گئی اور اسے بڑی فرحت پہنچی اور اس نے مجھے دعا دی اور مجھ سے کہنے لگی کہ جس طرح تو نے میرے غم کو دور کیا ہے' خدا تیرے غم کو بھی دور کرے! یہ کہہ کر اس نے وہ خط مجھ سے لے لیا اور چل دی۔ ابھی وہ دو قدم بھی نہ گئی ہو گی کہ مجھے پیشاب معلوم ہوا اور میں پیشاب کرنے کے لیے اپنی ایڑیوں کے بل بیٹھ گیا اور اس کے بعد میں اٹھا اور اپنی ازار باندھی اور اپنے کپڑے ٹھیک کیے اور چاہتا ہی تھا کے آگے بڑھوں کہ اتنے میں پھر وہی بڑھیا آ پہنچی اور اس نے جھک کر میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہنے لگی کہ خدا تیری جوانی سلامت رکھے! میں تجھ سے درخواست کرتی ہوں کہ اس دروازے تک چلا چل کیونکہ جو کچھ تو نے مجھے خط میں پڑھ کر سنایا تھا وہ میں نے ان سے کہا لیکن وہ میرا یقین نہیں کرتے۔ میرے ساتھ دو قدم چل کر دروازے کے پیچھے سے انہیں یہ خط پڑھ کر سنا دے اور ایک صالحہ عورت کی دعا اپنے لیے لے۔ میں نے کہا کہ آخر اس خط کا قصہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا

کہ بیٹا' یہ خط میرے بیٹے کے پاس سے آیا ہے جو دس سال سے غائب ہے۔ وہ سوداگری کا مال لے کر باہر گیا ہے اور ایک زمانے تک پردیس میں رہا۔ یہاں تک کہ ہم اس کی واپسی سے ناامید ہو گئے اور ہمیں اس کی موت کا یقین ہو گیا۔ اب مدت کے بعد اس کا یہ خط آیا ہے اس کی ایک بہن ہے جو اس کے غم میں دن رات رویا کرتی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ بخیریت ہے لیکن اسے میرا یقین نہیں آتا اور کہتی ہے کہ کسی کو لا کر یہ خط میرے سامنے پڑھوا تاکہ مجھے اطمینان ہو۔ بیٹا' تو تو یہ جانتا ہے کہ محبت کرنے والے بدگمان ہوتے ہیں اس لیے مہربانی کر کے میرے ساتھ چل اور یہ خط اس کے سامنے پڑھ دے۔ تو پردے کے پیچھے کھڑا رہیو اور میں اس کی بہن کو بلا لاؤں گی تاکہ وہ دروازے کے اندر سے سن لے۔ اس طرح تو ہمارا رنج دور کر دے گا اور یہ ہماری حاجت روائی ہو جائے گی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ جو کوئی کسی مصیبت زدہ سے دنیا کی ایک مصیبت دور کرے گا خدا ا سے سو مصیبتیں دور کرے گا اور دوسری حدیث میں ہے کہ جو کوئی اپنے بھائی کی ایک دنیا کی مصیبت دور کرے خدا اس کی قیامت کے وقت کی بہتر مصیبتیں دور کرے گا۔ میں تیرے پاس آئی ہوں' مجھے محروم مت کر۔ میں نے کہا کہ بسر و چشم۔

اب وہ آگے آگے چلی اور میں پیچھے پیچھے ہو لیا یہاں تک کہ میں ایک بڑے اور خوبصورت مکان کے دروازے پر پہنچا جس کے اوپر پیتل کے پتر چڑھے ہوئے تھے' میں دروازے کے پیچھے رک گیا اور بڑھیا نے عجمی زبان میں آواز دی۔ ابھی میرے ہوش بھی درست نہ ہونے پائے تھے کہ ایک لڑکی تیزی سے اور خوش خوش آ پہنچی۔ وہ اپنا پاجامہ گھٹنوں تک چڑھائے ہوئی تھی اور میری نظر اس کی پنڈلیوں پر پڑی جن کو دیکھ کر عقل و نظر دونوں حیران و پریشان ہو گئیں۔ ان دونوں پنڈلیوں پر جو مرمر کے ستونوں کی طرح تھیں' سونے کی پازیبیں جن میں جواہرات جڑے ہوئے تھے اور بھی سونے پر سہاگے کا کام کر رہی تھیں۔ اس کی قمیص کی آستینیں بغل تک چڑھی ہوئی تھیں اور اس

کی دونوں بانہیں برہنہ تھیں اور میری نظر اس کی گوری گوری کلائیوں پر پڑی اور میں نے دیکھا کہ اس کے پہنچوں میں جو جوڑے کنگن پڑے ہیں' جن کے قفل بڑے بڑے

موتیوں کے ہیں اور اس کی گردن میں قیمتی ہیروں کا ایک طوق ہے۔ اور کانوں میں موتیوں کی بالیاں اور سر پر ایک نئی جھالر جس میں قیمتی نگینے جڑے ہوئے ہیں اس نے اپنی قمیص کا دامن نیفے میں اڑس لیا تھا گویا کہ وہ کسی کام میں مشغول ہے۔ میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا کیونکہ وہ چمکتے ہوئے سورج کی طرح تھی۔ اب اس نے ایسی پیاری زبان سے جو میں نے کبھی نہیں سنی تھی کہا کہ اماں یہی خط پڑھنے آیا ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ ہاں اور لڑکی نے خط کو ہاتھ میں لے کر میری طرف بڑھایا۔ اس کے اور دروازے کے درمیان دو گز کا فاصلہ تھا۔ اس لیے ادھر سے میں نے بھی ہاتھ بڑھایا تاکہ اس کے ہاتھ سے خط لے لوں اور اپنے سر اور کاندھوں کو دروازے کے اندر کر لیا تاکہ اس کے قریب ہو کر خط سناؤں۔ مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ بڑھیا نے اپنے سر سے میری پیٹھ میں ایک دھکا دیا اور میں مع خط کے آگے جا پڑا اور مکان کے اندر پہنچ گیا اور دہلیز سے دور ہو گیا۔ اب بڑھیا بجلی کی طرح بڑھی اور اس نے دروازے میں قفل ڈال دیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو تیئیسویں رات

جب ایک سو تنیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ نوجوان عزیز نے تاج الملوک سے کہا کہ جب بڑھیا نے مجھے دھکا دیا تو میں دہلیز کے اندر جا پڑا اور بڑھیا نے بجلی کی طرح دوڑ کر دروازے میں قفل ڈال دیا۔ لڑکی نے جب دیکھا کہ میں دہلیز کے اندر ہوں تو وہ میرے پاس آئی اور مجھے اپنے سینے سے دبایا اور زمین پر گرا کر میرے سینے پر چڑھ بیٹھی اور میرے پیٹ کو اپنے ہاتھوں سے اتنا مسلا کہ مجھ پر غشی طاری ہو گئی اور اس کے بعد وہ مجھے ہاتھ پکڑ کر لے چلی اور اس کے مسلنے کی وجہ سے مجھ میں اتنی طاقت باقی نہ تھی کہ میں اپنا ہاتھ چھڑا سکوں۔ بڑھیا موم بتی لیے آگے آگے چلتی تھی اور لڑکی مجھے لیے پیچھے پیچھے یہاں تک کہ سات دہلیزیں طے کرنے کے بعد وہ مجھے ایک بڑے کمرے کے اندر لے گئی جس میں چار اتنے بڑے بڑے چبوترے تھے کہ ان میں سوار گیند بلا کھیل سکتے تھے۔ وہاں پہنچ کر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ آنکھیں کھول دے۔ میں نے آنکھیں کھول دیں لیکن مسلنے اور کچلنے کی وجہ سے مجھے اب چکر آ رہا تھا۔ اب میں نے دیکھا کہ سارا کمرہ بہترین مرمر کا بنا ہوا ہے اور تمام فرش ریشم اور اطلس کا ہے حتیٰ کہ تکیے اور چٹائیوں پر بھی ریشم چڑھا ہوا ہے اور وہاں دو چوکیاں تانبے کی پڑی ہوئی ہیں اور سرخ سونے کا ایک تخت ہے جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے ہیں اور دوسری کرسیاں ہیں جو محض تجھ جیسے بادشاہ کی شان کے شایاں ہیں اب اس نے مجھ سے کہا کہ اے عزیز' تجھے موت زیادہ پیاری ہے یا حیات؟ میں نے جواب دیا کہ حیات۔ اس نے کہا کہ اگر تجھے حیات زیادہ پیاری ہے تو میرے ساتھ شادی کر۔ میں نے کہا کہ میں تجھ جیسی لڑکی سے شادی نہیں کرنے کا۔ اس نے کہا کہ اگر مجھ سے شادی کرے گا تو بدذات دلیلہ کی بیٹی سے محفوظ ہو جائے گا۔ میں نے پوچھا کہ بدذات دلیلہ کی بیٹی کون ہے؟ اس نے ہنس

کر جواب دیا کہ وہی جس کی صحبت میں تجھے آج ایک سال اور چار مہینے ہو چکے ہیں' خدا اسے تباہ کرے اور اسے اور زیادہ مصیبت میں گرفتار کرے! خدا کی قسم' اس سے

زیادہ فریبی آج دنیا میں نہیں پایا جاتا۔ اس نے تجھ سے پہلے کتنے ہی آدمیوں کو قتل کر ڈالا ہے اور کیسے کیسے برے کام کئے ہیں! تو اس کے ہاتھ سے کس طرح بچ گیا حالانکہ تو اتنی مدت سے اس کے ساتھ ہے؟ نہ تو اس نے تجھے قتل کیا اور نہ کوئی نقصان پہنچایا۔

جب میں نے اس کی یہ باتیں سنیں تو مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں نے کہا کہ اے میری آقا' تجھے اس کا حال کس طرح معلوم ہوا؟ اس نے کہا کہ میں اسے اسی طرح جانتی ہوں جس طرح زمانہ اپنے مصائب کو جانتا ہے لیکن اب میں چاہتی ہوں کہ جو کچھ تجھے اس کے ساتھ پیش آیا ہے' مجھ سے بیان کر تاکہ مجھے معلوم ہو کہ تو اس کے ہاتھ سے کیونکر بچ گیا۔ اس پر میں نے اپنی ساری سرگزشت جو اس کے اور اپنی چچیری بہن عزیزہ کے ساتھ پیش آئی تھی' بیان کر دی۔ عزیزہ کی موت کا حال سن کر اس نے عزیزہ کے لیے رحمت کی دعا مانگی اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور کہنے لگی کہ اس کی جوانی فی سبیل اللہ ضائع ہوئی' اس کے عوض خدا تجھے نیک بدلا دے! اے عزیز' وہ خود مر گئی مگر بدذات ولیلہ کی بیٹی کے ہاتھ سے تجھے بچا گئی۔ اگر وہ نہ ہوتی تو تو مر چکا ہوتا۔ مگر میں ڈرتی ہوں کہ وہ اپنے مکر و فریب سے تجھے تباہ نہ کر دے۔ میرا دل بھرا ہوا ہے مگر میں کچھ زبان سے نکال نہیں سکتی۔ میں نے کہا کہ خدا کی قسم' یہ ساری باتیں پیش آ چکی ہیں۔ اس پر وہ اپنا سر ہلانے لگی اور اس نے کہا کہ عزیزہ کا مثل آج دنیا میں ناپید ہے۔ میں نے کہا کہ مرتے وقت عزیزہ نے یہ وصیت کی تھی کہ میں اس لڑکی سے محض یہ دو جملے کہہ دوں: وفا خوب ہے اور بے وفائی نامرغوب۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ اے عزیز' واللہ یہی دو جملے ہیں جن کی وجہ سے تو بچ گیا اور اس نے تجھے قتل نہیں کیا۔

اب مجھے اس کی طرف سے اطمینان ہے کہ وہ تجھے ضرر نہ پہنچائے گی اور تجھے قتل نہ کرے گی۔ تیری چچیری بہن نے زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی تجھے بچا لیا۔ میں ہر روز تیرے آنے کی تمنا کرتی تھی' مگر تو آج سے پہلے کبھی میرے ہاتھ نہ لگا اور میں نے دھوکا دے کر تجھے بلوا لیا۔ تو ابھی ناتجربہ کار ہے اور عورتوں کے فریب اور بوڑھیوں کے مکر سے بے خبر۔ میں نے کہا کہ درست ہے۔

اس نے کہا کہ اب غم مت کر اور دل ٹھنڈا رکھ کیونکہ ایک مرحومہ فوت شدہ اور ایک زندہ عورت کی عنایت کی نظر تجھ پر ہے۔ تو خوش رو جوان ہے اور میں تجھے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بغیر نہیں لینا چاہتی۔ جب کبھی تجھے مال یا کپڑوں کی ضرورت ہو گی فوراً حاضر کر دیئے جائیں گے اور میرے پاس تجھے کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ میرے پاس ہر وقت پکی ہوئی روٹی اور کوزے میں پانی موجود رہتا ہے۔

میں تجھ سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں چاہتی کہ تو میرے ساتھ وہ کام کیا کر جو مرغا کرتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ مرغا کیا کرتا ہے؟ یہ سن کر وہ ہنسنے لگی اور تالیاں بجانے لگی اور مارے ہنسی کے زمین پر لوٹ گئی۔ اس کے بعد وہ اٹھی اور مسکرا کر کہنے لگی کہ اے میری آنکھوں کے تارے' تجھے نہیں معلوم کہ مرغا کیا کرتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم' مجھے واقعی نہیں معلوم کہ مرغا کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ مرغا کھاتا پیتا اور جفتی کرتا ہے۔ میں یہ سن کر شرما گیا اور اس سے کہا کہ یہی مرغے کا کام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ میں تجھ سے یہی چاہتی ہوں کہ تو کمر بستہ ہو جا اور دل مضبوط کر کے جہاں تک ممکن ہو سکے۔ یہ خدمت بجا لا۔ اب اس نے تالی بجائی اور کہا کہ ماں' جو لوگ تیرے پاس ہیں' ان کو بلا۔ وہ بڑھیا فوراً چار عادل گواہوں کو لے آئی اور ایک ٹکڑا ریشم کا۔ اب اس نے چار موم بتیاں جلائیں اور گواہوں نے داخل ہوتے ہی مجھ کو سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ لڑکی اٹھی اور اس نے چہرے پر ایک نقاب ڈال لی۔ ان میں سے ایک شخص نکاحی باپ بن

گیا اور نکاح نامہ تیار ہو گیا اور لڑکی نے یہ گواہی دی کہ اس کو معجل اور موجل دونوں مہر مل چکے ہیں اور اس کے میری طرف دس ہزار دینار نکلتے ہیں۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو چوبیسویں رات

جب ایک سو چوبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جوان نے تاج الملوک سے کہا کہ جب نکاح نامہ مرتب ہو گیا تو لڑکی نے گواہی دی کہ میں معجل اور موجل دونوں مہر لے چکی ہوں اور اس کے میرے ذمے دس ہزار دینار اور نکلتے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے گواہوں کو اجرت دے کر رخصت کر دیا۔ اب وہ لڑکی اٹھی اور اس نے اپنے کپڑے اتارے اور ایک انگی قمیص پہنے ہوئے آئی جس پر سنہرا کشیدہ کڑھا ہوا تھا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تخت کے اوپر لے گئی اور کہنے لگی کہ حلال کاری میں کوئی عیب نہیں اور تخت پر چت لیٹ گئی اور مجھے اپنے سینے پر لٹا لیا اور سسکیاں لینے لگی اور ناز و نخرے کرنے لگی۔ جب میں نے اسے اس حالت میں دیکھا تو مجھ سے نہ رہا گیا اور ہم نے دل کھول کر مزہ اٹھایا اور پھر صبح تک سوتے رہے۔ صبح کو میں نے اٹھ کر باہر جانا چاہا تو وہ میرے سامنے کھڑی ہو کر ہنسنے لگی اور اور کہا کہ واہ! واہ! تو سمجھتا ہے کہ حمام میں جانا اور باہر نکلنا ایک سا ہے۔ شاید تو نے مجھے بدذات ولیلہ کی بیٹی کی طرح سمجھا ہے۔ اس خیال کو دل سے نکال ڈال کیونکہ تو قرآن اور سنت کی بنا پر میرا شوہر ہے اور اگر تو نشے میں بھی ہو تو ہوش سنبھال یہ گھر جس میں اس وقت تو ہے' سال میں محض ایک روز کھلتا ہے۔ یقین نہ ہو تو بڑا دروازہ جا کر دیکھ آ۔

اب میں اٹھ کر بڑے دروازے کے پاس گیا اور دیکھا کہ وہ بند ہے اور کیلوں سے جڑا ہوا ہے۔ میں نے واپس آکر اس سے کہا کہ واقعی بند ہے اور اس میں کیلیں جڑی ہوئی ہیں۔ اس نے کہا کہ عزیز' ہمارے پاس یہاں آٹا اور غلہ اور میوے اور انار اور شکر اور گوشت اور بھیڑ بکریاں اور مرغیاں اتنی ہیں کہ کئی سال کے لیے کافی ہوں گی۔ دروازہ آج سے ایک سال کے بعد کھلے گا اور مجھے معلوم ہے کہ تو ایک سال سے پہلے

یہاں سے نکل نہیں سکتا۔ میں نے کہا کہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ! اس نے کہا کہ کس چیز سے تجھے تکلیف ہو گی۔ حالانکہ تو مرغے کا کام جانتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ ہنسی اور میں بھی ہنس پڑا اور اس کا کہنا مان لیا اور اس کے ساتھ رہنے اور مرغے کا کام کرنے لگا یہاں تک کہ پورے بارہ ماہ گزر گئے اور اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ پورا سال گزرنے کے بعد میں نے دروازے کے کھلنے کی آواز سنی اور دیکھا کہ لوگ کیک اور آٹا اور شکر لے کر اندر آئے۔ اب میں نے باہر نکلنے کا ارادہ کیا مگر اس نے کہا کہ عشا کے وقت تک ٹھہر جا اور جس وقت تو آیا ہے اس وقت باہر جائیو۔ میں عشاء کے وقت تک ٹھہر گیا اور پھر ارادہ کیا کہ نکلوں مگر مجھے ڈر لگتا تھا۔ اتنے میں وہ کہنے لگی کہ میں تجھے اس وقت تک نہیں نکلنے دوں گی جب تک کہ تو حلف نہ اٹھائے کہ آج ہی رات دروازہ بند ہونے سے پہلے تو واپس آ جائے گا۔ میں نے کہا کہ منظور ہے۔ اس نے مجھے تلوار اور قرآن اور طلاق کی قسمیں دیں کہ میں ضرور واپس آؤں گا۔ اب میں وہاں سے نکلا اور باغ میں گیا اور دیکھا کہ وہ پہلے کی طرح کھلا ہوا ہے۔ اس پر مجھے غصہ آیا اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں یہاں ایک سال سے نہیں آیا ہوں اور اب بے کہے آیا تو پہلے کی طرح کھلا پایا۔ خدا جانے وہ لڑکی بھی یہاں ہے کہ نہیں! قبل اس کے کہ میں اپنی ماں کے پاس جاؤں، پہلے جا کر دیکھوں تو سہی کیونکہ ابھی عشاء ہی کا وقت ہے۔ یہ کہہ کر میں باغ میں داخل ہو گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو پچیس ویں رات

جب ایک سو پچیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ عزیز نے تاج الملوک سے کہا کہ یہ کہہ کر میں باغ میں داخل ہو گیا اور چلتے چلتے نشست گاہ تک پہنچا اور دیکھا کہ بدذات دلیلہ کی بیٹی گھٹنوں پر سر رکھے اور رخساروں کو ہاتھ پر ٹیک دیئے بیٹھی ہوئی ہے اور اس کا رنگ بدل گیا اور آنکھیں اندر گھس گئی ہیں۔ جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو کہنے لگی کہ الحمد للہ تو صحیح و سلامت ہے' اور اس نے اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن مارے خوشی کے گر پڑی۔ مجھے اس کے آگے شرم معلوم ہوئی اور میں سر نیچا کر کے اس کی طرف بڑھا اور اسے بوسہ دیا اور اس سے کہنے لگا کہ تجھے یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں آج رات تیرے پاس آؤں گا؟ اس نے کہا کہ یہ مجھے معلوم نہ تھا۔ واللہ ایک سال سے مجھے یہ معلوم نہیں کہ نیند کا مزہ کیسا ہوتا ہے بلکہ میں ہر رات تیرے انتظار میں جاگا کرتی تھی جس دن میں نے تجھے نئے کپڑے دیئے ہیں اور تو یہ وعدہ کر کے گیا ہے کہ تو حمام جا کر واپس آئے گا۔ اس دن سے میں اسی حالت میں ہوں۔ میں ایک رات انتظار میں بیٹھی رہی اور پھر دوسری رات اور پھر تیسری رات لیکن تو نہ آیا اور میں تیرے آنے کا انتظار کرتی رہی۔ یہ ہے عاشقوں کی شان! اب میں یہ چاہتی ہوں کہ تو ایک سال تک غائب رہنے کا سبب بتلا۔ میں نے یہ سارا قصہ بیان کر دیا۔ جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ میں نکاح کر چکا ہوں تو اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔ میں نے کہا کہ میں آج رات کے لیے تیرے پاس آیا ہوں اور دن نکلنے سے پہلے چلا جاؤں گا۔ اس نے کہا کہ کیا اس کے لیے یہ کافی نہ تھا کہ اس نے تجھے دھوکا دے کر تیرے ساتھ نکاح کر لیا اور پورے ایک سال تک اپنے یہاں بند رکھا یہاں تک کہ تو نے طلاق پر قسم کھا کر دن نکلنے سے پہلے واپس جانے کا وعدہ کیا اور اس نے تجھے اتنی اجازت نہ دی کہ تو اپنی ماں کے یا میرے

پاس دل بہلانے آئے اور یہ گوارا نہ کیا کہ تو ایک رات بھی اس سے الگ رہ کر ہم میں سے کسی کے ساتھ بسر کرے۔ لہٰذا اس کا کیا حال ہو گا' جس کے پاس سے تو سال بھر غائب رہا ہے؟ میں تو تجھے پہلے ہی پہچان گئی تھی' لیکن خدا تیری چچیری بہن عزیزہ پر رحم کرے کیونکہ جو اس پر گذری' کسی اور پر نہ گزری ہو گی اور جس بات پر اس نے صبر کیا کوئی اور نہ کر سکے گا۔ اور اس نے تیرے ظلم کی وجہ سے جان دے دی حالانکہ اسی نے تجھے مجھ سے بچایا ہے۔ میرا خیال تھا کہ تو مجھے چاہتا ہے اور اسی لیے میں نے تجھے کھلے بندوں چھوڑ رکھا تھا حالانکہ میں یہ کر سکتی تھی کہ تیرے بدن پر ایک ٹکڑا چربی کا نہ چھوڑتی یا تجھ کو بند کر دیتی یا مار ڈالتی۔

یہ کہہ کر وہ بلک بلک کر رونے لگی اور غصے میں بھر گئی اور میرے سامنے کانپنے لگی اور مجھے غضب آلود نظروں سے دیکھنے لگی۔ جب میں نے اسے اس حالت میں دیکھا تو میرے پٹھے تھر تھر کرنے لگے اور مجھے اس سے ڈر معلوم ہوا کیونکہ اس کی شکل خوف ناک چڑیل کی سی ہو گئی تھی اور میری یہ حالت تھی جیسے کہ آگ پر پھلی۔ وہ کہنے لگی کہ تو میرے لیے اب بے کار ہے کیونکہ تو نے شادی کر لی ہے اور تیرے ایک لڑکا بھی ہو چکا ہے اب تو میری صحبت کے قابل نہیں رہا۔ میرے کام کا وہی شخص ہے جو کنوارا ہو' شادی شدہ میرے لیے بے کار ہے۔ تو نے مجھے اس گندی بیسوا کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے۔ خدا کی قسم' میں اس پتریا کا دل تجھ پر جلا کر چھوڑوں گی اور تو نہ اس کے لیے زندہ رہے گا اور نہ میرے لیے۔ یہ کہہ کر اس نے اس زور سے آواز دی اور قبل اس کے کہ میرے ہوش درست ہوں' دس کنیزوں نے آ کر مجھے زمین پر پچھاڑ دیا اور ابھی میں ان کے نیچے ہی تھا کہ وہ اٹھی اور ایک چھری لے آئی اور کہنے لگی کہ میں تجھے اس طرح ذبح کروں گی جیسے کہ بکرے کو ذبح کیا جاتا ہے اور یہ کمترین سزا ہے تیرے اس فعل کی جو تو نے میرے ساتھ اور مجھ سے پہلے اپنی چچیری بہن کے ساتھ کیا ہے۔ جب میں نے دیکھا کہ میری جان اس کی کنیزوں

کے ہاتھ میں ہے اور میرا چہرہ مٹی سے لتھڑا ہوا ہے اور وہ چھری تیز کر رہی ہے تو مجھے موت کا یقین ہو گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• ایک سو چھبیس ویں رات

جب ایک سو چھبیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
وزیر دندان نے ضوء المکان سے کہا کہ جوان عزیز نے تاج الملوک سے کہا کہ جب میں نے اپنی جان اس لونڈی کے ہاتھ میں دیکھی اور میرا چہرہ مٹی میں لتھڑا ہوا تھا اور وہ چھری تیز کر رہی تھی تو مجھے اپنی موت کا یقین ہو گیا اور میں اس کی دہائی دینے لگا مگر اس پر وہ زیادہ سخت دل ہو گئی اور اس نے اپنی کنیزوں سے کہا کہ وہ میری مشکیں باندھ دیں اور انہوں نے میری مشکیں باندھ کر زمین پر چت لٹا دیا اور میرے پیٹ پر بیٹھ گئیں اور میرا سر تھام لیا اور دو کنیزیں اٹھ کر میری پنڈلیوں پر بیٹھ گئیں اور دو کنیزوں نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ اب وہ دو کنیزوں کو لے کر اٹھی اور ان کو حکم دیا کہ مجھے ماریں اور انہوں نے مجھے اتنا مارا کہ میں بے ہوش ہو گیا اور میری آواز بند ہو گئی۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ ذبح ہونا میرے لیے بہتر اور آسان تر ہے۔ بہ نسبت اس زد و کوب کے اور مجھے اپنی چچیری بہن کا ایک فقرہ یاد آ گیا جو وہ اکثر کہا کرتی تھی: خدا تجھے اس کے شر سے بچائے! یہ یاد کر کے میں چلانے اور رونے لگا یہاں تک کہ میری آواز بیٹھ گئی اور مجھ میں نہ حس باقی رہی اور نہ سانس۔ لڑکی نے چھری تیز کر کے کنیزوں سے کہا کہ اس کے کپڑے اتار ڈالو۔ اب خدا نے یہ میرے دل میں ڈال دیا کہ میں اس سے وہ دو جملے کہوں جو میری چچیری بہن نے مرتے وقت کہے تھے اور میں اس سے کہنے لگا کہ اے میری آقا' کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ "وفا خوب ہے اور بے وفائی نامرغوب؟" جب اس نے یہ سنا تو ایک چیخ ماری اور کہنے لگی کہ اے عزیزہ' خدا تیرے اوپر رحم کرے! اللہ اس کی جوانی کے بدلے اسے جنت دے! خدا کی قسم! اس نے تجھے اپنی زندگی میں

بھی بچایا ہے اور مرنے کے بعد بھی اور ان دو جملوں کی بدولت اس نے تیری جان مجھ سے بچائی ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ میں تجھے یوں ہی جانے دوں بلکہ اس ذلیل چڑیا کو دق کرنے کے لیے جس نے تجھے روک رکھا تھا میں تجھے ایک نشانی دینا چاہتی ہوں۔

یہ کہہ کر اس نے اپنی کنیزوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ میرے دونوں پاؤں رسی سے باندھیں اور مجھ پر سوار ہو جائیں۔ جب وہ یہ کر چکیں تو وہ میرے پاس سے اٹھی اور ایک تانبے کی کرچھلی لا کر اس کو انگیٹھی پر رکھا اور اس میں تل کا تیل ڈالا اور اس تیل میں پنیر تلا۔ میں تو بے ہوش پڑا تھا' اس نے آ کر میرے کپڑے اتارے۔ اب وہ ایک استرا لائی------ اور میں عورت کی طرح ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے زخم کو داغ دیا اور پھر اس پر ایک سفوف مل دیا۔ یہ ساری باتیں میری بے ہوشی کی حالت میں ہوئیں۔ جب مجھے ہوش آیا تو خون بند ہو چکا تھا اور اس نے کنیزوں سے کہا کہ ڈوری کھول دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے ایک پیالہ شراب کا پینے کے لیے دیا اور کہنے لگی کہ اب اس کے پاس جا جس کے ساتھ تو نے شادی کی ہے اور جس نے تجھے ایک رات کے لیے بھی میرے پاس نہ آنے دیا۔ خدا رحم کرے تیری چچیری بہن پر جس کی وجہ سے تیری جان بچ گئی اور جس نے اپنا راز فاش نہ کیا۔ اگر تو اس کے دونوں جملے مجھے نہ سناتا تو میں تجھے ذبح کر چکی ہوتی۔ اب جا اس کے پاس جو تیری طلب گار ہے۔ میرے لیے تیرے پاس اور کوئی چیز نہ تھی۔ سوائے اس کے جسے میں نے کاٹ ڈالا ہے اور اب تیرے پاس کوئی چیز میرے لیے باقی نہیں رہی اور نہ مجھے تیری طرف رغبت رہی اور نہ تیری ضرورت۔ اب یہاں سے دور ہو اور اپنی چچیری بہن کے لیے رحمت کا طالب ہو۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے ایک ٹھوکر لگائی اور میں اٹھ کھڑا ہوا لیکن چونکہ چلنے میں تکلیف ہوتی تھی اس لیے آہستہ آہستہ چلا یہاں تک کہ اپنی بیوی کے دروازے پر پہنچا اور دیکھا کہ وہ کھلا ہوا ہے اور میں اس کے اندر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اتنے میں میری بیوی باہر آئی اور مجھے اٹھا کر کمرے میں لے گئی اور دیکھا کہ میں مثل عورت کے ہو گیا ہوں اور بے ہوش ہو کر سو

گیا۔ جب میری آنکھ کھلی تو مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میں ایک باغ کے دروازے پر پڑا ہوں۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو ستائیس ویں رات

جب ایک سو ستائیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------

وزیر دندان نے بادشاہ ضوء المکان سے کہا کہ اس کے بعد نوجوان عزیز نے تاج الملوک سے کہا کہ جب میری آنکھ کھلی اور مجھے ہوش آیا تو میں نے آپ کو باغ کے دروازے پر پایا۔ کراہتا ہوا اور آہ و زاری کرتا ہوا میں اٹھا اور آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ یہاں تک کہ اپنے گھر پہنچا۔ جب میں اندر آیا تو دیکھا کہ میری ماں میرے اوپر گریہ و زاری کر رہی ہے اور یہ کہہ رہی ہے کہ بیٹا' خدا جانے تو کس ملک میں تھا! میں اس کے پاس پہنچ کر اس کے اوپر گر پڑا۔ جب اس نے مجھے دیکھا اور چھوا تو میرا حال بے حال پایا کیونکہ میرا چہرہ زرد اور سیاہ پڑ گیا تھا اور مجھے اپنی چچیری بہن یاد آ رہی تھی اور نیز ان بھلائیوں کی جو اس نے میرے ساتھ کی تھیں اور مجھے یقین آ گیا تھا کہ اسے مجھ سے محبت تھی۔ اس کی یاد میں' میں رونے لگا اور میری ماں بھی رو پڑی اور کہنے لگی کہ بیٹا' تیرے باپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ سن کر مجھے اور بھی افسوس ہوا اور میں اتنا رویا کہ مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔ جب مجھے ہوش آیا تو میری نظر اس جگہ پر پڑی جہاں میری چچیری بہن بیٹھا کرتی تھی اور میں دوبارہ رونے لگا اور قریب تھا کہ میں روتے روتے بے ہوش ہو جاؤں۔ اس طرح میں آدھی رات تک روتا پیٹتا رہا۔ میری ماں نے کہا کہ تیرے باپ کو مرے دس روز ہو چکے ہیں۔ میں نے کہا کہ اس وقت مجھے سوائے اپنی چچیری بہن کے اور کسی کی یاد نہیں آتی۔ جو کچھ میرے اوپر گزری ہے' اس کا میں مستحق ہوں کیونکہ وہ مجھ سے محبت کرتی تھی اور میں اس سے دور بھاگتا تھا۔ ماں نے پوچھا کہ تجھ پر کیا گزری ہے؟ اس پر میں نے اپنی ساری سرگزشت بیان کر دی اور وہ سن کر رونے لگی۔

اس کے بعد وہ اٹھی اور میرے لیے کھانا لائی اور میں نے کچھ کھایا پیا اور پھر اپنا قصہ

بیان کیا اور ساری سرگزشت دہرائی۔ اس نے کہا کہ الحمد للہ کہ تجھ پر یہی گزری اور اس نے تجھے ذبح نہیں کیا۔ اب اس نے میرا علاج کیا اور مجھے دوائیں دیں یہاں تک کہ میں اچھا ہو گیا اور صحت ٹھیک ہو گئی۔ جب میں تندرست ہو چکا تو اس نے مجھ سے کہا کہ اب میں تجھے وہ امانت لا کر دیتی ہوں جو تیری چچیری بہن نے میرے پاس رکھی ہے اب وہ تیری ملکیت ہے کیونکہ اس نے مجھے قسم دی تھی کہ میں وہ امانت تجھے اس وقت تک نہ دوں جب تک کہ میں یہ نہ دیکھ لوں کہ تو اس کی یاد کرتا اور اس پر روتا ہے اور باقی تمام لوگوں سے اپنا تعلق قطع کر چکا ہے۔ اب یہ شرطیں پوری ہو چکی ہیں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھی اور اس نے ایک صندوق کھولا اور اس میں سے کپڑا نکالا جس پر ہرن کی یہ تصویر بنی ہوئی ہے اور یہ وہی کپڑا ہے جو میں نے اسے پہلے دیا تھا اور جس پر اب چند غم ناک شعر لکھے ہوئے تھے۔ جب میں نے وہ اشعار پڑھے تو میں زار زار رونے لگا اور منہ پر طمانچے مارنے لگا۔ جب میں نے یہ کپڑا کھولا تو اس میں سے ایک کاغذ گرا۔ اس کو کھولا تو اس میں لکھا تھا کہ: اے میرے چچیرے بھائی میں نے تجھے اپنا خون معاف کر دیا ہے اور خدا سے امید ہے کہ وہ تجھے تیرے محبوب کے ساتھ کامیابی عطا کرے! لیکن اگر بدذات ولیلہ کی بیٹی سے تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو پھر نہ اس کے پاس کبھی جائیو! نہ کسی اور کے پاس اور اپنی مصیبت پر صبر کیجیو۔ اگر تیری تقدیر میں جینا نہ لکھا ہوتا تو تو کبھی کا مر چکا ہوتا۔ لیکن شکر خدا کا' جس نے تجھ سے پہلے مجھے موت دی۔ میرا سلام قبول کر اور اس کپڑے کے ٹکڑے کو جس پر ہرن کی تصویر ہے حفاظت سے رکھیو اور کبھی اپنے پاس سے جدا نہ کیجیو کیونکہ جب تو نہ ہوتا تھا تو میں اسے اپنے پاس رکھتی تھی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ایک سو اٹھائیس ویں رات

جب ایک سو اٹھائیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
وزیر دندان نے بادشاہ صوء المکان سے کہا کہ نوجوان عزیز نے تاج الملوک سے کہا کہ جو کچھ میری چچیری بہن نے نصیحت کے طور پر میرے لیے لکھا تھا۔ میں نے پڑھا اور اس میں یہ تھا کہ اس ہرن کو حفاظت سے رکھیو اور اس سے جدا نہ ہو جیو کیونکہ تیری غیر موجودگی میں وہ میرا ہمدم تھا۔ میں تجھے خدا کی قسم دیتی ہوں کہ اگر اس ہرن کی کاڑھنے والی تک رسائی ہو جائے تو اس کو (ولیلہ کی بیٹی کو) چھوڑ دیجیو اور اسے اپنے پاس نہ پھٹکنے دیجیو اور اس سے شادی نہ کیجیو اور اگر ہرن والی تجھے نہ مل سکے اور وہ تیرے ہاتھ نہ لگ سکے اور اس تک رسائی کا کوئی وسیلہ تیرے پاس نہ ہو تو پھر کسی عورت کے پاس نہ بھٹکیو۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ ہرن والی ہر سال ایک ہرن کاڑھتی ہے اور اس کی کاریگری جس سے ساری دینا عاجز ہے لوگوں پر ظاہر ہے۔ اب تیری محبوبہ یعنی بذات ولیلہ کی بیٹی کا یہ قصہ ہے کہ یہ ہرن کہیں سے اس کے ہاتھ لگ گیا ہے اور وہ لوگوں کو دھوکا دیتی اور انہیں دکھا کر کہتی ہے کہ میری ایک بہن ہے جو یہ کاڑھتی ہے مگر وہ جھوٹی ہے' خدا اس کا راز فاش کرے!
بس یہ ہے میری نصیحت تیرے لیے۔ اور اس نصیحت کی وجہ یہ ہے کہ میں جانتی ہوں کہ میرے مرنے کے بعد دینا تجھے بہت تنگ کرے گی۔ اگر اس کی وجہ سے تجھے کبھی سفر کرنا پڑے اور تو ملک ملک پھرے اور اس تصویر والی کی خبر تجھے معلوم ہو اور تیرا دل اس سے ملنے کو چاہے تو اس وقت تو مجھے یاد کرے گا لیکن بے سود اور میری قدر تجھے میرے مرنے کے بعد معلوم ہو گی۔ جو لڑکی یہ ہرن کاڑھتی ہے وہ جزائر کافور کے بادشاہ کی بیٹی ہے اور بڑی شریف زادی ہے۔
جب میں نے یہ خط پڑھا اور اس کے مضمون سے مجھے آگاہی ہوئی تو میں رونے لگا اور

میری ماں بھی رو پڑی۔ میں برابر اسے دیکھ دیکھ کر روتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ ایک سال تک میری یہی حالت رہی۔ اس کے بعد ان سوداگروں نے جو میرے شہر کے ہیں' سفر کا ارادہ کیا اور یہ وہی لوگ ہیں' جن کے ساتھ میں اس وقت قافلے میں ہوں اور میری ماں نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں سوداگری کا مال لے کر ان کے ساتھ سفر کروں تاکہ میری حالت سدھر جائے اور میرا غم غلط ہو جائے اور اس نے مجھ سے یہ کہا کہ دل شاد ہو اور غم مت کر اور سال دو سال یا تین سال باہر رہ جب تک یہ قافلہ واپس نہ آئے شاید تیرا غم غلط ہو اور تیری حالت سنبھل جائے۔ وہ مجھے برابر نرمی کے ساتھ سمجھاتی رہی' یہاں تک کہ سوداگری کا مال تیار کر کے میں ان کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ جب سے میں سفر پر ہوں' ایک لمحے کے لیے بھی میرے آنسو نہیں تھمے اور جہاں کہیں بھی ہم اترتے ہیں تو میں یہ کپڑا کھول کر ہرن کو دیکھتا اور اپنی چچیری بہن کو یاد کر کے روتا ہوں جیسا کہ تو نے خود دیکھا ہے کیونکہ اسے میرے ساتھ بہت زیادہ محبت تھی اور میرے ہی ظلم کی ماری ہوئی ہے۔ میں نے سوائے نقصان کے اسے کچھ نہیں پہنچایا اور اس نے میرے ساتھ ہمیشہ بھلائی کی۔ جب میں ان سوداگروں کے ساتھ وطن واپس پہنچوں گا تو ایک سال پورا ہو چکا ہو گا۔ جب سے میں جزائر کافور اور قلعہ بلور سے ہو کر آیا ہوں' میرا غم دوبالا ہو گیا ہے اور زخم تازہ ہو گئے ہیں۔

جزائر کافور سات جزیرے ہیں اور وہاں ایک بادشاہ کی حکومت ہے جس کا نام شہرمان ہے۔ اس کی ایک بیٹی ہے جس کا نام دینا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ وہی ہرن کاڑھتی ہے اور جو ہرن کہ اس وقت تیرے پاس ہے' اس کی کاری گری ہے۔

جب مجھے اس کا علم ہوا تو میرا شوق بھی بڑھ گیا اور میں فکر اور دل سوزی کے سمندر میں ڈوب گیا اور اپنی جان کو رونے لگا کیونکہ میں عورت کی طرح ہو گیا تھا اور کوئی تدبیر نہ سوجھتی تھی۔ جب سے میں نے جزائر کافور کو چھوڑا ہے' میں گریہ و زاری کرتا اور غمگین رہتا ہوں اور معلوم نہیں کہ میرے لیے یہ ممکن بھی ہے کہ میں اپنے

وطن پہنچ کر اپنی ماں کے پاس مروں گا یا نہیں۔ میں دینا سے سیر ہو چکا ہوں۔ یہ کہہ کر میں رونے اور آہیں بھرنے اور فریاد کرنے لگا اور ہرن کی تصویر دیکھ دیکھ کر میرے آنسو جاری تھے۔ یہ ہے میری کہانی' اے بادشاہ! اس سے زیادہ عجیب و غریب تو نے کبھی نہ سنی ہو گی۔ تاج الملوک کو اس پر بہت تعجب ہوا اور جوں ہی جوان نے اپنا قصہ ختم کیا' شہزادے کے دل میں دینا کا حال اور اس کی خوبصورتی کا ذکر سن کر ایک آگ سی بھڑک اٹھی۔

اب شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

ایک سو انتیس ویں رات

جب ایک سو انتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ وزیر دندان نے ضوء المکان سے کہا کہ جب تاج الملوک نے اس جوان کا قصہ سنا تو حیران رہ گیا اور اس کے دل میں ایک آگ سی بھڑک اٹھی کیونکہ اس نے شہزادی دینا کے حسن کی تعریف سنی اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہی ہرن کی تصویریں کاڑھتی ہے تو اس کا عشق اور جنون دوبالا ہو گیا اور اس نے جوان سے کہا کہ خدا کی قسم' تیرے ساتھ وہ وہ باتیں پیش آئی ہیں جو کسی کے ساتھ پیش نہ آئی ہوں گی۔ لیکن تیری ابھی اور زندگی باقی ہے جو تجھے کاٹنی ہو گی میں چاہتا ہوں کہ تجھ سے ایک بات پوچھوں۔ عزیز نے کہا کہ وہ کیا؟ اس نے کہا کہ تو مجھ سے یہ بیان کر کہ تو نے اس لڑکی کو کس طرح دیکھا جس نے یہ ہرن کاڑھا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا' میں نے ایک ترکیب چلی تھی جس کی وجہ سے اس تک رسائی ہو گئی اور وہ یہ ہے کہ جب میں قافلے کے ساتھ اس کے شہر میں داخل ہوا تو میں اکثر باہر جاتا اور باغوں کی سیر کیا کرتا تھا۔ باغوں میں بہت سے درخت تھے اور ان کا باغبان ایک بوڑھا شخص تھا جس کی عمر بہت زیادہ ہو چکی تھی۔

ایک روز میں نے اس سے کہا کہ بڑے میاں' یہ باغ کس کا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بادشاہ کی بیٹی شہزادی دینا کا اور یہ باغ اس کے محل کے ساتھ ہے' جب کبھی وہ باغ کی سیر کرنا چاہتی ہے تو اس کے پیچھے کے دروازے کھول کر آ جاتی ہے اور پھولوں کی خوشبو کا لطف اٹھاتی ہے۔ میں نے کہا کہ اچھا مجھ پر یہ مہربانی کر کہ میں اس باغ میں بیٹھ جاؤں اور جب وہ سیر کرنے آئے تو میں اس کو ایک نظر دیکھ لوں۔ بڈھے نے کہا کہ اس میں کیا مضائقہ! جب اس نے مجھ سے یہ کہا تو میں نے اسے چند درہم دیئے اور کہا کہ کوئی کھانے کی چیز خرید لا۔ اس نے خوش ہو کر وہ درہم

لے لیے اور دروازہ کھول دیا اور میرے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ چلتے چلتے ہم ایک نہایت نفیس بارہ دری کے پاس پہنچے اور اس نے مجھ سے کہا کہ تو یہاں بیٹھ جا اور میں ابھی تیرے پاس واپس آتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے کچھ پھل لا کر میرے سامنے رکھ دیئے اور مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آیا اور ایک تلا ہوا میمنا لایا اور ہم نے پیٹ بھر کر کھایا مگر میری روح لڑکی کے دیدار میں لگی ہوئی تھی۔
ہم لوگ ابھی بیٹھے ہی ہوئے تھے کہ دروازہ کھلا اور بڈھے نے مجھ سے کہا کہ اٹھ اور کہیں چھپ جا۔ میں اٹھ کر چھپ گیا کہ اتنے میں ایک حبشی غلام نے ہوا دروازے سے سر نکالا اور کہا کہ بڈھے' کیا تیرے پاس کوئی اور بھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ غلام نے کہا کہ باغ کا دروازہ بند کر دے۔ بڈھے نے باغ کا دروازہ بند کر دیا۔ اتنے میں شہزادی دینا چور دروازے سے نکلی۔ جب میری نظر اس پر پڑی تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ افق سے چاند نکل رہا ہے۔ تھوڑی دیر تک اس کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا اور میرے دل میں اس کی طرف سے ایسی تمنا پیدا ہوئی جیسے کہ پیاسے کو پانی کی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے دروازہ بند کر دیا اور چلی گئی۔ اب میں بھی باغ سے نکلا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ میری رسائی اس تک نہیں ہو سکتی اور اب میں مرد بھی نہیں رہا بلکہ مثل عورت کے ہو گیا ہوں اور وہ بادشاہ کی بیٹی ہے اور میں تاجر آدمی ہوں لہٰذا میری رسائی اس جیسی عورت یا کسی اور عورت تک کیونکر ہو سکتی ہے۔ جب میرے ان ساتھیوں نے سفر کا سامان باندھا تو میں بھی تیار ہو کر ان کے ساتھ چل دیا اور انہوں نے اس شہر کا رخ کیا۔ یہاں تک کہ ہم یہاں آ پہنچے اور تجھ سے ملے اور تو نے مجھ سے حالات دریافت کئے اور میں نے اپنا قصہ اور ساری سرگزشت بیان کی۔ والسلام۔
جب تاج الملوک نے یہ باتیں سنیں تو وہ دل و جان سے شہزادی دینا پر فدا ہو گیا اور عزیز کی سرگزشت پر اسے سخت حیرانی ہوئی اور عزیز کو اپنے ہمراہ لے کر سوار ہو گیا اور اپنے باپ کی راجدھانی میں پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اس نے عزیز کو ایک علیحدہ مکان رہنے

کے لیے دیا اور کھانا پینا اور لباس جن جن چیزوں کی اسے ضرورت تھی' مہیا کیں۔ اب شہزادہ اس کو وہیں چھوڑ کر اپنے باپ کے محل میں گیا اور اس کے رخساروں پر آنسو

بہہ رہے تھے۔ کیوں کہ

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

تاج الملوک اسی حال میں تھا کہ اس کا باپ آ پہنچا اور اس نے دیکھا کہ شہزادے کا رنگ بدلا ہوا ہے اور جسم دبلا ہو گیا ہے اور آنسو بہہ رہے ہیں اور اسے یقین ہو گیا کہ اس پر کوئی مصیبت آ پڑی ہے۔ اس نے کہا کہ بیٹا تیرا کیا حال ہے اور تجھ پر کیا گزری کہ تیرا رنگ بدل گیا اور جسم دبلا پڑ گیا؟ شہزادے نے اپنا سارا ماجرا اور عزیز کا قصہ بیان کیا اور نیز شہزادی دینا کا قصہ اور یہ کہ اس نے اسے آنکھ سے تو نہیں دیکھا لیکن سن کر اس پر عاشق ہو گیا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ بیٹا' وہ ایک ایسے بادشاہ کی بیٹی ہے' جس کا ملک یہاں سے بہت دور ہے' اس خیال کو اپنے دل سے نکال ڈال اور اپنی ماں کے پاس محل میں جا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پوری ایک سو تیسویں رات

جب پوری ایک سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
وزیر دندان نے ضوء المکان سے کہا کہ تاج الملوک کے باپ نے اس سے کہا کہ بیٹا' اس کا باپ بادشاہ ہے اور اس کا ملک یہاں سے دور ہے۔ اس خیال کو دل سے نکال ڈال اور اپنی ماں کے پاس محل میں جا' جہاں پانچ سو کنیزیں مثل چاند کے ہیں۔ ان میں سے جو تجھے پسند ہو لے لے اور اگر تو چاہے تو میں تیرا نکاح کسی شہزادی سے کر دوں جو دینا سے زیادہ خوبصورت ہو۔ بیٹے نے جواب دیا کہ سوائے اس کے اور کسی کی آرزو میرے دل میں نہیں ہے کیونکہ اس نے وہ ہرن کاڑھا ہے جو تو نے دیکھا ہے۔ میں تو اس کو لے کر رہوں گا ورنہ میں جنگلوں بیابانوں میں نکل جاؤں گا اور اس کی خاطر اپنی جان دے دوں گا۔
اس کے باپ نے کہا کہ اچھا ٹھہر جا تاکہ میں اس کے باپ کے پاس پیغام بھیجوں اور تیری مراد پوری کروں جس طرح کہ میں نے خود تیری ماں کے ساتھ کیا۔ مجھے یقین ہے کہ تیری آرزو پوری ہو جائے گی اور اگر وہ نہ مانے گا تو میں اس کی حکومت میں ہل چل مچا دوں گا اور ایسی فوج بھیجوں گا جس کا ایک سرا میرے پاس ہو اور دوسرا اس کے پاس۔ اس کے بعد اس نے جوان عزیز کو بلایا اور اس سے کہنے لگا کہ بیٹا' کیا تجھے راستہ معلوم ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں' معلوم ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ تو میرے وزیر کے ہمراہ جائے۔ عزیز نے کہا کہ بسر و چشم' جہاں پناہ۔ اب بادشاہ نے اپنے وزیر کو بلایا اور اس سے کہنے لگا کہ میرے بیٹے کے لیے کوئی مناسب تدبیر سوچ اور جزائر کافور جا اور بادشاہ کی بیٹی کے پاس میرے بیٹے کا پیغام لے جا۔ وزیر نے اسے بسر و چشم منظور کیا۔ اس کے بعد تاج الملوک اپنے محل میں گیا اور اس کا عشق اور زیادہ ہو گیا تھا اور دیر اس کے اوپر دشوار ہو رہی تھی۔ جب

رات کا اندھیرا پھیلا تو وہ رونے اور آہیں بھرنے اور فریاد کرنے لگا۔
فریاد کرتے کرتے اس پر غشی طاری ہو گئی اور جب اسے ہوش آیا تو صبح ہو چکی تھی۔
اب اس کے باپ کا ایک نوکر آیا اور اس کے سرہانے کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ تیرا باپ تجھے بلاتا ہے۔ وہ اپنے باپ کے پاس چل کھڑا ہوا۔ جب اس کے باپ نے اسے دیکھا تو رنگ بدلا ہوا پایا اور اس نے اسے اطمینان دلایا اور کہا کہ میں تم دونوں کو ملا دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ اب اس نے عزیز اور اپنے وزیر کے لیے سفر کی تیاری کرنی شروع کر دی اور اس کے ہمراہ بہت سے تحائف کر دیئے۔ دن رات چلتے چلتے وہ جزائر کافور کے قریب پہنچ گئے اور ایک دریا کے کنارے اترے اور وزیر نے ایک قاصد بادشاہ کے پاس روانہ کر دیا تاکہ وہ ان کے آنے کی خبر پہنچائے۔ ابھی قاصد کو چلے ہوئے ایک پہر بھی نہ گزرا ہو گا کہ بادشاہ کے حجاب اور امرا شہر سے ایک فرسخ پر ان سے آ ملے اور ان کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ ان کو لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے بادشاہ کو تحفے پیش کئے اور تین دن تک اس کے مہمان رہے۔ چوتھے دن وزیر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر پیغام پہنچایا جو وہ لے کر آیا تھا۔ بادشاہ یہ سن کر حیران ہو گیا کہ کیا جواب دے کیونکہ اس کی بیٹی نہ مردوں سے محبت کرتی تھی اور نہ شادی کرنا چاہتی تھی۔ بادشاہ تھوڑی دیر سر جھکائے بیٹھا رہا اور پھر سر اٹھا کر ایک خادم کو بلایا اور اس سے کہا کہ اپنی مالکہ دینا کے پاس جا اور اسے وہ پیغام پہنچا جو تو نے ابھی سنا ہے۔ خادم اٹھ کر چل دیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر بادشاہ سے کہنے لگا کہ جہاں پناہ' جب میں نے شہزادی دینا کے پاس جا کر وہ پیغام سنایا جو میں نے سنا تھا تو وہ غضب ناک ہو گئی اور ڈنڈا لے کر میرے پیچھے دوڑی اور چاہتی تھی کہ میرا سر پھاڑ ڈالے لیکن میں جان لے کر اس کے پاس سے بھاگا اور وہ کہتی جاتی تھی کہ اگر میرا باپ مجھے شادی پر مجبور کرے گا تو میں اپنے شوہر کو مار ڈالوں گی۔
اب بادشاہ نے وزیر اور عزیز سے کہا کہ تم نے خود سن لیا اور تمہیں معلوم ہو گیا اور

تم اس کی خبر بادشاہ کو پہنچا دینا اور اس سے میرا سلام کہنا اور یہ کہ میری بیٹی مردوں سے نفرت کرتی ہے اور شادی نہیں کرنا چاہتی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو اکتیسویں رات

جب ایک سو اکتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ بادشاہ شہرمان نے وزیر اور عزیز سے کہا کہ بادشاہ کو میری طرف سے سلام کہنا اور جو کچھ تم نے سنا ہے' اس سے بیان کر دینا کہ میری بیٹی شادی کے خلاف ہے۔ لٰہذا وہ ناکام واپس گئے اور چلتے چلتے بادشاہ کے پاس پہنچے اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ یہ سن کر بادشاہ نے سرداروں کو حکم دیا کہ لشکر میں کوچ بول دیں اور جنگ کا اعلان کر دیں۔ وزیر نے کہا کہ اے بادشاہ' یہ مت کر کیونکہ بادشاہ کا اس میں قصور نہیں بلکہ جب اس کی بیٹی نے یہ پیغام سنا تو کہلا بھیجا کہ اگر میرا باپ مجھے شادی کرنے پر مجبور کرے گا تو میں پہلے اپنے شوہر کو اور پھر اپنے آپ کو مار ڈالوں گی۔ انکار لڑکی کی طرف سے ہے۔

جب بادشاہ نے وزیر کی باتیں سنیں تو وہ ڈرا کہ کہیں تاج الملوک کو نقصان نہ پہنچے اور کہنے لگا کہ اگر میں نے اس کے باپ پر فوج کشی کی اور اس کی بیٹی کو لے آیا تو خودکشی کر لے گی اور مجھے اس سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ یہی پیغام اس نے اپنے بیٹے تاج الملوک کو بھیجا۔ جب اسے یہ پیغام پہنچا تو اس نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا' اب میں اس پر زیادہ صبر نہیں کر سکتا۔ بلکہ میں خود جا کر اس سے ملنے کی کوئی نہ کوئی تدبیر نکالوں گا۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ جائے۔ اس کے باپ نے کہا آخر تیری رسائی اس تک کس طرح ہو گی؟ اس نے جواب دیا کہ میں سوداگر کے بھیس میں جاؤں گا۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر تو جانے پر مصر ہے تو اپنے ساتھ وزیر اور عزیز کو لیتا جا۔ اب بادشاہ نے اپنے خزانے میں سے کچھ چیزیں نکالیں اور ایک لاکھ دینار کا سوداگری کا مال خریدا اور وزیر اور عزیز دونوں نے بادشاہ سے اتفاق کیا۔

جب رات ہوئی تو تاج الملوک اور وزیر دونوں عزیز کی قیام گاہ میں گئے اور رات وہیں گزاری۔ تاج الملوک کا دل بے چین ہو رہا تھا اور نہ اسے کھانا بھلا معلوم ہوتا تھا اور نہ سونا بلکہ اس پر افکار کا ہجوم تھا اور محبوبہ کا اشتیاق اسے مارے ڈالتا تھا اور وہ خدا سے دعا مانگتا تھا کہ وہ اسے اس سے ملا دے اور روتا اور آہیں بھرتا اور فریاد کرتا تھا اور اشعار پڑھتا تھا۔ جب وہ اشعار پڑھ چکا تو بلک بلک کر رونے لگا اور عزیز بھی رو پڑا اور اپنی چچیری بہن کو یاد کرنے لگا۔ دونوں نے یوں ہی روتے روتے صبح کر دی۔ اب تاج الملوک اٹھ کر سفر کا لباس پہنے ہوئے اپنی ماں کے پاس گیا۔ ماں نے اس کی خیریت پوچھی اور اس نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ ماں نے پچاس ہزار دینار دے کر اس کو رخصت کیا اور اس کی سلامتی کی دعا دی اور کہا کہ خدا تجھے اپنے دوستوں سے پھر ملائے۔ اس کے بعد اس نے باپ کے پاس جا کر اجازت مانگی۔ اس نے اجازت دی اور پچاس ہزار دینار عطا کیے اور حکم دیا کہ شہر کے باہر اس کے لیے خیمہ نصب کیا جائے۔ اس خیمے میں دو روز رہ کر وہ روانہ ہو گیا۔ تاج الملوک کو عزیز کے ساتھ بہت انس تھا اور وہ اس سے کہنے لگا کہ اے میرے بھائی' اب میرے لیے تجھے چھوڑنا ناممکن ہے۔ عزیز نے کہا کہ علیٰ ہذا القیاس۔ بلکہ میری تو یہ آرزو ہے کہ میری جان تیرے قدموں کے نیچے نکلے لیکن بھائی' میرا دل ماں میں لگا ہوا ہے۔ تاج الملوک نے کہا کہ جب ہمیں کامیابی حاصل ہو جائے گی تو ہم سب کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔

اب انہوں نے کوچ کر دیا اور وزیر' تاج الملوک کو سمجھاتا جاتا تھا کہ صبر سے کام لینا چاہیے اور عزیز اسے کہانیاں سناتا جاتا اور اشعار پڑھتا جاتا اور پرانے قصے کہتا جاتا تھا۔ اس طرح سے انہوں نے پورے دو مہینے دن رات تیز تیز سفر کیا مگر تاج الملوک کو یہ سفر ختم ہوتے دکھائی نہ دیتا تھا اور اس کی آگ اور بھڑکتی جاتی تھی اور وہ روتا تھا اور اس کے ساتھ عزیز بھی روتا جاتا تھا کیونکہ اس کا دل بھی زخمی تھا۔ ان کے رونے پر وزیر کو ترس آیا اور اس نے کہا کہ اے میرے آقا' غم زدہ نہ ہو بلکہ خوش

ہو کیونکہ ہمیں کامیابی ہو گی۔ تاج الملوک نے کہا کہ وزیر' سفر کرتے کرتے مدت ہو گئی ہے' اب ہم میں اور اس شہر میں کتنا فاصلہ باقی ہے؟ عزیز نے کہا کہ اب تھوڑا سفر باقی رہ گیا ہے۔ وہ وادیاں اور میدان اور جنگل اور ریگستان کاٹتے چلے جاتے تھے کہ ایک رات تاج الملوک نے خواب میں دیکھا کہ اس کی محبوبہ اس کے پاس ہے اور وہ اسے گلے سے لگا رہا ہے اور چپٹا رہا ہے۔ اتنے میں وہ جاگ پڑا اور اس پر خوف طاری تھا اور وہ کانپ رہا تھا اور حیران تھا۔ وزیر نے اس کے سامنے آکر کہا کہ خوش ہو' یہ کامیابی کی نشانی ہے۔ غم مت کھا بلکہ دل شاد ہو' تو اپنی مراد کو ضرور پہنچے گا۔

عزیز اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ صبر سے کام لے' اور وہ ہمیشہ اس کا دل بہلاتا اور اس سے باتیں کرتا اور اسے کہانیاں سناتا تھا اور وہ تیزی کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ اس طرح وہ اور دو مہینے چلتے رہے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ جب سورج چمکا تو انہیں دور کوئی سفید سی چیز دکھائی دی۔ تاج الملوک نے عزیز سے کہا کہ یہ سفیدی کیسی ہے؟ عزیز نے جواب دیا کہ اے میرے آقا یہ قلعتہ البیضا ہے اور یہ وہی شہر ہے جہاں تو جا رہا ہے۔ تاج الملوک یہ سن کر خوش ہو گیا اور جب وہ چلتے چلتے شہر کے بالکل قریب پہنچے تو تاج الملوک مارے خوشی کے پھولے نہ سماتا تھا اور اس کا سارا رنج و غم دور ہو گیا اور وہ شہر میں داخل ہو گئے۔ سب کے سب تاجروں کے بھیس میں تھے اور شہزادہ تاجروں کے سردار کی طرح تھا۔ اب وہ اس جگہ پہنچے جس کا نام منزل التجار تھا اور جو ایک بہت بڑی سرائے تھی۔

تاج الملوک نے عزیز سے کہا کہ یہی محل التجار ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں' اور یہ وہی سرائے ہے جس میں' میں اترا تھا۔ سب اس میں اتر پڑے اور سواری کے جانور وہاں باندھ دیئے اور سامان اتار لیا اور اپنے سامان کو کوٹھڑیوں میں بند کر دیا اور چار دن تک ستائے۔ اس کے بعد وزیر نے لوگوں سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بڑا مکان کرائے پر لے دو اور انہوں نے اس کی تعمیل کی اور ایک عالیشان مکان کرائے

پر لیا جس میں بہت سے دل وابستگی کے سامان تھے اور وہ سب اس میں چلے گئے اور وزیر اور عزیز' تاج الملوک کے لیے تدبیریں سوچنے لگے مگر تاج الملوک پریشان تھا اور اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا سوائے اس کے کہ وہ بزاز خانے میں تاجر بنا بیٹھا تھا۔ بالآخر وزیر نے تاج الملوک اور عزیز سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر ہم اسی طرح یہاں بیٹھے رہے تو ہمارا مقصد حاصل نہ ہو گا اور ہم کسی نتیجے پر نہ پہنچیں گے۔ میرے خیال میں ایک تجویز آتی ہے اور اگر خدا کو منظور ہے تو اس میں ہمیں فائدہ ہو گا۔ تاج الملوک اور عزیز نے کہا کہ جو تیری رائے ہو' کر کیونکہ بزرگوں کے کام میں برکت ہوتی ہے بالخصوص اس وجہ سے کہ تو تجربہ کار ہے۔ کہہ کہ تیرے خیال میں کیا بات آئی ہے؟ اس نے تاج الملوک کو جواب دیا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہم بزاز خانے میں تیرے لیے ایک دوکان کرائے پر لیں اور وہاں بیٹھ کر خرید و فروخت کریں کیونکہ ہر چھوٹے بڑے کو کپڑے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جب تو آرام کر چکے تو اس دوکان پر بیٹھیو' خدا نے چاہا تو تیرا کام ہو جائے گا' خاص کر اس وجہ سے کہ تو حسین ہے لیکن عزیز کو اپنا امین بنائیو اور اسے دوکان کے اندر بٹھائیو تاکہ وہ کپڑے کے تھان نکال نکال کر تجھے دیا کرے۔ تاج الملوک نے یہ سن کر کہا کہ یہ رائے ٹھیک اور اچھی ہے۔

اب تاج الملوک نے ایک عمدہ سوداگرانہ لباس نکال کر پہن لیا اور اپنے غلاموں کو لے کر چل کھڑا ہوا اور ان میں سے ایک کو ایک ہزار دینار دیئے کہ وہ دوکان کے لیے تمام ضروری چیزیں خریدے۔ چلتے چلتے وہ بزاز خانے پہنچ گئے۔ جب سوداگروں کی نظر تاج الملوک پر پڑی اور انہوں نے دیکھا کہ کیسا حسین و جمیل ہے تو وہ حیران ہو گئے کہنے لگے کہ رضوان جنت کا دروازہ کھول کر بھول گیا تھا اور اس میں سے یہ خوبصورت جوان نکل بھاگا۔ کوئی یہ کہتا کہ غالباً یہ کوئی فرشتہ ہے۔ سوداگروں کے پاس پہنچ کر انہوں نے پوچھا کہ چودھری کی دوکان کہاں ہے اور لوگ ان کو وہاں لے گئے۔ جب انہوں نے چودھری کو سلام کیا تو وہ اور تمام سوداگر جو وہاں موجود تھے' کھڑے

ہو گئے اور ان کو تعظیم کے ساتھ بٹھایا کیونکہ انہوں نے وزیر کو دیکھا کہ وہ ایک بزرگ شخص ہے جس کے چہرے سے ہیبت ٹپکتی ہے اور اس کے ساتھ دو خوشرو جوان ہیں

یعنی تاج الملوک اور عزیز۔ اور سوداگر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہو نہ ہو یہ بوڑھا ان دونوں نوجوانوں کا باپ ہے۔ وزیر نے پوچھا کہ تم لوگوں میں سے بازار کا چودھری کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ ہے۔ اتنے میں چودھری سامنے آ گیا اور وزیر نے دیکھا کہ وہ شان دار بڈھا ہے اور اس کے چہرے سے ہیبت اور وقار ٹپکتا ہے اور اس کے بہت سے نوکر چاکر اور غلام ہیں۔ چودھری نے اس کا خیر مقدم ایسا کیا جیسا کہ دوستوں کا کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ بے حد عزت و احترام سے پیش آیا اور اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اور کہنے لگا کہ میں تم لوگوں کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ وزیر نے جواب دیا کہ میں ایک بوڑھا سن رسیدہ شخص ہوں اور میرے ساتھ یہ دو لڑکے ہیں۔ ان کے ساتھ میں نے تمام ملکوں کا سفر کیا ہے اور کسی شہر میں پورے ایک سال سے کم قیام نہیں کیا ہے تاکہ وہ وہاں سیر و تفریح کریں اور لوگوں سے واقفیت پیدا کریں۔

اب میں تمہارے شہر میں آ کر ٹھہرا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تو بہترین جگہ میں ہمیں ایک دوکان لے دے تاکہ میں دونوں کو وہاں بٹھا دوں اور وہ اس شہر میں تجارت اور سیر و تفریح کریں اور یہاں کے لوگوں کے عادات و اطوار سیکھیں اور خرید و فروخت اور لین دین سے واقف ہو جائیں۔ چودھری نے کہا کہ بہت خوب۔ جب اس کی نظر ان دونوں لڑکوں پر پڑی تو وہ بے حد خوش ہوا اور ان سے بہت محبت کرنے لگا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے ان دونوں کو کم مایہ پانی سے پیدا کیا اور ان کی تصویر بنائی! اب وہ آ کر غلام کی طرح ان کی خدمت میں کھڑا ہو گیا اور ان کے لیے ایک دوکان تلاش کی جو بڑے بازار کے بیچوں بیچ تھی اور بازار بھر میں اس سے بڑی اور خوبصورت دوکان کوئی نہ تھی کیونکہ وہ وسیع تھی اور نہایت آراستہ اور اس کی الماریاں ہاتھی دانت اور آبنوس کی لکڑی کی تھیں۔ کنجیاں اس نے وزیر کے سپرد کر دیں جو بوڑھے سوداگر کی طرح نظر آتا تھا اور اس سے کہنے لگا کہ اے میرے

آقا' انہیں لے اور خدا یہ جگہ تیرے بیٹوں کے لیے مبارک کرے! وزیر نے اس سے کنجیاں لے لیں اور وہ سب سرائے میں واپس گئے جہاں ان کا سامان تھا اور غلاموں کو حکم دیا کہ سارا سامان اور کپڑے اس دوکان میں منتقل کر دیں۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• ایک سو بتیسویں رات

جب ایک سو بتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب وزیر نے کنجیاں لیں تو وہ اور تاج الملوک اور عزیز سرائے کو روانہ ہو گئے اور غلاموں کو حکم دیا کہ وہ سامان اور کپڑے اور تحفے تحائف دوکان میں منتقل کر دیں۔ چیزیں بہت تھیں گویا کہ ایک پورا خزانہ تھا۔ جب سب چیزیں وہاں پہنچ چکیں تو وہ بھی وہاں پہنچے اور ساری چیزوں کو آراستہ کیا اور سو گئے۔ جب صبح ہوئی تو وزیر ان دونوں کو حمام میں لے گیا اور انہوں نے نہا دھو کہ عمدہ پوشاکیں پہنیں اور عطر لگایا اور انہیں حمام میں بڑا مزہ آیا۔ دونوں لڑکے نہایت حسین و جمیل تھے۔ جب چودھری نے سنا کہ وہ حمام گئے ہیں تو ان کے انتظار میں باہر بیٹھا رہا۔ جب وہ باہر نکلے تو معلوم ہوتا تھا کہ دو غزال ہیں' ان کے رخسار سرخ سرخ تھے اور آنکھیں کالی کالی اور چہرے ایسے چمک رہے تھے جیسے کہ دو چمکتے ہوئے چاند ہوں یا دو پھلوں سے لدی ہوئی شاخیں۔ جب چودھری نے انہیں دیکھا وہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے میرے بیٹو' تمہیں حمام راس آئے! تاج الملوک نے شیریں کلامی سے کہا کہ اے باپ' خدا تجھ پر اپنی رحمت نازل کرے! تو ابھی اندر آ کر ہمارے ساتھ کیوں نہیں نہایا؟ اب دونوں چودھری کے ہاتھ کی طرف جھکے اور اسے بوسہ دیا اور اس کے آگے روانہ ہوئے اور چلتے چلتے دوکان پر پہنچے۔ یہ اس کی تعظیم اور احترام کی وجہ سے تھا کیونکہ وہ سوداگروں کا چودھری اور بازار کا مکھیا تھا اور اس نے انہیں دوکان دلا کر ان پر احسان کیا تھا۔ اب وہ انہیں آنکھ بھر بھر کر دیکھنے اور گا گا کر اشعار پڑھنے لگا۔ جب انہوں نے اس کے اشعار سنے تو اس سے کہا کہ دوسری بار ہمارے ساتھ ضرور حمام آئیو۔ اس کو اس بات کا یقین نہ آتا تھا اور وہ دوڑ کر حمام پہنچا اور وہ دونوں بھی اس کے ساتھ حمام میں داخل

ہوئے۔ ابھی وزیر حمام سے نہ نکلا تھا' جب اس کو خبر پہنچی تو اس نے حمام کے وسط تک آ کر اس کا استقبال کیا اور غسل کی دعوت دی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اس پر تاج الملوک نے ایک طرف سے اس کا ہاتھ پکڑا اور عزیز نے دوسری طرف سے اور اسے ایک تنہا کمرے میں لے گئے۔ تاج الملوک نے قسم کھا کر کہا کہ میں تجھے نہلاؤں گا اور عزیز نے قسم کھائی کہ میں ہی تیرے اوپر پانی ڈالوں گا۔ اس کی مرضی تو یہی تھی مگر وہ نہیں نہیں کرتا جاتا تھا۔ وزیر نے اس سے کہا کہ وہ تیرے ہی بچے ہیں' انہیں نہلانے دے' چودھری نے کہا کہ خدا انہیں تیرے لیے زندہ رکھے! واللہ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے آنے سے ہمارے شہر میں برکت اور سعادت آ گئی۔

اس پر انہوں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ تاج الملوک اس کو نہلاتا جاتا اور عزیز اس پر پانی ڈالتا جاتا تھا اور اسے ایسا مزہ آتا تھا کہ گویا اس کی روح جنت میں ہے۔ جب وہ اسے نہلا چکے تو اس نے ان دونوں کے لیے دعا کی اور وزیر کے پہلو میں بیٹھ گیا کہ وہ اس سے باتیں کرنا چاہتا ہے لیکن اس کی نظر تاج الملوک اور عزیز کی طرف تھی۔ اب غلام تولیہ لائے اور انہیں پونچھا اور کپڑے پہنچائے اور وہ سب حمام سے باہر نکلے۔ وزیر نے چودھری کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے میرے آقا' حمام دینا کی نعمت ہے۔ چودھری نے جواب دیا کہ خدا تجھے اور تیرے بچوں کی عافیت سے رکھے اور بری نظر سے بچائے! اب وہ ایک دوسرے کو حمام کی تعریف میں اشعار سنانے لگے۔ اس کے بعد چودھری نے انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کیا اور اپنے مکان میں واپس گئے تاکہ حمام کی گرمی سے ذرا آرام کر لیں۔ آرام کرنے کے بعد انہوں نے کھایا پیا اور اس رات وہ اپنے گھر میں بڑے آرام و آسائش سے سوئے۔ جب صبح ہوئی تو وہ نیند سے جاگے اور وضو کر کے نماز پڑھی اور صبوحی پی۔ جب سورج نکلا اور دوکانیں اور بازار کھلے تو وہ اٹھے اور مکان سے نکل کر ٹہلتے ٹہلتے بازار پہنچے اور دوکان کھولی۔ اس اثناء میں غلاموں نے اسے بہترین طریقے سے سجا رکھا

تھا اور اس میں سجادے اور ریشمی فرش بچھا رکھے تھے اور دو دیوان بچھائے تھے جن میں سے ہر ایک کی قیمت سو سو دینار تھی اور جن پر شاہانہ کھال کا فرش تھا' جن کے اردگرد سنہری جھالر تھی۔ دوکان کے بیچ میں ایک نہایت عمدہ فرش تھا جو اس دوکان کی شان کے شایاں تھا۔

ایک دیوان پر تاج الملوک بیٹھا اور دوسرے پر عزیز اور دوکان کے بیچ میں وزیر اور غلام اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ جب شہر والوں نے ان کی خبر سنی تو وہ جوق در جوق آتے اور وہاں اس سے سامان اور کپڑے خریدتے۔ اب شہر میں ہر شخص تاج الملوک کے حسن و جمال کی داستانیں سنانے لگا اور جتنے زیادہ دن ان کو ہوتے جاتے' اتنی بھیڑ لوگوں کی ان کے پاس بڑھتی جاتی۔ وزیر نے تاج الملوک سے کہا کہ اپنا بھید نہ کھولیو اور اسے عزیز کے سپرد کر کے گھر روانہ ہوا تاکہ تنہا بیٹھ کر کوئی تدبیر سوچے۔ تاج الملوک اور عزیز باہم بات چیت کرتے اور تاج الملوک کہتا کہ کاش کہ شہزادی دینا کے پاس سے کوئی آئے! اس تمنا میں تاج الملوک پر دن رات گزر رہے تھے اور وہ بے چین ہو رہا تھا' نہ وہ لیٹتا تھا' نہ سوتا اور عشق اسے مارے ڈالتا تھا اور اس کی محبت روز افزوں ترقی پر تھی یہاں تک کہ کھانا پینا اور سونا سب اس پر حرام ہو گیا۔ مگر اس کی صورت چودھویں رات کے چاند کی سی تھی۔ ایک دن تاج الملوک بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بڑھیا عورت آئی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو تینتیس ویں رات

جب ایک سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کے اے نیک بخت بادشاہ ......
وزیر دندان نے ضوء المکان سے کہا کہ تاج الملوک بیٹھا ہوا تھا کہ اس نے دیکھا کہ ایک بڑھیا چلی آ رہی ہے اور اس کے پیچھے پیچھے دو کنیزیں ہیں۔ چلتے چلتے وہ تاج الملوک کی دوکان پر آ کر ٹھہر گئی۔ جب اس نے اس کا قد و قامت اور حسن و جمال دیکھا تو اس کی ملاحت پر وہ حیران ہو گئی اور وہ کہنے لگی کہ پاک ہے وہ ذات جس نے تجھے کم مایہ پانی سے پیدا کیا اور تجھے دیکھنے والوں کے لیے فتنہ بنایا! پھر ذرا سوچ کر کہنے لگی کہ یہ بشر نہیں بلکہ کوئی عالی شان فرشتہ ہے۔ یہ کہہ کر وہ اس کے قریب آئی اور اس کو سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا اور کھڑا ہو گیا اور اسے دیکھ کر مسکرایا۔ یہ ساری باتیں عزیز کے اشارے سے تھیں۔ اس کے بعد اس نے بڑھیا کو اپنے پاس بٹھایا اور اس پر پنکھا جھلنے لگا یہاں تک کہ جب وہ ستا چکی اور اس نے آرام کر لیا تو وہ تاج الملوک کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی کہ میرے بیٹے' اے ظاہر و باطن کی خوبیوں والے' کیا تو اسی ملک کا رہنے والا ہے؟ تاج الملوک نے نہایت شیریں بیانی سے کہا کہ اے میری آقا' اس مرتبہ سے پہلے میں اپنی ساری عمر میں کبھی یہاں نہیں آیا ہوں اور اس مرتبہ بھی محض سیر و تفریح کی غرض سے یہاں آیا ہوں۔ بڑھیا نے کہا کہ خدا تجھے برکت دے' کیا تو کپڑے لایا ہے؟ مجھے کوئی نہایت خوبصورت چیز دکھا کیونکہ خوبصورتوں کے لیے خوبصورت چیز ہی زیبا ہے۔ جب تاج الملوک نے اس کی باتیں سنیں تو اس کا دل دھڑکنے لگا مگر وہ اس کی باتوں کا مفہوم نہ سمجھا۔ عزیز نے اسے اشارہ کیا اور تاج الملوک اس بڑھیا سے کہنے لگا کہ میری پاس تیری ضرورت کی سب چیزیں ہیں اور میرے پاس ایسی چیزیں بھی ہیں جو محض بادشاہوں اور شاہزادیوں کے قابل ہیں بتا کہ تجھے کس چیز کی ضرورت ہے اور کس کے لیے؟ تا کہ

میں خریدار کی خاطر خواہ چیزیں تجھے دکھاؤں۔ اس کہنے سے اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ بڑھیا کے کہنے کا مطلب سمجھے۔ بڑھیا نے کہا کہ مجھے ایسا کپڑا درکار ہے جو بادشاہ شہرمان

کی بیٹی شہزادی دینا کے قابل ہو۔

جب تاج الملوک نے اپنی محبوبہ کا نام سنا تو اس کی باچھیں کھل گئیں اور وہ عزیز سے کہنے لگا کہ فلاں بقچہ لا۔ عزیز نے وہ بقچہ لا کر اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ تاج الملوک نے بڑھیا سے کہا کہ جو چیز اس کے قابل ہو' پسند کر لے' یہ ایسی چیزیں ہیں جو سوائے میرے اور کسی کے پاس یہاں نہ ملیں گی۔ بڑھیا نے ایک ہزار دینار کی مالیت کی چیزیں پسند کر لیں اور پوچھا کہ ان کی کیا قیمت ہے؟ تاج الملوک نے کہا کہ کیا اس حقیر قیمت کا سودا میں تجھ سے کروں گا! خدا کا شکر ہے کہ اس نے میرا تعارف تجھ سے کرایا! بڑھیا نے کہا کہ تیرا اللہ بیلی! خدا تیرے خوبصورت چہرے کو اپنی پناہ میں رکھے! چہرہ ملیح اور زبان فصیح! مبارک ہے وہ عورت جو تیری گود میں سوئے اور تیری جوانی کے مزے اڑائے۔ خاص کر جب وہ بھی تیری طرح حسن و جمال کی دیوی ہو! اس پر تاج الملوک ہنستے ہنستے لوٹ پڑا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اے بدکار بوڑھیوں کے ذریعے سے حاجتوں کو پورا کرنے والے! واقعی وہی حاجب روائی کے کام آتی ہیں! بڑھیا نے کہا کہ بیٹا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا نام تاج الملوک ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ یہ نام تو بادشاہوں اور شاہزادوں کا ہوتا ہے اور تو سوداگر کے بھیس میں ہے۔ اس پر عزیز نے جواب دیا کہ والدین نے اپنی چاہت اور اس کے احترام کی وجہ سے اسے یہ نام دیا ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے' خدا تمہیں بری نظروں اور دشمنوں اور حاسدوں سے بچائے' خواہ تم اپنے حسن سے لوگوں کے دل پاش پاش کیوں نہ کرو! اب بڑھیا کپڑے لے کر چلتی ہوئی اور وہ تاج الملوک کے حسن و جمال اور قد و اعتدال پر محو تھی۔

جب وہ شہزادی دینا کے پاس پہنچی تو کہنے لگی کہ اے میری مالکہ' میں تیرے لیے نہایت عمدہ کپڑے لائی ہوں۔ شہزادی نے کہا کہ مجھے دکھا۔ اس نے کہا کہ اے میری مالکہ'

یہ کیا ہیں‘ انہیں کھول‘ اے میری آنکھوں کا نور اور دیکھ۔ جب شہزادی دینا نے انہیں دیکھا تو وہ حیران ہو گئی اور کہنے لگی کہ اے میری دایہ‘ یہ تو نہایت عمدہ کپڑے ہیں‘ ایسے میں نے کبھی اس شہر میں نہیں دیکھے۔ بڑھیا نے کہا کہ اور ان کا بیچنے والا ان سے زیادہ خوبصورت ہے‘ گویا رضوان جنت کا دروازہ کھول کر بھول گیا تھا اور اس میں سے ایک لڑکا نکل بھاگا۔ وہی یہ کپڑے بیچتا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ وہ آج رات تیرے پاس آئے کیونکہ وہ محض عیش کرنے کی غرض سے تیرے شہر میں قیمتی کپڑے لے کر آیا ہے جو اس کو دیکھتا ہے‘ دیوانہ ہو جاتا ہے۔ بڑھیا کی یہ باتیں سن کر شہزادی دینا ہنس پڑی اور کہنے لگی کہ اے منحوس بڑھیا‘ تجھ پر خدا کی مار! تو بڑھیا کھوسٹ ہو گئی ہے اور تیری عقل جاتی رہی ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ کپڑے لا تو سہی تاکہ میں انہیں غور سے دیکھوں۔ بڑھیا نے اسے کپڑے دیئے اور اس نے دیکھا کہ اتنے کم وزن اور اس قدر قیمتی! یہ دیکھ کر وہ خوش ہو گئی کیونکہ اس نے عمر بھر ایسے کپڑے نہ دیکھے تھے اور کہنے لگی کہ خدا کی قسم‘ بڑے نفیس کپڑے ہیں! بڑھیا نے کہا کہ اے میری آقا‘ اگر تو ان کے مالک کو دیکھے تو تجھے یقین آ جائے گا کہ دینا میں اس سے زیادہ حسین کوئی نہیں ہے۔ شہزادی دینا نے کہا کہ تو نے اس سے پوچھا بھی کہ اس کی کوئی حاجب ہے تاکہ اسے ہم پورا کر دیں۔ بڑھیا نے سر ہلا کر جواب دیا کہ خدا تیری فراست سلامت رکھے! خدا کی قسم اس کی ایک ہی حاجت ہو سکتی ہے‘ خدا تیری دانشمندی کو قائم رکھے! کوئی ایسا بھی ہے جو حاجت سے خالی ہو۔

شہزادی دینا نے بڑھیا سے کہا کہ اس کے پاس جا کر میرا سلام پہنچا اور اس سے کہہ کہ تو نے اپنے آنے سے ہمارے ملک اور شہر کو شرف بخشا‘ جب کبھی تیری کوئی حاجت ہو گی تو ہم اسے بسر و چشم پورا کریں گے۔ یہ سن کر بڑھیا فوراً تاج الملوک کے پاس گئی۔ جب اس نے بڑھیا کو دیکھا تو وہ مارے خوشی کے پھولا نہ سمایا اور سروقد کھڑا

ہو گیا اور اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ جب وہ بیٹھ کر ستا چکی تو اس نے اسے شہزادی کا پیغام دیا۔ جب اس نے پیغام دیا تو اس کی باچھیں کھل گئیں اور اس کا دل خوش ہو گیا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب میری مراد بھر آئی اور بڑھیا سے کہنے لگا کہ بہتر ہو گا کہ میں تجھے ایک خط دے دوں اور تو اس کا جواب لے آ۔ اس نے کہا کہ بسر و چشم۔ اب اس نے عزیز سے کہا کہ دوات اور کاغذ اور پیتل کا قلم لا۔ جب وہ یہ چیزیں لے آیا تو اس نے ہاتھ میں قلم لے کر یہ اشعار لکھے:

"اے میری مطلوب' جو درد و الم میں نے تیرے فراق میں اٹھائے ہیں' انہیں اس خط میں لکھتا ہوں۔ اس کی پہلی سطر یہ ہے کہ میرے دل میں آگ لگی ہوئی ہے۔ دوسری یہ کہ میں محبت اور اشتیاق میں مر رہا ہوں۔ تیسری یہ کہ میری عمر اور میرے صبر کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ چوتھی یہ کہ عشق نکالے نہیں نکلتا۔ پانچویں یہ کہ میری آنکھوں کو تیرا دیدار کب نصیب ہو گا اور چھٹی یہ کہ وصال کا روز کب آئے گا؟"

اس کے بعد اس نے یہ الفاظ لکھے کہ "یہ خط اس شخص کی طرف سے ہے جو عشق کا گرفتار ہے اور تمناؤں کے قید خانے میں مقید اور اگر ان چیزوں سے اسے رہائی مل سکتی ہو تو اسی وقت جب کہ دوری اور فراق کے بعد اسے وصال اور ملاقات نصیب ہو۔ وہ احباب کی دوری سے مصیبت میں گرفتار ہے اور محبت کے عذاب میں مبتلا ہے۔"

اب اس کے آنسو بہنے لگے اور اس نے خط کو بند کر کے اس پر مہر لگائی اور بڑھیا کو دے دیا اور اس سے کہا کہ یہ شاہزادی کو دے دیجیو۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں پر۔ اس کے بعد اس نے بڑھیا کو ایک ہزار دینار دے کر کہا کہ یہ ہدیہ میں محبت کی بنا پر دیتا ہوں' اسے قبول کر بڑھیا نے دینار لیے اور اس کو دعا دی اور چلی گئی۔

چلتے چلتے وہ شہزادی دینا کے پاس پہنچی۔ جب اس نے بڑھیا کو دیکھا تو کہنے لگی کہ آیا' اس نے کس حاجت کا اظہار کیا کہ میں اسے پورا کروں؟ اس نے جواب دیا کہ اے میری مالکہ' اس نے یہ خط میرے ہاتھ بھیجا ہے' معلوم نہیں کہ اس میں کیا

ہے۔ یہ کہہ کر بڑھیا نے وہ خط دے دیا اور اس نے لے کر پڑھا اور اس کا مضمون سمجھا اور کہنے لگی کہ وہ تاجر کا بچہ ہوتا کون ہے کہ میرے ساتھ خط و کتابت اور مراسلت کرتا ہے! یہ کہہ کر وہ اپنا منہ پیٹنے لگی کہ ہم اتنے گئے گزرے ہو گئے کہ دوکان داروں کو یہ ہمت ہونے لگی! ہائے! ہائے! اس کے بعد اس نے کہا کہ اگر مجھے خدا کا ڈر نہ ہوتا تو میں اسے قتل کر کے اسی کی دوکان پر لٹکا دیتی۔ بڑھیا نے کہا کہ آخر اس خط میں ہے کیا کہ تیرا دل بھڑک اٹھا اور تیری حالت دگرگوں ہو گئی؟ کیا اس میں کسی کے ظلم کی شکایت ہے یا کپڑوں کی قیمت کا مطالبہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تجھ پر خدا کی مار! اس قسم کی کوئی بات اس میں نہیں بلکہ عشق و محبت کی داستان ہے اور یہ سارے کرتوت تیرے ہیں۔ ورنہ وہ شیطان مجھے کیا جانتا ہے۔ بڑھیا نے جواب دیا کہ اے میری مالکہ' تو اپنے بلند محل میں بیٹھی ہوئی ہے جہاں کسی کا گزر تو درکنار' پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ خدا تجھے اور تیری جوانی کو الزام سے بچائے! کتوں کے بھونکنے سے کیا ہوتا ہے! تو بادشاہ کی بیٹی شہزادی ہے۔ میرے اوپر ناراض مت ہو کہ میں تیرے پاس یہ خط لائی کیونکہ مجھے کیا معلوم کہ اس میں کیا ہے؟ میری رائے میں تو اسے ایک خط لکھ اور اسے قتل کی دھمکی دے اور ایسی فضول گوئی سے منع کر تاکہ وہ ان باتوں سے باز آئے اور پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرے۔ شہزادی دینا نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں لکھوں تو کہیں اس کا لالچ اور نہ بڑھ جائے۔ بڑھیا نے کہا کہ جب وہ دھمکی سنے گا تو اپنی حرکت سے باز آئے گا۔ شہزادی نے کہا کہ دوات اور کاغذ اور پیتل کا قلم لاؤ۔ جب وہ یہ چیزیں لے آئی تو اس نے ایک سخت خط لکھا اور لپیٹ کر بڑھیا کے حوالے کیا اور کہا کہ یہ خط اسے دے کر کہیو کہ ایسی باتیں نہ لکھا کرے۔ اس نے کہا کہ بسر و چشم۔

بڑھیا نے خط لیا اور خوش خوش وہاں سے روانہ ہو گئی اور اپنے گھر جا کر سو رہی۔ جب صبح ہوئی تو وہ تاج الملوک کی دوکان میں گئی اور دیکھا کہ وہ اس کے انتظار میں

بیٹھا ہوا ہے۔ اسے دیکھتے ہی وہ مارے خوشی کے باغ باغ ہو گیا اور جوں ہی وہ اس کے پاس پہنچی وہ کھڑا ہو گیا اور اسے اپنے پاس بٹھایا۔ بڑھیا نے خط نکال کر اسے دیا اور کہا کہ پڑھ' اس میں کیا لکھا ہے۔ جب شہزادی دینا نے تیرا خط پڑھا تو وہ بہت ناراض ہوئی لیکن میں نے اس کا غصہ ٹھنڈا کیا اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے لگی یہاں تک کہ وہ ہنسنے لگی اور اسے تجھ پر رحم آیا اور اس نے یہ جواب لکھا ہے۔
تاج الملوک نے اس کا شکریہ ادا کیا اور عزیز سے کہا کہ اسے ایک ہزار دینار دے دے۔ اس کے بعد اس نے خط پڑھا اور اسے سمجھا اور زار زار رونے لگا۔ اس پر بڑھیا کا دل پسیج گیا اور اس کے رونے پیٹنے سے اس کا دل کڑھنے لگا اور وہ اس سے کہنے لگی کہ بیٹا' اس خط میں کون سی ایسی بات ہے کہ تو رونے لگا؟ اس نے جواب دیا کہ وہ مجھے قتل کرنے اور پھانسی دینے کی دھمکی دیتی ہے اور خط و کتابت کو منع کرتی ہے لیکن اگر میں اس سے خط و کتابت بھی نہ کر سکوں تو ایسے جینے سے مرنا بہتر ہے۔ اس خط کا جواب لے جا اور اس کا جو جی چاہے کرے۔ بڑھیا نے کہا کہ خدا تیری جوانی قائم رکھے! میں اپنی روح تجھ پر قربان کر کے تیری مراد پوری کراؤں گی اور تیرا ارمان نکلواؤں گی۔ تاج الملوک نے کہا کہ جو کچھ تو کرنا چاہتی ہے' میں اس کی تجھے اجازت دیتا ہوں تو خود اسے اپنی عقل کی ترازو میں تول کیونکہ تو ساری تدبیریں جانتی ہے اور مکر و فریب کے ہر باب سے آگاہ ہے۔ ہر مشکل بات تیرے اوپر آسان ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کے بعد اس نے کاغذ لے کر ایک خط لکھا اور ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگا اور اتنا رویا کہ بڑھیا بھی رو پڑی اور وہ خط اس کے ہاتھ سے لے لیا اور کہنے لگی کہ غم مت کر بلکہ دل شاد ہو کیونکہ میں تجھے تیرے مقصد تک پہنچا کر چھوڑوں گی۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• ایک سو چونتیس ویں رات

جب ایک سو چونتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
جب تاج الملوک رونے لگا تو بڑھیا نے کہا کہ غم مت کر بلکہ دل شاد ہو کیونکہ میں تجھے تیرے مقصد تک پہنچا کر چھوڑوں گی۔ اب وہ اٹھی اور تاج الملوک کو اسی بے چینی کی حالت میں چھوڑ کر شہزادی دینا کے پاس گئی اور دیکھا کہ وہ اب تاج الملوک کے خط پر چیں بہ جبیں بیٹھی ہے۔ جب بڑھیا نے اسے یہ دوسرا خط دیا تو وہ اور بھی آگ بگولا ہو گئی اور بڑھیا سے کہنے لگی کہ میں نے کہا نہ تھا کہ اس کی طمع اور بڑھ جائے گی۔ بڑھیا نے کہا کہ وہ کتا ہوتا کون ہے جو تیری طرف بری نظر سے دیکھے! شہزادی دینا نے کہا کہ اس کے پاس جا کر کہہ آ کہ اگر اس کے بعد اس نے خط لکھا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گی۔ بڑھیا نے کہا کہ یہی باتیں تو خط میں لکھ دے اور میں خط کو لے کر اس کے پاس جاؤں گی تاکہ وہ خط دیکھ کہ خوفزدہ ہو جائے۔ اس نے کاغذ لے کر ایک دھمکی کا خط لکھا اور اسے تہہ کر کے بڑھیا کو دے دیا۔ بڑھیا خط لے کر تاج الملوک کے پاس روانہ ہو گئی۔ وہ بڑھیا کو دیکھ کر سروقد کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ خدا تیرے قدموں کی برکت ہمیشہ قائم رکھے! بڑھیا نے کہا کہ لے اپنے خط کا جواب۔ اس نے خط لے کر پڑھا اور زار زار رونے لگا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ کوئی مجھے ابھی قتل کر ڈالے تاکہ مجھے آرام تو ملے کیونکہ جس حالت میں' میں ہوں اس سے تو قتل ہونا بہتر ہے۔ اس کے بعد اس نے دوات قلم اور کاغذ لے کر ایک خط لکھا اور اسے تہہ کر کے بڑھیا کو دے دیا اور کہنے لگا کہ مجھ پر ناراض مت ہو' میں نے تجھے بے فائدہ تکلیف دی ہے۔ اب اس نے عزیز سے کہا کہ اسے ایک ہزار دینار دے دے اور اس سے کہا کہ بیٹا' خدا تیرے

ساتھ بھلائی کرے! میرا دل یہی چاہتا ہے کہ وہ تیرے پہلو میں ہو کیونکہ تو چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے اور وہ نکلتے ہوئے سورج کی طرح۔ اگر میں نے تم دونوں کو اکٹھا نہ کر دیا تو میرے زندہ رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے اپنی ساری عمر مکر و فریب میں گزاری ہے اور اب میں نوے سال کی ہو چکی ہوں تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں دو شخصوں کو اکٹھا نہ کر سکوں۔

اب وہ رخصت ہوئی اور تاج الملوک کو دلاسا دے کر چل دی اور چلتے چلتے شہزادی دینا کے پاس پہنچی۔ مگر اس نے وہ خط اپنے بالوں کے اندر اڑس لیا تھا۔ جب وہ شہزادی کے پاس بیٹھی تو اپنا سر کھجانے لگی اور کہا کہ اے میری مالکہ' ذرا میری جائیں مار دے کیونکہ میں ایک مدت سے حمام نہیں گئی ہوں۔ شہزادی دینا نے اپنی آستینیں

کہنیوں تک چڑھا کر بڑھیا کے بال کھولے اور جوئیں مارنے لگی کہ اتنے میں وہ خط اس کے سر سے گر پڑا۔ شہزادی دینا نے اسے دیکھ کر کہا کہ یہ کیسا کاغذ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب میں اس تاجر کی دوکان پر بیٹھی ہوئی تھی تو شاید یہ کاغذ میرے چپک گیا ہو گا۔ یہ مجھے دے دے تاکہ میں اسے واپس کر آؤں۔ ممکن ہے کہ اس میں اس کا کوئی حساب ہو جس کی اسے ضرورت پڑے۔ شہزادی دینا نے اسے کھول کر پڑھا اور اس کا مضمون اس کی سمجھ میں آیا اور بڑھیا سے کہنے لگی کہ یہ بھی تیرا ایک مکر ہے۔ اگر تو نے مجھے پالا پوسا نہ ہوتا تو میں ابھی تجھے اس کا مزا چکھا دیتی۔ خدا نے اس تاجر کو میرے پیچھے ڈال دیا ہے لیکن جو کچھ مجھ پر اس کے ساتھ گزری ہے' اس کا گناہ تیرے سر ہے۔ نہ معلوم وہ کس ملک سے آیا ہے اور سوائے اس کے اب تک کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ مجھے چھیڑے۔ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں یہ راز فاش نہ ہو جائے۔ بالخصوص ایسے شخص کے ساتھ جو نہ میرا ہم جنس ہے اور نہ میرے برابر۔ بڑھیا نے آگے بڑھ کر جواب دیا کہ تیرے دبدبے کے خوف اور تیرے باپ کے ڈر سے کسی کی مجال نہیں کہ ایسی بات اپنے منہ سے نکالے اور تیرے جواب

دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ اے میری دایہ' اس شیطان کی ہمت کیسے پڑی کہ وہ مجھے یہ باتیں لکھے اور بادشاہ سے خائف نہ ہو؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں' اگر میں اس کے قتل کا حکم دیتی ہوں تو یہ نامناسب بات ہے اور اگر اس کو چھوڑ دیتی ہوں تو اس کی جسارت اور زیادہ ہو جائے گی۔ بڑھیا نے کہا کہ اسے خط لکھ' ممکن ہے کہ وہ ڈر جائے۔ اس نے کاغذ اور دوات اور قلم منگوایا اور ایک خط لکھ کر تہہ کیا اور بڑھیا کو دے دیا اور وہ اسے لے کر تاج الملوک کے پاس پہنچی اور اس کے حوالے کیا۔ جب اس نے وہ خط پڑھا تو اسے یقین آ گیا کہ وہ سخت دل ہے اور اس تک رسائی ناممکن ہے۔

اس بارے میں اس نے وزیر سے شکایت کی اور اس سے تدبیر پوچھی۔ وزیر نے جواب دیا کہ اب اس کے علاوہ اور کوئی تدبیر نہیں کہ تو اسے ایک خط لکھے اور اسے بددعا دے۔ اس نے کہا کہ اے میرے بھائی عزیز' میری طرف سے تو لکھ جس طرح کہ تیرا جی چاہے۔ عزیز نے ایک ورق لے کر اسی مضمون کا ایک خط لکھا اور اسے تہہ کر کے تاج الملوک کو دے دیا۔ جب اس نے وہ خط پڑھا تو اسے بہت پسند آیا اور اس نے اسے بڑھیا کو دے دیا۔ بڑھیا اس خط کو لے کر شہزادی دینا کے پاس پہنچی اور اسے دے دیا۔ جب اس نے وہ خط پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا تو طیش میں آ گئی اور کہنے لگی کہ یہ سب اسی منحوس بڑھیا کے کرتوت ہیں اور اس نے اپنی کنیزوں اور خادموں کو بلا کر کہا کہ اس ملعون مکار بڑھیا کو پکڑو اور خوب جوتے لگاؤ۔ یہ سنتے ہی انہوں نے جوتے لگانے شروع کر دیئے' یہاں تک کہ اسے غش آ گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو شہزادی نے کہا کہ اے بدذات بڑھیا' واللہ اگر مجھے خدا کا ڈر نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کر ڈالتی۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اور مارو اور انہوں نے اتنا مارا کہ وہ پھر بے ہوش ہو گئی۔ اس کے بعد شہزادی نے حکم دیا کہ اسے گھسیٹ کر لے جاؤ اور دروازے کے باہر پھینک آؤ۔ وہ اسے منہ کے بل کشاں کشاں لے گئے اور دروازے کے سامنے ڈال آئے۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ اٹھی اور اٹھتے بیٹھتے اپنے

گھر پہنچی اور صبح کا انتظار کیا۔ اس کے بعد وہ اٹھی اور آہستہ آہستہ چل کر تاج الملوک کے پاس آئی اور اس سے اپنا سارا ماجرا بیان کیا۔ تاج الملوک کو یہ سن کر بڑا افسوس ہوا اور اس سے کہنے لگا کہ مائی! تیرے ماجرے سے ہمیں دلی صدمہ پہنچا لیکن ہر چیز قسمت سے ہوتی ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ غم مت کر بلکہ دل شاد ہو کیونکہ میں تم دونوں کو ملا کر رہوں گی اور تجھے اس پتریا تک پہنچا دوں گی جس نے مجھے مار مار کر زخمی کر دیا ہے۔

تاج الملوک نے اس سے کہا کہ یہ تو بتا کہ آخر اس کو مردوں سے کیوں نفرت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ ایک خواب کی وجہ سے ہے جو اس نے دیکھا تھا۔ اس نے پوچھا کہ وہ خواب کیا تھا؟ بڑھیا نے کہا کہ ایک رات وہ سو رہی تھی کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک چڑی مار نے جال بچھایا ہے اور اس کے اردگرد گیہوں بکھیر دیے ہیں اور خود اس جال کے قریب بیٹھ گیا ہے۔ کوئی پرندے ایسے نہ تھے جو اس جال کے پاس نہ آتے ہوں۔ من جملہ ان کے ایک کبوتر کا جوڑا نر اور مادہ۔ وہ خواب میں جال کی طرف دیکھ ہی رہی تھی کہ نر کا پاؤں جال میں پھنس گیا اور وہ پھڑپھڑانے لگا۔ اس پر سارے پرندے بدک کر اڑ گئے مگر مادہ پھر لوٹ کر آئی اور اس کے آس پاس اڑنے لگی اور اتر کر جال کے پاس پہنچی کیونکہ چڑی مار بے خبر تھا اور اس حلقے پر چونچ مارنے لگی جس میں نر کا پاؤں پھنسا ہوا تھا اور اسے اپنی چونچ سے کاٹنے لگی۔ یہاں تک کہ اس کا پاؤں جال سے چھوٹ گیا اور دونوں اڑ گئے۔ اب چڑی مار نے آ کر جال کی مرمت کی اور دور جا بیٹھا۔ ابھی زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ چڑیاں پھر پہنچ گئیں۔ اور اب کے مادہ جال میں پھنس گئی اور باقی سب چڑیاں نر سمیت اڑ گئیں۔ لیکن نر پھر لوٹا اور چڑی مار نے آ کر مادہ کبوتر کو پکڑ لیا اور اسے ذبح کر ڈالا۔ جب اس نے یہ خواب دیکھا تو مارے ڈر کے جاگ پڑی اور کہنے لگی کہ سب مرد ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں نیکی نہیں ہوتی۔ کوئی مرد بھی عورتوں کے ساتھ بھلائی نہیں کرتا۔

جب وہ اپنی بات ختم کر چکی تو تاج الملوک نے کہا کہ اے میری والدہ' میں اسے ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں خواہ اس میں میری موت ہی کیوں نہ ہو۔ کوئی چال نکال کہ میں اس کو دیکھ سکوں۔ اس نے جواب دیا کہ اسؔ کے محل کے نیچے ایک باغ ہے جو اس کے سیر کرنے کے لیے مخصوص ہے۔ اور وہ اس میں ہر مہینے ایک بار چور دروازے سے آتی ہے۔ آج سے دس دن کے بعد پھر اس کے سیر کرنے کی باری ہے۔ جب وہ وہاں آنے کا ارادہ کرے گی تو میں آ کر تجھے خبر کر دوں گی تا کہ تو وہاں جا کر اس سے ملاقات کرے اور میں تجھ سے اصرار کے ساتھ کہتی ہوں کہ تو باغ ہی میں رہیو' ممکن ہے کہ تیرے حسن و جمال کو دیکھ کر تجھ پر فریفتہ ہو جائے۔ محبت ملنے کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اس نے کہا کہ بسر و چشم۔ اب تاج الملوک اور عزیز اٹھے اور بڑھیا کو لے کر اپنے گھر گئے اور کہا کہ اسے خوب پہچان لے۔ اور تاج الملوک نے عزیز سے کہا کہ اے بھائی' اب مجھے دوکان کی ضرورت نہیں کیونکہ میرا مقصد حاصل ہو گیا۔ اس لیے وہ دوکان اور اس کی ساری چیزیں تیری ملکیت ہیں۔ کیونکہ تو نے میرے ساتھ اس پردیس کا سفر اختیار کیا ہے اور اپنے وطن کو خیر باد کہا ہے۔ عزیز نے منظور کر لیا اور دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ تاج الملوک اس سے پوچھتا کہ تیرے ساتھ کون کون سے عجیب و غریب واقعات پیش آئے ہیں اور وہ اسے اپنی روداد سناتا۔ اس کے بعد وہ دونوں وزیر کے پاس آئے اور اس سے تاج الملوک کا ارادہ بیان کیا اور پوچھتا کہ اسے کس طرح پورا کرنا چاہیے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے ساتھ باغ میں چلو۔ اب تینوں نے اپنے بہترین لباس پہنے اور تین غلاموں کو لے کر چل کھڑے ہوئے اور باغ کے پاس پہنچے اور انہوں نے دیکھا کہ وہ واقعی نہایت سرسبز ہے اور اس میں نہریں بہہ رہی ہیں اور باغبان دروازے پر بیٹھا ہوا ہے۔ انہوں نے اس کو سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔ وزیر نے اسے سو دینار نکال کر دیے اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو یہ تھوڑی سی رقم لے اور ہمارے لیے کوئی کھانے کی چیز خرید لا کیونکہ میں پردیسی ہوں اور میرے ساتھ یہ دو لڑکے ہیں اور میں انہیں

سیر کرانے لایا ہوں۔ باغبان نے دینار لے لیے اور ان سے کہا کہ اندر جا کر سیر کرو' یہ سب کچھ تمہارا ہی ہے۔ تم وہاں میرا انتظار کرنا' میں کھانا لے کر آتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ تو بازار چل دیا اور وزیر اور تاج الملوک اور عزیز باغ کے اندر چلے گئے۔
تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ تلا ہوا میمنا اور سفید روئی کی سی روٹیاں لے آیا اور ان کے آگے رکھ دیں۔ جب کھا پی چکے تو اس نے شیرینی پیش کی اور انہوں نے اسے کھا کر ہاتھ دھوئے اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔
وزیر نے کہا کہ اس باغ کا حال بیان کر کہ یہ تیرا ہے یا تو یہاں ملازم ہے؟ بوڑھے نے کہا کہ یہ باغ میرا نہیں بلکہ بادشاہ کی بیٹی شہزادی دینا کا ہے۔ وزیر نے پوچھا کہ تیری تنخواہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ماہوار محض ایک دینار۔ جب وزیر نے باغ کو غور سے دیکھا تو اسے اس میں ایک عالی شان بارہ دری نظر آئی مگر وہ پرانی تھی۔ اس نے باغبان سے کہا کہ بڑے میاں' میں چاہتا ہوں کہ یہاں اپنی یادگار چھوڑ جاؤں تاکہ تو مجھے یاد کرے۔ اس نے کہا کہ اے میرے آقا' تو کیا یادگار چھوڑنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ فی الحال تو یہ تین سو دینار لے لے۔ باغبان یہ سن کر کہنے لگا کہ اے میرے آقا' جو تیری مرضی ہو' کر۔ اس کے بعد اس نے اسے تین سو دینار دیے اور کہا کہ انشاء اللہ ہم یہاں اچھی یادگار چھوڑیں گے۔ اس کے بعد وہ سب وہاں سے چل دیے اور گھر پہنچ کر سو رہے۔ جب دوسرا دن ہوا تو وزیر نے سفیدی کرنے والوں اور نقاشوں اور ایک کاری گر سنار کو بلوایا اور ان کے لیے جن جن اوزاروں کی ضرورت تھی' منگوائے اور ان کو لے کر باغ گیا اور حکم دیا کہ پہلے تو بارہ دری پر سفیدی کی جائے اور پھر اس پر نقش و نگار کیے جائیں۔ اس کے بعد اس نے سونا اور لاجورد منگوایا اور نقاش سے کہا کہ ایوان کے صدر میں ایک چڑی مار کی تصویر بنا جو جال بچھائے بیٹھا ہو اور اس میں بہت سی چڑیاں پھنسی ہوئی ہوں اور ایک مادہ کبوتر جال میں چونچ ڈالے بیٹھی ہو۔ جب نقاش ایک طرف یہ تصویریں بنا چکا تو وزیر نے کہا کہ دوسری طرف بھی اسی طرف کی ایک تصویر بنا مگر اس میں مادہ کبوتر اکیلی جال میں پھنسی ہوئی ہو اور

صیاد اسے نکال کر ذبح کر رہا ہو اور تیسری طرف ایک بڑی شکاری چڑیا کی تصویر کھینچ جو نر کبوتر کو شکار کر رہی ہے اور اس کے پنجے اس کے اندر چبھے ہوئے ہوں۔ نقاش

نے یہ تصویریں بنا دیں اور جب لوگ اپنا اپنا وہ کام کر چکے جو وزیر نے ان کے سپرد کیا تھا تو وزیر ان کی اجرات ادا کر کے باغبان سے رخصت ہوا اور اپنے گھر کی راہ لی اور وہاں بیٹھ کر وہ تینوں باتیں کرنے لگے۔ تاج الملوک نے عزیز سے کہا کہ اے میرے بھائی' کچھ اشعار سنا تا کہ میرا غم غلط ہو اور پریشانی دور ہو جائے۔ عزیز اس کو اشعار گا گا کر سنانے لگا۔ جب وہ اشعار سن چکا تو تاج الملوک کو اس کی فصاحت اور شیریں بیانی پر بڑا تعجب ہوا اور وہ کہنے لگا کہ واقعی تو نے میرا غم ایک حد تک غلط کر دیا ہے۔ وزیر نے کہا کہ اگلے لوگوں نے واقعی ایسا کلام کہا ہے جسے سننے والے دنگ رہ جاتے ہیں۔ تاج الملوک نے کہا کہ اگر تجھے اس وقت کوئی اس قسم کا کلام یاد ہو تو سنا۔ اس پر وزیر نہایت نفیس اشعار گا کر سنانے لگا۔

یہ تو ان لوگوں کا حال تھا۔ اب بڑھیا کا ماجرا سنئے۔ وہ اپنے مکان میں بند ہو گئی اور باہر نہ نکلی۔ ادھر شہزادی کا جی چاہا کہ باغ کی سیر کرے اور اس کا دستور تھا کہ بے بڑھیا کے ساتھ لیے وہ باغ میں نہ جاتی تھی۔ اس لیے اس نے بڑھیا کو بلوایا اور اسے منا کر اس کا دل خوش کر دیا اور کہنے لگی کہ میں چاہتی ہوں کہ باغ میں جا کر درختوں اور پھلوں کا تماشا دیکھوں تا کہ انہیں دیکھ کر میرا دل خوش ہو۔ بڑھیا نے کہا کہ سر آنکھوں پر لیکن میں چاہتی ہوں کہ گھر جا کر اپنے کپڑے بدلوں اور پھر تیرے پاس آؤں۔ اس نے کہا کہ اچھا گھر جا مگر دیر نہ کیجیو۔ بڑھیا وہاں سے روانہ ہو کر سیدھی تاج الملوک کے پاس پہنچی اور اس سے کہنے لگی کہ اپنے بہترین کپڑے پہن کر تیار ہو جا اور باغ میں پہنچ کر باغبان سے مل اور اسے سلام کر اور باغ میں جا کر چھپ جا۔ اس نے کہا کہ بسر و چشم۔ بڑھیا نے کہا کہ میرے اشارے کا انتظار کیجیو۔ یہ کہہ کر وہ شہزادی دینا کے پاس گئی۔ جب وہ جا چکی تو وزیر اور عزیز نے

تاج الملوک کو بہترین شاہانہ لباس پہنایا جس کی قیمت پانچ ہزار دینار تھی اور اس کی کمر میں ایک سونے کا پٹکا باندھا جس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے اور باغ کو روانہ ہو گئے۔ جب وہ باغ کے دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ باغبان وہاں بیٹھا ہوا ہے۔ جب باغبان نے تاج الملوک کو دیکھا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بڑی تعظیم و احترام سے پیش آیا اور دروازہ کھول کر اس سے کہا کہ اندر جا کر سیر کر۔ باغبان کو یہ معلوم نہ تھا کہ آج شہزادی آنے والی ہے۔ اسے باغ میں آئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اسے آوازیں سنائی دیں اور اس کے ساتھ ہی خادم اور کنیزیں چور دروازے سے آ پہنچیں۔ جب باغبان نے ان کو دیکھا تو وہ تاج الملوک کے پاس گیا اور کہا کہ وہ آ رہی ہے' اب کیا کیا جائے' بادشاہ کی بیٹی شہزادی دینا آ گئی ہے۔ اس نے کہا کہ کیا مضائقہ! میں باغ میں کسی جگہ چھپ جاؤں گا۔ باغبان نے کہا کہ اچھی طرح چھپ جائیو یہ کہہ کر وہ اس کے پاس سے چلا گیا۔

جب شہزادی اور اس کی کنیزیں اور بڑھیا باغ میں داخل ہوئی تو بڑھیا اپنے دل میں کہنے لگی کہ اگر خادم وغیرہ ہمارے ساتھ رہے تو میرا مقصد کبھی حاصل نہ ہو گا اور اس نے شہزادی سے کہا کہ اے میری مالکہ' میں تجھ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں جس سے تیرے دل کو تسکین ہو گی۔ شہزادی دینا نے کہا کہ جو کچھ کہنا چاہتی ہے کہہ۔ بڑھیا نے کہا کہ اے میری شہزادی' ان نوکروں کی اس وقت تجھے ضرورت نہیں اور جب تک وہ ہمارے ساتھ رہیں گے اس وقت تک تجھے خوشی نہ ہو گی۔ لہٰذا ان کو چلتا کر۔ شہزادی دینا نے کہا کہ تو سچ کہتی ہے اور ان کو رخصت کر دیا اور اس کے بعد سیر کرنے لگی۔ تاج الملوک اسے اور اس کے حسن و جمال کو دیکھتا مگر اس کو اس کی خبر نہ تھی۔ جب اس کی نظر اس پر پڑتی تو اسے غش سا آ جاتا۔ بڑھیا اسے باتوں میں لگائے ہوئے تھی یہاں تک کہ وہ شہزادی کو لے کر اس بارہ دری میں پہنچی جہاں وزیر نے تصویریں کھنچوائی تھیں۔ اب وہ اس بارہ دری میں داخل ہو کر اس کے نقش و نگار دیکھنے لگی اور دیکھا کہ ان میں چڑیاں اور چڑی مار اور کبوتر ہیں اور

کہنے لگی کہ سبحان اللہ' یہ تو وہی ہے جو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ یہ کہہ کر وہ چڑیوں اور چڑی مار اور جال کو دیکھنے لگی اور سخت حیران ہوئی اور کہنے لگی کہ دایہ' میں مردوں کو الزام دیتی اور ان سے دشمنی رکھتی تھی لیکن دیکھ کہ صیاد مادہ کبوتر کو ذبح کر رہا ہے اور نر بچ کر نکل گیا ہے اور چاہتا ہے کہ آ کر مادہ کو چھڑائے۔ لیکن راہ میں اسے ایک شکاری پرندہ ملا اور اس نے اسے شکار کر لیا۔ بڑھیا نے اپنا تجاہل ظاہر کیا اور اسے باتوں میں لگائے رہی۔ یہاں تک کہ وہ دونوں اس جگہ کے قریب پہنچ گئے جہاں تاج الملوک چھپا بیٹھا تھا۔ بڑھیا نے اسے اشارہ کیا کہ وہ محل کی کھڑکیوں کے نیچے ٹہلنے لگے۔ شہزادی دینا ابھی سیر ہی کر رہی تھی کہ اس کی نظر تاج الملوک پر پڑی اور وہ اسے دیکھنے لگی اور اس کے حسن اور قدر و قامت اور اعتدال میں محو ہو گئی۔ اس نے بڑھیا سے کہا کہ دایہ' یہ خوش رو جوان کون ہے؟ اس نے جواب دیا واللہ اعلم' مگر وہ کسی بڑے بادشاہ کا بیٹا معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ انتہا درجے کا حسین اور کمال درجے کا خوش رو ہے۔ شہزادی دینا اس پر عاشق ہو گئی اور اس کے ارادے کی رسیاں ڈھیلی پڑ گئیں اور اس کی عقل دنگ ہو گئی۔ یہ تھا اس کے حسن اور قد و قامت اور اعتدال کا اثر اور اس نے بڑھیا سے کہا کہ اے میری دایہ' یہ جوان تو بڑا خوش رو ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ اے میری مالکہ' تو سچ کہتی ہے' اور شہزادے کی طرف اشارہ کر کے کہا اب اپنے گھر جا' مگر محبت کی آگ اس کے دل میں بھڑک چکی تھی اور اس کا عشق زور پکڑ چکا تھا لیکن وہ چل دیا اور ٹھہرا نہیں اور باغبان سے رخصت ہو کر اپنے گھر گیا۔ تاج الملوک کے دل میں محبت موجزن تھی لیکن وہ بڑھیا کا کہنا نہ ٹال سکتا تھا۔ گھر پہنچ کر اس نے وزیر اور عزیز سے کہا کہ بڑھیا نے مجھے اشارہ کیا کہ میں گھر چلا جاؤں۔ دونوں نے اسے اطمینان دلایا اور کہا کہ اگر بڑھیا کو یہ یقین نہ ہوتا کہ تیرے واپس جانے میں مصلحت ہے تو وہ کبھی تجھ سے واپس جانے کے لیے اشارہ نہ کرتی۔

یہ تو تاج الملوک اور وزیر اور عزیز کا ماجرا ہوا۔ اب شہزادی دینا کا حال سنئے۔ اس کے ایسا محبت کا تیر لگا کہ وہ بے چین ہو گئی اور بڑھیا سے کہنے لگی کہ سوائے تیرے اور کوئی مجھے اس جوان سے نہیں ملا سکتا۔ بڑھیا نے کہا کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ تجھے تو مردوں سے نفرت ہے' اس کی محبت میں تو کیسے مبتلا ہو گئی؟ لیکن خدا کی قسم' سوائے اس کے اور کوئی تیری جوانی کا حق دار نہیں۔ شہزادی دینا نے کہا کہ اے میری دایہ' مجھے اس سے ملانے میں معین و مددگار ہو اور میں تجھے ایک ہزار دینار نقد اور ایک ہزار دینار کی خلعت عطا کروں گی۔ اور اگر تو نے مجھے اس سے نہ ملایا تو میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ بڑھیا نے کہا کہ تو اپنے محل میں جا اور میں تمہارے وصال کی کوئی تدبیر نکالتی ہوں اور تیری مرضی پوری کرنے میں میں اپنی جان لڑا دوں گی۔ اب شہزادی دینا اپنے محل میں گئی اور بڑھیا تاج الملوک کے پاس پہنچی۔ جب اس نے بڑھیا کو دیکھا تو وہ کھڑا ہو گیا اور بڑے اعزاز و احترام سے اسے اپنے پاس بٹھایا۔ بڑھیا نے کہا کہ تدبیر کارگر ہو گئی ہے اور سارا ماجرا کہہ سنایا جو اسے شہزادی دینا کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اس نے پوچھا کہ اب ملاقات کب ہو گی؟ بڑھیا نے کہا کہ کل۔ اس نے بڑھیا کو ایک ہزار دینار نقد دیئے اور ایک ہزار دینار کی خلعت عطا کی۔ وہ لے کر چلتی ہوئی اور شہزادی دینا کے پاس پہنچی۔ اس نے کہا کہ اے میری دایہ' محبوب کی کیا خبر لائی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس کا گھر دیکھ آئی ہوں اور کل میں اس کے یہاں جاؤں گی۔ یہ سن کر شہزادی دینا خوش ہو گئی اور اسے ایک ہزار دینار نقد دیئے اور ایک ہزار دینار کی خلعت عطا کی۔ بڑھیا نے انہیں لے کر اپنے گھر کی راہ لی اور رات وہیں گزاری۔ جب صبح ہوئی تو وہ تاج الملوک کے پاس پہنچی اور اسے زنانے کپڑے پہنا کر کہا کہ میرے پیچھے پیچھے آ اور مٹک مٹک کر چلیو اور بڑے بڑے قدم نہ لیجیو اور راہ میں کسی سے ہم کلام مت ہوجیو۔

جب بڑھیا تاج الملوک کو یہ نصیحت کر چکی تو وہ آگے چلی اور شہزادہ زنانے لباس میں

پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ راہ بھر وہ اسے تدبیریں بتاتی اور اس کا دل مضبوط کرتی رہی تاکہ وہ گھبرا نہ جائے۔ اسی طرح وہ آگے آگے چلی جا رہی تھی اور وہ پیچھے پیچھے تھا کہ وہ دونوں محل کے دروازے پر پہنچ گئے اور بڑھیا اندر داخل ہو گئی اور اس کے پیچھے تاج الملوک۔ دونوں دروازے اور دہلیزیں طے کرتے چلے جاتے تھے کہ وہ ساتویں دروازے پر پہنچے اور بڑھیا نے تاج الملوک سے کہا کہ دل کو مضبوط رکھ اور جب میں تجھ سے کہوں کہ اے کنیز' آگے بڑھ تو اس وقت قدم تیز تیز اٹھائیو اور جلد جلد چلیو اور جب تو دہلیز کے اندر داخل ہو جائے تو بائیں طرف نظر اٹھائیو۔ وہاں تجھے ایک بارہ دری دکھائی دے گی جس میں کئی دروازے ہوں گے۔ ان میں سے پانچ دروازوں کو گن کر چھوڑ دیجیو اور چھٹے میں داخل ہو جائیو۔ بس وہیں تیری مراد بھر آئے گی۔ تاج الملوک نے کہا کہ اور تو کہاں جائے گی؟ اس نے کہا کہ میں تو کہیں نہیں جاؤں گی مگر ممکن ہے کہ میں تجھ سے ذرا پیچھے رہ جاؤں اور دربان مجھے روک لے اور میں اس سے باتیں کرنے لگوں۔ یہ کہہ کر وہ چل کھڑی ہوئی اور تاج الملوک پیچھے پیچھے ہو لیا۔ یہاں تک کہ وہ اس پھاٹک پر پہنچ گئے جہاں بڑا دربان تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ بڑھیا کے ساتھ ایک کنیز ہے تو اس نے پوچھا کہ یہ کنیز ہے جو تیرے ساتھ ہے؟ اس نے کہا کہ یہ وہی کنیز ہے جس کے متعلق شہزادی دینا نے سنا تھا کہ وہ گھر کا کام کاج جانتی ہے اور اسے خریدنا چاہتی ہے۔ خادم نے کہا کہ میں کنیز ونیز کو نہیں جانتا اور جب تک میں اسے دیکھ بھال نہ لوں اسے اندر نہیں جانے دے سکتا' جیسا کہ بادشاہ کا حکم ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• ایک سو پینتیس ویں رات

جب ایک سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
دربان نے بڑھیا سے کہا کہ میں کسی کنیز و نیز کو نہیں جانتا اور بادشاہ کے حکم کی بنا پر میں کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ جب تک کہ میں تحقیق نہ کر لوں۔ بڑھیا نے غصے کا منہ بنا کر کہا کہ میرا تو اب تک یہ خیال تھا کہ تو سمجھدار اور باادب ہے۔ اگر تو اب بدل گیا ہے تو میں شہزادی کو اطلاع کر دوں گی کہ تو اس کنیز کو اندر آنے سے روکتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے تاج الملوک سے چلا کر کہا کہ اے کنیز' آگے چل۔ یہ سن کر وہ دروازے کے پار ہو گیا اور دربان چپ رہا اور اس نے کچھ نہ کہا۔ اب تاج الملوک نے پانچ دروازے گن کر چھوڑ دیے اور چھٹے میں داخل ہو گیا اور دیکھا کہ شہزادی دینا کھڑی انتظار کر رہی ہے۔ جب شہزادی نے اس کو دیکھا تو پہچان لیا اور اسے اپنے گلے سے لگا لیا اور شہزادے نے اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔ اب بڑھیا ان کے پاس آئی اور کسی حیلے سے کنیزوں کو چلتا کیا تاکہ فضیحت نہ ہو۔ شہزادی دینا نے بڑھیا سے کہا کہ تو ہماری دربانی کر اور خود تاج الملوک کے ساتھ خلوت میں گئی۔ جب صبح ہونے لگی تو وہ اس کے پاس سے چلی گئی اور اس کا کمرہ بند کر دیا اور خود دوسرے کمرے میں جا کر بیٹھ گئی۔ جیسا کہ اس کا دستور تھا۔ اب کنیزیں اس کے پاس آئیں اور اس نے ان کی ضروریات پوری کیں۔ اور کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد ان سے کہا کہ اب تم لوگ چلی جاؤ کیونکہ میں کچھ دیر اکیلے دل بہلانا چاہتی ہوں۔ جب کنیزیں چلی گئیں تو وہ تاج الملوک کے پاس آئی اور بڑھیا کچھ کھانا لے کر ان کے پاس پہنچی اور انہوں نے کھایا اور بڑھیا نے پہلے دن کی طرح ان کا کمرہ بند کر دیا اور وہ دوسرے دن صبح تک ایک دوسرے سے پیار کی باتیں کرتے رہے۔ پورے ایک مہینے تک ان کا یہی دستور

رہا۔

ادھر تو تاج الملوک اور شہزادی دینا کا یہ حال تھا اور ادھر وزیر اور عزیز نے دیکھا کہ تاج الملوک اتنی مدت سے شہزادی کے محل میں ہے اور ان کو یقین آ گیا کہ اب وہ باہر نہ آئے گا بلکہ وہیں اندر ہلاک ہو جائے گا۔ عزیز نے وزیر سے کہا کہ اے میرے باپ' اب کیا کرنا چاہیے؟ وزیر نے جواب دیا کہ بیٹا' یہ مشکل بات ہے اور اگر ہم اس کے باپ کے پاس جا کر اس کو اطلاع نہ دیں تو وہ ہمیں لعنت ملامت کرے گا۔ اس کے بعد وہ فوراً تیاری کر کے ارض خضر او عمودین کی طرف روانہ ہو گئے جو بادشاہ سلیمان شاہ کا دارالسلطنت تھا اور دن رات وادیوں کو طے کرتے ہوئے بادشاہ سلیمان شاہ کے پاس پہنچے اور اس سے شہزادے کا ماجرا بیان کیا اور یہ کہ جب سے وہ شہزادی کے محل میں داخل ہوا ہے' انہیں اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ یہ سنتے ہی بادشاہ پر قیامت ٹوٹ پڑی اور اسے سخت ندامت ہوئی اور اس نے حکم دیا کہ ملک میں جہاد کا اعلان کر دیا جائے اور لشکر کو شہر کے باہر نکالا جائے اور ان کے لیے خیمے لگوائے اور خود اپنے سرا پردے میں بیٹھ کر ہر طرف کے لشکر کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے عدل و احسان کی وجہ سے اس کی رعایا کو اس سے بہت محبت تھی۔ اب وہ ایسا لشکر لے' کر جو سارے افق پر چھا گیا تھا' اپنے بیٹے کی تلاش میں روانہ ہوا۔

ادھر تو ان لوگوں کا یہ حال تھا اور ادھر تاج الملوک اور شہزادی دینا چھ مہینے تک اسی حالت میں رہے اور ان کی باہمی محبت دن دونی اور رات سوائی بڑھتی جاتی تھی اور تاج الملوک کا عشق اور تمنا اور آرزو اور بے چینی روز افزوں ترقی پر تھی۔ بالآخر اس نے اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا اور کہنے لگا کہ اے میرے دل و جان کی مالکہ' جب میں تیرے ساتھ ہوں۔ میرا عشق اور ارمان اور میری تمنا آئے دن بڑھ رہی ہے کیونکہ ابھی تک میرا ارمان پورا نہیں ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ اے میری آنکھ کے تارے اور میرے دل کے ٹکڑے تو اپنا ارمان پورا کر کیونکہ خدا گواہ ہے کہ ہمارا اور کوئی شریک نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ میری مراد نہیں بلکہ میرا مقصد یہ ہے

کہ اپنا سچا سچا حال تجھ پر ظاہر کر دوں۔ سن میں سوداگر نہیں ہوں بلکہ ایک بادشاہ کا بیٹا شہزادہ ہوں۔ میرا باپ بہت بڑا بادشاہ ہے اور اس کا نام سلیمان شاہ ہے جس نے میری شادی کا پیغام تیرے باپ کے پاس بھیجا تھا۔ جب تجھے اس کی خبر دی گئی تو تو راضی نہ ہوئی۔ اس کے بعد اس نے سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا' اور دہرانے میں کوئی فائدہ نہیں۔ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے باپ کے پاس جا کر تیرے باپ کے پاس ایلچی بھجواؤں کہ میں تجھ سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور اس سے میرے دل کو اطمینان ہو۔ جب شہزادی نے یہ باتیں سنیں تو وہ مارے خوشی کے باغ باغ ہو گئی کیونکہ اس کی بھی یہی آرزو تھی۔ اس پر دونوں کا اتفاق ہو گیا اور وہ سو گئے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اور راتوں کے برخلاف' اس رات ان پر نیند غالب آ گئی اور وہ سورج نکلنے تک سوتے رہے۔

اس وقت بادشاہ شہرمان اپنے تخت پر آ کر بیٹھا تھا اور ملک کے امراء اس کے سامنے کھڑے تھے کہ سناروں کا چودھری وہاں پہنچا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا ڈبہ تھا اور اس نے بادشاہ کے سامنے بڑھ کر اسے کھولا اور اس میں سے ایک نہایت نفیس صندوقچی نکالی جس کی قیمت ایک لاکھ دینار تھی کیونکہ اس میں جواہرات اور یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے اور جس کی نظیر دنیا کے کسی بادشاہ کے پاس نہ تھی۔ جب بادشاہ نے اسے دیکھا تو وہ اس کی خوبصورتی پر حیران ہو گیا اور اس خادم کی طرف مخاطب ہوا جس کے اور بڑھیا کے درمیان وہ واقعہ پیش آیا تھا اور اس سے کہنے لگا کہ اے کافور' اس صندوقچی کو شہزادی دینا کے پاس لے جا۔ خادم اس کو لے کر روانہ ہو گیا اور شہزادی کے کمرے پر پہنچا اور دیکھا کہ اس کا دروانہ بند ہے اور اس کی دہلیز پر بڑھیا پڑی سو رہی ہے۔ خادم نے کہا کہ یہ وقت ہو گیا اور تم لوگ سو رہی ہو۔ جب بڑھیا نے خادم کی آواز سنی تو وہ جاگ پڑی اور ڈرنے لگی اور کہا کہ ٹھہر جا میں ابھی کنجیاں لاتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اپنی جان کے ڈر سے بھاگی۔

ادھر تو بڑھیا چلتی ہوئی اور ادھر خادم کے دل میں شک گزرا اور اس نے کواڑ کو چول

سے نکال دیا اور کمرے میں گھس گیا اور دیکھا کہ شہزادی دینا اور تاج الملوک ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے سو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اسے سخت تعجب ہوا اور نے چاہا کہ الٹے پاؤں بادشاہ کے پاس جائے کہ اتنے میں شہزادی دینا کی آنکھ کھل گئی اور خادم کو دیکھ کر اس کا رنگ فق ہو گیا اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وہ کہنے لگی کہ اے کافور' جو راز خدا نے فاش نہیں کیا اسے تو بھی پوشیدہ رکھیو۔ اس نے جواب دیا کہ میری یہ طاقت نہیں کہ بادشاہ سے کوئی بات چھپا سکوں۔ یہ کہہ کر اس نے دروازے میں قفل ڈال دیا اور بادشاہ کے پاس واپس گیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تو صندوقچی شہزادی کو دے آیا ہے؟ خادم نے کہا کہ صندوقچی یہ ہے' اسے لے۔ میں کوئی بات تجھ سے چھپا نہیں سکا۔ سن' میں نے یہ دیکھا کہ ایک خوبصورت جوان مرد شہزادی دینا کے ساتھ فرش پر لیٹا سو رہا ہے۔ بادشاہ نے دونوں کے حاضر کیے جانے کا حکم دیا اور جب وہ حاضر ہوئے تو ان سے کہا کہ یہ کیا حرکت ہے! اور طیش میں آ کر اس نے اپنا خنجر نکال لیا اور تاج الملوک کے مارنا ہی چاہتا تھا کہ شہزادی دینا بیچ میں آ گئی اور اپنے باپ کی طرف منہ کر کے کہنے لگی کہ اس سے قبل مجھے قتل کر۔ بادشاہ نے اسے جھڑکا اور حکم دیا کہ وہ اپنے حجرے میں پہنچا دی جائے۔ اس کے بعد وہ تاج الملوک کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ لعنت ہو تجھ پر! تو کہاں سے آیا ہے اور کس کا بیٹا ہے اور تجھے میری بیٹی کے ساتھ ایسی جسارت کیونکر ہوئی؟ تاج الملوک نے جواب دیا کہ اے بادشاہ' سن اگر تو نے مجھے قتل کیا تو تو تباہ ہو جائے گا اور تو اور تیری رعایا سب پچھتائیں گے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کیسے؟ اس نے جواب دیا کہ میں بادشاہ سلیمان شاہ کا بیٹا ہوں اور قبل اس کے کہ تجھے خبر ہو وہ سوار اور پیادے لے کر یہاں پہنچ جائے گا۔ جب بادشاہ شہرمان نے یہ سنا تو وہ چاہتا تھا کہ اسے ابھی قتل نہ کرے بلکہ قید خانے میں رکھ کر اس بات کی تحقیقات کرے کہ آیا وہ سچ کہتا ہے مگر اس کے وزیر نے اس سے کہا کہ جہاں پناہ' میری رائے میں تو اس بدمعاش کو

جلد قتل کر ڈال کیونکہ وہ بادشاہوں کی بیٹیوں کے ساتھ ایسی جسارت کرتا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے جلاد سے کہا کہ اس کی گردن اڑا دے کیونکہ اس نے خیانت کی ہے۔ جلاد نے اسے لے جا کر اس کی مشکیں باندھیں اور ہاتھ اٹھا کر امراء سے مشورہ کیا، پہلے ایک بار اور پھر دوسری بار۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ جلدی نہ کرے۔ مگر بادشاہ نے اس سے غصے میں آ کر کہا کہ آکر تو کب تک مشورہ کرے گا! اگر تو نے ایک بات اور مشورہ کیا تو میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ اب جلاد نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ یہاں تک کہ اس کی بغل کے بال نظر آنے لگے اور چاہتا ہی تھا کہ اس کی گردن اڑا دے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• ایک سو چھتیس ویں رات

جب ایک سو چھتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- جلاد نے اپنا ہاتھ اٹھایا یہاں تک کہ اس کی بغل کے بال دکھائی دینے لگے اور وہ چاہتا ہی تھا کہ اس کی گردن اڑا دے کہ اتنے میں ایک شور و غل سنائی دیا اور لوگ اپنی دوکانیں بند کرنے لگے۔ بادشاہ نے جلاد سے کہا کہ جلد مت کر اور کسی کو بھیج کر خبر منگوائی جائے۔ فرستادہ جا کر لوٹا اور کہنے لگا کہ میں نے ایک لشکر دیکھا ہے جو موجزن سمندر کی طرح امنڈا چلا آ رہا ہے اور گھوڑے اس طرح ٹاپیں مار رہے ہین کہ زمین ہل رہی ہے۔ اس سے زیادہ مجھے علم نہیں۔ بادشاہ کانپ اٹھا اور ڈرا کہ کہیں اس کا ملک چھن نہ جائے اور وزیر سے کہا کہ ہمارے لشکر میں سے کوئی اس لشکر کی طرف نہیں گیا؟ وہ اپنی بات پوری بھی نہ کرنے پایا تھا کہ اس کے حاجب آنے والے بادشاہ کے ایلچیوں کو لے کر حاضر ہوئے اور من جملہ ان کے وزیر بھی تھا جس نے اسے سلام کیا۔ بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا اور انہیں اپنے پاس بٹھایا اور ان کے آنے کی وجہ پوچھی۔ ان میں سے وزیر اٹھ کر اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ جو شخص تیرے ملک میں آیا ہے' وہ گزشتہ بادشاہوں اور سلطانوں سے بڑھ کر ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کون؟ وزیر نے جواب دیا کہ ارض خضر او عمودین اور جبال اصفہان کا بادشاہ سلطان سلیمان شاہ جو عادل اور صلح پرور ہے جس کی شہرت سواروں کے ذریعے دور دور پہنچی ہے۔ وہ عدل اور انصاف کا حامی اور ظلم و جور کا دشمن ہے۔ اس نے تجھے یہ پیغام بھیجا ہے کہ اس کا بیٹا یہاں تیرے شہر میں ہے اور وہ اس کے دل کا ٹکڑا اور ثمر ہے۔ اگر وہ اسے صحیح و سالم پائے گا تو اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہتا بلکہ وہ تیرا ممنون ہو گا اور تیری عزت کرے گا لیکن اگر وہ تیرے ملک میں کھو گیا ہو یا اسے کوئی نقصان پہنچا ہو تو یاد رکھ کہ تیرا بھیجا نکال لیا جائے گا اور تیرا ملک تباہ کر دیا جائے گا۔ وہ تیرے ملک

کو بیابان کر دے گا جہاں گدھے لوٹیں گے۔ بس اب میں پیغام پہنچا چکا۔
جب بادشاہ شہرمان نے ایلچی کی یہ باتیں سنیں تو اس کا دل کانپ اٹھا اور وہ ڈرا کہ کہیں

ملک ہاتھ سے نہ جاتا رہے اور اس نے حکومت کے امراء اور وزرا اور حاجبوں اور نوجوانوں کو طلب کیا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو اس نے کہا کہ خدا کے لیے اس لڑکے کو ڈھونڈ کر لاؤ کیونکہ وہ جلاد کے قبضے میں تھا اور ڈر کی وجہ سے اس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔
اب ایلچی کی نظر ادھر ادھر پڑنے لگی اور اس نے دیکھا کہ اس کے بادشاہ کا بیٹا قتل کے بوریے پر پڑا ہوا ہے۔ اسے پہچانتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور شہزادے پر گر پڑا اور باقی ایلچیوں نے بھی یہی کیا۔ اب لوگوں نے بڑھ کر اس کی مشکیں کھولیں اور اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے اور تاج الملوک نے آنکھیں کھول دیں اور اپنے باپ کے وزیر اور اپنے دوست عزیز کو پہچانا اور انہیں دیکھ کر مارے خوشی کے بے ہوش ہو گیا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ شہرمان کو اپنے اوپر بڑی حیرانی اور پریشانی ہوئی اور وہ بے حد ڈر کیونکہ اسے یقین ہو گیا اور اس کے سر کو بوسہ دیا اور اس کے آنسو جاری ہو گئے اور وہ کہنے لگا کہ بیٹا' میں نے برائی کی ہے مگر تو میری برائی کا بدلہ برائی سے مت دے بلکہ میرے بڑھاپے پر رحم کھا اور میرے ملک کو تباہ مت کر۔ یہ سن کر تاج الملوک اس کے پاس آیا اور اس کے ہاتھ کو بوسہ دے کر کہنے لگے کہ تیرا ہرگز بال بیکا نہ ہو گا کیونکہ تو میرے باپ کی جگہ ہے لیکن خبردار کہیں میری محبوبہ شہزادی دینا کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ بادشاہ نے کہا کہ اے میرے آقا' اس کے متعلق ڈر مت اسے خوشی ہی خوشی پہنچے گی۔ بادشاہ اسی طرح تاج الملوک سے معذرت کرتا جاتا تھا اور بادشاہ سلیمان کے وزیر کو مناتا جاتا تھا اور اسے بہت مال و دولت دینے کا وعدہ کرتا جاتا تھا بشرطیکہ جو کچھ اس نے دیکھا ہے اپنے بادشاہ سے نہ کہے۔
اب بادشاہ شہرمان نے اپنے امراء سے کہا کہ تاج الملوک کو حمام لے جاؤ اور پھر اسے بہترین پوشاک پہنا کر یہاں لاؤ۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور اسے حمام میں نہلا کر وہ پوشاک پہنائی جو بادشاہ شہرمان نے اس کے لیے الگ نکال رکھی تھی اور

اسے دربار میں لائے۔ جب وہ بادشاہ شہرمان کے پاس پہنچا تو بادشاہ کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے تمام امرا کو جو وہاں موجود تھے' حکم دیا کہ کھڑے ہو جائیں۔ اب تاج الملوک بیٹھ کر اپنے باپ کے وزیر اور عزیز سے بات چیت کرنے لگا اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا۔ وزیر نے اس سے کہا کہ اس اثناء میں ہم نے تیرے باپ کے پاس جا کر اس سے کہا کہ شہزادی کی حرم سرا میں گیا تھا اور لوٹا نہیں۔ اس سے ہمیں اندیشہ ہے۔ جب بادشاہ نے یہ سنا تو اس نے لشکر تیار کیا اور اب ہم یہاں آئے ہیں اور ہمارے آنے سے تجھے خوشی ہوئی اور ہم مسرور ہوئے۔ اس نے ان سے کہا کہ تمہارے ہاتھوں شروع سے لے کر آخر تک بھلائی ہی بھلائی پہنچی ہے۔

ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر بادشاہ شہرمان اپنی بیٹی شہزادی دینا کے پاس گیا اور دیکھا کہ وہ تاج الملوک پر گریہ و زاری کر رہی ہے۔ علاوہ اس کے اس نے ایک تلوار نکال کر اس کا قبضہ زمین کی طرف اور نوک اپنی چھاتیوں کے درمیان دل کی طرف کی ہے اور اس پر جھک کر یہ کہہ رہی ہے اب میں اپنے آپ کو مار ڈالوں گی اور اپنے محبوب کے بعد زندہ نہیں رہنے کی۔ جب اس کا باپ اندر آیا اور اس نے شہزادی کو اس حالت میں دیکھا تو اس نے چلا کر اس سے کہا کہ اے شہزادیوں کی آقا' ایسا مت کر۔ اپنے باپ اور شہر والوں پر رحم کھا۔ پھر وہ اس کی طرف بڑھ کر کہنے لگا کہ ایسا مت کر کہ تیری وجہ سے تیرے باپ کو نقصان پہنچے۔ اس کے بعد اس نے سارا قصہ سنایا کہ تیرا محبوب بادشاہ سلیمان شاہ کا بیٹا تیرے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے اور نکاح اور شادی تیرے اوپر منحصر ہے۔ وہ مسکرائی اور کہنے لگی کہ میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ وہ بادشاہ زادہ ہے! خدا کی قسم' اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ میں اس سے کہوں کہ وہ تجھے دو درہم کی لکڑی پر پھانسی دے دے۔ باپ نے کہا کہ بیٹی' مجھ پر رحم کھا' خدا تجھ پر رحم کرے! اس نے کہا کہ اچھا فوراً جا کر اسے میرے پاس لے آ اور دیر مت کر۔ باپ نے کہا کہ بسر و چشم۔ یہ کہہ کر وہ فوراً وہاں سے روانہ ہو گیا اور تاج الملوک کے پاس جا کر اسے چپکے چپکے سارا ماجرا سنایا اور

پھر دونوں شہزادی کے پاس گئے۔ جب اس نے تاج الملوک کو دیکھا تو باپ کے سامنے ہی اسے گلے سے لگا لیا اور اسے چپٹ کر بوسے لینے لگی اور اس سے کہا کہ تیری

وجہ سے میں بہت پریشان تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے باپ کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ کسی کی یہ مجال ہو سکتی ہے کہ ایسے حسین شخص کا بال بیکا کر سکے۔ علاوہ بریں وہ بادشاہ زادہ ہے اور شریف ہے اور برے کام سے بچتا ہے۔

یہ سن کر بادشاہ شہرمان وہاں سے چل دیا اور خود اپنے ہاتھ سے ان کے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور بادشاہ سلیمان شاہ کے وزیر اور اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچ کر ان سے کہا کہ اپنے بادشاہ کو یہ پیغام پہنچا دو کہ اس کا بیٹا بخیریت اور خوش و خرم ہے اور اپنی معشوقہ کے ساتھ لذیذ ترین عیش میں مشغول ہے۔ ادھر وہ اپنے بادشاہ کے پاس گئے اور اسے یہ خبر پہنچا دی اور ادھر بادشاہ شہرمان نے حکم دیا کہ بادشاہ سلیمان شاہ کی فوج کے لیے بخششوں کا مال اور ضیافتوں کا سامان مہیا کیا جائے۔ جب انہوں نے ساری چیزیں مہیا کر لیں تو بادشاہ تو سوا اصیل گھوڑے اور سو اونٹ اور سو سفید غلام اور سو کنیزیں اور سو حبشی غلام اور سو لونڈیاں نکلوائیں اور انہیں بطور ہدیے کے اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوا اور حکومت کے اراکین اور خاص خاص لوگ اس کے ہم رکاب تھے۔ جب وہ شہر کے باہر پہنچے اور بادشاہ سلیمان شاہ کو ان کے آنے کی خبر پہنچی تو وہ اٹھ کر اس سے ملنے کے لیے کئی قدم بڑھا کیونکہ وزیر اور عزیز اس کو خبر پہنچا چکے تھے اور وہ سن کر بہت خوش ہوا تھا اور اس نے کہا تھا کہ شکر ہے خدا کا جس نے میرے بیٹے کا مقصد پورا کیا۔ اب بادشاہ سلیمان شاہ نے بادشاہ شہرمان کو اپنے سینے لگایا اور تخت پر اپنے پہلو بہ پہلو بٹھایا اور ایک دوسرے سے باتیں کر کر کے خوش ہونے لگے۔ اس کے بعد ان کے آگے کھانا پیش کیا گیا اور انہوں نے سیر ہو کر کھایا۔ پھر شیرینی لائی گئی اور انہوں نے شیرینی کھائی اور پھل اور نقل پیش کیے گئے اور انہوں نے پھل اور نقل تناول کیے۔ ابھی ایک پہر بھی نہ گزرا ہو گا کہ تاج الملوک عمدہ پوشاک پہنے اور بنا سنورا ان کے پاس پہنچا۔ جب اس کے باپ کی نظر اس پر پڑی تو وہ کھڑا ہو

گیا اور اس سے ہم آغوش ہو کر اسے بوسے دینے لگا۔ یہ دیکھ کر جتنے لوگ بیٹھے ہوئے تھے' کھڑے ہو گئے اور دونوں بادشاہوں نے اسے اپنے درمیان میں بٹھایا اور سب کے سب بیٹھ کر تھوڑی دیر تک باتیں کرنے لگے اور بادشاہ سلیمان شاہ نے بادشاہ شہرمان سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے بیٹے کا نکاح نامہ تیری بیٹی کے ساتھ گواہوں کے سامنے لکھ لیا جائے تاکہ سنت کے مطابق اس کا اشتہار ہو جائے۔ اس نے کہا کہ بسر و چشم اور فوراً قاضی اور گواہوں کو طلب کیا۔ انہوں نے آ کر تاج الملوک کا نکاح نامہ شہزادی دینا کے ساتھ مرتب کر دیا۔ اس کے بعد لوگوں کو بخششیں دی گئیں اور مٹھائی تقسیم کی گئی اور خوشبوؤں اور عطریات کا استعمال افراط کے ساتھ کیا گیا۔ یہ دن سب کے لیے خوشی کا دن تھا یہاں تک کہ امرا سے لے کر معمولی لشکری تک خوش و خرم تھے۔ اب بادشاہ شہرمان نے اپنی بیٹی کا جہیز تیار کرانا شروع کر دیا۔
تاج الملوک نے اپنے باپ سے کہا کہ یہ جوان عزیز بڑا شریف زادہ ہے اور اس نے میری بڑی خدمت کی ہے اور میرے لیے محبت و مشقت اٹھائی ہے اور سفر کیا ہے اور مجھے میرے مقصد تک پہنچایا ہے اور ثابت قدم رہا ہے اور مجھے ثابت قدم رکھا ہے تاکہ میری مراد بر آئے اور میرے ساتھ اب اسے دو سال ہو گئے ہیں اور وہ اپنے وطن سے دور پڑا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم اس کے لیے یہاں سے تجارت کا مال ساتھ کر دیں اور وہ خوش خوش یہاں سے روانہ ہو جائے۔ اس کا وطن یہاں سے دور نہیں ہے۔ اس کے باپ نے کہا کہ تیری رائے بہت مناسب ہے اور اس کے لیے سو بوجھے بہترین اور قیمتی کپڑوں کے تیار کرا دیے۔ اب تاج الملوک عزیز کے پاس یہ سارا سامان لے گیا اور اس سے رخصت ہوا اور کہنے لگا کہ اے میرے بھائی اور دوست' یہ مال محبت کی بنا پر بطور ہدیے کے میں تجھے دیتا ہوں' اسے قبول کر اور صحیح و سلامت اپنے وطن کو واپس جا۔ عزیز نے قبول کیا اور اس کے اور اس کے باپ کے سامنے زمیں بوس ہو کر رخصت ہوا۔ تاج الملوک تین میل تک اس کی مشایعت کے لیے گیا اور اس کی دلجمعی کی اور قسم دی کہ پھر ضرور آئیو۔ عزیز نے کہا کہ اے میرے

آقا' اگر مجھے اپنی والدہ کا خیال نہ ہوتا تو میں کبھی تجھ سے جدا نہ ہوتا۔ لیکن اے میرے آقا' اپنی خیریت سے مجھے مطلع کرتے رہیو۔ اس نے جواب دیا کہ اور تو بھی۔
اس کے بعد تاج الملوک واپس ہوا اور عزیز سفر کرتے کرتے اپنے وطن پہنچا۔ وہاں پہنچ کر وہ اپنی ماں کی طرف روانہ ہوا اور دیکھا کہ اس نے اس کے لیے بیچ گھر میں ایک قبر بنا رکھی ہے اور اس کی زیارت کرتی ہے۔ جب وہ اندر آیا تو اس نے دیکھا کہ ماں نے اپنے بال کھول کر قبر پر بچھا دیے ہیں اور رو رہی ہے۔
وہ اسی حالت میں تھی کہ عزیز آ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ جونہی ماں کی نظر اس پر پڑی تو وہ مارے خوشی کے غش کھا کر گر پڑی۔ عزیز نے اس کے منہ پر پانی چھڑکا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے اٹھ کر عزیز کو سینے سے لگا لیا اور وہ اسے لپٹ گئی اور وہ اسے لپٹ گیا اور اس نے اسے سلام کیا اور اس نے اسے سلام کیا اور ماں نے اس کے غائب رہنے کا سبب پوچھا۔ اور اس نے شروع سے لے کر آخر تک سارا قصہ بیان کر دیا اور اس سے کہا کہ تاج الملوک نے سو بوجھے کپڑوں اور دوسرے مال کے میرے ساتھ کر دیے ہیں۔ ماں کو اس پر بڑی خوشی ہوئی۔ اب عزیز اپنے شہر میں اپنی ماں کے پاس رہنے لگا اور بدذات ولیلہ کی بیٹی کی حرکت پر روتا تھا۔
یہ تو عزیز کی سرگزشت ہوئی۔ اب تاج الملوک کا حال سنئے۔ بادشاہ شہرمان نے اپنی بیٹی کے لیے سفر کی تیاری کرنی شروع کر دی تاکہ وہ اپنے شوہر اور سسر کے ساتھ روانہ ہو جائے اور سارے براتیوں کے لیے توشہ اور تحفے تحائف ساتھ کر دیے اور وہ لوگ روانہ ہو گئے اور بادشاہ شہرمان تین دن تک ان کے ہمرکاب رہا تاکہ ان کی مشایعت کرے۔ اس کے بعد بادشاہ سلیمان شاہ نے اسے قسم دی کہ لوٹ جائے اور وہ لوٹ گیا۔
ادھر تاج الملوک اور اس کا باپ اور اس کی بیوی اور سارا لشکر دن رات کوچ کرتے رہے یہاں تک کہ اپنے شہر کے قریب پہنچے۔ لوگوں کو ان کے آنے کی خبر مل چکی تھی اور انہوں نے شہر کو آراستہ کر رکھا تھا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• ایک سو سینتیس ویں رات

جب ایک سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
جب سلیمان شاہ اپنے شہر کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ لوگوں نے شہر کو سجا رکھا ہے۔ شہر کے اندر پہنچ کر بادشاہ کرسی پر بیٹھا اور اس کا بیٹا تاج الملوک اس کے پہلو میں اور اس نے داد و دہش شروع کر دی۔ اور قیدیوں کو آزاد کیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے کی خاطر ایک اور ولیمے کی دعوت کی جس میں دومنیاں اور ایک مہینے تک برابر گاتی بجاتی رہیں اور سنگار کرنے والیاں شہزادی دینا کی منہ دکھائی کی رسم ادا کرتی رہیں اور نہ وہ منہ دکھائی سے تھکتی تھی اور نہ وہ لوگ اسے دیکھنے سے سیر ہوتے تھے۔ جب تاج الملوک اپنے والدین سے ملاقات کر چکا تو وہ اپنی بیوی کے پاس آیا اور مرتے دم تک وہ عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتے رہے۔

اب ضوء المکان نے وزیر دندان سے کہا کہ تو واقعی اس قابل ہے کہ غمگین دل کو شاد کر سکے اور بادشاہوں کا ندیم بن سکے اور انہیں سیاست میں ٹھیک راستہ بتائے۔ اسی اثناء میں وہ قسطنطنیہ کا محاصرہ بھی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ چار سال گزر گئے اور انہیں وطن کی یاد ستانے لگی اور لشکری شکایت کرنے لگے۔ کیونکہ وہ جاگتے جاگتے اور محاصرہ کرتے کرتے اور دن رات لڑتے لڑتے تنگ آ گئے تھے۔ ضوء المکان نے بہران اور رستم اور ترکاش کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ ہم اتنے سال یہاں ٹھہرے ہیں لیکن ہمارا مقصد حاصل نہیں ہوا بلکہ تکالیف زیادہ ہو گئیں۔

ہم بادشاہ عمر بن النعمان کا بدلہ لینے آئے تھے لیکن اپنے بھائی شرکان کو بھی کھو بیٹھے اور بجائے ایک حسرت کے دو حسرتیں اور بجائے ایک مصیبت کے دو مصیبتیں ہو گئیں۔

اور ان سب کا سبب ذات الدواہی ہے کیونکہ اسی نے بادشاہ کو اس کے ملک کے اندر آ کر قتل کیا اور اس کی بیوی صفیہ کو لے گئی۔ اس پر بھی اس نے بس نہ کیا بلکہ

ہمیں فریب دے کر میرے بھائی کو ذبح کیا اور میں نے قسم کھائی اور حلف اٹھایا کہ میں بدلہ لے کر چھوڑوں گا۔ اب تمہاری کیا رائے ہے؟ ان باتوں کو اچھی طرح سے سمجھ کر جواب دو۔ یہ سن کر انہوں نے سر نیچا کر لیا اور کہا کہ رائے دینا وزیر دندان کا کام ہے۔ اس پر وزیر دندان اٹھ کر بادشاہ ضوء المکان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ جہاں پناہ' سن' اب یہاں زیادہ ٹھہرنے میں ہمارا کوئی فائدہ نہیں۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے وطن واپس جائیں اور وہاں کچھ مدت ٹھہر کر پھر واپس آئیں اور بت پرستوں پر جہاد کریں۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ رائے بہت مناسب ہے کیونکہ سب لوگ اپنے اہل و عیال سے ملنے کی آرزو میں ہیں اور مجھے بھی اپنے بیٹے کان ماکان اور اپنی بھتیجی قضی فکان کے دیکھنے کی تمنا ہے کیونکہ وہ دمشق میں ہے اور نہ معلوم اس کا کیا حال ہو گا۔ جب لشکر والوں نے یہ خبر سنی تو وہ خوش ہو گئے اور وزیر دندان کو دعائیں دینے لگے۔

اب بادشاہ ضوء المکان نے یہ ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ تین دن کے بعد کوچ ہے اور لوگ سفر کی تیاری کرنے لگے اور چوتھے روز طبل بجنے لگے اور جھنڈے کھل گئے اور وزیر دندان لشکر کے مقدمے میں آیا اور بادشاہ قلب میں اور بڑا حاجب اس کے پہلو میں ہو لیا اور لشکر روانہ ہو گیا۔ دن رات کوچ کرتے کرتے وہ بغداد پہنچے۔ لوگ انہیں دیکھ کر خوش ہو گئے اور ان کا رنج و الم جاتا رہا اور مقیم' مسافروں سے ملے اور ہر سردار اپنے گھر گیا اور بادشاہ اپنے محل میں جا کر اپنے بیٹے کان ماکان سے ملا۔ اس وقت اس کی عمر سات سال کی ہو چکی تھی اور وہ سواری اور جنگ کے فن سیکھ رہا تھا۔ جب بادشاہ سے سفر کی تکان دور ہو چکی تو وہ اپنے بیٹے کے ساتھ حمام گیا اور وہاں سے نکل کر حکومت کی کرسی پر جلوہ افروز ہوا اور وزیر دندان اس کے سامنے کھڑا ہوا اور حکومت کے حکام اور امراء اس کی خدمت میں کمر بستہ ہوئے۔ اب ضوء المکان نے اپنے دوست بھٹی والے کو بلایا جس نے پردیس میں اس کے ساتھ بھلائی کی تھی۔ جب وہ بادشاہ کے سامنے آیا تو بادشاہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا اور اسے اپنے پاس بٹھایا۔

بادشاہ وزیر سے کہہ چکا کہ اس نے اس کے ساتھ کیا کیا بھلائیاں کی ہیں اس لیے وزیر اور تمام امراء نے اس کی تعظیم کی۔ کھانے پینے اور آرام کرنے کی وجہ سے بھٹی والا بہت موٹا تازہ ہو گیا تھا حتیٰ کہ اس کی گردن ہاتھی کی سی اور پیٹ ورفیل کا سا ہو گیا تھا۔ علاوہ بریں وہ خبط الحواس ہو گیا تھا کیونکہ وہ اپنے مکان سے کبھی باہر نہ نکلتا تھا۔ اس لیے اس نے پہلے بادشاہ کو پہچانا ہی نہیں لیکن بادشاہ اس کی طرف بڑھ کر مسکرایا اور اسے بہترین طریقے سے سلام کیا اور کہنے لگا کہ تو مجھے کتنی جلد بھول گیا! اب بھٹی والے کو ہوش آیا اور اس نے غور سے دیکھا اور پہچانا اور کود کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے میرے پیارے، تجھے کس نے بادشاہ بنا دیا ہے؟ اس پر بادشاہ ہنس پڑا اور وزیر نے اس کے پاس جا کر سارا قصہ بیان کیا اور کہا کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ وہ تیرا بھائی اور دوست تھا اور ایک زمانہ یہ ہے کہ وہ دنیا کا بادشاہ ہے۔ اب وہ ضرور تیرے ساتھ بھلائی کرے گا۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جب وہ کہے کہ کچھ مانگ تو کوئی چیز مانگیو کیونکہ وہ تجھے بہت چاہتا ہے۔ بھٹی والے نے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ میں اس سے کوئی چیز مانگوں اور وہ نہ دے یا نہ دے سکے۔ وزیر نے کہا کہ جو کچھ تو اس سے مانگے گا وہ تجھے دے گا، اس میں تیرا کیا بگڑتا ہے! اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم، میں اس سے وہ چیز مانگوں گا جو میرے دل میں ہے اور جو میں ہر روز خواب میں دیکھتا ہوں اور جس کے بارے میں خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ مجھے عطا کرے۔ وزیر نے کہا کہ اطمینان رکھ کیونکہ اگر تو اس کے بھائی کی جگہ دمشق کا والی بھی بننا چاہے گا تو وہ تیری درخواست رد نہ کرے گا اور تجھے دمشق کا والی بنا دے گا۔

اب بھٹی والا سروقد کھڑا ہو گیا۔ ضوء المکان نے اشارے سے کہا کہ بیٹھ جا لیکن وہ نہ مانا اور کہنے لگا کہ معاذاللہ، اب وہ دن چلے گئے۔ جب میں تیرے سامنے بیٹھا کرتا تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ نہیں، وہ ابھی تک باقی ہیں کیونکہ تو ہی میری زندگی کا باعث ہے۔ خدا کی قسم، جو کچھ تو مجھ سے مانگے گا، میں تجھے دوں گا۔ لیکن پہلے خدا سے مانگ

اور پھر مجھ سے۔ اس نے کہا کہ اے میرے آقا' مجھے ڈر لگتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ ڈر مت۔ اس نے کہا کہ مجھے اس بات کا ڈر لگتا ہے کہ میں تجھ سے کچھ مانگوں اور تو نہ دے۔ بادشاہ نے کہا کہ وہ ایسی کون سی چیز ہو سکتی ہے اور ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ اگر تو میرا آدھا ملک بھی مانگے تو میں تجھے اپنا شریک بنانے کے لیے تیار ہوں۔ لہٰذا مانگ اور زیادہ باتیں مت بنا۔ بھٹی والے نے کہا کہ مجھے ڈر لگتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ ڈر مت۔ اس نے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ میں کوئی چیز مانگوں اور تو نہ دے سکے۔ اس پر بادشاہ کو غصہ آ گیا اور کہنے لگا کہ مانگ جو تیرے دل میں ہے۔ اس نے کہا کہ میں پہلے تو خدا سے اور پھر تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ تو مجھے ایک پروانہ دے دے کہ میں بیت المقدس کے تمام بھٹی والوں کا سردار بنایا گیا۔ اس پر بادشاہ اور تمام حاضرین ہنس پڑے اور بادشاہ نے کہا کہ اور کچھ مانگ۔ اس نے کہا کہ اے میرے آقا' میں نے کہا نہ تھا کہ میں تجھ سے کوئی چیز مانگوں اور تو دے یا نہ دے سکے۔ اس پر وزیر نے دوبارہ ٹھوکر ماری اور پھر سہ بارہ اور وہ ہر بار کہتا کہ میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ..... اور بادشاہ کہتا کہ جلد مانگ۔ اب اس نے کہا کہ میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ تو مجھے بیت المقدس یا دمشق کے خاکروبوں کا چودھری بنا دے۔ اس پر حاضرین ہنستے ہنستے لوٹ گئے اور وزیر نے پھر اسے ٹھوکر لگائی مگر اس نے وزیر سے کہا کہ تو مجھے مارنے والا کون ہوتا ہے' آخر میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ تجھی نے تو مجھ سے کہا تھا کہ کوئی بڑی چیز مانگ۔ اچھا تو مجھے وطن جانے دو۔ بادشاہ نے سمجھا کہ وہ مذاق کرتا ہے۔

تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد بادشاہ نے اس سے کہا کہ اے میرے بھائی' مجھ سے کوئی ایسی بڑی چیز مانگ جو تیری شان کے شایاں ہو۔ اس نے کہا کہ جہاں پناہ' میں پہلے خدا سے اور پھر بادشاہ سے یہ مانگتا ہوں کہ تو اپنے بھائی کی جگہ مجھے دمشق کا والی بنا دے۔ بادشاہ نے کہا کہ خدا نے یہ تجھے عطا کیا اور اس نے بادشاہ کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے لیے ایک کرسی لاؤ جو اس کے عہدے کے قابل ہو اور اسے نوابی کی خلعت عطا کی اور اس کے لیے ایک پروانہ لکھ کر اس

پر مہر لگا دی۔ اور وزیر سے کہا کہ سوائے تیرے اور کوئی اس کے ساتھ جانے کے قابل نہیں ہے' اور جب تو لوٹیو تو اپنے ساتھ میری بھتیجی قضی فکان کو لیتے آئیو۔ وزیر نے کہا کہ بسر و چشم اور وہ اسے لے کر چلا گیا اور سفر کی تیاری کرنے لگا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بھٹی والے کے لیے خادم اور جلوس اور ایک نیا تخت اور شاہی ساز و سامان عطا کیا جائے اور اس نے امرا سے کہا کہ جس کو میں عزیز ہوں وہ اس کا احترام کرے اور اسے بڑے بڑے ہدیے دیے۔ اس پر تمام امراء نے اپنی اپنی ہمت کے موافق ہدیے پیش کیے۔ بادشاہ نے اس کا نام سلطان زبل خاں رکھا اور اس کو مجاہد کا لقب دیا۔

یہ تو سلطان زبل خاں کا ماجرا ہوا۔ اب وزیر دندان کا حال سنئے۔ وہ قضی فکان کے ساتھ منزلیں طے کرتا چلا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ ایک مہینے کے بعد رحبہ پہنچا اور وہاں سے روانہ ہو کر بغداد آیا اور اپنے آنے کی خبر ضوء المکان کو بھیجی۔ بادشاہ سوار ہو کر اس کی ملاقات کے لیے نکلا۔ جب وزیر نے اسے دیکھا تو چاہتا تھا کہ گھوڑے سے اتر پڑے مگر ضوء المکان نے اسے قسم دی کہ ایسا مت کر اور اپنے گھوڑے کو ایڑ دے کر اس کے پاس پہنچا اور اس سے زبل خاں مجاہد کی حالت دریافت کی۔ وزیر نے کہا کہ وہ بخیریت ہے اور تیری بھتیجی قضی فکان آ گئی ہے۔ اس پر وہ بہت خوش ہوا اور اس سے کہا کہ تین دن تک ستا' اس کے بعد میرے پاس آئیو۔ اس نے جواب دیا کہ بسر و چشم۔ یہ کہہ کر وزیر اپنے مکان روانہ ہو گیا اور بادشاہ اپنے محل میں داخل ہو کر اپنی بھتیجی قضی فکان کے پاس گیا۔ اس کی عمر آٹھ سال کی ہو چکی تھی۔ جب بادشاہ نے اسے دیکھا تو وہ خوش ہو گیا اور اس کے باپ پر افسوس کرنے لگا اور اس کے لیے کپڑے بنوائے اور اسے قیمتی زیور اور جواہرات عطا کیے اور حکم دیا کہ وہ اس کے بیٹے کان ماکان کے ساتھ ایک ہی محل میں قیام کرے۔

جب دونوں بڑھ کر جوان ہوئے تو دنیا بھر میں ان سے زیادہ ذکی اور بہادر کوئی نہ تھا۔ فرق یہ تھا کہ قضی فکان بڑی مدبرہ اور دانش مند اور دور اندیش تھی اور کان ماکان

بڑا کریم اور سخی تھا اور آئندہ کی فکر نہ کرتا تھا۔ اب دونوں بڑے ہو کر دس سال کے ہوئے اور قضی فکان گھوڑے کی سواری کرتی اور اپنے چچیرے بھائی کے ساتھ جنگل میں جاتی اور اسے لے کر بہت دور نکل جاتی اور دونوں شمشیر زنی اور نیزہ بازی سیکھتے یہاں تک کہ بارہ برس کے ہو گئے۔ اس اثناء میں بادشاہ جہاد کی تیاری کر چکا اور ہتھیار وغیرہ مہیا کر لیے اور وزیر دندان کو بلا کر کہا کہ سن' میرا ایک ارادہ ہو رہا ہے اور میں تجھے اس سے مطلع کرنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا جلد جواب دیجیو۔ وزیر دندان نے کہا کہ وہ کیا؟ بادشاہ نے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ اپنے بیٹے کان ماکان کو بادشاہ بنا دوں اور اپنی زندگی ہی میں اس پر اپنا دل خوش کروں اور اس کے سامنے لڑ کر شہید ہو جاؤں۔ تیری اس میں کیا رائے ہے؟ وزیر دندان نے بادشاہ ضوء المکان کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس سے کہنے لگا کہ اے بادشاہ اور سلطان اور دنیا کے مالک' تیرا ارادہ بہت عمدہ ہے لیکن ابھی اس کا وقت نہیں اور اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ تیرا بیٹا کان ماکان ابھی کم عمر ہے اور دوسری یہ کہ دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی بادشاہ اپنے جیتے جی اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیتا ہے' تو وہ پھر جلد ہی مر جاتا ہے۔ بس تیرے سوال کا یہی جواب ہے۔ بادشاہ نے کہا میں اسے بڑے حاجب کے سپرد کر دوں گا کیونکہ اب وہ ہمارا گوشت و پوست ہے اور چونکہ اس نے میری بہن کے ساتھ شادی کی ہے اس لیے وہ میرے بھائی کی طرح ہے۔ وزیر نے کہا کہ جو تیری مرضی ہو کر' کیونکہ ہم سب تیرے فرمانبردار ہیں۔ اب بادشاہ نے بڑے حاجب کو اپنے پاس بلوایا اور دیگر امرا کو بھی طلب کیا اور ان سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میرا بیٹا کان ماکان اپنے زمانے کا شہسوار ہے اور شمشیر زنی اور تیر اندازی میں اس کا نظیر نہیں۔ میں اسے تمہارا بادشاہ بناتا ہوں اور اس کے چچا بڑے حاجب کو اس کا سرپرست۔ حاجب نے کہا کہ جہاں پناہ' میں تیرا لگایا ہوا پودا ہوں۔ ضوء المکان نے کہا کہ اے حاجب' میرا بیٹا کان ماکان اور میری بھتیجی قضی فکان چچا زاد بھائی بہن ہیں اور میں دونوں کی شادی آپس میں کر دینا چاہتا ہوں۔ تم لوگ اس پر گواہ ہو۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے کو اتنا مال عطا کیا کہ اس کے بیان سے زبان عاجز ہے۔

اب وہ اپنی بہن نزہت الزماں کے پاس گیا اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس نے خوش ہو کر کہا کہ وہ دونوں میرے بچے ہیں' خدا انہیں زندہ رکھے اور تیرا سایہ ابد الاباد تک ان کے سر پر رہے! بادشاہ نے کہا کہ جو کچھ ارمان میرے دل میں تھے' ان کو میں نکال چکا ہوں اور اپنے بیٹے پر مجھے اعتماد ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ تو اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے اور اس کی ماں کی بھی خبر گیری کرے۔ اسی طرح وہ دن رات حاجب اور نزہت الزماں کو اپنے بیٹے اور بھتیجی اور بیوی کے متعلق وصیت کرتا تھا کیونکہ اسے موت کا یقین ہو چکا تھا اور وہ تکیئے پر سر رکھے پڑا رہتا تھا اور حاجب رعایا اور ملک پر فرمانروائی کرتا تھا۔ ایک سال کے بعد اس نے اپنے بیٹے کان ماکان کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ بیٹا' میرے بعد یہ وزیر تیرا باپ ہے کیونکہ اب میں اس فانی دنیا سے ہمیشگی کے گھر آخرت کی طرف جا رہا ہوں۔ دنیا میں میری ساری حسرتیں نکل چکی ہیں سوائے ایک کہ جس کے متعلق مجھے امید ہے کہ خدا تیرے ہاتھوں پورا کرے گا۔ بیٹے نے کہا کہ ابا جان' وہ کون سی حسرت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بیٹا' یہ کہ میں مر گیا اور اس بڑھیا سے جس کا نام ذات الدواہی ہے' تیرے دادا عمر بن النعمان اور تیرے چچا شرکان کا بدلہ نہ نکال سکا۔ اگر خدا تیری مدد کرے تو اس بدلے کو لینے سے غافل مت ہوجیو اور کفار کا یہ دھبہ دھو ڈالیو اور اس بڑھیا کے مکر سے بچ کر رہیو اور جو کچھ وزیر دندان کہے اس پر عمل کیجیو کیونکہ وہ قدیم زمانے سے ہمارے ملک کی پشت و پناہ ہے۔ بیٹے نے یہ ساری باتیں منظور کر لیں اور بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اب اس کا مرض بڑھتا جاتا تھا اور حکومت کا دارومدار اس کے بہنوئی حاجب پر تھا۔ حاجب بڑا آدمی ہو گیا تھا' وہی حاکم تھا اور وہی اوامر و نواہی جاری کرتا تھا۔ اس حالت میں ایک سال گزر گیا اور ضوء المکان اپنی بیماری سے فراغت نہ پاتا تھا۔ اور وہ اسے گھلائے ڈالتی تھی یہاں تک کہ چار سال گزر گئے اور بڑا حاجب حکومت کرتا رہا اور رعایا اور امراء سب اس سے خوش تھے اور سارا ملک اس کے لیے دعا کرتا تھا۔

ادھر تو ضوء المکان اور حاجب اس حالت میں تھے اور ادھر شہزادہ کان ماکان کو سوائے گھوڑے کی سواری اور نیزہ بازی اور تیر اندازی کے اور کوئی کام نہ تھا اور یہی اس کی چچیری بہن قصنی فکان کا حال تھا۔ وہ دونوں تڑکا ہوتے ہی باہر نکل جاتے اور رات کو واپس آ کر وہ اپنی ماں کے پاس جاتی اور وہ اپنی ماں کے پاس جاتا اور دیکھتا کہ وہ باپ کے سرہانے بیٹھی رو رہی ہے اور ساری رات صبح تک اس کی خدمت کرتا۔ اس کے بعد ہر روز کی طرح وہ اور اس کی چچیری بہن باہر نکل جاتے۔ ضوء المکان کی بیماری بڑھتی جاتی تھی اور وہ رویا کرتا تھا۔ ایک بار وہ تکیئے پر سر رکھ کر سو گیا اور خواب میں دیکھا کہ کوئی اس سے کہہ رہا ہے کہ خوش ہو کیونکہ تیرا بیٹا ملک کو انصاف سے معمور کر کے اس پر حکومت کرے گا اور ساری مخلوق اس کی اطاعت کرے گی۔ اس خوش خبری کو سن کر وہ مارے خوشی کے جاگ پڑا اور اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ بغداد والوں کو اس کی موت پر بڑا صدمہ پہنچا اور ہر چھوٹا بڑا اس پر نوحہ کرتا تھا۔ جب اسے مرے ایک زمانہ گزر گیا تو جیسے کہ وہ کبھی تھا ہی نہیں۔ اور کان ماکان کی حالت بدل گئی اور بغداد والوں نے اسے معزول کر دیا اور اسے اور اس کے لوگوں کو علیحدہ جگہ رکھا۔ جب اس کی ماں نے یہ حالت دیکھی تو اس کی حالت ابتر ہو گئی اور وہ کہنے لگی کہ سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ میں خدا سے لطف و عنایت کی طالب ہو کر بڑے حاجب کے پاس جاؤں اور وہ اپنے گھر سے نکل کر حاجب کے پاس آئی جو اب بادشاہ ہو گیا تھا اور یہ دیکھ کر کہ وہ اپنے فرش پر بیٹھا ہوا ہے اور اس کی بیوی نزہت الزماں کے پاس گئی اور بلک بلک کر رونے لگی اور کہا کہ مرے کا کوئی دوست نہیں ہوتا۔ خدا تمہیں ابدالاباد تک محتاج نہ کرے! اور تم خاص و عام پر عدل و انصاف سے حکومت کرتے رہو! جو حکومت اور عزت اور جاہ و جلال اور عیش کی زندگی ہماری تھی اسے تم نے کانوں سے سنا اور آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اب زمانہ ہم سے پھر گیا ہے اور دنیا نے ہمارے ساتھ خیانت کی ہے اور ہم پر ظلم کر رہا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ لوگ ہمارے پاس بھلائی کی تمنا

میں آتے تھے اور آج میں تیرے پاس احسان کی خواہش مند ہو کر آئی ہوں کیونکہ جب مرد مر جاتا ہے تو اس کی بیوی بیٹیاں ذلیل و خوار ہو جاتی ہیں۔

جب نزہت الزماں نے یہ باتیں سنیں تو اسے اپنے بھائی ضوء المکان اور اس کے بیٹے کان ماکان کی یاد آ گئی اور اس نے اسے اپنے قریب بٹھا کر کہا کہ سچ ہے کہ آج میں امیر ہوں اور تو غریب' مگر خدا کی قسم میں نے تیرے مزاج پرسی اس وجہ سے نہیں کی کہ کہیں تیرا دل نہ ٹوٹ جائے اور تو نہ خیال کرے کہ جو کچھ ہم تجھے دیں وہ خیرات ہے کیونکہ جو کچھ ہمارے پاس ہے سب تیری اور تیرے شوہر کی بدولت ہے۔ لہٰذا میرا گھر تیرا گھر ہے اور میرا محل تیرا محل اور میری بھلائی برائی اور تیری بھلائی برائی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اس کو ایک نفیس خلعت عطا کی اور محل میں اپنے کمرے سے ملا ہوا دوسرا کمرہ اس کے لیے مخصوص کر دیا اور وہ اور اس کا بیٹا کان ماکان مزے کی زندگی بسر کرنے لگے اور اس نے کان ماکان کو شاہانہ لباس پہننے کے لیے دیا اور ان دونوں کی خدمت کے لیے کنیزیں مقرر کر دیں۔ کچھ زمانے کے بعد نزہت الزماں نے اپنے بھائی ضوء المکان کی بیوی کا حال اپنے شوہر سے بیان کیا۔ یہ سن کر اس کے آنسو ڈبڈبا آئے اور وہ کہنے لگا کہ اگر تو دیکھنا چاہتی ہے کہ تیرے بعد دنیا کا کیا حال ہو گا تو دیکھ لے کہ اوروں کے بعد دنیا کا کیا حال ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ اچھا سلوک کر۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

ایک سو اڑتیسویں رات

جب ایک سو اڑتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب نزہت الزماں نے حاجب سے کہا کہ اس کی بھاوج کا کیا حال ہے تو اس نے جواب دیا کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کر اور اس کی غربت کو دور کر۔

یہ تو نزہت الزماں اور اس کے شوہر اور ضوء المکان کی بیوی کا قصہ ہوا۔ اب کان ماکان اور اس کی چچیری بہن قضی فکان کا ماجرا سنئے۔ وہ جوان ہوئے اور بلند بالا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دو پھلوں سے لدی ہوئی شاخیں ہیں یا چودھویں رات کے چاند۔ اب ان کی عمر پندرہ سال ہو گئی۔ قضی فکان پردہ نشین لڑکیوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھی۔ اس کا چہرہ حسین تھا اور رخسار چکنے چکنے اور کمر پتلی اور کولہے بھاری اور قد چھریرا اور ہونٹ پرانی شراب سے زیادہ لذیذ اور لعاب جیسے حوض کوثر کا پانی۔ خدا نے اس میں ساری خوبیاں جمع کر دی تھیں۔ اس کے قد کے آگے شاخیں شرماتیں اور گلاب کا پھول اس کے رخساروں سے پناہ مانگتا اور اس کا لعاب پرانی شراب پر طعنہ زنی کرتا اور اسے دیکھ کر دل اور آنکھیں خوش ہوتیں اور کان ماکان کا حسن بھی لاجواب تھا اور اسے ہر چیز میں کمال تھا۔ حسن اور خوبیوں میں وہ بے نظیر تھا۔ شجاعت اس کی پیشانی سے ظاہر تھی اور وہ اس پر گواہی دیتی تھی اور کبھی اس کے خلاف گواہی نہ دیتی۔ سخت دل اس کی طرف مائل ہو جاتے۔ اس کی آنکھیں کالی کالی اور سارے اعضا مکمل اور وہ سبزہ آغاز تھا۔

ایک روز کا وقعہ ہے کہ قضی فکان اپنی کنیزوں کو لے کر کسی رشتے دار کے ہاں عید منانے گئی ہوئی تھی اور وہ سرتاپا حسن تھی اور اس کے خد و خال پر رشک آ رہا تھا اور اس کے لبوں سے بابونہ مسکرا رہا تھا اور وہ چمکتے ہوئے چاند کی طرح تھی اور کان ماکان اپنا دل مضبوط کر کے اس کے حسن اور فراق کے اشعار گانے لگا۔ جب قضی

فکان نے سنا تو اس کے چہرے سے غصہ اور ملامت ظاہر ہونے لگی اور اس نے تیوری چڑھا کر ناراضگی کے لہجے میں کان ماکان سے کہا کہ تو اپنے اشعار میں میرا ذکر کرتا ہے تاکہ اپنے خاندان میں میری فضیحت کرائے۔ اگر تو اس سے باز نہ آیا تو میں تیری شکایت بڑے حاجب سے کر دوں گی جو خراسان اور بغداد کا بادشاہ اور عدل و انصاف کا حامی ہے اور وہ تجھے ذلیل و خوار کرے گا۔ کان ماکان چپ ہو گیا اور غصے میں آ کر وہ بغداد چلا گیا۔ اس کے بعد قضی فکان نے اپنے محل میں جا کر اپنے چچیرے بھائی کی شکایت اپنی ماں سے کی۔ ماں نے جواب دیا کہ بیٹی' اس کا مطلب تیری برائی کرنا نہ ہو گا۔ وہ بھی تو آخر یتیم ہے لیکن باوجود ان تمام باتوں کے اس کی زبان سے کبھی تیری برائی نہیں نکلی۔ خبردار' اس کا ذکر کسی اور سے نہ کریو۔ اگر بادشاہ تک یہ خبر پہنچ گئی تو اس کی زندگی ختم ہو جائے گی اور یاد مٹ جائے گی اور وہ کل کی طرح ہو جائے گا جسے اب کوئی یاد نہیں کرتا۔

باوجود ان تمام باتوں کے کان ماکان کی محبت قضی فکان کے ساتھ سارے بغداد میں مشہور تھی' حتیٰ کہ ہر عورت کی زبان پر اس کا ذکر تھا۔ بالآخر کان ماکان دل تنگ ہو گیا اور اس میں صبر کی طاقت نہ رہی اور اس کی سمجھ میں یہ نہ آتا تھا کہ کیا کیا جائے اور وہ لوگوں سے اپنا حال چھپانا نہ چاہتا تھا اور چاہتا تھا کہ جو تکلیفیں فراق کی وہ اٹھا رہا ہے' دل کھول کر کہہ ڈالے لیکن وہ قضی فکان کے عتاب سے ڈرتا تھا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو انتالیسویں رات

جب ایک سو انتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ جب بڑا حاجب بادشاہ ------
ہو گیا تو لوگوں نے اس کا نام ساسان بادشاہ رکھا اور تخت نشین ہو کر رعایا کے ساتھ

اچھا سلوک کرنے لگا۔ ایک روز وہ بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے پاس کان مکان کے اشعار
پہنچے تو اسے گزشتہ حالت پر ندامت ہوئی اور اس نے اپنی بیوی نزہت الزماں کے پاس
جا کر کہا کہ آگ اور پھونس کو یکجا جمع کرنا بڑے اندیشے کی بات ہے اور جب تک
آنکھوں میں بینائی اور پلکوں میں جنبش باقی ہو اس وقت تک مرد کا اعتبار عورت کے
ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ تیرا بھتیجا اب بالغ ہو چکا ہے لہٰذا اسے پازیب پہننے والیوں کے
پاس جانے سے تجھے روکنا چاہیے اور اپنی بیٹی کو مردوں کے پاس جانے سے روکنا زیادہ
ضروری ہے کیونکہ اس جیسی لڑکی کو اب پردہ نشین ہونا چاہیے۔ اس نے جواب دیا
کہ اے عقلمند بادشاہ' تو سچ کہتا ہے۔ دوسرے دن جب کان ماکان عادت کے موافق اپنی
پھوپھی نزہت الزماں کے پاس آیا تو اس نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب
دیا اور کہا کہ بیٹا' میں تجھ سے ایک بات کہتی ہوں اگرچہ میرا جی تو نہیں چاہتا کہ
کہوں۔ کان ماکان نے کہا کہ کہہ۔ اس نے کہا کہ قضی فکان کے باپ حاجب نے
جو تیرا سرپرست ہے تیرے اشعار اس کے متعلق سنے ہیں اور حکم دیا ہے کہ وہ تجھ
سے پردہ کرے۔ اس لیے بیٹا' اگر تجھے کوئی ضرورت ہو تو دروازے کے پیچھے سے تجھے
دے دیا کروں گی۔ تو اس کے سامنے مت آئیو اور آج کے بعد اس مکان میں داخل
نہ ہوجیو۔

جب اس نے پھوپھی کی یہ باتیں سنیں تو کچھ جواب نہ دیا بلکہ وہاں سے نکل کر ماں
کے پاس گیا اور وہ سب باتیں کہیں جو اس کی پھوپھی نے کہی تھیں۔ ماں نے جواب
دیا کہ یہ باتیں تیری ہی فضول گوئی سے پیدا ہوئی ہیں۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ

قضی فکان کے ساتھ تیری محبت کا چرچا ہر جگہ ہو رہا ہے۔ تو ان کا نمک کھاتا اور ان کی بیٹی کے ساتھ عشق کرتا ہے! اس نے جواب دیا کہ میرے علاوہ اور کون اسے لے سکتا ہے۔ وہ میری چچیری بہن ہے اور سب سے زیادہ میں اس کا مستحق ہوں۔ اس کی ماں نے کہا کہ یہ باتیں جانے دے اور چپ ہو۔ اگر اس کی خبر ساسان بادشاہ کو پہنچ گئی تو ہمیشہ کے لیے تو اس سے جدا ہو جائے گا اور تجھے تکلیف پہنچے گی اور تو تباہ ہو جائے گا اور آج رات سے ہمارا کھانا بند کر دیں گے اور ہم بھوک سے مر جائیں گے۔ اگر ہم کسی اور شہر میں ہوتے تو بھوک کی تکلیف اور بھیک کی ذلت سے کب کے مر چکے ہوتے۔ جب کان ماکان نے اپنی ماں کو یہ کہتے سنا تو اس کا رنج اور زیادہ ہو گیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس نے اپنی ماں سے کہا کہ اب میرا رہنا اپنی چچی کے پاس یا ان لوگوں کے پاس ناممکن ہے بلکہ میں چاہتا ہوں کہ محل سے نکل جاؤں اور شہر کے کنارے جا کر ٹھہروں۔ یہ کہہ کر وہ اپنی ماں کے ساتھ محل سے روانہ ہو گیا اور جا کر غریب لوگوں کے پڑوس میں رہنے لگا مگر اس کی ماں ساسان کے محل میں اپنے اور اپنے بیٹے کے لیے کھانا پینا لینے جایا کرتی تھی۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ قضی فکان، کان ماکان کی ماں سے تنہائی میں ملی اور اس سے کہنے لگی کہ چچی جان، تیرے بیٹے کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بیٹی، وہ ہمیشہ رونا اور غمگین رہتا ہے اور تیری محبت میں گرفتار ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے چند اشعار سنائے جو کان ماکان نے کہے تھے۔ یہ سن کر قضی فکان رو پڑی اور کہنے لگی کہ واللہ، میں نے نہ اس کے اشعار کی وجہ سے اسے ڈانٹا تھا اور نہ ناراضگی کی وجہ سے بلکہ اس خوف سے کہ کہیں دشمنوں سے اسے آزار نہ پہنچ جائے۔ جتنا وہ مجھے چاہتا ہے، اس سے کئی گنا زیادہ میں اسے چاہتی ہوں مگر میں اپنی محبت کا اظہار زبان سے نہیں کر سکتی۔ محض اس کی زبان کی بے لگامی اور اس کے دل کے جوش کی وجہ سے میرے باپ نے اس کے ساتھ نیکی کرنا بند کر دیا ہے اور اسے منع کر کے

محروم کر دیا ہے لیکن زمانہ ہمیشہ گردش کرتا رہتا ہے' اس لیے ہر حالت میں صبر کرنا ہے اور ممکن ہے کہ جس نے ہمیں فراق میں مبتلا کیا ہے وہ اپنی مہربانی سے ہمیں ملا بھی دے۔ جب کان ماکان کی ماں نے اسے یہ کہتے سنا تو اس کی شکر گزار ہوئی اور اسے دعائیں دینے لگی اور رخصت ہو کر چلی آئی اور اپنے بیٹے کو اس سے مطلع کیا۔ اس پر اس کا شوق اور بڑھ گیا اور اس کا دل مضبوط ہو گیا اور ناامیدی دور ہو گئی اور آہیں بند ہو گئیں اور وہ کہنے لگا کہ خدا کی قسم' میں سوائے اس کے اور کسی کو نہیں چاہتا۔

اب دن گزر رہے تھے اور وہ محبت کی آگ میں جل رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی عمر سترہ سال ہو گئی اور اس کا حسن نکھر آیا اور دماغ پختہ ہو گیا۔ ایک رات اسے نیند نہیں آئی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب میں زیادہ کیوں خاموش رہوں اور عشق میں گھلتا جاؤں اور اپنے محبوب کو نہ دیکھ سکوں در آں حالیکہ مجھ میں سوائے ناداری کے اور کوئی عیب نہیں۔ خدا کی قسم' میں بستی سے نکل کر جنگلوں اور بیابانوں میں چلا جاؤں گا کیونکہ یہاں رہنا میرے لیے ایک عذاب ہے اور اس جگہ نہ میرا کوئی دوست ہے' نہ رفیق جو مجھے تسلی دے۔ اس لیے میرا یہ ارادہ ہوتا ہے کہ میں پردیس جا کر اپنا دل بہلاؤں' یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے اور میں اس ذلت اور تکلیف سے چھٹکارا پاؤں۔ یہ کہہ کر کان ماکان محل سے نکل کھڑا ہوا۔ اس طرح سے کہ وہ ننگے پاؤں تھا اور ایک انگی اور چھوٹی آستین کی قمیص پہنے ہوئے تھا اور سر پر ایک سات سال کی پرانی اونی ٹوپی تھی اور ایک تین دن کی باسی روٹی اس کے پاس تھی۔

رات کے اندھیرے میں وہ نکل کھڑا ہوا اور بغداد کے باب الارج پر آ کر ٹھہر گیا۔ جب شہر کا یہ دروازہ کھلا تو پہلا شخص جو اس میں سے باہر آیا' یہی کان ماکان تھا اور وہ ناک کی سیدھ پر چل کھڑا ہوا اور دن رات بیابان کی خاک چھاننے لگا۔ اس کے جانے کے بعد جب رات ہوئی تو اس کی ماں اسے ڈھونڈنے لگی لیکن اسے کہیں نہ پایا اور

دنیا باوجود اپنی وسعت کے اس پر تنگ ہو گئی اور اسے کسی چیز میں مزہ نہ ملتا تھا۔ پہلے دن اس نے انتظار کیا اور پھر دوسرے دن اور پھر تیسرے دن‘ یہاں تک ہکہ دس دن گزر گئے اور اسے کوئی خبر نہ ملی اور اس کا دل گھبرانے لگا اور وہ بہت روئی پیٹی اور کہنے لگی کہ اے میرے بیٹے۔ اے میرے پیارے‘ تو نے میرے غم کو تازہ کر دیا ہے۔ کیا میرا غم کافی نہ تھا کہ تو نے وطن چھوڑ کر اسے اور دوبالا کر دیا!

تیرے جانے کے بعد نہ مجھے کھانے میں مزہ آتا ہے اور نہ سونے میں اور سوائے رونے اور غمگین رہنے کے میرا اور کوئی کام نہیں۔ اے میرے بیٹے‘ میں کس ملک میں جا کر تجھے پکاروں‘ معلوم نہیں کہ تو کس ملک میں ہے! یہ کہہ کر وہ سرد آہیں بھرنے لگی اور اس کا کھانا پینا بالکل بند ہو گیا اور رونا اور سرد آہیں بھرنا دوبالا ہو گیا۔ حتیٰ کہ وہ لوگوں کے سامنے روتی اور سب لوگ اس کے ساتھ روتے اور کہتے کہ اے ضوء المکان تیرا چشم و چراغ کہاں گیا! اور زمانے کے حوادث کی شکایت کرتے اور اپنے دل میں کہتے کہ خدا جانے کہ کان ماکان پر کیا گزری کہ وہ گھر چھوڑ کر بے گھر ہو گیا حالانکہ اس کا باپ بھوکوں کو کھانا کھلاتا اور رعیت کے ساتھ انصاف کرتا اور انہیں امن و امان سے رکھتا تھا۔ ماں کی گریہ و زاری آئے دن بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ اس کی خبر بادشاہ ساسان کو پہنچی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پوری ایک سو چالیسویں رات

جب پوری ایک سو چالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ' بادشاہ ساسان کو کان ماکان کی خبر اپنے اراکین کے ذریعے ملی۔ انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے بادشاہ کا بیٹا اور بادشاہ عمر بن النعمان کی اولاد میں سے ہے اور ہمیں معلوم ہوا کہ وہ وطن چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ جب بادشاہ ساسان نے ان کی باتیں سنیں تو وہ بہت ناراض ہوا حتیٰ کہ ان میں سے ایک کو پھانسی پر چڑھا دینے کا حکم دیا۔ باقی اراکین پر اس کا اتنا رعب پڑا کہ ان کی زبانیں بند ہو گئیں۔

اب ساسان کو ضوء المکان کے احسانات یاد آئے اور یہ کہ اس نے کان ماکان کو اس کے سپرد کیا تھا۔ اس پر اس کا دل کڑھنے لگا اور اس نے حکم دیا کہ اسے تمام ملکوں میں ڈھونڈا جائے۔ اس کے بعد اس نے ترکاش کو بلا کر حکم دیا کہ وہ سو سواروں کو لے کر کان ماکان کی تلاش میں نکلے۔ یہ سن کر ترکاش روانہ ہو گیا اور دس دن کے بعد واپس آ کر کہا کہ نہ مجھے اس کی کوئی خبر ملی اور نہ کسی سے اس کا حال معلوم ہوا۔ بادشاہ ساسان اپنے کئے پر بہت پچھتایا اور اس کی ماں کو نہ صبر آتا تھا نہ قرار اور اس پر بڑی مصیبت سے بیس دن گزرے۔

یہ تو ان لوگوں کا حال تھا۔ اب کان ماکان کا واقعہ سنئے۔ جب وہ بغداد سے نکلا تو نہایت حیران و پریشان تھا اور اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جائے۔ وہ تین دن تک ریگستان میں اکیلا پھرتا رہا اور نہ اسے کوئی پیادہ دکھائی دیا اور نہ سوار۔ اس پر نیند حرام ہو گئی اور بیداری نے اسے آ گھیرا اور وہ اپنے خاندان اور وطن کو یاد کرنے لگا۔ وہ زمین کی سبزی کھا کر گزارہ کرتا اور دریا کا پانی پیتا۔ اور دوپہر کے وقت درختوں کی چھاؤں میں سوتا۔ اب اس نے دوسری طرف کی راہ لی اور تین دن چلنے کے بعد چوتھے دن وہ ایک ایسی جگہ پر پہنچا جہاں سبزہ زار تھا اور رنگ برنگ نباتات اگی ہوئی تھیں اور

جس کے اطراف نہایت خوشگوار تھے۔ اس خطے پر ابھی حال میں بارش ہوئی تھی اور بادل کڑکے تھے اور قمریوں نے گانے گائے تھے۔ اس لیے ہر طرف سبزہ اگا ہوا تھا اور کھیت لہلہا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر کان ماکان کو اپنے بزرگوں کا وطن بغداد یاد آ گیا اور وہ رونے لگا۔ پھر اس نے آنسو پونچھ کر کچھ سبزی کھائی اور وضو کر کے نمازیں پڑھیں جو اس مدت میں قضا ہو گئی تھیں اور ستانے کے لیے دن بھر وہاں بیٹھا رہا۔ جب رات ہوئی تو اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ آدھی رات تک سوتا رہا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے کسی شخص کو عشقیہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا اور انہیں سن کر اس کا غم تازہ ہو گیا اور آنسو نالے کی طرح اس کے رخسار پر بہنے لگے اور اس کے دل میں آگ کے شعلے بھڑکنے لگے اور وہ کھڑا ہو کر دیکھنے لگا کہ وہ اشعار پڑھنے والا کہاں ہے لیکن تاریکی کی وجہ سے کوئی شخص دکھائی نہ دیا۔ اس سے اس کی محبت اور بڑھ گئی اور اس کا رنج و غم دوبالا ہو گیا اور وہ وادی کے نیچے کی طرف اتر کر دریا کے کنارے چلنے لگا لیکن پھر اسے اسی شخص کی آواز سنائی دی وہ ٹھنڈی آہیں لے رہا تھا۔

جب کان ماکان نے دوبارہ اسی شخص کی آواز سنی مگر اسے کوئی نظر نہ آیا تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ بھی کوئی عاشق ہو گا جس کو اپنی محبوبہ سے ملنے میں ناکامی ہوئی ہے اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ شخص اس قابل ہے کہ میرا ساتھی بنے اور میں اسے غربت میں اپنا دوست بناؤں۔ یہ کہہ کر اس نے اسے بلند آواز سے پکار کر کہا کہ اے اندھیری رات کے راہ رو' میرے پاس آ اور اپنا قصہ مجھے سنا' ممکن ہے کہ میں تیری مصیبت میں تیری مدد کر سکوں۔ جب اس اشعار پڑھنے والے نے یہ باتیں سنیں تو اس نے بلند آواز سے کہا کہ اے میری دعا کو قبول کرنے والے اور میرا قصہ سننے والے' تو کون شہسوار ہے؟ اور تو انسان ہے یا جن؟ جلد جواب دے قبل اس کے کہ تیری موت آئے۔ میں بیس دن سے اس جنگل میں ہوں لیکن نہ آج تک میں نے کسی انسان کی صورت دیکھی اور نہ تیری آواز کے سوا کسی کی آواز سنی۔ جب

کان ماکان نے یہ باتیں سنیں تو وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس کا قصہ بھی میرے ہی قصے کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ میں بھی بیس روز سے سفر کر رہا ہوں مگر نہ میں نے کسی شخص کی صورت دیکھی ہے اور نہ کسی کی آواز سنی۔ اس کے بعد اس نے اپنے دل میں کہا کہ صبح ہونے سے پہلے اسے کوئی جواب نہ دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا اور اس شخص نے پھر آواز دی اور کہا کہ اے پکارنے والے' اگر تو جن ہے تو چلتا ہو والسلام اور اگر انسان ہے تو ذرا ٹھہرا رہ جب تک کہ تڑکا ہو جائے اور رات کا اندھیرا جاتا رہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا اور کان ماکان اپنی جگہ۔ اور دونوں اشعار گاتے اور آنسو بہاتے یہاں تک کہ رات کا اندھیرا جاتا رہا اور صبح کی روشنی نمودار ہوئی۔ اب کان ماکان نے دیکھا کہ وہ ایک بدو عرب ہے مگر جوان۔ اس کے کپڑے پھٹے پرانے ہیں اور ایک زنگ آلود تلوار اس کی میان میں ہے اور عشق کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ آگے بڑھا اور اسے سلام کیا اور بدو نے اس کے سلام کا جواب دیا اور تعظیم کے ساتھ اس کی آؤ بھگت کی' لیکن جب بدو نے دیکھا کہ وہ کم سن ہے اور فقیرانہ حال میں ہے تو وہ حقارت سے کہنے لگا کہ اے جوان' تو کس قوم سے ہے اور کسی عربی قبیلے کی طرف منسوب ہے اور تیرا قصہ کیا ہے؟ تو رات کے وقت سفر کرتا ہے' یہ تو بہادروں کا کام ہے اور رات میں تو نے مجھ سے اس طرح باتیں کہیں جس طرح کوئی دلیر شہسوار یا شیر مرد ہی کرتا ہے۔ اس وقت تیری جان میرے قبضے میں ہے لیکن تیری کم سنی پر مجھے رحم آتا ہے' اس لیے میں تجھے اپنے ساتھ لیے لیتا ہوں تاکہ تو میری خدمت کرے۔

جب کان ماکان نے دیکھا کہ یا تو وہ ایسی عمدہ ابیات گاتا تھا اور یا اب ایسی گندی باتیں کرتا ہے تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ اسے فقیر سمجھتا ہے اور غلام بنانے کی فکر میں ہے مگر وہ اس سے نرم کلامی اور خوش بیانی سے کہنے لگا کہ اے عربوں کے سردار میری کم سنی کو جانے دے اور تو یہ بتا کہ تو راتوں کو جنگل میں سفر کرتا اور اشعار

گاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے اور وہ تو مجھے اپنا خادم بنانا چاہتا ہے تو یہ بتا کہ تو ہے
کون اور ایسی باتیں کیوں کرتا ہے! اس نے کہا کہ لڑکے سن میں صباح بن رباح بن
ہمام ہوں اور میرا قبیلہ شام کے عربوں سے تعلق رکھتا ہے۔ میری ایک چچیری بہن
ہے جس کا نام نجمہ ہے' جو اسے دیکھتا ہے' خوش ہو جاتا ہے۔ میرا باپ مر چکا ہے
اور میری تربیت میرے چچا نجمہ کے باپ کے گھر ہوئی ہے۔ جب ہم دونوں بڑے ہو
گئے تو چچا نے مجھ سے اس کا پردہ کرایا اور میرا اس سے' کیونکہ اس نے دیکھا کہ
میں نادار ہوں اور میری گرہ میں مال نہیں۔ اس پر عرب کے شرفا اور قبیلوں نے شیخوں
کے اسے برا بھلا کا کہا اور وہ مارے شرم کے راضی ہو گیا لیکن اس شرط پر کہ میں
مہر میں پچاس گھوڑے اور پچاس اونٹنیاں جو دس مہینے کی گابھن ہوں اور پچاس اونٹ
جن پر گیہوں یا جو وغیرہ لدے ہوں اور دس غلام اور دس کنیزیں دوں۔ غرض کہ اس
نے وہ چیزیں طلب کیں جو میری فاقت سے باہر ہیں کیونکہ مہر کی اتنی زیادتی کر دی۔
اب میں شام سے عراق آیا ہوں اور بیس دن میں سوائے تیرے میں نے کسی کو نہیں
دیکھا۔ میرا ارادہ ہے کہ میں بغداد جاؤں اور دیکھوں کہ وہاں کون سا بڑا اور امیر تاجر
نکلتا ہے تاکہ میں اس کے پیچھے ہو لوں اور ان کا مال لوٹ لوں اور آدمیوں کو قتل
کر ڈالوں اور ان کے اونٹ اور سامان لے اڑوں۔ اب بتا کہ تو کون ہے؟ کان ماکان
نے جواب دیا کہ میرا قصہ بھی تجھ جیسا ہے' فرق اتنا ہے کہ میرا مرض تیرے مرض
سے زیادہ مہلک ہے کیونکہ میری چچیری بہن شہزادی ہے اور جن چیزوں کا تو نے ذکر
کیا ہے وہ ان کے لیے کافی نہیں اور نہ وہ کسی ایسی چیز سے راضی ہو سکتے ہیں۔ صباح
نے کہا کہ یا تو تو پاگل ہے اور یا عشق کی زیادتی سے تیرے ہوش و حواس جاتے
رہے ہیں۔ تیری چچیری بہن کیونکر شہزادی ہو سکتی ہے حالانکہ تجھ میں کوئی شاہانہ بات
پائی نہیں جاتی بلکہ تو محض ایک فقیر معلوم ہوتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اے عربوں
کے سردار' میرا ظاہری حال دیکھ کے دھوکہ مت کھا۔ جو کچھ گزر چکا ہو گزر چکا۔
اگر تو سچ مچ جاننا چاہتا ہے تو میں کان ماکان بن الملک ضوء المکان بن الملک عمر بن النعمان

ہوں جو بغداد و خراسان کا بادشاہ تھا۔ زمانے نے میرے اوپر ظلم کیا اور میرا باپ مر گیا اور بادشاہ ساسان تخت پر بیٹھا اور میں چپکے سے بغداد کو چھوڑ کر نکل بھاگا تا کہ مجھے کوئی دیکھنے نہ پائے۔ یہ ہے میرا صحیح صحیح قصہ اور مجھے بھی بیس دن ہوئے ہیں کہ میں نے سوائے تیرے کسی کو نہیں دیکھا۔ دیکھ تیرا قصہ میرے ہی قصے کی طرح ہے جو تیری آرزو ہے' وہی میری بھی ہے۔
جب صباح نے یہ باتیں سنیں تو وہ چلا اٹھا کہ اب خوشی ہی خوشی ہے اور میری مراد بر آئی۔ اب تیرے سوا اور کسی کو لوٹنے کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ تو بادشاہ زادہ ہے اور فقیرانہ لباس میں ہے۔ ضرور ہے کہ تیرے لوگ تجھے ڈھونڈیں گے اور اگر تجھے کسی کے پاس پائیں گے تو بہت مال و دولت دے کر تجھے چھڑائیں گے۔ لہٰذا اے لڑکے' اپنی پیٹھ میری طرف پھیر اور میری آگے آگے چل۔ کان ماکان نے جواب دیا کہ اے عرب سردار' ایسا مت کر کیونکہ میرے لوگ نہ مجھے چاندی دے کر رہا کرائیں گے اور نہ سونا دے کر۔ بلکہ میرے بدلے وہ تانبے کا درہم بھی نہ دیں گے کیونکہ میں فقیر آدمی ہوں اور نہ میرے پاس تھوڑا مال ہے اور نہ بہت۔ لہٰذا اس خیال کو چھوڑ دے اور میری رفاقت میں عراق سے نکل چل تا کہ ہم دنیا کا سفر کریں تا کہ ہمیں مہر کا سامان مہیا ہو اور ہم دونوں کو اپنی اپنی چچیری بہنوں سے بوس و کنار حاصل ہو۔ جب صباح نے یہ باتیں سنیں تو وہ طیش میں آ گیا اور غصہ و غضب سے کہنے لگا کہ اے رذیل ترین کتے تو مجھ سے سوال جواب کرتا ہے! اپنی پیٹھ پھیر ورنہ میں تجھے سخت سزا دوں گا۔ کان ماکان نے مسکرا کر کہا کہ میں کیونکر اپنی پیٹھ تیری طرف پھیروں! کیا تجھ میں انصاف نہیں۔ کیا تو ا سسے نہیں ڈرتا کہ مجھ جیسے آدمی کو ذلت اور توہین سے قید کر کے عربوں کو ذلیل کرے حالانکہ تجھ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ جنگ کے میدان میں بہادر ثابت ہو گا یا بزدل۔ اس پر صباح ہنسنے لگا اور کہا کہ کیسے تعجب کی بات ہے کہ چھوٹا منہ بڑا نوالہ! ایسی باتیں تو بڑے بڑے سورما کیا کرتے ہیں' اور انصاف سے تیرا کیا مطلب ہے؟ کان ماکان نے کہا کہ اگر تو مجھے قید کر کے اپنی

خدمت کرانا چاہتا ہے تو اپنے ہتھیار پھینک دے اور کپڑے اتار کر میرے پاس آ اور مجھ سے کشتی لڑ۔ جو کوئی ہم میں سے ایک دوسرے کو پچھاڑ دے گا' وہی کامیاب سمجھا جائے گا اور وہی دوسرے کو اپنا غلام بنا لے گا۔ صباح ہنسا اور کہنے لگا کہ تیری فضول گوئی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تیری موت قریب ہے۔

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور اس نے اپنے ہتھیار پھینک دیئے اور اپنا دامن چڑھا لیا اور کان ماکان کے پاس آیا اور دونوں زور آزمائی کرنے لگے۔ بدو نے دیکھا کہ وہ اس سے زیادہ زبردست ہے اور اتنا بھاری ہے جتنا کہ قنطار درہم کے مقابلے میں بھاری ہوتا ہے۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ جوان کے پاؤں زمین میں اس طرح جمے ہوئے ہیں جیسے کہ دو تعمیر کئے ہوئے مینار یا دو گڑے ہوئے کھونٹے یا دو مضبوط پہاڑ۔ اسے اپنی کمزوری کا یقین ہو گیا اور وہ کشتی لڑنے پر شرمندہ ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ کاش کہ میں اسے اپنے ہتھیار سے قتل کر ڈالتا! اب کان ماکان نے اس پر ایک پیچ گانٹھا اور اسے اتنا ہلایا کہ بدو کو یہ محسوس ہوا کہ اس کی آنتیں پھٹی جاتی ہیں اور اس نے چلا کر کہا کہ اے لڑکے' اپنا ہاتھ روک لے لیکن کان ماکان نے اس کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی بلکہ اسے خوب جھنجھوڑ ڈالا اور اسے اٹھا کر دریا کی طرف لے چلا تاکہ اسے اس میں پھینک دے۔ بدو نے چلا کر کہا کہ اے پہلوان' تو کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ تجھے اس دریا میں ڈال دوں اور وہ تجھے دجلے میں پہنچا دے اور دجلہ نہر عیسیٰ میں اور نہر عیسیٰ فرات میں اور فرات تجھے تیرے وطن پہنچا دے تاکہ تیری قوم تجھے دیکھے اور پہچان لے اور تیری مروت اور سچی محبت سے آگاہ ہو۔ صباح چلا کر کہنے لگا کہ اے زرخیز خطے کے سورما' میرے ساتھ برے لوگوں کا سا سلوک مت کر بلکہ اپنی چچیری بہن کے طفیل میں جو خوبصورتوں کی زیب و زینت ہے' مجھے چھوڑ دے۔ یہ سن کر کان ماکان نے اسے زمین پر اتار دیا۔

جب بدو نے اپنے آپ کو آزاد دیکھا تو وہ اپنی تلوار اور ڈھال کے پاس گیا اور انہیں اٹھا لیا اور اپنے دل میں سوچنے لگا کہ وہ کیوں نہ اسے دھوکہ دے کر اس پر حملہ

کر دے۔ کان ماکان اس کی آنکھ سے پہچان گیا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے اور اس سے کہنے لگا کہ مجھے معلوم ہے کہ تیرے دل میں کیا کھوٹ ہے کیونکہ تو نے تلوار اور ڈھال پر قبضہ کر لیا ہے کیونکہ کشتی میں تیرا بس نہ چلا اور تو کوئی پیچ نہ کر سکا۔ اگر تو گھوڑے کی پیٹھ پر بھی ہوتا اور مجھ پر تلوار سے بھی حملہ کرتا' تب بھی تو قتل ہو چکا ہوتا۔ اب میں تجھے اختیار دیتا ہوں تاکہ تیرے دل کی ہوس نکل جائے۔ اپنی ڈھال مجھے دے دے اور مجھ پر تلوار سے حملہ کر اور دیکھ کہ تو مجھے قتل کرتا ہے یا میں تجھے۔ بدو نے کہا کہ اچھا لے' اور ڈھال اس کی طرف پھینک دی اور تلوار کھینچ کر اس پر حملہ آور ہوا۔ کان ماکان نے ڈھال کو اپنے داہنے ہاتھ میں لے کر اپنے آپ کو بچانا شروع کیا۔ صباح اس پر وار کرتا جاتا اور کہتا جاتا تھا کہ بس یہ آخری وار ہے لیکن وہ خالی پڑتا اور کان ماکان اسے ڈھال پر لے لیتا اور وار بے کار جاتا مگر وہ خود وار نہ کر سکتا کیونکہ اس کے پاس وار کرنے کے لیے کوئی ہتھیار ہی نہ تھا۔ اب وار کرتے کرتے صباح کا بازو شل ہو گیا اور اس کے دشمن نے یہ تاڑ لیا اور بدو پر بڑھ کر اسے زور سے دبایا اور جھٹک کر اسے زمین پر دے پٹکا اور اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر اس کی مشکیں اسی کی تلوار کی میان سے باندھ دیں اور کھینچ کر دیا کی طرف چلا۔ صباح چلایا اور کہنے لگا کہ اے نوجوان اور مشہور شہسوار اور میدان کے سورما' تو میرے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے کہا نہ تھا کہ میں دیا کے راستے تجھے تیری قوم اور تیرے خاندان کو بھیجنا چاہتا ہوں تاکہ وہ تجھے دیکھ کر مطمئن ہو جائیں اور تو انہیں دیکھ کر مطمئن ہو جائے اور تو اپنی چچیری بہن کے ولیمے میں بھی شریک ہو سکے۔ صباح چلانے اور رونے پیٹنے لگا اور اس نے کہا کہ اے بے نظیر شہسوار' ایسا مت کر بلکہ مجھے آزاد کر کے اپنا غلام بنا لے۔ یہ کہہ کر وہ رونے اور فریاد کرنے لگا۔

کان ماکان کو اس پر ترس آ گیا اور اس نے کہا کہ مجھ سے وعدہ کر اور قسم کھا کہ تو میری رفاقت بھلائی کے ساتھ کرے گا اور ہر راستے میں میرے ساتھ رہے گا۔ بدو

نے کہا کہ ہاں اور قسم کھائی اور کان ماکان نے اسے چھوڑ دیا۔ صباح نے اٹھ کر اس کے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہا لیکن اس نے اسے منع کیا۔ اب بدو نے اپنی خرجی کھول کر جو کی تین ٹکیاں نکالیں اور انہیں کان ماکان کے آگے رکھ دیا اور دریا کے کنارے بیٹھ کر دونوں باہم کھانے لگے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہو چکے تو انہوں نے وضو کیا اور نماز پڑھی اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگے کہ دونوں پر ان کے خاندانوں اور زمانے نے کیا کیا مصیبتیں ڈھائی ہیں۔ کان ماکان نے کہا کہ اب تیرا کیا قصد ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں تیرے وطن بغداد جاؤں گا اور وہاں اس وقت تک ٹھہروں گا جب تک کہ خدا مہر کا سامان کر دے۔ شہزادے نے کہا کہ اپنی راہ لے' میں یہیں رہوں گا۔

بدو نے اس سے رخصت ہو کر بغداد کی راہ لی اور کان ماکان اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں کیا منہ لے کر اس فقر و فاقے کے ساتھ واپس جاؤں! خدا کی قسم' میں خالی ہاتھ نہیں جانے کا اور خدا نے چاہا تو ضرور کامیاب ہوں گا۔ یہ کہہ کر وہ دریا کے پاس گیا اور وضو کر کے نماز پڑھی۔ جب اس نے سجدہ کیا تو زمین پر سر رکھ کر خدا سے دعا مانگنے لگا کہ اے میرے اللہ جو تو پانی برساتا اور کیڑے کو پتھر کے اندر روزی پہنچاتا ہے' میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں کہ تو اپنی قدرت اور لطیف رحمت سے میرے اوپر بخشش کر۔ جب اس نے سلام پھیرا تو اسے سارے راستے مسدود معلوم ہوئے۔ ابھی وہ بیٹھا ہوا داہنے بائیں دیکھ رہا تھا کہ اسے ایک سوار آتا ہوا دکھائی دیا اور جو جھکا ہوا بیٹھا تھا اور لگام ڈھیلی چھوڑ دی تھی۔ یہ دیکھ کر کان ماکان سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد سوار اس کے پاس پہنچ گیا اور نے دیکھا کہ وہ مرنے کے قریب ہے۔ اسے اس کی موت کا یقین تھا کیونکہ اسے کاری زخم لگا تھا۔ جب سوار اس کے پاس پہنچ تو اس کے آنسو مشک کی طرح بہہ رہے تھے۔ اور کان ماکان سے کہنے لگا کہ اے عرب سردار جب تک میں زندہ ہوں تو مجھے اپنا دوست بنا لے کیونکہ مجھ جیسا تجھے میسر نہ ہو گا اور مجھے تھوڑا سا پانی پلا دے۔ اگرچہ زخمی کے لیے پانی پینا زہر

ہے۔ خاص کر اس وقت جب کہ خون بہہ رہا ہو اور دم نکلنے والا ہو۔ اگر میں زندہ رہا تو تیری تکلیف اور ناداری کو دور کر دوں گا اور اگر مر گیا تو اپنی نیک نیتی کی وجہ سے سعادت پائے گا۔ وہ شخص ایک ایسے گھوڑے پر سوار تھا جس کی تعریف میں زبان گونگی ہے اور اس کی ٹانگیں ایسی تھیں جیسے کہ مرمر کے ستون۔ جب کان ماکان نے اس شخص اور اس کے گھوڑے کو دیکھا تو اس کا دل مچل گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ ایسا گھوڑا آج کل ناپید ہے۔ یہ کہہ کر اس نے سوار کو گھوڑے سے اتارا اور اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا اور اسے ایک ایک گھونٹ کر کے پانی پلایا اور اسے تھوڑی دیر تک آرام کرنے دیا اور پھر اس سے پوچھا کہ کس نے تیرے ساتھ یہ ظلم کیا ہے؟

سوار نے جواب دیا کہ میرا صحیح ماجرا یہ ہے کہ میں گھوڑوں کا بڑا شاطر چور ہوں اور گھوڑے چرانا میرا دن رات کا مشغلہ ہے۔ میرا نام غسان ہے اور میں ہر گھوڑی اور گھوڑے کے لیے ایک آفت ہوں۔ اس گھوڑے کے متعلق میں نے سنا تھا کہ وہ روم کے ملک میں بادشاہ افریدوں کے پاس ہے اور اس کا نام قاتول اور لقب مجنوں ہے۔ اس کی خاطر میں نے قسطنطنیہ کا سفر اختیار کیا اور اس کی تاک میں لگا رہا۔ یہاں تک کہ ایک روز ایک بڑھیا اس پر سوار ہو کر نکلی جس کی عزت رومی بہت زیادہ کرتے ہیں اور جس کا حکم وہاں چلتا ہے۔ اس کا نام شطارہ ذات الدواہی ہے اور اس کے مکرو فریب کی کوئی انتہا نہیں۔ جب وہ نکلی تو اس کے ساتھ محض دس غلام تھے جو اس کی خدمت کرتے تھے اور یہ گھوڑا تھا۔ اس کا ارادہ بغداد و خراسان کے ملک کو جانے کا تھا تاکہ اس کے بادشاہ ساسان سے صلح کرے۔ اس گھوڑے کے لالچ میں' میں ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ میں برابر ان کے پیچھے لگا رہا۔ مگر گھوڑے تک رسائی نہ ہوئی کیونکہ غلام اس کی سخت نگہبانی کرتے تھے۔ اب وہ چلتے چلتے اس ملک میں پہنچ گئے اور میں نے خیال کیا کہ کہیں وہ بغداد میں داخل نہ ہو جائیں۔ میں ابھی اس گھوڑے

کے چرانے کی فکر میں لگا ہی ہوا تھا کہ ایک گرد اٹھی اور چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ جب گرد ہٹی تو اس میں پچاس سوار نظر آئے جو سوداگروں پر ڈاکہ ڈالتے تھے۔ ان کا سردار ایک بڑا سورما تھا جو لڑائی میں مثل شیرؓ کے تھا۔ اس کا نام کہر داش تھا اور وہ جنگ میں ایسا شیر تھا کہ بہادروں کو پتنگے بنا دیتا تھا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو اکتالیس ویں رات

جب ایک سو اکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ اس زخمی سوار نے کان ماکان سے کہا کہ کہرداش نے بڑھیا اور اس کے ہمراہیوں پر حملہ کر دیا اور ان پر وار کیے اور نعرے بلند کیے اور برا بھلا کہنے لگے۔ ابھی ایک لمحہ بھی نہ گزرا ہو گا کہ انہوں نے دس غلاموں اور بڑھیا کی مشکیں باندھ دیں اور گھوڑا لے لیا اور سب کو لے کر خوش خوش روانہ ہو گئے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ میری محنت اکارت گئی اور میرا مقصد پورا نہ ہوا اور میں انتظار کرنے لگا کہ دیکھوں اب کیا ہوتا ہے؟ جب بڑھیا نے دیکھا کہ وہ گرفتار ہو گئی ہے تو وہ رونے لگی اور اس نے کہرداش سے کہا کہ اے سوار' سردار اور شیر سورما' گھوڑا تو تجھے مل گیا۔ اب ایک بڑھیا اور غلاموں کو لے کر تو کیا کرے گا! اس کے بعد وہ میٹھی میٹھی باتیں کر کے اسے پھسلانے لگی اور اس نے قسم کھائی کہ میں تجھے گھوڑے اور گائے بیل بھیجوں گی۔ اس پر اس نے غلاموں کو بھی چھوڑ دیا اور بڑھیا کو بھی' اور اپنے ہمراہیوں کو لے کر چلتا ہوا۔ مگر میں ان کے پیچھے پیچھے لگا رہا۔ یہاں تک کہ وہ اس ملک میں پہنچے اور موقع پا کر میں نے اسے چرا لیا اور اس پر سوار ہو گیا اور چابک نکال کر اس کو مارنا شروع کیا۔ جب ان لوگوں کو اس کا پتا چلا تو وہ میرے پیچھے دوڑے اور چاروں طرف سے گھیر کر مجھ پر تیر اور نیزے چلانے لگے' مگر میں اس گھوڑے پر بیٹھا رہا اور وہ اپنے ہاتھ پاؤں سے میری خاطر لڑتا رہا۔ یہاں تک کہ میں تیر کی طرح ان کے درمیان میں سے نکل آیا۔ یہ کہہ کہ ٹوٹتے ہوئے تارے کی طرح۔ لیکن جب وہ مجھ پر وار کر رہے تھے تو مجھے چند زخم لگے۔ آج تین دن سے میں اس کی پیٹھ پر سوار ہوں اور کھانا اور سونا میرے اوپر حرام ہے اور میرے ہاتھ پاؤں کمزور پڑ گئے ہیں

اور دنیا مجھے عبث معلوم ہوتی ہے۔ تو نے میرے اوپر احسان کیا ہے اور مہربان ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ تو برہنہ بدن ہے اور تیرے چہرے سے غم ظاہر ہوتا ہے مگر تجھ

سے عیش و عشرت کے آثار نمودار ہیں۔ آخر کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور کہاں جاتا ہے؟

شہزادے نے جواب دیا کہ میرا نام کان ماکان ہے اور میں بادشاہ ضوء المکان کا بیٹا اور بادشاہ عمر بن النعمان کا پوتا ہوں۔ میرا باپ مر چکا ہے اور یتیمی کی حالت میں میری پرورش ہوئی ہے اور اس کے بعد ایک کمینہ شخص تخت نشین ہوا ہے اور وہی ہر چھوٹے اور بڑے پر حکومت کرتا ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی ساری سرگزشت اول سے آخر تک کہہ سنائی۔ اس پر گھوڑے کے چور کا دل پسیج گیا اور وہ کہنے لگا کہ واللہ' تو بڑے حسب و نسب والا ہے اور تجھ میں بے انتہا شرافت ہے۔ تو بڑا آدمی ہو کر رہے گا اور تجھ سے بڑا کوئی شہسوار دنیا میں نہ ہو گا۔ اگر تو یہ کر سکتا ہے کہ مجھ کو سوار کرے اور خود میرے پیچھے بیٹھ جائے اور مجھے میرے وطن پہنچا دے تو تجھے دنیا میں شرف اور آخرت میں ثواب ملے گا کیونکہ اب مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ میں اپنے آپ کو سنبھال لوں۔ اگر یہ میری زندگی کا آخری دن ہے تو کسی دوسرے کی بجائے تو اس گھوڑے کا مستحق ہے۔ کان ماکان نے کہا کہ واللہ' اگر میں تجھے اپنے کندھوں پر لاد کر لے جا سکوں اور اپنی زندگی کا ایک حصہ تجھے دے سکوں تو میں تیار ہوں بغیر اس کے کہ یہ گھوڑا مجھے ملے کیونکہ میرا کام نیکی کرنا اور مصیبت زدوں کی مدد کرنا ہے اور خالص خدا کے لیے نیکی کرنا ستر آسیبوں کو دور کرتا ہے لہٰذا روانگی ارادہ کر لے اور خدا پر بھروسہ کر۔

شہزادہ اسے گھوڑے پر سوار کرنے والا ہی تھا اور چاہتا تھا کہ خدا پر بھروسہ کر کے روانہ ہو جائے کہ بدو نے کہا کہ ذرا ٹھہر جا۔ یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ہاتھ کھول دیئے اور کہنے لگا کہ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ اس کے بعد اس نے کہا کہ اے بڑے خدا' میرے بڑے گناہ معاف کر کیونکہ بڑے گناہوں

کو سوائے بڑی ذات کے اور کوئی بخش نہیں سکتا۔ یہ کہہ کر اس نے مرنے کی تیاری کر لی اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور منہ کھل گیا اور اس نے زور سے ایک چیخ

ماری اور اس کا دم نکل گیا۔

کان ماکان نے ایک گڑھا کھود کر اسے گاڑ دیا اور اوپر سے مٹی ڈال دی۔ اس کے بعد وہ گھوڑے کے پاس آیا اور اسے بوسہ دیا اور اس کے منہ پر ہاتھ پھیرنے لگا اور بہت خوش ہو کر کہنے لگا کہ اس جیسے گھوڑے میں میرا کوئی شریک نہیں بلکہ بادشاہ ساسان کے پاس بھی اس کی نظیر نہیں۔

یہ تو کان ماکان کے ساتھ پیش آیا۔ اب بادشاہ ساسان کا قصہ سنئے۔ اسے یہ خبر ملی کہ وزیر دندان اور آدھا لشکر اس سے باغی ہو گیا ہے اور انہوں نے حلف اٹھایا ہے کہ سوائے کان ماکان کے وہ اور کسی کو اپنا بادشاہ نہیں تسلیم کرتے اور وزیر نے ان سے وعدے لے لیے اور قسمیں کھلوائی ہیں اور انہیں لے کر جزائر ہند اور بربر اور سوڈان چلا گیا ہے اور لشکر موج زن سمندر کی طرح اس کے گرد جمع ہیں جن کی نہ ابتدا معلوم ہوتی ہے اور نہ انتہا اور وزیر کا ارادہ ہے کہ بغداد پر چڑھائی کر کے اس پر قبضہ کر لے اور جو کوئی اس کی مخالفت کرے' اسے قتل کر ڈالے اور اس نے قسم کھائی ہے کہ جب تک وہ کان ماکان کو تخت پر نہ بٹھا لے گا اپنی تلوار میان میں نہ ڈالے گا۔ جب بادشاہ ساسان کو یہ خبر ملی تو وہ فکر میں پڑ گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ ملک کے چھوٹے بڑے سب اس کے خلاف ہو گئے ہیں۔ اس سے اس کا رنج اور زیادہ ہو گیا اور اس نے خزانوں کے منہ کھول دیئے اور امرا کو مال و دولت تقسیم کرنا شروع کر دیا اور اس کی یہ تمنا ہوئی کہ کان ماکان اس کے پاس آئے اور وہ احسان اور مہربانی سے اس کا دل اپنی طرف کھینچ لے اور اسے اس لشکر کا سپہ سالار بنا دے جو اس کی ماتحتی میں نہیں ہے تاکہ بغاوت کی آگ بجھ جائے۔

جب کان ماکان کو یہ خبر سوداگروں کی زبانی ملی تو وہ اسی گھوڑے پر سوار ہو کر فوراً بغداد پہنچا۔ ابھی بادشاہ ساسان اپنے تخت پر حیران و پریشان بیٹھا ہی تھا کہ اسے اطلاع

پہنچی کہ کان ماکان آگیا ہے۔ یہ سن کر تمام لشکر اور بغداد کے بڑے بڑے آدمیوں کو اس کی ملاقات کے لیے بھیجا اور سارا بغداد اس سے ملنے کے لیے نکل کھڑا ہوا اور وہ اسے جلوس کے ساتھ محل تک لائے اور سیڑھیوں تک پہنچا گئے اور کنیزوں اور خادموں نے اس کی ماں کے پاس جا کر اس کی واپسی پر اسے مبارک باد دی۔ اب ماں نے آ کر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس نے کہا کہ اے میری ماں' مجھے میرے چچا بادشاہ ساسان کے پاس جانے دے جس نے مجھے نیکیوں اور احسانوں سے زیر بار کر دیا ہے۔

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور ادھر سارے محل اور حکومت والے اس گھوڑے کی خوبصورتی پر محو تھے اور کہتے تھے کہ کسی انسان کے پاس تو ایسا گھوڑا ہے نہیں۔ اب کان ماکان نے بادشاہ ساسان کے پاس جا کر سلام کیا اور کھڑا ہو گیا اور اس کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور وہ گھوڑا بطور ہدیئے کے پیش کش کیا۔ ساسان نے اس کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ اہلاً و سہلاً اے میرے بیٹے کان ماکان۔ خدا کی قسم' تیرے چلے جانے سے دنیا میرے اوپر تنگ ہو گئی تھی مگر خدا کا شکر ہے کہ تو صحیح سلامت ہے۔ اس پر کان ماکان اسے دعائیں دینے لگا۔ جب بادشاہ کی نظر اس گھوڑے قاتول پر پڑی تو اسے یاد آ گیا کہ اس نے اسے فلاں سال میں دیکھا تھا جب کہ وہ ضوء المکان کے ساتھ صلیب پرستوں کا محاصرہ کئے ہوئے تھا جس میں شرکان قتل ہوا ہے اور وہ کان ماکان سے کہنے لگا کہ اگر یہ گھوڑا تیرے باپ کو ملتا تو وہ اس کے بدلے ایک ہزار اصیل گھوڑے دیتا۔ لیکن اب عزت' عزت والے کے پاس لوٹ آئی ہے۔ میں اسے قبول کرتا ہوں اور اپنی طرف سے تجھے بطور ہدیئے کے پیش کرتا ہوں۔ تو سب سے زیادہ اس کا حقدار ہے کیونکہ تو شہسواروں کا سردار ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ کان ماکان کے لیے خلعت لائے جائیں اور اسے گھوڑے پیش کئے جائیں اور اس نے محل میں سب سے بڑا حصہ اس کے لیے مخصوص کر دیا اور اس کے ساتھ بڑی عزت اور مہربانی سے پیش آیا اور اسے بہت سا مال و دولت عطا کیا اور اس کے ساتھ بہت احترام

سے پیش آیا کیونکہ اسے ڈر تھا کہ کہیں وزیر کی حرکت کا نتیجہ اس کے خلاف نہ پڑے۔
کان ماکان اس پر بہت خوش ہوا اور جو توہین وہ اب تک محسوس کرتا تھا' دور ہو گئی اور وہ محل میں اپنی ماں کے پاس جا کر کہنے لگا کہ "اماں' میری چچیری بہن کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بیٹا' میں تیری غیر موجودگی میں اتنی تیری یاد کرتی رہی کہ سب لوگ میری یاد سے اتر گئے حتیٰ کہ تیری محبوبہ بھی بالخصوص اس وجہ سے کہ تیرے چلے جانے کی وجہ وہی ہے۔ اس نے اپنی پریشانی کی شکایت اماں سے کر کے کہا کہ اے ماں' اس کے پاس جا کر اس سے مل' ممکن ہے کہ وہ مجھے ایک نظر دیکھ لینے دے اور میرے دل کی حسرت نکل جائے۔ ماں نے کہا کہ لالچ کی وجہ سے انسان ذلیل ہوتا ہے۔ ایسی بات مت کر جس سے تو وبال میں پھنس جائے۔ میں اس کے پاس جا کر کبھی ایسی بات نہ کہوں گی۔
اس کے بعد اس نے اپنی ماں سے ذات الدواہی کا قصہ بیان کیا جو اس نے گھوڑوں کے چور سے سنا تھا کہ وہ اس ملک میں آ گئی ہے اور وہ اب بغداد میں داخل ہونا چاہتی ہے اور یہ وہی بڑھیا ہے جس نے میرے چچا اور دادا کو قتل کیا ہے اور اب یہ میرا فرض ہے کہ میں اس سے بدلہ لے کر اپنے دامن سے دھبہ دھوؤں۔ یہ کہہ کر وہ اپنی ماں کے پاس سے چل کھڑا ہوا اور ایک منحوس فریبی دغا باز بڑھیا کے پاس گیا جس کا نام سعدانہ تھا اور اسے اپنا سارا دکھڑا سنایا اور یہ کہ اسے اپنی چچیری بہن قضی فکان سے کتنی محبت ہے اور اس سے کہا کہ تو اس کے پاس جا کر میری سفارش کر۔ بڑھیا نے کہا کہ بسر و چشم۔ یہ کہہ کر وہ رخصت ہوئی اور قضی فکان کے محل میں جا کر اس سے سفارش کی' وہاں سے لوٹ کر شہزادے کے پاس آئی اور اس سے کہا کہ قضی فکان تجھے سلام کہتی ہے اور پیغام بھیجتی ہے کہ وہ آج آدھی رات کے وقت تیرے پاس آئے گی۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• ایک سو بیالیسویں رات

جب ایک سو بیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ بڑھیا نے آ کر کان ماکان کو خبر دی کہ تیری چچیری بہن تجھے سلام کہتی ہے اور وہ آج آدھی رات کو تیرے پاس آئے گی۔ اس پر وہ مارے خوشی کے پھول گیا اور قضی فکان کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ ابھی آدھی رات بھی ہونے پائی تھی کہ وہ سیاہ ریشمی چادر اوڑھے آ پہنچی اور اس کے پاس جا کر اسے جگایا اور کہنے لگی کہ تو کس طرح دعویٰ کرتا ہے کہ تجھے مجھ سے عشق ہے حالانکہ تو اطمینان سے سو رہا ہے۔ اس پر وہ چونک پڑا اور کہنے لگا کہ اے میرے دل کی تمنا' میرے سونے کی وجہ محض یہ تھی کہ مجھے امید تھی کہ خواب میں تیری تصویر نظر آئے گی۔ اس کے بعد وہ پیار سے اسے لعنت ملامت کرنے لگی اور وہ شرم کے مارے اٹھ کھڑا ہوا اور اس سے معذرت کرنے لگا اور دونوں ایک دوسرے کے سینے سے لپٹ گئے اور جدائی اور شکوے شکایت کرنے لگے۔ یہ حالت اس وقت تک رہی جب کہ صبح کی روشنی نکلی اور پھیلی گئی اور قضی فکان نے جانے کا ارادہ کیا مگر کان ماکان رونے لگا اور اس کی ہچکی بندھ گئی۔ اب قضی فکان اس سے رخصت ہو کر چل دی اور اپنے سرا پردے میں پہنچ گئی۔ مگر ایک کنیز کو اس بھید کا پتا چل گیا اور اس نے جا کر بادشاہ ساسان کو خبر کر دی۔ بادشاہ اس کے پاس گیا اور اس کے حجرے میں داخل ہوا اور تلوار کھینچ کر وہ چاہتا تھا کہ اسے قتل کر دے کہ اتنے میں اس کی ماں نزہت الزماں پہنچ گئی اور اس سے کہنے لگی کہ خدا کے لیے اسے ایذا مت پہنچا۔ اگر تو نے اسے کوئی ایذا پہنچائی تو یہ خبر لوگوں میں مشہور ہو جائے گی اور بادشاہوں کے آگے تیری کرکری ہو جائے گی۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ کان ماکان حرام کی اولاد نہیں ہے اور دونوں کی تربیت ایک ساتھ ہوئی ہے اور وہ عزت آبرو والا آدمی ہے اور اس نے کوئی بے جا حرکت نہیں

کی۔ ذرا صبر سے کام لے اور اتنی جلد بازی مت کر کیونکہ محل اور شہر میں یہ خبر پھیل چکی ہے کہ وزیر دندان مختلف ملکوں سے لشکر جمع کر کے چڑھائی کر رہا ہے تاکہ کان ماکان کو بادشاہ بنائے۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم' میں اسے سخت عذاب میں مبتلا کروں گا اور وہ بھی ایسی جگہ جہاں نہ زمین اسے بچا سکے اور نہ آسمان اس پر سایہ کر سکے۔ میں نے جو اس پر احسان کیا ہے اور اسے خوش کر دیا ہے وہ محض اپنے ملک و دولت والوں کی خاطر کیا ہے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس کے طرف دار ہو جائیں۔ تو عنقریب دیکھ لے گی کہ میں اس کی کیا گت بناتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور حکومت کے کاروبار میں لگ گیا۔

یہ تو بادشاہ ساسان کا حال ہوا۔ اب کان ماکان کا ماجرا سنئے۔ دوسرے دن اس نے اپنی ماں کے پاس جا کر کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں جا کر لوٹ مار کروں اور ڈاکے ڈالوں اور گھوڑے اور مویشی اور لونڈی غلام لوٹ کر جمع کروں اور جب میں امیر ہو جاؤں اور میری حالت سدھر جائے تو میں اپنی چچیری بہن قضی فکان کے پاس شادی کا پیغام بھیجوں اور اپنے چچا بادشاہ ساسان سے نکاح کی اجازت مانگوں۔ ماں نے کہا کہ بیٹا' لوگوں کا مال مفت میں نہیں ہاتھ لگ جاتا' کیونکہ ان کی مدد شمشیر زنی اور نیزہ بازی سے ہوتی ہے اور ایسے جواں مردوں سے جو درندوں کو کھا ڈالتے اور ملکوں کو تباہ کر ڈالتے اور شیروں اور چیتوں کا شکار کرتے ہیں۔ کان ماکان نے کہا کہ میں اپنے ارادے سے نہیں ٹل سکتا جب تک کہ میری مراد نہ بر آئے۔ یہ کہہ کر اس نے بڑھیا کو قضی فکان کے پاس بھیجا اور یہ کہلایا کہ میں اب تیری شان کے قابل مہر کی تلاش میں جاتا ہوں اور بڑھیا سے کہا کہ تو ضرور اس کا جواب لے کر آئیو۔ اس نے کہا کہ بسر و چشم اور جا کر جواب لے آئی اور کہنے لگی کہ وہ آدھی رات کے وقت تیرے پاس آئے گی۔

یہ سن کر وہ آدھی رات تک جاگتا رہا۔ اور بے چین تھا یہاں تک کہ اس کو خبر بھی نہ ہوئی اور وہ آ پہنچی اور کہنے لگی کہ تیرے جاگنے پر میری جان قربان! وہ گھبرا

کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے میرے دل کی تمنا تیری تمام بلائیں میری جان پر اس کے بعد اس نے اپنا ارادہ بیان کیا اور وہ رونے لگی۔ اس نے بتایا کہ میری چچیری بہن' رومت۔ جس شخص نے ہمیں فراق میں مبتلا کیا ہے' وہی ہمیں ملائے گا بھی۔

اس کے بعد کان ماکان نے سفر کا تہیہ کر لیا اور ماں کے پاس سے رخصت ہوا اور محل سے نکل کر اپنی کمر سے تلوار لگائی اور عمامہ باندھا اور نقاب ڈالی اور اپنے گھوڑے قاتول پر سوار ہو کر شہر مین سے گزرا۔ وہ چودھویں رات کے چاند کا سا تھا اور بغداد کے دروازے پر پہنچا اور کیا دیکھتا ہے کہ اس کے ساتھ صباح بن رتاح بھی شہر سے باہر جا رہا ہے۔ جب صباح نے اسے دیکھا تو گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کے پاس پہنچا۔ سلام کیا۔ شہزادے نے سلام کا جواب دیا اور صباح نے کہا کہ اے میرے بھائی' یہ گھوڑا تجھے کہاں سے ہاتھ لگا اور یہ تلوار اور کپڑے؟ میرے پاس ابھی تک میری تلوار اور ڈھال کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ کان ماکان نے کہا کہ ہر صیاد کو اپنی نیت کے مطابق شکار ملتا ہے۔ تجھ سے رخصت ہونے کے بعد ایک پہر بعد مجھے یہ لاجواب چیز ہاتھ لگی۔ کیا تو چاہتا ہے کہ نیک نیتی کے ساتھ میرے ساتھ آئے اور میرے ساتھ اس جنگل کا سفر کرے؟ اس نے جواب دیا کہ کعبے کے رب کی قسم' اب میرے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ تجھے اپنا آقا کہہ کر پکاروں۔ یہ کہہ کر اس نے تلوار کاندھے پر رکھی اور خرجی دونوں پٹھوں کے بیچ میں اور گھوڑے کے آگے آگے چلنے لگا اور کان ماکان اس کے پیچھے پیچھے تھا' اس طرح سے وہ چار دن تک جنگل میں اونچی پہاڑی پر پہنچے جس کے نیچے سبزہ زار اور تالاب تھے۔ اور وہاں اونٹ اور گائیں اور بیل اور بھیڑیں اور گھوڑے چرے رہے تھے اور ساری اونچی نیچی جگہیں ان سے بھری ہوئی تھیں اور ان کے بچے چراگاہ کے اردگرد اچھل کود رہے تھے۔ جب کان ماکان نے یہ دیکھا تو وہ خوش ہو گیا اور اس بات پر تل گیا کہ حملہ کر کے اونٹوں اور اونٹنیوں وغیرہ پر قبضہ کر لے۔ اس نے صباح سے کہا کہ چل ان جانوروں کو لوٹ لائیں کیونکہ

ان کے مالک ان کو اکیلا چھوڑ گئے ہیں۔ اگر دور نزدیک کوئی بھی ہو گا تو ہم اس سے جنگ کریں گے اور کچھ نہ کچھ مال ضرور ہمارے ہاتھ لگ جائے گا۔ صباح نے کہا کہ اے میرے آقا' ان کے مالکوں کی تعداد بہت بڑی ہے اور ان میں پیادے اور سوار بہت بہادر لوگ ہیں۔ اگر ہم اپنے آپ کو خطرے میں ڈالیں گے تو ہمیں بہت بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا اور ہم میں سے ایک بھی صحیح سلامت بچ کر اپنی چچیری بہن کے پاس نہ جا سکے گا۔ اس پر کان ماکان ہنس پڑا اور اسے معلوم ہو گیا کہ وہ بڑا ڈرپوک آدمی ہے اور خود شور مچاتا اور اشعار گاتا ہے۔ لوٹنے کی خاطر پہاڑی پر سے اترا اور اور اونٹنیوں پر اونٹ کی طرح حملہ آور ہوا اور بھیڑوں اور مویشیوں اور گھوڑوں اور اونٹوں کو لے چلا کہ اتنے میں غلاموں نے اس پر چکمتی ہوئی تلواروں اور لمبے لمبے بھالوں سے حملہ کر دیا۔

ان کا سردار ایک ترکی سوار تھا جو بڑا جنگجو اور شمشیر زنی اور نیزہ بازی کا ماہر تھا۔ اس نے کان ماکان پر حملہ کیا اور کہنے لگا کہ تف ہو تجھ پر! اگر تجھے معلوم ہوتا کہ یہ کس کی ملکیت ہے تو کبھی ایسی حرکت نہ کرتا۔ سن' یہ مال رومی بہادروں کا ہے جو بحری سورما ہیں اور چوکس قوم میں سے ہیں اور جو سب کے سب خونخوار لڑنے والے ہیں۔ ان کی تعداد ایک سو بہادر ہے جو کسی بادشاہ کی رعایا نہیں۔ ان کا ایک گھوڑا چوری گیا ہے اور انہوں نے قسم کھائی ہے کہ بغیر اس کے لیے وہ یہاں سے نہیں ہٹیں گے۔ جب کان ماکان نے یہ کلام سنا تو وہ بلند آواز سے کہنے لگا کہ اے مردودو' یہی وہ گھوڑا ہے' جس کا تم ذکر کرتے ہو اور جس کی تلاش تمہیں ہے اور جس کی وجہ سے تم کو مجھ سے لڑنا پڑے گا۔ تم سب کے سب میرے مقابلے میں آؤ اور جو کر سکتے ہو کرو۔ یہ کہہ کر اس نے قاتول کے دونوں کانوں کے بیچ میں سیٹی دی اور وہ مثل بھوت کے ان کے اوپر ٹوٹ پڑا۔ اور کان ماکان نے اس سوار پر جھک کر نیزے اور تیرے سے حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا اور اس کے بعد دوسرے پر بڑھا اور پھر تیسرے پر اور پھر چوتھے پر اس طرح ان سب کا خاتمہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر سارے

غلام اس سے ڈر گئے اور اس نے چلا کر کہا کہ اے حرام زادو' اونٹوں اور گھوڑوں کو لے کر بھاگو ورنہ میں اپنے بھالے کو تمہارے خون سے رنگ دوں گا۔ یہ سن کر وہ اونٹوں کو لے کر بھاگے۔ اب صباح نیچے اترا اور مارے خوشی کے چلانے لگا۔

اتنے میں ایک غبار اٹھا اور چاروں طرف اندھیرا چھا گیا اور اس میں سے سو سوار نکلے جو شیر کی طرح تیوریاں چڑھائے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر صباح بھاگا اور وادی چھوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور لڑائی کا تماشا دیکھنے اور یہ کہنے لگا کہ میں تو محض ہنسی مذاق کا شہسوار ہوں۔ اب ان سو سواروں نے چاروں طرف سے آ کر کان ماکان کو گھیر لیا اور ان میں سے ایک سوار نے آگے بڑھ کر کہا کہ یہ اونٹ کہاں لیے جاتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے ان پر قبضہ کر لیا ہے اور ان کے لیے جاتا ہوں اور تجھے ان سے محروم کر رہا ہوں۔ اب تیرے لیے سوائے جنگ کے چارہ نہیں۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص تیرے سامنے ہے وہ خطرناک شیر اور بہادر بھیڑیا اور ایسی تلوار ہے جو ہر طرف سے کاٹتی ہے۔ جب اس سوار نے اس کی باتیں سنیں تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگا اور دیکھا کہ وہ بہادر شیر کی طرح ہے لیکن اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کا سا ہے اور اس کی پیشانی سے شجاعت ٹپک رہی ہے۔ یہی سوار ان سو سواروں اک سردار تھا اور اس کا نام کہرداش تھا۔ جب اس نے کان ماکان کو دیکھا کہ باوجود انتہائی درجے کے شہسوار ہونے کے وہ نہایت حسین بھی ہے اور اس کا ناک نقشہ اس کی معشوقہ کی طرح ہے جس کا نام فاتن ہے اور جو حسین ترین عورتوں میں شمار کی جاتی ہے اور جسے خدا نے حسن و جمال اور خوش خوئی اور تمام قسم کے کمال عطا کئے ہیں' جن کی تعریف زبان سے نہیں ہو سکتی اور جن پر انسان لوٹ جاتا ہے۔ سارے قبیلے کے سورما اس کے دبدبے سے خائف تھے اور آس پاس کے تمام بہادر لوگوں پر اس کی ہیبت چھائی ہوئی تھی۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے آپ کو نکاح میں کسی کے سپرد نہ کرے گی جب تک کہ وہ اسے لڑائی میں زیر نہ کر لے۔ کہرداش کا بھی شمار اس کے چاہنے والوں میں تھا۔ اس نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ جو شخص

میدان اور جنگ اور نیزہ بازی میں مجھے زیر نہ کرے' اسے میں اپنے پاس نہ پھٹکنے دوں گی۔ جب کہرداش کو یہ خبر ملی تو اسے یہ کسی طرح گوارا نہ ہوا کہ وہ ایک لڑکی سے جنگ کرے کیونکہ لوگ اسے برا کہیں گے۔ اس کے ایک دوست نے اس سے کہا کہ تو بھی تو حسن و جمال میں یکتا ہے' اگر تو اس کا مقابلہ کرے تو خواہ وہ تجھ سے زیادہ طاقتور ہی کیوں نہ ہوں تاہم تو اسے زیر کر لے گا کیونکہ جب وہ تیرا حسن و جمال دیکھے گی تو تیرے سامنے سے بھاگ کھڑی ہو گی اور تیرے قبضے میں آ جائے گی۔ عورتوں کو مردوں کی ضرورت ہوتی ہے' یہ تو تو بھی جانتا ہو گا۔ باوجود ان تمام باتوں کے کہرداش نے انکار کر دیا اور اس سے لڑنے کی حامی نہ بھری اور نہ لڑنے پر راضی ہوا۔ یہاں تک کہ اب کان ماکان کے ساتھ یہ ماجرا پیش آیا اور اس کا خیال ہوا کہ یہ اس کی محبوبہ فاتن ہے۔ چونکہ اس کے حسن اور شجاعت کی وجہ سے اسے اس سے محبت ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ اس سے ڈر گیا اور آگے بڑھ کر اس سے کہنے لگا کہ افسوس ہے تجھ پر اے فاتن' تو مجھے اپنی بہادری دکھانے آئی ہے۔ گھوڑے سے اتر تاکہ میں تجھ سے باتیں کروں۔ دیکھ میں اونٹ چرا کر لایا ہوں اور میں نے دوستوں کے ساتھ خیانت کی ہے اور شہسواروں اور سورماؤں پر ڈاکہ ڈالا ہے مگر یہ سب کچھ تیرے حسن و جمال کی خاطر کیا ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں۔ اگر تو میرے ساتھ شادی کر لے تو شہزادیاں تیری خدمت کریں گی اور تو اس خطے کی ملکہ بن کر رہے گی۔

جب کان ماکان نے یہ باتیں سنیں تو اس کے اندر غصے کی آگ بھڑک گئی اور وہ چلا کر بولا کہ اے عجمی کتے' فاتن کا ذکر جانے دے اور اس کا شبہ اپنے دل سے نکال ڈال اور نیزہ بازی اور شمشیر زنی کے لیے تیار ہو جا کیونکہ عنقریب تو زمین پر لوٹتا نظر آئے گا۔ یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کو پھیرا اور اس پر حملہ کیا اور بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارے۔ جب کہرداش نے دیکھا تو اسے یقین آ گیا وہ کوئی بہادر سوار اور شیر دل سورما ہے' اور جب اس نے دیکھا کہ وہ سبزہ آغاز ہے گویا سرخ گلاب کے اندر مہندی

اگی ہوئی ہے تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ اس کے وار سے گھبرا گیا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ تم میں سے محض ایک ایک کر کے اس کے اوپر حملہ آور ہو اور اسے اپنی تیز تلوار اور ہلتا ہوا نیزہ دکھائے کیونکہ بہت لوگوں کا ایک پر حملہ کرنا عیب کی بات ہے خواہ کتنا ہی بہادر سوار اور نہہت سورما کیوں نہ ہو۔

یہ سن کر ایک شیر دل سوار نے اس پر حملہ کر دیا۔ یہ سوار ایک مشکی گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا تھا جس کے کھروں کے اوپر اور پیشانی پر درہم کی طرح سفید داغ تھے اور جسے دیکھ کر عقل اور آنکھ دونوں دنگ رہ جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ عنتر کا گھوڑا ابجرا ہے۔ الغرض اس نے آگے بڑھ کر کان ماکان پر حملہ کر دیا اور تھوڑی دیر تک دونوں سپہ گری اور شمشیر زنی کے گر دکھانے لگے جن سے لوگوں کی عقلیں دنگ ہو گئیں اور آنکھیں چوندھیا گئیں۔ اتنے میں کان ماکان نے آگے بڑھ کر ایسا پھرتیلا وار کیا کہ وہ پگڑی اور خود کو کاٹتا ہوا اس کے سر میں اتر گیا اور اس طرح گھوڑے پر سے گرا جیسے کہ اونٹ اوپر سے نیچے کی طرف گرتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا بڑھا اور اس نے حملہ کیا اور پھر تیسرے نے اور پھر چوتھے نے اور پھر پانچویں نے اور سب کا حشر پہلے سوار کی طرح ہوا۔ یہ دیکھ کر دوسرے لوگ بہت گھبرائے اور ان کو غصہ آیا اور سب نے مل کر اس پر حملہ کر دیا مگر ذرا دیر بھی نہ گزرنے پائی تھی کہ اس نے ان کو اپنے بھالے کا شکار بنا لیا۔

جب کہرداش نے یہ حالت دیکھی تو اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور یقین آ گیا کہ وہ بڑے مضبوط دل والا ہے اور بہادروں اور شہسواروں میں اس کا جواب نہیں اور وہ کان ماکان سے کہنے لگا کہ میں تیرا اور اپنے ساتھیوں کا خون معاف کرتا ہوں۔ تو جتنے اونٹ چاہتا ہے لے کر چلتا ہو۔ تیری ثابت قدمی پر میں رحم کرتا ہوں اور زندگی تیرے واسطے بہتر ہے۔ کان ماکان نے اس سے کہا کہ خدا کرے کہ بڑے لوگوں کی شرافت تجھ میں رہے مگر باتیں مت بنا اور اپنی جان لے کر بھاگ اور ملامت سے مت ڈر اور یہ مت سمجھ کہ غنیمت کا مال تجھے واپس مل جائے گا۔ تیرے لیے یہی بہتر ہے

کہ اپنی جان بچانے کا سیدھا راستہ اختیار کر۔ یہ سن کر کہرداش طیش میں آ گیا اور اس نے وہ طریقہ استعمال کیا جو اس کے لیے موت کا باعث ہوا۔ اس نے کان ماکان سے کہا کہ حیف ہے تجھ پر! اگر تجھے یہ معلوم ہوتا کہ میں کون ہوں تو تو لڑائی میں کبھی ایسی جسارت نہ کرتا۔ سن' میں وہ بہادر شیر ہوں جو کہرداش کے نام سے مشہور ہے اور جو بڑے بڑے بادشاہوں پر چھاپہ مارتا ہے اور ہر قافلے کو لوٹتا ہے اور تاجروں کے مال پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ میں اس گھوڑے کی تلاش میں تھا' جس پر تو سوار ہے۔ بتا کہ وہ تجھے کس طرح ہاتھ لگا کہ تو اس کا مالک بن بیٹھا۔ کان ماکان نے جواب دیا کہ یہ گھوڑا میرے پھوپھا بادشاہ ساسان کے پاس جا رہا تھا اور ایک عالی خاندان بڑھیا اسے لیے جا رہی تھی جس کی خدمت میں دس غلام تھے۔ تو نے اس پر چھاپہ مارا اور یہ گھوڑا لے لیا۔ میرے دادا عمر بن النعمان اور چچا شرکان کی وجہ سے ہمارا اس کے اوپر خون بہا ہے۔ کہرداش نے کہا کہ تیری ماں مرے' کون ہے تیرا باپ؟ اس نے جواب دیا کہ میں صوء المکان کا بیٹا عمر بن النعمان کا پوتا کان ماکان ہوں۔ جب کہرداش نے یہ سنا تو کہنے لگا کہ ہاں اب مجھے یقین ہو گیا کہ تجھ میں بہادری اور خوبصورتی کیوں اکٹھا ہیں۔ تجھے میں امان دیتا ہوں کیونکہ میرے اوپر تیرے باپ کا احسان ہے۔ کان ماکان نے جواب دیا کہ اے رذیل' میرے دل میں بالکل تیری عزت نہیں جب تک کہ میں تجھے میدان میں نیچا نہ دکھاؤں۔ یہ سن کر اس بدو کو طیش آ گیا اور دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے اور جنگ کے نعرے مارنے لگے' یہاں تک کہ گھوڑوں نے اپنے کان بند کر لیے اور دمیں اٹھا دیں۔ ان کے حملوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان پھٹا پڑتا ہے۔ اس کے بعد وہ دونوں لڑائی کے دو مینڈھوں کی طرح لڑنے لگے اور دونوں میں نیزہ بازی ہونے لگی۔ کہرداش نے گھما کر اس پر نیزے سے وار کیا لیکن اس نے وار خالی کر دیا اور اپنا نیزہ اس طرح مارا کہ سینے سے ہوتا ہوا پیٹھ سے نکل آیا۔ اب اس نے گھوڑوں اور غنیمت کے مال کو اکٹھا کیا اور غلاموں سے کہا کہ ان کو تیز ہانکو۔

یہ دیکھ کر صباح نیچے اترا اور کان ماکان کے پاس آ کر کہنے لگا کہ اے مشہور شہسوار' شاباش! میں تیرے لیے دعا کر رہا تھا اور خدا نے میری دعا قبول کی۔ یہ کہہ کر صباح نے کہرداش کا سر کاٹ لیا۔ اس پر کان ماکان ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ اے صباح' حیف ہے تجھ پر! تو یہ گمان کرتا تھا کہ میدان کا مرد ہے۔ اس نے کہا اس غنیمت کے مال میں اپنے غلام کا حصہ مت بھولیو تا کہ میں اپنی چچیری بہن نجمہ سے شادی کر سکوں۔ کان ماکان نے کہا کہ تجھے اس میں سے ضرور حصہ ملے گا لیکن غنیمت کے مال اور غلاموں کے نگہبانی کیجیو۔ یہ کہہ کر کان ماکان اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گیا اور دن رات چلتے چلتے بغداد پہنچا اور کل لشکر کو اس کی خبر ہوئی اور انہوں نے غنیمت کے مال اور اونٹوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور نیز کہرداش کے سر کو جو صباح کے نیزے پر تھا' تاجروں نے کہرداش کے سر کو پہچانا اور خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ خدا نے اپنی مخلوق کو اس سے نجات دی کیونکہ وہ ڈاکو تھا۔ انہیں اس کے مارے جانے پر تعجب ہوا اور انہوں نے اس کے قاتل کو دعائیں دیں۔ اب بغداد والے کان ماکان کے پاس آئے اور اس سے ماجرا پوچھا۔ اس نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ اس پر تمام لوگ اس سے ڈرنے لگے اور شہسواروں اور بہادروں پر اس کا رعب چھا گیا۔ اب وہ اپنا غنیمت کا مال لے کر محل کے نیچے پہنچا اور جس نیزے پر کہرداش کا سر تھا' اسے محل کے دروازے پر زمین میں گاڑ دیا اور لوگوں کو گھوڑے اور اونٹ تقسیم کئے۔ اس پر بغداد والوں کے دل اس کی طرف مائل ہو گئے۔ اس سے اور زیادہ محبت ہو گئی۔ اس کے بعد وہ صباح کی طرف متوجہ ہوا اور اسے ایک وسیع مکان میں اتارا اور اسے بھی مال غنیمت میں سے مال کا ایک حصہ دیا۔ اب وہ اپنی ماں کے پاس گیا اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا جو اسے سفر میں پیش آیا تھا۔

جب بادشاہ کو اس کی خبر پہنچی تو اس نے خاص خاص لوگوں کو دربار میں بلایا اور ان سے کہا کہ میں تم پر اپنا ایک بھید ظاہر کرنا چاہتا ہوں اور تم سے اپنے دل کی بات کہتا ہوں۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ کان ماکان کی وجہ سے ہمیں ایک روز یہ ملک

چھوڑنا پڑے گا کیونکہ اس نے کہرداش کو قتل کیا ہے حالانکہ کردوں اور ترکوں کے بہت سے قبیلے اس کے ساتھ ہیں۔ اس وجہ سے ہمیں تباہ ہو جانے کا اندیشہ ہے کیونکہ ہمارے لشکر میں اس کے بہت سے رشتہ دار ہیں اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ وزیر دندان نے ہمارے ساتھ کیا کیا۔ اس نے میری نیکیوں اور احسانات پر پانی پھیر دیا اور قسم کھانے کے بعد مجھے دھوکہ دیا۔ مجھے یہ خبر بھی ملی ہے کہ اس نے کئی ملکوں سے فوجیں جمع کی ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ کان ماکان کو بادشاہ بنائے کیونکہ اس کے باپ دادا بادشاہ رہ چکے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ مجھے بلا قتل کئے نہ چھوڑے گا۔

جب حکومت کے خاص لوگوں نے اس کی باتیں سنیں تو وہ کہنے لگے کہ اے بادشاہ' اس کی مجال کیا ہے! اگر ہمیں معلوم نہ ہوتا کہ اس کی تربیت تیرے پاس ہوئی ہے تو ہم میں سے ایک بھی اس کے پاس نہ بھٹکتا۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ ہم تیرے فرمانبردار ہیں۔ اگر تو چاہتا ہے کہ وہ قتل کر دیا جائے تو ہم اس کو قتل کر دیں گے اور اگر تو چاہتا ہے کہ وہ شہربدر کر دیا جائے تو ہم اسے شہربدر کر دیں گے۔ جب بادشاہ نے یہ سنا تو وہ کہنے لگا کہ اس کا قتل کرنا بہتر ہے' لیکن پہلے آپس میں حلف اٹھا لینا چاہیے۔ اس پر انہوں نے آپس میں حلف اٹھایا کہ وہ کان ماکان کو بے قتل کئے نہ چھوڑیں گے۔ جب وزیر دندان یہاں آئے گا اور سنے گا کہ وہ قتل ہو چکا ہے تو اس کی قوت ٹوٹ جائے گی اور وہ اپنے ارادے سے باز آ جائے گا۔ جب وہ لوگ عہد و پیمان باندھ چکے تو بادشاہ نے ان کی بڑی عزت کی اور محل میں چلا گیا۔ لیکن سردار اس سے پھر گئے اور پیادوں نے سوار ہونے اور سواروں نے پیادہ ہونے سے انکار کر دیا تاکہ وہ پہلے دیکھ لیں کہ کیا ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ لشکر کا بڑا حصہ وزیر دندان کے ساتھ ہے۔

جب قضی فکان کو یہ خبر ملی تو اسے بہت رنج ہوا اور اس نے بڑھیا کو بلایا جو اس کے چچیرے بھائی کا پیغام لایا کرتی تھی۔ جب وہ آئی تو اس نے اس کے ساتھ کان ماکان کو خبر بھیجی۔ جب وہ اس کے پاس پہنچی اور اس نے سلام کیا تو وہ خوش ہو گیا

اور بڑھیا نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس نے سن کر جواب دیا کہ میری چچیری بہن کو سلام کہیو اور کہیو کہ زمین کا مالک خدا ہے' جس کو وہ چاہتا ہے اس کا مالک بناتا ہے۔ بڑھیا نے اس کی چچیری بہن کے پاس جا کر اس کا پیغام پہنچایا اور کہنے لگی کان ماکان شہر ہی میں ٹھہرا ہوا ہے۔ اب بادشاہ ساسان اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ وہ بغداد سے باہر نکلے تو وہ اسے قتل کرنے کے لیے کسی کو پیچھے روانہ کرے۔

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ وہ شکار کھیلنے لگا اور صباح کے ساتھ تھا کیونکہ وہ رات دن اس کا ساتھ نہ چھوڑتا تھا اور اس نے دس ہرنوں کا شکار کیا۔ من جملہ ان کے ایک سرمہ چشم ہرنی تھی جو گردن موڑ موڑ کر داہنے بائیں دیکھتی جاتی تھی۔ شہزادے نے اسے آزاد کر دیا۔ صباح نے پوچھا کہ تو نے اس کو کیوں آزاد کر دیا؟ اس پر کان ماکان ہنسا اور سب کو آزاد کر دیا اور صباح سے کہنے لگا کہ جس ہرنی کے بچے ہوں' اس کو چھوڑ دینا انسانیت ہے۔ اگر اس ہرنی کے بچے نہ ہوتے تو وہ کبھی داہنے بائیں نہ دیکھتی۔ اس پر صباح نے کہا کہ مجھے بھی آزاد کر دے تاکہ میں اپنے گھر چلا جاؤں۔ شہزادہ ہنسنے لگا اور اس کے قلب پر نیزہ الٹی طرف سے مارا اور وہ گر کر سانپ کی طرح لوٹنے لگا۔

اسی اثناء میں انہوں نے دیکھا کہ گرد اڑتی چلی آ رہی ہ اور سوار ایڑ لگائے آ رہے ہیں اور گرد کے نیچے سوار اور سورما ہیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ لوگوں نے بادشاہ ساسان کو خبر دی تھی کہ کان ماکان سیر کے لیے نکلا ہے اور اس نے ایک دیلمی سردار کو جس کا نام جامع تھا' بہت کچھ انعام دے کر بیس سواروں کے ساتھ بھیجا تھا کہ کان ماکان کو قتل کر ڈالیں۔ جب یہ سوار اس کے پاس پہنچے تو انہوں نے حملہ کیا مگر اس نے ان پر حملہ کر کے سب کو قتل کر ڈالا۔ اتنے میں بادشاہ ساسان سوار ہو کر ان کی خبر کے لیے پہنچا اور دیکھا کہ وہ سب قتل ہو چکے ہیں۔ اس پر اسے سخت حیرانی ہوئی اور جب وہ واپس گیا تو شہر والوں نے اسے گرفتار کر کے اس کی مشکیں باندھ دیں۔

اب کان ماکان صباح بدو کو لے کر وہاں سے چل دیا۔ وہ چلے جا رہے تھے کہ انہوں

نے دیکھا کہ ایک نوجوان شخص اپنے دروازے پر بیٹھا ہوا ہے اور اس نے اسے سلام کیا اور جوان نے سلام کا جواب دیا اور اندر جا کر دو پیالے لے آیا۔ ایک میں تو دودھ تھا اور دوسرے میں ثرید جس میں گھی تیر رہا تھا اور دونوں پیالوں کو کان ماکان کے آگے رکھ دیا اور کہنے لگا کہ ہمارا کھانا کھا کہ ہم پر احسان کر۔ کان ماکان نے کھانے سے انکار کیا۔ جوان نے کہا کہ مرد آدمی' تو کیوں نہیں کھاتا ہے؟ کان ماکان نے کہا کہ میں نے نذر مانی ہے۔ جوان نے کہا کہ کیا نذر مانی ہے؟ اس نے کہا کہ بادشاہ ساسان نے میرا ملک زبردستی چھین لیا ہے۔ حالانکہ مجھ سے پہلے میرے باپ دادا بادشاہ ہوتے چلے آئے ہیں۔ میرے باپ کے مرنے کے بعد وہ زبردستی مالک بن بیٹھا ہے اور میری کم سنی کی وجہ سے مجھے چلتا کیا ہے۔ اس پر میں نے نذر مانی ہے کہ جب تک میں اپنے دشمن سے اپنے دل کی بھڑاس نہ نکال لوں اس وقت تک کسی دوسرے کا کھانا نہ کھاؤں گا۔ جوان نے کہا کہ خوش ہو کہ خدا نے تیری نذر قبول کر لی اور تیرا دشمن ایک مکان میں محبوس ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس اونچے گنبد میں۔ اب کان ماکان کی نظر ایک بلند گنبد پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ لوگ اس گنبد میں جاتے اور ساسان کے طمانچے مارتے ہیں اور وہ موت کے گھونٹ پی رہا ہے۔

کان ماکان اٹھ کر اس گنبد کے پاس گیا اور اس کے اندر دیکھ کر واپس آیا اور کھانے کے لیے بیٹھ گیا اور جتنا کھایا گیا کھایا اور باقی کو اپنی خرجی میں رکھ لیا اور بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی اور اس کا جوان میزبان سو گیا۔

اب کان ماکان اس گنبد میں گیا جہاں ساسان تھا اور دیکھا کہ اس کے آس پاس کتے پہرہ دے رہے ہیں۔ ان میں سے ایک کتا اس کی طرف لپکا۔ اس نے اپنی خرجی میں سے ایک ٹکڑا گوشت کا نکال کر کتے کے آگے پھینک دیا۔ اسی طرح وہ اور کتوں کے آگے گوشت پھینکتا ہوا گنبد کے پاس پہنچا اور اندر داخل ہوا اور بادشاہ ساسان کے پاس پہنچ کر اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے بلند آواز سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کان ماکان جس کے قتل کی تو کوشش کر رہا تھا لیکن خدا نے

تیری تدبیر الٹی کر دی۔ کیا تیرے لیے یہ کافی نہ تھا کہ تو میرے اور میرے باپ دادا کے ملک پر قابض ہو گیا تھا کہ میری جان کے بھی پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہے؟ ساسان جھوٹی قسمیں کھانے لگا اور کہا کہ میں تیرے قتل کی کوشش نہیں کر رہا ہوں' یہ خبر بالکل غلط ہے۔ یہ سن کر کان ماکان نے اسے معاف کر دیا اور اس سے کہا کہ میرے ساتھ چل۔ اس نے جواب دیا کہ میں اتنا کمزور ہوں کہ ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ کان ماکان نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو ہم دو گھوڑوں پر سوار ہو کر جنگل کی راہ لیں گے اور اس نے ایسا ہی کیا اور وہ اور ساسان سوار کر صبح تک چلتے رہے۔ پھر انہوں نے فجر کی نماز پڑھی اور چل کھڑے ہوئے اور چلتے چلتے ایک باغ میں پہنچے اور وہاں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

کان ماکان نے ساسان سے کہا کہ کیا اب بھی تیرے دل میں میری طرف سے کوئی برائی باقی ہے؟ ساسان نے جواب دیا کہ خدا کی قسم نہیں۔ اب دونوں اس بات پر متفق ہوئے کہ بغداد جائیں۔ صباح بدو نے کہا کہ میں آگے جا کر تمہاری خوشخبری پہنچاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا اور اس نے تمام مرد عورتوں کو خوش خبری سنائی اور لوگ ڈھول اور شہنائیاں لے کر اس کے استقبال کے لیے آئے۔ قضی فکان بھی آئی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اندھیری رات میں چاند چمک رہا ہے اور کان ماکان اس سے ملا اور روح کی کشش روح کی طرف ہوئی اور بدن بدن کا مشتاق ہوا۔

لوگوں کی زبان پر سوائے کان ماکان کے اور کوئی ذکر نہ تھا۔ سوار اس کا لوہا مان گئے تھے اور وہ سب سے زیادہ بہادر ہے اور لوگ کہتے تھے یہ ناممکن ہے کہ سوائے کان ماکان کے اور کوئی ہمارا بادشاہ بنے۔ اسے اپنے باپ دادا کی حکومت واپس ملنی چاہیے۔

اب ساسان نزہت الزماں کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ لوگوں کی زبان پر سوائے کان ماکان کے کوئی اور ذکر نہیں اور وہ اس کی طرف ایسے اوصاف منسوب کرتے ہیں جن کے بیان سے زبان عاجز ہے۔ مگر سنی سنائی بات ایسی نہیں ہوتی جیسی آنکھ دیکھی۔ میں نے اسے خود دکھا ہے مگر اس میں کوئی کمال اور خوبی نہیں پاتا۔ لوگ ہمیشہ وہ بات نہیں

کہتے جو سنتے ہیں۔ وہ اس کی تعریف اور محبت میں ایک دوسرے کی تقلید کرتے ہیں۔ خدا نے لوگوں کی زبان پر اس کی مدح جاری کر دی ہے۔ یہاں تک کہ بغداد والوں کے دل اس کی طرف مائل ہو گئے ہیں اور وزیر دندان غدار اور خاین ہے' اس نے کان ماکان کے لیے ہر ملک سے لشکر جمع کیا ہے۔ دنیا میں ایسا کون شخص ہے جو بادشاہ ہو کر ایک یتیم کی فرمانبرداری کرے جس کی کچھ حقیقت نہ ہو۔ نزہت الزماں نے کہا کہ آخر تیرا مطلب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اسے قتل کرنا چاہتا ہوں تاکہ وزیر دندان اپنے ارادے میں ناکام ہو اور میرا محکوم اور فرمانبردار ہو جائے اور سوائے میری خدمت کے اس کے لیے اور کوئی چارہ نہ رہے۔ پھر اپنوں کے ساتھ کہنا! بہتر یہ ہے کہ تو اپنی بیٹی قضی فکان کی شادی اس کے ساتھ کر دے۔ جب ساسان نے یہ سنا تو وہ غصے میں بھر گیا اور اس کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تیرے قتل کرنے میں عیب نہ ہوتا تو میں ابھی تلوار سے تیرا سر اڑا دیتا اور تیری زندگی ختم کر دیتا اس نے کہا کہ تجھے غصہ کیوں آ گیا؟ میں تو تیرے ساتھ مذاق کرتی تھی۔ یہ کہہ کر وہ اٹھی اور ساسان کا سر اور ہاتھ چومنے لگی اور کہا کہ ٹھیک وہی ہے جو تیری رائے ہے۔ ابھی ہم مل کر اس کے قتل کرنے کا کوئی حیلہ نکالتے ہیں۔

جب اس نے یہ سنا تو خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ جلدی کوئی حیلہ نکال اور میری تکلیف دور کر کیونکہ میری سمجھ میں کوئی ترکیب نہیں آتی۔ اس نے کہا کہ ابھی ایک حیلے سے اس کی زندگی کا خاتمہ کئے دیتی ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کیونکر؟ اس نے جواب دیا کہ اپنی کنیز کے ذریعے جس کا نام باکون ہے کیونکہ وہ مکر و فریب میں استاد ہے۔ یہ کنیز ایک بڑی مکار بڑھیا تھی اور بدذاتی نہ کرنا اس کے مذہب میں جائز نہ تھا اس نے کان ماکان اور قضی فکان' دونوں کو پالا تھا اور کان ماکان کو اس سے بہت انس تھا حتیٰ کہ وہ اس کی پائینتی سویا کرتا تھا۔ جب بادشاہ ساسان نے اپنی بیوی سے یہ باتیں سنیں تو وہ کہنے لگا کہ بس یہی رائے ٹھیک ہے اور اس نے کنیز کو بلایا اور

اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ وہ کان ماکان کو قتل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے ساتھ بڑی نیکیاں کرنے کا وعدہ کیا۔ بڑھیا نے کہا کہ تیرا حکم میرے سر آنکھوں پر لیکن میں چاہتی ہوں کہ تو مجھے زہر میں بجھا ہوا خنجر دے تاکہ میں اس کا جلد کام تمام کر دوں۔ ساسان نے کہا کہ شاباش! اور اسے ایک خنجر دیا جو موت سے بھی جلد کام کرتا تھا اس پر بڑھیا نے بہت سے حکایتیں اور اشعار سنے تھے اور اسے بہت سے لطیفے اور قصے یاد تھے۔ اس نے خنجر لیا اور یہ سوچتی ہوئی وہاں سے چل دی کہ کس طرح اسے ہلاک کیا جائے اور کان ماکان کے پاس پہنچی۔ وہ بیٹھا ہوا شہزادی قضی فکان کے وعدے کا انتظار کر رہا تھا۔ آج رات اسے اس کی بہت یاد آ رہی تھی اور اس کی محبت اس کے دل میں شعلہ زن تھی۔

وہ اسی حالت میں تھا کہ کنیز باکون اس کے پاس پہنچی اور کہنے لگی کہ وصال کا زمانہ قریب آ گیا ہے اور جدائی کے دن ختم ہو گئے ہیں۔ جب اس نے شہزادے کو یہ خبر سنائی تو اس نے بڑھیا سے پوچھا کہ قضی فکان کا کیا حال ہے؟ باکون نے کہا کہ وہ دن رات تیری محبت میں گرفتار ہے۔ یہ سن کر کان ماکان کھڑا ہو گیا اور اپنا دو شالہ اتار کر اسے دے دیا اور اس سے اور بہت سی بھلائیاں کرنے کا وعدہ کیا۔ بڑھیا نے کہا کہ آج رات میں تیرے پاس سوؤں گی اور تجھے کہانیاں سناؤں گی جو میں نے سنی ہیں اور مجنوں عاشقوں کے قصے بیان کروں گی جو محبت کے مرض میں گرفتار ہیں۔ کان ماکان نے کہا کہ ایسی کہانی سنا جس سے میرا دل خوش اور میرا غم غلط ہو جائے۔ باکون نے کہا کہ بسر و چشم۔ یہ کہہ کر وہ اس کے پہلو میں بیٹھ گئی اور خنجر کو اپنے کپڑوں میں چھپا لیا۔

○ بھنگڑ کی کہانی

بڑھیا نے کہا کہ سب سے زیادہ نفیس کہانی جو میرے کانوں نے سنی ہے یہ ہے کہ ایک شخص خوبصورت عورتوں سے بہت محبت کرتا ہے' حتیٰ کہ اس نے اپنا سارا مال ان پر خرچ کر دیا اور قلاچ فقیر ہو گیا اور دنیا سے تنگ آ گیا اور اپنی روزی کے لیے بازاروں میں بھیک مانگنے لگا۔ ایک دن وہ اسی طرح چلا رہا تھا کہ ایک لوہے کی کیل اس کی انگلی میں چبھ گئی اور اس سے خون بہنے لگا۔ اس نے بیٹھ کر خون پونچھا اور انگلی پر پٹی باندھی اور کراہتا ہوا اٹھا اور ایک حمام کے پاس سے گزرا اور اس کے اندر داخل ہوا اور اپنے کپڑے اتارے۔ جب وہ حمام کے اندر تھا تو اس نے دیکھا کہ وہ کیسا صاف ستھرا ہے اور حوض پر بیٹھ گیا اور اپنے سر پر پانی ڈالنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ تھک گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو تینتالیس ویں رات

جب ایک سو تینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ' وہ حوض پر بیٹھ کر اپنے سر پر پانی ڈالنے لگا یہاں تک کہ وہ تھک گیا اور ٹھنڈے حوض پر پہنچا۔ یہاں کوئی اور نہ تھا اور اس نے اپنے آپ کو اکیلا دیکھ کر ایک ٹکڑا بھنگ کا نکالا اور اسے نگل گیا۔ بھنگ فوراً اس کے سر میں چڑھ گئی اور وہ مرمر کے فرش پر لیٹ گیا اور بھنگ کے اثر سے اسے یہ معلوم ہونے لگا کہ ایک بہت بڑا رئیس اس کے بدن کی مالش کر رہا ہے اور دو غلام اس کے سرہانے کھڑے ہیں' ایک کے ہاتھ میں پانی کا کونڈا ہے اور دوسرے کے پاس حمام کا سامان اور جن چیزوں کو حمامچی کو میرے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے اور یا یہ بھی میری طرح بھنگڑ ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے دونوں پاؤں پھیلا دیئے اور اسے یہ نظر آیا کہ حمامچی اس سے کہتا ہے کہ اے میرے آقا' تیرے نکلنے کا وقت آ گیا ہے اور آج تیری باری ہے۔ اس پر وہ ہنس پڑا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اے بھنگ' ماشاء اللہ! اس کے بعد وہ چپ چاپ بیٹھ گیا اور حمامچی اٹھا اس کی کمر میں سیاہ ریشم کا ایک پٹکا باندھا اور اسے ہاتھ پکڑ کر لے چلا اور دونوں غلام کونڈا اور دیگر سامان لیے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے ہو لیے اور چلتے چلتے ایک کمرے میں پہنچے۔ وہاں انہوں نے خوشبوئیں جلائیں اور اس نے دیکھا کہ وہاں پھل اور عطریات بھری پڑی ہیں۔ اب انہوں نے اس کے لیے ایک تربوز کاٹا اور اسے آبنوس کی کرسی پر بٹھایا اور دونوں غلاموں نے اس پر پانی ڈالنا اور حمامچی نے اسے نہلانا شروع کیا۔ اس کے بعد انہوں نے خوب اس کی مالش کی اور اس سے کہا کہ اے ہمارے آقا وزیر' خدا تجھے ہمیشہ نعمتوں میں رکھے! یہ کہہ کر وہ باہر چلے گئے اور دروازہ بند کر دیا۔

جب اس کے تخیل میں یہ باتیں آئیں تو وہ اٹھا اور پٹکے کو اپنی کمر سے کھولا اور دیر

تک ہنستا رہا یہاں تک کہ ہنستے ہنستے بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ آخر انہیں ہو کیا گیا ہے وہ مجھے وزیر کے نام سے مخاطب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے آقا وزیرا ضرور غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں۔ جب انہیں معلوم ہو گا کہ میں کون ہوں تو وہ کہیں گے کہ یہ تو بھک منگا ہے اور میری گردن پر مکے ماریں گے۔ اب اسے گرمی لگنے لگی اور اس نے دروازہ کھول دیا اور اس کے تخیل میں یہ آیا کہ ایک غلام بچہ اور ایک خادم اس کے پاس آئے۔ غلام کے ہاتھ میں ایک بقچہ تھا اور اس نے اسے کھول کر اس میں تین ریشمی رومال نکالے' ایک کو اس کے سر پر ڈال دیا اور دوسرے کو اس کے کاندھے پر اور تیسرے کو اس کی کمر سے باندھ دیا۔ اس کے بعد خادم اندر آئے اور انہوں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر وہ مارے ہنسی کے لوٹا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ وہاں سے نکل کر ایک دوسرے کمرے میں پہنچا جہاں ایسا بیش قیمت فرش بچھا ہوا تھا جو محض بادشاہوں کی شان کے شایاں ہو سکتا تھا۔ اب غلاموں نے آگے بڑھ کر اسے ایک دیوان پر بٹھایا اور اس کی مالش کرنے لگے یہاں تک کہ اسے نیند آ گئی' جب وہ سو گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی گود میں ایک لڑکی بیٹھی ہوئی ہے۔ اس نے لڑکی کو بوسے دیئے اور اسے اپنی رانوں کے بیچ میں لٹا دیا اور اس کے اوپر اس طرح بیٹھ گیا جیسے کہ مرد عورت کے اوپر بیٹھتا ہے۔ اتنے میں کسی نے اسے آواز دی کہ اے نابکار' اٹھ ظہر کا وقت ہو گیا ہے اور تو ابھی تک سو رہا ہے۔ اس پر وہ جاگ پڑا اور اس نے دیکھا کہ وہ ٹھنڈے حوض میں پڑا ہوا ہے اور لوگ اس کے آس پاس کھڑے ٹھٹھا مار رہے ہیں اور تہہ بند کمر سے کھل گیا ہے۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ پریشان خواب تھا اور بھنگ کے تخیلات تھے اور وہ افسوس کرنے لگا اور جس نے اسے جگایا تھا' اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ کاش کہ میں اتنا اور ٹھہر جاتا ------ لوگوں نے کہا کہ اے بھنگڑ تجھے شرم نہیں آتی کہ تو سو رہا ہے اور اسے اتنا مارا کہ اس کی گردن سرخ پڑ گئی۔ اگرچہ وہ بھوکا تھا لیکن نیند میں اس نے خوب مزے کی چیز چکھی

تھی۔

جب کان ماکان نے کنیز سے یہ کہانی سنی تو مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ گیا' اور باکون سے کہنے لگا کہ اے میری آپا' یہ نہایت عجیب کہانی ہے' ایسی میں نے آج تک نہیں سنی' کیا تجھے اور کوئی کہانی یاد ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں اور وہ کان ماکان کو دوسری خرافات اور مزاحیہ کہانیاں سنانے لگی یہاں تک کہ اسے نیند آ گئی اور کنیز اس کے سرہانے بیٹھی رہی۔ یہاں تک کہ رات کا بڑا حصہ گزر گیا۔ اب اس نے اپنے دل میں کہا کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے اور اٹھ کر خنجر کھینچ لیا اور کان ماکان کی طرف لپکی' چاہتی ہی تھی کہ اسے ذبح کر ڈالے کہ اتنے میں کان ماکان کی ماں آ پہنچی۔ جب باکون نے اسے دیکھا تو اس کا خیر مقدم کیا اور اس پر خوف طاری ہو گیا اور وہ کانپنے لگی گویا کہ اسے بخار چڑھا ہے۔ جب کان ماکان کی ماں نے اسے دیکھا تو اسے تعجب ہوا اور اس نے اپنے بیٹے کو نیند سے جگایا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اس کی ماں وہاں موجود ہے۔ ماں کا آ جانا اس کے زندہ رہنے کا باعث تھا اور وہ اس وجہ سے آئی تھی کہ قضی فکان کو معلوم ہو گیا تھا کہ کان ماکان کے قتل کا مشورہ ہوا ہے اور اس نے اس کی ماں سے کہا تھا کہ چچی' قبل اس کے کہ پتریا باکون اس کو قتل کرے تو وہاں پہنچ جا' اس نے سارا ماجرا شروع سے آخر تک بیان کر دیا تھا۔ ماں بدحواس ہو کر چل کھڑی ہوئی اور اسی وقت پہنچی جب کہ وہ سو چکا تھا اور باکون نے اس کے قتل کی ٹھان لی تھی۔ جب ماں نے جگایا تو وہ کہنے لگا کہ اماں' تو خوب وقت پر آئی کیونکہ میری آپا باکون آج رات میرے پاس ہے اور وہ باکون کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ تجھے میری جان کی قسم' کیا ان کہانیوں سے اور اچھی بھی کوئی کہانی تجھے یاد ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جو میں بیان کر چکی ہوں اس میں اور اس میں جواب بیان کروں گی زمین آسمان کا فرق ہے کیونکہ وہ کہیں زیادہ شیریں ہو گی لیکن وہ کہانی میں کسی اور وقت کہوں گی۔

یہ کہہ کر باکون اٹھ کھڑی ہوئی مگر اسے یقین نہ آتا تھا کہ وہ بچ جائے گی اور کان ماکان نے کہا کہ خدا حافظ۔ باکون تاڑ گئی تھی کہ اس کی ماں کو سارا واقعہ معلوم

ہو گیا ہے اور وہ جلدی سے چلتی ہوئی۔

اب اس کی ماں نے کہا کہ بیٹا' یہ مبارک رات ہے کیونکہ آج رات اس ملعونہ کے ہاتھ سے تیری جان بچ گئی۔ اس نے پوچھا کہ یہ کیونکر؟ ماں نے شروع سے لے کر آخر تک سارا ماجرا بیان کر دیا۔ بیٹے نے کہا کہ اماں جان جس کی قسمت میں زندہ رہنا لکھا ہو' اسے کوئی مار نہیں سکتا اور اگر اسے کوئی قتل بھی کرے تو وہ مرے گا نہیں لیکن مصلحت یہ ہے کہ ہم ان دشمنوں کے پاس سے چلے جائیں اور پھر خدا کی جو مرضی ہو وہ کرے۔

جب صبح ہوئی تو کان ماکان شہر چھوڑ کر وزیر دندان سے جا ملا۔ اس کے جانے کے بعد بادشاہ ساسان اور نزہت الزماں میں کچھ ایسی باتیں پیش آئیں کہ وہ بھی شہر چھوڑ کر ان سے جا ملی اور بادشاہ ساسان کے سارے درباری جو ان لوگوں سے محبت رکھتے تھے' ان سے جا ملے۔ اب سب کے سب بیٹھ کر تدبیریں سوچنے لگے اور اس بات پر سب متفق ہوئے کہ روم کے ملک پر جہاد کر کے بدلہ لیں۔ اب وہ روم کی طرف جنگ کرنے گئے اور روم کے بادشاہ رومزان نے ان کو گرفتار کر لیا اس کی تشریح بہت طول طویل ہے جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا۔ جب صبح ہوئی تو بادشاہ رومزان نے کہا کہ کان ماکان اور وزیر دندان اور اس کے ساتھیوں کو حاضر کیا جائے۔ جب وہ حاضر کئے گئے تو اس نے انہیں اپنے پہلو میں بٹھایا اور حکم دیا کہ دستر خوان بچھائے جائیں اور جب وہ بچھ چکے تو ان سب نے کھایا پیا اور انہیں اطمینان ہوا کیونکہ جب وہ دربار میں طلب کئے گئے تھے تو ان کو موت کا یقین ہو گیا تھا اور وہ ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ہم محض قتل ہونے کے لیے بلائے جا رہے ہیں۔

جب انہیں اطمینان ہو گیا تو بادشاہ نے ان سے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور جب میں نے اسے رہبانوں سے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ سوائے دندان کے

اور کوئی اس کی تعبیر بیان نہیں کر سکتا ہے۔ وزیر نے کہا کہ جہاں پناہ' خیر تو ہے'
تو نے کیا خواب دیکھا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے وزیر میں نے خواب میں دیکھا
ہے کہ اندھے کنوئیں کی طرح ایک گڑھا ہے اور میں اس میں پڑا ہوں اور لوگ
مجھے مار رہے ہیں۔ میں اٹھ کر نکلنا چاہتا ہوں مگر جونہی اٹھتا ہوں گر پڑتا ہوں اور اس
گڑھے سے نکل نہیں سکتا۔ اب میں نے مڑ کر دیکھا تو اس گڑھے میں مجھے سونے کی
ایک پٹی نظر آئی۔ جب میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھایا تو معلوم ہوا کہ ایک نہیں
دو پٹیاں ہیں۔ میں نے دونوں کو کمر سے باندھ لیا اور دونوں ایک ہو گئیں۔ اے وزیر'
یہ میرا خواب ہے اور جس وقت میں نے اسے دیکھا تو میں بڑے مزے میں تھا۔ وزیر
دندان نے کہا کہ اے میرے آقا سلطان' تیرے خواب کی یہ تعبیر ہوئی کہ تیرا
کوئی بھائی یا بھتیجا یا چچیرا بھائی ہے یا کوئی اور رشتے دار ہے جو تیرے ہی گوشت و پوست
سے ہے' بہرحال وہ قریبی رشتے دار ہے۔ جب بادشاہ نے یہ باتیں سنیں تو اس نے کان
ماکان اور نزہت الزماں اور قضی فکان اور وزیر دندان کو نظر اٹھا کر دیکھا اور اپنے دل
میں کہنے لگا کہ اگر میں ان کی گردنیں اڑا دوں تو ان کے مر جانے کی وجہ سے
ان کے لشکر کے دل ٹوٹ جائیں گے اور میں جلد اپنے ملک کو واپس جا سکوں گا تاکہ
کہیں سلطنت میرے ہاتھ سے نہ جاتی رہے۔ جب اس نے یہ ٹھان لی تو جلاد کو بلا کر
حکم دیا کہ کان ماکان کی گردن فوراً اڑا دے۔ اتنے میں بادشاہ کی آیا وہاں پہنچی اور
کہنے لگی کہ اے نیک بخت بادشاہ تو کس سوچ میں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں
اس سوچ میں ہوں کہ اپنے قیدیوں کو قتل کر ڈالوں اور ان کے سروں کو ان کے
لشکر میں پھینک دوں اور اپنے لشکر کے ساتھ ان پر دھاوا بول دوں جو قتل ہوں گے وہ
قتل ہوں گے اور باقی بھاگ جائیں گے اور لڑائی کا فیصلہ ہو جائے گا اور اس سے قبل
میری حکومت میں کوئی حادثہ گزرے' میں وطن واپس پہنچ جاؤں۔

جب آیا نے بادشاہ کی باتیں سنیں تو وہ اس کی طرف مخاطب ہو کر فرنگی زبان میں
کہنے لگی کہ تو یہ کیونکر گوارا کر سکتا ہے کہ خود اپنے بھتیجے اور بہن اور بھانجے کو قتل

کرے۔ جب بادشاہ نے اپنی آیا سے یہ بات سنی تو وہ طیش میں آ گیا اور کہنے لگا کہ اے ملعونہ' کیا تجھے معلوم نہیں کہ میری ماں قتل ہوئی ہے اور میرے باپ کو زہر دیا گیا ہے اور تو نے مجھے ایک ہیرا دیا ہے کہ یہ ہیرا میرے باپ کا ہے۔۔ کیا یہ ساری باتیں جھوٹ ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ' جو کچھ میں نے تجھ سے کہا تھا سچ ہے لیکن میرے اور تیرے واقعات عجیب و غریب ہیں۔ تجھے یہ تو معلوم ہے کہ میرا نام مرجانہ ہے اور تیری ماں ابریزہ تھی جو انتہا درجے کی خوبصورت تھی اور جس کی بہادری ضرب المثل تھی اور شجاعت کی وجہ سے وہ سورماؤں میں مشہور تھی اور تیرا باپ بغداد و خراسان کا فرماں روا بادشاہ عمر بن النعمان تھا۔ اس میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں۔ اس نے اپنے بیٹے کو اس وزیر دندان کے ساتھ ایک جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ انہوں نے جو کچھ کیا سو کیا مگر تیرا بھائی شہزادہ شرکان تنہا لشکر سے آگے نکل گیا اور اس کی ملاقات تیری ماں شہزادی ابریزہ سے محل میں ہو گئی' اس وقت ہم لوگ تیری ماں کے ساتھ کشتی لڑنے کے لیے ایک تنہا جگہ میں آئے ہوئے تھے اور وہاں ہم نے شرکان کو دیکھا جو تیری ماں سے کشتی لڑا اور تیری ماں نے اسے اپنے حسن و شجاعت کی وجہ سے پچھاڑ دیا۔ اس کے بعد تیری ماں نے اسے پانچ دن تک اپنے محل میں مہمان رکھا۔ یہ خبر اس کی دادی شواہی نے جس کا لقب ذات الدواہی تھا اس کے باپ کو پہنچائی۔ تیری ماں تیرے بھائی شرکان کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکی تھی اور وہ اسے چھپا کر بغداد لے گیا اور ریحانہ اور بیس کنیزیں اس کے ساتھ تھیں اور ہم سب شہزادہ شرکان کے ہاتھ پر اسلام لا چکے تھے۔

جب ہم تیرے باپ بادشاہ عمر بن النعمان کے پاس پہنچے اور اس کی نظر تیری ماں شہزادی ابریزہ پر پڑی تو وہ اس پر عاشق ہو گیا اور ایک رات اس کے پاس جا کر اس سے ہم خلوت ہوا اور تیرا حمل رہ گیا۔ تیری ماں کے پاس تین ہیرے تھے جو اس نے تیرے باپ کو دے دیئے تھے۔ اس نے ان میں سے ایک ہیرا اپنی بیٹی نزہت الزماں کو دیا اور دوسرا تیرے بھائی ضوء المکان کو اور تیسرا تیرے بھائی شہزادہ شرکان کو۔ شرکان

سے وہ ہیرا شہزادی ابریزہ نے لے لیا اور تیرے لیے اٹھا رکھا۔ جب ولادت کا زمانہ قریب ہوا تو تیری ماں کو اپنے خاندان والوں سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا اور اس نے اس کا ذکر مجھ سے کیا اور میں ایک حبشی غلام کے پاس گئی جس کا نام غضبان تھا اور اسے چپکے سے سارا ماجرا کہہ سنایا اور اسے اس بات پر آمادہ کیا کہ ہمارے ساتھ سفر کرے۔ وہ غلام ہمیں لے کر شہر سے بھاگ نکلا۔ اب تیری ولادت کا زمانہ قریب تھا۔۔ جب ہم اپنے ملک کی سرحد کے قریب ایک تنہا جگہ میں پہنچے تو تیری ماں کو زہ کا درد محسوس ہوا اور غلام کے دل میں برا خیال پیدا ہوا اور جب وہ اس کے پاس آیا اور اس سے بدفعلی کرنا چاہتا تھا تو اس نے غلام کو زور سے ڈانٹا اور سہم گئی اور اس ڈر کی وجہ سے فوراً تیری ولادت ہو گئی۔ اسی وقت جنگل میں ہمارے ملک کی طرف سے ایک گرد اٹھتی دکھائی دی جو اڑ کر اتنی بلند ہوئی کہ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ غلام کو اپنی جان کا ڈر لگا اور اس نے شہزادی ابریزہ پر تلوار سے وار کیا اور اسے قتل کر ڈالا کیونکہ اسے طیش آ گیا تھا اور گھوڑے پر چڑھ کر فوراً چلتا بنا۔ جب گرد ہٹی تو اس میں سے تیرا نانا بادشاہ خردوب روم کا حکمران دکھائی دیا۔ جب اس کی نظر اپنی بیٹی' تیری ماں' پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ وہ قتل کی ہوئی زمین پر پڑی ہے تو اسے بہت صدمہ ہوا اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ وہ کس طرح قتل ہوئی اور اپنے باپ کے ملک سے کیوں بھاگ آئی؟ اس پر میں نے شروع سے آخر تک سارا ماجرا بیان کر دیا' اور یہی ہے سبب رومیوں اور بغدادیوں کے درمیان عداوت کا۔ اب ہم نے تیری مقتول ماں کو لے جا کر دفن کیا اور میں نے تجھے لے جا کر تیری پرورش کی اور جو ہیرا شہزادی ابریزہ کے پاس تھا اسے تیرے گلے میں ڈال دیا۔ جب تو بڑا ہو کر بالغ ہوا اس وقت بھی میرے لیے ناممکن تھا کہ تجھے اصلی حالت سے مطلع کروں کیونکہ اگر میں یہ ساری باتیں بیان کرتی تو تمہارے درمیان جنگ ہو جاتی اور دوسری بات یہ ہے کہ تیرے نانا نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ان باتوں کو پوشیدہ رکھوں۔ پھر میری کیا مجال تھی کہ میں روم کے بادشاہ خردوب کی نافرمانی کر سکوں! بس یہی وجہ ہے کہ میں نے تجھے

اس بات سے مطلع نہیں کیا بادشاہ عمر بن النعمان تیرا باپ ہے۔ میرا خیال تھا کہ جب تیرے ہاتھ میں حکومت آ جائے گی تو میں تجھ سے بیان کر دوں گی' مگر اے جہاں پناہ مجھے آج سے پہلے اس بات کا موقع نہیں ملا کہ میں تجھ سے بیان کر دوں۔ بس یہی باتیں میرے دل کے اندر تھیں جو میں نے اب تجھ پر ظاہر کر دی ہیں۔ اب تو جو بہتر سمجھتا ہے کر۔

تمام قیدی بادشاہ کی آیا کنیز مرجانہ کی یہ باتیں سن رہے تھے۔ اس پر نزہت الزماں نے زور سے ایک چیخ ماری اور کہنے لگی کہ یہ بادشاہ رومزان میرا بھائی اور میرے باپ عمر بن النعمان کا بیٹا ہے اور اس کی ماں روم کے بادشاہ خردوب کی بیٹی شہزادی ابریزہ ہے! میں اس کی کنیز مرجانہ کو خوب پہچانتی ہوں۔ بادشاہ رومزان یہ سن کر حیران ہو گیا اور اپنا قصہ سن کر اسے سخت حیرانی ہوئی اور اس نے فوراً نزہت الزماں کو اپنے پاس بلایا جب بادشاہ نے اس کی طرف دیکھا تو خون کی کشش خون کی طرف ہونے لگی اور اس نے اس سے اپنا قصہ پوچھا۔ نزہت الزماں نے ہو بہو وہی قصہ بتایا جو بادشاہ کی آیا مرجانہ نے بیان کیا تھا۔ اب بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ وہ عراقی ہے' اس میں شک و شبہے کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ کہ اس کا باپ بادشاہ عمر بن النعمان' اس پر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اپنی بہن نزہت الزماں کی بیڑیاں کھول دیں۔ یہ دیکھ کر وہ آگے بڑھی اور اس نے بادشاہ کے ہاتھ چومے اور رونے لگی۔ اسے روتا دیکھ کر بادشاہ بھی رو پڑا اور برادرانہ محبت اس کے دل میں بیٹھ گئی اور اپنے بھتیجے کان ماکان کی طرف بھی اس کے دل میں کشش ہونے لگی اور وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے جلاد کے ہاتھ سے تلوار لے لی۔ اس پر قیدیوں کو یقین ہو گیا کہ اب ہم مارے گئے۔ ادھر ان کا خیال تھا اور ادھر بادشاہ نے ان کو اپنے پاس بلا کر ان کی بیڑیاں کھول دیں اور اپنی آیا مرجانہ سے کہا کہ جو قصہ تو نے مجھے سنایا ہے انہیں بھی سنا۔ مرجانہ نے کہا کہ اے بادشاہ' یہ بوڑھا شخص وزیر دندان ہے اور وہ میرا سب سے بڑا گواہ ہے کیونکہ وہ تمام باتوں سے ٹھیک ٹھیک واقف ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ان لوگوں اور

رومی اور فرنگی بادشاہوں کے سامنے جو وہاں موجود تھے ساری باتیں دہرائیں اور نزہت الزماں اور وزیر دندان اور ان کے سامنے جتنے قیدی تھے سب نے اس کی تصدیق کی۔

اس گفتگو کے بعد کنیز مرجانہ کی نظر کان ماکان پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ اس کے گلے میں وہ ہیرا پڑا ہوا ہے جس کی طرح کے دو ہیرے شہزادی ابریزہ کے پاس تھے۔ اسے پہچان کر مرجینا ایسی زور سے چیخ اٹھی کہ تمام ہوا گونج گئی اور وہ بادشاہ سے کہنے لگی کہ بیٹا' اب میرا یقین اور بھی بڑھ گیا کیونکہ یہ ہیرا جو اس قیدی کے گلے میں ہے اس دوسرے ہیرے کی طرح ہے جو میں نے تیرے گلے میں ڈالا تھا اور یہی قیدی تیرا بھتیجا ہے اور اس کا نام کان ماکان ہے یہ کہہ کر مرجانہ کان ماکان کی طرف متوجہ ہوئی اور اس سے کہنے لگی کہ جہاں پناہ ذرا یہ ہیرا مجھے دکھا اس نے وہ ہیرا گلے سے اتار کر اس کنیز کو دے دیا جو بادشاہ رومزان کی آیا تھی۔ جب وہ اس ہیرے کو لے چکی تو اس نے نزہت الزماں سے تیسرے ہیرے کے متعلق دریافت کیا' اور اس نے تیسرا ہیرا بھی اسے دے دیا۔ دونوں ہیرے اس کے ہاتھ میں آ گئے تو اس نے انہیں بادشاہ رومزان کے سامنے پیش کیا اور اسے یقین آ گیا کہ سارا ماجرا سچ ہے اور اسے اس بات کی تحقیق ہو گئی کہ وہ بادشاہ کان ماکان کا چچا ہے اور بادشاہ عمر بن النعمان اس کا باپ ہے۔ اب وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور وزیر دندان کو گلے لگا لیا اور پھر بادشاہ کان ماکان کو گلے لگایا اور ہر طرف سے خوشی کے نعرے بلند ہونے لگے۔

یہ خوش خبری فوراً چاروں طرف پھیل گئی اور نقارے اور ڈھول بجنے لگے اور بانسریوں کی آوازیں آنے لگیں اور لوگ خوشیاں منانے لگے۔ جب عراق اور شام کے لشکروں نے سنا کہ رومیوں کی طرف سے خوشی کی آوازیں آ رہی ہیں تو وہ سب کے سب گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ حتیٰ کہ ملک زبل خان بھی سوار ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا جانے کہ فرنگی اور رومی لشکر کیوں خوشی کے نعرے مار رہے ہیں! عراقی لشکر آگے بڑھا اور انہوں نے جنگ کا تہیہ کر لیا اور اس میدان میں آ گئے جو لڑائی اور نیزہ بازی کی جگہ تھی۔ جب بادشاہ رومزان کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ

لشکر آگے بڑھ رہے ہیں اور لڑائی کے لیے تلے ہوئے ہیں۔ اس نے لوگوں سے اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس پر اس نے اپنی بھتیجی قصٰی فکان سے کہا کہ فوراً شام اور عراق کے لشکروں کے پاس جا کر انہیں سارے واقعے سے مطلع کر اور یہ کہ بادشاہ رومزان کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ وہ بادشاہ کان ماکان کا چچا ہے۔ قصٰی فکان خوش ہو کر روانہ ہوئی اور ملک زبل خان کے پاس پہنچ کر اسے سلام کیا اور اس سے سارا واقعہ بیان کیا اور یہ کہ اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بادشاہ رومزان اس کا اور کان ماکان کا چچا ہے۔ جب وہ اس کے پاس پہنچی تو وہ رو رہا تھا اور امرا اور اراکین کے متعلق وہ ڈر رہا تھا۔ جب اس نے سارا ماجرا شروع سے آخر تک بیان کیا تو سب کا غم غلط ہو گیا اور وہ خوش ہو گئے اور ملک زبل خاں اور تمام امرا اور اراکین سوار ہو گئے اور قصٰی فکان ان کے آگے آگے روانہ ہو کر ان کو بادشاہ رومزان کے سرا پردے میں لے گئی جب وہ اس کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ اور اس کا بھتیجا بادشاہ کان ماکان کے ساتھ بیٹھے ہیں اور وہ وزیر دندان سے ملک زبل خان کے متعلق مشورہ کر رہا ہے اور دونوں اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ اسے دمشق سپرد کر دیا جائے اور وہ پہلے کی طرح اس کا حاکم رہے اور باقی سب لوگ عراق جائیں۔ لہٰذا انہوں نے زبل خان کو دمشق کا حاکم بنا دیا اور اسے وہاں جانے کا حکم دے دیا جو اپنا لشکر لے کر دمشق روانہ ہو گیا اور وہ لوگ اسے رخصت کرنے کچھ دور تک اس کے ساتھ گئے اور پھر واپس آ گئے اور لشکروں کو عراق کی طرف کوچ کا حکم دے دیا اور دونوں لشکر شیر و شکر ہو گئے۔

اب بادشاہ نے آپس میں کہا کہ ہمارے دلوں کو اس وقت تک اطمینان نہ ہو گا اور ہمارا غصہ اس وقت تک ٹھنڈا نہ ہو گا جب تک کہ ہم بڑھیا شواہی سے جس کا لقب ذات الدواہی ہے' بدلہ نہ لے لیں اور اپنا دھبہ نہ دھو لیں۔ اب بادشاہ رومزان اپنے امرا اور اراکین کو لے کر روانہ ہو گیا اور سلطان کان ماکان اپنے چچا بادشاہ رومزان سے بڑا خوش تھا اور کنیز مرجانہ کو دعائیں دیتا تھا کہ اس نے ایک دوسرے کو آپس

میں پہچنوا دیا۔ اب وہ کوچ کرتے کرتے اپنے ملک میں پہنچے۔ جب بڑے حاجب سامان کو یہ خبر ملی تو وہ شہر سے نکلا اور اس نے بادشاہ رومزان کے ہاتھ چومے اور اس نے حاجب کو خلعت عطا کیا۔ اس کے بعد بادشاہ رومزان بیٹھا اور اس نے اپنے بھتیجے بادشاہ کان ماکان کو اپنے پہلو میں بٹھایا۔ کان ماکان نے اپنے چچا بادشاہ رومزان سے کہا کہ اے چچا' یہ ملک اب سوائے تیرے اور کسی کے قابل نہیں ہے مگر اس نے جواب دیا کہ معاذ اللہ میں تیری حکومت میں حصہ دار بنوں۔ وزیر دندان نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں برابر کے حکمران ہوں اور ہر ایک' ایک ایک دن حکومت کرے۔ اس پر دونوں راضی ہو گئے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو چوالیسویں رات

جب ایک سو چوالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ دونوں اس بات پر متفق ہو گئے کہ ایک دن ایک حکومت کرے گا اور ایک دن دوسرا۔ اس کے بعد انہوں نے دعوتیں دیں اور قربانیاں کیں اور خوشیاں منائیں اور ایک مدت اسی طرح گزاری۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر کان ماکان راتیں اپنی چچیری بہن قضی فکان کے ساتھ بسر کرتا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ اپنی حالت کی بہتری پر بیٹھے خوشی منا رہے تھے کہ انہیں گرد اٹھتی دکھائی دی جو اڑ کر بلند ہوئی اور چاروں طرف اندھیرا چھا گیا اور ایک سوداگر چلاتا ہوا اور دہائی مانگتا ہوا وہاں پہنچا اور کہنے لگا کہ جہاں پناہو' یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ کافروں کے ملک سے تو میں صحیح و سلامت گزروں اور تمہارے ملک جو عدل و امان کا ملک ہے لوٹ لیا جاؤں۔ بادشاہ رومزان نے آگے بڑھ کر اس کا حال پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں ایک تاجر ہوں اور وطن چھوڑے ہوئے مجھے زمانہ ہو گیا ہے۔ بیس سال سے میں مختلف ملکوں کا سفر کر رہا ہوں۔ میں دمشق سے ایک خط لایا ہوں جو مرحوم شہزادہ شرکان کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اسے ایک کنیز پیش کش کی تھی۔ جب میں ہندوستان کی نایاب چیزوں کے سو بوجھے لے کر اس ملک میں داخل ہوا اور بغداد کے قریب پہنچا جو تمہاری حکومت کا دارالسلطنت ہے اور امن اور انصاف کی جگہ ہے تو ہمارے اوپر بدوؤں اور کردوں کا ایک جتھہ ٹوٹ پڑا جو مختلف جگہوں سے آ کر جمع ہوئے تھے اور انہوں نے میرے غلاموں کو مار ڈالا اور میرا مال لوٹ لیا۔ بس یہ ہے تشریح میرے حال کی۔ یہ کہہ کر وہ سوداگر بادشاہ رومزان کے آگے رونے لگا اور کمر ٹیک کر فریاد کرنے لگا۔ بادشاہ کو اس پر ترس آیا اور اس کا دل پسیج گیا۔ اسی طرح اس کے بھتیجے بادشاہ کان ماکان کو بھی اس پر رحم آیا اور انہوں نے قسم کھائی کہ ہم ان ڈاکوؤں کا پیچھا کریں گے۔

یہ کہہ کر وہ سو سواروں کو لے کر نکل کھڑے ہوئے جن میں ایک' ایک' ہزاروں کا جواب تھا۔ تاجر آگے آگے چلتا اور انہیں راستہ بتاتا جاتا تھا۔ اس طرح وہ دن بھر اور رات بھر چلتے رہے اور دوسری صبح کو وہ ایک وادی میں پہنچے جہاں نہریں بہہ رہی تھیں اور بہت سے درخت تھے۔ وہاں انہوں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس تاجر کا مال آپس میں تقسیم کر کے ادھر ادھر پڑے ہوئے تھے مگر کچھ سامان ابھی باقی تھا۔

اب سو سواروں نے ان پر دھاوا بول دیا اور انہیں چاروں طرف سے آ گھیرا اور بادشاہ رومزان اور اس کے بھتیجے بادشاہ کان ماکان نے نعرے بلند کئے اور ذرا سی دیر میں ان سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان کی تعداد تین سو سوار کے قریب تھی۔ جن میں طرح طرح کے بدمعاش بدو شامل تھے۔ جب وہ سب گرفتار ہو گئے تو سوداگر کا جو مال ان کے پاس تھا وہ سب ان سے چھین لیا گیا اور ان کی مشکیں باندھ کر انہیں بغداد لے چلے۔

اب بادشاہ رومزان اور اس کا بھتیجا بادشاہ کان ماکان ساتھ ساتھ ایک تخت پر بیٹھے اور سب ڈاکو ان کے سامنے پیش کئے گئے اور انہوں نے ان سے ان کا ماجرا پوچھا اور یہ کہ ان کے سردار کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے سردار محض تین تین ہیں اور انہوں نے ہمیں مختلف ملکوں اور جگہوں سے اکٹھا کیا ہے۔ دونوں بادشاہوں نے کہا کہ بتاؤ وہ کون کون ہیں اور انہوں نے بتایا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ انہیں روک لیا جائے اور باقیوں کو چھوڑ دیا جائے اور ان کا تمام مال لے کر سوداگر کو واپس دے دیا جائے۔ جب سوداگر نے اپنے کپڑوں اور مال کا جائزہ لیا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کا ایک چوتھائی حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ بادشاہ نے اس سے وعدہ کیا کہ جو مال ضائع ہو چکا ہے وہ اس کا ڈنڈ بھر دیں گے۔

اب سوداگر نے دو خط نکالے' ایک تو شرکان کے قلم سے لکھا ہوا تھا اور دوسرا نزہت الزماں کے قلم کا۔ یہ وہی سوداگر تھا جس نے نزہت الزماں کو بدو کے ہاتھ سے خریدا تھا جب کہ وہ لڑکی تھی اور اسے شرکان کے ہاتھ بیچا تھا اور اس کا اور اس کے بھائی کا ماجرا بیان کیا جا چکا ہے۔ بادشاہ کان ماکان نے دونوں خطوں کو غور سے دیکھا اور

اپنے چچا شرکان کا خط پہچان لیا اور چونکہ اسے اپنی پھوپھی نزہت الزماں کی سرگزشت سے آگاہی تھی لہٰذا وہ دوسرا خط لے کر جو اس سوداگر کو دیا تھا جس کا مال لوٹا گیا تھا اس کے پاس گیا اور اس سے سوداگر کا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کیا۔

نزہت الزماں کو اس سوداگر کی یاد آ گئی اور اس نے اپنا خط پہچان لیا اور سوداگر کو کھانا بھیجا اور اپنے بھائی بادشاہ رومزان اور اپنے بھتیجے بادشاہ کان ماکان سے کہا کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ کان ماکان نے حکم دیا کہ اسے بہت سا مال اور حبشی اور گورے غلام دیئے جائیں کیونکہ اس نے بڑی خدمت کی ہے اور نزہت الزماں نے اسے ایک لاکھ درہم بھیجے اور پچاس بوجھے سوداگری کے مال کے اور بہت سے تحفے تحائف' اور اسے اپنے پاس بلایا۔ جب وہ حاضر ہوا تو وہ اس کے سامنے آئی اور اسے سلام کیا اور اس سے کہا کہ میں بادشاہ عمر بن النعمان کی بیٹی ہوں اور بادشاہ رومزان میرا بھائی ہے اور بادشاہ کان ماکان میرا بھتیجا۔ سوداگر یہ سن کر نہایت خوش ہوا اور اسے اس کی سلامتی اور بھائی سے ملنے پر مبارک باد دی اور اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اس کا شکریہ ادا کیا اور اس سے کہا کہ واللہ تیری نیکی بے کار نہیں گئی۔ یہ کہہ کر وہ حرم سرا میں چلی گئی اور سوداگر تین دن تک ٹھہر کر ان سے رخصت ہوا اور شام کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب دونوں بادشاہوں نے ان تینوں شخصوں کو طلب کیا جو ڈاکوؤں کے سردار تھے اور ان سے ان کا حال پوچھا۔ اس پر ان میں سے ایک نے آگے آ کر کہا کہ میں بدو ہوں اور میرا پیشہ یہ ہے کہ میں چھوٹے بچوں اور کنواری لڑکیوں کی گھات میں لگا رہتا ہوں اور انہیں چرا کر سوداگروں کے ہاتھ بیچتا ہوں۔ ایک مدت تک میرا یہی کام رہا مگر کچھ دن ہوئے کہ مجھے شیطان نے بہکایا اور میں ان دونوں بدذاتوں کے ساتھ مل کر بدمعاش بدوؤں اور شہریوں کو جمع کرنے لگا' تاکہ ہم لوگ سوداگروں پر ڈاکہ ڈالیں اور ان کا مال لوٹیں۔ بادشاہوں نے اس سے کہا کہ لڑکیوں اور لڑکوں کے چرانے کے سلسلے میں جو عجیب ترین واقعہ تجھے پیش آیا ہو اسے سنا۔ اس نے کہا کہ جہاں پناہو' جو عجیب

ترین واقعہ میرے ساتھ پیش آیا وہ یہ ہے کہ بائیس سال ہوئے کہ ایک دن میں نے بیت المقدس سے ایک لڑکی چرائی تھی جو نہایت حسین و جمیل تھی مگر تھی وہ نوکرانی اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھی اور اس کے سر پر ایک ٹکڑا عبا کا پڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے ایک سرائے سے نکلتے دیکھا اور فوراً فریب دے کر اسے اڑا لے گیا اور اونٹ پر بٹھا کر چلتا ہوا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں اسے لے کر اپنے گھر جاؤں گا جو ریگستان میں ہے اور وہ اونٹ چرائے اور وادی میں مینگنیاں جمع کرے۔ مگر وہ زار و قطار رونے لگی اور میں نے اس کے پاس جا کر اسے خوب مارا اور اسے لے کر دمشق چلا گیا۔ وہاں ایک سوداگر نے اسے میرے ساتھ دیکھا اور وہ اسے دیکھ کر دنگ ہو گیا اور اس کی شیریں کلامی اسے بہت پسند آئی اور اس نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ وہ اس لڑکی کو مجھ سے خرید لے۔ وہ اس کے دام برابر بڑھاتا جاتا تھا یہاں تک کہ میں نے اسے ایک لاکھ درہم میں اس کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ جب میں اسے بیچ چکا تو مجھے اس کی شیریں بیانی کا تجربہ ہوا اور اس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ سوداگر نے اسے عمدہ سے عمدہ کپڑے پہنا کر اسے دمشق کے والی کے پیش کش کیا اور والی نے اسے اس کی قیمت سے دونی دی جو اس نے مجھے دی تھی۔ جہاں پناہو یہ ہے عجیب ترین قصہ جو میرے ساتھ پیش آیا اور میری جان کی قسم وہ قیمت بھی اس لڑکی کے مقابلے میں بہت کم تھی۔

جب بادشاہوں نے یہ قصہ سنا تو ان کو تعجب ہوا اور جب نزہت الزماں نے بدو کی زبانی قصہ سنا تو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور اس نے چلا کر اپنے بھائی رومزان سے کہا کہ یہی وہ بدو ہے جو بیت المقدس سے مجھے چرا لے گیا تھا۔ اس میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں۔ اس کے بعد نزہت الزماں نے ان لوگوں سے تمام تکلیفوں اور مار اور بھوک اور ذلت اور توہین کا ذکر کیا جو اسے اس بدو کے ہاتھوں سے دیس میں پہنچی تھیں اور کہنے لگی کہ اب میرے لیے اس کا قتل کرنا جائز ہے۔ یہ کہہ کر اس نے تلوار کھینچ لی اور بدو کی طرف بڑھی تاکہ اسے قتل کر دے مگر بدو چلایا اور کہنے لگا

کہ جہاں پناہو' اسے میرے قتل سے روک لو جب تک کہ میں ایک عجیب و غریب ماجرا نہ بیان کر لوں۔ اس کے بھتیجے کان ماکان نے کہا کہ پھوپھی' پہلے اسے اپنا قصہ بیان کر لینے دے اس کے بعد جو تیرا جی چاہے' کیجیو۔ یہ سن کر اس نے اپنا ہاتھ روک لیا اور بادشاہوں نے بدو سے کہا کہ اب ماجرا سنا۔ اس نے کہا کہ جہاں پناہو' اگر میں عجیب و غریب قصہ سناؤں تو تم مجھے معاف کر دو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔

○ حماد بدو کی کہانی

بدو نے اپنا عجیب ترین قصہ کہنا شروع کیا کہ تھوڑے زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک رات مجھے بالکل نیند نہ آتی تھی اور مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صبح کبھی نہ ہو گی۔ جب صبح ہوئی تو میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور تلوار لگائی اور گھوڑے پر سوار ہوا اور نیزہ ٹیکا اور سیر و شکار کے لیے چل دیا۔ راہ میں مجھے کچھ لوگ ملے اور انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تو کہاں جا رہا ہے؟ جب میں نے ان پر اپنا ارادہ ظاہر کیا تو کہنے لگے کہ ہم بھی تیرے ساتھ ہیں اور ہم سب ایک ساتھ روانہ ہوئے۔ ابھی ہم جا ہی رہے تھے کہ ہمیں ایک شتر مرغ دکھائی دیا اور ہم اس کی طرف بڑھے لیکن وہ پر کھول کر بھاگا اور ظہر کے وقت تک بھاگتا رہا اور ہم اس کے پیچھے لگے رہے یہاں تک کہ ہم ایک بیابان میں پہنچے' جہاں نہ سبزہ تھا اور نہ پانی سوائے سانپوں کی کنکناہٹ اور جنوں کے شور اور بھوتوں کے غل کے اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ جب ہم اس جگہ پہنچے تو وہ شتر مرغ غائب ہو گیا اور ہمیں یہ پتہ بھی نہ چلا کہ وہ آسمان کی طرف اڑ گیا یا زمین پھٹ گئی اور وہ اس میں سما گیا۔ اس لیے ہم نے گھوڑوں کی بھاگیں پھیر دیں اور واپسی کا تہیہ کر لیا لیکن اب ہم کیا دیکھتے ہیں کہ ایسی گرمی میں واپس ہونا سخت مضر ہے کیونکہ سورج کی تپش بڑھتی تھی اور ہمیں سخت پیاس لگی ہوئی تھی اور ہمارے گھوڑے ہمت ہار چکے تھے اور ہمیں موت کا یقین آ چکا تھا۔ ہم اسی سوچ و بچار میں تھے کہ ہمیں

دور سے ایک وسیع سبزہ زار نظر آیا جہاں ہرن چوکڑی بھر رہے تھے اور اس میں ایک خیمہ لگا ہوا تھا اور خیمے کے بازو میں ایک گھوڑا بندھا ہوا تھا اور ایک گڑے ہوئے بھالے کا پھل چمک رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ہماری جان میں جان آئی اور ناامیدی جاتی رہی اور ہم نے گھوڑوں کا منہ اس خیمے کی طرف پھیر دیا تاکہ ہم اس سبزہ زار اور نہر کی طرف جائیں۔ اب ہم سب ادھر چل دیئے مگر میں سب کے آگے تھا یہاں تک کہ ہم سبزہ زار میں پہنچ گئے۔ وہاں ہم ایک کنوئیں پر ٹھہر گئے اور پانی پیا اور گھوڑوں کو پانی پلایا۔ یہ خیال کر کے دیکھوں تو سہی کہ اس خیمے میں کیا ہے' میں اس کے دروازے پر پہنچ گیا اور کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک نوجوان بیٹھا ہوا ہے جس کی داڑھی مونچھیں بھی نہیں نکلی ہیں گویا کہ وہ نیا چاند ہے اور اس کے داہنی طرف ایک نازک بدن لڑکی بیٹھی ہوئی ہے گویا وہ بید کی شاخ ہے۔

جب میری نظر اس لڑکی پر پڑی تو میں اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا اور میں نے جوان کو سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔ اب میں نے کہا کہ اے عرب کے سردار بتا کہ تو کون ہے اور یہ لڑکی جو تیرے پاس بیٹھی ہے' تیری کیا لگتی ہے؟ یہ سن کر جوان نے اپنا سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا کہ پہلے تو بتا کہ تو کون ہے اور تیرے ساتھ یہ سوار کس لیے آئے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ میرا نام حماد بن انفزاری ہے اور میں مشہور سوار ہوں اور عربوں میں میرا شمار پانچ سو سواروں کے برابر ہے۔ ہم لوگ سیر و شکار کے لیے نکلے تھے اور ہمیں پیاس لگی تو ہم اس خیمے کے دروازے پر آئے تاکہ تمہارے یہاں ہمیں شاید ایک گھونٹ پانی مل جائے۔

جب اس نے میری باتیں سنیں تو وہ حسین لڑکی کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اس شخص کے لیے پانی اور جو کچھ کھانا حاضر ہو لا۔ لڑکی اپنا دامن کھینچتی ہوئی اٹھی اور سونے کی پازیبیں اس کے پاؤں میں چھم چھم کرتی تھیں اور اس کے بالوں میں اس کے پاؤں انکتے جاتے تھے۔ اس طرح سے وہ چل دی اور تھوڑی دیر کے بعد لوٹی اور

اس کے داہنے ہاتھ میں ایک چاندی کا برتن تھا جس میں ٹھنڈا پانی بھرا ہوا تھا اور اس کے بائیں ہاتھ میں ایک پیالہ تھا جس میں کھجوریں اور دودھ اور جنگلی جانوروں کا گوشت تھا۔ میں اس لڑکی پر اتنا فریفتہ تھا کہ نہ اس کے ہاتھ سے کھانا لے سکتا تھا اور نہ پانی۔ جب میں کھا پی چکا تو میں نے نوجوان سے کہا کہ اے عرب سردار' میں تو اپنا حال تجھے سنا چکا' اب میں چاہتا ہوں کہ تو اپنا حال بتائے اور اپنا قصہ سنائے۔ جوان نے کہا کہ یہ لڑکی میری بہن ہے۔ میں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اسے مجھ سے اپنی خوشی سے بیاہ دے ورنہ میں تجھے قتل کر کے اسے زبردستی لے جاؤں گا۔

یہ سن کر جوان نے اپنا سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر کہنے لگا کہ تو نے یہ ضرور سچ کہا ہے کہ تو مشہور سوار اور معروف سورما ہے اور تو بن کا شیر ہے۔ لیکن اگر تم دھوکے بازی سے مجھ پر حملہ کر کے مجھے قتل کر ڈالو گے اور میری بہن کو لے جاؤ گے تو یہ تمہارے لیے عیب کی بات ہے اور اگر تم ایسے ہی ہو جیسا کہ کہتے ہو کہ شہسوار ہو اور تمہارا شمار بہادروں میں ہوتا ہے اور تم جنگ و جدل سے ڈرتے نہیں تو اتنا ٹھہر جاؤ کہ میں ہتھیار لگا لوں اور تلوار کمر سے باندھ لوں اور نیزے کو سیدھا کر لوں اور گھوڑے پر سوار ہو لوں تو ہم تم میدان میں نکلیں گے۔ مگر میں کامیاب ہوا تو میں تم سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا اور اگر میدان تمہارے ہاتھ رہا اور تم نے مجھے قتل کر دیا تو یہ لڑکی میری بہن تمہاری ملکیت ہے۔

جب میں نے اس کی یہ باتیں سنیں تو میں نے کہا کہ واقعی یہ انصاف کی بات ہے اور ہم اس سے متفق ہیں۔ اس لڑکی کی محبت کا جنون مجھ پر زیادہ سوار ہو گیا تھا تاہم میں نے گھوڑے کو پیچھے پھیر لیا اور اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر اس کے حسن و جمال کی تعریف کی اور کہا کہ جو جوان اس کے ساتھ ہے وہ بھی بڑا خوبصورت اور قوی دل ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک ہزار سواروں کے برابر ہے۔ اس کے بعد میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ خیمے کے اندر کس قدر مال و دولت اور کیسے کیسے تحائف ہیں اور یہ کہ اگر یہ جوان بہت بڑا بہادر نہ ہوتا تو اس جگہ آ کر اکیلا نہ رہتا۔ پھر

میں نے کہا کہ ہم میں سے جو کوئی اس جوان کو قتل کرے' وہی اس کی بہن کو لے جائے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہمیں منظور ہے۔ یہ کہہ کر میرے ساتھی ہتھیار لگا کر اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اس جوان کی طرف روانہ ہو گئے اور انہوں نے دیکھا کہ وہ بھی ہتھیار لگا چکا ہے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو چکا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کی بہن اس کی طرف دوڑی اور اس کی رکاب میں لپٹ گئی اور اس کا برقع آنسوؤں سے تر ہو گیا اور اس خوف سے کہ کہیں اس کا بھائی مارا نہ جائے وہ واویلا کرنے لگی۔ اس کا بھائی بھی یہ سن کر رونے لگا اور اس نے اپنے گھوڑے کا منہ اس کی طرف پھیر کر کہا کہ بہن' جو کچھ میں تجھ سے کہتا ہوں اور تجھے نصیحت کرتا ہوں اسے سن۔ اس نے جواب دیا کہ سر آنکھوں پر۔ جوان نے کہا کہ اگر میں مارا جاؤں تو تو اپنے آپ کو کسی کے سپرد مت کیجیو۔ اس پر لڑکی اپنا منہ پیٹنے لگی اور اس نے کہا کہ خدا نہ کرے کہ تو مرا پڑا ہو اور میں دشمنوں کے قبضے میں ہوں۔ یہ سن کر جوان نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا اور اس کی نقاب اٹھا دی اور ایسا معلوم ہوا کہ بادلوں میں سے سورج نکل آیا۔ اس نے اپنی بہن کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس سے رخصت ہوا۔

اس کے بعد وہ ہماری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے سوارو' تم مہمان بن کر آئے ہو یا شمشیر زنی اور نیزہ بازی کا ارادہ رکھتے ہو؟ اگر تم مہمان بننا چاہتے ہو تو خوش ہو کہ تمہارے لیے میزبانی کا سامان موجود ہے اور اگر تمہیں اس چمکتے ہوئے چاند کا لالچ ہے تو ایک ایک کر کے میدان میں آؤ اور جنگ اور نیزہ بازی کا فن دکھاؤ۔ یہ سن کر ایک بہادر سوار نکلا جوان نے پوچھا کہ تیرا اور تیرے باپ کا کیا نام ہے؟ کیونکہ میں نے قسم کھائی ہے کہ میں اس شخص کو قتل نہ کروں گا جو میرا ہم نام ہو اور جس کا باپ میرے باپ کا ہم نام ہو۔ اگر تجھ میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں تو میں یہ لڑکی تیرے حوالے کر دوں گا۔ سوار نے کہا کہ میرا نام بلال ہے اور پھر دونوں ایک دوسرے پر وار کرنے لگے اور جوان نے اس کے سینے پر ایک نیزہ مارا کہ اس کی نوک

پیٹھ سے نکل آئی۔ اب دوسرا سوار اس کے مقابلے میں آیا اور جوان نے ذرا سی دیر میں اسے بھی لہولہان کر دیا اور کہنے لگا کہ اب کون آتا ہے؟ اس پر ایک اور سوار نکلا مگر اس کے سینے پر بھی جوان نے ایسا نیزہ مارا کہ اس کا پھل اس کی پیٹھ سے نکل آیا۔ جوان نے پھر کہا کہ اب کون نکلتا ہے؟ اب چوتھا سوار نکلا اور جوان نے اس کا نام پوچھا تو اس نے کہا کہ ہلال اور دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے اور تلواریں چلنے لگیں لیکن جوان کا ہاتھ پہلے پڑا اور اس نے اسے بھی قتل کر دیا۔ الغرض جو اس کے مقابلے میں آتا گیا وہ قتل ہوتا گیا۔

جب میں نے دیکھا کہ میرے ساتھی سب قتل ہو چکے تو میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر میں نے اس کا مقابلہ کیا تو میں بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکوں گا اور اگر بھاگا تو عربوں میں میری سخت بدنامی ہو گی لیکن جوان نے مجھے ذرا بھی مہلت نہ دی اور میری طرف لپک کر اس نے مجھے اپنے ہاتھ سے پکڑا اور زمین پر گرا دیا اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اب اس نے تلوار اٹھائی اور چاہتا تھا کہ میری گردن اڑا دے مگر میں اس کے دامن سے چمٹ گیا اور اس نے مجھے اپنے ہاتھ میں لٹکا لیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں اس کے پاس گڑیا کی طرح ہوں۔ جب اس لڑکی نے یہ دیکھا تو وہ اپنے بھائی کی بہادری پر بہت خوش ہوئی اور اس نے بڑھ کر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ جوان نے مجھے اپنی بہن کے سپرد کر کے کہا کہ اس کی خبر گیری کر اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کر کیونکہ اب وہ ہماری پناہ میں ہے۔ لڑکی میرے زرہ کے حلقے پکڑ کر مجھے کتے کی طرح کھینچتی لے چلی۔ اس کے بعد اس نے اپنے بھائی کا زرہ بکتر اتار کر اسے کپڑے پہنائے اور اس کے لیے ہاتھی دانت کی ایک کرسی بچھائی۔ جوان اس پر بیٹھ گیا اور لڑکی نے کہا کہ اللہ تیری عزت آبرو چمکائے اور تجھے زمانے کے حادثات سے محفوظ رکھے! اب میں اپنی حالت پر غور کرنے لگا اور یہ دیکھ کر کہ میں قیدی ہوں' میں خود اپنی نگاہ میں گر گیا۔ اب اس کے بعد میں اس لڑکی کو دیکھنے لگا جو اس کی بہن تھی اور اس کے حسن میں محو ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ سارا فتنہ

اسی کا برپا کیا ہوا ہے۔ میں اس کی خوبصورتی پر حیران تھا اور میرے آنسو جاری تھے کہ اتنے میں لڑکی اپنے بھائی کے لیے کھانا لائی۔ جوان نے مجھے اپنے ساتھ کھانے کے لیے بلایا۔ اس پر میں خوش ہو گیا اور میرے دل سے قتل ہونے کا ڈر نکل گیا۔ جب وہ کھا چکا تو لڑکی اس کے لیے شراب نوشی کے سامان لائی اور جوان شراب پینے میں مشغول ہو گیا اور اتنی پی کہ شراب اس کے سر میں چڑھ گئی اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اب اس نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے حماد' تو مجھے جانتا ہے کہ نہیں؟ میں نے کہا کہ تیری جان کی قسم' میں بالکل ناواقف ہوں۔ اس نے کہا کہ میں عباد بن تمیم بن ثعلبہ ہوں۔ خدا نے تیری جان بچا لی اور تجھے تیری شادی کے لیے زندہ رکھا۔ اس کے بعد اس نے مجھے ایک جام پیش کیا اور میں اسے چڑھا گیا' پھر دوسرا پیش کیا پھر تیسرا اور پھر چوتھا اور میں سب کے سب پی گیا اور اس نے مجھے ہم پیالہ و ہم نوالہ بنا لیا اور مجھے قسم دی کہ میں اس کے ساتھ کبھی دغابازی نہ کروں۔ میں نے ایک ہزار پانچ سو قسمیں کھائیں کہ میں اسے ہرگز دھوکہ نہ دوں گا بلکہ اس کا ہاتھ بٹاؤں گا۔

اب اس نے اپنی بہن سے کہا کہ وہ مجھے دس ریشمی خلعت دے اور وہ خلعت لے آئی اور میں نے ان کو پہنا اور یہ پوشاک جو میں پہنے ہوئے ہوں' انہیں کی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ مجھے بہترین اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی دے' اور وہ ایک اونٹنی لے آئی جس کے اوپر تحفے تحائف اور کھانے پینے کا سامان لدا ہوا تھا۔ پھر اس نے میرے لیے ایک سرنگ گھوڑا منگوایا اور وہ اسے بھی لے آئی۔ یہ ساری چیزیں اس نے مجھے دی تھیں اور میں ان کے ساتھ تین دن تک رہا اور ان کی دعوتیں کھاتا رہا۔ جو جو چیزیں اس نے مجھے دے دیں تھیں' میرے پاس اب تک موجود ہیں۔ تین دن کے بعد وہ مجھ سے کہنے لگا کے اے بھائی' اے حماد' میں چاہتا ہوں کہ ذرا سو رہوں تاکہ مجھے آرام ملے اور میں اپنی جان تیرے سپرد کرتا ہوں۔ اگر تجھے سوار آتے ہوئے نظر آئیں تو ڈریو مت کیونکہ وہ بنی ثعلبہ کے قبیلے کے ہوں گے جو مجھ سے

لڑنا چاہیں گے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی تلوار سرہانے رکھی اور سو گیا۔ جب وہ گہری نیند میں تھا تو شیطان نے میرے دل میں وسوسہ ڈالا کہ میں اسے مار ڈالوں اور میں نے جلدی سے اٹھ کر اس کے سرہانے سے تلوار نکالی اور اس پر ایسا وار کیا کہ اس کا سر بدن سے جدا ہو گیا۔ جب اس کی بہن کو معلوم ہوا کہ میں نے کیا کیا تو وہ خیمے کی طرف سے دوڑی آئی اور اپنے بھائی پر گر پڑی اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور کہنے لگی کہ لعنت ہو تیرے آباؤ اجداد پر' تو نے میرے بھائی کو کیوں دغا بازی سے قتل کر دیا حالانکہ وہ چاہتا تھا کہ دوسرے مہینے کے شروع میں وہ میری شادی تجھ سے کر دے اور تجھے تحفے تحائف اور کھانے پینے کا سامان دے کر تیرے وطن بھیج دے؟ یہ کہہ کر اس نے وہ تلوار کھینچ لی جو اس کے پاس تھی اور اس کا قبضہ زمین سے ٹیکا اور نوک اپنے سینے کی طرف کر کے اس پر جھکی یہاں تک کہ وہ اس کی پیٹھ سے نکل آئی اور وہ مردہ ہو کر زمین پر گری پڑی۔ اس پر میں سخت غمگین ہوا اور مجھے سخت پشیمانی ہوئی لیکن اب پچھتانے سے کیا ہوتا تھا اور میں رونے لگا۔ اس کے بعد میں جلدی سے اٹھ کر خیمے میں گیا اور جو چیزیں ہلکی اور قیمتی تھیں' انہیں لے کر چلتا ہوا اور ڈرا اور عجلت کی وجہ سے نہ میں اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا اور نہ لڑکی کی طرف اور نہ جوان کو دفن کیا۔ یہ قصہ پہلے قصے سے زیادہ عجیب ہے جو اس خادمہ لڑکی کے ساتھ پیش آیا ہے جسے میں بیت المقدس سے چرا کر لے گیا تھا۔ جب نزہت الزماں نے بدو کا یہ قصہ سنا تو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو پینتالیسویں رات

جب ایک سو پینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ جب نزہت الزماں نے بدو کو یہ کہتے سنا کہ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور اٹھ کھڑی ہوئی اور تلوار کھینچ کر بدو حماد پر ایک ایسا ہاتھ مارا کہ وہ اس کی گردن کو نرخرے تک کاٹتا ہوا چلا گیا۔ حاضرین نے اس سے کہا کہ تو نے اس کے قتل کرنے میں اتنی جلدی کیوں کی؟ اس نے جواب دیا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے میری زندگی میں یہ موقع دیا کہ میں اپنا بدلہ اپنے ہاتھ سے لوں۔ اس کے بعد اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ اس کی ٹانگیں پکڑ کر کھینچیں اور کتوں کے آگے ڈال آئیں۔

اب وہ تین میں سے باقی دو کی طرف مخاطب ہوئے۔ ان میں سے ایک حبشی غلام تھا۔انہوں نے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟اپنا حال صحیح صحیح بتا۔ اس نے کہا کہ میرا نام غضبان ہے اور اس نے وہ سارا قصہ بیان کیا جو اسے روم کے بادشاہ حردوب کی بیٹی شہزادی ابریزہ کے ساتھ پیش آیا تھا اور یہ کہ اس نے اسے کس طرح قتل کیا اور بھاگ گیا۔ ابھی غلام اپنا قصہ پورا نہ کرنے پایا تھا کہ بادشاہ رومزان نے تلوار سے اس کی گردن اڑا دی اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا کہ اس نے مجھے میری ماں کا بدلہ لینے تک زندہ رکھا ۔ اس کے بعد اس نے لوگوں سے کہا کہ میری آیا مرجانہ نے مجھ سے اس غلام غضبان کا قصہ بیان کیا ہے۔ اب وہ تیسرے شخص کی طرف متوجہ ہوا اور وہ وہی شتربان تھا جسے بیت المقدس والوں نے کرائے پر لیا تھا کہ وہ ضوءالمکان کو شفا خانے پہنچا آئے جو دمشق میں ہے' اور اسے راکھ کے ڈھیر پر پھینک کر چلتا ہوا تھا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تو اپنا قصہ سنا مگر سچ سچ کہنیو۔ اس نے وہ سارا قصہ سنایا جو اسے شہزادہ ضوء المکان کے ساتھ پیش آیا تھا: یہ کہ جب وہ بیمار تھا تو وہ اسے اس شرط پر بیت المقدس لے گیا تھا کہ دمشق کے دوا خانے میں پہنچا آئے گا۔ لوگوں

نے اسے درہم لا کر دیے تھے لیکن وہ انہیں لے کر اسے راکھ کے ایک ڈھیر پر ڈال آیا تھا جو ایک حمام کی بھٹی کے پاس تھا اور خود وہاں سے بھاگ گیا تھا۔ جب وہ اپنی سرگزشت بیان کر چکا تو بادشاہ کان ماکان نے تلوار لے کر ایسا وار کیا کہ اس کی گردن دور جا پڑی اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا جس نے مجھے اس خائن سے میرے باپ کا بدلہ لینے تک زندہ رکھا کیونکہ میں نے اسے اپنے باپ بادشاہ ضوء المکان سے بعینہ یہی قصہ سنا تھا۔

اس کے بعد دونوں بادشاہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اب سوائے اس بڑھیا شواہی کے جس کا لقب ذات الدواہی ہے اور کوئی باقی نہیں رہا کیونکہ یہ ساری مصیبتیں اسی کی وجہ سے آئی ہیں اور اسی نے ہم سب کو اس بلا میں گرفتار کیا ہے۔ اب وہ کس طرح ہمارے ہتھے چڑھے کہ ہم اس سے بدلہ لے کر اپنی بدنامی کا داغ دھوئیں؟ بادشاہ کان ماکان کے چچا زاد بادشاہ رومزان نے کہا کہ اسے ضرور بلانا چاہیے اور اس نے فوراً ایک خط لکھ کر اپنی دادی بڑھیا شواہی کو جس کا لقب ذات الدواہی تھا بھیجا اور اس کا مضمون یہ تھا کہ میں نے دمشق اور موصل اور عراق کے ملکوں کو فتح کر لیا ہے اور مسلمانوں کی فوج کو تتر بتر کر دیا ہے اور ان کے حکمرانوں کو قید کر لیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تو ضرور یہاں آئے' تو اور قسطنطنیہ کے بادشاہ' بادشاہ افریدوں کی بیٹی ملکہ صفیہ' اور اگر تیرا جی چاہے بڑے بڑے عیسائیوں کو بھی لیتی آ بجز لشکر کے۔ ملک میں امن و امان ہے کیونکہ وہ ہمارے قبضے میں ہے۔

جب یہ خط اس کے پاس پہنچا اس نے پڑھا پہچان لیا کہ وہ رومزان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے تو وہ بے حد خوش ہو گئی اور اس نے فوراً سفر کی تیاری شروع کر دی اور نزہت الزمان کی ماں ملکہ صفیہ اور دوسرے لوگوں کو لے کر بغداد پہنچی اور ایلچیوں نے بڑھ کر اس کے آنے کی خبر دی۔ رومزان نے کہا مصلحت یہ ہے کہ ہم سب عیسائیوں کا لباس پہن کر بڑھیا سے ملیں تاکہ ہم اس کے مکرو فریب سے بچے رہیں۔ لوگوں نے کہا کہ بسر و چشم اور فرنگی کپڑے پہن لیے۔ جب قضی فکان نے یہ دیکھا تو وہ

کہنے لگی کہ خدا کی قسم' اگر میں نہ جانتی ہوتی کہ تم کون ہو تو مجھے ضرور یقین آ جاتا کہ تم فرنگی ہو۔ اب بڑھیا سے ملنے کے لیے ایک ہزار سوار نکلے' جن کے آگے آگے خود رومزان تھا۔ جب اس کی بڑھیا سے آنکھیں چار ہوئیں تو وہ گھوڑے پر سے اتر پڑا اور اس کی طرف دوڑا۔ جب بڑھیا نے اسے دیکھا اور پہچانا تو وہ بھی گھوڑے سے اتر کر اس کی طرف آئی اور اس کے گلے لپٹ گئی مگر اس نے بڑھیا کو اپنے ہاتھوں سے اس زور سے دبایا کہ قریب تھا کہ اس کی ہڈی پسلیاں ٹوٹ جائیں۔ اس نے کہا کہ بیٹا' یہ تو کیا کرتا ہے؟ وہ ابھی یہ جملہ ختم نہ کرنے پائی تھی کان ماکان اور وزیر دندان ان دونوں کے پاس پہنچ گئے اور سواروں نے بڑھیا کے ساتھیوں' کنیزوں اور غلاموں کو ڈانٹا اور ان سب کو گرفتار کر کے بغداد لے گئے ۔ رومزان نے حکم جاری کیا کہ بغداد میں چراغاں کیا جائے اور لوگوں نے تین دن تک چراغاں کیا۔ اس کے بعد بڑھیا شواہی کے سر پر جس کا لقب ذات الدواہی تھا تاڑ کے پتوں کا عمامہ بنا کر باندھا اور اس میں گدھے کی لید بھری اور اس طرح سے اس کا جلوس نکالا کہ اس کے آگے آگے ایک شخص منادی کرتا جاتا تھا کہ یہ ہے سزا اس شخص کی جو بادشاہوں اور بادشاہ زادوں کو ایذا پہنچاتا ہے اس کے بعد انہوں نے اسے بغداد کے دروازے پر سولی دے دی۔ جب اس کے ساتھیوں نے اس کا یہ حال دیکھا تو وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ یہ عجیب و غریب اتفاق دیکھ کر کان ماکان اور اس کا چچا رومزان اور نزہت الزمان اور وزیر دندان حیران رہ گئے اور کاتبوں کو حکم دیا کہ اسے قلمبند کر لیا جائے تا کہ لوگ اسے بعد کو پڑھیں۔ ان کی باقی زندگی نہایت عیش و عشرت سے گزری یہاں تک کہ ان کی موت آ گئی۔ یہ ' ان واقعات اور حوادث کا آخری حصہ ہے جو بادشاہ عمر بن النعمان اور اس کی بیٹی شرکان اور ضوء المکان اور پوتے کان ماکان اور اس کی بیٹی نزہت الزمان اور ناتن قضی فکان کے ساتھ پیش آئے۔

اب بادشاہ نے شہر زاد سے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ تو چڑیوں کی کہانیاں سنائے۔
شہر زاد کی بہن نے اس سے کہا آج تک میں نے بادشاہ کو اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا

اور میں دعا کرتی ہوں کہ تیرا انجام اس کے ساتھ بخیر ہو۔ اس کے بعد بادشاہ کو نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• ایک سو چھیالیسویں رات

جب ایک سو چھیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ سنا جاتا ہے کہ پرانے زمانے میں ایک مور اپنی مورنی کے ساتھ سمندر کے کنارے رہتا تھا۔ اس جگہ بہت سے درندے اور قسم قسم کے جنگلی جانور بھی رہتے تھے اور وہاں بے حد درخت اور ندیاں تھیں۔ یہ مور اور مورنی وحشی جانوروں کے ڈر سے رات کے وقت انہیں درختوں میں سے کسی درخت پر بسیرا لیتے اور دن کے وقت غذا ڈھونڈنے نکلتے۔ ایک مدت تک وہ اسی طرح زندگی بسر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب انہیں زیادہ ڈر لگنے لگا تو وہ اس جگہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کی تلاش میں نکلے۔ وہ اسی تلاش میں تھے کہ انہیں ایک جزیرہ نظر آیا جہاں بہت سے درخت اور نہریں تھیں۔ وہ اس جزیرے میں اترے وہاں کے پھل کھانے اور اس کی ندیوں کا پانی پینے لگے۔ اسی اثناء میں انہوں نے ایک بط کو آتے دیکھا جو ڈر کے مارے کانپ رہی تھی اور دوڑی چلی آ رہی تھی یہاں تک کہ وہ اس درخت کے پاس پہنچی جس پر مور اور مورنی تھی اور وہاں پہنچ کر اسے اطمینان ہوا۔ مور کو یقین آ گیا کہ اس بط کو کوئی نہ کوئی عجیب و غریب حادثہ پیش آیا ہے اور اس نے پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے اور تو کیوں اتنی خوف زدہ معلوم ہوتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں انسان کے خوف اور ایذا رسانی کی وجہ سے بیمار ہو گئی ہوں۔ خدا انسان سے بچائے! مور نے کہا کہ اب تو ہمارے پاس پہنچ گئی ہے' اب ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ بط نے کہا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے تمہارے پاس لا کر میرا رنج و غم دور کر دیا' اور واقعی تمہاری ہی محبت مجھے یہاں لے آئی ہے۔

جب بط یہ کہہ چکی تو مورنی اتر کر اس کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اہلاً و سہلاً مرحبا'

اب ڈر مت' انسان ہمارے پاس کس طرف سے آ سکتا ہے! ہم تو سمندر کے بیچ میں اس جزیرے میں ہیں۔ خشکی کے راستے سے اس کا ہم تک آنا ممکن نہیں اور سمندر میں ہو کر کوئی راستہ نہیں۔ لہٰذا پریشان مت ہو اور ہم سے بیان کر کہ تجھ پر کیا گزری اور انسان کے ساتھ تجھے کون سی بات پیش آئی ہے؟ بط نے جواب دیا کہ اے مورنی' میری تمام عمر اس جزیرے میں امن و امان سے گزری ہے اور مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ ایک رات میں سو رہی تھی کہ میں نے خواب میں انسان کی شکل دیکھی اور وہ مجھ سے باتیں کرنے لگا اور میں اس سے باتیں کرنے لگی۔ اتنے میں کسی کو یہ کہتے سنا کہ اے بط' انسان سے بچ کہ رہ اور اس کی باتوں میں مت آ اور اس کا مشورہ مت مان کیونکہ وہ بڑا مکار اور فریبی ہے۔ خدا اس کے مکرو فریب سے بچائے! وہ بڑا چال باز اور دغا باز ہے۔ وہ مچھلیوں کو دھوکہ دے کر سمندر سے نکال لیتا ہے اور پرندے کو مٹی کی گولی سے مار کر گرا لیتا ہے اور اپنے مکر و فریب سے ہاتھی کو زیر کر لیتا ہے۔ انسان کے شر سے آج تک کوئی نہیں بچا ہے' نہ پرندہ اس سے محفوظ ہے نہ درندہ۔ یہ ہیں ساری باتیں انسان کی جو میں نے تجھے کہہ سنائی ہیں۔ یہ سن کر میری آنکھ کھل گئی اور میں ڈر کے مارے کانپ رہی تھی اور اس وقت تک مجھے انسان سے اس قدر اپنی جان کا ڈر لگا ہوا ہے اور مجھے تسکین ہوتی کہ کہیں وہ مجھے دھوکہ دے کر اپنے جال میں نہ پھانس لے۔

اس واقعے کے بعد ابھی دن ختم نہ ہوا تھا کہ میری قوت زائل ہو گئی اور میری ہمت پست ہو گئی۔ اس کے بعد مجھے بھوک پیاس لگی اور میں باہر نکلی لیکن میری طبیعت مکدر تھی اور دل بیٹھا جاتا تھا۔ جب میں اس سامنے والے پہاڑ پر پہنچی تو میں نے دیکھا کہ ایک شیر کا بچھا ایک غار کے منہ پر بیٹھا ہوا ہے اور اس کا رنگ زرد ہے۔ جب اس شیر کے بچے نے مجھے دیکھا تو وہ بہت خوش ہو گیا اور میرا رنگ اور میری لطافت اسے بہت بھائی اور اس نے زور سے مجھے پکار کر کہا کہ قریب آ۔ جب میں اس کے

قریب گئی تو اس نے کہا کہ تیرا نام کیا ہے اور تو کس جنس سے ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میرا نام بط ہے اور میں پرندے کی جنس سے ہوں۔ اس کے بعد میں نے پوچھا کہ اس وقت تک تیرے اس جگہ ٹھہرنے کا سبب کیا ہے؟ شیر کے بچے نے کہا کہ ایک مدت سے میرا باپ شیر مجھے انسان سے ڈرا رہا تھا' آج رات ایسا اتفاق ہوا کہ میں نے خواب میں انسان کی شکل دیکھی۔ اس کے بعد شیر کے بچے نے مجھ سے ویسا ہی خواب بیان کیا جیسا کہ خود میں نے تجھ سے بیان کیا ہے۔

جب میں نے اس کی باتیں سنیں تو میں نے اس سے کہا کہ اے شیر' میں نے اس وجہ سے تیرے پاس پناہ لی ہے کہ تو دل کو مضبوط کر کے انسان کو قتل کر دے گا' مجھے اس سے اپنی جان کا ڈر ہے اور چونکہ تو باوجود تمام جنگلی جانوروں کے بادشاہ ہونے کے انسان سے خائف ہے اس وجہ سے میرا ڈر اور بھی بڑھ گیا ہے۔ اے میری بہن مورنی' میں شیر کے بچے کو برابر انسان سے خبردار کرتی جاتی اور اس کو مشورہ دیتی جاتی تھی کہ وہ اس کو مار ڈالے یہاں تک کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور آہستہ آہستہ چلنے لگا اور میں اس کے پیچھے پیچھے تھی یہاں تک کہ ہم چوراہے پر پہنچے اور ہمیں گرد اڑتی ہوئی دکھائی دی۔ جب گرد بیٹھ گئی تو ہمیں ایک گدھا دکھائی دیا جو ننگا بھاگا چلا آ رہا تھا اور وہ کبھی دوڑتا تھا اور کبھی لوٹنے لگتا تھا۔ جب شیر نے اسے دیکھا تو اسے آواز دی اور وہ بڑے انکسار کے ساتھ حاضر ہوا۔ شیر نے کہا کہ اے کم عقل جانور' تو کس جنس سے ہے اور یہاں کیوں آیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے بادشاہ زادے' میں گدھے کی جنس سے ہوں اور میرے اس جگہ آنے کا سبب یہ ہے کہ انسان سے بھاگ رہا ہوں۔ شیر نے کہا کہ کیا تو ڈرتا ہے کہ انسان تجھے قتل کر دے گا؟ گدھے نے کہا کہ اے بادشاہ زادے' یہ نہیں بلکہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کسی مکر سے میرے اوپر سوار ہو جائے گا' اس کے پاس ایک چیز ہے جس کا نام اس نے جھول رکھا ہے' وہ اسے میری پیٹھ پر ڈال دیتا ہے اور ایک اور چیز ہے

جسے وہ تنگ کہتا ہے' اسے وہ میرے پیٹ پر کس دیتا ہے' اور ایک اور چیز جس کا نام دمچی ہے جو وہ میری دم کے نیچے باندھ دیتا ہے' اور ایک اور چیز لگام کہلاتی ہے جو وہ میرے منہ میں ڈال دیتا ہے اور میرے لیے اس نے ایک پینی یا آر بنا رکھی ہے جس سے وہ مجھے کچوکے دیتا ہے اگر میں ڈگمگاتا ہوں تو وہ مجھ پر لعنت ملامت کرتا ہے اور اگر میں رینگتا ہوں تو وہ مجھے برا بھلا کہتا ہے۔ ان تمام باتوں کے بعد جب میں بوڑھا ہو جاتا ہوں اور مجھ میں چلنے کی طاقت باقی نہیں رہتی تو وہ میرے اوپر لکڑی کی کاٹھی رکھ کر سقوں کے حوالے کر دیتا ہے جو دریاؤں سے مشکوں وغیرہ میں پانی بھر کر میرے اوپر لادتے ہیں۔ اس طرح ذلت و خواری اور تکلیف میں' میں زندگی بسر کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ میں مر جاتا ہوں اور وہ مجھے کوڑے کے ڈھیر پر پھینک آتا ہے تاکہ مجھے کتے کھا جائیں۔ آخر تو ہی بتا کہ اس تکلیف سے بڑھ کر اور کون سی تکلیف ہو سکتی ہے اور اس مصیبت سے زیادہ اور کیا مصیبت ہے!

اے مورنی' جب میں نے گدھے کی یہ باتیں سنیں تو اس انسان کے ڈر سے میرا بدن کانپنے لگا اور میں نے شیر سے کہا کہ اے میرے آقا' گدھا معذور ہے اور اس کی باتوں سے میرا ڈر دوبالا ہو گیا۔ شیر نے گدھے سے کہا کہ تو کہاں جانا چاہتا ہے۔ گدھے نے جواب دیا کہ میں نے سورج نکلنے سے پہلے انسان کو دور سے دیکھا تھا اور اسے دیکھ کر میں بھاگا ہوں اور اب میں چاہتا ہوں کہ میں یہاں سے بھی چلتا بنوں اور انسان کے ڈر کے مارے برابر بھاگتا چلا جاؤں' ممکن ہے کہ مجھے کوئی ایسی جگہ مل جائے جہاں میں مکار انسان سے پناہ لے سکوں۔ گدھا شیر سے یہی باتیں کر رہا تھا اور ہم سے رخصت ہو کر جانا چاہتا تھا کہ پھر گرد اٹھتی ہوئی نظر آئی۔ یہ دیکھ کر گدھا رینکنے اور چلانے لگا اور اس نے گرد کی طرف بڑے غور سے دیکھا اور بڑی زور سے اس کی ریح نکلی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس گرد میں سے ایک مشکی گھوڑا نکلا جس کے ماتھے پر درہم کے برابر سفید داغ تھا' اس کی پیشانی خوبصورت اور کھر کے اوپر کی سفیدی خوش رنگ اور ٹانگیں نفیس اور ہنہنانے کا انداز نہایت دل کش تھا۔ دوڑتے دوڑتے وہ

شیر کے بیٹے' جوان شیر کے پاس آ کر ٹھہر گیا۔ جواں شیر نے اسے احترام کی نظر سے دیکھا اور اس سے پوچھنے لگا کہ اے عظیم الشان جانور' تو کس جنس سے ہے اور اس

لمبے چوڑے جنگل میں تو کیوں چوکڑی بھر رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے جانوروں کے سردار' میں گھوڑوں کی جنس میں سے ایک گھوڑا ہوں اور میرے دوڑنے کا سبب یہ ہے کہ میں انسان سے بھاگ رہا ہوں۔ گھوڑے کی یہ بات سن کر شیر کو تعجب ہوا اور کہنے لگا کہ ایسی بات مت کہہ' یہ تیرے لیے عیب ہے کیونکہ تو اتنا لمبا چوڑا ہے' تجھے اس جثے اور تیزی کی وجہ سے انسان سے کیا ڈر! مجھے دیکھ کہ میں نے باوجود کم جثہ ہونے کے تہیہ کر لیا ہے کہ انسان کا مقابلہ کر کے اس پر حملہ کروں اور اسے کھا جاؤں تاکہ یہ بیچاری بط نڈر ہو جائے اور اپنی جگہ پر آرام سے رہے۔
تو نے اس وقت یہاں آ کر اپنی باتوں سے میرا دل توڑ دیا ہے اور مجھے میرے ارادے سے روک دیا ہے کیونکہ باوجود تیرے بھاری بھرکم ہونے کے' انسان نے تجھے دبا لیا ہے اور تیرے ڈیل ڈول سے وہ نہیں ڈرا حالانکہ اگر تو اسے اپنے پاؤں سے کچل ڈالتا تو وہ مر جاتا اور تیرا کچھ نہ کر سکتا بلکہ تو ہی اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔
گھوڑا شیر کی یہ باتیں سن کر ہنسنے لگا اور اس نے کہا کہ اے بادشاہ زادے' یہ ناممکن ہے کہ میں اسے زیر کر سکوں۔ انسان کے مقابلے میں' تو میری لمبائی چوڑائی اور موٹائی پر مت جا کیونکہ وہ اپنے مکر و فریب کی بنا پر میرے لیے ایک چیز بناتا ہے جس کا نام بندھن ہے اور اس طرح کے دو بندھن جو کھجور کے ریشوں اور اون سے بٹ کر بنائے جاتے ہیں' میرے چاروں پاؤں میں ڈال دیتا ہے اور میرے سر کو ایک اونچی کھونٹی سے باندھ دیتا ہے حتیٰ کہ بندھ کر میں کھڑے کا کھڑا رہ جاتا ہوں' نہ بیٹھ سکتا ہوں نہ سو سکتا ہوں۔ جب وہ مجھ پر سوار ہونا چاہتا ہے تو وہ اپنی پاؤں میں ایک لوہے کی چیز لگا لیتا ہے جسے رکاب کہتے ہیں اور میری پیٹھ پر ایک چیز ڈال دیتا ہے جس کا نام زین ہے اور اسے وہ دو تنگوں سے میرے پیٹ پر کس دیتا ہے اور میرے منہ میں لوہے کی ایک چیز لگا دیتا ہے جس کا نام اس نے دہانہ رکھا ہے اور اس دہانے میں وہ

چمڑے کی ایک چیز باندھ دیتا ہے جو لگام کہلاتی ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ میری پیٹھ پر زین کے اوپر سوار ہوتا ہے تو وہ لگام کو اپنے ہاتھ میں لے کر مجھے چلاتا ہے اور رکاب سے میرے دونوں پہلوؤں کو یہاں تک گودتا ہے کہ وہ لہولہان ہو جاتے ہیں۔
الغرض اے سلطان زادے' مت پوچھ کہ انسان کے ہاتھوں مجھے کیا کیا تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ جب میں بوڑھا ہو جاتا ہوں اور میری کمر رہ جاتی ہے اور میں تیزی کے ساتھ نہیں چل سکتا تو وہ چکی والے کے ہاتھ مجھے بیچ ڈالتا ہے تاکہ وہ مجھے چکی میں پھرائے اور میں دن رات پھرتا رہتا ہوں یہاں تک کہ بیکار ہو جاتا ہوں اور وہ مجھے قصاب کے ہاتھ بیچ ڈالتا ہے اور قصاب مجھے ذبح کر کے میری کھال کھینچتا ہے اور میری دم نوچ کر وہ کھال اور دم کو چھلنی ساز کے ہاتھ بیچتا ہے اور میری چربی پگھلاتا ہے۔
شیر گھوڑے کی یہ باتیں سن کر اور بھی غم و غصہ کرنے لگا اور اس نے پوچھا کہ تو نے انسان کو کس وقت چھوڑا ہے؟ گھوڑے نے کہا کہ دوپہر کے وقت۔ وہ میرے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ شیر گھوڑے سے یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ پھر گرد اٹھتی نظر آئی۔ جب گرد پھٹی تو اس میں سے ایک اونٹ دوڑتا ہوا دکھائی دیا جو بلبلا رہا تھا اور زمین پر پاؤں مار رہا تھا۔ اس طرح سے وہ ہمارے پاس پہنچا۔ شیر نے دیکھا کہ وہ اتنا لمبا اور لحیم شحیم ہے تو اسے گمان ہوا کہ یہی انسان ہو گا اور وہ اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا کہ میں نے اس سے کہا کہ اے سلطان زادے' یہ انسان نہیں' یہ اونٹ ہے اور غالباً وہ بھی انسان سے بھاگ کر آیا ہے۔ اے میری بہن' میں شیر کے بچے سے یہ باتیں کر ہی رہی تھی کہ اونٹ نے سامنے آ کر اسے سلام کیا۔ شیر نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا کہ تو یہاں کیوں آیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں انسان سے فرار ہو کر آیا ہوں۔ شیر بچے نے کہا کہ اس ڈیل ڈول اور لمبائی چوڑائی کے ہوتے ہوئے تو کس طرح انسان سے ڈرتا ہے۔ اگر تو ایک ٹانگ بھی اس پر رکھ دے تو وہ مر جائے گا۔ اونٹ نے کہا کہ اے سلطان زادے' انسان کی چالوں سے کوئی چھٹکارا پا نہیں سکتا اور سوائے موت اور کوئی اس پر غالب نہیں آ سکتا۔ وہ میری ناک میں ایک

ڈوری باندھتا ہے جس کا نام نکیل ہے اور میرے گلے میں ایک رسی ڈال کر اسے اپنے چھوٹے سے چھوٹے بچے کے ہاتھ میں دے دیتا ہے اور باوجود میرے تن و توش کے وہ بچہ میری نکیل تھام کر کھینچتا چلا جاتا ہے۔ لوگ مجھ پر بھاری سے بھاری بوجھ لادتے اور لمبے سے لمبا سفر کراتے ہیں اور دن رات مجھ سے مشکل سے مشکل کام لیتے ہیں لیکن جب میری عمر زیادہ ہو جاتی ہے اور میں بوڑھا اور کمزور ہو جاتا ہوں تو وہ پھر مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھتا بلکہ قصاب کے ہاتھ بیچ ڈالتا ہے اور قصاب مجھے ذبح کر کے میری کھال کھینچتا اور اسے رنگ ساز کے ہاتھ بیچتا ہے اور میرا گوشت باورچیوں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔ اس سے زیادہ میری تکلیفوں کا حال مت پوچھ جو مجھے انسان سے ملتی ہیں۔ شیر نے پوچھا کہ تو نے کب انسان کو چھوڑا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مغرب کے وقت اور میرا خیال ہے کہ وہ میرے اس جگہ سے روانہ ہوتے ہی آ پہنچے گا اور جب مجھے نہ پائے گا تو مجھے ڈھونڈنے دوڑے گا۔ لہٰذا اے سلطان زادے' مجھے جانے دے تاکہ میں جنگلوں اور بیابانوں میں نکل جاؤں۔ شیر نے کہا کہ اے اونٹ' ذرا ٹھہر جا تاکہ تو مجھے دیکھے کہ میں اسے کس طرح شکار کرتا اور تجھے اس کا گوشت کھلاتا ہوں اور اس کی ہڈیاں کچلتا اور اس کا خون پیتا ہوں۔ اونٹ نے اس سے کہا کہ اے سلطان زادے' مجھے ڈر ہے کہ کہیں انسان تجھے نقصان نہ پہنچائے کیونکہ وہ بڑا فریبی اور چالباز ہے۔

اونٹ یہ باتیں شیر سے کر ہی رہا تھا کہ پھر گرد اٹھتی دکھائی دی اور وہ تھوڑی دیر کے بعد پھٹی اور اس میں سے ایک ٹھگنا اور دبلے چہرے والا بوڑھا نکلا۔ اس کے کاندھے پر ایک ٹوکری تھی جس میں بڑھئی کے اوزار تھے اور اس کے سر پر درخت کی ایک شاخ اور آٹھ تختے اور وہ چند بچوں کا ہاتھ پکڑے دوڑتا چلا آ رہا تھا اور آتے آتے وہ شیر کے قریب پہنچ گیا۔ اے میری بہن' جب میں نے اسے دیکھا تو میں مارے ڈر کے گر پڑی لیکن شیر کھڑا ہو کر اس کی طرف آہستہ آہستہ بڑھا اور اس کے سامنے پہنچ گیا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو بڑھئی اسے دیکھ کر ہنسنے لگا اور اس نے نہایت میٹھے الفاظ میں

کہا کہ اے عالی شان بادشاہ اور اے بڑی قوت والے' شام بخیر! خدا تیری کوششوں کو راس لائے اور تیری بہادری میں برکت دے اور تجھے اور زیادہ طاقت عطا کرے! مجھے اس چیز سے پناہ دے جو مجھے ایذا پہنچا رہی ہے اور جس کی مصیبت میں' میں مبتلا ہوں کیونکہ سوائے تیرے اور کوئی میرا یار و مددگار نہیں۔ یہ کہہ کر بڑھئی شیر کے سامنے رونے اور آہیں بھرنے اور فریادیں کرنے لگا۔ جب شیر نے اسے روتے پیٹتے اور آہیں بھرتے دیکھا تو وہ کہنے لگا کہ میں تجھے اس چیز سے پناہ دیتا ہوں' جس سے تو ڈر رہا ہے لیکن بتا تو سہی کہ کس نے تیرے اوپر ظلم کیا اور اے جانور' تو ہے کون؟ میں نے اپنی عمر میں تیری طرح کسی کو نہیں دیکھا اور نہ تجھ جیسے زیادہ خوبصورت اور شیریں کلام۔ تیرا کیا قصہ ہے؟ بڑھئی نے کہا کہ اے جانوروں کے بادشاہ' میں بڑھئی ہوں اور جس نے مجھ پر ظلم کیا ہے وہ انسان ہے۔ کل صبح تک وہ یہاں تیرے پاس پہنچ جائے گا۔

جب شیر بچے نے بڑھئی کی یہ باتیں سنیں تو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور وہ غرانے اور ڈکارنے لگا اور اس کی آنکھوں سے چنگاریاں برسنے لگیں اور اس نے چلا کر کہا کہ خدا کی قسم' میں آج رات صبح تک جاگتا رہوں گا اور جب تک میری مراد نہ بر آئے' میں اپنے باپ کے پاس نہ جاؤں گا۔ اب شیر بڑھئی کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ میں دیکھتا ہوں تیرے قدم چھوٹے چھوٹے پڑتے ہیں اور میں تیری دل شکنی نہیں کرنا چاہتا کیونکہ میں مروت والا ہوں اور میرا خیال ہے کہ تو اور جانوروں کی طرح نہیں چل سکتا۔ بتا کہ تو کہاں جا رہا ہے۔ بڑھئی نے کہا کہ میں تیرے باپ کے وزیر "بن" بلاؤ کے پاس جا رہا ہوں' کیونکہ جب اسے یہ خبر ملی کہ انسان نے اس سر زمین پر قدم رکھا ہے تو وہ اپنے متعلق بہت ڈرا اور اس نے میرے پاس ایک جانور کو قاصد بنا کر بھیجا کہ میں اس کے لیے ایک ایسا مکان بناؤں جس میں وہ رہے اور پناہ پائے اور جہاں اس کے دشمن کا گزر نہ ہو۔ یہاں تک کہ انسان کی بھی وہاں تک رسائی نہ ہو۔ جب قاصد میرے پاس پہنچا تو میں یہ تختے لے کر اس کے پاس

جا رہا ہوں۔ جب شیر بچے نے بڑھئی کی باتیں سنیں تو وہ بن بلاؤ پر حسد کرنے لگا اور اس نے کہا کہ میری جان کی قسم' قبل اس کے کہ تو بن بلاؤ کے لیے مکان بنائے

تجھے ان تختوں سے میرے لیے ایک مکان بنانا پڑے گا۔ جب تو میرا مکان بنا چکے تو پھر تو بن بلاؤ کے پاس جا کر جو چاہیو اس کے لیے بنائیو۔ جب بڑھئی نے شیر کے بچے کی یہ باتیں سنیں تو وہ کہنے لگا کہ اے جانوروں کے سردار' جب تک میں بن بلاؤ کے لیے اس کی خواہش کے موافق گھر نہ بنا لوں میں تیرے لیے کچھ نہیں بنا سکتا۔ اس کے بعد میں تیرے پاس حاضر ہو کر تیرے لیے ایسا مکان بناؤں گا جو تجھے دشمن سے بچا سکے گا۔

شیر نے کہا کہ واللہ جب تک تو ان تختوں سے میرے لیے ایک مکان نہ بنا دے گا' میں تجھے یہاں سے ہلنے نہ دوں گا۔ یہ کہہ کر شیر بچے نے اس کی طرف چھلانگ ماری اور چاہا کہ اس کے ساتھ مذاق کرے اور ایک پنجہ مار کر ٹوکری کو اس کے کاندھے سے گرا دیا اور بڑھئی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ شیر اس پر ہنسنے لگا اور کہا کہ اے بڑھئی' کم بخت تو واقعی کمزور ہے اور تجھ میں بالکل طاقت نہیں۔ اگر تو انسان سے ڈرتا ہے تو معذور ہے۔ جب بڑھئی گر پڑا تو اسے بہت غصہ آیا لیکن شیر کے ڈر سے کچھ کہا نہیں۔ اس کے بعد بڑھئی اٹھ بیٹھا اور ہنس کر شیر سے کہنے لگا کہ اچھا' میں تیرے لیے مکان بناتا ہوں۔

یہ کہہ کر بڑھئی نے وہ تختے لیے جو اس کے پاس تھے اور اس میں کیلیں ٹھونک کر اور اسے قالب کی شکل میں شیر کے برابر بنایا اور اس کا دروازہ کھلا رکھا کیونکہ اس کی شکل صندوق کی سی تھی اور اس میں بڑا سا طاق تھا اور اسے اس نے خوب منڈھا اور اس میں بہت سے سوراخ کیے اور بہت سی نئی کیلیں نکال کر اس نے شیر سے کہا کہ اس طاق میں سے ہو کر اس صندوق کے اندر جا تاکہ میں تیرے مطابق اسے بناؤں۔ شیر خوش ہو کر اس طاق کے پاس گیا مگر دیکھا کہ وہ تنگ ہے۔ بڑھئی نے کہا کہ اندر جا کر اپنے چاروں پاؤں پر بیٹھ جا۔ شیر نے ایسا ہی کیا اور صندوق کے اندر چلا

گیا لیکن اس کی دم باہر رہی۔ اب شیر نے چاہا کہ پیچھے پھر کر باہر نکل آئے لیکن بڑھئی نے کہا کہ ذرا ٹھہر جا اور صبر کر تا کہ میں یہ دیکھوں کہ آیا تیری دم بھی تیرے ساتھ اندر سما سکتی ہے؟ شیر نے اس کا کہنا مان لیا اور بڑھئی نے اس کی دم لپیٹ کر صندوق کے اندر کر دی اور جھٹ سے طاق کو تختے سے بند کر کے اس میں کیلیں ٹھونک دیں۔ شیر نے کہا کہ اے بڑھئی' تو نے یہ کیسا تنگ مکان میرے لیے بنایا ہے؟ مجھے اس میں سے نکل آنے دے۔ بڑھئی نے کہا کہ اب پچھتانے سے کیا ہوتا ہے! تو اس مکان سے اب نہیں نکل سکتا۔ پھر بڑھئی ہنسا اور شیر سے کہنے لگا کہ تو اب پنجرے کے اندر ہے اور اے بدذات جانور' پنجرے سے تو نہیں نکل سکتا۔ شیر نے کہا کہ اے میرے بھائی' تو مجھ سے کیسی باتیں کرتا ہے؟ بڑھئی نے اس سے کہا کہ اے جنگل کے کتے' جس سے تو ڈرتا تھا اسی میں گرفتار ہو گیا ہے۔ قسمت نے تجھے اس کے اندر پھینک دیا ہے اور اب خبردار ہونے سے کچھ فائدہ نہیں۔ اے بہن' جب شیر نے اس کی یہ باتیں سنیں تو اسے یقین ہو گیا کہ یہی وہ انسان ہے جس سے اس کے باپ نے اسے جاگتے میں ڈرایا تھا اور ہاتف نے خواب میں۔ اور مجھے یقین آ گیا کہ بلا شک و شبہ یہ وہی ہے اور مجھے ڈر کے مارے اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور اس سے ذرا دور ہٹ کر میں دیکھنے لگی کہ وہ اب شیر کے ساتھ کیا کرتا ہے اور اے بہن' میں کیا دیکھتی ہوں کہ اس نے اسی جگہ پر صندوق کے قریب ایک گڑھا کھودا جس میں شیر تھا اور اسے اس گڑھے میں ڈال کر لکڑیاں جمع کیں اور اس میں آگ لگا دی۔ اے بہن' یہ دیکھ کہ میں اور بھی ڈری اور آج دو روز ہوئے ہیں کہ انسان سے بھاگ رہی ہوں اور اس سے خائف ہوں۔ جب مورنی نے بط کی باتیں سنیں----

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• ایک سو سینتالیسویں رات

جب ایک سو سینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب مورنی نے بط کو یہ کہتے سنا تو اسے تعجب ہوا اور وہ کہنے لگی کہ اے بہن' اب تو انسان سے محفوظ ہے کیونکہ ہم سمندر کے ایک جزیرے میں ہیں جہاں انسان کا گزر نہیں۔ لہٰذا جب تک خدا ہم سب کے لیے اور کوئی سبیل نہ نکال دے تو یہیں ہمارے پاس رہ۔ بط نے کہا کہ میں ڈرتی ہوں کہ کوئی حادثہ مجھ پر نہ گزرے کیونکہ قضا و قدر سے کسی کو مفر نہیں۔ مورنی نے کہا کہ ہمارے ساتھ رہ اور جو ہمارا حال ہو گا وہی تیرا بھی ہو گا' اور اس نے یہاں تک اصرار کیا کہ وہ ٹھہر گئی اور کہنے لگی کہ اے میری بہن' تو جانتی ہے کہ مجھ میں کتنا کم صبر کا مادہ ہے' اگر تو یہاں نہ ہوتی تو میں ہرگز نہ ٹھہرتی۔ مورنی نے کہا کہ جو کچھ ماتھے پر لکھا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ جب ہماری موت آئے گی تو ہمیں کون بچا سکے گا! اس وقت تک کوئی نہیں مرتا جب تک کہ وہ اپنا دانہ پانی اور زندگی کے دن پورے نہ کر لے۔

وہ یہی باتیں کر رہی تھیں کہ انہیں گرد اٹھتی دکھائی دی۔ یہ دیکھ کر بط نے ایک چیخ ماری اور سمندر میں کود پڑی اور کہنے لگی کہ الامان والحفیظ! اگرچہ قضا و قدر سے مفر نہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ گرد چھٹی اور اس میں سے ایک ہرن نکلا۔ یہ دیکھ کر بط اور مورنی دونوں کو اطمینان ہوا اور مورنی بط سے کہنے لگی کہ اے میری بہن' جس چیز کو دیکھ کر ہم ڈر گئے تھے وہ تو محض ہرن ہے۔ دیکھ وہ ہماری طرف آ رہا ہے لیکن ہمیں اس سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ ہرن نباتات میں سے محض گھاس کھاتا ہے اور جس طرح تو پرند کی جنس سے ہے وہ چرندے کی جنس سے ہے۔ لہٰذا مطمئن ہو اور ڈر مت کیونکہ ڈر سے بدن گھل جاتا ہے۔ مورنی ابھی بات ختم بھی نہ کرنے پائی تھی کہ ہرن ان کے پاس پہنچ گیا اور اسی درخت کے سائے میں ٹھہر گیا۔

جب اس کی نظر مورنی اور بط پر پڑی تو اس نے انہیں سلام کیا اور کہا کہ میں اس جزیرے میں آج ہی آیا ہوں اور اس سے زیادہ شاداب میں نے کوئی اور جگہ نہیں دیکھی اور نہ اس سے زیادہ خوبصورت رہنے کی جگہ۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ آؤ ہم سب مل جل کر اور محبت کے ساتھ رہیں۔ جب بط اور مورنی نے دیکھا کہ وہ محبت سے پیش آ رہا ہے تو وہ اس کے پاس آ گئیں اور اس کے ساتھ رہنے لگیں اور سب نے آپس میں مل کر رہنے کی قسم کھائی۔ اب وہ ایک ساتھ رہنے اور باہم کھانے پینے لگے۔ وہ اسی طرح آرام سے کھاتے پیتے تھے کہ ایک دن ان کے پاس سے ایک کشتی گزری جو راہ بھول گئی تھی۔ اس نے ان کے قریب آ کر لنگر ڈالا اور اس میں سے لوگ نکل کر ادھر ادھر پھیل گئے اور انہوں نے دیکھا کہ ہرن اور مورنی اور بط ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ ان کی طرف بڑھے۔

جب مورنی کی نظر ان پر پڑی تو وہ ایک درخت پر چڑھ کر ہوا میں اڑ گئی اور ہرن جنگل میں بھاگ گیا لیکن بط حیران و پریشان ہو کر رہ گئی۔ لوگوں نے اس کا پیچھا کیا اور بالآخر اس کو پکڑ لیا اور بط نے چلا کر کہا کہ آخر قضا و قدر کے آگے میری کچھ نہ چلی۔ لوگ اسے لے کر کشتی میں چلے گئے۔

جب مورنی نے بط کا یہ حال دیکھا تو وہ اس جزیرے سے چلی گئی اور کہنے لگی کہ آفتیں ہر ایک کی گھات میں لگی ہوئی ہیں' اگر یہ کشتی نہ آتی تو مجھ میں اور اس بط میں کبھی جدائی نہ ہوتی اس کا شمار بہترین دوستوں میں تھا۔ اب مورنی اڑ کر ہرن کے پاس گئی اور ہرن نے اس کو سلام کیا اور اس کی سلامتی پر مبارک باد دی اور بط کی خبر پوچھی۔ مورنی نے جواب دیا کہ دشمن اسے لے گیا ہے' اس کے بعد میں اس جزیرے میں رہنا پسند نہیں کرتی۔ یہ کہہ کر وہ بط کی جدائی میں رونے لگی اور ہرن بھی بے حد غمزدہ ہوا اور مورنی کو سفر کے ارادے سے روکا اور وہ ہرن کے ساتھ امن و امان سے رہنے اور کھانے پینے لگی مگر وہ دونوں بط کے فراق میں ہمیشہ غمگین رہتے تھے۔

ایک روز ہرن نے مورنی سے کہا کہ ہماری جدائی اور بط کے ہلاک ہونے کا سبب وہی لوگ ہیں جو کشتی سے اتر کر ہمارے پاس آئے تھے۔ لہٰذا ان سے خبردار اور خوفزدہ رہ اور انسان کے مکر و فریب سے بچتی رہ۔ مورنی نے کہا کہ مجھے یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ محض خدا کی تسبیح چھوڑ دینے کی وجہ سے وہ ماری گئی اور میں اس سے ہمیشہ کہتی تھی کہ تیرے تسبیح چھوڑ دینے کی وجہ سے مجھے ڈر لگتا ہے کیونکہ جتنی چیزیں خدا نے پیدا کی ہیں۔ سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور جب تسبیح سے غافل ہو جاتی ہیں تو ان کی سزا ہلاکت ہے۔ جب ہرن نے مورنی کی باتیں سنیں تو اس نے کہا کہ اللہ تجھے خوبصورت کرے! اور اس کے بعد وہ ہمیشہ خدا کی تسبیح کرتا اور ایک لمحے کے لیے بھی اسے نہ چھوڑتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہرن کی تسبیح یہ ہے: "پاک ہے وہ حاکم جو قوت اور حکومت والا ہے۔"

○ عابد کی کہانی

کہا جاتا ہے کہ ایک عابد کسی پہاڑ پر عبادت کیا کرتا تھا اور اسی پہاڑ پر ایک جوڑا کبوتروں کا بھی رہتا تھا۔ یہ عابد اپنا کھانا دو حصوں میں تقسیم کرتا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو اڑتالیسویں رات

جب ایک سو اڑتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- عابد اپنے کھانے کے دو حصے کرتا' ایک اپنے لیے رکھتا اور دوسرا کبوتروں کے جوڑے کو دے دیتا۔ عابد نے ان کی نسل بڑھنے کی دُعا مانگی اور ان کی نسل بڑھی لیکن ان میں سے کوئی کبوتر ایسا نہ تھا جو اسی پہاڑ پر نہ رہتا ہو جہاں وہ عابد تھا۔ عابد کے ساتھ کبوتروں کے رہنے کی وجہ سے ان کی تسبیح کی افراط تھی۔ کہا جاتا ہے کہ کبوتر اپنی تسبیح میں یہ کہتا ہے: پاک ہے مخلوق کا پیدا کرنے والا اور رزق تقسیم کرنے والا اور آسمانوں کو بنانے والا اور زمینوں کا بچھانے والا! یہ کبوتروں کا جوڑا اور ان کی اولاد نہایت عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ عابد مر گیا اور کبوتر تتربتر ہو گئے اور مختلف شہروں اور گاؤں اور پہاڑوں میں پھیل گئے۔

○ چرواہے کی کہانی

کہتے ہیں کہ کسی پہاڑ پر ایک چرواہا رہتا تھا جو بڑا دیندار اور دانشمند اور پرہیزگار تھا۔ اس کے پاس بھیڑیں تھیں جن کو وہ چراتا اور جن کے دودھ اور اون سے وہ روزی کماتا تھا۔ جس پہاڑ پر یہ چرواہا رہتا تھا۔ وہاں بہت سے درخت اور سبزہ زار تھے اور درندے رہتے تھے لیکن یہ درندے نہ اس چرواہے کا کچھ کرتے اور نہ اس کے گلے کا اور وہ اس پہاڑ پر اطمینان کی زندگی گزارتا تھا اور دنیا کی کوئی بات اسے تکلیف نہ دیتی تھی کیونکہ وہ پارسا تھا اور عبادت میں لگا رہتا تھا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ عابد سخت بیمار پڑا اور پہاڑ کے ایک غار کے اندر جا بیٹھا۔ بھیڑیں دن کے وقت اپنی چراگاہوں میں جاتیں اور رات کے وقت غار میں آ کر آرام کرتیں۔ اب اللہ کا یہ ارادہ ہوا کہ وہ

اس چرواہے کی اطاعت اور صبر کا امتحان کرے اور اس کام کے لیے اس نے ایک فرشتہ بھیجا جو ایک حسین عورت کی شکل میں اس کے پاس پہنچا اور اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ جب چرواہے نے دیکھا کہ اس کے پاس ایک عورت بیٹھی ہے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ کہنے لگا کہ اے عورت' تو کس غرض سے یہاں آئی ہے؟ نہ تو مجھے تیری ضرورت ہے اور نہ مجھ میں اور تجھ میں ایسے تعلقات ہیں جن کی بنا پر تو میرے پاس آ سکتی ہے۔ عورت نے جواب دیا کہ اے انسان' تو دیکھتا نہیں کہ میں کیسی حسین و جمیل ہوں اور عورتوں کو مردوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کون سی چیز تجھے مجھ سے روک رہی ہے حالانکہ میں تیرے قریب بیٹھی ہوں اور تیرے وصال کی طلب گار ہوں۔ میں تیری فرمانبردار بن کر آئی ہوں اور تجھے کسی بات سے نہیں روکتی اور نہ یہاں کوئی ہے جس سے ہمیں ڈر ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ جب تک تو اس پہاڑ پر رہے' میں بھی تیرے ساتھ رہوں اور تیری رفاقت کروں۔ چونکہ اس وقت تجھے عورتوں کی خدمت کی ضرورت ہے لہٰذا اس خدمت کے لیے میں اپنے آپ کو پیش کرتی ہوں۔ اگر تو میرے ساتھ مباشرت کرے گا تو تیری بیماری دور ہو جائے گی اور تو تندرست ہو جائے گا اور گزشتہ عمر میں جو تو نے عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کی ہے' اس پر تو پشیمان ہو گا۔ میں تجھے نیک رائے دیتی ہوں' اسے مان جا اور میرے قریب آ۔

یہ سن کر چرواہے نے کہا کہ اے مکار اور دھوکے باز عورت' چل دور ہو۔ میں نہ تیری طرف مائل ہوں گا اور نہ تیرے پاس پھٹکوں گا' نہ مجھے تیرے قرب کی ضرورت ہے اور نہ تیرے وصال کی کیونکہ جس شخص کی رغبت تیری طرف ہوئی' آخرت اس کے ہاتھ سے نکل گئی اور جو شخص آخرت سے رغبت رکھتا ہے' وہ تجھ پر لعنت بھیجتا ہے۔ تو نے اگلوں اور پچھلوں سب کو مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔ خدا اپنے بندوں کی تاک میں بیٹھا رہتا ہے اور جو کوئی تیری صحبت میں مبتلا ہوتا ہے' اس پر عذاب ڈھا دیتا ہے۔ عورت نے کہا کہ اے سچائی سے پھرنے والے اور سیدھے راستے سے گمراہ' اپنا منہ میری طرف پھیر اور میرے حسن کو دیکھ اور میرے قرب کو غنیمت جان جیسے

کہ تجھ سے پہلے دانشمندوں نے کیا ہے۔ وہ تجھ سے زیادہ تجربہ کار تھے اور تجھ سے زیادہ سمجھدار اور باوجود ان باتوں کے انہوں نے تیری طرح عورتوں کا لطف اٹھانے سے کنارہ کشی نہیں کی بلکہ عورتوں کے جس قرب و مباشرت سے تو بھاگتا ہے انہیں اس کی طرف رغبت تھی اور اس سے نہ ان کے دین میں خلل پڑا اور نہ دنیا میں۔ لہٰذا اپنا ارادہ بدل دے تاکہ تیرا انجام اچھا ہو۔ چرواہے نے کہا کہ جو کچھ تو کہتی ہے مجھے منظور نہیں بلکہ اس سے نفرت ہے اور جن باتوں کا تو اظہار کرتی ہے' میں ان کو ترک کر چکا ہوں۔ تو مکار اور دغا باز ہے' نہ تیری وفا کا اعتبار ہے اور نہ تیرے عہد و پیمان پر بھروسہ! تیری خوبصورتی کے نیچے کتنی برائیاں پوشیدہ ہیں اور کتنے پارسا لوگوں کو تو نے مصیبت میں ڈال کر ان کی عاقبت تباہ و برباد کر دی ہے! اے اپنے آپ کو بنا سنوار کر دوسروں کو خراب کرنے والی' دور ہو میرے پاس سے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے منہ کو اپنی عبا سے چھپا لیا اور اس کی طرف بالکل نہ دیکھا اور اپنے رب کی یاد میں مشغول ہو گیا۔ جب فرشتے نے دیکھا کہ وہ کس خوبی سے خدا کی پرستش میں مشغول ہے تو وہاں سے باہر آیا اور آسمان پر چلا گیا۔

جہاں یہ چرواہا رہتا تھا۔ اس کے قریب ایک گاؤں تھا جہاں ایک پارسا شخص رہتا تھا مگر اسے چرواہے کا علم نہ تھا۔ ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اس سے کہہ رہا ہے کہ تیرے قریب فلاں جگہ ایک پارسا شخص رہتا ہے' اس کے پاس جا اور اس کا فرمانبردار بن کر رہ۔ جب صبح ہوئی تو وہ اس کی طرف چل کھڑا ہوا مگر گرمی سخت تھی اس لیے وہ ایک درخت کے نیچے ٹھہر گیا جو ندی کے کنارے تھا۔ جب وہ اس درخت کے سائے میں بیٹھ کر ستانے لگا تو کیا دیکھتا ہے کہ چرندے اور پرندے جو اس چشمے پر پانی پینے کے لیے آتے ہیں' اسے دیکھ کر بدکتے اور الٹے پاؤں بھاگ جاتے ہیں۔ اس پر عابد نے کہا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ' میرا آرام ان چرندوں اور پرندوں کے لیے نقصان کا باعث ہے اور وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے آپ سے ناراض ہو کر کہنے لگا کہ میں نے آج یہاں ٹھہر کر ان جانوروں کو ضرر پہنچایا' اب میں کیا منہ لے کر

اس مالک کے پاس جاؤں گا جو میرا اور ان چرندوں پرندوں کا خالق ہے! میری ہی وجہ سے وہ اپنا دانہ پانی اور چراگاہ چھوڑ کر بھاگے ہیں۔ اس روز مجھے اپنے رب کے آگے کتنی پشیمانی ہو گی جب کہ بے سینگ والی بھیڑیں سینگ والیوں سے اپنا بدلہ لیں گے۔

یہ کہہ کر وہ رونے لگا اور اسے اس بات پر سخت افسوس ہوا کہ چشمے کے پاس درخت کے نیچے بیٹھ کر اس نے پرندوں کو پانی پینے سے روکا اور وہ اٹھ کر چل دیا اور چرواہے کہ پاس پہنچا اور اسے سلام کیا۔ چرواہے نے سلام کا جواب دیا اور اس سے گلے ملا۔ وہ شخص رونے لگا اور چرواہے نے کہا کہ تو اس جگہ کیوں آیا ہے؟ اس جگہ تو آج تک کوئی میرے پاس نہیں آیا۔ عابد نے جواب دیا کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ کوئی شخص مجھے اس جگہ کا پتہ دے کر کہتا ہے کہ میں تیرے پاس آ کر تجھے سلام کروں۔ اس حکم کی تعمیل کے لیے آیا ہوں۔ چرواہے نے اسے بوسہ دیا اور اس سے مل کر بہت خوش ہوا' اور اب دونوں اس پہاڑ کے غار میں بیٹھ کر خدا کی عبادت میں مشغول ہو گئے اور وہ برابر اسی جگہ خدا کی عبادت کرتے اور بھیڑوں کے گوشت اور دودھ پر زندگی بسر کرتے اور مال اور دولت اور بال بچوں سے کنارہ کش رہتے یہاں تک کہ ان کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ یہ ہے ان کی کہانی کا آخری حصہ۔

بادشاہ نے کہا کہ اے شہر زاد' تو نے مجھے میری حکومت سے دل برداشتہ کر دیا ہے اور مجھے عورتوں اور لڑکیوں کے قتل پر پشیمانی میں ڈال رکھا ہے۔ کیا تجھے اور کوئی قصے پرندوں کے یاد ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔

○ بگلے اور کچھوے کی کہانی

اے بادشاہ' بیان کیا جاتا ہے ایک بگلا ہوا میں اڑا اور اڑ کر ایک چٹان پر آ بیٹھا جو ایک بہتے ہوئے دریا کے بیچ میں تھی۔ وہ بیٹھا ہی ہوا تھا کہ اس نے دیکھا کہ پانی ایک انسانی لاش کو بہائے چلا آ رہا ہے یہاں تک کہ وہ اسی چٹان سے رک کر ٹھہر گئی۔

یہ لاش پھول کر کپا ہو گئی تھی۔ بگلا اس کے پاس جا کر اسے غور سے دیکھنے لگا اور اسے معلوم ہوا کہ یہ کسی آدمی کی لاش ہے اور اس پر تلوار اور نیزے کے زخم ہیں۔ بگلے نے اپنے دل میں کہا کہ یہ مقتول کوئی شریر آدمی تھا اور لوگوں نے آپس میں مل کر اسے قتل کر دیا تاکہ انہیں اس کے شر سے نجات ملے۔ بگلا اسی حیرانی اور پریشانی میں تھا کہ اس لاش کے اردگرد گدھ آ کر جمع ہو گئے۔ بگلا یہ دیکھ کر گھبرایا اور کہنے لگا کہ اب اس جگہ ٹھہرنا میرے بس سے باہر ہے۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے اڑ گیا تاکہ کسی دوسری جگہ جا کر پناہ لے یہاں تک کہ لاش ختم ہو جائے اور گوشت خور پرندے چلے جائیں۔ اڑتے اڑتے وہ ایک چشمے پر پہنچا جس کے بیچ ایک درخت تھا۔ وہ اس درخت پر بیٹھ گیا مگر وطن چھٹنے کا اسے بہت قلق اور افسوس تھا اور وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ رنج و غم میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں' جب میں نے وہ لاش دیکھی تو مجھے تشفی ہوئی تھی اور میں بہت خوش تھا اور اپنے دل میں کہتا تھا کہ یہ رزق خدا نے میرے لیے بھیجا ہے لیکن جب گوشت خور پرندوں نے اس پر قبضہ کر لیا اور مجھے اس سے محروم کر دیا تو میری خوشی' غم سے اور میرا سرور' رنج و الم سے بدل گیا۔ اب مجھے اس دنیا میں کیونکر تکلیف سے بچنے اور آرام سے رہنے کی امید ہو سکتی ہے! مقولہ ہے کہ دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا اور کوئی گھر ور نہیں۔ وہی شخص اس پر ریجھتا ہے جس کی عقل نہیں اور وہی اپنا مال اور اپنی اولاد اور قوم اور قبیلہ اس کے سپرد کرتا ہے' اور وہی برابر دنیا پر فریفتہ رہتا ہے اور اس پر بھروسہ کرتا ہے اور غرور سے چلتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے نیچے پہنچ جاتا ہے اور اس کے عزیز ترین اور قریب ترین اشخاص اس پر مٹی ڈال دیتے ہیں۔ انسان کے لیے سب سے بہتر یہ بات ہے کہ وہ دنیا کے رنجوں اور ناپسندیدہ باتوں پر صبر کرے۔ میں نے اپنا گھر بار چھوڑ دیا ہے اگرچہ مجھے اپنے دوست آشناؤں اور عزیزوں کی جدائی گوارا نہ تھی۔

بگلا اسی سوچ بچار میں تھا کہ ایک کچھوا پانی میں اتر کر بگلے کے پاس پہنچا اور اسے سلام

کر کے کہنے لگا کہ اے میرے آقا' تو کس وجہ سے اپنا وطن چھوڑ کر یہاں آیا ہے؟
بگلے نے کہا کہ اس وجہ سے کہ دشمنوں نے وہاں قبضہ کر لیا ہے اور دانشمند اپنے دشمن کے پڑوس میں نہیں رہتا۔ کچھوے نے کہا کہ اگر یہ بات ہے جو تو نے کہی ہے تو میں ہمیشہ تیرے ساتھ رہوں گا اور کبھی تجھ سے جدا نہ ہوں گا تاکہ میں تیری ضرورتیں پوری کروں اور تیری خدمت کروں کیونکہ مقولہ ہے کہ پردیسی جو اپنے اہل و عیال اور گھر بار سے جدا ہو جائے اس کی تکلیف سے بڑھ کر کوئی دوسری مصیبت نہیں۔ دانشمند کے لیے بہترین تسلی یہ ہے کہ وہ پردیس میں ہم صحبت پیدا کرے اور تکلیف اور مصیبت پر صبر کرے۔ میں امید کرتا ہوں کہ تو میرے ساتھ رہنا پسند کرے گا تاکہ میں تیری خدمت کروں اور تیرا یار و مددگار بنوں۔ جب بگلے نے کچھوے کی یہ باتیں سنیں تو کہنے لگا کہ تو سچ کہتا ہے' جب سے میں نے اپنا گھر چھوڑا ہے اور یار دوستوں سے جدا ہوا ہوں' اس وقت سے میں جدائی کے رنج و غم میں مبتلا ہوں۔ جدائی عبرت ہے اس کے لیے جو عبرت پکڑتا ہے اور سمجھنے کی بات اس کے لیے ہے جو سمجھتا ہے۔ اگر انسان کو کوئی تسلی دینے والا نہ ملے تو اچھائی اس کے لیے بالکل منقطع ہو جاتی ہے اور برائی ہمیشہ کے لیے اسے آ گھیرتی ہے۔ عاقل کے لیے اس سے بہتر کوئی بات نہیں کہ وہ ہر حالت میں دوستوں سے مل کر تسلی پائے اور ہمیشہ ثابت قدم اور بہادر رہے کیونکہ یہ دو خصلتیں تعریف کے قابل ہیں اور مصیبت اور زمانے کے حوادث کے وقت کام آتی ہیں اور غم و پریشانی کو ہر حالت میں دور کرتی ہیں۔ کچھوے نے کہا کہ خبردار' پریشانی کو کبھی پاس نہ بھٹکنے دیجیو کیونکہ وہ تیری زندگی کو اجیرن کر دے گی اور تیری ہمت توڑ دے گی۔ اسی طرح دونوں آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ بگلے نے کہا کہ زمانے کے حوادث اور دنیا کے مصائب کا ڈر ابھی تک میرے دل سے نہیں نکلا۔ جب کچھوے نے بگلے کی باتیں سنیں تو اس نے آگے بڑھ کر بگلے کے ماتھے پر بوسہ دیا اور کہا کہ تمام چڑیاں تجھے بابرکت سمجھتی ہیں اور تیرے مشورے میں

بھلائی پاتی ہیں، تو پھر تو خود کیوں اتنا رنج و غم برداشت کر رہا ہے؟ اسی طرح کچھوا برابر بگلے کا ڈر دور کرتا رہا یہاں تک کہ بگلا مطمئن ہو گیا۔

اب بگلا اس جگہ اڑ کر گیا جہاں لاش تھی اور دیکھا کہ گوشت خور چڑیوں میں سے کوئی بھی وہاں نہیں رہی اور لاش میں سے سوائے ہڈیوں کے کچھ باقی نہیں۔ یہ دیکھ کر وہ کچھوے کے پاس واپس آ گیا اور کہا کہ اب میرے وطن سے دشمن چلا گیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنے گھر جا کر اپنے احباب سے ملوں کیونکہ عاقل اپنے وطن کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد دونوں اس جگہ پہنچے اور دیکھا کہ اب ڈر کی کوئی بات وہاں نہیں اور وہ دونوں اس جزیرے میں رہنے لگے۔ بگلا وہاں خوش و خرم اور عیش و آرام سے بسر کر رہا تھا کہ قسمت سے ایک بھوکا باز وہاں آ پہنچا اور اس نے بگلے کے پیٹ میں ایک ایسا پنجہ مارا کہ وہ مر گیا اور جب اس کی موت آئی تو اس کی احتیاط اور خبرداری بے کار ثابت ہوئی اور اس کے مرنے کے وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی تسبیح سے غافل رہتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی تسبیح یہ ہے: "پاک ہے ہمارا پروردگار جس نے تقدیر اور تدبیر پیدا کی، پاک ہے ہمارا پروردگار کیونکہ وہی غنی اور فقیر کرتا ہے۔" یہ ہے قصہ بگلے اور گوشت خور پرندوں کا۔

بادشاہ نے کہا کہ اے شہر زاد، تو نے یہ کہانی سنا کر مجھے اور زیادہ پند و نصائح کئے۔ کیا تجھے جنگلی جانوروں کی بھی کوئی کہانی یاد ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔

○ بھیڑیئے اور لومڑی کی کہانی

اے بادشاہ، ایک لومڑی اور ایک بھیڑیا ایک ہی غار میں رہتے تھے اور دن رات آپس میں وہیں زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر بھیڑیا لومڑی کو ستاتا تھا۔ اسی حالت میں وہ ایک زمانے تک رہتے رہے لیکن ایک دن لومڑی نے بھیڑیئے سے کہا کہ۔ میرے ساتھ مہربانی

کا برتاؤ کر اور تکلیف دینے سے درگزر کر۔ اگر تو اپنے ظلم و ستم پر قائم رہا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا تجھ پر انسان کو مسلط کر دے اور تجھے معلوم ہے کہ وہ بڑا حیلے باز اور مکار اور فریبی ہے۔ وہ چڑیوں کو ہوا میں اور مچھلیوں کو سمندر میں شکار کرتا ہے اور پہاڑوں کو کاٹ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتا ہے۔ یہ ساری باتیں اس کی دغا بازی اور مکر و فریب کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا مہربانی اور انصاف برت اور شرارت اور ظلم سے باز آ۔ اس سے تیری زندگی زیادہ خوشگوار ہو جائے گی۔ بھیڑیے نے اس کی باتیں نہ مانیں اور سختی سے جواب دیا کہ تو اور ایسی باتیں' چھوٹا منہ بڑا نوالہ! یہ کہہ کر اس نے لومڑی کے ایک ایسا طمانچہ مارا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ بھیڑیے کے سامنے ہنس مکھ چہرہ بنا کر آئی اور اپنی ناگوار باتوں کی معافی مانگی۔ بھیڑیے نے اس کی معذرت قبول کر لی اور اپنی شرارتوں سے باز آیا اور اس سے کہنے لگا کہ ایسی بات مت کیا کر جس سے تجھے کوئی واسطہ نہیں ورنہ میں تجھے کھری کھری سناؤں گا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو انچاسویں رات

جب ایک سو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ بھیڑیے نے لومڑی سے کہا کہ ایسی بات مت کیا کر جس سے تجھے کوئی واسطہ نہ ہو ورنہ تو کھری کھری سنے گی۔ لومڑی نے کہا کہ بسر و چشم' جو بات تجھے ناپسند ہو اس سے میں پرہیز کروں گی کیونکہ عقلمندوں کا قول ہے کہ جو بات تجھ سے پوچھی نہ جائے وہ مت کہہ اور جہاں تو بلایا نہ جائے وہاں مت جا اور جس چیز سے تجھے واسطہ نہ ہو اسے چھوڑ کر وہ چیز اختیار کر جس سے تجھے واسطہ ہو' اور شریر لوگوں کو نصیحت مت کر کیونکہ وہ اس کے بدلے تجھ سے برائی کریں گے۔ جب لومڑی نے بھیڑیے کی باتیں سنی تھیں تو وہ اس کے سامنے ہنسنے لگی تھی لیکن اس کے دل میں بھیڑیے کی طرف سے کھوٹ تھا اور وہ اپنے دل میں کہتی تھی کہ میں کوشش کر کے ضرور اس بھیڑیے کو ہلاک کروں گی اور اس کی تکلیف رسانی کو وہ صبر کے ساتھ برداشت کرتی رہی اور اپنے دل میں کہتی تھی کہ توہین اور افترا ہلاکت کا سبب ہوتے ہیں اور خرابی میں مبتلا کرتے ہیں۔ مقولہ ہے کہ توہین کرنے والا خسارے میں رہتا ہے اور جاہل پچھتاتا ہے اور جو ڈرتا ہے' وہ بچ جاتا ہے۔ انصاف اشراف کی خصلت ہے اور بہترین کمائی ادب و آداب ہیں۔ مصلحت یہ ہے کہ اس ظالم سے پیچھا چھڑایا جائے اور اسے تباہ کیا جائے۔ اب اس نے بھیڑیے کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ پروردگار گناہ گار بندے کے گناہ کو معاف کرتا ہے اور اگر بندہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرے تو خدا اس کی طرف مہربان ہو جاتا ہے۔ میں ایک کمزور لونڈی ہوں اور میں نے نصیحت کر کے تیرا دل دکھایا ہے۔ اگر تجھے معلوم ہو جائے کہ تیرے طمانچے سے مجھے کتنی تکلیف پہنچی تو تجھے یقین ہو جائے گا کہ ہاتھی بھی نہ اس کو برداشت کر سکتا ہے اور نہ اس کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ لیکن میں اس طمانچے کی تکلیف کی اتنی شکایت نہیں کرتی بلکہ

مجھے اس سے بڑا سرور حاصل ہوا ہے کیونکہ اگرچہ مجھے اس سے سخت تکلیف پہنچی ہے تاہم اس کا نتیجہ سرور ہے۔ عقلمندوں کا قول ہے کہ اگرچہ استاد کی مار سے پہلے پہل بڑی تکلیف پہنچتی ہے مگر اس کا انجام خالص شہد سے زیادہ میٹھا ہوتا ہے۔ بھیڑیے نے کہا کہ میں تیرا گناہ معاف کرتا ہوں اور تیری لغزش سے درگزر کرتا ہوں لیکن میری طاقت سے ڈرتی رہ اور غلامی کا اعتراف کر کیونکہ تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ جو میری دشمنی پر کمر باندھتا ہے اس کے ساتھ میں کتنی سختی برتتا ہوں۔

یہ سن کر لومڑی اس کے آگے سجدے میں گر پڑی اور کہنے لگی کہ خدا تیری عمر بڑھائے اور تو اپنے دشمن سے ہمیشہ سختی کے ساتھ پیش آئے! لیکن لومڑی بھیڑیے سے برابر ڈرتی رہی اور اس سے الگ انگور کے باغ میں گئی اور دیکھا کہ اس کی دیوار میں ایک سوراخ ہے اس پر وہ چونکی ہوئی اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ اس سوراخ میں ضرور کوئی نہ کوئی وجہ ہے۔ کسی کا مقولہ ہے کہ اگر کوئی شخص زمین میں گڑھا دیکھے اور اس سے نہ بچے اور اس پر قدم رکھنے سے پرہیز نہ کرے تو وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتا اور ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ بعض لوگ انگور کے باغ کی دیوار پر لومڑی کی تصویر بنا دیتے ہیں بلکہ سیبوں میں انگور بھر کر اس کے آگے رکھ دیتے ہیں تاکہ کوئی لومڑی اسے دیکھ کر اس کی طرف دوڑے اور ہلاکت میں گرفتار ہو جائے۔ میرے خیال میں تو یہ سوراخ دھوکے کے لیے ہے۔ لوگوں کا مقولہ ہے کہ خبرداری آدھی احتیاط ہے اور اسی خبرداری کی بنا پر میں چاہتی ہوں کہ اس سوراخ کی وجہ دریافت کروں اور دیکھوں کہ کہیں اس کے آس پاس کوئی دھوکے کی چیز تو نہیں ہے جو ہلاکت کا باعث ہو۔ لالچ کی وجہ سے میں اپنی جان تباہ کرنا نہیں چاہتی۔ یہ کہہ کر وہ اس کے پاس گئی اور ادھر ادھر چکر لگانے لگی لیکن نہایت ڈرتی ڈرتی اور غور سے دیکھتی دیکھتی جاتی' اور اس نے دیکھا کہ وہاں واقعی ایک بہت بڑا گڑھا ہے جو انگور والے نے کھود رکھا ہے تاکہ جانور جو انگور خراب کرنے آئیں اس میں گر پڑیں۔

یہ دیکھ کر اس نے اپنے دل میں کہا کہ تیرا مقصد حاصل ہو گیا' اور اس نے یہ بھی دیکھا کہ گڑھے کے اوپر ایک پتلا کمزور سا پردہ پڑا ہے۔ اسے دیکھ کر وہ رک گئی اور کہنے لگی کہ شکر ہے خدا کا کہ میں اس سے خبردار ہو گئی اور میں امید کرتی ہوں کہ اس میں میرا دشمن بھیڑیا گرے گا جس نے میری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔ اس کے بعد میں تنہا ان انگوروں کی مالک ہو جاؤں گی اور وہاں اکیلی رہوں گی اور باغ میں عیش و عشرت سے زندگی بسر کروں گی۔

یہ کہہ کر اس نے اپنا سر ہلایا اور قہقہہ مار کر ہنسی اور دوڑتی ہوئی بھیڑیے کے پاس گئی اور اس سے کہنے لگی کہ خدا نے تیرے لیے بغیر تکلیف کے انگوروں تک رسائی آسان کر دی ہے۔ یہ تیری نیک بختی کی وجہ سے ہے۔ مبارک ہو تجھ کو یہ موقع جو خدا نے تیرے لیے پیدا کر دیا ہے اور یہ غنیمت اور روزی جو اس نے بلا محنت کے تیرے لیے مہیا کر دی ہے! بھیڑیے نے کہا کہ جو کچھ تو کہتی ہے اس کا ثبوت کیا ہے؟ لومڑی نے جواب دیا کہ میں خود انگوروں کے باغ میں گئی ہوں اور میں نے دیکھا ہے کہ اس کا مالک مر گیا ہے کیونکہ ایک بھیڑیے نے اسے پھاڑ کھایا ہے اور میں نے خود باغ میں جا کر دیکھا ہے کہ انگور بیلوں میں لدے پڑے ہیں۔ بھیڑیے کو لومڑی کی بات کا یقین آ گیا اور لالچ اس کے درپے ہوا اور وہ اٹھ کر سوراخ کے پاس پہنچا کیونکہ لالچ نے اسے اندھا بنا دیا تھا مگر لومڑی پیچھے پیچھے رہی اور مردہ بن کر لیٹ گئی۔

جب بھیڑیا سوراخ کے پاس پہنچا تو لومڑی نے اس سے کہا کہ انگور کے باغ میں جا' تجھے سیڑھی کی ضرورت نہیں کیونکہ باغ کی دیوار ٹوٹ گئی ہے اور خدا تیرے ساتھ پورا پورا احسان کرے گا۔ بھیڑیا یہ سن کر چل کھڑا ہوا اور چاہتا تھا کہ انگوروں کے باغ میں داخل ہو مگر جوں ہی اس کا پاؤں اس پردے پر پڑا جو گڑھے کے اوپر تھا تو وہ دھم سے اس میں جا گرا۔ لومڑی مارے خوشی کے' اچھلنے کودنے لگی اور اس کا رنج و غم دور ہو گیا اور وہ ناچنے گانے لگی۔ اس کے بعد جب اس نے دیکھا کہ بھیڑیا گڑھے میں پڑا اپنی جان کو رو رہا ہے اور غم زدہ ہے تو لومڑی بھی اسے دیکھ کر رونے

لگی۔ بھیڑیے نے اپنا سر لومڑی کی طرف اٹھا کر کہا کہ اے ابوالحصین' کیا تو میری ہمدردی کی وجہ سے رو رہی ہے؟ اس نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے تجھے اس گڑھے میں ڈالا ہے' میں تیری ہمدردی کی وجہ سے نہیں رو رہی ہوں بلکہ اس وجہ سے کہ تو اتنی مدت تک زندہ رہا۔ افسوس ہے کہ تو آج سے پہلے اس گڑھے میں نہیں گرا۔ اگر تو مجھ سے ملنے سے پہلے اس پر گر پڑتا تو میں چین سے زندگی بسر کرتی لیکن اس سے پہلے تیری موت اور زندگی کا خاتمہ مقدر میں نہ تھا۔ بھیڑیے نے مذاقیہ لہجے میں کہا کہ اے بدکردار' میری ماں کے پاس جا اس سے میرا ماجرا بیان کر تا کہ وہ میری رہائی کی کوئی تدبیر نکالے۔

لومڑی نے کہا کہ تو اپنی طمع اور حرص کی وجہ سے گڑھے میں گرا ہے اور ہلاک ہونے والا ہے اور کسی طرح سے بچ نہیں سکتا۔ اے جاہل بھیڑیے' کیا تجھے معلوم نہیں کہ ایک عام مقولہ ہے کہ جو نتیجے کو نہیں سوچتا اس کی مدد زمانہ نہیں کرتا اور وہ حوادث سے پناہ نہیں پاتا۔ بھیڑیے نے لومڑی سے کہا کہ اے ابوالحصین' تو تو میرے ساتھ محبت کا اظہار کرتی اور میری محبت کی طالب تھی اور تجھے میری قوت سے ڈر لگتا تھا جو شخص معاف کرنے کی مقدرت رکھتا ہے اور معاف کرتا ہے تو خدا پر اس کا اجر واجب ہو جاتا ہے۔ لومڑی نے جواب دیا کہ اے جنگل کے جاہل ترین درندے اور احمق ترین جانور' کیا تو اپنا ظلم اور غرور اور گھمنڈ بھول گیا ہے اور یہ کہ تو نے نہ رفاقت کا حق ادا کیا اور نہ میری نصیحت مانی؟ بھیڑیے نے کہا کہ گزشتہ گناہوں کا بدلہ مت لے' کیونکہ بڑے لوگوں سے معافی کی امید کی جاتی ہے اور نیکی کرنا آخرت کے لیے بہترین توشہ ہے۔ اسی طرح بھیڑیا برابر لومڑی کی خوشامد کر رہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ تجھے ضرور کوئی نہ کوئی تدبیر رہائی کی' معلوم ہو گی۔ لومڑی نے کہا کہ اے جاہل اور مغرور اور مکار اور دھوکے باز بھیڑیے' رہائی کا خیال دل سے نکال دے کیونکہ یہ تیری بدکرداری کی سزا ہے اور بدلہ۔ یہ کہہ کر لومڑی کھلکھلا کر ہنسی۔ بھیڑیے

نے کہا کہ اے حلیم ترین جانور' میں تجھے اتنی ایماندار سمجھتا ہوں کہ تو مجھے ہرگز اس گڑھے میں پڑا رہنے نہ دے گی۔ یہ کہہ کر وہ رونے اور فریادیں کرنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ لومڑی نے کہا کہ اے احمق دشمن' پہلے تو کیسا گھمنڈی اور متکبر اور ظالم اور جابر تھا اور اب کیسا خوشامدی اور منکسر المزاج اور ذلیل اور خوار ہو گیا ہے! جب تک میں تیرے ساتھ رہی تیرے ظلم سے ڈرتی رہی اور میں نے اس وجہ سے تیری چاپلوسی کی کہ تو میرے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اب تو کانپ رہا ہے اور تجھے بدکرداری کا بدلہ مل گیا ہے۔ بھیڑیے نے کہا کہ اے نیک بخت' دشمنوں کی سی باتیں مت کر اور مجھے دشمنی کی نظر سے مت دیکھ۔ قبل اس کے کہ تلافی کا وقت ہاتھ سے جاتا رہے' اپنی رفاقت کا وعدہ وفا کر۔ اٹھ اور کہیں سے ایک رسی لا اور اس کا ایک کنارا کسی درخت سے باندھ دے اور دوسرا میری طرف لٹکا دے تاکہ میں اسے پکڑ کر اس مصیبت سے نجات پاؤں اور تجھے وہ تمام انبار حوالے کر دوں جو میں نے جمع کیے ہیں۔

لومڑی نے کہا کہ بس اب تو بہت باتیں بنا چکا مگر ان سے نجات ناممکن ہے لہٰذا یہ خیال اپنے دل سے نکال دے کہ میں تجھے کوئی چیز دوں جسے پکڑ کر تو نکل آئے۔ یاد کر اپنی گزشتہ بدکرداریوں کو اور ان دھوکے بازیوں اور مکاریوں کو جو تو نے میرے ساتھ کی ہیں' اب عنقریب تجھ پر پتھر پڑیں گے اور تو اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا اور یہاں سے چلتا نظر آئے گا۔ اس کے بعد تو تباہی اور اس برے گھر میں پہنچے گا جو بدترین قرار گاہ ہے۔ بھیڑیے نے کہا کہ اے ابوالحصین' اب محبت کا سلوک کر اور دشمنی پر کمر مت باندھ اور سمجھ لے کہ جس نے کسی جان کو ہلاکت سے بچایا گویا اس نے اسے زندگی بخشی اور جس نے اسے زندگی بخشی گویا اس نے ساری دنیا کو زندگی بخشی۔ برائی کے پیچھے ہاتھ دھو کر مت پڑ کیونکہ اس سے عقلمندوں نے منع کیا ہے اور اس برائی سے زیادہ صاف اور کوئی برائی نہیں کہ میں اس گڑھے میں پڑا پڑا

موت کے گھونٹ پیوں اور اپنی تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں حالانکہ تو مجھے اس مصیبت سے چھڑا سکتی ہے۔ مہربانی کر کے مجھے چھڑا' یہ تیرا احسان ہو گا۔ لومڑی نے کہا کہ اے نابنجار' تیری میٹھی میٹھی ظاہری باتوں اور اندرونی بدنیتی اور بدکرداری کی وجہ سے میں تجھے اس باز سے تشبیہ دیتی ہوں جس کا قصہ تیتر کے ساتھ پیش آیا ہے۔ بھیڑیے نے پوچھا کہ وہ کیا؟

○ باز اور تیتر کی کہانی

لومڑی نے کہا کہ ایک دن میں ایک انگور کے باغ میں گئی کہ انگور کھاؤں۔ ابھی میں باغ میں ہی تھی کہ کیا دیکھتی ہوں کہ ایک باز ایک تیتر پر گرا تاکہ وہ اس کا شکار کرے اور اسے پکڑ لے لیکن تیتر بچ کر بھاگ گیا اور اپنے گھونسلے میں جا چھپا۔ باز نے پیچھے پیچھے جا کر اسے آواز دی اور کہا کہ اے بیوقوف' میں نے دیکھا تھا کہ تو جنگل میں بھوکا پھر رہا ہے۔ اس پر مجھے رحم آیا اور میں تیرے لیے دانہ لایا اور چاہتا تھا کہ تجھے پکڑ کر کھلاؤں لیکن تو مجھے دیکھ کر بھاگ گیا اور محروم رہا۔ اس لیے باہر نکل اور جو دانہ میں لایا ہوں اسے لے کر کھا' خدا تجھے مبارک کرے۔ جب تیتر نے باز کی یہ باتیں سنیں تو وہ سمجھا کہ باز سچ کہہ رہا ہے اور باہر نکل آیا۔ باز نے اپنے پنجے اس میں چبھو دیئے اور اسے دبوچ لیا۔ تیتر نے کہا کہ کیا یہی چیز تو میرے لیے جنگل سے لایا تھا اور مجھ سے کہا تھا کہ کھا' خدا تجھے راس لائے! تو نے مجھ سے جھوٹ بولا۔ خدا کرے کہ میرا گوشت جو تو کھائے تیرے پیٹ میں قاتل زہر بن جائے! چنانچہ اس کا گوشت کھاتے ہی باز کے پر جھڑ گئے اور قوت زائل ہو گئی اور وہ مر گیا۔
اب لومڑی بھیڑیے سے کہنے لگی کہ سن' جو کوئی اپنے بھائی کے لیے کنواں کھودتا ہے' خود اس میں گرتا ہے اور تو تو بہت دنوں سے میرے ساتھ غداری کر رہا ہے۔ بھیڑیے نے کہا کہ ان باتوں اور ضرب المثلوں کو مجھ سے بیان نہ کر اور میری گزشتہ بدکرداریوں

کی یاد بھی مجھے نہ دلا کیونکہ موجودہ تکلیف سے مجھے کافی سزا مل چکی ہے۔ اب میں اس حالت کو پہنچ گیا ہوں کہ دوست تو درکنار دشمنوں کو بھی رونا آتا ہے۔ کوئی نہ کوئی تدبیر سوچ کر مجھے یہاں سے نکال اور میری مدد کر خواہ اس میں تجھے تکلیف ہی کیوں نہ ہو کیونکہ دوست دوست کے لیے کیا کچھ نہیں گوارا کرتا مگر اس کو مصیبت سے چھڑا کر چھوڑتا ہے۔ مقولہ ہے کہ مہربان دوست سگے بھائی سے بہتر ہوتا ہے۔ اگر تو میری نجات کی تدبیر نکالے اور میں آزاد ہو جاؤں تو میں تیرے لیے اتنا سامان جمع کروں گا جو ہمیشہ کے لیے کافی ہو اور تجھے ایسے نئے گر سکھا دوں گا جن سے تو تازے انگوروں کے باغ میں جا سکے اور پھل چن سکے۔ لہٰذا خوش ہو اور دل شاد کر۔ لومڑی نے ہنس کر کہا کہ عقلمندوں نے تجھ جیسے ٹھیٹھ جاہلوں کے بارے میں کیا خوب کہا ہے۔ بھیڑیے نے پوچھا کہ وہ کیا؟ لومڑی نے جواب دیا کہ ان کا مقولہ ہے کہ جس کا بدن بھدا ہوتا ہے اس کی عقل بھی بھدی ہوتی ہے اور وہ سمجھ سے دور اور جہالت کے قریب ہوتا ہے اور اے مغرور' مکار' احمق' تیرا یہ کہنا کہ دوست اپنے اوپر تکلیف گوارا کر کے بھی دوست کی دستگیری کرتا ہے صحیح ہے جیسا کہ تو نے خود کہا ہے لیکن اے جاہل اور نا سمجھ' یہ تو بتا کہ باوجود تیری خیانت کے' میں کس طرح تیری دوست بن سکتی ہوں! تو مجھے دوست سمجھتا ہے مگر میں تیری دشمن ہوں اور تیری تکلیف سے مجھے راحت پہنچتی ہے۔ اگر تو اسے سمجھے تو یہ بات تلوار اور تیر سے زیادہ قاتل ہے اور تیرا یہ کہنا کہ تو میرے لیے اتنا سامان اکٹھا کر دے گا جو ہمیشہ کے لیے کافی ہو گا اور مجھے ایسے گر سکھا دے گا جن سے میں تازہ انگوروں کے باغ میں جا کر درختوں سے پھل چن سکوں گی' میں کیونکر مان سکتی ہوں کیونکہ اے مکار' دغا باز اگر یہ واقعہ ہے تو تو اپنے بچنے کی تدبیر کیوں نہیں کر سکتا۔ تو اپنے آپ کو فائدہ پہنچانے سے لاچار ہے اور میں تیری نصیحت قبول کرنے سے۔ اگر تو کوئی ترکیب جانتا ہے جس سے تو اپنے آپ کو اس حالت سے چھڑا سکتا ہے جس کے متعلق میں خدا سے دعا مانگتی ہوں کہ وہ تجھے ہرگز نہ چھوڑے تو اے جاہل' تو پہلے اپنے آپ کو مرنے سے بچا اور پھر

دوسروں کو سکھا۔ لیکن تیری مثال ایسی ہے کہ ایک شخص بیمار ہوا اور دوسرا شخص جو اسی بیماری میں مبتلا تھا اس کا علاج کرنے آیا اور اس سے کہنے لگا کہ میں تیرا علاج کروں؟ اس نے جواب دیا کہ پہلے تو خود اپنا علاج کیوں نہیں کرتا؟ یہ سن کر وہ الٹے پاؤں پھر گیا۔ اے جاہل بھیڑیے' تو بھی اسی کی طرح ہے لہٰذا یہیں بیٹھا رہ اور جو مصیبت تجھ پر آئے اس پر صبر کر۔

جب بھیڑیے نے لومڑی کی باتیں سنیں تو اسے یقین آ گیا کہ لومڑی سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور اس نے رو کر کہا کہ میں اس بات سے بالکل بے خبر تھا کہ میری یہ گت بنے گی۔ اگر خدا نے اس مصیبت سے مجھے نجات دی تو میں توبہ کرتا ہوں کہ اپنے سے کمزور پر کبھی ظلم و جور نہ کروں گا اور گدڑی پہن کر پہاڑ کے اوپر جا بیٹھوں گا اور خدا کے عذاب سے ڈر کر اس کی عبادت کروں گا اور درندوں کے پاس نہ پھٹکوں گا اور مجاہدوں اور فقیروں کو کھانا کھلاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ رونے اور آہ و زاری کرنے لگا۔ اس پر لومڑی کا دل پگھل گیا اور بھیڑیے کی تضرع و زاری سن کر جب وہ گھمنڈ اور تکبر سے توبہ کرتا تھا اسے ترس آ گیا اور وہ مارے خوشی کے کود کر گڑھے کے کنارے آ بیٹھی اور دونوں پچھلے پاؤں پر کھڑی ہو کر اپنی دم گڑھے میں لٹکا دی۔ بھیڑیا اٹھا اور اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر لومڑی کی دم پکڑ لی اور اسے اپنی طرف گڑھے میں کھینچ لیا اور اس سے کہنے لگا کہ اے بے مروت لومڑی' تو میری رفیق اور محکوم ہو کر کس طرح میری تکلیف پر خوش ہوتی تھی! لے اب تو بھی میرے ساتھ گڑھے کے اندر ہی ہے اور تو جلد عذاب میں مبتلا ہو گئی۔ حکماء کا قول ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے بھائی پر عیب لگائے کہ وہ کتیا کا دودھ پیتا ہے تو وہ بھی عنقریب وہی پینے لگے گا اور کئی کا ایک ساتھ مرنا بڑا پر لطف ہے قبل اس کے کہ تو مجھے مرتے دیکھے میں تجھے مار ڈالوں گا۔ لومڑی اپنے دل میں افسوس کرنے لگی کہ اب میرا پالا پھر اس ظالم سے پڑا ہے لہٰذا مجھے چاہیے کہ کوئی تدبیر و حیلہ نکالوں۔

مثل ہے کہ عورت اپنی منہ دکھائی کے روز کے لیے اپنے زیور گھڑتی ہے۔ دوسری مثل یہ ہے کہ اے آنسوؤ' میں نے تمہیں مصیبت کے دن کے لیے اٹھا رکھا ہے۔ اگر میں نے اس وحشی ظالم کے ساتھ کوئی چال بازی نہ کی تو ضرور تباہ ہو جاؤں گی۔

اب لومڑی نے بھیڑیے سے کہا کہ مجھے قتل کرنے میں جلدی مت کر کیونکہ میں اس بدلے کی مستحق نہیں ہوں۔ اے بہادر درندے اور بڑی قوت اور طاقت والے' اگر تو ذرا صبر کرے اور جو میں تجھ سے کہنا چاہتی ہوں اسے غور سے سنے تو تجھے میرے ارادے کا پتہ چل جائے گا اور اگر تو نے جلدی میں آ کر مجھے قتل کر دیا تو تیرے پاس پھر بچنے کی کوئی تدبیر باقی نہ رہے گی اور ہم دونوں یہیں مر مٹیں گے۔ بھیڑیے نے کہا کہ اپنی اور میری سلامتی سے تیرا کیا منشا ہے کہ تو مجھے ٹھہرنے کے لیے کہتی ہے؟ مجھے بتا اور اپنے ارادے سے مطلع کر۔ لومڑی نے کہا کہ جو میرا ارادہ ہے اس پر میں تجھ سے کوئی انعام نہیں چاہتی۔ جب میں نے سنا کہ تو اپنے دل سے وعدہ کرتا ہے اور اپنے پرانے جرموں کا اعتراف کرتا ہے اور گزشتہ بدکرداریوں سے توبہ کرتا ہے اور نیکی کرنے کا وعدہ کرتا ہے' اور جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ تو نے نذر مانی ہے کہ اگر تو موجودہ مصیبت سے چھٹکارا پائے تو اپنے رفیقوں اور دوسرے لوگوں کو ایذا نہ پہنچائے گا اور انگور اور دوسرے پھل نہ کھائے گا اور ہمیشہ منکسر المزاج رہے گا اور اپنے ناخن کٹوا اور دانت تڑوا ڈالے گا اور گدڑی پہنے گا اور خدا کی راہ میں قربانی کرے گا' تو مجھے تیرے اوپر ترس آیا اگرچہ میں تیری ہلاکت کے درپے تھی۔ یہ سچ ہے اور سچی بات ہی بہتر ہوتی ہے۔ جب میں نے تجھے توبہ کرتے سنا اور یہ نذر مانتے دیکھا کہ اگر خدا تجھے بچا لے تو تو میرے ساتھ خلوص سے پیش آئے گا تو میں نے تیری طرف اپنی دم لٹکا دی تاکہ تو اسے پکڑ کر باہر نکل آئے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو نے ابھی تک زبردستی اور ظلم سے دست کشی کی اور نہ رحم دل بن کر اپنے لیے نجات اور سلامتی کی کوشش کی بلکہ مجھے اتنی زور سے کھینچا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ

میری جان نکل گئی اور اب ہم دونوں ہلاکت اور موت میں گرفتار ہو گئے ہیں اور اب بلا ایک چیز کے ہم دونوں کا چھٹکارا نہیں ہو سکتا اگر تو اسے مان لے تو ہم دونوں بچ جائیں گے اور اس کے بعد تجھے اپنی نذر پوری کرنی ہو گی اور میں تیری رفیق بن کر رہوں گی۔ بھیڑیے نے کہا کہ تو اپنی کون سی بات مجھ سے منوانا چاہتی ہے؟ لومڑی نے کہا کہ تو اپنے دونوں پچھلے پاؤں پر کھڑا ہو جا اور میں تیرے سر پر چڑھ کر سطح کے قریب ہو جاؤں گی پھر میں کود کر نکل جاؤں گی اور تیرے لیے کوئی چیز لے آؤں گی کہ تو بھی نکل آئے۔

بھیڑیے نے کہا کہ تیری بات اعتماد کے قابل نہیں۔ حکیموں کا قول ہے کہ جو شخص دشمنوں پر اعتماد کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے' اور جو کوئی ایسے شخص پر بھروسہ کرتا ہے جو بھروسے کے قابل نہیں وہ فریب کھاتا ہے اور جو شخص تجربہ شدہ کا تجربہ کرتا ہے اسے پشیمانی کا سامنا ہوتا ہے اور اس کی زندگی بے کار ضائع ہوتی ہے اور جو مختلف حالتوں میں فرق نہیں کر سکتا اور سب کو ایک لاٹھی سے ہانکتا ہے اور سب چیزوں کو ایک سا سمجھتا ہے تو اسے فائدہ کم پہنچتا ہے اور نقصان زیادہ۔ لومڑی نے کہا کہ بدگمانی بہرحال بری بات ہے اور نیک گمانی کاملوں کی خصلت ہے اور اس کا نتیجہ مصیبتوں سے نجات ہے۔ اے بھیڑیے' اب تجھے یہ چاہیے کہ کوئی تدبیر نکال جس سے تو اس مصیبت سے نجات پائے اور ہم دونوں کی سلامتی' موت سے بہتر ہے۔ لہٰذا بدگمانی اور دشمنی سے باز آ۔ اگر تو نے نیک گمانی سے کام لیا تو دو میں سے ایک بات ہو سکتی ہے یا تو میں تیرے لیے کوئی چیز لے آؤں گی کہ تو اسے پکڑ کر باہر نکل آئے اور موجودہ مصیبت سے بچ جائے اور یا میں دغا بازی کروں گی اور خود رہائی پا کر تجھے یہیں چھوڑ دوں گی مگر یہ ممکن نہیں کیونکہ شاید میں پھر اس جیسی مصیبت میں پھنس جاؤں اور دغا بازی کا پھل پاؤں۔ مثل ہے کہ وفا اچھی چیز ہے اور بے وفائی بری چیز' اس لیے تجھے مجھ پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ زمانے کے حوادث سے میں اچھی طرح باخبر ہوں۔

لٰہذا ہماری رہائی کی تدبیر جلد کر' اس میں زیادہ بحث مباحثہ کرنا بے کار ہے۔ بھیڑیے نے کہا کہ اگرچہ مجھے تیری وفاداری پر کچھ زیادہ اعتماد نہیں ہے لیکن مجھے تیری نیت کا پتہ چل گیا ہے کہ میری توبہ سن کر تو نے میری رہائی کی ٹھان لی تھی۔ اس کے بعد میں نے اپنے دل میں یہ ٹھانی ہے کہ اگر تو اپنے خیال میں سچی ہے تو برائی کے بدلے برائی کرے گی اور اگر جھوٹی ہے تو پروردگار تجھے سزا دے گا۔ لٰہذا اب تیرے مشورے کو مانے لیتا ہوں اور اگر اس کے بعد بھی تو نے میرے ساتھ دھوکہ کیا تو یہ تیری ہلاکت کا باعث ہو گا۔

یہ کہہ کر بھیڑیا گڑھے میں سیدھا کھڑا ہو گیا اور لومڑی کو اپنے کندھوں پر چڑھا لیا اور وہ سطح کے قریب آ گئی اور اس کے کندھوں پر سے چھلانگ مار کر باہر نکل آئی اور نکلتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ بھیڑیے نے کہا کہ اے میری دوست' میرے معاملے میں بے خبر مت ہو جیو اور میری خلاصی میں دیر نہ کیجئو۔ لومڑی قہقہہ مار کر ہنسی اور کہنے لگی کہ اے مغرور' میں محض مذاق اور مسخرے پن کی پاداش میں تیرے ہاتھوں میں پھنس گئی تھی اور یہ اس طرح پیش آیا کہ جب میں نے تجھے توبہ کرتے سنا تو خوشی کے مارے اپنے آپے سے باہر ہو گئی اور کودنے اور خوشی منانے اور ناچنے لگی۔ اس وجہ سے میری دم گڑھے میں لٹک گئی اور تو نے اسے پکڑ کر کھینچ لیا اور میں تیرے پاس جا پڑی مگر خدا نے میری جان تجھ سے بچا لی۔ اب میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں کر سکتی کہ تیری تباہی کی کوشش کروں کیونکہ تو شیطان کا پیروکار ہے۔ کل میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں تیری برات میں ناچ رہی ہوں۔ اس خواب کو میں نے ایک تعبیر بتانے والے سے بیان کیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ تو ایک گڑھے میں گر پڑے گی مگر بچ کر نکل آئے گی۔ اس پر مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میرا گرنا تیری وجہ سے ہو گا اور میری نجات تعبیر کی بنا پر۔ اے جاہل اور مغرور' تجھے معلوم ہے کہ میں تیری دشمن ہوں اور اگرچہ تو کم عقل اور جاہل ہے تاہم تو یہ کیونکر خیال کر سکتا ہے کہ میں تجھے چھڑاؤں گی۔ اس کے علاوہ تو میری سخت کلامی

بھی سن چکا ہے اور یہ ممکن بھی کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں تیری نجات کی کوشش کروں حالانکہ پڑھے لکھوں کا مقولہ ہے کہ بدکار کی موت انسان کے لیے راحت اور زمین کے لیے پاکی کا باعث ہے۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تیرے ساتھ وفاداری کرنے میں مجھے تکلیف ہو گی جو بے وفائی کی تکلیف سے زیادہ ہے تو میں تیرے چھٹکارے کی کوئی نہ کوئی صورت نکالتی۔ لومڑی کی یہ باتیں سن کر بھیڑیا ندامت کی وجہ سے اپنی ہتھیلیاں دانتوں سے کاٹنے لگا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی

○○○

• پوری ایک سو پچاسیویں رات

جب پوری ایک سو پچاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت' بادشاہ' لومڑی کی یہ باتیں سن کر بھیڑیا ندامت کی وجہ سے اپنی ہتھیلیاں دانتوں سے کاٹنے لگا اور اس سے میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگا کیونکہ اس کے سوا اسے کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا لیکن بے سود۔ اب وہ دبی زبان سے کہنے لگا کہ اے لومڑیو' تم لوگ تو بڑی شیریں زبان اور خوش مذاق ہوتی ہو' اور اب بھی تو مذاق ہی کر رہی ہو لیکن کھیل اور مذاق کا وقت یہ نہیں۔ لومڑی نے جواب دیا کہ اے جاہل' مذاق کی تو ایک حد ہوتی ہے جس سے آگے مذاق کرنے والا نہیں بڑھتا۔ لہٰذا یہ خیال مت کر کہ خدا تیرے پنجوں سے چھڑانے کے بعد مجھے تیرے قبضے میں دے گا۔ بھیڑیے نے کہا کہ گزشتہ دوستی اور رفاقت کی بنا پر تجھے میری رہائی کی کوشش کرنی چاہیے۔ کیونکہ اگر تو نے مجھے چھڑا لیا تو میں اس کا اچھا بدلہ دوں گا۔ لومڑی نے کہا کہ حکما کا قول ہے کہ جاہل فاجر کے ساتھ بھائی چارہ مت کر کیونکہ اس میں تیرے لیے برائی ہے بھلائی نہیں' اور جھوٹے کو دوست نہ بنا کیونکہ وہ تیری نیکیوں کو چھپائے گا اور برائیوں کا ڈھنڈورا پیٹتا پھرے گا۔ یہ بھی عقلمندوں کا مقولہ ہے کہ ہر چیز سے چھٹکارا ہو سکتا ہے مگر موت سے نہیں' اور ہر چیز کی اصلاح ہو سکتی ہے مگر انسانی فطرت کی نہیں۔ اور سوائے قضا و قدر کے ہر چیز ٹل سکتی ہے اور جو تو بدلے کا ذکر کرتا ہے جس کی میں تیرے خیال میں مستحق ہوں تو اس بارے میں تیری مثال اس سانپ کی سی ہے جو سپیرے سے بھاگ رہا تھا اور اسی خوف کی حالت میں ایک شخص نے اسے دیکھ کر کہا کہ سانپ' خیر تو ہے! سانپ نے جواب دیا کہ میں سپیرے سے بھاگ رہا ہوں اور وہ میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اگر تو مجھے اس سے بچائے اور اپنے پاس چھپا لے تو میں تجھے نیک بدلہ دوں گا اور تیرے ساتھ احسان کروں گا۔ اس شخص نے انعام کو غنیمت سمجھ کر

اور بدلے کے لالچ میں اس سانپ کو اپنی جیب میں چھپا لیا۔ جب سپیرا وہاں سے گزر کر چلتا ہوا اور سانپ کے دل سے اس کا ڈر جاتا رہا تو اس شخص نے کہا کہ بتا تیرا بدلہ کہاں ہے؟ جس سے تو ڈرتا اور خائف تھا اس سے میں نے تجھے بچا لیا۔ سانپ نے کہا کہ میں تجھے اس بات کا اختیار دیتا ہوں کہ بتا میں تیرے کس عضو میں اور کس جگہ کاٹوں کیونکہ تجھے معلوم ہے کہ ہم لوگ اس بدلے سے تجاوز نہیں کرتے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے کاٹ کھایا اور وہ مر گیا۔

اے بھیڑیے بے وقوف' تیری مثال بھی اسی سانپ کی سی ہے جس کے اور اس آدمی کے درمیان یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ بھیڑیے نے کہا کہ اے خوش بیان و خوش رو' اس بات کو مت بھول کہ میں کس پائے کا ہوں اور لوگ مجھ سے کس قدر ڈرتے ہیں۔ تجھے معلوم ہے کہ میں قلعوں پر حملہ کرتا اور انگوروں کے باغوں کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دیتا ہوں لہٰذا میرے حکم کی تعمیل کر اور میرے ساتھ ایسا سلوک کر جو غلام اپنے آقا کے ساتھ کرتا ہے۔ لومڑی نے کہا کہ اے احمق جاہل اور باطل پرست' مجھے تیری جہالت اور دریدہ دہنی پر تعجب ہوتا ہے کہ تو مجھے حکم دیتا ہے کہ میں تیری خدمت کروں اور تیرے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوں گویا کہ میں تیری زر خرید لونڈی ہوں۔ دیکھ میں تیرے اوپر کیسے پتھر پھنکواتی ہوں کہ تیرا سر پاش پاش ہو جائے اور تیرے غدار دانت ٹوٹ جائیں۔

یہ کہہ کر لومڑی ایک ٹیلے پر چڑھ گئی جو انگوروں کے باغ کے اوپر تھا اور ان کے مالکوں کو پکارنے لگی اور یہاں تک چلاتی رہی کہ وہ آگاہ ہو گئے اور ان کی نظر اس پر پڑی اور وہ سب کے سب اس کی طرف دوڑ پڑے مگر لومڑی بیٹھی رہی یہاں تک کہ وہ اس کے قریب آ گئے اور نیز اس گڑھے کے جس میں کہ بھیڑیا تھا۔ اب وہ الٹے پاؤں بھاگی اور لوگوں کی نظر گڑھے پر پڑی اور انہوں نے اس میں بھیڑیے کو دیکھا اور وہ اس پر بھاری پتھر مارنے لگے اور اسے پتھروں اور لکڑیوں اور نیزوں کے پھلوں سے اتنا مارا کہ وہ مر گیا۔ جب لوگ اسے مار کر واپس گئے تو لومڑی اس گڑھے کے پاس

آئی جہاں بھیڑا مرا ہوا تھا اور وہاں ٹھہر گئی اور مارے خوشی کے اس نے سر کو ہلایا۔ اس کے بعد لومڑی انگور کے باغ میں اطمینان کے ساتھ اکیلی رہنے لگی اور اسے کسی تکلیف کا اندیشہ نہ رہا یہاں تک کہ اس کی موت آ گئی۔ یہ ہے کہانی بھیڑیے اور لومڑی کی۔

○ چوہے اور نیولے کی کہانی

لوگ یہ بھی ایک کہانی بیان کرتے ہیں کہ ایک چوہا اور ایک نیولا ایک کسان کے گھر میں رہتے تھے جو بہت غریب تھا۔ ایک بار اس کا ایک دوست بیمار ہوا اور حکیم نے اسے چھلے ہوئے تل کھانے کو کہا۔ بیمار نے اپنے ایک رفیق سے تل مانگے تا کہ وہ ان کو چھیل کر اپنی بیماری کا علاج کرے اور ان میں سے تھوڑے سے اس غریب کسان کو دیے کہ وہ چھیل لائے۔ کسان تل لے کر اپنی بیوی کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ انہیں تیار کر دے۔ بیوی نے انہیں صاف کیا اور پھٹکا اور بھگو کر پھیلا دیا۔ جب نیولے نے تلوں کو دیکھا تو وہ ان کے پاس آیا اور تھوڑا تھوڑا کر کے انہیں اپنے بل میں لے جاتا رہا یہاں تک کہ دن بھر میں وہ ان کا بڑا حصہ لے گیا۔ جب عورت آئی اور اس نے دیکھا کہ تل کم ہو گئے ہیں تو وہ حیران ہو گئی اور یہ دیکھنے کے لیے کہ ان کی کمی کا کیا باعث ہے وہ گھات سے بیٹھ گئی۔ اب نیولا تل لینے کے لیے بل میں سے نکلا اور عورت کو بیٹھا ہوا دیکھ کر سمجھ گیا کہ وہ اس کی گھات میں بیٹھی ہے اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس چوری کا نتیجہ برا نکلنے والا ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ عورت میری ہی تاک میں نہ لگی ہو۔ جو شخص انجام پر غور نہیں کرتا دنیا اس کا ساتھ نہیں دیتی۔ اب میرے لیے یہ لازم ہے کہ میں کوئی نیک کام کر کے اپنا بری ہونا ثابت کر دوں اور برائی کا دھبہ میرے دامن سے دھل جائے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے بل میں سے تل لا لا کر تلوں کے ڈھیر پر ڈالتا رہا۔ جب عورت

نے اسے یہ کرتا ہوا دیکھا تو وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ اس نیولے نے تو ہرگز تل نہیں چرائے ہیں کیونکہ وہ تو چور کے بل میں سے لا لا کر انہیں دوسرے تلوں میں ملاتا جاتا ہے۔ اس کا یہ احسان ہے کہ وہ تل واپس لا رہا ہے اور احسان کرنے والے کا بدلہ یہی ہے کہ اس پر احسان کیا جائے۔ یہ تلوں کا دشمن نہیں ہو سکتا لیکن میں چور کی گھات میں لگی رہوں گی جب تک کہ وہ میرے ہتھے نہ چڑھے اور مجھے معلوم نہ ہو جائے کہ وہ کون ہے۔ نیولے کو معلوم ہو گیا کہ عورت کے دل میں کیا بات ہے اور وہ چوہے کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا کہ بھائی اگر کوئی شخص پڑوس کا حق نہ ادا کرے اور بھائی چارے پر قائم نہ رہے تو اس کے اندر کوئی بھلائی نہیں۔
چوہے نے کہا کہ دوست' تو ٹھیک کہتا ہے۔ تو کیا خوب ہے اور تیرا پڑوس کیسا اچھا ہے! لیکن تیرا مطلب کیا ہے؟ نیولے نے کہا کہ مکان کا مالک تل لایا ہے اور وہ اور اس کے اہل و عیال انہیں کھا کر سیر ہو گئے اور ابھی بہت کچھ باقی ہے اور تمام جانور ان میں سے لے گئے ہیں۔ اگر تو بھی لے جائے تو' تو اوروں سے زیادہ مستحق ہے۔ چوہے کو یہ بات بہت پسند آئی اور وہ اچھلنے کودنے اور کان اور دم ہلانے لگا اور تلوں کے لالچ نے اسے اندھا بنا دیا اور وہ فوراً اپنے بل میں سے نکلا اور اس نے دیکھا کہ تل خشک اور چھلے ہوئے ہیں اور چمک رہے ہیں اور عورت بیٹھی ہوئی ہے مگر چوہے نے انجام پر بالکل غور نہ کیا۔ عورت سونٹا لیے تیار بیٹھی تھی اور جونہی چوہا تلوں کے اندر گھسا اور بیٹھ کر کھانے لگا عورت نے ایسا سونٹا مارا کہ اس کا سر بدن سے الگ ہو گیا اور وہ لالچ اور انجام کے نہ سوچنے کی وجہ سے مارا گیا۔
بادشاہ نے کہا کہ اے شہر زاد' واللہ یہ کہانی عجیب و غریب ہے۔ کیا تجھے کوئی ایسی کہانی بھی یاد ہے جس میں اچھی دوستی کا بیان ہو اور مصیبت کے وقت اس کے قائم رکھنے کا ذکر ہو تاکہ ہلاکت سے چھٹکارا ملے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔

○ کوے اور بلی کی کہانی

مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک کوا اور ایک بلی بھائی چارے میں رہتے تھے۔ ایک دن وہ اسی طرح ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں ایک تیندوا آ پہنچا اور ان کی نظر اس پر اس وقت پڑی جب کہ وہ اس درخت کے قریب پہنچ گیا۔ کوا تو اڑ کر درخت کی پھننگ پر جا بیٹھا مگر بلی ہکا بکا ہو کر رہ گئی اور کوے سے کہنے لگی کہ اے میرے دوست' کیا تو کسی تدبیر سے میرا چھٹکارا کر سکتا ہے جیسا کہ میں تجھ سے امید رکھتی ہوں۔ کوے نے جواب دیا کہ جب کوئی مصیبت آتی ہے تو دوستوں ہی سے التماس کیا جاتا ہے کہ وہ کوئی تدبیر نکالیں۔ یہ کہہ کر وہ ان چرواہوں کے پاس پہنچا جن کے ساتھ کتے تھے اور جو اسی درخت کے قریب تھے اور زمین پر اپنے پر مارنے اور کائیں کائیں کر کے شور مچانے لگا۔ اس کے بعد اس نے بڑھ کر ایک کتے کے منہ پر بازو مارا اور کم بلندی پر اڑنے لگا۔ کتوں نے اس کا پیچھا کیا۔ اتنے میں چرواہے نے دیکھا کہ ایک پرندہ زمین کے اوپر اڑتا اور پھر گرنے لگتا ہے اور وہ بھی اس کے پیچھے دوڑا۔ کوا محض اتنی اونچائی پر اڑتا تھا کہ وہ کتوں سے بچا رہے مگر کتے اسے شکار کرنے کے لالچ میں لگے رہیں۔ جب وہ قریب آ جاتے تھے تو کوا ذرا اونچا اڑنے لگتا کہ کتے اس کا پیچھا نہ چھوڑ دیں یہاں تک کہ وہ اس درخت کے پاس پہنچ گئے' جس کے نیچے تیندوا تھا۔ جب کتوں نے تیندوے کو دیکھا تو انہوں نے اس پر حملہ کر دیا اور وہ وہاں سے بھاگا۔ اس کا گمان تھا کہ وہ اس بلی کو کھا ڈالے گا لیکن بلی اپنے دوست کوے کی تدبیر سے بچ گئی۔ اے بادشاہ یہ کہانی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سچے دوستوں کی دوستی بربادی اور مصیبت میں پھنسنے سے بچاتی ہے۔

○ لومڑی اور کوے کی کہانی

ایک کہانی اور ہے کہ ایک لومڑی پہاڑ پر کسی غار میں رہتی تھی اور جب کبھی اس کے بچہ پیدا ہوتا اور بڑھ کر موٹا تازہ ہو جاتا تو وہ بھوک کے مارے اس کو کھا جاتی اور اگر وہ اپنے بچے کو نہ کھاتی بلکہ رہنے دیتی اور وہ اس کے ساتھ رہتا اور وہ اس کی حفاظت کرتی تو وہ خود بھوک کے مارے مر جاتا اور لومڑی اس پر بہت غمگین ہوتی۔ اسی پہاڑ کی چوٹی پر ایک کوا رہتا تھا۔ لومڑی نے اپنے جی میں کہا کہ چلو اس کوے سے چل کر دوستی کریں اور تنہائی میں اسے اپنا رفیق بنائیں اور روزی کی طلب میں اس سے مدد لیں کیونکہ اس بات میں اسے مجھ سے زیادہ قدرت حاصل ہے۔ یہ کہہ کر لومڑی کوے کی طرف روانہ ہو گئی اور جب وہ اس کے اتنے پاس پہنچ گئی کہ وہ اس کی آواز سن سکتا تھا تو اس نے اسے سلام کیا اور اس سے کہنے لگی کہ اے میرے پڑوسی' مسلمان پڑوسی کے مسلمان پڑوسی پر دو حقوق ہیں۔ ایک تو پڑوس کا اور دوسرا مسلمان ہونے کا۔ لہٰذا سن اے دوست' تو میرا پڑوسی ہے اور اس لیے تیرا مجھ پر حق ہے جس کا ادا کرنا ضروری ہے بالخصوص اس وجہ سے کہ ہم بہت زمانے سے پڑوسی ہیں۔ علاوہ اس کے میرے دل میں تیری محبت بیٹھی ہوئی ہے جس کی وجہ سے میں تیرے ساتھ پیار سے گفتگو کرتی ہوں اور تجھ سے بھائی چارہ کرنا چاہتی ہوں' کہہ تیری کیا رائے ہے؟ کوے نے لومڑی سے کہا کہ سب سے اچھی بات وہی ہے جو سب سے زیادہ سچی ہو۔ ممکن ہے تو اپنی زبان سے وہ بات کہتی ہو جو تیرے دل میں نہ ہو اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بھائی چارے کا اظہار محض زبانی ہو اور تیرے دل میں میری طرف سے عداوت ہو کیونکہ تو درندہ ہے اور میں درندے کی غذا۔ اسی وجہ سے ہم آپس میں ایک دوسرے سے محبت اور رفاقت کرنے سے دور بھاگتے ہیں۔ آخر ایسی چیز کی ضرورت تجھے کیا پڑی جسے تو حاصل نہیں کر سکتی اور ایسا ارادہ کیوں کیا جو پورا نہیں ہو سکتا؟ کیونکہ تو درندے کی قسم ہے اور میں پرندے کی۔ ایسا بھائی چارا ادھورا رہتا ہے اور اس کی چول کبھی نہیں بیٹھتی۔ لومڑی نے کہا کہ جو شخص بڑی بڑی چیزوں کی جگہ جانتا ہے وہ وہی چیز منتخب کرتا ہے جو بہترین ہوتی ہے اور اس سے

اس کے دوستوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ میں اس وجہ سے تیرے قرب اور تیری رفاقت کی خواہش مند ہوں تاکہ ہمیں آپس میں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے مدد ملے اور محبت کا انجام کامیابی ہو۔ مجھے اچھی دوستی کے متعلق چند کہانیاں یاد ہیں' اگر تو چاہے تو بیان کروں۔ کوے نے کہا کہ میری طرف سے تجھے اجازت ہے کہ تو تفصیل کے ساتھ بیان کر' لہٰذا وہ کہانیاں مجھے سنا تاکہ میں سنوں اور پرکھوں اور سمجھوں کہ تیرا مقصد کیا ہے؟ لومڑی نے کہا کہ اے میرے دوست لوگ ایک پسو اور ایک چوہے کی کہانی کہتے ہیں جس سے میرے کہنے کا ثبوت ملتا ہے۔ کوے نے کہا کہ وہ کس طرح؟

○ پسو اور چوہے کی کہانی

لومڑی نے جواب دیا کہ ایک بڑے امیر سوداگر کے گھر میں ایک چوہا رہتا تھا۔ ایک رات اس سوداگر کے بچھونے میں ایک پسو گھس گیا اور دیکھا کہ اس سوداگر کا نرم نرم بدن ہے۔ پسو پیاسا تو تھا ہی اس نے خوب اس کا خون چوسا۔ جب سوداگر کو درد محسوس ہوا تو اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ اٹھ بیٹھا اور اپنی لونڈیوں اور غلاموں کو آواز دی۔ وہ لوگ فوراً پہنچے اور آستینیں چڑھا کر پسو کی تلاش میں لگ گئے۔ جب پسو کو معلوم

ہوا کہ وہ اسے ڈھونڈ رہے ہیں تو وہاں سے بھاگ کر ایک چوہے کے بل میں گھس گیا۔ جب چوہے کی نظر اس پر پڑی تو اس نے کہا کہ آخر تو میرے بل میں کیوں آیا؟ نہ تو' تو میرا بھائی بند ہے اور نہ ہی ہم جنس اور نہ تجھے اس بات کا اطمینان ہو سکتا ہے کہ میں تجھ پر سختی نہ کروں یا تجھ سے نہ جھگڑوں یا تجھے نقصان نہ پہنچاؤں۔ پسو نے کہا کہ میں قتل ہونے کے ڈر سے جان بچا کر تیرے گھر میں آیا ہوں۔ میں محض پناہ کا خواستگار ہوں' نہ تو میں تیرے گھر پر قبضہ کرنا چاہتا ہوں اور نہ مجھ

سے تجھے کوئی ایسی تکلیف ہو گی جس کی وجہ سے تجھے اپنا گھر بار چھوڑنا پڑے۔ مجھے امید ہے کہ میں تیرے احسان کے بدلے میں تیرے ساتھ ہر طرح کی نیکی کروں گا اور تجھے عنقریب میری باتوں کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا اور تو میری تعریف کرے گا۔

جب چوہے نے پسو کی باتیں سنیں-----

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

ایک سو اکیاونویں رات

جب ایک سو اکیاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب چوہے نے پسو کی یہ باتیں سنیں تو وہ کہنے لگا کہ اگر یہی بات ہے جو تو کہتا ہے تو یہاں اطمینان سے رہ۔ یہاں تیرے لیے سلامتی ہی سلامتی ہے اور خوشی ہی خوشی ہے اور جو کچھ میرے اوپر گزرے گی وہی تیرے اوپر۔ اور میں تیرا دوست بن کر رہوں گا۔ اس پر افسوس مت کر کہ سوداگر کا کچھ خون تجھ سے بچ گیا اور تیری روزی اس سے ختم ہو گئی بلکہ جو رزق تجھے یہاں میسر ہو' اس پر راضی رہ کیونکہ اس میں تیری سلامتی ہے۔ چوہے کی یہ باتیں سن کر پسو نے کہا کہ اے بھائی میں نے تیری باتیں سنیں' اب میں تیرا فرمانبردار ہوں اور ہرگز تیری مخالفت نہ کروں گا یہاں تک کہ اس نیک نیت کے ساتھ میری موت آ جائے۔ چوہے نے کہا کہ سچی محبت کے لیے نیت کی اچھائی کافی ہے۔ اب دونوں میں دوستی اور بھائی چارہ ہو گیا۔ اس کے بعد پسو سوداگر کے بچھونے میں رات کو چھپ کر بیٹھتا اور ضرورت سے زیادہ اس کا خون نہ چوستا' اور دن کے وقت چوہے کے ساتھ اس کے بل میں رہتا۔ ایک رات ایسا اتفاق ہوا کہ سوداگر بہت سارے دینار لے کر گھر آ گیا اور انہیں الٹنے پلٹنے لگا۔ جب چوہے نے دیناروں کی آواز سنی تو بل میں سے اپنا سر نکال کر انہیں دیکھنے لگا یہاں تک کہ سوداگر انہیں اپنے تکئے کے نیچے رکھ کر سو گیا۔ اب چوہے نے پسو سے کہا کہ دیکھ اس وقت اچھا موقع ہے اور بڑے فائدے کی امید ہے۔ کوئی تدبیر نکال کہ یہ دینار ہمارے ہاتھ لگ جائیں۔ پسو نے کہا کہ اگر کسی میں اپنا مقصد پورا کرنے کی طاقت نہ ہو تو وہ اس سے الگ تھلگ رہے کیونکہ اگر وہ کمزور ہے تو اسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا جس سے وہ ڈرتا ہے اور کمزوری کی وجہ سے اس کی مراد نہ بر آئے گی۔ خواہ اس کی تدبیریں کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہوں۔ اس کی مثال اس چڑیا کی سی ہے جو دانہ چگتے

چگتے جال میں پھنس جاتی ہے اور چڑی مار اسے پکڑ لیتا ہے۔ تجھ میں نہ تو دینار اٹھانے کی طاقت ہے اور نہ انہیں گھر سے باہر لے جانے کی اور نہ مجھ میں اس کی طاقت ہے بلکہ میں تو ایک دینار بھی نہیں لے جا سکتا۔ لہٰذا دیناروں سے الگ تھلگ ہے چوہے نے کہا کہ میرے اس بل کے ستر منہ ہیں۔ اور میں جب چاہوں ان سے نکل سکتا ہوں اور قیمتی چیزوں کے لیے میں نے ایک محفوظ جگہ بنا چھوڑی ہے۔ اگر تو کسی تدبیر سے اسے گھر کے باہر کر دے تو میری کامیابی یقینی ہے بشرطیکہ تقدیر یاوری کرے۔

پسو نے جواب دیا کہ میں سوداگر کو باہر نکالنے کا انتظام کر دوں گا۔ یہ کہہ کر پسو نے سوداگر کے بچھونے میں گھس کر اسے اتنے زور سے کاٹا کہ پہلے کبھی اس طرح نہ کاٹا ہو گا۔ اور پھر ایسی جگہ جا کر چھپ گیا کہ سوداگر اس کا کچھ نہ کر سکتا تھا۔ سوداگر اٹھ کر اسے ڈھونڈنے لگا مگر وہ نہ ملا۔ اس کے بعد سوداگر دوسری کروٹ لیٹ گیا اور پسو نے آ کر اسے پہلے سے بھی زیادہ زور سے کاٹا۔ سوداگر مارے تکلیف کے بچھونے سے اٹھا اور دروازے پر جا کر ایک چوکی کے اوپر سو گیا اور صبح تک اس کی آنکھ نہ کھلی۔ اس اثناء میں چوہا دیناروں کے پیچھے پڑ گیا اور ان میں سے ایک بھی نہ چھوڑا۔ جب صبح ہوئی تو سوداگر گھر والوں پر تہمت لگانے لگا اور اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات گزرنے لگے۔

اس کے بعد لومڑی نے کوے سے کہا کہ اے سمجھ دار اور عقلمند اور باخبر کوے' میں نے یہ کہانی اس لیے بیان کی ہے کہ تیرے احسان کا بدلہ بھی تجھے ملے گا جس طرح سے کہ چوہے کو اس احسان کا بدلا ملا جو اس نے پسو کے ساتھ کیا تھا۔ دیکھ اس نے اسے کیسا بدلہ دیا اور اس کے ساتھ کیسا اچھا سلوک کیا! کوے نے کہا کہ محسن کے لیے احسان کرنا یا نہ کرنا اس کی مرضی پر ہے اور ایسے شخص کے ساتھ احسان کرنا ضروری نہیں جو گھر بار چھوڑنے کا خواہش مند ہو۔ اگر تیرے دشمن ہونے کے باوجود بھی میں تجھ پر احسان کروں تو میں خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماروں گا اور اے لومڑی' تو مکار اور فریبی مشہور ہے اور جس کی فطرت میں مکر و فریب ہو اس کے عہد و

پیان پر اعتماد نہیں اور جس کے عہد و پیان پر اعتماد نہ ہو اس کو امان نہ دینا چاہیے۔ مجھے ابھی حال میں یہ خبر ملی ہے کہ تو نے اپنے ساتھی بھیڑیے کے ساتھ دغا کیا ہے اور دغا بازی اور حیلے سے اسے مار ڈالا ہے۔ اس کی ہم جنس اور مدت تک اس کی ہم صحبت ہونے کے باوجود تو نے اس کے ساتھ یہ کام کیا اور اس کو نہ چھوڑا۔ پھر میں تیرے اوپر کیونکہ بھروسہ کر سکتا ہوں! جب تو نے اپنے ہم جنس اور رفیق کے ساتھ یہ برتاؤ کیا تو غیر جنس کے ساتھ جو تیرا دشمن بھی ہے' کیا برتاؤ کرے گی! تیری اور میری مثال شکرے اور شکاری چڑیوں کی سی ہے۔ لومڑی نے کہا کہ وہ کیا کہانی ہے؟

○ شکرے اور شکاری چڑیوں کی کہانی

کوے نے کہا کہ ایک شکرا بڑا ظالم اور موذی تھا ------
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو باونویں رات

جب ایک سو باونویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ کوے نے کہا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شکرا اپنی جوانی میں بڑا ظالم اور موذی تھا اور شکاری چڑیاں اور جنگلی جانور سب اس سے ڈرتے تھے اور اس کے ہاتھ سے کوئی بھی نہ بچتا تھا۔ اس کے ظلم اور جور کے قصے بہت لمبے چوڑے ہیں کیونکہ اس شکرے کی عادت ہی یہ تھی کہ وہ تمام چڑیوں کو تنگ کرتا تھا۔ جب وہ کئی سال کا ہو گیا تو اس کی قوت کم ہونے اور طاقت گھٹنے لگی اور وہ بھوکا رہنے لگا اور اسے بڑی تکلیف ہونے لگی۔ اب اس نے اپنے دل میں یہ ٹھانی کہ وہ چڑیوں کے جھنڈ میں جا کر ان کا بچا کھچا کھائے۔ الغرض وہ اس حیلے سے اپنے دن کاٹنے لگا اگرچہ وہ پہلے اپنی قوت اور زور سے روزی کماتا تھا۔

اے لومڑی' تیرا بھی یہی حال ہے اگرچہ تیری قوت جاتی رہی ہے مگر تیری چال بازی نہیں گئی۔ مجھے شک نہیں کہ تو مجھ سے مل کر اپنے لیے کھانے پینے کی تدبیر نکال رہی ہے۔ مگر میں ایسا نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل کر کے اپنا ہاتھ تیرے ہاتھ میں دوں کیونکہ خدا نے میرے بازوؤں میں قوت دی ہے اور دل میں دور اندیشی اور آنکھ میں بصارت۔ سمجھ لے کہ جو کوئی اپنے سے قوی تر کی ریس کرتا ہے وہ پریشان ہو جاتا ہے بلکہ اکثر تباہ ہو جاتا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تو اپنے سے قوی تر کی ریس کرے گی تو تیری بھی وہی گت بنے گی جو چڑیا کی بنی۔ لومڑی نے کہا کہ چڑیا کی کیا گت بنی؟ میں تجھے خدا کی قسم دیتی ہوں کہ اس کی کہانی بیان کر۔

○ گرگیا اور گدھ کی کہانی

کوے نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک چڑیا ایک بھیڑوں کے گلے پر اڑ رہی تھی وہ ابھی ادھر ادھر دیکھ ہی رہی تھی کہ اتنے میں ایک بڑا عقاب بھیڑوں کے ایک چھوٹے سے میمنے کے اوپر گرا اور اسے پنجے میں پکڑ کر ہوا میں اڑ گیا۔ یہ دیکھ کر چڑیا نے اپنے پر پھڑپھڑائے اور کہنے لگی کہ میں بھی اسی کی طرح کروں گی کیونکہ اس کے دل میں غرور سما گیا تھا اور وہ اپنے سے بڑے کی ریس کرنی چاہتی تھی۔ لہٰذا وہ فوراً اڑ کر ایک موٹے سے مینڈھے کے پاس پہنچی جس پر بہت سا اون تھا اور پیشاب اور مینگنیوں میں بیٹھنے کی وجہ سے وہ اون مثل تھوک کے ہو گیا تھا۔ جب چڑیا اس کی پیٹھ پر آ کر بیٹھی اور اپنے پر پھڑپھڑانے لگی تو اس کے دونوں پاؤں اون میں پھنس گئے اور جب اس نے چاہا کہ اڑ کر بھاگے تو اپنے آپ کو چھڑا نہ سکی۔ یہ تمام باتیں چرواہے کی آنکھوں کے سامنے ہوئیں۔ اس نے پہلے عقاب کا ماجرا دیکھا تھا اور اب چڑیا کا۔ یہ دیکھ کر چرواہا غصے میں بھرا ہوا چڑیا کے پاس آیا اور اسے پکڑ کر اس کے پر نوچ ڈالے اور اس کی ٹانگوں میں ڈورا باندھ کر اسے اپنے بچوں کے حوالے کر دیا۔ ایک بچے نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ چرواہے نے کہا کہ اس نے اپنے سے بڑے کی ریس کی تھی اور اس میں ماری گئی۔

اے لومڑی' اسی طرح تو بھی اپنے سے قوی تر' کی ریس مت کر ورنہ تو بھی تباہ ہو جائے گی بس یہی مجھے تجھ سے کہنا تھا' اب یہاں سے چل دے۔ جب لومڑی کو کوے کے بھائی چارے سے ناامیدی ہو گئی تو وہ غم زدہ ہو کر واپس گئی اور آہ بھرنے اور پشیمانی سے دانت پیسنے لگی۔ جب کوے نے اس کی آہ و بکا سنی اور اسے غمگین اور حزیں دیکھا تو وہ کہنے لگا کہ اے لومڑی تجھ پر کیا مصیبت پڑی ہے کہ تو اپنے دانت پیس رہی ہے؟ لومڑی نے جواب دیا کہ میں اس لیے دانت پیستی ہوں کہ میں تجھے اپنے آپ سے زیادہ چالاک پاتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے بھاگی اور لوٹ کر اپنے غار میں چلی گئی۔

اے بادشاہ یہ ہے ان دونوں کی کہانی۔ بادشاہ نے کہا کہ اے شہر زاد' یہ کیا خوب کہانیاں ہیں! کیا تجھے پند و نصائح کی بھی اس قسم کی کہانیاں یاد ہیں؟

○ سیہ اور قمری کی کہانی

اس نے کہا کہ سنا جاتا ہے کہ کسی کھجور کے درخت کے پاس ایک سیہ رہتی تھی اور اسی کھجور پر ایک جوڑا قمری کا رہتا تھا' جنہوں نے اپنا گھونسلا اس پر بنا لیا تھا اور بڑے مزے سے دن کاٹتے تھے۔ سیہ نے اپنے دل میں کہا کہ قمری کا جوڑا اس درخت کی کھجوریں کھاتا ہے اور میری رسائی وہاں تک نہیں ہوتی' اس لیے ضروری ہے کہ کوئی چال چلنا چاہیے۔ لہٰذا اس نے درخت کی جڑ میں ایک گڑھا کھودا جس میں وہ اپنی مادہ کے ساتھ رہنے لگا اور اس گڑھے کے پاس ایک مسجد بنائی اور اس میں اکیلا بیٹھ کر یہ جتایا کہ اس نے دنیا کو چھوڑ کر عبادت اور ریاضت اختیار کی ہے۔ قمری روز اسے عبادت کرتے اور نماز پڑھتے دیکھتی تھی اور اس کے اس زہد پر اس کا دل پسیج گیا اور اس نے سیہ سے پوچھا کہ تو کتنے سال سے اس طرح عبادت میں مشغول ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تیس سال سے۔ قمری نے پوچھا کہ تو کیا کھاتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کانٹے جن کی تیزی مجھے بھاتی ہے۔ قمری نے کہا کہ اور جگہوں کو چھوڑ کر خاص اس جگہ تو نے کیوں رہائش اختیار کی؟ اس نے کہا کہ راستے سے دور میں نے یہ جگہ اس لیے اختیار کی ہے تاکہ بھولے بھٹکوں کو راہ بتاؤں اور نادانوں کو سمجھاؤں۔ قمری نے کہا کہ میں تو تجھے ایسی باتوں کے برخلاف سمجھتی تھی لیکن اب تیری باتوں کی طرف مجھے رغبت ہوتی جاتی ہے۔ سیہ نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ تیرے قول کے موافق تیرا فعل نہ ہو اور تیری بھی وہی حالت ہو جائے جو اس کسان کی ہوئی تھی جس نے بیج بونے کے وقت بیج نہ بوئے اور کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ زمانہ میری مراد پوری نہ کرے اور جلد بیج بونے سے میرا سارا مال ضائع ہو

جائے۔ مگر جب فصل کاٹنے کا وقت آیا تو اس نے دیکھا کہ لوگ فصل کاٹ رہے ہیں تو اسے پشیمانی ہوئی اور اپنی سستی سے وہ سب کچھ کھو بیٹھا اور وہ کڑھ کڑھ کر مر گیا۔ قمری نے پوچھا کہ آخر میں کیا کروں جو دنیا کے پھندوں سے نجات پاؤں اور سب کچھ چھوڑ کر محض اپنے خدا کی عبادت کیا کروں۔ سیہ نے کہا کہ آخرت کا توشہ بہم پہنچا اور تھوڑی سی روزی پر قناعت کر۔ قمری نے کہا کہ یہ میں کس طرح کر سکتی ہوں؟ میں تو محض ایک چڑیا ہوں اور اس کھجور کے درخت سے جس میں میری روزی ہے اور کہیں جا نہیں سکتی۔ اور اگر جا بھی سکتی تو مجھے یہ معلوم نہیں کہ کہاں جا کر قیام کروں۔ سیہ نے کہا کہ یہ ممکن ہے کہ تو اس درخت کو جھاڑ کر اتنی کھجوریں گرا دے جو تیرے اور تیری بیوی کے لیے سال بھر چلیں اور تو اس کھجور کے نیچے ایک گھونسلا بنا کر رہ اور ہدایت کا سیدھا راستہ اختیار کر۔ پھر جتنے پھل تو نے جھاڑ کر گرائے ہیں انہیں ایک جگہ لے جا کر جمع کر تاکہ جب ان کی فصل نہ ہو اس وقت وہ تیرے کام آئیں اور جب پھل ختم ہو جائیں اور نئی فصل میں ابھی دیر ہو تو تو کھانے پینے سے دست کش ہو جا۔

اس پر قمری نے اس سے کہا کہ خدا تیری نیک نیتی کا اچھا بدلہ دے کیونکہ تو نے مجھے آخرت کی یاد دلائی اور سیدھے راستے پر ہدایت کی۔ اب قمری کے جوڑے نے بڑی محنت کر کے پھل جھاڑ دیے یہاں تک کہ درخت پر ایک کھجور بھی باقی نہ رہی۔ جب سیہ کو کھانے پینے کا سامان مل گیا تو وہ بہت خوش ہوئی اور اس نے اپنے بل کو کھجوروں سے بھر کر انہیں کھانے کے لیے اٹھا رکھا اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ جب دونوں قمریوں کو خوراک کی ضرورت ہو گی تو وہ مجھ سے مانگیں گی اور میرے ذخیرے کی خواہش مند ہوں گی اور میری پرہیز گاری اور زہد پر بھروسہ کریں گی اور جب وہ میرے پندو نصائح سنیں گی تو میرے قریب آ جائیں گی اور میں ان کو پکڑ کر کھا جاؤں گا اور پھر یہاں میرے سوا اور کوئی نہ ہو گا اور جتنے پھل اس درخت سے ٹپکیں گے وہ

میرے لیے کافی ہوں گے۔ جب دونوں قمریاں درخت سے کھجوریں جھاڑ چکیں تو وہ نیچے اتر آئیں۔ اتنے میں سیہ' تمام کھجوریں اپنے بل میں لے جا چکی تھی۔ قمری نے کہا کہ اے نیک واعظ اور ناصح سیہ' ہمیں ایک پھل کا بھی پتہ نہیں چلتا اور اب ان کے علاوہ ہماری اور کوئی روزی نہیں ہے۔ سیہ نے کہا کہ شاید ان کو ہوا اڑا کر لے گئی ہے' رزق کو چھوڑ کر رزاق کی طرف رجوع کرنا بہترین نجات ہے۔ جس ذات نے منہ پیدا کیا ہے وہ اس کو بلا رزق کے نہ چھوڑے گی۔ سیہ ان کو نصیحت کرتی جاتی اور جھوٹ سچ کہہ کر اپنی پارسائی کا اظہار کرتی جاتی تھی یہاں تک کہ قمریوں کو اس پر بھروسہ ہو گیا اور وہ اس کے پاس آ گئیں اور بل میں اندر داخل ہو گئیں اور اس کے فریب سے مطمئن ہو گئیں۔ سیہ کود کر دروازے پر پہنچی اور دانت کٹ کٹانے لگی۔ جب قمری کو اس کی دغابازی کا ثبوت مل گیا تو وہ کہنے لگی کہ تیری آج اور کل کی باتوں میں کتنا فرق ہے۔ تجھے معلوم نہیں کہ مظلوموں کا بھی کوئی مددگار ہے' مکر و فریب سے خبردار رہ' ورنہ کہیں تیرا بھی وہی حال نہ ہو جو ان ٹھگوں کا ہوا جنہوں نے سوداگر کے ساتھ چال بازی کی۔ سیہ نے پوچھا کہ وہ کیسے؟

○ سوداگر اور ٹھگوں کی کہانی

قمری نے کہا کہ ایک شہر تھا جس کا نام سندھ تھا۔ وہاں ایک سوداگر رہتا تھا جو بہت امیر تھا۔ اس بار اس نے سوداگری کا مال تیار کر کے گٹھے باندھے اور انہیں بیچنے کے لیے کسی دوسرے شہر کی طرف روانہ ہوا۔ دو ٹھگوں نے بھی اپنا مال و متاع لادا اور اس سوداگر پر یہ ظاہر کیا کہ وہ بھی سوداگر ہیں اور اس کے ساتھ ہو لیے۔ پہلی منزل پر پہنچ کر ان دونوں نے مکر و فریب سے اس سوداگر کا مال لے لیا۔ اس کے بعد دونوں ٹھگوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کو فریب دینا چاہا اور اس کے ساتھ دغا بازی کرنے کا تہیہ کر لیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر میں اپنے ساتھی کو بھی دھوکہ دے دوں

تو میری خوب کٹے گی اور تمام مال میرے ہاتھ لگے گا۔ اس بدنیتی کا دونوں میں سے کسی نے اظہار نہ کیا اور دونوں نے کھانا لے کر اس میں زہر ملایا اور ایک دوسرے کے سامنے پیش کیا۔ دونوں نے کھایا اور دونوں مر گئے۔ کھانے کے وقت وہ دونوں' سوداگر کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ جب وہ اس کے پاس سے چلے گئے اور دیر تک نہ لوٹے تو سوداگر ان کی خبر لینے کے لیے نکلا اور دونوں کو مردہ پایا' اور اسے یقین آ گیا کہ دونوں ٹھگ تھے اور اسے دھوکہ دینا چاہتے تھے مگر ان کا مکر و فریب الٹ کر انہیں پر پڑا اور سوداگر بچ گیا اور جو مال دونوں ٹھگوں کے پاس تھا وہ بھی اس نے لے لیا۔ بادشاہ نے کہا کہ اے شہر زاد' میں جن جن باتوں سے غافل تھا ان سب پر تو نے مجھے متنبہ کر دیا۔ اس قسم کی اور کہانیاں سنا۔

○ چور اور اس کے بندر کی کہانی

اس نے کہا کہ اے بادشاہ' میں نے سنا ہے کہ ایک شخص کے پاس ایک بندر تھا اور وہ شخص چور تھا اور جب کبھی وہ اپنے شہر کے کسی بازار میں جاتا تو بغیر بہت مال لیے واپس نہ آتا۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ اس نے دیکھا کہ ایک شخص پھٹے پرانے کپڑے بیچنے کے لیے لے جا رہا ہے اور بازار میں آواز لگاتا ہے لیکن ان کپڑوں کے دام نہیں لگاتا اور وہ جس کے آگے انہیں پیش کرتا وہ انہیں خریدنے سے انکار کر دیتا۔ اتفاق سے اس پھٹے پرانے کپڑے والے پر چور کی نظر پڑی جس کے پاس بندر تھا اور چور نے دیکھا کہ وہ کپڑوں کو ایک بقچے میں باندھ کر سستانے بیٹھ گیا۔ اب بندر اس شخص کے سامنے آ کر کھیلنے لگا یہاں تک کہ وہ شخص اس کا تماشا دیکھنے میں مشغول ہو گیا اور چور نے وہ بقچہ چرا لیا اور بندر کو لے کر ایک خالی جگہ میں پہنچا اور وہاں وہ بقچہ کھولا اور دیکھا کہ اس میں پھٹے پرانے کپڑے ہیں۔ ان پھٹے پرانے کپڑوں کو اس نے

ایک قیمتی بقچے میں باندھا اور انہیں لے کر ایک دوسرے بازار میں پہنچا اور ان کو بیچنا چاہا اور شرط لگائی کہ بقچہ کھولا نہ جائے اور کم قیمت مانگ کر اس نے لوگوں کو اس کی طرف رغبت دلائی۔ ایک شخص کی نظر اس پر پڑی اور اس کی نفاست اسے پسند آئی اور اس نے اسی شرط کے ساتھ خرید لیا اور خرید کر گھر گیا اور اس نے خیال کیا کہ میں نے بڑا تیر مارا ہے جب اس کی بیوی نے بقچے کو دیکھا تو اس نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ قیمتی مال جو میں نے کوڑیوں کے مول خریدا ہے اور جسے بیچ کر میں بہت فائدہ اٹھاؤں گا۔ بیوی نے کہا کہ اے بھولے بھالے' اس مال کو کون کم قیمت پر بیچ سکتا ہے! اور اگر کسی نے بیچا ہے تو وہ چوری کا مال ہو گا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ جو شخص بے دیکھے بھالے کوئی چیز خریدتا ہے تو وہ غلطی کرتا ہے اور اس کے مثال اس جلاہے کی سی ہے۔ اس نے کہا کہ اس جلاہے کی کہانی کیا ہے؟

○ جلاہے کی کہانی

اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ کسی گاؤں میں ایک جلاہا رہتا تھا جو کام بہت کرتا اور کماتا کم تھا۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ ایک امیر آدمی نے جو اس گاؤں کے قریب رہتا تھا۔ ایک دعوت دی اور لوگوں کو بلایا۔ جلاہا بھی وہاں پہنچا اور اس نے دیکھا کہ جو لوگ نفیس کپڑے پہن کر آئے ہیں' ان کے آگے بہترین کھانا پیش کیا جاتا ہے اور میزبان بھی ان کے خوبصورت لباس دیکھ کر ان کی تعظیم کرتا ہے۔ جلاہے نے اپنے دل میں کہا کہ اگر میں اپنا موجودہ پیشہ چھوڑ کر کوئی ایسا پیشہ اختیار کروں جس میں اس سے کم محنت ہو اور قدر زیادہ اور کمائی بیشتر ہو تو میں بہت مال و دولت جمع کر لوں گا اور عمدہ عمدہ لباس خریدوں گا اور میرا مرتبہ بلند ہو جائے گا اور لوگ مجھے عزت کی نظر سے دیکھیں گے اور میں بھی انہیں لوگوں کی طرح ہو جاؤں گا۔ اتفاق سے اس

کی نظر ایک بازی گر پر پڑی جو دعوت میں حاضر تھا کہ وہ اٹھا اور ایک اونچی دیوار پر چڑھ کر نیچے کود پڑا اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر جلاہے نے اپنے دل میں کہا کہ میں بھی ضرور بازی گر کی طرح بنوں گا اور اس سے کم نہ رہوں گا اور وہ کھڑا ہو کر دیوار پر چڑھ گیا اور وہاں سے کود پڑا۔ جب وہ زمین پر گرا تو اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ فوراً مر گیا۔

یہ کہانی میں نے تجھ سے اس لیے بیان کی ہے تاکہ تو اپنی روزی اس طریقے سے کمائے جس کو تو جانتا ہو اور جس پر تجھے پورا پورا یقین ہو ورنہ تو لالچ میں پڑ کر' رہا سہا بھی کھو دے گا۔ شوہر نے جواب دیا کہ ہر عالم اپنے علم کی وجہ سے بچ نہیں جاتا اور نہ ہر جاہل اپنی جہالت کا خمیازہ بھگتتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بڑے سے بڑا سپیرا جو سانپوں کی رگ رگ سے واقف ہے' سانپ کے کاٹے سے مر جاتا ہے اور ایسا شخص سانپ پر قابو پا جاتا ہے جو اس سے بالکل ناواقف ہے اور اس کی حالت سے محض بے خبر۔ الغرض اس نے بیوی کا کہا نہ مانا اور وہ اسی طرح چوروں سے سستا مال خریدتا رہا یہاں تک کہ وہ مصیبت میں گرفتار ہو کر تباہ ہو گیا۔

○ چڑے اور مور کی کہانی

اس زمانے میں ایک چڑا تھا جو پرندوں کے ایک بادشاہ کے پاس روز آیا جایا کرتا تھا۔ اسی طرح کہ صبح کو سب سے پہلے آتا اور شام کو سب کے بعد جاتا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ چڑیوں کا ایک جھنڈ ایک اونچے پہاڑ پر اکٹھا ہوا اور وہ کہنے لگیں کہ ہماری تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے اور آپس کے جھگڑے بڑھ گئے ہیں' اس لیے ضروری ہے کہ ہمارا ایک بادشاہ ہو جو ہمارے جھگڑے چکایا کرے تاکہ ہم سب پھر متفق ہو جائیں اور آپس کا اختلاف جاتا رہے۔ اسی اثناء میں چڑا ان کے پاس سے گزرا اور اس نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ اس مور کو بادشاہ بنائیں جس کے پاس وہ آیا جایا کرتا تھا۔

سب نے یہ مان کر مور کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا۔ مور نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور چڑے کو اپنا میر منشی اور وزیر بنا لیا۔ چڑا کبھی کبھی دربار چھوڑ کر انتظام میں مشغول

ہوتا تھا۔

ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ چڑا دن بھر غائب رہا اور مور کو اس سے بڑی پریشانی ہوئی اور وہ اسی حالت میں تھا کہ چڑا اس کے پاس پہنچا اور اس نے کہا کہ تو نے کیوں اتنی دیر لگائی حالانکہ تو مجھے تمام رعایا سے قریب تر اور عزیز تر ہے؟ چڑے نے کہا کہ میں نے ایک چیز دیکھی ہے جو مجھے نہایت مشکوک نظر آتی ہے اور جسے دیکھ کر میں ڈر گیا ہوں۔ مور نے پوچھا کہ تو نے کون سی ایسی چیز دیکھی ہے؟ چڑے نے کہا کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا ہے جس کے پاس ایک جال تھا۔ اس نے اس جال کو میرے گھونسلے کے پاس لگایا اور اسے کھونٹیوں سے ٹھونک کر اس کے بیچ میں دانے چھڑک دیئے اور خود دور جا بیٹھا۔ اب میں بیٹھ کر دیکھنے لگا کہ وہ کیا کرتا ہے کہ اتنے میں ایک سارس اور اس کی مادہ قسمت کی ماری وہاں پہنچی اور وہ دونوں جال کے اندر پھنس گئے۔ جب وہ چلائے تو چڑی مار نے انہیں پکڑ لیا۔ یہ دیکھ کر میں پریشان ہو گیا اور جہاں پناہ' یہ ہے سبب میرے دیر سے آنے کا۔ ڈر کے مارے اب میں اس گھونسلے میں نہ رہوں گا۔ مور نے کہا کہ اپنی جگہ مت چھوڑ کیونکہ قسمت سے مفر نہیں۔
چڑے نے اس کا حکم مان لیا اور کہنے لگا کہ میں بادشاہ کے حکم کی تعمیل کروں گا اور وہیں رہوں گا اور کہیں نہ جاؤں گا۔ مگر چڑے کو اپنی جان کے لالے پڑے رہے اور وہ مور کے لیے دانہ لایا اور مور نے پیٹ بھر کر کھایا اور اس پر پانی پیا اور چڑا رخصت ہو گیا۔

ایک روز چڑا بیٹھا دیکھ رہا تھا کہ اس کی نظر دو چڑیوں پر پڑی۔ وہ زمین پر لڑ رہی تھیں اور اس نے اپنے دل میں کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں بادشاہ کا وزیر ہو کر چڑیوں کو اپنے قریب لڑتا جھگڑتا دیکھوں! خدا کی قسم میں دونوں میں صلح کرا دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ صلح کرانے کی غرض سے ان کے پاس گیا ہی تھا کہ چڑی مار نے

تینوں پر جال الٹ دیا اور یہ چڑا اس میں پھنس گیا۔ چڑی مار نے اس چڑے کو پکڑ کر اپنے ساتھی کے حوالے کیا ور کہنے لگا کہ اس کو مضبوط پکڑیو کیونکہ وہ خوب موٹا تازہ ہے اور اس سے بہتر آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ چڑا اپنے دل میں کہتا تھا کہ جس چیز سے میں ڈرتا تھا' اسی میں گرفتار ہو گیا اور مور نے مجھے اطمینان دلایا تھا مگر تقدیر کے آگے تدبیر کی کچھ نہ چلی کیونکہ تدبیر کرنے والے کو بھی تقدیر سے مفر نہیں۔

بادشاہ نے کہا کہ اے شہر زاد' اس طرح کی اور کہانیاں سنا۔ اس نے کہا کہ اگر بادشاہ نے مجھے زندہ چھوڑا' خدا اس کو عزت دے! تو میں کل رات سناؤں گی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• ایک سو ترپنویں رات

○ علی بن بکار اور شمس النہار کی کہانی

جب ایک سو ترپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ پرانے زمانے میں جب کہ بادشاہ ہارون الرشید کی خلافت تھی' ایک سوداگر تھا اور اس کا ایک بیٹا تھا جس کا نام ابوالحسن علی بن طاہر تھا۔ سوداگر بڑا امیر اور سخی تھا اور اس کا بیٹا نہایت حسین اور خلیق اور لوگ اس کی صورت اور سیرت پر گرویدہ تھے۔ وہ بے اجازت لیے خلیفہ کے محل میں جا سکتا تھا اور خلیفہ کی تمام کنیزیں اور لونڈیاں اس سے محبت کرتی تھیں اور وہ بادشاہ کا ہم پیالہ و ہم نوالہ تھا اور اسے اشعار اور عجیب و غریب کہانیاں سنایا کرتا تھا مگر وہ بازار میں خرید و فروخت بھی کرتا تھا اور اس کی دوکان پر ایک جوان ایرانی شہزادہ آ کر بیٹھا کرتا تھا جس کا نام علی بن بکار تھا۔ اس جوان کا قد و قامت دل کش تھا اور ناک نقشہ خوبصورت اور جسم معتدل اور دونوں رخسار گلاب کے پھول سے اور دونوں بھوئیں ملی ہوئی تھیں۔ وہ شیریں کلام تھا اور ہنس مکھ اور ہنسی مذاق کا شائق۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ وہ دونوں بیٹھے بات چیت اور ہنسی مذاق کر رہے تھے کہ دس لڑکیاں آئیں جو چاند کی طرح خوبصورت تھیں اور جن کا حسن و جمال اور قد و قامت اور اعتدال لاجواب تھا۔ ان کے درمیان ایک اور لڑکی تھی جو خچر پر سوار تھی جس کی زین زردوز تھی اور رکابیں سونے کی۔ لڑکی ایک قمیص پہنے ہوئے تھی اور کمر سے ریشم کی پٹی بندھی تھی جس پر سونے کا کام تھا۔ جب سب کی سب ابوالحسن کی دوکان پر پہنچیں تو وہ لڑکی خچر پر سے اتر پڑی اور دوکان میں بیٹھ کر اسے سلام کیا اور اس نے

سلام کا جواب دیا۔ جب علی بن بکار کی نظر اس پر پڑی تو اس کی عقل دنگ ہو گئی اور وہ چاہتا ہی تھا کہ اٹھ کر چل دے کہ اتنے میں لڑکی نے اس سے کہا کہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہ۔ ہم تو تیرے پاس آئے ہیں اور تو چاہتا ہے کہ چل دے' یہ کہاں کا انصاف ہے! اس نے جواب دیا کہ اے میری آقا جس چیز کو میں نے دیکھا ہے میں اس سے بھاگنا چاہتا ہوں۔

لڑکی یہ سن کر ہنسنے لگی اور ابوالحسن سے پوچھا کہ اس جوان کا نام کیا ہے اور وہ کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ پردیسی ہے۔ لڑکی نے پوچھا کہ کس ملک کا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ ایرانی شہزادہ ہے اور اس کا نام علی بن بکار ہے اور پردیسیوں کا احترام ضروری ہے۔ لڑکی نے کہا کہ جب میں اپنی کنیز کو تیرے پاس بھیجوں تو تو اس جوان کو لے کر میرے پاس آئیو۔ ابو الحسن نے کہا کہ بسر و چشم۔ اس کے بعد لڑکی اٹھ کر چل دی۔ ادھر وہ روانہ ہوئی اور ادھر علی بن بکار کا یہ حال ہوا کہ اس کے منہ سے بات نہ نکلتی تھی۔ ایک پہر کے بعد اس کی کنیز ابوالحسن کے پاس آئی اور اس سے کہنے لگی کہ میری مالکہ تجھے اور تیرے دوست کو بلاتی ہے۔ ابوالحسن اٹھا اور علی بن بکار کو ساتھ لے کر ہارون الرشید کے محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ کنیز نے انہیں لے جا کر ایک کمرے میں بٹھایا اور وہ دونوں تھوڑی دیر تک بات چیت کرتے رہے یہاں تک کہ کھانے کی کشتیاں ان کے سامنے رکھی گئیں اور انہوں نے کھایا پیا اور ہاتھ منہ دھوئے۔ اس کے بعد کنیز ان کے لیے شراب لائی اور انہوں نے خوب پی۔

اب کنیز نے ان سے کہا کہ اٹھو اور وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ انہیں ایک دوسرے کمرے میں لے گئی جو چار ستونوں پر بنا ہوا تھا اور جس میں طرح طرح کے فرش بچھے ہوئے تھے اور جو نوع بہ نوع آراستہ و پیراستہ تھا گویا کہ وہ جنت کا ایک محل تھا۔

یہ عجائبات دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ وہ ان عجیب و غریب چیزوں کا تماشا دیکھ ہی رہے تھے کہ دس کنیزیں داخل ہوئیں جو چاند کی طرح تھیں اور ناز سے مٹک مٹک کر چلتی تھیں اور جنہیں دیکھ کر آنکھیں چکا چوند ہوتی تھیں اور دل حیران ہو جاتے تھے۔

اب وہ صف باندھ کر کھڑی ہو گئیں اور جنت کی حوریں معلوم ہوتی تھیں اور دل حیران ہو جاتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد دس کنیزیں اور آئیں اور انہوں نے ان دونوں کو سلام کیا۔ ان کے ہاتھ میں سارنگیاں اور دوسرے باجے تھے اور وہ بیٹھ کر تار ملانے لگیں۔ اس کے بعد وہ اٹھیں اور ان کے سامنے گانے بجانے اور اشعار پڑھنے لگیں۔

ان میں سے ہر ایک' انسان کے لیے فتنہ تھی۔ وہ گا بجا رہی تھیں کہ اور دس کنیزیں پہنچیں جو سب ہم عمر تھیں اور جن کے سینے ابھرے ہوئے تھے اور آنکھیں کالی کالی تھیں اور رخسار گلاب کے پھول کے سے اور بھویں پیوستہ اور نظر خمار آلود' غرض کہ انسانوں کے لیے بربادی اور دیکھنے والوں کے لیے مسرت۔ ان کی پوشاک رنگ برنگ ریشم کی تھی اور ان کے زیور دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ یہ کنیزیں آ کر دروازے کے پاس ٹھہر گئیں اور ان کے بعد دس کنیزیں اور آئیں جو ان سے زیادہ خوبصورت تھیں اور جن کے لباس کی تعریف سے زبان قاصر ہے۔ وہ بھی دروازے کے پاس کھڑی ہو گئیں۔ اب یہ بیسوں کنیزیں دروازے کے اندر آئیں اور ان کے درمیان میں وہی لڑکی تھی جس کا نام شمس النہار تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تاروں کے بیچ میں چاند چمک رہا ہے اور وہ غرور و ناز سے مٹک مٹک کر چلتی تھی اور اس کے لمبے لمبے بال لٹک رہے تھے اور اس کا لباس نیلگوں تھا اور قبا ریشمی' جس میں سونے اور جواہرات کا کام تھا اس کی کمر سے ایک پٹی بندھی ہوئی تھی جس میں طرح طرح کے ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ اس طرح سے وہ مٹکتی اور جھومتی آئی اور تخت پر بیٹھ گئی۔

جب علی بن بکار کی نظر اس پر پڑی تو اس نے ابو الحسن سے کہا کہ اگر تیرے دل میں میری طرف سے کچھ بھی بھلائی ہوتی تو مجھے یہاں آنے سے پہلے ان باتوں کی خبر کر دیتا تاکہ میں اپنے دل کو مضبوط کر لیتا اور جو کچھ اس پر گزری ہے اس کے لیے تیار ہو جاتا۔ یہ کہہ کر وہ رونے اور آہیں بھرنے لگا۔ ابو الحسن نے اس سے کہا کہ بھائی' میں تو تیری بھلائی ہی چاہتا تھا اور اسی لیے میں ڈرتا تھا کہ اگر تجھے پہلے سے

بتا دوں گا تو تجھے اتنا عشق ہو جائے گا کہ پھر تو اسے دیکھ نہ سکے گا۔ مگر خوشی منا اور دل شاد ہو کیونکہ اس کی رغبت تیری طرف ہے اور وہ تجھ سے ملنے کی خواہاں ہے۔ علی بن بکار نے کہا کہ اس لڑکی کا نام کیا ہے؟ ابوالحسن نے جواب دیا کہ اس کا نام شمس االنہار ہے اور وہ امیر المومنین ہارون الرشید کی سر چڑھی ہے اور یہ مکان خلیفہ کا محل ہے۔ اب شمس النہار بیٹھ گئی اور علی بن بکار کے حسن کا نظارہ کرنے لگی اور وہ اس کے حسن کا نظارہ کرنے لگا اور دونوں ایک دوسرے پر عاشق ہو گئے۔ اس نے کنیزوں کو حکم دیا کہ وہ سب اپنے اپنے تختوں پر بیٹھ جائیں اور وہ ایک کھڑکی کے آگے بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد اس نے ان سے گانے کی فرمائش کی اور انہوں نے سارنگیاں لے کر گانا بجانا شروع کیا۔ جب وہ گا بجا چکیں تو علی بن بکار کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے۔ جب شمس النہار نے اسے روتے اور آہیں بھرتے دیکھا تو وہ عشق کی آگ میں جلنے لگی اور وہ مارے محبت کے بدحواس ہو گیا۔ یہ دیکھ کر وہ تخت پر سے اتری اور گنبد کے دروازے پر آئی۔ علی بن بکار بھی اٹھ کر اس کے پاس گیا اور اسے گلے سے لگا لیا اور دونوں گنبد کے دروازے پر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ کنیزوں نے آ کر انہیں اٹھایا اور گنبد کے اندر لے گئیں اور ان پر گلاب کا عرق چھڑکا۔ جب انہیں ہوش آیا تو انہوں نے ابوالحسن کو وہاں نہ پایا کیونکہ وہ ایک تخت کے پیچھے جا چھپا تھا۔ لڑکی نے کہا کہ ابوالحسن کہاں ہے؟ اور وہ تخت کے پیچھے سے نکل کر سامنے آیا۔ لڑکی نے اسے سلام کیا اور کہا کہ اے مجسم نیکی' میں خدا سے یہ دعا کرتی ہوں کہ وہ مجھے اس قابل کرے کہ میں تیرا بدلہ دے سکوں۔ اس کے بعد وہ علی بن بکار کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ اے میرے آقا' جتنی محبت تجھے مجھ سے ہے اس سے دگنی مجھے تجھ سے ہے۔ لیکن اس پر سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہیں۔ علی بن بکار نے کہا کہ اے میری آقا' محض تیری ملاقات میرے لیے کافی نہیں ہے اور صرف تجھے دیکھنے سے میرے دل کی آگ نہیں بجھتی اور جو تیری محبت میرے دل

میں سما گئی ہے وہ بغیر میری جان لیے نہ جائے گی۔
یہ کہہ کر وہ رونے لگا اور آنسو اس کے رخسار پر اس طرح بہنے لگے جیسے کہ بکھرے ہوئے موتی۔ اسے روتا دیکھ کر شمس النہار بھی رونے لگی اور ابوالحسن نے کہا کہ واللہ مجھے تمہاری حالت پر تعجب ہوتا ہے اور میں تمہیں دیکھ کر حیران ہوں' تمہاری حالت عجیب و غریب ہے' وصل میں تو تم رو رہے ہو۔ فراق کے وقت تمہارا کیا حال ہو گا! یہ افسوس کرنے اور رونے کا وقت نہیں بلکہ یہ وصال اور خوشی کا موقع ہے۔ لہٰذا خوش و خرم ہو اور رو مت۔ اب شمس النہار نے ایک کنیز کو اشارہ کیا اور وہ جا کر لونڈیوں کے ہاتھ کشتیاں لے آئی جس میں چاندی کے برتنوں اور سونے کے برتنوں میں طرح طرح کے نفیس کھانے تھے۔ انہوں نے دونوں کے آگے دسترخوان بچھایا اور شمس النہار خود کھاتی اور علی بن بکار کو کھلاتی جاتی تھی یہاں تک کہ دونوں سیر ہو گئے اور دسترخوان بڑھایا گیا اور انہوں نے ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد وہ کنیز ان کے لیے انگیٹھیاں لائی جن میں طرح طرح کی خوشبوئیں مثلاً عود اور عنبر اور مخلوط خوشبوئیں جل رہی تھیں' پھر وہ گلاب پاش لائی اور انہوں نے اپنے آپ کو معطر کیا' پھر وہ سونے کے طبق لائی جن پر نقش و نگار تھے اور جن میں طرح طرح کی شرابیں تھیں اور میوے اور نقل اور تمام ایسی چیزیں جو دل کش اور نظر فریب ہوں۔ اس کے بعد وہ ایک عقیق کا خم لائی جس میں شراب بھری ہوئی تھی۔
شمس النہار نے دس کنیزیں چھانٹ لیں اور وہ خدمت میں حاضر رہیں اور دس اور جو گانے بجانے والی تھیں اور باقیوں کو واپس کر دیا اور گانے بجانے والیوں سے کہا کہ سارنگی بجائیں اور انہوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ جب وہ گا بجا چکیں تو شمس النہار اٹھی اور ایک جام بھر کر پی گئی اور دوسرا جام بھر کر اس نے علی بن بکار کو دیا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ایک سو چونویں رات

جب ایک سو چونویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- شمس النہار نے جام بھر کر علی بن بکار کو دیا اور کنیز سے کہا کہ گائے۔ جب وہ گا چکی تو علی بن بکار نے پی کر جام شمس النہار کو واپس دے دیا۔ اس نے بھر کر اسے ابوالحسن کو دیا اور وہ بھی چڑھا گیا۔ اس کے بعد اس نے سارنگی اپنے ہاتھ میں لی اور کہا کہ میرے جام پر سوائے میرے اور کوئی نہیں گائے گا۔ اس کے بعد اس نے تار ملائے اور گانے لگی۔ جب علی بن بکار اور ابوالحسن اور دیگر حاضرین نے شمس النہار کو گاتے سنا تو قریب تھا کہ وہ مارے خوشی کے ہوا میں اڑنے لگیں اور وہ آپس میں ہنسی مذاق کرنے لگے۔

وہ اسی شغل میں تھے کہ ایک کنیز ڈر سے تھرتھراتی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ آقا' دروازے پر امیرالمومنین کے خدام کھڑے ہیں' عفیف اور مسرور اور مرجان اور دوسرے جن کا نام میں نہیں جانتی۔ کنیز کی یہ بات سن کر ان کے ہوش اڑ گئے لیکن شمس النہار نے ہنس کر کہا کہ ڈر مت اور کنیز سے کہا کہ جب تک میں یہاں سے چلی نہ جاؤں۔ اس وقت تک انہیں باتوں میں لگائے رکھ۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ گنبد کا دروازہ بند کر دیا جائے اور اس نے خود پردے گرا دیئے اور دونوں کو اندر بند کر دیا اور چور دروازہ کھول کر باغ میں چلی گئی اور وہاں اپنے تخت پر بیٹھ کر ایک کنیز سے کہا کہ میرے پاؤں داب اور باقیوں کو رخصت کر دیا اور اس نے کنیز سے کہا کہ جو لوگ دروازے پر ہیں' انہیں بلا لا۔ اب مسرور اور اس کے ساتھی اندر آئے۔ ان کی تعداد بیس تھی اور ان کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ انہوں نے شمس النہار کو سلام کیا اور اس نے پوچھا کہ تم لوگ کیسے آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ امیرالمومنین

نے تجھے سلام بھیجا ہے اور وہ تیرے دیدار کا مشتاق ہے اور یہ پیغام دیا ہے کہ آج کا دن اس کا بڑی خوشی اور مسرت میں گزرا اور وہ چاہتا ہے کہ اس خوشی کا تمہ اس وقت تیری موجودگی میں ہو۔ اس لیے یا تو' تو اس کے پاس چل اور یا وہ تیرے پاس آئے۔ یہ سن کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگی کہ امیرالمومنین کا حکم میرے سر آنکھوں پر۔

اب اس نے گھر کی منتظم کنیزوں اور دوسری لونڈیوں کو بلوایا اور جب وہ حاضر ہوئیں تو اس نے ان پر یہ ظاہر کیا کہ وہ خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں مشغول ہے اور اگرچہ مکان' فرش و فروش سے مکمل تھا تاہم اس نے خادموں سے کہا کہ امیر المومنین کے پاس جا کر کہو کہ تھوڑی دیر میں مکان کو فرش اور دوسری چیزوں سے آراستہ کر لوں گی اور تیرا انتظار کروں گی۔ ادھر خادم امیرالمومنین کی طرف دوڑے اور ادھر وہ کپڑے بدل کر اپنے محبوب علی بن بکار کے پاس گئی اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور اس سے رخصت ہوئی اور وہ زار زار رونے لگا اور کہا کہ اے میری آقا' یہ رخصتی میری جان نکال کر اور مجھے تباہ کر کے چھوڑے گی۔ لیکن میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ جس محبت میں اس نے مجھے مبتلا کیا ہے اس میں صبر عطا کرے۔ شمس النہار نے جواب دیا کہ واللہ میرے سوا اور کوئی ہلاک نہ ہو گا۔ تو' تو ابھی نکل کر باہر جائے گا اور لوگوں سے مل کر تجھے تسلی ہو جائے گی اور تو بچ جائے گا اور تیرا عشق پوشیدہ رہے گا۔ مگر میں تکلیف اور مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں گی اور مجھے کوئی تسلی دینے والا نہیں ملے گا۔ خصوصاً جب میں خلیفہ کو وقت دے چکی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ مجھے اس میں بڑی مصیبت کا سامنا ہو گا کیونکہ مجھے تجھ سے محبت اور عشق ہے اور میں تیری جدائی سے غم زدہ ہوں۔ اب میں کس زبان سے گاؤں گی اور کیا دل لے کر خلیفہ کے پاس جاؤں گی اور کن باتوں سے اس کی ہم صحبت ہوں گی اور کس نظر سے اس جگہ کو دیکھوں گی جہاں تجھے نہ پاؤں گی اور کیونکر ایسی مجلس میں بیٹھوں گی جہاں تو

نہ ہو گا اور کس طرح بے تیرے شراب پیوں گی اور پلاؤں گی۔ ابوالحسن نے کہا کہ پریشان مت ہو بلکہ دل مضبوط رکھ اور آج رات خلیفہ کی منا' خدمت میں کوتاہی نہ کیجیو اور اس کی طرف کم التفاتی نہ کیجیو بلکہ بہادری سے کام لیجیو۔

وہ اسی حالت میں تھے کہ ایک کنیز نے آ کر کہا کہ اے میری آقا' امیرالمومنین کے غلام آ پہنچے ہیں۔ یہ سن کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور کنیز سے کہنے لگی کہ ابوالحسن اور اس کے ہمراہی کو اس بالاخانے پر لے جا جو باغ کی طرف ہے اور جب اندھیرا ہو جائے تو ان کو کسی ترکیب سے باہر نکال دیجیو۔ کنیز ان کو لے کر بالا خانے پر چلی گئی اور اس کا دروازہ بند کر کے چلتی ہوئی۔ وہاں بیٹھ کر وہ دونوں باغ کا نظارہ کرنے لگے اور دیکھا کہ خلیفہ آ رہا ہے اور اس کے آگے آگے کم و بیش سو غلام چلے آتے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں تلواریں ہیں اور اس کے اردگرد بیس کنیزیں ہیں جو چاند کی طرح ہیں اور بہترین سے بہترین پوشاکیں پہنے ہوئے ہیں اور ہر ایک کے سر پر تاج ہے جس میں یاقوت اور جواہرات جڑے ہوئے ہیں اور ہاتھ میں ایک ایک شمع جلتی ہوئی ہے۔ خلیفہ ان کے بیچ میں ہے اور کنیزیں ان کے چاروں طرف ہیں اور اس کے آگے مسرور اور عفیف اور وصیف ہیں اور وہ ان کے درمیان میں جھومتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر شمس النہار اور اس کی تمام کنیزیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور دروازے تک جا کر اس کا استقبال کیا اور اس کے سامنے زمین چومی اور اس کے آگے آگے چلتی رہیں یہاں تک کہ وہ آ کر تخت پر بیٹھ گیا اور جو جو کنیزیں اور غلام باغ میں تھے سب اس کے آگے آ کر کھڑے ہو گئے اور گوری اور کالی کنیزیں جلتی ہوئی شمعیں اور عطریات اور خوشبوئیں اور باجے لیے ہوئے پہنچیں۔ بادشاہ نے گانے والی کنیزوں کو حکم دیا کہ بیٹھ جائیں اور وہ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئیں اور شمس النہار آ کر خلیفہ کے تخت کے پہلو میں ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور اس سے باتیں کرنے لگی۔

ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر ابوالحسن اور علی بن بکار سب کچھ دیکھ اور سن رہے تھے لیکن

خلیفہ انہیں نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس کے بعد خلیفہ' شمس النہار کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے لگا اور سب لوگ خوش و خرم تھے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ گنبد کے دروازے کھول دیئے جائیں اور لوگوں نے دروازے اور کھڑکیاں کھول دیں اور شمعیں جلا دیں یہاں تک کہ وہ مکان اندھیرے میں دن کی طرح روشن ہو گیا اور خادم مئے نوشی کا سامان لائے۔

ابوالحسن کا بیان ہے کہ مئے نوشی کا سامان اور قیمتی چیزیں اور سونے چاندی اور دیگر دھاتوں اور جواہرات کے برتن جو میں نے اس وقت دیکھے کبھی پہلے میری نظر سے نہ گزرے تھے اور جن کی تعریف زبان سے نہیں ہو سکتی۔ یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں کیونکہ ان چیزوں کو دیکھ کر میری آنکھیں چکا چوند ہو گئی تھیں لیکن علی بن بکار کا یہ حال تھا کہ جب سے شمس النہار اس کو چھوڑ کر گئی تھی تو وہ محبت کا مارا زمین پر پڑا ہوا تھا۔ جب اسے ذرا ہوش آیا تو وہ بھی ان لاجواب چیزوں کی طرف دیکھنے لگا اور اس نے ابوالحسن سے کہا کہ بھائی میں ڈرتا ہوں کہ کہیں خلیفہ کی نظر ہم پر نہ پڑ جائے اور اسے ہمارا حال نہ معلوم ہو جائے۔ زیادہ تر میں تیری وجہ سے ڈرتا ہوں کیونکہ اپنے متعلق تو میں جانتا ہوں کہ مجھے ضرور مرنا ہے اور میری موت کی وجہ محض تیری محبت اور عشق اور شوق اور آرزوؤں کی زیادتی اور محبوب سے مل کر جدا ہونا ہے۔ میں خدا سے امید کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اس بھنور سے چھڑائے۔ علی بن بکار اور ابوالحسن بالا خانے سے خلیفہ کو دیکھ رہے اور اس کی مسرت کا ملاحظہ کر رہے تھے یہاں تک کہ سب لوگ اس کے سامنے آ گئے اور اس نے ایک کنیز کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے غرام' اپنے فرحت انگیز نغمے سنا۔ اس نے سارنگی لے کر گانا بجانا شروع کر دیا۔ یہ سن کر شمس النہار اپنی کرسی پر جھک کر گر پڑی اور بے ہوش ہو گئی۔ کنیزوں نے دوڑ کر اسے اٹھایا۔ جب علی بن بکار نے بالا خانے سے اسے اس حالت میں دیکھا تو وہ بھی غش کھا کر گر پڑا۔ ابو الحسن نے کہا کہ خدا نے تم دونوں کے درمیان محبت کو برابر برابر تقسیم کیا ہے۔

وہ دونوں یہی باتیں کر رہے تھے کہ وہ کنیز ان کے پاس پہنچی جو انہیں بالا خانے پر لے گئی تھی اور کہنے لگی کہ اے ابوالحسن' چلو تم اور تمہارا دوست یہاں سے اتریں کیونکہ ہم بہت گھبراہٹ میں ہیں کہ کہیں راز فاش نہ ہو جائے اور خلیفہ تمہیں دیکھ نہ لے۔ اگر ہم فوراً یہاں سے روانہ نہ ہو گئے تو سب کی موت آ جائے گی۔ ابوالحسن نے کہا کہ یہ لڑکا کس طرح چلے گا؟ اس سے تو اٹھا بھی نہیں جاتا۔ کنیز نے اس کے منہ پر گلاب کا عرق چھڑکا اور اسے ہوش آیا اور ابوالحسن نے اسے کندھے پر لادا اور کنیز نے ایک طرف سے سہارا دیا اور وہ بالا خانے سے نیچے آئے۔ ابھی وہ ذرا ہی چلے ہوں گے کہ کنیز نے ایک چھوٹا سا لوہے کا دروازہ کھولا اور ابوالحسن اور علی بن بکار کو باہر لے گئی۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ دجلے کے کنارے ایک چوکی پڑی ہوئی ہے اور وہ اس پر بیٹھ گئے۔ اب کنیز نے تالی بجائی اور ایک شخص ایک چھوٹی سی کشتی لے کر وہاں پہنچ گیا۔ کنیز نے کہا کہ ان دونوں جوانوں کے اس کنارے اتار آ۔ جب دونوں اس کشتی میں بیٹھ گئے اور ملاح اسے کھینے لگا اور وہ اس باغ سے دور ہونے لگے تو علی بن بکار نے حسرت بھری نگاہوں سے خلیفہ کے محل اور گنبد اور باغ کی طرف دیکھا اور انہیں خدا حافظ کہا۔ کنیز نے ملاح سے کہا کہ انہیں جلد اس کنارے پہنچا دے اور ملاح تیز تیز کھینے لگا اور کنیز بھی ان کے ساتھ تھی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو پچپنویں رات

جب ایک سو پچپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ملاح نے خوب تیزی سے پتوار چلائے اور دورے کنارے کی طرف روانہ ہو گیا اور کنیز ان کے ساتھ تھی یہاں تک کہ وہ اس کنارے سے اس کنارے پہنچ گئے۔ وہاں وہ دونوں اتر پڑے اور کنیز ان سے رخصت ہو کر کہنے لگی کہ میں تو تمہیں چھوڑنا نہیں چاہتی ہوں لیکن میں یہاں سے آگے جانے کی قدرت نہیں رکھتی۔ یہ کہہ کر وہ واپس چلی آئی۔
اب علی بن بکار کی یہ حالت تھی کہ وہ ابوالحسن کے آگے زمین پر پڑا ہوا تھا اور اٹھ نہ سکتا تھا۔ ابوالحسن نے اس سے کہا کہ یہ جگہ مخدوش ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں ڈاکوؤں اور ٹھگوں اور چوروں کی وجہ سے ہم یہاں ہلاک نہ ہو جائیں۔ اب علی بن بکار اٹھا اور آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ اگرچہ وہ چلنے کے قابل نہ تھا۔ اس طرف ابوالحسن کے چند دوست رہتے تھے اور وہ ان میں سے ایک کے گھر کی طرف چلا جس پر اسے اعتماد تھا اور جس کے ساتھ اس کی گہری چھنتی تھی اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ شخص جلدی سے باہر نکلا اور انہیں دیکھ کر مرحبا کہا اور انہیں گھر کے اندر لے جا کر بٹھایا اور ان کے ساتھ بات چیت کی اور ان سے پوچھا کہ تم اس وقت کہاں تھے؟ ابوالحسن نے کہا کہ اس وقت ہمارے گھر سے نکلنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک شخص رہتا ہے جس کے ساتھ میرا لین دین ہے اور میرے دام اس کی طرف نکلتے ہیں۔ مجھے خبر ملی تھی کہ وہ میرے دام لے کر کسی دوسری جگہ چلا جانا چاہتا ہے۔ اس لیے میں آج رات اس کی تلاش میں نکلا تھا۔ راستے میں یہ میرا دوست علی بن بکار مل گیا اور میں اسے لے کر یہاں آیا کہ شاید قرض مل جائے لیکن وہ چھپ گیا اور ہمیں نہیں ملا اور ہم خالی ہاتھ لوٹے۔ اس وقت رات میں واپس جانا کٹھن معلوم ہوا اور یہ بھی

ہمیں معلوم نہ تھا کہ کہاں جائیں۔ اس لیے ہم تیرے پاس آ گئے ہیں کیونکہ مجھے تیری دوستی اور خوش خلقی کا یقین ہے۔ اس شخص نے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کی بڑی

آؤ بھگت کی اور وہ دونوں رات بھر وہیں رہے۔

جب صبح ہوئی تو وہ وہاں سے روانہ ہوئے اور چلتے چلتے شہر میں پہنچے اور اس میں سے گزرتے ہوئے ابوالحسن کے مکان پر آئے اور اس نے اپنے دوست علی بن بکار کو قسم دی کہ وہ اس کے گھر میں آئے۔ اندر آ کر دونوں فرش پر بیٹھ گئے۔ جب وہ ذرا ستا چکے تو ابوالحسن نے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ گھر میں قیمتی فرش بچھائیں اور انہوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس کے بعد ابوالحسن نے اپنے دل میں کہا کہ میرا یہ فرض ہے کہ اس جوان کی تسلی کا سامان مہیا کروں اور اس کا غم غلط کروں کیونکہ اس کی حالت مجھ سے زیادہ اور کوئی نہیں جانتا۔ یہ کہہ کر اس نے علی بن بکار کے لیے پانی منگوایا اور جب پانی آیا تو اس نے اٹھ کر وضو کیا اور پچھلے دن رات جو نمازیں قضا ہوئی تھیں' ان کو ادا کیا اور بیٹھ کر ابوالحسن کے ساتھ باتیں کرنے لگا اور دل بہلانے لگا۔ یہ دیکھ کر ابوالحسن اس کے قریب آیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا تیری حالت کا اقتضا یہ ہے کہ تو آج رات میرے یہاں ٹھہرے تا کہ تیرا دل بہلے اور محبت کی تکلیف جاتی رہے اور ہم ہنسی مذاق کی باتیں کریں تا کہ تیرے دل کی آگ بجھے۔

علی بن بکار نے کہا کہ بھائی' جو تیرا جی چاہے کر کیونکہ میں تو بہرحال اپنی مصیبت کی بھینٹ چڑھنے والا ہوں خواہ تو کچھ ہی کرے۔ ابوالحسن اٹھا اور اس نے اپنے غلاموں کو آواز دی اور ان کے ذریعے اپنی خاص خاص دوستوں کو بلوایا اور گویوں کو طلب کیا اور باجے منگوائے۔ جب سب آ چکے تو اس نے ان کے لیے کھانے اور شرابیں مہیا کیں اور انہوں نے شام تک کھایا اور خوشیاں منائیں۔ اس کے بعد شمعیں جلیں اور ان کے درمیان شراب کا دور چلنے لگا اور وقت خوب گزرا اور ایک کنیز نے سارنگی لے کر گانا بجانا شروع کیا۔ جب علی بن بکار نے مغنیہ کا گانا سنا تو وہ بے ہوش ہو کر

زمین پر گر پڑا اور دن نکلنے تک غشی کی حالت میں پڑا رہا۔ ابوالحسن اس کے ہوش میں آنے سے بالکل ناامید ہو گیا تھا لیکن دن چڑھے اسے ہوش آیا اور اس نے گھر جانے کا ارادہ ظاہر کیا اور ابوالحسن نے اس خیال سے کہ معلوم نہیں کہ اس پر کیا گزرے' اسے جانے سے منع نہیں کیا۔ ابوالحسن کے غلاموں نے ایک خچر لا کر اسے سوار کیا اور ابوالحسن اور اس کا ایک غلام اسے لے جا کر گھر پہنچا آئے۔ جب وہ اپنے گھر صحیح و سلامت پہنچ گیا تو ابوالحسن نے خدا کا شکر ادا کیا اور اس نے اسے اس مصیبت سے نجات دلا دی اور وہ بیٹھ کر اس سے تسلی آمیز باتیں کرنے لگا لیکن عشق و محبت کی وجہ سے اس کا حال بے حال تھا۔ اب ابوالحسن اٹھا اور اس سے رخصت ہو کر گھر چلا آیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو چھپنویں رات

جب ایک سو چھپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب ابوالحسن رخصت ہوا تو اس نے علی بن بکار سے کہا کہ بھائی' مجھے خبر پہنچاتے رہیو۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں پر۔ وہاں سے اٹھ کر ابوالحسن اپنی دوکان پر پہنچا اور شمس النہار کی خبر کا انتظار کرنے لگا لیکن کوئی خبر نہ آئی اور وہ اپنے گھر جا کر سو گیا۔

جب سویرا ہوا تو وہ اٹھ کر علی بن بکار کے گھر گیا اور دیکھا کہ وہ فرش پر پڑا ہوا ہے اور اس کے دوست اردگرد جمع ہیں اور کئی حکیم اس کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں' کوئی نبض دیکھ رہا ہے اور کوئی نسخہ لکھ رہا ہے۔ جب ابوالحسن وہاں پہنچا اور اس کی نظر علی بن بکار پر پڑی تو وہ مسکرایا۔ ابوالحسن نے اسے سلام کیا اور اس کا مزاج پوچھا اور بیٹھا رہا یہاں تک کہ سب لوگ چلے گئے اور ابوالحسن نے کہا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ علی بن بکار نے کہا کہ خبر مشہور ہو گئی ہے کہ میں بیمار ہوں کیونکہ میرے دوست ایک دوسرے سے کہتے پھرتے ہیں اور مجھ میں اتنی قوت نہیں کہ میں اٹھ کر چل بھی سکوں۔ اس لیے میں ان لوگوں کو جھٹلا بھی نہیں سکتا جو مجھے بیمار کہتے پھرتے ہیں۔ جیسا کہ تو مجھے اس جگہ پڑا پاتا ہے اسی طرح میں پڑا رہتا ہوں اور میرے دوست میری عیادت کو آتے رہتے ہیں لیکن بھائی' یہ تو بتا کہ تو لڑکی سے بھی ملا ہے یا اس نے تیرے پاس کوئی پیغام بھیجا ہے؟ ابوالحسن نے کہا کہ جب میں دجلے کے کنارے اس کنیز سے جدا ہوا ہوں' میں نے اس کی شکل تک نہیں دیکھی لیکن بھائی فضیحت سے ڈر اور یہ گریہ و زاری بند کر دے۔ علی بن بکار نے کہا کہ بھائی' میرا دل ہی قابو میں نہیں ہے' اے ابوالحسن' میں جس مصیبت سے اب تک بچا ہوا تھا' اس میں اب مبتلا ہو گیا ہوں اور موت سے بڑھ کر کوئی راحت مجھے نظر نہیں آتی۔ ابوالحسن

نے کہا کہ صبر کر تا کہ خدا تجھے آرام دے۔

یہ کہہ کر ابوالحسن وہاں سے رخصت ہوا اور جا کر دوکان کھولی ابھی تھوڑی ہی دیر وہ وہاں بیٹھا ہو گا کہ وہی کنیز اس کے پاس پہنچی اور اس نے سلام کیا۔ ابوالحسن نے سلام کا جواب دیا اور دیکھا کہ وہ غمگین نظر آتی ہے اور اس کا دل دھڑک رہا ہے اور اس کے چہرے سے تکلیف ظاہر ہوتی ہے۔ اس نے کہا کہ اہلاً و سہلاً مرحبا' شمس النہار کا کیا حال ہے؟ کنیز نے کہا کہ میں ابھی اس کا حال سناتی ہوں مگر پہلے یہ بتا کہ علی بن بکار کا کیا حال ہے؟ ابوالحسن نے اس سے سارا ماجرا بیان کر دیا اور کہا کہ وہ اب کس حال پر پہنچ گیا ہے۔ یہ سن کر اسے تعجب ہوا اور وہ افسوس کرنے اور آہیں بھرنے لگی اور اس کا دل دکھ گیا اور اس نے کہا کہ میری مالکہ کا حال اس سے بھی زیادہ ابتر ہے۔ جب میں تمہیں رخصت کر کے لوٹی تو میرا دل دھڑک رہا تھا اور مجھے یقین نہ آتا تھا کہ تم دونوں بچ جاؤ گے۔ بہرحال جب میں لوٹی تو میں نے دیکھا کہ میری مالکہ گنبد کے اندر پڑی ہوئی ہے' نہ کسی سے بات کرتی ہے اور نہ کسی کی بات کا جواب دیتی ہے اور امیرالمومنین اس کے سرہانے بیٹھا ہوا ہے' نہ تو کسی سے اسے لڑکی کی حالت معلوم ہوتی ہے اور نہ اس کی سمجھ میں یہ آتا ہے کہ اسے کیا ہو گیا۔ آدھی رات تک وہ یونہی بے ہوش پڑی رہی اور جب اسے ہوش آیا تو امیرالمومنین نے کہا کہ شمس النہار' تجھے کیا ہو گیا ہے اور آج رات تیری حالت کیوں دگرگوں ہے؟ شمس النہار خلیفہ کی یہ باتیں سن کر اس کے پاؤں چومنے لگی اور کہا کہ اے امیرالمومنین' خدا مجھے تیرے اوپر سے نثار کرے! میرا کھانا ہضم نہیں ہوا ہے جس کی وجہ سے میرے تن بدن میں آگ سی لگ گئی اور میں بے ہوش ہو گئی۔ اس کے بعد مجھے معلوم نہیں کہ مجھ پر کیا گزری۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تو نے آج کیا ناشتہ کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے ایسی چیز کھائی تھی جو کبھی پہلے نہیں کھائی۔ اس کے بعد اس نے یہ ظاہر کیا کہ گویا اس میں قوت آ گئی اور اس نے شراب

مانگی اور اسے پیا اور بادشاہ سے کہا کہ تو اپنی تفریح میں مشغول رہ۔ مجلس تو ساری گنبد کے اندر جمع ہی تھی' بادشاہ بھی وہاں جا کر اپنے تخت پر بیٹھ گیا۔ جب میں اس کے پاس آئی تو اس نے تم دونوں کا حال پوچھا اور میں نے کہہ دیا کہ میں نے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے اور جو اشعار علی بن بکار نے چلتے وقت پڑھے تھے وہ اسے سنا دیئے۔ اس پر وہ چپکے سے رونے لگی اور پھر خاموش ہو گئی۔ اس کے بعد امیرالمومنین نے بیٹھ کر ایک کنیز کو حکم دیا کہ گائے اور وہ گانے لگی۔ اس کا گانا سن کر میری مالکہ غش کھا کر دیوان پر گر پڑی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو ستاونویں رات

جب ایک سو ستاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ کنیز نے ابوالحسن سے کہا کہ میری مالکہ ان اشعار کو سن کر دیوان پر گر پڑی اور بے ہوش ہو گئی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے منہ پر گلاب کا عرق چھڑکا اور اسے ہوش آیا اور میں نے اس سے کہا کہ میری مالکہ' اپنی جان اور تمام محل والوں کو مصیبت میں مت ڈال۔ میں تجھے تیرے پیارے کی قسم دیتی ہوں کہ صبر کر۔ اس نے جواب دیا کہ کیا موت سے بھی زیادہ کوئی سزا میرے لیے ہو سکتی ہے لیکن میں تو موت کی خواہاں ہوں' واللہ اسی میں میرے لیے راحت ہے۔

ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ کنیز نے پھر گانا شروع کیا اور شمس النہار پھر غش کھا کر گر پڑی۔ جب خلیفہ کی نظر اس پر پڑی تو وہ دوڑ کر وہاں آیا اور اس نے حکم دیا کہ شراب اٹھا لی جائے اور سب کنیزیں اپنے اپنے کمروں میں چلی جائیں' اور خلیفہ صبح تک اس کے پاس بیٹھا رہا اور اس نے حکیموں اور طبیبوں کو بلا کر کہا کہ اس کا علاج کریں مگر اس کو تو خبر ہی نہیں تھی کہ وہ عشق و محبت میں گرفتار ہے۔ میں اس کے پاس بیٹھی رہی جب تک کہ مجھے یقین نہیں آ گیا کہ اب اس کا حال بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں تمہارے پاس نہ آ سکی۔ اب میں اس کی خاص کنیزوں کو جو اس کی خبر گیری کر رہی ہیں اس کے پاس چھوڑ کر یہاں آئی ہوں اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے پاس آ کر علی بن بکار کا حال دریافت کروں اور اسے جا کر خبر پہنچاؤں۔ یہ سن کر ابوالحسن حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ میں نے علی بن بکار کا سارا حال تجھ سے بیان کر دیا ہے۔ اب تو اپنی مالکہ کے پاس جا کر میرا سلام پہنچا اور اس سے کہہ کہ جہاں تک ہو سکے صبر کر۔ تو اس سے اصرار کیجیو اور

کہیو کہ راز فاش نہ ہونے پائے اور یہ بھی کہیو کہ مجھے اس کی ساری باتوں کا علم ہے مگر واقعہ سخت ہے او اس میں تدبیر سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ کنیز نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس سے رخصت ہو کر اپنی مالکہ کے پاس روانہ ہو گئی۔

یہ تو لڑکی کا ماجرا ہوا۔ اب ابوالحسن کی سرگزشت سنئے۔ دن بھر تو وہ اپنی دوکان پر بیٹھا رہا مگر جب رات ہوئی تو اس نے دوکان بڑھائی اور اس میں قفل لگا کر علی بن بکار کے مکان پر پہنچا اور دروازے پر دستک دی۔ ایک غلام اندر سے آ کر اسے اندر لے گیا۔ جب وہ داخل ہوا تو علی بن بکار مسکرایا اور اس کے آنے کی خوشی کا اظہار کیا اور اسے کہنے لگا کہ اے ابوالحسن' آج تیرے نہ آنے کی وجہ سے میں سخت پریشان تھا۔ ساری عمر میں دل و جان سے تجھ پر قربان رہوں گا۔ ابوالحسن نے کہا کہ ایسی باتیں مت کر۔ اگر تیرا علاج میرے ہاتھ میں ہوتا تو تیرے کہنے سے پہلے میں اس میں جان لڑا دیتا اور اگر میں اپنے آپ کو تجھ پر قربان کر سکتا تو دل و جان سے قربان ہو گیا ہوتا۔ آج شمس النہار کی کنیز نے آ کر مجھے یہ خبر دی کہ وہ اب تک اس وجہ سے نہ آ سکی کہ خلیفہ اس کے پاس برابر بیٹھا ہوا تھا اور پھر اس نے اپنی مالکہ کی ساری سرگزشت بیان کی۔ جب وہ ساری باتیں کہہ چکا جو اس نے کنیز سے سنی تھیں تو علی بن بکار کو سخت رنج ہوا اور وہ رو پڑا۔ اس کے بعد وہ ابوالحسن کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ بھائی' میری مصیبت میں میری مدد کر' میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں اور کوئی تدبیر نکال اور مہربانی کر کے آج رات یہیں بسر کر تا کہ میرا دل تیری صحبت سے بہلے۔ ابوالحسن نے اس کا کہنا مان لیا اور کہا کہ اچھا' میں آج رات یہیں رہوں گا اور وہ دونوں رات بھر بیٹھے باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ تاریکی خوب پھیل گئی اور علی بن بکار آہیں بھرنے اور رونے اور فریاد کرنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ درد آمیز اشعار پڑھنے لگا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ ابوالحسن سمجھا کہ اس کی جان نکل گئی ہے کیونکہ وہ برابر بے ہوش پڑا رہا۔ جب

دن نکلا تو اسے ہوش آیا اور وہ ابوالحسن سے باتیں کرنے لگا۔ ابوالحسن دن چڑھنے تک وہاں بیٹھا رہا اور پھر رخصت ہو کر وہاں سے چل دیا اور جا کر دوکان کھولی۔ اتنے میں وہی کنیز اس کے پاس پہنچی اور جوں ہی اس کی نظر کنیز پر پڑی۔ کنیز نے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ میری مالکہ نے تجھے سلام کیا ہے اور علی بن بکار کا حال دریافت کیا ہے۔ ابوالحسن نے کہا کہ اے نیک بخت کنیز' اس کا مزاج اور اس کی محبت کا حال مت پوچھ' نہ وہ رات کو سوتا ہے اور نہ دن میں آرام کرتا ہے۔ بیداری نے اسے گھلا دیا ہے اور مصیبت نے اسے آ دبایا ہے اور اب اس کی حالت پر دوستوں کا دل کڑھتا ہے کنیز نے کہا کہ میری مالکہ نے تجھے اور اسے سلام کہا ہے اور اس کے لیے خط دیا ہے کیونکہ اس کا حال علی بن بکار سے بھی زیادہ ابتر ہے۔ اس نے خط دے کر مجھ سے کہا کہ بغیر جواب لیے نہ لوٹیو اور جو میں نے کہا ہے وہ کیجیو۔ یہ خط میرے پاس ہے کیا تو میرے ساتھ اس کے پاس چل سکتا ہے تاکہ ہم اس سے جواب لیں؟ ابوالحسن نے کہا کہ بسر و چشم اور اس نے دوکان بند کر دی اور کنیز کو لے کر ایک دوسرے راستے سے روانہ ہو گیا اور چلتے چلتے علی بن بکار کے مکان میں پہنچا اور کنیز کو باہر کھڑا کر کے خود اندر گیا۔

اب شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو اٹھاونویں رات

جب ایک سو اٹھاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ ابوالحسن کنیز کو لے کر علی بن بکار کے مکان پر پہنچا اور اسے ٹھہرا کر خود اندر گیا۔ علی بن بکار اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔ ابوالحسن نے کہا کہ میں اس وقت اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ فلاں شخص نے اپنی کنیز کے ہاتھ تجھے ایک خط بھیجا ہے جس میں سلام کے بعد یہ لکھا ہے کہ میں ایک مجبوری کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتا۔ کنیز دروازے پر کھڑی ہے' اگر اجازت ہو تو وہ اندر آئے۔ علی نے کہا کہ اسے اندر آنے دے۔ ابوالحسن نے اشارے سے کہا کہ وہ شمس النہار کی کنیز ہے۔ جب اس نے کنیز کو دیکھا تو مارے خوشی کے وہ وجد کرنے لگا اور اس نے کنیز سے اشارہ" کہا کہ میرے آقا کا کیا حال ہے' خدا اسے صحت و عافیت عطا کرے! کنیز نے کہا کہ خیریت ہے اور وہ خط نکال کر اس کو دیا۔ اس نے خط لے کر اسے بوسہ دیا اور کھولا اور پڑھا اور پڑھ کر ابوالحسن کے حوالے کیا۔ اس خط میں چند دردناک اشعار کے بعد یہ لکھا ہوا تھا کہ میں بغیر انگلیوں کے تجھے لکھتی ہوں اور بغیر زبان کے تجھ سے باتیں کرتی ہوں۔ مجملاً میری یہ حالت ہے کہ بیداری میری آنکھوں کا پیچھا نہیں چھوڑتی اور تفکرات میرے دل سے جدا نہیں ہوتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں کبھی تندرست تھی ہی نہیں اور نہ کبھی خوشی کے دن میں نے دیکھے ہیں اور نہ کوئی خوشگوار منظر میری نظر سے گزرا ہے اور نہ میں نے عیش سے زندگی بسر کی ہے۔ میری گھٹی میں عشق اور الم اور شوق اور مصیبت پڑی ہوئی ہیں۔ مرض کا حملہ پے در پے ہے اور محبت دن دونی رات سوائی ہو رہی ہے اور تمنا آئے دن بڑھتی جاتی ہے اور شوق میرے دل میں موج زن ہے۔ مگر عشق کی آگ' شکوے شکایت سے نہیں بجھتی بلکہ وہ اسے اور بھی مصیبت میں ڈال

دیتی ہے جو محبت کا مارا ہوا اور فراق سے گھل گیا ہو اور جس کی تسلی کے لیے وصال کا محض لفظ کافی ہو۔ ابوالحسن کا بیان ہے کہ علی بن بکار نے اس کا جواب لکھ کر مجھے دے دیا اور میں نے اسے پڑھ کر کنیز کے حوالے کیا۔ جب کنیز خط لے چکی تو علی بن بکار نے اس سے کہا کہ اپنی آقا سے میرا سلام کہیو اور میرے عشق و محبت کی اسے خبر دیجیو کہ وہ میرے گوشت و پوست میں سرایت کر گئی ہے۔
اس کے بعد یہ کہیو کہ مجھے کسی ایسے شخص کی ضرورت ہے جو مجھے ہلاکت کے سمندر سے چھڑائے اور اس مصیبت سے نجات دے۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگا اور اسے روتا دیکھ کر کنیز بھی رو پڑی اور اس سے رخصت ہو کر چل دی۔ ابوالحسن نے باہر تک آ کر اسے رخصت کیا اور وہ چلتی ہوئی۔ اب ابوالحسن نے جا کر اپنی دوکان کھولی اور دستور کے موافق وہاں جا بیٹھا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو انسٹھویں رات

جب ایک سو انسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ ابوالحسن کنیز کو رخصت کر کے چلا گیا اور جا کر دوکان کھولی اور روز کی طرح وہاں جا بیٹھا' لیکن وہ سہما ہوا اور دل تنگ تھا اور اپنے معاملے میں سخت حیران و پریشان تھا۔ دن بھر اور رات بھر وہ اسی فکر میں مبتلا رہا اور دوسرے دن علی بن بکار کے پاس گیا او روہاں بیٹھا اور جب سب لوگ اٹھ گئے تو اس نے اس کی مزاج پرسی کی اور وہ اپنی محبت اور درد اور اشتیاق کا رونا رونے لگا۔ ابوالحسن نے اس سے کہا کہ تیری طرح محبت نہ میں نے دیکھی نہ سنی۔ تیری محبوبہ تیری محبت کی قدر کرتی ہے' اس پر تجھے یہ پریشانی اور بے قراری ہے۔ اگر تیری محبوبہ بے وفا اور دغا باز ہوتی اور تیرا پردہ فاش کر دیتی تو تیرا کیا حال ہوتا! ابوالحسن کا بیان ہے کہ علی بن بکار کو میری بات پسند آئی اور اسے اس پر اعتماد ہوا اور اس نے میرا شکریہ ادا کیا۔

میرا ایک دوست تھا جو میرے اور علی بن بکار کے حالات سے واقف تھا اور جانتا تھا کہ ہم دونوں دوست ہیں۔ سوائے اس کے اور کسی کو ہم دونوں کی سرگزشت کا علم نہ تھا۔ وہ اکثر میرے پاس آتا اور علی بن بکار کی مزاج پرسی کرتا۔ ایک روز اس نے لڑکی کا حال مجھ سے دریافت کیا مگر میں نے دروغ گوئی سے کام لیا اور کہا کہ لڑکی نے اسے اپنے پاس بلایا تھا اور دونوں کے درمیان وہ بات ہو چکی ہے جس سے زیادہ اب اور کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ان کا آخری مقصد تھا لیکن میں نے اپنے لیے ایک بات سوچی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تجھ سے کہوں۔ اس نے پوچھا کہ وہ کیا؟ ابوالحسن نے کہا کہ بھائی' سن' میں اپنے کاروبار کی وجہ سے مردوں اور عورتوں میں بہت مشہور ہو چکا ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ اگر ان دونوں کا راز کھل گیا تو میں تباہ ہو جاؤں گا اور میرا مال ضائع ہو جائے گا اور میری اور میرے اہل و عیال کی آبرو خاک میں

مل جائے گی۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنا بوریا بندھنا لے کر بصرے چلا جاؤں اور دیکھوں کہ ان دونوں کا کیا حال ہوتا ہے اور میں خود الگ تھلگ رہوں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں اور آپس میں خط و کتابت کرتے ہیں۔ ان کی دلالہ ایک کنیز ہے اور وہی ان کی راز دار ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کوئی شخص اسے ڈانٹ ڈپٹ کر اس سے بھید نہ لے لے اور دونوں کا راز فاش نہ ہو جائے اور اس کی وجہ سے مجھ پر تباہی نہ آ جائے اور میرا خاتمہ نہ ہو جائے اور میں لوگوں کے سامنے کوئی بہانہ نہ بنا سکوں۔ اس کے دوست نے کہا کہ یہ تو بڑی خطرناک بات تو نے مجھے سنائی' ایسی باتوں سے ہر سمجھ دار کو ڈرنا چاہیے۔ خدا کرے کہ اس ڈر کے علاوہ تجھے اور کوئی نقصان نہ پہنچے اور جس چیز سے تو ڈر رہا ہے اس کا انجام بخیر ہو۔ اس بارے میں تیری رائے بالکل ٹھیک ہے۔

ابوالحسن نے اپنے گھر جا کر اپنے کاروبار کا انتظام اور بصرے جانے کی تیاری شروع کر دی اور ابھی تین روز بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ اس نے تمام کاروبار کا انتظام کرلیا اور بصرے روانہ ہو گیا۔ تین دن کے بعد جب اس کا دوست اس سے ملنے آیا تو اسے نہ پایا' اور پڑوسیوں سے دریافت کرنے پر اسے معلوم ہوا کہ تین دن ہوئے کہ وہ بصرے چلا گیا ہے کیونکہ وہاں کے تاجروں کے ساتھ اس کا کاروبار ہے اور وہ اپنے قرض داروں سے دام وصول کرنے گیا ہے مگر عنقریب واپس آ جائے گا۔ یہ سن کر وہ شخص حیران رہ گیا اور اس کی سمجھ میں یہ نہ آیا کہ کہاں جائے اور کہنے لگا کہ کاش کہ میں نے ابوالحسن کا ساتھ نہ چھوڑا ہوتا۔ اس کے بعد وہ علی بن بکار تک پہنچنے کی تدبیر سوچتا رہا اور بالاخر وہ اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے اس کے ایک غلام سے کہا کہ اپنے آقا کے پاس جا کر کہو کہ میں اس سے ملنا اور اسے سلام کرنا چاہتا ہوں۔ غلام نے اندر جا کر اپنے آقا کو خبر کی اور باہر آ کر اس شخص کو اندر لے گیا۔ جب وہ اندر گیا تو اس نے دیکھا کہ علی بن بکار تکیئے پر سر رکھے پڑا ہوا ہے' اور اس نے سلام کیا اور علی نے سلام کا جواب

دیا اور مرحبا کہا۔ جوان نے اس سے اس بات کی معذرت کی کہ وہ اتنے دنوں تک حاضر نہ ہو سکا اور کہا کہ اے میرے آقا' میں اور ابوالحسن آپس میں بڑے دوست

ہیں یہاں تک کہ میں اپنے سارے راز اس سے بیان کرتا اور اس سے ایک پہر بھی جدا نہ رہتا تھا۔ کچھ دن ہوئے کہ میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ ایک کام سے چلا گیا۔ تین دن کے بعد جب واپس لوٹا اور اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ اس کی دوکان بند ہے اور پڑوسیوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ بصرے چلا گیا ہے۔ میرے خیال میں تجھ سے بڑھ کر اس کا کوئی دوست نہیں' لہٰذا خدا کے لیے مجھے اس کے حال سے مطلع کر۔ یہ سن کر علی بن بکار کا رنگ فق ہو گیا اور گھبرا کر کہنے لگا کہ اس سے پہلے مجھے اس کے سفر کا حال معلوم نہ تھا۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو مجھے بڑا افسوس ہے۔ یہ کہہ کر علی بن بکار سر نیچا کر کے سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے سر اٹھا کر اپنے ایک نوکر سے کہا کہ ابوالحسن کے گھر جا کر خبر لا کہ وہ یہیں ہے یا باہر گیا ہے اور اگر وہ کہیں باہر گیا ہے تو پوچھیو کہ کہاں گیا ہے۔ غلام جا کر تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور کہنے لگا کہ ابوالحسن کے گھر جا کر پوچھا اور وہ کہتے ہیں کہ ابوالحسن بصرے گیا ہے۔ میں نے وہیں دروازے پر ایک کنیز کو کھڑا دیکھا جس نے مجھے دیکھ کر پہچان لیا لیکن میں اسے نہ پہچان سکا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ کیا تو علی بن بکار کا غلام ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ میرے پاس اس کے نام کا ایک خط ہے جو اس کے ایک بہت عزیز دوست نے بھیجا ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے آیا ہوں اور دروازے پر کھڑی ہے۔ علی بن بکار نے کہا کہ اسے اندر بلا۔ غلام باہر جا کر اسے اپنے ساتھ لے آیا۔ جب اس شخص نے جو علی بن بکار کے پاس بیٹھا تھا' اس کنیز کو دیکھا تو وہ اسے بہت پسند آئی۔ اب کنیز نے آگے بڑھ کر علی بن بکار کو سلام کیا۔

اب شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پوری ایک سو ساٹھویں رات

جب پوری ایک سو ساٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ......
جب کنیز علی بن بکار کے مکان میں داخل ہوئی تو اس نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور اس کے ساتھ چپکے چپکے باتیں کرنے لگی اور اس گفتگو کے دوران میں وہ قسم کھاتا جاتا تھا کہ اس نے ایسی باتیں نہیں کیں۔ اس کے بعد وہ رخصت ہو کر چلی گئی۔ ابوالحسن کا یہ دوست جوہری تھا۔ جب کنیز چلی گئی تو اسے بات کرنے کا موقع ملا اور وہ علی بن بکار سے کہنے لگا کہ ضرور خلیفہ کے گھر والوں میں سے کسی کا تیرے اوپر کوئی مطالبہ ہے اور یا تمہارے درمیان میں لین دین ہے۔ اس نے پوچھا کہ تجھے یہ کیونکر معلوم ہوا؟ اس شخص نے کہا کہ میں اس کنیز کو جانتا ہوں کیونکہ وہ شمس النہار کی کنیز ہے اور بہت دن ہوئے کہ وہ میرے پاس خط لے کر آئی تھی کہ اسے ایک ہیرے کے ہار کی ضرورت ہے اور میں نے اسے ایک قیمتی ہار بھیج دیا تھا۔ یہ سن کر علی بن بکار بے چین ہو گیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کہیں اس کی روح پرواز نہ کر جائے لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ سنبھل گیا اور کہنے لگا کہ اے بھائی' خدا کے واسطے کہہ کہ تو اسے کہاں سے جانتا ہے؟ جوہری نے کہا کہ اس سوال پر اصرار مت کر۔ علی بن بکار نے کہا کہ میں تجھے اس طرح بتا دوں گا کہ کوئی شک و شبے کی گنجائش باقی نہ رہے گی اور تجھے میری بات کا یقین آ جائے گا اور میں تجھ سے کوئی راز پوشیدہ نہ رکھوں گا اور صاف صاف واقعہ بتا دوں گا لیکن اس شرط پر کہ تو اپنا کچا چٹھا مجھے سنا دے اور اپنی بیماری کی وجہ بیان کر دے۔ جب وہ اپنا سارا قصہ بیان کر چکا تو اس نے کہا کہ اے بھائی' واللہ میں نے جو سوائے تیرے اپنا حال کسی پر ظاہر نہیں کیا تو اس کی وجہ محض یہ ہے کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کا راز فاش کر دیتے ہیں۔ جوہری نے کہا کہ میں جو تیرے پاس آیا ہوں تو اس کی وجہ محض یہ ہے کہ

میں تجھے بہت دوست رکھتا ہوں اور ہر حالت میں تیری مدد کرنا چاہتا ہوں اور تیرے دل کو جدائی اور تکلیف سے چھڑانا چاہتا ہوں۔ جب تک میرا دوست ابوالحسن نہ آئے گا اس وقت تک میں اس کی بجائے تیرا یار و مددگار رہوں گا۔ لہٰذا غمگین مت ہو بلکہ دل خوش کر۔ اس پر علی بن بکار نے اس کا شکریہ ادا کیا اور تھوڑی دیر تک جب چپ رہنے کے بعد جوہری سے کہنے لگا کہ تجھے معلوم ہے کہ مجھ میں اور کنیز میں چپکے چپکے کیا باتیں ہوئی ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ واللہ مجھے معلوم نہیں۔ علی بن بکار نے کہا کہ اس کا خیال ہے کہ میں نے ابوالحسن کو بصرے جانے کا مشورہ دیا ہے اور اس ترکیب کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے درمیان خط و کتابت اور ملنا جلنا بند ہو جائے۔ اس پر میں نے قسم کھا کر اس سے کہا کہ یہ بات ہرگز نہیں ہے لیکن کنیز کو میری بات کا یقین نہ آیا اور وہ اپنی مالکہ کے پاس روانہ ہو گئی اور وہ بدگمانی اس کے دل میں باقی رہی کیونکہ اسے ابوالحسن سے دلچسپی تھی اور وہ اس کا کہنا مانتی تھی۔ جوان جوہری نے کہا کہ بھائی' میں کنیز کی صورت سے یہ بات سمجھ سکتا تھا لیکن انشاء اللہ میں تیری مطلب بر آری میں مددگار ثابت ہوں گا۔ علی بن بکار نے کہا کہ اس میں کون میری مدد کر سکتا ہے اور تو اس کے ساتھ کیا ترکیب چل سکتا ہے! وہ تو جنگلی جانور کی طرح بھاگتی ہے۔ جوہری نے کہا کہ واللہ میں جان توڑ کوشش کروں گا کہ تو کامیاب ہو اور تیری اس تک رسائی ہو بغیر اس کے کہ تیرا پردہ فاش ہو یا تجھ کو کوئی نقصان پہنچے۔ اس کے بعد جوہری نے جانے کی اجازت مانگی اور علی بن بکار نے کہا کہ اے بھائی رازداری تیرا فرض ہے۔ یہ کہہ کر وہ جوہری کی طرف دیکھنے لگا اور رو پڑا اور اسے رخصت کیا اور وہ چلتا ہوا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• ایک سو اکسٹھویں رات

جب ایک سو اکسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جوہری اس سے رخصت ہو کر چل دیا مگر وہ اس امر میں متفکر تھا کہ علی بن بکار کی مراد کس طرح بر آئے۔ اسی سوچ میں وہ چلا جاتا تھا کہ اس نے سڑک پر ایک خط پڑا پایا۔ اسے اٹھا کر اس نے پتہ دیکھا اور اسے پڑھنے لگا۔ اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ یہ خط کمترین عاشقہ کی طرف سے بدترین معشوق کے نام ہے اور اس میں چند حسرت آمیز اشعار کے بعد یہ لکھا ہوا تھا کہ اے میرے آقا' مجھے معلوم نہیں کہ میرے اور تیرے درمیان خط و کتابت کیوں بند ہو گئی۔ اگر مجھ سے کوئی بے وفائی سرزد ہوئی ہے تو میں اس کا تدارک وفا سے کر دوں گی' اور اگر تیری محبت جاتی رہی ہے تو میری محبت باوجود اس کے قائم ہے۔ جب وہ اس خط کو پڑھ چکا تو اس نے دیکھا کہ وہی کنیز داہنے بائیں دیکھتی چلی آ رہی ہے او جونہی اس نے وہ خط جوہری کے ہاتھ میں دیکھا تو وہ کہنے لگی کہ اے میرے آقا' یہ خط میرے ہاتھ سے گر پڑا ہے لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا اور چلتا رہا اور وہ کنیز اس کے پیچھے پیچھے لگی رہی یہاں تک کہ وہ اپنے گھر کے پاس پہنچا اور اس کے اندر داخل ہو گیا اور کنیز بھی اس کے پیچھے پیچھے داخل ہو گئی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا' یہ خط مجھے دے دے' مجھے واپس کر دے کیونکہ وہ میرے ہاتھ سے گر پڑا ہے۔ اب وہ اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے نیک بخت کنیز' ڈر مت اور نہ پریشان ہو کیونکہ خدا پردہ پوش ہے اور پردہ پوشی کو دوست رکھتا ہے۔ مجھ سے ساری باتیں سچ سچ کہہ دے کیونکہ میں راز دار ہوں۔ لیکن میں تجھے اس بات کی قسم دیتا ہوں کہ اپنی مالکہ کی کوئی بات مجھ سے مت چھپا' ممکن ہے کہ خدا میری مدد کرے۔ میں اس کی مطلب براری کر سکوں اور میرے ذریعے سے مشکل کام آسان ہو جائے۔ اس کی باتیں سن کر کنیز نے کہا

کہ اے میرے آقا' خدا نہ کرے کہ جس بھید کو تو محفوظ رکھنا چاہتا ہے' وہ فاش ہو! اور میں تجھ سے سارا حال بیان کر دوں گی مگر پہلے خط مجھے دے دے۔ اس کے بعد سارا قصہ مجھ سے سن لے۔ میری باتوں کا خدا گواہ ہے۔ جوہری نے کہا کہ تو سچ کہتی ہے کیونکہ واقعے کا مجھے علم ہے۔ اس کے بعد اس نے علی بن بکار کی ساری سرگزشت بیان کر دی اور یہ کہ اس نے اس کا راز کس طرح معلوم کیا۔ الغرض اس نے شروع سے لے کر آخر تک سب باتیں کہہ دیں۔

یہ سن کر کنیز خوش ہو گئی اور دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ کنیز خط لے کر علی بن بکار کو دے آئے اور جوہری کے پاس واپس آ کر سارا ماجرا بیان کرے۔ اس پر جوہری نے وہ خط اسے دے دیا اور اس نے اسے لے کر پھر اس پر مہر لگا دی اور کہنے لگی کہ میری مالکہ نے اسے مجھے سر بہ مہر دیا تھا۔ جب علی بن بکار اس خط کو پڑھ کر اس کا جواب دے گا تو میں اسے لے کر تیرے پاس آؤں گی۔ یہ کہہ کر کنیز اس سے رخصت ہو کر چلی گئی اور علی بن بکار کے پاس پہنچی اور دیکھا کہ وہ انتظار میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے وہ خط اس کے حوالے کیا اور اس نے پڑھ کر اس کا جواب لکھا اور کنیز کو دے دیا۔ کنیز وہ خط لے کر جوہری کے پاس گئی۔ جوہری نے اس کی مہر توڑی اور اسے پڑھا تو اس میں یہ لکھا ہوا تھا: شعر' جو پیغامبر ہماری خط و کتابت کا پردہ دار تھا وہ تو اب ہاتھ سے جاتا رہا۔ اب اپنی طرف سے کوئی ایسا پیغامبر ڈھونڈ نکالو جو سچائی کا دوست ہو جھوٹ کا دشمن ہو۔ اس کے بعد تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ مجھ سے کوئی غداری صادر نہیں ہوئی ہے اور نہ میں نے امانت میں خیانت کی ہے اور نہ وفا چھوڑ کر بے وفائی اختیار کی ہے اور نہ میں نے عہد و پیمان سے دست کشی اختیار کی ہے اور نہ محبت کا رشتہ توڑا ہے اور نہ میری غمگینی دور ہوئی ہے اور نہ جدائی کے بعد سوائے تباہی کے کچھ میرے ہاتھ لگا ہے اور جس چیز کا تم نے ذکر کیا ہے اس کی مجھے بالکل خبر نہیں اور جو کچھ تمہیں عزیز ہے محض وہی مجھے بھی عزیز ہے۔ پوشیدہ اور ظاہر باتوں کے جاننے والے کی قسم کہ میری یہی آرزو ہے کہ اپنے

محبوب سے ملوں اور اپنا عشق چھپائے رکھوں خواہ اس وجہ سے بیمار ہی کیوں نہ ہو جاؤں۔ بس یہ ہے تشریح میرے حال کی۔ والسلام۔

جب جوہری نے یہ خط پڑھا اور اسے سمجھا تو زار زار رونے لگا۔ کنیز نے کہا کہ جب تک میں اس خط کا جواب نہ لے آؤں۔ یہاں سے مت جائیو کیونکہ اس نے مجھ پر ایک بڑا اتہام لگایا ہے مگر وہ معذور ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ ایک بار کسی نہ کسی حیلے سے تجھے اپنی مالکہ شمس النہار سے ملا دوں۔ جب میں اس کے پاس سے چلی تھی تو وہ فرش پر پڑی ہوئی تھی اور اب وہ میری راہ دیکھ رہی ہو گی کہ میں جواب لے کر آؤں۔ یہ کہہ کر کنیز اپنی مالکہ کے پاس چل دی اور جوہری رات بھر پریشان رہا۔

جب صبح ہوئی تو اس نے فجر کی نماز پڑھی اور بیٹھ کر اس کنیز کا انتظار کر ہی رہا تھا کہ وہ خوش خوش آ پہنچی اور کہنے لگی کہ میں نے یہاں سے جا کر وہ خط اپنی مالکہ کو دے دیا جو علی بن بکار نے لکھا تھا۔ جب اس نے وہ خط پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا تو وہ حیران رہ گئی۔ میں نے کہا کہ میری مالکہ' اس بات کا اندیشہ مت کر کہ ابوالحسن کے چلے جانے سے تیرے کام میں کوئی رخنہ پڑے گا۔ مجھے اس کے بدلے ایک اور شخص دستیاب ہوا ہے جو اس سے بہتر اور زیادہ کام والا ہے اور رازداری کا اہل ہے۔ اس سے میں نے تیرا اور ابوالحسن کا سارا ماجرا بیان کر دیا ہے اور یہ کہ تیری ملاقات اس سے اور علی بن بکار سے کس طرح ہوئی اور کس طرح سے وہ خط میرے ہاتھ سے گر پڑا اور تیرے ہاتھ لگا' اس سے میں نے یہ بھی بیان کیا کہ میں نے اور تو نے مل کر کیا تدبیر سوچی ہے۔ یہ سن کر جوہری کو بڑا تعجب ہوا۔ اس کے بعد اس کنیز نے کہا کہ میری مالکہ تجھ سے بات کرنا چاہتی ہے تاکہ جو عہد و پیمان تیرے اور علی بن بکار کے درمیان ہے اور زیادہ مضبوط ہو جائے' لہٰذا فوراً میرے ساتھ اس کے پاس چل۔

جب جوہری نے کنیز کی یہ باتیں سنیں تو اسے خیال ہوا کہ یہ تو خطرناک کام ہے اور اس میں بڑا خدشہ ہے اور بے سوچے سمجھے ایسی ہمت کرنا ممکن نہیں' اور وہ کنیز سے

کہنے لگا کہ اے میری بہن' میں ایک معمولی شخص ہوں اور ابوالحسن کی طرح نہیں کیونکہ وہ بڑی قدر و منزلت کا شخص ہے اور لوگوں میں اس کا چرچا ہے اور وہ خلیفہ کے محل میں آنا جانا ہے کیونکہ وہ لوگ اس سے سودا لینے پر مجبور ہیں اور میرا یہ حال ہے کہ جب ابوالحسن مجھ سے باتیں کرتا ہے تو میں اس کے آگے تھرتھرایا کرتا ہوں۔ اگر تیری مالکہ مجھ سے باتیں کرنا چاہتی ہے تو یہ خلیفہ کے محل کے علاوہ کسی اور جگہ ہونا چاہیے جو امیرالمومنین کے قصر سے دور ہو۔ میری سمجھ تیرے مشورے کو تسلیم نہیں کرتی۔ وہ کنیز کے ساتھ جانے سے انکار کرتا جاتا تھا اور کنیز اسے برابر اطمینان دلاتی جاتی تھی اور کہتی تھی کہ کسی نقصان کا ڈر مت کر۔ جب کنیز نے کئی بار دہرایا تو اس نے اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن اس کے قدم لڑکھڑانے اور ہاتھ کانپنے لگے اور اس نے کہا کہ خدا نہ کرے کہ میں تیرے ساتھ چلوں' اور اس کی تو مجھ میں طاقت بھی نہیں۔ کنیز نے کہا کہ اچھا گھبرا مت' اگر یہ تجھ پر کٹھن گزرتا ہے کہ تو میرے ساتھ خلیفہ کے محل میں جائے تو میں اسے تیرے پاس لے آتی ہوں۔ تو جب تک میں اسے تیرے پاس لے نہ آؤں یہاں سے ٹلنا مت۔

یہ کہہ کر کنیز چل دی اور تھوڑی دیر کے بعد جوہری کے پاس آ کر کہنے لگی کہ خبردار' تیرے پاس اور کوئی نہ ہونا چاہیے' نہ غلام اور نہ کنیز۔ اس نے جواب دیا کہ میرے سوائے ایک بڑھیا حبشن کنیز کے جو میری خدمت کرتی ہے اور کوئی نہیں ہے۔ کنیز نے اٹھ کر جوہری اور اس کی کنیز کے بیچ کا دروازہ بند کر دیا۔ اور غلاموں کو باہر کر دیا اور خود باہر گئی اور اس لڑکی کو پیچھے پیچھے لیے ہوئی لوٹی اور جوہری کے گھر میں داخل ہو گئی۔ اس کے آتے ہی سارا گھر خوشبو سے مہکنے لگا۔ جوہری اس کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے لیے ایک دیوان اور تکیہ لے آیا۔ لڑکی اس پر بیٹھی اور جوہری اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ ستانے کی غرض سے چپ رہی' پھر اس نے اپنی نقاب اٹھائی اور جوہری کو ایسا معلوم ہوا کہ اس کے گھر میں سورج نکل آیا ہے۔ لڑکی نے اپنی کنیز سے پوچھا کہ یہی وہ شخص ہے جس کا تو نے مجھ

سے ذکر کیا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ اب لڑکی نے جوہری کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تیرا مزاج کیسا ہے؟ اس نے کہا کہ میں خیریت سے ہوں اور تیری اور امیرالمومنین کی جان اور مال کو دعا دیتا ہوں۔ لڑکی نے کہا کہ تو نے مجھے اپنے پاس بلایا ہے تا کہ میں اپنا بھید تجھ سے کہوں۔ اس کے بعد لڑکی نے اس کے اہل و عیال کی خیر و عافیت دریافت کی۔ جوہری نے اپنا سارا کچا چٹھا اس سے بیان کر دیا اور کہا کہ میں اب کیا تدبیر سوچ رہا ہوں۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اس گھر کے علاوہ میرا ایک اور مکان ہے جہاں میں اپنے دوست احباب سے ملا کرتا ہوں اور وہاں سوائے میری ایک کنیز کے اور کوئی نہیں رہتا جیسا کہ میں نے تیری کنیز سے بیان کیا ہے۔ اس پر لڑکی نے پوچھا کہ تجھے سارا قصہ کس طرح معلوم ہوا اور ابوالحسن کا کیا ماجرا ہے اور وہ کیوں چلا گیا؟ جوہری کو جو جو باتیں یاد آئیں وہ اس نے لڑکی سے بیان کر دیں اور کہا کہ میں نے ہی اسے سفر کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ ابوالحسن کے چلے جانے پر لڑکی نے بہت افسوس کیا اور کہا کہ اے شخص' انسانوں کی روحیں خواہشوں میں مبتلا ہیں' بغیر بات کئے ایک انسان کا کام دوسرے انسان سے بر نہیں آتا اور نہ بغیر کوشش کے کوئی مقصد پورا ہوتا ہے اور نہ بغیر تکلیف اٹھائے کوئی راحت ملتی ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو باسٹھویں رات

جب ایک سو باسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ...... شمس النہار نے جوہری سے کہا کہ بغیر تکلیف اٹھائے راحت نہیں ملتی اور کامیابی محض باہمت شخص کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔ میں نے اپنا سارا حال تجھے سنا دیا ہے اور اب میری عزت اور ذلت تیرے ہاتھ میں ہے اور بس۔ تجھ سے زیادہ اور کوئی باہمت نہیں۔ تجھے معلوم ہے کہ میری یہ کنیز میری رازدار ہے اور اس وجہ سے میں اس کی بڑی قدر کرتی ہوں اور میں نے اسے اپنے اہم کاموں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ اس لیے تجھے بھی اس سے زیادہ اور کوئی عزیز نہ ہونا چاہیے اور نہ رازدار۔ خوش ہو کہ تجھے ہماری طرف سے کوئی اندیشہ نہیں۔ وہ تیری ہر مشکل کو دور کر دے گی' وہی علی بن بکار کے نام پر میرے پیغام لایا کرے گی اور تو ہمارا درمیانی شخص ہو گا۔ یہ کہہ کر شمس النہار اٹھی' اگرچہ اس میں اٹھنے کی طاقت نہ تھی اور چلنے لگی اور جوہری اس کے آگے آگے روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ وہ گھر کے دروازے پر پہنچ گئی۔ اس کے بعد وہ آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اور اس کے حسن کا خیال کرنے لگا جس نے اسے چکا چوند کر دیا تھا اور اس کی شیریں مقالی کا جس سے اس کی عقل دنگ ہو گئی تھی اور اس کی آن بان اور ادب و آداب کا جن پر وہ حیران ہو گیا۔ وہ اس کی خوبیوں پر اتنی دیر غور کرتا رہا کہ اسے تسکین ہو گئی اور اس نے کھانا طلب کیا اور محض اتنا کھایا کہ بدن میں جان باقی رہے۔ اس کے بعد اس نے کپڑے بدلے اور اپنے گھر سے نکل کر علی بن بکار کے مکان کی راہ لی۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا ہی تھا کہ غلام آ پہنچے اور اس کے آگے آگے چل کر اسے اپنے آقا کے پاس لے گئے اور جوہری نے دیکھا کہ وہ فرش پر لیٹا ہوا ہے۔ جونہی اس کی نظر جوہری پر پڑی اس نے کہا کہ تو نے بڑی دیر لگائی اور میرا رنج و الم دوبالا کر دیا۔ اس کے بعد اس نے غلاموں

کو رخصت کر کے دروازہ بند کروا دیا اور کہنے لگا کہ بھائی' خدا کی قسم جس دن سے تو میرے پاس سے گیا ہے میری آنکھ بالکل نہیں لگی۔ کل کنیز آئی تھی اور اپنی مالکہ شمس النہار کا ایک سر بہ مہر خط لائی تھی۔

الغرض علی بن بکار نے سارا ماجرا بیان کر دیا جو اس کے اور کنیز کے درمیان پیش آیا تھا اور پھر کہنے لگا کہ خدا جانتا ہے کہ میں اپنے معاملے میں سخت حیران ہوں اور اب مجھ میں زیادہ تاب باقی نہیں۔ ابوالحسن نے میرے ساتھ دوستی کا حق ادا کیا کیونکہ وہ ذاتی طور سے اس کنیز سے واقف تھا۔ یہ سن کر جوہری ہنس پڑا اور ابن بکار نے اس سے کہا کہ میں تو تجھے دیکھ کر خوش ہوتا ہوں اور مصیبت کے وقت تجھ پر بھروسہ کرتا ہوں اور تو میری باتوں پر ہنستا ہے۔ یہ کہہ کر وہ رونے اور آہیں بھرنے لگا۔ جب جوہری نے اس کی باتیں سنیں تو وہ بھی رو پڑا اور اس نے وہ سارا ماجرا بیان کر دیا جو اس کے اور کنیز کے اور اس کی مالکہ کے درمیان پیش آیا تھا۔ اب ابن بکار کان دھر کر اس کی باتیں سننے لگا اور ہر فقرے پر اس کا رنگ زردی سے سرخی کی طرف مائل ہوتا جاتا اور کبھی اس کا جسم قوی اور کبھی ضعیف ہوتا جاتا تھا۔ جب اس کی باتیں ختم ہو گئیں تو ابن بکار نے رو کر کہا کہ بھائی' میری تو بہر حال جان نکل رہی ہے۔ کاش کہ میں جلد مر جاتا تو اس کے رنج و غم سے چھوٹ جاتا۔ لیکن تیری مہربانی ہے مجھے امید ہے کہ تو میری مدد کرے گا اور میرے ساتھ نیکی سے پیش آئے گا تاوقتیکہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ کر ڈالے' اور میں کسی بات میں تجھ سے اختلاف نہ کروں گا۔ جوہری نے کہا کہ تیری یہ آگ اس وقت تک نہیں بجھ سکتی جب تک تیرا محبوب سے وصال نہ ہو جائے لیکن یہ یہاں نہ ہونا چاہیے جو خطرے کی جگہ ہے بلکہ میرے اس مکان میں جہاں کہ کنیز اور اس کی مالکہ آئی تھی اور جسے اس نے اپنے لیے پسند کیا تھا۔ اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ تم دونوں ایک جگہ جمع ہو اور عشق کی مصیبتوں کا ایک دوسرے سے شکوہ شکایت کرو۔ علی بن بکار نے کہا کہ اے

میرے آقا' جو تیرا جی چاہتا ہے کر' خدا تجھے اس کا اجر دے! جو تیری رائے میں مناسب ہو اسے کر ڈال اور دیر مت لگا' کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اسی غم میں مر جاؤں۔ جوہری کا بیان ہے کہ وہ اس رات اسی کے ساتھ ٹھہرا رہا اور اس سے باتیں چیتیں کرتا رہا یہاں تک کہ صبح نمودار ہوئی اور دن نکل آیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• ایک سو تریسٹھ ویں رات

جب ایک سو تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جوہری نے کہا کہ میں رات بھر اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ دن نکل آیا اور میں نے اٹھ کر فجر کی نماز پڑھی اور وہاں سے رخصت ہو کر گھر آیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد کنیز نے آ کر مجھے سلام کیا اور میں نے سلام کا جواب دیا اور جو کچھ میرے اور علی بن بکار کے درمیان پیش آیا تھا اسے کہہ سنایا۔ کنیز نے کہا کہ خلیفہ ہمارے یہاں سے چلا گیا ہے اور اب ہمارے محل میں کوئی اور نہیں ہے اور وہ جگہ ہمارے لیے بہتر اور پوشیدہ تر ہے۔ میں نے کہا کہ تیرا کہنا درست ہے مگر میرا مکان اس سے بہتر ہے کیونکہ وہ ہماری خواہش کے مطابق ہے اور ہماری پردہ پوشی اس میں زیادہ اچھی طرح سے ہو سکتی ہے۔ کنیز نے کہا کہ جیسی تیری مرضی ہو' تو میں اپنی مالکہ کے پاس جا کر اس کو خبر کرتی ہوں اور تیری رائے اس کے سامنے پیش کرتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھی اور وہاں سے چل دی اور اپنی مالکہ کے پاس جا کر میری تجویز پیش کی اور میرے یہاں واپس آ کر کہا کہ اس نے تیری رائے منظور کی' جا کر مکان کو ہمارے لیے آراستہ کر اور ہمارا انتظار کر۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی جیب سے ایک تھیلی نکالی جس میں دینار تھے اور کہنے لگی کہ میری مالکہ نے تجھے سلام کہا ہے اور کہا ہے کہ ان کو لے کر ضرورت کی چیزوں پر خرچ کر۔ میں نے قسم کھا کر کہا کہ میں ان میں سے کچھ نہ لوں گا۔ کنیز وہ تھیلی لے کر اپنی مالکہ کے پاس گئی اور اس سے کہا کہ اے میری مالکہ' اس نے دام قبول نہیں کئے اور واپس کر دیئے۔ لڑکی نے کہا کہ کوئی ہرج نہیں۔ جوہری کا بیان ہے کہ کنیز کے چلے جانے کے بعد میں اٹھا اور دوسرے مکان میں گیا اور قیمتی فرش اور دیگر ضرورت کی چیزیں وہاں لے گیا اور چینی اور بلور اور چاندی اور سونے کے برتن وہاں پہنچائے اور تمام ضروری

کھانے پینے کی چیزیں مہیا کیں۔
جب کنیز نے آ کر میری کارگزاری دیکھی تو وہ خوش ہو گئی اور مجھ سے کہا کہ علی بن بکار کو بلا۔ میں نے کہا کہ سوائے تیرے اسے کون لا سکتا ہے! اب کنیز گئی اور اسے بنا سنوار کر لے آئی۔ جوہری کہتا ہے کہ میں نے اس کا خیر مقدم کیا اور مرحبا کہا اور اس کی حیثیت کے موافق اسے ایک دیوان پر بٹھایا اور دسترخوان بچھا کر اس پر طرح طرح کے کھانے لگا دیئے جن کو دیکھ کر روح خوش ہو جاتی ہے اور بیٹھ کر اس سے باتیں کرنے لگا تا کہ اس کا دل بہلے۔ اب کنیز چلی گئی اور شام تک غائب رہی اور مغرب کے بعد شمس النہار اور دو کنیزوں کو لے آئی۔ ان کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ جب شمس النہار اور علی بن بکار کی آنکھیں چار ہوئیں تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور شمس النہار کو گلے سے لگا لیا اور شمس النہار نے اسے گلے لگایا اور دونوں غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب انہیں ہوش آیا تو وہ آپس میں جدائی کی تکلیفوں کا شکوہ شکایت کرنے لگے۔ اس کے بعد بیٹھ کر میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگے اور عطر لگایا اور میرا شکریہ ادا کیا کہ میں نے ان کے ساتھ بھلائی کی ہے۔ میں نے کہا کہ کچھ کھانا حاضر کروں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں‘ اور میں نے کھانا حاضر کیا اور انہوں نے پیٹ بھر کر کھایا اور ہاتھ دھوئے اور اس کے بعد میں انہیں دوسری نشست گاہ میں لے گیا اور ان کے آگے شراب پیش کی۔ انہوں نے پی اور وہ مزے میں آ گئے اور ایک دوسرے کی طرف مائل ہوئے۔ اب شمس النہار نے مجھ سے کہا کہ میرے آقا‘ بس یہ آخری مہربانی اور کر دے اور میرے لیے سارنگی یا کوئی اور باجہ منگوا دے تا کہ اس وقت ہمارا سرور مکمل ہو جائے۔ میں نے کہا کہ بسر و چشم اور جا کر ایک سارنگی لے آیا اور اس نے اسے لے کر ٹھیک ٹھاک کیا اور اسے اپنی گود میں لے کر ایک ایسا راگ بجایا جس سے رنج و الم بھڑک اٹھتے ہیں اور غم زدہ وجد کرنے لگتا ہے۔ اس کے بعد اس نے ایسے گیت گائے کہ عقل دنگ ہو گئی۔ وہ مختلف سروں میں گاتی جاتی اور عمدہ عمدہ گیت سناتی جاتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس

کے عجیب و غریب گانے پر ابھی ساری مجلس اٹھ کر رقص کرنے والی ہے اور ہم سب کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اس کے بعد ہم بیٹھ گئے اور جام کا دور چلنے لگا اور وہ لڑکی گا کر پھر ہمیں سرور میں لے آئی۔

جوہری کا بیان ہے کہ ابھی ہم سرور کے سمندر میں ڈوبے ہی ہوئے تھے کہ ایک چھوٹی کنیز کانپتی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ اے میری آقا' بھاگنے کی تدبیر کر کیونکہ لوگوں نے یہاں آ کر تمہیں گھیر لیا' مگر معلوم نہیں کہ کیوں؟ جب میں نے اس کی باتیں سنیں تو میں ڈر کے مارے کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں دوسری کنیز نے آ کر کہا کہ مصیبت نے ہمیں آ گھیرا ہے۔ اب مجھے کہیں بھاگتے بن نہ پڑتا تھا۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھا تو ادھر کا راستہ بھی بند تھا۔ اس لیے میں اپنے ایک پڑوسی کے مکان پر چڑھ کر اندر کود پڑا اور وہاں جا کر چھپ گیا اور میں نے سنا کہ لوگ میرے مکان میں گھس آئے ہیں اور شور و غل مچا رہے ہیں اور مجھے یقین ہو گیا کہ ہماری خبر خلیفہ کو ہو گئی ہے اور اس نے شہر کے کوتوال کو بھیجا ہے کہ وہ ہمیں پکڑ کر خلیفہ کے سامنے پیش کرے۔ میں اسی طرح حیران و پریشان آدھی رات تک چھپا بیٹھا رہا اور مجھے وہاں سے نکلنے کی ہمت نہ پڑی۔ اب مکان والے کو معلوم ہوا کہ گھر کے اندر کوئی ہے اور وہ بہت گھبرایا اور اس گھبراہٹ میں باہر جا کر ایک ننگی تلوار لایا اور میرے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ میرے گھر کے اندر کون گھسا ہوا ہے؟ میں نے کہا کہ میں تیرا پڑوسی جوہری ہوں۔ اس نے مجھے پہچان لیا اور مجھ پر حملہ نہ کیا۔ اس کے بعد وہ چراغ لے کر میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے بھائی' جو مصیبت آج رات تجھ پر گزری ہے اس پر مجھے بھی افسوس ہے۔ میں نے کہا کہ بھائی' بتا تو سہی کہ میرے مکان میں کون تھا اور کون لوگ دروازہ توڑ کر اندر گھسے ہیں؟ کیوں کہ میں تو بھاگ کر تیرے پاس آ چھپا ہوں اور مجھے کچھ خبر نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ کل ہمارے پڑوس میں ڈاکو آئے تھے اور انہوں نے فلاں شخص کو مار ڈالا اور اس کا مال لوٹ لیا ہے۔ انہوں نے بھی یہ دیکھا ہو گا کہ تو بعض چیزیں اس مکان میں منتقل کر رہا ہے۔

اس لیے وہ آج تیرے گھر میں گھسے اور تیرا سارا سامان لے گئے اور تیرے مہمانوں کو قتل کر ڈالا۔

جوہری کا بیان ہے کہ میں اور میرا پڑوسی وہاں سے نکل کر مکان میں آئے تو دیکھا کہ وہ خالی پڑا ہے اور اس میں کوئی چیز باقی نہیں۔ اس پر میں بہت حیران و پریشان ہوا اور کہنے لگا کہ چیزوں کے ضائع ہو جانے کی تو مجھے پروا نہیں اگرچہ بعض چیزیں میں اپنے دوستوں سے مانگ کر لایا تھا اور وہ بھی چوری ہو گئیں' اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ وہ جان جائیں گے کہ میرا گھر لٹا ہے اور میرے گھر کا سارا سامان جاتا رہا مگر مجھے اندیشہ ہے تو علی بن بکار اور امیرالمومنین کی کنیز کا کیونکہ اگر ان کا راز فاش ہو گیا تو میری بھی جان جائے گی۔ اس کے بعد میں اپنے پڑوسی کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ تو میرا بھائی اور پڑوسی ہے اور میرے رازوں کو چھپانے والا ہے' تو مجھے کیا مشورہ دیتا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ میری رائے یہ ہے کہ انتظار کر کیونکہ جو لوگ تیرے گھر پر ڈاکہ ڈال کر تیرا مال متاع لے گئے ہیں انہوں نے خلیفہ کے محل اور شہر کے کوتوال کے بہت سے آدمی مارے ڈالے ہیں اور حکومت کے سپاہی ان کی تلاش میں ہر گلی کوچے میں پھر رہے ہیں۔ وہ انہیں ضرور پکڑ لیں گے اور تیرا مقصد بر آئے گا بغیر اس کے کہ تو اپنی طرف سے کوئی کوشش کرے۔ جب جوہری نے یہ بات سنی تو وہ اپنے دوسرے مکان کو چلا گیا جہاں وہ رہا کرتا تھا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو چونسٹھ ویں رات

جب ایک سو چونسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب جوہری نے یہ بات سنی اور وہ اپنے دوسرے مکان کو چلا گیا جہاں وہ رہا کرتا تھا وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ جو آفت میرے اوپر نازل ہوئی ہے وہی ہے جس سے بھاگ کر ابوالحسن بصرے چلا گیا ہے اور میں پھنس گیا ہوں۔

اب اس کے مکان کے لٹنے کی خبر لوگوں میں پھیلی اور لوگ ہر طرف سے اس کے پاس آنے لگے۔۔ بعض تو اس کی تکلیف پر خوش تھے اور بعض کہتے تھے کہ تو معذور ہے اور اس کا غم بٹانے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ ان سے فریاد کرتا تھا اور اپنے غم کی وجہ سے نہ کھانا کھاتا اور نہ پانی پیتا تھا۔ وہ اس افسوس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا ایک غلام اس کے پاس آ کر کہنے لگا کہ ایک شخص دروازے پر کھڑا تجھے بلا رہا ہے مگر میں اسے نہیں پہچانتا۔ جوہری نے باہر آ کر اسے سلام کیا مگر اسے پہچانا نہیں۔ اس شخص نے جوہری سے کہا کہ میں تجھ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جوہری نے اسے مکان کے اندر لے جا کر پوچھا کہ تو کیا کہنا چاہتا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ میرے ساتھ تو اپنے دوسرے گھر چل۔ جوہری نے کہا کہ کیا تو میرا دوسرا گھر بھی جانتا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے تیرے تمام حالات معلوم ہیں اور میں تیرے لیے ایک ایسی خبر لایا ہوں جس سے تیرا غم دور ہو جائے گا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر ایسا ہے تو اس کا جہاں جی چاہے' مجھے لے جائے۔ اب ہم چلتے چلتے دوسرے مکان میں پہنچے اور اس نے یہ دوسرا مکان دیکھ کر کہا کہ یہاں نہ تو دروازہ ہے اور نہ دربان' یہاں بیٹھنا ممکن نہیں' کسی اور جگہ چل۔ یہ کہہ کر وہ شخص ایک مکان سے دوسرے مکان میں جاتا تھا اور میں اس کے ساتھ ساتھ تھا یہاں تک کہ رات ہو گئی

مگر میں نے اس سے کوئی بات نہ پوچھی۔ وہ برابر چلا جا رہا تھا اور میں ساتھ ساتھ لگا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ ہم شہر کے باہر میدان میں پہنچ گئے اور وہ مجھ سے برابر کہتا جاتا تھا کہ چلا چل اور خود تیز تیز چل رہا تھا۔ میں اپنا دل مضبوط کیئے چلا جا رہا تھا یہاں تک کہ ہم دریا کے کنارے پہنچ گئے اور وہ مجھے لے کر ایک ناؤ میں بیٹھ گیا اور ملاح نے ناؤ کو کھے کر دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔ اب وہ ناؤ سے اترا اور اس کے پیچھے میں بھی اترا' اور وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک گلی میں لے گیا۔ جہاں عمر بھر میرا گزر نہ ہوا تھا اور جس کے متعلق مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ شہر کے کس حصے میں ہے۔ وہاں پہنچ کر وہ ایک دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اسے کھولا اور مجھے لے کر اندر داخل ہو گیا اور دروازے میں لوہے کا قفل لگا دیا۔ صحن میں پہنچ کر ہمیں دس آدمی ملے جو ایک شکل کے تھے کیونکہ وہ بھائی بھائی تھے۔

جوہری کا بیان ہے کہ ہم نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا اور ہم سے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور ہم بیٹھ گئے۔ تھکن کی وجہ سے میری جان نکل رہی تھی۔ اس لیے انہوں نے گلاب کا عرق لا کر میرے منہ پر چھڑکا اور مجھے شراب پینے کو دی اور میرے سامنے کھانا پیش کیا اور ان میں سے بعض نے میرے ساتھ کھایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر کھانے میں کوئی مضر چیز ہوتی تو وہ میرے ساتھ نہ کھاتے۔ جب ہم کھا کر ہاتھ دھو چکے تو ہر شخص جا کر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گیا اور انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تو ہمیں جانتا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں' میری جان کی قسم نہ میں نے تم لوگوں کو دیکھا ہے نہ اس شخص کو جو مجھے تمہارے پاس لایا ہے اور نہ کبھی اس مکان کو دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا تو اپنا حال سنا مگر بالکل جھوٹ نہ بولیو۔ میں نے کہا کہ میرا حال عجیب و غریب ہے کیا تم میرے متعلق کچھ جانتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں' ہمیں نے کل رات تیرا گھر لوٹا تھا اور تیرے دوست اور اس کی مغنیہ کو لے آئے تھے۔ میں نے کہا کہ خدا تمہاری پردہ پوشی کرے! وہ میرا دوست اور اس کی مغنیہ کہاں ہے؟ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے ایک طرف اشارہ کر کے کہا

وہاں۔ لیکن بھائی' خدا کی قسم ان کا راز سوائے تیرے ہم میں سے کسی کو معلوم نہیں اور جب سے ہم انہیں لائے ہیں اب تک ہم نے ان کی شکل بھی نہیں دیکھی اور نہ ان کا حال پوچھا کیونکہ ان کے چہرے سے ہیبت و وقار ٹپکتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے ان کو قتل بھی نہیں کیا۔ تو بتا کہ وہ ہیں کون؟ اس میں نہ تیری جان جائے گی اور نہ ان کی۔

جوہری کا بیان ہے کہ جب میں نے یہ باتیں سنیں تو قریب تھا کہ مارے ڈر اور خوف کے میری جان نکل جائے اور میں نے ان سے کہا کہ اے بھائیو' اگر مروت دنیا سے اٹھ جائے تو وہ تمہارے پاس ضرور ملے گی' اور اگر میں کسی بھید کو ظاہر کرنے سے ڈرتا ہوں تو تمہارے ہی سینے اس کو چھپا سکتے ہیں۔ اس قسم کی اور بہت سی باتیں میں نے ان سے کیں اور مجھے یقین ہو گیا کہ بھید کو چھپانے سے اس کا ظاہر کر دینا بہتر اور مفید تر ہے۔ اس لیے میں نے اپنا سارا ماجرا شروع سے آخر تک بیان کر دیا۔ میری باتیں سن کر وہ کہنے لگے کہ واقعی یہ جوان علی بن بکار اور یہ لڑکی شمس النہار ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ اس پر انہوں نے بہت افسوس کیا اور اٹھ کر ان سے معذرت کی اور مجھ سے کہا کہ جو کچھ ہم تیرے گھر سے لائے تھے اس کا ایک حصہ تلف ہو گیا اور جو باقی ہے حاضر ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے قریب قریب سب میرا مال واپس کر دیا اور وعدہ کیا کہ وہ اسے میرے گھر پہنچا دیں گے اور باقی کا بھی انتظام کر دیں گے۔ یہ سن کر میرے دل کو اطمینان ہو گیا' مگر اس بارے میں تاہم ان میں اختلاف رہا' کچھ لوگ میرے موافق تھے اور کچھ مخالف اور اب ہم سب روانہ ہو گئے۔

یہ تو میرا ماجرا ہوا۔ اب علی بن بکار اور شمس النہار کا قصہ سنئے۔ مارے ڈر کے ان کی جان نکل رہی تھی۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو انہیں سلام کیا اور ان سے پوچھا کہ کنیز اور دونوں نوکرانیوں کا کیا حال ہے اور وہ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں ان کی بالکل خبر نہیں۔ اب ہم چلتے چلتے اس جگہ پہنچے جہاں ایک ناؤ تھی اور ان لوگوں

نے ہمیں اس میں سوار کر دیا۔ یہ ناؤ وہی تھی جس میں ہم کل بیٹھ کر آئے تھے۔ ملاح نے اسے کھے کر ہمیں دوسرے کنارے پر پہنچا دیا اور وہاں ان لوگوں نے ہمیں اتار دیا۔ ابھی ہم وہاں بیٹھ کر ستانے بھی نہ پائے تھے کہ سواروں نے ہمیں آ کر گدھوں کی طرح چاروں طرف سے گھیر لیا۔ یہ دیکھ کر جو لوگ ہمارے ساتھ آئے تھے وہ گدھوں کی طرح بھاگے اور ناؤ واپس آئی اور وہ لوگ اس میں بیٹھ گئے اور ملاح کھے کر انہیں دریا میں لے گیا اور وہ چلتے ہوئے اور ہم دریا کے کنارے خشکی پر رہ گئے۔ ہم نہ وہاں ٹھہر سکتے تھے اور نہ وہاں سے بھاگ سکتے تھے۔ سواروں نے ہم سے پوچھا کہ تم لوگ کہاں کے ہو؟ مگر ہمیں جواب دیتے بن نہ پڑا۔ جوہری کا بیان ہے کہ میں نے ان سے کہا کہ جن لوگوں کو تم نے ہمارے ساتھ دیکھا تھا وہ ٹھگ تھے' ہم ان کو پہچانتے نہیں اور ہم گویئے ہیں۔ وہ ہمیں گانے بجانے کے بہانے سے لے گئے تھے اور بڑی خوشامد درآمد سے ہم نے اپنا پیچھا ان سے چھڑایا ہے۔ اس وقت وہ ہمیں چھوڑ کر بھاگے ہیں اور ان کا حال تم پر ظاہر ہے۔

جب سواروں کی نظر شمس النہار اور علی بن بکار پر پڑی تو وہ مجھ سے کہنے لگے کہ تو جھوٹ کہتا ہے اور اگر تو سچا ہے تو بتا کہ تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ تمہارا گھر کہاں ہے اور کس محلے میں رہتے ہو؟ جوہری کا بیان ہے کہ اب میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کہوں کہ اتنے میں شمس النہار لپک کر سواروں کے سردار کے پاس پہنچی اور اس سے چپکے چپکے کچھ کہنے لگی۔ اس پر وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور شمس النہار کو اس پر سوار کر کے اس کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی اور آگے آگے چلنے لگا۔ ایک دوسرے شخص نے یہی جوان علی بن بکار کے ساتھ کیا اور ایک تیسرے شخص نے میرے ساتھ۔ یہاں تک کہ سواروں کا سردار ہمیں لے کر دریا کہ کنارے ایک جگہ پر پہنچا اور ایک غیر زبان میں آواز دی اور بعض اجنبی لوگ کشتیاں لے کر پہنچ گئے۔ ایک میں اس نے ہمیں بٹھا دیا اور خود ہمارے ساتھ بیٹھ گیا اور دوسری میں

اپنے ساتھیوں کو بٹھایا۔ ملاحوں نے کھے کر ہمیں خلیفہ کے محل کے پاس پہنچایا' جہاں شمس النہار اتر گئی' مگر مارے ڈر کے' ہماری روح خشک ہو رہی تھی۔ اب ہم کشتیوں میں بیٹھ کر آگے چلے یہاں تک کہ اس جگہ پر پہنچے جہاں سے ہم اپنے مکان جا سکتے تھے' اور اتر کر خشکی پر چلنے لگے اور سوار ہمارے ساتھ ساتھ تھے اور یہاں تک کہ ہم اپنے گھر پہنچ گئے اور ہم ان سے رخصت ہو کر گھر کے اندر گئے اور انہوں نے اپنی راہ لی۔ جب ہم گھر میں داخل ہوئے تو ہمارا یہ حال تھا کہ ہم اپنی جگہ سے نہ ہل سکتے تھے اور نہ ہی ہمیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ دن ہے یا رات۔ صبح تک ہماری یہی حالت رہی اور جب شام ہوئی تو علی بن بکار کو غش آ گیا۔ وہ بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا اور عورتیں اور مرد اس پر رو رہے تھے۔ اتنے میں اس کے گھر والوں نے آ کر مجھے بیدار کیا اور کہا کہ بتا تو سہی کہ ہمارے لڑکے پر کیا گزری اور اب اس کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا کہ اے لوگو' سنو ......

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• ایک سو پینسٹھ ویں رات

جب ایک سو پینسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جوہری نے کہا کہ اے لوگو' میری بات غور سے سنو اور مجھے دق نہ کرو۔ ذرا صبر کرو' جب اسے افاقہ ہو گا تو وہ خود اپنی واردات تم سے بیان کرے گا۔ اس کے بعد میں نے ان سے ذرا سختی سے گفتگو کی اور کہا کہ کہیں ہماری تمہاری فضیحت نہ ہو جائے۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ علی بن بکار اپنے بچھونے میں کلبلایا اور گھر والے خوش ہو گئے اور دوسرے لوگ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے' مگر گھر والوں نے مجھے روک لیا اور اس کے منہ پر گلاب کا عرق چھڑکنے لگے۔ جب اسے ہوش آیا اور تازہ ہوا اس کے دماغ میں پہنچی تو لوگ اس کی مزاج پرسی کرنے لگے۔ وہ ان سے اپنا حال بیان کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی زبان رکتی تھی۔ اس کے بعد اس نے اشارے سے کہا کہ اسے گھر جانے دو اور انہوں نے مجھے جانے دیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر میں اپنے گھر پہنچا لیکن مجھے یہ یقین نہ آتا تھا کہ میں بچ گیا۔ دو آدمی مجھے پہنچانے آئے اور مجھے گھر تک پہنچا گئے۔ جب میرے گھر والوں نے مجھے اس حالت میں دیکھا تو وہ رونے اور سر پیٹنے لگے۔ مگر میں نے اشارے سے کہا کہ چپ رہو اور وہ چپ ہو گئے اور دونوں آدمی واپس چلے گئے۔ رات بھر میں نے بچھونے پر کروٹیں بدلتے گزار دی۔ جب دن چڑھا اور میری طبیعت سنبھلی تو میں نے دیکھا کہ گھر والے میرے اردگرد جمع ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ تجھ پر کیا مصیبت گزری ہے اور تو کس بلا میں مبتلا ہے؟ میں نے کہا کہ میرے لیے تھوڑی سی شراب لاؤ۔ جب وہ شراب لائے اور میں نے سیر ہو کر پی اور ان سے کہا کہ جو ہوا سو ہوا' اس کی یاد نہ دلاؤ اور وہ لوگ رخصت ہو گئے۔ اس کے بعد میں نے اپنے لوگوں سے معذرت کی اور کہا کہ جو چیزیں جاتی رہی تھیں کیا ان میں سے کوئی واپس آئی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں کچھ واپس

آ گئی ہیں‘ اس طرح سے کہ کوئی شخص آ کر انہیں گھر کے دروازے میں ڈال گیا مگر کسی نے اسے دیکھا نہیں۔ اس سے مجھے تسلی ہوئی اور میں دو دن تک اپنے گھر ٹھہرا رہا‘ مگر میری حالت یہ تھی کہ میں اپنی جگہ سے اٹھ نہ سکتا تھا لیکن بالاخر دل پر جبر کر کے اٹھا اور حمام گیا۔ اگرچہ بہت پژمردہ تھا اور میرا دل علی بن بکار اور شمس النہار میں لگا ہوا تھا کیونکہ اب تک مجھے ان کی کوئی خبر نہ ملی تھی اور علی بن بکار کے گھر تک جانا میرے لیے ناممکن تھا اور جان کے ڈر سے گھر پر ٹھہرنا بھی اجیرن تھا۔ اب میں نے اپنے کیئے پر خدا کے آگے توبہ کی اور اپنی سلامتی پر خدا کا شکر ادا کیا۔ کئی دن کے بعد میرے دل نے کہا کہ میں علی بن بکار کے مکان پر جاؤں مگر فوراً واپس آ جاؤں۔

میں نے جانے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے ایک عورت کھڑی ہوئی ہے۔ جب میں نے اسے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ شمس النہار کی کنیز ہے۔ اسے پہچانتے ہی میں تیز تیز چلنے لگا اور وہ میرے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئی۔ میں ڈرا اور جب جب میری نظر اس پر پڑتی‘ میں گھبراتا اور وہ مجھ سے کہتی کہ ذرا ٹھہر تو سہی‘ میں تجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ مگر میں اس کی طرف بالکل التفات نہ کرتا۔ یہاں تک کہ میں چلتے چلتے ایک مسجد میں پہنچا‘ جہاں کوئی نہ تھا اور اس نے کہا کہ اس مسجد کے اندر چل‘ میں تجھ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں‘ تجھے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے قسمیں دیں اور میں مسجد کے اندر گیا اور وہ بھی میرے پیچھے پیچھے پہنچی۔ پہلے میں نے دو رکعتیں پڑھیں اور پھر اس کے پاس آیا

اور ایک آہ بھر کر اس سے کہا تو کیا کہنا چاہتی ہے؟ اس نے میری سرگزشت پوچھی اور میں نے تمام ماجرا بیان کر دیا جو میرے اور علی بن بکار کے ساتھ پیش آیا تھا۔
اس کے بعد میں نے پوچھا کہ تو کیا خبر لائی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب میں نے دیکھا کہ لوگ تیرا دروازہ توڑ کر اندر گھس آئے ہیں تو میں بہت ڈری اور مجھے اندیشہ

ہوا کہ لوگ خلیفہ کے بھیجے ہوئے تو نہیں ہیں۔ اگر ہوں گے تو وہ مجھے اور میری مالکہ کو پکڑ کر لے جائیں گے اور ہم فوراً مار ڈالے جائیں گے۔ یہ سوچ کر میں اور دونوں مامائیں تینوں ایک چھت پر بھاگے اور ایک اور اونچے محل پر سے لوگوں کے اوپر کود پڑے اور وہاں سے بھاگ کر خلیفہ کے محل میں پہنچے۔ ہماری حالت ابتر تھی لیکن ہم نے کسی سے اپنا بھید نہ کہا مگر ہمیں سخت پریشانی تھی۔

جب رات ہوئی تو میں نے دریا کی طرف والا دروازہ کھولا اور اس ملاح کو بلایا جو اس رات ہمیں لے گیا تھا اور اس سے کہا کہ میری مالکہ کا کہیں پتہ نہیں۔ تو مجھے ناؤ میں لے چل تاکہ میں اسے تلاش کروں' شاید وہ کہیں مل جائے۔ اس نے مجھے ناؤ میں بٹھا لیا اور چل دیا۔ چلتے چلتے جب آدھی رات ہو گئی تو میں نے دیکھا کہ ایک کشتی محل کے دروازے کی طرف جا رہی ہے اور ایک آدمی اسے کھے رہا ہے اور دوسرا کھڑا ہوا ہے اور دونوں کے درمیان میں ایک عورت پڑی ہوئی ہے۔ میں نے غور سے دیکھا تو وہ شمس النہار تھی۔ یہ دیکھ کر میں بھی اس کی کشتی میں آ گئی اور مارے خوشی کے' میرا حال بے حال تھا کیونکہ ناامید ہو جانے کے بعد میں نے اسے دیکھا تھا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو چھیاسٹھ ویں رات

جب ایک سو چھیاسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
کنیز نے جوہری سے کہا کہ میں مارے خوشی کے پھولے نہ سماتی تھی کیونکہ میں اسے دیکھنے سے ناامید ہو چکی تھی۔ جب میں اس کے سامنے آئی تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس شخص کو ایک ہزار دینار دے دوں جو اسے لایا ہے۔ اس کے بعد میں اور دونوں مامائیں اسے اٹھا کر لے گئے اور بچھونے پر لٹا دیا۔ رات بھر اس کا برا حال رہا اور دوسرے روز میں نے حکم دیا کہ کوئی کنیز یا خادم اس روز اس کے پاس نہ آئے۔ دوسرے دن ذرا اس کی حالت سدھر گئی مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ قبر سے اٹھ کر آئی ہے۔ میں نے اس کے منہ پر گلاب کا عرق چھڑکا اور ہاتھ پاؤں دھلا کر اس کے کپڑے بدلے اور بہت منت سماجت کر کے اسے کچھ کھانا کھلایا اور کچھ شراب پلائی کیونکہ اس کا جی نہ کھانے کو چاہتا تھا اور نہ پینے کو۔ جب اسے تازہ ہوا لگی اور اس کی طبیعت سنبھلی تو میں اسے نصیحت کرنے لگی اور اس سے کہا کہ اے میری آقا' دیکھ اپنے حال پر رحم کر۔ ہم پر جو گزری ہے وہ سب تو نے دیکھا ہے اور تیری مصیبت تو انتہا درجے کی تھی۔ کیونکہ تو مرتے مرتے بچی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اے نیک بخت کنیز' موت اس سے بہتر ہے جو مجھ پر گزری ہے کیونکہ اب میر زندہ رہنا ناممکن ہے۔ جب ڈاکو ہمیں جوہری کے مکان سے لے گئے تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں ایک ڈومنی کنیز ہوں۔ وہ سمجھے کہ میں سچ کہتی ہوں اور انہوں نے پھر علی بن بکار سے کہا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں بھی ایک معمولی آدمی ہوں۔ اس پر وہ ہمیں لے کر اپنی جگہ پہنچے' راہ میں ڈر کے مارے ہم تیز تیز چلتے تھے۔ جب وہ ہمیں لے کر اپنی جگہ پہنچے تو انہوں نے

مجھے غور سے دیکھا اور میرے لباس اور زیور اور جواہرات پر نظر ڈالی اور سمجھے کہ میں نے جھوٹ کہا ہے اور کہنے لگے کہ ڈومنیوں کے پاس تو ایسے زیور نہیں ہوتے۔ سچ سچ بتا کہ تیرا قصہ کیا ہے؟ میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ اب یہ لوگ میرے زیور اور لباس کی خاطر مجھے قتل کر دیں گے اور میں چپ رہی۔ اب ٹھگوں نے علی بن بکار کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ تیری صورت بھی عام لوگوں کی سی نہیں۔ اس پر وہ بھی خاموش رہا۔

غرض کہ ہم دونوں نے اپنا حال پوشیدہ رکھا اور برابر روتے رہے۔ اس وجہ سے خدا نے ڈاکوؤں کے دل میں ہمارے طرف سے رحم ڈال دیا اور انہوں نے ہم سے کہا کہ وہ کس کا مکان تھا جہاں تم لوگ تھے؟ ہم نے کہا کہ فلاں جوہری کا۔ اس پر ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں اسے خوب جانتا ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ اپنے دوسرے مکان میں رہتا ہے' میں ابھی جا کر اسے بلاتا ہوں۔

اب انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے ایک الگ جگہ رکھیں اور علی بن بکار کو ایک الگ جگہ اور ہم سے کہنے لگے کہ آرام کرو اور اس بات سے ڈرو مت کہ تمہارا راز فاش ہو جائے گا اور ہماری طرف سے تم بے دھڑک رہو۔ اب ان کا ساتھی جا کر جوہری کو لے آیا اور اس نے ہمارا حال ان پر ظاہر کیا اور ہم اس سے ملے۔ اس کے بعد ایک شخص جا کر ایک کشتی لایا اور وہ لوگ ہمیں اس میں سوار کر کے اسے تیز تیز کھینے لگے یہاں تک کہ ہمیں دوسرے کنارے پر اتار کر چلتے ہوئے۔ اتنے میں کوتوالی کے سوار آ پہنچے اور ہم سے کہنے لگے کہ تم کون ہو؟ میں نے کوتوال سے کہا کہ میں خلیفہ کی چہیتی شمس النہار ہوں۔ میں نے شراب پی تھی اور وزیروں کی بعض بیویوں کے پاس جا رہی تھی جو میری شناسا ہیں کہ اتنے میں ان ٹھگوں نے آ کر مجھے پکڑ لیا۔ مگر وہ اس جگہ تک پہنچے ہی تھے کہ تمہیں دیکھ کر بھاگ گئے۔ میں اس قابل ہوں کہ تمہاری بھلائی کا بدلہ دے سکوں۔ کوتوال نے میری باتیں سن کر مجھے پہچان لیا اور گھوڑے سے اتر کر مجھے اس پر بٹھا دیا اور علی بن بکار اور جوہری کے ساتھ بھی

یہی کیا۔ اب میں ان کے متعلق سخت پریشان ہوں' بالخصوص جوہری کے متعلق جو ابن بکار کا دوست ہے۔ لہٰذا تو اس کے پاس جا کر میرا سلام کہہ اور اس سے علی بن بکار کا حال پوچھ۔ اس پر میں نے اسے برا بھلا کہا اور اسے ڈرایا اور کہا کہ اے میری مالکہ' اپنے حال پر رحم کھا۔ لیکن اس نے مجھے ڈانٹا اور مجھ پر خفا ہونے لگی اور میں وہاں سے اٹھ کر تیرے پاس آئی لیکن تجھے نہ پایا' مگر میں ابن بکار کے پاس جانے سے ڈرتی تھی۔ اس لیے میں کھڑی ہو کر تیری راہ دیکھنے لگی تا کہ میں تجھ سے اس کا حال دریافت کروں اور مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ کیسا ہے؟ اب میں تجھ سے درخواست کرتی ہوں کہ مجھ سے کچھ دام قبول کر لے کیونکہ تو اپنے دوستوں سے وہ چیزیں مانگ کر لایا ہو گا جو چوری ہو گئی ہیں اور اب تجھے ڈنڈ بھرنا ہو گا۔ جوہری کا بیان ہے کہ میں نے اس سے کہا کہ بسر و چشم' چل اور میں بھی اس کے ساتھ چلنے لگا یہاں تک کہ ہم دونوں میرے مکان کے پاس پہنچے۔ اب اس نے مجھ سے کہا کہ میری واپسی تک یہیں ٹھہرا رہیو۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو سڑسٹھ ویں رات

جب ایک سو سڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک دل بادشاہ ------ کنیز نے جوہری سے کہا کہ یہیں ٹھہرے رہیو اور میرے لوٹنے کی راہ دیکھیو اور چل دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دام لے کر واپس آئی اور مجھے دے کر کہنے لگی کہ اے میرے آقا' تجھ سے دوبارہ کس جگہ ملاقات ہو گی؟ میں نے کہا کہ میں ابھی اپنے مکان میں جاتا ہوں اور تیری خاطر اپنے اوپر تکلیف گوارا کر کے سوچوں گا کہ تیری رسائی اس تک کیونکر ہو سکتی ہے کیونکہ اس وقت اس تک پہنچنا ناممکن ہے۔ اس نے کہا کہ میں تجھ سے کس جگہ مل سکتی ہوں؟ میں نے جواب دیا کہ میرے مکان پر۔ اس کے بعد وہ مجھ سے رخصت ہو کر چلی گئی اور میں دینار لے کر گھر گیا اور انہیں گنا تو پانچ ہزار دینار تھے۔ ان میں سے کچھ میں نے گھر والوں کو دیئے اور کچھ قرض داروں کو۔ اب میں وہاں سے اٹھا اور اپنے غلاموں کو لے کر اس گھر میں گیا جہاں ڈاکہ پڑا تھا اور معماروں اور بڑھئیوں کو بلوا کر اس کی مرمت کرائی اور اپنی کنیز کو پھر وہاں رکھا اور جو کچھ میرے اوپر گزری تھی وہ سب بھول گیا۔ اس کے بعد میں وہاں سے روانہ ہو کر علی بن بکار کے مکان پر پہنچا اور اس کے غلاموں نے آ کر مجھ سے کہا کہ ہمارا آقا دن رات تیری کھوج میں لگا ہوا ہے اور اس نے ہم سے کہہ رکھا ہے کہ ہم میں سے جو کوئی تجھ کو لے آئے گا وہ اسے آزاد کر دے گا' اس لیے ہم تیری تلاش میں لگے ہوئے ہیں مگر تیرا پتہ کہیں نہ چلا۔ ہمارے آقا کی حالت اب پہلے سے اچھی ہے اور وہ کبھی ہوش میں آ جاتا ہے اور کبھی بے ہوش ہو جاتا ہے۔ جب کبھی اسے ہوش آتا ہے تو وہ تجھے یاد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تم اسے ذرا سی دیر کے لیے میرے پاس لے آؤ اور پھر بے ہوش ہو جاتا ہے۔

جوہری کا بیان تھا کہ میں غلام کے ساتھ اس کے پاس گیا اور دیکھا کہ اس کے منہ

سے بات نہیں نکلتی۔ اب میں اس کے سرہانے جا بیٹھا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ رو پڑا اور مجھ سے کہنے لگا کہ اہلاً و سہلاً و مرحبا۔ میں نے اپنے سینے کے سہارے اسے بٹھا لیا۔ اس نے کہا کہ بھائی' جس روز سے میں لیٹا ہوں اس وقت اٹھ کر بیٹھا ہوں' شکر ہے خدا کا کہ تیرا دیدار نصیب ہوا۔ جوہری کہتا ہے کہ سہارا دیتے دیتے میں نے اسے کھڑا کر دیا اور چند قدم ٹہلایا اور اس کے کپڑے بدلے اور اس نے شراب پی۔ یہ سب اس لیے تھا کہ اس کی طبیعت بہلے۔

جب میں نے دیکھا کہ اسے قدرے آرام ہے تو میں نے اس سے لڑکی کا حال بیان کیا اس طرح سے کہ کوئی اور سن نہ سکے۔ اور اس سے کہا کہ اپنا دل مضبوط کر اور اپنے آپ کو سنبھال' مجھے تیری حالت معلوم ہے۔ اس پر وہ مسکرا دیا اور میں نے کہا کہ کوئی ایسی بات نہ ہو گی جس سے تو خوش نہ ہو اور تیرا غم غلط نہ ہو۔

اب علی بن بکار نے کھانا منگوایا اور لوگ کھانا لائے اور پھر اس نے اشارہ کیا اور وہ سب چلے گئے اور اس نے مجھ سے کہا کہ بھائی' تو نے دیکھا کہ میری کیا گت بنی' اور مجھ سے معذرت کرنے لگا اور پوچھا کہ اس زمانے میں مجھ پر کیا گزری۔ میں نے اپنا سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ اس پر اسے بڑا تعجب ہوا اور اس نے اپنے نوکروں سے کہا فلاں فلاں چیز میرے پاس لے آؤ اور وہ نفیس فرش اور پردے لے آئے۔ علاوہ بریں سونے چاندی کے برتن جن کی تعداد ان سے زیادہ تھی جو میرے چوری کیے گئے تھے' اور وہ سب اس نے مجھے دے دیے۔ میں نے ان چیزوں کو اپنے گھر بھجوا دیا اور اس رات وہیں قیام کیا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے کہا کہ سن' ہر چیز کی ایک انتہا ہوتی ہے اور محبت کی انتہا یا موت ہے یا وصال' مگر میری حالت موت سے قریب تر ہے۔ کاش کہ میں اس ماجرے سے پہلے مر چکا ہوتا' خدا کی مہربانی نہ ہوتی تو ہماری فضیحت ہو چکی تھی۔ معلوم نہیں کہ موجودہ حالت سے مجھے کس طرح چھٹکارا ہو سکتا ہے! اگر مجھے خدا کا ڈر نہ ہوتا تو میں فوراً خودکشی کر لیتا۔ بھائی' میری حالت ایسی ہے جیسی پنجرے میں چڑیا کی اور یہ غم میری جان لے کر چھوڑے

گا مگر مشکل یہ ہے کہ مرنے کا ایک وقت مقرر ہے۔
جوہری نے کہا کہ اے میرے آقا' اب میں گھر جانا چاہتا ہوں ممکن ہے کہ کنیز کوئی خبر لے کر آئی ہو۔ علی بن بکار نے کہا کہ اچھا جا لیکن جا کر جلد لوٹیو اور مجھے خبر دیجیو کیونکہ تو میری حالت سے بخوبی واقف ہے۔ میں اس سے رخصت ہو کر گھر گیا لیکن ابھی بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ وہ کنیز آ پہنچی اور وہ رو رہی تھی اور اس کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں۔ جب میں نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ اے میرے اقا' ہم پر وہی مصیبت آ بنی جس سے ہم ڈرتے تھے۔ کل جب میں تیرے پاس سے گئی تو میں نے دیکھا کہ میری مالکہ ان دونوں ماماؤں میں سے ایک پر سخت ناراض ہے جو اس رات ہمارے ساتھ تھیں اور اس نے اسے مارنے کا حکم دیا۔ وہ ماما وہاں سے ڈر کر بھاگی' دروازے پر اسے ایک دربان ملا اور وہ چاہتا تھا کہ ماما پھر اپنی مالکہ کے پاس جائے لیکن اس نے دربان سے کچھ باتیں اشارہ بیان کر دیں۔ اس پر وہ اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا اور اس سے ماجرا پوچھا اور ماما نے ہمارا سارا کچا چٹھا بیان کر دیا۔ جب خلیفہ تک یہ خبر پہنچی تو اس نے شمس النہار کو مع اس کے تمام اسباب کے اپنے محل میں منتقل کر دیا اور بیس خادم اس پر مقرر کر دیئے' اور اس وقت تک میں اس سے ملاقات نہ کر سکی اور نہ مجھے ٹھیک سبب معلوم ہو سکا۔ مگر میرا گمان ہے کہ یہی سبب ہو گا۔ اے میرے آقا' میں حیران ہوں اور مجھے اپنی جان کے لالے پڑے ہیں اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں اور اپنے اور اس کے لیے کیا تدبیر نکالوں کیونکہ مجھ سے زیادہ پردہ دار اس کا کوئی نہیں ہے۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی

• ایک سو اڑسٹھویں رات

جب ایک سو اڑ سٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ کنیز نے جوہری سے کہا کہ میری مالکہ کا پردہ دار مجھ سے زیادہ اور کوئی نہیں لہٰذا اے میرے آقا' تو فوراً علی بن بکار کے پاس جا کر خبر کر تا کہ وہ خبردار رہے۔ اگر راز فاش ہو گیا تو پھر ہم اپنی جان بچانے کی کوئی تدبیر کریں گے۔ جوہری کہتا ہے کہ یہ سن کر میں نہایت گھبرایا اور دنیا میری آنکھوں میں اندھیری ہو گئی۔ کنیز جانا ہی چاہتی تھی کہ میں نے کہا کہ اب تیری کیا رائے ہے کیونکہ دیر کرنے کا اب وقت نہیں ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اگر علی بن بکار تیرا دوست ہے اور تو اسے بچانا چاہتا ہے تو میری رائے ہے کہ تو فوراً اس کے پاس جا کر جلد اس سے سارا ماجرا بیان کر اور دیر مت کر اور لمبے راستے سے مت جا' اور میں جا کر اور خبریں لاتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ مجھ سے رخصت ہوئی اور چل دی۔ جب وہ چلی گئی تو اس کے بعد میں بھی اٹھا اور علی بن بکار کے پاس گیا اور دیکھا کہ وہ وصال کی تمنا کر رہا ہے اور محال بات کی امید میں ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ وصال کی تمنا کر رہا ہے اور محال بات کی امید میں ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ میں اتنی جلد واپس آ گیا ہوں تو وہ مجھ سے کہنے لگا کہ تو ابھی تو گیا تھا اور ابھی لوٹ آیا ہے۔ میں نے کہا کہ تو اپنے بے ہودہ تعلقات چھوڑ دے اور اپنی یہ حالت بدل دے کیونکہ ایسا واقعہ پیش آ چکا ہے جس سے تیری جان و مال کو اندیشہ ہے۔ یہ سن کر اس کی حالت بدل گئی اور وہ پریشان ہو گیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ اے میرے بھائی' کہہ کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ اے میرے آقا' یہ باتیں پیش آ چکی ہیں اور اگر تو شام تک یہیں ٹھہرا رہا تو ضرور تجھے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھنا پڑے گا۔ یہ سن کر علی بن بکار گھبرا گیا اور قریب تھا کہ اس کی روح پرواز کر جائے لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس کی حالت سنبھلی اور اس نے

کہا کہ بھائی' اب کیا کیا جائے؟ تیری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تو جتنا مال اپنے ساتھ لے سکتا ہے اور جن غلاموں پر تجھے بھروسہ ہے انہیں لے کر میرے ساتھ شام ہونے سے پہلے یہاں سے کہیں اور چلا چل۔ اس نے کہا کہ بسر و چشم اور وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا! مگر وہ اپنے معاملے میں نہایت حیران و پریشان تھا' کبھی چلتا اور کبھی کھڑا ہو جاتا۔ بہر حال وہ جو کچھ لے سکتا تھا اس نے اپنے ساتھ لیا اور اپنے گھر والوں سے معذرت کی اور ان سے اپنا مقصد بیان کیا اور تین اونٹنیوں پر اپنا سامان لادا اور سوار ہو گیا۔ میں نے بھی یہی کیا اور ہم دونوں بھیس بدل کر چپکے سے چل دیئے اور دن بھر اور رات بھر چلتے رہے۔ جب پچھلی رات ہوئی تو ہم نے اپنا سامان اتارا اور اونٹوں کو باندھ کر سو گئے۔ ہم اتنے تھکے ہوئے تھے کہ اپنے آپ سے بے خبر ہو گئے اور ڈاکوؤں نے ہمیں گھیر کر جو کچھ ہمارے پاس تھا لے لیا اور ہمارے غلاموں کو قتل کر دیا کیونکہ وہ ہمیں ان سے بچانا چاہتے تھے۔ اب انہوں نے ہمارا سارا مال اور جانور لیے اور ہمیں اسی جگہ بے حال چھوڑ کر چلتے ہوئے۔

ہم وہاں سے اٹھ کر آگے چلے اور صبح ہوتے ایک شہر میں پہنچے اور اس میں داخل ہو کر مسجد کی طرف چلے اور ننگے اس میں داخل ہوئے اور دن بھر اس کے ایک کونے میں بیٹھے رہے۔ جب رات ہوئی تو ہم وہیں سو گئے' نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ جب دوسری صبح ہوئی تو ہم نے فجر کی نماز پڑھی اور وہیں بیٹھے رہے۔ اتنے میں ایک شخص نے آ کر ہمیں سلام کیا اور دو رکعتیں پڑھیں اور پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا

کہ اے لوگو' کیا تم پردیسی ہو؟ ہم نے کہا کہ ہاں۔ ڈاکوؤں نے ہم پر چھاپہ مار کر ہمارے کپڑے تک اتار لیے ہیں۔ اب ہم اس شہر میں داخل ہوئے ہیں مگر ہم یہاں کسی کو نہیں جانتے جس کے پاس جا کر پناہ لیں۔ اس شخص نے کہا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو میرے ساتھ چل کر میرے گھر میں قیام کرو۔ جوہری کا بیان ہے کہ

میں نے علی بن بکار سے کہا کہ چل ہم اس کے ساتھ چلیں' اس میں ہمارے دو فائدے ہیں' ایک تو یہ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی اس مسجد میں آئے اور ہمیں پہچان لے اور دوسرے یہ کہ ہم پردیسی ہیں اور رہنے کا اور کوئی ٹھکانہ نہیں۔ علی بن بکار نے کہا کہ جو تیری مرضی ہو کر۔ اتنے میں اس شخص نے ہم سے دوبارہ کہا کہ اے غریب لوگو' میرا کہنا مانو اور میرے گھر چلو۔ جوہری کا بیان ہے کہ میں نے اس سے کہا کہ بسر و چشم۔ یہ سن کر اس نے اپنے کچھ کپڑے اتار کر ہمیں پہنا دیئے اور ہم سے معذرت کی اور نرمی سے پیش آیا اور ہم اٹھ کر اس کے ساتھ اس کے گھر چل دیئے۔ وہاں پہنچ کر اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور ایک نو عمر نوکر نے آ کر دروازہ کھولا اور وہ آگے آگے اور پیچھے پیچھے ہم داخل ہو گئے۔ اس کے بعد اس شخص نے ایک بقچہ منگوایا جس میں پہننے کے کپڑے اور ململ کے تھان تھے' اس میں سے اس نے دو جوڑے کپڑوں کے ہمیں دیئے اور دو تھان ململ کے' اور ہم پگڑیاں باندھ کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک کنیز نے دسترخوان لا کر بچھایا اور ہم سے کہا کہ کھاؤ۔ ہم نے کچھ تھوڑا سا کھایا اور پھر دسترخوان بڑھایا گیا اور ہم اس کے پاس بیٹھے رہے۔

جب رات ہونے لگی تو علی بن بکار گریہ و زاری کرنے لگا اور اس نے جوہری سے کہا کہ اے میرے بھائی' میرا مرنا تو اب یقینی ہے۔ اس لیے میں تجھ سے ایک وصیت کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جب تو دیکھے کہ میں مر چکا ہوں تو میری ماں کے پاس جا کر اس کو خبر دیجیو اور اس سے کہیو کہ وہ یہاں آ کر میری عزاداری کرے اور غسل کے وقت موجود ہو اور اسے میری جدائی پر صبر کرنے کی تلقین کیجیو۔ یہ کہہ کر وہ بے ہوش ہو گیا اور گر پڑا۔

جب اسے ہوش آیا تو اس نے دور سے کسی لڑکی کو گاتے اور اشعار پڑھتے سنا اور کان لگا کر سننے لگا۔ لڑکی کبھی مدہوش ہو جاتی اور کبھی اس کا نشہ اتر جاتا تھا اور کبھی اپنی مصیبت پر بے قرار اور غم زدہ ہو کر رونے لگتی تھی۔ لڑکی کا گانا سن کر ابن بکار

نے ایک چیخ ماری اور اس کی روح جسم سے پرواز کر گئی۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ مر چکا ہے تو میں نے اسے مکان کے مالک کے سپرد کر کے کہا کہ میں اس کی ماں اور رشتے داروں کو خبردار کرنے بغداد جاتا ہوں تاکہ وہ آ کر اس کی تجہیز و تکفین کریں۔ اب میں بغداد پہنچا اور اپنے گھر جا کر کپڑے بدلے اور علی بن بکار کے مکان پر گیا۔ جب اس کے غلاموں نے مجھے دیکھا تو وہ میرے پاس آئے اور اس کا حال پوچھنے لگے۔ میں نے کہا کہ اس کی ماں کے پاس جا کر کہو کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ جب اس نے اجازت دے دی تو میں نے اندر جا کر اسے سلام کیا اور کہا کہ خدا کا حکم لوگوں کو جلاتا اور مارتا ہے اور جب وہ کسی بات کا فیصلہ کر دیتا ہے تو وہ ہو کر رہتی ہے اور کوئی جان اس وقت تک نہیں نکلتی۔ جب خدا کا حکم نہ ہو اور اس نے اس کا وقت مقرر نہ کر دیا ہو۔ علی بن بکار کی ماں کو فوراً گمان ہوا کہ اس کا بیٹا فوت ہو گیا ہے اور وہ دھاڑیں مار کر رونے لگی اور اس نے کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتی ہوں بتا کہ کیا میرا بیٹا فوت ہو گیا ہے؟ مارے غم اور رونے کے میں کوئی جواب نہ دے سکا۔ مجھے اس حالت میں دیکھ کر اس کی ہچکیاں بندھ گئیں اور وہ غش کھا کر زمین پر گر پڑی۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے کہا کہ میرے بیٹے کا حال بیان کر۔ میں نے کہا کہ خدا اس کے بدلے تجھے بڑا اجر دے! اس کے بعد میں نے اس کا حال شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنایا۔ اس نے پوچھا کہ اس نے کوئی وصیت بھی کی ہے؟ میں نے جوابدیا کہ ہاں' اور اس کی وصیت بیان کی اور کہا کہ جلد چل کر اس کی تجہیز و تکفین کر۔ علی بن بکار کی ماں میری باتیں سن کر بے ہوش ہو گئی۔ جب اسے افاقہ ہوا تو وصیت کے موافق وہ چلنے کی تیاری کرنے لگی اور میں اپنے گھر روانہ ہو گیا۔ اور راہ بھر اس کی جوانی کی تصویر میری آنکھوں کے آگے پھرتی تھی۔ میں اسی خیال میں تھا کہ ایک عورت نے آ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ایک سو انہترویں رات

جب ایک سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جوہری نے کہا کہ ایک عورت نے آ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ جب میں نے غور سے دیکھا تو وہی کنیز تھی جو شمس النہار کے پاس سے آیا کرتی تھی اور وہ نہایت پژمردہ تھی۔ جب ہم نے ایک دوسرے کو پہچانا تو ہم دونوں رونے لگے اور اسی حالت میں ہم گھر تک پہنچے۔ میں نے کہا کہ علی بن بکار کا حال تجھے معلوم ہوا؟ اس نے کہا کہ واللہ نہیں۔ میں نے اس کے مرنے کی خبر دی اور سارا ماجرا بیان کیا اور دراں حالیکہ ہم دونوں رو رہے تھے۔ اس کے بعد میں نے اس سے کہا کہ اور تیری مالکہ کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خلیفہ نے اس کی محبت کی وجہ سے کسی کی بات نہ سنی اور اس کی طرف سے کوئی بدگمانی نہ کی اور اس سے کہا کہ اے شمس النہار' باوجود دشمنوں کے کہنے کے' مجھے تیری طرف سے کوئی بدگمانی نہیں اور تو مجھے پہلے کی طرح عزیز ہے اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ اس کے لیے ایک سنہرا کمرہ اور خوبصورت سرا پردہ آراستہ کیا جائے تاکہ اس وجہ سے اس کی زندگی نہایت عیش و عشرت سے گزرے اور خلیفہ اس کی اور زیادہ عزت کرنے لگا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ خلیفہ نے مئے نوشی کی مجلس گرم کی اور اس کی چہیتی کنیزیں حاضر ہوئیں اور اس نے انہیں درجہ بدرجہ بٹھایا اور شمس النہار کو اپنے پہلو میں جگہ دی لیکن اس کا صبر ختم ہو چکا تھا اور بدحالی بڑھ گئی تھی۔ اتنے میں خلیفہ نے ایک کنیز کو گانے کا حکم دیا اور اس نے سارنگی لے کر اسے ٹھیک ٹھاک کیا اور گانا بجانا شروع کر دیا۔ یہ سن کر شمس النہار کے لیے بیٹھا رہنا ناممکن ہو گیا اور وہ غش کھا کر گر پڑی۔ یہ دیکھ کر خلیفہ نے جام پھینک دیا اور اسے اپنی طرف کھینچا اور چلانے لگا اور

کنیزیں بھی واویلا کرنے لگیں امیرالمومنین نہایت غم زدہ ہوا اور اس نے حکم دیا کہ مجلس میں جتنے برتن اور سارنگیاں اور دوسرے باجے ہیں' سب توڑ دیئے جائیں اور اس کی لاش کو لے کر اس کے کمرے میں گیا اور باقی رات وہیں گزاری۔ دوسری صبح کو اسے نہلوایا اور تجہیز و تکفین کی اور اس پر بہت افسوس کیا مگر اس کا حال کسی سے نہ پوچھا اور نہ یہ کہ اسے کیا ہو گیا تھا؟

اب کنیز نے جوہری سے کہا کہ خدا کے لیے بتا کہ علی بن بکار کا جنازہ کب یہاں آئے گا تاکہ میں اس کے دفن کے وقت موجود ہوں؟ اس نے جواب دیا کہ میں تو جہاں تو کہے مل سکتا ہوں لیکن یہ بتا کہ تو کہاں ہو گی اور تجھ تک کون خبر لے کر جائے گا؟ اس نے کہا کہ شمس النہار کے مرنے کے بعد خلیفہ نے اس کی کنیزوں کو آزاد کر دیا ہے اور انہیں میں میرا بھی شمار ہے اور میں اس کی قبر کے قریب فلاں جگہ رہتی ہوں۔ یہ سن کر میں اس کے ساتھ روانہ ہو گیا اور شمس النہار کی قبر پر جا کر اس کی زیارت کی اور وہاں سے روانہ ہو کر علی بن بکار کے جنازے کا انتظام کرنے لگا۔ جب جنازہ آیا تو بغداد کی اہالی اس کے ساتھ تھے۔ اور میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا اور میں نے دیکھا کہ عورتوں کے ہمراہ وہ کنیز بھی ہے اور سب سے زیادہ غمگین ہے۔ بغداد میں اس سے بڑا جنازہ کبھی نہ نکلا تھا اور ہم بڑی بھیڑ کے ساتھ قبرستان پہنچے اور اسے دفن کیا' خدا اس پر اپنی رحمت نازل کرے! اور میں اس کی اور شمس النہار کی قبر کی برابر زیارت کرتا رہا۔ یہ ہے ان دونوں کی کہانی' خدا ان پر رحمت بھیجے! مگر اس سے زیادہ عجیب و غریب کہانی بادشاہ شہر مان کی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

پوری ایک سو سترویں رات

بادشاہ شہرمان اور شہزادہ قمرالزمان کی کہانی

جب پوری ایک سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
پرانے زمانے میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام شہرمان بادشاہ تھا۔ اس کے پاس بہت لاؤ لشکر تھا لیکن وہ بوڑھا ہو گیا تھا اور اس کی ہڈیاں کمزور ہو گئی تھیں اور اس کے کوئی لڑکا نہ تھا۔ اس پر وہ بہت متفکر اور غمگین اور بے چین رہتا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے ایک وزیر کے آگے شکایت کی اور کہنے لگا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد ملک ضائع ہو جائے گا کیونکہ میرا کوئی بیٹا نہیں جو میرے بعد حکومت کرے۔ وزیر نے کہا کہ ممکن ہے کہ خدا کوئی نہ کوئی سبیل نکال دے اس لیے اے بادشاہ' خدا پر بھروسہ کر اور اس کے آگے گریہ و زاری کر۔ یہ سن کر بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا اور وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور سچی نیت سے دعا مانگی اور اپنی بیوی کو ہم بستری کے لیے بلایا اور خدا کے حکم سے اسے حمل رہ گیا۔ جب حمل کے دن پورے ہو گئے تو اس کے بیٹا پیدا ہوا جو چودھویں رات کے چاند کی طرح خوبصورت تھا۔ بادشاہ نے اس کا نام قمرالزمان رکھا او خوشیاں منائیں اور حکم دیا کہ شہر میں چراغاں کیا جائے
اور سات دن تک چراغاں کیا گیا اور شادیانے بجائے گئے اور لوگوں نے مبارک باد دی اور بچے کے لیے دائیاں اور مامائیں مقرر کی گئیں اور نہایت ناز و نعم میں اس کی پرورش ہوئی یہاں تک کہ وہ پندرہ سال کا ہوا۔ وہ حسن و جمال اور قد و اعتدال میں لاجواب تھا اور باپ کو اس کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ دن رات میں کبھی اس سے جدا نہ ہوتا۔ ایک روز اس نے اپنے ایک وزیر سے کہا کہ مجھے اس سے بے حد محبت ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائے' اس لیے میری خواہش

ہے کہ اپنے جیتے جی اس کا نکاح کر دوں۔
وزیر نے کہا کہ اے بادشاہ' نکاح کر دینا بڑی نیکی کی بات ہے اور مناسب بھی یہی ہے کہ بادشاہ بننے سے پہلے تیرے جیتے جی اس کا بیاہ ہو جائے۔ یہ سن کر بادشاہ شہرمان نے کہا کہ میرے بیٹے قمرالزماں کو میرے پاس بلاؤ۔ جب وہ حاضر ہوا تو اس نے اپنے باپ کے ادب کی وجہ سے اپنی آنکھیں نیچی کر لیں۔ باپ نے کہا کہ اے قمرالزمان' میں چاہتا ہوں کہ تیرا بیاہ کر دوں اور اپنے جیتے جی تجھ پر خوش ہوں۔ بیٹے نے کہا کہ ابا جان' مجھے بیاہ کرنا پسند نہیں اور میرا جی عورتوں کی طرف مائل نہیں ہوتا کیونکہ میں نے ان کے مکر اور بے وفائی کے متعلق کتابیں پڑھی ہیں اور تقریریں سنی ہیں۔ ابا جان' بیاہ تو میں ہرگز نہ کروں گا خواہ اس میں میری بربادی ہی کیوں نہ ہو۔ جب سلطان شہرمان نے اپنے بیٹے کو یہ کہتے سنا تو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور اسے بہت غم ہوا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

ایک سو اکہترویں رات

جب ایک سو اکہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب بادشاہ شہرمان نے اپنے بیٹے کو یہ کہتے سنا تو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور شادی کے متعلق اپنے بیٹے قمرالزماں کی نافرمانی پر اسے بہت غم ہوا مگر محبت کی وجہ سے اسے دھرایا نہیں اور نہ ناراضگی کا اظہار کیا بلکہ اس کے ساتھ انعام و اکرام کیا اور نرمی سے پیش آیا تاکہ اس کے دل میں محبت بڑھے۔ ادھر اس کا یہ رویہ تھا اور ادھر قمرالزمان آئے دن حسن و جمال اور خوبروی اور دل کشی میں زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ بادشاہ شہرمان نے اپنے بیٹے پر اور ایک سال صبر کیا۔ اس عرصے میں وہ فصاحت اور ملاحت میں پختہ ہو گیا اور سارا جہان اس کی خوبصورتی کے آگے شرمانے لگا۔ جب ایک سال پورا ہو گیا تو باپ نے اسے پھر بلایا اور کہا کہ بیٹا' کیا تو میری بات نہیں مانے گا؟ قمرالزمان اپنے باپ کی ہیبت کے مارے زمین پر گر پڑا اور شرما کر کہنے لگا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تیری نہ مانوں حالانکہ خدا کا حکم ہے کہ میں تیرا حکم مانوں اور نافرمانی نہ کروں۔ بادشاہ شہرمان نے کہا کہ بیٹا' میں چاہتا ہوں کہ تیری شادی کر کے اپنی زندگی میں تیری خوشی دیکھوں اور مرنے سے پہلے تجھے بادشاہ بنا دوں۔ باپ کی یہ باتیں سن کر اس نے سر نیچا کر لیا اور تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا کہ ابا جان' یہی ایک بات ہے جو میں ہرگز نہ کروں گا خواہ مجھے بربادی کا جام ہی کیوں نہ پینا پڑے۔ مجھے یقینی طور پر معلوم ہے کہ خدا نے تیری اطاعت میرے اوپر فرض کی ہے اس لیے میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ شادی کے لیے مجھے مجبور نہ کر اور اس بات کو اپنے دل سے نکال ڈال کہ میں زندگی بھر کبھی نکاح کروں۔ میں نے پرانی اور نئی کتابیں پڑھی ہیں اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگوں پر عورتوں کی بدولت کیا کیا بلائیں اور آفتیں نازل ہوئی ہیں اور یہ کہ ان کے مکر و فریب کی کوئی انتہا نہیں۔ جب بادشاہ شہرمان

نے اپنے بیٹے قمرالزماں سے یہ باتیں سنیں تو محبت کی وجہ سے اسے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس پر اور زیادہ انعام و اکرام کرنے لگا اور مجلس برخاست کر دی اور وزیر کو بلا کر اس سے خلوت میں گفتگو کی اور کہا کہ اے وزیر' بتا کہ اب میں کیا کروں کہ میرا بیٹا شادی کے لیے راضی ہو جائے؟

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو بہترویں رات

جب ایک سو بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ بادشاہ نے اپنے وزیر کو طلب کیا اور اس سے تنہائی میں کہا کہ اے وزیر' بتا کہ شادی کے مسئلے میں' میں اپنے بیٹے قمرالزماں سے کیا تدبیر کروں؟ کیونکہ میں نے تجھ سے اس کی شادی کے بارے میں مشورہ کیا تھا اور تو نے یہ مشورہ دیا تھا کہ بادشاہ بنانے سے پہلے میں اس کا نکاح کر دوں۔ میں نے کئی بار اس سے شادی کا ذکر کیا لیکن اس نے نہ مانا۔ اے وزیر' بتا کہ اب میں اس کے ساتھ کیا کروں؟ وزیر نے کہا کہ اے بادشاہ' ایک سال اور صبر کر' اس کے بعد تو اس کے بارے میں گفتگو کیجیو تو تنہائی میں نہ کیجیو بلکہ حکومت کے دن جب کہ تمام امراء اور وزرا حاضر ہوں اور فوج ایستادہ ہوں۔ جب یہ سب لوگ جمع ہوں تو اپنے قمرالزماں کو بلوائیو اور شادی کے بارے میں وزیر اور امیروں اور سرداروں کے سامنے گفتگو کیجیو۔ اس وقت اسے ان کے آگے شرم آئے گی اور وہ تیری مخالفت نہ کرے گا۔ بادشاہ اپنے وزیر کی یہ باتیں سن کر خوش ہو گیا اور اس کی رائے کو پسند کیا اور اسے ایک نہایت عمدہ خلعت عطا کی۔ اس کے بعد بادشاہ شہرمان نے اپنے بیٹے قمرالزمان پر ایک سال اور صبر کیا۔ جوں جوں دن گزرتے جاتے اس کا حسن و جمال اور خوب روئی اور کمال اور نکھرتا جاتا یہاں تک کہ اس کی عمر تقریباً بیس سال ہو گئی اور خدا نے اسے خوبصورتی کا لباس پہنایا اور اس کے سر پر تکمیل کا تاج رکھا یہاں تک کہ اس کی آنکھیں جادوگری میں ہاروت سے بڑھ کر ہو گئیں اور اس کی نگاہیں طاغوت سے زیادہ گمراہ کن بن گئیں اور اس کے رخسار سرخ ہو گئے اور اس کی پلکیں تیز تلوار کی طرح قتل کرنے لگیں اور اس کی پیشانی چمکتے ہوئے چاند کو مات کرنے لگی۔ اس کی زلفیں گویا کالی رات تھیں اور اس کی کمر چیٹی کے دھاگے سے زیادہ پتلی اور کولہے ریت کے تودوں سے زیادہ

بھاری۔ اور اس کے کندھوں کو دیکھ کر بلبلیں نغمہ سرائی کرتیں اور اس کی کمر اس کے بھاری کولہوں کی شاکی ہوتی اور اس کی خوبروئی پر سب لوگ لوٹ تھے۔ بادشاہ نے وزیر کی رائے کے مطابق ایک سال اور انتظار کیا یہاں تک کہ حج کا دن آ گیا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو تہترویں رات

جب ایک سو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ بادشاہ شہرمان نے وزیر کی بات مان کر ایک سال اور انتظار کیا یہاں تک کہ حج کا دن آ پہنچا اور دربار کیا گیا اور بادشاہ کے حضور میں امرا اور وزرا اور روئسا اور لشکر اور سردار حاضر ہوئے۔ اب بادشاہ نے اپنے بیٹے قمرالزماں کو بلوایا اور اس نے آ کر باپ کے آگے تین بار زمین کو بوسہ دیا اور سینے پر دونوں ہاتھ باندھ کر اپنے باپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ باپ نے کہا کہ بیٹا' میں نے اس مرتبہ تجھے اس دربار میں جب کہ تمام اراکین حاضر ہیں' محض اس لیے بلوایا ہے کہ میں تجھ سے ایک بات کہوں اور تو اس کی مخالفت نہ کرے اور وہ یہ ہے کہ تو شادی کرنا منظور کر لے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تیری شادی کسی بادشاہ زادی سے کر دوں اور مرنے سے پہلے خوشی مناؤں۔

باپ کی یہ باتیں سن کر قمرالزماں نے سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے سر اٹھایا اور باپ کی طرف دیکھا' اور اس کے چہرے سے لڑکپن کا جنون اور نوجوانی کی جہالت ٹپک رہی تھی اور وہ کہنے لگا کہ جہاں تک میرا تعلق ہے میں کبھی شادی نہ کروں گا خواہ اس میں میری بربادی کیوں نہ ہو۔ تو تو بوڑھا ہو گیا ہے اور تیری عقل میں کمی آ گئی ہے۔ کیا اس سے پہلے تو دو بار مجھ سے شادی کے متعلق پوچھ نہیں چکا ہے اور اس سے میں انکار نہیں کر چکا ہوں؟ یہ کہہ کر اس نے اپنے باپ کے سامنے اپنی ہتھیلیاں کھول دیں اور آستین چڑھا لی اور غصے میں بھر گیا اور اپنے باپ کے سامنے ضرورت سے زیادہ باتیں کرنے لگا اور پریشان خاطر ہو گیا۔ اس پر اس کا باپ شرمندہ ہو گیا کیونکہ یہ باتیں حج کے روز درباریوں اور لشکر والوں کے سامنے پیش آئیں۔ لہٰذا بادشاہ شہرمان کو شاہی جلال آ گیا اور اس نے اپنے بیٹے کو ڈانٹا اور ڈپٹا اور غلاموں کو جو اس کے سامنے کھڑے تھے حکم دیا کہ اسے گرفتار کر لیں اور غلاموں نے بڑھ کر

اسے پکڑا اور بادشاہ کے سامنے لائے۔ اس نے حکم دیا کہ اس کی مشکیں باندھ دی جائیں اور انہوں نے اس کی مشکیں باندھ دیں۔ خوف کی وجہ سے وہ اپنا سر نیچے کئے ہوئے

تھا اور اس کی پیشانی اور چہرہ پسینے پسینے ہو رہا تھا اور اسے بے حد شرمندگی اور ندامت تھی۔ باپ نے اسے بہت برا بھلا کہا اور کہا کہ اے حرام زادے اور بدتمیز' تجھے میرے لشکر اور فوج کے سامنے ایسے جواب دینے کی ہمت کس طرح ہوئی! لیکن اس کی وجہ یہی ہے کہ آج تک تجھے کوئی سزا نہیں ملی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

ایک سو چوہترویں رات

جب ایک سو چوہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ بادشاہ شہرمان نے اپنے بیٹے قمرالزماں سے کہا کہ میرے لشکر اور فوج کے سامنے تو مجھے ایسا جواب دیتا ہے کیونکہ اب تک تجھے سزا نہیں دی گئی ہے۔ جو نافرمانی تجھ سے سرزد ہوئی ہے اگر کسی عام شخص سے سرزد ہوتی تو اس کی بری گت بنتی۔ اب بادشاہ نے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کی مشکیں کھول دو اور اسے لے جا کر قلعے کے ایک برج میں قید کر دو۔ غلام اسے ایک پرانے برج میں لے گئے۔ جس میں ایک ٹوٹا پھوٹا کمرہ تھا اور اس کے بیچ میں ایک پرانا بوسیدہ کنواں' انہوں نے اس میں جھاڑو دی اور اس کا فرش جھاڑ کر قمرالزماں کے لیے اس میں ایک تخت بچھایا اور اس پر چٹائی اور چمڑے کا فرش ڈالا اور تکیہ لگایا اور ایک بڑی سی قندیل اور موم بتی لائے کیونکہ اس جگہ دن کے وقت بھی اندھیرا رہتا تھا۔ اب غلام' قمرالزماں کو وہاں سے لے گئے اور کمرے کے دروازے پر ایک نوکر کو پہرہ دینے کے لیے کھڑا کر دیا۔ قمرالزماں آ کر تخت پر بیٹھ گیا مگر وہ نہایت شکستہ دل اور غمگین تھا اور اپنے آپ کو برا بھلا کہہ رہا تھا اور جو باتیں باپ کے سامنے پیش آئیں تھیں' ان پر پچھتا رہا تھا' لیکن اب پچھتانا بے سود تھا۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ خدا کی لعنت شادی اور لڑکیوں اور دغاباز عورتوں پر! کاش کہ میں اپنے باپ کی بات مان کر شادی کر لیتا! اس قید خانے سے تو وہ اچھا تھا۔

ادھر قمرالزماں اس ادھیڑ بن میں لگا ہوا تھا اور ادھر اس کا باپ حکومت کی کرسی پر مغرب تک جلوہ افروز رہا' اس کے بعد اس نے تخلیے میں وزیر سے کہا کہ اے وزیر جو کچھ میرے اور میرے بیٹے کے درمیان پیش آیا اس کا سبب تو ہے کیونکہ میں نے تیری رائے پر عمل کیا۔ اب تو مجھے کیا مشورہ دیتا ہے؟ وزیر نے کہا کہ پندرہ روز تک اپنے بیٹے کو قید خانے میں رہنے دے اور پھر اسے اپنے سامنے بلا کر شادی کا حکم

دے' اس وقت وہ ہرگز تیری مخالفت نہ کرے گا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• ایک سو پچھترویں رات

جب ایک سو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ وزیر نے بادشاہ شہرمان سے کہا کہ اپنے بیٹے کو پندرہ دن تک قید خانے میں رہنے دے اس کے بعد اسے بلا کر شادی کا حکم دیجیو اور وہ ہرگز تیری مخالفت نہ کرے گا۔ بادشاہ نے وزیر کا یہ مشورہ مان لیا اور رات کو سو گیا حالانکہ اس کا دل بیٹے میں لگا ہوا تھا کیونکہ اس کے اور کوئی بیٹا نہ تھا اور وہ قمرالزماں سے بے حد محبت کرتا تھا اور رات میں اسے اس وقت نیند نہ آتی تھی جب تک کہ وہ اپنی بانہیں قمرالزماں کے گلے میں نہ ڈالتا تھا۔ اپنے بیٹے کی وجہ سے وہ اس رات نہایت پریشان خاطر رہا اور کروٹیں بدلتا رہا گویا کہ وہ انگاروں پر لیٹا ہوا ہے اور اس کے دل میں طرح طرح کے پریشان خیالات گزر رہے تھے اور رات بھر اسے نیند نہ آئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری رہے۔

ادھر بادشاہ شہرمان کا یہ حال تھا اور ادھر جب رات ہوئی تو نوکر' قمرالزماں کے پاس قندیل لایا اور موم بتی جلا کر اس میں رکھی اور اس کے لیے کچھ کھانا لایا اور اس نے تھوڑا سا کھایا' مگر اس بے ادبی پر جو باپ کی شان میں صادر ہوئی تھی وہ اپنے آپ کو برا بھلا کہتا تھا اور اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ اے دل' کیا تجھے معلوم نہیں کہ انسان اپنی زبان کا بندہ ہے اور زبان ہی وہ چیز ہے جو اسے ہلاکت میں ڈالتی ہے۔

یہ کہہ کر وہ رونے لگا اور غمگین دل کے ساتھ اپنے کیئے پر افسوس کرنے لگا اور جو کچھ اس کے اور باپ کے درمیان پیش آیا تھا اس پر بہت پچھتایا۔ بہرحال کھانے سے فارغ ہو کر قمرالزمان نے کہا کہ ہاتھ دھلاؤ اور ایک غلام نے اس کے ہاتھ دھلائے۔ اس کے بعد اس نے اٹھ کر وضو کیا اور مغرب اور عشاء کی نماز پڑھ کر بیٹھ گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• ایک سو چھترویں رات

جب ایک سو چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ بادشاہ شہرمان کے بیٹے قمرالزمان نے مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی اور تخت پر بیٹھ کر قرآن پڑھنے لگا' پہلے بقرہ' پھر آل عمران اور یٰسین اور الرحمٰن اور سورہ الملک اور سورہ اخلاص اور معوذتین پڑھیں اور آخر اور دعا مانگی اور خدا سے پناہ مانگی اور تخت پر گدے کے اوپر سو رہا جو اطلس کا تھا اور جس میں عراقی ریشم بھرا ہوا تھا۔ اس کے سر کے نیچے تکیہ تھا جس میں شتر مرغ کے پروں کا رواں بھرا ہوا تھا۔ سوتے وقت اس نے اپنے کپڑے اتار دیئے اور ایک انگی موم جامے کی قمیص پہن لی اور سر پر ایک نیلا مروزی رومال باندھ لیا۔ اب قمرالزمان چودھویں رات کے چاند کی طرح معلوم ہوتا تھا اور وہ ریشمی چادر اوڑھ کر سو گیا۔ ایک قندیل اس کے پائنتی جلتی تھی اور ایک موم بتی اس کے سرہانے۔ پہلی تہائی رات وہ برابر سوتا رہا اور اسے معلوم نہ تھا کہ اس کے لیے غیب میں کیا چیز پوشیدہ ہے اور عالم الغیب نے اس کی قسمت میں کیا لکھ چھوڑا ہے۔

یہ برج اور کمرہ برسوں سے غیر آباد پڑے ہوئے تھے اور اس کمرے کے اندر ایک رومی کنواں تھا جس میں ایک دیونی رہتی تھی جو ملعون ابلیس کی اولاد سے تھی۔ اس کا نام میمونہ تھا اور وہ دمریاط کی بیٹی تھی جو جنوں کا ایک مشہور بادشاہ تھا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو سترویں رات

ایک سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ اس دیونی کا نام میمونہ تھا اور وہ بڑی بیٹی تھی دمریاط کی جو جنوں کا مشہور بادشاہ تھا۔ پہلی تہائی رات کے بعد جب قمرالزماں نیند میں تھا تو یہ دیونی اس رومی کنوئیں سے نکلی اور چاہتی تھی کہ آسمان پر جا کر غیب کی باتیں سنے لیکن جب وہ کنوئیں کے اوپر آئی تو اس نے دیکھا کہ دستور کے خلاف برج میں روشنی ہو رہی ہے۔ یہ دیونی سالہا سال سے اس جگہ مقیم تھی۔ روشنی دیکھ کر وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ ایسی چیز تو میں نے یہاں کبھی نہیں دیکھی اور اس پر اسے سخت تعجب ہوا اور اس کے دل میں یہ بات آئی کہ ہو نہ ہو اس کی کوئی وجہ ہے۔ اب وہ روشنی کی طرف چلی تو اس نے دیکھا کہ کمرے میں سے روشنی آ رہی ہے۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے دیکھا کہ کمرے کے دروازے پر ایک نوکر سو رہا ہے اور کمرے کے اندر ایک تخت بچھا ہوا ہے اور اس پر انسان کی شکل کی ایک چیز سو رہی ہے اور ایک شمع اس کے سرہانے جل رہی ہے اور ایک پائنتی۔ یہ روشنی دیکھ کر دیونی میمونہ کو حیرت ہوئی اور وہ ٹھہر ٹھہر کر آگے بڑھی اور اپنے پر سمیٹ کر تخت کے پاس کھڑی ہو گئی اور قمرالزماں کے چہرے پر سے چادر اٹھا دی۔ جونہی اس کی نظر اس پر پڑی تو وہ دیر تک اس کے حسن میں محو رہی کیونکہ اس نے دیکھا کہ اس کے چہرے کی روشنی' شمع کی روشنی پر غالب ہے اور اس کا منہ چمک رہا ہے اور نیند کی وجہ سے اس کی آنکھیں گویا ہیں اور اس کی پتلیاں کالی کالی اور رخسار سرخ سرخ اور پپوٹے کھلے ہوئے ہیں اور دونوں بھنوئیں کمان کی طرح ہیں اور خوشبو مہک رہی ہے۔ جب میمونہ دیونی نے یہ دیکھا تو اس نے خدا کی تسبیح کی اور کہنے لگی کہ تبارک اللہ احسن الخالقین کیونکہ یہ دیونی مسلمان جنوں میں سے تھی۔ دیر تک وہ قمرالزماں کا منہ تکتی رہی اور خدا کی کلمہ توحید پڑھتی

رہی اور اس کے حسن و جمال پر رشک کھاتی رہی۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ خدا کی قسم نہ میں اسے نقصان پہنچاؤں گی اور نہ اور کسی کو اسے نقصان پہنچانے دوں گی۔

بلکہ اس کے لیے اپنی جان لڑا دوں گی۔ یہ خوبصورت چہرہ محض اس قابل ہے کہ اس کا نظارہ کیا جائے اور خدا کی تسبیح پڑھی جائے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے خاندان والوں نے یہ کس طرح گوارا کیا کہ وہ اس ویران گھر میں رہے! اگر اس وقت ہمارے غیر مسلم جنوں میں سے کوئی نکلتا ہوتا تو وہ ضرور اسے ہلاک کر دیتا۔

یہ کہہ کر وہ دیونی اس کے اوپر جھکی اور اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر چادر سے اس کے منہ کو ڈھانک دیا اور پر کھول کر ہوا میں اڑ گئی۔ اوپر کی طرف اڑتے اڑتے جب وہ پہلے آسمان کے قریب پہنچی تو اسے کسی دوسرے اڑنے والے کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی۔ جب وہ اس کی طرف بڑھی اور اڑنے والے کے قریب پہنچی تو دیکھا کہ وہ ایک دیو ہے جس کا نام دہنش ہے اور وہ تیر کی طرح اس کی طرف جھپٹی۔ جب دہنش کو محسوس ہوا کہ کوئی آ رہا ہے اور اس نے پہچانا کہ وہ جنوں کی بیٹی میمونہ ہے تو وہ سہم گیا اور اس کے پٹھے کانپنے لگے اور اس کی دہائی مانگنے لگا اور کہا کہ میں تجھے اس اسم اعظم اور محترم طلسم کی قسم دیتا ہوں جو حضرت سلیمان کی انگوٹھی پر کندہ ہے کہ میرے اوپر رحم کھا اور مجھے اذیت نہ پہنچا۔ دہنش کی یہ باتیں سن کر میمونہ کو اس پر ترس آ گیا اور وہ کہنے لگی کہ اے ملعون تو نے مجھے ایک عظیم الشان چیز کی قسم دی ہے لیکن میں تجھے اس وقت تک نہ چھوڑوں گی جب تک کہ تو یہ نہ بتا دے کہ اس وقت تو کہاں سے آ رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے میری آقا' میں چین اور چین کے اس پار کے جزیروں سے آ رہا ہوں اور میں تجھ سے بیان کرنا چاہتا ہوں کہ آج رات میں نے وہاں کون سی عجیب و غریب بات دیکھی ہے۔

اگر میں سچ کہوں تو مجھے جانے دیجیو اور اپنے ہاتھ سے ایک پروانہ لکھ دیجیو کہ تو نے مجھے آزاد کر دیا تاکہ اوپر یا نیچے اڑنے والے یا زمین کے اندر دھنسنے والے جن مجھ

سے تعارض نہ کریں۔
میمونہ نے کہا کہ اے جھوٹے' اے ملعون' بتا کہ آج رات تو نے کیا دیکھا ہے؟ لیکن جھوٹ نہ بولیو اور یہ نہ سمجھیو کہ جھوٹ بول کر تو مجھ سے بچ جائے گا۔ میں اس نقش کی قسم کھاتی ہوں جو حضرتؑ سلیمان بن داؤد کی انگوٹھی کے نگ پر کندہ ہے کہ اگر تیرا بیان سچ نہ ہوا تو میں اپنے ہاتھ سے تیرے پر نوچ ڈالوں گی اور تیری کھال ٹکڑے ٹکڑے اور تیری ہڈیاں چکنا چور کر ڈالوں گی۔ اس پر دیو دہنش بن شمہورش الطیار نے کہا کہ اے میری مالکہ' مجھے یہ شرط منظور ہے۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو اٹھترویں رات

جب ایک سو اٹھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ دہنش نے میمونہ سے کہا کہ اے میری مالکہ' مجھے یہ شرط منظور ہے۔ سن' میں آج رات ان جزیروں سے آ رہا ہوں جو چین کی حکومت کا جزو ہیں اور ان پر ایک زبردست بادشاہ حکمران ہے جو جزیروں اور سمندروں اور سات محلوں کا مالک ہے۔۔ اس کی میں نے ایک لڑکی دیکھی جس کی مثال ساری دنیا میں نہیں اور جس کی تعریف مجھ سے نہیں ہو سکتی کیونکہ میری زبان اس کی خوبیاں بیان کرنے سے عاجز ہے' لیکن بہرحال میں انہیں بیان کرنے کی کوشش کروں گا: اس کے بال ایسے ہیں جیسے کہ ہجر اور جدائی کی کالی کالی راتیں اور اس کا چہرہ جیسے وصال کے دن' ناک جیسے چمکدار تلوار کی دھار' دونوں رخسار جیسے ارغوانی شراب یا شقائق النعمان' اس کے دونوں ہونٹ جیسے مرجان یا عقیق اور لعاب شراب سے زیادہ مزے دار جس کے پینے سے دوزخ کی آگ بجھ جائے۔ اس کی زبان میں ہوش مندی اور حاضر جوابی' اس کا سینہ ہر نظر باز کے لیے آفت' پاک ہے وہ ذات جس نے اس سینے کو پیدا کیا اور اسے چکنا چپڑا بنایا! سینے سے ملی ہوئی دو بھری بھری بانہیں اس کے دونوں پستان گویا ہاتھی دانت کے دو ڈبے جن سے چاند اور سورج روشنی لیتے ہیں۔ اس کی کمر شاعر کے وہم سے زیادہ مختصر۔ اس کے نیچے کولہا گویا ریت کا تودہ جس کی وجہ سے جب وہ اٹھنا چاہتی ہے تو بیٹھ جاتی ہے اور جب سونا چاہتی ہے تو جاگ پڑتی ہے۔ اس کولہے کا بوجھ بھری بھری رانیں اٹھاتی ہیں اور دو پنڈلیاں جو موتیوں کے دو ستونوں کی طرح ہیں اور اس تمام بوجھ کے اٹھانے والے دو پاؤں ہیں جو نازک اور نیزے کی نوک کی طرح پتلے ہیں اور جن کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ وہ باوجود اتنے چھوٹے ہونے کے اوپر کا سارا وزن کیونکر برداشت کر سکتے ہیں۔ میں نے اس کی تعریف محض مختصر طور سے کی ہے

تا کہ طویل نہ ہو جائے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

ایک سو اناسی ویں رات

جب ایک سو اناسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ دیو دہنش بن شمہورش نے دیونی میمونہ سے کہا کہ میں نے طوالت کے ڈر سے اس کی تعریف محض مختصر طور پر کی ہے۔ اس لڑکی کے حسن و جمال کی تعریف سن کر میمونہ کو تعجب ہوا۔ دہنش نے کہا کہ اس لڑکی کا باپ بڑا زبردست بادشاہ ہے اور سورما سوار' اور دن رات جنگ جدال میں مشغول رہتا ہے' نہ موت سے گھبراتا ہے اور نہ فوت ہونے سے ڈرتا ہے کیونکہ وہ بڑا زبردست اور فاتح اور بے انتہا لشکروں اور فوجوں اور ملکوں اور جزیروں اور شہروں اور محلوں کا مالک ہے اور اس کا نام بادشاہ غیور ہے جو جزیروں اور سمندروں اور سات محلوں کا مالک ہے۔ اسے اپنی بیٹی سے جس کا ذکر میں نے تجھ سے کیا ہے' بہت محبت ہے اور اس محبت کی وجہ سے اس نے تمام بادشاہوں کا مال لے کر اس کے لیے سات محل بنائے ہیں جن میں سے ہر محل ایک خاص چیز سے بنا ہے: پہلا محل بلور کا' دوسرا مرمر کا' تیسرا چینی لوہے کا' چوتھا معدنیات اور جواہرات کا' پانچواں سیپ اور رنگ برنگ سلیمانی پتھر اور نگوں کا' چھٹا چاندی کا اور ساتواں سونے کا۔ یہ ساتوں محل نفیس ریشمی فرشوں اور سونے چاندی کے برتنوں اور شاہانہ ضروریات کی تمام چیزوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس کا حکم ہے کہ اس کی بیٹی ایک محل میں ایک سال قیام کرے اور پھر دوسرے محل میں چلی جائے۔ اس کا نام شہزادی بدور ہے۔
جب اس کے حسن کا چرچا ہوا اور اس کی خبر ملکوں میں پھیلی تو تمام بادشاہوں نے اس سے شادی کرنے کی غرض سے اس کے باپ کے پاس پیغام بھیجے۔ باپ نے اس کی رائے لی اور اسے شادی کرنے کے لیے پھسلایا لیکن اس نے منظور نہ کیا اور اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان' مجھے شادی سے ہرگز کوئی دلچسپی نہیں کیونکہ میں مالک ہوں اور حاکم اور ملکہ اور میں خود لوگوں پر حکم چلاتی ہوں اور میں یہ نہیں چاہتی کہ کوئی شخص

میرے اوپر حکم چلائے۔ جوں جوں وہ شادی سے بھاگتی تھی لوگوں کی رغبت اس کی طرف اور زیادہ ہوتی جاتی تھی حتیٰ کہ چین کے داخلی جزیروں کے تمام بادشاہوں نے اس کے باپ کے پاس تحفے اور ہدیئے بھیجے اور شادی کے متعلق خطوط لکھے۔ باپ نے بار بار شادی کے متعلق بیٹی سے مشورہ کیا لیکن اس نے مخالفت کی اور باپ سے بدزبانی کی اور اس پر ناراض ہوئی اور کہنے لگی کہ اے میرے باپ اگر تو نے ایک بار اور شادی کا ذکر کیا تو گھر میں جا کر ایک تلوار لوں گی اور اس کا دستہ زمین پر رکھ کر اس کی نوک اپنے پیٹ میں بھونک لوں گی اور اتنی دیر تک اس پر جھکی رہوں گی کہ نوک میری پیٹھ سے نکل آئے اور میں مر جاؤں۔ اس کی یہ باتیں سن کر باپ کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور اس کا دل اس پر بہت کڑھنے لگا اور وہ ڈرا کہ کہیں لڑکی خود کشی نہ کر لے اور وہ اس پر سخت متحیر تھا کہ اس کے اور اس کے طلب گار بادشاہوں کے بارے میں کیا کرے۔ بالاخر اس نے کہا کہ اگر تیرے لیے شادی کرنا واقعی ناممکن ہے تو اندر باہر جانا بند کر دے۔ یہ کہہ کر اس کے باپ نے اسے گھر کے اندر چھپا دیا اور دس بڑھیا مامائیں اس پر مقرر کر دیں ساتوں محلوں میں جانے سے اسے منع کر دیا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ اس سے ناراض ہے اور تمام بادشاہوں کو خطوط لکھے کہ وہ دیوانی ہو گئی ہے اور ایک سال سے مکان کے اندر بند ہے۔

اس کے بعد دیو دہنش نے دیونی میمونہ سے کہا کہ اے میری آقا' میں ہر رات اس کے پاس جاتا ہوں اور دل بھر کر اس کے چہرے کو دیکھتا ہوں اور سوتے میں اس کی پیشانی کا بوسہ لیتا ہوں۔ محبت کی وجہ سے نہ میں اسے تکلیف دیتا ہوں اور نہ اذیت پہنچاتا ہوں اور نہ اس کے ساتھ ہم بستر ہوتا ہوں کیونکہ اس کی جوانی پیاری ہے اور اس کا جمال لاجواب۔ جو کوئی اس کو دیکھتا ہے وہ اس پر رشک کھاتا ہے۔ اے میری آقا میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو میرے ساتھ چل کر اس کا حسن و جمال اور قد و اعتدال دیکھے اور اس کے بعد خواہ تو مجھے سزا دے یا گرفتار کرے کیونکہ حکم تیرا حکم

ہے اور ممانعت تیری ممانعت۔ یہ کہہ کر دیو دہنش نے سر نیچا کر لیا اور اپنے بازو زمین پر لٹکا دیے۔ دیونی میمونہ یہ سن کر ہنس پڑی اور اس کے منہ پر تھوک کر کہنے لگی کہ یہ لڑکی جس کا تو ذکر کر رہا ہے محض ایک پیشاب کا سوراخ ہے' چل چخ! اے ملعون' میں تو سمجھتی تھی کہ تو کوئی عجیب و غریب بات سنانے والا ہے۔ اگر تو میرے معشوق کو دیکھے تو معلوم نہیں کہ تیرا کیا حال ہو! آج رات میں نے ایک انسان کو دیکھا ہے اور اگر تو اسے خواب میں بھی دیکھے تو تیرے اوپر فالج گر پڑے اور رال ٹپکنے لگے۔ دہنش نے کہا کہ اس لڑکے کا کیا قصہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے دہنش' سن۔ اس لڑکے پر بھی وہی گزری ہے جو تیری معشوقہ پر۔ کیونکہ اس کے باپ نے کئی بار اس سے شادی کے لیے کہا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ جب اس نے باپ کی مخالفت کی تو باپ اس پر ناراض ہوا اور اس نے اسے اس برج میں قید کر دیا جس میں' میں رہتی ہوں۔ آج رات جب میں باہر نکلی تو میری نظر اس پر پڑی۔ دہنش نے کہا کہ اے میری آقا' ذرا میں بھی اس لڑکے کو دیکھوں کہ وہ میری معشوقہ شہزادی بدور سے زیادہ خوبصورت ہے کہ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ آج دنیا میں میری معشوقہ کا جواب نہیں۔ دیونی نے کہا کہ اے ملعون اور منحوس کافر اور حقیر شیطان تو جھوٹا ہے کیونکہ میں یقین کے ساتھ کہتی ہوں کہ میرے معشوق کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پوری ایک سو اسی ویں رات

جب پوری ایک سو اسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
دیونی میمونہ نے دیو دہنش سے کہا کہ مجھے تحقیق کے ساتھ معلوم ہے کہ میرے معشوق کی مثال اس دنیا میں نہیں۔ کیا تو پاگل ہو گیا ہے کہ تو اپنی معشوقہ کا میرے معشوق سے مقابلہ کرتا ہے! اس نے جواب دیا کہ اے میری آقا' میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ میرے ساتھ چل کر میری معشوقہ کو دیکھ' پھر میں تیرے ساتھ لوٹ کر آؤں گا اور تیرے معشوق کا نظارہ کروں گا۔ میمونہ نے کہا کہ اے ملعون' یہی ہونا چاہیے کیونکہ تو مکار شیطان ہے لیکن جب ایک قرار اور شرط نہ ہو جائے اس وقت تک نہ میں تیرے ساتھ جاؤں گی اور نہ تو میرے ساتھ آئے گا اور وہ یہ ہے کہ اگر تیری معشوقہ جس سے تو محبت کرتا ہے اور جس کی تعریف کرتا ہے میرے معشوق سے جس کا میں نے ذکر کیا ہے اور جس سے مجھے محبت ہے اور جس کی میں تعریف کرتی ہوں زیادہ خوبصورت نکلے تو شرط اور اقرار کا پورا کرنا میرے ذمے ہے اور اگر میرا معشوق حسین تر ثابت ہو تو شرط کا پورا کرنا تیرے ذمے ہے۔ چل میرے ساتھ جزیروں میں چل۔ میمونہ نے کہا کہ نہیں' کیونکہ میرے معشوق کی جگہ تیری معشوقہ کی جگہ سے زیادہ قریب ہے اور وہ کیا ہمارے نیچے ہے۔ میرے ساتھ اتر کر میرے معشوق کو دیکھ' اس کے بعد ہم دونوں تیری معشوقہ کے پاس چلیں گے۔ دہنش نے کہا کہ بسر و چشم۔

اب دونوں نیچے اتر آئے اور اس کمرے میں داخل ہوئے جو برج کے اندر تھا۔ میمونہ نے دہنش کو تخت کے پہلو میں کھڑا کیا اور اپنا ہاتھ بڑھا کر قمرالزماں کے منہ پر سے ریشمی چادر اٹھا دی اور اس کا چہرہ چمکنے دمکنے لگا۔ میمونہ اس کی طرف دیکھنے لگی اور پھر فوراً دہنش کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ دیکھ اے ملعون' اور پاگل پنے کی باتیں مت کر۔ ہم لڑکیاں سب اس پر فریفتہ ہیں۔ جب دہنش کی نظر اس پر پڑی تو وہ دیر

تک اسے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے اپنا سر ہلا کر میمونہ سے کہا کہ اے میری آقا' تو معذور ہے لیکن ابھی ایک بات اور باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت کی حالت مرد سے جداگانہ ہوتی ہے مگر خدا کی قسم یہ تیرا معشوق حسن اور جمال اور خوب روئی اور کمال میں میری معشوقہ سے مشابہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں خوبصورتی کے ایک ہی قالب میں ڈھلے ہیں۔ جب میمونہ نے دہنش کو یہ کہتے سنا تو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور اس نے اپنا پر اس زور سے اس کے سر پر مارا کہ قریب تھا کہ اس کی جان نکل جائے اور وہ کہنے لگی کہ اے ملعون' اس کے پیارے منہ کے آب و تاب کی قسم تو ابھی جا کر اپنی معشوقہ کو لے آ جس سے تجھے محبت ہے تاکہ ہم دونوں کو ساتھ ساتھ رکھ کر اور قریب سلا کر دیکھیں اور فیصلہ کر سکیں کہ دونوں میں سے کون زیادہ خوبصورت ہے اور اگر تو فوراً میرے حکم کی تعمیل نہ کرے گا تو اے ملعون' میں تجھ پر اتنی چنگاریاں برساؤں گی اور تجھے اپنی آگ سے جلا ڈالوں گی اور تیرے تکے بوٹیاں کر کے جنگل میں پھینک دوں گی تاکہ مقیم اور مسافر دونوں تجھ سے عبرت پکڑیں۔ دہنش نے کہا کہ اے میری آقا' یہ میرا فرض ہے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ میری محبوبہ ملیح تر اور شیریں تر ہے۔ یہ کہہ کر دیو دہنش فوراً اٹھا اور میمونہ بھی اس کی حفاظت کی خاطر اس کے ساتھ ہو لی اور تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ دونوں اس لڑکی کو لے کر لوٹے۔ وہ ایک اتنگی دینس کی بنی ہوئی قمیص پہنے ہوئے تھی جس میں طرح طرح کا سنہری کشیدہ کڑھا ہوا تھا۔ دہنش اور میمونہ نے اسے لا کر قمرالزمان کے پاس لٹا دیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ایک سو اکیاسی ویں رات

جب ایک سو اکیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ دیو دہنش اور دیونی میمونہ نے شہزادی بدور کو لا کر تخت کے اوپر قمرالزمان کے پہلو میں لٹا دیا اور دونوں کے چہرے کھول دیئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ جڑواں بھائی بہن ہیں اور دونوں متقیوں کے لیے ایک فتنہ۔ دہنش اور میمونہ دونوں ان کو دیکھنے لگے اور دہنش نے کہا کہ اے میری آقا' خدا کی قسم کیا خوب نظارہ ہے! لیکن دونوں میں میری محبوبہ زیادہ خوبصورت ہے۔ میمونہ نے کہا کہ نہیں بلکہ میرا معشوق زیادہ حسین ہے۔ تف ہو تجھ پر اے دہنش' تیری آنکھ بھی اندھی ہے اور دل بھی۔ تجھے موٹے اور دبلے میں کوئی تمیز نہیں۔ کیا تو سچ پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے! تو اس کے حسن و جمال اور قد و اعتدال کو نہیں دیکھتا۔ تف ہو تجھ پر! سن جو کچھ میں اپنے محبوب کے بارے میں کہوں گی اور اگر تو اپنے معشوق کا سچا عاشق ہے تو بھی اس کے بارے میں ویسی ہی باتیں کہہ جیسی میں اپنے معشوق کے بارے میں کہوں گی۔ یہ کہہ کر میمونہ نے قمرالزمان کی پیشانی پر کئی بوسے دیئے اور اس کی تعریف میں اشعار پڑھنے لگی۔ جب دہنش نے میمونہ کے اشعار اس کے معشوق کے بارے میں سنے تو وہ پھڑک گیا اور اسے بڑا تعجب ہوا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

ایک سو بیاسی ویں رات

جب ایک سو بیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب
دیو دہنش نے میمونہ کے اشعار سنے تو وہ خوشی کے مارے پھڑک گیا اور کہنے لگا کہ
تو نے اپنے معشوق کے بارے میں اشعار پڑھے اور اس کی خوب تعریف کی۔ اب مجھ
پر بھی واجب ہے کہ میں حتی الامکان کوشش کر کے اپنی محبوبہ کے متعلق کچھ کہوں۔
یہ کہہ کر دہنش اٹھا اور بدور کے پاس جا کر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور میمونہ
اور اپنی معشوقہ بدور کی طرف دیکھ کر اشعار پڑھنے لگا۔ دہنش کے اشعار سن کر میمونہ
نے کہا کہ اے دہنش' خوب کہا لیکن اب یہ بتا کہ ان دونوں میں سے کون زیادہ
خوبصورت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میری محبوبہ بدور تیرے محبوب سے زیادہ خوبصورت
ہے۔ میمونہ نے کہا کہ اے ملعون' تو جھوٹا ہے' میرا محبوب تیری معشوقہ سے زیادہ
خوبصورت ہے۔ دہنش اس پر مصر رہا کہ میری معشوقہ زیادہ حسین ہے اور دونوں میں
جھگڑا ہونے لگا یہاں تک کہ میمونہ کو غصہ آ گیا اور چاہتی تھی کہ دہنش پر حملہ کر
بیٹھے کہ اتنے میں وہ خوشامد کرنے لگا اور نرمی سے کہنے لگا کہ سچ بات تجھ پر گراں
نہ گزرنا چاہیے۔ اچھا آ ہم دونوں اپنی ضد چھوڑ دیں کیونکہ ہم دونوں اپنے اپنے معشوق
کو زیادہ حسین بتاتے ہیں اور کسی ایسے شخص کو ڈھونڈیں جو ہمارے درمیان فیصلہ کر دے
اور ہم اس کا فیصلہ مان لیں۔ میمونہ نے کہا کہ منظور' اور اپنی ہتھیلی زمین پر ماری اور
اس میں سے ایک کانا' کبڑا اور چیچک کے داغ والا دیو نکلا۔ اس کی آنکھیں لمبائی میں
پھٹی ہوئی تھیں اور اس کے سر پر سات سینگ تھے اور بالوں کی چار لٹیں ٹخنوں تک
لٹکی ہوئی تھیں۔ اس کے ہاتھ فولادی کنگھی کی طرح تھے اور ٹانگیں ستونوں کی طرح۔
اس کے پنجے شیر کی طرح اور کھر جنگلی گدھے کی طرح تھے۔

جب یہ دیو زمین میں سے نکلا اور میمونہ کو دیکھا تو اس نے زمین کو بوسہ دیا اور ہاتھ

باندھ کر کہنے لگا کہ اے مالکہ' اے شہزادی' تجھے کون سی ضرورت پیش آئی؟ میمونہ نے کہا کہ اے قشقش' میں چاہتی ہوں کہ تو میرے اور اس ملعون دہنش کے درمیان فیصلہ کر۔ یہ کہہ کر اس نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک کہہ ڈالا اور دیو قشقش نے اس لڑکے اور لڑکی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے سو رہے ہیں اور ہر ایک کی کلائی دوسرے کی گردن کے نیچے ہے اور حسن و جمال میں دونوں یکساں ہیں اور ملاحت میں ہم پلہ۔ مردود قشقش دونوں کو دیکھ کر حیران تھا اور ان دونوں کو دیر تک دیکھنے کے بعد میمونہ اور دہنش سے کہنے لگا کہ خدا کی قسم اگر تم سچ پوچھتے ہو تو میں یہ کہوں گا کہ دونوں حسن و جمال اور آب و تاب میں یکساں ہیں اور سوائے اس کے اور کوئی فرق نہیں کہ ایک مرد ہے اور ایک عورت۔ مگر میری ایک اور رائے ہوئی ہے اور وہ یہ کہ ہم ان کو ایک ایک کر کے اٹھائیں بغیر اس کے کہ دوسرے کو خبر ہو اور ان میں سے جو کوئی دوسرے پر زیادہ ریجھ جائے وہ اس سے حسن و جمال میں کمتر ہے۔ میمونہ نے کہا کہ بس یہی رائے ٹھیک ہے اور دہنش نے کہا کہ مجھے بھی منظور ہے اور اس نے پسو بن کر قمرالزمان کو ایسا کاٹا کہ وہ ڈر کر نیند میں اچھل پڑا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو تراسی ویں رات

جب ایک سو تراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ دہنش نے پسو کی شکل اختیار کر کے قمر الزمان کو اس زور سے کاٹا کہ وہ ڈر کر نیند میں اچھل پڑا اور جلن کی وجہ سے اپنی گردن کھجلانے لگا۔ جہاں پسو نے کاٹا تھا اور کروٹ بدلی تو دیکھا کہ کوئی چیز اس کے پہلو میں پڑی ہوئی ہے جس کی سانس خالص مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور جسم مکھن سے زیادہ نرم۔ یہ دیکھ کر قمر الزمان کو بڑی حیرت ہوئی اور وہ اٹھ بیٹھا اور اس شخص کو دیکھنے لگا جو اس کے پہلو میں پڑا ہوا تھا اور دیکھا کہ وہ ایک لڑکی ہے جو قیمتی موتی کی طرح یا مضبوط گنبد کی طرح ہے اور میانہ قد اور چھریرے بدن کی ہے' اس کا سینہ ابھرا ہوا اور رخسار گلاب کے سے ہیں۔ جب قمرالزمان کی نظر بادشاہ غیور کی بیٹی شہزادی بدور پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ وہ کیسی خوبصورت ہے اور اس کے پہلو میں سو رہی ہے اور ایک وینس کی قمیص پہنے ہوئے ہے اور شلوار ندارد ہے اور سر پر ایک شال ہے جو سنہرے کلابتون سے کڑھی ہوئی ہے اور جس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے ہیں اور کان کی بالیاں تاروں کی طرح چمک رہی ہیں اور گلے میں لاجواب موتیوں کا ہار پڑا ہوا ہے جس کی نظیر کسی بادشاہ کے پاس بھی نہ ہو گی۔

جب اس نے اسے غور سے دیکھا تو وہ دنگ رہ گیا اور فطرتی گرمی اس میں جوش مارنے لگی اور خدا نے جماع کی شہوت اس کے دل میں ڈال دی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ جو خدا چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا اور اس کی کروٹ بدلی اور اس کی قمیص کا گریبان کھولا تو اس کی چھاتی کھل گئی اور پستانیں ہاتھی دانت کے ڈبوں کی طرح دکھائی دینے لگیں۔ اس وجہ سے اس کی محبت دوبالا ہو گئی اور اسے اس کی طرف زیادہ کشش

ہونے لگی اور وہ اسے جگانے لگا لیکن اس کی نیند نہ ٹوٹی کیونکہ دہنش نے اس کی نیند گہری کر دی تھی۔ قمرالزمان اسے ہلانے اور حرکت دینے لگا اور کہتا تھا کہ اے میری محبوبہ' اٹھ اور دیکھ کہ میں کون ہوں' میں قمرالزمان ہوں لیکن نہ وہ جاگی اور نہ اس نے اپنے سر کو جنبش دی۔ اب وہ بہت دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا اور اس نے اپنے دل میں کہا کہ اگر میرا خیال صحیح ہے تو یہ وہی لڑکی ہے جس کی شادی میرا باپ تین سال پہلے میرے ساتھ کرنا چاہتا تھا اور میں برابر انکار کئے جا رہا ہوں۔ جب صبح ہو گی تو میں انشاء اللہ اپنے باپ سے کہوں گا کہ میری شادی اس کے ساتھ کر دے تاکہ میں اس سے مل کر مزے اڑاؤں----

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• ایک سو چوراسی ویں رات

جب ایک سو چوراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
قمرالزمان نے اپنے دل میں کہا کہ خدا کی قسم میں کل صبح اپنے باپ سے کہوں گا کہ میری شادی اس کے ساتھ کر دے تاکہ میں اس کے ساتھ مزے اڑاؤں اور دوپہر ہونے سے پہلے ہی میرا وصال اس کے ساتھ ہو جائے گا اور میں اس کے حسن و جمال کا لطف اٹھاؤں گا یہ کہہ کر قمرالزمان نے بدور کی طرف کروٹ بدلی تاکہ اس کا بوسہ لے اور دیونی میمونہ تھرتھر کانپنے ور پشیمان ہونے لگی مگر دیو دہنش مارے خوشی کے پھولا نہ سماتا تھا۔ جونہی قمرالزمان نے ارادہ کیا کہ اس کے منہ کا بوسہ لے تو اسے خدا کے سامنے شرم آئی اور اس نے سر پھیر کر کروٹ بدل لی اور اپنے آپ سے کہنے لگا کہ صبر کر اور پھر کچھ سوچ کر کہنے لگا کہ مجھے ضرور صبر کرنا چاہیے' ممکن ہے کہ جب میرا باپ مجھ پر ناراض ہوا اور مجھے اس جگہ قید کر دیا تو وہ اس لڑکی کو یہاں لایا ہو اور اس سے کہا ہو کہ میرے پہلو میں سو جا تاکہ وہ میرا امتحان کرے' اور اس سے یہ کہہ دیا ہو کہ جب میں اسے اٹھاؤں تو وہ جلد بیدار نہ ہو اور جو کچھ قمرالزمان اس کے ساتھ کرے اس کی مجھے خبر دے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میرا باپ کہیں چھپا کھڑا ہو۔ وہ مجھے دیکھ رہا ہو اور میں اسے نہ دیکھ سکتا ہوں اور وہ اس لڑکی کے ساتھ میری ساری حرکتیں دیکھ کر کل مجھے ڈانٹے اور کہے کہ تو کس طرح یہ کہتا تھا کہ مجھے شادی کی طرف بالکل رغبت نہیں حالانکہ تو نے اس لڑکی کو بوسے دیئے اور اسے گلے لگایا۔ بہتر ہے کہ میں دراز دستی نہ کروں تاکہ میرے باپ پر میرا راز نہ کھل جائے۔ ٹھیک یہی ہے کہ میں اس وقت اس لڑکی کو ہاتھ نہ لگاؤں اور نہ اس کی طرف دیکھوں سوائے اس کے کہ میں اس کی کوئی چیز لے لوں اور اسے بطور نشانی اور یادگار کے اپنے پاس رکھ لوں تاکہ میرے اور اس کے درمیان ایک تعلق قائم ہو

جائے۔
یہ کہہ کر قمرالزمان نے لڑکی کا ہاتھ اٹھایا اور اس کی چھنگلی میں سے ایک انگوٹھی اتار لی جو بے حد قیمتی تھی کیونکہ اس کا نگ بہترین ہیرا تھا۔ شہزادی بدور کی چھنگلی میں سے انگوٹھی کو اتار کر اس نے اپنی چھنگلی میں پہن لیا اور اس کی طرف پیٹھ پھیر کر سو گیا۔ یہ دیکھ کر دیونی میمونہ باغ باغ ہو گئی اور دہنش اور قشقش سے کہنے لگی کہ دیکھا ناں میرے محبوب قمرالزمان کو کہ اس نے عفت کی وجہ سے اس لڑکی کے ساتھ کیا کیا! یہ اس کی خوبیوں کا کمال ہے۔ دیکھو کہ اس نے اس لڑکی کے حسن و جمال کو دیکھا مگر نہ اسے گلے لگایا اور نہ بوسہ دیا اور نہ پیش دستی کی بلکہ اس کی طرف پیٹھ پھیر کر سو گیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ہم نے اس کی خوبیوں کے کمال کو خوب ملاحظہ کیا۔ اب میمونہ پسو بن کر دہنش کی محبوب بدور کے لباس کے اندر گھس گئی اور اس کی پنڈلیوں پر رینگ کر اس کی ران پر آ نکلی اور اس کی ناف کے چار انگل نیچے تک رینگ کر اسے اسی جگہ کاٹا۔ اس پر لڑکی نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ بیٹھی اور دیکھا کہ اس کے پہلو میں ایک جوان سو رہا ہے اور نیند میں خراٹے لے رہا ہے اور خدا کی مخلوق میں اس سے زیادہ حسین کوئی نہیں۔ اس کی آنکھوں کے آگے خوبصورت حوریں شرما جائیں' اس کا لعاب خوش ذائقہ اور تریاق سے زیادہ مفید ہے اور منہ گویا حضرت سلیمان کی انگوٹھی ہے اور ہونٹ مرجانی رنگ کے اور رخسار جیسے شقائق النعمان جونہی شہزادی بدور کی نظر قمرالزمان پر پڑی تو وہ اس پر ہزار جان سے قربان ہو گئی۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• ایک سو پچاسی ویں رات

جب ایک سو پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب شہزادی بدور نے قمرالزمان کو دیکھا تو وہ اس پر ہزار جان سے قربان ہو گئی اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ ہائے میری بدنامی ہو گئی' یہ جوان کوئی پردیسی ہے' میں اسے نہیں جانتی' یہ کیوں میرے ساتھ ایک بچھونے پر لیٹا ہوا ہے۔ پھر دوبارہ اس نے اس پر نظر ڈالی اور اس کے حسن و جمال کو غور سے دیکھنے لگی اور اپنے دل میں کہا کہ واللہ یہ بڑا حسین جوان ہے اور قریب ہے کہ میرا دل اس پر آ جائے۔ ہائے کہیں میری فضیحت نہ ہو جائے! اگر یہ وہی جوان ہے جس کے ساتھ میرا باپ میری شادی کرنا چاہتا تھا تو خدا کی قسم میں ہرگز نامنظور نہ کرتی بلکہ اس کے ساتھ شادی کر کے اس کا مزہ لوٹتی۔ پھر اس نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے میرے آقا اور میری آنکھوں کے نور' نیند سے بیدار ہو اور میرے حسن و جمال کا مزہ لوٹ۔ یہ کہہ کر وہ اسے اپنے ہاتھ سے ہلانے لگی مگر دیونی میمونہ نے اس پر نیند طاری کر دی تھی اور اپنے پروں کا بوجھ اس کے سر پر ڈال رکھا تھا۔ اس لیے قمرالزمان کی آنکھ نہ کھلی۔ شہزادی بدور اسے اپنے ہاتھ سے ہلاتی اور کہتی رہی کہ تجھے اپنی جان کی قسم میرا کہنا مان اور جاگ پڑ اور نرگس اور سبزے کو دیکھ اور میرے پیٹ اور ناف کا مزہ اڑا اور اس وقت سے لے کر صبح تک میرے ساتھ ہاتھا پائی کر۔ اے میرے آقا' میں تجھے خدا کی قسم دیتی ہوں کہ اٹھ اور تکیہ لگا کر بیٹھ اور سو مت۔ قمرالزمان نے اس کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ نیند میں خراٹے لیتا رہا۔ شہزادی نے کہا کہ واہ واہ! تو اپنے حسن و جمال اور خوبروئی پر نازاں ہے مگر جس طرح تو خوبصورت ہے' میں بھی حسین ہوں۔ آخر تو یہ کیا کر رہا ہے؟ کیا انہوں نے تجھے یہ سکھا دیا ہے۔ کہ مجھ سے

کج ادائی کیجیو۔ یا میرے بوڑھے منحوس باپ نے تجھے پٹی پڑھا دی ہے اور قسم دے کر تجھے منع کر دیا ہے کہ آج رات مجھ سے کوئی بات نہ کیجیو۔ لیکن قمرالزمان نے نہ منہ کھولا اور نہ جاگا۔ اس پر اس کی محبت اور دوبالا ہو گئی اور خدا نے اسے اس کے عشق میں مبتلا کر دیا اور اس نے اس کی طرف ایک ایسی نظر ڈالی جس سے ہزاروں حسرتیں ٹپکتی تھیں اور اس کا دل دھک دھک کرنے لگا اور اندر کھلبلی مچ گئی اور ہاتھ پاؤں کانپنے لگے اور اس نے قمرالزمان سے کہا کہ اے میرے آقا' مجھ سے بات کر' اے میرے محبوب بول' اے میرے معشوق' مجھے جواب دے اور بتا کہ تیرا نام کیا ہے؟ کیوں تو نے میری عقل سلب کر لی ہے۔

ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر قمرالزمان نیند میں ڈوبا ہوا تھا اور کسی بات کا بھی جواب نہ دیتا تھا۔ اس پر شہزادی بدور آہیں بھرنے لگی اور کہا کہ ہائے ہائے تو کیوں نخرے کرتا ہے؟ یہ کہہ کر اس نے اسے ہلایا اور اس کے ہاتھ کو الٹا کر دیکھا کہ اس کی انگوٹھی شہزادے کی چھنگلی میں ہے۔ اس پر اس نے ایک چیخ ماری اور آہ بھر کر کہنے لگی کہ واللہ تو میرا محبوب ہے اور تجھے بھی مجھ سے محبت ہے لیکن تو میرے ساتھ ناز کرتا ہے اور مجھ سے مخاطب نہیں ہوتا حالانکہ اے میرے معشوق' تو سوتے میں میرے پاس آیا ہے اور نہ معلوم تو نے میرے ساتھ کیا کیا ہے اور میری انگوٹھی لے لی ہے۔

لیکن میں تیری انگوٹھی نہ اتاروں گی۔ یہ کہہ کر اس نے اس کی قمیص کا گریبان کھولا اور اس پر جھک کر اسے بوسہ دیا اور اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا اور اس کے جسم کی چکناہٹ کی وجہ سے وہ اس کی ناف تک پھسل گیا۔ اس پر اس کا دل دھڑکنے لگا مگر وہ شرما گئی اور اس نے اپنی انگوٹھی کے بدلے اس کی انگوٹھی اتار کر اپنی انگلی میں پہن لی اور اس کے منہ پر بوسہ دیا اور دونوں ہتھیلیاں چومیں اور پھر کوئی ایسی جگہ نہ چھوڑی جسے بوسہ نہ دیا ہو۔ اس کے بعد اس نے اسے اپنے آغوش میں لے لیا اور گلے لگایا اور اپنا ایک ہاتھ اس کے گلے میں ڈالا اور دوسرا اس کی بغل کے نیچے رکھا

اور اس طرح اس سے لپٹ کر اس کی بغل میں سو گئی۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو چھیاسی ویں رات

جب ایک سو چھیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت باشاہ' ان باتوں کے بعد جب شہزادی بدور قمرالزمان کے پہلو میں سو گئی تو میمونہ نے دہنش سے کہا کہ اے معلون' دیکھا نہ کہ میرے معشوق نے کیا غرور اور ناز برتا اور تیری معشوقہ میرے معشوق پر کس طرح ریجھ گئی۔ اب اس میں کوئی شک باقی نہیں کہ میرا معشوق تیری معشوقہ سے زیادہ خوبصورت ہے لیکن میں تجھے معاف کرتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اسے ایک پروانہ لکھ دیا کہ وہ آزاد ہے اور قشقش کی جانب مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ تو اور دہنش اس کی معشوقہ کو لے کر اس کے مکان پہنچا آؤ کیونکہ زیادہ رات گزر چکی اور اب تھوڑی باقی ہے۔ اس نے کہا کہ بسر و چشم۔ اب قشقش اور دہنش نے شہزادی بدور کے نیچے پہنچ کر اسے اٹھا لیا اور اسے لے کر اڑے اور اس کے گھر پہنچ کر اسے اس کے بچھونے پر لٹا دیا۔ ادھر قمرالزمان سو رہا تھا اور میمونہ تنہائی میں اس کا نظارہ کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ تھوڑی رات باقی رہ گئی اور وہ چلتی ہوئی۔ جب پو پھٹی تو قمرالزمان کی آنکھ کھلی اور وہ داہنے بائیں دیکھنے لگا لیکن لڑکی کو کہیں نہ پایا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ کیا بات ہے! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑکی کے ذریعے سے میرا باپ مجھے شادی کی ترغیب دینا چاہتا تھا' اور پھر وہ اسے چپکے سے لے گیا تاکہ مجھے اور زیادہ شادی کی طرف رغبت ہونے لگے۔ یہ کہہ کر اس نے اس خادم کو زور سے پکارا جو دروازے پر سو رہا تھا اور اس نے کہا کہ اے ملعون' اٹھ۔ خادم گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا' مگر نیند کی وجہ سے اس کے ہوش و حواس ٹھیک نہ تھے۔ اور وہ لوٹا اور سلیچی اٹھا لایا۔ قمرالزمان اٹھ کر پاخانے گیا اور فارغ ہو کر باہر نکلا اور وضو کر کے فجر کی نماز پڑھی اور بیٹھ کر تسبیح پڑھنے لگا۔ اس کے بعد اس نے خادم کی طرف نظر اٹھائی اور دیکھا کہ وہ ہاتھ باندھے سامنے کھڑا ہے اور اس

سے کہنے لگا کہ اے صواب' حیف ہو تجھ پر' بتا کہ جب میں سو رہا تھا تو کون آ کر اس لڑکی کو میرے پاس سے لے گیا؟ نوکر نے کہا کہ اے میرے آقا' لڑکی کیسی؟

قمرالزمان نے کہا کہ وہ لڑکی جو آج رات میرے پاس سوئی تھی۔ نوکر یہ سن کر سہم گیا اور کہنے لگا کہ کوئی لڑکی وڑکی تیرے پاس نہ تھی اور لڑکی آ بھی کس طرح سکتی تھی کیونکہ دروازے پر قفل پڑا ہوا تھا اور میں سو رہا تھا۔ اے میرے آقا' خدا کی قسم یہاں نہ کوئی مرد آیا ہے اور نہ عورت۔ قمرالزمان نے کہا کہ اے منحوس غلام' تو جھوٹا ہے۔ کیا اب تیری یہ حالت ہو گئی ہے کہ تو میرے ساتھ چھل فریب کی باتیں کرے' تو یہ نہیں بتاتا کہ جو لڑکی رات میرے ساتھ سوئی تھی' کہاں چلی گئی اور اسے کون لے گیا۔ خادم نے ڈر کر کہا کہ واللہ اے میرے آقا' نہ میں نے کسی لڑکی کو دیکھا اور نہ لڑکے کو۔ نوکر کی یہ باتیں سن کر قمرالزمان طیش میں آ گیا اور اس سے کہنے لگا کہ اے ملعون' میرے باپ نے تجھے پٹی پڑھا دی۔ اچھا یہاں آ۔
خادم بڑھ کر آگے آیا اور قمرالزمان نے اس کا گریبان پکڑ کر اسے زمین پر دے پٹکا۔
پھر قمرالزمان اس پر چڑھ بیٹھا اور اسے پاؤں سے خوب روندا اور اس کی گردن گھونٹ دی یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اسے کھینچ کر کنوئیں کی رسی سے باندھا اور کنوئیں کے اندر پانی تک لٹکا دیا۔ یہ زمانہ سخت جاڑے کا تھا اور قمرالزمان بار بار اسے پانی میں ڈالتا اور نکالتا اور خادم چلاتا اور دہائی دیتا اور قمرالزمان کہتا کہ اے ملعون' خدا کی قسم میں تجھے اس کنوئیں سے اس وقت تک نہ نکالوں گا جب تک کہ تو یہ نہ بتا دے کہ وہ لڑکی کون تھی؟ اور مجھے سوتا چھوڑ کر اسے کون لے گیا؟

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• ایک سو ستاسی ویں رات

جب ایک سو ستاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ قمرالزمان
نے خادم سے کہا کہ واللہ میں تجھے اس کنوئیں میں سے اس وقت تک نہ نکالوں گا
جب تک کہ تو یہ نہ بتا دے کہ وہ لڑکی کون تھی اور اسے سوتے میں کون میرے
پاس سے لے گیا؟ جب خادم نے دیکھا کہ موت سامنے کھڑی ہے تو وہ کہنے لگا
کہ اے میرے آقا مجھے زندہ رہنے دے' میں تجھ سے ساری باتیں سچ سچ کہہ دوں گا۔
اس پر اس نے اسے کنوئیں سے کھینچ لیا مگر وہ سردی اور تکلیف اور غوطے اور ڈوبنے
کے ڈر اور مار کی وجہ سے بے ہوش تھا اور وہ اس طرح کانپ رہا تھا جیسے کہ آندھی
میں بید اور اس کے دانت کڑکڑا رہے تھے اور کپڑے بھیگے ہوئے تھے اور کنوئیں کی
دیوار سے رگڑ کر اس کا بدن چھل گیا تھا اور اس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ جب قمرالزمان
نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اسے افسوس ہوا اور خادم اپنے آپ کو خشکی پر دیکھ کر
کہنے لگا کہ میرے آقا' مجھے اجازت دے کہ میں اپنے کپڑے اتار کر نچوڑوں اور ان
کو دھوپ میں پھیلا دوں اور دوسرے کپڑے پہن کر تیرے پاس جلد لوٹوں اور تجھے تمام
باتیں سچ سچ بتا دوں۔ قمرالزمان نے کہا کہ اے بدذات غلام' اگر تو موت کا سامنا نہ
کرتا تو ہرگز سچ سچ کہنے پر راضی نہ ہوتا اور یہ اقرار نہ کرتا۔ اچھا اپنی ضروریات پوری
کر کے فوراً آ اور سچ سچ بتا۔ خادم باہر نکلا لیکن اسے یقین نہ آتا تھا کہ وہ بچ گیا
اور وہ گرتا پڑتا قمرالزمان کے باپ بادشاہ شہرمان کے پاس پہنچا اور دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا
ہے اور وزیر اس کے پاس ہے اور دونوں قمرالزمان کے متعلق باتیں کر رہے ہیں' بادشاہ
وزیر سے کہہ رہا ہے کہ رات بھر مجھے نیند نہ آئی کیونکہ میرا دل بیٹے میں لگا رہا
اور مجھے ڈر ہے کہ اس پرانے برج میں کہیں اسے نقصان نہ پہنچے اور میری سمجھ میں
یہ نہیں آتا کہ اسے برج میں قید کرنے کی کیا مصلحت ہے۔ وزیر نے کہا کہ اس

کے بارے میں بالکل مت ڈر' واللہ اسے کوئی ضرر نہ پہنچے گا' اسے ایک مہینے تک قید میں رہنے دے تاکہ اس کی فطرت نرم ہو جائے اور غرور ٹوٹ جائے اور وہ سیدھے راستے پر آ جائے۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ خادم اس حالت میں ان کے پاس پہنچا۔ بادشاہ اسے دیکھ کر سہم گیا اور خادم نے اس سے کہا کہ اے میرے آقا سلطان' تیرے بیٹے کی عقل جاتی رہی اور وہ دیوانہ ہو گیا اور اس نے میری یہ گت بنائی ہے جو تو دیکھ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ رات اس کے پاس ایک لڑکی سوئی تھی اور چپکے سے چلتی ہوئی' بتا وہ کہاں گئی؟ وہ مجھے مارتا ہے میں لڑکی کی خبر دوں اور یہ کہ اسے کون لے گیا ہے؟ مگر میں نے نہ لڑکی دیکھی نہ لڑکا اور دروازہ رات بھر بند رہا اور میں وہاں سوتا رہا اور کنجی میرے تکئے کے نیچے رہی اور صبح دروازہ میں نے اپنے ہاتھ سے کھولا۔

جب بادشاہ شہرمان نے اپنے بیٹے قمرالزمان کے متعلق یہ باتیں سنیں تو وہ چیخنے لگا کہ ہائے بیٹا! اور وزیر پر سخت ناراض ہوا کیونکہ اس کا اس کا سبب وہی تھا اور اس سے کہنے لگا کہ جا کر میرے بیٹے کی خبر لا اور دیکھ کہ اس کا دماغ کیوں خراب ہو گیا؟

وزیر اٹھ کر چل دیا اور بادشاہ کے ڈر سے اس کے پاؤں ڈگمگا رہے تھے اور خادم کے ساتھ چلتے چلتے وہ برج میں پہنچا۔ سورج نکل چکا تھا اور وزیر نے دیکھا کہ قمرالزمان تخت پر بیٹھا قرآن پڑھ رہا ہے۔ وزیر سلام کر کے اس کے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا' اس بدذات خادم نے ہمیں ایسی خبر سنائی ہے کہ ہم فکر میں پڑ گئے اور سہم گئے ہیں اور بادشاہ غصے میں بھر گیا ہے۔ قمرالزمان نے کہا کہ اس نے کون سی ایسی بات میرے متعلق کہی ہے کہ میرا باپ پریشان ہو گیا ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس نے مجھ کو پریشانی میں ڈال رکھا ہے۔ وزیر نے کہا کہ خادم تباہ حال ہمارے پاس پہنچا اور تیرے باپ سے ایسی باتیں کہنے لگا کہ خدا ان سے تجھے بچائے اور تیرے متعلق ایسی جھوٹی باتیں کیں جو تیری شان میں نہیں کہی جا سکتیں۔ خدا تیری جوانی اور صحیح عقل اور فصیح زبان کو سلامت رکھے! اور خدا نہ کرے کہ تجھ سے کوئی بری بات

سرزد ہو۔ قمرالزمان نے کہا کہ اے وزیر' اس منحوس غلام نے میرے متعلق کیا کہا ہے؟ وزیر نے جواب دیا کہ اس نے کہا ہے کہ تو دیوانہ ہو گیا کیونکہ تو نے اس سے کہا کہ وہ لڑکی کہاں ہے جو گزشتہ رات تیرے پاس تھی اور تو نے اسے مارا اور تکلیف پہنچائی ہے کہ وہ تجھے بتائے کہ لڑکی کہاں غائب ہو گئی؟ یہ سن کر قمرالزمان کو طیش آ گیا اور اس نے کہا کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ جو کچھ خادم نے کیا وہ تمہارے ہی سکھانے پڑھانے سے ہوا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو اٹھاسی ویں رات

جب ایک سو اٹھاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب قمرالزمان نے وزیر کی باتیں سنیں تو وہ طیش میں آ گیا اور وزیر سے کہنے لگا کہ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ جو کچھ خادم سے سرزد ہوا وہ تمہارا ہی سکھایا پڑھایا ہوا ہے اور تم نے اسے منع کر دیا ہے کہ وہ مجھے اس لڑکی کا حال نہ بتائے جو رات میرے پاس سوئی تھی۔ اور اے وزیر' تو تو اس خادم سے زیادہ سمجھدار ہے' تو ہی بتا کہ وہ لڑکی کہاں ہے جو آج رات میرے پہلو میں سوئی تھی؟ ہم دونوں صبح تک ساتھ سوتے رہے مگر جب میں جاگا تو میں نے اسے نہ پایا۔ بتا کہ وہ اب کہاں ہے؟ وزیر نے کہا کہ اے میرے آقا قمرالزمان' خدا کا نام تیری حفاظت کرے! خدا کی قسم ہم نے آج رات کسی کو تیرے پاس سونے کے لیے نہیں بھیجا بلکہ تو اکیلا سویا ہے اور دروازے پر قفل پڑا ہوا تھا اور دروازے کے پیچھے خادم سو رہا تھا اور لڑکی وڑکی کوئی تیرے پاس نہیں آئی تھی۔ اپنی عقل ٹھکانے کر اور سمجھ کی باتیں کر اے میرے آقا' اور اپنے دل میں ایسے خیالات مت لا۔ قمرالزمان نے غصے میں آ کر اس سے کہا کہ اے وزیر' یہ لڑکی میری معشوقہ ہے اور وہ حسین ہے' اس کی آنکھیں کالی کالی اور رخسار لال لال ہیں۔ رات بھر میں اسے گلے سے لگائے پڑا رہا ہوں۔ وزیر کو قمرالزمان کی باتوں پر اچنبھا ہوا اور وہ کہنے لگا کہ کیا تو نے اس لڑکی کو جاگتے میں اپنی آنکھوں سے دیکھا یا خواب میں؟ قمرالزمان نے جواب دیا کہ اے منحوس بڈھے' کیا تیرا خیال ہے کہ میں نے اسے اپنے کانوں سے دیکھا ہے' میں نے اسے بیداری میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اسے اپنے ہاتھوں سے الٹا پلٹا اور پوری آدھی رات اس کے پاس بیٹھ کر جاگا ہوں اور اس کے حسن و جمال اور خوب روئی اور ناز کا مزہ اٹھایا ہے' اور تم نے اسے سکھا پڑھا دیا تھا کہ وہ میرے ساتھ باتیں نہ کرے اس لیے وہ مسنی مار گئی اور میں اس کے پہلو

میں صبح تک سوتا رہا۔ جب میں نیند سے جاگا تو اسے نہ پایا۔ وزیر نے کہا کہ اے میرے آقا قمرالزمان' ممکن ہے کہ تو نے خواب دیکھا ہو اور یہ پریشان خیالات ہوں یا مختلف کھانوں کی وجہ سے تخیلات پیدا ہو گئے ہوں یا بدذات شیطانوں نے وسوسہ ڈالا ہو۔ قمرالزمان نے کہا کہ اے منحوس بڈھے' کیا تو بھی میرے ساتھ مذاق کرتا ہے اور کہتا ہے کہ شاید یہ پریشان خیالات ہوں گے حالانکہ خادم نے اس لڑکی کا ہونا تسلیم کر لیا تھا اور مجھ سے کہا تھا کہ میں ابھی واپس آ کر اس کا تمام قصہ سناؤں گا۔
یہ کہہ کر قمرالزمان فوراً وزیر کی طرف بڑھا اور اس کی داڑھی پکڑ لی۔ اس کی داڑھی بہت لمبی تھی اور قمرالزمان نے اسے اپنے ہاتھ پر لپیٹ کر وزیر کو کھینچا اور اسے تخت سے کھینچ کر زمین پر گرا دیا۔ اس کی داڑھی کھینچنے کی وجہ سے وزیر کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی جان نکل رہی ہے اور قمرالزمان وزیر کو اپنے پاؤں سے ٹھوکریں مارتا اور اس کے سینے اور پہلو پر مکے لگاتا اور اس کی گدی پر طمانچے مارتا جاتا تھا یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ اسے جان سے مار ڈالے۔ وزیر نے اپنے دل میں کہا کہ اگر اس غلام نے جھوٹ بول کر اس دیوانے لڑکے سے اپنی جان چھڑا لی ہے تو میں اس کام کو بہتر طریقے سے کر سکتا ہوں اور جھوٹ بول کر اپنی جان چھڑا سکتا ہوں' ورنہ وہ مجھے مار ڈالے گا۔ میں ابھی جھوٹ بول کر اپنی جان چھڑاتا ہوں کیونکہ وہ ضرور دیوانہ اور پاگل ہے۔ یہ کہہ کر وزیر قمرالزمان کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا' مجھے سزا نہ دے کیونکہ تیرے باپ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ اس لڑکی کا بھید تجھ سے چھپاؤں۔ لیکن اب میں مجبور ہوں اور تھک گیا ہوں اور مارنے سے مجھے سخت تکلیف پہنچ چکی ہے کیونکہ میں بوڑھا ہوں اور مار کے برداشت کرنے کی طاقت باقی نہیں۔ ذرا ٹھہر جا تاکہ میں اس لڑکی کا قصہ تجھ سے بیان کروں۔ یہ سن کر قمرالزمان نے اپنا ہاتھ روک لیا اور کہنے لگا کہ ذلیل ہونے اور پٹنے سے پہلے ہی تو نے اس لڑکی کا قصہ کیوں نہ بیان کر دیا؟ اے منحوس بڈھے' اٹھ اور اس کا حال بتا۔ وزیر نے کہا کہ وہی لڑکی ناں جو خوبصورت اور خوش اندام ہے۔ قمرالزمان نے کہا کہ ہاں اے وزیر'

بتا کہ اسے کون لا کر میرے پہلو میں لٹا گیا تھا اور کون اسے رات ہی میں لے گیا اور اب وہ کہاں ہے تاکہ میں خود اس کے پاس چلا جاؤں؟ اگر خود میرے باپ شہرمان نے یہ حرکت میرے ساتھ کی ہے اور شادی کی غرض سے اس حسین لڑکی کو امتحاناً میرے پاس بھیجا ہے تو میں اس کے ساتھ شادی کرنے پر بھی راضی ہوں تاکہ مجھے اس مصیبت سے چھٹکارا ملے کیونکہ اس نے محض اس وجہ سے مجھے اس مصیبت میں ڈال رکھا ہے کہ میں شادی کرنے سے انکار کرتا تھا۔ سن میں شادی کرنے پر راضی ہوں اور پھر شادی کرنے پر راضی ہوں۔ اے وزیر' میرے باپ کو یہ خبر پہنچا دے اور اسے مشورہ دے کہ وہ میری شادی اس لڑکی سے کر دے میں اس کے سوا اور کسی کو نہیں چاہتا اور محض اسی سے محبت کرتا ہوں۔ اٹھ اور جلد میرے باپ کے پاس جا کر اسے مشورہ دے کہ وہ میری شادی جلد کرا دے اور فوراً واپس آ کر مجھے جواب دے۔ وزیر نے کہا کہ بہت خوب مگر اسے یقین نہ آتا تھا کہ وہ اس کے ہاتھ سے بچ گیا ہے۔ اب وہ اٹھا اور برج سے نکل کر چل دیا لیکن خوف کی وجہ سے وہ ٹھوکریں کھاتا چلتا تھا۔ بالآخر وہ بادشاہ شہرمان کے پاس پہنچا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

ایک سو نواسی ویں رات

جب ایک سو نواسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ وزیر برج سے نکل کر چل دیا اور چلتے چلتے بادشاہ شہرمان کے اس پہنچا۔ جب بادشاہ نے اسے دیکھا تو وہ کہنے لگا کہ اے وزیر' تجھ پر کیا مصیبت آئی ہے اور کون سی بلا ٹوٹ پڑی ہے؟ تجھ پر کیا گزری ہے کہ خوف طاری ہے؟ اس نے کہا کہ اے بادشاہ' میں تیرے پاس ایک خبر لے کر آیا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کیا؟ اس نے کہا کہ تیرے بیٹے قمرالزمان کے ہوش و حواس جاتے رہے ہیں اور وہ پاگل ہو گیا ہے یہ سنتے ہی بادشاہ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور وہ کہنے لگا کہ اے وزیر تفصیل کے ساتھ بتا کہ وہ جنون کس طرح کا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بسر و چشم۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اس سے کیا کیا باتیں سرزد ہوئی ہیں اور اس نے وزیر کے ساتھ کیا حرکت کی ہے؟ بادشاہ نے کہا کہ اے وزیر' خوش ہو کیونکہ اس خبر کے بدلے جو تو میرے بیٹے کے پاگل ہو جانے کے متعلق لایا ہے' میں تیری گردن اڑا دوں گا اور سارے احسانات واپس لے لوں گا۔ اے منحوس ترین وزیر اور نجس ترین امیر' کیونکہ شروع سے آخر تک تو نے ہی بری رائے دے کر میرے بیٹے کو دیوانہ بنا دیا ہے۔ خدا کی قسم اگر میرے بیٹے کا ذرا بھی بال بیکا ہوا یا وہ دیوانہ ہو گیا تو تجھے گنبد پر کیلوں سے جڑ کر تجھے مزہ چکھاؤں گا۔

یہ کہہ کر بادشاہ اٹھا اور برج کی طرف چل کھڑا ہوا۔ جب وہ قمرالزمان کے پاس پہنچا تو وہ جھٹ سے اٹھ کر تخت سے نیچے اتر آیا اور اپنے باپ کے ہاتھ چوم کر پیچھے ہٹ گیا اور سر جھکا لیا اور باپ کے سامنے اپنے ہاتھ پیچھے باندھ لیے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنا سر اٹھایا اور آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر اس کے رخساروں بہہ رہے تھے۔ بادشاہ نے اٹھ کر اپنے بیٹے قمرالزمان کو گلے سے لگا لیا اور اس کی پیشانی پر

بوسہ دیا اور تخت پر اسے پاس بٹھا لیا اور غصے سے وزیر کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ اے وزیروں کے کتے، تو میرے بیٹے قمرالزمان کے متعلق ایسی ویسی باتیں کیوں کہتا ہے جس سے میرا دل دکھتا ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے اپنے بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا کہ بیٹا، آج کیا دن ہے؟ اس نے کہا کہ ابا جان، آج سنیچر ہے اور کل اتوار ہو گا اور اس کے بعد پیر اور پھر منگل اور پھر بدھ اور پھر جمعرات اور پھر جمعہ۔ بادشاہ نے کہا کہ اے میرے بیٹے، اے قمرالزمان شکر ہے خدا کا، کہ تیری عقل صحیح و سلامت ہے۔ آج کل جو عربی مہینہ ہے اس کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ ذی القعدہ، اس کے بعد ذی الحجہ آئے گا اور پھر محرم اور پھر صفر اور پھر ربیع الاول اور پھر ربیع ال آخر اور پھر جمادی الاولیٰ اور پھر جمادی ال آخریٰ اور پھر رجب اور پھر شعبان اور پھر رمضان اور پھر شوال۔ یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور وزیر کے منہ پر تھوک کر کہنے لگا کہ تو کیسے کہتا ہے کہ میرا بیٹا پاگل ہو گیا ہے؟ اگر کوئی پاگل ہوا ہے تو وہ تو ہے۔

یہ سن کر وزیر نے اپنا سر ہلایا اور چاہتا تھا کہ کچھ کہے لیکن فوراً اس کے دل میں خیال گزرا کہ وہ ذرا ٹھہر جائے اور دیکھے کہ کیا ہوتا ہے؟ اب بادشاہ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا، تو نے خادم اور وزیر سے کیا باتیں کی تھیں کہ تو آج رات ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ سویا ہے۔ آخر اس لڑکی کا کیا قصہ ہے؟ قمرالزمان باپ کی باتیں سن کر ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ ابا جان، اب مجھ میں مذاق برداشت کرنے کا بالکل تحمل نہیں اس لیے اب تم لوگ مجھے اور زیادہ نہ چھیڑو، تمہاری کرتوتوں سے میں اکتا گیا ہوں۔ ابا جان، یقین کرو کہ میں شادی کے لیے بالکل راضی ہوں، بشرطیکہ میری شادی اسی لڑکی سے ہو جو آج رات میرے پاس سوئی تھی کیونکہ مجھے یقین ہے کہ تمہیں نے اسے میرے پاس بھیجا تھا تاکہ میں اس پر فریفتہ ہو جاؤں۔ اس کے بعد صبح ہونے سے پہلے اسے میرے پاس سے اٹھوا لیا۔ بادشاہ نے کہا کہ بیٹا، خدا تیری حفاظت کرے اور تیرے ہوش و حواس کو جنون سے بچائے!

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

پوری ایک سو نوے ویں رات

جب پوری ایک سو نوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ' بادشاہ شہرمان نے اپنے بیٹے قمرالزمان سے کہا کہ بیٹا' خدا تجھے اپنی حفاظت میں رکھے اور تیرے ہوش و حواس کو جنون سے بچائے! آخر یہ لڑکی کون ہے؟ جس کے متعلق تیرا خیال ہے کہ میں نے اسے آج رات تیرے پاس بھیجا تھا اور صبح ہونے سے پہلے اٹھوا لیا؟ بیٹا' خدا کی قسم مجھے اس کی بالکل خبر نہیں۔ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ مجھ سے بیان کر کہ آیا یہ پریشان خواب تھا یا کھانے کے تخیلات' کیونکہ جب تو آج رات سویا تھا تو تیرے دل میں شادی کے خیالات گزر رہے تھے اور اس کی یاد کے وسوسے آ رہے تھے۔ خدا کی لعنت ہو شادی پر اور اس گھڑی پر جب اس کا ذکر ہوا اور اس پر جس نے اس کا مشورہ دیا۔ اس میں شک نہیں کہ تو شادی کی وجہ سے پریشان خاطر ہے اور اس وجہ سے تو نے خواب میں دیکھا کہ ایک حسین لڑکی تجھ سے گلے مل رہی ہے اور تجھے گمان ہوا کہ تو نے اسے جاگتے میں دیکھا۔ بیٹا' یہ ساری باتیں پریشان خیالات ہیں۔ قمرالزمان نے کہا کہ یہ باتیں جانے دے اور اس خدا کی قسم کھا جو پیدا کرنے والا اور جاننے والا اور ظالموں کو زیر کرنے والا اور شہنشاہوں کو برباد کرنے والا ہے کہ تجھے نہ اس لڑکی کا علم ہے اور نہ اس کا کہ وہ کہاں ہے؟ بادشاہ نے کہا کہ میں اس خدا کی قسم کھاتا ہوں جو برتر ہے اور موسیٰ اور ابراہیم کا معبود ہے کہ نہ مجھے ان باتوں کی خبر تھی اور نہ ہے بلکہ یہ تمام پریشان خیالات ہیں جو خواب میں گزرے ہیں۔ قمرالزمان نے کہا کہ میں تجھ سے ایک مثال بیان کرتا ہوں جس سے تجھ پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ باتیں جاگتے میں ہوئی ہیں۔

اب شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ایک سو اکیانوے ویں رات

جب ایک سو اکیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
قمرالزمان نے اپنے باپ سے کہا کہ میں تجھ سے ایک مثال بیان کرتا ہوں جس سے تجھ پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ باتیں جاگنے میں ہوئیں۔ اور وہ یہ ہے کہ میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ آیا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص خواب میں دیکھے کہ وہ سخت جنگ کر رہا ہے اور جب وہ بیدار ہو تو اس کی تلوار خون میں لتھڑی ہوئی ہو؟ باپ نے کہا کہ نہیں بیٹا' ایسا نہیں ہو سکتا۔ قمرالزمان نے کہا کہ ابا جان' اچھا سن' میں نے آج رات یہ دیکھا کہ آدھی رات کے وقت جاگا اور دیکھا کہ ایک لڑکی میرے پہلو میں سو رہی ہے جس کا قد میرے قد کا سا اور شکل میری شکل کی سی ہے۔ میں نے اسے گلے سے لگایا اور اسے الٹا پلٹا اور اس کی انگوٹھی لے کر اپنی انگلی میں پہن لی اور اس نے میری انگوٹھی اتار کر اپنی انگلی میں پہن لی اور میں اس کے پہلو میں سو گیا مگر کوئی دست درازی نہ کی کیونکہ مجھے تجھ سے شرم آئی اور یہ ڈر لگا کہ کہیں تو نے ہی اسے میرا امتحان کرنے نہ بھیجا ہو اور میرا گمان ہوا کہ تو کسی جگہ چھپا ہوا دیکھ رہا ہو گا کہ میں اس لڑکی کے ساتھ کیا کرتا ہوں؟ اس شرم کی وجہ سے میں نے اس کے منہ پر بوسہ تک نہ دیا اور میں سمجھا کہ تو مجھے شادی کی ترغیب دلانا چاہتا ہے۔ اس کے بعد صبح کو میری آنکھ کھلی تو نہ وہ لڑکی دکھائی دی اور نہ اس کا کچھ پتہ چلا اور پھر جو باتیں خادم اور وزیر کے ساتھ پیش آئیں وہ ظاہر ہیں۔ اب یہ باتیں خواب اور بے حقیقت کیونکر ہو سکتی ہیں حالانکہ انگوٹھی کا قصہ واقعہ ہے۔ اگر انگوٹھی نہ ہوتی تو میں بھی یہی خیال کرتا کہ میں نے خواب دیکھا ہے۔ دیکھ میری چھنگلی میں اس کی انگوٹھی ہے اور غور سے دیکھ اے بادشاہ' کہ اس کی کیا قیمت ہو گی؟ یہ کہہ کر قمرالزمان نے انگوٹھی باپ کو دے دی۔ بادشاہ اسے لے کر غور سے الٹ

پلٹ کر دیکھنے لگا اور اپنے بیٹے سے کہا کہ واقعی اس انگوٹھی کا قصہ عجیب و غریب ہے اور جو کچھ آج رات اس لڑکی کے بارے میں تیرے ساتھ پیش آیا ہے مشکل بات ہے۔ نہ معلوم اس اجنبی کا گزر ہم تک کس طرح ہوا؟ اس بلا کے نازل ہونے کی وجہ محض وزیر ہے لہٰذا بیٹا صبر کر یہاں تک کہ اللہ تجھ سے یہ مصیبت دور کر دے اور تجھے خوشی عطا کرے۔ بیٹا' اب مجھے یقین آ گیا کہ تو دیوانہ نہیں بلکہ تیرے ساتھ عجیب و غریب واقعہ پیش آیا ہے جس کو خدا کے سوا کوئی حل نہیں کر سکتا۔ قمرالزمان نے کہا کہ ابا جان میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میرے ساتھ احسان کر اور اس لڑکی کو ڈھونڈ کر جلد بلوا دے ورنہ میں غم سے مر جاؤں گا اور کسی کو میرے مرنے کی خبر تک نہ ہو گی۔ اس کے بعد قمرالزمان نے اپنے باپ کے سامنے اپنی انتہائی محبت کا اظہار کیا اور اس کی طرف نہایت خضوع اور انکسار سے مخاطب ہوا اور اس کے آنسو بہنے لگے اور وہ اشعار پڑھنے لگا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

ایک سو بانوے ویں رات

جب ایک سو بانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ قمرالزمان اپنے باپ کے آگے اشعار پڑھتا اور روتا اور آہ بکاہ کرتا جاتا تھا کیونکہ اس کا دل زخمی تھا۔ یہ سن کر وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ جہاں پناہ' آخر تو کب تک اپنے بیٹے کے پاس بیٹھا رہے گا اور لشکر سے پوشیدہ رہے گا؟ امرا سے دور رہنے کی وجہ سے حکومت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ دانشمند وہ ہے اگر اس کے دن میں کئی زخم ہوں تو پہلے اس زخم کا علاج کرے جو سب سے خطرناک ہو۔ میرے نزدیک یہ مناسب ہے کہ تو اپنے بیٹے کو اس محل میں لے چل جو سمندر کے کنارے ہے اور وہاں تو اپنے بیٹے کے ساتھ تنہائی میں رہ اور دربار اور جلسے کے لیے ہر ہفتے میں دو روز مقرر کر: جمعرات اور پیر۔ جبکہ تیرے پاس امرا اور وزرا اور حاجب اور نواب اور روٴسا اور بزرگ اور ان کے علاوہ لشکر اور رعیت کے لوگ آیا جایا کریں اور اپنی ضروریات تیرے سامنے پیش کیا کریں اور تو ان پر حکومت کرے اور مواخذہ اور بخشش کرے اور احکام اور نواہی جاری کرے' اور ہفتے کے باقی دنوں میں تو اپنے بیٹے قمرالزمان کے پاس رہ' اور یہی دستور رکھ یہاں تک کہ خدا تیری اور اس کی مصیبت دور کر دے۔ اے بادشاہ' زمانے کے حوادث سے غافل مت رہ کیونکہ عقل مند وہی ہے جو ہمیشہ ڈرتا رہے۔ جب وزیر نے یہ باتیں بادشاہ نے سنیں تو وہ اسے ٹھیک معلوم ہوئیں اور مصلحت آمیز اور اس پر ان کا اثر ہوا اور اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں ملک کا نظام درہم برہم نہ ہو جائے۔ لہٰذا اس نے فوراً حکم دیا کہ اس کے بیٹے کو اس جگہ سے اس محل میں منتقل کیا جائے جو سمندر کے کنارے واقع ہے۔ اس محل کے دونوں طرف سمندر تھا اور وہاں آنے کا راستہ ایک آبنائے سے ہو کر تھا جس کی چوڑائی بیس ہاتھ تھی اور تمام کھڑکیوں کا رخ سمندر کی طرف تھا۔ محل کا فرش رنگ برنگ مرمر کا تھا اور چھت طرح طرح کے بہترین رنگوں سے

رنگی ہوئی تھی اور اس پر سونے اور لاجورد کے بیل بوٹے تھے۔ اس محل میں قمرالزمان کے لیے قیمتی ریشم اور کڑھے ہوئے نمدے بچھائے گئے اور دیواروں پر نفیس اطلس ڈال

کر ان پر ایسے پردے آویزاں کیے گئے جن میں جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔
اس محل میں قمرالزمان آ کر رہا لیکن اس لڑکی کے عشق و محبت کی وجہ سے اس کا رنگ متغیر ہو گیا تھا اور جسم کمزور۔ اور وہ نہ کھاتا تھا نہ پیتا تھا' نہ سوتا تھا اور وہ بیس برس کا بیمار معلوم ہوتا تھا۔ باپ اس کے سرہانے غمگین بیٹھا رہتا تھا مگر ہر پیر اور جمعرات کے دن وہ امرا اور حجاب اور نواب اور روسا اور لشکر اور رعیت کو اس محل میں آنے کی اجازت دیتا اور وہ لوگ حاضر ہو کر اپنی اپنی خدمت انجام دیتے اور شام تک ٹھہر کر چلتے ہوتے۔ اس کے بعد بادشاہ اپنے بیٹے کے کمرے میں جاتا اور دن رات اس کے ساتھ رہتا اور اسی حالت میں ایک زمانہ گزر گیا۔
یہ تو قمرالزمان کا حال ہوا۔ اب جزیروں اور سات محلوں کے بادشاہ غیور کی بیٹی شہزادی بدور کا قصہ سنیئے۔ جب دیوؤں نے اسے لے جا کر اس کے بچھونے میں لٹا دیا تو وہ پو پھٹے تک سوتی رہی۔ اس کے بعد وہ اٹھ بیٹھی اور داہنے بائیں دیکھنے لگی لیکن وہ جوان جو اس کے آغوش میں تھا کہیں نظر نہ آیا۔ یہ دیکھ کر اس کا دل کانپ اٹھا اور ہوش و حواس جاتے رہے اور وہ اس زور سے چیخی کہ اس کی کنیزیں اور مامائیں اور نوکرانیاں جاگ پڑیں اور اس کے پاس پہنچیں اور ان میں سے جو سب سے زیادہ بوڑھی تھی' اس نے آگے بڑھ کر کہا کہ اے میری مالکہ' تجھ پر کیا مصیبت پڑی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے منحوس بڑھیا' کہاں ہے وہ خوش رو جوان میرا معشوق جو آج رات میرے آغوش میں سویا تھا؟ بتا کہ وہ کہاں گیا؟ یہ سنتے ہی نوکرانی کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور اس کی ہیبت اس پر طاری ہو گئی اور وہ کہنے لگی کہ اے میری آقا بدور' تو یہ کیسی نازیبا باتیں کر رہی ہے! شہزادی بدور نے کہا کہ لعنت ہو تجھ پر اے منحوس بڑھیا' کہاں ہے میرا معشوق خوش رو جوان جس کا چہرہ خوبصورت تھا اور قد دل کش اور آنکھیں کالی کالی اور بھنویں ملی ہوئیں جو عشاء کے وقت سے صبح کے

قریب تک میرے ساتھ رہا۔ اس نے کہا کہ واللہ نہ میں نے کسی جوان کو دیکھا اور نہ کسی اور کو۔ اے میری آقا' تجھے خدا کی قسم ایسا بے تکا مذاق مت کر ورنہ ہماری

جان کی خیر نہیں۔ یہ مذاق اگر کہیں تیرے باپ تک پہنچ گیا تو ہمیں اس کے ہاتھ سے کون چھڑائے گا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو ترانوے ویں رات

جب ایک سو ترانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ نوکرانی نے شہزادی بدور سے کہا کہ اے میرے آقا' خدا کے لیے ایسا بے ڈھب مذاق مت کر کیونکہ اگر اس مذاق کا علم تیرے باپ کو ہو گیا تو پھر ہمیں اس کے ہاتھ سے کون چھڑائے گا! شہزادی بدور نے کہا کہ آج رات میرے ساتھ ایک نوجوان سویا تھا جس کی نظیر خوبصورتی میں نہیں۔ ماما نے کہا کہ خدا تیری عقل کو سلامت رکھے! آج رات تیرے ساتھ کوئی بھی نہیں سویا۔ اب بدور کی نظر اپنے ہاتھ پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ قمرالزمان کی انگوٹھی اس کی انگلی میں ہے اور خود اس کی انگوٹھی غائب ہے اور وہ ماما سے کہنے لگی کہ لعنت ہو تجھ پر اے ملعونہ' اے دغاباز! کیا تو یہ کہہ کر جھوٹ بولنا چاہتی ہے کہ میرے پاس کوئی نہیں سویا اور جھوٹی قسم کھاتی ہے۔ ماما نے کہا کہ واللہ نہ میں نے تجھ سے جھوٹ کہا ہے اور نہ غلط قسم کھائی۔ یہ سن کر شہزادی بدور طیش میں آ گئی اور اس نے تلوار کھینچ کر ماما پر ایک وار کر کے اسے قتل کر دیا۔ یہ دیکھ کر نوکر نوکرانیاں اور کنیزیں اس پر چلا اٹھیں اور بادشاہ کے پاس جا کر انہوں نے اس کا ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ فوراً اپنی بیٹی شہزادی بدور کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بیٹی' تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ابا جان' وہ جوان کہاں ہے جو آج رات میرے پہلو میں سویا تھا؟ یہ کہہ کر وہ حواس باختہ ہو گئی اور داہنے بائیں نظر دوڑانے لگی اور اپنے کپڑے دامن تک پھاڑ ڈالے۔ بادشاہ نے جب یہ باتیں دیکھیں تو کنیزوں کو حکم دیا کہ وہ اس کو پکڑیں۔ انہوں نے اسے پکڑ کر اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں اور گلے میں لوہے کی زنجیر' اور محل کے جھروکے سے باندھ کر اسے چھوڑ دیا۔

یہ تو شہزادی کا ماجرا ہوا۔ اب اس کے باپ بادشاہ غیور کا حال سنئے۔ جب اس نے اپنی بیٹی شہزادی بدور کا یہ حال دیکھا تو وہ گھبرا گیا کیونکہ وہ اسے بہت چاہتا تھا اور یہ واقعہ اس پر سخت گراں گزرا۔ اب اس نے عقل مندوں اور منجموں اور سیانوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ جو کوئی میری بیٹی کو اس بیماری سے اچھا کر دے گا اس کے ساتھ میں اپنی بیٹی کو بیاہ دوں گا اور اپنا آدھا ملک اسے دے دوں گا مگر جس کسی نے بھی ہامی بھری اور اسے اچھا نہ کر سکا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اس کا سر شہزادی کے محل کے دروازے پر لٹکا دوں گا۔ اور یہی ہوا کہ جو کوئی لڑکی کے پاس گیا اور اس کا علاج نہ کر سکا اس کی گردن کاٹ کر اس کا سر دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ یہاں تک کہ لڑکی کی وجہ سے چالیس حکیموں اور چالیس منجموں کے سر کاٹ کر لٹکا دیئے گئے۔ اب کسی کی ہمت اس کے پاس جانے کے نہ پڑی اور تمام حکماء اس کے علاج سے عاجز آ گئے اور سیانوں اور گنڈے تعویذ کرنے والوں کی سمجھ میں اس کا قصہ نہ آیا۔

ادھر شہزادی بدور کا عشق آئے دن بڑھتا جاتا تھا اور محبت اور تمنائیں اسے گھلائے ڈالتی تھیں اور اس کے آنسو برابر جاری تھے یہاں تک کہ روتے روتے اس کی آنکھیں بیمار ہو گئیں اور اس کے رخساروں کا رنگ بدل گیا اور تین سال تک اس کی یہی حالت رہی۔

شہزادی کا ایک رضاعی بھائی تھا جس کا نام مرزبان تھا۔ اس زمانے میں اس نے دور دراز ملکوں کا سفر کیا تھا اور شہزادی سے دور رہا تھا۔ اسے شہزادی کے ساتھ حقیقی بہن سے زیادہ محبت تھی۔ جب وہ سفر سے لوٹ کر اپنی ماں کے پاس آیا اور اپنی بہن شہزادی بدور کا حال پوچھا تو اس نے کہا کہ بیٹا' تیری بہن تو پاگل ہو گئی ہے اور تین سال سے اس کی گردن میں لوہے کی زنجیریں پڑی ہوئی ہیں اور سارے طبیب اور حکیم اس کے علاج سے عاجز آ چکے ہیں۔ جب مرزبان نے یہ باتیں سنیں تو وہ کہنے لگا کہ میں ضرور اس کے پاس جا کر دیکھوں گا کہ وہ کیا بیماری ہے اور اس کے علاج کی کوشش

کروں گا۔ ماں نے اس کی باتیں سن کر کہا کہ تجھے اس کے پاس ضرور جانا چاہیے لیکن کل تک ٹھہر جا تا کہ میں کوئی تدبیر نکال لوں۔ یہ کہہ کر ماں شہزادی بدور کے محل کی طرف پیدل چل کھڑی ہوئی اور دربان سے مل کر اسے ایک ہدیہ دیا اور کہا کہ میری ایک بیٹی ہے جس کی تربیت شہزادی بدور کے ساتھ ہوئی ہے اور جس کی اب شادی ہو چکی ہے۔ جب تیری مالکہ کے ساتھ یہ ماجرا پیش آیا تو میری بیٹی کو سخت پریشانی ہوئی۔ اگر تیری مہربانی ہو تو میں اسے تھوڑی دیر کے لیے شہزادی کے پاس لے آؤں تا کہ وہ اسے دیکھ کر الٹے پاؤں پھر جائے اور کسی کو اس کی خبر نہ ہو۔ دربان نے کہا کہ یہ رات کے وقت ہو سکتا ہے۔ جب بادشاہ آئے اور اپنی بیٹی کو دیکھ کر چلا جائے تو تو اپنی بیٹی کو لے آئیو۔ بڑھیا نے دربان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنے گھر چلی گئی اور دوسرے دن عشاء کے وقت تک انتظار کرتی رہی اور اس کے بعد اس نے مرزبان کو لے کر اسے زنانہ کپڑے پہنائے اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر محل کی طرف روانہ ہو گئی اور چلتے چلتے دربان کے پاس اس وقت پہنچی جب کہ بادشاہ بیٹی کو دیکھ کر چلا گیا تھا۔ جب دربان نے بڑھیا کو دیکھا تو وہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اندر جا مگر دیر تک نہ ٹھہریو۔ جب بڑھیا اپنے لڑکے کو لے کر اندر گئی تو مرزبان نے شہزادی بدور کو اس حالت میں دیکھا۔ ماں نے اس کا زنانہ لباس اتار دیا اور اس نے شہزادی کو سلام کیا اور چند کتابیں نکال کر جو اس کے پاس تھیں اس نے ایک موم بتی جلائی اور بعض منتر پڑھنے لگا۔ جونہی شہزادی بدور کی نظر اس پر پڑی' اس نے اسے پہچان لیا اور کہنے لگی کہ بھائی تو سفر میں تھا اور ہمیں تیرا حال بالکل معلوم نہ ہوا۔ اس نے کہا کہ یہ درست ہے لیکن خدا مجھے صحیح سلامت لے آیا۔ اب میں دوسرے سفر کا ارادہ کر رہا تھا کہ مجھے تیری خبر ملی اور اس سے میرے دل کو تکلیف پہنچی اور اس لیے میں تیرے پاس آیا ہوں کہ شاید تیرا مرض دور کر سکوں۔ اس نے کہا کہ بھائی' کیا تیرا بھی یہی خیال ہے کہ میرا مرض جنون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ

ہاں۔ شہزادی نے کہا کہ یہ جنون عشق کا ہے۔ اب مرزبان کو معلوم ہوا کہ وہ عاشق ہے اور کہنے لگا کہ اپنا قصہ اور جو کچھ تجھ پر گزری ہے بیان کر۔ شاید میں کچھ کر سکوں جس سے تو اچھی ہو جائے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو چورانوے ویں رات

جب ایک سو چورانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
مرزبان نے شہزادی بدور سے کہا کہ اپنا قصہ اور ماجرا بیان کر، ممکن ہے کہ خدا کی مدد سے میں تجھے نجات دے سکوں۔ شہزادی بدور نے کہا کہ بھائی، میرا قصہ سن۔ وہ یہ ہے کہ ایک رات جب کہ وہ دو تہائی گزر چکی تھی تو میری آنکھ کھل گئی اور میں اٹھ بیٹھی اور میں نے دیکھا کہ میرے پاس ایک جوان لیٹا ہوا تھا جو اتنا حسین ہے کہ میری زبان اس کی تعریف کرنے سے قاصر ہے گویا وہ بید کی چھڑی یا خیزران کی شاخ ہے۔ اس پر میں نے خیال کیا کہ یہ میرے باپ کے حکم سے ہوا ہے تاکہ وہ میرا امتحان کرے کیونکہ جب بادشاہوں نے میرے لیے نکاح کا پیغام بھیجا تھا اور میں نے انکار کر دیا تھا تو میرے باپ نے مجھے بچانے کے لیے ایک چال چلی تھی کہ پاگل ہو گئی ہوں۔ اسی وجہ سے میں نے اسے بیدار نہ کیا اور مجھے یہ ڈر لگا کہ اگر میں نے کچھ کیا اور اسے گلے سے لگایا تو کہیں اس کی خبر بادشاہ کو نہ پہنچ جائے۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھ میں اس کی انگوٹھی ہے اور میری انگوٹھی وہ لے گیا ہے۔ بس یہ ہے میرا قصہ اور یہی ہے سبب میرے جنون کا۔ اور اے بھائی، جب سے میں نے اسے دیکھا ہے میرا دل اسی میں لگا ہوا ہے اور محبت اور بے چینی کی وجہ سے میری نیند اچاٹ ہو گئی ہے اور دن رات سوائے آنسو بہانے اور رونے اور اشعار پڑھنے کے اور کوئی میرا شغل نہیں ہے۔ یہ کہہ کر وہ رونے اور اشعار پڑھنے لگی۔

اس کے بعد شہزادی بدور نے مرزبان سے کہا کہ اے بھائی، اگر تو میری اس مصیبت کو دور کرنے کے لیے کچھ کر سکتا ہے تو کر۔ یہ سن کر مرزبان نے اپنا سر نیچے جھکا لیا اور وہ حیران تھا اور اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ تھوڑی

دیر کے بعد اس نے اپنا سر اٹھایا اور کہا کہ تیرا سارا قصہ صحیح ہے مگر اس جوان کے متعلق میری عقل کام نہیں کرتی۔ لیکن میں ملک ملک گھوم کر تیری دوا تلاش کروں گا شاید خدا میرے ہی ہاتھ سے تیرا علاج کر دے لیکن صبر کر اور پریشان مت ہو۔

یہ کہہ کر مرزبان اس سے رخصت ہوا اور اس کے لیے صبر کی دعا کی اور چل دیا۔

اس کے بعد وہ اپنی ماں کے گھر جا کر سو گیا۔

دوسرے دن صبح کو اس نے سفر کی تیاری کر دی اور روانہ ہو گیا اور ایک مہینے تک شہر شہر اور جزیرے جزیرے سفر کرتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک شہر میں پہنچا جس کا نام طیرب تھا۔ وہاں وہ لوگوں سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا تاکہ شاید شہزادی بدور کی دوا ہاتھ لگ جائے۔ اس سے پہلے بھی جب کبھی وہ کسی شہر میں پہنچا تو یہی سنتا کہ بادشاہ غیور کی بیٹی شہزادی بدور کو جنون ہو گیا ہے۔ اب جب کہ وہ طیرب پہنچا تو اس نے بادشاہ شہرمان کے بیٹے قمرالزمان کے متعلق یہ خبر سنی کہ وہ وسواس اور جنون کی بیماری میں مبتلا ہے۔ مرزبان نے لوگوں سے اس کے شہر کا نام پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ جزائر خالدان میں رہتا ہے جو یہاں سے پانی کے راستے سے ایک مہینے کے فاصلے پر ہے مگر خشکی سے چھ مہینے کی راہ ہے۔ یہ سن کر مرزبان ایک کشتی میں سوار ہوا جو جزائر خالدان جا رہی تھی۔ ہوا موافق تھی اس لیے کہ ایک مہینے میں وہ جزائر خالدان پہنچ گئے اور جب وہ وہاں پہنچے تو ان کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ کنارے پر اتر پڑیں کیونکہ اسی وقت ایک تند ہوا چلنے لگی جس کی وجہ سے مستول گر پڑے اور بادبان پھٹ کر سمندر میں جا پڑے اور کشتی مع تمام چیزوں کے الٹ گئی۔

اب شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• ایک دو پچانوے ویں رات

جب ایک سو پچانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ......
جب کشتی مع تمام چیزوں کے الٹ گئی تو ہر شخص کو نفسی نفسی کی پڑ گئی اور مرزبان پر یہ گزری کہ موجوں نے اسے تھپیڑے مار کر شاہی محل کے نیچے پہنچا دیا جہاں قمرالزمان رہتا تھا۔ خدا کا کرنا تھا کہ وہ دن بادشاہ شہرمان کے دربار کا دن تھا اور امرا اور اراکین اس کی خدمت میں حاضر تھے۔ بادشاہ بیٹھا ہوا تھا اور اس کا بیٹا قمرالزمان اس کی گود میں سر رکھے ہوئے لیٹا تھا اور ایک نوکر پنکھا جھل رہا تھا۔ دو دن ہو چکے تھے کہ قمرالزمان نے نہ کھانا کھایا تھا اور نہ پانی پیا تھا اور وہ سوکھ کر تنکا ہو گیا تھا اور وزیر اس کے پاؤں کی طرف جھروکے کے پاس کھڑا ہوا تھا جو سمندر کے رخ پر تھا۔ وزیر نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ موجیں مرزبان کو مارے ڈال رہی ہیں اور اب اس میں زیادہ جان نہیں باقی ہے۔ یہ دیکھ کر اسے ترس آیا اور اس نے بادشاہ کی طرف سر بڑھا کر کہا کہ اے بادشاہ' مجھے اجازت دے کہ میں محل کے آنگن میں اتر کر اس کا دروازہ کھولوں اور ایک شخص کو سمندر میں ڈوبنے سے بچاؤں اور اس کی مصیبت کو خوشی میں مبدل کر دوں۔ ممکن ہے کہ خدا اس کی وجہ سے تیرے بیٹے کی بیماری دور کر دے۔ بادشاہ نے کہا کہ اے وزیر' جو حالت تیرے سبب سے میرے بیٹے کی ہوئی وہ کافی ہے۔ اگر تو نے اس ڈوبنے والے کو نکالا اور اسے ہماری حالت سے واقفیت ہوئی اور اس نے میرے بیٹے کو اس تکلیف میں دیکھا تو وہ ہماری مصیبت پر خوش ہو گا لیکن خدا کی قسم اگر یہ ڈوبنے والا نکلا اور اس نے میرے بیٹے کو دیکھا اور جا کر کسی سے بھی ہمارا راز بیان کیا تو میں اس کے سامنے تیری گردن اڑا ڈالوں گا کیونکہ اے وزیر' شروع سے آخر تک جو کچھ ہمارے اوپر گزری' تیری ہی وجہ سے گزری' لہٰذا اب جو تیرا جی چاہتا ہے کر۔ یہ سن کر وزیر گیا اور محل کا چور دروازہ کھول کر جو سمندر کی

طرف نکلتا تھا بیس قدم آبنائے میں چلا اور سمندر کے پاس پہنچ کر دیکھا کہ مرزبان مرنے کے قریب ہے۔ وزیر نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس کے بال پکڑ کر اسے سمندر سے کھینچ لیا۔ اس میں بہت کم جان باقی تھی اور پیٹ میں پانی بھر گیا تھا اور آنکھیں نکل آئی تھیں۔ وزیر نے تھوڑی دیر تک انتظار کیا یہاں تک کہ اس کی جان میں جان آئی۔ پھر اس کے کپڑے اتار کر اس نے اسے دوسرے کپڑے پہنائے اور اپنے ایک غلام کی پگڑی اس کے سر پر باندھی اور کہنے لگا کہ دیکھ' میں نے تجھے ڈوبنے سے بچایا ہے اس لیے تجھ سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوئی چاہیے جس سے میری یا تیری جان جائے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو چھیانوے ویں رات

جب ایک سو چھیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
وزیر نے اپنی کاروائی کے بعد مرزبان سے کہا کہ میں نے تجھے ڈوبنے سے بچایا ہے لہذا

کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری وجہ سے میری یا تیری جان جائے۔ مرزبان نے کہا کہ یہ
کیسے؟ وزیر نے جواب دیا کہ اس وقت تو امراء اور وزراء میں سے ہو کر گزرے گا
اور وہ سب سلطان کے بیٹے قمرالزمان کی وجہ سے کوئی بات نہ کریں گے بلکہ بالکل
خاموش ہوں گے۔ مرزبان نے قمرالزمان کا نام سنتے ہی اسے پہچان لیا کیونکہ اس نے
مختلف شہروں میں اس کا ذکر سنا تھا اور اسی کی تلاش میں یہاں آیا تھا لیکن انجان بن
کر اس نے وزیر سے پوچھا کہ قمرالزمان کون ہے؟ وزیر نے کہا کہ وہ سلطان شہرمان
کا بیٹا ہے اور بیمار ہے اور بچھونے پر پڑا رہتا ہے اور بے چین رہتا ہے۔ دن رات نہ
کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ سوتا ہے بلکہ مرنے کے قریب ہے۔ ہم سب اس کی زندگی
سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور اس کے مرنے کا یقین کر چکے ہیں۔ خبردار! اس کی طرف
نظر اٹھا کر نہ دیکھیو بلکہ وہیں دیکھیو جہاں تیرے قدم پڑیں' ورنہ ہم دونوں کی جان جائے
گی۔ اس نے کہا کہ اے وزیر' میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں اور تجھ سے درخواست
کرتا ہوں کہ جس جوان کا تو نے ذکر کیا ہے اس کا قصہ بتا کہ وہ کیوں اس مرض
میں گرفتار ہے؟ وزیر نے جواب دیا کہ اس کی ایک خاص وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ
اس کا باپ تین سال سے یہ اصرار کرتا رہا تھا کہ وہ شادی کرے لیکن وہ ہمیشہ انکار
کرتا تھا۔ اس لیے باپ نے ناراض ہو کر اسے قید کر دیا۔ ایک دن صبح کو جب وہ
اٹھا تو اس کو یہ خیال ہوا کہ جب وہ سو رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ اس کے پہلو میں
ایک لڑکی ہے جو اتنی حسین ہے کہ اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اس نے ہم سے
یہ بھی بیان کیا کہ اس نے لڑکی کی انگلی سے انگوٹھی اتار کر خود پہن لی اور اپنی انگوٹھی

اسے پہنا دی۔ اس قصے کا بھید ہماری سمجھ کی مطلق میں نہ آیا۔ بیٹا' میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جب تو میرے ساتھ محل میں جائے تو شہزادے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیو بلکہ آگے چلے جائیو' کیونکہ بادشاہ میری طرف سے غصے میں بھرا ہوا ہے۔

مرزبان نے اپنے دل میں کہا کہ واللہ' اسی کی تو میں تلاش میں ہوں۔ یہ کہہ کر مرزبان وزیر کے پیچھے ہو لیا اور محل میں پہنچا۔ وہاں پہنچ کر قمرالزمان کے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا مگر مرزبان کو سوائے اس کے اور کچھ نہ سوجھی کہ وہ آگے بڑھ کر قمرالزمان کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اسے دیکھنے لگا۔ یہ دیکھ کر مارے ڈر کے وزیر کی جان نکل گئی اور وہ مرزبان کی طرف دیکھ دیکھ کر اشارے کرنے لگا کہ چلا جا' مگر مرزبان انجان بن کر قمرالزمان کی طرف دیکھتا رہا اور اسے یقین ہو گیا کہ میری مراد بر آئی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو ستانوے ویں رات

جب ایک سو ستانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
جب مرزبان نے قمرالزمان کو دیکھا اور اسے یقین آ گیا کہ میری مراد بر آئی تو وہ کہنے لگا کہ پاک ہے وہ اللہ جس نے اس کا قد اس لڑکی کے قد سا بنایا اور اس کا رخسار اس کے رخسار سا اور اس کا رنگ اس کے رنگ سا۔ اب قمرالزمان نے آنکھیں کھول دیں اور کان دھر کر اس کی باتیں سننے لگا۔ جب مرزبان نے دیکھا کہ وہ اس کی طرف متوجہ ہے تو وہ چند اشعار پڑھنے لگا' جن کو سن کر قمرالزمان کے دل کو تسکین ہوئی اور اس نے ایک آہ بھری اور زبان کھول کر اپنے باپ سے کہنے لگا کہ ابا جان' اس جوان کو میرے پاس آ کر بیٹھنے دے۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

ایک سو اٹھانوے ویں رات

جب ایک سو اٹھانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
قمرالزمان نے اپنے باپ سے کہا کہ اس جوان کو میرے پاس آ کر بیٹھنے دے۔ یا تو بادشاہ مرزبان کی وجہ سے پریشان خاطر ہو رہا ہے اور اپنے دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس کی گردن اڑا دے یا اپنے بیٹے کی یہ بات سن کر اس کا دل باغ باغ ہو گیا اور اس کا وہ خیال جاتا رہا اور اس نے مرزبان کا ہاتھ پکڑ کر اسے قمرالزمان کے پہلو میں بٹھا دیا اور مرزبان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ خدا کا شکر ہے کہ تو بچ گیا۔
اس نے جواب دیا کہ خدا تیرے بیٹے کو سلامت رکھے اور بادشاہ کو دعا دی۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تیرا گھر کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جزائر جوانیہ میں جہاں بادشاہ غیور کی حکومت ہے جو جزیروں اور سات محلوں کا مالک ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ شاید تیرا آنا میرے بیٹے کے لیے مبارک ثابت ہوا اور اس کی بیماری خدا دور کرے۔
اس نے کہا کہ اگر خدا نے چاہا تو بھلائی ہی بھلائی ہو گی۔ اس کے بعد جب مرزبان نے دیکھا کہ بادشاہ اور امراء قمرالزمان کی طرف متوجہ نہیں ہیں تو اس نے اس کے کان میں کہا کہ اے میرے آقا ہمت باندھ اور اپنا دل مضبوط کر اور آنکھیں ٹھنڈی کر کیونکہ جس کی وجہ سے تیری یہ حالت ہو گئی ہے اس کی وہ حالت مت پوچھ جو تیرے سبب سے ہوئی ہے۔ فرق محض اتنا ہے کہ تو نے اپنا راز چھپایا اور بیمار ہو گیا لیکن اس نے اپنی حالت ظاہر کر دی اور لوگوں نے اسے پاگل سمجھا اور اب وہ قید میں ہے اور اس کی گردن میں لوہے کی زنجیر پڑی ہے اور اس کا حال ابتر ہے۔ انشاء اللہ میرے ہاتھوں تم دونوں کا علاج ہو جائے گا۔
یہ سنتے ہی قمرالزمان کی جان میں جان آ گئی اور اس کا دل مضبوط ہو گیا اور چہرے پر بشاشت آ گئی اور اس نے اشارہ کر کے اپنے باپ سے کہا کہ مجھے بٹھا دے۔ یہ

سن کر بادشاہ مارے خوشی کے پھولا نہ سمایا اور بیٹے کے پاس جا کر اسے بٹھا دیا جب وہ بیٹھ گیا تو اس خوف سے کہ کہیں بیٹے کو پریشانی نہ ہو اس نے اپنا رومال ہلا کر امراء اور وزرا کو رخصت کر دیا اور بیٹے کے لیے دو تکئے رکھ دیئے اور وہ تکیہ لگا کر بیٹھ گیا اور بادشاہ نے حکم دیا کہ محل زعفران سے معطر کیا جائے اور شہر چراغاں کیا جائے اور مرزبان سے کہا کہ بیٹا' واللہ تیرا آنا مبارک ہوا اور اس کے ساتھ بے حد انعام و اکرام کیا اور اس کے آگے کھانا پیش کیا۔ مرزبان نے آگے بڑھ کر قمرالزمان سے کہا کہ آ میرے ساتھ کھانا کھا اور اس نے کھانا کھایا۔ یہ تمام باتیں دیکھ کر بادشاہ مرزبان کو دعائیں دیتا جاتا اور کہتا جاتا کہ بیٹا' تیرا آنا کیسا مبارک ثابت ہوا! بیٹے کو کھانا کھاتے دیکھ کر باپ اور زیادہ خوش ہو گیا اور جا کر فوراً اس کی ماں اور محل والوں کو خبر کی اور قمرالزمان کی سلامتی پر سارے محل میں خوشیاں منائی جانے لگیں اور بادشاہ کے حکم سے شہر آراستہ کیا گیا اور لوگوں نے خوشیاں منائیں اور یہ دن بڑی خوشی کا دن منایا گیا۔ اس رات مرزبان' قمرالزمان کے پاس سویا اور بادشاہ بھی مارے خوشی کے انہیں دونوں کے پاس سویا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو ننانوے ویں رات

جب ایک سو ننانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
بادشاہ شہرمان اپنے بیٹے کے اچھے ہونے کی خوشی میں ان دونوں کے پاس سویا۔ جب صبح ہوئی اور بادشاہ چلا گیا اور مرزبان اور قمرالزمان اکیلے رہ گئے تو مرزبان نے شروع سے آخر تک سارا قصہ بیان کیا اور کہا کہ جس کا تیرا ساتھ ہوا ہے' میں اسے جانتا ہوں۔ وہ شہزادی بدور بادشاہ غیور کی بیٹی ہے۔ اس کے بعد اس نے شہزادی بدور کی ساری روداد شروع سے آخر تک بیان کی اور کہا کہ اسے تجھ سے کس قدر عشق ہے اور بیان کیا کہ جو کچھ تیرے باپ اور تجھ میں پیش آئی' وہی ہو بہو اس کے باپ اور اس میں پیش آئی۔ اب مجھے یقین ہے کہ جس طرح وہ تجھ پر عاشق ہے تو بھی اس پر جان دیتا ہے۔ لہٰذا ہمت کر اور دل مضبوط رکھ' میں تجھے اس تک پہنچا دوں گا اور عنقریب تم دونوں مل جاؤ گے۔ اس طرح مرزبان' قمرالزمان کا دل مضبوط کرتا اور اسے ہمت اور تسلی دیتا اور کھانے پینے کی طرف رغبت دلاتا رہا اور اس نے کھانا کھایا اور شراب پی یہاں تک کہ اس کی جان میں جان آ گئی اور اس کی قوت دوبارہ عود کر آئی اور بیماری دور ہو گئی۔ مرزبان اشعار اور کہانیاں سنا سنا کر اسے تسلی دیتا یہاں تک کہ قمرالزمان چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا اور اس نے حمام جانے کی خواہش ظاہر کی۔ مرزبان اس کا ہاتھ پکڑ کر حمام لے گیا' اور دونوں نہائے دھوئے۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پوری دو سوویں رات

جب پوری دو سوویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب بادشاہ شہرمان کا بیٹا قمرالزمان حمام گیا تو اس نے قیدیوں کو آزاد کیا اور امراء کو عمدہ عمدہ خلعتیں عطا کیں اور فقیروں کو خیرات دی اور شہر کو چراغاں کرنے کا حکم دیا اور سات دن تک چراغاں کیا گیا۔ اس کے بعد مرزبان نے قمرالزمان سے کہا کہ میں شہزادی بدور کے پاس سے محض اسی کام کے لیے آیا ہوں اور میرے سفر کا مقصد یہی تھا کہ میں اس کی دوا تلاش کروں۔ اب ہمیں چاہیے کہ اس تک پہنچنے کی کوئی تدبیر نکالیں کیونکہ تیرے باپ کو تیری جدائی گوارا نہیں۔ اس لیے میری رائے یہ ہوئی ہے کہ کل تو اپنے باپ سے جنگل میں جا کر شکار کھیلنے کی اجازت مانگ اور خرچی میں روپے پیسے بھر کر ساتھ لے لے اور ایک اصیل گھوڑے پر سوار ہو اور دوسرا کوتل گھوڑا ساتھ رکھ' میں بھی اسی طرح تیار ہو کر تیرے ساتھ سوار ہوں گا۔ اپنے باپ سے یہ کہیو کہ میں چاہتا ہوں کہ جنگل میں سیر و تفریح کروں اور شکار کھیلوں اور ہوا کھاؤں اور اس طرح سے وہاں ایک رات گزار دوں۔ جب ہم ایک بار نکل کھڑے ہوں گے تو پھر ہمیں کون روک سکتا ہے مگر کسی نوکر کو اپنے ساتھ نہ لیجیو۔ قمرالزمان نے کہا کہ یہ تیری رائے بہت ٹھیک ہے اور اس پر بہت خوش ہوا اور ہمت کر کے اپنے باپ کے پاس گیا اور اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ بادشاہ نے اسے شکار کے لیے جانے کی اجازت دے دی اور کہا کہ بیٹا' مبارک ہو وہ دن جب کہ تو تندرست ہوا! مجھے تیرا ارادہ ناپسند نہیں ہے لیکن ایک رات سے زیادہ مت ٹھہریو اور دوسرے ہی روز آ کر مجھ سے ملیو کیونکہ تو جانتا ہے کہ بغیر تیرے میری زندگی کا مزہ نہیں اور ابھی تک میرے دل کو یقین نہیں آتا کہ تو اچھا ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر بادشاہ نے اپنے بیٹے قمرالزمان اور اس کے ساتھ مرزبان کے لیے سفر کی تیاری کرا دی اور حکم دیا کہ ان کے لیے چار

گھوڑے مہیا کیے جائیں اور مال لادنے کے لیے ایک گھوڑا اور کھانے پینے کے لیے ایک اونٹ۔ قمرالزمان نے منع کر دیا تھا کہ اس کی خدمت کے لیے کوئی شخص نہ بھیجا جائے۔ اب باپ نے اسے گلے مل کر اور بوسہ دے کر رخصت کیا اور کہنے لگا کہ خدا کے لیے ایک دن سے زیادہ غائب نہ رہیو کیونکہ اس رات بھی نیند مجھ پر حرام ہو گی۔ اس نے کہا کہ ابا جان انشاء اللہ ایک رات سے زیادہ میں باہر نہ رہوں گا۔
یہ کہہ کر وہ رخصت ہوا اور قمرالزمان اور مرزبان دونوں باہر آ کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اس گھوڑے کو ساتھ لیا جس پر وہ مال تھا اور اس اونٹ کو جس پر کھانا اور پینا تھا اور جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو ایک ویں رات

جب دو سو ایک ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ قمرالزمان اور مرزبان جنگل کی طرف منہ اٹھا کر چل دیئے اور صبح سے لے کر شام تک چلتے رہے۔ شام کے وقت وہ اترے اور انہوں نے کھایا پیا اور جانوروں کو چارہ دیا اور تھوڑی دیر ستا کر آگے چل دیئے اور برابر تین دن تک سفر کرتے رہے۔ چوتھے دن انہوں نے ایک کشادہ جگہ دیکھی جہاں جھاڑیاں تھیں اور وہاں اتر پڑے۔ مرزبان نے اونٹ اور ایک گھوڑا لے کر ذبح کیا اور ان کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور ہڈیوں پر سے گوشت اتار ڈالا اور قمرالزمان کی قمیص اور دوسرے کپڑے لیے اور انہیں پھاڑ کر گھوڑے کے خون میں لتھیڑ کر اس کی قبا لے کر اسے بھی خوب خون میں رنگا اور انہیں چوراہے پر پھینک دیا۔ اس کے بعد کھا پی کر سوار ہوئے اور چل دیئے۔ قمرالزمان نے پوچھا کہ تو نے یہ کیا کیا اور اس کا فائدہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہم نے تیرے باپ بادشاہ شہرمان سے ایک رات غیر حاضر رہنے کی اجازت لی ہے' جب اس رات کے بعد ہم اس کے پاس نہ پہنچیں گے تو وہ سوار ہو کر ہمارے پیچھے آئے گا' مگر جب وہ ان خون آلود کپڑوں کو دیکھے گا اور تیری قمیص اور تیرے لباس پر اس کی نظر پڑے گی کہ ان کے چیتھڑے ہو گئے ہیں اور ان پر خون پڑا ہوا ہے تو وہ اپنے دل میں خیال کرے گا کہ تیرے اوپر ڈاکوؤں یا وحشی جانوروں سے کوئی حادثہ گزرا ہے اور وہ تجھ سے ناامید ہو کر اپنے شہر کو لوٹ جائے گا اور اس ترکیب سے ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ قمرالزمان نے کہا کہ واللہ یہ ترکیب بڑی اچھی ترکیب ہے اور تجھے خوب سوجھی! اس کے بعد دو دن رات سفر کرتے رہے مگر اس اثناء میں جب کبھی قمرالزمان اکیلا ہوتا تو وہ روتا اور آہ و فریاد کرتا یہاں تک کہ اسے خوش خبری ملی کہ آخری منزل قریب ہے اور مرزبان نے کہا کہ دیکھ یہی جزیرے جو دکھائی دیتے

ہیں' بادشاہ غیور کے جزیرے ہیں۔ یہ سن کر قمرالزمان خوش ہو گیا اور مرزبان کا شکریہ ادا کیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اسے سینے سے لگایا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

- دو سو دوسری رات

جب دو سو دوسری رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب مرزبان نے قمرالزمان سے کہا کہ دیکھ یہی بادشاہ غیور کے جزیرے ہیں تو وہ خوش ہو گیا اور اس کا شکر گزار ہوا اور اسے بوسہ دیا اور سینے سے لگایا۔ جزیروں میں داخل ہو کر دونوں دارالسلطنت پہنچے اور مرزبان نے اسے ایک سرائے میں اتارا اور دونوں سفر کی تکان کی وجہ سے تین روز تک ستاتے رہے۔ اس کے بعد مرزبان، قمرالزمان کو لے کر حمام گیا اور اسے سوداگروں کا سا لباس پہنایا اور اس کے لیے ایک رمل کی تختی بنوائی جو سونے کی تھی اور نجوم کے دوسرے اوزار چاندی کی ایک اسطرلاب جس پر سونے کا پانی بھرا ہوا تھا، اور کہا کہ اے میرے آقا، اٹھ اور جا کر بادشاہ کے محل کے نیچے کھڑا ہو اور آواز لگا کہ میں حساب دان ہوں، میں منتری ہوں، میں طالب اور مطلوب کو ملاتا ہوں، میں ماہر حکیم ہوں، میں زبردست منجم ہوں، جو طالب ہوں، آئیں۔ جب بادشاہ تیری آواز سنے گا تو وہ تجھے بلا کر اپنی بیٹی شہزادی بدور کے پاس لے جائے گا جو تیری محبوبہ ہے۔ جب تو شہزادی کے پاس جائے تو بادشاہ سے کہیو کہ مجھے تین دن کی مہلت دے، اگر وہ اچھی ہو گئی تو میری شادی اس کے ساتھ کر دیجیو اور اگر وہ اچھی نہ ہوئی تو میری بھی وہی گت بنائیو جو تو نے لوگوں کی مجھ سے پہلے بنائی ہے۔ بادشاہ تیری یہ شرط منظور کرے گا۔ جب تو شہزادی کے پاس پہنچے تو اس سے کہیو کہ تو کون ہے؟ تجھے پہچان کر وہ تندرست ہو جائے گی اور اس کا جنون رفو چکر ہو جائے گا اور وہ ایک ہی دن میں اچھی ہو جائے گی۔ اس کے بعد تو اسے کھانے پینے کو دیجیو۔ اسے تندرست دیکھ کر اس کا باپ خوش ہو جائے گا اور تیری شادی اس کے ساتھ کر دے گا اور تجھے اپنے ملک کا ساجھے دار بنا لے گا کیونکہ یہی اس نے شرط کی ہے' والسلام۔

جب قمرالزمان نے یہ سنا تو وہ اس سے کہنے لگا کہ خدا کرے تو ہمیشہ مجھ پر مہربان رہے

اور تمام سامان لے کر وہ سرائے سے چل دیا۔ اس کا لباس وہی سوداگرانہ تھا جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ چلتے چلتے وہ بادشاہ غیور کے محل کے نیچے آ کر ٹھہرا اور آواز لگائی کہ میں منتری حساب دان ہوں' میں طالب و مطلوب کو باہم ملاتا ہوں' میں وہ ہوں جو کتابوں کی تشریح کرتا اور حساب لگاتا اور خوابوں کی تعبیر بتاتا اور مقصدوں کو حل کرتا ہے۔ آئے جو طالب ہو۔ ایک مدت سے شہر والوں نے کسی منتری اور منجم کی شکل نہ دیکھی تھی لہٰذا جب ان کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو وہ آ کر اس کے گرد جمع ہو گئے اور اسے غور سے دیکھنے لگے اور دیکھا کہ وہ بے حد حسین و جمیل اور خوش رو ہے اور وہ اس کے حسن و جمال اور قد اور اعتدال کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔ ان میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر کہا کہ اے خوبصورت اور شیریں بیان جوان' میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ بادشاہ غیور کی شہزادی بدور سے شادی کرنے کی خاطر اپنی جان ہلاکت میں مت ڈال اور ان سروں کو دیکھ جو لٹکے ہوئے ہیں کیونکہ یہ سب لوگ اسی کی خاطر مارے گئے ہیں۔ قمرالزمان نے ان کی باتوں کی پروا نہ کی اور خوب زور سے آواز لگائی کہ میں حکیم' منتری ہوں' میں حساب دان' منجم ہوں۔ شہر والے سارے اسے اس فعل سے منع کرتے لیکن وہ کسی کی نہ سنتا اور اپنے دل میں کہتا کہ جو عشق میں مبتلا نہیں ہوتا وہ اسے ہرگز نہیں سمجھتا اور زور زور سے چلاتا کہ میں حکیم ہوں' میں منجم ہوں۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو تیسری رات

جب دو سو تین ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ...... قمرالزمان نے شہر والوں کی بات کی طرف کچھ التفات نہ کیا بلکہ یہی آواز لگاتا رہا کہ میں منتری ہوں' میں حساب دان ہوں' نجومی ہوں۔ اس پر سارے شہر والے اس سے ناراض ہو گئے اور کہنے لگا کہ تو نہایت کوڑھ مغز بے وقوف اور احمق لڑکا ہے۔ اپنے شباب اور کم سنی اور حسن و جمال پر رحم کر۔ اس پر قمرالزمان نے پھر آواز لگائی کہ میں نجومی اور حساب دان ہوں۔ جو طالب ہو آئے۔ قمرالزمان آواز لگاتا جاتا اور لوگ اسے منع کرتے جاتے تھے کہ اتنے میں بادشاہ غیور کے کانوں میں اس کی آواز پہنچی اور لوگوں کا شور و غل سنائی دیا اور اس نے وزیر سے کہا کہ جا کر نجومی کو میرے پاس لے آ۔ وزیر فوراً اتر کر آیا اور اس بھیڑ میں سے قمرالزمان کو لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا اور قمرالزمان نے بادشاہ کے آگے زمین چومی اور جب بادشاہ نے اسے دیکھا تو اسے اپنے پاس بٹھایا اور اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ بیٹا' اگر تو نجومی نہیں ہے تو خدا کے لیے اپنی جان خطرے میں مت ڈال اور میری شرط پوری کرنے کی کوشش مت کر کیونکہ میں نے یہ عہد کیا ہے کہ اگر کوئی میری بیٹی کے پاس جائے اور اس کی بیماری دور نہ کر سکے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر وہ اسے اچھا کر دے تو میں اس کی شادی اس کے ساتھ کر دوں گا۔ اپنے حسن و جمال کے دھوکے میں مت آ' واللہ باللہ اگر تو نے اسے اچھا نہ کیا تو میں ضرور تیری گردن اڑا دوں گا۔ قمرالزمان نے کہا کہ تو یہی کیجیو' مجھے منظور ہے۔ یہ تو میں تیرے پاس آنے سے پہلے جانتا تھا۔ بادشاہ غیور نے قاضیوں کو گواہ بنا کر قمرالزمان کو خادم کے ہمراہ کیا اور اس سے کہا کہ اسے شہزادی بدور کے پاس لے جا۔ خادم اس کا ہاتھ پکڑ کر دالان دالان لے چلا۔ مگر قمرالزمان اس سے آگے نکل جاتا اور خادم دوڑ کر اس کے پاس آتا اور کہتا

کہ حیف ہو تجھ پر! اپنی جان دینے میں اتنی جلدی نہ کر۔ میں نے سوائے تیرے کسی نجومی کو نہیں دیکھا جو اپنی ہلاکت میں اتنی جلدی کرتا ہو لیکن تجھے معلوم نہیں کہ تیرے آگے کون سی مصیبت کھڑی ہے۔ یہ سن کر قمرالزمان نے اپنا منہ خادم کی طرف سے پھیر لیا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دوسو چوتھی رات

جب دو سو چاروں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ خادم نے قمرالزمان سے کہا کہ صبر کر' اتنی جلدی مت کر' مگر اس نے اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا۔ اب خادم نے قمرالزمان کو پردے کے پیچھے کھڑا کر دیا جو دروازے پر پڑا تھا۔ قمر الزمان نے کہا کہ تو کیا چاہتا ہے کہ کہاں بیٹھ کر میں تیری مالکہ کا علاج کروں اور اسے اچھا کروں؟ یہیں بیٹھ کر یا پردے کے اندر جا کر۔ یہ سن کر خادم حیران ہو گیا اور اس سے کہنے لگا کہ اگر تو یہیں سے اچھا کر دے تو اس میں تیری اور بھی زیادہ خوبی ہے۔ یہ سن کر قمرالزمان پردے کے پیچھے گیا اور دوات اور قلم اور کاغذ نکال کر اس نے یہ الفاظ لکھے: "یہ خط اس کی طرف سے ہے جو تمناؤں کا کشتہ ہے' جسے محبت نے مار ڈالا اور غموں نے تباہ کر دیا ہے' جو زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا اور موت کا یقین کر چکا ہے' جس کے غم زدہ دل کا نہ کوئی یار ہے نہ مددگار' جس کی بیدار آنکھوں کی مصیبت کا دور کرنے والا ناپید ہے۔ اس کے دن آگ میں گزرتے ہیں اور راتیں سوز میں۔ اس کا جسم گھل گھل کر تنکا ہو گیا ہے اور اب تک اس کے معشوق کے پاس سے کوئی قاصد تک نہیں آیا۔ محض محبوب کا دیدار دل کی دوا ہے۔ جس پر اس کا معشوق جفا کرتا ہے اور اس کا طبیب خدا ہے۔ ہم میں اور تم میں سے جو کوئی بے وفائی کرے' خدا اس کی مراد پوری نہ کرے! اس عاشق سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی نہیں جو اپنی بے وفا محبوبہ سے وفا کرے۔ یہ خط ہے ناامید دل سوختہ اور حیران و پریشان عاشق کی طرف سے جسے عشق و محبت نے پریشان کر رکھا ہے' چاہت کا گرفتار قمرالزمان بن شہرمان۔ اور مکتوب الیہ وہ ہے جس کا جواب دنیا میں نہیں اور جو خوبصورت حوروں میں سے منتخب کی گئی ہے' شہزادی بدور بنت بادشاہ غیور۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں رات بھر جاگتا اور دن بھر پریشان رہتا ہوں۔ کمزوریوں اور بیماریوں

نے زور پکڑا ہے اور عشق و تمنا مارے ڈالتے ہیں۔ آہوں کا ٹھکانا نہیں اور آنسوؤں کا حد و حساب نہیں۔ محبت کا گرفتار' آرزوؤں کا کشتہ' ہجر کا دل آزردہ' عشق کا دل سوختہ' بیماریوں کا ندیم' میں وہ جاگنے والا ہوں جس کی آنکھیں کبھی بند نہیں ہوئیں ور وہ محبت کا مارا جس کے آنسو کبھی رکے نہیں۔ میرے دل کی آگ بجھتی نہیں اور اشتیاق کے شعلے بجھتے نہیں۔" اس خط کے اندر اس نے شہزادی بدور کی انگوٹھی رکھ کر اسے خادم کو دے دیا۔ ملازم اسے لے کر اپنی آقا کے آس پاس گیا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

دو سو پانچویں رات

جب دو سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ قمرالزمان نے خط میں انگوٹھی رکھ کر خادم کے حوالے کیا اور وہ اسے لے کر شہزادی بدور کے پاس گیا۔ شہزادی نے خادم کے ہاتھ سے خط لے کر اسے کھولا اور اس میں بعینہ وہی اپنی انگوٹھی دیکھی اور خط پڑھا تو خوشی کے مارے اس کے ہوش اڑ گئے اور اس کے دل کو تسلی ہوئی اور وہ کھڑی ہو گئی اور اپنے پاؤں دیوار سے ٹیک کر لوہے کی ہنسلی پر اتنا زور لگایا کہ وہ اس کی گردن سے ٹوٹ گئی اور اس نے بیڑیاں بھی توڑ ڈالیں اور وہ پردے سے باہر آ کر قمرالزمان سے لپٹ گئی اور اس کے منہ کو اس طرح چومنے لگی جیسے کبوتر اپنے بچے کو دانا کھلاتا ہے اور عشق و محبت کی زیادتی کی وجہ سے اسے گلے لگا لیا اور اس سے کہنے لگی کہ اے میرے آقا' یہ خواب ہے یا بیداری؟ کیا خدا نے واقعی ہجر کے بعد وصال عطا کیا! شکر ہے خدا کا کہ ناامیدی کے بعد ہم پھر ملے۔

جب خادم نے یہ دیکھا تو وہ بھاگ کر بادشاہ غیور کے پاس پہنچا اور اس کے آگے زمین بوس ہو کر کہنے لگا کہ اے میرے آقا' یہ نجومی تو تمام نجومیوں کا استاد نکلا اور سب سے زیادہ علم والا ہے کیونکہ اس نے تیری بیٹی کا علاج پردے کے پیچھے سے کر دیا اور اس کے پاس گیا تک نہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ ذرا اچھی طرح سے دیکھ کر آ' یہ خبر صحیح ہے۔ خادم نے کہا کہ اے میرے آقا خود چل کر دیکھ لے کہ اس میں اتنا زور آ گیا کہ اس نے لوہے کی زنجیریں توڑ ڈالی اور نجومی کے پاس جا کر اسے چومنے اور گلے لگانے لگی۔

یہ سن کر بادشاہ غیور اٹھ کر اپنی بیٹی کے پاس پہنچا۔ جونہی شہزادی نے اپنے باپ کو دیکھا وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی اور اپنا سر ڈھانپ لیا۔ باپ اسے تندرست دیکھ کر خوش

ہو گیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا کیونکہ وہ اسے بہت چاہتا تھا۔ اس کے بعد بادشاہ غیور نے قمرالزمان کی طرف متوجہ ہو کر اس کی مزاج پرسی کی اور پوچھا کہ تو کہاں کا رہنے والا ہے؟ قمرالزمان نے اپنا حسب نسب اور حال بیان کیا اور کہا کہ بادشاہ شہرمان میرا باپ ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا اور یہ کہ شہزادی بدور کے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا اور اس نے کس طرح اس کی انگلی سے انگوٹھی اتارلی اور اپنی انگوٹھی اسے پہنا دی۔ یہ سن کر بادشاہ غیور کو بڑا اچنبھا ہوا اور وہ کہنے لگا کہ تمہارا قصہ اس قابل ہے کہ قلم بند کیا جائے تاکہ آئندہ آنے والے لوگ اسے پڑھیں۔

اس کے بعد بادشاہ غیور نے فوراً قاضیوں اور گواہوں کو بلوا کر شہزادی بدور اور قمرالزمان کا نکاح نامہ لکھوا دیا اور حکم دیا کہ سات دن تک شہر چراغاں کیا جائے۔ اس کے بعد دسترخوان بچھائے گئے اور دعوتیں دی گئیں اور خوشیاں منائی گئیں اور تمام شہر والوں اور لشکر والوں کو بہترین پوشاکیں عطا کی گئیں اور خوش خبریاں پہنچائی گئیں اور ڈھول بجائے گئے اور قمرالزمان شہزادی بدور کے ساتھ ہم بستر ہوا اور بادشاہ اپنی بیٹی کی سلامتی اور اس کی شادی پر بہت خوش ہوا اور اس بات کا شکر ادا کیا کہ اس نے اس کے دل میں ایک حسین و جمیل شہزادے کی محبت ڈالی۔ اس کے بعد اس کی منہ دکھائی کی رسم ادا کی گئی اور لوگوں نے دیکھا کہ حسن و جمال اور خوب روئی اور آن بان میں دونوں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ اس رات قمرالزمان نے شہزادی کے ساتھ سو کر اپنا ارمان نکالا اور شہزادی کی آرزو اس کے ساتھ پوری ہوئی اور اس کے حسن و جمال کا مزہ لوٹا اور صبح تک دونوں لپٹے پڑے رہے۔ دوسرے دن بادشاہ نے ولیمہ دیا جس میں تمام اندرونی اور بیرونی جزیروں والے شامل تھے۔ جن کو کھانے کھلائے گئے اور عمدہ عمدہ پوشاکیں پہنائی گئیں اور پورے مہینے تک دعوتیں ہوتی رہیں۔ جب وہ اس حالت میں شہزادی بدور کے ساتھ ایک مدت تک رہا اور اس کا مقصد پورا ہو گیا اور ارمان نکل گیا تو اسے اپنے باپ بادشاہ شہرمان کی یاد آئی اور اس نے اسے خواب میں دیکھا

کہ وہ کہہ رہا ہے کہ بیٹا' کیا تیرا یہ فعل میرے ساتھ جائز ہے؟ جب اس نے خواب میں باپ کا یہ عتاب دیکھا تو صبح کو وہ نہایت غمگین تھا۔ شہزادی بدور نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے اپنا خواب بیان کر دیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

دو سو چھٹی رات

جب دو سو چھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب قمرالزمان نے شہزادی بدور سے اپنا خواب بیان کیا تو اسے لے کر اپنے باپ کے پاس گئی اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور سفر کی اجازت مانگی۔ بادشاہ نے قمرالزمان کو سفر کی اجازت دے دی مگر شہزادی بدور نے کہا کہ ابا جان' میں اس کی جدائی گوارا نہیں کر سکتی۔ باپ نے کہا کہ اچھا تو بھی اس کے ساتھ جا' اور اسے اجازت دی کہ وہ پورے ایک سال تک اس کے ساتھ ٹھہرے اور اس کے بعد ہر سال اپنے باپ سے ملنے آئے۔ اس پر اس نے اپنے باپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور علیٰ ہذا القیاس قمرالزمان نے بھی۔ اب بادشاہ غیور اپنی بیٹی اور داماد کے سفر کی تیاری کرنے لگا اور ہر قسم کا جہیز اور سفر کی ضروریات مہیا کیں اور داغ دیئے۔ گھوڑے اور بلند و بالا اونٹنیوں پر لادا اور خدمت کے لیے غلام اور نوکر ساتھ کر دیئے اور انہیں سارا سامان دیا جس کی انہیں سفر میں ضرورت تھی اور رخصتی کے دن اس نے قمرالزمان سے آخری ملاقات کی اور اسے دس نفیس خلعت عطا کئے جو سونے کے تھے اور جن میں جواہرات جڑے ہوئے تھے اور اسے دس گھوڑے اور دس اونٹنیاں اور بے حد مال و دولت عطا کیا اور کہا کہ میری بیٹی شہزادی بدور کو اچھی طرح رکھیو۔ اس کے بعد بادشاہ ان کو رخصت کرنے جزیروں کی سرحد تک گیا اور قمرالزمان سے رخصت ہو کر اپنی بیٹی شہزادی بدور کے پاس محل میں داخل ہوا اور اسے گلے سے لگایا اور بوسہ دیا اور پھر وہاں سے نکل کر اس کے شوہر قمرالزمان کے پاس گیا اور اس سے رخصت ہو کر اسے بوسہ دیا اس کے بعد اس نے انہیں کوچ کی اجازت دی اور خود اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ دارالسلطنت واپس آیا۔

اب قمرالزمان اور اس کی بیوی شہزادی بدور اور اس کے ہمراہیوں نے ایک دن سفر کیا

پھر دوسرے دن پھر تیسرے دن اور پھر چوتھے دن اور اسی طرح وہ پورے ایک مہینے تک سفر کرنے کے بعد ایک وسیع سبزہ زار میں اترے اور ڈیرے ڈنڈے ڈال دیئے اور کھا پی کر آرام کرنے لگے اور شہزادی بدور سو گئی۔ جب قمرالزمان اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ سو رہی ہے اور ریشم کی ایک کشمش قمیص پہنے ہوئے ہیں جس سے سارا بدن دکھائی دیتا ہے اور سر پر ایک سنہرا رومال باندھے ہوئے ہیں جس میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ اور ہوا سے اس کی قمیص اڑ کر ناف کے اوپر تک آ گئی ہے اور اس کا پیٹ جو برف سے زیادہ سفید ہے' دکھائی دے رہا ہے اور اس کے گڑھے اتنے بڑے ہیں کہ ان میں آدھ آدھ چھٹانک تیل آ جائے۔ یہ دیکھ کر اس کی محبت اور جوش اور زیادہ بڑھ گیا۔ اب وہ کیا دیکھتا ہے کہ اس کے ازاربند میں ایک سرخ نگ ٹنکا ہوا ہے۔ اس نے اسے کھول کر نکالا اور دیکھا کہ اس پر دو سطریں ایسے خط میں لکھی ہوئی ہیں جو پڑھنے میں نہیں آتی۔ اس پر قمرالزمان کو تعجب ہوا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر یہ نگ اس کے لیے بہت اہم نہ ہوتا تو وہ اسے ازاربند میں اس طرح ٹانک کر نہ رکھتی اور اپنی عزیز جگہ میں نہ چھپاتی تاکہ وہ اس سے کبھی جدا نہ ہو۔ معلوم نہیں کہ وہ اس کا کیا کرتی ہے اور اس میں کیا بھید ہے! اس کے بعد وہ اسے لے کر خیمے سے باہر گیا تاکہ اسے روشنی میں دیکھے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو ساتویں رات

جب دو سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب وہ نگ کو روشنی میں دیکھنے کے لیے گیا اور ہاتھ میں لے کر اسے غور سے دیکھ رہا تھا کہ ایک پرندہ قمرالزمان پر جھپٹا اور اس کے ہاتھ سے وہ نگ لے کر اڑ گیا اور اس کے بعد زمین پر جا کر بیٹھ گیا۔ قمرالزمان نگ کے چھن جانے سے ڈرا اور پرندے کے پیچھے دوڑا مگر پرندہ بھی اسی رفتار سے بھاگنے لگا۔ قمرالزمان اس کے پیچھے ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک ٹیلے سے دوسرے ٹیلے بھاگتا رہا یہاں تک کہ رات ہو گئی اور اندھیرا چھا گیا اور پرندہ ایک اونچے درخت پر جا کر سو گیا۔ قمرالزمان اس کے نیچے ٹھہر گیا اور وہ بہت حیران تھا اور بھوک اور تکان سے اس کی جان نکل رہی تھی اور اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اب وہ مر جائے گا۔ اب اس نے لوٹنے کا ارادہ کیا لیکن اندھیرے میں اس کو یہ پتہ نہ چلا کہ کدھر سے آیا ہے اور اس نے کہا لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم اور اسی درخت کے نیچے سو گیا جس پر وہ پرندہ تھا۔ جب دن نکلا اور قمرالزمان کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ پرندہ بھی بیدار ہو کر درخت پر سے اڑا اور وہ اس کے پیچھے ہو لیا اور دیکھا کہ اب وہ آہستہ اڑتا ہے اور اسی رفتار سے جس سے کہ وہ چلتا ہے۔ اس پر قمرالزمان مسکرایا اور کہنے لگا کہ یہ بھی عجیب بات ہے کہ یہ پرندہ کل میرے دوڑنے کی رفتار سے اڑتا تھا اور آج اسے معلوم ہو گیا ہے کہ میں تھکا ہوا ہوں اور میرے چلنے کی رفتار سے اڑتا ہے۔ واللہ' عجیب و غریب بات ہے لیکن میں اس پرندے کا پیچھا کئے چلا جاؤں گا اور وہ مجھے یا تو زندگی کی طرف رہنمائی کرے گا اور یا موت کی طرف۔ وہ جہاں کہیں بھی جائے گا میں اس کے پیچھے لگا رہوں گا کیونکہ وہ کسی نہ کسی آباد جگہ جا کر دم لے گا۔ قمرالزمان اس پرندے کے نیچے نیچے چلتا رہا اور وہ پرندہ رات کو کسی نہ کسی درخت پر بسیرا کر لیتا۔ اس طرح سے اس

نے دس روز تک پیچھا کیا اور سبزی کھاتا اور نہروں کا پانی پیتا۔ دس دن کے بعد اسے آباد شہر دکھائی دیا اور وہ پرندہ تیر کی طرح اڑ کر اس شہر میں چلا گیا اور قمرالزمان کی نظروں سے غائب ہو گیا اور اسے اس کا پتہ نہ چلا اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں چل دیا۔ قمرالزمان کو اس پر تعجب ہوا اور وہ کہنے لگا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھ کو صحیح و سلامت اس شہر تک پہنچایا۔ یہ کہہ کر وہ ایک نہر پر بیٹھ گیا اور ہاتھ' منہ اور پاؤں دھوئے اور تھوڑی دیر سستایا اور یہ سوچنے لگا کہ وہ کس آرام اور آسائش اور ہم صحبتی میں تھا اور اب کس تکلیف اور رنج اور غربت اور بھوک اور فراق میں گرفتار ہے۔ سستانے کے بعد قمرالزمان اٹھا اور آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ اس شہر میں پہنچ گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

دو سو آٹھویں رات

جب دو سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ...... قمرالزمان ستانے کے بعد شہر کے دروازے میں داخل ہوا مگر اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جائے۔ اس لیے وہ شہر میں ادھر ادھر تک گزر گیا۔ وہ جنگل کے طرف والے دروازے سے داخل ہوا تھا اور چلتے چلتے سمندر کی طرف والے دروازے سے نکلا مگر اہالی میں اسے کوئی دکھائی نہ دیا۔ یہ شہر سمندر کے کنارے واقع تھا۔ سمندر کی طرف والے دروازے سے نکل کر وہ آگے بڑھا اور شہر کے باغوں اور درختوں میں پہنچا۔ درختوں کے بیچ میں چلتے چلتے وہ ایک باغ کے پاس پہنچا اور اس کے دروازے پر ٹھہر گیا۔ اس میں سے باغبان نکلا اور قمرالزمان نے اسے سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا اور مرحبا کہا اور کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس شہر کے اہالی میں تو صحیح و سالم لوٹا۔ لہٰذا جلد اس باغ کے اندر آ جا تاکہ شہر والوں میں سے کوئی تجھے دیکھ نہ لے۔ قمرالزمان دنگ ہو کر اس باغ میں داخل ہوا اور باغبان سے کہنے لگا کہ اس شہر والوں کا کیا قصہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ سن' اس شہر والے سب کے سب مجوس ہیں۔ تجھے خدا کی قسم بتا کہ تو یہاں کس طرح آیا اور تیرے آنے کی وجہ کیا ہے۔ اس پر قمرالزمان نے باغبان سے اپنا سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنایا۔ باغبان کو نہایت تعجب ہوا اور اس سے کہنے لگا کہ بیٹا' اسلامی ممالک یہاں سے بہت دور ہیں اور یہاں سے وہاں تک سمندر میں ہو کر چار مہینے کا راستہ ہے مگر خشکی سے پورا ایک سال لگ جاتا ہے۔ یہاں ایک جہاز ہے جو سال میں ایک بار سامان لے کر اسلامی ممالک کی سرحد تک جاتا ہے' اس طرح کہ وہ جہاز یہاں سے پہلے جزیرہ آبنوس جاتا ہے اور وہاں سے جزائر خالدان جہاں بادشاہ شہرمان کی حکومت ہے۔ یہ سن کر قمرالزمان تھوڑی دیر تک اپنے دل میں سوچتا رہا اور پھر اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کے لیے اس سے بہتر

کوئی بات نہیں کہ وہ باغبان کے پاس باغ میں ٹھہرے اور اس کا ماتحت بن کر کام کرے۔
یہ سوچ کر اس نے باغبان سے کہا کہ تجھے منظور ہے کہ میں اس باغ میں تیرا ماتحت بن کر کام کروں؟ اس نے کہا کہ بسر و چشم اور اسے سکھایا کہ کس طرح درختوں کی کیاریوں میں پانی دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد قمرالزمان درختوں کو سینچتا اور ہنسئے سے گھاس کاٹتا۔ باغبان نے اسے ایک نیلا انگا کرتا پہننے کے لیے دیا جو گھٹنوں تک آتا تھا۔ وہ درختوں کو سینچتا اور زار زار روتا اور دن رات اسے کبھی قرار نہ آتا کیونکہ ایک تو وہ پردیس میں تھا اور دوسرے اپنی محبوبہ سے جدا تھا۔
یہ تو قمرالزمان پر گزری جو بادشاہ شہرمان کا بیٹا تھا۔ اب بادشاہ غیور کی بیٹی شہزادی بدور کا حال سنئے۔ جب اس کی نیند ٹوٹی تو اس نے اپنے شوہر قمرالزمان کو تلاش کیا مگر کہیں نہ پایا اور اس نے دیکھا کہ اس کی شلوار کھلی ہوئی ہے اور ازاربند ڈھونڈنے لگی جس میں کہ نگ تھا اور دیکھا کہ وہ کھلا پڑا ہے اور نگ غائب ہے۔ اب وہ اپنے جی میں کہنے لگی کہ یااللہ' میرا شوہر کہاں گیا! گویا کہ وہ اس نگ کو لے کر چلتا ہوا مگر اسے تو یہ معلوم ہی نہیں کہ اس نگ کے اندر کیا بھید ہے۔ نہ معلوم وہ کہاں گیا لیکن کوئی نہ کوئی عجیب و غریب بات ضرور پیش آئی ہو گی کہ وہ چلا گیا ورنہ اسے تو میری جدائی ایک لمحے کے لیے گوارا نہ تھی۔ لعنت ہو اس نگ پر اور اس گھڑی پر جب کہ میں نے اسے باندھا۔ اب شہزادی بدور سوچ میں پڑ گئی اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ اگر میں نکل کر نوکروں کے پاس جاؤں اور ان سے کہوں کہ میرا شوہر غائب ہو گیا تو ان کو میری طرف لالچ ہو گی اس لیے کوئی ترکیب چلنی چاہیے۔
یہ کہہ کر وہ اٹھی اور اپنے شوہر کی ایک پوشاک پہنی اور اسی کی طرح پگڑی باندھی اور جوتے پہنے اور نقاب ڈالی اور اپنے محل میں ایک کنیز کو بٹھا کر اپنے خیمے سے باہر نکل آئی اور غلاموں کو آواز دی اور وہ اس کے لیے گھوڑا لائیں۔ گھوڑے پر سوار ہو کر اس نے حکم دیا کہ سامان باندھا جائے اور جب سامان بندھ چکا تو اس نے کوچ

کا حکم دے دیا اور وہ روانہ ہو گئے۔ مگر اس کا راز کسی پر ظاہر نہ ہوا اور کسی کو یہ شک نہ ہوا کہ وہ قمرالزمان نہیں۔ کیونکہ دونوں کا قد و قامت اور ناک نقشہ ایک سا تھا۔ چلتے چلتے وہ اس کے ہمراہی میں ایک شہر میں پہنچے جو سمندر کے کنارے واقع تھا۔ اس شہر کے باہر اس نے اس شخص کے متعلق دریافت کیا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ مدینہ الابنوس ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو نوویں رات

جب دو سو نوویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب شہزادی بدور مدینتہ الابنوس کے باہر آرام کرنے اتری تو بادشاہ ارمانوس نے ایک قاصد روانہ کیا کہ وہ جا کر اس بادشاہ کا حال دریافت کرے جو شہر کے باہر اترا ہے۔ قاصد نے وہاں پہنچ کر لوگوں سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ ایک بادشاہ زادہ ہے' جو بھٹک کر یہاں آن پڑا ہے۔ وہ جزائر خلدان جا رہا تھا جہاں بادشاہ شہرمان کی حکومت ہے۔ قاصد نے بادشاہ ارمانوس کے پاس جا کر جو کچھ سنا تھا کہہ سنایا۔ جب بادشاہ ارمانوس نے یہ باتیں سنیں تو وہ ملک کے خاص خاص لوگوں کو لے کر اس کے خیر مقدم کے لیے گیا اور جونہی وہ خیموں کے پاس پہنچا تو شہزادی بدور گھوڑے پر سے اتر پڑی اور بادشاہ ارمانوس بھی اتر پڑا اور دونوں نے ایک دوسرے کو سلام کیا اور بادشاہ اسے شہر میں لے جا کر اپنے محل میں لے گیا اور حکم دیا کہ دستر خوان بچھائے جائیں اور کھانے چنے جائیں اور شہزادی بدور کا لشکر مہمان خانے میں اتارا جائے۔ تین دن تک وہ وہاں رہے اور اس کے بعد بادشاہ شہزادی بدور کے پاس آیا وہ اسی وقت حمام سے نکلی تھی اور اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا اور وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح معلوم ہوتی تھی اور لوگ اسے دیکھ کر اپنا دل تھام کر رہ جاتے تھے۔ وہ ایک ریشمی پوشاک پہنے ہوئے تھی جس پر سنہرے کلابتوں کا کشیدہ کڑھا ہوا تھا اور ہیرے ٹنکے ہوئے تھے' بادشاہ ارمانوس اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ بیٹا' میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور سوائے ایک بیٹی کے عمر بھر میرے کوئی بیٹا نہیں ہوا اور وہ بیٹی حسن و جمال میں تیری طرح ہے۔ مجھ سے اب حکومت کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ اس لیے بیٹا' اب تو حکومت کر۔ اگر تجھے میرا یہ ملک پسند ہے اور تو اس میں سکونت اختیار کرنا چاہتا ہے تو میں تیری شادی اپنی بیٹی سے کر کے اپنا ملک تجھے حوالے کر دوں گا اور خود آرام کروں گا۔

یہ سن کر شہزادی بدور نے اپنا سر جھکا لیا اور شرم کے مارے اس کی پیشانی پسینے پسینے ہو گئی اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ اب کیا کرنا چاہیے کیونکہ میں تو عورت ہوں اور اگر میں نے اس کا کہنا نہ مانا اور یہاں سے چل دی تو میری خیر نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ فوج بھیج کر مجھے قتل کرادے اور اگر میں اس کی بات مانے لیتی ہوں تو رسوائی ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ میرا محبوب قمرالزمان غائب ہے اور مجھے اس کا کچھ حال معلوم نہیں۔ لیکن میری نجات اسی میں ہے کہ میں خاموش رہوں اور راضی ہو جاؤں اور بادشاہ کے پاس رہوں جب تک کہ خدا کوئی تدبیر نہ نکالے یہ کہہ کر شہزادی نے سر اٹھایا اور کہا کہ تیرا حکم میرے سر آنکھوں پر۔ یہ سن کر بادشاہ خوش ہو گیا اور منادی کرا دی کہ جزائر آبنوس آراستہ کئے جائیں اور ان میں خوشیاں منائیں جائیں۔ پھر اس نے حاجبوں اور والیوں اور امیروں اور وزیروں اور رؤسا اور شہر کے قاضیوں کو بلایا اور اس کے سامنے خود حکومت سبکدوش ہوا اور شہزادی بدور کو بادشاہ بنا دیا اور اسے شاہی لباس پہنایا اور تمام امراء شہزادی بدور کے پاس حاضر ہوئے اور ان کو یہ بالکل شبہ نہ ہوا کہ وہ نوجوان مرد نہیں ہے' جو اس کو دیکھتا اس کے حسن و جمال سے دنگ رہ جاتا۔

اب شہزادی بدور بادشاہ ہو گئی اور خوشی کے نقارے بجنے لگے اور وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئی تو بادشاہ ارمانوس نے اپنی بیٹی حیات النفوس کی شادی کی تیاری شروع کر دی اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد شہزادی بدور' حیات االنفوس کے سامنے پیش کی گئی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک ہی ساتھ دو چاند نکلے ہیں یا ایک ہی جگہ دو سورج جمع ہیں۔

براتیوں نے ان دونوں کے لیے شمعیں جلا کر فرش بچھا کر دروازے بند کر دیئے اور اوپر پردے گرا دیئے۔ اب شہزادی بدور' شہزادی حیات النفوس کے پاس آ کر بیٹھی ہی تھی کہ اسے اپنے محبوب قمرالزمان کی یاد آنے لگی اور اس کا رنج و الم بڑھ گیا اور وہ اس کے فراق میں جدائی میں رونے لگی۔ اس کے بعد وہ آ کر شہزادی حیات النفوس کے پاس بیٹھی اور اس کے منہ پر بوسہ دیا اور فوراً اٹھ کر وضو کیا اور اتنی دیر تک نماز

پڑھتی رہی کہ شہزادی حیات النفوس سو گئی۔ اب شہزادی بدور اس کے بچھونے میں آ گئی اور صبح تک اس کی طرف پیٹھ کئے پڑی رہی۔ جب صبح ہوئی تو بادشاہ اپنی بیوی کے ساتھ بیٹی کے پاس گیا اور دونوں نے اس کی مزاج پرسی کی اور اس نے جو کچھ دیکھا' انہیں کہہ سنایا۔

یہ تو حیات النفوس اور اس کے والدین کا ماجرا ہوا۔ ادھر شہزادی بدور باہر آ کر حکومت کی کرسی پر جلوہ افروز ہوئی اور امیروں اور رئیسوں نے آ کر اسے بادشاہ بننے پر مبارک باد دی اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس کے لیے دعا مانگی اور وہ مسکرا کر ان سے مخاطب ہوئی اور انہیں خلعت عطا کئے اور امیروں اور رئیسوں کے ساتھ انعام و اکرام کیا اور ان کے ہمراہیوں اور لشکریوں کو بخششیں دیں۔ اس وجہ سے وہ سب اس سے محبت کرنے لگے اور سب نے یہ دعا کی کہ اس کی حکومت ہمیشہ قائم رہے۔ سب لوگوں کا یہی خیال تھا کہ وہ مرد ہے۔ اس نے احکام اور نواہی صادر کرنے شروع کر دیئے اور قیدیوں کو آزاد کیا اور چنگی معاف کر دی' اور وہ اسی طرح رات تک دربار میں بیٹھی رہی........ اس کے بعد وہ اس مکان میں گئی جو اس کے لیے سجایا گیا تھا اور دیکھا کہ حیات النفوس وہاں بیٹھی ہوئی ہے اور وہ اس کے پاس بیٹھ گئی اور اس کی پیٹھ ٹھوکی اور میٹھی میٹھی باتیں کیں اور اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ اس کے بعد شہزادی بدور اٹھی اور اپنے آنسو پونچھ کر وضو کیا اور نماز پڑھنے لگی اور اتنی دیر تک پڑھی کہ حیات النفوس پر نیند غالب آئی اور وہ سو گئی۔ اب شہزادی بدور آ کر اس کے پہلو میں لیٹ گئی۔ جب سویرا ہوا تو اٹھی اور فجر کی نماز پڑھ کر حکومت کی کرسی پر بیٹھی اور احکام و نواہی جاری کئے اور تدبیریں کیں اور فیصلے کئے۔ ایک طرف تو یہ ہو رہا تھا اور دوسری طرف بادشاہ ارمانوس اپنی بیٹی کے پاس گیا اور اس کا مزاج پوچھا۔ بیٹی نے سارا ماجرا ہو بہو بیان کر دیا اور کہنے لگی کہ ابا جان' اپنے شوہر سے زیادہ عقل مند اور شرمیلا میں نے کسی کو نہیں دیکھا مگر ہمیشہ روتا اور آہیں بھرتا رہتا ہے۔ باپ نے کہا کہ بیٹی ذرا اور صبر کر' آج تیسری رات ہے اگر آج بھی ہم بستر نہ ہوا تو اس

کی تدبیر میں نے سوچ رکھی ہے میں اسے بادشاہت سے معزول کر کے اپنے ملک سے نکال دوں گا۔ اس پر وہ دونوں راضی ہو گئے اور بادشاہ نے یہ بھید کسی اور سے نہ کہا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو دسویں رات

جب دو سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- بادشاہ ارمانوس نے اپنی بیٹی سے اس رائے پر اتفاق کر کے اسے اپنے دل میں چھپائے رکھا۔ جب رات ہوئی تو شہزادی بدور حکومت کے تخت پر سے اٹھ کر محل میں داخل ہوئی اور اس مکان میں پہنچی' جو اس کے لیے سجایا گیا تھا اور دیکھا کہ شمع جل رہی ہے اور شہزادی حیات النفوس بیٹھی ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر اسے اپنے شوہر کی یاد آ گئی اور اس جدائی کی جو اتنی تھوڑی مدت کے اندر پیش آئی تھی اور وہ رونے اور آہیں بھرنے اور سسکیاں لینے لگی۔ اب وہ نماز کے لیے اٹھنا ہی چاہتی تھی کہ حیات النفوس نے اس کا دامن پکڑ لیا اور اس سے لپٹ گئی اور اس سے کہنے لگی کہ اے میرے آقا' کیا تجھے میرے باپ کے آگے شرم نہیں آتی کیونکہ اس نے تیرے اوپر احسانات کئے ہیں اور تو اس وقت تک مجھ سے الگ تھلگ رہا ہے۔ یہ سن کر وہ پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی اور کہنے لگی کہ پیاری' تیرا کیا مقصد ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہی جو میں کہہ رہی ہوں' یعنی میں نے کسی کو اپنے اوپر اتنا نازاں نہیں دیکھا جتنا کہ تو ہے۔ کیا تمام حسین اپنے اوپر اسی طرح نازاں ہوتے ہیں؟ یہ باتیں اس لیے نہیں کہتی کہ تو میری طرف مائل ہو بلکہ اس لیے کہ کہیں بادشاہ ارمانوس سے تجھے تکلیف نہ پہنچے۔ وہ اپنے دل میں یہ سوچ رہا ہے کہ اگر آج رات بھی تو میرے ساتھ ہم بستر نہ ہوا تو وہ کل صبح تجھے بادشاہت سے معزول کر کے اپنے ملک سے نکال دے گا اور اگر کہیں اسے اور زیادہ غصہ آیا تو تعجب نہیں کہ وہ تجھے مار بھی ڈالے۔ اے میرے آقا' مجھے تجھ پر ترس آتا ہے اس لیے میں تجھے یہ نصیحت کرتی ہوں۔ اب جو تیری مرضی ہو کر۔ شہزادی بدور نے اس کی یہ باتیں سنیں تو اس نے سر نیچا کر لیا اور حیران تھی کہ کیا کرے اور اپنے دل میں کہتی تھی کہ اگر میں بادشاہ کی مخالفت کرتی ہوں تو ماری جاؤں گی

اور اگر اس کا کہنا کرتی ہوں تو رسوائی ہو گی۔ اس وقت میں سارے جزائر آبنوس کی ملکہ ہوں اور وہ تمام میرے حکم کے ماتحت ہیں' اور قمرالزمان سے ملنے کی جگہ بھی یہی ہو سکتی ہے کیونکہ اس کے ملک کو جانے کی راہ فقط یہی ہے۔ میں پریشان ہوں کہ اپنے بارے میں کیا کروں لہٰذا میں اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرتی ہوں' وہی بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ میں مرد تو نہیں ہوں کہ اس لڑکی کا کنوارا پن توڑوں۔ اس کے بعد وہ حیات النفوس سے کہنے لگی کہ پیاری' میں باوجود اپنی خواہش کے تجھ سے الگ رہنے پر مجبور ہوں' پھر اس نے شروع سے لے کر آخر تک اپنی سرگزشت بیان کر دی اور اپنا بدن کھول کر اسے دکھا دیا اور اس سے کہنے لگی کہ خدا کے لیے میری پردہ پوشی کر اور میرا راز فاش نہ کر یہاں تک کہ میرا محبوب قمرالزمان میرے پاس پہنچ جائے۔ اس کے بعد جو کچھ ہونا ہو گا وہ ہو گا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو گیارہویں رات

جب دو سو گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب شہزادی بدور نے اپنا سارا قصہ حیات النفوس سے بیان کر دیا اور اسے راز پوشیدہ رکھنے کی اس سے درخواست کی تو حیات النفوس کو سخت تعجب ہوا اور اسے اس پر ترس آ گیا اور اس نے دعا کی کہ خدا اس کے محبوب قمرالزمان کو اس سے ملائے اور اس سے کہا کہ بہن' ڈر مت اور نہ پریشان ہو بلکہ صبر کر یہاں تک کہ خدا اس کام کو پورا کر دے جو وہ کرنے والا ہے۔ اے بہن' شریفوں کے سینے بھیدوں کی قبر ہوتے ہیں' میں راز ہرگز فاش نہ کروں گی۔ اب دونوں ایک دوسرے سے ہنسی مذاق اور بوس و کنار کرنے لگیں اور اذان کے وقت تک سوتی رہیں۔ اس کے بعد حیات النفوس اٹھی اور ایک کبوتر کا بچہ ذبح کیا اور اپنی قمیص کو اس کے خون میں تر کیا۔ ماں نے آ کر اس کا حال دریافت کیا اور اس کی خدمت کرنے لگی اور شام تک اس کے ساتھ رہی لیکن شہزادی بدور سویرا ہوتے ہی اٹھ کر حمام گئی اور نہائی اور فجر کی نماز پڑھ کر دربار گئی اور حکومت کی کرسی پر بیٹھ کر فیصلے کئے۔ بادشاہ ارمانوس بھی مارے خوشی کے باغ باغ ہو گیا اور لوگوں کو ایک عالی شان ولیمہ دیا' اور یہ حالت ایک مدت تک رہی۔

یہ تو ان دونوں کا قصہ ہوا۔ اب بادشاہ شہرمان کا حال سنئے۔ جب اس کا بیٹا اور مرزبان سیر و شکار کے لیے روانہ ہو گئے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے تو اس نے رات تک انتظار کیا اور جب اس کا بیٹا نہ آیا تو اسے رات بھر نیند نہ آئی اور رات کٹتے نہ آتی تھی اور وہ سخت پریشان تھا اور اس کی بے چینی بڑھتی جاتی تھی۔ جب سویرا ہوا تو اسے یقین نہ آتا تھا کہ سویرا ہو گیا ہے اور اس نے دوپہر تک انتظار کیا مگر پھر بھی وہ نہ آیا اور اسے جدائی کی تکلیف ہونے لگی اور وہ اپنے بیٹے کی وجہ سے بے

چین ہونے لگا اور اس نے کہا کہ ہائے بیٹا! اور اتنا رویا کہ اس کے کپڑے آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ اس کے بعد اس نے آنسو پونچھے اور لشکر کو لمبے سفر کے لیے کوچ کا حکم دیا۔ سارا لشکر سوار ہو گیا اور بادشاہ انہیں لے کر چل کھڑا ہوا اور اس کا دل بے چین اور اندوہ گیں تھا۔ بادشاہ نے اپنے لشکر کو چھ حصوں میں تقسیم کر کے انہیں داہنے بائیں اور آگے پیچھے روانہ کیا اور کہا کہ ہم سب کل چوراہے پر ملیں گے۔ ان پر لشکر علیحدہ علیحدہ ٹولیوں میں ہو کر تیزی کے ساتھ روانہ ہوا اور دن بھر کوچ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ رات کا اندھیرا چھا گیا مگر وہ برابر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ رات ختم ہو گئی اور دوسرے دن کی دوپہر ہو گئی اور وہ چوراہے پر پہنچ گئے اور یہ سوچنے لگے کہ وہ کس راستے سے گیا ہو گا کہ اتنے میں ان کی نظر قمیص کے چیتھڑوں اور گوشت کے تکے بوٹیوں پر پڑی اور انہوں نے دیکھا کہ خون کے نشان اب تک باقی ہیں اور کپڑوں کی دھجیاں اور گوشت ادھر ادھر پڑا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر بادشاہ شہرمان بڑے زور سے چیخ اٹھا کہ ہائے بیٹا' اور اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگا اور داڑھی نوچ ڈالی اور کپڑے پھاڑ ڈالے اور اسے بیٹے کی موت کا یقین ہو گیا اور وہ اور زیادہ رونے پیٹنے لگا اور اس کے رونے کی وجہ سے سارا لشکر رونے لگا اور سب کو یقین آ گیا کہ قمرالزمان ہلاک ہو گیا ہے اور وہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگے اور رات ہونے تک وہ اتنا روتے رہے کہ مرنے کے قریب پہنچ گئے اور گرم آہوں کی وجہ سے بادشاہ کے دل میں آگ لگ گئی اور وہ فوج کو لے کر اپنے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو بارہویں رات

جب دو سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب بادشاہ شہرمان کو اپنے بیٹے کے مرنے کا یقین ہو گیا تو وہ اپنی فوج کو لے کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا اور اسے یہ گمان ہوا کہ یا تو اس کے بیٹے کو کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہے یا ڈاکوؤں نے مار ڈالا ہے۔ اس کے بعد اس نے یہ منادی کرا دی کہ اس کے بیٹے قمرالزمان کے سوگ میں سارے جزائر خالدان والے کالے کپڑے پہنیں اور اس نے بیٹے کے لیے ایک مقبرہ بنوایا اور اس کا نام بیت الاحزان رکھا۔ ہر جمعرات اور پیر کو بادشاہ اپنی رعیت اور لشکر کے کاروبار دیکھتا اور ہفتے کے باقی دنوں میں وہ بیت الاحزان جا کر بیٹے کی موت پر روتا پیٹتا اور اس کے مرثیے میں اشعار پڑھتا۔

یہ تو بادشاہ شہرمان کا ماجرا ہوا۔ اب بادشاہ غیور کی بیٹی شہزادی بدور کا حال سنئے۔ اس وقت وہ جزائر آبنوس کی ملکہ تھی اور لوگ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کر کے کہتے کہ یہ بادشاہ ارمانوس کا داماد ہے اور وہ ہر رات شہزادی حیات النفوس کے ساتھ سوتی اور اس سے اپنے شوہر قمرالزمان کی جدائی کی شکایت کرتی اور روتی اور حیات النفوس اس کے حسن و جمال کی تعریف کرتی اور کہتی کہ کاش کہ خواب ہی میں اس سے وصال ہو جائے!

یہ شہزادی بدور کا حال تھا۔ اب قمرالزمان کا قصہ سنئے۔ وہ ایک مدت تک اس باغبان کے ساتھ رہا مگر دن رات روتا اور اشعار پڑھتا رہتا اور خوشی کے دن اور مرادوں کی راتیں یاد کر کر کے افسوس کرتا۔ باغبان اس سے کہتا رہتا کہ سال کے آخر میں وہ جہاز مسلمانوں کے ملک کی طرف جائے گا۔ قمرالزمان کی یہی حالت رہی یہاں تک کہ اس نے دیکھا کہ ایک دن بہت سے لوگ جمع ہیں اور اسے اس پر بہت تعجب ہوا۔ اتنے میں باغبان نے اس کے پاس آ کر کہا کہ بیٹا! آج کام بند رکھو اور درختوں کو مت سینچ کیونکہ آج عید کا دن ہے اور لوگ ایک دوسرے سے عید ملنے جاتے ہیں لہذا تو

بھی آرام کر لیکن باغ کا خیال رکھو کیونکہ میں تیرے لیے جہاز کی تلاش میں جاتا ہوں اور کچھ ہی دنوں کے بعد تجھے مسلمانوں کے ملک روانہ کر دوں گا۔ یہ کہہ کر باغبان باغ سے چلا گیا اور قمرالزمان اکیلا رہ گیا اور اپنے حال پر غور کرنے لگا اور اس کا دل ٹوٹ گیا اور آنسو بہنے لگے اور وہ اتنا رویا کہ اسے غش آ گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ باغ میں ٹہلنے لگا اور اس سوچ میں پڑ گیا کہ زمانے نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا اور دوری اور جدائی سے اس پر کیا گزری' اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا اور اس کا دل و دماغ پریشان تھا کہ اتنے میں اسے ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل گر پڑا اور اس کا ماتھا درخت کی کھونٹ پر آ کر لگا اور وہ زخمی ہو گیا اور اس میں سے خون بہہ بہہ کر آنسوؤں میں مل گیا۔ اب اس نے خون اور آنسو پونچھے اور چیتھڑے سے اپنا ماتھا باندھ لیا اور پھر چلنے لگا' مگر تفکرات میں ڈوبا ہوا تھا اور اس کی عقل کام نہ کرتی تھی کہ اس کی نظر ایک درخت پر پڑی جہاں دو چڑیاں لڑ رہی تھیں۔ ان میں سے ایک نے بڑھ کر دوسری کی گردن پر اس زور سے چونچ ماری کہ وہ بدن سے الگ ہو گئی اور وہ اس کا سر لے کر اڑ گئی اور وہ مردہ چڑیا قمرالزمان کے سامنے زمین پر گر پڑی۔ اتنے میں دو بڑی چڑیاں اڑتی ہوئی اس کے پاس آئیں' ایک اس کے سر کے پاس اور دوسری دم کے پاس بیٹھ گئی اور دونوں نے اپنے بازو اور چونچیں اس کے اوپر پھیلا دیں اور اپنی گردنوں کو اس کی طرف بڑھا کر رونے لگیں۔ جب قمرالزمان نے دونوں چڑیوں کو اپنی دوست کے اوپر روتے دیکھا تو وہ اپنی بیوی کے فراق اور اپنے باپ کی یاد میں رونے لگا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو تیرہویں رات

جب دو سو تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- دونوں چڑیوں کو اپنی دوست چڑیا پر روتا دیکھ کر قمرالزمان اپنی بیوی اور باپ کے فراق میں رونے لگا۔ اب اس نے دیکھا کہ دونوں چڑیوں نے ایک گڑھا کھود کر مقتول چڑیا کو اس میں دفن کر دیا اور ہوا میں اڑ کر غائب ہو گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ قاتل چڑیا کو لے کر پھر وہیں پہنچیں اور مقتول چڑیا کی قبر پر اسے بٹھا کر قتل کر دیا اور پیٹ پھاڑ کر اس کی آنتیں نکال ڈالیں اور مقتول کی قبر پر اس کا لہو بہایا اس کے بعد انہوں نے اس کا گوشت نوچ ڈالا اور اس کی کھال کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور اس کے پیٹ سے ساری چیزیں نکال کر ادھر ادھر پھینک دیں۔ قمرالزمان یہ تمام باتیں دیکھ رہا تھا اور تعجب کر رہا تھا کہ اتنے میں اس کی نظر اس جگہ جا پڑی جہاں انہوں نے اس چڑیا کو قتل کیا تھا اور دیکھا کہ وہاں کوئی چیز چمک رہی ہے۔ جب وہ قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ چڑیا کا پوٹا ہے اور اسے اٹھا کر کھولا تو اس کے اندر وہی نگ تھا جس کی وجہ سے وہ اپنی بیوی سے جدا ہوا تھا جب اس نے اسے غور سے دیکھا اور پہچانا تو وہ مارے خوشی کے غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا یہ بھلائی کی علامت ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میں اپنی محبوبہ سے پھر ملوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے اس پر دوبارہ غور کرنا شروع کیا اور اسے اپنی آنکھوں پر پھیر کر اپنے بازو میں باندھ لیا اور اس خوش بختی پر خوش ہو گیا اور پھر ٹہلنے لگا اور رات بھر باغبان کا انتظار کیا لیکن وہ نہ آیا اور قمرالزمان اپنی جگہ پر جا کر سو گیا۔ صبح کو وہ اپنے کام پر چل کھڑا ہوا اور اپنی کمر سے کھجور کے ریشوں کی ایک رسی باندھی اور کلہاڑی اور ٹوکا لے کر باغ میں چل دیا اور چلتے چلتے وہ ایک خرنوب (عناب کی قسم کا ایک عمدہ میوہ) کے درخت کے پاس پہنچا اور کلہاڑی

سے اس کی جڑ کاٹنے لگا۔ لیکن ہر کلہاڑی کی مار پر اسے جھنکار کی آواز آتی تھی۔ اس لیے اس نے وہاں سے مٹی ہٹائی اور اسے ایک کڑاہی سے دکھائی دی اور اس نے اسے اٹھایا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو چودھویں رات

جب دو سو چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب قمرالزمان نے کڑاہی اٹھائی تو اسے ایک دروازہ اور ایک سیڑھی دکھائی دی اور وہ نیچے اترا تو اسے عاد اور ثمود کے وقت کی ایک کوٹھڑی نظر آئی۔ کوٹھڑی پتھر میں کھدی ہوئی تھی اور اس میں اونچے اونچے کونڈے رکھے ہوئے تھے جو سرخ چمکدار سونے سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب میری تکالیف کا خاتمہ ہو گیا اور خوشی و مسرت کے دن آ گئے۔ یہ کہہ کر وہ اس جگہ سے نکلا اور باہر باغ میں آ گیا اور کڑاہی کو اسی جگہ رکھ دیا' جہاں وہ تھی اور باغ میں درختوں کو پانی دینے لگا۔ جب دن ڈھل گیا تو باغبان آیا اور وہ اس سے کہنے لگا کہ بیٹا خوش ہو' اب تو اپنے وطن جانے والا ہے' سوداگر سفر کی تیاری کر رہے ہیں اور جہاز تین دن کے بعد مدینتہ الابنوس روانہ ہو جائے گا جو مسلمانوں کے شہروں میں سے پہلا شہر ہے۔ وہاں سے تو چھ مہینے خشکی کا سفر کرنے کے بعد جزائر خالدان پہنچے گا جہاں بادشاہ شہرمان ہے۔ قمرالزمان نے باغبان کے ہاتھ چومے اور اس سے کہا کہ اے میرے باپ' جس طرح تو نے مجھے خوش خبری دی ہے' میں بھی تجھے ایک بڑی خوش خبری دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے باغبان سے اس کوٹھڑی کا سارا قصہ بیان کیا۔ باغبان نے خوش ہو کر کہا کہ بیٹا' میں اس باغ میں اسی سال سے ہوں اور مجھے کوئی چیز نہ ملی اور تجھے ابھی میرے پاس ایک سال بھی نہیں ہوا اور تجھے یہ چیز مل گئی۔ یہ تیری روزی ہے اور اس سے تیری بدبختی دور ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے تو اپنے اہل و عیال تک پہنچ جائے گا اور اپنے پیاروں سے پھر مل سکے گا۔ قمرالزمان نے کہا کہ یہ ضرور بانٹا جائے گا۔ آدھا تیرا اور آدھا میرا۔ یہ کہہ کر وہ باغبان کو اس جگہ لے گیا اور اسے وہ سونا دکھایا جو بیس کونڈوں میں بھرا ہوا تھا۔ ان میں سے دس کونڈے اس نے لے لیے اور دس باغبان نے اور

اس نے کہا کہ بیٹا' عصافیری زیتون جو اس باغ میں ہیں انہیں مشکوں سے بھر لے کیونکہ وہ دوسرے کسی ملک میں نہیں ہوتے اور سوداگر انہیں یہاں سے تمام ملکوں میں لے جاتے ہیں اور سونے اور زیتون کو خلط ملط کر دے۔ اس طرح سے کہ پہلے سونے کو مشکوں میں بھر اور پھر اوپر سے زیتون ڈال دے اور انہیں بند کر کے اپنے ساتھ جہاز میں لے جا۔ یہ سن کر قمرالزمان فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور پچاس مشکیں لے کر ان میں سونا بھر دیا اور سونے کے اوپر زیتون بھر کر خلط ملط کر دیا اور ایک مشک میں وہ نگ رکھ کر سب کا منہ بند کر دیا اور وہ اور باغبان دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ عنقریب اپنے اہل و عیال سے جا ملے گا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ جزیرہ آبنوس پہنچ کر وہاں سے میں اپنے وطن کو جاؤں گا اور اپنی محبوبہ بدور کی خبر دریافت کروں گا۔ معلوم نہیں کہ وہ اپنے ملک کو گئی ہو گی یا میرے وطن کو یا راستے میں اس پر کوئی حادثہ گزرا ہو گا۔ اب قمرالزمان روانگی کے دن گننے لگا اور باغبان سے ان چڑیوں کا قصہ بیان کیا جو کچھ ان کے درمیان پیش آیا تھا۔ باغبان کو اس پر سخت تعجب ہوا اور وہ دونوں صبح تک سوتے رہے۔ جب باغبان صبح کے وقت جاگا تو اس کی طبعیت اتنی خراب ہوئی کہ اس کے جینے کی امید نہ رہی۔ اس پر قمرالزمان نہایت غمگین تھا کہ اتنے میں ناخدا اور ملاح پہنچے اور باغبان کو دریافت کیا۔ قمرالزمان نے کہا کہ وہ بیمار ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ جوان کہاں ہے جو ہمارے ساتھ جزائر آبنوس جانا چاہتا ہے؟ قمرالزمان نے کہا کہ وہ یہی غلام ہے جو تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ اس نے ان سے کہا مشکیں جہاز میں لے چلو اور وہ لے گئے اور قمرالزمان سے کہا کہ جلدی کر کیونکہ ہوا موافق ہے۔ اس نے کہا کہ بسر و چشم۔ اس کے بعد وہ کھانے پینے کا سامان جہاز میں لے گیا اور باغبان سے رخصت ہونے کے لیے واپس آیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ وہ نزع کی حالت میں ہے اور وہ اس کے سرہانے بیٹھ گیا اور اس کی آنکھیں بند کر دیں کیونکہ اس کی روح بدن سے نکل چکی تھی۔ اس کی تجہیز و تکفین کر کے اس نے اسے دفن کیا' رحم ہو خدا کا اس پر! اس کے بعد وہ جہاز

کی طرف روانہ ہوا۔ مگر وہ لنگر اٹھا چکا تھا اور چل دیا تھا' اور چلتے چلتے اس کی آنکھوں سے پوشیدہ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر قمرالزمان حیران پریشان ہو گیا نہ کسی سے کچھ پوچھ سکتا تھا اور نہ کسی کی بات کا جواب دے سکتا تھا۔ بالاخر وہ باغ کو واپس گیا اور غمزدگی کی حالت میں اپنے سر پر خاک ڈالنے اور منہ پر طمانچے مارنے لگا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

دو سو پندرہویں رات

جب دو سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ جب جہاز روانہ ہو چکا تو قمرالزمان باغ کو واپس گیا اور غمگین ہو کر بیٹھ گیا اور باغ کو اس کے مالک سے کرائے پر لے لیا اور پیڑوں میں پانی دینے کے لیے ایک شخص اپنے نیچے کام کرنے کے لیے نوکر رکھا اور کڑاہی کے پاس جا کر اس کوٹھڑی میں اترا اور باقی سونے کو پچاس مشکوں میں بند کر کے ان کے اوپر زیتون ڈال دیئے۔ اب اس نے جہاز کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے کہا کہ وہ سال میں ایک ہی بار روانہ ہوتا ہے۔ یہ سن کر وہ اور ابھی پریشان ہوا اور افسوس کرنے لگا۔ خاص کر شہزادی بدور کے نگ کے کھو جانے سے بے چین تھا اور دن رات رویا کرتا اور اشعار پڑھا کرتا تھا۔

یہ تو قمرالزمان کا قصہ ہوا۔ اب جہاز کا ماجرا سنئے۔ ہوا موافق تھی اور وہ جزیرہ آبنوس پہنچ گیا۔ اتفاق سے شہزادی بدور سمندر والے جھروکے میں بیٹھی ہوئی تھی اور اس نے جہاز کو سمندر کے کنارے لنگر ڈالتے دیکھا اور اس کا دل دھڑکنے لگا اور وہ سوار ہو گئی اور امیروں اور حاجبوں ار ارکین کو لے کر ساحل پر آئی اور جہاز کے پاس ٹھہر گئی اور دیکھا کہ سامان مخزنوں میں منتقل ہو رہا ہے اس نے ناخدا کو بلا کر پوچھا کہ وہ کیا سامان لایا ہے؟ اس نے کہا کہ اے بادشاہ' میرے ساتھ اس جہاز میں جڑی بوٹیاں اور دوسرے سفوف اور روغن اور مرہم اور دیگر قیمتی چیزیں اور عمدہ سوداگری کا مال اور زرق برق کپڑے اور یمنی شالیں اس قدر ہیں کہ اونٹ اور خچر اٹھا نہیں سکتے اور طرح طرح کے عطر اور مسالے اور قاقلی' عود اور املیاں اور عطا فیری زیتون جو ان ممالک میں بالکل ناپید ہیں۔ جب ملکہ بدور نے عطا فیری زیتونوں کا نام سنا تو اس کا جی للچانے لگا اور اس نے ناخدا سے پوچھا کہ تیرے ساتھ کس قدر زیتون ہیں؟ اس نے کہا کہ پچاس مشکیں بھری ہوئی ہیں لیکن ان کا مالک یہاں موجود نہیں۔ بادشاہ کو جتنے چاہیں

لے لے۔ اس نے کہا کہ انہیں اتار دے تا کہ میں دیکھوں۔ ناخدا نے ملاحوں کو آواز دی اور انہوں نے کل پچاس مشکیں اتاریں۔ اس نے ایک مشک کھول کر زیتونوں کو دیکھا اور کہا کہ میں ان پچاس مشکوں کو خریدتا ہوں اور جو کچھ ان کی قیمت ہے تم کو دوں گا۔ ناخدا نے کہا کہ یہ چیزیں ہمارے ملک میں بڑی قیمتی ہیں۔ علاوہ بریں ان کا مالک پیچھے چھوٹ گیا ہے اور وہ ایک غریب آدمی ہے۔ ملکہ نے کہا کہ یہاں ان کے کیا دام ہیں؟ اس نے کہا کہ ایک ہزار درہم۔ اس نے کہا کہ میں انہی ایک ہزار درہم میں خریدتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ انہیں محل میں منتقل کر دیا جائے۔ جب رات ہوئی تو اس نے ان میں سے ایک مشک منگوا کر کھولی۔ اس وقت وہاں سوائے اس کے اور حیات النفوس کے اور کوئی نہ تھا۔ اس نے اپنے آگے ایک سینی رکھ کر اس میں مشک انڈیل دی تو اس میں سے ایک ڈھیر خالص سونے کا نکل پڑا اور اس نے حیات النفوس سے کہا کہ ارے یہ تو سونا ہے۔ اب اس نے باقی مشکیں بھی منگوائیں اور انہیں غور سے دیکھا تو سب میں سونا تھا اور کل زیتون محض اس قدر تھا کہ اس میں سے ایک مشک بھی نہ بھرتی۔ جب وہ سونے کو الٹنے پلٹنے لگی تو اسے وہ نگ ملا۔ اسے لے کر وہ غور سے دیکھنے لگی تو وہ وہی نگ تھا جو اس کے ازار بند میں بندھا ہوا تھا اور جسے قمرالزمان لے گیا تھا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ یہ وہی نگ ہے تو وہ مارے خوشی کے چیخ اٹھی اور غش کھا کر گر پڑی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• دو سو سولہویں رات

جب دو سو سولہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ ملکہ بدور اس تنگ کو دیکھ کر مارے خوشی کے چیخ اٹھی اور غش کھا کر گر پڑی۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ یہ وہی تنگ ہے جس کی وجہ سے مجھ میں اور میرے محبوب قمرالزمان میں جدائی ہوئی ہے لیکن اب یہ خوش خبری لایا ہے۔ اس کے بعد اس نے شہزادی حیات النفوس سے کہا کہ اس تنگ کے آنے کے یہ معنی ہیں کہ اب وصال کے دن قریب ہیں۔ جب دوسرا دن نکلا تو وہ حکومت کی کرسی پر جلوہ افروز ہوئی اور ناخدا کو بلوایا۔ اس نے آ کر اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور وہ کہنے لگی کہ تو نے ان زیتونوں کے مالک کو کہاں چھوڑا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جہاں پناہ' مجوسیوں کے ملک میں' اور وہ ایک باغ کا باغبان ہے۔ ملکہ نے کہا کہ اگر تو اسے نہ لایا تو جان لے کہ تیری اور تیرے جہاز کی خیر نہیں۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ سوداگروں کے مخزنوں کو بند کر کے ان پر مہر لگا دی جائے اور ان سے کہا کہ ان زیتونوں کا مالک میرا قرض دار ہے اور میرا اس پر قرضہ ہے۔ اگر تم نے اسے لا کر یہاں حاضر نہ کیا تو میں تم سب کو قتل کر دوں گا اور تمہارا سوداگری کا مال ضبط کر لوں گا۔ اب انہوں نے ناخدا سے کہا کہ ہم جہاز کا کرایہ دیں گے اور تو پھر اس جہاز کو لے چل۔ خدا کے لیے' اس ظالم جابر سے ہمیں نجات دلا۔ ناخدا جہاز پر سوار ہو گیا اور بادبان کھول دیئے۔ خدا نے ان کی قسمت میں سلامتی لکھی تھی اور وہ جزیرے پر پہنچ گئے۔ یہ رات کا وقت تھا اور ناخدا اسی وقت باغ میں گیا۔ قمرالزمان پر رات کٹنے نہ آتی تھی اور وہ اپنی محبوبہ کو یاد کر کے گزشتہ واقعات پر رو رہا تھا۔ ناخدا نے دروازہ کھٹکھٹایا اور قمرالزمان اسے کھول کر باہر آیا اور ملاح اسے پکڑ کر جہاز میں لے گئے اور بادبان کھول دیئے اور چل پڑے اور دن رات چلتے رہے مگر قمرالزمان کو اس

کی وجہ کچھ نہ معلوم ہوئی۔ جب اس نے ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ اے منحوس' تو بادشاہ ارمانوس کے داماد و جزائر آبنوس کے بادشاہ کا قرض دار ہے۔ اس نے جواب دیا کہ خدا گواہ ہے کہ میں عمر بھر کبھی اس کے ملک میں نہیں گیا اور نہ میں اسے جانتا ہوں۔ چلتے چلتے وہ لوگ جزیرہ آبنوس پہنچے اور قمرالزمان کو شہزادی بدور کے پاس لے گئے۔

جب شہزادی کی نظر اس پر پڑی تو اس نے فوراً اسے پہچان لیا اور کہنے لگی کہ اسے نوکروں کے حوالے کر دو تاکہ وہ اسے حمام میں لے جائیں' اور اس نے سوداگروں کا مال چھوڑ دیا اور ناخدا کو ایک خلعت دیا جس کی قیمت دس ہزار دینار تھی۔ اسی رات اس نے محل میں جا کر حیات النفوس کو خبر کی اور کہنے لگی کہ اس خبر کو ابھی پوشیدہ رکھیو جب تک کہ میری مراد پوری نہ ہو جائے اور میں ایسا کام نہ کر لوں جو کتابوں میں لکھا جائے اور جسے ہمارے بعد بھی بادشاہوں اور عوام الناس کو پڑھ کر سنایا جائے۔ اس کے حکم کے بموجب لوگ قمرالزمان کو حمام میں لے گئے اور اسے شاہانہ لباس پہنایا۔

جب وہ حمام سے نکلا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بید کی چھڑی ہے یا ایسا ستارہ جس کے آگے چاند اور سورج ماند ہیں اور اس کی جان میں جان آ گئی۔ اس کے بعد وہ شہزادی کے پاس محل میں گیا۔ جب اس نے قمرالزمان کو دیکھا تو اس نے اپنے دل پر صبر کیا تاکہ پہلے اس کا مقصد پورا ہو جائے اور اسے بہت سے غلام اور نوکر چاکر اور اونٹ اور خچر دیئے اور پورا خزانے کا خزانہ مال و دولت کا دیا اور اسے آئے دن ترقی دیتی رہی۔ یہاں تک کہ اسے خزانچی بنا دیا اور سارے خزانے اس کے سپرد کر دیئے اور اس پر عنایت کی نظر رکھی اور اس پر اعتماد کیا اور امراء کو مطلع کیا کہ اس کا کیا درجہ ہے اور سب لوگوں کو اس سے محبت ہو گئی۔ الغرض ملکہ بدور ہر روز اس کا درجہ بڑھاتی اور قمرالزمان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا کہ وہ اس کی اس قدر تعظیم کیوں کر رہی ہے۔ چونکہ اسے مالا مال کر دیا گیا تھا اس لیے وہ لوگوں پر بخششیں کرتا اور ان کے مرتبے بڑھاتا اور بادشاہ ارمانوس کی خدمت میں حاضر ہوتا یہاں تک کہ بادشاہ

بھی اسے بہت عزیز رکھنے لگا۔ اسی طرح امراء اور تمام خاص و عام لوگ اس سے محبت کرتے اور اس کی جان کی قسم کھاتے۔ ادھر یہ ساری باتیں ہو رہی تھیں اور ادھر قمرالزمان حیران تھا کہ ملکہ بدور اس کی اتنی تعظیم کیوں کر رہی ہے اور وہ اپنے دل میں کہتا کہ ہو نہ ہو اس محبت میں کوئی بھید ضرور ہے اور غالباً وہ کسی برے ارادے سے میری اس قدر تعظیم کرتا ہے' بہتر یہ ہے کہ میں اس سے اجازت لے کر اس کے ملک سے چلا جاؤں۔ اب اس نے ایک روز ملکہ بدور سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے بادشاہ' تو نے میرے ساتھ بہت احسان کیے ہیں' اب ان کو تکمیل تک پہنچا دے اور مجھے سفر کی اجازت دے دے اور جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے مجھ سے لے لے۔

یہ سن کر ملکہ بدور نے مسکرا کر کہا کہ آخر تو نے سفر کرنے اور مصیبتیں مول لینے کا ارادہ کیوں کیا؟ حالانکہ تجھ پر اتنا انعام و اکرام ہو رہا ہے۔ قمرالزمان نے کہا کہ اے بادشاہ اگر اس انعام و اکرام کا کوئی سبب نہیں تو یہ ایک اعجوبہ بات ہے خصوصاً اس لیے کہ تو نے مجھے وہ مرتبے دیئے ہیں جو بوڑھوں کے قابل ہیں حالانکہ میں ابھی بچہ ہوں۔ ملکہ بدور نے کہا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ تیرے حسن و جمال کی وجہ سے تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ اگر تو میری خواہش پوری کر دے تو میں تجھ پر اس سے زیادہ انعام و اکرام اور بخششیں کروں گا اور باوجود تیری کم سنی کے تجھے وزیر بنا دوں گا جس طرح لوگوں نے میرے اس سن میں مجھے اپنا بادشاہ بنا دیا ہے اور آج کل بچوں کو سردار بنانے میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ سن کر قمرالزمان شرما گیا اور اس کا چہرہ شعلے کی طرح سرخ ہو گیا اور وہ کہنے لگا کہ مجھے ایسے انعام و اکرام کی ضرورت نہیں۔ میں اسے ترجیح دیتا ہوں کہ غریب رہوں اور انسانیت اور کمال میں امیر بنوں۔ ملکہ بدور نے کہا کہ میں تیری اس پارسائی کے دھوکے میں نہیں آ سکتا جو تیرے ناز اور نخرے کی وجہ سے ہے۔ جب قمرالزمان نے یہ باتیں سنیں تو وہ کہنے لگا کہ اے بادشاہ' مجھ میں ایسے بوجھ کے اٹھانے کی طاقت نہیں جس سے لوگ عاجز ہیں جو عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔ لہٰذا میں اس کم سنی میں کس طرح برداشت کر

سکتا ہوں! یہ باتیں سن کر ملکہ بدور مسکرائی اور کہنے لگی کہ یہ تو عجیب و غریب بات ہے! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ٹھیک بات کے اندر سے غلط بات نکلے! اگر تو کم سن ہے تو گناہ سے کیوں ڈرتا ہے؟ تو ابھی بالغ نہیں اور نابالغ پر گناہ کا نہ مواخذہ ہے اور نہ لعنت ملامت۔ تو نے جھگڑا کرنے کے لیے ایک حجت نکالی تھی مگر اسی نے وصال کو ثابت کر دیا۔ اب اس کے بعد انکار اور نفرت کا اظہار نہ کر اور خدا نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ مجھے اس بات کا زیادہ حق ہے کہ گمراہی میں پڑنے سے ڈروں۔

جب قمرالزمان نے یہ باتیں سنیں تو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور وہ کہنے لگا کہ اے بادشاہ' تیرے پاس ایسی حسین عورتیں اور کنیزیں ہیں جن کی نظیر دنیا میں نہیں۔ کیا ان کی وجہ سے تو مجھ سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساتھ جو تیرا جی چاہیے کر مگر مجھے رہنے دے۔ اس نے جواب دیا کہ تیری باتیں سچ ہیں لیکن جسے تجھ سے محبت ہو گئی ہو اس کے دل کا ارمان اور درد ان سے دور نہیں ہو سکتا۔ جب طبیعت اور مزاج فاسد ہو جاتا ہے تو نہ نصیحت کو سنتا اور نہ اس پر عمل کرتا ہے' لہٰذا یہ بحث مباحثہ چھوڑ دے۔ یہ سن کر قمرالزمان کو یقین ہو گیا کہ اب اس کے ارادے سے کوئی مفر نہیں اور وہ کہنے لگا کہ جہاں پناہ' اگر یہ ہو کر ہی رہے گا تو کم از کم مجھ سے وعدہ کر کہ یہ فعل ایک بار سے زیادہ نہ ہو۔ اگرچہ اس سے فاسد طبیعت کی اصلاح ممکن نہیں' اور اس کے بعد تو مجھ سے پھر کبھی اس کا سوال نہ کرے' شاید خدا میری برائی کی اصلاح کر دے۔ ملکہ نے کہا کہ اچھا میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں اور خدا سے امید رکھتا ہوں کہ وہ ہم پر پھر مہربان ہو جائے اور اپنے کرم سے ہمارے بڑے گناہ معاف کر دے کیونکہ مغفرت کے آسمانوں کا دائرہ اتنا تنگ نہیں کہ وہ ہمیں گھیر نہ سکے اور ہمارے بڑے سے بڑے گناہ کو دور نہ کر سکے اور ہمیں گمراہی کی تاریکی سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں نہ لے جا سکے۔ اس کے بعد اس نے قمرالزمان کے ساتھ عہد و پیمان کیئے اور واجب الوجود کی قسم کھائی کہ میرے اور تیرے

درمیان یہ فعل ایک بار سے زیادہ نہ ہو گا۔ خواہ تیرے اشتیاق میں مجھے موت اور ذلت کا سامنا ہی کیوں نہ ہو۔ اس شرط پر وہ اٹھ کر اس کے خلوت خانے میں گیا اور وہ کہتا جاتا تھا کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم' خدا نے یہی میری قسمت میں لکھا ہے۔ یہ کہہ کر وہ بے حد شرمندہ ہوا اور ڈر کے مارے اس کے آنسو جاری تھے۔
اس پر وہ مسکرائی اور اسے لے کر تخت پر گئی اور کہنے لگی کہ آج رات کے بعد یہ فعل تیرے ساتھ کبھی نہ ہو گا اور اسے بوسے دینے اور گلے سے لگانے لگی اور پنڈلیوں میں پنڈلیاں ڈال دیں۔ اس پر وہ رونے لگا اور اس نے کہا کہ مجھے اس طرح کی باتیں پسند نہیں ملکہ نے کہا کہ تجھے میری جان کی قسم کہ میرا کہنا مان لے' اور اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا مگر دل میں رو رہا تھا اور اس نے دیکھا کہ اس کی ران مکھن سے زیادہ ملائم اور ریشم سے زیادہ نرم ہے۔ اب اسے چھونے میں مزہ آنے لگا اور اس نے اپنا ہاتھ ادھر ادھر دوڑایا تاکہ بڑی برکتوں اور حرکتوں والے گنبد تک پہنچ جائے اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ مخنث ہے' نہ مرد ہے اور نہ عورت' اور اس نے کہا کہ اے بادشاہ' میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تو اس فعل پر کیوں آمادہ ہوا؟
اس پر ملکہ بدور ہنستے ہنستے لوٹ گئی اور کہنے لگی کہ پیارے' تو کتنی جلدی راتوں کو بھول گیا جو ہم نے ایک ساتھ گزاری تھیں۔ اس کے بعد اس نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا اور قمرالزمان کو معلوم ہو گیا کہ وہ جزیروں اور سمندروں کے مالک بادشاہ غیور کی بیٹی اس کی بیوی ملکہ بدور ہے اور اس نے اسے گلے لگایا اور اس نے اسے' اور اس نے اسے بوسے دیئے اور اس نے اسے' اور پھر وصال کے بچھونے پر لیٹ گئے۔ اس کے بعد شہزادی بدور نے قمرالزمان سے اپنا سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک بیان کیا اور اسی طرح اس نے بھی بیان کیا۔ پھر وہ شہزادی پر ناراض ہونے لگا کہ تو نے آج رات یہ حرکت میرے ساتھ کیوں کی؟ اس نے کہا کہ خفا مت ہو کیونکہ اس سے میرا مقصد محض یہ تھا کہ ذرا مذاق رہے اور خوشی میں اضافہ ہو۔ جب دن نکلا

روشنی پھیلی تو ملکہ بدور نے شہزادی حیات النفوس کے باپ بادشاہ ارمانوس کو بلوا کر اپنا سارا قصہ بیان کیا اور یہ کہا کہ وہ قمرالزمان کی بیوی ہے اور دونوں کی سرگزشت بیان کی اور یہ کہ دونوں کس طرح جدا ہوئے۔ پھر یہ بھی کہا کہ تیری بیٹی حیات النفوس ابھی تک باکرہ ہے۔ جب جزائر آبنوس کے مالک بادشاہ ارمانوس نے بادشاہ غیور کی بیٹی شہزادی بدور کا قصہ سنا تو اسے بے حد تعجب ہوا اور اسے حکم دیا کہ اسے سونے کے پانی سے لکھ لیا جائے۔ اب بادشاہ نے قمرالزمان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے بادشاہ زادے' کیا تو میری بیٹی حیات النفوس کے ساتھ شادی کر کے میرا داماد بننا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ پہلے میں ملکہ بدور سے مشورہ کر لوں کیونکہ اس کے میرے اوپر بڑے احسانات ہیں۔ جب اس نے ملکہ سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ یہ رائے بہت اچھی ہے۔ تو ضرور اس کے ساتھ نکاح کر لے اور میں اس کی لونڈی بن کر رہوں گی کیونکہ اس نے میرے ساتھ نیکی اور بھلائی اور عنایت کی ہے' بالخصوص اس وجہ سے کہ ہم اس کے ملک میں ہیں اور اس کے باپ نے ہمارے ساتھ احسان پر احسان کئے ہیں۔ جب قمرالزمان نے دیکھا کہ ملکہ بدور راضی ہے اور اسے حیات النفوس سے کوئی رشک نہیں تو وہ اس بات پر اس سے متفق ہو گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سترھویں رات

جب دو سو سترھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ قمرالزمان اس بات پر اپنی بیوی ملکہ بدور سے متفق ہو گیا اور جو کچھ ملکہ نے کہا تھا' اس نے بادشاہ ارمانوس سے کہہ دیا کہ وہ اس بات پر راضی ہے اور حیات النفوس کی لونڈی بن کر رہنا چاہتی ہے۔ جب بادشاہ ارمانوس نے قمرالزمان کو یہ کہتے سنا تو وہ مارے خوشی کے باغ باغ ہو گیا اور وہاں سے نکل کر حکومت کی کرسی پر بیٹھا اور تمام وزیروں اور امیروں اور حاجبوں اور سرداروں کو بلا کر قمرالزمان اور اس کی بیوی ملکہ بدور کا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کیا اور یہ کہ اس کی یہ خواہش ہے کہ وہ اپنی بیٹی حیات النفوس کا نکاح قمرالزمان سے کر دے اور اس کی بیوی شہزادی بدور کی جگہ اسے ان کا بادشاہ بنا دے۔ سب نے جواب دیا کہ چونکہ قمرالزمان ملکہ بدور کا شوہر ہے اور وہ اس سے پہلے ہماری سلطان رہ چکی ہے ہم اس گمان میں تھے کہ وہ ہمارے بادشاہ ارمانوس کی داماد ہے۔ اس لیے ہم سب اس بات پر راضی ہیں کہ وہ ہمارا سلطان بنے۔ ہم اس کے نوکر ہو کر رہیں گے اور اس کے حکم سے باہر نہ جائیں گے۔

یہ سن کر بادشاہ ارمانوس بہت خوش ہوا اور قاضیوں اور گواہوں اور سرداروں کو بلا کر قمرالزمان کا نکاح اپنی بیٹی شہزادی حیات النفوس کے ساتھ پڑھا دیا۔ اس کے بعد اس نے جشن کیے اور بڑی بڑی ولیمے کی دعوتیں دیں اور تمام امراء اور لشکر کے سرداروں کو خلعت عطا کیے اور فقیروں اور مسکینوں کو خیرات دی اور سارے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ تمام رعایا کو بادشاہ قمرالزمان کے سلطان ہونے پر خوشی ہوئی اور انہوں نے اسے دعا دی کہ اس کی عزت اور اقبال اور سعادت اور جلال ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے۔ جب قمرالزمان وہاں کا بادشاہ ہو گیا تو اس نے وہاں چنگی معاف کر دی اور جو قیدی رہ گئے تھے ان کو بھی آزاد کر دیا اور لوگوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کیا اور اپنی دونوں بیویوں

کے ساتھ خوشی' خرمی' خوشی وقتی وفاداری اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا۔ ایک ایک رات دونوں کے ساتھ سوتا یہاں تک کہ ایک مدت گزر گئی۔ اور سارے غم غلط

ہو گئے اور اپنے باپ بادشاہ شہرمان کی یاد دل سے بھلا دی اور جس عزت اور بڑائی کے ساتھ وہاں رہتا تھا وہ بھی بھول گیا تھا۔ یہاں تک کہ دونوں بیویوں سے دو لڑکے پیدا ہوئے جو چمکتے چاندوں کی طرح تھے۔ بڑا لڑکا ملکہ بدور سے تھا اور اس کا نام ملک امجد تھا اور چھوٹا حیات النفوس سے اور اس کا نام ملک اسعد تھا۔ اسعد اپنے بھائی امجد سے زیادہ خوبصورت تھا۔ دونوں کی تربیت شرافت اور ناز و نعم اور ادب اور کمال کے ساتھ ہوئی اور دونوں نے خوش نویسی اور علوم اور سیاست اور شہ سواری میں تعلیم پائی یہاں تک کہ وہ تکمیل کو پہنچ گئے اور وہ اتنے حسین و جمیل تھے کہ مرد اور عورت سب ان پر نثار تھے۔

ہوتے ہوتے اب وہ سترہ سال کے ہوئے اور وہ ہمیشہ ساتھ رہتے' ساتھ کھاتے پیتے اور کسی وقت اور کسی گھڑی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے اور لوگوں کو ان پر رشک آتا۔ جب وہ بالغ ہوئے اور انہیں ہر چیز میں کمال ہو گیا تو جب کبھی ان کا باپ باہر جاتا تو انہیں باری باری سے حکومت کرنے کے لیے بٹھا جاتا' یعنی ایک دن ایک حکومت کرتا اور ایک دن دوسرا۔ اب یہ اتفاق پیش آیا کہ اسعد کی محبت جو حیات النفوس کا بیٹا تھا اس کی سوتیلی ماں ملکہ بدور کے دل میں بیٹھ گئی اور حیات النفوس اپنے سوتیلے بیٹے امجد کو چاہنے لگی۔ دونوں اپنے سوتیلے بیٹوں سے ہنسی مذاق اور بوس و کنار کرتیں اور جب کبھی ایک لڑکی کی سگی ماں یہ دیکھتی تو خیال کرتی کہ یہ مادرانہ شفقت اور محبت کی وجہ سے ہے مگر واقعہ یہ تھا کہ دونوں عورتوں کو عشق ہو گیا تھا اور وہ دونوں' دونوں لڑکوں کو چاہنے لگی تھیں۔ جب کبھی ان میں سے کسی کے پاس اس کا سوتیلا بیٹا آتا وہ اسے گلے سے لگا لیتی اور چاہتی تھی کہ وہ نہ جائے۔ جب اس طرح سے ایک مدت گزر گئی اور وصال کی کوئی صورت نہ نکلی تو دونوں عورتوں نے کھانا

پینا چھوڑ دیا اور سونا ترک کر دیا۔ ایک روز بادشاہ سیر و شکار کے لیے گیا اور اپنے بیٹوں کو حکم دے گیا کہ دستور کے موافق اس کی جگہ باری باری سے حکومت کریں۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو اٹھارہویں رات

جب دو سو اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- جب بادشاہ سیر و شکار کے لیے گیا تو اپنے بیٹوں کو حکم دے گیا کہ وہ دونوں اس کی جگہ دستور کے مواقف باری باری سے حکومت کریں' لہٰذا پہلے روز ملکہ بدور کا بیٹا امجد حکومت کے لیے بیٹھا اور اس نے احکام و نواہی جاری کیے اور عہدے دیئے اور معزول کیا اور بخششیں کیں۔ اسعد کی ماں حیات النفوس نے اسے ایک خط لکھا اور اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور اپنے عشق و محبت کا اظہار کیا اور دل کا سارا بھید کہہ ڈالا اور اس سے وصال کی خواہش ظاہر کی' اور اس خط میں ذیل کی عبارت لکھی:

"یہ خط ایک مسکین عاشق اور غم زدہ فراق رسیدہ کی طرف سے ہے جس نے تیرے پیچھے اپنی جوانی تباہ کر دی اور تیرے درد میں مبتلا ہو گئی۔ اگر میں تشریح کے ساتھ بیان کروں کہ میں کب سے اس حسرت میں مبتلا ہوں اور کیا کیا رنج و الم اٹھائے ہیں اور میرے دل میں کس قدر آگ لگی ہوئی ہے اور میں کس درجہ آہ و بکاہ میں مشغول رہتی ہوں اور میرا مجروح دل کتنا ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے اور رنج و الم اور جدائی کی تکلیف اور درد اور دل سوزی لگاتار آ رہی ہیں تو اس کے لیے ایک کتاب درکار ہے اور اس کا شمار ناممکن ہے۔ میں زمین و آسمان کے اندر تنگ آ گئی ہوں اور میرے دل میں سوائے تیرے اور کوئی نہیں۔ میں مرنے کے قریب ہو گئی ہوں اور جان کنی کے درد میں مبتلا ہوں۔ میرے دل کی سوزش اور ہجر و جدائی کی تکلیف بڑھتی جاتی ہے۔ اگر میں اپنی محبت کی کہانی سنانے پر آؤں تو اس کے لیے اوراق کافی نہ ہوں گے۔"

یہ خط لکھ کر ملکہ حیات النفوس نے اسے ایک قیمتی ریشمی کپڑے کے اندر لپیٹا جو مشک اور عبیر میں بسا ہوا تھا اور اس کے اندر اپنے بال بند رکھ دیئے جن کی قیمت میں خزانے کے خزانے غرق ہو جائیں۔ ان سب کو اس نے ایک رومال میں لپیٹا اور نوکر کے حوالے

کر کے اس سے کہا کہ یہ ملک امجد کو دے آ۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو انیسویں رات

جب دو سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ اس نے وہ خط خادم کو دے کر کہا کہ اسے ملک امجد کے پاس پہنچا دے۔ خادم اسے لے کر چل دیا مگر اسے کیا معلوم تھا کہ اس کے لیے غیب میں کیا پوشیدہ ہے۔ خدا جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔ جب خادم ملک امجد کے پاس پہنچا تو اس نے زمین کو بوسہ دے کر اسے وہ رومال دے دیا' جس میں خط تھا۔ ملک امجد نے خادم کے ہاتھ سے رومال لے کر کھولا اور دیکھا کہ اس کے اندر خط ہے اور اسے کھول کر پڑھنے لگا جب اس کا مطلب اس کی سمجھ میں آیا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کی سوتیلی ماں کے دل میں کھوٹ ہے اور اس کے باپ بادشاہ قمرالزمان کی خیانت کر رہی ہے۔ اس پر اسے سخت طیش آیا اور عورتوں کو ان کی بدکرداری پر برا بھلا کہنے لگا اور کہا کہ لعنت ہو خدا کی خاین عورتوں پر جن کی عقل اور دین دونوں ناقص ہیں! یہ کہہ کر اس نے اپنی تلوار کھینچی اور خادم سے کہنے لگا کہ اے بدذات غلام' لعنت ہو تجھ پر' تو اپنے آقا کی بیوی کے خیانتی خط کو لاتا ہے۔ اے سیاہ رنگ اور سیاہ دل والے اور اے بدشکل اور بدطینت' واللہ تجھ میں ایک خوبی بھی نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے خادم کی گردن پر ایسا وار کیا کہ اس کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے رومال کو لپیٹ کر جیب میں رکھ لیا اور اپنی ماں کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کیا اور اسے برا بھلا کہا اور کہنے لگا کہ تم سب ایک سے بڑھ کر ایک منحوس ہو۔ واللہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ ایسا کرنا اپنے باپ قمرالزمان اور بھائی ملک اسعد کے حق میں بدتہذیبی ہے تو میں ابھی اس کے پاس جا کر اس کی گردن اسی طرح اڑا دیتا جس طرح اس کے خادم کی گردن اڑائی ہے۔ یہ کہہ کر وہ غصے میں بھرا ہوا اپنی ماں ملکہ بدور کے پاس سے چلتا ہوا۔ جب اس کی سوتیلی ماں حیات النفوس کو خبر ہوئی کہ اس نے خادم کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے تو وہ اسے برا بھلا کہنے اور کوسنے لگی اور یہ سوچنے لگی

کہ وہ اس کے ساتھ کیا مکر و فریب کرے۔ ادھر ملک امجد رات بھر مارے غصے اور فکر کے بیمار پڑا رہا' نہ کھانا کھایا نہ پانی پیا' نہ سویا۔

جب سویرا ہوا تو اس کا بھائی ملک اسعد باہر آیا اور اپنے باپ قمرالزمان کی جگہ بیٹھ کر حکومت کرنے لگا' اور جو کچھ اس کی ماں حیات النفوس نے ملک امجد کے بارے میں سنا تھا کہ اس نے خادم کو قتل کر دیا ہے اس کی وجہ سے وہ بھی بیمار ہو گئی تھی۔

جب ملک اسعد اس روز حکومت کے لیے بیٹھا تو اس نے احکام جاری کئے اور انصاف کیا اور تقرری اور معزولی کی اور احکام و نواہی جاری کئے اور بخششیں اور عنایتیں کیں اور عصر کے وقت تک دربار کرتا رہا۔ اب ملک امجد کی ماں ملکہ بدور نے ایک شطارہ بڑھیا کو بلا کر اس سے اپنے دل کا راز کہا اور کاغذ لے کر اپنی سوت کے بیٹے ملک اسعد کو ایک خط لکھا جس میں اس نے اپنی محبت کا دکھڑا رویا۔ اس خط کے الفاظ یہ ہیں: "یہ خط اس کی طرف سے ہے جو ایسے شخص کی محبت میں گرفتار ہے جو خلق اور خلق میں بہترین ہے' جسے اپنے حسن پر گھمنڈ ہے' جو اپنی آن بان پر نازاں ہے۔ جو وصال کی خواہش مند سے دور بھاگتا ہے' اس سے دور بھاگ کر میں نے اپنے آپ کو حقیر اور ذلیل کر دیا ہے۔ ایسے کے پاس جاتا ہے جو بے وفائی اور تکلیف پہنچاتا ہے' مایوس عاشق کی طرف سے ملک اسعد کے نام جس کا حسن و جمال لاجواب ہے' جس کا چہرہ چاند کی طرح ہے' جس کی پیشانی چمک دار ہے اور خوبصورت آب و تاب والی۔ یہ خط میں اس شخص کو لکھ رہی ہوں جس کی محبت میں' میں گھلی جا رہی ہوں اور میری ہڈیاں اور کھال جدا ہو رہی ہیں۔ سن' اب میرا صبر ختم ہو چکا ہے اور میں اپنے اوپر سخت حیران و پریشان ہوں۔ عشق اور بے چینی مجھے مارے ڈالتی ہے' صبر و آرام مجھ سے کوسوں دور بھاگتے ہیں' غم اور پریشانی میرے پیچھے پڑ گئے ہیں' عشق و تمنا اور کمزوری اور بیماری مجھے گھلائے ڈالتی ہیں۔ میں اپنی جان تجھ پر قربان کرتی ہوں۔ اگرچہ عاشق کا قتل تری خواہش ہے مگر خدا تجھے سلامت رکھے اور ہر برائی سے بچائے!"

اس کے بعد ملکہ بدور نے خط کو خالص مشک میں بسایا اور اسے اپنے بال بندوں میں لپیٹا

جو عراقی ریشم کے تھے اور جن پر سبز زمرد کے گھنگرو لگے ہوئے اور موتی اور جواہرات ٹنکے ہوئے تھے۔ یہ خط اس نے بڑھیا کو دے کر کہا کہ اسے میرے سوتیلے بیٹے ملک اسعد کے پاس پہنچا دے۔ بڑھیا اس کی خاطر چل دی اور فوراً ملک اسعد کے پاس پہنچی جو اس وقت اکیلا تھا اور اسے وہ خط اور جو کچھ اس کے ساتھ تھا دے دیا اور جواب کا انتظار کرنے لگی۔ ملک اسعد نے خط پڑھا اور اس کا مضمون سمجھا اور پھر اسے انہیں بال بندوں میں لپیٹ کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور اتنا غضبناک ہوا کہ جس کی کوئی حد نہیں اور خاین عورتوں پر لعنت ملامت کرنے لگا اور اٹھا اور تلوار میان سے نکال کر ایسا ہاتھ مارا کہ بڑھیا کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ اس کے بعد وہ اپنی ماں حیات النفوس کے پاس گیا اور اسے فرش پر پڑا دیکھا کیونکہ بسبب اس ماجرے کے جو ملک امجد کے ساتھ پیش آیا تھا وہ بیمار ہو گئی تھی۔ ملک اسعد نے اسے برا بھلا کہا اور لعنت ملامت کی اور وہاں سے باہر آ کر اپنے بھائی ملک امجد سے ملا اور وہ سارا ماجرا بیان کیا جو اسے اس کی ماں ملکہ بدور کے ساتھ پیش آیا تھا اور اس سے یہ بھی کہا کہ اس نے اس بڑھیا کو قتل کر دیا ہے جو خط لے کر آئی تھی۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ بھائی' اگر مجھے تیری لاج نہ ہوتی تو خدا کی قسم میں ابھی اس کے پاس جا کر اس کا سر گردن سے جدا کر دیتا۔ اس کے بھائی ملک امجد نے جواب دیا کہ اے بھائی' جو آج تیرے ساتھ پیش آیا' وہی کل میرے ساتھ گزر چکی ہے جبکہ میں حکومت کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا کیونکہ تیری ماں نے بھی اسی مضمون کا خط مجھ کو لکھا تھا اس کے بعد اس نے وہ سارا ماجرا بیان کر دیا جو اس کے اور اس کی ماں حیات النفوس کے درمیان پیش آیا تھا اور کہنے لگا کہ بھائی' اگر مجھے تیرا خیال نہ ہوتا تو میں ابھی اس کے پاس جا کر اس کی وہی گت بناتا جو خادم کی بنائی ہے۔ اس کے بعد دونوں ساری رات باتیں کرتے رہے اور خاین عورتوں پر لعنت ملامت بھیجتے رہے' پھر دونوں کا یہ مشورہ ہوا کہ اس بات کو پوشیدہ رکھنا چاہیے کیونکہ اگر ان کے باپ قمرالزمان کو خبر ہو گئی تو وہ دونوں عورتوں کو قتل کر دے گا۔ اسی غم و غصے میں انہوں نے صبح کر دی۔

جب سویرا ہوا تو بادشاہ اپنے لشکر کے ساتھ شکار سے لوٹا اور تھوڑی دیر حکومت کی کرسی پر بیٹھ کر امیروں کو رخصت کیا اور محل کے اندر گیا اور دیکھا کہ اس کی دونوں بیویاں فرش پر پڑی ہوئی ہیں۔ دونوں سخت بیمار ہو گئی تھیں اور اپنے بیٹوں کے لیے مکر و فریب سوچ رہی تھی اور ان کی جان لینے پر متفق ہو گئی تھیں کیونکہ دونوں عورتوں نے اپنے آپ کو ان کے ساتھ رسوا کر دیا تھا اور اب انہیں ڈر تھا کہ کہیں اب انہیں ان کا محکوم بن کر نہ رہنا پڑے۔ جب بادشاہ نے ان کو اس حالت میں دیکھا تو اس نے اس کی وجہ پوچھی۔ ان دونوں نے اٹھ کر بادشاہ کے ہاتھ چومے اور قصے کو الٹا کر بیان کیا اور کہنے لگیں کہ اے بادشاہ' جن بیٹوں کو تو نے اس ناز و نعمت سے پالا ہے انہوں نے تیری بیویوں کے بارے میں تیرے ساتھ خیانت کی ہے اور تجھے رسوا کیا ہے۔ اپنی بیویوں سے یہ سنتے یہ قمرالزمان کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور مارے غصے کے اس کے ہوش جاتے رہے اور اپنی بیویوں سے کہنے لگا کہ تفصیل کے ساتھ بیان کرو۔ ملکہ بدور نے کہا کہ جہاں پناہ' تیرا بیٹا اسعد جو حیات النفوس سے ہے ایک زمانے سے میرے ساتھ خط و کتابت کر رہا ہے اور مجھے زنا پر آمادہ کر رہا تھا۔ میں نے اسے بہت منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا۔ جب تو باہر گیا ہوا تھا اس نے شراب پی اور ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر مجھ پر حملہ کر دیا اور میرے خادم کو قتل کر کے شمشیر بکف میرے سینے پر سوار ہو گیا۔ میں ڈری کہ اگر میں نے اسے روکا تو جس طرح اس نے میرے خادم کو قتل کر دیا ہے' مجھے بھی قتل کر دے گا' اور اس نے زبردستی اپنی شہوت پوری کی۔ اے بادشاہ' اگر تو نے اس سے میرا بدلا نہ لیا تو میں اپنی جان کھو دوں گی کیونکہ اس برے فعل کے بعد دنیا میں زندہ رہنا بے کار ہے۔ حیات النفوس نے بھی رو رو کر ایسا ہی قصہ بیان کیا جیسا کہ اس کی سوت نے بیان کیا تھا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو بیسویں رات

دو سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- جو کچھ ملکہ بدور نے اپنے شوہر سے کہا تھا' ویسا ہی ملکہ حیات النفوس نے بھی کہا یعنی میرے ساتھ بھی تیرے بیٹے امجد نے وہی حرکت کی اور یہ کہہ کر خوب فیل مچائے۔ بولی' اگر تو میرے ساتھ انصاف نہ کرے گا تو میں اپنے باپ ارمانوس سے شکایت کروں گی۔ غرض کہ دونوں سوکنیں اپنے شوہر بادشاہ قمرالزماں کے آگے بلک بلک کر خوب روئیں۔ جب بادشاہ نے اپنی دونوں بیویوں کا قصہ سنا' ان کو روتے دیکھا تو اسے یقین آ گیا کہ وہ سچ کہتی ہیں۔ اس پر اسے حد سے زیادہ طیش آیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اپنے دونوں بیٹوں کو قتل کر ڈالے۔ اتنے میں اس کا خسر بادشاہ ارمانوس آ گیا کیونکہ اسے معلوم ہوا تھا کہ داماد شکار سے لوٹ آیا ہے۔ اس نے دیکھا کہ قمرالزماں تلوار کھینچے ہوئے ہے اور مارے غصے کے اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے۔ جب اس نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں امجد اور اسعد کی بدنظریوں کا ماجرا سنایا اور کہا کہ میں ابھی جا کر انہیں قتل کرتا ہوں' اپنے ہاتھ سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ بادشاہ ارمانوس کو بھی ان دونوں پر بہت غصہ آیا اور کہنے لگا کہ بیٹا تیرا یہ غصہ ناواجب نہیں۔ خدا ان پر لعنت بھیجے' اولاد ہو کر اپنے باپ کے حق میں برائی کرتے ہیں! لیکن بیٹا تو نے سنا ہو گا کہ جو انجام پر غور نہیں کرتا' زمانہ اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ بہرحال وہ تیرے بیٹے ہیں اس لیے یہ مناسب نہیں کہ تو خود انہیں اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ ایسا نہ کر بعد ازاں تجھے افسوس ہو' اور تو انہیں قتل کر کے پچھتائے اور پھر پچھتانے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ بہتر ہے کہ تو' انہیں کسی غلام کے ہمراہ جنگل میں بھیج دے تاکہ وہ انہیں وہاں قتل کر آئے اور ان کا خون تیری آنکھوں کے سامنے نہ بہے۔ مثل ہے کہ دشمن سے دوری بہتر

ہے' نہ آنکھ دیکھے نہ دل کڑھے۔
قمرالزماں کو اپنے خسر بادشاہ ارمانوس کی یہ رائے درست معلوم ہوئی' اس نے اپنی تلوار میان میں کر لی اور حکومت کے تخت پر بیٹھ کر خزانچی کو بلایا۔ یہ خزانچی بہت بوڑھا اور سیاست اور زمانے کے اتار چڑھاؤ سے خوب واقف۔ اس سے کہا کہ میرے دونوں بیٹوں امجد اور اسعد کے پاس جا کر ان کی مشکیں باندھ کر انہیں دو صندوقوں میں بند کر کے خچر پر لاد اور سوار ہو کر انہیں کسی اجاڑ جنگل میں لے جا کر ذبح کر ڈال اور دو بوتلوں میں ان کا خون بھر کر جلد میرے پاس لا۔
خزانچی حکم پاتے ہی فوراً امجد اور اسعد کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ محل سے نکل کر آ رہے ہیں۔ بہترین پوشاکیں پہنے خوش خوش اپنے باپ قمرالزماں کے پاس جانے کا ارادہ ہے تاکہ اسے سلام کریں اور سلامتی کے ساتھ شکار سے واپس آنے کی مبارک باد دیں۔ جب خزانچی کی نظر ان پر پڑی تو انہیں روک لیا اور کہنے لگا برخوردارو سنو' میں فرمانبردار غلام ہوں اور تمہارے باپ نے مجھے ایک حکم دیا ہے کیا تم اس کے حکم کی تعمیل کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ یہ سن کر خزانچی ان کی طرف بڑھا اور ان کی مشکیں باندھ کر انہیں دو صندوقوں میں بند کر دیا۔ پھر انہیں ایک خچر پر لاد کر شہر سے باہر روانہ ہو گیا اور ظہر تک جنگل میں چلتا رہا۔ جب ایک سنسان ڈراؤنی جگہ آ گئی تو خود گھوڑے سے اتر پڑا اور دونوں صندوقوں کو خچر پر سے اتار کر کھولا۔ ان میں سے امجد اور اسعد کو نکالا۔ جب اس کی نظر ان پر پڑی تو وہ ان کا حسن و جمال دیکھ کر رونے لگا اور تلوار کھینچ کر کہنے لگا کہ اے میرے آقا زادو' تمہارے ساتھ برائی کرنا مجھ پر گراں گزرتا ہے لیکن مجبور ہوں۔ ایک غلام کو فرمانبرداری کے سوا چارہ نہیں۔ تمہارے باپ بادشاہ قمرالزماں نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہاری گردن اڑا دوں۔ وہ بولے کہ اے امیر' بادشاہ کے حکم کی تعمیل کر۔ تقدیر پر ہم صابر ہیں۔ تجھ پر ہمارے خون کا کوئی بدلہ نہیں۔

اس کے بعد دونوں شہزادے ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگے۔ اسعد نے خزانچی سے کہا کہ چچا' مجھ کو میرے بھائی سے پہلے قتل کیجیو تاکہ مجھے اس کے مرنے کا افسوس نہ ہو اور میں اس کی لاش کو تڑپتے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھوں' یہ میرے لیے آسان تر ہے۔ امجد نے بھی خزانچی سے یہی الفاظ دہرائے اور اسے اس بات پر مائل کرنا چاہا کہ وہ اسے اس کے بھائی سے پہلے قتل کرے۔ وہ کہنے لگا کہ میرا بھائی مجھ سے چھوٹا ہے' اس کا رنج مجھے نہ دیجیو۔ یہ کہہ کر دونوں اتنا روئے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ ان کو روتا دیکھ کر خزانچی بھی رونے لگا۔

اور اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

دو سو اکیسویں رات

جب دو سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ خزانچی ان کو روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگا اور دونوں بھائی ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال لپٹ گئے۔ ایک بھائی نے دوسرے سے کہا کہ "یہ ساری مصیبت ہم پر دونوں خائن عورتوں میری ماں اور تیری ماں کی وجہ سے آئی ہے اور یہ ان بھلے سلوکوں کا نتیجہ ہے جو میں نے تیری ماں کے ساتھ اور تو نے میری ماں کے ساتھ کیے ہیں۔" لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم' اناللہ وانا الیہ راجعون" امجد نے جو اسعد کو یہ کہتے سنا تو اس کی ہچکی بندھ ہو گئی' وہ بھی پچھاڑیں کھانے لگا اور خزانچی سے بولا کہ میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جو تنہا ہے اور زبردست مالک اور پردہ پوش ہے کہ تو' مجھے میرے بھائی اسعد سے پہلے قتل کیجیو تا کہ میرے دل کی آگ بھڑکنے نہ پائے بلکہ بجھ جائے۔
یہ سن کر اسعد نے کہا کہ نہیں بکہ میں پہلے قتل ہوں گا۔ امجد نے کہا کہ اچھا یوں کریں کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے لپٹ جائیں اور تلوار ہم دونوں کو ایک ساتھ قتل کر دے۔ جب وہ دونوں ایک دوسرے سے سینے سے سینہ اور منہ سے منہ ملا کر باہم آغوش ہو گئے اور ایک نے دوسرے کو چمٹا لیا تو خزانچی نے دونوں کو رسی سے کس کر باندھا مگر وہ روتا جاتا تھا اور اپنی تلوار کھینچ کر کہنے لگا کہ اے میرے آقا زادو مجھ پر تمہارا قتل کرنا بہت شاق گزر رہا ہے' اگر تمہاری کوئی حاجت ہو تو میں اسے پورا کروں گا' اگر کوئی وصیت ہو تو اس کی تعمیل کروں گا اور اگر کوئی پیغام ہے تو پہنچا دوں گا۔
امجد نے کہا کہ ہماری کوئی حاجت نہیں میری صرف ایک خواہش ہے وہ یہ کہ میرے بھائی اسعد کو نیچے لٹائیو اور مجھے اوپر اس لیے کہ پہلے تلوار میرے اوپر پڑے اور یہ ایک

وصیت کہ ہمیں قتل کر چکنے کے بعد جب تو بادشاہ کے پاس جائے تو اور وہ تجھ سے پوچھے کہ تو نے مرنے کے پہلے ہمیں کیا کہتے سنا تو اس سے کہیو کہ تیرے بیٹوں نے تجھے سلام عرض کیا ہے کہ تجھے معلوم نہیں کہ ہم دونوں مجرم ہیں یا نہیں' بغیر اس کے کہ تو ہمارے جرم کی تحقیق کرتا اور اصل حال سے خبر ہوتی تو نے ہمیں قتل کروا دیا ہے اور اس نے یہ دو شعر پڑھے: "عورتیں شیطان ہیں جو ہمارے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ شیطانوں کے مکرو فریب سے خدا کی پناہ! جتنی بلائیں لوگوں میں دنیا اور دین کے متعلق پیدا ہوئی ہیں ان کی جڑ یہی عورتیں ہیں۔" اس کے بعد اس نے کہا کہ اس کے سوا ہماری اور کوئی تمنا تجھ سے نہیں ہے کہ یہ دونوں شعر جو تو نے سنے ہیں' بادشاہ کو پہنچا دے۔

اتنے میں شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اس نے اجازت لی تھی۔

○○○

• دو سو بائیسویں رات

جب دو سو بائیسویں رات آئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ...... امجد نے خزانچی سے کہا کہ سوائے اس کے ہماری کوئی خواہش نہیں ہے کہ تو' ان دونوں شعروں کو جو تو نے سنے ہیں' بادشاہ کو پہنچا دے اور خدا کے لیے اتنا اور ٹھہر جا کہ میں دو شعر اور اپنے بھائی کو سنا دوں۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگا اور یہ دو شعر پڑھے: "گزشتہ بادشاہ ہمارے لیے بہت سی عبرتیں چھوڑ گئے ہیں۔ اس راہ میں کتنے کچھ چھوٹے بڑے مر مٹے ہیں۔" امجد کا یہ کلام سن کر خزانچی اتنا رویا کہ اس کی داڑھی بھیگ گئی اور اسعد کی آنکھیں تو دریا بن گئیں۔ آنسوؤں کی لڑیاں اس کے رخسار پر بہنے لگیں۔ بعد ازاں اسعد اپنے بھائی امجد کے گلے سے لپٹ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونوں ایک قالب ہیں۔ اب خزانچی نے تلوار کھینچ کر چاہا کہ ان پر وار کرے کہ اتنے میں اس کا گھوڑا بدکا اور جنگل کی طرف نکل بھاگا۔ اس گھوڑے کی قیمت ایک ہزار دینار تھی اور اس کا زین بے حد قیمتی تھا۔ خزانچی تلوار ہاتھ سے پھینک کر گھوڑے کے پیچھے دوڑا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• دو سو تئیس ویں رات

جب دو سو تئیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ...... خزانچی اپنے گھوڑے کے پیچھے دوڑا کیونکہ گھوڑے کے بھاگنے سے وہ بہت غمگین تھا۔ دوڑتے دوڑتے وہ آگے پیچھے جھاڑیوں میں داخل ہو گئے۔ اب گھوڑا جھاڑیوں کو چیرتا پھاڑتا اندر گھس کر زمین پر پانی ٹاپیں مارنے لگا یہاں تک کہ گرد اٹھ اٹھ کہ پھیلنے لگی۔ گھوڑے کے خرخر کرنے اور ہنہنانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان جھاڑیوں میں ایک شیر رہتا تھا جو بڑا جگاوری اور ڈراؤنی شکل کا تھا۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں اڑتی تھیں۔ اس کی صورت نہایت ہیبت ناک تھی' اسے دیکھ کر لوگ ڈر جاتے تھے۔ جب خزانچی کی نظر.... اس پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ وہ اسی طرف آ رہا ہے' جھاڑیاں گنجان' نہ کسی طرف بھاگنے کا راستہ' نہ اس کے ہاتھ میں تلوار' وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ امجد اور اسعد کا صبر مجھ پر پڑا ہے۔ یہ سفر شروع ہی سے منحوس ثابت ہوا۔ ادھر امجد اور اسعد کو گرمی سے اتنی پیاس لگنے لگی کہ ان کی زبانیں نکل پڑیں۔ اور وہ مارے پیاس کے چلانے لگے لیکن وہاں کون ان کی چیخ و پکار سنتا۔ کہنے لگے کہ کاش ہم قتل ہو گئے ہوتے۔ اس تشنگی سے تو نجات ملتی! معلوم نہیں کہ گھوڑا بدک کر کہاں چلا گیا کہ خزانچی بھی ہمیں بندھا چھوڑ کر اس کے پیچھے ہو لیا کہیں وہ آکر ہمیں قتل کر دے اور ہم اس عذاب سے چھٹکارا پائیں! اسعد بولا بھائی ذرا ٹھہر' خدا کی طرف سے عنقریب ہمارے لیے خوشی آنے والی ہے کیونکہ گھوڑے کا بدکنا خالی از حکمت نہیں۔ سمجھ لے کہ اللہ کی مہربانی کی یہ علامت ہے اور اب پیاس کے سوا ہمیں اور کسی چیز سے ضرر نہیں پہنچے گا۔ یہ کہہ کر اس نے داہنے بائیں بل کر زور لگایا' یہاں تک کہ رسیاں ڈھیلی پڑ گئیں۔ وہ اٹھ بیٹھا اور اپنے بھائی کے

بندھن بھی کھول دیئے اور خزانچی کی تلوار اٹھا کر کہنے لگا واللہ جب تک ہمیں اس کی خبر نہ مل جائے اور ہمیں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس پر کیا گزری' ہم یہاں سے نہ چلیں گے۔ یہ کہہ کر وہ خزانچی کے پاؤں کے نشان پر چلنے لگے اور چلتے چلتے جھاڑی کے پاس پہنچ گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ گھوڑا اور خزانچی اس جھاڑی سے آگے نہ گئے ہوں گے۔ اسعد نے امجد سے کہا کہ تو یہیں ٹھہر میں جھاڑی میں جا کر ادھر ادھر دیکھتا ہوں۔ امجد نے جواب دیا کہ میں تجھے اکیلا نہیں جانے دوں گا۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ رہیں گے تاکہ اگر سلامتی ہو تو دونوں کے لیے اور اگر مارے جائیں تو دونوں ساتھ ساتھ۔

قصہ مختصر وہ دونوں جھاڑی کے اندر داخل ہوئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ شیر نے خزانچی کو دبوچ رکھا ہے اور وہ شیر کے نیچے پڑا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے خدا سے مدد مانگ رہا ہے۔ امجد یہ دیکھتے ہی لپکا اور شیر پر تلوار کا وار کیا۔ تلوار شیر کی پیشانی پر پڑی اور وہ مر کر زمین پر گر پڑا۔ خزانچی کو اس پر سخت تعجب ہوا' حواس درست ہوئے' نظر اٹھائی تو دیکھا کہ اس کے آقا کے دونوں بیٹے امجد اور اسعد وہاں کھڑے ہیں۔ وہ ان کے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا زادو' اب یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تمہیں قتل کروں اور اگر کسی نے تمہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا تو میں اپنی جان لڑا دوں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو چوبیسویں رات

دو سو چوبیسویں رات آئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ خزانچی نے امجد اور اسعد کو گلے لگایا اور ان سے پوچھا کہ تم کس طرح رسیاں کھول کر یہاں آ گئے؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں پیاس لگی تھی۔ اتفاق سے ایک کی بندش ڈھیلی پڑ گئی اس نے نکل کر دوسرے کو بھی کھول دیا اور یہ محض خدا کی مہربانی اور نیت کا پھل تھا۔ پھر ہم نے نشان قدم پر چلنا شروع کیا اور تیرے پاس پہنچ گئے۔ یہ سن کر اس نے ان کا شکریہ ادا کیا اور انہیں ساتھ لے کر جھاڑی کے باہر آیا۔ جب وہ جھاڑی سے نکلے تو ان دنوں نے کہا کہ چچا ہمارے باپ کے حکم کی تعمیل کر۔ اس نے کہا کہ خدا نہ کرے کہ میں تمہیں نقصان پہنچاؤں۔ لیکن میں تمہارے کپڑے اتار کر تمہیں دوسرے کپڑے پہنا دوں گا اور دو بوتلوں میں شیر کا خون بھر کر تمہارے باپ کے پاس جاؤں گا اور اس سے کہوں گا کہ میں نے انہیں قتل کر دیا ہے اور تم یہاں سے جدھر تمہارے سینگ سمائیں' چلے جاؤ۔ خدا کی زمین وسیع ہے حالانکہ تمہاری جدائی مجھ پر شاق گزرے گی۔ یہ کہہ کر خزانچی رونے لگا اور اس کے ساتھ دونوں لڑکے بھی رونے لگے۔ خزانچی نے ان کے کپڑے اتار کر انہیں دوسرے کپڑے پہنا دیئے اور کپڑوں کو گٹھڑیوں میں باندھ کر دو بوتلوں میں شیر کا خون بھر کر گٹھڑیوں کو گھوڑے پر اپنے آگے رکھا اور ان دونوں سے رخصت ہو کر شہر کی طرف بادشاہ کے پاس روانہ ہو گیا۔ بادشاہ کے پاس پہنچ کر اس نے تخت کو بوسہ دیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ اس کی حالت دگرگوں ہے جو شیر کی وجہ سے تھی۔ خیال کیا کہ یہ میرے بیٹوں کے قتل کرنے کی وجہ سے ہے۔ وہ خوش ہو کر کہنے لگا کہ کیا تو اپنا کام پورا کر آیا۔ خزانچی نے عرض کیا کہ اے میرے آقا ہاں۔ اور وہ دونوں گٹھڑیاں جن میں کپڑے تھے اور دونوں بوتلیں

جن میں خون تھا' پیش کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کس حالت میں تھے اور آیا انہوں نے کوئی وصیت کی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ اپنی مصیبت پر صابر و شاکر تھے اور مجھ سے کہتے تھے کہ ہمارا باپ معذور ہے۔ اسے ہمارا سلام دینا اور کہنا کہ تجھ پر ہم نے اپنا خون معاف کر دیا مگر یہ دو شعر ضرور سنانا: "عورتیں شیطان ہیں جو ہمارے لیے پیدا کی گئی ہیں' شیطان کے مکرو فریب سے خدا بچائے! جتنی بلائیں لوگوں پر دین و دنیا کے متعلق آتی ہیں' ان کی جڑ یہی عورتیں ہیں۔" خزانچی کی یہ باتیں سن کر بادشاہ اپنا سر دیر تک جھکائے رہا اور اسے معلوم ہو گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے بیٹے ناحق مارے گئے۔ وہ دیر تک عورتوں کے مکرو فریب اور دغابازی کا تصور کرتا رہا۔ بعد ازاں دونوں گٹھڑیاں لے کر کھولیں' کپڑوں کو الٹنے پلٹنے اور رونے لگا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو پچیسویں رات

دو سو پچیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ...... قمرالزماں بادشاہ دونوں گٹھڑیوں کو کھول کر کپڑوں کو الٹنے پلٹنے اور رونے لگا۔ جب اس نے اپنے بیٹے

اسعد کے کپڑے کھولے تو اس کی جیب میں سے اپنی بیوی بدور کے قلم کا لکھا ہوا ایک رقعہ ملا۔ جس میں اس کے بالوں کی ایک لٹ بھی تھی۔ خط کھول کر اس نے پڑھا تو اسے معلوم ہو گیا کہ اس کا بیٹا مظلوم تھا۔ پھر اس نے امجد کا بقچہ کھولا اور اس کی جیب میں اپنی دوسری بیوی حیات النفوس کے ہاتھ کی تحریر پائی اسی طرح بالوں میں لپٹے ہوئے خط کو کھول کر پڑھا تو سر پیٹ لیا۔ اسے یقین آ گیا۔ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔ دونوں بیٹے ناحق مارے گئے۔ اب تو وہ ہاتھ مل مل کر روتا اور کہتا۔ ہائے میرے بیٹو' تم پر ایک باپ نے ظلم کیا! ہائے ہائے یہ قیامت ہوئی اور اس نے حکم دیا کہ دو قبریں ایک ہی جگہ بنائی جائیں۔ قبریں بنوا کر ایک مقبرہ بنوایا اور بیت الاحزان اس کا نام رکھا' ان پر اپنے دونوں بیٹوں کا نام لکھا اور کبھی امجد کی قبر پر گر کر روتا' فریاد کرتا۔ کبھی اسعد کی قبر پر لوٹتا اور پچھاڑیں کھاتا۔ بادشاہ کی آہ و فریاد روزانہ بڑھتی جاتی۔ یہاں تک کہ اس نے امیروں' وزیروں' دوستوں اور آشناؤں سے ملنا ترک کر دیا۔ دربار و محلات سب سے ہاتھ اٹھا لیا۔ بیویوں سے بھی کنارہ کشی کر لی۔ بیت الاحزان میں اکیلا بیٹھا اپنے بیٹوں پر رویا کرتا' بادشاہ کو تو یہاں ----- چھوڑیئے اور اب امجد اور اسعد کا قصہ سنئے۔ ایک مہینے تک وہ پھل کھاتے اور گڑھوں میں سے بارش کا پانی پیتے ہوئے صحرا بہ صحرا چلتے رہے۔ چلتے چلتے آخر ایک پہاڑ کے پاس پہنچے جو کالے چقماق کا تھا۔ پہاڑ کی اونچائی اور لمبائی اللہ ہی کو معلوم تھی۔ یہاں سے دو راستے نکلتے تھے۔ ایک تو پہاڑ کو کاٹ کر بیچ میں سے گیا تھا اور دوسرا پہاڑ

کے اوپر کی طرف۔ وہ پہاڑ کے اوپر والے راستے پر ہو لیے۔ پانچ دن تک برابر چلتے رہے لیکن اس کی انتہا نظر نہ آئی۔ نہ وہ کبھی اتنا چلے تھے' نہ انہیں پیدل چلنے کی عادت تھی۔ پھر پہاڑ کی چڑھائی اور منزل لا پتہ۔ جب انہیں اس راستے کے آخر تک پہنچنے سے ناامیدی ہو گئی تو وہ لوٹ پڑے اور اس راستے پر روانہ ہوئے جو پہاڑ کے بیچ میں سے ہو کر جاتا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• دو سو چھبیسویں رات

جب دو سو چھبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ قمرالزمان کے دونوں بیٹے امجد اور اسعد پہاڑ پر جانے والے راستے سے اتر کر بیچ کے راستے پر ہو لیے اور دن بھر چلتے رہے یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ اسعد چلتے چلتے تھک گیا تھا۔ اپنے بھائی سے کہنے لگا کہ بھائی' اب مجھ میں چلنے کی سکت نہیں رہی' میں بہت کمزور ہو گیا ہوں۔ امجد بولا' بھائی ذرا اور ہمت کر ممکن ہے کہ خدا ہماری مصیبت دور کر دے۔ اس کے بعد وہ ایک پہر رات اور چلتے رہے۔ آخر اندھیرے نے چاروں طرف سے آگھیرا اور اسعد کی ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں۔ وہ کہنے لگا کہ بھائی میری حالت بہت خراب ہے' میں ایک قدم نہیں چل سکتا اور یہ کہتے کہتے وہ زمین پر گر پڑا اور رونے لگا۔ امجد نے اسے تسلی دی' اٹھا کر اپنی پیٹھ پر لاد لیا اور آگے بڑھا۔ چلتا اور تھوڑی دیر تک بیٹھ کر ستاتا حتیٰ کہ سویرا ہونے لگا۔ سامنے دیکھا کہ پانی کا چشمہ بہہ رہا ہے اور اس کے پاس ایک انار کا درخت اور ایک محراب ہے۔ انہیں اس بات کا یقین نہ آتا تھا کہ یہ چیزیں واقعی وہاں ہیں۔ بہرحال انہوں نے چشمے کے پاس بیٹھ کر پانی پیا اور درخت سے انار توڑ کر کھائے اور وہیں سو لیے جب سورج اچھی طرح نکل آیا تو وہ اٹھ بیٹھے اور چشمے میں غسل کیا' دماغ کو فرحت ہوئی۔ کھانے کو اور کیا تھا' وہی انار کھا کر پھر سو گئے اور عصر کے وقت تک سوتے رہے۔ آنکھ کھلی اور انہوں نے چلنے کا ارادہ کیا تو اسعد چلنے سے معذور نکلا کیونکہ اس کے پاؤں سوج گئے تھے۔ اس لیے وہ وہاں تین دن تک آرام کے لیے ٹھہرے رہے۔ پھر وہ کئی دن برابر چڑھائی پر چلتے رہے۔ یہ پہاڑ بالکل چٹیل تھے نہ کوئی درخت' نہ کہیں آبشار' مارے پیاس کے ان کی بری حالت تھی۔ آخرکار انہیں دامن کوہ میں دور سے ایک شہر دکھائی دیا اور وہ خوش ہو کر اس کی طرف اترنے لگے۔ قریب پہنچے تو خدا کا شکر ادا کیا اور امجد' اسعد سے

کہنے لگا بھائی' تو یہیں ٹھہر جا' میں اس شہر میں جا کر دیکھتا ہوں کہ آباد ہے یا اجاڑ ...... اور کیسے لوگ اس میں رہتے ہیں۔ کون یہاں کا بادشاہ ہے اور ہم اس وقت خدا کی وسیع زمین پر کس جگہ ہیں اور اس پہاڑ کی لمبائی چوڑائی میں ہم نے کتنی مسافت طے کی۔ اگر ہم اس پہاڑ کے دامن دامن چلتے تو ایک سال میں بھی اس شہر تک نہ پہنچتے شکر ہے خدا کا کہ ہم صحیح و سلامت انسانوں کی بستی تک تو آ پہنچے۔

اسعد بولا' کہ اچھا اب تو یہاں ٹھہر' میں جا کر دیکھوں۔ دونوں میں بحث ہونے لگی وہ کہتا میں جاؤں' وہ کہتا میں۔ انجام کار امجد نے کہا کہ اچھا تو جا مگر دیر نہ لگائیو۔ اسعد اپنے ساتھ کچھ دینار لے کر چلا اور اس کا بھائی اکیلا بیٹھ کر اس کی راہ دیکھنے لگا۔

اسعد شہر میں پہنچ گیا اور اس کی گلیوں میں پھرنے لگا۔ راہ میں اسے ایک شخص ملا جو بہت بوڑھا تھا اس کی داڑھی اس کے سینے تک لمبی تھی اور دو حصوں میں تقسیم کی ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک عصا تھا۔ اس کے کپڑے نہایت قیمتی تھے اور سر پر لال رنگ کا پھینٹا بندھا ہوا' اس کا لباس اور انداز دیکھ کر اسعد کو تعجب ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور پوچھا اے میرے آقا' بازار کا راستہ کون سا ہے؟ یہ سن کر بوڑھا مسکرایا اور کہنے لگا کہ بیٹا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو اس شہر میں پردیسی ہے؟

اسعد نے کہا' ہاں میں پردیسی ہوں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• دو ستائیسویں رات

دو سو ستائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ بوڑھا اسعد کو دیکھ کر مسکرایا اور کہنے لگا کہ بیٹا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو پردیسی ہے۔ بولا ہاں میں پردیسی ہوں۔ بوڑھے نے کہا کہ تو نے اپنے وطن کو اجاڑ کر ہمارے وطن کو آباد کیا ہے، تجھے بازار کی کیوں تلاش ہے؟ اسعد نے کہا کہ چچا، میرا ایک بھائی ہے جس کو میں پہاڑ پر چھوڑ کر آیا ہوں، ہم دونوں بہت دور سے تین مہینے کا سفر کر کے اس شہر تک پہنچے ہیں۔ میں اپنے بڑے بھائی کو وہاں چھوڑ کر اس لیے یہاں آیا ہوں کہ کچھ کھانا وغیرہ لے کر اس کے پاس جاؤں اور ہم دونوں کھائیں۔ بوڑھے نے کہا کہ بیٹا، خوش ہو کہ تیرے آگے بھلائی ہے بھلائی ہی بھلائی ہے کیونکہ میرے ہاں آج دعوت ہے اور بہت سے مہمان آئے ہوئے ہیں۔ میں نے ایسے عمدہ عمدہ کھانے تیار کرائے ہیں، جن کے کھانے کو جی للچائے۔ اگر تو، میرے ساتھ چلے تو جو تو چاہے گا، میں دوں گا اور تجھ سے اس شہر کا قصہ بھی بیان کروں گا۔ بیٹا شکر ہے خدا کا کہ تو میرے ہاتھ پڑا کسی اور کے نہیں۔

اسعد نے کہا کہ جو تیری مرضی ہو کر، مگر دیر نہ کر کیونکہ میرا بھائی میری راہ دیکھ رہا ہو گا اور اس کا جی مجھ ہی میں لگا ہو گا۔ بوڑھا اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک تنگ گلی کی طرف مڑا اور کہتا جاتا تھا کہ "پاک ہے وہ ذات جس نے تجھے اس شہر والوں سے نجات دی۔" چلتے چلتے وہ ایک وسیع مکان میں پہنچا جس کے اندر چالیس بوڑھے بیٹھے دیکھے جو ایک جلتی ہوئی آگ کے گرد حلقہ باندھے اس کی عبادت اور اس کے آگے سجدہ کر رہے تھے۔ اس نظارے سے مارے ڈر کے اسعد کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ بوڑھے نے ان لوگوں کو پکار کر کہا کہ اے آگ کے پرانے پرستارو آج کا دن بڑا مبارک ہے! پھر اس نے اے غضبان!

کہہ کر زور سے آواز دی۔ آواز سن کر ایک کالا بھجنگ لمبا تڑنگا غلام آیا۔ اس کی شکل ڈراؤنی تھی، تیور چڑھے ہوئے اور ناک پچکی ہوئی۔ بوڑھے نے غلام کو اشارہ کیا اور اس نے اسعد کو پشت پھیر کر اس کی مشکیں باندھ دیں۔ اس کے بعد بوڑھے نے کہا کہ اسے تہہ خانے میں لے جا کر چھوڑ آ اور فلاں لونڈی سے کہہ کہ اسے دن رات سزا دے۔ غلام اسے تہہ خانے میں لے جا کر لونڈی کے سپرد کر آیا۔ وہ لونڈی اسے مارتی اور ایک روٹی صبح اور ایک شام کھانے کو دیتی اور ایک ایک کوزہ دونوں وقت کھاری پانی کا۔ اب وہ بوڑھے آپس میں کہنے لگے کہ جب آگ کی عید ہو گی تو ہم اسے پہاڑ پر ذبح کر کے آگ کی بھینٹ چڑھائیں گے۔ لونڈی اتر کر اس کے پاس گئی اور اسے اتنا مارا کہ اس کے پہلوؤں سے خون بہنے لگا۔ وہ بے ہوش ہو گیا اور پھر اس کے پاس ایک روٹی اور ایک کوزہ کھاری پانی کا رکھ کر چلتی ہوئی۔ آدھی رات کے وقت جب اسعد کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں اور اتنی مار پڑی ہے کہ بدن کی ساری ہڈیاں دکھ رہی ہیں۔ وہ زار زار رونے لگا اور اسے اپنی پہلی عزت اور راحت حکومت اور شان و شوکت اور باپ کی جدائی کی یاد آ گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو اٹھائیسویں رات

جب دو سو اٹھائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک دل بادشاہ' جب اسعد نے دیکھا کہ وہ بیڑیوں سے جکڑا ہوا ہے اور اس پر مار پڑی ہے جس سے اس کے بدن میں درد ہے تو وہ اپنے گزشتہ عیش و راحت' حکومت اور شان و شوکت کو یاد کر کے رونے اور آہیں بھرنے لگا۔ روتے روتے سر کی طرف جو اس کا ہاتھ بڑھا تو اسے وہاں ایک روٹی اور ایک کوزہ کھاری پانی کا ملا۔ اس نے دو چار نوالے کھائے تاکہ سانس چلتا رہے اور تھوڑا سا پانی پیا مگر کھٹملوں اور جوؤں کی وجہ سے اسے رات بھر نیند نہ آئی۔ سویرا ہوا تو وہ لونڈی اس کے پاس آئی اور اس نے اس کے کپڑے بدلے جو خون میں ڈوبے ہوئے تھے اور اس کے بدن سے چپک گئے تھے۔ قمیص کے ساتھ اس کی کھال بھی اتر آئی۔ بلبلا اٹھا اور کہنے لگا کہ خداوند اگر تو اس میں خوش ہے تو مجھے اور زیادہ سزا دے۔ پروردگار تو' اس بات سے بے خبر نہیں ہے کہ کس نے مجھ پر ظلم کیا۔ لہٰذا اس سے میرا بدلہ لے۔ یہ کہہ کر وہ پھر چلانے لگا اور لونڈی نے پھر مارنا شروع کیا اور اتنا مارا کہ اسے غش آ گیا اور ایک روٹی اور ایک کوزہ کھاری پانی کا رکھ کر اس کے پاس سے چلی گئی۔ اس کے بدن سے خون بہہ رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں زنجیروں سے کسے ہوئے تھے۔ وطن سے دور' احباب سے الگ اور یہ مصیبت' نہ روتا اور کیا کرتا۔ بھائی کی یاد نے اس کو اور بھی زیادہ بے چین کر دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ооо

• دو سو انتیسو　　یں رات

جب دو سو انتیسو　　یں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ اسعد کو

اپنے بھائی کی یاد آئی تو زیادہ تڑپنے' آہیں بھرنے اور آہ و بکا کرنے لگا۔ اس کے آنسو جاری تھے اور وہ اپنی موجودہ حالت پر غور کر کے بھائی کی جدائی میں بے قرار تھا۔ ادھر یہ مصیبت میں مبتلا' ادھر اس کے بھائی امجد کی آنکھیں راہ تکتے تکتے دکھی جاتی تھیں۔
جب دوپہر ہو گئی اور وہ نہ لوٹا تو اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ جدائی کی تکلیف اور زیادہ بڑھ گئی' بے تحاشہ آنسو بہنے لگے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو تیسویں رات

دو سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ! امجد اپنے بھائی اسعد کی راہ دوپہر تک دیکھتا رہا۔ جب وہ نہ لوٹا تو اس کا دل دھڑکنے لگا اور جدائی کا صدمہ دوبالا ہو گیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اس نے چلا کر کہا کہ ہائے میرا بھائی' ہائے میرا ساتھی واویلا! یہ جدائی کس قدر مصیبت ناک ہے! اب وہ روتا ہوا پہاڑ پر سے اترا اور شہر میں داخل ہوا اور پوچھا کہ اس شہر کا نام کیا ہے اور اس کے رہنے والے کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ اس کا نام مدینہ المجوس ہے اور بادشاہ کے سوا تمام باشندے آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ پھر اس نے مدینتہ الابنوس کے متعلق دریافت کیا وہ بولے کہ مدینتہ الابنوس یہاں سے خشکی کے راستے ایک سال کی راہ ہے اور پانی سے چھ مہینے کی۔ وہاں کے بادشاہ کا نام ارمانوس ہے۔ اس نے ایک شہزادے کو اپنا داماد بنا کر اپنے تخت پر بٹھا دیا ہے۔ اس بادشاہ کا نام قمرالزماں ہے وہ بڑا منصف مزاج ہے اور لوگوں کے ساتھ احسان اور بخشش کرتا ہے اور انہیں امن و امان سے رکھتا ہے۔ جب امجد نے اپنے باپ کا نام سنا تو رونے اور آہیں بھرنے اور فریاد کرنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جائے اور کیا کرے؟ بالاخر اس نے کھانا پینا خریدا اور ایک کنارے جا کر بیٹھ گیا۔ کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اسے اپنے بھائی کی یاد آ گئی۔ ہچکیاں لے کر رونے لگا اور زبردستی ایک دو لقمے حلق سے اتارے تاکہ جان نہ نکل جائے اور اپنے بھائی کی تلاش میں ادھر ادھر پھرنا شروع کیا۔ اتنے میں اسے ایک مسلمان درزی دکھائی دیا۔ اس کی دوکان پر بیٹھ کر اس نے اپنا قصہ بیان کیا۔ درزی نے کہا کہ اگر تیرا بھائی کسی آتش پرست کے ہاتھ پڑ گیا ہے تو اس کا ملنا مشکل ہے۔ خدا تم دونوں کو ملا دے! پھر اس نے کہا کہ بھائی اگر تیرا جی چاہے تو تو میرے گھر میں رہ۔ امجد رضا مند ہو گیا۔ درزی کو بہت ہی خوشی ہوئی۔ اب

شہزادہ درزی کے ساتھ رہنے لگا۔ وہ اس کی تسلی تشفی کرتا۔ صبر دلاتا اور سینے پرونے کی تعلیم بھی دیتا۔

ایک روز امجد نے دریا کے کنارے جا کر اپنے کپڑے دھوئے اور حمام میں غسل کر کے صاف ستھرا ہو کر شہر کی سیر کرنے لگا۔ راستے میں اسے ایک نہایت حسین و جمیل عورت ملی جس کا قد اور ناک نقشہ لاجواب تھا۔ جب عورت کی نظر اس پر پڑی تو اس نے اپنی نقاب اٹھا دی۔ بھوؤں اور ہونٹوں سے اشارے کرنے اور آنکھیں مارنے لگی! اس کی اشارہ بازیوں پر اس کا دل بھی آ گیا اور طبیعت ادھر کھینچنے لگی۔ اس نے محبت سے اس کی طرف نظر کی۔ عورت نے ٹھنڈا سانس لیا۔ امجد کہنے لگا کہ تو' میرے ساتھ چلے گی یا میں تیرے ساتھ چلوں؟ عورت نے مارے شرم کے اپنی آنکھیں نیچی کر لیں اور قرآن کی یہ آیت پڑھی کہ الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض۔ امجد اس کا مطلب سمجھ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

دو سو اکتیس ویں رات

دو سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ امجد اس عورت کا مقصد سمجھ گیا وہ اس کے ساتھ چلنا چاہتی ہے۔ اب وہ مجبور ہوا کہ اس کے لیے کوئی مکان تلاش کرے کیونکہ وہ اسے اپنے استاد درزی کے پاس لے جانے سے شرماتا تھا۔ وہ آگے آگے اور عورت پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ ایک گلی سے نکلتا دوسری گلی میں جاتا۔ کبھی ادھر سے ادھر اس کوچہ بہ کوچہ پھرنے میں وہ لڑکی تھک گئی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا تیرا گھر کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ابھی آتا ہے' ذرا صبر کر۔ یہ کہتا ہوا وہ ایک خوبصورت گلی میں مڑا اور چلنے لگا کہ لڑکی پیچھے پیچھے ہولی یہاں تک کہ وہ گلی بھی ختم ہو گئی اور اس کے آگے کوئی راستہ نہ تھا۔ امجد اپنے دل میں لاحول پڑھنے لگا اور اس نے دیکھا کہ گلی کے آخر میں ایک دروازہ ہے جس کے آگے پتھر کی دو چوکیاں بن ہوئی ہیں لیکن دروازہ بند ہے۔ ایک چوکی پر امجد بیٹھ گیا' دوسری پر لڑکی۔ لڑکی بولی' اے میرے آقا کس بات کا انتظار ہے؟ امجد نے سر نیچا کر لیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا کہ میں اپنے غلام کی راہ دیکھ رہا ہوں کیونکہ کنجی اس کے پاس ہے۔ میں اس سے کہہ گیا تھا کہ جب تک میں حمام سے نکلوں ہمارے لیے کھانے پینے اور مئے نوشی کا سامان مہیا کیجیو۔ اس کے بعد وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ جب وہ بیٹھی بیٹھی تھک جائے گی تو اپنے آپ چلی جائے گی اور پھر میں بھی اپنی راہ لوں گا۔ بہت دیر ہو گئی تو لڑکی پوچھنے لگی اے میرے آقا' غلام نے بہت دیر لگائی اور ہم یہاں سڑک پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ تو کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اتنے میں وہ اٹھی اور ایک پتھر لے کر قفل کے پاس پہنچی۔ امجد نے کہا کہ جلدی مت کر' غلام کو آ جانے دے لیکن اس نے ایک نہ سنی بلکہ قفل پر اس

زور سے پتھر مارا کہ قفل کے دو ٹکڑے ہو گئے اور دروازہ کھل گیا۔ امجد نے کہا کہ تو نے کیا سوچ کر ایسا کیا۔ وہ بولی کہ چل ہٹ آخر ہوا کیا! کیا یہ تیرا گھر اور تیری ملکیت نہیں ہے؟ امجد نے کہا کہ ہے لیکن قفل کے توڑنے کی کیا ضرورت تھی! لڑکی نے کچھ پروا نہ کی اور بے تکلفی سے اندر چلی گئی۔ امجد حیران پریشان اور گھر والوں کا خوف کہ اگر آ گئے تو کیا ہو گا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے؟ لڑکی نے کہا کہ اے میری آنکھوں کے نور اور دل کے سرور اندر کیوں نہیں آتا؟ اس نے جواب دیا کہ ابھی حاضر ہوا لیکن غلام کم بخت نہ جانے کہاں مر گیا اور معلوم نہیں کہ جن باتوں کا حکم دیا تھا وہ اس نے کیں یا نہیں۔ یہ کہہ کر وہ بھی لڑکی کے ساتھ ڈرتے ڈرتے پہنچا۔

جب وہ مکان کے اندر پہنچا تو اسے وہاں ایک نفیس کمرہ نظر آیا جس کے آمنے سامنے چار چوکیاں پڑی ہوئی تھیں اور صندوق رکھے ہوئے اور پردے پڑے ہوئے تھے۔ ریشم اور اطلس کا فرش تھا۔ بیچ میں ایک قیمتی فوارہ تھا جس کے اردگرد جواہرات سے جڑی ہوئی سینیاں۔ ان سینیوں میں میوے اور خوشبوئیں بھری ہوئی تھیں اور ان کے قریب مے نوشی کا سامان' پاس ہی ایک شمع دان تھا جس میں ایک شمع لگی ہوئی تھی۔ سارا کمرہ نفیس کپڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ عمدہ عمدہ صندوق اور کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ ہر کرسی پر ایک بقچہ تھا اور اس کے اوپر درہموں اور دیناروں سے بھری ہوئی ایک ایک تھیلی۔ مکان کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی خوش حال شخص کا دولت کدہ ہے کیونکہ اس کا فرش بھی مرمر کا تھا۔ امجد نے یہ ساری چیزیں دیکھیں تو وہ اپنے اوپر ملامت کرنے اور دل میں کہنے لگا کہ اب میری جان گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لیکن لڑکی اس جگہ کو دیکھ کر بے حد خوش ہو گئی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا' غلام نے بالکل کوتاہی نہیں کی۔ اس نے مکان کو جھاڑ پونچھ کرکھانے لگانے اور میوے سجانے میں پورا سلیقہ کیا اور میں یہاں بڑے اچھے وقت پر پہنچی ہوں۔ امجد نے اس کی طرف

بالکل توجہ نہ کی کیونکہ اسے مکان والوں کا ڈر لگا ہوا تھا۔ لڑکی نے کہا کہ اے میرے آقا' اے میرے دل کے مالک واہ وا! تو اس طرح کیوں کھڑا ہے؟ یہ کہہ کر وہ خوب قہقہہ مار کر ہنسی اور اس نے امجد کا اس زور سے بوسہ لیا جیسے اخروٹ ٹوٹتا ہے اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا' اگر تو نے کسی دوسرے سے وعدہ کیا ہے تو میں کمر باندھ کر اس کی خدمت کروں گی۔ اس فقرے پر امجد بھی ہنس پڑا۔ لیکن اس کا دل غصے میں بھرا ہوا تھا اور خاموش کچھ سوچنے لگا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ اگر مکان کا مالک آ گیا تو میری جان کی خیر نہیں۔ لڑکی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے لگی۔ امجد کے چہرے سے رنج کے آثار نمودار تھے اور دل میں ہزاروں وسوسے۔ اس کو یہ سوچ تھی کہ مکان مالک ضرور آتا ہو گا۔ میں اس سے کیا کہوں گا! وہ بلا شک مجھے مار ڈالے گا اور میری جان مفت میں جائے گی۔

اتنے میں لڑکی نے اپنی آستینیں چڑھائیں اور ایک خوان لے کر دسترخوان بچھایا اور

کھانا کھانے لگی۔ امجد سے بھی کہا کہ اے میرے آقا کھا۔ امجد کھانے کے لیے آگے بڑھا لیکن کھانے کو اس کا جی نہ چاہا۔ اس کی آنکھیں دروازے کی طرف لگی رہیں۔ یہاں تک کہ لڑکی سیر ہو گئی اور دسترخوان بڑھا کر پھلوں کی سینی لے آئی اور پھل کھانے شروع کر دیئے۔ اس کے بعد وہ شراب لائی اور صراحی کھول کر ایک جام بھرا اور امجد کو دیا۔ اس نے جام لے تو لیا لیکن اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ کہیں مکان کا مالک نہ آ جائے اور مجھے نہ دیکھ لے۔ ہاتھ میں جام تھا اور آنکھیں آہٹ پر لگی ہوئی۔ اسی حالت میں مکان کا مالک آ پہنچا۔ وہ ایک غلام تھا۔ شہر کا بڑا آدمی بادشاہ کے اصطبل کا داروغہ اور یہ گھر اس نے عیش اڑانے کے لیے رکھا تھا تاکہ جب چاہے' وہاں آ کر دل بہلائے اور جس کے ساتھ چاہے تنہائی میں بیٹھے۔ آج اس نے اپنے ایک معشوق کو بلایا تھا اور اسی کے لیے مکان کی آراستگی کی تھی۔ اس غلام کا نام بہادر

تھا۔ اس کی سخاوت مشہور تھی۔ لوگوں کے ساتھ بے حد فیاضی اور نیکی کے ساتھ پیش آتا' غریبوں کو خیرات دیتا اور احسان کرتا۔ جب وہ قریب آیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی

○○○

• دو سو بتیس ویں رات

دو سو بتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب گھر کا مالک اصطبل کا داروغہ بہادر دروازے کے پاس پہنچا اور دیکھا کہ وہ کھلا ہوا ہے تو وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا' اندر جھانکا تو کیا دیکھتا ہے کہ امجد اور لڑکی دونوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے آگے میووں کی سینی اور صراحی رکھی ہوئی ہے۔ امجد نے ابھی پیالہ منہ کو لگایا تھا اس کی آنکھیں دروازے کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ اس کی نظر داروغہ بہادر پر پڑی۔ آنکھیں چار ہوتے ہی امجد کا رنگ فق ہو گیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ ادھر بہادر بھی حیرت زدہ کچھ غصہ کچھ ہنسی۔ اس نے اپنے کو ضبط کر کے ہونٹوں پر انگلی رکھی اور اشارے سے کہا کہ چپ رہ اور میرے پاس آ۔ امجد نے پیالہ اپنے ہاتھ سے رکھ دیا اور اس کی طرف چل کھڑا ہوا۔ لڑکی نے پوچھا کہ کہاں؟ اس نے سر کے اشارے سے کہا کہ پیشاب کرنے' اور دروازے کی طرف ننگے پاؤں روانہ ہوا۔ جب اس نے بہادر کو دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ یہی گھر کا مالک ہے اور جلدی سے اس کے پاس پہنچ کر اس نے بہادر کے ہاتھ چومے اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا خدا کے لیے قبل اس کے کہ تو مجھے سزا دے میری بات سن لے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا کہ اس نے اپنا ملک و وطن کیونکر چھوڑا' نیز یہ کہ وہ اپنی مرضی سے مکان میں داخل نہیں ہوا بلکہ لڑکی نے قفل توڑ کر دروازہ کھول دیا اور یہ ساری کارروائی کی۔ امجد کی باتیں اور اس کی تمام روداد سننے کے بعد بہادر سمجھ گیا کہ وہ شاہ زادہ ہے۔ اسے اس پر ترس آیا اور رحم کھا کر اس نے اس سے کہا کہ امجد' میری بات سن' میں تجھے امن و امان میں رکھوں گا۔ ہاں اگر تو' نے میری بات نہ مانی تو پھر مجھ سے برا کوئی بھی نہیں۔

امجد نے کہا کہ جو تیرا جی چاہے حکم دے' میں اس کی تعمیل کروں گا کیونکہ میں تیری

مروت کا آزاد بندہ ہوں۔ بہادر بولا کہ اچھا جا اسی کمرے میں بیٹھ' جہاں تو بیٹھا تھا اور بے فکر رہ میں بھی تیرے پاس آؤں گا' میرا نام بہادر ہے' جب میں تیرے پاس پہنچوں تو' تو مجھے برا بھلا کہیو اور ڈانٹیو ڈپٹیو اور کہیو کہ تو' اب تک کہاں غائب رہا اور میرا کوئی عذر نہ سنیو بلکہ اٹھ کر مجھے ماریو۔ اگر تو نے ذرا بھی لحاظ کیا تو میں تجھے بے مارے نہ چھوڑوں گا۔ اب اندر جا اور مزے اڑا بلکہ تجھے اور جس چیز کی خواہش ہو گی وہ میں تیرے لیے فوراً حاضر کر دوں گا۔ آج رات جس طرح تیرا جی چاہے گزار اور کل صبح اپنی راہ لیجیو۔ یہ اس وجہ سے کہ تو پردیسی ہے اور میں پردیسیوں سے محبت کرتا اور ان کی عزت کرتا ہوں۔

یہ سن کر امجد نے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اندر گیا۔ اس کا چہرہ خوشی سے کھلا ہوا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے لڑکی سے کہا کہ اے حسینہ تو اس جگہ خوشی لے کر آئی ہے اور آج کی رات مبارک ہے۔ لڑکی بولی کہ یہ عجیب بات ہے کہ اب تو' میرا خیر مقدم کر رہا ہے۔ امجد نے کہا کہ میرا گمان تھا کہ غلام میرے ہیرے لے کر کہیں چمپت ہو گیا ہو جن میں سے ہر ایک کی قیمت دس دس ہزار دینار ہے۔ اسی لیے میرے حواس درست نہ تھے اور اسی کی تلاش میں ابھی میں باہر گیا تھا لیکن جستجو کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ سب موجود ہیں۔ نہ معلوم غلام نے اتنی دیر کیوں لگائی۔ خیر آ جائے تو میں اسے ضرور سزا دوں گا۔

امجد کی باتیں سن کر لڑکی کو اطمینان ہوا اور دونوں ہنسی مذاق کرنے اور شراب پینے اور گل چھرے اڑنے لگے۔ مغرب کا وقت ہوا تو بہادر کپڑے بدل کر کمرے سے پٹکا باندھ کر اور وہ جوتے پہن کر جو غلام پہنا کرتے ہیں ان کے پاس آیا اور سلام کر کے زمین چومی اور ہاتھ پیچھے باندھ کر سر جھکا لیا گویا وہ اپنے جرم کا اقرار کرتا ہے۔ امجد نے غصے سے اس کی طرف دیکھا اور کہا کہ اے منحوس ترین غلام' تو نے اتنی دیر کیوں لگائی؟ اس نے جواب دیا کہ میرے آقا میں اپنے کپڑے دھو رہا تھا۔ مجھے خبر نہ تھی کہ تو یہاں ہے کیونکہ تو نے مجھے عشاء کا وقت دیا تھا۔ امجد اسے ڈانٹ کر بولا' اے

منحوس ترین غلام تو جھوٹا ہے' میں ابھی تیرے ڈنڈے لگاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور اس نے بہادر کو زمین پر لٹا دیا اور ڈنڈا لے کر اسے آہستہ آہستہ مارنے لگا۔ یہ دیکھ کر لڑکی اٹھی اور امجد کے ہاتھ سے ڈنڈا لے کر بہادر کو اتنے زور سے مارنے لگی کہ مارے تکلیف کے اس کے آنسو نکل پڑے۔ اور دہائی مانگنے اور دانت پیسنے لگا۔ امجد لڑکی کو ڈانٹتا تھا کہ بس کر اور وہ کہتی تھی کہ مجھے اپنا غصہ اتار لینے دے۔ بالاخر امجد نے ڈنڈا اس کے ہاتھ سے چھین کر پھینک دیا۔ بہادر نے اٹھ کر اپنے آنسو پونچھے اور تھوڑی دیر تک ان دونوں کی خدمت میں کھڑے رہنے کے بعد کمرے کو جھاڑا پونچھا اور قندیلیں جلائیں۔ جب بہادر اندر آتا یا باہر جاتا تو لڑکی اسے لعنت ملامت کرتی مگر امجد اس پر ناراض ہوتا اور کہتا کہ خدا کے لیے میرے غلام کو مت چھیڑ کیونکہ اسے اس کی عادت نہیں۔ اس کے بعد وہ دونوں کھانے پینے میں مشغول ہو گئے اور بہادر ان کی خدمت میں کھڑا رہا۔ جب آدھی رات ہو گئی اور وہ خدمت کرتے کرتے تھک گیا اس کے بدن کی چوٹیں بھی کسکنے لگی تھیں تو وہ بیچ کمرے میں سو گیا اور خراٹے لینے لگا۔ اتنے میں لڑکی کو نشہ چڑھ چکا تھا اس نے امجد سے کہا کہ اٹھ اور اس تلوار کو لے کر جو لٹکی ہوئی ہے اس غلام کی گردن اڑا دے۔ اگر تو ایسا نہ کرے گا تو میں تجھے جان سے مار ڈالوں گی۔ امجد نے کہا کہ تو آخر میرے غلام کی جان کے پیچھے کیوں پڑی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بغیر اسے قتل کیے ہمیں پورا پورا مزہ نہ آئے گا' تو نہیں اٹھتا تو میں اٹھ کر اسے قتل کیے دیتی ہوں۔

امجد نے کہا کہ خدا کے لیے ایسا مت کر۔ اس نے کہا کہ یہ تو میں کر کے چھوڑوں گی۔ روکتے روکتے اس نے تلوار اتار لی اور سونت کر غلام کو قتل کرنے چلی۔ امجد نے اپنے دل میں کہا کہ اس شخص نے ہم پر احسان کیے ہیں' ہماری پردہ پوشی کی ہے اور اپنے آپ کو میرا غلام ظاہر کیا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں نیکی کے بدلے بدی کروں اور اس کا خون اپنی گردن پر لوں۔ یہ سوچتے ہوئے وہ لڑکی سے بولا اگر غلام کو قتل کرنا ہی ہے تو تجھ سے زیادہ میں اس کا مستحق ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے

لڑکی کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور لڑکی کی گردن پر اس زور سے ہاتھ مارا کہ اس کا سر تن سے جدا ہو کر مالک مکان کے قریب جا گرا۔ دھماکے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ بیٹھا اور دیکھا کہ امجد کھڑا ہے اور خون میں رنگی ہوئی تلوار اس کے ہاتھ میں ہے۔ جب اس کی نظر لڑکی پر پڑی تو اسے مردہ پایا۔ گھبرا کر پوچھا کہ ظالم یہ تو نے کیا حرکت کی۔ امجد نے لڑکی کا سارا قصہ دہرایا اور کہا کہ وہ تیرے قتل سے باز نہ آتی تھی۔ ایسی ناسزا کی یہی سزا ہے۔

بہادر نے امجد کے سر کو بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا کاش تو نے اسے معاف کر دیا ہوتا! اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ صبح سے پہلے اس کی لاش کہیں پھینک دی جائے۔ یہ کہہ کر بہادر نے کمر کسی لڑکی کی لاش عبا میں لپیٹی پھر اسے ایک تھیلے میں رکھ کر اپنی پیٹھ پر لادا اور امجد سے بولا کہ تو' تو پردیسی ہے اور کسی سے واقف نہیں لہٰذا یہاں بیٹھ کر صبح تک میرا انتظار کر۔ اگر میں واپس آ گیا تو تجھے ضرور مالا مال کر دوں گا اور تیرے بھائی کا پتہ لگانے کی کوشش کروں گا اور اگر سورج نکلنے تک میں نہ لوٹا تو جان لیجیو میرا کام تمام ہو گیا۔ خدا تجھے سلامت رکھے! اور یہ سب مال و دولت تیری ملکیت ہے۔ یہ کہہ کر وہ چلتا ہوا اور گلیوں میں سے گزرتا سمندر کی طرف چلا تاکہ اسے پانی میں ڈبو دے۔ سمندر کے قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ والی اور اس کے سپاہیوں نے چاروں طرف سے آ گھیرا! وہ بہادر کو پہچان کر حیران رہ گئے لیکن تھیلے کو کھول کر دیکھا تو اس میں ایک عورت کی لاش پائی۔ اب کیا تھا' انہوں نے اس کو گرفتار کر لیا اور رات بھر قید میں رکھا۔ صبح ہوئی تو اسے اور تھیلے کو بجنسہ لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ طیش میں آ گیا اور اس سے کہنے لگا کہ مردود کیا تو' ہمیشہ یہی کام کرتا ہے کہ لوگوں کو قتل کر کے سمندر میں ڈال آتا ہے اور ان کا مال و دولت لے لیتا ہے؟ نہ جانے اس طرح تو نے کتنوں کو قتل کیا ہو گا؟ بہادر نے اپنا سر نیچا کر لیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو تینتیسویں رات

جب دو سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ بہادر نے بادشاہ کے سامنے سر جھکا لیا اور بادشاہ نے کہا کہ مردود' اس لڑکی کو کس نے قتل کیا؟ اس نے جواب دیا' اے مرے مالک میں نے قتل کیا ہے۔ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔ پھر تو بادشاہ کے غصے کی انتہا نہ رہی اور اس نے فوراً اسے پھانسی کا حکم دے دیا۔ بادشاہ کا حکم صادر ہوتے ہی جلاد اسے قتل گاہ کی طرف لے چلا اور والی شاہی اصطبل کے داروغہ بہادر کے مارے جانے کی خوشی میں شہر کی سڑکوں پر ڈھنڈورا پٹوانے اور اس کی تشہیر کے درپے ہوا۔

یہ تو بہادر کا ماجرا ہوا اب امجد کا حال سنو۔ جب سویرا ہو گیا' سورج نکل آیا اور بہادر نہیں لوٹا تو وہ کہنے لگا لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔ خدا جانے اس پر کیا گزری اور وہ کس حالت میں ہے! وہ اسی سوچ میں تھا کہ اس نے بہادر کے متعلق ڈھنڈورا سنا کہ وہ آج دوپہر کو پھانسی چڑھے گا۔ یہ سنتے ہی امجد کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے کہا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ ناحق میری وجہ سے ہلاک ہو رہا ہے۔ اس لڑکی کو تو میں نے قتل کیا ہے۔ واللہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اور دل میں بہادر کے بچانے کا پکا ارادہ کر کے وہ کمرے سے نکلا اور گھر میں قفل ڈال کر شہر میں ہوتا ہوا بہادر کے پاس پہنچا اور والی کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے آقا! بہادر کو قتل مت کر کیونکہ وہ بے جرم ہے' لڑکی کا قاتل میں ہوں۔ یہ سن کر والی اسے اور بہادر کو لے کر بادشاہ کے پاس گیا اور جو کچھ امجد سے سنا تھا' کہہ سنایا۔ بادشاہ نے امجد کی طرف دیکھا کہ کیا تو نے اس لڑکی کا قتل کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ بادشاہ نے کہا کہ لڑکی کو قتل کرنے کا سبب بتا مگر سچ سچ کہیو۔ اس نے کہا کہ اے بادشاہ میرا ماجرا اتنا عجیب و غریب ہے کہ اگر اسے سوئیوں سے آنکھوں کے

پردوں پر لکھا جائے تو لوگ اس سے سبق حاصل کریں گے۔ یہ کہہ کر اس نے بادشاہ سے اپنا سارا قصہ اور جو کچھ اس پر اور اس کے بھائی پر گزری تھی اول سے لے کر آخر تک کہہ سنایا۔ بادشاہ سخت متعجب ہوا اور اس سے کہنے لگا کہ تو بے جرم ہے لیکن اے جوان کیا تو میرا وزیر بننا چاہتا ہے۔

امجد نے جواب دیا کہ بسرو چشم۔ اب بادشاہ نے اسے اور بہادر کو عمدہ عمدہ خلعت دیئے اور رہائش کے لیے اسے ایک خوبصورت مکان اور نوکر چاکر عنایت کیے۔ اس کی ضرورت کے سارے سامان کیے۔ اس کی تنخواہ اور روزینہ مقرر کر دیا۔ اور اس سے کہا کہ اپنے بھائی اسعد کا پتہ چلا۔ امجد وزیر کی کرسی پر بیٹھا' نئے نئے احکام جاری اور عدل کے ساتھ فیصلے کرنے لگا کسی کو رتبہ دیا اور کسی کو معزول کیا۔ کسی کا مال ضبط کیا اور کسی کو عطا کیا اور اپنے بھائی اسعد کے متعلق شہر کے گلی کوچوں میں ڈھنڈورا پٹوا دیا۔ ڈھنڈورا ایک مدت تک پٹتا رہا مگر اس کا نہ کہیں پتا چلا اور نہ کوئی سراغ لگا۔

یہ تو امجد کی سرگزشت ہوئی' اب اسعد کی داستان سنئے۔ آتش پرست اسے دن رات مارتے پیٹتے یہاں تک کہ ایک سال گزر گیا اور مجوسیوں کا عید کا زمانہ آ گیا۔ آتش پرست بہرام نے سفر کی تیاری کی اور ایک کشتی کا انتظام کیا۔

اتنے میں شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو چونتیس ویں رات

دو سو چونتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ آتش پرست بہرام نے سفر کے لیے کشتی تیار کر لی تو اسعد کو ایک صندوق میں بند کیا اور اس میں قفل ڈال کر اسے کشتی کے اندر لے گیا۔ جس وقت بہرام اسعد کو صندوق میں بند کر کے کشتی میں لے جا رہا تھا اتفاقاً امجد اپنے جھروکوں سے سمندر کی سیر کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ کشتی میں سامان لیے جا رہے ہیں۔ اس کا دل دھڑکنے لگا اور اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کا گھوڑا لائیں۔ وہ سوار ہوا اور اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر سمندر کی جانب چل کھڑا ہوا اور آتش پرست کی کشتی کے پاس کھڑے ہو کر اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ کشتی کے سامان کی تلاشی لیں لیکن تلاشی میں کوئی چیز قابل اعتراض نہ ملی اور امجد واپس لوٹ آیا۔ راستے میں پھر کچھ خیال آیا اور آتش پرست کے مکان پر گیا۔ وہاں پہنچ کر پھر اس کے دل میں ایک قسم کی بے چینی محسوس ہوئی اور ایک جگہ مکان کی دیوار پر دو شعر لکھے ہوئے دیکھے: "دوستو اگرچہ تم میری آنکھوں کے آگے نہیں لیکن تم میرے دل سے غائب نہیں ہو۔ تم نے مجھے بے کسی کی حالت میں چھوڑ دیا اور میرا سونا سوگند ہو گیا ہے اور خود تم سو رہے ہو۔" یہ پڑھ کر امجد کو اپنے بھائی کی یاد آ گئی اور وہ رونے لگا۔

اس کو یہاں چھوڑ کر اب آتش پرست بہرام کا ماجرا سنئے۔ اس نے کشتی پر سوار ہو کر ملاحوں سے کہا کہ جلدی سے بادبان کھولو۔ بادبان کھول دیئے گئے اور کشتی روانہ ہوئی۔ کئی دن اور رات چلتے رہے۔ آتش پرست ہر دوسرے دن اسعد کو نکالتا اور اسے تھوڑا سا کھانا کھلا کر تھوڑا سا پانی پلا دیتا۔ آخر وہ آتش فشاں پہاڑ کے پاس پہنچ گئے۔ کنارا ابھی دور تھا کہ طوفان آ گیا اور کشتی راہ سے بے راہ ہو گئی اور جہاں وہ جانا چاہتے

تھے' اس سے ہٹ گئے۔ کشتی موجوں کے تھپیڑے کھاتی ہوئی دوسرے سمندر میں جا نکلی اور لب ساحل ایک شہر پر جا لگی جس کے قلعے کی کھڑکیاں سمندر کی طرف تھیں۔

اس شہر پر ایک عورت حکمران تھی' جس کا نام ملکہ مرجانہ تھا۔ ناخدا نے بہرام سے کہا کہ اے میرے آقا' ہم راستے سے بھٹک گئے ہیں۔ اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم اس شہر میں جا کر آرام کریں۔ اس کے بعد جو خدا کو منظور ہے' ہو گا۔ بہرام نے کہا کہ جو کچھ تو نے کیا۔ ٹھیک کیا اور جو تیری رائے ہے' درست ہے اور میں تیری ہی رائے کے موافق کام کروں گا۔ ناخدا نے کہا کہ اگر ہمیں ملکہ نے بلا کر پوچھا تو ہم کیا جواب دیں گے؟ بہرام نے کہا کہ ہم اس مسلمان کو جو ہمارے ساتھ ہے غلاموں کا لباس پہنا کر اپنے ساتھ لے لیں گے جب ملکہ دیکھے گی تو اس کا خیال ہو گا کہ یہ غلام ہے اور ہمیں پوچھا تو میں کہہ دوں گا کہ میں غلاموں کی تجارت کرتا ہوں' میرے پاس بہت سے غلام تھے جن کو میں نے بیچ ڈالا ہے۔ اب اس غلام کے سوا اور کوئی باقی نہیں رہا۔ ناخدا نے کہا کہ یہ تو نے خوب بات کہی۔ اس کے بعد انہوں نے لنگر ڈال دیا۔ بادبان لپیٹ دیئے اور کشتی سے اتر پڑے

اتنے میں ملکہ مرجانہ اپنے خدم و حشم کے ساتھ وہاں پہنچی اور کشتی کے پاس کھڑے ہو کر ناخدا کو آواز دی۔ اس نے ملکہ کے پاس آ کر زمین کو بوسہ دیا۔ ملکہ نے پوچھا کہ تیری اس کشتی میں کیا کیا سامان ہے؟ اور تیرے ساتھ کون کون لوگ ہیں؟ اس نے کہا کہ جہاں پناہ' میرے ساتھ ایک تاجر ہے جو غلاموں کی خرید و فروخت کرتا ہے' ملکہ نے کہا کہ اسے بلا۔ اتنے میں بہرام نکلا۔ اسعد غلاموں کے انداز میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ جب بہرام ملکہ کے پاس پہنچا تو زمین چوم کر مودب کھڑا ہو گیا۔ ملکہ نے کہا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں غلاموں کا تاجر ہوں۔ اب ملکہ کی نظر اسعد پر پڑی۔ وہ سمجھی کہ یہ غلام ہے اور اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ رونے کی وجہ سے اس کی ہچکی بندھی ہوئی تھی اور اس نے بڑی مشکل سے کہا کہ میرا نام اسعد ہے۔ ملکہ کو اس پر ترس آ گیا اور اس نے پوچھا کہ تجھے لکھنا

پڑھنا آتا ہے؟ اسعد نے عرض کیا' ہاں۔ ملکہ نے اسے دوات اور قلم اور کاغذ دے کر کہا کہ کچھ لکھ تاکہ میں دیکھوں۔ اس نے لکھا: جس شخص کے اوپر قسمت کی چکی چل رہی ہو اور اس کے لیے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اس کی مشکیں باندھ کر پانی میں ڈال دیا گیا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ خبردار بھیگیو مت۔" یہ پڑھ کر جذبہ رحم سے ملکہ کا دل کانپ اٹھا اور وہ بہرام سے کہنے لگی کہ اس غلام کو میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ اس نے کہا کہ اے میری آقا اس کا بیچنا ممکن نہیں۔ میں اپنے سارے غلام بیچ چکا ہوں اور اب اس کے سوا اور کوئی باقی نہیں رہا۔ ملکہ مرجانہ بولی' میں اسے تجھ سے لے کر رہوں گی خواہ تو بیچے یا ہدیہ دے۔ بہرام نے کہا کہ نہ میں بیچوں گا اور نہ ہدیہ دوں گا۔ یہ سن کر ملکہ نے اسعد کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر قلعے میں چلی گئی اور بہرام کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تو آج ہی رات کو ہمارے شہر سے نہ چلا گیا تو میں تیرا مال ضبط کروں گی اور تیری کشتی توڑ ڈالوں گی۔ جب بہرام کے پاس یہ پیغام پہنچا تو اسے بڑا رنج ہوا اور اس نے کہا کہ یہ سفر منحوس ہے اور اٹھ کر سفر کی تیاری کرنے لگا۔ تمام ضروری چیزیں اپنے ساتھ لیں اور انتظار کرنے لگا کہ رات ہو تو روانہ ہو جاؤں۔ اس نے ملاحوں سے کہا کہ چلنے کی تیاری کرو' مشکوں میں پانی بھر لوں اور پچھلی رات کو بادبان کھول دو۔ ملاح اپنے کام میں لگ گئے اور رات کا انتظار کرنے لگے یہاں تک کہ رات ہو گئی۔

یہ تو ان کا حال ہوا۔ اب ملکہ مرجانہ کی سنو! وہ اسعد کو لے کر قلعے میں گئی۔ سمندر کی طرف والی کھڑکیاں کھول دیں اور لونڈیوں سے کہا کہ کھانا لائیں۔ جب وہ ان دونوں کے لیے کھانا لائیں تو انہوں نے کھایا۔ اس کے بعد ملکہ نے شراب لانے کا حکم دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو پینتیس ویں رات

جب دو سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ بلکہ مرجانہ نے کنیزوں کو حکم دیا کہ شراب پیش کریں۔ انہوں نے شراب پیش کی اور اس نے اسعد کے ساتھ شراب پی۔ خدا نے اس کے دل میں اسعد کی محبت ڈال دی۔ وہ اسے جام پر جام پلائے جاتی حتیٰ کہ اس کے ہاتھ پاؤں قابو میں نہ رہے۔ اتنے میں اسے رفع حاجت کی ضرورت ہوئی۔ لڑکھڑاتا ہوا مدہوش تھا نکلا چلا گیا۔ چلتے چلتے ایک بہت بڑے باغ میں جا پہنچا جس میں ہر طرح کے میوے اور پھول تھے۔ وہیں اس نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر اپنی حاجت رفع کی اور وہاں سے اٹھ کر ایک حوض کے پاس گیا جو باغ میں تھا اور پاجامہ باندھتے باندھتے نشہ کے جھونکے سے چت گر پڑا۔ ٹھنڈی ہوا تھی پڑتے ہی سو گیا اور رات ہو گئی۔

ادھر اسعد پڑا سو رہا تھا۔ ادھر جب رات ہوئی تو بہرام نے چلا کر ملاحوں سے کہا کہ بادبان کھول دو اور چلو۔ انہوں نے کہا کہ ابھی چلتے ہیں۔ اتنا ٹھہر جا کہ ہم اپنی مشکیں بھر لیں اور سوار ہو جائیں یہ کہہ کر ملاح مشکوں کو لے کر پانی بھرنے نکلے۔ قلعے کے چاروں طرف گھومتے رہے لیکن باغ کی دیوار کے سوا انہیں اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ اس لیے وہ دیوار پر چڑھ کر باغ میں اتر گئے اور پانی کی تلاش میں اس روش پر ہو لیے جو حوض میں جاتی تھی۔ جب وہ حوض کے پاس پہنچے تو انہوں نے ایک نوجوان کو چت پڑا دیکھا اور اسعد کو پہچان کر خوش ہو گئے' اپنی مشکیں بھرنے کے بعد اسے بھی اٹھا لیا' دیوار پھاند کر جلد جلد بہرام کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ خوش ہو کہ تیری مراد بر آئی' تیرا دل ٹھنڈا ہوا اور تیرا بول بالا رہا کیونکہ جس تیرے قیدی کو ملکہ مرجانہ زبردستی لے گئی تھی' وہ ہمیں مل گیا اور ہم اسے تیرے پاس لے آئے ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے اسعد کو اس کے آگے ڈال دیا۔ بہرام کی نظر اس پر پڑی تو مارے خوشی

کے اس کا دل اچھلنے لگا۔ اسے اطمینان ہوا اور اس نے ملاحوں کو انعام دیئے اور ان سے کہا کہ اب جلدی سے بادبان کھول دو۔ وہ بادبان کھول کر آتش فشاں پہاڑ کی طرف

روانہ ہو گئے اور صبح تک چلتے رہے۔

وہاں کشتی چلی جا رہی تھی اور یہاں اسعد کے باہر جانے کے بعد ملکہ مرجانہ نے تھوڑی دیر تو انتظار کیا اور جب وہ نہ آیا تو وہ خود اٹھ کر اسے ڈھونڈنے نکلی مگر اس کا کوئی نشان نہ پایا۔ اس نے موم بتیاں جلائیں اور کنیزوں سے کہا کہ اسے تلاش کریں۔ اس کے بعد وہ خود باہر آئی اور اس نے دیکھا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے' اس کا خیال ہوا کہ وہ باغ میں گیا ہو گا۔ وہ باغ میں گئی اور دیکھا کہ حوض کے پاس اس کا جوتا پڑا ہے۔ یہ دیکھ کر اس نے سارے باغ کا چکر لگایا کہ شاید مل جائے غرض کہ صبح تک باغ کے کونے کونے میں ڈھونڈتی رہی۔ وہ ہوتا تو ملتا۔ پھر اس نے کشتی کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ تہائی رات گزرے اس نے لنگر اٹھا دیا ہے۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہی لوگ اسے لے گئے۔ اسے افسوس ہوا اور وہ غضب ناک ہو گئی۔ حکم دیا کہ ابھی دس بڑے جہاز تیار کیے جائیں۔ اس نے جنگ کی ٹھان لی اور ان دس جہازوں میں سے ایک پر خود سوار ہو کر اپنے ساتھ غلام اور لونڈیاں اور اپنا لشکر لے لیا جن کے پاس بہترین جنگ کا سامان اور ہتھیار تھے اور بادبان کھول دیئے اور سرداروں سے کہنے لگی کہ اگر تم نے اس آتش پرست کی کشتی کو پکڑ لیا تو میں تمہیں خلعتیں اور مال و دولت دوں گی اور اگر نہ پکڑا تو ایک ایک کو قتل کر دوں گی۔ یہ سن کر ملاحوں کو ڈر بھی لگا اور امید بھی ہوئی اور انہوں نے جہازوں کو کھینا شروع کیا۔ دن بھر اور رات بھر اور پھر دوسرے دن اور تیسرے دن برابر چلتے رہے۔ چوتھے دن انہیں اس آتش پرست بہرام کی کشتی دکھائی دی اس وقت اس نے اسعد کو باہر نکالا تھا اور اس غریب پر کوڑے پڑ رہے تھے اور اسعد مدد مانگ رہا تھا اور دہائیاں دے رہا تھا لیکن انسانوں میں سے نہ کوئی بھی اس کی مدد کو آتا اور نہ پناہ دیتا تھا۔ کوڑوں کی وجہ سے اس

کی بوٹی بوٹی کانپ رہی تھی۔ ابھی وہ اسے مار ہی رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ جہازوں نے اس کی کشتی کو گھیر لیا ہے وہ اس کے گرد اس طرح چکر لگا رہے ہیں جیسے آنکھ

کی سفیدی سیاہی کے گرد۔

اسے یقین ہو گیا کہ اب میں ضرور مارا جاؤں گا۔ بہرام نے ایک آہ بھری اور کہنے لگا کہ لعنت ہو تجھ پر اے اسعد' یہ ساری مصیبت تیری وجہ سے آئی ہے اور اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے آدمیوں سے کہا کہ اسے سمندر میں پھینک دو اور اس سے کہنے لگا کہ خدا کی قسم میں اپنے مرنے سے پہلے تجھے مار کر چھوڑوں گا۔ لوگوں نے اس کے ہاتھ پاؤں پکڑ کر اسے سمندر میں ڈال دیا۔ چونکہ خدا کو منظور تھا کہ وہ بچ جائے اور ابھی کچھ دن زندہ رہے' اس لیے وہ ڈوب کر ابھرا اور ہاتھ پاؤں مارنے لگا' اور خدا نے اس کی مشکل آسان کر دی۔ لہروں نے اسے اٹھا کر آتش پرست کی کشتی سے دور پھینک دیا اور وہ دور خشکی پر جا پہنچا مگر اسے اپنی نجات کا یقین نہ آتا تھا۔
خشکی پر پہنچ کر اس نے اپنے کپڑے اتارے' انہیں نچوڑ کر پھیلایا اور ننگا بیٹھ کر اپنے حال اور مصائب' اپنی بے کسی' قید اور غربت پر رونے لگا۔ اس کے بعد اس نے اٹھ کر پھر اپنے کپڑے پہن لیے۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جائے اور کیا کرے۔
وہ گھاس پات اور درختوں کے پھل کھاتا' چشموں کا پانی پیتا دن رات چلتا رہا۔ آخر ایک شہر کے قریب پہنچا اور خوش ہو کر تیز تیز چلنے لگا۔ جب وہ شہر کے پاس پہنچا تو شام ہو گئی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو چھتیس ویں رات

دو سو چھتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب اسعد شہر کے پاس پہنچا تو شام ہو گئی تھی اور شہر کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوتا ہے کہ یہ وہی شہر تھا جہاں وہ قید تھا اور بھائی کی وزارت تھی۔ اسعد نے شہر کو بند پایا تو وہ مقبرے کی جانب چل دیا۔ قبرستان پہنچ کر دیکھا کہ ایک مقبرہ بغیر دروازے کے ہے' وہ اس میں داخل ہوا اور اپنی آستین میں منہ ڈال کر سو گیا۔

ادھر جب ملکہ مرجانہ جہاز لے کر بہرام آتش پرست کے پاس پہنچی تو وہ اسے چکمہ دے کر نکل گیا۔ اور فوراً خوش خوش چل کر صحیح و سالم اپنے شہر میں جا اترا۔ سمندر سے اس کے گھر کا راستہ بھی قبرستان سے ہو کر تھا۔ مقبروں کے درمیان گزرتے گزرتے اتفاق کی بات کہ اس کی اس کھلے ہوئے مقبرے پر نظر پڑی جس میں اسعد سو رہا تھا۔ اسے بڑا تعجب ہوا کہ یہ مقبرہ کیوں کھلا ہوا ہے۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ چلو اندر چل کر دیکھیں۔ اندر گیا تو دیکھا کہ اسعد قبر کے پہلو میں پڑا سو رہا ہے اور اس کا سر آستین کے اندر ہے۔ اس نے جلدی سے اس کا چہرہ دیکھا اور اسے پہچان کر کہنے لگا کہ تو ابھی تک زندہ ہے اور وہ اسے پکڑ کر اپنے گھر لے گیا جہاں مسلمانوں کو مارنے پیٹنے کے لیے تہہ خانہ تھا۔ اس کی ایک بیٹی تھی جس کا نام بستان تھا۔ آتش پرست نے اسعد کے پاؤں میں بھاری بھاری بیڑیاں ڈال کر اسے تہہ خانے میں بند کر دیا اور اپنی بیٹی کو اس پر مقرر کر دیا کہ وہ اسے دن رات مارے' یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ اس کے بعد اس نے اسے خوب مارا اور تہہ خانے میں قفل ڈال کر اس کی کنجی اپنی بیٹی کو دے دی۔ اب اس کی بیٹی بستان نے تہہ خانہ کھولا اور اسے مارنے کے لیے نیچے اتری لیکن اس نے دیکھا کہ وہ خوبصورت جوان ہے۔ اس کی بھویں کمان

کی طرح ہیں اور آنکھیں کالی کالی' اس کے دل میں اس کی محبت سما گئی۔ اس نے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرا نام اسعد ہے۔ لڑکی نے کہا کہ مبارک ہو تو' اور مبارک ہو تیری زندگی! تو مارے جانے اور تکلیف دیئے جانے کا مستحق نہیں کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو مظلوم ہے۔ پھر لڑکی نے اسے تسلی دی۔ اس کی بیڑیاں کھول دیں اور اسلام کے متعلق اس سے سوال کیے۔ شہزادے نے کہا کہ وہی سچا اور مضبوط دین ہے اور ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم صاف معجزے اور کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے ہیں اور آگ نقصان پہنچاتی ہے' فائدہ نہیں دیتی۔ وہ اسلام اور اس کے ارکان کے متعلق اسے بتاتا رہا۔ یہاں تک کہ لڑکی کے دل میں ایمان نے گھر کر لیا اور ساتھ ہی خدا نے اسعد کی محبت بھی اس کے اندر پیدا کر دی اور شہادت کے دونوں کلمے پڑھ کر سعادت مندو میں سے ہو گئی۔ وہ اسے کھلاتی پلاتی اور اس کے ساتھ باتیں کرتی اور نماز پڑھتی۔ وہ اس کے لیے مرغی کی یخنیاں پکاتی اس طرح خدا نے اس کی رکھوالی کی اس میں قوت آ گئی۔ اور اس کی ساری بیماریاں دور ہو گئیں اور وہ پہلے کی طرح تندرست ہو گیا۔

یونہی شب و روز گزر رہے تھے کہ ایک دن بہرام کی بیٹی کوئی نئی آواز سن کر اسعد کے پاس سے اٹھی اور جا کر دروازے پر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ایک شخص کو ڈھنڈورا پیٹتے سنا کہ جس کے پاس ایک حسین جوان ہو جس کا حلیہ اس اس طرح کا ہے اور وہ اسے پیش کر دے تو وہ جس قدر مال و دولت مانگے گا' اسے ملے گا۔ اور اگر اسے پیش نہ کیا تو اسے اس کے دروازے پر پھانسی دی جائے گی اور اس کا مال لوٹ لیا جائے گا اور اس کا خون بدر کر دیا جائے گا۔ اسعد بہرام کی بیٹی بستان سے اپنا سارا ماجرا بیان کر ہی چکا تھا اس لیے جب اس نے یہ ڈھنڈورا سنا تو سمجھ گئی کہ یہ اسی کے لیے ہے اور اندر جا کر اس نے اسے خبر کی اور وہ نکل کر وزیر کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اسعد کی نظر وزیر پر پڑی تو وہ کہنے لگا کہ واللہ یہ تو میرا بھائی امجد ہے۔

اسعد اپنے بھائی کو دیکھ کر اس سے لپٹ گیا۔ امجد نے بھی اسے پہچان کر اپنی بانہیں اس کے گلے میں ڈال دیں اور اسے گلے لگایا اور سارے غلام ان کے گرد جمع ہو گئے۔ تھوڑی دیر تک اسعد اور امجد دونوں غشی کی حالت میں رہے اور جب انہیں ہوش آیا تو امجد اپنے بھائی کو لے کر بادشاہ کے پاس گیا اور سارا ماجرا سنایا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بہرام کا گھر لوٹ لیا جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو سینتیس ویں رات

جب دو سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------
سلطان نے امجد کو حکم دیا کہ بہرام کا گھر لوٹ لیا جائے اور اسے پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔ وزیر نے اس کام کے لیے جماعت روانہ کی اور انہوں نے جا کر بہرام کے گھر کو لوٹ لیا اور اس کی بیٹی کو وزیر کے پاس لائے۔ اس نے اس کی آؤ بھگت کی اور اسعد نے اپنے بھائی سے اپنی ساری تکالیف اور ان احسانات کا ذکر کیا جو بہرام کی بیٹی نے اس کے ساتھ کیے تھے۔ اس پر امجد نے اس کی اور بھی زیادہ تعظیم کی۔ بعد ازاں امجد نے اسعد سے وہ ماجرا بیان کیا جو اسے لڑکی کے ساتھ پیش آیا تھا اور یہ کہ وہ کس طرح پھانسی پر چڑھتے چڑھتے رہ گیا اور وزیر ہو گیا اور پھر دونوں ایک دوسرے سے جدائی کا دکھڑا رونے لگے۔ اس اثناء میں سلطان نے بہرام کو بلا کر پھانسی کا حکم دے دیا۔ بہرام نے کہا کہ اے زبردست بادشاہ کیا تو نے میرے قتل کی ٹھان لی ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ بہرام بولا کہ اے بادشاہ ذرا صبر کر۔ یہ کہہ کر اس نے سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر شہادت کا کلمہ پڑھا اور سلطان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ سب اس کے مسلمان ہونے پر خوش تھے اور امجد اور اسعد نے اس سے اپنے سارے قصے بیان کیے جسے سن کر اسے سخت اچنبھا ہوا اور وہ ان سے کہنے لگا کہ اے میرے آقاؤ سفر کی تیاری کرو' میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ اس کے اسلام لانے اور اس کی گفتگو پر دونوں بھائی فرط خوشی سے زار زار رونے لگے۔ بہرام نے کہا کہ اے میرے آقا' یہ وقت رونے کا نہیں ہے۔ اللہ نے چاہا تو اس سفر کی وجہ سے تم سب آپس میں مل جاؤ گے جس طرح نعمت اور نعم ملے تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ نعمت اور نعم کی کیا کہانی ہے؟

○ نعمت بن الربیع اور اس کی کنیز نعم کی کہانی

بہرام نے کہا کہ خدا بہتر جانتا ہے مگر لوگ یوں بیان کرتے ہیں کہ کوفے میں ایک شریف آدمی رہتا تھا جس کا نام ربیع بن حاتم تھا۔ نہایت مال دار اور خوش حال' خدا نے اسے ایک بیٹا دیا جس کا نام اس نے نعمت اللہ رکھا۔ ایک دن جبکہ وہ غلاموں کے بازار میں گشت کر رہا تھا اس کی نظر ایک کنیز پر پڑی جو بکنے کے لیے آئی تھی اور جس کے ساتھ ایک خوبصورت سی لڑکی تھی۔ ربیع نے دلال کو اشارہ کر کے کہا کہ اس عورت اور اس کی بیٹی کے کیا دام ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ پچاس دینار۔ ربیع نے کہا کہ بیع نامہ لکھ دے اور دام لے کر اس کے مالک کو دے دے۔ یہ کہہ کر اس نے دلال کو کنیز کی قیمت اور اس کی دلالی دے دی اور کنیز اور اس کی بیٹی کو لے کر گھر چلا گیا۔ جب اس کی چچیری بہن نے کنیز کو دیکھا تو اس سے کہنے لگی کہ اے چچیرے بھائی یہ کنیز کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اسے اس بچی کی خاطر خریدا ہے جو اس کے ساتھ ہے کیونکہ جب یہ بڑی ہو گی تو عرب و عجم میں اس کا جواب نہ ہو گا۔ اس کی چچیری بہن نے کہا کہ تیرا خیال بجا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے کنیز سے کہا کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میری آقا میرا نام توفیق ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ تیری بیٹی کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ سعد؟ اس نے کہا کہ تو سچ کہتی ہے' مبارک ہو تو' اور وہ جس نے تجھے خریدا ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اے میرے چچیرے بھائی' تو اس کا نام کیا رکھے گا؟ ربیع نے کہا کہ جو تیرا جی چاہے۔ اس نے کہا کہ نعم۔ ربیع نے کہا کہ بہت مناسب۔

اب نعم کی پرورش نعمت بن الربیع کے ساتھ ایک ہی گہوارے میں ہونے لگی۔ یہاں تک کہ دونوں دس دس سال کے ہو گئے اور دونوں ایک دوسرے سے زیادہ خوبصورت تھے۔ لڑکا اسے بہن کہتا اور وہ اسے بھائی کہہ کر پکارتی۔ نعمت سن بلوغ کو پہنچا تو

ایک دن اس کے باپ نے اس سے کہا کہ بیٹا نعم تیری بہن نہیں بلکہ کنیز ہے۔ جب تو گھوارے میں تھا تو میں نے اسے خرید کر تیرا ہمنام بنایا' آج سے تو اسے بہن نہ کہا کر۔ نعمت نے اپنے باپ سے کہا کہ اگر یہ باتؐ ہے تو میں اس سے شادی کروں گا۔ اس نے اپنی ماں کے پاس جا کر بھی یہی کہا۔ اس نے جواب دیا کہ بیٹا وہ تیری کنیز ہے چنانچہ نعمت بن الربیع نے اس کنیز کے ساتھ خلوت کی اور دونوں میں محبت ہو گئی۔ اسی طرح ایک مدت گزر گئی۔ کوفے بھر میں اس سے زیادہ حسین و جمیل کوئی لڑکی نہ تھی۔ بڑی ہو کر اس نے قرآن و دیگر علوم کی تعلیم حاصل کی' مختلف باجے بجانے سیکھے اور گانے بجانے میں بڑا کمال پیدا کیا۔ ایسی ہنر مندی ہوئی کہ زمانے میں اس کا جواب نہ رہا۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ مئے نوشی کرتی کبھی کوئی ساز بجاتی' کبھی مزے میں آ کر گانے لگتی۔ اور جب وہ گا بجا چکتی تو نعمت کہتا ماشاء اللہ' اے نعم ماشاء اللہ۔

ادھر وہ عیش و عشرت میں زندگی بسر کر رہے تھے اور ادھر حجاج اپنے محل میں بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس لڑکی کو اڑانا چاہیے جس کا نام نعم ہے اور اسے امیرالمومنین عبدالملک بن مروان کے پاس بھیجنا چاہیے کیونکہ اس کے محل میں نہ اس لڑکی سے زیادہ کوئی خوبصورت ہے اور نہ بہتر گانے والی۔ سوچتے سوچتے اس نے اپنے گھر کی ایک بڑھیا کو بلا کر کہا کہ ربیع کے گھر جا کر نعم کنیز سے مل اور کسی ترکیب سے اسے اڑا لا کیونکہ وہ دنیا بھر میں لاجواب ہے۔ بڑھیا نے حجاج کا کہنا مان لیا۔

صبح ہوتے ہی اس نے اپنا صوفیانہ لباس پہنا' گلے میں ہزار دانہ تسبیح ڈالی۔ ایک ہاتھ میں جریب اور دوسرے میں یمنی کوزہ لیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو اڑتیسویں رات

جب دو سو اڑتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑھیا گلے میں ہزار دانہ تسبیح ڈال کر اور جریب اور یمنی کوزہ لے کر سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔ کہتی ہوئی چل کھڑی ہوئی۔ زبان سے تسبیح و تہلیل پڑھتی دل میں مکرو فریب گانٹھتی وہ ظہر کی نماز کے وقت نعمت بن الربیع کے گھر پہنچی اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ دربان نے دروازہ کھول کر پوچھا کہ کیا چاہتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں ایک اللہ والی عورت ہوں' ظہر کا وقت ہوا ہے' چاہتی ہوں کہ اس مبارک مکان میں نماز پڑھوں۔ دربان نے کہا کہ بڑھیا' یہ نعمت بن الربیع کا مکان ہے نہ جامع ہے نہ مسجد۔ بڑھیا بولی کہ میں بھی جانتی ہوں۔ نعمت بن الربیع کے مکان کی شکل جامع اور عبادت گاہ کی سی نہیں مگر نماز تو ہر جگہ پڑھ سکتے ہیں اور میں کوئی ایسی ویسی نہیں۔ امیرالمومنین کے محل کی خادمہ ہوں' عبادت اور سیاحت کی خاطر یہاں آنا ہوا ہے۔ دربان نے کہا کہ کچھ بھی سہی میں تجھے اندر نہیں جانے دوں گا۔ اب دونوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ بڑھیا اس کے پیچھے پڑ گئی۔ اور کہنے لگی کہ تو' تو مجھ جیسی عورت کو نعمت بن الربیع کے مکان میں جانے سے روکتا ہے حالانکہ میں امراء اور اکابر کے مکانوں میں آتی جاتی ہوں۔ اتنے میں نعمت باہر نکل آیا اور بڑھیا کی باتیں سن کر ہنسنے لگا اور اس سے کہا کہ میرے پیچھے پیچھے آ۔ نعمت آگے آگے چلا اور بڑھیا اس کے پیچھے پیچھے ہو لی۔ وہ اسے نعم کے پاس لے گیا۔ بڑھیا نے اسے سلام کیا اور بڑھیا اسے دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی اور حیرت سے اس کا منہ تکنے لگی۔
پھر بولی بیگم میں تجھے اس خدا کی پناہ دیتی ہوں جس نے تجھے اور تیرے آقا کو ایک ہی حسن کے سانچے میں ڈھالا ہے۔
یہ کہہ کر بڑھیا محراب کے اندر کھڑی ہو کر رکوع و سجود' استغفار و دعا میں مشغول ہو

گئی۔ یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا اور رات کا اندھیرا چھانے لگا۔ لڑکی نے بڑھیا سے کہا کہ مادر مہربان ذرا اپنے پاؤں کو آرام لینے دے۔ بڑھیا بولی' نور چشم جو آخرت کا خواہش مند ہوتا ہے وہ دنیا میں اپنی جان جوکھوں میں ڈالتا ہے اور جو اپنی جان دنیا میں جوکھوں میں نہیں ڈالتا' اسے آخرت میں نیکیوں کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے بعد نعم نے بڑھیا کے آگے کھانا پیش کر کے کہا کہ میرا کھانا کھا اور میرے لیے توبہ اور رحمت کی دعا کر۔ بڑھیا نے کہا کہ برخوددار میرا روزہ ہے' تو ابھی لڑکی ہے' تیرے لیے کھانا پینا اور خوشی منانا جائز ہے۔ خدا تیری توبہ قبول کرے گا۔ خدا کہتا ہے الا من تاب وآمن وعمل علملا صالحا۔ الغرض لڑکی بڑھیا کے ساتھ تھوڑی دیر بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ بعد ازاں نعم نے نعمت سے کہا کہ اے میرے آقا اس بڑھیا کو قسم دے کہ ہمارے ہاں کچھ مدت تک رہے۔ اس کے چہرے سے عبادت کا اثر نمودار ہے۔ نعمت بولا' میں اس کے لیے ایک کمرہ خالی کرائے دیتا ہوں جہاں وہ عبادت کیا کرے اور وہاں کوئی اور نہ جانے پائے تاکہ اس کی برکت سے خدا ہمیں فائدہ پہنچائے اور ہمارے درمیان جدائی نہ ڈالے۔ اس رات بڑھیا صبح تک وہیں نماز پڑھتی اور تلاوت کرتی رہی۔ جب سویرا ہوا تو وہ نعمت اور نعم کے پاس آئی اور صبح بخیر کہہ کر کہنے لگی کہ میں تم دونوں کو خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ نعم نے کہا کہ اماں تو کہاں جاتی ہے؟ میرے آقا نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تیرے لیے ایک کمرہ خالی کرا دوں گا جہاں تو عبادت میں مشغول رہے اور نماز پڑھا کرے۔ بڑھیا بولی کہ خدا اسے سلامت رکھے اور تم دونوں کو اپنی نعمتوں سے مالا مال کرتا رہے۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم اپنے دربان سے کہہ دو کہ وہ مجھے تمہارے پاس آنے سے نہ روکے۔ انشاء اللہ میں متبرک جگہوں میں جا کر نماز اور عبادت کے بعد دن رات تمہارے لیے دعا کروں گی۔ یہ کہہ کر بڑھیا چل دی اور کنیز نعم اس کی جدائی میں رونے لگی اور اس کی بات کی طرف اس نے بالکل خیال نہ کیا کہ بڑھیا اس کے پاس کیوں آئی تھی۔

بڑھیا حجاج کے پاس پہنچی تو اس نے کہا کہ کیا کر آئی؟ بڑھیا بولی میں ایک لڑکی کو دیکھ کر آئی ہوں۔ اس زمانے میں کسی عورت نے اس سے زیادہ حسین لڑکی پیدا نہیں کی ہے۔ حجاج کہنے لگا کہ اگر تو نے میرا کام کر دیا تو میں تجھے مالا مال کر دوں گا۔ بڑھیا نے عرض کیا' مجھے ایک مہینے کی مہلت دے۔ اس نے کہا کہ میں نے تجھے ایک مہینے کی مہلت دی۔ اس کے بعد بڑھیا نے نعمت اور اس کی کنیز نعم کے گھر آمد و رفت جاری کر دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

دو سو انتالیسویں رات

جب دو سو انتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ بڑھیا نعمت اور نعم کے ہاں آیا جایا کرتی تھی اور وہ آئے دن اس کی زیادہ سے زیادہ آؤ بھگت کرتے۔

بڑھیا صبح و شام ان کے پاس پہنچ جاتی اور سارے گھر والے اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اب بڑھیا ایک روز لڑکی سے تنہائی میں ملی اور کہنے لگی کہ اے میری آقا اگر میرا جانا متبرک مقاموں پر ہوا تو میں تیرے لیے دعا کروں گی لیکن میری خواہش ہے کہ تو' بھی میرے ساتھ چل کر پہنچے ہوئے بزرگوں کی زیارت کر اور جس بات کی طالب ہو وہ تیرے لیے دعا کریں۔ نعم نے کہا کہ اماں خدا کے لیے مجھے ساتھ لے چل۔ اس نے جواب دیا کہ پہلے اپنی ساس سے اجازت لے پھر میں تجھے اپنے ساتھ لے چلوں گی۔ لڑکی نے اپنی ساس نعمت کی ماں سے کہا کہ اے گھر کی بڑی بوڑھی میرے آقا سے میرے لیے اجازت مانگ کہ میں اور تو ایک دن اس خدا رسیدہ بڑھیا کے ساتھ متبرک مقامات پر چل کر فقراء کے ساتھ نماز پڑھیں اور دعا مانگیں۔ جب نعمت گھر آیا اور بیٹھا تو بڑھیا نے بڑھ کر اس کے ہاتھ چومنے چاہے مگر اس نے منع کیا۔ بڑھیا اسے دعا دے کر چلی گئی۔ دوسرا دن ہوا تو بڑھیا پھر آئی۔ نعمت گھر میں نہ تھا۔ بڑھیا نے نعم سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے کل تمہارے لیے دعا کی تھی لیکن تیرا چلنا بھی ضروری ہے۔ اس لیے ابھی اٹھ اور قبل اس کے کہ تیرا آقا آئے' زیارت کر کے لوٹ آئیو۔ لڑکی نے اپنی ساس سے کہا کہ خدا کے لیے مجھے اجازت دے دے کہ میں اس نیک بڑھیا کے ساتھ متبرک مقاموں پر جا کر خدا کے ولیوں کو دیکھ آؤں۔ میں اپنے آقا کی واپسی سے پہلے لوٹ آؤں گی۔

نعمت کی ماں بولی' مجھے ڈر ہے کہ کہیں تیرے آقا کو خبر نہ ہو جائے۔ بڑھیا نے کہا کہ میں اسے زمین پر بیٹھنے تک نہ دوں گی۔ کھڑے کھڑے جائیں گے اور چلے آئیں

گے' دیر کا کیا کام۔ اس حیلے سے وہ لڑکی کو لے کر حجاج کے محل میں جا پہنچی اور اس سے کہا کہ میں لڑکی کو لے آئی ہوں اور اسے ایک حجرے میں بٹھا دیا ہے۔ حجاج آیا تو اس نے دیکھا کہ یہ دنیا کی حسین ترین عورت ہے اور ایسی خوبصورت اس کی نظر سے کبھی نہیں گزری تھی۔ نعم کی نظر حجاج پر پڑی تو اس نے اپنا منہ ڈھانک لیا۔ حجاج دور ہی کھڑا رہا اور اپنے حاجب کو بلا کر اس کے ساتھ پچاس سوار کیے اور اسے حکم دیا کہ لڑکی کو ایک اصیل اونٹنی پر بٹھا کر دمشق لے جا اور امیرالمومنین عبدالملک بن مروان کے سپرد کر آ۔ اس کے بعد اس نے خلیفہ کو ایک خط لکھا اور حاجب سے کہا کہ یہ خط اسے دے کر جواب لائیو اور جلد لوٹیو۔ حاجب نے لڑکی کو جلدی سے اونٹنی پر بٹھا کر کوچ کر دیا۔ لڑکی اپنے آقا کی جدائی میں روتی رہ گئی۔ وہ قافلہ دمشق پہنچا اور امیرالمومنین سے حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔ اس نے اجازت دے دی۔ حجاج کے حاجب نے خلیفہ کے پاس حاضر ہو کر لڑکی کا قصہ بیان کیا۔ خلیفہ نے اس کے لیے ایک خلوت خانہ خالی کرایا اور اپنی بیوی کے پاس جا کر کہا کہ حجاج نے میرے لیے کوفے کی ایک شہزادی دس ہزار دینار میں خریدی ہے اور یہ خط بھیجا ہے۔ اس کی بیوی بولی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

پوری دو سو چالیسویں رات

دو سو چالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب اس نے اپنی بیوی سے لڑکی کا قصہ بیان کیا تو وہ کہنے لگی کہ خدا اپنا فضل و کرم تجھ پر زیادہ کرے! اتنے میں خلیفہ عبدالملک کی بہن اس لڑکی کے پاس آئی اور اسے دیکھ کر کہنے لگی کہ تو' جس کے مکان میں ہو' اسے کوئی خسارہ نہیں۔ خواہ اس نے تیری قیمت ایک لاکھ دینار ہی کیوں نہ ادا کی ہو۔ نعم نے اس سے پوچھا۔ اے حسینہ! یہ کس بادشاہ کا محل ہے اور اس شہر کا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ شہر دمشق ہے اور یہ میرے بھائی امیرالمومنین عبدالملک بن مروان کا محل ہے۔ پھر وہ لڑکی سے کہنے لگی کہ کیا تجھے یہ معلوم نہ تھا؟ لڑکی بولی' اے میری آقا! خدا کی قسم مجھے اس کا بالکل علم نہیں۔ خلیفہ کی بہن نے کہا کہ جس شخص نے تجھے بیچا اور تیرے دام لیے تجھ سے یہ نہیں کہا کہ خلیفہ نے تجھے خریدا ہے۔ یہ سن کر لڑکی کے آنسو بہنے لگے اور وہ رونے لگی۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ میرے اوپر فریب پورا پورا چل گیا اور اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر میں نے اس سوال کا جواب دیا تو کوئی بھی میری بات نہ مانے گا اس لیے بہتر ہے کہ میں چپ رہوں اور صبر کروں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ خدا عنقریب خوشی بھیجنے والا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے سر جھکا لیا۔ سفر اور دھوپ کی وجہ سے اس کے رخسار سرخ ہو گئے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ وہ تھکی ہوئی ہے' خلیفہ کی بہن اس روز اسے چھوڑ کر چلی گئی اور دوسرے روز اس کے لیے کپڑے اور جواہرات کے ہار لائی۔ اسے بنایا' سنوارا اور خلیفہ آ کر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اس کی بہن نے کہا کہ دیکھ' خدا نے اس لڑکی کو کیسا مکمل حسن و جمال عطا کیا ہے۔ خلیفہ نعم سے مخاطب ہو کر بولا کہ منہ سے نقاب اٹھا لیکن اس نے منہ سے نقاب نہ اٹھائی اور وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ صرف اس کی کلائیاں ہی دیکھ کر اس پر لٹو ہو گیا اور

اپنی بہن سے کہنے لگا کہ میں تین دن سے پہلے اس سے خلوت نہیں کروں گا۔ اس اثناء میں یہ تجھ سے مانوس ہو جائے گی۔ اتنا کہہ کر وہ اٹھا اور اس کے پاس سے چل دیا۔ لڑکی سوچ میں پڑ گئی اس کا دل اپنے آقا نعمت کی جدائی میں تڑپ رہا تھا۔ اس رات لڑکی کو بخار آ گیا۔ نہ اس نے کچھ کھایا نہ پیا' اس کی رنگت پھیکی پڑ گئی' خوبصورتی میں فرق آ چلا۔ اس کی خبر خلیفہ کو پہنچی تو اسے افسوس ہوا اور وہ طبیبوں اور حکیموں کو لے کر اس کے پاس پہنچا لیکن کوئی اس کا علاج نہ کر سکا۔

یہ تو اس کی کیفیت رہی۔ اب اس کے آقا نعمت کا ماجرا سنئے۔ وہ گھر آ کر فرش پر بیٹھ گیا اور آواز دی کہ اے نعم! کوئی جواب نہ ملا تو اس نے خادموں کو آواز دی۔ ان میں سے بھی کوئی اس کے پاس نہ آیا۔ گھر کی ساری لونڈیاں' غلام اپنے آقا سے خائف تھے۔ اب نعمت اپنی ماں کے پاس گیا اور دیکھا کہ وہ ہاتھ پر اپنا رخسار ٹیکے بیٹھی ہے۔ اس سے پوچھا کہ اماں نعم کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بیٹا اسی پارسا بڑھیا کے ساتھ جو مجھ سے زیادہ معتمد ہے نعم کو وہ لے گئی ہے تاکہ فقراء کی زیارت کر کے لوٹ آئے۔ نعمت نے سوال کیا کب سے اس کی یہ عادت پڑی ہے اور وہ کس وقت یہاں سے گئی ہے؟

ماں بولی آج صبح۔ اس نے کہا کہ تو نے اسے کیوں جانے دیا؟ وہ کہنے لگی بیٹا خود اس کی یہ خواہش تھی۔ نعمت لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کہتا ہوا نیم بے ہوشی کی سی حالت میں گھر سے نکلا اور کوتوال شہر کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ کیا تو نے دغابازی سے میرے گھر سے میری کنیز کو غائب کر دیا ہے؟ اگر کیا ہے تو میں تیری شکایت امیر المومنین کے پاس کروں گا۔ کوتوال نے پوچھا کہ اسے کون لے گیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس حلئے کی ایک بڑھیا جو صوفیوں کے لباس میں تھی اور اس کے پاس ایک تسبیح تھی جس میں کئی ہزار دانے تھے۔ کوتوال نے پوچھا کہ مجھے اس بڑھیا کو دکھا دے' میں تیری کنیز کو چھڑا کر تیرے حوالے کر دوں گا۔ نعمت

بولا کہ بڑھیا کا پہچاننے والا کہاں سے لاؤں! کوتوال نے کہا کہ غیب کا علم خدا کے سوا کس کو ہے! کوتوال کو معلوم تھا کہ بڑھیا حجاج کی کٹنی ہے۔ نعمت کہنے لگا کہ لڑکی کے بارے میں تیری ہی شرارت ہے۔ اب میرا اور تیرا فیصلہ حجاج کے سامنے ہو گا۔

اس نے جواب دیا کہ جس کے پاس تیرا جی چاہے جا۔ اس کے بعد نعمت حجاج کے محل میں گیا۔ اس کا باپ کوفے کے بڑے آدمیوں میں سے تھا۔ سب اسے جانتے تھے۔

جب وہ حجاج کے دروازے پر پہنچا تو حاجب نے حجاج کے پاس جا کر سارا قصہ بیان کیا۔ حجاج نے اسے بلایا۔ جب وہ سامنے آ کر کھڑا ہوا تو اس نے پوچھا کہ تیرا مقصد کیا ہے؟ نعمت نے جواب دیا کہ فلاں معاملے میں آیا ہوں۔ حجاج نے حکم دیا کہ کوتوال کو بلاؤ تاکہ میں اسے بڑھیا کو تلاش کرنے کی ہدایت کروں۔ وہ جانتا تھا کہ کوتوال بڑھیا کو پہچانتا ہے۔ اس لیے وہ حاضر ہوا تو حجاج نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو نعمت بن الربیع کی کنیز کو ڈھونڈ نکال۔ کوتوال نے عرض کیا کہ غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ حجاج بولا سچ ہے مگر تو گھوڑے پر سوار ہو کر گلی گلی اور کوچے کوچے کو تلاش کر۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو اکتالیسویں رات

دو سو اکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ حجاج نے کوتوال سے کہا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر کوچے کوچے اور گلی گلی پھرے اور کنیز کی جستجو کرے اور نعمت کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اگر تیری کنیز نہ آئی تو میں دس کنیزیں اپنے محل سے اور دس کوتوال کے محل سے تجھے دوں گا۔ ادھر کوتوال چلا اور ادھر نعمت غمگین اپنے گھر آیا۔ اسے اپنی جان کی پرواہ نہیں رہی تھی۔ اس وقت اس کا سن کوئی چودہ پندہ سال کا تھا۔ ابھی اس کی داڑھی مونچھیں تک نہ نکلی تھیں۔ وہ رونے اور آہیں بھرنے لگا۔ گھر والوں میں سے کسی سے بات تک نہ کی۔ وہ اور اس کی ماں صبح تک روتے رہے۔ اتنے میں اس کا باپ آیا۔ اس نے کہا کہ بیٹا' حجاج نے فریب سے لڑکی کو بلوا لیا ہے۔ خدا تجھ پر رحم کرے اور تجھے خوشی نصیب ہو! یہ سن کر نعمت اور زیادہ متفکر ہو گیا۔ رنج و غم نے اس کا یہ حال کر دیا کہ اپنے آپ کی خبر نہیں رہی۔ نہ کسی کے آنے کی خبر تھی نہ جانے کی۔ نہ کھانے پینے کا ہوش' نہ بات کرنے کی سرت۔ تین مہینے تک بیمار پڑا رہا۔ اس کی حالت روز بروز بدتر ہوتی جاتی تھی۔ ماں باپ اس کی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ طبیبوں نے کہہ دیا کہ کنیز کے سوا اس کا اور کوئی علاج نہیں۔ ایک دن اس کے باپ نے کسی عجیب و غریب ایرانی طبیب کا ذکر سنا۔ لوگ اس کی تعریف کر رہے تھے کہ طب اور نجوم میں اسے مہارت کلی حاصل ہے۔ ربیع نے اسے بلوایا۔ جب وہ آیا تو اسے اپنے پہلو میں بٹھایا' اس کی بڑی عزت و تکریم کی اور اس سے کہا کہ میرے بیٹے کا علاج کر۔ اس نے نعمت سے کہا کہ اپنی نبض دکھا۔ اس نے نبض دکھائی۔ طبیب نے اس کے جوڑ جوڑ دیکھے۔ اس کے چہرے کو ملاحظہ کیا اور ہنسا۔ پھر اس نے اس کے باپ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تیرے بیٹے کو دل کی بیماری کے سوا اور کوئی بیماری نہیں۔ اس نے کہا کہ

اے حکیم تیرا کہنا ٹھیک ہے۔ اب اپنے علم کے زور سے میرے بیٹے کا سارا حال دریافت کر اور مجھے بتا اور مجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھ۔ ایرانی بولا کہ تیرا بیٹا ایک لڑکی کی محبت میں گرفتار ہے۔ وہ لڑکی یا تو بصرے میں ہے اور یا دمشق میں اور اس کا علاج محض اس کا وصال ہے۔ ربیع نے کہا کہ اگر تو دونوں کو ملا دے تو تیرے لیے خوشی ہی خوشی ہے اور تو اپنی زندگی مال و دولت میں بسر کرے گا۔ ایرانی کہنے لگا یہ کام تو بہت آسان ہے' جلد ہی ہو جائے گا۔

اس کے بعد ایرانی' نعمت کی طرف مخاطب ہو کر بولا کہ گھبرا نہیں' دل کو مضبوط رکھ' خوش ہو اور آنکھیں ٹھنڈی کر اور پھر ربیع سے اس نے کہا کہ چار ہزار دینار اپنی جیب سے نکال۔ اس نے دینار نکال کر ایرانی کے حوالے کیے۔ دینار لے کر وہ کہنے لگا کہ میں چاہتا ہوں کہ تیرا بیٹا میرے ساتھ دمشق چلے اگر خدا نے چاہا تو ہم بغیر کنیز کے' واپس نہ آئیں گے۔ اب ایرانی نے لڑکے سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ وہ بولا نعمت۔ ایرانی نے کہا کہ نعمت اطمینان رکھ اور خدا کی امان تیرے شامل رہے! بس یقین کر لے کہ خدا نے تجھے تیری کنیز سے ملا دیا ہے۔ یہ سن کر نعمت سیدھا ہو بیٹھا۔ ایرانی کہنے لگا کہ ہم آج روانہ ہوتے ہیں تو چاق و چوبند ہو جا۔ خوب کھا پی...... کہ تجھ میں سفر کی قوت آ جائے۔ یہ باتیں کر کے ایرانی نے تمام عمدہ چیزیں جن کی سفر کے لیے ضرورت تھی' مہیا کیں اور نعمت کے باپ سے کہا کہ دس ہزار دینار پورے کر دے تاکہ راہ کی باربرداری کے لیے گھوڑے اور اونٹ وغیرہ لیے جائیں۔

نعمت اپنے والدین سے رخصت ہو کر حکیم کے ساتھ چل دیا۔ حلب پہنچ کر اسے کنیز کی کوئی خبر نہ ملی۔ اس لیے وہ دمشق روانہ ہو گئے اور وہاں تین دن ٹھہر کر پہلے آرام کیا۔ پھر ایرانی نے ایک دوکان کرائے پر لی۔ الماریوں میں چینی کے قیمتی برتن سجائے' پردے ڈالے اور الماریوں پر سونے کا کام کر کے ان میں قیمتی پتھروں کے ٹکڑے جڑے اور اپنے آگے بلوری صراحیاں چنیں' ان میں تیل اور قسم قسم کے شربت بھرے۔ آس

پاس چینی اور شیشے کے پیالے رکھے اور اپنے آگے ایک چوکی بچھائی جس پر اصطرلاب رکھا اور خود حکیموں اور طبیبوں کا لباس پہن کر نعمت کو سامنے کھڑا کیا۔ اسے ریشمی قمیص

اور قبا پہنائی۔ کمر سے ایک ریشمی پٹکا باندھا جس پر سونے کا کام تھا اور اس سے کہا کہ اے نعمت آج سے تو میرا بیٹا ہے۔ باپ کے سوا اور کسی نام سے مجھے نہ پکاریو اور میں تجھے ہمیشہ بیٹا کہہ کر مخاطب کروں گا۔ نعمت نے کہا' بہت خوب۔ دمشق والے ایرانی کی دوکان پر جمع ہوتے۔ نعمت کے حسن اور دوکان اور اس کی چیزوں کی خوبصورتی کو دیکھتے۔ ایرانی' نعمت سے فارسی میں باتیں کرتا اور وہ بھی یہی بولتا کیونکہ بڑے لوگوں کے بیٹے اس زبان سے واقف تھے۔

اس ایرانی کا دمشق میں بہت جلد چرچا ہو گیا۔ لوگ آتے' بیماریاں بیان کرتے اور وہ انہیں دوا دیتا۔ بعض' مریضوں کے قارورے لاتے اور وہ دیکھ کر بتا دیتا کہ فلاں قارورے کے مریض کو فلاں بیماری ہے۔ دمشق والے اس کے علم و کمال کے قائل ہو گئے۔ ایرانی کو بڑا ماہر جاننے لگے۔ اس طرح وہ لوگوں کی حاجب روائی کرتا اور اس کی دوکان پر شہر والوں کا جمگھٹا لگا رہتا۔ یہاں تک کہ اس کی دھوم گھر گھر مچ گئی۔ خاص کر بڑے لوگوں کے گھروں میں اس کا چرچا ہونے لگا۔

ایک دن وہ اپنی دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بڑھیا گدھے پر سوار ہو کر اس کے پاس پہنچی جس کا زین دیباج کا تھا اور اس پر جواہرات ٹنکے ہوئے تھے۔ بڑھیا ایرانی کی دوکان کے سامنے لگام روک کر ٹھہر گئی اور اشارے سے ایرانی کو بلایا اور کہا کہ میرا ہاتھ تھام۔ ایرانی نے ہاتھ تھام کر بڑھیا کو گدھے سے اتار لیا۔ بڑھیا نے پوچھا کہ تو وہی ایرانی طبیب ہے جو عراق سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ بڑھیا بولی سن میری ایک بیٹی ہے اور وہ بیمار ہے۔ یہ کہہ کر اس نے قارورہ نکالا اور اسے دکھایا۔ ایرانی نے قارورہ دیکھ کر دریافت کیا کہ لڑکی کا نام کیا ہے تاکہ اس کے ستارے کا حساب لگا کر دیکھوں کہ اس کے لیے کس ساعت میں دوا پینا مناسب ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ اے ایرانی بزرگ اس کا نام نعم ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• دو سو بیالیسویں رات

دو سو بیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب ایرانی نے نعم کا نام سنا تو وہ اپنے ہاتھ پر کچھ لکھنے اور انگلیوں پر حساب لگانے لگا اور پھر بڑھیا سے بولا کہ اے میری آقا میں اس وقت تک اس کی دوا تجویز نہیں کر سکتا جب تک مجھے نہ معلوم ہو جائے کہ وہ کس جگہ کی رہنے والی ہے کیونکہ ہر جگہ کی آب و ہوا مختلف ہوتی ہے۔ لہٰذا مجھے یہ بتا کہ اس کی تربیت کس ملک میں ہوئی ہے اور اس کا سن و سال کیا ہے؟ بڑھیا نے کہا کہ وہ چودہ سال کی ہے اور اس کی تربیت کوفے میں ہوئی ہے جو عراق میں ہے۔ ایرانی نے پوچھا کہ وہ یہاں کب سے ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا اسے یہاں آئے تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں۔

نعمت بھی بڑھیا کی باتیں سن رہا تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ بڑھیا نے اسی کنیز کا نام لیا ہے۔ اس کا دل دھڑکنے لگا اور اس پر غشی کی سی حالت طاری ہو گئی۔ ایرانی نے بڑھیا سے کہا کہ اس کے لیے فلاں فلاں دوا مناسب ہو گی۔ بڑھیا بولی جو تیرا جی چاہے پڑیا میں باندھ کر مجھے دے دے اور اپنی تشخیص کے مطابق دوا عنایت کر' خدا برکت دے! یہ کہہ کر اس نے دس دینار دوکان میں پھینک دیئے۔ حکیم نے نعمت کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بڑھیا کے لیے نسخے کی دوا تیار کر دے۔ اب بڑھیا نعمت کی طرف دیکھنے لگی اور کہا کہ بیٹا خدا تجھے اپنی حفاظت میں رکھے! لڑکی کی شکل بالکل تیرے جیسی ہے۔

پھر ایرانی سے مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ اے ایرانی سردار! یہ تیرا غلام ہے یا بیٹا؟ ایرانی حکیم نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اس کے بعد نعمت نے دواؤں کی پڑیا باندھ کر اسے ایک ڈبیا میں رکھا اور کاغذ لے کر اپنی طرف سے دو شعر لکھے۔ اس کاغذ کو لپیٹ کر مہر کی اور اسے ڈبیا کے اندر رکھ دیا اور ڈبیا کے ڈھکنے پر کوفی خط میں لکھا

کہ میں کوفے کا باشندہ نعمت بن الربیع ہوں اور وہ ڈبیا بڑھیا کے آگے رکھ دی۔ بڑھیا نے ڈبیا اٹھا لی اور ان دونوں سے رخصت ہو کر خلیفہ کے محل میں واپس گئی۔ لڑکی کے سامنے اور چیزوں کے ساتھ دوا کی ڈبیا بھی رکھ دی اور کہنے لگی کہ اے میری آقا' ہمارے شہر میں ایک ایرانی طبیب آیا ہے جس سے زیادہ حاذق اور بیماریوں کا پہچاننے والا میری نظر سے نہیں گزرا۔ قارورہ دکھا کر میں نے اسے تیرا نام بتایا تو وہ تیرا مرض پہچان گیا۔ تیرے لیے نسخہ تجویز کیا اور اپنے بیٹے کو دوا دینے کا حکم دیا۔ اس نے تیری دوا باندھ دی۔ اس کے بیٹے سے زیادہ حسین دمشق بھر میں کوئی نہیں۔ نہ کسی کی جوانی پر میں نے ایسی بہار دیکھی اور نہ اس طرح کی سجی ہوئی کوئی دوکان یہاں ہے۔

جب نعم نے ڈبیا اٹھا کر دیکھی تو اس کے ڈھکنے پر اس کے آقا کا نام مع ولدیت لکھا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ دوکان والا ضرور کھوج لگانے آیا ہے۔ پھر اس نے بڑھیا سے کہا کہ جوان کا حلیہ بیان کر۔ بڑھیا بولی اس کا نام نعمت ہے اور اس کی بائیں بھوں پر ایک نشان ہے۔ اس کی پوشاک نہایت عمدہ ہے اور وہ حسن کا پتلا ہے۔ لڑکی کہنے لگی اچھا لا دوا دے' خدا برکت دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔ دوا لے کر وہ پی گئی اور ہنس کر کہا یہ مبارک دوا ہے۔ اس کے بعد وہ ڈبیا میں کچھ ٹٹولنے لگی اور اسے وہ کاغذ ملا۔ اس نے اسے کھول کر پڑھا تو خوش ہو گئی اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ اس کا آقا ہے۔

بڑھیا نے اسے ہنستے دیکھا تو کہا کہ آج کا دن مبارک ہے۔ نعم نے کہا کہ اے خادمہ میں چاہتی ہوں کہ کچھ کھاؤں پیوں۔ بڑھیا نے کنیزوں سے کہا کہ اپنی آقا کے لیے دسترخوان بچھا کر اس پر عمدہ کھانے چنو۔ دسترخوان لگایا گیا اور وہ کھانے بیٹھی۔ ابھی کھا ہی رہی تھی کہ عبدالملک بن مروان آ پہنچا۔ دیکھا کہ لڑکی بیٹھی کھانا کھا رہی ہے۔ اس کی باچھیں کھل گئیں۔ خادمہ نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین اپنی کنیز کی صحت پر خوشی منا' اب یہ اچھی ہو گئی۔ اس شہر میں ایک طبیب آیا ہے جس سے زیادہ مرض

اور دوا کا ماہر میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس سے میں لڑکی کے لیے دوا لائی ہوں۔ ایک ہی خوراک میں اے امیرالمومنین اس کی ساری بیماری جاتی رہی۔ خلیفہ نے کہا کہ ایک ہزار دینار لے جا اور لڑکی کے بالکل تندرست ہونے تک اس کا علاج کر۔ ادھر تو وہ لڑکی کی صحت سے خوش ہو کر چل دیا اور ادھر بڑھیا نے ایرانی کی دوکان پر جا کر اسے ہزار دینار دیئے اور اس سے کہا کہ لڑکی خلیفہ کی کنیز ہے اور اسے وہ خط دیا جو نعم نے لکھا تھا۔ ایرانی نے خط لے کر نعمت کے حوالے کیا۔ اس کا خط دیکھتے ہی نعمت پہچان گیا اور غش کھا کر گر پڑا۔ ہوش آیا تو خط کھول کر پڑھا۔ اس میں لکھا تھا "یہ خط اس کنیز کا ہے جس کی نعمتیں چھن گئی ہیں' عقل ٹھکانے نہیں رہی اور جو اپنے دلی حبیب سے جدا ہے۔ تمہارا خدا ملا روح تازہ اور دل شاد شاد ہو گیا۔" خط پڑھتے پڑھتے نعمت کے آنسو جاری ہو گئے۔ یہ دیکھ کر خادمہ نے پوچھا کہ بیٹا تو کیوں روتا ہے؟ خدا تیری آنکھوں کو نہ رلائے! ایرانی نے کہا کہ اے میری آقا آخر میرا بیٹا کیوں نہ روئے! وہ اس کی کنیز ہے اور یہ اس کا آقا نعمت بن الربیع کوفے کا رہنے والا ہے۔ لڑکی کی تندرستی اس کے دیدار پر منحصر ہے۔ اسے اس کی محبت کے سوا اور کوئی بیماری نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو تینتالیسویں رات

جب دو سو تینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ایرانی نے بڑھیا سے کہا کہ آخر میرا بیٹا کیوں نہ روئے' یہ اس کا آقا نعمت بن الربیع کوفے کا رہنے والا ہے اور لڑکی کی تندرستی اس کے دیدار پر منحصر ہے۔ اسے اس کی محبت کے سوا اور کوئی مرض نہیں۔ پھر تھیلی بڑھیا کے آگے رکھ کر بولا۔ اے میری آقا یہ ہزار دینار تو لے لے اور اس سے زیادہ میں تجھے دوں گا۔ ہمارے اوپر عنایت کی نظر رکھیو کیونکہ تیرے سوا اور کسی کے پاس اس کا علاج نہیں۔ بڑھیا نے نعمت سے پوچھا کہ کیا تو اس لڑکی کا آقا ہے؟ اس نے کہا' ہاں۔ بڑھیا بولی' تو سچ کہتا ہے۔ اس لیے کہ لڑکی کی زبان پر بھی ہمیشہ تیرا ہی ذکر رہتا ہے۔ اب نعمت نے بڑھیا سے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا اور بڑھیا نے کہا اے جوان میرے بغیر تیری رسائی اس تک نہیں ہو سکتی۔ یہ کہتی ہوئی وہ فوراً سوار ہو گئی اور لڑکی کے پاس پہنچ کر پہلے تو اسے غور سے دیکھا اور پھر ہنسنے لگی اور کہا بیٹی اپنے آقا نعمت بن الربیع کی وجہ سے تیرا رونا اور بیمار پڑ جانا بجا ہے۔ نعم بولی کیا تجھ پر میرا راز کھل گیا اور تجھے حقیقت معلوم ہو گئی۔ بڑھیا نے کہا کہ خوشی منا اور دل شاد ہو جا۔ خدا کی قسم میں تم دونوں کو ملا کر رہوں گی۔ خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ اب بڑھیا نعمت کے پاس لوٹ کر گئی اور اس سے کہنے لگی کہ میں تیری کنیز کے پاس جا کر بیٹھی تھی۔ میں نے دیکھا کہ جتنا اشتیاق تجھے اس کا ہے' اس سے زیادہ اسے تیرا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امیرالمومنین اس کے ساتھ خلوت کرنا چاہتا ہے اور وہ اسے روکنا چاہتی ہے۔ اگر تیرا دل مضبوط ہو اور تجھ میں ہمت ہے تو میں تم دونوں کو ملا دوں گی اور اپنی جان خطرے میں ڈال کر کوئی نہ کوئی ترکیب اور تدبیر نکالوں گی کہ تو امیرالمومنین کے محل میں جا کر لڑکی سے ملے کیونکہ وہ باہر نہیں آ سکتی۔

نعمت نے کہا کہ جزاک اللہ!
یہ کہہ کر بڑھیا نعمت سے رخصت ہوئی اور لڑکی کے پاس آ کر اس نے کہا کہ تیری محبت میں تیرے آقا کی جان نکل رہی ہے اور وہ تجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ تیری کیا رائے ہے؟ نعم نے کہا کہ میں بھی یہی چاہتی ہوں کیونکہ میری جان بھی لبوں پر آ گئی ہے اور میں اس سے ملے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس کے بعد بڑھیا نے ایک بقچہ سنبھالا جس میں عورتوں کے زیور اور کپڑے تھے اور اسے لے کر نعمت کے پاس پہنچی اور اس سے کہنے لگی کہ میرے ساتھ کسی تنہا جگہ چل۔ نعمت اسے دوکان کے پیچھے ایک کمرے میں لے گیا۔ وہاں بڑھیا نے نعمت کے منہ پر غازہ ملا اور اس کی کلائی پر نقش و نگار بنائے۔ اس کے بال گوندھے' اسے لڑکیوں کا لباس پہنایا اور اسے اس طرح آراستہ کیا جیسے لڑکیوں کو بہترین طریقے پر آراستہ کیا جاتا ہے۔ وہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جنت کی حور۔ خادمہ نے جب اسے اس صورت سے بنا سنورا دیکھا تو کہنے لگی تبارک اللہ الحسن الخالقین۔ خدا کی قسم تو اس لڑکی سے بھی زیادہ حسین ہے۔ اب بڑھیا نے اس سے کہا کہ ذرا چل تو سہی اس طرح سے کہ بایاں ہاتھ آگے رہے اور داہنا پیچھے اور کولہے مٹکا جس طرح کہ بڑھیا نے کہا تھا اور اس نے چل کر دکھایا۔ جب بڑھیا کو یقین آ گیا کہ اسے زنانہ چال آ گئی ہے تو اس نے کہا کہ ایک روز اور صبر کر۔ میں انشاء اللہ کل رات کو تجھے محل میں لے جاؤں گی اور اگر حاجبوں یا نوکروں کی نظر تجھ پر پڑ جائے تو دل مضبوط کر لیجیو اور سر نیچا رکھیو اور کسی سے بات نہ کیجیو' میں خود ان کی باتوں کا جواب دے دوں گی اور کامیابی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ دوسرا دن ہوا تو بڑھیا آئی اور اسے لے کر محلات شاہی کی طرف چلی۔ آگے آگے وہ داخل ہوئی اور پیچھے پیچھے نعمت۔ حاجب نے نعمت کو روکنا چاہا۔ بڑھیا ڈانٹ کر بولی۔ اے منحوس غلام یہ لونڈی ہے نعم کی جو امیرالمومنین کی چہیتی ہے' تو اسے اندر جانے سے کیوں روکتا ہے؟ اس کے بعد بڑھیا نے نعمت سے کہا کہ اے لونڈی چل اور وہ بڑھیا کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ دونوں چلتے چلتے اس دروازے میں پہنچے جہاں سے صحن میں جانے کا

راستہ تھا۔ بڑھیا نے کہا کہ اے نعمت اپنا دل مضبوط کر کے اندر جا۔ بائیں ہاتھ کی طرف پانچ دروازے گن کر چھوڑ دیجیو اور چھٹے میں داخل ہو جائیو کیونکہ وہی مکان کا دروازہ ہے جو تیرے لیے آراستہ کیا گیا ہے اور کسی بات سے نہ ڈریو اور اگر کوئی تجھ سے کچھ کہے تو اس سے بولیو نہیں اور نہ ٹھہریو۔ یہ کہہ کر بڑھیا اس کے ساتھ روانہ ہو گئی اور اس جگہ پہنچی جہاں ڈیوڑھیاں تھیں۔ ان ڈیوڑھیوں کے دربان نے بڑھیا کے آگے آ کر کہا کہ یہ لونڈی کون ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو چوالیسویں رات

جب دو سو چوالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ دربان نے بڑھیا کے آگے آ کر کہا کہ یہ لونڈی کون ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ ہماری خاتون اسے خریدنا چاہتی ہے۔ دربان نے کہا کہ امیرالمومنین کی اجازت کے بغیر کوئی اندر نہیں جا سکتا۔ تو اسے واپس لے جا' میں اسے اندر نہیں جانے دوں گا۔ میرے لیے یہی حکم ہے۔ خادمہ نے کہا کہ اے بڑے حاجب عقل ٹھکانے کر۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ نعم خلیفہ کی وہ کنیز ہے جس سے اسے بے حد محبت ہے' تندرست ہو رہی ہے اور امیرالمومنین اس پر بہت مہربان ہیں۔ وہی اس لونڈی کو خریدنا چاہتی ہے اس لیے اسے اندر جانے سے نہ روک۔ اگر اسے معلوم ہو گیا کہ تو اس لونڈی کو روکتا ہے تو وہ تجھ پر ناراض ہو گی اور اس کا مرض عود کر آئے گا اور اگر وہ تجھ سے ناراض ہو گئی تو کوئی نہ کوئی تدبیر نکال کر تیرا سر اڑوا دے گی۔ یہ کہہ کر اس نے آواز دی کہ اے لونڈی اندر جا اور اس کی بات نہ سن مگر ملکہ سے یہ نہ کہیو کہ حاجب تجھے اندر آنے سے منع کرتا تھا۔ نعمت سر نیچا کر کے محل میں داخل ہو گیا۔ مگر بجائے بائیں طرف جانے کے' غلطی سے دہنی طرف چل دیا اور بجائے اس کے کہ وہ پانچ دروازے گن کر چھوڑ دیتا اور چھٹے میں داخل ہوتا اس نے چھ گن کر چھوڑ دیئے اور ساتویں میں داخل ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ جامدانی اور کمخواب کا فرش بچھا ہوا ہے' دیواروں پر ریشمی پردے پڑے ہیں جن پر سنہرا کام ہے۔ اندر عود' عنبر اور خالص مشک انگیٹھیوں میں سلگ رہا ہے اور صدر میں ایک تخت پڑا ہے جس پر زربفت کا فرش بچھا ہے۔ نعمت اس تخت پر بیٹھ گیا۔ اسے وہاں شاہانہ شان و شوکت نظر آئی۔ اس کو یہ خبر نہ تھی کہ میری قسمت میں کیا لکھا ہے؟

ابھی وہ بیٹھ کر اپنی حالت پر غور ہی کر رہا تھا کہ امیرالمومنین کی بہن آ پہنچی اور اس

کے ہمراہ اس کی کنیز تھی۔ اس نے جوان کو بیٹھا ہوا دیکھا تو وہ سمجھی کہ یہ کوئی کنیز ہے۔ آگے بڑھ کر پوچھنے لگی کہ اے کنیز تو کون ہے' تیرا کیا ماجرا ہے اور تجھے یہاں کون لایا ہے؟ نعمت نے نہ کچھ اس کا جواب دیا اور نہ کوئی بات کی۔ اس پر اس نے کہا کہ اگر تو میرے بھائی کی داشتہ ہے اور وہ تجھ سے ناراض ہو گیا ہے تو میں اس سے تیری سفارش کروں گی تاکہ وہ تجھ سے راضی ہو جائے اس کا بھی نعمت نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب خلیفہ کی بہن نے اپنی کنیز سے کہا کہ دروازے پر ٹھہر اور کسی کو اندر نہ آنے دے۔ یہ کہہ کر نعمت کی طرف بڑھی اور اس کا حسن دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ اس سے کہنے لگی کہ اے لڑکی بتا تو سہی کہ تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے اور تو یہاں کیوں آئی ہے۔ میں نے تجھے کبھی پہلے اس محل میں نہیں دیکھا۔ اس پر بھی نعمت چپ رہا تو بادشاہ کی بہن کو غصہ آ گیا اور اس نے نعمت کے سینے پر ہاتھ مارا۔ دیکھا تو اس کی چھاتیاں نہیں۔ چاہا کہ اس کے کپڑے اتار کر دیکھے۔ اب نعمت بولا۔ اے میری آقا میں تیرا غلام ہوں' مجھے خرید لے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ مجھے پناہ دے۔ اس نے کہا کہ مطمئن رہ' تیرا بال بیکا نہ ہو گا مگر پہلے یہ بتا کہ تو ہے کون اور تجھے کون میری مجلس میں لایا؟ نعمت بولا' اے شاہ زادی میرا نام نعمت بن الربیع ہے اور میں کوفے کا رہنے والا ہوں۔ میں نے اپنی کنیز نعم کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالی ہے جسے حجاج نے دھوکے سے لے کر یہاں بھیج دیا۔ شہزادی نے کہا کہ غم نہ کر اور اپنی کنیز کو بلا کر حکم دیا کہ نعم کی حرم سرا میں جا۔

اب ادھر کی سنئے اس کے قبل کہ یہ لونڈی وہاں پہنچے۔ وہ خادمہ نعم کی حرم سرا میں آ چکی تھی اور اس سے پوچھا کہ تیرا آقا آیا یا نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ خادمہ نے کہا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ وہ بھٹک کر بجائے تیری حرم سرا کے کسی اور کی حرم سرا میں چلا گیا! نعم نے کہا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اب

ہم سب کی موت آ گئی اور سب مارے گئے۔ دونوں سوچ میں پڑ گئیں۔ وہ اسی حالت میں تھیں کہ خلیفہ کی بہن کی لونڈی پہنچی۔ نعم کو سلام کر کے عرض کیا کہ میری آقا تجھے اپنے ساتھ کھانا کھانے کے لیے بلاتی ہے۔ نعم نے کہا کہ بسرو چشم۔ خادمہ بولی ہو نہ ہو تیرا آقا خلیفہ کی بہن کے پاس ہے اور سارا راز فاش ہو چکا ہے۔ نعم فوراً اٹھ کر خلیفہ کی بہن کے پاس گئی۔ خلیفہ کی بہن نے کہا دیکھ یہ تیرا آقا میرے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غلطی سے یہاں آ گیا۔ لیکن ڈر نہیں' خدا نے چاہا تو نہ تجھے کون نقصان پہنچے گا' نہ اسے۔ جب نعم نے خلیفہ کی بہن سے یہ باتیں سنیں تو اسے اطمینان ہوا اور وہ اپنے آقا نعمت کی طرف بڑھی۔ جب نعمت نے اسے دیکھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو پینتالیسویں رات

دو سو پینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب نعمت کی نظر اپنی کنیز نعم پر پڑی تو وہ اس کی طرف بڑھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو اپنے سینے سے لگا لیا اور غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ تھوڑی دیر بعد انہیں ہوش آیا تو خلیفہ کی بہن نے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور ہمیں سوچنے دو کہ ہم اس مخمصے سے کیونکر چھٹکارا پا سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اے ہماری آقا تیرا حکم سر آنکھوں پر۔ وہ کہنے لگی خدا کی قسم تمہیں مجھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ پھر اس نے اپنی کنیز سے کہا کہ کھانا اور شراب حاضر کر۔ دسترخوان چنا گیا۔ سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور شراب پینے بیٹھ گئے۔ دور چلنے لگا اور ان کا غم غلط ہو گیا۔

نعمت کہنے لگا کہ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اس کے بعد میرا کیا حشر ہونے والا ہے! خلیفہ کی بہن نے نعمت سے کہا کہ کیا تو اپنی کنیز نعم کو چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے میری آقا اسی کی محبت نے تو میرا بدن گھلا دیا اور میری حالت دگرگوں کر دی ہے۔ خلیفہ کی بہن بولی۔ واللہ تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو۔ خدا نہ کرے کہ کوئی تم دونوں میں جدائی ڈالے! اب تم خوش ہو اور دل شاد رہو۔ یہ سن کر دونوں خوش ہو گئے اور نعم نے عود منگوایا اور اس نے اسے لے کر تار ٹھیک کیے اور ایک ایسا راگ بجایا کہ سب خوش ہو گئے اس کے بعد اس نے عود اپنے آقا کو دے کر کہا کہ اب تو کچھ سنا۔ اس نے بھی عود کے پہلے تار ٹھیک ملائے اور اس خوبی سے بجایا کہ حاضرین واہ واہ کرنے لگے۔ جب وہ گا بجا چکا تو نعم نے ایک جام بھر کر اسے دیا اور وہ لے کر چڑھا گیا۔ پھر اس نے دوسرا جام بھر کر خلیفہ کی بہن کے سامنے پیش کیا' وہ بھی پی گئی اور نشے کی ترنگ میں عود کا ٹھاٹ درست کر کے

گانے بجانے لگی۔ اسی طرح باری باری سب پیتے اور گاتے بجاتے۔

شراب کا رنگ چڑھا ہوا اور سرور کی محفل گرم تھی کہ اتنے میں امیرالمومنین آ پہنچا۔ جب اس کی نظر اس پر پڑی تو وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور زمین کو بوسہ دیا۔ یکایک اس کی نظر نعم پر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ ہاتھ میں عود ہے۔ کہنے لگا کہ نعم شکر ہے خدا کا جس نے تیری بیماری اور تکلیف دور کر دی! اب وہ نعمت کی طرف متوجہ ہوا۔ جو اب تک اسی زنانہ لباس میں تھا اور اپنی بہن سے بولا نعم کے پاس یہ دوسری کنیز کون ہے؟ بہن نے جواب دیا کہ اے امیرالمومنین یہ تیری ایک داشتہ ہے۔ نعم اس کے سوا اور کسی کے ساتھ کھاتی پیتی نہیں۔ خلیفہ نے کہا کہ قسم ہے بزرگ خدا کی کہ وہ بھی نعم ہی کی طرح خوبصورت ہے۔ میں انشاء اللہ کل نعم کی حرم سرا کے پہلو میں اس کے لیے مکان خالی کراؤں گا اور اس کے لیے بھی سارے عیش کے سامان مہیا ہو جائیں گے اور یہ کسی ضرورت کی محتاج نہ رہے گی۔ اور یہ سب نعم کی خاطر ہے۔ بعد ازاں اس نے اپنی بہن سے کھانا مانگا۔ اس نے بھائی کے آگے کھانا پیش کیا۔ وہ کھانا کھا کر وہیں ان کے پاس بیٹھا رہا اور ایک جام بھر کر نعم کی طرف اشارہ کیا کہ کچھ سنا۔ نعم نے وہ جام پی کر عود اٹھا لیا اور گانے بجانے لگی۔ امیرالمومنین سرور میں آ گیا اور ایک اور جام بھر کر نعم کو دیا اور کہا کچھ اور سنا۔ اس نے کچھ اور شعر گائے۔ خلیفہ نے سن کر کہا کہ واللہ نعم کیا خوب! خدا تیری گلے بازی قائم رکھے! تیری آواز کیسی شریلی ہے اور تیرا لب و لہجہ کیسا صاف ہے! آدھی رات تک یہ رنگ رلیاں اڑتی رہیں۔

آدھی رات اسی طرح گزر گئی تو خلیفہ کی بہن نے کہا کہ اے امیرالمومنین ایک بڑے آدمی نے ایک کہانی لکھی ہے جو میری نظر سے گزری ہے۔ خلیفہ نے پوچھا' وہ کیا کہانی ہے؟ اس کی بہن نے کہا کہ امیرالمومنین سن' کوفے میں ایک جوان رہتا تھا جس کا نام نعمت بن الربیع تھا۔ اس کی ایک کنیز تھی جسے وہ بہت چاہتا تھا اور جو اسے بہت

چاہتی تھی۔ وہ دونوں تربیت کے ایک ہی گہوارے میں پلے تھے۔ جب وہ جوان ہوئے تو دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے تو زمانے نے ان پر مصیبت ڈھائی' انہیں آفتوں کا نشانہ بنایا اور دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ حاسدوں نے مکر و فریب کر کے کنیز کو اس کے آقا کے گھر سے چرا لیا اور ان چوروں نے اسے دس ہزار دینار میں ایک بادشاہ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ دونوں ایک دوسرے پر عاشق تھے۔ اس لیے آقا اپنا گھر بار اور عیش و عشرت چھوڑ کر اس کی تلاش میں نکلا اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اس سے ملا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• دو سو چھیالیسویں رات

جب دو سو چھیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ...... نعمت اتنی مدت تک اپنے خاندان اور وطن سے دور رہا کہ اسے اپنی کنیز سے ملنے کی تدبیر معلوم ہو گئی اور بڑی کوشش اور جانفشانی کے بعد اس تک رسائی ہوئی۔ اس کنیز کا نام نعم تھا۔ وہ مدتوں کے بچھڑے ہوئے ابھی مل کر بیٹھے ہی تھے کہ بادشاہ پہنچ گیا جس نے اس کنیز کو چور سے خریدا تھا اور اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ دونوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ بغیر اس کے کہ اپنے دل میں انصاف کرے یا حکم دینے سے پہلے کچھ سوچے۔ اے امیرالمومنین اس بادشاہ کی بے انصافی کے متعلق تیرا کیا خیال ہے؟ امیرالمومنین نے کہا کہ یہ عجیب فیصلہ ہے! اس بادشاہ کو لازم تھا کہ وہ اپنی مقدرت کی بنا پر انہیں معاف کر دیتا کیونکہ اس پر ان کی طرف سے تین باتوں کا لحاظ کرنا فرض تھا۔ پہلے اس کا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے عاشق تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ اس کے مکان میں تھے اور اس کے قبضے میں۔ تیسرے لوگوں پر حکم دینے میں بادشاہ کو جلدی نہ کرنی چاہیے خاص کر ایسے معاملے میں جو خود اس سے متعلق ہو۔ اس بادشاہ نے بادشاہوں کا سا کام نہیں کیا۔ اس کی بہن نے کہا کہ بھائی خدا کے لیے جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، نعم سے کہہ کہ کچھ گائے اور تو سن کہ وہ کیا گاتی ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ نعم مجھے کچھ گا کر سنا۔ نعم نے پھر عود اٹھا لیا اور ایسا گائی ایسا گائی کہ امیرالمومنین باغ باغ ہو گیا۔ اس عالم سرخوشی میں اس کی بہن نے کہا کہ بھائی جو شخص اپنے اوپر کوئی فیصلہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اس پر قائم رہے اور اپنے قول کے موافق عمل کرے۔ تو نے یہ فیصلہ دے کر اپنے اوپر حکم لگا دیا ہے۔ خلیفہ سے یہ کہتے ہی اس نے کہا کہ اے نعمت اٹھ کھڑا ہو اور نعم تو بھی کھڑی ہو جا اور دونوں اٹھ کھڑے

ہوئے۔
اب خلیفہ کی بہن نے کہا' اے امیرالمومنین یہ جو تیرے سامنے کھڑی ہے' نعم ہے جسے حجاج بن یوسف الثقفی نے چرا کر تیرے پاس بھیجا ہے اور یہ جو اس نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ اس نے اسے دس ہزار دینار میں خریدا ہے' جھوٹ ہے اور یہ جو تیرے سامنے کھڑا ہے اس کا آقا نعمت بن الربیع ہے۔ میں تجھ سے تیرے پاک آباؤ اجداد اور حمزہ اور عقیل اور عباس کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ تو انہیں معاف کر دے اور ان کا جرم بخش دے اور ان دونوں کو ایک دوسرے کے حوالے کر دے تاکہ تجھے اس کا اجر و ثواب ملے کیونکہ یہ تیرے قبضے میں ہیں اور انہوں نے تیرا نمک کھایا اور پانی پیا ہے۔ میں ان کی سفارش کرتی ہوں اور درخواست کرتی ہوں کہ تو' ان کا خون بخش دے۔ خلیفہ نے کہا کہ تیرا کہنا بجا ہے۔ میں نے یہی فیصلہ کیا ہے اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ میں ایک بار فیصلہ کر کے اس سے پھر جاؤں۔ اس کے بعد اس نے نعم سے پوچھا کہ یہ واقعی تیرا آقا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں' اے امیرالمومنین۔ خلیفہ نے کہا کہ ڈر نہیں' میں تمہیں ایک دوسرے کو بخش چکا ہوں۔
پھر وہ نعمت سے مخاطب ہوا اور دریافت کیا کہ اس نے اس بات کا پتہ کیسے لگایا کہ وہ یہاں ہے اور مکان کا نقشہ تجھے کس نے بتایا؟ اس نے جواب دیا کہ اے امیرالمومنین میرا حال اور میرا قصہ کان دھر کر سن کیونکہ تیرے پاک آباؤ اجداد کی قسم میں تجھ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔ یہ کہہ کر اس نے سب کچھ بیان کر دیا جو اس کے ساتھ پیش آیا تھا اور جو کچھ ایرانی حکیم اور خادمہ نے اس کے ساتھ کیا یعنی وہ سارا قصہ کہ کس طرح محل میں داخل ہوا اور دروازہ بھول گیا اس پر خلیفہ کو بے حد تعجب ہوا اور اس نے کہا کہ اس ایرانی کو بلاؤ۔ جب وہ حاضر ہوا تو اس نے اسے اپنے خاص مصاحبوں میں داخل کر لیا۔ خلعت عطا کیا اور اس کے لیے ایک عمدہ مشاہرہ مقرر کر دیا اور کہنے لگا کہ جو شخص ایسی تدبیر پر قادر ہو' وہ اس قابل ہے کہ میں اس کو اپنے مشیروں میں جگہ دوں۔ اس کے بعد اس نے نعمت اور نعم کے ساتھ اچھا برتاؤ

کیا' انہیں اپنی عنایات سے سرفراز کیا اور خادمہ کو بھی انعام دیا۔ سات دن تک انہوں نے خلیفہ کے ساتھ رہ کر بڑی خوشی اور عیش و عشرت سے زندگی بسر کی۔ بعد ازاں نعمت نے اپنے اور نعم کے لیے خلیفہ سے کوفے کے سفر کی اجازت مانگی اور روانہ ہو کر اپنے ماں باپ سے ملا اور نہایت عیش و عشرت سے رہے یہاں تک کہ لذتوں کو کرکرا اور صحبتوں کو جدا کرنے والی موت آ گئی۔

جب امجد اور اسعد نے بہرام سے یہ کہانی سنی تو انہیں بہت تعجب ہوا اور وہ کہنے لگے کہ یہ عجیب و غریب کہانی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو سینتالیسویں رات

دو سو سینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب امجد اور اسعد نے بہرام سے جو آتش پرست سے مسلمان ہوا تھا' یہ کہانی سنی تو انہیں بہت تعجب ہوا۔ خیر اس رات تو انہوں نے آرام کیا۔ سویرا ہوتے ہی امجد اور اسعد سوار ہو کر بادشاہ سے ملنے گئے اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ اجازت کے بعد وہ اندر آئے تو بادشاہ نے بڑے تپاک سے انہیں بٹھایا اور تینوں باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں شہر کے اندر شور و غل بپا ہوا۔ لوگ چلانے اور دہائی مانگنے لگے۔ حاجب نے بادشاہ کے پاس آ کر اطلاع کی کہ کسی غنیم نے شہر پر چڑھائی کر دی ہے۔ اس کے سپاہی ننگی تلواریں لیے شہر میں گھس آئے ہیں' معلوم نہیں ان کا کیا مقصد ہے؟ بادشاہ نے جو کچھ حاجب سے سنا تھا' اپنے وزیر امجد اور اس کے بھائی اسعد سے بیان کیا۔ امجد نے کہا کہ میں بادشاہ کے پاس جا کر ابھی خبر لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر امجد محل سے نکلا اور اس نے دیکھا کہ بادشاہ کے ساتھ بے شمار سوار' پیادے اور غلام ہیں۔ امجد کو دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ شہر کے بادشاہ کا ایلچی ہے۔ وہ اسے سلطان کے پاس لے گئے۔ امجد اس کے پاس پہنچا' زمین کو بوسہ دیا اور دیکھا کہ یہ سلطان ایک عورت نقاب پوش ہے۔ ملکہ نے امجد سے کہا کہ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں اس شہر میں ایک بے داڑھی مونچھ والے غلام کی تلاش میں آئی ہوں۔ اگر وہ مجھے مل گیا تو تمہارا کچھ نقصان نہ ہو گا اور اگر نہ ملا تو ہمارے تمہارے درمیان سخت لڑائی ہو گی۔ امجد نے کہا کہ اے ملکہ' اس کا نام اور پتہ اور حلیہ اور قصہ سنا؟ وہ بولی اس کا نام اسعد ہے اور میرا نام مرجانہ۔ وہ غلام ہے۔ آتش پرست بہرام اسے لے کر میرے پاس آیا تھا اور چونکہ وہ اسے بیچنا نہیں چاہتا تھا اس لیے میں نے اسے زبردستی لے لیا مگر بہرام نے اس کا پیچھا کیا اور رات کے وقت میرے پاس سے چرا کر چلتا ہوا۔ پھر اس نے اس کا حلیہ

بیان کیا۔ امجد سمجھ گیا کہ وہ اس کے بھائی اسعد کی تلاش میں ہے اور کہنے لگا کہ جہاں پناہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں خوشی بخشی! وہ غلام میرا بھائی ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی ساری کہانی سنائی اور وہ ماجرا بیان کیا جو ان دونوں پر پردیس میں پیش آیا تھا اور یہ کہ وہ جزائر آبنوس سے کیونکر نکلے۔ یہ سن کر ملکہ مرجانہ حیرت میں آ گئی اور اسعد کے مل جانے کی خوشی ہوئی۔ اس نے امجد کو خلعت پہنایا۔ یہاں سے امجد بادشاہ کے پاس واپس گیا اور اس سے ساری باتیں بیان کیں۔ سب لوگ خوش ہو گئے اور بادشاہ امجد اور اسعد کو لے کر ملکہ سے ملنے کے لیے گیا۔ خوب آؤ بھگت ہوئی اور دونوں بادشاہ مع دونوں بھائیوں کے بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ پھر غبار اٹھا اور چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کے اندر سے ایک جرار لشکر جو متلاطم سمندر کی طرح تھا نکلا۔ یہ لشکر زرہ بکتر پہنے اور ہتھیار لگائے شہر کی طرف چلا آ رہا تھا اس نے آتے ہی شہر کو اس طرح گھیر لیا جیسے انگوٹھی چھنگلی کو اور تلواریں کھینچ لیں۔ یہ دیکھ کر امجد اور اسعد نے کہا کہ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ یہ کیسا زبردست لشکر ہے! اور یہ ضرور دشمن ہیں۔ اگر ہم ان کے ساتھ ملکہ مرجانہ سے مل کر نہ لڑے تو ہمارے شہر پر قطعی ان کا قبضہ ہو جائے گا اور وہ ہمیں قتل کر ڈالیں گے۔ اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم جا کر ان کی خبر لائیں۔ یہ کہہ کر امجد شہر کے دروازے سے نکلا اور ملکہ مرجانہ کے لشکر سے گزر کر اس نئے لشکر کے پاس پہنچا اور معلوم کیا کہ وہ اس کی ماں ملکہ بدور کے باپ بادشاہ غیور کا لشکر ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

دو سو اڑتالیسویں رات

دو سو اڑتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ امجد لشکر کے پاس پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ جزیروں اور سمندروں اور سات محلوں کے مالک اس کے نانا بادشاہ غیور کا لشکر ہے۔ جب وہ صاحب لشکر کے سامنے پہنچا تو اس نے زمین بوس ہو کر اس فوج کشی کا سبب پوچھا۔ بادشاہ نے کہا کہ میرا نام بادشاہ غیور ہے اور میں اپنی بیٹی بدور کی تلاش میں ملک ملک پھر رہا ہوں' کیونکہ جب سے وہ مجھ سے جدا ہوئی ہے نہ تو واپس آئی اور نہ اس کی اور اس کے شوہر قمر الزماں کی مجھے کوئی خبر ملی۔ تم لوگ ان کا کچھ حال بتا سکتے ہو؟ یہ سن کر امجد نے سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر تک سوچتا رہا یہاں تک کہ اسے یقین ہو گیا کہ وہ اس کی ماں کا باپ اور اس کا نانا ہے۔ اس کے بعد اس نے سر اٹھایا اور بادشاہ کے سامنے پھر زمین کو بوسہ دیا اور گزارش کی کہ میں تیری بیٹی بدور کا بیٹا ہوں۔ جونہی بادشاہ نے سنا کہ وہ اس کی بیٹی بدور کا بیٹا ہے تو اسے اپنی چھاتی سے لگایا' دونوں رونے لگے۔ بادشاہ غیور نے کہا کہ بیٹا شکر ہے خدا کا کہ میں تجھ سے ملنے تک زندہ رہا۔ اچھا بتا' تیری ماں اور تیرے باپ کا کیا حال ہے؟ امجد نے کہا کہ تیری بیٹی بدور اور میرا باپ قمرالزماں دونوں خیریت سے ہیں اور وہ اس جگہ کے حکمران ہیں جس کا نام جزیرہ آبنوس ہے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی بیان کیا کہ میرا باپ قمرالزمان مجھ سے اور میرے بھائی سے ناراض ہے اور اس نے ہم دونوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا لیکن خزانچی نے ہم پر ترس کھایا اور ہمیں زندہ چھوڑ دیا۔

بادشاہ غیور نے کہا کہ میں تجھے اور تیرے بھائی کو خود لے کر تیرے باپ کے پاس چلوں گا اور صلح کرا دوں گا اور تمہارے ساتھ رہوں گا۔ اس پر امجد خوش ہو کر اس کے آگے جھک گیا۔ بادشاہ غیور نے اپنے نواسے امجد کو خلعت عطا کیا اور اس نے

رخصت ہو کر اپنے بادشاہ سے یہ سارا قصہ کہا۔ بادشاہ کو بڑی مسرت ہوئی اور اس نے فوراً مہمانی کا سامان مثلاً بھیڑیں، گھوڑے، اونٹ اور چارہ وغیرہ روانہ کیا اور یہی چیزیں ملکہ مرجانہ کے لیے بھی بھیجیں۔ ملکہ مرجانہ بھی یہ عجیب ماجرا سن کر تعجب میں پڑ گئی اور اس نے کہا کہ میں اپنی فوج کے ساتھ غیور شاہ کے ہمراہ چل کر صلح کی کوشش کروں گی۔

ملکہ اور دونوں بادشاہ اپنی اپنی جگہ پھر خوش تھے کہ پھر غبار اٹھا، سورج کی روشنی ماند پڑ گئی۔ شور و غل اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ کی آوازیں سنائی دیں اور چمکتی ہوئی تلواریں اور بھالوں کے پھل دکھائی دیئے۔ جب یہ لشکر شہر کے قریب پہنچا اور انہوں نے وہاں دو لشکر دیکھے تو وہ ڈھول بجانے لگے۔ بادشاہ نے یہ دیکھ کر کہا کہ آج کا دن مبارک دن ہے۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے ان دو لشکروں سے ہماری صلح کرا دی اور انشاء اللہ وہ اس لشکر سے بھی ہماری صلح کرا دے گا۔ اس کے بعد وہ بولا کہ اے امجد اور اے اسعد جا کر اس لشکر کی خبر لاؤ۔ یہ تو اتنا بڑا لشکر ہے کہ اس سے بڑھ کر میری نظر سے نہیں گزرا۔ بادشاہ نے اس لشکر کے ڈر سے، جس نے شہر کو چاروں طرف سے گھیرنا شروع کر دیا تھا، شہر کے دروازے بند کرا دیئے تھے۔ اس لیے امجد اور اس کا بھائی اسعد دروازے کھلوا کر لشکر کے پاس پہنچے اور دیکھا کہ وہ بڑا عظیم الشان لشکر ہے۔ اندر جا کر انہیں معلوم ہوا کہ وہ جزیرہ آبنوس کے بادشاہ کا لشکر ہے اور ان کا باپ قمرالزماں خود سر لشکر ہے۔ آگے بڑھے اور ان کی نظر باپ پر پڑی تو انہوں نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور رونے لگے۔ انہیں دیکھتے ہی قمرالزماں ان سے لپٹ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بار بار اپنے دونوں بیٹوں کو پیار کرتا، چھاتی سے لگاتا۔ پھر اس نے بہت سی معذرت کرنے کے بعد ان سے بیان کیا کہ انکے چلے جانے کے بعد اس کی جدائی میں کس قدر تکلیف پہنچی اور کیا گزری۔

وہ اپنی کہہ چکا تو امجد اور اسعد نے بادشاہ غیور کے متعلق سنایا کہ وہ بھی آیا ہوا ہے۔

یہ سن کر قمرالزماں اپنے خاص خاص ہمراہیوں اور دونوں بیٹوں امجد اور اسعد کو لے کر فوراً کھڑا ہو گیا جب یہ بادشاہ غیور کے لشکر کے پاس پہنچے تو ہر کاروں نے بڑھ کر اسے خبر دی کہ قمرالزماں آ رہا ہے۔ وہ داماد کے استقبال کو اپنے خیمے سے باہر نکل آیا اور سب کے سب آپس میں ملے۔ انہیں اس بات پر سخت تعجب تھا کہ خدا نے کس طرح ایک کو دوسرے سے ملایا ہے۔ شہر والوں نے ان کے لیے طرح طرح کے کھانے اور مٹھائیاں تیار کرائیں۔ ان کی دعوتیں کیں اور انہیں گھوڑے' اونٹ' کھانے اور چارے پیش کیے اور وہ تمام چیزیں ان کے لیے مہیا کیں جن کی لشکر کو ضرورت تھی۔

مہمان داری سے ابھی انہیں فرصت نہیں ملی تھی کہ پھر جنگل کی طرف سے گرد اٹھتی نظر آئی اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین تھرانے لگی۔ نقاروں' دماموں کی آوازیں آنے لگیں۔ دیکھا تو فوج ہے زرہ بکتر پہنے ہتھیار لگائے لیکن سب سیاہ پوش اور ان کے بیچ میں ایک بہت بوڑھا شخص ہے جس کی داڑھی سینے تک اور کپڑے اس کے بھی سیاہ ہیں۔ شہر والے حیران تھے کہ یہ کون آیا اور ان کے بادشاہ نے دوسرے بادشاہوں سے کہا کہ شکر ہے خدا کا جس کے حکم سے تم سب یہاں ایک ہی دن اکٹھے ہوئے اور سب کے سب ایک دوسرے سے واقف ہو لیکن اب یہ کس کی فوج آئی۔ انہوں نے جواب دیا کہ اندیشہ نہ کرو' ہم تین بادشاہ ہیں اور ہر ایک کے ساتھ ایک بڑا لشکر ہے اگر وہ دشمن ہیں تو ہم ان سے لڑیں گے۔ خواہ وہ تعداد میں کتنے بھی ہوں۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ اس تازہ وارد لشکر کا ایلچی شہر کی طرف آیا اور لوگ اسے قمرالزماں اور بادشاہ غیور اور ملکہ مرجانہ اور شہر کے بادشاہ کے پاس لے آئے۔ ایلچی نے زمین بوس ہو کر کہا کہ ہمارا بادشاہ عجم کے ملک سے آیا ہے۔ کئی سال سے اس کا بیٹا گم ہے اور وہ اس کی تلاش میں ملک ملک خاک چھانتا پھرتا ہے۔ اگر اس کا بیٹا یہاں مل گیا تو تمہیں ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں اور اگر نہیں ملا تو وہ تم پر چڑھائی کر کے تمہارا شہر تباہ کر دے گا۔ قمرالزماں نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی؟ اچھا یہ بتا

کہ اسے عجم کے ملک میں کس نام سے یاد کرتے ہیں؟ ایلچی نے کہا کہ اس کا نام بادشاہ شہرمان ہے اور وہ جزائر خالدان کا حکمران ہے۔ یہ لشکر اس نے ان تمام ملکوں سے جمع کیا ہے جہاں جہاں وہ گزرا ہے اور اپنے بیٹے کو تلاش کیا ہے۔

ایلچی کی زبانی یہ سن کر قمرالزماں نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر گیا اور کچھ دیر تک بے ہوش رہا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ زار زار رونے لگا اور امجد اور اسعد اور اپنے خاص لوگوں سے کہا کہ اے میرے بیٹو' ایلچی کے ساتھ جا کر میرے والد' اپنے دادا کو سلام کرو اور اسے میری خوش خبری دو کیونکہ اس کی غمگینی میری ہی وجہ سے ہے اور میرے ہی سوگ میں وہ اب تک سیاہ پوش ہے۔ اس کے بعد اس نے تینوں بادشاہوں سے اپنی جوانی کا ماجرا بیان کیا۔ ان سب کو بڑا تعجب ہوا اور وہ تینوں قمرالزماں کے ساتھ اس کے باپ کے پاس گئے۔ قمرالزماں نے اپنے باپ کو سلام کیا۔ دیکھتے ہی دونوں ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے اور مارے خوشی کے غش کھا کر گر پڑے۔

جب انہیں ہوش آیا تو قمرالزماں نے اپنے باپ سے اپنا سارا ماجرا بیان کیا۔ اس کے بعد باقی بادشاہوں نے بھی اسے سلام کیا۔

سب کی صلاح سے مرجانہ کی شادی اسعد کے ساتھ کر دی گئی۔ مرجانہ اپنے دولہا کے ساتھ اپنے ملک کی طرف روانہ ہوئی۔ اس سے تاکید کر دی کہ خط و کتابت جاری رکھیو۔ اس کے بعد امجد کی شادی بہرام کی بیٹی بستان سے کر دی اور بیٹے اور بہو کو ساتھ لے کر قمرالزماں دوسرے بادشاہوں کے ہمراہ شہر آبنوس کو روانہ ہو گیا۔ اپنے ملک میں جب یہ سب پہنچ گئے تو قمرالزماں نے اپنے خسر کے پاس جا کر اپنا سارا ماجرا بیان کیا اور یہ کہ اپنے بیٹوں کو کس طرح دوبارہ پایا۔ وہ بہت خوش ہوا سلامتی پر مبارک باد دی۔ بادشاہ غیور بھی اپنی بیٹی ملکہ بدور سے ملا اور اس سے مل کر اپنی تمناؤں کو ٹھنڈا کیا۔ مدینتہ الا آبنوس میں پورے ایک مہینے ٹھہر کر پھر اپنی بیٹی کو لے کر اپنے شہر چلا گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

دو سو انچاسویں رات

جب دو سو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ شاہ غیور اپنی بیٹی اور ہمراہیوں کے ساتھ اپنے شہر کو روانہ ہو گیا اور امجد کو اپنے ساتھ لیتا گیا۔ اپنے ملک میں پہنچ کر اس نے امجد کو اپنا جانشین بنا دیا اور وہ اپنے نانا کی جگہ حکمرانی کرنے لگا۔ قمرالزماں نے اپنے بیٹے اسعد کو اس کے نانا ارمانوس کے شہر میں اپنی جگہ بادشاہ بنا دیا اور اس کے نانا نے بھی اپنے نواسے کا بادشاہ ہونا بخوشی منظور کر لیا۔ اس کے بعد قمرالزماں نے سفر کی تیاری کی اور اپنے باپ بادشاہ شہرمان کے ساتھ روانہ ہو کر جزائر خالدان پہنچا اور باپ بیٹے کے لیے شہر سجایا گیا۔ پورے ایک مہینے تک خوشی کے نقارے بجتے رہے اور قمرالزماں اپنے باپ کی جگہ حکومت کرنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام لذتوں کو ڈھانے اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی اور اللہ بہترین جاننے والا ہے۔

بادشاہ نے شہر زاد سے کہا کہ یہ کہانی نہایت عجیب و غریب ہے۔ اس نے عرض کیا' جہاں پناہ مگر علاؤ الدین ابوالشامات کی کہانی سے زیادہ عجیب نہیں۔ بادشاہ نے کہا علاؤ الدین ابوالشامات کی کیا کہانی ہے؟

علاؤ الدین ابوالشامات کی کہانی

اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ پرانے زمانے میں ایک سوداگر مصر میں رہتا تھا' جس کا نام شمس الدین تھا۔ وہ تاجروں میں بہترین اور سب سے زیادہ راست گو تھا۔ اس کے پاس بہت سے نوکر چاکر' کنیزیں اور بے شمار مال و دولت تھی۔ مصر والے اس کو تاجروں کا بادشاہ کہتے تھے۔ اسے اپنی بیوی سے بہت محبت تھی اور بیوی

کو بھی اس سے عشق تھا لیکن اس کے ساتھ چالیس سال رہنے کے بعد بھی نہ اس کے ہاں کوئی بیٹی ہوئی تھی نہ بیٹا۔ ایک دن وہ اپنی دوکان میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس نے دیکھا کہ ہر سوداگر کے ساتھ اس کے ایک یا دو کئی بیٹے دکانوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس کو بڑی حسرت آئی۔ یہ جمعے کا دن تھا۔ اسی خیال میں حمام چلا گیا اور جب غسل کر کے نکلا تو نائی کا آئینہ لے کر اپنی صورت دیکھنے لگا اور کہا کہ اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسوال اللہ اس کے بعد اس کی نظر اپنی داڑھی پر پڑی۔ سفیدی سیاہی پر غالب آ گئی تھی۔ اسے یاد آ گیا کہ بڑھاپا موت کا پیغامبر ہے۔ اس کی بیوی کو معلوم تھا کہ وہ کب لوٹتا ہے۔ وہ اس کے لیے نہا دھو اور بن سنور کر بیٹھی تھی۔ اس روز جو وہ اپنی بیوی کے پاس آیا تو بیوی نے شام بخیر کہہ کر مزاج پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے کوئی خیر نہیں دیکھی۔ بیوی نے لونڈی سے کہا کہ شام کے کھانے کے لیے دسترخوان بچھا۔ جب لونڈی کھانا لائی اور بیوی نے اس سے کہا کہ اے میرے آقا کھا تو وہ بولا کہ میں کچھ نہ کھاؤں گا اور دسترخوان کو ٹھوکر مار کر بیوی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس نے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے اور تو کیوں غمگین ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میری غمگینی کا سبب تو ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو پچاسویں رات

دو سو پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ شمس الدین نے اپنی بیوی سے کہا کہ میری غمگینی کا سبب تو ہے۔ اس نے کہا کہ یہ کیسے؟ شوہر بولا آج جب میں نے دوکان کھولی تو دیکھا کہ ہر سوداگر کے ساتھ ایک یا دو کئی بیٹے اپنے اپنے باپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ہیں اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ جس ذات نے تیرے باپ کو اٹھا لیا ہے وہ تجھے بھی نہیں چھوڑے گی اور جس رات میں نے پہلے پہل تیرے ساتھ ہم بستری کی ہے تو میں نے قسم کھائی تھی کہ تیرے بعد میں نہ کسی سے شادی کروں گا اور نہ کسی حبشی' رومی یا کسی اور لونڈی کے ساتھ ہم بستر ہوں گا اور کسی رات تجھ سے علیحدہ نہ سوؤں گا۔ اب حالت یہ ہے کہ تو بانجھ ہے اور تیرے اندر بچہ پیدا کرنا پتھر کاٹنا ہے۔ بیوی نے کہا کہ خدا جانتا ہے کی تجھ میں ہے نہ کہ مجھ میں۔ کیونکہ تیرا مادہ پتلا اور تخم کمزور ہے۔ اس نے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب؟ بیوی نے جواب دیا کہ ایسی صورت میں عورت حاملہ نہیں ہو سکتی اور بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ شوہر نے کہا اچھا اس کا علاج؟ اس کی دوا کہاں ملتی ہے؟ میں ابھی جا کر اسے خریدوں گا تاکہ اس سے مادہ گاڑھ اور تخم طاقتور ہو جائے۔ بیوی بولی عطاروں کے پاس جا کر تلاش کر۔

دوسرے دن صبح کو جب تاجر سو کر اٹھا تو وہ اس بات پر پچھتایا کہ اس نے بیوی کو برا بھلا کہا اور بیوی کو بھی اس بات پر ندامت ہوئی کہ اس نے شوہر سے سخت کلامی کی۔ پھر وہ بازار جا کر عطار سے ملا اور سلام علیک کی۔ عطار نے سلام کا جواب دیا اس نے کہا کہ تیرے پاس مرد کے مادے کو غلیظ کرنے کی دوا ہے؟ اس نے کہا۔ تھی تو سہی مگر ختم ہو گئی ہے۔ میرے پڑوسی سے پوچھ۔ اب وہ ایک ایک عطار کے

پاس جاتا اور یہی سوال کرتا۔ وہ اس پر ہنستے۔ اس کے بعد وہ اپنی دوکان کو لوٹا اور غمگین بیٹھ گیا۔

بازار میں ایک بھنگڑی دلالوں کا چودھری تھا۔ اسے افیون اور بھنگ کھانے کی لت تھی اور بھنگ بھی وہ جو ہری ہو۔ اس چودھری کا نام شیخ محمد سمسم تھا۔ ہمیشہ چھٹی حالت میں رہتا اور ہر روز صبح کو اس تاجر کے پاس آ کر سلام کر جاتا۔ دستور کے موافق وہ آج بھی آیا اور اس نے السلام علیکم کہا۔ سوداگر نے سلام کا جواب دیا مگر اس کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ چودھری نے پوچھا کہ اے میرے آقا تو غصے میں کیوں بھرا بیٹھا ہے؟ اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا جو اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان پیش آیا تھا اور کہا کہ چالیس سال سے وہ میری بیوی ہے لیکن اب تک نہ اس کے لڑکا پیدا ہوا نہ لڑکی۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس کے حاملہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ میری منی پتلی ہے اس لیے میں ایسی دوا کی تلاش میں ہوں جس سے یہ بات جاتی رہے لیکن وہ نہیں ملتی۔

چودھری نے کہا کہ اے میرے آقا' میرے پاس اس کی دوا ہے۔ اگر میں تیری بیوی کو چالیس سال کے بعد تجھ سے حاملہ کرا دوں تو بتا تو مجھے کیا دے گا؟ تاجر بولا کہ اگر ایسا ہو گیا تو انعام و اکرام میں تیرے ساتھ کمی نہیں کروں گا۔ چودھری نے کہا کہ لا ایک دینار مجھے دے۔ اس نے کہا کہ ایک نہیں' تو دو دینار لے جا۔ اس نے دونوں دینار لے کر کہا کہ ایک چینی کا پیالہ مجھے اٹھا دے۔ تاجر نے چینی کا پیالہ بھی اسے دے دیا۔ چودھری اسے لے کر ایک عطار کے پاس پہنچا اور اس سے ایک چھٹانک رومی افیون' اسی قدر کباب چینی اور دار چینی' لونگ' الائچی' سونٹھ' سفید مرچ اور سقنقور لی۔ ان سب کو اس نے کوٹ کر ایک اعلیٰ قسم کے زیتون کے تیل میں پکایا اور سوا چھٹانک دانے دار لوبان اور ایک پیالہ بھر دھنیا لیا اور ان کو صاف کر کے رومی مکھیوں کے شہد میں ملا کر معجون بنائی اور چینی کے پیالے میں بھر کر تاجر کے پاس لے گیا اور اس سے کہا کہ یہ منی کو گاڑھا کرنے والی دوا ہے۔ اس کے استعمال کا طریقہ یہ ہے

کہ پہلے بھیڑ اور خانگی کبوتروں کا گوشت بہت مرچوں اور مسالے کے ساتھ کھا‘ پھر چمچہ بھر اس معجون کو نوش کر۔ اس کے بعد رات کا کھانا کھا کر مصری کا شربت پی لے۔

تاجر نے معجون کا پیالہ‘ گوشت اور کبوتروں وغیرہ کے ساتھ اپنی بیوی کو بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ ان چیزوں کو اچھی طرح پکا اور منی کے گاڑھا کرنے والی دوا کو حفاظت سے اپنے پاس رکھ اور جب میں اسے مانگوں تو مجھے دیجیو۔ بیوی نے اس کے کہنے کے مطابق عمل کیا اور اس کے آگے شام کا کھانا پیش کیا۔ جب وہ کھا چکا تو اس نے وہ پیالہ مانگا اور اس میں سے تھوڑی سے وہ دوا چکھی۔ وہ اسے مزیدار معلوم ہوئی تو اس نے باقی دوا بھی کھا لی اور کھا کر اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہوا۔ خدا کی قدرت‘ اسی رات حمل قرار پا گیا۔ اب اس پر ایک مہینہ گزرا پھر دوسرا اور تیسرا اور اس کے ایام بند ہو گئے۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ حمل سے ہے۔ جب حمل کے دن پورے ہو چکے اور زہ کا درد محسوس ہوا تو سب نے خوشیاں منائیں۔ دایہ نے مشکل سے بچہ جنوایا اور اس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور علی رضی اللہ عنہ‘ کا نام پڑھ پڑھ کر دم کیا۔ اس کے کان میں تکبیر کہی اور اذان دی اور اسے لپیٹ کر ماں کے پہلو میں لٹایا۔ ماں نے اسے اپنی چھاتی دی‘ دودھ پلایا۔ اس نے سیر ہو کر پیا اور سو گیا۔ دایہ تین دن تک ان کے ہاں رہی۔ ساتویں دن انہوں نے بچے کا عقیقہ کیا اور مٹھائی بانٹی اور نمک چھڑکا‘ تاجر نے آ کر اپنی بیوی کی سلامتی پر اسے مبارک باد دی اور پوچھا کہ خدا کی امانت کہاں ہے؟ بیوی نے بچے کو اس کے آگے پیش کیا جو نہایت حسین اور مدبر پروردگار کی صنعت تھی۔ اس کی عمر سات دن کی تھی مگر جو اسے دیکھتا وہ کہتا کہ وہ ایک سال کا ہے۔ جب تاجر نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ وہ نکلتے ہوئے چاند کی طرح خوبصورت ہے‘ اس کے دونوں رخساروں پر تل ہیں۔ وہ اپنی بیوی سے پوچھنے لگا کہ تو نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ اگر لڑکی ہوتی تو میں اس کا نام رکھتی۔ یہ لڑکا ہے اس کا نام تو ہی رکھ سکتا ہے۔ اس زمانے میں

لوگ کسی نہ کسی فال سے نام نکالتے تھے۔ اس لیے جب وہ نام کے متعلق مشورہ کر رہے تھے انہوں نے سنا کہ کوئی شخص اپنے دوست سے کہہ رہا ہے اے علاؤ الدین!

یہ سنتے ہی اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ ہم بچے کا نام علاؤ الدین ابوالشامات یعنی تکوں والا رکھیں گے۔ پھر اس نے بچے کے لیے دائیاں اور دودھ پلانے والیاں مقرر کیں۔

دو سال تک اس نے دودھ پلایا۔ اس کے بعد انہوں نے دودھ چھڑا دیا اور وہ بڑھ کر پاؤں پاؤں چلنے لگا۔

جب وہ سات برس کا ہوا تو انہوں نے اسے تہہ خانے میں رکھا کہ نظر نہ لگنے پائے اور باپ نے کہا کہ جس وقت تک اس کی داڑھی نہ نکل آئے' یہ باہر نہیں نکلے گا اور اس کی خدمت کے لیے ایک کنیز اور ایک غلام مقرر کر دیا۔ کنیز اس کے لیے کھانا تیار کرتی اور غلام اس کے ساتھ نیچے تہہ خانے میں رہتا۔ اب اس کا ختنہ ہوا۔ بڑے دھوم کی دعوت دی گئی۔ اسے تعلیم دینے کے لیے ایک مولوی مقرر کیا گیا۔ اس نے اسے خوش خطی اور قرآن اور دیگر علوم سکھائے' یہاں تک کہ وہ لائق اور قابل ہو گیا۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ غلام اس کے سامنے دسترخوان بچھا کر کھانا لینے گیا اور بھولے سے تہہ خانے کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا۔ علاؤ الدین وہاں سے نکل کر اپنی ماں کے پاس جا پہنچا اس روز اس کی ماں کے پاس بڑے گھرانوں کی بیبیاں جمع تھیں اور ادھر ادھر کی گفتگو ہو رہی تھی۔ لڑکے کا حسن و جمال دیکھ کر وہ سب ہکا بکا ہو گئیں۔ انہیں گمان ہوا کہ یہ کوئی متوالا اور چاہیا غلام ہے۔ اس پر نظر پڑتے ہی عورتوں نے منہ چھپا لیا اور اس کی ماں سے کہنے لگیں کہ اے فلاں بی بی خدا تجھے معاف کرے! تو نے اس اجنبی غلام کو کیوں ہمارے پاس آنے دیا؟ تجھے معلوم نہیں کہ شرم و ایمان کا جزو ہے! اس نے جواب دیا کہ خدا خدا کرو' یہ میرا نور نظر' میرے دل کا ٹکڑا اور تاجروں کے بادشاہ شمس الدین کا بیٹا ہے۔ بڑے نازونعم سے پالا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے آج تک تیرا کوئی بیٹا نہیں دیکھا۔ ماں نے کہا کہ باپ کو ڈر تھا کہ

کہیں اسے نظر نہ لگ جائے اس لیے اس نے اسے بھونرے میں پالا ہے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• دو سو اکیاونویں رات

جب دو سو اکیاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ علاؤ الدین کی ماں نے عورتوں سے کہا کہ باپ نے اسے بھونرے میں پالا ہے تا کہ اسے نظر نہ لگنے پائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غلام تہ خانہ بند کرنا بھول گیا اور لڑکا اس میں سے نکل آیا۔ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جب تک اس کی داڑھی نہ نکل آئے وہ تہ خانے سے باہر نہ نکلے۔ یہ سن کر عورتوں نے اسے مبارک باد دی اور لڑکا عورتوں کے پاس صحن میں جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ بیٹھا ہوا تھا کہ غلام اس کے باپ کا خچر لے کر اندر آئے۔

علاؤ الدین نے پوچھا' یہ خچر کہاں سے آیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ تیرا باپ اس پر سوار ہو کر دوکان گیا تھا۔ ہم اسے پہنچا کر واپس لائے ہیں۔ وہ بولا میرا باپ کیا پیشہ کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تیرا باپ مصر کا مالک التجار ہے اور عربوں کا سردار۔ یہ سن کر علاؤ الدین اپنی ماں کے پاس گیا اور اس سے بھی یہی سوال کیا کہ اماں جان میرا باپ کیا کام کرتا ہے؟ اس نے بھی وہی جواب دیا کہ تیرا باپ سوداگری کرتا ہے' اس کا بڑا کاروبار ہے۔ اس کے غلام ایسے لین دین میں اس سے مشورہ تک نہیں کرتے جو ایک ہزار دینار سے کم کا ہو۔ اس کی بڑی ساکھ ہے۔ جو مال لوگ اپنے ملکوں سے لاتے ہیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت' سب اس کے پاس آتا ہے اور وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے اور جو مال دوسرے ملکوں میں جاتا ہے' وہ بھی تیرے باپ کے پاس سے ہو کر جاتا ہے۔ بیٹا خدا نے تیرے باپ کو اتنا مال و دولت عطا کیا ہے جو شمار سے باہر ہے۔

لڑکے نے کہا کہ اماں جان تم لوگوں نے مجھے تہ خانے میں بند کر کے قیدی کی طرح کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ ماں نے جواب دیا کہ محض اس لیے کہ تجھے نظر نہ لگنے پائے کیونکہ نظر کا لگنا برحق ہے اکثر لوگ نظر سے مر گئے ہیں۔ اس نے کہا کہ اماں جان

قضا و قدر سے بھاگ کر انسان کہاں جا سکتا ہے! احتیاط کرنے سے قسمت نہیں بدل سکتی اور جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے' اس سے مفر نہیں۔ جس ذات نے میرے دادا کو اٹھا لیا ہے وہ مجھے اور میرے باپ کو بھی نہ چھوڑے گی۔

آج وہ زندہ ہے اور کل مردہ ہو گا۔ اگر میں باپ کے مرنے کے بعد باہر نکلا اور میں نے کہا کہ میں شمس الدین تاجر کا بیٹا علاؤ الدین ہوں تو کوئی بھی میری بات نہ مانے گا اور بوڑھے لوگ کہیں گے کہ ہم نے عمر بھر نہ شمس الدین کا کوئی لڑکا دیکھا اور نہ لڑکی۔ بیت المال والے آ کر میرے باپ کا مال و دولت مجھ سے لے جائیں گے۔ خدا رحم کرے اس شخص پر جس نے یہ ضرب المثل کہی ہے' انسان مر جاتا ہے اور اس کی آبرو جاتی رہتی ہے اور رذیل ترین لوگ اس کی بیویوں پر قبضہ کر لیتے ہیں۔

اماں جان تو میرے باپ سے کہہ کہ وہ مجھے اپنے ساتھ بازار لے جایا کرے۔ میرے لیے ایک دوکان کھول دے' میں اس میں مال لے کر بیٹھوں اور وہ مجھے خرید و فروخت اور لین دین سکھائے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا جب تیرا باپ آئے گا تو میں اس سے کہوں گی۔

جب تاجر گھر لوٹا تو اس نے دیکھا کہ علاؤ الدین ابوالشامات اپنی ماں کے پاس بیٹھا ہے۔ بیوی سے پوچھا کہ تو نے اسے تہہ خانے سے کیوں نکالا؟ اس نے کہا کہ اے میرے چچیرے بھائی' میں نے اسے نہیں نکالا' غلام قفل لگانا بھول گئے۔ تہہ خانہ کھلا چھوڑ دیا۔ میں بڑے گھرانوں کی بیبیوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی کہ یہ نکل کر ہمارے پاس آیا۔ اس کے بعد اس نے وہ تمام باتیں بیان کیں جو اس کے بیٹے نے کہی تھیں۔

باپ بولا بیٹا انشاء اللہ میں تجھے کل بازار لے چلوں گا لیکن بیٹا بازار اور دوکانوں میں بیٹھنے کے لیے بہرحال ادب اور کمال لازم ہے۔ باپ کی باتیں سن کر علاؤ الدین خوش ہو گیا اور سو گیا۔ صبح ہوئی تو وہ اسے حمام لے گیا۔ نہایت قیمتی کپڑے پہنائے اور ناشتہ کرنے اور شربت پینے کے بعد ایک خچر پر خود سوار ہوا' دوسرے پر اپنے بیٹے کو بٹھایا

اور آگے پیچھے دونوں باپ بیٹے بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ بازار والوں نے جو دیکھا کہ ملک التجار آگے آگے اور اس کے پیچھے پیچھے ایک لڑکا ہے ایسا حسین جیسے چودھویں کا چاند۔ تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ دیکھ' ملک التجار کے ساتھ یہ کون ہے؟ ہم تو اسے نیک آدمی خیال کرتے تھے مگر وہ تو پیاز کی طرح نکلا۔ سر بوڑھا اور قلب جوان۔ اس پر شیخ محمد سمسم جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے بولا۔ ہم یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتے کہ وہ ہمارا سردار بنا رہے۔ بازار کا دستور یہ تھا کہ جب ملک التجار گھر سے صبح کے وقت آ کر دوکان پر بیٹھتا تو پہلے بازار کا چودھری تاجروں کے پاس جا کر فاتحہ پڑھتا اور پھر وہ سب مل کر اس کے ساتھ ملک التجار کے پاس آ کر فاتحہ پڑھتے اور صباح بخیر کہتے۔ اس کے بعد سب تاجر اپنی اپنی دوکانوں کو چلے جاتے۔

اس روز جبکہ عادت کے موافق ملک التجار دوکان پر آ کر بیٹھا تو تاجر اور دنوں کی طرح اس کے پاس نہیں آئے۔ یہ نئی بات تھی۔ اس نے چودھری کو پکار کر پوچھا کہ معمول کے موافق آج سوداگر کیوں نہیں جمع ہوئے؟ اس نے جواب دیا' معلوم نہیں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ تاجروں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ وہ تجھے اپنی سرداری سے معزول کر دیں اور تیرے لیے فاتحہ نہ پڑھیں۔ اس نے کہا کہ سبب؟ چودھری بولا یہ لڑکا کون ہے جو تیرے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے؟ تو' تو بوڑھا اور تاجروں کا سردار۔ کیا یہ لڑکا تیرا غلام ہے یا تیری بیوی کا رشتے دار؟ میرے خیال میں وہ تیرا معشوق ہے اور تیرا دل اس پر آ گیا ہے۔ ملک التجار نے ڈانٹ کر کہا کہ زبان تھام' خدا تیری ذات و صفات دونوں پر لعنت کرے' یہ میرا بیٹا ہے۔ اس نے کہا کہ ہم نے عمر بھر تیری اولاد نہیں دیکھی۔

ملک التجار نے جواب دیا' مادہ تولید کا قوام درست کرنے کی دوا تو نے ہی تو بنا کر مجھے دی تھی۔ اس سے میری بیوی حاملہ ہو گئی اور یہ لڑکا پیدا ہوا۔ پھر اس ڈر سے کہ کہیں اسے نظر نہ لگ جائے میں نے بھونرے میں اس کی پرورش کی میں چاہتا تھا کہ جب تک وہ اپنی داڑھی اپنے ہاتھ سے نہ پکڑ سکے' تہہ خانے سے نہ نکلے۔ مگر اس

کی ماں نے نہ مانا اور مجھ سے کہا کہ اس کے لیے ایک دوکان کھول کر اس میں سوداگری کا مال رکھوں اور اسے خرید و فروخت کرنا سکھاؤں۔ یہ سن کر چودھری تاجروں کے پاس گیا۔ ان سے سارا واقعہ بیان کیا اور وہ سب چودھری کے ساتھ ملک التجار کی دوکان پر آئے اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھی۔ لڑکے کی مبارکباد دی اور کہا کہ ہمارا پروردگار جڑ اور شاخ دونوں کو سلامت رکھے! لیکن غریب کے گھر میں لڑکا یا لڑکی پیدا ہوتی ہے تو وہ بھی کم از کم ایک کڑاہی دلیا پکا کر اپنے دوستوں اور عزیزوں کا منہ میٹھا کرا دیتا ہے مگر تو نے یہ بھی نہیں کیا۔ وہ بولا یہ تمہارا قرضہ میرے اوپر ہے جسے میں باغ میں اتاروں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دو سو باونویں رات

دو سو باونویں رات ہوئی تو اس کی بہن دنیا زاد نے کہا کہ بہن اگر تجھے نیند نہ آتی ہو تو اپنی کہانی کہہ ڈال۔ وہ بولی سر آنکھوں سے۔

اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملک التجار نے انہیں دعوت دینے کا وعدہ کیا اور کہا کہ ہم سب باغ میں جمع ہوں گے چنانچہ دوسرے دن علی الصباح تاجر نے فراش کو بلا کر حکم دیا کہ باغ میں بارہ دری اور محل کو فرش فروش سے آراستہ کرے اور پکانے کے لیے بھیڑیں اور گھی وغیرہ منگوایا۔ دو دسترخوان بچھوائے۔ ایک بارہ دری میں اور ایک محل میں' باپ بیٹے دونوں کمر باندھ کر مہمانوں کی مدارات کے لیے تیار ہو گئے۔ تاجر نے کہا' بیٹا اگر کوئی بوڑھا شخص آئے گا تو میں اسے لے جا کر محل کے دسترخوان پر بٹھاؤں گا اور کسی بے داڑھی مونچھ والے لڑکے کو تو دیکھے تو اسے جا کر بارہ دری میں لے جا کر دسترخوان پر بٹھائیو۔ لڑکے نے کہا کہ ابا جان اس کے کیا معنی ہیں کہ تو دو دسترخوان علیحدہ علیحدہ لگاتا ہے۔ ایک بوڑھوں کے واسطے دوسرا لڑکوں کے لیے۔ باپ نے جواب دیا کہ بیٹا لڑکوں کو بڑوں کے سامنے کھانے سے شرم آتی ہے۔ لڑکے کو یہ بات پسند آئی۔ جب مہمان آنے شروع ہوئے تو شمس الدین اپنے ہم سنوں کو لے جا کر محل میں بٹھاتا اور اس کا بیٹا علاؤ الدین اپنی عمر والے لڑکوں کو بارہ دری میں لے جاتا۔ اس کے بعد کھانا چنا گیا۔ سب نے کھایا پیا۔ لطف اٹھایا' خوش ہوئے۔ شربت کے دور چلے۔ عطر پاشی کی گئی اور بوڑھے بیٹھ کر علم و حدیث کی باتیں کرنے لگے۔

ان لوگوں میں ایک تاجر تھا' جسے لوگ محمود البلخی کہتے تھے۔ وہ ظاہراً مسلمان اور باطن میں آتش پرست۔ نہایت بدچلن' لڑکوں سے اس کو خاص رغبت تھی۔ علاؤ الدین کے چہرے کی طرف دیکھتے ہی اس کے دل میں ہزاروں آرزوئیں امنڈنے لگیں اور شیطان

نے علاؤ الدین کے چہرے کو اس کے لیے ایک ہیرا بنا دیا۔ وہ علاؤ الدین کے حسن کا دیوانہ ہو گیا۔ اس کے دل میں اس کی محبت بیٹھ گئی۔ یہ علاؤ الدین کے باپ سے

کپڑے اور دوسرا تجارت کا مال خریدا کرتا تھا۔
اتفاق سے علاؤ الدین پیشاب کرنے چلا گیا تو محمود بلخی اٹھ کر لڑکوں کے پاس پہنچا۔ وہ اس کے خیر مقدم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس نے لڑکوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر تم علاؤ الدین کو میرے ساتھ سفر پر چلنے کے لیے آمادہ کر دو تو میں تم سب کو ایک ایک بے بہا کپڑوں کا جوڑا دوں گا۔ اتنا کہہ کر وہ پھر بڑے بوڑھوں کی مجلس میں آ بیٹھا۔ علاؤ الدین پیشاب سے فارغ ہو کر آیا تو لڑکوں نے اسے اپنے درمیان اونچی جگہ پر بٹھایا اور ایک لڑکے نے دوسرے سے کہا کہ اے میرے آقا حسن' تیرے پاس وہ پونجی کہاں سے آئی جس سے تو خرید و فروخت کرتا ہے؟ حسن نے جواب دیا کہ جب میں بالغ ہوا تو میں نے اپنے باپ سے کہا کہ اباجان میرے لیے تجارت کا مال مہیا کر۔ وہ کہنے لگا' بیٹا میرے پاس تو کچھ نہیں تو جا کر کسی تاجر سے مال لے لے اور کام شروع کر دے' خرید و فروخت اور لین دین سیکھ۔ یہ سن کر میں ایک تاجر کے پاس گیا اور ایک ہزار دینار قرض لیے اور ان سے کپڑے خرید کر دمشق کا سفر کیا۔ مجھے دگنا نفع ہوا۔ پھر دمشق سے سامان خرید کر حلب گیا اور وہاں بیچا اور اس سے بھی زیادہ فائدہ اٹھایا۔ پھر حلب سے مال لے کر بغداد گیا اور اپنی پونجی بڑھائی۔ اسی طرح شہر در شہر تجارت کرتے کرتے اب میری پونجی دس ہزار دینار ہو گئی ہے۔
ہر لڑکا اپنے رفیق سے اسی قسم کی باتیں کرتا یہاں تک کہ علاؤ الدین کی باری آ گئی۔

انہوں نے کہا کہ اے ہمارے آقا علاؤ الدین اور تو؟ اس نے جواب دیا کہ میری پرورش تو زمین کے نیچے تہہ خانے میں ہوئی ہے۔ اسی ہفتے میں وہاں سے نکلا ہوں۔ ابھی تو میں نے کوئی کاروبار شروع نہیں کیا۔ صرف دوکان میں آتا ہوں اور پھر گھر لوٹ

جاتا ہوں۔ وہ بولے کہ تجھے گھر میں گھس کر بیٹھنے کی عادت ہے اس لیے تو سفر کی لذت کیا جانے اور سفر محض مردوں کے لیے ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے سفر کی ضرورت نہیں اور سفر کے آرام کو میں کوئی اہمیت بھی نہیں دیتا۔ اس پر ایک لڑکے نے اپنے رفیق سے کہا کہ یہ مچھلی کی طرح ہے کہ پانی سے نکلا اور مرا۔ انہوں نے کہا کہ اے علاؤ الدین سفر تو تاجروں کے لڑکوں کے لیے فخر کا باعث ہے۔ اس میں فائدے ہی فائدے ہیں۔ یہ سن کر علاؤ الدین کھسیانا ہو کر وہاں سے اٹھ آیا اور اپنے خچر پر بیٹھ کر گھر چلا گیا۔ اس کی ماں نے دیکھا کہ وہ رونکھا سا ہے۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے ہیں تو وہ کہنے لگی کہ بیٹا کیا بات ہوئی؟ اس نے جواب دیا کہ سارے تاجروں کے لڑکے مجھے چھیڑتے اور کہتے ہیں کہ سفر تاجروں کی اولاد کے لیے فخر کا باعث ہے کیونکہ اس سے وہ دولت کماتے ہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

دو سو ترپنویں رات

جب دو سو ترپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ علاؤ الدین اپنی ماں سے کہنے لگا کہ تاجر زادے مجھے چڑاتے اور کہتے ہیں کہ محض سفر سوداگر بچوں کے لیے فخر کا باعث ہو سکتا ہے کیونکہ اس سے وہ نفع اٹھاتے ہیں۔ ماں نے کہا کہ بیٹا کیا تو بھی سفر کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔ ماں بولی کہ کس ملک کا؟ اس نے کہا کہ بغداد کا۔ اس لیے کہ وہاں دگنے کا فائدہ ہوتا ہے۔ ماں کہنے لگی کہ بیٹا تیرے باپ کے پاس بہت مال و دولت ہے لیکن اگر وہ اپنے مال سے تیرے لیے سوداگری کا سامان تیار نہ کرے گا تو میں اپنے پاس سے کروں گی۔ لڑکے نے کہا کہ بہترین نیکی وہ ہے جو جلد کی جائے اور نیکی کرنے کا یہی وقت ہے۔ ماں نے غلاموں کو بلا کر اسباب باندھنے والوں کے پاس بھیجا اور ایک انبار خانہ کھول کر کپڑوں کے تھان نکالے اور دس گٹھڑیاں باندھ کر تیار کیں۔

یہ تو اس کی ماں کا قصہ ہوا' اب اس کے باپ کی سنئے۔ جب اس نے اپنے بیٹے علاؤ الدین کو تلاش کیا اور اسے باغ میں پایا تو پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ اپنے خچر پر سوار ہو کر گھر چلا گیا۔ یہ سنتے ہی وہ بھی اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ سامان کے بقچے بندھے پڑے ہیں۔ سبب دریافت کرنے پر اس کی بیوی نے سارا ماجرا بیان کر دیا جو اس کے بیٹے علاؤ الدین کو تاجر زادوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ خدا پردیس پر لعنت بھیجے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کے لیے بہتری اسی میں ہے کہ اسے اپنا رزق اپنے شہر میں ملے۔ بزرگ کہہ گئے ہیں کہ سفر نہ کر خواہ وہ ایک ہی میل کا کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد اس نے بیٹے سے پوچھا کیا تو نے سفر کا پکا ارادہ کر لیا ہے اور اس سے باز نہیں آئے گا؟ بیٹے نے جواب دیا کہ میں مال لے کر بغداد گئے بغیر

نہیں مانوں گا ورنہ میں اپنے کپڑے اتار کر فقیرانہ کپڑے پہن لوں گا اور ملک ملک گھومتا پھروں گا۔ باپ نے کہا کہ بیٹا نہ میں غریب ہوں اور نہ مسکین۔ میرے پاس بہت مال اور دولت ہے۔ یہ کہہ کر اس نے بیٹے کو اپنی ساری جتھا' تجارت کا مال اور کپڑے دکھائے اور بولا کہ میرے پاس ہر شہر کے قابل کپڑے اور تجارت کا دوسرا مال ہے۔ ادھر دیکھ منجملہ اور سامان کے' یہ چالیس گٹھے بندھے رکھے ہیں اور ہر ایک پر ایک ہزار دینار قیمت لکھی ہوئی ہے۔ پھر اس نے کہا کہ بیٹا چالیس یہ اور اپنی ماں کے دس گٹھے لے کر فی امان اللہ سفر کر۔ لیکن بیٹا میں تجھے اس جنگل سے خبردار کر دینا چاہتا ہوں جو راہ میں پڑے گا جس کا نام غابتہ الاسد ہے اور اس وادی سے ہوشیار رہنے کی تاکید کرتا ہوں جسے وادی الکلاب کہتے ہیں کیونکہ ان میں لوگ جان سے مارے جاتے ہیں۔ بیٹے نے پوچھا کہ ابا جان وہاں کیا خوف ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک بدو عجلان نام وہاں بٹ ماری کرتا ہے۔ بیٹا کہنے لگا کہ رزق دینے والا اللہ ہے اگر میرا اس میں حصہ ہو گا تو مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔

اب علاؤ الدین سوار ہو کر اپنے باپ کے ساتھ نخاس پہنچا' انہیں دیکھتے ہی ایک شترمان نے اپنی سواری سے اتر کر ملک التجار کا ہاتھ چوما اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا عرصے سے تو نے مجھے کوئی کام نہیں دیا۔ تاجر نے جواب دیا کہ ہر زمانے کے لیے مخصوص دولت ہوتی ہے اور مخصوص دولت والے۔ اے قافلہ سالار میں سفر کے لیے نہیں جا رہا ہوں بلکہ میرا بیٹا جانا چاہتا ہے۔ شتربان بولا' خدا اسے صحیح و سلامت رکھے۔ اس کے بعد ملک التجار نے لڑکے اور شتربان کے درمیان رشتہ اتحاد قائم کیا اور اپنے بیٹے کو اس کا بیٹا بنا کر اس کے سپرد کر دیا اور اس سے کہا کہ یہ سو دینار اپنے بچوں کے لیے لے۔ پھر ملک التجار نے حضرت عبدالقادر جیلانی کے مزار پر چڑھانے کے لیے ساٹھ خچر' ایک قندیل اور ایک چادر خریدی اور اپنے بیٹے سے شتربان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میری غیر موجودگی میں میری بجائے یہ تیرا باپ ہے۔ اس کا کہنا مانیو۔ وہاں سے وہ شتربان اور اس کے بچوں کو لے کر اپنے گھر گیا۔ رات بھر قرآن خوانی کرائی

اور شیخ عبدالقادر جیلانی کا مولود پڑھوایا۔ صبح ہوئی تو ملک التجار نے اپنے بیٹے کو دس ہزار دینار دیئے اور کہا کہ جب تو بغداد پہنچے اور دیکھے کہ ان کپڑوں کے دام اچھے ملتے ہیں' تو وہیں بیچ ڈالیو اور اگر بازار گرا ہوا ہو تو ان دیناروں سے لے کر خرچ کیجیو۔ اس اثناء میں خچر لادے گئے۔ لوگ آپس میں رخصت ہوئے اور قافلہ چلتے چلتے شہر کے باہر پہنچ گیا۔ محمود بلخی نے بھی بغداد جانے کی تیاری میں اپنا مال شہر کے باہر لا کر خیمے نصب کر دیئے تھے اور اپنے دل میں کہتا تھا کہ میں جنگل میں اس لڑکے کے ساتھ مزے اڑاؤں گا۔ وہاں جاسوس ہو گا نہ کوئی نگہبان جو اس کی حفاظت کرے۔ محمود بلخی پر ملک التجار کے ایک ہزار درہم کسی فروخت کے سلسلے میں قرض آتے تھے۔ رخصت ہوتے وقت اس نے محمود بلخی سے کہا کہ یہ ایک ہزار دینار میرے بیٹے علاؤ الدین کو دے دیجیو اور رسمی طور پر یہ بھی کہہ دیا کہ اپنے بیٹے کو میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔ وہ مثل تیرے بیٹے کے ہے۔ اس طرح علاؤ الدین اور محمود بلخی کا ساتھ ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو چونویں رات

جب دو سو چونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ علاؤ الدین اور محمود بلخی کا ساتھ ہو گیا اور محمود بلخی نے علاؤ الدین کے باورچی سے کہا کہ کوئی چیز نہ پکائے بلکہ وہ خود علاؤ الدین اور اس کے ہمراہیوں کو کھلاتا پلاتا اور قافلہ کوچ اور مقام کرتا ہوا چلا۔ محمود بلخی سوداگر کے چار گھر تھے۔ ایک مصر میں' دوسرا دمشق میں' تیسرا حلب میں اور چوتھا بغداد میں۔ پہلے وہ جنگل اور بیابان طے کرتے ہوئے دمشق پہنچے۔ یہاں پہنچ کر محمود بلخ نے اپنے غلام کو علاؤ الدین کے پاس بھیجا۔ غلام اس کے پاس آیا تو دیکھا کہ قرآن پڑھ رہا ہے۔ غلام نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ علاؤ الدین نے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ غلام نے کہا کہ میرا آقا تجھے سلام کہتا اور تجھے اپنے گھر کھانا کھانے کی دعوت دیتا ہے۔ اس نے جواب دیا' میں پہلے اپنے باپ قافلہ سالار کمال الدین شتربان سے مشورہ کر لوں۔ مشورہ کیا تو شتربان نے جانے سے منع کیا۔ پھر وہ دمشق سے چل کر حلب میں داخل ہوئے۔ یہاں بھی محمود بلخی نے دعوت کا سامان کر کے علاؤ الدین کو بلوایا اور شتربان سے ایک منزل کے فاصلے پر پہنچ گئے۔ اس مقام پر پھر محمود بلخی نے دعوت کا سامان کیا اور علاؤ الدین کو بلا بھیجا۔ اس نے پھر قافلہ سالار سے صلاح لی اور پھر وہ آڑے آیا لیکن اس مرتبہ علاؤ الدین ضد میں آ گیا۔ اس نے کہا کہ میں ضرور جاؤں گا۔ یہ کہتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کپڑوں کے نیچے تلوار باندھ کر محمود بلخی کے پاس جا پہنچا۔ محمود نے اس کا خیر مقدم کیا' اچھی جگہ پر بٹھایا۔ بڑا وسیع دسترخوان بچھایا۔ اچھے اچھے کھانے چنے۔ دونوں نے کھایا پیا اور ہاتھ دھوئے۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر محمود بلخی علاؤ الدین کی طرف جھکا کہ بوسہ لے مگر اس کا منہ رخسار کے بدلے ہاتھ پر پڑا۔ لڑکے نے چونک کر کہا "یہ کیا؟" محمود نے جواب دیا' میں نے تجھے بلایا ہی اس لیے ہے کہ یہاں بیٹھ کر تجھ سے

مزے اڑاؤں۔ ساتھ ہی وہ علاؤ الدین کی طرف بڑھا تا کہ اس کے ساتھ ہاتھا پائی شروع کرے۔

علاؤ الدین اٹھ کھڑا ہوا اور تلوار کھینچ کر کہنے لگا' لعنت ہو تیرے بڑھاپے پر! کیا تو

خدا سے نہیں ڈرتا جو بڑی قوت والا ہے۔ ارے شیطان یہ پونجی خدا کی امانت ہے بیچنے کے لیے نہیں ہے۔ اگر اس پونجی کو میں کسی غیر کے ہاتھ سونے کے عوض بیچتا ہوں تو تیرے ہاتھ چاندی کے بدلے بیچ ڈالتا لیکن اے خبیث واللہ میں تیرے ساتھ کبھی سفر نہ کروں گا۔

علاؤ الدین وہاں سے لوٹ کر قافلہ سالار کمال الدین کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا کہ یہ شخص فاسق و فاجر ہے۔ میں نہ سفر میں اس کا ساتھ دوں گا اور نہ اس راستے پر چلوں گا جس پر وہ چلے گا۔ اس نے جواب دیا کہ بیٹا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ اس کے پاس نہ جا لیکن بیٹا اگر ہم اس سے علیحدہ ہو جائیں گے تو ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہلاک نہ ہو جائیں۔ اس لیے ہم سب ایک ہی قافلہ بنا کر چلیں تو بہتر ہے۔ لڑکے نے کہا کہ یہ ہرگز ممکن نہیں ہو سکتا کہ میں راہ میں اس کا ساتھ دوں۔ یہ کہہ کر علاؤ الدین نے اپنا سامان لدوا دیا۔ وہ اور اس کے ساتھی چل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے ایک وادی میں پہنچے اور وہاں اترنا چاہا۔ شتربان بولا' یہاں نہ اترو چلے چلو بلکہ اور تیزی سے کوچ کرو تا کہ دروازے بند ہونے سے پہلے ہم بغداد پہنچ جائیں کیونکہ وہ سورج کے طلوع و غروب کے ساتھ کھولے اور بند کیے جاتے ہیں۔ اس لیے کہیں ایسا نہ ہو کہ رافضی شہر پر قبضہ کر کے علوم کی کتابیں دجلے میں نہ پھینک دیں۔

علاؤ الدین نے کہا کہ اے باپ میں سوداگری کا مال لے کر اس شہر میں اس وجہ سے نہیں آیا کہ فائدہ اٹھاؤں بلکہ اس لیے کہ ملکوں کی سیر کروں۔ بوڑھا بولا' بیٹا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں بدوؤں سے تجھے اور تیرے مال کو نقصان نہ پہنچے۔ لڑکا خفا ہو کر کہنے لگا کہ تو خادم ہے یا مخدوم؟ میں رات کو بغداد میں داخل ہونا نہیں چاہتا صبح کو چلوں گا تا کہ بغداد والے میرے سوداگری کے مال کو دیکھیں اور سمجھیں کہ میں کون

ہوں۔ قافلہ سالار نے کہا جو تیرا جی چاہے کر۔ میں نصیحت کر چکا۔ تو خود سمجھ لے کہ تیری نجات کس میں ہے۔

علاؤ الدین نے حکم دیا کہ خچروں سے مال کی گٹھڑیاں اتار لی جائیں اور لوگوں نے بوجھ اتار لیے اور خیمے لگا کر ٹھہر گئے۔ آدھی رات کے وقت جبکہ وہ ضرورت سے فارغ ہونے کے لیے باہر نکلا تو اسے دور سے کوئی چیز چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ اس نے شتربان سے کہا کہ اے قافلہ سالار دیکھ یہ کیا چمک رہا ہے۔ یہ سن کر قافلہ سالار اٹھ بیٹھا اور غور سے دیکھنے لگا۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ چمک' نیزوں کے پھلوں کے ہتھیاروں کے لوہے اور بدوؤں کی تلواروں کی ہے اور یہ کہ بدو لٹیرے جن کا سردار شیخ العرب عجلان ابو نائب مشہور راہ زن ہے' آ پہنچے۔ جب بدو ان کے قریب آئے اور انہوں نے مال کے انبار دیکھے تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ آج کی رات خوب غنیمت ہاتھ آئے گی۔ قافلے والوں نے جو یہ کہتے سنا تو قافلہ سالار کمال الدین شتربان بولا۔ خبردار اے رذیل ترین بدو! یہ سن کر ابو نائب نے اپنے نیزے سے اس کے سینے پر ایسا وار کیا کہ وہ چمکتا ہوا اس کی پیٹھ سے نکل آیا! وہ مردہ ہو کر خیمے کے دروازے پر گر پڑا۔ اس کے بعد سقے نے کہا کہ خبردار اے رذیل ترین بدو! اور بدو نے ایک تلوار اس کی گردن پر ماری کہ علیحدہ ہو گئی او روہ بھی مردوں میں جا ملا۔ یہ ساری باتیں علاؤ الدین کی آنکھوں کے سامنے ہو رہی تھیں۔ پھر بدوؤں نے قافلے پر حملہ کر کے ان کا قلع قمع کر دیا۔ علاؤ الدین کے ساتھیوں میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑا اور خچروں پر اسباب لاد کر چلتے ہوئے۔ علاؤ الدین نے دل میں یہ سوچ کر کہیں وہ مجھے خچر پر سوار اور میرے کپڑے دیکھ کر میرا بھی یہی حشر نہ کریں جلدی سے اپنے کپڑے اتار کر خچر کی پیٹھ پر ڈال دیئے اور محض قمیض اور نیچے کے کپڑے پہنے رہا۔ خیمے کے دروازے پر آ کر دیکھا تو مقتولوں کا خون نالے کی طرح بہہ رہا ہے اس نے اپنے کپڑے اور قمیص اس خون میں لتھیڑ لیے اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ بھی مقتول ہے اور اپنے

خون میں ڈوبا ہوا ہے۔

یہ تو اس کا حال ہوا۔ اب بدوؤں کے سردار عجلان کا حال سنئے۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ اے عربو یہ قافلہ مصر سے آ رہا تھا یا بغداد سے؟

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو پچپنویں رات

جب دو سو پچپنویں رات ہوئی تو اس نے پوچھا' اے عربو یہ قافلہ مصر سے آ رہا تھا یا بغداد سے؟ انہوں نے کہا کہ یہ مصر سے بغداد جا رہا تھا۔ وہ بولا پھر تو مقتولوں کے پاس واپس چلو کیونکہ میرا خیال ہے کہ قافلے کا مالک ابھی تک نہیں مارا گیا۔ اب بدو پھر مقتولوں کی طرف لوٹ گئے اور لاشوں میں نیزے اور تلواریں بھونکنے لگے یہاں تک کہ وہ علاؤ الدین کے پاس پہنچے جو مقتولوں کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر انہوں نے کہا کہ تو مردہ بن گیا ہے۔ ہم تجھے واقعی مار ڈالیں گے۔ یہ کہہ کر ایک بدو نے اپنا نیزہ اٹھایا اور چاہتا تھا کہ علاؤ الدین کے سینے میں بھونک دے تو وہ کہنے لگا کہ "اے غوث الاعظم' اے میرے آقا عبدالقادر! اے جیلانی" اور اسے غیب کا ایک ہاتھ دکھائی دیا جس نے نیزے کو اس کے سینے سے قافلہ سالار کمال الدین شتربان کے سینے کی طرف پھیر دیا اور بدو کا نیزہ اس مردہ کے سینے پر پڑا اور علاؤ الدین بچ گیا۔ اس کے بعد بدوؤں نے باقی ماندہ سامان خچر پر لادا اور چل دیئے۔ جب علاؤ الدین نے نظر اٹھائی اور دیکھا کہ چڑیاں اپنی روزی لے کر اڑ گئی ہیں تو وہ اٹھ بیٹھا اور کھڑا ہو کر بھاگا۔ اتنے میں ابو نائب بدو نے کہا کہ اے میرے ہمراہیو' اے عربو' مجھے کوئی چیز حرکت کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یہ سن کر ایک بدو ادھر بڑھا اور بھاگتے ہوئے علاؤ الدین پر اس کی نظر پڑی۔ وہ کہنے لگا کہ تیرا بھاگنا بیکار ہے کیونکہ ہم تیرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور علاؤ الدین کا پیچھا کرنے لگا۔ اب علاؤ الدین کو اپنے آگے ایک تالاب دکھائی دیا' جس میں پانی تھا اور اس کے ایک طرف ایک حوض تھا۔ وہ حوض کے چبوترے پر چڑھ کر لیٹ گیا اور اس طرح سانس لینے شروع کر دیئے گویا سو رہا ہے اور دعا مانگنے لگا کہ بہترین پردہ پوش تیرا ڈالا ہوا پردہ کبھی نہیں کھلتا۔ اتنے میں بدو حوض کے پاس آ کر اپنی رکابوں

پر کھڑا ہوا اور علاؤ الدین کے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ علاؤ الدین نے کہا کہ یا دستگیر یا میری آقا نفیسہ! اب تیری باری ہے۔ خدا کی شان ایک بچھو نے بدو کی ہتھیلی پر ڈنک مارا اور وہ چلایا کہ آہ! عربو دوڑو بچھو نے میرے ڈنک مارا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنی گھوڑی کی پیٹھ پر سے گر پڑا۔ اس کے ساتھیوں نے آ کر پھر اسے سنبھالا اور گھوڑی پر بٹھایا۔ پھر پوچھنے لگے کہ تجھ پر کیا حادثہ گزرا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے بچھو کے بچے نے ڈنک مار دیا۔ یہ سن کر وہ واپس ہوئے اور روانہ ہو گئے۔

ادھر تو یہ گزری اور علاؤ الدین حوض کے پاس سونا بنا رہا۔ ادھر محمود بلخی اپنا سامان لدوا کر چلا۔ غابتہ الاسد کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ علاؤ الدین کے غلام سب کے سب مقتول پڑے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوا اور پیادہ ہو کر چلنے لگا۔ یہاں تک کہ حوض اور تالاب کے قریب آیا۔ محمود بلخی کا خچر چونکہ پیاسا تھا اس لیے وہ جھک کر تالاب میں پانی پینے لگا لیکن اسے حوض میں علاؤ الدین کا سایہ دکھائی دیا۔ اور وہ بدکا۔ محمود بلخی نے نظر اوپر اٹھائی دیکھتا کیا ہے کہ علاؤ الدین فقط قمیص اور نیچے کے کپڑے پہنے لیٹا ہے۔ آواز دے کر پوچھا کہ یہ تیری گت کس نے بنائی اور کون تجھے اس بری حالت میں چھوڑ گیا؟ اس نے جواب دیا کہ بدو۔ محمود نے کہا کہ بیٹا خچروں اور مال و دولت نے تجھ پر قربان ہو کر تیری جان بچا لی ہے۔ خیر اب نیچے اتر اور ڈر نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے علاؤ الدین کو حوض کے چبوترے پر سے اتارا اور اسے خچر پر سوار کیا۔ پھر وہ سب چلتے چلتے بغداد میں محمود بلخی کے گھر پہنچے۔ وہاں اس نے علاؤ الدین سے کہا کہ حمام جا۔ تیرا مال اسباب تجھ پر قربان ہو گیا۔ مگر بیٹا اگر تو میرا کہنا مانے تو میں تیرے مال و اسباب سے دوگنا تجھ کو دوں گا۔ جب وہ حمام سے نکلا تو محمود اسے ایک کمرے میں لے گیا جس میں سنہرا کام تھا اور چار چبوترے تھے۔ دسترخوان بچھوایا جس پر تمام قسموں کے کھانے چنے گئے۔ کھانے پینے کے بعد محمود بلخی علاؤ الدین کی طرف جھکا تاکہ اس کا بوسہ لے۔ علاؤ الدین نے اسے اپنے ہاتھ سے روک دیا اور بولا کیا تو ابھی تک میرے ساتھ اپنی گمراہی کیے جائے گا! میں نے تجھ سے کہا

نہیں کہ اگر میں یہ پونجی دوسرے کے ہاتھ سونے کے مول بیچتا تو تجھے چاندی کے مول دے دیتا۔ اس نے جواب دیا کہ اسی کے عوض تو میں تجھے مال اور خچر اور پوشاکیں دینا چاہتا ہوں۔ مجھے تجھ سے محبت ہو گئی ہے۔ علاؤ الدین نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ تو اپنی پوشاکیں اور خچر اپنے پاس رکھ اور دروازہ کھول دے کہ میں چلا جاؤں۔ اس نے دروازہ کھول دیا اور علاؤ الدین باہر چلا گیا۔ کتے اس کے پیچھے بھونکنے لگے مگر وہ چلتا رہا۔ اندھیرے میں چلتے چلتے اسے ایک مسجد کا دروازہ دکھائی دیا۔ وہ مسجد کی دہلیز کے پار ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں اسے اپنی طرف ایک روشنی آتی ہوئی دکھائی دی۔ دیکھا کہ دو غلام دو فانوسیں لیے ہوئے ہیں اور ان کے پیچھے دو تاجر ہیں۔ ایک ان میں سے بوڑھا ہے اور دوسرا جوان۔ اس نے جوان کو بوڑھے سے کہتے سنا کہ چچا خدا کے لیے میری چچیری بہن مجھے واپس دے دے۔ بوڑھا بولا کیا میں نے تجھے کئی بار منع نہیں کیا تھا کہ تو اٹھتے بیٹھتے طلاق طلاق کی رٹ نہ لگایا کر۔ اب بوڑھے کی نظر دہنی جانب پڑی۔ اس نے دیکھا کہ چاند سے ٹکڑے کی طرح ایک لڑکا کھڑا ہوا ہے اور اس نے کہا کہ السلام علیکم! لڑکے نے سلام کا جواب دیا۔ بوڑھے نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میرا نام علاؤ الدین ہے اور میں مصر کے تاجروں کے ملک التجار شمس الدین کا بیٹا ہوں۔ میں نے اپنے باپ سے سوداگری کی تمنا ظاہر کی تھی۔ اس نے کپڑوں اور دوسرے سامان کے پچاس بقچے میرے ساتھ کر دیئے تھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو چھپن ویں رات

جب دو سو چھپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ علاؤ الدین نے کہا کہ میرے باپ نے سامان کے پچاس بنچے میرے ساتھ کر دیئے اور دس ہزار دینار نقد دیے۔ جب میں چلتے چلتے غابتہ الاسد پہنچا تو بدوؤں نے مجھ پر حملہ کر کے سارا مال اسباب لوٹ لیا۔ اب میں اس شہر میں داخل ہوا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ رات کہاں گزاروں۔ اتفاق سے یہ مسجد نظر آ گئی تو میں نے یہاں آ کر پناہ لی۔ بوڑھے نے کہا کہ تجھے منظور ہے کہ میں تجھے ایک ہزار دینار نقد دوں اور ایک ہزار کی پوشاک اور ایک ہزار کا خچر؟ علاؤ الدین نے سوال کیا چچا ان چیزوں کے دینے سے تیرا مقصد کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ لڑکا جو میرے ساتھ ہے میرا بھتیجا ہے اور اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا۔ میری بھی ایک ہی بیٹی ہے جس کا نام سارنگی بجانے والی زبیدہ ہے۔ وہ بڑی حسین و جمیل ہے۔ میں نے اس کی شادی اس کے ساتھ کر دی تھی کیونکہ یہ اسے بہت چاہتا تھا مگر وہ اس سے نفرت کرتی تھی۔ اس نے تین طلاقیں دے کر نکاح توڑ ڈالا۔ لڑکی کو ابھی اس کا پورا پورا یقین بھی نہ آنے پایا تھا کہ وہ شوہر کے یہاں سے چلتی ہوئی۔ پھر یہ لڑکا لوگوں کی سفارش لے کر پہنچا کہ میں لڑکی اس کے پاس واپس بھیج دوں۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ شرعاً اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ نہ کر دیا جائے۔ اب ہم دونوں اس پر متفق ہیں کہ اس کا نکاح کسی پردیسی سے کر دیں تاکہ کوئی عیب نہ لگا سکے چونکہ تو پردیسی ہے۔ لہٰذا ہمارے ساتھ چل تاکہ تم دونوں کا نکاح نامہ مرتب کر دیا جائے۔ آج رات تو اس کے ساتھ ہم بستر ہو اور سویرے اسے طلاق دے دے۔ اس کے بدلے میں تجھے وہ چیزیں دوں گا' جن کا میں نے وعدہ کیا ہے۔

علاؤ الدین اپنے دل میں یہ سوچ کر کہ ایک دلہن کے ساتھ ایک گھر اور ایک بچھونے

میں سونا' بازاروں اور دروازوں پر سونے سے بہتر ہے' ان دونوں کے ساتھ قاضی کے پاس گیا۔ اسے دیکھتے ہی قاضی کا دل اس کی طرف کھنچنے لگا اور وہ لڑکی کے باپ سے پوچھنے لگا کہ تم کس مقصد سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ میری بیٹی کا نکاح اس شخص سے کر دیا جائے تاکہ وہ اس میرے بھتیجے کے لیے حلال ہو جائے لیکن سب سے پہلے اس کا مہر دس ہزار دینار مقرر کر اس لیے کہ اگر یہ شخص رات کو لڑکی سے ہم بستر ہو کر صبح کو اسے طلاق دے دے تو ہم اسے ایک ہزار کی پوشاکیں اور ایک ہزار کا خنجر اور ایک ہزار نقد دیں اور اگر طلاق نہ دے تو دس ہزار دینار اس کے سر پڑیں۔ الغرض ان شرطوں پر نکاح پڑھا دیا گیا اور لڑکی کے باپ نے علاؤ الدین سے عہد نامہ لکھوا لیا۔ اب وہ علاؤ الدین کو اپنے ساتھ لے گیا اور اسے کپڑے پہنا کر گھر پہنچا۔ اسے باہر کھڑا کر کے خود اپنی بیٹی کے پاس اندر گیا اور کہنے لگا کہ میں نے تیرا نکاح نامہ ایک حسین و جمیل کے ساتھ لکھوا دیا ہے جس کا نام علاؤ الدین ابوالشامات ہے۔ اپنا کام اس سے خوب نکالیو۔ یہ کہہ کر تاجر نے نکاح نامہ اسے دے دیا اور خود اپنے کمرے میں چلا گیا۔

لڑکی کے چچیرے بھائی کی ایک خادمہ تھی جو سارنگی والی زبیدہ کے پاس آیا جایا کرتی تھی! وہ اسے بہت کچھ دیا لیا کرتا تھا۔ اس نے خادمہ سے کہا کہ جب میری چچیری بہن زبیدہ اس خوبصورت جوان کو دیکھے گی تو وہ پھر مجھے منظور نہ کرے گی۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تو کسی نہ کسی ترکیب سے لڑکی کو روک دے کہ وہ اس کے پاس نہ جائے۔ خادمہ نے کہا کہ تیری جوانی کی قسم میں اسے لڑکی کے پاس نہ پھٹکنے دوں گی۔ یہ کہہ کر وہ علاؤ الدین کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ بیٹا میں محض خدا کے لیے تجھے ایک نصیحت کرتی ہوں۔ میری نصیحت کان دھر کر سن۔ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں اس لڑکی سے تجھے نقصان نہ پہنچے۔ اسے اکیلا سونے دیجیو اور چھویو بھی نہیں اس کے پاس تک نہ جائیو۔ علاؤ الدین نے کہا کہ اچھا کیوں؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ اس

کا بدن گرمی سے بھرا ہوا ہے۔ خوف ہے کہ کہیں تیری خوبصوت جوانی تباہ نہ ہو جائے۔
اس نے کہا کہ مجھے لڑکی کی بالکل حاجت نہیں۔ پھر بڑھیا لڑکی کے پاس گئی اور اسے بھی وہی فقرہ کہا جو علاؤ الدین سے کہا تھا۔ لڑکی بولی' مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ میں اسے اکیلا سونے دوں گی اور جب صبح ہو گی تو وہ اپنی راہ لے گا۔ اس کے بعد اس نے اپنی ایک کنیز کو بلا کر کہا کہ دسترخوان لے اور اس کے پاس جا تاکہ وہ شام کا کھانا کھائے۔ کنیز دسترخوان لے کر اس کے سامنے رکھ آئی اور علاؤ الدین نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر اس نے نہایت شیریں آواز سے سورہ یٰسین پڑھنا شروع کی۔ لڑکی کان لگا کر سننے لگی۔ اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت داؤد گا رہے ہیں۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ خدا برا کرے اس بڑھیا کا وہ اسے گرمی میں مبتلا بتاتی ہے۔ لیکن جو اس میں مبتلا ہو' اس کی آواز اس طرح کی نہیں ہو سکتی۔ یہ اس پر بہتان لگایا گیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک ہندوستانی ساخت کا ساز لیا اور اس کے تار ملا کر ایسے میٹھے سروں میں گانے لگی جسے سن کر پرندے ہوا میں ٹھہر جائیں۔ علاؤ الدین نے لڑکی کو گاتے سنا تو سورہ ختم کرنے کے بعد وہ خود بھی گانے لگا۔

اب لڑکی کے دل میں اس کی طرف سے اتنی محبت پیدا ہوئی کہ اس نے کھڑے ہو کر پردہ اٹھایا اور کولہے مٹکاتی اور جھومتی ہوئی آگے بڑھی۔ نظریں ملتے ہی دونوں کے دلوں میں ہزاروں ارمان آنے لگے اور لڑکے کے دل میں لڑکی کی نگاہوں کا تیر آ کر لگا۔ جب لڑکی نے اس کے قریب آنے کا ارادہ کیا تو لڑکے نے کہا کہ مجھ سے دور رہ' کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری بیماری مجھے لگ جائے۔ یہ سن کر لڑکی نے اپنی کلائی کھول دی جو ٹھیک دو حصوں میں منقسم اور چاندی کی طرح سفید تھی۔ اب اس نے آگے بڑھنا چاہا تو لڑکی بولی میرے قریب نہ آ کیونکہ تجھے گرمی ہے ایسا نہ ہو کہ تیرے روگ میں' میں بھی نہ مبتلا ہو جاؤں۔ لڑکے نے پوچھا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں گرمی کا مارا ہوا ہوں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ مجھ سے بڑھیا نے کہا۔ لڑکا بولا مجھ سے بھی اسی بڑھیا نے کہا تھا کہ تجھے یہ گندہ مرض ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی

دونوں بانہیں کھول دیں اور لڑکی نے دیکھا کہ اس کا بدن صاف چندن ہے۔ اب کیا تھا۔ لڑکے نے لڑکی کو اور لڑکی نے لڑکے کو سینے سے لگا لیا۔ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ جب صبح ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ ہائے افسوس خوشی پوری نہیں ہوئی اور کوا اسے لے کر اڑ گیا۔ لڑکی نے کہا کہ اس کے کیا معنی ہیں؟

اس نے کہا کہ اے میری آقا' اس گھڑی کے بعد میرا بیٹھنا تیرے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ لڑکی بولی کہ یہ تجھ سے کس نے کہا ہے؟ جوان نے جواب دیا کہ تیرے باپ نے تیرا مہر دس ہزار دینار اس شرط پر لکھوایا ہے کہ اگر میں آج اسے ادا نہ کروں تو میں قاضی کے گھر قید کر دیا جاؤں گا اور واقعہ یہ ہے کہ اس وقت میرے ہاتھ میں دس ہزار دینار تو درکنار ایک درہم بلکہ آدھا درہم بھی نہیں۔ لڑکی نے کہا کہ اے میرے آقا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے یا ان کے ہاتھ میں؟ اس نے جواب دیا کہ میرے ہاتھ میں تو ایک درہم تک نہیں۔ لڑکی بولی کہ کچھ بات نہیں۔ تو کسی بات کا ڈر نہ کر۔ لے یہ سو دینار۔ اگر میرے پاس اس کے سوا اور کچھ ہوتا تو میں تجھے دے دیتی۔ میرا باپ اپنے بھتیجے کو چاہتا ہے کہ اس نے اپنا سارا مال میرے پاس سے لے جا کر اس کے پاس رکھ دیا ہے حتیٰ کہ میرے زیور بھی سب کے سب لے گیا ہے۔ کل جبکہ قاضی کا پیادہ تیرے پاس آئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو ستاونویں رات

دو سو ستاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ...... لڑکی نے علاؤ الدین سے کہا کہ کل جب قاضی کا پیادہ تیرے پاس آئے اور قاضی اور میرا باپ تجھ سے کہیں کہ طلاق دے تو ان سے کہیو کہ یہ کس مذہب میں جائز ہے کہ میں رات کو نکاح کروں اور صبح کو طلاق دے دوں۔ اس کے بعد قاضی کے ہاتھ کو بوسہ دے کر اسے کچھ دے دیجیو۔ اس طرح ہر گواہ کا ہاتھ چوم کر اسے دس دینار حوالہ کیجیو۔ وہ سب تیری طرف داری کرنے لگیں گے۔ اگر وہ تجھ سے کہیں کہ تو طلاق کیوں نہیں دیتا تاکہ شرط کے مطابق تجھے ہزار دینار نقد اور خچر اور پوشاک مل جائے تو کہیو کہ میرے نزدیک اس کے ہر بال کی قیمت ایک ہزار دینار ہے میں اسے ہرگز طلاق نہیں دوں گا۔ مجھے نہ پوشاک چاہیے نہ کچھ اور۔ اگر قاضی کہے کہ اچھا تو پھر مہر ادا کر تو کہیو کہ اس وقت میں نادار ہوں۔ یہ سن کر قاضی اور گواہ تیرے ساتھ نرمی سے پیش آئیں گے اور تجھے مہلت مل جائے گی۔

یہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ قاضی کے پیادے نے دروازے پر دستک دی۔ علاؤ الدین باہر گیا۔ پیادے نے کہا کہ تیرا خسر تجھے بلاتا ہے۔ چل کر اس سے باتیں کر۔ علاؤ الدین نے اسے پانچ دینار دے کر کہا کہ اے ایلچی یہ کس شرع میں جائز ہے کہ میں رات کو نکاح کروں اور صبح ہوتے طلاق دے دوں؟ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں ایسی بات ہرگز جائز نہیں۔ اگر تو شرع سے واقف نہیں تو میں تیری طرف سے وکالت کروں گا۔

اس کے بعد وہ قاضی کے محکمے میں گئے۔ قاضی نے کہا کہ تو ایسا کیوں نہیں کرتا کہ عورت کو طلاق دے دے۔ اور جو شرط بندھی ہے وہ لے لے۔ یہ سن کر علاؤ الدین قاضی کی طرف بڑھا اور اس کے ہاتھ چوم کر پچاس دینار اس کے ہاتھ میں رکھے اور کہنے لگا کہ اے ہمارے مولا قاضی یہ کس مذہب میں جائز ہے کہ میں رات کو شادی

کروں اور صبح کو وہ زبردستی مجھ سے چھڑا دی جائے؟ قاضی نے جواب دیا کہ مسلمانوں کے کسی مذہب میں جبریہ طلاق جائز نہیں۔ لڑکی کے باپ نے کہا کہ اگر تو طلاق نہیں دیتا تو مہر کے دس ہزار دینار لا۔ علاؤ الدین نے کہا کہ تین دن کی مہلت دے۔ قاضی نے کہا کہ تین دن کی مہلت کافی نہیں بلکہ وہ تجھے دس دن کی مہلت دے گا۔ اس پر سب نے اتفاق کیا اور اب یہ شرط ٹھہری کہ دس دن کے بعد یا تو مہر ادا کیا جائے۔ یا طلاق۔ یہ شرط کر کے علاؤ الدین وہاں سے چل دیا اور گوشت اور چاول اور گھی وغیرہ کھانے کی ضروری چیزیں خرید کر گھر گیا اور لڑکی سے جا کر سارا ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا کہ دن اور رات کے درمیان عجیب و غریب باتیں پیش آ سکتی ہیں۔ پھر وہ اٹھی اور کھانا تیار کر کے دسترخوان بچھایا۔ دونوں نے کھایا پیا اور مزے لیے اور خوش ہوئے۔ اس کے بعد علاؤ الدین نے اپنی بیوی سے ایک راگ کی فرمائش کی۔ لڑکی نے ساز لے کر ایسی گت بجائی جس سے سخت پتھر وجد میں آ جائیں اور تار "یادواؤ" کہنے لگے۔ اس کے بعد لڑکی نے دوسرا راگ چھیڑ دیا۔

دونوں اسی لطف میں تھے' نغمہ و سرور کی محفل گرم تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ لڑکی نے کہا کہ جا دیکھ دروازے پر کون ہے؟ علاؤ الدین نے دروازے پر جا کر دیکھا کہ چار درویش کھڑے ہوئے ہیں۔ ان سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے بندہ خدا ہم پردیسی درویش ہیں اور ہماری روحوں کی غذا گانا اور لطیف اشعار ہیں۔ ہماری آرزو ہے کہ آج رات صبح تک ہم تیرے ہاں گزاریں اور پھر چلے جائیں۔ خدا تجھے اس کا بدلہ دے! ہمیں گانے سے عشق ہے اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جسے قصیدے اور اشعار اور گیت یاد نہ ہوں۔

علاؤ الدین نے کہا کہ میں پوچھ لوں۔ یہ کہہ کر وہ اندر گیا اور لڑکی کو خبر کی۔ اس نے کہا کہ انہیں آنے دے۔ علاؤ الدین نے دروازہ کھول دیا اور انہیں لے جا کر بٹھایا۔ خوش آمدید' مرحبا کہا اور ان کے آگے کھانا پیش کیا۔ لیکن انہوں نے کچھ نہ کھایا اور کہا کہ اے شخص ہماری غذا یہ ہے کہ دل سے اللہ کی یاد کریں اور کان

سے گیت سنیں۔ باہر سے ہمیں عمدہ گانے کی آواز آ رہی تھی' لیکن جب ہم یہاں آئے تو گانا بند ہو گیا۔ معلوم نہیں کہ گانے والی کوئی گوری کنیز تھی یا حبشن' کوئی پیشہ ور یا شریف زادی! اس نے جواب دیا کہ وہ میری بیوی تھی۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا سارا ماجرا سنایا اور کہا کہ میرے خسر نے دس ہزار دینار کا مہر باندھا ہے اور دس دن کی مہلت دی ہے۔ ایک درویش نے کہا کہ غمگین نہ ہو اور دل میں خوشی کے سوا فکر کو نہ آنے دے۔ میں تکیے کا شیخ ہوں اور میرے ماتحت چالیس درویش ہیں۔ میں نے ان کو حکم دیا نہیں کہ دس ہزار دینار جمع ہو گئے۔ پھر اپنے خسر کو مہر ادا کر دیجیو۔ اچھا اب لڑکی سے کہہ کہ ہمیں ایک گیت سنا دے تاکہ ہمیں حظ حاصل ہو اور ہم بلندی پر پہنچ جائیں کیونکہ گانا بعض لوگوں کے لیے غذا ہے اور بعض کے لیے دوا اور بعضوں کے لیے پنکھے کا کام دیتا ہے۔

یہ چاروں درویش خلیفہ ہاروں الرشید' وزیر جعفر برمکی' ابونواس حسن بن ہانی اور مسرور جلاد تھے ان کے یہاں آنے کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ کا دل گھبرا رہا تھا۔ اس نے وزیر سے کہا کہ اے جعفر میں چاہتا ہوں کہ چل شہر کی سیر کریں۔ یہاں اس وقت جی نہیں لگتا چنانچہ انہوں نے درویشوں کا بھیس بدلا اور شہر میں سیر کرتے کرتے اس مکان کے پاس سے گزرے تو غیر معمولی گانے کی آواز سنائی دی۔ خیال ہوا کہ دریافت کریں کہ اس گھر میں کون لوگ رہتے ہیں اور وہ فقیروں کے لباس میں اندر آ گئے۔ نہایت لطف کے ساتھ بات چیت میں رات گزاری اور صبح ہونے کو آئی تو خلیفہ نے سو دینار مصلے کے نیچے رکھ دیئے اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ رخصت ہوا۔ جب لڑکی نے مصلا اٹھایا اور اس کے نیچے سو دینار دیکھے تو وہ اپنے شوہر سے کہنے لگی کہ یہ سو دینار لے۔ میں نے انہیں مصلے کے نیچے پایا ہے۔ چلنے سے پہلے درویش انہیں رکھ گئے ہیں۔ ہمیں ان کا علم نہ تھا۔ علاؤ الدین انہیں لے کر بازار گیا اور گوشت اور چاول اور گھی وغیرہ ضرورت کی چیزیں خرید لایا۔ دوسرے دن شام کو اس نے شمع جلائی اور بیوی سے کہا

کہ جن دس ہزار دیناروں کا درویشوں نے وعدہ کیا تھا ابھی تک نہیں لائے۔ آخر فقیر ہی تو ہیں۔ اتنے میں درویشوں نے دروازے پر دستک دی۔ لڑکی نے کہا کہ جا اور ان کے لیے دروازہ کھول۔ اس نے جا کر دروازہ کھولا۔ وہ اندر آئے۔ اس نے کہا کہ کیا تم دس ہزار دینار، جن کا تم نے وعدہ کیا تھا لائے ہو؟

انہوں نے جواب دیا کہ ابھی ہمیں کچھ بھی دستیاب نہیں ہوا لیکن پرواہ نہ کر، کل انشاء اللہ ہم تیرے لیے کیمیا بنائیں گے۔ اپنی بیوی سے کہہ کر ہمیں ایک بالکل نیا گانا سنائے تاکہ ہمارے قلب بلند پرواز کرنے لگیں کیونکہ ہمیں سماع سے عشق ہے۔ اس لڑکی نے ساز لے کر ایسا راگ بجایا جس سے سخت سے سخت پتھر نرم ہو جائیں سبھوں نے خوش خوش رات گزاری۔ سویرا ہوا اور روشنی پھیلی تو خلیفہ نے سو دینار مصلے کے نیچے رکھ دیئے اور چاروں وہاں سے چلتے ہوئے۔ اسی طرح وہ برابر نو رات آیا کیے اور ہر رات خلیفہ سو دینار مصلے کے نیچے رکھ جاتا۔ یہاں تک کہ دسواں دن ہوا مگر آج وہ نہ آئے اور ان کے نہ آنے کا سبب یہ تھا کہ خلیفہ نے ایک بڑے سوداگر کو بلا کر کہا کہ میرے پاس پچاس گٹھڑیاں مصر کے کپڑوں کی لا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو اٹھاون ویں رات

جب دو سو اٹھاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ امیرالمومنین نے اس تاجر اسے کہا کہ پچاس گٹھڑیاں ان کپڑوں کی جو مصر سے آیا کرتی ہیں اور ہر ایک گٹھڑی کی قیمت ہزار دینار ہو اور یہ قیمت ان پر لکھ کر لگا دے اور ایک حبشی غلام لا۔ وہ تاجر ساری چیزیں لے آیا تو خلیفہ نے غلام کو سونے کی ایک سیلیجی اور ایک لوٹا اور چند تحفے تحائف اور پچاسوں گٹھڑیاں اس کے حوالے کیں۔ علاؤ الدین کے باپ مصر کے ملک التجار شمس الدین کی طرف سے ایک خط لکھا اور غلام کو دے کر کہا کہ فلاں محلے میں جا جس میں تاجر بغداد کے ملک التجار کا مکان ہے اور پوچھ کہ میرا آقا علاؤ الدین ابوالشامات کہاں رہتا ہے؟ لوگ تجھے اس مکان میں پہنچا دیں گے۔ غلام یہ سب اسباب و سامان لے کر خلیفہ کے حکم کے بموجب روانہ ہو گیا۔

یہ تو اس کا قصہ ہوا' اب لڑکی کے چچیرے بھائی کا ماجرا سنئے۔ وہ لڑکی کے باپ کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا کہ آ علاؤ الدین کے پاس چل کر اپنی چچیری بہن کو طلاق دلا لائیں۔ وہ دونوں علاؤ الدین کے گھر کی طرف چلے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پچاس خچر کھڑے ہوئے ہیں اور ان پر پچاس تھانوں کی گٹھڑیاں لدی ہوئی ہیں اور ایک غلام خچر پر سوار ان کے ساتھ ہے اور انہوں نے پوچھا کہ یہ کس کا مال ہے؟ غلام نے جواب دیا کہ میرے آقا علاؤ الدین ابوالشامات کا۔ اس کے باپ نے سوداگری کا مال دے کر بغداد بھیجا تھا راستے میں بدوؤں نے اسے لوٹ لیا۔ یہ خبر اس کے باپ کو پہنچی تو میرے ہمراہ اور مال اس کے لیے بھیجا اور اس اسباب کے ساتھ خچر پر پچاس ہزار دینار اور ایک بقچہ جو نہایت قیمتی ہے مع سمور کے لبادہ اور سونے کی سیلیجی اور لوٹے کے ہیں۔

لڑکی کے باپ نے کہا کہ وہ میرا داماد ہے' چل میں تجھے اس کے گھر لے چلتا ہوں۔

علاؤ الدین سخت غمگین اپنے گھر بیٹھا ہوا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور علاؤ الدین نے زبیدہ سے کہا کہ شاید تیرے باپ نے قاضی یا والی کی طرف سے پیادہ بھجوایا ہے۔

اس نے کہا کہ جا کر دیکھ تو سہی۔

علاؤ الدین نے جا کر دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ اس کا خسر زبیدہ کا باپ ملک التجار کھڑا ہے اور ایک حبشی غلام سانولے رنگ کا خوبصورت سا ایک خچر پر سوار ہے۔ اسے دیکھ کر غلام اتر پڑا اور اس کے ہاتھ چومے۔ اس نے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ غلام نے جواب دیا کہ میں اپنے آقا علاؤ الدین ابوالشامات کا غلام ہوں جو مصر کے ملک التجار شمس الدین کا بیٹا ہے۔ اس کے باپ نے یہ امانت دے کر مجھے اس کے پاس بھیجا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے خط علاؤ الدین کے حوالے کیا۔ اس نے پڑھا تو اس میں لکھا تھا: بہترین سلام کے بعد معلوم ہو کہ یہ خط شمس الدین کی طرف سے اس کے بیٹے ابوالشامات کے نام ہے۔ بیٹا مجھے یہ خبر ملی تھی کہ تیرے ساتھی قتل ہو گئے اور تیرا مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ اس لیے میں تجھے اور پچاس بار مصری تھانوں کے' ایک جوڑا لباس' سمور کا لبادہ اور سونے کی سیلچی اور لوٹا بھیجتا ہوں۔ تو کسی طرح افسوس نہ کیجیو۔ بیٹا مال و دولت تجھ پر نثار ہے اور نہ غم زدہ ہوجیو۔ تیری ماں اور سارے گھر والے خیریت سے ہیں اور تجھے بہت سلام کہتے ہیں اور بیٹا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرا درمیانی نکاح زبیدہ عودیہ کے ساتھ پچاس ہزار دینار پر ہوا ہے۔ یہ پچاس ہزار دینار میں اپنے غلام سلیم کے ہمراہ بھیجتا ہوں۔

علاؤ الدین خط پڑھ چکا تو اس نے اپنے خسر سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے میرے خسر یہ پچاس ہزار دینار اپنی بیٹی زبیدہ کا مہر لے اور اس سے تجارت کر' اصل میرا اور فائدہ تیرا۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں کچھ نہ نہ لوں گا۔ اب رہا مہر کا معاملہ تو اس کا فیصلہ تو اپنی بیوی سے خود کر لے۔ سارا سامان مکان کے اندر بھیجنے کے بعد علاؤ الدین اور اس کا خسر دونوں اندر گئے۔ زبیدہ نے اپنے باپ سے پوچھا کہ ابا جان یہ سامان کس کا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تیرے شوہر علاؤ الدین کا۔ اس کے

باپ نے اس مال کے بدلے بھیجا ہے جو بدوؤں نے لوٹ لیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے پچاس ہزار دینار نقد اور ایک خاص بقچہ اور سمور کا لبادہ' ایک خچر اور سونے کی سیلیجی اور لوٹا بھیجا ہے۔ اب رہی مہر کی بات تو جیسی تیری رائے ہو۔
علاؤ الدین نے اٹھ کر صندوق کھولا اور اس کا مہر اس کے حوالے کیا۔ اس لڑکے نے جو لڑکی کا چچیرا بھائی تھا کہا کہ چچا جان علاؤ الدین سے کہہ کہ وہ میری بیوی کو طلاق دے کر میرے حوالے کر دے۔ اس نے جواب دیا کہ میں ایسی بات ہرگز نہیں کر سکتا۔ اختیار علاؤ الدین کے ہاتھ میں ہے۔ یہ سن کر لڑکا غم زدہ اور غصے میں بھرا ہوا چل دیا۔ گھر پہنچتے ہی بیمار پڑ گیا اور اسی بیماری نے اس کا کام تمام کر دیا۔ سامان وصول کرنے کے بعد علاؤ الدین بازار گیا اور کھانے پینے کی ضروری چیزیں لایا اور وہ روز بھی حسب معمول گزر گیا اور زبیدہ سے کہنے لگا کہ دیکھ ان جھوٹے درویشوں نے ہم سے وعدہ کیا لیکن وعدہ پورا نہ کیا۔ زبیدہ بولی کہ تو ملک التجار کا بیٹا ہونے کے باوجود ایک وقت محتاج تھا۔ تیرے پاس دو درہم نہ تھے۔ وہ بے چارے تو ٹکر گدا ٹھہرے' انہیں کیوں بدنام کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ خدا نے ہمیں ان سے مستغنی کر دیا ہے تاہم اگر وہ پھر آئے تو انہیں اندر آنے نہیں دوں گا۔ لڑکی کہنے لگی یہ تو کیا کہتا ہے! بھلائی تو انہیں کے قدموں کی برکت سے آئی ہے۔ علاوہ اس کے وہ ہر روز جو سو دینار مصلے کے نیچے رکھ جاتے تھے اس لیے اگر وہ آئیں تو ضرور اندر آنے دیجیو۔
جب دن ختم ہوا اور اندھیرا چھانے لگا تو موم بتی جلائی گئی اور علاؤ الدین نے کہا کہ زبیدہ کوئی راگ سنا۔ اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ لڑکی نے کہا کہ دیکھ دروازے پر کون ہے؟ اس نے جا کر دروازہ کھولا' دیکھا کہ وہی درویش ہیں اور ان سے کہنے لگا کہ مرحبا اے جھوٹو اندر آؤ۔ وہ اندر آئے۔ علاؤ الدین نے انہیں بٹھایا۔ ان کے آگے دسترخوان بچھایا۔ انہوں نے خوب کھایا پیا اور خوش ہوئے۔ بولے کہ اے علاؤ الدین ہمارا دل تجھ میں ہی لگا ہوا تھا کہ نہ جانے خسر کے ساتھ تیرا کیا فیصلہ ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ جتنا میں نے مانگا تھا۔ خدا نے اس سے زیادہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ

واللہ ہم تو بہت ڈر رہے تھے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• دو سو انسٹھ ویں رات

جب دو سو انسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ اور درویشوں نے علاؤ الدین سے کہا کہ واللہ ہم ڈر رہے تھے کہ کہیں تجھے تکلیف نہ ہو اور ہم اسی وجہ سے حاضر نہ ہوئے کہ ہمیں بالکل کچھ نہیں ملا۔ علاؤ الدین نے کہا کہ مجھے پروردگار کی طرف سے فوری خوشی حاصل ہوئی اور میرے باپ نے مجھے پچاس ہزار دینار نقد اور پچاس گٹھڑیاں تھانوں کی' جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک ہزار دینار ہے اور پوشاک اور سمور کا لباس اور خچر اور غلام اور سونے کی سیلیچی اور لوٹا بھیجا ہے۔ میرا خسر مجھ سے خوش ہو گیا اور میری بیوی بھی راضی ہو گئی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

اس اثنا میں خلیفہ اٹھ کر ضرورت رفع کرنے کے لیے گیا اور وزیر جعفر نے علاؤ الدین کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ادب سے باتیں کر۔ نہیں جانتا کہ تو' امیرالمومنین کے سامنے ہے۔ وہ بولا مجھ سے امیرالمومنین کی شان میں کون سی بے ادبی سرزد ہوئی اور تم میں سے کون امیرالمومنین ہے؟ جعفر نے کہا کہ جو تجھ سے باتیں کر رہا تھا اور ابھی اٹھ کر ضرورت رفع کرنے گیا ہے وہ امیرالمومنین خلیفہ ہارون الرشید ہے اور میں وزیر جعفر ہوں اور یہ جلاد مسرور ہے اور یہ ابونواس حسن بن ہانی۔ اے علاؤ الدین عقل سے کام لے۔ اچھا بتا کہ مصر سے بغداد تک کتنے دن کا راستہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ پینتالیس دن کا۔ جعفر نے کہا کہ تیرا سامان لٹے دس دن ہوئے ہیں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دن دن کے اندر تیرے باپ تک خبر بھی پہنچ گئی اور اس نے تیرے لیے مال و سامان بھی لدوا دیا اور ان چیزوں نے پینتالیس دن کی راہ بھی کاٹ لی۔ علاؤ الدین کہنے لگا تو پھر یہ چیزیں کہاں سے آئیں؟ اس نے جواب دیا کہ خلیفہ امیرالمومنین کے پاس سے' کیونکہ اسے تیرے ساتھ بڑی محبت ہے۔ وہ یہی

باتیں کر رہے تھے کہ خلیفہ آ پہنچا اور علاؤ الدین نے اٹھ کر اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور دعائیں دینے لگا کہ امیر المومنین خدا تجھے اپنی حفاظت میں رکھے' تیری عمر دراز کرے اور تیرا فضل و احسان لوگوں پر جاری رہے! خلیفہ نے کہا کہ زبیدہ سے کہہ کر اس نجات کی خوشی میں کوئی راگ سنائے۔ زبیدہ نے ساز لے کر ایسا عمدہ راگ بجایا کہ جس سے پتھر رقص کرنے لگیں۔ گویا ہر تار سے "یا داؤد" کی صدا بلند تھی۔ غرض کہ سب نے خوش خوش رات گزار دی۔ جب پو پھٹی تو خلیفہ نے علاؤ الدین سے کہا کہ کل دربار میں آئیو۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اے امیرالمومنین اگر خدا نے چاہا' خدا تجھے سلامت رکھے!

دوسرے دن علاؤ الدین نے دس سینیوں میں عمدہ عمدہ ہدیئے رکھے اور انہیں لے کر دربار گیا۔ خلیفہ مسند خلافت پر رونق افروز تھا۔ علاؤ الدین دروازے سے داخل ہوا تو خلیفہ نے کہا مرحبا یا علاؤ الدین۔ علاؤ الدین نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ قبول فرمایا ہے۔ یہ دس سینیاں اور جو کچھ ان کے اندر ہے' میری طرف سے تیرے لیے ہدیہ ہیں۔ امیرالمومنین نے انہیں قبول کیا۔ اس کے لیے خلعت لائے جانے کا حکم دیا اور اسے تاجروں کا امیر بنا کر دربار میں جگہ دی۔ وہ بیٹھا ہی تھا کہ اس کا خسر زبیدہ کا باپ آ پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ میری جگہ علاؤ الدین ہے اور خلعت پہنے ہوئے ہے۔ امیرالمومنین سے عرض کی کہ جہاں پناہ' یہ شخص میری جگہ خلعت پہن کر کیوں بیٹھا ہے؟ خلیفہ نے جواب دیا کہ میں نے اسے تاجروں کا امیر بنایا ہے۔ رتبے عطا کیے جاتے ہیں میراث میں نہیں آتے۔ تو معزول کیا گیا۔ اس نے کہا کہ وہ بھی ہم ہی میں سے ہے۔ تو نے اے امیرالمومنین خوب کیا۔ خدا ہمارے بہترین لوگوں کو ہمارا حاکم بناتا ہے۔ کتنے کم سن لوگ بڑے عہدوں پر مامور ہیں! اب خلیفہ نے علاؤ الدین کے لیے فرمان لکھ کر والی کو اور والی نے ڈھنڈورا پیٹنے والے کو دیا۔ اس نے دربار میں منادی کی کہ علاؤ الدین ابوالشامات کے سوا اور کوئی تاجروں کا امیر نہیں۔ اس کا حکم مانا جائے گا اور اس کی عزت کی جائے گی۔ ہر

شخص پر اس کا اکرام و احترام واجب اور اعزاز لازمی ہے۔

جب دربار برخاست ہوا تو والی اور ڈھنڈورا پیٹنے والے علاؤ الدین کے آگے آگے روانہ ہوئے۔ ڈھنڈورچی آواز لگاتا۔ میرے آقا علاؤ الدین ابوالشامات کے سوا اور کوئی ملک التجار نہیں۔ اس کے اگلے روز علاؤ الدین نے ایک دوکان کھول کر اپنے غلام کو اس پر بٹھایا جو خرید و فروخت کرے اور خود سوار ہو کر خلیفہ کے دربار میں اپنے عہدے پر جانے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو ساٹھویں رات

جب دو سو ساٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ علاؤ الدین سوار ہو کر خلیفہ کے دربار میں اپنے عہدے پر جانے لگا۔ ایک دن حسب معمول وہ اپنے عہدے پر بیٹھا ہوا تھا کہ کسی نے آ کر خلیفہؒ سے کہا کہ اے امیرالمومنین خدا تیرا سر سلامت رکھے! فلاں تیرے ہم پیالہ و ہم نوالہ کو خدا نے اپنی رحمت کی طرف بلا لیا ہے۔ خدا تیری عمر میں برکت دے؟ خلیفہ کی علاؤ الدین ابوالشامات پر نظر پڑی۔ جو مثل ہے کہ خدا مہربان تو کل مہربان۔ اس نے اسے ایک نہایت عمدہ خلعت عطا کیا اور اسے اپنا ہم پیالہ و ہم نوالہ بنا لیا۔ ایک ہزار دینار مشاہرہ مقرر کیا اور وہ خلیفہ کا ندیم بن گیا۔ پھر ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ایک سردار تلوار اور ڈھال لیے پہنچا اور امیرالمومنین سے کہنے لگا کہ خدا تیری زندگی قائم رکھے! آج ساٹھ سرداروں کا سپہ سالار فوت ہو گیا ہے۔ علاؤ الدین اپنی جگہ حاضر تھا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ علاؤ الدین ابوالشامات کو اس عہدے کا بھی خلعت عطا کیا جائے اور اسے ساٹھ سرداروں کا سپہ سالار بنا دیا۔

مرحوم سردار کا نہ بیٹا تھا نہ بیٹی نہ بیوی۔ اس لیے اس کا مال و دولت بھی علاؤ الدین کے قبضے میں آیا۔ خلیفہ نے علاؤ الدین سے کہا کہ اسے دفن کر اور جو کچھ مال اور غلام اور کنیزیں اور خدمت گار اس نے چھوڑے ہیں' ان پر قبضہ کر لے۔ اس کے بعد خلیفہ نے رومال ہلایا اور دربار برخاست ہوا۔ علاؤ الدین باہر آیا خلیفہ کے میمنے کا سردار سپہ سالار احمد دنف تھا اور اس کے چالیس ہمراہی تھے اور میسرے کا سردار حسن شومان اور اس کے چالیس ہمراہی۔ علاؤ الدین نے سردار حسن شومان کے ہمراہیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم سردار احمد دنف سے میری سفارش کر دو کہ وہ خدا کے سامنے مجھے اپنا بیٹا بنا لے۔ احمد نے قبول کر لیا اور اس سے کہا کہ میں اور میرے چالیس

ہمراہی ہر روز تیرے آگے سوار ہو کر دربار تک جایا کریں گے۔
اس طرح علاؤ الدین ایک مدت تک خلیفہ کی خدمت میں رہا۔ ایک روز کا واقعہ سنئے۔
وہ دربار سے نکل کر گھر چلا اور جب احمد دنف اور اس کے ساتھی رخصت ہو کر چلے گئے تو وہ اپنی بیوی سارنگی والی زبیدہ کے پاس جا کر بیٹھا اور موم بتیاں جلائیں۔ مزے میں بیٹھے تھے کہ زبیدہ اٹھ کر ضرورت رفع کرنے گئی۔ یکایک اس نے کسی کو زور سے چیختے ہوئے سنا۔ وہ اٹھ کر چلا کہ دیکھے کون چیختا ہے۔ صحن میں آیا تو اس کی بیوی زبیدہ عودیہ زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ اسی نے چیخیں ماری تھیں۔ اس کے سینے پر ہاتھ رکھا تو اس کا دم نکل چکا تھا۔ علاؤ الدین کے گھر کے سامنے ہی اس کے خسر کا مکان تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کی آواز سنی تو دوڑ کر علاؤ الدین سے پوچھا' آقا کیا بات ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ابا جان خدا تجھے سلامت رکھے! تیری بیٹی زبیدہ عودیہ کا دم نکل گیا لیکن ابا جان میت کا احترام یہ ہے کہ اسے دفن کیا جائے۔ جب سویرا ہوا تو اسے دفن کیا اور علاؤ الدین اور اس کا خسر دونوں ایک دوسرے کی تعزیت کرنے لگے۔
یہ تو زبیدہ عودیہ کا حال ہوا۔ اب علاؤ الدین کا ماجرا سنئے۔ اس نے سوگ کے کپڑے پہن لیے اور دربار جانا چھوڑ دیا۔ ہر وقت روتا اور مغموم بیٹھا رہتا۔ ایک دن خلیفہ نے جعفر سے پوچھا کہ اے وزیر' علاؤ الدین دربار میں کیوں نہیں آتا؟ وزیر نے کہا کہ امیرالمومنین وہ اپنی بیوی زبیدہ کے سوگ اور تعزیت میں مشغول ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ ہمیں بھی اس کی تعزیت کے لیے جانا چاہیے اور وہ مع وزیر اور خدام سوار ہو کر علاؤ الدین کے گھر میں گئے۔ وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ خلیفہ اور اس کے ہمراہی پہنچے۔ علاؤ الدین ان کے خیر مقدم کے لیے اٹھ کھڑا ہوا' سلام کیا' زمین چومی۔ خلیفہ نے کہا کہ خدا تجھے نیک بدلہ دے! علاؤ الدین نے دعا دی کہ اے امیرالمومنین خدا ہمارے لیے تیری عمر دراز کرے! خلیفہ بولا کہ علاؤ الدین تو دربار میں کیوں نہیں آتا؟ عرض کیا کہ اے امیرالمومنین اپنی بیوی زبیدہ کے غم کی وجہ سے۔ خلیفہ نے فرمایا'

غم کو اپنے دل سے نکال ڈال۔ خدا نے اسے اپنی رحمت کی آغوش میں لے لیا ہے‘ رنج کرنے سے فائدہ نہیں۔ اس نے کہا کہ اے امیرالمومنین میں اس کی جدائی کے صدمے سے اس وقت نجات پا سکتا ہوں کہ میں مر جاؤں اور لوگ مجھے اس کے پاس دفن کر آئیں۔ خلیفہ کہنے لگا کہ خدا کے پاس ہر فوت ہونے والے کا بدلہ ہے اور موت کے مقابلے میں نہ تدبیر چلتی ہے اور نہ مال کام دیتا ہے۔ تعزیت ختم کرنے کے بعد خلیفہ اس سے یہ کہہ کر کہ دربار آیا کرے‘ اپنے محل کو روانہ ہو گیا۔

اس رات کے بعد جب دن نکلا تو علاؤ الدین سوار ہو کر دربار میں حاضر ہوا اور خلیفہ کے پاس پہنچ کر زمین چومی۔ خلیفہ نے اسے مرحبا کہا اور اس کی سلامتی چاہی۔ اپنی جگہ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور فرمایا کہ علاؤ الدین آج رات تو میرا مہمان ہے پھر وہ اسے محل کے اندر لے گیا اور ایک کنیز کو بلوایا جس کا نام قوت القلوب تھا اور اس سے کہا کہ علاؤ الدین کی ایک بیوی تھی جس کا نام زبیدہ تھا جو اس کا غم غلط کیا کرتی تھی۔ خدا نے اسے اپنی رحمت کی آغوش میں لے لیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو اسے عود پر ایک راگ سنا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو اکستھویں رات

جب دو سو اکستھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ نے اپنی کنیز قوت القلوب سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اسے عود پر ایک راگ سنا جو اپنے طرز میں نرالا ہو اور جس سے اس کا غم غلط ہو جائے۔ کنیز نے ایک نہایت اچھوتا راگ الاپا۔ خلیفہ بولا' علاؤ الدین اس آواز کے متعلق تیری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ زبیدہ کی آواز اس سے اچھی تھی مگر یہ ساز کے بجانے میں زیادہ ماہر ہے۔ اس سے پہاڑ تک وجد کر سکتے ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا کہ کیا یہ کنیز تجھے پسند ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں امیرالمومنین مجھے پسند ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ میرے سر اور میرے باپ داداؤں کی قسم یہ کنیز اور اس کی ساری لونڈیاں میں نے تجھے بخش دیں۔ علاؤ الدین سمجھا کہ خلیفہ اس سے مذاق کر رہا ہے۔ جب صبح ہوئی تو خلیفہ نے اپنی کنیز قوت القلوب کے پاس جا کر کہا کہ میں نے تجھے علاؤ الدین کو بخش دیا ہے۔ وہ خوش ہو گئی لڑکا اس کی نگاہ میں کھب گیا اور وہ اس سے محبت کرنے لگی تھی۔ یہ کہہ کر خلیفہ محل سے نکلا اور دربار میں آیا اور حمالوں کو حکم دیا کہ قوت القلوب اور اس کی لونڈیوں کو تخت رواں پر بٹھا کر اس کے سارے سامان کے ساتھ علاؤ الدین کے گھر پہنچا آؤ۔ حمال اسے اور اس کی لونڈیوں اور اس کے سامان کو علاؤ الدین کے گھر لے جا کر پہنچا آئے۔ خلیفہ شام تک دربار کرتا رہا اور پھر دربار برخاست کر کے محل میں گیا۔

یہ تو اس کا قصہ ہوا' اب قوت القلوب کا حال سنئے۔ جب وہ اس کی چالیس لونڈیاں علاؤ الدین کے محل میں داخل ہوئیں تو اس نے دو خادموں سے کہا کہ تم میں سے ایک' دروازے کے دہنی طرف کرسی پر بیٹھے اور دوسرا' بائیں طرف اور جب علاؤ الدین آئے تو تم اس کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر کہنا کہ ہماری آقا قوت القلوب تجھے محل

کے اندر بلاتی ہے۔ خلیفہ نے اسے اور اس کی لونڈیوں کو تجھے بخش دیا ہے۔ علاؤ الدین آیا تو اس نے دیکھا کہ خلیفہ کے دو خادم دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ حیران ہو کر اپنے جی میں کہنے لگا کہ شاید یہ میرا مکان نہیں ہے لیکن خادم اسے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور اس کے ہاتھ چوم کر کہنے لگے۔ ہم خلیفہ کے نوکر اور قوت القلوب کے غلام ہیں۔ اس نے تجھے سلام بھیجا ہے اور یہ کہا ہے کہ خلیفہ نے مجھ کو اور میری لونڈیوں کو تجھے بخش دیا ہے اور وہ تجھے اپنے پاس بلاتی ہے۔ اس نے کہا کہ میری طرف سے اس کا خیر مقدم کرو اور کہو کہ جب تک تو میرے ہاں رہے گی۔ میں محل کے اندر نہ آؤں گا کیونکہ جو چیز آقا کی ہے اس پر نوکروں کا کوئی حق نہیں اور اس سے پوچھو کہ اسے ہر روز خلیفہ کے پاس سے کیا روزینہ ملتا تھا؟ خادموں نے اس کے پاس یہ پیغام پہنچا دیا۔ کنیز نے کہلا بھیجا کہ روزانہ سو دینار خلیفہ کی طرف سے مجھے ملتے تھے۔ علاؤ الدین نے اپنے دل میں کہا کہ خلیفہ کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ قوت القلوب کو میرے حوالے کر کے یہ خرچ میرے ذمے لگائے! لیکن اب اس سے مفر نہیں۔ اس کے بعد وہ ایک مدت تک علاؤ الدین کے گھر میں رہی اور وہ اسے ہر روز سو دینار دیتا رہا۔ اسی اثنا میں ایسا ہوتا ہے کہ وہ کئی دن تک دربار میں حاضر نہ ہو سکا۔ خلیفہ نے وزیر سے کہا کہ میں نے تو علاؤ الدین کو قوت القلوب دی تھی کہ اس کی بیوی کا غم غلط ہو اور وہ بلاناغہ دربار میں حاضر ہوا کرے لیکن اس نے پھر آنا بند کر دیا! کچھ وجہ سمجھ میں آتی ہے؟ وزیر نے کہا کہ امیرالمومنین یہ مقولہ غلط نہیں کہ جس شخص کے پاس اس کا محبوب ہو' وہ اپنے دوستوں کو بھول جاتا ہے۔ خلیفہ بولا بہرحال اس کے نہ آنے کا کوئی خاص سبب ہے۔ اچھا ہم اس کی ملاقات کو جائیں گے۔ کچھ دن پہلے علاؤ الدین نے خلیفہ کی مہربانیوں کے ذکر میں وزیر سے کہا تھا کہ میں نے امیرالمومنین سے جب اپنی بیوی زبیدہ عودیہ کے غم میں اپنے بے قرار رہنے کی شکایت کی تو اس نے مجھے قوت القلوب بخش دی۔ وزیر نے جواب دیا کہ یہ اس کی محبت کی دلیل ہے اگر اس کو تجھ سے خاص لگاؤ نہ ہوتا تو وہ اسے ہرگز تجھے نہ بخشتا۔ مگر

علاؤ الدین یہ تو بتا تو نے اس سے ہم بستری بھی کی ہے؟ اس نے کہا کہ خدا کی قسم نہیں' بلکہ میں نے آمنے سامنے بیٹھ کر اسے دیکھا تک نہیں۔ وزیر نے پوچھا کیا سبب؟ وہ بولا کہ اے وزیر جو چیز آقا کے شان کی شایاں ہے وہ نوکروں پر نہیں پھبتی۔

اب ایک روز خلیفہ اور جعفر بھیس بدل کر علاؤ الدین سے ملنے روانہ ہوئے اور چپ چاپ علاؤ الدین کے گھر جا پہنچے۔ علاؤ الدین انہیں پہچان کر اٹھ کھڑا ہوا اور خلیفہ کے ہاتھ چومے۔ خلیفہ نے دیکھا کہ اس کے چہرے سے غم کے آثار نمودار ہیں۔ دریافت کرنے لگا کہ علاؤ الدین اس رنج و الم کی کیا وجہ ہے؟ کیا تو نے قوت القلوب سے ہم بستری نہیں کی؟ عرض کیا امیرالمومنین جو چیز آقا کی ہے وہ نوکروں کے لیے جائز نہیں۔ میں اب تک اس کے ساتھ ہم بستر نہیں ہوا۔ نہ مجھے اس کی صورت سے آشنائی ہے۔ اس سے معاف رکھ۔ خلیفہ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس سے مل کر اس کا حال دریافت کروں۔ علاؤ الدین نے جواب دیا کہ تو مالک ہے اے میرالمومنین۔ خلیفہ اس کے پاس گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

دو سو باسٹھ ویں رات

دو سو باسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ قوت القلوب کے پاس گیا۔ جب اس نے خلیفہ کو دیکھا تو اٹھ کر اس کے آگے زمین بوس ہوئی۔ خلیفہ نے پوچھا کہ علاؤ الدین تیرے ساتھ ہم بستر ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں' امیرالمومنین حالانکہ میں نے اسے بلا بھیجا تھا کہ ہم خواب ہو لیکن اس نے نہ مانا۔ اس پر خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے شاہی محل میں واپس کر دیا جائے اور علاؤ الدین سے یہ کہہ کر دربار میں آنا جانا ترک نہ کر' اپنے محل کی راہ لی اور علاؤ الدین سو گیا۔

جب صبح ہوئی تو وہ سوار ہو کر دربار گیا اور ساٹھ سرداروں کے سپہ سالار کے عہدے پر بیٹھا۔ خلیفہ نے خزانچی کو حکم دیا کہ وزیر جعفر کو دس ہزار دینار دے۔ جب وہ دے چکا تو خلیفہ نے وزیر سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ تو کنیزوں کے نخاس میں جا کر علاؤ الدین کے لیے دس ہزار دینار کی ایک کنیز خرید۔ وزیر خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں علاؤ الدین کو اپنے ساتھ لے کر کنیزوں کے نخاس میں پہنچا۔ اتفاق کی بات تھی کہ اسی روز بغداد کا والی امیر خالد بھی اپنے بیٹے کے لیے ایک کنیز خریدنے آیا ہوا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ خاتون نام اس کی ایک بیوی تھی۔ اس سے ایک ہی لڑکا تھا مگر بڑا بدصورت۔ لڑکے کا نام جنطلم بظاظہ تھا۔ اس کی عمر بیس برس کی ہو چکی تھی اور ابھی تک اسے گھوڑے پر چڑھنا نہ آیا تھا۔ حالانکہ اس کا باپ بڑا بہادر سورما تھا۔ وہ سوار ہو کر اندھیری راتوں میں پھرا کرتا۔ جنطلم بظاظہ کو ایک رات احتلام ہوا۔ اس نے اس کا ذکر اپنی ماں سے کیا۔ ماں نے خوش ہو کر یہ خبر باپ کو سنائی اور اس سے کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ کہیں اس کا نکاح ہو جائے کیونکہ وہ اب نکاح کے قابل ہو گیا ہے۔ باپ کہنے لگا کہ وہ بدصورت' بدبو' بدمعاش اور جنگلی ہے

کوئی عورت اسے قبول نہ کرے گی۔ ماں نے کہا تو پھر ہم اس کے لیے کنیز خریدیں گے۔ چنانچہ ادھر وزیر اور علاؤ الدین بازار میں آئے اور ادھر امیر خالد والئی بغداد اور اس کا بیٹا جنطلم بظاظہ۔ نخاس میں ان کی نظر ایک حسین و جمیل کنیز پر پڑی جو ایک دلال کے پاس تھی۔ وزیر نے کہا کہ میں ایک ہزار دینار دیتا ہوں۔ تو مالک سے مشورہ کر۔ دلال اسے لے کر والی کے قریب سے گزرا اور جونہی جنطلم بظاظہ کی نظر اس پر پڑی تو ہزاروں ارمان اس کے دل میں آنے لگے اور کنیز کی محبت اس کے دل میں سما گئی۔ اس نے کہا کہ باپ میرے لیے اس کنیز کو خرید لے۔ والی نے دلال کو بلایا اور کنیز سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرا نام یاسمین ہے۔ باپ نے کہا کہ بیٹا اگر یہ کنیز تجھے پسند ہے تو بڑھ کر بولی بول۔ اس پر لڑکے نے دلال سے پوچھا کہ کتنے دام لگ چکے ہیں؟ دلال بولا ایک ہزار۔ لڑکے نے ایک ہزار ایک لگا دیئے۔ اب دلال علاؤ الدین کے پاس آیا۔ اس نے دو ہزار بولے۔ بولی پہ بولی پڑنے لگی۔ والی کا بیٹا اگر ایک دینار بڑھاتا تو علاؤ الدین ایک ہزار۔ والی کے بیٹے کو غصہ آگیا اس نے دلال سے کہا کہ میری بولی پر کون زیادہ بولی بولتا ہے؟ دلال کہنے لگا کہ وزیر جعفر اس کنیز کو علاؤ الدین ابوالشامات کے لیے خریدنا چاہتا ہے۔ القصہ علاؤ الدین نے دس ہزار دینار کی بولی دی اور کنیز کے مالک نے منظور کر کے دام لے لیے اور علاؤ الدین نے کنیز کو لے کر کہا کہ میں تجھے فی سبیل اللہ آزاد کرتا ہوں۔ بعد ازاں وہ لونڈی کی آزادی کا پروانہ لکھ کر گھر روانہ ہو گیا اور دلال اپنی دلالی لے کر چلتا ہوا۔ والی کے بیٹے نے اسے بلا کر پوچھا کہ کنیز کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اسے علاؤ الدین نے دس ہزار دینار میں خرید لیا ہے اور اسے آزاد کر کے پروانہ لکھ دیا ہے۔

لڑکے کو بہت صدمہ ہوا۔ اس کی تمنائیں خاک میں مل گئیں اور وہ گھر جا کر اس کی محبت میں بیماروں کی طرح پڑ گیا۔ کھانا پینا چھوڑ دیا اور دل میں عشق کی آگ بھڑکنے لگی۔ جب اس کی ماں نے دیکھا کہ وہ بیمار ہے تو اس سے کہنے لگی کہ بیٹا

خدا تجھے سلامت رکھے! تو کیوں ایسا پریشان ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اماں جان میرے لیے یاسمین خرید دے۔ ماں بولی کہ پھول والے کو ادھر سے گزرنے دے میں تیرے لیے ایک پورا ٹوکرا یاسمین کا خرید دوں گی۔ لڑکے نے کہا کہ یاسمین کے پھول نہیں جو سونگھے جاتے ہیں بلکہ وہ ایک کنیز ہے جس کا نام یاسمین ہے اور جسے والد نے میرے لیے نہیں خریدا۔ اس پر اس نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ تو نے وہ کنیز اس کے لیے کیوں نہیں خریدی؟ اس نے جواب دیا کہ جو چیز آقا کے قابل ہو وہ نوکروں کے لائق نہیں ہو سکتی۔ میرے لیے اس کا لینا ممکن نہ تھا کیونکہ جس شخص نے اسے خریدا ہے وہ علاؤ الدین ساٹھ سرداروں کا سپہ سالار ہے۔ یہ سن کر لڑکے کی بیماری اور زیادہ ہو گئی یہاں تک کہ اس نے کھانا پینا اور سونا بالکل ترک کر دیا اور ماں نہایت غم زدہ رہنے لگی۔

ایک دن وہ اسی غم میں بیٹھی ہوئی تھی کہ پہلے ایک بڑھیا اس کے پاس پہنچی جو مشہور چور احمد قماقم کی ماں تھی۔ یہ چور ایسا شاطر تھا کہ آسمان میں نقب لگاتا۔ اونچی سے اونچی دیواریں پھاند جاتا اور آنکھ سے سرمہ چرا لیتا۔ یہ بری عادتیں اس میں شروع ہی سے تھیں۔ کسی طرح اسے پہرے والوں کا چودھری بنا دیا گیا تھا لیکن اس نے وہاں بھی خیانت کی۔ والی نے اسے دیکھ لیا اور وہ اسے پکڑ کر خلیفہ کے پاس لے گیا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے سولی گھر میں قتل کر دیا جائے۔ اس نے وزیر سے سفارش چاہی۔ خلیفہ' وزیر کی سفارش رد نہ کرتا تھا۔ جب اس نے اس چور کی سفارش کی تو خلیفہ نے پوچھا کہ تو' اس حرام زادے کی سفارش کیوں کرتا ہے جس سے لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے؟ اس نے کہا کہ امیرالمومنین اسے قید کر دے کیونکہ جس شخص نے قید خانہ ایجاد کیا ہے وہ دانش مند آدمی تھا۔ قید خانہ زندوں کی قبر ہے اور دشمنوں کے لیے خوشی کا باعث۔

اس پر خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے قید خانہ میں رکھا جائے اور اس کے قید نامے پر لکھ

دیا کہ وہ اس وقت تک قید خانے میں رہے جب تک کہ مردہ ہو کے تختے پر اس کی بیڑیاں کاٹی جائیں۔ لہٰذا وہ برابر قید رہا۔ اس کی ماں بغداد کے والی امیر خالد کے ہاں آیا جایا کرتی تھی اور جب کبھی وہ اپنے بیٹے کے پاس قید خانے میں جاتی تو اس سے کہتی کہ میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ چوری سے توبہ کر۔ وہ جواب دیتا کہ خدا نے یہ میری قسمت میں لکھ دیا ہے لیکن اماں جب تو والی کی بیوی کے پاس جائے تو اس سے کہیو کہ وہ میری سفارش' والی سے کر دے۔ اب کے بڑھیا جو والی کے بیوی کے پاس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ غمگین بیٹھی ہے۔ کہنے لگی کہ تو غمگین کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اپنے بیٹے جنطلم بظاظہ کی مصیبت پر۔ بڑھیا نے کہا کہ تیرا بیٹا سلامت رہے! اسے کیا ہوا ہے؟ اس نے بڑھیا کو ساری داستان سنا دی۔ بڑھیا بولی اگر میں تیری یہ خدمت کر دوں کہ تیرا بیٹا بچ جائے تو؟ اس نے کہا کہ تو کیا کر سکتی ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ میرا بیٹا ہے جس کا نام احمد قماقم ہے جو بڑا دھاڑی ہے اور آج کل وہ قید خانے میں ہے اس کے متعلق یہ حکم ہے کہ مرتے دم تک قید میں رہے۔ میری یہ رائے ہے کہ اٹھ اور بہترین اور نفیس زیور پہن۔ ہنس مکھ چہرہ بنا کر اپنے شوہر کے پاس جا اور جب وہ تجھ سے وہ چیز مانگے جو مرد عورتوں سے مانگا کرتے ہیں تو انکار کر دیجیو۔ اس کے کہنے میں نہ آئیو اس سے کہیو کہ یہ بھی عجیب و غریب بات ہے کہ اگر مرد کو اپنی بیوی سے حاجت ہو تو وہ اس قدر خوشامد کرتا ہے کہ اپنی حاجت روائی کر کے اٹھتا ہے لیکن اگر بیوی اپنے شوہر سے کوئی درخواست کرے تو وہ اسے پورا نہیں کرتا۔ اس پر وہ تجھ سے کہے گا کہ اپنی ضرورت بیان کر۔ اس وقت کہیو کہ پہلے قسم کھا۔ جب وہ اپنے سر یا اللہ کی قسم کھائے تو کہیو کہ جب تک وہ طلاق کی قسم نہ کھائے۔ جب وہ طلاق کی قسم کھائے تو کھا لے تو کہیو کہ تیرے قید خانے میں ایک چودھری قید ہے جس کا نام احمد قماقم ہے۔ اس کی ایک بے چاری ماں ہے وہ میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ میں تجھ سے درخواست کروں کہ تو اس کے بیٹے کی سفارش خلیفہ سے کرے اور وہ اسے معاف کر دے' تجھے اس

کا ثواب ہو گا۔ وہ اچھا کہہ کر چپ ہو گئی۔ جب والی اپنی بیوی کے پاس آیا ------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو تریسٹھ ویں رات

دو سو تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب والی اپنی بیوی کے پاس آیا تو اس نے وہی باتیں کیں اور والی نے طلاق کی قسم کھا لی اور رات بھر اپنی بیوی سے ہم بستری کی۔ صبح اٹھ کر اس نے غسل کیا اور نماز پڑھی اور قید خانے گیا۔ قید خانے میں جا کر احمد قماقم سے کہنے لگا کہ اے چور کیا تو اپنے جرموں سے توبہ کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں خدا کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ اپنے افعال سے باز آتا اور دل سے استغفراللہ کہتا ہوں۔ یہ سن کر والی نے اسے قید خانے سے نکالا اور اسے پا بہ زنجیر لے کر دربار لے گیا۔ خلیفہ کے آگے زمین کو بوسہ دے کر کھڑا ہو گیا۔ خلیفہ نے کہا کہ اچھا اے امیر خالد کیا چاہتا ہے؟ اس نے خلیفہ کے سامنے احمد قماقم کو پیش کیا۔ جس کی بیڑیاں جھنک رہی تھیں۔ خلیفہ نے کہا کہ اے قماقم تو' ابھی تک زندہ ہے؟ وہ بولا امیرالمومنین بدبختوں کی زندگی بہت لمبی ہوتی ہے۔ خلیفہ نے امیر خالد سے پوچھا کہ تو اسے یہاں کیوں لایا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس کی غریب بڑھیا ماں ہے جو اکیلی ہے جس کا اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ وہ تیرے اس غلام کے پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ میں تجھ سے سفارش کروں اور تو اسے رہا کر دے۔ یہ اپنے جرم سے توبہ کرتا ہے؟ تو اسے معاف کر اور پہلے کی طرح چوکیداروں کا چودھری بنا دے۔ خلیفہ نے احمد قماقم سے کہا کہ تو اپنے جرم سے توبہ کرتا ہے؟ اس نے عرض کیا امیرالمومنین میں خدا کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ اب خلیفہ نے لوہار کو بلوا کر مردہ شو کے تختے پر اس کی بیڑیاں کٹوا دیں اور اسے دوبارہ چوکیداروں کا چودھری بنا دیا اور اسے نصیحت کی کہ صحیح راستے پر چلیو اور ثابت قدم رہیو۔ احمد نے خلیفہ کے ہاتھ چومے اور پھر چودھریوں کا خلعت پہن کر وہاں سے نکلا۔ اس کے چودھری ہونے کا ڈھنڈورا پیٹا گیا اور وہ ایک مدت تک اپنے منصب پر رہا۔

ایک روز اس کی ماں والی کی بیوی کے پاس گئی۔ اس نے کہا شکر ہے خدا کا جس نے تیرے بیٹے کو قید سے چھڑایا اور وہ اب تک صحیح و سالم ہے۔ اس سے تو کیوں نہیں کہتی کہ وہ کنیز یاسمین کو میرے بیٹے جنطلم کے پاس لے آئے۔ اس نے جواب دیا کہ ابھی جا کر کہتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چل دی اور اپنے بیٹے کے پاس پہنچی اور دیکھا کہ وہ نشے میں چور ہے۔ اس سے کہا کہ بیٹا تیری رہائی کا سبب محض والی کی بیوی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ تو کسی نہ کسی ترکیب سے علاؤالدین ابوالشامات کو قتل کر کے کنیز یاسمین کو اس کے بیٹے جنطلم بظاظہ کے پاس لے آئے۔ وہ بولا کہ یہ تو بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ میں آج ہی رات کوئی نہ کوئی تدبیر نکالتا ہوں۔ یہ رات نئے مہینے کی پہلی رات تھی۔ امیرالمومنین کا دستور تھا کہ اس رات وہ شہزادی زبیدہ کے ہاں سوتا' کسی کنیز یا غلام کو آزاد کرتا یا اسی قسم کا کوئی نیک کام کرتا اور اس کی یہ بھی عادت تھی کہ وہ اس رات شاہی لباس اتار ڈالتا' تسبیح' پیش قبض اور شاہی مہر کو نشست گاہ میں کسی کرسی کے اوپر رکھ دیتا۔ خلیفہ کے پاس ایک سونے کی قندیل تھی جس میں ایک سونے کی لڑی میں تین ہیرے پروئے ہوئے تھے اور وہ اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔ چنانچہ خلیفہ نے اپنا لباس اور قندیل اور باقی چیزیں خادموں کے سپرد کیں اور زبیدہ کی حرم سرا میں داخل ہوا۔ احمد قماقم چور نے آدھی رات تک انتظار کیا اور جب سہیل تارا نکلا اور لوگ سو گئے اور خدا نے ان پر غفلت کا پردہ ڈال دیا تو اس نے دہنے ہاتھ میں تلوار لی بائیں ہاتھ میں کانٹا۔ خلیفہ کی نشست گاہ کے قریب پہنچ کر سیڑھی لگائی اور خلیفہ کی نشست گاہ پر کانٹا پھینک کر اس میں لٹک گیا اور سیڑھی پر چڑھ کر چھت پر جا پہنچا پھر وہاں سے تابدان کھول کر نیچے اتر گیا۔ دیکھا کہ نوکر چاکر سو رہے ہیں۔ انہیں نشہ سونگھا کر خلیفہ کا لباس' تسبیح' رومال' انگوٹھی اور قندیل جس میں ہیرے جڑے ہوئے تھے اٹھا لی اور جس راستے سے آیا تھا اسی سے نکل کر علاؤالدین ابوالشامات کے گھر کا راستہ لیا۔ اس رات علاؤالدین کنیز کے ساتھ ہم آغوش

تھا اور وہ اس سے حاملہ ہو گئی تھی۔ احمد قماقم چور علاؤالدین کے مکان میں داخل ہوا اور فرش سے ایک سل مرمر کی نکال کر اس کے نیچے گڑھا کھودا اور بعض چیزیں اس میں ڈال دیں اور بعض اپنے پاس رہنے دیں۔ پھر سل کو اپنی جگہ بٹھا کر جس راستے سے آیا تھا اسی راستے سے نکل گیا اور اپنے دل میں کہتا ہوا کہ جب میں شراب پیوں گا تو اس قندیل کو اپنے سامنے رکھ کر اس کی روشنی میں پیا کروں گا' اپنے گھر چلا گیا۔

صبح کو جو خلیفہ بیدار ہو کر خلوت سے باہر نکلا تو دیکھا کہ سارے نوکر بھنگ کے نشے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس نے انہیں جگایا اور کرسی پر ہاتھ ڈالا تو نہ لباس پایا نہ تسبیح' نہ خنجر' نہ رومال اور نہ قندیل۔ برہمی کی انتہا نہ رہی۔ سرخ لباس جو غصے کی پوشاک تھی پہن لیا اور جا کر دربار میں بیٹھ گیا۔ وزیر نے آگے بڑھ کر اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ خدا امیرالمومنین سے ہر برائی کو دور رکھے! خلیفہ نے کہا کہ اے جعفر برائی بڑھتی جاتی ہے۔ وزیر نے عرض کیا' آخر کیا ہوا؟ خلیفہ نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اتنے میں والی آ پہنچا۔ اس کی رکاب احمد قماقم چور تھامے ہوئے تھا۔ اس نے دیکھا کہ خلیفہ چیں بہ جبیں بیٹھا ہوا ہے۔ جونہی خلیفہ کی نظر والی پر پڑی پوچھا اے امیر خالد بغداد کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بخیریت ہے اور محفوظ ہے۔ خلیفہ بولا تو جھوٹ کہتا ہے۔ والی نے کہا امیرالمومنین یہ کیونکر؟ خلیفہ نے اس سے بھی کل قصہ بیان کیا اور کہا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ ان تمام چیزوں کو لا کر حاضر کر۔ والی بولا امیرالمومنین سرکے کا کیڑا اسی میں سے پیدا ہوتا ہے اور اسی میں رہتا ہے۔ کسی غیر کی مجال نہیں کہ یہاں آ سکے۔ خلیفہ نے کہا کہ اگر تو' یہ چیزیں نہ لایا تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اس نے جواب دیا کہ قبل اس کے کہ تو مجھے قتل کرے میں احمد قماقم سراق کو مار ڈالوں گا کیونکہ سوائے چوکی داروں کے چودھری کے اور کسی کو چوروں اور خائنوں کا پتا نہیں ہوتا۔

یہ سن کر احمد قماقم اٹھا اور خلیفہ سے کہنے لگا کہ والی کے حق میں میری سفارش قبول

کر۔ میں ذمہ لیتا ہوں کہ چور کا کھوج لگا دوں گا اور جب تک اس کا پتا نہ لگا لوں اس کا پیچھا نہ چھوڑوں گا۔ لیکن دو قاضیوں اور دو گواہوں کو میرے ساتھ کر دے اس لیے کہ جس نے یہ حرکت کی ہے وہ نہ تجھ سے ڈرتا ہے' نہ والی سے اور نہ کسی اور سے۔ خلیفہ نے کہا کہ جو کچھ مانگتا ہے تجھے ملے گا لیکن پہلے محل میں تلاشی لی جائے پھر وزیر کے گھر میں' پھر ساٹھ سرداروں کے سپہ سالار کے ہاں۔ احمد قماقم نے عرض کیا' امیرالمومنین تیرا کہنا بجا ہے جس نے یہ چوری کی ہے وہ یا تو امیرالمومنین کے محل کا پروردہ ہے یا اس کے کسی خاص شخص کے محل کا۔ خلیفہ نے کہا کہ میں اپنے سر کی قسم کھاتا ہوں جس پر یہ چوری ثابت ہو گی' ضرور اس کی گردن اڑا دوں گا خواہ وہ میرا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ احمد قماقم نے اپنے منشا کے موافق سب کچھ حاصل کر لیا اور ایک فرمان لکھوا دیا جس کی بنا پر وہ مکانوں میں گھس کر ان کی تلاشی لے سکے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو چونسٹھ ویں رات

جب دو سو چونسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ احمد قماقم نے اپنا منشا کے موافق سب کچھ حاصل کر لیا اور ایک فرمان لکھوایا جس کی بنا پر وہ مکانوں میں گھس کر ان کی تلاشی لے سکے اور اپنے ہاتھ میں تین پیتل' تین تانبے' تین لوہے اور تین فولاد کے ڈنڈے لے کر نکلا۔ پہلے خلیفہ کے محل کی تلاشی لی۔ پھر وزیر جعفر کے محل کی اس کے بعد حاجبوں اور نائبوں کے مکانوں کا چکر لگاتا ہوا علاؤالدین ابوالشامات کے گھر پہنچا۔ علاؤالدین نے اپنے گھر کے آگے شور و غل سنا تو اپنی بیوی یاسمین کے پاس سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ والی ایک بڑی بھیڑ کے ساتھ کھڑا ہوا ہے۔ پوچھا کیا معاملہ ہے؟ امیر خالد نے ساری داستان سنا دی۔ علاؤالدین نے کہا کہ اندر آ کر تلاشی لے لو۔ والی نے کہا کہ اے میرے آقا' معاف کر تو امین ہے اور امین کا خائن ہونا ناممکن ہے۔ وہ بولا تجھے میرے گھر کی تلاشی لینی ہو گی۔ اب والی' قاضی اور گواہ اندر گئے اور احمد قماقم آگے بڑھ کر کمرے میں پہنچا اور اس مرمر کی سل کے پاس پہنچا جس کے نیچے اس نے چوری کا مال دفن کیا تھا اور اس زور سے اس پر ڈنڈا مارا کہ وہ ٹوٹ گئی اور اس کے نیچے سے کوئی چیز چمکنے لگی۔ چودھری نے کہا کہ بسم اللہ' ماشاء اللہ! ہمارے قدموں کی برکت سے ہمیں ایک خزانہ مل گیا۔ پھر اس نے نیچے اتر کر ان چیزوں کو ٹٹولا۔ قاضی اور گواہوں کی نظر اس پر پڑی تو انہوں نے دیکھا کہ سب چیزیں جو چوری ہوئی تھیں' وہاں موجود ہیں۔ انہوں نے ایک کاغذ پر یہ مضمون لکھ کر انہیں یہ چیزیں علاؤالدین کے گھر سے ملی ہیں' اپنی اپنی مہر لگا دی اور حکم دیا کہ علاؤالدین کو گرفتار کر لیا جائے۔ سر پر سے اس کی پگڑی اتار لی۔ اس کے مال اور اجناس کی ایک فہرست بنا ڈالی۔ احمد قماقم السراق نے کنیز یاسمین کو

جو حاملہ تھی پکڑ کر اپنی ماں کے حوالے کیا اور کہا کہ اسے والی کی بیوی خاتون کے سپرد کر آ۔ وہ اسے لے کر والی کی بیوی کے پاس گئی اور اسے سونپ دیا۔

جب جنطلم بظاظہ نے یاسمین کو دیکھا تو اس کی جان میں جان آ گئی اور وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور خوش خوش اس کی طرف بڑھا۔ مگر کنیز نے اپنی پیٹی میں سے خنجر نکال کر کہا کہ میرے قریب نہ آ ورنہ میں تیری جان بھی لے لوں گی اور اپنی جان بھی دے دوں گی۔ اس کی ماں ڈر گئی اور بولی اے لڑکی! میرے بیٹے کو اپنی مراد پوری کر لینے دے۔ اس نے جواب دیا کہ اے کتیا! یہ کسی مذہب میں جائز ہے کہ ایک عورت دو مردوں کی بیوی بن کر رہے اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ کتے شیروں کی جگہ لیں۔ یہ سن کر لڑکے کی تمنائیں اور زیادہ ہو گئیں اور عشق کی آگ اس کے کلیجے میں بھڑک اٹھی۔ کھانا پینا ترک کر دیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ والی کی بیوی نے لڑکی سے کہا کہ لڑکی تو کیوں میرے بیٹے کو جلاتی ہے اور میرا دل دکھاتی ہے کہ میں تجھے سزا دوں۔ رہا علاؤالدین تو اس کے بھلاوے میں نہ رہیو' وہ تو پھانسی بغیر چڑھے رہتا نہیں۔ لڑکی نے کہا اور میں اس کی محبت میں بے مرے نہیں رہوں گی۔ آخر والی کی بیوی جھلا اٹھی۔ اس نے یاسمین کے ریشمی کپڑے اور زیور اتار کر پھینک دیئے اور اسے ٹاٹ کی ازار اور بالوں کی قمیص پہنا کر باورچی خانے میں بھیج دیا کہ وہاں کام کیا کرے اور اس سے کہا کہ تیری سزا یہی ہے کہ تو لکڑیاں چیرے' پیاز چھیلے اور دیگچوں کے نیچے آگ جلائے۔ اس نے جواب دیا کہ ساری تکلیفیں مجھے منظور ہیں مگر تیرے بیٹے کا منہ نہیں دیکھنا چاہتی۔ خدا کا کرنا کہ کنیزوں کو اس پر ترس آنے لگا اور انہوں نے اس سے سارا باورچی خانے کا کام لے لیا۔

یہ تو یاسمین کا قصہ ہوا' اب علاؤالدین ابوالشامات کی سرگزشت سنئے۔ خلیفہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ لوگ علاؤالدین اور ان اشیاء کو لے کر دربار میں پہنچے۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تمہیں یہ چیزیں کہاں سے ملیں؟ انہوں نے عرض کی کہ علاؤالدین ابوالشامات کے گھر کے اندر۔ یہ سن کر خلیفہ طیش میں آ گیا۔ پھر اس نے اپنی چیزیں دیکھیں تو ان میں

قندیل نہ تھی۔ علاؤالدین سے مخاطب ہو کر کہا کہ قندیل کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہ میں نے چوری کی نہ مجھے معلوم اور نہ میں نے دیکھا ہے اور نہ میں جانتا ہوں۔ خلیفہ بولا اے خائن میں تجھے اپنے قریب کرتا جاتا ہوں اور تو مجھے دور ہٹاتا جاتا ہے۔ میں تجھ پر بھروسہ کرتا ہوں اور تو خیانت پر کمر باندھے ہوئے ہے۔ آخر غضب ناک ہو کر اس نے پھانسی کا حکم دے دیا۔ والی وہاں سے نکلا اور ڈھنڈورا پیٹنے والے نے ڈھنڈورا پیٹا کہ یہ کم از کم سزا اس شخص کی ہے جو دیانت پسند خلفاء کے ساتھ خیانت کرتا ہے۔ یہ سن کر تمام لوگ پھانسی گھر کے پاس آ کر جمع ہو گئے۔

علاؤالدین پر یہ گزری' اب اللہ کی کارسازی سنو۔ احمد دنف جو علاؤالدین کا سردار تھا۔ اپنے دوستوں کے ساتھ ایک باغ میں تفریح کر رہا تھا کہ دربار کے سقوں میں سے ایک سقہ وہاں پہنچا اور احمد دنف کا ہاتھ چوم کر کہنے لگا کہ اے سردار احمد دنف تو یہاں آرام سے بیٹھا ہے اور تیرے پاؤں کے نیچے پانی بہہ رہا ہے لیکن تجھے کچھ خبر بھی ہے؟ احمد دنف نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ سقہ بولا کہ علاؤالدین جسے تو نے خدا کا واسطہ دے کر اپنا بیٹا بنایا تھا اسے لوگ پھانسی گھر لے جا رہے ہیں۔ احمد دنف نے کہا کہ اے حسن' اے شومان تو کوئی تدبیر کر سکتا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ علاؤالدین بے جرم ہے یہ کسی دشمن کی کارستانی ہے۔ احمد دنف نے کہا کہ اب تیری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر خدا نے چاہا تو اس کی رہائی کا میں ذمے دار ہوں۔ یہ کہہ کر حسن شومان قید خانے گیا اور داروغہ سے کہا کہ ایک ایسے شخص کو میرے حوالے کر دے جو قتل کا سزاوار ہو چکا ہو۔ اس نے ایک قیدی نکال کر دیا جو علاؤالدین ابوالشامات سے بے حد مشابہ تھا۔ احمد دنف نے اس کا منہ ڈھانک کر اپنے اور علی زیبق مصری کے درمیان لے لیا۔ لوگ علاؤالدین کو پھانسی کے لیے لے جا چکے تھے۔ احمد دنف نے آگے بڑھ کر اپنا پاؤں جلاد کے پاؤں کے اوپر رکھ دیا۔ جلاد بولا کہ میرے لیے اتنی جگہ تو چھوڑ دے کہ میں اپنا فرض پورا کر سکوں۔ اس نے کہا کہ اے ملعون اس شخص کو لے کر بجائے علاؤالدین ابوالشامات کے' پھانسی دے دے کیونکہ وہ مظلوم ہے۔

میں حضرت اسمٰعیل کے بدلے مینڈھا پیش کرتا ہوں۔ جلاد نے اس شخص کو لے کر پھانسی دے دی اور احمد دنف اور علی زیبق مصری علاؤالدین کو لے کر گھر آئے۔ جب وہ

اندر داخل ہوئے تو علاؤالدین نے کہا کہ اے میرے سردار خدا تجھے نیک بدلہ دے!
اس نے پوچھا کہ علاؤالدین یہ تو نے کیا کیا؟
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو پینسٹھ ویں رات

جب دو سو پینسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- احمد دنف نے علاؤالدین سے کہا کہ یہ تو نے کیا کیا؟ رحم کرے اللہ اس پر جس کا یہ مقولہ ہے کہ جو تجھ کو امین بنائے اس کے ساتھ خیانت نہ کر خواہ خائن ہی کیوں نہ ہو۔ خلیفہ نے تجھے اپنے پاس رکھا' تجھے معتمد اور امین کا لقب دیا پھر تو نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا اور اس کی چیزیں کیوں لے گیا؟ علاؤالدین نے کہا کہ اے میرے سردار قسم ہے اسم اعظم کی یہ چوری میں نے نہیں کی اور نہ اس میں میرا کوئی جرم ہے۔ نہ مجھے معلوم ہے کہ یہ حرکت کس کی ہے۔ احمد دنف نے کہا کہ یہ کسی سخت دشمن کی کاروائی ہے۔ جیسا کوئی کرے گا ویسا پھل پائے گا لیکن علاؤالدین اب بغداد میں تیرا رہنا ممکن نہیں۔ بیٹا' بادشاہ جس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے اور بادشاہ جس کی تلاش میں ہوتے ہیں اس کا دم ناک میں آ جاتا ہے۔ علاؤالدین نے کہا کہ اے میرے سردار تو پھر میں کہاں جاؤں؟ اس نے جواب دیا کہ میں تجھے اسکندریہ پہنچا دوں گا۔ وہ مبارک جگہ ہے' اس کی زمین سرسبز ہے اور وہاں کی زندگی خوشگوار۔ علاؤالدین نے کہا جیسی تیری رائے اے میرے سردار۔ بعد ازاں احمد دنف نے حسن شومان سے کہا کہ مطمئن رہ اگر خلیفہ میرے متعلق پوچھے تو کہیو کہ وہ صوبوں کا معائنہ کرنے گیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے علاؤالدین کو اپنے ساتھ لیا اور بغداد سے نکل کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے وہ اس جگہ پہنچے جہاں تاکستان اور باغ تھے۔ ان کی نظر دو یہودیوں پر پڑی جو خلیفہ کے صوبے دار تھے اور خچروں پر سوار چلے جا رہے تھے۔ احمد دنف نے ان یہودیوں سے کہا کہ ہماری مٹھی گرم کرو۔ یہودی بولے کہ کس وجہ سے ہم تمہاری مٹھی گرم کریں؟

اس نے جواب دیا کہ میں اس وادی کا پاسبان ہوں۔ ان دونوں نے سو سو دینار نکال

کر اسے دے دیئے اور احمد دنف نے ان کو قتل کر کے ان کے خچر لے لیے۔ ایک پر خود سوار ہوا اور دوسرے پر علاؤالدین کو سوار کیا اور ایاس پہنچے۔ وہاں ایک سرائے میں اترے۔ رات گزار کر جب سویرا ہوا تو علاؤالدین نے اپنا خچر بیچ ڈالا اور احمد دنف کے خچر کو دربان کے سپرد کیا اور ایاس کی بندرگاہ سے جہاز میں بیٹھ کر اسکندریہ پہنچ گئے۔

اسکندریہ پہنچ کر احمد دنف علاؤالدین کو ساتھ لے کر بازار گیا۔ دیکھا کہ ایک دلال دوکان نیلام کر رہا ہے۔ جس کے پیچھے ایک کوٹھڑی ہے اور نو سو پچاس تک لگ گئے ہیں۔ علاؤالدین نے ایک ہزار لگا دیئے اور بیچنے والے نے منظور کر لیا۔ یہ دوکان بیت المال کی تھی۔ علاؤالدین نے کنجیاں لے کر دوکان اور پیچھے کی کوٹھڑی کھولی اور دیکھا کہ وہاں فرش بچھے ہوئے اور تکیے لگے ہوئے ہیں۔ ایک انبار خانہ ہے جس میں بادبان' لنگر' رسے' صندوق' سیپوں اور کوڑیوں سے بھرے ہوئے تھیلے' رکابیں' تبر' بلے' بلیاں' چھریاں اور قینچیاں وغیرہ بیسیوں قسم کی چیزیں موجود ہیں۔ وہ دراصل ایک کباڑیے کی دوکان تھی۔ علاؤالدین ابوالشامات دوکان پر بیٹھ گیا۔ اور احمد دنف نے کہا کہ بیٹا دوکان اور کوٹھڑی اور تمام سامان تیری ملکیت ہے تو یہاں بیٹھ کر خرید و فروخت کر اور دل تنگ نہ ہو۔ خدا نے تجارت میں برکت دی ہے۔ اس کے علاوہ وہ تین دن اور ٹھہرا' چوتھے دن اس نے علاؤالدین سے رخصت لی اور بولا تو یہیں ٹھہر جب تک کہ میں جا کر یہ خبر نہ لے آؤں کہ خلیفہ نے تجھے معاف کر دیا ہے اور تجھ سے یہ چال کس نے چلی ہے؟ یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گیا۔ اور ایاس آیا اور سرائے سے اپنا خچر لے کر بغداد پہنچا۔ حسن اور اپنے دوسرے ساتھیوں سے ملا اور حسن سے پوچھا کہ خلیفہ نے میرے بارے میں دریافت کیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ اس کے دل میں تیرا خیال بھی نہیں گزرا۔ احمد دنف خاموش ہو گیا۔ خلیفہ کی خدمات میں آتا جاتا رہا اور علاؤالدین کے معاملے کا پتہ لگانے کی کوشش کرتا رہا۔

ایک دن خلیفہ نے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جعفر دیکھ تو سہی علاؤالدین نے

میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ اس نے کہا کہ امیرالمومنین تو نے اس کے بدلے میں اسے پھانسی دے دی اور اسے اپنی سزا مل گئی۔ خلیفہ کہنے لگا میں اسے پھانسی کے بعد دیکھنا چاہتا ہوں۔ وزیر نے کہا کہ امیرالمومنین جو تیرا جی چاہے کر۔ وزیر کو ساتھ لے کر پھانسی گھر گیا۔ خلیفہ نے دیکھا کہ جس کو پھانسی دی گئی ہے وہ علاؤالدین الشامات کے سوا کوئی اور ہے۔ وزیر سے بولا کہ یہ تو علاؤالدین نہیں ہے۔ وزیر نے کہا کہ تو نے کس طرح پہچانا کہ وہ دوسرا شخص ہے؟ خلیفہ نے جواب دیا کہ علاؤالدین پستہ قد تھا اور یہ لمبا ہے۔ وزیر نے کہا کہ جسے پھانسی دی جاتی ہے وہ لمبا ہو جاتا ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ علاؤالدین گورا تھا اور یہ کالا ہے۔ وزیر نے جواب دیا کہ امیرالمومنین تجھے معلوم نہیں کہ موت کالا کر دیتی ہے۔ اب اس نے حکم دیا کہ اسے پھانسی گھر سے باہر لے جایا جائے۔ جب لوگ اسے باہر لے جانے لگے تو خلیفہ نے دیکھا کہ اس کے دونوں ٹخنوں پر پہلے دو خلفائے راشدین کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ وہ وزیر سے کہنے لگا کہ علاؤالدین سنی تھا اور یہ رافضی ہے۔ وزیر نے کہا کہ پاک ہے خدا جو غیب کی باتیں جانتا ہے۔ ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ علاؤالدین ہے: نہیں۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ وہ دفن کر دیا جائے چنانچہ لاش دفن کر دی گئی اور لوگ علاؤالدین کو بھول گئے۔

اس قصے کو یہاں چھوڑ کر اب جنطلم بظاظہ کا حال سنو۔ وہ بہت دنوں تک عشق کے مرض میں مبتلا رہا آخر وہ مر گیا اور اس کی قبر بن گئی۔ ادھر کنیز یاسمین کے حمل کے دن پورے ہو گئے۔ اسے زہ کا درد ہونے لگا اور لڑکا پیدا ہوا جو چاند کی طرح تھا۔ کنیزوں نے اس سے پوچھا کہ تو اس کا کیا نام رکھے گی؟ اس نے جواب دیا کہ اگر اس کا باپ زندہ ہوتا تو وہ خود اس کا نام رکھتا لیکن لاچاری ہے۔ خیر میں اس کا نام اصلان رکھوں گی۔ اس کے بعد دو سال تک اس نے اسے متواتر دودھ پلا کر چھڑا دیا۔ وہ گود سے اتر کر گھٹنوں اور پھر پاؤں پاؤں چلنے لگا۔ ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے کہ اس کی ماں تو باورچی خانے میں کام کر رہی تھی۔ وہ کھیلتے کھیلتے زینے پر چڑھ

گیا۔ وہاں بالا خانے کے کمرے میں امیر خالد بیٹھا ہوا تھا اس نے لڑکے کو اپنی گود میں بٹھا لیا اور اسے دیکھ دیکھ کر خدا کی پاکی بیان کرنے لگا جس نے اسے پیدا کیا اور اس کی صورت بنائی۔ لڑکے کے چہرے کو غور سے دیکھا تو اسے علاؤالدین ابوالشامات کے بے حد مشابہ پایا۔ ادھر اس کی ماں اسے ڈھونڈنے لگی۔ نیچے نہ دکھائی دیا تو وہ کوٹھے پر چڑھ گئی۔ دیکھا کہ امیرا خالد بیٹھا ہوا ہے اور لڑکا اس کی گود میں کھیل رہا ہے۔ خدا نے اس کی محبت امیر خالد کے دل میں ڈال دی تھی۔ لڑکا اپنی ماں کو دیکھتے ہی اس کی طرف دوڑ کر جانا چاہتا تھا کہ امیرا خالد نے اسے روک لیا اور ماں سے کہا کہ کنیز یہاں آ۔ جب وہ آئی تو امیر نے پوچھا کہ یہ کس کا لڑکا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا اور میرا لخت جگر ہے۔ امیر نے دریافت کیا کہ اس کا باپ کون ہے؟ وہ بولی کہ اس کا باپ علاؤالدین ابوالشامات ہے مگر وہ اب تیرا بیٹا ہے۔
امیر بولا کہ علاؤالدین خائن تھا۔ کنیز نے کہا کہ وہ خیانت سے بری ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ امین خائن ہو۔ امیر نے کہا کہ اچھا جب یہ لڑکا ہوشیار ہو اور پوچھے کہ میرا باپ کون ہے؟ تو کہیو کہ تو امیر خالد کا بیٹا ہے جو والی اور کوتوال ہے۔
امیرا خالد والی نے اس کا ختنہ کرایا' اس کی تربیت کا بخوبی انتظام کیا۔ ایک خوشنویس فقیہ کو اس کی تعلیم کے لیے رکھا جس نے اسے خوشنویسی اور قرات سکھائی اور اس نے قرآن دو بار پڑھ کر ختم کیا۔ وہ ہمیشہ امیرا خالد کو "اے میرے والد" کہہ کر پکارتا۔ والی میدان کو درست کر کے گھوڑے جمع کرتا اور لڑکے کو لڑائی کا فن' نیزہ بازی اور شمشیر زنی کے کرتب سکھاتا یہاں تک کہ وہ شہہ سواری اور سپہ گری میں ماہر ہو گیا اور اس کی عمر چودہ سال ہو گئی اور امارت کے درجے کو پہنچا۔
اب ایسا اتفاق ہوا کہ اصلان اور احمد قماقم سراق کا ایک دن ساتھ ہو گیا اور دونوں دوست بن گئے اور ساتھ ساتھ مئے خانے پہنچے۔ وہاں احمد قماقم سراق نے وہ ہیرے کی قندیل نکالی جو اس نے خلیفہ کے سامان کے ساتھ چرائی تھی اور اسے سامنے رکھ کر اس کی روشنی میں شراب پینی شروع کی۔ یہاں تک کہ بدمست ہو گیا۔ اصلان نے کہا کہ

اے چودھری! یہ قندیل مجھے دے دے۔ اس نے جواب دیا کہ اسے میں تجھے نہیں دے سکتا۔ اصلان نے پوچھا کہ کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ اس کی وجہ سے کئی جانیں جا چکی ہیں۔ اصلان نے پوچھا کہ کس کس کی جان گئی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک شخص جو یہاں آیا ہوا تھا اور ساٹھ سرداروں کا سپہ سالار بنایا گیا تھا اس کا نام علاؤالدین ابوالشامات تھا۔ وہ اسی قندیل کی وجہ سے مارا گیا ہے۔ لڑکے نے کہا کہ وہ کیا قصہ ہے اور وہ کس طرح مارا گیا؟ قماقم بولا' تیرا ایک بھائی جنطلم بظاظہ تھا۔ جب وہ سولہ برس کا ہوا اور شادی کے قابل ہو گیا تو اس نے اپنے باپ سے کہا کہ میرے لیے ایک کنیز خرید دے اور اس نے ساری داستان اول سے لے کر آخر تک کہہ سنائی۔ اصلان نے اپنے دل میں کہا کہ ہو نہ ہو یہ کنیز میری ماں یاسمین ہے اور علاؤالدین ابوالشامات ہی میرا باپ ہے۔ اب وہ غمگین ہو کر اس کے پاس سے روانہ ہوا۔ خدا کی قدرت راستے میں احمد دنف سے اس کا آمنا سامنا ہو گیا۔ جونہی احمد دنف کی نظر اس پر پڑی وہ کہنے لگا کہ پاک ہے وہ ذات جس کی کوئی شبیہ نہیں۔ حسن شومان نے پوچھا کہ تو' کس چیز پر تعجب کر رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس لڑکے اصلان کی صورت پر کیونکہ وہ علاؤالدین ابوالشامات سے بے حد مشابہ ہے۔ ساتھ ہی احمد دنف نے پکارا کہ یااصلان! اور اصلان نے جواب دیا۔ اس نے پوچھا کہ تیری ماں کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ اسے کنیز یاسمین کہتے ہیں۔ احمد دنف نے کہا کہ اے اصلان خوش ہو کہ تیرا باپ سوائے علاؤالدین ابوالشامات کے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ لیکن بیٹا اپنی ماں کے پاس جا کر پوچھ کہ تیرا باپ کون ہے؟ وہ ماں کے پاس گیا اور اس سے پوچھا۔ ماں نے کہا کہ تیرا باپ امیر خالد ہے۔ اس نے کہا کہ میرا باپ بجز علاؤ الدین ابوالشامات کے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا یہ سن کر اس کی ماں رونے لگی اور اس سے کہا کہ بیٹا یہ تجھ سے کس نے کہا؟ لڑکے نے کہا کہ سردار احمد دنف نے۔ اس پر ماں نے اسے سارا قصہ بیان کر دیا اور کہا کہ بیٹا سچ ظاہر ہو گیا اور باطل پوشیدہ ہو گیا۔ تیرا باپ واقعی علاؤالدین ابوالشامات ہے مگر تیری تربیت محض امیر

خالد کے ہاتھ سے ہوئی ہے اس نے تجھے اپنا بیٹا بنا کر رکھا ہے۔ بیٹا اگر تیری ملاقات احمد دنف سے ہو تو اس سے کہیو کہ اے سردار خدا کے واسطے میرے باپ علاؤالدین ابوالشامات کا بدلہ اس کے قاتل سے لے۔ یہ سنتے ہی وہ اپنی ماں کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو چھیاسٹھ ویں رات

جب دو سو چھیاسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ اصلان اپنی ماں کے پاس سے روانہ ہو کر سردار احمد دنف کے پاس پہنچا' اس کے ہاتھ چومے۔ سردار نے پوچھا اصلان کیا خبر لایا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے تحقیق کے ساتھ معلوم ہو چکا ہے کہ میرا باپ علاؤالدین ابوالشامات ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تو اس کا بدلہ قاتل سے لے۔ اس نے دریافت کیا کہ تیرے باپ کا قاتل کون ہے؟ وہ بولا کہ احمد قماقم سراق۔ احمد دنف نے پوچھا کہ تجھ سے یہ کس نے کہا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے وہ ہیرے کی قندیل اس کے پاس دیکھی ہے جو خلیفہ کے سامان میں سے کھو گئی ہے۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ یہ قندیل مجھے دے دے لیکن اس نے انکار کیا اور کہا کہ اس کی بدولت کتنی جانیں گئی ہیں۔ اس نے مجھ سے بیان کیا کہ اسی نے اندر جا کر چیزیں چرائی تھیں اور انہیں میرے باپ کے گھر میں چھپا دیا تھا۔ احمد دنف نے کہا کہ جب تو دیکھے امیر خالد جنگی لباس پہن رہا ہے تو اس سے کہیو کہ مجھے بھی اپنا لباس پہنا دے۔ پھر جب تو اس کے ساتھ نکل کر امیرالمومنین کے سامنے کوئی بہادری کا کرتب دکھائے گا خلیفہ تجھے کہے گا کہ اصلان مانگ کیا مانگتا ہے؟ تو کہیو کہ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے باپ کا بدلہ اس کے قاتل سے لے۔ وہ کہے گا کہ تیرا باپ تو زندہ ہے اور وہ والی امیر خالد ہے تو عرض کیجیو نہیں میرا باپ علاؤالدین ابوالشامات ہے اور والی خالد کا حق محض اتنا ہے کہ اس نے میری تربیت کی ہے۔ اس کے بعد تو خلیفہ کو وہ تمام باتیں سنا دیجیو جو تیرے اور احمد قماقم سراق کے درمیان پیش آئیں اور کہیو کہ اے امیرالمومنین تو اس کی تلاشی کا حکم دے دے' میں قندیل کو اس کی جیب سے نکال دوں گا۔ اصلان نے کہا کہ بسرو چشم۔

اب اصلان وہاں سے گھر آیا تو دیکھا کہ امیر خالد دربار میں جانے کی تیاری کر رہا ہے اور اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے بھی جنگی وردی پہنا کر اپنے ساتھ خلیفہ کے حضور میں لے چل۔ خالد اسے وردی پہنا کر دربار لے گیا اور خلیفہ لشکر کے ساتھ باہر نکلا۔ خیمے اور شامیانے لگائے گئے۔ لشکر صف بستہ کھڑا ہوا اور لوگ گیند اور بلا لے کر نکلے۔ ایک سوار گیند کو بلے سے مارتا اور دوسرا سوار اسے لوٹاتا۔ لشکر میں ایک جاسوس تھا۔ جس سے خلیفہ کے قتل کرنے کی سازش کی گئی تھی۔ اس نے گیند لے کر بلے سے اس طرح ماری کہ وہ ٹھیک خلیفہ کے چہرے کی طرف چلی۔ اصلان نے گیند کو فوراً خلیفہ کی طرف سے روک لیا اور پھینکنے والے کی طرف اس زور سے ماری کے وہ اس کے دونوں کندھوں کے بیچ میں پڑی اور وہ زمین پر گر پڑا۔ خلیفہ نے کہا کہ اصلان خدا تجھے برکت دے! اب لوگ گھوڑوں سے اتر کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ خلیفہ نے اس شخص کو طلب کیا جس نے گیند ماری تھی۔ جب وہ حاضر ہوا تو خلیفہ نے پوچھا کہ تجھے کس نے اس کام کے لیے آمادہ کیا تھا اور تو دشمن ہے یا دوست؟ اس نے کہا کہ میں دشمن ہوں اور تیرے مارنے کی فکر میں تھا۔ خلیفہ نے پوچھا کہ کیا سبب؟ کیا تو مسلمان نہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں' میں رافضی ہوں۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا اور اصلان سے کہا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میں یہ مانگتا ہوں کہ تو میرے باپ کا بدلہ اس کے قاتل سے لے۔ خلیفہ نے کہا کہ تیرا باپ تو زندہ ہے اور وہ کیا کھڑا ہوا ہے۔ اصلان نے پوچھا کہ امیرالمومنین تو کسے میرا باپ سمجھتا ہے۔ خلیفہ بولا امیر خالد کو جو کہ والی ہے۔ لڑکے نے کہا اسے میری تربیت کی بنا پر میرا باپ کہہ سکتے ہیں لیکن میرا اصلی باپ تو علاؤالدین ابوالشامات ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ تیرا باپ خائن تھا۔ اس نے جواب دیا امیرالمومنین کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ امین خائن ہو! آخر اس نے تیری کیا خیانت کی؟ خلیفہ نے فرمایا کہ اس نے میری پوشاک اور اس کے ساتھ جتنی چیزیں تھیں' چرا لیں۔ لڑکے نے کہا کہ یہ ناممکن ہے اے امیرالمومنین کہ میرے باپ نے خیانت کی

ہو۔ لیکن اے میرے آقا جب تیری پوشاک چوری کی گئی اور پھر مل گئی تو کیا قندیل بھی مل گئی؟ خلیفہ بولا وہ تو نہیں ملی۔ لڑکے نے کہا کہ میں نے اسے احمد قماقم کے پاس دیکھا ہے۔ میں نے اس سے وہ قندیل مانگی تھی اس نے نہیں دی اور مجھ سے کہا کہ اس کی بدولت کئی جانیں جا چکی ہیں۔ اس نے مجھ سے امیرا خالد کے بیٹے جنطلم بظاظہ کی بیماری کا حال بیان کیا کہ وہ کنیز یاسمین پر عاشق تھا اور یہ کہ وہ خود کس طرح قید سے چھٹا اور اس نے کس طرح پوشاک اور قندیل چرائی۔ اے امیرالمومنین میرے باپ کا بدلہ اس کے قاتل سے لے۔

خلیفہ نے احمد قماقم کی گرفتاری کا حکم دے دیا اور لوگ اسے پکڑ لائے۔ خلیفہ نے کہا کہ سردار احمد دنف کہاں ہے؟ جب وہ حاضر ہوا تو خلیفہ نے اس کو حکم دیا کہ قماقم کا جھاڑا لے۔ اس نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ہیرے کی قندیل نکال لی۔ خلیفہ نے کہا کہ اے خائن ادھر آ اور بتا کہ تجھے یہ قندیل کہاں سے ملی؟ وہ کہنے لگا کہ امیرالمومنین میں نے یہ خریدی ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ کہاں سے خریدی ہے۔ اور کس کے پاس ایسی قندیل ہو سکتی ہے کہ وہ اسے بیچے۔ اب اس پر مار پڑی اور اس نے اقرار کر لیا کہ میں نے ہی پوشاک اور قندیل چرائی تھی۔ خلیفہ نے کہا کہ اے خائن تو نے ایسا کام کیوں کیا جس سے معتمد اور امین علاؤالدین ابوالشامات کی جان گئی۔

اس کے بعد خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے اور والی دونوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ والی نے عرض کیا امیرالمومنین میں مظلوم ہوں کیونکہ تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اسے پھانسی دے دوں اور اس چال کی مجھے خبر نہ تھی۔ یہ سازش بڑھیا اور احمد قماقم اور میری بیوی کی تھی جس کا مجھے بالکل علم نہ تھا۔ اصلان میں تیری پناہ میں ہوں۔ اصلان نے خلیفہ سے اس کی سفارش کی۔ اس کے بعد خلیفہ نے پوچھا کہ اس جوان کی ماں کا کیا حال ہے؟ والی نے کہا کہ وہ میرے ہاں ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اپنی بیوی سے کہہ کر اس کے کپڑے اور زیور اسے پہنا دے اور اس کا مال اور

کھانے پینے کی چیزیں اس کے بیٹے کے حوالے کر دے۔ حکم پاتے ہی والی اپنے گھر گیا اور اپنی بیوی سے کہہ کر لڑکی کو اس کے کپڑے پہنا دیئے۔ علاؤالدین کے مکان کی مہر توڑ دی اور کنجیاں اصلان کے حوالے کر دیں۔

اس کے بعد خلیفہ نے کہا کہ اے اصلان مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں یہ مانگتا ہوں کہ تو مجھے میرے باپ سے ملا دے۔ یہ سن کر خلیفہ رونے لگا اور اس نے کہا کہ وہ غالباً پھانسی پر مر گیا لیکن میں اپنے بزرگوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو شخص مجھے یہ خبر دے کہ وہ زندہ ہے تو وہ جو کچھ مانگے گا میں اسے دوں گا۔ اب احمد دنف آگے بڑھا۔ خلیفہ کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ اے امیرالمومنین میری جان بخشی ہو۔ اس نے کہا کہ تیری جان بخشی گئی۔ احمد دنف نے کہا کہ میں تجھے یہ خوشخبری دیتا ہوں کہ معتمد و امین علاؤالدین ابوالشامات زندہ اور خوشحال ہے۔

خلیفہ نے کہا کہ تو کیا کہتا ہے! اس نے جواب دیا کہ تیرے سر کی قسم میں سچ کہتا ہوں۔ میں نے اس کے بدلے ایک دوسرے شخص کو پھانسی دلوا دی تھی جو قتل کا مستحق ہو چکا تھا۔ علاؤالدین کو لے جا کر میں نے اسکندریہ میں کباڑ خانے کی دوکان کھلوا دی ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اسے لے کر آ۔

اور اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو سڑسٹھ ویں رات

جب دو سو سڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ نے احمد دنف سے کہا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ جا کر اسے لے آ اور اسے دس ہزار دینار عنایت کیے اور وہ اسکندریہ روانہ ہو گیا۔

اصلان کا قصہ تو یہ ہوا' اب اس کے باپ علاؤالدین ابوالشامات کی سنئے۔ اس نے اپنی دوکان کا قریب قریب سب مال بیچ ڈالا۔ ٹوٹی پھوٹی تھوڑی سی چیزیں اور ایک چمڑے کا تھیلا باقی رہ گیا۔ بیٹھے بیٹھے ایک دن جو خیال آیا تو تھیلا کھولا۔ اس میں ایک نگ نکلا جو ہتھیلی کے برابر تھا۔ سونے کی زنجیر میں بندھا ہوا۔ پانچ پہل کا اس پر اسما اور طلسم کندہ تھا۔ گویا چیونٹی کے چلنے کے نشان ہیں۔ اس نے ایک ایک کر کے پانچوں رخ رگڑے لیکن کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ سوچا کہ شاید وہ سلیمانی پتھر کا نگ ہے اور اسے دوکان میں لٹکا دیا۔ اتنے میں ادھر سے ایک قنصل گزرا۔ وہ نگ کو لٹکتے ہوئے دیکھ کر دوکان پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا! کیا یہ نگ بکاؤ ہے؟ علاؤالدین بولا میرے پاس جتنی چیزیں ہیں سب بکاؤ ہیں۔ اس نے کہا کہ کیا تو' اسے میرے ہاتھ اسی ہزار دینار کو بیچے گا؟ علاؤالدین اس کی صورت دیکھنے لگا اور منہ سے صرف اتنا بولا کہ پھر خدا نے شروعات کر دی ہے۔ قنصل نے کہا کہ کیا تو' اسے ایک لاکھ دینار میں بیچے گا؟ علاؤالدین بولا ہاں میں ایک لاکھ دینار میں بیچتا ہوں۔ لا مجھے دینار دے۔ قنصل نے کہا کہ یہ ممکن نہیں کہ میں اتنے دام اپنے ساتھ لیے پھروں کیونکہ اسکندریہ میں چور بھی ہیں اور کوتوال بھی۔ تو میرے ساتھ میرے جہاز پر چل میں تجھے اس کی قیمت دوں گا۔ دیناروں کے علاوہ ایک گانٹھ انگورہ کے اونی کپڑوں کی' ایک اطلس' ایک مخمل کی اور ایک بقچہ لبادوں کا بھی۔ علاؤالدین نے وہ نگ اس کے حوالے کیا اور دوکان میں قفل ڈالا اور کنجیاں اپنے پڑوسی کو دے کر کہا کہ یہ کنجیاں اپنے پاس بطور امانت

رکھ۔ میں اس قنصل کے ساتھ جہاز تک جا کر اپنے تنگ کے دام لے آؤں۔ اگر میرے آنے میں دیر ہو اور احمد دنف یہاں آ جائے جس نے مجھے اس دوکان پر رکھا ہے تو اسے کنجیاں دے دیجیو اور کہہ دیجیو کہ میں کہاں گیا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ قنصل کے ساتھ جہاز کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاز میں پہنچ کر قنصل نے اس کے لیے ایک کرسی بچھوائی اسے بٹھایا اور دیناروں کی تھیلیاں نکلوائیں۔ دینار گنے جا چکے اور حسب وعدہ پانچوں گانٹھیں بھی آ گئیں تو اس نے کہا کہ اے میرے آقا ایک لقمہ کھا کر اور ایک گھونٹ پی کر مجھے عزت بخش۔ علاؤالدین نے کہا کہ اگر تیرے پاس پانی ہو تو مجھے پلا دے۔ قنصل نے شربت منگوائے۔ شربت جو آئے تو ان میں بھنگ ملی ہوئی تھی۔ پیتے ہی علاؤالدین چت ہو گیا۔ فوراً کرسیاں ہٹا لی گئیں۔ چپو پانی میں ڈال اور بادبان کھول دیئے۔ ہوا موافق تھی اس لیے جہاز جلد سمندر کے بیچ میں پہنچ گیا۔ اب کپتان نے حکم دیا کہ علاؤالدین کو کوٹھڑی کے اندر سے نکالا جائے۔ لوگوں نے اسے نکال کر بھنگ کا توڑ سونگھایا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور پوچھا کہ میں کہاں ہوں؟ قنصل نے کہا کہ میرے پاس بطور امانت کے۔ اگر تو دوبارہ کہتا کہ خدا نے شروعات کر دی ہے تو میں اور زیادہ قیمت بڑھا دیتا۔ علاؤالدین نے پوچھا کہ تو کیا کام کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں کپتان ہوں اور چاہتا ہوں کہ تجھے اپنی محبوبہ کے پاس لے چلوں۔

یہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ انہیں ایک کشتی دکھائی دی جس میں چالیس مسلمان تاجر تھے۔ کپتان نے اپنا جہاز ان کے پیچھے ڈال دیا اور کانٹے پھینک کر ان کی کشتی کو پھانس لیا۔ کپتان اور اس کے ساتھی اس میں اتر گئے اور انہیں لوٹا اور گرفتار کر کے جنوا کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ کپتان جس کے ساتھ علاؤالدین تھا' ایک محل کے چور دروازے پر پہنچے۔ وہاں ایک لڑکی نقاب ڈالے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کہا کہ کیا تو وہ تنگ اور اس کے مالک کو لے آیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں دونوں کو لے آیا ہوں۔ لڑکی نے کہا تنگ لا۔ کپتان اسے تنگ دے کر بندرگاہ کی طرف گیا اور سلامتی

کی توپیں داغیں۔ بادشاہ کو معلوم ہو گیا کہ کپتان آ گیا ہے۔ وہ اس سے ملنے نکلا اور پوچھا کہ سفر کیسا گزرا؟

اس نے جواب دیا کہ بہت اچھا اور میرے ہاتھ ایک کشتی لگی جس میں اکتالیس مسلمان تاجر تھے۔ بادشاہ نے کہا کہ انہیں بندرگاہ میں اتار اور اس نے انہیں بیڑیاں ڈال کے اتار دیا۔ ان میں علاؤالدین بھی تھا۔ پھر بادشاہ اور کپتان سوار ہوئے اور قیدیوں کو اپنے آگے آگے چلایا۔ یہاں تک کہ وہ دربار میں پہنچ گئے۔ وہاں بیٹھ کر قیدیوں کو پیش کرنے کا حکم ہوا۔ ایک قیدی پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اے مسلمان تو کہاں سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اسکندریہ سے۔ بادشاہ نے کہا کہ اے جلاد اسے قتل کر دے۔ جلاد نے تلوار کا ہاتھ مار کر اس کی گردن اڑا دی۔ پھر دوسرے کا یہی حشر اور پھر تیسرے کا۔ یہاں تک کہ چالیس قتل ہو چکے۔ علاؤالدین آخری تھا۔ اس نے سب کو قتل ہوتے دیکھا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ رحمت ہو اللہ کی تجھ پر اے علاؤالدین اب تیری زندگی ختم ہو چکی۔ بادشاہ نے اس سے بھی پوچھا کہ تو کس ملک سے آیا ہے؟ اس نے کہا کہ اسکندریہ سے۔ بادشاہ نے کہا کہ اے جلاد اس کی بھی گردن اڑا دے۔ جلاد نے تلوار اٹھائی اور چاہتا ہی تھا کہ علاؤالدین کی گردن اڑا دے کہ اتنے میں ایک باوقار بڑھیا بادشاہ کے پاس پہنچی اور وہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ بڑھیا نے کہا کہ میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ جب کپتان قیدی لے کر آئے تو ایک یا دو قیدی وزیر کے حوالے کیجیو تاکہ وہ گرجا میں خدمت کریں؟ بادشاہ نے کہا کہ والدہ کاش تو ذرا پہلے آ گئی ہوتی! اب ایک قیدی باقی رہ گیا ہے اسے لے جا۔ بڑھیا نے علاؤالدین کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کیا تو گرجا کی خدمت کرنا چاہتا ہے یا میں بادشاہ کو گردن اڑا دینے دوں؟ اس نے جواب دیا کہ میں گرجا کی خدمت کروں گا۔

اب بڑھیا علاؤالدین کو لے کر دربار سے چل دی اور دیر میں پہنچی۔ علاؤالدین نے اس سے پوچھا کہ میں کون سے خدمت انجام دوں گا؟ بڑھیا نے کہا کہ جب تو صبح کو

اٹھے تو پانچ خچروں کو لے کر جنگل میں جائیو وہاں سے سوکھی لکڑیاں توڑ کر اور ان کو چھوٹی چھوٹی کر کے دیر کے باورچی خانے میں پہنچائیو۔ اس کے بعد تو فرش کو اٹھا کر پتھر اور مرمر کو جھاڑیو پونچھیو اور پھر فرش کو پہلے کی طرح بچھا دیجیو۔ ان کاموں سے فارغ ہو جائے تو دو من گیہوں لے کر انہیں صاف کیجیو' پیسیو اور گوندھیو اور دیر کے لیے بسکٹ بنائیو پھر تیس سیر مسور لے کر اسے چنیو' کوٹیو اور پکائیو۔ یہ بھی کر چکے تو چاروں حوضوں میں پانی بھریو اور ڈولوں میں پانی لے جا کر تین سو چھیاسٹھ پیالے بھریو۔ ان میں بسکٹوں کو چورا کر کے ڈال دیجیو اوپر سے مسور کی دال بھر دیجیو اور ہر راہب اور پادری کو اس کا پیالہ دے آئیو۔ علاؤالدین نے کہا کہ مجھے بادشاہ کو واپس دے آ کہ وہ مجھے قتل کر دے اس لیے کہ موت اس خدمت سے زیادہ آسان ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ اگر تو اچھی طرح وہ خدمت کرے گا جو تیرے سپرد کی گئی ہے تو میں تجھے قتل نہ ہونے دوں گی اور اگر کوتاہی کرے گا تو میں بادشاہ سے کہوں گی کہ وہ تجھے قتل کر دے۔ اس پر علاؤالدین غمگین ہو کر بیٹھ گیا۔ دیر کے اندر دس اندھے لولے لنگڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ مجھے پاخانہ پھرنے کا پاٹ لا دے۔ جب وہ اسے لایا تو اندھے نے اس میں پاخانہ پھرا اور کہا کہ جا کر پاخانہ پھینک آ۔ جب وہ پھینک آیا۔ اندھے نے کہا کہ اے دیر کے خادمو' مسیح تمہیں برکت دے' اتنے میں بڑھیا آ پہنچی اور اس نے کہا کہ تو نے دیر کی خدمت کیوں انجام نہیں دی؟ علاؤالدین نے کہا کہ آخر میرے کتنے ہاتھ ہیں کہ میں یہ تمام خدمتیں انجام دوں! بڑھیا نے کہا کہ اے پاگل میں تو تجھے محض خدمت کے لیے لائی ہوں۔ اس کے بعد بڑھیا نے اسے ایک پیتل کی چھڑی دی جس کے سرے پر صلیب تھی اور اس نے کہا کہ بیٹا اسے لے کر سڑک پر جا اور جب تو شہر کے والی کو دیکھیو تو کہیو کہ میں پروردگار مسیح کے نام پر تجھے دیر کی خدمت کے لیے بلاتا ہوں۔ وہ تیری مخالفت ہرگز نہ کرے گا اور اس سے کہیو کہ گیہوں کو صاف کرے اور پیسے اور چھانے اور گوندھ کر بسکٹ بنائے۔ جو کوئی تیرا کہنا نہ مانے اسے اس ڈنڈے سے ماریو اور کسی سے مت

ڈریو۔ چنانچہ وہ اس کے کہنے کے موافق کرتا رہا۔ سترہ سال تک ہر چھوٹے بڑے سے اس نے کام لیا۔

اس دن وہ دیر میں بیٹھا ہوا تھا۔ بڑھیا اس کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ دیر کے باہر جا۔ اس نے پوچھا کہ کہاں جاؤں؟ بڑھیا نے کہا کہ آج رات ہوٹل میں یا کسی اپنے دوست کے ساتھ گزار۔ اس نے پوچھا کہ آخر تو مجھے دیر سے کیوں نکال رہی ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ اس ملک کے حکمران یوحنا کی بیٹی حسن مریم دیر کی زیارت کے لیے آئے گی اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے راستے میں کوئی غیر ہو۔ علاؤالدین اس کے حکم کی تعمیل میں کھڑا ہو گیا اور بڑھیا پر یہ ظاہر کیا کہ وہ دیر کے باہر جا رہا ہے مگر اپنے دل میں کہنے لگا کہ دیکھنا تو چاہیے کہ بادشاہ کی بیٹی ہماری ہی عورتوں کی طرح ہے یا ان سے زیادہ خوبصورت۔ میں جب تک اسے دیکھ نہ لوں' یہاں سے نہیں ٹلوں گا۔ یہ ٹھان کر وہ ایک کمرے میں چھپ گیا جس کی کھڑکی دیر کی طرف تھی۔ وہ دیر کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ شہزادی آ پہنچی۔ علاؤالدین کی نظر جو اس پر پڑی تو اس کے ہوش سے اڑنے لگے۔ اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادل کے نیچے سے چاند نکل آیا۔ یہی نہیں کہ وہ شہزادی کو دیکھ کر بھونچکا ہو گیا بلکہ اس کے ساتھ ایک اور لڑکی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

دو سو اڑسٹھ ویں رات

دو سو اڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب علاؤالدین کی نظر شہزادی پر پڑی تو دیکھا کہ اس کے ساتھ ایک اور لڑکی ہے اور شہزادی اس سے کہہ رہی ہے کہ زبیدہ تیری وجہ سے میرا دل بہت بہلتا ہے۔ علاؤالدین نے اس لڑکی کی طرف غور کیا تو وہ اس کی بیوی زبیدہ عودیہ تھی جس کو مرے ہوئے عرصہ ہو چکا تھا۔ پھر شہزادی نے زبیدہ سے کہا کہ ذرا ایک راگ تو سنا دے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس وقت تک تجھے کوئی راگ نہ سناؤں گی جب تک تو میرا مقصد پورا نہ کر دے اور جو کچھ تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے' اسے وفا نہ کرے۔ شہزادی نے پوچھا کہ میں نے تجھ سے کیا وعدہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تو نے وعدہ کیا ہے کہ مجھے میرے شوہر علاؤالدین ابوالشامات سے ملا دے گی۔ شہزادی بولی خوش ہو اور اپنے شوہر علاؤالدین کے ملنے کی خوشی میں راگ کی مٹھائی کھلا۔ اس نے کہا کہ وہ کہاں ہے؟ شہزادی نے جواب دیا اس کمرے میں وہ ہماری باتیں سن رہا ہے۔ یہ سن کر زبیدہ نے ایک ایسا راگ بجایا کہ در و دیوار رقص کرنے لگے۔

علاؤالدین بے چین ہو گیا اور کمرے سے نکل کر ان دونوں کی طرف دوڑا اور اپنی بیوی زبیدہ عودیہ سے لپٹ گیا۔ زبیدہ نے بھی اسے پہچان لیا۔ دونوں گلے ملے اور غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ حسن مریم نے آگے بڑھ کر دونوں پر گلاب کا عرق چھڑکا اور انہیں ہوش میں لا کر کہا کہ خدا نے تم دونوں کو ملا دیا ہے۔ علاؤالدین نے کہا کہ اے میری آقا یہ تیری محبت کی وجہ سے ہوا۔ اب علاؤالدین نے اپنی بیوی زبیدہ عودیہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے زبیدہ تو' تو مر چکی تھی اور ہم تجھے دفن کر چکے تھے۔ یہ کیا معاملہ ہے تو کس طرح زندہ ہو کر یہاں آ گئی؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا میں مری نہ تھی بلکہ ایک جن مجھے چرا کر یہاں لے آیا تھا اور جسے

تم نے دفن کیا تھا وہ ایک پری تھی جو میری صورت اختیار کر کے مردہ بن گئی تھی۔ جب لوگ اسے دفن کر چکے تو وہ قبر توڑ کر نکل گئی اور اپنی مالکہ حسن مریم بادشاہ زادی کے پاس چلی آئی۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میں شہزادی حسن مریم کے پاس ہوں اور وہ یہ ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو مجھے یہاں کیوں لائی ہے۔ اس نے کہا کہ میری قسمت میں تیرے شوہر علاؤ الدین ابوالشامات کے ساتھ شادی کرنا لکھا ہے۔ اے زبیدہ کیا تو اس بات پر راضی ہے کہ میں تیری سوکن بن کر رہوں اور ایک رات میری ہو اور ایک تیری؟ میں نے اس بات کو مان کر کہا لیکن میرا شوہر ہے کہاں؟ شہزادی بولی اس کی تقدیر اس کے ماتھے پر لکھی ہے اور چونکہ قسمت کا لکھا ہوا ہو کر رہتا ہے اس لیے اس کا یہاں آنا ضروری ہے۔ پھر شہزادی کہنے لگی کہ جس وقت تک اللہ ہمیں اس سے ملائے' ہم اس کی جدائی میں گانے بجانے اسے اپنے آپ کو تسکین دیں گے۔ اس لیے میں اتنی مدت تک اس کے پاس ٹھہری رہی۔ آخر کار اس دیر میں خدا نے مجھے تجھ سے ملا دیا۔

اب حسن مریم نے علاؤالدین کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے میرے آقا کیا تجھے منظور ہے کہ میں تیری بیوی بنوں اور تو میرا شوہر؟ اس نے جواب دیا کہ میری آقا میں مسلمان ہوں اور تو عیسائی۔ میں تیرے ساتھ کس طرح شادی کر سکتا ہوں! وہ بولی کہ خدا نہ کرے کہ میں کافر ہوں۔ میں تو مسلمان ہوں۔ اٹھارہ سال ہوئے کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اسلام کے سوا اور کسی دین کی میں قائل نہیں۔ علاؤالدین نے کہا کہ اے میری آقا میری خواہش ہے کہ میں اپنے وطن جاؤں۔ شہزادی نے کہا کہ میں تیرے ماتھے پر چند باتیں لکھی ہوئی دیکھ رہی ہوں۔ پہلے ان کا پورا کرنا ضروری ہے۔ قبل اس کے کہ یہ تیری خواہش پوری ہو اور مبارک ہو علاؤالدین کہ تیرا ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جس کا نام اصلان ہے اور اس وقت خلیفہ کے دربار میں تیرے مرتبے پر بیٹھا ہے۔ وہ اٹھارہ سال کا ہو چکا ہے اور یہ بھی سن کہ سچائی ظاہر ہو گئی ہے اور جھوٹ کا پردہ فاش ہو گیا ہے اور ہمارے پروردگار نے اس شخص کی پردہ دری

کر دی ہے جس نے سلطان کی چیزیں چرائی تھیں۔ وہ چور اور خائن احمد قماقم ہے اور وہ اس وقت قید خانے میں بیڑیوں سے جکڑا پڑا ہے اور یہ بھی سن لے کہ وہ نگ میں نے تیرے پاس بھیج کر اس تھیلے میں ڈلوا دیا تھا جو دوکان میں تھا اور میں نے کپتان کو تیرے پاس بھیجا تھا جو تجھے اور نگ کو لے آیا ہے اور یہ بھی سن کہ کپتان میرا عاشق ہے اور میرے وصال کا خواہش مند ہے۔ مگر میں نے اسے ہاتھ نہیں لگانے دیا بلکہ اس سے کہا کہ میں اس وقت تک تجھے ہاتھ نہ لگانے دوں گی جب تک کہ تو اس نگ اور اس کے مالک کو نہ لے آئے اور میں نے اسے سو تھیلیاں دیناروں کی دیں اور اسے تاجر کے بھیس میں بھیجا حالانکہ وہ کپتان ہے اور جب چالیس قیدیوں کے قتل ہونے کے بعد تو قتل کے لیے پیش کیا گیا تو میں نے ہی اس بڑھیا کو تیرے پاس بھیجا تھا۔ علاؤالدین نے کہا کہ تیری ساری نیکیوں اور بھلائیوں کا بدلہ خدا اچھا دے!

اس کے بعد حسن مریم نے علاؤالدین کے ہاتھ پر اپنا اسلام تازہ کیا اور اس کو شہزادی کی راست گوئی کا یقین آ گیا تو اس نے پوچھا کہ اس نگ میں کیا کرامتیں ہیں اور یہ کہاں سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ نگ ایک جادو کے ذخیرے میں سے ملا ہے اور اس میں پانچ کرامتیں ہیں جن سے ہم ضرورت کے وقت فائدہ اٹھاتے ہیں۔ میری دادی، میرے باپ کی ماں، جادوگرنی تھی جو غیب کی باتیں بتاتی اور پوشیدہ خزانوں کا پتہ لگا لیتی تھی۔ یہ نگ اس کے ہاتھ لگا تھا۔ جب میں چودہ سال کی تھی تو میں نے انجیل اور دوسری الہامی کتابیں پڑھیں اور چاروں کتابوں توریت، انجیل، زبور اور قرآن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دیکھا تو میں محمد پر ایمان لا کر مسلمان ہو گئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ خدا کے سوا دوسرے کی پرستش ناواجب ہے اور یہ کہ پروردگار اسلام کے سوا اور کسی مذہب سے خوش نہیں۔ جب میری دادی عمر کے آخری مرحلے پر پہنچی تو اس نے یہ نگ مجھے دے دیا اور اس کی پانچوں کرامتیں مجھے سکھا دیں۔ میری دادی کے مرنے سے پہلے میرے باپ نے کہا کہ رمل کا زائچہ بنا اور بتایا کہ

میرا انجام کیا ہونے والا ہے اور میری قسمت میں کیا لکھا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تو ایک قیدی کے ہاتھ سے قتل ہو گا جو اسکندریہ سے آئے گا۔ اس پر میرے باپ نے قسم کھائی کہ میں وہاں کے تمام قیدیوں کو قتل کر دوں گا۔ یہی اس نے کپتان سے بیان کیا اور کہا کہ تو مسلمانوں کے جہازوں پر ضرور حملہ کیجیو اور انہیں گرفتار کیجیو اور جو کوئی اسکندریہ کا ہو' اسے قتل کر دیجیو یا میرے پاس لے آئیو۔ کپتان نے اس کی تعمیل کی اور اتنے لوگ قتل کر چکا ہے جتنے اس کے سر پر بال ہیں۔ اس کے بعد میری دادی کا انتقال ہو گیا۔ میں نے رمل کے ذریعے سے دریافت کیا کہ میں کس کے ساتھ شادی کروں گی؟ جواب یہ آیا کہ میں ایک ایسے شخص سے شادی کروں گی جس کا نام معتمد اور امین علاؤالدین ابوالشامات ہو گا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں برابر انتظار کرتی رہی یہاں تک کہ زمانے نے مجھے تجھ سے ملا دیا۔

غرض کہ علاؤالدین نے اس کے ساتھ شادی کر لی اور اس سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میں وطن جاؤں۔ شہزادی بولی اگر یہی تیرا حکم ہے تو اٹھ اور میرے ساتھ چل۔ اس نے اسے لے جا کر ایک کمرے میں چھپا دیا جو محل کے اندر تھا اور خود اپنے باپ کے پاس گئی۔ باپ نے کہا کہ بیٹی آج مجھے بڑی گھبراہٹ ہے بیٹھ جا کہ ہم دونوں شراب پئیں۔ شہزادی بیٹھ گئی اور اس نے مئے نوشی کا سامان منگوایا اور جام بھر بھر کر باپ کو پلانے لگی حتیٰ کہ وہ بے ہوش ہونے لگا۔ پھر اس نے ایک جام میں بھنگ ملا دی۔ وہ پیتے ہی غافل ہو کر گر پڑا۔ اب اس نے کمرے میں جا کر علاؤالدین کو نکالا اور کہنے لگی کہ اٹھ اور چل اور چل تیرا دشمن نشے میں مغلوب ہو چکا ہے۔ علاؤالدین بادشاہ کے پاس گیا تو اسے نشے میں چور پایا۔ اس کی مشکیں خوب زور سے کس دیں اور بیڑیاں ڈال کر بھنگ کا توڑ پلایا۔ اسے ہوش آ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو انہترویں رات

جب دو سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ علاؤالدین نے حسن مریم کے باپ بادشاہ کو بھنگ کا توڑ دیا اور اسے ہوش آ گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی بیٹی اور علاؤالدین اس کے سینے پر سوار ہیں۔ کہنے لگا کہ بیٹی تو' اور میرے ساتھ یہ حرکت! اس نے جواب دیا کہ اگر مجھے اپنی بیٹی سمجھتا ہے تو مسلمان ہو جا۔ میں مسلمان ہوں۔ حق ظاہر ہو چکا ہے' میں نے پیروی کی ہے اور باطل سے کنارہ کشی۔ میں اس خدا کی فرمانبردار ہوں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور میں دنیا اور آخرت کے بارے میں اسلام کے سوا تمام مذہبوں سے بیزار ہوں۔ اگر تو بھی اسلام قبول کر لے تو تیری جگہ میرے سر آنکھوں پر ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا کیونکہ تیرے زندہ رہنے سے تیرا مر جانا بہتر ہے۔

اس کے بعد علاؤالدین نے بھی اسے بہت سمجھایا لیکن وہ انکار کرتا رہا اور اپنی ضد پر اڑا رہا اس لیے علاؤالدین نے اپنا خنجر کھینچ کر اس کی گردن الگ کر دی اور سارے واقعات ایک کاغذ پر لکھ کر کاغذ اس کے ماتھے پر رکھ دیا اور جو چیزیں ہلکی اور قیمتی تھیں' انہیں لے کر دونوں محل سے نکلے اور دیر میں آ کر نگ نکالا اور اپنا ہاتھ اس طرف جدھر تخت بنا ہوا تھا' رگڑا۔ فوراً ایک تخت آ موجود ہوا۔ شہزادی' علاؤ الدین اور اس کی بیوی زبیدہ عودیہ تینوں اس تخت پر بیٹھ گئے۔ شہزادی نے کہا کہ اے تخت! میں تجھے ان اسما' طلسمات اور جادو کا واسطہ دیتی ہوں جو اس نگ پر کندہ ہیں کہ تو' ہمیں لے کر اڑ۔ تخت انہیں لے کر بلند ہوا اور اڑ کر ایک وادی میں پہنچا جہاں بالکل سبزہ نہ تھا۔ اب اس نے نگ کے باقی چار رخ اوپر کی طرف کیے اور تخت والا رخ نیچے کی طرف وہ زمین پر اتر آیا۔ پھر شہزادی نے نگ کا وہ رخ پھیرا جس پر شامیانے بنے ہوئے تھے اور اس پر ہاتھ مار کر کہا کہ اس وادی میں شامیانہ لگ جائے فوراً شامیانہ

لگ گیا اور اس کے اندر جا بیٹھے۔ یہ وادی بنجر تھی۔ نہ اس میں سبزہ تھا' نہ پانی۔ شہزادی نے پھر چار رخ اوپر کر کے کہا کہ خدا کے ناموں کی بدولت اس جگہ درخت اگ آئیں اور ایک دریا بہنے لگے۔ پلک جھپکتے درخت اگ آئے اور صاف شفاف پانی کا دریا لہریں مارنے لگا۔ انہوں نے اس میں وضو کیا اور نماز پڑھی اور پانی پیا۔ اب اس نے باقی تین رخوں کو الٹ پلٹ کر اوپر کی طرف کیا جس پر دسترخوان بنا ہوا تھا اور کہنے لگی کہ خدا کے ناموں کی برکت سے دسترخوان بچھ جائے معاً دسترخوان بچھ گیا جس پر بہتر سے بہتر کھانے چنے ہوئے تھے' انہوں نے کھایا پیا۔ مزے لیے اور خوش ہوئے۔

ادھر تو یہ جنگل میں منگل منا رہے تھے۔ ادھر یہ ہوا کہ بادشاہ کا بیٹا جب اپنے باپ کو جگانے گیا تو دیکھا کہ وہ مرا پڑا ہے اور اس نے وہ کاغذ پڑھا جو علاؤالدین نے لکھا تھا۔ بہت گھبرایا۔ اس نے اپنی بہن کو تلاش کیا مگر وہ نہ ملی۔ دیر میں بھاگا ہوا بڑھیا کے پاس گیا اور اس سے اپنی بہن کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں نے کل سے اسے نہیں دیکھا۔ اب وہ اپنے لشکر میں پہنچا' لوگوں سے سارا ماجرا بیان کر کے کہا کہ سوار ہو جاؤ اور وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ جہاں علاؤالدین اور شہزادی شامیانے تانے بیٹھے تھے' اسی طرف ان کا رخ تھا۔ یکایک حسن مریم کو سامنے غبار سا اٹھتا ہوا نظر آیا۔ گرد کا پردہ چاک ہوا تو اس نے دیکھا کہ اس کا بھائی لشکر لیے چلا آ رہا ہے اور سوار پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ تم بھاگ کر کہاں جاؤ گے! ہم تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ لڑکی نے علاؤالدین سے کہا کہ جنگ میں تیرے پاؤں کس طرح جمتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جیسے بھوسی میں کیلی۔ مجھے نہ لڑنا آتا ہے نہ مرنا مارنا۔ میں نہ شمشیر زنی جانتا ہوں اور نہ نیزہ بازی۔ لڑکی نے نگ نکال کر وہ رخ رگڑا جس پر گھوڑا اور سوار بنا ہوا تھا۔ رگڑنے کی دیر تھی کہ جنگل سے ایک سوار نکلا اور ان کے ساتھ لڑنے اور تلوار چلانے لگا یہاں تک کہ وہ ہار کر بھاگ گئے۔

اب شہزادی نے علاؤالدین سے پوچھا کہ تو اسکندریہ جانا چاہتا ہے یا قاہرہ۔ اس نے جواب دیا کہ اسکندریہ اور سب تخت پر سوار ہو گئے۔ لڑکی نے کوئی منتر پڑھا اور تخت

نے اڑ کر اسکندریہ کی شہر پناہ کے باہر اتار دیا۔ علاؤالدین ان کو ایک غار میں بٹھا کر شہر میں داخل ہوا اور وہاں سے کپڑے لا کر انہیں پہنائے۔ پھر انہیں ساتھ لے کر اپنی دوکان میں پہنچا جس کی پشت پر کوٹھڑی تھی۔ اس کے بعد وہ ان کے لیے شام کا کھانا لینے باہر نکلا ہی تھا کہ اسے سردار احمد دنف مل گیا جو بغداد سے آیا تھا۔ یہ ملاقات عین سڑک پر ہوئی وہ اس کے گلے سے لپٹ گیا اور سلام کیا اور مرحبا کہا۔
سردار احمد دنف نے اسے بیٹے کی مبارک باد دی اور کہا کہ اب اس کی عمر بیس سال ہے۔ علاؤالدین نے اس سے شروع سے آخر تک اپنا سارا ماجرا بیان کیا اور اسے اپنی دوکان پر لا کر کوٹھڑی میں لے گیا۔ احمد دنف کو سخت تعجب تھا کہ اس تھوڑی سی مدت میں کیا کیا واقعات گزر گئے۔
رات گزرنے کے بعد جب صبح ہوئی تو علاؤالدین نے دوکان پر پہنچ کر اس کے دام بھی اس پونجی کے ساتھ رکھ لیے جو اس کے پاس تھی۔ اس کے بعد احمد دنف نے علاؤالدین سے کہا کہ خلیفہ نے تجھے بلایا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں پہلے قاہرہ جا کر اپنے والدین اور خاندان کو سلام کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ سب تخت پر سوار ہو کر قاہرہ کے مبارک شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ دو چار دفعہ آنکھ جھپکی تھی کہ دب اصغر میں جا کر اترے۔ اسی محلے میں اس کا گھر تھا۔ علاؤالدین نے اپنے مکان پر دستک دی۔ اس کی ماں نے پوچھا کون ہے؟ میرے پیارے تو گم ہو گئے۔ اس نے جواب دیا کہ میں علاؤالدین ہوں پھر تو سب کے سب باہر آ کر اس سے بغل گیر ہونے لگے۔ بعد ازاں وہ اپنی بیویوں اور سارے سامان کو اندر لے گیا۔ احمد دنف اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ تین دن تک انہوں نے آرام کیا' چوتھے روز علاؤالدین نے بغداد جانے کی اجازت مانگی مگر اس کے باپ نے کہا کہ بیٹا اب میرے پاس ٹھہر۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اپنے بیٹے اصلان کی جدائی کی تاب نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے ماں باپ کو بھی ساتھ لیا اور بغداد روانہ ہو گیا۔
وہاں پہنچ کر احمد دنف خلیفہ کے پاس گیا اور اسے علاؤالدین کے آنے کی خوشخبری دی

ور اس کا سارا قصہ بیان کیا۔ خلیفہ اس کے بیٹے اصلان کو لے کر اس سے ملنے آیا اور سب کو گلے لگایا۔ اب خلیفہ نے احمد قماقم کو حاضر کرنے کا حکم دیا اور وہ پا بہ زنجیر سامنے لایا گیا۔ خلیفہ نے علاؤالدین سے کہا کہ لے یہ تیرا دشمن تیرے سامنے ہے۔ علاؤالدین نے تلوار کھینچ کر ایسا ہاتھ لگایا کہ احمد قماقم کی گردن اڑ گئی۔ اس کے بعد خلیفہ نے علاؤالدین کی خوشی میں جشن کیا اور قاضیوں اور گواہوں کو بلوا کر اس کا نکاح نامہ حسن مریم کے ساتھ لکھوا دیا۔ جب وہ اس سے ہم بستر ہوا تو دیکھا کہ وہ ناسفتہ موتی ہے۔ اس کے بعد خلیفہ نے اس کے بیٹے اصلان کو ساٹھ سرداروں کا سپہ سالار بنایا اور ان سب کو خلعت عطا کیے اور نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ لذتوں کو کرکرا اور محبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔

○ حاتم طائی کی کہانی

بڑے آدمیوں کی کہانیاں بہت ہیں۔ منجملہ ان کے حاتم طائی کی سخاوت کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اسے ایک پہاڑ پر دفن کیا اور قبر کے سرہانے دو پتھروں کو تراش کر دو حوضیاں بنائیں اور پتھر ہی کی دو لڑکیاں بنائیں جن کے بال کھلے ہوئے تھے۔ اس پہاڑ کے نیچے ایک ندی بہتی تھی۔ جب مسافر وہاں اترتے تو انہیں رات کے وقت عشاء سے لے کر صبح تک رونے کی آوازیں سنائی دیتیں اور صبح ہوتی تو انہیں ان دو پتھر کی مورتیوں کے سوا کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ ایک بار یمن کے بادشاہ ذوالکراع اپنے قبیلے سے روانہ ہو کر اس وادی میں اترا اور اس نے رات وہیں گزاری۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو سترویں رات

دو سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب ذوالکراع اس وادی میں اترا اور رات کو وہیں ٹھہر گیا۔ وہ جگہ قبر کے قریب تھی اسے رونے کی آواز سنائی دی تو اس نے پوچھا کہ پہاڑ کے اوپر یہ واویلا کیسا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہاں حاتم طائی کی قبر ہے۔ پتھر میں کھدی ہوئی دو حوضیاں اور دو لڑکیوں کے پتلے ہیں جن کے بال کھلے ہوئے ہیں۔ جو لوگ یہاں اترتے ہیں' انہیں رات کے وقت رونے پیٹنے کی یہی آواز سنائی دیتی ہے۔ ذوالکراع نے حاتم طائی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ اے حاتم ہم آج رات تیرے مہمان ہیں۔ اس کے بعد اسے نیند آ گئی۔ تھوڑی دیر میں وہ ڈر کر جاگ پڑا اور کہنے لگا کہ اے عربو دوڑو۔ میری سواری کے اونٹ کی خبر لو۔ لوگ جو اس کے پاس آتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ اونٹ پڑا تڑپ رہا ہے۔ انہوں نے اسے ذبح کر کے پکایا اور کھایا۔ کھا پی کر بادشاہ سے پوچھنے لگے کہ یہ کیا بات ہوئی؟ اس نے کہا کہ جب مجھے نیند آ گئی تو میں نے حاتم طائی کو دیکھا' وہ کہتا ہے کہ تو ہمارے ہاں مہمان بن کر آیا ہے اور ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ یہ کہہ کر اس نے میرے اونٹ پر تلوار ماری۔ اگر تم فوراً پہنچ کر ذبح نہ کر دیتے تو وہ مردار ہو جاتا' صبح ہوئی تو ذوالکراع نے اپنے ایک ساتھی کے اونٹ پر بیٹھ کر اسے پیچھے بٹھا لیا۔ چلتے چلتے دوپہر آ گئی تو انہیں ایک ناقہ سوار دکھائی دیا جو اپنے ساتھ ایک کوتل اونٹنی لیے آ رہا تھا۔

اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں عدی بن حاتم طائی ہوں اور یمن کا سردار ذوالکراع کہاں ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ وہ یہ ہے۔ عدی بولا اس اونٹنی پر سوار ہو۔ یہ تیری اونٹنی کے بدلے میں ہے کیونکہ تیری اونٹنی کو میرے باپ نے تیرے لیے ذبح کر دیا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تجھے یہ کیونکر معلوم ہوا؟ اس

نے جواب دیا کہ آج رات جبکہ میں سو رہا تھا' میں نے خواب میں اپنے باپ کو دیکھا وہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اے عدی یمن کا بادشاہ ذوالکراع میرا مہمان تھا اور میرے پاس کوئی چیز نہ تھی کہ اس کی مہمان داری کرتا اس لیے میں نے اس کی اونٹنی ذبح کر ڈالی تو اسے دوسری اونٹنی دے آ تا کہ وہ اس پر سوار ہو۔ ذوالکراع نے وہ اونٹنی لے لی اور حیران ہو گیا کہ حاتم طائی کی سخاوت زندگی میں اور موت کے بعد یکساں ہے۔

○ معن بن زائدہ کی کہانی

خدا کے اچھے بندوں کی کہانیوں میں سے معن بن زائدہ کی بھی ایک کہانی بیان کی جاتی ہے کہ وہ ایک دن سیر و شکار کے لیے گیا ہوا تھا۔ اسے پیاس لگی مگر اس کے غلاموں کے پاس بالکل پانی نہ نکلا۔ اتنے میں تین لڑکیاں تین مشکیں پانی کی لیے ہوئے اس کے پاس سے گزریں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو اکہترویں رات

جو دو سو اکہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکیاں تین مشکیں لیے ہوئے اس کے پاس سے گزریں۔ اس نے ان سے پانی مانگا۔ انہوں نے اسے پانی پلایا۔ اب اس نے اپنے غلاموں سے کہا کہ انہیں کچھ دے دو لیکن ان کے پاس سے کچھ نہ نکلا۔ اس لیے اس نے ہر لڑکی کو اپنے ترکش میں سے دس دس تیر نکال کر دے دیئے جن کی سوفاء سونے کے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک لڑکی نے اپنی ہجولی سے کہا کہ ایسی باتیں کرنے والا تو سوائے معن بن زائدہ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

ایک بار کا اور واقعہ یہ ہے کہ معن بن زائدہ اپنے آدمیوں کے ساتھ شکار کے لیے نکلا۔ سامنے ہرنوں کا ایک گلہ دکھائی دیا۔ ہر ایک ان میں سے ایک ایک ہرن کے پیچھے لگ گیا۔ معن نے بھی تنہا ایک ہرن کا پیچھا کیا۔ جب وہ ہرن اس کے ہاتھ لگا تو اس نے اتر کر اسے ذبح کیا۔ اتنے میں اس کی نظر پڑی کہ جنگل کی طرف سے ایک شخص گدھے پر سوار چلا آتا ہے۔ معن گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے پاس پہنچا اور پوچھا کہ تو کہاں سے آتا ہے؟ اس نے کہا کہ بنو قضاء کی سر زمین سے۔ کئی سال سے وہاں قحط سالی تھی۔ امسال بارش ہوئی ہے اور میں نے بیج بوئے ہیں لیکن بے وقت بوئے ہیں۔ ان میں سے اچھے اچھے کھیرے لے کر میں امیر معن بن زائدہ کے پاس جا رہا ہوں' کیونکہ اس کی سخاوت اور کشادہ دلی مشہور ہے۔ معن نے کہا کہ تجھے کیا ملنے کی امید ہے؟ وہ بولا ایک ہزار دینار۔ معن کہنے لگا کہ اگر وہ کہے کہ یہ زیادہ ہے اس نے کہا کہ پانچ سو دینار۔ معن نے کہا کہ اگر وہ اسے بھی زیادہ سمجھے' اس نے جواب دیا کہ تین سو دینار۔ معن نے کہا کہ اگر وہ اسے بھی زیادہ بتائے۔ اس نے جواب دیا کہ دو سو دینار۔ معن نے کہا کہ اگر یہ بھی اس کے خیال میں زیادہ ہوں' اس نے کہا تو پھر سو دینار۔ معن نے کہا کہ اگر وہ اسے بھی زیادہ سمجھے۔ اس نے

جواب دیا کہ پچاس دینار؟ معن نے کہا کہ اگر یہ بھی زیادہ ہوں' اس نے جواب دیا کہ پھر تیس دینار۔ معن نے کہا کہ اگر وہ کہے کہ زیادہ ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ تو پھر میں اپنے گدھے کی ٹانگیں اس کی جورو کے اندر گھسیڑ کر خالی ہاتھ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جاؤں گا۔ اس پر معن ہنس پڑا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر اپنی فوج کے پاس پہنچا اور اپنے شامیانے میں چلا گیا اور اپنے حاجب سے کہا کہ ایک شخص گدھے پر سوار کھیرے لے کر آئے گا' اسے میرے پاس لے آئیو۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ آدمی پہنچ گیا اور حاجب نے اس کے لیے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ جب وہ امیر معن کے سامنے آیا تو اس نے یہ نہ پہچانا کہ یہ وہی شخص ہے جو اسے جنگل میں ملا تھا کیونکہ اس پر جلال اور دبدبہ تھا اور بے شمار نوکر چاکر تھے اور وہ امارت کی کرسی پر جلوہ افروز تھا۔ بڑے بڑے سردار اس کے دائیں بائیں اور آگے کھڑے ہوئے تھے۔ بدو نے اسے سلام کیا تو اس نے پوچھا کہ اے عرب کیسے تیرا آنا ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ امیر سے ملنا چاہتا ہوں' میں اس کے لیے بے فصلی کھیرے لایا ہوں۔ معن نے سوال کیا تو ہم سے کتنی امید رکھتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک ہزار دینار۔ معن نے کہا کہ یہ مقدار زیادہ ہے۔ اس نے کہا تو پھر پانچ سو دینار سہی۔ معن نے کہا کہ زیادہ ہے' اس نے کہا کہ تین سو دینار۔ معن نے کہا زیادہ ہے۔ اس نے کہا کہ دو سو دینار۔ معن نے کہا کہ زیادہ ہے۔ اس نے کہا سو دینار سہی۔ معن نے کہا کہ زیادہ ہے۔ اس نے کہا کہ پچاس دینار۔ معن نے کہا زیادہ ہے۔ اس نے کہا تیس دینار معن نے کہا زیادہ ہے۔ بدو نے کہا کہ واللہ جو شخص مجھے جنگل میں ملا تھا بڑا منحوس تھا۔ تو کیا پھر میں تیس دینار سے کم نہ کروں؟ معن ہنس کر چپ ہو گیا اور بدو تاڑ گیا کہ یہ وہی ہے جو اسے جنگل میں ملا تھا اور کہنے لگا اے میرے آقا اگر تو' تیس دینار بھی نہ دے تو لے میرا گدھا دروازے پر بندھا ہوا ہے اور یہ معن بیٹھا ہوا ہے۔ اس پر معن ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور اس نے اپنے وکیل کو بلا کر کہا کہ اسے ایک ہزار اور پانچ سو اور تین سو اور دو سو اور ایک سو

اور پچاس اور تیس دینار دے دے اور گدھے کو اپنی جگہ بندھا رہنے دے۔ بدو اس پر ہکا بکا ہو کر رہ گیا اور دو ہزار ایک سو اسی دینار لے لیے۔ خدا ان سب پر رحمت بھیجے!

○ لبطیط شہر کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------ میں نے یہ بھی کہانی سنی ہے کہ لبطیط نامی ایک شہر تھا۔ روم کے ملکوں میں سے ایک ملک کا دارالسلطنت' وہاں ایک محل تھا جو ہمیشہ بند رہتا اور جب ایک بادشاہ مرتا اور دوسرا فرنگی بادشاہ حکمران ہوتا تو اس میں ایک قفل ڈال دیتا یہاں تک کہ چوبیس قفل ہو گئے۔ ہر بادشاہ کا ایک قفل۔ اس کے بعد ایک شخص تخت پر بیٹھا جو شاہی خاندان سے نہ تھا۔ اس نے چاہا کہ اس قفلوں کو کھول کر دیکھے کہ محل کے اندر کیا ہے۔ ملک کے بڑے لوگوں نے اس فعل سے اس کو منع کیا' ناراض ہوئے اور اسے برا بھلا کہا لیکن اس نے ایک نہ سنی کہا کہ میں ضرور اس محل کو کھولوں گا۔ انہوں نے اسے اپنی ساری دولت دینے کا وعدہ کیا بشرطیکہ وہ اسے نہ کھولے پھر بھی وہ اس خیال سے باز نہ آیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو بہترویں رات

جب دو سو بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ امراء نے اس بادشاہ کو بے حد مال و دولت دینے کا وعدہ کیا بشرطیکہ وہ اس محل کو نہ کھولے لیکن وہ کھولنے سے باز نہ آیا اور اس نے سارے قفل تڑوا کر دروازہ کھول دیا۔ دیکھا کہ محل میں عربوں کے مجسمے ہیں جو اپنے گھوڑوں اور اونٹوں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ پگڑیاں باندھے ہوئے ہیں۔ جن کے شملے لٹک رہے ہیں۔ تلواریں لگائے ہوئے اور لمبے لمبے بھالے ہاتھوں میں لیے ہوئے ہیں۔ وہاں اسے ایک لکھا ہوا کاغذ ملا اس نے پڑھا تو اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ جب یہ دروازہ کھلے گا تو اس ملک پر عربوں کی ایک قوم غالب آ جائے گی اور ان کی شکلیں ان سنگین تصویروں کی سی ہونگی لہٰذا خبردار اسے کوئی نہ کھولے۔ یہ شہر اندلس میں تھا۔ خدا کی شان اسی سال بنو امیہ کے بادشاہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں اس شہر کو طارق بن زیاد نے فتح کیا اور اس بادشاہ کو بری طرح مارا۔ شہر کو لوٹا' عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا اور اس کی ساری دولت اس کے ہاتھ لگی۔ بڑے بڑے ذخیرے ملے۔ جن میں ایک سو ستر سے زیادہ موتیوں اور یاقوت اور قیمتی پتھروں کے تاج تھے۔ اس محل میں ایک کمرہ اتنا بڑا تھا کہ اس میں سوار نیزے پھینک سکیں۔ اس میں سونے اور چاندی کے ایسے برتن تھے جن کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ وہاں نبی اللہ سلیمان بن داؤد علیہم السلام کا دسترخوان تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ سبز زمرد کا تھا۔ یہ دسترخوان اب تک روم کے شہر میں موجود ہے۔ اس کے برتن سونے کے ہیں اور رکابیاں زبرجد کی۔ اور اس میں ایک نسخہ زبور کا تھا جو یونانی زبان میں سونے کے پتر پر لکھا ہوا تھا جس میں ہیرے جڑے تھے۔ ایک اور کتاب بھی ملی جس میں جمادات اور نباتات کے فوائد درج تھے۔ شہروں اور بستیوں کے نام اور طلسم اور سونے چاندی کی کیمیا کا علم درج تھا۔ دوسری کتاب بھی ہاتھ میں آئی جو یاقوت

اور دوسرے پتھروں کے تراشنے کی صنعت کے متعلق تھی۔ زہر اور تریاق بنانے کے نسخے لکھے ہوئے تھے۔ زمین' سمندروں' شہروں اور معدنوں کا نقشہ تھا۔ اس محل میں ایک کمرہ اکیسر سے بھرا ہوا دیکھا جس کا ایک درہم ایک ہزار درہم چاندی کو خالص سونا بنا دے۔ ایک گول بہت بڑا اور عجیب و غریب آئینہ پایا جو مختلف دھاتوں کا بنا ہوا تھا اور نبی اللہ سلیمان علیہم السلام کے لیے بنایا گیا تھا۔ جب کوئی اسے دیکھتا تو اسے ساتوں اقلیمیں دکھائی دیتیں۔ اس محل میں ایک بیٹھک تھی جس میں ایسے زرد رنگ کے لعل تھے جن کی کیا تعریف ہو سکے۔ طارق نے ان سب کو جمع کر کے ولید بن عبدالملک کے پاس بھیج دیا اور سارے شہروں میں عرب پھیل گئے۔ وہ بہت بڑا ملک ہے اور یہ لبطیط کے خاتمے کی کہانی ہے۔

○ ہشام بن عبدالملک اور بدو لڑکے کی کہانی

ایک کہانی اور سن' ایک دن ہشام بن عبدالملک بن مروان شکار کھیلنے گیا ہوا تھا کہ اسے ایک ہرن دکھائی دیا۔ اس نے کتوں کو لے کر اس کا پیچھا کیا۔ ابھی وہ ہرن کا پیچھا کر ہی رہا تھا کہ اس کی نظر ایک بدو لڑکے پر پڑی جو بھیڑیں چرا رہا تھا۔ ہشام نے کہا کہ اے لڑکے اس ہرن کے پیچھے دوڑ کیونکہ وہ میری زد سے نکل بھاگا ہے۔ لڑکے نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا کہ اے نیک لوگوں کی قدر نہ کرنے والے تو نے مجھے ذلت کی نظر سے دیکھا اور پھر حقارت سے باتیں کیں۔ تیری باتیں ظالموں کی سی ہیں اور تیرا فعل گدھے کا سا۔ ہشام نے کہا کہ تف ہو تجھ پر' کیا تو نے مجھے پہچانا نہیں؟ لڑکے نے جواب دیا کہ میں نے تجھے خوب پہچان لیا کہ تو بدتمیز ہے کیونکہ تو نے بے سلام کیے باتیں شروع کر دیں۔ ہشام بولا' حیف ہو تجھ پر! میں ہشام بن عبدالملک ہوں۔ بدو نے کہا کہ خدا تیرے گھر میں نہ حرکت دے اور نہ تیرے مزار پر رحمت بھیجے۔ تیری بک بک بہت زیادہ ہے اور خوش خصلتی بہت

کم۔ ابھی وہ اپنی بات پوری نہ کر پایا تھا کہ چاروں طرف سے لشکر آ پہنچا اور ہر ایک ان میں سے کہنے لگا کہ السلام علیک یا امیرالمومنین! ہشام نے کہا کہ ان باتوں کو چھوڑ کر پہلے اس لڑکے کو حراست میں لے لو۔ انہوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ لڑکے نے اس قدر حاجبوں اور وزیروں اور امیروں کو دیکھنے کے بعد بھی بالکل توجہ نہ کی اور نہ ان سے پوچھا کہ کون ہو بلکہ اپنی ٹھوڑی کو سینے سے لگا کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھتا رہا۔

یہاں تک کہ وہ ہشام کے آگے پیش کیا گیا۔ لڑکا سر زمین کی طرف جھکائے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ نہ سلام کیا نہ کوئی بات کی۔ ایک ملازم بولا اے بدو کتے تو امیرالمومنین کو سلام کیوں نہیں کرتا؟ لڑکے نے اس کی طرف غصے سے دیکھ کر کہا اے گدھے کی جھول راستے کی درازی اور اوپر کی چڑھائی اور پسینے کی وجہ سے میں نے یہ بات نہ کی۔ اس پر ہشام کا غصہ اور زیادہ ہو گیا۔ جھنجلا کر کہنے لگا اے لڑکے' تو اور تیری موت دونوں یہاں ساتھ ساتھ آئے ہیں۔ تیری امیدیں منقطع ہو چکی ہیں اور تیری زندگی کا آخری لمحہ آ گیا۔ لڑکے نے جواب دیا اے ہشام' خدا کی قسم اگر میری زندگی میں ابھی کچھ دن باقی ہیں اور اجل کے آنے میں دیر ہے تو تیری کوئی بات خواہ وہ تھوڑی ہو یا بہت' مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ حاجب نے کہا کہ اے ذلیل بدو کیا تو' اتنا بلند پایہ ہو گیا کہ امیرالمومنین سے دو بدو ہو کر باتیں کرتا ہے؟ لڑکے نے فوراً جواب دیا کہ برباد ہو تو' اور ہلاکت تیرا ساتھ کبھی نہ چھوڑے! کیا تو نے خدا کا یہ قول نہیں سنا کہ "یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسہا....." یہ سن کر ہشام کے غصے کی انتہا نہ رہی' وہ اٹھ کھڑا ہوا اور جلاد کو حکم دیا کہ اس لڑکے کا سر کاٹ کر لے آئے کیونکہ یہ ایسی باتیں کر رہا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتیں۔ جلاد لڑکے کو لے کر قتل کے بوریئے پر لے گیا اور تلوار کھینچ کر کہنے لگا امیر المومنین یہ تیرا حقیر بندہ ہے اور گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے کیا میں اس کی گردن اڑا دوں؟ مگر میں اس کے خون سے بری ہوں۔ ہشام نے کہا کہ ہاں۔ جلاد نے پھر

دوبارہ اجازت مانگی اور ہشام نے اجازت دے دی۔ پھر اس نے تیسری بار پوچھا۔ لڑکے کو یقین ہو گیا کہ اگر اس بار بھی اجازت دے دی تو جلاد میری گردن اڑا دے گا۔ یکایک اس زور سے کھلکھلا کر ہنسا کہ اس کے دانت دکھائی دینے لگے۔ اس حرکت پر ہشام کو اور زیادہ طیش آ گیا وہ کہنے لگا اے لڑکے میرے خیال میں تیرا دماغ صحیح نہیں۔

تجھے معلوم نہیں کہ تو دنیا سے جا رہا ہے؟ پھر کیوں ہنس کر اپنا مذاق اڑوانا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ امیرالمومنین اگر میری زندگی باقی ہے تو مجھے نہ تھوڑے سے نقصان پہنچ سکتا ہے اور نہ بہت سے۔ چند اشعار اس وقت میرے خیال میں آئے ہیں انہیں سن لے کیونکہ میں تو بہرحال قتل ہوں گا۔ ہشام نے کہا کہ اچھا سنا۔ لڑکے نے یہ اشعار پڑھے:

"ایک بار جنگل کی ایک چڑیا قسمت کی ماری کسی باز کے پنجے میں پھنس گئی۔ جب باز اسے اپنے پنجے میں دبا کر اڑا تو چڑیا نے کہا کہ میں اتنی ذرا سی جان ہوں کہ اگر تو نے مجھے کھایا تو تیرا پیٹ تو بھرے گا نہیں۔ یہ سن کر باز غرور سے مسکرایا اور چڑیا کو چھوڑ دیا۔"

ہشام ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی قسم اگر یہ پہلے ہی سے ایسی باتیں کرتا تو علاوہ خلافت کے جو مانگتا' میں اسے دیتا۔ اے خادم اس کا منہ ہیرے جواہرات سے بھر دے اور اسے بہت کچھ عطا کر۔ خادم نے بدو کو بہت کچھ انعام دیا اور وہ اسے لے کر چلتا ہوا۔

○ ابراہیم بن مہدی کی کہانی

منجملہ نفیس کہانیوں کے ہاروان الرشید کے بھائی ابراہیم بن مہدی کی بھی ایک کہانی ہے۔ جب اس کا بھتیجا اس کے بھائی ہارون الرشید کا بیٹا مامون خلیفہ ہوا تو اس نے مامون

کی بیعت نہیں کی بلکہ وہاں پہنچ کر خود خلافت کا دعویٰ کیا اور ایک ہی سال گیارہ مہینے اور دس دن تک اپنی بات پر اڑا رہا اور اس کا بھتیجا مامون اس امید میں رہا کہ وہ اس کی اطاعت کر لے گا اور اس کے ساتھ شامل ہو جائے گا لیکن جس وقت اسے ناامیدی ہو گئی تو وہ سواروں اور پیادوں کے ساتھ آ ہی پہنچا اور اس کی تلاش کرنے لگا۔ ابراہیم کو یہ خبر ملی تو قتل کے ڈر سے بغداد میں جا چھپا۔ مامون نے اعلان کر دیا کہ جو کوئی اس کا پتا دے گا اسے ایک لاکھ دینار انعام ملے گا۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ جب میں نے سنا کہ اتنی بڑی مقدار میرے سر کی بازی پر لگائی گئی ہے تو مجھے اپنی جان کا اور زیادہ ڈر ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• دو سو تہتروین رات

دو سو تہتروین رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابراہیم کا بیان ہے کہ جب مجھے اس مقدار کا علم ہوا تو جان کے لالے پڑ گئے اور اپنے متعلق میں بے حد حیران و پریشان ہو گیا۔ اسی تردد میں ظہر کے وقت بھیس بدل کر اپنے مکان سے نکلا مگر میری سمجھ میں نہ آتا تھا کدھر جاؤں۔ آخر میں ایک اندھی گلی میں گھس گیا اور کہنے لگا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہوں۔ اگر میں یہاں سے پلٹا تو لوگوں کو میرے اوپر شبہ ہو گا کیونکہ میں بھیس بدلے ہوئے ہوں۔ گلی کے دوسرے سرے پر میری نظر ایک حبشی غلام پر پڑی جو اپنے دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کے پاس جا کر پوچھا کہ تیرے ہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں میں ایک گھڑی دن گزار سکوں؟ اس نے کہا کہ ہاں اور دروازہ کھول دیا۔ میں اندر داخل ہوا۔ دیکھا کہ مکان نہایت صاف ستھرا ہے' فرش اور قالین لگے ہوئے ہیں اور چمڑے کے تکیے رکھے ہیں۔ مجھے اندر داخل کر کے اس نے دروازہ بند کر دیا اور خود باہر چلا گیا۔ مجھے خیال ہوا کہ اس نے میرے متعلق انعام کا ذکر سن لیا ہے اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ وہ ضرور میری خبر دینے گیا ہو گا۔ اب میری یہ حالت تھی جیسے کہ آگ پر ہانڈی ور میں بے حد متفکر تھا۔ یہی سوچ رہا تھا کہ اتنے میں وہ ایک حمال کو لیے ہوئے واپس آیا۔ جس کے سر پر روٹیاں' گوشت' نئی ہانڈیاں' کھانے پینے کا دوسرا سامان' ایک نیا گھڑا کورے کوزے اور باقی ضرورت کی چیزیں تھیں۔ حبشی نے وہ چیزیں حمال کے سر سے اتروا کر مجھ سے کہا کہ قربان جاؤں تیرے! میں حجام ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ میرے پیشے کی وجہ سے تجھے مجھ سے گھن آئے گی۔ لہٰذا ان چیزوں کو لے۔ ان پر ابھی تک کسی کا ہاتھ نہیں لگا ہے' ان کو تو استعمال کر۔

ابراہیم نے کہا کہ مجھے سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے لیے ایک ہانڈی میں کھانا پکایا اور خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی ایسا کھانا کھایا تھا۔ جب میں کھا پی چکا تو اس نے کہا اے میرے آقا' خدا مجھے تیرے اوپر قربان کرے! تجھے شراب کا بھی شوق ہے؟ اس سے دل خوش ہوتا ہے اور غم غلط؟ میں نے حجام کی خاطر سے کہا کہ مجھے اس سے نفرت نہیں۔ یہ سن کر وہ بلور کے نئے پیالے لایا جن کو ابھی تک کسی نے چھوا نہ تھا اور ایک نفیس تھلیا اور کہنے لگا کہ جس طرح تجھے پسند ہو' خود چھان کر پی' میں نے نہایت عمدگی سے چھانا۔ اس کے بعد وہ ایک نیا جام لایا' مٹی کے کورے برتنوں میں پھل اور پھول۔ اور مجھ سے کہنے لگا کہ اگر اجازت ہو تو میں بھی ایک طرف بیٹھ کر اکیلا شراب پیوں تاکہ مجھے اور تجھے دونوں کو سرور ہو۔ میں نے جواب دیا کہ ہاں پی۔ ہم دونوں پینے لگے اور شراب کا نشہ مجھ پر چڑھنے لگا۔ حجام اٹھ کر ایک کوٹھڑی میں گیا اور ایک ساز لا کر کہنے لگا کہ اے میرے آقا یہ تو میری مجال نہیں کہ میں تجھ سے گانے کے لیے کہوں لیکن تیری انتہائی مروت کی وجہ سے تجھ پر احترام کا حق واجب ہو گیا ہے۔ اگر تیری مرضی ہو کہ تو اپنے غلام کو عزت بخشے تو میری سر آنکھوں پر۔ مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ وہ مجھے پہچانتا ہے۔ اس لیے میں نے کہا کہ تجھے کیونکر معلوم ہوا کہ میں اچھا گاتا ہوں؟ اس نے جواب دیا کہ سبحان اللہ' ہمارے آقا کی شہرت اس سے بھی زیادہ ہے۔ تو میرا آقا' ابراہیم بن مہدی ہے جو کل تک ہمارا خلیفہ تھا اور جس کے متعلق مامون نے یہ منادی کرائی ہے کہ جو کوئی تیرا پتہ بتائے گا' وہ ایک لاکھ دینار پائے گا مگر میری طرف سے تجھے اطمینان ہونا چاہیے۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ جب اس نے یہ کہا تو اس کی عزت میرے دل میں بڑھ گئی' میں اس کی مروت کا قائل ہو گیا' اس کی خواہش پوری کرنے کے لیے ساز لیا اور اس کے تار ملا کر گانا بجانا شروع کر دیا۔ وہ بہت خوش ہوا' اسے نہایت لطف آیا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ ابراہیم کے پڑوسی اگر اس کی زبان سے یہ الفاظ بھی سن لیتے کہ

اے غلام' خچر پر زین رکھ تو انہیں وجد آنے لگتا تھا۔ جب حجام کا دل خوش ہو گیا تو اس نے کہا کہ اے میرے آقا اجازت ہو تو جو کچھ میرے دل میں آیا ہے' میں بھی کہوں اگرچہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ میں نے کہا کہ ہاں ضرور کہہ۔ یہ تیرے اخلاق اور مروت کی دلیل ہے۔ اس پر وہ ساز لے کر گانے لگا۔ ابراہیم کہتا ہے کہ میں نے اس سے کہا کہ اے دوست تو نے مجھ پر بڑا احسان کیا اور میرا غم غلط کر دیا۔ ایسا ہی کوئی اور گیت گا اور وہ گانے لگا۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ اس کے راگ سن کر مجھے حیرت ہو گئی اور میرے دل کو بڑا حظ حاصل ہوا۔ اس کے بعد میں سو گیا اور جب میری آنکھ کھلی تو عشا کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے منہ دھویا' میرے دل پر اس حجام کی نفاست اور اخلاق کا بڑا اثر تھا۔ میں نے اسے جگایا اور اپنے پاس سے ایک تھیلی نکال کر جس میں بہت سے دینار تھے' اس کی طرف پھینکی اور اس سے کہا کہ تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں' مجھ کو اب جانے دے میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو' اس تھیلی میں سے اپنی ضروریات پر خرچ کر۔ اگر میرا خوف کا زمانہ جاتا رہا تو میں تجھے اور زیادہ عطا کروں گا۔ ابراہیم کہتا ہے کہ اس نے وہ تھیلی واپس کر دی اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا گو ہمارے جیسے فقیروں کی تیرے آگے کوئی قدر و منزلت نہیں لیکن میری مروت یہ گوارا نہیں کرتی کہ قسمت نے جو تیرا قرب اور تیری مہمانی مجھ کو عطا کی ہے اس کی تجھ سے قیمت لوں۔ اگر تو نے اس بارے میں اور کوئی بات کی اور میری طرف پھر یہ تھیلی پھینکی تو میں خودکشی کر لوں گا۔ ابراہیم نے بیان کیا کہ میں نے وہ تھیلی اپنی آستین میں رکھ لی۔ اگرچہ وہ مجھے بہت گراں معلوم ہوتی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو چوہترویں رات

دو سو چوہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- ابراہیم بن مہدی کا بیان ہے کہ میں نے تھیلی لے کر اپنی آستین میں رکھ لی اگرچہ وہ مجھے بہت گراں معلوم ہوتی تھی اور وہاں سے چل دیا۔ میں دروازے پر پہنچا تھا کہ اس نے آواز دے کر کہا کہ اے میرے آقا یہ مکان تیرے لیے دوسری جگہوں سے زیادہ محفوظ ہے اور تیرے کھلانے پلانے میں مجھ پر کوئی بار نہیں۔ بہتر ہے کہ جب تک خدا تیری مصیبت دور کر دے یہیں ٹھہر۔ یہ سن کر میں پلٹ آیا اور بولا کہ محض اس شرط پر کہ تو اس تھیلی میں سے لے کر خرچ کرے۔ اس کی باتوں سے مجھے یہ گمان ہوا کہ وہ اس شرط پر راضی ہے اور میں ایک زمانے تک اس کے ہاں نہایت عیش و عشرت کے ساتھ رہا لیکن اس نے اس تھیلی میں سے کچھ خرچ نہ کیا۔ مجھ پر یہ گراں گزرا کہ اس کی روٹی کھاؤں اور اسے تکلیف ہو۔ اس لیے میں نے ایک دن عورتوں کا لباس پہنا۔ مثلاً جوتیاں اور نقاب اور اس کے گھر سے چل دیا۔ سڑک پر پہنچا تو مجھے بہت ڈر لگا اور جب میں پل پر سے گزر رہا تھا جس پر چھڑکاؤ کیا ہوا تھا تو ایک سپاہی کی نظر مجھ پر پڑی جو پہلے میرے پاس نوکر تھا۔ مجھے پہچانتے ہی اس نے چلا کر کہا کہ مامون اسی شخص کی تلاش میں ہے اور مجھے گھیر لیا لیکن چونکہ مجھے جان پیاری تھی میں نے اسے اور اس کے گھوڑے کو اس زور سے دھکیلا کہ دونوں کیچڑ میں گر پڑے اور ان سے عبرت حاصل کرنے والوں کو عبرت ہوئی۔ لوگ اس کی طرف دوڑے۔ اتنے میں میں بھاگ کر پل کے پار ہو گیا اور ایک گلی میں جا گھسا۔ وہاں دیکھا کہ ایک مکان کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور ایک عورت دہلیز پر کھڑی ہے۔ میں نے کہا کہ اے میری آقا میرے اوپر رحم کر اور میری جان بچا۔ میں موت کے ڈر سے یہاں آیا ہوں۔ وہ بولی میں مرحبا کہتی ہوں اور تیرا خیر مقدم کرتی ہوں' اندر آ جا۔ یہ کہہ

کر وہ مجھے بالا خانے پر لے گئی اور وہاں فرش بچھا کر میرے آگے کھانا پیش کیا اور کہنے لگی کہ اپنا ڈر دل سے نکال دے کیونکہ کسی کو کانوں کان تیری خبر نہ ہو گی۔

وہ یہ کہہ رہی تھی کہ کسی نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا اور اس عورت نے جا کر کواڑ کھول دیئے۔ میں نے دیکھا کہ یہ وہی شخص ہے جسے میں نے پل پر دھکیلا تھا۔ اس کا سر بندھا ہوا ہے اور خون بہہ رہا تھا اور گھوڑا ندارد تھا۔ عورت نے کہا کہ اے فلاں شخص تجھ پر کیا مصیبت گزری ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس شخص کو پکڑ لیا تھا مگر وہ نکل بھاگا۔ اس کے بعد اس نے سارا ماجرا بیان کیا۔ عورت نے جلے ہوئے چیتھڑے نکالے اور انہیں پٹی پر رکھ کر اس کا سر باندھ دیا۔ اس کے لیے فرش بچھا دیا اور وہ بیمار ہو کر لیٹ گیا۔ پھر وہ میرے پاس آ کر کہنے لگی کہ میرے خیال میں یہ تیرا ہی قصہ ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ وہ بولی خیر پروا نہ کر اور وہ میری نئے سرے سے دل دہی کرنے لگی۔ تین دن میں اس کے ہاں ٹھہرا۔ بعد ازاں وہ مجھ سے کہنے لگی کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ شخص تجھے دیکھ نہ لے اور تیری چغلی نہ کھا دے لہٰذا تو یہاں سے چل دے۔ میں نے کہا کہ مجھے رات تک مہلت دے۔ اس نے کہا کہ اس میں مضائقہ نہیں۔ جب رات ہوئی تو میں عورتوں کا لباس پہن کر اس کے گھر سے نکل کھڑا ہوا اور اپنی ایک پرانی کنیز کے پاس پہنچا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی رونے' آہیں بھرنے اور میری سلامتی پر خدا کا شکر ادا کرنے لگی۔ دو چار لمحے کے بعد وہ باہر گئی گویا وہ بازار جا کر مہمانی کی تیاری کرنا چاہتی ہے۔ میرا گمان اس کی طرف سے اچھا تھا مگر تھوڑی ہی دیر میں ابراہیم موصلی اس کے غلاموں اور لشکر نے مجھے آ لیا اور وہ خود آگے آگے تھی۔ میں نے غور سے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ وہی کنیز ہے اور مکان کی مالکہ بھی ساتھ ہے۔ وہ ان کے آگے آگے برابر چلتی رہی یہاں تک کہ اس نے مجھے ان کے سپرد کر دیا اور میں نے موت کو اپنے سامنے کھڑا پایا۔ لوگ مجھے پکڑ کر اسی زنانہ لباس میں' مامون کے پاس لے گئے۔ مامون نے ایک عام دربار

منعقد کیا اور مجھے بلایا۔ جب میں داخل ہوا تو میں نے اسے خلیفہ کہہ کر سلام کیا۔ اس نے جواب دیا کہ نہ خدا تجھے سلامت رکھے اور نہ تیرے اوپر رحم کرے۔ میں نے کہا کہ اے امیرالمومنین جیسی تیری مرضی ہو۔ بدلہ لینے والا خواہ بدلہ لے خواہ معاف کر دے لیکن معاف کرنا پارسائی سے قریب تر ہے جس طرح خدا نے میرا گناہ اوروں کے گناہ سے بڑا بنایا ہے تیرے عفو کو بھی اوروں سے زیادہ بلند رتبہ دیا ہے۔ اگر تو سزا دے تو تیرا حق ہے اور اگر معاف کر دے تو یہ تیرا فضل ہے۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ مامون نے اپنا سر اٹھایا اور پھر نیچا کر لیا۔ مجھے اس کے چہرے سے معافی کی جھلک نظر آئی۔ اس نے اپنے بیٹے عباس اور اپنے بھائی ابواسحٰق اور باقی حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ سب نے میرے قتل کا مشورہ دیا۔ اختلاف محض اس بات میں تھا کہ کس طرح قتل کیا جاؤں۔ مامون نے احمد بن خالد سے کہا کہ احمد تیری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تو نے اسے قتل کر دیا تو تیری طرح اور بھی بہت سے لوگ ہوں گے جنھوں نے ایسے شخص کو قتل کر دیا ہو گا اور اگر تو نے اسے معاف کر دیا تو اس جیسے شخص کو معاف کر دینے میں تیری طرح اور کوئی نہ ملے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو پچھترویں رات

جب دو سو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ امیرالمومنین مامون نے احمد بن خالد کی باتیں سن کر سر جھکا لیا۔ ابراہیم بن مہدی کا بیان ہے کہ اب میں نے نقاب اپنے سر سے اٹھا دی اور بڑے زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر کہنے لگا کہ خدا کی قسم امیرالمومنین نے مجھے معاف کر دیا۔ مامون بولا چچا ڈر کی کوئی بات نہیں۔ میں نے کہا کہ امیرالمومنین میرا گناہ معافی سے بڑا ہے اور تیرا عفو ہر شکر سے بالاتر۔ مامون نے کہا کہ میں وہی کہتا ہوں جو ہمارے آقا یوسف علی نبینا علیہ الصلوہ والسلام نے کہا تھا کہ لاتثریب علیکم الیوم یغفراللہ لکم وھو الرحم الراحمین۔ اے چچا! میں نے تجھے معاف کر دیا اور تیرا مال اور جاگیریں تجھے واپس دے دیں۔ اب کچھ پروا نہ کر۔ میں نے اسے بڑی بڑی دعائیں دیں اور مامون میرے ساتھ بڑی عزت و احترام سے پیش آیا اور مجھ سے کہا کہ چچا ابواسحٰق اور عباس نے تیرے قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ میں نے کہا کہ اے امیرالمومنین انہوں نے تجھے رائے دی تھی لیکن تو نے وہ کیا جو تیری شان کے شایان ہے اور میرے خوف کو امید سے بدل دیا۔ مامون نے کہا کہ چچا تو نے اپنے با حیا عذر سے میرے غصے کو ٹھنڈا کر دیا اور میں نے بھی تجھے بغیر اس کے کہ سفارش کرنے والوں کا احسان اٹھائے' معاف کر دیا۔

اس کے بعد مامون بڑی دیر تک سجدے میں پڑا رہا۔ پھر سر اٹھا کر کہا کہ چچا تجھے معلوم ہے کہ میں نے کیوں سجدہ کیا۔ میں نے جواب دیا کہ شاید تو نے اس وجہ سے سجدہ کیا کہ خدا نے تجھے تیرے دشمن پر فتح دی۔ مامون نے کہا کہ اس وجہ سے نہیں بلکہ میں نے اس بات پر خدا کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے میرے دل میں یہ ڈالا کہ میں تجھے معاف کر دوں اور تیری طرف سے دل کو صاف کر لوں۔ اب تو اپنا قصہ مجھ سے بیان کر۔ میں نے تشریح کے ساتھ وہ ساری باتیں کہیں جو حجام اور لشکری اور اس

کی بیوی اور اس کی کنیز کے ساتھ مجھے پیش آئی تھیں جس نے میرا راز فاش کیا تھا۔ اس پر اس نے پہلے کنیز کو طلب کیا جو انعام کے انتظار میں گھر بیٹھی ہوئی تھی۔ جب وہ مامون کے سامنے حاضر ہوئی تو اس نے سوال کیا کہ تو نے اپنے آقا کے ساتھ یہ حرکت کیوں کی؟ اس نے جواب دیا کہ دولت کے لالچ سے۔ مامون نے پوچھا تیرا کوئی بیٹا یا شوہر ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ مامون نے حکم دیا کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں۔ اور وہ دائم الحبس کی جائے۔ اس کے بعد اس نے لشکری اور اس کی بیوی اور حجام کو بلوایا۔ جب وہ تینوں حاضر ہوئے تو مامون نے لشکری سے پوچھا کہ تو نے یہ کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ مال میں طمع میں۔ مامون نے کہا کہ تو آج سے حجام کا پیشہ کیا کر اور اس کی بیوی کو عزت و احترام کے ساتھ محل میں بھیج دیا اور کہا کہ یہ عقل مند عورت ہے۔ مشکل کاموں میں اس سے مشورہ لیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد اس نے حجام سے کہا کہ تو نے ایسی مروت کا اظہار کیا ہے کہ تیری بہت زیادہ عزت کی جائے اور حکم دیا کہ لشکری کا سارا گھر بار اس کے سپرد کر دیا جائے اور اسے خلعت دیا اور اس کے علاوہ پانچ ہزار دینار سالانہ مقرر کر دیئے۔

○ عبداللہ بن ابی قلابہ کی کہانی

کہتے ہیں کہ ایک بار عبداللہ بن ابی قلابہ کا اونٹ کھو گیا۔ وہ اس کی تلاش میں نکلا۔ یمن کے جنگلوں اور سبا کے ملک میں پھرتا پھراتا ایک عظیم الشان شہر کے پاس پہنچا جس کے گرد بڑا مضبوط قلعہ تھا اور قلعے کے چاروں طرف اونچے اونچے محل۔ جب وہ اس شہر کے قریب پہنچا تو اس نے خیال کیا کہ اس میں لوگ رہتے ہوں گے اور وہ ان سے اپنے اونٹ کے متعلق دریافت کرے گا۔ وہ اس شہر کی طرف روانہ ہو گیا لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ خالی ہے' نہ وہاں آدم نہ آدم زاد۔

اس کا بیان ہے کہ میں اپنی اونٹنی پر سے اتر پڑا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو چھترویں رات

جب دو سو چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ ایک نیک نہاد بادشاہ ------ عبداللہ بن ابی قلابہ کہتا ہے کہ میں اپنی اونٹنی پر سے اتر پڑا' اسے باندھ دیا اور دل کو مضبوط کر کے شہر کے اندر داخل ہوا۔ قلعے کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کے دو دروازے ہیں جن سے بڑے اور اونچے دروازے دنیا میں کہیں نہیں پائے جاتے۔ دونوں دروازوں میں سفید' سرخ اور سبز ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ میں سخت متعجب ہوا اور مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی۔ ڈرتے ڈرتے قلعے میں گیا۔ عقل دنگ تھی۔ وہ قلعہ کیا ایک لمبا چوڑا شہر تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے اونچے اونچے محل ہیں اور ہر محل کے آگے برآمدے۔ ساری عمارتیں سونے اور چاندی کی جن میں یاقوت' رنگ برنگ کے ہیرے۔ زبرجد اور موتی جڑے ہوئے ہیں اور ان محلوں کے دروازوں کی جوڑیاں بھی ایسی خوبصورت ہیں جیسے کہ قلعے کی ڈیوڑھی کے کواڑ اور فرش پر بڑے بڑے موتی' مشک' عنبر اور زعفران کی گولیاں بچھی ہوئی ہیں۔ جب میں اس کے بیچوں بیچ جا پہنچا اور وہاں کوئی انسان نظر نہ آیا تو قریب تھا کہ میں چیخوں اور مارے ڈر کے مر جاؤں لیکن دل کو مضبوط رکھا اور پھرتے پھراتے محلوں پر چڑھ گیا۔ اونچے اونچے چھجوں اور محلوں پر سے نیچے نظر ڈالی تو کیا دیکھا کہ نہریں بہہ رہی ہیں۔ سڑکوں پر میوے دار درخت' اونچی اونچی کھجوریں ہیں اور دیواروں میں ایک ایک سونے کی اور ایک ایک چاندی کی اینٹ لگی ہوئی ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ ہو نہ ہو' یہی وہ جنت ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے جو آخرت میں ملے گی۔ میں نے جس قدر سنگریزے اور جواہرات تھے اور جتنی مٹی جو مشک تھی اٹھا سکتا تھا اٹھا لی اور اپنے ساتھ وطن لے گیا۔ وطن پہنچ کر لوگوں سے یہ قصہ بیان کیا اور رفتہ رفتہ یہ خبر معاویہ بن ابی سفیان تک پہنچی جو اس وقت حجاز کا خلیفہ تھا۔ اس نے صنعا یمن میں اپنے عامل کو لکھا کہ وہ مجھے بلا کر صحیح صحیح حالات دریافت

کرے۔ عامل نے طلب کر کے سارا ماجرا پوچھا تو میں نے اس سے کل باتیں بیان کر دیں جو میں نے دیکھی تھیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے معاویہ رضی اللہ عنہ' کے پاس بھیجا اور میں نے اس سے بھی جو کچھ دیکھا تھا کہہ دیا۔ معاویہ کو میری باتوں کا یقین نہ آیا لیکن جب میں نے وہ موتی اور عنبر اور مشک اور زعفران کی گولیاں دکھائیں جن میں ابھی تک کسی قدر خوشبو باقی تھی' موتیوں کا رنگ البتہ بدل گیا تھا وہ زرد پڑ گئے تھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو سترویں رات

جب دو سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ عبداللہ بن ابی قلابہ کا بیان ہے کہ موتیوں کا رنگ بدل گیا تھا اور وہ زرد پڑ گئے تھے تو معاویہ رضی اللہ عنہ بن سفیان کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے کعب الاحبار کو بلوایا۔ جب وہ آیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے کعب الاحبار! میں نے تجھے اس لیے بلایا ہے کہ ایک بات کی تحقیق کروں۔ مجھے امید ہے کہ تو اسے جانتا ہو گا۔ کعب نے کہا کہ امیرالمومنین وہ کیا ہے؟ معاویہ نے کہا کہ کیا تجھے اس بات کا علم ہے کہ ایک ایسا شہر پایا جاتا ہے جو سونے اور چاندی سے بنا ہوا ہے جس کے ستون زبرجد اور یاقوت کے ہیں اور جس کے سنگریزے موتیوں اور مشک عنبر اور زعفران کی گولیوں کے؟ اس نے جواب دیا ہاں اے امیرالمومنین اور وہ یہ ہے ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلہا فی البلاد۔ اسے عاد اکبر کے بیٹے شداد نے بنایا تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کا کچھ حال بیان کر۔ کعب الاحبار نے کہا کہ عاد اکبر کے دو بیٹے تھے: شدید اور شداد۔ جب باپ کا انتقال ہو گیا تو شدید اور شداد حکمران ہوئے۔ دنیا کا کوئی بادشاہ نہ تھا جو ان کا مطیع نہ ہو۔ مگر شدید بن عاد کی زندگی نے وفا نہ کی اور شداد تنہا ساری دنیا کا حکمران ہو گیا۔ شداد کو پرانی کتابیں پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ جب اس نے آخرت اور جنت کا ذکر پڑھا اور یہ کہ جنت میں محل اور بارہ دریاں اور درخت اور میوے وغیرہ ہوں گے تو اس کے دل میں آیا کہ اسی شکل کی جنت دنیا میں بنائی جائے۔ اس کے ماتحت ایک لاکھ بادشاہ تھے اور ہر بادشاہ کے ماتحت ایک لاکھ سپہ سالار اور ہر سپہ سالا کے ماتحت ایک لاکھ فوج۔ اس نے لوگوں کو بلا کر کہا کہ میں نے پرانی کتابوں کو پڑھوا کر اس جنت کی تعریف سنی ہے جو آخرت میں ہو گی مگر میں چاہتا ہوں کہ میں دنیا میں اس جیسی ایک جنت بنواؤں۔ لہٰذا تم ایک ایسا میدان تلاش کروں جو ہر لحاظ

سے بہتر اور سرسبز و شاداب ہو اور وہاں میرے لیے سونے چاندی کا شہر بنواؤ۔ اس کے سنگ ریزے زبرجد' یاقوت اور موتی ہوں۔ اس شہر کی محرابوں کے نیچے زبرجد کے ستون ہوں اور شہر میں بے شمار محل' محلوں کے اوپر بالاخانے اور محلوں کے نیچے سڑکوں پر اور گلیوں میں مختلف پھلوں پھولوں کے درخت اور سونے چاندی کے نلوں میں پانی جاری ہو۔ سب کہنے لگے کہ ہم ایسی چیز کس طرح بنا سکتیں گے جس کی تو نے تعریف کی ہے اور اتنے زبرجد' یاقوت اور موتی کہاں سے لائیں گے!

اس نے جواب دیا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ دنیا کے سارے بادشاہ میرے فرمانبردار اور ماتحت ہیں اور دنیا میں کوئی ایسا نہیں جو میری مخالفت کرے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہمیں یہ معلوم ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو انہترویں رات

جب دو سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ انہوں نے کہا کہ ہمیں یہ معلوم ہے۔ شداد نے کہا تو بس میرا حکم ہے' سمندروں کو چھانو' پہاڑوں کے کلیجے چیر ڈالو' سونا چاندی' زبرجد' یاقوت اور موتی نکالو۔ اور دنیا کی ساری چیزیں جمع کرو' کوئی کوشش نہ اٹھا رکھو۔ اس کے علاوہ اس قسم کی جتنی چیزیں لوگوں کے پاس ہوں۔ انہیں لے لو اور کسی کے پاس نہ چھوڑو اور میری فرمانبرداری سے قدم نہ ہٹاؤ۔ یہ کہہ کر اس نے تمام بادشاہوں کو خطوط لکھے اور فرمان جاری کر دیئے کہ اس قسم کی جتنی چیزیں ہیں' انہیں جمع کریں اور قیمتی پتھروں کی کانوں میں جا کر انہیں نکالیں خواہ سمندروں کی اتھاہ میں کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ بیس سال میں انہوں نے یہ سب چیزیں جمع کیں۔ اس وقت دنیا کے سارے بادشاہوں کی تعداد تین سو ساٹھ تھی۔ اس کے بعد شداد نے سارے ملکوں اور خطوں سے مہندس' حکماء' مزدور اور کاریگر بلوائے اور وہ سارے جنگل اور بیابانوں میں چاروں طرف گھومنے لگے یہاں تک کہ وہ ایک صحرا میں پہنچے جو بہت بڑا اور صاف ستھرا تھا اور جہاں نہ پہاڑیاں تھیں نہ ریگستان' چپے چپے پر سبزہ زار اور نہریں بہہ رہی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ بس یہی وہ مقام ہے جس کا بادشاہ نے حکم دیا اور جس کی تلاش میں ہم پھر رہے ہیں۔

اب وہ اتنا لمبا چوڑا شہر بنانے میں مشغول ہو گئے جتنا کہ دنیا کے حکمران بادشاہ شداد نے انہیں حکم دیا تھا۔ پانی کے نل لگائے گئے اور اس طرح کی نیو ڈالی جس کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ دنیا بھر کے بادشاہوں نے اس شہر کے لیے جواہرات اور پتھر اور بڑے اور چھوٹے موتی' عقیق' سونا چاندی اونٹوں پر لاد کر جنگلوں اور بیابانوں کے راستے بھی بھیجے اور کشتیوں میں لاد کر سمندر سے بھی۔ مہندسوں اور مزدوروں کے پاس یہ چیزیں اس مقدار اور اس خوبی سے پہنچیں جن کی نہ تعریف ہو سکتی ہے اور نہ شمار اور نہ کسی

کا خیال وہاں تک جا سکتا ہے۔ تین سو سال تک کاریگر اس کام میں مشغول رہے اور جب وہ اس سے فارغ ہو چکے تو انہوں نے بادشاہ کے پاس آ کر خبر دی کہ شہر تیار ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اب جا کر وہاں ایک بڑا عالیشان قلعہ بناؤ اور قلعے کے چاروں طرف ایک ہزار محل جن میں ہر محل ایک ہزار ستونوں کے اوپر ہو تا کہ ہر محل میں ایک وزیر رہے۔ انہوں نے فوراً جا کر کام شروع کر دیا اور بیس سال میں تمام کیا۔ اس کے بعد وہ پھر شداد کے پاس آئے اور کہا کہ اب تیرا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ اب اس نے وزیروں کو حکم دیا جن کی تعداد ایک ہزار تھی اور اسی طرح اپنے خاص معتمد لوگوں سے بھی کہا کہ سفر کی تیاری کریں اور دنیا کے بادشاہ شداد بن عاد کے ہمرکاب ہو کر ارم ذات العماد میں منتقل ہونے کے لیے آمادہ ہو جائیں اور جو اپنی بیویوں اور اپنے گھر والوں یعنی کنیزوں اور غلاموں کو ساتھ لے جانا چاہیں' انہیں اختیار ہے۔ اس تیاری میں اور بیس سال لگ گئے۔ بالآخر وہ دن آیا کہ شداد سارے لشکر کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو اناسی ویں رات

جب دو سو اناسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ نیا شہر بسانے اور اپنی مراد بر آنے سے بے حد خوش شداد لاؤ لشکر سمیت روانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کے اور ارم ذات العماد کے درمیان ایک پڑاؤ کی مسافت باقی رہ گئی۔ خدا نے اپنی قدرت سے آسمان سے اس کے اور اس کے کافر نافرمان ساتھیوں کے اوپر ایک کڑک بھیجی' جس کی آواز اتنی سخت تھی کہ وہ سب ہلاک ہو گئے۔ نہ شداد اور نہ اس کا کوئی ساتھی اس شہر تک پہنچ سکا حتیٰ کہ دیکھ بھی نہ سکا۔ پھر خدا نے ان راستوں کے آثار تک مٹا دیئے جو اس شہر کو جاتے تھے اور وہ شہر قیامت تک اسی حالت میں باقی رہے گا۔ کعب الاحبار کے بیان سے معاویہ کو بڑا تعجب ہوا اور وہ کہنے لگا کہ کسی بشر کی اس تک رسائی ہوئی ہے؟ کعب نے کہا کہ ہاں ایک صحابی جس کا حلیہ ہو بہو اسی شخص کا سا تھا جو یہاں بیٹھا ہوا ہے۔

شعبی کا بیان ہے کہ یمنی حمیز کے علماء روایت کرتے ہیں کہ جب اس کڑک سے شداد اور اس کے ساتھ ہلاک ہو گئے تو شداد اکبر کا بڑا بیٹا شداد اصغر تخت پر بیٹھا اور اپنے باپ کی جگہ سبا اور حضر موت پر حکمرانی کرنے لگا۔ جب اسے یہ خبر ملی کہ اس کا باپ ارم پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں مر گیا تو اس نے حکم دیا کہ اس کی لاش جنگل میں سے حضرت موت لائی جائے اور ایک غار کے اندر قبر کھودی جائے۔ جب لوگ قبر کھود چکے تو اس نے ایک سونے کے تخت پر لٹا کر اور ستر پوشاکیں پہنا کر جو سونے سے بنی ہوئی تھیں اور جس میں نفیس ہیرے ٹنکے ہوئے تھے قبر میں دفن کیا۔

ثعلبی کا بیان ہے کہ اتفاق سے دو شخص اس غار میں داخل ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ اس کے صدر میں ایک زینہ ہے' وہ نیچے اترے اور انہوں نے ایک گڑھا دیکھا جو سو گز لمبا اور چالیس گز چوڑا اور سو گز گہرا تھا اس کے بیچ میں سونے کے تخت پر ایک

لمبا تڑنگا شخص لیٹا ہوا تھا جس کی لمبائی چوڑائی تخت کے برابر تھی اور اس کے سرہانے سونے کی ایک تختی تھی جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ انہوں نے وہ تختی لے لی اور اس جگہ سے جتنے سونے اور چاندی کے ٹکڑے وغیرہ لا سکتے تھے لے آئے۔

○ اسحٰق موصلی کی کہانی

اسحٰق موصلی سے روایت ہے کہ ایک رات میں مامون کے پاس سے اپنے گھر جا رہا تھا کہ پیشاب کی حاجت ہوئی' میں ایک گلی میں گیا اور کھڑا ہو کر پیشاب کرنے لگا کیونکہ اگر میں دیوار کے قریب بیٹھتا تو مجھے ڈر تھا کہ کسی چیز سے ایذا نہ پہنچے میں نے دیکھ اکہ مکان کی دیوار میں کوئی چیز لٹکی ہوئی ہے۔ یہ جاننے کے لیے کہ وہ کیا چیز ہے میں نے اسے چھوا' مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک بڑا ٹوکرا ہے جس میں چار کنڈے ہیں جو مخمل سے منڈھا ہوا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس کا کوئی نہ کوئی سبب ہو گا۔ اس وقت نشہ مجھے زیادہ تھا۔ نہ جانے کیا دھن بندھی کہ میں اس میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں مکان والوں نے مجھ کو مع ٹوکرے کے اوپر کھینچ لیا۔ وہ سمجھے کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس کا انہیں انتظار تھا۔ ٹوکرا آہستہ آہستہ دیوار کی منڈیر پر پہنچا اور چار لڑکیوں نے مجھ سے کہا کہ اتر مرحبا خوش آمدی! ایک لڑکی شمع لے کر میرے آگے آگے چلنے لگی اور کمرے میں پہنچی۔ جہاں ایسا نفیس فرش بچھا ہوا تھا جس کی نظیر خلیفہ کے محل کے سوا میں نے کہیں نہ دیکھی تھی۔ میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دیوار کی ایک طرف کے پردے اٹھے اور کئی لڑکیاں ایک ساتھ داخل ہوئیں۔ ان کے ہاتھوں میں شمعیں تھیں اور قاقلی عود کی انگیٹھیاں اور ان کے درمیان ایک لڑکی جیسے چودھویں رات کو نکلتا ہوا چاند۔ میں اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ مرحبا! اے مہمان پھر وہ بولی کہ بیٹھ جا اور میرا حال پوچھا۔ میں نے کہا کہ ایک دوست کے گھر

سے لوٹ رہا تھا کہ راہ میں مجھے پیشاب لگا اور میں اس کوچے میں داخل ہوا۔ یہاں میں نے ایک ٹوکرا لٹکا ہوا دیکھا۔ نیند کے نشے میں اندر بیٹھ گیا اور ٹوکرے نے مجھے لا کر اس گھر میں پہنچا دیا۔ یہ ہے میرا سارا قصہ۔ اس نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں' مجھے امید ہے کہ اس کا نتیجہ اچھا نکلے گا۔ اس کے بعد اس نے پوچھا کہ تیرا پیشہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں بغداد کے بازار میں تاجر ہوں۔ وہ کہنے لگی کہ تجھے کچھ اشعار یاد ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں تھوڑے بہت یاد تو ہیں۔

وہ بولی کہ اچھا سنا۔ میں نے کہا کہ اجنبی کو شرم معلوم ہوتی ہے لیکن تو شروع کر۔ اس نے جواب دیا کہ تو ٹھیک کہتا ہے' یہ کہہ کر اس نے پرانے اور نئے شاعروں کے عمدہ عمدہ شعر سنائے جو ان کا بہترین کلام تھا۔ میں سن رہا تھا اور میری سمجھ میں یہ نہ آتا تھا کہ میں اس کے حسن و جمال پر تعجب کروں یا اس کی شیریں بیانی پر۔ اس نے کہا کہ اگر مرضی ہو تو کچھ سنا دے اور میں نے پرانے شاعروں کا اتنا کلام سنایا کہ اس سے زیادہ ہو نہ سکتا تھا۔ اسے بہت پسند آیا اور وہ کہنے لگی کہ میں یہ نہ جانتی تھی کہ بازار والوں میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ پھر اس نے کھانا منگوایا۔

دنیا زاد نے اپنی بہن سے کہا کہ تیری کہانی کیسی میٹھی اور عمدہ اور نفیس ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اگر بادشاہ نے مجھے زندہ رکھا تو میں کل تمہیں وہ چیزیں سناؤں گی جو اس سے بدرجہا بہتر ہیں۔

اور اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

دو سو اسی ویں رات

جب دو سو اسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ میں نے کہا تھا کہ اگر میں زندہ رہی اور بادشاہ نے مجھے قتل نہ کیا تو میں آج وہ بیان کروں گی جو کل کے بیان سے بدرجہا بہتر ہو گا۔ بادشاہ نے کہا کہ اپنی کہانی ختم کر۔
اس نے کہا کہ بہت خوب۔ اے نیک نہاد بادشاہ اسحٰق موصلی نے بیان کیا کہ لڑکی نے کھانا منگوایا اور جب کھانا آیا تو اس نے خود بھی کھایا اور میرے آگے بھی بڑھایا۔ اس کمرے میں طرح طرح کے پھول اور ایسے ایسے عجیب میوے تھے جو بادشاہوں کے گھر کے سوا اور کہیں نہیں پائے جاتے۔ کھانے کے بعد اس نے شراب منگوائی۔ ایک پیالہ خود پیتی اور ایک مجھے پلاتی اور کہتی کہ یہ وقت باتیں کرنے اور کہانیاں سنانے کا ہے۔ میں نے سوچ سوچ کر کہنا شروع کیا کہ فلاں اور فلاں بات پیش آئی اور ایک شخص نے یہ کہا اور وہ کہا۔ یہاں تک کہ میں نے بہت سی اچھی کہانیاں سنائیں۔ اس پر وہ بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی کہ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ ایک تاجر کو ایسے قصے کہانیاں کہاں سے یاد ہو گئیں۔ یہ تو بادشاہوں کے آگے بیان کرنے کے قابل ہیں۔
میں نے کہا کہ میرا ایک پڑوسی تھا جو بادشاہوں کے ساتھ رہتا اور انہیں کہانیاں سنایا کرتا تھا۔ جب وہ بیکار ہوتا تو میں اس کے گھر جاتا وہ اکثر یہی کہانیاں کہتا جو تو نے ابھی سنی ہیں۔ وہ بولی کہ بات تو یہ ہے کہ تو نے یاد بھی خوب رکھیں غرض کہ اسی طرح باتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ وہ چپ ہوتی تو میں کچھ کہنے لگتا' میں چپ ہوتا تو وہ شروع کر دیتی یہاں تک کہ رات کا بڑا حصہ گزر گیا۔
عود کی خوشبوئیں مہک رہی تھیں۔ عجب لطف کی صحبت تھی اور میں اس مزے میں تھا کہ اگر مامون کو اس کا پتہ لگ جاتا تو وہ مارے اشتیاق کے اڑ کر وہاں پہنچ جاتا۔ اس

نے کہا کہ تو نہایت لطیف اور نازک شخص ہے اور آداب محفل سے بھی تجھے اچھی واقفیت ہے۔ اب ایک چیز کے سوا اور کوئی کمی نہیں۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا؟ اس نے کہا کہ کاش تو' یہ اشعار کسی ساز پر گا کر سناتا۔ میں نے کہا کہ بہت دن ہوئے کہ مجھے اس کا شوق تھ اجی بھر گیا تو چھوڑ دیا لیکن اس وقت پھر کچھ جی پھڑپھڑانے لگا ہے۔ واقعی لطف کی تکمیل تو اس کے بغیر ہوتی نہیں۔ اس نے کہا کہ اس اشارے سے تیرا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ عود منگایا جائے۔ میں نے کہا کہ جیسی تیری مرضی۔ تو نے مجھ پر بڑی مہربانی کی ہے اور میں تیرا بے حد شکر گزار ہوں۔ پھر اس نے عود منگوا کر ایسی میٹھی آواز سے گایا کہ اگر وہ اس کے اخلاق اور بجانے کی خوبی اور کمال سے ملا دیا جائے تو اس کا جواب نہ تھا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگی تو جانتا ہے کہ یہ راگ کس کا بنایا ہوا ہے اور اشعار کس کے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ اشعار فلاں شاعر کے ہیں اور راگ اسحٰق کا۔ میں بولا واللہ! کیا اسحٰق میں اتنی قابلیت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ واہ واہ! اسحٰق تو اس میں کمال رکھتا ہے۔ میں نے کہا کہ پاکی ہے اللہ کے لیے جس نے اس شخص کو وہ چیز عطا کی جو کسی دوسرے کو نہیں دی۔ اس نے کہا مزہ تو جب آتا کہ یہ راگ تو اس کے منہ سے سنتا۔ انہیں باتوں میں سویرا ہو گیا اور ایک بڑھیا نے جو ماما معلوم ہوتی تھی آ کر کہا کہ وقت ہو چکا ہے۔ یہ سنتے ہی میں اٹھ کھڑا ہوا اور لڑکی نے مجھ سے کہا کہ ہماری باتیں پوشیدہ رکھیو کیونکہ مجلسیں راز کی باتیں ہوتی ہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• دو سو اکیاسی ویں رات

جب دو سو اکیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی نے کہا کہ ہماری باتیں پوشیدہ رکھیو کیونکہ مجلسیں راز کی باتیں ہوتی ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ میری جان تجھ پر فدا اس بات میں مجھے نصیحت دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔
اس کے بعد میں اس سے رخصت ہوا اور اس نے ایک کنیز کو میرے ساتھ دروازے تک بھیجا۔ اس نے دروازہ کھولا اور میں نے نکل کر اپنے گھر کا راستہ لیا۔ گھر پہنچ کر فجر کی نماز پڑھی اور سو گیا۔ تھوڑی دیر میں میرے پاس مامون کا قاصد آیا اور میں وہاں گیا اور دن بھر اس کے ساتھ رہا۔ عشاء کا وقت ہوا تو میں کل کی باتیں سوچنے لگا کیونکہ وہ ایسی باتیں تھیں جن پر نادان کے سوا اور کوئی صبر نہ کر سکتا تھا۔ اس لیے میں اٹھ کر پھر ٹوکرے کے قریب آیا اور اس میں بیٹھ کر پھر اسی جگہ پہنچ گیا جہاں میں کل تھا۔
لڑکی بولی کہ تو بالکل ٹھیک وقت پر پھر آ گیا۔ میں نے کہا کہ مجھے تو یہ خیال ہے کہ میں نے بہت دیر لگائی اور ہم پھر گزشتہ رات کی طرح بات چیت کرتے رہے اور صبح تک ایک دوسرے کو قصے کہانیاں سنایا کیے۔ اس کے بعد میں نے گھر جا کر صبح کی نماز پڑھی اور سو رہا اور پھر مامون کا فرستادہ مجھے بلانے آیا تو میں وہاں گیا اور دن بھر اس کے ساتھ رہا۔ عشاء کے وقت امیرالمومنین نے کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جب تک میں ایک کام کے لیے جا کر لوٹ آؤں' تو یہیں ٹھہریو۔ خلیفہ چل دیا اور میری نظروں سے اوٹ ہو گیا تو میرے خیالات بہکنے لگے۔ مجھے گزشتہ صحبتیں یاد آنے لگیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ خلیفہ جو چاہے میرے ساتھ کرے میں برداشت کر لوں گا۔ یہ کہہ کر میں الٹے پاؤں پھرا' ٹوکرے کے پاس پہنچا اس میں بیٹھ کر مجلس میں پہنچ گیا۔ لڑکی کہنے لگی کہ تو' تو پرانا یار نکلا۔ میں نے کہا کہ درست

ہے۔ وہ بولی کہ تو نے ہمارے گھر کو اپنا گھر بنا لیا ہے۔ میں نے کہا میری جان تجھ پر تصدق! مہمانی تین دن کی ہوتی ہے اگر اس کے بعد آؤں تو میرا خون تجھ پر حلال ہے۔ وہ جلسہ بھی اسی طرح ختم ہوا اور جب جانے کا وقت آیا تو مجھے یقین تھا کہ مامون ضرور مجھ سے پوچھے گا اور جب تک تفصیل کے ساتھ نہ سن لے گا اسے چین نہ آئے گا۔ اب میں نے لڑکی سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تجھے گانے سے بہت دلچسپی ہے۔ میرا ایک چچیرا بھائی ہے جو مجھ سے زیادہ خوبصورت' بلند مرتبہ' باسلیقہ اور اسحٰق کا سب سے بڑا دوست ہے۔ وہ کہنے لگی کہ تو طفیلی اور فالتو ہے؟ میں نے کہا کہ اس کا فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ اس نے کہا کہ تیرا چچیرا بھائی ایسا ہی ہے جیسا تو کہتا ہے تو ہمیں اس کے تعارف سے انکار نہیں۔ اس کے بعد روانگی کا وقت آ گیا اور میں اٹھ کر اپنے گھر چل دیا۔ ابھی میں گھر چل دیا۔ ابھی میں گھر پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ مامون کے فرستادوں نے آ کر گھیر لیا اور مجھے زبردستی پکڑ کر لے گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو بیاسی ویں رات

جب دو سو بیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ...... اسحٰق موصلی کا بیان ہے کہ میں گھر تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ مامون کے فرستادوں نے مجھے آ گھیرا اور زبردستی پکڑ کر اس کے پاس لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ کرسی پر بیٹھا ہے اور مجھ سے ناراض ہے۔ اس نے کہا کہ اسحٰق کیا تو میری نافرمانی کرتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ امیرالمومنین' خدا جانتا ہے کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ تیرا کیا قصہ ہے؟ سچ سچ بتا۔ میں نے عرض کیا کہ بہت خوب لیکن تنہائی میں۔ اس نے حاضرین کو اشارہ کیا وہ ایک طرف ہو گئے۔ میں نے ماجرا بیان کیا اور کہا کہ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ تجھے بھی لاؤں گا۔ مامون بولا تو نے خوب کہا! اس دن بھر ہم مزے میں رہے مگر مامون کا جی اس لڑکی میں لگا رہا اور ابھی وقت بھی نہ آیا تھا کہ ہم چل دیئے اور میں اس سے کہتا جاتا تھا کہ خبردار اس کے آگے میرا نام لے کر نہ پکاریو بلکہ میرے ساتھ نوکروں کا سا برتاؤ کیجیو۔ اس پر ہم دونوں متفق ہو گئے اور چلتے چلتے ٹوکرے کی جگہ پہنچے۔ دیکھا کہ اب وہاں دو ٹوکرے ہیں۔ ایک میں' میں اور دوسرے میں وہ بیٹھ گیا اور اس جگہ پہنچ گئے جہاں میں روز جایا کرتا تھا۔ لڑکی نے آگے بڑھ کر ہم دونوں کو سلام کیا۔ جب مامون کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس کا حسن و جمال دیکھ کر ہکا بکا ہو گیا اور وہ اسے کہانیاں اور اشعار سنانے لگی۔ اس کے بعد اس نے نبیذ پیش کی۔ لڑکی اس کی طرف مائل تھی اور اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی تھی۔ وہ بھی لڑکی کی طرف مائل تھا اور اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ پھر عود لے کر اس نے خاص ادا سے گایا اور مامون کی طرف اشارہ کر کے مجھے کہنے لگی کہ کیا یہ تیرا چچیرا بھائی بھی تاجر ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ تم دونوں کی شکل ملتی جلتی ہے۔ میں نے کہا کہ درست ہے۔ ابھی مامون نے تین ہی رطل پئے

ہوں گے کہ مزے میں آگیا اور پکار کر کہنے لگا کہ اے اسحٰق! میں نے جواب دیا کہ امیرالمومنین حاضر ہوا۔ اس نے کہا تو' بھی اسی انداز سے گا۔ لڑکی کو جو معلوم ہوا کہ وہ خلیفہ ہے تو جا کر ایک کمرے میں چھپ گئی۔ جب میں گا چکا تو مامون نے مجھ سے کہا کہ پوچھ اس مکان کا مالک کون ہے؟ ایک بڑھیا نے نکل کر جواب دیا کہ یہ حسن بن سہل کا مکان ہے۔ مامون نے کہا کہ اسے بلا۔ بڑھیا تھوڑی دیر کے بعد حسن کو لے کر پہنچی۔ مامون نے کہا کہ تیری کوئی بیٹی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں اور اس کا نام خدیجہ ہے۔ مامون نے پوچھا کہ وہ شادی شدہ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ مامون نے کہا کہ میں تجھ سے اس کے ساتھ نکاح کی درخواست کرتا ہوں۔

اس نے کہا کہ امیرالمومنین وہ تیری لونڈی ہے اور تیرے حکم کی فرمانبردار۔ خلیفہ نے کہا کہ میں نے نقد تیس ہزار دینار پر اس سے شادی کر لی۔ کل صبح آ کر دام لے جائیو اور جب مال مل جائے تو شام کو اسے ہمارے پاس پہنچا دیجیو۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم۔ اس کے بعد ہم دونوں وہاں سے نکلے اور خلیفہ نے کہا کہ اے اسحٰق یہ بات کسی سے مت کہیو۔ چنانچہ مامون کے مرتے تک میں نے اسے پوشیدہ رکھا۔ جیسی زندگی ان چاروں تک میری گزری کسی اور کی نہ گزری ہو گی کیونکہ دن کے وقت مامون کی صحبت ہوتی اور رات کے وقت خدیجہ کی۔ واللہ نہ میں نے کوئی مرد مامون کی طرح دیکھا' نہ کوئی عورت خدیجہ جیسی بلکہ سمجھ' عقل اور گفتگو میں خدیجہ کی لونڈیوں کے برابر بھی کسی کو نہ پایا۔ باقی خدا سب سے بہتر جاننے والا ہے۔

○ ایک اور کہانی

حج کے زمانے میں جب لوگ طواف کر رہے تھے اور بڑی بھیڑ تھی ایک شخص کعبے کا پردہ پکڑے یہ کہہ رہا تھا کہ یااللہ میں تجھ سے دعا کرتا ہو کہ وہ اپنے شوہر سے

ناراض ہو جائے اور میں اپنی حسرت پوری کروں۔ جب حاجیوں نے یہ سنا تو پہلے اسے خوب مارا پھر پکڑ کر امیرالحاج کے پاس لے گئے اور امیرالحاج سے کہا کہ ہم نے اس شخص کو ان متبرک مقامات پر یہ کہتے سنا ہے۔ امیرالحاج نے اسے پھانسی کا حکم دے دیا۔ وہ کہنے لگا کہ اے امیر میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیتا ہوں کہ پہلے میرا قصہ اور ماجرا سن لے اس کے بعد جو تیرا جی چاہے کیجیو۔ اس نے کہا کہ بیان کر۔ اس شخص نے کہا کہ اے امیر میں بھنگڑی ہوں' کھتے پر نوکر ہوں خون اور گندگی ادھر سے ادھر لے جانا اور لانا میرا کام ہے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں اپنے گدھے کو لادے ہوئے لیے جا رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ بھاگ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک نے مجھ سے کہا کہ اس گلی میں گھس جا ورنہ لوگ تجھے قتل کر دیں گے۔ میں نے کہا کہ آخر معاملہ کیا ہے' بھاگ کیوں رہے ہو؟ ایک شخص بولا کہ کسی بڑے آدمی کی بیوی یہاں سے گزر رہی ہے۔ اس کے غلام رہ گیروں کو مارتے اور سب کو بھگاتے ہیں۔ اس کی پروا نہیں کرتے کہ کون ہے؟ یہ سن کر میں بھی گدھا لے کر ایک گلی کے اندر چلا گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو تراسی ویں رات

جب دو سو تراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ اس شخص نے کہا کہ میں اپنا گدھا لے کر ایک گلی میں چلا گیا اور انتظار کرنے لگا کہ یہ بلا ٹل جائے تو اپنا راستہ لوں۔ میں نے دیکھا کہ نوکروں کے ہاتھوں میں ڈنڈے ہیں اور تقریباً تیس عورتوں کے جھرمٹ میں ایک عورت ہے بید کی شاخ کی مانند۔ پیاسے نازک غزال کی طرح سبک خرام' نہایت حسین و جمیل۔ جب وہ اس موڑ کے پاس پہنچی جہاں میں تھا تو دائیں بائیں دیکھنے لگی اور ایک غلام کو بلایا۔ غلام حاضر ہوا اس کے کان میں چپکے چپکے کچھ کہا اور غلام نے آ کر مجھے پکڑ لیا۔ اور مجھے ایک رسی سے باندھ کر کھینچتے ہوئے روانہ ہوئے۔ لوگ ہمارے پیچھے بلند آواز سے کہنے لگے کہ اس کی خدا نے کب اجازت دی! یہ شخص ایک غریب بھنگڑی ہے' اسے رسی سے کیوں باندھتے ہو؟ اور انہوں نے غلاموں سے بھی کہا کہ اس پر رحم کرو' بیچارے کو چھوڑ دو۔ خدا تم پر رحم کرے گا۔ مگر وہاں کون سنتا تھا؟ میں نے اپنے دل میں کہا کہ غالباً نوکروں نے مجھے اس وجہ سے گرفتار کیا ہے کہ ان کی مالکہ کو کہیں بدبو پہنچ گئی اس کا جی متلانے لگا۔ یا وہ حاملہ ہے یا بیمار لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ غرض کہ میں ان کے پیچھے پیچھے گھسٹتا ایک بڑے مکان کے دروازے پر پہنچا وہ مجھے لے کر اس میں داخل ہو گئے اور ایک بڑے کمرے میں پہنچے جس کی میں تعریف نہیں کر سکتا۔ جس میں نہایت نفیس فرش بچھا ہوا تھا۔ سب عورتیں وہاں آئیں۔ غلام میری مشکیں کسے کھڑے تھے۔ میں دل میں کہہ رہا تھا کہ وہ یہاں مجھے ضرور سزا دیں گے۔ میں مر جاؤں گا اور کسی کو میری موت کی کانوں کان خبر نہ ہو گی لیکن سزا دینے کے بدلے وہ مجھے ایک نفیس حمام میں لے گئے جو اسی محل سرا کے اندر تھا۔ میں وہاں پہنچا ہی تھا کہ

تین کنیزیں اندر آئیں اور میرے اردگرد بیٹھ گئیں اور مجھ سے کہنے لگیں کہ اپنے یہ گندے چیتھڑے اتار ڈال۔ میں نے اپنے پھٹے پرانے کپڑے اتار ڈالے۔ اب ان میں سے ایک کنیز میرے پاؤں ملنے لگی اور دوسری نے سر دھونا شروع کیا اور تیسری کے ہاتھ میرے بدن کی مالش کرنے لگے۔

نہلانے دھلانے سے فارغ ہو کر انہوں نے میرے آگے پہننے کے کپڑوں کا ایک بقچہ رکھ دیا اور بولیں انہیں پہن لے۔ میں نے کہا کہ خدا گواہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ یہ کپڑے کس طرح پہنے جاتے ہیں۔ اس پر انہوں نے مجھے وہ کپڑے پہنائے اور برابر میرا مذاق اڑاتی رہیں۔ اس کے بعد گلاب پاش لا کر مجھ پر گلاب چھڑکا اور میں' ان کے ساتھ وہاں سے نکل کر ایک دوسرے کمرے میں پہنچا جہاں ایسے نقش و نگار اور فرش و فروش تھے کہ ان کی خوبی مجھ سے بیان نہیں ہو سکتی۔ دیکھا کہ ایک خیزران کا تخت بچھا ہوا ہے اور اس پر ایک عورت بیٹھی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

دو سو چوراسی ویں رات

جب دو سو چوراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ اس شخص نے کہا کہ میں کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ خیزران کے تخت پر ایک عورت

بیٹھی ہے۔ تخت کے پائے ہاتھی دانت کے ہیں اور اس عورت کے آگے بہت سے کنیزیں کھڑی ہوئی ہیں۔ اس عورت نے مجھے دیکھا تو کھڑی ہو گئی اور مجھے اپنے پاس بلایا۔ میں قریب پہنچا تو اس نے کہا کہ بیٹھ اور میرے برابر بیٹھ۔ میں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اس نے کنیزوں کو حکم دیا کہ کھانا لائیں اور وہ میرے لیے ایسا نفیس اور اتنی قسم کا کھانا لائیں جن کا نہ میں نے عمر بھر کبھی نام سنا تھا' نہ ان کی گنتی مجھے یاد ہے۔ میں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ جب کھانا بڑھایا گیا اور ہم ہاتھ دھو چکے تو اس نے میوے منگوائے۔ وہ بھی فوراً حاضر کیے گئے اور ہم دونوں نے نوش جان کیے۔ میووں سے بھی فراغت پائی تو اس نے ایک کنیز سے کہا کہ شراب نوشی کا سامان لا اور وہ جا کر مختلف رنگوں کی کوئی چیز لے آئی۔ طرح طرح کی خوشبوئیں انگیٹھیوں میں جلائی گئیں اور ایک چاند سی کنیز ہمیں شراب پلانے اور گانے بجانے لگی۔ یہاں تک کہ میں اور مکان کی مالکہ جو بیٹھی ہوئی تھی دونوں مدہوش ہو گئے میں خیال کر رہا تھا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں کہ اس نے بعض کنیزوں سے کہا کہ فلاں کمرے میں ہمارے لیے فرش بچھاؤ۔ وہ جا کر وہاں فرش بچھا آئیں۔ اب اس عورت نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اس کمرے میں لے گئی جہاں فرش بچھایا گیا تھا اور ہم دونوں ساتھ ساتھ صبح تک سوئے۔ جب میں اسے سینے سے لگاتا تو اس سے مشک اور عطر کی خوشبو آتی اور مجھے ایسا معلوم ہوتا کہ میں جنت میں ہوں یا خواب کی کیفیت طاری ہے۔ سویرا ہوا تو اس نے پوچھا کہ تیرا مکان کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا کہ فلاں محلے میں۔ اس کے بعد اس نے مجھے رخصت کیا اور ایک رومال دیا جس پر سونے چاندی کا کام

تھا اور اس میں کچھ بندھا ہوا تھا اور کہنے لگی کہ یہ تیرے حمام جانے کا خرچ ہے۔
میں خوش ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر اس میں پانچ ٹکے بھی ہوں گے

تو وہ میرے آج کے ناشتے کے لیے کافی ہیں۔
اب میں اس کے پاس سے نکلا گویا جنت سے باہر آیا اور اپنی جھونپڑی میں پہنچ کر رومال کھولا تو دیکھا کہ اس کے اندر پچاس مثقال سونا ہے۔ میں نے اسے زمین میں گاڑ دیا اور دو فلوس کی روٹی اور سالن خرید کر ناشتہ کرنے دروازے پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔
اسی حالت میں عصر کا وقت آ گیا۔ اتنے میں ایک کنیز آئی اور کہنے لگی کہ میری مالکہ تجھے بلاتی ہے۔ میں ڈیوڑھی کے دروازے تک اس کے ساتھ گیا اور وہ اندر جا کر اجازت لائی۔ میں نے مکان میں داخل ہو کر اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ بیٹھ اور کھانا اور شراب منگوائی۔ کھانا پینا ہنسی مذاق ہوتا رہا اور گزشتہ رات کی طرح اس کے ساتھ سویا۔ جب سویرا ہوا تو اس نے مجھے ایک اور رومال دیا جس میں پچاس مثقال سونا تھا۔ میں نے اسے بھی لے کر اپنی جھونپڑی میں دفن کر دیا۔ سات دن تک یہی صورت رہی کہ میں روزانہ عصر کے وقت اس کے پاس جاتا اور علی الصباح اس سے رخصت ہو کر اپنے گھر چلا آتا۔ آٹھویں دن' رات کے وقت سونے کی تیاری تھی کہ ایک کنیز دوڑتی ہوئی آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ اٹھ اور اس بالا خانے پر چلا جا۔ بالاخانے پر پہنچا تو وہاں سے گلی دکھائی دیتی تھی۔ وہاں جا کر بیٹھا ہی تھا کہ ایک شور و غل اٹھا اور گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔ بالاخانے پر ایک کھڑکی تھی جہاں سے دروازہ دکھائی دیتا تھا۔ اس کھڑکی میں سے میں نے دیکھا کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ایک جوان سوار چلا آ رہا ہے۔ آگے آگے اس کے غلام اور پیچھے پیچھے لشکری ہیں۔ دروازے کے پاس پہنچ کر وہ گھوڑے سے اتر پڑا اور مکان میں آ کر کمرے کے اندر گیا۔ دیکھا کہ وہ عورت تخت پر بیٹھی ہوئی ہے۔
پہلے اس نے اس سے کوئی بات نہ کی اور وہ برابر خوشامد کرتا رہا یہاں تک کہ اس کو منا لیا اور اس رات وہ اس کے ساتھ سویا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو پچاسی ویں رات

دو سو پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب لڑکی کے شوہر نے اسے منا لیا تو وہ باقی رات اس کے ساتھ سویا۔ صبح کی اذانیں ہونے لگیں

تو پھر لشکری اس کے پاس پہنچے اور وہ دروازے سے نکل کر سوار ہو گیا۔ اب وہ میرے پاس اوپر آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ تو نے اسے دیکھا؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ وہ میرا شوہر ہے۔ بات یہ ہوئی تھی کہ ایک دن ہم دونوں اپنے مکان کے اندر باغ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ میرے پاس سے اٹھ کر چل دیا اور دیر تک غائب رہا۔ جب اسے دیر ہو گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا شاید وہ پاخانے گیا ہو گا۔ میں اٹھ کر پاخانے پہنچی لیکن اسے وہاں نہ پایا۔ اس کے بعد میں باورچی خانے گئی اور میری نظر ایک کنیز پر پڑی۔ میں نے اپنے شوہر کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے اشارے سے بتایا اور میں نے دیکھا کہ وہ باورچی خانے کی ایک لونڈی کو لیے پڑا ہے۔ اس پر میں نے قسم کھائی کہ میں بھی ضرور ایک ایسے شخص کے ساتھ زنا کروں گی جو سب سے زیادہ گندہ اور پلید ہو۔ جس روز غلام نے تجھے پکڑا ہے مجھے شہر میں ایسے شخص کو ڈھونڈتے چار دن ہو چکے تھے مگر مجھے تجھ سے زیادہ گندہ اور پلید نہ ملا تھا۔ اس لیے میں نے تجھے بلوا بھیجا اور تقدیر میں جو ہونا تھا ہوا۔ اب میں نے جو قسم کھائی تھی پوری کر لی ہے۔ اس کے بعد وہ کہنے لگی کہ جب میرا شوہر پھر لونڈی کے ساتھ لیٹے گا اور اس سے ہم بستر ہو گا تو میں بھی تجھے بلا کر پھر وہی کچھ کروں گی۔ جب میں نے اسے یہ کہتے سنا اور اس کی نظروں کے تیر میرے دل پر چلنے لگے تو میں اتنا رویا کہ میرے پپوٹے زخمی ہو گئے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ چلا جا۔ مجھے چار سو مثقال سونا مل چکا تھا میں اسے خرچ کر رہا ہوں اور یہاں آیا ہوں تا کہ خدا

سے دعا کروں کہ اس کا شوہر ایک بار اور لونڈی کے پاس جائے اور میری پھر وہی پہلی سی حالت ہو۔ امیر الحاج نے اس شخص کا قصہ سنا تو اسے چھوڑ دیا اور حاضرین سے کہا کہ خدا کے لیے اس کے واسطے دعا کرو' اس لیے کہ وہ معذور ہے۔

○ خلیفہ ہارون الرشید اور دوسرے خلیفہ کی کہانی

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات خلیفہ ہارون الرشید کا جی بہت گھبرا رہا تھا۔ اس نے اپنے وزیر جعفر برمکی کو بلا کر کہا کہ آج رات مجھے سخت گھبراہٹ ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ بغداد کے گلی کوچوں کی سیر کروں اور لوگوں کی حالت دیکھوں لیکن شرط یہ ہے کہ ہم سب سوداگروں کا بھیس بدل لیں تاکہ ہمیں کوئی شخص پہچان نہ سکے۔ چنانچہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ خلیفہ نے بھی شاہانہ پوشاک اتار کر سوداگروں کا لباس پہن لیا۔ یہ تین شخص تھے: خلیفہ' جعفر اور مسرور جلاد۔ وہ جگہ جگہ سیر کرتے پھرتے پھراتے دجلے پر پہنچے۔ وہاں انہوں نے ایک بوڑھے شخص کو ایک کشتی میں بیٹھا دیکھا۔ اس کے پاس جا کر اسے سلام کیا اور کہنے لگے کہ بڑے میاں تیرا بڑا احسان و کرم ہو گا اگر تو ہمیں اپنی کشتی میں بٹھا کر سیر کرا لائے۔ لے یہ دینار تیری اجرت ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو چھیاسی ویں رات

دو سو چھیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب انہوں نے بوڑھے سے کہا کہ ہم تیری کشتی میں بیٹھ کر سیر کرنا چاہتے ہیں اور اسے دینار دیا تو اس نے کہا کہ کس کی مجال ہے کہ جو اس وقت کشتی میں بیٹھ کر سیر کرے۔ خلیفہ ہارون الرشید ہر رات اپنے بجرے میں بیٹھ کر دجلے میں آتا ہے اور اس کے ساتھ ایک ڈھنڈورا پیٹنے والا ڈھنڈورا پیٹتا ہے کہ اے لوگو بڑے یا چھوٹے خاص ہو یا عام' بچے ہو یا جوان جو کوئی کشتی میں بیٹھ کر دجلے میں آئے گا' میں اس کی گردن اڑا دوں گا یا کشتی کے مستول پر الٹا لٹکا دوں گا۔ اس وقت اگر تم کشتی میں بیٹھے تو ضرور تمہاری اور اس کی مڈبھیڑ ہو جائے گی۔ اس کا بجرا آنے والا ہے۔ خلیفہ اور جعفر نے کہا بڑے میاں یہ دو دینار لے اور ہمیں ان محرابوں میں سے ایک کے اندر لے چل تاکہ ہم خلیفہ کے بجرے کو گزرتے ہوئے دیکھ سکیں۔ بوڑھا بولا کہ اچھا لاؤ دینار دو اور خدا پر بھروسہ کرو۔ دینار لے کر وہ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ ایک بجرا بیچ دجلے میں سے آتا ہوا نظر آیا جس میں شمعیں اور مشعلیں جل رہی تھیں۔ بوڑھے نے کہا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ خلیفہ ہر رات کشتی میں آتا ہے اور پھر کہنے لگا کہ اے پردہ پوش خدا پردہ دری نہ کیجیو اور انہیں لے کر ایک محراب میں گھس گیا اور ان پر ایک سیاہ چادر ڈال دی۔ وہ چادر کے نیچے سے دیکھنے لگے۔

انہوں نے دیکھا کہ بجرے کے آگے کے حصے میں ایک شخص ہے جس کے ہاتھ میں سرخ سونے کی ایک مشعل ہے جسے وہ قاقلی عود سے روشن کرتا جاتا ہے۔ یہ شخص سرخ اطلس کی قبا پہنے ہوئے ہے اور اس کے ایک کندھے پر ایک زرد رنگ کی زردوزی چادر پڑی ہوئی ہے اور سر پر موصلی پگڑی۔ دوسرے کندھے پر ریشم کا ایک تھیلا ہے

جس میں قاقلی عود بھرا ہوا ہے۔ بجرے کے پچھلے حصے میں ایک ایسا ہی لباس پہنے اور ایسی ہی مشعل لیے ایک دوسرا شخص کھڑا دیکھا۔ بجرے کے اندر دو سو غلام دائیں بائیں کھڑے نظر آ رہے ہیں اور ان غلاموں کے حلقے میں سرخ سونے کی ایک کرسی رکھی ہوئی ہے اور اس پر چاند سا خوبصورت جوان بیٹھا ہوا ہے۔ سیاہ لباس پہنے جس پر زرد سونے کا کشیدہ کڑھا ہوا ہے۔ اس کے سامنے وزیر جعفر جیسا ایک شخص بیٹھا ہے اور اس کے پیچھے ایک دوسرا شخص کھڑا ہے جس کی شکل مسرور سے ملتی جلتی ہے اور اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے۔ ان کے علاوہ بیس اور ندیم ہیں۔ جب خلیفہ نے یہ دیکھا تو کہا کہ اے جعفر! اس نے کہا کہ اے امیرالمومنین حاضر ہوں۔

خلیفہ نے کہا کہ شاید میرے بیٹوں میں سے کوئی ہے۔ مامون یا امین۔ اب اس نے جوان کو غور سے دیکھا جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور دیکھا کہ اس کا حسن و جمال اور قد و قامت لاجواب ہے۔ غور سے دیکھنے کے بعد وہ وزیر کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ اے جعفر۔ اس نے جواب دیا کہ لبیک! اس نے کہا کہ اس شخص کی شکل جو بیٹھا ہوا ہے بالکل میری سی ہے اور جو شخص اس کے سامنے ہے وہ تیری طرح ہے اور جو نوکر اس کے پیچھے کھڑا ہے ہو بہو مسرور معلوم ہوتا ہے اور یہ ندیم ایسے ہیں جیسے خود میرے ندیم۔ میری عقل دنگ ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو ستاسی ویں رات

جو دو سو ستاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ یہ دیکھ کر دنگ ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے جعفر واللہ میں اس بات سے سخت حیران ہوں۔ جعفر بولا واللہ اے امیرالمومنین میں کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ اتنے میں بجرا چلتے چلتے نظر سے غائب ہو گیا اور بوڑھا اپنی کشتی لے کر چل دیا اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا ہماری کس سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی اور ہم صحیح و سلامت نکل آئے۔ خلیفہ نے کہا کہ بڑے میاں کیا خلیفہ ہر رات دجلے میں آیا کرتا ہے؟ اس نے کہا' ہاں میرے آقا اور اسی حالت میں ایک سال ہو چکا ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ بڑے میاں تیری بڑی مہربانی ہوں گی اگر تو کل رات یہیں ہمارا انتظار کرے۔ ہم تجھے پانچ دینار دیں گے۔ ہم پردیسی ہیں۔ سیر کرنے آئے ہیں اور الخندق میں رہتے ہیں۔ بوڑھے نے کہا کہ سر آنکھوں سے۔ اس کے بعد خلیفہ اور جعفر اور مسرور بوڑھے کے پاس سے چل دیئے اور محل پہنچ کر سوداگروں کا لباس اتار ڈالا اور شاہی کپڑے پہن لیے اور اپنے اپنے مرتبے پر بیٹھ گئے۔ امراء' وزرا' حاجب اور عامل آئے۔ دربار منعقد ہوا۔ جب دن ختم ہوا اور سب نے اٹھ کر اپنی اپنی راہ لی تو خلیفہ ہارون الرشید نے کہا کہ اے جعفر چل دوسرے خلیفہ کا تماشہ دیکھیں۔ اس پر جعفر اور مسرور ہنس پڑے اور سوداگروں کا لباس پہن کر نہایت خوش خوش چور دروازے سے نکل کر روانہ ہو گئے۔ جب وہ دجلے پر پہنچے تو دیکھا کہ بوڑھا کشتی لیے ان کا انتظار کر رہا ہے۔ یہ تینوں کشتی میں اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ دوسرے خلیفہ کا بجرا ان کے سامنے آ گیا۔ جب انہوں نے غور سے دیکھا تو اس میں کل کے علاوہ دوسرے دو سو غلام تھے اور ڈھنڈورا پیٹنے والے ہی ڈھنڈورا پیٹ رہے تھے۔ خلیفہ نے کہا کہ اے جعفر یہ ایسی باتیں ہیں کہ اگر میں ان کو سن لیتا تو ہرگز یقین نہ کرتا لیکن اب میں انہیں

خود آنکھ سے دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد خلیفہ نے کشتی بان سے کہا بڈھے یہ دس دینار لے اور ہماری کشتی کو ان کے پہلو بہ پہلو لے چل۔ وہ روشنی میں ہیں اور ہم اندھیرے میں۔ ہم ان کا تماشہ دیکھیں گے اور وہ ہمیں نہ دیکھ سکیں گے۔ بوڑھے نے وہ دس دینار لیے اور اپنی کشتی کو ان کے پہلو میں لگا دیا اور اس بجرے کے سائے میں کھینے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دو سو اٹھاسی ویں رات

جب دو سو اٹھاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ ہارون الرشید نے بوڑھے سے کہا کہ یہ دس دینار لے اور ان کے پہلو بہ پہلو چل۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم اور دینار لے کر انہیں لے چلا اور بجرے کے سائے میں باغوں تک جا پہنچا۔ وہ باغوں تک پہنچ گئے تو انہیں ایک بڑا کٹہرا نظر آیا۔ بجرا ٹھہر گیا۔ وہاں کئی غلام ایک خچر کو لیے کھڑے تھے جس پر زین کسا ہوا تھا۔ دوسرا خلیفہ نیچے اتر کر خچر پر سوار ہوا اور اپنے ندیموں کے ساتھ آگے بڑھا' منادی کرنے والے منادی کرنے لگے' نوکر چاکر اپنے دھندوں میں مشغول تھے۔ ہارون الرشید اور جعفر اور مسرور بھی خشکی پر اترے اور غلاموں کو چیرتے پھاڑتے ان کے آگے نکل گئے۔ اب مشعل برداروں کی نظر ان پر پڑی اور انہوں نے دیکھا کہ تین شخص ان کے ساتھ ہیں جو سوداگروں کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور پردیسی ہیں۔ انہیں یہ برا معلوم ہوا اور انہوں نے ان کو اشارے سے بلا کر دوسرے خلیفہ کے سامنے حاضر کیا۔ جب اس نے انہیں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ تم اس جگہ کیسے آئے ہو اور اس وقت یہاں پہنچنے کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے آقا ہم پردیسی سوداگر ہیں اور آج ہی ہمارا یہاں آنا ہوا ہے۔ رات کو سیر کرنے نکلے تھے کہ ان لوگوں نے ہمیں پکڑ لیا۔ اور تیرے آگے لا کھڑا کیا۔ بس یہی ہے ہمارا قصہ۔

دوسرے خلیفہ نے کہا کہ ڈرو نہیں کیونکہ تم پردیسی ہو۔ اگر تم بغداد کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔ اس کے بعد اپنے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر بولا کہ انہیں اپنے ساتھ رکھ وہ آج ہمارے مہمان ہیں۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اے ہمارے آقا۔ اب وہ انہیں ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ وہ ایک محل کے پاس پہنچا جو نہایت خوبصورت' عظیم الشان اور ایسا مضبوط تھا کہ کسی بادشاہ

کے پاس نہ ہو گا اور زمین سے لے کر بادلوں تک بلند اس کا دروازہ ساگوان کی لکڑی کا تھا اور اس میں چمک دار سونے کی پچی کاری تھی۔ اس محل میں داخل ہوتے ہی ایک ایوان دکھائی دیا جس میں ایک حوض تھا جس کے چاروں طرف پشتے بنے ہوئے تھے۔ ایوان میں فرش بچھے ہوئے' تکیے رکھے ہوئے اور پردے پڑے ہوئے تھے۔ فرش اس قدر صاف تھا کہ عقل دنگ ہو جائے اور زبان اس کی تعریف نہ کر سکے۔

سب لوگ وہاں داخل ہوئے اور دوسرا خلیفہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا جو سونے کی تھی اور جس میں ہیرے جڑے ہوئے تھے اور جس کے اوپر زرد ریشم کا سجادہ بچھا ہوا تھا۔ ندیم بیٹھ گئے اور جلاد دوسرے خلیفہ کے سامنے کھڑا ہو گیا پھر دسترخوان بچھایا۔ جب وہ کھا چکے تو برتن بڑھائے گئے۔ لوگوں نے ہاتھ دھوئے اور شراب نوشی کا سامان آیا' صراحیاں اور پیالے ایک قطار میں رکھے۔ دور چلنا شروع ہوا اور چلتے چلتے خلیفہ ہارون الرشید تک پہنچا لیکن اس نے پینے سے انکار کیا۔ دوسرے خلیفہ نے جعفر سے پوچھا کہ تیرا دوست کیوں نہیں پیتا۔ وہ بولا اے میرے آقا' اس نے مدت سے اس کا پینا ترک کر دیا ہے۔ دوسرے خلیفہ نے کہا کہ میرے پاس اس کے علاوہ اور بھی پینے کی چیز ہے جو تیرے دوست کے قابل ہے اور وہ سیب کا شربت ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے منگوایا جو فوراً حاضر کیا گیا۔ دوسرے خلیفہ نے ہارون الرشید کے پاس جا کر کہا کہ جب دور تیرے پاس آئے تو تو اس میں سے پیجیو۔ وہ پیتے اور لطف اٹھاتے اور ایک دوسرے کو جام دیتے رہے یہاں تک کہ شراب نے انہیں رنگ لیا اور ان پر غالب آ گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو نواسی ویں رات

جب دو سو نواسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ دوسرا خلیفہ اور اس کے ساتھی برابر پیتے رہے یہاں تک کہ شراب نے انہیں رنگ لیا اور ان کی عقل زائل کر دی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے وزیر سے کہا کہ اے جعفر واللہ میرے پاس بھی ایسا سامان نہیں ہے۔ کاش کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ جوان کون ہے اور اسی طرح چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے کہ جوان ان کی طرف متوجہ ہوا اور دیکھا کہ وزیر اور خلیفہ کانا پھوسی کر رہے ہیں۔ کہنے لگا کہ کانا پھوسی کرنا بری بات ہے۔ وزیر نے کہا کہ کوئی بری بات نہیں ہو رہی ہے۔ میرا یہ ساتھی محض یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے اکثر ملکوں کی سیر کی ہے اور بڑے بڑے بادشاہوں کی صحبت میں رہا ہوں' لشکروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے' میں نے کہیں نہ ایسا عمدہ انتظام دیکھا اور نہ ایسی لطف کی رات گزاری لیکن بغداد والے کہتے ہیں کہ شراب بے گانے بجانے کے سر میں درد پیدا کر دیتی ہے۔ یہ سن کر دوسرا خلیفہ مسکرانے لگا اور خوش ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا وہ اس نے ایک گھڑیال پر مارا فوراً ایک دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک نوکر برآمد ہوا جس کے پاس ایک ہاتھی دانت کی کرسی تھی جس پر سونے کا کام تھا اس کے پیچھے ایک لڑکی تھی جو حسن و جمال میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ نوکر نے کرسی رکھ دی اور وہ لڑکی اس پر بیٹھ گئی جیسے کہ آسمان پر چمک دار سورج۔ اس کے ہاتھ میں ایک ساز تھا جسے ہندوستانی کاری گروں کی دستکاری کہنا چاہیے۔ اس نے وہ ساز اپنی گود میں رکھا اور اس پر اس طرح جھکی جیسے ماں بچے کے اوپر اور تمہید کے بعد چوبیس راگ سنائے اس خوبی کے ساتھ کہ لوگوں کی عقلیں دنگ ہو گئیں۔

راگوں کا سننا تھا کہ دوسرے خلیفہ نے ایک چیخ ماری اور اپنے لباس کو دامن تک پھاڑتا

چلا گیا۔ لوگوں نے اس پر پردہ گرا دیا اور دوسرا لباس لائے جو پہلے سے زیادہ خوبصورت تھا اور وہ اسے پہن کر پھر پہلے کی طرح آ کر بیٹھ گیا۔ اب جب دوبارہ دور اس کے پاس پہنچا تو اس نے پھر ڈنڈا گھڑیال پر مارا اور فوراً دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک نوکر سونے کی کرسی لیے نکلا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک لڑکی جو پہلی سے بھی زیادہ حسین تھی' ہاتھ میں دوسرا ساز لیے ہوئے آئی جسے اگر حاسد دیکھ لیں تو ان کے دل میں آگ لگ جائے اور وہ گانے بجانے لگی۔ اس کا گانا سن کر جوان نے پھر ایک چیخ ماری اور دامن تک اپنے کپڑے چاک کر دیئے۔ پھر اس پر پردہ گرا دیا گیا اور لوگ دوسری پوشاک لائے اور وہ اسے پہن کر پھر پہلے کی طرح آ بیٹھا۔ مزے مزے کی باتیں کرنے لگا۔ جب پھر دور اس تک پہنچا تو پھر اس نے گھڑیال بجایا اور ایک خادم نکلا جس کے پیچھے پیچھے لڑکی تھی جو پہلی دونوں لڑکیوں سے زیادہ حسین تھی۔ خادم اپنے ساتھ ایک کرسی لایا تھا جس پر وہ بیٹھ گئی اس کے ہاتھ میں ایک تیسری قسم کا ساز تھا۔ جس کے تار ملا کر وہ گانے لگی۔ جوان نے پھر چیخ ماری اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ لوگ پھر پردہ ڈال کر دوسرے کپڑے لائے اور وہ پھر اپنے ندیموں کے ساتھ آ بیٹھا اور دور چلنے لگا۔ جب پیالہ اس کے پاس پہنچا تو اس نے پھر گھڑیال پر چوٹ ماری۔ دروازہ کھلا اور ایک غلام کرسی لے کر آیا اور ایک لڑکی پیچھے پیچھے آئی۔ غلام نے کرسی بچھا دی اور لڑکی نے بیٹھ کر ساز لیا اور گانا شروع کیا۔ دوسرے خلیفہ کا پھر وہی حال ہوا چیخ ماری اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو نوے ویں رات

جب دو سو نوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ دوسرے خلیفہ نے لڑکی کا گانا سن کر پھر زور سے چیخ ماری اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ لوگ چاہتے تھے کہ پردہ گرا دیں لیکن رسی رک گئی اور ہارون الرشید کی نظر اس پر جا پڑی اس نے دیکھا کہ اس کے بدن پر کوڑوں کی مار کے نشان ہیں۔ ہارون الرشید نے غور سے دیکھنے کے بعد کہا کہ جعفر واللہ یہ بڑا خوبصورت جوان ہے مگر بڑا شاطر چور معلوم ہوتا ہے۔ جعفر بولا' امیرالمومنین یہ تجھے کیسے معلوم ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ کیا تو نے اس کے دونوں پہلوؤں پر کوڑوں کے نشان نہیں دیکھے؟ اتنے میں لوگ اس پر پردہ ڈال کر دوسرے کپڑے لے آئے تھے اور وہ انہیں پہن کر پہلے کی طرح اپنے ندیموں میں آ بیٹھا۔ اب اس کی توجہ خلیفہ اور جعفر کی طرف مبذول ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ وہ دونوں کانا پھوسی کر رہے ہیں وہ ان سے کہنے لگا کہ اے جوانو یہ کیا ماجرا ہے؟ جعفر نے کہا کہ اے ہمارے آقا خیریت ہے لیکن یہ بات تجھ سے پوشیدہ نہ رہنی چاہیے کہ یہ میرا ساتھی سوداگر ہے اور ہر ملک اور شہر میں گیا ہے اور بادشاہوں اور دوسرے بڑے لوگوں کی صحبت میں رہا ہے وہ کہتا ہے کہ جو کچھ آج ہمارے آقا خلیفہ نے کیا بڑی فضول خرچی ہے۔ میں نے کسی ملک میں کسی کو ایسا کرتے نہیں دیکھا کیونکہ اس نے ایسے لباس پھاڑ ڈالے جن کی قیمت ایک ایک ہزار دینار ہو گی۔ دوسرے خلیفہ نے کہا کہ یہ مال میرا مال ہے اور لباس میرا لباس ہے اور یہ ایک معمولی سا انعام ہے جو میں اپنے نوکروں چاکروں کو دیا کرتا ہوں۔ ہر لباس جسے میں نے پھاڑا ہے کسی نہ کسی حاضر باش ندیم کے لیے ہے۔ میرا یہ حکم ہے کہ ہر لباس کے ساتھ انہیں پانچ سو دینار نقد بھی دیئے جایا کریں۔ وزیر جعفر بولا کہ خوب اے ہمارے آقا اور یہ دو شعر پڑھے "نیکیوں نے اپنا گھر تیری ہتھیلیوں

میں بنایا ہے اور تو نے اپنا مال لوگوں پر حلال کر دیا ہے۔ اگر نیکیوں کے دروازے بند ہو جائیں تو ان کے قفلوں کی کنجیاں تیرے دونوں ہاتھ ہیں۔"

جوان نے یہ دونوں شعر جعفر سے سنے تو حکم دیا کہ اسے ایک پوشاک اور ایک ہزار دینار عطا کئے جائیں۔ اب پھر دور چلنے لگے اور انہیں شراب میں لطف آنے لگا۔ ہارون الرشید نے کہا کہ اے جعفر پوچھ تو سہی کہ اس کے بدن پر مار کے نشان کیسے ہیں؟ معلوم ہو کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔ جعفر نے عرض کیا کہ اے ہمارے آقا جلدی نہ کر۔ ذرا ٹھہر جا صبر کرنا بہتر ہے۔ خلیفہ بولا قسم ہے اپنے سر کی اور عباس کی قبر کی اگر تو نے نہ پوچھا تو میں تیری جان نکال لوں گا۔ اتنے میں جوان وزیر کی طرف مخاطب ہو کر بولا تجھے اور تیرے رفیق کو کیا ہو گیا' تم کانا پھوسی کیے جاتے ہو؟ اپنی باتیں مجھے بھی سناؤ۔ وزیر نے کہا خیر ہے۔ جوان نے کہا کہ خدا کے واسطے کہو اور مجھ سے کوئی بات نہ چھپاؤ۔ وزیر کہنے لگا کہ اے میرے آقا اس نے تیرے دونوں پہلوؤں پر کوڑوں کے نشان دیکھے ہیں۔ اسے سخت تعجب ہے کہتا ہے کہ خلیفہ پر کیسے مار پڑ سکتی ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ اس کا سبب دریافت کرے جب جوان نے یہ سنا تو مسکرا کر بولا کہ سنو میرا ماجرا عجیب و غریب ہے۔ اگر وہ سوئیوں سے آنکھوں کے کونوں میں لکھا جائے تو عبرت حاصل کرنے والے اس سے عبرت حاصل کریں گے۔ سنو اے میرے آقاؤ میں امیرالمومنین نہیں ہوں بلکہ میں نے اپنا یہ نام رکھ لیا ہے تاکہ شہر والوں سے جو میں چاہوں' مل جائے۔ میرا نام تو محمد علی بن علی جوہری ہے۔ میرا باپ بڑے امیر لوگوں میں سے تھا۔ اس نے ترکے میں بے حد سونا' چاندی' موتی' مرجان' یاقوت' زبرجد اور دوسرے جواہرات' جاگیریں' حمام' پڑاڈے' باغ' دکانیں' بے شمار اینٹیں بنانے والے غلام اور کنیزیں چھوڑی تھیں۔

ایک روز یہ اتفاق ہوا کہ میں اپنی دکان میں بیٹھا ہوا تھا اور نوکر چاکر میرے اردگرد تھے کہ ایک لڑکی خچر پر سوار تین ماہ رو کنیزوں کو ساتھ لیے آئی۔ میرے قریب پہنچ کر وہ اتر پڑی۔ دکان پر میرے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ اور مجھ سے کہنے لگی کہ تیرا

ہی نام محمد علی جوہری ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں وہ تیرا مملوک اور غلام' میں ہی ہوں۔ وہ بولی کیا تیرے پاس کوئی جواہرات کا ہار ہے جو میرے قابل ہو؟ میں نے کہا کہ اے میری آقا جو کچھ میرے پاس ہے پیش کرتا ہوں' اگر ان میں سے کچھ تجھے پسند آیا تو یہ تیرے غلام کے لیے سعادت کا باعث ہے اور اگر پسند نہ آیا تو میری بدقسمتی کی علامت۔ میرے پاس جواہرات کے سو ہار تھے۔ میں نے سب اس کے آگے پیش کیے لیکن ان میں سے اسے کوئی پسند نہ آیا اور وہ کہنے لگی کہ میں ان سے بہتر چاہتی ہوں۔ میرے پاس ایک اور چھوٹا سا ہار تھا جسے میرے باپ نے ایک لاکھ دینار میں خریدا تھا اور جس کی نظیر کسی بڑے بادشاہ کے پاس بھی نہ ہو گی۔ میں نے اس سے کہا کہ اے میری آقا ایک نگوں اور جواہرات کا ہار اور میرے پاس ہے جس کی مثل نہ کسی بڑے کے پاس ہو گی نہ چھوٹے کے۔ اس نے کہا دکھا۔ جب اس نے اسے دیکھا تو کہنے لگی کہ بس ایسا ہی چاہتی تھی اور ایسے ہی ہار کی تمنا مجھے عمر بھر رہی۔ پھر اس نے پوچھا کہ اس کی قیمت؟ میں بولا کہ میرے باپ نے اسے ایک لاکھ دینار میں خریدا تھا۔ اس نے کہا کہ اور تیرا فائدہ پانچ ہزار دینار؟ میں نے عرض کیا کہ اے میری آقا ہار اور ہار کا مالک دونوں تیرے ہیں اور میں تیرا فرمانبردار ہوں۔ اس نے کہا کہ تجھے فائدہ ضرور لینا ہو گا اور اس کے علاوہ میں تیری ممنون رہوں گی۔ یہ کہہ کر وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور پھرتی سے خچر پر بیٹھ کر مجھ سے کہنے لگی اے میرے آقا بسم اللہ میرے ساتھ چل کر قیمت لے آ کیونکہ آج کا دن تیرے لیے مثل دودھ کے سفید ہے۔

میں نے اٹھ کر دوکان میں قفل لگایا اور فی امان اللہ کہہ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ جب میں اس کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ امارات کے نشان نمودار ہیں۔ مکان کا دروازہ سونے' چاندی اور لاجورد کا ہے۔ لڑکی اتر کر گھر میں چلی گئی اور مجھ سے کہا کہ دروازے کے چبوترے پر بیٹھ۔ میں وہاں کچھ دیر بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ایک کنیز باہر آئی اور مجھ سے بولی اندر چل یہاں تیرا دروازے پر بیٹھنا برا معلوم ہوتا ہے۔ میں مکان کے اندر

جا کر چوکی پر بیٹھ گیا۔ بیٹھا ہی تھا کہ ایک کنیز آئی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا میری مالکہ کہتی ہے کہ اندر ایوان کے دروازے پر آ اور قیمت لے لے۔ اب میں وہاں سے اٹھ کر اندر گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک سونے کی کرسی بچھی ہوئی ہے اور اس پر ریشم کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ پردہ اٹھا اور وہ لڑکی نظر آئی جس نے مجھ سے ہار خریدا تھا۔ اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا اور چاند کے دائرے کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ ہار اس کے گلے میں پڑا ہوا تھا۔ لڑکی کا حسن و جمال دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ مجھے دیکھ کر وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ میری طرف دوڑی اور کہا کہ اے میری آنکھوں کے نور کیا تیری طرح ہر خوبصورت اپنی محبوبہ پر ترس نہیں کھاتا؟ میں نے کہا اے میری آقا حسن تو جان و دل سے تیرا ہے۔ تو نے یہ کیا کہا۔ وہ بولی اے جوہری میں تجھ پر مرتی ہوں اور مجھے اب تک یقین نہیں آتا کہ میں تجھے اپنے ساتھ یہاں لائی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ میری طرف جھکی اور میرا بوسہ لیا۔ میں نے بھی اس کا بوسہ لیا پھر اس نے مجھے اپنی طرف کھینچا اور اپنے سینے سے لپٹا لیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو اکیانوے ویں رات

جب دو سو اکیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- جوہری نے کہا کہ وہ میری طرف جھکی اور میرا بوسہ لیا' مجھے اپنی طرف کھینچا اور اپنے سینے سے لپٹا لیا اور میری حالت دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ میں اس کے وصال کا طالب ہوں۔ مجھ سے کہنے لگی اے میرے آقا کیا تو چاہتا ہے کہ مجھ سے حرام کاری کرے۔ واللہ نیست و نابود ہو وہ شخص جو اس قسم کے گناہ کا مرتکب ہو یا ایسی بری بات زبان پر لائے! میں کنواری ہوں اور باکرہ۔ کوئی مرد میرے پاس اب تک نہیں آیا ہے اور شہر میں ہر ایک مجھے جانتا ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ میں کون ہوں؟ میں نے کہا کہ خدا کی قسم نہیں' اے میری آقا۔ اس نے کہا کہ میں وزیر زادی ہوں۔ میرا نام دینا بنت یحیٰی بن خالد برمکی ہے اور میرا بھائی خلیفہ کا وزیر جعفر ہے۔ یہ سنا تو میں جھجک گیا اور اس سے کہا کہ اے میری آقا میری دراز دستی میں میرا کوئی گناہ نہیں۔ تو نے خود مجھے اپنے پاس بلا کر اپنے وصال کا خواہش مند کیا۔ اس نے کہا کہ گھبرا نہیں۔ تیرا مقصد پورا ہو کر رہے گا مگر خدا کی رضا مندی کے ساتھ کیونکہ میں خود مختار ہوں اور قاضی میرا نکاح کر دے گا۔ میرا ارادہ ہے کہ میں تیری بیوی اور تو' میرا شوہر ہو۔ یہ کہہ کر اس نے قاضی اور گواہوں کو بلوایا اور خوب تیاری کی۔

جب وہ آئے تو لڑکی نے کہا کہ محمد علی بن جوہری مجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ مہر میں اس نے مجھے یہ ہار دیا ہے اور میں نے قبول کر لیا ہے۔ میں راضی ہوں۔ انہوں نے میرا نکاح نامہ اس کے ساتھ لکھ دیا اور میں اس کے ساتھ اندر چلا گیا۔ مئے نوشی کا سامان لایا گیا۔ جام چلنے لگے۔ ہر کام نہایت سلیقے سے ہو رہا تھا۔ نشہ چڑھنے لگا تو اس نے ایک مغنیہ کنیز کو گانے بجانے کا حکم دیا۔ اس کنیز نے ساز چھیڑ کر گانا شروع کر دیا اور ایسا عمدہ گایا بجایا کہ واہ وا۔ ایک کنیز کے بعد دوسری گاتی بجاتی رہی۔ دس

کنیزیں گا بجا چکیں تو وزیر زادی دینا نے خود ساز لے کر بجانا شروع کیا اور اس رنگ سے بجایا کہ سب دنگ ہو گئے۔ اس نے ساز رکھا تو میں نے اٹھا لیا اور طرح طرح کے راگ نکالے۔ میرے راگ سن کر وہ بہت خوش ہوئی اور اس کے بعد اس نے کنیزوں کو برخاست کیا اور ہم دونوں ایک خوبصورت کمرے میں گئے جہاں رنگ برنگ کے فرش بچھے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے کپڑے اتار ڈالے اور میں اس کے ساتھ ہم بستر ہوا۔ جس طرح کہ عاشق ہوا کرتے ہیں۔ میں نے بڑا لطف اٹھایا۔ اس سے زیادہ خوشی کی رات مجھے زندگی میں کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو بانوے ویں رات

دو سو بانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ محمد بن علی جوہری کا بیان ہے کہ میں نے وزیر زادی دینا بنت یحییٰ بن خالد برکمی سے ہم بستری کی اور اس طرح میں پورے مہینے بھر تک اس کے ساتھ رہا۔ دکان' مکان اور خاندان کے پاس تک نہ پھٹکا۔ ایک روز اس نے مجھ سے کہا کہ اے میری آنکھوں کے نور' اے میرے آقا محمد میں آج حمام جانے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ تو اس تخت پر بیٹھا رہیو اور جب تک میں لوٹ نہ آؤں یہاں سے نہ اٹھیو۔ اس نے مجھے قسم دی۔ میں نے تعمیل حکم کا وعدہ کیا پھر اس نے دوبارہ قسم دی کہ میں اپنی جگہ سے نہ ہٹوں اور اپنی کنیزوں کو لے کر حمام چلی گئی۔ اے میرے دوستو یقین کرو کہ وہ ابھی گلی کے دوسرے کنارے پر پہنچی ہو گی کہ دروازہ کھلا اور ایک بڑھیا اندر آئی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا محمد شہزادی زبیدہ تجھے یاد کرتی ہے۔ اس نے تیرے ادب و تمیز' ظرافت اور نغمہ سرائی کی تعریف سنی ہے۔ میں نے کہا کہ میں ہرگز یہاں سے نہ اٹھوں گا جب تک کہ وزیر زادی دینا نہ آ جائے۔ بڑھیا بولی اے میرے آقا شہزادی زبیدہ کو ناراض نہ کر اور اسے اپنا دشمن نہ بنا۔ اس سے دو دو باتیں کر کے ابھی لوٹ آئیو۔ میں اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ بڑھیا میرے آگے آگے تھی حتیٰ کہ میں شہزادی زبیدہ کے پاس پہنچ گیا۔ جب وہاں پہنچا تو اس نے پوچھا کہ اے میری آنکھوں کے نور کیا تو ہی وزیر زادی دینا کا معشوق ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں تیرا بندہ اور غلام ہوں۔ اس نے کہا کہ جس نے تیرے حسن و جمال اور ادب و کمال کی تعریف کی ہے جھوٹ نہیں بولا تو' ہر تعریف سے برتر ہے لیکن اپنا گانا بھی ذرا مجھے سنا دے۔ میں نے کہا بسرو چشم۔

اس نے مجھے ساز دیا اور میں گانے بجانے لگا۔ جب میں گا بجا چکا تو وہ بولی کہ خدا

تجھے اور تیری آواز کو صحیح سلامت رکھے تو ادب و آداب حسن اور گانے بجانے سب میں کمال رکھتا ہے۔ اب اپنے گھر جا اگر وزیر زادی دینا آ گئی اور تجھے نہ پایا تو وہ تجھ سے ناراض ہو گی۔ میں نے اٹھ کر اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور بڑھیا کے ساتھ روانہ ہو گیا اور دروازے پر پہنچ گیا جہاں سے روانہ ہوا تھا۔ اندر تخت کے پاس جا کر میں نے دیکھا کہ وہ حمام سے آ گئی ہے اور تخت پر سو رہی ہے۔ میں پائنتی بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانے لگا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ پاؤں کھینچ لیے اور اس زور سے لات ماری کہ میں تخت پر سے گر پڑا اور مجھ سے کہنے لگی کہ اے خائن تو نے قسم توڑ دی اور دغابازی کی۔ تو نے وعدہ کیا تھا کہ اپنی جگہ سے نہ اٹھے گا مگر اس کے خلاف کیا اور شہزادی زبیدہ کے پاس گیا۔ خدا کی قسم اگر مجھے بدنامی کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس کا محل ڈھا کر اسے اس کے نیچے دفن کر دیتی۔ اس کے بعد اس نے اپنے غلام سے کہا کہ اے صواب اٹھ اور اس خائن دروغ گو کی گردن اڑا دے۔ اب یہ میرے کام کا نہیں۔ غلام آگے بڑھا۔ اپنے دامن میں سے ایک دھجی پھاڑ کر میری آنکھیں باندھ دیں اور چاہتا ہی تھا کہ میری گردن اڑا دے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو ترانوے ویں رات

جب دو سو ترانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ محمد جوہری نے بیان کیا کہ غلام بڑھا اور اپنے دامن سے ایک دھجی پھاڑ کر میری آنکھیں باندھ دیں اور چاہتا ہی تھا کہ میری گردن اڑا دے کہ بڑی چھوٹی سب کنیزیں دوڑ پڑیں اور کہنے لگیں' اے ہماری آقا یہ پہلا شخص نہیں ہے جس نے جرم کیا ہے' اسے تیری عادت کی خبر نہ تھی اور اس نے کوئی ایسی بات بھی نہیں کی جس کی وجہ سے وہ قتل کا سزاوار ہو۔ وہ بولی بہرحال میں کم از کم اس کے اوپر کوئی نشان ضرور چھوڑوں گی اور حکم دیا کہ مجھے کوڑے لگائے جائیں اور انہوں نے میری پسلیوں کو ادھیڑ دیا۔ یہ جو تم نے دیکھا ہے اسی مار کے نشان ہیں۔ کوڑے پڑ چکے تو اس نے حکم دیا کہ وہ مجھے باہر نکال دیں اور وہ مجھے باہر لے جا کر محل سے دور پھینک آئے۔ میں مشکل سے آہستہ آہستہ چل کر اپنے مکان میں پہنچا اور جراح کر بلا کر اسے مار کے نشان دکھائے۔ اس نے مجھے تسلی دی اور میرا علاج کرنے لگا۔ جب مجھے آرام ہوا میرا درد اور مرض جاتا رہا اور میں نے صحت کا غسل کیا تو میں دکان گیا۔ سارا مال بیچ ڈالا اور اس کے دام جمع کر کے چار سو غلام خریدے جو کسی بادشاہ کے پاس نہ ہوں گے۔ ان میں سے ہر روز دو سو میرے ساتھ سوار ہوتے ہیں۔ میں نے پانچ ہزار دینار خرچ کر کے یہ بجرا بنوایا اپنا نام خلیفہ رکھا اور ہر خادم کو ایک ایک کام سپرد کیا جیسا کہ خلیفہ کا دستور ہے ہر ایک کو اسی قسم کا لباس پہنایا اور یہ منادی کرا دی کہ جو کوئی دجلے میں سیر کرنے نکلے گا۔ اس کی فوراً گردن اڑا دوں گا۔ اس طرح مجھے پورا ایک سال گزر چکا ہے۔ لیکن اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگا اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کی باتیں سن کر ہارون الرشید کو یقین ہوا کہ یہ محبت کے کرشمے ہیں اور نوجوان کی تمناؤں کی کوئی حد نہیں۔ وہ کہنے لگا پاک ہے وہ ذات جس

نے ہر بات کے لیے کوئی نہ کوئی سبب بنایا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے جوان سے رخصت چاہی اور اس نے اجازت دی۔ رشید نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ وہ انصاف کرے گا۔ اور اس کے ساتھ بڑے انعام و اکرام سے پیش آئے گا۔ یہ تینوں وہاں سے اپنے محل میں آئے اور جب خلیفہ اپنے شاہانہ کپڑے پہن کر بیٹھا۔ اس کے سامنے مسرور جلاد کھڑا ہوا تو اس نے جعفر سے کہا کہ اے وزیر اس جوان کو بلاؤ۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو چورانوے ویں رات

جب دو سو چورانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- خلیفہ نے وزیر سے کہا کہ اس جوان کو بلوا جس کے ساتھ ہم نے رات گزاری۔ حکم کی دیر تھی۔ چوب دار دوڑے گئے اور جوان سے کہا کہ امیرالمومنین خلیفہ ہارون الرشید نے تجھے بلایا ہے' چل۔ جوان فوراً چل کھڑا ہوا مگر اس طلبی پر دل میں خوفزدہ تھا۔ خلیفہ کے پاس پہنچ کر اس نے زمین کو بوسہ دیا اور دعا دی کہ تیری عزت اور اقبال ہمیشہ قائم رہے۔ تیری امیدیں بر آئیں اور تو عیش و عشرت میں رہے اور برائی اور دشمنی تیرے پاس نہ پھٹکے۔ پھر اس نے نہایت سلیقے کے ساتھ السلام علیکم اے امیرالمومنین اور اے دین داروں کی پشت و پناہ کہا۔ خلیفہ نے مسکرا کر اس کے سلام کا جواب دیا اور بڑی مہربانی سے اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے اپنے پاس بلایا اور اپنے سامنے بٹھا کر اس سے کہا کہ اے محمد علی میں چاہتا ہوں کہ تو کل رات والا واقعہ بیان کرے کیونکہ وہ نہایت عجیب و غریب ہے۔ جوان نے کہا کہ اے امیرالمومنین مجھے معاف کر اور امان کا رومال عطا کر تاکہ میرا ڈر جاتا رہے اور میرے دل کو اطمینان ہو جائے۔ خلیفہ نے کہا کہ میں نے تجھے امان دی' نہ خوف کھا اور نہ غم زدہ ہو۔ یہ سن کر جوان نے اپنا سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک بیان کیا۔ خلیفہ کو معلوم ہو گیا کہ جوان عاشق ہے اور معشوق کی جدائی کے صدمے اٹھا رہا ہے اور اس سے کہا کہ تو کیا چاہتا ہے کہ میں اس لڑکی کو تجھ سے پھر ملاؤں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ امیرالمومنین کی کمال مہربانی ہو گی۔ اب خلیفہ نے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے جعفر اپنی بہن وزیر زادی دینا بنت وزیر یحیٰی بن خالد کو یہاں بلا۔ اس نے سر آنکھوں سے امیرالمومنین کہہ کر اسے فوراً حاضر کیا۔ جب وہ خلیفہ کے سامنے پہنچی تو خلیفہ نے اس سے پوچھا کہ تو جانتی ہے کہ یہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ امیرالمومنین

عورتیں مردوں کو کس طرح جان سکتی ہیں! خلیفہ نے مسکرا کر کہا کہ اے دینا تیرا محبوب جوہری کا بیٹا محمد علی ہے۔ ہمیں سارا حال معلوم ہو چکا ہے۔ ہم نے شروع سے آخر تک تمام ماجرا سن لیا ہے اور اس کے ظاہر و باطن کو سمجھ چکے ہیں۔ گو یہ راز کی باتیں تھیں مگر اب کھل گئی ہیں۔ دینا نے عرض کیا اے امیرالمومنین میں اپنی حرکت پر خدا سے مغفرت چاہتی ہوں اور تجھ سے معافی کی خواستگار ہوں۔ خلیفہ ہارون الرشید ہنس پڑا اور قاضی اور گواہوں کو بلا کر اس کے شوہر جوہری زادے محمد علی کے ساتھ اس کے نکاح کی تجدید کر دی۔ دونوں نہایت خوش وقتی کے ساتھ رہنے لگے اور دشمن ان پر جلا کیے۔

خلیفہ نے جوہری کو اپنا ندیم بنا لیا اور ان کے دن آرام و آسائش سے گزرنے لگے۔ یہاں تک کہ لذتوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتربتر کرنے والی موت آ گئی۔

○ ایرانی علی کی کہانی

سنا ہے کہ ایک رات خلیفہ ہارون الرشید کی طبیعت زیادہ گھبرائی تو اس نے اپنے وزیر کو بلا کر کہا کہ اے جعفر نہ نیند آتی ہے نہ کسی بات میں دل لگتا ہے۔ کوئی ایسا شغل مہیا کر کہ جی بہلے اور مزاج سکون پر آ جائے۔ جعفر نے عرض کیا' امیرالمومنین میرا ایک دوست ہے جس کو علی عجمی کہتے ہیں۔ اسے ایسی کہانیاں اور دل خوش کن قصے یاد ہیں کہ غم غلط اور طبیعت شاد ہو جاتی ہے۔ حکم ہو تو اسے حاضر کیا جائے۔ خلیفہ نے کہا کہ بلا۔ جعفر نے اس ایرانی کی تلاش میں آدمی دوڑا دیئے۔ جب وہ حاضر ہوا تو وزیر نے کہا کہ امیرالمومنین نے تجھے یاد کیا ہے چل اس کے پاس۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• دو سو پچانوے ویں رات

جب دو سو پچانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک بہاد بادشاہ! ------ ایرانی نے کہا کہ بسرو چشم اور اس کے ساتھ خلیفہ کے پاس آیا۔ خلیفہ نے بیٹھنے کا حکم دیا۔

وہ بیٹھ گیا تو خلیفہ نے کہا کہ اے علی آج رات میرا جی بہت گھبراتا ہے اور میں نے سنا ہے کہ تجھے قصے کہانیاں یاد ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی چیز سنا جس سے غم غلط ہو۔ اس نے کہا کہ امیرالمومنین ایسی بات سناؤں جو میں نے آنکھ سے دیکھی ہے یا جو کان سے سنی ہے؟

اس نے کہا کہ وہ بات سنا جو تو نے خود دیکھی ہے۔ چنانچہ ایرانی نے اس طرح اپنا قصہ شروع کیا۔ اے امیرالمومنین ایک سال میں اپنے اس وطن یعنی بغداد سے چلا۔ میرے ساتھ ایک غلام تھا اور اس کے پاس ایک خوبصورت تھیلا۔ جب میں ایک دوسرے شہر میں پہنچا اور خرید و فروخت کرنے لگا تو ایک ظالم کرد میری طرف جھپٹا اور مجھ سے وہ تھیلا چھین کر کہنے لگا کہ یہ میرا تھیلا ہے اور جو کچھ اس کے اندر ہے میرا مال ہے۔ میں چلایا کہ مسلمانو مجھے اس ظالم کے ہاتھ سے بچاؤ۔ سب نے کہا کہ تم دونوں قاضی کے پاس جاؤ اور جو وہ فیصلہ کرے تو اسے مانو۔ مجھے قاضی کا فیصلہ منظور تھا۔ ہم دونوں اس کے پاس گئے۔ جب ہم قاضی کے سامنے حاضر ہوئے تو اس نے پوچھا کہ تم دونوں میں سے مدعی کون ہے؟ یہ سن کر کرد آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ خدا ہمارے آقا قاضی کا بول بالا رکھے! یہ میرا تھیلا ہے او رجو کچھ اس کے اندر ہے میرا مال ہے۔ یہ تھیلا کھو گیا تھا اور اب اس شخص کے پاس سے ملا ہے۔ قاضی نے پوچھا کہ کب کھو گیا تھا؟ کرد نے کہا کہ کل۔ اور اس کی وجہ سے مجھے رات بھر نیند نہیں آئی۔ قاضی نے کہا کہ اگر تو اس تھیلے کو پہچانتا ہے تو بتا کہ اس کے اندر کیا ہے؟ کرد نے کہا کہ میرے اس تھیلے میں سرمہ ہے' دو چاندی کی سلائیاں ہیں اور رومال اور

میں نے اس میں دو سنہری پیالے بھی رکھے ہیں اور دو شمع دان۔ اس کے علاوہ اس میں دو خیمے ہیں اور دو رکابیاں' دو چمچے' ایک تکیہ' دو کمبل' دو لوٹے' ایک سینی' دو تشت' ایک دیگچی' دو گھڑے' ایک دوئی' ایک سوجا' دو توشے دان' ایک بلی' دو کتیاں' ایک پیالہ' دو تھیلے' ایک جبہ' دو پوستین' ایک گائے' دو بچھڑے' ایک بکرا' دو بکریاں' ایک بھیڑ' دو اس کے بچے' دو سبز شامیانے' ایک اونٹ' دو اونٹنیاں' ایک بھینس' دو سانڈ' ایک شیرنی اور شیر' ایک ریچھنی' دو لومڑیاں' ایک دیوان' دو تخت' ایک محل' دو کمرے' ایک بالا خانہ' دو نشست گاہیں' ایک باورچی خانہ جس کے دو دروازے ہیں اور ایک جماعت کردوں کی جو یہ گواہی دیں گے کہ یہ تھیلا میرا ہے۔

اب قاضی نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے فلاں شخص تو کیا کہتا ہے؟ اے امیرالمومنین میں آگے بڑھا۔ کرد کی باتوں سے میں پریشان تو ہو ہی چکا تھا' میں نے کہا کہ خدا ہمارے آقا قاضی کی عزت قائم رکھے! میرے اس تھیلے میں محض ایک کھنڈر ہے اور دوسرا بغیر دروازے کا ایک گھر' ایک کتوں کی کوٹھڑی' لڑکوں کے لے ایک کتاب اور چند جوان' جو پانسوں سے کھیل رہے ہیں۔ علاوہ ان چیزوں کے اس میں خیمے' طنابیں ہیں اور بصرہ بغداد' شداد بن عاد کا محل' لوہار کی بھٹی' صیاد کا جال' ڈنڈے' کھونٹیاں' لڑکے اور لڑکیاں اور ایک ہزار کٹنے جو یہ گواہی دیں گے کہ یہ میرا تھیلا ہے۔ کرد یہ سن کر رونے اور آہیں بھرنے لگا اور اس نے کہا کہ اے ہمارے آقا قاضی اس میرے تھیلے کو سب لوگ جانتے ہیں اور اس میں جتنی چیزیں ہیں سب مشہور و معروف ہیں۔ اس میرے تھیلے میں قلعے اور گڑھیاں ہیں اور سارسیں اور درندے اور بہت سے مرد جو شطرنج اور پچیسی کھیل رہے ہیں اور اس میرے تھیلے میں ایک گھوڑی ہے اور دو بچھڑے' ایک اونٹ' دو اصیل گھوڑے' دو لمبے نیزے ان کے علاوہ اس میں ایک شیر اور دو خرگوش اور ایک شہر اور گاؤں' ایک رنڈی اور دو شاطر کٹنے اور ایک زنخہ اور دو جونکیں اور ایک اندھا' دو آنکھوں والے' ایک لنگڑا دو اپاہج' ایک پادری' دو پوپ' ایک بطریق' دو راہب' ایک قاصی اور دو گواہ جو یہ گواہی دیں گے کہ یہ تھیلا میرا

ہے۔ پھر قاضی نے مجھ سے کہا کہ تو کیا کہنا چاہتا ہے؟ امیرالمومنین میں غصے میں بھر گیا اور قاضی کی طرف بڑھ کر اس سے کہا کہ خدا ہمارے آقا قاضی کا بول بالا

رکھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو چھیانوے ویں رات

جب دو سو چھیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ! ایرانی کہنے لگا کہ میں غصے میں بھر گیا اور قاضی کی طرف بڑھ کر میں نے کہا کہ خدا ہمارے آقا قاضی کا بول بالا کرے! میرے اس تھیلے میں زرہ بکتر اور تلواریں ہیں اور پورا اسلحہ خانہ اور ایک ہزار لڑنے والے مینڈھے اور اس کے اندر بھیڑوں کے لیے ایک چراگاہ ہے' ایک ہزار بھونکنے والے کتے' باغ اور تاکستان' پھول اور جڑی بوٹیاں' انجیر اور سیب' تصویریں اور شکلیں' صراحیاں اور جام' حسین لڑکیاں اور ڈومنیاں' جشن شور اور ہنگامہ اور بڑے بڑے ملک اور نجاح کے دوست اور ساتھی اور ہمراہی اور رفیق اور قید خانے اور ہم پیالہ لوگ' طنبور اور بانسریاں اور جھنڈے اور جھنڈیاں' لڑکے اور لڑکیاں اور سجی ہوئی دلہنیں اور گانے والی کنیزیں' پانچ حبشنیں' تین ہندی اور چار مدینے والیاں' بیس رومی اور پچاس ترکنیں' ستر ایرانی اور اسی کرد' نوے گرجی عورتیں' دجلہ فرات اور صیاد کا جال' لوہا اور چقماق اور ارم ذات العماد اور ایک ہزار دلال اور کتنے میدان اور اصطبل' مسجدیں اور حمام' معمار اور بڑھئی لکڑی اور کیلیں اور بانسری لیے ہوئے حبشی غلام' قافلہ سالار اور رکاب دار' شہر اور قریے اور ایک لاکھ دینار اور کوفہ اور الانبار اور کپڑوں سے بھرے ہوئے بیس صندوق' پچاس توشہ خانے اور غزہ' عسقلان اور دمیاط سے لے کر اصوان تک اور کسریٰ نوشیرواں کا محل اور سلیمان کی مملکت اور وادی نعمان سے لے کر خراسان تک' بلخ اور اصفہان اور ہند سے لے کر سوڈان تک اور خدا ہمارے آقا کی عمر دراز کرے! اس میں زرہ بکتریں اور اس کے نیچے پہننے کے کپڑے اور ایک ہزار تیز استرے جو قاضی کی داڑھی مونڈ ڈالیں گے بشرطیکہ وہ مجھے سزا دینے سے نہ ڈرے اور یہ فیصلہ نہ کرے کہ تھیلا میرا ہے۔

قاضی نے میری اور کرد کی باتیں سنیں تو دنگ ہو گیا اور کہنے لگا کہ تم دونوں بڑے

منحوس اور بے دین معلوم ہوتے ہو۔ تم کو قاضیوں اور حاکموں سے مذاق کرتے شرم نہیں آتی اور لعنت ملامت سے نہیں ڈرتے۔ نہ کسی تعریف کرنے والے نے اس سے بڑھ کر تعریف کی اور نہ تمہاری جیسی باتیں کیں۔ واللہ جو کچھ تم نے بیان کیا وہ چین سے لے کر مغیلان تک اور ایران سے لے کر سوڈان تک اور وادی نعمان سے لے کر خراسان تک سما نہیں سکتا اور تمہارا دعویٰ سچ نہیں ہو سکتا۔ یہ تھیلا کیا ہے بے قرار سمندر یا حشر کا دن جبکہ نیک اور بد سب جمع ہوں گے۔ یہ کہہ کر قاضی نے حکم دیا کہ تھیلا کھولا جائے اور جب میں نے اسے کھولا تو اس میں ایک روٹی' ایک نیبو کچھ پنیر اور زیتون نکلا۔ میں نے تھیلا کرد کے آگے پھینک دیا اور چلتا بنا۔ خلیفہ نے علی عجمی کی زبانی یہ کہانی سنی تو وہ مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ گیا اور اسے بہت انعام دیا۔

○ ہارون الرشید اور کنیز اور امام یوسف کی کہانی

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات جب جعفر برمکی ہارون الرشید کے ساتھ شراب پی رہا تھا تو خلیفہ نے کہا کہ اے جعفر' مجھے خبر ملی ہے کہ تو نے فلاں کنیز خریدی ہے' میں مدت سے اس کا خواہش مند تھا کیونکہ وہ نہایت خوبصورت ہے اور میرے دل میں اس کی محبت کی آگ لگی ہوئی ہے' اسے میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ وزیر نے جواب دیا کہ امیرالمومنین میں اسے بیچ نہیں سکتا۔ خلیفہ نے کہا کہ میری نذر کر دے۔ اس نے کہا کہ نذر بھی نہیں کروں گا۔ رشید نے کہا کہ اگر بیچتا بھی نہیں اور نذر بھی نہیں کرتا تو زبیدہ کو تین طلاقیں۔ جعفر بولا کہ اگر میں اسے تیرے ہاتھ بیچوں یا تیری نذر کروں تو میری بیوی کو تین طلاقیں۔ جب ان کا نشہ اترا اور انہیں معلوم ہوا کہ وہ کسی مخمصے میں پھنس گئے ہیں اور اس کا علاج' دونوں میں سے کسی کی سمجھ میں نہ آیا تو رشید نے کہا کہ اس مسئلے کا حل ابو یوسف کے سوا کوئی نہیں کر سکتا اور انہیں بلوایا۔

یہ آدھی رات کا وقت تھا جب ایلچی ان کے پاس پہنچا تو وہ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ ہو نہ ہو اسلام کے متعلق کوئی حادثہ پیش آیا ہے ورنہ میں اس وقت بلایا نہ جاتا۔ اب وہ جلدی سے نکل کر اپنے خچر پر سوار ہوئے اور غلام سے کہا کہ خچر کا "توبڑا" اس کے سامنے رکھ دیجیو تاکہ وہ باقی دانہ بھی کھا لے۔ غلام نے کہا کہ سر آنکھوں پر۔

جب وہ رشید کے پاس پہنچے تو رشید اٹھ کھڑا ہو اور انہیں تخت پر اپنے پاس بٹھا لیا۔ ابو یوسف کے علاوہ وہ کسی اور کو اپنے تخت پر نہ بٹھاتا تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے تجھے اس وقت نہایت اہم کام کے لیے طلب کیا ہے اور سارا قصہ بیان کر کے کہا کہ ہماری سمجھ میں اس کی تدبیر نہیں آتی۔ انہوں نے کہا کہ امیرالمومنین اس سے زیادہ آسان اور کوئی بات نہیں۔ اے جعفر لڑکی کا نصف۔ امیرالمومنین کے ہاتھ بیچ ڈال اور نصف نذر کر دے۔ اس طرح تم دونوں اپنی قسم سے بری ہو جاؤ گے۔ خلیفہ اس فیصلے پر بہت خوش ہوا۔ دونوں نے اس کے کہنے پر عمل کیا۔ رشید نے کہا کہ کنیز اسی وقت حاضر کی جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو ستانوے ویں رات

جب دو سو ستانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ ہارون الرشید نے کہا کہ کنیز اسی وقت حاضر کی جائے۔ وہ اس کے لیے بے تاب تھا۔ وہ آئی تو خلیفہ نے قاضی ابو یوسف سے کہا کہ میں اس سے اسی وقت ہم بستر ہونا چاہتا ہوں۔ عدت ختم ہونے تک میں صبر نہیں کر سکتا۔ اس کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟

ابو یوسف نے کہا کہ امیرالمومنین کے ان غلاموں میں سے ایک حاضر کیا جائے جن پر ابھی تک آزاد کیے جانے کا حکم صادر نہیں ہوا۔ لوگ ایک ایسا غلام لے آئے اور ابو یوسف نے کہا کہ مجھے اجازت دے کہ میں اس کا نکاح کنیز سے کر دوں۔ اور وہ مباشرت سے پہلے اسے طلاق دے دے تو اس کے ساتھ تیری ہم بستری بغیر عدت کے حلال ہو جائے گی۔ اس بات پر رشید پہلے سے زیادہ متعجب ہوا۔ جب غلام آیا تو خلیفہ نے قاضی سے کہا کہ میں تجھے نکاح کی اجازت دیتا ہوں۔ قاضی نے نکاح پڑھایا اور غلام نے منظور کر لیا۔ اس کے بعد قاضی نے اس سے کہا کہ لڑکی کو طلاق دے اور سو دینار لے لے۔ غلام نے کہا کہ یہ تو میں نہیں کروں گا۔ قاضی مقدار بڑھاتا جاتا اور غلام انکار کرتا جاتا۔ یہاں تک کہ ایک ہزار دینار پیش کیے گئے۔ اب غلام نے قاضی سے کہا کہ طلاق میرے اختیار میں ہے یا تیرے یا امیرالمومنین کے؟ قاضی نے کہا کہ محض تیرے اختیار میں۔

غلام نے کہا کہ واللہ میں ہرگز طلاق نہ دوں گا۔ اس پر امیرالمومنین طیش میں آ گیا اور کہا کہ ابویوسف اب کیا کیا جائے؟ قاضی ابو یوسف نے کہا کہ امیرالمومنین گھبرانے کی بات نہیں معاملہ آسان ہے۔ اس غلام کو کنیز کی ملکیت میں دے دے۔ اس نے کہا کہ میں نے اس کی ملکیت میں دے دیا۔ قاضی نے لڑکی سے کہا کہ کہہ کہ میں نے قبول کیا' اس نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔ قاضی نے کہا کہ میں نے دونوں

کے درمیان علیحدگی کا حکم لگا دیا کیونکہ غلام اس کی ملکیت ہے اور نکاح فسخ ہو گیا۔ خلیفہ سروقد کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ آج کل کے زمانے میں قاضی ہو تو ایسا۔ اس کے بعد اس نے اشرفیوں کی سینیاں منگوا کر ابو یوسف کے سامنے الٹ دیں اور ان سے کہا کہ تیرے پاس کوئی چیز ہے جس میں تو یہ بھر لے۔ "توبڑا" یاد آ گیا اور اسے منگوا کر اشرفیاں اس میں بھر لیں اور انہیں لے کر گھر واپس گئے۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ علم کے سوا اور کوئی راستہ نہ دین کا آسان ہے نہ دنیا کا۔ محض دو یا تین مسئلوں پر مجھے اتنی بڑی دولت مل گئی۔ اے بادشاہ' اس حکایت کے لطف پر غور کر۔ اس لیے کہ اس میں کئی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو وزیر کا خلیفہ پر ناز کرنا' دوسرا خلیفہ کی دانش مندی اور تیسرے اس سے بھی زیادہ قاضی کی عقلمندی۔ خدا ان سب کی روحوں پر رحمت بھیجے۔

○ خالد بن عبداللہ القشیری کی کہانی

خالد بن عبداللہ القشیری جن دنوں بصرے کا والی تھا۔ ایک دفعہ کچھ لوگ ایک جوان کو پکڑ کر اس کے پاس لائے جس کی صورت سے سلیقہ اور عقل مندی ٹپکتی تھی۔ آنکھ ناک سے درست' خوش وضع اور عطر میں بسا ہوا تھا۔ چہرے پر دبدبہ اور ایک قسم کی شان تھی۔ خالد نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ چور ہے اور ہم نے کل اسے اپنے گھر میں پکڑا ہے۔ خالد نے اس کی طرف نظر اٹھائی اور ظاہری حسن اور نفاست کو دیکھ کر تعجب ہوا۔ لوگوں سے کہا کہ اسے چھوڑ دو اور خود اس کے پاس جا کر اس کا ماجرا پوچھا۔ جوان بولا کہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں سچ ہے۔ واقعے کے خلاف نہیں۔ خالد نے کہا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی؟ اس صورت و شان پر یہ بد کرداری؟ وہ بولا اے امیر ان باتوں کو جانے دے جو خدا نے حکم دیا ہے' اس کی تعمیل کر۔ کیونکہ جیسی کرنی ویسی بھرنی' خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

خالد چپ ہو کر جوان کے متعلق سوچ میں پڑ گیا اور اسے اپنے قریب بلا کر کہا کہ تو نے گواہوں کے سامنے اقرار کر کے مجھے شبے میں ڈال دیا ہے اور پھر بھی میرے خیال میں تو چور نہیں۔ شاید علاوہ چوری کے تیرا اور کوئی قصہ ہے۔ اگر ہے تو بیان کر۔ اس نے کہا کہ اے امیر جس چیز کا میں نے اعتراف کیا ہے' اس کے سوا اور کوئی بات تیرے دل میں گزرنی نہیں چاہیے۔ میرا اور کوئی قصہ نہیں جو بیان کروں۔ واقعہ یہی ہے کہ میں ان لوگوں کے گھر میں گیا اور جو کچھ چرا سکتا تھا چرایا لیکن انہوں نے مجھے پکڑ کر وہ چیزیں چھین لیں اور مجھے تیرے پاس لے آئے۔ خالد نے اسے قید کا حکم دے دیا اور بصرے میں منادی کرا دی کہ جو شخص فلاں چور کی سزا اور اس کا ہاتھ کاٹے جانے کا تماشا دیکھنا چاہے تو کل فلاں جگہ آ جائے۔ جب جوان قید خانے گیا اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑ گئیں تو اس نے ایک آہ بھری اور اس کے آنسو جاری ہو گئے اور وہ یہ اشعار پڑھنے لگا: "خالد مجھے دھمکی دیتا ہے کہ اگر میں اس سے "اس" کا قصہ نہ بیان کروں تو وہ میرا ہاتھ کاٹ ڈالے گا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ "اس" کی محبت کا بھانڈا پھوڑ دوں جو میرے دل کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ مجھے یہ گوارا ہے کہ میرا ہاتھ کٹ جائے لیکن "اس" کی بدنامی گوارا نہیں۔"

پہرے داروں نے اسے یہ گاتے سن کر خالد کو خبر کر دی۔ جب رات ہوئی تو خالد نے اسے بلوایا اور اس سے بات چیت کی۔ دیکھا کہ وہ عقل مند' باشعور اور فہمیدہ ہے۔ اس نے جوان کے لیے کھانا منگوایا' اسے کھلایا اور دیر تک ادھر ادھر کے قصوں کے بعد خالد نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ چوری کے سوا تیرا اور کوئی قصہ ہے۔ کل صبح جب لوگ جمع ہوں اور قاضی آ کر تجھ سے چوری کے بارے میں دریافت کرے تو تو انکار کر دیجیو اور وہ بات بیان کیجیو جس سے تجھے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ شبے کی حالت میں سزا دینے سے درگزر کرو۔ یہ کہہ کر خالد نے اسے قید خانے بھیج دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• دو سو اٹھانوے ویں رات

دو سو اٹھانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ خالد نے اس جوان سے باتیں کر کے اسے پھر قید خانے بھیج دیا اور وہ رات بھر وہاں رہا۔ صبح ہوئی تو لوگ اس جوان کے ہاتھ کٹنے کا تماشہ دیکھنے کے لیے آنے شروع ہوئے۔ بصرہ میں کوئی مرد اور عورت ایسا نہ تھا جو اس جوان کی سزا دیکھنے کے لیے نہ آیا ہو۔ خالد بھی سوار ہوا اور بصرے کے امرا کو ساتھ لے کر وہاں پہنچا' قاضیوں کو بلوایا اور جوان کو لانے کا حکم دیا۔ وہ بیڑیوں کے بوجھ سے گرتا پڑتا حاضر ہوا جس نے اسے دیکھا اور رو پڑا اور عورتیں تو دہاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ قاضی نے عورتوں کو خاموش رہنے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد اس نے جوان سے کہا لوگوں کا دعویٰ ہے کہ تو نے ان کے گھر میں گھس کر ان کا مال چرایا ہے غالباً تو نے نصاب سے کم چرایا ہو گا۔ اس نے کہا کہ نہیں میں نے پورا نصاب چرایا ہے۔ قاضی نے پوچھا ایسا تو نہیں کہ ان کے کسی مال میں تیرا ساجھا تھا؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ وہ سب انہیں کا مال تھا اور میرا اس میں کوئی حق نہ تھا۔

اس پر خالد کو غصہ آ گیا اور اس کے پاس جا کر اس کے منہ پر کوڑا مارا۔ بہرحال قصاب کو بلوانا پڑا تاکہ وہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالے۔ جب قصاب آیا اور اس نے چھرا نکال کر جوان کا ہاتھ آگے کھینچا اور اس پر چھرا رکھا تو یکایک عورتوں کے بیچ میں سے ایک لڑکی پھٹے پرانے کپڑے پہنے نکلی اور ایک چیخ مار کر جوان کے اوپر گر پڑی۔ پھر اس نے اپنا چہرہ کھول دیا جو چاند کی طرح تھا۔ لوگ شور و غل مچانے لگے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس وجہ سے فتنہ بپا ہو جائے۔ لڑکی نے زور سے چلا کر کہا کہ اے امیر میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ جب تک تو واقعے سے آگاہ نہ ہو اس کا ہاتھ نہ کاٹ۔

خالد نے علیحدہ جا کر اس لڑکی کو بلوایا اور اس سے ماجرا پوچھا۔ اس نے کہا کہ یہ جوان مجھ پر عاشق ہے اور میں اس پر۔ وہ مجھ سے ملنے آیا تھا۔ میرے گھر میں پہنچ کر اس نے گھر میں ایک ڈھیلا پھینکا تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ آیا ہے۔ میرا باپ اور میرے بھائی ڈھیلے کے آواز سن کر اس کی طرف دوڑے۔ انہیں آتے دیکھا تو اس نے گھر کا سامان جمع کر کے یہ ظاہر کیا کہ وہ چور ہے تاکہ اس کی معشوقہ کی بدنامی نہ ہو۔ جب انہوں نے اسے اس حالت میں دیکھا تو پکڑ لیا۔ وہ سمجھے کہ یہ چور ہے اور تیرے پاس لے آئے۔ اس نے چوری کا اقرار اور اس پر اصرار کیا تاکہ میری بدنامی نہ ہو۔ یہ اس کی انتہائی مروت اور شرافت تھی کہ اس نے چوری کا الزام لے کر اپنا ہاتھ کٹوانا قبول کیا۔

خالد نے کہا کہ وہ اس قابل ہے کہ اس کی مراد پوری ہو۔ اس کے بعد اس نے جوان کو بلایا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر حکم دیا کہ لڑکی کا باپ بلایا جائے اور اس سے کہا کہ بڑے میاں ہم اس بات پر تلے بیٹھے تھے کہ اس جوان کا ہاتھ کاٹا جائے لیکن خدا نے مجھے اس سے بچا لیا اور میں اسے اس وجہ سے دس ہزار درہم دیتا ہوں کہ اس نے اپنا ہاتھ دے کر یہ چاہا کہ تیری اور تیری بیٹی کی بدنامی نہ ہو اور تم دونوں فضیحت سے بچ جاؤ اور تیری بیٹی کو اس صلے میں دس ہزار درہم دیتا ہوں کہ اس نے مجھ سے سچ سچ واقعہ بیان کر دیا۔ اب تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے اس بات کی اجازت دے کہ میں تیری بیٹی کی شادی اس سے کر دوں۔ بوڑھے نے کہا کہ اے امیر تجھے اجازت ہے۔ خالد نے خدا کا شکر ادا کیا اور اس کی حمد و ثنا کی اور نہایت عمدگی سے اس کا نکاح پڑھا دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- دو سو ننانوے ویں رات

جب دو سو ننانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ خالد نے خدا کی حمد و ثنا کی اور نہایت عمدگی سے نکاح پڑھایا اور جوان سے کہا کہ میں نے فلاں لڑکی کے ساتھ جو یہاں موجود ہے تیری اجازت اور مرضی اور تیرے باپ کے اذن سے دس ہزار درہم پر تیرا نکاح پڑھا دیا ہے۔ جوان نے کہا کہ یہ نکاح مجھے منظور ہے۔ اس کے بعد خالد نے حکم دیا کہ یہ مال سینیوں میں رکھ کر جوان کے گھر بھیج دیا جائے اور لوگ خوش خوش وہاں سے روانہ ہو گئے۔ راوی کہتا ہے کہ اس سے زیادہ عجیب و غریب واقعہ میری نظر سے نہیں گزرا کیونکہ وہ رونے اور فتنہ و فساد سے شروع ہو کر خوشی اور خوش وقتی پر ختم ہوا۔

- پھلیاں بیچنے والے کے ساتھ جعفر برمکی کی سخاوت کی کہانی

لوگ ایک واقعہ کہانی کی طرح کہا کرتے ہیں کہ جب ہارون الرشید نے جعفر برمکی کو سولی دی تو ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ جو کوئی اس پر نوحہ کرے گا یا روئے پیٹے گا اسے بھی سولی پر چڑھا دیا جائے گا اور سب نے اس کے حکم کے آگے سر جھکا دیا۔ ایک بدو تھا جو دور ریگستان میں رہتا تھا۔ ہر سال ایک قصیدہ لے کر جعفر برمکی کے پاس آیا کرتا تھا اور جعفر اس کا صلہ ایک ہزار دینار دیتا۔ بدو سونے سے لدا پھندا اپنے اہل و عیال کے پاس واپس جاتا اور خوش ہوتا۔ اتفاق کی بات یہ بدو قصیدہ لے کر دستور کے موافق پہنچا دیکھا کہ جعفر سولی پر چڑھا ہوا ہے۔ سولی کے پاس پہنچ کر اس نے اپنی اونٹنی روکی' بلک بلک کر رویا' بے حد غمگین ہوا' قصیدہ پڑھا اور سو گیا۔ خواب میں اس نے جعفر برمکی کو دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ تو بڑی تکلیف اٹھا کر میرے

پاس آیا اور مجھے اس حالت میں پایا لیکن تو بصرے جا کر اس نام کے شخص کا پتہ پوچھ جو وہاں کے تاجروں میں سے ہے اور اس سے کہہ کہ جعفر برمکی نے تجھے سلام کے بعد یہ پیغام دیا ہے کہ پھلیوں کے سلسلے میں مجھے ایک ہزار دینار دے۔

جب بدو جاگا تو بصرے روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس تاجر کا پتہ دریافت کیا اور اس سے مل کر وہ پیغام پہنچایا جو جعفر نے اسے خواب میں دیا تھا۔ تاجر سنتے ہی رونے پیٹنے لگا' اپنا برا حال کر لیا۔ ذرا ہوش درست ہوئے تو اس نے بدو کو عزت سے اپنے پاس بٹھایا اور اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ تین دن تک بدو اس کے پاس نہایت احترام سے رہا اور جب وہ لوٹنے لگا تو تاجر نے اسے ایک ہزار پانچ سو دینار دیئے اور اس سے کہا کہ ہزار تو وہ ہیں جن کا مجھے حکم ملا تھا اور پانچ سو میں نذر کرتا ہوں اور ہر سال تجھے ایک ہزار دینار ملیں گے۔ چلتے وقت اس نے تاجر سے کہا کہ خدا کے لیے پھلیوں کا قصہ تو بیان کر تاکہ میں اس حقیقت کو سمجھوں۔ اس نے جواب دیا کہ شروع میں' میں بہت غریب تھا۔ بغداد کے گلی کوچوں میں گرم پھلیاں لے کر پھیری لگاتا' انہیں بیچتا اور اس سے روزی کماتا۔ ایک دن جب میں نکلا تو بہت سردی تھی اور مینہ برس رہا تھا۔ میرے بدن پر سردی سے بچنے کے لیے کوئی چیز نہ تھی۔ ٹھنڈ اور بارش سے میرا بدن کانپا جا رہا تھا اور میری ایسی بری حالت تھی کہ رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔

اس دن جعفر اپنے اس محل میں بیٹھا ہوا تھا جس کا چھجا سڑک پر نکلا ہوا ہے۔ اس کے دوست اور کنیزیں اس کے ساتھ تھیں۔ جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو اسے مجھ پر ترس آ گیا۔ اس نے ایک نوکر کو بھیج کر مجھے بلوایا۔ میں اس کے سامنے پہنچا تو کہا کہ اپنی پھلیاں' میرے ساتھیوں کے ہاتھ بیچ ڈال۔ میں انہیں اپنے پیمانے سے ناپتا جاتا اور جو انہیں لیتا وہ پیمانے کو اشرفیوں سے بھرتا جاتا۔ یہاں تک کہ سب پھلیاں ختم ہو گئیں اور ٹوکرا خالی ہو گیا۔ میں نے ساری اشرفیاں جمع کر لیں جو مجھے ملی تھیں۔

اب جعفر نے کہا کہ کچھ اور پھلیاں باقی ہیں؟ میں نے کہا کہ معلوم نہیں ٹوکرے میں

ادھر ادھر تلاش کیا تو صرف ایک پھلی اور ملی۔ جعفر نے اسے لے کر دو حصوں میں پھاڑا ایک حصہ خود لے کر دوسرا حصہ اپنی کنیز کو دیا اور کہا کہ تو اس آدھی پھلی کو کتنے میں خریدتی ہے؟ وہ بولی کہ جتنی اشرفیاں ہیں ان کے دگنے میں۔ میں سخت حیران ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ ناممکن ہے۔ میں اسی حیرت میں تھا کہ کنیز نے اپنی ایک لونڈی کو حکم دیا اور وہ دگنی اشرفیاں لے آئی۔ اب جعفر نے کہا کہ جو آدھی پھلی میرے پاس ہے اسے میں ساری اشرفیوں سے دگنے میں خریدتا ہوں۔ یہ کہہ کر جعفر نے مجھ سے کہا کہ لے یہ تیری پھلیوں کے دام ہیں اور اس نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ تمام دام جمع کر کے میرے ٹوکرے میں رکھ دے۔ میں اسے لے کر وہاں سے چل دیا اور بصرے آ کر اس مال سے تجارت شروع کر دی۔ خدا کا شکر اور احسان کہ اس نے مجھے امیر کر دیا۔ اگر میں تجھے ہر سال ایک ہزار دینار دے دیا کروں جو جعفر کے احسان کا ایک شمہ ہے تو مجھے کوئی کمی محسوس نہ ہو گی۔ دیکھ جعفر کی بلند اخلاقی اور اس کی تعریف زندگی میں اور مرنے کے بعد۔ خدا کی رحمت ہو اس پر! اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ کاہل ابو محمد کی کہانی

یہ کہانی بھی مشہور ہے کہ ایک روز جب ہارون الرشید خلافت کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا ایک غلام آیا جس کے پاس سرخ سونے کا ایک تاج تھا۔ اس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ اس کے یاقوتوں اور جواہرات کی قیمت بیان میں نہیں آ سکتی۔ غلام نے خلیفہ کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ اے امیرالمومنین شہزادی زبیدہ.......

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔ اس کی بہن نے کہا کہ تیری کہانی کیسی پیاری اور میٹھی ہے! اس نے جواب

دیا کہ اگر میں زندہ رہی اور بادشاہ نے مجھے قتل نہ کیا تو جو میں کل بیان کروں گی وہ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہو گی۔ بادشاہ نے اپنے دل میں کہا کہ واللہ جب تک باقی کہانی نہ سن لوں اسے قتل نہ کروں گا۔

○○○

• تین سو ویں رات

تین سو ویں رات ہوئی تو اس کی بہن نے کہا کہ بہن اپنی کہانی شروع کر۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں پر بشرطیکہ بادشاہ اجازت دے۔ بادشاہ بولا شہر زاد کہہ۔ اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ...... غلام[41] نے خلیفہ سے کہا کہ شہزادی زبیدہ تیرے آگے زمین کو بوسہ دے کر کہتی ہے تجھے معلوم ہے کہ میں نے یہ تاج بنوایا ہے اور اس کے لیے ایک بڑے ہیرے کی ضرورت ہے جو اس کے بیچ میں لگایا جائے۔ میں نے سارے ذخیرے ڈھنڈوا ڈالے اس مطلب کا بڑا ہیرا نہیں ملتا۔ خلیفہ نے حاجبوں اور نوابوں سے کہا کہ زبیدہ کے مطلب کا ہیرا تلاش کرو۔ سب نے تلاش کیا لیکن زبیدہ جیسا ہیرا چاہتی تھی نہ ملا۔ خلیفہ بہت بے چین ہوا اور کہنے لگا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں خلیفہ' ساری دنیا کے بادشاہوں کا حکمران اور ایک ہیرا مجھے نہ ملے۔ حیف ہو تم پر! جا کر تاجروں سے پوچھو۔ جب انہوں نے تاجروں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ایسا ہیرا ہمارے آقا خلیفہ کو بصرے میں ایک شخص کے پاس ملے گا جس کا نام کاہل ابو محمد ہے۔ یہ سن کر خلیفہ نے اپنے وزیر جعفر کو حکم دیا کہ بصرے کے والی امیر محمد زبیدی کو خط لکھا کہ وہ کاہل ابو محمد کے سفر کا انتظام کر کے اسے امیرالمومنین کے پاس بھیج دے۔

وزیر نے اس مضمون کا خط لکھ کر مسرور کے ہاتھ روانہ کیا۔ مسرور خط لے کر بصرے پہنچا اور امیر محمد زبیدی کے پاس گیا۔ محمد بہت خوش ہوا اور مسرور کو بہت عزت اور احترام سے رکھا۔ اس کے بعد مسرور نے اسے امیرالمومنین ہارون الرشید کا خط پڑھ کر سنایا۔ امیر نے مسرور کو اس کے ساتھیوں کے ساتھ کاہل ابو محمد کے پاس بھیجا۔ وہ اس کے پاس گئے۔ دروازے پر دستک دی اور ایک غلام نے آ کر دروازہ کھولا۔ مسرور نے اس سے کہا کہ اپنے آقا سے کہہ کہ امیرالمومنین نے تجھے بلایا ہے۔ غلام نے اندر

جا کر یہ پیغام پہنچایا۔ ابو محمد نے باہر نکل کر مسرور اور امیر محمد زبیدی کے پیادوں کو دیکھا اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دے کر کہا کہ امیرالمومنین کا حکم سر آنکھوں

پر لیکن اندر تو آؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ہمارے لیے زیادہ دیر تک ممکن نہیں کیونکہ یہ خلیفہ کا حکم ہے اور وہ تیری راہ دیکھ رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اتنی تو مہلت دو کہ میں سفر کی تیاری کر لوں۔

الغرض بہت کہنے سننے کے بعد وہ اس کے ساتھ مکان کے اندر گئے اور دیکھا کہ دہلیز میں نیلی اطلس کے پردے پڑے ہوئے ہیں جن پر سرخ سونے کا کام ہے۔ کاہل ابو محمد نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ مسرور کو حمام لے جائیں جو مکان کے اندر ہے۔

جب وہ ان کے ساتھ حمام گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی دیواریں اور فرش اعجوبہ روزگار ہیں۔ ان پر سونے اور چاندی کا کام ہے' پانی میں گلاب کا عرق ملا ہوا ہے۔ غلاموں نے مسرور اور اس کے ساتھیوں کو خوب نہلایا دھلایا۔ جب وہ حمام سے نکلے تو غلاموں نے انہیں اطلس کی پوشاکیں پہنائیں جن کا بانا سونے کا تھا۔ اب مسرور اور اس کے ساتھی اندر گئے اور انہوں نے دیکھا کہ کاہل ابو محمد اپنے ایوان میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے اوپر قیمتی ریشم کے پردے لٹک رہے ہیں اور جن میں موتی اور ہیروں کی جھالر ٹنکی ہوئی ہے اور ایوان کے فرش پر ایسے تکیے لگے ہوئے ہیں جن پر خالص سونے کا کام ہے اور وہ ایک دیوان پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور دیوان ایک تخت پر ہے اور جواہرات سے مرصع ہے۔ جب مسرور اس کے پاس پہنچا تو اس نے مرحبا کہا اور اس کی طرف بڑھ کر اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اور دسترخوان منگوایا جسے دیکھ کر مسرور نے کہا کہ واللہ اس قسم کا دسترخوان میں نے امیرالمومنین کے پاس بھی کبھی نہیں دیکھا۔

دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے گئے جو سب چینی کے برتنوں میں تھے۔ جن پر سنہرا کام تھا۔ مسرور کا بیان ہے کہ ہم کھا پی کر شام تک ہنسی مذاق کرتے رہے۔ اس کے بعد اس نے سب کو پانچ پانچ ہزار دینار دیئے اور دوسرے دن ہم سب کو سبز خلعت پہنائے جن پر سونے کے تاروں سے بیل بوٹے کڑھے ہوئے تھے اس نے

ہماری بڑی آؤ بھگت کی۔ مسرور نے کہا کہ ہم خلیفہ کے ڈر سے اب زیادہ نہیں ٹھہر سکتے۔ کاہل ابو محمد نے کہا کہ اے ہمارے آقا کل تک صبر کر تا کہ ہم تیار ہو کر تیرے ساتھ چلیں۔ اس لیے وہ اس دن بھی ٹھہر گئے اور رات وہیں گزاری۔ اس کے غلاموں نے کاہل ابو محمد کے لیے ایک خچر پر سونے کی کاٹھی کسی جو طرح طرح کے موتی اور جواہرات سے مرصع تھی۔ مسرور نے اپنے دل میں کہا کہ دیکھیں جب ابو محمد خلیفہ کے پاس اس ہیبت سے پہنچے گا تو وہ پوچھتا ہے یا نہیں کہ یہ دولت تیرے پاس کہاں سے آئی؟

الغرض سب لوگ محمد زبیدی سے رخصت ہو کر بصرے سے چل دیئے اور بغداد پہنچے۔ جب وہ خلیفہ کے پاس آئے اور اس کے سامنے کھڑے ہوئے تو خلیفہ نے ابو محمد کو بیٹھنے کا حکم دیا اور وہ بیٹھ گیا اور نہایت سلیقے اور تمیز سے گفتگو کی اور کہنے لگا کہ اے امیرالمومنین میں تیری خدمت میں ایک ہدیہ لایا ہوں اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟ رشید نے کہا کیا مضائقہ ہے! اب اس نے ایک صندوق منگوا کر کھولا اور مختلف تحفے نکالے ان میں کئی سونے کے درخت تھے جن کے پتے زمرد کے تھے۔ پھل لال اور زرد یاقوت اور سفید موتیوں کے۔ خلیفہ انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ ابو محمد نے دوسرا صندوق منگوایا اور اس میں سے ایک خیمہ نکالا جو اطلس کا تھا اور جس کے اوپر موتیوں' یاقوت' زمرد اور زبرجد اور طرح طرح کے دوسرے جواہرات کا تاج بنا ہوا تھا۔ خیمے کے کھمبے عود ہندی کے تھے اور اس کے حاشیوں میں سبز زمرد ٹنکے ہوئے تھے اور اس پر تمام جانوروں' پرندوں' چرندوں اور درندوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں اور ان تصویروں پر ہیرے' یاقوت' زمرد' زبرجد ملنجش اور قسم قسم کے قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔

رشید خوش ہو گیا۔ کاہل ابو محمد نے کہا کہ اے امیرالمومنین یہ خیال نہ کریں کہ میں یہ چیزیں کسی ڈر سے یا لالچ سے تیرے پاس لایا ہوں بلکہ محض اس وجہ سے کہ میں ایک معمولی شخص ہوں اور یہ چیزیں امیرالمومنین کے سوا اور کسی کے قابل نہیں۔ اگر تو اجازت دے تو میں ایک آدھ کرتب بھی دکھا کر تجھے خوش کروں۔

رشید نے کہا دیکھیں تو کیا کرتب دکھاتا ہے۔ ابو محمد نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دے کر محل کی فصیل کی طرف اشارہ کیا اور وہ اس کی طرف جھک کر آئی۔ پھر دوبارہ اشارہ کیا' وہ اپنی جگہ پر چلی گئی۔ اس کے بعد اس نے اپنی آنکھ سے اشارہ کیا اور کئی کوٹھڑیاں آموجود ہوئیں جن کے دروازوں میں قفل پڑے ہوئے تھے اس نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کچھ کہا اور جواب میں چڑیوں کی بولیاں سنائی دیں۔ رشید کو اور بھی زیادہ اچنبھا ہوا اور وہ کہنے لگا کہ تجھے یہ ساری باتیں کہاں سے آئیں تو تو کاہل ابو محمد کے نام سے مشہور ہے اور لوگوں کا بیان ہے کہ تیرا باپ حجام تھا اور ایک حمام میں نوکر تھا اور اس کے ترکے میں تجھے کچھ بھی نہیں ملا۔ اس نے کہا کہ اے امیرالمومنین میرا قصہ سن۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

- تین سو کے بعد پہلی رات

جب تین سو راتوں کے بعد پہلی رات آئی تو اس نے کہا کہ نیک نہاد بادشاہ ......
کاہل ابو محمد نے خلیفہ سے کہا' امیرالمومنین میرا قصہ سن۔ وہ نہایت عجیب و غریب ہے۔
اگر وہ سوئیوں کی نوکوں سے آنکھوں کے کونوں میں لکھا جائے تو عبرت پکڑنے والے
اس سے عبرت پکڑیں گے۔ رشید نے کہا کہ اچھا بیان کر۔ ابو محمد نے سنانا شروع
کیا کہ اے امیرالمومنین خدا تیری عزت اور دبدبہ قائم رکھے! سن۔ لوگوں کا کہنا کہ
میں کاہل ابو محمد کے نام سے مشہور ہوں اور میرے باپ نے مرتے وقت کچھ نہ چھوڑا'
درست ہے کیونکہ جیسا تو نے کہا کہ میرا باپ حمام میں حجام تھا اور میں بچپن میں
اتنا کاہل اور ست تھا کہ دنیا میں کوئی دوسرا نہ ہو گا۔ میری سستی کی حالت یہ تھی
کہ گرمیوں میں جب سوتا اور میرے اوپر دھوپ آ جاتی تو سستی کی وجہ سے مجھ سے
اتنا نہ ہوتا کہ میں دھوپ سے اٹھ کر سائے میں چلا جاؤں۔
پندرہ برس کی عمر تک میری یہی حالت رہی۔ اس کے بعد میرے باپ کا انتقال ہو گیا'
خدا اس پر رحمت کرے! اور میرے لیے اس نے کچھ نہ چھوڑا۔ میری ماں لوگوں کے
پاس نوکری کرتی اور مجھے کھانے پینے کو دیتی اور میں پڑا دندناتا۔ ایک دن یہ اتفاق ہوا
کہ میری ماں چاندی کے پانچ درہم لے کر میرے پاس آئی اور مجھ سے کہنے لگی بیٹا!
مجھے یہ خبر ملی ہے کہ شیخ ابو المظفر چین کے سفر کا ارادہ رکھتا ہے۔ شیخ فقیروں کو
دوست رکھتا ہے اور اس کی ذات سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ میری ماں نے کہا کہ
بیٹا' یہ پانچ درہم لے کر میرے ساتھ اس کے پاس چل تاکہ ہم اس سے درخواست
کریں کہ ان درہموں سے تیرے لیے چین سے کوئی چیز خریدتا لائے شاید خدا کے فضل
سے تجھے اس میں فائدہ ہو مگر مارے سستی کے میں نہ اٹھا اور اس نے خدا کی قسم
کھائی کہ اگر تو نہ اٹھے گا تو میں تیرا کھانا پینا بند کر دوں گی اور تیرے پاس کبھی نہ

آؤں گی بلکہ تجھے بھوکا پیاسا مار ڈالوں گی۔

اے امیرالمومنین جب میں نے اس کی یہ باتیں سنیں تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ایسا کیے بغیر نہ رہے گی۔ وہ میری سستی اور کاہلی سے بیزار ہو گئی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے اٹھا کر بٹھا دے۔ اس نے بٹھا دیا۔ میں رونے لگا کہ میرے جوتے لا وہ لے آئی۔ میں نے کہا کہ پہنا دے اور اس نے پہنا دیئے۔ میں نے کہا کہ مجھے پکڑ کر اٹھا' اس نے اٹھا کر کھڑا کیا۔ پھر میں نے کہا کہ مجھے سہارا دے تاکہ میں چلوں اور اس نے سہارا دیا اور میں اس طرح چلا کہ میرے پاؤں دامن میں پھنستے جاتے تھے۔ آخر خدا خدا کرکے ہم سمندر کے کنارے پہنچے اور شیخ کو سلام کیا اور کہا کہ چچا تو ہی ابوالمظفر ہے؟ اس نے کہا کہ لبیک۔ میں نے کہا کہ یہ درہم لے کہ میرے لیے چین سے کوئی چیز خریدتا لائیو ممکن ہے کہ خدا اس میں فائدہ دے۔ شیخ ابوالمظفر نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ تم اس جوان کو جانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ یہ کاہل ابو محمد کے نام سے مشہور ہے اور آج سے پہلے ہم نے کبھی اسے گھر سے نکلتے نہیں دیکھا۔ شیخ ابوالمظفر نے کہا کہ بیٹا لا درہم' خدا برکت دے! اس کے بعد اس نے بسم اللہ کہہ کر میرے ہاتھ سے درہم لے لیے۔ میں اپنی ماں کے ساتھ گھر چلا آیا اور شیخ ابوالمظفر روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے وہ اور اس کے ساتھی چین پہنچے۔

وہاں شیخ نے خرید و فروخت کی اور اپنی ضروریات پوری کر کے واپس لوٹے۔ تین دن سمندر کی راہ طے کرنے کے بعد شیخ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ جہاز روکو۔ سوداگروں نے کہا کہ کیا ضرورت پیش آئی؟ اس نے جواب دیا کہ کاہل ابو محمد نے جو کام میرے سپرد کیا تھا' وہ میں بھول گیا۔ الٹے چلو تاکہ ہم اس کے لیے کوئی چیز خرید لیں۔ جس سے اسے فائدہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ خدا کے لیے واپس نہ چل' ہم بڑی مسافت طے کر چکے ہیں اور اس میں بڑی مصیبت اور مشقت اٹھا چکے ہیں۔ شیخ نے کہا کہ لوٹنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے پانچ درہم کا پانچ گنا دس گنا جتنا چاہے لے لے مگر ہمیں واپسی پر مجبور نہ کر۔ شیخ نے ان کی تجویز منظور کر

لی اور انہوں نے بہت سا مال جمع کر کے اس کے حوالے کیا۔
اب چلتے چلتے وہ ایک جزیرے کے پاس پہنچے جہاں بہت بڑی آبادی تھی۔ لنگر ڈال دیئے اور سوداگر اتر کر معدنیات' جواہرات' موتی اور دوسرے تجارت کا مال خریدنے لگے۔ وہاں ابوالمظفر نے دیکھا کہ ایک شخص اپنے آگے بہت سے بندر لیے بیٹھا ہے۔ ان میں سے ایک بندر کے بال نچے کھچے ہیں۔ جب ان کے مالک کی توجہ کسی دوسری طرف ہوتی تو دوسرے بندر اس کو مارتے اور اسے مالک پر دھکیل دیتے۔ مالک اٹھ کر اسے مارتا باندھتا اور سزا دیتا۔ اس پر دوسرے بندر اس بندر پر اور زیادہ خفا ہوتے اور اس کو مارتے۔ شیخ ابوالمظفر کی نظر اس بندر پر پڑی تو اسے ترس آ گیا اور اس نے مالک سے کہا کہ اس بندر کو میرے ہاتھ بیچے گا؟ مالک نے کہا کہ ہاں بیچوں گا۔ شیخ نے کہا کہ میرے پاس ایک یتیم لڑکے کے پانچ درہم ہیں کیا انہیں لے کر تو بندر میرے ہاتھ بیچ ڈالے گا۔ اس نے کہا کہ ہاں بیچ ڈالوں گا' خدا تجھے اس میں برکت دے!
اب اس نے مالک کو درہم حوالے کیے اور بندر لے لیا۔ شیخ کے غلاموں نے بندر کو لے کر جہاز سے باندھ دیا' لنگر اٹھا دیئے گئے اور جہاز جزیرے کی طرف روانہ ہو گیا۔
ایک اور جزیرے پر اترے وہاں تاجروں نے غوطہ مارنے والوں کو چند درہم اجرت دی کہ وہ غوطہ مار کر معدنیات اور موتی وغیرہ نکالیں انہوں نے غوطہ مارا۔ جب بندر نے انہیں یہ کرتے دیکھا تو اس نے بھی رسی تڑوا کر چھلانگ ماری اور غوطہ خوروں کے ساتھ پانی میں چھلانگ ماری اور غوطہ خوروں کے ساتھ پانی میں غوطہ لگایا۔ ابوالمظفر نے کہا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ جس مسکین کے لیے میں نے بندر لیا تھا اس کی بدبختی سے وہ بندر جاتا رہا اور سب کے سب ناامید ہو گئے لیکن جب غوطہ خور اوپر نکلے تو بندر بھی ان کے ساتھ نکل آیا۔ اس کے ہاتھوں میں نفیس جواہرات تھے اور اس نے وہ سب ابوالمظفر کے سامنے ڈال دیئے۔ شیخ کو اس پر بڑا اچنبھا ہوا اور اس نے کہا کہ اس بندر میں ضرور کوئی نہ کوئی بڑا بھید ہے۔ اس کے بعد وہ وہاں سے لنگر اٹھا کر روانہ ہو گئے اور ایک جزیرے کے پاس پہنچے جس کا نام جزیرہ زنوج تھا۔ وہاں

کے باشندے سیاہ فام تھے اور انسانوں کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ جونہی ان مردم خور حبشیوں نے انہیں دیکھا تو وہ اپنی کشتیوں میں بیٹھ کر ان کی طرف دوڑے اور ان کے پاس پہنچ کر جہاز میں جتنے لوگ تھے سب کو پکڑ' مشکیں باندھ اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان میں سے جو زیادہ موٹے تازے ہوں' ذبح کیا جائے جن کی قضا تھی۔ وہ حلال ہو گئے ان کا گوشت کھایا گیا۔ باقی تاجروں کو قید خانے میں بند کر دیا۔ جب رات ہو گئی تو بندر اٹھا اور ابوالمظفر کے پاس آیا اور اس کی بیڑیاں کھول دیں۔ جب دوسرے تاجروں نے دیکھا کہ ابوالمظفر آزاد ہو گیا ہے تو وہ کہنے لگے کہ اے ابوالمظفر قریب ہے کہ خدا تیرے ہاتھ سے ہمیں بھی رہائی دے۔ شیخ نے کہا کہ اسی بندر نے خدا کی مرضی سے مجھے آزاد کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو کے بعد دوسری رات

جب تین سو کے بعد دوسری رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------

ابوالمظفر نے کہا کہ اسی بندر نے خدا کی مرضی سے مجھے آزاد کیا ہے اور میں اس کے بدلے اسے ایک ہزار دینار دیتا ہوں۔ تاجروں نے کہا کہ علیٰ ہذا القیاس ہم میں سے بھی ہر ایک اسے ایک ہزار دے گا اگر وہ ہمیں بھی چھڑا دے۔ یہ سن کر بندر اٹھا اور ایک ایک کر کے انہیں کھولنے لگا یہاں تک کہ سب کی بیڑیاں کھول دیں اور سب وہاں سے روانہ ہو کر جہاز میں پہنچ گئے دیکھا کہ وہ بالکل صحیح سالم ہے اس میں کسی چیز کی کمی نہیں ہوئی۔ انہوں نے جہاز کے لنگر اٹھا دیئے اور چل کھڑے ہوئے۔ ابوالمظفر نے کہا کہا کہ اے تاجرو! جو تم نے بندر سے وعدہ کیا تھا' اسے پورا کرو۔ وہ بولے ہم تیار ہیں اور ہر ایک نے اسے ایک ایک ہزار دینار دیئے اور ابوالمظفر نے بھی اپنے مال میں سے ایک ہزار دینار نکال کر اس کے حوالے کیے۔ بندر کے لیے بڑی دولت جمع ہو گئی۔ اب وہ وہاں سے چلتے چلتے بصرے پہنچے اور ان کے دوست ان سے ملنے آئے۔ جب وہ جہاز سے اترے تو ابوالمظفر نے کہا کہ کاہل ابو محمد کہاں ہے۔ جب یہ خبر میری ماں کو ملی تو وہ میرے پاس آئی۔ میں سو رہا تھا وہ مجھے جھنجھوڑ کر کہنے لگی کہ بیٹا شیخ ابوالمظفر لوٹ کر شہر میں آ گیا ہے۔ اٹھ اور اس کے پاس جا کر اسے سلام کر اور پوچھ کہ وہ تیرے لیے کیا لایا ہے؟ ممکن ہے کہ خدا تیری رزق کشائی کرے۔ میں نے کہا کہ مجھے اٹھا اور سہارا دے تاکہ میں یہاں سے نکل کر سمندر کے کنارے جاؤں۔ اب میں لٹکتا ٹیکتا وہاں سے چلا اور شیخ ابوالمظفر کے پاس پہنچا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا کہ مرحبا! تیرے درہموں کی وجہ سے ہم اور یہ تاجر خدا کے فضل سے صحیح و سلامت لوٹے ہیں۔ اس کے بعد اس نے کہا کے لے یہ بندر اسے میں نے تیرے لیے خریدا ہے اور اسے لے کر گھر جا اور میرا انتظار

کر۔ میں بندر کو اپنے ساتھ لے کر گھر گیا اور اپنے دل میں کہا کہ واللہ یہ تو واقعی بڑی تجارت ہے! گھر پہنچ کر میں نے ماں سے کہا کہ جب کبھی میں سوتا ہوتا تو تو مجھ سے کہتی کہ اٹھ اور تجارت کر۔ دیکھ اس تجارت کو اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لے۔

یہ کہہ کر میں بیٹھ گیا اور ابھی میں بیٹھا ہی ہوا تھا کہ ابوالمظفر کے غلام میرے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ کاہل ابو محمد تو ہی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ اتنے میں ان کے پیچھے پیچھے ابوالمظفر بھی آ گیا۔ میں نے اٹھ کر اس کے ہاتھ چومے۔ اس نے کہا کہ میرے گھر چل۔ میں نے کہا کہ بسرو چشم اور اس کے ساتھ روانہ ہو کر اس کے گھر پہنچا۔ اس نے اپنے غلاموں سے کہا کہ مال لاؤ۔ جب وہ لے آئے تو اس نے کہا کہ بیٹا پانچ درہم سے خدا نے تجھے اتنا فائدہ دیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے مال کے صندوق ان کے سروں پر رکھوا دیئے اور ان کی کنجیاں میرے حوالے کر کے کہا کہ غلاموں کو لے کر اپنے گھر جا اور یہ سارا مال تیرا ہے۔ میں انہیں لے کر ماں کے پاس آیا۔ وہ خوش ہو گئی اور کہنے لگی کہ بیٹا خدا نے یہ سارا مال تجھے دیا ہے۔ اب کاہلی چھوڑ دے اور بازار جا کر خرید و فروخت کر۔ میں نے کاہلی چھوڑ کر بازار میں ایک دکان کھولی۔ بندر میرے ساتھ گدی پر بیٹھتا اور جب میں کھاتا تو وہ میرے ساتھ کھاتا اور جب پیتا تو وہ میرے ساتھ پیتا لیکن ہر روز صبح سے لے کر دوپہر تک وہ غائب رہتا۔ جب آتا تو ایک تھیلی لے کر آتا جس میں ایک ہزار دینار ہوتے۔ اور اسے میرے پاس رکھ کر بیٹھ جاتا۔ بہت دنوں تک یہی حالت رہی اور میرے پاس بے شمار دولت جمع ہو گئی۔

اے امیرالمومنین میں نے بہت سی زمینیں اور مکان خرید ڈالے' باغ لگائے' گورے اور کالے غلام اور کنیزیں خریدیں۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ میں اور بندر دونوں بیٹھے تھے کہ یکایک وہ دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ معلوم نہیں کیا بات ہے۔ اتنے میں بندر نہایت شیریں لہجے میں کہنے لگا اے ابو محمد۔ یہ سن کر میرے رونگٹے

کھڑے ہو گئے۔ اس نے کہا کہ ڈر نہیں۔ میں اپنا حال تجھ سے بیان کرتا ہوں۔ میں خدا کی درگاہ سے راندہ ہوا جن ہوں۔ تیری زدہ حالت دیکھ کر میں تیرے پاس آیا تھا اور آج تیری یہ حالت ہے کہ تجھے اپنے مال کی بالکل قدر نہیں۔ تجھ سے میری ایک ضرورت ہے اور اس میں تیری بھلائی ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کیا؟ اس نے کہا کہ میں تیری شادی ایک لڑکی سے کرانا چاہتا ہوں جو چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کس طرح؟ وہ بولا کہ کل اپنا بہترین لباس پہنیو اور خچر پر سونے کا زین رکھ کر اس پر سوار ہوجیو اور گھسیاروں کی منڈی جا کر شریف کی دکان کا پتہ پوچھیو اور اس کے پاس بیٹھ کر کہیو کہ میں تیری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ کہے کہ تیری گرہ میں نہ تو دام ہیں اور نہ تیرا کوئی حسب نسب ہے تو اسے ایک ہزار دینار دے دیجیو۔ اگر وہ کہے کہ اور دے تو اور دے دیجیو اور اسے مال کا لالچ دلائیو۔ میں نے کہا کہ بسرو چشم' کل میں انشاء اللہ یہ کروں گا۔ ابو محمد کا بیان ہے کہ جب سویرا ہوا تو میں نے اپنے بہترین کپڑے پہنے اور خچر پر سونے کی زین رکھ کر سوار ہوا۔ اس کے بعد گھسیاروں کی منڈی میں پہنچ کر شریف کی دکان کا پتہ پوچھا اور دیکھا کہ وہ اپنی دکان پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں سلام کر کے اس کے پاس بیٹھ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• تین سو کے بعد تیسری رات

جب تین سو کے بعد تیسری رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------
ابو محمد کسلان کہتا ہے کہ میں نے اتر کر اسے سلام کیا اور اس کے پاس جا بیٹھا۔
اس وقت میرے ساتھ دس گورے اور کالے غلامؓ تھے۔ شریف نے کہا ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ مجھ سے تیری کوئی ضرورت ہے جسے میں پورا کروں۔ میں نے کہا کہ ہاں
میں تیرے پاس ایک حاجت لے کر آیا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ وہ کیا حاجت ہے؟
میں نے کہا کہ میں تیری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ تیرے پاس
نہ تو دولت ہے نہ حسب نسب۔ میں نے ایک تھیلی نکال کر اس کے آگے رکھ دی'
جس میں ایک ہزار دینار سرخ تھے اور اس سے کہا کہ یہ ہے میرا حسب نسب۔ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ بہترین حسب نسب مال ہے۔ یہ سن کر شریف
نے اپنا سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر بولا اگر یہی ہے تو میں تجھ سے
تین ہزار دینار اور چاہتا ہوں۔ میں نے کہا ابھی لے۔ یہ کہہ کر میں نے اپنے ایک
غلام کو اپنے گھر بھیجا اور وہ جا کر اتنے دینار لے آیا جتنے اس نے مانگے تھے۔ جب
اس نے دیکھا کہ یہ مال بھی اسے مل گیا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے غلاموں سے
کہا کہ دکان میں قفل لگا دو۔ پھر وہ اپنے دوستوں کو لے کر گھر گیا اور میرا نکاح
نامہ اپنی بیٹی کے ساتھ لکھوا دیا اور مجھ سے کہا کہ دس دن کے بعد میں اسے رخصت
کر دوں گا۔ یہ سن کر میں خوش خوش گھر لوٹا اور بندر سے تنہائی میں سارا ماجرا بیان
کیا۔ اس نے کہا کہ تو نے بہت خوب کیا۔
جب شریف کی مقرر کردہ میعاد قریب آئی تو بندر نے کہا کہ میری تجھ سے ایک حاجت
ہے اگر تو اسے پورا کر دے تو تو جو مانگے گا میں دوں گا۔ میں نے کہا کہ وہ حاجت
کیا ہے؟ اس نے کہا کہ جس کمرے میں تو شریف کی لڑکی سے ہم بستری کرے
گا اس کے صدر کی طرف ایک کوٹھڑی ہے جس کی پیتل کی زنجیر ہے اور کنجیاں زنجیر

کے نیچے ہیں۔ انہیں لے کر دروازہ کھولیو اور اس کے اندر تجھے ایک لوہے کا صندوق ملے گا جس کے چاروں کونوں پر جادو کے چار جھنڈے ہوں گے اور بیچ میں ایک تشت مال سے بھرا ہوا۔ تشت کے پاس گیارہ سانپ اور اس کے اندر ایک سفید مرغ ہو گا' صندوق کے پاس ایک چھری ہو گی' چھری کو لے کر اس مرغ کو ذبح کر ڈالیو اور جھنڈوں کو کاٹ کر صندوق الٹ دیجیو۔ اس کے بعد دلہن کے پاس جا کر سو جائیو۔ بس یہ تجھ سے میری درخواست ہے۔ اس کے بعد میں شریف کے مکان گیا اور کمرے میں جا کر دیکھا کہ وہ کوٹھڑی موجود ہے جس کا ذکر بندر نے کیا تھا پھر میں دلہن کے پاس گیا تو اس کے حسن و جمال اور قد و قامت کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ زبان اس کی خوبصورتی بیان کرنے سے عاجز ہے اور بے حد خوش ہوا۔ جب آدھی رات ہوئی اور دلہن سو گئی تو میں اٹھا اور کنجیاں لے کر کوٹھڑی کھولی' چھری لے کر مرغ ذبح کیا اور جھنڈیوں کو پھینک کر صندوق الٹ دیا۔ اتنے میں لڑکی کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ کوٹھڑی کھلی ہوئی ہے اور مرغ ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ اس نے کہا کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔ اب وہ مردود مجھے لے جائے گا۔ ابھی وہ یہ فقرہ تمام نہ کرنے پائی تھی کہ ایک مردود دیو نے گھر کو گھیر لیا اور لڑکی کو اٹھا کر لے گیا۔ ایک چیخ و پکار مچ گئی۔ شریف سر پیٹتا آیا اور کہنے لگا اے ابو محمد یہ تو نے کیا کیا؟ کیا تجھے ہمارے ساتھ یہی سلوک کرنا تھا؟ اسی ڈر سے تو کہ کہیں یہ ملعون دیو میری بیٹی کو اٹھا کر نہ لے جائے' میں نے اس کوٹھڑی میں یہ جادو کر رکھا تھا کیونکہ وہ چھ برس سے اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا مگر اس کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اب تو میرے ہاں نہیں ٹھہر سکتا' چل دور ہو۔

شریف کے مکان سے روانہ ہو کر میں اپنے گھر آیا اور بندر کو ڈھونڈنے لگا مگر وہ نہ ملا اور اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اب مجھے یقین ہوا کہ وہی وہ ملعون دیو تھا جو میری بیوی کو اڑا لے گیا اور مجھے دھوکا دے کر میرے ہاتھ سے مرغ ذبح کرایا اور جادو اتروایا۔

اپنی حرکت پر بہت پشیمان ہوا اور میں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور منہ پر تھپڑ مارنے لگا۔ دنیا سے بیزار ہو گیا اور فوراً نکل کر جنگل کی راہ لی۔ چلتے چلتے شام ہو گئی اور مجھے کچھ معلوم نہ ہوا کہ کدھر جا رہا ہوں۔ اپنی دھن میں چلا جا رہا تھا کہ ایک زرد اور ایک سفید سانپ لڑتے ہوئے میرے قریب پہنچے میں نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھا کر زرد سانپ کو مارا اور وہ مر گیا کیونکہ وہی سفید سانپ کو دق کر رہا تھا۔ اب سفید سانپ وہاں سے چل دیا اور تھوڑی دیر کے بعد دس اور سفید سانپوں کو لے کر آیا۔ انہوں نے مردہ سانپ کے پاس جا کر اس کی تکا بوٹی کر ڈالی۔ یہاں تک کہ سوائے سر کے اور کچھ باقی نہ رہا اور چلتے بنے۔ تھکن کی وجہ سے میں وہیں لیٹ گیا۔ میں لیٹا ہوا اپنی حالت پر غور کر رہا تھا کہ میں نے کسی کو کہتے سنا مگر اس کی شکل دکھائی نہ دی کہ "تقدیر کو اپنا کام کرنے دے اور آرام سے سو کیونکہ اتنی دیر میں کہ انسان آنکھ بند کرے اور کھولے خدا کچھ کا کچھ کر دیتا ہے۔"

اے امیرالمومنین جب میں نے یہ سنا تو میری حالت دگرگوں ہو گئی اور مجھے بے حد پریشانی ہوئی اتنے میں پیچھے سے مجھے یہ آواز سنائی دی کہ " اے مسلم تیرا رہنما قرآن ہے۔ خوش ہو کہ اب امان میں آ گیا ہے۔ شیطان کی دغابازی سے نہ ڈر کیونکہ ہم لوگ ایمان والے ہیں۔" میں نے کہا کہ خدا کے واسطے یہ تو بتا کہ تو ہے کون؟ یہ سن کر ہاتف نے انسان کی صورت اختیار کر لیا اور مجھ سے کہا کہ ڈر نہیں تیرے احسان کی خبر ہم کو مل چکی ہے۔ ہم مسلمان جن ہیں۔ اگر تجھے کوئی حاجت ہو تو بیان کر تاکہ ہم اسے پورا کریں۔ میں نے کہا کہ میری حاجت بہت بڑی ہے مجھ پر ایسی مصیبت آ بنی ہے کہ کسی اور پر نہ گزری ہو گی۔ اس نے کہا کہ تو ابو محمد الکسلان تو نہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ وہ بولا اے ابو محمد میں اس سفید سانپ کا بھائی ہوں جس کے دشمن کو تو نے قتل کیا ہے۔ ہم سگے بھائی ہیں اور سب کے سب تیری مہربانی کے شکر گزار ہیں۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جو جن بندر کی صورت میں تھا اور جس نے تیرے ساتھ دغابازی کی ہے وہ مردود جنوں میں سے ہے اور وہ یہ چھل فریب نہ

کرتا تو لڑکی ہرگز اس کے قابو میں نہ آتی۔ ایک زمانے سے وہ اس لڑکی پر عاشق تھا اور اسے لے جانا چاہتا تھا مگر وہ جادو اسے روکے ہوئے تھا۔ اگر جادو نہ ٹوٹتا تو وہ جن اس کے پاس پھٹک نہ سکتا۔ خیر پریشان نہ ہو ہم تجھے اس لڑکی تک پہنچا دیں گے اور اس ملعون کو قتل کر دیں گے جو احسان تو نے ہمارے ساتھ کیا ہے وہ ضائع نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر اس نے زور سے آواز دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

تین سو چوتھی رات

جب تین سو چوتھی رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- جن نے یہ کہہ کر کہ تیرا احسان جو ہم پر ہے ضائع نہیں ہو سکتا' بہت زور سے ایک آواز

دی۔ بہت سے جن آموجود ہوئے اور اس نے ان سے بندر کے متعلق دریافت کیا۔ ایک جن نے جواب دیا کہ میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں رہتا ہے؟ اس نے پوچھا کہ کہاں رہتا ہے؟ جن نے کہا کہ تانبے کے شہر میں جہاں کبھی سورج نہیں نکلتا۔ وہ بولا اے ابو محمد تمہارے غلاموں میں سے ایک غلام کو اپنے ساتھ لے جا وہ تجھے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر لے جائے گا اور تجھے لڑکی کو واپس لے آنے کی تدبیر بتا دے مگر تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جن کافر جنوں میں سے ہے اور جب تک تو اس پر سوار رہے خدا کا نام نہ لیجیو۔ ورنہ وہ تجھے چھوڑ کر بھاگ جائے گا اور تو گر کر ہلاک ہو جائے گا۔ میں نے کہا کہ اچھا۔ ان کے غلاموں میں سے ایک سامنے آیا اور جھک کر بولا کہ سوار ہو۔ میں سوار ہو گیا تو وہ مجھے لے کر ہوا میں اڑا یہاں تک کہ وہ دنیا سے غائب ہو گیا اور مجھے ستارے' مضبوط پہاڑوں کی طرح دکھائی دینے لگے اور آسمان پر فرشتوں کی تسبیح سنائی دینے لگی۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر وہ دیو مجھ سے بات چیت کر کے خدا کی یاد بھلا رہا تھا۔ اسی حالت میں ایک شخص دکھائی دیا اس کا لباس سبز تھا۔ بال لمبے لمبے اور چہرہ نورانی۔ اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا جس میں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ وہ شخص میرے پاس آ کر کہنے لگا اے ابو محمد کہہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ورنہ میں یہ نیزہ ابھی کھینچ کر مارتا ہوں۔ خدا کا ذکر نہ کرنے کی وجہ سے میں برداشتہ خاطر تو ہو ہی رہا تھا فوراً میں نے کہہ دیا کہ لا الہ اللہ محمد سول اللہ اور اس شخص نے دیو پر نیزہ مارا اور وہ جل کر راکھ ہو گیا اور میں اس کی پیٹھ پر سے زمین کی طرف چلا اور زمین میں پہنچ کر متلاطم سمندر میں جا پڑا۔ وہاں میں نے ایک ناؤ دیکھی

جس میں پانچ ملاح بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑی تو انہوں نے مجھے اٹھا کر ناؤ میں بٹھا لیا اور مجھ سے ایک ایسی زبان میں باتیں کرنے لگے جس کو میں نہیں سمجھتا تھا۔ میں نے انہیں اشارے سے بتایا کہ میں تمہاری بولی نہیں سمجھتا۔ چلتے چلتے شام ہو گئی' انہوں نے جال ڈال کر ایک مچھلی پکڑی اور اسے تل کر مجھے کھلایا۔

اب وہ اپنے شہر میں پہنچے اور مجھے اپنے بادشاہ کے پاس لے جا کر اس کے سامنے کھڑا کر دیا۔ میں نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس نے مجھے خلعت عطا کیا۔ بادشاہ عربی جانتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں تجھے اپنا مدد گار بناتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ اس شہر کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ شہر کا نام ہناد ہے اور وہ چین میں ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے مجھے اپنے وزیر کے سپرد کر کے کہا کہ اسے شہر کی سیر کرا لا۔ اس شہر کے باشندے پہلے کافر تھے۔ اس لئے خدا نے انہیں مسخ کر کے پتھر بنا دیا تھا۔ میں نے وہاں کی سیر کی اور اتنے درخت اور پھل دیکھے جتنے کہیں اور نہ دیکھے ہوں۔ ایک مہینے کے بعد ایک روز میں دریا کے کنارے بیٹھا ہوا تھا کہ ایک سوار آیا اور مجھ سے پوچھا کہ کیا تو کامل ابو محمد ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں۔ وہ کہنے لگا کہ بے خوف رہ تیری بھلائی کی خبر مجھے ملی ہے۔ میں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں سانپ کا بھائی ہوں اور اب تو اس جگہ کے قریب ہے جہاں لڑکی ہے اور جہاں تو جانا چاہتا ہے۔ اب اس نے اپنے کپڑے اتار کر مجھے پہنا دیئے اور مجھ سے بولا کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں جو غلام تیری سواری میں مارا گیا ہے ہمارا ہی غلام تھا۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے اپنے پیچھے گھوڑے پر سوار کر لیا اور جنگل کی راہ لی۔ ایک مقام پر پہنچ کر اس نے کہا کہ اتر کر ان دونوں پہاڑوں کے درمیان چلا جا۔ جب تجھے پیتل کا شہر دکھائی دے تو اس سے دور ٹھہرا رہیو۔ جب تک میں نہ آؤں اس کے اندر نہ جائیو۔ میں آ کر بتاؤں کا کہ تجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے بہت خوب کہا اور اتر کر روانہ ہوا۔ شہر کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ اس کی شہر پناہ پیتل کی ہے اور میں اس کے گرد چکر لگانے لگا کہ کہیں اس کا دروازہ نظر آئے لیکن کہیں

نظر نہ آیا۔ میں ابھی چکر لگا ہی رہا تھا کہ سانپ کا بھائی آ پہنچا اور اس نے مجھے ایک جادو کی تلوار دی تا کہ مجھے کوئی دیکھ نہ سکے۔ اس کے بعد وہ وہاں سے چل دیا مگر ابھی اسے گئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک شور سنائی دیا اور بہت سے لوگ دکھائی دیئے جن کی آنکھیں سینوں میں تھیں۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑی تو کہنے لگے کہ تو کون ہے اور تجھے اس جگہ کون لایا ہے؟ میں نے ان سے سارا ماجرا بیان کیا۔ وہ کہنے لگے کہ جس لڑکی کا تو نے ذکر کیا ہے وہ ہے تو دیو کے ساتھ اسی شہر میں مگر ہمیں یہ نہیں معلوم کہ اس نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور ہم لوگ سانپ کے بھائی ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے کہا کہ اس چشمے کے پاس جا کر دیکھ کہ پانی کہاں سے اندر جاتا ہے وہیں سے تو بھی اندر چلا جا اور پانی تجھے شہر کے اندر پہنچا دے گا۔ میں نے ایسا ہی کیا اور جب میں پانی کے ساتھ بدرو میں داخل ہو کر اوپر نکلا تو میں شہر کے بیچ میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک لڑکی سونے کے تخت پر بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے چاروں طرف دیباج کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ پردوں کے چاروں طرف ایک باغ ہے جس کے درخت سونے کے ہیں اور پھل یاقوت' زبرجد' موتی اور مرجان اور قیمتی جواہرات کے۔ لڑکی نے دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا۔ پہلے خود سلام کیا اور کہا کہ اے میرے آقا تجھے یہاں کون لایا؟ میں نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ وہ بولی اس ملعون کو مجھ سے اتنی محبت ہے کہ اس نے مجھے بتا دیا کہ ہے کس چیز سے اسے نقصان پہنچ سکتا ہے اور کس چیز سے فائدہ۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اس شہر میں ایک طلسم ہے۔ میں چاہوں تو اس کے ذریعے سے سینکڑوں کو ہلاک کر سکتا ہوں اور جب میں دیووں کو حکم دوں تو وہ میری اطاعت کریں گے اور یہ طلسم چند کھمبوں کے اندر ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کھمبے کہاں ہیں؟ اس نے کہا کہ فلاں جگہ۔ میں نے کہا کہ اور وہ طلسم کیا ہے؟ وہ بولی کہ ایک گدھ کی مورت ہے اور اس پر کچھ لکھا ہوا

ہے جو سمجھ میں نہیں آتا۔ اس گدھ کو لے کر اپنے آگے رکھیو اور ایک انگارا لے کر اس پر تھوڑا سا مشک ڈالیو۔ جب اس میں سے دھواں نکلنے لگے گا تو دیو آ کر جمع ہو جائیں گے اگر تو نے ایسا کیا تو سارے کے سارے دیو آجائیں گے اور ایک بھی غیر حاغیر نہ رہے گا اور وہ سب تیری فرمانبرداری کریں گے جو تو حکم دے گا اسے بجا لائیں گے۔ اب جا اور ایسا ہی کر خدا برکت دے! میں نے کھمبوں کے پاس جا کر اس کے کہنے کے مطابق عمل کیا۔ دیو آ پہنچے اور میرے سامنے کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ اے آقا ہم سب حاضر ہیں جو تو کہے گا ہم عمل کریں گے۔ میں نے کہا کہ اس مردود دیو کو باندھ کر لے آؤ جو اس لڑکی کو اس کے گھر سے چرا لایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بسرو چشم۔

اور وہ اس ملعون کے پاس گئے اور اسے بیڑیوں میں جکڑا اور مشکیں کس کر لا حاضر کیا اور کہنے لگے کہ لے ہم تیرا حکم بجا لائے۔ میں نے کہا کہ اب تم چلے جاؤ۔ پھر میں نے لڑکی کے پاس جا کر اس سے سارا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ اے میری بیوی کیا تو میرے ساتھ چلے گی؟ اس نے کہا ہاں۔ اب میں اس بدرو میں سے نکلا جس سے کہ داخل ہوا تھا اور چلتے چلتے ان لوگوں کے پاس پہنچا جنہوں نے مجھے راستہ بتایا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو پانچویں رات

تین سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ وہ کہنے لگا کہ ہم چلتے چلتے ان لوگوں کے پاس پہنچے جنہوں نے ہمیں لڑکی تک پہنچنے کا راستہ بتایا تھا اور میں نے ان سے کہا کہ مجھے اس راستے پر لگا دو جہاں سے میں اپنے وطن واپس پہنچ جاؤں۔ انہوں نے مجھے راستے پر لگا دیا اور میرے ساتھ سمندر کے کنارے تک گئے اور مجھے ایک کشتی میں بٹھا دیا۔ ہوا موافق تھی' کشتی نے ہمیں لا کر بصرے پہنچا دیا۔ جب لڑکی اپنے باپ کے گھر پہنچی تو اس کے خاندان والے اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ میں نے پھر گدھ کو مشک کی دھونی دی اور ہر طرف سے دیو آپہنچے۔ انہوں نے کہا کہ لبیک' کیا حکم ہے تا کہ ہم بجا لائیں۔ میں نے کہا کہ پیتل کے شہر میں جو کچھ مال و دولت اور معدنیات اور ہیرے جواہرات ہیں' انہیں بصرے میں میرے گھر لے آؤ۔ انہوں نے اس کی تعمیل کی۔ اس کے بعد میں نے حکم دیا کہ اس بندر کو لاؤ اور وہ اسے نہایت ذلت اور حقارت سے لائے۔ میں نے اس سے کہا کہ اے ملعون تو نے مجھ سے دغا بازی کی؟ اور انہیں حکم دیا کہ اسے پتیل کی بوتل میں بند کر دو۔ انہوں نے اسے ایک پیتل کی تنگ بوتل میں داخل کر کے اس کا منہ سیسے سے بند کر دیا اور میں اور میری بیوی خوش خوش زندگی بسر کرنے لگے۔ اے امیر المومنین اس وقت میرے پاس اس قدر قیمتی ذخیرے ہیں جن کا حد و حساب نہیں اگر تجھے مال و دولت یا کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو میں جنات کو حکم دوں گا کہ وہ فوراً تیرے پاس لا کر حاضر کریں۔ یہ سب خدا کی مہربانی ہے۔ امیر المومنین کو اس پر سخت اچنبھا ہوا اور اس کے ہدیے کے عوض اس نے اسے شاہانہ عطیات اور اس کے لائق انعامات دیئے۔

○ یحییٰ بن خالد برمکی اور منصور کی کہانی

کہتے ہیں کہ ہارون الرشید نے ایک سردار کو بلوایا جس کا نام صالح تھا۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ ابھی تک وہ برمکیوں سے ناراض نہیں ہوا تھا۔ جب وہ خلیفہ کے سامنے حاضر ہوا تو ہارون الرشید نے کہا کہ اے صالح تو منصور کے پاس جا کر کہہ کہ میرے تجھ پر دس لاکھ درہم نکلتے ہیں۔ میرا حکم ہے کہ فوراً یہ رقم میرے پاس پہنچا دے اور اے صالح تجھے میں یہ حکم دیتا ہوں کہ اگر اس وقت سے لے کر مغرب تک تجھے یہ رقم نہ مل جائے تو اس کا سر جسم سے جدا کر دیجیو اور اسے میرے پاس لے آئیو۔

صالح نے منصور کے پاس جا کر امیر المومنین کا پیغام پہنچا دیا۔ منصور نے کہا کہ اب میری جان گئی واللہ اگر میں اپنی ساری جاگیر اور دوسرا مال مہنگے سے مہنگا بھی بیچوں تو اس کی قیمت ایک لاکھ سے زیادہ نہ آئے گی مگر اے صالح باقی نو لاکھ درہم میں کہاں سے لاؤں گا! صالح نے کہا کہ جلد سے جلد کوئی تدبیر سوچ جس سے تیرا چھٹکارا ہو جائے ورنہ تو مارا جائے گا کیونکہ خلیفہ نے جو میعاد مقرر کی ہے اس سے ایک لمحہ بھی میں دیر نہیں کر سکتا اور نہ امیر المومنین کے حکم کی نافرمانی کر سکتا ہوں۔ اس لئے وقت ختم ہونے سے پہلے اپنی جان چھڑانے کی تدبیر نکال۔ منصور بولا اے صالح' میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے میرے گھر لے چل تاکہ میں اپنے بال بچوں اور خاندان والوں کو خدا حافظ کہہ لوں اور اپنے رشتہ داروں کو وصیت کر دوں۔

صالح کا بیان ہے کہ میں اس کے ساتھ اس کے گھر گیا اور اس نے اپنے خاندان والوں کو خدا حافظ کہنا شروع کیا اور گھر میں رونا پیٹنا مچ گیا اور خدا کی دہائی دینے لگے۔ صالح نے اس سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ برمکیوں کے ہاتھ سے خدا تجھے خوشی دے سکتا ہے تو میرے ساتھ یحییٰ بن خالد کے گھر چل چنانچہ وہ یحییٰ کے پاس گیا اور اپنی حالت سنائی۔

یحیٰ بہت غمگین ہوا اور اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر اپنے خزانچی کو بلایا اور پوچھا کہ ہمارے خزانے میں کتنے درہم ہیں؟ اس نے کہا کہ تقریباً پانچ ہزار۔ یحیٰ نے حکم دیا کہ انہیں لا۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے فضل کے پاس ایک قاصد کو یہ خط دے کر بھیجا کہ ایک ایسی عالی شان جاگیر بکنے کو میرے پاس آئی ہے جو کبھی بنجر نہ ہو گی کچھ درہم میرے پاس بھیج دے۔ اس نے دس لاکھ درہم بھیج دیئے۔ پھر اس نے اپنے دوسرے بیٹے جعفر کے پاس ایک اور شخص کو خط دے بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ مجھے ایک ضروری کام پیش آ گیا ہے اور مجھے کچھ درہموں کی ضرورت ہے۔ جعفر نے بھی فوراً دس لاکھ درہم اس کے پاس بھیج دیئے۔

اسی طرح یحیٰ برمکیوں کے پاس مختلف لوگوں کو بھیجتا رہا یہاں تک کہ اس نے منصور کے لئے بہت دولت جمع کر لی۔ صالح اور منصور کو اس کی بالکل خبر نہ تھی۔ منصور نے یحیٰ سے کہا کہ اے میرے مولیٰ میں نے تیرا دامن پکڑا ہے اور میرے خیال میں تیرے سوا اور کسی سے اتنی رقم نہیں مل سکتی کیونکہ تو سخاوت کا عادی ہے لہذا میرا باقی قرضہ اتار دے اور مجھے اپنا زر خرید بندہ بنا لے۔ یحیٰ سر نیچا کر کے رونے لگا اور اپنے غلام سے بولا کہ امیر المومنین نے ہماری کنیز دنانیر کو ایک بار ایک بیش بہا ہیرا دیا تھا۔ اس کے پاس جا کر کہہ کہ وہ اس ہیرے کو میرے پاس بھیج دے۔ غلام جا کر اس ہیرے کو لے ایا۔ یحیٰ نے کہا کہ اے صالح میں نے یہ ہیرا امیر المومنین کے لئے تاجروں سے دولاکھ دینار میں خریدا تھا۔ اس نے میری کنیز دنانیر کو بخش دیا جو عود بجانے والی ہے۔ اگر وہ اس ہیرے کو تیرے پاس دیکھے گا اور اسے پہچان لے گا تو ہماری خاطر تیری جان بخشی کر دے گا کیونکہ ہمارے ساتھ وہ احسان کرتا ہے اور اے منصور تیرے قرضے کے دام پورے ہو گئے ہیں۔

صالح کا بیان ہے کہ میں نقدی اور اس ہیرے کو لے کر منصور کے ساتھ رشید کے پاس روانہ ہو گیا۔ ابھی ہم راہ ہی میں تھے کہ میں نے اسے یہ شعر پڑھتے سنا۔ ”میں

محبت کی وجہ سے ان کے پاس نہیں گیا بلکہ اس وجہ سے کہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں مجھ پر تیر نہ پڑیں۔" مجھے اس کی بد طینتی' رذالت' شرارت اور خباثت پر تعجب ہوا اور میں نے پھر کر اس سے کہا کہ دنیا میں بر مکیوں سے زیادہ شریف اور تجھ سے زیادہ رذیل موجود نہیں۔ انہوں نے تجھے موت سے چھڑایا' ہلاکت سے بچایا اور تجھے نجات دے کر تجھ پر احسان کیا۔ اس کے بدلے تو نے نہ ان کا شکریہ ادا کیا نہ ان کی تعریف کی اور نہ کوئی شریفانہ برتاؤ کیا بلکہ اس کے احسان کے بدلے یہ شعر پڑھا۔ رشید کے پاس پہنچ کر میں نے اس سے یہ قصہ بیان کیا اور ساری سر گزشت سنائی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو چھٹی رات

جب تین سو چھٹی رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ صالح بیان کا ہے کہ میں نے یہ قصہ رشید سے بیان کیا اور اسے ساری سرگزشت سنائی۔ رشید کو یحییٰ کی سخاوت اور منصور کی رذالت اور کمینے پن پر سخت تعجب ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ ہیرا یحییٰ بن خالد کو واپس کر دیا جائے اور کہا کہ جو چیزیں ہم نے اسے عطا کی ہیں' ان کا واپس لینا ہمارے لئے جائز نہیں۔ صالح نے یحییٰ بن خالد کے پاس جا کر منصور کا قصہ اور اس کی رذالت بیان کی۔ یحییٰ نے کہا اے صالح جب انسان نادار اور دل آزردہ اور متفکر ہو تو اگر اس سے کوئی حرکت سرزد ہو جائے تو اسے اس کی سزا نہیں دی جاسکتی کیونکہ وہ اس کے دل سے نہیں نکلتی اور وہ منصور کی طرف سے صالح سے معذرت کرنے لگا۔ صالح رو پڑا اور کہنے لگا کہ دنیا تیرا جیسا اور شخص پیدا نہ کرے گی۔ افسوس ہے کہ ایسا شخص جس کی سخاوت تیری سخاوت کی طرح ہو اور خلق تیرا سا' وہ ایک دن زمین کے اندر چھپ جائے گا۔

○ یحییٰ بن خالد اور جعلی خط کی کہانی

بیان کیا جاتا ہے کہ یحییٰ بن خالد بن مالک خزاچی آپس میں پوشیدہ دشمنی رکھتے تھے مگر اسے ظاہر نہ ہونے دیتے تھے۔ دونوں میں دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ امیر المومنین ہارون الرشید کو عبداللہ بن مالک سے بڑی محبت تھی حتیٰ کہ یحییٰ بن خالد اور اس کے بیٹے کہا کرتے تھے کہ عبداللہ نے امیر المومنین پر جادو کر دیا ہے۔ یہ دشمنی دونوں کے دلوں میں ایک زمانے تک رہی۔ اتفاق ایسا ہوتا ہے کہ رشید نے عبداللہ بن مالک کو

ارمینیہ کا والی بنا کر وہاں روانہ کر دیا۔ جب اسے والی ہوئے ایک مدت گزر گئی تو اس کے پاس ایک عراقی گیا۔ وہ بڑا فاضل و ادیب' ذکی اور فہیم تھا لیکن غریب ہو چکا تھا۔ اس کی دولت ختم ہو چکی تھی اور اس کے حالات ابتر تھے۔ یحییٰ بن خالد کی طرف سے عبداللہ بن مالک کے نام ایک جعلی خط لکھ کر اس کے پاس ارمینیہ بھیجا اور اس کے دروازے پر پہنچ کر وہ خط اس کے ایک حاجب کے حوالے کر دیا۔ حاجب نے خط لے کر عبداللہ بن مالک خزاعی کو دے دیا۔ اس نے خط کھول کر پڑھا غور کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ خط جعلی ہے۔

پھر اس شخص کو اندر بلوایا۔ جب وہ اس کے سامنے حاضر ہوا تو نے اسے دعا دی اور اس کے مجلس والوں کی تعریف کی۔ عبداللہ بن مالک نے کہا کہ تجھ پر ایسی کیا مصیبت پڑی جو تو اتنی مشقت اٹھا کر ایک جعلی خط لایا ہے؟ مگر اطمینان رکھ ہم تیری محبت کو رائیگاں نہ کریں گے۔ اس شخص نے کہا کہ خدا ہمارے والی کی عمر میں برکت دے! اگر میرا آنا تجھ پر گراں گزرا ہے تو اپنے انکار کے لئے کوئی سبب نہ ڈھونڈ کیونکہ خدا کی زمین بہت وسیع ہے اور رزق دینے والا زندہ ہے اور جو خط میں یحییٰ بن خالد کے پاس سے تیرے نام لایا ہوں اصلی ہے جعلی نہیں۔ عبداللہ نے کہ کہا میں اپنے نمائندے کو جو بغداد میں ہے ایک خط لکھتا ہوں اور اسے حکم دیتا ہوں کہ جو خط تو لایا ہے اس کی تحقیق کرے اگر وہ خط اصلی ہے اور جعلی نہیں تو میں تجھے اپنے کسی صوبے کا حاکم بنا دوں گا یا اگر تیری مرضی ہو گی تو تجھے دو لاکھ درہم' گھوڑے اور اصیل اونٹ اور خلعت عطا کروں گا اور اگر خط جعلی نکلا تو حکم دوں گا تجھے دو سو ڈنڈے مارے جائیں اور تیری داڑھی مونڈ ڈالی جائے۔ اس کے بعد عبداللہ نے حکم دیا کہ جب تک اس بات کی تحقیق نہ ہو لے اسے ایک کمرے میں بند رکھا جائے اور اس کے لئے ضرورت کی چیزیں مہیا کی جائیں۔ اس کے بعد اس نے اپنے نمائندے کے نام بغداد اس مضمون کا خط لکھا کہ میرے پاس ایک شخص ایک خط لے کر آیا ہے اور کہتا

ہے کہ وہ یحیٰ بن خالد کی طرف سے ہے مگر مجھے اس میں شک ہے۔ تجھے چاہیے کہ فوراً خود جا کر اس خط کے بارے میں تحقیق کرا اور مجھے جلد جواب دے تا کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ شخص سچا ہے یا جھوٹا۔ یہ خط بغداد میں نمائندے کے پاس پہنچا تو وہ سوار ہو کر گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو ساتویں رات

تین سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ .... جب بغداد میں عبداللہ بن مالک خزاعی کے وکیل کو یہ خط ملا تو وہ فوراً سوار ہو کر یحییٰ بن خالد کے مکان پر پہنچا۔ دیکھا کہ وہ اپنے ندیموں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے سلام کر کے وہ خط اسے دے دیا۔ خط پڑھ کر یحییٰ بن خالد نے نمائندے سے کہا کہ کل آ کر مجھ سے جواب لے جائیو۔ جب نمائندہ چلا گیا تو یحییٰ نے اپنے ندیموں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ کیا سزا ہے اس شخص کی جو میری طرف سے ایک جعلی خط لے جا کر میرے دشمن کے ہاتھ میں دے۔ ہر ندیم اپنی اپنی ہانکنے اور طرح طرح کی سزا تجویز کرنے لگا۔ یحییٰ نے کہا تم سب غلطی پر ہو اور تمہاری تجویزیں کم ہمتی اور چھچھورے پن پر دلالت کرتی ہیں تمہیں معلوم ہے کہ عبداللہ کو امیر المومنین کا قرب حاصل ہے اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے ناراض اور آپس میں دشمن ہیں۔

اب خدا نے اس شخص کو میرے اور اس شخص کے درمیان صلح کا سبب بنایا ہے۔ اس کی اس بارے میں مدد کی ہے اور اسے اس بات پر مامور کیا ہے کہ وہ ہمارے دلوں سے نفرت کی آگ بجھا دے جو بیس سال سے شعلہ زن ہے اور اس کے ذریعے سے ہماری اصلاح کر دے۔ اس لئے میرا فرض ہے کہ اس شخص کے گمان کو یقین کے درجے تک پہنچا دوں اور اس کی حالت سدھارنے کی کوشش کروں اور عبداللہ بن مالک خزاعی کو ایک خط لکھوں جس کا مضمون یہ ہو کہ اس شخص کی اور زیادہ تعظیم اور تکریم کر اور اسے عزت و احترام سے رکھ۔ ندیموں نے یہ سنا تو وہ اس کے حق میں بھلائی کی دعا مانگنے لگے اور انہیں اس کی بلند حوصلگی اور با مروتی پر تعجب ہوا۔

اس کے بعد یحییٰ نے کاغذ اور دوات منگوا کر اپنے ہاتھ سے عبداللہ بن مالک کو یہ خط

لکھا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ تیرا خط پہنچا۔ خدا تیری عمر میں برکت دے! میں نے اسے پڑھا تیری خیریت معلوم کر کے مجھے خوشی ہوئی اور تیرے استقلال اور سعادت مندی سے میں مسرور ہوا۔ تیرا خیال ہے کہ اس شریف آدمی نے میری طرف سے ایک جعلی خط لکھا ہے کہ وہ میری طرف سے اس پیغام کے لئے جانے کا مجاز نہ تھا۔ یہ درست نہیں۔ اس خط کو میں نے ہی لکھا ہے اور وہ جعلی نہیں ہے۔ مجھے تیرے اکرام و احسان اور خوش خلقی سے امید ہے کہ تو اس شریف اور بزرگ شخص کی امیدیں اور آرزوئیں پوری کر دے گا اور اس کا احترام کر کے اس کی مطلب برآری کرے گا اور اس کے ساتھ احسان و اکرام کر کے اسے اپنے خاص لوگوں میں شامل کرے گا۔ یہ تیری خوش سلوکی میرے ساتھ ہو گی اور میں اس کا شکر گزار ہوں گا۔" اس کے بعد اس نے خط پر پتہ لکھا اور مہر لگا کر نمائندے کو دے دیا اور نمائندے نے اسے عبداللہ کے پاس بھیج دیا۔

جب عبداللہ نے یہ خط پڑھا تو اس کا مضمون دیکھ کر وہ خوش ہو گیا اور اس شخص کو بلا کر کہا کہ دونوں باتوں میں سے جو میں نے کہی تھی تجھے کون سی زیادہ پسند ہے تا کہ میں اس کو حاضر کروں؟ اس نے جواب دیا کہ اور چیزوں میں مقابلے میں مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ تو مجھے انعام دے۔ اس پر عبداللہ نے حکم دیا کہ اسے دو لاکھ درہم اور دس عربی گھوڑے جن میں سے پانچ پر ریشمی جھولیں ہوں اور پانچ کی زینیں جلوسانہ اور مرصع ہوں اور بیس صندوق کپڑوں کے اور دس اسپ سوار گورے اور غلام اور ان سب چیزوں کی رعایت سے قیمتی جواہرات دے دیئے جائیں۔ بعد ازاں اس نے اسے خلعت پہنایا اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا اور اسے بڑی شان و شوکت سے روانہ کر دیا۔ بغداد پہنچ کر قبل اس کے کہ وہ اپنے گھر جائے' پہلے یحییٰ بن خالد کے دروازے پر پہنچا اور اس سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حاجب نے اندر جا کر یحییٰ سے کہا کہ اے میرے مولی دروازے پر ایک شخص ہے جو بڑی شان و شوکت سے آیا ہے خوبصورت ہے اور خوش حال معلوم ہوتا ہے اس کے ساتھ بہت سے غلام ہیں۔

وہ تجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ یحییٰ نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ جب وہ اندر آیا تو اس نے یحییٰ کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ اس نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ اے آقا میں ایک شخص ہوں جو زمانے کے ظلم سے مر چکا تھا لیکن تو نے مجھے مصیبتوں کی قبر سے نکال کر دوبارہ زندہ کر دیا اور مقاصد کی جنت میں پہنچا دیا۔ میں وہی ہوں شخص ہوں جو تیری طرف سے عبداللہ بن خزاعی کے نام جعلی خط لے گیا تھا۔ یحییٰ نے پوچھا کہ اس نے تیرے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور تجھے کیا دیا؟ اس نے کہا کہ عبداللہ نے تیری بخشش اور خوش خلقی اور نعمتوں اور عام سخاوت اور بلند ہمتی اور وسیع مہربانی میں سے اتنا کچھ دیا کہ میں امیر ہو گیا۔ میں اس کی ساری بخششیں اور ہدیئے لے کر آیا ہوں اور سب تیرے دروازے پر تیرے حکم کے منتظر ہیں۔

یحییٰ نے کہا جو نیکی تو نے میرے ساتھ کی ہے وہ اس سے بہتر ہے جو میں نے تیرے ساتھ کی۔ تیرا مجھ پر بڑا احسان اور کرم ہے تو نے اس دشمنی کو جو میرے اور اس بڑے شخص کے درمیان تھی دوستی اور محبت میں بدل دیا۔ جتنا مال عبداللہ بن مالک نے تجھے دیا ہے' اتنا میں بھی دوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ میری طرف سے اتنا مال اور گھوڑے اور صندوق دیئے جائیں جتنے اسے عبداللہ سے ملے ہیں۔ الغرض ان دو سخی آدمیوں کی بدولت وہ پھر پہلے کی طرح خوش حال اور امیر ہو گیا۔

○ مامون اور پردیسی فقیہ کی کہانی

لوگ کہتے ہیں کہ عباسی خلفاء سے مامون کے برابر کوئی خلیفہ مختلف علوم میں دسترس نہ رکھتا تھا۔ اس نے ہفتے میں دو دن مقرر کیئے تھے اور جب کہ وہ بیٹھ کر علماء سے مناظرہ کرتا۔ ان مجلسوں میں مناظرہ کرنے والے فقہاء اور متکلمین اس کے حضور میں درجہ بدرجہ بیٹھتے۔ ایک دن وہ ان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ مجلس میں ایک پردیسی پہنچا جس کے

کپڑے سفید مگر پھٹے پرانے تھے۔ وہ آ کر فقہا کی پشت پر تمام لوگوں کے پیچھے ایک پوشیدہ جگہ پر بیٹھ گیا۔ اب مشکل مسئلوں پر بحث مباحثہ شروع ہوا۔ ان کا دستور تھا کہ ہر مسئلے کو ایک ایک کے سامنے باری باری پیش کرتے اور جو کوئی اس میں زیادہ لطافت پیدا کرتا یا عجیب و غریب نکتہ نکالنا چاہتا' بیان کرتا۔ چنانچہ ایک مسئلہ چلتے چلتے اس پر دسکی کے پاس پہنچا اور اس نے اس کا جواب تمام فقہا سے بہتر دیا۔ خلفیہ کو اس کا جواب بہت پسند آیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو آٹھویں رات

تین سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ مامون الرشید کو اس کی گفتگو بہت پسند آئی اور حکم دیا کہ اسے اس جگہ سے اٹھا کر بلند تر جگہ

پر بٹھایا جائے۔ جب اس شخص کے پاس دوسرا مسئلہ پہنچا تو اس کا جواب اس نے پہلے سے بھی اچھا دیا اور مامون کے حکم سے اسے زیادہ بلند رتبے پر بٹھایا گیا۔ پھر تیسرا مسئلہ اس تک پہنچا تو اس نے اس کا جواب پہلے دو جوابوں سے بھی بہتر دیا۔ مامون نے حکم دیا کہ اسے میرے قریب بٹھایا جائے۔

مناظرہ ختم ہوا تو پانی لایا گیا اور لوگوں نے ہاتھ دھوئے۔ کھانا آیا اور سب نے کھایا۔ اس کے بعد فقہا اٹھ کر چل دیئے مگر مامون نے اس شخص کو ان کے ساتھ جانے سے روک لیا۔ اسے اپنے قریب بٹھا کر بڑی مہربانی سے پیش آیا اور احسان و اکرام کا وعدہ کیا۔ اب شراب کی مجلس گرم ہوئی' حسین حسین ساقی حاضر ہوئے' دور چلنے لگا۔ جب دور اس شخص کے پاس پہنچا تو وہ بے ساختہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر امیر المومنین اجازت دے تو میں ایک بات کہوں۔ مامون بولا کہ جو کہنا چاہتا ہے کہہ۔ اس نے کہا کہ تیری بلند خیالی پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ (خدا اس کی بلندی قائم رکھے) کہ میں آج اس اعلیٰ مجلس میں سب سے زیادہ جاہل اور ذلیل ہو کر آیا تھا' امیر المومنین نے میری ذرا سی سمجھ اور عقل کی بنا پر مجھے اپنا قرب عطا کیا۔ بلند تر رتبہ دیا اور اس درجے پر پہنچا دیا جہاں میری ہمت کی بھی رسائی نہ ہو سکتی تھی۔ اب تو چاہتا ہے کہ مجھ میں اور اس کم مایہ عقل میں جس کی وجہ سے میری ذلت عزت سے بدل گئی ہے اور قلت کثرت سے پھر جدائی ہو جائے۔ خدا نہ کرے کہ امیر المومنین کو اس تھوڑی سی عقل اور قدر اور فضل پر حسد آئے کیونکہ جب یہ غلام شراب پیئے گا تو

اس کی عقل جاتی رہے گی اور جہالت عود کر آئے گی۔ شعور و سلیقہ سلب ہو جائے گا اور میں اس حقیر درجے پر پہنچ جاؤں گا جس پر کہ پہلے تھا اور لوگوں کی نظروں سے گر جاؤں گا۔ مجھے تیری دانشمندی سے امید ہے کہ تو اپنے فضل و کرم اور بزرگی اور خوش اخلاقی کی بنا پر مجھ سے یہ جوہر زائل نہ کرے گا۔ اس کی یہ باتیں سن کر خلیفہ مامون نے اس کی تعریف کی اور شکریہ ادا کیا اور اس کے مرتبے پر برقرار رکھا بلکہ اور زیادہ احترام کیا اور اسے ایک لاکھ درہم' سواری کے لئے ایک عمدہ گھوڑا اور عمدہ عمدہ لباس عطا کیے۔ ساری مجلسوں میں وہ اس کی بڑائی بیان کرتا اور فقیہوں سے بڑھ کر اسے اپنا قرب عطا کرتا یہاں تک کہ اس کا مرتبہ ان سب سے بلند اور اونچا ہو گیا اور خدا بہتر جاننے والا ہے۔

○ علی شار اور زمرد کی کہانی

سنتے ہیں کہ پرانے زمانے میں خراسان میں ایک تاجر تھا جس کا نام مجد الدین تھا۔ اس کے پاس بہت مال و دولت' حبشی اور گورے غلام اور نوکر چاکر تھے مگر ساٹھ برس کی عمر تک اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ جب اس کی امیدیں منقطع ہونے لگیں تو خدا نے اپنی رحمت کی۔ ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے علی رکھا۔ بڑا ہو کر یہ لڑکا چودھویں رات کے چاند جیسا خوبصورت نکلا لیکن ادھر تو بیٹا جوان ہوا اور کمال کے درجے تک پہنچا۔ ادھر باپ موت کے مرض میں گرفتار ہو گیا اور اس نے بیٹے کو بلا کر کہا کہ بیٹا اب میرے مرنے کا وقت آ گیا ہے میں چاہتا ہوں کہ تجھے ایک وصیت کروں۔ اس نے پوچھا' ابا جان وہ کیا وصیت ہے؟ باپ نے جواب دیا کہ میں تجھے یہ وصیت کرتا ہوں کہ کسی شخص سے زیادہ خلط ملط نہ رکھیو۔ جس چیز سے نقصان اور ضرر پہنچتا ہو اس سے بچ کر رہیو اور برے دوست سے پرہیز کیجیو۔ اس کی مثال لوہار کی سی ہے کہ اگر اس کی آگ تجھے نہ بھی جلائے تو اس کا دھواں کم از کم

ضرور نقصان پہنچائے گا۔
بیٹے نے کہا کہ ابا جان میں تیرے حکم کی اطاعت کروں گا۔ بتا اور کیا کروں؟ اس نے جواب دیا کہ جب تک تجھ سے ہو سکے بھلائی کیجیو اور لوگوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا برتاؤ رکھیو' نیکی کرنے کے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیجیو کیونکہ موقع ہمیشہ نہیں ملتا۔
اس نے کہا کہ میں یہ بھی منظور کرتا ہوں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو نویں رات

جب تین سو نویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکے نے اپنے باپ سے کہا کہ تیرا کہنا سر آنکھوں پر اور فرمایئے؟ اس نے کہا کہ بیٹا خدا کو یاد رکھیو' وہ بھی تجھے یاد رکھے اور اپنے مال کی حفاظت کیجیو اور فضول خرچی سے بچیو کیونکہ جو شخص فضول خرچی کرتا ہے وہ رذیل سے رذیل کا محتاج بنتا ہے۔ سن! آدمی کی عزت اس کے مال سے ہے۔ لڑکے نے کہا۔ اور؟ باپ نے کہا کہ اپنے سے بڑے آدمی کا مشورہ لیجیو' جس کام کا ارادہ ہو اس میں جلدی نہ کیجیو۔ اپنے سے چھوٹے پر رحم کھائیو تا کہ تجھ سے بڑا تجھ پر رحم کھائے۔ کسی پر ظلم مت کیجنو ورنہ خدا تیرے اوپر کوئی ظلم کرنے والا مسلط کر دے گا اور شراب پینے سے بچیو وہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اس کے پینے سے عقل ضائع ہو جاتی ہے اور پینے والا حقیر ہو جاتا ہے۔ یہ ہے میری وصیت تیرے لئے۔ اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیو۔ خدا میرے بعد تیرا نگہبان ہے۔ اتنا کہہ کر وہ بے ہوش ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد پھر ہوش میں آیا تو اس نے استغفار کی' تشہد کا کلمہ پڑھا اور دنیا کو چھوڑ دیا' خدا اس پر رحمت کرے! اس کا بیٹا گریہ و زاری کرنے اور آہیں بھرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے دستور کے موافق تجہیز و تکفین کی اور سب چھوٹے بڑے اس کے جنازے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ قاری تابوت کے ارد گرد قرآن پڑھنے لگے اور جو کچھ میت کے لئے ضروری تھا' سب کیا گیا۔ پھر جنازے کی نماز پڑھ کر اسے دفن کر دیا گیا۔ اس کا بیٹا علی شار بہت غمگین تھا۔ اس نے وہ سب تعزیت کی رسمیں ادا کیں جو بڑے لوگوں میں ہوتی ہیں اور اپنے باپ کے سوگ میں غم زدہ رہنے لگا۔ تھوڑے دنوں کے بعد اس کی ماں کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس نے ماں کی تجہیز و تکفین اور تعزیت بھی اسی طریقے سے کی جیسی کہ باپ کی کی تھی۔

ماں باپ کے سوگ سے فرصت پا کر اپنی دکان پر بیٹھ کر خرید و فروخت کرنے لگا اور اپنے باپ کی وصیت کے موافق وہ کسی خلط ملط نہ کرتا۔ ایک سال تک اس کی یہ حالت رہی۔ اس کے بعد بد چلن عورتوں کے لڑکے فریب سے اس کے پاس پہنچے اور دوست بن گئے۔ یہاں تک کہ ان کے ساتھ اسے بھی بد چلنی کی طرف میلان ہو گیا۔ اس نے سیدھا راستہ چھوڑ دیا اور پیالے بھر بھر کر شراب پینے اور حسینوں کے پاس صبح شام جانے لگا۔ وہ اپنے دل میں کہتا کہ جو مال میرے باپ نے میرے لئے جمع کیا ہے اگر میں اسے خرچ نہ کروں گا تو کس کے لئے چھوڑوں گا۔ چنانچہ علی شار نے اب فضول خرچی اور عیاشی پر کمر باندھ لی۔ دن رات دولت پانی کی طرح بہاتا۔ آخر باپ کی ساری کمائی ختم ہو گئی۔ جب اس کی یہ نوبت پہنچی اور اس کا دل افلاس سے پریشان ہونے لگا تو اس نے دکان اور دوسری جائیداد وغیرہ بیچنی شروع کر دی۔ اس کے بعد اس نے اپنے بدن کے کپڑے تک بیچ ڈالے اور ایک لباس کے سوا اس کے پاس کچھ باقی نہ رہا۔ جب اس کا نشہ ہرن ہوا تو اسے ہوش آیا تو وہ پچھتانے لگا۔ ایک دن جب صبح سے عصر تک اس نے کچھ کھایا پیا نہ تھا' وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ آؤ ان لوگوں کے پاس چلیں جن پر میں اپنا مال صرف کرتا رہا ہوں' شاید ان میں سے کوئی مجھے آج کھانا کھلا دے۔ اس خیال میں ایک ایک کے پاس گیا لیکن جس کا دروازہ کھٹکھٹاتا وہ چھپ جاتا اور کہلوا دیتا کہ گھر میں نہیں ہے۔ یہاں تک کہ بھوک نے اسے بے تاب کر دیا۔ اب وہ سوداگروں کے بازار میں سے ہو کر گزرا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو دسویں رات

جب تین سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... بھوک کے مارے بے تاب ہو کر وہ سوداگروں کے بازار کی طرف گیا' دیکھا وہاں لوگ حلقہ باندھے کھڑے ہیں۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ نہ معلوم یہ لوگ کیوں جمع ہیں! ذرا دیکھنا تو چاہیے واللہ بغیر اس کی سیر دیکھے میں یہاں سے ہر گز نہ ٹلوں گا اور وہ حلقے کی طرف بڑھا۔ دیکھتا کیا ہے کہ ایک میانہ قد لڑکی کھڑی ہوئی ہے۔ قد و قامت موزوں' رخسار گلاب کے پھول اور سینہ ابھرا ہوا۔ حسن و جمال اور آب و تاب میں ساری دنیا سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ اس لڑکی کا نام زمرد تھا۔ علی شار کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس کا حسن و جمال دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ جب تک میں یہ نہ دیکھ لوں کہ اس کے کتنے دام لگتے ہیں اور اسے کون خریدتا ہے' آگے نہ بڑھوں گا چنانچہ وہ تاجروں کے برابر جا کھڑا ہوا۔ لوگ سمجھے کہ یہ بھی خریداروں میں سے ہے۔ وہ سب اسے جانتے تھے' انہیں معلوم تھا کہ وہ ماں اور باپ دونوں کا ترکہ پا کر امیر ہو گیا ہے۔ اب دلال نے کنیز کے پاس کھڑے ہو کر کہنا شروع کیا کہ اے تاجرو' اے مال دارو تم میں کون اس لڑکی پر پہلی بولی بولنا چاہتا ہے جو چاندوں کی چاند' بے بہا موتی اور پردہ بنانے والوں کی زمرد اور ڈھونڈنے والوں کا مقصد اور آرزو والوں کی مسرت ہے شروع کرو۔ شروع کرنے میں کوئی عیب نہیں اور نہ شروع کرنے والے پر کوئی برائی آ سکتی ہے۔ ایک تاجر نے کہا کہ میں پانچ سو دینار لگاتا ہوں۔ دوسرا بولا پانچ سو دس۔ ایک بوڑھے نے جس کا نام رشید الدین تھا جس کی آنکھیں نجی تھیں اور جو بد صورت تھا چھ سو لگائے۔ دوسرے نے کہا اور دس۔ بوڑھا بولا پورے ایک ہزار دینار۔ یہ سن کر دوسرے تاجروں نے بولیاں بند کر دیں اور چپ ہو گئے اور دلال نے لڑکی کے مالک سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ

میں اسے اس شخص کے ہاتھ بیچوں گا جسے وہ خود پسند کرے گی۔ اس کے بارے میں خود اس لڑکی سے پوچھ۔ دلال نے لڑکی کے پاس آ کر کہا اے چاندوں کی چاند یہ تاجر تجھے خریدنا چاہتا ہے۔ لڑکی نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا اور ویسا ہی پایا جیسا کہ اوپر آ چکا ہے۔ دلال سے کہنے لگی کہ میں ایسے بوڑھے کے ہاتھ نہیں بکنا چاہتی جو بڑھاپے سے کھوسٹ ہو گیا ہو۔ دلال نے اس کی باتیں سن کر کہا کہ تو حق بجانب ہے اور تیری قیمت دس ہزار دینار سے کم نہیں۔ اب دلال نے اس کے مالک سے کہا کہ وہ اس بوڑھے کو منظور نہیں کرتی۔ مالک نے کہا کہ کسی دوسرے خریدار کے متعلق اس سے مشورہ کر۔ اب ایک اور شخص نے آگے بڑھ کر کہا میں بھی وہی دام لگاتا ہوں جو اس بوڑھے نے لگائے تھے۔ اس پر وہ راضی نہیں ہوئی۔ کنیز نے دیکھا کہ اس کی داڑھی میں خضاب لگا ہوا ہے۔ کہنے لگی کہ یہ بھی عجیب عیب اور برائی کی بات ہے کہ بڑھاپے کا منہ کالا کر دیا گیا ہے اور اسے اس پر اور بھی زیادہ تعجب ہوا۔ دلال نے یہ سن کر کہا کہ واللہ تو سچ کہتی ہے۔ تاجر نے دلال سے پوچھا' وہ کیا کہتی ہے؟ دلال نے لڑکی کی باتیں دہرا دیں۔ تاجر نے مان لیا کہ وہ اس کے متعلق سچ کہتی ہے اور اس کے خریدنے سے وہ دست کش ہو گیا۔ اب ایک اور تاجر نے آگے بڑھ کر دلال سے کہا کہ اسی قیمت پر جو میں نے سنی ہے اس سے میرے تعلق دریافت کر۔ دلال نے لڑکی سے پوچھا۔ لڑکی نے دیکھا کہ وہ کانا ہے۔ بولی یہ تو کانا ہے۔ دلال نے کہا کہ آیا تو اس سامنے والے تاجر کے ہاتھ بکنا چاہتی ہے۔ لڑکی نے دیکھا کہ وہ ٹھگنا ہے اور اس کی داڑھی ناف تک لٹکی ہوئی ہے۔ دلال نے کہا کہ اے میری آقا تو خود دیکھ کہ حاضرین میں سے تجھے کون پسند ہے اور مجھے بتا تا کہ میں تجھے اس کے ہاتھ بیچ ڈالوں۔ یہ سن کر لڑکی نے تاجروں کے حلقے پر نظر ڈالی اور ایک ایک کو جانچنے لگی یہاں تک کہ اس کی نظر علی شار پر پڑی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• تین سو گیارہویں رات

تین سو گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب لڑکی کی نظر علی شار پر پڑی تو اسے دیکھتے ہی لڑکی کے دل میں ہزاروں آرزوئیں امنڈنے لگیں اور اس کا دل اس پر آ گیا کیونکہ اس کا حسن نرالا تھا۔ وہ نسیم سے زیادہ لطف اور نازک تھا وہ کہنے لگی کہ اے دلال میں اس نوجوان کے سوا کسی کے ہاتھ بکنا نہیں چاہتی۔ اس کا چہرہ خوبصورت اور قد دل کش ہے۔ بجز اس کے میرا مالک اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس کے رخسار چکنے چکنے اور لعاب کوثر کا پانی ہے' اس کے تھوک سے بیمار شفا پاتے ہیں۔ اس کی خوبروئی کے آگے شاعر اور نثار دونوں حیران ہیں' اس کے بال گھونگر والے' گال گلاب کی مانند اور نظر جادوگر ہے۔ دلال نے لڑکی کو علی شار کی تعریف کرتے سنا تو وہ اس کی فصاحت پر حیران ہو گیا۔ لڑکی کے مالک نے کہا کہ تو نے محض اس کا ظاہری حسن دیکھا ہے جس کے آگے سورج شرماتا ہے اور اس کی صرف دوچار باتیں سنی ہیں۔ اس پر تجھے اتنا اچنبھا ہے تجھے معلوم نہیں کہ اسے قرآن کی ساتوں قراتیں آتی ہیں اور حدیثوں کے صحیح روایات سے بیان کر سکتی ہے' ہفت قلم ہے۔ بڑے بڑے عالموں سے اس نے علوم حاصل کئے ہیں اور اس کے ہاتھ سونے چاندی سے زیادہ قیمتی ہیں' وہ ریشمی پردے بنا کر بیچتی ہے۔ اس کا بنایا ہوا ایک ایک پردہ پچاس پچاس دینار کو بکتا ہے اور آٹھ دن میں ایک پردہ تیار ہو جاتا ہے۔ دلال نے کہا کہ کیسا خوش اقبال ہو گا وہ شخص جس کے گھر میں یہ ہو گی اور جس کے بھیدوں کا ذخیرہ بن کر وہ رہے گی!

اس کے بعد لڑکی کے مالک نے کہا اے دلال وہ جس کے ہاتھ بکنا چاہے بیچ ڈال۔ دلال اجازت پا کر علی شار کے پاس گیا اور اس کے ہاتھ چوم کر کہنے لگا کہ اے میرے آقا اس لڑکی کو خرید لے کیونکہ اس نے تجھ ہی کو پسند کیا ہے۔ دلال نے لڑکی کی

تعریفیں بیان کیں اور بتایا کہ اسے کیا کیا فن آتے ہیں اور کہنے لگا کہ اگر تو اسے خرید لے تو یہ تیری بڑی خوش قسمتی ہے۔ یہ اس ذات کا عطیہ ہے جو دینے میں کنجوسی نہیں کرتی۔ یہ سن کر علی شار نے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سر جھکا لیا اور اپنے اوپر دل ہی دل مین ہنسنے اور کہنے لگا کہ اس وقت تو میرے پاس کھانے تک کے دام نہیں ہیں لیکن تاجروں کے سامنے اپنی ناداری کا اظہار بھی مناسب نہیں۔ لڑکی نے اسے سر جھکاتے دیکھا تو دلال سے بولی میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اس کے پاس لے چل تاکہ میں اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کروں اور اسے اس بات پر رضامند کروں کہ وہ مجھے لے لے۔ اس لئے کہ میں اس کے سوا اور کسی کے ہاتھ بکنا نہیں چاہتی۔

دلال نے اسے لے جا کر علی شار کے آگے کر دیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا تیری کیا رائے ہے؟ لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ لڑکی نے کہا کہ اے میرے آقا اور دلی محبوب' تو مجھے کیوں نہیں خریدتا؟ تو جتنے میں چاہے مجھے خرید لے۔ میری وجہ سے تیری بہتری ہو گی۔ علی نے اپنا سر اٹھایا اور کہنے لگا کہ کہیں خریداری زبردستی ہو سکتی ہے! ایک ہزار دینار میں تو مہنگی ہے وہ کہنے لگی اے میرے آقا اچھا تو مجھے نو سو میں خرید لے۔ اس نے کہا نہیں۔ لڑکی نے کہا' آٹھ سو میں۔ وہ انکار کرتا جاتا اور لڑکی برابر دام کم کرتی چلی جاتی۔ یہاں تک کہ اس نے کہا کہ سو دینار میں تو خریدے گا۔

اس نے جواب دیا کہ میرے پاس سو دینار بھی پورے نہیں۔ اس پر وہ ہنس پڑی اور کہنے لگی کہ تیرے پاس سو سے کتنے کم ہیں؟ اس نے کہا کہ میرے پاس کم زیادہ کا کوئی سوال ہی نہیں۔ واللہ میرے پاس ایک درہم ہے نہ ایک دینار۔ بہتر ہے کہ تو کسی اور گاہک کو تلاش کر۔ جب لڑکی کو معلوم ہوا کہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے تو اس نے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک کونے میں لے چل۔ اس نے اس کی تعمیل کی اور لڑکی نے اپنی جیب سے ایک تھیلی نکالی جس میں ایک ہزار دینار تھے اور کہنے لگی کہ اس میں سے نو سو تول کر میری قیمت دے۔ باقی سو دینار اپنے پاس

رہنے دے تا کہ وہ تیرے کام آئیں۔ علی نے اس کے کہنے پر عمل کیا اور اسے نو سو دینار میں خرید کر اس کی قیمت دے دی اور لڑکی کو لے کر گھر چل دیا۔ لڑکی اس کے گھر پہنچی تو دیکھا کہ گھر بالکل صفا چٹ ہے۔ نہ اس میں فرش ہے نہ برتن۔ لڑکی نے اسے اور ایک ہزار دینار دے کر کہا ہمارے لئے کھانے پینے کی چیزیں مہیا کر۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• تین سو بارہویں رات

تین سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... لڑکی نے کہا کہ ہمارے لئے تین دینار کی کھانے پینے کی چیزیں لا۔ وہ لے آیا تو پھر اس نے کہا ایک پردے کا ریشمی کپڑا مجھے لا دے اور سنہری رپہلی کلابتوں اور سات رنگ کا ریشم۔ یہ چیزیں آ گئیں تو لڑکی نے گھر میں فرش بچھایا۔ شمع جلائی اور دونوں بیٹھ کر کھانے پینے لگے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی آرزو پوری کی' پردے کے پیچھے ایک دوسرے سے لپٹ کر سو گئے۔ صبح تک لپٹے پڑے رہے۔ دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت بیٹھ گئی۔ اب لڑکی نے اپنا کام شروع کیا۔ پردہ لیا اور رنگ برنگ کے ریشمی دھاگوں سے اسے کاڑھا' کلابتوں سے زردوزی کا کام کیا اور اس کے کناروں پر پرندوں کی شکلیں کاڑھیں اور اس کے ارد گرد چرندوں اور درندوں کی۔ کوئی ایسا جانور نہ ہو گا جس کی شکل اس نے نہ بنائی۔ آٹھ دن بعد اس نے فارغ ہو کر اسے کاٹا چھانٹا' اس پر استری کی اور اپنے آقا کو دے کر کہا کہ اسے بازار جا کر کسی تاجر کے ہاتھ پچاس دینار میں بیچ ڈال۔ مگر خبر دار کسی چلتے پھرتے کے ہاتھ نہ دیجیو ورنہ اس کی وجہ سے مجھ میں اور تجھ میں جدائی ہو جائے گی کیونکہ ہمارے بہت سے دشمن ہیں جو ہماری تاک میں لگے ہوئے ہیں۔ اس نے پردے کو بازار لے جا کر جیسا کہ لڑکی نے کہا تھا ایک تاجر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ دام کھرے کر کے علی پہلے کی طرح پھر کپڑا' ریشم' کلابتوں اور کھانے پینے کی ضروری چیزیں خرید کر لڑکی کے پاس گیا اور باقی دام بھی اس کے حوالے کئے۔

اسی طرح ہر آٹھویں دن اپنے شوہر کو ایک پردہ دیتی اور وہ اسے پچاس دینار میں بیچ آتا۔ پورے ایک سال تک ان کا یہی دستور رہا۔ اب ایک روز وہ پردہ لے کر بازار گیا اور اسے دلال کے سپرد کیا تو ایک عیسائی نے آگے بڑھ کر اسے ساٹھ دینار میں خریدنا چاہا

لیکن علی نے انکار کر دیا۔ عیسائی نے اس کی قیمت بڑھاتے بڑھاتے سو دینار تک پہنچا دی اور دلال کو بھی دس دینار رشوت میں دینے کئے۔ دلال علی شار کے پاس آ کر اسے پھسلانے لگا کہ وہ ان داموں پر عیسائی کے ہاتھ بیچ ڈالے اور کہا کہ اے میرے آقا اس عیسائی سے ڈر نہیں۔ اس سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ دوسرے تاجر بھی دلال کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ آخر اس نے ڈرتے ڈرتے بردہ عیسائی کے ہاتھ بیچ دیا اور دام لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا مگر اس نے دیکھا کہ عیسائی پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ علی نے اس سے پوچھا کہ اے عیسائی' تو میرے پیچھے کیوں لگا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا اے میرے آقا گلی کے اس سرے پر مجھے ایک ضرورت ہے خدا تجھے کسی ضرورت میں مبتلا نہ کرے۔ جب علی شار اپنے گھر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ عیسائی بھی اس کے ساتھ ہے اور اس سے کہنے لگا اے ملعون جہاں کہیں میں جاتا ہوں تجھے کیوں اپنے ساتھ پاتا ہوں؟ اس نے کہا اے میرے آقا میں پیاسا ہوں' ایک چلو پانی مجھے پلا دے۔ خدا تجھے اس کا اجر دے گا۔ علی شار نے کہا کہ یہ شخص ذمی ہے اور ایک چلو پانی کے لئے میرے یہاں آیا ہے۔ خدا کی قسم میں اسے نا امید نہیں کر سکتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو تیرہویں رات

جب تین سو تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ علی شار نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شخص ذمی ہے اور میرے پاس آ کر ایک گھونٹ پانی کی غرض سے آیا ہے' خدا کی قسم میں اسے نامراد نہیں لوٹا سکتا۔ وہ گھر کے اندر گیا اور پانی کا کوزہ اٹھایا ہی تھا کہ اس کی کنیز زمرد نے دیکھ لیا اور کہنے لگی اے میرے پیارے کیا تو پردہ بیچ آیا؟ اس نے کہا ہاں۔ لڑکی نے پوچھا کسی تاجر یا کسی چلتے پھرتے کے ہاتھ۔ کیونکہ میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہم جدا ہونے والے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے تاجر ہی کے ہاتھ بیچا ہے۔ لڑکی بولی کہ مجھ سے سارا واقعہ بیان کر تا کہ میں اس کا تدراک کر سکوں اور یہ پانی کا کوزہ تو کیوں لے جا رہا ہے؟ اس نے کہا کہ دلال کو پانی پلانے۔ لڑکی نے کہا لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم... جب وہ کوزہ لے کر باہر آیا تو دیکھا کہ عیسائی دہلیز کے اندر آ چکا ہے۔ اس سے کہنے لگا کہ اے کتے تیری یہ جرات؟ کہ تو کس طرح بغیر میری اجازت کے میرے گھر کے اندر آیا؟ اس نے کہا کہ اے میرے آقا یہاں سے نکلنے تک میں ایک قدم آگے نہ بڑھوں گا اور تیرے فضل و احسان' کرم اور خوش سلوکی کا شکر گزار رہوں گا۔ اس کے بعد وہ پانی کا کوزہ لے کر انتظار کرنے لگا عیسائی اٹھے۔ لیکن وہ نہ اٹھا۔ علی شار نے کہا کہ اب تو اٹھ کر کیوں چلتا نہیں بنتا؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے مولی ان لوگوں کی طرح نہ طن جو نیکی کر کے احسان جتاتے ہیں۔ اے میرے مولیٰ' پانی تو میں پی چکا ہوں۔ اب تو مجھے کھانا بھی کھلا دے خواہ تیرے گھر میں روٹی کا ٹکڑا ہو یا بسکٹ اور پیاز ہی کیوں نہ ہو۔ علی شار نے کہا کہ اب زیادہ بک بک نہ کر' اپنا رستہ لے۔ میرے ہاں اس وقت کچھ نہیں ہے۔ عیسائی نے کہ اگر گھر میں کچھ نہیں ہے تو یہ لے سو دینار اور بازار سے کوئی چیز خرید کر لا خواہ ایک روٹی کیوں

نہ ہو تا کہ میرے تیرے درمیان روٹی اور نمک کا واسطہ ہو جائے۔ علی شار نے اپنے دل میں کہا کہ یہ عیسائی بھی عجیب پاگل معلوم ہو تا ہے۔ سو دینار دے کر چاہتا ہے کہ دو درہم کی میں کوئی چیز لے آؤں اور عیسائی پر ہنسنے لگا۔ عیسائی بولا۔ اے میرے آقا محض کوئی ایسی چیز چاہتا ہوں جس سے بھوک جاتی رہے۔ خواہ سوکھی روٹی اور اک پیاز ہی مل جائے کیونکہ بہترین کھانا وہ ہے جو بھوک کے وقت کام دے نہ کہ امیرانہ خوراک۔ علی شار نے کہا کہ بیٹھا رہ اور انتظار کر میں کمرے میں قفل لگا کر بازار سے تیرے لئے کوئی چیز لے آؤں۔ علی نے کمرہ بند کیا اس میں قفل ڈالا اور بازار جا کر تلا ہوا پنیر' سفید شہد کیلے اور روٹی خرید کر اس کے پاس آیا۔ عیسائی نے یہ چیزیں دیکھیں تو کہنے لگا اے میرے مولیٰ یہ چیزیں بہت زیادہ ہیں۔ دس آدمیوں کے لئے کافی ہوں گی اور میں اکیلا ہوں تو بھی میرے ساتھ کھا۔ اس نے جواب دیا کہ تو اکیلا ہی کھا' میرا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ عیسائی نے کہا کہ اے میرے مولیٰ حکما کا قول ہے کہ اگر میزبان اپنے مہمان کے ساتھ نہ کھائے تو وہ حرام کی اولاد ہے۔ یہ سن کر علی شار بیٹھ گیا اور تھوڑا سا کھایا پھر چاہتا ہی تھا کہ ہاتھ اٹھا لے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو چودھویں رات

جب تین سو چودہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- علی شار نے بیٹھ کر اس کے ساتھ تھوڑا سا کھایا اور ہاتھ کھینچنے والا ہی تھا کہ عیسائی نے ایک کیلا

چھیل کر اس کے دو ٹکڑے کیے اور اس میں ایسا بھنگ کا ست اور افیون کا کا جوہر ملایا کہ اگر اس کا ایک درہم بھر ہاتھی کو دے دیا جائے تو وہ بھی گر پڑے۔ بعد ازاں اس نے ایک کیلے کے ٹکڑے کو شہد میں ڈبو کر کہا کہ اے میرے مولیٰ تجھے اپنے دین کی قسم اسے کھا لے۔ علی شار کو اس بات سے شرم آئی کہ کہیں اس کی قسم نہ ٹوٹ جائے اور اس کیلے کے ٹکڑے کو لے کر نگل گیا۔ جونہی وہ اس کے پیٹ میں پہنچا اس کا سر گھومنے لگا اور ایسا آنکھیں بند کر کے پڑا گویا ایک سال سے برابر سو رہا ہے۔ جب عیسائی نے دیکھا تو وہ تیزی سے اٹھا جیسے گنجا ریچھ یا مسلط موت۔ اور علی شار کو اسی حالت میں چھوڑ کنجی لے کر دوڑتا ہوا اپنے بھائی کے پاس پہنچا اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس عیسائی کا بھائی وہی بوڑھا تھا جس نے اس کنیز کے ایک ہزار دینار لگائے تھے۔ اور لڑکی نے دھتکار بتا دی تھی۔ وہ ظاہراً مسلمان اور دل میں عیسائی تھا اس نے دکھانے کے لئے اپنا نام رشید الدین رکھ چھوڑا تھا۔ جب کنیز نے اس میں عیب نکالے اور اسے منظور نہ کیا تو وہ جل گیا۔ اپنے بھائی سے شکایت کی اور اس نے وعدہ کیا کہ میں کسی حیلے سے اس لڑکی کو علی شار کے پاس سے اڑا لاؤں گا۔

اس کا نام برسوم تھا۔ بڑا چالاک' مکار' دھوکے باز اور چلتا پرزہ۔ اس روز سے برابر اس فکر میں لگا رہا کہ کسی نہ کسی مکر سے لڑکی کو اڑا لائے چنانچہ آج اس کا داؤ چل گیا۔ علی شار کو بے ہوش کر کے سیدھا اپنے بھائی کے پاس پہنچا اور اس سے سارا قصہ بیان کیا۔ بھائی خچر پر سوار ہو کر اپنے غلاموں کو ساتھ لے کر علی شار کے گھر روانہ ہو گیا اور اپنے ساتھ ہزار دینار کی تھیلی لے لی تا کہ اگر والی سے مڈبھیڑ ہو جائے

تو اس کی مٹھی گرم کر سکے۔

علی شار کے مکان پر پہنچ کر اس نے کمرہ کھولا اور عیسائی بھائیوں کے ساتھ زمرد کی طرف دوڑے اسے زبردستی پکڑ لیا اور کہا کہ اگر تو نے آواز نکالی تو ہم تجھے قتل کر دیں گے۔ گھر کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا۔ علی شار کو دہلیز میں سوتا چھوڑا اور کنجی کو اس کے پاس رکھ کر دروازہ بند کر دیا۔ لڑکی کو لیکر جب وہ عیسائی اپنے محل میں پہنچا تو اسے اپنی کنیزوں کے حوالے کر کے اس سے کہا کہ اے رنڈی! میں وہی بوڑھا ہوں جس کو تونے قبول نہیں کیا تھا بلکہ میری مذمت کی تھی۔ اب میں نے تجھ کو بے درہم و دینار کے لے لیا ہے۔ لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے کہا کہ اے بد ذات بڈھے خدا تجھ سے سمجھے تو نے مجھ میں اور میرے آقا میں جدائی ڈالی۔ وہ بولا اے رنڈی' اے چھوکری دیکھ' کہ میں اب تجھے کیا سزا دیتا ہوں۔ حضرت مسیح اور مریم کی قسم' اگر تو نے میرا کہنا نہ مانا اور ہمارے دین میں داخل نہ ہوئی تو میں تجھے طرح طرح کی تکلیفیں دوں گا۔ لڑکی نے کہا کہ واللہ اگر تو میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالے گا پھر بھی مذہب اسلام کو نہیں چھوڑ سکتی۔ خدا نے چاہا تو عنقریب خوشی حاصل ہو گی وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ دانش مندوں کا قول ہے کہ جسمانی تکلیف برداشت کرنا دین چھوڑنے سے بہتر ہے۔ بوڑھے عیسائی نے نوکروں اور لونڈیوں کو بلا کر کہا کہ اسے لٹاؤ۔ انہوں نے اسے لٹایا اور بوڑھا اسے بڑی بے رحمی سے مارتا رہا۔ لڑکی دہائیاں دیتی مگر کوئی اس کی مدد کو نہ آتا۔ آخر اس نے فریاد کرنی دہائی مانگنی بند کر دی اور کہنے لگی کہ اللہ میرے لئے کافی ہے۔ مجھے کسی اور کی حاجت نہیں۔ یہاں تک کہ اس کا سانس بند ہو گیا اور آواز رک گئی۔ جب بوڑھا اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا تو اس نے نوکروں سے کہا کہ اس کی ٹانگیں پکڑ کر کھینچو اور باورچی خانے میں پھینک آؤ۔ کھانے کے لئے کچھ نہ دو۔ یہ حکم دے کر وہ ملعون سو گیا اور رات بھر سوتا رہا۔ صبح ہوئی تو ظالم نے لڑکی کو دوبارہ مارا اور پھر نوکروں کو حکم دیا کہ اسے

اپنی جگہ ڈال آئیں۔ انہوں نے اس کی تعمیل کی۔ لڑکی کو درد اور تکلیف سے ذرا افاقہ ہوا تو اس نے کہا کہ لا الہ اللہ محمد رسول اللہ..... اللہ میرے لئے کافی ہے اور وہی بہترین سر پرست ہے۔ پھر وہ ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مدد مانگنے لگی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو پندرہویں رات

جب تین سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ زمرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگنے لگی۔ یہ تو اس کا ماجرا ہوا۔ اب علی شار کا قصہ سنئے

وہ دوسرے دن تک پڑا سوتا رہا۔ اب اس کے بعد بھنگ کا اثر جاتا رہا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور زور سے آواز دی اے زمرد! لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ وہ اٹھ کر کمرے میں گیا دیکھا کہ کمرہ خالی اور میدان صاف ہے۔ سمجھ گیا کہ یہ حرکت اس کے ساتھ اسی عیسائی نے کی ہے۔ آنسو بہانے اور منہ پیٹنے لگا۔ بہت پچھتایا کہ اس کا کہنا کیوں مانا لیکن اب پچھتانے سیے کیا ہوتا تھا! اپنی حماقت پر جھونجل آئی کپڑے پھاڑ ڈالے اور جو پتھر ہاتھ میں لے کر شہر میں چکر لگانے شروع کر دیئے۔ پتھر اپنے سینے میں مارتا اور چلاتا یا زمرد! چھوٹے بڑے اس کے گرد جمع ہو جاتے اور مجنوں مجنوں کہہ کر اسے چھیڑتے۔ جو لوگ اسے پہچانتے تھے' وہ اس پر افسوس کرتے اور کہتے کہ یہ تو فلاں شخص ہے' اسے کیا ہو گیا؟ دن بھر اس کی یہی حالت رہی جب رات ہوئی تو وہ گلی میں کہیں پڑ کر سو گیا۔ دوسرے دن پھر صبح سے شام تک پتھر لئے شہر میں پھرتا رہا۔ اندھیرا ہو گیا تو وہ اپنے گھر کی طرف چلا کہ وہاں جا کر سو جائے۔

اتنے میں اس کی ایک پڑوسن کی نظر اس پر پڑی۔ یہ ایک بڑھیا عورت تھی۔ بڑی نیک بخت۔ اس نے کہا کہ بیٹا خدا تجھے سلامت رکھے! تو کب سے مجنوں ہو گیا ہے؟ اس بڑھیا پڑوسن کو یقین تھا کہ وہ عاشق اور فراق میں مبتلا ہے۔ اس نے کہا لا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم.... بیٹا میں چاہتی ہوں کہ تو اپنی مصیبت کی داستان مجھ کو سنا' ممکن ہے خدا اپنی مشیت سے مجھے اس قابل کر دے کہ میں تیری مدد کر سکوں۔ علی شار نے وہ ساری داستان کہہ سنائی جو برسوم عیسائی کے ہاتھوں اس پر گزری تھی۔ بڑھیا

نے سارا ماجرا سن کر کہا۔ بیٹا تو معذور ہے۔ اس کے بعد وہ رونے لگی اور بولی کہ بیٹا جا کر فوراً ایک پٹارا خرید لا جیسا بساطیوں کے پاس ہوتا ہے اور کنگن' انگوٹھیاں' بالیاں اور دوسری ایسی چیزیں اکٹھی کر جو عورتوں کے قابل ہوں' جن کے لئے دام خرچ کرنے میں وہ کنجوسی نہ کریں۔

ان تمام چیزوں کو پٹارے میں رکھ کر میرے پاس لے آ۔ میں بساطن کا بھیس بدل کر اسے اپنے سر پر رکھوں گی' گھر گھر جا کر لڑکی کی تلاش کروں گی' اس کا پتا لگا کر رہوں گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ علی شار اس کی باتوں سے خوش ہو گیا' اس کے ہاتھ چومے اور فوراً جا کر وہ چیزیں لے آیا جو بڑھیا نے مانگی تھیں۔ جب بڑھیا کے پاس یہ تمام چیزیں آ گئیں تو اس نے اٹھ کر پھٹے پرانے کپڑے پہنے' شہد کے رنگ کی نقاب سر پر ڈالی۔ ایک جریب ہاتھ میں لی اور پٹارا اٹھا کر گلیوں گلیوں اور گھر گھر چکر لگانے لگی۔ وہ اسی طرح گھر گھر' محلے محلے اور گلی گلی پھر رہی تھی کہ خدا نے اسے معلون رشید الدین عیسائی کے گھر پہنچا دیا اور اس نے اندر سے کراہنے کی آواز سن کر دروازے پر دستک دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو سولھویں رات

تین سو سولھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بڑھیا نے سنا کہ مکان کے اندر سے کراہنے کی آواز آ رہی ہے تو اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک کنیز نے آ کر کواڑ کھولے اور اسے سلام کیا۔ بڑھیا نے اس سے کہا کہ میرے پاس چھوٹی موٹی ضرورت کی چیزیں بکاؤ ہیں' تمہارے ہاں کوئی ہے۔ جو ان میں سے کچھ خریدے؟ کنیز نے کہا' ہاں اور اسے گھر کے اندر جا کر بیٹھایا۔ تمام کنیزیں اس کے پاس جمع ہو گئیں اور ہر ایک نے کچھ نہ کچھ خریدا۔ بڑھیا نے نرمی سے گفتگو کی اور دام بھی سستے بتائے۔ کنیزیں اس کی ان باتوں سے خوش ہوئیں۔ بڑھیا مکان میں ادھر ادھر دیکھتی رہی کہ کراہنے والی کہاں ہے کہ یکا یک اس کی نظر اس پر جا پڑی۔ اب بڑھیا کنیزوں کے ساتھ اور زیادہ نرمی اور خوش اخلاقی سے باتیں کرنے لگی۔ غور کرنے سے اسے معلوم ہوا کہ زمرد بندھی پڑی ہے۔ اسے پہچان کر بڑھیا رونے لگی اور کنیزوں سے کہا' اے میری بیٹیو! یہ لڑکی کون ہے جو اس حالت میں پڑی ہوئی ہے؟ کنیزوں نے سارا قصہ بیان کیا اور کہنے لگیں کہ ہم نے اپنی مرضی سے ایسا نہیں کیا بلکہ یہ ہمارے مالک کا حکم ہے اور وہ آج کل سفر پر گیا ہوا ہے۔ بڑھیا نے کہا' اے میری بیٹیو! میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ اس بیچاری کے بندھن کھول دو جب تمہیں معلوم ہوا کہ تمہارا مالک آنے والا ہے تو اسے پھر پہلے کی طرح باندھ دینا۔ خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔ انہوں نے زمرد کے مشکیں کھول دیں اور اسے کھانے پینے کو دیا۔ اس کے بعد بڑھیا نے کہا کہ کاش تمہارے گھر میں آنے سے پہلے میری ٹانگیں ٹوٹ گئی ہوتیں! یہ کہہ وہ زمرد کے پاس گئی اور اس سے بولی' اے بیٹی خدا تجھے سلامت رکھے! عنقریب خدا تیری مصیبت دور کرے گا۔ پھر چپکے سے اس سے اس

نے کہا کہ میں تیرے آقا علی شار کے پاس سے آئی ہوں اور اس سے وعدہ لے لیا کہ کل رات جاگتی اور کان لگائے سنتی رہیو۔ تیرا آقا یہاں آ کر محل کی چوکی کے پاس سیٹی دے گا اسے سن کر تو بھی سیٹی دیجیو اور کھڑکی سے ایک رسی لٹکا کر اتر جائیو اور وہ تجھے لے جائے گا۔

لڑکی نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بڑھیا وہاں سے روانہ ہو کر علی شار کے پاس گئی' اسے خبر کی اور اس سے کہا کہ کل آدھی رات کے وقت فلاں محلے میں جائیو وہاں اس ملعون کا گھر ہے اور یہ اس کی نشانی ہے۔ محل کے نیچے کھڑے ہو کر سیٹی بجائیو' وہ نیچے اتر آئے گی اور تو اسے لے کر جہاں چاہے چلا جائیو۔ علی شار نے اس پر بڑھیا کا بہت شکریہ ادا کیا اور رت کا انتظار کرنے لگا۔ مقررہ وقت آیا تو وہ محلے میں گیا جس کا ذکر بڑھیا نے کیا تھا۔ محل کو دیکھ کر وہ پہچان گیا اور اس کے نیچے چوکی پر بیٹھ گیا۔ چونکہ وہ نیند میں چور تھا' سو گیا۔ بڑی ذات وہ ہے جو کبھی نہیں سوتی۔ مارے عشق کے وہ ایک مدت سے نہ سویا تھا اور نیند سے متوالا ہو رہا تھا۔ وہ سو ہی رہا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو سترہویں رات

تین سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب کہ وہ سو رہا تھا ایک چور شہر میں چوری کرنے نکلا اور اتفاق سے اس عیسائی کے محل کے پاس پہنچ کر چاروں طرف گھوما مگر اس پر چڑھنے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ گھومتے گھومتے وہ اس چوکی کے پاس پہنچا اور علی شار کو سوتا ہوا پایا۔ اس کی پگڑی اٹھالی۔ ادھر ان واقعات سے بے خبر زمرد چھت پر چڑھی اور چور کو اندھیرے میں کھڑا ہوا خیال کیا کہ اس کا آقا ہو گا۔ اس نے اوپر سے سیٹی دی اور چور نے نیچے سے۔ وہ رسی تھام کر اس کے پاس نیچے آئی اور اپنے ساتھ اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک خرجی لیتی آئی۔ چور نے اپنے دل میں کہا کہ اس میں ضرور کوئی بھید ہے۔ اس نے خرجی کو ہاتھ میں لے لیا اور لڑکی کو اپنے کاندھے پر بٹھا کر بجلی کی طرح غائب ہو گیا۔

زمرد نے اس سے کہا کہ بڑھیا نے تو مجھ سے بیان کیا تھا کہ تو میری وجہ سے بیمار اور کمزور ہو گیا ہے لیکن میں دیکھتی ہوں کہ تو گھوڑے سے بھی زیادہ قوی ہے۔

چور نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ مگر جب لڑکی نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو دیکھا کہ اس کی داڑھی حمام کی جھاڑو کی طرح ہے گویا سور نے پر نگل لیے ہیں اور ان کا کچھ حصہ منہ سے باہر نکلا ہوا ہے۔ وہ ڈر گئی اور کہنے لگی کہ تو کیا بلا ہے؟

چور نے کہا کہ اے لونڈیا میں احمد دنف کے گروہ کا شاطر کرد چور ہوں میرا نام جوان ہے۔ ہم کل چالیس شاطر چور ہیں اور سب آج عشا کے وقت سے صبح تک تجھ سے ہم بستر ہوں گے۔ یہ سن کر وہ رونے اور اپنا منہ پیٹنے لگی اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ تقدیر کی ماری ہوئی ہے۔ اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دے۔ لہٰذا اس نے صبر سے کام لیا اور اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیا اور کہنے لگی کہ لا الہ الا اللہ آسمان سے گرے' کھجور میں اٹکے۔

جوان کے یہاں آنے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے احمد دنف سے کہا تھا کہ اے استاد میں اس شہر میں پہلے بھی آ چکا ہوں اور مجھے شہر کے باہر ایک غار معلوم ہے جس میں چالیس آدمی آ سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سے پہلے وہاں پہنچ کر اپنی ماں کو اس میں بٹھا دوں اور پھر شہر میں لوٹ کر تمہاری قسمت کی چوری کروں اور تمہارے نام سے غار میں حفاظت سے رکھ آؤں اور جب تم آ جاؤ تو میں اپنی طرف سے تمہاری میز بانی کروں۔

احمد دنف نے جواب دیا کہ جو تیرا جی چاہے کر۔ اس لئے وہ ان سے پہلے روانہ ہو کر وہاں پہنچا اور اپنی ماں کو اس غار میں بٹھا دیا۔ جب وہ غار سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ ایک فوجی آدمی پڑا سو رہا ہے اور اس کے پاس ایک گھوڑا بندھا ہوا ہے جوان نے اس سپاہی کی گردن کاٹ کر اس کے کپڑے اور گھوڑے اور ہتھیار لے لیے اور ان چیزوں کو لے جا کر اپنی ماں کے پاس غار میں چھپا آیا۔ پھر گھوڑے کو وہاں باندھ کر شہر گیا اور چلتے چلتے اس عیسائی کے محل کے پاس پہنچا اور جو کچھ اس نے وہاں کیا' وہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد علی شار کی پگڑی اور زمرد کو لے کر چل دیا اور اپنی ماں کے پاس پہنچ کر اسے اتار دیا اور ماں سے کہا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں' اس لڑکی کی پہرے داری کیجیو۔ یہ کہہ کر وہ چل کھڑا ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• تین سو اٹھارہویں رات

جب تین سو اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جوان نامی کرد نے اپنی ماں سے کہا کہ جب تک میں تیرے پاس واپس نہ آ جاؤں' اس لڑکی کو اپنی حفاظت میں رکھیو۔ وہ چل دیا۔ زمرد اپنے دل مین کہنے لگی کہ مجھے اپنی نجات میں غفلت نہ کرنا چاہیے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں یونہی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہوں اور وہ چالیس آدمی آ کر باری باری مجھ پر سوار ہوں اور مجھے اس کشتی کی طرح کر دیں جو سمندر میں ڈوبی ہوئی ہو! یہ کہہ کر وہ بڑھیا کی طرف مخاطب ہوئی جو کرد جوان کی ماں تھی اور اس سے کہنے لگی' خالہ جان تیرا جی چاہے تو غار کے باہر چل کہ میں چاندنی میں تیری جوئیں دیکھوں۔ بڑھیا نے کہا بیٹی واللہ یہ ٹھیک ہے' میں مدت سے حمام نہیں گئی ہوں' یہ سور مجھے جگہ جگہ لئے پھرتے ہیں۔ اور بڑھیا اس کے ساتھ باہر آئی اور وہ اس کی جوئیں دیکھنے اور انہیں اس کے سر سے نکال نکال کر مارنے لگی۔ بڑھیا کو نیند آنے لگی اور وہ سو گئی۔ اب زمرد نے اٹھ کر اس سپاہی کے کپڑے پہنے جسے کرد جوان نے قتل کیا تھا' اس کی تلوار کمر سے باندھی' اس کی پگڑی سر پر رکھی ار جب اس نے مرد کا بھیس بدلا لیا تو اشرفیوں کی خرجی لے کر گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ دعا کی اے بہترین پردہ پوش' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میری پردہ پوشی کیجیو اور اپنے دل میں یہ سوچ کر کہ اگر میں شہر کی طرف گئی تو ممکن ہے کہ سپاہی کے ساتھیوں میں سے مجھے کوئی دیکھ لے اور میری بری گت بنائے' اس نے شہر جانے کا قصد چھوڑ دیا اور بیابان جنگل کی طرف چل پڑی۔ دس دن تک خرجی اور گھوڑے کو لئے بناسپتی کھاتی' اور گھوڑے کو کھلاتی۔ دریا کا پانی پیتی' اور گھوڑے کو پلاتی' چلتی رہی۔ گیارہویں دن وہ ایک شہر کے پاس پہنچی جو نہایت عمدہ اور محفوظ اور

زرخیز تھا۔ سردیاں جا چکی تھیں اور بہار کے پھول کھل رہے تھے۔ کونپلیں پھوٹ رہی تھیں' نہریں بہہ رہی اور چڑیاں گا رہی تھیں۔
جب وہ شہر کے نزدیک پہنچی اور دروازہ قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ لشکر اور امراء اور شہر کے بڑے بڑے لوگ وہاں کھڑے ہیں۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر اسے تعجب ہوا۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ شہر والے یہاں کیوں جمع ہیں۔ اس کا ضرور کوئی نہ کوئی سبب ہو گا۔ وہ ان کے پاس ہی تھی کہ سارے کا سارا لشکر اس کی طرف بڑھا اور سب نے گھوڑوں سے اتر کر اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگے کہ اے ہمارے مولیٰ سلطان' خدا تجھے کامیاب کرے! تمام منصب دار اس کے آگے صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ سپاہی' لوگوں کی روک تھام کرتے جاتے اور کہتے جاتے کہ جہاں پناہ اور زمانے کے اکلوتے' خدا تجھے قائم رکھے! زمرد نے کہا کہ اے شہر والو کیا ماجرا ہے۔ حاجب نے کہا کہ خدا نے جو بخشش میں کنجوسی نہیں کرتا' تجھے یہ شہر عطا کیا ہے اور تجھے اس کا سلطان بنایا ہے اور ان کی گردنیں تیرے حکم کے ماتحت کی ہیں۔ سن' اس شہر کا یہ دستور ہے کہ جب کبھی ان کا بادشاہ فوت ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی بیٹا نہیں ہوتا تو لشکر شہر کے باہر نکلتا ہے اور تین دن ٹھہرتا ہے۔ جو شخص اس راستے سے آتا ہے' جس سے تو آیا ہے اسے اپنا بادشاہ بناتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ایک شخص بھیجا جو ترکوں کی اولاد میں سے ہے اور حسین ہے۔ اگر تجھ سے کم حیثیت کا بھی آیا ہوتا وہ بھی بادشاہ بن جاتا۔
زمرد ہر بات میں دانش مند تھی۔ کہنے لگی کہ یہ نہ سمجھو کہ میں عام ترکوں کی اولاد سے ہوں بلکہ میں بڑے خاندان کا ترک ہوں' میں اپنے خاندان سے ناراض ہو کر چلا آیا ہوں اور ان سے کنارہ کشی اختیار کی ہے۔ دیکھو یہ اشرفیوں کی تھیلی میرے پاس ہے جس میں سے میں نے راہ بھر غریبوں اور مسکینوں کو خیرات دی ہے۔ لوگوں نے اسے دعائیں دیں اور بہت خوش ہوئے۔ اسی طرح زمرد بھی خوش تھی۔ اپنے دل میں

کہتی تھی کہ اس حالت کو پہنچنے کے بعد ......

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• تین سو انیسویں رات

جب تین سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ زمرد نے اپنے دل میں کہا کہ اس حالت کو پہنچنے کے بعد کیا عجیب ہے جو خدا مجھے میرے آقا سے یہیں ملا دے' وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ یہی سوچتی وہ چل کھڑی ہوئی۔ لشکر اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ شہر کے اندر پہنچ کر امراء' وزرا' سب پیدل چلنے لگے۔ محل میں پہنچ کر اسے ہاتھوں ہاتھ اتارا اور تخت پر بٹھایا اور سب نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے حکم دے کر خزانے کھلوا دیئے اور تمام لشکر کو انعام دیا۔ انہوں نے دعا دی کہ تیری حکومت ہمیشہ قائم رہے! رعایا اور تمام ملک والے اس کی اطاعت کرنے لگے۔ اس طرح اس نے مدت تک حکومت کی اور حکم احکام جاری کرتی رہی۔ اس کی بخششوں اور پارسائی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر بڑا اثر تھا۔ اس نے چنگی معاف کر دی۔ قیدیوں کو رہا کر دیا۔ ظلم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ رعایا اس کو بہت عزیز رکھتی تھی اور اسے سکھ ہی سکھ تھے۔ تاہم جب کبھی اسے اپنے شوہر کی یاد آ جاتی وہ روتی اور خدا سے دعا مانگتی کہ وہ ان دونوں کو ملا دے۔

ایک رات ایسا ہوا کہ اسے وہ پرانا زمانہ یاد آنے لگا جو اس نے اپنے شوہر کے ساتھ گزارا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ دل بے چین ہو گیا۔ صبح ہوئی تو اس نے حرم سرا میں کنیزوں' خواصوں کو علیحدہ علیحدہ کمرے دیئے اور ان کے روزینے اور مشاہرے مقرر کئے اور ان سے کہا میں تنہائی میں کچھ دن عبادت کرنا چاہتی ہوں۔ چنانچہ وہ دن کو روزہ رکھتی اور رات بھر نمازیں پڑھتی۔ امرا کو یقین آ گیا کہ ان کا بادشاہ بڑا دین دار ہے۔ وہ اپنے پاس غلام بچوں کے سوا کسی کو نہ آنے دیتی اور وہ بھی جب کہ ان سے کوئی کام پڑتا۔

تخت پر بیٹھے ایک سال ہو گیا اور شوہر کی اسے کوئی خبر نہ ملی۔ وہ بہت غم زدہ تھی۔

جب رنج و غم بڑھتا ہی چلا گیا تو اس نے وزیروں کو حاجبوں کو بلا کر کہا کہ معماروں اور تعمیر کے فن کے ماہروں کو بلواؤ کہ وہ محل کے پاس ایک میدان تیار کریں جس کی لمبائی اور چوڑائی ایک ایک فرسخ ہو۔ انہوں نے اس کے حکم کی فوراً تعمیل کی' میدان اس کی مرضی کے مواقف تیار ہو گیا۔ میدان تیار ہو چکا تو ایک بارہ دری بنوائی گئی اور اس میں امراء کی کرسیاں ایک قطار میں بچھائی گئیں۔ پھر وہ آئی اور حکم دیا کہ میدان میں دستر خوان بچھایا جائے اور اس پر تمام قسم کے عمدہ عمدہ کھانے چنے جائیں۔ دستر خوان لگ گیا تو اس نے امراء سے کہا کہ کھانا کھاؤ۔ انہوں نے کھایا۔ اس کے بعد وہ امرا سے مخاطب ہو کر کہنے لگی' میں چاہتا ہوں کہ جب نیا چاند نکلے تو تم لوگ پھر یہی کرو اور شہر میں ڈھنڈورا پٹوا دو کہ کوئی شخص اس روز اپنی دکان نہ کھولے۔ سب لوگ آ کر بادشاہ کے دستر خوان پر کھانا کھائیں اور جو شخص اس کے خلاف کرے گا وہ اپنے ہی دروازے پر لٹکا دیا جائے گا۔

جب نیا چاند نکلا تو انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور یہی ان کا معمول ہو گیا یہاں تک کہ دوسرے سال کا پہلا چاند نکلا۔ وہ میدان میں آئی اور ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ اے لوگو اگر کسی نے اپنی دکان کھولی یا انبار یا گھر' تو وہ فوراً اپنے مکان کے دروازے پر لٹکا دیا جائے گا۔ تم سب پر فرض ہے کہ بادشاہ کے دستر خوان پر حاضر ہو کر کھانا کھاؤ۔ جب ڈھنڈورا پٹ چکا اور دستر خوان بچھایا گیا تو لوگ جوق در جوق وہاں پہنچے۔ زمرد نے حکم دیا کہ سب دستر خوان پر بیٹھیں اور طرح طرح کے کھانے پیٹ بھر کر کھائیں۔ لوگ اس کے حکم کے مطابق کھانے بیٹھ گئے۔ وہ حکومت کی کرسی پر بیٹھ کر ان کا تماشہ دیکھنے لگی۔ دستر خوان پر بیٹھنے والا ہر شخص اپنے دل میں یہی سمجھتا کہ بادشاہ میری طرف دیکھ رہا ہے اور کھاتا جاتا۔ امرا لوگوں سے کہتے جاتے کہ کھاؤ اور شرماؤ نہیں کیونکہ بادشاہ کو یہی بات پسند ہے۔ سب نے پیٹ بھر کر کھایا اور بادشاہ کو دعا دیتے ہوئے گھر چلے گئے۔ سب یہی کہتے تھے کہ ہم نے عمر بھر اس جیسا کوئی بادشاہ نہیں

دیکھا جو غریبوں سے محبت رکھتا ہو اور زمرد رعایا کی دعائیں لیتی ہوئی اپنے محل میں داخل ہوئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو بیسویں رات

جب پوری تین سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ زمرد اپنی دعوت پر خوش ہو کر محل میں گئی اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ اگر خدا کو منظور ہے تو مجھے اسی ذریعے سے اپنے شوہر علی شار کی خبر مل جائے گی۔ دوسرا چاند نکلا تو اس نے دستور کے موافق پھر دعوت دی' دستر خوان بچھایا گیا خود بدولت آ کر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی اور لوگوں سے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور کھاؤ۔ وہ دستر خوان کے ایک سرے پر بیٹھی ہوئی تھی اور لوگ کچھ ٹولیوں میں اور کچھ اکیلے آ آ کر بیٹھتے جاتے تھے کہ زمرد کی نظر عیسائی برسوم پر پڑی۔ جس نے اس کے شوہر سے پردہ خریدا تھا۔ اس نے اسے پہچان لیا اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ آج میرا نصیب جاگتا نظر آتا ہے۔ اتنے میں برسوم آگے آ کر کھانے کے لئے لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس نے ایک خوان میں چاول دیکھے جن پر شکر چھڑکی ہوئی تھی مگر خوان ذرا دور تھا۔ اس نے لوگوں کو دھکا دے کر خوان کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اسے اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لیا۔ اس کے ساتھ والے نے کہا تو' اپنے آگے سے کیوں نہیں کھاتا؟ کیا یہ تیری بد تمیزی نہیں ہے کہ تو اس چیز کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے جو تجھ سے دور ہے! کیا تجھے شرم نہیں آتی؟ برسوم نے کہا کہ میں تو اسی میں سے کھاؤں گا۔ ساتھ والے نے جواب دیا کہ کھا خدا یہ راس نہ لائے! ایک بھنگڑی کہنے لگا۔ کھانے بھی دو' میں بھی اس کے ساتھ کھا لوں گا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ اے منحوس ترین بھنگڑی یہ تم لوگوں کا کھانا نہیں ہے۔ اسے امیر آدمی کھاتے ہیں۔ تم اسے نہ کھاؤ امیروں کے پاس واپس کر دو تا کہ وہ اسے کھائیں۔ برسوم نے اس کی مخالفت کی اور چاولوں کا ایک لقمہ لے کر اپنے منہ میں رکھ لیا اور چاہتا ہی تھا کہ کہ دوسرا لقمہ لے کہ زمرد نے جو اسے دیکھ رہی تھی بعض سپاہیوں سے پکار کر کہا کہ اس شخص کو لے آؤ جس کے آگے شکرانے کا

خوان رکھا ہوا ہے اور اسے وہ لقمہ منہ میں نہ رکھنے دو جو اس کے ہاتھ میں ہے بلکہ اس کے ہاتھ سے لے کر پھینک دو۔ یہ سنتے ہی ہی چار سپاہی اس کے پاس پہنچے' اس کے ہاتھ سے نوالہ چھین لیا' اس کی ٹانگیں پکڑ کر کھینچ لائے اور زمرد کے آگے لا کر کھڑا کر دیا۔

لوگ ہکا بکا ہو گئے۔ کھانے سے ہاتھ کھینچ لئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ واللہ اس نے بڑی زیادتی کی۔ اپنے ہم پایہ لوگوں کا کھانا کیوں نہیں کھایا۔ ان میں سے ایک بولا' میں نے تو اس دیئے پر قناعت کی جو میرے آگے تھا۔ بھنگڑی نے کہا کہ شکر ہے خدا کا' میں نے میٹھے چاولوں کے خوان میں سے کچھ نہ کھایا۔ انتظار ہی کرتا رہا کہ خوان اس کے آگے پہنچ جائے اور وہ اس کا لطف اٹھانے لگے تو میں بھی اس کے ساتھ کھانے لگوں' اتنے میں یہ یہ حادثہ گزرا۔ بعض لوگ آپس میں یہ کہہ رہے تھے کہ ذرا دیکھنا تو چاہیے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے؟

جب زمرد کے سامنے وہ پیش ہوا تو اس نے کہا کہ اے نیلی چشم' تیرا کیا نام ہے اور تو ہمارے ملک میں کیوں آیا ہے؟ ملعون نے اپنا نام چھپایا' وہ مسلمانوں کی طرح سفید پگڑی باندھے ہوئے تھا۔ اور کہنے لگا کہ اے بادشاہ میرا نام علی ہے'میں جولاہا ہوں اور سوداگری کے لئے یہاں آیا ہوں۔ زمرد نے کہا کہ ہماری رمل کی تختی اور پیتل کا قلم حاضر کرو۔ لوگوں نے فوراً یہ چیزیں اس کے سامنے رکھ دیں۔ زمرد نے ریت اور قلم لے کر تختی پر مارا۔ قلم سے بندر کی طرح ایک شکل کھینچی تھوڑی دیر تک سر اٹھا کر برسوم کی طرف غور سے دیکھتی رہی اور اس کے بعد اس نے کہا کہ اے کتے! تو بادشاہوں کے آگے کس طرح جھوٹ بولتا ہے؟ کیا تو عیسائی نہیں اور تیرا نام برسوم نہیں ہے اور کسی چیز کی تلاش میں یہاں نہیں آیا ہے" سچ سچ بتا ورنہ خدا کی قسم تیری گردن اڑا دوں گا۔ یہ سن کر برسوم دم بخود ہو گیا۔ امرا اور حاضرین آپس میں کہنے لگے کہ یہ بادشاہ رمل بھی جانتا ہے' پاک ہے وہ ذات جس نے اسے یہ چیز عطا کی! زمرد نے عیسائی سے چلا کر کہا کہ سچ سچ بتا ورنہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ عیسائی نے

کہاں جہاں پناہ مجھے معاف کر جو کچھ تو نے رمل سے دریافت کیا ہے سچ ہے' یہ بد بخت عیسائی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو اکیسویں رات

جب تین سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عیسائی نے کہا کہ جہاں پناہ مجھے معاف کر۔ جو کچھ تو نے رمل سے دریافت کیا ہے وہ سچ ہے۔ یہ بد بخت عیسائی ہے۔ امرہ وغیرہ کو جو وہاں حاضر تھے تعجب ہوا کہ بادشاہ رمل دیکھ کر واقعات بیان کر دیتا ہے اور کہنے لگے کہ یہ بادشاہ نجومی ہے اور دنیا میں ایسا کوئی دوسرا نہیں۔ اب زمرد نے حکم دیا کہ اس عیسائی کی جلد کھینچ لو اور اس میں بھس بھر کر میدان کے دروازے پر لٹکا دو اور شہر کے باہر ایک گڑھا کھود کر اس کا گوشت اور ہڈیاں جلا دی جائیں اور اس پر کوڑا کرکٹ ڈال دیا جائے۔ چنانچہ جو کچھ اس نے حکم دیا تھا سب کی تعمیل کی گئی۔ جب لوگوں نے عیسائی کی یہ گت بنتے دیکھی تو کہا کہ اس کی سزا یہی ہے جو اسے ملی اور وہ نوالہ اس کے لئے سخت منحوس ثابت ہوا۔ ایک شخص بولا کہ مجھ کم بخت پر لعنت ہو اگر میں زندگی میں کبھی بھی میٹھے چاول کھاؤں۔ بھنگڑی کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا اس نے مجھے اس مصیبت سے بچا لیا جو اس شخص پر پڑی ہے کیونکہ اس نے میرا ہاتھ ان چاولوں کے کھانے سے روک دیا تھا۔ اب تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ اس عیسائی کی چاولوں کے پاس کبھی نہ بیٹھیں گے۔

جب تیسرا چاند نکلا تو پھر دوستور کے مطابق دستر خوان بچھا' کھانے لگائے گئے۔ زمرد کرسی پر بیٹھی اور لشکر حسب قاعدہ آراستہ ہوا۔ سب کے دلوں پر زمرد کا دبدبہ بیٹھا ہوا تھا۔ شہر والے معمول کے مطابق آئے اور دستر خوان کے گرد پھر کر دیکھا کہ وہ مخصوص خوان کہاں ہے اور ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ اے حاجی خلف! اس نے جواب دیا' حاضر ہوں اے حاجی خالد۔ پہلا شخص بولا کہ میٹھے چاولوں کے خوان سے الگ تھلگ رہیو اور اس میں سے کچھ نہ کھائیو' اگر تو نے اس میں سے کھایا تو کل سویرے لٹکا

ہوا ہو گا۔ پھر وہ سب کھانے کے لئے دستر خوان کے چاروں طرف بیٹھ گئے اور کھانے لگے۔ زمرد اسی جگہ بیٹھی تھی کہ اس کی نظر ایک شخص پر پڑی جو میدان کے دروازے سے بھاگتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ غور سے دیکھنے پر اسے معلوم ہوا کہ یہ وہی جوان نامی کرد چور ہے جس نے سپاہی کو قتل کیا تھا۔

اس کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ اپنی ماں کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ کل میرے ہاتھ بڑی دولت لگی ہے۔ پہلے تو یہ کہ میں نے ایک سپاہی کو قتل کر کے اس کا گھوڑا لے لیا۔ دوسرے اسی رات مجھے ایک اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی ملی اور ایک لڑکی جس کی قیمت تھیلی کی اشرفیوں سے بھی زیادہ ہے۔ ان تمام چیزوں کو میں اپنی ماں کے پاس غار میں رکھ کر آیا ہوں۔ وہ سب خوش خوش شام کو غار کی طرف چل دیئے۔ پہلے غار میں کرد جوان داخل ہوا اور پیچھے پیچھے دوسرے لوگ تا کہ جن چیزوں کا اس نے ذکر کیا ہے وہ انہیں لا کر دے۔ لیکن اس نے دیکھا کہ وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ ماں سے پوچھا کہ لڑکی' گھوڑا اور مال کیا ہوا؟ ماں نے ساری سرگزشت بیان کر دی اوور وہ جھلا کر اپنی ہتھیلیاں کاٹنے لگا۔ اس نے کہا کہ واللہ میں اس لونڈی کو ڈھونڈ کر جہاں کہیں ہو گی' لاؤں گا خواہ پستے کے چھلکے کے اندر ہی کیوں نہ ہو اور اپنے دل کی بھڑاس نکالوں گا۔ یہ کہہ کر وہ اس کی تلاش میں چل دیا اور اسے شہر در شہر ڈھونڈتا ہوا زمرد کے شہر پہنچا۔ جب وہ شہر میں داخل ہوا تو وہاں کسی مرد کو نہ پایا کہ ہڑتال کا سبب پوچھے۔ آخر اس نے عورتوں سے پوچھا جو ایک جھروکے سے دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو بادشاہ دستر خوان بچھاتا ہے اور لوگ وہاں جا کر کھانا کھاتے ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے اسے میدان کا پتہ بتا دیا جہاں دستر خوان بچھا کرتا تھا اور وہ دوڑتا ہوا وہاں پہنچا مگر اس خوان کے سوا جس کا بیان ہو چکا ہے' اسے کہیں کوئی خالی جگہ نہ ملی تھی۔ وہ وہیں خوان کے سامنے بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ لوگوں نے چلا کر کہا کہ بھائی تو کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس خوان میں سے کھانا

چاہتا ہوں اور خوب پیٹ بھر کر کھانا چاہتا ہوں۔ ایک شخص بولا' اگر تو نے اس میں سے کھایا تو کل صبح پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا۔ جوان نے جواب دیا' چپ رہ' ایسی باتیں نہ کراور اپنے ہاتھ کو خوان کی طرف بڑھا کر اسے اپنے سامنے کھینچ لیا۔ اس کے پاس ہی بھنگڑی بیٹھا تھا جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ جوان نے اس خوان کو اپنی طرف کھینچا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بھاگا۔ بھنگ کا نشہ ہرن ہو گیا۔ دور جا بیٹھا اور کہنے لگا کہ مجھے اس خوان کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد جوان نامی کرد نے خوان کی طرف کوے کے پنجے کی طرح اپنا ہاتھ بڑھایا اور اسے بھر کر اونٹ کے کھر کی طرح اس میں سے نکالا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو بائیسویں رات

جب تین سو بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جوان نامی کرد نے خوان میں سے اپنا ہاتھ نکالا جو اونٹ کے کھر کی طرح معلوم ہوتا تھا اور نوالے کو اپنے ہاتھ میں اتنا گھمایا پھرایا کہ اس کی شکل بڑی نارنگی کی سی ہو گئی۔ پھر جلدی سے اسے اپنے منہ میں ڈال لیا وہ بادل کی طرح گرجتا ہوا اس کے پیٹ میں اتر گیا اور طباق کا جس جگہ سے نوالہ لیا گیا تھا پینڈا نظر آنے لگا۔ اس کے برابر والے نے کہا کہ شکر ہے خدا کا کہ میں نے تیرے سامنے بیٹھ کر نہیں کھایا' تو نے ایک ہی نوالے میں طباق کی تہہ اڑا دی۔ بھنگڑی بولا اسے کھانے دو کیونکہ میں اس کی شکل کو پھانسی پر چڑھتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد بھنگڑی نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ خدا کرے کہ یہ نوالہ تجھے راس نہ آئے۔ اب اس نے دوسرے نوالے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا اور چاہتا ہی تھا کہ اسے بھی پہلے نوالے کی طرح ہاتھ میں گھمائے کہ زمرد نے سپاہیوں کو پکار کر کہا کہ اس شخص کو فوراً حاضر کرو' وہ اپنے ہاتھ کا نوالہ نہ کھانے پائے۔ اس نے خوان سے ابھی سر نہ اٹھایا تھا کہ سپاہیوں نے آ کر اسے پکڑ لیا اور لے جا کر زمرد کے سامنے پیش کر دیا۔ لوگ اسے برا بھلا کہنے لگے اور آپس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ وہ اسی سزا کا مستحق ہے۔ ہم نے اسے نصیحت کی تھی لیکن اس نے نہ مانی۔ اس جگہ پر جو بیٹھے گا اس کا انجام قتل ہو گا' یہ چاول اپنے کھانے والے کے لئے نحوست لاتے ہیں۔

زمرد نے پوچھا کہ تیرا نام اور پیشہ کیا ہے اور تو ہمارے شہر میں کیوں آیا ہے؟ اس نے کہا اے بادشاہ اور میرے مولیٰ میرا نام عثمان ہے' میں ایک باغ کا مالی ہوں اور میرے اس شہر میں آنے کی وجہ یہ ہے کہ میری ایک چیز کھو گئی ہے اسے ڈھونڈنے آیا ہوں۔ زمرد نے کہا لاؤ تو رمل کی تختی اور لوگوں نے فوراً لا کر پیش کی۔ اس

نے قلم لے کر تختی پر رمل کی شکلیں بنائیں اور ان پر تھوڑی دیر تک غور کرتی رہی۔
پھر اس نے سر اٹھا کر کہا' اے خبیث لعنت ہو تجھ پر! تو بادشاہوں کے آگے جھوٹ بولتا ہے؟ رمل سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو کرڈ ہے تیرا نام جوان ہے اور تو چور ہے۔ لوگوں کا مال دھوکے سے چراتا ہے اور ایسے شخص کو قتل کرتا ہے جن کا قتل خدا نے بغیر کسی گناہ کے حرام کیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے ڈانٹا اور کہنے لگی' بدمعاش اپنا حال ٹھیک بتا ورنہ میں تیرا سر کاٹ کر پھینک دوں گا۔ زمرد کی باتیں سن کر اس کا رنگ زرد پڑ گیا اور اس کے دانت دکھائی دینے لگے اور اسے گمان ہوا کہ اگر وہ سچ کہہ دے گا تو چھوٹ جائے گا۔ وہ کہنے لگا کہ اے بادشاہ' تو سچ کہتا ہے لیکن اب میں تیرے ہاتھ پر توبہ کرتا اور خدا کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ زمرد نے کہا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ میں مسلمانوں کے راستے میں اک بلا رہنے دوں۔ اس کے بعد اس نے اپنے افسروں سے کہا کہ اسے لے جاؤ اور اس کی کھال کھینچ کر وہی اس کی بھی گت بناؤ جو پچھلے مہینے میں اس شخص کی بنائی گئی تھی' جو اسی جیسا تھا۔ فوراً حکم کی تعمیل کی گئی۔ جب بھنگڑی نے دیکھا کہ لشکر والے اسے پکڑے لئے جاتے ہیں تو اس نے چاولوں کے خوان کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا اور کہنے لگا کہ تیرا میرے سامنے ہونا حرام ہے۔ لوگ کھانے سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھر چلے گئے اور زمرد نے اپنے محل میں جا کر غلاموں کو واپس کر دیا۔
تیسرے مہینے پھر حسب دستور میدان میں لوگ جمع ہوئے اور کھانا چنا گیا اور انتظار ہونے لگا کہ اجازت ملے تو شروع کریں۔ اتنے میں زمرد آ کر کرسی پر بیٹھی اور ان کی طرف دیکھنے لگی۔ اب اس نے دیکھا کہ چاولوں کے خوان کے پاس کی جگہ خالی ہے حالانکہ وہاں چار شخص آ سکتے ہیں۔ بڑا تعجب ہوا۔ ابھی وہ بیٹھی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی کہ اس کی توجہ ایک طرف مبذول ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص میدان کے دروازے میں سے داخل ہو کر تیز تیز چلا آ رہا ہے۔ چلتے چلتے وہ دستر خوان کے پاس آ کر ٹھہر گیا اور یہ دیکھ کر چاولوں کا طباق جہاں رکھا ہے اس کے کنارے ارد گرد کے سوا

کوئی جگہ خالی نہیں' وہ وہیں بیٹھ گیا۔ زمرد نے غور سے دیکھا تو یہ وہی ملعون عیسائی تھا جس نے اپنا نام رشید الدین رکھ چھوڑا تھا۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ کیسی مبارک

ہے آج کی دعوت کہ یہ کافر میرے جال میں پھنس گیا۔ اس کے آنے کا سبب عجیب و غریب تھا یعنی وہ اپنے سفر سے لوٹا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو تئیسویں رات

تین سو تئیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ وہ ملعون جس نے اپنا نام رشید الدین رکھ چھوڑا تھا سفر سے لوٹا تو اس کے گھر والوں نے بیان کیا زمرد اشرفیوں کی تھیلی لے کر غائب ہو گئی۔ یہ سن کر اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور منہ پر طمانچے مارنے لگا۔ داڑھی نوچ ڈالی اور اپنے بھائی برسوم کو مختلف شہروں میں بھیجا کہ جا کر اسے تلاش کرے۔ جب بہت دن گزرے گئے اور اس کا بھائی بھی نہ لوٹا تو وہ خود اسے اور زمرد کو ڈھونڈنے نکلا۔ قسمت اسے زمرد کے شہر میں لے آئی جہاں وہ مہینے کی پہلی تاریخ کو داخل ہوا۔ شہر کے گلی کوچوں میں پھرنے لگا۔ دیکھا کہ وہ خالی پڑے ہیں۔ دکانیں بند ہیں' عورتیں کھڑکیوں میں کھڑی جھانک رہی ہیں۔ اس نے بعض عورتوں سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو بادشاہ تمام لوگوں کے لئے دستر خوان بچھاتا ہے اور سب اسی دستر خوان پر کھانا کھاتے ہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ وہ اپنے گھر یا دکان میں بیٹھا رہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اسے میدان کا پتا بتا دیا۔ وہ میدان میں پہنچا تو کھانے پر لوگوں کا جمگھٹ لگا ہوا تھا اور اس جگہ کے سوا جہاں وہ مخصوص خوان رکھا ہوا تھا کوئی جگہ خالی نہ تھی۔ وہاں بیٹھ کر اس نے کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا کہ اتنے میں زمرد نے سپاہیوں کو آواز دے کر کہا کہ جو شخص خوان کے پاس بیٹھا ہے' اسے پکڑ لاؤ۔ سپاہی اس خوان کو پہچان گئے تھے' اسے پکڑ کر زمرد کے پاس لے آئے۔ زمرد نے پوچھا اے ملعون تیرا نام کیا ہے' کیا کام کرتا ہے اور ہمارے شہر میں کیوں آیا ہے؟ اس نے کہا کہ جہاں پناہ! میرا نام رستم ہے اور میرا کوئی پیشہ نہیں' فقیر درویش ہوں۔ زمرد نے اپنے آدمیوں سے کہا لاؤ میری رمل کی تختی اور پیتل کا قلم اور اس نے قلم لے کر رمل کی تختی پر خط کھینچے اور ان پر غور کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد سر

اٹھا کر کہا' اے کتے تو بادشاہ سے جھوٹ بولتا ہے؟ تو عیسائی ہے تیرا نام رشید الدین اور تیرا پیشہ یہ ہے کہ تو مسلمان لڑکیوں کو دغابازی سے لے جاتا ہے۔ ظاہراً تو مسلمان ہے مگر دل میں عیسائی۔ سچ کہہ' اگر تو نے جھوٹ بولا تو میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ یہ سن کر وہ گڑگڑانے لگا اور بولا کہ جہاں پناہ' تو سچ کہتا ہے۔ اب زمرد نے حکم دیا کہ اسے لمبا لٹایا جائے اور اس کی دونوں ٹانگوں پر سو سو کوڑے اور بدن پر ہزار کوڑے لگائے جائیں پھر اس کی کھال کھینچ کر اس میں سن بھرو اور شہر کے باہر ایک گڑھا کھود کر اس کے اندر جلا دو اور اس پر کوڑا کرکٹ اور گندگی ڈال دی جائے۔ لوگ اس کا حکم بجا لائے۔ پھر اس کے بعد لوگوں کو کھانے کی اجازت دی۔ سب نے کھایا اور کھا چکے تو اپنے اپنے گھر روانہ ہوئے۔ زمرد بھی اپنے محل میں گئی اور کہنے لگی کہ شکر ہے خدا کا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ میرا دل لوگوں کی طرف سے ٹھنڈا کر دیا جنہوں نے مجھے تکلیف پہنچائی تھی۔ بعد ازاں پھر اسے اپنے شوہر علی شار کی یاد آ گئی اور وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ جب اس کی طبیعت ہلکی ہوئی' ہوش و حواس ٹھکانے آئے تو دل میں خیال کیا کہ جس خدا نے مجھے دشمنوں پر قابو دیا' عجب نہیں اسی طرح وہ ایک دن میرے دوستوں سے بھی مجھے ملا دے اور پھر اس نے استغفار پڑھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

تین سو چوبیسویں رات

جب تین سو چوبیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ زمرد نے خدا سے مغفرت چاہی اور کہنے لگی' ممکن ہے خدا مجھے میرے محبوب علی شار سے جلد ملا دے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور اپنے بندوں کی حالت سے رتی رتی واقف ہے۔
اس کے بعد اس نے خدا کی تعریف کی' دوبارہ مغفرت چاہی اور اپنے آپ کو تقدیر کے حوالے کر دیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ ہر ابتدا کی انتہا ہوتی ہے۔ اسی طرح اس نے پورا مہینہ گزارا۔ دن میں رعایا پروری' عدل و انصاف کرتی اور رات کو اپنے شوہر علی شار کی جدائی پر گریہ و زاری۔ چوتھے مہینے کا چاند نکلا تو اس نے حکم دیا کہ پہلے کی طرح میدان میں دستر خوان بچھایا جائے۔ لوگ کھانا شروع کرنے کے لئے اجازت کے منتظر تھے اور چاولوں کے پاس جگہ خالی تھی۔ زمرد دستر خوان کے ایک سرے پر عوام الناس سے بلند جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کی آنکھیں میدان کے دروازے کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ جو کوئی اندر آئے' اسے وہ دیکھ سکے۔ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی کہ اے پروردگار تو نے یوسف علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام سے ملایا اور ایوب علیہ السلام کی بلائیں دور کیں' اپنی قدرت اور بزرگی سے میرے شوہر علی شار کو بھی مجھ سے ملا کر مجھ پر احسان کر' تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اے دنیاؤں کے پرور دگار' گمراہوں کے ہادی' آوازوں کے سننے والے اور دعاؤں کے قبول کرنے والے' میری دعا سن' تو ہی بندوں کا پالنے والا ہے۔ وہ ابھی اپنی دعا ختم بھی نہ کر پائی تھی کہ میدان کے دروازے سے ایک شخص داخل ہوا جو قد و قامت میں بید کی چھڑی کی طرح تھا۔ دبلا پتلا' رنگ زرد مگر پھر بھی وہ نہایت حسین جوان اور باشعور و با سلیقہ معلوم ہوتا تھا۔
جب وہ اندر آیا تو چاولوں خوان کے پاس کے سوا اور کوئی جگہ خالی نہ پائی۔ وہیں بیٹھ

گیا۔ زمرد نے جوان کو دیکھا تو اس کا دل دھڑکنے لگا۔ غور سے دیکھنے پر اسے صاف نظر آیا کہ وہ اس کا شوہر علی شار ہے۔ اس کے منہ سے خوشی کی چیخ نکلنے کو تھی کہ اس نے رسوائی کے ڈر سے ضبط کیا۔ تاہم اس کے اندر کھلبلی مچ گئی اور اس کا دل دھک دھک کرنے لگا مگر اس نے ظاہر نہ ہونے دیا۔ علی شار کے یہاں آنے کا سبب بھی سن لو۔ جب وہ چوکی پر سو گیا اور زمرد اتری اور کرد جوان اسے لے اڑا تو اس کے بعد اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے دیکھا کہ وہ ننگے سر ہے۔ اسے یقین ہو گیا کہ کسی نے اس پر ظلم کر کے سوتے میں اس کا عمامہ اتار لیا ہے اور اس نے وہ جملہ کہا جس کے کہنے والے کو شرمانے کی ضرورت ہوتی نہیں یعنی اناللہ و انا الیہ راجعون۔ اس کے بعد وہ اس بڑھیا کے پاس گیا جس نے اسے زمرد کا پتا بتایا تھا۔ اس کا دروازہ کھٹکھٹایا جب بڑھیا نکل کر باہر آئی تو اس کے آگے رونے لگا یہاں تک کہ غش آ گیا۔ جب غشی دور ہوئی تو اس نے بڑھیا کو سارا واقعہ سنایا۔ بڑھیا نے اس کے کئے پر اسے لعنت ملامت کی' برا بھلا کہا اور کہنے لگی کہ تیری مصیبت اور بلا خود تیری ہی لائی ہوئی ہے۔ بڑھیا نے اتنی لعنت ملامت کی کہ اس کے نتھنوں سے خون جاری ہو گیا اور وہ دوبارہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش آیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو پچیسویں رات

تین سو پچیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب علی شار کو ہوش ایا تو اس نے دیکھا کہ اس کی وجہ سے بڑھیا بھی رو رہی ہے۔ اس کے آنسو بہہ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ اور واویلا کرنے لگا۔ بڑھیا کو اس پر ترس آ گیا اور اس سے کہا کہ ٹھہر' میں ابھی جا کر اس کی خبر لاتی ہوں' بڑھیا روانہ ہوئی اور دوپہر کو واپس آ کر کہا کہ اے علی' میرے خیال میں تیری حسرت تجھے مار کر چھوڑے گی۔ اب قیامت سے پہلے تو اپنی محبوبہ کو نہ دیکھ سکے گا۔ وجہ یہ ہے کہ جب محل والے صبح کو اٹھے تو انہوں نے دیکھا کہ باغ کی طرف والا جھروکا ٹوٹا ہوا ہے۔ زمرد ندارد ہے اور اپنے ساتھ عیسائی کے مال کی ایک خرجی بھی لے گئی ہے۔ میں پہنچی تو میں نے دیکھا کہ والی اپنے آدمیوں کو لئے دروازے پر کھڑا ہے۔ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ سنتے ہی علی شار کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا اور وہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اسے موت سامنے کھڑی دکھائی دینے لگی۔ روتے روتے اس کا برا حال ہوا۔ عشق اور جدائی اس کے سر پر سوار تھی۔ وہ سخت بیمار پڑ گیا اور گھر سے باہر نکلنے کے قابل نہ رہا۔ بڑھیا طبیبوں کو لاتی' اسے دوائیں پلاتی اور اس کے لئے یخنیاں پکاتی۔ ایک سال کے بعد اس میں کچھ جان آئی اور اسے پرانی باتیں پھر یاد آنے لگیں۔ جب دوسرا سال ہوا تو بڑھیا نے کہا کہ بیٹے رونے پیٹنے سے تو تیری محبوبہ ملنے سے رہی۔ اگر ایسا ہے تو اٹھ اور کمر باندھ۔ شہر شہر اس کی تلاش کر' ممکن ہے کہ اس کا پتہ لگ جائے۔

بڑھیا اسے برابر ہمت اور تقویت دلاتی رہی۔ آخر وہ سفر پر آمادہ ہو گیا۔ پھر وہ اسے حمام میں لے گئی۔ شراب پلائی' مرغیاں کھلائیں اور ہر روز یہی دستور رکھا۔ یہاں تک کہ ایک مہینے کے بعد وہ دل کو مضبوط کر کے چل دیا۔ چلتے چلتے زمرد کے شہر میں

پہنچا اور نوالہ لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ لوگ افسوس کرنے اور کہنے لگے اے جوان' اس خوان میں سے نہ کھا کیونکہ جس کسی نے اس میں سے کھایا ہے' اسے نقصان پہنچا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اسی میں سے کھانے دو' ان کا جو جی چاہے میرے ساتھ کریں' کہیں مجھے اس تکلیف دہ زندگی سے آرام تو ملے۔

علی شار کے نوالہ اٹھاتے ہی زمرد کا ارادہ ہوا کہ اسے اپنے پاس بلوائے لیکن فوراً اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ بھوکا ہو گا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی مناسب ہے پہلے اسے پیٹ بھر کر کھا لینے دوں۔ وہ کھا رہا تھا اور لوگ حیران تھے کہ دیکھیں اس پر کیا گزرتی ہے؟ جب وہ کھا کر سیر ہو گیا تو زمرد نے اپنے چند غلاموں سے کہا کہ اس جوان کو جو چاول کھا رہا ہے' نرمی کے ساتھ بلا لاؤ اور کہو کہ چل کر بادشاہ سے گفتگو اور سوال و جواب کر۔ غلام جا کر اس کے پاس کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے' اے میرے آقا چل اور خوش ہو کہ بادشاہ تجھ سے دو باتیں کرنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اور غلام بچوں کے ساتھ ہو لیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• تین سو چھبیس ویں رات

جب تین سو چھبیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ علی شار غلام بچوں کے ہمراہ ہو لیا اور لوگ کہنے لگے کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔

دیکھنا چاہیے کہ بادشاہ اس کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ ایک شخص بولا کہ وہ اس کے ساتھ بھلائی کرے گا۔ اگر اسے نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا تو اسے پیٹ بھر کر کھانے نہ دیتا' علی شار زمرد کے سامنے ا کر کھڑا ہوا تو اس نے سلام کیا اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ زمرد نے سلام کا جواب دیا اور اس کے ساتھ عزت سے پیش آئی اور کہنے لگی کہ تیرا نام اور پیشہ کیا ہے' تو اس شہر میں کیوں آیا ہے؟ اس نے جواب دیا' اے بادشاہ میرا نام علی شار ہے' میں سوداگر زادہ ہوں میرا وطن خراسان ہے اور میرے اس شہر میں آنے کی وجہ یہ ہے کہ میں اپنی ایک کنیز کو تلاش کرنے نکلا ہوں جو کھو گئی ہے اور مجھے میرے کانوں اور آنکھوں سے زیادہ عزیز تھی۔ جب سے وہ گم ہوئی ہے میری روح کا کوئی مسکن نہیں رہا۔ بس یہی ہے میرا قصہ۔ اس کے بعد وہ رونے لگا اور بے ہوش ہو گیا۔ زمرد نے حکم دیا کہ اس پر گلاب چھڑکا جائے۔ لوگوں نے اس کے منہ پر گلاب کے چھینٹے دیئے اور اس کے ہوش درست ہو گئے تو زمرد نے کہا کہ رمل کی تختی اور پیتل اور قلم لاؤ اور اس نے قلم لے کر رمل کی تختی پر نقش بنائے اور تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر اس نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے' خدا تجھے اس سے جلد ملا دے گا' غمزدہ نہ ہو۔ اس کے بعد اس نے حاجب کو حکم دیا کہ اسے حمام لے جاؤ' بہترین شاہانہ لباس پہناؤ' خاص شاہی گھوڑا اسے سواری کے لئے دیا جائے اور پھر شام کے وقت اسے محل میں لاؤ۔ حاجب سینے پر ہاتھ رکھ کر الٹے قدموں ہٹا اور علی شار کو ساتھ لے کر زمرد کے پاس چلا گیا۔

لوگ آپس میں کہنے لگے کہ آخر سلطان اس جوان کے ساتھ اتنی مہربانی سے کیوں پیش آیا۔ ایک شخص کہنے لگا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ بادشاہ اس کے ساتھ برا

سلوک نہ کرے گا۔ کیونکہ اس کی شکل ہی ایسی پیاری ہے اور یہ میں اس وجہ سے بھی سمجھ گیا تھا کہ بادشاہ نے اسے پیٹ بھر کر کھانے دیا۔ الغرض ہر شخص کچھ نہ کچھ کہتا اور اپنا راستہ لیتا۔ زمرد کو یقین نہ آتا تھا۔ وہ بے تاب تھی کہ کب رات ہو اور اپنے دلی محبوب سے تنہائی میں ملے۔ خدا خدا کر کے رات ہوئی تو وہ اپنی خواب گاہ میں گئی اور یہ ظاہر کیا کہ وہ سو گئی ہے۔ اس نے اپنا یہ دستور بنا لیا تھا کہ دو چھوٹے نوکروں کے سوا کوئی اس کی خواب گاہ میں نہ سوتا اور وہ بھی بغیر بلائے نہ آ سکتے۔ خواب گاہ میں پہنچ کر اس نے اپنے محبوب علی شار کو بلا بھیجا اور خود تخت پر بیٹھی۔ اس کے آگے پیچھے موم بتیاں جل رہی تھیں۔ کمرے میں سونے کے جھاڑ جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ بادشاہ نے اسے بلوایا ہے تو انہیں تعجب ہوا۔ ہر ایک اپنا اپنا قیاس دوڑانے لگا۔ ہر ایک کا گمان جداگانہ تھا۔ بعض کی رائے تھی کہ بادشاہ کو اس کے ساتھ دلی تعلق پیدا ہو گیا ہے اور وہ اسے کل کسی نہ کسی لشکر کا سپہ سالار بنا دے گا۔

لوگ اپنی عقل آرائیاں کر رہے تھے کہ علی شار زمرد کے پاس پہنچا اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور دعا دی۔ زمرد نے اپنے دل میں کہا کہ ابھی میں اس پر اپنے آپ کو ظاہر نہ کروں گی بلکہ اس کے ساتھ تھوڑا سا مذاق کرنا چاہیے۔ کہنے لگی' اے علم

تو حمام ہو آیا؟ اس نے جواب دیا اے میرے مولیٰ ہاں۔ زمرد نے کہا کہ اٹھ اور اس مرغی اور دوسرے گوشت میں سے کچھ کھا اور یہ شربت اور شراب پی کیونکہ تو تھکا ہوا ہے' پھر میرے قریب آئیو۔ زمرد نے جو جو حکم دیا تھا۔ اس نے کیا اور جب وہ کھا پی کر فارغ ہو گیا تو زمرد نے کہا کہ تخت پر آ کر میرے پاؤں دبا۔ وہ اس کے پاؤں اور پنڈلیاں دبانے لگا دیکھا کہ اس کا بدن ریشم سے بھی زیادہ نرم ہے۔ اب زمرد نے کہا چپی کرتا ہوا اوپر کی طرف آ۔ وہ بولا۔ اے میرے مولیٰ گھٹنوں

سے آگے نہیں بڑھوں گا۔ زمرد نے کہا کہ تو میری نافرمانی کرنا چاہتا ہے! خبردار ورنہ یہ رات تجھ پر بری گزرے گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو ستائیسویں رات

جب تین سو ستائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ زمرد نے اپنے شوہر علی شار سے کہا کہ اگر تو نے میری مخالفت کی تو آج رات تیری خیر نہیں۔ تجھے میرا کہنا ماننا چاہیے۔ میں تجھے اپنا معشوق بناؤں گا اور ایک امیر کا مرتبہ دوں گا۔ علی شار نے کہا کہ جہاں پناہ' میں کس بات میں تیری اطاعت کروں؟ اس نے جواب دیا کہ اپنے کپڑے اتار اور اوندھا لیٹ جا۔ علی شار نے کہا کہ ایسا کام تو میں نے عمر بھی نہیں کیا۔ اگر تو زبردستی کرے گا تو میں قیامت کے دن تیرا دامن گیر ہوں گا۔ جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے مجھ سے لے لے اور مجھے اپنے شہر سے جانے دے۔ یہ نہ لیتا تو میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ الغرض اس نے اس کا کہنا مان لیا اور وہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو گئی۔ علی شار نے دیکھا کہ وہ ریشم سے زیادہ نرم اور مکھن سے زیادہ ملائم ہے اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ بادشاہ تو تمام عورتوں سے بڑھ کر نازک اندام ہے۔ زمرد تھوڑی دیر تک اس کی پیٹھ پر رہنے کے بعد اتر آئی اور قہقہہ مار کر ہنسی اور کہنے لگی میرے آقا ان باتوں کے باوجود بھی تو نے مجھے نہ پہچانا۔ اس نے کہا اے بادشاہ تو کون ہے؟ وہ بولی کہ تیری کنیز زمرد۔ یہ سن کر علی شار اس کے بوسے لینے لگا اور اسے اس طرح دبوچا جیسے شیر بکری کو دبوچتا ہے۔ اسے بالکل یقین آگیا کہ وہ بے شک اس کی کنیز ہے اور اس کی آواز غلام بچوں کے کان مین پہنچی اور وہ آ کر پردے کے پیچھے سے جھانکنے لگے اور انہوں نے دیکھا کہ بادشاہ علی شار کے پاس لیٹا ہوا ہے اور نخرے کر رہا ہے۔ غلام بچوں نے اپنے دل میں کہا یہ نخرے تو مرد کے سے نخرے نہیں' ہو نہ ہو یہ بادشاہ عورت ہے لیکن انہوں نے اس بات کو پوشیدہ رکھا اور اس کا ذکر کسی سے نہ کیا۔ جب دن نکلا تو زمرد نے کل لشکر اور امراء کو اپنے پاس بلوا بھیجا اور ان سے کہنے لگی کہ میں اس شخص کے وطن کو

جانا چاہتا ہوں' میری واپسی تک تم اپنی حکمرانی کے لئے کسی نائب کو مقرر کر لو۔ زمرد کے اس حکم کو انہوں نے بخوشی منظور کر لیا۔ اب اس نے سفر کا سامان تیار کیا۔ مثلاً راہ کا توشہ' زر و جواہر' کپڑے' تحفے' اونٹ' خچر اور شہر سے روانہ ہو گئی۔ چلتے چلتے علی شار کے شہر میں پہنچی اور گھر میں داخل ہوئی۔ لوگوں کو انعام دیا' خیرات کی اور رہنے سہنے لگے۔ ان کی اولاد ہوئی اور انہوں نے بڑی خوشی سے زندگی بسر کی۔ یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جس کے لئے بلا زوال کے بقا ہے اور خدا کا شکر ہر حال میں۔

○ بدور اور جبیر بن عمیر کے عشق کی کہانی

کہنے والے کہتے ہیں کہ ایک رات ہارون الرشید کو بالکل نیند نہ آئی اور جب وہ جاگتے جاگتے اور کروٹیں بدلتے بدلتے اکتا گیا تو اس نے مسرور کو بلا کر کہا کہ اے مسرور! دیکھ کوئی ایسا ہے جو مجھے اس بیداری میں تسلی دے سکے۔ اس نے عرض کی اے میرے مولیٰ اگر تیرا جی چاہے تو محل کے باغ میں چل کر پھولوں کا نظارہ کر اور ستاروں کو دیکھ کہ وہ کس خوبی سے آسمان پر جڑے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان چاند کس طرح پانی پر چمک رہا ہے۔ خلیفہ بولا اے مسرور' ان میں سے کسی چیز میں میرا دل نہیں لگتا۔ مسرور نے کہا کہ اے میرے مولیٰ تیرے محل میں تین سو تیری چہیتی کنیزیں ہیں اور ان کے لئے الگ الگ محل سرائیں ہیں۔ انہیں حکم دے کہ ہر ایک اپنی محل سرا میں جا کر بیٹھے اور بغیر اس کے کہ انہیں معلوم ہو' تو ان کا تماشہ دیکھ۔ اس نے کہا کہ اے مسرور یہ سچ ہے کہ محل میرا محل ہے اور کنیزیں میری ملکیت ہیں لیکن ان میں سے کسی چیز کی طرف میرا میلان نہیں ہوتا۔ مسرور نے کہا کہ اے میرے مولیٰ عالموں' حکیموں اور شاعروں کو حکم دے کہ وہ تیرے پاس آ کر

مباحثہ کریں، اشعار پڑھیں اور قصے کہانیاں بیان کریں۔ اس نے جواب دیا کہ ان چیزوں میں سے کسی کو میری طبیعت نہیں چاہتی۔ مسرور نے کہا کہ اے میرے مولیٰ غلاموں اور ندیموں اور ظریفوں کو حکم دے کہ وہ علمی نکتے بیان کریں، لطیفے سنائیں اور تیرا دل خوش کریں۔ اس نے کہا اے مسرور ان میں سے کسی بات کی طرف میری رغبت نہیں۔ مسرور نے کہا کہ اے میرے آقا تو پھر میری گردن اڑا دے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

تین سو اٹھائیں ویں رات

جب تین سو اٹھائیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مسرور نے خلیفہ سے کہا کہ اے میرے مولیٰ تو پھر میری گردن اڑا دے۔ شاید اس سے تیری بیداری جاتی رہے اور جو گھبراہٹ تجھے ہے' دور ہو جائے۔ اس پر رشید ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ اے مسرور دیکھ اس وقت ندیموں میں سے کوئی موجود ہے۔ مسرور جا کر واپس آیا اور کہنے لگا کہ اے میرے مولیٰ دروازے پر اس وقت علی بن منصور خلیعی دمشقی ہے۔ خلیفہ نے کہا کے اسے بلوا لو۔ مسرور جا کر اسے بلا لایا۔ جب وہ اندر آیا تو اس نے کہا کہ السلام علیکم یا امیر المومنین۔ خلیفہ نے سلام کا جواب دے کر کہا اے ابن منصور کوئی کہانی تجھے یاد ہو تو سنا۔ اس نے کہا اے امیر المومنین کوئی ایسی چیز بیان کروں جو میں نے خود آنکھ سے دیکھی ہے یا ایسی جو محض سنی سنائی ہے؟ خلیفہ نے کہا کہ اگر کوئی عجیب و غریب واقعہ تیری آنکھوں کے سامنے سے گزرا ہے تو اسے بیان کر کیونکہ سنی سنائی باتیں ایسی نہیں ہوتیں جیسی کہ آپ بیتی۔ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین کان اور دل لگا کر سن۔ خلیفہ نے کہا اے ابن منصور! میں اپنے کانوں سے سن رہا ہوں اور دل سے تیری طرف متوجہ ہوں۔ اس نے کہا اے امیر المومنین سن! بصرے کے والی محمد بن سلیمان کی طرف سے میرا سالانہ مقرر ہے۔ ایک بار میں دستور کے موافق اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ سیر و شکار پر جانے کے لئے سوار کھڑا ہے۔ میں نے اسے سلام کیا اور اس نے مجھے' پھر مجھ سے کہنے لگا اے ابن منصور میرے ساتھ سوار ہو کر شکار پر چل۔ میں نے کہا اے میرے مولیٰ میں سواری سے معذور ہوں۔ اس نے مجھے حاجبوں اور نوجوانوں کے حوالے کر کے مہمان خانے میں بٹھا دیا۔ اس کے بعد وہ شکار پر روانہ ہو گیا۔ ان لوگوں نے مجھے بڑے احترام سے رکھا اور بہترین طریقے سے مہمان داری کی۔ ایک دن میں نے اپنے دل میں کہا کہ

ایک مدت سے میں بغداد سے بصرے آیا کرتا ہوں لیکن محل سے باغ اور باغ سے محل کے سوا اور کچھ میں نہیں جانتا۔ اس سے بہتر اور کب موقع ملے گا۔ آؤ بصرے کے مختلف حصوں کی سیر تو کرو۔ اکیلے چلو' خوب گشت لگاؤ اور تماشا دیکھو۔ چنانچہ میں اپنے بہترین کپڑے پہن' بصرے میں ادھر ادھر سیر کرنے کے لئے چل کھڑا ہوا۔

اے امیر المومنین! تجھے معلوم ہے کہ بصرے میں ستر ایسی سڑکیں ہیں جو ستر ستر عراقی فرسخ لمبی ہیں لہٰذا میں وہاں کی گلیوں میں راہ بھول گیا اور مجھے پیاس معلوم ہونے لگی۔ اے امیر المومنین میں چلا جا رہا تھا کہ میری نظر ایک بڑے پھاٹک پر پڑی جس میں پیتل کے دو حلقے لگے ہوئے اور سرخ کمخواب کے پردے پڑے ہوئے تھے اور اس کے دونوں طرف دو چبوترے تھے۔ پھاٹک کے اوپر انگور کی بیل کی ایک ٹٹی تھی جس سے اس کے اوپر سایہ پڑتا تھا۔ میں اس مکان کا نقشہ دیکھنے ٹھہر گیا۔ کھڑے ہوتے ہی مجھے ایک غمزدہ نغمہ سنائی دیا جو کسی غمگین دل سے نکل رہا ہے اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر اس نغمے والا حسین بھی ہے تو اس میں حسن اور فصاحت اور شیریں بیانی سب موجود ہیں۔ یہ خیال کرتا ہوا میں دروازے کے پاس گیا اور پردے کو تھوڑا سرکانا شروع کیا۔ دیکھا کہ ایک گوری گوری کنیز بیٹھی ہوئی ہے جو چودھویں رات کے چاند کی طرح حسین ہے۔ اس کی بھوئیں ملی ہوئی ہیں۔ پلکیں خوابیدہ' سینے پر دو انار رکھے ہوئے' ہونٹ پتلے پتلے گویا دو عقیق' منہ گویا سلیمان کی انگوٹھی اور موتیوں کی لڑی جس سے شاعر اور نثار دونوں کی عقل دنگ ہو جائے۔ الغرض ہر حسن اساس میں موجود تھا اور مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے فتنہ تھی' آنکھ اس کے دیکھنے سے کبھی سیر نہ ہوتی۔ میں پردے میں سے اسے جھانک ہی رہا تھا کہ اس نے نظر اٹھائی اور مجھے دروانہ پر کھڑا دیکھ کر اپنی لونڈی سے کہا دیکھ دروازے پر کون ہے؟

لونڈی اٹھ کر میرے پاس آئی اور کہنے لگی' اے بوڑھے تجھے شرم نہیں آتی؟ بڑھاپا اور عیب! میں نے کہا کہ بڑھاپے کو تو میں جانتا ہوں جہاں تک عیب کا سوال ہے تو

میرے خیال میں عیب کی تو کوئی بات میں نے کی نہیں۔ اس پر لونڈی کی مالکہ بولی اس سے بڑھ کر اور کون سا عیب ہو سکتا ہے کہ اپنا گھر چھوڑ کر دوسروں کے گھر میں گھستا چلا آتا ہے اور اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسرے شخص کی بیوی پر نظر ڈالتا ہے۔ میں نے کہا کہ اے میری آقا میں اس میں معذور ہوں۔ اس نے پوچھا تو کس طرح معذور ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں پردیسی ہوں اور مجھے اتنی پیاس لگی ہے کہ میں مارے پیاس کے' مرا جا رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ تیرا عذر مجھے قبول ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

تین سو انتیس ویں رات

جب تین سو انتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی بولی تیرا عذر معقول ہے اور اس نے اپنی لونڈی کو بلا کر کہا اے لطف سونے کے کوزے سے پانی پلا۔ لونڈی ایک سونے کا کوزہ لے آئی جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ پانی میں مشک کی لپٹ آ رہی تھی اور کوزہ سبز ریشم کے رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔
اب میں پانی پینے لگا تو ٹھہر ٹھہر کر گھونٹ گھونٹ اور کن انکھیوں سے اس لڑکی کی طرف دیکھتا جاتا۔ دیر کے بعد میں نے کوزہ لونڈی کو واپس دے دیا مگر اٹھا نہیں۔ لڑکی نے کہا کہ بڈھے اب اپنا راستہ لے۔ میں نے کہا اے میری آقا میں کچھ سوچ رہا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ تو کیا سوچ رہا ہے؟ میں بولا زمانے کا ہیر پھیر اور حادثوں کا پیش آنا۔ اس نے کہا کہ تیرا کہنا سچ ہے۔ واقعی زمانہ عجیب عجیب باتیں کرتا ہے۔ لیکن تو نے زمانے کی کون سی ایسی بات دیکھی کہ سوچ میں پڑ گیا؟ میں نے کہا کہ مجھے اس گھر کے مالک کی یاد آ رہی ہے' جب وہ زندہ تھا تو میرا دوست تھا۔ اس نے پوچھا اس کا نام کیا تھا؟ میں نے کہا کہ محمد بن علی جوہری اور وہ بڑا مالدار تھا۔ معلوم نہیں کہ اس نے کوئی اولاد بھی چھوڑی۔ اس نے کہا کہ ہاں چھوڑی ہے۔ ایک بیٹی بدور اور جسے اس کی ساری دولت ورثے میں ملی ہے۔ میں نے کہا شاید تو ہی اس کی بیٹی ہے۔ اس نے کہا ہاں اور مسکرا دی۔
اس کے بعد اس نے کہا کہ بڈھے تو بہت باتیں کر چکا' اب چلتا ہو۔ میں نے کہا کہ جاؤں گا تو سہی لیکن میں یہ دیکھتا ہوں کہ تیری صورت اتری ہوئی ہے۔ اپنا حال بتا شاید خدا میرے ہاتھ سے تجھے خوشی عطا کرے۔ اس نے کہا' اے بڈھے اگر تو بھید رکھ سکتا ہے تو میں اپنا بھید تجھ پر ظاہر کروں گی یہ بتا تو ہے کون؟ میں سمجھوں تو کہ راز داری کے قابل ہے بھی یا نہیں؟ میں نے کہا کہ اے میری آقا اگر تو جاننا چاہتی

ہے میں کون ہوں تو سن میرا نام علی بن منصور خلیعی دمشقی ہے اور میں امیر المومنین ہارون الرشید کا ندیم ہوں۔
میرا نام سنتے ہی وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے مجھے سلام کیا اور کہا کہ ابن منصور خوش آمدید! اب میں تجھ پر اپنا حال بیان کروں گی اور تجھے اپنے راز کا امانت دار بناؤں گی۔ سن' میں عاشق ہوں مگر جدائی میں مبتلا۔ میں نے اس سے کہا کہ اے میری آقا تو حسین ہے' تیرا معشوق بھی حسین ہو گا۔ آخر وہ کون شخص ہے جس پر تو عاشق ہے؟ اس نے جواب دیا میں جبیر بن عمیر شیبانی پر عاشق ہوں جو بنو شیبان کا سردار ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک جوان کا حلیہ بیان کیا جس سے زیادہ خوبصورت بصرے میں تو ہو گا نہیں۔ میں نے کہا کہ اے میری آقا تمہارے درمیان ملاقات یا خط و کتابت ہوئی ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں لیکن اس کا عشق محض زبانی تھا دل سے نہیں کیونکہ اس نے نہ اپنا وعدہ پورا کیا اور نہ عہد و پیمان پر قائم رہا۔
میں نے کہا' اے میری آقا تم میں جدائی کس طرح ہوئی؟ اس نے کہا کہ جدائی کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن میں بیٹھی ہوئی تھی اور یہی لونڈی میرے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ کنگھی کرنے کے بعد اس نے میری چوٹی گوندھی۔ میرا حسن اسے بھلا معلوم ہوا' اس نے جھک کر میرے رخسار کو بوسہ دیا۔ ہمیں اس کا علم نہ تھا کہ وہ آنے والا ہے' وہ آ گیا اور اس نے دیکھا کہ لونڈی میرا رخسار چوم رہی ہے' وہ فوراً ناراض ہو کر الٹے پاؤں لوٹ گیا اور اس نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ وہ پھر کبھی مجھ سے نہ ملے گا۔ اس دن سے آج تک وہ میرے پاس نہیں پھٹکا اور اے ابن منصور نہ اس نے خط لکھا نہ میرے خط کا جواب دیا۔ میں نے کہا پھر تو کیا چاہتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تجھے اس کے پاس ایک خط دے کر بھیجنا چاہتی ہوں اگر تو جواب لے آئے تو میں تجھے پانچ سو دینار دوں گی اور اگر بغیر جواب کے لوٹے تو تیرے آنے جانے کا خرچ ایک سو دینار۔
میں نے کہا جیسی تیری مرضی۔ اس نے کہا بسر چشم۔ اس نے لونڈی سے دوات کاغذ

منگوایا۔ خط لکھا اور مہر لگا کر مجھے دے دیا۔ میں خط لے کر جبیر بن عمیر شیبانی کے گھر پہنچا۔ معلوم ہوا کہ وہ شکار پر گیا ہوا ہے۔ بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا میں بیٹھا ہی ہوا تھا کہ وہ شکار سے لوٹا۔ اے امیر المومنین جب میں نے اسے گھوڑے پر سوار دیکھا تو اس کے حسن وجمال کو دیکھ کر میری عقل دنگ ہوئی۔ اس نے نظر اٹھائی تو مجھے گلے سے لگا کر سلام کیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا میں نے ساری دنیا و مافیہا کو گلے لگا لیا۔ اس کے بعد وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر مکان کے اندر گیا۔ اپنے فرش پر بٹھایا اور کھانے کی میز منگوائی۔ وہ خراسانی خولنج کی بنی ہوئی تھی اور اس کے پائے سونے کے۔ اس پر ہر قسم کے کھانے' طرح طرح کے تلے ہوئے اور بھنے ہوئے گوشت لگائے گئے اور اسی طرح کی دوسری چیزیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو تیرہ ویں رات

جب تین سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب علی بن منصور جبیر بن عمیر شیبانی کے دستر خوان پر بیٹھا تو جبیر نے کہا' ہمارے کھانے کی طف اپنا ہاتھ بڑھا اور اسے کھا کر ہمارا دل خوش کر۔ علی بن منصور کا بیان ہے کہ میں نے کہا' خدا کی قسم جب تک تو میری حاجت پوری نہ کر دے گا' میں تیرے کھانے میں سے ایک نوالہ بھی نہ اٹھاؤں گا۔ اس نے کہا کہ تیری حاجت کیا ہے؟ میں نے وہ خط نکال کر اسے دیا۔ اس نے اسے پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا تو اسے پھاڑ کر زمین پر پھینک دیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ اے ابن منصورا میں تیری تمام حاجتیں پوری کرنے کے لئے تیار ہوں سوائے اس حاجت کے' جو اس پر خط کے لکھنے والی سے تعلق رکھتی ہے' اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ میں نے یہ سنا تو ناراض ہو کر اس کے پاس سے اٹھنے لگا۔ اس نے میرا دامن پکڑ لیا اور کہا اے ابن منصور اگرچہ میں تم دونوں کے پاس موجود نہ تھا لیکن اگر تو چاہے تو میں بتا دوں کہ اس نے تجھ سے کیا کہا ہے؟ میں نے کہا بتا' اس نے مجھ سے کیا کہا ہے؟ وہ بولا کیا اس نے تجھ سے یہ نہیں کہا کہ اگر تو اس کا جواب لائے گا تو تجھے پانچ سو دینار دوں گی اور اگر نہ لائے گا تو تیرے آنے جانے کا خرچ سو دینار؟ میں نے کہا ہاں۔
اس نے کہا آج میرے ساتھ رہ جا۔ کھاپی' چین کر' خوش ہو اور پانچ سو دینار لے۔
میں اس کے پاس بیٹھ گیا اور میں نے کھایا پیا اور مزے اڑائے اور خوش ہوا اور باتیں چیتیں کیں۔ پھر میں نے پوچھا تیرے ہاں کیا گانے بجانے کا کوئی انتظام نہیں ہے؟
اس نے جواب دیا کہ ایک مدت سے میں بغیر گانے بجانے ہی کے شراب پیتا ہوں۔
یہ کہہ کر اس نے اپنی ایک کنیز کو اے شجرہ الدر کہہ کر آواز دی۔ کنیز اپنی حرم سرا میں سے نکل کر آئی۔ اس کے پاس ہندوستان کی بنی ہوئی ایک سارنگی ریشم کے

غلاف کے اندر تھی۔ وہ آ کر بیٹھ گئی اور سارنگی کو اپنی گود میں رکھ کر ایک طرح کے راگ بجائے۔

جب کنیز بجا چکی تو اس کے مالک نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ کنیز نے کہا اے بوڑھے خدا تجھ سے اس کا مواخذہ نہ کرے! آقا کی اس بے ہوشی کے ڈر سے' ہم ایک مدت گزری کہ بغیر گانے بجانے کے' شراب پیا کرتے ہیں۔ خیر اب تو اس کمرے میں جا اور سو جا۔ میں اس کمرے کی طرف چل دیا جو اس نے بتایا تھا اور وہاں جا کر سو گیا۔ صبح ہوئی تو ایک غلام ایک تھیلی لے کر آیا جس میں پانچ سو دینار تھے اور کہنے لگا۔ یہ وہ ہے جس کا وعدہ میرے آقا نے تجھ سے کیا تھا لیکن اس لڑکی کے پاس لوٹ کر نہ جائیو جس نے تجھے بھیجا ہے۔ گویا نہ تجھے اس بات کی خبر ہے نہ ہمیں۔ میں نے بسر و چشم کہا اور تھیلی لے کر چلتا ہوا۔ چلتے چلتے اپنے دل میں کہنے لگا کہ لڑکی کل سے میرے انتظار میں ہو گی۔ واللہ میں ضرور اس کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کروں گا جو میرے اور جبیر کے درمیان میں پیش آیا ہے۔ اگر میں اس کے پاس نہ گیا تو وہ مجھے اور میرے ہم وطنوں کو برا بھلا کہے گی۔ یہ سوچ کر میں اس کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ وہ دروازے کے پیچھے کھڑی ہے جونہی اس کی نظر مجھ پر پڑی کہنے لگی۔ اے ابن منصور تو نے میری حاجت پوری نہ کی۔ میں نے کہا تجھے کیونکر معلوم ہوا؟ وہ بولی اے ابن منصور مجھے اور باتیں بھی معلوم ہو چکی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جب تو نے اسے خط دیا تو اس نے پھاڑ کر پھینک دیا اور تجھ سے کہا کہ ابن منصور سوائے اس خط لکھنے والی کی حاجت کے میں اور تیری تمام حاجتیں پوری کروں گا۔ صرف اس کے خط کا جواب میرے پاس نہیں۔ جب تو ناراض ہو کر اس کے پاس سے اٹھنے لگا تو اس نے تیرا دامن پکڑ لیا اور تجھ سے کہا کہ اے ابن منصور' آج تو میرے ہاں ٹھہر' تو میرا مہمان ہے۔ کھا پی مزے اڑا خوش ہو اور پانچ سو دینار لے۔ لہٰذا تو اس کے پاس ٹھہر گیا۔ کھایا پیا' مزے اڑائے' خوش ہوا۔ باتیں چیتیں کیں اور کنیز نے فلاں راگ بجایا۔ وہ غش کھا کر گر پڑا۔

اے امیر المومنین میں نے اس سے پوچھا کہ تو بھی وہاں موجود تھی؟ اس نے کہا اے ابن منصور کیا تو نے شاعر کا یہ قول نہیں سنا ہے؟ عاشقوں کے دلوں میں آنکھیں ہوتی ہیں جن سے وہ چیزوں کو دیکھ لیتے ہیں جو اوروں کو دکھائی نہیں دیتیں لیکن اے ابن منصور کوئی ایسی چیز کر جو اس پر زمانہ گزرے اور وہ بدلے نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• تین سو اکتیس ویں رات

جب تین سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... لڑکی نے کہا' اے ابن منصور یہ ممکن نہیں کہ زمانہ ایک چیز پر گزرے اور وہ متغیر نہ ہو۔ پھر اس نے آسمان کی طرف اپنی نظر اٹھائی اور کہنے لگی' اے میرے خدا' میرے مالک' میرے مولی جس طرح تو نے جبیر بن عمیر کی محبت میں مجھے گرفتار کیا ہے' اسے بھی میری محبت میں گرفتار کر دے۔ یہ محبت میرے دل سے اس کے دل میں منتقل ہو جائے! بعدا ازاں اس نے مجھے سو دینار راہ خرچ کے دیئے اور میں انہیں لے کر بصرے کے حاکم کے پاس پہنچا دیکھا کہ وہ شکار سے لوٹ آیا ہے۔ میں نے اس سے اپنا حق لیا اور بغداد واپس آ گیا۔

دوسرے سال میں اپنا حق لینے پھر بصرے گیا' حاکم نے میرا حق مجھے دیا۔ میں بغداد واپس ہونے لگا تو مجھے بدور کا خیال آ گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ دیکھوں تو سہی کہ اس کے اور اس کے دوست کے درمیان کیا ماجرا پیش آیا۔ میں اس کے گھر پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ مکان کے آگے جھاڑو دی گئی ہے چھڑکاؤ کیا گیا ہے نوکر چاکر اور غلام کھڑے ہیں۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ غالبا رنج کی وجہ سے اس کا دل ٹوٹ گیا اور وہ مر گئی ہے اور اس کے مکان میں کوئی امیر رہنے آیا ہے چنانچہ میں اسے چھوڑ کر جبیر بن عثمانی شیبانی کے گھر پہنچا دیکھا اس کے چبوترے ٹوٹے پڑے ہیں پہلے کی طرح وہاں نہ کوئی غلام ہے نہ عیش کا سامان۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ شاید وہ بھی مر گیا اور اس کے دروازے پر کھڑا ہو کر آنسو بہانے لگا۔

اے امیر المومنین' میں گریہ وزاری کر ہی رہا تھا کہ ایک حبشی غلام مکان سے نکل کر میرے پاس ایا اور کہنے لگا کہ اے بوڑھے تیرا ستیاناس ہو! تو کیوں اس مکان پر گریہ وزاری کر رہا ہے؟ میں نے جواب دیا' میں اس مکان میں اپنے ایک دوست سے

ملنے ایا کرتا تھا۔ اس نے پوچھا اس کا نام کیا تھا؟ میں نے کہا کہ جبیر بن عمیر شیبانی۔ وہ بولا اس پر کیا گزری ہے؟ خدا کے فضل سے وہ ایسا ہی امیر اور دولت مند ہے لیکن خدا نے اسے ایک لڑکی کی محبت میں گرفتار کر رکھا ہے جس کا نام بدور ہے وہ اس کے عشق میں سرتاپا ڈوبا ہوا ہے۔ محبت کے مارے وہ اس طرح پڑا رہتا ہے جیسے پتھر۔ اگر اسے بھوک لگتی ہے تو وہ نہیں کہتا کہ مجھے کھانا کھلاؤ۔ اگر پیاس لگتی ہے تو پانی نہیں مانگتا۔ میں نے کہا کہ اس سے میرے لئے اجازت لے آ کہ میں مل سکوں۔ اس نے کہا تو ایسے شخص سے ملنا چاہتا ہے جو تیری بات سمجھے یا اس سے' جو نہ سمجھے؟ میں نے کہا کہ جو کچھ بھی ہو میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ غلام اجازت لینے کے لئے اندر گیا اور اجازت لے آیا۔ میں اندر گیا تو دیکھا کہ وہ پتھر کی طرح پڑا ہوا ہے۔ نہ اشارہ سمجھتا ہے نہ کوئی بات۔ جب میں اس سے کچھ کہتا.... تو وہ میرا منہ دیکھنے لگتا۔ ایک خادم نے مجھ سے کہا کہ اے میرے آقا اگر تجھے کوئی شعر یاد ہو تو اس کے سامنے پڑھ اور اونچی آواز سے سنا۔ اسے سن کر وہ بیدار ہو جائے گا اور تجھ سے باتیں کرے گا۔ میں نے کچھ اشعار پڑھے تو اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور مجھ سے کہا کہ اے ابن منصور خوش آمدید! مذاق سنجیدہ ہو گیا۔ میں نے کہا کہ اے میرے آقا میں تیرے کس کام آ سکتا ہوں؟ اس نے جواب دیا' ہاں میں چاہتا ہوں کہ تیرے ہاتھ اس کے پاس خط بھیجوں اگر تو جواب لے آیا تو میں تجھے ایک ہزار دینار دوں گا اور اگر بغیر جواب کے لوٹا تو تیرا راہ خرچ سو دینار۔ میں نے کہا کہ تیری مرضی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو بتیسویں رات

جب تین سو بتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابن منصور کا بیان ہے کہ میں نے کہا جو تیری مرضی۔ جبیر نے ایک کنیز کو بلا کر دوات' قلم اور کاغذ منگایا' وہ لے آئی تو اس نے خط لکھ کر اس پر مہر لگائی اور مجھے دے دیا۔ میں اسے لے کر بدور کے گھر گیا اور پہلے دن کی طرح پردہ تھوڑا اٹھایا۔ دیکھا کہ دس ابھرے ہوئے سینے والی کنواری لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں اور بدور ان کے درمیان ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے ستاروں کے بیچ میں چودہویں رات کا چاند یا سورج جو بادلوں کے پیچھے سے نکلا ہو۔ اس کے چہرے پر نہ غم ہے نہ الم۔ میں اس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا اور اس کی حالت پر حیران تھا کہ اس نے میری طرف نظر اٹھائی اور دیکھا کہ میں دروازے پر کھڑا ہوں۔ کہنے لگی: اھلاً و سھلاً مرحبا' اندر آ۔ میں نے اندر جا کر اسے سلام کیا اور خط دیا۔ اس نے پڑھا اور مطلب سمجھا تو ہنسنے لگی اور کہا اے ابن منصور میں ابھی جواب لکھتی ہوں تا کہ جس چیز کا اس نے تجھ سے وعدہ کیا ہے' تجھے دے۔ میں نے کہا خدا تجھے نیک بدلہ دے!

اس نے ایک لونڈی کو آواز دے کر کہا لکھنے کا سامان لا۔ لونڈی قلم دوات اور کاغذ لے آئی تو اس نے خط لکھا۔ میں نے کہا' اے میری آقا واللہ اس کے اور موت کے درمیان اسی خط کی کسر ہے۔ یہ کہہ کر میں نے اسے پھاڑ ڈالا اور کہا دوسرا خط لکھ۔ وہ بولی سر آنکھوں سے اور دوسرا خط لکھا۔ میں نے کہا کہ اے میری آقا واللہ اس کے پڑھتے ہی اس کی روح جسم سے نکل جائے گی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اے ابن منصور کیا واقعی محبت اس درجہ بڑھی ہوئی ہے جو تو اس طرح کہتا ہے؟ میں نے کہا اگر میں اس سے بھی زیادہ کہوں تو وہ درست ہو گا لیکن بڑے لوگ معاف کر دیا

کرتے ہیں۔ جب اس نے میری باتیں سنیں تو اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں اور اس نے ایک ایسا خط لکھا کہ اے امیر المومنین تیرے منشیوں میں کوئی شخص ویسا نہیں لکھ سکتا۔

جب وہ لکھ چکی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• تین سو تینتیسویں رات

تین سو تینتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بدور نے خط لکھ کر اس پر مہر لگا کر مجھے دے دیا۔ میں نے کہا کہ اے میری آقا یہ خط بیمار کی دوا اور محبت کے مارے ہوئے کی شفا ہے اور میں خط لے کر چل دیا۔ جب چلا ہی تھا کہ اس نے مجھے پھر بلایا اور کہا کہ اس سے کہیو کہ میں آج تیری مہمان ہوں گی۔ میں بہت خوش ہوا اور خط لے کر جبیر بن عمیر کے پاس روانہ ہو گیا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کی آنکھیں جواب کے انتظار میں دروازے سے لگی ہوئی ہیں۔ میں نے اسے خط دیا۔ اس نے کھولا' پڑھا اور اس کا مفہوم سمجھا ار ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش آیا تو بولا' اے منصور کیا اس نے یہ اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ اور اسے اپنی انگلیوں سے چھوا ہے؟ میں نے کہا' اے میرے آقا کیا لوگ اپنے پاؤں سے لکھا کرتے ہیں!

اے امیر المومنین' واللہ ابھی ہم یہ باتیں ختم بھی نہ کرنے پائے تھے کہ ہمیں دہلیز میں اس کے جھانجنوں کی آواز سنائی دی۔ وہ آ گئی تھی۔ اسے دیکھ کر جبیر کھڑا ہو گیا گویا کہ اسے کبھی کوئی رنج نہ ہوا تھا اور اس طرح اس کو لپٹا لیا جیسے لام الف کو۔ اس کی بیماری جو ٹلتی نظر نہ آتی تھی' فوراً دور ہو گئی۔ اس کے بعد وہ بیٹھ گیا مگر لڑکی نہ بیٹھی۔ میں نے کہا اے میری آقا تو کیوں نہیں بیٹھتی؟ اس نے جواب دیا اے ابن منصور بغیر اس شرط کے جو ہمارے درمیان میں ہے میں نہیں بیٹھ سکتی۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا شرط ہے؟ وہ بولی عاشقوں کے بھید سے کوئی دوسرا واقف نہیں ہوتا۔ یہ کہہ کر وہ اپنا منہ اس کے کان پر کے پاس لے گئی اور چپکے چپکے کچھ کہا اور اس نے جواب دیا کہ بسر و چشم۔ پھر جبیر نے اٹھ کر اپنے غلام کے کان میں کچھ کہا۔ غلام چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد قاضی اور دو گواہوں کو لے کر واپس آیا۔

جبیر اٹھ کر ایک لاکھ دینار کا ایک توڑا لے آیا اور قاضی سے کہنے لگا میرا نکاح اس لڑکی سے پڑھا دے اور یہ اس کا مہر ہے۔ قاضی نے لڑکی سے کہا کہ تجھے منظور ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے منظور ہے اور نکاح ہو گیا۔

اب لڑکی نے تھیلی کھول کر اس میں سے مٹھی بھر اشرفیاں نکالیں اور قاضی اور گواہوں کو دے دیں۔ باقی تھیلی اسے واپس کر دی۔ قاضی اور گواہ چلتے ہوئے۔ میں اور وہ دونوں بیٹھ کر خوشیاں منانے لگے یہاں تک کہ رات کا بڑا حصہ گزر گیا۔ اب میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ وہ دونوں عاشق ہیں اور مدت تک ایک دوسرے سے جدا رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ میں فوراً اٹھ کر ان سے دور کسی جگہ جا کر سو رہوں اور انہیں اکیلا چھوڑ دوں۔ اس خیال سے میں اٹھا مگر اس نے میرا دامن پکڑ لیا اور کہنے لگی کہ اس وقت تیرے دل میں کیا خیال گزرا ہے؟ میں نے کہا محض فلاں خیال۔ اس نے کہا بیٹھ۔ جب ہم چاہیں گے تو چلا جائے تو ہم خود تجھے چلتا کر دیں گے۔ میں ان کے ساتھ صبح کے قریب تک بیٹھا رہا۔ جب صبح ہونے کو آئی تو لڑکی نے کہا کہ اے ابن منصور اس کمرے میں چلا جا کیونکہ ہم نے تیرے لئے فرش بچھوا دیا ہے اور وہ تیرا سونے کا کمرہ ہے۔ میں جا کر اس میں سو گیا۔

علی الصباح ایک غلام تشت اور لوٹا لایا۔ میں نے وضو کر کے صبح نماز پڑھی اور بیٹھ گیا۔ بیٹھا ہی تھا کہ جبیر اور اس کی محبوبہ حمام سے نکلے جو مکان کے اندر تھا۔ اور اپنے بال نچوڑنے لگے۔ میں نے ان سے صباح بخیر کہا اور ان کی سلامتی اور ایک دوسرے سے ملنے پر مبارکباد دی اور جبیر سے کہا کہ جو چیز شرط سے شروع ہوتی ہے' رضا مندی پر ختم ہوتی ہے۔ وہ بولا تو سچ کہتا ہے اور تو انعام و اکرام کا مستحق ہو چکا ہے۔

اس کے بعد اس نے اپنے خانگی خزانچی کو آواز دی اور اس سے کہا کہ تین ہزار دینار لے آ۔ وہ تین ہزار دینار کا ایک اور توڑا لے آیا۔ جبیر نے مجھ سے کہا کہ انہیں قبول کر کے مجھ پر احسان کر۔ میں نے کہا میں اس وقت تک قبول نہ کروں گا جب تک کہ تو یہ نہ بتائے کہ عشق اس سے منتقل ہو کر تیرے دل میں کس طرح آ

گیا۔ تو تو اس سے دور بھاگتا تھا۔ اس نے کہا' سن ہمارے ہاں ایک میلہ ہوتا ہے جس کا نام نو روز کا میلہ ہے۔ اس روز لوگ کشتیوں میں سوار ہو کر سمندر کی سیر کرتے ہیں۔ میں بھی اس روز اپنے ساتھیوں کے ساتھ سیر کرنے نکلا۔ میں نے دیکھا کہ ایک کشتی میں دس کنیزیں سوار ہیں جو چاند کی طرح ہیں اور شریف زادی بدور ان کے ساتھ ہے۔ سارنگی اس کے پاس ہے۔ اس نے اس پر گیارہ مختلف راگ بجائے۔ میں نے کہا کہ پھر بجا لیکن وہ نہ مانی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو چونتیس ویں رات

جب تین سو چونتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جبیر کا بیان ہے کہ میں نے لڑکی سے کہا کہ دوبارہ بجا لا لیکن اس نے نہ مانا۔ میں نے ملاحوں سے کہہ کر اس کی طرف اتنی نارنگیاں پھنکوائیں کہ میں ڈرنے لگا کہ کہیں کشتی ڈوب نہ جائے جس میں وہ بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد وہ چلتی ہوئی۔ بس اسی دن سے محبت اس کے دل سے منتقل ہو کر میرے دل میں آ گئی۔ میں نے انہیں ایک دوسرے سے ملنے پر مبارک باد دی اور اس توڑے کو لیکر بغداد چلا آیا۔ یہ کہانی سن کر خلیفہ خوش ہو گیا اور اس کی بیداری اور دل کی تنگی جاتی رہی۔

○ ایک یمنی اور اس کی چھ کنیزوں کی کہانی

سننے میں آیا ہے کہ ایک روز امیر المومنین مامون اپنے محل میں بیٹھا تھا' امراء' روساء' شعراء' اور ندما حاضر تھے۔ اس کے ندیموں میں ایک ندیم محمد بصری تھا۔ مامون نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے محمد! میں چاہتا ہوں کہ تو اس وقت کوئی ایسی چیز سنائے جو میں نے کبھی نہ سنی ہو۔ اس نے عرض کیا! امیر المومنین تو چاہتا ہے کہ میں سنی سنائی کوئی کہانی کہوں یا آپ بیتی؟ مامون نے کہا کہ دونوں میں سے جو زیادہ عجیب ہو' وہ سنا۔ اس نے کہا امیر المومنین سن! اگلے زمانے میں ایک بڑا امیر شخص تھا' یمن کا رہنے والا۔ وہ ایک بار جو یمن سے بغداد آیا تو یہاں کی ماند و بود اسے کچھ ایسی اچھی معلوم ہوئی کہ اپنے بیوی بچوں اور مال و دولت کو لے کر مستقل طور پر یہاں آ رہا۔ اس کے پاس چاند سی چھ کنیزیں تھیں۔ ایک گوری' دوسری گندمی' تیسری موٹی' چوتھی دبلی' پانچویں زرد اور چھٹی کالی۔ وہ سب خوبصورت تھیں۔ خوب پڑھی لکھی اور

گانے بجانے میں استاد۔ ایک دن اس نے ان کنیزوں کو بلایا' کھانا اور شراب منگوائی۔ سب کو اپنے پاس بٹھا کر کھلایا پلایا۔ جب وہ کھا پی کر مزے میں آگئیں تو اس نے ایک جام بھر کر اپنے ہاتھ میں لیا اور گوری کنیز کی طرف اشارہ کر کے کہا' اے چاند سے مکھڑے والی کوئی مزے دار گانا سنا۔ کنیز نے سارنگی لے کر اس کا ٹھاٹ ملایا اور اس خوبی سے بجایا کہ مکان ناچنے لگا۔ ان کے آقا نے خوشی میں آ کر وہ جام پی لیا اور کنیزوں کو بھی پلائے۔ پھر اس نے دوسرا جام بھر کر گندمی کنیز کی طرف اشارہ کیا اے انگیٹھی کی روشنی اور مہکتے ہوئے سانس والی اپنی پیاری آواز سنا جسے لوگ سن سن کر محو ہو جاتے ہیں۔ اس نے سارنگی کے کئی راگ بجائے اور اس کے نغموں سے مکان گونج اٹھا۔ اس نے اپنے انداز سے دلوں کو فریفتہ کر لیا۔

آقا نے مسرور ہو کر جام پی لیا اور کنیزوں کو بھی دیئے۔ اس کے بعد تیسرا جام بھر کر اس نے اپنے ہاتھ میں لیا اور موٹی کنیز کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ گا کوئی دوسرا راگ بجا۔ اس نے سارنگی لے کر ایسا زمزمہ چھیڑا کہ جس سے تمام حسرتیں دور ہو جائیں۔ ان کا مالک خوش ہو گیا اور جام لے کر کنیزوں کو پلایا اور پھر جام بھر کر اس نے اپنے ہاتھ میں لیا اور دبلی کنیز کی طرف اشارہ کیا اور کہا' اے جنت کی حور میٹھی میٹھی چیزیں سنا۔ اس نے سارنگی لے کر اس کے تار ملائے اور مختلف راگ گانے بجانے لگی۔ آقا کو بڑی فرحت ہوئی اور جام چڑھا گیا۔ پھر اس نے ایک جام بھر کر اپنے ہاتھ میں لیا اور زرد رو کنیز کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ اے دن کے سورج! عمدہ اشعار سنا' اس نے سارنگی لے کر بہترین راگ بجائے' مالک خوش ہو گیا۔ خود پی اور کنیزوں کو پلائی۔ اب ایک اور جام بھر کر اپنے ہاتھ میں لیا اور کالی کنیز کی طرف اشارہ کر کے کہا' اے آنکھ کی پتلی تو بھی کچھ سنا' خواہ دو ہی بول کیوں نہ ہوں۔ اس نے سارنگی لے کر اسے ٹھیک کیا اور طرح طرح کے راگ بجانے شروع کیے۔

گانے بجانے سے فارغ ہو کر کنیزوں نے اپنے آقا کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور کہا'

اے آقا ہمارے درمیان فیصلہ کر۔ آقا نے ان کے حسن و جمال اور مختلف رنگوں کو دیکھا' خدا کی حمد و ثنا کی اور ان سے کہنے لگا کہ تم میں سے کوئی ایسی نہیں جس نے قرآن نہ پڑھا ہو' راگ نہ سیکھے ہوں اور جو پرانے لوگوں کی تاریخ اور گزشتہ قوموں کے حالات سے واقف نہ ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک باری باری اٹھے اور اپنی سوکن کی طرف اشارے کرے۔ مثلاً گوری' گندمی کی طرف اور موٹی' دبلی کی طرف اور زرد' کالی کی طرف اور اپنی تعریف اور اپنی سوکن کی مذمت بیان کرے۔ اس کے بعد وہ سوکنیں بھی ایسا ہی کریں لیکن قرآن اور تاریخ اور اشعار سے دلیل پیش کی جائے تا کہ میں تمہاری لیاقت اور شیریں بیانی کو دیکھوں۔ وہ بولیں جو آقا کا حکم۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتے دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو پینتیس ویں رات

جب تین سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ یمنی سے اس کی کنیزوں نے کہا کہ جو آقا کا حکم اور ان میں سے پہلے گوری اٹھی اور کالی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی اے کالی حیف ہو تجھ پر۔ وارد ہوا ہے کہ سفیدی نے کہا میں چمکتا ہوا نور ہوں' میں نکلتا ہوا چاند ہوں' میرا رنگ کھلا ہوا ہے' میری پیشانی چمکتی ہوئی.... میرے حسن پر شاعروں نے نظمیں کی نظمیں کہہ ڈالی ہیں میرا رنگ تندرست دن' چنے ہوئے پھولوں اور چمکتے ہوئے تاروں کی طرح ہے۔ خدا نے اپنی بزرگ کتاب میں موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنے ہاتھ کو گریبان میں ڈال کر نکال اور وہ سفید ہو جائے گا مگر کسی بیماری سے نہیں۔ اور خدا نے یہ بھی کہا ہے کہ جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے' ان کے رہنے کی جگہ خدا کی رحمت ہے۔ لہٰذا میرا رنگ ایک چمکدار چیز ہے۔ میرے حسن و جمال کا کیا کہنا۔ میرے رنگ کے لوگوں پر لباس بھلا معلوم ہوتا ہے' دل مائل ہوتے ہیں اور سفیدی میں اور بھی خوبیاں ہیں۔ منجملہ ان کے یہ کہ برف جو آسمان سے گرتی ہے سفید ہوتی ہے۔ وارد ہوا کہ بہترین رنگ سفید ہے۔ مسلمان سفید پگڑیوں پر فخر کرتے ہیں۔ اگر میں اس کی ساری تعریفیں بیان کروں تو بہت لمبا چوڑا ہو جائے گا۔ کم اور کافی چیز اس سے بہتر ہے جو زیادہ اور بے سود ہو اور لے اب میں تیری برائی کرتی ہوں۔ اے کالی اور روشنائی کے رنگ والی تو لوہار کی خاک کے مانند اور کوے کے چہرے کی طرح ہے جو دوستوں میں جدائی ڈالتا ہے۔ شاعروں نے سفیدی کی تعریف اور سیاہی کی مذمت کی ہے۔

تاریخ میں ہے کہ نوح علیہ السلام ایک رات سو رہے تھے ان کے دونوں بیٹے سام اور حام ان کے پاس بیٹھے تھے کہ ہوا چلی' ان کے کپڑے اٹھ گئے اور جسم کا پوشیدہ حصہ کھل گیا۔ حام اسے دیکھ کر ہنسنے لگا اور ڈھانکا نہیں لیکن سام نے اٹھ کر ڈھانک

دیا۔ اتنے میں ان کے باپ کی آنکھ کھل گئی چونکہ دونوں بیٹوں کا حال انہیں معلوم ہو چکا تھا' انہوں نے سام کو دعا اور حام کو بد دعا دی۔ سام کا چہرہ سفید ہو گیا اور تمام انبیاء اور خلیفہ اور بادشاہ اسی کی اولاد ہیں۔ لوگ اس پر متفق ہیں کہ حبشیوں میں عقل کم ہوتی ہے اور وہ ضرب المثل ہے کہ حبشی عقل مند کس طرح ہو سکتا ہے!

اس کے آقا نے کہا کہ بس بیٹھ جا۔ اس قدر کافی ہے بلکہ تو نے بہت زیادہ بیان کیا۔

پھر اس نے کالی کنیز کی طرف اشارہ کیا' وہ اٹھی اور گوری کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی تجھے معلوم نہیں کہ قرآن میں آیا ہے کہ "قسم ہے رات کی جب وہ تاریک ہو اور دن کی جب وہ خوب روشن ہو۔" اگر رات میں دن سے زیادہ بڑائی نہ ہوتی تو خدا اس کی قسم دن سے پہلے نہ کھاتا' سمجھ دار اور دانش مند لوگ اس سے اتفاق نہ کرتے۔ تجھے معلوم نہیں کہ سیاہی جوانی کی زینت ہے۔ سر سفید ہو جاتا ہے تو لذتیں جاتی رہتیں ہیں اور آدمی موت کے دن گننے لگتا ہے۔ اگر سیاہی کا درجہ سب سے بڑا نہ ہوتا تو خدا اسے دل اور پتلی میں جگہ نہ دیتا۔ اور یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ دوستوں کی صحبت رات میں بھلی معلوم ہوتی ہے۔ محض اس بڑائی اور فائدے کا ذکر تیرے لئے کافی ہونا چاہیے کیونکہ رات کی تاریکی کی طرح اور کوئی چیز دوست و احباب کو چغل خوروں' ملامت کرنے والوں سے نہیں بچاتی اور دن کی سفیدی سے زیادہ کوئی چیز انہیں رسوا نہیں کرتی۔ دیکھ رات کی تاریکی میں کتنی خوبیاں ہیں! اگر میں سیاہی کی تعریف بیان کرتی چلی جاؤں تو اس کی تفصیل بہت لمبی چوڑی ہو جائے گی لیکن جو بات تھوڑی ہو اور کافی' وہ اس سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور بیکار۔

اے گوری تیرا رنگ کوڑھ کا رنگ ہے' تیرے وصال سے مرد کا دم گھٹتا ہے اور وارد ہوا ہے کہ سردی اور ٹھنڈک جہنم میں نا فرمانوں کے عذاب کے لئے ہے۔ کالوں کی فضلیت یہ بھی ہے کہ روشنائی جس سے قرآن لکھا جاتا ہے سیاہ ہے' اگر سیاہ مشک اور سیاہ عنبر نہ ہوتا تو اور کون سی خوشبوئیں بادشاہوں کے پاس لوگ لے جاتے۔ سیاہی

میں اور بہت سی خوبیاں ہیں۔ اس کے آقا نے کہا کہ بیٹھ جا جتنا تو نے کہا وہ کافی ہے۔ وہ بیٹھ گئی اور آقا نے موٹی کنیز کی طرف اشارہ کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

تین سو چھتیس ویں رات

جب تین سو چھتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ یمنی نے جو کنیزوں کا آقا تھا موٹی کنیز کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے اٹھ کر دبلی کی طرف اشارہ کیا اور اپنے پائینچے اور آستینیں چڑھا لیں۔ پیٹ کھول دیا اور یہاں تک کہ

اس کی پیٹین اور ناف کی گولائی دکھائی دینے لگی۔ اس نے ایک انگی قمیص پہن لی جس سے اس کا سارا بدن کھل گیا اور کہنے لگی شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے پیدا کیا اور خوب پیدا کیا! موٹا بنایا اور کیا خوب موٹا بنایا! گدوں کا ہم شکل بنایا اور بہت زیادہ خوبصورتی اور رونق بخشی اور اپنی بزرگ کتاب میں میرا ذکر کر کے مجھے قرب اور شرف بخشا۔ اس کا قول ہے کہ "وہ ایک موٹا بچھڑا لایا۔" خدا نے مجھے ایک ایسے باغ کی طرح بنایا ہے ہے' جس میں شفتالوں اور انار ہوں۔ شہر والے موٹی چڑیوں کو مزہ لے کر کھاتے ہیں اور دبلی چڑیوں کو پسند نہیں کرتے۔ سارے انسان موٹے گوشت کو پسند کرتے ہیں۔ موٹائی میں اور بھی بہت سی خوبیاں ہیں۔ اگر کوئی شخص قصاب کی دکان پر جاتا ہے تو موٹا ہی گوشت طلب کرتا ہے۔ حکماء کا قول ہے کہ مزہ تین چیزوں میں ہوتا ہے۔ گوشت کھانے' گوشت پر سوار ہونے اور گوشت کے اندر گوشت داخل کرنے میں۔ اے جھانکڑ تیری پنڈلیاں پدڑی کی پنڈلیوں اور تنور کی سلاخ کی طرح ہیں۔ تو ایسی ہے جیسے پھانسی کا تختہ یا دبلا گوشت اور تجھ میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے دل خوش ہو۔ اس کے آقا نے کہا کہ بیٹھ جاؤ' بس اتنا ہی کافی ہے اور وہ بیٹھ گئی۔

اس کے بعد اس نے دبلی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اٹھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بید کی چھڑی یا خیزران کی ٹہنی یا ریحان کی لکڑی ہے وہ کہنے لگی کہ شکر ہے خدا کا جس نے مجھے پیدا کیا اور خوبصورت بنایا اور میرے وصل کو انتہائی مقصد کا درجہ عطا کیا اور

مجھے ایسی ٹہنی کی طرح بنایا جس کی طرف دل مائل ہوں۔ اگر میں اٹھتی ہوں تو پھرتی سے اور بیٹھتی ہوں تو ادا سے۔ مذاق میں حاضر جواب ہوں اور خوشی کی وجہ سے دل شاد رہتی ہوں۔ میں نے یہ کبھی نہیں سنا کہ کوئی اپنی محبوبہ کی یہ تعریف کرتا ہو کہ وہ ہاتھی کی طرح ہے یا لمبے چوڑے پہاڑ کی مانند ہے بلکہ معشوق کی تعریف یہ ہے کہ اس کا قد کشیدہ اور بدن چھریرا ہو۔ تھوڑے کھانے سے میرا پیٹ بھر جاتا ہے۔ تھوڑے پانی سے میری پیاس بجھ جاتی ہے۔ میں اٹھنے بیٹھنے میں سبک ہوں اور میرا مزاج ظریف ہے۔ میں چڑیا سے زیادہ خوش مزاج ہوں اور زر زور سے زیادہ پھرتیلی ہوں۔ عاشق میرے وصال کے خواہش مند رہتے ہیں' میرا جسم نازک ہے۔ میری مسکراہٹ لوگوں کو بھاتی ہے۔ میں بید کی چھڑی یا خیزران کی لکڑی ہوں۔ حسن میں میرا کوئی نظیر نہیں۔ مجھ ہی جیسوں پر عاشق مزاج دیوانے رہتے ہیں اور مشتاق پریشان۔ اگر میرا چاہنے والا مجھے اپنی طرف کھینچتا ہے تو میں آسانی سے کھنچ جاتی ہوں اور اگر وہ مجھے اپنی طرف مائل کرنا چاہتا ہے تو میں مائل ہو جاتی ہوں' اسے دق نہیں کرتی اور تو اے موئی' ہاتھی کے جتنا کھاتی ہے' تو نہ تھوڑے سے سیر ہوتی ہے اور نہ بہت سے۔ تیرے عاشق کو تجھ سے آرام نہیں ملتا۔ کسی کروٹ اسے چین نہیں آتا۔ تیرے موٹاپے کی وجہ سے وہ تجھ سے خوش نہیں رہ سکتا' تیرے موٹاپے میں نہ خوبصورتی ہے' نہ مزہ' نہ لطف۔ موٹا گوشت سوائے ذبح کرنے کے اور کسی کام کا نہیں۔ نہ اس کی کوئی تعریف کی جا سکتی ہے۔ اگر تجھ سے کوئی مذاق کرے تو خفا ہو جاتی ہے۔ اگر کھیلے تو غمگین ہو جاتی ہے۔ اگر تو ناز و ادا سے کام لیتی ہے تو رینگتی ہے' اگر چلتی ہے تو زبان نکال دیتی ہے' اگر کھاتی ہے تو سیر نہیں ہوتی۔ تو پہاڑ سے زیادہ بھاری اور گناہ اور وبال سے زیادہ بد صورت ہے۔ تجھ میں نہ حرکت نہ برکت۔ سوا کھانے اور سونے کے تیرا اور کوئی کام نہیں۔ اگر تو پیشاب کرتی ہے تو شر شر اور اگر پاخانہ پھرتی ہے تو کوئی تیری آب دست کرائے۔ یہ انتہا درجے کی سستی ہے اور گناہوں کی ابتدا۔ قصہ مختصر تجھ میں ایک بھی خوبی نہیں۔ اس کے آقا نے کہا کہ بیٹھ جا بس اتنا کافی ہے اور

وہ بیٹھ گئی۔

بعد ازاں اس نے زرد کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اٹھی اور اس نے پہلے خدا کی حمد و ثناء کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجا اور پھر گندمی کی طرف اشارہ

کر کے کہنے لگی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو سینتیس ویں رات

تین سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ زرد رنگ والی کنیز اٹھ کھڑی ہوئی اور خدا کی حمد و ثناء کرنے کے بعد گندمی رنگ کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ میری تعریف قرآن کریم میں آئی ہے۔ خدا نے میرے رنگ کی تعریف کی ہے اور اسے باقی تمام رنگوں پر فضیلت دی ہے۔ وہ قرآن میں کہتا ہے کہ "وہ زرد ہے بہت زیادہ زرد جسے دیکھ کر لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔" لہٰذا میرا رنگ قرآن کی آیت ہے۔ میرا حسن و جمال انتہائی' میرا رنگ' دینار کا رنگ' اور ناروں' چاندوں اور سیب کا رنگ ہے۔ میری شکل ملیح لوگوں کی شکل ہے۔ زعفران کا رنگ تمام رنگوں پر سبقت لے گیا ہے۔ میری شکل اور میرا رنگ عجیب و غریب ہے۔ میرا بدن نرم ہے' میں مہنگی ہوں اور تمام عمدہ عمدہ خوبیاں مجھ میں پائی جاتی ہیں۔ خالص سونے کی طرح میرا رنگ بھی کمیاب ہے۔ مجھ میں اور کتنی ہی خوبیاں ہیں۔ گندمی رنگ والی اب اپنی مذمت سن۔ تیرا رنگ بھینس کا رنگ ہے۔ تجھے دیکھ کر روحیں کانپ اٹھتی ہیں۔ اگر تیرا رنگ کسی چیز میں ہو تو لوگ اس کی مذمت کرنے لگتے ہیں۔ اگر کھانے میں ہو تو وہ زہر آلود ہے۔ تیرا رنگ مکھیوں کا رنگ ہے اور اگر کتے میں بھی ہو تو وہ عجیب سمجھا جاتا ہے اور وہ رنگوں کو گڈمڈ کر دیتا ہے۔ یہ غم زدگی کی نشانی ہے۔

کبھی کسی نے یہ نہ سنا ہو گا کہ سونا یا موتی یا ہیرے گندمی رنگ کے ہوتے ہیں۔

جب تو پاخانے جاتی ہے تو تیرا رنگ بدل جاتا ہے۔ وہاں سے نکلتی ہے تو اور زیادہ بد صورت ہو جاتی ہے۔ تو نہ کالی ہے کہ پہچانی جائے۔ نہ گوری ہے کہ تیری تعریف کی جا سکے۔ نہ تجھ میں اور کوئی خوبی ہے۔ اس کے آقا نے کہا کہ بیٹھ جا بس اتنا کافی ہے اور وہ بیٹھ گئی۔

اب اس نے گندمی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بڑی حسین و جمیل تھی۔ اس کا قد و قامت

نہایت موزوں تھا اور کمال درجے کا آب و تاب والا۔ اس کا بدن گدگدا' بال کالے کالے اور رخسار گلاب کی طرح تھے' آنکھیں سرمئی' چہرہ ملیح' زبان فصیح' کمر پتلی اور کولہے بھاری' اس نے کہا' شکر ہے خدا کا جس نے مجھے نہ موٹا بھدا بنایا' نہ دبلا جھانکڑ سا' نہ کوڑھ سا سفید' نہ بیماری جیسا زرد اور نہ کوئلے سا کالا۔ بلکہ میرے رنگ پر عقل مند لوگ گرویدہ ہوتے ہیں اور شاعر ہزار زبان سے گندمی رنگ والوں کی تعریف کرتے ہیں۔ اس کو سارے رنگوں پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ گندمی رنگ والے کی خو خصلت تعریف کے قابل ہوتی ہے۔ میں ملیح ہوں' میرا قد و قامت دل پسند' میرا رنگ بادشاہوں کو مرغوب ہے' ہر امیر و غریب اس پر عاشق ہے۔ میں نہایت ہلکی پھلکی نمکین اور نازو انداز والی ہوں۔ میرا بدن گدگدا ہے اور قیمت گراں' پھبن ہنر اور فصاحت مجھ میں کمال کا درجہ رکھتے ہیں۔ میرا ناک نقشہ پیارا ہے۔ میری زبان شیریں' مزاج خوش اور اٹھنا بیٹھنا خوبصورتی کے ساتھ ہے اور تو' ملوخیہ کے پودے کی طرح ہے جو باب اللوق کے آس پاس اگتا ہے۔ زرد رنگ اور سوا جڑ کے کچھ نہیں۔ لعنت ہو تجھ پر اے قصاب کی ہانڈی' تانبے کے زنگ' الو کے چہرے اور زقوم کے پھل۔ جو تیرے ساتھ سوئے' اسے سانس نہ آئے بلکہ زندہ درگور ہو جائے۔ تیرا حصہ حسن میں بالکل نہیں۔ اس کے بعد اس کے آقا نے کہا بیٹھ جا اتنا کافی ہے۔ پھر اس کے بعد۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئے دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو اڑتیسویں رات

جب تین سو اڑتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ پھر اس کے بعد اس کے آقا نے اس سے کہا کہ بیٹھ جا' اتنا کافی ہے اور سب میں صلح کرا دی۔ انہیں عمدہ عمدہ پوشاکیں پہننے کو دیں جن میں بحری اور بری جواہرات ٹنکے ہوئے تھے۔ اے امیر المومنین میں نے کبھی کسی جگہ ان کنیزوں سے زیادہ خوبصورت کنیزیں نہ دیکھیں۔ مامون نے محمد بصری سے یہ کہانی سنی تو وہ اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا اے محمد کیا تو جانتا ہے کہ یہ کنیزیں اور ان کا آقا کہاں رہتا ہے؟ اور کیا تو ان کے آقا سے ہمارے لئے خرید سکتا ہے؟ محمد نے کہا' اے امیر المومنین میں نے سنا ہے کہ آقا کون ان سے بڑا انس ہے اور ان کی جدائی وہ برداشت نہیں کر سکتا۔ مامون نے کہا کہ ہر کنیز کے عوض اس کے مالک کو دس ہزار دینار دے' یہ کل ساٹھ ہزار دینار ہوتے ہیں۔ تو یہ رقم لے جا کر اس کے گھر جا اور انہیں خرید لا۔

محمد بصری دنیار لے کر اس کے پاس روانہ ہو گیا اور جب وہ کنیزوں کے آقا کے پاس پہنچا تو اس نے کہا کہ امیر المومنین انہیں خریدنا چاہتا ہے اور یہ دام بھیجے ہیں۔ اس نے امیر المومنین کی خاطر انہیں بیچنا منظور کر لیا اور کنیزیں اس کے پاس بھجوا دیں۔ کنیزیں امیر لمومنین کے پاس پہنچیں تو اس نے ان کے لئے ایک نہایت نفیس مجلس آراستہ کی اور وہ اس کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ ہوئیں۔ ان کے حسن و جمال اور مختلف رنگوں اور شیریں بیانی کو دیکھ کر خلیفہ دنگ رہ گیا۔ جب ایک مدت گزر گئی اور ان کے پہلے مالک سے' جس نے انہیں بیچا تھا ان کی جدائی برداشت نہ ہو سکی تو اس نے امیر المومنین مامون کو ایک خط لکھا اس میں اس محبت کا ذکر کیا جو اسے ان سے تھی۔ یہ خط خلیفہ مامون کے پاس آیا تو اس نے کنیزوں کو عمدہ عمدہ پوشاکیں پہنائیں اور انہیں ساٹھ ہزار دینار دے کر ان کے مالک کے پاس بھیج دیا۔ کنیزیں اس کے پاس

پہنچیں تو دیناروں سے زیادہ اسے ان سے ملنے کی خوشی ہوئی اور وہ ان کے ساتھ نہایت مزے کی زندگی بسر کرنے لگا یہاں تک کہ تمام عشیوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر

بتر کرنے والی موت آ پہنچی

○ ہارون الرشید اور ابونواس کی کہانی

ایک رات امیر المومنین خلیفہ ہارون الرشید کا دل بہت گھبرانے لگا۔ کسی طرح اسے چین نہ آتا تھا۔ آخر اٹھ کر ٹہلنا شروع کیا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ ایک حجرے کے پاس پہنچا جس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ جب اس نے پردہ اٹھایا تو حجرے کے صدر میں اسے ایک تخت دکھائی دیا۔ تخت پر کوئی کالی سی چیز پڑی ہوئی تھی جیسے کوئی کالا آدمی سو رہا ہو۔ اس کے داہنی طرف ایک شمع جل رہی تھی اور ایک اس کے بائیں جانب۔ اسے یہ دیکھ کر تعجب ہو رہا تھا کہ یکایک اس کی نظر ایک صراحی پر پڑی جس میں پرانی شراب بھری ہوئی تھی اور جس کے اوپر پیالہ رکھا ہوا تھا۔

خلیفہ کی حیرت اور بڑھ گئی' دل میں کہنے لگا کہ اس حبشی کے پاس یہ چیزیں! آگے بڑھ کر تخت کے پاس گیا تو دیکھا کہ ایک لڑکی اپنے بالوں سے چھپی ہوئی سو رہی ہے۔ اس کا چہرہ کھولا تو چودھویں رات کا چاند۔ خلیفہ نے پیالہ شراب سے بھرا اور لڑکی کے گلابی رخساروں کے نام پر چڑھا گیا۔ پھر جھک کر اس نشان کو بوسہ دیا جو اس کے چہرے پر تھا۔ وہ جاگ اٹھی اور کہنے لگی "اے خدا کے امین یہ کیا بات ہے؟" ہارون الرشید نے جواب دیا "تمہارے ہاں ایک مہمان ایا ہے تا کہ تم صبح تک اس کی میزبانی کرو۔" لڑکی نے کہا "بسر و چشم" اور اس نے شراب پیش کی۔ دونوں نے پی۔ اس کے بعد اس نے سارنگی لے کر تار ملائے اور اکیس مختلف راگ بجائے۔ گانے بجانے سے فارغ ہو کر وہ بولی: امیر المومنین میں مظلوم ہوں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• تین سو انتالیسویں رات

جب تین سو انتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی بولی' اے امیر المومنین! میں مظلوم ہوں اس نے پوچھا کیونکر' کس نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟ لڑکی نے جواب دیا تیرے بیٹے نے مجھے مدت ہوئی دس ہزار دینار میں خریدا تھا اس کی خواہش تھی کہ مجھے تیری نذر کرے لیکن تیری چچیری بہن نے میری قیمت اسے ادا کر دی اور مجھے اس کمرے میں بند کرا دیا تا کہ میں تجھ سے پوشیدہ رہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ مانگ کیا مانگتی ہے؟ اس نے کہا کہ میں یہ مانگتی ہوں کہ تو کل رات میرے پاس آ۔ خلیفہ انشاء اللہ کہہ کر اس کے پاس سے چلا گیا۔

دوسرے دن صبح کو اس نے ابو نواس کے پاس قاصد بھیجا لیکن جب وہ اسے نہ ملا تو خلیفہ نے اپنے حاجب کو بھیجا کہ اس کا پتہ لگائے۔ جب حاجب نے دیکھا کہ وہ ایک مے خانے میں ایک ہزار درہم میں گرو ہے۔ یہ درہم اس نے ایک لونڈے پر صرف کئے تھے۔ حاجب نے حال دریافت کیا تو اس نے وہ سارا ماجرا بیان کر دیا جو اسے ایک حسین لونڈے کے ساتھ پیش آیا تھا اور جس کی وجہ سے اس نے ایک ہزار درہم خرچ کئے تھے۔ حاجب نے کہا کہ مجھے دکھا کہ وہ کون ہے اگر وہ اس قابل ہے تو' تو معذور سمجھا جائے گا۔ اس نے جواب دیا' ٹھہر' جا تو ابھی اسے دیکھ لے گا۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ وہ لڑکا آ پہنچا۔

جب وہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے دیکھا کہ وہ سفید لباس پہنے ہوئے ہے۔ سفید کے نیچے سرخ اور سرخ کے نیچے سیاہ۔ ابو نواس کی نظر اس پر پڑی تو وہ آہیں بھرنے لگا۔ اس کے بعد لڑکے نے سفید لباس اتار دیا اور سرخ رہنے دیا۔ یہ دیکھ کر ابو نواس کی طبیعت اور زیادہ بکھر گئی اور اس کی تعریف میں اشعار پڑھنے لگا۔ پھر اس نے سرخ لباس بھی اتار ڈالا اور سیاہ رہنے دیا۔ اب ابو نواس کے دل کی حالت کا کیا پوچھنا

تھا۔ حاجب نے ابو نواس کے عشق کا یہ رنگ دیکھا تو خلیفہ سے جا کر سارا واقعہ بیان کیا۔ خلیفہ نے ایک ہزار درہم منگوا کر حاجب صاحب سے کہا کہ انہیں لے جاؤ' ابونواس کو دے اور اسے گرو سے چھڑا لا۔ حاجب ابونواس کے پاس گیا اور اسے چھڑا کر خلیفہ کے پاس لے آیا۔ جب وہ خلیفہ کے پاس حاضر ہوا تو خلیفہ نے کہا کہ ایک نظم کہہ جس میں یہ مصرع ہو: "اے خدا کے امین یہ کیا بات ہے؟" اس نے کہا بسر و چشم یا امیر المومنین! ......

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو چالیسویں رات

تین سو چالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابونواس نے بسر و چشم کہہ کر یہ اشعار پڑھنے شروع کر دیئے' "جاگتے جاگتے میری رات کالی ہونے لگی میں تھک گیا اور تفکرات زیادہ ہو گئے۔ کبھی میں اپنے محل میں ٹہلتا' کبھی حرم سراؤں میں' یہاں تک کہ میری نظر ایک کالی چیز پر پڑی مگر وہ ایک گوری لڑکی تھی جو بالوں سے ڈھنکی ہوئی تھی۔ پہلے میں نے ایک پیالہ شراب کا پیا پھر اس کے پاس جا کر اس کے چہرے پر جو نشان تھا اسے بوسہ دیا اور وہ جاگ پڑی اور کہنے لگی اے خدا کے امین یہ کیا بات ہے؟ میں نے جواب دیا کہ رات کے وقت تمہارے ہاں ایک مہمان آیا ہے اور چاہتا ہے کہ تم صبح تک اسے پناہ دو۔ وہ بخوشی راضی ہو گئی اور کہنے لگی اے میرے آقا تیری مہمانی سر آنکھوں پر۔ خلیفہ نے کہا' خدا تیرا برا کرے! گویا تو ہمارے ساتھ تھا۔

اب خلیفہ اسے لے کر لڑکی کے پاس گیا۔ ابونواس نے دیکھا کہ اس کی پوشاک اور نقاب دونوں پیلے رنگ کی ہیں۔ حیران ہو گیا اور اس کی تعریف میں اشعار پڑھنے لگا۔ اشعار کا سلسلہ ختم ہوا تو لڑکی نے خلیفہ کے سامنے شراب پیش کی اور خود عود لے کر گانے بجانے لگی۔ اس کے بعد امیر المومنین نے حکم دیا کہ ابونواس کو اتنی زیادہ پلائی جائے کہ وہ اپنے ہوش میں نہ رہے اور خلیفہ نے خود اسے ایک جام دیا۔ اس نے ایک گھونٹ پیا اور پیالہ ہاتھ میں لئے کا لئے رہ گیا۔ اب خلیفہ نے لڑکی سے کہا کہ اس کے ہاتھ سے پیالہ لے کر اسے چھپا دے۔ لڑکی نے پیالہ لے کر اپنی رانوں کے درمیان چھپا لیا اور خلیفہ نے ننگی تلوار اپنے ہاتھ میں لی اور ابونواس کے پاس کھڑے ہو کر اسے تلوار سے چھیڑ نے لگا۔ اس کی آنکھ جو کھلی تو دیکھا کہ خلیفہ ننگی تلوار لئے کھڑا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کا نشہ ہرن ہو گیا۔ خلیفہ بولا ایک نظم سنا جس میں

تیرے پیالے کا ذکر ہو' ورنہ میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ اس نے فی البدیہہ کہا: "میرا قصہ بھی عجیب و غریب قصہ ہے اور یہی غزال چور ہے۔ اس نے میری شراب کا پیالہ لے کر ایسی جگہ چھپا لیا ہے جس کے خیال سے میرا دل دھک دھک کرتا ہے۔ ڈر کے مارے میں اس کا نام نہیں لینا چاہتا وہ جگہ خلیفہ کا حصہ ہے۔" امیر المومنین نے کہا کہ تجھ پر خدا کی مار! تجھے یہ باتیں کیونکر معلوم ہوئیں' لیکن جو کچھ تو نے کہا میں مانتا ہوں اور اس نے ابونواس کو ایک خلعت اور ایک ہزار دینار عطا کئے اور خوش خوش چلتا ہوا۔

○ کتے اور اس کے سونے کے تشتے کی کہانی

سنا ہے کہ ایک شخص بہت زیادہ مقروض ہو گیا تھا اور اس کی پریشانیاں برابر بڑھتی جاتی تھیں۔ آخر وہ اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر دیوانہ وار نکل کھڑا ہوا اور چلتے چلتے مدت کے بعد ایک شہر میں پہنچا جس کی شہر پناہ بلند اور عمارتیں عالی شان تھیں۔ سفر کی ماندگی' برا احوال' بھوک کی شدت' انجان شہر' بے چارہ سڑک پر' ادھر ادھر مارا مارا پھر رہا تھا۔ اس نے دیکھا' کچھ بڑے بڑے آدمی کہیں جا رہے ہیں۔ وہ بھی ان کے ساتھ ساتھ ہو لیا۔ یہاں تک کہ ایک محل میں داخل ہوئے۔ جو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاہی محل ہے۔ وہ بھی ان کے پیچھے لگا ہوا اندر پہنچ گیا۔ اندر جا کر وہ سب ایک شخص کے پاس پہنچے جو صدر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے سے ہیبت اور جلالت ٹپک رہی تھی اور گرد و پیش غلام اور نوکر چاکر کھڑے تھے۔ اس کی وضع بتا رہی تھی کہ کوئی وزیر زادہ ہے۔ جب ان کی نظر ان لوگوں پر پڑی تو وہ اٹھ کر ان کے پاس آیا اور بڑے تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ مسافر یہ حالت دیکھ کر گھبرایا' اس کا دل دھڑکنے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• تین سو اکتالیسویں رات

جب تین سو اکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ وہ شخص عالی شان مکان' غلاموں اور نوکروں چاکروں کو دیکھ کر گھبرایا اور خوف زدہ ہو کر ٹھٹھک گیا۔ اجنبیت اور جان کے ڈر سے پیچھے ہٹ کر دور ایک جگہ اکیلا جا بیٹھا جہاں اسے کوئی نہ دیکھ سکے۔ وہ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ ایک شخص چار شکاری کتے لے کر آیا جو ریشم اور کمخواب کی جھولیں پہنے ہوئے تھے' سونے کے پٹے ان کے گلوں میں اور چاندی کی زنجیریں بندھی ہوئی تھیں۔ اس نے ہر کتے کو الگ الگ باندھا۔ خود وہاں سے چلتا ہوا۔ تھوڑی دیر میں چاندی سونے کے تشت لایا جس میں عمدہ عمدہ کھانے تھے اور ہر کتے کے سامنے ایک ایک تشت رکھ دیا اور پھر انہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ شخص بھوک کے مارے للچائی نظروں سے کھانے کی طرف دیکھتا اور چاہتا کہ کسی کتے کی طرف بڑھ کر اس کے ساتھ کھانے لگے مگر مارے ڈر کے رک جاتا۔ کتوں میں سے ایک نے اس کی طرف دیکھا' خدا نے اس کی حالت سے اس کتے کو آگاہ کر دیا۔ وہ رک گیا۔ اس شخص کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر کھانا شروع کر دیا اور پیٹ بھر کر کھایا۔ جب وہ جانے لگا تو کتے نے اشاروں میں کہا کہ تشت اور جو کھانا اس میں باقی ہے' اپنے ساتھ لیتا جا اور اپنے پنجوں سے تشت اس کی طرف سرکا دیا۔ وہ شخص اسے لے کر وہاں سے چل دیا اور کسی نے اس کا پیچھا نہیں کیا۔ لیکن اس نے اس شہر کو چھوڑ دیا اور دوسرے شہر میں چلا گیا اور تشت کو بیچ کر اس کے داموں سے سودا گری کا مال خریدا' مال لے کر اپنے وطن پہنچا اور اسے بیچ کر اپنا قرضہ ادا کیا۔ خوب کھایا پیا اور عیش و عشرت سے زندگی بسر کی۔ اس کے مال میں بڑی برکت ہوئی' ایک مدت تک اپنے وطن میں رہنے کے بعد اس نے اپنے دل میں کہا کہ تشت والے کے شہر میں چلنا چاہیے۔ ایک عمدہ تحفہ جو اس کے قابل ہو لے جاؤں اور اسے اس تشت

کی قیمت بھی ادا کر دوں جو اس کے ایک کتے نے مجھے بخشا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک سوغات لی جو اس کے قابل سمجھی اور تشت کی قیمت گرہ میں باندھ کر چل کھڑا ہوا۔

دن رات سفر کرتے کرتے وہ اس منزل مقصود پر جا پہنچا۔ اور اس مکان کو تلاش کرنے لگا تا کہ کتے کے مالک سے ملے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے بالاخر وہ اس جگہ آیا جہاں وہ محل تھا لیکن کیا دیکھتا ہے کہ محل کی جگہ ایک پرانا کھنڈر ہے جہاں کوے کائیں کائیں کر رہے ہیں۔ نہ مکان کا پتہ نہ ہے مکین کا۔ احوال دگرگوں ہے اور حالت بھیانک۔ یہ دیکھ کر اس کا دل کانپ اٹھا۔

جب اس شخص نے ان پرانے کھنڈروں پر نظر ڈالی اور دیکھا کہ روز گار نے ان پر ظاہراً کیا مصیبت ڈھائی ہے اور قیمتی چیزوں کا محض نام و نشان باقی رہ گیا ہے تو اسے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہی۔ اب اس نے اس اجڑی ہوئی بستی پر جو نگاہ ڈالی تو اسے ایک مسکین دکھائی دیا جس کی حالت دیکھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے اور پتھر روتے تھے۔ اس سے پوچھا کہ بتا تو سہی زمانے نے اس مکان کے مالک کے ساتھ کیا کیا اور اس کے خوبصورت چاندوں اور چمکتے ہوئے تاروں کو کیا ہو گیا۔ عورت پر کیا آفت آئی کہ چار دیواری کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا؟ میں نے جواب دیا کہ وہ یہی غریب ہے جسے تو دیکھ رہا ہے اور جو اپنی مصیبت پر آہ و بکا کر رہا ہے۔ تجھے معلوم نہیں اس حدیث میں "خدا نے اپنے اوپر واجب کر رکھا ہے کہ وہ جس چیز کو اس دنیا میں بلند کرتا ہے اسے گرا کر چھوڑتا ہے۔" عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو اس کی پیروی کریں اور نصیحت ہے ان کے لئے جو اس سے ہدایت پکڑیں۔ مجھ سے ان باتوں کا سبب دریافت نہ کر۔ زمانے کے انقلاب کے آگے کوئی خوبصورت چاندوں' عالی شان اور بے بہا تحفوں' حسین کنیزوں کا مالک۔ لیکن زمانے نے پلٹا کھایا۔ نوکروں اور مال و دولت کا خاتمہ کر دیا' مجھے شکستہ حال بنا دیا اور وہ بلائیں جو اس کے پاس چھپی ہوئی رکھی تھیں' میرے اوپر لا توڑیں۔ تو جو یہ سوال کرتا ہے تو اس کی کوئی وجہ ہو گی۔ وہ وجہ مجھے بتا اور تعجب کو جانے دے۔

اس پر اس شخص نے سارا واقعہ سنایا اور بے حد رنج و الم کا اظہار کیا اور کہنے لگا کہ میں تیرے لئے ایسا ہدیہ لایا ہوں جسے سب لوگ پسند کریں گے اور اشرفیاں تیرے تشت کی قیمت جو میں لے گیا تھا کیونکہ وہی سبب ہے غربت کے بعد میری امارت کا' میرے ویران گھر کے آباد اور میری تکلیفوں اور تنگ دستی کے دور ہونے کا۔

وہ اپنی کہانی کہہ چکا تو اس نے اپنا سر ہلایا' رونے پیٹنے اور فریاد کرنے لگا اور بولا' اے شخص میرے خیال میں تو دیوانہ ہو گیا ہے۔ ایسی باتیں کوئی سمجھ دار آدمی تو کرتا نہیں۔ میرا کتا تجھے ایک سونے کا تشت کس طرح دے سکتا ہے اور اگر دیا ہے تو یہ عجیب بات ہو گی کہ میں اپنے کتے کے دیئے کو واپس لے لوں۔ میں کتنی ہی تکلیف اور مصیبت میں کیوں نہ ہوں تیری کسی چیز کو ہاتھ لگانا مجھ پر حرام ہے۔

لہٰذا جہاں سے تو آیا ہے صحیح و سلامت واپس جا۔ یہ سن کر اس شخص نے اس کے قدم چومے اور اس کی تعریف کرتا ہوا چل دیا اور رخصت کے وقت یہ شعر پڑھا۔ انسان اور کتے سب کے سب چلتے بنے' ان انسانوں اور کتوں کو میرا سلام پہنچے! واللہ اعلم۔

○ اسکندریہ کے والی اور چور کی کہانی

کہتے ہیں' اسنکدریہ کے نواح میں ایک والی تھا جس کا نام حسام الدین تھا۔ ایک دن وہ اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے پاس ایک لشکری آ کر کہنے لگا کہ اے میرے مولیٰ والی میں رات اس شہر میں پہنچا اور فلاں سرائے میں اترا ہوں' تہائی رات تک سونے کے بعد جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میری خرجی کٹی ہوئی ہے۔ اس میں سے ایک ہزار دینار کا توڑا غائب ہے۔ ابھی وہ اپنی بات ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ والی نے اپنے سرداروں کو بلا کر حکم دیا کہ تمام سرائے والوں کو حاضر کر کے انہیں صبح تک قید خانے میں بند کر دیا جائے۔ صبح ہوئی تو اس نے سزا دینے

کے آلات منگوائے اور تمام لوگوں کو اس لشکری کے سامنے بلوایا جس کے دینار چوری کیے گئے تھے اور چاہتا تھا کہ انہیں سزا دے۔ اتنے میں ایک شخص بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا ہوا

پہنچا اور والی کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• تین سو بیالیسویں رات

جب تین سو بیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشا! والی سزا دینے ہی والا تھا کہ ایک شخص بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا ہوا پہنچا۔ والی اور لشکری کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا امیر ان تمام آدمیوں کو چھوڑ دے' یہ بے گناہ ہیں۔ اس لشکری کا مال چرانے والا میں ہوں اور دیکھ یہ اس کی تھیلی ہے جو میں نے اس کی خرجی سے چرائی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی آستین میں سے تھیلی نکالی اور والی اور لشکری کے آگے رکھ دی۔ والی نے لشکری سے کہا' اپنا مال لے اور اپنے پاس رکھ۔ اب ان لوگوں کے خلاف تیرا کوئی دعویٰ نہیں رہا۔ تمام سرائے والے اور سب حاضرین اس شخص کی تعریف کرنے اور اسے دعا دینے لگے۔ اس کے بعد اس شخص نے کہا کہ اے امیر استادی اس میں نہیں ہے کہ میں نے خود آ کر یہ تھیلی پیش کر دی بلکہ کمال اس میں ہے کہ میں دوبارہ اس لشکری کے پاس سے اڑا لوں گا۔ والی نے کہا کہ استاد تو کس طرح یہ تھیلی چرا کر لے گیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ اے امیر میں ایک دن قاہرہ میں صرافوں کے بازار میں کھڑا ہوا تھا' میں نے دیکھا کہ اس لشکری نے یہ اشرفیاں لے کر اس تھیلی میں رکھ لیں۔ میں گلی گلی اس کے پیچھے لگا رہا لیکن اشرفیاں چرانے کی کوئی ترکیب نظر نہ آئی۔ اس کے بعد وہ قاہرہ سے روانہ ہو گیا اور میں شہر شہر اس کا پیچھا کرتا اور تدبیر سوچتا رہا تا کہ راہ میں اس کی تھیلی اڑا لوں لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ جب وہ اس شہر میں داخل ہوا تو میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ یہاں تک کہ وہ اس سرائے میں اترا۔ میں بھی اس کے پڑوس میں اتر پڑا۔ اور انتظار کرتا رہا۔ جب وہ سو گیا اور میں نے سنا کہ وہ خراٹے لے رہا ہے تو میں آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھا اور اس چھری سے اس کی خرجی کاٹی اور دیکھ اس طرح تھیلی لے لی۔ یہ کہہ کر اس نے ہاتھ بڑھایا اور والی اور لشکری کے آگے سے وہ تھیلی اٹھا لی۔ والی پیچھے

ہٹ گیا اور لشکری اور تماش بین دیکھنے لگے کہ اب وہ دکھائے گا کہ اس نے کس طرح خرجی میں سے تھیلی نکالی۔ لیکن وہ شخص تھیلی لے کر بھاگا اور ایک تالاب میں

کود پڑا۔

والی نے اپنے نوکروں سے چلا کر کہا کہ دوڑو پکڑو لیکن وہ ابھی اپنے کپڑے اتار کر سیڑھیوں تک بھی نہ پہنچے تھے کہ چور چلتا بنا۔ لاکھ تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسکندریہ کے تمام گلی کوچے ایک دوسرے میں جھانکتے ہیں۔ چور ہاتھ نہ آیا تو لوگ لوٹ آئے اور والی نے لشکری سے کہا کہ تیرا لوگوں پر کوئی دعویٰ نہیں۔ تجھے معلوم ہو گیا کہ چور کون ہے اور تجھے تیرا مال مل گیا تو نے اس کی حفاظت نہ کی۔ لشکری ناچار واپس لوٹ آیا۔ اس کا مال تو جا ہی چکا تھا اور والی کے ہاتھ سب لوگ بچ گئے۔ یہ خدا کا فضل تھا۔

○ ملک ناصر اور تین والیوں کی کہانی

کہا جاتا ہے کہ ایک بار ملک ناصر نے قاہرہ' بولاق اور فسطاط کے تینوں والیوں کو بلایا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک وہ عجیب ترین واقعہ بیان کرے جو اسے اپنی ولایت کے زمانے میں پیش آیا ہے ------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو تینتالیسویں رات

جب تین سو تینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملک ناصر نے تینوں والیوں سے کہا' میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک اپنی اپنی ولایت کے زمانے کا عجیب ترین واقعہ بیان کرے۔ پہلے قاہرہ کے والی نے بیان کرنا شروع کیا۔

اے میرے مولیٰ سلطان سن' عجیب ترین واقعہ جو میری ولایت کے زمانے میں میرے ساتھ پیش آیا ------ یہ ہے کہ اس شہر میں دو عادل گواہ تھے جن کی گواہی قتل و خون کے معاملات میں بھی مانی جاتی تھی۔ ساتھ ہی وہ دونوں رنڈی بازی' شراب خوری اور حرام کاری کے بھی بڑے شوقین تھے۔ باوجود جاننے کے میں ان کا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ان کو سزا دینے کے لئے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تھی۔ عاجز آ گیا تو میں نے بھٹی والوں' نقل و میوہ اور شمع فروشوں اور رنڈی خانوں کے مالکوں کو یہ تنبیہہ کر دی کہ جب کبھی یہ دونوں شخص کسی جگہ شراب خواری یا رنڈی بازی کرتے ہوں' ساتھ یا الگ الگ اور اکیلے یاد کے لئے ان سے وہ چیزیں خریدیں جو شراب نوشی کے وقت استعمال کی جاتی ہیں تو فوراً آ کر مجھے خبر کر دیں اور ان کی حرکات پر پردہ نہ ڈالیں۔ چنانچہ ایک رات کا ذکر ہے ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرے مولیٰ اس وقت وہ دونوں گواہ فلاں جگہ فلاں کوچے میں فلاں مکان کے اندر سخت بد کرداری میں مشغول ہیں۔

میں نے اور میرے غلام نے اٹھ کر بھیس بدلا اور بغیر کسی اور کو ساتھ لئے ہم چل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے ہم وہاں جا پہنچے اور دستک دی۔ ایک کنیز نے آ کر دروازہ کھولا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں بغیر جواب دیئے اندر داخل ہو گیا۔ دیکھا کہ دونوں گواہ اور گھر کا مالک بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ رنڈیاں اور بہت سی شراب ہے۔ میری صورت کو دیکھ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑی تعظیم سے مجھے صدر مقام پر بٹھایا اور

بولے' اے محترم مہمان اور نیک ندیم! خوش آمدی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں میرا بالکل ڈر نہیں۔ اب مکان کا مالک اٹھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد تین سو دینار لے کر لوٹا اور بے دھڑک مجھ سے کہنے لگا کہ اے ہمارے مولیٰ والی تو بے عزتی سے زیادہ ہماری ذلت کر سکتا ہے۔ ہمیں سزا دینا تیرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے لیکن تجھے اس سے پریشانی کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ بہتر ہے کہ یہ دینار لے اور ہماری پردہ پوشی کر کیونکہ خدا کا نام ستار بھی ہے اور وہ انہیں بندوں سے محبت کرتا ہے جو پردہ پوش ہوں۔ اس میں تجھے ثواب ملے گا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں یہ مال لے لوں اور اور اس دفعہ ان کی پردہ پوشی کروں۔ اگر دوسری بار پھر انہیں پکڑا تو سزا دے دوں گا' دیناروں کا لالچ بھی آ گیا غرض کہ دینار میں نے لے لئے' وہاں سے اٹھ کر چلا آیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

دوسرے دن کیا دیکھتا ہوں کہ قاضی کا پیادہ چلا آتا ہے۔ مجھ سے کہنے لگا کہ اے والی! قاضی کے پاس تشریف لے چل۔ اس نے تجھے بلایا ہے۔ میں اٹھ کر اس کے ساتھ قاضی کے ہاں پہنچا۔ مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ اس نے کیوں بلایا ہے میں قاضی کے پاس پہنچا تو وہاں دونوں گواہ بھی موجود تھے اور وہ گھر والا بھی جس نے مجھے تین سو دینار کی تھیلی دی تھی۔ اب گھر والے نے اٹھ کر مجھ پر تین سو دینار کا دعویٰ کیا اور مجھے انکار کرتے نہ بن پڑا۔ اس کے بعد اس نے دستاویز نکالی۔ دونوں عادل گواہوں نے گواہی دی کہ اس کے تین سو دینار مجھ پر آتے ہیں اور انہوں نے اس وقت تک مجھے نہ چھوڑا جب تک مجھ سے تین سو دینار نہ لے لئے۔ مجھے بہت غصہ آیا۔ میں نے ٹھان لی کہ ان سے سمجھوں گا۔ میں پچھتاتا تھا کہ میں نے انہیں سزا کیوں نہ دی اور پشیمان ہو کر وہاں سے روانہ ہوا۔ یہ ہے عجیب ترین واقعہ جو مجھے اپنی والایت کے زمانے میں پیش آیا۔

اس کے بعد بولاق کا والی کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے ہمارے مولیٰ سلطان میری ولایت کے زمانے میں جو عجیب ترین واقعہ میرے ساتھ پیش آیا۔ یہ ہے کہ ایک بار مجھ پر

پورے تین لاکھ دینار قرض ہو گئے۔ مجھے بڑی پریشانی تھی۔ میں نے اپنی ساری ملکیت اور مال و متاع بیچ ڈالا لیکن ایک لاکھ دینار سے زیادہ ہاتھ نہ لگا اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو چوالیسویں رات

جب تین سو چوالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... بولاق کے والی نے کہا کہ میں نے سب کچھ رکھا رکھایا بیچ کر فقط ایک لاکھ دینار جمع کئے۔ ایک رات اسی خیال میں غلطاں و پیچاں تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے غلام سے کہا کہ دیکھ دروازے پر کون ہے۔ غلام باہر جا کر لوٹا تو اس کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں' چہرہ اتر ہوا تھا اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ تجھ پر کیا بلا نازل ہوئی؟ اس نے جواب دیا کہ دروازے پر ایک شخص جو ایک کھال کے سوا اور کچھ پہنے ہوئے نہیں۔ اس نے ہاتھ میں تلوار' کمر سے خنجر لگا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اسی طرح کے اور کئی شخص ہیں۔ وہ تجھے بلاتا ہے۔ میں تلوار لے کر نکلا' دیکھوں کے وہ کون لوگ ہیں۔ میں نے ان کو ویسا ہی پایا جیسا کہ غلام نے کہا تھا۔ ان سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟

وہ بولے ہم ڈاکو ہیں۔ آج رات ہمیں بڑی غنیمت ہاتھ لگی ہے اور ہم اسے تیری نذر کرتے ہیں تا کہ تیری پریشان خاطری دور ہو جائے اور تو اپنا قرضہ ادا کر دے۔ میں نے پوچھا کہ وہ غنیمت کا مال کہاں ہے؟ انہوں نے میرے سامنے ایک صندوق رکھ دیا جس میں سونے اور چاندی کے برتن بھرے ہوئے تھے۔ میں خوش ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس میں اپنا قرضہ بھی ادا کر سکوں گا اور اتنا ہی اور میرے لئے بچ بھی رہے گا۔ اب میں صندوق کو مکان کے اندر لے گیا اور دل میں سوچا کہ انہیں خالی ہاتھ جانے دینا مروت سے بعید ہے۔ چنانچہ میں نے وہ ایک لاکھ دینار لے جا کر انہیں دے دیئے جو میرے تھے اور ان کی نیکی کا شکر گزار ہوا۔ وہ لوگ دینار لے کر رات کے اندھیرے میں چلتے ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے دیکھا کہ صندوق میں محض تانبے اور ٹین کی چیزیں ہیں جن پر سونا چڑھا ہوا ہے۔ اور سب ملا کر پانسو درہم

سے زیادہ کی مالیت نہیں۔ سخت غصہ آیا اور بہت رنج ہوا کہ جو دینار میرے تھے' وہ بھی ہاتھ سے گئے۔ یہ ہے عجیب ترین واقعہ جو مجھے اپنی ولایت میں پیش آیا۔

اب فسطاط کا والی کھڑا ہوا اور کہنے لگا' اے میرے مولی سلطان میرے ساتھ جو عجیب و غریب واقعہ میری ولایت میں کے زمانے میں پیش آیا یہ ہے کہ میں نے ایک بار دس ڈاکوؤں کو پھانسی دی اور انہیں علیحدہ علیحدہ تختوں پر لٹکا کر پہرے داروں کو حکم دیا کہ ہوشیار رہیں' کوئی شخص ان میں سے کسی کو لے نہ جائے۔ دوسرے دن علی الصباح میں ادھر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دو مجرم ایک ہی تختے پر لٹکے ہوئے ہیں۔ میں نے پہرے داروں سے پوچھا کہ یہ کس نے کیا اور دوسرا تختہ کیا ہوا جس پر دوسرا مجرم لٹکا ہوا تھا؟ انہوں نے اپنی لا علمی ظاہر کی۔ جب میں نے انہیں مارنے کی ٹھانی تو انہوں نے کہا اے امیر' کل ہمیں نیند آ گئی تھی۔ آنکھ کھلی تو ہم نے دیکھا کہ ایک مجرم اور اس کے تختے کو کوئی چرا کر لے گیا ہے۔ ہمیں تیری طرف سے بڑا ڈر لگا۔ اسی وقت ایک کسان آتا ہوا دکھائی دیا۔ جس کے ساتھ ایک گدھا تھا۔ ہم نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا اور اس تختے پر بجائے اس لاش کے' لٹکا دیا جو چوری کی گئی تھی۔

مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میں نے پوچھا کہ کسان کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ایک خرجی جو گدھے پر پڑی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا اس کے اندر کیا ہے؟ وہ بولے ہمیں معلوم نہیں۔ میں نے کہا کہ میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ لائے تو میں نے اسے کھلوایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے اندر ایک لاش ہے جو ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور اپنے دل میں کہنے لگا' سبحان اللہ کسان کی پھانسی کا سبب اسی مقتول کا خون تھا اور خدا کسی بندے پر ظلم نہیں کرتا۔

○ صراف اور چور کی کہانی

سنا ہے کہ ایک بار کوئی صراف اشرفیوں کا توڑا لئے چوروں کے پاس سے گزرا۔ ان میں سے ایک چور نے کہا، میں اس توڑے کو چرا سکتا ہوں۔ دوسرے نے پوچھا کیونکر؟ اس نے جواب دیا دیکھ لینا۔ یہ کہہ کر وہ صراف کے پیچھے پیچھے اس کے گھر تک گیا۔ صراف نے اندر پہنچ کر تھیلی کو الماری میں پھینک دیا۔ اسے زور کا پیشاب لگا ہوا تھا۔ بے تحاشہ پا خانے میں گھس گیا اور کنیز سے کہا کہ لوٹے میں پانی لائے۔ کنیز لوٹا لے کر اس کے پیچھے پیچھے پہنچی، دروازے کے کواڑ کھلے تھے۔ چور اندر آیا اور تھیلی لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## تین سو پینتا لیسویں رات

جب تین سو پینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ چور تھیلی لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور صراف اور کنیز کا سارا ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ واللہ جو کچھ تو نے کیا' بڑی استادی کا کام ہے۔ ہر ایک ایسا نہیں کر سکتا۔ لیکن پا خانے سے نکل کر صراف نے تھیلی کو نہ پایا ہو گا تو غریب کنیز کی کم بختی آ گئی ہو گی' اس لئے تھیلی اڑانے کے سوا تو نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس پر تیرا شکریہ ادا کیا جا سکے۔ اگر تو استاد ہے تو کنیز کو مار پیٹ سے نجات دے۔
اس نے کہا انشاء اللہ میں کنیز اور تھیلی دونوں کو بچا لوں گا۔ یہ کہہ کر وہ چور صراف کے گھر پہنچا دیکھا کہ واقعی تھیلی کی وجہ سے وہ کنیز کو مار رہا ہے۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ صراف نے پوچھا' کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں قیسریہ' تیرے پڑوسی کا غلام ہوں۔ صراف نے باہر آ کر پوچھا' کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے آقا نے تجھے سلام کہا ہے اور کہا ہے کہ تو ایسا سترا بہترا کیوں ہو گیا ہے کہ اتنی قیمتی تھیلی دکان کے دروازے پر چھوڑ کر چلا آیا۔ اگر کسی غیر شخص کی نظر پڑ جاتی تو وہ لے کر چمپت ہو جاتا۔ اگر میرا آقا اسے نہ دیکھتا اور حفاظت سے نہ رکھتا تو وہ تیرے ہاتھ سے جا چکی تھی۔ یہ کہہ کر اس نے تھیلی نکالی۔ صراف نے اسے دیکھا تو کہنے لگا' واقعی یہ میری ہی تھیلی ہے اور اسے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ چور نے کہا کہ میں اس وقت تک نہ دوں گا جب تک کہ تو میرے آقا کو اس کی رسید نہ لکھ دے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر تو نے رسید لکھ کر مہر نہ لگائی تو اسے یقین نہ آئے گا کہ تھیلی تجھے وصول ہو چکی ہے۔ صراف مکان کے اندر گیا کہ تھیلی کی رسید لکھ لائے۔ چور اب کیوں ٹھہرتا' وہ تھیلی لے کر چلتا ہوا اور کنیز پٹنے سے بچ گئی۔

○ قوص کے والی اور چور کی کہانی

قوص کا والی علاؤ الدین ایک رات اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک خوبصورت اور اور خوش قامت شخص نوکر کے سر پر ایک صندوق رکھے ایا اور دروازے پر ٹھہر کر والی کے ایک غلام سے کہا' اندر جا کر امیر سے کہہ کہ میں اس سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ غلام نے اندر جا کر پیغام پہنچا دیا اور اس نے اندرآنے کی اجازت دے دی۔ والی نے دیکھا کہ وہ بلند و بالا اور خوبصورت وجیہہ آدمی ہے اسے اپنے پاس بٹھایا' اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور پوچھا کہ تیری کیا حاجت ہے؟ اس شخص نے جواب دیا' میں ایک ڈاکو ہوں اور چاہتا ہوں کہ تیرے ہاتھ پر توبہ کر کے پھر خدا کی طرف رجوع کروں۔ میری درخواست منظور کر اور مجھے سیدھے راستے پر لگا۔ میں اس وقت تیری آنکھوں کے سامنے ہوں۔ میرے پاس ایک صندوق ہے جس میں تقریباً چالیس ہزار دینار کا سامان ہے جس کا مستحق سب سے زیادہ تو ہے۔ اسے لے کر تو اپنی حلال کمائی میں سے مجھے ایک ہزار دینار دے تا کہ میں تجارت کروں۔ توبہ توڑنے سے بچ جاؤں او مجھے حرام کی کمائی کی ضرورت نہ پڑے۔ خدا تجھے اس کا ثواب دے گا۔ یہ کہہ کر اس نے صندوق کھولا اور والی کو دکھایا کہ اس میں زیور' ہیرے جواہرات اور موتی ہیں۔ والی کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ بہت خوش ہوا اور خزانچی کو بلا کر کہا۔ اے فلاں! توڑا لے آ جس میں ایک ہزار دینار ہیں۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو چھیالیسویں رات

تین سو چھیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ والی نے خزانچی کو بلا کر کہا کہ فلاں توڑا لے آ جس میں ایک ہزار دینار ہیں۔ جب خزانچی وہ توڑا لایا تو والی نے اس شخص کے حوالے کیا۔ اس نے اسے لے لیا اور والی کا شکریہ ادا کیا اور رات کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ صبح ہوئی تو والی نے سناروں کے چودھری کو بلوایا۔ صندوق کھولا' زیور' جواہرات' سونا اور موتی جو جو اس کے اندر تھا نکال کر دکھایا۔ سنار نے ایک ہی نظر میں پرکھ لیا اور کہا کہ یہ ساری چیزیں ٹین اور پیتل کی ہیں۔ جواہرات اور موتی کانچ کے۔ والی کو بڑا صدمہ ہوا۔ لوگوں کو اس کے پیچھے دوڑایا لیکن وہ کسی کے ہاتھ نہ لگا۔

○ ابراہیم بن مہدی او سوداگر زادی کی کہانی

ایک بار امیر المومنین مامون نے ابراہیم بن مہدی سے کہا جو سب سے زیادہ عجیب و غریب ماجرا تیرے ساتھ پیش آیا ہو' اسے بیان کر۔ وہ کہنے لگا اے امیر المومنین سن' ایک روز کا ذکر ہے کہ میں سیر کرنے نکلا اور چلتے چلتے ایک جگہ پہنچا جہاں کھانوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ اے امیر المومنین میرا جی للچانے لگا اور میں ٹھہر گیا لیکن حیران تھا آگے بڑھتا تو کھانوں کا لالچ دامن پکڑتا اور اندر داخل ہونے کی بھی ہمت نہ تھی۔ اسی خیال میں ٹھٹھکتے بڑھتے آنکھ جو اوپر اٹھی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جھروکے کے پاس ہوں اور اس کے پیچھے کسی کی ایسی خوبصورت ہتھیلی اور کلائی دکھائی دے رہی ہے جس سے زیادہ خوبصورت میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ میرے حواس اڑ گئے اور کھانوں کی خوشبو

کا خیال میرے دماغ سے اتر گیا۔ میں سوچنے لگا کہ کسی نہ کسی ترکیب سے وہاں پہنچنا چاہیے۔ میں نے دیکھا کہ قریب ہی ایک درزی ہے۔ اس کے پاس جا کر سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا' یہ کس کا مکان ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک سوداگر کا۔ میں نے پوچھا' اس کا نام کیا ہے؟ اس نے کہاں فلاں ابن فلاں اور سوداگروں کے سوا اور کسی سے میل جول نہیں رکھتا۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ دو شریف اور وضع دار شخص گھوڑوں پر سوار وہاں پہنچے۔ درزی نے مجھ سے کہا کہ یہ اس کے بڑے گہرے دوست ہیں۔ ان کے یہ نام ہیں۔ میں گھوڑے کو ایڑ دے کر ان کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ بڑا انتظار کرایا فلاں شخص تو دیر سے تمہارا راستہ دیکھ رہا ہے اور ان کے ساتھ روانہ ہو کر مکان کے دروازے پر پہنچا اور وہ دونوں شخص اندر گئے۔ جب گھر والے نے مجھے ان کے ساتھ دیکھا تو اسے یقین ہوا کہ میں ان کا دوست ہوں۔ اس نے میرا خیر مقدم کیا اور مجھے بلند ترین جگہ پر بٹھایا۔ اس کے بعد دستر خوان بچھایا گیا۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا نے کھانے کا مقصد تو پورا کر دیا لیکن ہتھیلی اور کلائی ابھی باقی ہیں۔

اب ہم اٹھ کر ایک دوسری جگہ شراب نوشی کے لئے گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں عمدہ عمدہ چیزوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ گھر والا یہ سمجھ رہا تھا کہ میں اس کے مہمانوں کا مہمان ہوں۔ میرے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آتا اور مجھ سے مخاطب ہوتا۔ اسی طرح وہ دونوں میری بڑی خاطر تواضع کرتے اور یہ سمجھتے کہ میں گھر والے کا کوئی بڑا مخلص دوست ہوں۔ الغرض سب کے سب مجھ پر مہربان تھے۔ ہم نے پیالے پر پیالے چڑھانے شروع کئے۔ اب ایک کنیز نکل کر آئی۔ بید کی چھڑی جیسی نازک نہایت حسین اور خوش قامت۔ اس نے عود لے کر گانا شروع کر دیا۔

اے امیر المومنین میں بے چین ہو گیا۔ اس کا حسن اور گانا مجھے پسند آیا اور اس کی استادی پر حسد کرنے لگا۔ میں نے کہا اے کنیز' ابھی ایک چیز کی کمی باقی ہے۔ اس نے غصے میں آ کر عود اپنے ہاتھ سے پھینک دیا اور کہنے لگی کہ کیا ایسے بے وقوف

• تین سو سینتالیسویں رات

جب تین سو سینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابراہم بن مہدی کا بیان ہے کہ میرا نام سن کر وہ اچھل پڑا اور کہنے لگا کہ بڑے تعجب کی بات ہوتی' اگر تیرے سوا اور کسی میں یہ فضیلت پائی جاتی۔ تقدیر نے مجھ پر ایسا احسان کیا ہے کہ میں اس کا شکریہ کافی طور سے ادا نہیں کر سکتا۔ شاید میں خواب دیکھ رہا ہوں ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خلافت کے گھرانے والا میرے گھر مجھ سے ملنے آئے اور آج رات میرا ہم پیالہ ہو۔ میں نے اسے قسم دی کہ بیٹھ جا۔ وہ بیٹھ گیا اور نہایت مہربانی سے پوچھنے لگا کہ میرے گھر تیرے آنے کی کیا وجہ ہے۔ میں نے شروع سے لے کر آخر تک سارا قصہ بیان کر دیا' کچھ نہ چھپایا اور کہا کہ جہاں تک کھانے کا تعلق تھا میں نے سیر ہو کر کھایا البتہ اس ہتھیلی اور کلائی سے میری مراد نہ بر آئی۔ اس نے جواب دیا کہ ہتھیلی اور کلائی سے بھی انشاء اللہ تیری مراد بھر آئے گی۔ یہ کہہ کر اس نے ایک کنیز کو آواز دی۔ اے فلاں' فلاں کنیز سے کہہ کہ وہ نیچے اتر کر آئے۔ اس طرح وہ ایک ایک کر کے اپنی کنیزوں کو بلاتا اور میرے سامنے پیش کرتا۔ ان میں سے کوئی میری محبوبہ نہ نکلی۔ پھر اس نے کہا کہ اے میرے آقا اب سوا میری ماں اور بہن کے اور کوئی باقی نہیں رہا لیکن خدا کی قسم میں انہیں بھی نیچے بلا کر تیرے سامنے پیش کروں گا تا کہ تو انہیں دیکھ لے۔

مجھے اس کی حوصلہ مندی اور کشادہ دلی پر تعجب ہوا۔ میں نے کہا قربانت شوم! پہلے اپنی بہن کو بلا۔ چنانچہ اس کی بہن اتر کر آئی اور جونہی میری نظر اس کے ہاتھوں پر پڑی تو میں اس سے پہچان گیا کہ جن ہتھیلیوں اور کلائیوں کو میں نے دیکھا تھا' وہ اسی کی ہیں۔ میں بولا جزاک اللہ! یہی وہ لڑکی ہے جس کی ہتھیلی اور کلائی میں نے دیکھی تھی۔ اب اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ فوراً گواہ بلائے جائیں۔ جب گواہ حاضر ہوئے تو

اس نے اشرفیوں کے دو توڑے منگوائے اور گواہوں سے کہا کہ یہ میرا مولیٰ اور آقا ابراہیم بن مہدی امیر المومنین کا چچا' میری فلاں بہن سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس ایک توڑے کے مہر کے عوض اس کی شادی اس سے کر دی۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ میں نے اس مہر کے عوض جس کا میں نے ذکر کیا ہے تیری شادی اپنی فلاں بہن سے کر دی ہے۔ میں نے کہا قبول ہے اور منظور ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک توڑا اپنی بہن کو دے دیا اور دوسرا گواہوں کو۔ پھر اس نے کہا کہ اے میرے مولیٰ میں ایک گھر تیرے لئے آراستہ کئے دیتا ہوں تا کہ تو اس میں اپنی بیوی کے ساتھ سوئے۔ اس کی دریا دلی دیکھ کر میں دنگ رہ گیا اور مجھے شرم معلوم ہوئی کہ میں اس مکان میں اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہوں۔ اس لئے میں نے اس سے کہا کہ اسے میرے گھر روانہ کر دے۔ اے امیر المومنین! تیرے سر کی قسم' اس نے لڑکی کے ساتھ اتنا جہیز بھیجا کہ ہمارے مکان میں باوجود اس کی وسعت کے' سما نہ سکا۔ بعد ازاں اس سے یہ لڑکا پیدا ہوا جو تیرے سامنے کھڑا ہے۔ مامون کو اس شخص کی سخاوت کا حال سن کر بڑا تعجب ہوا۔ کہنے لگا کہ رحمت ہو اس پر۔ ایسا دوسرا ہونا ممکن نہیں اور ابراہیم بن مہدی سے کہا کہ اسے بلا کہ میں دیکھوں' ابراہیم نے اسے مامون کی خدمت میں حاضر کیا۔ مامون نے اس سے گفتگو کی' اس کی خوبیوں اور علم سے وہ بہت خوش ہوا اور اسے اپنا خاص مصاحب بنایا۔ خدا دینے والا اور بخشش کرنے والا ہے۔

○ اس عورت کی کہانی جس کے ہاتھ بھیک دینے پر کاٹ ڈالے گئے تھے

ایک بادشاہ نے اپنے ملک میں یہ حکم دے دیا کہ اگر کوئی شخص بھیک دے گا تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں گا لہٰذا سب لوگوں نے بھیک دینا بند کر دیا' کسی کو جرات نہ ہوتی تھی کہ کسی کو بھیک دے۔ ایک دن اللہ کا کرنا ایسا ہوتا ہے کہ ایک عورت

کے پاس کوئی فقیر آیا جو بھوک سے پریشان حال تھا اور کہنے لگا کہ مجھے بھیک دے اور
شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• تین سو اڑتالیسویں رات

جب تین سو اڑتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ فقیر نے عورت سے کہا کہ مجھے بھیک دے۔ اس نے جواب دیا کہ میں تجھے کس طرح بھیک دے سکتی ہوں۔ بادشاہ بھیک دینے والے کا ہاتھ کاٹ ڈالتا ہے۔ فقیر بولا خدا کے واسطے مجھے بھیک دے۔ جب اس نے خدا کا واسطہ دیا تو اس کا دل پسیج گیا۔ اس نے اسے دو روٹیاں دے دیں۔ یہ خبر بادشاہ کو ملی اور اس نے حکم دیا کہ وہ عورت اس کے سامنے پیش کی جائے۔ جب وہ آئی تو بادشاہ نے اس کے دونوں ہاتھ قلم کر دیئے اور وہ اپنے گھر لوٹ آئی۔

کچھ روز کے بعد بادشاہ نے اپنی ماں سے کہا' میں شادی کرنا چاہتا ہوں' میری شادی ایک حسین عورت سے کر دے۔ وہ بولی' ہمارے پڑوس میں ایک عورت ہے جس سے زیادہ حسین کوئی اور نہ ہو گی لیکن اس میں ایک سخت عیب ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کیا؟ ماں نے جواب دیا: اس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ ماں اسے لے آئی۔ بادشاہ نے اسے دیکھا تو گرویدہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ یہ وہی عورت تھی' جس نے فقیر کو بھیک کی دو روٹیاں دی تھیں اور اس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے گئے تھے۔ جب بادشاہ نے اس عورت سے شادی کی تو اس کی سوکنیں اس پر حسد کرنے لگیں۔ انہوں نے بادشاہ کو خط لکھا کہ وہ بڑی بد چلن ہے۔ اس کے ایک لڑکا پیدا ہو چکا تھا۔ بادشاہ نے اپنی ماں کو لکھ بھیجا کہ وہ اسے جنگل میں جا کر چھوڑ آئے۔ ماں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور اسے لے جا کر جنگل میں چھوڑ آئی۔

یہ عورت اپنی قسمت کو روتی پیٹتی اور واویلا کرتی اور جنگل ڈھونڈتی پھرتی۔ وہ اپنے بیٹے کو کندھے پر بٹھائے چلی جا رہی تھی کہ اس کا گزر ایک ندی پر ہوا۔ پیاس لگ آئی

تھی تو پانی پینے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ جھکی ہی تھی کہ لڑکا پانی میں گر گیا اور وہ بیٹھ کر اپنے بیٹے پر زار زار رونے لگی۔ اتنے میں اس کے پاس سے دو شخص گزرے اور کہنے لگے کہ تو کیوں روتی ہے؟اس نے جواب دیا کہ میرے کندھے پر میرا بیٹا تھا' وہ پانی میں گر گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا تو چاہتی ہے کہ ہم اسے نکال کر تیرے پاس لے آئیں؟ اس نے کہا ہاں۔ انہوں نے خدا سے دعا مانگی اور لڑکا صحیح و سالم نکل آیا۔ اس کا بال تک نہ بھیگا تھا۔ پھر انہوں نے کہا کہ کیا تو چاہتی ہے کہ خدا تیرے ہاتھوں کو پہلے کی طرح کر دے؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔ انہوں نے خدا سے دعا کی اور اس کے ہاتھ پہلے سے بہتر ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ کیا تو جانتی ہے کہ ہم کون ہیں؟ وہ بولی جاننے والا خدا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم وہی روٹیاں ہیں جو تو نے فقیر کو دی تھیں اور جن کی وجہ سے تیرے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے تھے۔ شکر کر خدا کا کہ اس نے تیرے ہاتھ اور تیرا بیٹا تجھے دوبارہ عنایت کیا اور اس نے خدا کی حمد و ثنا کی۔

○ اسرائیلی عابد کی کہانی

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جس کے گھر والے سوت کاتا کرتے تھے اور وہ ہر روز بازار جا کر اسے بیچتا' روئی خریدتا اور جو کچھ فائدہ ہوتا' اس سے اپنے بال بچوں کے لئے اس دن کے لئے کھانا خریدتا تا کہ وہ کھائیں۔ ایک دن حسب معمول اس نے سوت بیچا تو اس کا بھائی اسے ملا اور اس سے اپنی حاجت مندی کا دکھڑا رونے لگا۔ اس نے بکری کی قیمت اسے دے دی۔ اور خالی ہاتھ گھر لوٹ آیا۔ گھر والوں نے پوچھا کہ روئی اور کھانا کہاں ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ فلاں شخص مجھے ملا تھا اور اس نے اپنی حاجت مندی کی شکایت کی۔ اس لئے میں نے جتنے دام ملے' اسے دے دیئے۔ انہوں نے کہا اب ہم کیا کریں؟ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جسے

ہم بیچ سکے۔ ان کے پاس ایک ٹوٹا ہوا پیالہ اور ایک گھڑا تھا۔ انہیں وہ بازار لے گیا لیکن کسی نے خریدنے کی ہامی نہ بھری۔ وہ ابھی بازار ہی میں تھا کہ اس کے قریب سے ایک شخص گزرا جس کے پاس ایک مچھلی تھی اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• تین سو انچاسویں رات

جب تین سو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ وہ شخص پیالہ اور گھڑا لے کر بازار گیا لیکن کسی نے ان کے خریدنے کی ہامی نہ بھری وہ ابھی بازار میں ہی تھا کہ اس کے قریب سے ایک شخص گزرا جس کے پاس ایک سڑی بسی مچھلی تھی اور اسے کوئی نہ خریدتا تھا۔ مچھلی والے نے اس سے کہا کہ کیا تو اپنی بیکار چیزیں میری نکمی چیزیں کے عوض بیچتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں اور اپنا پیالہ اور گھڑا اسے دے کر مچھلی لے لی اور اسے اپنے گھر لے آیا۔ گھر والوں نے کہا کہ ہم اس مچھلی کا کیا کریں؟ اس نے جواب دیا کہ جب تک خدا ہمیں اور رزق نہ دے دے اسی کو تل کر کھائیں گے۔ انہوں نے مچھلی کو لے کر اس کا پیٹ چاک کیا تو انہیں اس کے اندر سے موتی ملا۔ بوڑھے کو اس کی خبر کی۔ اس نے کہا کہ دیکھ اگر وہ موتی چھید کیا ہوا ہے تو وہ کسی کی ملکیت ہے اور اگر اس میں چھید نہیں ہے تو وہ خدا کی طرف سے تمہارا رزق ہے۔ جب انہوں نے غور سے دیکھا تو اس میں کوئی چھید نہ تھا۔ صبح ہوئی تو وہ اسے ایک پرکھنے والے کے پاس لے گیا جو اس کا دوست تھا۔ اس نے پوچھا اے فلاں تجھے یہ موتی کہاں سے ہاتھ لگا؟

"وہ بولا' یہ خدا کا عطیہ ہے۔ اس شخص نے کہا کہ اس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے اور میں یہ قیمت دینے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن اسے فلاں شخص کے پاس لے جا کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ مال دار اور پرکھ والا ہے۔ بوڑھا وہ موتی اس کے پاس لے گیا۔ اس نے کہا کہ اس کی قیمت ستر ہزار درہم ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اسے ستر ہزار درہم دیئے۔ بوڑھے نے حمالوں کو بلایا اور وہ درہموں کی تھیلیاں لاد کر اس کے گھر کے دروازے پر پہنچے۔ یہاں اسے ایک فقیر ملا اور کہنے لگا کہ خدا نے جو کچھ تجھے عطا کیا ہے' اس میں سے مجھے بھی دے۔ بوڑھے نے فقیر سے کہا کہ

کل تک ہم بھی تیری طرح تھے۔ لہٰذا آدھا تو لے جا۔ جب مال کے دو حصے کے گئے اور ایک نے ایک ایک حصہ لیا تو فقیر نے کہا کہ اپنا مال پاس ہی رہنے دے' خدا تجھے اس میں برکت دے! میں تو تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں تا کہ تیرا امتحان کروں۔ بوڑھے نے کہا کہ شکر اور احسان ہے خدا کا۔ اس کے بعد مرتے دم تک اس نے اور اس کے بال بچوں نے نہایت عیش و عشرت کی زندگی گزاری۔

○ ابو حسان زیادی اور ایک خراسانی کی کہانی

ابو حسان زیادی سے روایت ہے کہ ایک بار میری حالت بہت پتلی تھی۔ حتیٰ کہ بنئے اور بھٹیارے سے اور سارے قرض خواہ میرے پیچھے پڑ گئے۔ اس سے مجھے بڑی تکلیف پہنچی کیونکہ چھٹکارے کی کوئی صورت بن نہ پائی تھی۔ میں اسی شش و پنج میں تھا کہ کیا کروں' اتنے میں میرے غلام نے آ کر کہا کہ دروازے پر ایک حاجی کھڑا ہے جو تجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا کہ اندر بلا لا۔ وہ اندر آیا میں نے دیکھا وہ کوئی خراسانی ہے۔ اس نے مجھے سلام کیا اور میں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر اس نے پوچھا کہ کیا تو ابو حسان زیدی ہے؟ میں نے کہا ہاں' تیرا کیا مقصد ہے؟ وہ بولا میں پردیسی ہوں حج کو جانا چاہتا ہوں اور میرے پاس بہت سا مال ہے جسے میں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ اس لئے میرا ارادہ ہے کہ یہ دس ہزار درہم اس وقت تک تیرے پاس چھوڑے جاؤں جب تک کہ حج سے لوٹوں۔ اگر قافلہ لوٹ آئے اور تو مجھے ان کے ساتھ نہ دیکھے تو جان لیجیو کہ میں مر گیا ہوں۔ اس وقت یہ مال تیری نذر ہے اور اگر میں لوٹ آیا تو وہ میرا ہے۔ میں نے کہا انشاء اللہ تیرا کہنا کیا جائے گا۔ یہ کہہ کر اس نے ایک چمڑے کی تھیلی نکالی اور میں نے غلام سے کہا کہ ترازو لا اور وہ ترازو لے آیا۔ خراسانی نے انہیں تول کر میرے حوالے کیا اور چل دیا۔ میں نے قرض خواہوں کو بلا کر اپنا قرضہ ادا کیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور

اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

تین سو پچاسویں رات

جب تین سو پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابو حسان زیادی کا بیان ہے کہ میں نے قرض خواہوں کو بلا کر جتنا قرضہ میرے اوپر تھا' ادا کر دیا اور خوب خرچ کیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ جب تک وہ شخص لوٹے گا اس وقت تک خدا کوئی نہ کوئی سبیل نکال دے گا۔ دوسرے دن غلام نے آ کر کہا کہ تیرا دوست خراسانی دروازے پر کھڑا ہے۔ میں نے کہا کہ اسے اندر بلا لا۔ جب وہ اندر آیا تو اس نے کہا کہ میں حج کے لئے تیار تھا لیکن مجھے یہ خبر ملی ہے کہ میرے باپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس لئے میں واپس جانا چاہتا ہوں۔ وہ مال جو میں نے کل تجھے دیا تھا' وہ واپس کر دے۔ یہ سن کر مجھے اتنا صدمہ پہنچا کہ کبھی کسی اور کو نہ پہنچا ہو گا اور میں حیران و پریشان ہو کر چپ ہو گیا' کوئی جواب نہ دے سکا کیونکہ اگر میں انکار کرتا تو وہ مجھے قسم دیتا اور مجھے آخرت میں شرمندگی اٹھانی پڑتی اور اگر میں کہتا کہ میں اسے خرچ کر چکا ہوں تو وہ شور مچاتا اور میری بے عزتی کرتا۔ اس لئے میں نے کہا کہ خدا تجھے سلامت رکھے! میرا مکان محفوظ نہیں ہے اور تیرا مال یہاں رہ نہ سکتا تھا۔ اس لئے میں نے تیری تھیلی لے کر ایک دوسرے شخص کے پاس رکھ دی ہے تو کل آئیو اور خدا نے چاہا تو اسے لے جائیو۔ یہ سن کر وہ چل دیا۔ مگر میں خراسانی کی واپسی پر اتنا متحیر تھا کہ اس رات مجھے بالکل نیند نہیں آئی بلکہ آنکھیں بند کرنا بھی اجیرن ہو گیا۔ میں اٹھ کر غلام کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ خچر پر زین کس۔ اس نے کہا کہ اے میرے مولیٰ ابھی اندھیرا ہے اور رات باقی ہے۔ اب میں پھر اپنے بچھونے پر گیا لیکن نیند نہ آئی اور میں برابر غلام کو جگاتا اور وہ وہی جواب دیتا رہا۔ یہاں تک کہ تڑکا ہوا اور اس نے میرے خچر پر کاٹھی رکھی اور میں سوار ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جاؤں اس لئے میں نے باگ خچر

کی گردن پر ڈال دی اور سوچنے لگا اور خچر بغداد کے پورب کی طرف چل دیا۔ میں چلا ہی جا رہا تھا کہ میں نے چند آدمیوں کو آتے دیکھا۔ میں نے ان کی طرف سے پھر کر دوسرے راستے پر چلنا شروع کر دیا لیکن میرا عمامہ دیکھ کر وہ میری طرف بڑھے اور کہنے لگے کہ کیا تجھے ابو حسان زیادی کے گھر کا پتہ معلوم ہے؟ میں نے کہا کہ ابو حسان تو میں ہی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ امیر المومنین نے تجھے بلایا ہے' چل۔ میں ان کے ساتھ روانہ ہو کر مامون کے پاس پہنچا۔

جب میں مامون کے سامنے آیا تو اس نے پوچھا تو کون ہے؟ میں نے کہا میں قاضی ابو یوسف کے ساتھیوں میں سے ایک فقیہ اور محدث ہوں۔ اس نے دریافت کیا کہ تیری کنیت کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ابو حسان زیادی۔ وہ بولا اپنا قصہ تفصیل کے ساتھ بیان کر۔ میں نے ساری داستان کہہ سنائی تو وہ زار زار رونے لگا اور اس نے مجھ سے کہا اے بد بخت تیری وجہ سے آج رات کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سونے نہ دیا۔ جب میں شروع رات میں سویا تو انہوں نے فرمایا کہ ابو حسان زیادی کی مدد کر۔ اس پر میری آنکھ کھل گئی۔ مگر مجھے بالکل خبر نہ تھی کہ تو کون ہے۔ میں پھر سو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر خواب میں دکھائی دیئے اور یہی ارشاد کیا۔ پھر بھی میری سمجھ میں نہ آیا اور میں سو گیا۔ پھر خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کم بخت ابو حسان زیادی کی مدد کر۔ اس کے بعد مجھے سونے کی ہمت نہ پڑی۔ رات بھر جاگتا رہا اور لوگوں کو جگا کر ہر طرف تیری تلاش میں بھیجا۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے دس ہزار درہم دیئے اور کہا یہ خراسانی کے لئے ہیں۔ پھر دس ہزار درہم دے کر کہا کہ انہیں خرچ اور اپنی حالت سنبھال۔ پھر اور تیس ہزار درہم دیئے اور کہا کہ ان سے اپنی حالت بہتر کر اور جلوس کے دن میرے پاس آئیو تا کہ میں تجھے کوئی عہدہ دوں۔ درہم لے کر میں روانہ ہوا اور گھر پہنچ کر وہاں فجر کی نماز پڑھی۔ اتنے میں خراسانی بھی آ پہنچا۔ میں نے اسے گھر میں بلا کر اس کے سامنے ایک تھیلی رکھ دی اور کہا کہ تیرا مال۔ اس نے جواب

دیا کہ یہ وہی نہیں ہے جو میں نے تجھے دیا تھا۔ میں نے کہا کہ درست ہے۔ اس نے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے اس سے ساری باتیں کہہ دیں اور وہ رونے لگا اور اس نے مجھ سے کہا کہ اگر تو مجھے پہلے ہی سے سچ سچ بتا دیتا تو میں تجھ سے تقاضا نہ کرتا اور خدا کی قسم اب میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو اکیاونویں رات

جب تین سو اکیاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ خراسانی نے زیادی سے کہا کہ اگر تو نے پہلے ہی سچ سچ کہہ دیا ہوتا تو میں تجھ سے تقاضا نہ کرتا اور خدا کی قسم اب میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا اور اس مال کو تیرے اوپر حلال کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ میرے پاس سے چلا گیا۔ میں نے اپنی حالت بہتر کی اور جلوس کے دن مامون کے دروازے پر گیا۔ جب میں اندر پہنچا تو وہ بیٹھا ہوا تھا۔ میں اس کے سامنے حاضر ہوا س نے مجھے اپنے قریب بلا کر اپنی جا نماز کے نیچے سے ایک پروانہ نکالا اور کہنے لگا کہ اس پروانے کی رو سے تجھے باب السلام سے لے کر مدینے کی غربی جانب تک کا قاضی بنایا جاتا ہے اور میں نے تیری تنخواہ اس قدر ماہانہ مقرر کی ہے۔ لہٰذا دل میں خدا کا خوف رکھیو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت کو نہ بھولیو۔ اس پر لوگوں کو تعجب ہوا اور انہوں نے مجھ سے اس کا مطلب پوچھا۔ میں نے سارا قصہ شروع سے لے آخر تک سنا دیا اور یہ خبر لوگوں میں پھیل گئی۔ ابو حسان برابر مدینے کا قاضی رہا۔ یہاں تک کہ مامون ہی کے زمانے میں اس کا انتقال ہو گیا۔ خدا اس پر رحمت کرے!

○ دوست کی مدد ضرورت کے وقت

ایک شخص بڑا مال دار تھا لیکن اس کی دولت ضائع ہو گئی اور وہ غریب ہو گیا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ کسی دوست کے پاس جا تا کہ اس کی مدد سے تیری حالت سنبھل جائے۔ اس نے اپنے ایک دوست کے پاس جا کر اپنی حاجت بیان کی۔ دوست نے اسے پانچ سو دینار قرض دیئے کہ ان کی تجارت کرے۔ یہ شخص پہلے جوہری تھا۔ اس نے

جوہری بازار میں جا کر ایک دکان کھولی اور جواہرات کے کاروبار کا ارادہ کیا۔ جب وہ دکان پر آ کر بیٹھا تو تین شخص اس کے پاس آئے اور اس کے باپ کو پوچھنے لگے۔

اس نے کہا کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ اس کے کوئی اولاد ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اسی غلام کو چھوڑا ہے جو تمہارے سامنے ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کا جاننے والا کون ہے کہ تو اس کا بیٹا ہے؟اس نے کہا بازار والے۔ وہ بولے کہ انہیں گواہی کے لئے ہمارے پاس بلا لا وہ انہیں بلا لایا اور انہوں نے اس بات کی گواہی دی۔ ان تین آدمیوں نے ایک خرجی نکالی جس میں تقریباً تیس ہزار دینار تھے۔ علاوہ بریں ہیرے اور قیمتی معدنیات۔ اور کہنے لگے کہ یہ ہمارے پاس تیرے باپ کی امانت تھی' یہ کہہ کر وہ چل دیئے۔ پھر اس کے پاس ایک عورت آئی اور ان ہیروں میں سے کچھ ہیرے جن کی قیمت پانچ سو دینار ہو گی تین ہزار دینار میں خریدے اس عورت کے ہاتھ یہ سودا بیچ کر وہ اٹھا اور پانچ سو دینار لئے ہوئے اس دوست کے پاس گیا جس سے اس نے قرضہ لیا تھا اور کہنے لگا کہ یہ پانچ سو دینار لے جو میں نے تجھ سے قرض لئے تھے کیونکہ خدا نے مجھے کامیاب کر دیا اور مالدار آدمی بنا دیا ہے۔ اس کے دوست نے کہا کہ وہ تو میں نے بطور ہدیے کے دیئے تھے اور فی سبیل اللہ ان سے بری الذمہ ہو گیا تھا۔ انہیں تو لے جا اور اس کاغذ کو بھی لیتا جا اور گھر پہنچ کر اسے پڑھیو اور اس پر عمل کیجیو۔ وہ ان دیناروں اور کاغذ کو لے کر اپنے گھر گیا اور جب اسے کھولا تو اس میں یہ اشعار تھے: ''جو آدمی پہلے تیرے پاس آئے تھے' میرے رشتے دار ہیں۔ باپ اور چچا اور ماموں۔ جو کچھ تو نے بیچا میری ماں کے ہاتھ بیچا اور دینار اور ہیرے میں نے تجھے بھیجے تھے۔ اس سے میرا مقصد تجھے نقصان پہنچانا نہ تھا بلکہ یہ کہ تجھے میرے سامنے شرمندگی نہ ہو۔''

○ ایک شخص کی کہانی جو غریب ہونے کے بعد مالدار ہو گیا

بغداد میں ایک شخص رہتا تھا جس کی دولت مندی ضرب المثل تھی لیکن خدا کی شان اس کا مال ضائع ہو گیا' اس کی حالت بگڑ گئی یہاں تک کہ اس کے پاس ایک کوڑی بھی نہ رہی۔ بڑی محنت مشقت سے اسے روٹی نصیب ہوتی تھی۔ ایک رات اسی غم اور غصے میں وہ سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص اس سے کہہ رہا ہے کہ تیری روزی مصر میں ہے' وہاں جا کر اسے تلاش کر۔ وہ مصر روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچا تو رات کا وقت تھا ایک مسجد میں جا کر سو رہا۔ مسجد کے پاس ایک مکان تھا۔ اللہ کا کرنا چوروں کی ایک ٹولی اس مسجد سے ہو کر اس مکان میں داخل ہوئی۔ چور کی آہٹ پا کر گھر والے جاگ اٹھے اور شور مچانے لگے۔ والی اپنے سپاہیوں کو لے کر ان کی مدد کے لئے آ پہنچا۔ چور تو بھاگ گئے اور والی مسجد میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ یہ بغدادی وہاں کھڑا ہوا ہے۔ اسے پکڑ کر والی نے خوب مارا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گیا اور اسے تین دن تک قید خانے میں بند رکھا۔

اس کے بعد والی نے پوچھا کہ تو کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بغداد کا۔ والی نے پوچھا کہ تیرے مصر آنے کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا تھا کہ تیری روزی مصر میں ہے' وہاں جا۔ جب میں مصر آیا تو میں نے دیکھا کہ جس روزی کی اس نے خبر دی تھی یہ کوڑے ہیں جو مجھے تجھ سے ملے۔

اس پر والی کھلکھلا کر ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ اے بے وقوف! میں نے تین بار خواب میں دیکھا ہے کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے کہ بغداد میں فلاں شکل کا ایک گھر ہے اور اس کی تعریف یہ ہے کہ اس کے صحن میں ایک چھوٹا سا باغ ہے جس کے نیچے ایک گڑھا ہے اور اس گڑھے میں بہت مال و دولت ہے' وہاں جا کر اسے لے مگر میں وہاں نہ گیا اور تو اپنی بے وقوفی اور محض ایک خواب کی بنا پر جو پریشان خیال ہے شہر شہر سفر کرتا پھرتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے کچھ درہم دیئے اور کہا کہ ان کی مدد سے تو اپنے وطن چلا جا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو باونویں رات

جب تین سو باونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- والی نے بغدادی کو کچھ درہم دے کر کہا کہ ان کی مدد سے اپنے وطن چلا جا اور انہیں لے کر وہ شخص بغداد واپس گیا۔ جس مکان کا والی نے ذکر کیا تھا' وہ اسی شخص کا گھر تھا۔ جب وہ اپنے گھر پہنچا تو گڑھے کو کھودا اور اس میں سے بے حد مال ملا۔ اس طرح خدا نے اس کی روزی میں برکت دی۔ یہ عجیب و غریب اتفاق ہے۔

○ خلیفہ متوکل اور محبوبہ کی کہانی

امیر المومنین متوکل علی اللہ کے محل میں چار ہزار اس کی چہیتی کنیزیں تھیں۔ جن میں سے دو سو رومی او دو سو دوغلی اور حبشنیں تھیں اور یہ چار سو کنیزیں جن میں سے دو سو گوری اور دو سو حبشنیں اور دوغلی تھیں' متوکل کو عبید بن طاہر نے پیش کی تھیں۔ منجملہ ان کنیزوں کے جو بصرے کی دوغلی کنیزوں میں سے تھیں' ایک کنیز تھی جس کا نام محبوبہ تھا اور جو حسن و جمال اور آب و تاب میں یکتا۔ وہ عود نوازی میں استاد' گانے میں لاجواب شاعرہ اور خوش خط تھی۔

متوکل اس پر فریفتہ تھا۔ ایک گھڑی اسے اپنے سے جدا نہ ہونے دیتا۔ کنیز نے جو اس کا یہ میلان دیکھا تو اس کے ساتھ گھمنڈ سے پیش آنے لگی اور اس کے احسانوں کو بھول گئی۔ متوکل اس سے ناراض ہو گیا۔ اسے چھوڑ دیا اور محل والوں کو منع کر دیا کہ اس سے بات نہ کریں۔ ایک مدت تک وہ اس حالت میں رہی مگر اس کی کشش متوکل کے دل سے نہ گئی۔ ایک دن صبح کو اس نے اپنے مصاحبوں سے کہا کہ میں نے رات خواب میں دیکھا ہے کہ مجھ میں اور محبوبہ میں صلح ہو گئی ہے۔ انہوں نے

کہا کہ خدا کرے کہ بیداری میں بھی اسی طرح ہو۔ وہ یہی باتیں کر رہا تھا کہ ایک خادمہ نے آ کر اس کے کان میں کچھ کہا۔ یہ سن کر وہ مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا اور حرم سرا میں گیا اور جس خادمہ نے اس کے کان میں کچھ کہا تھا وہ کہہ رہی تھی کہ ہم نے محبوبہ کے حجرے سے گانے اور عود بجانے کی آواز سنی ہے لیکن ہمیں اس کی وجہ معلوم نہیں۔

جب متوکل اس کے حجرے کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ عود نہایت خوبی سے بجا رہی ہے اور اس پر یہ اشعار گا رہی ہے: "میں محل میں ادھر ادھر ماری ماری پھرتی ہوں اور کوئی نہیں ملتا جس سے میں شکایت کروں اور وہ جواب دے۔ گویا میں نے ایسا گناہ کیا ہے جس سے کوئی توبہ مجھے چھٹکارا نہیں دے سکتی۔ کیا کوئی ایسا شخص نہیں جو میری سفارش بادشاہ کے پاس کرے جو خواب میں آ کر مجھ سے صلح کر گیا ہے۔"

یہ اشعار سن کر متوکل حیرت میں آ گیا۔ کیا عجیب اتفاق ہے محبوبہ نے بھی وہی خواب دیکھا ہے جو میں نے دیکھا ہے۔ اب وہ اس کے حجرے میں داخل ہوا اور جونہی کنیز کو اس کی آہٹ معلوم ہوئی وہ دوڑ کر اس کے پاس آ گئی اور اس کے قدموں پر گر کر انہیں چومنے لگی اور کہا اے میرے آقا یہ واقعہ میں نے رات خواب میں دیکھا ہے اور جس وقت میں جاگی تو میں نے یہ اشعار نظم کیے۔ متوکل نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے اور دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگا کر آپس میں صلح کر لی اور متوکل سات دن رات برابر اس کے ساتھ رہا' محبوبہ نے اپنے رخسار پر مشک سے متوکل کا نام لکھ رکھا تھا جو جعفر تھا۔ اور جب متوکل کا انتقال ہوا تو سوائے محبوبہ کے تمام کنیزوں کو صبر آ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو ترپنویں رات

جب تین سو ترپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... متوکل کے مرنے کے بعد محبوبہ کے سوا اس کی ساری کنیزوں کو صبر آ گیا مگر وہ مرتے دم تک غمگین رہی اور اسی کے پہلو میں دفن ہوئی' خدا ان دونوں پر رحمت بھیجے!

○ آبنوس کے گھوڑے کی کہانی

پرانے زمانے میں ایک عظیم الشان اور بڑے دبدبے والا بادشاہ تھا۔ اس کی تین بیٹیاں تھیں جو چاند کی طرح خوبصورت اور باغ کی طرح شگفتہ تھیں اور ایک بیٹا چندے آفتاب چندے ماہتاب۔ ایک دن جبکہ بادشاہ حکومت کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا' تین حکیم آئے۔ ایک کے پاس ایک سونے کا مور تھا' دوسرے کے پاس پیتل کا بگل اور تیسرے کے پاس ہاتھی دانت اور آبنوس کا گھوڑا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں اور ان میں کون سے فائدے ہیں؟ مور والے نے کہا کہ یہ مور دن رات ہر گھڑی گزرنے پر اپنے بازو پھڑپھڑاتا اور آواز دیتا ہے۔ بگل والے نے کہا کہ یہ بگل شہر کے دروازے پر رکھ دیا جائے تو شہر پر پہرہ دے گا۔ اگر شہر میں کوئی دشمن آئے گا تو بگل خود بخود بجنے لگے گا اور لوگ دشمن کو پہچان لیں گے اور وہ پکڑ لیا جائے گا۔ گھوڑے والا بولا: اے میرے مولیٰ اس گھوڑے میں یہ صفت ہے کہ اس کا سوار جہاں چاہے' پہنچ سکتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ میں تمہیں اس وقت انعام دوں گا کہ پہلے ان کا تجربہ کر لوں۔

اول ا اس نے مور کا تجربہ کیا اور اسے ویسا ہی پایا' جیسا کہ مور والے نے کہا تھا۔ پھر اس نے بگل کا تجربہ کیا اور اسے بھی بگل والے کے کہنے کے موافق پایا۔ اس نے ان دونوں حکیموں سے کہا کہ مانگو کیا مانگتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم دونوں یہ

مانگتے ہیں کہ ہم دونوں کی شادی اپنی ایک ایک بیٹی سے کر دے۔ بادشاہ نے اپنی بیٹیوں میں سے دو ان کے حوالے کر دیں۔

اب تیسرے حکیم نے جو گھوڑا لایا تھا بڑھ کر بادشاہ کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگا' جہاں پناہ مجھ پر بھی ویسی ہی بخشش کر جیسی کہ تو نے ان دونوں پر کی ہے۔

بادشاہ نے جواب دیا کہ پہلے میں تیری لائی ہوئی چیز کا امتحان کر لوں۔ یہ سن کر بادشاہ کا بیٹا آگے بڑھا اور بولا کہ ابا جان میں اس گھوڑے پر سوار ہو کر اس کا تجربہ اور اس کے کمال کا امتحان کروں گا۔ بادشاہ نے کہا کہ جس طرح تیری خوشی ہو' اس کا تجربہ کر۔ شہزادہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اپنے پاؤں ہلانے لگا لیکن گھوڑا ٹس سے مس نہ ہوا۔ شہزادے نے حکیم سے کہا کہ کہاں گئی وہ چال کی تیزی جس کا تو نے دعوٰی کیا تھا۔

حکیم شہزادے کے پاس گیا اور اسے اوپر اڑنے کا پیچ دکھا کر کہا کہ اس پیچ کو اوپر کی طرف کھینچ۔ جب اس نے پیچ کو کھینچا تو گھوڑے نے جنبش کی اور وہ شہزادے کو لے کر آسمان کی طرف اڑا اور اڑتے اڑتے نظروں سے غائب ہو گیا۔ یہ دیکھ کر شہزادہ حیران پریشان۔ گھوڑے پر سوار ہونے میں اسے بڑی ندامت تھی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ حکیم نے میرے مارنے کی چال چلی ہے۔ "لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔"

اب اس نے گھوڑے کے تمام اعضاء کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ دیکھتے دیکھتے اس کی نظر ایک چیز پر پڑی جو مرغ کے تاج کی طرح گھوڑے سے دائیں اور بائیں شانوں پر تھی۔ سوچا کہ ان دونوں کھونٹیوں کے سوا اور تو کوئی چیز دکھائی نہیں دی۔ ہو نہ ہو یہی اس کی کلیں ہیں اور اس نے داہنے شانے والی کھونٹی کو کھینچا' گھوڑا اور زیادہ تیزی سے اوپر کی طرف چڑھنے لگا۔ یہ دیکھ کر اس نے وہ کھونٹی چھوڑ دی۔ بائیں شانے والی کو کھینچنے لگا اور گھوڑے کی جنبش بجائے اوپر کے' نیچے کی طرف ہونے لگی اور

وہ آہستہ آہستہ زمین پر اترا۔ شہزادہ ڈرتا بھی جاتا تھا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

(۳۵۴ سے ۳۵۷ تک کی راتوں کی کہانیاں حذف کر دی گئیں ہیں' بہت فحش ہیں)

○○○

• تین سو اٹھاونویں رات

تین سو اٹھاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ گھوڑا آہستہ آہستہ زمین کی طرف چلا۔ شہزادہ خوفزدہ بھی تھا اور گھوڑے کا یہ کمال دیکھ کر خوش بھی۔ تاہم اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ہلاکت سے نجات ملی۔ وہ تمام دن اترتا رہا کیونکہ اوپر چڑھتے چڑھتے وہ زمین سے بہت دور پہنچ گیا تھا۔ اترتے وقت وہ جدھر چاہتا اوپر لے جاتا اور جب چاہتا نیچے لے آتا۔ جب اسے گھوڑے کی تمام کلیں معلوم ہو گئیں تو اس نے اس کی باگ زمین کی طرف پھیر دی اور ان ملکوں اور شہروں کی سیر کرنے لگا جنہیں اس نے کبھی نہ دیکھا تھا اور اس لئے انہیں پہچان نہ سکتا تھا۔ منجملہ اور شہروں کے اس کی نظر ایک شہر پر پڑی جس کے مکانات نہایت خوبصورت تھے اور چاروں طرف سبزہ زار اور درخت اور نہریں تھیں۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اس شہر کا کیا نام ہے اور وہ کس ملک میں ہے؟ اسی خیال میں وہ شہر کے گرد چکر لگانے اور ادھر ادھر غور سے دیکھنے لگا۔ دن کی روشنی ختم ہونے والی تھی۔ سورج ڈوب رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ رات بسر کرنے کے لئے مجھے اس شہر سے زیادہ خوبصورت جگہ کہاں ملے گی؟ یہیں رہوں صبح کو وطن روانہ ہو جاؤں گا اور گھر والوں اور باپ سے سارا ماجرا اور جو کچھ میں نے آنکھوں سے دیکھا ہے' بیان کروں گا۔ اب وہ ایسا کوئی گوشہ ڈھونڈنے لگا جہاں وہ اور اس کا گھوڑا امن و امان سے رہ سکیں اور کوئی انہیں نہ دیکھنے پائے۔

اس تلاش میں تھا کہ اس کی نظر بیچ شہر میں ایک عالی شان محل پر پڑی جس کے چاروں طرف فصیل اور اونچے اونچے برج تھے اس نے وہ کل دبائی جس سے گھوڑا نیچے اترتا تھا۔ گھوڑا اترتے اترتے سیدھا محل کی چھت پر آ گیا۔ شہزادہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ خدا کا شکر بجا لایا۔ گھوڑے کے ارد گرد پھرتا اور کہتا واللہ جس شخص نے تجھے ان اوصاف

کے ساتھ بنایا ہے وہ بڑا حکیم ہے۔ اگر خدا نے میری زندگی میں برکت دی اور مجھے صحیح و سالم میرے وطن اور خاندان میں پہنچا دیا اور میرے باپ سے ملایا تو اس حکیم کے ساتھ بڑی فیاضی کے ساتھ پیش آؤں گا اور اسے بہت انعام دوں گا۔ پھر وہ محل کی چھت پر رات کے انتظار میں ایک طرف بیٹھا پیاس سے سخت بے چین تھا۔ گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد اس وقت تک نہ ایک بوند پانی کی اس کے حلق میں گئی تھی نہ اناج کا ایک دانہ۔ خیال کیا کہ محل میں کھانے پینے کی چیزیں تو ضرور ہوں گی۔ نیچے چل کر دیکھنا چاہیے۔ گھوڑے کو وہیں چھوڑا اور آہستہ آہستہ راستہ ٹٹولتا چلا گیا۔ ایک زینہ نظر آیا اور وہ نیچے اترا۔ دیکھا کہ صحن میں مرمر کا فرش ہے۔ مکان اور عمارت کی خوبصورتی کا کیا کہنا لیکن حیرت یہ ہوئی کہ وہاں نہ اسے کوئی آواز سنائی دی' نہ کوئی انسان دکھائی دیا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دائیں بائیں دیکھتا اور اس کی سمجھ میں نہ آتا کہ کدھر جائے۔ دل میں کہنے لگا کہ اس سے تو بہتر یہی ہے کہ میں اپنے گھوڑے کے پاس جا کر وہیں رات گزاروں اور جب سویرا ہو تو اس پر سوار ہو کر چلتا بنوں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

تین سو انسٹھ ویں رات

جب تین سو انسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- شہزادہ کھڑا ہوا۔ اپنے دل سے یہی باتیں کر رہا تھا کہ محل کی طرف ایک روشنی آتی ہوئی دکھائی دی غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ روشنی کے ساتھ کچھ کنیزیں ہیں اور ان کے بیچ میں ایک لڑکی ہے جو حسین' دراز قامت اور جمال و کمال میں چاند کو مات کرتی ہے۔ یہ لڑکی اس شہر کے بادشاہ کی بیٹی تھی۔ باپ کو اس سے اتنی محبت تھی کہ اس نے اس کے لئے یہ محل بنوایا تھا۔ جب کبھی اس کا جی گھبراتا وہ اپنی کنیزوں کو لے کر یہاں آتی اور ایک دو روز یا زیادہ ٹھہر کر اپنے محل سرا میں واپس چلی جاتی۔
اتفاق کی بات کہ وہ اس رات کنیزوں کے ساتھ سیر و تفریح کے لئے آئی تھی۔ ایک خادم تلوار لگائے ہمراہ تھا۔ آ کر انہوں نے فرش بچھایا' خوشبو کی انگیٹھیاں جلائیں اور کھیل کود کر کے دل کو بہلانے لگیں۔ اپنے کھیل کود اور ہنسی مذاق میں مشغول تھیں کہ شہزادہ خادم کی طرف بڑھا۔ ایک طمانچہ مار کر اسے زمین اور اس کے ہاتھ سے تلوار چھین کر ان کنیزوں کی طرف بڑھا۔ وہ دائیں بائیں ہٹ گئیں۔ شہزادی کی نظر جو اس پر پڑی تو اس کی موہنی صورت دیکھ کر کہنے لگی تو شاید وہی شخص ہے جس نے کل مجھ سے شادی کرنے کی تجویز میرے باپ کے سامنے پیش کی تھی اور اس نے اس خیال سے رد کر دیا تھا کہ تو بدصورت ہے۔ واللہ میرے باپ نے جھوٹ بولا تھا' تو تو خوبصورت ہے۔ بات یہ تھی کہ ہندوستان کے بادشاہ کے بیٹے نے شہزادی سے شادی کرنے کی تجویز بادشاہ کے سامنے پیش کی تھی مگر اس نے انکار کر دیا تھا کیونکہ شہزادہ بد صورت تھا۔ شہزادی کو گمان ہوا کہ یہی وہ شخص ہے جو میرے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔ وہ آگے بڑھی اور اسے گلے لگا کر بوسے دینے لگی اور دونوں پاس پاس لیٹ گئے۔ کنیزوں نے کہا کہ اے آقا یہ وہ شخص نہیں ہے جس نے تجھ سے شادی کرنے کی

تجویز تیرے باپ کے سامنے پیش کی تھی۔ وہ بد صورت تھا اور یہ خوبصورت ہے۔ جو تجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور جسے تیرے باپ نے منظور نہیں کیا' اس کے نوکر ہونے کے بھی قابل نہیں۔ اے آقا یہ تو بڑی شان و شوکت والا ہے۔

اب کنیزیں خادم کے پاس گئیں جو بے ہوش پڑا ہوا تھا' اسے جگایا۔ وہ گھبرا کر اٹھا اور اپنی تلوار ڈھونڈنے لگا۔ کنیز نے کہا کہ جو شخص تجھے پٹخنا دے کر تیزی تلوار لے گیا ہے وہ شہزادی کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ اس خادم کو بادشاہ نے اپنی بیٹی کی حفاظت کے لئے مقرر کیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش نہ آئے۔

خادم اٹھ کر پردے کے پاس گیا اور اسے اٹھا کر دیکھا کہ شہزادی شہزادے کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہے اور وہ دونوں باتیں کر رہے ہیں۔ خدام کی نظر ان پر پڑی تو اس نے شہزادے سے کہا کہ اے میرے آقا' بتا تو انسان ہے یا جن۔ شہزادہ بولا' اے منحوس غلام تو ایران کے بادشاہوں کی اولاد کو کافر شیطان کہتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے تلوار اٹھا لی اور کہا کہ میں بادشاہ کا داماد ہوں' اس نے میری شادی اپنی بیٹی سے کر دی ہے۔ یہ سن کر خادم نے کہا کہ اے میرے آقا' اگر تو انسان ہے جیسا کہ تو خود کہتا ہے تو شہزادی تیرے سوا اور کسی کے قابل نہیں اور سب سے زیادہ تو اس کا مستحق ہے۔

اس کے بعد خادم بادشاہ کے پاس جا کر چلانے' کپڑے پھاڑنے اور سر پر خاک ڈالنے لگا۔اس کی چیخ و پکار سن کر بادشاہ نے کہا کہ تجھ کیا بلا ٹوٹی ہے؟ تو نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ جلد بتا زیادہ باتیں نہ بنا۔ اے بادشاہ اپنی بیٹی کے پاس چل اس کے اوپر ایک بھوت سوار ہے جس کی وضع انسانوں کی سی اور شکل شہزادوں کی سی ہے' جلد چل کر اسے نکال۔ بادشاہ نے اسے یہ کہتے سنا تو اس کے قتل کی ٹھان لی اور خادم سے کہنے لگا کہ تو نے کیوں اتنی غفلت کی یہ بھوت اس پر سوار ہو گا؟ اور بادشاہ اس محل کی طرف روانہ ہو گیا جہاں اس کی بیٹی تھی۔ وہاں پہنچ کر اسنے دیکھا کہ کنیزیں کھڑی ہوئی ہیں۔ ان سے پوچھا کہ میری بیٹی کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے؟ انہوں

نے کہا کہ اے بادشاہ ہم شہزادی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ جوان تلوار لے کر یکا یک ہم پر ٹوٹ پڑا جو چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے اور جس سے زیادہ خوبصورت ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ ہم نے ماجرا پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ تو نے اس کی شادی اپنی بیٹی سے کر دی ہے۔ اس سے زیادہ ہمیں خبر نہیں اور نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ جن ہے یا انس لیکن وہ بہت با عصمت اور سلیقہ مند ہے' اس سے کوئی بری بات سرزد نہیں ہوئی۔

جب بادشاہ نے کنیزوں کو یہ کہتے سنا تو اس کا غصہ اتر گیا اور وہ پردے کو تھوڑا کھسکانے لگا۔ دیکھا کہ اس کی بیٹی شہزادے کے ساتھ باتیں کر رہی ہے اور وہ نہایت حسین ہے۔ اس کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا ہے۔ غیرت کی وجہ سے وہ ضبط نہ کر سکا اور پردہ اٹھا کر ہاتھ میں ننگی تلوار لئے دونوں کی طرف بھوت کی طرح بڑھا۔ جب شہزادے کی نظر اس پر پڑی تو اس نے شہزادی سے کہا کہ یہ تیرا باپ ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

تین سو ساٹھویں رات

تین سو ساٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... شہزادے نے پوچھا کہ یہ تیرا باپ ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ یہ سن کر وہ تلوار لے کر اٹھا اور اس زور سے نعرہ مارا کہ بادشاہ کانپ اٹھا' اسے یقین آ گیا کہ شہزادہ مجھ سے زیادہ پھرتیلا ہے اور اس سے پہلے کے شہزادہ بادشاہ پر حملہ کرے بادشاہ نے اپنی تلوار میان میں ڈال لی اور جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ شہزادہ اس کے پاس پہنچا۔ بادشاہ اس کے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آیا اور کہنے لگا کہ اے نوجوان تو انسان ہے یا جن؟

شہزادے نے کہا کہ اگر مجھے تیرے مرتبے اور تیری بیٹی کی عزت کا پاس نہ ہوتا تو میں تیرا خون بہا دیتا مجھے شیطانوں کی طرف کیونکر منسوب کرتا ہے حالانکہ میں ایران کے ان بادشاہوں کی اولاد میں سے ہوں کہ اگر وہ چاہیں تو تیری عزت اور حکومت کو برباد کر کے چھوڑیں اور تیرے ملک پر قابض ہو جائیں۔ بادشاہ نے اس کی باتیں سنیں تو سہم گیا۔ اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور کہنے لگا کہ اگر تو بادشاہوں کی اولاد میں سے ہے جیسا کہ تو خود کہتا ہے تو بغیر میری اجازت کے تو محل میں کیوں آیا' کس لئے میری بے عزتی کی اور میری بیٹی کے پاس آ کر کہا کہ تو اس کا شوہر ہے اور یہ جھوٹ بولا کہ میں نے تیری شادی اس کے ساتھ کر دی ہے؟ میں تو وہ شخص ہوں کہ جس نے بادشاہوں اور بادشاہ زادوں کو قتل کر دیا جبکہ وہ میری بیٹی کا پیغام لے کر آئے۔ تجھے میری قوت کے آگے کون بچا سکتا ہے! اگر میں اپنے غلاموں اور نوکروں کو آواز دوں اور ان سے کہوں کہ وہ تجھے قتل کر دیں تو وہ فوراً ہی تجھے قتل کر دیں گے اور تجھے کوئی بچا نہ سکے گا۔

جب شہزادے نے یہ باتیں سنیں تو بادشاہ سے کہنے لگا کہ مجھے تجھ پر اور تیری نادانی پر تعجب ہوتا ہے کیا تجھے اپنی بیٹی کے لئے مجھ سے بہتر شوہر مل سکتا ہے؟ کیا تیری

نظر سے کوئی ایسا شخص گزرا ہے جو مجھ سے زیادہ قوی دل اور حملہ آور ہو اور بڑے دبدبے اور لاؤ لشکر والا ہو؟ بادشاہ نے کہا واللہ نہیں۔ لیکن اے جوان میں چاہتا ہوں کہ تو گواہوں کے سامنے اس سے شادی کی تجویز پیش کرتا کہ اس کا نکاح تیرے ساتھ کر دوں۔ کیونکہ اگر میں نے تیرا نکاح اس کے ساتھ چوری چھپے کر دیا تو ساری دنیا میں بدنام ہو جاؤں گا۔ شہزادے نے کہا کہ اب تو نے معقول بات کہی ہے لیکن اے بادشاہ اگر تو نے اپنے غلاموں اور نوکر چاکروں اور لشکر لے کر میرے اوپر چڑھائی کر دی اور جیسا کہ تیرا خیال ہے انہوں نے مجھے قتل کر دیا تو اس صورت میں کیا تیری بدنامی نہ ہو گی۔ بعض لوگ تجھے سچا جانیں گے اور بعض جھوٹا۔ اے بادشاہ میری رائے یہ ہے کہ تو میرا کہنا مان۔ بادشاہ نے کہا کہ کیا کہتا ہے۔ شہزادے نے کہا کہ یا تو میں اور تو تنہا مقابلہ کریں اور ہم میں سے جو شخص دوسرے کو قتل کر دے وہی بادشاہت کا زیادہ سزا وار سمجھا جائے یا آج رات تو مجھے رہنے دے اور کل صبح کو تو اپنا لشکر اور فوجیں اور غلام لے کر میرے اوپر چڑھائی کر اور مجھے بتا دے کہ ان کی تعداد کیا ہے؟ بادشاہ نے کہا کہ ان کی تعداد چالیس ہزار سوار ہے۔ اسی قدر غلام اور ان کے ماتحت۔ شہزادے نے کہا کہ کل جب دن نکلے تو انہیں میرے ساتھ مقابلے میں لائیو اور ان سے کہیو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو اکسٹھ ویں رات

جب تین سو اکسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ شہزادے نے کہا کہ انہیں میرے مقابلے میں لا کر کہو کہ یہ شخص اس شرط پر میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے کہ وہ تم سب سے مقابلہ کرے گا اور اس کا دعویٰ ہے کہ وہ سب پر غالب آئے گا اور سب کو نیچا دکھائے گا اور تمہاری اس کے آگے کچھ بھی نہ چلے گی۔ یہ کہہ کر تو مجھے ان کے ساتھ لڑنے دیجیو۔ اگر انہوں نے مجھے قتل کر دیا تو تیرا بھید چھپا رہے گا اور تیری عزت بچی رہے گی اور اگر میں نے غالب آ کر انہیں نیچا دکھایا تو میں اس قابل ہوں کہ بادشاہوں سے رشتہ ناطہ قائم کروں بادشاہ نے اس کی بات پسند کی اور اس کا مشورہ مان لیا۔ اگرچہ اس نے سمجھا کہ وہ بڑی ڈینگ ہانکتا ہے لیکن ساتھ ہی اس کی دلیری پر خوفزدہ بھی ہو گیا کہ کہیں یہ کوئی جن تو نہیں ہے' ساری فوج کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور بادشاہ نے نوکر بلا کر کہا کہ ابھی وزیر کے پاس جا اور کہہ کہ تمام لشکر کو جمع کر کرے ہتھیاروں سے آراستہ ہونے کا حکم دے۔ نوکر نے وزیر کو بادشاہ کا حکم پہنچا دیا اور وزیر نے فوجی سرداروں اور امراء کو حکم دیا کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر ہتھیار لگائے ہوئے نکلیں۔

یہ تو ان کا قصہ ہوا۔ اب بادشاہ کا حال سنئے۔ وہ شہزادے سے برابر باتیں چیتیں کرتا رہا۔ اس کی باتیں اور عقل و تمیز اسے بہت پسند آئی۔ وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ صبح ہو گئی۔ بادشاہ وہاں سے اٹھ کر اپنے تخت پر جا بیٹھا۔ فوج کو حکم دیا کہ سوار ہو جائے اور اپنے بہترین گھوڑوں میں سے ایک عمدہ گھوڑا شہزادے کی سواری کے لئے پیش کیا اور حکم دیا کہ اس کا سازو سامان نہایت عمدہ ہو۔ شہزادہ' بادشاہ سے کہنے لگا کہ جب تک میں لشکر کے پاس جا کر اس کا معائنہ نہ کر لوں' ہر گز سوار نہ ہوں

گا۔ بادشاہ نے کہا جیسی تیری مرضی۔ اب بادشاہ اور شہزادہ ساتھ ساتھ چلے اور میدان میں پہنچے۔ جوان نے دیکھا کہ لشکر بے شمار ہے۔ بادشاہ نے بلند آواز سے کہا کہ اے لوگو! میرے پاس ایک جوان آیا ہے اور میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس سے زیادہ خوبصورت' دل کا مضبوط اور طاقتور میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ تنہا تمہیں مار کر نیچا دکھائے گا اگر تمہاری تعداد ایک لاکھ بھی ہو تو اس کے آگے کم ہے۔ لہٰذا جب وہ تمہارے مقابلے میں آئے تو اسے بھالوں کی نوکوں اور تلواروں کی دھار پر لے لینا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ چھوٹا منہ اور بڑا نوالہ۔

پھر بادشاہ نے کہا کہ بیٹا ان سے کہہ' کیا چاہتا ہے۔ وہ بولا' اے بادشاہ تو نے میرے ساتھ نا انصافی کی ہے۔ میں ان سے اس حالت میں کیونکر لڑ سکتا ہوں کہ میں پیدل ہوں اور وہ سوار! بادشاہ نے کہا کہ میں نے تجھے سوار ہونے کے لئے کہا تھا لیکن تو نہ مانا۔ تمام گھوڑے تیرے آگے حاضر ہیں۔ ان میں سے جو پسند ہو لے لے۔ شہزادے نے کہا کہ تیرے گھوڑوں میں سے مجھے کوئی پسند نہیں۔ میں سوار ہوں گا تو اپنے اس گھوڑے پر جو مجھے یہاں لایا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تیرا گھوڑا کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا تیرے محل میں۔ بادشاہ نے پوچھا میرے محل میں کس جگہ؟ اس نے کہا کہ چھت پر۔ بادشاہ نے کہا یہ پہلی بے وقوفی والی بات ہے جو تو نے کی۔ بھلا گھوڑا چھت پر کس طرح ہو سکتا ہے لیکن کیا مضائقہ' ابھی تیرا جھوٹ سچ کھل جاتا ہے۔ بادشاہ نے اپنے ایک مصاحب سے مخاطب ہو کر کہا کہ میرے محل میں جا اور چھت پر جو چیز ہو' اسے لے آ۔ لوگوں کو جوان کی بات پر بڑا تعجب ہوا۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ گھوڑا زینے پر سے کیونکر اتر سکتا ہے۔ ایسی بات ہم نے تو آج تک سنی نہیں۔ بادشاہ کے مصاحب نے محل پر چڑھ کر دیکھا تو واقعی وہاں ایک گھوڑا کھڑا تھا۔ اس سے زیادہ خوبصورت اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ پاس پہنچ کر غور جو کیا تو آبنوس اور ہاتھی دانت کا ہے۔ اس مصاحب کے ساتھ بادشاہ کے چند مصاحب بھی اوپر چڑھ آئے تھے۔ وہ بھی گھوڑے کو دیکھ کر ہنسنے لگے اور کہا' کیا جوان کا مطلب اسی

گھوڑے سے تھا؟ ہمارے خیال میں وہ پاگل ہے لیکن ابھی سارا معاملہ صاف ہو جائے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

ooo

• تین سو باسٹھویں رات

تین سو باسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مصاحبوں نے کہا کہ ابھی سارا معاملہ صاف ہو جائے گا۔ ممکن ہے اس میں کوئی عظیم الشان بھید ہو۔
وہ گھوڑے کو اٹھا کر لائے اور بادشاہ کے سامنے لا کر کھڑا کیا۔ لوگ اس کے گرد جمع ہو کر اسے دیکھنے' اس کی خوبصورتی اور زین اور لگام کی عمدگی پر عش عش کرنے لگے۔ بادشاہ کو بھی وہ بہت پسند آیا اور تعجب سے پوچھا' یہی تیرا گھوڑا ہے؟ شہزادے نے کہا' ہاں اے بادشاہ' یہی میرا گھوڑا ہے۔ ابھی تو اس کی عجیب و غریب باتیں دیکھ لے گا۔ بادشاہ بولا' اچھا لے اپنا گھوڑا اور سوار ہو۔ اس نے کہا کہ جب تک لشکر دور نہ ہٹ جائے میں اس پر سوار نہ ہوں گا۔ بادشاہ نے لشکر والوں سے کہا جو اس کے آس پاس تھے کہ گھوڑے سے ایک تیر کے فاصلے پر دور چلے جاؤ۔ شہزادے نے کہا' اے بادشاہ دیکھ اب میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا ہوں اور ان پر حملہ کر کے انہیں تتر بتر اور ان کے دل پاش پاش کرتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا جو تیرا جی چاہے کر اور ان کے ساتھ کوئی کسر نہ چھوڑ کیونکہ وہ بھی تیرے ساتھ کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔
شہزادہ اپنے گھوڑے کے پاس جا کر اس پر سوار ہو گیا اور لشکر نے صفیں باندھ لیں۔ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ جونہی جوان ان کے بیچ میں آئے گا ہم اسے نیزوں کی نوکوں اور تلواروں کی دھار پر لے لیں گے۔ ایک شخص بولا۔ واللہ یہ بڑی بات ہے' ایسے خوبصورت اور خوش قد جوان کو ہم کیونکر قتل کر سکتے ہیں' ایک دوسرے نے کہا تمہاری اس تک رسائی بہت مشکل سے ہو سکتی ہے۔ ایسا حوصلہ کوئی یونہی نہیں کرتا' اسے اپنی بہادری اور جواں مردی پر بھروسہ ہے۔ شہزادے نے گھوڑے پر سوار ہو کر اڑنے کا پیچ پھرایا۔ لوگ گردنیں نکال نکال کر اس کی طرف دیکھنے لگے کہ

وہ کیا کرتا ہے۔ گھوڑا ہلنے مچلنے اور ایسی حرکتیں کرنے لگا جیسا گھوڑے کیا کرتے ہیں۔
پھر جب اس کے پیٹ میں ہوا بھر گئی تو وہ زمین سے ابھرا اور ہوا میں اڑ گیا۔ بادشاہ نے اسے معلق ہوتے اور اڑتے دیکھا تو لشکر کو آواز دی' کمبختو پکڑو کہیں تمہاری زد سے نکل نہ جائے۔ وزیروں اور نوابوں نے کہا کہ اے حضور کیا اڑتی ہوئی چڑیا کو کوئی پکڑ سکتا ہے! یہ ضرور کوئی بڑا جادوگر تھا۔ بڑا فضل ہوا' خدا کا شکر کر کہ تجھے اس کے ہاتھ سے نجات ملی۔
شہزادے کی یہ حالت دیکھنے کے بعد بادشاہ اپنے محل میں گیا اور اپنی بیٹی سے سارا ماجرا بیان کیا جو اسے میدان میں شہزادے کے ساتھ پیش آیا تھا۔ شہزادی کو اس کی جدائی پر بڑا افسوس ہوا اور وہ اتنی سخت بیمار پڑی کہ تکیے سے سر نہ اٹھاتی۔ بادشاہ نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اسے اپنے سینے سے لگایا۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اس سے کہنے لگا کہ بیٹی خدا کا شکر کر کہ اس نے ہمیں اس مکار جادوگر سے نجات دی۔ اس کے بعد اس نے شہزادے کا ماجرا پھر بیان کیا اور یہ کہ وہ کس طرح ہوا میں اڑ گیا۔ لیکن اس نے ایک بات بھی نہ سنی جو باپ نے کہی تھی بلکہ اور زیادہ رونے پیٹنے لگی اور اپنے سے عہد کیا کہ جب تک خدا اسے مجھ سے نہ ملا دے' نہ میں کھانا کھاؤں گی' نہ پانی پیوں گی۔ باپ کو اپنی بیٹی کی حالت دیکھ کر بڑا صدمہ پہنچا اور سخت پریشان رہنے لگا۔ جتنا اسے تسلی دیتا' اتنا ہی اس کی محبت زور پکڑتی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• تین سو تریسٹھ ویں رات

جب تین سو تریسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ جتنا اسے تسلی دیتا' اتنا ہی اس کی محبت زور پکڑتی۔

یہ تو بادشاہ اور اس کی بیٹی کا حال ہوا' اب شہزادے کا ماجرا سنئے۔ جب وہ ہوا میں اڑا اور تنہائی ہوئی تو لڑکی کے حسن و جمال کی یاد آئی۔ بادشاہ کے مصاحبوں سے وہ اس شہر' بادشاہ اور اس کی بیٹی کا نام پوچھ چکا تھا' یہاں کے اتے پتے اسے معلوم ہو گئے تھے۔ وہ تیزی کے ساتھ اڑتا ہوا اپنے شہر پہنچا۔ شہر کا چکر کھانے کے بعد اپنے باپ کے محل کی طرف گیا اور چھت پر اتر پڑا۔ گھوڑے کو وہیں چھوڑ کر اترا اور اپنے باپ کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ وہ اس کی جدائی میں غمگین بیٹھا ہے۔ بیٹے کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا' دوڑ کر اسے سینے سے لگا لیا اور بہت خوش ہوا۔ جب شہزادہ اپنے باپ کے پاس بیٹھا تو اس نے حکیم کے بارے میں دریافت کیا جس نے وہ گھوڑا بنایا تھا اور کہا' ابا جان اس کا کیا حشرا ہوا؟

باپ نے جواب دیا کہ خدا حکیم کا ستیاناس کرے اور اس گھڑی کا جب میں نے اسے دیکھا تھا۔ اسی کی وجہ سے ہم میں یہ تفرقہ پڑا۔ بیٹا جب سے تو غائب ہوا وہ قید خانے میں ہے۔ شہزادے نے کہا کہ اس پر مہربانی کر اور قید خانے سے نکال کر اسے میرے پاس بلا۔ حکیم' بادشاہ کے پاس آیا تو اس نے اسے خوشنودی کا خلعت عطا کیا اور اس کے ساتھ انعام و اکرام سے پیش آیا لیکن اپنی بیٹی اسے نہ دی۔ حکیم اندر ہی اندر ہی طیش کھانے لگا اور اپنے کئے پر بہت پچھتایا۔ اسے یقین ہو گیا کہ شہزادہ گھوڑے کے بھید سے واقف ہو گیا ہے۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ میری رائے میں اس گھوڑے پر ہرگز سوار نہ ہو بلکہ اس کے پاس بھی نہ پھٹک اس لئے کہ تجھے اس کی اصلیت سے واقفیت نہیں' جو تو دیکھتا ہے محض دھوکے کی ٹٹی ہے شہزادہ اپنے باپ

سے سفر کا سارا ماجرا بیان کر چکا تھا جس پر اس کے باپ نے کہا تھا کہ اگر وہ تجھے قتل کرنا چاہتا تو قتل کر چکا ہوتا لیکن ابھی تیری موت نہیں آئی تھی۔

شہزادہ اس لڑکی کی محبت میں بے چین تھا جو صنعا کے بادشاہ کی بیٹی تھی۔ اس سے زیادہ صبر نہ ہو سکا۔ صبح ہوتے ہی وہ گھوڑے کے پاس گیا۔ اس پر سوار ہو کر اڑنے کا پیچ پھرایا۔ وہ ہوا میں بلند ہو کر آسمان کی طرف چل دیا۔ اتنے میں باپ نے اٹھ کر بیٹے کو تلاش کیا' کہیں نہ ملا تو وہ پریشان ہو کر محل پر چڑھا۔ دیکھا صاحبزادے صاحب ہوا میں اڑے چلے جا رہے ہیں۔ سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور بے حد پچھتایا کہ اس نے گھوڑے کو لے کر پہلے ہی چھپا کیوں نہ دیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر اب کے میرا بیٹا لوٹا تو میں اس گھوڑے کو سلامت نہ چھوڑوں گا۔ اس کے بغیر مجھے اپنے بیٹے کی طرف سے اطمینان نہیں ہو سکتا۔ بیٹے کو آنکھوں کے سامنے غائب ہوتے دیکھ کر وہ رونے پیٹنے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو چونسٹھ ویں رات

جب تین سو چونسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ اپنے بیٹے کی جدائی پر رونے پیٹنے لگا۔ یہ تو اس کا حال ہوا۔ اب اس کے بیٹے کا قصہ سنئے: وہ ہوا میں اڑتے اڑتے صنعا پر جا کر رکا۔ اسی جگہ اتر جہاں پہلے اترا تھا اور دبے پاؤں شہزادی کی محل سرا میں پہنچا۔ دیکھا وہاں نہ وہ ہے نہ اس کی کنیزیں نہ اس کا محافظ غلام۔ غمگین اور افسردہ خاطر ادھر ادھر ڈھونڈنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے پتہ چلا وہ آج ایک بالکل الگ کمرے میں ہے اور تکیے پر سر رکھے لیٹی ہوئی ہے۔ کنیزیں اور مامائیں اس کے ارد گرد کھڑی ہیں۔ شہزادے نے اندر جا کر انہیں سلام کیا۔ جونہی لڑکی کے کان میں اس کی آواز پہنچی' وہ اٹھ بیٹھی۔ اسے گلے سے لگا لیا۔ اس کی پیشانی چومنے اور اسے سینے سے لگانے لگی۔

شہزادے نے کہا اے میری آقا اتنی مدت تک تو نے مجھے اکیلا رکھا۔ اس نے جواب دیا کہ اکیلا تو تو نے مجھے چھوڑ دیا تھا' اگر تو کچھ دنوں اور غائب رہتا تو میں ضرور مر مٹتی۔ شہزادے نے کہا کہ اے میری آقا تجھے معلوم ہے کہ تیرے باپ نے میری کیا گت بنائی ہے اور میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اے لوگوں کے دلوں کو تباہ کرنے والی! اگر مجھے تیری محبت کا پاس نہ ہوتا تو میں اسے قتل کر دیتا اور سب کو اس سے عبرت ہوتی۔ لیکن تیری محبت کی وجہ سے میں اس سے بھی محبت کرتا ہوں۔

شہزادی نے کہا تو نے میری جدائی کس طرح گوارا کی۔ کہیں میری زندگی بے تیرے آرام سے گزر سکتی تھی! شہزادہ بولا کیا تو میری بات سننے اور کہنا ماننے کے لئے تیار ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جو تو کہنا چاہتا ہے' میں تیرا کہنا مانوں گی اور بالکل مخالفت نہ کروں گی۔ شہزادے نے کہا کہ میرے ساتھ میرے ملک و وطن کو چل۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے۔ شہزادہ باغ باغ ہو گیا' اس کا ہاتھ پکڑا' خدا کی قسم دی پھر

محل کے اوپر جا کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ شہزادی کو اپنے پیچھے بٹھایا اپنی پیٹھ سے خوب مضبوط باندھا اور اس پیچ کو پھرایا جس سے گھوڑا اوپر کی طرف پرواز کرتا تھا۔ گھوڑا انہیں لے کر ہوا میں اڑا۔ یہ دیکھ کر کنیزیں چلانے لگیں اور انہوں نے جا کر شہزادی کے ماں باپ کو خبر کی۔

بادشاہ اور بادشاہ کی بیگم دونوں محل کی چھت پر گئے۔ بادشاہ نے نظر اوپر اٹھائی دیکھا کہ آبنوس کا گھوڑا ہوا میں اڑتا چلا جاتا ہے۔ بادشاہ کا دل ٹوٹ گیا۔ اس نے چلا کر کہا اے شہزادے خدا کے واسطے مجھ پر اور میری بیوی پر رحم کر ہم میں اور ہماری بیٹی میں جدائی نہ ڈال' لیکن شہزادے نے کچھ جواب نہ دیا مگر ساتھ ہی خیال آیا کہ شاید شہزادی کو اپنے ماں باپ کے چھٹنے کا افسوس ہو۔ وہ اس سے کہنے لگا کہ اے خانہ برانداز کیا تو چاہتی ہے کہ میں تجھے تیرے ماں با کے پاس واپس کر دوں؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا واللہ میری یہ ہرگز خواہش نہیں۔ میں تو اب تیرے ساتھ ہوں۔ تیری محبت نے مجھے ہر چیز سے بے پرواہ کر دیا حتیٰ کہ میرے ماں باپ سے بھی۔

یہ سن کر شہزادے کی مارے خوشی کے باچھیں کھل گئیں اور وہ آہستہ آہستہ اڑا تا کہ شہزادی کو تکلیف نہ ہو۔ اب چلتے چلتے وہ ایک سبزہ زار پہنچے جہاں پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا' وہاں اتر کر انہوں نے کھایا پیا۔ اس کے بعد شہزادہ پھر سوار ہو گیا اور شہزادی کو اپنے پیچھے بٹھا کر رسی سے مضبوط باندھ دیا تا کہ وہ کہیں گر نہ پڑے اور آگے روانہ ہو گیا آخر اپنے باپ کے شہر میں پہنچا۔ اب اسے اور زیادہ خوشی ہوئی اس نے چاہا کہ لڑکی کو شاہی محل اور باپ کی حکومت کا معائنہ کرائے اور یہ ثابت کر دے کہ میرے باپ کا ملک تیرے باپ کے ملک سے بڑا ہے۔ اس لئے پہلے وہ ایک باغ میں اترا جو اس کے باپ کی سیر گاہ تھی اور شہزادی کو محل سرا میں لے گیا جو اس کے باپ کے لئے آراستہ کی گئی تھی اور گھوڑے کو محل سرا کے دروازے پر کھڑا کر کے لڑکی سے کہا کہ اس کی نگہبانی کیجیو اور جب تک میں اپنا قاصد نہ بھیجوں'

یہیں ٹھہری رہیو۔ میں باپ کے پاس جا کر تیرے لئے ایک محل آراستہ کروں گا اور تجھے اپنی شان و شوکت دکھاؤں گا۔ اس کی یہ باتیں سن کر لڑکی بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی جو تیرا جی چاہے کر ......

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• تین سو پینسٹھ ویں رات

جب تین سو پینسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی نے کہا کہ جو تیرا جی چاہے کر۔ وہ سمجھ گئی کہ میں نہایت شان و شوکت سے داخل ہوں گی جس کی میں مستحق ہوں۔ اب شہزادہ وہاں سے چل کر شہر میں داخل ہوا اور اور اپنے باپ کے پاس گیا۔ باپ نے جو بیٹے کو دیکھا تو بڑا خوش ہوا۔ اس کا خیر مقدم کیا اور مرحبا کہا۔ شہزادہ کہنے لگا ابا جان میں اس شہزادی کو لے آیا ہوں جس کا میں نے ذکر کیا تھا۔ اسے شہر کے باہر ایک باغ میں ٹھہرا دیا ہے اور تجھے خبر دینے آیا ہوں تا کہ تو جلوس تیار کر کے اس کی پیشوائی کو چلے اور اسے اپنی شان و شوکت اور لاؤ لشکر دکھائے۔

بادشاہ نے فوراً رعایا کو حکم دیا کہ شہر کو نہایت خوبصورتی سے آراستہ و پیراستہ کریں اور خود نہایت تزک و احتشام کے ساتھ سوار ہوا۔ لشکر اور تمام امرا وزرا نوکر چاکروں کو لے کر چلا۔ شہزادے نے اپنے باپ کے محل سے زیور اور پوشاکیں اور کل چیزیں جو گزشتہ بادشاہوں نے جمع کر رکھی تھیں' نکالیں اور شہزادی کے لئے سبز' سرخ اور زرد کمخواب کا ڈولا تیار کرا کر اس میں ہندی اور رومی حبشی کنیزوں کو بٹھایا اور عجیب و غریب خزانے نکالے۔ پھر شہزادہ ڈولے' کو ڈولے والیوں کے پاس چھوڑ کر باغ میں گیا جہاں وہ شہزادی کو چھوڑ آیا تھا اور چاروں طرف دیکھا لیکن نہ اسے پایا نہ گھوڑے کو' وہ منہ پیٹنے اور کپڑے پھاڑنے اور پاگلوں کی طرح باغ کے چکر لگانے لگا۔ جب اس کی عقل ذرا ٹھکانے آئی تو وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اسے گھوڑے کا بھید کیونکر معلوم ہوا۔ وہ تو بالکل اس کے کل پرزوں سے ناواقف تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی حکیم کو جس نے گھوڑا بنایا تھا اس کا پتا چل گیا اور وہ اسے لے اڑا کیونکہ میرے باپ نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا تھا۔

اب شہزادے نے باغ کے چوکیداروں کو بلا کر پوچھا کہ کوئی شخص وہاں سے گزرا ہے؟ کسی کو تم نے یہاں سے گزرتے اور باغ کے اندر داخل ہوتے دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہم نے کسی کو یہاں آتے دیکھا ہے تو وہ ایرانی حکیم تھا جو کارآمد بوٹیاں جمع کرنے آیا تھا۔ شہزادے نے انہیں کہتے سنا تو اسے یقین ہو گیا کہ وہی حکیم لڑکی کو لے گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو چھیاسٹھ ویں رات

جب تین سو چھیلسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ان کی باتیں سن کر شہزادے کو یقین ہو گیا کہ وہی حکیم لڑکی کو لے گیا ہے۔ قسمت کا

لکھا بغیر پورا ہوئے نہیں رہتا۔ اللہ تعالٰی کی قدرت جب شہزادہ لڑکی کو باغ کی محل سرا میں چھوڑ کر اس کے خیر مقدم کی تیار کرنے باپ کے محل میں گیا تو اسی وقت بوٹیاں جمع کرنے کی غرض سے حکیم باغ میں پہنچا اور اسے مشک و عطر کی خوشبوئیں آنے لگیں جن سے ساری فضا معطر تھی۔ یہ خوشبو شہزادی کے پاس سے آ رہی تھی۔ حکیم اس خوشبو کی طرف چلا اور چلتے چلتے اس محل سرا تک پہنچ گیا۔ جونہی اس کی نظر گھوڑے پر پڑی اس کا دل باغ باغ ہو گیا کیونکہ اسے گھوڑے کے ہاتھ سے جانے کا بڑا افسوس تھا۔ اس نے گھوڑے کے پاس جا کر اس کے سارے کل پرزے جانچے' دیکھا کہ سب ٹھیک ہیں لیکن جونہی اس نے چاہا کہ سوار ہو کر چل دے خیال آیا کہ دیکھوں تو سہی کہ شہزادہ کون سی چیز لا کر اس گھوڑے کے پاس یہاں چھوڑ گیا ہے۔ وہ ہر طرف نظر دوڑاتا محل سرا میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ ایک لڑکی وہاں بیٹھی ہوئی ہے جیسے کہ صاف آسمان پر سورج۔ اسے دیکھتے ہی وہ سمجھ گیا کہ اس میں کوئی نہ کوئی خاص بھید ہے۔ شہزادہ ہی اسے گھوڑے پر بٹھا کر یہاں لایا ہو گا اور اسے محل سرا میں چھوڑ گیا ہو گا تا کہ جلوس لا کر اسے شان و شوکت کے ساتھ شہر میں لے جائے۔ یہ سوچ کر حکیم اس کی طرف بڑھا اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔

شہزادی نے اس کی طرف نگاہ اٹھائی دیکھا کہ ایک نہایت بد صورت اور کریہہ منظر شخص سامنے کھڑا ہے۔ پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ اے میر آقا میں شہزادے کا قاصد ہوں' اس نے مجھے تیرے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں تجھے دوسرے باغ

میں لے چلوں جو شہر کے قریب ہے۔ یہ سن کر لڑکی نے کہا کہ شہزادہ کہاں ہے؟
اس نے جواب دیا کہ شہر میں اپنے باپ کے پاس عنقریب جلوس کے ساتھ تیرے پاس آنے والا ہے۔ شہزادی بولی' اے شخص کیا شہزادے کے پاس اور کوئی نہ تھا جسے وہ میرے پاس بھیجتا۔

یہ سن کر حکیم ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ اے میری آقا میری بدصورتی اور کریہہ منظری پر مت جا۔ اگر تجھے بھی مجھ سے وہ فائدے پہنچتے جو شہزادے کو پہنچے ہیں تو تو میرے متعلق ایسا خیال نہ کرتی۔ شہزادے نے خاص طور پر میری بد شکلی اور ڈراؤنی صورت کی وجہ سے تیرے پاس بھیجا ہے کیونکہ وہ تجھ پر عاشق ہے اور عاشق شکی ہوتے ہیں ورنہ اس کے پاس بے شمار غلام اور نوکر چاکر ہیں۔ یہ باتیں لڑکی کی سمجھ میں آ گئیں' اسے یقین ہو گیا کہ وہ سچ کہتا ہے اور اٹھ کھڑی ہوئی ------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو سڑسٹھ ویں رات

جب تین سو سڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور کہنے لگی کہ اے میرے باپ میری سواری کے لئے تو کیا لایا ہے؟ اس نے کہا کہ اے میری آقا' اسی گھوڑے پر چڑھ جس پر تو سوار ہو کر آئی ہے۔ شہزادی نے کہا کہ میں اکیلی اس پر نہیں چڑھ سکتی۔ یہ سن کر حکیم مسکرایا اور اسے یقین ہو گیا کہ اب پالا مار لیا۔ وہ اس سے کہنے لگا کہ میں خود تیرے ساتھ سوار ہوں گا۔ یہ کہہ کر وہ سوار ہو گیا اور لڑکی کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور اسے اپنے بدن سے ملا کر خوب مضبوط باندھ دیا۔ لڑکی تو بالکل بے خبر تھی کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ حکیم نے پرواز کے پیچ کو دبایا۔ گھوڑے کے پیٹ میں ہوا بھر گئی اور وہ حرکت کرتے کرتے اوپر کی طرف چلا اور اڑتے اڑتے شہر سے غائب ہو گیا۔ لڑکی نے کہا' اے شخص تیرا بیان شہزادے کے متعلق کیا ہو گیا؟ تو نے مجھے کہا تھا کہ اس نے تجھے میرے پاس بھیجا ہے۔ حکیم نے کہا کہ خدا کی مار شہزادے پر' وہ بڑا خبیث اور ملعون ہے۔ شہزادی نے کہا تجھے یہ ہمت کیونکر ہوئی کہ تو اپنے آقا کی نافرنی کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ میرا آقا نہیں۔ تجھے معلوم ہے کہ میں کون ہوں؟ شہزادی نے کہا مجھے تمہارے متعلق اتنا ہی معلوم ہے جتنا تونے خود بیان کیا ہے۔ وہ بولا یہ باتیں میں نے تجھے اور شہزادے کو دھوکا دینے کے لئے کہی تھیں۔ جس گھوڑے پر تو سوار ہے' اسے شہزادے کی نذر کر کے میں ایک مدت سے پشیمان تھا۔ میں نے اسے بنایا ہے لیکن شہزادے نے اس پر قبضہ کر لیا۔اب میں اس پر غالب آگیا اور تو بھی میرے ہاتھ لگی۔ اب اس کا دل اسی طرح جلے گا جس طرح اس نے میرا دل جلایا ہے۔ اب اس کے ہاتھ ہرگز یہ گھوڑا نہیں لگ سکتا۔ غم نہ کر

بلکہ دل شاد ہومیں تیرے لئے اس سے زیادہ کارآمد ثابت ہوں گا۔ یہ سن کر لڑکی اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگی اور دل میں کہتی ہائے افسوس نہ تو میرا محبوب مجھ کو ملا اور نہ میں اپنے ماں باپ ہی کے پاس رہی اور اپنی مصیبت پر زار زار روتی۔

حکیم اسے لئے روم کے ملک میں پہنچا۔ اور ایک سبزہ زار میں اترا۔ جہاں بہت سے درخت اور ندیاں تھیں۔ سبزہ زار کے قریب ایک شہر تھا جس پر ایک عظیم الشان بادشاہ حکمرانی کرتا تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ بادشاہ سیر و شکار کے لے نکلا اور پھرتے پھرتے اس سبزہ زار میں پہنچا تو دیکھا کہ ایک بد صورت شخص ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ کھڑا ہے۔ حکیم کی توجہ ابھی اس طرف نہ ہوئی تھی کہ بادشاہ کے غلاموں نے جھپٹ کر حکیم' لڑکی اور گھوڑے کو گرفتار کر لیا اور سب کو بادشاہ کے پاس لا کر حاضر کیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ جس قدر لڑکی حسین ہے اسی قدر مرد کریہہ منظر۔ کچھ بے جوڑ سی بات معلوم ہوئی۔ لڑکی سے پوچھا کہ یہ بوڑھا تیرا کیا لگتا ہے؟ قبل اس کے کہ وہ کچھ کہے حکیم بول پڑا۔ یہ میری بیوی اور چچیری بہن ہے لیکن لڑکی نے یہ سن کر کہا کہ واللہ اے بادشاہ وہ جھوٹا ہے۔ نہ وہ میرا شوہر ہے نہ میں اسے پہچانتی ہوں بلکہ وہ مجھے دھوکا دے کر زبردستی پکڑ لایا ہے۔

جب بادشاہ نے لڑکی کا بیان سنا تو کہا اس شخص کو مارو اور بادشاہ کے آدمیوں نے اسے اتنا مارا کہ وہ مرتے مرتے بچا۔ اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے شہر لے جا کر قید خانے میں ڈال دیں۔ غرض حکیم سے لرکی اور گھوڑا چھین لیا گیا اور اسے قید خانے بھیج دیا لیکن یہ نہ معلوم ہوا کہ گھوڑے میں کیا خوبیاں ہیں اور وہ کس طرح چلتا ہے؟

یہ تو حکیم اور لڑکی کی سر گزشت ہوئی۔ اب شہزادے کی کہانی سنئے۔ وہ سفر کے کپڑے پہن کر اور ضرورت کے موافق مال لے کر بری حالت میں چل کھڑا ہوا او رواں دواں گاؤں گاؤں' شہر شہر اسے ڈھونڈنے لگا۔ جہاں جاتا آبنوس کے گھوڑے کا حال پوچھتا

مگر جو کوئی آبنوس کے گھوڑے کا نام سنتا تعجب کرتا اور اس کی بات پر یقین نہ لاتا۔
یونہی اسے ایک زمانہ گزر گیا اور باوجود آبادیوں اور جنگلوں کی خاک چھاننے کے کہیں اسے ان دونوں کا پتا نہ چلا۔ اس کے بعد وہ لڑکی کے باپ کے شہر میں پہنچا۔ وہاں بھی اسے کوئی خبر نہ ملی بلکہ اس نے دیکھا کہ بادشاہ بیٹی کے غم میں سوگ نشین ہے۔ پھر پلٹ کر روم کے ملک میں آیا اور کھوج لگانے لگا جہاں بیٹھتا جس سے ملتا لڑکی کے متعلق دریافت کرتا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو اڑسٹھ ویں رات

جب تین سو اڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... شہزادہ روم کے شہر میں پہنچ کر اٹھتے بیٹھتے ہر شخص سے شہزادی اور آبنوس کے گھوڑے کی

بابت پوچھتا۔ اتفاق کی بات جس سرائے میں وہ اترا تھا' وہاں چند سوداگر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ وہ بھی ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ اور ایک سوداگر کو کہتے سنا کہ دوستو' میں نے ایک عجیب سے عجیب چیز دیکھی ہے۔ انہوں نے پوچھا' وہ کیا؟ اس نے کہا کہ میں ایک ملک میں فلاں شہر سے ہو کر گزرا۔ (اب اس نے اسی شہر کا نام لیا جس میں کہ وہ لڑکی تھی) وہاں کے باشندوں سے ایک نہایت اچنبھے کی بات سنی وہ یہ کہ ایک روز اس شہر کا بادشاہ اپنے مصاحبوں اور دیگر امراء کے ساتھ سیر و شکار کے لئے گیا۔ جب وہ جنگل میں پہنچے تو ان کا گزر ایک سبزہ زار میں سے ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہاں ایک مرد کھڑا ہوا ہے اور اس کے پاس ایک لڑکی بیٹھی ہوئی ہے او ایک آبنوس کا گھوڑا ہے۔ مرد تو بد صورت اور ڈراؤنی شکل کا تھا لیکن عورت نہایت حسین و جمیل' خوش رو خوش خرام' کمال درجے کی سڈول اور آبنوس کا گھوڑا تو ایک عجوبہ تھا۔ اس صنعت کا اور ایسا خوبصورت گھوڑا آج تک کسی کی نظر سے نہیں گزرا ہو گا۔

حاضرین نے پوچھا' اچھا تو بادشاہ نے پھر ان کے ساتھ کیا کیا؟ وہ بولا اس مرد سے بادشاہ نے پوچھا کہ یہ لڑکی تیری کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میری بیوی اور چچیری بہن ہے۔ لڑکی نے کہا کہ یہ جھوٹ بکتا ہے۔ اس پر بادشاہ نے لڑکی کو اس سے علیحدہ کر لیا' اسے خوب پٹوایا اور قید خانے میں بند کر دیا۔ اب رہا آبنوس کا گھوڑا اس کا مجھے علم نہیں۔ سوداگر کی یہ باتیں سن کر شہزادہ اس کے قریب گیا۔ بڑی نرمی اور لجاجت کے ساتھ اس سے اس شہر اور بادشاہ کا نام پوچھا اور جب شہزادے کو شہر اور بادشاہ کا نام معلوم ہو گیا تو وہ رات اس نے بری خوشی میں گزاری۔

صبح ہوتے ہی وہ چل کھڑا ہوا اور چلتے چلتے اس شہر تک پہنچ گیا مگر جونہی وہ چاہتا تھا کہ شہر میں داخل ہو' دربانوں نے اسے پکڑ لیا اور بادشاہ کے پاس لے جانے کا قصد کیا تا کہ بادشاہ اس کے حالات دریافت کرے کہ کون ہے؟ اس شہر میں کیوں ایا ہے اور کون سی دستکاری جانتا ہے۔ یہی بادشاہ کا دستور تھا کہ وہ پردیسیوں سے ان کا حال اور دستکاری پوچھتا۔ شہزادہ اس شہر میں شام کے وقت پہنچا تھا اس وقت اسے بادشاہ کے سامنے لے جانا ممکن نہ تھا' اس لیے دربان اسے قید خانے میں لے چلے لیکن دربانوں نے دیکھا کہ وہ حسین و جمیل ہے۔ ان کے دل نے گوارا نہ کیا کہ وہ اسے قید خانے میں بند کر دیں۔ انہوں نے اسے باہر ہی اپنے ساتھ بٹھا لیا اور کھانا آیا تو اس نے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ کھانے کے بعد وہ سب باتیں کرنے لگے۔ انہوں نے شہزادے سے پوچھا کہ تیرا وطن کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اکاسرہ کے ملک فارس کا رہنے والا ہوں۔ دربانوں نے جو اس کی باتیں سنیں تو ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے کسروی ہم نے بہت لوگوں کی باتیں سنی ہیں' ان کے حالات ہمارے کان تک پہنچے ہیں اور ہم نے خود ان کو دیکھا ہے لیکن نہ اس کسروی سے زیادہ جھوٹا جو یہاں قید میں ہمارے حصے میں آیا ہے نہ اس سے زیادہ بد صورت ہمارے دیکھنے میں ہے۔

شہزادے نے پوچھا کہ اس سے کون سا جھوٹ سرزد ہوا؟ انہوں نے کہا کہ وہ اپنے آپ کو حکیم بتاتا ہے۔ ایک روز بادشاہ شکار پر جا رہا تھا کہ اس نے اسے راہ میں دیکھا۔ اس کے ساتھ ایک عورت تھی جو حسن و جمال' خوبروئی و کمال قد و قامت میں بے نظیر تھی اور اس کے ساتھ ایک سیاہ آبنوس کا گھوڑا بھی تھا۔ جس سے زیادہ خوبصورت ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ لڑکی تو اب محل میں ہے۔ بادشاہ کو اس سے محبت ہو گئی ہے لیکن اس کا دل الٹ گیا ہے۔ اگر یہ شخص حکیم ہوتا جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے تو وہ اسے اچھا کر دیتا۔ بادشاہ بہت چاہتا ہے کہ وہ اچھی ہو جائے اور وہ برابر اس کی بیماری کا علاج کر رہا ہے گھوڑا شاہی عجائب خانے میں ہے اور وہ بد شکل آدمی ہمارے پاس قید خانے میں بند ہے۔ جب رات ہوتی ہے تو وہ اپنی حالت پر غمگین ہو کر روتا

پیٹتا ہے اور ہمیں سونے نہیں دیتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو انہترویں رات

تین سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑے پہرے داروں نے ایرانی حکیم کا ذکر کیا تو شہزادے نے سوچا کہ کسی نہ کسی تدبیر سے اپنا مقصد پورا کرنا چاہیے۔ ادھر جب پہرے دار سونے لگے تو انہوں نے شہزادے کو قید خانے میں ڈال کر دروازہ بند کر دیا۔ اس نے حکیم کو فارسی میں اپنے اوپر روتے اور نوحہ کرتے سنا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ حیف ہو مجھ پر کہ میں اپنے اور شہزادے کے ساتھ گناہ کا مرتکب ہوا۔ لڑکی کے ساتھ وہ حرکت کی کہ نہ اسے آرام سے رہنے دیا اور نہ میری مراد پوری ہوئی۔ یہ میری سمجھ کی خرابی ہے۔ میں ایسی چیز کا خواہش مند ہوا جس کا میں مستحق نہ تھا اور نہ جو مجھ جیسوں کے لئے مناسب تھی۔ جو کوئی نا مناسب چیز کی خواہش کرتا ہے' وہ میری ہی طرح مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

حکیم کی یہ باتیں سن کر شہزادے نے اس سے فارسی میں گفتگو کی اور کہا کہ تو آخر کب تک روتا پیٹتا رہے گا۔ کیا تیرا خیال ہے کہ تجھ جیسی مصیبت کسی اور پر نہ پڑی ہو گی؟ جب حکیم نے اس کی گفتگو سنی تو وہ اس سے مانوس ہو گیا اور اس کے آگے سارا دکھڑا رویا اور تمام تکلیفوں کا ذکر کیا ۔

صبح نمودار ہوتنی تو پہرے دار شہزادے کو بادشاہ کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ شخص کل شام کو ایسے وقت پر پہنچا تھا کہ اسے بادشاہ کے سامنے پیش کرنا ممکن نہ تھا۔ بادشاہ نے شہزادے سے پوچھا کہ تو کس ملک سے آیا ہے' تیرا نام کیا ہے' تو کون سی دستکاری جانتا ہے اور یہاں کیوں آیا ہے؟ شہزادے نے کہا کہ فارسی میں میرا نام ہرجا ہے میرا وطن فارس ہے اور میں عالم آدمی ہوں خصوصاً طلب کا ماہر۔ میں بیماروں کا خاص کر پاگلوں کا علاج کرتا ہوں۔ ملکوں اور شہروں کا سفر اس لئے کرتا ہوں کہ میرے علم میں اضافہ ہو' اگر کوئی بیمار ملتا ہے تو میں اس کا علاج بھی کر دیتا ہوں۔

بس یہ ہے میری دستکاری۔ بادشاہ اس کی باتیں سن کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ اے فاضل حکیم تو ٹھیک ایسے وقت پر آیا ہے کہ ہمیں تیری ضرورت تھی۔ پھر اس نے لڑکی کا سارا قصہ بیان کیا اور کہا کہ اگر تو اس کا علاج کر کے اس کا جنون دور کر دے تو جو تو مانگے گا' میں دوں گا۔ بادشاہ کی گفتگو سننے کے بعد شہزادہ بولا۔ خدا بادشاہ سلامت کی عزت قائم رکھے! جو جو باتیں تو نے اس کے جنون کی دیکھی ہیں بیان کر اور یہ بتا کہ وہ کتنے دن سے جنون میں مبتلا ہے اور تو نے اسے اور گھوڑے اور حکیم کو کس طرح گرفتار کیا؟ بادشاہ نے شروع سے لے کر آخر تک سارا قصہ بیان کر دیا اور یہ بھی کہا کہ حکیم اس وقت قید خانے میں ہے۔ شہزادے نے کہا اے بلند اقبال بادشاہ جو گھوڑا اس لڑکی کے ساتھ تھا اسے تو نے کیا کیا؟

وہ بولا' اے جوان وہ میرے پاس ہے ایک حجرے میں حفاظت سے ہے۔ شہزادے نے اپنے دل میں کہا کہ سب سے پہلے مجھے اس گھوڑے کو دیکھ کر جانچ پڑتال کرنی چاہیے۔ اگر وہ سالم ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں تو بس میری مراد پوری ہو گئی اور اگر اس میں کوئی حرکت باقی نہیں رہی تو مجھے اپنی جان چھڑانے کی تدبیر سوچنی مقدم ہے۔ جب اس نے بادشاہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے بادشاہ پہلے مجھے وہ گھوڑا دکھا۔ ممکن ہے کہ مجھے اس میں سے کوئی ایسی چیز ہاتھ لگے جو لڑکی کے علاج میں کام دے۔ بادشاہ کھڑا ہو گیا اور شہزادے کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھوڑے کے پاس لے گیا۔ شہزادے نے گھوڑے کے گرد چکر لگا کر اس کی جانچ پڑتال کی اور اس کی ہر چیز پر نظر ڈالی۔ دیکھا کہ وہ درست حالت میں ہے۔ اس پر کوئی حادثہ نہیں گزرا۔ شہزادہ مطمئن ہو کر کہنے لگا کہ خدا تیری عزت قائم رکھے! اب میں چاہتا ہوں کہ لڑکی کے پاس جا کر اس کا حال دیکھوں۔ مجھے خدا کی ذات سے امید ہے کہ انشاء اللہ اس گھوڑے کی وجہ سے لڑکی کا علاج میرے ہاتھ سے ہو گا۔ یہ کہہ کر اس نے تنبیہہ کی کہ گھوڑے کو حفاظت سے رکھا جائے اور بادشاہ کے ساتھ اس مکان میں گیا جہاں لڑکی تھی۔

شہزادہ لڑکی کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ پاگلوں کی طرح اول جلول بکتی اور وحشیوں کی سی حرکتیں کرتی ہے۔ اسے جنون تو نہ تھا لیکن وہ باتیں اس وجہ سے کرتی تھی کہ کوئی اس کے پاس نہ پھٹکے۔ شہزادے نے اسے اس حال میں پایا تو کہنے لگا کہ اے فتنہ! ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ اس کے بعد وہ اس سے نرمی اور مہربانی سے پیش آیا اور اسے بتا دیا کہ وہ کون ہے۔ جب لڑکی نے اسے پہچانا تو خوشی کے مارے زور سے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑی۔ بادشاہ نے سمجھا لڑکی ڈر گئی اور وہ بے چین ہو گیا۔ شہزادے نے اپنا منہ لڑکی کے پاس لا کر کہا کہ اے فتنہ! اپنی اور میری جان پر رحم کر ذرا صبر سے کام لے اور دل مضبوط رکھ۔ اس وقت صبر اور استقلال کی ضرورت ہے۔ عقل سے کام لینے کا وقت ہے تا کہ کسی حیلے سے ہم اس ظالم بادشاہ سے نجات پائیں۔ میں بادشاہ سے کہتا ہوں کہ تیری بیٹی پر جنوں کا بھوت سوار ہے۔ میں ذمہ داری لیتا ہوں کہ اسے اچھا کروں گا بشرطیکہ تو اس کی بیڑیاں کھول دے' بیڑیاں کھلنے پر ہی بھوت بھاگ جائے گا۔ پھر جب بادشاہ تیرے پاس آئے تو اس سے سمجھ کر کہ باتیں کیجیو تا کہ وہ یقین کر لے کہ تو میرے ہاتھ سے اچھی ہو گئی ہے۔ اس طرح ہمارا مطلب حل ہو جائے گا۔ لڑکی نے ہامی بھر لی اور شہزادے نے خوش خوش بادشاہ کے پاس جا کر کہا کہ اے خوش اقبال بادشاہ! تیری خوش قسمتی سے اس کا مرض اور علاج ختم ہو گیا۔ تیری خاطر میں نے اسے اچھا کر دیا۔ اٹھ اور اس کے پاس جا کر نرمی سے گفتگو کر اور مہربانی سے پیش آ اور جس چیز سے وہ خوش ہوا اس کا وعدہ کر۔ یقین جان کہ جو کچھ تو اس سے مانگے گا تجھے بھرپور ملے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو سترویں رات

جب تین سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ شہزادے نے بادشاہ سے کہا کہ تو جو کچھ اس سے مانگے گا' بھر پور ملے گا۔ یہ سن کر بادشاہ اٹھا اور لڑکی کے پاس گیا۔ لڑکی اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے آگے زمین چومی اور اس کا خیر مقدم کیا۔ بادشاہ کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے کنیزوں اور نوکروں کو حکم دیا کہ اس کی خدمت میں کمر بستہ ہوں' اسے حمام لے جائیں۔ اس کے لئے زیور اور پوشاکیں تیار کریں۔ لونڈیاں باندیاں شہزادی کے پاس آئیں اور انہوں نے سلام کیا تو اس نے نہایت مہربانی اور شیریں کلامی سے سلام کا جواب دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اسے شاہانہ پوشاک پہنائی۔ گلے میں ہیروں کا ہار ڈالا اور اسے حمام لے گئیں۔
حمام سے نکلی تو چودہویں کے چاند کی طرح معلوم ہوتی تھی۔ بادشاہ کے پاس پہنچ کر اس نے سلام کیا' اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور شہزادے سے کہنے لگا کہ یہ سب تیری برکت ہے۔ خدا ہمیں تیرے دم سے اور زیادہ نفع پہنچائے۔
اس نے کہا اے بادشاہ! اس کے علاج اور تندرستی کی تکمیل اس پر منحصر ہے کہ تو اور تیرے سب مصاحب اور تیرا کل لشکر اس جگہ چلیں جہاں وہ تجھے ملی ہے اور وہ آبنوس کا گھوڑا بھی ساتھ ہو جس پر وہ آئی تھی۔ وہاں میں اس بھوت کو جلا کر خاک کر ڈالنے کی تدبیر کروں گا تا کہ وہ دوبارہ نہ آ سکے۔ چنانچہ بادشاہ نے آبنوس کے گھوڑے اور ایرانی حکیم کو وہاں بھیج دیا جہاں وہ اسے ملے تھے اور لڑکی کو اپنے ہمراہ لے کر سارے لاؤ لشکر کے ساتھ سوار ہوا۔
یہ سب کے لئے ایک تماشا تھا۔ کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ شہزادہ کیا کرنا چاہتا ہے۔
سب لوگ اس سبزہ زار کے پاس پہنچے تو شہزادے نے' جو اب حکیم بنا ہوا تھا' کہا کہ لڑکی اور گھوڑا بادشاہ اور لشکر سے کچھ فاصلے پر رکھے جائیں اور بادشاہ سے بولا اجازت

ہو تو میں اپنے قاعدے کے موافق دھونی دوں' منتر پڑھوں اور بھوت کو گرفتار کروں تا کہ وہ لڑکی کی طرف کبھی رخ نہ کرے۔ بادشاہ نے ان باتوں کی اجازت دے دی تو وہ کہنے لگا۔ اس کے بعد میں آبنوس کے گھوڑے پر سوار ہو کر لڑکی کو اپنے پیچھے بٹھاؤں گا اور گھوڑا اچھلتا کودتا تیرے پاس آ جائے گا اور علاج کی تکمیل ہو جائے گی پھر جو تیری مرضی ہو کیجیو۔ اس کی باتوں سے بادشاہ بالکل مطمئن تھا۔

دھانی دھونی رمانے کے بعد شہزادے نے گھوڑے پر سوار ہو کر شہزادی کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور اسے اپنی کمر سے خوب کس کر باندھ دیا۔ بادشاہ اور تمام لشکر والے شہزادی کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اس نے یکایک اڑان کے پیچ کو پھرایا اور گھوڑا انہیں لے کر ہوا میں اڑا۔ بادشاہ اور لشکری دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے اور وہ ان کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ بادشاہ آدھے دن تک اس کی واپسی کی راہ دیکھتا رہا مگر جب وہ نہ آیا اور بادشاہ کو نا امیدی ہو گئی تو وہ بہت پچھتایا اور لڑکی کی جدائی پر غم زدہ ہوا اور اپنے شہر واپس چلا گیا۔

شہزادہ خوش خوش اپنے باپ کے شہر کی طرف روانہ ہو کر ہوا سے باتیں کرتا ہوا اپنے محل پر جا اترا اور لڑکی کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کر کے اپنے ماں باپ سے ملا اور انہیں سلام کیا اور لڑکی کے آنے کی خبر دی۔ سب خوش ہو گئے اور خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔

ادھر کا تو قصہ یہ ہوا۔ اب ادھر روم کے بادشاہ کی سرگزشت سنئے۔ انتظار کرتے کرتے مایوس ہو گیا تو واپس لوٹا اور غمگین زدہ ہو کر اپنے محل میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ وزیر آتے' طرح طرح سے اس کی تشفی کرتے اور کہتے کہ جو شخص لڑکی کو لے گیا ہے جادوگر ہے شکر ہے خدا کا جس نے تجھے اس کے جادو اور مکر سے چھٹکارا دیا۔ اسی طرح کی باتوں کو یہاں تک دہرایا کئے کہ بادشاہ کو لڑکی کی طرف سے تسلی ہو گئی۔ وہاں شہزادے نے سارے شہر کو ولیمے کی دعوت دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• تین سو اکتروین رات

جب تین سو اکترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... شہزادے نے سارے شہر کو ولیمے کی دعوت دی۔ پورے ایک مہینے تک یہ خوشی کے جلسے رہے۔

شہزادے کے باپ نے اس خیال سے کہ پھر کوئی نئی افتاد نہ آ پڑے' آبنوس کے گھوڑے کو ایسا چکنا شور کر دیا کہ اس میں کوئی حرکت باقی نہ رہی۔ اس کے بعد شہزادے نے لڑکی کے باپ کو ایک خط لکھا' اسے بیٹی کی خیریت سے مطلع کیا اور یہ کہ میں نے اس کے ساتھ شادی کر لی ہے اور شہزادی اس کے پاس ہر طرح سے آرام میں ہے۔ یہ ایک قاصد کو دے کر عمدہ عمدہ ہدیے اور تحفے اس کے ہمراہ کر دیئے۔ قاصد صنعا سے یمن پہنچا جو لڑکی کے باپ کا دارالسلطنت تھا خط و ہدیے پیش کئے۔ بادشاہ نے خط پڑھا تو بہت خوش ہوا' ہدیے قبول کئے۔ قاصد کے ساتھ بڑے التفات سے پیش آیا۔ پھر اس نے بھی اپنے داماد کے لئے عمدہ عمدہ سوغاتیں تیار کیں۔ خوب لے دے کر قاصد کو رخصت کیا۔ قاصد واپس آیا تو اس نے کہا کہ اپنی بیٹی کی خبر معلوم کر کے باپ کو بڑی خوشی ہوئی۔ شہزادے کو بھی اطمینان ہو گیا اور وہ اپنے خسر کو برابر ہر سال خط لکھتا اور ہدیے بھیجتا۔ کچھ عرصے بعد شہزادے کے باپ نے قضا کی اور وہ اس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ رعایا پروری اور عدل و انصاف کے ساتھ پورا پور حق ادا کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک قالب تھا تو وہ اس کی جان۔ لوگ اس کی تعریفیں کرتے اور فرمانبرداری بجا لاتے۔ انہوں نے غرض کہ بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کی۔ یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا' صحبتوں کو درہم برہم' محلوں کو ویران اور قبروں کو آباد کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو کبھی مرتی نہیں اور جس کے ہاتھ میں حکومت اور قدرت ہے۔

○ وردفی الا کمام اور انس الوجود کی کہانی

پرانے زمانے میں ایک عظیم الشان بادشاہ تھا۔ بڑی قوت اور بڑے دبدبے والا تھا۔ اس کا ایک وزیر تھا' ابراہم نام۔ اس وزیر کی ایک بیٹی تھی۔ حسن و جمال میں بے نظیر اور علوم و فنون اور دیگر کمالات میں لاجواب۔ وہ جتنی حسین تھی' اتنی ہی عقلمند اور سلیقہ شعار تھی لیکن ساتھ ہی اسے مئے نوشی' حسن پرستی' لطیف اشعار اور عجیب و غریب کہانیوں کے بھی چسکے تھے۔

اس کا نام وردفی الا کمام تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس میں انتہائی لطافت اور کمال درجے کی خوب روئی دونوں چیزیں جمع تھیں۔ اس کی سلیقہ مندی کی وجہ سے بادشاہ اس کو اپنی مصاحبت میں رکھتا تھا۔ بادشاہ کا دستور تھا کہ ہر سال اپنی سلطنت کے امراء کو جمع کر کے چوگان بازی کرتا۔ اسی موقع پر ایک دن جبکہ لوگ چوگان کھیلنے جمع ہوئے' وزیر زادی بھی تماشا دیکھنے اپنے جھروکے میں آ کر بیٹھی۔ لوگ ابھی کھیل میں مشغول ہی تھے کہ وزیر زادی نے دیکھا کہ لشکر کے درمیان ایک جوان ہے جس سے زیادہ حسین اور آن بان والا ممکن نہیں۔ وجیہ شکیل' خندہ رو' بانہیں لمبی لمبی اور شانے چوڑے۔ وہ اسے بار بار دیکھتی اور دل سیر نہ ہوتا۔ آخر کار اس نے اپنی ماما سے پوچھا کہ یہ خوبصورت جوان جو لشکر کے درمیان بیٹھا ہوا ہے اس کا کیا نام ہے؟ ماما نے کہا کہ اے میری بیٹی خوبصورت تو سب ہی ہیں' تیرا اشارہ ان میں سے کس کی طرف ہے؟ لڑکی نے جواب دیا کہ ٹھہر جا' میں تجھے ابھی بتاتی ہوں۔ یہ کہہ کر ایک سیب لیا اور جوان کی طرف پھینکا۔ اس نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ وزیر زادی جھروکے میں کھڑی ہے جیسے اندھیرے میں چاند۔ ابھی اس نے اس کی طرف سے نظر ہٹائی بھی نہ تھی کہ وہ اس پر عاشق اور اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ جب کھیل ختم ہوا تو وزیر زادی نے اپنی ماما سے کہا کہ اب بتا کہ اس جوان کا کیا نام ہے جسے میں نے تجھے

دکھایا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اس کا نام انس الوجود ہے۔ یہ سن کر وزیر زادی نے سر ہلایا اور اپنی جگہ بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ اس کا دل میں ایک آگ بھڑک اٹھی۔ اس نے ایک خط لکھا اور ریشم کے کپڑے میں جس پر سونے کا کام تھا لپیٹ کر اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیا۔

ایک لونڈی نے اسے تکیے کے نیچے خط رکھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ اس کے پاس آئی اور اسے ایسا باتوں میں لگایا کہ وہ سو گئی۔ اب اس نے چپکے سے وہ خط اس کے تکیے کے نیچے سے نکال کر پڑھا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ وزیر زادی کو انس الوجود سے محبت ہو گئی ہے۔ خط پڑھ چکی تو اس نے پھر اسے اسی جگہ رکھ دیا۔ اس کی مالکہ وردفی الاکمام کی آنکھ کھلی تو اس نے کہا کہ اے میری آقا' چونکہ مجھے تجھ سے محبت ہے اس لئے میں تجھے ایک نصیحت کرتی ہوں کہ محبت بری بلا ہے' اس کا چھپانا لوہے کو گلانے کے برابر ہے' اس سے درد اور بیماریاں پیدا ہوتی ہیں تا ہم محبت میں گرفتار ہونا کوئی عیب کی بات نہیں۔ وردفی الاکمام نے کہا کہ اے میری لونڈی تو پھر محبت کا علاج کیا ہے؟ اس نے جواب دیا' وصال۔ وزیر زادی نے کہا کہ وصال کس طرح نصیب ہو؟ وہ بولی! اے میرے آقا خط و کتاب' شیریں گفتاری اور سلام و پیام کی زیادتی سے۔ یہی ذریعہ ہے محبوبوں سے ملاقات کا' اسی سے مشکل کام آسان ہوتے ہیں اے میرے مولیٰ اگر تجھ پر کوئی ایسی مصیبت پڑی ہو تو مجھ سے زیادہ اور کوئی اس بات کا اہل نہیں جو تیرا بھید چھپائے' تیری مراد پوری کرے اور تیرے خطوط پہنچائے۔

یہ باتیں سن کر وردفی الاکمام کی عقل مارے خوشی کے جاتی رہی لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنے انجام پر غور کرنے اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ یہ راز ابھی تک راز ہے۔ بے سوچے سمجھے اس عورت سے کہنا نہیں چاہیے۔ ماما نے کہا کہ اے میری آقا میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک شخص میرے پاس آ کر کہہ رہا ہے کہ تیری آقا اور انس الوجود ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں' انہیں ملانے میں سخت کوشش

کر اور ان کے خطوط ایک دوسرے کو پہنچا۔ ان کی حاجت روائی کر اور ان کی حالت اور بھید کسی پر ظاہر نہ کر۔ یہ تیرے حق میں بہت سود مند ثابت ہو گا۔ یہ ہے میرا خواب جو میں نے تجھ سے بیان کیا۔ آئندہ تجھے اختیار ہے۔ جب وہ اپنا خواب بیان کر چکی تو وردفی الاکمام نے اس سے کہا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

تین سو بہترویں رات

جب تین سو بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ وردفی الا کمام نے لونڈی سے کہا' اے لونڈی کیا تو بھید رکھ سکتی ہے؟ اس نے جواب دیا مجھ سی شریف

زادی اور بھید نہ رکھ سکے! وزیر زادی نے وہ خط نکال کر اسے دے دیا اور کہا کہ یہ خط انس الوجود کے پاس لے جا کر اس کا جواب لے آ۔ لونڈی خط لے کر چل دی اور انس الوجود کے پاس پہنچ کر اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور نہایت ادب سے سلام کر کے اسے خط دے دیا۔ اس نے پڑھا' مطلب سمجھا اور کاغذ کے دوسری طرف جواب لکھ کر اسے بند کیا چوما اور لونڈی کو دے کر کہا کہ اے لونڈی' اپنی آقا سے کہیو کہ مجھ پر عنایت کی نظر رکھے۔ لونڈی نے واپس آ کر جواب اپنی مالکہ کے حوالے کر دیا۔ لڑکی نے اسے بوسہ دیا' سر پر رکھا' پھر کھول کر پڑھا' مطلب سمجھا اور اس کے نیچے اس کا جواب لکھ دیا۔ جب وہ لکھ چکی تو اسے تہہ کر کے ماما کے ہاتھ میں دیا اور وہ اسے لے کر وزیر زادی وردفی الا کمام کے پاس سے چلی۔ راستے میں حاجب نے پوچھا کہ کہاں جاتی ہے؟ اس نے جواب دیا حمام۔ لیکن حاجب کے ٹوکنے سے کچھ ایسی گھبرائی کہ دہلیز پار کرتے وقت وہ خط نکل پڑا۔

بڑھیا تو چھپا کے سے نکل گئی۔ خط گرنے کی اسے خبر تک نہ ہوئی۔ اب سنئے ایک نوکر نے اسے راہ میں پڑا دیکھ کر اٹھا لیا۔ اتنے میں وزیر زنان خانے سے نکل کر مردانے میں آیا اور نوکر جسے خط ملا تھا اس کے پاس گیا۔ وزیر بیٹھا ہی تھا کہ نوکر نے اسے خط پیش کر کے عرض کیا کہ اے میرے مولیٰ مجھے یہ خط گھر کی دہلیز پر پڑا ملا ہے اور میں اسے اٹھا لایا ہوں۔ وزیر نے کاغذ اس کے ہاتھ سے لے کر کھولا۔ وہ تحریریں پڑھیں جو اس کے اندر لکھی ہوئی تھیں اور ان کا مطلب سمجھا۔ غور سے دیکھنے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ وہ اس کی بیٹی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ وہ روتا ہوا لڑکی کی

ماں کے پاس پہنچا اور اتنا رویا کہ اس کی داڑھی بھیگ گئی۔ اس کی بیوی نے کہا کہ اے میرے مولیٰ تو کیوں روتا ہے؟ وزیر نے جواب دیا کہ اس میں اس کی بیٹی وردفی الاکمام اور انس الوجود کی خط و کتابت ہے۔ کلیجے پر گھونسا سا لگا لیکن اس نے اپنے دل پر جبر کر کے آنسو روکے۔ وزیر سے کہنے لگی اے میرے مولیٰ رونے دھونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ کوئی ایسی تدبیر سوچیں جس سے تیری عزت و آبرو پر بٹہ نہ لگے اور تیری بیٹی کا معاملہ بھی تشت ازبام نہ ہو۔ وہ اسی طرح شوہر کو تسلی دیتی اور اس کی چوٹ کو سہلاتی رہی۔ وزیر نے کہا بدنامی تو ایک طرف' محبت سے مجھے اپنی بیٹی کے متعلق بڑا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ تو جانتی نہیں کہ سلطان کو انس الوجود سے کیسا عشق ہے اور اس لئے دو باتوں سے میں بہت ڈرتا ہوں۔ اول تو خود اپنی بیٹی کی وجہ سے کیونکہ وہ میری بیٹی ہے اور دوسرے سلطان کی طرف سے کیونکہ انس الوجود اس کا معشوق ہے۔ تعجب نہیں کہ بات کا بتنگڑ بن جائے۔ اس میں تیری کیا رائے ہے؟

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو تہترویں رات

جب تین سو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب وزیر نے اپنی بیوی سے لڑکی کے متعلق اپنے اندیشے بیان کئے اور پوچھا کہ تیری کیا رائے ہے تو اس نے جواب دیا' اتنی دیر ٹھہر کہ میں استخارے کی نماز پڑھ لوں۔ یہ کہہ کر اس نے دو رکعت استخارے کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ چکی تو اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ بحرا لکنوز کے بیچ میں جبل الشکلا نامی ایک پہاڑ ہے (اس نام کی وجہ عنقریب بیان کی جائے گی) اس پہاڑ تک پہنچنے کا راستہ بہت دشوار گزار ہے۔ بیٹی کو وہاں لے جا کر رکھ۔ اس اصلاح میں وزیر نے اپنی بیوی سے اتفاق کیا کہ اس پہاڑ پر ایک عالیشان مکان بنوائے اور بیٹی کو وہاں رکھنے کا بندوبست کرے۔ ایک ایک سال کا کھانا پینا اس کے پاس پہنچاتا رہے اور ایسے لوگوں کو وہاں رکھے جن سے اس کا دل بہلے اور جو اس کی خدمت کریں۔ چنانچہ وزیر نے بڑھیوں' معماروں اور مہندسوں کو بلوا کر اس پہاڑ کی طرف روانہ کر دیا۔ انہوں نے ایسا محل تیار کر دیا جس کی نظیر کسی کی نظر سے نہ گزری ہو گی۔ اس کے بعد اس نے راہ کا کھانا پینا اور سواری مہیا کی اور رات کے وقت اپنی بیٹی کے پاس جا کر کہا کہ روانہ ہو۔ لڑکی تاڑ گئی کہ جدائی سر پر آ کھڑی ہوئی۔ وہ باہر نکلی اور سفر کی تیاریاں دیکھیں تو زار زار رونے لگی اور دروازے پر چند کلمے لکھ دیئے تا کہ انس الوجود کو معلوم ہو جائے کہ عشق نے اس کے سر پر کیا مصیبت ڈھائی ہے۔ ان الفاظ کو پڑھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے' پتھر پگھلنے لگتے اور آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ آخر روتی دھوتی وہ سوار ہو گئی۔ قافلہ چل کھڑا ہوا اور جنگل بیابان پہاڑیاں طے کرتا بحرا لکنوز پہنچا۔ سمندر کے کنارے ڈیرے ڈال دیئے۔ وزیر زادی کے لئے ایک عالی شان کشتی بنا کر اسے اور اس کے ساتھیوں کو سوار کیا۔ یہ حکم انہیں وزیر سے مل چکا تھا کہ جب وہ لوگ پہاڑ پر پہنچیں اور لڑکی کو محل میں

داخل کر چکیں تو کشتی لے کر واپس آ جائیں اور خشکی پر اتر کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ غرض کہ انہوں نے بالکل ویسا ہی کیا جیسا کہ انہیں حکم ملا تھا اور ساری سرگزشت پر افسوس کرتے واپس آ گئے۔

یہ قصہ یہاں ختم ہوا اب انس الوجود کا حال سنو۔ اس نے صبح کے وقت اٹھ کر فجر کی نماز پڑھی اور سوار ہو کر سلطان کی خدمت میں روانہ ہو گیا۔ راہ میں وہ دستور کے موافق وزیر کے دروازے پر سے گزرا کہ شاید وزیر کے مصاحبوں میں سے کوئی اسے مل جائے۔ جونہی اس کی نظر دروازے پر پڑی' اس نے وہ اشعار جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے وہاں لکھے دیکھے۔ دیکھتے ہی اسے سکتہ سا ہو گیا۔ دماغ میں شعلے اور دل میں آگ بھڑکنے لگی۔ وہ اپنے گھر پلٹ پڑا اور کسی پہلو چین نہ آتا' طبیعت بے قابو ہوئی جاتی تھی۔ اسی پریشانی اور بے چینی میں رات ہو گئی' صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ کسی کو خبر دیئے بغیر بھیس بدل کر رات کے اندھیرے میں دیوانہ وار گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ رنج و غم کی شدت میں اسے یہ بھی ہوش نہ تھا کہ کدھر جا رہا ہوں۔ اسی طرح بے سروپا رات بھر چلتا رہا۔ صبح ہوئی' دن نکلا دھوپ تیز ہو گئی' پہاڑ تپنے لگے اور پیاس کے مارے برا حال ہوا تو کہیں اس کے قدم سست پڑے۔ اب اس کی نظر ایک درخت پر پڑی جس کے قریب چشمہ بہہ رہا تھا۔ وہ جا کر درخت کے نیچے چشمے کے کنارے بیٹھ گیا اور اور دم لے کر پانی پینے لگا تو کچھ مزہ نہ آیا' پیاس نہ بجھی تلووں میں چھالے' گٹے سوجے ہوئے' چہرہ زرد' پتلا حال' نہ سنگ نہ ساتھی۔ اپنی بے بسی پر دل بھر آیا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ آنسوؤں کی جھڑی سی لگ گئی' پھر یکایک اسے کچھ حرارا سا اٹھا' فوراً اٹھ کر اس جگہ سے چل دیا۔ جنگل بیابان میں چلا جا رہا تھا کہ ایک شیر سامنے سے آتا دکھائی دیا جس کی گردن اس کی ایال سے ڈھنگی ہوئی تھی جیسے گنبد۔ منہ دروازے سے زیادہ چوڑا اور دانت ہاتھی کی طرح۔

انس الوجود کی جو نظر اس پر پڑی تو اسے موت سامنے کھڑی معلوم ہوئی۔ وہ قبلے کی

طرف منہ کر کے شہادت کا کلمہ پڑھنے لگا اور مرنے کے لئے تیار ہو بیٹھا۔ اس نے کتابوں میں پڑھا تھا کہ اگر کوئی شخص شیر کو پھسلانا چاہے تو وہ پھسلانے میں آ جاتا ہے۔

بشرطیکہ وہ میٹھے میٹھے الفاظ میں اس کی تعریف کرے۔ اس لئے اس نے کہنا شروع کیا کہ اے بن کے شیر' اے میدان کے اسد' اے ضر غام' اے بہادر سورما' اے جانوروں کے بادشاہ! میں ایک مشتاق عاشق ہوں' عشق اور جدائی کے صدموں نے مجھے مردہ کر دیا ہے۔ جب دوست دور ہوجاتے ہیں تو انسان راہ سے بھٹک جاتا ہے۔ میری باتیں کان لگا کر سن اور میرے عشق و محبت پر رحم کھا۔ شیر کے کان میں یہ باتیں پڑیں تو وہ رک گیا۔ ایک جگہ بیٹھ کر اس کی طرف سر اٹھایا۔ اپنی دم اور پنجوں سے کھیلنے لگا۔ انس الوجود کی جان میں جان آ گئی۔ اب شیر اٹھ کر اس کی طرف بڑھا ......

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو چوہترویں رات

تین سو چوہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ شیر اٹھ کر اس کی طرف محبت سے بڑھا' اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اسے زبان سے چاٹنے لگا اور آگے بڑھ کر اشارہ کیا کہ میرے پیچھے پیچھے آ۔ انس الوجود نے اس کے پیچھے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ بہت دیر تک اسی طرح چلنے کے بعد ایک پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچا۔ چوٹی سے اترا تو جنگل میں اسے انسانی قدموں کے نشان دکھائی دیئے۔ اس نے پہچان لیا کہ یہ وردفی الاکمام کے ساتھیوں کے نقش پا ہیں۔ وہ ان نشانوں پر چلنے لگا۔ شیر نے دیکھا کہ وہ نشان نشان جا رہا ہے اور وہ سمجھ گیا کہ یہ ان لوگوں کے پاؤں کے نشان ہیں جو اس کی محبوبہ کو لے گئے ہیں تو شیر واپس چلا گیا۔

اب انس الوجود دن رات چلتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک موجزن اور متلاطم سمندر کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ نشان سمندر کے کنارے تک پہنچ کر ختم ہو گئے ہیں۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ لوگ یہاں سے کشتی پر بیٹھ کر سمندر کے راستے سے گئے ہیں۔ اس کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ آنسو بہنے لگے اور وہ روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔

بہت دیر کے بعد جب اس کی حالت سنبھلی تو ادھر ادھر دیکھنے لگا لیکن جنگل میں کوئی شخص اسے نظر نہ آیا۔ سمندر کی موجیں اٹھ رہی تھیں۔ ڈر کے مارے ایک اونچے پہاڑ پر جا چڑھا۔ وہاں اسے کچھ آواز سی سنائی دی جو ایک غار میں سے آ رہی تھی۔ کان لگا کر سننے لگا۔ وہ ایک عابد کی آواز تھی جو دنیا چھوڑ کر عبادت میں مشغول تھا۔ اس نے تین بار غار کے دروازے پر دستک دی لیکن کسی نے جواب نہ دیا نہ کوئی نکل کر باہر آیا۔ انس الوجود اپنی بے بسی پر رونے لگا۔

اتنے میں غار کا دروازہ کھلا اور اس نے کسی کو یہ کہتے سنا کہ تجھ پر میری رحمت ہو! انس الوجود دروازے کے اندر گیا' عابد کو سلام کیا' اس نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام انس الوجود ہے۔ عابد نے دریافت کیا یہاں تک کیوں آیا ہے؟ اس نے سارا قصہ شروع سے لے آخر تک دہرا دیا۔ انس الوجود کی دکھ بھری کہانی سن کر عابد کے آنسو نکلنے لگے۔ اس نے کہا' مجھے اس غار میں رہتے ہوئے بیس سال ہو گئے ہیں لیکن کل سے پہلے میں نے کسی کو یہاں نہیں دیکھا۔ میں اپنے شغل میں تھا کہ رونے پیٹنے کی آوازیں میرے کانوں میں آئیں۔ باہر نکلا تو سمندر کے کنارے بہت سے لوگ اور خیمے دکھائی دیئے۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے ایک کشتی بنائی اور کچھ لوگ اس میں سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ کشتی میں واپس آئے اور اسے توڑ پھوڑ کر چلتے ہوئے۔ میرے خیال میں اے انس الوجود تو انہی لوگوں کی کھوج میں ہے اور اب نہ تیرے غم کی انتہا نہ تیری مجبوری کی۔ مگر ایسا عاشق کہیں نہیں دیکھا گیا جسے حسرتوں کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو۔ یہ کہہ کر عابد اٹھا اور اس نے انس الوجود کو گلے سے لگا لیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

تین سو پچھترویں رات

جب تین سو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عابد نے اٹھ کر انس الوجود کو گلے سے لگایا۔ دونوں رونے لگے۔ اتنا روئے کہ ان کے رونے سے پہاڑ کانپ اٹھے اور دونوں غش کھا کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو انہوں نے آپس میں عہد و پیان کیا کہ ہم دونوں فی سبیل اللہ ایک دوسرے کے دوست رہیں گے۔
اس کے بعد انس الوجود نے عابد سے کہا' میں آج رات کو نماز پڑھ کر خدا سے استخارہ کروں گا کہ تجھے کیا کرنا چاہیے اور دونوں خاموش اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔
یہ تو انس الوجود کا قصہ ہوا۔ اب وردفی الاکمام کا حال سنئے۔ جب لوگ اسے پہاڑ پر لے گئے اور محل میں داخل کیا تو وہ اس کی آراستگی کو دیکھ کر رونے لگی اور کہا کہ واللہ یہ محل بڑا خوبصورت ہے مگر تجھ میں کمی ہے تو محبوب کی۔ اس نے وہاں جزیرے پر بہت سے پرندے دیکھے اور ایک مصاحب سے کہا کہ جال لگا کر ان کو پکڑ اور محل کے اندر پنجروں میں بند کر۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر وہ محل کے جھروکے میں جا بیٹھی اور اپنی ساری سرگزشت کو یاد کرنے لگی۔ اس کی محبت اور تمنائیں زور پکڑنے لگیں۔ رات کا اندھیرا چھا گیا اور اس کی حسرتوں کی کوئی انتہا نہ رہی تو اس کے آنسو بہنے لگے۔
یہ تو ادھر اس حال میں تھی ادھر انس الوجود کا ماجرا سنئے۔ عابد نے اس سے کہا کہ وادی میں جا کر میرے پاس کھجور کی شاخیں اور پتے لے آ' وہ جا کر لے آیا۔ عابد نے ان شاخوں اور پتوں سے ایک ٹوکرا بنا لیا اور انس الوجود سے کہا کہ وادی کے بیچ میں ایک بیل ہے جس کی جڑیں پانی کے اندر ہوتی ہیں۔ وادی میں جا کر اس ٹوکرے کے اندر بیل کو بھر لیجیو اور انہیں مضبوطی سے باندھ کر ٹوکرے کو سمندر میں ڈال دیجیو اور اس میں بیٹھ کر سمندر میں اتر جائیو تا کہ تیری مراد حاصل ہو۔ جو شخص

اپنی جان کو خطرے میں نہیں ڈالتا' مقصد تک نہیں پہنچتا۔ انس الوجود عابد سے رخصت ہو کر وادی کی طرف چلا۔ عابد نے اسے دعا دی اور اس نے جا کر ویسا ہی کیا جیسا عابد نے کہا تھا۔ جب وہ ٹوکرے میں بیٹھ کر بیچ سمندر میں پہنچا تو ایک طوفان آیا اور ٹوکرا الٹ گیا۔ عابد کی نظروں سے اس کی صورت اوجھل ہو گئی اور وہ سمندر کے تلاطم میں تیرنے لگا۔ ایک لہرا سے ابھارتی تو دوسری ڈبو دیتی۔ سمندر کے تمام عجائبات اور خطرے اس کی نظر کے سامنے سے گزرتے یہاں یک کہ تین دن بعد تقدیر نے اسے جبل الشکلا پر لا پھینکا۔ جب وہ خشکی پر پہنچا تو اس کی حالت ایسی تھی جیسی اس چڑیا کے بچے کی جسے چکر آ رہے ہوں اور وہ مارے بھوک پیاس کے بے چین تھا۔ یہاں اس نے دیکھا کہ چشمے بہہ رہے ہیں اور شاخوں پر چڑیاں گا رہی ہیں۔ چھوٹے بڑے تمام درخت پھلوں سے لدے پڑے ہیں۔ اس نے کچھ پھل کھائے' چشموں کا پانی پیا اور اٹھ کر آگے قدم بڑھائے۔ دور سے اسے کوئی سفید سی چیز دکھائی دی اور وہ اس کی طرف روانہ ہو گیا۔ قریب پہنچ کر دیکھا کہ وہ ایک مضبوط اور عالیشان محل ہے۔ محل کے دروازے پر پہنچا تو اس میں قفل پڑا ہوا تھا۔ وہ وہیں بیٹھ گیا۔ تین دن کے بعد محل کا دروازہ کھلا اور ایک نوکر نکلا۔ اس نے انس الوجود کو بیٹھا دیکھ کر پوچھا تو کہاں سے آیا ہے اور تجھے کون یہاں لایا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ اصفہان کا رہنے والا ہوں' تجارت کا مال لے کر سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ میری کشتی ٹوٹ گئی اور موجوں نے مجھے لا کر اس جزیرے میں پھینک دیا۔ یہ سن کر خادم رونے لگا اور اس کے گلے ملا اور بولا اے عزیز دوست میرا وطن بھی اصفہان ہے وہاں میری ایک چچیری بہن ہے جس سے لڑکپن میں مجھے عشق تھا۔ آٹھ پہر اس کے لئے بے قرار رہتا۔ اتفاقاً ایک قوم نے جو ہم سے زیادہ طاقتور تھی ہم پر حملہ کیا اور منجملہ اور غنیمت کے مال کے' میں بھی ان کے ہاتھ آیا۔ میں کم سن تو تھا ہی لوگوں نے میرے خصیے کاٹ کر خصی کر دیا اور بیچ ڈالا۔ اب میں اس حالت میں ہوں جیسا کہ تو دیکھتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• تین سو چھترویں رات

جب تین سو چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ خادم نے کہا کہ اب میں اس حالت میں ہوں جو ظاہر ہے' پھر وہ اسے محل کے اندر لے گیا۔ اندر جا کر انس الوجود نے دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا حوض ہے اور اس کے ارد گرد درخت ہیں' دختوں کی شاخوں سے چاندی کے پنجرے لٹک رہے ہیں جن کی کھڑکیاں سونے کی ہیں اور ان کے اندر چڑیاں چہچہا رہی ہیں اور خدا کی تسبیح کر رہی ہیں۔ جب وہ پہلے پنجرے کے پاس پہنچا تو اس میں ایک قمری تھی۔ قمری نے اسے دیکھتے ہی اپنی آواز نکالی اور یا کریم! یا کریم! کہنے لگی۔ انس الوجود کو غش آ گیا؟ ہوش آیا تو وہ آہیں بھرنے اور اشعار پڑھنے لگا اور اتنا رویا کہ ہوش قائم نہ رہے۔ ذرا سدھ آئی تو آگے بڑھا دیکھا کہ دوسرے پنجرے میں ایک فاختہ ہے۔ فاختہ کی اس پر نظر پڑی تو اس نے کو' کو' حق سرہ کی صدا لگائی اور گانا شروع کیا کہ "اے ہمیشگی والے' میں تیرا شکریہ ادا کرتی ہوں۔" انس الوجود کو وجد آ گیا کبھی آہیں بھرتا' کبھی اشعار پڑھتا۔ پھر یہاں سے وہ تیسرے پنجرے کے پاس پہنچا۔ اس میں ایک ہزار داستان بند تھا۔ اس کے چہچہے سن کر انس الوجود کی زبان پر اشعار جاری ہو گئے اس سے فارغ ہو کر وہ چوتھے پنجرے کی طرف گیا جس میں ایک بلبل بند تھی۔ وہ بھی انس الوجود کو دیکھ کر گانے اور نوحہ کرنے لگی' جسے سن کر اس کے آنسو جاری ہو گئے اور وہ حسرت آمیز اشعار پڑھتا آگے بڑھا۔ دس پانچ ہی قدم چلا ہو گا کہ اسے ایک ایسا خوبصورت پنجرہ نظر آیا جس کا جواب محل میں نہ تھا۔ اس کے قریب آیا تو اس میں ایک جنگلی کبوتر نظر آیا جو ایک مشہور پرندہ ہے۔ وہ محبت کا مارا رو رہا تھا۔ گردن میں ہیروں کی ایک نفیس مالا پڑی ہوئی تھی اور وہ اپنے پنجرے میں بے حس و حرکت بیٹھا ہوا تھا اس کی

یہ کیفیت دیکھی تو انس الوجود کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور وہ عشقیہ اشعار پڑھنے لگا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو سترویں رات

جب تین سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب انس الوجود اشعار پڑھ چکا تو جنگلی کبوتر کو ہوش آ گیا اور وہ پھڑ پھڑانے اور نوحہ کرنے لگا۔

اب انس الوجود نے اپنے دوست اصفہانی سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ کیا محل ہے' اس میں کون رہتا ہے اور اسے کس نے بنایا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ فلاں بادشاہ کے وزیر نے اسے اپنی بیٹی کے لئے بنایا ہے اور اسے اور اس کی سہیلیوں کو یہاں لا کر رکھا ہے تا کہ وہ زمانے کے حادثوں سے بچی رہے۔ محل کو سال میں ایک بار ہم کھولتے ہیں۔ وہ بھی اس وقت کہ وزیر زادی کے کھانے پینے کا سامان آتا ہے۔ انس الوجود نے اپنے دل میں کہا کہ مراد بر آنے میں تو کسر نہیں لیکن مدت لگے گی۔

اب انس الوجود کو امیدوں کے دروازے پر چھوڑ کر وردفی الا کمام کی سرگزشت سنئے۔ اسے کھانا پینا بھاتا' نہ بیٹھا اور سونا۔ جب محبت کی بے چینی زیادہ ہوئی تو وہ اٹھ کر مکان کے چاروں طرف پھرنے لگی لیکن کہیں جی نہ لگا۔ ہر چیز اداس نظر آئی۔ اس کے آنسو بہنے لگے۔ وہ چھت پر چڑھ گئی اور بعلبکی کپڑے کی پٹی اپنی کمر سے باندھ کر نیچے زمین پر اتر گئی۔ اس وقت وہ اپنے بہترین لباس میں تھی اور گلے میں ہیرے کا ہار پڑا ہوا تھا۔ جنگل اور بیابان میں سے گزرتی ہوئی سمندر کے کنارے پہنچی وہاں اس نے ایک ماہی گیر کو دیکھا جسے کشتی میں بیٹھے بیٹھے اور مچھلیاں پکڑتے طوفان نے لا کر اس جزیرے میں پھینک دیا تھا۔ ماہی گیر کی نظر جو وردفی لاکمام پر پڑی تو وہ ڈرا اور کشتی میں بیٹھ کر بھاگا۔ لڑکی نے اسے آوازیں دیں اور بہت اشارے کئے۔ ماہی گیر رونے اور آہیں بھرنے لگا۔ اسے اپنی جوانی کا وہ زمانہ یاد آ گیا جب وہ محبت میں گرفتار تھا اور عشق اسے مارے ڈالتا تھا۔ اس کی تمناؤں اور آرزوؤں کی کوئی حد نہ تھی'

وہ کشتی کو کنارے پر لے آیا اور لڑکی سے کہا سوار ہو جا جہاں تو چاہے گی میں پہنچا دوں گا۔ وہ سوار ہو گئی اور ماہی گیر کشتی کو کھینے لگا۔ ابھی وہ خشکی سے زیادہ دور نہ پہنچا ہو گا کہ پیچھے سے آندھی آئی اور کشتی تیزی کے ساتھ چلی۔ ایسی کہ چند ہی منٹ میں خشکی دونوں کی نظروں سے غائب ہو گئی اور ماہی گیر کو پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں ہے؟ تین دن تک چلنے کے بعد آندھی رکی اور کشتی سمندر کے کنارے ایک شہر پر جا لگی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

تین سو انہترویں رات

جب تین سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب کشتی کنارے پر لگی تو ماہی گیر نے اسے ساحل پر باندھنا چاہا۔ اس شہر کا ایک بڑا طاقتور بادشاہ تھا۔ اس کا نام درباس تھا۔ اتفاق سے اس وقت وہ اور اس کا بیٹا محل کے جھروکے میں بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظر سمندر کی طرف پڑی تو انہیں یہ کشتی دکھائی دی۔ غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں ایک لڑکی ہے جیسے افق پر چودھویں رات کا چاند۔ اس کے کانوں میں قیمتی بلخش کی بالیں اور گلے میں ہیرے جواہرات کا ہار۔ انہیں یقین ہوا کہ یہ بڑے لوگوں یا بادشاہوں کی بیٹیوں میں سے ہو گی۔ بادشاہ اپنے محل سے اتر کر پیچھے کے دروازے سے باہر آیا۔ دیکھا کہ کشتی کنارے پر لگی کھڑی ہے۔ اتنے میں لڑکی سو گئی اور ماہی گیر کشتی باندھنے میں لگا ہوا تھا۔ بادشاہ نے اسے جگایا' وہ اٹھ کر رونے لگی۔ بادشاہ نے کہا کہ تو کہاں سے آئی ہے کس کی بیٹی ہے اور یہاں تیرا کیسے آنا ہوا؟ وردفی الاکمام نے جواب دیا میں بادشاہ شامخ کے وزیر ابراہیم کی بیٹی ہوں اور میرے یہاں آنے کا قصہ بھی عجیب و غریب ہے۔ پھر اس نے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ ذرا پس و پیش نہ کیا اور رونے اور آہیں بھرنے لگی۔ اس کی باتیں سننے کے بعد بادشاہ سمجھا کہ وہ ضرور محبت کی ماری ہوئی ہے۔ اسے اس پر ترس آ گیا اور کہنے لگا کہ ڈر نہیں' غمگین نہ ہو' تیری مراد بر آئے گی۔ میں تیری حاجت روائی اور مطلب براری کر کے رہوں گا۔

لڑکی کو تسلی دے کر بادشاہ نے اپنے وزیر کو بلایا۔ اسے بہت سا مال دیا اور کہا کہ اسے بادشاہ شامخ کے پاس لے جا اور وہاں سے اس شخص کو لے کر آ جس کا نام انس الوجود ہے۔ کہیو ہمارا بادشاہ اپنی بیٹی کی شادی تیرے سردار انس الوجود کے ساتھ کر کے اس

سے رشتہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ضرور اسے میرے ساتھ روانہ کرتا کہ اس کی شادی سسرال میں منائی جائے۔ زبانی ہدایتیں کر کے بادشاہ درباس نے بادشاہ شائخ کو اسی مضمون کا ایک خط بھی لکھا اور اسے وزیر کے حوالے کر کے تاکید کر دی کہ انس الوجود کو ضرور لائیو۔ اگر تو نہ لایا تو وزارت سے معزول کر دیا جائے گا۔ وزیر بادشاہ کا خط اور تحفے تحائف لے کر بادشاہ شائخ کے پاس روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر وزیر نے بادشاہ شائخ کو بادشاہ درباس کا سلام پہنچایا۔ خط اور تحفے تحائف پیش کئے۔ بادشاہ شائخ نے تحفے دیکھے' خط پڑھا اور اس میں انس الوجود کا نام دیکھا تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ اور اس وزیر سے کہا جو اس کے پاس آیا تھا کہ انس الوجود کہاں؟ وہ غائب ہے اور نہیں معلوم کہاں ہے؟ اگر تو اسے میرے پاس لے آئے تو میں تجھے ان ہدیوں کا کئی گنا دوں گا جو تو لایا ہے۔ یہ کہتے کہتے بادشاہ کا دل بھر آیا۔ ٹھنڈے سانس بھرنے لگا اور اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ بعد ازاں وزیر کی طرف مخاطب ہوا اور بولا انس الوجود ایک سال سے غائب ہے اور آج تک پتہ نہیں چلا کہ کہاں گیا؟ وزیر نے کہا کہ اے میرے مولیٰ میرے آقا کا حکم ہے کہ اسے لے کر آئیو۔ لے کے نہ آیا تو وزارت سے معزول کر دیا جائے گا بلکہ شہر کے اندر گھسنے نہ پائے گا۔ لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں بے اس کے' واپس چلا جاؤں! اس پر بادشاہ شائخ نے اپنے وزیر ابراہیم سے کہا کہ اس کے ساتھ جا اور جگہ جگہ انس الوجود کو تلاش کر چنانچہ دونوں وزیر اپنے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ انس الوجود کی جستجو میں نکل کھڑے ہوئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو اناسی ویں رات

جب تین سو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ شاغ کا وزیر ابراہیم اپنے ملازموں اور بادشاہ درباس کے وزیر کو لے کر انس الوجود کی تلاش

میں نکل کھڑا ہوا۔ جہاں ان کا گزر کسی عرب یا غیر عرب قوم پر ہوتا' وہ انس الوجود کے متعلق سوال کرتے اور کہتے کہ اس نام اور اس صفت کا کوئی شخص تو تمہارے علاقے سے نہیں گزرا؟ وہ جواب میں کہتے کہ ہمیں اس کی خبر نہیں۔ شہروں اور قریوں میں پوچھتے پوچھتے میدانوں' پہاڑوں' جنگلوں اور بیابانوں میں تلاش کرتے کرتے آخر سمندر کے کنارے پر پہنچے اور ایک کشتی میں بیٹھ کر پانی کھنگولتے چلے۔ جبل الشکلا پر جا پہنچے۔ بادشاہ درباس کے وزیر نے بادشاہ شاغ کے وزیر سے پوچھا اس پہاڑ کو جبل الشکلا کیوں کہتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ پرانے زمانے میں یہاں ایک پری کا اتارا تھا۔ وہ پری چین کے جنات میں سے تھی اور اسے ایک انسان سے محبت ہو گئی تھی۔ وہ آدم زاد بھی اس پری پر عاشق تھا لیکن پری اپنے خاندان والوں سے ڈرتی تھی۔ جب اس کا عشق حد سے گزر چلا تو اس نے ایک ایسی جگہ ڈھونڈنی چاہی جہاں اپنے معشوق کو اپنی ذات برادری والوں سے چھپا کر رکھے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ اس پہاڑ پر پہنچی۔ یہاں نہ انسان کا گزر ہے اور نہ جنات کا' نہ انسان ادھر آتا ہے نہ جن۔ مرضی کے موافق جگہ مل گئی تو وہ اپنے معشوق کو اڑا لائی اور اسے لا کر یہاں رکھا۔ جب موقعہ ملتا خاندان والوں سے چھپ کر یہاں آتی اور اپنے معشوق کے پاس رہتی۔ مدت تک یہی حالت رہی۔ ان کے ہاں اسی پہاڑ پر کئی اولادیں بھی ہو گئیں۔ جو کوئی مسافر تاجر ادھر سے گزرتا اسے اس طرح بچوں کے رونے کی آواز آتی کہ کوئی عورت جس کے بچے مر گئے ہوں' روتی ہو۔ آنے جانے والے کہتے ہیں کہ اس جگہ کوئی ثکلا ہے یعنی ایسی عورت جس کے بچے مر گئے ہوں؟ چنانچہ لوگ اسے جبل الشکلا کہنے لگے۔ یہ قصہ

سن کر بادشاہ درباس کے وزیر کو بڑا تعجب ہوا۔

القصہ چلتے چلتے وہ محل کے پاس جا پہنچے اور دروازے پر دستک دی۔ پھاٹک کھلا اور اس میں سے ایک خادم نکلا۔ بادشاہ شامخ کے وزیر ابراہیم کو پہچان کر اس نے سلام کیا۔ اس کے ہاتھ چومے اور اندر لے گیا۔ محل میں داخل ہو کر وزیر نے دیکھا کہ خادموں کے ساتھ ایک فقیر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ انس الوجود تھا۔ وزیر نے پوچھا' یہ کہاں سے آیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک تاجر ہے۔ غریب طوفان میں اپنا سارا مال کھو بیٹھا۔ فقط اپنی جان لے کر یہاں تک پہنچا اور اب مجذوب ہو گیا ہے۔ اسے وہیں چھوڑ کر وزیر محل میں پہنچا لیکن اپنی بیٹی کا نشان تک نہ پایا۔ کنیزوں سے جو وہاں تھیں' پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس طرح چلی گئی۔ ہمارے آنے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ یہ سن کر وزیر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور رونے پیٹنے اور آہ زاری کرنے لگا اور اس نے کہا کہ خدا کی تقدیر کے مقابلے میں کوئی تدبیر نہیں چلتی۔ وہ جو قسمت میں لکھ دیتا ہے اس سے ہرگز مفر نہیں۔ اس کے بعد وہ چھت پر چڑھا۔ اس نے دیکھا ہ بعلبکی کپڑے محل کی ایک کھڑکی سے بندھے ہوئے ہیں اور ان کے سرے زمین پر لٹکے ہوئے ہیں۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ یہیں سے اتر کر حیران و پریشان چل کھڑی ہوئی ہے۔ اتنے میں اس کی نظر ایک کوے اور ایک الو پر پڑی۔ اس نے ان سے بد شگونی لی اور آہ و بکار کرنے لگا۔ روتا پیٹتا محل سے نیچے اترا اور خادموں کو حکم دیا کہ جا کر پہاڑ میں اپنی مالکہ کو ڈھونڈیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن کہیں اس کا سراغ نہ پایا۔

اسی اثناء میں جب انس الوجود کو یہ خبر لگی کہ وردفی الاکمام وہاں سے چلی گئی ہے تو اس نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر گیا۔ دیر تک اسی غشی کی حالت میں پڑا رہا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ وہ خدا میں جذب ہو گیا ہے اور اس کی ہیبت کے جمال میں غرق ہے۔ نوکر چاکر انس الوجود سے ہاتھ دھو بیٹھے اور وزیر ابراہیم اپنی بیٹی کی تلاش میں لگ گیا تو درباس بادشاہ کے وزیر نے وطن جانے کی ٹھان لی کیونکہ اس سفر کا

کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ وزیر ابراہیم جب اس سے رخصت ہونے لگا تو اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اس فقیر کو اپنے ساتھ لیتا جاؤں۔ ممکن ہے کہ اس کی برکت سے خدا بادشاہ کا دل میری طرف مائل کر دے کیونکہ وہ مجذوب ہے۔ پھر میں اسے اس کے گھر اصفہان بھیج دوں گا وہ شہر ہمارے ملک سے قریب ہے۔ وزیر ابراہیم بولا کہ تیری مرضی۔ چنانچہ دونوں وزیر اپنی اپنی راہ لگے اور بادشاہ درباس کا وزیر انس الوجود کو اپنے ساتھ لیتا گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو اسی ویں رات

تین سو اسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ درباس کا وزیر انس الوجود کو اسی بے ہوشی کی حالت میں اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ تین دن تک وہ اسی بے ہوشی کی حالت میں خچر پر لدا چلتا رہا۔ اسے یہ بھی خبر نہ تھی کہ سفر میں ہوں یا کہاں۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے پوچھا کہ میں کہاں ہوں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ تو بادشاہ درباس کے وزیر کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد انہوں نے جا کر وزیر کو خبر کی کہ فقیر کے ہوش و حواس درست ہو گئے ہیں۔ وزیر نے اس کے لئے گلاب کا عرق اور شربت بھیجا۔ نوکروں نے اسے شربت پلا کر پھر سوار کر دیا۔ اور چلتے چلتے وہ بادشاہ درباس کے شہر کے پاس پہنچ گئے۔ بادشاہ درباس نے وزیر کے لئے پیغام بھیجا کہ اگر انس الوجود تیرے پاس نہیں ہے تو ہر گز میرے پاس نہ آئیو۔

بادشاہ کا یہ حکم سن کر اسے بڑا صدمہ ہوا۔ نہ تو وزیر کو یہ معلوم تھا کہ وردفی الاکمام بادشاہ کے پاس ہے اور نہ ہی وردفی الاکمام کو اس کی خبر تھی کہ بادشاہ نے اسے انس الوجود کی تلاش میں کیوں روانہ کیا ہے اور اس سے کس لئے ناطہ رشتہ قائم کرنا چاہتا ہے اور نہ انس الوجود کو یہ علم تھا کہ لوگ اسے کہاں لے جا رہے ہیں۔ نہ یہ کہ وزیر اس کی تلاش میں بھیجا گیا ہے اور وزیر بھی اس سے بے خبر تھا کہ انس الوجود یہی ہے۔ جب وزیر نے دیکھا کہ انس الوجود کی غشی جاتی رہی ہے تو اس سے کہا کہ بادشاہ نے مجھے ایک ضرورت سے بھیجا تھا اور وہ پوری نہیں ہوئی۔ میرے ناکام آنے کی خبر سن کر اب اس نے مجھے ایک خط لکھا ہے کہ اگر خالی ہاتھ آیا ہے تو میرے شہر میں قدم نہ رکھیو۔ انس الوجود نے پوچھا کہ بادشاہ نے تجھے کس کام کے لئے بھیجا تھا؟ وزیر نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ انس الوجود نے کہا بے دھڑک بادشاہ کے پاس میرے ساتھ چل' میں انس الوجود کو لانے کا ذمہ لیتا ہوں۔ وزیر خوش ہو گیا اور کہا کہ

کیا تو واقعی سچ کہتا ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔ وزیر سوار ہو گیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا۔ جب یہ دونوں بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے تو اس نے پوچھا کہ انس الوجود کہاں ہے؟ انس الوجود بولا اے بادشاہ مجھے معلوم ہے کہ انس الوجود کہاں ہے؟ بادشاہ نے اسے اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ بتا وہ کس جگہ ہے؟ اس نے کہا بہت نزدیک۔ اگر تو بتا دے کہ تو اس سے کیا چاہتا ہے تو میں اسے ابھی لا کر پیش کر دوں گا۔ بادشاہ نے کہا کہ اس کے لئے تنہائی کی ضرورت ہے۔

بعد ازاں اس نے حاضرین کو رخصت کر دیا اور انس الوجود سے خلوت میں سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کیا۔ انس الوجود نے کہا کہ میرے لئے نفیس پوشاک منگوا کر مجھے پہنا۔ میں انس الوجود کو فوراً لے آؤں گا۔ بادشاہ نے اس کے لئے ایک عمدہ پوشاک منگوائی اور اس نے پہن کر کہا میں وہ شخص ہوں جس کا نام انس الوجود ہے۔ جو حاسدوں کے لئے تکلیف دہ ہے اور جو دلوں پر نگاہوں کے تیر مارتا ہے بادشاہ نے کہا واللہ تم دونوں سچے عاشق ہو اور حسن کے آسمان پر دو چمک دار ستارے اور تمہارا قصہ عجیب و غریب ہے۔ پھر بادشاہ نے وردفی الا کمام کی ساری کہانی کہہ سنائی۔

انس الوجود بولا جہاں پناہ وہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس وقت میرے پاس ہے اور فوراً قاضی اور گواہوں کو بلوا کر دونوں کا نکاح پڑھوا دیا اور انس الوجود کے ساتھ بہت انعام و اکرام کے ساتھ پیش آیا۔

اس کے بعد بادشاہ درباس نے وزیر شامخ کے پاس قاصد بھیج کر اسے سارے ماجرے کی خبر کی جو اسے انس الوجود اور وردفی الا کمام کے ساتھ پیش آیا تھا۔ بادشاہ شامخ کو بڑی خوشی ہوئی' اس نے بادشاہ درباس کو لکھا۔ نکاح تیرے ہاں پڑھایا گیا ہے۔ جشن اور ہم بستری میرے ہاں ہونی چاہیے اور انہیں بلوانے کے لئے اونٹ سوار اور پیادے بھیجے۔

بادشاہ شامخ کا یہ پیغام بادشاہ درباس کے پاس پہنچا تو اس نے ان دونوں کو بہت کچھ مال و دولت دے کر بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ رخصت کیا اور وہ اپنے وطن پہنچے۔ وطن میں ان کے آنے کی بہار دیکھنے کے قابل تھی۔ اس سے زیادہ شاندار جلوس نظر سے

نہ گزرا ہو گا۔ بادشاہ شاہِ نے تمام ڈومنیوں کو بلوایا جو گاتی بجاتی تھیں اور ولیمے کی دعوتیں دیں۔ سات دن تک یہی حالت رہی۔ ہر روز بادشاہ شاہِ لوگوں کو عمدہ عمدہ خلعت عطا کرتا اور انعام دیتا۔ اس کے بعد انس الوجود وردفی الاکمام کے پاس تخلیے میں گیا۔ اسے گلے سے لگا لیا۔ جوش مسرت میں دونوں رونے لگے۔ گھڑی گھڑی دونوں ہم آغوش ہوتے یہاں تک کہ دونوں غش کھا کر گر پڑے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو اکیاسی ویں رات

تین سو اکیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ آپس میں ملنے کی خوشی میں دونوں غش کھا کر گر پڑے۔ جب انہیں ہوش آیا تو پھر گلے سے لپٹ گئے اور خلوت میں ایک دوسرے سے ہم آغوش پڑے رہے اور برابر مئے نوشی اور شعر خوانی اور قصہ خوانی ہوتی رہی حتیٰ کہ دونوں محبت کے سمندر میں غرق ہو گئے۔ یہ حالت سات دن تک رہی۔ خوشی' مسرت اور لذت کی وجہ سے ان کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ کب دن ہوا اور کب رات آئی؟ ہفتے سے ہفتہ ہو گیا گویا وہ سات دن' ایک سے زیادہ نہ تھے۔ ساتویں دن کا پتہ بھی انہیں نوبت نقاروں کے بجنے سے چلا۔ وردفی الاکمام کو بڑا تعجب ہوا۔ انس الوجود نے سو سے زیادہ اس کے بوسے لئے اور دونوں نکل کر باہر آئے۔ لوگوں کو خلعت اور انعام دیئے' بخششیں کیں' ہدیئے عطا کئے۔ اس کے بعد ورد فی الاکمام نے حکم دیا کہ حمام خالی کرایا جائے اور انس الوجود سے کہا اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک' میں چاہتی ہوں کہ ہم دونوں حمام میں تنہا جائیں اور کوئی تیسرا نہ ہو اور میں تجھے وہاں دیکھوں۔ پھر وہ مزے میں آ کر اشعار گانے لگی اور مل کر حمام گئے خوب لطف اٹھایا اور پھر اپنے محل میں واپس آ گئے۔ انہوں نے نہایت عیش و عشرت کی زندگی بسر کی یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو نہ زائل ہوتی ہے اور نہ بدلتی ہے اور جو ہر چیز کا ملجا ہے۔

○ ابونواس اور ہارون الرشید کی کہانی

سنا ہے کہ ایک روز جب ابونواس اکیلا تھا تو اس نے ایک نہایت شاندار مجلس آراستہ

کی، طرح طرح کے کھانے جن سے ہونٹوں اور زبان کو مزے ملے، جمع کیے۔ دستر خوان چنا جا چکا تھا وہ ایک ایسے معشوق کی تلاش میں نکلا جو اس مجلس کے قابل ہو۔ چلتا جاتا اور دل میں دعا مانگتا جاتا کہ اے میرے اللہ، میرے آقا، میرے مولیٰ میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ میرے پاس کسی ایسے کو بھیج دے جو اس مجلس کے مناسب ہو اور ساتھ آج ہم پیالہ و ہم نوالہ ہو۔ وہ اپنی دعا ختم نہ کرنے پایا تھا کہ اسے تین خوبصورت لڑکے دکھائی دیئے گویا وہ جنت کے غلمان تھے مگر تینوں مختلف رنگ کے۔ ابونواس کی یہی عادت تھی، کہ وہ خوبصورت لڑکوں سے ہنسی مذاق کرتا اور ان کے چکنے چپڑے رخساروں کے بوسے لیتا۔ اس نے بڑھ کر ان کو سلام کیا۔ انہوں نے بہترین طریقے سے سلام کا جواب دیا۔ سلام کا جواب دے کر وہ چلے تھے کہ ابونواس نے ان کو روک لیا اور اپنے ساتھ لے جانے کے لئے پھسلانے لگا۔ لڑکوں نے اس کا کہنا مان لیا اور اس کے ساتھ چلنے پر رضا مند ہو گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو بیاسی ویں رات

تین سو بیاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... لڑکے ابونواس کی باتوں میں آ گئے اور اس کے ساتھ ہو لئے۔ اس کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ تمام چیزیں وہاں موجود ہیں بیٹھ کر کھانے پینے اور لطف اڑانے لگے اور پیتے پیتے جب سرور بڑھا تو مزے میں آ کر انہوں نے ابونواس سے کہا کہ تجھے ہم اس بات میں حکم بناتے ہیں تو یہ فیصلہ کر کہ ہم میں سے کون حسن و جمال اور قد و قامت میں دوسروں سے بہتر ہے۔ ابونواس نے ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے اس کے دو بوسے لئے اور اس کی خوبیاں بیان کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے دوسرے کو اشارے سے بلایا اور اس کے ہونٹ چوم کر اس کی تعریف کرنی شروع کر۔ پھر اس طرح تیسرے کے دس بوسے اور اس کی مدح سرائی کرنے لگا۔ شراب گردش میں تھی۔ لڑکے ایک ایک جام پیتے تو وہ دو جام اور شعر خوانی کرتا۔ جب ابونواس پر نشے نے غلبہ پایا اور اسے ہاتھ اور سر میں کوئی تمیز نہ رہی تو وہ لڑکوں کے ساتھ بوس و کنار کرنے لگا۔ اسی حالت میں تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اجازت ملنے کے بعد جب دستک دینے والا اندر آیا تو انہوں نے دیکھا کہ وہ تو امیر المومنین ہارون الرشید ہے۔ اسے دیکھ کر سب کے سب کھڑے ہو گئے' خلیفہ کے آگے زمین چومنے لگے اور اس کے ڈر کے مارے ابونواس کا نشہ ہرن ہو گیا۔ امیر المومنین نے کہا اے ابونواس! وہ بولا لبیک اے امیر المومنین' خدا تجھے کامیابی دے! خلیفہ نے پوچھا یہ کیا حرکت ہے؟ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین' پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ خلیفہ نے کہا' اے ابونواس میں نے خدا سے استخارہ کیا تھا کہ میں تجھے معترضین کا قاضی بناتا ہوں۔ ابونواس نے کہا' کیا تیری مرضی ہے کہ میں وہاں کا قاضی بنوں؟ خلیفہ نے حکم دیا ہاں۔ ابونواس بولا اے امیر المومنین کیا میں نے تجھے یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ اس پر امیر المومنین کو

طیش آ گیا اور وہ انہیں چھوڑ کر چلتا ہوا مگر غصے میں بھرا ہوا۔ رات بھر وہ ابونواس سے ناراض رہا اور ابونواس کی رات نہایت خوشی اور شادمانی سے گزری۔ صبح ہوئی اور سورج نکل کر چمکنے لگا تو ابونواس نے مجلس برخاست کی۔ لڑکے رخصت ہو گئے پھر اس نے درباری لباس پہنا اور اپنے گھر سے نکل کر امیر المومنین کے پاس روانہ ہو گیا۔ امیر المومنین کا دستور تھا کہ جب مجلس برخاست کرتا تو مجلس کے کمرے میں جا کر بیٹھتا۔ شاعر' مصاحب' گویئے حاضر ہوتے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھتے۔ چنانچہ وہ حسب معمول دربار سے اٹھ کر مجلس میں آیا اور اپنی جگہ پر بیٹھنے لگا تو امیر المومنین نے جلاد مسرور کو آواز دے کر کہا کہ ابونواس کے کپڑے اتار کر اس پر گدھے کی جھول رکھے اور اس کے منہ میں لگام دے کر اسے کنیزوں کی محل سراؤں میں پھرائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• تین سو تراسی ویں رات

تین سو تراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- امیر المومنین نے جلاد مسرور سے کہا کہ ابونواس کے کپڑے اتار کر اس پر گدھے کی جھول ڈالے اور اس کے منہ میں لگام دے کر اسے کنیزوں کی محل سراؤں اور بیویوں کے محلوں وغیروں میں تشہیر کرے تا کہ وہ اس کا مذاق اڑائیں' اس کے بعد اس کا سر کاٹ کر لے آئے۔ مسرور' خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں اسے محل سراؤں میں پھرانے لگا جن کی تعداد سال کے دنوں کے برابر تھی۔ ابونواس بڑا مسخرہ تھا جو کوئی اسے دیکھتا انعام دیتا یہاں تک کہ جب وہ لوٹا تو اس کی جھولی بھری ہوئی تھی۔ یہ اسی حالت میں تھا کہ جعفر برمکی خلیفہ کے سامنے پہنچا۔ وہ خلیفہ کے کسی ضروری کام کے لئے باہر گیا ہوا تھا۔ ابونواس کو اس حال میں دیکھ کر پوچھنے لگا کہ اے ابونواس! اس نے کہا اے میرے مولیٰ لبیک۔ جعفر نے پوچھا تو نے کون سا جرم کیا ہے جو تیری یہ گت بنی ہے؟ ابونواس نے کہا جرم تو کوئی نہیں کیا۔ مگر ہاں میں نے اپنے مولیٰ خلیفہ کو بہترین اشعار پیش کئے تھے اور اس نے اپنے بہترین کپڑے مجھے عطا کئے۔ امیر المومنین نے یہ سنا تو اسے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ غصہ جاتا رہا اور اسے معاف کر دیا اور ایک توڑا دینار کا عطا کیا۔

○ عبد اللہ بن معمر التیمی کی کہانی

بصرے کے کسی شخص نے ایک کنیز خریدی' اور اس کی تعلیم و تربیت نہایت اچھے طریقے سے کی۔ اسی اثناء میں کنیز کے ساتھ اسے محبت ہو گئی اور محبت اس درجہ بڑھی کہ اس نے اپنا سارا مال مزے اڑانے میں صرف کر دیا' کچھ باقی نہ رکھا اور ناداری کی

وجہ سے اسے سخت تکلیف ہونے لگی۔ کنیز نے اس سے کہا کہ اے میرے آقا مجھے بیچ ڈال کیونکہ تجھے روپے کی ضرورت ہے۔ تیری ناداری دیکھ کر میرا دل کڑھتا ہے اگر تو مجھے بیچ کر میرے دام کھرے کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں تیرے پاس رہوں۔ اس شخص نے اپنی غربت کا خیال کر کے اس کی یہ تجویز منظور کر لی۔ اسے لے کر بازار گیا اور دلال نے اسے بصرے کے والی کے سامنے پیش کیا جس کا نام عبد اللہ بن معمر تیمی تھا۔ والی کو کنیز پسند آئی۔ پانچ سو دینار میں خرید لیا اور قیمت اس کے آقا کو دے دی۔ جب وہ دام لے کر واپس جانے لگا تو کنیز رونے لگی اور اس کا آقا بھی اسے روتا دیکھ کر آہیں بھرنے لگا۔ عبد اللہ بن معمر نے ان دونوں کو غمگین دیکھا تو وہ کہنے لگا واللہ میں تمہاری جدائی کا باعث نہیں ہو چا چاہتا' مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم ایک دوسرے کو چاہتے ہو' اس لئے اے شخص تو دام اور کنیز دونوں لے جا' خدا تجھے برکت دے! عاشق و معشوق کو ایک دوسرے سے جدا کرنا دونوں پر مصیبت لاتا ہے۔ دونوں نے عبداللہ بن معمر کا ہاتھ چوما اور اپنے گھر کو چلے گئے اور جب تک وہ مرے نہیں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے۔ پاک ہے وہ ذات جسے موت نہیں آتی۔

○ بنو عذرہ کے عشق کی کہانی

بنو عذرہ میں ایک خوبصورت شخص تھا جو کسی بھی عشق سے خالی نہ رہتا تھا۔ اتفاق سے وہ ایک خوبصورت عورت پر جو اسی قبیلے کی تھی' عاشق ہو گیا۔ مدت تک خطوط لکھتا رہا لیکن وہ عورت اس پر برابر ستم ڈھاتی رہی اور اس کے پاس تک نہ پھٹکی۔ آخر محبت کی ناکامی اور تمناؤں کے بر نہ آنے کے صدمے سے وہ سخت بیمار پڑ گیا۔ چوبیس گھنٹے بچھونے پر پڑا رہتا' نہ نیند آتی نہ چین آتا۔ رفتہ رفتہ لوگوں پر اس کی حالت کھل

گئی اور اس کے عشق کا چرچا ہونے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو چوراسی ویں رات

جب تین سو چوراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ اس کے عشق کا چرچا ہوتا چلا' اس کی بیماری بڑھتی گئی' غم کا ٹھکانہ نہ رہا اور وہ مرنے کے قریب ہو گیا۔ دونوں خاندانوں کے لوگ لڑکی سے اصرار کرتے کہ وہ اس سے ملنے جائے لیکن لڑکی برابر انکار کر دیتی یہاں تک کہ اب اس شخص کے مرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہی۔ یہ خبر لڑکی کو ملی تو اسے ترس آ گیا اور اس سے ملنے کی ہامی بھر لی۔ لڑکی ملنے گئی اور اس نے اسے دیکھا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ عاشق کو روتا دیکھ کر وہ بھی رونے لگی اور کہا کہ خدا کی قسم مجھے ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ عشق سے تیرا اتنا برا حال ہو گیا ہے اور تو مرنے کے قریب ہے' اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں تیری خبر گیری کرتی اور تجھے اپنے وصال سے نہ ترساتی۔ لڑکی کی یہ باتیں سن کر اس کا سینہ شق ہو گیا اس نے ایک چیخ ماری اور جان دے دی۔ لڑکی اس کے اوپر گر پڑی۔ کبھی اس کے بوسے لیتی' کبھی روتی۔ آخر روتے روتے غش کھا کر اس کے پاس گر پڑی۔ ہوش آیا تو اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ جب میں مروں تو مجھے بھی اسی کی قبر میں دفن کرنا۔ اس کے بعد پھر اس نے رونا پیٹنا شروع کر دیا اور اتنا روئی پیٹی کہ بے ہوش ہو گئی اور تین دن تک بے ہوش رہنے کے بعد مر گئی اور اسی کی قبر میں دفن ہوئی۔ محبت میں یہ بھی عجب اتفاق کی بات ہے۔

○ بدر الدین کی کہانی

یمن کے وزیر صاحب دیوان بدر الدین کا ایک بھائی تھا۔ انتہائی درجے کا حسین' بدر الدین اس کی بڑی حفاظت کرتا۔ جب اسے معلم کی ضرورت ہوئی تو ایک ہیبت و وقار عفت

والا اور دیانت دار بوڑھا شخص تلاش کیا۔ اسے اپنے پڑوس میں رہنے کی جگہ دی اور تعلیم دلوانی شروع کی۔ اسی طرح ایک زمانہ گزر گیا وہ ہر روز صاحب بدر الدین کے گھر جاتا اور اس کے بھائی کو پڑھا کر اپنے گھر لوٹ آتا۔ اتفاق کی بات بوڑھے کے دل میں اس لڑکے کی محبت نے گھر کر لیا اور عشق نے اتنا زور پکڑا کہ بالاخر اس نے لڑکے سے اپنا دکھڑا رو ہی دیا۔ لڑکے نے کہا کہ میں کیا تدبیر کر سکتا ہوں۔ بھائی کے پہرے میں ہوں۔ دن رات میں کسی وقت اس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ تجھے معلوم ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے مجھے اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ بوڑھا بولا میرا گھر تیرے گھر سے ملا ہوا ہے۔ تو یہ کر سکتا ہے کہ جب تیرا بھائی سو جائے تو اٹھ کر پاخانے جائیوں اور پھر لوگوں پر ظاہر کر کے کہ تو سو گیا ہے چھت کی دیوار پر آ جائیو۔ دیوار کے پیچھے سے میں تجھے لے لوں گا' تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھ کر واپس چلا آئیو' تیرے بھائی کو خبر تک نہ ہو گی۔ لڑکے نے اقرار کر لیا۔ بوڑھے نے لڑکے کے قابل' عمدہ عمدہ چیزیں تیار کیں اور رات آنے کا انتظار کرنے لگا۔

یہ تو بوڑھے کا قصہ ہوا' اب لڑکے کا حال سنئے۔ وہ پاخانے میں جا کر وقت کا منتظر تھا کہ ایک پہر رات گزر گئی اور وزیر غافل ہو کر سو گیا۔ اب لڑکا اٹھ کر آہستہ آہستہ دیوار کے پاس گیا دیکھا کہ بوڑھا کھڑا ہوا انتظار کر رہا ہے۔ بوڑھے نے اسے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور بیٹھک میں لے گیا۔ وہ رات' چاند کی چودھویں رات تھی۔ دونوں بیٹھ کر مے نوشی کرنے لگے اور دور چلنے لگا۔ چودھویں رات کا چاند چمک رہا تھا اور بوڑھا گا رہا تھا۔ دونوں ایسے مزے میں تھے کہ جس سے عقل دنگ رہ جائے اور جس کی تعریف زبان سے نہ ہو سکے کہ اتنے میں صاحب بدر الدین کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ بھائی غائب ہے۔ وہ مارے ڈر کے اٹھ بیٹھا۔ ادھر ادھر نظر ڈالی تو دروانہ کھلا ہوا تھا۔ وہ باہر آیا اور اسے کھانا پھوسی کی آواز سنائی دی۔ زینے پر ہو کر چھت پر چڑھا۔ اسے برابر والے گھر میں روشنی دکھائی دی' جھانکا تو دیوار کے پیچھے دونوں بیٹھے ہوئے ہیں اور دور چل رہا ہے۔ بوڑھے کو آہٹ معلوم ہو گئی اور وہ یہ شعر پڑھنے

لگا۔ "وہ اپنے منہ کے لعاب سے مجھے شراب پلاتا ہے' اپنے رخساروں سے مجھے سلام کرتا ہے اور رات بھر رخسار سے رخسار ملائے بیٹھا رہتا ہے لیکن چاند ہمارے اوپر پہرا دیتا ہے لہٰذا اس سے کہہ دو کہ وہ چغل خوری نہ کرے۔" صاحب بدر الدین کی شرافت کو دیکھو کہ جب اس نے یہ اشعار سنے تو کہنے لگا کہ خدا کی قسم میں تمہاری چغل خوری نہ کروں گا۔ یہ کہہ کر وہ چلتا ہوا اور دونوں نے خوب مزے اڑائے۔

○ مکتب کے لڑکے لڑکی کی محبت کی کہانی

ایک لڑکا اور ایک لڑکی ایک ہی مکتب میں پڑھتے تھے۔ لڑکے کو لڑکی سے عشق ہو گیا

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اس اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو پچاسی ویں رات

جب تین سو پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکے کو لڑکی سے عشق ہو گیا۔ ایک روز جبکہ دوسرے لڑکے لڑکیاں کھیل کود میں مصروف تھیں۔

اس لڑکے نے لڑکی کی تختی لے کر اس پر یہ دو شعر لکھ دیئے:
"اس شخص کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جس کو اس بیماری نے سوکھا کر کانٹا کر دیا ہو جو تیرے عشق کا نتیجہ ہے؟ محبت اور غم کی وجہ سے وہ اپنا دکھڑا ہر ایک کے آگے روتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے دل کی حالت چھپا نہیں سکتا۔"
لڑکی نے تختی اٹھائی تو اس نے یہ شعر لکھے ہوئے دیکھے۔ انہیں پڑھا اور ان کا مطلب سمجھا اور اسے لڑکے پر ترس آ گیا۔ وہ رونے لگی ان اشعار کے نیچے یہ دو شعر لکھ دیئے۔
"جب ہم دیکھتے ہیں کہ کسی کا محبت سے برا حال ہو رہا ہے تو ہم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔ ہم اس کی محبت کی آرزو پوری کر دیں گے خواہ ہم پر کچھ بھی گزرے۔"
اتفاق کی بات ہے ان دونوں کی بے خبری میں معلم وہاں پہنچا اور اس نے تختی اٹھا کر دیکھی اور اشعار پڑھ کر سمجھا کہ دونوں قابل رحم ہیں۔ اس نے دونوں کے نیچے یہ دو اشعار لکھ دیئے:
"اپنے عاشق کی دل داری کر اور اس کے انجام سے نہ ڈر کیونکہ تیرا عاشق تیری محبت میں حیران و سرگرداں پھر رہا ہے۔ اب رہا معلم' اس سے خوف کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ بھی ایک زمانے تک عشق میں مبتلا رہا ہے۔"
اتفاق سے اسی وقت لڑکی کا آقا مکتب میں آیا۔ اس کی نظر تختی پر پڑی۔ اس نے تختی اٹھا کر وہ تمام اشعار جو لڑکی' لڑکے اور معلم نے لکھے تھے' اس نے بھی ان کے نیچے

یہ دو اشعار لکھ دیئے:
"خدا تم دونوں کو کبھی جدا نہ کرے اور تمہارے حاسد حیران و پریشان رہیں! رہا معلم' اس سے زیادہ دریا دل میں نے کسی انسان کو نہیں دیکھا؟"

پھر لڑکی کے آقا نے قاضی اور گواہوں کو بلا کر اسی مجلس میں لڑکی کی شادی لڑکے سے کر دی اور ان کی طرف سے ولیمے کی دعوت دی۔ دونوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور دونوں خوش خوش رہے یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی۔

○ متلمس شاعر اور اس کی بیوی کی کہانی

جب متلمس شاعر نعمان بن منذر کے دربار سے بھاگا تو بہت دنوں تک غائب رہا حتیٰ کہ لوگوں کو اس کے مرنے کا یقین ہو گیا۔ اس کی ایک بیوی تھی نہایت حسین۔ اس کا نام امیمہ تھا۔ خاندان والوں نے اسے مشورہ دیا کہ تو دوسری شادی کر لے۔ اس نے انکار کر دیا لیکن لوگ برابر اس کے سر رہے' اس لئے کہ ہر شخص اس سے شادی کرنے کا خواہش مند تھا۔ آخر اسے ایسا مجبور کیا گیا کہ باوجود اپنے شوہر متلمس سے انتہائی محبت کے وہ طوعاً اور کرہاً شادی کرنے پر رضا مند ہو گئی اور اس کا نکاح اسی قبیلے کے ایک شخص کے ساتھ ہو گیا۔ جس شخص نے نکاح کرنے پر لوگوں نے اسے مجبور کیا تھا اس کے ساتھ زفاف کی رات تھی کہ خدا کی شان اس کا شوہر متلمس آ پہنچا۔ قبیلے میں اسے باجے گانے کی آوازیں سنائی دیں اور جشن کے سامان نظر آئے۔ اس نے چند لڑکوں سے اس جشن کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ متلمس کی بیوی امیمہ کی شادی فلاں شخص کے ساتھ ہوئی ہے۔ متلمس نے یہ سنا تو کسی حیلے سے عورتوں کے ساتھ مل کر اندر چلا گیا۔ اس نے دیکھا کہ دولہا آ چکا ہے اور دونوں تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ امیمہ نے ٹھنڈا سانس لیا اور رو کر یہ شعر پڑھنے لگی:

"حوادث کا اتنا ہجوم ہے کہ مجھے معلوم نہیں اے متلمس تو کس ملک میں ہے۔"
متلمس مشہور شاعروں میں سے تھا۔ اس نے فوراً جواب دیا:
"تجھ سے بہت قریب اے امیمہ' یقین کر کہ جب سوار سو جاتے تھے تو میری راتیں تیری تمنا میں گزرتی تھیں۔"
دولہا نے جو یہ سنا تو اسے یقین ہوا کہ متلمس آ گیا اور دونوں میاں بیوی جمع ہو گئے تو وہ یہ پڑھتا ہوا دونوں کے بیچ میں سے تیزی سے چلتا ہوا:
"اب تک تو میری اچھی گزری مگر اب رات بری گزرے گی اور تم دونوں کشادہ گھر اور مجلس میں آرام کرو گے۔"
یہ کہہ کر وہ چلتا بنا اور متلمس اپنی بیوی کے ساتھ اکیلا رہ گیا اور دونوں نے بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کی یہاں تک کہ موت نے انہیں الگ الگ کر دیا۔ پاک ہے وہ ذات جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

○ ہارون الرشید' زبیدہ اور ابونواس کی کہانی

کہتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید' زبیدہ کو بے حد چاہتا تھا' اس کی سیر و تفریح کے لئے اس نے ایک خاص محل سرا بنائی تھی جس کے اندر پانی کا ایک حوض تھا۔ حوض کے ارد گرد جھاڑیاں تھیں' اس میں ہر طرف سے پانی آتا۔ جھاڑیاں اتنی گھنی تھیں کہ اگر کوئی اس حوض میں نہاتا تو اس کی شاخیں ٹٹیاں بن جاتیں اور اسے کوئی نہ دیکھ سکتا۔ ایک روز کا اتفاق سنئے۔ شہزادی زبیدہ وہاں آئی اور حوض کے پاس پہنچی ------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو چھیاسی ویں رات

جب تین سو چھیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ شہزادی زبیدہ حوض کے پاس آ کر اس کی خوبصورتی کا تماشا دیکھنے لگی۔ اس کی رونق اور درختوں کا اس پر جھرمٹ اسے بہت بھایا۔ اس دن گرمی زیادہ تھی وہ اپنے کپڑے اتار کو حوض میں اتر گئی اور پانی کے اندر جا بیٹھی۔ حوض اتنا گہرا نہ تھا کہ انسان اس میں کھڑا ہو کر پانی سے چھپ جائے اس لئے زبیدہ ایک چاندی کے لوٹے میں پانی بھر بھر کر اپنے بدن پر ڈالنے لگی۔ خلیفہ کو جو اس کی خبر لگی تو وہ اپنے محل سے نکل کر درختوں کی آڑ میں کھڑا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ دیکھا کہ وہ بالکل برہنہ ہے اور اس کے تمام پوشیدہ اعضاء کھلے ہوئے ہیں۔ جب زبیدہ کو معلوم ہوا کہ امیر المومنین درختوں میں چھپا کھڑا اسے برہنہ دیکھ رہا ہے تو شرم کے مارے اس نے دونوں ہاتھ اپنی مخصوص جگہ پر رکھ لئے مگر وہ مقام اتنا چوڑا چکلا اور موٹا تھا کہ دونوں ہاتھوں کے درمیان میں سے بھی دکھائی دیتا رہا۔ خلیفہ کو بڑا تعجب ہوا اور وہ یہ شعر پڑھتا ہوا فوراً لوٹ گیا:

"میری آنکھوں نے موت کی مدد کی اور
میری محبت جوش مارنے لگی"

آگے اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہے اس لئے اس نے ابونواس کو بلوایا۔ ابونواس حاضر ہوا تو خلیفہ نے کہا کہ ایک نظم کہہ جس کا پہلا شعر یہ ہو:

"میری آنکھوں نے ------ الخ"

ابونواس نے فی البدیہہ یہ شعر کہے:

میری آنکھوں نے ------ الخ
ایک غزال صفت نے مجھے

بیری کے درخت کے نیچے گرفتار کر لیا
وہ ایک چاندی کے لوٹے سے اپنے اوپر پانی ڈالتی جاتی تھی
جب اس نے مجھے دیکھا تو اس چیز کو چھپا لیا
لیکن وہ دونوں ہاتھوں کے درمیان سے دکھائی دیتی تھی
کاش میں اس کے اوپر ایک دو گھڑی رہتا"
یہ سن کر امیر المومنین مسکرایا اور اسے انعام دیا اور مسرور سے کہا کہ اسے جانے دے۔

○ ہارون الرشید اور کنیز اور ابونواس کی کہانی

ایک رات امیر المومنین ہارون الرشید کا جی بہت گھبرایا' وہ اٹھ کر اپنے محل کے ارد گرد ٹہلنے لگا۔ اچانک اس کی نظر ایک کنیز پر پڑی جو نشے میں جھوم رہی تھی۔ خلیفہ اس کنیز کو بہت چاہتا تھا اور اس سے محبت کرتا تھا' اس لئے وہ اس سے ہنسی مذاق کرنے لگا اور اسے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ اس ہاتھا پائی میں اس کی چادر گر پڑی اور ازار کھل گئی۔ یہ دیکھ کر خلیفہ وصل کا طالب ہوا۔ کنیز نے کہا کل رات تک مجھے معاف کر۔ اے امیر المومنین' میں تیرے لئے تیار نہیں ہوں کیونکہ مجھے تیرے آنے کی خبر نہ تھی۔ خلیفہ اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ جب سویرا ہوا اور سورج کی روشنی پھیلنے لگی تو اس نے اپنے ایک غلام کے ہاتھ کنیز کو پیغام بھیجا کہ امیر المومنین تیرے حجرے میں موجود ہے۔ کنیز نے اس کے جواب میں کہلوا دیا کہ "کلام اللیل یمحوہ النہار" یعنی رات کی بات کو دن بھلا دیتا ہے۔ رشید نے اپنے مصاحبوں سے کہا کہ ایک نظم کہو

جس میں یہ مصرع آئے:
کلام اللیل ------ الخ"
پہلے رقاشی آگے بڑھا اور یہ اشعار پڑھنے لگا:

"خدا کی قسم اگر تجھے بھی ایسی ہی محبت ہوتی جیسی کہ مجھے ہے تو صبر و قرار تجھ سے کوسوں دور بھاگتے۔ تیری محبوبہ نے تجھے محبت میں گرفتار کر کے چھوڑ دیا ہے' نہ وہ آتی ہے اور نہ تجھے بلاتی ہے جب وہ وعدہ کرتی ہے تو وعدہ خلافی کرتی ہے اور کہتی ہے کہ رات کی بات کو ------ الخ"

اس کے بعد ابو مصعب نے آگے بڑھ کر کہا:

"تیرا دل تو بے بس ہے' قرار آئے تو کیسے! صبر تو جاتا رہا ہے' نیند آئے تو کیونکر! کیا یہ تیرے لئے کافی نہیں کہ آنکھیں اشک آلود ہیں اور دل میں ------ الخ"

پھر ابونواس نے یہ اشعار پڑھے:

"عشق بڑھتا جاتا ہے اور وصل کی امید گھٹتی جاتی ہے۔ میں نے صاف صاف اپنی محبت جتائی لیکن اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ رات کے وقت وہ محل میں مخمور پھر رہی تھی۔ نشے میں اس کی آن بان دوبالا ہو گئی تھی۔ ہاتھا پائی سے اس کی چادر کاندھے پر سے گر گئی اور اس کی ازار کھل گئی۔ میں نے کہا کہ اپنے عاشق سے وعدہ کر اور اسے پورا کر۔ اس نے کہا کہ کل وصال ہو گا۔ جب میں دوسرے دن آیا اور اسے وعدہ یاد دلایا تو وہ کہنے لگی کہ رات کی بات کو دن بھلا دیتا ہے۔"

خلیفہ نے حکم دیا کہ پہلے دونوں شاعروں کو ایک ایک توڑا عطا ہو اور ابونواس کی گردن اڑا دی جائے' اور اس سے کہا کہ تو رات کو محل میں موجود تھا۔ ابونواس نے کہا' خدا کی قسم میں اپنے گھر میں سو رہا تھا' محض تیرا کلام دیکھ کر یہ مضامین میرے خیال میں آئے ہیں۔ خدا کا قول ہے کہ "شاعر کے پیچھے پیچھے شیطان لگے رہتے ہیں' تو نے خود دیکھا ہو گا کہ وادی وادی مارے مارے پھرتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں کرتے نہیں۔" اس پر خلیفہ نے اسے معاف کر دیا اور دو توڑے اشرفیوں کے دیئے اور سب لوگ وہاں سے چلتے ہوئے۔

○ چکی چلانے والے اور اس کی بیوی کی کہانی

کسی شخص کے پاس ایک چکی تھی اور ایک گدھا جو اسے چلاتا تھا۔ اس کی ایک بد ذات بیوی تھی۔ شوہر بیوی کو چاہتا تھا مگر بیوی اس سے نفرت کرتی تھی۔ اسے اپنے ایک پڑوسی سے محبت تھی پڑوسی کو اس سے نفرت یہ شوہر کا کہنا نہ مانتی اور پڑوسی اس کا کہنا نہ مانتا۔ ایک رات شوہر نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اس سے کہہ رہا ہے کہ گدھے کی چکی کے کھونٹے کے نیچے کھود تجھے وہاں خزانہ ملے گا۔ جب وہ سو کر اٹھا تو اس نے اپنی بیوی سے یہ خواب بیان کیا اور کہا کہ یہ راز کسی سے کہیو نہیں لیکن بیوی نے اپنے پڑوسی کو خبر کر دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو اٹھاسی ویں رات

جب تین سو اٹھاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ چکی والے کی بیوی نے اس کی خبر اپنے پڑوسی کو' جسے وہ چاہتی تھی' کر دی تا کہ وہ اس سے محبت کرنے لگے۔ پڑوسی نے اس سے رات کے وقت آنے کا وعدہ کر لیا۔ رات ہوئی تو وہ آیا اور چکی کے نیچے کھود کر وہاں سے خزانہ نکالا۔ پھر وہ کہنے لگا کہ اب کیا کریں؟ عورت نے جواب دیا کہ اسے دو برابر حصوں میں تقسیم کر۔ اس کے بعد تو اپنی بیوی کو چھوڑ دے' میں کسی بہانے سے اپنے شوہر سے جدا ہو جاؤں اور تو میرے ساتھ شادی کر لے۔ جب ہم دونوں مل جائیں گے تو کل خزانہ بھی یکجا ہو جائے گا اور ہمارے کام آئے گا۔ پڑوسی نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ شیطان تجھے بہکادے اور تو میرے علاوہ کسی اور سے شادی کر لے کیونکہ سونے کا گھر میں ہونا ایسا ہے جیسا سورج کا دنیا میں ہونا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ سارا مال میرے پاس رہے تا کہ تجھے اس بات کا لالچ لگا رہے اور تو اپنے شوہر کو چھوڑ کر میرے پاس آ جائے۔ عورت بولی مجھے بھی وہی ڈر ہے جو تجھے ہے اس لئے میں اپنا حصہ تجھے نہیں دوں گی۔ آخر میں نے ہی تو تجھے خزانے کا پتا دیا ہے۔ جب پڑوسی نے یہ باتیں سنیں تو شیطان نے اس سے کہا کہ عورت کو قتل کر دے اور اس نے قتل کر کے اسی جگہ ڈال دیا جہاں سے خزانہ ملا تھا اور صبح ہوتے وہ مال و دولت لے کر چمپت ہوا۔ اتنے میں چکی والے کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ بیوی نہیں ہے۔ اس نے چکی میں جا کر گدھے کو چکی سے باندھا اور اسے ہانکنے لگا۔ گدھا چل کر رک گیا۔ چکی والے نے اسے خوب مارا اور جتنا مارتا اتنا ہی گدھا پیچھے ہٹتا جاتا کیونکہ وہ عورت کی لاش دیکھ کر بدکتا اور آگے بڑھنے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ چکی والے کو کیا خبر کہ گدھا کیوں نہیں چلتا۔ وہ گدھے کا مکرا پن نہ سمجھا۔ اب اس نے ایک چھری لے کر اسے خوب گودا

لیکن وہ ایک قدم آگے نہ سرکا۔ آخر اس نے طیش میں آ کر گدھے کے پہلوؤں میں چھریاں ماریں اور وہ گر کر مر گیا۔ جب دن نکلا تو چکی والے نے دیکھا کہ گدھا بھی مرا پڑا ہے اور اس کی بیوی بھی اور ٹھیک اسی جگہ جہاں خزانہ تھا۔ اسے اور بھی زیادہ غصہ آیا کہ خزانے کا خزانہ ہاتھ سے گیا' بیوی اور گدھا مرا سو الگ۔ یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ اس نے اپنی بیوی سے بھید کہہ دیا اور اس نے اسے پوشیدہ نہ رکھا۔

○ گدھے والے اور چور کی کہانی

ایک احمق اپنے گدھے کی رسی پکڑے اسے اپنے پیچھے پیچھے لے چلا جا رہا تھا کہ دو چوروں کی نظر اس پر پڑی۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میں ابھی اس گدھے کو اس شخص سے لئے آتا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ کس طرح؟ ساتھی بولا میرے پیچھے پیچھے آ اور تماشا دیکھ۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اب یہ چور اس گدھے کی طرف بڑھا اور اس کی رسی کھول کر اپنے ساتھی کے حوالے کیا اور خود اپنے گلے میں رسی ڈال کر احمق کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ جب اس نے دیکھ لیا کہ اس کا ساتھی گدھے کو لے کر غائب ہو چکا ہے تو وہ ٹھہر گیا اور احمق کے کھینچنے پر بھی آگے نہ بڑھا۔ احمق نے پیچھے مڑ کر نظر کی تو کیا دیکھتا ہے کہ رسی ایک انسان کی گردن میں پڑی ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا کہ تو کیا بلا ہے؟ چور نے جوابدیا میں تیرا گدھا ہوں۔ میرا قصہ عجیب و غریب ہے وہ یہ کہ میری ماں ایک پارسا بڑھیا ہے۔ ایک روز میں پیئے ہوئے اس کے پاس آیا اس نے کہا بیٹا' اس گناہ سے خدا کے آگے توبہ کر۔ میں نے ایک ڈنڈا اٹھایا اور اسے مارا۔ اس نے بددعا دی اور خدا نے مجھے گدھا بنا کر تیرے حوالے کیا۔ میں اتنی مدت تک تیرے پاس رہا۔ آج میری ماں کو میری یاد آئی۔ اسے میرے حال پر ترس آ گیا' اس نے میرے لئے دعا کی اور خدا نے مجھے پہلے کی طرح انسان بنا دیا۔ احمق نے کہا "لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔" بھائی' خدا

کے لئے میرا کیا دھرا معاف کر اور اس نے چور کے گلے سے رسی کھول دی اور غم اور غصے میں بھرا ہوا اپنے گھر پہنچا۔ اس کی بیوی نے پوچھا کہ تجھ پر کیا مصیبت نازل ہوئی اور گدھا کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تجھے گدھے کے متعلق کچھ خبر نہیں ہے؟ سن۔ یہ کہہ کر اس نے ساری سرگزشت دہرا دی۔

بیوی بولی ہائے افسوس' مدت تک ہم آدمی سے خدمت لیتے رہے! اس کے بعد اس نے خیرات کی' خدا سے مغفرت چاہی اور شوہر بہت دنوں تک گھر میں بیکار بیٹھا رہا۔ آخر کار عورت نے کہا کہ کب تک گھر میں بے کار بیٹھا رہے گا؟ بازار جا کر دوسرا گدھا خرید لا اور روزی کما۔ یہ سن کر وہ بازار گیا اور ایک گدھے والے کے پاس ٹھہر گیا اور جو اپنا گدھا بیچ رہا تھا۔ گدھے کو دیکھ کر وہ اس کے پاس گیا اور اپنا منہ اس کے کان پر رکھ کر کہنے لگا۔ کمبخت کہیں تو نے اپنی ماں کو تو نہیں مارا ہے اور اس وجہ سے گدھا ہو گیا ہے! خدا کی قسم میں تجھے ہرگز نہیں خریدوں گا' اور وہ اسے چھوڑ کر چلتا ہوا۔

○ ہارون الرشید' زبیدہ اور چمگاڈر کی کہانی

ایک روز امیر المومنین ہارون الرشید دوپہر کے وقت سو گیا۔ جب وہ بیدار ہوا اور تخت اٹھایا جس پر وہ سویا تھا تو اس نے دیکھا کہ بچھونے پر تازہ منی پڑی ہے۔ اسے بڑی پریشانی ہوئی۔ مزاج برگزشتہ ہو گیا۔ اس نے شہزادی زبیدہ کو بلوایا۔ وہ آئی تو خلیفہ نے پوچھا' یہ بچھونے پر کیا چیز پڑی ہے؟ زبیدہ نے اسے دیکھ کر کہا کہ اے امیر لمومنین یہ منی ہے۔ خلیفہ بولا' اس منی کی وجہ سچ سچ بتا ورنہ میں ابھی تیرے اوپر مصیبت ڈھا دوں گا۔ اس نے کہا اے امیر المومنین خدا کی قسم مجھے اس کا سبب معلوم نہیں۔ تو بدگمانی میری طرف سے کرتا ہے' اس سے میں بری ہوں۔ خلیفہ نے قاضی ابو یوسف کو بلا کر اس سے سارا قصہ بیان کیا اور منی دکھائی۔ قاضی نے سر اوپر اٹھا کر چھت

کی طرف دیکھا کہ اس میں ایک سوراخ ہے۔ کہنے لگا' اے امیر المومنین' چمگاڈر کی منی بھی انسان کی منی جیسی ہوتی ہے' یہ چمگاڈر کی منی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے بھالا منگوایا اور اپنے ہاتھ میں لے کر سوراخ کے اندر مارا' اس میں سے چمگاڈر گری۔ یہ دیکھ کر خلیفہ ہارون الرشید کی بد گمانی جاتی رہی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو نواسی ویں رات

تین سو نواسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب قاضی ابو یوسف نے ہاتھ میں بھالا لے کر سوراخ میں مارا اور ایک چمگاڈر آ کر نیچے گری تو ہارون الرشید کی بد گمانی دور ہو گئی اور زبیدہ کی بے گناہی کا ثبوت مل گیا۔ زبیدہ کو اس سے زیادہ کیا خوشی ہوتی۔ خدا نے اس کو بری کر دیا اور اس خوشی میں اس نے ابو یوسف کو بہت سا انعام دینے کا وعدہ کیا۔

زبیدہ کے پاس اتفاق سے اس وقت ایک غیر موسمی پھل تھا اور اسے یہ بھی خبر تھی کہ باغ میں ایک دوسرا غیر موسمی پھل بھی ہے۔ اس نے ابو یوسف سے کہا کہ اے دین کے پیشوا' تو کس پھل کو زیادہ پسند کرے گا موجودہ کو یا غائب کو؟ قاضی نے جواب دیا ہمارا مذہب غائب پر کوئی حکم نہیں لگاتا۔ یہاں ہو تو اس پر حکم لگایا جا سکتا ہے۔

زبیدہ نے دونوں پھل اس کے سامنے پیش کیے۔ قاضی ابو یوسف نے اس میں سے بھی کھایا اور اس میں سے بھی۔ زبیدہ نے پوچھا۔ دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب میں ایک پھل کی تعریف کرنا چاہتا ہوں تو دوسرا آ کر اپنے دلائل پیش کرتا ہے۔ رشید اس کی باتیں سن کر ہنس پڑا اور اسے انعام دیا اور زبیدہ نے بھی وہ انعام پیش کیا جس کا اس نے اس سے وعدہ کیا تھا اور وہ خوش خوش ان کے پاس سے واپس گیا۔ اس پیشوا کی فضیلت دیکھیے اور یہ کہ اس نے زبیدہ کی بے گناہی کس طرح ثابت کی۔

○ حاکم بامر اللہ اور باغ والے کی کہانی

ایک دن حاکم بامر اللہ اپنے جلوس کے ساتھ سوار جا رہا تھا۔ اس کا گزر ایک باگ

کی طرف ہوا۔ اس نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جس کے ارد گرد غلام اور نوکر چاکر جمع تھے۔ ضلیفہ نے اس سے پینے کے لئے پانی مانگا اس نے پانی پلایا اور کہنے لگا' میں امید کرتا ہوں کہ امیر المومنین اس باغ میں اتر کر میری عزت افزائی کرے گا۔ خلیفہ نے منظور کیا اور اس کا لشکر باغ میں اتر پڑا۔ اب اس شخص نے سو فرش نکالے' سو جاجمیں'' سو تکیے' سو خوان پھلوں کے' سو پیالے جن میں حلوے تھے اور سو کٹورے جن میں شکر کا شربت تھا۔ یہ دیکھ کر حاکم بامر اللوہ دنگ ہو گیا اور بولا اے شخص تیرا واقعہ عجیب و غریب ہے۔ کیا تجھے ہمارے آنے کی خبر تھی تو نے تو یہ تمام چیزیں تیار کر رکھی ہیں؟ اس نے جواب دیا نہیں' خدا کی قسم اے امیر المومنین' مجھے تم لوگوں کے آنے کا حال بالکل معلوم نہ تھا۔ میں تیری رعیت کے تاجروں میں سے ایک تاجر ہوں۔ میری سو کنیزیں ہیں۔ جب امیر المومنین نے میرے ہاں اتر کر مجھے عزت بخشی تو میں نے ان میں سے ہر ایک کو کہلا بھیجا کہ میرے واسطے ناشتہ باغ میں بھیج دیں۔ سب نے اپنا کچھ فرش اور کھانا پینا جو ان کی ضرورت سے زائد تھا بھیج دیا کیونکہ ہر روز ان میں سے ہر ایک کنیز ایک تشت کھانا' ایک تشت ٹھنڈا شربت' ایک تشت میوہ' ایک پیالے میں حلوہ اور ایک کٹورا شراب بھیجتی ہے۔ یہ ناشتہ میرے پاس ہر روز پہنچ جاتا ہے۔ تیری وجہ سے میں نے کوئی زائد چیز نہیں منگوائی۔ امیر المومنین حاکم بامر اللہ نے خدا کے آگے شکرانے کا سجدہ کیا اور کہنے لگا کہ شکر ہے اس کا کہ اس نے ہماری رعایا میں لوگوں کو اتنی وسعت دی ہے کہ وہ بغیر تیاری کئے محض اس کھانے میں سے جو بچ رہتا ہے خلیفہ اور اس کے لشکر کی دعوت کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ جتنے درہم اس سال نئے بنائے گئے ہیں اور بیت المال میں ہیں سب اسے دے دیئے جائیں۔ ان درہموں کی تعداد سینتیس لاکھ تھی اور خلیفہ اس وقت تک سوار نہ ہوا جب تک درہموں کو منگوا کر انہیں اس شخص کے حوالے نہ کر دیا ' اور اس نے کہا کہ انہیں خرچ کر کیونکہ تیری دریا دلی ان سے بڑھ کر ہے۔

یہ کہہ کر وہ سوار ہوا اور چل دیا۔

○ نوشیرواں اور لڑکی کی کہانی

عادل بادشاہ کسریٰ نوشیرواں ایک دن شکار کے لئے نکلا اور ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈال کر اپنے لشکر سے جدا ہو گیا۔ وہ ہرن کے پیچھے لگا ہی ہوا تھا کہ سامنے ایک گاؤں نظر آیا۔ بھاگ دوڑ میں اسے پیاس لگ آئی تھی اس لئے اس نے گاؤں کی طرف رخ کیا اور جو گھر پہلے پڑا اسی پر دستک دی اور پینے کے لئے پانی مانگا۔ گھر میں سے ایک لڑکی نکلی اور بادشاہ کو غور سے دیکھ کر مکان کے اندر چلی گئی۔ اندر جا کر لڑکی نے ایک گنے کا رس نکالا اور اس میں پانی ملا کر پیالے میں بھرا پھر اس پر کوئی خوشبو دار چیز چھڑکی جس کی شکل مٹی کی سی تھی اور پیالہ لا کر نوشیرواں کے آگے پیش کیا۔ نوشیرواں نے پیالہ ہاتھ میں لے کر دیکھا کہ اس میں مٹی کی طرح کی کوئی چیز پڑی ہے۔ وہ پھونک مارتا اور چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا یہاں تک کہ سارا پیالہ خالی ہو گیا۔ اب اس نے لڑکی سے کہا کہ اے لڑکی' پانی بہت اچھا اور بہت میٹھا تھا۔ کاش اس کے اندر گرد نہ ہوتی! لڑکی بولی کہ اے مہمان' میں نے جان بوجھ کر یہ گرد اس میں ڈال دی ہے جو کوڑے کی طرح ہے۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا میں نے دیکھا کہ تو بہت پیاسا ہے۔ مجھے ڈر ہوا کہ اگر تو ایک ہی سانس میں چڑھا گیا تو تجھے نقصان پہنچے گا۔ اگر اس میں گرد نہ ہوئی تو تو تیزی کے ساتھ ایک ہی گھونٹ میں پی جاتا اور اس طرح سے تجھے نقصان پہنچتا۔

نوشیرواں کو اس کی باتوں اور ذہانت پر بڑا تعجب ہوا۔ وہ سمجھ گیا کہ جو کچھ اس نے کہا ذہانت اور عقل مندی اور دانش مندی کی بنا پر کہا۔ اب اس نے لڑکی سے پوچھا کہ یہ کتنے گنوں کا رس تھا۔ اس نے جواب دیا کہ ایک گنے کا۔ نوشیرواں کو حیرت ہو گئی اس نے لگان کا کھاتہ نکلوا کر دیکھا کہ اس گاؤں سے کتنا وصول ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ وصول کم ہے۔ اس بات کو اس نے اپنے دل ہی میں رکھا ارادہ کیا کہ جب دارالسلطنت میں پہنچوں گا تو اس گاؤں کا لگان بڑھا دوں گا کیونکہ جس گاؤں میں ایک گنے کا اتنا رس ہو' اس کا لگان اتنا کم کیونکر ہو سکتا ہے چنانچہ گاؤں سے واپس ہو کر پھر شکار میں مصروف ہو گیا۔ شام کے وقت لوٹا تو اس دروازے پر تنہا پہنچا اور پینے کے لئے پانی مانگا۔ وہی لڑکی باہر نکلی اس نے بادشاہ کو پہچان لیا اور اندر جا کر رس نکالنے لگی۔ دیر زیادہ لگی تو نوشیرواں نے اس سے پوچھا کہ تو نے اتنی دیر کیوں لگائی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو نوے ویں رات

جب تین سو نوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ نوشیرواں نے لڑکی سے پوچھا کہ تو نے اتنی دیر کیوں لگائی؟ اس نے جواب دیا: اس لئے کہ ایک گنے سے تیری ضرورت کے لائق رس نہیں نکلا' میں نے تین گنوں کا رس نکالا پھر بھی ان میں سے اتنا رس نہ نکلا جتنا کہ پہلے ایک گنے سے نکلا تھا۔ بادشاہ نوشیرواں نے کہا: اس کی کیا وجہ ہے؟ لڑکی بولی کہ وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ بادشاہ کی نیت بدل گئی۔ اس نے دریافت کیا کہ یہ تجھے کیونکر معلوم ہوا؟ لڑکی نے جواب دیا کہ ہم نے عقلمندوں سے سنا ہے کہ جب بادشاہ کی نیت اپنی رعایا کے حق میں خراب ہو جاتی ہے تو ان میں سے برکت جاتی رہتی ہے اور نیکیاں کم ہو جاتی ہیں۔

نوشیرواں ہنس پڑا اور اس نے اپنے دل سے وہ بات نکال دی جو اب تک اس گاؤں کے متعلق دل میں پوشیدہ تھی اور اس لڑکی سے فوراً بیاہ کر لیا کیونکہ اس کی انتہائی ذہانت' سمجھ داری اور خوش بیانی اسے بہت پسند آئی۔

○ سقے اور سنار کی بیوی کی کہانی

بخارا میں ایک سقہ تھا جو تیس سال سے ایک سنار کے ہاں پانی بھرا کرتا۔ اس سنار کی ایک بیوی نہایت حسین و جمیل' آن بان والی' دیانت دار' نیک اور پارسا تھی۔ ایک روز سقہ دستور کے موافق آ کر گھروں میں پانی بھرنے لگا۔ عورت صحن میں کھڑی تھی' سقہ اس کے پاس آیا' اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا' خوب دبایا اور پھر اسے چھوڑ کر چلتا ہوا۔ جب اس کا شوہر گھر لوٹا تو عورت نے کہا کہ آج تو نے بازار میں ایسا کیا کیا ہے جس سے خدا ناراض ہو گیا۔ شوہر بولا میں نے ایسی تو کوئی بات نہیں کی جس

سے خدا ناراض ہو۔ عورت نے کہا' نہیں تو نے ضرور کوئی ایسی بات کی ہے جو خدا کی ناراضگی کا سبب ہوئی۔ اگر تو نے سچ سچ نہ بتایا تو میں تیرے گھر میں نہ ٹھہروں گی اور اس کے بعد نہ تو مجھے دیکھے گا اور نہ میں تجھے دیکھوں گی۔

شوہر نے کہا اچھا جو کچھ میں نے کیا ہے تجھ سے سچ سچ کہتا ہوں سن: میں اپنی دکان میں دستور کے موافق بیٹھا ہی تھا کہ ایک عورت آئی اور یہ کہہ کر کہ میرے لئے کنگن بنادے' چل دی۔ میں نے کنگن بنا رکھ چھوڑے جب وہ پھر آئی تو میں نے کنگن نکالے اور اس نے اپنا ہاتھ نکالا۔ میں نے اسے کنگن پہنا دیئے۔ اس کے گورے گورے ہاتھ اور پیاری پیاری کلائیاں دیکھ کر میں دنگ ہو گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کی میں نے خوب دبایا۔ بیوی نے کہا' اللہ اکبر! یہ تو نے کیوں کیا؟ اسی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سقے نے جو ہمارے ہاں تیس سال سے آتا جاتا ہے اور جس نے آج تک کوئی خیانت نہیں کی' آج میرا ہاتھ پکڑ کر دبایا۔ مرد نے کہا بیوی میں خدا سے مغفرت کا طالب ہوں اور جو کچھ کیا ہے اس سے توبہ کرتا ہوں' تو بھی میرے لئے خدا سے معافی مانگ۔

بیوی نے کہا خدا ہم سب کو معاف کرے بالخصوص تجھے اور آرام سے زندگی بسر کرائے!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو اکیانوے ویں رات

جب تین سو اکیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سنار کی بیوی نے کہا کہ خدا' ہم سب کو اور بالخصوص تجھے معاف کرے اور آرام سے زندگی بسر کرائے۔ دوسرے دن سقہ آیا تو عورت کے قدموں پر گر پڑا اور زمین پر لوٹنے لگا۔ بڑی معذرت کی اور کہنے لگا کہ اے میری آقا' جو کچھ شیطان نے بہکا کر مجھ سے کرایا ہے معاف کر۔ عورت نے جواب دیا کہ تو اطمینان رکھ' یہ جرم تو نے اپنی طرف سے نہیں کیا بلکہ اس کا سبب میرے شوہر کا وہ فعل ہے جو اس نے دکان میں کیا تھا' خدا نے اس کا بدلہ اسی دنیا میں دے دیا۔ جب سنار کی بیوی نے اپنے شوہر سے یہ ماجرا بیان کیا تو اس نے کہا "گناہ کے بدلے گناہ" اگر میں زیادہ کرتا تو سقہ بھی زیادہ کرتا۔ اس کے بعد یہ جملہ لوگوں میں ضرب المثل ہو گیا۔ بیوی کو چاہیے کہ اپنے شوہر کے ساتھ ظاہر و باطن یکساں رکھے اور اگر شوہر کی استطاعت زیادہ نہ ہو تو بیوی کم پر قناعت کرے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اور فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کے نقش قدم پر چلے (خدا ان دونوں سے راضی رہے) تا کہ بزرگوں کے ساتھ اس کا حشر ہو۔

○ خسرو' شیریں اور ماہی گیر کی کہانی

عجم کے بادشاہ خسرو کو مچھلی بہت پسند تھی۔ ایک روز وہ اپنی بیوی شیریں کے ساتھ محل میں بیٹھا تھا کہ ایک ماہی گیر آیا جس کے پاس ایک بہت بڑی مچھلی تھی۔ اس نے یہ مچھلی خسرو کی خدمت میں پیش کی۔ خسرو نے خوش ہو کر حکم دیا کہ اسے چار ہزار درہم دیئے جائیں۔ شیریں نے کہا یہ تو نے بہت برا کیا۔ اس نے پوچھا کیونکر؟

شیریں نے کہا کہ اگر اس کے بعد تو اپنے مصاحبوں میں سے کسی کو انعام دے گا تو وہ اسے حقیر سمجھے گا اور کہے گا کہ بادشاہ نے مجھے اتنا ہی دیا جتنا کہ ماہی گیر کو دیا تھا اور اگر تو اس سے کم دے گا تو اسے رنج ہو گا کہ بادشاہ نے میری ذلت کی اور ماہی گیر سے بھی کم دیا۔ خسرو بولا' تو سچ کہتی ہے لیکن بادشاہوں کے لئے یہ بھی بری بات ہے کہ دے کر لے لے' جو ہوا سو ہوا۔ شیریں نے کہا کہ میں تجھے ایک ترکیب بتاتی ہوں کہ تو اس سے اپنا دیا ہوا انعام واپس لے سکے۔ خسرو نے پوچھا کہ وہ کیا؟ شیریں نے کہا کہ اگر تو ایسا کرنا چاہتا ہے تو ماہی گیر کو بلا کر پوچھ کہ یہ مچھلی نر ہے یا مادہ۔ اگر وہ کہے کہ نر ہے تو اسے کہیو ہم تو مادہ چاہتے ہیں اور اگر وہ کہے کہ مادہ ہے تو کہو کہ ہمیں نر کی ضرورت ہے۔

خسرو نے ایک شخص کو اس کے پیچھے بھیجا اور وہ اسے بلا لایا۔ یہ ماہی گیر بڑا ذہن اور ذکی تھی۔ بادشاہ خسرو نے پوچھا کہ مچھلی نر ہے یا مادہ؟ ماہی گیر نے زمین چوم کر کہا کہ جہاں پناہ یہ مچھلی نہ نر ہے نہ مادہ بلکہ مخنث ہے۔ خسرو ہنس پڑا اور حکم دیا کہ اسے اور چار ہزار درہم عطا کئے جائیں۔ ماہی گیر خزانچی کے پاس گیا اور اس سے آٹھ ہزار درہم لے کر اپنی تھیلی میں رکھ لئے اور تھیلی کو کندھے پر رکھ کر جانا ہی چاہتا تھا کہ اس میں سے ایک درہم نکل پڑا۔ ماہی گیر نے تھیلی کندھے سے اتار کر رکھ دی اور جھک کر اس درہم کو اٹھا لیا۔ خسرو اور شیریں دونوں دیکھ رہے تھے۔ شیریں نے کہا اے بادشاہ' تو نے اس شخص کی خست اور چھچھور پن کو دیکھا ایک درہم گر پڑا تو اسے یہ گوارا نہ ہوا کہ وہ اسے پڑا رہنے دے اور بادشاہ کے نوکروں میں سے کوئی اٹھا لے۔ بادشاہ نے شیریں کی یہ باتیں سنیں تو اسے ماہی گیر سے نفرت آنے لگی۔ اس نے کہا اے شیریں تو سچ کہتی ہے اور حکم دیا کہ ماہی گیر کو واپس بلایا جائے۔

ماہی گیر واپس آیا تو اس سے کہا: اے کم ہمت' تجھ میں انسانیت بالکل نہیں۔ تو نے یہ کیوں کیا کہ سارا مال اپنے کندھے سے اتار کر ایک درہم کی خاطر جھکا اور تیری

کنجوسی نے یہ گوارا نہ کیا کہ تو درہم کو پڑا رہنے دیتا۔
ماہی گیر نے زمین چوم کر کہا خدا بادشاہ کی عمر میں برکت دے! میں نے وہ درہم زمین سے اس لئے نہیں اٹھایا کہ میں اسے لینے کے لئے بے چین تھا بلکہ میں نے اسے اس وجہ سے اٹھایا کہ اس میں ایک طرف بادشاہ کی تصویر تھی اور دوسری طرف اس کا نام۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں کوئی شخص غلطی سے اس پر پاؤں نہ رکھ دے اور بادشاہ کے نام اور تصویر کی ذلت اور مجھ پر گناہ عائد نہ ہو جائے۔ بادشاہ کو اس کی بات پسند آئی وہ اس جواب پر پھڑک گیا اور اسے چار ہزار درہم اور دینے کا حکم دیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے ملک میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ کوئی عورتوں کے مشورے پر نہ چلے' کیونکہ اگر کوئی ان کے مشورے پر چلے گا تو وہ اپنے ایک درہم کے علاوہ دو درہم کھوئے گا۔

○ یحییٰ برمکی اور فقیر کی کہانی

ایک روز یحییٰ برمکی خلیفہ کے محل سے نکل کر اپنے گھر چلا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ دروازے پر ایک شخص بیٹھا ہوا ہے۔ وزیر کو سامنے دیکھ کر وہ شخص کھڑا ہو گیا اور سلام کر کے کہنے لگا کہ اے یحییٰ میں تیری سخاوت کا محتاج ہوں اور تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ یحییٰ نے حکم دیا کہ اس کے لئے گھر کا ایک حصہ خالی کر دیا جائے اور اپنے خزانچی کو حکم دیا کہ اسے ہر روز ایک ہزار درہم دے آیا کرے اور اپنے خاص کھانے میں سے اس کے لئے کھانا بھیجا کرتا۔ وہ شخص پورے مہینے اسی طرح رہا' مہینہ ختم ہونے کے بعد اس کے پاس تیس ہزار درہم ہو گئے۔ اب وہ شخص ڈرا کہ کہیں یحییٰ اس وجہ سے کہ میرے پاس بہت سے درہم ہو گئے ہیں' انہیں چھین نہ لے اور چپکے سے چلتا ہوا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• تین سو بانوے ویں رات

جب تین سو بانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ وہ شخص چپکے سے درہم لے کر چلتا ہوا۔ خزانچی نے یحییٰ کو خبر دی تو وہ کہنے لگا واللہ اگر وہ اپنی زندگی بھر بھی میرے پاس ٹھہرتا تو میں نہ اس کا انعام روکتا اور نہ مہمانی کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کرتا۔ برمکیوں کی خوبیاں بے شمار ہیں اور ان کی تعریف بیان کرنے سے زبان قاصر ہے خاص کر یحییٰ میں تو بہت ساری خوبیاں تھیں۔

○ جعفر بن موسیٰ الہادی اور امین بن زبیدہ کی کہانی

جعفر بن موسیٰ الہادی کی ایک کنیز تھی جس کا نام بدر کبیر تھا اور جو خوب روئی اور تناسب اعضاء میں بے نظیر تھی۔ حسن و جمال میں لاجواب۔ امین بن دزبیدہ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے جعفر سے درخواست کی کہ وہ اسے میرے ہاتھ بیچ دے۔ جعفر نے کہلا بھیجا کہ تجھے معلوم نہیں کہ مجھ جیسا شخص نہ کنیزوں کو بیچ سکتا ہے نہ ان کا مول تول کر سکتا ہے۔ اگر وہ میری گھر کی پلی ہوئی نہ ہوتی تو میں کنجوسی نہ کرتا اور تجھے نذر کر دیتا۔ اس کے بعد ایک روز امین بن زبیدہ گانا سننے کی غرض سے جعفر کے گھر گیا۔
جعفر نے وہ تمام عمدہ عمدہ چیزیں مہیا کیں جو دوستوں کے لئے مہیا کی جا سکتی ہیں اور اپنی کنیز بدر کبیر سے کہا کہ اس کے آگے گائے اور اسے خوش کرے۔ کنیز نے باجوں کو ٹھیک ٹھاک کر کے بہترین راگ بجائے۔ امین بن زبیدہ شراب نوشی اور لطف انگیزی میں مشغول ہو گیا اور ساقیوں کو حکم دیا کہ جعفر کو خوب پلائیں یہاں تک

کہ وہ مدہوش ہو جائے۔ جب وہ مدہوش ہو گیا تو امین' کنیز کو لے کر اپنے گھر چلتا بنا مگر اس کے ساتھ دست درازی نہ کی۔
صبح ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ جعفر کو بلایا جائے۔ جعفر آیا تو امین نے حکم دیا کہ س کے سامنے شراب پیش کی جائے اور کنیز پردے کے پیچھے سے گائے۔ جعفر نے اس کی آواز سنی تو بہت طیش میں آیا۔ تاہم اپنی شرافت اور بلند حوصلگی کی وجہ سے ناراضگی کا کوئی اظہار نہ کیا اور مصاحبت کے آداب میں کوئی کمی نہ کی۔ شراب کی مجلس ختم ہوئی تو امین بن زبیدہ نے اپنے ایک مصاحب کو حکم دیا کہ جس کشتی میں جعفر آیا ہے اسے درہموں' دیناروں' طرح طرح کے ہیرے جواہرات' نفیس پوشاکوں اور عمدہ سامانوں سے بھر دیا جائے۔ مصاحب نے ایسا ہی کیا جیسا کہ اس نے حکم دیا تھا اور کشتی میں ایک ہزار تھیلیاں اور ایک ہزار توڑے رکھ دیئے۔ ہر توڑے میں بیس بیس ہزار درہم تھے۔ ان کے علاوہ اس قدر نفیس چیزیں رکھیں کہ ملاح چلانے لگے کہ اس سے زیادہ چیزیں کشتی میں نہیں آ سکتیں۔ اب اس نے حکم دیا کہ یہ چیزیں جعفر کے گھر پہنچا دی جائیں یہ ہیں ہمتیں بڑے آدمیوں کی۔ خدا ان پر رحم کرے!

○ سعید بن سالم باہلی اور برمکیوں کی کہانی

سعید بن سالم کا بیان ہے کہ ہارون الرشید کے زمانے میں ایک بار میری حالت بہت ابتر ہو گئی اور مجھ پر بے حد قرضہ ہو گیا جس کی وجہ سے میں پریشان رہنے لگا کیونکہ اس کا ادا کرنا میری طاقت سے باہر تھا اور مجھے کوئی صورت چھٹکارے کی نظر نہ آتی تھی۔ میں حیران تھا کہ کیا کروں۔ قرض خواہ میرے مکان کو گھیرے رہتے اور تقاضا کرنے والوں کی بھیڑ لگی رہتی اور لینے والے میرا پیچھا نہ چھوڑتے اور میری سراسیمگی بڑھتی جاتی۔ جب میں نے دیکھا کہ صورت حال خطرناک اور حالات بدلے ہوئے ہیں

تو میں عبد اللہ بن مالک الخزاعی کے پاس گیا کہ وہ مشورے سے میری مدد کرے اور کی اچھی تدبیر سوچ کر میرے لئے خوشی کا راستہ نکالے۔ عبد اللہ بن مالک خزاعی نے کہا کہ اگر کوئی تجھے اس مصیبت اور رنج و ناداری اور غم سے چھٹکارا دے سکتا ہے تو وہ برمکی ہیں۔ میں نے جواب دیا ان کے تکبر کو کون برداشت کر سکتا ہے اور ان کے تجبر پر کون صبر کر سکتا ہے! وہ بولا اپنی حالت کی بہتری کی خاطر ان چیزوں کو برداشت کر۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• تین سو ترانوے ویں رات

جب تین سو ترانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عبد اللہ بن مالک خزاعی نے سعید بن سالم سے کہا کہ اپنی حالت کی بہتری کی خاطر ان چیزوں کو برداشت کر۔ سعید کہتا ہے کہ میں یحییٰ بن خالد کے دونوں بیٹوں فضل اور جعفر کے پاس گیا اور ان کے سامنے اپنا دکھڑا رویا۔ اپنی حالت بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ خدا تیری مدد کرے' اپنے احسان سے تجھے اوروں سے مستغنی کر دے' تجھے بہت مال و دولت دے اور دوسروں کا محتاج نہ رکھے! وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور اپنے بندوں کی کھلی ڈھکی سب باتوں سے واقف ہے۔ میں وہاں سے حیران پریشان اور دل شکستہ اٹھ کر عبد اللہ بن مالک کے پاس آیا اور جو کچھ دونوں بھائیوں نے کہا تھا اسے کہہ سنایا وہ بولا آج تو یہیں میرے پاس ٹھہر جا۔ دیکھیں خدا کیا کرتا ہے۔ ابھی میں وہاں پہر بھر کے قریب ہی بیٹھا ہوں گا کہ میرا غلام آیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا' ہمارے دروازے پر بہت سے خچر لدے ہوئے کھڑے ہیں اور ان کے ساتھ ایک شخص ہے جو کہتا ہے کہ میں فضل بن یحییٰ اور جعفر بن یحییٰ کا کارندہ ہوں۔

عبد اللہ بن مالک نے کہا خدا کرے یہ خوشی کا باعث ہو! اٹھ اور جا کر دیکھ کہ کیا ماجرا ہے۔ میں وہاں سے دوڑتا ہوا اپنے گھر پہنچا دیکھا کہ دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے جس کے ہاتھ میں ایک رقعہ ہے اس میں لکھا ہوا ہے کہ جب تو ہمارے پاس آیا تھا اور ہم نے تیری باتیں سنی تھیں تو اس کے بعد ہم خلیفہ کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ تیری حالت اتنی خراب ہو چکی ہے کہ تو مانگنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اس پر خلیفہ نے ہم کو حکم دیا کہ بیت المال سے دس لاکھ درہم لے کر تیرے پاس بھیج دیں۔ ہم نے عرض کیا کہ ان سے تو وہ اپنے قرض خواہوں کے تقاضوں سے سبکدوشی حاصل کر سکتا ہے' اپنے اوپر کیا خرچ کرے گا؟ اس نے حکم دیا کہ تین لاکھ اور

دے دیئے جائیں۔ ان کے علاوہ ہم دونوں اپنے حلال مال میں سے دس دس لاکھ درہم بھیجتے ہیں۔ یہ کل تینتیس لاکھ درہم ہوئے جن سے تو اپنی حالت سدھار سکتا ہے۔ دیکھی ان سخی لوگوں کی سخاوت' خدا ان پر رحم کرے۔

○ مکار عورت کی کہانی

ایک عورت نے ایک بار اپنے شوہر سے بڑی مکاری کی۔ وہ اس طرح کہ جمعے کے دن اس کا شوہر مچھلی لایا اور بیوی سے کہا' اسے پکا کر جمعے کی نماز کے بعد تیار رکھیو۔
وہ تو اپنے کام پر چلا گیا۔ اتنے میں اس عورت کا یار پہنچا اور کہنے لگا کہ ہمارے ہاں ایک شادی ہے چل کر اس میں شرکت کر۔ عورت مچھلی کو ایک چھلنی میں رکھ کر اس کے ساتھ چل دی اور دوسرے جمعے تک اپنے گھر نہ لوٹی۔ شوہر نے گھر گھر اسے ڈھونڈا اور لوگوں سے پوچھا لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ دوسرے جمعے کو جب وہ گھر آئی تو اس نے مچھلی چھلنی میں سے زندہ نکال کر اسے دکھا دی۔ لوگ جمع ہوئے شوہر نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو چورانوے ویں رات

جب تین سو چورانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب عورت دوسرے جمعے کو اپنے شوہر کے پاس آئی تو اس نے مچھلی چھلنی میں سے زندہ نکال کر اسے دکھا دی' تو تو میں میں ہونے لگی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ شوہر نے ان سے سارا ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے کہا تو جھوٹا ہے' یہ ممکن نہیں کہ مچھلی اتنی مدت تک زندہ رہے۔ یقین ہو گیا کہ وہ پاگل ہو گیا ہے اسے قید خانے میں بند کر دیا گیا اور اس کا مذاق اڑانے لگے۔

○ بنی اسرائیل کی پارسا عورت کی کہانی

پرانے زمانے میں بنی اسرائیل میں ایک لڑکی تھی جس کی پارسائی' دیانت داری اور زہد و عبادت کے سب قائل تھے۔ روزانہ مسجد جانا اس کا معمول تھا۔ مسجد سے ملا ہوا ایک باغ تھا جب وہ مسجد میں جاتی تو باغ سے ہو کر گزرتی اور وہیں وضو کرتی۔ اس باغ میں دو بوڑھے پہریدار تھے ایک روز وہ دونوں اس کے پیچھے پڑ گئے اور اسے اپنی طرف مائل کرنے لگے لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر تو ہمارا کہا نہ مانے گی تو ہم گواہی دیں گے کہ تو نے زنا کیا ہے۔ لڑکی بولی' خدا مجھے تمہارے شر سے پناہ میں رکھے گا۔ اب ان دونوں نے باغ کا دروازہ کھول کر چلانا شروع کیا۔ لوگ چاروں طرف سے دوڑے اور کہنے لگے کہ تم پر کیا گزری؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے اس لڑکی کو ایک جوان سے زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ افسوس ہے کہ وہ ہمارے ہاتھ سے بچ کر نکل گیا۔ اس زمانے میں دستور تھا کہ لوگ پہلے تین دن تک ڈھنڈورا پیٹ کر زانی کو بدنام کرتے' پھر اسے سنگسار کرتے چنانچہ تین دن تک ڈھنڈورا پیٹ

کر اس کی بھی فضیحت کی گئی' اس میں دونوں بوڑھے ہر روز لڑکی کے پاس آتے اور اپنے ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر کہتے کہ شکر ہے خدا کا جس نے اپنا عذاب تجھ پر اتارا۔ جب لوگ اسے سنگسار کرنے چلے تو حضرت دانیال علیہ السلام بھی ان کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر بارہ سال کی تھی اور یہ ان کا پہلا معجزہ ہے' ان پر اور ہمارے نبی پر دورد و سلام ہو! جاتے جاتے آخر وہ ان تک پہنچ گئے اور کہنے لگے کہ اس کی سنگساری میں جلدی نہ کرو بلکہ مجھے فیصلہ کر لینے دو۔

لوگوں نے ان کے لئے ایک کرسی بچھا دی۔ انہوں نے بیٹھ کر اول دونوں بوڑھوں کو الگ الگ کیا۔ حضرت دانیال علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنھوں نے گواہوں سے علیحدہ علیحدہ گواہی لی ہے۔ بعد ازاں ایک بوڑھے سے پوچھا کہ تو نے کیا دیکھا ہے؟ اس نے جو قصہ بنایا تھا' سارا بیان کیا۔ پھر آپ نے اس سے پوچھا کہ باغ میں کس جگہ یہ بات ہوئی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ پورب کی طرف امرود کے درخت کے نیچے۔ اس کے بعد آپ نے دوسرے کو بلا کر پوچھا کہ تو نے کیا دیکھا؟ اس نے بھی یہی داستان کہہ سنائی۔ آپ نے پوچھا باغ میں کس جگہ؟ وہ بولا پچھم کی طرف سیب کے درخت کے نیچے۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر لڑکی کھڑی ہوئی اپنا سر اور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے خدا سے دعا مانگ رہی تھی کہ اسے نجات ملے۔

خدا نے بطور عذاب کے ایک کڑک بھیجی جس نے دونوں بوڑھوں کو جلا کر راکھ کر دیا اور لڑکی کی معصومیت ثابت ہو گئی۔ یہ پہلا معجزہ تھا جو نبی اللہ حضرت دانیال علیہ السلام سے ظہور میں آیا۔

○ جعفر برمکی کے نسخے کی کہانی

ایک روز امیر المومنین ہارون الرشید' ابو یعقوب الندیم' جعفر برمکی اور ابونواس جنگل میں جا رہے تھے' انہوں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا اپنے گدھے سے تکیہ لگائے بیٹھا ہے۔

ہارون الرشید نے جعفر سے کہا کہ اس بوڑھے سے پوچھ کہ کہاں سے آ رہا ہے؟
جعفر نے اس سے پوچھا کہ تو کہاں سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا' بصرے سے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو پچانوے ویں رات

جب تین سو پچانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ اس شخص نے کہا کہ میں بصرے سے آ رہا ہوں۔ جعفر بولا اور جا کہاں رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بغداد۔ جعفر نے پوچھا وہاں کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ اپنی آنکھوں کا علاج۔ ہارون الرشید نے کہا اے جعفر' اس سے مذاق کر۔ جعفر نے کہا کہ اگر اس سے مذاق کروں گا تو وہ کھری کھری سنائے گا۔ خلیفہ نے کہا کہ میری جان کی قسم اس سے مذاق کر۔ جعفر نے بوڑھے سے کہا کہ اگر میں تجھے ایسی دوا بتا دوں جس سے تجھے فائدہ ہو تو' تو مجھے کیا دے گا؟ بوڑھے نے کہا کہ خدا تجھے ایسا بدلہ دے گا جو میرے بدلے سے بہتر ہو گا۔ جعفر نے کہا کہ کان دھر کر سن' میں تجھے وہ دوا بتا دیتا ہوں جو کسی اور کو نہیں بتائی۔ بوڑھے نے کہا کہ وہ کیا؟ جعفر نے کہا کہ ڈیڑھ چھٹانک صبا کی رفتار اور ڈیڑھ چھٹانک سورج کی کرنیں اور ڈیڑھ چھٹانک چاندنی اور ڈیڑھ چھٹانک چراغ کی روشنی لے اور سب کو ملا کر تین مہینے تک ہوا میں سکھا۔ اس کے بعد انہیں تین مہینے تک ایسے ہاون دستے میں کوٹ جس میں گہرائی نہ ہو۔ جب تو کوٹ چکے تو انہیں ایک پیالے میں رکھ' جس میں سوراخ ہو اور اس پیالے کو تین مہینے تک ہوا میں رکھ' پھر اس دوا کے تین درہم ہر روز سوتے وقت استعمال کر' خدا نے چاہا تو تجھے تین مہینے میں آرام ہو جائے گا۔ بوڑھے نے جعفر کی باتیں سنیں تو اپنے گدھے پر پھیل کر لیٹ گیا اور پاد مار کر کہنے لگا کہ اس نسخے کے عوض یہ پاد۔ اگر اس دوا سے خدا نے مجھے آرام دیا تو میں تجھے ایک کنیز دوں گا جو اس طرح خدمت کرے گی کہ خدا جلد تیری موت لے آئے گا۔ جب تو مر چکے گا اور خدا تیری روح جلدی سے دوزخ میں پہنچا دے گا تو وہ افسوس کی وجہ سے اپنی غلاظت سے تیرا منہ کالا کرے گی اور تجھ پر گریہ و زاری کرے گی اور منہ پیٹے گی اور اور

رو کر کہنے گی کہ اے سفید داڑھی والے' تیری داڑھی کیسی سفید ہے! ہارون الرشید ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور اس شخص کو تین ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔

○ قاتل اور ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ضمانت کی کہانی

شریف حسین بن ریان سے روایت ہے کہ ایک روز امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے حکم احکام جاری کر رہے تھے۔ بڑے بڑے عقل مند مصاحب حاضر تھے کہ دو خوبصورت جوان ایک تیسرے نہایت حسین جوان کو جو صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھا پکڑے ہوئے لائے۔ دونوں جوانوں نے اس کا گریبان پکڑ رکھا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کیا۔ امیر المومنین نے پہلے دن دونوں کی طرف دیکھا اور پھر اس جوان کی طرف اور ان دونوں سے کہا کہ اسے چھوڑ دو اور قریب جا کر پوچھا' تمہارا اس پر کیا مطالبہ ہے؟ دونوں نے کہا اے امیر المومنین' ہم دونوں سگے بھائی ہیں اور انصاف کے طالب۔ ہمارا ایک بوڑھا باپ تھا' نہایت دانشمند اور قبیلوں میں باعزت۔ برائیوں سے پاک نیکیوں میں مشہور۔ بچپن میں اس نے ہماری تربیت کی تھی اور جوانی میں ہم پر احسان کئے تھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو چھیانوے ویں رات

جب تین سو چھیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جوانوں نے کہا اور جوانی میں اس نے ہم پر احسان کیئے تھے اور اس میں ساری خوبیاں جمع تھیں۔ ایک روز وہ اپنے باغ کی سیر کرنے اور پھل توڑنے گیا ہوا تھا کہ اس جوان نے اسے بدمعاشی سے قتل کر دیا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تو اس کے گناہ کا بدلہ دلوائے اور خدا کے حکم کے موافق فیصلہ کرے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوان کی طرف تیوری بدل کر دیکھا اور کہا تو نے ان دونوں جوانوں کی باتیں سن لی ہیں' تیرے پاس کیا جواب ہے؟ یہ جوان مضبوط دل اور شیریں زبان تھا۔ دل کڑا کر کے اور بے دھڑک ہو کر مسکرایا اور نہایت میٹھی زبان سے گفتگو کی اور امیر المومنین سے نہایت اچھے الفاظ میں مخاطب ہو کر بولا اے امیر المومین' ان کا دعویٰ میرے اوپر پورا پورا اترتا ہے ان کی گفتگو درست ہے اور انہوں نے ماجرا ٹھیک بیان کیا ہے' خدا نے قسمت میں یہی لکھا تھا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تیرے سامنے اپنا قصہ بیان کر دوں اور پھر جو تیرا حکم ہے ماننے کو تیار ہوں۔

سن اے امیر المومنین! میرا شمار ٹھیٹھ عربوں میں سے ہے جو آسمان کے نیچے سب سے زیادہ شریف مانے جاتے ہیں۔ میں ریگستان میں پلا بڑھا ہوں۔ وہاں قحط پڑا تو میں اپنے خاندان اور مویشی اور بال بچوں کو لے کر اس شہر کے قریب رہا اور اس کی گلیوں میں سیر کرتا کرتا باغوں کے درمیان پہنچا۔ میرے ساتھ اصیل اونٹ تھے جو مجھے بہت عزیز تھے۔ان میں سے ایک عمدہ نسل کا نر اونٹ بہت ہی خوبصورت تھا اور جس سے بہت سے بچے پیدا ہوئے تھے۔ جب وہ ان میں چلتا تو ایسا معلوم ہوتا' بادشاہ تاج پہنے جا رہا ہے۔ اچھا تو بعض اونٹ بھٹک کر ان کے باپ کے باغ میں پہنچ گئے اور اپنے منہ ایک درخت پر ڈال دیئے جس کی شاخیں دیوار کے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ یہ دیکھ کر میں نے

انہیں باغ سے دور کر دیا۔ اتنے میں باغ کے اندر سے بوڑھا نکلا جس کی آواز سے مارے غصے کے چنگاریاں نکلتی تھیں۔ اس کے دہنے ہاتھ میں ایک پتھر تھا' اس نے شیر کی طرح ڈکرا کر وہ پتھر اونٹ پر اس زور سے مارا کہ وہ مر گیا کیونکہ پتھر ٹھیک اسی جگہ پڑا جہاں کی مار مہلک ہوتی ہے۔ میں نے اونٹ کو اپنے پاس گرتے دیکھا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرا دل پھٹ گیا اور اس میں غصے کے شعلے بھڑکنے لگے اور میں نے وہی پتھر اٹھا کر اسے مارا' وہ مر گیا۔ اس کی موت آ گئی اور وہ اسی پتھر سے قتل ہوا جس سے اس نے قتل کیا تھا۔ جب پتھر اس کے لگا تو وہ بہت زور سے چلایا اور ایک دردناک چیخ ماری۔

یہ سن کر میں تیزی سے بھاگا مگر ان دونوں جوانوں نے دوڑ کر مجھے پکڑ لیا اور لا کر تیرے سامنے کھڑا کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ تو اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہے اور بچنے کی وجہ بیان نہیں کرتا۔ لہٰذا تجھ پر قصاص لازم آتا ہے اور پناہ کا وقت نکل گیا۔ جوان نے کہا کہ بسر و چشم جو ہمارے پیشوا کی مرضی۔ اسلام کی شریعت جو حکم دے اس پر میں راضی ہوں لیکن میرا ایک چھوٹا بھائی ہے' اس کے دادا نے مرنے سے پہلے اس کے لئے بہت کچھ مال و دولت اور سونا چاندی چھوڑا ہے مجھے اس کا وکیل بنایا ہے اور مجھے خدا کی قسم دے کر کہا کہ یہ مال میں تیرے بھائی کا تیرے سپرد کرتا ہوں' اسے حتی الامکان حفاظت سے رکھیو۔ میں نے یہ مال و دولت لے کر دفن کر دیا اور میرے سوا کسی کو اس کی خبر نہیں۔ اور تو نے مجھے ابھی قتل کر دیا تو سارا مال ضائع جائے گا اور اس کا سبب تو ہو گا اور بچہ تجھ سے اس کا مطالبہ اس روز کرے گا جب کہ خدا اپنے بندوں کا فیصلہ کرنے' عدالت کی کرسی پر بیٹھے گا۔ تو مجھے تین دن کی مہلت دے دے کہ میں لڑکے کا کوئی دوسرا متولی بنا کر آؤں اور اپنے جرم کی سزا پاؤں۔ میں اس کی تجھے ضمانت دے سکتا ہوں۔ یہ سن کر امیر المومنین نے اپنا سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور حاضرین کی طرف دیکھ کر کہا کہ کون اس شخص کی ضمانت لیتا ہے کہ وہ یہاں واپس آئے گا؟ جوان نے حاضرین

کے چہروں کی طرف دیکھا اور سب کو چھوڑ کر ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کیا اور کہنے لگا کہ یہ شخص میری ضمانت کرے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

تین سو ستانوے ویں رات

جب تین سو ستانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب جوان نے ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ شخص میری ضمانت

کرے گا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کہ اے ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کیا تو نے یہ باتیں سن لیں' کیا تو اس بات کی ضمانت لینے کے لئے تیار ہے کہ یہ جوان واپس آ جائے گا؟ ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کہ ہاں اے امیر المومنین! میں تین دن کے لئے اس کی ضمانت کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے منظور کر لیا اور جوان کو جانے کی اجازت دے دی۔ جب تین دن گزر گئے۔ مدت ختم ہو گئی یا ختم ہونے کے قریب تھی اور جوان نہ آیا۔ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم آپ کے گرد اس طرح جمع تھے جیسے کہ چاند کے گرد تارے۔ ابوذر رضی اللہ تعالٰی بھی موجود تھے اور دونوں مدعی بھی۔ مدعیوں نے کہا اے ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ مجرم کہاں ہے؟ کہیں بھاگ کر بھی کوئی لوٹا ہے! جب تک تو اسے لے نہ آئے گا اور ہم اس سے بدلہ نہ لے لیں گے ہم یہاں سے نہیں ٹل سکتے۔

ابوذر رضی اللہ تعالٰی نے کہا کہ اس خدا کی قسم جو سب کا مالک اور سب کچھ جاننے والا ہے اگر پورے تین دن گزرنے کے بعد وہ شخص نہ آیا تو میں اپنی ضمانت کا حق ادا کر دوں گا اور اپنی جان امام کے حوالے کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کہ واللہ اگر جوان حاضر نہ ہوا تو اسلامی شریعت کی رو سے میں ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بدلہ لوں گا۔ یہ سن کر حاضرین رونے پیٹنے اور زور سے چیخیں مارنے لگے اور بڑے صحابیوں نے دونوں جوانوں کے آگے یہ تجویز پیش کی کہ خون بہا لے کر ہمیں شکر گزار کرو۔ لیکن انہوں نے نہ مانا اور بدلے لینے کے سوا اور کسی چیز پر راضی نہ ہوئے۔

لوگ ابھی بے قرار ہی تھے اور ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر افسوس کیا جا رہا تھا کہ جوان آ گیا اور خلیفہ کے سامنے کھڑے ہو کر انہیں نہایت ادب سے سلام کیا۔ اس کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا اور کپڑے پسینے میں تر بہ تر تھے۔ وہ کہنے لگا کہ میں لڑکے کو ماموؤں کے سپرد کر آیا ہوں۔ ان سے سارا ماجرا بیان کر دیا اور لڑکے کے مال کی انہیں اطلاع دے دی' اس کے بعد دوپہر کی گرمی میں بھاگتا ہوا اپنا شریفانہ وعدہ پورا کرنے پلٹ آیا۔ لوگوں کو اس کی سچائی اور وعدہ وفائی' جرات اور موت کے مقابلے پر تعجب ہوا اور اس سے کہنے لگے' شاباش تو کیسا شریف جوان ہے اور کتنا عہد و پیمان کا پکا! جوان نے کہا تمہیں یقینی طور پر معلوم ہے کہ جب کسی کی موت آ جاتی ہے تو وہ اس سے بچ نہیں سکتا۔ میں نے اپنا وعدہ اس لئے پورا کیا کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ لوگوں میں سے وفا اٹھ گئی ہے۔ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ نے کہا اے امیر المومنین' میں نے اس جوان کی ضمانت کر لی تھی مگر خدا کی قسم مجھے نہ معلوم تھا کہ وہ کس قبیلے کا ہے اور نہ میں نے اس دن سے پہلے کبھی اسے دیکھا تھا' لیکن جب اس نے اوروں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور مجھے دیکھ کر کہا کہ یہ شخص میری ضمانت کرے گا اور میری ذمے داری لے گا تو مجھے یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ میں انکار کر دوں اور میری مروت نے یہ گوارا نہ کیا کہ میں اس کی خواہش پوری نہ کروں بالخصوص جبکہ خواہش کے پورا کرنے میں کوئی عیب نہ ہوتا کہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ لوگوں میں سے شرافت اٹھ گئی ہے۔

یہ سن کر دونوں جوانوں نے کہا کہ اے امیر المومنین ہم نے اپنے باپ کا خون معاف کر دیا۔ اس نے نفرت کو محبت سے بدل دیا ہے۔ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ نیکی دنیا سے اٹھ گئی ہے۔ خلیفہ جوان کی سچائی اور وفا اور اس کے معاف ہو جانے پر بہت خوش ہوا اور دوسرے مصاحبوں کے مقابلے میں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ کی مروت کا ان پر بڑا اثر پڑا اور یہ بہت بھلا معلوم ہوا کہ دونوں جوان نیکی پر اعتماد رکھتے ہیں۔ آپ نے دونوں کی تعریف کی اور شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ دونوں جوانوں

کو بیت المال سے ان کے باپ کا خون بہا ادا کیا جائے لیکن انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے محض خدا کے لئے اسے معاف کیا اور جو اس نیت سے معاف کرے' وہ نیکی کرنے کے بعد احسان نہیں جتا سکتا اور نہ کوئی تکلیف دے سکتا ہے۔

○ خلیفہ مامون اور اہرام کی کہانی

جب مامون بن ہارون الرشید مصر میں داخل ہوا تو اس نے اہرام کے ڈھا دینے کا ارادہ کر لیا تھا تا کہ وہ ان کے اندر کا خزانہ نکال لے لیکن وہ ان کو نہ ڈھا سکا حالانکہ اس نے بہت کوشش کی اور بہت مال خرچ کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو اٹھانوے ویں رات

جب تین سو اٹھانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مامون نے اہرام کے ڈھانے میں بڑی کوشش کی اور اس پر بہت دولت صرف کی لیکن انہیں ڈھا نہ سکا۔ صرف ایک ہرم میں ایک چھوٹی سی کھڑکی کھل گئی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس کھڑکی میں مامون کو اتنا مال ملا جتنا کہ اس نے اس کے کھولنے میں صرف کیا تھا' نہ زیادہ نہ کم۔ مامون کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے وہ مال لے کر اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

اہرام تین ہیں اور ان کا شمار دنیا کے عجائبات میں سے ہے۔ اتنی مضبوط' مستحکم اور اونچی عمارات سطح زمین پر اور کوئی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بڑے بڑے پتھروں سے بنائے گئے ہیں۔ معماروں نے پتھروں کے دونوں طرف سوراخ کر کے ان میں لوہے کی سلاخیں ڈال دی ہیں جو کھڑی ہیں اور دوسرے پتھر میں سوراخ کر کے انہیں سلاخوں میں پرو دیا ہے اور رانگ کو پگھلا کر سلاخوں کے اوپر ڈال دیا ہے۔ ان کی ترکیب بالکل ریاضی کے مطابق ہے۔ جب وہ بن چکے تو ان کی اونچائی سو ہاتھ تھی۔ یہ ان ہاتھوں سے جو آج کل استعمال کئے جاتے ہیں' یہ اہرام مربع ہیں اور اوپر کی طرف کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہر طرف سے تین سو ہاتھ۔ بزرگوں کا قول ہے کہ پچھم والے ہرم کے اندر تیس خزانوں کی کوٹھڑیاں ہیں جو رنگ برنگے چقماق کے پتھروں کی بنی ہوئی ہیں اور جن میں قیمتی قیمتی ہیرے' طرح طرح کے مال و دولت' عجیب و غریب تصویریں' اوزار اور نفیس ہتھیار ہیں جو اس حکمت کے ساتھ تیلوں سے چپڑے ہوئے ہیں کہ قیامت تک ان میں زنگ نہیں لگ سکتا۔ ان میں سے شیشے کے برتن ہیں جو لچک جاتے ہیں مگر ٹوٹتے نہیں اور مرکب دوائیں اور عمدہ عمدہ عرق۔ دوسرے ہرم میں چقماق کی تختیوں پر کاہنوں کے قصے ہیں۔ ہر کاہن کے لئے ایک تختی مخصوص ہے اور اس پر اس کاہن

کی عجیب و غریب صنعتوں اور کاریگروں کا ذکر ہے۔ دیواروں پر بتوں کی طرح آدمیوں کی تصویریں ہیں جو اپنے ہاتھوں سے تمام کام کرتے ہیں اور کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔

ہر ہرم کا ایک خزانچی ہے جو پہرے داری کا کام کرتا ہے اور یہ پہرے دار انہیں زمانے کے حوادث سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اہرام کے عجائبات میں سے ایسے جانور ہیں جو سمجھ بوجھ کر کام کرتے ہیں۔

○ چور کی کہانی جس نے چوری سے توبہ کی تھی

ایک چور تھا' جس نے چوری سے توبہ کرلی تھی اور پوری طرح کر لی تھی۔ اس نے کپڑے کی دکان کھولی اور خرید و فرخت کرنے لگا۔ ایک مدت تک یہ کام کرتا رہا۔
ایک روز کا واقعہ ہے کہ وہ دکان بند کر کے گھر گیا ہوا تھا کہ ایک شاطر چور دکان دار کے کپڑے پہن اور اس آستین میں سے کنجیاں نکال بازار پہنچا۔ رات کا وقت تھا۔ اس نے بازار کے چوکیدار سے کہا کہ اس موم بتی کو جلا دے۔ چوکیدار نے اس کے ہاتھ سے موم بتی لے لی اور اسے جلانے کے لیے چلا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو ننانوے ویں رات

جب تین سو ننانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ چوکیدار اس سے موم بتی لے کر جلانے کو چلا۔ اتنے میں چور نے دکان کھول کر دوسری موم بتی جلا لی جو اس کے پاس تھی۔ چوکیدار لوٹ کر آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ دکان میں بیٹھا ہے اور حساب کا بہی کھاتہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اسے دیکھتا جاتا اور انگلیوں پر کچھ گنتا جاتا ہے۔ اس حالت میں صبح تک رہا اور پھر چوکیدار سے کہا کہ ایک اونٹ والے کو مع اس کے اونٹ کے لئے آ تا کہ وہ میرا سامان لے چلے۔ چوکیدار ایک اونٹ اور اونٹ والے کو لے آیا۔ چور نے اسے چار گٹھے کپڑوں کے نکال کر دیئے اور اونٹ والے نے انہیں اونٹ پر لاد لیا۔ پھر اس نے دکان بند کر کے چوکیدار کو دو درہم دیئے اور اونٹ والے کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ چوکیدار اسی خیال میں رہا کہ وہ دکان کا مالک ہے۔ جب صبح ہوئی اور دن نکلا تو دکان والا آیا اور چوکیدار اسے ان دو درہموں کی وجہ سے دعائیں دینے لگا۔ دکان والے کی سمجھ میں اس کی باتیں نہ آئیں۔ اسی حیرت میں اس نے دکان کھولی تو دیکھا کہ ایک موم بتی پگھلی پڑی ہے اور بہی کھاتے تتر بتر ہیں۔ اس نے دکان کا جائزہ لیا تو کپڑوں کے چار گٹھے غائب۔ چوکیدار سے اس کا سبب پوچھنے لگا۔ اس نے رات کا ماجرا اور جو بات چیت اونٹ والے سے ہوئی تھی' کہہ دی۔ دکاندار نے کہا اس اونٹ والے کو بلا لا جو صبح کے وقت کپڑے لاد کر لے گیا ہے۔ چوکیدار جا کر اسے لے آیا۔ دکان دار نے پوچھا کہ صبح کے وقت کپڑے تو کہاں لے گیا تھا؟ اس نے کہا کہ فلاں گھاٹ پر فلاں شخص کی کشتی میں۔ دکان دار بولا کہ چل میرے ساتھ اس جگہ۔ اونٹ والا اس کے ساتھ چل دیا اور پہنچ کر کہا کہ یہ ہے وہ کشتی اور یہ کشتی بان۔ اس نے کشتی بان سے پوچھا کہ تو تاجر اور کپڑوں کو لے کر کہاں گیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ فلاں جگہ۔ اس نے کہا کہ

میرے ساتھ وہاں چل اور بتا۔ اونٹ والا اسے لے کر ایک جگہ گیا جو دریا کے کنارے سے بہت دور تھی اور اسے وہ سرائے دکھائی جہاں اس نے کپڑے کے گٹھے اتارے تھے اور تاجر کی کوٹھری دکھائی۔ دکاندار نے آگے بڑھ کر کوٹھڑی کھولی۔ دیکھا کہ چاروں گٹھے ویسے کے ویسے موجود ہیں۔ ابھی تک کھولے بھی نہیں گئے اس نے انہیں اٹھا کر اونٹ والے کے حوالے کیا۔ چور نے اپنے پہننے کو کپڑے بھی انہی گٹھوں پر رکھ دیئے تھے۔ کپڑوں کے مالک نے وہ بھی اٹھا کر اونٹ والے کو دے دیئے۔ اونٹ والے نے ان سب کو اونٹ پر لاد لیا۔ اس کے بعد مالک کوٹھڑی بند کر کے اونٹ والے کے ساتھ روانہ ہوا۔ راستے میں چور نے اسے دیکھا اور اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ یہاں تک کہ اس نے کپڑوں کو کشتی پر لادا۔ اب چور نے کہا کہ اے میرے بھائی' میں تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ تجھے اپنے کپڑے مل گئے اور ان میں سے کچھ بھی ضائع نہیں ہوا تھا لہٰذا میرے پہننے کے کپڑے مجھے دے۔ اس پر تاجر ہنس پڑا۔ اور اس نے چور کے کپڑے واپس کر دیئے اس سے بالکل مزاحمت نہ کی اور دونوں اپنی اپنی راہ چلتے ہوئے۔

○ ہارون الرشید' مسرور اور ابن القاربی کی کہانی

ایک رات امیر المومنین ہارون الرشید کا دل بہت گھبرایا۔ اس نے اپنے وزیر جعفر بن یحییٰ البرمکی سے کہا' آج رات میں سخت پریشان ہوں میرا جی گھبرا رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے اس کا خادم مسرور جو سامنے کھڑا تھا' ہنس پڑا۔ خلیفہ نے کہا کہ تو کس بات پر ہنسا ہے؟ ہنسنے کی وجہ میری تحقیر ہے یا تیرا جنون؟ اس نے جواب دیا خدا کی قسم' اے امیر المومنین نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو ویں رات

جب چار سو ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مسرور نے کہا کہ اے امیر المومنین' خدا کی قسم نہیں۔ سید المرسلین کی تجھ سے جو قرابت ہے اس کی قسم کہ میں جان بوجھ کر نہیں ہنسا بلکہ کل جب میں محل سے نکل کر ٹہلتا ٹہلتا دجلے کے کنارے پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں لوگ جمع ہیں۔ میں وہاں ٹھہر گیا دیکھا کہ ایک شخص لوگوں کو ہنسا رہا ہے جس کا نام ابن القاربی ہے۔ اس وقت اس کی باتیں مجھے یاد آنے لگیں اور میں مجبوراً ہنس پڑا۔ اے امیر المومنین میں اس کی تجھ سے معافی مانگتا ہوں۔ خلیفہ نے کہا' اسے فوراً میرے پاس بلا لا۔ مسرور گیا' ابن القاربی کے پاس پہنچ کر کہنے لگا کہ امیر المومنین نے تجھے بلایا ہے۔ وہ بولا خلیفہ کا حکم سر آنکھوں پر' مسرور نے کہا مگر اس شرط پر کہ جب تو اس کے پاس پہنچے اور وہ تجھے انعام دے تو چوتھائی تیرا اور باقی میرا۔ ابن القاربی نے کہا یوں نہیں بلکہ آدھا تیرا اور آدھا میرا۔ مسرور نے کہا نہیں۔ ابن القاربی بولا اچھا ایک تہائی میرا اور دو تہائی تیرا۔ بہت شش و پنج کے بعد مسرور نے اسے مان لیا۔

اب ابن القاربی امیر المومنین کے پاس گیا اور خلافت کی شان کے مطابق سلام کر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ امیر المومنین نے کہا کہ اگر تو مجھے نہ ہنسا سکا تو میں اس تھیلے سے تین بار تجھے ماروں گا۔ ابن القاربی نے اپنے دل میں کہا کہ نہ معلوم اس تھیلے کی ضربیں کیسی ہوں گی! کوڑے کی مار کا تو مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس کا خیال تھا کہ تھیلا خالی ہے۔ اب اس نے ایسی باتیں کرنی شروع کیں جن پر ناراض سے ناراض شخص بھی ہنس پڑے اور بڑا مسخرہ پن کیا لیکن ہنسنا تو درکنار امیر المومنین مسکرایا تک نہیں۔ ابن القاربی کو بڑا تعجب ہوا اور وہ نا امید ہو کر ڈرنے لگا۔ امیر المومنین

نے کہا کہ اب تو سزا کا مستحق ہے اور تھیلا لے کر ایک بار اسے مارا۔ اس تھیلے کے اندر چار پتھر دو دو رطل وزن کے تھے۔ چونکہ مار اس کی گردن پر پڑی اس لئے وہ وہ چیخیں مارنے لگا اور اسے وہ شرط یاد آ گئی جو اس نے مسرور سے کی تھی کہنے لگا اے امیر المومنین' ذرا رک جا پہلے میری دو باتیں سن لے۔ خلیفہ نے کہا کہ وہ بھی کہہ ڈال۔ اس نے کہا مسرور نے میرے ساتھ ایک شرط کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو کچھ انعام مجھے امیر المومنین سے ملے اس میں سے ایک حصہ میرا اور دو اس اس کے' اور یہ بھی بہت شش و پنچ کے بعد اس نے منظور کیا ہے۔ اب تیرا انعام یہی مار ہے اس لئے یہ ایک ضرب میرا حصہ ہے اور باقی دو اس کا۔ میں تو اپنا حصہ لے چکا اب اس کا باقی ہے۔ وہ اسے دے دے۔ یہ سن کر امیر المومنین ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور مسرور کو بلا کر اس پر تھیلا مارا۔ اس نے چیخ مار کر کہا اے امیر المومنین' میرے لئے ایک تہائی کافی ہے' دو تہائی اسی کو دے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو پہلی رات

چار سو پہلی رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مسرور نے کہا اے امیر المومنین میرے لئے ایک تہائی کافی ہے' دو تہائی اسی کو دے۔ خلیفہ دونوں کی باتوں پر ہنسنے لگا اور دونوں کو ایک ایک ہزار دینار دینے کا حکم دیا اور دونوں خلیفہ کا انعام لے کر خوش خوش چل دیئے۔

○ ہارون الرشید اور اس کے عبادت گزار بیٹے کی کہانی

ہارون الرسشید کا ایک بیٹا تھا جس کی عمر تو سولہ سال تھی لیکن وہ دنیا سے کنارہ کش ہو چکا تھا اور زاہدوں اور عابدوں کے رویے پر چلتا تھا۔ وہ مقبروں میں جاتا اور کہتا کہ تم دنیا کے مالک تھے مگر کیا اس سے تمہاری نجات ہو سکتی ہے! اب تم قبروں میں ہو' کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تم نے کیا کیا اور تم سے کیا کہا گیا۔ یہ کہہ کر وہ ڈرتا اور روتا۔

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ خلیفہ ہارون الرشید اپنے جلوس کے ساتھ نکلا۔ وزرا' امرا اور حکام اس کے ارد گرد تھے۔ یہ جلوس ان مقبروں کے پاس سے گزرا جہاں خلیفہ کا لڑکا جا کر بیٹھتا تھا۔ لوگوں نے امیر المومنین کے بیٹے کو جو اس حالت میں دیکھا کہ وہ ایک ادنیٰ سی عبا پہنے اور سر پر اونی چادر ڈالے ہوئے ہے تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ امیر المومنین کے اس بیٹے نے اسے بادشاہوں میں بدنام کر رکھا ہے اگر خلیفہ اسے ڈانٹے ڈپٹے تو یہ ضرور اس حالت کو چھوڑ دے۔ امیر المومنین نے بھی انہیں یہ کہتے سنا تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا بیٹا' تو نے اپنی اس حالت کی وجہ سے مجھے بدنام کر دیا ہے۔ اس کا بیٹا اس کی طرف دیکھنے لگا اور کچھ جواب نہ دیا۔ نظر اٹھا کر ایک

چڑیا کی طرف دیکھا جو محل کے کنگرے پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس چڑیا سے کہنے لگا اے چڑیا' میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے تجھے پیدا کیا ہے کہ آ کر میرے ہاتھ

پر بیٹھ جا۔ یہ سن کر چڑیا اتری اور آ کر اس لڑکے کے ہاتھ پر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے کہا کہ واپس چلی جا اور وہ اڑ کر اپنی جگہ چلی گئی۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اتر کر امیر المومنین کے ہاتھ پر بیٹھ لیکن وہ نہ اتری۔ لڑکے نے اپنے باپ سے کہا کہ تو نے دنیا کی وجہ سے مجھے اولیا اللہ میں بدنام کر رکھا ہے۔ اب میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ تجھے چھوڑ کر چل دوں اور آخرت سے پہلے تجھ سے نہ ملوں۔ یہ کہہ کر وہ بصرے چلا گیا اور معماروں کے ساتھ کام کرنے لگا۔ کسی دن ایک درہم اور ایک دانق سے زیادہ نہ کماتا۔ دانق میں اپنا گزارا کرتا اور درہم خیرات کر دیتا۔

ابو عامری بصری کا بیان ہے کہ میرے گھر کی ایک دیوار گر پڑی تھی۔ اس لئے میں اس جگہ گیا جہاں مزدوروں کا اڈہ تھا تا کہ کسی کو لا کر اپنی دیوار مرمت کراؤں۔ میری نظر ایک جوان پر پڑی جو بہت حسین اور خوبرو تھا۔ میں نے اس کے پاس جا کر سلام کیا اور کہا کہ اے میرے عزیز' کیا تو مزدوری کرنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا' ہاں۔ میں نے کہا چل کر میری دیوار بنا دے اس نے کہا کہ چند شرطوں کے ساتھ جو میں پہلے طے کر لینا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا عزیز' وہ کیا ہیں؟ اس نے کہا کہ مزدوری ایک درہم اور ایک دانق لوں گا اور جب موذن اذان دے تو مجھے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو جانے دیجیو۔ میں نے کہا منظور۔ اب میں اسے لے کر گھر گیا اور اس نے اتنا اچھا کام کیا کہ اور کسی کو میں نے اتنا اچھا کام کرتے نہ دیکھا تھا۔

جب میں نے کہا کہ چاشت کھا لے تو اس نے انکار کر دیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ روزے سے ہے۔ جب اس نے اذان سنی تو مجھ سے کہنے لگا کہ تجھے شرط معلوم ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اب اس نے اپنی پیٹی کھول دی' وضو کیا اور اس خوبی سے کیا کہ میں نے اس سے بہتر وضو کرتے کسی کو نہیں دیکھا۔ پھر جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور اپنے کام پر لوٹ آیا۔ میں نے کہا کہ عزیز' مزدوری کا وقت ختم ہو

گیا کیونکہ مزدوروں کا کام عصر تک ہوتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ سبحان اللہ میں تو شام تک مزدوری کرتا ہوں اور وہ برابر شام تک کام کرتا رہا۔ میں نے اسے دو درہم دیئے۔ انہیں دیکھ کر اس نے کہا کہ یہ کیا؟ میں نے کہا کہ یہ تیری اجرت کا ایک حصہ ہے کیونکہ تو نے میری خدمت بڑی کوشش اور جان فشانی سے کی ہے۔ اس نے دونوں درہم میری طرف پھینک دیئے اور کہا کہ جو کچھ میرے اور تیرے درمیان طے ہو گیا ہے اس سے زیادہ میں نہیں لینا چاہتا۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا اور مجبور ہو کر اسے ایک درہم اور ایک دانق دیا اور وہ لے کر چل دیا۔
جب دوسرا دن ہوا تو میں صبح کے وقت پھر اسی اڈے پر گیا لیکن اسے نہ پایا۔ لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ ہفتے کے سوا اور کسی دن نہیں آتا۔ لہٰذا دوسرے ہفتے کو میں وہاں پہنچا اور اسے دیکھ کر میں نے کہا کہ بسم اللہ مزدوری کے لئے چل۔ اس نے کہا' انہی شرطوں کے ساتھ جو تجھے معلوم ہیں۔ میں نے کہا ہاں اور اسے لے کر اپنے گھر گیا۔ میں اس کی نظر سے پوشیدہ اسے دیکھ رہا تھا کہ اس نے ایک مٹھی مٹی لی اور اسے دیوار میں لگا کر اینٹیں ایک دوسرے سے جوڑ دیں۔ میں نے کہا اولیاء اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ اس نے دن بھر کام کیا اور پہلے دن سے زیادہ کیا۔ شام ہوئی تو میں نے اس کی مزدوری اسے دے دی اور وہ اسے لے کر چلا گیا۔ تیسرا سینچر آیا تو میں پھر اسی اڈے پر گیا۔ لیکن اسے نہ پایا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے اور فلاں عورت کی جھونپڑی میں پڑا ہوا ہے۔ وہ عورت بڑھیا تھی اور پارسائی میں مشہور۔ اس کی جھونپڑی سرکنڈوں کی اور جنگل میں تھی۔ میں اس جھونپڑی پر پہنچا اور اندر جا کر دیکھا کہ وہ زمین پر پڑا ہوا ہے۔ اس کے نیچے کوئی چیز نہیں اور تکیے کی جگہ ایک اینٹ ہے۔ اس کے چہرے پر نور چمک رہا ہے۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔
میں اس کے سرہانے بیٹھ گیا اور اس کی کم سنی' غربت اور خدا پرستی پر رونے لگا۔ اس سے پوچھا کہ تجھے کوئی ضرورت ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا وہ کیا؟ وہ بولا

کل چاشت کے وقت میرے پاس آئیو۔ میں مر چکا ہوں گا' غسل دیجیو اور میری قبر کھودیو مگر کسی کو خبر نہ کیجیو اور اسی لباس میں جو میں پہنے ہوئے ہوں' مجھے دفن کیجیو۔ میرے کپڑے پھاڑیو اور جیب کی تلاشی لیجیو او جو کچھ اس میں سے نکلے اسے اپنے پاس حفاظت سے رکھیو۔ جب میرے جنازے کی نماز پڑھ چکے اور مجھے دفن کر دے تو بغداد جا کر انتظار کیجیو کہ خلیفہ ہارون الرشید باہر نکلے۔ پھر اسے وہ چیز دے دیجیو جو تو نے میری جیب سے نکالی ہو اس سے میرا سلام کہیو یہ کہہ کر اس نے شہادت کا کلمہ پڑھا اور عمدہ لفظوں میں اپنے پروردگار کی ثناء کی اور استغفار میں مشغول ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چار سو دوسری رات

جب چار سو دوسری رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ اس کے بعد جوان استغفار میں مشغول ہو گیا اور سید الابرار پر درود و سلام بھیجنے لگا۔ ابو عامر بصری کا بیان ہے کہ جب جوان وصیت کر چکا تو میں وہاں سے روانہ ہو کر گھر چلا گیا۔ دوسرے دن چاشت کے وقت میں وہاں گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ مر چکا ہے' خدا اس پر رحمت کرے! میں نے اسے غسل دیا اور جب اس کی جیب کے ٹانکے توڑے تو اس میں مجھے ایک یاقوت ملا جس کی قیمت کئی ہزار دینار تھی۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ واللہ اس جوان نے دنیا سے انتہائی درجے کی کناری کشی اختیار کی تھی۔ میں اسے دفن کر چکا تو بغداد روانہ ہو گیا اور خلیفہ کے محل کے پاس پہنچ کر رشید کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ باہر نکلا تو میں ایک گلی میں اس کے سامنے گیا اور وہ یاقوت اسے دے دیا۔ اسے دیکھتے ہی وہ غش کھا کر گر پڑا۔ اس کے نوکروں چاکروں نے مجھے پکڑ لیا۔ اسے ہوش آیا تو اس نے اپنے نوکروں سے کہا کہ اسے چھوڑ کر نہایت مہربانی سے محل میں پہنچا دو۔ انہوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ وہ محل میں داخل ہوا تو اس نے مجھے بلایا اور محل سرا میں لے جا کر مجھ سے پوچھا کہ اس یاقوت کے مالک کا کیا حال ہے؟ میں نے جواب دیا کہ وہ مر گیا۔ پھر میں نے اس کا قصہ بیان کیا تو وہ رو رو کر کہنے لگا' بیٹا فائدے میں رہا اور باپ ٹوٹے میں۔ بعد ازاں اس نے پکار کر کہا کہ فلاں عورت! ------ ایک عورت باہر آئی مگر مجھے دیکھ کر پھر اندر جانے لگی۔ خلیفہ نے کہا آ اور اس شخص سے پردہ نہ کر۔ اس نے آ کر سلام کیا۔ خلیفہ نے وہ یاقوت اس کی طرف پھینک دیا۔ عورت کی نظر یاقوت پر پڑی تو وہ چیخیں مار مار کر رونے لگی اور غش کھا کر گر پڑی۔ حالت سنبھلی تو اس نے کہا اے امیر المومنین' خدا نے میرے بیٹے کا کیا حشر کیا؟ رشید نے مجھ سے کہا کہ لڑکے کا ماجرا

اس سے بیان کر۔ اس لئے کہ خود خلیفہ کو اس سے بڑی عبرت حاصل ہوئی تھی۔ میں نے ماں سے اس کا ماجرا بیان کیا اور وہ رو کر کمزور آواز سے کہنے لگی اے میری آنکھ کی ٹھنڈک' میں تیرے دیدار کو کتنی تڑپ رہی ہوں! کاش جب کوئی تجھے پانی دینے والا نہ ہوتا تو میں تجھے پانی دیتی اور جب کوئی تجھے پیار کرنے والا نہ ہوتا تو میں تجھے پیار کرتی! یہ کہہ کر وہ زار زار رونے لگی۔

میں نے کہا اے امیر المومنین' کیا وہ تیرا بیٹا تھا؟ اس نے کہا ہاں اور وہ میرے خلیفہ ہونے سے پہلے پیدا ہوا تھا۔ عہ علماء سے ملتا اور پارساؤں کی صحبت میں بیٹھتا تھا۔ جب میں خلیفہ ہوا تو وہ مجھ سے نفرت کرنے لگا اور مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ جانے سے پہلے میں نے اس کی ماں سے کہا کہ اس لڑکے نے خدا سے لو لگا لی ہے۔ ممکن ہے کہ اس پر سختیاں پڑیں اور اسے تکلیفوں کا سامنا ہو' لہٰذا اسے یہ یاقوت دے دے تا کہ ضرورت کے وقت وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ ماں نے وہ یاقوت اسے دیا اور قسم دی کہ وہ اسے لے لے۔ اس نے ماں کے حکم کی تعمیل کی اور اسے لے لیا۔ اس کے بعد وہ ہماری دنیا داری کی چیزوں کو چھوڑ کر ہمارے پاس سے چل دیا۔ اور ہم سے غائب رہا یہاں تک کہ نہایت پاکی کی حالت میں وہ خدا سے جا ملا۔ اب خلیفہ نے مجھ سے کہا کہ چل کر مجھے اس کی قبر دکھا۔ میں اسے لے کر لڑکے کی قبر پر گیا اور وہاں اتنا رویا پیٹا کہ غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو اس نے خدا سے مغفرت کی دعا کی اور کہنے لگا کہ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اور اس کی بھلائی کی دعا مانگی۔ پھر اس نے مجھے اپنے ساتھ رہنے کے لئے کہا۔ میں نے جواب دیا' اے امیر المومنین میں نے تیرے بیٹے سے بہت بڑا سبق حاصل کیا ہے۔

○ مکتب کے ملا اور اس کی نادیدہ محبوبہ کی کہانی

ایک عالم فاضل کا بیان ہے کہ ایک بار میں ایک مکتب کے پاس سے گزرا۔ دیکھا کہ

وہاں ایک ملا بچوں کو پڑھا رہا ہے۔ اس کا حلیہ نہایت پاکیزہ اور کپڑے نہایت نفیس تھے۔ میں اس کے پاس گیا تو وہ کھڑا ہو گیا اور مجھے اپنے برابر بٹھایا۔ میں نے اس کا امتحان قرات' نحو' شعر اور لغت میں لیا اور اسے سب میں کامل پایا۔ میں نے کہا خدا تیرے ارادے کو مستحکم رکھے! تو ہر چیز کی تعلیم میں ماہر ہے۔ میں مدت تک اس کے پاس آتا جاتا رہا اور ہمیشہ کوئی نہ کوئی نئی خوبی اس میں پاتا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ عجیب و غریب بات ہے کہ بچوں کا ملا اور یہ خوبیاں! تمام عقل مند لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ بچوں کا ملا کم عقل ہوتا ہے اب میں اس سے رخصت ہوا مگر اکثر اس کی ملاقات کو آتا۔

ایک دن جب میں اس سے ملنے آیا تو دیکھا کہ مکتب بند ہے۔ پڑوسیوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس کے ہاں کسی کا انتقال ہو گیا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے بھی اس کی تعزیت کے لئے جانا چاہیے۔ اس کے دروازے پر جا کر میں نے دستک دی۔ ایک لونڈی نے نکل کر کہا کیا چاہتا ہے؟ میں نے کہا تیرے آقا سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ بولی میرا آقا اکیلا بیٹھا سوگ کر رہا ہے۔ میں نے کہا جا اس سے جا کر کہہ کہ تیرا فلاں دوست تعزیت کرنا چاہتا ہے۔ لونڈی نے جا کر خبر کی تو اس نے کہا کہ جا اور اسے بلا لا۔

اس نے آ کر کہا کہ اندر چل۔ میں نے جا کر دیکھا تو وہ سر باندھے تنہا بیٹھا ہے۔ میں نے کہا کہ خدا تجھے بڑا اجر دے! ہر ایک کو اسی راستے پر چلنا ہے لہٰذا صبر سے کام لے۔ اس نے بعد میں نے پوچھا کہ تیرا کون فوت ہو گیا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ شخص جو مجھے سب سے زیادہ عزیز اور پیارا تھا۔ میں نے کہا تیرا باپ؟ اس نے کہا نہیں۔ میں نے پوچھا تیری ماں؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ میں نے کہا کہ پھر آخر مرنے والے سے تیرا کیا تعلق تھا؟ اس نے کہا کہ وہ میری محبوبہ تھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ اس کی کم عقلی کا پہلا ثبوت ہے۔ اب میں نے کہا کہ تجھے اس سے زیادہ حسین اور مل سکتا ہے۔ اس نے جواب دیا میں نے اسے کبھی دیکھا ہی نہیں

جو یہ کہہ سکوں کہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ حسین ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دوسری حماقت ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ بے دیکھے تو اس پر کس طرح عاشق ہوا؟ اس نے کہا سن میں ایک دن کھڑکی میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک راہ گیر یہ شعر گاتا ہوا وہاں سے گزرا۔ "اے ام عمرو' میرا دل جہاں کہیں بھی تو نے لے جا کر چھپایا ہو' مجھے واپس دے دے خدا تجھے اس کا اجر دے گا۔"

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو تیسری رات

چار سو تیسری رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملا نے کہا کہ جب میں نے ایک راہ گیر کو یہ شعر گانے سنا تو اپنے دل میں کہنے لگا کہ ام عمرو کا جواب دنیا میں ہوتا تو تمام شاعر اس کی تعریف نہ کرتے اور میں اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ دو دن کے بعد وہ شخص یہ شعر گاتا ہوا گزرا۔ "گدھا ام عمرو کو سوار کر کے چلتا ہوا اور نہ وہ لوٹی اور نہ گدھا۔" مجھے یقین ہو گیا کہ وہ مر گئی اور تین دن سے میں اس کا سوگ کر رہا ہوں۔ اب تو اس کی کم عقلی کا مجھے پورا پورا ثبوت مل گیا' میں اٹھ کر وہاں سے چل دیا۔

○ مکتب کے ملا کی حماقت کی کہانی

یہ کہانی بھی مکتب کے ایک ملا کی کم عقلی کا قصہ ہے۔ کہتے ہیں کسی مکتب کا ایک ملا تھا۔ ایک روز اس کے پاس ایک سمجھ دار آدمی آیا اور قریب بیٹھ کر اس کا امتحان لینے لگا۔ دیکھا کہ وہ بڑا فقیہ' نحوی' لغوی' شاعر' ادیب' عقل مند اور فہمیدہ ہے۔ وہ متعجب ہو کر اپنے دل میں کہنے لگا کہ جو لوگ بچوں کو مکتب میں پڑھاتے ہیں ان کی تو عقل ٹھکانے نہیں ہوتی۔ جب وہ شخص ملا کے پاس سے اٹھ کر جانے لگا' تو ملا نے کہا آج رات تو میرا مہمان ہے۔ اس شخص نے ملا کی دعوت قبول کر لی اور اس کے ساتھ اس کے گھر گیا۔ ملا نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور کھانا پیش کیا۔ کھا پی کر وہ دونوں بیٹھے اور تہائی رات تک باتیں چیتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد اس نے مہمان کے لئے بچھونا بچھوایا اور خود اندر چلا گیا۔ مہمان لیٹ کر سونے ہی والا تھا کہ اندر سے چیخوں کی آوازیں آنے لگیں۔ مہمان نے اس کی وجہ پوچھی تو لوگوں نے

کہا کہ شیخ پر بڑا سخت حادثہ گزرا ہے اور وہ جاں کنی کی حالت میں ہے۔ مہمان نے کہا مجھے اندر لے چلو۔ لوگ اسے اندر لے گئے تو اس نے دیکھا کہ شیخ بے ہوش پڑا ہے اور خون بہہ رہا ہے۔ اس نے شیخ کے منہ پر پانی چھڑکا۔ جب اسے ہوش آیا تو مہمان نے پوچھا' تجھے کیا ہو گیا؟ اس نے جواب دیا' اے میرے بھائی! جب میں تیرے پاس سے گیا تو بیٹھ کر خدا کی صنعتوں پر غور کرنے لگا اور اپنے دل میں کہا کہ جو چیزیں خدا نے آدمی کے لئے پیدا کی ہیں ان میں کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور ہے مثلاً خدا نے ہاتھ پکڑنے کے لئے بنائے ہیں' پاؤں چلنے کے لئے' آنکھیں دیکھنے کے لئے' کان سننے کے لئے اور اسی طرح سے اور بھی' مگر خصیوں میں کوئی فائدہ نہیں' اس لئے میں نے ایک استرا لے کر انہیں کاٹ ڈالا۔ بس اسی سے میری یہ حالت ہو گئی ہے۔ یہ سن کر مہمان اس کے پاس سے چلا گیا اور کہنے لگا کہ یہ کسی نے سچ کہا ہے کہ جو ملا بچوں کو پڑھاتا ہے اس کی عقل ناقص ہوتی ہے خواہ وہ تمام علوم میں کیسا ہی کامل کیوں نہ ہو۔

○ ان پڑھ ملا کی کہانی

ایک پردیسی نہ لکھنا جانتا تھا نہ پڑھنا محض دھوکا دے کر لوگوں کی روٹیاں کھاتا' ایک بار اسے یہ خیال آیا کہ ایک مکتب کھول کر لڑکوں کو پڑھانا چاہیے۔ چنانچہ اس نے تختیاں اور لکھے ہوئے کاغذ لا کر ایک گھر میں لٹکائے اور ایک بڑی سی پگڑی باندھ کر مکتب کے دروازے پر بیٹھ گیا۔ لوگ اس کے پاس سے گزرتے اس کی پگڑی' تختیاں اور کاغذ دیکھ کر خیال کرتے کہ یہ بڑا عالم ہو گا۔ وہ اپنے لڑکوں کو اس کے پاس لاتے۔ یہ ایک سے کہتا' پڑھا اور دوسرے سے کہتا' پڑھ۔ اس طرح لڑکے ایک دوسرے کو لکھاتے پڑھاتے۔ ایک دن یہ اپنی عادت کے موافق مکتب کے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا' دور سے دیکھا کہ ایک عورت ہاتھ میں خط لئے چلی آ رہی ہے۔ اپنے دل میں کہنے

لگا عورت ضرور میرے پاس خط پڑھوانے آ رہی ہے اور مجھے پڑھنا تو آتا نہیں' اب کیا کروں؟ اتر کر بھاگنے کا ارادہ کیا عورت نے اسے آ پکڑا اور کہنے لگی کہاں جاتا ہے؟

اس نے کہا ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر آتا ہوں۔ عورت بولی ظہر کی نماز میں تو ابھی دیر ہے' پہلے میرا یہ خط پڑھ دے۔ مجبوراً اس نے خط لے لیا اور اسے الٹا پکڑ کر دیکھنے لگا۔ کبھی پگڑی ہلاتا کبھی بھویں مٹکاتا اور ناراضگی کا اظہار کرتا۔

عورت کا شوہر سفر پر تھا' اس نے بیوی کو یہ خط لکھا تھا۔ جب اس نے ملا کی یہ حالت دیکھی تو اپنے دل میں کہنے لگی ہو نہ ہو میرا شوہر مر گیا ہے اور ملا ایسی بری خبر کہتے ہچکچا رہا ہے۔ عورت نے کہا اے میرے آقا اگر وہ مر گیا ہے تو مجھ سے صاف صاف کہہ دے۔ ملا سر ہلا کر چپ ہو گیا۔ عورت نے پوچھا کیا میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالوں؟ اس نے جواب دیا کہ پھاڑ ڈال۔ عورت نے کہا' کیا میں اپنا منہ پیٹوں؟ اس نے کہا کہ پیٹ۔ اب وہ اس کے ہاتھ سے خط لے کر گھر گئی اور سارا گھر رونے پیٹنے لگا۔ ایک پڑوسی نے رونا پیٹنا سنا تو پوچھا کہ اس عورت کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا خط آیا ہے کہ اس کا شوہر مر گیا۔ اس شخص نے کہا یہ جھوٹی بات ہے کیونکہ اس کے شوہر نے میرے پاس کل ایک خط بھیجا ہے کہ میں خیر و عافیت سے ہوں اور دس دن کے بعد اپنی بیوی کے پاس جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ شخص فوراً اس عورت کے پاس گیا اور پوچھا کہ تیرے پاس جو خط آیا ہے کہاں ہے؟ عورت وہ خط لے آئی۔ اس شخص نے اسے لے کر پڑھا۔ دیکھا اس میں لکھا ہوا تھا:

"حمد ثنا کے بعد معلوم ہو کہ میں تندرست اور بخیر و عافیت ہوں۔ دس دن کے بعد تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا اور تمہارے لئے ایک چادر ایک پنکا بھیجتا ہوں۔"

عورت یہ خط لے کر دوبارہ ملا کے پاس گئی اور کہنے لگی تو نے میرے ساتھ یہ کیا حرکت کی؟ میرا پڑوسی تو کہتا ہے کہ میرا شوہر صحیح و سلامت ہے اور اس نے میرے لئے چادر اور پنکا بھیجا ہے۔ ملا بولا تو سچ کہتی ہے مگر میں اس وقت غصے میں تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چار سو چوتھی رات

جب چار سو چوتھی رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عورت نے ملا سے کہا تو نے میرے ساتھ یہ کیا حرکت کی؟ وہ بولا میں اس وقت غصے میں تھا اور پریشانی کی حالت میں' میں نے دیکھا کہ بچہ چادر میں لپٹا ہوا ہے اس لئے میں نے خیال کیا کہ وہ مر گیا ہے اور اسے کفن پہنایا گیا ہے۔ عورت دانت پیستی اور یہ کہتی کہ تو معذور ہے' خط لے کر چلی آئی۔

بادشاہ اور پارسا عورت کی کہانی

ایک بادشاہ بھیس بدل کر اپنی رعایا کا حال دریافت کرنے نکلا اور ایک بڑے گاؤں کے پاس پہنچ کر تنہا اس میں داخل ہوا۔ اسے پیاس لگ آئی تھی۔ وہ گاؤں کے ایک دروازے پر جا کر ٹھہر گیا اور پانی مانگا۔ مکان میں سے ایک خوبصورت عورت پانی کا کوزہ لے کر نکلی اور بادشاہ کو دیا۔ بادشاہ نے پانی پیا اور عورت کو دیکھ کر لٹو ہو گیا۔ اسے پھسلانے لگا۔ عورت بڑی پارسا تھی' وہ بادشاہ کو لے کر مکان کے اندر گئی' بٹھایا اور ایک کتاب دے کر کہا جب تک میں بن سنور کر تیرے پاس آؤں تو اسے پڑھ۔ بادشاہ بیٹھ کر کتاب کا مطالعہ کرنے لگا۔ دیکھا کہ اس میں زنا کی سخت ممانعت اور زانی کے لئے اس سخت عذاب کا ذکر ہے جو خدا نے اس کے لئے رکھا ہے۔ پڑھ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس نے خدا کے آگے توبہ کی اور عورت کو بلا کر کتاب اس کے حوالے کی اور چلتا ہوا۔ عورت کا شوہر اس وقت باہر گیا ہوا تھا۔ جب وہ لوٹا تو بیوی نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اسے بڑا تعجب ہوا اور اپنے دل میں کہا کہ ہو نہ ہو بادشاہ کی غرض اس سے وابستہ ہے' وہ اس کے بعد بیوی سے ہم بستر نہ ہوا۔

بہت دن ہو گئے تو عورت نے اپنے رشتے داروں سے اپنے شوہر کی بے اعتنائی بیان کی۔
وہ اسے لے کر بادشاہ کے پاس گئے اور اس سے کہا خدا بادشاہ کی عزت قائم رکھے!
اس شخص نے ہم سے کھیتی کرنے کی خاطر ایک کھیت لگان پر لیا تھا' مدت تک اس
میں کھیتی کی لیکن اب کھیتی کرنا چھوڑ دیا' نہ تو خود کھیتی کرتا ہے نہ چھوڑتا ہے کہ
ہم اسے کسی دوسرے کو لگان پر دے دیں۔ کھیت کو نقصان پہنچ رہا ہے اور ہمیں
ڈر ہے کہ بے کار رہنے سے کہیں کھیت میں خرابی نہ پیدا ہو جائے کیونکہ اگر کھیتی
بند کر دی جائے تو کھیت خراب ہو جاتا ہے۔ بادشاہ نے اس شخص سے پوچھا کونسی چیز
تجھے اپنا کھیت جوتنے بونے سے روکتی ہے؟ اس نے جواب دیا خدا بادشاہ کی عزت قائم
رکھے! مجھے خبر ملی ہے کہ کھیت میں ایک شیر آیا ہوا ہے' مجھے اس سے ڈر لگتا ہے
اور اس کے پاس جانے کی ہمت نہیں پڑتی۔ میں جانتا ہوں کہ میں اس کا کچھ نہیں
کر سکتا اور وہ چاہے تو میری مٹی خراب کر دے۔ بادشاہ سارا قصہ سمجھ گیا اور اس
سے کہنے لگا' اے شخص' تیرے کھیت میں کوئی شیر نہیں آیا ہے اور اس میں اچھی پیداوار
ہو سکتی ہے۔ جا اس میں کھیتی کر' خدا تجھے برکت دے! شیر اس پر ہرگز حملہ نہ کرے
گا۔ اس کے بعد بادشاہ نے انہیں انعام دینے کا حکم دیا اور رخصت کیا۔

○ رخ کے بچے کی کہانی

ایک مغربی نے بہت سے ملکوں کا سفر کیا تھا اور بے شمار جنگل اور سمندر طے کئے تھے۔
قسمت سے وہ ایک بار کسی ایسے جزیرے میں پہنچا جہاں رخ کا جوڑا رہتا تھا اور وہاں
بہت دن تک ٹھہر کر اپنے وطن کو لوٹا تو اپنے ساتھ رخ کے اس بچے کے پر کی کلی
لایا جو ابھی انڈے سے بھی باہر نہیں نکلا تھا۔ اس کلی کے اندر ایک مشک پانی سما سکتا
تھا کیونکہ کہتے ہیں کہ جب رخ کا بچہ انڈے میں سے نکلتا ہے تو اس کے بازو کی

لمبائی ایک ہزار ہاتھ ہوتی ہے۔ لوگ اس کلی کو دیکھ کر اچنبھا کرتے تھے۔ اس شخص کا نام عبدالرحمن مغربی تھا لیکن چینی کے نام سے اس کی شہرت تھی کیونکہ وہ چین میں مدت تک رہا تھا۔ اسے عجیب و غریب قصے یاد تھے۔ منجملہ بہت سی کہانیوں کے ایک یہ ہے کہ اس نے ایک بار بحر چین کا سفر کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چار سو پانچویں رات

جب چار سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عبد الرحمٰن مغربی چینی عجیب و غریب قصے بیان کرتا۔ منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ اس نے ایک بار لوگوں کے ساتھ بحر چین کا سفر کیا۔ انہیں دور سے ایک جزیرہ نظر آیا۔ وہاں پہنچ کر کشتی نے لنگر ڈالا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ جزیرہ بہت بڑا اور وسیع ہے۔ کشتی والے پانی اور لکڑیاں لینے کی غرض سے اس جزیرے میں اتر گئے کلہاڑیاں' رسیاں اور مشکیں اپنے ساتھ لے لیں۔ یہ شخص بھی ان کے ہمراہ تھا۔ جزیرے میں انہیں ایک سفید چمکتا ہوا گنبد دکھائی دیا جس کی بلندی سو ہاتھ ہو گی۔ اسے دیکھ کر وہ ادھر روانہ ہوئے۔ جب قریب پہنچے تو معلوم ہوا وہ رخ کا انڈا ہے۔ اس کے اندر رخ کا بچہ ہے جو مثل ایک مضبوط پہاڑ کے تھا۔ انہوں نے چاہا کہ اس کے بازو سے ایک پر توڑ لیں لیکن انہیں اس وقت تک کامیابی نہ ہوئی جب تک کہ سب نے مل کر زور نہ لگایا حالانکہ ابھی تک بچے کے پر پورے نہ نکلے تھے۔ پھر بچے کا گوشت جتنا لے جا سکتے تھے لے گئے اور ایک بالوں کو تیز ہڈی سے کاٹ کر کشتی کے لنگر اٹھا دیئے۔ رات بھر چلتے رہے۔ ہوا موافق تھی اور کشتی چلی جا رہی تھی۔ صبح ہونے لگی تو بادل کی طرح رخ آ پہنچا۔ اس کے دونوں پنجوں میں پہاڑ کے برابر دو پتھر تھے' کشتی سے کہیں بڑے بڑے۔ جب رخ ہوا میں ٹھیک کشتی کے اوپر پہنچا تو اس نے پتھر کو کشتی اور کشتی والوں پر چھوڑ دیا۔ چونکہ کشتی تیزی کے ساتھ چلی جاتی تھی پتھر اس کے پیچھے سمندر میں گرا اور اس زور سے گرا کہ لوگ ڈر گئے ان کی قسمت میں سلامتی لکھی تھی' خدا نے انہیں ہلاکت سے بچا لیا۔ اب انہوں نے وہ گوشت پکا کر کھایا۔ ان میں بعض سفید داڑھی والے بھی تھے' جب دن اچھی طرح نکل آیا تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی داڑھیاں

کالی ہو گئی ہیں۔ اور باقی لوگوں میں سے جن جن نے وہ گوشت کھایا تھا کبھی بوڑھے نہ ہوئے۔ ان لوگوں کا بیان ہے کہ بوڑھوں کے جوان ہونے اور جوانوں کے بوڑھے نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس ڈوئی سے دیگچی چلائی گئی تھی وہ نشاب کے درخت کی تھی۔ بعضوں کا قول یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ رخ کے بچے کا گوشت تھا۔ یہ عجیب و غریب بات ہے۔

○ عدی بن زید اور نعمان بن منذر کی بیٹی کے عشق کی کہانی

عرب کے بادشاہ نعمان بن منذر کی ایک بیٹی تھی جس کا نام ہند تھا۔ عیدالضحیٰ کے دن جو عیسائیوں کا تہوار ہے وہ بیضا نامی دیر میں چڑھاوا چڑھانے گئی۔ اس وقت اس کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ اس کا حسن اپنے زمانے کی تمام عورتوں سے زیادہ تھا۔ اسی روز عدی بن زیدی بھی کسریٰ کے پاس سے ہدیہ لے کر نعمان بن منذر کے پاس حیرہ آیا تھا۔ وہ بھی چڑھاوا لے کر بیضا کے دیر میں پہنچا۔ اس کے قبیلے کے بہت سے لوگ اس کے ساتھ تھے۔ عدی کا قد چھریرا' عادتیں دل کش' آنکھیں خوب صورت تھیں اور چہرہ چکنا چپڑا۔ ہند بنت نعمان کے ہمراہ ایک لڑکی تھی جس کا نام ماریہ تھا۔ ماریہ کو عدی سے محبت تھی لیکن اس کی رسائی اس تک نہ ہوتی۔ لڑکی نے عدی کو دیر میں دیکھا تو وہ ہند سے کہنے لگی اس جوان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ' تو نے اس سے زیادہ خوب صورت نہ دیکھا ہو گا۔ ہند نے پوچھا وہ کون ہے؟ لڑکی نے جواب دیا عدی بن زید۔ ہند بنت نعمان نے کہا میں اسے قریب سے جا کر دیکھوں تو ڈر ہے کہیں وہ مجھے پہچان نہ لے۔ ماریہ بولی وہ پہچان کیسے لے گا' اس نے کبھی تجھے دیکھا تو ہے نہیں۔

اب وہ اس کے پاس گئی' دیکھا کہ وہ اپنے ساتھ والے جوانوں سے مذاق کر رہا ہے۔ حسن' شیریں کلامی' فصاحت اور لباس کی خوبی میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ اسے

دیکھتے ہی وہ لٹو ہو گئی' حواس جاتے رہے' رنگ فق ہو گیا۔ ماریہ نے دیکھا کہ ہند کا میلان عدی کی طرف ہے تو اس سے کہا عدی سے بات چیت کر۔ اس نے اس سے گفتگو کی اور چل دی۔ جب عدی نے اسے دیکھا اور اس کی باتیں سنیں تو وہ بھی اس پر فریفتہ ہو گیا۔ اس کے بھی ہوش گم ہو گئے' دل دھڑکنے لگا' منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں یہاں تک کہ اس کے ساتھی اسے پہچان نہ سکے۔ آخر اس نے ایک ساتھی سے اپنے دل کی بات کہہ دی کہ وہ اس کے پیچھے جانا چاہتا ہے اور ہند کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ واپس آ کر اپنے ساتھی سے کہا کہ وہ نعمان کی بیٹی ہند ہے۔ دیر سے نکلا تو عشق نے اس کی عقل کھو دی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کدھر جائے۔ گھر پہنچ کر اس نے بڑے رنج و غم میں رات گزاری۔ لمحہ بھر کو آنکھ نہ جھپکی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چار سو کے بعد چھٹی رات

جب چار سو کے بعد چھٹی رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عدی رات بھر جاگتا رہا صبح ہوئی تو ماریہ اس کے پاس آئی۔ عدی نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اس سے پہلے وہ اس کی طرف بالکل توجہ نہ کرتا تھا۔ اس نے ماریہ سے پوچھا کہ تیرا آنا کس طرح ہوا؟ ماریہ نے جواب دیا مجھے تجھ سے ایک کام ہے۔ عدی بولا بیان کر' خدا کی قسم جو کچھ تو مجھ سے مانگے گی میں دوں گا۔ ماریہ نے کہا مجھے تجھ سے عشق ہے اور میں تیرے ساتھ تنہائی چاہتی ہوں۔ عدی نے منظور کر لیا اور اس شرط پر کہ وہ کسی تدبیر سے ہند کو اس سے ملا دے۔ پھر ماریہ کو حیرے کی ایک گلی کے اندر ایک شراب خانے میں لے گیا اور اس سے ملاقات کی۔ ماریہ وہاں سے نکل کر ہند کے پاس گئی اور کہا تو عدی کو دیکھنا چاہتی ہے؟ ہند نے کہا میں تو کل سے اس کے لئے بے قرار ہوں۔ کسی کروٹ مجھے چین نہیں آتا' مگر میں اسے کیونکر دیکھ سکتی ہوں' ماریہ نے کہا میں اسے فلاں جگہ لے آؤں گی تو محل پر سے اسے دیکھ لیجیو۔ ہند نے کہا جیسی تیری مرضی اور دونوں نے اس جگہ کا فیصلہ کر لیا۔ جب عدی وہاں آیا تو ہند نے اسے اوپر سے دیکھا' بے تاب ہو گئی۔ قریب تھا کہ نیچے گر پڑے۔ اس نے ماریہ سے کہا اگر تو اسے آج رات میرے پاس نہ لائی تو میں مر جاؤں گی۔ یہ کہتے کہتے اسے غش آ گیا۔ لونڈیاں باندیاں اسے اٹھا کر محل میں لے گئیں۔ ماریہ نے نعمان کے پاس جا کر سارا ماجرا بے کم و کاست بیان کر دیا اور کہا تیری بیٹی عدی کی محبت میں گرفتار ہے' اگر تو نے اس کی شادی عدی سے نہ کی تو بدنامی کا ڈر ہے۔ وہ اس کی محبت میں جان دے دے گی اور عربوں میں تیری ناک کٹ جائے گی۔ اس رسوائی کا علاج یہی ہے کہ دونوں کی شادی ہو جائے۔ نعمان اپنا سر جھکا کر بیٹھ

کے بارے میں سوچنے لگا۔ بڑی دیر کے بعد کہنے لگا تو ہی بتا کہ دونوں کی شادی کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟ میں تو ابتدا کرنا نہیں چاہتا۔ ماریہ بولی عدی کا عشق اس سے بھی بڑھ کر ہے' وہ اسے بے حد چاہتا ہے۔ دیکھ میں کوئی تدبیر ایسی نکالتی ہوں جس سے وہ یہ نہ سمجھے کہ تو اس کے حال سے آگاہ ہے اور اے بادشاہ تیری بدنامی بھی نہ ہو۔ یہ کہہ کر وہ عدی کے پاس گئی' اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ بادشاہ کی دعوت کر جب وہ شراب پی کر مست ہو جائے تو اس کے آگے شادی کی تجویز پیش کر' اس وقت وہ تیری تجویز رد نہ کرے گا۔ عدی نے کہا مجھے ڈر ہے کہ وہ ناراض نہ ہو جائے اور ہمارے درمیان دشمنی پڑ جائے۔ ماریہ بولی میں اس سے ساری باتیں طے کرنے کے بعد تیرے پاس آئی ہوں۔ پھر اس نے نعمان کے پاس جا کر کہا تو عدی سے کہہ کہ وہ اپنے مکان پر تیری دعوت کرے۔ نعمان رضا مند ہو گیا اور تیسرے دن اس نے عدی سے کہا میں اور میرے مصاحب تیرے ہاں ناشتہ کرنا چاہتے ہیں۔ عدی نے منظور کر لیا اور نعمان دعوت کھانے گیا۔ ناشتے کے بعد شراب کا دور چلا۔ شراب اپنا کام کر چکی تو عدی نے اٹھ کر شادی کی تجویز پیش کی۔ نعمان نے انکار نہ کیا اور اپنی بیٹی کی شادی اس کے ساتھ کر دی اور تین دن کے بعد رخصتی ہو گئی۔ تین سال تک دونوں نے نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو ساتویں رات

چار سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عدی اور ہند بنت نعمان نے تین برس تک نہایت عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اس کے بعد نعمان کسی بات پر عدی سے ناراض ہوا اور اسے قتل کر دیا۔ ہند بہت غم زدہ رہنے لگی۔ نعمان نے حیرہ کے باہر اس کے لئے ایک دیر بنوایا وہاں بیٹھ کر اس نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور مرتے دم تک عدی کی یاد کرتی اور روتی پیٹتی رہی۔ اس کا دیر جو حیرے کے باہر ہے اب تک مشہور ہے۔

○ دعبل خزاعی اور لڑکی کی کہانی

دعبل خزاعی کا بیان ہے میں کرخ کے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک لڑکی وہاں سے گزری۔ ایسی حسین اور موزوں قد و قامت والی کبھی میری نظر سے نہ گزری تھی۔ وہ ایسی مٹک مٹک کر چلتی کہ لوگ اس کی چال دیکھ کر فریفتہ ہو جاتے تھے۔ جوں ہی میری نظر اس پر پڑی' میں عاشق ہو گیا۔ میرے سینے کے اندر ہلچل مچ گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے۔ میں اس کے پاس گیا یہ شعر پڑھا: "میری آنکھوں کے آنسو جاری ہیں اور پلکوں کی نیند بند ہو گئی ہے۔" اس نے منہ پھیر کر میری طرف دیکھا اور فوراً اس شعر سے جواب دیا: "جسے بیمار آنکھیں بلائیں اس کے لئے تو یہ کچھ بھی نہیں۔" اس کی حاضر جوابی اور شیریں بیانی پر میں دنگ رہ گیا اور ایک دوسرا شعر پڑھا کہ: "کیا میری آقا دل سے میری طرف متوجہ ہو گی کیونکہ میرے آنسو بند نہیں ہوتے؟" وہ کب بند ہونے والی تھی' بے تکلف جواب میں یہ شعر پڑھنے لگی: "اگر تو میری محبت کا خواہش مند ہے تو محبت تو دونوں طرف سے ہونا چاہیے۔"

مجھ کو آج تک نہ ایسی میٹھی میٹھی باتیں سننے کا اتفاق ہوا تھا نہ ایسی پیاری صورت دیکھی تھی۔ میں نے امتحاناً قافیہ بدل کر یہ شعر پڑھا: دیکھ زمانہ ہمیں وصال سے خوش کرنے والا ہے اور عاشق و معشوق کو ملانے والا ہے۔" یہ سن کر وہ اس انداز سے مسکرائی کہ میں نے اس جیسا خوب صورت منہ کبھی دیکھا نہ تھا اس جیسے پیارے دانت۔ پھر اس نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا: "زمانے اور اس کے فیصلے کی کیا حقیقت' میرے لئے تو ہی زمانہ ہے لہٰذا مجھے اپنے وصال سے دل شاد کر۔"

میں فوراً اس کے ہاتھ چومنے لگا اور کہا مجھے یقین نہیں آتا ہے کہ زمانے نے مجھے ایسا اچھا موقع دیا۔ چل میرے پیچھے پیچھے آ مگر اسے حکم یا زبردستی نہ سمجھ بلکہ میرے اوپر اپنی عنایت خیال کر۔ یہ کہہ کر میں چل کھڑا ہوا اور وہ میرے پیچھے پیچھے ہو لی۔ اس وقت میرے پاس کوئی ایسی جگہ نہ تھی جو ایسی محبوبہ کے لائق ہوتی اس لئے میں اپنے دوست مسلم بن الولید کے پاس پہنچا۔ اس کا مکان نہایت خوب صورت تھا۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ نکلا' میں نے سلام کیا اور کہا ایسے ہی وقت دوست کام آتے ہیں۔ وہ بولا اندر آؤ۔ جب ہم اندر گئے تو میں نے دیکھا اس کے ہاں کھانے پینے کو کچھ نہیں۔ اس نے مجھے ایک رومال دیا اور کہا کہ بازار جا کر اسے بیچ ڈال اور کھانے وغیرہ جس چیز کی ضرورت ہو خرید لا۔ میں دوڑتا ہوا بازار گیا' رومال کو بیچ کر کھانے پینے کی وہ چیزیں خریدیں جن کی مجھے ضرورت تھی اور واپس پھرا۔ آ کر کیا دیکھتا ہوں کہ مسلم اس لڑکی کے ساتھ تہہ خانے میں اکیلا بیٹھا ہے۔ اس نے میری آہٹ سنی تو جھٹ میرے پاس پہنچا اور کہنے لگا اے ابو علی' جو بھلائی تو نے میرے ساتھ کی ہے خدا تجھے اس کی جزا دے' ثواب عطا کرے اور قیامت کے دن تیری نیکیوں میں ایک نیکی اور بڑھائے! یہ کہہ کر اس نے مجھ سے کھانے پینے کی چیزیں لے لیں اور میری ناک کے سامنے دروازہ بند کر لیا۔ اس کی ان باتوں پر مجھے بہت غصہ آیا۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں اور وہ دروازے کے پیچھے کھڑا مارے خوشی کے وجد کر رہا تھا۔ میں اس کی بد سلوکی اور بے مروتی پر برا بھلا کہنے اور گالیاں دینے لگا۔ پہلے

تو وہ چپ سنتا رہا کچھ نہ بولا۔ جب میں برا بھلا کہہ چکا تو مسکرایا اور کہنے لگا ابے پاگل' تو میرے گھر آیا' میرا رومال بیچا اور میرے دام خرچ کئے' پھر اسے کٹنے تو کس بات پر ناراض ہے؟ یہ کہتا ہوا وہ پھر میرے پاس سے لڑکی کے پاس چلا گیا۔ میں نے اس سے کہا تیرا کہنا سچ ہے' واقعی میں پاگل ہوں اور کٹنا بھی۔ اس کے بعد غم زدہ ہو کر چلا ایا جس کا اثر آج تک میرے دل پر ہے۔ اس دن سے نہ وہ ملی اور نہ کہیں اس کا پتہ چلا۔

○ اسحق موصلی اور مغنیہ کنیز کی کہانی

اسحق بن ابراہیم موصلی کا بیان ہے کہ ایک بار خلیفہ کے محل میں رہتے رہتے اور خدمت کرتے کرتے میں اتنا تھک گیا کہ دوسرے روز صبح ہی وہاں سے نکل کھڑا ہوا اور ارادہ کر لیا کہ آج شہر میں جا کر سیر کروں گا اور اپنے غلاموں سے کہتا گیا کہ اگر خلیفہ کا پیادہ یا کوئی اور شخص آئے تو کہہ دینا کہ وہ صبح کسی ضروری کام کے لئے گیا ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ کہاں گیا ہے۔ میں بازاروں' گلیوں میں سیر کرنے اور پھرنے لگا۔ جب گرمی زیادہ پڑنے لگی تو میں ایک سڑک پر ٹھہر گیا جو حرم کے نام سے مشہور ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو آٹھویں رات

چار سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ اسحٰق بن ابراہیم موصلی کا بیان ہے کہ جب گرمی زیادہ پڑنے لگی تو میں ایک سڑک پر ٹھہر گیا جو حرم کے نام سے مشہور ہے تا کہ دھوپ سے پناہ ملے۔ جس مکان کے پاس میں ٹھہرا تھا اس کا سائبان وسیع تھا اور سڑک کی طرف نکلا ہوا۔ تھوڑی ہی دیر ٹھہرا ہوں گا کہ ایک حبشی غلام ایک گدھا ہانکتا ہوا آیا جس پر ایک لڑکی سوار تھی۔ گدھے کی پیٹھ پر اس کے نیچے ایک ہیرے نکا ہوا رومال پڑا تھا۔ اس کی پوشاک ایسی تھی کہ اس سے بہتر ممکن نہیں۔ اس کے قد و قامت میں عجیب دل کشی تھی' آنکھیں بڑی بڑی اور اور انداز ایسا نرالا کہ آدمی دیکھا کرے۔ میں نے ایک راہ چلنے والے سے پوچھا یہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا ایک گانے والی ہے۔ اسے دیکھتے ہی میرا دل اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا اور مجھ پر ایسی بد حواسی چھائی کہ میں اپنی سواری پر سے گرتے گرتے بچا۔ آتے آتے وہ اسی مکان میں داخل ہوئی جس کے دروازے پر میں کھڑا تھا۔ اب میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ کس تدبیر سے اس تک رسائی ہو۔ کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ دو خوب صورت جوان آئے اور انہوں نے اندر جانے کی اجازت مانگی۔ مکان والے نے ان کو اجازت دی اور وہ سواریوں سے اترے تو میں بھی اتر پڑا اور ان کے ساتھ ساتھ اندر چلا گیا۔ ان دونوں کا خیال ہوا کہ میں بھی مکان والے کا بلایا ہوا ہوں۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد کھانا ایا اور ہم سب نے کھایا۔ پھر اس مکان والے نے شراب لا کر ہمارے آگے رکھ دی۔ اتنے میں وہی لڑکی عود لئے ہوئے نکلی' وہ گاتی جاتی تھی اور ہم شراب پیتے جاتے تھے۔ اتفاق سے مجھے استنجے کی ضرورت ہوئی'' میں اٹھ کر باہر گیا تو مکان کے مالک نے دونوں شخصوں سے میرے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا ہم اسے نہیں پہچانتے ہیں۔ اس نے کہا خیر طفیلی ہو گا لیکن آدمی خوب معلوم

ہوتا ہے اس لئے اس کی آؤ بھگت کرنی چاہیے۔ تھوڑی دیر بعد میں آ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ لڑکی نہایت خوش الحانی سے گانے لگی اور گانے کا پورا حق ادا کیا۔ لوگوں نے بہت پسند کیا اور شراب کا دور چلنے لگا۔ پھر اس نے نئے نئے انداز سے مختلف راگ گائے۔ ان راگوں میں ایک میرا بنا ہوا راگ بھی تھا اور وہ اس نے سب راگوں سے بہتر گایا۔ اس کے بعد اور بہت سے نئے پرانے راگ گائے اور ان میں بھی ایک میرا راگ تھا لیکن اس کے گانے میں کچھ غلطیاں تھیں۔اس راگ کو دوبارہ گانے کے لئے میں نے کہا۔ غرض یہ تھی کہ اس کی اصلاح کر دوں کہ ان دونوں شخصوں میں سے ایک میرے سر ہو گیا اور کہنے لگا تجھ سے زیادہ بے شرم طفیلی ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ کیا تیرے لیے طفیلی ہونا کافی نہ تھا کہ تو نے بے حیائی پر بھی کمر باندھ لی۔ یہ مثل تیرے اوپر پوری اترتی ہے کہ طفیلی اور بے حیا! میں نے مارے شرم کے اپنا سر نیچا کر لیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے دوست نے بہت چاہا کہ اس سے میرا پیچھا چھڑائے لیکن وہ باز نہ ایا۔ خدا خدا کر کے نماز کا وقت ہو گیا اور لوگ نماز پڑھنے اٹھے۔ میں اور ذرا دیر تک بیٹھا رہا اور عود لے کر اس کے تار خوب اچھی طرح ملائے۔ ساز کو درست کر چکا تو جا کر ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب ہم نماز پڑھ چکے تو وہ شخص پھر مجھے برا بھلا کہنے لگا۔ خوب ڈانٹا ڈپٹا' میں نے سانس تک نہ لیا۔ اتنے میں لڑکی نے عود اٹھا کر جو اس کے تاروں پر ہاتھ پھیرا تو دنگ ہو گئی اور کہنے لگی کہ میرے ساز کو کس نے ہاتھ لگایا ہے؟ وہ بولے ہم میں سے تو کسی نے چھوا نہیں۔ اس نے کہا واللہ کسی ایسے شخص نے ہاتھ لگایا ہے جو اس فن کا ماہر اور استاد ہے۔ تار اس طرح ملائے ہیں جیسے کہ کوئی بڑا استاد ہے۔ میں نے کہا میں نے ملائے ہیں۔ وہ بولی خدا کی قسم تو ہی اسے لے کر بجا۔ میں نے ایک ایسا عجیب و غریب مشکل راگ بجایا جس سے زندہ مردے اور مردے زندہ ہو جائیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• چار سو نویں رات

چار سو نویں ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب اسحٰق بن ابراہیم موصلی اپنا راگ ختم کر چکا تو سب کے سب اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے آ بیٹھے اور کہنے لگے اے ہمارے آقا' خدا کے لئے ہمیں ایک راگ اور سنا۔ میں نے دوسرا راگ بجایا ان پر ایک قسم کی کیفیت طاری ہو گئی۔ کبھی کھڑے ہوتے اور کبھی زمین پر گر پڑتے۔ راگ تمام ہوا تو عود رکھ کر میں خاموش ہو گیا۔ انہوں نے کہا خدا کے لئے ہمارے اوپر یہ ظلم نہ ڈھا اور ایک راگ اور سنا دے۔ خدا تجھے اس سے زیادہ نعمتیں عطا کرے! میں بولا اے لوگو' میں تمہیں ایک راگ نہیں دو تین چار جتنے کہو گے سنا دوں گا لیکن پہلے میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں کون ہوں۔ میں اسحٰق بن ابراہیم موصلی ہوں۔ واللہ یہ راگ میں خلیفہ کو سناتا ہوں جب وہ مجھے طلب کرتا ہے اور تم نے مجھے آج گندی سے گندی باتیں سنائی ہیں۔ خدا کی قسم جب تک اس بد زبان کو یہاں سے نکال نہ دو گے نہ میں یہاں بیٹھوں گا اور نہ کوئی بات کروں گا۔ یہ سن کر ان دونوں شخصوں میں سے جو معقول تھا دوسرے سے کہنے لگا اسی بات سے تو میں تجھے ڈراتا تھا اور تیرے متعلق ڈرتا تھا۔ پھر اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دیا۔ اب میں نے عود لے کر وہ راگ گائے جو کنیز نے گائے تھے اور جو میرے بنائے ہوئے تھے۔ اس کے بعد میں نے مکان کے مالک سے چپکے سے کہا کہ کنیز نے میرے دل پر قبضہ کر لیا اور میں اس کے لئے بے چین ہوں۔

اس نے جواب دیا وہ تیری ہے مگر ایک شرط کے ساتھ۔ میں نے پوچھا وہ کیا شرط ہے؟ اس نے کہا اگر تو ایک مہینے میرے ہاں ٹھہر جائے' تو کنیز اس کے لباس اور زیور سب تیرے ہیں۔ میں نے کہا میں اس کے لئے تیار ہوں۔ قصہ مختصر ایک مہینے تک میں اس کے ہاں ٹھہرا اور کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوئی کہ میں کہاں ہوں۔

خلیفہ جا بجا مجھے تلاش کراتا اور میرا پتہ نہ چلتا۔ جب مہینہ پورا ہو گیا تو اس نے کنیز اور اس کی تمام قیمتی چیزیں میرے حوالے کر دیں۔ اس کے علاوہ ایک اور لونڈی مجھے عطا کی۔ میں ان سب کو لے کر اپنے گھر پہنچا اور کنیز کے ملنے کی مجھے اتنی خوشی ہوئی گویا ساری دنیا مل گئی۔ اب میں فوراً سوار ہو کر مامون کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سامنے پہنچا تو اس نے کہا کم بخت اسحٰق تو کہاں تھا؟ میں نے اسے ساری داستان سنائی تو وہ بولا اس شخص کو ابھی میرے پاس لا۔ میں نے اس کے گھر کا پتہ بتایا۔ خلیفہ نے اسے طلب کیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو خلیفہ نے اس سے سارا قصہ پوچھا۔ اس نے بیان کیا۔ خلیفہ نے کہا تو با مروت شخص ہے' مناسب ہے کہ تیری اس خوبی کی وجہ سے تیری مدد کی جائے۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ اسے ایک لاکھ درہم دیئے جائیں اور مجھ سے کہا اے اسحٰق کنیز کو حاضر کر۔ میں نے حاضر کیا اور اس نے گا کر خلیفہ کو بہت خوش کیا۔ مجھے بھی بہت مسرت ہوئی۔ خلیفہ نے کہا کہ وہ ہر جمعرات کو یہاں آ کر پردے کے پیچھے سے گایا کرے اور اسے پچاس ہزار درہم عطا کیے۔ کنیز نے بھی فائدہ اٹھایا اور میں بھی مزے میں رہا۔

○ تین جنازوں کی کہانی

عتبی کا بیان ہے کہ ایک روز میں پڑھے لکھے آدمیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ادھر ادھر کے قصے ہو رہے تھے کہ یک بیک عاشقوں کی کہانیاں ہونے لگیں اور ہر ایک نے کوئی نہ کوئی افسانہ سنایا یہاں تک کہ جتنی باتیں یاد تھیں ختم ہو گئیں۔ اس مجمعے میں ایک بڈھا بھی تھا' جب سب لوگ اپنی اپنی داستانیں سنا چکے تو وہ بولا میں بھی تمہیں ایک قصہ سناتا ہوں' ایسا تم نے کبھی نہ سنا ہو گا۔ ہم نے کہا سنا' اس نے کہا سنو میری ایک بیٹی تھی۔ وہ ایک جوان کی محبت میں مبتلا ہو گئی۔ جوان ایک مغنیہ کنیز پر

عاشق تھا اور کنیز میری بیٹی کو بہت چاہتی تھی لیکن ان باتوں کے ہمیں کچھ پتے نہ تھے۔
ایک دن میرا جانا ایک مجلس میں ہوا جہاں وہ جوان بھی تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی

○○○

• چار سو دسویں رات

چار سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بوڑھے نے کہا ایک دن میں ایک مجلس میں گیا جہاں وہ جوان اور مغنیہ دونوں موجود تھے۔ جب کنیز نے گانا سنایا تو جوان نے کہا واللہ اے میری آقا' کیا خوب! تیری اجازت ہے کہ میں جان دے دوں؟ کنیز بولی ہاں پردے کے پیچھے بشرطیکہ تو عاشق ہے۔ جوان نے ایک تکیے پر سر رکھ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اتنے میں شراب کا دور اس تک پہنچا تو ہم نے اسے ہلایا مگر وہ مر چکا تھا۔ اب ہم سب اس کے آس پاس جمع ہو گئے اور ہمارا مزہ کرکرا ہو گیا۔ ہم بہت غمگین ہوئے اور فوراً مجلس برخاست کر دی۔ میں گھر پہنچا تو لوگوں کو تعجب ہوا کیونکہ میں وقت سے پہلے آ گیا تھا۔ میں نے ان سے جوان کا قصہ بیان کیا تا کہ انہیں تعجب ہو۔ میری بیٹی نے مجھے یہ کہتے سنا تو وہ میرے پاس سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں بھی اس کمرے میں گیا' دیکھا کہ وہ بھی اسی طرح تکیے پر سر رکھے پڑی ہے جیسا کہ جوان کے متعلق بیان کیا جا چکا ہے۔ میں نے اسے جنبش دی تو وہ بھی مردہ تھی ہم اس کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے اور دوسری صبح کو اس کا جنازہ نکلا اسی وقت جوان کا بھی جنازہ نکلا۔ ہم قبرستان کی طرف جا ہی رہے تھے کہ ہمیں ایک تیسرا جنازہ ملا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ اس کنیز کا جنازہ ہے۔ اسے میری بیٹی کے مرنے کی خبر ملی تو اس نے بھی وہی کیا جو میری بیٹی نے کیا تھا اور مر گئی۔ ہم نے تینوں کو ایک ساتھ دفن کیا۔ اس سے زیادہ عجیب و غریب قصہ عاشقوں کا سننے میں نہیں آیا۔

○ عاشق معشوق کے ایک ساتھ جان دے دینے کی کہانی

قاسم بن عدی سے بنو تمیم کے ایک شخص نے روایت کی کہ میں اپنی ایک گمشدہ اونٹنی کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے بنو طے کے ایک تالاب پر پہنچا۔ دیکھا کہ دو فریق پاس کھڑے ہیں۔ دونوں کی زبان ایک سی ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ایک فریق کے ساتھ ایک جوان ہے جو بیماری سے کمزور ہو کر سوکھی کھال کی طرح ہو گیا ہے اور عشقیہ اشعار پڑھ رہا ہے۔ جب دوسرے فریق کی ایک لڑکی نے اس کے اشعار سنے تو وہ نکل کر اس کی طرف چلی۔ اس کے ساتھیوں نے پیچھے دوڑ کر روکنا چاہا اور وہ ان سے لڑنے جھگڑنے لگی۔ جوان نے جو یہ دیکھا تو وہ بھی اس کی طرف دوڑا مگر اس کے گروہ والوں نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔ ادھر وہ جوان اپنے آپ کو ان سے چھڑانے لگا ادھر وہ لڑکی یہاں تک کہ دونوں اپنے آپ کو چھڑا کر ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ دونوں فریقوں کے سامنے گلے لپٹ گئے اور مر کر گر پڑے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو گیارہویں رات

چار سو گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکا اور لڑکی دونوں مر کر گر گئے۔ اب خیموں میں سے ایک بوڑھا نکلا اور ان دونوں کے پاس کھڑے ہو کر اس نے اناللہ و انا الیہ راجعون۔ پڑھا' زور زور سے رونے لگا اور بولا خدا تم دونوں پر رحم کرے! خدا کی قسم تم زندگی میں ایک ساتھ نہ ہو سکے تو مرنے کے بعد تم دونوں کو ملا دوں گا۔ پھر اس نے کہا کہ ان دونوں کی تجہیز و تکفین کی جائے۔ دونوں کو غسل دے کر ایک کفن میں لپیٹا۔ ان کے لئے ایک ہی قبر کھودی گئی اور لوگوں نے دونوں جنازوں کی ایک ساتھ نماز پڑھ کر انہیں ایک ہی قبر میں دفن کیا۔ دونوں فریقوں میں کوئی مرد عورت ایسا نہ تھا جو ان پر روتا اور منہ نہ پیٹتا ہو۔ میں نے دونوں کے متعلق بوڑھے سے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ میری بیٹی ہے اور وہ میرا بھتیجا ہے۔ ان کی محبت اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ تو نے خود دیکھ لیا۔ میں نے کہا خدا تجھے نیکی دے! تو نے ان کی شادی آپس میں کیوں نہ کر دی؟ وہ بولا کہ مجھے بدنامی اور فضیحت کا ڈر تھا لیکن وہی ہو کر رہا۔ یہ بھی عاشقوں کی عجیب و غریب کہانی ہے۔

○ مجنون عاشق کی کہانی

ابو العباس مبرو بیان کرتا ہے کہ ایک بار میں چند ہمراہیوں کو لے کر ڈاک کے ساتھ کسی کام کے لئے جا رہا تھا۔ ہمارا گزر دہر ہر قل کی طر سے ہوا اور ہم اس کے سائے میں ستانے کے لئے ٹھہر گئے۔ ایک شخص نے ہمارے پاس آ کر کہا کہ دیر میں چند مجنون ہیں' ان میں سے ایک شخص بڑی حکمت کی باتیں کرتا ہے۔ اگر تم اسے دیکھو تو اس کی باتوں پر تمہیں بڑا تعجب ہو گا۔ ہم سب اٹھ کر دیر میں گئے' دیکھا کہ

ایک شخص سر کھولے ایک کمرے میں بوریئے پر بیٹھا ہوا ہے اور دیوار کی طرف اس کی نظر ہے۔ ہم نے اسے سلام کیا' اس نے بغیر ہماری طرف دیکھے سلام کا جواب دیا۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ کوئی شعر پڑھ۔ جب وہ شعر سنتا ہے تو باتیں کرتا ہے۔ میں نے شعر پڑھے تو اس نے بھی اشعار سے جواب دیا اور پوچھنے لگا کہ میں نے اچھے شعر پڑھے ہیں یا برے؟ ہم نے کہا تو نے برے شعر نہیں پڑھے ہیں بلکہ اچھے اور عمدہ۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ ایک پتھر کی طرف بڑھایا جو اس کے قریب پڑا ہوا تھا اسے اٹھا لیا۔ یہ خیال کر کے وہ پتھر ہماری طرف مارے گا ہم اس کے پاس سے بھاگے لیکن وہ اس پتھر کو اپنے سینے پر زور زور سے مارنے لگا اور کہا ڈرو نہیں' میرے پاس آؤ۔ جب ہم اس کے پاس گئے تو اس نے مجھ سے کہا تجھے احباب کا حال معلوم ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں' وہ فوت ہو چکے ہیں' خدا ان پر رحم کرے! یہ سن کر اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ جھٹ اٹھ کھڑا ہو اور کہنے لگا تجھے ان کی موت کا علم کیونکر ہوا؟ میں نے کہا اگر وہ زندہ ہوتے تو تجھے اس طرح نہ چھوڑتے۔ وہ بولا واللہ تو سچ کہتا ہے' ان کے بعد اب میں بھی زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر وہ کانپنے لگا اور منہ کے بل گر پڑا۔ ہم نے آگے بڑھ کر اسے ہلایا تو وہ مر چکا تھا' خدا اس پر رحم کرے! ہمیں بڑی حیرت ہوئی اور ہم نے بڑا افسوس کیا اور اس کی تجہیز و تکفین کر کے اسے دفن کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو بارہویں رات

چار سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مبرو کا بیان ہے کہ وہ شخص مر کر گر گیا تو ہمیں بڑا افسوس ہوا اور ہم نے اس کی تجہیز و تکفین کر کے اسے دفن کیا۔ جب میں بغداد واپس آیا اور متوکل کے پاس گیا تو اس نے دیکھا میرے چہرے پر آنسوؤں کے آثار ہیں۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے قصہ سنایا تو اسے بھی بہت افسوس ہوا اور وہ کہنے لگا کہ واللہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تجھے اس پر افسوس نہیں ہوا تو میں تجھے سزا دیتا' اور وہ دن بھر غمگین رہا۔

○ چالیس راہبوں کے مسلمان ہونے کی کہانی

ابو بکر بن محمد انباری کا بیان ہے کہ ایک بار میں انبار سے سفر کر کے عموریہ چلا جو روم کے ملک میں ہے۔ چلتے چلتے ہم دیرالا نوار میں اترے جو عموریہ کے قریب ایک قصبہ ہے۔ دیر کے راہبوں کا رئیس اور اس کا مالک جس کا نام عبد المسیح تھا' آ کر ہمیں دیر کے اندر لے گیا۔ وہاں چالیس راہب تھے' انہوں نے میری بڑی آؤ بھگت کی اور اس رات نہایت عمدہ کھانا کھلایا۔ ان جیسی ریاضت اور عبادت کرتے میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا۔ صبح ہوتے میں وہاں سے آگے روانہ ہوا اور عموریہ میں اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر انبار واپس آیا۔ دوسرے سال جب میں حج کرنے مکے گیا' طواف کر رہا تھا کہ میری نظر عبد المسیح راہب پر پڑی۔ دیکھا وہ اپنے پانچ راہبوں کے ساتھ طواف کر رہا ہے۔ اچھی طرح پہچان گیا تو میں نے اس کے پاس جا کر پوچھا کیا تو عبد المسیح راہب ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں' اب میں عبد اللہ راغب ہوں۔ یہ سن کر میں اس کے سفید بال چومنے اور رونے لگا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حرم کے ایک

طرف لے گیا اور کہا اپنے اسلام لانے کا سبب بتا۔ وہ بولا یہ بھی عجیب و غریب واقعہ ہے۔ سن' ایک بار مسلمانوں زاہدوں کی ایک جماعت اس قصبے کی طرف سے گزری جہاں ہمارا دیر تھا۔ انہوں نے ایک جوان کو کھانا خریدنے کے لئے بھیجا۔ بازار میں اس کی نظر ایک عیسائی عورت پڑی جو روٹیاں بیچتی تھی اور جس کا ناک نقشہ نہایت خوب صورت تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ جوان غش کھا کر منہ کے بل گر پڑا۔ ہوش آیا تو اس نے اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کیا اور کہا تمہارا جہاں جی چاہے جاؤ' میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا۔ انہوں نے اسے لعنت ملامت کی اور بہت سمجھایا بجھایا لیکن اس نے ایک نہ مانی۔ لاچار قافلہ آگے بڑھ گیا اور جوان قصبے میں اس عورت کی دکان کے دروازے پر جا کر بیٹھ گیا۔ عورت نے پوچھا تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا میں تجھ پر عاشق ہوں۔ عورت یہ سنتی ہوئی منہ پھیر کر چل دی' جوان وہیں بیٹھا رہا۔ وہ نہ کھانا کھاتا نہ پانی پیتا بلکہ اس کے منہ کو تکتا رہتا۔ جب تین دن گزر گئے اور جوان اس کے پاس سے نہ ٹلا تو اس نے جا کر اپنے گھر والوں کو خبر دی۔ انہوں نے لڑکوں کو اس کے پیچھے لگا دیا اور لڑکوں نے اسے اتنے پتھر مارے کہ اس کی ہڈیاں پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ سر زخمی ہو گیا مگر وہ پھر بھی نہ ہٹا۔ اب قصبے والوں نے اس کے قتل کی ٹھان لی۔ ان میں سے ایک شخص نے مجھے آ کر خبر دی۔ میں اس کے پاس گیا' دیکھا کہ وہ زمین پر پڑا ہوا ہے۔ میں نے اس کے چہرے سے خون پونچھا اور دیر میں لے جا کر اس کی دوا دارو کی۔ چودہ دن کے بعد وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو دیر سے نکلا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو تیرھویں رات

چار سو تیرھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ راہب عبداللہ نے کہا کہ چودہ دن کے بعد وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو دیر سے نکل کر لڑکی کی دکان کے دروازے پر جا بیٹھا اور اسے دیکھنے لگا۔ لڑکی کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس کے پاس آ کر کہنے لگی خدا کی قسم مجھے تجھ پر رحم آتا ہے' اگر تو میرا دین قبول کر لے تو میں تجھ سے نکاح کر لوں گی۔ اس نے جواب دیا خدا نہ کرے کہ میں توحید کے دین کو چھوڑ کر شرک کے دین میں داخل ہوں! لڑکی نے کہا اچھا میرے گھر چل اور اپنی مراد پوری کر کے چلتا بن۔ جوان نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ایک لمحے کی شہوت کے لئے بارہ برس کی عبادت کو ضائع کروں۔ لڑکی بولی تو پھر دور ہو۔ جوان نے جواب دیا میرا دل نہیں مانتا۔ وہ منہ پھیر کر چلتی ہوئی۔ لڑکے سمجھ گئے اور اسے پتھر مارنے شروع کر دیئے۔ جوان منہ کے بل گر پڑا اور کہنے لگا میرا سرپرست اللہ ہے جس نے قرآن نازل کیا اور جو تمام نیک بندوں کا سر پرست ہے۔

میں نے دیر سے نکل کر لڑکوں کو بھگایا' اس کا سر زمین سے اٹھایا اور اسے یہ کہتے سنا خدا وندا' مجھے اس سے جنت میں ملا میں اسے اٹھا کر دیر کو روانہ ہوا لیکن وہاں پہنچتے پہنچتے اس کا دم نکل گیا۔ اب میں اسے گاؤں کے باہر لے گیا اور قبر کھود کر دفن کیا۔ آدھی رات ہوئی تو وہ عورت اپنے بچھونے میں لیٹے لیٹے چیخیں مارنے لگی۔ سارے گاؤں والے جمع ہو گئے۔ سبب پوچھا۔ اس نے کہا سوتے سوتے میں نے خواب میں دیکھا کہ وہی مسلمان میرے پاس آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر جنت کی طرف لے چلا۔ میں اس کے ساتھ جنت کے دروازے پر پہنچی تو دربان نے مجھے اندر جانے سے روکا اور کہا جنت کافروں پر حرام ہے۔ یہ سن کر میں اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی۔ اس کے ساتھ اندر گئی اور اس میں ایسے ایسے محل اور درخت دیکھے جن کی تعریف میں تمہارے آگے

نہیں کر سکتی۔ وہ مجھے ایک ہیرے کے محل میں لے گیا اور کہا یہ محل میرے اور تیرے لئے ہے۔ میں اس کے اندر تیرے بغیر نہیں جاؤں گا۔ پانچ دن کے بعد تو انشاء اللہ میرے ساتھ محل میں ہو گی۔ یہ کہہ کر اس نے ایک درخت کی طرف ہاتھ بڑھایا جو اس محل کے دروازے پر تھا اور اس میں سے دو سیب توڑ کر مجھے دیئے اور کہنے لگا ایک کو تو خود کھالے اور دوسرے کو رکھ لے جب تو اس راہب کو دیکھیو تو اسے دے دیجیو۔ چنانچہ ایک سیب میں نے کھا لیا' اس سے بہتر میری نظر سے کبھی نہ گزرا ہو گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چودھویں رات

چار سو چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عورت نے کہا کہ اس سے اچھا میری نظر سے کبھی نہ گزرا ہو گا۔ اس کے بعد وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے باہر لایا اور میرے گھر تک پہنچا گیا۔ میں جاگی تو سیب کا مزہ میرے منہ میں باقی تھا اور دوسرا میرے پاس۔ میں نے وہ سیب نکالا تو اندھیری رات میں وہ ایسا چمکتا تھا جیسے روشن تارا۔ جب وہ سیب کو لے کر لوگوں کے ساتھ میرے پاس آئی تو اس نے سارا ماجرا بیان کیا اور سیب مجھے دے دیا۔ میں نے دنیا کے پھلوں میں اس جیسا کبھی نہ دیکھا تھا۔ میں نے چھری سے کر اس کے اتنے ٹکڑے کئے جتنے کہ میرے ساتھ تھے۔ اس کا ذائقہ اور خوشبو اللہ اکبر! لوگ آپس میں کہنے لگے ہو نہ ہو شیطان اس ذریعے سے عورت کو بہکانا چاہتا ہے۔ اور اس کے گھر والے اسے لے کر چل دیئے مگر اس نے نہ کھانا کھایا نہ پانی پیا۔ پانچویں دن بچھونے سے اٹھی' گھر سے نکل کر اس مسلمان کی قبر پر پہنچی اور اس پر گر پڑی۔ اس کی روح پرواز کر گئی کسی کو خبر نہ ہوئی۔ سویرا ہوا تو دو مسلمان بوڑھے اونی کپڑے پہنے گاؤں میں آئے۔ ان کے ساتھ اسی ہیئت کی دو عورتیں تھیں۔ انہوں نے کہا اے گاؤں والو! تمہارے ہاں خدا کے برگزیدہ لوگوں میں سے ایک عورت ہے اور بجائے تمہارے ہم اس کے متولی ہیں۔ گاؤں والوں نے اسے ڈھونڈا تو وہ قبر پر مردہ ملی۔ لوگوں نے کہا یہ ہماری ہے' ہمارے دین پر مری ہے اور ہم اس کے والی وارث ہیں۔ بوڑھوں نے کہا نہیں بلکہ وہ مسلمان مری ہے اور ہم اس کے والی ہیں۔ اب فریقین میں سخت جھگڑا ہونے لگا۔

فساد بڑھ چلا تو ایک بوڑھے نے کہا اس کے مسلمان ہونے کی یہ دلیل ہے کہ چالیس راہب مل کر اسے قبر پر سے اٹھائیں' اگر انہوں نے اٹھا لیا تو وہ عیسائی ہے اور اگر نہ اٹھا سکے تو ہم میں سے ایک شخص آگے بڑھ کر اسے کھینچے گا' اگر وہ اس کے ساتھ

آ گئی تو مسلمان ہے۔ اس بات کو گاؤں والوں نے مان لیا اور چالیس راہب مل کر اس کے پاس آئے کہ اسے اٹھا لے جائیں لیکن نہ لے جا سکے۔ اس کے بعد ہم نے لڑکی کی کمر میں رسی باندھ کر کھینچا' رسی ٹوٹ گئی اور اسے جنبش تک نہ ہوئی' پھر تمام گاؤں والوں نے مل کر یہی کیا' وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔ جب ہم ساری ترکیبیں کر کے تھک گئے تو ہم نے ایک بوڑھے سے کہا اب تو آگے بڑھ کر اسے اٹھا۔ بوڑھا آگے بڑھا اور اسے اپنی چادر میں لپیٹ کر کہا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وعلی ملتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسے اپنی گود میں اٹھا لیا۔ وہ دونوں اسے لے کر ایک غار میں گئے جو پاس ہی تھا' وہاں اتارا۔ دونوں عورتوں نے آ کر اسے غسل دیا' کفن پہنایا' پھر دونوں بوڑھوں نے اس کے جنازے کی نماز پڑھی اور مسلمان کی قبر کے پہلو میں دفن کر کے چلے گئے۔ یہ تمام باتیں ہماری آنکھوں کے سامنے ہوئیں۔ اس کے بعد جب ہم تنہا ہوئے تو آپس میں کہنے لگے سچائی ہی اس قابل ہے کہ اس کی پیروی کی جائے' سچائی کا اب ہم نے آنکھ سے مشاہدہ کر لیا ہے اور اسلام کی سچائی کی دلیل اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی جو ہماری آنکھوں کے سامنے سے گزری ہے۔ چنانچہ میں اور سارے دیر کے راہب مسلمان ہو گئے اور علی ہذا القیاس تمام گاؤں والے۔ پھر ہم نے عراق سے ایک فقیہہ بلوایا تا کہ وہ ہمیں اسلام کے ارکان اور دین کے احکام سکھائے۔ وہاں سے ایک پارسا فقیہہ آیا اور اس نے ہمیں نماز اور اسلام کے احکام سکھائے۔ اب ہم پر خدا کی بڑی مہربانی ہے ہم اس کی تعریف کرتے اور اس کے شکر گزار ہیں۔

○ ابو عیسیٰ بن الرشید کے عشق اور علی بن ہشام کی دریا دلی کی کہانی

عمرو بن مسعدہ روایت کرتا ہے کہ ابو عیسیٰ جسے ہارون الرشید کا بیٹا اور مامون کا بھائی کہتے ہیں' علی بن ہشام کی کنیزہ قرہ العین پر عاشق تھا اور وہ بھی اس سے محبت کرتی تھی۔ ابو عیسیٰ اپنی محبت پوشیدہ رکھتا' کسی کے آگے اپنا درد بیان نہ کرتا اس لئے کسی

کو اس کا بھید معلوم نہ تھا۔ یہ وجہ تھی کہ اس کے غرور اور انانیت کی۔ اس نے طرح طرح کی تدبیریں کیں کہ کنیز کو اس کے مالک سے خرید لے لیکن ناکام رہا۔ جب وہ بالکل مایوس ہو گیا' محبت زور پکڑتی چلی گئی اور کوئی تدبیر بن نہ آئی تو وہ حج کے دن مامون کے پاس پہنچا۔ سب لوگ اٹھ گئے تو اس نے کہا اے امیر المومنین' کاش تو آج اپنا دل بہلائے اور لوگوں کے پاس ان کی بے خبری میں پہنچ جائے کہ تجھے معلوم ہو کہ ان میں سے کوئی سخی ہے اور کس درجے اور ہمت کا آدمی ہے۔ ان باتوں سے ابو عیسیٰ کا محض یہ مقصد تھا کہ وہ قرۃ العین کے ساتھ اس کے مالک کے مکان میں ہم صحبت ہو۔ مامون نے جواب دیا تیرا کہنا ٹھیک ہے اور حکم دیا کہ اس کی طیار نامی کشتی تیار کی جائے۔ کشتی تیار کر کے لائی گئی اور وہ اپنے مصاحبوں کو لے کر سوار ہو گیا۔ پہلا محل جو سامنے آیا حمید الطویل طوسی کا تھا وہ سب بغیر خبر کئے اس کے محل میں داخل ہو گئے۔ دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو پندرہویں رات

جب چار سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مامون اور اس کے مصاحبوں نے دیکھا کہ حمید طوسی بوریے پر بیٹھا ہوا ہے' گویے عود اور نفریاں لئے اس کے سامنے گا بجا رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد مامون کے آگے کھانا پیش کیا گیا جس میں چوپاؤں کا گوشت تھا مگر پرندوں کا بالکل نہ تھا۔ اس لئے مامون نے اس میں سے کچھ نہ کھایا۔ ابو عیسیٰ نے کہا اے امیر المومنین' ہم اس جگہ بے خبر کئے آ گئے ہیں اور مکان والے کو تیرے آنے کا بالکل علم نہ تھا لہٰذا ایسی جگہ چل جہاں تیری شان کے لائق مجلس تیار کی گئی ہو۔

خلیفہ اپنے مصاحبوں اور اپنے بھائی ابو عیسیٰ کو لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور سب کے سب علی بن ہشام کے گھر پہنچے۔ جب اسے ان کے آنے کی خبر ملی تو اس نے بہت عمدہ طریقے سے ان کا خیر مقدم کیا۔ خلیفہ کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور ان کو لئے ہوئے محل کے اندر گیا۔ ایک کمرہ کھولا جس سے زیادہ خوب صورت کسی کی نظر سے نہ گزرا ہو گا۔ اس کی زمین' ستون اور دیواریں طرح طرح کے مرمر کی تھیں۔ ان پر رومی مینا کاری تھی اور سندھی قالینیں بچھی ہوئی جن پر بصری فرش تھا۔ فرش کی لمبائی چوڑائی کمرے کے برابر تھی۔ مامون بیٹھ کر تھوڑی دیر تک کمرے اور چھت اور دیواروں کو غور سے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے کہا ہمارے لئے کھانا لا۔ میزبان نے فوراً تقریباً سو قسم کے پرندوں کا گوشت پیش کیا' علاوہ بریں دوسرے گوشت' ثرید' قورمے اور ٹھنڈائیاں۔ کھانے سے فارغ ہو کر مامون نے کہا اے علی' اب کچھ پلا' اس نے سونے چاندی اور بلور کے برتنوں میں سہ آتشہ نبیذ پیش کی جس میں پھل اور خوشبو دار جڑی بوٹیاں پڑی ہوئی تھیں اور جس کے ساقی چاند سے خوب صورت لڑکے تھے۔ ان کا لباس اسکندری تھا جس پر سونے کا کام تھا۔ ان کے سینوں پر بلور کی صراحیاں تھیں

جن میں مشک آمیز گلاب کا عرق۔
یہ تمام چیزیں دیکھ کر مامون دنگ رہ گیا اور آواز دی اے ابو الحسن! وہ دوڑ کر فرش کے پاس پہنچا اور اسے بوسے دے کر خلیفہ کے آگے کھڑا ہو گیا۔ عرض کیا امیر المومنین' میں حاضر ہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ سرور لانے والے گیت سنوا۔ اس نے اپنے ایک ملازم کو حکم دیا کہ گانے والی کنیزوں کو حاضر کر۔ ملازم بسر و چشم کہہ کر چل دیا اور تھوڑی دیر کے بعد دس خادموں کو لے کر لوٹا جن کے ہاتھوں میں دس سونے کی کرسیاں تھیں۔ کرسیاں بچھا دی گئیں۔ پھر دس کنیزیں آئیں جو چاند کی طرح خوب صورت اور باغوں کی طرح شگفتہ تھیں۔ ان کی پوشاکیں سیاہ اطلس کی اور ان کے سروں پر سونے کے تاج تھے۔ وہ آ کر کرسیوں پر بیٹھ گئیں اور طرح طرح کے راگ گانے لگیں۔ مامون نے ایک کنیز کی طرف دیکھا جو اسے بہت پیاری معلوم ہوئی اور اس سے پوچھا اے کنیز' تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا اے امیر المومنین' سجاح۔ خلیفہ نے کہا اے سجاح' کچھ سنا۔ اس نے کئی راگ گا کر سنائے۔ مامون نے کہا اے کنیز' کیا خوب گایا! یہ اشعار کس کے ہیں؟ اس نے جواب دیا عمرو بن معدیکرب کے اور موسیقی معبد کی۔ اس کے بعد مامون اور ابو عیسیٰ اور علی بن ہشام پھر پینے لگے۔ وہ کنیزیں رخصت ہو گئیں اور دوسری دس کنیزیں آئیں۔ ان کے لباس یمنی تھے جو سونے کے کلابتون سے بنے ہوئے تھے۔ وہ بھی کرسیوں پر بیٹھ کر طرح طرح کے راگ گانے لگیں۔ اب مامون کی نظر ایک کنیز پر پڑی جو ریگستانی نیل گائے کی طرح تھی۔ اس سے نام پوچھا اس نے کہا اے امیر المومنین' میرا نام ظبیہ ہے۔ خلیفہ نے کہا اے ظبیہ' اب تو کچھ گا کر ہمیں سنا۔ اس نے گا کر سنایا۔ وہ گا چکی تو مامون نے کہا ماشاء اللہ تو نے کیا خوب گایا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو سولھویں رات

جب چار سو سولھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مامون کہنے لگا ماشاء اللہ تو نے کیا خوب گایا! یہ شعر کس کے ہیں؟ اس نے جواب دیا جریر کے اور موسیقی اب سریج کی۔ پھر مامون اور اس کے ساتھی پینے میں مشغول ہو گئے اور کنیزیں رخصت ہو گئیں اور ان کے بعد دس اور کنیزیں آئیں جو یاقوت کی طرح تھیں۔ ان کا لباس سرخ اطلس کا تھا۔ سنہری کام سے مزین' موتی اور جواہرت ٹنکے ہوئے اور ان کے سر کھلے ہوئے تھے۔ وہ کرسیوں پر بیٹھ کر طرح طرح کے راگ گانے لگیں۔ مامون نے ان میں سے ایک کنیز کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا جو سورج کی طرح خوب صورت تھی۔ اس سے کہا اے کنیز' تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ فاتن' اے امیر المومنین۔ خلیفہ نے کہا اے فاتن' تو کچھ گا کر ہمیں سنا اور اس نے گانا شروع کیا۔ خلیفہ نے کہا سبحان اللہ' اے فاتن! یہ اشعار کس کے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ عدی بن زید کے اور انداز پرانا ہے۔ اب پھر مامون اور ابو عیسیٰ اور علی بن ہشام شراب نوشی کرنے لگے۔ کنیزیں چلی گئیں اور دوسری دس کنیزیں آئیں جو موتیوں کی طرح پیاری تھیں۔ ان کے لباس پر سرخ سونے کے بیل بوٹے تھے اور کمروں سے پٹیاں بندھی ہوئی تھیں جن میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ وہ کرسیوں پر بیٹھ گئیں اور طرح طرح کے راگ گانے لگیں۔ مامون کی نظر ان میں بھی ایک کنیز پر پڑی جو بید کی چھڑی کی طرح تھی۔ اس سے پوچھا اے کنیز تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا: اے امیر المومنین' میرا نام رشا ہے۔ خلیفہ نے کہا: اے رشا! ہمیں کچھ گا کر سنا۔ اس نے گانا شروع کیا۔ مامون نے کہا: اے کنیز! کیا خوب! اور سنا۔ کنیز نے اٹھ کر اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور پھر گانے لگی۔ اس پر مامون کو وجد آ گیا۔ جب کنیز نے اسے وجد میں دیکھا تو وہ اسی راگ کو بار بار گانے لگی۔ اس

کے بعد مامون نے کہا:طیار لاؤ' اس کا ارادہ تھا کہ سوار ہو کر رخصت ہو جائے لیکن علی بن ہشام نے اٹھ کر کہا: اے امیر المومنین! میرے پاس اور ایک کنیز ہے جو میں نے دس ہزار دینار کو مول لی ہے۔ وہ میرے دل پر بالکل حاوی ہے' میں چاہتا ہوں کہ اسے امیر المومنین کے سامنے پیش کروں اور اگر تجھے پسند آئے اور تو اسے منظور کرے تو تیری نذر ہے ورنہ اس کا گانا ہی سن لے۔ خلیفہ نے کہا: اچھا اسے بلا۔ چنانچہ ایک کنیز نکلی جو بید کی چھڑ کی طرح تھی۔ اس کی آنکھیں فتنہ تھیں اور بھویں کمان۔ اس کے کے نیچے ایک فیتے پر یہ شعر لکھا ہوا تھا: "یا تو وہ خود پری ہے یا اس کے قبضے میں کوئی جن ہے جس نے ایسی کمان سے لوگوں کے دلوں پر تیر چلانا سکھایا ہے جس کا چلہ نہیں۔" یہ کنیز غزال کی طرح اٹھلاتی ہوئی آئی جس سے عبادت گزاروں کی توبہ ٹوٹ جائے اور آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو سترہویں رات

جب چار سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہادبادشاہ! کنیز آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ مامون نے اسے دیکھا تو حیرت میں آ گیا اور ابو عیسٰی کے دل میں ایک تیر سا لگا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ مامون نے کہا اے ابو عیسٰی تیرا کیا حال ہوا؟ اس نے کہا اے امیر المومنین' مجھے کبھی کبھی دورہ پڑ جاتا ہے۔ خلیفہ نے پوچھا کیا تو اس لڑکی کو پہلے سے جانتا ہے؟ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین' ہاں۔ چاند کہیں چھپ سکتا ہے۔ مامون نے کنیز سے پوچھا تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین' میرا نام قرہ العین ہے۔ خلیفہ بولا اے قرہ العین کچھ گا کر سنا۔ اس نے گانا شروع کیا۔ خلیفہ نے کہا شاباش! یہ اشعار کس کے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ دعبل خزاعی کے اور راگ چھوٹے زر زور کا ہے۔ ابو عیسٰی نے اس کی طرف دیکھا اور آنسوؤں سے اس کا گلا گھٹنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام مجلس والے حیران ہو گئے۔ کنیز نے مامون کی طرف مخاطب ہو کر عرض کیا کہ اے امیر المومنین' اگر اجازت ہو تو کچھ اور سناؤں۔ مامون نے کہا کہ جو تیرا جی چاہے گا۔ جب وہ گا چکی تو ابو عیسٰی نے کہا کہ اے امیر المومنین ------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چار سو اٹھارہویں رات

جب چار سو اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب قرہ العین گا چکی تو ابن عیسیٰ نے کہا کہ اے امیر الومینین اوکھلی میں دیا سر تو موسلوں

کا کیا ڈر۔ اگر اجازت ہو تو میں بھی کچھ سناؤں۔ خلیفہ نے کہا ہاں جو تیرا جی چاہے سنا۔ ابو عیسیٰ نے آنسو ضبط کر کے گانا شروع کیا۔ اس کے بعد قرہ العین نے عود لے کر ایسے راگ بجائے کہ لوگوں کو وجد آ گیا۔ قرہ العین بجا چکی تو ابو عیسیٰ رونے اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگا۔ علی بن ہشام کو سارا ماجرا معلوم ہو گیا تو اس نے اٹھ کر ابو عیسیٰ کے قدم چومے اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا' خدا نے تیری دعا قبول کر لی۔ تیری مناجات سن لی اور تجھے اجازت دے دی کہ تو اسے مع اس کی تمام قیمتی چیزوں کے' لے جائے بشرطیکہ امیر المومنین اسے لینا نہ چاہتا ہو۔ مامون نے کہا کہ اگر مجھے اس کی خواہش بھی ہوتی تو میں اپنی ذات پر ابو عیسیٰ کو ترجیح دیتا اور مقصد بر آری میں اس کی مدد کرتا۔ یہ کہہ کر مامون اٹھ کھڑا ہوا۔ طیار میں سوار ہو گیا اور ابو عیسیٰ کو پیچھے چھوڑ دیا تا کہ وہ قرہ العین کو لے کر آئے' چنانچہ ابو عیسیٰ کنیز کو لے کر خوش خوش اپنے گھر سدھارا۔ یہ تھی دیا دلی علی بن ہشام کی۔

○ امین اور اس کے چچا ابراہیم کی کہانی

ایک روز مامون کا بھائی امین اپنے چچا ابراہیم بن مہدی کے گھر گیا۔ دیکھا کہ ایک نہایت حسین کنیز عود بجا رہی ہے۔ امین کا دل اس پر آ گیا۔ ابراہیم کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے کنیز کو مع اس کے نفیس پوشاکوں اور قیمتی جواہرات کے امین کے ہاں بھیج دیا۔ امین کو یہ گمان ہوا کہ اس کا چچا ابراہیم کنیز کے ساتھ ہم بستر ہو چکا ہے اور

اسے اپنے تصرف میں لانا پسند نہ کیا۔ وہ ہدیئے تو قبول کر لئے جو اس کے ساتھ آئے اور کنیز کو واپس کر دیا۔

ابراہیم کو بعض خادموں سے اس بات کا پتہ چل گیا۔ اس نے ایک کار چوبی قمیص پر یہ دو شعر لکھے: "خدا کی قسم! مجھے اس کے دامن کے نیچے بالکل خبر نہیں اور سوا بات چیت اور دیکھنے کے، میں نے اس کے ساتھ کوئی دست درازی نہیں کی۔" قمیص کنیز کو پہنائی اور اس کے ہاتھ میں عود دے کر دوبارہ امین کے پاس بھیجا۔ جب وہ اس کے سامنے حاضر ہوئی تو زمین کو بوسہ دیا اور عود کے تار ملا کر گانے بجانے لگی۔ بجا چکی تو امین کی نظر اس کی قمیص پر پڑی اس پر جو لکھا تھا پڑھا اور وہ اپنے آپ کو ضبط نہ کر سکا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو انیسویں رات

چار سو انیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب امین نے کنیز کی قمیص کے دامن پر وہ شعر لکھے ہوئے دیکھے تو اس سے ضبط نہ ہو سکا۔ اس نے قریب جا کر اس کے بوسے لئے۔ ایک محل سرا اس کے لئے مخصوص کر دی۔ اپنے چچا ابراہیم کا بہت شکر گزار ہوا اور رے کی ولایت اسے عطا کر دی۔

○ متوکل علی اللہ اور فتح بن خاقان کی کہانی

ایک بار متوکل بیماری کی حالت میں دوا کا استعمال کر رہا تھا۔ لوگ اس کے پاس طرح طرح کے تحفے اور ہدیئے بھیجتے تھے۔ اسی سلسلے میں فتح بن خاقان نے اس کے لئے ایک باکرہ کنیز بھیجی جس کا سینہ ابھرا ہوا جو بے حد حسین تھی۔ اس کے ہمراہ کچھ بلور کے کوزے بھی بھیجے جن میں سرخ شراب تھی ار ایک سرخ جام جس پر سیاہی سے لکھا ہوا تھا: جب امام صحیح و سالم ہو جائے تو اس کے سوا اور کوئی علاج نہیں کہ اس جام سے شراب پیئے۔ اور اس مہر کو توڑے جو اسے نذر کی جاتی ہے کیونکہ دوا کے بعد اس سے بہتر اور کوئی چیز نہیں۔ جس وقت کنیز مع ان تمام چیزوں کے خلیفہ کے پاس پہنچی تو یوحنا طبیب اس کے پاس موجود تھا۔ جام پر لکھے ہوئے اشعار پڑھ کر ہنسنے لگا اور بولا اے امیر المومنین' خدا کی قسم طب کے فن میں فتح مجھ سے زیادہ ماہر ہے۔ خلیفہ کو اس نسخے سے پرہیز نہ کرنا چاہیے۔ خلیفہ نے طبیب کی رائے مان کر اس دوا کا ویسا ہی استعمال کیا جیسا کے اشعار میں بیان کیا گیا تھا اور خدا نے اسے کامل شفا دی۔

○ ایک واعظہ عورت کی کہانی

ایک فاضل کا بیان ہے کہ میں نے ایک بغدادی واعظہ عورت سیدہ المشائخ نامی سے زیادہ ذہین' حاضر جواب' عالم' طباع اور خلیق نہیں دیکھا وہ ۵۶۱ھ میں حماہ آئی ہوئی تھی۔ کرسی پر بیٹھ کر لوگوں میں نہایت عمدہ وعظ کہتی۔ بہت سے فقیہ' عالم اور ادیب اس کے گھر جا کر فقہی مسائل پر بحث مباحثہ کرتے۔ ایک بار میں اور میرا ایک دوست اس کے ہاں گئے۔ ہم وہاں جا کر بیٹھے تو اس نے ایک سینی پھلوں کی ہمارے سامنے رکھی اور خود جا کر پردے کے پیچھے بیٹھ گئی۔ کھا چکے تو فقہی مسئلوں پر بحث چھڑ گئی اور میں اس سے ایک مسئلے پر الجھ گیا جس میں آئمہ کے درمیان اختلاف تھا۔ اس نے جواب دینا شروع کیا اور میں کان لگا کر سننے لگا۔ اس کا بھائی جس کے حسن کی تعریف نہیں ہو سکتی ہماری خدمت کے لئے کھڑا تھا۔ میرے دوست کی توجہ بحث و مباحثے سے ہٹ کر اس لڑکے کی طرف لگ گئی۔ وہ ٹکٹکی باندھے ہوئے بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ عورت نے بھی پردے کے پیچھے سے یہ سارا ماجرا دیکھ لیا۔ جب وہ اپنی بحث ختم کر چکی تو اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ میرے خیال میں تو مردوں کو عورتوں پر ترجیح دیتا ہے۔ اس نے کہا' ہاں۔ عورت نے پوچھا کیوں؟ اس نے جواب دیا اس لئے کہ خدا نے مرد کو عورت پر ترجیح دی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو بیسویں رات

جب چار سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ شیخ نے کہا اس لئے کہ خدا نے مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے۔ میں فاضل سے محبت کرتا ہوں نہ کہ مفضول سے۔ عورت بولی کیا تو مجھ سے اس مسئلے پر مباحثہ کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔ عورت نے پوچھا تیرے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ مرد کو عورت پر فضیلت ہے؟ اس نے جواب دیا دو طرح کی دلیلیں۔ منقول اور معقول۔ منقول قرآن اور سنت کی بنا پر۔ خدا فرماتا ہے کہ "الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض....." اس کے علاوہ خدا کا ارشاد کہ اگر گواہ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں سہی۔ میراث کے بارے میں حکم ہے کہ اگر بھائی اور بہنیں ہوں تو ایک بھائی کا حصہ دو بہنوں کے برابر۔ ان تمام موقعوں پر خدا نے مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے اور کہا کہ عورت مرد سے آدھی ہے لہٰذا مرد عورت سے افضل ہے۔ اب سنت کو لیجئے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی دیت مرد سے آدھی قرار دی ہے اور معقول دلیل یہ ہے کہ مرد فاعل ہے اور عورت مفعول۔ عورت نے کہا اے میرے آقا خوب کہا! لیکن تو نے اپنی زبان سے اپنے خلاف ثبوت پیش کر دیا اور ایسے دلائل دیئے جو تیرے موافق نہیں بلکہ مخالف ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ خدا نے مرد کو محض مرد ہونے کی وجہ سے عورت پر فضیلت دی۔ اس میں میرے اور تیرے درمیان کوئی اختلاف نہیں مگر مرد ہونے میں بچہ' لڑکا' جوان' ادھیڑ اور بوڑھا سب برابر شامل ہیں اور اس لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں۔ اب چونکہ فضیلت محض مرد ہونے کی وجہ سے ہے اس لئے تیری طبیعت بوڑھے کی طرف بھی ویسی ہی مائل ہونی چاہیے۔ جیسی کہ لڑکے کی طرف کیونکہ مرد ہونے کے لحاظ سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ جو اختلاف میرے اور

تیرے درمیان ہے وہ معاشرت اور مزہ اٹھانے کے لحاظ سے ہے اور اس بارے میں تو نے کوئی دلیل پیش نہ کی۔ جس سے لڑکے کی فضیلت عورت پر ثابت ہو۔ اس نے جواب دیا اے میری آقا' کیا تجھے معلوم نہیں کہ قد و قامت کا اعتدال' رخساروں کا گلابی ہونا' مسکراہٹ کی ملاحت اور شیریں کلامی لڑکے کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس لئے لڑکے اس اعتبار سے عورتوں سے بہتر ہیں۔ اس کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ لڑکوں کو دیر تک نہ دیکھا کرو کیونکہ ان کی نظر میں حوروں کی سی بات پائی جاتی ہے۔ علاوہ بریں لڑکے کی فضیلت لڑکی پر سب لوگ جانتے ہیں۔ شعرا نے اس کا ذکر اپنے کلام میں کیا ہے اور جب کوئی لڑکی کی تعریف بیان کرتا ہے تو اسے لڑکے سے مشابہت دیتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اکیسویں رات

چار سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ شیخ نے کہا جب کوئی لڑکی کی تعریف بیان کرتا ہے تو اسے لڑکے سے تشبیہ دیتا ہے لہٰذا اگر لڑکا افضل نہ ہوتا تو لڑکی کی تشبیہ اس سے نہ دی جاتی اور سن' خدا تیرا بھلا کرے! لڑکا آسانی سے قابو میں آ جاتا ہے اور اس سے جلد مطلب برآری ہوتی ہے' اس کی صحبت اور ناز و انداز بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ زیادہ انکار نہیں کرتا بالخصوص جبکہ اس کے رخساروں پر خط آنے لگتا ہے' مونچھوں کا سبزہ آغاز ہوتا ہے' جوانی کی سرخی اس کے گالوں پر پھرنے لگتی ہے اور وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہو جاتا ہے۔
یہ ہیں خوبیاں لڑکوں کی جو عورتوں کو نہیں دی گئی ہیں اور یہ اس برتری کا کافی ثبوت ہیں جو لڑکوں کو لڑکیوں پر حاصل ہے۔ واعظ نے کہا کہ خدا تجھے معاف کرے! تو مباحثہ کرنے پر تلا ہوا ہے' تو نے بہت سی باتیں بیان کی ہیں اور اپنے دعوے کی دلیلیں بھی پیش کی ہیں لیکن سچائی ظاہر ہونے سے نہیں رہتی۔ اب تو اس سے نہ بھاگیو۔ اگر دلیلوں کو اجمال سے بیان کرنے پر تو قناعت نہ کرے گا تو میں تفصیل کے ساتھ بیان کروں گی۔ خدا کے لئے تو ہی بتا کہ لڑکے کا لڑکی سے کیا مقابلہ' کہاں کوڑا کرکٹ اور کہاں سورج! لڑکی شیریں کلام اور خوبصورت' قد و قامت والی' وہ گویا ریحان کی شاخ ہے' اس کے دانت بابونے کی طرح ہیں' بال باگ کی مانند' رخسار شقائق النعمان جیسے اور چہرہ سیب کی مثل' ہونٹ شراب کا جام' سینہ انار اور شانے شاخوں کی طرح' اس کا قد سڈول ہے جسم بٹا ہوا اور تیزی تلوار جیسی' ماتھا کشادہ' بھوئیں ملی ہوئیں اور آنکھیں کالی کالی' اگر وہ بات کرتی ہے تو اس کے منہ سے پھول جھڑتے ہیں' دل اس کی طرف کھنچ جاتے ہیں اور اگر وہ مسکراتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے

ہونٹوں کے بیچ میں سے چاند چمک رہا ہے' وہ گھورتی ہے تو اس کی آنکھوں سے تلواریں کھنچنے لگتی ہیں۔ اس پر خوبیوں کا خاتمہ ہے۔ مسافر اور مقیم سب اس پر مرتے ہیں۔

اس کے سرخ ہونٹ مکھن سے زیادہ نرم ہیں اور خالص شہد سے زیادہ میٹھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو بائیسویں رات

جب چار سو بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- واعظہ نے کہا کہ اس کے لال لال ہونٹ مکھن سے زیادہ نرم ہیں اور خالص شہد سے زیادہ میٹھے۔

پھر وہ کہنے لگی اس کا سینہ شاہراہ کی طرح ہے اور اس پر دونوں پستان جیسے ہاتھی دانت کی ڈبیا۔ پیٹ تازے پھولوں کی طرح چکنا چپڑا' اس کی شکنیں ایک دوسرے پر پڑی ہوئیں' ملی ہوئی رانیں جیسے موتی کے دو ستون! کولہے بلور کے سمندر یا نور کے پہاڑوں کی طرح مٹکتے ہوئے' دو ہلکے ہلکے پاؤں اور سونے کی ڈھلی ہوئی ڈلیوں جیسی ہتھیلیاں۔ دیکھ اے مسکین' انسان اور جنات میں کتنا تفاوت ہے! تجھے معلوم نہیں کہ بڑے بڑے بادشاہ اور شرفا اور عورتوں کی خوشامد کرتے اور ان کا لطف اٹھاتے ہیں۔ عورتوں کا مقولہ ہے کہ مردوں کی گردنوں کی مالک ہم ہیں اور ہم عقل سلب کر لیتی ہیں۔ عورتوں ہی نے سینکڑوں امیروں کو غریب بنا دیا اور شریفوں کو رذیل کر دیا اور آقاؤں کو نوکر بنا دیا ہے۔ پڑھے لکھوں کو انھوں نے اپنے پھندے میں پھانس لیا' پارساؤں کو رسوا کر دیا' امیروں کو در در بھیک منگوائی اور سعید کو شقی کر دکھایا۔ باوجود ان تمام باتوں کے کوئی عقل مند نہیں جو ان سے روز بروز محبت نہ کرتا ہو' ان کا سکہ نہ مانتا ہو' ان کے آگے سر نہ جھکاتا ہو۔ کتنے بندے ایسے ہوں گے جنھوں نے عورتوں کے لئے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور ماں باپ سے منہ موڑ لیا۔ کیا وجہ؟ ان کی محبت جو دلوں پر چھا جاتی ہے۔ اے مسکین' تجھے معلوم نہیں کہ ان کے لئے محل بنائے جاتے ہیں اور ان کے آگے پردہ گرایا جاتا ہے۔ ان کے لئے کنیزیں مول لی جاتی ہیں اور انہی کے لئے آنسو بہائے جاتے ہیں۔ انہی کے لئے خالص مشک اور زیور اور عنبر خرید کیا جاتا ہے۔ انہی کے لئے فوجیں جمع کی جاتی ہیں۔ جس شخص نے یہ کہا ہے کہ دنیا سے مراد عورتیں ہیں سچ کہا ہے۔

اب رہیں وہ حدیثیں جو تو نے بیان کی ہیں وہ تیرے خلاف ثبوت دیتی ہیں نہ کہ تیرے موافق۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں کہ لڑکوں کی طرف دیر تک نہ دیکھو الخ۔ لڑکوں کو حوروں سے تشبیہہ دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ جس چیز سے کسی کی تشبیہہ دی جائے' وہ چیزیں اس سے بہتر ہوتی ہے۔ اگر عورتیں' افضل اور بہتر نہ ہوتیں تو ان کے ساتھ دوسروں کو تشبیہہ نہ دی جاتی۔ تیرا یہ کہنا کہ لڑکی کی تشبیہہ لڑکے سے دی جاتی ہے' درست نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ لڑکے کی تشبیہہ لڑکی سے دی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں لڑکا ایسا ہے جیسے لڑکی' کمین' فاسق و فاجر جن کی خدا نے مذمت کی ہے لڑکی کو لڑکے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ایسیے لعینوں' گنہگاروں' نفس اور شیطان کی پیروی کرنے والوں کا کیا اعتبار' وہ حق سے دور جا پڑے ہیں اور جو تو نے رخسار کے خط کی خوبی اور مونچھوں کا سبزہ آغاز ہونا بیان کیا ہے کہ اس سے لڑکا زیادہ حسین و جمیل ہو جاتا ہے' غلط ہے اور سچائی سے دور۔ اس سے تو خوبصورتی بد صورتی میں بدل جاتی ہے۔ بعد ازاں واعظہ نے اس شخص سے کہا کہ سبحان اللہ العظیم.....

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو تیئیس ویں رات

جب چار سو تیئیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ واعظہ نے اس شخص سے کہا سبحان اللہ العظیم.... یہ تجھے معلوم نہیں کہ انتہائی درجے کی لذت عورت میں ہے اور بغیر ان کے دیر پا لطف کسی اور چیز میں نہیں آتا۔ اسی وجہ سے خدا نے انبیاء اور اولیا کے لئے جنت میں حوروں کا وعدہ کیا ہے اور نیک کاموں کے بدلے انہیں دیا ہے۔ اگر خدا جانتا کہ ان کے علاوہ اور کسی میں لطف اٹھایا جا سکتا ہے تو وہ ان کے لئے اس کا وعدہ کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا میں سے تین چیزوں کی محبت مجھے دی گئی۔ عورتوں کی' خوشبو کی اور نماز کی جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ لڑکوں کے سپرد تو جنت میں نبیوں اور ولیوں کی خدمت ہے کیونکہ وہ نعمتوں اور مزوں کا گھر ہے جو بغیر لڑکوں کی خدمت کے پوری نہیں ہو سکتیں۔ لیکن خدمت کے علاوہ ان سے کوئی کام لینا زہر ہے اور وبال۔

پھر وہ کہنے لگی اے لوگو' تم نے مجھے حیا اور شرافت کے دائرے سے نکال کر ایسی لغو اور فحش باتوں میں پھنسا دیا جو علما کی شان سے گری ہوئی ہیں لیکن مثل ہے کہ شریفوں کے سینے رازوں کی قبریں ہوتی ہیں اول تو مجلس کی باتیں بطور امانت کے سمجھنی چاہئیں' دوسرے اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ میں خدا سے اپنے اور تمہارے باقی تمام مسلمانوں کے لئے مغفرت کی دعا کرتی ہوں' وہ بڑا غفور اور رحیم ہے۔ یہ کہہ کر وہ چپ ہو گئی۔ اس کے بعد ہماری کسی بات کا جواب نہیں دیا اور ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔

اس کے مناظرے سے جو ہمیں فائدہ پہنچا اس سے ہم خوش تھے اور اس کی جدائی پر ہمیں افسوس ہوا۔

○ ابو سوید اور بڑھیا کی کہانی

ابو سوید کا بیان ہے کہ ایک دن میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کچھ پھل خریدنے ایک باغ میں گیا۔ دیکھا کہ باغ کے اندر ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی ہے جس کا چہرہ نہایت خوبصورت ہے مگر بال سفید ہیں اور وہ ہاتھی دانت کی کنگھی سے کنگھی کر رہی ہے۔ ہم جا کر اس کے پاس کھڑے ہو گئے۔ اس نے خیال بھی نہ کیا کہ کون آیا نہ اپنا سر ڈھانکا۔ میں نے کہا کہ اے بڑھیا' اگر تو اپنے بال کالے رنگ لیتی تو نوجوان لڑکی سے زیاہ خوبصورت ہوتی۔ ایسا تو کیوں نہیں کرتی؟ اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چوبیسویں رات

جب چار سو چوبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابو سوید کہتا ہے جب میں نے بڑھیا سے یہ کہا تو اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور آنکھیں پھاڑ کر یہ اشعار پڑھے: "جب تک زمانہ رنگ لگاتا رہا میں بھی رنگ لگاتی رہی لیکن زمانے کا رنگ برقرار رہا اور میرا رنگ اتر گیا۔" میں نے کہا کہ اے بڑھیا' کیا خوب کہا!

○ علی بن محمد کے کنیز خریدنے کی کہانی

علی بن محمد بن عبد اللہ بن طاہر نے ایک کنیز خریدنے کے لئے بلوائی۔ یہ کنیز فاضلہ' ادیبہ اور شاعرہ تھی۔ علی نے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا' خدا امیر کو عزت بخشے! میرا نام مونس ہے۔ علی کو اس کا نام پہلے سے معلوم تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے علی نے سر جھکا لیا اور پھر سر اٹھا کر یہ شعر پڑھا "اس شخص کے بارے میں تیری کیا رائے ہے جو تیری محبت کی بیماری میں اس قدر گرفتار ہے کہ ششدر ہو گیا ہے؟" کنیز نے کہا خدا امیر کی عزت قائم رکھے! اور یہ شعر پڑھا "جب ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی عاشق عشق کے مرض میں مبتلا ہے تو ہم اس کی دل دہی کرتے ہیں۔" یہ سن کر وہ خوش ہو گیا' اسے ستر ہزار درہم میں خرید لیا اور اس سے عبید اللہ بن محمد پیدا ہوا جس کے بڑے کارنامے ہیں۔

○ علی مصری اور بغداد کے سلطان کی کہانی

قاہرہ میں ایک تاجر رہتا تھا۔ اس کے پاس بے شمار مال و دولت' نقدی' جواہرات' معدنیات اور املاک تھیں۔ اس کا نام حسن جوہری بغدادی تھا۔ خدا نے اسے ایک بیٹا دیا تھا جس کا چہرہ خوبصورت' قد سڈول' رخسار گلابی تھے اور نہایت حسین و جمیل تھا۔ اس نے اس کا نام علی مصری رکھا تھا' اسے قرآن' علوم' فصاحت اور ادب کی اتنی تعلیم دی تھی

کہ وہ ان میں ماہر ہو گیا تھا اور باپ کی نگرانی میں تجارت کرتا تھا۔ جب باپ بیمار پڑا' اس کا حال خراب ہونے لگا اور اسے موت کا یقین آ گیا تو اس نے بیٹے کو بلایا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو پچیسویں رات

چار سو پچیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بغدادی جوہری تاجر بیمار پڑا اور اسے موت کا یقین ہو گیا تو اس نے اپنے بیٹے علی مصری کو بلوایا اور اس سے کہنے لگا' بیٹا دنیا فانی ہے اور آخرت باقیؔ' سب کو ایک نہ ایک روز مرنا ہے۔ بیٹا اب میری موت قریب ہے' میں چاہتا ہوں کہ تجھے وصیت کروں۔ اگر تو نے اس پر عمل کیا تو خدا سے ملنے تک تو نیک بخت اور امن و امان سے رہے گا' اگر تو نے اس پر عمل نہ کیا تو تجھے بڑی مشکلوں کا سامنا ہو گا اور تو میری نصیحت نہ ماننے پر پشیمان ہو گا۔ بیٹے نے کہا' ابا جان یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں تیری نصیحت نہ سنوں اور نہ مانوں کیونکہ تیری فرمانبرداری میرے اوپر فرض ہے اور تیری نصیحت پر عمل کرنا واجب۔

باپ نے کہا کہ بیٹا' میں نے تیرے لئے اتنی املاک' محل اور مال و دولت مہیا کی ہے جس کا حد و حساب نہیں حتیٰ کہ اگر تو ہر روز پانچ سو دینار بھی خرچ کرے تو کچھ کمی نہ ہو گی لیکن بیٹا' خدا سے ڈرتا رہیو اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو نہ چھوڑیو' ان کے اوامر اور نواہی پر عمل درآمد کیجیو' ہمیشہ نیکی کیجیو اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھیو' نیکوں' پارساؤں اور عالموں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رکھیو' فقیروں اور مسکینوں کی خبر گیری کیجیو' بخل اور کنجوسی سے بچیو' شریر اور مشکوک لوگوں کے پاس نہ پھٹکیوں' نوکروں چاکروں اور اہل و عیال کے ساتھ نرمی سے پیش آئیو اور ایسا ہی سلوک اپنی بیوی سے رکھیو کیونکہ وہ بڑے خاندان کی لڑکی ہے اور تجھ سے حاملہ ہے یقین ہے کہ خدا تجھے اس سے نیک اولاد دے گا۔

وہ اسی قسم کی وصیت کرتا' روتا جاتا اور کہتا تھا کہ بیٹا' میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے ہر تکلیف سے بچائے اور آرام سے رکھے۔ یہ سن کر بیٹا زار زار رونے لگا

اور کہا' ابا جان' مجھے ان باتوں سے سخت تکلیف ہوتی ہے تو تو مرنے والے کی سی باتیں کرتا ہے۔ اس نے کہا بیٹا درست ہے' میں اپنے حال سے بخوبی واقف ہوں اس لئے میری وصیت کو نہ بھولیو۔ یہ کہہ کر وہ شہادت کا کلمہ اور قرآن کی آیتیں پڑھنے لگا اور جب مرنے کا وقت آ پہنچا تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا' بیٹا قریب آ۔ جب وہ قریب آیا تو باپ نے اسے بوسے دیئے اس کے آنسو جاری ہو گئے اور روح بدن سے پرواز کر گئی' خدا اس پر رحم کرے! بیٹا نہایت غمزدہ ہوا' گھر میں رونا پیٹنا مچ گیا اور باپ کے دوست آ پہنچے۔ اب اس نے باپ کی تجہیز و تکفین شروع کی' بہت مال لٹایا اور نماز پڑھنے کے لئے جنازہ باہر لے گئے۔ نماز پڑھ کر جنازے کو قبرستان لے گئے اور اسے دفن کر کے قبر پر قرآن خوانی کی اور گھر لوٹ آئے۔ بیٹے سے تعزیت کرنے کے بعد لوگوں نے اپنی اپنی راہ لی۔

بیٹے نے فاتحہ اور ختم کی رسم ادا کی۔ یہ رسمیں چالیس دن تک ہوتی رہیں۔ اس اثناء میں وہ مسجد میں جانے اور ہر جمعہ کو باپ کی قبر کی زیارت کرنے کے سوا گھر سے باہر نہ نکلتا۔ اس کے بعد ایک زمانے تک نماز اور قرآن خوانی اور عبادت میں لگا رہا یہاں تک کہ ایک روز اس کے تاجر دوست آ پہنچے اور اسے سلام کر کے کہنے لگے کہ اس سوگ میں تو کب تک پڑا رہے گا اور اپنا کاروبار' تجارت اور دوستوں سے ملنا جلنا کہاں تک بند رکھے گا۔ ایسا کرنے سے تجھے بہت تکلیف پہنچے گی اور تیری تندرستی بہت خراب ہو جائے گی۔ جب یہ سوداگر زادے اس کے پاس آئے تو معلون ابلیس ان سے کانا پھوسی کرتا جاتا کہ وہ اسے بازار جانے کی ترغیب دیں اور دنیا کا سبز باغ دکھائیں۔ دوسری طرف وہی ابلیس اس سے بھی کہتا تھا کہ ان کا کہنا مان لے اور گھر سے نکل کر ان کے ساتھ جا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو چھبیس ویں رات

چار سو چھبیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب تاجر زادے حسن جوہری کے بیٹے علی مصری کے پاس آئے تو انہوں نے اسے بازار جانے کا شوق دلایا۔ وہ خدا کے ارادے کے مطابق تیار ہو گیا اور ان کے ساتھ گھر سے نکلا۔ انہوں نے کہا کہ اپنے خچر پر سوار ہو کر ہمارے ساتھ فلاں باغ میں چل تا کہ ہم سب مل کر وہاں سیر کریں اور تیرا غم غلط ہو۔ وہ خچر پر سوار ہو کر اور ایک غلام کو ساتھ لے کر یاروں کے جھمگٹ میں اس باغ کی طرف روانہ ہو گیا جہاں وہ جانا چاہتے تھے۔ باغ میں پہنچا تو ان میں سے ایک ناشتہ تیار کر کے باغ میں لے آیا۔ سب نے مل کر کھایااور ہنسی مذاق ہونے لگا' شام تک بیٹھے باتیں چیتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ سب سوار ہو کر وہاں سے پلٹے اور اپنے گھر جا کر سو رہے۔

دوسری صبح ہوئی تو وہ پھر اس کے پاس جا پہنچے اور کہنے لگے کہ چل۔ اس نے کہا کہاں؟ انہوں نے جواب دیا کہ فلاں باغ میں۔ وہ کل والے باغ سے بھی زیادہ خوبصورت اور صاف ستھرا ہے۔ علی مصری سوار ہو کر ان کے ساتھ اس باغ میں پہنچ گیا۔ باغ میں پہنچ کر ان میں سے ایک ناشتہ لایا۔ اب کے ناشتے کے ساتھ شراب بھی تھی۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو انہوں نے شراب پیش کر کے کہا کہ اس سے غم غلط ہوتا ہے' خوشی حاصل ہوتی ہے اور اس کی اتنی تعریف کی کہ علی مصری کو ماننا پڑا اور ان کے ساتھ شراب پینے لگا اور شام تک پینے پلانے کا شغل رہا۔

اس کے بعد اور سب تو اپنے اپنے گھر چلتے بنے مگر علی مصری سے نہ اٹھا گیا۔ اس کو اتنے چکر آ رہے تھے کہ بہ مشکل وہ اپنے خچر پر سوار ہو سکا۔ لشم پشم گھر پہنچا تو بیوی نے اس حالت میں دیکھ کر پوچھا کہ آج تیرا رنگ بدلا ہوا کیوں ہے؟ اس نے

جواب دیا کہ ہم سب تفریح کر رہے تھے کہ ایک دوست شراب لے آیا۔ سب کے ساتھ میں نے بھی پی' اسی سے مجھے یہ چکر آ رہے ہیں۔ اس کی بیوی نے کہا کہ اے میرے آقا' کیا تو اپنے باپ کی وصیت کو بھول گیا اور انہی مشکوک لوگوں کی صحبت اختیار کر لی جن سے اس نے منع کیا تھا؟ علی مصری کہنے لگا کہ وہ سوداگر زادے ہیں۔ ایسے ویسے مشکوک آدمی نہیں' نہایت شریف بڑے خوش مزاج۔

الغرض وہ اسی طرح ہر روز ان کے ساتھ جاتا۔ آج کہیں تو کل کہیں اور سب مل کر خوب کھاتے پیتے یہاں تک کہ ایک روز انہوں نے اس سے کہا' اب ہماری باریاں ختم ہو گئیں اور تیری باری ہے۔ علی مصری بولا سر آنکھوں پر اگلے دن اس نے ان سے کئی گنا کھانے پینے کا سامان مہیا کیا اور باورچیوں' فراشوں اور قہوہ بنانے والوں کو ساتھ لے کر وہاں گیا جہاں باغ اور میدان تھے اور پورے ایک مہینے تک کھانے پینے' گانا سننے اور مزے اڑانے میں مشغول رہا۔ جب مہینہ ختم ہوا تو اس نے دیکھا کہ جو کچھ وہ لایا تھا' سب ختم ہو چکا۔

ملعون شیطان نے اس کے کان میں کہا کہ جتنا تو خرچ کر چکا ہے اگر اتنا ہر روز بھی خرچ کرے تو بھی تیری دولت کم نہیں ہو گی اس نے بے دھڑک خرچ کرنا شروع کر دیا۔ تین سال تک برابر خرچ کرتا رہا۔ اس کی بیوی نصیحت کرتی اور باپ کی وصیت یاد دلاتی لیکن وہ اس کی بات نہ سنتا' حتیٰ کہ جس قدر نقد تھا سب خرچ ہو گیا اور اب وہ جواہرات بیچ بیچ کر صرف کرنے لگا۔ آخر جواہرات بھی ختم ہو گئے۔ اس کے بعد مکانات اور جاگیروں کا نمبر آیا' ان کا بھی خاتمہ ہو گیا' پھر باغات اور زمینیں بیچ ڈالیں۔ رفتہ رفتہ جب کل املاک بک گئیں' اس کے مکان کے سوا کچھ باقی نہ رہا جس میں وہ رہتا تھا تو وہ اس کا مرمر اور اینٹیں نکال نکال کر بیچنے لگا۔ گھر کو کھنڈر کرنے کے بعد پھر خرچ کی ضرورت ہوئی تو اس کھنڈر کے بھی کوڑے کر ڈالے۔

چند روز نہ گزرے تھے کہ وہ شخص آیا جس نے اس کا گھر خریدا تھا اور کہنے لگا کہ

اب تو کہیں اور جا کر رہ، مجھے اپنے گھر کی ضرورت ہے۔ علی مصری کے ہاں اسی اثنا میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی دو بچے پیدا ہو چکے تھے لیکن بیوی اور ان بچوں کے سوا اس کے پاس اور کیا تھا جس کے لئے محل یا کسی بڑی حویلی کی ضروت ہوتی۔ نہ لونڈیاں نہ باندیاں تھیں نہ مال و اسباب۔ اس لئے اس نے ایک حاطے میں ایک کوٹھڑی کرائے پر لے لی۔ عیش عشرت کی زندگی گزارنے اور نوکروں چاکروں اور مال و دولت کی افراط کے بعد اس کوٹھڑی میں اٹھ آیا۔ اس دن اس کی حالت یہ تھی کہ ایک وقت کا کھانا پینا بھی اس کے پاس نہ تھا۔ بیوی نے کہا میں تجھے اس دن سے ڈراتی اور تجھے باپ کی وصیت یاد دلاتی تھی لیکن تو نے ذرا نہ سنا۔ "لا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔" اب چھوٹے چھوٹے بچے کہاں سے کھائیں گے؟ اٹھ اپنے دوستوں کے پاس جا جو سوداگر زادے ہیں، ممکن ہے کہ وہ تجھے کچھ دیں جس سے آج کا کھانا پینا چلے۔ وہ اٹھا اور ایک ایک دوست کے پاس گیا جس کے پاس پہنچتا، وہی چھپ جاتا، جو ملتا بھی تو کھری کھری سناتا اور کچھ نہ دیتا۔ آخر دھکے کھا کر الٹا آ گیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ انہوں نے مجھے کچھ نہیں دیا۔ بیوی پڑوسیوں کے پاس گئی کہ ان سے کچھ مانگے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو ستائیسویں رات

چار سو ستائیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب علی مصری کی بیوی پڑوس میں گئی کہ ان سے اس روز کے کھانے کے لئے کچھ مانگ کر لائے تو وہ ایک عورت کے پاس پہنچی جسے وہ پہلے سے جانتی تھی۔ اس عورت نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور روتے ہوئے پوچھا تم لوگوں پر کیا مصیبت گزری؟ علی کی بیوی نے اسے اپنے شوہر کا سارا قصہ سنایا تو وہ کہنے لگی۔ مرحبا اہلاً و سہلاً جس چیز کی تجھے ضرورت ہو مجھ سے بلا معاوضے کے لے۔ اس نے کہا خدا تجھے نیک بدلہ دے! عورت نے اسے اتنا سامان دیا جو دونوں میاں بیوی اور ان کے بچوں کو پورے ایک مہینے کے لئے کافی تھا اور وہ اسے لے کر گھر آئی۔ اس کے شوہر نے یہ سامان دیکھا تو وہ رونے لگا اور کہا کہ یہ چیزیں تجھے کہاں سے ملیں؟ بیوی بولی کہ فلاں عورت نے دی ہیں۔ میں نے اس سے اپنی حالت بیان کی تو اس نے ہر طرح سے میری خدمت کی اور کہا کہ جس چیز کی تجھے ضرورت ہو مجھ سے مانگ لیا کر۔ اس کے شوہر نے کہا کہ اب چونکہ تیرے پاس یہ تمام چیزیں آ گئی ہیں' مجھے اجازت دے کہ کسی اور جگہ چلا جاؤں۔ ممکن ہے کہ خدا ہماری روزی کھول دے۔ اس کے بعد اس نے بچوں کو بوسہ دیا اور چل کھڑا ہوا۔ کوئی منزل مقصود سامنے نہ تھی۔ مگر چلا جاتا تھا چلتے چلتے بولاق پہنچ گیا۔ دیکھا کہ ایک جہاز دمیاط جانے کے لئے تیار کھڑا ہے۔ اتنے میں اس پر ایک شخص کی نظر پڑی جو اس کے باپ کا دوست تھا' اس نے سلام علیک کر کے پوچھا کہ کہاں جاتا ہے؟ علی نے جواب دیا دمیاط جانے کا قصد ہے' وہاں اپنے دوستوں سے مل کر ان کی خیریت دریافت کروں گا اور لوٹ آؤں گا۔ وہ شخص اسے اپنے گھر لے گیا' خاطر تواضع کی۔ اس کے لئے راہ کا کھانا پینا تیار کیا اور چند دینار

دے کر اسے اس جہاز میں بٹھا دیا جو دمیاط جا رہا تھا۔
جہاز دمیاط پہنچا تو لوگ اترنے لگے۔ علی بھی جہاز سے اترا مگر اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جائے۔ دو قدم چلتا اور ٹھٹک جاتا۔ ایک سوداگر نے اس کی بد حالی تاڑ لی اور ترس کھا کر اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ علی ایک مدت تک وہاں رہنے کے بعد کہنے لگا آخر کب تک میں گھر میں بیٹھا رہوں گا اور سوداگر کے گھر سے چلنے کی ٹھان لی۔ معلوم ہوا کہ ایک جہاز دمشق جا رہا ہے' اس میں سفر کا ارادہ کیا' میزبان نے اس کے لئے توشہ تیار کرایا اور جہاز میں سوار کر دیا۔ چلتے چلتے دمشق جا پہنچا۔ وہاں وہ گلی کوچوں میں پھر ہی رہا تھا کہ ایک بھلے مانس سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ وہ اسے اپنے گھر لے گیا۔ وہاں کچھ دن بسر کرنے کے بعد ایک روز اس نے دیکھا کہ ایک قافلہ بغداد جا رہا ہے اور اس نے ان کے ساتھ بغداد جانے کا قصد کیا۔ اپنے میزبان سوداگر کے پاس آیا اور اس سے مشورہ کر کے قافلے کے ساتھ چل کھڑا ہوا۔ خدا نے ایک شخص کے دل میں اس کی طرف سے رحم ڈال دیا اور اس نے اسے اپنے ساتھ لے کر اسے کھانے پینے کو دیا یہاں تک کہ بغداد تک ایک دن کی مسافت رہ گئی۔ اب ان پر ڈاکوؤں کی ایک جماعت نے چھاپہ مارا اور سارا مال لوٹ لیا۔ قافلے والے بہت تھوڑے زندہ بچے۔ وہ بھی اپنی اپنی جانیں لے کر بھاگے اور چھپ گئے۔ علی مصری سیدھا بغداد کی طرف روانہ ہوا اور سورج غروب ہوتے ہی وہاں پہنچا۔ دیکھا کہ دربان دروازے بند کر رہے ہیں۔ ان سے کہنے لگا کہ مجھے اندر آ جانے دو۔ انہوں نے اسے اندر لے لیا اور پوچھا کہ تو کہاں سے آیا ہے اور کہاں جائے گا؟ اس نے جواب دیا میں قاہرہ سے آ رہا ہوں۔ میرے ساتھ سوداگری کا مال' خچر' غلام اور نوکر چاکر تھے' میں ان سے پہلے روانہ ہو گیا تھا تا کہ اپنا مال اتارنے کے لئے جگہ ڈھونڈو۔ میں اپنے خچر پر سوار ہو کر آگے بڑھا ہی تھا کہ ڈاکوؤں نے مجھے آ کر گھیرا' میرا خچر اور تمام سامان لوٹ لیا۔ خود میں مرتے مرتے بچا۔ یہ سن کر لوگوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور کہا کہ خوش آمدی! آج ہمارے پاس ٹھہر جا۔ صبح کے وقت ہم تیرے لئے کوئی

مناسب جگہ تلاش کر دیں گے۔ علی نے اپنی جیب ٹٹولی تو اسے ایک دینار ملا جو ان دیناروں میں سے بچ رہا تھا جو اسے بولاق والے سوداگر نے دیئے تھے۔ یہ دینار اس نے ایک دربان کو دے کر کہا کہ اسے تڑا کر کھانا لے آ۔ دربان اس دینار کو لے کر بازار گیا اور اسے تڑا کر روٹی اور سالن لایا۔ سب نے کھایا اور وہ سو گیا۔

صبح ہوئی تو ایک دربان اسے لے کر بغداد کے ایک تاجر کے پاس گیا اور اس کا ماجرا بیان کیا۔ تاجر سچ سمجھا اور اسے یقین آ گیا کہ وہ تاجر ہو گا اور سوداگری کا مال لے کر آیا ہو گا۔ اس لیئے وہ اسے اپنی دکان میں لے گیا اور بڑی خاطر مدارت سے پیش آیا۔ آدمی کو گھر بھیج کر اس کے لئے اپنے کپڑوں میں سے ایک عمدہ پوشاک منگوائی اور اسے حمام میں لے گیا۔

تاجر حسن جوہری کے بیٹے علی مصری کا بیان ہے میں اس کے ساتھ حمام گیا' وہاں سے نکلا تو وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ ناشتہ پیش کیا۔ ہم نے کھایا اور خوب لطف اٹھایا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ایک غلام سے کہا اے مسعود' اپنے آقا کو لے جا کر وہ دونوں گھر دکھا جو فلاں جگہ ہیں۔ ان میں سے اسے جو پسند ہو اس کی کنجی اسے دے کر واپس آ جا۔ غلام مجھے لے کر ایک گلی میں پہنچا جہاں تین نئے مکان برابر برابر تھے' تینوں میں قفل پڑے ہوئے۔ اس نے پہلا مکان کھولا۔ میں نے اسے اندر سے دیکھا۔ وہاں سے نکل کر دوسرے مکان کی طرف چلے۔ اسے بھی اس نے کھولا اور میں نے اسے بھی اندر سے دیکھا۔ غلام نے پوچھا دونوں میں سے کس مکان کی کنجی میں تجھے دوں؟ میں نے کہا یہ بڑا مکان کس کا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ بھی ہمارا ہی ہے۔ میں نے کہا کہ اسے بھی کھول' میں اسے بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ غلام بولا۔ اس سے تجھے کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے کہا کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ اس میں بھوت رہتے ہیں اور کوئی اس میں جا کر رہتا ہے' صبح کو مردہ پایا جاتا ہے اور ہم لاش دروازے سے نہیں نکالتے بلکہ دونوں مکانوں میں سے ایک کی چھت پر چڑھ کر ادھر سے لے جاتے ہیں۔ اسی لئے میرے آقا نے اسے چھوڑ رکھا ہے اور کسی کو رہنے کے لئے نہیں

دیتا۔ میں نے کہا کھول تو سہی' میں بھی اسے دیکھو اور اپنے دل میں سوچا کہ یہی تو میرا مقصد ہے کہ آج رات بھر میں اس میں رہوں' صبح کو مرا ہوا پایا جاؤں اور سارے جھنجھٹ سے چھٹکارا ملے۔ بالاخر اس نے وہ مکان کھولا میں نے اندر جا کر دیکھا کہ وہ بڑا بے نظیر مکان ہے۔ غلام سے کہا کہ میں اسی مکان کو لینا چاہتا ہوں' اس کی چابی مجھے دے دے۔ غلام بولا جب تک میں اپنے آقا سے پوچھ نہ لوں تجھ چابی نہیں دے سکتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اٹھائیس ویں رات

جب چار سو اٹھائیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- غلام بولا جب تک میں اپنے آقا سے پوچھ نہ لوں تجھے چابی نہیں دے سکتا۔ غلام نے اپنا آقا کے پاس جا کر کہا کہ مصری تاجر اس بڑے مکان کے سوا اور کسی میں نہیں رہنا چاہتا۔ یہ سن کر تاجر خود علی مصری کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا' تو اس گھر میں رہنے کی جرات نہ کر۔ علی مصری نے جواب دیا' اگر میں رہوں گا تو اسی مکان میں' میں ایسی وہمی باتوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس نے کہا اچھا تو مجھے لکھ کر دے کہ اگر تجھے کوئی نقصان پہنچے تو میں ذمہ دار نہیں۔ علی نے کہا یہ مانا۔ اب اس نے قاضی کے محکمے سے ایک گواہ بلوایا۔ تحریر لکھوا کر اپنے پاس رکھ لی اور اسے کنجی دے دی۔ علی مصری کنجی لے کر مکان میں داخل ہو گیا۔ تاجر نے ایک غلام کے ہاتھ فرش بھجوایا اور غلام اسے دروازے کے پیچھے چوکی پر بچھا کر لوٹ آیا۔ اس کے بعد علی مصری نے اندر جا کر دیکھا کہ مکان کے صحن میں ایک کنواں ہے اور اس پر ڈول رکھا ہوا ہے۔ اس نے ڈول کنوئیں کے اندر ڈالا' پانی بھر کر وضو کیا' نماز پڑھی اور بیٹھ گیا۔ اتنے میں وہی غلام آقا کے گھر سے شام کا کھانا لے کر آیا' ایک موم بتی' شمع دان' تشت' لوٹا اور صراحی لایا اور سب چیزوں کو رکھ کر فوراً چل دیا۔

علی نے فوراً موم بتی جلائی' شام کا کھانا کھایا' خوش ہوا' عشا کی نماز پڑھی اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ بچھونا لے کر اوپر چلیں اور وہیں سوئیں' یہاں نیچے سونے سے تو اوپر سونا بہتر ہو گا چنانچہ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بچھونا اٹھا کر اوپر پہنچا۔ دیکھا کہ وہاں ایک بڑا کمرہ ہے جس کی چھت پر سنہرا کام ہے۔ فرش اور دیواریں رنگ برنگ کے مرمر کی ہیں۔اس نے وہاں بستر بچھا دیا اور بیٹھ کر قرآن پاک پڑھنے لگا۔

بیٹھا ہی تھا کہ کسی شخص نے آواز دی' اے علی' اے ابن حسن' کیا میں سونا برساؤں؟

علی نے جواب دیا کہ سونا ہے کہاں کہ تو برسائے گا؟ ابھی وہ یہ فقرہ ختم کرنے بھی نہ پایا تھا کہ مینہ کی طرح سونا برسنے لگا اور اتنا سونا برسا کہ کمرہ بھر گیا۔ جب سونا برس چکا تو اس آواز دینے والے نے کہا۔ اب مجھے آزاد کر دے تا کہ میں اپنی راہ لوں کیونکہ میں اپنی خدمت ادا کر چکا اور تیری امانت تجھے پہنچا دی۔

علی مصری نے کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اس سونے کی وجہ بتا۔ اس نے کہا کہ یہ سونا مدت سے تیرے لئے جمع کیا تھا اور جو کوئی اس مکان میں آتا۔ ہم اس سے کہتے اے علی' اے ابن حسن' کیا ہم سونا برسائیں؟ وہ ہماری باتیں سن کر چیخیں مارتا۔ ہم اتر کر اس کی گردن مروڑ دیتے اور چلے جاتے۔ آج جبکہ تو آیا اور ہم نے تیرا اور تیرے باپ کا نام لے کر پکارا اور کہا کہ کیا ہم سونا برسائیں؟ اور تو نے جواب دیا سونا کہاں ہے؟ تو ہم سمجھ گئے کہ تو اس کا مالک ہے۔ ہم نے سونا برسا دیا۔ اس کے علاوہ یمن کے ملک میں ایک خزانہ تیرے لئے اور باقی ہے۔ بہتر ہے کہ میں جا کر اسے بھی تیرے پاس یہیں لے آؤں اور پھر تجھ سے درخواست کروں کہ مجھے آزاد کر کے جانے دے۔

علی نے جواب دیا واللہ میں تجھے اس وقت سے پہلے آزاد نہیں کروں گا جب تک تو یمن کا خزانہ نہ لے آئے۔ جن نے کہا جب میں اسے لے آؤں تو کیا تو مجھے اور اس خزانے کے موکل کو آزاد کر دے گا؟ علی بولا ہاں۔ جن نے کہا کہ اچھا قسم کھا اور اس نے قسم کھا لی۔ جن جانے ہی والا تھا کہ علی مصری نے کہا کہ میری تجھ سے ایک اور حاجت ہے۔ اس نے پوچھا وہ کیا؟ علی نے جواب دیا کہ قاہرہ میں فلاں جگہ میرے بیوی بچے ہیں' انہیں جا کر بغیر تکلیف دیئے میرے پاس لے آ۔ جن نے کہا کہ انشاء اللہ میں انہیں اس خزانے کے ساتھ' جو یمن میں ہے' اڑن کھٹولے پر بٹھا کر جلوس اور نوکر چاکروں کے ساتھ لیتا آؤں گا۔ جن نے اسے تین دن کی مہلت دی اور سارا مال و متاع اس کے پاس چھوڑ کر چل دیا۔

جن کے جانے کے بعد علی کمرے میں ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں وہ سونے کو چھپا

کر رکھے۔ اسے کمرے کے صدر کی طرف ایک مرمر کی اینٹ دکھائی دی جس میں ایک نلی لگی ہوئی تھی۔ نلی کو کھینچنے سے اینٹ ہٹ گئی اور وہاں ایک دروازہ دکھائی دیا۔ وہ

دروازہ کھول کر اندر گیا تو دیکھا کہ وہ بہت بڑا گودام ہے اور اس کے چاروں طرف کپڑے کی تھیلیاں پڑی ہوئی ہیں۔ وہ تھیلیوں کو لے کر ان میں سونا بھرتا اور گودام میں رکھتا جاتا۔ اس طرح سے اس نے سارا سونا لے کر گودام میں رکھ دیا اور قفل لگا کر نلی کو کھینچا۔ اینٹ اپنی جگہ پر آ گئی پھر وہ نیچے اتر کر آیا اور اسی چوکی پر بیٹھ گیا جو دروازے سے لگی ہوئی تھی۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ مکان والے کا غلام تھا۔ اسے دیکھتے ہی غلام تیزی کے ساتھ اپنے آقا کی طرف بھاگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو انتیس ویں رات

جب چار سو انتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ غلام نے تیزی کے ساتھ اپنے مالک کے پاس جا کر خوش خبری دی کہ جو تاجر سائے والے گھر میں رہا تھا خیریت سے ہے اور دروازے کے پاس چوکی پر بیٹھا ہو اہے۔ اس کا مالک خوش خوش اٹھا اور ناشتہ لے کر اس کے گھر کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اس نے آ کر علی کو صحیح سالم دیکھا تو اس کے گلے لپٹ گیا۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ خدا نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ علی نے جواب دیا! اچھا کیا' میں چھت پر اسی کمرے میں سویا تھا جس میں مر مر جڑا ہوا ہے۔

مکان کے مالک نے پوچھا کہ کیا تیرے پاس کوئی آیا تھا تو نے کوئی چیز دیکھی تھی؟ علی نے کہا نہیں' میں نے قرآن پڑھا اور سو گیا۔ جب صبح کو سو کر اٹھا تو وضو کر کے نماز پڑھی اور نیچے آ کر اس چوکی پر بیٹھ گیا۔ تاجر نے کہا کہ شکر ہے خدا کا کہ تو صحیح و سلامت رہا اب وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر گیا اور علی کے پاس غلام' کنیزیں اور فرش بھیجے۔ انہوں نے مکان میں اوپر سے لے کر نیچے تک جھاڑو دی اور نہایت نفیس فرش بچھایا۔ تین گورے تین کالے غلام اور چار کنیزیں اس کی خدمت کے لئے وہیں رہ گئے۔ باقی اپنے آقا کے پاس چلے گئے۔

دوسرے دن تاجروں کے کان تک یہ قصہ پہنچا تو انہوں نے اس کے پاس طرح طرح کے تحفے بھیجے حتیٰ کے کھانے اور پینے کی چیزیں بھی۔ اسے اپنے ساتھ بازار لے گئے اور پوچھا کہ تیرا مال کب آئے گا؟ اس نے جواب یا کہ تین دن بعد۔ جب تین دن گزر چکے تو اس کے پاس پہلے خزانے کا خادم آیا جس نے سونا برسایا تھا اور کہنے لگا کہ چل کر اس خزانے کو دیکھ لے جو میں تیرے لئے یمن سے لایا ہوں اور اپنے بیوی بچوں سے بھی مل لے۔ ان کے ساتھ سارا خزانہ سوداگری کے سامان کی صورت

میں ہے' خچر' گھوڑے' اونٹ' نوکر اور غلام جتنے تو دیکھے گا' سب جنات میں سے ہیں۔
جس وقت یہ جن خادم قاہرہ گیا تو اس نے دیکھا کہ علی کے بیوی بچے اس اثنا میں بھوکے ننگے ہو گئے ہیں۔ وہ انہیں اڑن کھٹولے پر بٹھا کر قاہرہ سے باہر لایا اور یمن کے خزانے میں سے انہیں عمدہ کپڑے پہنائے۔ غرض کہ جن نے ان تمام چیزوں کے آنے کی خبر علی کو سنائی تو اس نے سوداگروں کے پاس جا کر کہا' آؤ شہر کے باہر چل کر اس قافلے سے ملیں جو ہمارا تجارتی مال لایا ہے اور اپنی بیویوں سے کہو کہ وہ بھی تشریف لا کر میری بیوی سے ملیں۔ وہ تیار ہو گئے اور اپنی اپنی بیویوں کو بلوا کر سب کے سب شہر کے باہر ایک باغ میں جا بیٹھے۔ ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ جنگل کی طرف سے ایک غبار اٹھا۔
لوگ دیکھنے لگے کہ یہ غبار کیسا ہے۔ غبار ہٹا تو آدمی' ساربان اور فراش نظر آئے۔ لوگ گاتے بجاتے چلے آ رہے تھے۔ قریب پہنچ کر سارباںوں کا سردار تاجر حسن جوہری کے بیٹے علی مصری کے پاس آیا اور اس کا ہاتھ چوم کر کہنے لگا اے میرے آقا' ہم کل ہی پہنچنے والے تھے مگر اس وجہ سے دیر ہو گئی کہ ہمیں ڈاکوؤں کا ڈر تھا۔ ہم وہیں ٹھہر گئے۔ حتیٰ کے خدا نے ہم سے انہیں دور کر دیا۔اس لئے ہمیں چار دن لگ گئے۔ اب تاجر اپنے اپنے خچروں پر سوار ہو کر قافلے کے ساتھ روانہ ہو گئے اور بیویاں علی مصری کے ساتھ اس وقت تک رکی رہیں جب تک کہ ان کا جلوس سوار ہوا' پھر یہ جلوس بھی بڑے جلوس کے ساتھ آ کر مل گیا۔ خچروں پر اتنے صندوق لدے دیکھ کر تاجروں کو تعجب ہوتا تھا اور تاجروں کی بیویاں تاجر علی کی بیوی اور بچوں کے لباس کو دیکھ کر حیران تھیں اور کہتی تھیں کہ ایسا لباس تو نہ بغداد کے سلطان کے پاس ہو گا اور نہ کسی اور بادشاہ' امیر اور تاجر کے پاس۔ لوگ برابر برابر اسی طرح چلتے رہے۔
مرد تاجر علی مصری کے ساتھ اور عورتیں اس کی بیوی کے ساتھ' یہاں تک کہ وہ اس کے گھر پہنچ گئے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• چار سو تیسویں رات

جب چار سو تیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ یہاں تک کہ وہ گھر پہنچ گئے اور اتر کر خچروں کو مع سامان کے صحن میں لے گئے۔ سامان اتار کر کوٹھڑیوں میں رکھا اور بی بیاں اس کی بیوی کے ساتھ اوپر کے کمرے میں گئیں۔ دیکھا کہ وہ دلہن کی طرح سجا ہوا ہے۔ اس کا فرش نہایت نفیس ہے۔ وہ سب وہاں بیٹھ گئیں اور ظہر تک بیٹھی مزے اڑاتی رہیں۔ اس کے بعد بہتر سے بہتر کھانے اور حلوے ان کے سامنے پیش کئے گئے۔ انہوں نے کھائے اور عمدہ عمدہ شربت پیئے۔ گلاب کے عرق اور عطروں سے معطر ہو کر سب مرد عورت اپنے اپنے گھر رخصت ہوئے۔

گھر پہنچ کر تاجروں نے اپنی حیثیت کے موافق ہدیئے بھیجے اور بی بیوں نے اس کی بیوی کے لئے تحفے تحائف روانہ کئے' اس طرح ان کے پاس اس قدر کنیزیں' کالے اور گورے غلام' غلہ اور لشکر وغیرہ جمع ہو گیا کہ حساب سے باہر تھا۔

لوگوں کے اٹھ جانے کے بعد بغدادی تاجر جو مکان کا مالک تھا' وہیں جما بیٹھا رہا اور علی سے کہا کہ غلاموں اور نوکروں کو حکم دے کہ وہ خچروں اور دوسرے جانوروں کو ایک گھر میں لے جائیں تا کہ وہ وہاں آرام کریں۔ اس نے جواب دیا وہ آج ہی رات فلاں جگہ جانے والے ہیں اور ان سے کہا کہ شہر کے باہر جا کر رات کا انتظار کرو اور روانہ ہو جاؤ۔ انہیں یقین نہ آتا تھا کہ انہیں واقعی اجازت مل گئی ہے اور وہ اس کی مرضی سے روانہ ہو گئے اور شہر کے باہر پہنچ کر ہوا میں اڑ گئے اور اپنی جگہ پہنچ گئے۔

تاجر علی اپنے میزبان کے ساتھ بیٹھ کر تہائی رات تک باتیں کرتا رہا' پھر مجلس برخاست ہوئی' میزبان اپنے گھر چلا گیا اور تاجر علی نے اپنی بیوی بچوں کے پاس جا کر انہیں سلام کیا اور پوچھا کہ میرے پیچھے اتنی مدت تک تم پر کیا گزری؟ بیوی نے اپنی فاقہ

کشی' برہنگی اور مصیبت بیان کی جو انہوں نے جھیلی تھی۔ علی نے کہا کہ شکر ہے خدا کا کہ تم سب صحیح و سلامت ہو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم لوگ آئے کس طرح؟ بیوی نے کہا کہ میرے آقا' کل رات میں بچوں کے ساتھ سو رہی تھی یکا یک کسی نے مجھے اور بچوں کو زمین سے اٹھا لیا اور ہم ہوا میں اڑنے لگے لیکن ہمیں کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ اڑتے اڑتے ہم زمین پر ایک ایسی جگہ اترے جو عربوں کے محلے کی سی تھیں۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ خچر لدے ہوئے کھڑے ہیں اور دو بڑے خچروں پر پالکی بندھی ہوئی ہے' ارد گرد بہت سے خادم' غلام اور پیادے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ تم کون ہو۔ یہ سامان کیسا ہے اور ہم کس جگہ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم حسن جوہری کے بیٹے علی مصری کے خادم ہیں۔ اس نے ہمیں اس لئے بھیجا ہے کہ تمہیں لے کر اس کے پاس بغداد پہنچا دیں۔ میں نے کہا کہ یہاں سے بغداد دور ہے یا نزدیک؟ انہوں نے جواب دیا نزدیک ہے اور صرف رات بھر کی راہ ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ہمیں پالکی میں بٹھا دیا اور ابھی سویرا نہ ہونے پایا تھا کہ ہم تمہارے پاس پہنچ گئے اور ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی۔

اب اس نے پوچھا کہ تم کو یہ پوشاکیں کہاں سے ملیں؟ بیوی نے جواب دیا کہ قافلہ سالار نے ان صندوقوں میں سے ایک صندوق کھولا جو خچروں پر تھے اور پوشاکیں نکال کر ایک مجھے پہنا دی اور ایک ایک بچوں کو۔ پھر اس صندوق میں قفل ڈال کر جس میں سے پوشاکیں نکالی تھیں اس کی کنجی میرے حوالے کر دی اور کہا اسے حفاظت سے رکھیو او اپنے شوہر کو دیجیو۔ دیکھ یہ کنجی میرے پاس ہے۔ یہ کہہ کر اس نے کنجی نکال کر اسے دی۔

علی نے کہا کہ تو اس صندوق کو پہچانتی ہے؟ کہا ہاں' پہچانتی ہوں۔ بیوی کو لے کر کوٹھڑی میں گیا اور صندوق دکھائے۔ بیوی نے ایک صندوق دیکھ کر کہا کہ یہ ہے وہ صندوق جس میں سے پوشاکیں نکالی گئی تھیں۔ علی نے کنجی نکال کر قفل کھولا' دیکھا

کہ اس میں بے شمار پوشاکیں ہیں اور تمام صندوقوں کی کنجیاں بھی۔ کنجیاں نکال کر اس نے ایک صندوق کھولنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں کھل گئیں کہ ان میں سے ایسے ایسے جواہرات اور قیمتی معدنیات ہیں جن کی نظیر کسی بادشاہ تک کے پاس نہ ہو گی۔ دیکھ بھال کر اس نے انہیں پھر مقفل کر دیا اور کنجیاں اپنے پاس رکھ لیں اور کہا کہ یہ سب خدا کی مہربانی ہے۔ بعد ازاں بیوی کے اوپر کے کمرے میں اس مرمر کی انیٹ کے پاس لے گیا جس میں نلی لگی ہوئی تھی۔ اسے اوپر کی طرف کھینچ کر کوٹھڑی کا دروانہ کھولا اور اندر جا کر بیوی کو وہ سونا دکھایا جو اس نے وہاں رکھا تھا۔
بیوی نے پوچھا یہ سب تیرے پاس کہاں سے آیا؟ اس نے جواب دیا۔ یہ میرے پروردگار کا فضل ہے۔ جب قاہرہ میں تجھ سے رخصت ہوا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اکتیسویں رات

جب چار سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ علی مصری نے کہا کہ جب میں قاہرہ میں تجھ سے رخصت ہو کر چلا تو چلتے چلتے بولاق پہنچا' دیکھا ایک جہاز دمیاط جانے کے لئے تیار کھڑا ہے۔ میں سوار ہو کر دمیاط پہنچا۔ وہاں ایک تاجر سے ملاقات ہوئی جو میرے باپ کو جانتا تھا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا' میری آؤ بھگت کی اور مجھ سے پوچھا کہ کہاں جا رہا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں دمشق جانا چاہتا ہوں کیونکہ وہاں میرے دوست ہیں۔ اس کے بعد اس نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ بیوی نے کہا کہ اے میرے آقا' یہ ساری چیزیں تیرے باپ کی دعا کا ثمر ہیں جو اس نے مرنے سے پہلے کی تھی میں خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ اگر وہ تجھے تکلیف میں گرفتار کرے تو جلد اس سے چھٹکارا دے دے۔

شکر ہے خدا کا کہ اس نے تجھے نجات دی اور جو کچھ تیرا مال ضائع ہوا تھا۔ اس سے زیادہ تجھے عطا کیا۔ اے میرے آقا' خدا کے لئے پھر مشکوک لوگوں کی صحبت میں نہ بیٹھیو اور ظاہر اور باطن میں خدا سے ڈرتے رہیو۔ اس طرح وہ دیر تک نصیحت کرتی رہی۔ شوہر نے کہا کہ میں تیری نصیحت مانتا ہوں اور خدا سے التجا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں برے ساتھیوں سے دور رکھے اور اپنی فرمانبرداری اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کی توفیق دے۔ اس کے بعد وہ اس کی بیوی اور بچے نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگے۔

اس نے تاجروں کے بازار میں ایک دکان لی اور وہاں کچھ جواہرات اور قیمتی معدنیات لے کر بیٹھا' اپنے بچوں اور غلاموں کو ساتھ بٹھایا اور بغداد میں سب سے بڑا تاجر ہو گیا۔

جب بغداد کے بادشاہ نے اس کا حال سنا تو اپنا ایک ایلچی بھیج کر اسے بلوایا۔ ایلچی نے اس کے پاس آ کر کہا کہ بادشاہ تجھے بلاتا ہے' وہاں چل۔

اس نے بادشاہ کے لئے ہدیہ تیار کیا۔ سرخ سونے کی چار سینیاں لے کر ان میں ایسے ایسے جواہرات بھرے جن کی نظیر کسی بادشاہ کے پاس نہ ہو گی۔ ان سینیوں کو لے کر بادشاہ کے پاس روانہ ہو گیا۔ جب اس کے سامنے حاضر ہوا تو زمین کو بوسہ دیا اور اسے دعا دی کہ خدا تیری عزت اور نعمتیں قائم رکھے! اور نہایت عمدہ طریقے سے گفتگو کی۔ بادشاہ نے کہا کہ اے تاجر' تو نے ہمارے ملک کو عزت بخشی۔ اس نے کہا جہاں پناہ' غلام تیرے لئے ایک ہدیہ لایا ہے اور امید کرتا ہے کہ تو مہربانی فرما کر اسے قبول کرے گا۔ یہ کہہ کر اس نے چاروں سینیاں پیش کیں۔ بادشاہ نے انہیں کھول کر غور سے دیکھا کہ ان میں ایسے ایسے جواہرات ہیں جو اس کے پاس بھی نہیں اور جن کی قیمت خزانے کے خزانے ہیں پھر کہنے لگا اے تاجر' تیرا ہدیہ قبول ہے اور ان شاء اللہ ہم تجھے اسی طرح کا بدلہ دیں گے۔ تاجر نے بادشاہ کے ہاتھ چومے اور چلا گیا۔

علی رخصت ہوا تو بادشاہ نے امراء کو بلا کر پوچھا کہ کتنے بادشاہوں نے میری بیٹی کا پیغام بھیجا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بہتیروں نے۔ بادشاہ نے کہا ان میں سے کسی نے ایسا ہدیہ بھیجا ہے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا نہیں' ان میں سے کسی کے پاس بھی اس طرح کی چیزیں نہیں۔ بادشاہ بولا میں نے اپنی بیٹی کی شادی اس تاجر سے کرنے کے بارے میں خدا سے استخارہ کیا ہے' تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جیسی تیری مرضی۔ اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ چاروں سینیوں کو لے کر محل سرا میں جائیں اور خود ملکہ سے مل کر سینیاں اس کے سامنے رکھ دیں۔ ملکہ نے انہیں کھولا' دیکھا کہ ان میں ایسی ایسی چیزیں ہیں جن کی مثل اس کے پاس ایک بھی نہیں۔ وہ کہنے لگی کہ یہ کس بادشاہ کے پاس سے آیا ہے؟ غالباً بادشاہوں میں سے کسی نے بھیجا ہے جو ہماری بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ ایک مصری تاجر نے جو ہمارے شہر میں آیا ہے۔ جب میں نے اس کے متعلق سنا تو میں نے آدمی بھیج کر اسے بلوایا تاکہ میں اس سے مل کر دریافت کروں کہ اس کے پاس ایسے

بھی ہیرے جواہرات ہیں جو میں اپنی بیٹی کے جہیز کے لئے خرید سکوں۔ وہ حکم بجا لایا اور ہمارے لئے یہ چار سیناں لایا اور ہدیئے کے طور پر پیش کیا۔

میں نے دیکھا کہ وہ بڑا خوش رو جوان ہے' شاندار' عقل مند حسین' ممکن ہے کہ وہ بادشاہوں کی اولاد میں سے ہو۔ اس کی صورت سیرت مجھے بہت پسند آئی۔ اس نے میرے دل میں اپنی جگہ کر لی اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دوں۔

اس کے لائے ہوئے ہدیئے میں نے امرا کو دکھا کر پوچھا کہ کتنے بادشاہوں نے میری بیٹی کا پیغام بھیجا ہے؟ انہوں نے کہا کہ بہتیروں نے۔ میں نے پوچھا کہ ان میں سے کسی نے ایسی چیزیں میرے لئے بھیجی ہیں؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا نہیں جہاں پناہ' ایسی چیزیں ان کے پاس کہاں! میں نے کہا کہ میں نے خدا سے استخارہ کیا ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دوں۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ جو تیری مرضی۔ اب تیری کیا رائے ہے؟

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو بتیس ویں رات

جب چار سو بتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بغداد کے بادشاہ نے ملکہ سے پوچھا کہ تیری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا جہاں پناہ' پہلا حکم خدا کا اور دوسرا تیرا۔ اللہ کو جو منظور ہے وہی ہو گا۔ بادشاہ نے کہا انشاء اللہ میں اپنی بیٹی کی شادی اس کے سوا اور کسی سے نہیں کروں گا۔ رات گزر چکی تھی اور صبح ہوئی تو بادشاہ نے اپنے دربار میں جا کر علی مصری اور بغداد کے کل تاجروں کو بلایا۔ سب حاضر ہو گئے تو اس نے ان سے کہا بیٹھو' وہ بیٹھ چکے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ سرکاری قاضی کو بلایا جائے۔ قاضی حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا کہ میری بیٹی کا نکاح نامہ تاجر علی مصری کے ساتھ مرتب کر۔
علی مصری نے کہا کہ اے میرے مولیٰ سلطان معاف کر' یہ ٹھیک نہیں کہ ایک تاجر بادشاہ کا داماد بنے۔ بادشاہ بولا۔ یہ عزت میں تجھے دیتا ہوں اور تجھے وزیر بناتا ہوں۔ یہ کہہ کر فوراً علی مصری کو وزارت کا خلعت پہنایا۔ وزارت کی کرسی پر بیٹھ کر اس نے عرض کیا جہاں پناہ' تو نے مجھ پر یہ عنایت کی اور مجھے عزت بخشی' لیکن ذرا میری بات سن لے۔ بادشاہ نے کہا کہہ اور ڈر نہیں۔ اس نے کہا چونکہ تیرا حکم صادر ہو چکا ہے کہ تیری بیٹی کی شادی ہو جائے' اس لئے مناسب ہے کہ اس کی شادی میرے بیٹے سے کر دی جائے۔ بادشاہ نے کہا کہ کیا تیرا کوئی بیٹا بھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ بادشاہ نے کہا' اسے فوراً بلوا۔ علی مصری نے اپنا ایک غلام بھیج کر بیٹے کو بلوایا۔ وہ بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا تو زمین چوم کر ادب کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ وہ شہزادی سے بھی زیادہ حسین و جمیل ہے۔ قد سڈول اور چہرہ حسن کی تصویر۔ پوچھا کہ بیٹا تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا اے میرے آقا سلطان' میرا نام حسن ہے۔ اس وقت اس کی عمر چودہ سال تھی۔

بادشاہ نے قاضی سے کہا کہ میری بیٹی حسن الوجود کا نکاح نامہ تاجر علی مصری کے بیٹے حسن کے ساتھ لکھ دے۔ قاضی نے نکاح نامہ لکھ دیا اور تمام باتیں بخیر و خوبی انجام پائیں۔ سارے درباری چلے گئے اور تمام تاجر' وزیر علیؑ مصری کے جلو میں روانہ ہوئے۔ اسی وزارت کے لباس میں وہ گھر پہنچا اور تاجر اسے مبارکباد دے کر چلے گئے۔ جب وزیر علی مصری اپنی بیوی کے پاس آیا اور بیوی نے اسے وزارت کا خلعت پہنے ہوئے دیکھا تو اس نے پوچھا یہ کیا؟ علی نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا اور کہا بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی میرے بیٹے حسن سے کر دی ہے۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئی اور علی مصری نے رات نہایت شادمانی سے گزاری۔

صبح ہوئی تو وہ دربار گیا' بادشاہ اس کے ساتھ نہایت اچھی طرح پیش آیا۔ اسے اپنے پہلو میں بٹھایا' اور کہا' اے وزیر ہمارا ارادہ ہے کہ ہم جشن کریں۔ وزیر نے کہا' اے میرے مولیٰ جو تجھے اچھا معلوم ہو وہی اچھا ہے۔ بادشاہ نے جشن منانے کا حکم دیا۔ لوگوں نے شہر کو سجایا اور تیس دن تک برابر خوشیاں مناتے رہے۔ ان تیسوں دن تک وزیر علی کا بیٹا حسن شہزادی کے حسن و جمال کے مزے لوٹتا رہا۔ ملکہ نے اپنے داماد کو دیکھا تو وہ اسے بہت چاہنے لگی۔ اسی طرح وہ اپنی سمدھن سے بھی بہت خوش تھی۔ اب بادشاہ نے حکم دیا کہ وزیر زادے حسن کے لئے ایک محل تیار ہو۔ حکم کی دیر تھی جلد سے جلد محل بن گیا اور وزیر زادہ اس میں رہنے لگا۔ اس کی ماں کچھ دن اس کے ساتھ رہتی اور پھر اپنے گھر چلی جاتی۔ ملکہ نے اپنے شوہر سے کہا۔ جہاں پناہ' حسن کی ماں سے نہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ رہے اور وزیر کو چھوڑ دے اور نہ یہ کہ وہ وزیر کے ساتھ رہے اور اپنے بیٹے سے کنارہ کش ہو جائے۔ بادشاہ نے کہا کہ تو سچ کہتی ہے اور حکم دیا کہ ایک تیسرا محل بنایا جائے جو وزیر زادے حسن کے محل کے پہلو میں ہو' یہ تیسرا محل بھی چند روز میں تیار ہو گیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ وزیر کا سامان اس میں منتقل کر دیا جائے' وزیر اس میں رہنے لگا۔ تینوں محل ایک دوسرے کے پاس تھے۔ جب بادشاہ چاہتا وزیر سے باتیں کرے تو وہ رات کو وہاں چلا

جاتا یا اسے اپنے پاس بلا لیتا اور یہی حالت حسن اور اس کے ماں باپ کی تھی۔ ایک مدت تک انہوں نے باہم عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو تینتیس ویں رات

جب چار سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... بادشاہ' وزیر اور وزیر زادہ ایک مدت تک عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے ہاں تک کہ بادشاہ بیمار پڑا' بیماری روز بروز بڑھتی گئی۔ اس نے اپنی سلطنت کے امرا کو بلایا اور ان سے کہا کہ میری بیماری سخت ہے' ممکن ہے کہ یہ موت کا پیام ہو۔ میں نے تمہیں ایک مشورے کے لئے بلایا ہے' امید ہے کہ تم مجھے نیک مشورہ دو گے۔ انہوں نے کہا اے بادشاہ وہ کون سی بات ہے جس میں تو ہم سے مشورہ لینا چاہتا ہے؟ اس نے کہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور بیمار ہوں' ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے بعد ملک' دشمنوں کے ہاتھ میں نہ چلا جائے' اس لئے میری یہ خواہش ہے کہ تم ایک شخص پر متفق ہو جاؤ تا کہ میں جیتے جی اس کی بیعت لے لوں اور تم آرام سے رہو۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم تیرے داماد حسن بن علی کو چاہتے ہیں' ہم اس کی عقل' اس کے کمال اور سمجھ کا امتحان لے چکے ہیں' وہ ہر بڑے اور چھوٹے درجے سے بخوبی واقف ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم سب اس پر متفق ہو؟ انہوں نے کہا ہاں۔ بادشاہ نے کہا کہ ایسا تو نہیں کہ تم میرے لحاظ سے میرے سامنے ایسی باتیں کرتے ہو اور میری پیٹھ پیچھے دوسری باتیں۔

سب نے کہا خدا کی قسم ہماری باتیں ظاہر اور باطن میں ایک سی ہیں اور کسی قسم کا فرق نہیں' ہم دل سے اسے چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا اگر یہ واقعہ ہے تو کل قاضی' تمام حاجبوں' نوابوں اور امرا کو میرے پاس بلا لاؤ کہ ہم اس کام کو بخیر و خوبی انجام دے دیں۔ تمام علماء اور بڑے بڑے امرا کو فوراً خبر کر دی گئی' انہوں نے اندر جا کر سلام کیا اور کہنے لگے ہم سب تیری خدمت میں حاضر ہیں۔ بادشاہ ان سب سے مخاطب ہو کر بولا' اے بغداد کے امرا تم میرے بعد جسے اپنا بادشاہ بنانا چاہتے ہو' اسے انتخاب کرو

کہ مرنے سے پہلے میں تمہارے سامنے اس کی بیعت لے لوں۔ وہ بولے ہم سب اس بات پر متفق ہیں کہ تیرا داماد حسن بن علی وزیر زادہ بادشاہ بنے۔
بادشاہ نے کہا اگر یہی بات ہے تو تم سب اسے بلا کر میرے پاس لاؤ۔ سب اٹھ کر محل سرا میں داخل ہوئے اور حسن سے کہا کہ بادشاہ کے پاس چل۔ اس نے پوچھا کس لئے؟ انہوں نے جواب دیا ایک ایسی بات کے لئے جس میں ہمارے اور تیرے لئے بھلائی ہے۔ حسن ان کے ساتھ بادشاہ کے پاس پہنچا اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ تو بادشاہ نے کہا بیٹا' بیٹھ۔ وہ بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے کہا اے حسن' تمام امراء تجھ سے خوش ہیں اور تجھے میرے بعد اپنا بادشاہ بنانا چاہتے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میں جیتے جی تیرے لئے بیعت لے لوں اور اس قضیئے کا فیصلہ ہو جائے۔ یہ سن کر حسن کھڑا ہو گیا اور بادشاہ کے سامنے زمین چوم کر کہنے لگا اے میرے مولٰی سلطان امراء میں مجھ سے زیادہ عمر والے اور عالی مرتبت ہیں' مجھے اس سے معاف رکھ۔ امرا نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم سوا تیرے کسی کو اپنا بادشاہ بنانا نہیں چاہتے حسن نے کہا کہ میرا باپ مجھ سے بڑا ہے اور میں اور میرا باپ ایک چیز ہیں۔ یہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا کہ مجھے اس پر ترجیح دی جائے۔ باپ نے اس سے کہا کہ جس بات سے میرے دوست خوش ہیں۔ اسی سے میں بھی خوش ہوں' وہ سب تجھ سے راضی ہیں اور تجھے بادشاہ بنانے پر متفق ہیں۔ لہٰذا بادشاہ کے حکم اور اپنے دوستوں کی مرضی کی مخالفت نہ کر۔ حسن نے بادشاہ اور اپنے باپ کی شرم کے مارے سر جھکا لیا۔ بادشاہ نے ان سے کہا تم نے منظور کیا؟ انہوں نے کہا کہ منظور کیا۔ پھر تمام لوگوں نے سات بار فاتحہ پڑھی اور بادشاہ نے کہا کہ اے قاضی تو بھی شرعی طور پر قلمبند کر لے کہ ان امرا نے میرے داماد حسن کا بادشاہ ہونا منظور کر لیا ہے اور یہ کہ وہ ان کا بادشاہ بنایا گیا ہے۔
قاضی نے باقاعدہ تحریر کی اور جب سب نے اس کی بیعت کر لی تو قاضی نے اس پر اپنے دستخط کر دیئے۔ اب خود بادشاہ نے اس سے بیعت کی اور اسے حکومت کی کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ سب کھڑے ہو گئے اور وزیر کے بیٹے بادشاہ حسن کے ہاتھ چومے'

اسی کی فرمانبرداری کا اظہار کیا۔ اس دن اس نے نہایت شان و شوکت سے بادشاہی کی' امراء کو عمدہ عمدہ خلعت بخشے اور دربار برخاست کر کے اپنے خسر کے پاس گیا' اس کے ہاتھ چومے' بادشاہ نے کہا اے حسن' رعیت کے معاملے میں خدا کا خوف دل میں رکھیو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چونتیس ویں رات

جب چار سو چونتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ نے کہا بیٹا' رعیت کے معاملے میں خدا سے ڈرتا رہیو۔ اس نے کہا ابا جان' تیری دعا سے خدا مجھے اس کی توفیق دے گا۔ اس کے بعد وہ محل سرا میں داخل ہوا۔ اس کی بیوی' ساس اور دونوں کے نوکروں چاکروں نے اس کے ہاتھ چومے' اسے اس درجے پر پہنچنے کی مبارک باد دی اور کہا کہ خدا آج کا دن مبارک کرے! پھر وہ اپنے محل سے نکل کر اپنے باپ کے محل میں گیا' وہاں لوگ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ خدا نے اسے بادشاہت دی اور اس پر بڑی بخشش کی۔ باپ نے اسے نصیحت کی کہ خدا سے ڈرو اور رعیت پر مہربان رہیو۔ غرض کہ وہ جہاں جاتا خوشیاں منائی جاتیں۔ رات انتہائی مسرتوں میں گزری۔ صبح ہوئی تو وہ نماز اور وظیفے سے فارغ ہو کر دربار میں آیا' تمام لشکر اور منصب دار حاضر ہوئے' اس نے احکام جاری کیے' نیکی کی طرف ترغیب دلائی' برائی سے منع کیا۔ عہدے دیئے' معزولیاں کیں اور شام تک حکومت کے کاموں میں مشغول رہا۔ اس کے بعد بخیر و خوبی دربار برخاست ہوا اور ہر شخص نے اپنی اپنی راہ لی۔

وہ دربار سے اٹھ کر محل میں گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کا خسر سخت بیمار ہے۔ وہ سرہانے کھڑا تھا کہ اس نے کہا گھبرا مت۔ بادشاہ نے آنکھیں کھول دیں اور کہا کہ اے حسن اس نے جواب دیا! اے میرے آقا' حاضر ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ اب میری موت آ گئی ہے۔ میں تیری بیوی اور ساس کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ خدا سے ڈریو' ماں باپ کے ساتھ نیکی کیجیو اور اسے نہ بھولیو کہ خدا نے عدل اور نیکی کا حکم دیا ہے۔ بادشاہ حسن نے کہا کہ بسر و چشم۔

اس کے تین دن بعد پرانا بادشاہ فوت ہو گیا' خدا اس پر رحمت کرے! اس کی تجہیز

و تکفین کی گئی اور چالیس دن تک برابر قرآن خوانی ہوتی رہی۔ وزیر کا بیٹا' بادشاہ حسن بادشاہت میں مستقل ہو گیا' رعایا بہت خوش رہی' اس کے دن بڑی راحت میں گزرے۔ اس کا باپ میمنے کا بڑا وزیر رہا اور میسرے کے لئے اس نے ایک اور وزیر مقرر کیا' کاروبار اچھی طرح سے چلنے لگا اور اس نے بغداد میں ایک عرصے تک حکومت کی اور نہایت عیش و عشرت سے اپنے وقت گزارے یہاں تک کہ لذتوں کو ملیا میٹ اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو ہمیشہ قائم رہتی ہے اور جس کے ہاتھ میں بنانا بگاڑنا ہے۔

○ حاجی اور بڑھیا

ایک حاجی جو حجاج کے قافلے کے ساتھ سفر کر رہا تھا' کسی منزل پر اتنی دیر تک سوتا رہا کہ جب جاگا تو سب حاجی چل دیئے تھے۔ اب وہ اٹھ کر اکیلا روانہ ہوا اور غلط راستے پر پڑ گیا۔ قدم بڑھاتے ہوئے چلنے کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک خیمہ پڑا ہوا ہے' دروازے پر ایک بڑھیا بیٹھی ہے اور اس کے پاس ایک کتا پڑا سو رہا ہے۔ حاجی نے خیمے کے قریب پہنچ کر بڑھیا کو سلام کیا اور کھانا مانگا۔ بڑھیا نے کہا اس وادی میں جا کر جتنی تجھے ضرورت ہو سانپ شکار کر لا۔ میں انہیں تل کر تجھے کھلا دوں گی۔ حاجی نے کہا مجھ میں سانپوں کے مارنے کی ہمت نہیں اور نہ کبھی میں نے سانپ کھائے ہیں۔ بڑھیا بولی ڈرنے کی کیا بات ہے' میں خود تیرے ساتھ چل کر سانپ ماروں گی۔ یہ کہہ کر بڑھیااس کے ساتھ چل کھڑی ہوئی اور کتا ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ بڑھیا نے ضرورت کے موافق سانپ مارے انہیں تلنے لگی۔ حاجی نے دیکھا کہ بے کھائے مفر نہیں' بھوک اور کمزوری سے بے حال تھا۔ چنانچہ اس نے سانپوں کا گوشت کھایا۔ پھر اسے پیاس لگی اور بڑھیا سے پانی مانگا۔ بڑھیا نے کہا وہ کیا تیرے سامنے کنواں ہے۔ اٹھ اور پانی پی لے۔ وہ کنوئیں پر گیا' چکھا تو پانی کھاری' مگر پیاس اتنی شدت

کی تھی کہ باوجود کھاری ہونے کے اس نے پانی پیا' پی کر بڑھیا کے پاس آیا اور کہنے لگا اے بڑھیا' مجھے تجھ پر تعجب آتا ہے کہ تو نے اس جگہ آ کر قیام کیا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو پینتیس ویں رات

جب چار سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ حاجی نے بڑھیا سے کہا' مجھے تعجب ہے کہ تو اس جگہ آ کر ٹھہری ہے اور اس قسم کا تیرا کھانا پینا ہے۔ بڑھیا بولی' اور تمہارا ملک کیسا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہمارے ملک میں بڑے بڑے مکان ہیں' عجیب و غریب لذیذ پھل'' کثرت سے میٹھا پانی' عمدہ عمدہ کھانے 'چربی دار گوشت' بے شمار بھیڑ بکریاں اور طرح طرح کی نفیس چیزیں' جن کی نظیر سوائے جنت کے جس کا ذکر خدا نے اپنے نیک بندوں کے لئے کیا ہے' کہیں اور نہیں پائی جاتیں۔ بڑھیا کہنے لگی میں نے مانا' لیکن یہ بتا کہ تمہارے اوپر کوئی بادشاہ بھی ہے جو تم پر حکمرانی کرتا ہے اور ظلم و جور سے پیش آتا ہے اور تم اس کے محکوم ہو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص جرم کرتا ہے تو وہ تمہارا مال چھین لیتا ہے' جب وہ چاہتا ہے تمہیں گھر سے نکال کر باہر کرتا ہے اور بیخ و بنیاد سے تباہ کر دیتا ہے۔ اس شخص نے کہا ایسا تو ضرور ہوتا ہے۔ بڑھیا نے کہا تو پھر اس کے ظلم و ستم کے ساتھ اچھے اچھے کھانے' عیش و عشرت اور لذیذ نعمتیں مہلک زہر ہیں اور ہمری غزا امن و امان کے ساتھ فائدہ مند تریاق۔ کیا تو نے یہ نہیں سنا کہ اسلام کے بعد سب سے بڑی نعمت تندرستی اور امن ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب بادشاہ جو زمین پر خدا کا نائب ہے اور عادل ہو اور اچھی سیاست سے کام لے۔ پرانے سلاطین چاہتے تھے کہ ان کی ہیبت بس اتنی ہو کہ رعیت اسے دیکھ کر ڈرے۔ آج کل کے بادشاہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کی سیاست زبردست ہو اور ان کا خوف مکمل۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اب پہلے سے آدمی نہ رہے اور ہمارے زمانے میں بری عادتیں اور برائیاں پھیل گئی ہیں کیونکہ رذالت اور سخت دلی کا دور دورہ ہے۔ بغض اور کینہ عام ہے۔ جب بادشاہ جو خدا کا سایہ

ہے' رعایا کے حق میں کمزور ہو یا اس میں سیاست اور ہیبت نہ ہو تو ملک ضرور تباہ ہو جائے گا۔ بزرگوں کا قول ہے کہ بادشاہ کا ظلم و ستم سو سال تک رہتا ہے اور رعایا

کا ایک دوسرے پر فقط ایک سال۔ جس وقت رعایا میں جور و ستم کی زیادتی ہو جاتی ہے تو خدا ان پر ایک زبردست اور ظالم بادشاہ مامور کرتا ہے۔ تاریخ میں ہے کہ کسی شخص نے حجاج بن یوسف کے پاس ایک کہانی بھیجی جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ خدا سے ڈر اور خدا کے بندوں پر اتنا ظلم نہ کر۔ یہ کہانی پڑھ کر وہ منبر پر چڑھا۔ وہ فصیح تو تھا ہی اس نے کہنا شروع کیا۔ "اے لوگو! خدا نے تمہارے اعمال کی وجہ سے مجھے تم مامور کیا ہے۔"

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چھتیسویں رات

جب چار سو چھتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ حجاج نے کہا کہ خدا نے تمہارے اعمال کی وجہ سے مجھے تم پر مامور کیا ہے۔ اگر میں مر بھی جاؤں تو تم اپنے برے اعمال کے سبب جور سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ خدا نے میری طرح بہت سے لوگ پیدا کئے ہیں' اگر میں نہ ہوا تو مجھ سے زیادہ جور و ستم کرنے والا ظالم اور طاقتور دوسرا آ جائے گا۔ جور سے لوگ ڈرتے ہیں اور عدل ہر چیز کی اصلاح کر دیتا ہے' ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری اصلاح کرے!

○ تاجر ابوالحسن اور کنیز تودد کی کہانی

بغداد میں ایک شخص رہتا تھا جو بڑا با عزت' مالدار اور صاحب املاک تھا۔ اس کی بہت بڑی تجارت تھی' دنیا کی تمام چیزیں اس کے پاس موجود تھیں لیکن اولاد کی طرف سے نامراد تھا۔ نہ لڑکی نہ لڑکا۔ اس کی عمر زیادہ ہو گئی' ہڈیاں کمزور پڑ گئیں۔ کمر جھک گئی' نقاہت اور غم نے زور پکڑا تو اسے یہ ڈر ہوا کہ اگر کوئی اولاد نہ ہوئی جو میری وارث بنے اور جس سے میری یاد قائم رہے تو میرا سارا مال اور جائیداد ضائع ہو جائے گی۔ یہ سوچ کر وہ خدا کے آگے گڑگڑانے لگا! دن میں روزہ رکھتا' راتوں کو نمازیں پڑھتا' نذریں نیازیں مانتا' نیک بندوں کی زیارت کرتا اور خدا کے سامنے بڑی تضرع و زاری کرتا۔ آخر خدا نے اس کی التجا سن لی اور دعا قبول کر لی اور اس کی تضرع و زاری پر رحم کھایا۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ اپنی بیویوں میں سے ایک سے ہم بستر ہوا اور فوراً اسی رات حمل رہ گیا۔ جب حمل کی مدت پوری ہوئی اور بچہ پیدا ہوا تو

وہ لڑکا تھا اور ایسا حسین جیسے چاند کا ٹکڑا۔ خدا کی شکر گزاری میں اس نے نذریں پوری کیں، خیراتیں کیں، غریبوں، یتیموں کو پوشاکیں پہنائیں اور پیدائش کے ساتویں دن اس کا نام ابو الحسن رکھا۔ دودھ پلائیوں نے اسے دودھ پلایا، کھلائیوں نے کھلایا، غلاموں اور نوکروں چاکروں نے کندھوں پر بٹھایا یہاں تک کہ وہ پل بڑھ کر جوان ہوا۔ قرآن اور اسلام کے فرائض، دین کے احکام، خوش خطی، شعر، حساب، تیر اندازی سیکھی اور اپنے زمانے میں یکتا، اور فرد ہو گیا۔ اس کا چہرہ ملیح تھا، زبان فصیح، قد سڈول، چال آن بان والی، رخسار سرخ، ماتھا چمک دار اور خط سبز۔

ایک مدت تک وہ اسی طرح اپنے باپ کے ساتھ خوش و خرم رہا۔ باپ کی آنکھیں بھی ٹھنڈی رہیں یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گیا۔ ایک دن باپ نے اسے اپنے پاس بلا کر کہا بیٹا! اب میری زندگی ختم ہو گئی ہے، موت کے دن قریب آ گئے ہیں، خدا کے دیدار کے سوا اور کوئی حسرت باقی نہیں رہی۔ میں تیرے لئے اتنا کچھ چھوڑے جاتا ہوں جو کئی پشتوں تک تیرے لئے کافی ہو گا یعنی مال و دولت، جاگیریں، املاک اور باغ۔ مگر بیٹا، اس ترکے میں خدا سے ڈرتا رہیو اور اسی کی پیروی کیجیو جو تیری بھلائی چاہے۔

اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ بیمار ہوا اور مر گیا۔ بیٹے نے اس کی تجہیز و تکفین نہایت عمدہ طریقے سے کی اور اسے دفن کر کے گھر آیا۔ دن رات سوگ میں بیٹھا رہتا۔ دوست آشناؤں نے آ آ کر کہنا شروع کیا کہ جس نے تجھ جیسا بیٹا چھوڑا اسے مردہ نہ سمجھنا چاہیے۔ پھر جو مر گیا وہ مر گیا۔ اس سے زیادہ سوگ تو محض پردہ نشین لڑکیوں اور عورتوں کے لئے ہے۔ وہ اس قدر اس کے پیچھے پڑے رہے کہ بالآخر وہ حمام گیا اور انہوں نے مل جل کر اس کا غم غلط کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو سینتیس ویں رات

چار سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب خواجہ کے بیٹے ابو الحسن کو اس کے دوست حمام لے گئے اور اس کا غم غلط کیا تو اس نے

باپ کی نصیحت بھلا دی۔ مال کی زیادتی کے سبب بے فکر ہو گیا۔ یہ سمجھا کہ زمانہ اس کے لئے ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہے گا اور دولت میں زوال نہیں آ سکتا۔ بے کھٹکے اس نے کھانا پینا' مزے اڑانا' بخششیں کرنا اور سونا چاندی لٹانا شروع کر دیا۔ دن رات مرغیاں کھانا' بوتلیں کھولنا' صراحیوں کے قہقہے اور رنڈیوں کے چہچہے سننا۔ یہی اس کا شغل تھا' نتیجہ یہ ہوا کہ گھر خالی ہو کر اس میں چوہے قلا بازیاں کھانے لگے۔ جو کچھ پاس تھا ختم ہو گیا' محض ایک کنیز باقی رہ گئی جو اسے باپ سے ورثے میں ملی تھی۔ یہ کنیز حسن و جمال' تازگی و شگفتگی اور قد و قامت میں لاجوب اور فنون و آداب میں یکتا تھی۔ زمانے میں اس کا جوڑ نہ تھا' دل ربائی میں لاجواب' علم و عمل میں تمام حسینوں سے بڑھ چڑھ کر تھی۔ قد میانہ' بھوئیں ملی ہوئیں جیسے شعبان کا چاند' آنکھیں غزال کی طرح' ناک جیسے تلوار کی دھار' رخسار شقائق النعمان' منہ گویا حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی' دانت موتیوں کی لڑی۔ ناف ایسی کہ اس میں آدھ سیر تیل آ جائے' کمر عاشق کے بدن سے زیادہ پتلی' کولہے ریت کے تودوں سے زیادہ بھاری۔ عورت کیا چودھویں کا چاند تھا یا چوکڑیاں بھرتا غزال' عمر نو دس سال کی' چاند اور سورج دونوں اس کے آگے مات تھے۔ رنگ صاف' خوشبو سے مہکتی ہوئی' یہ معلوم ہوتا تھا کہ نور سے پیدا کی گئی ہے اور بلور سے بنائی گئی ہے۔ رخسار گلابی'' بدن سانچے میں ڈھلا ہوا۔ جو اسے دیکھتا ہکا بکا ہو کر رہ جاتا اور اس کی مسکراہٹ پر سو جان سے مرنے لگتا۔ وہ دیکھنے والوں پر اپنی نظروں کے تیر چلاتی۔ ساتھ ہی وہ بڑی فصیح اور منتظم تھی۔ جب

ابوالحسن کی ساری دولت ختم اور حالت نا گفتہ بہ ہو گئی اور اس کنیز کے سوا اس کے پاس کچھ نہ رہا اور تین دن تک نہ اس نے کھایا نہ پیا تو کنیز نے اس سے کہا کہ اے میرے آقا' مجھے امیر المومنین ہارون الرشید کے پاس لے چل۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اڑتیس ویں رات

جب چار سو اڑتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ کنیز نے اپنے آپ سے کہا اے میرے آقا' مجھے ہارون الرشید کے پاس لے چل جو بنی عباس کا پانچواں خلیفہ ہے اور اس سے دس ہزار دینار میری قیمت مانگ۔ اگر وہ کہے کہ میں ان داموں میں مہنگی ہوں تو اس سے کہیو کہ امیر المومنین میری کنیز کی قیمت تو اس سے کہیں زیادہ ہے' اگر تو اس کا امتحان کرے گا تو اس کی قدر و قیمت تجھ پر کھل جائے گی۔ ایسی بے نظیر کنیز تیرے سوا کسی اور کے قابل نہیں۔ پھر اس نے مکرر کہا کہ اے میرے آقا' جو قیمت میں نے کہی ہے خبر دار اس سے کم میں نہ بیچیو کیونکہ میرے مقابلے میں یہ بھی کم ہے۔ ابو الحسن کو کنیز کی قدر و قیمت کا بالکل اندازہ نہ تھا۔ اسے مطلق خبر نہ تھی کہ یہ کنیز ایسی ہے جس کا دنیا میں جواب نہیں۔ قصہ مختصر وہ اسے ہارون الرشید کے پاس لے گیا اور پیش کر کے وہ باتیں عرض کیں جو کنیز نے اس سے کہی تھیں۔ خلیفہ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام تودو ہے۔ خلیفہ نے کہا' اے تودو تو کن کن علوم سے بخوبی واقف ہے؟ اس نے عرض کیا اے میرے آقا' میں نحو' شعر' فقہ' تفسیر اور لغت سے واقف ہوں اور موسیقی' علم الفرائض' ریاضی' مساحت اور تاریخ میں مجھے کافی دستگاہ ہے۔ قرآن پر بھی مجھے آگاہی حاصل ہے۔ میں نے ساتوں قراتیں پڑھی ہیں۔ سورتوں' آیتوں' حزبوں' نصفوں' ربعوں' ثمنوں' عشروں اور سجدوں کا شمار معلوم ہے حتیٰ کہ حرفوں کا بھی' اور یہ بھی جانتی ہوں کہ کون سی سورتیں مدنی' کون سی مکی ہیں اور ان کے نزول کا کیا سبب ہے۔ حدیث پر بھی مجھے درایتاً اور روایتاً عبور ہے اور اس پر بھی کہ کون سی مسند اور کون سی مرسل ہیں۔ ریاضی' ہندسہ' فلسفے' حکمت' منطق' اور معانی و بیان میں بھی میں کامل ہوں۔ علاوہ ان کے اور بہت سے علوم مجھے ازبر ہیں شعرو شاعری سے مجھے خاص تعلق ہے میں ساز

بجاتی ہوں' اس کے نغموں کے مقاموں' تاروں کے حرکات و سکنات کے موقعوں سے مجھے بخوبی واقفیت ہے۔ اگر میں گاؤں اور ناچوں تو فتنہ برپا کر دوں' اگر میں بناؤ سنگھار کروں تو قتل عام ہو جائے۔

خلاصہ یہ کہ میں تمام علوم و فنون میں اس درجے تک کمال رکھتی ہوں جو ان کے ماہرین کے علاوہ کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکتا۔

خلیفہ ہارون الرشید نے اس کی باتیں سنیں تو حیرت میں آ گیا کہ اس کم سنی میں اسے اتنا کچھ آتا ہے اور اس کی شیریں کلامی دیکھ کر وہ اس کے آقا ابو الحسن کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا' میں ایک شخص کو بلاتا ہوں جو اس کنیز سے ان تمام چیزوں میں مناظرہ کرے گا جن کا دعویٰ اس نے کیا ہے۔ اگر وہ صحیح جواب دے تو میں تیری منہ مانگی قیمت تجھے دے دوں گا بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اگر وہ جواب نہ دے سکی تو پھر تو ہی اس کا آقا رہے گا۔

ابو الحسن رضا مند ہو گیا۔ امیر المومنین نے بصرے کے عامل کو خط لکھا کہ ابراہیم بن سیار النظام کو میرے پاس بھیج دے۔ یہ شخص حجت اور بلاغت' شعر اور منطق میں بے نظیر تھا۔ جب وہ آیا تو خلیفہ نے اس سے کہا کہ قاریوں' عالموں' طبیبوں' منجموں' حکیموں' مہندسوں اور فلسفیوں کو حاضر کر۔ ابراہیم سب سے بڑھ کر عالم تھا' تھوڑی ہی مدت میں سب کے سب دارالخلافت میں آ گئے۔ کسی کو اس طلبی کا سبب معلوم نہ تھا۔ امیر المومنین نے ان سب کو اپنی مجلس میں طلب کیا اور بیٹھنے کا حکم دیا۔ جب وہ بیٹھ گئے تو اس نے حکم دیا کہ کنیز تودو کو بلایا جائے۔ جب وہ آئی تو اس نے اپنی نقاب اٹھا دی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ کوئی تارا چمک رہا ہے۔ اس کے لئے سونے کی کرسی بچھائی گئی اور وہ سلام کر کے بیٹھ گئی اور نہایت شیریں کلامی سے اس نے کہا کے اے امیر المومنین' جتنے عالم' قاری' طبیب' منجم' حکیم' مہندس اور فلسفی یہاں موجود ہیں' انہیں حکم دے کہ مجھ سے مناظرہ کریں۔

امیر المومنین نے ان لوگوں سے کہا' میں چاہتا ہوں کہ تم اس کنیز سے دین کے متعلق مناظرہ کرو اور جن چیزوں میں اس کا دعویٰ ہے اس کی دلیلیں کاٹو۔ انہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین' خدا کا اور تیرا حکم سر آنکھوں پر۔ اس کے بعد کنیز نے سر نیچا کر کے کہا کہ تم میں سے کون فقیہ' عالم' قاری' محدث ہے؟ ایک نے جواب دیا کہ جیسے شخص کو تو چاہتی ہے میں ہوں۔ کنیز نے کہا کہ پوچھ جو تو پوچھنا چاہتا ہے۔
وہ بولا کیا تو نے خدا کی پاک کتاب پڑھی ہے تجھے ناسخ و منسوخ کا علم ہے اور اس کی آیتوں اور حرفوں پر غور کیا ہے؟ کنیز نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس نے کہا پہلے میں فرضوں اور سنتوں کے بارے میں پوچھتا ہوں۔ بتا اے کنیز' یہ کیا ہیں اور تیرا رب کون ہے' نبی کون' امام کون' قبلہ کیا' بھائی کون' طریقہ کیا' اور کیا راستہ؟ کنیز نے کہا کہ میرا رب اللہ ہے' میرا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم' میرا امام قرآن' میرا قبلہ کعبہ' میرے بھائی مسلمان' میرا طریقہ بھلائی اور میرا راستہ سنت۔ خلیفہ کو اس کی باتیں سن کر بڑا تعجب ہوا کہ یہ کم سنی اور یہ فصاحت! اب اس شخص نے کہا اے کنیز' بتا کہ تو نے خدا کو کیونکر پہچانا؟ اس نے جواب دیا عقل سے۔ اس نے کہا کہ عقل کیا چیز ہے؟ کنیز نے جواب دیا کہ عقل دو طرح کی ہے' ایک فطری اور دوسری اکتسابی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو انتالیس ویں رات

جب چار سو انتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ کنیز نے کہا کہ عقل دو طرح کی ہے' ایک فطری اور دوسری اکتسابی۔ فطری وہ ہے جو خدا نے پیدا کی ہے اور جس سے جس بندے کو وہ چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور اکتسابی وہ ہے جو انسان اپنی تعلیم و تربیت سے حاصل کرتا ہے۔ اس شخص نے کہا شاباش!

اب اس نے پوچھا کہ عقل کہاں ہوتی ہے؟ کنیز نے جواب دیا خدا اسے دل میں ڈالتا ہے اور اس کی شعاعیں دماغ میں جا کر جاگزیں ہوتی ہیں۔ اس نے کہا شاباش! اب اس نے پوچھا کہ تو نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح پہچانا؟ کنیز نے جواب دیا قرآن پڑھنے سے اور نشانیوں سے' دلیلوں سے' حجتوں سے اور معجزوں سے۔ اس نے کہا شاباش! پھر اس نے پوچھا کہ فرض اور سنت کیا ہے؟ کنیز نے جواب دیا کہ فرض تو پانچ ہیں۔

اول اس بات کا اقرار کہ "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمد عبد و رسولہ" دوسرے نماز' تیسرے زکوۃ دینا' چوتھے رمضان کے روزے رکھنا اور پانچواں خدا کے پاک گھر کا حج کرنا۔ ان لوگوں کے لئے جو وہاں جانے کی استطاعت رکھتے ہیں۔ رہیں قائم رہنے والی سنتیں' ان کی تعداد چار ہے۔ رات اور دن' سورج اور چاند' یہی بنیاد ہیں عمر اور امیدوں کی۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ ایمان کے شعائر کیا ہیں؟ اس نے جواب دیا نماز اور زکوۃ روزہ اور حج' جہاد اور حرام سے بچنا۔ اس شخص نے کہا شاباش! اب بتا کہ تو کس چیز کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑی ہوتی ہے؟ کنیز نے جواب دیا اس نیت کے ساتھ کہ میں بندہ ہوں اور خدا کی ربوبیت کا اقرار کرتی ہوں۔ اس نے کہا کہ اب بتا کہ نماز پڑھنے سے پہلے خدا نے کیا کیا چیزیں فرض کی ہیں؟ کنیز نے کہا کہ طہارت' شرم گاہ کا ڈھانکنا' ناپاک کپڑوں کا نہ پہننا' پاک جگہ پر کھڑا ہونا' قبلہ

کی طرف منہ کرنا' قیام نیت اور تکبیر' اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ جب تو گھر سے نماز کے لئے جاتی ہے تو کیا نیت کرتی ہے؟ کنیز نے کہا کہ عبادت کی نیت۔ اس نے پوچھا اور مسجد میں کس نیت سے داخل ہوتی ہے؟ کنیز نے کہا خدمت کی نیت سے۔ اس نے کہا کہ قبلہ رو کیوں ہوتی ہے؟ کنیز نے کہا کہ تین فرضوں اور ایک سنت کی وجہ سے۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ نماز کی ابتدا کیا ہے اور تحلیل و تحریم کسے کہتے ہیں؟ کنیز نے کہا کہ ابتدا طہارت ہے' تحریم' تکبیر اور تحلیل سلام پھیرنا۔ اس نے کہا کہ نماز کے ترک کرنے والے پر کیا واجب آتا ہے؟ کنیز نے کہا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جس نے جان بوجھ کر کسی عذر کے نماز ترک کی' اس کے لئے اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چار سو چالیسویں رات

چار سو چالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب کنیز نے حدیث بیان کی تو اس فقیہ نے کہا کہ شاباش! اب بتا کہ نماز ہے کیا؟ کنیز نے کہا کہ نماز بندے اور اس کے پروردگار کے درمیان ایک لڑی ہے اور اس میں دس خوبیاں ہیں: قلب کی روشنی' چہرے کی رونق' خدا کی خوشنودی' شیطان کی ناراضگی' بلا کا دور ہونا' دشمنوں کے شر سے بچا رہنا' رحمت کا زیادہ ہونا' عذاب سے محفوظ رہنا بندے کا اپنے مولٰی سے تقرب' بری اور فحش باتوں سے دوری۔ نماز ہر ایک پر فرض کی گئی ہے اور وہ دین کی پشت و پناہ ہے۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ نماز کی کنجی کیا ہے؟ کنیز نے کہا وضو۔ اس نے کہا وضو کی کنجی؟ کنیز نے کہا خدا کا نام لینا۔ اس نے پوچھا اور خدا کے نام لینے کی کنجی؟ کنیز نے کہا یقین۔ اس نے پوچھا اور یقین کی کنجی؟ کنیز نے کہا توکل۔ اس نے پوچھا توکل کی کنجی؟ کنیز نے کہا امید۔ اس نے کہا امید کی کنجی؟ کنیز نے کہا طاعت؟ اس نے پوچھا طاعت کی کنجی؟ کنیز نے کہا خدا کی وحدانیت کا اعتراف اور اس کی ربوبیت کا اقرار۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ وضو میں کتنے فرض ہیں؟ کنیز نے کہا کہ امام شافعی محمد بن ادریس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب کی رو سے چھ ہیں: منہ دھونے کے وقت نیت کرنا' منہ دھونا' دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا' سر کے ایک حصے کا مسح کرنا۔ دونوں پاوں کا ٹخنوں سمیت دھونا اور ترتیب۔ اور سنتیں دس ہیں: بسم اللہ پڑھنا اور برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دونوں ہتھیلیوں کا دھونا' کلی کرنا' ناک میں پانی ڈالنا' سارے سر کا مسح کرنا' نئے پانی سے کانوں کے اندر اور باہر مسح کرنا۔ گھنی داڑھی میں خلال کرنا' ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا۔ دہنی طرف کو بائیں پر مقدم کرنا اور ہر عضو کا تین بار دھونا

اور پے در پے وضو کرنا۔ جب وضو ختم کر چکے تو یہ پڑھے: "اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان محمد عبدہ و رسولہ' اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین سبحانک اللھم و بحمدک اشھد انّ لا الہ الا انت استغفرک و اتوب الیک....."
حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی وضو کے بعد یہ دعا پڑھے اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں' جس دروازے سے اس کا جی چاہے' داخل ہو۔
اس نے کہا: شاباش۔
اس شخص نے کہا کہ جب انسان وضو کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے پاس فرشتے اور شیاطین کس طرح آتے ہیں؟ کنیز نے کہا کہ جب انسان وضو کی تیاری کرتا ہے تو دہنی طرف سے فرشتے اور بائیں طرف سے شیاطین اس کے پاس سے بھاگ جاتے ہیں اور فرشتے اس کے اوپر ایک نور کا خیمہ لگاتے ہیں جس میں چار طنابیں ہوتی ہیں اور ہر طناب کے ساتھ ایک فرشتہ جو اس وقت تک خدا کی تسبیح بیان کرتا اور بندے کے لئے مغفرت کرتا رہتا ہے جب تک کہ وہ چپ رہے یا ذکر کرتا رہے اور اگر اس نے وضو سے پہلے خدا کا ذکر کیا اور وضو کرتے وقت چپ نہ رہا تو اس پر شیاطین قبضہ کر لیتے ہیں' فرشتے لوٹ جاتے ہیں اور شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے شک پیدا ہو جاتا ہے اور وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اچھا وضو شیطان کو بھگاتا اور بادشاہ کے ظلم سے بچاتا ہے' اور یہ بھی ارشاد کیا ہے کہ اگر کوئی شخص بے وضو ہو اور اس پر کوئی بلا نازل ہو تو اسے چاہیے کہ محض اپنے آپ کو ملامت کرے۔ فقیہ نے کہا شاباش! اب یہ بتا کہ نیند سے اٹھ کر کیا کرنا چاہیے؟ کنیز نے کہا کہ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تین بار انہیں دھونا چاہیے۔ فقیہ نے کہا شاباش! اب غسل کے فرائض اور سنتیں بیان کر۔ کنیز نے کہا کہ غسل کے فرائض یہ ہیں: نیت اور سارے جسم پر بال اور کھال سمیت پانی پہنچانا اور سنتیں: پہلے وضو کرنا' بدن ملنا اور بالوں میں خلال کرنا اور پاؤں دھونے میں تاخیر کرنا'

ایک قول کے مطابق غسل کے بعد تک۔ فقیہ نے کہا شاباش!
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چار سو اکتالیسویں رات

جب چار سو اکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ فقیہ نے کہا کہ شاباش! اب بتا کہ تیمیم کس وقت کیا جاتا ہے اور اس میں کیا فرض ہے اور کیا سنت؟ کنیز نے کہا کہ تیمیم کے سبب سات ہیں: پانی کا ناپید ہونا' خوف' پانی کی ضرورت' اس کا سفر کے سامان گم ہو جانا' مرض' پٹی' زخم۔

اس کے فرائض چار ہیں: نیت اور مٹی منہ پر ہاتھ سے ملنا اور دونوں ہاتھوں پر۔ اس کی سنتیں: بسم اللہ پڑھنا اور دہنی طرف کو بائیں طرف پر مقدم کرنا۔ فقیہہ نے کہا کہ شاباش! اب بتا کہ نماز کی شرائط اور اس کے ارکان اور سنتیں کیا ہیں؟ کنیز نے کہا کہ شرائط پانچ ہیں: اعضا کی پاکی' شرم گاہ کا ڈھانکنا' وقت کا ہونا' خواہ یقین یا گمان کے ساتھ' قبلہ رو ہونا اور پاک جگہ پر کھڑا ہونا۔ فاتحہ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور امام شافعی کے مذہب کی رو سے ایک آیت پڑھنا۔ اطمینان کے ساتھ رکوع کرنا' اطمینان کے ساتھ کھڑا ہونا۔ اطمینان کے ساتھ سجدہ کرنا۔ اطمینان کے ساتھ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا' آخری تشہد کے لئے بیٹھنا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا' پہلا سلام اور ایک قول کے موافق نماز ختم کرنے کی نیت۔

نماز کی سنتیں یہ ہیں: اذان' اقامت' دونوں ہاتھ اٹھانا۔ نیت کرتے وقت افتتاحی دعا' اعوذ باللہ پڑھنا' آمین کہنا۔ فاتحہ کے بعد سورت پڑھنا' ایک حالت سے دوسری پر جاتے وقت اللہ اکبر کہنا' سمع اللہ لمن حمدہ و ربنا لک الحمد کہنا' بعض چیزیں زور سے پڑھنا اور بعض آہستگی سے' پہلا تشہد اور اس کے لئے بیٹھنا' دوسرے تشہد اور تسلیم کے وقت رسول اللہ پر دردو بھیجنا اور ان کی اولاد پر درود بھیجنا۔ فقیہ نے کہا کہ شاباش! اب یہ بتا کہ زکوہ کن کن چیزوں میں واجب آتی ہے؟ کنیز نے کہا سونے' چاندی' اونٹوں' بھیڑوں'

بکریوں گائے بیلوں' گیہوں' جو' باجرے اور آٹے' پھلیوں' چنوں چاولوں' کشمشوں اور چھواروں میں۔ فقیہ نے کہا شاباش! اب فقیہ نے پوچھا کہ کتنے سونے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ کنیز نے کہا کہ بیس مثقال سے کم پر زکوٰۃ نہیں۔ جب بیس پورے ہو جائیں تو اس پر آدھا مثقال اور اسی حساب سے اس سے زیادہ پر۔ فقیہ نے کہا کہ کس قدر چاندی پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ کنیز نے کہا کہ دو سو درہم سے کم پر زکوٰۃ نہیں۔ اگر دو سو پورے ہو جائیں تو پانچ درہم اور اسی حساب سے اس سے زیادہ پر۔ فقیہ نے کہا کہ شاباش! اب یہ بتا کہ اونٹوں میں کتنے پر واجب ہے؟ کنیز نے کہا پانچ سے پچیس اونٹوں تک ایک گابھن اونٹنی۔ فقیہ نے کہا شاباش! اب یہ بتا کہ کتنی بھیڑوں پر زکوٰۃ واجب آتی ہے؟ کنیز نے کہا پوری چالیس پر ایک بھیڑ۔ اس نے کہا' شاباش! اب روزے اور اس کے فرائض کے متعلق بیان کر۔ کنیز نے کہا روزے میں فرض یہ ہیں: نیت اور کھانے پینے' جماع اور عمداً قے کرنے سے بچنا۔ روزہ ہر بالغ عاقل پر واجب ہے جو حیض و نفاس سے پاک ہو اور روزہ اس وقت فرض ہوتا ہے جب چاند دکھائی دے یا ایسا شخص گواہی دے جس کی سچائی پر اعتماد ہو' واجب' رات کے وقت نیت کرنا ہے۔ سنت: افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں دیر کرنا اور سوائے اچھی باتوں کے زبان پر نہ لانا' خدا کی یاد اور قرآن کی تلاوت۔ فقیہ نے کہا شاباش! اب وہ چیزیں بتا جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کنیز نے کہا کہ تیل اور سرمہ لگانا' راہ کی گرد اور تھوک نگلنا۔ احتلام سے منی کا خارج ہونا اور غیر عورت کی طرف دیکھنا' فصد کھولنا اور سینگی لگوانا۔ ان تمام باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ فقیہہ نے کہا کہ شاباش! اب عیدین کی نماز کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا دو رکعتیں بغیر اذان اور اقامت کے لیکن نماز جماعت

سے ہونی چاہیے۔ پہلی رکعت میں علاوہ احرامی تکبیر کے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں علاوہ قیام کی تکبیر کے پانچ تکبیریں ہیں' یہ ہے امام شافعی کا مذہب' پھر تشہد۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• چار سو بیالیسویں رات

چار سو بیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب کنیز نے فقیہ سے عیدین کی نماز کے متعلق بیان کیا تو اس نے کہا شاباش! اب سورج گرہن اور چاند گرہن کی نماز کے متعلق بیان کر۔ کنیز نے کہا کہ دو دو رکعتیں بغیر

اذان اور اقامت کے' ہر رکعت میں دو قیام' دو رکوع' دو سجدے' دو جلسے' دو تشہد اور دو سلام۔ فقیہ نے کہا شاباش! اب بارش طلب کرنے کی نماز کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا بغیر اذان اور اقامت کے' مگر تشہد پڑھا جائے اور سلام پھیرا جائے اور جس طرح عیدین کے خطبے میں تکبیریں پڑھی جاتی ہیں اس میں خدا سے استغفار کیا جاتا ہے اور چادر الٹ کر اوڑھی جاتی ہے۔ اس طرح سے کہ نیچے کا حصہ اوپر' اوپر کا نیچے اور دعا مانگی اور تضرع و زاری کی جاتی ہے۔ فقیہ نے کہا شاباش! اب وتر کی نماز کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا کم از کم ایک رکعت اور زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعتیں ۔ اس

نے کہا شاباش! اور چاشت کی نماز کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا کم از دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ۔ وہ بولا شاباش! اچھا اعتکاف کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا وہ سنت ہے۔ پوچھا اس کی شرط کیا ہے؟ کنیز نے کہا کہ نیت اور یہ کہ معتکف بغیر ضرورت کے مسجد سے نہ نکلے۔نہ عورتوں سے ہم بستر ہو' روزے رکھے اور بات چیت کرنا بند کر دے۔ اس نے کہا کہ شاباش! اب بتا کہ حج کب واجب ہوتا ہے؟ کنیز نے کہا بالغ اور عاقل مسلمان پر بشرطیکہ اسے استطاعت ہو اور وہ عمر میں ایک بار مرنے سے پہلے فرض ہے۔ اس نے پوچھا کہ حج کے فرائض کیا ہیں؟ کنیز نے کہا احرام اور عرفے میں ٹھہرنا' طواف اور دوڑنا' سر منڈوانا اور بال کتروانا۔ اس نے پوچھا کہ عمرے کے

فرائض کیا ہیں؟ کنیز نے کہا احرام' طواف اور دوڑنا۔ پوچھا کہ احرام میں کیا کیا چیزیں فرض ہیں؟ کنیز نے کہا' سلے ہوئے کپڑے نہ پہننا' نہ عطر لگانا' نہ سر منڈوانا' نہ ناخن کاٹنا' نہ شکار کرنا' نہ مجامعت کرنا۔ اس نے پوچھا حج میں سنتیں کیا کیا ہیں کنیز نے کہا لبیک کہنا' قدوم کا طواف' وداع' مزدلفہ' اور منیٰ میں رات گزارنا اور کنکریاں پھینکنا۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ جہاد کیا ہے اور اس کے ارکان کیا ہیں؟ کنیز نے کہا ارکان یہ ہیں: کفار کا ہم پر حملہ کرنا' امام کا موجود ہونا' تیاری اور لڑائی کے وقت ثابت قدمی جہاد میں سنت ہے لوگوں کو لڑائی پر آمادہ کرنا کیونکہ خدا فرماتا ہے: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مومنوں کو جنگ پر آمادہ کر۔ اس نے کہا شاباش! اب بیع کے فرض اور سنتیں بیان کر۔ کنیز نے کہا کہ فرض یہ ہیں: ایجاب اور قبول' اور یہ کہ بیچنے والا جو چیز بیچے وہ اس کی ملکیت ہو' وہ اس سے فائدہ اٹھاتا ہو اور وہ تسلیم کی جا سکے۔ بیاج نہ لینا۔ اور سنتیں یہ ہیں: اقالہ اور اختیار قبل اس کے کہ دونوں جدا ہوں۔ وہ بولا شاباش! اب وہ چیزیں بتا جو ایک دوسرے کے عوض میں نہیں دی جا سکتیں۔ کنیز نے کہا کہ اس کے متعلق مجھے ایک حدیث یاد ہے جو نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ آپ نے منع کیا کہ چھوارے کھجوروں کے بدلے نہ بیچے جائیں نہ تر انجیر خشک انجیر کے بدلے۔ نہ سوکھا گوشت تازے گوشت کے بدلے' نہ مکھن چربی کے بدلے' غرض کہ تمام ایسی کھانے کی اشیاء جو ایک ہی قسم کی ہوں۔

فقیہ نے اس کی باتیں سنیں تو سمجھ گیا کہ وہ بڑی ذکی فطیں ہے اور فقہ' حدیث اور تفسیر وغیرہ کی عالم ہے۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب مجھے کوئی چال چلنی چاہیے تا کہ میں اسے امیر المومنین کی مجلس میں نیچا دکھاؤں۔

یہ سوچ کر اس نے کہا کہ اے کنیز' لغت میں وضو کے کیا معنی ہیں؟ کنیز نے کہا: لغت میں وضو کے معنی ہیں صفائی اور گندگی کے دور ہونے کے۔ فقیہ نے کہا کہ لغت

میں صلوٰہ کے کیا معنی ہیں؟ کنیز نے کہا کہ نیکی کی دعا کرنا۔ اس نے پوچھا اور غسل کے معنی؟ کنیز نے کہا پاک کرنا۔ اس نے پوچھا صوم کے معنی؟ کنیز نے کہا: روکنا۔ اس نے پوچھا اور زکوٰہ کے معنی؟ کنیز نے کہا: زیادتی۔ اس نے پوچھا: حج؟ کنیز نے کہا: جانا۔ اس نے پوچھا: جہاد؟ کنیز نے کہا: دفع کرنا۔ اب فقیہ کی ساری لن ترانیاں ختم ہو گئیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو تینتالیس ویں رات

چار سو تینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب فقیہ کی ساری دلیلیں ختم ہوگئیں تو وہ اٹھ کر کہنے لگا کہ اے امیر المومنین' میں تجھے اس

بات کا گواہ بناتا ہوں کہ کنیز فقہ میں مجھ سے زیادہ عالم ہے۔ کنیز بولی میں تجھ سے ایک بات پوچھتی ہوں اور اگر تو اس کا جواب دے سکتا ہے تو جلد دے۔ اس نے کہا پوچھ۔ کنیز نے کہا کہ دین کے ستون کیا ہیں؟ اس نے کہا کہ دس: پہلا شہادت اور وہ ملت ہے' دوسرا نماز اور وہ فطرت ہے' تیسرا زکوٰۃ اور وہ طہارت ہے' چوتھا روزہ اور وہ حفاظت ہے' پانچواں حج اور وہ شریعت ہے' چھٹا جہاد اور وہ کفایت ہے' ساتواں اور آٹھواں نیکی کی ترغیب دینا اور بدی سے منع کرنا اور غیرت ہے' نواں جماعت اور وہ الفت ہے' دسواں علم حاصل کرنا اور وہ عمدہ طریقہ ہے۔ کنیز نے کہا: شاباش اب ایک مسئلہ باقی ہے۔ اسلام کے اصول کیا ہیں؟ اس نے کہا چار: عقد کی صحت' ارادے کی سچائی' حدود کی حفاظت اور وعدہ وفائی۔

کنیز نے کہا ایک مسئلہ اور باقی ہے اور اگر تو نے جواب دیا تو خیر ورنہ میں تیرے کپڑے اتار لوں گی۔ اس نے کہا کہہ اے کنیز۔ کنیز نے پوچھا کہ اسلام کے فروع کیا ہیں؟ فقیہ تھوڑی دیر چپ رہا اور کچھ جواب نہ دیا۔ کنیز نے کہا کہ اپنی عبا اتار ڈال' میں انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہوں۔ امیر المومنین نے کہا تو تفصیل کے ساتھ بیان کر' میں اس کے کپڑے اتار کر تجھے دوں گا۔ کنیز نے کہا' وہ باتیں ہیں ------ قرآن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا' رسول اللہ کی اقتدا' تکلیف نہ پہنچانا' حلال کھانا' حرام سے پرہیز کرنا' ظلم کو ظالموں کی طرف رد کرنا' توبہ' دین کا علم' دوست کی محبت' وحی کی پیروی' پیغمبروں کی تصدیق' بدعت کا ڈر' سفر کی تیاری' یقین کی قوت' باوجود قدرت کے عفو کرنا' باوجود ضعف کے قدرت رکھنا' مصیبت کے وقت صبر' خدا کی معرفت' اس

چیز کی معرفت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں' ملعون ابلیس کی مخالفت' نفس کا مجاہدہ اور اس کی مخالفت' خدا کے لئے خلوص۔

جب امیر المومنین نے اسے یہ کہتے سنا تو حکم دیا کہ فقیہ اپنے کپڑے اور چادر اتار ڈالے۔ فقیہ نے انہیں اتار ڈالا اور امیر المومنین کے سامنے سے شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

اب ایک دوسرے شخص نے اٹھ کر کہا اے کنیز' مجھ سے بھی چند مسئلے سن لے۔

کنیز نے کہا کہہ۔ اس نے پوچھا کہ بہترین تسلیم کسے کہتے ہیں؟ کنیز نے کہا قضا و قدر' جنس اور اجل جو معلوم ہیں۔ اس نے کہا شاباش! کھانے کے فرض اور سنتیں کیا ہیں؟ کنیز نے کہا فرض یہ ہیں: اس بات کا اعتراف کرے کہ خدا اسے رزق دیتا اور کھلاتا پلاتا ہے اور ان چیزوں پر اس کا شکر گزار ہونا۔ اس نے کہا شکر کیا ہے؟ کنیز نے کہا بندہ ان تمام چیزوں کو جو خدا نے اسے دی ہیں ان پر خرچ کرے جنہیں خدا نے ان کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس نے کہا کھانے کی سنتیں کیا ہیں؟ کنیز نے کہا بسم اللہ کہنا' دونوں ہاتھ دھونا' بائیں چوتڑ پر بیٹھنا' تین انگلیوں سے کھانا اور اس چیز میں سے کھانا جو قریب ہو۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ کھانے کے آداب کیا ہیں؟ کنیز نے کہا کہ چھوٹے چھوٹے لقمے لینا اور اپنے پاس بیٹھنے والی کی طرف کم دیکھنا' اس نے کہا' شاباش!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چوالیس ویں رات

جب چار سو چوالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... فقیہ نے کہا شاباش! اب بتا کہ قلب کے عقائد اور ان کے اضداد کیا ہیں؟ کنیز نے جواب دیا عقائد تین ہیں اور اضداد بھی تین: پہلے ایمان کا اعتقاد اور اس کی ضد کفر سے بچنا' دوسرے سنت کا اعتقاد اور اس کی ضد بدعت سے بچنا' تیسرے طاعت کا اعتقاد اور اس کی ضد معصیت سے بچنا۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ وضو کے شرائط کیا ہیں؟ کنیز نے کہا کہ اسلام اور تمیز' پانی کا پاک ہونا اور حسی و شرعی مانع کا نہ ہونا۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ ایمان کیا ہے؟ کنیز نے کہا کہ ایمان کی نو قسمیں ہیں: معبود پر ایمان رکھنا' عبودیت پر ایمان رکھنا' خصوصیت پر ایمان رکھنا' قبضتین پر ایمان رکھنا' قضا و قدر پر ایمان رکھنا' ناسخ پر ایمان رکھنا' منسوخ پر ایمان رکھنا' خدا اور اس کے فرشتوں اور پیغمبروں پر ایمان رکھنا' قضا و قدر کی بھلائی اور برائی اور مٹھاس اور کڑواہٹ پر ایمان رکھنا۔ اس نے کہا شاباش! اب وہ تین چیزیں بتا جن سے تین چیزیں زائل ہو جاتی ہیں۔ کنیز نے کہا۔ سفیان ثوری سے روایت ہے کہ تین چیزیں تین چیزوں کو زائل کر دیتی ہیں: پارساؤں کی تحقیر آخرت کو زائل کر دیتی ہے' بادشاہوں کی تحقیر جان کو اور خیرات کی تحقیر مال کو۔ اس نے کہا شاباش! اب آسمانوں کی کنجیوں کے متعلق بتا اور یہ کہ اس کے کتنے دروازے ہیں۔ کنیز نے کہا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ "آسمانوں کو کھولا گیا یہاں تک کہ اس کے کئی دروازے ہو گئے۔" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آسمان کے دروازوں کی تعداد سوا اس کے خالق کے کسی کو معلوم نہیں۔ ہر انسان کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں۔ ایک وہ جس سے اس کا رزق اترتا ہے اور دوسرا وہ جس سے اس کے اعمال اوپر چڑھتے ہیں۔ رزق کا دروازہ اس وقت تک بند نہیں ہوتا جب تک کہ زندگی ختم نہ ہو جائے اور اعمال کا

دروازہ اس وقت تک بند نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی روح اوپر نہ چڑھ جائے۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ ایک چیز کیا ہے اور آدھی کیا اور ہیچ کیا؟ کنیز نے کہا ایک چیز مومن ہے' آدھی چیز منافق اور ہیچ کافر۔

اس نے کہا شاباش! اب قلوب کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا سلیم قلب اور سقیم قلب' تائب 'قلب' خبردار کرنے والا قلب اور خدا سے ڈرنے والوں کا' خبردار کرنے والا ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اور روشن قلب ان کی پیروی کرنے والوں کا۔

علماء کے دل تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو دنیا سے وابستہ ہو' دوسرا آخرت سے اور تیسرا خدا سے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دل تین طرح کے ہوتے ہیں: معلق دل جو کافر ہے۔ معدوم جو منافق کا ہے اور ثابت جو مومن کا ہے۔ یہ بھی ایک مقولہ ہے کہ دل کی یہ تین قسمیں ہیں: ایک وہ جو نور اور ایمان سے بھرا ہوا ہو' دوسرا وہ جو ہجر کے خوف سے زخمی ہو' تیسرا وہ جو ناکامی سے ڈرتا ہو۔ اس نے کہا شاباش!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چار سو پینتالیسویں رات

جب چار سو پینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- فقیہ نے کہا شاباش! کنیز نے کہا امیر المومنین' اس نے اتنے سوال کئے کہ تھک گیا۔ اب میں اس سے دو باتیں پوچھتی ہوں اگر اس نے جواب دے دیا تو خیر' ورنہ میں اس کے کپڑے اتار لوں گی۔ فقیہ نے کہا کہ جو تیرا جی چاہے پوچھ۔ کنیز نے کہا کہ ایمان کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا کہ ایمان اس کا نام ہے کہ زبان سے اقرار ہو' دل سے تصدیق اور اعضا سے عمل' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ مومن کا ایمان اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں یہ پانچ باتیں پورے طور سے نہ ہوں: خدا پر بھروسہ' اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دینا' اس کے حکموں کو ماننا' اس کی تقدیر پر راضی رہنا اور یہ کہ اس کے سارے کام خدا کے لئے ہوں' جو شخص خدا کے لئے محبت کرتا ہے' اسی کے لئے بخشش کرتا ہے اور اسی کے لئے اپنے آپ کو روکتا ہے تو اس کا ایمان بھرپور ہے۔ کنیز نے کہا کہ فرض کا فرض کیا ہے۔ وہ فرض جو ہر فرض کے شروع میں ہو۔ وہ فرض جس کی ضرورت ہر فرض کو ہو اور وہ فرض جس میں تمام فرض ڈوب جائیں؟ اور وہ سنت کیا ہے جو فرض کے اندر داخل ہو اور وہ سنت جس سے فرض پورا ہو۔ فقیہ چپ ہو گیا' اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ امیر المومنین نے کنیز سے کہا کہ تو خود بیان کر اور فقیہ سے کہا کہ کپڑے اتار کر اسے دے دے۔ کنیز نے کہا اے فقیہ' فرض کا فرض خدا کی معرفت ہے وہ فرض جو ہر فرض کے شروع میں ہو اس بات کی گواہی ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وہ فرض جس کی ضرورت ہر فرض کو ہو' وضو ہے وہ سنت جو فرض کے اندر داخل ہو' انگلیوں اور گھنی داڑھی میں خلال کرنا ہے' وہ سنت جس سے فرض پورا ہو ختنہ ہے۔ اب فقیہ کی نا قابلیت ثابت ہو گئی اور وہ کھڑا

ہو کر کہنے لگا کہ امیر المومنین' خدا گواہ ہے کہ یہ کنیز فقہ وغیرہ میں مجھ سے زیادہ عالم ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے کپڑے اتار ڈالے اور کھسیانا ہو کر چل دیا۔

اب قرآن داں کے ساتھ جو پیش آیا' وہ سنئے۔ کنیز ان عالموں کی طرف متوجہ ہوئی جو باقی رہ گئے تھے اور کہنے لگی تم میں سے بڑا قرآن داں کون ہے جو ساتوں قراتوں سے واقفیت رکھتا ہو اور نحو اور لغت کا عالم ہو؟ یہ سن کر ایک قرآن داں اٹھا اور اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا اور بولا کیا تو نے قرآن پڑھا ہے' اس کی آیتوں' ناسخ و منسوخ' محکم و متشابہہ' مکی اور مدنی کا علم تجھے ہے اور اس کی تفسیر' روایات اور قرات کے اصول تو جانتی ہے؟ کنیز نے جواب دیا ہاں۔ اس نے پوچھا قرآن میں کتنی سورتیں ہیں' کتنے عشور' کتنی آیتیں' کتنے حروف' کتنے سجدے' کتنے نبیوں کا ذکر ہے اور کتنی مدنی اور کتنی مکی سورتیں ہیں اور کتنی چڑیوں کا ذکر ہے؟ کنیز نے کہا اے میرے آقا' قرآن میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں' منجملہ ان کے ستر مکی اور چوالیس مدنی۔ عشور کی تعداد چھ سو اکیس ہے' آیتیں چھ ہزار دو چھتیس ہیں۔ الفاظ اناسی ہزار چار سو انتالیس' حرف تین لاکھ تینتیس ہزار چھ سو ستر' ہر حرف کے بدلے پڑھنے والے کو دس بھلائیاں ملتی ہیں۔ سجدوں کی تعداد چودہ ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چھیالیس ویں رات

جب چار سو چھیالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ کنیز نے قرآن داں کا جواب دیتے ہوئے کہا جن نبیوں کا ذکر قرآن میں آیا ہے وہ پچیس ہیں۔ آدم' نوح ابراہیم' اسمٰعیل' اسحٰق' یعقوب' یوسف' السیع' یونس' لوط' صالح' ھود' شعیب' داؤد' سلیمان' ذو الکفل' ادریس' الیاس' یحیٰ' زکریا' ایوب' موسیٰ' ہارون' عیسیٰ' محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

چڑیاں نو ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے: اس نے پوچھا کہ ان کے نام کیا ہیں؟ کنیز نے کہا: مچھر' شہد کی مکھی' مکھی' چیونٹی' ہدہد' کوا' ٹڈی' ابابیل اور حضرت عیسیٰ کی چڑیا یعنی چمگاڈر۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا قرآن میں کون سی سورت سے سب سے افضل ہے؟ کنیز نے کہا کہ سورہ البقرہ۔ اس نے پوچھا کون سی آیت سب سے بڑی ہے؟ کنیز نے کہا: 'آیت الکرسی' اس میں پچیس لفظ ہیں اور ہر لفظ میں پچاس برکتیں۔ اس نے کہا: کس آیت میں نو آیات ہیں؟ کنیز نے کہا کہ اس آیت میں:

ان فی خلق السموت والارض واختلاف اللیل والنہار والفلک التی تجری.... الخ

اس نے کہا شاباش! پھر اس نے پوچھا کون سی آیت عدل کے متعلق ہے؟ کنیز نے کہا کہ

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان......

اس نے پوچھا: طمع کے متعلق؟

کنیز نے کہا:

ایطمع کل امرء منھم ان یدخل جنتہ نعیم......

اس نے پوچھا: رجا کے متعلق؟

کنیز نے کہا:

قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمہ اللہ...... الخ

اس نے کہا: شاباش! اب بتا تو قرآن کس قرات سے پڑھتی ہے؟ کنیز نے کہا کہ جنت

والوں کی قرات سے جو نافع کی قرات ہے۔ اس نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے

جس میں نبی کے سامنے جھوٹ بولنے کا ذکر ہے؟

کنیز نے کہا:

وجاوا علی قمیصہ بدم کذب......

یہ لوگ یوسف کے بھائی تھے۔

اس نے کہا کس آیت میں کافروں نے سچ بولا ہے؟

کنیز نے کہا:

وقالت لیھود لیست النصاری علی شنی ..... الخ....

اس میں دونوں نے سچ کہا ہے۔

اس نے کہا: کون سی آیت خدا نے اپنی ذات کے لئے اتاری ہے؟

کنیز نے کہا:

و ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون....

اس نے کہا: کس آیت میں فرشتوں کا قول ہے؟

کنیز نے کہا:

و نحن نسبح بحمد ک نقدس لک....

اس نے کہا: "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" کے متعلق جو کچھ اس کے بارے میں

آیا بیان کر۔

کنیز نے کہا: خدا کا واجب حکم ہے کہ تعوذ قرآن پڑھنے کے ساتھ پڑھی جائے۔ اس

پر خدا کا قول دلالت کرتا ہے کہ

فاذا قرات القرآن فاستعبذ باللہ من لشیطان الرجیم....

اس نے کہا: استعاذہ کس کس طرح کیا جاتا ہے اور ان میں ایک اختلاف ہے؟ کنیز

نے کہا: بعض لوگ اس طرح استعاذہ کرتے ہیں کہ

اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم....

اور بعض اس طرح سے کے "اعوذ باللہ القوی......" لیکن بہترین وہ ہے جو خود قرآن میں آیا ہے اور جس کے متعلق حدیثیں ہیں ------ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن

پڑھتے تو کہتے کہ "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم....." نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت نماز پڑھتے تو کہتے کہ

اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا و سبحان اللہ بکرہ و اصیلا.....

اس کے بعد کہتے

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم و من ھمزات الشیاطین و نزغاتھم....

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پہلے پہل جب جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہیں استعاذہ سکھایا اور کہا کہ اے محمدؐ! کہہ ------

اعوذ باللہ السمیع العلیم......

پھر کہہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کے بعد کہہ

اقرا باسم ربک الذی خلق...... خلق الانسان من علق......

جب قرآن داں نے اس کا جواب سنا تو دنگ رہ گیا کہ اس میں اتنی فصاحت اور علم و فضل ہے۔

پھر اس نے کہا کہ اے کنیز! بتا' آیا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے؟

کنیز نے کہا: ہاں! سورہ النمل میں ایک آیت ہے اور اسی طرح دو سورتوں کے بیچ میں ایک آیت ہے۔ اس کے متعلق علماء میں بہت کچھ اختلاف ہے۔

اس نے کہا: شاباش!
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو سینتالیسویں رات

جب چار سو سینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ فقیہ نے کہا: شاباش! اب بتا کہ سورہ البراہ کے پہلے بسم اللہ کیوں نہیں لکھی جاتی؟ کنیز نے کہا کہ جب یہ سورت اتری ہے اس کا منشا یہ تھا کہ جو عہد و پیمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان ہے توڑ ڈالا جائے تو آپ نے علی کرم اللہ وجہ کو اسے لے کر حج کے زمانے میں بھیجا' انہوں نے پڑھ کر سنایا مگر اس کے ساتھ بسم اللہ نہ پڑھی۔ اس نے کہا بسم اللہ کی فضیلت اور برکت بیان کر۔ کنیز نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس چیز پر بھی بسما　　للہ

پڑھی جائے گی اس میں برکت ہو گی اور یہ بھی آپ ہی کا قول ہے کہ خدا نے اپنی عزت کی قسم کھا کر کہا کہ جس بیمار پر بھی بسم اللہ پڑھی جائے گی اس کی بیماری دور ہو جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ جب خدا نے عرش پیدا کیا تو وہ بہت ہل ڈل رہا تھا: پھر اس پر اس نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا اور وہ ساکن ہو گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بسم اللہ نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ تین چیزوں سے میں محفوظ ہو گیا: زمین میں دھنسنے' مسخ ہونے اور غرق ہونے سے۔ اس کی فضیلتیں بڑی ہیں اور برکتیں بہت' تشریح بہت لمبی چوڑی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ ایک شخص قیامت کے دن پیش کیا جائے گا اور محاسبہ کرنے سے معلوم ہو گا کہ اس کی ایک بھی نیکی نہیں اور اسے دوزخ میں جانے کا حکم دیا جائے گا۔ وہ کہے گا کہ خداوندا تو نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ خدا کہے گا کہ کس طرح؟ وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار تو نے اپنا نام رحمٰن اور رحیم رکھا اور چاہتا ہے کہ مجھے

دوزخ کا عذاب دے۔ خدا کہے گا کہ میں نے اپنا نام رحمٰن اور رحیم رکھا ہے' میری رحمت کی بنا پر میرے بندے کو جنت میں لے جاؤ کیونکہ میں تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں۔ فقیہ نے کہا: شاباش! اب بتا کہ بسم اللہ کی ابتدا کیسے ہوئی؟ کنیز نے کہا: جس وقت خدا نے قرآن اتارنا شروع کیا تو لوگ باسمک اللھم لکھا کرتے تھے۔ جب خدا نے یہ آیت نازل کی کہ "قل ادعو اللہ اودعو الرحمٰن......
الخ... تو لوگوں نے بسم اللہ الرحمٰن لکھنا شروع کیا' پھر جب یہ آیت اتری کہ الھکم الہ واحدہ لا الہ الا ھو الرحمٰن الرحیم.... تو اس وقت سے لوگ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے لگے۔

فقیہ نے یہ باتیں سن کر سر نیچا کر لیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ عجیب و غریب بات ہے' بسم اللہ کی ابتدا اس نے کس خوبی سے بیان کی: اگر میں نے کوئی تدبیر نہ نکالی تو میں اس پر غالب نہیں آ سکتا۔ اب اس نے کہا کہ اے کنیز خدا نے سارا قرآن ایک بار آتا ہے یا ٹکڑے ٹکڑے کر کے؟

کنیز نے کہا' جبرئیل نے خدا کی طرف سے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ قرآن امر و نہی' وعدہ و وعید اور اخبار و امثال کی شکل میں تئیس سال کے اندر ضرورت کے موافق ٹکڑے ٹکڑے کر کے اتارا۔

اس نے کہا کہ شاباش! اب بتا کہ پہلی سورت کون سی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری؟ کنیز نے کہا کہ ابن عباس کے قول کے موافق سورہ العلق اور جابر بن عبد اللہ کے موافق سورہ المدثر' اس کے بعد باقی سورتیں اور آیتیں اترتی رہیں۔ اس نے کہا کہ آخری آیت کون سی اتری ہے؟ کنیز نے کہا ربا کی آیت ہے اور دوسری روایت کے مطابق اذا جاء نصراللہ والفتح.....

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو اڑتالیس ویں رات

جب چار سو اڑتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ کنیز نے کہا کہ اذا جاء نصرللہ والفتح.... اس نے کہا' شاباش! اب بتا کہ کتنے صحابیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن جمع کیا تھا۔ کنیز نے کہا چار نے: ابی بن کعب' زید بن حارث' ابو عبیدہ عامر بن الجراح اور عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ وہ قاری کون کون سے ہیں جن سے قرات لی گئی ہے؟ کنیز نے کہا وہ چار ہیں: عبد اللہ بن مسعود' ابی بن کعب' معاذ بن جبل اور سالم بن عبداللہ۔ اس نے کہا کہ اس آیت کے متعلق تیرا کیا خیال ہے کہ تعلم مافی نفسی ولا اعلم مافی نفسک؟.... کنیز نے کہا تو میری حقیقت اور تمام رازوں سے واقف ہے اور میری تیری کوئی چیز نہیں جانتا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ انک النت علام الغیوب.... اس نے کہا کہ اس آیت کے متعلق تیرا کیا خیال ہے یا ایھا الذین امنوالا تحر مواطیبات ما احل اللہ لکم... کنیز نے کہا شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ وہ مسلمانوں کا ایک گروہ تھا جو کہتے تھے کہ ہم اپنے تناسل کے آلوں کو کاٹ ڈالیں گے اور بال کے کپڑے پہنیں گے' اس پر یہ آیت اتری۔ قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ کا بیان ہے کہ یہ آیت چند صحابیوں کے متعلق اتری ہے اور وہ یہ ہیں: علی ابن ابی طالب' عثمان بن معصب وغیرہ جو کہتے تھے کہ ہم اپنے آپ کو خصی کر ڈالیں گے اور بالوں کے کپڑے پہن کر راہب بن جائیں گے۔ اس نے کہا اس آیت کے متعلق تو کیا کہتی ہے کہ واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا... کنیز نے کہا: خلیل کے معنی ہیں محتاج اور فقیر کے اور ایک اور قول کے موافق دوست کے جو سب کچھ چھوڑ کر خدا کا ہو لیا ہو اور اس کے ساتھ یکسوئی حاصل ہو گئی ہو۔

جب اس قرآن داں نے دیکھا کہ وہ بادل کی طرح بولتی چالتی ہے اور جواب دینے میں ذرا بھی نہیں رکتی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے امیر المومنین' خدا گواہ ہے کہ یہ کنیز قرات وغیرہ میں مجھ سے زیادہ عالم ہے۔ اب کنیز نے کہا کہ میں تجھ سے فقط ایک مسئلہ پوچھتی ہوں' اگر تو نے جواب دے دیا تو خیر ورنہ میں تیرے کپڑے اتار لوں گی۔ امیر المومنین نے کہا: پوچھ۔ کنیز نے کہا: وہ کون سی آیت ہے جس میں تیئس کاف ہیں اور کس آیت میں سولہ میم ہیں او کس آیت میں ایک سو چالیس عین ہیں اور کس حزب میں میں جلالت نہیں؟ قرآن داں اس کا جواب دینے سے عاجز ہو گیا۔ کنیز نے کہا: اپنے کپڑے اتار' اس نے کپڑے اتار دیئے اور کنیز نے کہا اے امیر المومنین! جس آیت میں سولہ میم ہیں وہ سورہ ھود میں ہے کہ قیل یانوح اھبط بسلام منا و برکات علیک...... الخ...... جس آیت میں تیئس کاف ہیں وہ سورہ البقرہ میں ہے وہ آیت الدین ہے اور جس آیت میں ایک سو چالیس عین ہیں وہ سورہ الاعراف میں ہے کہ واختار موسیٰ قومہ سبعین رجلا.... الخ.... جس حزب میں جلالت نہیں وہ یہ ہے: اقتربت الساعہ والشق القمر.... اور الرحمٰن... اور الواقعہ... یہ سن کر قرآن داں شرمندہ ہوا اور چل دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چار سو انچاسویں رات

چار سو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب کنیز قرآن داں پر غالب آ گئی اور وہ اپنے کپڑے اتار کر چلتا ہوا تو استاد طبیب اس کی طرف بڑھا اور کہنے لگا کہ دین کا علم ختم ہو چکا' اب بدن کے علم کے متعلق تیار ہو جا اور بتا کہ انسان کیا ہے' کس طرح پیدا ہوا ہے' اس کے بدن میں کتنی رگیں ہیں' کتنی ہڈیاں' کتنی ریڑھیں اور پہلی رگ کہاں ہے اور آدم کو آدم کیوں کہتے ہیں؟ کنیز نے کہا کہ آدم کو گندمی رنگ ہونے کی وجہ سے آدم کہتے ہیں اور یہ بھی ایک قول ہے کہ چونکہ زمین کی ادیم یعنی پپڑی سے پیدا کیا گیا' سینہ کعبہ کی مٹی سے' سر مشرق کی' دونوں پاؤں مغرب کی مٹی سے اور اس کے سر میں سات دروازے بنائے گئے: دو آنکھیں' دو کان' دو نتھنے' ایک منہ' اور دو مخرج بنائے گئے: قبل اور دبر۔ آنکھیں نظر کی جس کے لئے' کان سننے کی حس کے لئے' نتھنے سونگنے کی حس کے لئے' منہ چکھنے کی حس کے لئے' زبان انسان کے ضمیر کا حال بتاتی ہے۔ انسان چار عناصر سے مرکب کیا گیا ہے۔ پانی' مٹی' آگ اور ہوا۔ صفرا آگ کی طبیعت ہے اور وہ گرم خشک ہے' سودا مٹی کی طبیعت ہے اور وہ سرد خشک ہے۔ بلغم پانی کی طبیعت ہے اور وہ سرد تر ہے۔ خون ہوا کی طبیعت ہے اور وہ گرم تر ہے۔ انسان کے اندر تین سو ساٹھ رگیں بنائی گئی ہیں' دو سو چالیس ہڈیاں اور تین روحیں' حیوانی' نفسانی' اور طبیعی۔ ان کے احکام الگ الگ ہیں اور خدا نے انسان کا ایک قلب بنایا ہے' ایک تلی' ایک پھیپھڑا' چھ آنتیں' ایک جگر' دو گردے' ایک دماغ' ہڈیاں' کھال اور پانچ حواس: سامعہ' باصرہ' شامہ' ذائقہ اور لامسہ' سینے کی بائیں جانب قلب رکھا ہے اور قلب کے سامنے معدہ اور پھیپھڑے کو قلب کا پنکھا بنایا ہے۔ جگر کو داہنی طرف بنایا ہے جو قلب کے مقابل ہے۔ علاوہ اس کے اور بہت سے پردے اور آنتیں بنائی ہیں اور سینے کے اوپر پسلیاں

بنائی ہیں۔ اس نے کہا کہ شاباش! بتا کہ انسان کے سر میں کتنے خانے ہیں؟ کنیز نے کہا تین اور پانچ قوتوں پر مشتمل ہیں جن کا نام باطنی حواس ہے اور وہ یہ ہیں: مشترک حس، خیال، متصرفہ، واہمہ اور حافظہ۔ اس نے کہا شاباش! اب ہڈیوں کے ہیکل کے متعلق بتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

چار سو پچاسویں رات

جب چار سو پچاس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ طبیب نے کہا اچھا ہڈیوں کے ڈھانچے کے متعلق بتا۔ کنیز بولی اس میں دو سو چالیس ہڈیاں ہیں جو تین حصوں میں تقسیم کی گئی ہیں: سر' تن اور اطراف۔ سر میں دو چیزیں ہیں' کھوپڑی اور چہرہ۔ کھوپڑی آٹھ ہڈیوں سے مرکب ہے' کان کی چار چھوٹی ہڈیاں بھی انہیں میں گنی جاتی ہیں۔ چہرے میں ایک اوپر کا جبڑا ہے اور ایک نیچے کا۔ اوپر جبڑے میں گیارہ ہڈیاں ہیں اور نیچے کے جبڑے میں محض ایک۔ اس میں دانت شامل ہیں جن کی تعداد بتیس ہے اور اس طرح لامی ہڈی۔ تنے میں ریڑھ کی ہڈیوں کا سلسلہ ہے اور سینہ اور حوض۔ ریڑھ کے زنجیرے میں چھبیس ہڈیاں ہیں جن کو فقار کہتے ہیں' سینے میں صدر اور پسلیاں شامل ہیں۔ پسلیوں کی تعداد چوبیس ہے' ہر طرف بارہ بارہ۔ حوض مرکب ہے کولہے کی دو ہڈیوں' چوتڑوں اور ڈھڈی یعنی دم کی ہڈیوں سے۔ اطراف کے دو حصے ہیں: دو اوپر کے اور دو نیچے کے۔ اوپر کے دونوں اطراف منقسم ہیں اولاً جس میں شانے اور ہنسلی کی ہڈی شامل ہے۔ دوم بانہہ میں اور وہ ایک ہی ہڈی ہے' سوم کلائی میں جس میں دو ہڈیاں ہیں۔ کعبرہ اور زند چہارم ہتھیلی میں جو مشتمل ہے رسغ اور کنگھی اور انگلیوں پر۔ رسغ میں آٹھ ہڈیاں ہیں جن کی دو صفیں ہیں اور ہر صف میں چار ہڈیاں۔ کنگھی میں پانچ ہڈیاں ہیں۔ انگلیوں کی تعداد بھی پانچ ہے۔ جن میں تین تین ہڈیاں ہیں سوائے انگوٹھے کے جس میں دو ہیں۔ نیچے کے دونوں طرفوں کی تقسیم یہ ہے: پہلے ران اور وہ فقط ایک ہڈی ہے' دوسرے پنڈلی جس میں تین ہڈیاں ہیں: قصبہ اور شنطیہ اور رضفہ۔ تیسرے تلووں جس میں ہتھیلی کی طرح رسغ' کنگھی اور انگلیاں ہیں۔ رسغ میں سات ہڈیاں جن کی دو صفیں ہیں' پہلی صف میں دو اور دوسری میں پانچ ہڈیاں۔ کنگھی میں پانچ ہڈیاں

ہیں' انگلیوں کی تعداد پانچ ہے جن میں تین تین سلامی ہڈیاں ہیں سوا انگوٹھے کے جس میں محض دو ہیں۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ رگوں کی جڑ کیا ہے۔ کنیز نے کہا رگوں کی جڑ وہ نس ہے جو دل سے بدن میں خون پہنچاتی ہے۔ یہیں سے رگیں نکلتی ہیں اور وہ بے شمار ہیں' ان کی تعداد سوا خالق کے کسی اور کو معلوم نہیں۔ بعضوں کا قول ہے کہ ان کی تعداد تین سو ساٹھ ہے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ خدا نے زبان کو ترجمان بنایا ہے' آنکھوں کو چراغ' نتھنوں کو نالیاں اور ہاتھوں کو بازو' جگر رحم کا مقام ہے۔ تلی ہنسنے کا' گردے مکر کی جگہ' پھیپھڑا پنکھا ہے' معدہ خزانہ اور قلب پر سارے بدن کا دارومدار ہے' جب قلب ٹھیک ہو تو سارا بدن ٹھیک رہتا ہے' جب وہ بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ طبیب دانا ہے تو بدن کے حال پر غور کرے گا اور دونوں ہاتھوں کو چھوڑ کر سختی اور گرمی' خشکی اور سردی کا پتہ لگائے گا۔ اندرونی بیماریوں کا بھی پتہ دلیلوں سے چلتا ہے۔ مثلاً آنکھوں کی زردی یرقان اور پیٹھ کے ترچھے ہونے کی علامت ہے اور یہ دلالت کرتی ہے ذات الجنب پر۔ اس نے کہا شاباش!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چار سو اکیاون ویں رات

جب چار سو اکیاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب کنیز نے طبیب سے ظاہری علامتیں بیان کیں تو اس نے کہا شاباش! پھر بولا اچھا اب بتا کہ باطنی علامتیں کیا ہیں؟ کنیز نے کہا چھ قانون ہیں جن کی بنا پر باطنی علامتوں سے بیماریاں دریافت ہو سکتی ہیں: پہلے افعال' دوسرے وہ چیز جو بدن سے خارج ہو' تیسرے درد' چوتھے کمزوری' پانچویں ورم' چھٹے اعراض۔ اس نے پوچھا کہ کن اسباب سے سر میں تکلیف پہنچتی ہے؟ کنیز نے کہا کہ کھانے پر کھانا کھانے سے' قبل اس کے کہ پہلا کھانا ہضم ہو چکا ہو اور سیری پر سیری سے۔ اسی سے قومیں کی قومیں تباہ ہو گئی ہیں۔ جو شخص بقا کا طالب ہے اسے چاہیے کہ ناشتہ صبح کو جلد کرے اور شام کا کھانا دیر سے نہ کھائے' عورتوں سے کم مجامعت کرے' فصد اور سینگی کا بہت استعمال نہ کرے اور اپنے پیٹ کو تین حصوں میں تقسیم کرے' تہائی کھانے کے لئے' تہائی پینے کے لئے اور تہائی سانس لینے کے لئے۔ جب وہ چلے تو آہستہ' یہ زیادہ مفید ہے اور بدن کے لئے صحت مند اور خدا کے قول کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ "زمین پر جوش و خروش کے ساتھ نہ چل" اس نے کہا شاباش! اب بتا صفرا کی علامت کیا ہے اور اس میں کس چیز سے ڈرنا چاہیے؟ کنیز نے کہا صفرا کی پہچان رنگ کا پیلا پڑنا اور منہ کی کڑواہٹ' خشکی' شہوت کی کمزوری اور نبض کی تیزی ہے۔ صفرا والے کو بخار' سر سام' پھوڑے' یرقان' ورم' آنت کے زخم اور پیاس کی زیادتی سے ڈرنا چاہیے کیونکہ یہ صفرا کی علامتیں ہیں۔ اس نے کہا: شاباش!

پھر اس نے پوچھا کہ سودا کی علامتیں کیا ہیں اور سودا والے کو کس چیز سے اندیشہ ہے؟ کنیز نے کہا کہ اس سے جھوٹی شہوت پیدا ہوتی ہے۔ وسوسہ اور رنج و غم۔ ایسی حالت

میں اسے چاہیے کہ قے کرے ورنہ اسے مالیخولیا' جذام' سرطان' تلی کا درد اور آنتوں کا زخم ہو جائے گا۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ کس غذا سے بیماریاں پیدا نہیں ہوتیں۔ کنیز نے کہا اگر بھوک کے وقت کھایا جائے اور پیٹ بھر کر نہ کھایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ معدہ بیماریوں کا گھر ہے' کم خوراکی دواؤں کی سردار اور بد ہضمی تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو باونویں رات

چار سو باونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب کنیز نے کہا کہ بد ہضمی تمام بیماریوں کی جڑ ہے تو طبیب نے پوچھا: حمام کے متعلق تو کیا کہتی ہے؟ کنیز نے جواب دیا کہ سیری کی حالت میں حمام نہ جانا چاہیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ بہترین جگہ حمام ہے' بدن کو صاف کرتا ہے اور دوزخ کی یاد دلاتا ہے۔ اس نے پوچھا کون سا کھانا بہتر ہے؟ کنیز نے کہا جسے عورت نے پکایا ہو اور جس میں مرچ مسالا اور چربی کم ہو اور جسے خوشی سے کھایا جائے۔ اس نے کہا کون سا سالن بہترین ہے؟ کنیز نے کہا گوشت کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہترین سالن گوشت ہے کیونکہ وہ دنیا اور آخرت کی لذت ہے۔ اس نے پوچھا کون سا گوشت بہترین ہے؟ کنیز نے کہا بھیڑ مگر سوکھے ہوئے گوشت سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ اس نے کہا پھلوں کے متعلق بیان کر۔ کنیز نے کہا شروع فصل میں کھانا چاہیے اور جب اس کا زمانہ ختم ہو جائے تو چھوڑ دینا چاہیے۔ اس نے کہا پانی پینے کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ کنیز نے کہا سارا پانی ایک گھونٹ میں نہ پینا چاہیے اور تیزی سے نہ پینا چاہیے اس سے سر کا درد اور طرح طرح کی تکلیفیں پیدا ہوتی ہیں۔ نہ حمام سے نکل کر پانی پینا چاہیے نہ جماع کے بعد اور نہ کھانے کے فوراً بعد مگر جوان کے لئے پندرہ منٹ کے بعد اور بوڑھے کے لئے چالیس منٹ کے بعد اور نہ نیند سے جاگ کر۔ اس نے کہا شاباش! اب شراب پینے کے متعلق بیان کر۔ کنیز نے کہا یہ کافی نہیں ہے کہ خدا نے قرآن میں اس سے منع کیا ہے کہ.....

انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون......

اور دوسرے یہ کہ
یسالونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما۔
فائدے شراب میں یہ ہیں کہ وہ گردے کی پتھریوں کو توڑتی ہے' آنتوں کو مضبوط کرتی ہے' غم کو دور کرتی ہے' کرم و عطا کو جنبشؔ دیتی ہے' تندرستی قائم رکھتی' ہضم میں مدد دیتی' جوڑوں میں سے بیماریاں دور کرتی' فاسد خلطوں سے جسم کو پاک کرتی' خوشی پیدا کرتی' اندرونی حرارت کو قوت دیتی' مثانے کو مضبوط کرتی' جگر کو طاقت دیتی' سدوں کو کھولتی' چہرے کو سرخ کرتی' سر اور دماغ سے فضلے دور کرتی اور بڑھاپا دیر میں لاتی ہے۔ اگر خدا نے اسے حرام نہ کیا ہوتا تو دنیا میں اس جیسی کوئی اور چیز نہ تھی۔
اس نے کہا کہ سینگی لگانے کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ کنیز نے جواب دیا:
یہ اس کے لئے ہے جس میں خون کی زیادتی ہو اور خون میں کوئی خرابی نہ ہو۔ سینگی اس روز لگائی جائے جب کہ چاند گھٹ رہا ہو۔ بادل ہوں نہ ہوا نہ بارش' چاند کی سترہویں ہو اور منگل کا دن ہو تو کیا کہنا۔ دماغ' آنکھوں اور ذہن کی صفائی کے لئے سینگی سے بہتر کوئی چیز نہیں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چار سو ترپنویں رات

جب چار سو ترپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... حکیم نے پوچھا کہ سینگی لگانے کا بہترین وقت کون سا ہے؟ کنیز نے کہا نہار منہ کیونکہ اس سے عقل اور حافظے میں زیادتی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جو کوئی آپ سے سر یا پاؤں کے درد کی شکایت کرتا' آپ کہتے کہ سینگی لگا اور جب وہ سینگی لگاتا تو نہار منہ۔ نمکین چیز نہ کھاتا۔ اس سے کھجلی پیدا ہوتی ہے اور سینگی کے بعد کھٹی چیز نہ کھاتا۔ اس نے کہا جماع کے بارے میں بیان کر۔ کنیز نے یہ سوال سنا تو اس نے سر نیچا کر لیا اور امیر المومنین کے سامنے اسے شرم آنے لگی۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! میں جواب دینے سے بالکل قاصر نہیں ہوں بلکہ مجھے شرم آتی ہے' جواب میری زبان کے اوپر ہے۔ خلیفہ نے کہا: اے لڑکی! کہہ۔ کنیز نے کہا: نکاح میں بہت فائدے ہیں منجملہ ان کے وہ سوداوی بدن کو ہلکا کر دیتا ہے' عشق کی گرمی کو بجھاتا ہے' محبت کی کشش اور دل کو خوش کرتا ہے' وحشت دور ہوتی ہے' اس کی زیادتی گرمیوں اور خزاں میں زیادہ مضر ہے بہ نسبت جاڑوں اور بہار کے۔ اس نے کہا: اس میں فائدے کیا ہیں؟ کنیز نے کہا: اس سے غم اور وسواس دور ہوتا ہے' عشق اور غصہ ٹھنڈا پڑتا ہے اور زخموں کو فائدہ دیتا ہے۔ یہ باتیں اس وقت ہوتی ہیں جب طبیعت پر سردی اور خشکی غالب ہو ورنہ اس کی زیادتی سے نظر کمزور ہوتی ہے' پنڈلیوں سر اور کمر میں درد پیدا ہوتا ہے۔ بڑھیا سے ہرگز جماع نہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ قاتل ہے۔ امام علی کرم اللہ وجہ کا قول ہے کہ چار چیزیں قاتل ہیں جو بدن کو دبلا کر دیتی ہیں۔ بھرے پیٹ پر حمام جانا' زیادہ نمکین غذا' سیری کے وقت جماع' مریض عورت سے ہم بستر ہونا۔ ان سے قوت زائل ہوتی ہے' بدن بیمار پڑتا ہے اور بڑھیا

تو قاتل زہر ہے۔ اس نے پوچھا کہ بہترین جماع کون سا ہے؟ کنیز نے کہا: جب عورت کم سن' خوش قد' خوب رو' حسب نسب والی اور اس کا سینہ ابھرا ہوا ہو۔ ایسی عورت سے بدن کی تندرستی بڑھتی ہے۔ اس نے کہا: جماع کے لئے بہترین وقت کون سا ہے؟ اگر رات ہو تو ہضم کے بعد اور اگر دن ہو تو دوپہر کے کھانے کے بعد۔ اس نے پوچھا: بہترین پھل کون سا ہے؟ کنیز نے کہا: انار اور نارنگی۔ اس نے کہا: بہترین ترکاری؟ کنیز نے جواب دیا: ککروندا۔ اس نے پوچھا: بہترین پھول کون سے ہیں؟ کنیز نے کہا: گلاب اور بنفشہ۔ اس نے کہا: مرد کی منی کس طرح بنتی ہے؟ کنیز نے جواب دیا: مرد کے بدن میں ایک رگ ہے جو تمام رگوں سے پانی کھینچ کر جمع کرتی ہے۔ یہ پانی سرخ لہو کی شکل میں بائیں فوطے میں جمع ہوتا ہے اور مزاج کی گرمی سے پک کر سفید گاڑھا پانی ہو جاتا ہے۔ اس میں کھجور کے فضلے جیسی بو آتی ہے۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا وہ کیا چیز ہے جب تک وہ بند رہتی ہے تو جیتی ہے اور جب وہ ہوا میں آتی ہے تو مر جاتی ہے؟ کنیز نے کہا: مچھلی۔ اس نے کہا: وہ کون سا سانپ ہے جو انڈے دیتا ہے؟ کنیز نے کہا: اژدھا۔ آخر طبیب سوال کرتے کرتے تھک کر چپ ہو گیا۔ کنیز نے کہا: اے امیر المومنین! وہ تو سوال کرتے کرتے تھک گیا' اب میں اس سے محض ایک سوال کرتی ہوں' اگر وہ اس کا جواب نہ دے سکا تو میں اس کے کپڑے اتار لوں گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چون ویں رات

جب چار سو چون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ کنیز نے کہا' ورنہ میں اس کے کپڑے اتار لوں گی۔ خلیفہ نے کہا پوچھ۔ کنیز نے کہا وہ کون سی چیز ہے جس کی گولائی زمین کی طرح ہے' کم قیمت ہے' سینہ اور گلا تنگ ہے۔ مقید ہے' بھاگتی نہیں' جکڑی ہوئی ہے مگر چور نہیں۔ اس پر نیزے لگتے ہیں مگر لڑائی میں نہیں' زخمی ہے مگر تیر اندازی سے نہیں' زمانے کی کڑوی سے کڑوی چیزیں کھاتی ہے اور زیادہ سے زیادہ پیتی ہے۔ کبھی بغیر گناہ کے اسے مارتے ہیں اور اس سے بد خدمت لیتے ہیں' وہ حاملہ ہے مگر اس کے پیٹ میں بچہ نہیں' گندی ہوتی ہے پھر پاک ہو جاتی ہے اور نماز پڑھتی ہے؟ طبیب کی سٹی گم ہو گئی کچھ جواب نہ دے سکا' اس کا رنگ فق ہو گیا' تھوڑی دیر سر جھکائے بیٹھا رہا اور کوئی بات نہ کی۔

کنیز نے کہا اے طبیب بول ورنہ اپنے کپڑے اتار دے۔ طبیب کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے امیر الومنین خدا گواہ ہے کہ یہ کنیز طب وغیرہ میں مجھ سے زیادہ ماہر ہے اور وہ میرے بس کی نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے کپڑے اتار دیئے اور وہاں سے نکل بھاگا۔ اب امیر المومنین نے کنیز سے کہا بتا وہ کیا چیز ہے؟ کنیز نے کہا بٹن اور کاج۔

اس کے بعد منجموں کی باری آئی۔ کنیز نے کہا تم میں سے جو منجم ہو اٹھے۔ یہ سن کر ایک منجم اٹھا اور آ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ کنیز نے اسے دیکھا تو ہنسی اور کہنے لگی تو منجم حاسب و کاتب ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ کنیز نے کہا پوچھ جو تیرا جی چاہے' خدا تیری مدد کرے! اس نے کہا سورج اور اس کے طلوع و غروب ہونے کے متعلق بیان کر۔ کنیز نے کہا سن' سورج کئی چشموں سے نکلتا ہے اور کئی میں ڈوبتا ہے۔ نکلنے کے چشمے مشرق کے حصے ہیں' اور ڈوبنے کے مغرب کے' دونوں کی تعداد

ایک سو اسی ہے۔ اس نے کہا چاند کی منزلیں بتا۔ کنیز نے کہا چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں: سرغان' بطین ثریا' دبران' ہقعه' ہنعه' ذراع' نژه' طرف' جبهہ' زبرہ' صرفہ' عواء' سماک' غفر' زبانیا' اکلیل' قلب' شولہ' نعائم' بلده' سعد الزابح' سعد بلع' سعد السعود' سعد الاخبیه' فرغ مقدم' فرغ موخر' رشاء۔ ان کی تعداد ابجد ہو ز کے حروف کی تعداد ہے اور اس میں بڑا بھید ہے جو سوا خدا اور ماہرین کے کسی کو معلوم نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو پچپن ویں رات

جب چار سو پچپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب کنیز نے منزلیں بیان کیں تو منجم نے کہا شاباش! اب سیاروں اور ان کے طبائع اور برجوں کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا سیارے سات ہیں: سورج' چاند' عطارد' زہرہ' مریخ' مشتری' اور زحل۔ سورج گرم خشک ہے اور ہر برج میں تیس دن ٹھہرتا ہے۔ چاند سرد اور تر اور ہر برج میں دو یا تین دن ٹھہرتا ہے۔عطارد معتدل اور ہر برج میں ساڑھے سترہ دن ٹھہرتا ہے۔ زہرہ متعدل اور ہر برج میں پچیس دن ٹھہرتا ہے۔ مریخ ہر برج میں دس مہینے ٹھہرتا ہے اور مشتری ایک سال' زحل سرد خشک ہے اور ہر برج میں تیس مہینے ٹھہرتا ہے۔ جب منجم نے دیکھا کہ وہ اتنی ماہر اور عالم اور فصیح ہے تو اس نے سوچا کہ کسی دھوکے سے اسے زیر کرے۔ وہ کہنے لگا: اے کنیز بتا کہ اس مہینے میں پانی برسے گا۔ کنیز نے یہ سن کر سر جھکا لیا۔ یہاں تک کہ امیر المومنین کو گمان ہوا کہ اس سے جواب نہیں بن پڑتا۔ منجم نے کہا تو بولتی کیوں نہیں؟ کنیز نے کہا جب تک خلیفہ اجازت نہ دے میں نہیں بول سکتی۔ خلیفہ ہنسنے لگا اور کہا یہ کیوں؟ کنیز نے کہا میں چاہتی ہوں کہ تو مجھے ایک تلوار دے تاکہ میں اس کی گردن اڑا دوں کیونکہ یہ ملحد ہے۔ اس پر امیر المومنین اور درباری سب ہنس پڑے اور کنیز نے کہا اے منجم' پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔ پھر اس نے یہ آیت پڑھی .....

ان اللہ عندہ علم الساعۃ و ینزل الغیث و یعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفسی بای ارض تموت ان اللہ علم خبیر.....

اس نے کہا' شاباش! خدا کی قسم' میں تو تیرا امتحان لیتا تھا۔ کنیز نے کہا جس دن سے

نیا سال شروع ہوتا ہے اس کے بھی معنے ہیں: اس نے پوچھا وہ کیا؟ کنیز نے کہا اگر سال کا پہلا دن اتوار ہو تو وہ سورج سے تعلق رکھتا ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بادشاہوں اور والیوں کی طرف سے زبردستی ہو گی' پانی کم برسے گا اور بادشاہوں میں جنگ ہو گی' واللہ اعلم۔ پیر کا روز قمر کا ہے حکمراں اور اعمال اس میں نیکی کریں گے۔ پانی زیادہ برسے گا' غلہ اچھا ہو گا' روئی خراب ہو گی' طاعون بڑھے گا' واللہ اعلم!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چھپن ویں رات

چار سو چھپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب کنیز پیر کے متعلق بیان کر چکی تو اس نے کہا کہ منگل مریخ کا دن ہے اور وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بڑے آدمی مریں گے اور بہت خونریزی ہو گی' غلہ مہنگا ہو گا اور بارش کم' واللہ اعلم۔ بدھ کا تعلق عطارد سے ہے اور وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بارش نہ کم ہو گی نہ زیادہ' چوپائے اور بچے بہت مریں گے اور بحری جنگیں ہوں گی۔ واللہ اعلم۔ جمعرات کا تعلق مشتری سے ہے' اس میں وزراء عدل و انصاف سے کام لیں گے اور دین دار لوگوں میں نیکیاں پھیلیں گی' بارش بہت ہو گی واللہ اعلم۔ جمعہ کا تعلق زہرہ سے ہے' اس میں الزام اور بہتان کی بہت زیادتی ہو گی۔ برو بحر میں فساد برپا ہو گا' واللہ اعلم' سینچر کا تعلق زحل سے ہے اور وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ غلاموں میں ایثار زیادہ ہو گا' قحط زیادہ پڑے گا' بارش خوب ہو گی' انسان زیادہ مریں گے اور مصر اور شام میں حکمرانوں کی طرف سے ظلم و جور ہو گا' واللہ اعلم۔ منجم نے سر نیچا کر لیا اور کنیز نے کہا اب میں تجھ سے ایک سوال کرتی ہوں' اگر تو نے اس کا جواب نہ دیا تو میں تیرے کپڑے اتار لوں گی۔ منجم نے کہا پوچھ۔ کنیز نے کہا ستارے کتنے حصوں میں تقسیم کئے گئے ہیں؟ منجم اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ کنیز نے کہا کپڑے اتار' اس نے اتار دیئے۔ کنیز نے انہیں لے کر کہا امیر المومنین! تین حصوں میں' ایک حصہ وہ ہے جو دنیا کے آسمان میں قندیلوں کی طرح لٹکے ہوتے ہیں اور زمین کو روشن کرتے ہیں' دوسرا حصہ وہ ہے جو شیطانوں پر مارا جاتا ہے اور تیسرا ہوا میں معلق ہے۔ منجم نے کہا ایک سوال باقی ہے اور اگر کنیز نے اس کا جواب دے دیا تو میں اس کا لوہا مان جاؤں گا۔ کنیز نے کہا بول!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی او اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چار سو ستاون ویں رات

جب چار سو ستاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ منجم نے کہا وہ چار متضاد چیزیں کیا ہیں جن کا دارومدار دوسری چار متضاد چیزوں پر ہے؟ کنیز نے کہا گرمی' سردی' تری اور خشکی۔ خدا نے گرمی سے آگ پیدا کی جس کی طبیعت گرم اور خشک ہے۔ خشکی سے مٹی پیدا کی جس کی طبیعت سرد اور خشک ہے۔ سردی سے پانی پیدا کیا جس کی طبیعت سرد اور تر ہے اور تری سے ہوا پیدا کی جس کی طبیعت گرم اور تر ہے۔ اس کے بعد خدا نے بارہ برج بنائے۔ حمل' ثور' جوزا' سرطان' اسد' سنبلہ' میزان' عقرب' قوس' جدی' دلو' اور حوت۔ منجم اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ خدا گواہ ہے کہ یہ مجھ سے زیادہ جانتی ہے اور چپکے سے چلتا بنا۔

اب امیر المومنین نے پوچھا: فلسفی کون ہے؟ ایک شخص اٹھ کر کنیز کے پاس آیا اور پوچھا: دہر کیا ہے؟ کنیز نے کہا: دن اور رات کے اوقات کا نام دہر ہے۔ اس نے کہا: انسان کے پاس کفر کس طرح پہنچتا ہے؟ کنیز نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ کفر انسان کے بدن میں اس طرح سرایت کرتا ہے جس طرح رگوں میں خون۔ اس نے پوچھا: پانچ چیزیں کیا تھیں جو کھاتی پیتی تھیں لیکن ماں باپ سے ان کی پیدائش نہ تھی؟ کنیز نے کہا: آدم' شمعون' حضرت صالح کی اونٹنی' حضرت اسمٰعیل کا مینڈھا اور وہ چڑیا جسے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غار میں دیکھا تھا۔

فلسفی نے کہا: وہ پانچ چیزیں کیا ہیں جو جنت میں ہیں مگر نہ انسان ہیں نہ جنات ہیں نہ فرشتے؟ کنیز نے کہا حضرت یعقوب علیہ السلام کی بھیڑ' اصحاب کہف کا کتا' عزیز کا گدھا' صالح کی اونٹنی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دلدل۔ فلسفی نے کہا وہ کون

شخص ہے جس نے نماز پڑھی مگر نہ زمین پر نہ آسمان پر؟ کنیز نے کہا سلیمان علیہ السلام جب انہوں نے اپنی جانماز پر نماز پڑھی جو ہوا پر تھی۔ فلسفی نے کہا وہ کون شخص ہے جس نے فجر کی نماز پڑھ کر ایک کنیز پر نظر ڈالی تو وہ اس کے لئے حرام تھی؟ پھر ظہر کا وقت حلال' پھر عشاء کے وقت حرام اور فجر کے وقت حلال ہو گئی؟ کنیز نے جواب دیا: یہ کنیز کسی دوسرے کی ملکیت تھی جس پر اس کی نظر پڑی اس کے لئے وہ حرام تھی۔ ظہر کے وقت اس نے اسے خرید لیا اور وہ حلال ہو گئی۔ عصر کا وقت ہوا تو اس نے اسے آزاد کر دیا اور وہ حرام ہو گئی۔ مغرب کے وقت اس نے اس سے نکاح کر لیا اوروہ حلال ہو گئی۔ عشا کے وقت اس نے اسے طلاق دے دی اور وہ حرام ہو گئی اور جب فجر ہوئی تو اس نے اس کی طرف رجوع کیا اور وہ حلال ہو گئی۔ اس نے کہا وہ کون سی قبر ہے جو اپنے مدفون کو لے کر چلی تھی؟ کنیز نے کہا: یونس بن متی علیہ السلام کی مچھلی' جب وہ انہیں نگل گئی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اٹھاون ویں رات

جب چار سو اٹھاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... فلسفی نے پوچھا وہ کیا چیز ہے جس میں روح نہیں مگر سانس لیتی ہے؟ کنیز نے کہا خدا کہتا ہے کہ والصبح اذا تنفس...... اس نے کہا چند کبوتر اڑتے ہوئے آئے اور ایک اونچے درخت کے پاس پہنچ کر کچھ درخت پر بیٹھ گئے اور کچھ اس کے نیچے۔ اوپر والے کبوتروں نے نیچے والوں سے کہا اگر تم میں سے ایک کبوتر نیچے اتر جائے تو ہم تم برابر ہو جائیں گے۔ بتا وہ کتنے تھے اور ان کی تقسیم کس طرح ہوئی تھی؟ کنیز نے کہا بارہ' ان میں سے سات اوپر بیٹھے تھے اور پانچ نیچے۔ اگر نیچے سے ایک کبوتر اوپر جائے گا تو اوپر والوں کی تعداد نیچے والوں سے دگنی ہو جائے گی اور اگر ایک اوپر سے نیچے اترا تو دونوں کی تعداد برابر رہے گی۔ واللہ اعلم۔ فلسفی اپنے کپڑے اتار کر بھاگتا نظر آیا۔

اب کنیز کا قصہ نظام کے ساتھ سنئے۔ کنیز نے موجود علماء کی طرف مخاطب ہو کر کہا تم میں سے تمام علوم و فنون میں متکلم کون ہے؟ یہ سن کر نظام اٹھا اور کہنے لگا کہ مجھے دوسروں کی طرح مت سمجھیو۔ کنیز نے کہا مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی ہار جائے گا کیونکہ تو بڑے دعوے کے ساتھ آیا ہے اور خدا مجھے تجھ پر فتح دے گا حتیٰ کہ میں تیرے کپڑے بھی اتروا لوں گی۔ بہتر ہوتا کہ تو ابھی سے کپڑے منگانے کے لئے کسی کو بھیج دیتا۔ نظام نے کہا واللہ میں تجھے نیچا دکھاؤں گا اور لوگ تیرا قصہ نسلاً بعد نسل بیان کریں گے۔ کنیز نے کہا اپنی قسم کا کفارہ دے۔ اس نے کہا خیر دیکھا جائے گا تو یہ بتا کہ وہ پانچ چیزیں کون سی ہیں جنہیں خدا نے مخلوق سے پہلے پیدا کیا؟ کنیز نے کہا پانی' مٹی' اندھیرا' اجالا' اور پھل۔ اس نے پوچھا کہ کن چیزوں کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے؟ کنیز نے کہا عرش' طوبیٰ' آدم اور عدن

کی جنت۔ ان چیزوں کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ باقی چیزوں کے متعلق اس نے کہا کہ ہو جاؤ اور وہ ہو گئیں۔ اس نے پوچھا تیرا اسلامی باپ کون ہے؟ کنیز نے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس نے پوچھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلامی باپ؟ کنیز نے کہا ابراہیم خلیل اللہ۔

اس نے پوچھا اسلام کیا چیز ہے؟ کنیز نے کہا اس بات کا اقرار کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس نے پوچھا تیری ابتدا اور انتہا کیا ہے؟ کنیز نے کہا ابتدا گندہ نطفہ اور انتہا ناپاک لاشہ' یا یوں کہو کہ ابتدا مٹی اور انتہا مٹی اس نے کہا وہ کون سی چیز ہے جس کی ابتدا لکڑی ہے اور انتہا روح۔ کنیز نے کہا موسیٰ علیہ السلام کا عصا۔ اس نے کہا وہ کون عورت ہے جو مرد سے پیدا ہوئی ہے اور وہ کون مرد ہے جو محض عورت سے پیدا ہوا ہے؟ کنیز نے کہا حوا آدم سے پیدا ہوئی ہیں اور عیسیٰ مریم سے۔
اس نے پوچھا وہ چار آگیں کون سی ہیں جن میں ایک کھاتی پیتی ہے' دوسری کھاتی ہے پیتی نہیں' تیسری پیتی ہے کھاتی نہیں' اور چوتھی نہ کھاتی نہ پیتی ہے؟ کنیز نے کہا جو آگ کھاتی ہے اور پیتی نہیں وہ دنیا کی آگ ہے' جو آگ کھاتی بھی ہے اور پیتی بھی ہے جہنم کی آگ ہے' جو آگ پیتی ہے اور کھاتی نہیں سورج کی آگ ہے اور جو آگ کھاتی ہے نہ پیتی ہے چاند کی آگ ہے۔ اس نے پوچھا مفتوح اور مغلق سے کیا مراد ہے؟ کنیز نے کہا اے نظام' مفتوح سنت ہے اور مغلق فرض۔ اس نے کہا وہ چودہ چیزیں کون سی ہیں جنھوں نے خدا سے باتیں کیں؟ کنیز نے کہا سات آسمان اور سات زمینیں جب انہوں نے کہا کہ "اتینا طائعین۔"

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو انسٹھویں رات

جب چار سو انسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب کنیز جواب دے چکی تو نظام نے پوچھا کہ آدم اور ان کی پیدائش کی ابتدا کے متعلق بیان کر۔ کنیز نے جواب دیا خدا نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا' مٹی کو پھین سے' پھین کو سمندر سے' سمندر کو اندھیرے سے' اندھیرے کو روشنی سے' روشنی کو مچھلی سے' مچھلی کو پتھر سے' پتھر کو یاقوت سے' یاقوت کو پانی سے' پانی کو اپنی قدرت سے۔ اس نے کہا جہنم کے کتنے دروازے ہیں؟ کنیز نے کہا سات۔ اس نے کہا صراط کیا ہے اور اس کی لمبائی چوڑائی کتنی ہے؟ کنیز نے تین ہزار سال' ہزار چڑھائی کی' ہزار اتار کی اور ہزار ہموار' وہ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو ساٹھویں رات

چار سو ساٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب کنیز نے صراط کی حالت بیان کی تو نظام نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی شفاعتیں ہیں؟ کنیز نے کہا تین۔ اس نے پوچھا کیا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے شخص ہیں جو اسلام لائے؟ کنیز نے کہا ہاں۔ اس نے کہا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے علی رضی اللہ تعالیٰ اسلام لائے۔ کنیز نے کہا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کی عمر سات سال کی تھی جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور خدا نے انہیں ہدایت دی۔ انہوں نے کبھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا۔ اس نے کہا بتا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل ہیں یا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟ نظام کا بیان ہے کہ وہ سمجھ گئی کہ یہ ایک چال چلتا ہے۔ اگر وہ کہے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل ہیں عباس رضی اللہ تعالیٰ سے تو وہ امیر المومنین کو کیا جواب دے گی۔ کنیز نے سر نیچا کر لیا۔ کبھی اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا اور کبھی زرد۔ اس کے بعد اس نے کہا تو مجھ سے فاضل شخصوں کے متعلق پوچھتا ہے جن میں سے دونوں فضیلت والے ہیں۔ اس بحث کی طرف رجوع کر جس میں ہم تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے کنیز کی یہ بات سنی تو وہ کھڑا ہو گیا اور کنیز سے کہا شاباش! اے تودد! نظام نے کہا اب میں تجھ سے کئی باتیں ایک ساتھ پوچھتا ہوں۔ کنیز نے کہا' وہ کیا؟ اس نے کہا کیا چیز شہد سے میٹھی ہے' کون سی تلوار زیادہ تیز' کس میں ایک لمحے کی خوشی ہے' کس سچائی سے جھوٹا شخص بھی انکار نہیں کر سکتا' قبر کا قید خانہ کیا ہے اور دل کی فرحت کیا ہے' زندگی موت کیا ہے اور وہ بیماری کون سی ہے جس کا علاج نہیں' وہ عیب کون سا ہے جو دھلتا نہیں' وہ جانور کیا ہے جو بستی میں نہیں رہتا بلکہ کھنڈروں میں ہے اور جسے انسان سے عداوت ہے اور

اس کی خلقت سات جباروں کی سی ہے؟ کنیز نے کہا اپنی باتوں کا جواب سن اور اپنے کپڑے اتار دے تا کہ میں ان کی تشریح کروں۔ امیر المومنین نے کہا تو تشریح بیان کر' وہ اپنے کپڑے اتار دے گا۔ کنیز نے کہا شہد سے میٹھی اولاد سے ان کی محبت ہے جو اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرتے ہیں' تلوار سے تیز زبان ہے' ایک لمحے کی لذت جماع ہے' سچائی جس سے کوئی جھوٹا شخص انکار نہیں کر سکتا موت ہے' قبر کا قید خانہ بری اولاد ہے' دل کی فرحت وہ عورت ہے جو اپنے شوہر کی فرمانبردار ہو' زندگی کی موت غریبی ہے' بیماری جس کا علاج نہیں بری خصلت ہے' عیب جو دھلتا نہیں بری بیٹی ہے' جانور جو بستیوں میں نہیں رہتا' الخ' ٹڈی ہے۔ اس کا سر گھوڑے کا سا' گردن سانڈ کی سی' بازو شاہین کے سے' پاؤں اونٹ کے سے' دم سانپ کی سی' پیٹ بچھو کا سا اور سینگ غزال کے سے ہیں۔

خلیفہ ہارون الرشید کو اس کی عقل و فہم پر بڑا تعجب ہوا اور اس نے نظام سے کہا کہ اپنے کپڑے اتار دے۔ نظام اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ تم سب گواہ رہو کہ کنیز مجھ سے اور تمام عالموں سے زیادہ عالم ہے۔ اس نے اپنے کپڑے اتار دیئے اور کہا' انہیں لے' خدا تجھے مبارک نہ کرے! امیر المومنین نے دوسرے کپڑے منگوا کر اسے پہنائے اور پھر کنیز سے کہنے لگا کہ اے تودد' ایک چیز باقی رہ گئی ہے جس کا تو نے وعدہ کیا ہے اور وہ شطرنج ہے۔ اس نے شطرنج گنجفہ او نرو کے استادوں کو بلوایا۔ وہ آئے تو شطرنج والا کنیز کے سامنے بیٹھا۔ ان کے بیچ میں بساط بچھائی گئی اور دونوں اپنی اپنی چالیں چلنے لگے۔ استاد جو چال چلتا کنیز اسے فوراً بیکار کر دیتی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- ## چار سو اکسٹھ ویں رات

جب چار سو اکسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ استاد جو چال چلتا کنیز اسے بیکار کر دیتی۔ یہاں تک کہ کنیز نے اسے مات دے دی۔ استاد نے کہا میں تو محض تجھے کھلا رہا تھا تا کہ تو ذرا خوش ہو جائے۔ دوبارہ بساط بچھا' میں تجھے دکھاؤں کہ اس طرح کھیلتے ہیں۔ کنیز نے دوبارہ بساط بچھائی تو استاد نے اپنے دل میں کہا کہ اب کے آنکھیں کھول کر چلنا چاہیے ورنہ شیخی کر کری ہو جائے گی۔ غرض کہ وہ جو چال چلتا حساب سے چلتا ہر مہرے پر اس کی نظر تھی کہ یکا یک کنیز نے کہا مات۔ استاد دنگ ہو گیا۔ کنیز نے کہا اے استاد' میں تیسری باری تجھ سے شرط لگا کر کھیلتی ہوں بلکہ فرزیں' داہنا رخ اور بایاں گھوڑا اٹھائے لیتی ہوں' اگر تو جیت جائے تو میرے کپڑے اتروا لیجیو اور اگر میں جیت جاؤں تو تیرے کپڑے لے لوں گی۔ اس نے کہا منظور۔ اب دونوں نے مہرے رکھے۔ کنیز نے فرزیں' رخ اور گھوڑا اٹھا لیا اور کہا استاد چل۔ وہ چلا اور دل میں کہنے لگا کہ ان مہروں کے اٹھ جانے کے بعد میرے جیتنے میں کیا کسر باقی ہے' اس نے قلعہ بندی کی۔ کنیز نے چند ہی چالوں کے بعد فرزیں بنا لیا اور پیادہ اس کے سامنے کر دیا۔ اس نے اسے مار لیا۔ کنیز نے کہا طمع انسان کے لئے قاتل ہے' تجھے معلوم نہیں کہ میں نے تجھے لالچ دیا تھا' دیکھ یہ مات ہے' اب اپنے کپڑے اتار دے۔ اس نے کہا شلوار رہنے دے' خدا تجھے اس کا اجر دے گا! اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک تو دو بغداد میں ہے کسی کے آگے استادی کا دعویٰ نہیں کروں گا۔ پھر اس نے کپڑے اتار کر کنیز کے حوالے کئے اور چلتا ہوا۔

اس کے بعد امیر المومنین نے ساز بجانے والے بلوائے۔ جب وہ حاضر ہوئے تو امیر المومنین نے کنیز سے پوچھا کہ باجے بجانے میں بھی تجھے مشق ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں۔

خلیفہ نے عود منگوایا۔ عود لایا گیا تو وہ سرخ اطلس کے غلاف میں تھا۔ کنیز نے غلاف سے نکال کر اپنی گود میں رکھا اور اپنا سینہ اس کے اوپر جھکایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ماں بچے کو دودھ پلا رہی ہے اور بارہ مختلف راگ بجائے' یہاں تک کہ مجلس وجد میں آ گئی۔ امیر المومنین خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ خدا تجھے برکت دے اور تیرے معلم پر رحمت بھیجے۔ کنیز نے اٹھ کر خلیفہ کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ خلیفہ نے آقا کے سامنے ایک لاکھ دینار رکھ دیئے اور کنیز سے کہا: اے تودو! مانگ کیا مانگتی ہے۔ اس نے کہا: یہ مانگتی ہوں کہ تو مجھے میرے آقا کو واپس کر دے جس نے مجھے بیچا ہے۔ خلیفہ نے کہا: اچھا' اور اسے واپس کر دیا۔ اس کے خرچ کے لئے پانچ ہزار دینار دیئے اور اس کے آقا کو ہمیشہ کے لئے اپنا ندیم بنا لیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو باسٹھویں رات

جب چار سو باسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ نے اس کے آقا کو ہمیشہ کے لیے اپنا ندیم بنا لیا اور ایک ہزار دینار اس کا ماہانہ مقرر کر دیا اور وہ کنیز تودو کے ساتھ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگا۔
اے بادشاہ مجھے اس کنیز کی فصاحت اور علم و فہم و فضل پر تعجب ہوتا ہے اور امیر المومنین ہارون الرشید کی عالی ہمتی تو دیکھ کہ اس نے کنیز کے آقا کو اس قدر مال دیا اور کنیز سے کہا کہ مانگ کیا مانگتی ہے۔ اس نے یہ مانگا کہ اسے اپنے آقا کے حوالے کر دیا جائے۔ خلیفہ نے اسے اپنے آقا کے حوالے کر دیا اور اسے اس کی ذات کے لیے پانچ ہزار دینار دیئے اور اس کے آقا کو اپنا ندیم بنا لیا۔ عباسی خلفاء کے بعد یہ کرم کس میں پایا جاتا ہے! خدا ان سب پر رحم کرے!

○ بادشاہ' ملک الموت اور نیک مرد کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------ پرانے زمانے میں ایک بادشاہ نے ارادہ کیا کہ تمام امراء کے ساتھ سوار ہو کر نکلے' اس نے اپنے مصاحبوں اور امراء کو حکم دیا کہ روانگی کا ساماں کریں اور پوشاک دار کو حکم دیا کہ بہترین کپڑے نکالے جو شاہانہ زیب و زینت والے ہوں اور اپنے مشہور و معروف گھوڑے نکلوائے۔ لوگ حکم بجا لائے۔ اس نے وہ لباس لیا جو اسے پسند تھا' وہ گھوڑے چنا جسے وہ اچھا سمجھتا تھا اور کپڑے پہن کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ جواہرات' موتیوں اور یاقوت کا ہار گلے میں ڈال جلوس کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ اپنی یہ آن بان دیکھ کر وہ گھوڑے کو رانوں میں مسلنے' اکڑنے اور گھمنڈ کرنے لگا۔ اتنے میں ابلیس اس کے پاس آیا اور اس کے نتھنے پر اپنا ہاتھ رکھ کر اس

کا ناک میں غرور اور نخوت کی ہوا پھونک دی اور وہ اپنے دل میں ڈینگ مار کر کہنے لگا کہ دنیا میں مجھ جیسا کون ہو سکتا ہے! اور اسی طرح تنتا اور ہم چومن دیگرے نیست کے زبان حال سے نعرے لگاتا چلا جا رہا تھا کہ اس کے سامنے ایک شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے آیا اور سلام کیا' بادشاہ نے جواب دینا تو کجا اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اس شخص نے بادشاہ کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی' بادشاہ نے تیوری بدل کر کہا اپنا ہاتھ ہٹا' معلوم بھی ہے کہ تو نے کس کی باگ پکڑی ہے؟ اس شخص نے کہا' مجھے تجھ سے ایک کام ہے۔ بادشاہ نے کہا صبر کر' جب میں گھوڑے سے اتروں تو اپنی ضرورت بیان کیجیو۔ اس نے کہا وہ ایک بھید ہے جو میں تیرے کان میں کہہ سکتا ہوں۔ بادشاہ نے اپنا کان اس کی طرف جھکایا۔ اس شخص نے کہا میں ملک الموت ہوں اور تیری روح نکالنے آیا ہوں۔ بادشاہ نے کہا اتنا ٹھہر جا کہ میں گھر جا کر اپنے بال بچوں اور امراء اور وزراء سے رخصت ہو لوں۔ اس نے جواب دیا کہ تو ہرگز واپس نہیں جا سکتا اور نہ ہی ان کو دیکھ سکتا ہے کیونکہ تیری زندگی کے لمحے ختم ہو چکے ہیں۔ یہ کہہ کہ ملک الموت نے گھوڑے کے اوپر ہی اس کی جان لے لی اور وہ مردہ ہو کر گر پڑا۔

ملک الموت وہاں سے چل کر ایک نیک مرد کے پاس پہنچا۔ جس سے خدا خوش تھا اور اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ ملک الموت نے کہا اے نیک مرد میں تیرے پاس ایک ضروت سے آیا ہوں اور وہ ایک راز کی بات ہے۔ نیک مرد نے کہا اپنی ضرورت میرے کان میں کہہ۔ اس نے کہا میں ملک الموت ہوں۔ نیک مرد نے کہا۔ خوش آمدید' خدا کا شکر ہے کہ تو آیا۔ میں تیرے آنے کا بڑا مشتاق تھا لیکن تو نے بڑی دیر لگائی۔ ملک الموت نے کہا اگر تجھے کوئی ضرورت ہو تو اسے پوری کر لے۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کے دیدار سے زیادہ ضروری مجھے اور کوئی کام نہیں۔ ملک الموت نے پوچھا میں کس حالت میں تیری روح نکالوں' کیونکہ مجھے حکم ہے کہ میں تیری روح اسی طرح نکالوں جس طرح کہ تو چاہے اور پسند کرے۔ اس شخص نے کہا

مجھے وضو کر لینے دے۔ جب میں نماز پڑھوں اور سجدے میں ہوں تو میری روح قبض کر لیجیو۔ ملک الموت نے کہا پروردگار کا حکم ہے کہ تیری روح تیری مرضی اور تیری خواہش کے موافق قبض کروں اور میں یونہی کروں گا جیسا کہ تو نے کہا ہے۔ نیک مرد اٹھا۔ وضو کر کے نماز پڑھنے لگا اور جونہی سجدے میں گیا ملک الموت نے اس کی روح قبض کر لی۔

○ بادشاہ اور ملک الموت کی کہانی

ایک بادشاہ کے پاس اتنا مال تھا جس کی گنتی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے وہ تمام چیزیں جمع کر رکھی تھیں جو خدا نے دنیا میں پیدا کی ہیں تاکہ عیش و عشرت سے زندگی بسر کرے۔ جمع کرتے کرتے جب دل بھر گیا تو اس نے چیزوں کے خرچ کرنے کا ارادہ کیا۔ ایک بلند اور عالی شان محل بنوانا شروع کیا جو بادشاہوں کی شان کے قابل ہو۔ جہاں وہ اپنے مرتبہ بادشاہوں سے ملے۔ اس میں دو مضبوط دروازے لگوائے' ان کی محافظت کے لیے غلام' لشکری' دربان مقرر کئے۔ پھر ایک دن باورچی کو حکم دیا کہ بہترین کھانا پکائے۔ اپنے خاندان والوں' مصاحبوں' درباریوں اور نوکروں کو مدعو کیا کہ وہ اس کے ساتھ کھانا کھائیں اور اس کی میزبانی کا لطف اٹھائیں۔ بادشاہ اپنی حکومت کے تخت پر جلوہ افروز ہوا اور اپنے دل سے مخاطب ہو کر کہنے لگا اے دل میں نے تیرے لیے دینا کی تمام نعمتیں جمع کی ہیں' اب اطمینان سے بیٹھ' ان کے مزے چکھ اور بہت دنوں تک زندہ رہ۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو تریسٹھ ویں رات

جب چار سو تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ ابھی یہ باتیں اپنے دل میں ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ محل کے باہر ایک شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے آیا' اس کے گلے میں فقیروں کے بھیک مانگنے کا کشکول لٹکا ہوا تھا۔ اس نے محل کے دروازے کا حلقہ اس زور سے کھڑکھڑایا جیسے زلزلہ آ گیا۔ عمارت لرز اٹھی قریب تھا کہ تخت الٹ جائے۔ غلام ڈرے اور دوڑ کر دروازے پر پہنچے کہ کیا آفت آئی۔ دیکھا تو ایک شخص کھڑا ہے۔ اس سے کہنے لگے یہ کیا تیری حرکت اور بد تمیزی ہے؟ بادشاہ کو کھانا ختم کر لینے دے۔ بچا کھچا ہم تجھے دے دیں گے۔ اس نے غلاموں سے کہا اپنے آقا سے کہو میرے پاس آ کر بات سن جائے' میں ایک سخت ضرورت سے آیا ہوں۔ غلام نے کہا اے بوڑھے' تو ہے کون کہ ہم بادشاہ سے کہیں اور وہ نکل کر تیرے پاس آئے؟ وہ بولا کہ بس جا کر اتنا ہی اس سے کہہ دو۔ انہوں نے بادشاہ کے پاس جا کر یہ پیغام پہنچا دیا۔ بادشاہ نے کہا تم نے اسے ڈانٹا ڈپٹا کیوں نہیں اور سخت سست کیوں نہیں کہا؟ اتنے میں اس شخص نے دوبارہ دروازہ کھڑکھڑایا اور پہلی بار سے بھی زور سے۔ غلام ڈنڈے اور ہتھیار لے کر اسے مارنے پہنچ گئے۔

وہ الٹا ان پر غرانے لگا اور للکار کر کہا خبردار' اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو۔ میں ملک الموت ہوں۔ یہ سن کا ان کی عقلیں جاتی رہیں۔ حواس اڑ گئے' کانپنے لگے اور اپنی جگہ سے ہل نہ سکے۔ بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے کہلوایا میرے بدلے کسی دوسرے کی جان لے لے۔ ملک الموت نے کہا میں عوضی نہیں لے سکتا۔ میں تو محض تیرے لیے آیا ہوں تا کہ تجھے ان نعمتوں سے جدا کر دوں' جو تو نے جمع کر رکھی ہیں۔ اب تو بادشاہ کے حواس جاتے رہے' رونے اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگا اور کہا لعنت ہو خدا کی دولت

پر جس نے مجھے دھوکے میں ڈال رکھا' تکلیف دی اور پروردگار کی عبادت سے روکا حالانکہ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے فائدہ دے گی لیکن وہ میرے لیے وبال جان ہو گئی' میں خالی ہاتھ یہاں سے جاتا ہوں۔ سارا مال و متاع میرے دشمنوں کے کام آئے گا۔ اللہ نے مال کو گویائی عطا کر دی۔ وہ بولا' تو مجھ پر لعنت کیوں کرتا ہے؟ تجھے چاہیئے کہ خود اپنے اوپر لعنت کرے' خدا نے ہم دونوں کو مٹی سے پیدا کیا اور مجھے تیرے ہاتھ میں اس لیے دیا کہ تو میرے ذریعے سے آخرت کا توشہ مہیا کرے' فقیروں' مسکینوں اور بوڑھوں کو خیرات دے' محتاج خانے کھولے' مسجدیں اور پل بنوائے کہ وہ آخرت میں تیرے کام آئیں۔ برخلاف اس کے تو نے مجھے جمع کر کے خزانے میں رکھا' اپنی نفسانی خواہشات کے لیے خرچ کیا۔ بجائے شکر کے نعمت کی کفران کی اور اب تو' مجھے برا بھلا کہتا ہے! پھر ملک الموت نے اس کی جان نکال لی اور وہ کھانا کھانے بھی نہ پایا تھا کہ مردہ ہو کر تخت پر سے گر پڑا۔

○ بنی اسرائیل کے بادشاہ اور ملک الموت کی کہانی

بنی اسرائیل کا ایک زبردست بادشاہ ایک روز اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ دروازے سے ایک ڈراؤنی شکل کا آدمی چلا آ رہا ہے۔ بادشاہ اس کی صورت دیکھ کر گھبرا گیا اور کہنے لگا اے شخص' تو کون ہے اور تجھے کس نے اجازت دی کہ اس طرح بے دھڑک میرے گھر میں گھس کر میرے پاس آئے؟ وہ بولا گھر کے مالک نے مجھے اجازت دی ہے' مجھے کوئی بھی حاجب نہیں روکتا ہے۔ بادشاہوں کے پاس بھی جانے کے لیے مجھے اجازت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ نہ میں بادشاہ کے دبدبے سے ڈرتا ہوں' نہ نوکروں چاکروں کی زیادتی سے۔ میں وہ شخص ہوں جسے زبردست بادشاہ شکست نہیں دے سکتا۔ کوئی میرے پنجے سے بچ کر نہیں جاتا۔ میں لذتوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والا ہوں۔ یہ سن کر بادشاہ منہ کے بل گر پڑا' اس کے بدن میں رعشہ

آ گیا اور ہوش اڑ گئے۔ جب ذرا حواس درست ہوئے تو اس نے پوچھا کہ تو ملک الموت ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔ بادشاہ نے کہا میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ ایک دن مجھے اور زندہ رہنے دے تا کہ میں اپنے گناہوں کی معافی مانگوں' پروردگار کے آگے توبہ کروں' جو مال میرے خزانوں میں ہے اسے حق داروں کو دے دوں اور اس کے حساب کی محنت اور عذاب سے نجات پاؤں۔ ملک الموت نے کہا ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! یہ ناممکن ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چار سو چونسٹھ ویں رات

جب چار سو چونسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملک الموت نے بادشاہ سے کہا کہ یہ نا ممکن ہے' تیری زندگی کے دن گنے ہوئے ہیں' یرے سانسوں کا حساب و شمار اور تیرے اوقات قلم بند ہیں۔ بادشاہ بولا اچھا محض ایک گھڑی مجھے جینے دے۔ اس نے کہا گھڑی بھی حساب میں شامل ہے اور وہ تیری غفلت میں گزر چکی ہے۔ تیرے سانس پور ہو چکے ہیں۔ اب کچھ باقی نہیں۔ بادشاہ نے پوچھا جب میں قبر میں جاؤں گا تو میرے ساتھ کون ہو گا۔ اس نے جواب دیا بجز تیرے اعمال کے اور کوئی نہ ہو گا۔ بادشاہ نے کہا میں نے کوئی نیک کام نہیں کیا۔ اس نے کہا پھر تو دوزخ میں جائے گا اور خدا کے غضب میں مبتلا ہو گا۔ یہ کہہ کر اس نے بادشاہ کی روح قبض کر لی اور وہ تخت سے زمین پر گر پڑا اور لوگ رونے پیٹنے لگے۔ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ ان کے آقا سے پروردگار ناراض ہے تو وہ اور بھی زیادہ زار زار روتے۔

○ سکندر ذوالقرنین اور مفلسوں کی کہانی

ایک مرتبہ سکندر ذوالقرنین کا گزر کسی مفلس قوم پر ہوا جن کے پاس دنیا کی کوئی چیز نہ تھی۔ جنہوں نے اپنے مردوں کی قبریں دروازوں کے سامنے بنا رکھی تھیں اور ہر وقت انہی قبروں کے پاس بیٹھے رہتے' وہاں جھاڑو دیتے' صفائی رکھتے' زیارت کرتے اور وہی ان کی عبادت کی جگہ تھی۔ گھاس پات کے سوا ان کے پاس کچھ بھی کھانے کو نہ تھا۔ سکندر ذوالقرنین نے ایک شخص کو بھیج کر ان کے سردار کو بلوایا لیکن وہ نہ آیا اور کہلا بھیجا کہ مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں۔ ذوالقرنین خود اس کے پاس گیا

اور پوچھا کہ تم لوگوں کا کیا حال ہے اور تم لوگ کیا کام کرتے ہو؟ نہ تو تمہارے پاس سونا چاندی دکھائی دیتا ہے' نہ تم کو دنیا کی کوئی نعمت میسر ہے۔ سردار نے جواب دیا' دنیا کی نعمتوں سے کوئی شخص سیر نہیں ہوتا۔ سکندر نے پوچھا کہ تم نے دروازوں پر قبریں کیوں بنا رکھی ہیں؟ اس نے جواب دیا تا کہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے رہیں اور ہم انہیں دیکھ کر موت کو نہ بھولیں۔ آخرت کا دھیان رکھیں' ہمارے دل سے دنیا کی محبت جاتی رہے اور ہم اس کی وجہ سے اپنے پروردگار کی عبادت سے غافل نہ ہوں۔

سکندر نے کہا تم گھاس پات کیوں کھاتے ہو؟ سردار نے جواب دیا ہم اپنے پیٹوں کو جانوروں کی قبریں نہیں بنانا چاہتے اس لیے کھانے کی لذت حلق سے آگے نہیں گزرتی۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھ بڑھایا اور ایک شخص کی کھوپڑی نکال کر سکندر کے سامنے رکھ دی اور کہنے لگا اے ذوالقرنین تجھے معلوم ہے کہ یہ کس کی کھوپڑی ہے؟ سکندر نے کہا نہیں۔ سردار بولا' یہ دنیا کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا جو اپنی رعیت پر ظلم و جور کیا کرتا' خاص کر کمزوروں پر' اور اس نے اپنی ساری زندگی دنیا کی چیزیں جمع کرنے میں گزار دی تھی۔ بالا آخر خدا نے اس کی روح قبض کر لی اور اسے جہنم رسید کیا' اور اب اس کا یہ حال ہے۔

پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک دوسری کھوپڑی سکندر کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ اسے تو پہچانتا ہے؟ اس نے کہا' نہیں۔ بادشاہ نے کہا یہ بھی ایک بادشاہ کی کھوپڑی ہے جو اپنی رعیت کے ساتھ انصاف کرتا اور اپنے ملک والوں پر مہربان تھا اس کی بھی روح خدا نے قبض کر لی' اسے اپنی جنت میں جگہ دی اور اس کا درجہ بڑھایا۔ یہ کہہ کہ اس نے اپنا ہاتھ ذوالقرنین کے سر پر رکھا اور کہا تجھے معلوم ہے کہ تو ان دونوں میں سے کس کی طرح ہو گا؟ یہ سن کر ذوالقرنین زار زار رونے لگا اور اسے اپنے سینے سے لگا کر کہنے لگا' اگر تو میرے ساتھ چلنا پسند کرے تو میں اپنی وزارت تیرے سپرد کر دوں اور اپنے ملک میں تجھے شریک کر لوں۔ اس شخص نے جواب دیا' ایسا ہرگز

نہیں ہو سکتا' مجھے اس بات کی طرف کوئی رغبت نہیں۔ سکند نے پوچھا کیوں نہیں؟ اس نے جواب دیا اس لیے کہ ساری دنیا تیری دشمن ہے اور میری دوست ہے۔ اس لیے کہ میں غریب ہوں اور قانع' نہ میرے پاس ملک ہے' نہ مجھے دنیا کا لالچ' نہ اس کی تلاس اور نہ ضرورت ہے۔ قناعت میرے واسطے کافی ہے۔ سکندر نے دوبارہ اسے اپن چھاتی سے لگایا' اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور چلا گیا۔

○ نوشیرواں اور پرانی اینٹ کی کہانی

عادل بادشاہ نوشیرواں ایک دن بیمار بن بیٹھا اور اپنے معتمد لوگوں کو بلا کر حکم دیا کہ ملک کے کونے کونے میں جا کر کسی غیر آباد گاؤں سے ایک پرانی اینٹ لاؤ تا کہ میں اس سے اپنا علاج کر سکوں کیونکہ طبیبوں نے میرے لیے یہی علاج بتایا ہے۔
وہ لوگ ملک کے چاروں طرف گئے۔ ایک ایک ولایت چھان ڈالی اور واپس آ کر بادشاہ سے کہ ملک بھر میں' ہمیں نہ کوئی غیر آباد گاؤں ملا نہ پرانی اینٹ۔ نوشیرواں یہ سن کر بہت خوش ہوا اور خدا کا شکر ادا کیا اور کہنے لگا کہ صرف اپنے ملک کی آبادی کا اندازہ کرنا اور رعایا کی خوشحالی کا امتحان لینا چاہتا تھا کہ میری حکومت میں اگر کوئی غیر آباد جگہ باقی ہے تو میں اسے آباد کروں۔ اب چونکہ کوئی غیر آباد جگہ باقی نہیں لہٰذا مملکت کے امور مکمل ہو گئے۔ حالت منتظم اور آبادی کمال کے درجے تک پہنچ گئی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو پینسٹھ ویں رات

جب چار سو پینسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ نوشیرواں نے کہ آبادی کمال کے درجے تک پہنچ گئی۔ دیکھ' اے بادشاہ کہ ان پرانے بادشاہوں کی کیسی ہمت تھی اور اپنے ملک کی آبادی کا انہیں کتنا خیال تھا۔

○ قاضی کی بیوی کی کہانی

بنی اسرائیل میں ایک قاضی تھا جس کی بیوی نہایت حسین تھی اور بڑی پارسا۔ ایک بار یہ قاضی بیت المقدس کی زیارت کے لیے گیا۔ چلتے وقت اپنے بھائی کو اپنی جگہ قاضی بنا کر اس سے کہا کہ میری بیوی کی خبر گیری رکھیو۔ بھائی اپنی بھاوج کے حسن و جما کی تعریف سنے ہوئے تھا۔ قاضی کے جانے کے بعد اس نے بھاوج کے پاس جا کر اسے بد کاری پر لگانا چاہا۔ اس نے انکار کیا۔ جتنا وہ انکار کرتی' اس کی تمنا اور زیادہ بڑھتی۔ اور جتنا وہ اصرار کرتی اتنا ہی عورت کا انکار بڑھتا۔ جب وہ نا امید ہو گیا تو ڈرا کہ کہیں وہ بھائی کو میری حرکت کی خبر نہ کر دے۔ اس لیے اس نے جھوٹے گواہ بنا کر اس پر زنا کر الزام لگایا۔ مقدمہ بادشاہ تک پہنچا۔ بادشاہ نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دے دیا۔ اب ایک گڑھا کھودا گیا اور عورت کو اس میں بٹھا کر سنگسار کیا۔ یہاں تک کہ وہ پتھروں سے ڈھک گئی۔ بادشاہ نے کہا یہی گڑھا اس کی قبر ہو گا۔ چنانچہ وہ اسی گڑھے میں پڑی کراہتی رہی۔ دن چھپا رات ہوئی تو ایک شخص ادھر سے گزرا جو کسی گاؤں کو جا رہا تھا اس کے کراہنے کی آواز سن کر گڑھے کے پاس پہنچا۔ پتھر ہٹا کر عورت کو نکالا اور اپنے گھر لے گیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ اس کا علاج کر۔ اس نے علاج کیا وہ اچھی ہو گئی۔ گاؤں والی عورت کا ایک بچہ تھا جسے

قاضی کی بیوی کھلاتی پلاتی اور اس کے ساتھ دوسرے مکان میں سوتی۔ آتے جاتے ایک چور کی اس پر نظر پڑی۔ شیطان نے اس کو بہکایا اور اس نے عورت کے پاس پھسلانے کے لیے پیغام بھیجا۔ عورت نے انکار کیا۔ چور نے اسے مار ڈالنے کا ارادہ کیا اور رات کے وقت اس کے پاس پہنچا۔ جب وہ مکان میں داخل ہوا تو وہ سو رہی تھی اس نے چاقو پھینک کر مارا' چاقو بچے کے لگا اور وہ مر گیا۔

چور کو معلوم ہوا کہ لڑکا مر گیا تو وہ ڈر کے مارے وہاں سے نکل کر بھاگا اور خدا نے اس عورت کی عصمت بچا لی۔ صبح کو اٹھی تو بچے کو مردہ پایا۔ بچے کی ماں نے یہ دیکھا تو کہنے لگی کہ تو نے ہی مارا ہے اور اسے مارنے لگی اور چاہتی تھی کہ جان سے مار ڈالے مگر اس کے شوہر نے آ کر بچا لیا اور کہنے لگا خدا کے لیے ایسا نہ کر۔

قاضی کی عورت وہاں سے نکل بھاگی' یہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جائے۔ اس کے پاس کچھ درہم تھے۔ بھاگتے بھاگتے وہ ایک گاؤں کے پاس سے گزری تو اس نے دیکھا بہت سے لوگ جمع ہیں' ایک شخص صلیب پر چڑھا ہوا ہے اور ابھی اس میں جان باقی ہے۔ اس نے پوچھا اس نے کیا کیا ہے؟ لوگوں نے کہا ایک ایسا جرم کیا ہے جس کی سزا قتل ہے یا اس قدر درہم فدیہ۔ عورت نے کہا یہ درہم لو اور اسے چھوڑ دو۔ مجرم نے اس کے ہاتھ پر توبہ کی اور نذر مانی کی وہ مرتے دم تک اس کی خدمت کرے گا۔ چنانچہ اس نے ایک خانقاہ بنوائی اور قاضی کو بیوی کو اس میں رکھا اور خود جنگل سے لکڑیاں اور بازار سے کھانے پینے کا سامان لایا۔ عورت رات دن عبادت کرتی۔ تھوڑے ہی دن میں بزرگ' خدا رسیدہ مشہور ہو گئی۔ بیمار اور ضرورت مند اس کے پاس آنے لگے۔ جو آتا اس کی دعا سے فوراً اچھا ہو جاتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو چھیاسٹھویں رات

چار سو چھیاسٹھویں رات ہوئی اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ خدا کا کرنا ایسا ہوتا ہے کہ اس کے دیور کے منہ پر جس نے اسے سنگسار کرایا تھا کوئی روگ پیدا ہوا اور وہ عورت جس نے اسے مارا تھا کوڑھ میں مبتلا ہو گئی اور چور کے ایسا درد ہونے لگا کہ وہ لولا' اپاہج ہو گیا۔ اسی زمانے میں قاضی بھی حج سے لوٹا اور اپنے بھائی سے اپنی بیوی کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا وہ مر گئی ہے۔ اسے بے حد افسوس ہوا اور یقین ہو گیا کہ وہ مر چکی ہے۔ اب اڑتے اڑتے لوگوں تک یہ خبر پہنچی کہ کسی صومعے میں ایک عورت رہتی ہے اور دنیا کے ہر حصے سے لوگ اس کی زیارت کو آتے ہیں۔ قاضی نے اپنے بھائی سے کہا' بھائی تو اس پارسا عورت کے پاس کیوں نہیں جاتا ممکن ہے کہ خدا اس کے ہاتھ سے تجھے شفا دے۔ اس کے بھائی نے کہا تو مجھے اس کے پاس لے چل۔ جس عورت کو کوڑھ ہوا تھا اس کے شوہر کو بھی یہ خبر لگی ہے اور وہ اسے خانقاہ میں لے گیا۔ چور کے گھر والوں نے بھی اس عورت کا شہرہ سنا اور اسے اس کے پاس لے گئے۔ یہ سب کے سب خانقاہ کے دروازے پر اکٹھا ہوئے۔ عورت ان کو دیکھ سکتی تھی جو اس خانقاہ میں آتے تھے مگر دوسرے اسے نہ دیکھ سکتے۔ ان سب کو اس کے خادم کا انتظار تھا۔ جب وہ آتا تو انہوں نے اسے درخواست کی کہ اندر جانے کی اجازت لے آئے۔ عورت نے اجازت دی' اپنے چہرے پر نقاب ڈال لی۔ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا اور دروازے پر کھڑی ہو کر اپنے شوہر' اس کے بھائی' چور اور عورت کو دیکھنے لگی۔ اس نے ان کو پہچان لیا لیکن وہ اسے نہ پہچان سکے۔ پھر اس نے کہا' اے لوگو! جب تک تم اپنے گناہوں کا اعتراف نہ کرو گے' اچھے نہ ہو گے کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے تو خدا اسے معاف کر دیتا ہے اور اس کی دعا قبول کر لیتا ہے۔ قاضی نے اپنے بھائی سے کہا خدا کے سامنے توبہ کر

اور اپنے گناہ پر اصرار نہ کر۔ یہ تیری نجات کے لیے بہتر ہے۔
قاضی کے بھائی نے کہا۔ میں نے تیری بیوی کے ساتھ یہ شرارت کی ہے اور یہی میرا گناہ ہے۔ کوڑھ والی عورت نے کہا' میرے ہاں ایک عورت تھی' میں نے اس پر ایک الزام لگایا جس کا صحیح علم مجھے نہ تھا اور جان بوجھ کر اسے مارا۔ یہ ہے میرا گناہ۔
لولے اپاہج چور نے کہا میں ایک عورت کو قتل کرنے گیا تھا کیونکہ وہ میرے قابو میں نہیں آتی تھی اور میرے ساتھ بدکاری کرنے پر رضامند ہوتی تھی میں نے اس لڑکے کو قتل کر دیا جو اس کے آگے پڑا تھا۔ یہ ہے میرا گناہ۔ پارسا عورت نے کہا خداوند جس طرح تو نے انہیں گناہ کی ذلت دکھائی ہے اسی طرح اطاعت کی عزت دکھا کہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ خدا نے ان سب کو اچھا کر دیا۔ قاضی اس کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ عورت نے پوچھا' کیا دیکھتا ہے۔ اس نے کہا میری ایک بیوی تھی اگر وہ مر نہ چکی ہوتی تو میں کہتا وہ تو ہی ہے۔ اب عورت نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا اور دونوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے احسان سے بچھڑے ہوؤں کو ملایا۔
اس کے بعد قاضی کا بھائی' چور اور عورت سب کے سب اس سے معافی مانگنے لگے اور اس نے سب کو معاف کر دیا اور سب اس کی خدمت اور خدا کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ موت نے انہیں الگ الگ کر دیا۔

○ پارسا عورت کی کہانی

ایک سید سے روایت ہے کہ ایک روز میں اندھیری رات میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا' مجھے ایک دردناک آواز سنائی دی جو کسی غم زدہ دل سے نکل رہی تھی اور یہ کہتی تھی: اے کریم مجھ پر اپنی قدیم مہربانی فرما کیونکہ میں نے جو عہد کیا ہے اس پر قائم ہوں۔ یہ آواز سن کر میرا دل اس قدر پریشان ہوا کہ میں مرنے کے قریب ہو گیا۔
اب میں اس آواز کی طرف بڑھا' دیکھا کہ وہ ایک عورت ہے۔ میں نے کہا اے خدا

کی بندی! السلام علیک! اس نے جواب دیا کہ وعلیک السلام و رحمتہ اللہ و برکاتہ! میں نے پوچھا خدا کے لیے بتا کہ وہ کیا عہد ہے جس پر تو قائم ہے؟ اس نے کہا اگر تو خدا کا واسطہ نہ دیتا تو میں اپنا بھید نہ بتاتی۔ دیکھ میرے سامنے کیا ہے؟ میں نے دیکھا اس کے آگے ایک بچہ سو رہا تھا۔ اس نے کہا جب یہ بچہ میرے پیٹ میں تھا تو میں اس گھر کا حج کرنے چلی تھی۔ جب کشتی پر سوار ہوئی تو سمندر میں تلاطم ہوا' مخالف ہوائیں چلنے لگیں اور ہماری کشتی ٹوٹ گئی۔ میں ایک تختے پر پڑی تیرتی رہی۔ اسی تختے پر یہ بچہ پیدا ہوا۔ بچہ میری گود میں تھا اور لہریں مجھے تھپیڑے مار رہی تھیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو سڑسٹھویں رات

جب چار سو سڑسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ عورت نے کہا بچہ میری گود میں تھا اور لہریں مجھے تھپیڑے مار رہی تھیں کہ کشتی کے ملاحوں میں سے ایک ڈوبتا اچھلتا میرے پاس پہنچا اور تختے پر سوار ہو کر کہنے لگا' واللہ کشتی میں میرا جی تیری طرف بہت للچا رہا تھا' اب تو تیرے ساتھ ہوں۔ اب میرا ارمان نکال دے ورنہ میں تجھے اسی سمندر میں پھینک دوں گا۔ میں نے کہا مردود! جو کچھ تو نے دیکھا ہے اس سے تو نے سبق حاصل نہیں کیا؟ اس نے کہا میں نے ایسی باتیں بارہا دیکھی ہیں اور بچ گیا ہوں' مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ میں نے کہا' اے شخص ہم اس وقت بلا میں گرفتار ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اطاعت کے ذریعے اس سے بچیں نہ کہ نافرمانی کریں۔ لیکن وہ اپنی بد ذاتی سے باز نہ آیا تو میں ڈری اور میں نے ارادہ کیا کہ اس کے ساتھ کوئی چال چلوں۔ اس سے کہا کہ ذرا ٹھہر جا' بچہ سو جائے۔ اس نے بچے کو میری گود سے لے کر سمندر میں پھینک دیا۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ اس نے کس بے دردی سے بچے کو پھینک دیا تو میرے ہوش اڑ گئے۔ غم و حرماں کی شدت میں' میں نے آسماں کی طرف سر اٹھا کر کہا اے وہ ذات جو انسان اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہوتی ہے' میرے اور اس درندے کے درمیان حائل ہو جا' تو ہر چیز پر قادر ہے۔ میں ابھی اپنی دعا ختم بھی نہ کر پائی تھی کہ سمندر سے ایک جانور نکلا اور اسے تختے پر سے اچک لے گیا۔ اب میں اکیلی رہ گئی اور اپنے بیٹے کے ضائع ہونے پر آنسو بہانے لگی۔

ایک دن اور ایک رات اسی حالت میں پڑی رہی۔ دوسری صبح ہوئی تو مجھے دور سے ایک کشتی کے بادبان چمکتے دکھائی دیئے۔ موجیں مجھے پھینک رہی تھیں اور ہوا دھکیلے جا رہی

تھی یہاں تک کہ میں اس جہاز کے پاس پہنچی جس کے بادبان مجھے دکھائی دیتے تھے۔ جہاز والوں نے مجھے اٹھا کر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ جہاز میں کیا دیکھتی ہوں کہ میرا بیٹا بھی موجود ہے۔ میں اس کے اوپر گری اور کہنے لگی اے لوگو' یہ میرا بیٹا ہے تمہیں کہاں سے ملا؟ انہوں نے کہا جب ہم سمندر میں چلے جا رہے تھے تو یک بہ یک ہمارا جہاز رک گیا۔ ہم نے ایک بہت بڑا جانور مثل ایک چٹان کے دیکھا۔ یہ بچہ اس کی پیٹھ پر بیٹھا اپنا انگوٹھا چوس رہا تھا۔ ہم نے اسے اپنے ساتھ لے لیا۔ میں نے ان سے یہ باتیں سنیں تو اپنا سارا قصہ انہیں سنایا' اپنے پروردگار کا شکر ادا کیا اور اس سے عہد کیا کہ میں کبھی تیرے گھر کو چھوڑ کر نہ جاؤں گی اور تیری خدمت سے منہ نہ موڑوں گی۔ پھر جو کچھ میں نے خدا سے مانگا اس نے دیا۔ سید کا بیان ہے کہ میں نے اپنا ہاتھ تھیلی کی طرف بڑھایا اور چاہا کہ اسے کچھ دوں مگر اس نے کہا' اے بطال کہیں یہ ہو سکتا ہے کہ میں خدا کے فضل و کرم کا بیان کروں اور غیروں سے انعام لوں۔ اس نے میری کوئی چیز قبول نہ کی اور میں اسے چھوڑ کر چلا گیا اور وہ خدا کے گھر میں برابر مرتے دم تک عبادت کرتی رہی۔

○ مالک بن دینار اور پارسا حبشی غلام کی کہانی

مالک بن دینا رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک بار بصرے میں بالکل مینہ نہ برسا۔ ہم بارش کی دعا کرنے کئی مرتبہ باہر گئے۔ دعا قبول نہ ہوئی۔ اب میں عطاء السلمی' ثابت البنانی' نجی البکاء' محمد بن واسع' ایوب الختیانی' حبیب الفارسی' حسان بن ابی سنان' عتبتہ الغلام اور صالح المزنی شہر سے باہر نکلے اور مسجد میں پہنچے۔ بچے بھی اپنے مکتبوں سے نکل آئے اور ہم سب نے مینہ کی دعا مانگی لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ جب دوپہر ہو گئی تو لوگ واپس چلے گئے۔ فقط میں اور ثابت البنانی مسجد میں رہ گئے۔ رات کا اندھیرا

ہوا تو ہم نے دیکھا کہ ایک حبشی آیا جس کا چہرہ خوبصورت تھا' پنڈلیاں پتلی پتلی اور پیٹ بڑا وہ ادنیٰ ازار پہنے ہوئے تھا اور اس کے سارے لباس کی قیمت دو درہم سے زیادہ نہ ہو گی۔ اس شخص نے پانی لا کر وضو کیا' محراب میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی جس میں قیام' رکوع' اور سجود سب برابر تھے' پھر اس نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور کہنے لگا میرے اللہ! میرے آقا! میرے مولیٰ کب تک تو' اپنے بندوں کو وہ چیز نہ دے گا جس سے تیری ملکیت میں کوئی کمی نہیں ہوتی؟ کیا تیرے پاس جو چیزیں تھیں وہ ختم ہو گئیں اور تیرے خزانے خالی ہو گئے؟ میں تجھے اس محبت کی قسم دیتا ہوں جو تجھے مجھ سے ہے فوراً پانی برسا ابھی وہ دعا ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ آسمان پر بادل چھا گئے اور اس طرح مینہ برسنے لگا جیسے مشکیں چھوٹ رہی ہیں اور ہم سب مسجد سے نکلے ہی تھے کہ گھٹنے گھٹنے پانی کھڑا ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اڑسٹھویں رات

جب چار سو اڑسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ مالک نے کہا کہ ہم مسجد سے نکلے ہی تھے کہ گھٹنوں تک پانی میں آ گئے اور حبشی پر تعجب کرنے لگے۔ میں نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے حبشی تجھے شرم نہیں آتی کہ تو ایسی باتیں کرتا ہے؟ وہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہا میں نے کیا بات کی؟ میں نے کہا کہ تو نے خدا کو اپنی محبت کا واسطہ دلایا تو کیا جانے کہ وہ تجھ سے محبت کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا چل ہٹ تو اپنے آپ کو بھی بھول گیا ہے۔ میں نے اس وقت کہا تھا جب کہ اس نے توحید سے میری مدد کی اور مخصوص طور سے اپنی معرفت مجھے دی تھی؟ کیا یہ ساری باتیں اس نے بغیر محبت کے کیں۔ پھر اس نے کہا اس کی محبت میری طرف اتنی ہے جتنی میری اس کی طرف۔ میں نے کہا' میرے پاس ذرا ٹھہر جا' خدا تجھ پر رحمت کرے! اس نے کہا میں غلام ہوں اور مجھ پر چھوٹے آقا کی اطاعت فرض ہے۔ مالک کا بیان ہے کہ ہم دور دور اس کے پیچھے لگے رہے اور وہ ایک بردہ فروش کے گھر میں داخل ہوا۔ آدھی رات ہو چکی تھی باقی آدھی رات کا انتظار کرنا مشکل تھا اس لیے ہم چلے گئے۔ جب صبح ہوئی تو ہم بردہ فروش کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ ہم نوکری کے لیے ایک غلام مول لینا چاہتے ہیں۔ تیرے پاس کوئی ہے؟ اس نے جواب دیا میرے پاس تقریباً سو غلام ہیں اور سب بکنے کے لیے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک ایک کر کے تمام غلام دکھانے شروع کیے۔ یہاں تک کہ ستر غلام دکھائے لیکن میں نے ان میں اپنے دوست کو نہ دیکھا۔ اس نے کہا ان کے علاوہ میرے پاس کوئی اور غلام نہیں۔

جب ہم وہاں سے چل دیئے تو ہم اس کے مکان کے پیچھے ایک کھنڈر میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ وہی حبشی وہاں کھڑا ہے۔ میں نے کہا کہ خدا کی قسم یہی تو وہ ہے۔ بردہ

فروش کے پاس جا کر میں نے کہا کہ اس غلام کو میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ اس نے کہا اے ابو یحییٰ یہ بڑا منحوس غلام ہے' رات بھر روتا ہے اور دن بھر پریشان رہتا ہے۔

میں نے کہا اسی لیے تو اسے مول لینا چاہتا ہوں۔ اب اس نے اسے آواز دی اور وہ اونگھتا ہوا نکلا۔ بردہ فروش نے مجھ سے کہا جتنے میں تو چاہے اسے خرید لے۔ میں نے اسے بیس دینار میں خرید لیا اور پوچھا اس کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا میمون۔ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر لے چلا۔ اس نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا اے میرے چھوٹے مالک تو نے مجھے کیوں خرید کیا؟ خدا کی قسم میں کسی مخلوق کی خدمت کے قابل نہیں۔ میں نے کہا میں نے تجھے اسی لیے خریدا ہے کہ تیری خدمت کروں اور تجھے سر آنکھوں پر بٹھاؤں۔ اس نے پوچھا یہ کیوں؟ میں نے کہا کیا تو ہمارا کل والا دوست نہیں ہے جو مسجد میں تھا؟ اس نے پوچھا تجھے میرا حال کیونکر معلوم ہوا؟ میں نے کہا میں وہی شخص ہوں جس نے کل تجھ سے باتیں کی تھیں۔ چلتے چلتے ہم ایک مسجد میں پہنچے۔ اس نے دو رکعتیں پڑھیں اور کہنے لگا میرے اللہ! میرے مولیٰ جو راز میرے

اور تیرے درمیاں تھا اس سے تو نے لوگوں کو واقف کر دیا اور مجھے لوگوں میں پیشمان کیا۔ اب میری زندگی کیونکر اچھی گزر سکتی ہے' تیرے علاوہ اوروں کو وہ راز معلوم ہو گیا ہے جو میرے اور تیرے درمیاں تھا۔ میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ فوراً میری روح نکال لے۔ یہ کہہ کر وہ اس طرح سجدے میں گر گیا کہ پھر سر نہ اٹھایا۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد میں نے اسے جنبش دی لیکن وہ مر چکا تھا۔ خدا اس پر رحمت بھیجے! میں نے اس کے ہاتھ پاؤں سیدھے کئے دیکھا کہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ ہے اور سفیدی سیاہی غالب ہے۔ اس کے چہرے پر نور ہے۔ ہم اس کی حالت پر تعجب ہی کر رہے تھے کہ ایک دروازے سے ایک نوجوان شخص نکلا اور کہنے لگا السلام علیکم' ہمارے بھائی میموں کی وجہ سے خدا ہمیں اور تمہیں اجر دے۔ لو یہ کفن ہے۔ اس میں اس کی تکفین کرو۔ یہ کہہ کر اس نے دو ٹکڑے کپڑے کے دیئے جن کی مثل میں نے کبھی

نہ دیکھے تھے اور ہم نے انہیں بور کفن کے پہنا دیا۔ مالک کا بیاں ہے کہ لوگ اب تک اس کی قبر پر منہ مینہ کہ دعا مانگنے جاتے ہیں اور خدا اسے حاجتیں طلب کرتے ہیں۔

○ بنی اسرائیل کے پارسا شوہر اور بیوی کی کہانی

بنی اسرائیل میں ایک شخص نہایت نیک اور عبادت گزار تھا۔ دنیا اور دنیا کی یاد بھلا کر رات دن اللہ اللہ کرتا۔ اس کی ایک بیوی تھی جو ہر حالت میں اس کی شریک' مددگار اور فرمانبردار تھی۔ دونوں برتن اور پنکھے بنا کر اپنی زندگ بسر کرتے۔ دن بھر کام کرتے رہتے شام ہوتی تو جو کچھ وہ تیار کرتے مرد انہیں لے کر گلی کوچوں میں جاتا اور خریدار تلاش کرتا۔ دونوں روزہ رکھتے۔ ایک روز حسب معمول وہ روزے سے تھے۔ سارا دن کا کام کر چکنے کے بعد شام کے وقت دستور کے موافق مرد اپنی بنائی ہوئی چیزیں لے کر بیچنے نکلا۔ اس کا گزر ایک امیر و کبیر دنیا دار کے دروازے پر ہوا۔ یہ شخص خوبرو اور خوش وضع تھا۔ مکان والے کی بیوی اسے دیکھتے ہی عاشق ہو گئی اور اس کے دل کو اس کی طرف کشش ہونے لگی۔ اس کا شوہر کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ اس نے اپنی خادمہ کو بلا کر کہا' اس شخص کو کسی حیلے سے میرے پاس لے آ۔ خادمہ باہر آئی اور اسے بلا کر خریداری کرنے کے بہانے روک لیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو انہترویں رات

جب چار سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ خادمہ نے باہر جا کر اس شخص کو بلایا اور کہا اندر آ' میری مالکہ چیزوں میں سے کچھ خریدنا چاہتی ہے مگر پہلے انہیں دیکھے اور جانچ پڑتال کرے گی۔ اس شخص کو گمان ہوا کہ وہ سچ کہتی ہو گی' اور سیدھے سبھاؤ اندر جا کر بیٹھ گیا۔ خادمہ نے دروازہ بند کر دیا۔ اچانک مکان کی مالکہ نکلی اور اس کی چادر پکڑ لی اور اپنی طرف کھینچ کر کمرے میں لے گئی اور کہنے لگی میں نہ جانے کب سے تیرے ساتھ خلوت کرنا چاہتی تھی' تیرے لیے میرا دل بے قرار تھا! یہ گھر خوشبو سے بسا ہوا ہے' کھانا حاضر ہے اور گھر کا مالک آج رات باہر گیا ہوا ہے۔ میں اپنے آپ کو تیرے سامنے پیش کرتی ہوں۔ بہت سے بادشاہوں' امراء اور دولت مندوں کو میری خواہش رہی ہے۔ میں نے ان میں سے کسی سے بات تک نہیں کی۔ اسی طرح اس نے بہت سی باتیں کیں۔ اس شخص نے خدا کی شرم کے مارے سر اوپر اٹھایا' اسے عذاب کا ڈر تھا۔ بہت چاہا کہ کسی طرح پیچھا چھوٹے مگر کچھ بن نہ پڑا۔ بالاخر وہ بولا میں تجھ سے ایک چیز مانگتا ہوں۔ عورت نے کہا' وہ کیا؟ اس نے کہا پانی' مجھ کو ضرورت ہے اسے لے کر کسی اونچی جگہ پر جاؤں اپنی حاجت رفع کروں اور گندگی دھوؤں۔ عورت نے کہا' مکان بڑا ہے' جگہ کی کمی نہیں اور غسل خانہ بھی تیار ہے۔ یہیں اپنی حاجت رفع کر لے۔ اس نے جواب دیا میں اوپر جانا چاہتا ہوں۔ عورت نے خادمہ سے کہا اسے اونچے مینار پر لے جا۔ وہ اسے لے کر اوپر گئی اور اسے پانی کا کوزہ دے کر نیچے اتر آئی۔ اس شخص نے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور زمین کی طرف دیکھا کہ کود پڑے مگر ڈرا کہ وہ زمین تک پہنچ کر چور چور ہو جائے گا۔ اس کے بعد وہ خدا کی معصیت اور اس کے عذاب

پر غور کرنے لگا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس عذاب کے مقابلے میں جان دے دینا اور اپنا خون بہانا زیادہ آسان ہے۔ آسمان کی طرف دیکھ کر کہا خداوند تو دیکھ رہا ہے کہ مجھ پر کیا بلا نازل ہوئی ہے اور میری حالت تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے کہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ کہتے ہی وہ مینار کے اوپر سے کود پڑا۔ خدا نے فوراً ایک فرشتہ بھیج دیا جس نے اسے اپنے پروں پر بٹھا کر زمین پر اتار دیا اور وہ صحیح و سالم رہا اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ زمین پر آ کر اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے اس کی آبرو رکھ لی اور اس پر رحم کیا۔ وہ خالی ہاتھ اپنی بیوی کے پاس پہنچا۔ چونکہ آج اسے دیر ہو گئی تھی اور وہ خالی ہاتھ تھا۔ اس کی بیوی نے پوچھا کہ تجھے دیر کیوں لگی اور جو چیزیں تو لے گیا تھا انہیں کیا کیا اور خالی ہاتھ کیوں لوٹا؟ اس نے ساری مصیبت بیان کر دی جو اس پر گزری تھی اور یہ کہ وہ اس جگہ سے کود پڑا اور خدا نے اسے بچا لیا۔ بیوی نے کہا' شکر ہے خدا کا جس نے تجھے مصیبت سے بچا لیا۔ اب اس کی بیوی نے کہا پڑوسی روز دیکھتے ہیں کہ کہ ہم رات کے وقت اپنا تنور جلاتے ہیں۔ اگر انہوں نے آج ہمیں بغیر آگ کے دیکھا تو سمجھیں گے کہ ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ خدا کے شکر کا یہ اقتضاد ہے کہ ہم اپنی ناداری ظاہر نہ کریں' آج کے روزے کو کل کے روزے سے ملا دیں اور رات بھر نماز پڑھیں۔ یہ کہہ کر وہ تنور کے پاس گئی اور اس کے میں ایندھن ڈال کر آگ جلا دی تا کہ پڑوسیوں کو مغالطہ ہو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس سے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو سترویں رات

چار سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب عورت پڑوسیوں کو مغالطہ دینے کے لیے آگ جلا چکی تو دونوں اٹھ کر وضو کیا اور نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں ایک پڑوسن ان کے تنور سے آگ مانگنے کے لیے آئی۔ عورت نے کہا' تنور میں سے جا کر لے لے۔ پڑوسن تنور کے پاس جا کر آگ لینے لگی تو اس نے چلا کر کہا' اے فلاں اپنی روٹیوں کی خبر لے کہیں جل نہ جائیں۔ عورت نے اپنے شوہر سے کہا تو نے سنا یہ عورت کیا کہتی ہے؟ شوہر نے جواب دیا اٹھ کر دیکھ تو سہی۔ بیوی اٹھ کر تنور کے پاس گئی دیکھا کہ وہ روٹیوں سے بھرا پڑا ہے جو نہایت صاف ستھری ہیں۔ وہ ان روٹیوں کو لے کر اپنے شوہر کے پاس گئی۔ خدا کی اس عنایت کا شکریہ ادا کیا اور دونوں کھا پی کر خدا کی تعریف کرنے لگے۔ پھر بیوی نے میاں سے کہا آ ہم خدا سے دعا مانگیں کہ وہ ہمیں کوئی ایسی چیز عنایت کرے جس کی وجہ سے ہم روزی کمانے کے جھنجھٹ سے بچ جائیں اور خدا کی عبادت میں مشغول رہ سکیں۔ شوہر نے کہا بہت خوب اور وہ خدا سے دعا مانگنے لگا' عورت آمین کہتی جاتی یہاں تک کہ چھت پھٹی اور ایک یاقوت گرا جس سے سارا گھر روشن ہو گیا۔ دونوں نے اور زیادہ شکر ادا کیا۔ خدا کی تعریف کی' اس یاقوت کے ملنے پر بے حد خوش ہوئے اور خوب نمازیں پڑھیں۔ جب رات آخر ہوئی تو وہ سو گئے۔ عورت نے خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں ہے اور وہاں ایک قطار میں بہت سے منبر اور کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔ اس نے پوچھا کہ یہ کرسیاں اور منبر کیسے ہیں؟ جواب ملا کہ یہ منبر نبیوں کے ہیں اور یہ کرسیاں صدیقوں اور صالحوں کے لیے۔ عورت نے کہا' میرے شوہر کی کرسی کہاں ہے؟ اس سے کہا گیا کہ یہ۔ اس نے اس کی طرف نظر اٹھائی دیکھا کہ اس کے ایک طرف ایک سوراخ ہے۔ اس نے پوچھا کہ یہ سوراخ کیسا ہے؟ انہوں نے جواب

دیا یہ سوراخ اس یاقوت کا ہے جو تمہارے گھر کی چھت میں سے گرا تھا۔ اس غم میں کہ صدیقوں کی کرسیوں کے درمیاں اس کے شوہر کی کرسی ناقص ہے وہ روتی ہوئی جاگ اٹھی اور اپنے میاں سے کہنے لگی کہ خدا سے دعا مانگ کہ وہ اس یاقوت کو یہاں سے اس کی جگہ پہنچا دے کیونکہ کچھ دنوں کے لیے بھوک اور غریبی کی تکلیف برداشت کر لینا اس سے بہتر ہے کہ بڑے لوگوں کے درمیان تیری کرسی میں سوراخ ہو۔ مرد نے دعا مانگی' وہ یاقوت اڑ کر چھت میں سے نکل گیا اور وہ دونوں اسی ناداری کی حالت میں خدا کی عبادت کرتے رہے یہاں تک کہ ان کا وصال ہو گیا۔

○ حجاج اور نیک مرد کی کہانی

حجاج بن یوسف ثقفی مدت سے ایک نیک مرد کر گرفتار کرنے کی فکر میں تھا۔ جب وہ پکڑا ہوا آیا تو حجاج نے کہا اے خدا کے دشمن' آخر خدا نے تجھے میرے قبضے میں دے دیا اور اس نے حکم دیا کہ اس کے پاؤں میں تنگ اور بھاری بیڑیاں ڈال کر قید خانے لے جاؤ اور اس کے لیے ایک کوٹھری بناؤ جہاں سے وہ نکل نہ سکے۔ نہ کوئی اس کے پاس جا سکے۔ داروغہ اسے قید خانے لے گیا' لوہار کو بلوایا اور بیڑیاں منگوائیں جس وقت لوہار ہتوڑی مارتا تو وہ شخص اپنے سر کو آسما کی طرف اٹھاتا اور کہتا کہ "پیدا کرنا اور حکم چلانا تو اس کے اختیار میں ہے" لوہار اپنا کام کر چکا تو داروغہ نے اس کے لیے ایک کوٹھڑی بنوائی اور اس میں اسے اکیلا بند کر دیا۔ رات آئی تو داروغہ' پہرے داروں کو وہاں چھوڑ کر اپنے گھر چلا گیا۔ صبح ہوئی اور داروغہ نے آ کر دیکھا کہ بیڑیاں ایک طرف پڑی ہوئی ہیں اور قیدی ناپید ہے۔ داروغہ ڈر گیا اسے یقین ہو گیا کہ اب میری جان گئی۔ گھر جا کر وہ اپنے بال بچوں سے رخصت ہوا اور اپنے کفن اور کفن کی خوشبوؤں کو آستین میں رکھ کر حجاج کے پاس پہنچا۔ جب وہ حجاج کے پاس آیا تو

اسے کفن کی خوشبو آنے لگی۔ اس نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ داروغہ نے کہا اے میرے مولا میں ان چیزوں کو لایا ہوں۔ حجاج نے کہا کیوں؟ اس نے قیدی کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چار سو اکہترویں رات

چار سو اکہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ داروغہ نے حجاج سے قیدی کا قصہ بیان کیا تو اس نے کہا' ملعون تو نے اسے کچھ کہتے سنا تھا؟ اس نے جواب دیا ہاں جب لوہار ہتھوڑی مارتا تو وہ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہتا کہ پیدا کرنا اور حکم چلانا تو اس کے اختیار میں ہے۔ حجاج بولا تجھے خبر نہیں کہ جس کو اس نے تیری موجودگی میں یاد کیا تھا اس نے تیری غیر حاضری میں اسے آزاد کر دیا!

○ لوہار کی کہانی جس کا ہاتھ آگ میں نہ جلتا تھا

ایک بار ایک نیک مرد کو یہ خبر ملی کہ فلاں شہر میں کوئی لوہار رہتا ہے جو آگ میں ہاتھ ڈال کر اس میں سے گرم لوہا نکال لیتا ہے اور آگ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وہ شخص اس شہر میں پہنچا اور لوہار کا پتا پوچھ کر اس کے پاس گیا۔ وہ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ لوہار واقع ویسا ہی کرتا ہے جیسا بیان کیا گیا ہے۔ جب لوہار اپنے کام سے فارغ ہو چکا تو اس شخص نے قریب آ کر سلام کیا ور کہا میں آج رات تیرا مہمان ہونا چاہتا ہوں۔ اس نے کہ بسرو چشم اور اسے گھر لے جا کر اس کے ساتھ شام کا کھانا کھایا۔ دونوں ایک ہی جگہ سوئے مگر اس نے لوہار کو خاص طور پر نماز پڑھتے یا عبادت کرتے نہ دیکھا اور اپنے دل میں کہنے لگا شاید وہ مجھ سے چھپاتا ہے۔ دوسری اور پھر تیسری رات بھی اس شخص نے وہیں گزار دی اور یہی دیکھا کہ وہ سوائے فرض اور سنت کے کچھ نہیں پڑھتا بلکہ رات کو تو نماز بھی کم پڑھتا ہے اس نے کہا' بھائی میں نے سنا تھا کہ خدا نے تجھے ایک کرامت دی ہے اور اس کا تجربہ بھی کیا' پھر تیری عبادت میں غور کیا تو اس میں کوئی بات ایسی نظر نہ آئی جو ان کرامتوں کا سبب

ہو سکے۔ بتا یہ کرامت تجھے کیونکر حاصل ہوئی؟ اس نے جواب دیا اس کا سبب مجھے ایک لڑکی سے سخت محبت تھی اور میں اس کے لیے بے قرار رہتا تھا۔ میں نے اسے اپنے پھندے میں لانے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا کیونکہ وہ بڑی متقی اور پرہیزگار تھی۔ اس کے بعد ایک سال قحط پڑا۔ لوگ بھوک اور تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ ایک دن میں بیٹھا ہوا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ باہر نکل کر دیکھا تو وہی لڑکی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا' بھائی میں بھوک سے سخت پریشان ہوں اور یہ امید لے کر تیرے پاس آئی ہوں کہ خدا کے واسطے مجھے کچھ کھانے کو دے۔ میں نے جواب دیا تجھے معلوم ہے کہ میں تجھ پر عاشق ہوں اور تیری وجہ سے کیا کیا تکلیفیں گوارا کی ہیں' جب تک تو میرا ارمان نہ نکال دے گی میں تجھے کھانے کو نہ دوں گا۔ اس نے جواب دیا' موت بہتر ہے خدا کے گناہ سے۔ یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور دو دن کے بعد پھر آئی اور وہی کہا جو اس نے پہلے کہا تھا' میں نے پھر وہی جواب دیا۔ وہ مکان کے اندر آ کر بیٹھ گئی' اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ اس نے کہا' خدا کے واسطے مجھے کھانا کھلا دے۔ میں نے کہا جب تک تو میری آرزو پوری نہ کرے گی ہرگز نہ کھلاؤں گا۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کہ عذاب سے موت بہتر ہے اور وہ اٹھ کر چلی گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو بہترویں رات

جب چار سو بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی اٹھ کر چلی گئی۔ دو دن بعد اس نے پھر آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے نکل کر دیکھا کہ مارے بھوک کے اس کی آواز نہ نکلتی تھی وہ کہنے لگی اے میرے بھائی اب میری تمام تدبیریں ختم ہو چکیں اور سوا تیرے میں کسی اور کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہی۔ کیا تو نے مجھے خدا کے واسطے کچھ نہ کھانے کو دے گا؟ میں نے جواب دیا' اسی شرط کے ساتھ کہ تو میرا کہنا مان لے۔ وہ آ کر مکان کے اندر بیٹھ گئی۔ کھانا تیار ہونے میں ابھی دیر تھی۔ پک کر تیار ہوا اور میں نے پیالے میں نکالا تو خدا نے میرے دل میں ڈالا تف ہو تجھ پر! اس عورت کو جس کی عقل اور دین دونوں ناقص ہیں تو کھانا نہیں دیتا' بھوک کی وجہ سے وہ بے چین ہو رہی ہے اور تیرے پاس بار بار آتی ہے اور تو خدا کی معصیت سے منہ نہیں پھیرتا۔ میں نے اپنے دل میں کہا خدایا! میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں جو میرے دل میں گزرا۔ میں کھانا لے کر اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کھا اور کوئی خیال نہ کر۔ یہ خدا کے واسطے ہے۔ لڑکی نے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائیں اور کہنے لگی خدایا' اگر یہ شخص سچ کہتا ہے تو اس کے اوپر دنیا اور آخرت کی آگ حرام کر دے تو ہر بات پر قادر ہے اور دعا قبول کرتا ہے۔ لوہار بولا کہ سردی پڑ رہی تھی۔ ایک چنگاڑی میرے بدن پر گری لیکن خدا کی قدرت مجھے بالکل تکلیف نہ ہوئی۔ میرے دل میں خیال گزرا' ہو نہ ہو لڑکی کی دعا قبول ہو گئی۔

اور شہر زار کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو تہترویں رات

جب چار سو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لوہار نے کہا خوش ہو خدا نے تیری دعا قبول کر لی۔ لڑکی نے نوالہ اپنے ہاتھ سے رکھ دیا اور کہنے لگی خدایا جس طرح تو نے میری دعا اس کے متعلق قبول کر لی۔ اسی طرح اب میری روح قبض کر لے، تو ہر چیز پر قادر ہے۔ خدا نے فوراً اس کی روح قبض کر لی۔ خدا اس پر رحمت کرے۔

○ نیک مرد اور نیک بادشاہ کی کہانی

بنی اسرائیل میں ایک بہت بڑا عابد و زاہد تھا۔ جب وہ خدا سے کوئی دعا مانگتا تو قبول ہوتی اور جو وہ طلب کرتا اسے ملتا۔ وہ پہاڑوں کی بہت سیر کرتا اور رات رات بھر نماز پڑھتا۔ خدا نے ایک بادل کو اس کا محکوم کر رکھا تھا جو اس کے ساتھ ساتھ رہتا اس پر خوب پانی برساتا جس سے وہ وضو کرتا اور پیتا۔ بہت دن تک اس کی یہی حالت رہی یہاں تک کہ اس سے کوئی قصور سرزد ہوا۔ خدا نے وہ بادل اس پر سے ہٹا لیا اور اس کی دعا قبول کرنا بند کر دیا۔ یہ دیکھ کر اس کے بے انتہا صدمہ ہوا۔ وہ اس وقت کو یاد کر کے تڑپتا جب خدا کی اس پر مہربانی تھی۔ رات دن افسوس کرتا اور پریشان رہتا۔ ایک رات وہ سو رہا تھا کسی نے خواب میں اسے کہا اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا بادل پھر تجھے مل جائے تو فلاں شہر میں فلاں بادشاہ کے پاس جا اور اس سے درخواست کر کہ وہ تیرے لیے دعا کرے۔ خدا اس کی نیک دعا کی برکت سے بادل پھر تجھے عطا فرمائے گا۔ وہ شخص منزلیں طے کرتا ہوں اس شہر میں پہنچا جس کا ذکر اس سے خواب میں کیا گیا تھا وہاں پہنچ کر اس نے بادشاہ کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے اس

کا پتا بتا دیا اور وہ محل پر جا پہنچا۔ دیکھا کہ محل کے دروازے پر ایک غلام نہایت عالی شان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور بڑی شان و شوکت کی پوشاک پہن رکھی ہے۔ یہ شخص

وہاں ٹھہر گیا اور غلام کو سلام کیا۔ غلام نے سلام کا جواب دے کر پوچھا کس ضرورت سے آیا ہے؟ اس نے کہا میں مظلوم ہوں اور فریاد کرنے بادشاہ کے پاس آیا ہوں۔
غلام نے کہا آج تو تو اس کے پاس نہیں جا سکتا فریاد کا اس نے ہفتے میں ایک روز مقرر کر رکھا ہے اور وہ فلاں دن ہے۔ اس وقت جا اس روز آئیو۔ اس شخص کو یہ بات بری معلوم ہوئی کہ بادشاہ لوگوں سے پوشیدہ رہتا ہے اور دل میں کہنے لگا جب اس کا یہ حال ہے تو وہ ولی اللہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ بہر حال وہ چل دیا اور اس دن کا انتظار کرنے لگا جو اس سے کہا گیا تھا۔ اس شخص کا بیان ہے کہ جب وہ دن آیا جو دربان نے کہا تھا تو میں پھر گیا اور دیکھا کہ دروازے پر لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ سب منتظر ہیں کہ انہیں اندر جانے کی اجازت ملے۔
میں بھی ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں وزیر نکلا جو نہایت شان دار لباس پہنے ہوئے تھا اور جس کے آگے آگے نوکر چاکر اور غلام تھے۔ اس نے آواز دلوائی کہ فریادی اندر آئیں۔ لوگ اندر گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ ساتھ ہو لیا۔ دیکھا کہ بادشاہ بیٹھا ہوا ہے او اس کے مصاحب درجہ بدرجہ اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ وزیر نے ایک ایک کو پیش کرنا شروع کیا یہاں تک کہ میر باری آئی۔ جب وزیر نے مجھے پیش کیا تو بادشاہ نے میری طرف دیکھ کر کہا مرحبا اے بادل والے بیٹھ جا جب تک میں فارغ ہوں۔ مجھے اس کے کہنے پر تعجب ہوا‘ اس کی بزرگی اور فضیلت کا اعتراف کرنا پڑا۔
جب وہ لوگوں کے فیصلے کر کے فارغ ہو چکا تو وزرا‘ امرا رخصت ہوئے‘ بادشاہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے محل میں لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ محل کے دروازے پر ایک حبشی غلام کھڑا ہوا ہے‘ ان کے کپڑے تکلف کے ہیں۔ ہتھیار لگائے زرہ بکتر پہنے اور تیر کمان لیے ہوئے ہے۔ غلام نے جلدی سے محل کا دروانہ کھول دیا۔ بادشاہ میرے ہاتھ میں ہاتھ دیئے اندر داخل ہوا۔ اس کے آگے ایک چھوٹے سے گھر کا دروانہ تھا۔ جسے بادشاہ

نے اپنے ہاتھ سے کھولا۔ جب ہم اس میں پہنچے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک ٹوٹا پھوٹا کھنڈر ہے۔ اب بادشاہ ایک کوٹھری میں گیا جس میں محض ایک جاء نماز' وضو کے لیے پیالہ اور کچھ کھجور کے پتے تھے۔ یہاں اس نے اپنا لباس اتار ڈالا۔ سفید اون کا ایک سخت جبہ اور ایک اونی ٹوپی پہن لی۔ خود بیٹھ گیا۔ مجھے بھی بٹھایا اور آواز دی کہ اے فلاں عورت! یعنی اس کی بیوی۔ آواز آئی' لبیک! بادشاہ نے کہا تو جانتی ہے آج ہمارا مہمان کون ہے؟ بیوی نے کہا ہاں بادل والا۔ اس نے کہا باہر آ۔ اس سے پردہ نہ کر۔ اتنے میں ایک عورت آئی جو مثل خیال کے تھی' جس کا چہرہ نئے چاند کی طرح چمک رہا تھا وہ اون کا جبہ پہنے اور نقاب ڈالے ہوئے تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چار سو چوہترویں رات

جب چار سو چوہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ نیک نہاد بادشاہ ------ ملکہ آ گئی تو بادشاہ نے کہا بھائی تو میرا قصہ سننا چاہتا ہے یا میں تیرے لیے دعا کروں اور تو چلتا بنے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ میں تمہارا قصہ سننا چاہتا ہوں اس کا میں زیادہ مشتاق ہوں۔ بادشاہ نے یہ حکومت میرے باپ دادا سے چلی آتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے بعد بادشاہت کرتے چلے آئے ہیں۔ جب میں بادشاہ ہوا تو خدا نے میرے دل میں اس کی طرف سے نفرت ڈال دی۔ میں نے دل میں ٹھان لی کہ میں دنیا کی سیر کروں اور رعایا کو اپنے حال پر چھوڑ دوں لیکن پھر مجھے ڈر ہوا کہ ان میں فتنے فساد برپا ہو جائیں گے' شریعت اٹھ جائے گی اور دین کا شیرازہ بکھر جائے گا لہٰذا میں نے یونہی چلنے دیا۔ خود شاہی لباس پہنا اور غلاموں کو دربانی کے لیے مقرر کیا تاکہ بد ذات ڈریں' نیک لوگوں کو تنگ نہ کریں اور شریعت کے احکام قائم رہیں۔ چنانچہ سلطنت کے کاموں سے فارغ ہو کر میں یہاں آ کر وہ کپڑے اتار ڈالتا اور دوسرے پہن لیتا ہوں جیسا کہ تو نے ابھی دیکھا ہے اور یہ میری چچیری بہن ہے جو زہد میں میرے ساتھ ہے اور عبادت میں میری مدد کرتی ہے۔ دن میں ہم ان کھجور کے پتوں سے کچھ بنا کر رات کے لیے افطاری کا سامان تیار کرتے ہیں۔ چالیس سال سے ہماری یہی حالت ہے۔ ہم اپنا کام کر لیں تو تو بھی ہمارے ساتھ چلیو' خدا تجھ پر رحمت کرے! تاکہ ہم اپنی چیزیں بیچیں اور تو' ہمارے ساتھ افطاری میں شریک ہو۔ رات ہمارے ساتھ گزارے اور پھر کل اپنی حاجت پوری کر کے انشاء اللہ تعالیٰ اپنے وطن روانہ ہو جائے۔ شام ہوئی تو ایک میانہ قد غلام آیا اور جو ان دونوں نے کھجور کے پتوں سے بنایا تھا اسے بازار لے جا کر ایک قیراط میں بیچا اور اس کی روٹی اور پھلیاں خرید کر گھر لایا۔ میں نے ان کے ساتھ ناشتہ کیا اور انہیں کے پاس سو گیا۔ آدھی رات کو وہ اٹھے اور نماز پڑھی

اور روئے۔ صبح ہوئی تو بادشاہ نے کہا خدایا' یہ تیرا بندہ تجھ سے درخواست کرتا ہے تو اس کا بادل پھر اسے عطا کر' تو ہر بات پر قادر ہے۔ خدایا اس کی درخواست منظور کر لے اس کا بادل اسے واپس دے دے۔ اس کا بیان ہے کہ عورت آمین کہتی جاتی تھی یہاں تک کہ وہی بادل کا ٹکڑا آسمان پر نمودار ہوا اور بادشاہ نے مجھ سے کہا' مبارک ہو! اب میں ان سے رخصت ہو کر روانہ ہوا اور وہ بادل پہلے کی طرح میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس کے بعد جب کبھی میں نے ان دونوں کا واسطہ دے کر خدا سے کوئی چیز مانگی اس نے عطا کی۔

○ صحابی اور نصرانی لڑکی کی کہانی

ایک بار امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب نے مسلمانوں کا ایک لشکر تیار کر کے شام کی طرف دشمن کے مقابلے میں بھیجا اور انہوں نے ایک قلعے کا بڑا سخت محاصرہ کیا۔ اسلامی لشکر میں دو بھائی تھے جنہیں خدا نے دشمن کے مقابلے کے لیے بہت قوت اور جرات دی تھی۔ اس قلعے کا امیر اپنے سرداروں سے کہا کرتا کہ اگر یہ دونوں مسلمان مارے جائیں یا قید ہو جائیں تو باقی مسلمان کے لیے تم لوگ کافی ہو چنانچہ کفار ان دونوں کے لیے طرح طرح کی چالیں چلتے' تدبیریں نکالتے اور ان کی گھات میں بیٹھے یہاں تک کہ ان میں سے ایک پکڑا گیا اور دوسرا شہید ہو گیا۔ قیدی کو لوگ قلعے کے امیر کے پاس لے گئے۔ جب امیر کی نظر اس پر پڑی تو اس نے کہا کہ اس کا قتل کرنا تکلیف دہ ہے اور مسلمانوں کو لوٹا دینا مصیبت۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو پچھترویں رات

جب چار سو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... امیر نے کہا اگر یہ شخص مسلمانوں کو واپس دے دیا جائے تو مصیبت ہے۔ کیا اچھا تھا اگر یہ عیسائی ہوتا۔ ایک سردار بولا اے امیر میں اسے سبز باغ دکھا کر اس کے دین سے پھیر دوں گا۔ عربوں کو عورتوں سے انتہا درجے کی رغبت ہوتی ہے اور میری ایک بیٹی ہے جو جمال و کمال میں یکتا ہے۔ یہ اسے دیکھے گا تو اس کی محبت میں گرفتار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ امیر نے کہا میں اسے تیرے حوالے کرتا ہوں' لے جا۔ سردار اسے اپنے گھر لے گیا اور لڑکی کو ایسے کپڑے پہنائے کہ اس کا حسن اور اس کی آن بان دوبالا ہو گئی۔ پھر اس مسلمان کو اندر لے جا کر بٹھایا۔ اس کے سامنے کھانا پیش کیا وہ نصرانی لڑکی اس کے سامنے اس طرح سے کھڑی ہوئی جیسے فرمانبردار خادمہ اپنے آقا کے آگے کھڑی ہوتی ہے کہ وہ حکم دے اور یہ بجا لائے۔ مسلمان نے دیکھا کہ اس پر یہ بلا نازل ہوئی تو اس نے خدا کی طرف رجوع کیا اور آنکھیں نیچی کر لیں' خدا کی عبادت اور قرآن خوانی میں لگ گیا۔ اس شخص کی آواز بہت اچھی تھی۔ طبیعت نہایت نیک با اثر۔ اس لیے اس نصرانی لڑکی کو اس سے محبت ہو گئی اس کا دل اس پر آ گیا۔ یہ کیفیت سات دن تک رہی وہ لڑکی کہنے لگی' کاش جوان مان لے کہ میں مسلمان ہو جاؤں!

جب لڑکی بہت دل تنگ ہوئی اور بے چین رہنے لگی تو ایک دن اس کے آگے گر پڑی اور کہا میں تجھے تیرے دین کی قسم دیتی ہوں کیا تو نے میری باتیں نہیں سنیں؟ وہ بولا کون سی باتیں؟ لڑکی نے کہا میرے آگے اسلام پیش کر۔ اس نے پیش کیا۔ وہ مسلمان ہو گئی اور طہارت کی۔ اس نے اسے نماز پڑھنا سکھائی۔ جب یہ سب ہو چکا تو اس نے کہا اے میرے بھائی میں تیری وجہ سے مسلمان ہوئی ہوں تا کہ مجھے تیرا

قرب حاصل ہو جائے۔ اس نے جواب دیا اسلام میں بغیر دو عادل گواہوں' مہر اور ولی کے نکاح نہیں ہو سکتا اور میری یہ حالت ہے کہ نہ تو میرے پاس دو گواہ ہیں' نہ ولی نہ مہر۔ اگر تیری تدبیر سے ہم یہاں سے نکل چلیں تو مجھے امید ہے کہ ہم دارالسلام پہنچ جائیں گے اور میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ مذہب کی رو سے میں تیرے سوا کسی اور کو اپنی بیوی نہیں بناؤں گا۔ لڑکی بولی اچھا میں تدبیر نکالتی ہوں اور اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اس مسلماں کا دل نرم ہو گیا ہے۔ اسے ہمارے دین میں داخل ہونے سے رغبت ہو چلی ہے اور میں اس کے دل کا ارمان نکالنے کے لیے راضی ہوں مگر وہ کہتا ہے کہ یہ بات اس شہر میں نہیں ہو سکتی جہاں میرا بھائی مارا گیا ہے۔ دوسرے کسی شہر میں چل کہ میرے دل کو تسکین ہو پھر میں اپنی مراد پوری کر سکتا ہوں۔ اگر تم مجھے اس کے ساتھ کسی اور شہر میں بھیج دو تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ میں اس بات کا ذمہ لیتی ہوں کہ جو کچھ تم اور امیر چاہتے ہوں وہی ہو گا۔ باپ نے یہ خبر امیر کو دی' وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے حکم دے دیا کہ ان دونوں کو دوسری جگہ بھیج دیا جائے اور وہ روانہ ہو گئے۔ اس جگہ پہنچ کر جہاں امیر نے بھیجا تھا انہوں نے باقی دن گزارا۔ رات ہوئی تو وہ آگے چل کھڑے ہوئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی' جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چھترویں رات

چار سو چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب رات ہوئی تو وہ آگے چل کھڑے ہوئے اور رات بھر چلتے رہے۔ جوان ایک تیز گھوڑے پر سوار تھا اور لڑکی اس کے پیچھے۔ وہ اسی طرح چلے جا رہے تھے کہ صبح ہو گئی اور اس نے راستے سے ہٹ کر لڑکی کو اتارا۔ دونوں نے وضو کر کے فجر کی نماز پڑھی۔ اسی حالت میں تھے کہ انہیں ہتھیاروں کی جھنکار' باگوں کی سرسراہٹ' آدمیوں کی باتیں اور ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ جوان نے کہا اے لڑکی یہ عیسائیوں کا لشکر معلوم ہوتا ہے جو ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں' اب کیا تدبیر ہونی چاہیے ہمارا گھوڑا تو اتنا تھک گیا ہے کہ ایک قدم بھی نہیں چل سکتا؟ لڑکی نے کہا تعجب ہے تجھ پر! کیا تو ڈر گیا' تیری ہمت ٹوٹ گئی؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔ لڑکی بولی مجھ سے اپنے پروردگار کی قدرت اور کمزوریوں کے اعداد کے متعلق کیا بیان کرتا تھا؟ آ ہم اس کے آگے گڑگڑائیں اور دعا مانگیں تا کہ وہ ہماری مدد کرے اور اپنی مہربانی دکھائے۔ اس نے کہا تو نے خوب بات کہی! اور دونوں خدا کے آگے عاجزی کرنے لگے۔

وہ دعا مانگ رہا تھا' لڑکی اس کی دعا پر آمین کہتی جاتی تھی اور گھوڑوں کے بھاگنے کی آواز ان کے قریب چلی آ رہی تھی کہ جوان کو اس کے شہید بھائی کی آواز سنائی دی کہ وہ کہہ رہا ہے بھائی ڈر نہیں' نہ غم زدہ ہو' یہ لوگ فرشتے ہیں جو خدا نے تم دونوں کے پاس بھیجے ہیں تا کہ وہ تمہارے نکاح کے گواہ بنیں۔ خدا نے اپنے فرشتوں کے آگے تم دونوں کے اوپر ناز کیا ہے' تمہیں نیک بختوں اور شہیدوں کا درجہ بخشا ہے اور تمہارے لیے زمین کی طنابیں کھینچ دی ہیں' کل صبح تم مدینے کے پہاڑوں پر پہنچ جاؤ گے۔ جب تو عمر بن الخطاب سے ملے تو ان سے میرا سلام کہیو اور یہ کہیو کہ خدا آپ کو اسلام کا اچھا بدلہ دے کیونکہ آپ نے بہت کوشش کی ہے اور عمدہ مشورہ دیا ہے۔

فرشتوں نے جوان اور اس کی بیوی پر بلند آواز سے درود بھیجنا شروع کیا اور کہا خدا نے تیرا نکاح اس لڑکی سے حضرت آدم کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے کر دیا تھا۔ یہ سن کر وہ دونوں خوشی اور مسرت سے پھول گئے۔ ان کا ایمان اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔
صبح ہوئی تو انہوں نے فجر کی نماز پڑھی۔ عمر بن الخطاب کا یہ دستور تھا کہ وہ اندھیرے ہی سے صبح کی نماز شروع کر دیتے اور اکثر ایسا ہوتا کہ جب وہ محراب میں داخل ہوتے تو ان کے پیچھے دو مقتدیوں سے زیادہ نہ ہوتے اور آپ انعام یا نساء کی سورت پڑھنی شروع کر دیتے اتنے میں سونے والے جاگ اٹھتے' وضو کرنے والے وضو کر چکتے اور دور رہنے والے آ چکتے یہاں تک کہ پہلی رکعت کے ختم ہوتے ہوتے اور جلد ختم کر دیتے۔ آج ایسا ہوا کہ آپ نے پہلی رکعت میں بھی چھوٹی سورت پڑھی اور دوسری رکعت میں بھی اور سلام پھیر کر اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے چلو دولہا اور دولہن کا خیر مقدم کریں۔ اس پر آپ کے ساتھیوں کو تعجب ہوا۔ وہ آپ کی اس بات کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیے اور آپ انہیں لے کر مدینے کے دروازے کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر جب روشنی ہوئی اور جوان کو مدینے کے اونچے مقامات دکھائی دینے لگے تو وہ آگے آگے اور اس کی بیوی پیچھے پیچھے مدینے کے دروازے کی طرف چلے۔ جب حضرت عمر اور دوسرے مسلمانوں کی نظر ان پر پڑی تو انہوں نے اسے سلام کیا اور شہر میں داخل ہونے کے بعد حضرت عمر نے حکم دیا کہ ولیمے کا کھانا پکوایا جائے۔ تمام مسلمان آ کر دعوت میں شریک ہوئے اور جوان اپنی دولہن سے ہم بستر ہوا اور خدا نے اس لڑکی سے جوان کو کئی اولادیں عطا کیں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو سترویں رات

جب چار سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ خدا نے جوان کو اس کی بیوی سے کئی اولادیں دیں جو خدا کی راہ میں لڑے اور اپنے آباء و اجداد کا فخر قائم رکھا۔ وہ سب نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ لذتوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی۔

○ ابراہیم بن خواص اور شہزادی کی کہانی

ابراہیم بن خواص بیان کرتے ہیں' ایک بار میرا جی چاہا کہ کفار کے ملک میں چلنا چاہیے۔ میں نے اپنی جی کو بہت روکا وہ نہ رکا اور طبیعت کو دوسری طرف لگانا چاہا لیکن وہ نہ لگی۔ بالاخر میں چل کھڑا ہوا اور کفار کے ملکوں میں سیر کرنے لگا۔ خدا کی مہربانی میرے ساتھ تھی۔ جو عیسائی مجھے دیکھتا اپنی آنکھ نیچی کر لیتا اور کترا کر چلا جاتا۔ یہاں تک کہ میں ایک بڑے شہر کے پاس پہنچا' دیکھا کہ اس کے دروازے پر بہت سے غلام کھڑے ہوئے ہیں' ان کے پاس ہتھیار ہیں اور ہاتھوں میں لوہے کی چھڑیاں۔ ان کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ سب کے سب سرو قد کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کیا تو طبیب ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ بولے بادشاہ کے پاس چل۔ اور وہ مجھے اس کے پاس لے گئے۔ وہ بڑا خوبصورت اور شاندار بادشاہ تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو پوچھا' کیا تو طبیب ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے غلاموں سے کہا اس شخص کو "اس" کے پاس لے جاؤ۔ مگر وہاں لے جانے سے پہلے اس سے کہہ دینا کہ شرط کیا ہے۔ اب وہ مجھے وہاں لے چلے اور مجھ سے کہا بادشاہ کی ایک بیٹی ہے جو سخت بیمار ہے' طبیب اسے اچھا کرنے سے عاجز آ گئے ہیں' جو طبیب آیا اس کا علاج کیا اور فائدہ نہ ہوا تو بادشاہ نے

اسے قتل کر دیا۔ آئندہ تیری مرضی۔ میں نے کہا بادشاہ نے مجھے اس کے پاس بھیجا ہے تو مجھے وہاں لے چلو۔ جب ہم اس کے دروازے پر پہنچے تو غلاموں نے دستک دی' لڑکی نے مکان کے اندر سے آواز دی۔ اس عجیب و غریب بھید والے طبیب کو اندر لے آؤ۔

ایک بوڑھے نے جلد سے دروازہ کھولا اور کہا اندر آ۔ میں اندر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھر بھر میں پھول بچھے ہوئے ہیں' ایک کونے میں پردہ پڑا ہوا ہے اور اس کے پیچھے کوئی کمزور انسان کراہ رہا ہے۔ میں پردے کے آگے بیٹھ گیا اور سلام کرنا چاہتا ہی تھا کہ مجھے خدا کا قول یاد آ گیا کہ "یہودیوں اور عیسائیوں کو پہلے سلام نہ کیا کرو۔" میں رک گیا۔ اس نے پردے کے پیچھے سے آواز دی۔ اے خواص کے بیٹے' توحید اور اخلاص کا سلام کہاں گیا؟ مجھے سخت تعجب ہوا۔ میں نے کہا تو مجھے کیونکر جانتی ہے؟ اس نے کہا جب دل اور طبائع ایک ساتھ ہوتے ہیں تو زبان اندرونی بھیدوں سے آگاہ ہو جاتی ہے۔ کل میں نے خدا سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے ولیوں میں سے ایک ولی کو میرے پاس بھیجے جو مجھے یہاں سے نجات دلوائے۔ میرے مکان کے ایک کونے سے مجھ کو جواب ملا تھا کہ غمگین نہ ہو میں ابراہیم خواص کو تیرے پاس بھیج رہا ہوں۔

میں نے لڑکی سے پوچھا' تیری حالت کیا ہے؟ اس نے جواب دیا چار سال ہوئے کہ حق مجھ پر ظاہر ہو گیا۔ وہی میرا ساتھی' دوست مقرب' اور ہم صحبت ہے۔ لوگ مجھے گھور گھور کر دیکھنے' مجھ پر طرح طرح کے گمان کرنے اور مجھے مجنون کہنے لگے۔ جب کبھی کوئی طبیب آتا تو مجھے اس سے وحشت ہوتی' کبھی کوئی ملنے آتا تو میرا دل گھبراتا۔

میں نے پوچھا' کیا چیز تجھے اسلام کی طرف لائی؟ اس نے کہا اس کی صاف دلیلیں اور روشن نشانیاں۔ جب راستہ صاف ہو جاتا ہے تو دلیل اور مدلول سب دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ وہ بوڑھا پہنچا جو اس کا پہریدار تھا اور اس نے لڑکی سے پوچھا طبیب نے کیا کہا؟ وہ بولی کہ بیماری کی تشخیص کی اور ٹھیک دوا دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اٹھترویں رات

جب چار سو اٹھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا سے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی نے کہا طبیب نے ٹھیک تشخیص کی اور مناسب دوا دی' مجھے اس سے خوشی حاصل ہوئی اور وہ مجھ سے بھلائی کے ساتھ پیش آیا۔ اس نے بادشاہ کے پاس جا کر خبر کی اور بادشاہ نے مجھے انعام و اکرام دینے کے لیے کہا۔ سات دن تک میں لڑکی کے پاس آتا جاتا رہا۔ اب اس نے کہا اے ابواسہ دارالاسلام کو کب میں ہجرت کروں گی؟ میں نے کہا تو کس طرح یہاں سے نکل سکتی ہے اور تجھے نکالنے کی کسے جرات ہے۔ اس نے کہا اس کو جو تجھے یہاں لایا اور مجھ ملایا۔ میں نے کہا تو نے کیا خوب کہا! دوسرے روز ہم شہر پناہ کے دروازے پر آئے اور اس نے لوگوں کی آنکھیں ہماری طرف بند کر دیں جس کا یہ حال ہے جب وہ کسی بات کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ میں نے اس لڑکی سے زیادہ نماز اور روزے پر صبر کرنے والا کسی اور کو نہیں دیکھا۔ سات سال وہ بیت اللہ کے پڑوس میں رہی اور جب فوت ہوئی تو مکے میں دفن ہوئی' خدا اپنی رحمت اس پر نازل کرے!

○ نبی' دوار اور لکڑ ہارے کی کہانی

ایک نبی کسی اونچے پہاڑ پر عبادت میں مشغول رہتا جس کے نیچے ایک چشمہ بہتا تھا۔ دن کے وقت وہ پہاڑ کی چوٹی پر ایسی جگہ بیٹھ کر عبادت کرتا کہ راہ گیر اسے دیکھ نہ سکتے۔ وہ ہر اس شخص کو دیکھ سکتا جو چشمے پر آ کر ٹھہرتا۔ ایک روز وہ بیٹھا چشمے کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے دیکھا کہ ایک سوداگر آ کر گھوڑے سے اترا اور گلے سے ایک

تھیلی اتار کر رکھ دی' ستایا اور پانی پی کر چل دیا' تھیلی وہیں چھوڑ دی جس میں دینار تھے۔ اس کے جاتے ہی ایک دوسرا شخص چشمے پر پہنچا اور تھیلی اٹھائی اور پانی پی کر صحیح و سلامت وہاں سے چلتا ہوا۔ اس کے بعد ایک لکڑ ہارا آیا جس کی پیٹھ پر لکڑیوں کا ایک بھاری بوجھ تھا اور چشمے پر بیٹھ کر پانی پینے لگا۔ اتنے میں وہی سوار گھبرایا آیا اور لکڑ ہارے سے کہنے لگا وہ تھیلی کہاں ہے جو اس جگہ تھی؟ اس نے کہا مجھے خبر نہیں۔ سوار تلوار کھینچ کر ایک ایسا ہاتھ مارا کہ وہ مر گیا اور اس کی تلاشی لی مگر کچھ نہ ملا۔ وہ اسے چھوڑ کر چلتا بنا۔ نبی نے کہا اے پروردگار ہزار دینار کوئی لے جائے اور مارا کوئی جائے! خدا نے اس کے پاس وحی بھیجی کہ تو' اپنی عبادت کیے جا' ملک کی سیاست تیرا کام نہیں۔ اس سوار کے باپ نے اس شخص کے باپ کے ایک ہزار دینار ایک بار جبراً چھین لیے تھے اس لیے میں نے بیٹے کو باپ کا مال دلوا دیا اور اس لکڑ ہارے نے سوار کے باپ کو قتل کیا تھا اس کے بیٹے نے اس کا قصاص لے لیا۔ نبی نے کہا کہ لا الہ الا انت سبحانک انت علام الغیوب-----

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اناسیویں رات

جب چار سو اناسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ نبی نے کہا' لا الہ الا انت سبحانک انت علام الغیوب۔

○ ملاح اور ولی اللہ کی کہانی

ایک بزرگ کا بیان ہے کہ مصر میں دریائے نیل پر ملاحی کرتا اور پورب سے پچھم کی طرف سواریاں لے جاتا۔ ایک روز میں اپنی کشتی میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک نورانی چہرے والا بوڑھا شخص میرے پاس آیا اور سلام کیا۔ میں نے سلام کا جواب دیا۔ اس نے کہا کیا تو خدا کے واسطے مجھے لے چلے گا؟ میں نے کہا' ہاں۔ وہ بولا اور خدا کے واسطے مجھے کھانا کھلائے گا؟ میں نے کہا' ہاں اب وہ کشتی میں بیٹھ گیا اور میں نے اسے پورب کی طرف پہنچا دیا۔ وہ ایک گدڑی پہنے ہوئے تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چمڑے کی تھیلی اور ایک ڈنڈا تھا۔ جب وہ اترنے لگا تو اس نے مجھ سے کہا ایک امانت سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا کل جب میں ظہر کے وقت تجھ کو بلاؤں تو آ جائیو تو مجھے اس درخت کے نیچے مرا ہوا پائے گا۔
مجھے غسل دے کر وہ کفن پہنائیو جو میرے سر کے نیچے ہو اور نماز پڑھ کر مجھے ریت میں دفن کر دیجیو اور گدڑی' تھیلی اور ڈنڈا لے کر اپنے پاس رکھ لیجیو۔ جب کوئی انہیں مانگنے آئے تو دے دیجیو۔ مجھے اس پر سخت تعجب ہوا اور جا کر رات کو سو رہا۔ صبح ہوئی تو میں اس وقت کا انتظار کرنے لگا جو اس نے کہا تھا لیکن ظہر کا وقت ہوا تو میں اس کی بات بھول گیا۔ ظہر کے وقت مجھے الہام ہوا۔ میں جلدی سے گیا دیکھا کہ وہ درخت کے نیچے مرا ہوا پڑا ہے اور اس کے سرہانے ایک نیا کفن رکھا

ہوا ہے جس میں سے مشک کی خوشبو آ رہی ہے۔ میں نے اسے غسل دے کر کفن پہنایا' جنازے کی نماز پڑھ کر قبر کھودی اور اسے دفن کر کے نیل کو پار کیا اور رات کے وقت پچھم کی جانب پہنچا۔ گدڑی' تھیلی اور ڈنڈا میرے ساتھ تھا۔ صبح کو وقت ہوا اور شہر کا دروازہ کھلا تو مجھے ایک جوان دکھائی دیا جو چور تھا اور جسے میں پہچانتا تھا۔ اس کے کپڑے نہایت باریک تھے اور اس کے ہاتھوں پر مہندی لگی ہوئی تھی وہ آتے ہی میرے پاس پہنچا اور کہنے لگا تو ہی فلاں شخص ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں۔ اس نے کہا لا امانت دے۔ میں نے کہا کیسی امانت؟ اس نے کہا گدڑی' تھیلی اور ڈنڈا۔ میں نے کہا تجھے ان کا پتہ کس نے دیا؟ اس نے کہا یہ تو تجھے معلوم نہیں مگر میں رات فلاں شخص کی شادی میں گیا ہوا تھا۔ رات بھر گاتا رہا' صبح ہوئی تو میں لیٹ کر سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ خدا نے فلاں ولی کی روح قبض کر لی ہے اور تجھے اس کا جانشین بنایا ہے اب تو فلاں ملاح کے پاس جا کر اس سے اس ولی کی گدڑی ' تھیلی اور ڈنڈا لے۔ وہ انہیں اس کے پاس بطور امانت رکھ گیا ہے۔ یہ سن کر میں تینوں چیزیں نکالیں اور اس کے حوالے کر دیں۔ اس نے اپنے کپڑے اتار کر وہ گدڑی پہن لی اور مجھے چھوڑ کر چلتا ہوا۔ میں اس محرومی پر رونے لگا۔

رات کو میں نے خواب میں اللہ میاں کو دیکھا کہ وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ اے میرے بندے کیا تجھے یہ گراں گزرا کہ میں نے ایک بندے پر احسان کیا اور اسے اپنی طرف واپس لے لیا۔ یہ میرا فرض ہے جسے میں چاہتا ہوں دیتا ہوں' میں ہر چیز پر قادر ہوں۔

○ نیک مرد کے بیٹے کی کہانی

بنی اسرائیل کے ایک نیک مرد کے پاس بہت دولت تھی اور اس کا ایک نیک خصال

بیٹا تھا۔ جب اس کے مرنے کا وقت قریب ہوا تو اس کا بیٹا سرہانے آ کر بیٹھا اور کہنے لگا اے میرے آقا مجھے وصیت کر۔ باپ نے کہا بیٹا کبھی خدا کی قسم نہ کھائیو' نہ سچی نہ جھوٹی۔ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اکیلا رہ گیا۔ بنی اسرائیل کے بادشاہوں کو اس وصیت کی خبر ملی تو ایک شخص آیا اور بولا کہ میرا تیرے باپ کے ذمے اس قدر نکلتا ہے اور تجھے اس کی خبر ہے؟ یا تو قرضہ ادا کر دے ورنہ قسم کھا۔ بیٹا باپ کی وصیت پر کاربند تھا جو کچھ اس نے مانگا دے دیا۔ اب اس قسم کے لوگوں کا تانتا بندھ گیا جھوٹ موٹ قرضہ بتاتے اور لے جاتے۔ ناداری نے زور پکڑا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کی ساری پونجی ختم ہوئی۔ اس کی ایک نیک بخت بیوی تھی جس سے پہلے دو بچے تھے ایک روز اس نے اپنی بیوی سے کہا لوگ میرے پاس بہت آنے لگے ہیں۔ جب تک میرے پاس انہیں دینے کے لیے تھا میں دیتا رہا' اب کچھ باقی نہیں ہے۔ اس حال میں کوئی مانگنے والا آیا تو میں اور تو دونوں مصیبت میں پھنس جائیں گے' بہتر ہے کہ ہم ایسی جگہ نکل چلیں جہاں جاننے والا کوئی نہ ہو اور ہم انجانوں کی طرح گزارہ کریں۔ الغرض وہ اپنی بیوی اور دونوں بچوں کو لے کر کشتی پر سوار ہو گیا۔ کہاں جائے' یہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ خدا کا حکم کسی کے ٹالے نہیں ٹلتا۔ اتفاق کی بات کشتی ٹوٹ گئی۔ مرد ایک تختے پر رہ گیا۔ عورت دوسرے پر اور ہر بچہ ایک ایک تختے پر۔ لہروں نے انہیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ عورت کسی شہر میں پہنچی۔ ایک بچہ کہیں جا نکلا اور دوسرے کو کسی کشتی والوں نے سمندر میں سے نکال لیا۔ مرد کا یہ حشر ہوا کہ موجوں نے اسے ایک دور دراز جزیرے میں جا پھینکا۔ وہاں پہنچ کر اس نے سمندر کے پانی سے وضو کیا' اذان دی اور نماز پڑھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو اسی ویں رات

جب چار سو اسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ وہ شخص جزیرے میں پہنچا تو اس نے سمندر کے پانی سے وضو کیا۔ اذان دی اور نماز پڑھی۔ اتنے میں سمندر سے مختلف رنگوں کے لوگ نکل کر آئے اور انہوں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو چکا تو جزیرے میں ایک درخت کے پاس جا کر اس نے پھل کھائے۔ پیٹ بھرنے کے بعد ایک چشمے سے پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ تین دن تک یہی حالت رہی کہ وہ نماز پڑھتا اور لوگ سمندر سے نکل کر اسی کی طرح نماز پڑھتے۔ تین دن گزر گئے تو اس نے کسی کو یہ کہتے سنا کہ اے' نیک مرد جس نے اپنے باپ کے ساتھ نیکی کی ہے اور اپنے پروردگار کا احترام کیا ہے غمگین نہ ہو جو کچھ تیرے ہاتھ سے نکل گیا ہے اسے خدا پھر تجھے دے گا۔ اس جزیرے میں خزانے ہیں اور مال دولت' خدا وہ تجھے دینا چاہتا ہے۔ یہ چیزیں اس جزیرے میں فلاں فلاں جگہ ہیں۔ انہیں کھود کر نکال اور ہم تیرے پاس کشتیاں بھیجتے ہیں۔ لوگوں کے ساتھ احسان کر اور انہیں اپنے پاس بلا۔ خدا ان کے دل تیری طرف مائل کر دے گا۔" وہ شخص اٹھ کر جزیرے میں بتائی ہوئی جگہ گیا اور خدا نے وہ خزانے اس پر ظاہر کر دیئے۔ لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر اس کے پاس آنے لگے اور وہ ان کے ساتھ بہت احسان کرتا اور ان سے کہتا تم اور لوگوں کو بھی میرے پاس لاؤ میں انہیں فلاں فلاں چیزیں دوں گا اور ان کے لیے فلاں فلاں بات کروں گا۔ اب چاروں طرف سے مخلوق اس کے پاس آنے لگی اور ابھی دس سال بھی نہ گزرے ہوں گے کہ جزیرہ آباد ہو گیا اور وہ شخص وہاں کا بادشاہ کہلانے لگا جو کوئی وہاں آتا وہ اس کے ساتھ احسان کرتا۔ یہ خبر دنیا میں ہر طرف مشہور ہو گئی۔

اس کا بڑا بیٹا ایک شخص کے ہاتھ لگا جس نے اسے لکھایا پڑھایا اور دوسرا ایک دوسرے

شخص کے پاس پہنچا جس نے اس کی بہت اچھی تربیت کی اور اسے تجارت کے طریقے سکھائے۔ عورت کو ایک تاجر نے نکالا۔ سارا مال اس کے سپرد کر دیا اور وعدہ کیا کہ وہ اس کے ساتھ خیانت نہ کرے گا بلکہ خدا کی فرمانبرداری میں اس کی مدد کرے گا۔ وہ اسے کشتی میں لے کر ملک ملک کی سیر کرتا اور جہاں جاتا اسے بھی لے جاتا۔

بڑے بیٹے نے اس بادشاہ کا شہرہ سنا تو وہ اس کے پاس روانہ ہو گیا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ وہ کون ہے۔ وہ بادشاہ کے پاس پہنچا تو اس نے مصاحبت میں لے لیا اور اسے اپنا وزیر بنایا۔ جب دوسرے بیٹے نے اس عادل اور خدا پرست بادشاہ کے حالات سنے تو وہ بھی اس کے پہنچا۔ اسے بھی خبر نہ تھی کہ وہ کون ہے۔ بادشاہ نے اسے اپنا حاجب بنا لیا۔ اسی طرح وہ ایک مدت بادشاہ کی خدمت کرتے رہے اور ایک کو دوسرے کا حال مطلق معلوم نہ ہوا۔ تاجر کے پاس وہ عورت تھی اس نے بھی اس بادشاہ کی شہرت سنی کہ وہ لوگوں کے ساتھ نیکی اور احسان کرتا ہے۔ اس نے بھی کچھ عمدہ کپڑے اور ملک کے اچھے اچھے تحفے مہیا کیے۔ وہ عورت کو ساتھ لے کر کشتی میں سوار ہو گیا۔ جزیرے کے کنارے جا اترا اور بادشاہ کی خدمت میں ہدیے پیش کیے۔ بادشاہ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ اس شخص کو عمدہ انعام دیا جائے۔ ہدیے میں جڑی بوٹیاں بھی تھیں اور بادشاہ نے تاجر سے ان کے نام اور خاصیتیں دریافت کیں اور اس سے کہا کہ آج رات یہیں میرے پاس ٹھہر۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اکیاسی ویں رات

جب چار سو اکیاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بادشاہ نے تاجر سے کہا کہ آج رات میرے پاس ٹھہر جا تو اس نے کہا کشتی میں میری

ایک امانت ہے جس سے میں نے وعدہ کیا ہے کہ اسے اپنے سوا اور کسی کے سپرد نہ کروں گا۔ وہ ایک پارسا عورت ہے جس کی دعا سے میں خوشحال ہوا ہوں اور جس کے مشوروں سے مجھے برکت ملی ہے۔ بادشاہ نے کہاں میں بھی اس کے پاس معتمد لوگوں کو بھیجتا ہوں جو رات بھر اس کی پاسبانی اور اس کے مال کی حفاظت کریں گے۔ تاجر کی تسکین ہو گئی اور وہ بادشاہ کے پاس ٹھہر گیا۔ بادشاہ نے اپنے وزیر اور حاجب کو یہ کہہ کر اس عورت کے پاس روانہ کر دیا کہ رات بھر کشتی کی محافظت کرنا۔ دونوں چل دیئے اور کشتی پر سوار ہو کر ایک اگلی طرف اور دوسرا پچھلی طرف بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک تو خدا کی یاد میں مشغول رہے پھر ایک نے دوسرے سے کہا اے فلاں شخص' بادشاہ نے ہمیں چوکیدار کا حکم دیا ہے اور ہمیں ڈر ہے کہ کہیں نیند نہ آ جائے' آؤ ہم ایک دوسرے سے دنیا کی خبریں بیان کریں اور جو کچھ اچھی بری چیزیں ہم نے دیکھی ہیں سنائیں۔ دوسرے نے جواب دیا بھائی مجھ پر یہ مصیبت گزری کہ زمانے نے مجھے میرے ماں باپ اور بھائی سے جدا کر دیا۔ میرے بھائی کا نام وہی تھا جو تیرا ہے اور یہ اس طرح ہوا کہ میرا باپ فلاں شہر سے کشتی میں سوار ہوا' راستے میں طوفان آیا' مخالف ہوائیں چلنے لگیں' کشتی چکنا چور ہو گئی اور خدا نے ہمیں تتر بتر کر دیا۔ دوسرے نے یہ باتیں سنیں تو کہنے لگا تیری ماں کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا فلاں۔ اس نے پوچھا تیرے باپ کا نام؟ اس نے کہا فلاں۔ یہ سن کر بھائی بھائی سے لپٹ گیا اور کہنے لگا کدا کی قسم تو میرا بھائی ہے' اب دونوں بھائی اپنے اپنے لڑکپن کی داستانیں سنانے

لگے۔ ماں سن رہی تھی لیکن اس نے اپنا راز نہ کھولا۔ جب پوپھٹی تو ایک بھائی نے دوسرے سے کہا۔ اب گھر چل وہاں باتیں کریں گے۔ اس نے کہا اچھا اور دونوں چل کھڑے ہوئے۔

صبح تاجر عورت کے پاس آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہے۔ اس نے پوچھا تجھے کیا تکلیف پہنچی؟ اس نے جواب دیا رات تو نے میرے پاس دو شخصوں کو بھیجا تھا جس سے مجھے بہت تکلیف پہنچی۔ یہ سن کر تاجر کو غصہ آگیا اور اس نے بادشاہ کے پاس جا کر دونوں معتمدوں کی شکایت کی۔ بادشاہ نے انہیں فوراً طلب کیا۔ بادشاہ کو ان سے بہت محبت تھی۔ اسے ان کی دیانت اور امانت کا یقین تھا۔ بادشاہ نے عورت کو بھی بلوایا تاکہ وہ اپنی زبان سے ان کی شکایت کرے۔ جب وہ حاضر ہوئی تو بادشاہ نے کہا اے عورت تو نے ان دونوں امانت دار شخصوں سے کون سی حرکت دیکھی ہے؟ اس نے جواب دیا اے بادشاہ' میں اس بزرگ خدا کا تجھے واسطہ دیتی ہوں جو عرش کا مالک ہے تو ان دونوں کو حکم دے کہ وہ اس گفتگو کو دہرائیں جو یہ کل رات کر رہے تھے۔ بادشاہ نے ان سے کہا جو کچھ تم نے کہا تھا سے دہراؤ اور بے کم و کاست بیان کرو۔ انہوں نے اپنی اپنی باتیں دہرائیں تو بادشاہ تخت اتر پڑا اور ایک چیخ مار کر ان سے لپٹ گیا۔ انہیں گلے لگا لیا اور کہنے لگا واللہ تم میرے دونوں بیٹے ہو۔ اب عورت نے اپنا چہرہ کھول دیا اور کہنے لگی واللہ میں ان دونوں کی ماں ہوں۔ غرض کہ سب مل گئے اور نہایت عیش و عشرت سے زندگی گزارنے لگے یہاں تک کہ موت نے انہیں جدا کر دیا۔ پاک ہے وہ ذات کہ اگر بندہ اس کی طرف جائے تو نجات پائے اور جس کی امید و رجا اس کے ساتھ وابستہ ہو' کبھی ٹوٹی نہ ہو۔

○ ابوالحسن دراج اور ابو جعفر مجذوم کی کہانی

ابوالحسن دراج کا بیان ہے کہ میں اکثر مکے جایا کرتا تھا۔ خدا اس کی بزرگی اور زیادہ بڑھائے! اور لوگ میرے ساتھ کرتے تھے کیونکہ میں راستے سے واقف تھا اور منزلیں مجھے ازبر تھیں۔ ایک سال کا واقعہ ہے کہ میں نے بیت اللہ جانے اور رسول اللہ کی قبر کی زیارت کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے دل میں کہا مجھے راستہ تو معلوم ہے ہی' میں اکیلا جاؤں گا چناچہ میں روانہ ہو گیا اور قادسیہ پہنچا۔ شہر کے اندر داخل ہو کر مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ ایک کوڑھی محراب کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ مجھے دیکھ کر اس نے کہا اے ابوالحسن میں چاہتا ہوں کہ تیرے ساتھ مکے چلوں۔ میں نے اپنے دل میں سوچا میں ساتھیوں سے تو بھاگ کر آیا ہوں کوڑھیوں کے ہمراہ کیوں جاؤں! اور اس سے کہا میں کسی کے ساتھ نہیں جانا چاہتا۔ وہ چپ ہو گیا اور دوسرے دن میں اکیلا چل کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے عقبہ پہنچا۔ جب میں وہاں مسجد کے اندر گیا تو دیکھا کہ وہ کوڑھی محراب میں بیٹھا ہوا ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا سبحان اللہ یہ شخص مجھ سے پہلے یہاں کس طرح آ گیا! اس نے اپنا سر اٹھایا اور مسکرا کر بولا اے ابوالحسن "وہ" کمزور کے ساتھ ایسی کرتا ہے جس سے زور آور کو تعجب ہوتا ہے۔ رات بھر میں اس واقعے پر تعجب ہوا کرتا رہا۔ صبح ہوئی تو میں پھر اکیلا چل کھڑا ہوا۔ عرفات پہنچ کر مسجد میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی شخص وہاں بھی محراب کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ میں اس کے قدموں پر گر پڑا اور کہا اے میرے آقا میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ساتھ لے چل۔ یہ کہہ کر میں نے اس کے ہاتھ پاؤں چومنے شروع کر دیئے۔ اس نے کہاں میرے لیے ممکن نہیں۔ اس کی صحبت سے محروم ہونے کی وجہ سے میں رونے پیٹنے لگا۔ وہ بولا بے قرار نہ ہو' رونے سے کوئی فائدہ نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو بیاسی ویں رات

جب چار سو بیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- مجذوم نے کہا' رونے دھونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ لاچار میں وہاں سے چل دیا۔ جب میں کسی منزل پر پہنچا تو دیکھتا کہ وہ وہاں مجھ سے پہلے موجود ہے لیکن جب میں مدینے میں پہنچا تو نہ اس کا پتا چلا نہ اس کی کوئی خبر معلوم ہوئی۔ اس کے بعد میری ملاقات ابویزید بسطامی' ابو بکر شبلی اور کئی بزرگوں سے ہوئی۔ میں نے انہیں اپنی سرگزشت سنائی اور ان کے سامنے اپنا رونا رویا۔ انہوں نے کہا افسوس ہے اگر تو اس سے پھر نہ مل سکے۔ وہ ابو جعفر مجذوم ہے۔ اس کی برکت سے پانی برستا ہے اور دعا قبول ہوتی ہے۔

میں نے ان سے یہ باتیں سنیں تو مجھے اس کی زیارت کا شوق اور بھی زیادہ ہوا۔ میں نے خدا سے دعا مانگی وہ مجھے اس سے ملا دے۔ میں عرفات میں کھڑا ہوا تھا کہ کسی نے پیچھے سے میرا دامن کھینچا۔ میں نے دیکھا تو وہی شخص تھا۔ اسے دیکھ کر میں نے زور سے چیخ ماری اور غش کھا کر گر گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو وہاں نہ تھا۔ میرا اشتیاق اور زیادہ ہو گیا' گلیاں مجھے تنگ معلوم ہونے لگیں اور میں نے خدا سے اس کے دیدار کی دعا مانگی۔ تھوڑے دنوں کے بعد پھر اس نے مجھے پیچھے سے کھینچا اور میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو ا نے کہا میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میرے پاس آ اور اپنی حاجت مانگ۔ میں نے میرے لیے تین دعائیں مانگ۔ پہلے یہ کہ فقر سے مجھے محبت ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ کسی رات کو مجھے اپنے آئندہ رزق کا علم نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ خدا مجھے اپنا دیدار دکھائے۔ اس نے تینوں دعائیں میرے لیے مانگیں اور غائب ہو گیا اور خدا نے میرے لیے اس کی دعا قبول کر لی۔ پہلی کے متعلق یہ ہے کہ خدا نے فقر کی محبت میرے دل میں ڈال دی۔ خدا کی قسم اس سے زیادہ پیار چیز

میرے لیے کوئی اور نہیں۔ دوسری کے متعلق یہ ہے کہ مجھے اتنے سال ہو گئے اور مجھے رات کے وقت یہ کبھی معلوم نہ ہوا کہ کل میرا رزق کہاں ہے' اور باوجود اس کے خدا نے مجھے کبھی کسی چیز کا محتاج نہیں بنایا اور مجھے امید ہے کہ خدا میری تیسری دعا بھی قبول کرے گا جس طرح کہ اس نے پہلی دو دعائیں قبول کر لی ہیں' وہ کریم ہے اور بڑے فضل والا۔

○ حکیم دانیال کے بیٹے کی کہانی

پرانے زمانے میں دانیال نامی یونان کا ایک حکیم تھا۔ فوج کی فوج اس کی شاگرد تھی۔ وہاں کے حکما اس کی دھاک مانتے اور اس کے علم سے فائدہ اٹھاتے۔ باوجود ان تمام علم و حکمت کی باتوں کے اللہ کی بے نیازی کہ اس کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ ایک رات وہ اسی سوچ میں پڑا ہوا کڑھ رہا تھا کہ میرے بعد میری علمی دولت کا کیا حشر ہو گا۔ یک بہ یک اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر کوئی شخص خدا کی طرف رجوع کرے تو وہ اس کی دعا قبول کر لیتا ہے۔ اس کی رحمت کے دروازے پر کوئی دربان نہیں' وہ جسے چاہے بغیر حساب کے روزی دیتا ہے اور وہ کسی سائل کو نامراد نہیں لوٹاتا بلکہ اس کے ساتھ بہت نیکی اور احسان کرتا ہے۔ یہ یقین کر کے وہ خدا سے دعا مانگنے لگا کہ مجھے ایک ایسا بیٹا عطا کر جو میرا جانشین ہو اور اس پر احسان و عنایت کر۔ اس کے بعد وہ گھر گیا اور اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا۔ وہ اسی رات حاملہ ہو گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو تراسی ویں رات

چار سو تراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... حکیم کی بیوی کو اسی رات حمل رہ گیا۔ اسی اثناء میں وہ کشتی پر سوار کہیں جا رہا تھا کہ کشتی ٹوٹ گئی۔ اس کی کتابیں سمندر میں جا پڑیں وہ ایک تختے پر بیٹھ کر بچ گیا۔ اس کی کتابوں میں سے جو سمندر میں جا پڑی تھیں صرف پانچ ورق باقی رہ گئے۔ گھر پہنچ کر اس نے یہ پانچ ورق صندوق میں بند کر کے اس میں قفل لگا دیا۔ جب بیوی کا حمل ظاہر ہوا تو حکیم نے کہا' سن میرے مرنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ میں اس فانی دنیا سے باقی آخرت کی طرف جلد جانے والا ہوں اور تو حاملہ ہے' اگر میرے مرنے کے بعد تیرے لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام حاسب کریم الدین رکھیو اور اس کی تربیت اچھی طرح سے کیجیو۔ وہ بڑا ہو اور پوچھے کہ میرے باپ نے میرے لیے کیا ورثہ چھوڑا ہے تو اسے یہ پانچ ورق دے دیجیو۔ اگر اس نے انہیں پڑھ کر سمجھ لیا تو وہ اپنے زمانے کا بڑا عالم ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ بیوی سے رخصت ہوا۔ ایک چیخ ماری اور دنیا و مافیہا چھوڑ کر چلتا بنا' خدا اس پر رحمت کرے! اہل و عیال اور دوست آشنا نے بہت غم کیا' اس کا جنازہ نہایت شان و شوکت سے نکالا اور اسے دفن کر آئے۔ تھوڑے دنوں بعد اس کے ہاں ایک نہایت خوبصورت لڑکا پیدا ہوا' بیوی نے اس کا نام حاسب کریم الدین رکھا جیسا کہ باپ وصیت کر گیا تھا۔ یہ لڑکا پیدا ہوا تو ماں نے منجموں کو بلوایا' انہوں نے لڑکے کا طالع اور ستاروں کی رفتار دیکھ کر کہا' اے عورت سن یہ لڑکا بہت دن جئے گا لیکن ابتدائی عمر میں اسے مصیبت کا سامنا ہو گا اگر وہ اس سے بچ گیا تو حکمت میں کمال حاصل کرے گا۔

منجم تو یہ کہہ کر چلتے ہوئے' بات آئی گئی ہوئی۔ ماں نے دو سال دودھ پلا کر چھڑایا۔ پانچ سال کا ہوا تو اسے پڑھنے کے لیے مکتب میں بٹھایا لیکن اس نے کچھ نہ پڑھا۔

ماں نے مکتب سے اٹھا کر دست کاری سیکھنے کے لیے بھیجا' اس نے دستکاری بھی بالکل نہ سیکھی اور کوئی کام اس کے ہاتھ سے بن نہ پڑا۔ ماں کو اس کا بڑا صدمہ تھا۔ ہر وقت اسے بیٹے کے جاہل رہنے کا غم کھائے جاتا۔ لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ اس کا بیاہ کر دے' ممکن ہے وہ بیوی کا بوجھ پڑنے سے کوئی فن سیکھ لے۔ ماں نے ایک لڑکی کو اس کی طرف سے پیغام دیا اور بیٹے کا نکاح اس سے کر دیا۔ اس پر بھی ایک مدت گزر گئی اور اس نے کوئی پیشہ اختیار نہ کیا۔ پڑوس میں چند لکڑ ہارے رہتے تھے' انہوں نے اس کی ماں کے پاس آ کر اس کے لیے ایک گدھا' ایک رسی اور ایک کلہاڑی خرید دے وہ ہمارے ساتھ پہاڑ میں چل کر لکڑیاں کاٹے اور جمع کرے جو اس کے دام ملیں گے ہم آپس میں تقسیم کر لیا کریں گے اور وہ اپنے حصے کے دام تم پر خرچ کرے گا۔ ماں لکڑ ہاروں کی یہ باتیں سن کر بہت خوش ہوئی اور اس نے اپنے بیٹے کے لیے ایک گدھا' ایک رسی اور ایک کلہاڑی خریدی اور اسے لے جا کر لکڑ ہاروں کے سپرد کر دیا اور ان کی نگرانی میں دے دیا۔ انہوں نے اس کی ماں سے کہا فکر نہ کر ہمارا پروردگار اس لڑکے کو بھی روزی دے گا' یہ ہمارے استاد کا بیٹا ہے۔ اب وہ اسے لے کر پہاڑ پر گئے۔ لکڑیاں کاٹیں' انہیں گدھوں پر لاد کر شہر میں لائے اور انہیں بیچ کر اپنے اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا۔ ایک مدت تک اسی طرح ہوتا رہا۔ وہ لکڑ ہاروں کے ساتھ جاتا' لکڑیاں کاٹتا' لکڑیاں بکتیں اور سب کے گھر کے خرچ چلتے۔

اب اللہ کی قدرت کا تماشہ دیکھو' ایک دن جب وہ لکڑیاں جمع کرنے جا رہے تھے' سخت بارش ہونے لگی اور سب کے سب اپنی اپنی جان لے کر ایک غار میں جا چھپے کہ مینہ سے بچیں۔ حاسب کریم الدین ان کے پاس سے اٹھ کر علیحدہ جا بیٹھا اور کلہاڑی زمین پر مارنے لگا۔ وہ جگہ اس کو نیچے سے کھوکھلی معلوم ہوئی۔ اس نے زور زور سے کلہاڑی چلانی شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد کچھ مٹی ہٹ کر اس کی نظر ایک گول اینٹ پر پڑی جس میں ایک حلقہ لگا ہوا تھا۔ خوش ہو کر اس نے اور لکڑ ہاروں کو آواز دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چار سو چوراسی ویں رات

چار سو چوراسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب حاسب کریم الدین نے لکڑ ہاروں کو آواز دی تو وہ سب کے سب وہاں پہنچے اور لپک کر اینٹ کو ہٹایا دیکھا کہ اس کے نیچے ایک دروازہ ہے۔ یہ دروازہ کھولا تو ایک کنواں دکھائی دیا جو شہد سے بھرا ہوا تھا۔ لکڑ ہاروں نے آپس میں کہا یہ کنواں شہد سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے سوا چارہ نہیں کہ شہر جا کر برتن لائیں۔ شہد کو ان میں بھر کر لے آئیں' بیچیں اور اس کے دام آپس میں تقسیم کر لیں۔ مگر ہم میں سے ایک شخص یہیں بیٹھا رہے اور اس کی حفاظت کرے کہیں کوئی اور لے کر چلتا نہ ہو۔ حاسب نے کہا میں یہاں بیٹھ کر اس کی نگہبانی کروں گا تم لوگ جا کر برتن لے آؤ۔ وہ حاسب کریم الدین کو کنوئیں پر پہرا دینے کے چھوڑ کر شہر گئے اور برتن لا کر شہد بھرا اور گدھوں پر لاد کر شہر کو واپس گئے اور اسے بیچ کر دوبارہ کنوئیں پر آئے۔ ایک مدت تک یہی کرتے رہے: رات شہر میں گزارتے دن میں کنوئیں پر جا کر شہد بھرتے اور حاسب کریم الدین کنوئیں پر بیٹھ کر اس کی نگہبانی کرتا۔ ایک دن وہ آپس میں کہنے لگے جس شخص نے شہد کو کنوئیں کو دیکھا ہے وہ حاسب کریم الدین ہے۔ کل وہ شہر میں آ کر ہم پر دعویٰ کرے گا اور شہد کی قیمت لے گا کیونکہ وہ کہے گا کہ میں نے ہی تو اسے دیکھا ہے۔ اس سے چھٹکارے کی یہی تدبیر ہو سکتی ہے کہ ہم اسے کنوئیں کے اندر اتار دیں۔ اس بہانے کہ وہ بچا کھچا شہد جمع کرے اور پھر اسے وہیں پڑا رہنے دیں۔ وہ مارے تکلیف کے مر جائے گا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی۔ اس پر سب نے اتفاق کیا اور چل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے کنوئیں کے پاس پہنچے اور حاسب کریم الدین سے کہا کنوئیں کے اندر اتر کا بچا کھچا شہد جمع کر۔ حاسب کنوئیں میں اتر

اور بچا کھچا شہد اکٹھا کیا اور اس کے بعد ان سے کہا مجھے نکال لو' اب شہد باقی نہیں رہا لیکن کسی نے کوئی جواب نہ دیا اور گدھے لاد کر شہر چلے گئے۔ وہ کنوئیں میں اکیلا رہ گیا۔ غریب دہائیاں دیتا' روتا چلاتا اور لاحول پڑھتا رہا۔ وہاں کون تھا جو سنتا۔

یہ تو حاسب کریم کا قصہ ہوا۔ اب لکڑ ہاروں کا حال سنئے۔ وہ شہر گئے' شہد بیچا اور حاسب کی ماں کے پاس جا کر رونے لگے اور کہا خدا تجھے سلامت رکھے! تیرا بیٹا مر گیا' اس نے پوچھا کس طرح اس کی موت آئی؟ انہوں نے جواب دیا ہم پہاڑ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ بہت زور سے مینہ برسنے لگا۔ ہم نے ایک غار میں پناہ لی۔ اتنے میں تیرے بیٹے کا گدھا گھاٹی کی طرف یک بہ یک بھاگا اور تیرا بیٹا اس کے پیچھے دوڑا کہ اسے غار میں واپس لے آئے۔ وہاں گھاٹی میں ایک بہت بڑا بھیڑیا تھا جو تیرے بیٹے اور اس کے گدھے دونوں کو پھاڑ کر کھا گیا۔ لکڑ ہاروں کی یہ باتیں سن کر ماں منہ پیٹنے اور سر پر خاک ڈالنے لگی اور سوگ میں بیٹھ گئی۔ لکڑ ہارے ہر روز اس کے پاس آتے اور کھانا پینا لاتے۔ ادھر تو اس کی ماں اس غم میں مبتلا تھی۔ ادھر لکڑ ہاروں نے دکانیں کھول لیں اور سوداگر بن بیٹھے اور دن رات کھانے پینے اور کھیل کود میں مشغول ہو گئے۔

اب حاسب کریم الدین کی سرگزشت سنو۔ وہ برابر روتا اور فریاد کرتا رہا۔ اسی حالت میں تھا کہ ایک بڑا بچھو اس پر آ کر گرا۔ اس نے اٹھ کر اسے مارا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس کنوئیں میں تو شہد بھرا ہوا تھا۔ یہ بچھو کہاں سے آیا اور وہ اٹھ کر دیکھنے لگا کہ آخر بچھو کس جگہ سے گرا ہے۔ دائیں بائیں نظر دوڑاتے دوڑاتے ایک سوکھا سا سوراخ معلوم ہوا اور اس کے اندر روشنی دکھائی دی اس نے اپنی چھری نکال کر اسے چوڑا کیا۔ جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آدمی نکل جائے تو حاسب اس کے اندر گھسا۔ پار نکل کر تھوڑی دیر چلنے کے بعد اسے ایک دروازہ نظر ایا۔ وریب جا کر دیکھا کہ دروازہ بڑا اور سیاہ لوہے کا ہے' ا میں چاندی کا قفل پڑا ہے اور سونے کی کنجی لگی ہوئی ہے۔ دروازے کی دراڑ میں سے جھانکا تو اندر تیز روشنی ہو رہی تھی' دروازہ

کھول کر اندر گیا۔ آگے چل کر ایک حوض سا دکھائی دیا جس میں پانی کی طرح کوئی چیز چمک رہی تھی، اس کے نزدیک پہنچا تو ہرے زبرجد کا ایک اونچا ٹیلا دیکھا۔ اس پر ایک سونے کا تخت رکھا تھا جس میں طرح طرح کے ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو پچاسی ویں رات

چار سو پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ حاسب کریم نے دیکھا کہ تخت بچھا ہے اور اس کے آس پاس بہت سی کرسیاں پڑی ہوئی ہیں جس میں سے کچھ سونے' کچھ چاندی اور کچھ سبز زمرد کی ہیں۔ جب وہ کرسیوں کے پاس پہنچا تو اس نے ٹھنڈا سانس کھینچا اور کرسیاں گننے لگا۔ اس کی تعداد بارہ ہزار نکلی' پھر وہ اس تخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا جو ان کرسیوں کے بیچ میں تھا۔ کبھی حوض کو دیکھتا' کبھی کرسیوں کو کبھی سوچتا کہ یہ کیا طلسم ہے۔ اس حیرت میں اسے نیند آ گئی' وہ سو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھنکاروں' سیٹیوں اور سرسراہٹ کی آواز سنائی دیں۔ وہ اٹھ بیٹھا اور اس نے دیکھا کہ کرسیوں پر بڑے بڑے سانپ بیٹھے ہوئے ہیں جن کی لمبائی سو سو گز ہو گی۔ وہ سہم گیا۔ مارے ڈر کے دم خشک ہونے لگا' جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ سانپوں کی آنکھیں انگاروں کی طرف چمک رہی تھیں اور کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اس کی نظر حوض پر پڑی تو اسے چھوٹے چھوٹے اس قدر سانپ اس میں دکھائی دیئے جن کی تعداد سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہ ہو سکتی تھی۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ خچر کے برابر ایک سانپ اس کے سامنے آیا جس کی پیٹھ پر سونے کی سینی تھی' سینی کے اندر ایک سانپ تھا جو بلور کی طرف چمک رہا تھا' جس کی صورت انسان کی سی تھی اور نہایت شیریں کلام تھا۔ حاسب کریم کے پاس پہنچ کر سانپ نے سلام کیا' اس نے سلام کو جواب دیا۔ اب ان سانپوں میں سے جو کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک سانپ اٹھا اور سینی میں سے سانپ کو اتار کر اک کرسی پر بٹھا دیا۔ اس سانپ نے اپنی بولی میں ان سانپوں کو ڈانٹنا شروع کیا۔ سب سانپ کرسیوں سے نیچے گر پڑے اور اسے دعائیں دینے لگے۔ اب اس نے ان سے کہا بیٹھ جاؤ' وہ بیٹھ گئے اور اس نے حاسب کریم الدین کی طرف مخاطب ہو کر کہ اے جوان ہم سے ڈر نہیں۔ میں

سانپوں کی ملکہ اور اس قوم کا سلطان ہوں۔ سانپ سے یہ باتیں سن کر حاسب کریم کو اطمینان ہوا اور اس سانپ نے دوسرے سانپوں کی طرف اشارہ کر کے کہا' کھانے کے لیے کچھ چیزیں لاؤ۔" وہ سیب' انگور' انار' پستے' اخروٹ' بادام اور کیلے لے آئے اور حاسب کریم الدین کے آگے رکھ دیئے۔
پھر سانپوں کی ملکہ نے کہا خوش آمدید اے جوان' تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا حاسب کریم الدین۔ ملکہ نے کہا اے حاسب' یہ میوے کھا' ہمارے پاس ان کے سوا کوئی چیز نہیں جو کھانے کا کام دے اور ہم سے بالکل نہ ڈر۔ حاسب نہ سانپ کی باتیں سنیں تو اس نے پیٹ بھر کا کھایا اور خدا کا شکر بجا لایا۔ وہ کھا چکا تو دسترخوان بڑھایا گیا اور سانپوں کی ملکہ نے کہا اے حاسب اب تو بتا کہ تو کہاں کا رہنے والا ہے یہاں کیسے آیا اور تیرا ماجرا کیا ہے؟ حاسب نے اپنی ساری سرگزشت کہہ سنائی کہ میرے باپ پر کیا گزری میں کس طرح پیدا ہوا۔ ماں نے پانچ سال کی عمر میں مجھے مکتب میں بٹھایا میں نے کچھ نہ پڑھا۔ پھر ماں نے دستکاری سیکھنے بھیجا' بے ہنر کا بے ہنر رہا تو آخر اس نے ایک گدھا خرید دیا اور میں لکڑ ہار ہو گیا' اس کے بعد کس طرح شہد کا کنواں ملا' کیونکہ ساتھی کنوئیں میں چھوڑ کر چلتے بنے' کس طرح بچھو گرا اور بچھو کے نکلنے کی جگہ تلاش کی' سوکھا پایا۔ اسے بڑا کیا اور اندر آ کر لوہے کے دروازے کے پاس پہنچا' اسے کھول کر اندر آیا اور سانپوں کی ملکہ سے ملا غرض کہ سارا قصہ اول سے آخر تک سنا کر کہا اور اب خدا جانے کہ اس کے بعد کیا پیش آئے گا۔
سانپوں کی ملکہ نے حاسب کریم الدین کی سرگزشت سنی تو کہنے لگی۔ اس لمحے کے بعد تیرے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو چھیاسی ویں رات

جب چار سو چھیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سانپوں کی ملکہ بولی اب تیرے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے لیکن اے حاسب میں چاہتی ہوں کہ کچھ دنوں تو یہاں ٹھہر میں بھی اپنی سرگزشت تجھے سناؤں اور جو جو عجیب و غریب واقعات مجھ پر گزرے ہیں تو' بھی انہیں سنے۔

حاسب ملکہ سے کیا عذر کرتا' ٹھہر گیا۔ ملکہ بولی اے حاسب سن۔ مصر پر بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ کی حکومت تھی۔ بلوقیا نام کا اس کا ایک بیٹا تھا۔ بادشاہ کو دو شوق تھے عبادت اور تحصیل علوم۔ جب عبادت سے فرصت ملتی مختلف علوم کی کتابیں پڑھا کرتا۔ وہ بوڑھا ہو گیا اور اس کے مرنے کے دن قریب آ گئے تو سلطنت کے امراء سلام کرنے کے حاضر ہوئے۔ سلام کر چکے اور اس کے پاس بیٹھے تو اس نے کہا' اے لوگو! اب میں دنیا سے آخرت کی طرف جانے والا ہوں اور میرے پاس اپنے بیٹے بلوقیا کے سوا کوئی اور نہیں جسے تمہارے سپرد کروں۔ یہ کہہ کر اس نے اشھد ان لا الہ الا اللہ پڑھا اور ایک چیخ مار کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ خدا اس پر رحمت کرے! لوگوں نے اسے غسل دیا۔ تجہیز و تکفین کر کے دفن کر آئے۔ اس کی طرف سے بہت کچھ خیرات کی اور اس کے بیٹے بلوقیا کو اپنا بادشاہ بنایا۔ بلوقیا نے رعایا کے ساتھ انصاف کیا اور اس کے عہد میں لوگ امن و امان سے رہے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ اس نے اپنے باپ کے خزانے کھولے تاکہ انہیں دیکھے۔ جب اس نے خزانہ کھولا تو اسے ایک دروازہ نظر آیا۔ اندر جا کر اس نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹی سی کوٹھری ہے اور اس کے اندر سفید مرمر کا ایک کھمبا جس کے اوپر آبنوس کا ایک صندوق ہے۔ بلوقیا نے یہ صندوق کھولا تو اس کے اندر ایک اور صندوق نکلا جو سونے کا تھا۔ جب وہ صندوق کھولا تو اس کے اندر سے ایک کتاب نکلی جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف

لکھی ہوئی تھی اور یہ کہ وہ آخری زمانے میں بھیجے جائیں گے اور اگلے پچھلوں کے سردار ہوں گے۔

بلوقیا نے یہ کتاب پڑھی اور اسے ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات

سے واقفیت ہوئی تو اسے آپ سے محبت ہو گئی اور اس نے بنی اسرائیل کے امرا' احبار' کاہنوں اور رہبانوں کو بلا کر انہیں اس کتاب سے آگاہ کیا اور پڑھ کر سنایا اور کہنے لگا اے لوگو' میں اپنے باپ کو قبر سے نکال کر جلا دوں گا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تو اسے کیوں جلانا چاہتا ہے؟ بلوقیا نے کہا کہ اس نے یہ کتاب مجھ سے چھپائی اور مجھے نہ دکھائی۔ اس کتاب کو بادشاہ نے توریت اور حضرت ابراہیم کے صحیفوں سے اخذ کر کے لکھا اور اسے اپنے خزانے میں چھپا رکھا تھا اور کسی سے اس کی کوئی بات نہیں کہی تھی۔

لوگوں نے کہا۔ اے ہمارے بادشاہ' تیرا باپ مر چکا ہے اور اس وقت زمین کے نیچے ہے۔ اس کی جزا و سزا خدا کے ہاتھ میں ہے' اسے قبر سے نہ نکال۔ بلوقیا نے بنی اسرائیل کے امرا سے یہ باتیں سنیں تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ اسے ہاتھ نہ لگانے دیں گے لہٰذا وہ ان کے پاس سے اٹھ کر اپنی ماں کے پاس پہنچا اور اس سے کہنے لگا' اماں میں نے اپنے باپ کے خزانے میں ایک کتاب دیکھی ہے جس میں نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف ہے جو آخری زمانے میں مبعوث ہوں گے اور مجھے ان سے محبت ہو گئی ہے میں چاہتا ہوں کہ سیاحت کر کے ان سے ملوں۔ اگر میں ان سے نہ مل سکا تو میں ان کے پیچھے جان دے دوں گا۔

یہ کہہ کر اس نے شاہی لباس اتار ڈالا اور ایک عبا اور لمبے جوتے پہن لیے اور کہنے لگا اماں اپنی دعا میں مجھے نہ بھولیو۔ ماں رونے لگی اور اس نے کہا تیرے بعد ہمارا کیا حال ہو گا؟ بلوقیا نے کہا اب مجھے زیادہ صبر نہیں اور میں اپنے آپ کو اور تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اس کے بعد وہ شام کی طرف چل پڑا اور اپنے لوگوں میں سے کسی کو نہ خبر نہ کی۔ چلتے چلتے سمندر کے کنارے آیا اور ایک کشتی میں سوار ہو گیا جس

میں اور سواریاں بھی تھیں۔ کشتی ایک جزیرے پر آ لگی اور لوگ اتر کر جزیرے میں گئے۔ بلوقیا بھی ان کے ساتھ روانہ ہوا مگر آگے چل کر ان سے علیحدہ ہو گیا اور ایک درخت کے نیچے جا بیٹھا' اسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔ جب وہ جاگا اور کشتی پر سوار ہونے لگا تو اس نے دیکھا کہ کشتی نے لنگر اٹھا دیئے ہیں اور چل دی ہے۔ اس جزیرے میں اسے اونٹوں اور تاڑ کے درختوں کے برابر سانپ دکھائی دیئے جو خدا کی یاد اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیج رہے اور تحلیل و تسبیح میں مشغول تھے۔ یہ دیکھ کر بلوقیا حیران ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چار سو ستاسیویں رات

جب چار سو ستاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سانپوں کی تسبیح و تحلیل جو سنی تو بلوقیا حیران رہ گیا۔ بلوقیا کو دیکھ کر سانپ اس کے ارد گرد

جمع ہو گئے اور ایک سانپ نے اس سے پوچھا تو کون ہے کہاں سے آیا ہے اور تیرا نام کیا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا میرا نام بلوقیا ہے اور میں بنی اسرائیل میں سے ہوں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں نکل کھڑا ہوں اور انہیں ڈھونڈھ رہا ہوں مگر اے شریف بندو' تم کون ہو؟ سانپوں نے کہا ہم دوزخ کے رہنے والے ہیں' خدا نے ہمیں کافروں کو عذاب دینے کے پیدا کیا ہے۔ بلوقیا نے پوچھا تم یہاں کیسے آئے ہو؟ سانپوں نے کہا کہ ابال کی زیادتی کی وجہ سے دوزخ سال میں دو بار سانس لیتی ہے ایک بار جاڑوں میں اور بار گرمیوں میں۔ گرمی کی وجہ سے اسے ابال آتا ہے۔ جب وہ باہر کی طرف سانس کھینچ لیتی ہے تو ہمیں نکال پھینکتی ہے اور جب وہ اندر کی طرف سانس لیتی ہے تو ہمیں اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ بلوقیا نے کہا دوزخ میں تم سے بڑے بھی سانپ ہیں؟ سانپوں نے جواب دیا ہم تو چھوٹے ہیں اور اسی لیے سانس باہر نکل پڑتے ہیں۔ دوزخ میں اتنے بڑے بڑے سانپ ہیں کہ اگر ہم سب سے بڑا ان کی ناک پر رینگنے تو انہیں خبر تک نہ ہو۔ بلوقیا نے کہا تم خدا کو یاد کرتے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہو مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تم کہاں سے جانتے ہو۔ انہوں نے کہا اے بلوقیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام جنت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو خدا نہ مخلوقات پیدا کرتا نہ جنت نہ دوزخ نہ آسمان نہ زمین۔ خدا نے تمام موجودات کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر پیدا کیا ہے اور ان کے نام کو ہر جگہ اپنے نام کے قریب رکھا ہے اس وجہ سے ہم

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں۔

بلوقیا نے سانپوں سے یہ باتیں سنیں تو اس کی محبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور

زیادہ بڑھ گئی اور اشتیاق زیادہ ہو گیا۔ اب بلوقیا ان سے رخصت ہو کر چل دیا اور سمندر کے کنارے پہنچا اس نے دیکھا کہ جزیرے کے کنارے ایک کشتی لنگر ڈالے کھڑی ہے وہ بھی اور لوگوں کے ساتھ اس میں سوار ہو گیا اور کشتی انہیں لے کر چل دی۔ چلتے چلتے وہ ایک دوسرے جزیرے پر پہنچے۔ بلوقیا اتر کا ایک طرف چلا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد اسے وہاں بہت سے چھوٹے اور بڑے سانپ دکھائی دیئے جن کی گنتی سوائے خدا کے اور کسی کو معلوم نہیں۔ ان کے درمیان ایک سفید سانپ بیٹھا ہوا تھا اور سینی ایک دوسرے سانپ کی پیٹھ پر تھی جو ہاتھی کے برابر تھا۔ یہ سانپ تمام سانپوں کی ملکہ تھی اور اے حاسب وہ میں تھی۔ حاسب نے پوچھا کہ تو نے بلوقیا کو کیا جواب دیا۔

ملکہ نے کہا اے حاسب جب میں نے بلوقیا کو دیکھا تو اسے سلام کیا اور اس نے سلام کو جواب دیا۔ میں نے پوچھا' تو کون ہے' تیر کیا قصہ ہے' تو کہاں سے آیا ہے اور کہاں جاتا ہے؟ اس نے کہا میں بنی اسرائیل میں سے ہوں' میرا نام بلوقیا ہے اور میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سفر کر رہا ہوں اور انہیں ڈھونڈھ رہا ہوں کیونکہ میں نے ان کی تعریف آسمانی کتابوں میں پڑھی ہے۔ اس کے بعد بلوقیا نے مجھ سے پوچھا تو کیا چیز ہے' تیرا ماجرا کیا ہے اور تیرے آس پاس یہ سانپ کیسے ہیں؟ میں نے کہا اے بلوقیا میں سانپوں کی ملکہ ہوں۔ جب تیری ملاقات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہو تو انہیں میرا سلام کہیو۔ اس کے بعد بلوقیا مجھ سے رخصت ہو کر کشتی میں بیٹھ گیا اور چلتے چلتے بیت المقدس پہنچا۔ بیت المقدس میں ایک شخص جس کو تمام علوم پر دسترس تھی۔ ہندسہ' فلکیات' حساب سیمیا اور روحانی علوم اسے ازبر تھے اور توراییت' انجیل' زبور اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے پڑھا کرتا اس کا نام عفان

تھا۔ اس نے اپنے ہاں کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ جو شخص سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی پہن لے تو جن و انس اور پرندے اور چرندے اور غرض کہ ساری خدائی اس کی فرمانبردار ہو جائے گی۔ اس نے کسی کتاب میں یہ پڑھا تھا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہوا تو لوگ انہیں ایک تابوت میں رکھ کر سات سمندر پار لے گئے۔ انگوٹھی ان کی انگلی میں رہی' انسان اور جنات میں سے کسی کو یہ طاقت نہیں کہ وہ انگوٹھی اتار لے نہ کسی ملاح کی مجال ہے کہ اپنی کشتی اس جگہ تک لے جا سکے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھا دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اٹھاسیویں رات

جب چار سو اٹھاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ عفان نے کہا کہ کسی ملاح کی مجال نہیں کہ اپنی کشتی ساتوں سمندر پار وہاں لے جا سکے جہاں ان کا تابوت ہے۔ ایک کتاب میں اس نے یہ بھی پڑھا تھا کہ کوئی ایسی جڑی بوٹی ہے کہ اگر کوئی اس کا تھوڑا سا عرق نکال کر اپنے تلووں میں لگا لے تو وہ خدا کے پیدا کیے ہوئے ہر سمندر پر چل سکتا ہے اور اس کے پاؤں ذرا بھی نہ بھیگیں اور کوئی شخص اس بوٹی کو نہیں پا سکتا جب تک اس کے ساتھ سانپوں کی ملکہ نہ ہو۔

جب بلوقیا بیت المقدس پہنچا تو وہ ایک جگہ بیٹھ کر خدا کی عبادت کرنے لگا ایک روز اسی حالت میں بیٹھا ہوا تھا کہ عفان نے آ کر اسے سلام کیا' اس نے سلام کا جواب دیا۔ عفان نے دیکھا کہ بلوقیا تورایت پڑھ رہا ہے اور خدا کی عبادت میں مشغول ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا اے شخص تیرا کیا نام ہے' تو کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا میرا نام بلوقیا ہے' میں مصر کا رہنے والا ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکلا ہوں۔ عفان نے بلوقیا سے کہا کہ گھر چل کر میرا مہمان بن۔ اس نے کہا سر آنکھوں پر۔ عفان بلوقیا کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے گھر لے گیا' اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اس سے کہا اے میرے بھائی' اپنی داستان سنا اور یہ بتا کہ تجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر کہاں سے لگی کہ تو ان کی محبت میں گرفتار ہو گیا اور ان کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور یہاں تک تیری کس نے رہنمائی کی؟ بلوقیا نے اپنی ساری سرگزشت شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنائی۔

عفان نے اس کی باتیں سنیں تو قریب تھا کہ اس کے ہوش و حواس جاتے رہیں۔ وہ حیران و پریشان ہو کر رہ گیا اور اس نے بلوقیا سے کہا تو مجھے سانپوں کی ملکہ سے ملا دے میں تجھے محمد صلی علیہ وآلہ وسلم سے ملا دوں گا۔ مگر ان کے آنے کا زمانہ ابھی

دور ہے۔ اگر سانپوں کی ملکہ ہمارے ہتھے چڑھ گئی تو ہم اسے ایک پنجرے میں بند کر کے پہاڑی جڑی بوٹیوں کے پاس سے گزریں گے اس کے ساتھ ہم جس جڑی بوٹی کے پاس سے گزریں گے وہ خدا کی قدرت سے بولنے لگے گی اور یہ بتا دے گی کہ اس میں کیا فائدہ ہیں کیونکہ میں نے اپنے ہاں کی ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ ایک بوٹی ایسی ہے کہ اگر کوئی اسے لے کر کوٹے اور اس کا عرق نکال کر اپنے پاؤں کے تلووں پر مل لے تو وہ خدا کے حکم سے ہر سمندر پر چل سکتا ہے اور اس کے تلوے تک تر نہ ہوں گے۔ اگر ہم سانپوں کی ملکہ کو اپنے ساتھ لے چلیں تو ہمیں اس کے ذریعے اس بوٹی کا پتہ چل جائے گا اور جب وہ بوٹی مل جائے گی تو ہم اسے لے کر کوٹیں گے اور اس کا عرق نکال لیں گے پھر ملکہ کو جانے دیں گے اور اس عرق کو پاؤں کے تلووں پر مل کر سات سمندر طے کریں گے' سلیمان کے مدفن تک پہنچ کر ان کی انگلی سے انگوٹھی اتار لیں گے اور سلیمان کی طرح حکومت کریں گے اور ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا اس کے بعد بحر ظلمات میں جا کر زندگی کا پانی پئیں گے جس کی وجہ سے خدا ہمیں آخری زمانے تک زندہ رکھے گا اور ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کر سکیں گے۔

بلوقیا نے عفان کی یہ باتیں سنیں تو اس نے کہا اے عفان میں تجھے سانپوں کی ملکہ سے ملا دوں گا اور تجھے اس کی جگہ دکھا دوں گا۔ یہ سن کر عفان نے لوہے کا ایک پنجرہ بنایا اور ایک پیالے میں شراب اور ایک میں دودھ بھر کر بلوقیا کے ساتھ چل کھڑا ہوا۔ کئی دن رات چلنے کے بعد وہ اس جزیرے میں پہنچے جہاں سانپوں کی ملکہ رہتی تھی۔ وہاں پہنچ کر عفان اور بلوقیا تھوڑی دور چلے اور پنجرہ رکھا اس میں پھندا لگایا اور دودھ اور شراب کے دونوں پیالے رکھ کر پنجرے سے دور جا بیٹھے اور تھوڑی دیر چھپے بیٹھے رہے۔ اتنے میں سانپوں کی ملکہ پنجرے کی طرف آتی دکھائی دی۔ وہ دو پیالوں کے پاس آئی تو تھوڑی دیر تک انہیں غور سے دیکھتی رہی اور اسے دودھ کی خوشبو آئی تو وہ سانپ

کی پیٹھ پر سے اتر پڑی جس پر وہ سوار تھی' سینی میں سے نکل کر پنجرے کے اندر گئی اور شراب کے پیالے کے پاس جا کر اتنی پی کہ اس کے سر میں چکر آنے لگے اور وہ سو گئی۔ اب عفان پنجرے کی طرف بڑھا اور ملکہؓ کو اس میں بند کر کے قفل لگا دیا پھر عفان اور بلوقیا اسے لے کر چل دیئے۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک لوہے کے پنجرے میں بند ہے' پنجرے ایک آدمی کے سر پر ہے اور بلوقیا اس کے ساتھ ساتھ ہے۔

جونہی سانپوں کی ملکہ کی نظر بلوقیا پر پڑی اس نے کہا اس کی یہی سزا ہے جو انسانوں کو تکلیف نہیں پہنچاتا؟ بلوقیا نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے سانپوں کی ملکہ ہم سے ڈر نہیں' ہم تجھے ہر گز کوئی تکلیف نہ پہنچائیں گے۔ ہمارا مقصد محض یہ ہے کہ تو ہمیں اس بوٹی کا پتا بتا دے جسے اگر کوئی لے کر کوٹے اور اس کا عرق نکال کر اپنے پاؤں میں مل لے تو خدا کے جس سمندر پر چاہے چلے اور اس کے پاؤں تک نہ بھیگیں۔ جس وقت ہمیں یہ بوٹی مل جائے گی تو ہم اسے لے لیں گے اور تجھے تیرے گھر پہنچا کر آزاد کر دیں گے۔ یہ کہہ کر بلوقیا اور عفان سانپوں کی ملکہ کو اس پہاڑ کی طرف لے چلے جہاں جڑی بوٹیاں تھی۔ وہ جس جڑی بوٹی کے پاس سے گزرے اس نے خدا کے حکم سے بولنا اور اپنا فائدہ بتانا شروع کیا۔ اسی طرح چلے جا رہے تھے اور جڑی بوٹیاں دائیں بائیں بولتی جاتیں اور اپنے فائدے بتاتی جاتی تھیں۔ اتنے میں ایک بوٹی بولی کہ میں وہ بوٹی ہوں کہ جو کوئی مجھے لے کر کوٹے اور میرا عرق نکال کر اپنے پاؤں میں چپڑ لے تو وہ خدا کے جس سمندر پر چاہے چلے اس کے پاؤں تک نہ بھیگیں گے۔ بوٹی کی یہ بات سن کی عفان نے پنجرے کو سر سے اتار کر زمین پر رکھ دیا اور دونوں نے اس بوٹی کی کافی مقدار لے لی۔ اسے کوٹ کر اس کا عرق نکالا اور دو کانچ کی بوتلوں میں بھر کر حفاظت سے رکھ لیا۔ جو بچ رہا اسے پاؤں پر مل لیا۔ اس کے بعد سانپوں کی ملکہ کو لے کر چل دیئے اور چلتے چلتے اس جزیرے پر پہنچے جہاں سے اسے لائے تھے۔ وہاں پہنچ کر عفان نے پنجرہ کھولا اور سانپوں کی ملکہ کو اس میں سے

نکال دیا۔
پنجرے سے نکل کر ملکہ نے پوچھا کہ تم اس عرق کا کیا کرو گے؟ انہوں نے کہا' اسے ہم اپنے پاؤں پر چپڑ کر سات سمندر پار جائیں گے۔ اور سلیمان کے مدفن پر جا کر ان کی انگوٹھی اتار لیں گے۔ سانپوں کی ملکہ نے کہا تم ہرگز انگوٹھی نہیں لے سکتے۔ انہوں نے پوچھا' کیوں؟ ملکہ نے کہا خدا نے خاص طور پر سلیمان علیہ السلام کے لیے یہ انگوٹھی عطا کی تھی۔ ان کا قول ہے کہ "اے پروردگار مجھے ایسی حکومت عطا کر جو میرے بعد کسی دوسرے کو نہ مل سکے' تو بڑا بخشش کرنے والا ہے۔" اس لیے وہ انگوٹھی تو تمہارے ہاتھ آئے گی نہیں لیکن ان بوٹیوں کے درمیان ایک اور بوٹی تھی جس کا کھانے والا اس وقت تک نہیں مرے گا۔ جب تک پہلا صور نہ پھونکا جائے گا' اس کا لینا اس بوٹی کے لینے سے تمہارے لیے زیادہ مفید ہوتا۔ افسوس اس بوٹی سے تمہارا مقصد نہیں حاصل ہو گا۔ یہ سن کر وہ بہت پشیمان ہوئے۔ وہاں سے چل دیئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو نواسیویں رات

جب چار سو نواسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بلوقیا اور عفان سانپوں کی ملکہ کی گفتگو سن کر بہت پشیمان ہوئے اور وہاں سے چل دیئے۔ ادھر جب سانپوں کی ملکہ اپنے لشکر میں پہنچی تو اس نے دیکھا کہ سب کی حالت ابتر ہے' قوی کمزور ہونے لگے ہیں اور ضعیف مر مٹے ہیں۔ سانپ اپنی ملکہ کو اپنے درمیان دیکھ کر بہت خوش ہوئے' اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اور اس سے پوچھا کہ تو کہاں تھی اور تجھ پر کیا گزری؟ اس نے وہ سارا ماجرا بیان کر دیا جو اسے عفان اور بلوقیا کے ساتھ پیش آیا تھا اور اپنی فوج جمع کر کے وہ کوہ قاف چلی گئی کیونکہ وہ جاڑوں میں وہاں رہتی تھی اور گرمیوں میں اس جگہ جہاں حاسب کریم الدین نے اسے دیکھا تھا۔ اب سانپ نے کہا کہ اے حاسب' یہ ہے میری داستان اور سرگزشت حاسب کو سخت تعجب ہوا۔

حاسب نے کہا مجھ پر اتنی مہربانی کر اپنے کسی نوکر سے کہہ کر وہ مجھے زمین کے اوپر پہنچا دے تا کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس چلا جاؤں۔ سانپوں کی ملکہ نے کہا اے حاسب تو ہمارے پاس سے اس وقت سے پہلے نہیں جا سکتا جب تک کہ جاڑوں میں تو ہمارے ساتھ کوہ قاف چل کر وہاں کے ٹیلوں' ریت درختوں اور چڑیوں کا تماشا جو خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور بھوتوں' دیوؤں اور جنوں کو نہ دیکھ لے جن کی تعداد سوائے خدا کے اور کسی کو معلوم نہیں۔ سانپوں کی ملکہ کی یہ باتیں سن کر حاسب کریم الدین بہت غمگین ہوا اور اس سے کہنے لگا کہ اچھا یہ تو بتا کہ تجھ سے رخصت ہونے کے بعد عفان اور بلوقیا کا کیا حشر ہوا اور سات سمندر پار جا کر وہ سلیمان کے مدفن تک پہنچے یا نہیں اور اگر پہنچے تو انہیں انگوٹھی ملی؟ ملکہ نے کہا' سن! جب عفان اور بلوقیا مجھ سے رخصت ہو کر چل دیئے تو انہوں نے وہ عرق اپنے پاؤں پر ملا اور سمندر پر

چلنے اور اس کی عجیب و غریب چیزوں کی سیر کرنے لگے۔ اسی طرح وہ ایک ایک سمندر کو پار کرتے کرتے ساتوں سمندروں کو پار کر کے گئے۔ ان سمندروں کو پار کرنے کے بعد انہیں ایک اونچا اور عالیشان پہاڑ ملا جو سبز زمرد کا تھا اور جہاں ایک چشمہ بہہ رہا تھا اور جس کی مٹی مشک تھی۔

اس جگہ پہنچ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے اب ہماری مراد بر آئی۔ چڑھتے چڑھتے وہ ایک اونچی چوٹی پر پہنچے اور انہیں دور سے ایک غار دکھائی دی جس پر ایک عالی شان گنبد تھا جہاں سے روشنی آ رہی تھی۔ وہ اس کی طرف چل کھڑے ہوئے‘ وہاں پہنچ کر اس کے اندر داخل ہوئے۔ دیکھا کہ وہاں سونے کا ایک تخت پڑا ہوا ہے‘ جس میں طرح طرح کے ہیرے‘ جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ اس کے ارد گرد اتنی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جن کی تعداد سوائے خدا کے اور کسی کو معلوم نہیں‘ اور انہوں نے دیکھا کہ اس تخت پر سلیمان علیہ السلام سو رہے ہیں۔ ان کا لباس سبز ریشم کا ہے جس پر سونے کا کشیدہ کڑھا ہوا ہے اور طرح طرح کے جواہرات ٹنکے ہوئے ہیں‘ ان کا داہنا ہاتھ سینے پر رکھا ہوا ہے۔ انگلی میں انگوٹھی ہے اور اس کی روشنی ان جواہرات سے بڑھ کر ہے جو اس مکان میں ہے۔ عفان نے بلوقیا کو چند جادو منتر سکھا کر کہا جب تک میں انگوٹھی نہ لے لوں تو ان منتروں کو برابر پڑھتا رہو۔ اب عفان آگے بڑھ کر تخت کے پاس گیا ہی تھا کہ اس کے نیچے سے ایک بڑا سانپ نکلا اور اس زور سے پھنکارا کہ مکان ہلنے لگا۔ اس کے منہ سے چنگاریاں برسنے لگیں اور اس نے عفان سے کہا اگر تو یہاں سے چلتا نہ بنا تو ہلاک ہو جائے گا۔ عفان منتر پڑھتا رہا اور اس سانپ کی بالکل پروا نہ کی۔ اب سانپ نے ایسی پھنکار ماری دی کہ قریب وہ مکان جل جائے اور عفان سے کہنے لگا کم بخت اگر تو نہ بھاگا تو میں تجھے جلا ڈالوں گا۔ بلوقیا تو سانپ کی یہ باتیں سن کر غار میں سے نکل بھاگا لیکن عفان نے اس کی کچھ پروا نہ کی بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف بڑھا اور ہاتھ بڑھا کر انگوٹھی چھو لی اور چاہتا ہی تھا کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ اتار لے کہ اتنے میں سانپ نے پھنکار

ماری اور عفان کو جلا کر راکھ کر دیا۔ یہ تو اس کا حال ہوا' اب بلوقیا کی کہانی سن۔
وہ یہ کرشمہ دیکھ کر بے ہوش ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو نوے ویں رات

چار سو نوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب عفان جل کر راکھ ہو گیا اور بلوقیا بے ہوش ہو کر گر پڑا تو خدا نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ قبل اس کے کہ سانپ بلوقیا پر پھنکار مارے تو زمین پر جا۔ جبریل علیہ السلام فوراً زمین پر اترے دیکھا کہ بلوقیا بے ہوش پڑا ہوا ہے اور عفان سانپ کی پھنکار سے جل گیا ہے۔ جبریل نے آ کر بلوقیا کو غشی سے اٹھایا۔ اسے ہوش آیا تو جبریل نے سلام کر کے پوچھا تم یہاں کیوں کر پہنچے؟ بلوقیا نے اپنی ساری داستان شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنائی اور کہنے لگا کہ سن میں اس جگہ محض محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب سے آیا ہوں کیونکہ عفان نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ آخری زمانے میں بھیجے جائیں گے اور وہی ان سے مل سکتا ہے جو اس وقت تک زندہ رہے' اور اس وقت تک وہی زندہ رہ سکتا ہے جو زندگی کا پانی پئے اور یہ بغیر سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کے ممکن نہیں۔ اس وجہ سے میں اس کے ساتھی یہاں آیا تھا اور اس کا جو حشر ہوا ظاہر ہے' دیکھ وہ جلا پڑا ہے اور میں نہیں جلا۔ اب میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں ملیں گے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا' تو یہاں سے جا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ابھی دور ہے۔

یہ کہہ کہ حضرت جبریل تو آسمان کی طرف چل دیئے اور بلوقیا اپنے کرتوت پر پشیمان ہونے اور رونے لگا اور سانپوں کی ملکہ کی باتوں پر کہ ہرگز کوئی شخص انگوٹھی نہیں لے سکتا' غور کرنے لگا۔ بلوقیا اپنے دل میں نہایت حیران پریشان ہوتا ہوا پہاڑ سے اتر کر چلا اور سمندر کے کنارے پہنچا' تھوڑی دیر وہاں بیٹھ کر پہاڑوں' سمندروں اور جزیروں پر تعجب کرتا رہا۔ اسی سوچ میں رات ہو گئی اور وہیں سو گیا۔ صبح ہوئی تو اس نے وہ عرق اپنے پاؤں پر ملا جو انہوں نے اس بوٹی سے نکالا تھا اور سمندر میں اتر پڑا۔ دن رات

پانی پر چلتا اور سمندر کی ڈراؤنی چیزوں اور عجائبات کو اچنبھے کی نگاہ سے دیکھتا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ ایک جزیرے پر پہنچا جو جنت کی طرح تھا اور وہ اس کی خوبصورتی پر حیران ہو گیا۔ جزیرے کی سیر کرتے کرتے اس نے دیکھا کہ وہ بہت بڑا جزیرہ ہے' اس کی مٹی زعفران کی ہے اور کنکر پتھر یاقوت اور قیمتی معدنیات' جھاڑیاں' چنبیلی' نباتات' بہترین درخت' خوبصورت اور نہایت خوشبو دار' جا بہ جا پھول' چشمے بہہ رہے ہیں۔ اس کی لکڑی قماری اور قاقلی عود ہے' اس کے چھپر گنوں کے ہیں۔ چاروں طرف گلاب' نرگس' چنبیلی' لونگ' بابونہ' سوسن اور بنفشہ کھلی ہوئی ہے اور یہ سب پھول طرح طرح اور رنگ رنگ کے ہیں اور چڑیاں درختوں پر چہچہا رہی ہیں۔ جزیرہ خوش منظر اور وسیع اور زرخیز ہے اور تمام خوبیاں اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ چڑیوں کا گانا باجوں سے زیادہ دلچسپ ہے۔ درخت سر سبز ہیں' زمین شاداب' پانی شیریں ہے۔ غزال چوکڑیاں بھر رہے ہیں' نیل گائیں ستا رہی ہیں' پرندے گا گا کر عاشق کو تسلی دے رہے ہیں۔

بلوقیا اس جزیرے کی بہار دیکھ کر حیران ہو گیا اور سمجھ گیا کہ میں غلط راستے پر پڑ گیا ہوں کیونکہ وہ پہلی مرتبہ عفان کے ساتھ اس راستے سے نہیں آیا تھا۔ دن بھر وہ جزیرے میں سیر کرتا پھرا۔ رات ہوئی تو وہ سونے کے لیے ایک اونچے درخت پر چڑھ گیا اور جزیرے کی خوبصورتی میں محو تھا کہ سمندر میں طوفان اٹھا اور اس میں سے ایک بڑا جانور نکل کر اس زور سے چلایا کہ جزیرے کے تمام جانوروں میں کھلبلی مچ گئی۔

بلوقیا نے درخت پر بیٹھے بیٹھے اس پر نظر ڈالی' وہ بہت بڑا جانور تھا اسے سخت حیرت ہوئی۔ دیکھتے دیکھتے اس جانور کے پیچھے سمندر میں سے اور جانور نکلے جو رنگ برنگ کے تھے ان کے ہاتھوں میں ایک ہیرا تھا ایسا درخشاں جیسے چراغ جس کی چمک سے جزیرہ دن کی طرح روشن ہو گیا۔ اس کے بعد جزیرے میں سے جانور نکل پڑے اتنے کہ جن کی تعداد سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ بلوقیا نے دیکھا کہ وہ سب جنگل کے جانور ہیں مثلاً شیر' چیتے اور تیندوے وغیرہ۔ وہ بڑھ کر سمندر کے جانوروں سے ملے' آپس میں صبح تک باتیں کرتے رہے اور صبح ہوتے ہی چلتے بنے۔ اس تماشے سے بلوقیا ڈرا' درخت سے

اتر کر سمندر کی طرف چل دیا اور اسی عرق کو تلوؤں پر مل کر دوسرے سمندروں میں داخل ہو گیا' چلا چل چلا ایک بڑے پہاڑ کے پاس پہنچا جس کے نیچے بہت لمبی گھاٹی تھی۔ اس گھاٹی کے سارے پتھر مقناطیس کے تھے اور اس میں شیروں' خرگوشوں اور چیتوں کا رہنا تھا۔ بلوقیا اس پہاڑ پر چڑھ کر ہر طرف کی سیر کرنے لگا اور جب رات ہوئی تو وہ ایک چوٹی کے نیچے بیٹھ گیا جو سمندر کی طرف تھی اور مچھلیوں سے پیٹ بھرنا شروع کر دیا جن کو سمندر کی لہروں نے خشکی پر پھینک دیا تھا اور جو سوکھ گئی تھیں۔ بیٹھا مچھلیاں کھا رہا تھا کہ ایک بڑا چیتا بلوقیا کی طرف لپکا کہ اسے شکار کرے۔ یہ دیکھتے ہی بلوقیا نے عرق اپنے پاؤں پر ملا اور چیتے کے ڈر کے مارے تیسرے سمندر میں اتر بھاگا۔ رات اندھیری اور ہوا تیز چل رہی تھی مگر وہ اندھا دھند چلا جاتا تھا۔ بھاگتے دوڑتے ایک جزیرے میں پہنچا دیکھا کہ وہاں خشک اور تر درخت ہیں۔ بلوقیا نے وہاں سے پھل توڑ کر کھائے' خدا کا شکر بجا لایا اور شام تک اس کی سیر کرتا رہا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- چار سو اکیانوے ویں رات

جب چار سو اکیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بلوقیا اس جزیرے میں شام تک سیر کرتا وہیں سو گیا۔ صبح ہوئی تو وہ ادھر ادھر پھرنے لگا۔ غرض وہاں دس دن تک سیر کرنے کے بعد سمندر کے کنارے پہنچا اور پاؤں پر عرق مل کر چوتھے سمندر میں اتر پڑا اور کئی دن رات چل کر پھر ایک جزیرے میں پہنچا جس کی زمین ریتیلی' نرم اور سفید تھی۔ وہاں کوئی درخت نہ تھا۔ باز اور شکرے اسی ریت میں گھر بنائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی سیر کر چکا تو پاؤں پر عرق مل کر پانچویں سمندر میں داخل ہو گیا اور ایک چھوٹے سے جزیرے کے پاس پہنچا جس کی زمین اور پہاڑیاں بلور کی طرح چمک رہی تھیں اور جہاں ایسی جڑی بوٹیاں تھیں جن سے سونا بنایا جا سکتا ہے۔ وہاں ایسے ایسے عجیب و غریب درخت تھے جو اس نے اپنے سفر میں کہیں نہ دیکھے تھے' جن کے پھول پتے سونے کے رنگ کے تھے۔ بلوقیا اس جزیرے میں جا کر شام تک سیر کرتا رہا۔ رات ہوئی تو اس کے پھول تاروں کی طرح چمکنے لگے۔ بلوقیا کو یہ تماشا بڑا عجیب معلوم ہوا وہ کہنے لگا کہ اسی جزیرے میں وہ پھول ہیں جو دھوپ سے سوکھ کر زمین پر گرتے ہیں۔ ہوا انہیں اڑا کر پتھروں کے نیچے لے جاتی ہے۔ وہ وہاں اکسیر بن جاتے ہیں اور لوگ انہیں لے جا کر ان سے سونا بناتے ہیں۔ بلوقیا اس جزیرے میں صبح تک سوتا رہا ہے اور سورج نکلنے پر اس نے اپنے پاؤں پر وہ عرق چپڑ کر چھٹے سمندر کی راہ لی اور ایک اور جزیرے پر پہنچ کر سیر کرنے لگا دیکھا کہ وہاں دو پہاڑ ہیں جن پر بہت سے درخت ہیں اور ان درختوں کے پھل آدمی کے سر کی طرح ہیں جو اپنے بالوں سے لٹکے ہوئے ہوں۔ یہاں اسے اور درخت بھی نظر آئے جن کے پھل ہری چڑیاں تھیں کہ اپنے پنجوں کے بل لٹکی ہوئی ہیں۔ وہاں ایسے درخت بھی تھے جو آگ کی طرح روشن تھے اور ان کے پھل ایلوے کی طرح کے تھے جن میں اگر ایک

قطرہ بھی کسی پر گر پڑے تو اسے جلا دے۔ ایسے پھل بھی دکھائی دیئے جو روتے تھے اور ایسے بھی جو ہنستے تھے۔ ان کے علاوہ بلوقیا نے وہاں اور بھی بہت سی عجیب و غریب چیزیں دیکھیں۔ سمندر کے کنارے چلتے چلتے اس نے ایک بہت بڑا درخت دیکھا' وہ عشاء کے وقت تک وہیں بیٹھا رہا۔ اندھیرا ہوا' وہ اس درخت پر چڑھ گیا اور خدا کی بنائی ہوئی چیزوں پر غور کرنے لگا۔

اسی حالت میں تھا کہ سمندر میں جوش آیا اور اس میں سے پانی کی پریاں نکلیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ہیرا تھا جو سورج کی طرح چمکتا تھا۔ پریاں آتے آتے اس درخت کے نیچے آئیں اور بیٹھ کر کھیل کود اور ناچ میں مشغول ہو گئیں۔ انہیں دیکھ کر بلوقیا کو بڑا مزہ آیا۔ وہ صبح تک کھیل کو میں لگی رہیں اور دن نکلتے ہی سمندر میں چل گئیں۔ بلوقیا کو بڑا تعجب ہوا اور درخت سے اتر کر پاؤں میں عرق لگا کر ساتویں سمندر میں اتر گیا اور چلنے لگا۔ دو مہینے تک برابر چلتا رہا لیکن نہ اسے کوئی پہاڑ دکھائی دیا نہ جزیرہ نہ خشکی نہ گھائی نہ ساحل۔ جب بھوک سے تنگ آتا سمندر سے مچھلیاں نکال کر کچی کھا لیتا۔ اسی طرح چلتے چلتے وہ ایک جزیرے میں پہنچا جہاں بہت سے درخت اور لبریز چشمے تھے۔ وہ اس جزیرے میں سیر کرنے اور دہنے بائیں تماشا دیکھنے لگا۔ یہ چاشت کا وقت تھا پھرتے پھرتے ایک سیب کے درخت کے پاس پہنچا اور ایک پھل توڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ درخت پر سے کسی نے زور سے آواز دے کر کہا اگر تو اس درخت کے پاس آ کر کوئی چیز بھی توڑ کر کھائے گا تو میں تیرے دو ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ بلوقیا نے اس آواز کی طرف نظر اٹھائی دیکھا کہ وہ ایک بڑا لمبا تڑنگا شخص ہے۔ اس کی لمبائی آج کل کے حساب سے چالیس گز ہو گی۔ بلوقیا اسے دیکھ کر سہم گیا' اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہا' تو مجھے اس درخت کے پھل کھانے سے کیوں روکتا ہے؟ اس نے جواب دیا اس وجہ سے کہ تو آدم کی اولاد میں سے ہے اور آدم نے خدا کا عہد و پیمان بھول کر اس کی نافرمانی کی تھی اور اس درخت کا پھل کھایا تھا۔ بلوقیا نے

پوچھا' تو کیا مخلوق ہے' یہ جزیرہ اور درخت کس کے ہیں اور تیرا نام کیا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا' میرا نام شراہیا ہے' یہ جزیرہ اور درخت بادشاہ صخر کے ہیں' میں اس کا کارندہ ہوں اور اس نے مجھے یہاں کا پاسبان بنایا ہے تو بتا کہ تو کون ہے اور کہاں سے اس ملک میں پہنچا ہے؟ بلوقیا نے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک سنا دیا۔ شراہیا نے کہا ڈر نہیں اور وہ اس کے لیے کھانا لایا' اس نے پیٹ بھر کر کھایا اور رخصت ہو کر چل دیا اور برابر دس دن تک چلتا رہا۔ وہ پہاڑوں اور ریگستانوں میں چلا ہی جا رہا تھا کہ اس نے ایک جانب گرد اٹھتی دیکھی' اور اس گرد کی طرف چل کھڑا ہوا' اسے چیخ پکار کی آوازیں اور مار پیٹ کا شور و غل سنائی دیا۔ گرد کی طرف چلتے چلتے بلوقیا ایک بڑی گھاٹی میں پہنچا جس کی لمبائی دو مہینے کی راہ تھی اور آواز کی طرف کان دھر کر سننے لگا۔ دیکھا کہ لوگ گھوڑوں پر سوار آپس میں لڑ رہے ہیں۔ خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں اور وہ سوار بجلی کی طرح کڑک رہے ہیں' ان کے ہاتھوں میں بھالے' تلواریں' لوہے کے گرز اور تیر کمان ہیں اور آپس میں سخت لڑائی ہو رہی ہے۔ یہ دیکھ کر وہ بہت ڈرا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو بانوے ویں رات

جب چار سو بانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بلوقیا ان لوگوں کو دیکھ کر ڈر گیا۔ اس کا خون خشک ہونے لگا۔ وہ اسی حالت تھا کہ سواروں کی نظر اس پر پڑی۔ انہوں نے آپس میں لڑنا بند کر دیا' ان میں سے بعض اس کے پاس آئے' دیکھا کہ اس کی شکل و صورت عجیب و غریب ہے۔ انہیں بڑا اچنبھا ہوا اور ایک سوار نے آ کر پوچھا' تو کیا چیز ہے' کہاں سے آیا ہے' کہاں جا رہا ہے اور تجھے کس نے یہ راستہ بتایا کہ تو ہمارے ملک میں آ پہنچا؟ بلوقیا نے کہا' میں آدم کی اولاد میں سے ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں حیران و پریشان پھرتے پھرتے راستہ بھول کر ادھر نکل آیا ہوں۔ سوار بولا ہم نے آج تک آدم کی اولاد نہیں دیکھی تھی۔ ان میں سے کوئی اس ملک میں کبھی نہیں آیا اور اس کی صورت دیکھ کر اور باتیں سن کر انہیں بہت تعجب ہوا۔ اب بلوقیا نے ان سے پوچھا اے خدا کے بندو' تم کیا چیز ہو؟ سوار نے کہ ہم جن ہیں۔ بلوقیا نے کہا اے سوارو تو آپس میں لڑ کیوں رہے تھے اور تمہارا گھر کہاں ہے' یہ گھاٹی اور ملک کیا ہے؟ سوار نے کہا ہمارا گھر ارض بیضا ہے اور خدا ہمیں ہر سال حکم دیتا ہے کہ ہم یہاں آ کر کافر جنوں سے جنگ کریں۔ بلوقیا نے کہا ارض بیضا کہاں ہے؟ سوار نے کہا' کوہ قاف سے پچھتر سال کی مسافت پر ------ اور اس ملک کا نام شداد بن عاد کا ملک ہے' یہاں ہم لڑنے کی خاطر آئے ہیں اور ہمارا کام محض خدا کی پاکی بیان کرنا ہے۔ ہمارا ایک بادشاہ ہے جس کو بادشاہ صخر کہتے ہیں۔ تجھے ہمارے ساتھ اس کے پاس چلنا پڑے گا تا کہ وہ تجھے دیکھ کر خوش ہو۔ یہ کہہ کر وہ بلوقیا کو اپنے ساتھ لے چلے اور اپنے ملک میں پہنچے وہاں بلوقیا کو سبز ریشم کے بڑے بڑے خیمے دکھائی دیئے جن کا شمار سوائے خدا کے اور کوئی

نہ جان سکتا۔ ان کے درمیان ایک سرخ ریشم کا خیمہ دکھائی دیا جو سو گز کا ہو گا' اس کی رسیاں نیلے ریشم کی تھیں اور کھونٹیاں سونے اور چاندی کی۔ بلوقیا کو یہ خیمے دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ وہ لوگ اسے لیے بیچ والے خیمے کے پاس پہنچے۔ یہی بادشاہ صخر کا خیمہ تھا۔ جب وہ اسے اندر لے گئے اور بادشاہ صخر کے سامنے حاضر ہوئے تو بلوقیا نے دیکھا' بادشاہ سرخ سونے کے ایک بڑے درخت پر بیٹھا ہے جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے ہیں' دہنی طرف جنوں کا بادشاہ بیٹھا ہے اور بائیں طرف حکما' امرا اور ملک کے بڑے بڑے لوگ کھڑے ہیں۔ بادشاہ صخر کی نظر اس پر پڑی تو اس نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ وہ اسے بادشاہ کے قریب لے گئے۔ بلوقیا نے آگے بڑھ کر سلام کیا' اس کے آگے زمین چومی۔ بادشاہ صخر نے سلام کا جواب دیا اور کہا اے انسان میرے پاس آ۔ بلوقیا اس کے قریب جا کر بالکل روبرو کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ صخر نے حکم دیا اس کے لیے ایک کرسی بچھائی جائے۔ لوگوں نے اس کے بادشاہ کے برابر ایک کرسی لا بچھائی۔ بادشاہ نے بلوقیا کو اس پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ بیٹھ گیا۔ اب بادشاہ صخر نے پوچھا تو کیا چیز ہے؟ اس نے جواب دیا میں آدم کی اولاد میں سے بنی اسرائیل کا ایک شخص ہوں۔ بادشاہ نے صخر سے کہا اپنی کہانی سنا' اپنی سرگزشت بیان کر اور یہ بتا کہ تو یہاں کیوں آیا ہے؟ بلوقیا نے اپنی ساری کہانی کہہ سنائی۔ بادشاہ صخر کو بڑا تعجب ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو ترانوے ویں رات

جب چار سو ترانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ صخر کو بلوقیا کا حال سن کر بڑا تعجب ہوا۔ اس نے بکاولوں سے کہا' دستر خوان بچھاؤ۔ سرخ چاندی اور تانبے کی سینیاں آئیں جن میں سے بعض میں پچاس پچاس اونٹ تھے' بعض میں بیس بیس اونٹ اور بعض میں پچاس پچاس بھیڑیں۔ سینیوں کی تعداد ایک ہزار پانچ سو تھی۔ یہ دیکھ کر بلوقیا کی عقل چکر میں آ گئی۔ اب بلوقیا لوگ کے ساتھ کھانا کھایا اور پیٹ بھر کھایا' خدا کا شکر بجا لایا۔ اس کے بعد دستر خوان بڑھایا گیا۔ پھل لائے گئے۔ سب نے کھائے اور خدا کی پاکی بیان کرنے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر سن کر بلوقیا کو تعجب ہوا۔ اس نے بادشاہ صخر سے کہا میں تجھ سے دو ایک باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ صخر بولا جو تیرا جی چاہے پوچھ۔ بلوقیا نے کہا اے بادشاہ تم لوگ کون سی مخلوق ہو۔ کس کی اولاد ہو اور تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پتا کیسے چلا کہ تم ان پر درود بھیجتے اور ان سے محبت کرتے ہو؟ بادشاہ صخر نے جواب دیا اے بلوقیا خدا نے دوزخ کے سات طبقے پیدا کیے ہیں جو اوپر تلے ہیں اور ایک طبقے سے دوسرے تک ایک ہزار سال کی راہ ہے۔ پہلے کا نام اس نے جہنم رکھا ہے اور اسے نافرمان مومنوں کے لیے بنایا ہے جو بغیر توبہ کیے مر جاتے ہیں' دوسرے کا نام لظی ہے جو کافروں کے لیے ہے تیسرا جحیم ہے اور یہ یاجوج ماجوج کے لیے ہے۔ چوتھا طبقہ سعیر کہلاتا ہے وہ ابلیس کی اولاد کے لیے ہے' پانچویں طبقے کا نام سقر ہے جو خدا نے نماز چھوڑنے والوں کے لیے بنایا ہے' چھٹے کو حطمہ کہتے ہیں جو یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے بنایا ہے۔ ساتواں ہاویہ ہے جو منافقوں کے لیے ہے۔ یہ ہیں سات طبقے دوزخ کے۔

بلوقیا نے کہا غالباً جہنم سب سے کم عذاب والا ہے۔ کیونکہ وہ سب سے اوپر کا طبقہ

ہے۔ بادشاہ نے کہا ہاں وہ سب سے کم عذاب والا ہے اور باوجود عذاب کی کمی کے اس میں آگ کے ایک ہزار پہاڑ ہیں۔ ہر پہاڑ میں آگ کی ستر ہزار گھاٹیاں' ہر گھاٹی میں آگ کی ستر ہزار شہر' ہر شہر میں آگ کے ستر ہزار قلعے' ہر قلعے میں آگ کے ستر ہزار گھر' ہر گھر میں آگ کے ستر ہزار تخت اور ہر تخت پر ستر ہزار قسم کے عذاب ہیں۔ بلوقیا اس سے کم عذاب اور کسی دوزخ میں نہیں کیونکہ وہ اس کا پہلا طبقہ ہے' دوسرے طبقوں میں کسی قدر عذاب ہو گا' خدا ہی جان سکتا ہے۔ بادشاہ کی یہ باتیں سن کر بلوقیا پر غشی طاری ہو گئی۔ غشی دور ہوئی تو رونے لگا اور کہا اے بادشاہ! آخر ہمارا کیا حشر ہو گا! بادشاہ صخر نے کہا اے بلوقیا ڈر نہیں اور جان لے کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے اسے دوزخ کی آگ نہیں جلاتی' وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل بچ جاتا ہے اور جو کوئی ان کی امت میں ہو اسے دوزخ کی آگ کوسوں دور بھاگتی ہے۔ ہمیں تو خدا نے آگ ہی سے پیدا کیا ہے۔ پہلی مخلوق جو اس نے جہنم میں پیدا کی ہے اس کے دو لشکر والے تھے' ایک کا نام خلیت اور دوسرے کا ملیت تھا۔ خدا نے خلیت کی شکل شیر کی بنائی تھی اور ملیت کی شکل بھیڑیے کی۔ ملیت کی دم عورت سی تھی اور اک رنگ چتکبرا تھا۔ خلیت کی دم مرد جیسی تھی اور وہ کچھوے کی طرح تھے۔ خلیت کی دم کی لمبائی بیس سال کی راہ تھی پھر خدا نے حکم دیا کہ دونوں کی دمیں مل کر جفتی کھائیں۔ اس سے سانپ اور بچھو پیدا ہوئے اور انہیں دوزخ میں رکھا گیا تا کہ ان سے خدا دوزخیوں کو عذاب دے۔ جفتی کھاتے کھاتے سانپ اور بچھو بہت ہو گئے اس کے بعد خدا نے خلیت اور ملیت کی دموں کو حکم دیا کہ وہ دوبارہ جفتی کھائیں۔ انہوں نے مل کر پھر جفتی کھائی' ملیت کی دم خلیت کی دم سے حاملہ ہو گئی۔ اس سے سات لڑکے اور سات لڑکیاں پیدا ہوئیں' دونوں نے پال پوس کر انہیں بڑا کیا۔ جب وہ بڑے ہوئے تو لڑکیوں نے لڑکوں کے ساتھ نکاح کر لیا اور سوائے ایک کے سب اپنے باپ کے فرمانبردار رہے۔ اس ایک نے اپنے

باپ کے حکم کی نافرمانی کی اور وہ ایک کیڑا بن گیا۔ یہ کیڑا ابلیس ہے' خدا اس پر لعنت بھیجے! پہلے یہ ابلیس خدا کا مقرب تھا کیونکہ اس نے خدا کی اتنی عبادت کی تھی کہ وہ آسمان پر اٹھایا گیا' خدا کے پاس اسے جگہ دی گئی اور تمام مقربین کا سردار بنایا گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چورانوے ویں رات

جب چار سو چورانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابلیس نے خدا کی اتنی عبادت کی کہ وہ مقربین کا سردار بنایا گیا۔ جب خدا نے آدم کو پیدا کیا تو اس نے ابلیس کو حکم دیا کہ سجدہ کرے لیکن اس نے انکار کیا۔ خدا نے اسے نکال باہر کیا اور اس پر لعنت بھیجی۔ اس نے مجامعت کی تو شیطان پیدا ہوئے۔ باقی چھ لڑکے جن کو خدا نے مقبول کیا تھا ان سے مومن جن وجود میں آئے اور ہم انہی کی نسل سے ہیں۔ اے بلوقیا' یہ ہے ہمارا نسب۔ بادشاہ صخر کی باتیں سن کر بلوقیا کو تعجب اور اچنبھا ہوتا جاتا تھا۔ اس نے کہا اے بادشاہ! میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے کسی نوکر سے کہہ کر مجھے میرے وطن پہنچوا دے۔ بادشاہ صخر بولا' یہ بات تو میری طاقت سے باہر ہے۔ جب تک ہمیں خدا اس بات کا حکم نہ دے۔ لیکن اے بلوقیا' اگر تو یہاں سے جانا چاہتا ہے تو میں اپنا ایک گھوڑا منگوا کر تجھے اس پر سوار کر دوں گا اور اسے حکم دے دوں گا کہ وہ تجھے میرے ملک کی سرحد پر پہنچا آئے۔ جب تو میرے ملک کی سرحد پر پہنچے گا تو تجھے براخیا نامی بادشاہ کے لوگ ملیں گے۔ وہ گھوڑے کو دیکھ کر پہچان لیں گے اور تجھے اتار کر گھوڑا میرے پاس بھیج دیں گے۔ بس اتنا ہی میں کر سکتا ہوں' اس سے زیادہ نہیں۔ بلوقیا مایوس ہو کر رونے لگا اور بادشاہ سے کہا جو تیری مرضی ہو کر۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے لیے گھوڑا لایا جائے۔ نوکروں نے گھوڑا لا کر اسے اس پر بٹھا دیا اور کہا خبردار' اس کی پیٹھ پر سے اتریو نہیں' نہ ماریو' نہ ڈانٹیو۔ اگر تو نے ایسا کیا تو وہ تجھے مار ڈالے گا' چپ چاپ بیٹھا رہیو جب تک وہ ٹھہر نہ جائے۔ جہاں یہ خود ٹھہرے وہاں اس کی پیٹھ سے اتر کر آگے چل دیجیو۔ بلوقیا گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ایک مدت تک خیموں ہی خیموں کے درمیان چلتا رہا جدھر سے گزرتا' بادشاہ

صخر کا باورچی خانہ ہی باورچی خانہ دکھائی دیتا۔ بلوقیا نے دیکھا کہ دیگیں لٹکی ہوئی ہیں اور ہر دیگ میں پچاس اونٹ پک رہے ہیں اور ان کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ اس قدر اور اتنی بڑی دیگیں دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا' انہیں غور سے دیکھتا' متعجب ہوتا' اتفاقاً بادشاہ صخر کی نظر اس پر پڑ گئی' اس نے دیکھا کہ بلوقیا باورچی خانے کو ٹکٹکی باندھے برابر گھور رہا ہے۔ اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ وہ بھوکا ہو گا' حکم دیا کہ دو تلے ہوئے اونٹ لے آئیں اور وہ دونوں تلے ہوئے اونٹ اس کے پیچھے گھوڑے پر باندھ دیئے۔ چلتے چلتے بلوقیا بادشاہ صخر کے ملک کی سرحد پر پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر گھوڑا رکا اور بلوقیا اس پر سے اتر کر اپنے کپڑوں کی مٹی جھاڑ رہا تھا کہ چند آدمی آئے۔ قریب آ کر گھوڑے کو دیکھا' اسے پہچان لیا اور اس کی لگام پکڑ کر چلتے ہوئے۔ بلوقیا بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ جب وہ ان کے ساتھ بادشاہ براخیا کے پاس پہنچا تو سلام کیا۔ بادشاہ نے سلام کا جواب دیا۔ بلوقیا نے دیکھا کہ بادشاہ ایک بڑے شامیانے میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے دائیں بائیں اور ارد گرد لشکر اور سردار اور جنوں کے بادشاہ کھڑے ہیں۔ بادشاہ نے بلوقیا سے کہا قریب آ۔ وہ بڑھ کر آگے گیا۔ بادشاہ نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور دستر خوان منگوایا۔ بلوقیا نے دیکھا کہ بادشاہ براخیا کی صورت بالکل بادشاہ صخر کی سی ہے۔ کھانا آیا تو سب نے کھایا۔ بلوقیا نے کھا پی کر خدا کا شکر کیا۔ اس کے بعد پھل حاضر کئے۔ دسترخوان اور پھلوں کی سینیاں اٹھائی گئیں تو بادشاہ براخیا نے بلوقیا سے پوچھا تو بادشاہ صخر کے پاس سے کب چلا ہے؟ اس نے جواب دیا دو دن ہوئے۔ بادشاہ براخیا نے کہا تجھے معلوم ہے کہ ان دو دنوں میں تو نے کتنے دن کی راہ طے کی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ بادشاہ بولا ستر مہینے کی راہ ------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو پچانوے ویں رات

جب چار سو پچانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ براخیا نے بلوقیا سے کہا کہ ان دو دنوں میں تو نے ستر مہینے کی راہ طے کی ہے۔ جب تو گھوڑے پر سوار ہوا تو وہ تجھ سے ڈرتا تھا اسے خبر ہو گئی تھی کہ تو آدم کی اولاد میں سے ہے اور چاہتا تھا کہ تجھے پیٹھ پر سے پھینک دے اس لیے انہوں نے یہ دو اونٹ باندھ کر اسے بھاری کر دیا۔ بادشاہ براخیا کی یہ باتیں سن کر بلوقیا ششدر رہ گیا اور اپنی سلامتی پر خدا کا شکر بجا لایا۔ اب بادشاہ براخیا نے بلوقیا سے پوچھا تیرا قصد کیا ہے اور تو اس ملک میں کس طرح آیا ہے؟ بلوقیا نے اپنی ساری کہانی سنائی کہ وہ کس طرح سفر کرتے کرتے اس ملک تک پہنچا۔ اس کی باتیں سن کر بادشاہ کو بڑا اچنبھا ہوا' بلوقیا وہاں دو مہینے تک ٹھہرا رہا۔

حاسب نے سانپوں کی ملکہ سے یہ باتیں سنیں تو اس کے حواس جاتے رہے۔ اس نے پھر ملکہ سے کہا مجھ پر اتنی عنایت اور مہربانی کر کہ اپنے کسی نوکر سے کہہ کر مجھے زمین کے اوپر پہنچوا دے تاکہ میں اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ جاؤں۔ سانپوں کی ملکہ نے کہا اے حاسب کریم الدین سن! اگر تو زمین کے اوپر گیا تو تو اپنے گھر والوں کے پاس جائے گا' حمام میں جا کر نہائے گا اور تیرے غسل سے فارغ ہوتے ہی میں مر جاؤں گی۔ حاسب نے کہا میں قسم کھاتا ہوں کہ کبھی عمر بھر بھی حمام میں نہ پہنچ جاؤں گا اور جب کبھی مجھے نہانے کی ضرورت پڑے گی' گھر میں ہی نہا لیا کروں گا۔ سانپوں کی ملکہ نے کہا اگر تو سو قسمیں بھی کھائے تو بھی مجھے یقین نہیں آ سکتا۔ تو آدم زاد ہے تیرے وعدے کا کیا اعتبار۔ تیرے باپ آدم نے خدا سے اقرار کیا تھا اور اسے توڑ ڈالا۔ خدا نے اس کی مٹی کا چالیس دن تک خمیرا اٹھایا اور فرشتوں کو اس کے آگے سجدہ کرایا' باوجود ان تمام باتوں کے اس نے اپنا عہد پورا نہ کیا اور

اس کے حکم کی نافرمانی کی۔ یہ سن کر حاسب چپ ہو گیا پھر رونے لگا اور دس دن تک برابر روتا رہا۔ اس کے بعد اس نے کہا خیر تیری مرضی اچھا یہ تو بیان کر کہ بادشاہ براخیا کے ساتھ دو مہینے ٹھہرنے کے بعد بلوقیا نے کیا کیا؟ ملکہ بولی اے حاسب سن! بادشاہ براخیا کے پاس ٹھہرنے کے بعد وہ اس سے رخصت ہوا اور جنگل میں رواں دواں پھرتے پھرتے ایک اونچے پہاڑ کے پاس پہنچا اور اس پر چڑھ گیا دیکھا کہ ایک فرشتہ اس پر بیٹھا خدا کی یاد کرتا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتا ہے۔ اس فرشتے کے آگے ایک تختی رکھی ہوئی ہے جس پر کچھ سفید اور کچھ سیاہ حرفوں میں لکھا ہوا ہے اور فرشتہ تختی کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے دو بازو ہیں' ایک پورب کی طرف پھیلا ہوا ہے' اور دوسرا پچھم کی طرف۔ بلوقیا نے اس کے سامنے جا کر سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔

فرشتے نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا تو کون ہے' کہاں سے آیا ہے' کہاں جا رہا ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ بلوقیا نے کہا میں آدم کی اولاد اور اسرائیل کے گھرانے سے ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہوں اور میرا نام بلوقیا ہے۔ اس نے کہا اس ملک تک پہنچنے میں تیرے ساتھ کیا کیا باتیں پیش آئیں؟ بلوقیا نے سارا ماجرا اور جو جو کچھ اس نے اس سفر میں دیکھا تھا بیان کر دیا۔ فرشتے کو سن کر بڑا تعجب ہوا۔ پھر بلوقیا نے فرشتے سے پوچھا تو بھی مجھے بتا کہ یہ تختی کیسی ہے' اس پر کیا لکھا ہوا ہے' تو یہاں کام کرتا ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ فرشتے نے کہا میرا نام مخابیل ہے۔ میرا کام دن اور رات کو لانا اور لے جانا ہے۔ یہ کام قیامت تک میرے سپرد ہے۔ فرشتے کی باتیں اور اس کی صورت' اس کے دبدبے اور ڈیل ڈول کو دیکھ کر بلوقیا حیران رہ گیا اور اس سے رخصت ہو کر پھر اپنا راستہ لیا یہاں تک کہ وہ بڑے سبزہ زار پر پہنچا۔ دیکھا کہ اس میں سات ندیاں اور بہت سے درخت ہیں۔ اس وسیع سبزہ زار کو دیکھ کر بلوقیا پر حیرت چھا گئی۔ وہ سیر کرتا پھر رہا تھا کہ ایک نہایت گھنیرا درخت دکھائی دیا اس کے نیچے چار فرشتے نظر آئے۔ بلوقیا

ان کے پاس جا کر انہیں دیکھنے لگا۔ دیکھا کہ ایک انسان کی شکل کا ہے دوسرا شیر کی' تیسرا پرندے کی اور چوتھا بیل کی صورت کا' وہ چاروں خدا کی یاد میں لگے ہوئے ہیں اور ہر ایک یہ کہہ رہا ہے کہ اے میرے اللہ' میرے آقا' میرے مولیٰ اپنی سچائی اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کے صدقے ان سارے بندوں کی معاف کر دے جو میری شکل و صورت کے ہیں اور ان پر مہربانی کر' تو ہر چیز پر قادر ہے۔

ان کا کلام سن کر بلوقیا کو سخت اچنبھا ہوا اور وہ وہاں سے چل دیا اور منزلیں طے کرتے کرتے کوہ قاف کے پاس پہنچا اس کے اوپر چڑھ دیکھا کہ وہاں ایک بڑے ڈیل ڈول والا فرشتہ بیٹھا خدا کی پاکی بیان کر رہا ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیج رہا ہے اور پکڑنے چھوڑنے کھولنے اور لپیٹنے میں لگا ہوا ہے۔ وہ اسی حالت میں تھا کہ بلوقیا نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا۔ فرشتے نے سلام کا جواب دیا اور اس سے پوچھا کہ تو کون سی مخلوق ہے' کہاں سے آیا ہے' کہاں جا رہا ہے اور تیرا نام کیا ہے؟

بلوقیا نے کہا اسرائیل کے گھرانے اور آدم کی اولاد میں سے ہوں۔ میرا نام بلوقیا ہے۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں پھر رہا ہوں اور راہ بھول گیا ہوں۔ بلوقیا اپنی ساری کہانی سنا چکا تو اس نے فرشتے سے پوچھا تو کون ہے' یہ پہاڑ کیا ہے اور تو کس کام مشغول ہے؟ فرشتے نے کہا اے بلوقیا' یہ پہاڑ کوہ قاف ہے جو دنیا کے چاروں طرف ہے اور جتنے ملک خدا نے دنیا میں پیدا کیے ہیں ان کی رسی میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر خدا ان ملکوں میں زلزلہ یا قحط یا بہتات یا قتل یا صلح چاہتا ہے تو وہ مجھے اس کا حکم دیتا ہے اور میں یہیں بیٹھے بیٹھے اسے کہہ دیتا ہوں کیونکہ ساری دنیا کی جڑیں میرے ہاتھ میں ہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو چھیانویں رات

جب چار سو چھیانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک بادشاہ! فرشتے نے کہا کہ ساری دنیا کی جڑیں میرے ہاتھ میں ہیں۔ بلوقیا نے فرشتے سے پوچھا خدا نے سوا اس سر زمین کے جس پر تو ہے کوئی اور بھی ملک بنایا ہے؟ فرشتے نے کہا ہاں' اس نے ارض بیضا بنایا ہے جو چاندی کی طرح ہے۔ اس کی لمبائی چوڑائی سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ اس میں خدا نے فرشتے بسائے ہیں جن کا کھانا اور پینا خدا کی پا کی بیان کرنا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجنا ہے۔ ہر جمعرات کو وہ اس پہاڑ پر آتے ہیں اور سب اکٹھے ہو کر ساری رات خدا سے دعا مانگتے ہیں اور اپنی تسبیح اور عبادت کا ثواب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے گنہگاروں اور جمعے کے روز نہانے والے لوگوں کو بخشتے ہیں۔ یہ ان کی حالت قیامت تک رہے گی۔ اس کے بعد بلوقیا نے فرشتے سے پوچھا کہ خدا نے کوہ قاف کے پیچھے بھی کوئی اور پہاڑ پیدا کیا ہے؟ فرشتے نے کہا ہاں کوہ قاف کے پیچھے ایک پہاڑ ہے جس کی لمبائی پانچ سو سال کی مسافت ہے اور اس پر ہمیشہ برف اور سردی پڑتی رہتی ہے جس کی وجہ سے جہنم کی گرم دنیا تک نہیں پہنچ سکتی۔ اگر وہ پہاڑ نہ ہوتا دنیا جہنم کی آگ کی گرمی سے جل بھن جاتی۔ کوہ قاف کے پیچھے چالیس زمینیں ہیں جن میں سے ہر ایک اس زمین سے چالیس گنا بڑی ہے۔ بعض ان میں سے سونے کی ہیں۔ بعض چاندی کی' بعض یاقوت کی اور ہر زمین کا رنگ جدا ہے۔ ان زمینوں میں خدا نے فرشتے لا کر بسائے ہیں جن کا کام سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ خدا کی تسبیح و تحلیل' تقدیس و تکبیر کریں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لیے دعائیں مانگیں۔ انہیں نہ تو حوا کی خبر ہے اور نہ آدم کی۔ نہ دن کا پتہ چلتا ہے نہ رات کا۔

اے بلوقیا' یہ بھی سن رکھ کہ زمین کے سات طبقے ہیں جو اوپر تلے ہیں۔ خدا نے ایک فرشتہ پیدا کیا ہے جس کی تعریف اور بڑائی سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں' وہ ساتوں زمینوں کو اپنے کندھے پر لیے ہوئے ہے۔ اس فرشتے کے نیچے خدا نے ایک چٹان پیدا کی ہے اور چٹان کے نیچے سانڈ' سانڈ کے نیچے ایک مچھلی اور مچھلی کے نیچے بہت بڑا سمندر۔

جب خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس مچھلی کی خبر دی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ اے پروردگار مجھے اس مچھلی کی زیارت کرا دے۔ ان کی التجا پر خدا نے ایک فرشتے کو حکم دیا کہ وہ انہیں مچھلی کے پاس لے جائے تاکہ وہ اسے دیکھیں۔ وہ فرشتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں لے کر اس سمندر میں گیا جہاں وہ مچھلی تھی اور ان سے کہا اے عیسیٰ علیہ السلام مچھلی کو دیکھ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مچھلی کی طرف دیکھا لیکن وہ انہیں دکھائی نہ دی کیونکہ وہ ان کے سامنے سے بجلی کی طرح گزر گئی۔ یہ دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے جب انہیں ہوش آیا تو خدا نے ان پر وحی بھیجی کہ اے عیسیٰ تو نے مچھلی دیکھی اور تجھے معلوم ہوا کہ اس کی لمبائی چوڑائی کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ نے جواب دیا "اے پروردگار' قسم ہے تیری عزت اور جلال کی میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن میرے پاس سے ایک بہت بڑا سانڈ گزرا جس کی لمبائی تین دن کی راہ تھی مجھے معلوم نہیں کہ یہ کیسا سانڈ تھا۔" خدا نے کہا اے عیسیٰ علیہ السلام جو چیز تیرے پاس سے گزری اور جس کی لمبائی تین دن کی راہ تھی وہ مچھلی کا سر تھا۔ سن اے عیسیٰ "علیہ السلام" میں ہر روز اس مچھلی کی طرح کی چالیس مچھلیاں پیدا کرتا ہوں۔ یہ سن کر انہیں خدا کی قدرت پر اچنبھا ہوا۔ اب بلوقیا نے فرشتے سے پوچھا کہ خدا نے اس سمندر کے نیچے کیا پیدا کیا ہے۔ جس میں مچھلی ہے؟ فرشتے نے کہا سمندر کے نیچے خدا نے ہوا پیدا کی ہے۔ ہوا کے نیچے آگ اور آگ کے نیچے بڑا بھاری سانپ جس کا نام فلق ہے۔ اگر اس سانپ کو خدا کا ڈر نہ ہوتا تو وہ ہوا' آگ فرشتہ اور جو کچھ وہ اٹھائے ہوئے ہے' سب کو نگل جاتا اور فرشتے کو

خبر تک نہ ہوتی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو ستانویں رات

جب چار سو ستانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ فرشتے نے بلوقیا سے کہا اور فرشتے کو خبر تک نہ ہوتی۔ جب خدا نے اس سانپ کو پیدا کیا تو اس کے پاس وحی بھیجی کہ میں تیرے پاس ایک اَمانت رکھنا چاہتا ہوں' اسے حفاظت سے رکھیو۔ سانپ نے کہا جو تیرا جی چاہے کہہ۔ خدا نے اس سانپ سے کہا اپنا منہ کھول۔ اس نے منہ کھولا اور خدا نے جہنم کو اس کے پیٹ کے اندر رکھ دیا اور اسے سے کہا کہ جہنم کو قیامت کے دن تک حفاظت سے رکھیو۔ قیامت کے دن خدا فرشتوں کو حکم دے گا کہ جہنم کو زنجیروں سے باندھ کر محشر میں لے آؤ اور جہنم کو حکم دے گا کہ اپنے دراوزے کھول دے' وہ دروازے کھول دے گی اور پہاڑ کے برابر انگارے اس میں سے اڑنے لگیں گے۔

فرشتے کی یہ باتیں سن کر بلوقیا دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور اس سے رخصت ہو کر پچھم کی طرف چل دیا۔ چلتے چلتے دو شخصوں کے پاس پہنچا جو بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے قریب ایک بڑا سا دروانہ تھا جس میں قفل پڑا ہوا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ ان میں سے ایک کی صورت شیر کی ہے اور دوسرے کی سانڈ جیسی۔ بلوقیا نے انہیں سلام کیا' انہوں نے سلام کا جواب دیا اور اس سے مخاطب ہو کر پوچھا تو کیا چیز ہے' کہاں سے آیا ہے اور کہاں جاتا ہے؟ بلوقیا نے کہا میں آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سرگرداں ہو کر راہ بھول گیا ہوں۔ پھر بلوقیا نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا تم لوگ کون ہو اور تمہارے قریب یہ دروانہ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا ہم اس دروازے کے پہرے دار ہیں اور ہمارا کام خدا کی پاکی بیان کرنا اور محمد صلی علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا ہے۔ بلوقیا نے یہ باتیں سنیں تو حیران ہو کر ان سے پوچھنے لگا کہ اس دروازے کے اندر کیا ہے؟ وہ بولے

ہمیں معلوم نہیں۔ اس نے کہا میں تمہیں پروردگار کی قسم دیتا ہوں کہ اس دروازے کو کھولو تاکہ میں دیکھو کہ اس کے اندر کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہمیں اس کے کھولنے کی طاقت نہیں۔ جبرئیل امین کے سوا اسے کوئی نہیں کھول سکتا۔

بلوقیا نے یہ سنا خدا کے آگے گڑگڑانے لگا کہ اے پروردگار جبریل امین کو میرے پاس بھیج کہ وہ اس دروازے کو کھول دے اور میں دیکھوں کہ اس کے اندر کیا ہے۔ خدا نے اس کی دعا قبول کر لی اور جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین پر اتر کر مجمع البحرین کا دروازہ کھول دے کہ بلوقیا اسے دیکھ لے۔ جبریل علیہ السلام بلوقیا کے پاس آئے' اسے سلام کیا اور بلوقیا سے کہا' دروازے میں جا۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسے تیرے لیے کھول دوں۔

بلوقیا اس کے اندر داخل ہوا اور جبریل علیہ السلام دروازہ بند کر کے آسمان کی طرف چلے گئے۔ بلوقیا نے دیکھا کہ اس میں ایک بہت بڑا سمندر ہے۔ آدھا کھاری آدھا میٹھا اور اس سمندر کے ارد گرد سرخ یاقوت کے دو پہاڑ ہیں۔ بلوقیا ان دونوں پہاڑوں کے قریب پہنچا۔ وہاں فرشتے خدا کی پاکی بیان کر رہے تھے انہیں دیکھ کر بلوقیا نے سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ بلوقیا نے پوچھا یہ سمندر اور پہاڑ کیسے ہیں؟ فرشتوں نے کہا یہ جگہ ٹھیک عرش کے نیچے ہے اور یہ سمندر دنیا کے تمام سمندروں کو پانی پہنچاتا ہے۔ ہم اس پانی کو تقسیم کر کے زمین پر لے جاتے ہیں' کھاری پانی کو کھاری زمین اور میٹھے پانی کو میٹھی زمین پر اور خدا نے ان دونوں پہاڑوں کو اس پانی کی حفاظت کے لیے پیدا کیا ہے۔ قیامت تک ہمارا یہی کام رہے گا۔

اب فرشتوں نے اسے سے پوچھا کہ تو کہاں سے آیا ہے' کہاں جا رہا ہے؟ بلوقیا نے اپنی ساری کہانی شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنائی اور کہا کہ مجھے راستے پر لگا دو۔ انہوں نے کہا سمندر پر سوار ہو جا۔ بلوقیا نے وہ ست نکالا جو اس کے پاس تھا۔ پاؤں پر چپڑا اور ان سے رخصت ہو کر سمندر پر چلنے لگا اور دن رات چلتا رہا۔ چلتے چلتے اسے ایک خوبصورت جوان نظر آیا جو پانی پر بڑی تیزی کے ساتھ چل رہا تھا۔ بلوقیا نے اس

کے پاس جا کر سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔ آگے بڑھا تو چار فرشتے دیکھے جو پانی پر چلے جا رہے تھے اور اتنے تیز جیسے بجلی۔ بلوقیا ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا' وہ پاس آئے تو انہیں سلام کیا اور کہا خدا کے واسطے یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے اور تم کہاں سے آئے ہو اور کہا جاتے ہو؟ ان میں سے ایک بولا میرا نام جبریل ہے دوسرے کا نام اسرائیل' تیسرے کا نام میکائیل اور چوتھے کا عزرائیل۔ پورب کی طرف ایک بہت بڑا اژدھا نکلا ہے جس نے ایک ہزار شہر غارت کر دیئے ہیں۔ وہاں کے آدمیوں کو کھا گیا ہے۔ خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم وہاں جائیں اور پکڑ کر جہنم میں ڈال آئیں۔ بلوقیا ان کا ڈیل ڈول دیکھ کر دنگ رہ گیا اور پھر چلنا شروع کر دیا۔ کئی دن بعد ایک جزیرے میں پہنچا اور تھوڑی دیر تک سیر کرتا رہا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اٹھانویں رات

جب چار سو اٹھانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... بلوقیا جزیرے میں سیر کرنے لگا۔ سیر کر رہا تھا کہ اسے ایک حسین جوان نظر آیا۔ جس کے چہرے پر نور چمک رہا تھا۔ بلوقیا اس کے پاس پہنچا دیکھا کہ وہ دو قبروں کے بیچ میں بیٹھا رو پیٹ رہا ہے۔ بلوقیا نے اس کے پاس آ کر سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ بلوقیا نے پوچھا تیرا کیا حال ہے' کیا نام ہے' یہ قبریں کیسی ہیں جن کے درمیان تو بیٹھا ہوا ہے اور تو رو کیوں رہا ہے؟ جوان بلوقیا کی طرف دیکھ کر اتنا رویا کہ آنسوؤں اس کے کپڑے بھیگ گئے اور وہ بلوقیا سے کہنے لگی بھائی سن' میری کہانی بہت نرالی ہے' میں چاہتا ہوں کہ تو میرے پاس ٹھہر اور جو کچھ تو نے اپنی زندگی میں دیکھا ہے پہلے مجھے سنا اور بتا کہ تو یہاں کیوں آیا ہے' تیرا نام کیا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ اس کے بعد میں بھی اپنی کہانی سناؤں گا۔ بلوقیا جوان کے پاس بیٹھ گیا اور جو کچھ اس نے اپنے سفر میں دیکھا تھا شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنایا اور یہ بھی کہا کہ اس کا باپ کس طرح مرا تھا اور وہ کس طرح اس کے بعد بادشاہ بنا' کس طرح اس نے خزانہ کھول کر اس میں صندوق دیکھا اور وہ کتاب پائی جس میں محمد صلی علیہ وآلہ وسلم کی تعریف تھی اور اسے کس طرح ان سے محبت ہو گئی اور محبت کے مارے وہ ادھر ادھر پھرنے لگا۔ الغرض اس نے جوان سے ملنے تک کے سارے حالات کہہ سنائے اور کہا کہ یہ ہے میری ساری کہانی اور خدا بہتر جانتا ہے۔ معلوم نہیں آگے چل کر مجھ پر کیا گزرے گی۔

اس کی باتیں سن کر جوان نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا کہ اے بد نصیب تو نے اپنی زندگی میں کیا دیکھا کچھ بھی نہیں دیکھا' میں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کے زمانے میں دیکھا ہے۔ ایسی ایسی اور اتنی چیزیں دیکھی ہیں جن کی نظیر ہے نہ شمار۔

میری کہانی بڑی عجیب ہے تو یہاں ٹھہر جا پھر میں تجھے اپنی کہانی سناؤں اور یہ بتاؤں گا کہ میں یہاں کیوں بیٹھا ہوا ہوں۔

حاسب نے سانپوں کی ملکہ سے یہ باتیں سنیں تو اسے اچنبھا ہوا اور کہنے لگا اے سانپوں کی ملکہ! میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے آزاد کر دے اور اپنے کسی نوکر کو حکم بھیج دے کہ مجھے زمین کے اوپر نکال دے اور میں تیرے آگے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جیتے جی کبھی حمام میں نہ جاؤں گا۔ ملکہ نے کہا یہ تو نہیں ہو سکتا' مجھے تیری قسم کا اعتبار نہیں۔

یہ سن کر حاسب رونے لگا۔ اس کے رونے سے سارے سانپ رو پڑے اور ملکہ سے اس کی سفارش کرنے لگے اور کہا ہم میں سے کسی کو حکم دے کہ وہ اسے زمین سے اوپر نکال آئے اور وہ قسم کھا لے کہ جیتے جی کبھی حمام نہ جائے گا۔ سانپوں کی ملکہ کا نام یملیخا تھا۔ کو بھی آخر رحم آ گیا۔ اس نے حاسب کو قسم دلائی اور اس نے قسم کھائی۔ ملکہ نے ایک سانپ کو حکم دیا کہ وہ اسے زمین کے اوپر نکال آئے۔ سانپ اسے اوپر لے جانے کے لیے آیا تو اس نے سانپوں کی ملکہ سے کہا اچھا اس جوان کی کہانی تو سنا دے جس کے پاس بلوقیا ٹھہرا تھا اور جسے اس نے دو قبروں کے بیچ میں بیٹھا دیکھا تھا' بے سنے چلا گیا تو حسرت رہ جائے گی۔ ملکہ نے کہا اے حاسب! بلوقیا نے جوان کے پاس بیٹھ کر اپنی کہانی شروع سے لے کر آخر تک سنا دی تا کہ جوان بھی اپنی کہانی سنائے جو کچھ اس نے اپنی زندگی میں دیکھا ہے بیان کرے اور دو قبروں کے بیچ میں بیٹھنے کا سبب بتائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو ننانویں رات

جب چار سو ننانوی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بلوقیا اپنی ساری کہانی سنا چکا تو جوان نے کہا اے قسمت کے بیٹے' تو نے کیا خاک نرالی بات دیکھی۔

میں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کے زمانے میں دیکھا ہے اور اتنی انوکھی باتیں دیکھی ہیں۔ میں نے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کے زمانے میں دیکھا ہے اور اتنی انوکھی باتیں دیکھی ہیں جن کی گنتی نہیں۔ بھائی سن! میرا باپ بادشاہ تھا اسے طیغموس کہتے تھے۔ اس کی حکومت کابل اور بنی شہلان پر تھی۔ دس ہزار پہلوان اس کے ماتحت تھے اور ہر پہلوان کی حکومت سو شہروں اور سو قلعوں پر تھی جن کے ارد گرد شہر پناہیں تھیں۔ اس کے زیر نگیں سات سلطان تھے۔ پورب کے ملکوں سے اس کے پاس خراج آتا تھا اور وہ بڑا انصاف پسند تھا۔ خدا نے اسے ساری چیزیں دے رکھی تھیں اور اتنی بڑی حکومت دی تھی لیکن وہ لاولد تھا۔ اسے بڑی تمنا تھی کہ کوئی بیٹا ہوتا جو اس کے بعد حکومت کرتا۔

ایک دن اس نے عالموں' نجومیوں اور زائچے کھینچنے والوں کو بلا کر کہا کہ میری قسمت کا لکھا دیکھو اور بتاؤ کہ خدا مجھے زندگی میں کوئی بیٹا بھی دے گا جو میرے بعد بادشاہت کرے۔ نجومیوں نے کتابیں کھولیں' اس کے ستاروں پر غور کیا اور کہنے لگے اے بادشاہ تیرے ہاں ایک بیٹا پیدا ہو گا مگر خراسان کے بادشاہ کی بیٹی سے۔ یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور نجومیوں اور حکیموں کو بے حد مال و دولت دے کر رخصت کیا۔ بادشاہ طیغموس کا ایک بڑا وزیر تھا جو بہت بڑا پہلوان اور ایک ہزار سواروں کا سردار تھا۔ اس کا نام عین زار تھا۔ بادشاہ نے اس سے کہا اے وزیر میں چاہتا ہوں کہ تو خراسان جانے کی تیاری کر اور میرے نکاح کا پیغام خراسان کے بادشاہ بہروان کی بیٹی کے لیے لے جا' اس نے وزیر سے وہ تمام باتیں بیان کر دیں جو نجومیوں نے کہیں تھیں۔ بادشاہ

کا حکم پاتے ہی' وزیر فوراً اٹھ کر کھڑا ہوا' سفر کی تیاری کرنے لگا۔ لشکر بہادروں اور فوجوں کو لے کر شہر کے باہر ڈیرے ڈنڈے ڈال دیئے۔
ادھر وزیر یہ کہہ رہا تھا۔ ادھر بادشاہ طیغموس نے ایک ہزار پانچ سو صندوق' ریشم جواہرات' موتیوں' یاقوت' سونے چاندی اور قیمتی معدنیات کے اور بہت سا عروسی کا ساز و سامان تیار کر کے اونٹوں اور خچروں پر لدوا کر وزیر عین زار کے سپرد کر دیا اور خراسان کے بادشاہ کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: حمد و ثناء کے بعد بہروان کو سلام پہنچے۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے نجومیوں' حکیموں اور زائچے کھینچنے والوں کو جمع کیا تھا۔ انہوں نے مجھ سے یہ کہا کہ میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو گا مگر تیری بیٹی سے۔
اس لیے میں اپنے وزیر عین زار کو بہت سا عروسی کا ساز و سامان دے کر بھیج رہا ہوں اس معاملے میں وزیر میرا وکیل ہے۔ میں اس کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ میری طرف سے نکاح قبول کرے۔ مجھے تیری مہربانی سے امید ہے کہ تو اس کی درخواست منظور کرے گا' وہ میری درخواست ہو گی اور اس میں دیر نہ کرے گا۔ تیری نیکی کا میں شکر گزار ہوں گا۔ اس بات میں میری مخالفت ہرگز نہ کیجیو کیونکہ اے بادشاہ بہروان تجھے معلوم ہے کہ خدا نے مجھے کابل اور بنی شہلان کا بادشاہ بنایا ہے اور میرے قبضے میں بہت بڑا ملک ہے اگر تو نے اپنی بیٹی کا بیاہ میرے ساتھ کر دیا تو حکومت کے معاملے میں ہم تم دونوں ایک ساتھ ہوں گے اور میں تجھے ہر سال اتنی دولت بھیجا کروں گا جو تیرے لیے کافی ہو۔ یہی میری تجھ سے خواہش ہے اور بس۔"
اس خط پر بادشاہ طیغموس نے مہر لگائی اور وزیر عین زار کو دے کر اسے خراسان جانے کا حکم دے دیا۔ وزیر چلتے چلتے بادشاہ بہروان کے شہر کے قریب پہنچ گیا۔ لوگوں نے اسے خبر پہنچائی کہ بادشاہ طیغموس کا وزیر آ رہا ہے۔ یہ خبر سن کر بادشاہ بہروان نے اپنے امراء کو اس کی ملاقات کے لیے بھیجا اور ان کے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں' گھوڑوں کا چارا' دانہ روانہ کیا اور تاکید کر دی کہ وزیر عین زار سے بہت سلوک سے ملیں۔ امراء دعوت کا سامان لے کر چل دیئے اور وزیر کے پاس پہنچ کر انہیں اتارا'

سارا لاؤ لشکر اترا' سب نے ایک دوسرے کو سلام کیا اور دس روز وہیں ٹھہر رہے۔
گیارہویں دن شہر کی طرف روانہ ہوا۔

بادشاہ بہروان نکل کر بادشاہ طیغموس کے وزیر سے ملا۔ وزیر نے سلام کیا۔ بادشاہ نے اسے گلے لگایا اور اپنے ساتھ قلعے کے اندر لے گیا۔ قلعے میں جا کر وزیر نے تمام تحفے تحائف اور ساز و سامان بادشاہ بہروان کے آگے پیش کیا اور اپنے بادشاہ کو خط دیا۔
بادشاہ بہروان نے پڑھا اس کا مطلب سمجھا اور بہت خوش ہوا۔ وزیر کی خاطر و مدارت کے بعد اس سے کہا خوش ہو' تیری آرزو پوری ہو گئی۔ اگر بادشاہ طیغموس میری جان بھی مانگے تو میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ یہ کہہ کر بادشاہ بہروان فوراً اپنی بیٹی کے پاس گیا۔ اس کی ماں اور دوسرے کنبے والوں کو بلایا اور انہیں یہ خبر سنا کر ان کی رائے دریافت کی۔ انہوں نے کہا جو تیری مرضی وہی ہماری خوشی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سوویں رات

جب پانچ سوویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... بہروان شاہ نے لڑکی اس کی ماں اور کنبے والوں سے مشورہ کیا۔ ان کی رائے لے کر باہر آیا اور وزیر عین زار سے کہا تیری آرزو پوری ہو گئی۔ وزیر بادشاہ بہروان کے پاس دو مہینے ٹھہرا اس کے بعد اس سے کہنے لگا مہربانی فرما کر اب ہمیں با مراد رخصت کر دے کہ ہم اپنے وطن چلے جائیں۔ بادشاہ نے شادی کی خوشیاں منانے کا حکم دے دیا اور جہیز تیار کرایا۔ یہ سارے کام ہو گئے تو اس نے وزیروں اور ملک کے تمام بڑے بڑے امراء کو جمع کیا اور راہبوں کو بلوا کر شہزادی کا نکاح بادشاہ طیغموس سے کرا دیا۔ پھر سفر کی تیاری ہونے لگی۔ رخصت کے وقت اس نے اپنی بیٹی کو اتنے ہدیے' تحفے اور جواہرات دیئے جن کے بیان سے زبان عاجز ہے۔ شہر کے گلی کوچوں میں فرش بچھوایا' بازاروں کو آراستہ کیا اور وزیر عین زار بادشاہ بہروان کی بیٹی کو لے کر وطن روانہ ہو گیا۔

یہ خبر بادشاہ طیغموس کو ملی تو اس نے حکم دیا کہ جشن کیا جائے اور شہر میں چراغاں ہو۔ دھوم دھام ہو چکی تو طیغموس بادشاہ بہروان کی بیٹی کے ساتھ ہم بستر ہوا۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ حاملہ ہو گئی اور حمل کے دن پورے ہونے کے بعد لڑکا پیدا ہوا جو بڑا خوبصورت تھا۔ بادشاہ کی خوشی کا کیا پوچھنا' اس نے حکیموں' نجومیوں اور زائچے بنانے والوں کو بلوا کر کہا میں چاہتا ہوں کہ تم اس بچے کے ستاروں پر غور کرو اور بتاؤ کہ اس کی زندگی میں کیا پیش آنے والا ہے۔ حکیموں اور نجومیوں نے ستاروں کا حساب لگا کر دیکھا کہ وہ نیک بخت ہو گا لیکن ابتدائی زندگی میں اسے کچھ تکلیفیں پہنچیں گی اور یہ خطرات پندرہ سال کی عمر تک ہیں۔ پندرھواں سال اگر گزر گیا اور لڑکا جیتا رہا تو اسے بہت ملے گا اور وہ بہت بڑا بادشاہ ہو گا' اپنے باپ سے بھی بڑا اور اسے بڑی کامیابی ہو گی' اس کے دشمن ہلاک ہوں گے اور وہ بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر

کرے گا اور اگر مر گیا تو مر گیا' آئندہ خدا بہتر جاننے والا ہے۔ بادشاہ یہ سن کر کچھ متفکر ہوا' کچھ خوش اور اس کا نام جان شاہ رکھا۔ اناٸیں اور داٸیاں بلاٸیں اور بچہ پلنے لگا اور بڑی احتیاط کے ساتھ پرورش ہونے لگی جب اس کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو باپ نے اسے لکھنا پڑھنا سکھایا اور وہ انجیل پڑھنے لگا۔ سات برس کے اندر اس نے فنون حرب' نیزہ اندازی اور شمشیرزنی میں مہارت حاصل کر لی۔ سیر و شکار کے لیے جانے لگا۔ شہ سواری میں طاق اور پورا پہلوان ہو گیا۔ جب اس کا باپ سنتا کہ لڑائی کے ہر انداز میں وہ پورا سورما ہے تو بہت خوش ہوتا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ بادشاہ طیغموس نے لشکر کو سیر و شکار کے لیے چلنے کا حکم دیا۔ لشکر اور فوجیں نکلیں۔ بادشاہ اور اس کا بیٹا جان شاہ بھی سوار ہوا۔ سب لوگ جنگل بیابان میں نکل گئے اور تیسرے دن عصر کے وقت تک سیر و شکار میں مصروف رہے۔ اتفاقاً ایک عجیب و غریب رنگ کا ہرن جان شاہ کے پاس سے نکل کر بھاگا۔ جونہی جان شاہ نے ہرن کو اپنے پاس بھاگتا ہا دیکھا اس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا اور بڑی تیزی سے بھاگتے ہوئے ہرن کا پیچھا کیا۔ بادشاہ طیغموس کے غلاموں میں سے سات غلام جان شاہ کے پیچھے پیچھے چلے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کا آقا ہرن کے پیچھے بہت تیزی کے ساتھ جا رہا ہے تو انہوں نے بھی اپنے گھوڑوں کو سرپٹ چھوڑ دیا۔ چلے جا رہے تھے کہ سامنے سمندر آ گیا۔ سمجھے کہ اب ہرن کہاں جائے گا۔ گھیرا ڈال کر لپکے کہ اسے پکڑ لیں مگر ہرن چوکڑی بھر کر سمندر میں کود پڑا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو کے بعد پہلی رات

جب پانچ کے سو کے بعد پہلی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! ہرن چوکڑی بھر کر سمندر میں کود پڑا۔ سمندر میں ایک ماہی گیر کی کشتی پڑی ہوئی تھی۔ ہرن نے اس میں پناہ لی۔ جان شاہ اور اس کے غلام بھی گھوڑوں سے اتر کشتی میں پہنچ گئے اور ہرن کو پکڑ لیا۔ واپسی پر سمندر سے نکل کر وہ خشکی میں اترنا چاہتے ہی تھے کہ جان شاہ کی نظر ایک بہت بڑے جزیرے پر پڑی' اس نے غلاموں سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اس جزیرے میں چلیں۔ کسی کو کیا عذر ہوتا' کشتی کو جزیرے کی طرف کھینچنے لگے اور تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ گئے۔ جزیرے میں سیر کرتے کرتے وہ جب لوٹے اور ہرن کو لے کر کشتی میں سوار ہو کر اس خشکی کی طرف روانہ ہوئے جہاں سے وہ آئے تھے تو شام ہو گئی۔ ہر طرف اندھیرا ہو گیا۔ راستہ بھول گئے اور ہوا نے کشتی کو سمندر میں لے جا کر ڈال دیا۔ جان شاہ پڑ کر سو گیا اور صبح تک سوتا رہا۔ آنکھ کھلی تو وہ سب پریشان۔

راستہ گم' وہ سمندر کے چکر لگاتے رہے۔ ادھر بادشاہ طیغموس نے اپنے بیٹے کو بہت ڈھونڈا' کچھ پتہ نہ چلا تو اس نے لشکر کو حکم دیا کہ ٹولیاں بنا کر ایک راستے پر روانہ ہو جائیں۔ لشکری حکم کے مطابق جان شاہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ایک ٹولی سمندر کی طرف بھی جا نکلی اور انہوں نے اس غلام کو دیکھا جسے وہ گھوڑوں کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ اس سے شہزادے اور چھ غلاموں کے متعلق دریافت کیا۔ غلام نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ تلاش کرنے والی ٹولی غلام اور گھوڑوں کو لے کر بادشاہ کے پاس گئی اور قصہ سنایا۔ بادشاہ سن کر رونے پیٹنے لگا اور اپنے سر سے تاج پھینک دیا۔ غم و غصے کے مارے انگلیاں کاٹنے لگا اور فوراً خط لکھوا کر سمندر میں پھر کر میرے بیٹے کو

ڈھونڈو۔ یہ حکم دے کر بادشاہ رنج میں منہ لپیٹ پڑ گیا۔ جان شاہ کی ماں کو یہ خبر ملی تو اس نے الگ اپنا برا حال کر لیا' رونے پیٹنے لگی اور سوگ میں بیٹھ گئی۔

ادھر تو یہ ہوا' ادھر جان شاہ کا حال سنو۔ وہ اور اس کے ساتھ والے غلام سمندر میں بھٹکتے اور ڈھونڈنے والے انہیں رہے۔ دس دن جب کوئی کھوج نہ لگا تو انہوں نے بادشاہ کے پاس آ کر اسے خبر کی اور جان شاہ کی کشتی طوفان میں پڑ گئی۔ موجیں اسے ایک جزیرے کے پاس لے پہنچیں' جان شاہ اور چھنوں غلام کشتی سے اتر کر وہاں سیر کرنے لگے۔ پھرتے پھراتے جزیرے کے بیچ میں ایک پانی کا چشمہ نظر آیا' چشمے کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا دکھائی دیا۔ قریب جا کر انہوں نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا اور ان سے چڑیوں کی سی بولی میں باتیں کرنے لگا۔ اس شخص کی باتیں سن کر جان شاہ کو بڑا اچنبھا ہوا۔ اس کے بعد اس شخص نے دائیں بائیں دیکھا۔ یہ اس شخص کو ابھی اچنبھے سے دیکھ ہی رہے تھے کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور ہر ٹکڑا ایک طرف چلتا ہوا۔ پھر انہیں بے شمار لوگ پہاڑ کی طرف سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ آتے آتے وہ چشمے کے پاس پہنچے اور ان میں سے ہر ایک دو ٹکڑوں میں ہو گیا اور سب جان شاہ اور غلاموں کی طرف بڑھے کہ انہیں کھا جائیں۔ جان شاہ اور اس کے غلام بھاگے' انہوں نے ان کا پیچھا کیا اور تین غلاموں کو ہڑپ کر لیا۔ جان شاہ کے ساتھ اب فقط تین غلام باقی رہ گئے۔

ان تینوں غلاموں کو لے کر جان شاہ کشتی میں سوار ہو گیا اور کشتی کو کھینچ کر سمندر کے بیچ لے گئے۔ رات دن چلاتے تھے مگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کشتی انہیں کہاں لیے جا رہی ہے۔ بھوک لگی تو انہوں نے ہرن کو ذبح کر کے کھانا شروع کیا۔ ہوا نے انہیں اڑا کر ایک جزیرے میں لا پھینکا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس جزیرے میں درخت' نہریں' پھل اور باغ ہیں۔ طرح طرح کے میوے اور درختوں کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں۔ جزیرہ کیا ہے جنت ہے۔ جان شاہ اس جزیرے کو دیکھ کر حیران ہو گیا اور اس

نے غلاموں سے کہا تم میں سے کون جا کر اس جزیرے کی خبر لائے گا؟ ایک غلام نے کہا میں ابھی خبر لے کر آتا ہوں۔ جان شاہ نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ تم تینوں جا کر اس جزیرے کی خبر لاؤ اور جب تک تم لوٹ کر نہ آؤ' میں یہاں کشتی میں بیٹھا تمہاری راہ دیکھوں گا۔ جان شاہ نے تینوں غلاموں کو اتار دیا تا کہ وہ جزیرے کی خبر لائیں اور غلام جزیرے میں چل دیئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو کے بعد دوسری رات

جب پانچ سو کے بعد دوسری رات ہوئی تو اس نے کہا نیک نہاد بادشاہ ------ غلام جزیرے میں اتر کر پورب پچھم چکر لگانے لگے لیکن انہیں وہاں کوئی انسان حوان دکھائی نہ دیا۔

اب وہ اس کے وسط میں چلے۔ انہیں دور سے سفید مرمر کا ایک قلعہ دکھائی دیا۔ اس کے اندر چمک دار بلور کے گھر تھے اور قلعے کے بیچ میں ایک باغ تھا جس میں خشک و تر پھل اس بہتات سے تھے جس کا بیان نہیں ہو سکتا اور طرح طرح کی خوشبوئیں تھیں۔ قلعے کے اندر بہت سے درخت میوؤں سے لدے ہوئے دیکھے اور چڑیاں درختوں پر بیٹھی چہچہا رہی تھیں۔ وہاں ایک بڑا حوض بھی تھا اور حوض کے پہلو میں ایک بڑا چبوترا جہاں کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ کرسیوں کے بیچ میں ایک سرخ سونے کا تخت تھا جس میں طرح طرح کے ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ اس قلعے کی خوبصورتی دیکھ کر غلام ادھر ادھر گھومنے لگے لیکن جب انہیں وہاں کوئی دکھائی نہ دیا تو وہ قلعے سے نکل کر جان شاہ کے پاس گئے اور جو کچھ دیکھا تھا کہہ سنایا۔ شہزادے جان شاہ نے ان کی باتیں سن کر کہا میں ضرور اس قلعے کی سیر کروں گا وہ غلاموں کو لے کر کشتی سے اترا۔ قلعے پہنچا' اس کے اندر گیا اور وہاں کی خوبصورتی دیکھ کر دنگ ہو گیا۔ یہ سب دیر تک اس کی سیر کرتے اور میوے کھاتے رہے۔ شام ہوئی تو اس جگہ پہنچے جہاں کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ جان شاہ اس تخت پر بیٹھا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ باپ کے تخت' وطن اور گھر والوں کی جدائی پر رونے لگا اور جو غلام اس کے آس پاس تھے وہ بھی رو پڑے۔

یہ اس حالت میں تھے کہ سمندر کی طرف سے ایک شور اٹھا۔ وہ ادھر متوجہ ہوئے دیکھا کہ بندر ٹڈیوں کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ قلعہ اور جزیرہ انہی بندروں کا تھا۔ جب ان بندروں نے وہ کشتی دیکھی جس میں جان شاہ آیا تھا تو انہوں نے اسے سمندر کے

کنارے چھپا دیا اور جان شاہ کے پاس وقت پہنچے جب وہ قلعے میں بیٹھا ہوا تھا۔

اب سانپوں کی ملکہ کہنے لگی اے حاسب' یہ ساری باتیں بلوقیا سے اس جوان نے کہیں جو دونوں قبروں کے بیچ میں بیٹھا ہوا تھا۔ حاسب نے اس سے کہا پھر جان شاہ نے بندروں کے ساتھ کیا کیا؟ سانپوں کی ملکہ بولی جب جان شاہ تخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور غلام اس کے دہنے بائیں کھڑے ہو گئے تو بندروں نے ان کے پاس آ کر انہیں بہت ڈرایا پھر کچھ بندر آگے بڑھ کر اس تخت کے پاس آئے جس پر جان شاہ بیٹھا ہوا تھا' اس کے سامنے زمین چومنے لگے اور ہاتھ سینے پر باندھ کر تھوڑی دیر تک اس کے سامنے کھڑے رہے۔ اس کے بعد بندر کئی ہرن پکڑ لائے اور انہیں ذبح کر کے ان کی کھالیں اتار لیں۔ گوشت کی بوٹیاں کیں اور انہیں اتنا تلا کہ وہ کھانے کے قابل ہو گئیں۔ پھر انہیں سونے چاندی کی سینیوں میں رکھا اور دسترخوان بچھا کر جان شاہ اور اس کے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا کہ کھاؤ۔ جان شاہ تخت سے نیچے آیا اور کھانے لگا۔ بندروں اور غلاموں نے بھی اس کے ساتھ کھایا۔ یہاں تک کہ ان کا پیٹ بھر گیا۔ اب بندروں نے دستر خوان بڑھایا اور پھل لائے۔ سب نے پھل کھا کر خدا کا شکر کیا۔ جان شاہ نے بڑے بندروں کی طرف اشارہ کر کے کہا تم کون لوگ ہو اور یہ جگہ کس کی ہے؟ بندروں نے اشارے سے جواب دیا کہ اس جگہ ہمارے مالک ہمارے آقا سلیمان بن داؤد علیہ السلام تھے اور وہ یہاں ہر سال ایک بار سیر کرنے آتے اور پھر لوٹ جاتے تھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو کے بعد تیسری رات

جب پانچ سو کے بعد تیسری رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بندروں نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہمارے ہاں سال میں ایک بار آتے اور پھر چلے جاتے تھے۔ اس کے بعد بندروں نے کہا اے بادشاہ سن اب تو ہمارا بادشاہ ہے' ہم تیری خدمت کریں گے' کھا پی اور جو کچھ تو ہمیں حکم دے گا ہم اسے مانیں گے اور سب بندر اٹھے' اس کے آگے زمین چوم کر چلتے بنے اور جان شاہ تخت پر سو گیا۔ غلام بھی ان کرسیوں پر جو آس پاس پڑی تھیں' سو گئے۔ سویرے جب وہ اٹھے تو بندروں کے چار سردار اور ان کا لشکر آیا۔ سارا قلعہ ان سے بھر گیا اور جان شاہ کے آس پاس صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ سرداروں نے اشارے سے کہا کہ ہمارے اوپر ٹھیک طرح سے حکومت کر۔ بعد ازاں ایک دوسرے پر غرائے اور چلتے بنے۔

تھوڑے سے بندر جان شاہ کی خدمت کے لیے اس کے پاس ٹھہرے رہے۔ پھر کچھ اور بندر آئے جن کے ساتھ گھوڑوں کی شکل کے کتے تھے اور ان کی گردنوں میں زنجیریں پڑی ہوئی تھیں۔ جان شاہ کو ان کتوں اور ان کے ڈیل ڈول کو دیکھ کر بڑا اچنبھا ہوا۔ بندروں کے سرداروں نے اشارے سے جان شاہ سے کہا کہ سوار ہو کر ہمارے ساتھ چل۔ جان شاہ اور تینوں غلام اور بندر سوار ہو گئے۔ بندر اس افراط سے تھے جیسے ٹڈی دل۔ ان میں سے بعض سوار تھے بعض پیدل۔ سب کے سب چلتے چلتے سمندر کے کنارے پہنچے۔ جان شاہ نے دیکھا کہ وہ کشتی جس پر وہ سوار ہو کر آیا تھا' نوارد ہے تو اس نے بندروں کے سرداروں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا یہاں جو کشتی تھی وہ کیا ہوئی؟ انہوں نے کہا اے بادشاہ سن' جب تم لوگ ہمارے ٹاپو میں آئے تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ تو ہمارا بادشاہ بنے گا' اس لیے ہمیں یہ ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب ہم تمہارے پاس نہ ہوں تو تم کشتی پر چڑھ کر بھاگ جاؤ۔ اس لیے ہم نے اسے چھپا

دیا۔
جان شاہ نے یہ باتیں سنیں تو وہ غلاموں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اب ان بندروں کے پاس سے جانے کی کوئی تدبیر باقی نہ رہی' تقدیر پر صبر کرنا چاہیے۔ آخر چلتے چلتے وہ ایک ندی کے پاس پہنچے جس کے پاس ایک اونچا پہاڑ تھا۔ جان شاہ نے دیکھا کہ اس پہاڑ پر بہت سے بھوت ہیں۔ وہ بندروں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھنے لگا۔ یہ بھوت کیسے ہیں؟ بندروں نے کہا اے بادشاہ کیسے ہیں؟ بندروں نے کہا اے بادشاہ سن' یہ بھوت ہمارے دشمن ہیں اور ہم انہی سے لڑنے کے لیے آئے ہیں۔ جان شاہ ان بھوتوں اور ان کے ڈیل ڈول کو دیکھ کر اچنبھے میں پڑ گیا۔ وہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ بعضوں کے سر بیل کی طرح تھے اور بعضوں کے اونٹوں جیسے نظر آئے۔ بندروں کا لشکر دیکھتے ہی بھوت آگے بڑھے اور ندی کے کنارے کھڑے ہو کر ان پر پتھر برسانے لگے جو ڈنڈوں کی شکل کے تھے اور سخت لڑائی ہونے لگی۔ جب جان شاہ نے دیکھا کہ بھوت جیتتے جا رہے ہیں تو اس نے غلاموں کو للکار کر کہا کہ تیر کمان نکالو اور ان پر تیر برساؤ اور مارو اور بھگاؤ۔ غلاموں نے جان شاہ کے کہنے پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ بھوت مصیبت میں پھنس گئے۔ ان میں سے بہت سے مارے گئے باقی پیٹھ پھیر کر بھاگے۔
بندروں نے جان شاہ کی یہ کاروائی دیکھی تو انہوں نے ندی میں جان شاہ کے ساتھ اتر کر بھوتوں کو اتنا مارا کہ وہ بھاگ کر نظروں سے غائب ہو گئے اور ہزاروں کھیت رہے۔
جان شاہ اور بندر وہاں سے آگے چلے اور ایک دوسرے اونچے پہاڑ کے پاس پہنچے جہاں جان شاہ نے مرمر کی ایک تختی دیکھی جس کے اوپر یہ لکھا ہوا تھا:

"اے اس سر زمین میں آنے والے سن' تو ان بندروں کا بادشاہ ہو کر رہے گا اور ان سے تیرا پیچھا اس وقت تک نہیں چھوٹ سکتا جب تک تو پہاڑ کی پورب والی گھاٹی سے نہ نکلے جس کی لمبائی تین مہینے کی راہ ہے اور جنگلی جانوروں' بھوتوں' کافر جنوں اور دیوؤں میں سے ہو کر نہ جائے۔ پھر تو اس سمندر میں پہنچے گا جو دنیا کو گھیرے ہوئے ہے یا اگر تو پچھم کی گھاٹی سے جائے تو اس کی لمبائی چار مہینے کی راہ ہے اور اس

کے آخر میں وادی النمل ہے۔ جب تو وہاں پہنچ کر وادی النمل میں داخل ہو تو چیونٹیوں سے بچ کر چلیو حتیٰ کہ تو ایک اونچے پہاڑ کے پاس نہ پہنچ جائے جو آگ کی طرح جل رہا ہو گا اور وہ دس دن کی راہ ہے۔" جان شاہ نے یہ تختی دیکھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو کے بعد چوتھی رات

پانچ سو کے بعد چوتھی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب جان شاہ نے یہ تختی دیکھی اور اسے پڑھا تو اس کے آخر میں یہ لکھا ہوا تھا کہ "اس کے بعد تو ایک بڑے دریا کے پاس پہنچے گا جس کے بہاؤ کی تیزی کی وجہ سے آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گے۔ یہ دریا ہر سنیچر کو سوکھ جاتا ہے اس کے کنارے ایک شہر بسا ہوا ہے جس میں صرف یہودی رہتے ہیں جو محمد حجود کی اولاد میں سے ہیں۔ وہاں کوئی مسلمان نہیں رہتا۔ علاوہ اس شہر کے وہاں کوئی اور بستی نہیں لیکن اگر تو بندروں کے ساتھ رہے گا تو ان کی بھوتوں پر جیت رہے گی اور یہ بھی تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اس تختی کو سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے لکھا ہے۔" یہ پڑھ کر جان شاہ بہت رویا اور اپنے غلاموں کی طرف مخاطب ہو کر انہیں بتایا کہ تختی پر کیا لکھا ہوا ہے۔ بعد ازاں وہ سوار ہو گیا' بندروں کا لشکر اس کے ارد گرد تھا۔ بندر اس بات پر خوش تھے کہ دشمن ہار گئے۔ اب وہ اپنے قلعے میں پہنچے اور جان شاہ قلعے میں بیٹھ کر ڈیڑھ سال تک بندروں پر حکومت کرتا رہا۔ ایک دن جان شاہ نے بندروں کو حکم دیا کہ سب سیر و شکار کے لیے چلیں۔ بندر سوار ہو گئے۔ جان شاہ اور اس کے غلام بھی ساتھ ساتھ سوار ہو کر جنگلوں اور بیابانوں میں چل کھڑے ہوئے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے کرتے وہ اس جگہ پہنچے جہاں وادی النمل تھی۔ اس نے وہاں وہ تمام نشانیاں پائیں جو مرمر کی تختی پر لکھی ہوئی تھیں۔ حکم دیا کہ یہاں قیام کرو۔ غلام اور بندروں کا لشکر اتر پڑا۔ دس دن تک کھانے پینے میں مشغول رہے۔ اس کے بعد جان شاہ نے اپنے غلاموں سے تنہائی میں کہا میں چاہتا ہوں کہ ہم بھاگ کر وادی النمل میں چلے جائیں اور وہاں سے یہودیوں کے شہر میں' ممکن ہے کہ ان بندروں سے ہمارا پیچھا چھوٹے اور

ہم اپنے گھر جا سکیں۔ انہوں نے کہا سر آنکھوں پر۔
چنانچہ جان شاہ اس بات کی راہ دیکھنے لگا کہ ذرا رات ہو جائے۔ رات آئی تو وہ اٹھا' اس کے غلام بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ہتھیار باندھے' کمر میں تلواریں خنجر لگائے' غرض کہ لڑائی کو پورا سامان لے جا کر جان شاہ اور اس کے غلام چل نکلے اور صبح تک برابر چلتے رہے۔ اتنے میں بندروں کی آنکھ کھل گئی' انہوں نے دیکھا کہ نہ جان شاہ وہاں ہے نہ اس کے غلام۔ انہیں یقین ہو گیا کہ وہ بھاگ گئے۔ یہ معلوم کر کے بندروں کی ایک ٹولی اٹھی اور سوار ہو کر پورب والی گھاٹی کی طرف چلی اور دوسری ٹولی وادی النمل کی طرف روانہ ہوئی۔ یہ دوسری ٹولی زیادہ دور نہیں گئی تھی کہ ان کی نظر جان شاہ اور اس کے غلام ساتھیوں پر پڑی کہ وہ وادی النمل کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ بندر اور تیز دوڑنے لگے۔ جان شاہ نے انہیں دیکھا تو وہ اس کے غلام بھاگ کر وادی النمل چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ بندر ان پر ٹوٹ پڑے اور چاہتے تھے کہ جان شاہ اور اس کے غلاموں کو مار ڈالیں۔ زمین کے نیچے سے ٹڈیوں کی طرح چیونٹے نکل پڑے۔ ہر چیونٹا کتے کے برابر تھا۔ بندروں کو دیکھ کر چیونٹے ان پر پل پڑے اور بہت سے بندروں کو کھا گئے۔ چیونٹے بھی بہت مارے گئے لیکن جیت چیونٹیوں کی ہی رہی۔ ایک ایک چیونٹا ایک ایک بندر کے پاس جاتا اور کاٹ کر اسے دو ٹکڑے کر دیتا۔ اس طرح دس دس بندر ایک چیونٹے پر چڑھ بیٹھتے اور اسے پکڑ کر دو ٹکڑے کر ڈالتے۔ شام تک دونوں میں سخت لڑائی رہی۔ جب شام ہو گئی تو جان شاہ اور غلام وادی النمل کے اندر جا پہنچے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو پانچویں رات

جب پانچ سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب شام ہوئی تو جان شاہ اور اس کے غلام وادی النمل کے اندر بھاگ گئے۔ صبح کو بندر پھر جان شاہ کے پاس جا پہنچے۔ اس نے انہیں دیکھا تو اپنے غلاموں کو للکار کر کہا انہیں تلواروں سے مارو۔ غلاموں نے تلواریں کھینچ کر انہیں مارنا شروع کیا۔ اب ایک بندر ان کی طرف بڑھا جس کے ہاتھی کے سے دانت تھے اور ایک غلام کے پاس آ کر اس نے اس زور سے حملہ کیا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ بہت سے بندروں نے جان شاہ کو گھیر لیا' وہ جوں توں کر کے وہاں سے بھاگا اور گھاٹی کے نیچے کی طرف پہنچ کر دیکھا کہ ایک دریا بہہ رہا ہے اور اس کے پاس ایک چیونٹا کھڑا ہے۔ چیونٹے نے جان شاہ کو تو اس پر حملہ کر دیا لیکن غلام نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر چیونٹیوں کی فوج نے ایک دم غلام پر ہلہ بول دیا اور اسے مار ڈالا۔
اسی اثناء میں بندر بھی پہاڑ پر سے آ کر جان شاہ پر ٹوٹ پڑے۔ جان شاہ نے دیکھا کہ بندر کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتے تو وہ کپڑے اتار کر دریا میں کود پڑا۔ اس غلام نے بھی جو بچ رہا تھا اس کے ساتھ پانی میں چھلانگ ماری اور دونوں تیر کر دریا کے بیچ میں پہنچ گئے۔ جان شاہ کو دریا کے دوسرے کنارے ایک درخت دکھائی دیا۔ وہ اس کی ٹہنی پکڑ کر لٹک گیا اور خشکی میں جا پہنچا۔ مگر غلام لہروں میں پھنس رہا اور پہاڑ سے ٹکراتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ جان شاہ خشکی پر اکیلا کھڑا ہو کر کپڑے نچوڑنے اور انہیں دھوپ میں سکھانے لگا۔ ادھر بندروں اور چیونٹیوں میں سخت لڑائی ہوئی اور آخر کار بندر ہار کر اپنے ملک میں واپس چلے گئے۔
ادھر تو بندروں اور چیونٹیوں کا یہ حال تھا اور ادھر جان شاہ شام تک بیٹھا رویا پھر ایک غار میں جا کر آرام کیا۔ ہزاروں خوف اسے گھیرے ہوئے تھے اور سخت گھبراہٹ

تھی کہ اس کے سارے غلام مر مٹے۔ بہر حال وہ اسی غار میں سو گیا اور صبح کو آگے روانہ ہوا۔ گھاس پات کھاتا' ندی نالوں کا پانی پیتا چلا چل اس پہاڑ کے پاس پہنچا جو آگ کی طرح روشن تھا اور وہاں اس کے دامن میں چلنے لگا یہاں تک کہ اس چشمے کے پاس جا پہنچا جو ہر سنیچر کو سوکھ جاتا ہے۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑا چشمہ ہے اور اس سے ملا ہوا ایک عالی شان شہر ہے۔ یہ وہی یہودیوں کی بستی تھی جس کا ذکر تختی میں تھا۔ جان شاہ وہاں ٹھہر کر منتظر رہا کہ سنیچر آئے اور چشمہ سوکھے۔ جب سنیچر آیا اور چشمہ سوکھ گیا تو وہ اسے پار کر کے یہودیوں کے شہر میں پہنچا مگر وہاں اسے کوئی آدمی نہ دکھائی دیا۔ پھرتے پھرتے آخر وہ ایک گھر کے دروازے پر رکا اور اسے کھول کر اندر چلا گیا' دیکھا کہ گھر والے چپ چاپ بیٹھے ہیں۔ بات تک نہیں کرتے۔ جان شاہ ان سے کہنے لگا میں پردیسی ہوں اور بھوکا۔

انہوں نے اشارے سے کہا کھا اور پی مگر بات نہ کر۔ وہاں ٹھہر گیا اور کھا پی کر رات کو آرام کیا۔ صبح کو گھر کے مالک نے اسے سلام کیا اور پوچھا' تو کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ یہودی کی باتیں سن کر جان شاہ رونے لگا' اسے اپنا سارا حال سنا دیا اور اپنے باپ کے شہر کا نام بتایا۔ یہودی کو اس پر بڑا اچنبھا ہوا' وہ کہنے لگا اس شہر کا نام تو ہم نے آج تک نہیں سنا۔ سوداگروں کے قافلوں سے صرف یمن کا نام سنا کرتے ہیں کہ وہ بھی کوئی ملک ہے۔ جان شاہ نے یہودی سے پوچھا یہ ملک جس کا سوداگر ذکر کرتے ہیں۔ یہاں سے زیادہ دور تو نہیں؟ یہودی نے کہا سوداگر کہتے ہیں کہ اس ملک سے یہاں تک دو سال اور تین مہینے کا سفر ہے۔ جان شاہ نے پوچھا کہ وہ قافلہ کب آئے گا؟ یہودی نے جواب دیا' اگلے سال۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو چھٹی رات

جب پانچ سو چھٹی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ یہودی نے کہا کہ قافلہ اگلے سال آئے گا۔ یہ سن کر شاہ رونے اور اپنے غلاموں' ماں باپ کی جدائی اور جو کچھ اس سفر میں اس پر گزری تھی اس پر افسوس کرنے لگا۔ یہودی نے اس سے کہا اے جوان ڈر نہیں' قافلے کے آنے تک ہمارے ہاں ٹھہرا رہ۔ ہم تجھے ان کے ساتھ تیرے وطن پہنچا دیں گے۔ یہ سن کر جان شاہ یہودی کے گھر دو مہینے تک ٹھہرا رہا اور ہر روز شہر کی گلیوں' کوچوں' بازاروں میں جا کر سیر کیا کرتا۔

ایک دن جب وہ عادت کے موافق گھر سے نکل کر شہر کی سڑکوں پر ادھر ادھر پھر رہا تھا اس نے کسی کو یہ ڈھنڈورا پیٹتے سنا کہ ------ ہے کوئی جو مجھ سے ایک ہزار دینار اور ایک حسین کنیز لے اور میرے لیے صبح سے دوپہر تک ایک کام کر دے؟" مگر کوئی اس کی ہامی نہ بھرتا۔ جان شاہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر وہ کام مشکل نہ ہوتا تو ڈھنڈورا پیٹنے والا ایک ہزار دینار اور ایک حسین کنیز صبح سے دوپہر تک کام کرنے کے بدلے نہ دیتا' بہرحال ہمت تو کرنی چاہیے۔ وہ ڈھنڈورا پیٹنے والے کے پاس جا کر کہنے لگا کہ میں اس کام کو کروں گا۔ ڈھنڈورا پیٹنے وال جان شاہ کو مکان کے پاس لے گیا اور دونوں اندر گئے۔ جان شاہ نے مکان کو خوب آراستہ پایا اور دیکھا کہ ایک یہودی سوداگر آبنوس کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ ڈھنڈورا پیٹنے والے نے اس سے جا کر کہا اے سوداگر تین مہینے سے میں شہر میں ڈھنڈورا پیٹ رہا ہوں لیکن سوائے اس جوان کے کسی نے ہامی نہیں بھری۔ یہ سن کر سوداگر جان شاہ کو مرحبا کہتا ہوا ایک خوبصورت کمرے میں لے گیا اور اپنے غلاموں سے کہا اس کے لیے کھانا لاؤ۔ غلاموں نے دستر خوان بچھا کر طرح طرح کے کھانے چن دیئے' سوداگر اور جان شاہ نے کھانا کھایا' ہاتھ دھوئے' پھر پینے کی چیزیں آئیں اور دونوں نے پیں۔ اس کے بعد سوداگر جا کر ہزار

دینار کا ایک توڑا اور ایک نہایت حسین کنیز لے آیا اور کہنے لگا یہ کنیز اور یہ مال اس کام کے بدلے میں ہے جو تو کرے گا' انہیں لے۔ جان شاہ نے دینار اپنے پاس رکھے اور کنیز کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ سوداگر نے کہا اب کل میرا کام کیجیو۔
یہ کہہ کر سوداگر اس کے پاس چلا گیا اور اس رات جان شاہ کنیز کے ساتھ سویا۔ صبح ہوئی تو وہ حمام گیا' سوداگر نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے پاس ریشمی لباس لے جائیں۔ غلام ایک نفیس ریشمی لباس لے کر پہنچے' جب وہ حمام سے نکلا تو اسے پہنایا اور اسے گھر لائے۔ پھر سوداگر نے اپنے غلاموں سے کہا رباب' عود اور شراب لاؤ۔ سب چیزیں حاضر کی گئیں اور دونوں آدھی رات تک پیتے اور کھیلتے کودتے رہے۔
اس کے بعد سوداگر زنان خانے میں چلا گیا اور جان شاہ کنیز کے ساتھ سو رہا۔ دوسرے دن بھی صبح کو وہ حمام گیا۔ وہاں سے لوٹا تو سوداگر اس کے پاس آ کر کہنے لگا میں چاہتا ہوں کہ تو ہمارا کام کرے۔ جان شاہ نے کہا سر آنکھوں پر' سوداگر نے اپنے غلاموں سے کہا دو خچر لاؤ۔ خچر آگئے تو ایک پر وہ خود سوار ہوا اور جان شاہ سے کہا کہ دوسرے پر سوار ہو جائے۔ چنانچہ سوداگر اور جان شاہ دونوں سوار ہو کر چلے۔ صبح سے دوپہر تک چلتے چلتے ایک ایسے اونچے پہاڑ پر پہنچے جس کی اونچائی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہاں پہنچ کر سوداگر خچر سے اتر پڑا اور جان شاہ سے کہا کہ تو بھی اتر آ۔ جان شاہ اترا تو سوداگر نے ایک چھری اور ایک رسی دے کر کہا کہ اس خچر کو ذبح کر ڈال۔ جان شاہ آستینیں

چڑھا کر خچر کے پاس آیا۔ اس کی چاروں ٹانگیں رسی سے باندھ کر اسے زمین پر گرا دیا۔ چھری لے کر ذبح کیا' اس کی کھال کھینچی اور چاروں ٹانگیں اور سر کاٹ کر اسے گوشت کا لوتھڑا بنا دیا۔ اب سوداگر نے اس سے کہا میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو اس کا پیٹ پھاڑ کر اس کے اندر گھس جا۔ میں تجھے اس کے اندر سی دوں اور تھوڑی دیر تک اس کے اندر بیٹھا رہ پھر جو کچھ تو اس کے پیٹ کے اندر دیکھے مجھ سے کہیو۔

جان شاہ نے خچر کا پیٹ پھاڑا اور اس کے اندر چلا گیا۔ سوداگر نے ٹانکے لگا دیئے اور اسے چھوڑ کر دور جا بیٹھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو ساتویں رات

جب پانچ سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... سوداگر اسے چھوڑ کر دور جا کر پہاڑ کے دامن میں چھپ گیا۔ اتنے میں اس خچر پر ایک بڑا پرندہ گرا' جھپٹا مار کر اسے لے اڑا' پہاڑ کے اوپر جا کر اسے اتارا اور کھانا ہی چاہتا تھا کہ جان شاہ کو پرندے کی آہٹ معلوم ہوئی اور وہ خچر کا پیٹ چاک کر کے باہر نکل آیا۔ جان شاہ کو دیکھ کر پرندہ ڈر گیا اور اڑ گیا۔ جان شاہ کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا مگر سوا مردوں کے جو دھوپ سے سوکھ گئے تھے اسے کچھ نہ دکھائی دیا۔ اس نے اپنے دل میں لاحول پڑھی۔ پہاڑ کے نیچے جو نگاہ ڈالی تو سوداگر کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سوداگر کی نظر اس پر پڑی تو اس نے کہا' اپنے آس پاس کے پتھر میری طرف پھینک دے پھر میں تجھے نیچے اترنے کا راستہ بتا دوں گا۔ جان شاہ ان پتھروں میں سے کم و بیش دو سو پتھر پھینک دیئے۔ یہ پتھر یاقوت' زبرجد اور قیمتی ہیرے تھے۔

اب جان شاہ نے کہا اے تاجر مجھے راستے بتا اور میں تیری طرف دوبارہ پتھر پھینکتا ہوں۔ تاجر نے وہ پتھر اٹھا کر خچر پر لاد دیئے جس پر وہ سوار ہو کر آیا تھا اور چل دیا۔ کوئی جواب نہ دیا۔ جان شاہ پہاڑ پر اکیلا رہ گیا تو وہ مدد مانگنے اور رونے لگا۔

تین دن تک پہاڑ پر رہنے کے بعد وہ چل کھڑا ہوا۔ پہاڑ کی چوڑائی کی طرف دو مہینے تک چلتا رہا' اس کی خوراک محض پہاڑ کی جڑی بوٹیاں تھیں۔ چلتے چلتے وہ پہاڑ کے دامن میں پہنچا۔ وہاں اسے دور سے ایک گھاٹی دکھائی دی جہاں پھلوں کے لدے ہوئے درخت تھے اور چڑیاں خدا کی پاکی بیان کر رہی تھیں۔ اس گھاٹی کو دیکھ کر جان شاہ خوش ہو گیا اور اس کی طرف روانہ ہوا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد اسے پہاڑ میں ایک درہ دکھائی دیا جہاں سے ایک آبشار گرتی تھی' وہ وہاں سے اترتا ہوا ایک گھاٹی میں جا پہنچا جو اس نے پہاڑ پر سے دیکھی تھی۔

گھاٹی میں آ کر وہ ادھر ادھر پھرنے لگا۔ پھرتے پھرتے وہ ایک بلند محل کے اس طرف جا نکلا اور قریب پہنچتے پہنچتے وہ اس کے دروازے پر آ گیا۔ وہاں اس نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو نہایت خوبصورت تھا جس کے چہرے پر نور چمک رہا تھا اور ہاتھ میں یاقوت کا سونٹا لیے محل کے دروازے پر کھڑا تھا۔ جان شاہ بڑھتے بڑھتے اس کے پاس جا پہنچا اور اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ کہنے لگا بیٹا بیٹھا جا۔ جان شاہ محل کے دروازے پر بیٹھ گیا۔ بوڑھے نے پوچھا تو کہاں سے اس ملک میں آیا ہے کیونکہ کسی آدم زاد نے آج تک یہاں قدم نہیں رکھا اور تو کہاں جا رہا ہے؟ جان شاہ کا دل بوڑھے کی باتوں سے بھر آیا اور اپنی تکلیفوں کو یاد کر کے اتنا رویا کہ اس کا گلا گھٹنے لگا۔ بوڑھے نے کہا بیٹا رونا دھونا جانے دے تیرے رونے سے میرا دل کڑھتا ہے۔ یہ کہہ کر بوڑھا اٹھا اور کچھ کھانا لا کر اس کے آگے رکھ دیا اور کہا کھا۔ جان شاہ نے کھایا اور خدا کا شکر کیا۔ اس کے بعد بوڑھے نے جان شاہ سے کہا بیٹا میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے اپنا حال سنا تجھ پر کیا گزری ہے۔ جان شاہ نے شروع سے لے کر آخر تک اس بوڑھے سے ملنے تک کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ بوڑھا سن کر اچنبھے میں پڑ گیا۔ جان شاہ نے پوچھا کہ یہ گھاٹی کس کی ہے اور اس عالی شان محل کا مالک کون ہے؟ بوڑھے نے کہا بیٹا سن! یہ گھاٹی اور جو کچھ اس کے اندر ہے یہ محل اور جو چیزیں اس کے آس پاس ہیں حضرت سلیمان بن داؤد کی ہیں۔ میرا نام شیخ نصر ہے۔ میں پرندوں کا بادشاہ ہوں اور حضرت سلیمان نے اس محل کی حفاظت میرے سپرد کر رکھی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو آٹھویں رات

جب پانچ سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ پرندوں کے بادشاہ شیخ نصر نے جان شاہ سے کہا کہ حضرت سلیمان نے اس محل کی حفاظت میرے سپرد کی ہے اور مجھے پرندوں کی بولیاں سکھا کر دنیا کے سارے پرندوں کا حاکم بنا دیا ہے۔ ہر سال پرندے اس محل میں آتے ہیں اور مجھے اپنی صورت دکھا کر چلے جاتے ہیں۔ یہ ہے سبب میرے اس جگہ رہنے کا۔ شیخ نصر کی باتیں سن کر جان شاہ رو پڑا اور کہنے لگا' اے میرے باپ کسی تدبیر سے میں اپنے وطن بھی پہنچ سکتا ہوں؟ بوڑھے نے جواب دیا۔ بیٹا سن تو اس وقت کوہ قاف کے قریب ہے اور یہاں سے جانے کی سوا اس کے اور کوئی تدبیر نہیں کہ جب پرندے آئیں تو میں ان میں سے کسی ایک سے کہہ دوں کہ وہ تجھے تیرے وطن پہنچا دیں۔ اس وقت تک میرے پاس اس محل میں ٹھہر' کھا اور پی اور جب تک چڑیاں نہ آئیں تو ان کوٹھریوں کی سیر کر۔

جان شاہ بوڑھے کے پاس ٹھہر گیا' وہ اس گھاٹی کے چکر لگاتا' وہاں کے میوے کھاتا' سیر کرتا اور ہنستا کھیلتا۔ ایک مدت تک عیش و عشرت سے رہنے کے بعد وہ وقت آ گیا کہ پرندے اپنے اپنے وطنوں سے شیخ نصر سے ملنے آئے۔ جس وقت شیخ نصر کو معلوم ہوا کہ اب پرندے آنے والے ہیں تو اس نے جان شاہ سے کہا اے جان شاہ' یہ کنجیاں لے اور اس محل کی کوٹھریاں کھول اور ان کی سیر کر مگر خبردار فلاں کوٹھری کو نہ کھولیو اور اگر قسم کھانے کے بعد اسے کھول کر اس کے اندر گیا تو کبھی کوئی بھلائی تجھے نہ پہنچے گی۔ جان شاہ کو تاکید کے ساتھ یہ نصیحت کر کے وہ پرندوں سے ملنے روانہ ہوا۔ پرندوں نے شیخ نصر کو دیکھا تو ان کی ایک ایک جنس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ چومے۔

یہ تو شیخ نصر کا حال تھا۔ اب جان شاہ کہ کہانی سنئے۔ وہ اٹھ کر محل کے اندر گیا۔

ادھر ادھر سیر کرنے لگا اور محل کی ساری کوٹھریاں کھولیں یہاں تک کہ وہ اس کوٹھری کے پاس پہنچا جسے کھولنے کو شیخ نصر نے منع کیا تھا۔ جب اس کی نظر اس کوٹھری کے دروازے پر پڑی تو وہ اسے بہت بھلا معلوم ہوا' اس نے دیکھا کہ دروازے میں سونے کا قفل پڑا ہوا ہے' وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ کوٹھری میں کون سی ایسی چیز ہے کہ شیخ نصر نے مجھے اس کے اندر جانے سے منع کیا ہے! میں ضرور جا کر دیکھوں گا کہ اس کے اندر کیا ہے۔ قسمت کا لکھا ہو کر رہتا ہے' اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ کوٹھری کھول دی' اندر جا کر دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا تالاب ہے اور اس کے پاس ایک چھوٹا سا محل جو سونے' چاندی اور بلور کا بنا ہوا ہے جس کے جھروکے یاقوت کے ہیں اور اینٹیں ہیرے' زبرجد' بلخش' زمرد اور ہیروں کی جو فرش میں جڑی ہوئی ہیں۔

محل کے بیچوں بیچ سونے کا ایک حوض ہے جس میں پانی بھرا ہوا ہے' حوض کے اردگرد سونے اور چاندی کے جانور اور چڑیاں بیٹھی ہیں جن کے پیٹ میں سے پانی نکلتا ہے اور جب ہوا چل کر ان کے کانوں میں جاتی ہے تو ہر مورت اپنی اپنی بولی بولتی ہے۔ حوض کے ایک طرف ایک بڑا چبوترا ہے' اس پر یاقوت کا ایک تخت رکھا ہوا ہے جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ تخت کے اوپر شامیانہ لگا ہوا ہے جو سبز ریشم کا ہے اور اس میں نگ اور قیمتی جواہرات ٹنکے ہوئے ہیں۔ اس کی لمبائی پچاس گز ہے۔ شامیانے کے اندر ایک حجرہ ہے جس میں حضرت سلیمان کا بوریا ہے۔ محل کے چاروں طرف ایک بڑا باغ ہے جس میں بہت سے درخت اور میوے ہیں' نہریں بہہ رہی ہیں۔ محل کے چاروں طرف گلاب' ریحان' نسرین اور دوسرے خوشبودار پھولوں کی کیاریاں ہیں' ہوا چلتی ہے تو شاخیں جھک جھک جاتی ہیں۔ جان شاہ نے دیکھا کہ اس باغ میں تر اور خشک ہر طرح کے میوے ہیں اور یہ تمام چیزیں اس کوٹھری کے اندر ہیں۔ انہیں دیکھ کر وہ حیران ہو گیا اور اس باغ' محل اور ان میں عجیب و غریب چیزیں تھیں' ان کی سیر کرنے لگا۔ دیکھا کہ تالاب کی کنکریاں نفیس ہیرے' قیمتی جواہرات اور نایاب

معدنیات ہیں۔ غرض کہ اس نے کوٹھری میں بہت سی چیزیں دیکھیں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے

اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو نوویں رات

جب پانچ سو نوویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جان شاہ نے اس کوٹھری میں بہت سی چیزیں دیکھیں اور اسے بڑی حیرت ہوئی۔ سیر کرتے کرتے اس محل کے اندر پہنچا جو اس کوٹھری میں تھا پھر اس تخت کے قریب چلا جو حوض کے کنارے چبوترے پر پڑا ہوا تھا۔ شامیانے میں داخل ہوا جو تخت پر تنا ہوا تھا اور تخت پر لیٹ کر سو رہا دیر تک سوتا رہا۔ سونے کے بعد آنکھ کھلی تو وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ٹہلتے محل کے دروازے کے باہر آ گیا جو وہاں کرسی پڑی تھی اس پر بیٹھ گیا۔

وہ بیٹھا بیٹھا مناظر کی خوبصورتی کا خیال کر ہی رہا تھا کہ اس کے پاس سے تین چڑیاں جو کبوتروں کی طرح تھیں اڑتی ہوئی گزریں اور تالاب کے کنارے اتر پڑیں۔ تھوڑی دیر تک کھیلنے کودنے کے بعد انہوں نے اپنے پر اتار دیئے اور چاند سی تین لڑکیاں ہو گئیں جن کا جواب دنیا بھر میں نہیں۔ وہ تالاب میں اتر کر تیرنے' کھیلنے کودنے اور ہنسی مذاق کرنے لگیں۔ جان شاہ ان کی خوبصورتی اور ان کے تناسب اعضا کو دیکھ کر پھڑک اٹھا۔ اس کے بعد وہ تالاب سے نکل کر باغ میں گھومنے اور سیر کرنے لگیں۔ جان شاہ نے انہیں خشکی پر آتے دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ اٹھ کر ٹہلتا ہوا ان کے پاس پہنچا۔ انہیں سلام کیا' انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ اس نے کہا اے عالی مرتبہ آقا تم کون ہو اور کہاں سے آئی ہو؟ سب سے چھوٹی نے جواب دیا ہم ملکوت کے کے عالم سے یہاں سیر کرنے آئے ہیں۔ جان شاہ ان کے حسن پر فریفتہ ہو گیا اور چھوٹی لڑکی سے کہا مجھ پر رحم کر اور مہربانی کر' میرے پراگندہ احوال اور میری زندگی کو افتادوں پر ترس کھا۔ لڑکی نے کہا' ایسی باتیں جانے دے اور اپنا راستہ لے۔

اس کی بے اعتنائی پر جان شاہ رونے اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگا۔ لڑکیاں اس پر ہنسنے'

اسے بنانے لگیں اور اپنے کھیل کود' گانے بجانے اور چہلیں کرنے میں مشغول ہو گئیں۔
جان شاہ ان کے لیے کچھ پھل لایا۔ انہوں نے کھائے اور وہ رات جان شاہ کے ساتھ گزاری۔ صبح ہوئی تو لڑکیوں نے اپنے پروں کا لباس پہن لیا اور کبوتر بن کر اڑ گئیں۔
وہ کبوتریاں اڑ کر نظروں سے غائب ہوئیں تو جان شاہ کے ہوش و حواس بھی ان کے ساتھ اڑ گئے۔ وہ ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ دن بھر اور رات بھر اسی بے ہوشی کی حالت میں پڑا رہا۔ وہ اسی عالم میں پڑا تھا کہ شیخ نصر چڑیوں سے مل کر اسے ڈھونڈنے آیا کہ اس کو چڑیوں کے ساتھ اس کے وطن بھیج دے' مگر اسے کہیں نہ پایا' اس نے سمجھ لیا کہ جان شاہ ضرور اسی کوٹھری میں گیا ہو گا۔ شیخ نصر چڑیوں سے کہہ چکا تھا کہ میرے پاس ایک چھوٹا لڑکا ہے جسے قسمت بہت دور سے یہاں لے آئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسے اس کے وطن پہنچا دو اور چڑیوں نے ہامی بھر لی تھی۔ اس لیے وہ جان شاہ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کوٹھری کے دروازے پر پہنچا جس کے کھولنے سے اس نے منع کیا تھا۔ دیکھا کہ کوٹھری کھلی پڑی ہے۔ اندر گیا تو جان شاہ کو ایک درخت کے نیچے بے ہوش پڑا ہوا پایا۔ اس نے خوشبودار پانی لا کر اس کے منہ پر چھڑکا۔ جان شاہ کی غشی دور ہوئی تو وہ چاروں طرف دیکھنے لگا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• پانچ سو دسویں رات

پانچ سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب جان شاہ کی غشی دور ہوئی تو وہ دائیں بائیں نظر دوڑانے لگا۔ اس نے دیکھا کہ سوا شیخ نصر کے اس کے پاس کوئی نہیں۔ اس کی آنکھوں سے حسرتیں برسنے لگیں۔ شیخ نصر نے کہا بیٹا! میں نے تجھ سے کہا تھا کہ اس کوٹھری کو نہ کھولیو اور اس کے اندر نہ جائیو۔ اچھا بتا تو نے یہاں کیا دیکھا اور تجھ پر کیا گزری؟ سچ سچ ساری کہانی سنا۔ جان شاہ نے جو کچھ اس پر گزرا تھا کہہ سنایا۔ سارا قصہ سن کر شیخ نصر کہنے لگا بیٹا سن! یہ لڑکیاں پریاں ہیں اور ہر سال یہاں آ کر کھیلتی کودتی ہیں۔ اور صبح تک دل بہلا کر اپنے وطن چلی جاتی ہیں۔ جان شاہ نے پوچھا ان کا وطن کہاں ہے؟ شیخ نصر نے کہا بیٹا واللہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ ان کا وطن کہاں ہے لیکن اب اپنا دل مضبوط کر کے میرے ساتھ چل تاکہ میں چڑیوں کے ساتھ تجھے تیرے وطن بھیج دوں اور اس محبت کو گولی مار۔ شیخ نصر کی باتیں سن کر جان شاہ نے زور سے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر گیا۔ ہوش آیا تو اس نے کہا واللہ اے میرے باپ میں اس وقت تک اپنے وطن نہیں جانا چاہتا کہ ان لڑکیوں سے نہ مل لوں' اگر میں ابھی تیرے آگے مر بھی جاؤں تو بھی اپنے گھر والوں کو یاد نہیں کروں گا۔ پھر وہ بولا مجھے منظور ہے کہ میں سال میں ایک ہی بار اس کا چہرہ دیکھوں جس سے مجھے عشق ہے اور شیخ نصر کے قدموں پر گر کر لوٹنے اور دہاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ ساتھ ہی کہتا جاتا تھا کہ مجھ پر رحم کر خدا تجھ پر رحم کرے گا اور میری مصیبت میں میری مدد کر خدا تیری مدد کرے گا۔ شیخ نصر نے کہا بیٹا نہ تو میں ان لڑکیوں کو جانتا ہوں نہ مجھے ان کے گھر کا پتہ معلوم ہے لیکن بیٹا اگر تو ان میں سے کسی پر عاشق ہے تو میرے پاس ایک سال اور ٹھہر جا' وہ اگلے برس

آج ہی کے دن آئیں گے۔ ان کے آنے کا دن ہو تو باغ میں کسی درخت کے نیچے چھپ جائیو۔ جونہی وہ کپڑے اتار کر تالاب میں اتریں اور تیرنے اور چہلیں کرنے لگیں تو اس لڑکی کے کپڑے اٹھا لیجیو جسے تو چاہتا ہے۔ جب ان کی نظر تجھ پر پڑے گی' وہ باہر نکل آئیں گی تا کہ کپڑے پہن لیں اور جس لڑکی کے تو نے کپڑے لئے ہوں گے وہ نہایت میٹھی زبان سے اور مسکرا کر تجھ سے کہے گی' بھائی میرے کپڑے مجھے دے دے میں انہیں پہن کر اپنا بدن ڈھانک لوں۔ اگر تو نے اس کا کہنا مان لیا اور اس کے کپڑے دے دیئے تو جان لیجیو کہ تیری مراد اس سے کبھی پوری نہیں ہو گی کیونکہ وہ کپڑے پہن کر اپنے گھر چلتی بنے گی' اس کے بعد تو اسے کبھی نہ دیکھ سکے گا۔ لہٰذا اگر اس کے کپڑے تیرے ہاتھ آ جائیں تو انہیں حفاظت سے اپنی بغل میں دبائے رکھیو' اسے ہرگز نہ دے دیجیو جب تک میں چڑیوں سے مل کر لوٹ نہ آؤں۔ تیری اور اس کی صلح نہ کرا دوں اور اس کے ساتھ تجھے تیری وطن نہ بھیج دوں۔ بیٹا بس اتنا ہی میں کر سکتا ہوں' اس سے زیادہ میرا بس نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو گیارہویں رات

جب پانچ سو گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ شیخ نصر نے کہا بیٹا بس اتنا ہی میں کر سکتا ہوں' اس سے زیادہ میرا بس نہیں۔ اس کی باتیں سن کر جان شاہ کے دل کو اطمینان ہوا۔ ایک سال اور ٹھہرنے کا ارادہ کیا اور چڑیوں کے آنے کے دن گننے لگا۔ چڑیوں کے آنے کا دن آیا تو شیخ نصر نے جان شاہ سے کہا میں تو چڑیوں سے ملنے جاتا ہوں تو لڑکیوں کی پوشاک کے متعلق جو میں نے کہا وہی کیجیو۔ سمجھا بجھا کر شیخ نصر تو چڑیوں سے ملنے چلا گیا' جان شاہ کوٹھری کے اندر باغ میں جا پہنچا اور اس طرح ایک درخت کے نیچے چھپ بیٹھا کہ اسے کوئی دیکھ نہ سکے۔ ایک دن گزرا' دو دن گزرے پھر تیسرا دن آیا اور گزر گیا لیکن لڑکیاں نہ آئیں وہ بہت رنجیدہ ہوا' رونے اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگا۔ اتنا صدمہ ہوا کہ غشی کی نوبت آ گئی۔ بڑی دیر تک نڈھال پڑا رہا۔ جب ذرا حالت سنبھلی تو کبھی آسمان کی طرف دیکھتا' کبھی زمین کی طرف' کبھی تالاب میں گھورتا' کبھی خشکی کو دیکھتا' محبت اور مایوسی سے اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ جان شاہ کی یہی کیفیت تھی کہ تین کبوتر اڑتے ہوئے آئے' ہر کبوتر شاہین کے برابر تھا۔ تالاب کے پاس اتر کر وہ دائیں بائیں دیکھنے لگے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ وہاں کوئی جن ہے نہ آدم زاد تو انہوں نے اپنے کپڑے اتار ڈالے۔ یہ وہی پریاں تھیں اور برہنہ ہو کر تالاب میں نہانے' پانی سے کھیلنے' آپس میں ہنسی مذاق کرنے اور دل خوش کرنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ چاندی کی ڈھلی ہوئی پتلیاں ہیں۔ سب سے بڑی لڑکی نے کہا' بہنو! مجھے ڈر ہے کہ ہماری تاک میں کہیں کوئی اس محل میں چھپا نہ ہو۔

منجھلی بولی بہن' حضرت سلیمان کے زمانے سے آج تک اس محل میں نہ کسی انسان کا

گزرا ہوا نہ جن کا۔ چھوٹی نے ہنس کر کہا بہنو' خدا کی قسم اگر کوئی اس جگہ چھپا بھی ہے تو وہ سوا میرے کسی کو لینے نہ آیا ہو گا۔ ادھر وہ چہلیں کر رہی تھیں' ادھر جان شاہ کو دل مارے محبت کے دھک دھک کر رہا تھا۔ درختوں میں چھپا ہوا برابر انہیں دیکھے جاتا اور وہ اسے نہ دیکھ سکتیں۔ جب تینوں لڑکیاں تیرتے تیرتے تالاب کے بیچ میں پہنچ گئیں اور اپنے کپڑوں سے دور جا پڑیں تو جان شاہ بجلی کی سرعت سے اٹھا اور چھوٹی لڑکی کے کپڑے بغل میں دبا لیے۔ کیونکہ وہی اس کی معشوقہ تھی' اس کا نام شمسہ تھا۔ اتنے میں لڑکیوں نے پھر دیکھا جان شاہ پر نظر پڑی تو ان کا کلیجا کانپنے لگا' اپنے بدنوں کو پانی میں چھپائے حوض کے کنارے آئیں۔ دیکھا کہ چودھویں رات کا چاند چمک رہا ہے۔ انہوں نے جان شاہ سے پوچھا تو کون ہے' یہاں کیسے آیا ہے اور شمسہ کے کپڑے کیوں اٹھا لیے؟ اس نے جواب دیا میرے پاس آؤ تو میں اپنی ساری کہانی تمہیں سناؤں۔ شمسہ بولی تو نے میرے کپڑے کیوں چرائے اور میری بہنوں کو چھوڑ کر مجھ پر کیسی عنایت کی؟

جان شاہ نے کہا اے میری آنکھوں کی روشنی' پانی سے نکل تو سہی میں تجھے اپنی کہانی سناؤں' اپنا ماجرا بیان کروں اور بتاؤں کہ میں تجھے کہاں سے جانتا ہوں۔ لڑکی بولی' اے میرے آقا' میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور میرے دل کے ٹکڑے' میرے کپڑے تو مجھے واپس دے میں انہیں پہن کر اپنے بدن کو ڈھانکوں اور پانی سے نکل کر تیرے پاس آؤں۔ جان شاہ نے کہا اے حسینوں کی سردار' یہ کیسے ہو سکتا ہے میں تجھے کپڑے دے کر کیا اپنی جان جوکھوں میں ڈال دوں۔ جب تک چڑیوں کا بادشاہ شیخ نصر نہ آ جائے میں تجھے تیرے کپڑے نہیں دوں گا۔

شمسہ نے جان شاہ کی باتیں سنیں تو اس سے کہا اچھا اگر تو' میرے کپڑے نہیں دیتا تو ذرا ہٹ جا کہ ہماری بہنیں باہر آ کر کپڑے پہن لیں اور مجھے بھی بدن ڈھانکنے کے لیے کوئی چیز دے دیں۔ جان شاہ نے کہا یہ مانا اور ان کے سامنے سے ہٹ کر محل

کے اندر چلا گیا۔ شمسہ اور اس کی بہنیں پانی میں سے نکلیں۔ اپنے اپنے کپڑے پہنے۔ بڑی بہن نے اپنے کپڑوں میں سے ستر پوشی کے لیے کچھ اسے بھی دے دیا مگر اس سے اڑنا ممکن نہ تھا۔ شمسہ چاند یا غزال معلوم ہوتی تھی' خراماں خراماں جان شاہ کے پاس پہنچی۔ دیکھا کہ وہ تخت پر بیٹھا ہے' سلام کر کے اس کے برابر جا بیٹھی اور کہنے لگی اے حسین تو ہی وہ شخص ہے جس نے مجھے بھی تباہ کیا اور اپنے آپ کو بھی۔ خیر اب اپنی کہانی تو سنا کہ تو کون ہے؟ شمسہ کو مہربان دیکھ کر رونے لگا اور اتنا رویا کہ آنسوؤں سے اس کے تمام کپڑے بھیگ گئے۔ لڑکی کو یقین ہو گیا کہ جان شاہ اس کی محبت کا مارا ہوا ہے تو وہ اٹھی اور ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا' اپنی آستین سے اس کے آنسو پونچھے اور کہنے لگی۔ اے حسین ہلکان نہ ہو' اپنی کہانی مجھے سنا۔ جان شاہ نے اسے اپنی کہانی سنائی جو کچھ اس پر گزرا بیان کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو بارہویں رات

جب پانچ سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جان شاہ نے اسے اپنی کہانی سنائی اور جو کچھ واقعات گزرے تھے بیان کیے۔ اس کا قصہ سننے کے بعد شمسہ نے ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا اے میرے آقا' اگر تو مجھے سچ مچ مجھے چاہتا ہے تو میرے کپڑے مجھے دے دے تاکہ انہیں پہن کر میں اپنی بہنوں کے ساتھ اپنے ماں باپ کے پاس جاؤں اور ان سے کہوں کہ میری محبت میں تجھ پر کیا گزر رہی ہے اور پھر تیرے پاس آ کر تجھے تیرے وطن پہنچا دوں۔ جان شاہ رو پڑا اور کہنے لگا' کیا خدا نے تجھ پر یہ حلال کر دیا ہے کہ تو مجھے زبردستی مار ڈالے؟ لڑکی نے پوچھا اے میرے آقا' اس میں مار ڈالنے کی کیا بات ہے؟ اس نے جواب دیا جب تو اپنے کپڑے پہن کر میرے پاس سے چلتی بنے گی میں تو فوراً جان دے دوں گا۔ جان شاہ کی باتوں پر شمسہ کہ بہنیں ہنس پڑیں۔ شمسہ بولی بے چین نہ ہو' میں تجھ سے ضرور بیاہ کروں گی۔ یہ کہہ کر اس کی طرف جھکی اسے گلے لگایا سینے سے سینہ ملا کر اس کے ماتھے اور رخساروں کے بوسے لیے۔ دیر تک دونوں ہم آغوش رہے۔ اس کے بعد وہ جدا ہو کر تخت پر بیٹھ گئے۔

اس عرصے میں شمسہ کی دونوں بہنیں محل سے باہر جا کر کچھ پھل اور پھول توڑ لائیں۔ سب نے کھایا پیا' لطف اٹھایا۔ خوش ہوئے اور ہنسی مذاق کیا۔ جان شاہ نہایت حسین تھا چھریرا' رنگ اجلا اور بدن سڈول۔ شمسہ نے اس سے کہا پیارے' خدا کی قسم میں تجھے بہت چاہتی ہوں' کبھی تجھ سے جدا نہ ہوں گی۔ جان شاہ کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اتنا ہنس کہ باچھیں کھل گئیں اور سب آپس میں ہنسی مذاق کرتے رہے۔

یہی چہچہے' قہقہے تھے کہ شیخ نصر چڑیوں سے مل کر ان کے پاس پہنچا۔ جونہی وہ ان کے سامنے آیا۔ سب کے سب کھڑے ہو گئے۔ اسے سلام کیا' اس کے ہاتھ چومے۔ شیخ

نصر نے انہیں بڑے تپاک اور پیار سے بٹھایا۔ بیٹھ گئے تو شمسہ سے کہا یہ جوان تجھے بہت چاہتا ہے' خدا کے لیے اس پر رحم کر۔ وہ بڑا شخص ہے۔ شہزادہ ہے۔ اس کا باپ کابل کا بادشاہ ہے جس کے ماتحت بہت بڑا ملک ہے۔ شمسہ نے شیخ نصر کی باتیں سنیں تو اس نے کہا کہ تیرا حکم سر آنکھوں پر اور اس کے ہاتھ چوم کر سامنے کھڑی ہو گئی۔ شیخ نصر بولا اگر تو سچ کہتی ہے تو میرے سامنے خدا کی قسم کھا کہ تو اسے کبھی دھوکہ نہ دے گی اور اس کے ساتھ شادی کر لے گی۔ لڑکی نے قسم کھائی اور کہا اے شیخ نصر میں اسے کبھی نہ چھوڑوں گی۔ جب شمسہ نے قسم کھا لی تو شیخ نصر کو اس کا یقین آ گیا اور اس نے جان شاہ سے کہا شکر ہے اس خدا کا جس نے تم دونوں کے دل ملا دیئے۔ جان شاہ کی خوشی کا کیا پوچھنا۔ اس سے زیادہ اسے اور کیا مسرت ہوتی۔ پھر وہ اور شمسہ شیخ نصر کے ہاں تین مہینے تک کھاتے پیتے اور ہنستے بولتے رہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو تیرہویں رات

جب پانچ سو تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... تین مہینے کے بعد شمسہ نے جان شاہ سے کہا میں چاہتی ہوں کہ اب ہم تیرے وطن چلیں اور

تو میرے ساتھ بیاہ کرے اور ہم تیرے وہاں رہیں۔ وہ بولا جیسی تیری خوشی۔ اس کے
بعد جان شاہ بیاہ کرے اور ہم تیرے وہاں رہیں۔ وہ بولا جیسی تیری خوشی۔ اس کے
بعد جان شاہ نے شیخ نصر سے مشورہ کیا اور کہا میرا ارادہ وطن جانے کا ہے اور جو کچھ شمسہ نے کہا تھا وہ اس سے بیان کیا۔ شیخ نصر نے کہا بہت اچھی بات ہے۔ جا اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آئیو۔ شیخ نصر نے اجازت دے دی تو لڑکی نے اپنے کپڑے مانگے اور شیخ نصر سے کہا کہ جان شاہ سے کہہ کر وہ میرے کپڑے دے دے تا کہ میں انہیں پہن لوں۔ اس نے جان شاہ سے کہا کہ وہ میرے کپڑے دے دے۔ جان شاہ جلدی سے اٹھ کر محل میں گیا اور کپڑے لا کر اسے دے دیئے۔ اس نے کپڑے پہن کر جان شاہ سے کہا میری پیٹھ پر سوار ہو جا اور آنکھیں اور کان بند کر لے تا کہ آسمان کے چکر کی آواز تجھے سنائی نہ دے اور جب تک تو میری پیٹھ پر رہے میرے پروں کو زور سے پکڑے رہیو۔ خبردار گریو نہیں۔ جان شاہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔ وہ اڑنے ہی والی تھی کہ شیخ نصر نے کہا ذرا ٹھہر جا کہ میں تجھے کابل کے ملک کا پتہ بتا دوں' کہیں ایسا نہ ہو کہ بھٹک جائے۔ وہ ٹھہر گئی اور شیخ نصر نے اسے اس ملک کا پتہ اچھی طرح سے سمجھا دیا اور کہا میں جان شاہ کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ اور وہ اس سے رخصت ہوا۔ وہ بھی اپنی بہنوں سے رخصت ہوئی اور بولی گھر جا کر میرا اور جان شاہ کا سارا قصہ سنا دینا۔ وہ پھر اڑی اور بجلی کی طرح اوپر پہنچ گئی۔ بعد ازاں دونوں بہنیں بھی اڑ گئیں اور گھر پہنچ کر انہوں نے شمسہ اور جان شاہ کی ساری کہانی کہہ سنائی۔

ادھر شمسہ جان شاہ کو پیٹھ پر بٹھائے صبح سے لے کر تیسرے پہر تک اڑتی رہی۔ تیسرا پہرا ہوا تو شمسہ کو دور سے ایک وادی دکھائی دی جس میں بہت سے درخت اور میوے تھے۔ اس نے جان شاہ سے کہا میں چاہتی ہوں کہ یہاں اتر کر آج رات کو اس وادی کے درختوں اور سبزہ زار کی سیر کریں۔ جان شاہ نے کہا جیسے تیری مرضی۔ وہ ہوا سے اتر کر اس وادی میں پہنچی اور جان شاہ اس کی پیٹھ پر سے اتر کر اس کے ماتھے کو چومنے لگا۔ دونوں دیر تک ایک چشمے کے کنارے بیٹھے رہے۔ اس کے بعد وہ اٹھ کر گھاٹی کی سیر کرنے لگے۔ خوب سیر کی اور پھل کھائے۔ شام تک سیر کرتے کرتے ایک درخت کے نیچے پہنچے اور وہاں سو گئے۔ جب صبح ہوئی تو شمسہ اٹھی اور جان شاہ سے کہا میری پیٹھ پر سوار ہو جا۔ جان شاہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور وہ اسے لے کر اڑی۔ صبح سے دوپہر تک اڑتی رہی۔ اب انہیں وہ نشانیاں دکھائی دینے لگیں جو شیخ نصر نے بتائی تھیں۔ یہ نشانیاں دیکھتے ہی شمسہ ہوا سے ایک ہرے سبزہ زار میں اتر پڑی جہاں نہایت خوش نما سبزہ تھا' ہرن چوکڑیاں مار رہے تھے اور چشمے بہہ رہے تھے' پکے پکے پھل لگے ہوئے اور چوڑے دریا جاری۔ جب وہ اس سبزہ زار میں اتری تو جان شاہ نے اس کی پیٹھ سے اتر کر اس کی پیشانی چومی۔ لڑکی نے کہا' اے میرے پیارے آنکھوں کے تارے' تجھے معلوم ہے کہ ہم نے کتنی راہ طے کی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ لڑکی نے کہا تیس مہینے کی راہ۔ جان شاہ نے کہا شکر ہے خدا کا کہ اس نے ہمیں صحیح و سلامت پہنچا دیا۔ یہ کہہ کر وہ بیٹھ گیا۔ لڑکی اس کے پاس بیٹھ گئی۔ دونوں کھانے پینے اور ہنسی مذاق کرنے لگے۔ اسی حالت میں تھے کہ ان کے پاس دو غلام پہنچے۔ ایک تو وہ تھا جو گھوڑوں کے ساتھ جب کہ جان شاہ اتر کر ماہی گیری کی کشتی میں سوار ہوا تھا اور دوسرا وہ تھا جو اس کے ساتھ سیرو شکار میں تھا۔ جب دونوں غلاموں نے جان شاہ کو دیکھا تو وہ اسے پہچان گئے۔ سلام کیا اور کہا اگر تو اجازت دے تو ہم تیرے باپ کے پاس جا کر اسے تیرے آنے کی خوش خبری دیں۔ جان شاہ نے کہا ہاں میرے باپ کے پاس جا کر اسے خبر دو اور ہمارے لیے خیمے لے کر آؤ۔ ہم یہاں

سات دن تک ٹھہر کر ستائیں گے۔ اس وقت تک جلوس بھی ہمارے لیے آ جائے گا
اور ہم جلوس میں شامل ہو جائیں گے

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی

○○○

جب پانچ سو چودھویں رات

جب پانچ سو چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جان شاہ نے غلاموں سے کہا کہ جب جلوس آ جائے گا تو ہم اس میں شامل ہو جائیں گے۔ غلام گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے باپ کے پاس روانہ ہو گئے اور جا کر کہا' جہاں پناہ' مبارک ہو! غلاموں کی یہ باتیں سن کر بادشاہ طیغموس نے پوچھا تم کس بات کی مبارک باد دیتے ہو؟ کیا میرا بیٹا جان شاہ آ گیا۔ انہوں نے کہا ہاں تیرا کھویا ہوا بیٹا آ گیا ہے اور وہ اس وقت تیز قریب کرانی سبزہ زار میں ہے۔ غلاموں کی زبان سے بادشاہ نے یہ خوش خبری سنی تو مارے خوشی کے بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے وزیر کو حکم دیا دونوں غلاموں کو خلعت اور بہت سا مال عطا کرے۔ وزیر نے فوراً غلاموں کو وہ چیزیں دیں جو بادشاہ کو حکم تھا۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ خوش خبری کے بدلے یہ مال لو' خواہ تم سے نے سچ کہا ہو یا جھوٹ۔ غلاموں نے کہا ہم نے جھوٹ نہیں کہا بلکہ ہم اس کے پاس بیٹھ کر اسے سلام کر کے اور اس کے ہاتھ چوم کر آئے ہیں۔ اس نے ہمیں یہ بھی حکم دیا ہے کہ ہم اس کے لیے خیمے لے کر جائیں اور وہ کرانی سبزہ زار میں بیٹھ کر سات دن تک انتظار کرے گا یہاں تک کہ تو وزیروں اور امیروں اور بڑے لوگوں کو اس سے ملنے کے لیے بھیجے۔ بادشاہ نے پوچھا میرا بیٹا کس حالت میں ہے؟ انہوں نے کہا تیرے بیٹے کے ساتھ ایک حور ہے گویا وہ اسے جنت سے لے کر آیا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے حکم دیا کہ بجیرے اور شہنائیاں بجائی جائیں۔ اسی وقت خوشی کے باجے بجنے لگے اور بادشاہ طیغموس نے شہر کے ہر طرف خوشخبری دینے والے بھیجے تاکہ وہ جان شاہ کی ماں' امیروں' وزیروں اور بڑے لوگوں کی بیویوں کو جا کر خوش خبری دیں۔ خوش خبری دینے والے چاروں طرف پھیل گئے اور سب کو جان شاہ کے آنے کی خوشخبری دی۔

اس کے بعد بادشاہ طیغموس لشکر اور فوجیں تیار کر کے کرانی سبزہ زار کی طرف روانہ ہو گیا۔ جان شاہ اور شمسہ پاس پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ لشکر آ پہنچا۔ جان شاہ اٹھ کر ان کی طرف بڑھا۔ لشکر والوں نے اسے دیکھا تو پہچان لیا اور گھوڑوں سے اتر کر اس کی طرف پیدل چلے اور سلام کر کے اس کے ہاتھ چومے۔ اب جان شاہ لشکر کے ساتھ روانہ ہو کر اپنے باپ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ طیغموس اپنے بیٹے کو دیکھتے ہی گھوڑے سے کود پڑا اور اس سے لپٹ کر رونے لگا۔ وہ بیٹے کو لے کر سوار ہوا اور لشکر ان کے دائیں بائیں ہو لیا۔ چلتے چلتے دریا کے کنارے پہنچے۔ لشکر اتر پڑا' خیمے شامیانے اور جھنڈے لگا دیئے۔ ڈھول' بانسریاں' مجیرے اور بگل بجنے لگے۔ بادشاہ طیغموس نے فراشوں نے حکم کی تعمیل کی۔ شمسہ نے انے پروں کا لباس اتار دیا اور اس خیمے کی طرف گئی اور جا کر اس کے اندر بیٹھی۔ وہ بیٹھی ہی تھی کہ بادشاہ طیغموس اور اس کا بیٹا جان شاہ ساتھ ساتھ اس کے پاس پہنچے۔ شمسہ بادشاہ طیغموس کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے آگے زمین چومی۔ بادشاہ بیٹھ گیا اور اپنے بیٹے جان شاہ کو دائیں طرف اور شمسہ کو بائیں بٹھا کر ان خیر مقدم کیا اور اپنے بیٹے جان شاہ سے پوچھا کہ پردیس میں تیرے ساتھ کیا گزری؟ اس نے اپنی ساری کہانی شروع سے لے کر آخر تک سنا دی۔ شہزادے کی کہانی سن کر بادشاہ کو سخت تعجب ہوا اور اس نے شمسہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا شکر ہے خدا کا جس نے تیری وجہ سے مجھے اور میرے بیٹے کو ملا دیا' یہ خدا کی بہت بڑی مہربانی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو پندرہویں رات

جب پانچ سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... بادشاہ طیغموس نے شمسہ سے کہا شکر ہے خدا کا جس کے طفیل تو نے مجھے میرے بیٹے سے ملایا' یہ خدا کی بہت بڑی مہربانی ہے۔ میری خوشی ہے کہ تو مجھ سے کوئی ایسی چیز مانگے جو تیرا دل چاہتا ہو تاکہ میں اسے پورا کر کے تیرا احترام کروں۔ شمسہ نے کہا میں چاہتی ہوں کہ تو میرے لیے ایک باغ کے بیچ میں ایسا محل بنوا دے جس میں نہریں بہ رہی ہوں۔ اس نے کہا سر آنکھوں پر۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ جان شاہ کی ماں' امیروں' وزیروں اور شہر کے بڑے لوگوں کی بیویوں کے ساتھ آ پہنچی۔ جان شاہ اسے دیکھ کر خیمے سے باہر نکل آیا۔ اس کے پاس پہنچ کر دیر تک اس کے گلے سے لگا رہا۔ مارے خوشی کے ماں کے آنسو بہنے لگے۔ دونوں نے اپنا اپنا سارا ماجرا بیان کیا جو انہیں جدائی کے غم میں پیش آیا تھا۔ اس کے بعد اس کا باپ اپنے خیمے میں چلا گیا اور وہ اپنی ماں کے ساتھ اپنے خیمے میں جا کر اس سے باتیں کرنے لگا۔ وہ بیٹھے ہی آ رہی ہے۔ یہ سن کر جان شاہ کی ماں اٹھ کھڑی ہوئی۔ شمسہ دوسری عورتوں کو لے چل کر کھڑی ہوئیں۔ شمسہ کے خیمے میں پہنچیں اور وہاں بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔

بادشاہ طیغموس نے اپنے بیٹے کے آنے کی خوشی میں رعایا کو بہت انعام و اکرام دیا۔ دس دن وہاں عیش و عشرت کے ساتھ گزارنے کے بعد بادشاہ نے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ وہ شہر کی طرف کوچ کریں اور خود سوار ہو کر روانہ ہوا۔ اس کا لشکر اس کے اردگرد تھا۔ وزیر اور حاجب دائیں بائیں' بڑی دھوم سے وہ لوگ شہر میں پہنچے۔ جان شاہ کی ماں اور شمسہ اپنے محل میں گئیں۔ شہر بڑے سلیقے سے آراستہ کیا تھا۔ ان کے شہر میں داخل ہوتے ہی خوشی کے باجے اور مجیرے بجنے لگے۔ گھوڑوں کے سموں کے نیچے زربفت بچھایا گیا اور حکومت کے بڑے لوگوں نے خوش ہو کر تحفے تحائف دیئے

جنہیں دیکھ کر تماشائی دنگ رہ گئے۔ فقیروں اور مسکینوں کو کھانے کھلائے گئے اور دس دن تک بڑی چہل پہل رہی۔ یہ دیکھ کر شمسہ بڑی خوش ہوئی۔

اس کے بعد بادشاہ طیغموس نے معماروں اور مستریوں کو بلا کر حکم دیا فلاں باغ میں ایک محل تیار کریں۔ محل بننا شروع ہو گیا اور چند روز میں ایک نہایت عالی شان عمارت بن کر کھڑی ہو گئی۔ محل جب بننے لگا تو جان شاہ نے کاریگروں سے کہا کہ وہ ایک سفید مرمر کا کھمبا بنائیں اور اسے اندر سے کھوکھلا کر کے صندوق کی طرح کر دیں۔ اس حکم کی تعمیل ہو گئی تو جان شاہ نے شمسہ کو وہ لباس جس سے وہ اڑتی تھی اس کھمبے میں رکھ کر اسے محل کی نیو میں گاڑ دیا اور معماروں سے کہا کہ اس کے اوپر وہ ڈاٹیں رکھیں جن پر محل بنایا جائے گا۔ غرض کہ محل بن کر تیار ہو گیا تو اس کی آرائش کی گئی اور وہ محل ہر طرح سے اپنی نظیر آپ ہی تھا۔ اس کے بعد بادشاہ طیغموس نے جان شاہ کا ولیمہ کیا اور یہ اتنا بڑا جشن ہوا جس کا جواب نہیں۔ پھر لوگ شمسہ کو شادی کی پہلی رات کے لیے وہاں پہنچا کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ جونہی شمسہ اس محل میں داخل ہوئی تو اسے اپنے پروں والے لباس کی بو آنے لگی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کے اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو سولہویں رات

جب پانچ سو سولہویں رات ہوئی تو اس نے کہا نیک نہاد بادشاہ ------ جونہی شمسہ اس محل میں داخل ہوئی اسے انے پروں والے لباس کی بو آنے لگی جسے پہن کر وہ اڑتی تھی۔ اسے معلوم ہو گیا کہ وہ کہاں ہے اور وہ اسے لینے پر تل گئی۔ لیکن وہ آدھی رات تک ٹھہری رہی۔ جب آدھی رات ہوئی اور جان شاہ نیند میں بے خبر ہو گیا تو وہ اٹھ کر اس کھمبے کے پاس پہنچی جس کے اوپر محرابیں تھیں اور ایک طرف سے کھودتے کھودتے وہ کھمبے تک پہنچ گئی جس کے اندر اس کی پوشاک تھی۔ اس پر سے وہ سیسہ دور کیا جو پگھلا کر لگایا گیا تھا۔ اس میں سے کپڑے نکال لیے اور انہیں پہن فراٹا بھر محل کی چھت پر جا بیٹھی اور لوگوں سے کہا کہ جان شاہ کو میرے پاس بلا لاؤ تا کہ میں اس سے رخصت ہو لوں۔

جان شاہ کو یہ خبر پہنچی تو وہ اس کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ اپنے پروں کا لباس پہنے محل کی چھت پر بیٹھی ہے اس نے کہا یہ تو نے کیا کیا' شمسہ نے جواب دیا اے میرے پیارے' آنکھوں کے تارے اور دل کے ٹکڑے' خدا کی قسم میں تجھے بہت چاہتی ہوں اور مجھے بے حد خوشی ہے کہ میں نے تجھے تیرے وطن پہنچا کر ماں باپ سے ملا دیا۔ اب اگر تجھے بھی مجھ سے اتنی محبت ہے جتنی مجھے تجھ سے تو میرے پاس قلعہ جوہر تکنی میں آ جائیو۔ یہ کہہ کر وہ اڑ گئی اور اپنے ماں باپ کے پاس چل دی۔

جب جان شاہ نے محل کی چھت پر سے شمسہ کی یہ باتیں سنیں تو قریب تھا کہ مارے رنج کے اس کی جان نکل جائے۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگوں نے جا کر اس کے باپ کو خبر دی۔ وہ سوار ہو کر محل میں آیا۔ بیٹے کو زمین پر پڑا ہوا پایا۔ رونے لگا اور یقین ہو گیا کہ اس کا بیٹا شمسہ کی محبت میں گرفتار ہے۔ منہ پر گلاب کا عرق چھڑکا۔ اسے ہوش آیا تو دیکھا کہ باپ سرہانے بیٹھا ہے۔ وہ اپنی بیوی کی جدائی پر

رونے لگا۔ باپ نے کہا بیٹا تجھ پر کیا مصیبت آئی ہے؟ بیٹا بولا سن شمسہ پری ہے اور جنوں کی اولاد میں سے۔ میں اسے چاہتا ہوں' اس کی محبت میں گرفتار' اس کے حسن پر شیدا ہوں۔ میرے پاس اس کے وہ کپڑے تھے جن کے بغیر وہ اڑ نہ سکتی تھی۔ میں نے ان کپڑوں کو لے کر صندوق کی شکل کے ایک کھمبے میں چھپا دیا تھا اور اس پر سیسہ پگھلا کر اسے محل کی نیو میں رکھ دیا تھا۔ اس نے نیو کھود کر وہ کپڑے نکال لیے۔ انہیں پہن کر اڑ گئی۔ محل کی چھت پر جا بیٹھی اور مجھ سے کہا میں تجھے چاہتی ہوں' میں نے تجھے تیرے وطن پہنچا کر تیرے ماں باپ سے ملا دیا ہے۔ اگر تجھے بھی مجھ سے محبت ہے تو میرے پاس قلعہ جوہر تکنی میں آئیو۔ یہ کہہ کر وہ محل کی چھت پر سے اڑی اور چلتی ہوئی۔

بادشاہ طیغموس نے کہا' بیٹا غم نہ کھا میں ابھی سوداگروں اور سیاحوں کو بلا کر ان سے اس قلعے کا پتہ پوچھتے ہیں۔ ہمیں پتہ معلوم ہو جائے گا تو ہم خود وہاں چل کر شمسہ کے گھر والوں سے ملیں گے۔ خدا سے امید ہے کہ وہ تجھے شمسہ کو عطا کرے گا اور تیرا گھر بس جائے گا۔

بادشاہ نے باہر آ کر اپنے چاروں وزیروں کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ شہر میں جتنے سوداگر اور سیاح ہوں انہیں بلوا کر ان سے قلعے جوہر تکنی کا پتا پوچھا جائے۔ جو کوئی اس کا پتا بتائے گا۔ میں اسے پچاس ہزار دینار دوں گا۔ فوراً حکم کے مطابق کے تمام سفر کرنے والے سوداگروں سے قلعے جوہر تکنی کا پتہ پوچھا لیکن کوئی اس کا پتا نہ بتا سکا پھر انہوں نے بادشاہ کے پاس آ کر خبر دی۔ بادشاہ اسی وقت اٹھ کھڑا ہو اور اس نے حکم دیا کہ جان شاہ کے لیے ایسی ایسی خوبصورت اور گانے بجانے والی کنیزیں لائی جائیں جو سوائے بادشاہوں کے اور کسی کے پاس نہ جاتی ہوں تاکہ شمسہ کی محبت اس کے دل سے نکل جائے۔ لوگوں نے اس کے حکم کی تعمیل کر دی۔ اس کے بعد بادشاہ نے تمام ملکوں' جزیروں اور اقلیتوں میں جاسوس اور کھوج لگانے والے بھیجے کہ قلعے جوہر تکنی

کا پتا چلائیں۔ جاسوس دو مہینے تک پوچھتے پھرے انہیں کسی سے اس کا پتہ نہ لگا۔ انہوں نے واپس آ کر بادشاہ سے اپنی ناکامی بیان کی۔ بادشاہ بہت رویا اور اپنے بیٹے کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ خوبصورت کنیزوں کے ساتھ جو رباب اور بربط پر گا بجا رہی ہیں بیٹھا ہوا ہے تاہم اس کے دل سے شمسہ کی محبت نہیں جاتی۔ باپ نے کہا بیٹا کسی ایسے شخص کا پتہ نہیں لگتا جو اس قلعے کو جانتا ہو۔ بس یہی تمام خبروں کا خلاصہ ہے۔ باپ کی یہ باتیں سن کر جان شاہ رونے لگا اور اس کے آنسو بہنے لگے۔ بادشاہ نے طیغموس اور ہندوستان کے راجا کے درمیان سخت دشمنی تھی۔ بادشاہ طیغموس نے ایک بار اس پر چڑھائی کر کے اس کے ملک والوں کو قتل کیا تھا' اس کے خزانے چھین لیے تھے۔ ہندوستان کے اس راجا کا نام کفید تھا۔ اس کے پاس بہت سی فوجیں' بہت سامان جنگ اور بڑے بڑے سورما تھے۔ اس کی سلطنت میں ایک ہزار پہلوان تھے۔ ہر پہلوان کے ایک ہزار قبیلے میں چار ہزار سوار تھے۔ راجا کے چار وزیر تھے۔ اس کے زیر اقتدار بہت سے بادشاہ' رئیس' امیر اور بڑی بڑی فوجیں تھیں۔ اس کے راج میں ایک ہزار شہر تھے اور ہر شہر میں ایک ہزار گڑھیاں۔ الغرض وہ بہت بڑا اور طاقتور راجا تھا۔ اس کی فوجیں دنیا کے ہر حصے میں تھیں۔

جب ہندوستان کے بادشاہ راجا کفید کو معلوم ہوا کہ بادشاہ طیغموس اپنے بیٹے کے عشق کے سلسلے میں پھنسا ہوا ہے' حکومت اور ملک کے کاروبار چھوڑ رکھے ہیں' لشکر کم ہوتا جاتا ہے اور غم و مصیبت نے اس کی طاقتیں منتشر کر دی تو اس نے وزیروں' امیروں اور سرداروں کو جمع کیا اور ان سے کہا تمہیں معلوم ہے کہ بادشاہ طیغموس نے ہمارے ملک پر حملہ کر کے میرے باپ اور بھائیوں کو مار ڈالا تھا۔ ہماری دولت لوٹ لی تھی' تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے کسی نہ کسی رشتے دار کو اس نے قتل نہ کیا ہو' اس کا مال نہ چھینا ہو' اس کی روزی نہ لوٹی ہو اور اس کے گھر والوں کو قید نہ کیا ہو۔ آج کل میں سنتا ہوں کہ اپنے بیٹے جان شاہ کے عشق کے سلسلے میں وہ پریشان ہے۔ اس کی فوجیں کم ہو گئی ہیں۔ بس یہی وقت بدلہ لینے کا ہے۔ لہٰذا اس پر دھاوا

بولنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور لڑائی کا سامان ٹھیک کر لو۔ اس میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ موقع ہے کہ وہاں پہنچ کر فوراً اس پر ٹوٹ پڑیں' اسے اور اس کے بیٹے کو قتل کر

کے اس کے ملک پر قبضہ کر لیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• پانچ سو سترہویں رات

جب پانچ سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ ہندوستان کے راجا کفید نے کہا ہم بادشاہ طیغموس اور اس کے بیٹے کو قتل کر کے اس کے ملک پر قبضہ کر لیں۔ یہ سن کر وہ سب کھڑے ہو گئے اور ہر ایک اپنا سامان تیار کرنے لگے۔ پورے تین مہینے تک لشکر جمع اور سامان جنگ تیار ہوتا رہا۔ فوجوں' لشکروں اور سرماؤں کی تعداد پوری ہو چکی تو ڈھول اور نفیریاں بجنے لگیں' جھنڈے اور نشان گاڑے گئے۔ اس کے بعد راجا کفید نے کوچ بول دیا اور چلتے چلتے کابل کے ملک کے پاس پہنچ گیا جو بادشاہ طیغموس کا ملک تھا۔ وہاں پہنچتے ہی انہوں نے لوٹ مار شروع کر دی' رعایا کو تباہ کیا' بڑوں کو قتل اور چھوٹوں کو قید کیا۔ یہ خبر بادشاہ طیغموس تک پہنچی تو اسے طیش آ گیا' ملک کے سرداروں' وزیروں اور امیروں کو جمع کر کے اس نے کہا کفید ہمارے ملک میں آ گیا ہے اور ہم سے لڑنا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ اتنا لشکر' اتنے سورما اور اتنی فوجیں ہیں کہ خدا ہی جانے' تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا جہاں پناہ' ہماری رائے یہ ہے کہ ہم نکل کر میدان میں اس سے لڑیں اور اسے اپنے ملک سے نکال باہر کریں۔ بادشاہ طیغموس نے کہا اچھا تو پھر لڑائی کی تیاری کرو۔ یہ کہہ کر اس نے زرہ بکتر' جوشن' خود' تلواریں اور تمام ایسے ہتھیار نکال کر انہیں دیئے جو بہادروں کو ہلاک کر دیں اور سورماؤں کو نیچا دکھائیں۔ چنانچہ لشکر' فوجیں اور سورما جمع ہوئے' لڑائی کی تیاری ہونے لگی اور جھنڈے گاڑے گئے' مجیرے' نفیریاں' ڈھول اور جھانجھ بجنے لگے اور بادشاہ طیغموس' راجا کفید کے مقابلے میں چل کھڑا ہوا' غنیم کے قریب پہنچ گیا تو ایک گھاٹی میں ڈیرے ڈال دیئے جس کا نام زہران تھا جو کابل کے ملک کے قریب تھی۔

اب بادشاہ طیغموس نے ایک خط لکھا اور اسے اپنے لشکر کے ایک ایلچی کے ہاتھ راج

کفید کے پاس بھیجا۔ اس کا مضمون یہ تھا: خدا اور رسول کی تعریف کے بعد ہم راجا کفید کو یہ جتانا چاہتے ہیں کہ تو نے لچے لفنگوں کی سی حرکت کی ہے۔ اگر تو بادشاہوں کے نطفے سے ہوتا تو ایسا نہ کرتا' میرے ملک میں گھس کر لوگوں کو مال نہ لوٹتا اور رعایا کو تباہ نہ کرتا۔ تجھے معلوم نہیں کہ یہ تیرا ظلم ہے۔ اگر میں جانتا کہ تو میرے ملک پر ظلم کرے گا تو میں تیرے آنے سے کہیں پہلے تیرے پہنچ چکا ہوتا اور تجھے اپنے ملک میں گھسنے بھی نہ دیتا۔ ابھی کچھ نہیں گیا اگر تو لوٹ جائے اور ہمارے ساتھ لڑائی پر آمادہ نہ ہو تو اچھا ہے ورنہ نکل کر میرے مقابلے میں میدان آ اور دل مضبوط کر کے لڑائی اور نیزہ بازی کر۔

یہ خط لکھ کر اس نے اس پر مہر لگائی اور اسے اپنے ایلچی کے حوالے کیا' اس کے ساتھ اس نے جاسوس بھی روانہ کئے تا کہ وہ جا کر خبر لائیں۔ ایلچی خط لے کر چل دیا۔ جب وہ راجا کفید کی لشکر گاہ کے قریب پہنچا تو اسے دور ریشم اور اطلس کے خیمے اور نیلے ریشم کے جھنڈے دکھائی دیئے۔ اس نے دیکھا کہ ان خیموں کے بیچ میں ایک بہت بڑا سرخ ریشم کا خیمہ ہے اجس کے ارد گرد بڑا لشکر جمع ہے۔ وہ اس خیمے کے پاس گیا اور لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا یہ راجا کفید کا خیمہ ہے۔ جونہی ایلچی کی نظر خیمے پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ راجا کفید ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے جس میں ہیرے جڑے ہوئے ہیں' وزیر امیر اور سردار اس کے پاس کھڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر ایلچی نے خط نکالا اور اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ راجا کفید کے چند سپاہی اس کی طرف بڑھے اور خط لے کر راجا کو پہنچا دیا۔ راجا نے خط پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا پھر جواب لکھا جس کا مضمون یہ تھا: "حمد و ثناء کے بعد ہم بادشاہ طیغموس پر ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ بدلہ لیں' اپنی ذلت دور کریں' ملکوں کو تباہ کریں' پردوں کو پھاڑیں' بڑوں کو ماریں اور چھوٹوں کو گرفتار کریں۔ کل میں میدان میں آ کر لڑوں گا اور تجھے لڑائی اور نیزہ بازی کا مزہ چکھاؤں گا۔"

یہ خط لکھ کر اس نے اس پر مہر لگا دی اور بادشاہ طیغموس کو ایلچی کو دے دیا۔ وہ اس خط کو لے کر چل دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

پانچ سو اٹھارہویں رات

جب پانچ سو اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... بادشاہ طیغموس کا ایلچی خط کا جواب لے کر واپس آیا۔ بادشاہ کے سامنے زمین چومی' اسے خط دیا' جو

کچھ دیکھا تھا بیان کیا اور کہا جہاں پناہ' میں نے اتنے سوار اور سورما سپاہی دیکھے ہیں جن کی گنتی نہیں اور جن کے پیچھے اور کمک برابر چلی آ رہی ہے۔ بادشاہ نے خط پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا تو وہ طیش میں آ گیا۔ اس نے اپنے وزیر عین زار کو حکم دیا کہ سوار ہو جائے اور ایک ہزار سوار لے کر آدھی رات کے وقت راجا کفید کے لشکر پر چھاپا ماریں اور سوار اندر گھس کر انہیں قتل کر ڈالیں۔ وزیر عین زار حکم پاتے ہی لشکر لے کر راجا کفید کی طرف روانہ ہو گیا۔ راجا کفید کا ایک وزیر تھا جس کا نام غطرفان تھا' راجا نے اسے حکم دیا کہ اپنے ساتھ پانچ ہزار سوار لے کر بادشاہ طیغموس پر حملہ کر دے اور ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر ڈال۔ وزیر غطرفان' راجا کفید کے حکم کے مطابق سوار ہو گیا اور لشکر لے کر بادشاہ طیغموس کی طرف چلا۔ آدھی رات کا وقت تھا کہ آدھے راستے پر دونوں وزیروں کی مڈ بھیڑ ہو گئی اور تمام رات کشت و خون ہوتا رہا۔ صبح ہوتے ہوتے راجا کفید کی فوج کے قدم اکھڑ گئے اور وزیر غطرفان بھاگ کھڑا ہوا۔

یہ بھاگا ہوا لشکر راجا کے پس پہنچا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا' وہ ان سے کہنے لگا تف ہے تم پر! تمہیں کون سی ایسی مصیبت کا سامنا پڑا جو تم اپنے سورما کھو بیٹھے؟

انہوں نے کہا مہاراج' جب وزیر غطرفان سوار ہوا اور ہم بادشاہ طیغموس پر شب خون مارنے چلے تو آدھی رات تک آدھی راہ طے کی ہو گی کہ بادشاہ طیغموس کے وزیر عین زار سے ہمارا مقابلہ ہو گیا۔ وہ اپنے لشکر اور سورماؤں کے ساتھ ہم پر ٹوٹ پڑا۔

یہ واقعہ زہران گھاٹی کے پہلو میں ہوا۔ ہم یک بہ یک اس کے لشکر کے بیچ میں آ گئے اور دست بہ دست لڑائی ہونے لگی' ہم آدھی رات سے لے کر صبح تک خوب لڑے اور بہت لوگ مارے گئے۔ وزیر عین زار ہاتھیوں کے آگے للکارتا وار اس زور سے حملہ کرتا کہ ہاتھی چوٹ کھا کر مچل جاتے' الٹے' اپنے ہی لشکر کو روندنے لگتے۔ پھر وہ سواروں پر ٹوٹ پڑتا اور انہیں مار کر بھگا دیتا۔ گرد کی زیادتی کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکتا اور لہو سمندر کی لہروں بہتا اگر ہم بھاگ نہ کھڑے ہوتے تو سب کے سب مارے جاتے۔ راجا کفید نے یہ باتیں سنیں تو کہنے لگا سورج دیوتا تمہیں بھی کبھی برکت نہ دے بلکہ تم سے سخت ناراض ہو!

ادھر جب وزیر عین زار نے جا کر بادشاہ طیغموس کی خبر سنائی تو اس نے اس کی سلامتی پر اسے مبارک باد دی' بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ مجیرے اور نفریاں بجائیں جائیں۔ لشکر کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ دو سو بہادر کام آئے ہیں۔

دوسری طرف راجا کفید اپنا لشکر اور فوجیں تیار کر کے میدان میں اترا اور آگے پیچھے پندرہ صفیں باندھیں جن میں دس دس ہزار سوار تھے۔ راجا کے ساتھ تین سو پہلوان تھے جو ہاتھیوں پر سوار تھے۔ جن میں ایک ایک منتخت سورما تھا۔ جھنڈے گاڑ دیئے ڈھول اور تاشے بجنے لگے اور بہادر لڑائی کے لیے نکلے۔ بادشاہ طیغموس نے بھی صف بندی کی۔ دس صفوں میں دس دس ہزار سورما کھڑا کئے' اس کے ساتھ سو پہلوان تھے جو اس کے دائیں اور بائیں تھے۔ صف بندی ہو چکی تو ہر مشہور سوار نکل پڑا اور دونوں لشکر ایک دوسرے پل پڑے۔ لڑائی کا میدان گرم ہو گیا۔ ڈھول اور مجیرے' تاشے' شہنائیاں اور نفیریاں بجنے لگیں۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ سے کان بہرے ہو گئے۔ لڑنے والے نعرے مارنے لگے' گرد ان کے سروں پر چھا گئی اور صبح سے اندھیرا چھانے تک سخت لڑائی ہوتی رہی۔ اس کے بعد دونوں لشکر جدا ہو کر اپنی جگہ چل دیئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو انیسویں رات

جب پانچ سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... لشکر جدا ہو کر اپنی اپنی جگہ چل دیئے۔ راجا کفید نے اپنی فوج کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ پانچ ہزار سپاہی مارے گئے اور وہ غصے کے مارے دانت پیسنے لگا۔ ادھر جب بادشاہ طیغموس انے اپنے لشکر کی گنتی کی' اس کے خاص بہادروں میں سے تین ہزار سورما کام آ چکے تھے۔ اسے بھی بڑا طیش آیا۔ دوسرے دن راجا کفید دوبارہ میدان میں آیا اور دونوں طرف صف بندیاں ہونے لگیں۔ راجا اور بادشاہ دونوں یہ چاہتے تھے کہ میری جیت ہو۔

راجا کفید نے اپنے لشکر کو للکار کر کہا۔ ہے کوئی تم میں سے جو میران میں نکل کر لڑائی اور نیزہ بازی کی ابتدا کرے۔ یہ سن کر ایک سورما برکیک نام نکلا جو ہاتھی پر سوار تھا اور جس کی بڑی دھاک تھی۔ آگے بڑھ کر ہاتھی سے اترا' راجا کفید کے آگے زمین چومی اور اس سے میدان میں نکلنے کی اجازت چاہی۔ راجا نے اجازت دے دی۔ وہ میدان میں آیا اور چلا کر کہا' ہے کوئی مرد مرنے مارنے والا' جو میرے مقابلے میں آئے۔ بادشاہ طیغموس نے یہ سنا تو اپنے لشکر کی طرف مخاطب ہو کر کہا اس بہادر کے مقابلے میں کون جائے گا؟ ایک سوار جو ایک بڑے اصیل گھوڑے پر سوار تھا' صفیں چیرتا ہوا نکلا' بادشاہ طیغموس کے پاس پہنچا' زمین چومی اور اس سے اجازت لے کر برکیک کی طرف بڑھا۔ دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو برکیک نے کہا' تو کون ہے کہ اکیلا میرے مقابلے میں آ کر میرا مذاق اڑانا چاہتا ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میرا نام غضنفر بن کمخیل ہے۔ برکیک نے کہا میں نے اپنے وطن میں تیرا نام سنا تھا: آ بہادروں کی صفوں کے بیچ میں اور اپنے جوہر دکھا۔

یہ سن کر غضنفر نے اپنی ران کے نیچے سے لوہے کا گرز نکالا۔ برکیک نے اپنے ہاتھ میں تلوار لے لی اور دونوں میں چوٹیں ہونے لگیں۔ برکیک نے اس پر تلوار کا ہاتھ مارا' تلوار

خود پڑی اور اچٹ گئی' لیکن اسے کچھ نقصان نہ پہنچا۔ اب پلٹ کر غضنفر نے گرز کا وار کیا' برکیک پر اس زور سے گرز پڑا کہ اس کا بدن ہاتھی سے چپک گیا۔ اتنے میں ایک اور شخص وہاں پہنچا اور کہنے لگا' تو کون ہے کہ تو نے میرے بھائی کو مار ڈالا؟ یہ کہتے ہی اس نے اپنے ہاتھ میں تیر لیا اور غضنفر پر ایسی طاقت سے چلایا کہ اس کی ران میں پوست ہو گیا۔ غضنفر نے تاؤ کھا کر تلوار کھینچ لی اور ایک ہی ہاتھ میں اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ تیر کھا کر خود بھی لہو میں تر بہ تر ہو گیا تھا۔ زمین پر اتر پڑا اور دوڑ کر بادشاہ طیغموس کے پاس پہنچا۔ راجا کفید نے یہ دیکھا تو اس نے اپنے لشکر کو للکار کر کہا' کیا دیکھتے ہو دشمن سے گتھ جاؤ۔ بادشاہ طیغموس بھی اپنی فوجیں اور لشکر لے کر میدان میں آ گیا' جنگ مغلوبہ شروع ہو گئی' گھوڑے گھوڑوں پر ہنہنانے لگے' سوار سواروں کو للکارتے' تلواریں کھنچ گئیں۔ ہر بہادر سوار آگے بڑھا' جی دار ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے' ڈرپوک بھاگے اور تاشے اور بگل کی آوازوں' مرنے مارنے والوں کے شور و غل وار ہتھیاروں کی جھنکار کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ بہت سے بہادر مارے گئے اور یہ لڑائی اس وقت تک بند نہ ہوئی جب تک کہ سورج آسمان کے گنبد میں چھپ نہ گیا۔ اب بادشاہ طیغموس اپنے لشکر کو لے کر خیمے میں گیا اور راجا کو کفید نے بھی ایسا ہی کیا۔ جائزہ لینے پر بادشاہ طیغموس کو معلوم ہوا کہ اس کے پانچ ہزار سوار کام آئے اور چار جھنڈے ٹوٹے اور اس پر اسے سخت غصہ آیا۔ جب راجہ کفید نے اپنی فوج کا جائزہ لیا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے خاص بہادروں میں سے چھ ہزار سوار مارے گئے اور نو جھنڈے بے کار ہو گئے۔ تین دن تک یہ لڑائی ہوتی رہی' پھر راجا کفید نے ایک خط لکھ کر اسے اپنے لشکر کے ایلچی کے ہاتھ ایک راجہ کے پاس بھیجا جس کا نام فاقون الکلب تھا۔ کفید کی ماں کی طرف سے اس سے رشتے داری تھی۔ ایلچی وہ خط لے کر چلتا ہوا۔ راجا فاقون کے پاس ایلچی پہنچا تو وہ اپنا لشکر اکٹھا کر کے راجا کفید کی مدد کو روانہ ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

ooo

• پانچ سو بیسویں رات

جب پانچ سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- راجا فاقون اپنی فوج کو اکٹھا کر کے راجہ کفید کی مدد کر روانہ ہو گیا۔ بادشاہ طیغموس بیٹھا مزے اڑا رہا تھا کہ ایک خبردار نے آ کر اس سے کہا میں نے دور سے گرد ہوا میں اٹھتی دیکھی ہے۔ بادشاہ طیغموس نے چند لشکروں کو حکم دیا کہ اس گرد کا سبب دریافت کر کے آؤ۔ وہ ہوا کی طرح گئے اور بگولے کی طرح آ کر کہنے لگے۔ اے بادشاہ پہلے تو ہمیں گرد دکھائی دی پھر ہوا نے اسے اڑا دیا اور ہمیں اس کے نیچے سات جھنڈے دکھائی دیئے جن کے نیچے تین تین ہزار سوار تھے۔ جن کا رخ راجا کفید کی طرف تھا۔

ادھر کی سنو' راجا فاقون الکلب نے راجا کفید کے پاس پہنچ کر سلام کیا اور کہا کہ کیا خبر ہے اور تو کس لڑائی میں مشغول ہے؟ راجا کفید نے جواب دیا تجھے معلوم نہیں کہ بادشاہ طیغموس میرا دشمن ہے اور میرے بھائیوں اور باپ کا قاتل ہے! میں اس سے لڑنے اور بدلہ لینے آیا ہوں۔ راجا فاقون نے کہا سورج دیوتا تجھے برکت دے! اس کے بعد راجا کفید' راجا فاقون الکلب لے کر ایک خیمے میں گیا اور بڑی خوشی منائی۔

یہ تو بادشاہ طیغموس اور راجا کفید کا قصہ ہوا۔ شہزادے جان شاہ کو بھی کچھ حال سنو۔ دو مہینے تک نہ تو اسے اپنے باپ کی شکل دکھائی دی۔ نہ اس نے کنیزوں کو اپنے پاس پھٹکنے دیا جو اس کی خدمت کے لیے تھیں۔ ایک دن وہ بہت بے چین ہوا تو اس نے اپنے نوکروں سے باپ کا حال پوچھا کہ وہ اس کے پاس کیوں نہیں آتا؟ نوکروں نے سارا ماجرا بیان کر دیا کہ اس طرح راجا کفید چڑھ آیا ہے اور لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ جان شاہ نے کہا ہمارا گھوڑا لاؤ' میں اپنے باپ کے پاس جاؤں۔ گھوڑا حاضر کیا گیا تو وہ اپنے دل میں سوچنے لگا کہ میں خود اپنی مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے پر سوار ہو کر یہودیوں کہ شہر کو نکل جاؤں۔ وہاں پہنچوں

گا تو خدا مجھے آسانی سے اس تاجر سے ملا دے گا جس کی میں نے مزدوری کی تھی ممکن ہے وہ مجھ سے پہلے کی طرح کام لے۔ کون جان سکتا ہے کہ کس بات پر بھلائی ہے۔

یہ منصوبہ گانٹھ کر وہ سوار ہوا اور ایک ہزار سوار ساتھ لے کر چل کھڑا ہوا۔ لوگ کہنے لگے کہ جان شاہ اپنے باپ کے پاس گیا تا کہ اس کے ساتھ ہو کر لڑے۔ رات تک چلتے چلتے وہ ایک سبزہ زار میں جا پہنچے اور وہاں اتر کر سو گئے۔ وہ سو گئے اور جان شاہ کو یقین آ گیا کہ سارا لشکر واقعی نیند میں چور ہے وہ چپکے سے اٹھا کمر کس گھوڑے پر سوار ہو گیا اور بغداد کی طرف چل دیا کیونکہ اس نے یہودیوں سے سنا تھا کہ ہر دوسرے سال ان کے ہاں بغداد سے ایک قافلہ آتا ہے اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ جب میں بغداد پہنچوں گا تو قافلے کے ساتھ یہودیوں کے شہر کو روانہ ہو جاؤں گا۔ یہ اس کا پکا ارادہ تھا۔ لشکر والوں کی آنکھ کھلی اور انہوں نے دیکھا کہ نہ جان شاہ وہاں ہے نہ اس کا گھوڑا تو وہ سوار ہو کر بائیں دائیں اس کی تلاش کے لے چل کھڑے ہوئے۔ جب انہیں کوئی پتا نہ چلا تو انہوں نے اس کے باپ کے پاس جا کر خبر دی۔ باپ غصے میں آگ ہو گیا اور قریب تھا کہ اس کے منہ سے انگارے نکلنے لگیں۔ اس نے سر تاج اتار کر پھینک دیا اور لاحول ولا قوہ پڑھنے لگا اور کہا ادھر تو میرا بیٹا کھو گیا' ادھر دشمن سر پر سوار ہے۔ بادشاہوں اور وزیروں نے اس سے کہا جہاں پناہ صبر سے کام لیجئے۔ صبر کا نتیجہ بھلائی ہے۔ ادھر یہ ہو رہا تھا۔ ادھر جان شاہ اپنے باپ کے لیے اور اپنی محبوبہ کی جدائی میں غم زدہ تھا' اس کے دل میں دو زخم تھے اور آنکھیں فگار' نہ دن نیند آتی نہ رات کو چین۔ وہ اس مصیبت میں' یہاں یہ آفت کہ بادشاہوں طیغموس کا جب بہت سا لشکر ضائع ہو گیا تو وہ میدان سے منہ موڑ کر شہر پناہ کے اندر داخل ہوا' اس کے دروازے بند کر لئے اور فصیل کو مضبوط کیا۔ کفید ہر مہینے لڑنے کے لیے شہر کے پاس آتا' سات راتیں اور آٹھ دن لڑ کر اپنے لشکر کو خیموں میں واپس لے جاتا تا کہ زخیموں کا علاج کرے۔ دشمن لوٹ جاتا تو بادشاہ طیغموس کے شہر والے ہتھیاروں کو ٹھیک ٹھاک کرتے' شہر پناہ کو مضبوط بناتے اور منجنیق تیار کرتے۔

سات سال تک بادشاہ طیغموس اور راجا کفید اندر باہر سے مقابلہ کرتے رہے اور دونوں میں لڑائی جاری رہی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• پانچ سو اکیسویں رات

پانچ سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ یہاں بادشاہ طیغموس اور راجا کفید جنگ و پیکار میں مصروف تھے۔ وہاں جان شاہ اپنے ساتھیوں کو سوتا چھوڑ کر جو چلا تو برابر جنگل بیاباں طے کرتا رہا' جب کسی شہر میں پہنچتا تو قلعے جوہر تکنی کے متعلق پوچھتا لیکن کوئی اس کا پتہ نہ دے سکتا بلکہ ہر شخص یہی کہتا کہ ہم نے تو اس کا نام تک نہیں سنا۔

آخر کار اس نے یہودیوں کے شہر کو پوچھا۔ ایک سوداگر نے بتایا کہ وہ مشرق کی طرف ہے' اگر تجھے وہاں جانا ہو تو اسی مہینے ہمارے ساتھ مرزقان کے شہر کو چل جو ہندوستان کے ملک میں ہے۔ وہاں سے ہم خراساں چلیں گے' خراساں سے شمعون' شمعون سے خوارزم اور خوارزم سے یہودیوں کا شہر قریب ہے۔ محض ایک سال اور تین مہینے کی راہ۔ جان شاہ نے قافلے کی روانگی کا انتظار کیا اور اس کے ساتھ روانہ ہو کر مرزقان پہنچا۔ مرزقان میں اس نے لوگوں سے قلعے جوہر تکنی کا پتہ پوچھا' وہاں بھی کوئی نہ بتا سکا۔ پھر قافلہ آگے بڑھا اور ایک دوسرے شہر میں اترا' یہاں بھی اس نے قلعے جوہر تکنی کا پتا دریافت کرنا چاہا' سب نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر یہی کہا کہ ہم نے آج سے پہلے یہ نام ہی نہیں سنا۔ راہ میں اسے بہت تکلیفیں اٹھانی پڑیں' خوفناک چیزوں کا سامنا ہوا اور بھوک پیاس میں مبتلا رہا۔ بہر حال قافلہ ہندوستان سے روانہ ہوا' چلتے چلتے خراسان پہنچا اور خراسان سے شمعوں میں اترا۔ جان شاہ نے بستی میں جا کر یہودیوں کے شہر کا پتا پوچھا۔ لوگوں نے اس کا پتا بتایا اور راستے کے پھیر بھی سمجھا دیئے۔ اب وہ قافلے سے الگ ہو گیا اور اکیلا سفر کرنے لگا۔ کئی رات دن چلنے کے بعد وہ اس جگہ پہنچا جہاں بندروں سے پیچھا چھڑا کر بھاگا تھا۔ پھر آگے بڑھا اور منزلیں طے کرتے کرتے آخر اس دریا پر پہنچ گیا جس کے کنارے یہودیوں کا شہر آباد تھا اور دریا کے پاس بیٹھ

کر ہفتے کے دن کا انتظار کرنے لگا۔ ہفتے کا دن آیا اور دریا خشک ہوا تو اس نے یہودی
کے گھر کا راستہ لیا جہاں وہ پہلی بار ٹھہرا تھا۔ یہودیوں وار اس کے گھر والوں نے

اسے سلام کیا' اس کے آنے پر خوش ہوئے اس کے لیے کھانے پینے کی چیزیں لائے
اور اس سے پوچھا کہ تو اتنے دن کہاں غائب رہا۔ اس نے کہا خدا کہ ملک میں۔
رات کو وہیں یہودی کو ہاں سویا۔ صبح ہوئی تو شہر کے سیر کرنے نکلا۔ اس نے دیکھا ایک
شخص ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے کہ اے لوگو ہے کوئی جو ایک ہزار دینار اور ایک خوبصورت
کنیز لے اور آدھے دن ہمارا کام کرے؟ جان شاہ نے کہا میں کام کروں گا۔
یہ سن کر ڈھونڈورا پیٹنے والا بولا میرے پیچھے پیچھے چل۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔
یہاں تک کہ وہ اسی یہودی تاجر کے گھر پہنچا جہاں پہلی مرتبہ گیا تھا۔ ڈھنڈورا پیٹنے
والے نے مکان کے مالک سے کہا کہ جو کام تو چاہتا ہے اسے یہ جوان کرنے کے لیے
تیار ہے۔ تاجر نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اسے لے کر مکان کے اندر گیا۔ اس کے
لیے کھانے پینے کی چیزیں لایا اور جان شاہ کھا پی چکا تو تاجر نے اسے ایک ہزار دینار
اور ایک حسین کنیز پیش کی۔ جان شاہ رات بھر اس کے ساتھ سویا اور صبح ہوتے ہی
دینا اور کنیز کو لے کر اس یہودی کے سپرد کر آیا جس کے گھر وہ پہلی رات سویا تھا
اور لوٹ کر اس یہودی کے پاس پہنچا جس کی اس نے مزدوری کی تھی اس کے بعد
دونوں سوار ہو کر ایک بہت اونچے پہاڑ کے پاس پہنچے۔ تاجر نے ایک رسی اور ایک چھری
نکالی اور جان شاہ سے کہا اے گھوڑے کو زمین پر گرا دے۔ اس نے اسے زمین پر
گرا کر اسے رسی سے باندھ دیا' ٹانگیں اور سر کاٹ ڈالا اور پیٹ پھاڑ دیا جیسا کہ تاجر
نے حکم دیا تھا۔ اب تاجر بولا اس گھوڑے کے پیٹ کے اندر گھس جا اور میں تجھے
اس کے اندر سی دوں جو کچھ تجھے اس کے اندر دکھائی دے' مجھ سے بیان کیجیو۔ بس
یہی میرا کام ہے جس کی مزدوری تو نے لی ہے۔
جان شاہ گھوڑے کی پیٹ کے اندر گھس گیا اور تاجر اسے سی کر گھوڑے سے دور جا
کر چھپ گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک بڑا پرندہ اوپر سے اترا اور جھپٹ کر گھوڑے کو اٹھا

لیا اور اسے پنجوں میں دبائے پہاڑ کی چوٹی پر جا اترا اور گھوڑے کو کھانا چاہتا ہی تھا کہ جان شاہ کو آہٹ ہوئی اور وہ گھوڑے کا پیٹ چاک کر کے باہر نکل آیا۔ پرندہ تو ڈر کر اڑ گیا۔ جان شاہ نے دیکھا کہ تاجر چڑیا کی طرح پہاڑ کے نیچے کھڑا ہے۔ اس سے پوچھا اے تاجر تو کیا چاہتا ہے؟ تاجر نے جواب دیا کہ جو پتھر تیرے آس پاس پڑے ہیں ان میں سے کچھ اٹھا کر میری طرف پھینک دے اور میں تجھے وہ راستہ بتا دوں گا جس سے تو نیچے اتر آئے۔ جان شاہ نے کہا تو وہی ہے جس نے پانچ سال ہوئے میرے ساتھ یہ حرکت کی تھی' کیوں یاد ہے اور میں بھوک پیاس کی تکلیف میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اب تو مجھ کو پھر اسی جگہ لایا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھے مار ڈالے خدا کی قسم! میں کچھ بھی تیری طرف نہ پھینکوں گا۔ یہ کہہ کر جان شاہ نے وہ راہ لی جو پرندوں کے بادشاہ شیخ نصر کی طرف جاتی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

پانچ سو بائیسویں رات

جب پانچ سو بائسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جان شاہ اس راستے پر چل دیا جو پرندوں کے بادشاہ شیخ نصر کی طرف جاتا تھا۔ وہ رات دن چلتا اور روتا جاتا۔ غموں سے نڈھال بھوک لگتی تو گھاس پات کھا لیتا' پیاس لگتی تو چشمے سے پانی پی لیتا یہاں تک کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل تک پہنچ گیا۔ دیکھا کہ شیخ نصر محل کے دروازے پر بیٹھا ہوا ہے' پاس جا کر اسے سلام کیا' ہاتھ چومے۔ شیخ نصر نے اسے مرحبا کہا' سلام کا جواب دیا اور کہا بیٹا تو پھر یہاں کیسے آیا؟ میں نے تو تجھے شمسہ کے ساتھ خوش خوش روانہ کر دیا تھا۔ جان شاہ رونے لگا اور سارا قصہ سنا کر کہا کہ جب وہ اڑنے لگی تو بولی کہ اگر تو مجھے چاہتا ہے تو میرے پاس قلعے جوہر تکنی میں آئیو۔ شیخ نصر کو یہ سن کر بڑا اچنبھا ہوا اور کہنے لگا خدا کی قسم میں اسے نہیں جانتا' حضرت سلیمان علیہ السلام کی قسم میں نے اپنی عمر میں اس کا نام بھی نہیں سنا۔ جان شاہ نے کہا اب میں کیا کروں؟ میں تو عشق و محبت سے مرا جاتا ہوں۔
شیخ نصر بولا اچھا ٹھہر' جب چڑیاں آئیں گی تو میں ان سے قلعے جوہر تکنی کا پتہ پوچھوں گا۔ ان میں سے ایک نہ ایک ضرور اس کا پتہ معلوم ہو گا۔ جان شاہ کو اطمینان ہوا۔ وہ محل کے اندر جا کر اس کوٹھری میں پہنچا جہاں وہ تالاب تھا جس میں اس نے تینوں لڑکیوں کو دیکھا تھا اور شیخ نصر کا مدت تک مہمان رہا۔ ایک دن وہ بیٹھا ہوا تھا کہ شیخ نصر نے اس سے کہا بیٹا چڑیوں کے آنے کا زمانہ آ گیا ہے۔ یہ خبر سن کر جان شاہ بہت خوش ہوا۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ چڑیاں آ گئیں اور شیخ نصر شاہ کے پاس آ کر بولا' بیٹا ان ناموں کو یاد کر کے چڑیوں کے پاس آئیو۔
چڑیاں آ پہنچیں اور ایک ایک جنس نے شیخ نصر کو باری باری سے سلام کیا۔ اس نے

چڑیوں سے قلعے جوہر تکنی کے متعلق پوچھا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا ہم نے کبھی اس قلعے کا نام نہیں سنا۔ یہ سن کر جان شاہ رونے لگا اور مارے غم کے غش کھا کر گر پڑا۔ شیخ نصر نے ایک بڑی چڑیا کو بلا کر کہا کہ اس جوان کو کابل کے ملک میں پہنچا دے۔ اس کی یہ پہچان ہے اور فلاں راستہ۔ چڑیا نے جان شاہ کو اپنی پیٹھ پر سوار کر لیا اور شیخ نے جان شاہ سے کہا اپنی حفاظت کیجیو' جھکیو نہیں' نہیں تو ہوا تجھے کاٹ ڈالے گی اور اپنے کان بند رکھیو ورنہ آسمانوں کی رفتار اور سمندروں کی گونج سے تجھے تکلیف پہنچے گی۔ جان شاہ نے شیخ نصر کی ہدایت پر کاربند ہونے کا اقرار کیا۔ چڑیا اسے لے کر ہوا میں اڑ گئی۔ ایک دن اور ایک رات اڑنے کے بعد وہ جنگلی جانوروں کے بادشاہ کے پاس اتری جس کا نام شاہ بدری تھا۔ چڑیا نے جان شاہ سے کہا جس ملک کا پتہ شیخ نصر نے بتایا تھا ہم اس سے دور جا پڑے ہیں۔ اور وہ چاہتی تھی کہ جان شاہ کو لے کر دوبارہ اڑے مگر جان شاہ نے اس سے کہا تو اپنی راہ لے اور مجھے اسی جگہ رہنے دے میں یا تو مر مٹوں گا یا قلعے جوہر تکنی تک پہنچ جاؤں گا۔ میں اپنے وطن تو خالی ہاتھ جاتا نہیں۔ چڑیا نے اسے جنگلی جانوروں کے بادشاہ شاہ بدری کے پاس چھوڑ کر چلتی بنی۔ شاہ بدری نے اسے سے کہا بیٹا تو کون ہے اور اس بڑی چڑیا کے ساتھ کہاں سے آیا ہے؟ اس نے اپنی ساری کہانی شروع سے لے کر آخر تک سنا دی۔ جنگلی جانوروں کے بادشاہ کو اس کی کہانی سن کر بڑا اچنبھا ہوا اور کہنے لگا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قسم' میں اس قلعے کو نہیں جانتا اور جو کوئی مجھے اس کا پتہ بتا دے گا میں اس کی بڑی عزت کروں گا اور تجھے وہاں پہنچوا دوں گا۔ جان شاہ بلک بلک کر رونے لگا اور کچھ دن صبر کیا۔ اس کے بعد ایک روز اس کے پاس جنگلی جانوروں کا بادشاہ شاہ بدری آیا اور کہنے لگا۔ بیٹا اٹھ اور یہ تختیاں لے جو کچھ ان میں لکھا ہوا ہے اسے بزبان یاد کر لے۔ جب جنگلی جانور آئیں گے تو میں ان سے اس قلعے کا پتہ پوچھوں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو تیئس ویں رات

جب پانچ سو تیئس ویں رات ہوئی تو اس نے وہ نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جنگلی جانوروں کے بادشاہ شاہ بدری نے جان شاہ سے کہا کہ جب جنگلی جانور آئیں گے تو میں ان سے اس قلعے کا پتہ پوچھوں گا۔ ابھی ایک پہر بھی نہ گزرا ہو گا کہ جنس جنس کے جنگلی جانور آنے لگے۔ انہوں نے شاہ بدری کو سلام کرنا شروع کیا۔ اس نے ان سے قلعے جوہر تکنی کا پتہ پوچھا مگر سب نے یک زبان ہو کر کہا ہمیں اس کا پتہ معلوم ہے نہ ہم نے کبھی اس کا نام سنا ہے۔ جان شاہ رونے لگا' اسے افسوس ہوا کہ اس پرندے کے ساتھ کیوں نہ چلا گیا جو اسے شیخ نصر کے پاس سے لایا تھا۔ جنگلی جانوروں کے بادشاہ نے اس سے کہا بیٹا غم نہ کر' میرا ایک بڑا بھائی ہے جس کا نام بادشاہ شماخ ہے جو حضرت سلیمان کے پاس قید میں تھا اس نے ان کی نافرمانی کی تھی۔ جنوں میں سے اس سے اور شیخ نصر سے بڑا کوئی نہیں ہے۔ ممکن ہے وہ اس قلعے کو جانتا ہو' اس کی حکومت ان اطراف کے جنوں پر ہے۔ یہ کہہ کر جنگلی جانوروں کے بادشاہ نے اسے ایک جنگلی جانور کی پیٹھ پر سوار کر دیا اور اپنے بھائی کے نام ایک خط دے دیا کہ وہ اس کی مدد کرے۔ یہ جانور فوراً چل کھڑا ہوا اور دن رات چل کر جان شاہ کو بادشاہ شماخ کی سرحد پر لے جا کر اتار دیا۔ جان شاہ پاپیادہ بادشاہ شماخ کے پاس پہنچا اس کے ہاتھ چومے اور وہ خط دیا۔ بادشاہ نے خط پڑھا' اس کا مطلب سمجھا اور اس کی آؤ بھگت کرنے کے بعد کہا بیٹا خدا کی قسم اس قلعے کے متعلق نہ میں نے سنا ہے اور نہ اسے دیکھا ہے۔ جان شاہ مارے افسوس کے رونے لگا۔ شاہ شماخ نے کہا' اچھا اپنی کہانی تو سنا کہ تو کون ہے' کہاں سے آیا ہے اور کہاں جاتا ہے؟ جان شاہ نے اپنی ساری داستان شروع سے لے کر آخر تک سنا دی۔

شاخ حیرت میں پڑ گیا اور کہنے لگا بیٹا میرے خیال میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ابھی اپنی زندگی میں نہ اس کے متلعق سنا ہو گا اور نہ اسے دیکھا ہو گا لیکن بیٹا میں

اس پہاڑ میں ایک راہب کو جانتا ہوں جس کی عمر بہت زیادہ ہے' اس کے سحر اور جادو سے تمام چرندے' جانور اور جن اس کی اطاعت کرتے ہیں' وہ اپنے منتر کے زور سے جنوں کے بادشاہوں کو بھی زبردستی اپنا فرمانبردار بنا لیتا ہے' تمام پرندے اور جانور اس کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ جب میں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی تو اسی نے مجھے گرفتار کیا تھا۔ سوا اس کے اور کوئی مجھ پر غالب نہ آ سکا' اس کے جادو' ٹونے بے حد سخت تھے اور تجھے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وہ دنیا کہ ہر ملک میں پھرا ہے اور تمام راستے' کل مقامات' خشکی اور تری' سارے قلعے وار شہروں کو جانتا ہے' میرے خیال میں کوئی جگہ اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں تجھے اس کے پاس بھیجتا ہوں ممکن ہے کہ وہ تجھے اس قلعے کا پتا بتا سکے۔ اگر وہ بھی نہ بتا سکا تو پھر کوئی نہیں بتا سکتا کیونکہ پرندے' درندے اور پہاڑ سب اس کا حکم مانتے اور اس کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اپنے جادو کے زور سے اس نے ایک سونٹا بنایا ہے جس کے تین ٹکڑے ہیں۔ جب وہ اسے زمین میں گاڑ دیتا ہے اور پہلے ٹکڑے پر جادو پڑھتا ہے تو اس میں سے گوشت نکلتا ہے اور خون۔ دوسرے ٹکڑے پر جادو پڑھتا ہے تو اس میں سے تازہ دودھ نکلنے لگتا ہے۔ تیسرے ٹکڑے پر جادو پڑھنے سے گیہوں اور جو نکلنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد وہ زمین میں سے سونٹا نکال کر اپنے دیر میں چلا جاتا ہے۔ اس کے دیر کا نام دیر المارس ہے۔ اس راہب کاہن کے ہاتھ سے اور بڑی بڑی عجیب و غریب باتیں بھی سرزد ہوتی ہیں' وہ جادوگر کاہن' مکار' دھوکے باز اور خبیث ہے۔ اس کا نام نعیموس ہے اور اسے دنیا بھر کے سحر و طلسمات یاد ہیں۔ میں تجھے ایک پرندے کے ہمراہ اس کے پاس بھیجوں گا جس کے چار پر ہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو چوبیسویں رات

جب پانچ سو چوبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ شماخ نے اسے ایک پرندے پر سوار کر دیا جس کے چار بازو تھے اور ہر بازو کی لمبائی ہاشمی گز سے تیس گز تھی' پاؤں ہاتھی کے پاؤں جیسے تھے' لیکن وہ سال میں دو بار سے زیادہ نہیں اڑتا تھا۔ بادشاہ شماخ کے قبضے میں ایک جن تھا جس کا نام طمشوں تھا۔ وہ اس پرندے کے لیے ہر روز عراق سے دو بختی اونٹ اڑا لاتا اور انہیں توڑ مروڑ کر اسے کھلاتا۔ جان شاہ اس پرندے پر سوار ہو گیا اور بادشاہ شماخ نے اسے حکم دیا کہ وہ جان شاہ کو راہب نعیموس کے پاس پہنچا آئے۔ پرندے نے اسے اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا اور کئی دن اور رات چلنے کے بعد وہ جلیل القلع اور دیر الماس پہنچا۔ جان شاہ دیر کے قریب اتر پڑا۔ اس نے دیکھا کہ راہب نعیموس دیر کے اندر عبادت کر رہا ہے۔ جان شاہ اس کے قریب گیا' زمین چوم کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ جب راہب کی نظر اس پر پڑی تو اس نے کہا' مرحبا اے میرے بیٹے' پردیسی دور کے رہنے والے تو اس جگہ کیسے آیا ہے؟ جان شاہ رونے لگا اور اپنی ساری کہانی اول سے آخر تک کہہ سنائی۔ اس کے حال پر بڑا رحم آیا کہنے لگا بیٹا' خدا کی قسم میری اتنی عمر ہونے کو آئی' قلعے کا نام نہیں سنا' نہ کسی کو جانتا ہوں جس نے اس کے متعلق سنا یا اسے دیکھا ہو' اگرچہ میں نوح علیہ السلام کے زمانے میں موجود تھا اور اس وقت سے لے کر حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے زمانے تک درندوں' چرندوں' پرندوں اور جنوں پر حکومت کی ہے۔ میرے خیال میں تو سلیمان علیہ السلام نے بھی اس قلعے کا نام نہ سنا ہو گا۔ مگر بیٹا' پرندوں چرندوں' درندوں اور جنوں کو آنے دے' میں ان سے پوچھوں گا ممکن ہے ان میں سے کسی کو اس کی خبر ہو یا خبر لا سکے اور خدا تیری مشکل آسان کر دے۔

جان شاہ مدت تک راہب تک پاس ٹھہرا ہے۔ اتنے میں وہ دن آ گیا کہ پرندے' چرندے'

درندے اور جن آ پہنچے۔ جان شاہ اور راہب ان سے جوہر تکنی کے متعلق پوچھنے لگے‘ کسی نے بھی یہ جواب نہیں دیا کہ میں نے اسے دیکھا یا اس کے بارے میں سنا ہے بلکہ سب نے یہی کہا کہ نہ ہم نے اسے دیکھا اور نہ سنا ہے۔ جان شاہ رونے پیٹنے اور خدا کی درگاہ میں گڑگڑانے لگا۔ وہ اسی حالت میں تھا کہ ایک پرندہ آیا جو سب پرندوں کے پیچھے تھا۔ اس کا رنگ کالا اور ڈیل ڈول بہت بڑا تھا۔ جب وہ ہوا میں اترا تو اس نے آ کر راہب کے ہاتھ چومے۔ راہب نے اس سے بھی قلعے جوہر تکنی کے متعلق پوچھا۔ پرندے نے کہا اے راہب‘ ہم کوہ قاف کے پیچھے جبل البلور کے ایک جنگل میں رہتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب میں اور میرے بھائی بہن سے چھوٹے بچے تھے اور ہمارے ماں باپ ہر روز جا کر ہمارے لیے کھانا پینا لایا کرتے۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ آذوقہ کی تلاش میں گئے اور سات دن تک غائب رہے‘ ہم بھوک کے مارے بے چین تھے۔ آٹھویں دن وہ روتے ہوئے آئے۔ ہم نے ان کے غائب رہنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا‘ ایک دیو نے آ کر ہمیں پکڑ لیا اور قلعے جوہر تکنی لے جا کر بادشاہ شہلان کے پاس پیش کیا۔ بادشاہ شہلان نے ہمیں دیکھا اور وہ ہمیں مار ڈالنا چاہتا تھا کہ ہم نے اس سے کہا ہم چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر آئے ہیں۔ یہ سن کر اسے ترس آ گیا اور اس نے ہمیں آزاد کر دیا۔ اگر ہمارے ماں باپ زندہ ہوتے تو وہ اس قلعے کا پتہ بتا سکتے۔ جان شاہ کی یہ آس بھی ٹوٹ گئی ہے۔ پہلے تو وہ خوب رویا پھر اس نے راہب سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اس پرندے کو حکم دے کہ وہ مجھے اپنے ماں باپ کے گھونسلے تک پہنچا دے جو کوہ قاف کے پیچھے جبل البلور میں ہے۔ راہب نے پرندے سے کہا تو اس لڑکے کے ہر حکم کی تعمیل کر۔

پرندہ جان شاہ کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر اڑ گیا اور رات دن اڑتے اڑتے جبل البلور پہنچا۔ وہاں اتر کر کچھ دن ٹھہرا۔ اس کے بعد وہ دوبارہ اسے اپنی پیٹھ پر سوار کر کے اڑا۔ دو دن تک اڑتا رہا۔ یہاں تک کہ اس سر زمین میں پہنچا جہاں گھونسلا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

جب پانچ سو پچیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... گھونسلے کے پاس اتر کر پرندے نے کہا جان شاہ یہ ہے وہ گھونسلا جس میں ہم رہتے تھے۔ یہ سن کر جان شاہ بہت رویا اور پرندے سے کہنے لگا میں چاہتا ہو کہ تو مجھے اس طرف لے چل جہاں تیرے ماں باپ جا کر کھانا پینا لاتے تھے۔ پرندے اسے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر پھر اڑا اور سات راتیں اور آٹھ دن اڑنے کے بعد ایک اونچے پہاڑ پر پہنچا اور اسے اپنی پیٹھ پر سے اتار کر بولا۔ اس جگہ کے آگے مجھے کسی سر زمین کی خبر نہیں۔ جان شاہ کو نیند آ گئی اور وہ پہاڑ کی چوٹی پر سو گیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو دور سے روشنی سی دکھائی دی جس کے چاروں طرف اجالا پھیلا ہوا تھا۔ وہ اس روشنی کو دیکھ کر اچنبھے میں پڑ گیا' اسے یہ گمان نہ تھا کہ یہ چمک دمک اس قلعے کی ہے جسے وہ ڈھونڈ رہا ہے۔ اس کا فاصلہ دو مہینے کی راہ تھا اور وہ سرخ یاقوت کا بنا ہوا تھا' مکانات سونے کے اور قلعے کے ایک ہزار برج تھے۔ ان معدنیات سے بنے ہوئے جو بحر ظلمات سے نکلتی ہیں اس کی تعمیر میں وہ نفیس جواہرات اور معدنیات لگی ہوی تھی۔ اسی وجہ سے اس کا نام قلعہ جوہر تکنی تھی۔ بڑا عظیم الشان قلعہ تھا اس کے بادشاہ کا نام شہلان تھا اور وہ تینیوں لڑکیوں کا باپ تھا۔

یہ تو جان شاہ کی داستان ہوئی' اب شمسہ کی کہانی سنئے' جب وہ جان شاہ کی پاس سے بھاگ کر انے ماں باپ اور گھر والوں کے پاس پہنچی تو اس نے وہ سارا ماجرا کہہ سنایا جو اسے جان شاہ کے ساتھ پیش آیا تھا اور جان شاہ کی ساری کہانی بھی بیان کی کہ وہ دنیا بھر میں گھوما ہے اور اس نے عجیب و غریب باتیں دیکھیں ہیں۔ اس نے ان سے یہ بھبی کہا وہ اسے چاہتا ہے اور میں بھی اسے چاہتی ہوں اور یہ کہ ان کے درمیاں کیا ماجرا پیش آیا۔ جب اس کی ماں باپ نے اس کی باتیں سنیں تو انہوں نے کہا اس

کے ساتھ یہ تیرا برتاؤں خدا کو پسند نہیں۔ اس کے بعد اس کے باپ نے یہ سارا قصہ اپنے خادم دیوؤں سے بیان کیا اور کہا کہ تم میں سے کوئی کسی انسان کو دیکھے اسے میرے پاس لے آئے۔ شمسہ نے اپنی ماں سے بھی کہہ دیا تھا کہ جان شاہ مجھ پر مرتا ہے اور وہ ضرور یہاں آئے گا۔ اس لیے کہ وہاں سے اڑتے وقت میں نے اس سے کہا تھا کہ اگر تجھے میری محبت ہے تو میرے پاس قلعے جوہر تکنی تک آ۔

غرض کہ جان شاہ کو یہ چمک دمک دکھائی دی تو وہ اس کی طرف چل کھڑا ہوا کہ دیکھے وہ کیا ہے؟ اتفاق سے اس وقت شمسہ نے اپنے ایک خادم دیو کو کسی کام کے لیے جیل قرموس بھیجا تھا۔ یہ دیو جا ہی رہا تھا کہ اسے دور سے ایک انسان دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر وہ اس کے پاس آیا اور سلام کیا۔ جان شاہ دیو کو دیکھ کر سہم گیا اور ڈرتے ڈرتے سلام کا جواب دیا۔ دیو نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام جان شاہ ہے اور میں ایک پری پر عاشق ہوں جس کا نام شمسہ ہے' میں اس کے حسن و جمال پر گرویدہ ہوں اور اس کے لیے میری جان جاتی ہے۔ میں اسے اپنے باپ کے محل میں لے گیا تھا مگر وہ بھاگ گئی۔ مختصر یہ کہ اس نے دیو سے ساری سرگزشت بیان کر دی جو پری کے ساتھ پیش آئی تھی۔ جان شاہ دیو سے بیان کرتا جاتا اور روتا جاتا۔

جان شاہ کو روتا دیکھ کر دیو کا دل پھٹنے لگا اور اس سے کہا رو نہیں' تیری مراد پوری ہونے کے دن آ گئے ہیں۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ بھی تجھے بہت چاہتی ہے۔ اس نے اپنے ماں باپ سے تیری محبت کا ذکر کر دیا ہے اور سب قلعے والے بھی تجھے چاہنے لگے ہیں' خوش ہو جا۔ پھر دیو نے اسے اپنے دونوں کندھوں پر بٹھا کر قلعہ جوہر تکنی تک پہنچا دیا۔ مخبروں نے جا کر بادشاہ شہلان' شمسہ اور اس کی ماں کو خبر دی کہ جان شاہ آ گیا ہے۔ مخبر ان کے پاس پہنچے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ بادشاہ شہلان نے تمام دیوؤں کو حکم دیا کہ جا کر جان شاہ سے ملیں اور خود تمام جنوں' عفریتوں اور دیوؤں کے ساتھ جان شاہ سے ملنے روانہ ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو چھبیس ویں رات

جب پانچ سو چھبیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... شہلان تمام جنوں' عفریتوں اور دیوؤں کے لے کر جان شاہ سے ملنے چلا اور جان شاہ کے پاس پہنچ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ جان شاہ نے بادشاہ شہلان کے ہاتھ چومے اور رنگ برنگ کے ریشم کے ایک نہایت نفیس پوشاک عطا کی جس پر سونے کا کشیدہ کڑھا ہوا تھا اور ہیرے ٹنکے ہوئے تھے۔ پھر اس نے اسے ایک تاج پہنایا جو کسی انسانی بادشاہ کی نظر سے بھی نہ گزرا ہو گا۔ اس کے بعد جنوں کے بادشاہوں کے اصطبل میں سے ایک گھوڑا منگوا کر اسے سوار کیا' خود سوار ہوا' دیوؤں کا لشکر دائیں بائیں تھا۔ بڑے جلوس کے ساتھ دونوں محل کے دروازے پر پہنچے۔ جان شاہ جہاں اترا تو اس نے دیکھا کہ وہ بڑا عالی شاہ محل ہے۔ اس کی دیواریں ہیرے' جواہرات' یاقوت اور نفیس معدنیات کی ہیں۔ فرش پر بلور' زبر جد زمرد جڑا ہے۔ وہ یہ چیزیں دیکھ دیکھ کر کبھی حیران ہوا اور کبھی روتا۔

بادشاہ اور شمسہ کی ماں اس کے آنسو پونچھتے اور کہتے' رو نہیں' اب غم کے آنسوؤں کا کیا کام' یقین کر کہ تیری مراد بر آئی۔ محل کے بیچ میں پہنچا تو اسے خوبصورت کنیزیں' غلام اور نوکر ملے۔ انہوں نے اسے بہترین جگہ بٹھایا اور اس کی خدمت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جان شاہ اس مقام کی خوبصورتی اور عمارات کی شان پر حیران تھا جو نفیس ہیرے جواہرات اور طرح طرح کے معدنیات سے بنی ہوئی تھیں۔

پھر بادشاہ شہلان اپنے دربار میں جا کر بیٹھا' کنیزوں اور غلاموں کو حکم دیا کہ وہ جا کر جان شاہ کو لائیں۔ وہ بادشاہ کے پاس آیا تو بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا' اسے تخت پر اپنے پہلو میں جگہ دی۔ دستر خوان بچھایا گیا اور انہوں نے کھایا پیا اور ہاتھ دھوئے۔ اس کے

بعد شمسہ کی ماں نے آ کر اسے سلام کیا اور کہا کہ تکلیفوں کے بعد اب تیری مراد پوری ہوئی اور جاگنے کے بعد تجھے نیند آئی۔ شکر ہے خدا کا تیری سلامتی پر!

اب وہ اٹھ کر اپنی بیٹی شمسہ کے پاس گئی اور اسے جان شاہ کے پاس لے آئی۔ جب شمسہ اس کے پاس آئی تو اس نے اسے سلام کیا' ہاتھ چومے اور اپنے ماں باپ سے شرما کر اپنا سر جھکا لیا۔ بعد ازاں اس کی بہنیں آئیں جو اس کے ساتھ محل میں تھیں۔ انہوں نے بھی جان شاہ کے ہاتھ چومے اور سلام کیا۔ شمسہ کی ماں نے کہا بیٹا خوش آمدید! میری بیٹی شمسہ تیری بڑی قصور وار ہے' مگر ہماری خاطر اسے کچھ نہ کہیو۔ یہ سن کر جان شاہ نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑا۔ بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا۔ لوگوں نے اسے کے چہرے پر گلاب چھڑکا جس میں مشک اور عطر ملا ہوا تھا۔ جب اسے ہوش آیا اور اس کی نظر شمسہ پر پڑی تو اس نے کہا شکر ہے خدا کا جس نے میری مراد پوری کی اور میری آگ بجھا دی' اب میرے دل میں بالکل سوزش نہیں۔ شمسہ نے کہا' خدا تجھے آگ سے محفوظ رکھے! لیکن اے جان شاہ میں چاہتی ہوں کہ تو مجھ سے ساری داستان کہہ جو میری جدائی کے بعد تجھ پر گزری ہے اور یہ بتا کہ تو اس جگہ کیوں کر پہنچا حالانکہ اکثر جنوں کو بھی قلعے جوہر تکنی کی خبر نہیں۔ ہم تمام بادشاہ سے فرنٹ ہیں' کسی کو یہاں کا راستہ معلوم نہیں بلکہ اس کا نام بھی کوئی نہیں جانتا۔

جان شاہ نے اپنے پہنچنے کا سارا ماجرا کہہ سنایا اور وہ واقعات بھی سنائے جو اس کے باپ کو راجا کفید کے ساتھ پیش آئے تھے۔ اس کے علاوہ اس نے راہ کی ساری مصیبتوں' خوفناک چیزوں اور عجائبات کا بھی ذکر کیا اور کہا اے شمسہ یہ سب بپتائیں تیرے طفیل پڑیں۔ اس کی ماں نے کہا کہ اب تیری مراد بر آئی اور ہم شمسہ کو تجھے بطور ہدیہ کے دیتے ہیں۔ یہ سن کر جان شاہ بہت خوش ہوا ۔ پھر ماں نے کہا اگر خدا کو منظور ہے تو ہم اگلے مہینے میں جشن کریں گے اور تیری شادی اس سے کر دیں گے اور تو اسے لے کر وطن چلا جائے گا۔ ایک ہزار دیو ہم تجھے دیں گے' تو ان میں سے کمزور سے کمزور کو بھی حکم دے گا تو وہ فوراً راجہ کفید اور اس کی فوج کو قتل کر آئے

گا اور ہر سال ہم تیرے پاس ایسے دیو بھیجا کریں گے۔ ان میں سے ایک تیرے تمام دشمنوں کو ہلاک کر سکتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کے اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• پانچ سو ستائیسویں رات

جب پانچ سو ستائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... شمسہ کی ماں نے کہا ہم ہر سال تیرے پاس ایسے دیو بھیجا کریں گے کہ اگر تو ان میں سے کسی ایک کو بھی حکم دے گا تو وہ تیرے تمام دشمنوں کو ایک ایک کر کے ہلاک کر دے گا۔ یہ باتیں ہو چکیں تو بادشاہ شہلان تخت پر بیٹھا اور حکومت کے بڑے آدمیوں کو حکم دیا کہ ایک بڑا جشن کریں اور سات دن رات شہر سجا رہے۔ انہوں نے فوراً جا کر جشن کی تیاری شروع کر دی اور دو مہینے تک تیاری کرتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے شمسہ کی شادی رچائی۔ ایسی خوشیاں منائیں جس کی نظیر نہیں۔ وہ شمسہ کے ساتھ دو سال تک بڑے عیش و عشرت سے رہا اور کھانے پینے اور مزے اڑانے میں بسر کی۔ ساری مرادیں بر آگئیں تو اس نے شمسہ سے کہا تیرے باپ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمیں وطن بھیج دے گا اور ہم ایک سال وہاں گزاریں گے اور ایک سال یہاں۔ شمسہ نے سر جھکا لیا اور جب شام ہوئی تو وہ اپنے باپ کے پاس گئی۔ جو کچھ جان شاہ نے اس سے کہا تھا باپ سے بیان کیا۔ وہ بولا بہت اچھا۔ مگر اگلے مہینے کے شروع تک ٹھہر جا ہم دیوؤں کو تم دونوں کو کے لیے تیار کر دیں۔ شمسہ نے اپنے باپ کا ارادہ جان شاہ سے بیان کیا اور وہ اس مدت تک ٹھہرا رہا جو بادشاہ نے مقرر کی تھی۔ اس کے بعد بادشاہ شہلان نے دیوؤں سے کہا کہ شمسہ اور جان شاہ کی خدمت کرو اور انہیں جان شاہ کے وطن میں پہنچا آؤ۔ بادشاہ نے ان کے لیے سرخ سونے کا ایک بڑا تخت تیار کرایا جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ جس کے اوپر سبز ریشم کا شامیانہ تھا جس میں رنگ برنگ کے بیل بوٹے اور عمدہ عمدہ ہیرے جواہرت ٹنکے ہوئے تھے۔ آنکھیں اسے دیکھ کر چندھیا جاتی تھیں۔

جان شاہ اور شمسہ تخت کے اوپر بیٹھے۔ تخت اٹھانے کے لیے چار دیو چنے اور چاروں نے

ایک ایک طرف سے اس تخت کو اٹھایا جس پر جان شاہ اور شمسہ سوار تھے۔ اب شمسہ اپنے باپ' بہنوں اور گھر والوں سے رخصت ہوئی۔ اس کا باپ سوار ہو کر جان شاہ کے ساتھ ہو لیا اور دیو تخت کو لے کر چل دیئے۔ بادشاہ شہلان دوپہر تک برابر ان کے ساتھ چلا گیا' دوپہر ہو گئی تو دیوؤں نے ایک جگہ تخت اتارا۔ سب ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے۔ شہلان نے جان شاہ سے کہا میں شمسہ کو تیری حفاظت میں دیتا ہوں اور دونوں کو دیوؤں کے سپرد کر کے ان سے کہا تخت اٹھاؤ۔ شمسہ کے باپ نے اسے تین سو خوبصورت کنیزیں دیں تھیں اور جان شاہ کو جنوں میں سے تین سو غلام۔ سب اس تخت پر بیٹھ گئے اور دیو اسے اڑا کر زمین اور آسمان کے درمیان روانہ ہو گئے۔ روازانہ تیس مہینے کی راہ طے کرتے ہوئے دس دن تک اڑتے رہے۔ ایک دیو کابل کے ملک کو جانتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ ملک آ گیا ہے تو اس نے حکم دیا اس ملک کے بڑے شہر میں اترو' یہ شہر بادشاہ طیغموس کا دارالسلطنت تھا اور وہ وہاں اتر پڑے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

پانچ سو اٹھائیسویں رات

جب پانچ سو اٹھائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ دیو جان شاہ اور شمسہ کو لے کر بادشاہ طیغموس کے دارالسلطنت میں اتر پڑے۔
یہ وہ وقت تھا کہ بادشاہ طیغموس نے دشمن سے بھاگ کر شہر کے اندر پناہ لی تھی اور راجا کو کفید نے اسے چاروں طرف سے گھیر کر سخت محاصرے میں لے رکھا تھا۔
وہ راجا کفید سے امان نانگتا تھا مگر وہ امان نہ دیتا تھا۔ جب بادشاہ طیغموس کو معلوم ہوا کہ چھٹکارے کی کوئی تدبیر نہیں تو اس نے خودکشی کی ٹھان لی تاکہ مر کر وہ اس رنج و غم سے چھٹکارا پائے اور وزیروں' امیروں کو خدا حافظ کہہ کر گھر والوں سے رخصت ہونے حرم سرا میں گیا۔ رعایا رونے پیٹنے لگی اور سوگ میں پڑ گئی۔
وہ اسی حالت میں تھا کہ دیو اس محل پر پہنچ گئے جو قلعے کے اندر تھا اور جان شاہ نے انہیں حکم دیا کہ تخت کو بیچ دربار میں اتار دیں۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب شمسہ' کنیزیں اور غلام تخت سے اترے تو انہوں نے دیکھا کہ شہر والے محاصرے میں ہیں اور ان پر بڑی مصیبت اور بلا نازل ہو رہی ہے۔ جان شاہ نے شمسہ سے کہا اے میرے دل کی پیاری اور آنکھ کی ٹھنڈک' دیکھ میرا باپ کسی مصیبت میں گرفتار ہے۔
شمسہ نے اس کے باپ اور ملک کی یہ حالت دیکھی تو اس نے دیوؤں کو حکم دیا کہ اس لشکر کو ماریں اور قتل کریں جو شہر کو گھیرے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑیں۔ جان شاہ نے ایک نہایت طاقتور دیو کو جس کا نام لے کر ادھر روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر تخت پر شامیانہ لگایا اور آدھی رات تک انتظار کرنے کے بعد راجا کفید اور اس کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ ان میں سے ایک ایک دیو آٹھ آٹھ دس دس کو ہاتھیوں پر سے لے کر ہوا میں اڑ جاتا اور اس طرح پھینکتا کہ ہوا ہی میں ان کے پرزے پرزے ہو جاتے۔ بعض دیو انہیں

لوہے کے گرزوں سے چکنا چور کر دیتے۔ اتنے میں قراطش دیو، راجا کفید کے خیمے کی طرف گیا، وہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ دیو اس کی طرف دوڑا اور اسے اٹھا کر ہوا میں اڑا گیا۔ راجا کو دیو کے ڈر سے چلانے لگا اور چلاتے چلاتے بے ہوش ہو گیا۔ دیو نے اسے لا کر جان شاہ کے آگے تخت پر ڈال دیا۔ جان شاہ نے حکم دیا کہ چاروں دیو تخت کو ہوا میں اڑائے لے چلیں۔ راجا کفید کی جو آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو زمین اور آسمان کے درمیان پایا، وہ خوف سے کانپنے اور اپنا منہ پیٹنے لگا۔

یہ تو راجا کفید کی کہانی ہوئی اب بادشاہ طیغموس کا حال سنو۔ جب اس نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو قریب تھا کہ خوشی کے مارے مر جائے۔ اس نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ لوگوں نے اس پر گلاب چھڑکا، ہوش آیا تو وہ اس کا بیٹا ایک دوسرے کے گلے لپٹ گئے اور خوب روئے۔ بادشاہ طیغموس کو یہ خبر نہ تھی کہ دیو راجا کفید سے لڑ رہے ہیں۔ اس اثنا میں شمسہ اٹھی اور جان شاہ کے باپ بادشاہ طیغموس کے پاس پہنچی اور اس کے ہاتھ چوم کر کہا کہ محل کے اوپر چل کر میرے باپ کے دیوؤں کی لڑائی کا تماشا دیکھ۔ بادشاہ محل کی چھت پر گیا۔ وہ اور شمسہ بیٹھ کر دیوؤں کی لڑائی کا تماشا دیکھنے لگے کہ وہ لشکر کو دائیں بائیں مار رہے ہیں۔ کوئی لوہے کا گرز لے کر ہاتھی پر اس زور سے مارتا ہے کہ ہاتھی اور سوار کچل کر رہ جاتے ہیں ہاتھی اور انسان میں کوئی پہچان باقی نہیں رہتی۔ بعض بھاگتی ہوئی ٹولی کے پاس جا کر اس زور سے چیختا ہے کہ وہ مر کر گر جاتے ہیں بعض ان میں سے کم وہ بیش بیس سواروں کو لے کر ہوا میں اڑ جاتا ہے اور پھر زمین پر اس زور سے پٹکتا ہے کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ ہو رہا تھا اور جان شاہ اس کا باپ اور شمسہ انہیں دیکھ رہے اور لڑائی کا لطف اٹھا رہے تھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ انتیسو یں رات

پانچ سو انتیسو یں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ طیغموس'

اس کا بیٹا جان شاہ اور جان شاہ کی بیوی شمسہ محل کی چھت سے اس لڑائی کی سیر کر رہے تھے جو دیوؤں اور راجا کو کفید کے لشکر میں ہو رہی تھی۔ راجا کفید بھی تخت پر بیٹھا انہیں دیکھتا اور روتا جاتا تھا۔ دو دن تک راجا کے لشکر میں قتل عام ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ سب مارے گئے۔ اب جان شاہ نے دیوؤں کا حکم دیا کہ تخت کو لے کر بادشاہ طیغموس کے قلعے کے بیچ میں زمین پر اتار دیں اور وہ تخت نیچے اتار لائے جیسا کہ ان کے مالک شہزادے جان شاہ نے حکم دیا تھا۔ بادشاہ طیغموس نے ایک دیو کو حکم دیا جس کا نام شموال تھا کہ وہ راجا کفید کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دے اور اسے کالے برج میں قید کر آئے۔ شموال نے ایسا ہی کیا جیسا کہ اسے حکم دیا گیا تھا۔ اس کے بعد بادشاہ طیغموس نے حکم دیا کہ نقارے بجائے جائیں اور ایلچیوں کو جان شاہ کی ماں کے پاس بھیجا۔ انہوں نے جا کر اسے خبر دی کہ تیرا بیٹا آ گیا ہے اور اس نے یہ یہ کام کئے ہیں۔ وہ خوش ہو گئی اور سوار ہو کر بیٹے کے پاس پہنچی۔ جان شاہ دیکھتے ہی اس کے سینے سے لگ گیا اور وہ مارے خوشی کے غش کھا کر گر پڑی۔ لوگوں نے اس کے منہ پر گلاب چھڑکا' جب اسے ہوش آیا تو اس نے دوبارہ بیٹے کو گلے سے لگایا اور مارے خوشی کے آنسو بہانے لگی۔ شمسہ کو معلوم ہوا کہ جان ش کی ماں آ گئی ہے تو وہ اٹھ کر اس کے پاس پہنچی' اسے سلام کیا اور دونوں دیر تک ایک دوسرے کے گلے لپٹے رہیں اور پھر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

اب بادشاہ طیغموس نے شہر کے دروازے کھول دیئے' سارے ملک میں خوشخبری دینے والے بھیجے' انہوں نے ہر طرف خبر پہنچا دی۔ بادشاہ کے پاس عمدہ عمدہ تحفے تحائف آنے لگے اور تمام شہروں کے امراء' لشکری اور حکام آئے کے اسے سلام کریں۔ اس فتح اور اس کے بیٹے کی سلامتی پر مبارکبادیں دیں۔ ایک عرصے تک یہی حالت رہی کہ لوگ عمدہ عمدہ تحفے تحائف لے کر ان پاس آتے اور مبارک باد دیتے' اس کے بعد بادشاہ نے شمسہ کو دوبارہ ولیمہ کیا اور حکم دیا کہ شہر سجایا جائے اور دلہن کو نفیس نفیس پوشاکیں اور زیور پہنا کر جان شاہ کے سامنے منہ دکھائی کی رسم ادا کی اور اس کی خدمت کے لیے سو خوبصورت کنیزیں دیں۔ کچھ دن گزر گئے تو شمسہ نے بادشاہ طیغموس کے پاس جا کر راجا کفید کی سفارش کی اور کہا اسے چھوڑ دے۔ وہ اپنے وطن چلا جائے' اگر اس نے پھر کوئی شرارت کی تو میں ایک دیو کو حکم دوں گی کہ وہ اسے اٹھا کر تیرے پاس لے آئے۔ بادشاہ نے قبول کیا اور شموال سے کہلا بھیجا کہ راجا کفید کو حاضر کرے۔ وہ اسے بیڑیوں اور زنجیروں سمیت لے آیا۔ جب راجہ حاضر ہوا اور اس نے بادشاہ کے آگے زمین چومی تو اس نے حکم دیا کہ اس کی بیڑیاں کھول دی جائیں' اس کی بیڑیاں کھول دی گئیں۔ بادشاہ نے اسے ایک لنگڑے گھوڑے پر بٹھا کر کہا کہ شہزادی شمسہ نے تیری سفارش کی ہے لہٰذا اپنے وطن جا اور اگر تو نے دوبارہ یہ حرکت کی تو وہ تجھے ایک دیو بھیج کر پکڑوائے گی۔ الغرض راجا کفید بد ترین حالت میں اپنے وطن روانہ ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو تیسویں رات

جب پانچ سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ راجا کفید بد ترین حالت میں اپنے وطن روانہ ہوا اور جان شاہ' اس کا باپ اور شمسہ نہایت عیش

و عشرت سے زندگی گزارنے لگی۔

یہ قصہ بلوقیا سے اس جوان نے کہا جو دونوں قبروں کے بیچ میں بیٹھا ہوا تھا۔ پھر بولا اے بھائی بلوقیا میں ہی جان شاہ ہوں جس نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ بلوقیا جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں مارا مارا پھرتا تھا' یہ کہانی سن کر اچنبھے میں پڑ گیا اور جان شاہ سے کہا اچھا بھائی ان دونوں قبروں کا کیا قصہ ہے تو ان کے بیبچ کیوں بیٹھا ہوا ہے اور رونے کا کیا سبب ہے؟ جان شاہ نے جواب دیا کہ اے بلوقیا سن! ہم عیش و عشرت کے ساتھ خوش و خرم زندگی بسر کرتے۔ ایک سال اپنے وطن میں اور ایک سال قلعے جوہر تکنی میں رہتے تو اس طرح تخت پر بیٹھتے اور دیو اسے اٹھا کر زمین اور آسمان کے درمیان لے اڑتے اور ادھر سے ادھر' ادھر سے ادھر پہنچا دیتے۔ بلوقیا نے کہا اے بھائی' اے جان شاہ' اس قلعے اور تمہارے وطن کی درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ جان شاہ نے کہا ہم روز تیس مہینے کی راہ طے کرتے اور دس دن میں قلعے پہنچتے خیر اب سنو کئی سال تک ہمارا یہی طور اور ہماری یہی حالت رہی۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ ہم چلتے چلتے یہاں پہنچے' تخت سے اتر کر جزیرے کی سیر کرنے لگے اور دریا کے کنارے بیٹھ کر کھانے پینے لگے۔ شمسہ نے کہا میں اس دریا میں نہانا چاہتی ہوں اور اس نے اپنا لباس اتار ڈالا۔ کنیزوں نے بھی اپنے کپڑے اتار دیئے اور سب دریا میں اتر کر تیرنے لگیں۔ میں کنارے پر ٹہلتا رہا اور کنیزوں کو شمسہ کے ساتھ کھیلنے دیا۔ اتنے میں ایک بہت بڑے مگر مچھ نے کنیزوں کو چھوڑ کر شمسہ کے پاؤں پر منہ مارا وہ چیخ کر فوراً مر گئی۔ کنیزیں بھاگ کر خیمے میں آ چھپیں۔ پھر بعض

کنیزیں جا کر اس کی لاش کو خیمے میں لائیں۔ جب میں نے اسے مردہ دیکھا تو میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگوں نے میرے منہ پر گلاب چھڑکا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں رونے پیٹنے لگا اور دیوؤں کو حکم دیا کہ وہ تخت کو لے کر اس کے گھر والوں کے پاس جائیں اور یہ ماجرا بیان کریں۔ انہوں نے جا کر اس کے ماں باپ کو خبر کی۔ تھوڑی ہی دنوں بعد وہ یہاں آئے اور انہوں نے اسے غسل دے کر کفن پہنایا اور اس جگہ دفن کر دیا اور مجھ سے اپنے ساتھ چلنے کو کہا میں نے اس کے باپ سے کہا کہ اس کی قبر کے پاس ایک اور قبر کھود دے۔ وہ میری قبر ہو گی تاکہ جب میں مروں تو اس کے پہلو میں دفن کیا جاؤں۔ بادشاہ شہلان نے ایک دیو کو حکم دیا کہ وہ میرے حکم کی تعمیل کرے' اس نے ایسا ہی کیا جیسا میں چاہتا تھا۔ اس کے بعد وہ مجھے روتا پیٹتا چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ ہے میری کہانی اور میرے اس جگہ بیٹھنے کا سبب۔ بلوقیا' جان شاہ کی باتیں سن کر اچنبھے میں پڑ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو اکتیس ویں رات

جب پانچ سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بلوقیا نے جان شاہ کی داستان سنی تو اسے بڑا اچنبھا ہوا اور وہ کہنے لگا میرا گمان تھا کہ میں نے دنیا کی بہت سیاحت کی ہے لیکن خدا کی قسم تیری کہانی سن کر میں وہ ساری باتیں بھول گیا ہوں جو میں نے دیکھی تھیں۔ پھر اس نے جان شاہ سے کہا بھائی مہربانی کر کے مجھے میرا راستہ بتا دے کہ میں صحیح و سلامت چلا جاؤں۔ جان شاہ نے اسے سیدھے راستے پر لگا دیا اور وہ رخصت ہو کر چل دیا۔

یہ کہانی سانپوں کی رانی حاسب کو سنا رہی تھی؟ حاسب کریم الدین نے پوچھا تجھے یہ سب باتیں کس طرح معلوم ہوئیں؟ اس نے کہا اے حاسب کریم الدین پچیس سال ہوئے کہ میں نے ایک بڑا سانپ مصر کے ملک میں بھیجا تھا اور بلوقیا کے نام ایک خط دیا کہ اسے پہنچا دے۔ سانپ خط لے کر بنت شموخ کے اس پہنچا جس کی ایک بیٹی مصر میں رہتی تھی۔ وہاں سے مصر کے شہر میں پہنچا اور لوگوں سے بلوقیا کا پتہ پوچھا اور پتہ معلوم کر کے سانپ نے بلوقیا کو ڈھونڈ نکالا اور سلام کے بعد اسے خط دے دیا۔

بلوقیا نے خط پڑھا' اس کا مطلب سمجھا اور سانپ سے کہنے لگا کیا تو سانپوں کی ملکہ کے پاس سے آیا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ بلوقیا نے کہا میں تیرے ساتھ سانپوں کی ملکہ کے پاس چلنا چاہتا ہوں مجھے اس سے ایک کام ہے۔ سانپ اسے لے کر پہلے اپنی بیٹی کے پاس پہنچا۔ وہاں سے رخصت ہو کر چلا تو بلوقیا سے کہا اپنی آنکھیں بند کر لے' اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں' کھولیں تو اسی پہاڑ پر تھا جس پر اب میں ہوں۔ وہ بلوقیا کو لے کر اس سانپ کے پاس پہنچا جس نے خط دیا تھا اور اسے سلام کیا۔ اس نے پوچھا۔ کیا تو خط بلوقیا کے پاس پہنچا آیا؟ اس نے جواب دیا ہاں بلکہ وہ میرے ساتھ آیا ہے اور وہ یہ ہے۔ بلوقیا نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور سانپوں کی ملکہ

کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا وہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ کوہ قاف گئی ہے' گرمیوں میں لوٹے گی۔ جب کبھی وہ کوہ قاف پر جاتی ہے تو مجھے اپنا جانشین بنا جاتی ہے۔ اگر تجھے کوئی ضرورت ہو تو میں اسے پورا کر سکتا ہوں۔ بلوقیا نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے وہ بوٹی لا دے جس کا عرق پینے والا نہ کمزور ہوتا ہے نہ بوڑھا اور نہ مرتا ہے۔ سانپ نے کہا وہ بوٹی اس وقت تک نہیں لاؤں گا جب تک یہ نہ بتا دے کہ جب تو اور عفان حضرت سلیمان علیہ السلام کے مدفن کے پاس گئے تھے تو سانپوں کی ملکہ سے رخصت ہونے کے بعد تیرے ساتھ کیا کیا باتیں پیش آئی تھیں۔

بلوقیا نے اپنی ساری کہانی شروع سے لے کر آخر تک دہرا دی۔ جان شاہ کو قصہ بھی سنا دیا اور پھر اس سے کہا اب میرا کام کر دے کہ میں اپنے وطن چلا جاؤں۔ سانپ نے کہا حضرت سلیمان علیہ السلام کے سر کی قسم' مجھے اس بوٹی کا پتہ نہیں اور اس نے اس سانپ سے کہا جو بلوقیا کو لایا تھا کہ اسے اس کے وطن پہنچا دے۔ سانپ نے بلوقیا سے کہا آنکھیں بند کر لے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو نوجبل المقطب میں پایا اور وہاں سے وہ اپنے گھر پہنچ گیا۔ سانپوں کی ملکہ کوہ قاف سے لوٹی تو اس کا جانشین سانپ اس کے پاس آیا اور اسے سلام کر کے کہا کہ بلوقیا تجھے سلام کہہ گیا ہے۔ اس کے بعد سانپ نے اس سے وہ سارا قصہ کہہ سنایا جو بلوقیا نے اسے سے بیان کیا تھا یعنی جو کچھ اس نے اپنے سفر میں دیکھا تھا اور جس طرح اس کی ملاقات جان شاہ سے ہوئی تھی۔

سانپوں کی ملکہ نے حاسب کریم الدین سے کہا کہ اے حاسب یہ ہے وہ شخص جس نے مجھے یہ خبر دی۔ حاسب نے کہا اے سانپوں کی ملکہ مصر واپس جانے کے بعد بلوقیا کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے؟ اس نے کہا اے حاسب سن۔ جان شاہ سے رخصت ہونے کے بعد بلوقیا چلتے چلتے ایک بڑے سمندر پر پہنچا اور اپنے پاؤں پر وہ عرق مل کر جو اس کے پاس تھا' پانی پر چلنے لگا یہاں تک کہ وہ ایک جزیرے میں پہنچا جہاں بہت سے درخت'

ندیاں اور پھل تھے' وہ جزیرہ کیا گویا جنت تھا۔ اس جزیرے میں پھرتے پھرتے وہ ایک درخت کے پاس پہنچا جس کے پتے ایسے تھے جیسے کشتی کے بادبان۔ درخت کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کے نیچے دستر خوان بچھا ہوا ہے۔ جس پر طرح طرح کے نفیس کھانے چنے ہوئے ہیں۔ اسے درخت کے اوپر ایک بڑی چڑیا دیکھائی دی جو موتیوں اور سبز زمرد کی تھی اور جس کے پاؤں چاندی کے' چونچ سرک یاقوت کی' پر نفیس معدنیات کے تھے اور وہ خدا کی پاکی بیان کرتی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو بتیسویں رات

جب پانچ سو بتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بلوقیا نے اس بڑے پرندے کو دیکھا تو اس سے پوچھا تو کون ہے اور تیرا کیا قصہ ہے؟ اس نے جواب دیا میں جنت کا ایک پرندہ ہوں اور اے بھائی سن' جب خدا نے آدم کو جنت سے نکالا تو اسے چار پتے دیئے کہ وہ ان سے اپنا بدن ڈھانک لے۔ جب یہ پتے زمین پر گرے تو ان میں سے ایک کو ریشم کے کیڑے نے کھا لیا اور اس سے ریشم پیدا ہوا۔ دوسرے کو غزالوں نے کھایا اور اس سے مشک پیدا ہوا' تیسرے کو شہد کی مکھی نے کھا لیا اور اس سے شہد پیدا ہوا' چوتھا جا کر ہندوستان میں گرا اور اس سے طرح طرح کے مسالے پیدا ہوئے اور میرا قصہ یہ ہے میں نے ساری دنیا کی سیر کی یہاں تک کہ خدا نے اپنی مہربانی سے مجھے اس جگہ پہنچا دیا اور میں یہاں آ کر ٹھہر گیا۔ ہر جمعرات اور جمعہ کو دنیا کے تمام اولیاء اور قطب یہاں آتے ہیں' اس جگہ کو زیارت کرتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں جو خدا کی طرف سے ہر جمعرات اور جمعہ کو ان کی ضیافت کے لیے آتا ہے۔ اس کے بعد وہ دستر خوان بغیر کمی اور تغیر و تبدل کے جنت کی طرف اٹھا لیا جاتا ہے۔

بلوقیا نے بھی اس میں سے کھایا اور کھا کر خدا کا شکر ادا کر ہی رہا تھا کہ خضر علیہ السلام آ پہنچے۔ بلوقیا نے اٹھ کر سلام کیا اور چلنے لگا۔ پرندے نے کہا' اے بلوقیا خضر علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھ۔ وہ بیٹھ گیا۔ خضر علیہ السلام نے کہا۔ اے بلوقیا' اپنا حال بیان کر اور اپنا قصہ سنا۔ بلوقیا نے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر اس وقت تک کہ وہ اس جگہ پہنچا کہ سنایا اور خضر سے پوچھا اے میرے آقا! یہاں سے مصر تک کتنا فاصلہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ پچانوے سال کی مسافت۔ بلوقیا یہ سن کر رونے لگا جھک کر خضر علیہ السلام کا ہاتھ چوما اور کہا مجھے اس غربت سے چھٹکارا دے' خدا

تجھے اس کا اجر دے گا میں بربادی کے قریب پہنچ چکا ہوں اور کوئی تدبیر میری سمجھ میں نہیں آتی۔ خضر علیہ السلام نے کہا خدا سے دعا مانگ' وہ مجھے اجازت دے کہ میں تجھے تباہی سے پہلے مصر پہنچا دوں۔ بلوقیا رونے اور خدا کی درگاہ میں گڑگڑانے لگا۔ خدا نے اس کی دعا منظور کر لی اور خضر علیہ السلام پر الہام کیا کہ اسے اس کے گھر پہنچا دے۔ خضر علیہ السلام نے بلوقیا سے کہا اپنا سر اٹھا' خدا نے تیری دعا منظور کر لی ہے اور مجھ پر الہام کیا ہے کہ میں تجھے مصر پہنچا دوں۔ مجھ سے چمٹ جا' مجھے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لے اور آنکھیں بند کر لے۔ بلوقیا خضر علیہ السلام سے چمٹ گیا' دونوں ہاتھوں سے انہیں پکڑ لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ خضر علیہ السلام نے ایک قدم بڑھایا اور بلوقیا سے کہا آنکھیں کھول۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا پایا۔ اب وہ خضر علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا کہ ان سے رخصت ہو لیکن کہیں ان کا نشان تک نہ پایا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو تینتیس ویں رات

جب پانچ سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... بلوقیا نے آنکھیں کھولیں کہ خضر علیہ السلام سے رخصت ہو تو انہیں نہ پایا اور گھر کے اندر گیا۔ ماں نے دیکھا تو خوشی کے مارے غش کھا کر زمین پر گر پڑی۔ لوگوں نے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے بلوقیا کو گلے سے لگا لیا اور بلک بلک کر رونے لگی۔ بلوقیا کبھی روتا اور کبھی ہنستا تھا۔ سارے گھر والوں' رشتے داروں اور دوست احباب نے آ کر سلامتی کی مبارک باد دی۔ یہ خبر تمام ملک میں پھیل گئی اور ہر طرف سے ہدیے آئے اور نقارے' مجیرے بجنے لگے۔ سب لوگ بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد بلوقیا نے اپنی ساری کہانی کہی' سارا ماجرا سنایا اور یہ کہ خضر علیہ السلام نے آ کر اسے گھر کے دروازے پر پہنچا دیا۔ لوگوں کو بڑا اچنبھا ہوا اور وہ اتنا روئے کہ روتے روتے تھک گئے۔

یہ ساری داستان سانپوں کی ملکہ بیان کر رہی تھی' حاسب کریم الدین کو اچنبھا ہو رہا تھا اور اس کے آنسو جاری تھے۔ اب اس نے سانپوں کی ملکہ سے کہا میں اپنے وطن جانا چاہتا ہوں۔ سانپوں کی ملکہ نے کہا اے حاسب میں ڈرتی ہوں کہ تو اپنے وطن پہنچ کر بے وفائی کرے گا' قسم توڑ ڈالے گا جو تو نے کھائی ہے اور حمام چلا جائے گا۔ ملکہ کریم الدین نے اور بہت سی قسمیں کھائی کہ میں زندگی بھر حمام نہ جاؤں گا۔ ملکہ نے ایک سانپ کو حکم دیا کہ حاسب کریم الدین کو زمین کے اوپر پہنچا آ۔ سانپ اسے لے کر چلا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ ہوتا ہوا ایک ٹوٹے پھوٹے اندھے کنوئیں کے راستے اسے اوپر جا نکالا۔ وہاں سے وہ شہر آیا اور شام کے وقت جب سورج زرد پڑ رہا تھا اپنے گھر پہنچا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کی ماں نے آ کر دروازہ کھولا اور اپنے بیٹے کو دروازے پر کھڑا دیکھ کر خوشی کے مارے بے تحاشا چیخی اور بیٹے سے

لپٹ کر رونے لگی۔ بیوی نے ماں کو روتے سنا تو دوڑی ہوئی باہر آئی دیکھا تو اس کا شوہر موجود ہے' اس نے سلام کیا۔ اس کے ہاتھ چومے' ایک دوسرے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے' اور جب گھر کے اندر گئے۔ سب بیٹھ چکے اور حاسب کریم الدین اپنے گھر والوں کے بیچ میں بیٹھا تو اس نے پوچھا لکڑ ہارے کہاں ہیں جو میرے ساتھ لکڑیاں ڈھوتے اور مجھے اندھے کنوئیں میں چھوڑ کر چلتے ہوئے' اس کی ماں نے کہا انہوں نے تو مجھے آ کر یہ کہا تھا کہ تیرے بیٹے کو گھاٹی میں بھیڑیا کھا گیا ہے۔ اب تو وہ تاجر دکانوں اور جاگیروں کے مالک ہو گئے ہیں اور بڑے مالدار ہیں۔ ہر روز ہمارے لیے کھانا پینا لاتے ہیں اور آج تک ان کا یہی دستور ہے۔ اس نے اپنی ماں سے کہا کل ان کے پاس جا کر کہیو کہ حاسب کریم الدین سفر سے لوٹ کر آ گیا ہے تم لوگ آ کر اس سے ملو اور سلام کرو۔ جب سویرا ہوا تو اس کی ماں نے لکڑ ہاروں کے گھر جا کر اپنے بیٹے کا پیغام پہنچا دیا۔ یہ سنتے ہی لکڑ ہاروں کے رنگ فق ہو گئے۔ ان میں سے ہر ایک نے اسے ایک جوڑا ریشمی کپڑوں کا دیا جن پر سونے کے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے اور کہا یہ اپنے بیٹے کو دے دیجیو اور کہیو کہ وہ انہیں پہنے اور اس سے کہیو کہ ہم کل اس کے پاس آئیں گے۔ وہاں سے پلٹ کر وہ اپنے بیٹے کے پاس آئی تو اس سے تمام باتیں کہیں جو کچھ انہوں نے اس کے لیے دیا تھا اس کے حوالے کیا۔

لکڑ ہاروں نے کئی سوداگروں کو جمع کر کے سارا قصہ کہا۔ حاسب کریم الدین کے ساتھ جو انہوں نے کیا تھا سنایا اور ان سے پوچھا کہ اب کیا کیا جائے؟ سوداگروں نے کہا تمہیں چاہیے کہ اپنا آدھا آدھا مال اور آدھے غلام اسے دے دو۔ اس پر سب نے اتفاق کیا اور سب اپنا آدھا آدھا مال لے کر اس کے پاس گئے' اسے سلام کیا' ہاتھ چومے اور مال اسے دے کر کہا یہ تیرا احسان ہے اور ہم تیرے سامنے کھڑے ہیں۔ اس نے قبول کر لیا اور کہا جو ہوا سو ہوا۔ یہی خدا کی مرضی تھی اور تقدیر کے آگے کسی کا بس نہیں چلتا۔ انہوں نے کہا اٹھ شہر کی سیر کریں اور حمام چلیں۔ اس نے

کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ عمر بھر حمام میں داخل نہ ہوں گا۔ انہوں نے کہا اچھا ہمارے گھر چل، ہم تیری دعوت کرتے ہیں۔ وہ اٹھ کر ان کے ساتھ ان کے گھر گیا۔ ان میں سے ہر ایک نے اس کی ایک ایک رات دعوت کی۔ سات دن یہی ہوتا رہا اور وہ بڑی دولت، بہت سی جاگیروں اور دکانوں کا مالک ہو گیا۔ شہر کے تمام تاجر اس کے پاس آئے اور اس نے ان سے اپنا قصہ بیان کیا۔

ایک دن وہ شہر میں ٹہل رہا تھا۔ اسے ایک دوست ملا جو حمامی تھا۔ حمام کے دروازے پر دونوں کی چار آنکھیں ہوئیں۔ حمامی نے بھی قسم کھائی کہ اگر تو حمام چل کر نہ نہائے تو میری تینوں بیویوں کو تین تین طلاق۔ حاسب کریم الدین اپنے دل میں بہت گھبرایا اور کہا کیا تو چاہتا ہے کہ میری اولاد یتیم ہو جائے، گھر تباہ اور میری گردن میں عذاب کا طوق پڑے؟ حمامی حاسب کریم الدین کے قدموں میں گر پڑا، انہیں چومنے لگا اور کہا اگر تو حمام چلے تو میں ہمیشہ کے لیے تیرا غلام رہوں گا اور تیرا گناہ اپنے سر لے لوں گا۔ اتنے میں حمام کے نوکر چاکر اور جو اس کے اندر تھے جمع ہو گئے۔ حاسب کریم الدین کو پکڑ کر حمام میں لے گئے اور اس کے کپڑے اتار ڈالے۔

حمام میں داخل ہو کر ابھی اس نے اپنے سر پر پانی ڈالا ہی تھا کہ بیس آدمی پہنچے اور کہنے لگے اے شخص، ہمارے ہاں سے نکل جا تو بادشاہ کا مجرم ہے اور انہوں نے ایک شخص کو بادشاہ کے وزیر کے پاس بھیجا۔ اس نے جا کر وزیر کو خبر دی، وزیر ساٹھ غلاموں کو لے کر حمام میں آ دھمکا۔ یہ سب حاسب کریم الدین کے پاس آئے۔ وزیر نے اسے سلام کر کے مرحبا کہا اور حمامی کو سو دینار دے کر حکم دیا کہ حاسب کی سواری کے لیے ایک گھوڑا لا۔ گھوڑا آیا اور وزیر حاسب کو لے کر مع اپنے ساتھیوں کے سوار ہو گیا۔ وزیر حاسب کو لیے ہوئے بادشاہ کے محل پر پہنچا۔ وزیر، اس کے ہمراہی اور حاسب سب گھوڑوں سے اتر پڑے اور محل میں جا کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد دسترخوان لایا گیا۔ سب نے کھایا پیا، ہاتھ دھوئے اور وزیر نے حاسب کو دو خلعت عطا کیے جن میں ہر ایک پانچ پانچ ہزار دینار کا تھا اور اس سے کہا کہ سن، خدا نے تجھے بھیج کر ہم

پر بڑا احسان اور رحم کیا کیونکہ کوڑھ کی وجہ سے بادشاہ مرنے کے قریب ہے اور ہماری کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی زندگی تیرے ہاتھ میں ہے۔

یہ سن کر حاسب کو بڑا اچنبھا ہوا۔ وزیر حاسب اور بڑے بڑے لوگ محل کی سات ڈیوڑھیوں سے ہو کر بادشاہ کے پاس حاضر ہوئے جس کا نام کرزوان تھا اور جو عجم کا بادشاہ تھا‘ ساتوں اقلیموں پر اس کی حکومت تھی۔ اس کی خدمت میں سو بادشاہ حاضر تھے جو سرخ سونے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور دس ہزار پہلوان جن کے ماتحت سو سو نواب تھے اور سو سو جلاد جو تلواریں اور تیر لیے کھڑے تھے‘ دیکھا کہ بادشاہ لیٹا ہوا ہے اس کا چہرہ رومال سے ڈھکا ہوا ہے اور بیماری کی تکلیف سے کراہ رہا ہے۔ بادشاہ کرزوان کی یہ حالت دیکھ کر حاسب کے حواس اڑ گئے‘ اس نے اس کے آگے زمین چوم کر اسے دعا دی۔ اب بڑا وزیر جس کا نام وزیر شمہور تھا‘ سامنے آیا اور بڑے احترام سے بادشاہ کے دہنی طرف ایک اونچی جگہ اس کا بٹھایا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• پانچ سو چونتیسو یں رات

جب پانچ سو چونتیسو یں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ وزیر

شمہور نے حاسب کو بادشاہ کے دہنی طرف ایک کرسی پر بٹھایا اور دسترخوان حاضر کیا گیا' سب نے کھا پی کر ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد وزیر شمہور کھڑا ہو گیا' اس کے ساتھ تمام مجلس والے بھی کھڑے ہو گئے' اس کے بعد حاسب کریم الدین کی طرف بڑھ کر کہا ہم سے تیرے خادم ہیں اور جو کچھ تو مانگے تجھے دینے کے لیے تیار ہیں۔ اگر تو آدھا ملک بھی مانگے تو ہم دے دیں گے اس لیے کہ بادشاہ کی تندرستی تیرے ہاتھ میں ہے۔ یہ کہہ کر وزیر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے بادشاہ کے پاس لے گیا۔ حاسب نے بادشاہ کا چہرہ کھولا تو دیکھا کہ وہ بہت بیمار ہے' وہ دھک رہ گیا۔ اب وزیر نے حاسب کا ہاتھ چوما اور کہا ہماری درخواست یہ ہے کہ تو بادشاہ کو اچھا کر دے اور جو کچھ تو مانگے گا ہم تجھے دیں گے۔ ہماری تجھ سے یہی ضرورت ہے اور بس۔ حاسب نے کہا یہ ٹھیک ہے کہ میں خدا کے نبی دانیال کا بیٹا ہوں لیکن مجھے کوئی علم نہیں آتا۔ مجھے تین دن تک طب کا علم سکھایا گیا لیکن میں اس فن کو بالکل نہ سیکھ سکا۔ کاش میں اس فن سے واقف ہوتا اور بادشاہ کا علاج کر سکتا! وزیر نے کہا ہم سے زیادہ باتیں مت بنا۔ اگر ہم پورب پچھم کے سارے حکیم بھی جمع کر لیں تو بھی سوا تیرے بادشاہ کو کوئی اچھا نہیں کر سکتا۔ حاسب نے کہا میں اسے کس طرح اچھا کر سکتا ہوں' نہ تو میں اس کی بیماری جانتا ہوں' نہ دوا! وزیر نے کہا بادشاہ کی دوا تیرے ہی پاس ہے۔ حاسب نے کہا اگر میں اس کی دوا جانتا ہوں تو اسے اچھا کر دیتا۔ وزیر نے کہا تو اس کی دوا بہت اچھی طرح سے جانتا ہے۔ اس کی دوا سانپوں کی ملکہ ہے تو نے

اسے دیکھا ہے' تو جانتا ہے کہ وہ کہاں رہتی ہے تو اس کے ساتھ رہا ہے۔
جب حاسب نے یہ باتیں سنیں تو اسے یقین ہو گیا کہ اس کا سبب اس کا حمام جانا ہے اور وہ بہت پچھتایا لیکن اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا تھا۔ اس نے کہا کیسی سانپوں کی ملکہ؟ میں تو اسے جانتا بھی نہیں۔ میں نے تو عمر بھر اس کا نام تک نہیں سنا۔ وزیر نے کہا' انجان نہ بن' میرے پاس اس کا ثبوت موجود ہے کہ تو اسے جانتا ہے تو اس کے ہاں دو سال ٹھہرا رہا ہے۔ حاسب نے کہا میں نہ اسے جانتا ہوں نہ اس کے ہاں ٹھہرا ہوں' نہ اس وقت سے پہلے اس کا نام سنا ہے۔ اور سنا بھی تو صرف تیری زبان سے۔ یہ سن کر وزیر نے ایک کتاب منگوائی اسے کھول کر حساب کرنے لگا اور کہا سانپوں کی ملکہ ایک انسان سے ملے گی وہ اس کے ساتھ دو سال ٹھہرے گا اور پھر اس سے جدا ہو کر زمین کے اوپر آئے گا اور جونہی وہ حمام میں داخل ہو گا تو اس کا پیٹ کالا پڑ جائے گا۔ اب اس نے حاسب سے کہا اچھا اپنا پیٹ دیکھ۔ اس نے دیکھا تو وہ واقعی کالا پڑ گیا تھا۔ اس نے کہا میرا پیٹ تو پیدائشی کالا ہے۔ وزیر نے کہا میں نے ہر حمام میں تین تین غلام لگا رکھے تھے تاکہ وہ حمام میں ہر آنے والے کے پیٹ کو غور سے دیکھیں اور مجھے خبر دیں۔ جب حمام میں داخل ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ تیرا پیٹ کالا ہو گیا ہے۔ مجھے خبر بھیجی۔ مجھے یقین ہوا کہ تو ہی وہ شخص ہے۔
اب میری تجھ سے سوائے اس کے اور کوئی حاجت نہیں کہ تو مجھے وہ جگہ بتا دے جہاں سے تو نکلا ہے' پھر تو اپنی راہ لیجیو۔ ہم خود سانپوں کی ملکہ کو پکڑ لیں گے کیونکہ ہمارے پاس ایسا آدمی موجود ہے جو اسے لا سکتا ہے۔
حاسب نے یہ باتیں سنیں تو وہ اپنی حماقت پر افسوس کرنے لگا مگر افسوس بے کار تھا۔
جب سارے امیر اور وزیر درخواست کرتے تھک گئے اور وہ یہی کہتا رہا کہ یہ بات نہ میں نے دیکھی ہے اور نہ سنی تو وزیر نے جلاد کو بلوا لیا اور اسے حکم دیا کہ اس کے کپڑے اتار کر اسے خوب مارے۔ جلاد نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ وہ ادھ موا ہو گیا اور اس کی آنکھوں کے آگے موت پھرنے لگی۔ اس کے بعد وزیر نے کہا ہمارے

پاس اس بات کا ثبوت ہے کہ تجھے سانپوں کی ملکہ کی جگہ معلوم ہے پھر تو کیوں انکار کیے چلا جاتا ہے۔ ہمیں صرف وہ جگہ دکھا دے جہاں سے تو نکلا ہے اور چل دے۔ ہمارے پاس ایسا شخص ہے جو اسے پکڑ لائے گا اور تجھے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ اس کے بعد وزیر اس کے ساتھ نرمی سے پیش آیا' اسے اٹھا کر کھڑا کیا اور حکم دیا کہ اس کے لیے ایک خلعت لاؤ جس میں سونے اور جواہرات کا کام ہو۔ حاسب نے وزیر کا حکم مان لیا اور اس سے کہا اچھا میں تمہیں وہ جگہ دکھا دوں جہاں سے میں نکلا تھا۔ وزیر یہ سن کر خوش ہو گیا پھر وہ تمام امیر سوار ہو گئے۔ حاسب ان کے آگے آگے ہو لیا۔ چلتے چلتے وہ پہاڑ کے پاس پہنچا اور وہ انہیں غار میں لے گیا اور رونے اور افسوس کرنے لگا۔ امراء اور وزراء بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ وہ اس کنوئیں کے پاس پہنچا جہاں سے وہ نکلا تھا۔ وزیر آگے بڑھ کر بیٹھ گیا۔ دھونی مارنی طلسم کھینچے' منتر پڑھے اور گنگنانے لگا کیونکہ وہ جادوگر' مکار اور کاہن تھا اور روحانی علوم وغیرہ جانتا تھا۔ جب وہ پہلے جادو سے فارغ ہو چکا تو دوسرا پڑھا' پھر تیسرا' خوشبوئیں ختم ہو جاتیں تو وہ اور خوشبوئیں آگ پر ڈالتا۔

جادو پڑھنے کے بعد اس نے کہا اے سانپوں کی ملکہ نکل۔ یہ کہتے ہی کنوئیں کا پانی سوکھ گیا' ایک بڑا دروازہ کھلا اور اس میں سے بجلی کی سی کڑک اس زور سے سنائی دی کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ کنواں پھٹ پڑا۔ سب لوگ غش کھا کر گر پڑے۔ دو چار تو مر بھی گئے اور کنوئیں میں سے ہاتھی کے برابر ایک سانپ نکلا جس کی آنکھوں اور منہ سے انگارے نکل رہے تھے۔ اس کی پیٹھ پر ایک سرخ سونے کی سینی تھی جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ سینی کے بیچ میں ایک سانپ تھا جس سے وہ ساری جگہ روشن ہو گئی۔ اس کا چہرہ انسان جیسا تھا اور نہایت فصاحت کے ساتھ بولتا تھا۔ یہ سانپوں کی ملکہ تھی۔ اس نے دائیں بائیں نظر دوڑائی اور حاسب کو دیکھ کر کہا تیرا وعدہ و پیمان کیا ہوا جو تو نے میرے ساتھ باندھا تھا اور تیری قسم کہاں گئی جو

تو نے کھائی تھی کہ حمام نہیں جاؤں گا؟ لیکن قضا و قدر کے آگے کوئی تدبیر نہیں چلتی اور قسمت کے لکھے سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ خدا نے تیرے ہاتھ سے میری موت لکھی ہے۔ اس نے یہی حکم دیا تھا اور اس کی مرضی یہی تھی کہ ماری جاؤں اور بادشاہ کرزواں اچھا ہو جائے۔ یہ کہہ کر ملکہ زار زار رونے لگی اور اسے روتے دیکھ کر حاسب بھی رو پڑا۔ جب ملعون وزیر شمہور نے سانپوں کی ملکہ کو دیکھا تو اسے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ ملکہ نے کہا اے مردود' اپنا ہاتھ الگ رکھ ورنہ میں ابھی پھونک مار کر تجھے راکھ کا ڈھیر بنا دوں گی۔ اس کے بعد اس نے حاسب کو پکارا اور کہا میرے پاس آ اور میرا ہاتھ پکڑ مجھے اس سینی میں اتار دے جو یہ لائے ہیں اور اسے اپنے سر پر رکھ کر چل کیونکہ ازل سے میری موت تیرے ہی ہاتھ سے لکھی ہوئی ہے اور یہ کسی تدبیر سے رک نہیں سکتی۔ حاسب نے وہ سینی لے کر اپنے سر پر رکھ لی اور کنواں پھر پہلے کی طرح ہو گیا۔

اب وہ سب چل پڑے اور حاسب اس سینی کو سر پر رکھ کر جس میں سانپوں کی ملکہ تھی' ان کی ساتھ ہو لیا۔ راستے میں سانپوں کی ملکہ نے حاسب سے چپکے سے کہا اگرچہ تو نے عہد و پیاں کو بھلا دیا' قسم توڑ ڈالی اور یہ ساری حرکت کی' ازل سے قسمت میں یہی لکھا ہوا تھا لیکن اے حاسب سن میں تجھے ایک نصیحت کرتی ہوں۔ حاسب نے کہا بتا اے سانپوں کی ملکہ تو مجھے کیا حکم دیتی ہے؟ اس نے کہا جب تو وزیر کے گھر پہنچے گا تو وہ تجھ سے کہے گا کہ سانپوں کی ملکہ کو ذبح کر کے اس کے تین ٹکڑے کر۔ تو اس سے انکار کر دیجیو ہرگز ایسا نہ کیجئو' اس سے کہیو کہ مجھے ذبح کرنا نہیں آتا۔ یہ اس لیے کہ وہ مجھے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اور جو چاہے میری گت بنائے۔ جب وہ مجھے ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا تو بادشاہ کرزوان کا قاصد آ کر اسے لے جائے گا۔ بادشاہ کے پاس جانے سے پہلے وہ میرے گوشت کو پیتل کی دیگچی میں رکھ کر اسے چولہے پر چڑھا دے گا اور تجھ سے کہہ جائے گا کہ "دیگچی

کے نیچے آگ جلاتا رہیو' جب تک کہ گوشت ابلنے نہ لگے۔ جب گوشت پر جھاگ آ جائیں تو انہیں اتار کر ایک شیشی میں بھر لیجیو اور ٹھنڈا ہونے کے بعد پی لیجیو۔ اس کے پینے کا اثر یہ ہو گا کہ تیرے بدن میں کوئی بیماری باقی نہ رہے گی۔ پھر دوسری مرتبہ جھاگ آئیں تو انہیں دوسری شیشی میں بھر کر اپنے پاس رکھ لیجیو۔ اس کو بادشاہ کے پاس سے لوٹ کر میں پیوں گا تاکہ میری ریڑھ کی بیماری جاتی رہے۔" اس کے بعد وہ تجھے دو شیشیاں دے کر بادشاہ کے پاس چلا جائے گا۔ جب وہ چلا جائے تو دیگچی کے نیچے آگ جلائیو یہاں تک کہ پہلے جھاگ آ جائیں۔ ان جھاگوں کو لے کر حفاظت سے شیشی میں اپنے پاس رکھیو مگر خبردار اسے پیجیو نہیں کیونکہ اگر تو نے اسے پیا تو اس سے تجھے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ جب دوبارہ جھاگ آئیں تو انہیں دوسری شیشی میں رکھ لیجیو اور ٹھنڈا ہونے پر تو اسے پی لیجیو۔ جب وہ بادشاہ کے پاس سے لوٹے اور تجھ سے دوسری شیشی مانگے تو اسے پہلی شیشی دے دیجیو اور دیکھیو کہ اس کے ساتھ کیا ماجرا پیش آتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو پینتیس ویں رات

جب پانچ سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سانپوں کی ملکہ نے کہا کہ جب وہ تجھ سے دوسری شیشی مانگے تو اسے پہلے دے دیجیو اور دیکھ کہ اس کی کیا حالت ہوتی ہے' بعد ازاں تو دوسری شیشی پی لیجیو' اس کے پینے کے ساتھ تیرا دل حکمت کا خزانہ ہو جائے گا پھر گوشت کو نکال کر پیتل کی سینی میں رکھیو اور اسے بادشاہ کو دے دیجیو تا کہ وہ اسے کھائے۔ جب وہ گوشت کھا لے اور وہ اس کے پیٹ میں پہنچ جائے تو اس کا چہرہ رومال سے ڈھانک دیجیو اور دوپہر تک انتظار کیجیو تا کہ وہ اس کے پیٹ میں ٹھنڈا ہو جائے۔ پھر اسے شراب پلائیو کہ وہ اچھا ہو جائے جیسا کہ پہلے تھا اور خدا کے فضل سے اس کی بیماری جاتی رہے گی۔ اس وصیت کو جو میں نے تجھ سے کی ہے خوب سن رکھ اور اچھی طرح یاد کر لے۔

القصہ سانپوں کی ملکہ کو لیے ہوئے سب وزیر کے گھر پہنچے۔ وزیر نے حاسب سے کہا کہ میرے ساتھ گھر میں چل۔ لشکر رخصت ہو گیا اور تمام لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے تو وزیر اور حاسب مکان کے اندر پہنچے۔ حاسب نے وہ سینی اپنے سر سے اتار دی جس میں سانپوں کی ملکہ تھی۔ وزیر نے کہا کہ سانپوں کی ملکہ کو ذبح کر۔ حاسب نے کہا کہ مجھے ذبح کرنا نہیں آتا۔ میں نے آج تک کبھی کوئی چیز ذبح نہیں کی۔ اگر تجھے اسے ذبح کرنے کی غرض ہو تو اسے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کر لے۔ وزیر شمہور اٹھا اور سانپوں کی ملکہ کو سینی میں سے نکال کر ذبح کیا۔ حاسب نے یہ دیکھا تو وہ زور زور سے رونے لگا۔ شمہور ہنسنے لگا اور کہا اے بے عقل' ایک سانپ کے ذبح ہونے پر تو کیوں روتا ہے؟ ذبح کرنے کے بعد وزیر نے اس کے تین ٹکڑے کئے اور اسے پیتل کی دیگچی میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیا اور بیٹھا ہی ہوا تھا کہ بادشاہ کے پاس

سے ایک غلام نے آ کر کہا بادشاہ تجھے فوراً بلاتا ہے۔ وزیر کھڑا ہو گیا اور دونوں شیشیاں حاسب کو دے کر کہا دیگچی کے نیچے آگ جلاتا رہیو تا کہ گوشت میں ابال آ جائے۔

جھاگ آ جائیں تو اسے گوشت کے اوپر سے لے کر ایک شیشی میں بھر لیجیو اور ٹھنڈا ہو جائے تو اسے پی لیجیو۔ جب تو اسے پی لے گا تو تیرے بدن میں کوئی درد باقی نہ رہے گا نہ بیماری۔ پھر دوسرا ابال آئے تو اسے دوسری شیشی میں بھر کر حفاظت سے اپنے پاس رکھ لیجیو۔ بادشاہ کے پاس سے واپس آ کر میں اسے پیوں گا کیونکہ میری ریڑھ میں درد ہوتا ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کے پینے سے وہ درد جاتا رہے گا۔

حاسب کو خوب سمجھا بجھا کہ وہ بادشاہ کے پاس چلا گیا اور حاسب دیگچی کے نیچے آگ جلاتا رہا یہاں تک کہ پہلا ابال آیا‘ اس نے اسے دونوں شیشیوں میں سے ایک میں بھر لیا اور شیشی اپنے پاس رکھ لی اور برابر آگ جلاتا رہا یہاں تک کہ دوسرا ابال آیا۔ اس نے اسے دوسری شیشی میں اتار لیا۔ گوشت پک گیا تو دیگچی آگ پر سے اتار لی اور بیٹھ کر وزیر کی راہ دیکھنے لگا۔ وزیر بادشاہ کے پاس سے لوٹا تو اس نے حاسب سے پوچھا تو نے کیا کیا؟ حاسب نے نے کہا کام پورا ہو چکا۔ وزیر نے کہا پہلی شیشی کا تو نے کیا کیا؟ اس نے کہا میں نے اسے پی لیا ہے۔ وزیر نے کہا تیرے جسم میں کوئی فرق تو دکھائی نہیں دیتا۔ حاسب نے کہا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے بدن میں سر سے لے کر پاؤں تک ایک آگ لگی ہوئی ہے۔ دغا باز وزیر نے فریب سے اس پر بھید ظاہر نہیں کیا اور اس سے کہا دوسری شیشی مجھے دے دے کہ میں اسے پی لوں ممکن ہے کہ ریڑھ کی بیماری اس سے جاتی رہے۔ یہ کہہ کر اس نے پہلی شیشی پی لی اور سمجھا کہ وہ دوسری شیشی ہے۔ ابھی وہ سب نہ پینے پایا تھا کہ شیشی اس کے ہاتھ سے گر پڑی‘ اس کا بدن سوج گیا اور اس پر یہ مثل صادق آ گئی جو اپنے بھائی کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس میں گر پڑتا ہے۔ حاسب کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور دوسری شیشی میں کوئی نقصان دینے والی چیز ہوتی تو وزیر اسے اپنے لیے

منتخب نہ کرتا۔ اس نے کہا میں خدا پر بھروسہ کرتا ہوں اور دوسری شیشی پی گیا۔ اس کے پیتے ہی خدا نے اس کے دل میں حکمت کے چشمے اور علم کے دریا جاری کر دیئے اسے بڑی اس خوشی اور مسرت حاصل ہونے لگی۔

اب اس نے دیگچی میں سے گوشت نکال کر ایک پیتل کی سینی میں رکھا اور وزیر کے گھر سے باہر آیا' اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور اسے ساتوں آسمان اور سدرۃالمنتہا تک جو کچھ ان میں تھا' دکھائی دینے لگا۔ آسمان کی گردش کی کیفیت بھی اسے معلوم ہو گئی' خدا نے یہ تمام باتیں اس پر کھول دیں۔ اسے سیارے اور ثوابت بھی دکھائی دینے لگے اور ستاروں کی رفتار کا علم ہو گیا۔ خشکی اور سمندر کی حالت اس کی آنکھوں کے آگے آ گئی۔ ہندسے' نجوم' ہیئت' فلک اور حساب کے علوم بھی معلوم ہو گئے اور تمام وہ چیزیں جو ان علوم سے تعلق رکھتی تھیں۔ سورج اور چاند گرہن وغیرہ کے اسباب بھی اس پر کھل گئے۔ اس کے بعد اس نے زمین پر نظر ڈالی اور اس کے تمام معاون اور نباتات اس پر ظاہر ہو گئے۔ ان کی خاصیتیں اور فائدے جان گیا' اس سے اسے طب' سیمیا اور کیمیا کا علم حاصل ہو گیا اور سونا' چاندی بنانے کی ترکیب معلوم ہو گئی۔

اس گوشت کو لیے ہوئے بادشاہ کرزوان کے محل پر پہنچا' اندر جا کر بادشاہ کے آگے زمین چومی اور کہا تیرا وزیر شمہور مر گیا۔ خدا تجھے سلامت رکھے! اپنے وزیر کی موت کا حال سن کر بادشاہ کو بڑا غصہ آیا۔ وہ زار زار رونے لگا۔ دوسرے وزیروں' نے کہا وزیر شمہور ابھی ہنا کٹا میرے پاس آ کر گوشت لینے گیا تھا' یکایک اتنی دیر میں وہ۔ کیسے مر گیا۔ اسے کون سی بیماری ہو گئی؟ حاسب نے وزیر کا سارا ماجرا بیان کیا کہ شیشی پی کر اس کا بدن سوج گیا اور پیٹ پھول کر مر گیا۔ بادشاہ کو بڑا افسوس ہوا اور وہ حاسب سے کہنے لگا کہ شمہور کے بعد میرا کیا حشر ہو گا؟

حاسب نے کہا جہاں پناہ! غم نہ کر' میں تجھے تین دن کے اندر اندر اچھا کر دوں گا اور تیرے جسم میں کوئی بیماری باقی نہ رہے گی۔ یہ سن کر بادشاہ خوش ہو گیا اور حاسب

سے کہنے لگا میں اتنا ہی چاہتا ہوں کہ اس بلا سے نجات پاؤں خواہ اس میں کئی سال لگ جائیں۔ حاسب اٹھا' سینی لا کر اس نے بادشاہ کے سامنے رکھ دی' سانپوں کی ملکہ کا ایک ٹکڑا لے کر اسے کھلا دیا اور اس کے منہ پر رومال ڈال کر پاس بیٹھ گیا اور اس سے کہا سو جا۔ وہ سو گیا۔ ظہر سے مغرب تک سوتا رہا۔ گوشت اس کے پیٹ میں گھل مل گیا تو اسے جگا کر حاسب نے کچھ شراب پلائی اور دوبارہ سلا دیا۔ وہ رات بھر سوتا رہا۔ جب دن نکلا تو اس نے کل کی طرح پھر عمل کیا۔ غرض کہ تین دن میں تینوں ٹکڑے کھلا دیئے۔ بادشاہ کی کھال خشک ہو کر اتر گئی اور اسے اتنا پسینہ آیا کہ سر سے پاؤں تک نہا گیا' اس کے بعد جس میں کوئی بیماری باقی نہ رہی' کندن سا نکل آیا۔ حاسب نے کہا اب حمام جانا ضروری ہے اور اسے حمام لے جا کر خوب نہلایا' دھلایا۔ جب وہ نکلا تو اس کا بدن چاندی کے پتر کی طرح تھا۔ مختصر یہ کہ وہ تندرست ہو گیا اور اس کی صحت پہلے سے بھی اچھی ہو گئی۔ اب وہ بہترین پوشاک پہن کر تخت پر بیٹھا اور حاسب کریم الدین سے اپنے پاس بیٹھنے کو کہا۔ وہ اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دستر خوان بچھایا جائے۔ دستر خوان بچھا تو دونوں نے کھایا اور ہاتھ دھوئے۔ بعد ازاں بادشاہ نے حکم دیا کہ شراب لائی جائے۔ شراب آئی تو دونوں نے پی۔ وزیروں' لشکر والوں' حکومت کے بڑے لوگوں اور رعایا کے رئیسوں نے آ کر اسے سلامتی اور تندرستی پر مبارک باد دی۔ نقارے بجے اور بادشاہ کی سلامتی کی خوشی میں شہر سجایا گیا۔ جب سب لوگ مبارک باد کے لیے حاضر ہوئے تو بادشاہ نے کہا اے وزیرو' امیرو' اور سردارو! یہ ہے حاسب کریم الدین جس نے میری بیماری کا علاج کیا ہے اس لیے سن رکھو کہ میں اسے وزیر شمہور کی بجائے بڑا وزیر بناتا ہوں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو چھتیسویں رات

جب پانچ سو چھتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ نے کہا میں حاسب کریم الدین کو وزیر شمہور کی بجائے بڑا وزیر بناتا ہوں جو اس سے محبت کرے گا اس نے گویا مجھ سے محبت کی' جو اس کی عزت کرے گا اس نے گویا میری عزت کی' اور جو اس کا فرمانبردار ہے وہ گویا میرا فرمانبردار ہے۔ سب نے کہا سر آنکھوں پر اور اٹھ کر حاسب کریم الدین کا ہاتھ چوما' اسے سلام کیا اور اس کے وزیر ہونے پر مبارک باد دی۔ بادشاہ نے اسے ایک ایسا بے بہا خلعت عطا کیا جو سرخ سونے کے تاروں سے بنا ہوا تھا اور جس میں ایسے ایسے موتی اور ہیرے ٹنکے ہوئے تھے کہ ان میں سے سب سے چھوٹے ہیرے کی قیمت پانچ ہزار دینار تھی۔ اس کے علاوہ بادشاہ نے اسے تین سو غلام دیئے اور تین سو کنیزیں اور جو چودھویں رات کے چاند کی طرح خوبصورت تھیں' تین سو حبشی کنیزیں' پانچ سو خچر جن کے اوپر مال لدا ہوا تھا اور اتنے مویشی' بھیڑ' بکریاں' بھینسیں اور گائے بیل دیئے جن کے بیان سے زبان عاجز ہے۔ ساتھ ہی بادشاہ نے وزیروں' امیروں' ملک کے سرداروں' حکومت کے بڑے لوگوں اور اپنے غلاموں بلکہ تمام رعایا کو حکم دیا کہ اسے ہدیئے بھیجیں۔ اب حاسب کریم الدین سوار ہو گیا اور وزیر' امیر حکومت کے سردار اور سارا لشکر سوار ہو کر اسے اس محل میں لے گئے جو بادشاہ نے اس کے لیے خالی کرایا تھا۔ وہاں جا کر وہ کرسی پر بیٹھا' امیروں' وزیروں نے آ کر اس کے ہاتھ چومے۔ وزیر ہونے پر اسے مبارک باد دی اور اس کی خدمت میں کھڑے ہو گئے۔

حاسب کی ماں نہال نہال تھی۔ اس نے بھی بیٹے کے وزیر ہونے پر مبارک باد دی اور اس کے گھر والوں نے آ کر سلامتی اور وزارت پر خوشیاں منائیں۔ پھر وہ سوار ہو کر وزیر شمہور کے محل پر پہنچا' اس پر اپنی مہر لگائی' اس کا سارا سامان ضبط کر لیا اور

اسے اپنے گھر بھیج دیا۔ یا تو اس کی یہ حالت تھی کہ علوم جاننا تو درکنار اسے پڑھنا تک نہ آتا تھا یا اب وہ خدا کی قدرت سے تمام علوم کا عالم ہو گیا۔ اب کے علم و حکمت کا چرچا سارے ملک میں ہونے لگا۔ طب ہیئت' ہندسہ' نجوم' کیمیا' سیمیا' اور روحانیت وغیرہ میں اس کی شہرت ہو گئی۔

ایک دن اس نے اپنی ماں سے کہا اماں! میرا باپ دانیال عالم فاضل تھا' بتا کہ اس نے کیا کیا کتابیں چھوڑی ہیں۔ یہ سن کر اس کی ماں وہ صندوق لے کر آئی جس میں ان کتابوں کے جو سمندر میں ڈوب گئی تھیں' بچے کھچے پانچ ورق رکھے ہوئے تھے اور اس سے کہنے لگی کہ سوا ان پانچ ورقوں کے جو اس صندوق میں ہیں' تیرے باپ نے اور کوئی کتاب نہیں چھوڑی۔ حاسب نے صندوق کھول کر وہ پانچ ورق نکالے اور انہیں پڑھ کر ماں سے کہنے لگا اماں یہ پانچ ورق تو ایک کتاب کا حصہ ہیں' باقی کتاب کہاں ہے؟ اس نے کہا تیرے باپ نے ساری کتابیں لے کر سمندر کا سفر کیا تھا' کشتی ٹوٹ گئی اور سب کتابیں ڈوب گئیں۔ خدا نے اسے ڈوبنے سے بچا لیا مگر اس کی کتابوں میں سے سوائے ان پانچ ورقوں کے کچھ نہ بچا۔ جب تیرا باپ سفر سے لوٹا تو میرے پیٹ میں تھا' اس نے کہا ممکن ہے کہ تیرے ہاں بیٹا پیدا ہو' لہٰذا ان ورقوں کو لے کر اپنے پاس حفاظت سے رکھ لے۔ جب وہ بڑا ہو اور پوچھے کہ میں نے کیا ترکہ چھوڑا ہے تو اسے یہ دیجیو کہ تیرے باپ نے سوائے اس کے اور کچھ نہیں چھوڑا۔ وہ پانچ ورق یہی ہیں۔ اب حاسب کریم الدین سارے علومو میں ماہر ہو گیا اور بیٹھ کر کھانے پینے اور عیش و عشرت سے زندگی گزارنے لگا یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صبحتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی۔

شہر زاد نے کہا یہ کہانی سند باد کی کہانی سے زیادہ دلچسپ نہیں ہے۔ بادشاہ نے پوچھا' وہ کیا ہے؟

○ سند باد کی کہانی

شہر زاد بولی' امیر المومنین خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں ایک شخص بغداد کا رہنے والا سند باد نام حمال تھا۔ بہت غریب' سر پر سامان رکھ کر ڈھویا کرتا تھا۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ وہ ایک بھاری بوجھ لیے جا رہا تھا' گرمی سخت پڑ رہی تھی۔ بوجھ نے اسے تھکا دیا' پسینے پسینے ہو گیا۔ اسی حالت میں اس کا گزر ایک سوداگر کے دروازے پر ہوا' جہاں جھاڑو دی ہوئی تھی' چھڑکاؤ کیا ہوا تھا۔ دروازے کے پہلو میں ایک چوڑا چبوترا دیکھا' وہاں حمال نے اپنا ہاتھ بوجھ اتار دیا' دم لینے اور ستانے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ооо

• پانچ سو سینتیس ویں رات

جب پانچ سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب حمال اپنا بوجھ چبوترے پر اتار کر ستانے اور دم لینے لگا تو اسے دروازے سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور تیز تیز خوشبو آنے لگی۔ حمال کو اس میں اتنا لطف آیا کہ وہ چبوترے کے ایک کنارے بیٹھ گیا۔ اسے مکان کے اندر سے رباب اور سارنگی کے نغمے گانے اور طرح طرح کی شعر خوانی کی آوازیں سنائی دیں۔ اس کے علاوہ اس کے کان میں قمریوں' بلبلوں' کلچڑوں' فاختاؤں اور چکوروں کی آوازیں بھی پڑیں جو قسم قسم کے راگوں اور طرح طرح کی بولیوں میں چہچہا رہی تھیں اور خدا کی پاکی بیان کر رہی تھیں۔ اس پر اسے تعجب ہوا اور مزہ بھی آیا۔ آگے بڑھ کر دیکھا تو مکان کے اندر ایک بہت بڑا باغ ہے' اس میں غلام' نوکر چاکر اور ایسی ایسی چیزیں ہیں جو بادشاہوں اور سلطانوں کے علاوہ کہیں نہیں ہوتیں۔ پھر اسے طرح طرح کے عمدہ اور لذیذ کھانوں اور نفیس نفیس شرابوں کی خوشبو آنے لگی۔ اس نے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھا کر کہا پاک ہے تو اے پروردگارا اے خالق! تو جسے چاہتا ہے بے پوچھے روزی دیتا ہے۔ خدا وندا! میں تمام گناہوں کی معافی مانگتا اور سارے عیبوں سے توبہ کرتا ہوں۔ اے پروردگارا تیرے حکم اور تیری قدرت پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا' تیری کاروائیوں کی کوئی باز پرس نہیں تو ہر چیز قادر ہے' تو پاک ہے' جسے چاہتا ہے تو میرا بنا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے غریب کرتا دیتا ہے' تو جسے چاہتا ہے ذلت میں گرفتار کرتا ہے' اگر کوئی پرستش کے قابل ہو سکتا ہے تو وہ تو ہی ہے' تیری شان کیسی بڑی اور تیری قدرت کیسی قوی ہے اور تیری تدبیریں کیسی عمدہ ہیں! تو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے نعمتیں دیتا ہے۔ اسی مکان کو دیکھ کر اس کا مالک نعمتوں میں ڈوبا ہوا ہے اور طرح طرح سے عمدہ خوشبوؤں اور مزیدار کھانوں اور قیمتی شرابوں کا لطف اٹھا رہا ہے۔ تو نے اپنی مخلوق کے

لیے جو چاہا حکم دے دیا اور ان کی قسمت میں لکھ دیا۔ ان میں تھکے ہارے بھی ہیں اور آرام کرنے والے بھی۔ ان میں خوش قسمت بھی ہیں اور وہ بھی جو میری طرح انتہائی تکلیف اور ذلت سے بسر کرتے ہیں۔

اپنے دل میں یہ کہہ کر سند باد حمال نے ارادہ کیا کہ اپنا بوجھ اٹھائے اور چلتا ہو۔ اتنے میں دروازے سے ایک کمسن غلام نکلا۔ جس کا چہرہ خوبصورت' سج دھج پیاری اور لباس قیمتی تھا۔ اس نے حمال کا ہاتھ پکڑ کر کہا میرے آقا کے پاس اندر چل' وہ تجھے بلا رہا ہے۔ حمال نے چاہا کے غلام کے ساتھ اندر نہ جائے لیکن یہ اس سے نہ ہو سکا اور وہ مکان کی دہلیز میں دربان کے پاس اپنا بوجھ ڈال غلام کے ساتھ اس مکان میں داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ عجیب خوبصورت مکان ہے۔ اس سے محبت اور شان ٹپکتی ہے۔ اس کی نظر ایک مجلس پر پڑی جس میں اسے بڑے بڑے لوگ دکھائی دیئے جہاں طرح طرح کے پھول' خوشبوئیں' میوے' پھل' قسم قسم کے بہت سے کھانے اور انگوروں کی خاص خاص شرابیں موجود تھیں۔ وہاں باجے بھی تھے۔ طرح طرح کی خوبصورت کنیزیں بھی اور تمام چیزیں ترتیب کے ساتھ اپنی اپنی جگہ رکھی ہوئی تھیں۔ صدر میں ایک شاندار شخص بیٹھا ہوا تھا جس کے چہرے سے بڑھاپے کے آثار نمایا تھے۔ وہ نہایت خوش رو اور خوبصورت تھا۔ اس کے چہرے سے ہیبت اور وقار عزت اور افتخار ٹپکتا تھا۔ یہ دیکھ کر سند باد حمال ہکا بکا ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا خدا کی قسم یہ مکان جنت کا ایک حصہ ہے یا کسی بادشاہ یا سلطان کا محل ہے۔ اس نے ان لوگوں کو ادب سے سلام کیا' انہیں دعائیں دیں' ان کے آگے زمین چومی اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کے اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو اڑتیسویں رات

پانچ سو اڑتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب سند باد حمال ان کے آگے زمین چوم کر اور سر نیچا کر کے ادب سے کھڑا ہو گیا تو مکان کے مالک نے اس سے کہا بیٹھ جا اور وہ بیٹھ گیا۔ پھر مالک نے اسے اپنے پاس بلایا اور اس سے بڑے تپاک کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ اس کا خیر مقدم کیا اور اس کے آگے طرح طرح کے عمدہ اور نفیس کھانے پیش کئے۔

سند باد حمال آگے بڑھا' بسم اللہ کر کے کھانا شروع کیا اور اتنا کھایا کہ اس کا پیٹ بھر گیا۔ خوب سیر ہو کر اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ہاتھ دھوئے اور حاضریں کی مہمان نوازی کی تعریفیں کیں۔ مالک مکان نے کہا کہ مرحبا روز بخیر! تیرا نام کیا ہے اور تو کیا پیشہ کرتا ہے؟ وہ بولا اے میرے آقا' میرا نام سند باد حمال ہے اور میں اجرت پر لوگوں کا سامان ڈھوتا ہوں' گھر کا مالک مسکرایا اور کہنے لگا اے حمال سن تو میرا ہم نام ہے' میرا نام سند باد بحری ہے لیکن اے حمال میں وہ اشعار سننا چاہتا ہوں جو تو نے دروازے پر پڑھے تھے۔ حمال نے شرما کر خدا کے لیے مجھ سے ناراض مت ہو کیونکہ تکلیف' مشقت اور ناداری انسان کو بے ادبی اور رذالت سکھا دیتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ شرمانے کی کیا بات ہے! اب تو تو میرا بھائی بن گیا ہے' وہ اشعار مجھے سنا دے کیونکہ جب میں نے انہیں سنا تھا تو وہ مجھے بھلے معلوم ہوئے تھے۔ حمام نے وہ اشعار دہرا دیئے اور مکان والا انہیں سن خوش ہو گیا اور مزے میں آ کر کہنے لگا کہ اے حمال تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میری کہانی عجیب و غریب ہے' میں ابھی اپنی کہانی تجھے سنا دوں گا کہ اس دولت مندی تک پہنچنے اور اس مکان میں رہنے سے پہلے' جس میں تو مجھے دیکھ رہا ہے' مجھ پر کیا گزری ہے اور یہ کہ میں کن سخت محنتوں' مشقتوں اور کیسے کیسے خطروں کے بعد اس دولت اور اس مکان تک پہنچا ہوں۔ گزشتہ

زمانے میں' میں نے کیا کیا تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائی ہیں! میں نے سات سفر کئے ہیں۔ ہر سفر کی ایک عجیب و غریب داستان ہے جس میں عقل دنگ رہ جاتی ہے' یہ ساری باتیں قسمت میں بدیں تھیں اور قسمت کے لکھے سے کوئی بھاگ کر بچ نہیں سکتا۔

○ پہلے سفر کی کہانی

اے بزرگ اور محترم لوگو! میرا باپ سوداگر تھا' بہت بڑا سوداگر اور بہت بڑا آدمی۔ اس کے مال و دولت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ مرا تو میں نادان بچہ تھا۔ اس نے میرے لیے بہت نقد و جنس' گاؤں جاگیریں چھوڑیں۔ جب میں بڑا ہوا تو میں نے اندھا دھند خرچ کرنا شروع کیا' اچھے اچھے کھانے کھائے' عمدہ عمدہ شرابیں پیں' نوجوانوں کے ساتھ اٹھا بیٹھا' نفیس نفیس پوشاکیں پہنیں' یار دوستوں کے ساتھ سیریں کیں اور خیال کیا کہ میں ہمیشہ دولت سے اسی طرح فائدہ اٹھاتا رہوں گا۔ ایک مدت تک میری یہی حالت رہی۔ سمجھ آئی تو میں اپنی غفلت سے چونکا' ہوشیار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرا سب مال خرچ ہو چکا ہے۔ حالت بدل چکی ہے اور جو کچھ میرے پاس تھا چک گیا ہے۔

میں ڈرا اور سہم گیا۔ وہ قصہ یاد آیا جو میں اپنے باپ سے سنا کرتا تھا کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ تین چیزیں تین چیزوں سے بہتر ہیں: موت کا دن پیدائش کے دن سے' زندہ کتا مردہ شیر سے اور قبر مفلسی سے۔ یہ سوچ کر میں اٹھا اور جو کچھ بچ کھچا اور کپڑے لتے ہاتھ لگے' انہیں بیچا۔ اس کے بعد کھیت' الغرض جو کچھ میرے پاس رہ گیا تھا بیچ ڈالا اور تین ہزار درہم اکٹھے کر کے ملکوں کے سفر کرنے کی ٹھان لی۔

جب میں نے اپنے دل میں سفر کی ٹھان لی تو سوداگری کا سامان اور کچھ سفر کی ضروریات خریدیں۔ میرے دل نے مجھ سے کہا کہ سمندر کا سفر کرنا چاہیے اور میں سوداگروں کی ایک ٹولی کے ساتھ کشتی پر بیٹھ کر بصرے چل کھڑا ہوا اور دن رات سمندروں میں

سفر کرنے لگا۔ ہم ایک جزیرے سے دوسرے جزیرے' ایک سمندر سے دوسرے سمندر' ایک ملک سے دوسرے ملک میں گزرتے اور جہاں پہنچے تو خرید و فروخت اور لین دین کرتے۔ سمندر کا سفر کرتے کرتے ہم ایک جزیرے میں پہنچے جو جزیرہ کیا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ تھا۔ ناخدا نے وہاں کشتی روکی' لنگر ڈال دیئے' تختے بچھا دیئے اور سب لوگ کشتی سے جزیرے میں اتر گئے۔ جزیرے میں پہنچ کر انہوں نے چولہے بنائے' ان میں آگ جلائی اور مختلف کاموں میں لگ گئے۔ کوئی پکاتا' کوئی برتن کپڑے دھوتا اور کوئی سیر کرتا۔ میں ان لوگوں میں سے تھا جو جزیرے کے کنارے سیر کر رہے تھے اور سب لوگ کھانے پینے اور کھیل کود میں لگے ہوئے تھے۔ اتنے میں ناخدا نے کشتی کے کنارے کھڑے ہو کر زور سے آواز دی کہ اے لوگو' جلدی سے کشتی میں سوار ہو جاؤ' سوار ہونے میں دیر نہ لگاؤ' اپنا سامان چھوڑ دو' جان لے کر بھاگو اور تباہی سے بچ کر سلامتی میں آؤ۔ یہ جزیرہ جس پر تم موجود ہو جزیرہ نہیں بلکہ ایک بڑی مچھلی ہے و بیچ سمندر میں اوپر آ گئی ہے اور اس پر مٹی جمع ہو کر وہ جزیرے کی طرح ہو گئی ہے۔ اس پر درخت اگ آئے ہیں۔ جب تم نے اس پر آگ جلائی تو اس کی گرمی سے وہ ہلی۔ اب وہ غوطہ مارنے والی ہے۔ اس نے سمندر میں غوطہ مارا تو سب ڈوب جاؤ گے لہٰذا اپنی جان بچاؤ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو انتالیسویں رات

جب پانچ سو انتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب ناخدا نے چلا کر کشتی والوں سے کہا کہ اپنی جان بچاؤ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور سامان کو پڑا رہنے دو اور کشتی والوں نے ناخدا کی آواز سنی تو وہ سارا سامان چھوڑ کر کشتی پر سوار ہونے کے لیے دوڑے۔ بعض تو کشتی تک پہنچ گئے اور بعض ابھی پہنچنے نہ پائے تھے کہ جزیرے کو حرکت ہوئی اور وہ ان تمام چیزوں سمیت جو اس پر تھیں' سمندر کی تھاہ میں چلا گیا اور متلاطم اور موج زن سمندر اوپر سے مل گیا۔ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جو بچھڑ گئے تھے اور انہی کے ساتھ ڈوب چلا تھا لیکن خدا نے مجھے بچا لیا اور ڈوبنے سے نجات دی۔ لکڑی کا ایک بڑا تختہ عنایت کیا جس پر بیٹھ کر لوگ نہاتے تھے۔ میں اسے پکڑ کر اس پر سوار ہو گیا کیونکہ جان عزیز تھی' چپوؤں کی طرح دونوں پاؤں پانی میں چلاتا رہا اور موجیں مجھے ادھر ادھر پھینکتی رہیں۔ ناخدا کشتی کے بادبان کھول کر ان لوگوں کے ساتھ جو کشتی میں تھے' چلتا بنا اور جو ڈوب گئے تھے ان کی طرف بالکل توجہ نہ کی۔ میں کشتی کی طرف برابر دیکھا کیا یہاں تک وہ نظر سے غائب ہو گئی اور مجھے اپنی موت کا یقین آ گیا۔ اسی حالت میں رات ہو گئی' میں تختے کو پکڑے رہا اور ایک رات اور ایک دن اسے نہ چھوڑا۔ آخر ہوا اور موجوں کی مدد سے میں ایک بلند جزیرے کے پاس جا پہنچا جس کے درخت پانی میں جھکے ہوئے تھے اور اگرچہ میں مرنے کے قریب تھا لیکن ہمت کر کے میں نے ایک اونچے درخت کی شاخ پکڑ لی اور اس سے لٹک گیا اور لٹکتے لٹکتے جزیرے پر جا اترا۔ اب مجھے محسوس ہوا کہ میری ٹانگیں سوج گئی ہیں اور اندر کی طرف کسی مچھلی نے کاٹ کھایا ہے تاہم اپنی مصیبت اور پریشانی کی وجہ میں نے اس کی کچھ پروا نہ کی' مردے کی طرح جزیرے میں گر پڑا

اور مجھے یہ معلوم نہ ہوا کہ میں ہوں بھی کہ نہیں۔ اتنا میں سہا ہوا تھا دوسرے دن تک میری یہی حالت رہی جب میرے اوپر دھوپ آئی اور مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میرے پاؤں سوج گئے ہیں لیکن اسی حالت میں' میں چل کھڑا ہوا' کبھی لنگڑاتا ہو چلتا اور کبھی اکڑوں بیٹھ جاتا۔ اس جزیرے میں بے شمار میوے اور کئی میٹھے پانی کے چشمے تھے۔ میں نے پھل کھا کھا کر اپنے دن گزارے۔ ایک مدت تک میری یہی حالت رہی' جان میں جان آئی' زندگی دوبارہ ملی' چلنے پھرنے کی طاقت آ گئی تو میں اپنی حالت پر غور کرنے اور جزیرے میں پھرنے اور خدا کے پیدا کئے ہوئے درختوں کے درمیان سیر کرنے لگا۔ میں نے ایک درخت کی لکڑی سے ایک لاٹھی بنائی جس کے سہارے میں چلا کرتا۔

اسی طرح چلتے پھرتے جزیرے میں گھومتے گھامتے دور سے مجھے کوئی چیز دکھائی دی۔ میرا خیال ہوا یا تو وہ کوئی جنگلی جانور ہے یا سمندر کے چارپایوں میں سے کوئی چارپایہ۔ میں اس کی طرف بڑھا۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا وہ ایک بہت بڑا گھوڑا ہے جو سمندر کے کنارے بندھا ہوا ہے۔ میں اس کے پاس پہنچا تو وہ زور سے ہنہنانے لگا۔ میں ڈر کر لوٹنے والا ہی تھا کہ زمین کے نیچے سے ایک شخص نکلا اور میری طرف بڑھ کر پوچھا تو کون ہے' کہاں سے آیا ہے اور یہاں آنے کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا اے میرے آقا میں ایک پردیسی ہوں' کشتی میں جا رہا تھا کہ ایک حادثہ پیش آیا۔ کچھ میرے ساتھی کشتی میں سوار ہو کر بھاگ گئے' کچھ ڈوب گئے' میں بھی ڈوبنے والوں میں تھا کہ ایک تختہ لگ گیا۔ میں اس پر سوار ہو گیا اور اس نے مجھے بہا کر میری جان بچائی اور موجوں نے مجھے اس جزیرے میں لا پھینکا۔ جب اس نے میری یہ باتیں سنیں تو میرا ہاتھ پکڑ کر بولا کہ میرے ساتھ چل۔ مجھے لیے لیے وہ ایک تہہ خانے میں اترا جو زمین کے نیچے تھا اور ایک بڑے کمرے کے اندر پہنچ کر مجھے اس کے صدر میں بٹھا دیا اور میرے لیے کھانا لے آیا۔ بھوکا تو میں تھا ہی میں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ اچھی طرح سیر ہو گیا اور میرے دل کو اطمینان ہوا تو اس نے کہا اب تو

اول سے آخر تک اپنا سارا قصہ مجھ سے بیان کر۔
میں نے شروع سے لے کر آخر تک سب کچھ کہہ سنایا' وہ میری سرگزشت سنتا جاتا اور حیرت سے مجھے دیکھتا جاتا۔ میں اپنی کہانی سنا چکا تو میں نے کہا اے میرے آقا مجھے معاف کر' میں نے اپنے سارے واقعات اور تمام ماجرا تجھے سنا دیا۔ اب میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تو کون ہے اور تہہ خانے کے اس کمرے میں کیوں بیٹھا ہوا ہے اور سمندر کے پاس گھوڑا کس لیے باندھ رکھا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہم کئی شخص ہیں جو اس جزیرے میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ مہرجان ایک بادشاہ ہے اس کے گھوڑوں کی دیکھ بھال ہمارے کام ہیں۔ ہمیں اس کا سائیس سمجھو۔ ہمارے ماتحت اس کا سارا اصطبل ہے۔ ہر چاند رات کو ہم اصیل باکرہ گھوڑیاں لا کر اس جزیرے میں باندھ دیتے ہیں اور اس کمرے میں تہہ خانے کے اندر چھپ جاتے ہیں تاکہ کوئی ہمیں دیکھ نہ سکے۔ ان گھوڑیوں کی بو سونگھ کر سمندر کے گھوڑے خشکی پر آتے ہیں اور ادھر ادھر دیکھتے ہیں کہ کوئی ہے تو نہیں اور جب انہیں کوئی نظر نہیں آتا تو ان میں سے ہر گھوڑا ہماری گھوڑیوں میں سے ایک گھوڑی سے مل جاتا ہے۔ گھوڑیوں کو گیابھن کرنے کے بعد وہ چاہتے ہیں کہ انہیں اپنے ساتھ لے جائیں مگر بندھے ہونے کی وجہ سے وہ گھوڑیاں ان کے ساتھ نہیں جا سکتیں۔ گھوڑے ہنہناتے ہیں۔ اپنے سر اور ٹانگوں سے انہیں مارتے ہیں اور شور مچاتے ہیں۔ شور سن کر ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارا کام ہو گیا۔ ہم سب شور مچاتے ہوئے نکل پڑتے ہیں اور وہ ہم سے ڈر کر سمندر میں اتر جاتے ہیں۔ گھوڑیاں ان سے گیابھن ہو جاتی ہیں اور ان سے بچھڑی یا بچھڑا جو پیدا ہوتا ہے اس کا کیا کہنا' نہ صورت شکل میں اس کا جواب ہے نہ قیمت میں۔ اب گھوڑوں کے نکلنے کا وقت آ گیا ہے اور اپنے کام سے فرصت پا کر اگر خدا نے چاہا تو ہم تجھے اپنے بادشاہ مہرجان کے اس لے چلیں گے۔
اتنے میں شہرزاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو چالیسویں رات

جب پانچ سو چالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سائیس سند باد بحری سے بولا کہ میں تجھے بادشاہ مہرجان کے پاس لے جاؤں گا اور تجھے اپنے ملک کی سیر کراؤں گا۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اگر ہم تجھے نہ مل گئے ہوتے تو تجھے اس جگہ اور کوئی نہ ملتا اور تو تکلیفیں اٹھا اٹھا کر مر جاتا اور کسی کو تیری خبر تک نہ ہوتی۔ میری وجہ سے تو زندہ رہ کر اپنے وطن پہنچ جائے گا۔ سند باد نے کہا کہ یہ سن کر میں نے اسے دعائیں دیں' اس کی مہربانی اور احسان کا شکر گزار ہوا۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ ایک گھوڑا سمندر میں سے نکلا اور زور سے ہنہنا کر گھوڑی سے منہ ملاتے ملاتے اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ فارغ ہو کر چاہتا تھا کہ گھوڑی کو اپنے ساتھ لے جائے مگر نہ لے جا سکا اور گھوڑی زمین پر ٹاپیں مارنے اور ہنہنانے لگی۔ یہ سن کر سائیس تلوار اور ڈھال لے کر کمرے سے باہر نکل آیا اور اپنے ساتھیوں سے چلا کر کہا چلو گھوڑے کو مار کر بھگاؤ اور تلوار کو ڈھال پر مارنے لگا۔ اتنے میں ساری ٹولی چلاتی ہوئی آ پہنچی اور گھوڑا ڈر کر بھاگا اور بھینس کی طرح سمندر میں اتر گیا۔ وہ سائیس تھوڑی ہی دیر بیٹھا ہو گا کہ اس کے ساتھی بھی ایک ایک گھوڑی لیے آ پہنچے اور مجھے دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ میں نے ان کے سامنے بھی اپنی ساری سرگزشت بیان کر دی۔ وہ میرے قریب آئے اور دسترخوان بچھا کر کھانا کھانے لگے اور مجھے قسم دی کہ میں بھی کھاؤں۔ میں نے بھی کھایا۔ اس کے بعد وہ اٹھے اور گھوڑیوں پر سوار ہو گئے' مجھے بھی ایک گھوڑی پر سوار کر کے اپنے ساتھ لے لیا۔

ہم سب روانہ ہو گئے اور چلتے چلتے بادشاہ مہرجان کے ملک میں جا پہنچے۔ انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں جا کر میرا سارا ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ نے مجھے بلوایا۔ جب بادشاہ کے سامنے میں کھڑا کیا گیا تو میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا' مزاج

پوچھا اور عزت کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا۔ پھر فرمایا کہ میں تمہاری زبان سے تمہارا حال پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں نے شروع سے لے کر آخر تک تمام باتیں بیان کر دیں جو میرے اوپر گزری تھیں یا جو میں نے دیکھا تھا۔ میرا سارا ماجرا سن کر اسے بڑا تعجب ہو اور وہ کہنے لگا بیٹا خدا کی قسم تجھ پر بڑی خیریت گزری۔ اگر تیری قسمت میں اور جینا ہوتا تو ان تکلیفوں سے نہ بچتا۔ خدا کا شکر ہے کہ تو صحیح و سلامت رہا۔ یہ کہہ کر اس نے میرے اوپر بڑی مہربانی کی' بڑا احترام کیا' مجھے اپنے قریب بٹھایا' میرے ساتھ بڑی دل دہی کی باتیں کیں اور مجھے سمندر کی چنگی کا والی تمام کشتیوں کا منشی بنا دیا جو بندرگاہ میں آتی تھیں۔ میں وہاں اس کی خدمت کرتا رہا اور وہ میری آؤ بھگت' اور ہر طرح سے فائدہ پہنچاتا۔ اس نے مجھے عمدہ عمدہ اور قیمتی پوشاکیں پہننے کو دیں اور سفارش کرنے اور لوگوں کو فائدہ پہنچانے والوں میں' میں پیش پیش ہو گیا۔ اسی طرح ایک مدت تک میں اس کی ملازمت میں رہا۔ جب کبھی میں بندر گاہ کی طرف جاتا تو مسافر سوداگروں اور ملاحوں سے پوچھتا کہ بغداد شہر کس طرف ہے تاکہ اگر کوئی اس کا پتا بتا سکے تو میں بھی اس کے ساتھ چلا جاؤں اور اپنے وطن پہنچ جاؤں لیکن نہ کوئی اسے جانتا تھا نہ کسی ایسے شخص سے واقف جو وہاں جاننے والا ہو۔ مجھے اس پر سخت حیرت تھی' پردیس میں رہتے رہتے اکتا گیا۔ ایک مدت تک ایسی حالت میں گزارنے کے بعد میں ایک روز مہرجان کے پاس گیا دیکھا کہ وہاں بہت سے ہندو بیٹھے ہوئے۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا' اور میرا وطن پوچھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو اکتالیسویں رات

جب پانچ سو اکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سند باد بحری نے کہا کہ جس وقت میں نے ان کا وطن پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ مختلف قوموں میں سے ہیں' بعض ان میں سے شاکریہ ہیں جو سب سے زیادہ شریف مانے جاتے ہیں اور کسی پر زور اور زبردستی نہیں کرتے اور ان میں سے ایک جماعت برہمنوں کی ہے اور وہ لوگ ہیں جو کبھی شراب نہیں پیتے مگر عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے ہیں اور اونٹ' گھوڑے اور مویشی پالتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ ہندوؤں کے بہتر فرقے ہیں۔ یہ سن کر مجھے بڑا اچنبھا ہوا۔

مہرجان کی بادشاہت میں ایک جزیرہ ہے جس کا نام کاسل ہے۔ وہاں رات بھر ڈھول اور تاشوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ جزیرے والے اور مسافروں کا بیان ہے کہ وہں کے لوگوں عقل مند اور سمجھ دار ہوتے ہیں۔ اس سمندر میں ایک مچھلی دیکھی جس کی لمبائی سو گز تھی اور ایک ایسی مچھلی بھی جس کا چہرہ الو کی طرح کا تھا۔ اس سفر میں' میں نے انتی عجیب و غریب چیزیں دیکھیں کہاگر سب کو تفصیل کے ساتھ بیان کروں تو وہ بہت لمبی چوڑی کہانی ہو جائے گی۔

غرض کہ میں اسے جزیرے کی سیر اور وہاں کی چیزیں دیکھا کرتا تھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں اپنی عادت کے موافق اپنی لاٹھی لیے سمندر کے کنارے کھڑا ہوا تھا کہ ایک بڑی کشتی سامنے آئی جس میں بہت سے سوداگر تھے۔ جب یہ کشتی بندرگاہ میں پہنچی اور کنارے پر آ کر لگی تو ناخدا نے اس کے بادبان لپیٹ دیئے' اسے خشکی کے قریب باندھ دیا' تختے لگا دیئے اور ملاحوں نے کشتی کا سارا سامان نکال کر خشکی پر رکھ دیا اور میں انہیں کھڑا دیکھتا رہا۔ اس کے بعد میں نے ناخدا سے پوچھا کہ تیری کشتی میں اور کوئی چیز تو باقی نہیں رہی؟ اس نے کہا اے میرے آقا' ہاں' کشتی کے اندر کچھ

اور سامان ہے لیکن اس کا مالک جو ہمارے ساتھ تھا ایک جزیرے کے قریب ڈوب گیا ہے اور ہم سمندر میں آگے بڑھ آئے۔ اس کا سامان ہمارے پاس امانت کے طور پر ہے۔ ہمارا ارادہ کہ ہم اسے بیچ کر اس کے دام اس کے اہل و عیال کو بغداد دارالسلام میں پہنچا دیں۔ میں نے کہا سامان والے کا نام کیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ سند باد بحری اور وہ ہمارے ساتھ تھا۔ مگر سمندر میں ڈوب گیا۔ میں نے اس کی یہ باتیں سنیں تو اسے غور سے دیکھنے لگا اور اسے پہچان لیا۔ زور سے چیخ ماری اور کہا اے ناخدا' جس سامان کا تو نے ذکر کیا ہے اس کا مالک میں ہوں اور میں ہی سندباد بحری ہوں جو سوداگروں کے ساتھ جزیرے سے اترا تھا اور جب اس مچھلی کو حرکت ہوئی جس پر ہم تھے اور تو نے ہمیں آواز دی تھی کچھ مسافر کشتی پر سوار ہو گئے اور باقی ڈوب گئے۔ میں بھی انہی ڈوبنے والوں میں تھا لیکن خدا کی مدد سے میرے ہاتھ وہ کھوکھلا تختہ لگ گیا جس پر کشتی والے نہایا کرتے تھے اور میں صحیح و سلامت رہا' ڈوبنے سے بچ گیا۔ اس تختے پر بیٹھ کر میں دونوں پاؤں مارنے لگا پھر ہوا اور لہروں کی مدد سے میں اس جزیرے پر پہنچ گیا۔ اس کے بعد خدا نے اپنی عنایت کی اور مجھے بادشاہ مہرجان کے آگے پیش کیا۔ میں نے اس سے اپنا سارا ماجرا بیان کیا' وہ میرے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آیا اور مجھے اس بندرگاہ کا منشی بنا دیا۔ میں نے اس کی خدمت سے بڑا فائدہ اٹھایا' یہاں تک کہ وہ میری سفارش ماننے لگا۔ یہ سامان جو تیرے ساتھ ہے' میرا سامان ہے اور میری ملکیت ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو بیالیسویں رات

پانچ سو بیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- سند باد بحری نے ناخدا سے کہا کہ جو سامان تیرے ساتھ ہے۔ میرا سامان ہے' میری ملکیت ہے تو ناخدا نے لاحول پڑھی اور کہا کہ اب کسی میں بھی امانت اور ذمے داری کا احساس باقی نہیں رہا۔

سند باد کا بیان ہے کہ میں نے کہا کہ اے ناخدا اس کے کیا معنی؟ کیا تو نے بھی میرا قصہ نہیں سنا جو میں نے بیان کیا ہے۔ ناخدا بولا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ میرے ساتھ ایک کشتی والے کا سامان ہے جو ڈوب چکا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کا مال ناحق لے لے۔ یہ تیرے لیے حرام ہے۔ ہم نے اسے اپنی آنکھوں سے ڈوبتے ہوئے دیکھا ہے اس کے ساتھ ہماری کشتی کے اور بھی بہت لوگ تھے جن میں سے ایک بھی نہیں بچا پھر تو کیوں کر دعویٰ کر سکتا ہے کہ سامان کا مالک تو ہے! میں نے کہا اے ناخدا! میرا قصہ سن اور میری بات سمجھ تا کہ میرا سچ تجھ پر ظاہر ہو جائے' جھوٹ بولنا منافقوں کا شیوہ ہے۔ اس کے بعد میں نے ناخدا کو وہ ساری چیزیں بتائیں جو بغداد سے چلتے وقت میرے ساتھ تھیں اور جزیرے میں پہنچنے تک میری رہیں جہاں ہم ڈوبے تھے اور اس سے چند باتیں بھی کیں جو میرے اور اس کے درمیان پیش آئی تھیں۔ یہ سن کر ناخدا اور سوداگروں کو میری باتوں کا یقین آ گیا اور انہوں نے مجھے پہچان لیا اور میری سلامتی پر مبارک باد دی اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ خدا کی قسم ہمیں یقین نہ تھا کہ تو ڈوبنے سے بچ گیا ہے لیکن خدا نے تجھے دوبارہ زندگی دی ہے۔

اس کے بعد انہوں نے میرا سامان مجھے دے دیا اور میں نے دیکھا کہ ان سب پر میرا نام لکھا ہوا ہے اور ان میں سے کوئی چیز بھی کم نہیں ہے۔ میں نے سامان کھول کر اس میں سے بعض نفیس اور قیمتی چیزیں نکالیں اور ملاحوں کے ساتھ لے کر انہیں بادشاہ

کو بطور ہدیے کے پیش کیا اور بادشاہ سے کہا یہی وہ کشتی ہے جس میں' میں تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ میرا سارا مال مجھے مل گیا۔ بادشاہ کو بڑا اچنبھا ہوا اسے یقین آ گیا کہ جو کچھ میں نے کہا تھا اس میں کوئی بات جھوٹ نہ تھی تو مجھ سے زیادہ محبت کرنے لگا۔ مجھ پر بڑی مہربانی کی اور میرے ہدیئے کے بدلے میں مجھے بہت سی چیزیں دیں۔
میں نے اپنا مال اور سامان بیچا اور اس میں مجھے بڑا فائدہ ہوا۔ پھر میں نے اس شہر سے سوداگری کا بہت سا مال اور سامان خریدا اور جب کشتی کے سوداگروں نے سفر کا ارادہ کیا تو میں نے بھی اپنا سامان اس میں لاد دیا اور بادشاہ کے پاس جا کر اس کی مہربانیوں اور احسانوں کا شکریہ ادا کیا اور اس سے اپنے وطن اور اہل و عیال کے پاس جانے کی اجازت مانگی۔ اس نے چلتے وقت اپنے شہر کی بہت سی سوغاتیں مجھے عطا کیں اور مجھے رخصت کیا۔ میں اس سے رخصت ہو کر کشتی پر سوار ہو گیا اور خدا کا نام لے کر ہم چل پڑے۔ خوش قسمتی نے ہمارا ساتھ دیا' تقدیر نے مدد کی اور ہم دن رات چلتے چلتے سلامتی کے ساتھ بصرے پہنچ گئے۔ وہاں اتر کر ہم کچھ دن ٹھہرے میں خوش تھا کہ جیتا جاگتا اپنے ملک میں پہنچ گیا۔ اس کے بعد میں اپنا مال اور اسباب لے کر جو بہت زیادہ اور بے حد قیمتی تھا' دارالسلام بغداد گیا اور گھر پہنچا۔ میرے گھر والے اور یار دوست جمع ہو گئے۔ پھر میں نے اپنے لیے نوکر چاکر' گورے کالے غلام اور کنیزیں خریدیں یہاں تک کہ میرا گھر بھر گیا اور میں نے پہلے سے بھی زیادہ مکان اور کوٹھیاں اور جائیدادیں خریدیں اور یاروں میں اٹھنا بیٹھنا شروع کیا۔ پردیس کا رہنا' مشقتیں اور سفر کے خطرے سب خواب و خیال ہو گئے۔ عیش و عشرت' کھانے پینے اور راگ رنگ میں مشغول ہو گیا۔ ایک مدت تک یہی حالت رہی۔ یہ ہے میرا پہلا سفر۔ اگر خدا کو منظور ہے تو کل میں اپنے سات سفروں میں سے دوسرے سفر کا حال سناؤں گا۔
اپنی پہلی داستان سنا کر سند باد بحری نے سند باد بری کو اپنے ساتھ شام کو کھانا کھلایا' اسے سو مثقال سونا دینے کا حکم دیا اور کہا کہ تو نے آج ہمیں بہت ممنون کیا۔ حمال نے بڑے شکریے کے ساتھ جو کچھ اس نے دیا تھا لے لیا اور اپنے گھر روانہ ہوا۔

راستے میں وہ یہ سوچتا تھا کہ انسانوں پر کیا کیا گزر جاتی ہے اور تعجب کرتا جاتا تھا۔ رات کو وہ اپنے گھر سویا' جب دن نکلا تو وہ پھر سند باد بحری کے گھر پہنچا۔ سند باد بحری نے اس کی بہت خاطر کی' اسے اپنے پاس بٹھایا اور جب اس کے باقی دوست آ گئے تو اس نے ان کے سامنے کھانا پینا پیش کیا' وہ بہت خوش ہوئے اور انہیں بڑا لطف آیا۔

اب سند باد بحری نے اپنا قصہ شروع کیا کہ:

○ دوسرے سفر کی کہانی

اے میرے بھائیو' سنو! جیسا کہ میں نے کل کہا تھا' میں نہایت عیش و عشرت اور مزے کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کے اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو تینتالیسویں رات

پانچ سو تینتالیسویں رات ہوئی تو شہر زاد نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب سند باد بحری کے ہاں اس کے دوست جمع ہو لیے تو اس نے ان سے کہنا شروع کیا کہ عیش و عشرت سے دن گزار رہا تھا اسی اثناء میں ایک دن میرے دل میں یہ سما گئی کہ گھر سے نکلنا چاہیے۔ ملک ملک کے سیر تماشے دیکھنے اور روزی کمانے کی لو لگی۔ یہ ٹھان کر میں نے اپنی تھیلیوں کے منہ کھولے اور قسم قسم کا مال و اسباب خرید کر دریا کے کنارے آ دھمکا۔ میں نے ایک نئی اور خوبصورت کشتی دیکھی جس کے بادبان نہایت نفیس کپڑے کے تھے اور جس میں بہت سے مسافر اور بہت سامان تھا۔ میں نے بھی اپنا اسباب اس پر لاد دیا اور کشتی اسی دن روانہ ہو گئی۔ سفر نہایت خوشگوار تھا۔ ہم ایک سمندر سے دوسرے سمندر اور ایک جزیرے سے دوسرے جزیرے میں چلے جا رہے تھے۔ جہاں کہیں ہم پہنچتے وہاں سوداگروں اور مالداروں اور خرید و فروخت کرنے والوں سے ملاقاتیں ہوتیں۔ وہاں کی چیزیں خریدتے اور اپنی بیچتے۔ اسی حالت میں قسمت ہمیں ایک خوبصورت جزیرے میں لے گئی جس میں بہت سے درخت' عمدہ عمدہ میوے' خوشبودار پھول' چہچہاتی ہوئی چڑیاں اور صاف شفاف پانی کے چشمے تھے۔ لیکن کوئی اللہ کا بندہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ناخدا نے وہاں لنگر ڈال دیا۔ سوداگر اور دوسرے مسافر اس جزیرے میں اتر پڑے تاکہ وہاں کی بہار دیکھیں' میوے کھائیں اور پرندوں کے نغمے سنیں' اکلوتے اور زبردست خدا کی پاکی بیان کریں اور اس کی قدرت کے تماشائی بنیں۔ دوسروں کے ساتھ میں بھی جزیرے میں اتر گیا اور درختوں کے بیچ میں ایک چشمے پر جا بیٹھا۔ کھانا تو میرے پاس تھا ہی۔ دسترخوان بچھا کر اپنے مقدر کا رزق کھانے لگا۔ ہوا خوشگوار تھی اور چاروں طرف جنگل سنسان پیٹ بھر کر لیٹ گیا۔ نیند آ گئی اور میں وہیں سو گیا۔ آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ نہ وہاں آدم ہے نہ آدم زاد۔ کشتی مسافروں کو لے

کر چل دی۔ نہ کسی سوداگر کو میری یاد آئی۔ نہ کسی ملاح کو میرا دھیان آیا۔ سب مجھے جزیرے میں چھوڑ کر چل دیئے۔ اب میں نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی مگر حق اللہ پاک ذات اللہ کے سوا کوئی نہ دکھائی دیا' اکیلا میں ہی تھا۔ مجھے اتنی گھبراہٹ ہوئی جس کی کوئی حد نہیں۔ غم الم اور مصیبت کی وجہ سے میرا برا حال ہوا۔ دنیا کی کوئی چیز بھی میرے پاس نہ تھی۔ نہ دوسرے وقت کا کھانا نہ اوڑھنے بچھانے کے کپڑا۔ دل پریشان تھا۔ ایسی حالت میں جینے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ جی میں کہنے لگا کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ پہلی مرتبہ تو بچ گیا اور مجھے ایسے لوگ مل گئے جو مجھے جزیرے سے بستی میں لے گئے۔ مگر اب نا ممکن ہے کہ کوئی مجھے آبادی تک پہنچا دے۔ آخر نراس ہو کر رونے پیٹنے لگا۔ یہاں تک کہ کبھی غصے میں اپنی بوٹیاں کاٹتا' کبھی اپنا منہ پیٹتا اور اپنے اوپر لعنت ملامت کرتا کہ میں نے یہ کیا حماقت کی' اچھے خاصے اپنے وطن میں بیٹھے بٹھائے کیوں نکل پڑا۔ کھاتے پیتے' اچھے اچھے کپڑے پہنتے اور کسی مال و دولت کے محتاج نہ ہوتے ہوئے مجھے سفر کیا سوجھی! میں اس پر پچھتایا کہ پہلے سفر میں اتنی مصیبت اٹھانے کے بعد بھی میں نے دوبارہ کیوں بغداد چھوڑ کر سمندر کے سفر کا نام لیا میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور میری حالت پاگلوں کی سی ہو گئی۔ میں کھڑا ہو گیا اور جزیرے میں ادھر ادھر دوڑنے بھاگنے لگا کیونکہ ایک جگہ بیٹھنا میرے لیے نا ممکن تھا۔ اس کے بعد میں ایک اونچے درخت پر چڑھ کردائیں بائیں دیکھنے لگا لیکن سوائے آسمان اور پانی' درختوں' چڑیوں' جزیروں اور مٹی کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔

غور سے دیکھنے پر مجھے جزیرے میں ایک بڑی اور سفید سی کوئی چیز دکھائی دی۔ میں درخت پر سے اتر کر اس کی طرف چل کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے اس تک پہنچ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک بڑا سفید اونچا اور بڑا گھیر والا گنبد ہے۔ میں نے قریب جا کر اس کے ارد گرد چکر لگایا کہیں اس کا دروازہ نہ ملا۔ وہ اتنا چکنا اور نرم تھا کہ میں اس کے اوپر چڑھ بھی نہ سکتا تھا۔ اب میں نے اس جگہ ایک نشان لگایا جہاں میں کھڑا تھا اور اس

کا گھیر ناپنے کے لیے اس کے چاروں طرف پھرا اور معلوم کیا کہ اس کا گھیر پچاس قدم ہے۔ اسی سوچ میں تھا کہ کس طرح سے اس کے اندر جاؤں جو یکایک ایسا معلوم ہو جیسے سورج ڈوب رہا ہے۔ چاروں طرف اندھیرا سا چھانے لگا۔ میں سمجھا کہ سورج پر بادل آ گئے ہیں مگر زمانہ گرمیوں کا تھا۔ اس لیے مجھے تعجب ہوا۔ اور سر اٹھا کر میں نے آسمان کی طرف نظر ڈالی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک بڑے ڈیل ڈول اور لمبے لمبے پروں والا پرندہ ہوا میں اڑ رہا ہے جس کی وجہ سے سورج چھپ گیا ہے اور جزیرے پر اندھیرا چھا گیا ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے اور بھی اچنبھا ہوا اور مجھے ایک قصہ یاد آ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• پانچ سو چوالیسویں رات

جب پانچ سو چوالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... سند باد بحری نے بیان کیا کہ جزیرے میں اس پرندے کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا اور مجھے وہ قصہ یاد آگیا جو کسی زمانے میں سیاح اور مسافر سنایا کرتے تھے اور وہ یہ تھا کہ بعض جزیروں میں ایک بہت بڑا پرندہ ہوتا ہے جسے رخ کہتے ہیں۔ وہ ہاتھیوں کو لا کر اپنے بچوں کو کھلاتا ہے۔ اب میں سمجھا جو گنبد میں نے دیکھا ہے وہ رخ کا انڈہ ہے اور خدا کی مخلوقات پر مجھے سخت حیرت ہوئی۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ وہ پرندہ اس گنبد پر اترا اور اسے اپنے پروں سے ڈھانک کر اپنے پاؤں پیچھے زمین پر پھیلا دیئے۔ اور سو گیا۔ پاک ہے وہ ذات جو کبھی نہیں سوتی۔ اب میں اٹھا اور اپنا عمامہ سر سے اتار کر اسے دہرا کیا۔ اس میں بل دیئے یہاں تک کہ دوسرا سرا اس پرندے کے پاؤں سے خوب مضبوط باندھ دیا اور اپنے دل میں کہنے لگا ممکن ہے کہ یہ پرندہ مجھے ایسی جگہ پہنچا دے جہاں شہر اور آبادی ہو۔ اس جزیرے میں پڑے رہنے سے تو یہ اچھا ہو گا۔ رات بھر میں نے جاگتے گزاری تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے وہ سوتے میں اڑا لے جائے۔ جب سویرا ہوا اور دن نکلا تو وہ پرندہ اپنے انڈے پر سے اٹھا' زور سے چیخ ماری اور مجھے لے کر ہوا میں اڑ گیا۔ وہ اتنی بلندی پر جا پہنچا کہ میں سمجھا وہ آسمان تک پہنچ گیا ہے۔ اس کے بعد وہ نیچے اترنے لگا اور اترتے اترتے مجھے لیے ہوئے زمین پر اتر آیا اور ایک اونچی جگہ بیٹھ گیا۔

جب میرے پاؤں زمین پر لگے تو میں نے جلدی سے اپنی پگڑی کی بندش ڈھیلی کر دی اس سے الگ ہو کر دور جا کھڑا ہوا۔ ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ مجھے دیکھ نہ لے لیکن اس کی نظر مجھ پر نہ پڑی۔ اسے میری خبر بھی نہ ہوئی کہ میں کون ہوں' کہاں سے آیا؟ پھر میں اپنی پگڑی سمیت وہاں سے چل کھڑا ہوا۔ اس نے کوئی چیز زمین پر سے

اپنے پنجے میں لی اور آسمان کی طرف اڑ گیا۔ غور کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک بڑے ڈیل والا سانپ تھا جسے وہ لے کر ہوا میں اڑ گیا تھا۔ اب میں آگے بڑھا اور دیکھا کہ میں ایک اونچی جگہ پر ہوں جس کے نیچے ایک لمبی اور چوڑی گہری گھاٹی ہے اور پاس ایک اونچا پہاڑ ہے۔ اتنا اونچا کہ کوئی اس کی چوٹی کو دیکھ نہیں سکتا' اس پر چڑھنا تو درکنار میں اپنی حرکت پر اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے لگا اور کہنے لگا کہ کاش میں اس جزیرے میں ہی پڑا رہتا' وہ اس ویرانے سے تو بہتر تھا! ہاں کھانے لیے کم از کم پھل اور پینے کے چشمے تو تھے۔ اس جگہ تو نہ درخت ہیں نہ پھل' نہ چشمے۔ میں نے لاحول.... پڑھی اور کہنے لگا کہ میری بھی وہ مثل ہوئی کہ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔ مگر کیا کرتا دل مضبوط کر کے اس گھاٹی میں چل کھڑا ہوا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس کی زمین ہیروں سے بھری پڑی ہے۔ جن سے معدنیات' جواہرات' چینی اور سلیمانی پتھروں میں چھید کرتے ہیں۔ وہ بہت سخت اور خشک پتھر ہوتا ہے۔ نہ اس پر لوہا اثر کرتا ہے نہ پتھر۔ نہ کوئی اسے توڑ سکتا ہے' سوائے کرنڈے پتھر کے وہ اور کسی چیز سے نہیں گھستا۔ اس گھاٹی میں طرح طرح کے سانپ بھی تھے جس کا قد و قامت تاڑ کے درختوں کے برابر تھا اگر ہاتھی بھی ان کے پاس جاتا تو وہ اسے نگل جاتے۔ یہ سانپ رات میں نکلتے اور دن میں چھپے رہتے تاکہ کہیں انہیں رخ اور شاہین لے جا کر ٹکڑے ٹکڑے نہ کر ڈالیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟

میں اس گھاٹی میں ٹھہر گیا۔ مجھے اپنے کیئے پر بہت پشیمانی تھی اور دل میں کہہ رہا تھا کہ خدا کی قسم میں نے اپنی موت میں جلدی کی۔ جب دن ڈھل گیا تو میں اس گھاٹی میں کوئی جگہ تلاش کرنے لگا۔ جہاں رات بسر کر سکوں کیونکہ مجھے ان سانپوں سے اتنا ڈر لگتا تھا کہ بھوک پیاس کا خیال بھی نہ رہا تھا۔ کھانا پینا بھول گیا' مجھے جان کے لالے پڑ گئے۔ قریب ہی ایک بڑا سا غار دیکھا۔ میں نے اس کے اندر جا کر پتھر سے اس کا منہ بند کر دیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس جگہ داخل ہونے کی وجہ سے

اب میں امن و امان میں رہوں گا۔ دن نکل آئے گا تو میں نکل کر دیکھوں گا کہ تقدیر مجھے کیا دکھلاتی ہے۔ جب غار کے اندر میری نظر پڑی تو میں نے دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا سانپ غار میں اپنے انڈوں پر پڑا سو رہا ہے۔ میرا بدن کانپنے لگا اور میں نے اپنا سر اٹھا کر اپنے آپ کو قسمت کے سپرد کر دیا اور تمام رات جاگتے گزاری۔ سویرا ہوا' روشنی پھیلی تو میں وہ پتھر سرکایا جس سے میں نے غار کا منہ بند کر رکھا تھا اور باہر نکل آیا۔ لیکن بیداری اور بھوک اور ڈر کی وجہ سے میری حالت متوالوں کی میرے آگے آ گرا مگر آس پاس کوئی شخص دکھائی نہ دیا۔ مجھے بڑا اچنبھا ہوا اور ایک قصہ یاد آیا جو میں نے کبھی سوداگروں اور مسافروں اور سیاحوں سے سنا تھا کہ ہیرے کے پہاڑوں میں بڑی بری خوفناک چیزیں ہوتی ہیں۔ کسی کے لیے ان کے اندر جانا ممکن نہیں۔ تاجر لوگ ایک ترکیب سے انہیں لاتے ہیں۔ اور وہ ترکیب یہ ہے کہ لوگ ایک بھیڑ کو لے کر ذبح کرتے ہیں' اس کی کھال کھینچ کر اسے پہاڑ پر سے گھاٹی میں پھینکتے ہیں چونکہ وہ تر ہوتا ہے۔ ہیرے کے ٹکڑے اس میں چمٹ جاتے ہیں۔ دوپہر تک وہ یونہی پڑا رہتا ہے جب شاہین اور سفید عقاب نیچے اتر کر اس گوشت کے پاس جاتے ہیں اور اسے پنجوں میں لے کر پہاڑ کے اوپر آتے ہیں تو لوگ اس کے پاس آ کر شور و غل مچانا شروع کرتے ہیں اور وہ اس گوشت کو چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ پھر تاجر آ کر ہیرے چھڑا لیتے ہیں جو گوشت پر چپکے ہوئے ہوتے ہیں' گوشت کو پرندوں اور درندوں کے لیے پڑا رہنے دیتے ہیں اور ہیرے لے کر اپنے وطن کو واپس چلے جاتے ہیں۔۔

اس ترکیب کے سوا ہیرے حاصل کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو پینتالیسویں رات

جب پانچ سو پینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ یہ ترکیب بتانے کے بعد سند باد بحری نے اپنے دوستوں سے کہا کہ جب ذبیحہ دیکھ کر مجھے یہ قصہ یاد آیا تو میں اٹھ کر اس کے پاس گیا اور اس میں سے بہت سے ہیرے چھڑا کر اپنے کپڑوں اور جیبوں میں بھر لیے۔ میں انہیں چھڑا چھڑا کر اپنی جیبوں' پٹکے' پگڑی اور دامن میں بھر ہی رہا تھا کہ ایک بہت بڑا پرندہ منڈلانے لگا۔ میں نے اپنے آپ کو پگڑی سے اس ذبیحہ پر باندھ دیا اور چت لیٹ کر اسے اپنے سینے پر رکھا اور خوب مضبوط پکڑ لیا۔ پرند اسے جھپٹا مار کر اڑا اور میں بھی اس کے ساتھ لٹکتا ہوا اڑا۔ اڑتے اڑتے وہ پہاڑ کی چوٹی پر اترا اور اسے نوچ کر کھانا ہی چاہتا تھا کہ اس کے پیچھے ایک بڑا شور و غل اٹھا اور پہاڑ پر لکڑیوں کی سی کھڑکھڑاہٹ ہونے لگی۔ یہ آوازیں سن کر وہ پرندہ جو شاہین تھا' چوکنا ہوا اور ڈر کر ہوا میں اڑ گیا۔ میں نے اپنے آپ کو ذبحیہ میں سے کھولا اور اس کے پاس کھڑا ہو گیا۔ میرے کپڑے اس کے خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔ اتنے میں وہ تاجر جس نے شاہین کے پیچھے شور و غل مچایا تھا' ذبیحہ کی طرف بڑھا۔ اس نے جو مجھے کھڑا ہوا دیکھا تو اتنا ڈرا اور گھبرایا کہ مجھ سے بات تک نہ کی اور ذبیحہ کے پاس جا کر اسے الٹا پلٹا لیکن اسے کوئی بھی ٹکڑا ہیرے کا نظر نہ آیا اور وہ لاحول.... پڑھنے اور ہائے افسوس' ہائے افسوس کہنے لگا۔ پیشمان ہو کر ہاتھ پر ہاتھ مارتا اور کہتا کہ یہ کیا قصہ ہے! میری ساری محنت اکارت گئی!

اب میں اس کی طرف بڑھا۔ وہ بولا کہ تو کون ہے اور یہاں کیسے آیا ہے؟ میں نے کہا ڈر مت اور پریشان نہ ہو' میں بھی انسان ہوں اور اچھے لوگوں میں سے ہوں۔ میں تاجر تھا اور میری کہانی عجیب و غریب ہے۔ میرے اس پہاڑ پر اور وادی میں آنے کا سبب بھی اچنبھے سے خالی نہیں۔ خوف نہ کر' میں تجھے وہ چیزیں دوں گا کہ تو خوش

ہو جائے گا۔ میرے پاس بہت سے ہیرے ہیں' ان میں سے تجھے اتنے دوں گا کہ تیرے لیے کافی ہوں گے۔ میرے پاس کا ہر ہیرا ان سے بہتر ہے جو تجھے مل سکتا ہے۔ اس لیے ڈر نہیں' پریشان نہ ہو۔ یہ سن کر اس شخص نے میرا شکریہ ادا کیا' مجھے دعائیں دیں اور مجھ سے باتیں کرنے لگا۔ جب دوسرے تاجروں نے دیکھا کہ میں ان کے ساتھی سے باتیں کر رہا ہوں تو وہ سب میرے پاس آ پہنچے۔ انہوں نے بھی ایک ایک ذبیحہ پھینکا تھا۔ میرے پاس آ کر انہوں نے سلام کیا اور میری سلامتی پر مبارک باد دی۔ مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔

میں نے انہیں اپنی ساری کہانی سنائی' سفر کی تمام تکلیفیں بیان کیں۔ یہ بھی بتایا کہ میں اس گھاٹی میں کس طرح پہنچا۔ اس کے بعد میں نے اپنے پاس سے بہت کچھ اس شخص کو دیا جس کے ذبیحے سے چمٹ کر میں آیا تھا۔ وہ خوش ہو گی اور اس نے مجھے دعائیں دیں اور میرا شکریہ ادا کیا۔ تاجروں نے کہا خدا کی قسم تیری تقدیر ایک نئی عمر لکھی ہوئی ہے کیونکہ تجھ سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی اس جگہ پہنچ کر پھر زندہ نکل آیا ہو' شکر ہے خدا کا تیری سلامتی پر پھر انہوں نے ایک نہایت اچھی جگہ رات بسر کی۔ میں بھیرات بھر ان کے ساتھ رہا۔ میں اس بات پر بہت خوش تھا کہ سانپوں کی گھاٹی سے صحیح و سلامت بچ کر آبادی میں پہنچ گیا۔ جب سویرا ہوا تو ہم اٹھے اور اس بڑے پہاڑ پر چل کھڑے ہوئے۔ ہم نے دیکھا کہ اس گھاٹی میں بہت سے سانپ ہیں۔

وہاں سے روانہ ہو کر ہم ایک باغ میں پہنچے جو ایک بڑے اور خوبصورت جزیرے میں تھا۔ جہاں کافور کے درخت تھے۔ یہ درخت اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اس کے سائے میں سو آدمی آ سکتے ہیں۔ جب کوئی اس میں سے کافور لینا چاہتا ہے وہ کسی لمبی چیز سے درخت میں ایک سوراخ کرتا ہے اس میں سے پانی جیسی چیز نکلتی ہے' اسے جمع کر لیتے ہیں۔ یہی کافور کا پانی جم کر گوند کی طرح ہو جاتا ہے۔ کافور اسی درخت کا رس ہے۔ پانی نکلنے کے بعد درخت سوکھ کر لکڑی ہو جاتا ہے۔ اس جزیرے میں ایک جانور ہوتا ہے

جس کو گینڈا کہتے ہیں۔ یہ باغ میں اس طرح چرتے پھرتے ہیں جس طرح ہمارے ملکوں میں گائیں بھینسیں۔ اس کا جسم اونٹ کے جسم سے بڑا ہوتا ہے اور وہ دانہ کھاتا ہے۔ اس کا شمار بڑے جانوروں میں ہے۔ اس کے سر کے بیچ میں ماتھے پر سامنے کی طرف ایک موٹا سینگ ہوتا ہے جس کی لمبائی دس گز ہو گئی اور جس میں انسان کی شکل بنی ہوتی ہے۔ اس جزیرے میں ایک قسم کی گائے بھی ہوتی ہے۔ ملاحوں' مسافروں اور اس پہاڑ اور جنگل میں سیاحت کرنے والوں کا بیان ہے کہ یہ جانور جسے گینڈا کہتے ہیں' بڑے سے بڑے ہاتھی کو اپنے سینگ پر اٹھا لیتا ہے اور اسے جزیرے کے اندر اور سمندر کے کنارے لیے پھرتا ہے اور اس کے بوجھ کو محسوس نہیں کرتا۔ ہاتھی اس کے سینگ کے اوپر ہی مر جاتا ہے اور دھوپ سے اس کی چربی پگھل پگھل کر گینڈے کے سر پر بہنے لگتی ہے جب وہ اس کی آنکھوں میں پہنچتی ہے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے اور سمندر کے کنارے لیٹ جاتا ہے۔ پھر رخ آتا ہے اور اسے پنجوں میں دبا کر اسے اور اس ہاتھی کو جو اس کے سینگ پر ہوتا ہے اور اپنے بچوں کو کھلاتا ہے۔ اس جزیرے میں میں نے طرح طرح کی بھینسیں دیکھیں جن کی نظیر ہمارے ہاں پائی جاتی۔ اس گھاٹی میں ہیرے کے پتھر کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جنہیں میں اپنی جیبوں میں چھپا کر ساتھ لے گیا تھا اور جس کے عوض سوداگروں نے اپنے ملک کا مال و اسباب مجھے دیا۔ درہم اور دینار دیئے۔ مختصر یہ کہ میں ان کے ساتھ برابر سفر میں رہا۔ ملکوں کی سیر کرتا' خدا کی مخلوق کو دیکھتا۔ ایک گھاٹی سے دوسری گھاٹی اور ایک شہر سے دوسرے شہر ہوتا' خرید و فروخت کرتا ہوا آخر بصرے پہنچا۔ اور وہاں کچھ روز ٹھہر کر بغداد گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو چھیالیسویں رات

پانچ سو چھیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب سند باد بحری پردیس سے لوٹ کر بغداد آیا' اپنے محلے میں پہنچ کر گھر میں داخل ہوا' اس کے گھر والے اور رشتے دار ملنے آئے تو اس نے انہیں ہیروں اور مال و اسباب میں سے کچھ دیا جن کا خزانہ اس کے پاس تھا۔ اب وہ پھر عیش و آرام کے ساتھ رہنے لگا۔ اچھے اچھے کھانے کھاتا' عمدہ عمدہ شرابیں پیتا' قیمتی قیمتی پوشاکیں پہنتا' دوستوں اور عزیزوں میں بیٹھ کر چین سے رہتا اور جو ملتا اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا اور ساری تکلیفیں بھول گیا جو اس نے اٹھائی تھیں۔ نہایت عیش و آرام' خوشی و مسرت اور کھیل کود میں دن بسر ہونے لگے۔ جو کوئی اس کے آنے کی خبر سنتا۔ اس کے پاس آ کر سفر کا قصہ اور ملکوں کی حالت دریافت کرتا اور تمام باتیں جو اس نے دیکھی تھیں اور ساری مصیبتیں جو اس نے جھیلی تھیں' بیان کرتا۔ سننے والوں کو بڑا اچنبھا ہوتا کہ اس نے اتنی تکلیفیں برداشت کی ہیں اور وہ اس کی سلامتی پر اسے مبارک باد دیتے۔ یہ اس کے دوسرے سفر کا حال تھا۔ اس کے بعد اس نے کہا خدا نے چاہا تو کل میں تمہیں اپنے تیسرے سفر کا قصہ سناؤں گا۔ جب سند بادی بحری سند باد بری کو یہ کہانی سنا چکا تو دستر خوان بچھا۔ سب نے اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانا کھا چکے تو اس نے سند باد کو سو مثقال سونا دینے کا حکم دیا۔ وہ اس سونے کو لے کر سند باد بحری کی تکلیفوں پر غور کرتا چل دیا اور گھر پہنچ کر دوپہر تک اس کی مہماں نوازی کو یاد کرتا اور اسے دعائیں دیتا رہا۔ پھر سو گیا۔ سویرا ہوا اور دن چڑھا تو سند باد جمال نے اٹھ کر فجر کی نماز پڑھی۔ اور سند باد بحری کے حکم کے مطابق اس کے گھر کی طرف روانہ ہوا اور اس کی مجلس میں جا حاضری دی۔ سند باد بحری نے اس کا خیر مقدم کیا اور صبح بخیر

کہا اور اپنے پاس بیٹھنے کو جگہ دی۔ جب اس کے باقی دوست احباب آ چکے اور کھانے پینے سے فراغت پائی تو سند باد بحری نے بیان کرنا شروع کیا کہ:

○ تیسرے سفر کہانی

اے میرے دوستو! تیسرے سفر کی کہانی مجھ سے سنو گے تو تمہیں بڑا تعجب ہو گا۔ وہ ان کہانیوں سے زیادہ عجیب و غریب ہے جو میں نے آج سے پہلے بیان کی ہیں۔ خدا' اپنے غیب کو بہتر جاننے والا اور اس پر بہتر حکم لگانے والا ہے۔ گزشتہ زمانے میں جب کہ میں دوسرے سفر سے لوٹا اور اپنی سلامتی پر خوش و خرم تھا۔ عیش و عشرت میں زندگی بسر ہو رہی تھی اور جیسا کہ میں نے کل بیان کیا ہے بڑی دولت کما کر لایا تھا۔ خدا نے مجھے میری کھوئی ہوئی دولت کے عوض بہت کچھ دیا۔ میں ایک مدت تک بغداد میں رہا۔ بڑے مزے سے رات اور دنگزر رہے تھے کہ پھر میرا جی سفر اور سیر کے لیے للچایا' تجارت سے کمائی کرنے اور مال سمیٹنے کا شوق چرایا۔ دل تو ہمیشہ برے سے برے کام کا حکم دیتا ہے۔ میں تیار ہو گیا۔ سمندر کے سفر کے لائق بہت سا سامان خرید کر میں چل کھڑا ہوا۔ بغداد سے بصرے پہنچا اور بندر گاہ پر جا کر دیکھا کہ ایک بہت بری کشتی کھڑی ہوئی ہے جس میں بہت سے تاجر' دولت مند' دین دار اور متقی و پرہیزگار لوگ سوار ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گیا اور خدا کا نام لے کر ہم چل دیئے اور اپنی خیریت اور سلامتی پر خوش تھے۔ ہم سمندر سمندر' جزیرے جزیرے اور شہر شہر چلے جاتے' جہاں کہیں پہنچتے سیر و تفریح' خرید و فروخت کرتے اور بڑی خوشی میں دن گزارتے۔ ایک دن جب ہم متلاطم سمندر کے بیچ میں تھے اور ناخدا کشتی کے کنارے پر کھڑا سمندر کی طرف دیکھ رہا تھا کہ ایکا ایکی وہ اپنا سر پیٹنے لگا۔ کشتی کے بادبان گرا دیئے لنگر ڈال دیئے کبھی اپنی داڑھی نوچتا' کبھی کپڑے پھاڑتا اور زور

زور سے چلاتا۔ ہم نے کہا اے ناخدا' خیر تو ہے؟ وہ بولا اے کشتی والو خدا تمہیں سلامت رکھے۔ ہوا نے ہمیں راہ سے بے راہ کر کے سمندر کے بیچ میں ڈال دیا ہے اور ہماری بدبختی ہمیں جبل الزعب کی طرف لے چلی ہے۔ وہاں کے لوگ بندروں کی طرح ہیں۔ جب کبھی کوئی بھولے چوکے ادھر جا نکلا ہے پھر زندہ نہیں لوٹا۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہم سے مارے جائیں گے۔

ناخدا کی باتیں ابھی ختم نہ ہوئی تھیں کہ کشتی ساحل پر جا لگی اور بندروں کا ایک لشکر آ پہنچا۔ کشتی کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ٹڈی دل کی طرح کشتی اور خشکی میں پھیل گئے۔ کشتی کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ٹڈی دل کی طرح کشتی اور خشکی میں پھیل گئے۔ ہم ڈرے کہ اگر ہم نے ان میں سے ایک کو بھی قتل کیا یا مارا یا بھگایا تو وہ اتنے زیادہ ہیں کہ ہم سب کو مار ڈالیں گے کیونکہ تعداد بہادری پر غالب آ جاتی ہے۔ ہم سہم گئے کہ ہماری جانیں اور پونجی دونوں نہ چھین لیں۔ وہ بالکل وحشی تھے۔ ان کے بال سیاہ جمی ہوئی اون کی طرح تھے۔ انہیں دیکھ کر ڈر لگتا تھا۔ ان کی بولی کسی کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ وہ انسانوں سے دور بستے تھے' ان کی آنکھیں زرد زرد اور چہرے کالے کالے تھے۔ ان کا قد ٹھگنا تھا۔ زیادہ سے زیادہ چار بالشت کا ہو گا۔ انہوں نے اتر کر لنگر کی رسیاں دانتوں سے کاٹیں' کشتی کو ہوا نے دھکیل کر ان کے پہاڑ پر جا پہنچایا۔ اور وہ کل تاجروں اور دوسرے کشتی والوں کو پکڑ کر جزیرے کے اندر لے گئے اور تمام سامان سمیٹ کر چلتے ہوئے۔ چونکہ وہ ہمیں لے جا کر جزیرے میں چھوڑ آئے تھے اس لیے کشتی ہماری نظر سے غائب ہو گئی اور ہمیں پتا بھی نہ چلا کہ وہ کہاں گئی۔

ہم اس جزیرے میں بیٹھے پھل اور سبزی اور میوے کھا رہے اور اس کے چشموں کا پانی پی رہے تھے کہ ہمیں جزیرے کے بیچ میں ایک آباد گھر دکھائی دیا۔ ہم اس کی طرف چل کھڑے ہوئے' دیکھا کہ وہ مضبوط اور اونچی دیواروں والا ایک محل ہے جس کا دو

پٹ والا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ دروازہ آبنوس کا بنا ہوا تھا۔ جب ہم اس محل کے اندر داخل ہوئے تو دیکھا وہاں ایک چادر دیواری ہے جو بڑے صحن کی طرح ہے جس میں بہت سے اونچے اونچے دروازے ہیں اور صدر میں ایک بڑا اور اونچا چبوترا ہے جہاں پکانے کے برتن انگیٹھیوں پر لٹکے ہوئے ہیں اور آس پاس بہت سی ہڈیاں پڑی ہوئی ہیں لیکن اس کے اندر کوئی شخص نہیں۔ اس پر ہمیں بڑا تعجب ہوا اور ہم محل کی چار دیواری کے اندر جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد ہمیں نیند آ گئی۔ ہم دن نکلنے سے لے کر سورج کے ڈوبنے تک سوتے رہے۔ اتنے میں ہمارے نیچے کی زمین ہلی اور ہوا میں آواز سی سنائی دی۔ محل کے اوپر سے ایک برے ڈیل ڈول والا شخص اترا اس کی شکل انسان کی سی تھی' رنگ کالا اور قد لمبا تھا۔ جیسے ایک بہت بڑا تاڑ کا درخت ہوتا ہے۔ اس کی آنکھیں آگ کے شعلوں کی طرح تھیں۔ اور اگلے دانت سور کے سے۔ منہ کنوئیں کے دہانے کی طرح بڑا اور ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح سینے پر لٹکے ہوئے۔ کان دو کشتیوں جیسے کندھوں پر لٹکے ہوئے' ہاتھوں کے ناخن شیر کے پنجے کی طرح۔ اس کی صورت دیکھ کر ہمارے ہوش جاتے رہے۔ اور مارے ڈر کے ہمارا خون خشک ہونے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• پانچ سو سینتالیسویں رات

جب پانچ سو سینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سند باد بحری کا بیان ہے کہ ہم اسے دیکھ کر سہم گئے۔ نیچے اتر کر وہ تھوڑی دیر تک چبوترے پر بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر ہمارے پاس آیا۔ میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کھڑا کر کے میرے بدن کو ٹٹولا اور الٹا پلٹا۔ میں اس کے ہاتھ میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ایک چھوٹا سا نوالہ اور وہ میرے بدن کو ایسے ٹٹول رہا تھا جیسے قصاب اس بھیڑ کو ٹٹولتا ہے جسے وہ ذبح کرنے والا ہو۔ لیکن میں تکلیفوں کی وجہ سے کمزور' محنت اور سفر کے سبب دبلا ہو گیا تھا۔ مجھ میں گوشت کہاں' ہڈیاں ہی ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا اور میرے ایک دوسرے ساتھی کو پکڑ کر اسی طرح الٹنے پلٹنے اور ٹٹولنے لگا۔ جس طرح اس نے مجھے الٹا پلٹا اور ٹٹولا تھا۔ پھر اسے بھی چھوڑ دیا۔ اسی طرح وہ ایک ایک کو ٹٹولتا اور الٹ پلٹ کر دیکھتا یہاں تک کہ ہماری کشتی کے ناخدا کی باری آ گئی۔ وہ بہت موٹا تازہ چوڑے شانوں والا مضبوط اور زور آور تھا۔ وہ اسے پسند آیا اور اس نے اسے اس طرح پکڑ کر جیسے قصاب جانور کو پکڑتا ہے زمین پر دے ٹپکا اور اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھ کر اسے توڑ مروڑ ڈالا اور ایک لمبی سیخ لا کر اس کے پاخانے کے سوراخ میں اس طرح بھونکی کی وہ کھوپڑی میں نکل آئی اور خوب تیز آگ جلا کر اس پر وہ سیخ چڑھا دی جس میں ناخدا پرویا ہوا تھا۔ اور اتنا الٹا پلٹا کہ گوشت پک گیا۔ اب اس نے اسے آگ پر سے اتار کر اپنے آگے رکھا اور اس طرح نوچنا شروع کیا جیسے کوئی چڑیا کے بچے کو نوچتا ہے۔ اس کا گوشت ناخنوں سے نوچ نوچ کر کھانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ تمام گوشت کھا لیا اور ہڈیاں دانتوں سے چبا ڈالیں۔ جب کچھ باقی نہ رہا تھا اس نے ہڈیاں محل کے ایک طرف پھینک دیں۔ اس کے بعد وہ تھوڑی دیر تک بیٹھا رہا اور چبوترے پر لیٹ کر سو گیا اور اس طرح خراٹے بھرنے لگا جیسے ذبح کیا ہو بچھڑا

یا کوئی دوسرا جانور۔ اسی طرح وہ صبح تک سوتا رہا اور پھر اٹھ کر چلتا ہوا۔
جب ہمیں یقین ہو گیا کہ وہ دور چلا گیا ہے تو ہم آپس میں باتیں کرنے لگے اور اپنی جانوں کی خیر منانے لگے۔ ہم نے کہا کاش ہم سمندر میں ڈوب گئے ہوتے یا بندروں نے ہمیں کھا لیا ہوتا! اس سے بہتر تھا کہ ہم انسان ہو کر انگاروں پر کباب کئے جائیں۔ خدا کی قسم یہ بہت بری موت ہے لیکن جو خدا چاہتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے' سوائے خدا کے کسی اور کا زور نہیں چلتا۔ اب ہمارا اس مصیبت سے مرنا یقینی ہے' کسی کو ہماری خبر تک نہ ہو گی۔ اب یہاں سے بچ کر جانے کی کوئی تدبیر نہیں۔ یہ کہہ کر ہم اٹھے اور جزیرے میں کوئی جگہ ڈھونڈنے لگے جہاں ہم چھپ سکیں یا جہاں سے بھاگنے کا رستہ پائیں۔ ہمیں مرنا پسند تھا اور نہیں چاہتے تھے کہ ہمارا گوشت آگ پر کباب کیا جائے مگر ہمیں کوئی جگہ ایسی نہ ملی جہاں ہم چھپیں۔ چونکہ شام ہو چکی تھی ناچار ہم پھر محل میں واپس آ گئے۔ تھوڑی دیر بیٹھے ہی تھے کہ پھر زمین ہلنے لگی اور وہی کالا کلوٹا پھر ہمارے پاس آیا اور پہلے کی طرح ایک ایک کو الٹنا پلٹنا شروع یا یہاں تک کہ ایک کو پسند کر کے اس نے پکڑ لیا اور اس کی وہی درگت بنائی جو پہلے دن ناخدا کی بنائی تھی۔ اسے بھون کر کھا گیا اور اس چبوترے پر سو رہا۔ رات بھر سوتا رہا اور اسی طرح خرانے لیتا رہا جس طرح کہ ذبح کیا ہوا جانور لیتا ہے۔ جب سویرا ہوا تو وہ اٹھا اور ہمیں پہلے کی طرح چھوڑ کر چلتا ہوا۔ ہم پھر سر جوڑ کر بیٹھے اور صلاح کرنے لگے کہ خدا کی قسم اگر ہم سمندر میں کود پڑیں اور ڈوب کر مر جائیں تو یہ جل مرنے سے بہتر ہے کیونکہ وہ بڑی بری موت ہے۔ ہم میں سے ایک بولا کہ میری بات سنو۔ ہمیں چاہیے کہ کسی دھوکے سے اسے مار ڈالیں۔ اس مصیبت سے چھٹکارا پائیں اور مسلمانوں کو اس کے ظلم و زبردستی سے نجات دیں۔ میں نے کہا کہ میرے بھائیو۔ اگر اس کا مارنا ہی ہے تو ایک کام کرو۔ پہلے ان لکڑیوں اور گھاس پھوس سے ہمیں کشتی کی طرح ایک ناؤ بنا لینی چاہیئے اس کیبعد اسے قتل کرنے کی فکر کریں

اور جب وہ مر جائے تو فوراً ناؤ میں بیٹھ کر جہاں خدا کی مرضی ہو چل دیں یا یہیں ٹھہر کر کسی کشتی کا انتظار کریں اور جس وقت کوئی کشتی آ جائے تو ہم اس میں سوار ہو جائیں اور اگر ہم اس کو قتل نہ کر سکیں تو سمندر میں کود پڑیں کیونکہ ڈوب جانا اس سے بہتر ہے کہ ہم ذبح ہو کر آگ پر بھونے جائیں۔ اس طرح سے اگر ہم بچ گئے تو بچ گئے اور اگر ڈوب کر مرے تو شہید ہوئے۔ سب نے کہا خدا کی قسم یہ ٹھیک رائے ہے اور ہم سب نے اس پر متفق ہو کر کاروائی شروع کر دی۔ لکڑیاں چن چن کر ایک ناؤ بنائی اور اسے لے جا کر سمندر کے کنارے کھڑا کر دیا اور اس میں راستے کے لیے کچھ کھانا رکھ کر محل میں لوٹ آئے۔

شام ہوئی تو پھر زمین کو جنبش ہوئی اور وہی کالا دیو کٹ کھنے کتے کی طرح ہمارے پاس پہنچا اور ہمیں ایک ایک کر کے الٹنے پلٹنے اور ٹٹولنے لگا اور ہم میں سے ایک کو لے کر اس کے ساتھ وہی حرکت کی جو اس سے پہلے والوں کے ساتھ کی تھی اور اسے کھا کر چبوترے پر سو گیا اور بجلی کی طرح خراٹے لینے شروع کئے۔ اب ہم نے اٹھ کر ان سیخوں میں سے جو وہاں رکھی ہوئی تھیں۔ دو سیخیں لیں اور انہیں خوب تیز آگ پر رکھا یہاں تک کہ وہ سرخ ہو کر انگارے کی طرح ہو گئیں۔ اور انہیں خوب مضبوط پکڑ کر اس بھوت کے پاس آئے جو نیند میں پڑا خراٹے لے رہا تھا اور سیخوں کو اس کی آنکھوں پر رکھ کر ہم نے اپنے جسموں ارادے کی انتہائی قوت سے بھونک دیا وہ اس کی آنکھوں میں گھس گئیں اور اسے اندھا کر دیا۔ اب وہ اس زور سے چیخا کہ ہمارا دل کانپا تھا۔ چبوترے سے اتر کر ہمیں ڈھونڈتا پھرتا اور ہم اس کے دائیں بائیں بھاگتے حالانکہ وہ اندھا ہو گیا تھا اور ہمیں دیکھ نہ سکتا تھا پھر بھی ہمیں اس سے بڑا ڈر لگتا تھا۔ ہم اپنی نجات سے ناامید ہو چکے تھے اور ہمیں اپنی موت کا یقین آ چکا تھا اس کے بعد وہ ٹٹولتا ٹٹولتا دروازے کی طرف گیا اور چلاتا ہوا باہر کی طرف نکل بھاگا اس کے شور و غل سے زمین ہلنے لگی۔ جب وہ محل سے نکلا تو ہم بھی اس کے پیچھے

نکل آئے۔ وہ ہمارے گرگھوم گھام کر چلتا ہوا تھوڑی دیر کے بعد ایک عورت کو لے کر لوٹا جو اس سے زیادہ لمبی تڑنگی اور ڈروانی تھی۔ جب ہم نے دیکھا کہ وہ ایک عورت لو لے کر آیا ہے جو اسے بھی زیادہ بھیانک شکل کی ہے تو ہم کانپنے لگے۔ وہ ہمیں دیکھ کر تیز تیز ہماری طرف بڑھے۔ ہم نے اٹھ کر اس ناؤ کے لنگر کھول دیئے جو ہم نے بنائی تھی اور اس میں بیٹھ کر اسے سمندر میں دھکیل دیا۔ وہ دونوں بڑے بڑے پتھر لے کر آئے تھے۔ انہوں نے وہ پتھر ہماری طرف پھینکنے شروع کئے یہاں تک کہ ہم میں سے اکثروں کو پتھر مار کر مار ڈالا۔ صرف تین شخص باقی رہ گئے۔ ایک میں اور دو اور۔

اتنے میں شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو اڑتالیسویں رات

جب پانچ سو اڑتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... سند باد بحری نے بیان کیا کہ ہم میں سے محض تین شخص بچ رہے اور ناؤ ہمیں لے کر ایک اور جزیرے میں پہنچی۔ وہاں ہم شام تک سیر کرتے رہے۔ رات ہوئی تو ہم سو گئے لیکن تھوڑی دیر کے بعد ہماری آنکھ کھل گئی۔ ہم نے دیکھا کہ ایک بہت بڑے بھاری اور موٹے تازے اژدہے نے ہمارے گرد کنڈل مار کر ہم میں سے ایک کو شانوں تک نگل لیا ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے وہ اس کا باقی حصہ بھی نگل گیا۔ ہمیں اس کے پیٹ میں اس شخص کی ہڈی پسلیوں کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے بعد وہ اژدہا چلتا بنا۔ ہمیں بڑا ڈر لگا۔ ہم انے ساتھی پر افسوس کرنے لگے۔ اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ ہم نے کہا یہ بھی عجیب و غریب بات ہے' ہر نئی موت پرانی سے بد تر نظر آتی ہے۔ ہم خوش تھے کہ کالے دیو سے ہمارا پیچھا چھٹا لیکن وہ خوشی تھی پوری نہ ہونے پائی' لاحول ولا قوہ الا باللہ اس آدم خور اور ڈوبنے سے تو ہم خدا خدا کر کے بچ نکلے۔ اب اس منحوس بلا سے کس طرح بچیں گے! یہ کہہ کر ہم اٹھے اور جزیرے کر چکر لگانے اور میوے کھانے اور چشموں کا پانی پینے لگے۔ جب شام ہوئی تو ہمیں ایک بڑا اور اونچا درخت دکھائی دیا۔ ہم دونوں اس پر چڑھ کر سو گئے۔ میں سب سے اوپر کی ٹہنی پر تھا۔ رات کا اندھیرا چھا گیا تو پھر وہی اژدہا اپنی آنکھیں چمکاتا ہوا آ موجود ہوا۔ اور دائیں بائیں دیکھنے کے بعد اس درخت پر آیا جس پر ہم بیٹھے ہوئے تھے اور اس پر چڑھ کر میرے ساتھی تک پہنچ گیا۔ اسے آدھا نگل گیا۔ درخت کے اوپر ہی انگڑائی لی' مجھے اس کی ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دیتی تھی اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اسے نگل گیا۔

پیٹ بھرنے کے بعد اژدھا درخت سے اتر کر چلتا ہوا اور میں رات بھر درخت کے اوپر

ہی رہا۔ جب دن نکلا اور روشنی پھیلی تو میں درخت سے اترا' مارے ڈر اور خوف کے میری بری کیفیت تھی۔ اور چاہتا تھا کہ سمندر میں گر کر دنیا سے چھٹکارا پاؤں مگر مرنے کا بھی حوصلہ نہ ہوا۔ جان بڑی پیاری ہوتی ہے۔ خدا کی قدرت مجھے ایک ترکیب سوجھ گئی۔ لکڑی لی اور اس میں اپنے پاؤں باندھا۔ ایسی ہی ایک لکڑ کی دہنی طرف ایک بائیں طرف اور ایک پیٹ پر باندھی اس طرح ایک بڑی لمبی چوڑی لکڑی لے کر اسے سر پر کس لیا غرض کہ میں لکڑیوں کا ایک پنجرہ سا بنا گیا۔ لکڑیاں میرے چاروں طرف ہو گئیں اور میں ان کے بیچ میں۔ اب میں گویا چوبی قلعے میں تھا۔ اس صورت میں درخت پر کیا چڑھتا۔ زمین ہی پر لیٹ کر سو گیا۔ رات ہوئی تو اژدھا روز کی طرح آیا اور مجھے دیکھ کر میری طرف بڑھا۔ چونکہ میرے ہر طرف لکڑیاں بندھی ہوئی تھیں۔ مجھ پر منہ نہ ڈال سکا۔ میرے اردگرد چکر لگاتا رہا لیکن اس کی شکل میری آنکھوں کے سامنے تھی اور میں مارے ڈر کے مردے کی طرح دم سادھے پڑا تھا۔ اژدہا دور جاتا اور پھر میرے پاس آتا۔ وہ بار بار یہی کرتا اور جب وہ میرے قریب آتا تو لکڑیاں اسے روک لیتیں جو میرے چاروں طرف بندھی ہوئی تھیں۔ اس کی یہ حالت سورج ڈوبنے سے اس وقت تک رہی کہ سویرا ہو گیا۔ روشنی پھیلی اور سورج نکل آیا۔ اس کے بعد بڑے غصے میں پھنکارتا ہوا چلتا بنا۔

وہ چل دیا تو میں نے لکڑیاں کھول دیں۔ مگر ڈر اور مصیبت کے مارے جو اژدہے کی وجہ سے میرے اوپر نازل ہوئی تھی میرا شمار زندوں میں نہیں بلکہ مردوں میں تھا۔ آخر کار میں اٹھا جزیرے میں چلتے چلتے اس کے کنارے پر پہنچا۔ اور سمندر کی طرف نظر دوڑائی تو مجھے دور سے سمندر کے بیچ ایک کشتی دکھائی دی۔ میں نے ایک درخت کی بڑی سی ٹہنی لے کر اس کی طرف ہلانی شروع کی اور شور مچایا۔ کشتی والوں نے مجھے دیکھا کہ تو کہا دیکھیں تو سہی یہ کیا ہے؟ کہیں کوئی انسان تو نہیں! چنانچہ وہ میری طرف بڑھے' میرا شور و غل سن کر میرے پاس آئے۔ مجھے اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا

لیا اور میرا حال پوچھا۔ میں نے اپنا سارا ماجرا اور جو جو مصیبتیں میں نے جھیلی تھیں' شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیں۔ اس پر انہیں بڑا اچنبھا ہوا۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس سے کپڑے دیئے تا کہ میں اپنی شرم گاہ چھپا سکوں۔ پھر میرے آگے کھانا رکھا۔ میں نے اتنا کھایا کہ میرا پیٹ بھر گیا اور مجھے ٹھنڈا میٹھا پانی پلایا۔ اب میرا دل سنبھلا اور جان میں جان آئی' مجھے فرحت ہوئی کہ مرنے کے بعد خدا نے مجھے بچا لیا۔ میں نے خدا کی اس بڑی مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ اس حالت میں جب کہ مجھے مرنے کا یقین آ چکا تھا مجھ میں ہمت آ گئی۔ یہاں تک کہ مجھے ایسا معلوم ہونے لگا جو کچھ مجھ پر گزرا ہے' خواب ہے۔ خدا نے ہوا موافق کر دی اور ہم چلتے چلتے ایک جزیرے میں پہنچے جس کا نام جزیرہ سلاہط ہے۔ ناخدا نے وہاں لنگر ڈال دیئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو انچاسویں رات

جب پانچ سو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جس کشتی میں سند باد بحری سوار ہوا تھا اس نے ایک جزیرے میں لنگر ڈالا اور تاجروں وغیرہ نے اتر کر خریدنا اور بیچنا شروع کیا۔ سند باد بحری نے بیان کیا کہ ناخدا نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میری بات سن' تو ایک پردیسی اور غریب شخص ہے تو نے خود بیان کیا ہے کہ تجھ پر بڑی بڑی بلائیں ٹوٹی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تجھے تھوڑا سا فائدہ پہنچا دوں جس سے تو اپنے وطن پہنچ جائے اور مجھے دعا سے یاد کرے۔ میں نے کہا کہ بہت خوب' میں تجھے دعائیں دوں گا۔ وہ بولا کہ سن ہمارے ساتھ ایک مسافر تھا جو کھو گیا ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا کیونکہ ہم نے اس کی کوئی خبر نہیں سنی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا سامان تجھے دے دوں تا کہ تو اس کی فاظت کرے اور اسے جزیرے میں لے جا کر بیچے' ہم تیری محنت اور خدمت کے بدلے میں تجھے کچھ دے دیں گے اور جو باقی رہ جائے گا۔ اسے بغداد لے کر جائیں گے اور اس کے اہل و عیال کو تلاش کر کے جو بکا ہے اس کے دام اور باقی مال ان کے حوالے کر دیں گے۔ کیا تو اس پر آمادہ ہے کہ وہ مال اپنی سپردگی میں لے اور اسے اس جزیرے میں لے جا کر دوسرے تاجروں کی طرح بیچے؟ میں نے کہا اے میرے آقا' تیرا کہنا سر آنکھوں پر' یہ تیری مہربانی اور عنایت ہو گی میں نے اس کو شکریہ ادا کیا اور اسے دعا دی اور اس نے حمالوں اور ملاحوں سے کہا کہ وہ سامان جزیرے میں اتا کر میرے سپرد کر دیں۔ چنگی کے منشی نے کہا کہ ناخدا' یہ کیسا سامان ہے جسے ملاحوں اور حمالوں نے اتارا ہے اور میں اسے کس تاجر کے نام پر لکھوں؟ اس نے جواب دیا کہ اسے سند باد بحری کے نام پر لکھ جو ہمارے ساتھ تھا مگر جزیرے کے پاس ڈوب گیا ہے اور پھر ہمیں اس کی کوئی خبر نہیں ملی میں چاہتا ہوں کہ یہ پردیسی اسے بیچ کر

اس کے دام لے آئے اور ہم اس میں سے اس کی محنت کے بدلے کچھ اسے دے دیں گے اور باقی کو لے کر بغداد جائیں گے۔ اگر وہ ہمیں وہاں مل گیا تو ہم دام اسے دے دیں گے اور اگر نہ ملا تو ہم وہ بغداد اس کے گھر والوں کے سپرد کر دیں گے۔ منشی نے کہا کہ تیری بات ناسب ہے اور تیری رائے ٹھیک۔

جب میں نے ناخدا کو یہ کہتے سنا کہ سامان میرے نام پر ہے تو میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ واللہ میں ہی تو سند باد بحری ہوں اور میں ہی تو جزیرے کے پاس اور لوگوں کے ساتھ ڈوب گیا تھا۔ لیکن میں نے دل کو مضبوط کر کے صبر کیا اور جب تاجر لوگ کشتی سے اتر کر اکٹھے ہوئے اور خرید و فروخت کے بارے میں باتیں کرنے لگے تو میں نے ناخدا کے پاس جا کر کہا اے میرے آقا' کیا تجھے معلوم ہے کہ اس سامان کے مالک پر کیا گزری جسے تو مجھے بیچنے کے لیے دے رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے کچھ خبر نہیں مگر وہ بغداد کا رہنے والا تھا اور اس کا نام سند باد بحری تھا۔ ہم نے ایک جزیرے میں لنگر ڈالا۔ وہاں ہمارے ساتھ کے بہت سے لوگ ڈوب گئے۔ ان سب کے ساتھ اس کا بھی پتا نہ چلا اور آج تک ہمیں اس کی کچھ خبر نہیں ملی۔ یہ سن کر میں چیخ اٹھا اور کہنے لگا کہ اے ناخدا' خدا تجھے سلامت رکھے! سند باد بحری میں ہی ہوں۔ میں ڈوبا نہیں بلکہ جب تو نے لنگر ڈالا تھا' تاجر اور دوسرے کشتی والے اترے تھے تو میں بھی ان کے ساتھ اترا۔ میرے ساتھ کچھ کھانا تھا جو میں نے جزیرے میں بیٹھ کر کھایا۔ وہاں مجھے اتنا لطف آیا کہ میں اونگھنے لگا اور سو گیا اور خوب گہری نیند سویا۔ جب میری آنکھ کھلی تو نہ وہاں کشتی تھی اور نہ میرے پاس کوئی دوسرا شخص یہ سارا مال میرا ہی ہے میں اس کا مالک ہوں۔ ان تمام تاجروں نے جو ہیرے لاتے ہیں مجھے جبل الماس میں دیکھا ہے اور وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ میں ہی سند باد بحری ہوں کیونکہ میں ان سے اپنا سارا قصہ اور جو کچھ تمہارے ساتھ کشتی میں پیش آیا تھا' تفصیل سے بیان کر چکا ہوں اور میں نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ جب میں سو رہا تھا تم مجھے بھولے سے چھوڑ کر چل دیئے اور جب میں جاگا تو وہاں کوئی نہ تھا اور میرے ساتھ

یہ یہ ماجرا پیش آیا۔

میری باتیں سن کر تاجر میرے ارد گرد جمع ہو گئے۔ بعضوں نے مجھے سچا سمجھا اور بعضوں نے جھوٹا۔ یہی ہو رہا تھا کہ ایک تاجر میری زبان سے وادی الماس کا نام سن کر میرے پاس آیا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ اے لوگو' میری بات سنو! جب میں تم سے اپنے سفر کا عجیب ترین واقعہ سنا رہا تھا اور یہ کہا تھا کہ ہم نے وادی الماس میں ذبح کئے ہوئے جانور پھینکے اور میرے ذبیحے کے ساتھ ایک شخص لٹکتا ہوا آیا تو تم نے میرے بات کا یقین نہیں کیا بلکہ مجھے جھٹلایا۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے تو نے ہم سے یہی بات کہی تھی اور ہم نے تیرا یقین نہیں کیا تھا۔ تاجر نے کہا کہ یہی وہ شخص ہے جو میرے ذبیحے کے ساتھ لٹکتا ہوا آیا تھا اور اس نے مجھے ایسے ایسے قیمتی ہیرے دیئے تھے جن کا جواب دنیا میں نہیں اور جتنے ہیرے اس نے مجھے دیئے وہ ان سے زیادہ تھے جو میرے ذبیحے میں چپک کر آ سکتے تھے۔ پھر ہم اسے بصرے تک اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں ہم سے رخصت ہو کر اپنے وطن چلا گیا اور ہم اپنے وطن۔ یہ وہی شخص ہے اس نے ہم سے یہ بھی کہا تھا کہ میرا نام سند باد بحری ہے اور یہ بھی کہ وہ اس جزیرے میں رہ گیا اور کشتی چلتی بنی۔ یہ شخص اسی لیے آیا ہے کہ تم میری بات کو جو میں نے کہی ہے سچ مانو۔ یہ سامان اسی کی ملکیت ہے کیونکہ جب ہمرا ان کا ساتھ ہوا تھا تو اس نے سامان کا ذکر کیا تھا۔ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے' سچ ہے۔ اس تاجر کی باتیں سن کر ناخدا اٹھا اور میرے پاس آ کر اس نے مجھے تھوڑی دیر تک غور سے دیکھا اور کہا کہ تیرے سامان کی علامت کیا ہے؟ میں نے اپنے سامنے کی علامتیں بتائیں اور یہ بھی کہ جب میں بصرے میں تیرے ساتھ ہوا تھا تو ہمارے درمیان یہ بات طے ہوئی تھی۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ میں سند باد بحری ہوں اور وہ میرے گلے سے لپٹ گیا' مجھے سلام کیا اور میری سلامتی پر مبارک باد دی اور کہنے لگا کہ اے آقا' واللہ تیری کہانی اور داستان عجیب و غریب ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس نے تجھے ہم سے ملا دیا اور تیرا مال اور اسباب تجھے واپس دے دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو پچاسویں رات

جب پانچ سو پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ ناخدا نے سند باد جہازی سے کہا کہ شکر ہے خدا کا کہ جس نے تیرا مال اسباب تجھے واپس دلوایا۔

سند باد جہازی کہتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو اپنی سلامتی اور مال کے دوبارہ مل جانے پر مبارک باد دی۔ اپنی سمجھ کے مطابق لین دین شروع کیا اور اس سفر میں مجھے بہت فائدہ ہوا۔ اب ہم جزیرے خرید و فروخت کرتے سندھ کے ملک میں پہنچے۔ وہاں بھی خوب خرید و فروخت کی۔ اس سمندر میں' میں نے اتنی زیادہ عجیب و غریب چیزیں دیکھیں جو گنتی سے باہر ہیں۔ منجملہ اور چیزوں کے میں نے ایک مچھلی دیکھی جو گائے کی طرح تھی۔ دوسری گدھے جیسی اور ایک چڑیا بھی نظر سے گزری جو سمندر کے سیپ میں سے نکل کر پانی کے اوپر انڈے دیتی' وہیں انہیں سیتی اور پانی سے خشکی پر کبھی نہیں آتی۔ پھر ہم خدا کے حکم سے روانہ ہو گئے' ہوا موافق تھی اور سفر خوشگوار۔ ہم بصرے پہنچ گئے' وہاں کچھ دنوں ٹھہر کر میں بغداد آیا اور اپنے گھر گیا۔ گھر والوں اور یار دوستوں کو سلام کیا اور اس بات پر بہت خوش ہوا کہ میں صحیح و سلامت اپنے ملک' اپنے شہر اور وطن واپس آ کر اپنے گھر والوں سے ملا' میں نے خیرات کی اور تحفے دیئے' غریبوں اور یتیموں کو پوشاکیں پہنائیں' دوست احباب کا اکٹھا کیا اور کھانے پینے اور ہنسی مذاق میں زندگی بسر کرنے لگا۔ میں اچھے سے اچھا کھاتا پیتا اور لوگوں سے ملتا جلتا' ساری تکلیفیں اور مصیبتیں اور جو جو کچھ مجھ پر گزری تھی سب بھول گیا۔ میں نے اس سفر میں اتنا کمایا کہ جس کا حد و حساب نہیں اور وہ چیزیں جو میں نے اس سفر میں دیکھیں سب سے زیادہ عجیب و غریب۔ اگر خدا نے چاہا تو کل جب تو آئے گا' میں اپنا چوتھا سفر بیان کروں گا۔ وہ ان تینوں سے زیادہ عجیب ہے۔

یہ کہہ کر سند باد بحری نے پھر اسے مثقال سونا دینے کا حکم دیا۔ جیسا کہ وہ روز کیا کرتا تھا اور دستر خوان بچھوایا۔ لوگ کھاتے جاتے اور اس قصے پر اچنبھا کرتے جاتے۔ عشاء کے بعد وہ سب چلتے ہوئے اور سند باد حمال بھی اس سونے کو لے کو جو اسے دیا گیا تھا' چلا گیا اور جو کچھ اس نے سند باد بحری سے سنا تھا اس پر بہت تعجب کیا۔ رات اپنے گھر میں گزاری۔ جب پوپھٹی اور اجالا ہوا تو سند باد حمال اٹھا اور فجر کی نماز پڑھ کر سند باد بحری کے ہاں چل کھڑا ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے سلام کیا۔ سند باد بحری خوش ہو کر اس سے ملا۔ اسے اپنے پاس بٹھایا اور جب اس کے باقی دوست آچکے تو کھانا لایا گیا۔ سب نے کھایا پیا' سند باد بحری خوش ہوا اور اس نے کہانی سنانی شروع کی۔

○ چوتھی کہانی

سند باد بحری نے کہا اے میرے دوستو سنو! میں بغداد کو لوٹا اور اپنے یار دوستوں اور اہل و عیال سے مل کر بڑے مزے اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگا' مجھے اتنا فائدہ ہوا تھا کہ میں اپنے آپ کو بھول گیا' لہو و لعب اور دوستوں کی صبحت میں رہنے اور نہایت عیش و عشرت سے دن گزارنے لگا کہ پھر میرے جی نے کہا کہ ملکوں کا سفر کرنا چاہیے۔ مجھے شوق پیدا ہوا کہ مختلف قسم کے لوگوں سے ملوں اور لین دین کرے کے کمائی کروں۔ آخر میں نے کمر باندھ لی' بحری سفر کے مناسب عمدہ عمدہ سامان خریدا اور پہلے سے زیادہ مال و سامان لے کر بغداد سے بصرے روانہ ہو گیا اور اسے ایک کشتی میں اتار کہ جس میں بصرے کے بڑے بڑے لوگ سوار تھے۔ ان کے ساتھ ہو لیا۔ ہم روانہ ہوئے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوتا ہے کہ کشتی ہمیں متلاطم اور موج زن سمندر کے بیچ میں لے گئی۔ ہمارا سفر بہت اچھا رہا' اسی حالت میں ہم دن رات جزیرے

جزیرے اور سمندر سمندر سفر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک دن مخالف ہوا چلنے لگی اور ناخدا نے اس ڈر سے کہ کہیں ہم گہرے پانی میں ڈوب نہ جائیں بیچ سمندر کے لنگر ڈال دیا۔ ہم اسی حالت میں تھے اور خدا سے دعا اور اس کے آگے گریہ و زاری کر رہے تھے کہ ایسا زبردست ہوا کا جھونکا آیا کہ بادبان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور سب لوگ مع اپنے اسباب اور مال و متاع کے سمندر میں جا پڑے۔ میں بھی ان کے ساتھ موجوں کے تھپیڑے کھانے لگا اور دوپہر تک کبھی ڈوبتا کبھی اچھلتا' جینے کی کوئی آس نہ رہی مگر خدا نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختہ مجھ تک پہنچا دیا اور میں اور چند اور تاجر اس پر سوار ہو گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• پانچ سو اکیاونویں رات

جب پانچ سو اکیاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب کشتی ڈوب گئی‘ سند باد بحری اور چند تاجر ایک تختے پر سوار ہو گئے۔ سند باد بحری کہتا ہے کہ ایک دن اور رات ہم اسی طرح تختے پر بیٹھے پانی میں پاؤں مارے جاتے تھے۔ موجیں اور ہوا موافق تھی۔ دوسرے روز جب کچھ دن چڑھے ہوا تیز ہوئی‘ سمندر چڑھاؤ پر آیا اور موجیں اٹھیں تو پانی ہمیں دھکیلتا ہوا ایک جزیرے میں لے گیا۔ بیداری‘ تکان‘ سردی‘ خوف اور بھوک پیاس کے مارے ہم بالکل مردہ ہو رہے تھے۔ جب ہم جزیرے پر پہنچے تو ہم نے اسے بہت سر سبز پایا۔ ہم نے وہاں تھوڑا سا کھایا تا کہ ہم زندہ رہ سکیں اور ہم قوت باقی رہے۔ رات ہم نے جزیرے ہی کے کنارے گزاری۔ جب پو پھٹی اور اجالا ہوا تو ہم اٹھ کر جزیرے میں ادھر ادھر گھومنے لگے۔ ہمیں دور سے ایک عمارت دکھائی دی۔ ہم اس عمارت کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ جو ہم نے دور سے دیکھی تھی۔ چلتے چلتے اس کے دروازے پر کھڑے ہوئے ہی تھے کہ اس میں چند ننگے آدمی نکلے اور بغیر کچھ کہے سنے وہ ہمیں پکڑ کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ اس نے ہم سے بیٹھنے کے لیے کہا‘ ہم بیٹھ گئے۔ اتنے میں کھانا لایا گیا مگر ہم اس قسم کے کھانے کو نہ تو جانتے تھے‘ نہ ایسا کھانا ہم نے اپنی زندگی میں کبھی دیکھا تھا۔ میری طبعیت نے گوارا نہ کیا کہ میں اسے کھاؤں۔ اس لیے میں نے کھایا نہیں مگر میرے ساتھیوں نے کھا لیا۔ میرا نہ کھانا خدا کی مہربانی تھی جس کی وجہ سے میں آج تک زندہ ہوں۔

اس کھانے کے کھاتے ہی میرے ساتھیوں کی عقل جاتی رہی۔ وہ پاگلوں کی طرح ہو گئے اور ان کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ اس کے بعد لوگوں نے ناریل کا تیل لا کر انہیں پلایا اور ان کے بدنوں سے چپڑا۔ تیل کے پیتے ہی میرے ساتھیوں کی آنکھیں بھینگی ہو

گئیں اور عادت سے زیادہ وہ اس کھانے کو کھانے لگے۔ مجھے اس پر تعجب ہوا۔ ان پر افسوس کرنے لگا اور ان ننگوں کو دیکھ کر مجھے خود اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ غور کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ وہ آتش پرست ہیں اور ان کا بادشاہ بھوت ہے جو کوئی بھی ان کے ملک میں آتا ہے یا جس کسی کو وہ دیکھتے ہیں یا اس گھاٹی اور ان راستوں میں اس سے ملاقات ہوتی ہے تو وہ اسے اپنے بادشاہ کے پاس لا کر یہی کھانا کھلاتے ہیں اور یہی تیل اس کے چپڑتے ہیں جس کی وجہ سے اس کا پیٹ بڑھ جاتا ہے۔ پھر وہ اسے وہی کھانا اور تیل اور زیادہ کھلاتے پلاتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ موٹا تازہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اسے ذبح کر کے اپنے بادشاہ کو کھلاتے ہیں۔ اس بادشاہ کے ساتھی بھی انسان کا گوشت بھی کھاتے تھے مگر نہ اسے بھونتے نہ پکاتے۔ ان کی حرکتوں سے میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے متعلق بڑا پریشان ہوا۔ ان کی یہ حالت تھی کہ عقل کے زائل ہونے کی وجہ سے انہیں اس کی خبر تک نہ تھی ان کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ وہ ایک شخص کے سپرد کر دیئے گئے تھے جو انہیں روز جزیرے میں لے جا کر جانوروں کی طرح چراتا تھا۔ میری یہ حالت تھی میں مارے ڈر اور بھوک کے کمزور اور بیمار پڑ گیا گوشت سوکھ گیا اور ہڈیاں نکل آئیں۔ یہ حالت دیکھ کر انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور بھول گئے۔ کسی کو میری یاد تک نہ آئی نہ میرا خیال رہا یہاں تک کہ میں ایک زور انہیں دھوکا دے کر وہاں سے نکل بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے بہت دور پہنچ گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک چرواہا بیچ سمندر میں کسی اونچی چیز پر بیٹھا ہوا ہے۔ غور سے دیکھنے پر مجھے معلوم ہوا کہ یہ وہی شخص ہے جسے میرے ساتھی چرانے کے لیے سپرد کیے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ویسے ہی اور بھی بہت سے لوگ ہیں۔ اس شخص نے مجھے دیکھا تو اس نے جان لیا کہ میری عقل ابھی تک زائل نہیں ہوئی اور میری وہ حالت نہیں جو میرے ساتھیوں کی ہے۔ اس نے دور سے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ پیچھے لوٹ اور اس راستے پر جا جو تیرے دہنی طرف ہے' وہاں سے تو شاہراہ پر پہنچ جائے

گا۔ اس کے اشارے کے مطابق میں پیچھے لوٹ پڑا اور دائیں ہاتھ والے راستے پر چل دیا اور برابر چلتا رہا۔ کبھی تو میں مارے ڈر کے تیز تیز چلتا' کبھی آہستہ آہستہ یہاں تک کہ میں اس شخص کی نگاہ سے غائب ہو گیا جس نے مجھے راستہ بتایا تھا۔ اب مجھے اطمینان ہوا کیونکہ نہ وہ مجھے دیکھ سکتا تھا اور نہ میں اس کو۔ اتنے میں سورج ڈوبا اور اندھیرا چھانے لگا۔ میں بیٹھ کر ستانے لگا اور چاہتا تھا کہ سو جاؤں مگر مارے ڈر' بھوک اور تکان کے نیند نہیں آتی تھی۔

جب آدھی رات ہوئی تو میں نے اٹھ کر جزیرے میں گھومنا شروع کیا۔ اتنے میں دن نکل آیا' سویرا ہوا اور روشنی پھیلنے لگی۔ پہاڑیوں اور گھاٹیوں پر سورج چمکا چونکہ میں تھکا ماندہ اور بھوکا پیاسا تھا۔ میں نے گھاس پات کھا کر اپنا پیٹ بھرا۔ اللہ کا شکر ہے کہ میری جان بچ گئی۔ اس کے بعد میں اٹھ کر پھر جزیرے میں ایک طرف روانہ ہوا اور دن رات برابر چلتا رہا۔ جب بھوک لگتی تو گھاس پات کھا لیتا۔ اس طرح سے میں سات دن سات رات برابر چلا گیا' آٹھواں دن ہوا مجھے دور سے کوئی چیز دکھائی دی۔ میں اس کی طرف چل پڑا۔ سورج ڈوبنے کے بعد وہاں پہنچا اوراسے دور سے غور کے ساتھ دیکھا کیونکہ بار بار تکلیفیں اٹھاتے اٹھاتے مجھے اب ڈر لگنے لگا' مجھے معلوم ہوا کہ وہاں چند لوگ کالی مرچیں جمع کر رہے ہیں۔ میں ان کے قریب گیا اور ان کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ دوڑ کر میرے پاس آئے۔ میرے ارد گرد جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اے لوگو! میں ایک مسکین شخص ہوں۔ یہ کہہ کہ میں اپنا سارا ماجرا اور جو جو تکلیفیں اور مصیبتیں مجھ پر گزری تھی کہہ سنائیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو باونویں رات

پانچ سو باونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب سند باد بحری نے ان سے اپنا سارا حال کہا تو وہ بولے واللہ یہ عجیب واقعہ ہے لیکن یہ تو بتا کہ تو ان مردم خواروں سے بچ کر اور ان سے بھاگ کر اس جزیرے میں کیسے پہنچا' ان کا تو شمار نہیں؟ وہ تو آدمیوں کو کچا کھا جاتے ہیں۔ ان سے نہ کوئی بچتا ہے اور نہ وہاں سے نکل سکتا ہے۔ میں نے اپنی ساری کہانی انہیں سنا دی اور ان سے کہا کہ انہوں نے میرے ساتھیوں کو کس طرح کھانا کھلایا مگر میں نے اس میں سے کچھ نہیں کھایا۔ انہوں نے میری سلامتی پر مجھے مبارک باد دی' میری سرگزشت پر سخت تعجب کیا اور مجھے اپنے ساتھ بٹھایا اور جب وہ اپنے کام سے فارغ ہو چکے تو میرے لیے بہت عمدہ کھانا لائے۔ میں بھوکا تو تھا ہی میں نے خوب کھایا اور ان کے پاس بیٹھ کر آرام کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مجھے لے کر ایک کشتی میں سوار ہوئے اور اپنے جزیرے اور وطن میں پہنچ کر انہوں نے مجھے اپنے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے مجھے مرحبا کہا' میری عزت کی اور میرا حال پوچھا۔ میں نے اسے بھی اپنا سارا کچا چٹھا سنایا جو مجھے بغداد سے نکلنے کے بعد سے اس کی خدمت میں پہنچنے تک پیش آیا تھا۔ میری کہانی سن کر اسے بھی بڑا اچنبھا ہوا اور ان لوگوں کو بھی جو اس کی مجلس میں حاضر تھے اور اس نے مجھ سے کہا کہ بیٹھ جا' میں بیٹھ گیا۔ اس نے کھانا منگوایا' لوگ کھانا لے آئے' میں نے پیٹ بھر کر کھایا اور ہاتھ دھو کر خدا کی مہربانی کی' شکریہ ادا کیا اور اس کی تعریف کی۔ بعد ازاں میں بادشاہ کے پاس سے اٹھ کر شہر کی سیر کرنے گیا۔ دیکھا کہ وہ آباد ہے۔ اس میں بہت سا مال' کھانے پینے کی چیزیں ہیں اور بازار میں لوگ خرید و فروخت کر رہے تھے۔ اس شہر میں پہنچ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اور میرے دل کو اطمینان ہوا اور میں وہاں کے لوگوں سے بہت مانوس

ہو گیا اور وہ ان کا بادشاہ دونوں اپنے ملک کے بڑے لوگوں سے بھی بڑھ کر میری آؤ بھگت کرنے لگے۔
میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ چھوٹے ہوں یا بڑے نہایت عمدہ اور خوبصورت گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں مگر زین نہیں رکھتے۔ اس پر مجھے بڑا اچنبھا ہوا۔ میں نے ان کے بادشاہ سے کہا کہ اے میرے مولیٰ تو زین لگا کر کیوں سواری نہیں کرتا؟ اس سے سوار کو آرام ملتا ہے۔ اور طاقت بڑھتی ہے۔ اس نے پوچھا کہ زین کیسا ہوتا ہے؟ اس پر سوار ہونا تو درکنار ہم نے اسے زندگی بھر دیکھا تک نہیں۔ میں نے کہا کہ اجازت ہو تو میں تیرے لیے ایک زین بناؤں اور تو اس پر بیٹھ کر دیکھ کر کتنا لطف آتا ہے۔
وہ بولا کہ بنا۔ میں نے کہا کہ مجھے تھوڑی سی لکڑی منگوا دے' اس نے میری خواہش کے مطابق لکڑی منگوا دی۔ اب میں نے ایک کاریگر بڑھئی کو بلوایا اور اس کے پاس بیٹھ کر اسے زین بنانا سکھایا۔ پھر اون لے کر اسے رنگا' اس کا نمدہ بنایا چمڑا منگوا کر زین پر چڑھایا اور اسے جلا دے کر چمکایا۔ اس کے بعد میں نے لوہار کو بلوایا اور اسے رکابیں بنانے کی ترکیب بتائی۔ اس نے لوہے کو ہتھوڑے سے کوٹ کر رکابیں بنائیں۔ میں نے انہیں پانی میں بجھا کر اس پر سفید رنگ چڑھایا اور اس میں ریشم کے پھندنے لگائے۔ پھر میں جا کر بادشاہ کے عمدہ گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا لایا۔ اس پر زین لگا کر رکابیں باندھیں اور لگام دے کر گھوڑے کو بادشاہ کے پاس لے کر جا کھڑا کیا۔
وہ اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اسے بہت پسند آیا۔ میرا شکریہ ادا کیا اور اس پر سوار ہوا۔ زین پر بیٹھ کر اسے بڑا لطف آیا اور اس کے بنانے کے بدلے اس نے مجھے بہت کچھ انعام میں دیا۔
جب وزیر نے دیکھا کہ میں نے یہ زین بنایا ہے تو اس نے مجھ کو ایک اور زین بنانے کے لیے کہا۔ میں نے ویسا ہی زین اس کے لیے بھی بنا دیا۔ اب تو ملک کے تمام بڑے لوگ اور منصب دار مجھ سے زینوں کی فرمائشیں کرنے لگے اور میں بنا بنا کر انہیں دینے لگا۔ بڑھئی کو زین بنانا اور لوہار کو رکابیں بنانی سکھا دیں اور ہم زینیں اور رکابیں بنا بنا کر امیروں اور سرداروں کے ہاتھ بیچنے لگے۔ اس طرح میں نے بہت دولت جمع کر لی

اور وہ مجھے بڑا آدمی سمجھنے لگے ہر جگہ میری بہت زیادہ آؤ بھگت ہونے لگی۔ بادشاہ اس کے درباریوں' شہر اور ملک کے رئیسوں میں میرا درجہ بہت اونچا ہو گیا۔ ایک روز جب کہ میں بادشاہ کے دربار میں بڑی خوشی اور عزت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ بادشاہ نے مجھ سے کہا اے فلاں' میری بات سن۔ تجھے ہمارے ہاں بڑی عزت حاصل ہو گئی ہے اور تو ہمارا اپنا ہو گیا ہے۔ اب ہم تیری جدائی گوارا نہیں کر سکتے' نہ تجھے اس شہر سے جانا دیکھ سکتے ہیں میں تجھ سے ایک بات کی خواہش رکھتا ہوں بشرطیکہ تو اسے مان لے اور میرے کہنے کو نہ ٹالے۔ میں نے کہا اے بادشاہ! تو جو چاہتا ہے کہہ' میں تیری بات ہرگز نہ ٹالوں گا کیونکہ تو نے میرے ساتھ نیکی' مجھ پر احسان اور مہربانی کی ہے۔ میں خدا کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ میرا شمار نوکروں میں ہے۔ اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تیری شادی یہاں کسی خوبرو اور حسین لڑکی سے کر دوں جو خوبصورت ہونے کے علاوہ مال دار بھی ہو تاکہ تو یہیں رہ پڑے اور میں تجھے اپنے محل میں اپنے ساتھ رکھوں۔ دیکھ میری مخالفت نہ کیجیو۔ نہ میری بات ٹالیو۔ بادشاہ کی یہ باتیں سن کر میں مارے شرم کے سرخ ہو گیا اور اسے کچھ جواب نہ دیا۔ اس نے کہا بیٹا' تو جواب کیوں نہیں دیتا؟ میں نے عرض کیا کہ اے میرے آقا' اے جہاں پناہ! تیرا جیسا حکم۔ اس نے فوراً قاضی اور گواہوں کو بلوا بھیجا اور میرا نکاح ایک شریف زادی سے کر دیا جو عالی نسب' مالدار' بڑے گھرانے والی' حسین و جمیل مکانوں' جائیدادوں اور جاگیروں کی مالک تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو ترپنویں رات

پانچ سو ترپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... سند باد بحری نے بیان کیا کہ جب بادشاہ نے میری شادی ایک بڑی امیر زادی سے کر دی تو اس نے ایک بڑا اور خوبصورت مکان ہمارے رہنے کے لیے دیا' بہت سے نوکر چاکر دیئے' میرا روزینہ اور ماہانہ مقرر ہو گیا اور میں بڑے آرام اور عیش و عشرت سے زندگی گزارنے لگا۔ تمام تکلیفیں اور مصیبتیں خواب و خیال ہو گئیں۔ اپنے دل میں کہتا کہ جب میں اپنے وطن جاؤں گا تو یہ بھی میرے ساتھ ہو گی مگر جو کچھ انسان کے لیے خدا نے لکھ دیا وہ ہو کر رہتا ہے۔ کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اس پر کیا گزرنے والی ہے۔ ہمارے دن بڑے مزے سے گزر رہے تھے میں ابھی اسے بہت چاہتا تھا۔ وہ بھی مجھے بہت چاہتی تھی۔ ہم دونوں میں بڑا سلوک تھا۔

اس کے بہت دنوں کے بعد اتفاق کی بات خدا کے حکم سے میرے پڑوسی کی بیوی فوت ہو گئی جو میرا دوست تھا' میں اس کی بیوی کی تعزیت کے لیے اس کے پاس گیا' دیکھا کہ اس کی بڑی بری حالت ہے۔ وہ بہت غمزدہ اور پریشان ہے۔ میں نے تعزیت کی' اسے تسلی دی۔ اس سے کہا کہ بیوی کے لیے اتنا غمگین نہ ہو' خدا تجھے اس سے بہتر عطا کرے گا اور تیری عمر میں برکت دے گا انشاء اللہ۔ یہ سن کر وہ زار زور رونے لگا۔ بولا اے میرے دوست! میری زندگی میں ایک ہی دن تو باقی رہا ہے۔ اس میں کس طرح دوسری سے شادی کر سکوں گا اور مجھے خدا کون سی بہتر چیز دے سکتا ہے! میں نے کہا بھائی مرنے کی بد شگونی نہ کر' تو تو بالکل ہٹا کٹا ہے۔ وہ کہنے لگا اے دوست تیری جان کی قسم کل تو مجھے نہ پائے گا اور پھر عمر بھر کبھی نہ دیکھ سکے گا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیسے؟ اس نے کہا آج لوگ جب لوگ میری بیوی کو دفن کریں گے مجھے بھی اس کے ساتھ زندہ درگور ہونا پڑے گا۔ ہمارے ملک میں یہی دستور

ہے کہ اگر بیوی مر جاتی ہے تو اس کے شوہر کو اس کے ساتھ زندہ دفن کر دیتے ہیں اور اگر شوہر مر جاتا ہے تو اس کی بیوی ان کے ساتھ زندہ دفن ہوتی ہے تاکہ کوئی بھی اپنے ساتھی کے مرنے کے بعد زندگی کا لطف نہ اٹھا سکے۔ میں نے کہا کہ خدا کی قسم یہ بہت برا دستور ہے۔ کیا کوئی اسے توڑ سکتا ہے؟

ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ شہر والوں کی ایک بڑی جماعت آ پہنچی اور لوگ اس کی اور اس کی بیوی کی تعزیت کرنے لگے اور اپنے دستور کے مطابق اس عورت کی تجہیز و تکفین شروع کر دی اور ایک تابوت لا کر اس میں اسے رکھا اور اس مرد کو بھی اس کے ساتھ لے چلے۔ شہر کے باہر پہنچ کر سمندر کے قریب پہاڑ کے پاس آئے اور آگے بڑھ کر ایک بڑا پتھر اٹھایا جو ایک جگہ پڑا ہوا تھا۔ اس کے نیچے کنوئیں کے گھیرے کی طرح ایک غار دکھائی دیا۔ انہوں نے اس عورت کی لاش کو اس میں ڈال دیا۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک بہت بڑا اندھا کنواں ہے جو پہاڑ کے نیچے ہے۔ اس کے بعد لوگ مرد کو لائے اور سینے کے نیچے رسی باندھ کر اسے کنوئیں میں اتار دیا اور اس کے ساتھ ایک بڑا کوزہ میٹھے پانی کا اور سات روٹیاں بھی اتار دیں۔ جب وہ کنوئیں میں اتر گیا تو اس نے اپنے بدن سے رسی کھول دی۔ لوگوں نے رسی کو اوپر کھینچ کر اسی بڑے پتھر سے کنوئیں کا منہ بند کر دیا۔ وہ پہلے کی طرح ہو گیا اور میرے دوست کو اس کی بیوی کے پاس کنوئیں میں چھوڑ کر چل دیئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا واللہ یہ موت تو پہلی موتوں سے بھی زیادہ کٹھن ہے اور ان کے بادشاہ کے پاس آ کر میں نے کہا اے میرے آقا! تمہارے ملک کا یہ کیا دستور ہے کہ مردے کے ساتھ زندہ بھی دفن کر دیا جاتا ہے؟ وہ بولا ہمارے ملک کا یہی دستور ہے کہ اگر کوئی مر جاتا ہے تو ہم اس کے ساتھ اس کی بیوی کو بھی زندہ گاڑ دیتے ہیں اور اسی طرح اگر کوئی عورت مر جاتی تو ہم اس کے شوہر کو زندہ درگور کر دیتے ہیں تاکہ جس طرح وہ زندگی میں ساتھ تھے مرنے کے بعد بھی ساتھ رہیں۔ یہ دستور ہمارے باپ دادا کے وقت سے

چلا آتا ہے۔ میں نے کہا جہاں پناہ! مجھ سے پردیسی کی بھی تم یہی گت بناؤ گے اگر میری بیوی یہاں مر جائے تو میرا بھی کیا یہی حشر ہو گا جو اس شخص کا ہوا؟ اس نے کہا' ہاں ہم تجھے بھی اس کے ساتھ دفن کر دیں گے اور تیرے ساتھ بھی یہی کارروائی کریں گے جو تو نے دیکھی ہے۔

بادشاہ کی یہ باتیں سن کر مارے رنج و الم کے میرا کلیجہ پھٹنے لگا۔ میرے ہوش اڑ گئے اور مجھے بڑا خوف آیا کہ اگر میری بیوی مجھ سے پہلے مر گئی تو وہ مجھے بھی اس کے ساتھ زندہ گاڑ دیں گے۔ اس کے بعد میں اپنے دل کو سمجھانے لگا کہ ممکن ہے میں اس سے پہلے مر جاؤں اگرچہ کسی کو یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ پہلے کون مرے گا اور پیچھے کون؟ پھر میں ادھر ادھر کی باتوں میں اپنا دل بہلاتا رہا۔ کچھ دن ہی گزرے ہوں گے کہ میری بیوی بیمار پڑی اور چند روزہ بیمار رہ کر وہ مر گئی۔ بہت لوگ میری اور اس کے گھر والوں کی تعزیت کے لیے آئے اور دستور کے موافق بادشاہ بھی میرے پاس تعزیت کے لیے آیا۔ اس کے بعد لوگ ایک مردہ شو کو لائے' اسے نہلا کر اسے بہترین کپڑے' زیور' ہار اور جواہرات پہنائے۔ یہ تمام چیزیں پہنا کر انہوں نے میری بیوی کو تابوت میں رکھا اور لے کر اس پہاڑ کے پاس پہنچے' کنوئیں کے منہ پر سے پتھر اٹھایا اور اسے اس میں ڈال دیا۔ اب میرے دوست اور سسرال والے آ کر مجھ سے رخصت ہوئے۔ میں چلانے لگا کی میں پردیسی ہوں تمہارے دستور کی پیروی نہیں کر سکتا۔ وہ میری باتیں سنتے مگر کچھ توجہ نہ کرتے۔ انہوں نے مجھے زبردستی پکڑ کر باندھا اور سات روٹیاں اور ایک میٹھے پانی کے کوزے کے ساتھ اپنے دستور کے موافق مجھے کنوئیں میں اتار دیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ پہاڑ کے نیچے ایک بہت بڑا غار ہے۔ انہوں نے کہا کہ اپنے بدن سے رسی کھول دے مگر میں نے اسے منظور نہ کیا اور انہوں نے رسی میرے اوپر پھینک کر اس بڑے پتھر سے کنوئیں کا منہ بند کر دیا اور چلتے ہوئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو چونویں رات

جب پانچ سو چونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب وہ غار کا دروازہ بند کر کے اور سند باد بحری کو اس کی مردہ بیوی کے پاس چھوڑ کر چلتے ہوئے تو اس کا بیان ہے کہ میں نے اس غار میں بہت سی لاشیں دیکھیں۔ جن میں سے سخت بد بو آ رہی تھی' میں اپنے کیئے پر ملامت کرنے لگا' میں نے دل میں کہا کہ جو کچھ میرے ساتھ پیش آئے یا مجھ پر گزرے' میں اسی کے لائق ہوں۔ وہاں مجھے دن رات میں فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ میں بہت تھوڑا تھوڑا کھاتا' جب تک بھوک سے پریشان نہ ہو جاتا ٹکڑا نہ توڑتا اور جب تک سخت پیاس نہ لگتی پانی نہ پیتا کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں کھانا پانی ختم نہ ہو جائے۔ میں لاحول.... پڑھتا اور کہتا کہ اس شہر میں شادی کر کے تو میں بلا میں پھنس گیا' جب کبھی میں نے یہ کہا ہے کہ اب میں مصیبت سے چھوٹ گیا ہوں تو اسے سے بڑی مصیبت میں گرفتار ہونا پڑا۔ واللہ میری یہ موت بڑی مردود موت ہے' کاش میں سمندر میں ڈوب گیا ہوتا یا پہاڑ سے گر کر جان دے دی ہوتی! اس بے ہودہ موت سے تو وہی بہتر تھا۔ اسی طرح میں اپنے آپ کو لعنت ملامت کرتا' مردوں کی ہڈیوں پر خدا سے مدد مانگتا اور موت کی تمنا کرتا لیکن میں کچھ ایسی مصیبت میں پھنس گیا تھا کہ موت بھی نہیں آتی تھی۔ اب میری یہ حالت ہوئی کہ بھوک سے کلیجا کھرچنے لگا' پیاس میرے سینے میں آگ لگ گئی اور میں نے بیٹھ کر روٹیوں کو ٹٹولا' ان میں سے کچھ کھایا اور اوپر سے چند گھونٹ پانی کے پئے اور پھر اٹھ کر غار میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ دیکھا کہ وہ بہت بڑا غار ہے۔ اور وہاں بہت سی لاشیں اور سڑی گلی ہڈیاں پڑی ہوئی ہیں جو ایک زمانے سے وہاں ڈالی جا رہی ہیں۔ اب میں نے تازی لاشوں سے دور غار کے ایک کونے میں اپنے لیے ایک جگہ بنائی' وہیں سویا کرتا۔ مجھے دو چار ہی دن کے بعد معلوم ہوا کہ میرے کھانے پینے کا سامان

بہت کم ہو گیا ہے اور اب وہ بھی ختم ہونے والا ہے اسی لیے میں دن بھر میں کیا دو دو تین تین وقت میں نہ ایک نوالے کے سوا نہ ایک گھونٹ سے زیادہ پانی پیتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرنے سے پہلے ہی کھانے پینے کا سامان ختم ہو جائے۔

ایک روز میں اس سوچ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اگر میرا کھانا پانی ختم ہو گیا تو میں کیا کروں گا۔ اتنے میں پتھر اپنی جگہ سے ہٹا اور غار میں اجالا ہوا میں نے اپنے دل میں کہا ہی تھا کہ دیکھنا چاہیے اب کیا ہوتا ہے جو میں نے دیکھا کہ لوگ کنوئیں کے منہ پر کھڑے ایک مرد کی لاش نیچے اتار رہے ہیں۔ عورت کے ساتھ انہوں نے بہت سا کھانا پینا اتارا۔ میں اس عورت کو دیکھ رہا تھا لیکن وہ مجھے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ جب لوگ کنوئیں کا منہ پتھر سے بند کر کے چلتے ہوئے تو میں اٹھا' اپنے ہاتھ میں مردے کی ایک بڑی ہڈی لی اور اس کے قریب آ کر اس کی کھوپڑی پر اس زور سے ماری کہ وہ بے ہوش کر گر پڑی۔ پھر دوسری بار اور تیسری بار مارے ہی گیا یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ میں نے اس کا کھانا اور جو کچھ اس کے پاس تھا لے لیا اور دیکھا کہ وہ بہت سے زیور' کپڑے اور ہیرے اور جواہرات پہنے ہوئے ہے۔ اس کا کھانا پانی لے کر میں اس جگہ جا بیٹھا جو میں غار کے کنارے اپنے لیے بنائی تھی تاکہ وہاں آرام کروں۔ اس کھانے پینے میں سے اتنا خرچ کرتا جس کی مجھے زندہ رہنے کے لیے ضرورت ہوتی اس ڈر سے کہ وہ جلد ختم ہو جائے اور میں بھوک پیاس سے نہ مر جاؤں۔ میں اس غار میں مدت تک رہا اور جب کبھی وہاں کوئی دفن کیا جاتا تو اس کے زندہ ساتھی کو میں قتل کر کے اس کا کھانا پینا لے کر اپنے خرچ میں لاتا۔

ایک روز میں سو رہا تھا کہ میری آنکھ یک بہ یک کھل گئی۔ مجھے غار کے کنارے کھڑکھڑاہٹ سی محسوس ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آخر یہ کیا چیز ہو سکتی ہے! میں اٹھا اور ایک مردے کی ہڈی لے کر اس کی طرح بڑھا۔ جب اس چیز نے مجھے آتے دیکھا تو وہ بھاگ کر مجھ سے دور جا پہنچی۔ میں نے دیکھا کہ وہ کوئی وحشی جانور

ہے۔ میں نے غار کے آخر تک اس کا پیچھا کیا۔ وہاں مجھے ایک چھوٹی سی جگہ میں تارے جیسا چمکتا ہوا اجالا نظر آیا جو کبھی دکھائی دیتا اور کبھی چھپ جاتا۔ میں اس کی طرف اور بڑھتا۔ جتنا قریب ہوتا جاتا اتنا زیادہ اجالا دکھائی دیتا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ غار میں کوئی سوراخ ہے جو باہر کی طرف نکلتا ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ یا تو اس غار کا اس منہ کے علاوہ جس میں سے اتارا گیا ہوں' کوئی اور منہ بھی ہے یا جگہ ٹوٹی ہوئی ہے۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد میں اجالے کی طرف چل کھڑا ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ جانوروں نے پہاڑ کے پیچھے سے سرنگ لگائی ہوئی ہے جس میں سے وہ اس جگہ آتے ہیں اور پیٹ بھر کھانے کے بعد اسی سرنگ سے واپس نکل جاتے ہیں۔ یہ معلوم کر کے میری جان میں جان آئی' میرے دل کو تسکین ہوئی اور مرنے کا یقین جینے کے یقین میں بدل گیا۔ مجھے ایسا تصور بندھا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں اور اب میں کوشش کر کے اس سرنگ سے نکلا تو اپنے آپ کو ایک بڑے پہاڑ پر پایا جو دو سمندروں کے درمیان واقع تھا۔ جس کے ایک طرف شہر اور دوسری طرف جزیرہ تھا اور کسی شخص کی وہاں تک پہنچ نہ ہو سکتی تھی۔ میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ بہت خوش ہوا اور میرے دل میں طاقت آ گئی۔ میں سرنگ میں سے ہو کر پھر اس غار میں گیا اور کھانے پینے کی جو چیزیں میں نے وہاں جمع کر رکھی تھیں' لیں' مردوں کے بہت اچھے اچھے کپڑے' لیے' کچھ پہنے باقی گٹھری باندھی اور طرح طرح کے ہار جواہرات' موتیوں کی لڑیاں' سونے اور چاندی کے زیور جن میں قسم قسم کے ہیرے جڑے ہوئے تھے انہیں مردوں کے جسم سے اتار کر اپنے اور مردوں کے کپڑوں میں باندھا اور اس سرنگ میں سے نکل کر پہاڑ کے اوپر آ گیا۔ اور سمندر کے کنارے رہنے لگا۔ ہر روز میں غار میں آتا جاتا اور جو کوئی اس میں دفن کیا جاتا اسے مار ڈالتا خواہ وہ مرد ہوتا یا عورت اور سمندر کے کنارے آ بیٹھتا تاکہ شاید خدا کے فضل سے کوئی کشتی ادھر آ نکلے اور میرے چھٹکارے کا باعث ہو۔ ہر روز میں یہی کرتا جتنا زیور وغیرہ مجھے غار میں دکھائی

دیتا اسے لا کر مردوں کے کپڑوں میں باندھ لیتا۔ ایک مدت تک میری یہی حالت رہی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے

اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو پچپنویں رات

جب پانچ سو پچپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... سند باد بحری کو جو زیور وغیرہ اس غار سے ملتا اسے وہ وہاں سے لے آتا۔ اس طرح وہ ایک زمانے تک سمندر کے کنارے رہتا رہا۔ اس کا بیان ہے کہ ایک دن میں سمندر کے کنارے بیٹھا ہوا اپنی حالت پر غور کر رہا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ متلاطم سمندر کے بیچ میں ایک کشتی جا رہی ہے۔ میں نے مردوں کے کپڑوں میں سے ایک سفید کپڑا لے کر ایک لکڑی پر باندھا' گویا جھنڈی بنائی اور اسے لے کر سمندر کے کنارے کی طرف دوڑا اور ہلا ہلا کر اشارے کرنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ میری طرف متوجہ ہوئے' انہوں نے دیکھ لیا کہ میں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوں۔ جب وہ میری طرف بڑھے اور انہوں نے میری آواز سنی تو ایک ناؤ میری طرف بھیجی جس میں کشتی کے کئی آدمی سوار تھے۔ وہ لوگ میرے قریب پہنچے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تو کون ہے اور یہاں کیوں بیٹھا ہوا ہے اور اس پہاڑ پر کیسے پہنچا؟ ہم نے آج تک کسی کو یہاں آتے نہیں دیکھا۔ میں نے جواب دیا کہ میں ایک تاجر ہوں' جس کشتی میں' میں سوار تھا وہ ڈوب گئی اور میں اپنا سامان لے کر ایک تختے پر بیٹھ گیا۔ خدا کی مہربانی تھی کہ میں بڑی دشواری اور مصیبت اٹھانے کے بعد اپنا سامان لے کر آخر اس جگہ پہنچ گیا۔

یہ سن کر انہوں نے مجھے ناؤ میں بٹھا لیا جو جو چیزیں میں نے اس غار میں سے نکال کر کپڑوں اور کفنوں سے باندھ رکھی تھیں' انہیں بھی رکھ لیا اور اپنی کشتی پر پہنچ کر مجھے مع تمام سامان کے ناخدا کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا اے شخص تو اس جگہ کیسے پہنچا؟ یہ تو ایک بہت بڑا پہاڑ ہے اور اس کے پیچھے ایک بہت بڑا شہر آباد ہے۔ میں نے ساری عمر اس سمندر کا سفر کیا ہے اور اس پہاڑ کے پاس سے گزرا ہوں لیکن سوائے وحشی جانوروں اور پرندوں کے یہاں کچھ نہیں دیکھا۔ میں نے کہا میں

ایک تاجر ہوں۔ ایک کشتی میں سفر کر رہا تھا وہ ٹوٹ گئی۔ میرا سارا اسباب ان کپڑوں کے سوا جو تم دیکھ رہے ہو ڈوب گیا ہے۔ یہ جو کچھ بچا میں نے کشتی کے ایک بڑے

تختے پر رکھ لیا اور خوش قسمتی سے میں اس پہاڑ پر آ نکلا اور اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ کوئی ادھر سے گزرے تو مجھے اپنے ساتھ لے لے۔ میں نے ان سے شہر اور غار کی باتیں بالکل نہ کیں کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ اس کشتی میں اس شہر کا کوئی رہنے والا نہ ہو۔ اب میں نے اپنے سامان میں سے بہت سا مال نکال کر کشتی کے مالک سے کہا کہ اے میرے آقا! تیری وجہ سے میں نے اس پہاڑ سے چھٹکارا پایا ہے لہٰذا اپنی مہربانی کے بدلے جو تو نے کی اسے قبول کر مگر اس نے قبول نہ کیا اور کہنے لگا ہم کسی سے کوئی چیز نہیں لیتے اور جب سمندر کے کنارے یا کسی جزیرے میں کسی بھولے بھٹکے کو دیکھتے ہیں تو اسے اپنے ساتھ سوار کر لیتے ہیں' اسے کھانا پینا دیتے ہیں اگر وہ ننگا ہوتا ہے تو پہننے کے لیے اسے کپڑے بھی دیتے ہیں اور جب سلامتی کے ساتھ ہم بندرگاہ میں پہنچ جاتے ہیں تو اپنے پاس سے اسے کچھ نہ کچھ بطور ہدیئے کے دینے سے نہیں چوکتے' محض خدا کے لیے اس سے بھلائی کرتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے اسے دعا دی کہ خدا تیری عمر زیادہ کرے۔

اب ہم جزیرے جزیرے اور سمندر سمندر سفر کرتے رہے۔ میں نجات کی دعا مانگتا اور اپنی سلامتی پر خوش ہوتا مگر جب مجھے اپنی بیوی کے ساتھ غار میں بیٹھنا یاد آتا تو میرے ہوش جاتے رہتے۔ خدا خدا کر کے ہم سلامتی کے ساتھ بصرے پہنچے۔ میں وہاں اتر کر کچھ دنوں ٹھہرا۔ پھر بصرے روانہ ہو گیا اور اپنے گھر میں داخل ہوا' گھر والوں اور یار دوستوں سے ملا' ان کی مزاج پرسی کی۔ وہ میری سلامتی پر خوش ہوئے اور مجھے مبارک باد دی۔ جو مال و اسباب میرے ساتھ تھا' وہ میں نے اپنے گوداموں میں رکھوایا' خیرات کی' تحفے دیئے' یتیموں' غریبوں کو کپڑے پہنائے اور بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر ہونے لگی۔ اور پہلے سے بھی زیادہ دوستوں کے ساتھ دوستی کے سلوک کئے اور اٹھنے بیٹھنے اور کھیل کود میں مشغول ہوا۔

یہ ہیں وہ عجیب و غریب باتیں جو میں نے چوتھے سفر میں دیکھیں۔ اب اے میرے دوست میرے ساتھ رات کا کھانا کھا اور جو تو ہر روز لیتا ہے اسے لے۔ کل جب تو آئے گا تو میں پانچویں سفر کی کہانی سناؤں گا' وہ ان سب کہانیوں سے زیادہ عجیب و غریب ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے سو مثقال سونا دینے کا حکم دیا اور دسترخوان بچھایا' لوگ رات کا کھانا کھا کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ ہر شخص اچنبھے میں تھا کیوں کہ ہر کہانی پہلی سے بڑھ چڑھ کر حیرت میں ڈالنے والی تھی۔ سند باد حمال بھی سخت متعجب ہو کر اپنے گھر پہنچا اور بڑی خوشی اور آرام کے ساتھ سو گیا۔ جب پو پھٹی اور اجالا پھیلا تو سند باد بری نے اٹھ کر فجر کی نماز پڑھی اور سند باد بحری کے گھر چل کھڑا ہوا۔ وہاں پہنچ کر اسے صبح بخیر کہا۔ سند باد بحری نے اس کا مزاج پوچھا اور اپنے پاس بٹھایا۔ جب اس کے باقی دوست آ گئے تو سب نے مل کر کھایا پیا مزے اڑائے' خوش ہوئے اور باتیں چیتیں ہونے لگیں۔ پھر سند باد بحری نے اپنی کہانی شروع کی۔

شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو چھپن ویں رات

جب پانچ سو چھپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... سند باد بحری نے اپنا قصہ اور جو کچھ اس کے ساتھ پیش آیا تھا' بیان کرنا شروع کیا۔

○ پانچویں کہانی

اے میرے بھائیو' جب میں چوتھے سفر سے لوٹا اور کھیل کود' ہنسی مذاق میں زندگی بسر کرنے لگا' اپنی کمائی اور فائدے پر اتنا خوش تھا کہ ساری تکلیفیں' مصیبتیں بھول گیا تو پھر میرا جی چاہا کہ سفر کر کے ملکوں اور جزیروں کی سیر کروں۔ میں نے اس کا پکا ارادہ کر لیا' سمندر کے سفر کے لیے مناسب عمدہ عمدہ چیزیں خریدیں اور ان کے گٹھے باندھ کر بغداد سے بصرے روانہ ہو گیا۔ سمندر کے کنارے پہنچ کر ایک بڑی' خوبصورت اور شاندار کشتی پر میری نظر پڑی' میں نے خوش ہو کر اسے خرید لیا' اس کا سازو سامان بالکل نیا تھا' ایک ناخدا اور چند ملاح نوکر رکھے اور اپنے غلاموں کو اس کا چوکیدار بنا کر اس میں اپنا سامان رکھ دیا۔ اس کے بعد اور تاجر لوگ میرے پاس آئے' انہوں نے اپنا اسباب بھی اس میں رکھا' مجھے کرایہ دے دیا اور ہم نہایت خوش خوش چل پڑے۔ سلامتی اور کمائی کی امید میں ہمیں بہت خوشی ہوئی۔

ہم جزیرے جزیرے اور سمندر سمندر چلتے' جزیروں اور شہروں کی سیر کرنے اور ان میں اتر کر خرید و فروخت کرنے لگے۔ اسی طرح سفر کرتے کرتے ہم ایک دن ایک جزیرے میں پہنچے جو بہت بڑا تھا کوئی آبادی اس میں نظر نہ آتی تھی۔ بیابان سا معلوم ہوتا تھا۔ اب ہم اس جزیرے میں اتر کر پھرنے لگے۔ دور سے ہمیں ایک بہت بڑا سفید گنبد دکھائی دیا۔ وہ گنبد رخ کا انڈا تھا۔ تاجر اس کی سیر کرنے لگے۔ انہیں یہ خبر نہ تھی کہ

وہ رخ کا انڈا ہے۔ انہوں نے پتھر مار مار کر اسے توڑ ڈالا۔ ٹوٹتے کے ساتھ ہی اس میں سے بہت سا پانی نکلا اور اس کے اندر رخ کا بچہ دکھائی دیا۔ انہوں نے اسے کھینچ کر

انڈے میں سے نکالا اور ذبح کر کے بہت سا گوشت کاٹ کر لے گئے۔ ابھی تک مجھے اس کی خبر نہ تھی کیونکہ میں کشتی کے اندر تھا۔ ایک ساتھی نے مجھ سے آ کر کہا کہ اے میرے آقا اٹھ کر اس انڈے کا تماشا دیکھ جو گنبد سا دکھائی دیتا ہے۔ میں اٹھ کر اسے دیکھنے گیا تو دیکھتا ہوں کہ تاجر انڈے پر پتھر مار رہے ہیں۔ میں نے چلا کر ان سے کہا ایسی حرکت نہ کرو ورنہ رخ آ کر ہماری کشتی توڑ دے گا اور ہمیں مار ڈالے گا' مگر انہوں نے میرا کہنا نہ مانا۔ اتنے میں سورج کی روشنی ماند پڑ گئی۔ ہمارے اوپر ایک بادل سا آ گیا جس سے چاروں طرف اندھیری چھانے لگی۔ ہم نے اپنا سر اوپر اٹھایا کہ دیکھیں تو سہی کہ ہمارے اور سورج کے درمیان کون سی چیز آ گئی ہے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ رخ کے پروں کا سایہ ہے۔ جب رخ نے آ کر دیکھا کہ اس کا انڈا ٹوٹا پڑا ہے تو وہ شور مچانے لگا۔ اتنے میں اس کی مادہ بھی آ پہنچی اور دونوں کشتی کے گرد چکر کاٹنے اور بادلوں سے زیادہ کڑکنے لگے۔ میں نے چلا کر ناخدا اور ملاحوں سے کہا کہ کشتی کو یہاں سے نکالو اور قبل اس کے کہ ہم مارے جائیں ہمیں صحیح و سلامت یہاں سے لے چلو۔ تاجر سوار ہو گئے۔ ناخدا نے جلدی سے لنگر اٹھا دیا اور ہم اس جزیرے سے چل نکلے۔ رخوں نے جو ہمیں سمندر میں روانہ ہوتے دیکھا تو وہ تھوڑی دیر کے لیے غائب ہو گئے۔ ہم نے کشتی کو تیز تیز چلانا شروع کیا تاکہ ہم ان سے بچ کر ان کی حد سے نکل بھاگیں۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ وہ ہمارا پیچھا کر کے ہمارے پاس آ پہنچے ہیں اور ان کے پنجوں میں پہاڑ کا ایک ایک بڑا ٹکڑا ہے۔ پہلے نر نے اپنا پتھر ہمارے اوپر چھوڑا مگر ناخدا نے کشتی جلدی سے پھیر دی اور وہ پتھر سے بال بال بچ گئی' پتھر کشتی کے قریب پانی میں جا گرا۔ اس کے گرنے سے کشتی اچھلنے لگی اور ہمیں سمندر کی تھاہ نظر آنے لگی۔ اس کے بعد رخ کی مادہ نے اپنا پتھر ہمارے اوپر

چھوڑا جو پہلے پتھر سے چھوٹا تھا مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ کشتی کے پچھلے حصے میں آ کر لگا اور چور چور ہو گیا۔ ساتھ ہی پتوار بھی بیسیوں ٹکڑے ہو کر اڑ گیا۔ جو کچھ کشتی میں تھا' سمندر میں جا پڑا۔ جان بڑی پیاری ہوتی ہے' میں اپنی نجات کی تدبیر سوچنے لگا۔ خدا کی قدرت سے اس کشتی کا ایک تختہ میرے ہاتھ لگ گیا۔ اس پر چڑھا بیٹھا اور اسے پاؤں سے کھینا شروع کیا۔ ہوا کی لہروں کی مدد سے چلتا رہا۔ کشتی ایک جزیرے کے قریب سمندر میں ڈوبی تھی' خدا کے حکم سے تقدیر نے مجھے ایک جزیرے پر پہنچا دیا۔
جب میں وہاں پہنچا تو میرا آخری سانس آ جا رہا تھا' تکان' تکلیف اور بھوک پیاس کی وجہ سے میری حالت مردوں کی سی ہو رہی تھی' سمندر کے کنارے دیر تک پڑا رہا۔
یہاں تک کہ مجھ میں کچھ دم آیا اور میں اٹھ کر جزیرے میں پھرنے کے قابل ہوا۔
دیکھا تو وہ جزیرہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے' درخت سرسبز چشمے لبریز' چڑیاں چہچہا رہی اور اس ذات کی پاکی بیان کر رہی ہیں جو زبردست ہے اور ہمیشہ رہنے والی۔
اس جزیرے میں بے حد درخت' میوے' اور طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے تھے۔
میں نے اتنے میوے کھائے کہ میرا پیٹ بھر گیا اور چشموں سے اتنا پانی پیا کہ سارے جسم میں تراوٹ آ گئی۔ اس پر خدا کی حمد و ثناء کی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو ستاونویں رات

پانچ سو ستاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشا! جب سند باد بحری ڈوبنے سے بچ کر جزیرے میں پہنچا۔ میوے کھائے' چشموں کا پانی پیا ار خدا کی حمد و ثناء کی تو اس کا بیان ہے کہ میں اسی طرح جزیرے پر بیٹھا رہا یہاں تک کہ شام ہو چلی اور رات آ گئی۔ تنہائی اور خوف لیکن کیا کرتا نہ وہاں کوئی آواز سنائی دیتی تھی نہ کسی آدمی کا پتا تھا۔ اسی حالت میں مجھے نیند آ گئی۔ میں سو گیا۔ اور صبح تک سوتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو میں اٹھ کر ادھر ادھر پھرنے اور سیر کرنے لگا' دیکھا کہ ایک چشمے کے پاس ایک حوض ہے اور حوض کے کنارے ایک بوڑھا بیٹھا ہوا ہے جس کی پوشاک درختوں کے پتے ہیں۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا شاید اس بوڑھے کی بھی کشتی ٹوٹ گئی ہے' وہ ڈوبنے سے بچ کر اس جزیرے میں آ گیا ہو گا۔ میں نے اس کے پاس جا کر سلام کیا۔ اس نے اشارے سے سلام کا جواب دیا' منہ سے کچھ نہ بولا۔ میں نے کہا کہ بڑے میاں تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ اس نے سر ہلایا' افسوس کا اظہار کیا اور ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ مجھے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر دوسرے حوض کے پاس لے چل۔ میں نے سوچا کہ اس کے ساتھ یہ بھلائی ضرور کرنی چاہیے۔ آؤ اسے وہاں پہنچا دوں جہاں وہ چاہتا ہے تاکہ مجھے اس کا ثواب ملے۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے اپنے کندھے پر بٹھا لیا اور جس جگہ اس نے اشارہ کیا تھا وہاں لے گیا اور کہا کہ جس جگہ تو پہنچنا چاہتا تھا۔ پہنچ گیا ہے' اب اتر۔ وہ میرے کندھے پر سے نہ اترا بلکہ اپنی ٹانگیں میری گردن میں لپیٹ لیں۔ میں نے دیکھا کہ اس کی ٹانگیں ایسی کالی اور کھردری ہیں جیسی کہ بھینس کی۔ میں ڈر گیا اور ارادہ کیا کہ اسے کندھے سے نیچے گرا دوں لیکن وہ میری گردن پر اپنے پاؤں جما کر بیٹھ گیا اور اس زور سے میرا گلا دبایا کہ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا آنے لگا اور مجھے اپنے آپ کی خبر نہ رہی' میں غش

کھا کر مردے کی طرح گر پڑا۔ اس نے اپنی پنڈلیاں اٹھا کر میری پیٹھ اور پیچھے پر مارنی شروع کیں۔ اس سے مجھے اتنی تکلیف ہوئی کہ میں اس لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور وہ میرے کندھے پر سوار رہا۔ میں اسے لیے لیے تھک گیا۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ درختوں کے بیچ میں چل جہاں عمدہ عمدہ پھل ہیں۔ جب میں اس کا کہنا نہ مانتا تو وہ مجھے اپنی ٹانگوں سے اس زور سے مارتا کہ کوڑے کی مار بھی اس کے آگے مات تھی۔

الغرض وہ جہاں جانا چاہتا میری طرف ہاتھ سے اشارہ کرتا۔ میں اسے وہاں لے جاتا اور اگر میں ذرا بھی سستی کرتا تو وہ مجھے پیٹتا۔ میں اس کے ساتھ مثل قیدی کے تھا۔ اسی حالت میں ہم جزیرے کے بیچ میں پہنچے جہاں درخت تھے۔ وہ میرے کندھے پر ہی پیشاب کرتا اور پاخانہ پھرتا اور دن رات سوار رہتا اور اگر سونا چاہتا تو اپنے پاؤں میری گردن میں لپیٹ کر اپنی نیند بھر لیتا اور پھر جاگ کر مجھے مارنا شروع کر دیتا۔ میں جھٹ اٹھ کھڑا ہوتا۔ اس سے مجھے اتنی تکلیف پہنچتی کہ میں اس کی مخالفت بھی نہ کر سکتا۔

میں اس بات پر اپنے اوپر لعنت ملامت کرتا کہ میں نے اس پر مہربانی کی اور اسے اپنے اوپر بٹھایا۔ یہ میری حالت ایک مدت تک رہی اور میں نے بے حد تکلیف اٹھائی۔ اپنے دل میں کہتا کہ میں نے تو اس کے ساتھ بھلائی کی تھی لیکن وہ بھلائی برائی نکلی، خدا کی قسم اب میں عمر بھر کسی کے ساتھ بھلائی نہ کروں گا۔ اب میں خدا سے ہر وقت اور ہر گھڑی موت کی دعا مانگنے لگا کیونکہ میری تکلیف ار مصیبت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ بہت دنوں تک اسی حالت میں رہنے کے بعد ایک دن میں جزیرے میں ایک جگہ پہنچا۔ دیکھا وہاں بہت سے تو بنے پڑے ہوئے ہیں جن میں کچھ خشک بھی ہیں۔ میں نے ان میں سے ایک بڑا سوکھا ہوا تونبا اٹھا لیا اور اس کا اوپر کا حصہ کاٹ کر اسے صاف کیا۔ انگور کی ایک بیل کے پاس جا کر اس میں انگور بھرے اور اس کا منہ بند کر کے اسے دھوپ میں رکھ دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد وہ خالص شراب ہو گئی۔ اور میں روز تھوڑی تھوڑی پینے لگا تا کہ اس مردود شیطان کی تکلیف سے ذرا آرام ملے کیونکہ

جب مجھے ذرا نشہ ہو جاتا تو میری ہمت بڑھ جاتی۔ ایک دن اس نے مجھے شراب پیتے دیکھ لیا۔ اشارے سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ بڑی اچھی چیز ہے' اس سے دل مضبوط ہوتا ہے اور پریشانی جاتی رہتی ہے۔

اب میں اسے لے کر درختوں کے بیچ میں نے ناچنے اور نشے میں تالیاں بجانے اور دل کھول کر گانے لگا۔ مجھے اس حالت میں دیکھ کر اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ میں اسے بھی تو بنی دوں وہ بھی تھوڑی سی پیئے۔ مارے ڈر کے میں نے اسے تو بنی دے دی اس نے جو کچھ بچی کچھی تھی پی لی اور تو بنی کو زمین پر پھینک دیا۔ اسے اتنا مزہ آیا کہ وہ میرے کاندھے پر جھومنے لگا۔ اس کے بعد اسے اتنا نشہ ہو گیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ میرے کندھے پر سیدھا بیٹھ نہ سکا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ نشے میں ہے اور آپے سے باہر ہو گیا ہے تو میں نے ہاتھ بڑھا کر اپنی گردن سے اس کے پاؤں کھول دیئے اور جھک کر زمین پر بیٹھ گیا اور اسے گرا دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو اٹھاون ویں رات

پانچ سو اٹھاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب سند باد بحری نے اس خبیث کو اپنے کندھوں سے گرایا تو اس کا بیان ہے کہ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ میں آزاد ہو گیا ہوں اور مجھے اپنی مصیبت سے نجات مل گئی۔ اب مجھے ڈر لگا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ نشے میں اٹھ کر پھر مجھے ستانا نہ شروع کر دے۔ اس لیے میں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایک بہت بڑا پتھر اٹھایا اور وہ سو ہی رہا تھا کہ اس کے سر پر دے مارا۔ وہ خون سے لتھڑ ہو گیا اور اس کی جان نکل گئی۔ خدا اس پر رحم نہ کرے۔ اس کے بعد میں اطمینان کے ساتھ جزیرے میں گھومتے گھومتے سمندر کے کنارے اس جگہ پہنچا جہاں میں پہلے تھا۔ ایک زمانے تک میں جزیرے میں پھل کھاتا اور چشموں کا پانی پیتا اور اس بات کا انتظار کرتا رہا کہ کوئی کشتی میرے پاس سے گزرے۔ ایک دن اسی طرح بیٹھا ہوا میں سوچ رہا تھا کہ میری حالت کیا سے کیا ہو گئی ہے اور اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ دیکھا چاہیے خدا مجھے صحیح و سلامت میرے وطن میں پہنچا کر مجھے اپنے گھر والوں اور یار دوستوں سے ملاتا ہے یا نہیں کہ مجھے متلاطم اور موج زن سمندر کے بیچ میں ایک کشتی آتی دکھائی دی۔ آتے آتے اس نے اسی جزیرے میں لنگر ڈال دیا اور لوگ اس میں سے اتر کر جزیرے میں آ گئے۔ یہ دیکھ کر میں ان کی طرف بڑھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ سب دوڑ کر میرے پاس پہنچے اور میرے ارد گرد جمع ہو گئے۔ میرا حال اور میرے اس جزیرے میں آنے کا سبب دریافت کیا۔ میں نے اپنا سارا حال اور جو کچھ مجھ پر گزری تھی سب کہہ سنایا۔ اس پر انہیں سخت تعجب ہوا اور وہ مجھ سے کہنے لگے کہ جو شخص تیرے کندھے پر سوار ہوا تھا اس کا نام شیخ البحر ہے اور سوا تیرے کوئی اور آدمی نہیں جس اس کے نیچے آ کر چھوٹ گیا ہو۔ شکر

ہے خدا کا کہ تو سلامت رہا۔ پھر انہوں نے مجھے کھانا دیا۔ میں نے پیٹ بھر کر کھایا' کپڑے دیئے اور میں نے انہیں پہن کر اپنی شرم گاہ ڈھانکی' بعد ازاں مجھے اپنے ساتھ کشتی میں لے گئے اور دن رات سفر کرتے کرتے ہم خوش قسمتی سے ایک شہر میں پہنچے جہاں اونچے اونچے مکان تھے اور سب کے سب سمندر کے کنارے۔ اسی شہر کا نام بندروں کا شہر تھا۔ جب رات ہوتی تو تمام باشندے سمندر کی طرف والے دروازوں سے نکل کر کشتیوں اور ناؤں میں سوار ہو جاتے اور بندروں کے ڈر سے جو رات کے وقت پہاڑوں پر سے اتر کر آتے' ساری رات سمندر میں گزارتے۔ ادھر میں شہر میں سیر کرنے نکلا اور ادھر بغیر اس کے کہ مجھے خبر ہو کشتی چل دی۔ مجھے شہر میں آنے پر بڑی پشیمانی ہوئی۔ میں اپنے ساتھیوں کو یاد کرتا اور جو کچھ مجھے بندروں کے ساتھ دوبارہ پیش آ چکا تھا اسے سوچ کر روتا اور افسوس کرتا۔ یہ دیکھ کر شہر والوں میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا' ایسا معلوم ہوا ہے کہ تو اس شہر میں نیا نیا آیا ہے۔ میں نے جواب دیا ہاں میں پردیسی ہوں اور غریب' میں ایک کشتی میں تھا۔ جس نے اس شہر میں لنگر ڈالا تھا۔ میں شہر کی سیر کرنے اترا۔ جب لوٹا تو اسے نہ پایا۔ اس شخص نے کہا کہ اٹھ اور ہمارے ساتھ چل کر ایک ناؤ میں سوار ہو جا کیونکہ اگر تو رات کے وقت اس شہر میں رہا تو بندر تجھے مار ڈالیں گے۔ میں نے کہا سر آنکھوں پر اور فوراً اٹھ کر ان کے ساتھ ناؤ میں سوار ہو گیا۔ وہ اس ناؤ کو کھے کر کنارے سے ایک میل پر لے گئے اور میں نے اور انہوں نے وہاں رات گزاری ۔

جب تڑکا ہوا تو وہ ناؤ کو شہر کے پاس لا کر اس میں سے اترے اور ہر شخص اپنے اپنے کام میں لگ گیا۔ یہی ہر رات ان کا دستور تھا۔ اور اگر کوئی رات کے وقت شہر میں رہ جاتا تو بندر آ کر اسے مار ڈالتے۔ دن کے وقت بندر شہر سے نکل کر باغوں میں پھل کھاتے اور شام تک پہاڑوں پر پڑے رہنے کے بعد پھر شہر میں آتے۔ یہ ملک سیاہ فاموں کا آخری ملک ہے۔ سب سے زیادہ عجیب بات جو مجھے اس شہر میں پیش آئی' یہ تھی کہ جن لوگوں کے ساتھ میں نے رات بسر کی تھی ان میں سے ایک شخص نے

مجھ سے کہا اے میرے آقا تو اس شہر میں پردیسی ہے' تجھے کوئی پیشہ بھی آتا ہے جسے تو کر سکے؟ میں نے کہا اے میرے بھائی' نہ میں کوئی پیشہ جانتا ہوں اور نہ مجھے کوئی چیز بنانی آتی ہے۔ میں تو محض ایک تاجر تھا میرے پاس بہت سا مال و اسباب تھا' میری ایک کشتی تھی جس میں بہت سا مال اور سامان تھا' وہ سمندر میں ٹوٹ گئی اور جو کچھ اس میں تھا سب ڈوب گیا مگر خدا کے حکم سے میری جان بچ گئی اور اس کی مہربانی سے ایک تختہ میرے ہاتھ لگ گیا' اس پر سوار ہو کر میں ڈوبنے سے بچا رہا۔

یہ سن کر وہ شخص اٹھا اور جا کر ایک کپڑے کا تھیلا لے ایا اور مجھ سے کہا اسے لے اور اس میں اس شہر سے کنکر پتھر بھر لے اور شہر والوں کے ساتھ باہر جا میں تجھے ان کے ساتھ کر دوں گا اور ان سے کہہ دوں گا کہ وہ تیرا خیال رکھیں تو وہی کام کیجیو' جو وہ کریں یقین ہے کہ اس کی وجہ سے تجھے سفر میں مدد ملے گی اور تو اپنے وطن پہنچ جائے۔ یہ کہہ کر وہ شخص مجھے شہر کے باہر لے گیا اور میں نے چھوٹے چھوٹے کنکر پتھر چن کر اس تھیلے میں بھر لیے۔ اتنے میں ایک ٹولی شہر سے باہر آئی۔

اس شخص نے مجھے ان کے سپرد کر دیا اور ان سے کہا کہ یہ پردیسی ہے اسے پھل جمع کرنا سکھا دو تا کہ وہ اپنی روزی کما سکے۔ تمہیں اس کا اجر و ثواب ملے گا۔ انہوں نے کہا سر آنکھوں پر اور مجھے مرحبا کہہ کر اپنے ساتھ لے چلے' ان میں سے ہر ایک کے پاس ویسا ہی ایک ایک تھیلا تھا جیسا کہ میرے پاس تھا اور اسی طرح ان میں بھی کنکر بھرے ہوئے تھے۔ چلتے چلتے ہم ایک لمبی گھاٹی میں پہنچے جہاں بہت سے اونچے اونچے درخت تھے کہ کوئی ان پر چڑھ نہ سکتا تھا اور بہت زیادہ تعداد بندروں کی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی بندر بھاگ کر ان درختوں پر چڑھ گئے۔ لوگ ان پر وہ کنکر پتھر پھینک کر مارنے لگے جو ان کے تھیلوں میں تھے اور بندروں نے درخت کے پھل توڑ توڑ کر انہیں مارنا شروع کیا۔ جب میں نے ان پھلوں کو غور سے دیکھا تو وہ ناریل تھے۔ میں نے یہ ترکیب دیکھی تو ایک بہت بڑے درخت کو تاڑ کر جس پر بہت سے بندر تھے۔

وہاں گیا اور ان بندروں پر پتھر پھینکنے لگا اور بندر ناریل توڑ توڑ کر میری طرف پھینکنے لگے میں نے بھی اوروں کی طرف انہیں جمع کرنا شروع کر دیا۔ ابھی میرے تھیلے کے کنکر پتھر ختم بھی نہ ہوئے پائے تھے کہ میں نے بہت سے ناریل جمع کر لیے۔

لوگ یہ کاروائی کر چکے تو جس سے جتنے اٹھ سکے اس نے اٹھا لیے اور ہم باقی دن گزارنے کے لیے شہر میں آ گئے۔ میں نے اپنے دوست کے پاس جا کر جس نے مجھے اس ٹولی کے ساتھ کر دیا تھا' تمام ناریل جو میں نے جمع کیے تھے اسے دیئے اور اس کی مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ اس نے کہا انہیں اپنے پاس رکھ اور بیچ کر اس کے دام اپنے خرچ میں لا۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے اپنے مکان کی ایک کوٹھڑی کی کنجی دی اور کہا جو ناریل بچ رہیں انہیں اس کوٹھڑی میں بند کر دیجئو اور آج کی طرح ہر روز ان لوگوں کے ساتھ جائیو اور جو ناریل لائے ان میں سے خراب خراب چھانٹ کر بیچو' ان کے دام خرچ کیجئو اور باقی کو اس کوٹھری میں جمع کرتا رہیو۔ یقین ہے کہ تیرے پاس اتنے دام جمع ہو جائیں گے کہ تو ان میں سے سفر میں فائدہ اٹھا سکے گا میں نے کہا خدا تجھے اس کا اجر دے۔ اس کے کہنے کے مطابق میں ہر روز تھیلے میں کنکر پتھر بھر کر لوگوں کے ساتھ جاتا اور جس طرح وہ کرتے میں بھی کرتا۔ وہ مجھے مشورہ دیتے اور مجھے ایسے درخت کے پاس بھیجتے جس میں بہت سے اچھے اچھے پھل ناریل کے ہوتے۔ ان میں سے میں نے بہت سے بیچے اور میرے پاس بہت سے دام جمع ہو گئے۔ ان داموں سے میں نے اپنی سمجھ کے مطابق بے شمار چیزیں خریدیں۔ اس کام میں مجھے لطف آنے لگا۔ میرا وقت اچھا گزرنے لگا' شہر کے تمام لوگ مجھ پر مہربانی کرنے لگے اور میں نے اس حالت میں بہت دن گزارے۔

ایک بار جب میں سمندر کے کنارے کھڑا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ ایک کشتی اس شہر کے پاس آئی اور اس نے کنارے پر لنگر ڈالا۔ اس میں بہت سے تاجر تھے جن کے پاس مال و اسباب تھا۔ وہ اپنا مال بیچنے اور اس کے بدلے ناریل خریدنے لگے۔ میں نے اپنے دوست کے پاس جا کر اس کشتی کے انے کی خبر دی اور اس سے کہا کہ میں

اپنے وطن جانا چاہتا ہوں۔ وہ بولا تیری مرضی۔ میں نے اس کی تمام مہربانیوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس سے رخصت ہو کر کشتی کے پاس آیا اور ناخدا سے مل کر کرایہ طے کیا اور جو کچھ ناریل وغیرہ میرے پاس تھے انہیں کشتی میں رکھا اور کشتی روانہ ہو گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو انسٹھ ویں رات

پانچ سو انسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب سند باد بحری کشتی میں بیٹھ کر بندروں کے شہر سے روانہ ہوا تو اس کا بیان ہے کہ کشتی مسافروں کو لے کر جزیرے جزیرے اور سمندر سمندر گشت کرنے لگی۔ جس جزیرے میں ہم پہنچتے' میں ناریل بیچتا یا اس کے بدلے کوئی دوسری چیز خرید لیتا۔ خدا کے فضل سے میری پونجی ان سے چوگنی ہو گئی جو میں لے کر چلا تھا اور جسے بد قسمتی سے کھو بیٹھا تھا۔ چلتے چلتے ہم ایک جزیرے میں پہنچے جہاں لونگ اور کالی مرچیں پیدا ہوتی ہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ کالی مرچ کے ہر گچھے پر ایک بڑا سا پتا ہوتا ہے جو اسے دھوپ سے اور جب مینہ برستا ہے تو پانی سے بچاتا ہے جب پانی برسنا بند ہو جاتا ہے تو پتا گچھے پر سے الٹ کر ایک طرف ہو جاتا اس جزیرے میں ناریل کے بدلے میں نے بہت سی کالی مرچیں اور لونگیں خریدیں۔ وہاں سے ہم جزیرہ عسرات پہنچے جہاں قماری عود ہوتی ہے' پھر پانچ دن کی راہ طے کر کے ایک دوسرے جزیرے میں آئے جہاں چینی عود پیدا ہوتا ہے جو قماری عود سے بہتر ہے مگر اس جزیرے والوں کی مذہبی حالت قماری عود والے جزیرے سے زیادہ خراب ہے کیونکہ وہ شراب پی کر بہت زیادہ دنگا فساد کرتے ہیں۔ اذان اور نماز سے بے خبر ہیں۔ وہاں سے چل کر ہم اس جگہ پہنچے جہاں موتی نکلتے ہیں۔ میں نے غوطہ مارنے والوں کو کچھ ناریل دے کر کہا میری قسمت کا غوطہ لگاؤ۔ انہوں نے خدا کا نام لے کر غوطہ مارا اور بہت سے بڑے بڑے اور قیمتی موتی نکال لائے اور کہنے لگے اے میرے آقا' واللہ تیری قسمت اچھی ہے۔ میں نے تمام موتی لے کر کشتی میں رکھ لیے اور ہم خدا کا نام لے کر چل پڑے۔

چلتے چلتے ہم بصرے پہنچے وہاں اتر کر میں کچھ دنوں ٹھہرا' پھر بغداد روانہ ہو گیا اور اپنے محلے میں پہنچ کر گھر آیا۔ گھر والوں اور یار دوستوں کو سلام کیا' انہوں نے میرے

صحیح و سلامت آنے پر مبارک باد دی۔ میں نے اپنا سارا مال و اسباب گوداموں میں رکھا۔ یتیموں اور غریبوں کو کپڑے پہنائے' خیرات کی' اہل و عیال اور دوست و احباب کو ہدیئے دیئے اور جو کچھ میرا وقت ضائع ہوا تھا خدا نے اس سے چوگنا مجھے دیا یہاں تک کہ اس کمائی اور فائدے کی وجہ سے ساری کی ساری تکلیفیں اور جو جو کچھ مجھ پر گزری تھی' بھول گیا اور پہلے کی طرح لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کر دیا۔ یہ ہی عجیب ترین باتیں جو میں نے پانچویں سفر میں دیکھیں۔ اچھا اب کھاؤ پیو۔ جب سب رات کا کھانا کھا چکے تو اس نے سند باد کو حمال کو سو مثقال سونا دینے کا حکم دیا اور وہ اسے لے کر اپنے گھر چلا گیا اور اپنے ہم نام کی سرگزشت پر تعجب کرتا ہوا اپنے گھر جا کر سو رہا۔ صبح ہوئی تو اٹھ کر فجر کی نماز پڑھی اور چل کھڑا ہوا۔ سند باد بحری کے گھر پہنچ کر اس کے پاس گیا اور صبح بخیر کہا۔ اس نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا اور وہ بیٹھ گیا اور دونوں باتیں چیتیں کرنے لگے۔ جب اس کے باقی دوست آ چکے تو انہوں نے پہلے تو آپس میں بات چیت کی' پھر دسترخوان بچھایا گیا۔ سب نے کھایا پیا' لطف اٹھایا خوش ہوئے اور سند باد بحری نے اپنا قصہ کہنا شروع کیا۔

○ چھٹا سفر

اے میرے بھائیو' دوستو اور عزیزو! جب میں پانچویں سفر سے لوٹا کھیل کود اور عیش و عشرت کی وجہ سے اس کی ساری تکلیفیں بھول گیا اور خوش خوش زندگی گزارنے لگا تو ایک مدت تک میری یہی حالت رہی یہاں تک کہ ایک روز جب میں خوش و خرم اور دل شاد بیٹھا ہوا تھا کہ چند تاجر میرے پاس آئے جو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سفر کے لیے تیار ہیں۔ انہیں دیکھ کر مجھے وہ زمانہ یاد آ گیا جب میں سفر سے لوٹا تھا اور اپنے وطن آ کر گھر والوں اور دوست احباب کو دیکھ کر خوش ہوا تھا' میرا دل چاہنے لگا کہ میں پھر سفر اور تجارت کروں۔ میں نے سفر کا پکا ارادہ کر کے سمندر کے سفر

کے لیے مناسب عمدہ عمدہ سامان خریدا اور انہیں کشتی پر لاد کر بغداد سے بصرے روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کا میں نے ایک بہت بڑی کشتی دیکھی جس میں تاجر اور بڑے لوگ اپنا اپنا مال و اسباب لیے بیٹھے تھے۔ میں نے بھی اپنا سامان اس میں رکھ دیا اور صحیح و سلامت ہم بصرے سے روانہ ہو گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

پانچ سو ساٹھ ویں رات

پانچ سو ساٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب سند باد بحری کشتی میں اپنا سامان لاد کر بصرے سے روانہ ہو گیا تو اس کا بیان ہے کہ ہم جگہ جگہ اور شہر شہر خریدتے بیچتے اور سیر کرتے رہے' خوش قسمتی سے ہم نے اس سفر میں بڑی کمائی کی۔ ایک روز ہم سفر کر رہے تھے کہ ناخدا چلانے اور شور مچانے لگا۔ اس نے اپنی پگڑی پھینک دی۔ کبھی سر پٹکتا اور کبھی داڑھی نوچتا' سر پیٹتے پیٹتے اور کپڑے پھاڑتے پھاڑتے گر پڑا۔ سارے تاجر اور مسافر اس کے گرد جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ اے ناخدا خیر ہے؟ ناخدا نے کہا کہ اے لوگو! بھولے سے ہماری کشتی اس سمندر سے جس میں ہم جا رہے تھے ایک ایسے سمندر میں جا پڑی ہے جس کے راستوں سے ہم واقف نہیں۔ اگر خدا نے ہمیں اپنے حکم سے کوئی ایسی چیز نہ بھیج دی جس کی وجہ سے ہم بچ جائیں تو ہم سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ خدا سے دعا مانگو کہ وہ ہمیں اس بلا سے نجات دے۔ یہ کہہ کر ناخدا مستول پر چڑھ گیا کہ بادبان کھول دیئے مگر ہوا کا اتنا سخت جھونکا آیا کہ وہ پیچھے کی طرف الٹ گئی اور اس کا پتوار ٹوٹ گیا۔ یہ واقعہ ایک اونچے پہاڑ کے قریب پیش آیا۔ ناخدا مستول سے اتر کر لاحول پڑھنے لگا اور کہا کہ قسمت سے کسی کو مفر نہیں۔ خدا کی قسم ہم بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہیں جس سے چھٹکارا ملنا ناممکن ہے۔ یہ سن کر سارے کشتی والے اپنی اپنی جانوں کو رونے اور ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے۔ کیونکہ ان کی زندگی ختم ہو چکی تھی اور بچنے کی امیدیں باقی نہ رہی تھیں۔ کشتی اس پہاڑ سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی۔ اس کے تختے الگ الگ ہو گئے اور جو کچھ کشتی میں تھا سب ڈوب گیا۔ تاجر سمندر میں جا پڑے۔ بعض تو ڈوب گئے اور بعض پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے۔

میں بھی ان میں سے تھا جو پہاڑ پر چڑھ گئے تھے۔ غور کیا تو وہ ایک بہت بڑا جزیرہ ہے جس کے کنارے بہت سی ٹوٹی ہوئی کشتیاں پڑی ہیں۔ ان میں ان لوگوں کا بہت سا مال و اسباب ہے جو ڈوب گئے ہیں۔ ان چیزوں کو دیکھا جنہیں سمندر نے کنارے پر پھینک دیا تھا۔ عقل حیران ہو گئی میں جزیرے کے بالائی حصے پر چڑھ کر گھومنے لگا۔ دیکھا کہ اس کے بیچ میں ایک میٹھے پانی کا چشمہ ہے جو پہاڑ کے ایک طرف سے اتر کر دوسری طرف بہتا ہے۔ اب باقی ماندہ تمام کشتی والے اس پہاڑ پر چڑھ کر جزیرے میں پھیل گئے اور ان قیمتی چیزوں کو دیکھ کر جو جزیرے میں سمندر کے کنارے پڑی ہوئی تھیں ان کے ہوش اڑے جاتے تھے' وہ پاگلوں کی طرح ہو گئے۔ دیکھتا کیا ہوں کہ اس چشمے کے بیچ میں بھی بے شمار ہیرے جواہرات اور معدنیات' یاقوت اور راج موتی ہیں اور وہ سنگ ریزوں کی طرح پانی کے بہاؤ اور خندقوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور اس چشمے کی تہہ قیمتی پتھروں کی وجہ سے جگمگ جگمگ کر رہی ہے۔ اس جزیرے میں ہم نے اعلیٰ قسم کی قماری اور چینی عود دیکھی اور ایک چشمے سے کچا عنبر نکلتا ہوا دیکھا جو سورج کی گرمی سے اس چشمے کے کنارے موم کی طرح بہہ کر سمندر کے کنارے تک پھیل جاتا ہے۔ اس کے بعد سمندر کے جانور نکل کر اسے کھاتے ہیں اور پھر سمندر میں اتر جاتے ہیں۔ جب وہ ان کے پیٹ میں گرم ہوتا ہے تو وہ اسے سمندر میں اگل دیتے ہیں اور وہ پانی کے اوپر جم جاتا ہے۔ اس کی حالت اور اس کا رنگ بدل جاتا ہے پھر لہریں اسے سمندر کے کنارے پھینک دیتی ہیں۔ سیاح اور تاجر جو اسے پہچانتے ہیں' لے آتے ہیں اور بیچتے ہیں۔ یہ گلا ہوا خالص عنبر اس چشمے کے کنارے بہہ کر زمین پر جم جاتا ہے اور جب اس پر سورج چمکتا ہے تو وہ پگھل جاتا ہے اور اس میں اس وادی کی خوشبو آ جاتی ہے جو مشک کی طرح ہے۔ جب اس پر سے دھوپ اتر جاتی ہے تو وہ جم جاتا ہے۔

اس جگہ جہاں یہ کچا عنبر پیدا ہوتا ہے نہ کوئی گیا ہے اور نہ وہاں سے گزرا ہے کیونکہ اس جزیرے کے چاروں طرف اتنا اونچا پہاڑ ہے کہ کوئی اس پر چڑھ نہیں سکتا۔ ہم

برابر اس جزیرے کا گشت لگاتے اور خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی سیر کرتے رہے۔ ہم اپنی حالت اور ان جزیروں پر جو ہم نے دیکھی تھی حیران تھے۔ ساتھ ہی بہت خوفزدہ بھی۔

ہم نے جزیرے کے ایک کنارے کچھ کھانے پینے کی چیزیں جمع کر رکھی تھیں' انہیں حفاظت سے رکھ کر اس میں سے ہر روز یا دوسرے روز ایک نوالہ کھاتے کیونکہ ہمیں ڈر تھا کہ کہیں کھانا ختم نہ ہو جائے اور ہم بھوک کے مارے مر جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ہم میں سے لوگ مرنے لگے۔ جو ذرا سخت جان تھے۔ وہ بچے رہے مگر وہ بھی پیٹ کے درد کی وجہ سے جو سمندر کی ہوا سے پیدا ہوا تھا' کمزور ہو گئے۔ انہیں بھی موت چٹ کر گئی یہاں تک کہ ایک ایک کرتے میرے تمام ساتھی مر گئے' جو مر جاتا اسے ہم کپڑوں کا کفن پہناتے'جو سمندر نے جزیرے کے کنارے پھینک رکھے تھے اور دفن کر دیتے۔ اب میں اس جزیرے میں اکیلا رہ گیا۔ اور کھانے کے سامان میں بھی گھٹتے گھٹتے بہت کمی آ گئی۔ یہ دیکھ کر میں اپنی حالت پر رونے لگا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ کاش میں اپنے ساتھیوں سے پہلے مر چکا ہوتا اور وہ مجھے نہلا کر دفن کر چکے ہوتے! مگر کیا کیا جائے سوا خدا کے اور کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو اکسٹھ ویں رات

پانچ س اکسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب سند باد بحری اپنے تمام ساتھیوں کو دفن کر چکا اور جزیرے میں اکیلا رہ گیا تو اس کا بیان ہے کہ تھوڑے دنوں کے بعد میں نے اپنے لیے جزیرے کے کنارے ایک گہرا گڑھا کھودا اور دل میں سوچا کہ جب میں کمزور ہو جاؤں گا اور مجھے اپنی موت کا یقین ہو جائے گا تو اس گڑھے میں جا کر لیٹ رہوں گا اور وہیں مر جاؤں گا۔ ہوا مٹی اڑا کر لے آئے گی اور مجھے ڈھانک دے گی اور میں دفن ہو جاؤں گا۔ میں اپنے اوپر لعنت ملامت کرتا کہ میں کیسا کم عقل ہوں جو اپنے شہر اور وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں کی سیر کرنے نکلا۔ حالانکہ میں پہلے دوسرے' تیسرے' چوتھے اور پانچویں سفر میں کیا کیا مصیبتیں جھل چکا تھا اور ہر سفر کی تکلفیں اس کے پہلے سفر سے زیادہ کٹھن اور سخت تھیں۔ ہر بار اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا اور توبہ کی تھی کہ پھر لوٹ کر سمندر کے سفر کا نام نہ لوں گا۔ مال کی مجھے کیا ضرورت تھی۔ میرے پاس بہت کچھ ہے۔ اگر میں اسے عمر بھی خرچ کرتا رہا تو اس کا آدھا بھی نہ خرچ کر سکوں گا۔

اب ایک دن میں اپنے دل میں سوچنے لگا کہ آخر اس چشمے کی کہیں ابتدا اور انتہا تو ہونی چاہیے اور اس میں کوئی ایسی جگہ بھی ضرور ہو گی جہاں سے نکل کر آبادی تک رسائی ہو سکے۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں ایک چھوٹی سی ناؤ بناؤں جس میں فقط میں بیٹھ سکوں اور اس میں بیٹھ کر چل کھڑا ہوں۔ اگر خدا نے مجھے نجات دے دی تو میں بچ جاؤں گا ورنہ اس ندی میں ڈوب جانا اس جگہ مرنے سے بہتر ہے مگر اس طرح افسوس کرنے سے کیا ہوتا تھا آخر میں اٹھا اور ایک ناؤ بنا ڈالی۔ پھر اس جزیرے میں سے چینی اور قماری عود جمع کیا اور سمندر کے کنارے جا کر انہیں ان کشتیوں کی رسیوں سے باندھا جو ٹوٹی پڑی تھیں اور ان کشتیوں کے سیدھے تختے نکالے انہیں

اپنی ناؤ کی لکڑیوں کے بیچ میں رکھا۔ ناؤ کی چوڑائی میں نے ندی کی چوڑائی کے برابر بلکہ اس سے بھی کم رکھی اور اسے مضبوط جکڑا۔ اس میں اس جزیرے کے معدنیات‘ ہیرے جواہرات‘ مال و اسباب اور کنکروں کے برابر بڑے بڑے موتی وغیرہ‘ کچھ عمدہ قسم کا خالص کچا عنبر لے جا کر بھرا۔ ان کے علاوہ تمام چیزیں جو میں نے جزیرے میں جمع کر رکھی تھیں۔ لادیں اور تمام بچا کھچا کھانا لے کر ناؤ کو ندی میں ڈال دیا اور دو لکڑیاں لے کر انہیں چپوؤں کی طرح اس کے دونوں طرف لگایا اور چل کھڑا ہوا۔

میں اس ناؤ میں بیٹھا چلا جا رہا تھا اور یہ سوچتا جاتا تھا کہ دیکھنا چاہیے میرا حشر کیا ہوتا ہے۔ میں برابر اس طرف چلا جا رہا تھا جہاں ندی پہاڑ کے اندر جاتی تھی۔ جونہی ناؤ اس کے اندر پہنچی تو میرے چاروں طرف اندھیرا ہو گیا۔ ناؤ پانی کے بہاؤ کے ساتھ مجھے پہاڑ کے نیچے تنگ جگہ میں لے گئی۔ اس کے کنارے ندی کے کناروں سے ٹکرانے لگے اور میرا سر اس کی چھت سے اب میرے لیے واپس لوٹنے کی بھی جگہ نہ تھی۔ میں اپنی حرکت پر لعنت ملامت کر رہا تھا۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر ناؤ اس جگہ پھنس گئی تو لوٹنا تو در کنار اس میں سے نکلنا بھی دشوار ہو جائے گا اور میں ضرور اس جگہ مر کر رہ جاؤں گا۔ یہ سوچ کر میں ناؤ پر اوندھا لیٹ گیا۔ ناؤ چلتی رہی‘ اندھیرے کی وجہ سے مجھے نہ دن کا پتہ چلتا تھا نہ رات کا۔ اس کے علاوہ مجھے ڈر تھا کہ پہاڑ کے نیچے میں کہیں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ بہر حال میں چلا جا رہا تھا ندی کبھی چوڑی ہو جاتی کبھی تنگ‘ ادھر اندھیرا گھپ کمزوری اور تھکن۔ لیٹے لیٹے مجھے نیند آ گئی اور میں ناؤ میں اوندھا پڑا سو رہا۔ بس ناؤ چلتی رہی اور میں سوتا رہا۔ مجھے یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ وہ بہت چلی یا کم لیکن جب میری آنکھ کھلی تو میں اجالے میں تھا‘ میں نے دیکھا کہ میں ایک کھلی جگہ میں ہوں‘ میری ناؤ ایک جزیرے کے کنارے بندھی ہوئی ہے اور میرے آس پاس بہت سے ہندو اور حبشی کھڑے ہیں۔

جونہی انہوں نے مجھے اٹھتے ہوئے دیکھا‘ میرے قریب آ کر اپنی بولی میں کچھ کہنے لگے

مگر میری سمجھ میں کچھ نہ آیا اور تکلیف اور مصیبت کی وجہ سے میں یہی سمجھتا رہا کہ میں نیند میں ہوں اور خواب دیکھ رہا ہوں۔ جب انہوں نے مجھ سے کچھ کہا میری سمجھ میں ان کی زبان نہ آئی اور میں نے کچھ جواب نہ دیا تو ان میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر مجھ سے عربی میں کہا اے ہمارے بھائی' السلام علیکم' تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور یہاں آنے کی وجہ کیا ہے کیونکر اس ندی میں داخل ہوا وار اس پہاڑ کے پیچھے کون سا ملک ہے؟ وہ بولا اے میرے بھائی' ہم لوگ کسان ہیں' کھیتی کرنے والے ہم اپنے کھیتوں کو سینچنے کے لیے آئے تھے' ہم نے دیکھا کہ تو اس ناؤ میں پڑا سو رہا ہے۔ ہم نے ناؤ کو روک کر باندھ دیا اور تیرے جاگنے کا انتظار کرنے لگے۔ اب تو بتا کہ تو یہاں کیسے آیا ہے؟ میں نے کہا اے میرے آقا' خدا کے لیے پہلے مجھے کچھ کھانا دے کیونکہ میں بھوکا ہوں' اس کے بعد جو تیرا دل چاہے پوچھیو۔ وہ شخص دوڑ کر کھانا لے آیا اور میں نے اتنا کھایا کہ میرا پیٹ بھر گیا۔ مجھے سکون ہوا' میرا ڈر جاتا رہا' پیٹ بھرنے سے میری جان میں جان آئی تو خدا کا شکر ادا کیا۔ مجھے اس پر خوشی ہوئی کہ میں اس ندی سے نکل کر ان کے پاس پہنچا اور میں نے شروع سے لے کر آخر تک اپنی داستان اور جو کچھ میں نے ندی میں دیکھا تھا اور اس کی تنگی بیان کر دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو باسٹھ ویں رات

پانچ سو باسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب سند باد بحری ناؤ سے اترا تو انہوں نے آپس میں کہا کہ ہم اسے اپنے بادشاہ کے پاس لے جائیں گے تاکہ وہ اپنا ماجرا اسے سنائے۔ اس کا بیان ہے کہ وہ مجھے اور ناؤ کو مع تمام مال و اسباب' جوہرات' معدنیات اور زیور کے جو اس میں تھا لے کر اپنے بادشاہ کے پاس گئے اور اس سے ساری باتیں کہیں۔ اس نے مجھے سلام کیا اور مرحبا کہا میرا حال اور سارا ماجرا پوچھا۔ میں نے اپنی ساری کہانی اور جو کچھ دیکھا تھا اول سے آخر تک کہہ سنایا۔ بادشاہ سن کر اچنبھے میں پڑ گیا اور اس نے میری سلامتی پر مجھے مبارک باد دی۔ میں جا کر ناؤ میں سے بہت سے ہیرے' جواہرات' عود اور کچا عنبر لے ایا اور انہیں بادشاہ کو ہدیے کے طور پر دیا۔ اس نے قبول کیا۔ میری بڑی عزت کی اور مجھے اپنے قریب ایک مکان میں ٹھہرایا۔ میں وہاں کے بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا اور وہ سب میری بڑی عزت کرنے لگے۔ میں ہمیشہ بادشاہ کے محل میں رہتا جو کوئی باہر سے اس جزیرے میں آتا وہ میرے ملک کے حالات دریافت کرتا اور میں ان سے بیان کرتا۔ اسی طرح ان سے ان کے ملک کے حالات پوچھتا اور وہ بیان کرتے۔ ایک دن ان کے بادشاہ نے میرے وطن کے حالات اور بغداد کے خلیفہ کی حکومت کے متعلق مجھ سے دریافت کیا' میں نے خلیفہ کی انصاف پسندی کا ذکر کیا۔ اس پر اسے تعجب ہوا اور وہ مجھ سے کہنے لگا کہ واللہ خلیفہ کے کام عقل کے مطابق ہیں اور اس کی حالت دل خوش کن ہے۔ تو نے میرے دل میں اس کی محبت ڈال دی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تجھے اس کے لیے تحفے دے کر اس کے پاس روانہ کروں۔ میں نے کہا کہ اے میرے مولیٰ! سر آنکھوں پر۔ میں انہیں اس کے پاس پہنچا دوں گا اور اس سے کہوں گا کہ تو سچا دوست ہے۔

ایک مدت تک میں نہایت عیش و احترام عیش و عشرت کے ساتھ بادشاہ کے پاس رہا یہاں تک کہ ایک دن جب میں بادشاہ کے محل میں بیٹھا ہوا تھا میں نے سنا کہ اس شہر کے چند لوگوں نے ایک کشتی تیار کرائی ہے اور بصرے کی طرف جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔
میں نے اپنے دل میں کہا کہ ان لوگوں کے ساتھ جانے سے اور کون سا سفر بہتر ہو سکتا ہے! اور میں نے فوراً اٹھ کر بادشاہ کے ہاتھ چومے اور اس سے کہا میں چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر جاؤں جو انہوں نے تیار کی ہے کیونکہ اپنے بچوں اور اہل عیال کے دیکھنے کو میرا بہت جی چاہتا ہے۔ بادشاہ نے کہا جیسی تیری مرضی اور اگر تو ہمارے یہاں ٹھہرنا چاہے تو یہاں ٹھہر۔ ہم سب کو تجھ سے انس ہو گیا ہے۔
میں نے کہا اے میرے آقا! واللہ تو نے اپنی نیکیوں اور احسان سے مجھے اپنا گرویدہ کر لیا ہے لیکن مجھے اپنے اہل و عیال اور وطن کو دیکھنے کا شوق ہے۔ یہ سن کر اس نے ان تاجروں کو بلوایا جنہوں نے کشتی تیار کرائی تھی۔ مجھے ان کے سپرد کیا اور مجھے اپنے پاس سے بہت سی چیزیں دیں۔ میری طرف سے کشتی کا کرایہ دیا اور میرے ساتھ خلیفہ ہاروں الرشید کے لیے ایک شاندار ہدیہ بغداد بھیجا۔ اس کے بعد میں بادشاہ اور اپنے تمام دوستوں سے جن کے پاس میں آیا جایا کرتا تھا' رخصت ہو کر تاجروں کے ساتھ اس کشتی میں بیٹھ گیا اور کشتی چل دی۔ ہوا موافق تھی' سفر دلچسپ اور ہمارا بھروسا خدا پر تھا۔ ہم سمندر اور جزیرے جزیرے سفر کرتے ہوئے خدا کے حکم سے صحیح و سلامت بصرے پہنچ گیا۔
بصرے پہنچ کر میں کشتی سے اترا' وہاں کچھ دنوں ٹھہرا کر آگے کی تیاری کی اور سامان لاد کر دارالسلام بغداد پہنچا اور ہاروں الرشید کےکے پاس جا کر ہدیئے پیش کیے۔ اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور اپنا سارا مال و اسباب کوٹھڑیوں میں بند کر کے اپنے محلے میں گیا۔ اہل و عیال اور دوست و احباب میرے پاس آئے۔ تمام گھر والوں کو میں نے تحفے دیئے خیراتیں کیں اور بھوکوں کو کھانا کھلایا۔ ایک زمانے کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے مجھے بلوا کر مجھے ہدیئے کا سبب پوچھا اور یہ کہ وہ کس نے دیا ہے۔ میں نے کہا

اے امیر المومنین! جس شہر سے میں اسے لایا ہوں اس کا نہ مجھے نام معلوم ہے نہ راستہ لیکن جب میری کشتی ڈوب گئی تو میں ایک جزیرے میں پہنچا اور ایک ناؤ بنا کر اس

دریا میں چل دیا جو جزیرے کے بیچ میں بہتا تھا۔ اس سفر میں جو کچھ میرے اوپر گزری تھی۔ سارا قصہ بیان کیا میں اس دریا سے نجات پا کر اس شہر میں کس طرح پہنچا' وہاں میرے ساتھ کیا کیا پیش آیا اور میں کس طرح ہدیہ لے کر آیا۔ خلیفہ کو یہ سن کر بڑا اچنبھا ہوا اور اس نے واقعہ نگاروں کو حکم دیا کہ وہ میری کہانی لکھ کر خزانے میں رکھ دیں تاکہ ہر ایک کو اسے دیکھ کر عبرت ہو۔ اس کے بعد اس نے میری بہت زیادہ عزت کی۔ میں پہلے کی طرح بغداد میں رہنے لگا۔ اور جو کچھ میرے ساتھ شروع سے لے کر گزری تھی' سب بھول گیا۔ نہایت عیش و عشرت اور کھیل کود میں زندگی بسر کرنے لگا۔ اے میرے بھائیو' یہ ہے میری کہانی چھٹے سفر کی' اگر خدا نے چاہا تو میں کل ساتویں سفر کی کہانی سناؤں گا' وہ ان تمام سفروں سے زیادہ عجیب و غریب ہے' اس کے بعد اس نے دسترخوان بچھوایا اور سب نے اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ سند باد حمال کو سو مثقال سونا دیا اور وہ لے کر چلتا ہوا اور دوسرے لوگ بھی تعجب کرتے ہوئے چلے گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کے اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو تریسٹھ ویں رات

پانچ سو تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب سند باد بحری اپنے چھٹے سفر کی داستان سنا چکا تو سب نے اپنی اپنی راہ لی۔ سند باد بحری بھی اپنے گھر جا کر سو رہا۔ پھر اٹھ کر اس نے فجر کی نماز پڑھی۔ سند باد بحری کے گھر لوگ آنا شروع ہوئے۔ جب وہ سب آ گئے تو اس نے کہنا شروع کیا۔

○ ساتویں سفر کی کہانی

اے لوگو' سنو! جب میں چھٹے سفر سے لوٹا اور پہلے کی طرح عیش و عشرت اور کھیل کود میں لگ گیا۔ ایک مدت تک میں نے اسی حالت میں زندگی بسر کی۔ دن رات خوش و خرم رہتا کیونکہ میں نے بڑی کمائی کی تھی اور بہت فائدہ حاصل کیا تھا۔ لیکن پھر میرے دل میں یہ لو لگی کہ ملکوں کی سیر اور سمندر کا سفر کروں تاجروں کی صحبت اختیار کروں اور خبریں سنوں۔ اس کا پکا ارادہ کر کے میں نے عمدہ عمدہ بحری سفر کا سامان باندھا اور اسے لاد کر بغداد سے بصرے پہنچا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک کشتی سفر کے لیے تیار کھڑی ہے اور اس میں بڑے بڑے تاجر بیٹھے ہیں۔ میں بھی انہی کے ساتھ سوار ہو گیا اور اس سے جان پہچان ہو گئی اور ہم صحیح و سلامت سفر کے لیے چل دیئے۔ ہوا موافق تھی۔ چلتے چلتے ہم ایک شہر میں پہنچے جس کا نام چین تھا۔ ہم سب بہت خوش تھے۔ سفر اور تجارت کی باتیں کر رہے تھے۔ کشتی کے سامنے ایک آندھی اٹھی اور اتنی سخت بارش ہونے لگی کہ ہم بھی بھیگ گئے اور ہمارا سامان بھی۔ ہم نے اپنے اسباب کو نمدوں اور بوریوں سے ڈھانک دیا کہ کہیں وہ مینہ سے ضائع نہ ہو جائے۔

خدا سے دعا مانگنے اور اس کے آگے گڑگڑانے لگے کہ وہ ہماری مصیبت کو دور کرے۔
اب ہم کیا دیکھتے ہیں کہ ناخدا نے اپنی کمر کسی' پائنچے چڑھائے اور مستول پر چڑھ کر دائیں بائیں دیکھا' پھر کشتی والوں کی طرف دیکھا کر اپنا سر پیٹنے اور داڑھی نوچنے لگا۔
ہم نے کہا اے ناخدا خیر تو ہے؟ اس نے جواب دیا خدا سے نجات کی دعا مانگو اور اپنی جانوں کی خیر مناؤ۔ ایک دوسرے سے رخصت ہو کیونکہ آندھی ہمارے اوپر غالب آگئی ہے اور ہمیں دنیا کے آخری سمندر میں لا پھینکا ہے۔ یہ کہہ کر مستول پر سے اترا اور اپنا ایک صندوق کھول کر اس نے اس میں سے کپڑے کی ایک تھیلی نکالی اور اس میں سے راکھ کی صورت میں کوئی چیز نکال کر اسے پانی سے بھگویا' تھوڑی دیر ٹھہر کر اسے سونگھا اس کے بعد اس نے اسی صندوق میں سے ایک کتاب نکال کر کچھ پڑھا اور کہنے لگا اے کشتی والو' میں اس کتاب میں ایک عجیب بات پاتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ جو اس ملک میں پہنچا وہ بچ کر نہ نکلا ہلاک ہو گیا۔ اس ملک کا نام اقلیم الملوک ہے جہاں حضرت سلیماں بن داؤد کی قبر ہے۔ یہاں بڑے ڈیل ڈول والے اور بھیانک شکل کے سانپ ہوتے ہیں جو کشتی اس اقلیم میں پہنچی ہے' اسے سمندر سے ایک مچھلی نکل کر نگل جاتی ہے۔ ناخدا سے یہ قصہ سن کر ہم کو بڑا اچنبھا ہوا۔ ناخدا اپنی بات بھی ختم نہ کر پایا تھا کہ ہماری کشتی اچھلنے لگی اور ہمیں بجلی کی کڑک سنائی دی۔ ہم مارے ڈر کے مردوں کی طرح ہو گئے اور ہمیں موت کا یقین ہو گیا۔
اتنے میں اونچے پہاڑ کی طرح ایک مچھلی کشتی کے سامنے آ پہنچی۔ ہم اسے دیکھ کر ڈرنے لگے اور اپنی موت کی تیاری کر لی۔ ہم اس مچھلی کو دیکھ کر اس کی ڈراؤنی شکل پر تعجب کر رہے تھے کہ ایک دوسری مچھلی آ پہنچی۔ جس سے زیادہ ڈیل ڈول والی اور بڑی ہماری نظر سے نہ گزری تھی۔ اسے دیکھ کر تو ہمارے اوسان جاتے رہے اور سر پیٹنا شروع کر دیا۔ اتنے میں تیسری مچھلی نکل پڑی جو ان دونوں سے بھی بڑی تھی۔ اب تو ہمیں موت نظر آنے لگی۔ خوف کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ یہ تینوں مچھلیاں ہماری

کشتی کے گرد چکر لگانے لگیں۔ تیسری مچھلی چاہتی تھی کہ کشتی کو تمام آدمی اور اسباب سمت نکل جائے۔ ہوا کا ایک سخت جھونکا آیا۔ کشتی اچھل کر ایک بہت بڑی چٹان سے ٹکرائی اور پاش پاش ہو گئی۔ تمام تختے الگ الگ جا پڑے' اسباب تاجر اور دوسرے کشتی والے سب کے سب سمندر میں ڈوب گئے۔ میں نے نیچے کے کپڑے چھوڑ کر باقی سب کپڑے اتار پھینکے اور تھوڑی دور تیر کر کشتی کا ایک تختہ پکڑ لیا اور لٹکتے لٹکتے اس پر سوار ہو گیا۔ لہریں اور ہوا میرے ساتھ پانی کے اوپر کھیلنے لگیں مگر میں تختے کو مضبوط پکڑے رہا۔ موجیں مجھے اوپر نیچے پھینکتیں' مجھ پر سخت تعجب' ڈر اور بھوک پیاس طاری تھی اور اپنے کیے پر ملامت کرتا کہ آرام کے بعد میں نے خود اپنے پاؤں میں کلہاڑی ماری اور اپنے دل میں کہا کہ اے سند باد بحری تو توبہ نہیں کرتا حالانکہ ہر بار تجھے مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلنی پڑتی ہیں اور سمندر کے سفر سے باز نہیں آتا۔ اگر تو توبہ کرے بھی تو تیری توبہ جھوٹی ہے۔ اس لیے جو تجھ پر گزرے اے جہیل' جو مصیبت تجھ پر گزرے تو اس کا سزا وار ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو چونسٹھ ویں رات

پانچ سو چونسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... سند باد بحری نے کہا کہ جو بلا مجھ پر آئے میں اس کا سزاوار ہوں۔ یہ سب کچھ خدا نے اس لیے میری قسمت میں لکھا ہے کہ میں لالچ سے باز آ جاؤں۔ لالچ ہی کی وجہ سے میں سارے عذاب اٹھا رہا ہوں کیونکہ مال کی تو میرے پاس کمی نہیں لیکن اب میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اس بارے میں میری توبہ پکی توبہ ہے میں پھر کبھی سفر نہ کروں گا' نہ عمر بھر کبھی سفر کا نام زبان لاؤں گا نہ دل میں۔ اس طرح سے میں خدا کے آگے برابر گڑگڑاتا اور روتا اور اپنے عیش و عشرت اور خوشی و خرمی کے دنوں کو یاد کرتا۔ میری یہ حالت پورے ایک دن تک رہی پھر دوسرے دن میں اسی طرح گڑگڑاتا رہا یہاں تک کہ میں ایک بڑے جزیرے کے کنارے جا لگا۔ جہاں بہت سے درخت اور چشمے تھے۔ میں نے درختوں میں سے اتنے پھل کھائے اور چشموں کا اتنا پانی پیا کہ مجھے تسکین ہوئی' جان آئی' ہمت بڑھی' دل خوش ہوا اور میں جزیرے میں چلنے پھرنے لگا۔ پھرتے پھرتے میں نے دیکھا کہ اس کے دوسری طرف ایک بڑا دریا میٹھے پانی کا بہہ رہا ہے لیکن اس دریا کا بہاؤ بہت تیز ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے اس ناؤ کا قصہ یاد آ گیا جس میں' میں پچھلی مرتبہ بیٹھا تھا۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں ضرور ویسی ہی ایک ناؤ بناؤں گا' ممکن ہے کہ میں اس حالت سے نجات پاؤں اگر میں بچ گیا تو مراد بر آئی ور پھر میں خدا کے آگے سفر سے ضرور توبہ کروں گا اور اگر میں ہلاک ہو گیا تو بھی اچھا ہے۔ محنت اور مصیبت سے نجات مل جائے گی۔ یہ کہہ کر میں اٹھا اور وہاں کے صندل کے اونچے اونچے درختوں کی لکڑیاں جمع کیں' مگر مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ کیا چیز ہے۔ جب میں وہ لکڑیاں اکٹھی کر چکا تو میں نے نرم نرم شاخیں اور گھاس لے کر انہیں رسی کی طرح بٹا۔ ان سے ناؤ کو مظبوط باندھا اور

اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر میں بچ گیا تو یہ صرف خدا کی طرف سے ہو گا۔
اب میں نے وہ ناؤ دریا میں ڈال دی اور اس پر بیٹھ کر جزیرے کے آخر تک پہنچ گیا۔
پھر اس سے اور آگے روانہ ہوا۔ جزیرہ چھوڑنے کے بعد اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ ایک دن دوسرا دن اور پھر تیسرا دن گزر گیا۔ اس عرصے میں پڑا رہا۔ کچھ کھایا نہیں جب پیاس لگتی تو دریا کا پانی پی لیتا۔ تکلیف اور بھوک اور ڈر کی وجہ سے میں اس چڑیا کے بچے کی طرح ہو گیا تھا جسے چکر آ رہے ہوں۔ اسی صورت سے ناؤ پچھلے دریا کی تنگی یاد آ گئی۔ میں سہم گیا اور میں نے چاہا کہ ناؤ کو روک کر پہاڑ کی کنارے اتر پڑوں لیکن پانی کا بہاؤ تیز تھا' اتر نہ سکا۔ ناؤ تیر کی طرح چلی جاتی تھی۔ پہاڑ نے کے نیچے پہنچ کر مجھے اپنے مرنے کا یقین ہو گیا اور میں لاحول پڑھنے لا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد ناؤ ایک کھلی جگہ میں پہنچی جو ایک بہت بڑی وادی تھی۔ دریا وہاں اوپر سے نیچے گرتا تھا اس میں سے بجلی کی سی آوازیں نکلتی تھی اور وہ ہوا کی طرح بہتا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے ناؤ کو پکڑ لیا اور میں ڈرا کہ اب میں اوپر سے گروں گا اور لہریں مجھے اس جگہ ادھر سے ادھر نچاتی پھریں گی۔ آخر ناؤ اس وادی میں بہتے ہوئے پانی کے ساتھ زور سے گری۔ نہ میں اسے روک سکا اور نہ اسے خشکی کی طرف گھما سکا۔ سامنے بستی نظر آ رہی تھی اور میں مجبور۔ یہ بستی ایک عظیم الشان شہر تھا۔
اس کی عمارتیں نہایت خوبصورت تھیں اور آبادی بہت زیادہ۔ شہر والوں نے ناؤ کے ساتھ مجھے دریا کی موجوں کے اندر گرتے دیکھا تو انہوں نے ناؤ پر جال اور رسیاں پھینکیں اور اسے دریا سے نکال کر خشکی پر لے آئے۔ میں ان کے درمیان ا کر گر پڑا یوں کہ میں مارے بھوک اور جاگنے اور ڈر کے مردہ سا ہو رہا تھا۔
ان لوگوں میں سے ایک شاندار بوڑھا میری طرف بڑھا اور مرحبا کہہ کر میرے اوپر بہت عمدہ عمدہ کپڑے ڈال دیئے۔ میں نے اپنی عمدہ شرمگاہ ڈھانکی اس کے بعد وہ مجھے لے کر حمام گیا۔ میرے لیے مفرح شربت اور عمدہ خوشبوئیں لایا۔ حمام سے وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ گھر والے مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس نے مجھے ایک خوبصورت

کمرے میں جا بٹھایا' میرے لیے نہایت نفیس کھانے تیار کرائے اور میں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا اور اپنی سلامتی پر خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد اس کے غلام گرم پانی لائے' میں نے ہاتھ دھوئے اور اس کی لونڈیاں ریشمی رومال لائیں میں نے ہاتھ منہ پونچھا۔ پھر بوڑھے نے فوراً اٹھ کر اپنے مکان کے پہلو میں ایک گھر میں رہنے کے لیے خالی کرایا' اپنے غلاموں اور کنیزوں کو میرے ساتھ کر دیا کہ وہ میری خدمت کریں۔ میری تمام ضروریات اور حاجتیں پوری کریں اور وہ میری خبر گیری کرنے لگے۔ اسی طرح تین دن تک میں نے اس کی دعوتیں کھائیں۔ اچھا کھایا' اچھا پیا اور اچھی خوشبوئیں لگائیں۔ یہاں تک کہ میری جان میں جان آئی۔ ڈر جاتا رہا اور دل کو اطمینان ہوا۔ جب چوتھا دن ہوا تو وہ بوڑھا میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ بیٹا' تجھ سے مل کر ہم بہت خوش ہوئے' شکر ہے خدا کا کہ تو سلامت رہا۔ تیرا جی چاہے تو سمندر کے کنارے چل۔ بازاروں میں پھر کر اپنا مال بیچ' اس کے داموں سے کوئی ایسی چیز خرید جس سے تو تجارت کر سکے۔ یہ سن کر میں تھوڑی دیر تک چپ رہا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ میرے پاس پونجی ہی کیا ہے کہ وہ ایسی باتیں کر رہا ہے۔ بوڑھے نے کہا بیٹا فکر مت کر' میرے ساتھ بازار چل' اگر ہم دیکھیں گے کہ کوئی تیرے مال کی قیمت تیری مرضی کے موافق دیتا ہے تو تو اسے لے لیجیو اور اگر تیری مرضی کے موافق نہ ہو تو اسے میرے مودی خانے میں رکھ دیجیو اور جب خرید و فروخت کا مناسب وقت آ جائے بیچ ڈالیو۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس کا کہنا مان لے' دیکھوں تو سہی کہ وہ کون سا مال ہے چنانچہ میں نے اس سے کہا کہ اے میرے بوڑھے چچا تیرا حکم بجا ہے جو کچھ تو کرے گا اس میں برکت ہو گی۔ میں کسی بات میں تیری مخالفت نہیں کر سکتا اور میں اس کے ساتھ بازار گیا میں نے دیکھا کہ اس نے وہ ناؤ کھول ڈالی جس میں آیا تھا کیونکہ وہ صندل کی لکڑی کی تھی اور دلالوں کو اس پر لگا دیا۔

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو پینسٹھ ویں رات

پانچ سو پینسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہ اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب سند باد بحری نے بوڑھے کے ساتھ سمندر کے کنارے جا کر دیکھا کہ جس ناؤ میں وہ آیا تھا اور جو صندل کی لکڑی کی تھی' کھلی پڑی ہے' دلال اس کے گرد ہیں' تاجر آ آ کر بولی لگا رہے ہیں' اس کے دام ایک ہزار دینار تک پہنچ گئے ہیں اور اب کوئی اس سے بڑھ کر بولی نہیں بولتا تو اس کا بیان ہے کہ بوڑھے نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بیٹا سن! آج کل تیرے مال کے یہی دام ہیں' اگر تیری مرضی ہو تو بیچ ڈال ورنہ میں اسے اپنے مودی خانے میں اٹھا کر رکھ دوں گا اور تو اس کے دام چڑھنے تک ٹھہر جا۔ میں نے کہا اے میرے آقا' تیرا حکم سر آنکھوں پر ہے جو تیرا جی چاہے کر۔ وہ بولا بیٹا کیا تو چاہتا ہے کہ اس لکڑی کو میرے ہاتھ بیچ ڈالے اور میں اس قیمت سے جو اور تاجر تجھے دیتے ہیں سو دینار دوں؟ میں نے کہا میں بیچتا ہوں اور میں نے دام لے لیے۔ اب اس نے اپنے غلاموں سے کہا کہ ان لکڑیوں کو اس کے مودی خانے میں لے جائیں اور میں اس کے ساتھ اس کے گھر گیا۔ جب ہم بیٹھے تو اس نے کل دام گنے' تھیلیاں منگوا کر ان کے اندر رکھے اور ان میں لوہے کا قفل ڈال ڈال کر چابیاں مجھے دے دیں۔

تھوڑے دنوں کے بعد بوڑھے نے مجھ سے کہا بیٹا میں تیرے سامنے ایک تجویز پیش کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تو اسے مان لے۔ میں نے پوچھا وہ کیا حکم ہے؟ اس نے جواب دیا کہ سن میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرے کوئی بیٹا نہیں' صرف ایک کم سن بیٹی ہے جو نہایت حسین اور بڑی مالدار ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا بیاہ تیرے ساتھ کر دوں اور تو اس کے ساتھ ہمارے ملک میں رہ جائے۔ میں اپنی تمام دولت تیرے حوالے کر دوں گا کیونکہ میرا بڑھاپا آ گیا ہے تو میرا جانشین ہو گا۔ میں یہ سن کر چپ ہو

گیا اور کچھ نہ کہا۔ اس نے کہا بیٹا! میرا کہا مان لے میں تیری بھلائی چاہتا ہوں۔ اگر تو میری بات مانتا ہے تو میں اپنی بیٹی کو تیرے ساتھ بیاہے دیتا ہوں' تو میرا بیٹا بن کر رہے گا اور میرا مال اور جو کچھ میرے پاس ہے تیرا ہو جائے گا۔ پھر اگر تو تجارت کرنا اور اپنا وطن جانا چاہے گا تو تجھے کوئی روکنے والا نہیں' تو میرے مال کا مالک ہو گا۔ اب جیسی تیری مرضی ہو اور جو تیرا جی چاہے کر۔ میں نے کہا اے میرے بوڑھے چچا تو' میرے باپ کی جگہ ہے۔ میں نے اتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں کہ مجھ میں بالکل سمجھ اور عقل باقی نہیں رہی' اس لیے ہر بات میں' میں تیرے حکم کے تابع ہوں۔ یہ سن کر بوڑھے نے اپنے غلاموں سے کہا کہ قاضی اور گواہوں کو بلا لاؤ' وہ بلا لائے۔ اور اس نے اپنی بیٹی کا نکاح میرے ساتھ پڑھوا دیا اور شاندار ولیمہ دیا' بڑا جشن منایا۔ میں نے دیکھا کہ وہ انتہا درجے کی حسین و جمیل' خوش قد اور سڈول بدن کی ہے اور اتنے جواہرات اور پوشاکیں' معدنیات اور زیور' ہار اور قیمتی ہیرے پہنے ہوئے ہے جن کی قیمت لکھوکھا اشرفیاں ہوں گی' اتنی دولت کسی کے پاس بھی نہ ہو گی۔ میں اسے بہت چاہنے لگا' اس کی محبت میرے دل میں بیٹھ گئی۔ اور میں اس کے ساتھ نہایت پیار اور خوشی کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اتنے میں اس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ خدا اس پر رحم کرے! ہم نے اس کی تجہیز و تکفین کر کے اسے دفن کر دیا۔ اس کا سارا مال و متاع اپنے قبضے میں کیا۔ اس کے غلام میرے غلام ہو گئے اور میری ملکیت۔ اس کا عہدہ تاجروں نے میرے سپرد کیا وہ ان کا چودھری تھا اور بغیر اس کی اجازت اور علم کے ان میں سے کوئی شخص کچھ لے دے نہ سکتا تھا۔ اس کی سرداری سب مانتے تھے۔ اب میں اس کا جانشین ہوا۔

جب میں شہر والوں سے ملنے جلنے لگا تو میں نے دیکھا کہ ہر چاند رات کو ان کی حالت بدل جاتی ہے۔ ان کے پر نکل آتے ہیں۔ وہ آسمان کی طرف اڑ جاتے ہیں۔ بچوں اور عورتوں کے سوا اور کوئی شہر میں باقی نہیں رہتا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ جب مہینہ شروع ہو گا تو میں بھی ان میں سے کسی سے درخواست کروں گا' ممکن ہے کہ

وہ جہاں جاتے ہوں مجھے بھی اپنے ساتھ لیتے جائیں۔ جب نیا چاند نکلا تو ان کی حالت متغیر ہو گئی۔ صورتیں بدل گئیں۔ میں نے ان میں سے ایک شخص کے پاس جا کر کہا کہ خدا کے لیے مجھے بھی اپنے ساتھ اڑا لے چل تا کہ میں بھی سیر کروں اور تم لوگوں کے ساتھ واپس آ جاؤں۔ اس نے کہا یہ ممکن نہیں مگر میں اصرار کرتا رہا۔ آخر اس نے میری درخواست منظور کر لی اور میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ اور وہ مجھے لے کر ہوا میں اڑ گیا۔ اس کی خبر نہ میرے گھر والوں کو تھی نہ غلاموں کو نہ دوستوں کو۔ وہ شخص مجھے اپنے کندھوں پر بٹھائے اڑا لیے چلا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ میں آسمان کے قریب پہنچ گیا اور مجھے آسمان کے گنبد میں فرشتوں کی تسبیح سنائی دینے لگی۔ یہ سن کر مجھے بڑا اچنبھا ہوا اور میں کہنے لگا کہ پاک ہے اللہ اور ساری تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔ میں ابھی یہ تسبیح ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ آسمان سے ایک آگ نکلی اور قریب تھا کہ وہ سب جل کر بھسم ہو جائیں اس لیے وہ سب اتر پڑے' مجھے ایک اونچے پہاڑ پر اتار دیا۔ مجھ پر سخت ناراض ہوئے اور مجھے اکیلا چھوڑ کر چل دیئے۔ جب میں اکیلا رہ گیا و اپنے اوپر لعنت ملامت کرنے لگا اور لاحول پڑھ کر کہا کہ جب کبھی تار سے چھوٹتا ہوں تو کڑھائی میں جا پڑتا ہوں۔

میں برابر اس پہاڑ پر پڑا رہتا اور میری یہ سمجھ میں نہ آتا کہ کہاں جاؤں اتنے میں' میں نے دو لڑکے آتے ہوئے دیکھے جو چاند کی طرح خوبصورت تھے اور جن سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک سونے کی چھڑی تھی جس کے سہارے وہ چلتے پھرتے۔ میں نے ان کے پاس جا کر سلام کیا' انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا خدا کے لیے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور تمہارا قصہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم خدا کے بندے ہیں اور یہ کہہ کر انہوں نے مجھے اپنے پاس سے سرخ سونے کی ایک چھڑی دی اور مجھے چھوڑ کر چلتے ہوئے۔ میں اس چھڑی کی ٹیک لگا کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ اور دونوں لڑکوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ پہاڑ کے نیچے سے ایک سانپ

نکلا جس کے منہ میں ایک شخص تھا۔ جسے وہ ناف سے نیچے تک نگل چکا تھا۔ اور وہ شخص چلا چلا کر کہہ رہا تھا کہ جو مجھے چھڑائے گا خدا اسے ہر مصیبت سے نجات دے گا۔

یہ سن کر میں آگے بڑھا' سونے کی چھڑی سانپ کے سر پر ماری اور اس نے شخص کو اگل دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو چھیاسٹھ ویں رات

پانچ سو چھیاسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب سند باد بحری نے سانپ کو سونے کی چھڑی سے مارا اور اس نے اس شخص کو اپنے منہ سے اگل دیا تو اس کا بیان ہے کہ وہ شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ چونکہ تیرے ہاتھ سے مجھے اس سانپ سے چھٹکارا ملا ہے میں کبھی تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ تو اس پہاڑ پر میرا دوست ہو گا۔ میں نے کہا مرحبا اور ہم دونوں اس پہاڑ پر چلنے پھرنے لگے۔ تھوڑی دیر نہ ہوئی تھی کہ بہت سے لوگ ہماری طرف آتے دکھائی دیئے' غور سے دیکھنے پر مجھے ان میں وہ شخص بھی دکھائی دیا جو مجھے اپنے کندھے پر اٹھا کر اڑا لے گیا تھا۔ میں نے اس کے پاس جا کر معافی مانگی اور میٹھی زبان سے کہنے لگا اے میرے دوست' دوست' دوست سے ایسا برتاؤ نہیں کرتے۔ اس نے جواب دیا تو نے میری پیٹھ پر تسبیح پڑھ پڑھ کر مجھے ہلاک کر دیا۔ میں بولا اس کا برا نہ مان مجھے اس کا علم نہ تھا۔ اب میں آئندہ کبھی ایسا نہ کروں گا۔ یہ سن کر وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تیار ہو گیا لیکن شرط کرا لی کہ میں اس کی پیٹھ پر تسبیح نہ پڑھوں گا وہ مجھے اپنے اوپر بٹھا کر پہلے کی طرح اڑ گیا اور مجھے میرے گھر پہنچا دیا۔ میری بیوی نے مجھے دیکھ کر سلام کیا' میری سلامتی پر مبارک باد دی اور کہنے لگی کہ خبردار! اب پھر کبھی ان لوگوں کے ساتھ باہر نہ جائیو نہ ان کے ساتھ اپنا اٹھنا بیٹھنا رکھیو کیونکہ وہ شیطان کے بچے ہیں اور خدا کی یاد سے بے خبر ہیں۔ میں نے پوچھا تیرے باپ کی ان کے ساتھ کیسے گزرتی تھی؟ اس نے جواب دیا کہ میرا باپ ان کے گروہ کا نہ تھا' نہ ان کی سی حرکتیں کیا کرتا تھا۔ خیر اب جبکہ میرا باپ مر چکا ہے تو میری رائے یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے تو اسے بیچ کر تجارتی سامان خرید اور مجھ کو ساتھ لے کر اپنے

اہل و عیال کے پاس وطن روانہ ہو جا۔ ماں باپ کے مر جانے کے بعد مجھے بھی اس شہر میں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔
چنانچہ میں نے بوڑھے کی سب چیزیں ایک ایک کر کے بیچنی شروع کر دیں اور اس انتظار میں رہا کہ کوئی شخص اس شہر سے سفر کرے تو میں بھی اس کے ساتھ روانہ ہو جاؤں۔ اس عرصے میں شہر کی ایک جماعت نے سفر کا ارادہ کیا لیکن انہیں کوئی کشتی نہ ملی۔ انہوں نے لکڑی خرید کر ایک بڑی کشتی بنائی۔ میں نے بھی کرایہ دے کر اپنی بیوی کو اس میں بٹھایا' اپنا مال و اسباب اس میں رکھا باقی جائیداد چھوڑی اور ہم روانہ ہو گئے۔ ہوا موافق تھی۔ ہم سمندر سمندر اور جزیرے جزیرے سفر کرتے صحیح و سلامت بصرے پہنچ گئے اور بغیر وہاں قیام کیے ایک دوسری کشتی میں کرایہ دے کر بیٹھ گئے اور اپنا سارا سامان اس میں رکھ کر بغداد پہنچے۔ میں اپنے گھر میں داخل ہوا' گھر والوں اور یار دوستوں سے ملاقات کی' اپنا سارا مال و اسباب گوداموں میں رکھا۔ جب میرے گھر والوں نے حساب کیا کہ میں اس ساتویں سفر میں کتنی مدت غائب رہا تو ستائیس سال نکلے۔ اس مرتبہ وہ مجھ سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے جب میں لوٹا اور میں نے اپنی ساری کہانی اور جو جو کچھ میرے اوپر گزرا تھا بیان کیا تو انہیں اس پر بڑا اچنبھا ہوا اور انہوں نے میری سلامتی پر مجھے مبارکباد دی۔ اور میں نے خدا کے آگے توبہ کی کہ اس ساتویں سفر کے بعد اب میں نہ سمندر کا سفر کروں گا نہ خشکی کا بس یہی سفر میرا آخری سفر تھا۔ پھر کبھی نہ مجھے کمانے کی ہوس ہو گی نہ سیر کا لالچ۔ اس کے بعد میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور اس کی حمد و ثناء کی کہ وہ مجھے میرے گھر واپس لے آیا۔
دیکھ اے سند باد بری! میرے اوپر کیا کیا گزری اور کیا کیا پیش آیا اور میری کیا کیا گت بنی۔ سند باد بری نے سند باد بحری سے کہا خدا کے لیے جو گستاخی مجھ سے تیرے حق میں ہوئی ہے' اسے معاف کر دے۔ اس کے بعد وہ عیش و عشرت اور ہنسی خوشی سے زندگی بسر کرنے لگے یہاں تک کہ لذتوں کو کرکری' صحبتوں کو تتر بتر' محلوں کو

ویران اور قبروں کو آباد کرنے والی چیز آ پہنچی اور وہ موت ہے' پاک ہے وہ ذات جو مرتی نہیں۔

○ ان لٹیوں کی کہانی جن میں سلیمان علیہ السلام دیوؤں کو بند کیا کرتے تھے

میں نے سنا ہے کہ پرانے زمانے میں ایک خلیفہ عبدالملک بن مروان نامی تھا۔ ایک روز وہ اپنے ملک کے سرداروں اور حاکموں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ گزشتہ قوموں کی بحث چھڑ گئی اور اس بات کا ذکر چلا کہ خدا نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کو انسانوں' جنوں' پرندوں' چرندوں' درندوں' وغیرہ پر حکومت دی تھی۔ بعض لوگ کہنے لگے کہ ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ خدا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی سی حکومت کسی کو نہیں دی۔ انہوں نے وہ کام کیے جو کسی اور سے نہ ہوئے حتیٰ کہ انہوں نے جنوں' دیوؤں اور شیطانوں کو پیتل کی لٹیوں میں بند کیا اور ان پر سیسہ پگھلا کر اپنی مہر لگا دی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو سڑسٹھ ویں رات

پانچ سو سڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... انہوں نے کہا کہ وہ دیوؤں اور شیطانوں کو پیتل کی لٹیوں میں بند کرتے اور ان پر سیسہ پگھلا کر اپنی مہر لگا دیتے۔ طالب بن سہل نے بیان کیا کہ ایک شخص کچھ لوگوں کے ساتھ ایک کشتی میں سوار ہو کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ وہ چلے ہی جا رہے تھے کہ ایک ایسی آندھی آئی کہ اس نے انہیں لے جا کر خدا کے ملکوں میں سے کسی نئے ملک میں پہنچا دیا۔ یہ رات کا وقت تھا جب دن نکلا تو غاروں میں سے کالے بھجنگ لوگ نکلے جو جانوروں کی طرح ننگے تھے اور کوئی بولی نہ سمجھتے تھے انہی میں ان کا بادشاہ بھی تھا اور سوائے اس کے دوسرا کوئی عربی نہ سمجھتا نہ بول سکتا تھا جب کشتی اور کشتی والوں پر ان کی نظر پڑی تو بادشاہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ہمارے پاس آیا' سلام کیا اور مذہب دریافت کیا۔ ہم نے ڈرتے ڈرتے اپنا دین بتایا تو اس نے کہا تم ڈرو نہیں۔ اس کے بعد جب میں نے ان کا مذہب پوچھا تو ان میں ہر ایک کو کسی نہ کسی ایسے دین پر پایا جو اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا تھا۔ اس پر کشتی والوں نے کہا کہ تیری باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ تیرے دین و مذہب کی ہمیں بالکل خبر نہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ تم سے پہلے کوئی بشر ہمارے ملک میں نہیں آیا۔ اب اس نے ہمیں چڑیوں' جانوروں اور مچھلی کا گوشت کھلایا کیونکہ ان کے سوا وہ لوگ اور کوئی چیز کھاتے نہ تھے۔

اس کے بعد کشتی والے شہر میں سیر کرنے لگے اور انہوں نے دیکھا کہ ایک ماہی گیر نے سمندر میں جال پھینکا کہ مچھلیاں پکڑے۔ جال کھینچا تو اس میں پیتل کی ایک لٹیا نکلی جس پر سیسہ پگھلا ہوا تھا اور سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی مہر لگی ہوئی تھی۔ ماہی

گیر نے اسے نکال کر توڑا اس میں سے ایک نیلا دھواں نکل کر آسمان سے جا ملا اور ہم نے ایک بھیانک آواز کو کہتے سنا کہ اے نبی اللہ توبہ! توبہ! ------ پھر اس دھوئیں میں سے ایک خوفناک شکل اور ڈراؤنی صورت کا شخص نکلا جس کا سر پہاڑ کے اوپر تھا اور فوراً غائب ہو گیا یہ دیکھ کر کشتی والوں کے دل کانپ اٹھے مگر وہاں کے لوگوں نے اس کا کوئی خیال نہ کیا۔ ایک شخص نے بادشاہ سے جا کر اس کا سبب پوچھا۔
اس نے جواب دیا کہ یہ ان دیوؤں میں سے ہے جنہیں حضرت سلیمان علیہ السلام ناراض ہو کر ان لٹیوں میں بند کر دیتے اور ان پر سیسہ پگھلا کر انہیں سمندر میں پھینک دیتے تھے۔ اکثر یہ ہوا کہ جب ماہی گیروں نے جال ڈالا تو ان میں سے کوئی نہ کوئی لٹیا نکل آتی ہے اور اس کی مہر توڑی ہے تو اس میں سے دیو نکلا ہے اور اس خیال سے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ابھی زندہ ہوں گے وہ توبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے نبی اللہ' توبہ!
امیر المومنین عبدالملک بن مروان یہ سن کر اچنبھے میں پڑ گیا۔ اور کہنے لگا کہ پاک ہے خدا۔ اس نے سلیمان کو واقعی ایک عظیم الشان حکومت دی تھی او اسے یہ باتیں پسند آئیں۔ وہ بولا خدا کی قسم میں بھی اس قسم کی لٹیاں دیکھنا چاہتا ہوں۔ طالب بن سہل نے کہا کہ تو یہیں بیٹھے بیٹھے دیکھ سکتا ہے۔ اپنے بھائی عبدالعزیز بن مروان کو لکھ کہ وہ تجھے یہ لٹیاں مراکش سے منگوا کر بھیج دے۔ اس طرح کہ وہ موسیٰ بن نصیر کو لکھے کہ وہ مراکش سے سوار ہو کر اس پہاڑ کے پاس جائے جس کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے اور جتنی لٹیاں چاہے لے آئے کیونکہ اس کے ملک کی سرحد اس پہاڑ سے ملتی ہے۔ امیر المومنین کو اس کی رائے پسند آئی۔ اس نے کہا اے طالب تو سچ کہتا ہے میں چاہتا ہوں کہ تو ہی میرا ایلچی بن کر اس کام کے لیے موسیٰ بن نصیر کے پاس جا۔ میں تجھے سفید جھنڈا دیتا ہوں' اس کے علاوہ جتنا مال او نوکر چاکر وغیرہ تو چاہے اور تیرے پیچھے تیرے گھر والوں کی میں خبر گیری کروں گا۔ اس نے کہا اے

امیر المومنین سر آنکھوں سے۔ خلیفہ نے کہا اچھا روانہ ہو جا' خدا تجھے برکت دے اور تیری مدد کرے۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ اس کے بھائی کے نام جو مصر میں ان کا نائب ہے' ایک خط لکھا جائے اور دوسرا خط موسیٰ کے نام جو مراکش میں اس کا نائب ہے کہ وہ خود سلیمانی لٹیوں کی تلاش میں جائے اور ملک کا انتظام اپنے بیٹے کے ہاتھ میں چھوڑ جائے۔ اپنے ساتھ رہبروں کو لے جائے۔ مال خرچ کرے اور بہت لوگ اس کے ساتھ ہوں۔ اس میں کمی نہ ہونی چاہیے اور نہ سوچ بچار کی ضرورت ہے۔ یہ لکھ کر اس نے خط پر مہر لگا دی اور طالب بن سہل کو دے کر کہا کہ جلدی کر اور اس کے ساتھ جھنڈے بہت سا مال اور سوار اور پیادے دیئے تاکہ اسے ان سے راہ میں مدد ملے اور اس کے گھر والوں کے لیے کھانے پینے کا انتظام بھی کر دیا۔
اور طالب مصر کی طرف روانہ ہو گیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو اڑسٹھ ویں رات

پانچ سو اڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... طالب بن سہل اور اس کے ساتھی روانہ ہو گئے اور شام کا ملک طے کرتے ہوئے مصر پہنچے۔ مصر کے

امیر نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اسے اپنے پاس اتارا اور جب تک وہ رہا اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ پھر اس کے ساتھ ایک رہبر کر دیا جو اسے بالائی مصر لے جا کر امیر موسیٰ بن نصیر کے پاس پہنچا آیا۔ جب امیر کو اس کے آنے کی خبر لگی تو وہ اس کے خیر مقدم کے لیے نکلا اور اس سے مل کر بہت خوش ہوا۔ طالب نے اسے خط دیا' اس نے لے کر پڑھا' اس کا مطلب سمجھا اور اسے اپنے سر پر رکھ کر کہا کہ امیر المومنین کا حکم سر آنکھوں پر' اس کے بعد اس نے مناسب خیال کیا کہ وہ اپنے مصاحبوں کو بلائے۔ وہ حاضر ہوئے تو اس نے خط کے مضمون کے متعلق ان سے مشورہ کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر تجھے ایسے شخص کی ضرورت ہو جو تجھے وہاں پہنچا دے تو شیخ عبد الصمد بن عبدالقدوس صمودی کو ساتھ لے جا کیونکہ اس نے بہت سفر کیا ہے اور وہ جنگلوں' بیابانوں' سمندروں' ملکوں' ان کے اطراف و جوانب اور عجائبات سے بخوبی واقف ہے۔ بس اسی کو تو اپنے ساتھ لے اور وہ تجھے جہاں تو جانا چاہتا ہے پہنچا دے گا۔ امیر نے اسے بلوایا۔ جب وہ آیا تو دیکھا کہ وہ بہت بوڑھا ہے۔ بہت سی گرمیاں سردیاں اس کے اوپر گزر چکی ہیں۔ امیر موسیٰ نے اسے سلام کیا اور کہا اے شیخ عبدالصمد ہمارے مولیٰ امیر المومنین عبدالملک بن مروان نے ہمیں فلاں حکم دیا ہے۔ مجھے اس ملک سے زیادہ واقفیت نہیں لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ تو ان ملکوں اور راستوں سے بخوبی واقف ہے۔ کیا تو' امیر المومنین کی خواہش پوری کر دے گا؟ شیخ بولا اے امیر' وہاں کا راستہ مشکل اور لمبا ہے' سڑکیں بہت کم ہیں۔ امیر نے کہا کتنا فاصلہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ دو سال اور کچھ مہینے جانے کے اور اتنے ہی لوٹنے کے سمجھو اور

اس میں تکلیفوں' خطروں اور عجائبات کا سامنا ہے۔ تو جنگ جو آدمی ہے اور ہمارا ملک دشمنوں کے پڑوس میں ہے۔ ممکن ہے کہ تیرے پیچھے عیسائی ہم پر چڑھائی کر دیں اس لیے تجھے چاہیے کہ کہ ملک میں کسی ایسے شخص کو اپنا جانشین بنا جو اسے سنبھال سکے۔
امیر نے کہا ٹھیک ہے اور ملک کے انتظام کے لیے اس نے اپنے بیٹے ہاروں کو اپنا جانشین بنا دیا۔ لوگوں سے اس کی بیعت لی اور لشکر کو حکم دیا کہ وہ اس کی مخالفت نہ کریں بلکہ ہر بات میں اس کا کہنا مانیں۔ انہوں نے اس کی باتیں کان لگا کر سنیں اور کہا کہ ہم تیرا حکم مانیں گے۔ اس کا بیٹا ہارون بڑا طاقتور اور بہادر سورما تھا۔
اب شیخ عبدالصمد نے بیان کیا کہ اس جگہ کا فاصلہ جہاں امیر المومنین بھیجنا چاہتا ہے سمندر کے کنارے کنارے چار مہینے کا ہے لیکن راہ میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سرائیں ہیں' سبزہ زار چشمے بھی اور اے امیر المومنین کے نائب تیری برکت سے خدا ہمارے لیے آسانی پیدا کر دے گا۔ امیر موسیٰ نے پوچھا کہ ہم سے پہلے بھی کسی بادشاہ نے اس سر زمین کا سفر کیا ہے؟ اس نے جواب دیا اے مسلمانوں کے سردار کیا ہے۔ یہ ملک اسکندریہ کے بادشاہ داران رومی کے ماتحت رہا ہے۔ پھر وہ روانہ ہو گئے اور چلتے چلتے ایک محل کے پاس پہنچے۔ شیخ نے کہا میرے ساتھ اس محل میں چل کیونکہ وہ ایک عبرت کی جگہ ہے' ان لوگوں کے لیے جو عبرت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر امیر موسیٰ شیخ عبد الصمد اور اپنے خاص خاص ساتھیوں کو لے کر محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وہ اس کے دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ کھلا ہوا ہے۔ اس کے بڑے اونچے اونچے کھمبے اور بہت سے زینے' منجملہ ان کے دو لمبے زینے جو رنگ بہ رنگ مرمر کے ہیں اور جن کا جواب اس کی نظر سے کبھی نہ گزرا تھا۔
چھتوں اور دیواروں پر سونے چاندی او ہیرے جواہرات کے نقش و نگار ہیں اور دروازے پر ایک تختی لگی ہوئی ہے جس پر یونانی زبان میں کچھ لکھا ہوا ہے۔ شیخ نے اسے پڑھ کر سنایا۔ اس میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر تھا۔ امیر موسیٰ سن کر رونے لگا یہاں تک

کہ اسے غش آ گیا اور کہنے لگا کہ کوئی معبود نہیں سوا اللہ کے جو زندہ رہنے والا اور باقی ہے اور جسے کبھی زوال نہیں آنے کا۔

اس کے بعد وہ محل کے اندر داخل ہوا۔ اس کی تعمیر کی خوبصورتی پر اچنبھا کرنے لگا اور دیکھا کہ اس میں بہت سی تصویریں اور نقش و نگار ہیں اور دوسرے دروازے پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ امیر موسیٰ نے کہا اے شیخ آگے بڑھ کر اسے پڑھ۔ شیخ نے آگے بڑھ کر پڑھا۔ اس میں بھی دنیا کی بے ثباتی کا ذکر تھا۔ امیر موسیٰ کے بے اختیار آنسو نکل پڑے' دنیا اس کی آنکھوں کے آگے اندھیری ہو گئی۔ وہ کہنے لگا کہ ہم واقعی آخرت کے بڑے کام کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اب لوگ محل کی سیر کرنے لگے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہاں کوئی رہنے والا باقی نہیں' سب مرمٹے ہیں' صحن کاٹنے کو دوڑتا ہے' ہر طرف ہوا کا میدان ہے۔ میدان میں ایک بڑا اور شاندار گنبد ہے' اس کے ارد گرد چار سو قبریں ہیں۔ امیر موسیٰ ان قبروں کے بیچ میں گیا اور اس کی نظر ایک قبر پر پڑی جس پر دنیا کی بے ثباتی کے اشعار کندہ تھے۔ انہیں پڑھ کر امیر موسیٰ اور اس کے ساتھیوں پر رقت طاری ہو گئی۔ پھر وہ گنبد کے پاس گیا دیکھا کہ اس کے آٹھ دروازے اور سب صندل کی لکڑی کے ہیں جن میں سونے چاندی کی میخیں لگی ہوئی اور طرح طرح کے ہیرے جواہرات کے ستارے جڑے ہوئے ہیں۔ پہلے دروازے پر مسرت آمیز اشعار کندہ ہیں۔ ان اشعار کو سن کر امیر موسیٰ اتنا رویا کہ غشی کی نوبت پہنچ گئی۔ ہوش آیا تو وہ گنبد کے اندر گیا اور اس کی نظر ایک لمبی اور ڈراؤنی قبر پر پڑی جس پر چینی لوہے کی ایک تختی لگی ہوئی تھی۔ شیخ عبدالصمد نے اس کے قریب جا کر دیکھا تو اس پر لکھا ہوا تھا:

"میں اللہ کا نام لیتا ہوں جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔ میں اللہ کا نام لیتا ہوں جس نے کسی کو جنا نہ جنایا ہے اور جس کا کوئی ہمسر نہیں۔ میں اللہ کا نام لیتا ہوں جو بڑی قوت اور دبدبے والا ہے۔ میں اللہ کا نام لیتا ہو جو زندہ ہے اور مرتا نہیں۔"

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

ooo

• پانچ سو انہترویں رات

پانچ سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب شیخ عبدالصمد وہ پڑھ چکا جو میں کل رات بیان کر چکی ہوں تو اس نے دیکھا کہ اس کے بعد یہ

لکھا ہوا ہے:

"اے یہاں کے آنے والے' زمانے کے جو حوادث اور تغیرات تو یہاں دیکھ رہا ہے۔ ان سے عبرت پکڑ! دنیا کی زیب و زینت' دغا بازی' بہتان' غرور اور خرافات کے دھوکے میں نہ آ کیونکہ وہ خوشامدی' مکار اور دغا باز ہے۔ اس کی تمام چیزیں ادھار کی ہیں جنہیں وہ ان سے لے لے گی۔ وہ محض ایک خواب ہے جو سونے والا دیکھتا ہے اور ریگستان کا سراب ہے جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے۔ انسان کے مرنے تک شیطان اسے دنیا کا سبز باغ دکھاتا ہے۔ یہ ہے تعریف دنیا کی۔ اس پر نہ بھروسا کر نہ اس کی طرف جھک۔ جو کوئی اس پر بھروسا کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیتا ہے۔ وہ اس سے دغا بازی کرتی ہے۔ اس کے جال میں نہ پھنس' اس کا دامن نہ پکڑ۔ مجھے دیکھ کہ میرے پاس چار ہزار کمیت گھوڑے تھے' بہت سے محل' میں نے ایک ہزار شہزادیوں سے شادیاں کی تھیں جو ہر ایک باکرہ تھی۔ جن کے سینے ابھرے ہوئے تھے' جن کے منہ چاند کے ٹکڑے تھے۔ خدا نے مجھے ایک ہزار بیٹے عطا کیے تھے جو شیر کی طرح بہادر تھے۔ میری عمر ایک ہزار سال ہوئی۔ میں نے دلی اطمینان اور قلبی سکون کے ساتھ زندگی گزاری۔ تمام ملکوں کے بادشاہوں سے زیادہ مال جمع کیا۔ میں اس دھوکے میں رہا کہ یہ نعمتیں ہمیشہ رہیں گے اور انہیں کبھی زوال نہ ہو گا لیکن مجھے معلوم بھی نہ ہوا کہ یک بہ یک مزوں کو کرکری اور صحبتوں کو تتر بتر' گھروں کو ویران' بستیوں کو اجاڑ' بڑوں' چھوٹوں' لڑکیوں اور ماؤں کو فنا کرنے والی موت آ پہنچی۔ ہم محل میں اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے کہ دنیاؤں' آسمانوں اور زمینوں کے پروردگار کا حکم ہم پر نازل ہوا

اور خدا کے عذاب نے ہمیں آ گھیرا ہم میں سے ہر روز دو دو شخص مرنے لگے۔ یہاں تک کہ بہتوں پر خاک پڑ گئی۔ جب میں نے دیکھا کہ موت ہمارے گھر میں آ کر ہمارے سر پر ٹوٹ پڑی ہے اور ہمیں تباہی کے سمندر میں ڈبو رہی ہے تو میں نے ایک کاتب کو بلا کر حکم دیا کہ وہ یہ اشعار اور یہ نصیحتیں لکھے۔ پھر میں نے انہیں ان دروازوں' تختیوں اور قبروں پر کندہ کرا دیا۔

میری فوج میں دس لاکھ سوار تھے جو بڑے بہادر تھے جن کے پاس زرہ بکتر تیز تلواریں اور نیزے تھے۔ جن کی کلائیاں بہت مضبوط تھیں۔ میں نے انہیں حکم دیا کہ وہ زرہ بکتر پہنیں' تیر تلواریں لگائیں' خوفناک بھالوں کو رکاب پر رکھیں اور اصیل گھوڑوں پر سوار ہوں۔ اس کے بعد جب دنیاؤں اور زمین و آسمان کے پروردگار کا حکم مجھ پر اترا تو میں نے اس نے کہا کہ کیا تم زبردست خدا کے اس حکم کو روک سکتے ہو لیکن لشکروں اور فوجوں نے اپنی عاجزی کا اظہار کیا اور کہنے لگے کہ ہم اس طاقت سے کس طرح لڑ سکتے ہیں جسے کوئی دربان روک نہیں سکتا اور جو ایسے دروازے کا مالک ہے جہاں کوئی دربان نہیں! میں نے کہا کہ میرا سارا خزانہ لاؤ۔ یہ خزانہ ایک ہزار تہ خانوں میں تھا ہر تہ خانے میں سرخ سونے کے ایک ہزار ڈھیر تھے' طرح طرح کے موتی' جواہرات اور اس قدر سفید چاندی اور علاوہ ان کے اس قدر ذخیرے جو کسی بادشاہ کے پاس نہ ہوں گے۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب سارا مال میرے سامنے آیا تو میں نے ان سے پوچھا کہ تم یہ سارا مال دے کر میرے لیے ایک دن کی زندگی خرید سکتے ہو؟ لیکن وہ یہ بھی نہ کر سکے اور تقدیر کے قائل ہو گئے اور میں صبر کے ساتھ خدا کے مقدور اور امتحان کی راہ دیکھنے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے میری روح قبض کر کے مجھے قبر میں لٹا دیا۔ اگر تو میرا نام جاننا چاہتا ہے تو جان لے کہ میں کوش بن شداد بن عاد اکبر ہوں۔" قوموں کی تباہی کا یہ حال دیکھ کر امیر موسیٰ اتنا رویا کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔

وہ لوگ محل میں ادھر ادھر گھوم رہے! اس کے مجلس کدوں اور تفریح گاہوں کی سیر کر رہے تھے کہ ان کی نظیر ایک کھانے کی میز پر پڑی۔ جس کے چاروں پائے مر مر کے تھے اور جس پر یہ لکھا ہوا تھا کہ اس میز پر ہزار بادشاہوں نے کھانا کھایا ہے جو کانے تھے۔ اور ہزار نے جن کی دونوں آنکھیں سلامت تھیں۔ وہ سب کے سب دنیا سے چل بسے اور قبروں میں جا کر رہنے لگے۔"

امیر موسیٰ نے سارے کتبے لکھ لیے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔ سوا اس میز کے اپنے ساتھ کوئی چیز نہ لی اور محل سے باہر نکل آیا۔ لشکر روانہ ہوا۔ شیخ عبدالصمد آگے آگے انہیں راستہ بتاتا جاتا تھا۔ ایک دن گزرا' پھر دوسرا اس کے بعد تیسرا' چوتھے روز وہ ایک اونچے ٹیلے پر پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس کے اوپر پیتل کا ایک سوار ہے' اس کے بھالے کا پھل اتنا بڑا اور چمکدار ہے کہ اس سے آنکھوں میں چکا چوندھ سی ہوئی جاتی ہے اور اس پر یہ لکھا ہوا ہے کہ اے میرے پاس پہنچنے والے' اگر تجھے پیتل کے شہر کا راستہ معلوم نہ ہو تو اس سوار کی ہتھیلی کو رگڑ وہ گھوم کر رک جائے گا۔ جس طرح وہ رکے اسی طرف چل دیئے اور ڈر نہیں کیونکہ وہ راستہ تجھے پیتل کے شہر تک پہنچا دے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو سترویں رات

پانچ سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... امیر موسیٰ نے سوار کی ہتھیلی رگڑی تو وہ بجلی کی طرح پھر کر ایک طرف ہو گیا۔ لوگ اسی جانب چل کھڑے ہوئے واقعی یہی ٹھیک راستہ تھا۔ چلتے چلتے بہت بڑی مسافت طے کر چکے تو ایک دن جب کہ وہ چلے جا رہے تھے انہیں کالے پتھر کا ایک کھمبا دکھائی دیا جس کے اندر ایک شخص بغلوں تک پھنسا ہوا تھا۔ اس شخص کے دو بڑے بڑے بازو اور چار ہاتھ تھے۔ دو ہاتھ تو انسان جیسے اور دو شیر کی طرح جن میں پنجے تھے۔ سر کے بال ایسے جیسے گھوڑے کی دم' آنکھیں ایسی جیسے دو انگارے۔ معمولی دو آنکھوں کے سوا ایک تیسری آنکھ بھی تھی۔ ماتھے کے بیچ میں تینروے کی سی جس میں سے آگ کی چنگاریں اڑ رہی تھیں۔

وہ شخص لمبا تڑنگا' کالا بجنگ تھا اور زور زور سے یہ کہہ رہا تھا کہ پاک ہے میرا پروردگار جس کا حکم ہے کہ میں قیامت تک اس بڑی بلا اور درد ناک عذاب میں مبتلا رہوں۔

اسے اس طرح دیکھ کر لوگوں کے حواس جاتے رہے اور سہم کر بھاگے۔ امیر موسیٰ نے شیخ عبدالصمد سے پوچھا کہ یہ کیا بلا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ کون ہے؟ امیر نے کہا اس کے پاس جا کر اس کا حال دریافت کر' ممکن ہے کہ وہ اپنا حال بتا دے اور تجھے اس کا علم ہو جائے۔ شیخ عبدالصمد نے کہا کہ خدا امیر کا بھلا کرے! ہمیں اس سے ڈر لگتا ہے۔ امیر نے کہا کہ ڈر نہیں۔ وہ تو اس حالت میں ہے کہ نہ تمہارا بگاڑ سکتا ہے نہ کسی اور کا۔ اب شیخ عبدالصمد نے اس کے پاس جا کر کہا اے شخص تیرا نام کیا ہے اور تیری یہ کیا حالت ہے۔ کس نے تجھے یہاں لا کر اس طرح رکھا ہے؟ وہ بولا میں دیو ہوں۔ جنات میں سے۔ میرا نام داہش بن اعمش ہے۔ قسمت نے مجھے لا کر یہاں باندھا اور قید کیا ہے اور جب تک خدا چاہے

گا مجھے اس عذاب میں مبتلا رکھے گا۔ امیر موسیٰ نے کہا' اے شیخ عبدالصمد اس سے یہ پوچھ کہ وہ اس کھمبے میں کیوں قید کیا گیا ہے۔ اس نے پوچھا' دیو نے جواب دیا کہ میری کہانی عجیب ہے اور وہ یہ ہے:

○ دیو داہش کی کہانی

ابلیس کی اولاد میں سے کسی کا ایک بت تھا۔ سرخ عقیق کا بنا ہوا اور وہ میری سپردگی میں تھا۔ جزیروں کا ایک بڑا زبردست بادشاہ اس کی پوجا کیا کرتا۔ اس کے ماتحت جنوں کی دس لاکھ فوج تھی جو اس کے لیے تلواروں سے لڑتی اور مشکل وقت اس کے آڑے آتی۔ یہ جنات جو اس کی اطاعت کرتے میرے ماتحت تھے۔ جو کچھ میں انہیں حکم دیتا وہی کرتے اور یہ وہی تھے جو حضرت سلیماں بن داؤد علیہ السلام کی فرمانبرداری سے باہر تھے۔ میں اس بت کے اندر جا کر ان کے لیے احکام صادر کرتا۔ بادشاہ کی بیٹی کو اس بت سے بڑی محبت تھی۔ وہ اس کے آگے اکثر سجدے کیا کرتی اور اس کی پوجا میں لگی رہتی۔ حسن و جمال میں وہ دنیا بھر میں لاجواب تھی۔ جب اس کی تعریف حضرت سلیمان علیہ السلام کے آگے کی گئی تو انہوں نے اس کے باپ کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنی لڑکی کا بیاہ میرے ساتھ کر دے۔ اپنے عقیق کے بت کو توڑ ڈال اور اس بات کا اقرار کر کہ سوا خدا کے کوئی معبود نہیں اور سلیمان خدا کا نبی ہے۔ اگر تو نے یہ کیا تو ہمارا فائدہ تیرا فائدہ ہے اور ہمارا نقصان تیرا نقصان ہے اور اگر تو نے نہ مانا تو میں ایسا لشکر لے کر تجھ پر چڑھائی کروں گا جس کا تو مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا یا تو میرے سوال کا مناسب جواب دے ورنہ موت کا کفن پہن کر تیار ہو جا کیونکہ میں ایسا لشکر لے کر آؤں گا جس سے زمین و آسمان بھر جائے گا اور تو فنا ہو جائے گا۔ جب سلیمان علیہ السلام کا ایلچی اس کے پاس پہنچا تو اس نے بہت برا مانا۔ مارے گھمنڈ کے اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھنے لگا اور اپنے وزیروں سے کہا سلیمان بن داؤد کے بارے

میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے مجھے پیغام بھیجا ہے کہ میں اپنی بیٹی اسے دوں' اپنا عقیق کا بت توڑ ڈالوں اور اس کا مذہب اختیار کروں۔ وہ بولے کہ اے عظیم الشان بادشاہ' تو تو اس بڑے سمندر کے اندر ہے سلیمان تیرا کیا کر سکتا ہے؟ اگر وہ تجھ تک پہنچ بھی گیا تو بھی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کیونکہ جنات تیرے ساتھ ہو کر لڑیں گے اور بت جس کی تو پوجا کرتا ہے تیری مدد کرے گا۔ بشرطیکہ تو اس کی مدد مانگے۔ بہتر یہ ہے کہ تو اس بارے میں اپنے رب سے مشورہ کرے' رب سے مطلب ان کا وہی سرخ عقیق کا بت تھا اور اس کی صلاح پر عمل کرے۔ اگر وہ لڑنے کا مشورہ دے تو لڑ ورنہ صلح کر لے۔

یہ سن کر وہ بادشاہ فوراً اپنے بت کے پاس گیا اور جانور ذبح کر کے قربانی چڑھائی' سجدے میں گر گیا اور رو کر کہنے لگا اے میرے پروردگار' میں تیری عزت اور احترام کرتا ہوں مگر دیکھ سلیمان تجھے توڑنے کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہے۔ اے میرے پروردگار میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں۔ جو تو حکم دے گا میں وہ کروں گا۔ اس کے بعد اس دیو نے جو آدھا کھمبے کے اندر تھا۔ شیخ عبدالصمد سے کہا۔ اس کے ساتھی دیو کی باتیں سن رہے تھے۔ کہ میں بت کے اندر گیا اور چونکہ میں اپنی جہالت اور نا سمجھی کی وجہ سے سلیمان کی تیاری سے بے خبر تھا۔ میں نے یہ جواب دیا کہ میں تو اس سے نہیں ڈرتا کیونکہ میں ہر بات جانتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے لڑنا چاہتا ہے تو میں اس سے لڑنے کے لیے تیار ہوں اور اس کی روح نکال کر چھوڑوں گا۔ جب بادشاہ نے میرا جواب سنا تو اس کا دل مضبوط ہو گیا۔ اس نے خدا کے نبی سلیمان علیہ السلام سے لڑنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ اس نے ایلچی کو خوب مارا' سخت جواب دیا اور ایلچی کے ہاتھ انہیں کہا بھیجا کہ تو نے اپنے آپ کو سمجھا کیا ہے۔ تو مجھے محض گیدڑ بھبکیاں دیتا ہے۔ اب اگر تو نے میرے اوپر چڑھائی نہ کی تو میں تیرے اوپر دھاوا بول دوں گا۔ ایلچی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جا کر سارا ماجرا اور جو کچھ اس کی گت بنی تھی' سب کہہ سنایا۔

یہ سن کر خدا کے نبی سلیمان علیہ السلام نے قیامت برپا کر دی اور بڑی مستعدی کے

ساتھ انسانوں' جنوں' جانوروں' پرندوں اور کیڑوں کا لشکر تیار کیا اور اپنے وزیر دمر یاط جنوں کے بادشاہ کو حکم دیا کہ وہ جناتی دیوؤں کو ہر جگہ سے اکٹھے کرے۔ اس نے ساٹھ کروڑ دیوؤں کو اکٹھا کیا۔ آصف بن برخیا کو انہوں نے حکم دیا کہ وہ اپنی انسانوں کی فوج جمع کرے۔ ان کی تعداد دس لاکھ یا اس سے بھی زیادہ تھی۔ اس کے بعد انہوں نے لڑائی کا سامان اور ہتھیار تیار کئے اور اپنے جنوں اور انسانوں کے لشکر کو لے کر اڑن کھٹولے پر سوار ہو گئے۔ پرندے ان کے اوپر اڑتے ہوئے چلے اور درندے اڑن کھٹولے کے نیچے نیچے روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ ایک میدان میں اترے اور بادشاہ کے جزیرے کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ساری زمین لشکروں سے بھر گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

پانچ سو اکہترویں رات

پانچ سو اکہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... دیو نے بیان کیا کہ جب نبی اللہ سلیمان علیہ السلام نے اتر کر اپنے لشکر کے ساتھ جزیرے کا محاصرہ کر لیا تو پھر انہوں نے ہمارے بادشاہ کے پاس پیغام بھیجا کہ لے میں آ گیا ہوں' اب اپنے آپ کو اس بلا سے بچا جو تجھ پر نازل ہوئی ہے۔ میری فرمانبرداری کر' میرے رسول ہونے کا اقرار کر' اپنے بت کو توڑ ڈال' اس ذات کی پرستش کو جو ایک ہے اور پرستش کے قابل ہے اور اپنی بیٹی کی شادی حلال طریقے سے میرے ساتھ کر دے' تو اور تیرے ساتھی کہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اور سلیمان علیہ السلام خدا کے نبی ہیں۔ اگر تو نے اس کا اقرار کر لیا تو تیرے لیے امن اور سلامتی ہے اگر تو نے انکار کیا تو جزیرے کی مضبوطی تجھے مجھ سے نہیں بچا سکتی کیونکہ بزرگ اور برتر خدا نے ہوا کو میرا فرمانبردار بنایا ہے میں اسے حکم دوں گا کہ وہ مجھے اڑن کھٹولے پر اڑا کر تیرے پاس لے جائے اور میں تیری وہ گت بناؤں گا کہ دوسرے لوگ عبرت پکڑیں گے۔ ایلچی نے بادشاہ کے پاس جا کر نبی اللہ سلیمان علیہ السلام کا پیغام پہنچا دیا۔ اس نے جواب دیا کہ جو وہ چاہتا ہے نہیں ہو گا اور اسے یقین دلایا کہ وہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقابلے میں آ رہا ہے۔ ایلچی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جا کر بادشاہ کا جواب پہنچا دیا۔ اب بادشاہ نے ایلچی بھیج کر ملک میں سے دس لاکھ جن اکٹھے کیے جو اس کے ماتحت تھے' ان کے علاوہ بہت سے دیو اور شیطان جو سمندر کے جزیروں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہتے تھے' ان کا لشکر تیار کر کے ہتھیاروں کے خزانے کھول دیئے اور انہیں لشکر والوں میں تقسیم کر دیا۔ ادھر نبی اللہ سلیمان علیہ السلام نے اپنے لشکر کی اس طرح ترتیب دی کہ درندوں کو حکم دیا کہ وہ دو حصوں میں ہو کر لشکر کے دائیں بائیں ہو جائیں۔ پرندوں کو حکم

دیا کہ وہ جزیرے میں رہیں اور دھاوے کی وقت اپنی جونچوں سے ان کی آنکھیں نکال لیں اور ان کے چہروں پر اپنے بازو ماریں اور درندوں کو انہیں یہ حکم دیا کہ وہ ان کے گھوڑوں کو مار ڈالیں۔ سب نے جواب دیا کہ اے نبی اللہ تیرا حکم سر آنکھوں پر۔

اب سلیمان علیہ السلام نے اپنے لیے ایک مرمر کا تخت لگوایا۔ جس میں سرخ سونے کے پتر لگے اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اور اپنے وزیر آصف بن برخیا کو دائیں طرف اور دوسرے وزیر دمریاط کو بائیں طرف بٹھایا۔ انسانوں کے بادشاہوں کو دائیں اور جنات کے بادشاہوں کو بائیں پر لیا۔ پھر درندوں اور سانپوں کو آگے لے کر یک بہ یک حملہ کر دیا۔ ہم دو روز تک ایک بڑے میدان میں ان سے لڑتے رہے۔ تیسرے روز ہم پر بلا نازل ہوئی اور خدا کا حکم صادر ہوا۔ جس نے سلیمان علیہ السلام پر پہلا حملہ کیا وہ میں اور میرا لشکر تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم لوگ اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو میں جا کر دمریاط کو جنگ کے لیے طلب کرتا ہوں۔ اتنے میں وہ اس طرح نکلا کہ گویا وہ ایک بہت بڑا پہاڑ تھا۔ آگ کے شعلے اس میں سے نکل رہے اور دھواں بلند ہو رہا تھا اس نے بڑھ کر مجھ پر ایک ایسا آگ کا گولا مارا کہ میری آگ ٹھنڈی پڑ گئی اور زور سے چلایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان میرے اوپر پھٹ پڑا۔ اس کی آواز سے پہاڑ ہلنے لگے۔ اب اس نے اپنے لشکر کو حکم دیا اور وہ ایک ساتھ ہمارے اوپر ٹوٹ پڑے۔ ہم نے بھی ان پر حملہ کر دیا۔ ایک دوسرے کو للکارنے لگے۔ آگیں اڑنے لگیں' دھوئیں اٹھنے لگے اور گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ پرندے ہوا میں لڑ رہے' درندے زمین پر اور میں دمریاط سے لڑ رہا تھا یہاں تک کہ اس نے مجھے' میں نے اسے تھکا مارا آخر میں کمزور ہو گیا۔ میرے ساتھی اور لشکری اتنے پریشان ہو گئے کہ بھاگ کھڑے ہوئے اور نبی اللہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چلا کر کہا کہ پکڑو اس بڑے موذی اور رذیل منحوس کو۔ یہ سنتے ہی انسان انسانوں پر اور جن جنوں پر آ ٹوٹے۔ ہمارے ہاں بھاگڑ پڑ گئی اور سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ بہت سا غنیمت کا مال لگا اور

ان کی فوجوں نے ہمارے لشکر پر دھاوا بول دیا' درندے ان کے دہنے بائیں تھے اوپر پرندے ہوا میں سے کبھی اپنے پنجوں سے لوگوں کی آنکھیں نکالتے' کبھی اپنی چونچوں' کبھی اپنے پروں سے مارتے۔ درندے گھوڑوں پر حملہ کرتے اور سواروں کو پھاڑ کھاتے حتیٰ کہ ہمارے ساتھ اس طرح زمین پر گرنے لگے جیسے کہ تاڑ کے تنے۔ یہ دیکھ کر میں دمریاط کے سامنے سے بھاگا مگر اس نے تین مہینے تک میرا پیچھا کیا آخر مجھے آ لیا اور میں گرفتار ہو گیا۔ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

پانچ سو بہترویں رات

پانچ سو بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب کھمبے والے دیو نے ان سے اپنی کہانی شروع سے لے کر کھمبے میں قید ہونے تک بیان کی تو انہوں نے پوچھا کہ پیتل کے شہر کا راستہ کون سا ہے؟ اس نے اشارے سے ہمیں اس شہر کے راستے پر لگا دیا۔ اگرچہ شہر پناہ میں پچیس دروازے تھے لیکن باہر سے ہمیں ایک بھی نظر نہ آتا تھا۔ بلکہ اس کا نشان تک دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس کی شہر پناہ ایسی معلوم ہوتی تھی گویا پہاڑ کا ایک ٹکڑا ہے یا سانچے میں ڈھلا ہوا لوہا۔ سب لوگ مع امیر موسیٰ شیخ عبدالصمد کے ساتھ اتر پڑے اور انہوں نے بڑی کوشش کی کہ دروازے کا پتا لگائیں یا کسی ترکیب سے اس کے اندر داخل ہو سکیں مگر انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ امیر موسیٰ نے کہا' اے طالب! اس شہر کے اندر جانے کی کوئی تدبیر نکال' ہمیں چاہیے کہ اس کا دروازہ ڈھونڈ کر اس میں داخل ہوں۔ طالب نے کہا خدا امیر کا بھلا کرے! دو تین دن صبر کر' خدا نے چاہا تو ہم اس کے اندر جانے کی کوئی تدبیر نکال لیں گے۔ امیر موسیٰ نے اپنے غلام سے کہا کہ اونٹ پر سوار ہو کر شہر کے گرد چکر لگا' ممکن ہے کہ تجھے کسی دروازے کا نشان دکھائی دے یا ایسی جگہ جہاں مکانات ہوں اور وہ یہاں سے قریب ہوں۔ ایک غلام سوار ہو کر دو دن رات اس کا چکر لگاتا رہا اور بغیر ٹھہرے برابر تیز تیز چلتا رہا اور تیسرے دن اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گیا۔ جو کچھ اس نے شہر کی لمبائی اور بلندی دیکھی تھی اس سے اس کی عقل دنگ تھی۔ اس نے کہا اے امیر! سب سے آسان جگہ یہی ہے جہاں تم لوگ ٹھہرے ہوئے ہو۔ اب امیر موسیٰ طالب بن سہیل اور شیخ عبدالصمد کو لے کر پہاڑ کے اس حصے پر چڑھ گیا جو شہر کے مقابلے پر تھا۔ جب ان کی نظر شہر کے اندر پڑی تو انہیں معلوم ہوا کہ اس سے بڑھ کر بارونق شہر کسی نے نہ دیکھا ہو گا اس کے محل اونچے تھے اور گنبد چمکیلے' مکانات شاندار'

نہریں بہہ رہی تھیں' درخت پھلوں سے لدے ہوئے اور باغ سرسبز و شاداب۔ اس شہر کے دروازے بلند تھے لیکن اس کے اندر نہ آدم تھا نہ آدم زاد' ہر طرف الو بول رہے تھے اور میدانوں میں چڑیاں چکر لگا رہی تھیں' کوے گلی کوچوں میں کائیں کائیں کرتے پھرتے اور مردوں کی جانوں کو روتے۔ امیر موسیٰ ٹھہر گیا اور افسوس کرنے لگا کہ اس میں ایک بھی رہنے والا نہیں' اجاڑ پڑا ہے۔ اس نے کہا پاک ہے وہ ذات جسے زمانہ کبھی نہیں بدلتا اور جس نے اپنی قدرت سے مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔

وہ خدا کی پاکی بیان ہی کر رہا تھا کہ اس کی نظر ایک طرف جا پڑی دیکھا کہ دور سے سات تختیاں سفید مرمر کی چمک رہی ہیں۔ وہ ان کے قریب گیا تو معلوم ہوا کہ ان پر نقش و نگار بنے ہوئے ہیں اور کچھ لکھا ہوا ہے۔ اس نے کتبے کے پڑھے جانے کا حکم دیا۔ شیخ عبدالصمد نے آگے بڑھ کر دیکھا اور پڑھا۔ اس میں نصیحت عبرت اور ممانعت کی باتیں ان لوگوں کے لیے تھیں جو سمجھدار ہیں۔ پہلی تختی پر یونانی زبان میں یہ لکھا ہوا تھا:

"اے آدم کی اولاد! جو چیز تیرے آگے آنے والی ہے اس سے کس چیز نے تجھے تمام عمر غافل رکھا ہے؟ تجھے معلوم نہیں کہ تیرے لیے موت کا جام بھرا رکھا ہے اور تو اسے جلد پینے والا ہے! قبر میں جانے سے پہلے اپنے اوپر دھیان کر۔ کہاں ہیں وہ لوگ جنھوں نے ملکوں پر حکومت کی ہے بندوں کو ذلیل کیا ہے اور فوج کشیاں کی ہیں! خدا کی قسم انہیں مزوں کو کرکرا' صحبتوں کو درہم برہم اور بھرے گاؤں کو تباہ کرنے والی موت نے آ گھیرا اور انہیں وسیع محلوں سے تنگ قبروں میں جا پہنچایا۔"

یہ سن کر موسیٰ نے ایک چیخ ماری' اس کے آنسو رخساروں پر بہنے لگے اور اس نے کہا خدا کی قسم بہترین کامیابی اور سب سے بڑی سچائی دنیا سے کنارہ کشی ہے۔ اس کے بعد اس نے دوات اور قلم منگوا کر پہلی تختی کا کتبہ نقل کر لیا اور دوسری تختی کی طرف بڑھا دیکھا کہ اس پر یہ لکھا ہوا ہے:" اے آدم کی اولاد تو ازل سے کس دھوکے

میں پڑا ہوا ہے' موت کے آنے کا خیال تیرے دل سے کیوں نکل گیا ہے؟ تجھے معلوم نہیں کہ دنیا تباہی کا گھر ہے اور کوئی اس میں ٹھہرتا نہیں! تیری نگاہ ہمیشہ اس کی طرف لگی رہتی ہے تو اسی سے چمٹا رہتا ہے کہاں ہے وہ بادشاہ جنہوں نے عراق کو بسایا ور دنیا پر حکومت کی؟ کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے اصفہان اور خراسان کے ملکوں کو آباد کیا؟ موتے کے بلانے والے نے انہیں بلایا۔ انہوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور لبیک کہا۔ ان کی مضبوط عمارتوں نے ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچایا اور ان کے مال نے جسے وہ گن گن کر جمع کیا کرتے تھے ان کی موت کو نہ روکا۔" یہ سن کر امیر موسیٰ رونے لگا اور اس نے کہا خدا کی قسم ہم واقعی آخرت کے بڑے کام کے لیے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد اس تختی کا کتبہ نقل کر لیا اور پھر تیسری تختی کی طرف بڑھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• پانچ سو تہترویں رات

پانچ سو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ اب امیر موسیٰ تیسری تختی کی طرف بڑھا۔ اس پر لکھا ہوا تھا:
"اے آدم کی اولاد! تو دنیا کی محبت میں اتنا محو ہے کہ خدا کو بالکل بھول گیا' تیری زندگی کا ہر دن گزرتا چلا جاتا ہے اور تو پھر قانع اور خوش ہے۔ آخرت کا توشہ تیار کر اور بندوں کے پروردگار کے سامنے جواب دہی کے لیے آمادہ ہو جا"
یہ سن کر امیر موسیٰ زار زار رونے لگا۔ اس کے بعد وہ چوتھی تختی کے پاس گیا۔ اس پر لکھا ہوا تھا:
"اے آدم کی اولاد' تیرا مولا تجھے کب تک ڈھیل دیتا چلا جائے گا' تو تو اپنے کھیل کود کے سمندر میں ڈوبتا ہی چلا جا رہا ہے! ہر روز تجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا تو کبھی مرے گا ہی نہیں۔ اے آدم کی اولاد' اپنے دنوں' راتوں اور گھنٹوں کے لہو لعب اور غفلتوں کے دھوکے میں نہ آ بلکہ یقین جان کہ موت تیری گھات میں لگی بیٹھی ہے اور تیرے سر پر سوار ہے' وہ ہر روز صبح شام تجھے سلام کرنے آتی ہے۔ اس کے حملے سے بچتا رہ اور اس کے لیے تیاری کر۔ تو نے اپنی زندگی کو یونہی تباہ کیا ہے اپنی مزے دار گھڑیوں کو یونہی برباد کیا ہے جس طرح میں کرتا تھا۔ میری بات سن اور سرداروں کے سردار پر بھروسہ کر۔ دنیا ہمیشہ ایک سی نہیں رہتی۔ بلکہ وہ مکڑی کے جالے کی طرح ہے۔"
امیر موسیٰ یہ سن کر تڑپ اٹھا اور تمام کتبوں کو نقل کر لیا۔ دنیا کا نقشہ اس کی آنکھوں کے آگے کھنچ گیا۔ پھر وہ پہاڑ سے اتر کر اپنے لشکر میں آیا اور لوگ دن بھر شہر میں داخل ہونے کی تدبیریں سوچتے رہے۔
امیر موسیٰ نے خلیفہ کے وکیل طالب بن سہل اور اپنے ان خاص مصاحبوں سے جو اس

کے اردگرد تھے کہا کوئی ترکیب نکالو جس سے ہم شہر کے اندر جا کر اس کے عجائبات دیکھیں اور ممکن ہے کہ ہمیں وہ چیز بھی مل جائے جس کی وجہ سے امیر المومنین کا قرب حاصل کر سکیں۔ طالب بن سہل نے کہا خدا امیر کو نعمتوں سے مالا مال کرے! ایک سیڑھی بنا کر اس پر چڑھیں گے اور اندر جا کر اس کے دروازے کا پتا لگائیں گے۔

امیر موسیٰ بولا یہی بات میرے دل میں بھی آئی تھی اور یہی بہترین رائے ہے۔ یہ کہہ کر اس نے بڑھئیوں اور لوہاروں کو بلوایا' انہیں حکم دیا کہ وہ لکڑی کے تختے بنا کر ایک سیڑھی تیار کریں اور اس پر لوہے کے پتر چڑھائیں۔ انہوں نے پورے ایک مہینے تک کام کر کے ایک مضبوط زینہ بنایا اور سب لوگوں نے مل کر اسے شہر پناہ سے لگا کر کھڑا کیا۔ وہ اتنی ٹھیک اتری گویا پہلے سے اسی کے لیے بنی بنائی رکھی تھی۔ امیر موسیٰ خوش ہو کر کہنے لگا خدا تمہیں برکت دے! تم نے یہ سیڑھی اس خوبی سے تیار کی ہے جیسے تم نے شہر پناہ کو ناپ کر اسے بنایا ہے۔ اب امیر موسیٰ نے لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کون ہے جو اس سیڑھی پر چڑھ کر شہر پناہ کے اوپر جائے گا اور اس پر سے شہر کے اندر اترنے کی تدبیر سوچے گا تاکہ اس کی کیفیت دریافت کر کے ہمیں بتائے کہ دروازہ کس طرح کھل سکتا ہے۔

ان میں سے ایک شخص نے جواب دیا! اے امیر' میں اس پر چڑھوں گا اور نیچے اتر کر دروازہ کھول دوں گا۔ امیر موسیٰ نے کہا کہ چڑھ' خدا تجھے برکت دے! وہ شخص سیڑھی پر چڑھ کر اوپر پہنچا اور سیدھا کھڑا ہو کر شہر کی طرف دیکھنے لگا اور تالیاں بجانے لگا اور زور سے چلایا کہ تو بڑی حسین ہے پھر شہر کے اندر کود پڑا اور اس کی تکے بوٹیاں ہو گئیں۔ امیر موسیٰ بولا کہ سمجھ داروں نے تو یہ کیا' معلوم نہیں کہ پاگل کیا کریں گے! اگر ہم نے اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ یہی کاروائی کی تو ان میں سے ایک بھی نہ بچے گا اور ہم نہ اپنی ضرورت پوری کر سکیں گے نہ امیر المومنین کی۔ چلو آگے چلیں۔ ہمیں اس شہر کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس پر ایک شخص نے کہا' ممکن ہے کہ

دوسرا اس سے زیادہ ثابت قدم رہے۔ چنانچہ ایک دوسرا چڑھا' پھر تیسرا پھر چوتھا اور پھر پانچواں۔ اسی طرح ایک ایک کر کے بارہ آدمی چڑھے اور سب کا وہی حشر ہوا ہے جو پہلے کا ہوا تھا۔

یہ دیکھ کر شیخ عبدالصمد نے کہا' اس کام کے لیے سوا میرے دوسرا مناسب نہیں۔ تجربے کار اور غیر تجربے کار میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ امیر موسیٰ نے کہا تو ایسا نہ کر۔ میں تجھے اس شہر پناہ پر نہ چڑھنے دوں گا کیونکہ اگر تو مر گیا تو ہم سب مر جائیں گے اور کوئی بھی نہ بچے گا' تو ہی ہم سب کا رہبر ہے۔ شیخ عبدالصمد نے جواب دیا مجھے یقین ہے کہ یہ کام خدا کے حکم سے میں پورا کروں گا۔ سب لوگوں نے اس پر اتفاق کیا کہ وہ چڑھے۔ وہ اٹھا اوردل مضبوط کر کے کہا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اور خدا کا نام لے کر نجات کی آیتیں پڑھتا ہوا چڑھ گیا۔ شہر پناہ کے اوپر پہنچ کر وہ غور سے دیکھنے اور تالیاں بجانے لگا۔ لوگ سب کے سب نیچے سے چلائے کہ اے شیخ عبدالصمد ایسا نہ کر' نیچے نہ کود اور کہنے لگے کہ اناللہ وانا الیہ راجعون اگر شیخ عبدالصمد گرا تو ہم سب کے سب تباہ ہو جائیں گے۔ شیخ عبدالصمد نے بڑے زور سے قہقہہ مارا اور دیر تک بیٹھا ہوا خدا کی یاد کرتا اور نجات کی آیتیں پڑھتا رہا۔ اس کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بلند آواز سے پکارا کر کہا اے امیر' اب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ خدا نے بسم اللہ کی برکت سے شیطان کا مکر و فریب مجھ سے دور کر دیا ہے۔ امیر نے پوچھا کہ تو نے کیا دیکھا؟ شیخ نے جواب دیا کہ جب میں شہر پناہ کے اوپر پہنچا تو مجھے دس لڑکیاں دکھائی دیں جو چاند کی طرح خوبصورت تھیں۔ انہوں نے بلایا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو چوہترویں رات

پانچ سو چوہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ شیخ عبدالصمد نے کہا کہ جب میں شہر پناہ کے اوپر پہنچا تو مجھے دس لڑکیاں دکھائی دیں جو چاند کی طرح خوبصورت تھیں' انہوں نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے بلایا اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے نیچے پانی کا سمندر ہے۔ میں نے ارادہ کیا کہ جس طرح ہمارے ساتھی کود پڑے تھے میں بھی کود پڑوں لیکن میں نے دیکھا کہ وہ سب مرے پڑے ہیں۔ میں رک گیا اور قرآن کی بعض آیتیں پڑھنے لگا جس کی برکت سے خدا نے ان کے فریب سے مجھے بچا لیا اور وہ واپس چلی گئیں اور میں کودا نہیں۔ خدا نے ان کے فریب اور جادو کو مجھ سے روک لیا۔ یہ بے شک ایک طلسم ہے جو اس شہر والوں نے بنا رکھا ہے تا کہ جو شخص اوپر چڑھ کر شہر میں جانا چاہے وہاں نہ پہنچ سکے۔ دیکھ ہمارے ساتھی وہ مرے پڑے ہیں۔

اب وہ شہر پناہ پر چلتے چلتے پیتل کے دو برجوں کے پاس پہنچا دیکھا ان کے دروازے سونے کے ہیں ان پر کوئی قفل تو پڑا ہوا نظر نہیں آیا مگر یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کس طرح کھلتے ہیں۔ شیخ تھوڑی دیر ٹھہر کر غور کرنے لگا۔ اس دروازے کے بیچ میں پیتل کا ایک سوار دکھائی دیا جو ہاتھ اس طرح پھیلائے ہوئے تھا گویا کچھ اشارہ کر رہا ہو اور اس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ شیخ عبدالصمد نے اسے پڑھا تو اس میں لکھا تھا:" اس کیل کی جو سوار کی ناف میں ہے بارہ بار اوپر کھینچ' دروازہ کھل جائے گا۔ جھک کر دیکھا تو اس کی ناف میں ایک مضبوط جڑی ہوئی کیل دکھائی دی۔ اور اس نے اسے بارہ بار اوپر کی طرف کھینچا' دروازہ کھلنے لگا۔ اس کے کھلنے میں بجلی کی سی کڑک سنائی دی۔ شیخ عبدالصمد اس میں داخل ہو کر ایک لمبی دہلیز پر پہنچا اور چند سیڑھیاں اترنے کے

بعد بہت سے خوبصورت چبوترے دکھائی دیئے جن پر مردے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے اوپر خوبصورت ڈھالیں' تیز تلواریں اور چلّے دار کمانیں جن میں تیر لگے ہوئے تھے نظر آئیں۔ دروازے کے پیچھے ایک لوہے کا کھمبا' لکڑی کے جنگلے' خوبصورت تالے اور دوسری مضبوط چیزیں تھیں۔ شیخ عبدالصمد اپنے دل میں کہنے لگا کہ دروازوں کی کنجیاں انہی میں سے کسی کے پاس ہو سکتی ہیں۔ غور کیا تو اسے ایک بوڑھا شخص دکھائی دیا جو ان سب سے زیادہ عمر والا معلوم ہوتا تھا اور بیچ میں ایک اونچے چبوترے پر بیٹھا تھا۔ شیخ عبدالصمد نے سوچا ہو نہ ہو شہر کی کنجیاں اسی بوڑھے کے پاس ہوں گی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر کا حاجب ہے اور یہ سب لوگ اسی کے ماتحت۔ شیخ نے اس کے پاس جا کر اس کے کپڑے اٹھائے دیکھا کنجیاں سچ مچ اس کی کمر سے لٹک رہی ہیں۔ کنجیاں دیکھ کر وہ خوشی کے مارے اچھلنے لگا۔ اب وہ کنجیاں لے کر دروازے کے پاس گیا۔ تالے کھول کر جنگلے دوسری چیزیں وہاں سے ہٹائیں۔ دروازے کو کھینچا۔ وہ بھی کھل گیا۔ دروازہ اتنا بڑا تھا کہ کھلتے وقت اس میں سے بجلی کی سی آواز سنائی دی۔ یہ آواز سن کر شیخ اور اس کے ساتھ تمام لوگ تکبیر پڑھنے لگے اور خوش ہو گئے۔ امیر موسیٰ شیخ عبدالصمد کی سلامتی پر بہت خوش ہوا کہ اس نے شہر کا دروازہ کھول دیا اور سب لوگ اس کے شکر گزار ہوئے۔

اب سارا لشکر شہر میں جانے کے لیے دوڑ پڑا۔ لیکن امیر موسیٰ نے چلا کر کہا کہ جو باتیں پیش آ چکی ہیں ان کی وجہ سے یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ ہم سب ایک ساتھ اندر داخل ہوں بلکہ آدھے اندر آ جائیں اور آدھے باہر ٹھہرے رہیں۔ اس کے بعد امیر موسیٰ نے آدھے لوگوں کو اپنے ساتھ لیا اور وہ ہتھیار لگا کر اس کے ساتھ اندر گئے دیکھا کہ ان کے ساتھی مرے پڑے ہیں' انہیں دفن کیا۔ اب ان کی نظر دربانوں' نوکروں' حاجبوں اور نوابوں پر پڑی جو ریشم کے فرش پر مردہ پڑے تھے۔ اس کے بعد وہ شہر کے بازار میں گئے' دیکھا کہ بڑا شاندار بازار ہے' عمارتیں اونچی اونچی ہیں مگر ایک

سے ہو کر دوسرے میں راستہ نہیں' دکانیں کھلی پڑی ہیں' ترازوئیں لٹکی ہوئی ہیں اور پیتل کے برتن ایک قطار میں رکھے ہوئے ہیں' سرائیں مال و اسباب سے پٹی پڑی ہیں۔ دکانوں میں سوداگروں کے مردے ہی مردے دیکھے جن کی کھالیں سوکھ گئی ہیں' ہڈیاں سڑ گئیں ہیں اور انہیں دیکھنے سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح انہوں نے چار بازار دیکھے جو الگ الگ تھے او جن کی ہر دکان مال و اسباب سے بھری ہوئی تھی۔ ان سے گزر کر وہ ریشم کے بازار میں گئے۔ ریشم کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ زربفت دیکھا جو رنگ برنگ کا سرخ سونے اور سفید چاندی سے بنا ہوا تھا مگر دکاندار چمڑے کے فرش پر مرے ہوئے پائے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابھی بول اٹھیں گے۔ وہاں سے ہوتے ہوئے وہ جواہرات' موتیوں اور یاقوتوں کے بازار میں پہنچے پھر صرافوں کے بازار میں۔ دیکھا کہ انہیں بھی سانپ سونگھ گیا ہے۔ ان کے نیچے طرح طرح کے پختہ اور کچے ریشم کے فرش بچھے ہوئے ہیں اور ان کی دکانوں میں سونا' چاندی بھرا پڑا ہے۔
آگے بڑھے تو عطاروں کے بازار میں آئے۔ طرح طرح کے عطر مشک' عنبر' عود' اگر اور کافور وغیرہ کی بوریاں دکھائی دیں مگر ان کے مالکوں کا وہی حال تھا۔
عطاروں کے بازار سے نکل کر انہیں قریب میں ایک مضبوط اور شاندار محل دکھائی دیا۔ اندر گئے دیکھا کہ جھنڈے لہلہا رہے ہیں۔ تلواریں میانوں سے نکلی پڑی ہیں' کمانوں پر چلے چڑھے ہوئے ہیں' ڈھالیں سونے اور چاندی کی زنجیروں میں لٹکی ہوئی ہیں' خودوں پر سرخ سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے اور محل کے دہلیز میں ہاتھی دانت کے چبوترے ہیں۔ جن پر سونے کے پتر چڑھے ہوئے ہیں۔ ریشم کا فرش بچھا ہوا ہے اور ان پر لوگ بیٹھے ہوئے ہیں جن کی کھالیں ہڈیوں پر سوکھ کر رہ گئیں ہیں' ناسمجھوں کے خیال میں وہ سو رہے ہیں مگر دراصل وہ مارے بھوک کے مر گئے ہیں۔ یہ دیکھ کر امیر موسیٰ ٹھہر گیا اور خدا کی پاکی بیان کرنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ یہ محل کیسا خوبصورت اور مضبوط ہے۔ اس پر بہت زیادہ لاجورد کا کام ہے اور اس پر دنیا کی بے ثباتی کے اشعار کندہ

ہیں جنہیں پڑھ کر امیر موسیٰ اتنا رویا کہ اسے غش آ گیا۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ ان اشعار کو نقل کر لیا جائے اور خود محل کے اندر داخل ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو پچھترویں رات

پانچ سو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ محل کے اندر جا کر امیر موسیٰ نے دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا کمرہ ہے اور چار دیوان خانے ہیں' بہت بڑے شاندار' کشادہ اور ایک دوسرے کے آمنے سامنے' ان پر رنگ برنگ سونے چاندی کی مینا کاری کی ہوئی ہے۔ اور بیچ میں مرمر کا ایک بڑا سا حوض ہے جس پر زربفت کا شامیانہ لگا ہوا ہے۔ دیوان خانوں کے چاروں طرف خوبصورت حوض اور مرمر کے فوارے ہیں' ان کے نیچے چار نہریں بہہ رہیں ہیں اور یہ چاروں نہریں ایک بڑے تالاب میں جا کر گرتی ہیں جس پر طرح طرح کے مر مر کے پٹامی ہیں۔ امیر موسیٰ نے شیخ عبدالصمد سے کہا کہ آ دیوان خانوں میں چلیں۔ جب دیوان خانے میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ اس میں سونا' چاندی' موتی' جواہرات' یاقوت' اور عمدہ عمدہ معدنیات ہیں' صندوقوں میں لال' زرد اور سفید زربفت بھرا پڑا ہے۔ اس کے بعد وہ دوسرے دیوان خانے میں گئے اور اس کی ایک کوٹھڑی کھولی' دیکھا کہ وہ ہتھیاروں اور لڑائی کے سامان سے پر ہے۔ سنہرے خود' داؤدی زرہ بکتر' ہندی تلواریں' خطی بھالے' خوارزمی خنجر وغیرہ او لڑائی کی دوسری چیزیں ہیں۔ وہاں سے نکل کر تیسرے دیوان خانے میں پہنچے دیکھا کہ بہت سی کوٹھریاں ہیں جن پر تالے لگے اور طرح طرح کے کڑھے ہوئے پردے پڑے تھے۔ ایک کوٹھڑی کھولی تو اس میں ایسے ہتھیار پائے جن میں ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ اب وہ چوتھے دیوان خانے میں داخل ہوئے دیکھا کہ وہ وہاں بھی بہت سی کوٹھڑیاں ہیں۔ ان میں سے بھی ایک کو کھولا وہاں کھانے پینے کی برتن بھرے پڑے تھے۔ سب سونے چاندی کے' بلور کے پیالے پیالیاں موتی جڑے ہوئے اور عقیق کے کاسے وغیرہ۔ ان میں سے جو چیز جس کے پسند آئی وہ اس نے لی لے باقی ماندہ سامان پر لشکری ٹوٹ پڑے جتنا اٹھا سکے اٹھا لے گئے۔

دیوان خانوں سے باہر آئے تو انہوں نے ایک ساگوان کا دروازہ دیکھا جس میں ہاتھی دانت اور آبنوس کی پچی کاری تھی' قیمتی سونے کے پتر چڑھے ہوئے تھے۔ ایک ریشمی پردہ پڑا ہوا تھا جس پر طرح طرح کے نقش و نگار تھے۔ دروازے پر سفید چاندی کا قفل لگا ہوا تھا جو بغیر چابی کے کسی نہ کسی ترکیب سے کھلتا اور بند ہوتا۔ شیخ عبدالصمد نے آگے بڑھ کر اپنی عقل سے اس کو کھولا۔ لوگوں نے اس دہلیز پر قدم رکھا جو مرمر کی تھی اور جس کے ہر طرف پردے پڑے ہوئے تھے۔ ان پردوں پر طرح طرح کے جانوروں اور پرندوں کی' تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ جن پر سر تاپا سرخ سونے اور سفید چاندی کا کام تھا اور آنکھیں موتی اور یاقوت کی تھیں۔ ان تصویروں کو دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ اب وہ ایک کمرے میں پہنچے جو عجیب کاریگری سے بنایا گیا تھا۔ امیر موسیٰ اور شیخ عبدالصمد اس کی تعریف کرتے ہوئے دوسرے کمرے میں گئے جو چمکدار مرمر کا بنا ہوا تھا' جس میں ہیرے جواہرات کے نقش و نگار تھے۔ فرش کا یہ عالم کہ دیکھنے والے کو معلوم ہوتا کہ راستے میں پانی بہہ رہا ہے اگر وہ اس پر چلا تو پھسل جائے گا۔ امیر موسیٰ نے شیخ عبدالصمد سے کہا کہ اس پر کوئی چیز بچھا دے تاکہ پر اس پر چل سکیں۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس ترکیب سے وہ پار کر گئے۔ وہاں انہوں نے ایک بڑا گنبد دیکھا جس کی اینٹوں پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا۔ جتنی چیزیں لوگوں نے اب تک دیکھی تھیں۔ وہ ان سب میں خوبصورت عمارت تھی۔ اس گنبد کے بیچ میں مرمر کا ایک بڑا گنبد تھا جس کے چاروں طرف جھروکے تھے۔ ہر جھروکہ نقش و نگار سے آراستہ' سارے بیل بوٹے زمرد کے۔ کسی بادشاہ کے پاس کا اس کا جواب نہ ہو گا۔ گنبد کے اندر زربفت کا شامیانہ تھا جس کے کھمبے سرخ سونے کے تھے۔ اس میں چڑیاں تھیں۔ جن کے پاؤں سبز زمرد کے تھے۔ اور ہر چڑیا کے نیچے موتیوں کا جال جو حوض کے اوپر بچھا ہوا تھا۔ حوض کے اوپر ایک تخت پڑا تھا جس میں موتی' جواہرات اور یاقوت جڑے ہوئے تھے اور تخت کے اوپر ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جس میں سورج کی سی آب و

تاب تھی' جس سے زیادہ حسین آج تک کسی نے نہ دیکھی ہو گی۔ اس کا لباس سفید موتیوں کا او سر پر سرخ سونے کا تاج تھا۔ جس کے چاروں طرف جواہرات جڑے ہوئے تھے' اس کے گلے میں ہیروں کا ہار تھا جس کے بیچ بیچ میں جواہرات چمک رہے تھے۔ ماتھے پر دو ایسے ہیرے تھے جن کی چمک کے سامنے سورج بھی ماند تھا اور وہ اس طرح بیٹھی ہوئی تھی تھی گویا دائیں بائیں دیکھ رہی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• پانچ سو چھترویں رات

پانچ سو چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ امیر موسیٰ نے جو اس لڑکی کو دیکھا تو وہ اس کے حسن و جمال' رخساروں اور بالوں کی سیاہی پر ہک دھک رہ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ زندہ ہے' مردہ نہیں۔ امیر نے کہا۔ اے لڑکی' السلام علیک۔ طالب بن سہل نے امیر سے کہا خدا تیرا بھلا کرے! یہ لڑکی مردہ ہے۔ اس میں بالکل جان نہیں' وہ سلام کا جواب کیونکر دے سکتی ہے! اس کے بعد طالب سہل نے امیر کو سمجھایا کہ وہ اس ترکیب سے بنائی گئی ہے کہ مرنے کے بعد اس کی آنکھیں نکال لی گئیں اور اس کے نیچے پارا بھر کر پھر ان کو اسی جگہ رکھ دیا گیا۔ اس وجہ سے وہ چمکتی ہیں اور جب اس کی پلکیں ہلتی ہیں دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کی وہ آنکھ مار رہی ہے حالانکہ وہ مردہ ہے۔ امیر موسیٰ نے کہا پاک ہے وہ ذات جس نے بندوں پر موت کو مسلط کیا ہے! جس تخت پر لڑکی تھی اس کی دو سیڑھیاں تھیں جن پر دو غلام کھڑے تھے۔ ایک گورا اور ایک کالا۔ ایک کے ہاتھ میں فولاد کا گرز تھا' دوسرے کے ہاتھ میں ننگی تلوار جس کی چمک سے آنکھیں چندھیائی جاتیں۔ دونوں غلاموں کے ساتھ سونے کی ایک تختی تھی اس پر لکھا ہوا تھا:

"سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے انسان کو پیدا کیا جو پروردگاروں کا پروردگار اور اسباب کو پیدا کرنے والا ہے۔ شروع کرتی ہوں میں اللہ کے نام سے جو ہمیشہ رہنے والا اور دائم قائم ہے۔ شروع کرتی ہوں میں اللہ کے نام سے جس نے قضاء قدر کو مسلط کیا۔ اے آدم کی اولاد تو امیدوں کی وجہ سے کتنا جاہل ہو رہا ہے اور موت کو بھلا رکھا ہے! تجھے معلوم کہ موت بلا رہی ہے اور تیری جان نکالنے کے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ سفر کی تیاری کر اور دنیا سے توشہ لے لے کیونکہ تو اسے جلد چھوڑنے والا ہے۔ کہاں آدم جو انسانوں کا باپ تھا! کہاں ہے نوح اور اس کی نسل! کسریٰ اور قیصر کدھر

چلتے بنے! ہند اور عراق کے بادشاہ کیا ہوئے! دنیا کے بادشاہ اور عمالقہ اور شہنشاہ کہاں گئے! دنیا ان سے خالی ہو گئی اور اپنے گھر والوں اور وطن کو چھوڑ کر چل بسے۔ کہاں ہیں عرب و عجم کے حکمران! سب مر کر خاک ہو گئے۔ بڑے بڑے سردار کیا ہوئے! سب کے سب مرمٹے! کہاں ہیں قاروں اور ہامان! کہاں ہے شداد بن عاد! کیا ہو گیا کنعان اور ذوالاوتاد! عمروں کو ختم کرنے والی موت نے ان کی عمریں ختم کر دیں اور ملکوں کو ان سے خالی کر دیا۔ کیا انہوں نے آخرت کا توشہ مہیا کیا بندوں کے پروردگار کے سامنے جواب دہی کے لیے تیار ہیں؟ اے شخص اگر تو مجھے پہچانتا نہیں تو میں خود تجھے اپنا نام و نسب بتاتی ہوں۔ میں ان عمالقہ بادشاہوں کی بیٹی تدمرہ ہوں جنہوں نے ملکوں پر انصاف کے ساتھ حکمرانی کی ہے۔ میری حکومت کے برابر کسی بادشاہ کی حکومت نہ تھی۔ میں نے عدل کے ساتھ فیصلے کئے۔ رعایا کے ساتھ انصاف کیا اور بے حد بخششیں کی ہیں اور بہت دنوں تک خوشی اور عیش و عشرت سے زندگی بسر کی ہے' لونڈیوں اور غلاموں کو آزاد کیا ہے یہاں تک کہ موت نے آ کر دستک دی ور مصیبتیں سر پر سوار ہو گئیں۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ سات برس تک برابر مینہ نہیں برسا اور کوئی سبزی نہیں اگی۔ پہلے تو جو کچھ ہمارے پاس بچا کھچا تھا وہ کھایا پھر جانوروں کی طرف متوجہ ہو کر انہیں ذبح کر کے اپنا پیٹ بھرا۔ اس کے بعد میں نے خزانہ کھولا اور مال تول تول کر معتبر شخصوں کے ہاتھ انہیں ملک در ملک بھیجا۔ وہ ہر جگہ گئے' انہوں نے کوئی شہر نہ چھوڑا جہاں نہ گئے ہوں اور کھانے پینے کا سامان نہ ڈھونڈا ہو لیکن جب انہیں کچھ نہ ملا تو بہت عرصے بعد وہ سارا مال لے کر لوٹ آئے۔ پھر ہم نے اپنا مال او ذخیرہ کھول کر رکھ دیا اور شہر کے قلعوں کے دروازے بند کر کے اپنے آپ کو خدا کے حکم کے حوالے کر دیا اور جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے ہ سب مر مٹے۔ ہم نے جو کچھ تعمیر کیا تھا اور جو کچھ جمع کیا تھا چھوڑ کر چل بسے۔ یہ ہے سارا واقعہ اور حقیقت۔ اب محض اس کا نشان باقی رہ گیا ہے۔

یہ سن کر امیر موسیٰ رونے لگا اور پھر اس نے یہ پڑھا کہ "خدا کی قسم تقویٰ اور تحقیق تمام باتوں کی جڑ ہے اور ان کا مضبوط رکن' موت حق ہے اور ایسا وعدہ جو یقینی پورا ہو گا' اور اے شخص اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ عبرت پکڑ ان لوگوں سے جو تجھ سے پہلے خاک میں مل چکے ہیں' اور تیاری کر آخرت کی۔ تجھے معلوم نہیں کہ بڑھاپا تجھے قبر کی طرف بلا رہا ہے اور بالوں کی سفیدی تیرا نوحہ کر رہی ہے۔ دنیا سے سفر اور آخرت کے حساب و کتاب کے لیے تیار ہو جا۔ اے آدم کی اولاد' تیرا دل کتنا سخت ہے! ورنہ تو اپنے پروردگار سے کیوں بھٹک کر دور جا پڑتا۔ کہاں ہیں پرانی نسلیں جو لوگوں کے لیے عبرت ہیں! کہاں گئے چین کے بادشاہ جو بڑے طاقتور اور شاندار تھے! کیا ہوا عاد بن شداد اور جو کچھ اس نے بنایا اور تعمیر کیا تھا! کہاں گیا نمرود جس نے گھمنڈ کی وجہ سے خدا کی نافرمانی کی! کہاں گیا فرعون جس نے خد کا انکار کیا اور کفر اختیار کیا! ان سب کا پیچھا موت نے کیا! نہ چھوٹے کو چھوڑا نہ بڑے کو' نہ عورت کو نہ مرد کو اور زندگیوں کو ختم کرنے والے اور دن رات کو لانے والے خدا نے انہیں جڑ سے کاٹ دیا۔ دیکھ اے یہاں آنے والے' خبردار دنیا اور اس کی خوشیوں کے دھوکے میں نہ آئیو کیونکہ وہ مکار' دغاباز تباہی او دھوکے کی ٹٹی ہے۔ نیک بخت ہے وہ شخص جو اپنے گناہوں کو یاد کر کے اپنے خدا سے ڈرتا ہے اور اپنی حالت سدھارتا اور آخرت کے لیے توشہ تیار کرتا ہے۔ جو کوئی ہمارے شہر میں آئے اور خدا اسے اندر آنے میں آسانی دے اور وہ اندر آ جائے تو وہ جتنا مال لے سکے لے جائے مگر میرے بدن کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے کیونکہ وہ میری شرمگاہ کا پردہ ہے اور دنیا سے جانے کی تیاری۔ لہٰذا خدا سے ڈر اور اس میں سے کوئی چیز نہ اتار ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا۔ یہ ہے تیرے لیے میری نصیحت اور تیرے پاس میری امانت' والسلام۔ اب میں خدا سے دعا مانگتی ہوں کہ وہ تمہیں بلاؤں اور بیماریوں سے بچائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو سترویں رات

پانچ سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب امیر موسیٰ نے یہ باتیں سنیں تو وہ اتنا رویا کہ اسے غش آ گیا۔ ہوش آیا تو اس نے جو کچھ لکھا دیکھا تھا سب نقل کر لیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ بوریاں لا کر انہیں ان مالوں' برتنوں اور نایاب چیزوں اور جواہرات سے بھر لو۔ طالب بن سہل نے امیر موسیٰ سے کہا اے امیر' کیا ہم اس لڑکی کو چھوڑ دیں' اس کا لباس اور زیور نہ اتاریں؟ وہ تو ایسی چیز ہے جس کا جواب نہیں اور کبھی اس کی مثال دیکھی نہیں گئی۔ جتنے تحفے تو لے جانا چاہتا ہے ان سب میں سے قیمتی ہے اور امیر المومنین کے قرب حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ۔ امیر موسیٰ نے کہا کہ اے فلاں شخص' کیا تو نے وہ وصیت نہیں پڑھی جو اس لڑکی نے اس تختی میں لکھی ہے! خاص کر یہ کہ اس نے اسے بطور امانت کے ہمارے سپرد کیا ہے' ہم امانت میں خیانت کرنے سے رہے۔ وزیر طالب نے کہا ان دو دیوؤں کی وجہ سے ہم یہ سارا مال اور جواہرات چھوڑ دیں؟ وہ تو مردہ ہے اور ان چیزوں کا کیا کرے گی! یہ تو دنیا کی زیب و زینت ہے' اور زندوں کے لیے خوبصورتی کا باعث ہے۔ اسے روئی کا کپڑا پہنا سکتا ہے۔ اس کی پوشاک کے ہم اس سے زیادہ مستحق ہیں۔ اس کے بعد وہ زینے کے پاس جا کر اس کی سیڑھیوں پر چڑھا اور کھمبوں کے بیچ میں گیا جہاں دو کالے اور گورے شخص تھے۔ ان میں سے ایک نے اس کی پیٹھ پر گرز مارا اور دوسرے نے اس تلوار سے جو اس کے ہاتھ میں تھی ایسا وار کیا کہ اس کا سر اڑ گیا اور وہ مر کر گر پڑا۔ امیر موسیٰ نے کہا کہ اللہ تیری قبر پر رحم نہ کرے! یہ مال و سامان بہت کافی تھا مگر لالچ لالچی کو ذلیل کرتا ہے۔ اب اس نے کہا لشکر اندر بلایا جائے۔ لشکریوں نے اندر آ کر مال و اسباب ہیرے جواہرات اونٹوں پر لاد لیے۔ امیر موسیٰ نے حکم دی کہ وہ دروازہ پہلے کی طرح بند

کر دیا جائے۔
اس کے بعد وہ سمندر کے کنارے کنارے چل دیئے حتیٰ کہ وہ ایک اونچے پہاڑ کے پاس پہنچے جو سمندر کے کنارے تھا۔ وہاں بہت سے غار تھے جن میں کالے آدمیوں کی بستیاں ہیں۔ ان کا لباس چمڑے کا تھا اور ٹوپیاں بھی چمڑے کی' ان کی زبان سمجھ میں نہیں آتی۔ جب انہوں نے لشکر کو دیکھا تو ڈر کر اپنے غاروں کے اندر بھاگ گئے مگر ان کی عورتوں اور بچے غاروں کے دروازوں پر کھڑے رہے۔ امیر موسیٰ نے پوچھا اے شیخ عبدالصمد' یہ کون لوگ ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ وہی جن کی تلاش امیر المومنین کو ہے۔ اب انہوں نے وہاں اتر کر ڈیرے ڈال دیئے اور سامان اتارا۔ ابھی وہ دم بھی نہ لینے پائے کہ کالوں کا بادشاہ پہاڑ پر سے اتر کر لشکر کے پاس آیا۔ چونکہ وہ عربی جانتا تھا اس نے امیر موسیٰ کے پاس جا کر سلام کیا۔ امیر نے سلام کا جواب دیا اور اسے عزت سے بٹھایا۔ کالوں کے بادشاہ نے امیر موسیٰ سے پوچھا کہ تم لوگ انسان ہو یا جنات؟ امیر نے جواب دیا کہ ہم لوگ انسان ہیں مگر تم لوگ ضرور جنات میں سے ہو گے کیونکہ تم انسانوں سے کنارہ کش ہو کر اس پہاڑ میں رہتے اور ہو اور بڑے ڈیل ڈول والے ہو۔ کالوں کے بادشاہ نے کہا نہیں بلکہ ہم آدمی ہیں اور حام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے' اور یہ جو سمندر ہے اس کا نام کر کر ہے۔ امیر موسیٰ نے کہا کہ تمہارے پاس یہ علم کیونکہ پہنچا حالانکہ اس جیسے ملک میں تمہارے پاس کوئی ایسا نبی تو نہ آیا ہو گا جس پر وحی نازل ہوتی ہو۔ جس کا نور چاروں طرف پھیل جاتا ہے اور وہ ایسی بلند آواز سے بولتا ہے کہ قریب اور دور والے سب سن لیتے ہیں وہ کہتا ہے اے حام کی اولاد' شرم کرو اس شخص سے جو دیکھتا ہے اور دکھائی نہیں دیتا اور کہو کہ سوا خدا کہ کوئی پرستش کے قابل نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ میں ابوالعباس خضر ہوں۔"
پہلے ہم لوگ اپنے میں سے کسی نہ کسی کی پوجا کرتے تھے لیکن انہوں نے ہم سے کہا کہ ہم بندوں کے پروردگار کی پرستش کیا کریں اور انہوں نے ہمیں چند کلمے سکھائے

جنہیں ہم پڑھا کرتے ہیں۔ امیر موسیٰ نے پوچھا کہ وہ کون سے کلمے ہیں؟ اس نے کہا کہ "سوا اللہ کے اور کوئی بھی پرستش کے قابل نہیں۔ اس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں۔ حکومت اسی کی حکومت ہے اور تعریف اسی کی تعریف ہے۔ وہی زندگی دیتا ہے' وہی موت اور وہ ہر بات پر پر قادر ہے۔" یہی کلمے پڑھ کر ہم خدا کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں اور سو ان کے ہمیں اور کچھ نہیں آتا۔ ہر جمعے کی رات کو ہمیں زمین کے اوپر ایک نور دکھائی دیتا ہے اور ایک آواز سنائی دیتی ہے کہ "پاک اور مقدس ذات' فرشتوں اور روحوں کا پروردگار۔ خدا جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ ہر نعمت خدا کی طرف سے عنایت ہے اور سوا بزرگ اور بر تر خدا کے اور کوئی قدرت طاقت والا نہیں۔

امیر موسیٰ نے کہا ہم اسلام کے بادشاہ عبدالملک بن مروان کے آدمی ہیں اور تمہارے ہاں سے وہ پیتل کی لٹیاں لینے آئے ہیں جو تمہارے سمندر میں پائی جاتی ہیں جن میں حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے وقت سے شیطان بند ہیں بادشاہ نے حکم دیا کہ ہم اس کے لیے وہ لٹیاں مہیا کریں تاکہ وہ انہیں دیکھے اور خوش ہو۔ کالوں کے بادشاہ نے لٹیاں دینے کا وعدہ کیا' انہیں مچھلی کا گوشت کھلایا۔ اور غوطہ مارنے والوں کو حکم دیا کہ وہ چند سلیمانی لٹیاں سمندر میں سے نکال لائیں۔ غوطہ خور جا کر بارہ لٹیاں نکال لائے۔ امیر موسیٰ اور شیخ عبدالصمد اور سارے لشکری بہت خوش ہوئے کہ امیر المومنین کی خواہش پوری ہو گئی۔ امیر موسیٰ نے کالوں کے بادشاہ کو بہت سے تحفے تحائف دیے۔ اس نے بھی امیر موسیٰ کو سمندر کے عجائبات بطور تحفے پیش کیے جن کی شکل انسان کی سی تھی اور کہا ہم نے تین دن تک اسی مچھلی کے گوشت سے تمہاری میزبانی کی ہے۔ امیر موسیٰ نے کہا کہ ان میں سے ضرور امیر المومنین کے لیے لے جائیں گے اور وہ سلیمانی لٹیوں سے زیادہ انہیں دیکھ کر خوش ہو گا۔ اب وہ لوگ بادشاہ سے رخصت ہو گئے۔ سفر کرتے کرتے شام پہنچے اور امیر المومنین عبدالملک بن مروان کے پاس جا کر امیر موسیٰ نے جو کچھ دیکھا تھا اور جو اشعار اور خبریں اور نصیحتیں وہ لایا تھا سب

سنائیں اور طالب بن سہل کی سرگزشت بھی بیان کی۔ امیر المومنین نے کہا کہ کاش میں تمہارے ساتھ ہوتا اور جو کچھ تم نے دیکھا ہے میں بھی دیکھتا پھر اس نے لٹیاں لے کر ایک ایک کو کھولنا شروع کیا ان میں سے شیطان نکلتے اور کہتے کہ اے خدا کے نبی توبہ' اب ہم پھر ایسا کبھی نہ کریں گے۔ یہ دیکھ کر عبدالملک بن مروان کو بڑا اچنبھا ہوا۔ اس کے بعد جو طرح طرح کی سمندری مچھلیاں کالوں کے بادشاہ نے انہیں کھانے کے لیے دی تھیں۔ ان کے لیے انہوں نے لکڑی کے حوض بنوائے اور ان میں پانی بھر کر ان میں رکھا مگر گرمی کی وجہ سے وہ مر گئیں۔ اب امیر المومنین نے مال و اسباب منگوا کر مسلمانوں میں بانٹ دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

پانچ سو انہترویں رات

پانچ سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... امیر المومنین عبدالملک بن مروان نے مال و اسباب منگوا کر مسلمانوں میں بانٹ دیا اور کہنے لگا کہ واقعی جو کچھ خدا نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کو دیا تھا کسی اور کو نہیں دیا اس کے بعد امیر موسیٰ نے امیر المومنین سے درخواست کی کہ میرے بیٹے کو میری جگہ والی بنا دے اور میں خدا کی عبادت کرنے کے لیے بیت المقدس چلا جاؤں۔ امیر المومنین نے اس کے بیٹے کو والی بنا دیا اور وہ بیت المقدس چلا گیا اور وہیں اس نے وفات پائی۔ یہ پیتل کے شہر کے پورے قصے کی انتہا ہے اور خدا بہت جاننے والا ہے۔

عورتوں کے مکرو فریب کی کہانی

میں نے یہ کہانی بھی سنی ہے کہ پرانے زمانے میں ایک بڑا بادشاہ تھا۔ اس کے پاس بڑی فوج' بڑا لشکر بے انتہا دولت اور بہت خزانے تھے لیکن جب اس کی عمر بہت زیادہ ہو چکی اور کوئی بیٹا نہ ہوا تو یہ غم اسے ہر وقت ستانے لگا۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دے کر خدا سے دعا مانگی کہ وہ اپنے نبیوں' ولیوں اور شہیدوں کے طفیل' جو اس کے مقرب بندے ہیں اسے بیٹا عطا کرے تاکہ اس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ اس کے مرنے کے بعد بادشاہ بنے۔ دعا مانگنے کے بعد وہ فوراً اٹھا اپنی خواب گاہ میں جا کر اپنی چچیری بہن کو بلوایا جو اس کی بیوی تھی اور اس کے ساتھ ہم بستر ہوا۔ خدا کے حکم سے وہ حاملہ ہو گئی۔ حمل کے دن پورے ہو چکے تو بیٹا ہوا جس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح تھا۔ وہ پانچ سال کا ہوا تو اس کی تربیت ہونے لگی اور اسے بادشاہ نے ایک بڑے ماہر حکیم کے سپرد کیا جس کا نام سند باد تھا'

دسویں سال میں لگا تو حکیم نے اسے حکمت اور ادب کی تعلیم دے کر اتنا ماہر اور سمجھ دار کر دیا کہ کوئی شخص اس کے آگے علم اور ادب کے مناظرے میں نہ ٹھہرتا۔ اس کے بعد بہت سے عرب شہ سوار بلا کر شہزادے کو شہ سواری کی تعلیم دلوائی اور اس ہنر میں بھی اس نے ایسا کمال حاصل کیا کہ اپنے زمانے میں سب سے بازی لے گیا۔ ایک دن حکیم نے ستاروں میں اس کی طالع پر غورکیا' اسے معلوم ہوا کہ اگر اس نے آئندہ سات دن کے اندر کوئی بات بھی کی تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ یہ خبر حکیم نے جا کر اس کے باپ بادشاہ کو پہنچائی۔ باپ نے پوچھا اے حکیم' پھر کیا کرنا چاہیے' اس نے جواب دیا اے بادشاہ میری رائے ہے کہ اسے سات دن تک کسی ایسی جگہ بٹھا جہاں تفریح کا سامان اور گانے بجانے کا انتظام ہو۔ یہ سن کر بادشاہ نے اپنی ایک خاص کنیز کو بلوایا جو تمام کنیزوں سے زیادہ خوبصورت تھی اور بیٹے کو اس کے سپرد کر کے کہا کہ اپنے آقا کو لے جا کر محل میں اپنے ساتھ رکھ اور جب تک سات دن نہ ہو جائیں اس کو محل سے نہ نکلنے دے۔ کنیز اس کا ہاتھ پکڑ کر محل میں لے گئی۔ اس محل میں چالیس حجرے تھے۔ ہر حجرے میں دس دس کنیزیں اور ہر کنیز کے پاس ایک ایک باجا۔ جب ان میں سے کوئی کنیز باجا بجاتی محل ناچنے لگتا۔ محل کے چاروں طرف ایک نہر بہتی تھی جس کے کنارے کنارے ہر طرح کے پھل دار درخت اور خوشبودار پودے تھے۔ لڑکا بے انتہا حسین و جمیل تھا کہ پہلی ہی رات باپ کی چہیتی کنیز بیٹے کو دیکھ کر دل و جان سے عاشق ہو گئی۔ اسے صبر نہ آیا اور وہ اس سے لپٹنے لگی۔ لڑکے نے کہا اے کنیز تجھے کسی چیز کا خوف نہیں۔ صبر کر مجھے یہاں سے نکلنے دے۔ یہ تیری ساری حرکتیں باپ سے کہوں گا اور وہ تجھے مار ڈالے گا۔ اتنا سنتے ہی کنیز خود بادشاہ کے پاس جا پہنچی اور اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ بادشاہ نے پوچھا خیر تو ہے؟ تیرے آقا کا کیا حال ہے؟ وہ تو بخیریت ہے؟ وہ بولی اے میرے مولا میرا آقا مجھ سے برا کام کرنا چاہتا ہے اور مجھے مار ڈالنے پر تلا ہوا تھا لیکن میں نے

اسے روکا اور اس کے پاس سے بھاگ آئی۔ اب میں نہ کبھی اس کے پاس پھٹکوں گی اور نہ محل میں میرا کچھ کام ہے۔ یہ سنتے ہی بادشاہ کو طیش آ گیا' اس نے وزیروں کو بلا کر کہا کہ اسے قتل کر دو۔ وزیروں نے آپس میں صلاح کی کہ بادشاہ نے اپنے بیٹے کو قتل کرنے کی ٹھان تو لی ہے لیکن اگر اس نے اسے واقعی قتل کر دیا تو وہ بہت پچھتائے گا۔ وہ اس کا چہیتا بیٹا ہے اور بڑی ناامیدی کے بعد پیدا ہوا ہے۔ وہ ہمیں لعنت ملامت کرے گا اور کہے گا کہ تم نے کوئی ایسی ترکیب کیوں نہ کی کہ میں اسے قتل کرنے سے رک جاتا۔ جب یہ صلاح ہو گئی کہ کوئی نہ کوئی ترکیب نکال کر اسے بیٹے کے قتل سے روک دیں۔ تو پہلا وزیر یہ کہتا ہوا اٹھا کہ میں آج بادشاہ کو برائی سے روک دوں گا۔ اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ زمین چوم کر اس نے بات کرنے کی اجازت مانگی۔ بادشاہ نے اسے اجازت دے دی۔ اس نے کہنا شروع کیا اے بادشاہ' اگر تقدیر نے تجھے ایک ہزار بیٹے بھی دیئے ہوتے تو بھی تیرا دل گوارا نہ کرتا کہ محض ایک کنیز کے کہنے پر خواہ وہ سچی ہو یا جھوٹی تو ان میں سے ایک کو بھی قتل کرے اور یہ تو غالباً اس کا ایک مکر ہے جو وہ تیرے بیٹے کے ساتھ کرنا چاہتی ہے۔ بادشاہ نے کہا اے وزیر کیا تجھ کو عورتوں کے مکر کی کوئی کہانی یاد ہے؟ وزیر بولا' ہاں۔

○ بادشاہ اور اس کے وزیر کی بیوی کی کہانی

اے بادشاہ! میں نے ایک کہانی سنی ہے کہ ایک بادشاہ کو عورتوں سے الفت تھی۔ ایک دن جب وہ اپنے محل میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا اس کی نظر ایک لڑکی پر پڑی جو اپنے مکان کی چھت پر کھڑی تھی اس کا حسن و جمال دیکھتے ہی اس کے چکنے چکنے گالوں پر بادشاہ کا دل پھسل پڑا اور اس نے اپنے آدمیوں سے دریافت کیا یہ کس کا گھر ہے؟ لوگوں نے کہا تیرے فلاں وزیر کا۔ بادشاہ نے فوراً وزیر کو بلوایا۔ وہ حاضر ہوا تو حکم دیا کہ

ملک کے فلاں حصے میں جا کر اس کی خبر لا۔ بادشاہ کے حکم کے مطابق وزیر روانہ ہو گیا' اس کے جانے کے بعد بادشاہ کسی ترکیب سے اس کے گھر پہنچا۔ لڑکی نے پہچان لیا۔ جھٹ سے اٹھ کر اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگی اور مرحبا کہہ کر سامنے کھڑی ہو گئی اور بولی اے میرے مولا تیرے مبارک قدم یہاں کیسے آئے ہیں میں تو اس قابل بھی نہیں ہوں کہ بادشاہ کے کسی نوکر کی بھی کنیز ہو سکوں۔ پھر مجھے یہ خوش قسمتی کیسے حاصل ہوئی کہ میرا درجہ تیرے پاس اس قدر بلند ہوا؟ اس کے بعد بادشاہ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ لڑکی نے کہا کہ یہ بات تو ہو جائے گی لیکن اے بادشاہ ذرا صبر کر اور آج کے دن یہیں ٹھہر تا کہ میں تیری دعوت کے لیے کچھ تیار کر لاؤں۔ بادشاہ اپنے وزیر کی چوکی پر بیٹھ گیا اور لڑکی جا کر ایک کتاب لے آئی جس میں پندرہ نصیحتیں تھیں اور کہا کہ میں کھانا تیار کرتی ہوں' اس وقت تک تو اسے پڑھ۔ بادشاہ کتاب کو پڑھنے لگا' دیکھا کہ اس میں ایسی نصیحتیں ہیں جو زنا سے روکتی اور گناہ کرنے سے منع کرتی ہیں۔

جب لڑکی کھانا تیار کر چکی تو بادشاہ کے آگے لائی۔ رکابیوں کی تعداد نوے تھی۔ بادشاہ نے سب میں سے چکھا۔ کھانے سب مختلف قسم کے تھے مگر سب کا مزہ ایک سا تھا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کو تعجب ہوا۔ وہ لڑکی سے کہنے لگا کہ اے لڑکی' میں دیکھتا ہوں کہ کھانوں کی قسمیں الگ الگ ہیں اور مزہ سب کا ایک سا ہے۔ لڑکی نے کہا خدا ہمارے مولا بادشاہ کو خوش رکھے! یہ ایک مثل ہے جس سے میں تجھے عبرت دلانا چاہتی ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیسے؟ لڑکی بولی' خدا ہمارے مولا بادشاہ کو بھلائی دے! تیرے محل میں نوے باندیاں ہیں۔ جن کے ناک نقشے الگ الگ ہیں مگر مزہ سب میں یکساں ملتا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ بہت شرمندہ ہوا اور فوراً اٹھ کر وہاں سے چلتا ہوا۔ اس کے ساتھ کوئی بری حرکت نہ کی اور ایسا شرمندہ ہو کر چلا کہ اپنی انگوٹھی اس کے تکئے کے نیچے بھول گیا۔ وہ محل میں جا کر بیٹھا ہی تھا کہ وزیر آ پہنچا اور اس کے آگے

زمین چوم کر وہ خبر سنائی جس کے لیے بادشاہ نے اسے بھیجا تھا۔ بادشاہ سے رخصت ہو کر وزیر اپنے گھر جا کر چوکی پر بیٹھا اور تکیئے کے نیچے ہاتھ بڑھایا تو اسے وہاں بادشاہ کی انگوٹھی ملی۔ اس نے اسے اٹھا کر اپنے دل کے پاس رکھ لیا اور ایک سال تک لڑکی سے نہ ہم بستر ہوا نہ اس سے بات کی مگر اور سارے کام ایسے کرتا رہا کہ لڑکی کو یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ کیوں ایسا بیگانہ ہو گیا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو اناسیویں رات

جب پانچ سو اناسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی کو وزیر کے غصے کی وجہ بالکل معلوم نہ ہوئی۔ انتظار کرتے کرتے تھک گئی اور اسے کوئی سبب نہ کھلا تو اس نے اپنے باپ کو بلا کر کہا اس کا شوہر ایک سال سے اس سے الگ تھلگ رہتا ہے۔ باپ بولا کہ میں بادشاہ کے سامنے اس کی شکایت کروں گا۔ ایک دن جب وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر تھا اور شہر کا قاضی بھی تو اس نے بادشاہ سے شکایت کی اور کہا کہ خدا بادشاہ کا بھلا کرے! میرے پاس ایک خوبصورت باغ تھا جس کی پود میں نے اپنے ہاتھ سے لگائی تھی اور جس پر اپنا بہت مال خرچ کیا تھا۔ اس میں پھل آنے لگے اور عمدہ عمدہ میوے دینے لگا تو میں نے اسے تیرے وزیر کو بطور ہدیے میں دے دیا' اس نے اس میں سے جو جو اسے پسند آیا کھایا' اس کے بعد اس نے اسے چھوڑ دیا اور سینچا تک نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے پھل اور پھول سوکھ کر رہ گئے' اس کی رونق جاتی رہی اور حالت بدل گئی۔ وزیر نے کہا اے بادشاہ یہ سچ کہتا ہے' میں اس کی حفاظت کیا کرتا اور اس کے پھل کھاتا تھا۔ لیکن ایک روز میں اس کے پاس گیا تو مجھے وہاں شیر کے نشان ملے۔ میں نے مارے ڈر کے وہاں جانا چھوڑ دیا۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ جو نشان وزیر نے دیکھا ہے وہ بادشاہ کی انگوٹھی ہے جو میں اس کے گھر بھول آیا ہوں۔ اس نے وزیر سے کہا تو بے دھڑک وہاں جا' شیر اس کے پاس نہیں گیا ہے۔ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ وہ اس کے قریب تو گیا تھا لیکن اسے کچھ نقصان نہیں پہنچایا۔ اس پر میں اپنے باپ دادا کی عزت کی قسم کھا سکتا ہوں۔ یہ سن کر وزیر نے کہا کہ سر آنکھوں پر اور گھر جا کر بیوی کو بلایا۔ اس سے صلح کر لی اور اس کی وفاداری پر بھروسا کیا۔

○ تاجر کی بیوی اور طوطے کی کہانی

اے بادشاہ' میں نے یہ بھی ایک کہانی سنی ہے کہ ایک سوداگر تھا جو بہت سفر کیا کرتا اس کی ایک حسین بیوی تھی جسے وہ بہت چاہتا اور محبت کے سبب اس سے بہت بد گمان رہتا۔ اس نے اپنی بیوی کے لیے ایک طوطا خریدا تھا جو آقا کو اس کی ساری باتوں کی خبر دیتا رہتا جو اس کی غیبت میں پیش آتیں۔ ایک بار جب وہ سفر میں گیا ہوا تھا تو اس کی بیوی اس کے غلام سے پھنس گئی جو اس کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ اس نے غلام پر بڑی مہربانی کی اور جب تک اس کا شوہر نہ لوٹا اس سے ہم بستری کرتی رہی۔ جب اس کا شوہر سفر سے لوٹا تو اس نے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ اے میرے آقا تیری غیر موجودگی میں ایک ترکی غلام تیری بیوی کے پاس آیا جایا کرتا تھا اور وہ اس کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آتی تھی۔ یہ سن کر اس شخص نے اپنی بیوی کو قتل کرنے کی ٹھان لی۔ بیوی کو یہ معلوم ہوا تو اس نے کہا اے آدمی' خدا سے ڈر اور عقل کی بات کر کہیں چڑیوں میں بھی عقل اور سمجھ ہوتی ہے کہ میں اسے ثابت کر دوں اور تجھے اس کے جھوٹ سچ میں فرق معلوم ہو جائے تو آج رات جا کر اپنے کسی دوست کے پاس سو اور صبح کو آ کر تو اس سے پوچھنو تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ طوطا سچ کہتا ہے یا جھوٹ۔ وہ شخص اپنے ایک دوست کے ہاں چلا گیا۔ اور رات بھر وہیں رہا۔ اس کی بیوی نے پنجرے کے پاس جا کر اس کی بستلی کو جو چمڑے کی تھی بھگویا اس پر پنکھا جھلنا شروع کیا پھر چراغ کو اس طرح اس کے قریب لا کر رکھا کہ وہ بجلی کی چمک معلوم ہو اور رات بھر چکی چلاتی رہی۔ جب سویرا ہوا اور اس کا شوہر آیا تو اس نے کہا' اے میرے مولا طوطے سے پوچھ کہ کیا ہوا؟ شوہر نے طوطے کے پاس جا کر باتیں کیں اور اس سے پوچھا کہ رات کو کیا پیش آیا؟ طوطے نے کہا اے میرے آقا' آج کی رات کس میں یہ طاقت تھی کہ وہ کچھ دیکھ سکے یا سن سکے! اس نے پوچھا کیوں؟ طوطا بولا کہ مینہ' ہوا' بجلی اور کڑک کی وجہ سے۔

اس نے کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے رات کو تو ان میں سے کوئی چیز بھی نہ تھی۔ طوطا کہنے لگا کہ جو کچھ میں نے دیکھا اور سنا ہے وہی تجھ سے بیان کرتا ہوں۔ اب اسے یقین آ گیا کہ جو کچھ اس نے اس کی بیوی کے بارے میں کہا' جھوٹ تھا اور اپنی بیوی کو منانے لگا۔ بیوی نے کہا میں اس وقت تک نہیں سنوں گی جب تک تو طوطے کو ذبح نہ کر ڈالے جس نے میرے اوپر بہتان لگایا ہے۔ شوہر اٹھا اور اس نے طوطے کو ذبح کر ڈالا۔ تھوڑے دن بعد ایک بار اس نے ترکی غلام کو گھر سے نکلتے دیکھا اور اسے یقین آ گیا کہ طوطا سچا تھا اور بیوی جھوٹی۔ اسے طوطے کے ذبح کرنے پر بڑی پشیمانی ہوئی۔ اس نے فوراً جا کر اپنی بیوی کو بھی ذبح کر ڈالا اور قسم کھائی کہ وہ مرتے دم تک کسی عورت سے شادی نہ کرے گا۔

اے بادشاہ' میں نے یہ کہانی اس لیے بیان کی ہے کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ عورتوں کا مکر بڑا زبردست ہوتا ہے اور جلدی کرنے سے پشیمانی ہوتی ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے اپنے بیٹے کے قتل کا ارادہ چھوڑ دیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو وہی کنیز بادشاہ کے پاس آئی اور اس کے سامنے زمین چوم کر کہنے لگی۔ اے بادشاہ' تو میرے ساتھ انصاف کرنے میں کیوں دیر لگا رہا ہے؟ دوسرے بادشاہوں کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تو ایک بات کا حکم دیتا ہے اور تیرا وزیر اسے توڑ دیتا ہے حالانکہ بادشاہ کی فرمانبرداری کے یہ معنے ہیں کہ اس کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ تو بڑا عادل اور منصف ہے۔ لہٰذا اپنے بیٹے کے بارے میں میرے ساتھ انصاف کر۔

○ دھوبی اور اس کے بیٹے کی کہانی

میں نے سنا ہے کہ ایک دھوبی ہر روز دجلہ کے کنارے کپڑے دھونے جایا کرتا تھا۔ اس کا بیٹا بھی اس کے ساتھ جاتا۔ جب تک باپ کپڑے دھوتا وہ نہر میں تیرا کرتا اور باپ اسے منع نہ کرتا۔ ایک دن حسب معمول وہ تیر رہا تھا کہ اس کی کلائیاں

تھک گئیں' دم ٹوٹ چلا اور وہ ڈوب چلا۔ باپ نے جو یہ دیکھا تو وہ لپک کر اس کے پاس پہنچا جونہی اس نے بیٹے کو پکڑا وہ اس سے لپٹ گیا اور باپ بیٹے دونوں ڈوب گئے۔ اسی طرح اے بادشاہ اگر تو نے میرے ساتھ عدل نہ کیا تو مجھے ڈر ہے کہ۔ کہیں تو تم دونوں تباہ نہ ہو جاؤ' شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو اسیویں رات

پانچ سو اسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ کنیز نے کہا کہ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تو اور تیرا بیٹا تباہ نہ ہو جائیں۔

○ ایک بد ذات مرد اور اس کی نیک پڑوسن کی کہانی

مردوں کے مکر و فریب کی ایک کہانی اور بھی ہے' کہتے ہیں کہ ایک مرد کا دل ایک حسین عورت پر آ گیا۔ اس کا شوہر بھی تھا اور دونوں میاں بیوی میں بڑی محبت تھی۔ عورت بڑی نیک اور پارسا تھی۔ جب عاشق کی کوئی چال نہ چل سکی اور وہ زیادہ بے چین ہونے لگا تو اس نے ایک نئی تدبیر سوچی۔ عورت کے شوہر کا ایک غلام تھا جس کی اس نے اپنے گھر میں پرورش کی تھی اور جس پر اسے بڑا بھروسہ تھا۔ اس غلام کو عاشق نے آ کر ہدیوں اور احسانات سے اتنا موہ لیا کہ غلام اس کے لیے ہر کام کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ ایک دن اس نے غلام سے کہا اے فلاں' جب تیرے آقا کی بیوی گھر سے باہر گئی ہو تو مجھے وہاں لے چلیو۔ اس نے کہا بہت خوب۔ ایک دن جب وہ حمام گئی ہوئی تھی اور اس کا آقا دکان پر تھا تو غلام اپنے دوست کے پاس آیا اور اسے گھر لے گیا' اور جو کچھ وہاں تھا اس کے سامنے پیش کیا۔ عاشق یہ ٹھان چکا تھا کہ وہ عورت کے ساتھ کوئی چال چلے گا' اس لیے غلام کی آنکھ بچا کر ایک انڈے کی سفیدی ایک برتن میں لی اور مرد کے بچھونے کے اوپر جا کر انڈیل دی۔ اس کے بعد وہ وہاں سے چلتا ہوا۔ اتنے میں شوہر گھر لوٹا اور آرام کرنے کے لیے اپنے بچھونے پر لیٹنے ہی والا تھا کہ اسے کچھ بھیگا بھیگا سا معلوم ہوا۔ دیکھا تو اسے خیال ہوا کہ ہو نہ ہو یہ مرد کی منی ہے۔ اب اس نے غلام کی طرف غصے سے دیکھ کر کہا کہ گھر

کی مالکہ کہاں ہے؟ غلام نے جواب دیا کہ حمام گئی ہے' ابھی آتی ہو گی۔ یہ سن کر اسے یقین ہو گیا کہ وہ ضرور کسی مرد کی منی ہے۔ اس نے غلام سے کہا کہ فوراً جا کر اسے بلا لا۔ جب وہ آئی تو شوہر نے اسے خوب مارا اور اس کی مشکیں باندھ کر چاہتا ہی تھا کہ جان سے مار ڈالے تو بیوی نے دہائی مچا دی' پڑوسیوں کو پکارنا شروع کر دیا - جب وہ آئے تو اس نے کہا کہ یہ شخص مجھے ذبح کرنا چاہتا ہے اور یہ نہیں بتاتا کہ کس خطا پر۔ پڑوسی ان کے بیچ میں آ گئے اور شوہر سے کہنے لگے تو محض یہ کر سکتا ہے کہ یا تو اسے طلاق دے دے یا اسے رکھ اور اس کے ساتھ بھلائی کر' وہ ایک مدت سے ہماری پڑوسن ہے ہمیں اس کی نیک نیتی کا یقین ہے اور ہم نے کبھی اس کی کوئی برائی نہیں دیکھی۔ شوہر نے کہا میں نے اپنے بچھونے پر کسی مرد کی منی دیکھی ہے۔ اور اس کا سبب مجھے معلوم نہیں ہوتا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اٹھ کر کہا مجھے دکھا۔ اسے دیکھ کر بولا کہ آگ اور ایک برتن لا۔ جب وہ برتن لے آیا تو اس شخص نے اس سفیدی کو لے کر آگ پر بھونا' خود بھی چکھا اور حاضرین کو بھی چکھایا سب کو یقین آ گیا کہ وہ انڈے کی سفیدی ہے اور شوہر مان گیا کہ وہ اپنی بیوی پر ظلم کر رہا تھا' وہ معصوم ہے۔ پڑوسیوں نے دونوں میں صلح کرا دی اور اس عورت کے ساتھ اس کی غیر موجودگی میں جو عاشق نے چال چلی تھی وہ بے کار ہو گئی۔

سن اے بادشاہ! یہ ہیں مردوں کے چھل فریب۔ یہ سن کر بادشاہ نے پھر اپنے بیٹے کے قتل کا حکم دے دیا۔ اب دوسرا وزیر اٹھا اور اس نے بادشاہ کے سامنے زمین چومی اور کہا کہ اے بادشاہ اپنے بیٹے کے قتل کرنے میں جلدی نہ کر کیونکہ اس کی ماں نے نا امیدیوں کے بعد اسے پیدا کیا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ وہ تیرے ملک کا مالک اور مال کا محافظ بن کر رہے۔ اے بادشاہ اتنا تو صبر کر کہ وہ بھی اپنا عذر بیان کر سکے۔ اگر تو نے جلد بازی سے کام لیا تو اسی طرح پچھتائے گا جس طرح کہ وہ سوداگر پچھتایا

ہے۔ بادشاہ نے کہا اے وزیر وہ سوداگر کون تھا۔ اس کی کہانی کیا ہے؟

○ بڑھیا کی روٹیوں کی کہانی

وزیر نے کہا اے بادشاہ! سنا ہے کہ ایک سوداگر اپنے کھانے پینے میں بڑی نفاست سے کام لیتا تھا۔ ایک بار وہ سفر کر کے کسی دوسرے ملک گیا' وہاں کے بازاروں میں پھرتے ہوئے اس نے ایک بڑھیا کو دیکھا جس کے پاس دو روٹیاں تھیں۔ سوداگر نے اس سے پوچھا کہ کیا ان روٹیوں کو بیچتی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ سوداگر نے مول تول کر کے جس کم سے کم قیمت پر وہ راضی ہوئی' روٹیاں خرید لیں اور گھر جا کر انہیں کھایا۔ دوسرے دن وہ پھر اسی جگہ پہنچا دیکھا کہ بڑھیا پھر دو روٹیاں لیے کھڑی ہے۔ اس نے انہیں بھی خرید لیا۔ بیس دن تک یہی ہوتا رہا۔ اس کے بعد بڑھیا کہیں دکھائی نہ دی۔ اس نے لوگوں سے بڑھیا کے متعلق پوچھا لیکن کچھ پتا نہ چلا۔ ایک دن وہ شہر کی کسی گلی میں جا رہا تھا کہ بڑھیا مل گئی۔ وہ رک گیا' اسے سلام کیا اور پوچھا کہ بڑی بی کہاں رہتی ہو' روٹیاں بیچنے نہیں آتی؟ بڑھیا پہلے تو جواب دینے سے ہچکچائی مگر جب اس نے اسے قسم دی کہ سچ سچ بتا تو بڑھیا نے کہا اے میرے آقا! سن میرا جواب۔ میں ایک شخص کے پاس نوکر تھی جس کی ریڑھ کی ہڈی میں ناسور تھا۔ اس کا طبیب آٹا لے کر مکھن کے ساتھ گوندھتا اور اسے رات بھر اس جگہ باندھتا جہاں ناسور تھا۔ صبح ہوتی تو میں اس آٹے کو لے کر دو روٹیاں پکاتی اور تیرے یا کسی اور کے ہاتھ بیچ ڈالتی۔ اب وہ شخص مر گیا اور میری روٹیاں بھی بند ہو گئیں۔ یہ سن کر تاجر نے کہا کہ ------- انا للہ وانا الیہ راجعون! لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

پانچ سو اکیاسیویں رات

پانچ سو اکیاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب بڑھیا نے سوداگر کو ان روٹیوں کی وجہ بتائی تو اس نے لاحول پڑی' قے کرتے کرتے بیمار پڑ گیا اور بہت پشیمان ہوا لیکن اب پشیمان ہونے سے کیا ہوتا تھا۔

عورت' اس کے شوہر اور دو عاشقوں کی کہانی

اے بادشاہ' عورت کے چھل فریب کی مجھے ایک اور کہانی بھی یاد ہے۔ ایک شخص تھا جو کسی بادشاہ کے سامنے ننگی تلوار لے کر کھڑا ہوا کرتا تھا۔ اس شخص کی ایک معشوقہ تھی۔ ایک دن اس نے دستور کے موافق اپنے غلام کے ہاتھ لڑکی کو کوئی پیغام بھیجا۔ غلام اپنے آقا کی معشوقہ کے پاس بیٹھ کر اس سے ہنسی مذاق کرنے لگا۔ اس نے اس کی طرف جھک کر غلام کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ غلام نے اس سے ہم بستری کی خواہش ظاہر کی' وہ تیار ہو گئی۔ یہ دونوں اسی حالت میں تھے کہ غلام کے مالک نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ معشوقہ نے غلام کو تہہ خانے میں دھکیل دیا اور دروازہ کھولا۔ وہ شخص ہاتھ میں تلوار لیے اندر آیا اور عورت کے بچھونے پر بیٹھ گیا۔ وہ اس کے پاس آ کر ہنسی مذاق کرنے لگی اسے سینے سے لگایا اور بوسے دیئے۔ اس شخص نے اس کے ساتھ ہم بستری کی۔ اتنے میں اس عورت کے شوہر نے دروازے پر دستک کی اس شخص نے پوچھا' یہ کون ہے؟ عورت نے جواب دیا میرا شوہر۔ اس نے کہا اب میں کیا کروں؟ عورت نے کہا تلوار کھینچ کر دروازے کے اندر کھڑا ہو جا مجھے برا بھلا کہہ گالیاں دے شوہر اندر آ جائے تو باہر نکل کر چلتا بنیو۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ جب عورت کا شوہر

اندر آیا تو اس نے دیکھا کہ بادشاہ کا محافظ تلوار کھینچے کھڑا ہے اور اس کی بیوی کو برا بھلا کہہ رہا اور گالیاں دے رہا ہے۔ محافظ نے اسے دیکھا تو شرمندہ ہو گیا اور تلوار کو میان میں ڈال کر گھر سے باہر چلا گیا۔ شوہر نے بیوی سے پوچھا یہ کیا معاملہ تھا؟ بیوی نے کہا' اے مرد یہ کیسی مبارک گھڑی تھی کہ تو آ گیا اور ایک مسلمان کی جان بچ گئی۔ ہوا یہ کہ میں چھت پر بیٹھی سوت کات رہی تھی ایک غلام دوڑا ہوا میرے پاس آیا۔ وہ گھبرایا ہوا تھا اس کے حواس گم تھے اور ڈر کے مارے کانپ رہا تھا اور یہ شخص ہاتھ میں ننگی تلوار لیے اس کے پیچھے پیچھے تیزی سے دوڑا چلا آتا تھا۔ غلام میرے پاس آ کر میرے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور کہنے لگا اے میری آقا! اس شخص سے مجھے بچا لو ناحق میری جان لینے کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ میں نے اسے اپنے تہہ خانے میں چھپا دیا۔ جب میں نے اس شخص کو ننگی تلوار لیے ہوئے گھر میں اندر آتے دیکھا اور اس نے غلام کو مجھ سے طلب کیا تو میں نے انکار کر دیا۔ اس پر وہ مجھے برا بھلا کہنے اور گالیاں دینے لگا جیسا کہ تو نے خود دیکھا۔ خدا کا شکر ہے کہ تو آ گیا کیونکہ میں حیران و پریشان تھی اور مجھے بچانے والا کوئی نہ تھا۔ شوہر نے کہا اے بیوی تو نے کیا خوب کیا۔ خدا تجھے اس کا ثواب دے گا اور تجھے بڑا اجر ملے گا۔ یہ کہہ کر وہ تہہ خانے سے نکلا مگر ڈر رہا تھا اور وہ شخص کہتا جاتا کہ اطمینان رکھ ڈر نہیں۔ وہ غلام کی تکلیف پر ہمدردی کرتا جاتا اور غلام اس کو دعائیں دیتا جاتا۔ اس طرح سے دونوں باہر نکل گئے اور کسی کو اس بات کا پتہ نہ چلا کہ عورت نے کیا چھل بازی پھیلائی تھی۔

اے بادشاہ' دیکھ! یہ بھی عورتوں کی چالوں میں سے ایک چال ہے۔ لہٰذا خبردار! ان کی باتوں پر اعتبار نہ کیجیو۔ یہ سن کر بادشاہ نے اپنے بیٹے کو قتل کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا۔ جب تیسرا دن ہوا تو کنیز بادشاہ کے پاس پھر آئی اور اس کے سامنے زمین چوم کر کہنے لگی اے بادشاہ! اپنے بیٹے سے میرا حق دلا اور اپنے وزیروں کی باتیں نہ سن'

برے وزیروں سے کوئی بھلائی نہیں پہنچتی۔ اس بادشاہ کی طرح نہ بن جس نے اپنے برے وزیر کی بات سنی۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیسے؟

○ شہزادے اور ڈائن کی کہانی

اس نے جواب دیا اے نیک نہاد اور خوش رائے بادشاہ! کسی بادشاہ کا ایک بیٹا تھا جسے وہ بہت چاہتا' جس کی وہ بے حد عزت کرتا اور اپنی تمام اولادوں پر ترجیح دیتا۔ ایک روز بیٹے نے اپنے باپ سے کہا ابا جان! میں سیر و شکار کے لیے جانا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے تیاری کا حکم دے دیا اور اپنے ایک وزیر سے کہا کہ اس کے ساتھ جا کر اس کی خدمت بجا لا اور سفر میں اس کی ضروریات کو پورا کر۔ ان دونوں کے ساتھ بہت سے نوکر چاکر' عہدیدار اور غلام شکار کے لیے روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے ایک جگہ پہنچے جو بہت سرسبز تھی۔ بہت سی چراگاہیں پانی اور شکار تھا۔ شہزادے نے وزیر سے کہا کہ یہ جگہ مجھے بہت پسند ہے۔ وہاں کئی دن تک وہ ٹھہرے رہے۔ شہزادے نے خوب عیش و عشرت کی۔ جب شہزادے نے واپسی کا ارادہ کیا تو اسے ایک ہرنی دکھائی دی جو اپنی ڈار سے چھٹ کر الگ جا پڑی تھی۔ شہزادے کا دل چاہا کہ اسے شکار کرے' اس نے وزیر سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اس ہرنی کا پیچھا کروں۔ وزیر نے عرض کی جیسی تیری مرضی! شہزادہ اکیلا اس کے پیچھے چل پڑا اور دن بھر اس کے پیچھے رہا۔ رات ہونے لگی تو ہرنی ایک ٹیلے پر چڑھ گئی۔ اور لڑکے نے لوٹنا چاہا مگر اندھیرا چھا گیا تھا سمجھ میں نہ آیا کہ کدھر جائے' بہت پریشان ہوا۔ تمام رات گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے کٹ گئی اور کوئی امید کی صورت نظر نہ آئی۔ صبح ہوئی تو وہ چل کھڑا ہوا بھوکا پیاسا ڈرتا ہوا چلا جاتا تھا اس لیے کہ رستے کی خبر نہ تھی کہاں جانا چاہیے اور کہاں جا رہا ہوں۔ چلتے چلتے دوپہر ہو گئی' زمین تپنے لگی۔ خدا خدا کر کے ایک شہر دکھائی دیا جس کی عمارتیں

بلند اور ستون مضبوط تھے لیکن اجاڑ پڑا تھا۔ سوا الوؤں اور کوؤں کے وہاں نہ کوئی آدم نظر آیا نہ آدم زاد' شہزادہ کھڑا شہر کے کھنڈروں کو دیکھ ہی رہا تھا کہ اس کی نظر ایک خوبصورت لڑکی پر پڑی جو ایک دیوار کے نیچے بیٹھ کر رو رہی تھی۔ شہزادے نے اس کے پاس جا کر پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں شہبا کے ملک کے بادشاہ طیاخ کی بیٹی تمیمہ کی بیٹی ہوں۔ میں ایک دن اپنی حاجت رفع کرنے کے لیے نکلی تھی ایک دیو مجھے اٹھا کر زمین اور آسمان کے درمیان اڑ گیا۔ اس کے اوپر ایک آگ کا گولا گرا اور وہ جل گیا۔ میں یہاں آ کر گری اور تین روز سے بھوکی پیاسی پڑی ہوں۔ اب تجھے دیکھ کر پھر مجھے جینے کا آسرا بندھا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو بیاسیویں رات

پانچ سو بیاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب طیاخ بادشاہ کی نواسی نے شہزادے سے کہا کہ تجھے دیکھ کر مجھے جینے کا آسرا بندھا تو شہزادے کو اس پر رحم آ گیا اور اسے گھوڑے پر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور اس سے کہا کہ غمگین نہ ہو' اگر خدا نے مجھے میرے گھر پہنچا دیا تو میں تجھے تیرے گھر بھجوا دوں گا۔ اسے لے کر شہزادہ وہاں چل کھڑا ہوا تاکہ اس بیابان سے نجات ملے' اتنے میں لڑکی جو اس کے پیچھے بیٹھی تھی بولی ذرا مجھے اتار دے میں اس دیوار کے پیچھے اپنی حاجت رفع کر آؤں۔ لڑکی دیوار کے پیچھے گئی اور وہاں سے بڑی بھیانک صورت بنا کر نکلی۔ شہزادے نے اسے دیکھا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے' ہوش جاتے رہے۔ ڈر کے مارے اس کی بری حالت ہو گئی۔ لڑکی اچھل کر اس کے پیچھے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ اس کی صورت اتنی ڈراؤنی تھی کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ اس نے کہا اے شہزادے' تیرا رنگ فق کیوں ہو گیا۔ شہزادے نے جواب دیا کہ میں ایک بات سوچ رہا ہوں جس سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔ ڈائن نے کہا اپنے باپ کے لشکروں اور سورماؤں کو لا کر ان سے مدد مانگ۔ شہزادے نے کہا جو چیز مجھے تکلیف پہنچا رہی ہے وہ لشکروں کی پروا نہیں کرتی نہ سورماؤں سے ڈرتی ہے۔ ڈائن نے کہا اپنے باپ کا مال دے کر اس سے پیچھا چھڑا۔ شہزادے نے کہا جس چیز سے میں ڈر رہا ہوں وہ مال و دولت لینے پر راضی بھی نہیں ہوتی۔ ڈائن نے کہا تم لوگوں کا خیال ہے کہ آسمان میں تمہارا کوئی خدا ہے جو دیکھتا ہے مگر دکھائی نہیں دیتا اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

شہزادے نے کہا ہاں وہی ایک سہارا ہے۔ ڈائن بولی پھر اس سے دعا مانگ' شاید وہ تجھے میرے پنجے سے چھڑا دے۔ شہزادے نے اپنی آنکھ آسمان کی طرف اٹھائی اور سچے دل سے دعا مانگی کہ خداوندا! اس مصیبت سے جو میرے اوپر پڑی ہے میں تیری دہائی

مانگتا ہوں۔ یہ کہتے وقت ڈائن کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ جل کر کوئلے کی طرح زمین پر گر پڑی۔ اس نے خدا کی حمد کی اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ اب وہ تیز تیز چلنے لگا۔ خدا نے اس پر چلنا آسان کر دیا اور اسے سیدھا راستہ بتایا گیا یہاں تک کہ وہ وطن پہنچ گیا۔ اور اپنے باپ سے ملا حالانکہ وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ اور یہ ساری مصیبت وزیر کی رائے سے اس پر آئی تھی جس کا منشا یہ تھا کہ وہ اسے راہ میں ہلاک کر دے لیکن خدا نے اس کا ساتھ دیا۔

اے بادشاہ میں نے یہ کہانی تجھے اس لیے سنائی ہے تا کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ برے وزیروں کی نیت پاک نہیں ہوتی' وہ اپنے بادشاہوں کو نیک صلاح نہیں دیتے لہٰذا اس بارے میں سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیے۔ بادشاہ نے اس کا کہنا مان لیا اور اپنے بیٹے کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ اب تیسرا وزیر اٹھا اور اس نے کہا کہ آج میں تم سب کی طرف سے بادشاہ کو برائی کرنے سے روک لوں گا یہ کہہ کر وہ بادشاہ کے پاس گیا اور اس کے آگے زمین چوم کر کہنے لگا اے بادشاہ! میں تجھے نیک مشورہ دیتا ہوں کہ کہیں تیرا ملک تیرے ہاتھ سے نہ چلا جائے۔ میری رائے ہے کہ اپنے بیٹے کے قتل کرنے میں جلدی نہ کر وہ تیری آنکھ کی ٹھنڈک اور تیرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ ممکن ہے کہ تیرے بیٹے کا کوئی چھوٹا موٹا گناہ ہو جسے اس کنیز نے بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے۔ میں نے ایک کہانی سنی ہے کہ ایک قطرے شہد کے پیچھے گاؤں والوں نے ایک دوسرے کو تباہ کر دیا۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کس طرح؟ اس نے کہا اے بادشاہ' سن!

○ شہد کے قطرے کی کہانی

ایک شکاری جنگل میں جانوروں کا شکار کیا کرتا تھا۔ ایک روز وہ پہاڑ کے کسی غار کی طرف سے گزرا دیکھا کہ اس میں شہد بھرا ہوا ہے۔ اس میں سے اس نے تھوڑا سا

لے کر اپنی مشک میں بھر لیا اور اسے اپنے کاندھے پر لاد کر شہر لے گیا۔ اس کے ساتھ ایک کتا تھا جو اسے بہت پیارا تھا۔ راستے میں شکاری ایک تیلی کی دکان پر ٹھہر گیا اور اس کے آگے شہد پیش کیا' تیلی نے شہد خرید لیا اور مشک کھول کر اس میں سے شہد نکالا تا کہ وہ اسے دیکھے۔ اتفاق سے شہد کا ایک قطرہ زمین پر ٹپک پڑا اور اس پر مکھیاں آ بیٹھیں اور مکھیوں پر چڑیاں گرنے لگیں۔ تیلی کی ایک بلی تھی وہ چڑیوں پر جھپٹی۔ یہ دیکھ کر شکاری کتا بلی پر جھپٹا اور اسے پھاڑ ڈالا۔ تیلی نے کتے پر حملہ کیا اور اسے مار دیا۔ شکاری نے تیلی کے ایک ڈنڈا رسید کیا اور وہ مر گیا۔ تیلی ایک گاؤں کا رہنے والا اور شکاری دوسرے گاؤں کا۔ یہ مار پیٹ سن کر وہ سب ہتھیار باندھ کر ایک دوسرے پر آ پڑے اور اتنی تلوار چلی کہ دونوں طرف سے بے شمار لوگ کام آئے جن کی تعداد سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔

○ عورت کی کہانی جس نے اپنے شوہر سے مٹی چھنوائی

اور اے بادشاہ' عورتوں کے چھل فریب کی میں نے یہ کہانی بھی سنی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک درہم دیا کہ وہ جا کر چاول خرید لائے۔ بیوی درہم لے کر چاول بیچنے والے کے پاس گئی۔ وہ چاول دے کر اس سے ہنسی مذاق کرنے لگا اور کہا کہ چاول بغیر شکر کے مزے دار نہیں ہوتے اگر تو شکر چاہتی ہے تو تھوڑی دیر کے لیے دکان میں آ جا۔ عورت دکان کے اندر چلی گئی۔ چاول بیچنے والے نے اپنے غلام سے کہا اسے ایک درہم کی شکر تول دے مگر آنکھ سے غلام کو کچھ اشارہ کر دیا۔ غلام نے عورت سے رومال لے کر چاول تو اس میں سے گرا دیئے اور اس کی جگہ مٹی باندھ دی۔ اور بجائے شکر کے پتھر رکھ دیئے اور رومال باندھ کر اسے دے دیا۔ جب عورت دکان سے نکلی تو رومال اٹھا کر گھر چل دی۔ اس کا خیال تھا کہ رومال میں چاول اور شکر بندھی ہوئی ہے۔ گھر پہنچ کر اس نے رومال شوہر کے آگے رکھ دیا۔ شوہر نے

دیکھا کہ اس میں مٹی اور پتھر ہیں۔ جب بیوی ہانڈی لے کر آئی تو اس نے کہا میں نے تجھ سے یہ کب کہا تھا کہ ہمارے ہاں عمارت بن رہی ہے جو مٹی پتھر لے کر آئی ہے! بیوی نے یہ دیکھا تو وہ تاڑ گئی کہ دکان دار کے غلام نے اس کے ساتھ یہ چال چلی ہے۔ وہ ہانڈی لیے آ رہی تھی مگر یہ معاملہ دیکھ کر وہ اپنے شوہر سے کہنے لگی میاں میں چھلنی لینے گئی تھی مگر بے خیالی میں ہانڈی لے آئی۔ شوہر نے پوچھا' آخر تو نے کیا سمجھا تھا؟ وہ بولی میاں جو درہم میں لے کر گئی تھی' وہ بازار میں میرے ہاتھ سے گر گیا۔ مجھے شرم آئی کہ میں اسے تلاش کروں مگر یہ بھی میں نے نہ چاہا کہ درہم ضائع ہو جائے۔ اس لیے جہاں درہم گرا تھا وہاں کی مٹی سمیٹ کے لے آئی۔ یہ کہہ کر وہ گئی اور چھلنی لے آئی اور اسے اپنے شوہر کو دے کر کہا کہ اسے چھان کیونکہ تیری نظر مجھ سے تیز ہے۔ شوہر بیٹھ کر مٹی چھاننے لگا اور اسے بیوی کی چالاکی کا بالکل پتہ نہ چلا۔

اے بادشاہ! عورتوں کے فریبوں میں سے یہ بھی ایک فریب ہے۔ خدا کے قول پر بھی غور کر وہ فرماتا ہے۔ "عورتو! تمہارا فریب بے پناہ ہے۔" اور یہ کہ "شیطان کا فریب کمزور ہے۔" جب بادشاہ نے وزیر کی باتیں سنیں تو اسے تسلی ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں بات آ گئی اور اس نے ان ان آیتوں پر غور کیا جو اس نے پڑھی تھیں تو اس کی عقل نے اسے مان لیا' اس نے اپنے بیٹے کے قتل کا ارادہ اپنے دل سے نکال دیا لیکن چوتھا دن ہوا تو کنیزہ بادشاہ کے پاس پھر آئی اور زمین بوس ہو کر کہنے لگی کہ اے نیک نہاد اور خوش رائے بادشاہ میرا حق تجھ پر ثابت ہو چکا ہے لیکن تو مجھ پر ظلم کر رہا ہے اور میرے مجرم سے اس لیے بدلہ نہیں لیتا کہ وہ تیرا بیٹا اور جگر گوشہ ہے خدا میری جلدی مدد کرے گا جیسے کہ اس نے شہزادے کی مدد اس کے باپ کے مقابلے میں کی تھی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ کنیز نے کہا کہ

○ شہزادے کی لڑکی ہو جانے کی کہانی

اگلے زمانے میں ایک بادشاہ ہوا ہے جس کا محض ایک بیٹا تھا اس کے سوا اور کوئی اولاد نہ تھی جب وہ بالغ ہوا تو اس کے باپ نے اس کی شادی ایک دوسرے بادشاہ کی بیٹی سے کر دی جو بڑی حسین و جمیل تھی۔ اس لڑکی کا ایک چچا زاد بھائی تھا جس نے اس سے شادی کرنے کی درخواست اس کے باپ سے کی تھی مگر لڑکی اس کے ساتھ شادی کرنے پر راضی نہ ہوئی۔ جب اس کے چچیرے بھائی کو معلوم ہوا کہ اس نے دوسرے کے ساتھ شادی کر لی ہے تو اسے حسد پیدا ہو گیا' اس نے فیصلہ کیا کہ جس بادشاہ کے بیٹے سے اس کی شادی ہوئی ہے۔ اس کے وزیر کے پاس ہدیے بھیجے اور اس سے درخواست کرے کہ وہ کسی نہ کسی فریب سے شہزادے کو قتل کر ڈالے یا اسے پھسلا کر لڑکی سے بے تعلق کر دے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور وزیر سے کہلا بھیجا کہ وہ میری چچیری بہن ہے اس لیے میں نہیں چاہتا کہ وہ کسی غیر کی ہو کر رہے۔ وزیر کے پاس جب ہدیے پہنچے تو اس نے انہیں قبول کر لیا اور شہزادے کو اطمینان دیا کہ فکر نہ کر' میں تیرے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں اسی اثناء میں لڑکی کے باپ نے شہزادے کو لکھا چند دن یہاں آ کر رہو۔ یہ خط شہزادے کے پاس پہنچا تو اس کے باپ نے اسے سفر کی اجازت دے دی اور اس کے ہمراہ اس وزیر کو کر دیا جس کے پاس ہدیے آئے تھے۔ ان دونوں کے ساتھ بادشاہ نے ایک ہزار سوار' ہدیے محل' شامیانے اور خیمے کر دیئے۔ دونوں روانہ ہو گئے مگر وزیر کے دل میں چور تھا' دغا بازی اس کے دل میں بھری ہوئی تھی۔ جب جنگل میں پہنچے تو وزیر کو یاد آیا کہ یہاں ایک چشمہ ہے جس کا نام زہرا ہے' جو کوئی اس کا پانی پیئے اگر مرد ہو تو عورت ہو جائے۔ اس نے فوراً اسی جگہ قیام کر دیا اور شہزادے سے کہا کہ تجھے ایک چشمے کی سیر کراؤں۔ شہزادہ اس کے ساتھ ہو گیا وزیر اور شہزادہ دونوں اس چشمے کی طرف چلے کوئی نوکر چاکر ساتھ نہ لیا۔ شہزادے کو خبر نہ تھی کہ غیب سے اس کے لیے کیا سامان ہو رہا ہے۔ چلتے چلتے دونوں اس چشمے پر پہنچ گئے۔ شہزادے نے گھوڑے سے اتر کر ہاتھ دھوئے اور

پانی پیا۔ پانی کا پینا تھا کہ وہ عورت ہو گیا اور یہ معلوم ہوتے ہی وہ اتنا رویا پیٹا کہ بے ہوش ہو گیا۔

وزیر جھوٹ موٹ اس کے ساتھ منہ بسورنے اور اس کی تکلیف پر ہمدردی کا اظہار کرنے لگا اور پوچھا تجھے کیا ہو گیا؟ لڑکے نے اس سے واقعہ بیان کیا تو اس نے افسوس کیا اور پھر کہا کہ خدا تجھے اس سے بچائے! یہ بلا تجھ پر کیسے نازل ہوئی؟ ہم تو اس خوشی سے جا رہے ہیں کہ تو شہزادی کے پاس جا رہا ہے۔ ایسی حالت میں شہزادی کے پاس جانا مناسب ہے کہ نہیں تو ہی بتا کیا کرنا چاہیے۔ لڑکے نے کہا میرے باپ کے پاس جا کر میری مصیبت کی خبر دے' میں تو یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا۔ جب تک یہ مصیبت مجھ سے دور نہ ہو جائے۔ یہیں مارے غم کے جان دے دوں گا۔ اس کے بعد لڑکے نے باپ کو خط لکھا کہ اس پر کیا بلا نازل ہو گئی ہے وزیر اس خط کو لے کر بادشاہ کے پاس روانہ ہو گیا باقی سارا لاؤ لشکر لڑکے کے پاس رہا۔ وزیر اپنے دل میں اس کارروائی پر بہت خوش تھا۔ جو اس نے شہزادے کے ساتھ کی تھی۔ بادشاہ کی خدمت میں جا کر اس وزیر نے اس کے بیٹے کا ماجرا بیان کیا اور اسے خط دیا۔

بادشاہ اپنے بیٹے کا حال سن کر بہت غمگین ہوا حکیموں اور جادو ٹونا کرنے والوں کو قاصد بھیج کر بلایا کہ وہ اس کے بیٹے کا علاج کریں مگر ان میں سے کسی نے جواب تک نہ دیا۔ اب وزیر نے لڑکی کے چچیرے بھائی کو پیغام بھیجا اور شہزادے کی مصیبت پر اسے مبارک باد دی۔ خط کو پڑھ کر وہ بہت خوش ہوا اور اسے شہزادی کے ساتھ شادی کرنے کی امید بندھ گئی۔ اس نے وزیر کو بہت سا مال و دولت اور ہدیے بھیجے اور اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔

اب شہزادے کا حال سنو! تین دن اور تین راتیں اس نے بے کھائے پیئے اسی چشمے پر گزار دیں اور اپنی تکلیف خدا کے سپرد کر دی جو کبھی کسی کو نامراد نہیں کرتا جو اس پر بھروسا کرتا ہے۔ چوتھے دن اسے ایک سوار نظر آیا جس کے سر پر تاج تھا اور جو شہزادہ معلوم ہوتا تھا۔ سوار نے شہزادے سے پوچھا اے لڑکے! تجھے یہاں کون لایا ہے؟

لڑکے نے اپنی ساری مصیبت بیان کی اور کہا کہ میں اپنی بیوی کے پاس جا رہا تھا' وزیر مجھے اس چشمے پر لایا اور اس کا پانی پیتے ہی میرا یہ حال ہو گیا۔ لڑکا یہ کہتا جاتا اور روتا جاتا تھا۔ اس کی باتیں سن کر سوار کو اس پر ترس آ گیا اور کہنے گا کہ یہ محض تیرے باپ کے وزیر کی کارستانی ہے کیونکہ سوا اس ایک شخص کے اس چشمے کا حال کسی انسان کو معلوم نہیں۔ اس کے بعد سوار نے کہا گھوڑے پر بیٹھ اور میرے ساتھ چل۔ لڑکا سوار ہو گیا۔ سوار نے کہا کہ میرے گھر چل۔ آج کی رات میرا مہمان ہو۔ لڑکے نے پوچھا' پہلے یہ بتا کہ تو ہے کون جو مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جس طرح تو انسانی شہزادہ ہے' میں بھی جنات کا شہزادہ ہوں۔ خوش ہو کہ تیرا غم دور کر دوں گا کیونکہ یہ میرے لیے کوئی بڑی بات نہیں۔ لڑکا اپنا لاؤ لشکر چھوڑ کر اس کے ساتھ ہو لیا اور سویرے سے آدھی رات تک چلتا رہا۔ جنوں کے شہزادے نے پوچھا کہ اب تک ہم نے کتنی راہ طے کی ہے؟ شہزادہ نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ وہ بولا کہ اتنی جتنا ایک تیز چلنے والا سال بھر میں طے کرتا ہے۔ شہزادے کو یہ سن کر اچنبھا ہوا' وہ کہنے لگا کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس کس طرح لوٹ کر جاؤں گا؟ اس نے جواب دیا کہ اس سے تجھے کوئی مطلب نہیں' یہ میرا کام ہے۔ جب تو بیاری سے اچھا ہو جائے گا تو آنکھ جھپکنے سے پہلے اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ جائے گا۔ یہ میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ جن کی باتیں سن کر لڑکا مارے خوشی کے پھڑک اٹھا' خیال کیا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں اور کہنے لگا کہ پاک ہے وہ قدرت والا جو بد بخت کو نیک بخت بنا دیتا ہے۔ اور بہت خوش ہوا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو تراسیویں رات

جب پانچ سو تراسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جنوں کے شہزادے نے انسانی شہزادے سے کہا کہ اچھا ہو جانے پر تو پلک مارنے سے پہلے اپنے اہل و عیال کے پاس پہنچ جائے گا۔ پھر چلتے چلتے وہ صبح کے وقت ایک سرسبز زمین پر پہنچے جو بہت سرسبز و شاداب تھی' جہاں درخت جھوم رہے تھے' چڑیاں چہچہا رہی تھیں' باغ کھلے ہوئے اور محل جگمگا رہے تھے۔ یہاں جنوں کا شہزادہ اپنے گھوڑے پر سے اتر پڑا اور لڑکے سے کہا کہ تو بھی اتر اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک محل کے اندر لے گیا جہاں شہزادے کی ملاقات ایک عظیم الشان اور شاندار بادشاہ سے ہوئی اس نے وہ دن کھانے پینے میں اس کے ساتھ گزارا۔ رات ہوئی تو جن شہزادہ اٹھ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اور انسانی شہزادہ بھی اس کے ساتھ سوار ہوا۔ دونوں اندھیرے میں تیز تیز چل دیئے۔ دن نکلا تو وہ ایک لق و دق میدان میں پہنچے جہاں سبزے کا نام تک نہ تھا۔ بلکہ سیاہ پتھریلی زمین تھی گویا وہ جہنم کا ٹکڑا تھا۔ انسانی شہزادے نے پوچھا اس سر زمین کا نام کا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ارض و ہما جس پر ایک جنوں کے بادشاہ کی حکومت ہے اور اس کا نام ذوالجناحین ہے۔ کسی بادشاہ کی مجال نہیں کہ وہ اس پر چڑھائی کر سکے بلکہ بغیر اس کی اجازت کے کوئی یہاں آ بھی نہیں سکتا تو یہیں ٹھہرا رہ میں جا کر اس سے اجازت لے آؤں۔ شہزادہ ٹھہر گیا' جن تھوڑی دیر کے بعد لوٹا اور دونوں آگے روانہ ہو گئے۔ چلتے چلتے ایک چشمے کے پاس پہنچے جو کالے پہاڑوں میں سے بہہ کر آتا تھا۔ جن نے کہا کہ اتر پڑ اور وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا' پھر اس نے کہا کہ اس چشمے کا پانی پی۔ اس نے پانی پیا اور پینے کے ساتھ ہی قدرت سے پہلے کی طرح مرد ہو گیا۔ اس پر وہ اتنا خوش ہوا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں اور کہا اے میرے بھائی' اس چشمے کو کیا کہتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ عورتوں کا چشمہ۔

اگر کوئی عورت بھی اس سے پانی پیئے تو وہ مرد ہو جائے گی' اب خدا کی حمد بیان کر اور اس کا شکر بجا لا کہ تو اچھا ہو گیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو جا۔
شہزادے نے شکرانے کا سجدہ کیا اور باقی دن تیز تیز چلتے ہوئے جن شہزادے کی حکومت میں پہنچے' رات وہاں نہایت آرام و آسائش سے گزاری اور دن بھر کھانے پینے میں گزارا۔
دوسری رات ہوئی تو جن شہزادے نے کہا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ آج ہی رات کو اپنی بیوی کے پاس پہنچ جائے؟ اس نے کہا' ہاں مجھے سخت اشتیاق ہے۔ جن شہزادے نے اپنے باپ کے ایک غلام کو بلایا جس کا نام راجز تھا۔ اور اس سے کہا کہ اس جوان کو کندھے پر بٹھا کر یہاں سے لے جا اور سویرا ہونے سے پہلے پہلے اسے اس کے خسر اور بیوی کے پاس پہنچا دے۔ غلام نے کہا' سر آنکھوں پر۔ یہ کہہ کر وہ غائب اور تھوڑی دیر کے بعد دیو کی شکل بن کر آیا۔ جوان اسے دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا اس کی عقل جاتی رہی۔ جن شہزادے نے کہا کہ ڈر نہیں' اپنے گھوڑے پر بیٹھا رہ اور اس کے کندھے پر مع گھوڑے کے سوار ہو جا۔ شہزادہ بولا نہیں' میں اکیلا اس پر سوار ہوتا ہوں اور گھوڑا تیرے پاس چھوڑے جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ گھوڑے سے اتر کر دیو کے کندھے پر بیٹھ گیا۔ جن شہزادے نے کہا کہ اپنی آنکھیں بند کر لے' اس نے آنکھیں بند کر لیں اور دیو اسے لے کر زمین و آسمان کے درمیان اڑنے لگا اور برابر اڑتا رہا۔ شہزادے کو خبر بھی نہ ہوئی اور رات کے پچھلے پہر دیو اسے لے کر اس کے خسر کے محل پر اترا اور اس سے کہا کہ اتر اور آنکھیں کھول تیرے خسر اور اس کی بیٹی کا محل آ گیا۔ وہ اتر پڑا اور آنکھیں کھول دیں۔ دیو اسے وہاں چھوڑ کر چلتا ہوا۔ جب دن نکلا اور جوان کا ڈر جاتا رہا تو وہ محل سے نیچے اترا۔ اس کا خسر اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اسے محل کے اوپر سے آتے دیکھ کر بڑا اچنبھا کیا اور پوچھنے لگا' کہ لوگ تو دروازے سے آتے ہیں مگر تو آسمان سے اترا ہے۔ شہزادے نے جواب دیا کہ جو کچھ خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ بادشاہ کو سخت تعجب تھا۔ جب سورج نکل آیا تو اس کے خسر نے وزیر کو حکم دیا کہ شاندار ولیمہ دیا جائے۔ وزیر نے

ولیمہ تیار کرایا' شادی کا جشن منایا گیا اور شہزادہ اپنی بیوی سے ملا۔ دو مہینے وہاں ٹھہر کر اپنے باپ کے شہر کو روانہ ہو گیا۔ لڑکی کے چچیرے بھائی کو جب یہ خبر ہوئی کہ شہزادہ لڑکی سے ہم بستر ہوا اور خدا نے شہزادے کو اس پر اور اس کے باپ کے وزیر پر فتح دی تو وہ مارے رشک و حسد کے مر گیا۔ شہزادہ اپنی بیوی کو لے کر بہترین حالت اور انتہائی خوشی کے ساتھ اپنے باپ کے پاس پہنچا۔ باپ نے اپنے تمام لشکر اور وزیر کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا۔

اے بادشاہ' میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ خدا تجھے تیرے وزیروں پر فتح دے اور میری درخواست ہے کہ تو میرا بدلہ اپنے بیٹے سے لے۔ یہ سن کر بادشاہ نے اپنے بیٹے کے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو چوراسیویں رات

پانچ سو چوراسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ نے اپنے بیٹے کے قتل کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ یہ واقعہ چوتھے دن کا ہے۔ اب چوتھا وزیر بادشاہ کے پاس گیا اور اس کے آگے زمین چوم کر کہنے لگا کہ اے بادشاہ' خدا تجھے قائم رکھے اور تیری مدد کرے! اس معاملے میں سوچ سمجھ کر کام لے' سمجھ دار وہ ہے جو اس وقت تک کوئی کام نہیں کرتا جب تک اس کے نتیجے پر غور نہ کر لے۔ مثل ہے کہ جو نتیجے کو نہیں سوچتا زمانہ اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ جو بغیر سوچے سمجھے کوئی بات کر بیٹھتا ہے اس کا وہی حشر ہوتا ہے جو حمامی کو اس کی بیوی کے ساتھ پیش آیا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ حمامی کو اپنی بیوی کے ساتھ کیا پیش آیا؟ وزیر نے کہا:

○ وزیر زادے اور حمامی کی بیوی کی کہانی

اے بادشاہ! ایک حمام والا تھا جس کے حمام میں رئیس اور بڑے لوگ آیا کرتے تھے۔ ایک روز اس کے حمام میں ایک نوجوان وزیر زادہ آیا جو بہت خوبصورت اور موٹا تازہ تھا۔ حمام والا اس کی خدمت کرنے لگا۔ جوان نے جب کپڑے اتارے تو حمام والے کو اس کا آلہ مردی دکھائی نہ دیا کیونکہ موٹاپے کی وجہ سے وہ اس کی رانوں میں چھپا ہوا تھا اور محض ایک چھوٹی سی گھنڈی کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ یہ دیکھ کر حمامی افسوس کرنے اور ہاتھ ملنے لگا۔ جوان نے اس سے پوچھا کہ تو کس بات پر افسوس کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا! میں تجھ پر افسوس کرتا ہوں' کیونکہ باوجود اپنی دولت اور حسن کے تو مجبور ہے اور تیرے پاس وہ چیز نہیں جس سے تو مردوں کی طرح مزہ اٹھا سکے۔ جوان نے کہا تو سچ کہتا ہے تو نے مجھے وہ بات یاد دلائی جس سے

میں اب تک غافل تھا۔ حمامی نے پوچھا' وہ کیا؟ اس نے کہا کہ یہ دینار لے اور میرے پاس ایک خوبصورت عورت لے آ تا کہ میں اس پر تجربہ کروں۔ حمامی دینار لے کر اپنی بیوی کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ بیوی میرے پاس حمام میں ایک نوجوان وزیر زادہ آیا ہے جو چودھویں رات کے چاند کی طرح خوبصورت ہے مگر اس کے پاس وہ چیز نہیں جو اور مردوں کے پاس ہوا کرتی ہے' محض ایک گھنڈی سی ہے۔ اس پر مجھے بہت افسوس آتا ہے کہ اس کی جوانی بیکار ہے۔ اس نے مجھے یہ دینار دیا ہے کہ میں اس کے لیے ایک عورت لے آؤں جس پر وہ اپنا تجربہ کرے۔ اس دینار کی سب سے زیادہ مستحق تو ہے اس میں کوئی ہرج نہیں کیونکہ میں یہ کسی سے نہ کہوں گا تو اس کے ساتھ تھوڑی دیر بیٹھ کر ہنسی مذاق کر اور اس کا یہ دنیار لے لے۔ حمامی کی بیوی نے وہ دینار لے لیا اور بناؤ سنگھار کر کے اپنے بہترین کپڑے پہنے' بغیر بنے سنورے بھی وہ کسی سے کم خوبصورت نہ تھی۔ اب اس کا شوہر اسے تنہائی میں وزیر زادے کے پاس لے گیا۔ جب وہ اس کے پاس گئی اور اس نے دیکھا کہ وہ ایسا خوش رو جوان ہے جیسا کہ چودھویں کا چاند وہ اس کے حسن و جمال پر ریجھ گئی۔ ادھر جب جوان نے اسے دیکھا تو وہ دل و جان سے اس پر فریفتہ ہو گیا۔ پھر دونوں مل کر بیٹھ گئے اور دروانہ بند کر لیا۔ جوان نے اس لڑکی کو اپنی چھاتی سے لگایا اور گلے سے لپٹایا۔ جب دیر ہوئی تو حمامی چلانے لگا کہ اے عبداللہ کی ماں! بس کر اور باہر نکل' دن چڑھ گیا ہے اور تو نے اپنے شیر خوار بچے کو دودھ نہیں پلایا۔ جوان نے عورت سے کہا کہ اپنے بچے کے پاس جا کر پھر یہاں آئیو۔ وہ بولی کہ اگر میں تیرے پاس سے گئی تو میری جان نکل جائے گی۔ رہا بچہ' میں چاہتی ہوں کہ وہ رو رو کر مر جائے یا یتیم ہو جائے اور وہ جوان کے پاس سے اس وقت تک نہ ٹلی جب تک کہ وہ اس سے اپنی حاجت پوری نہ کر چکا۔ ادھر یہ ہو رہا تھا ادھر حمام والا دروانہ پر کھڑا آوازیں دیتا' چیختا او دہائیاں مانگتا مگر اس کی کوئی نہ سنتا۔ اس نے اندر جانے کی بہتیری کوشش کی لیکن اپنی بیوی تک اس کی رسائی نہ ہوئی۔ وہ اتنا پریشان ہوا اور اسے اتنا رشک آیا کہ حمام کے

اوپر چڑھ کر نیچے کود پڑا اور مر گیا۔
اے بادشاہ اس کے علاوہ عورتوں کے چھل فریب کی ایک اور کہانی بھی سنی ہے۔ بادشاہ نے کہا' کون سے کہانی سنی ہے؟ اس نے کہا کہ:

○ چالاک بیوی کی کہانی

اے بادشاہ! ایک عورت اتنی حسین اور خوش رو تھی کہ اس کا جواب نہ تھا۔ ایک بار چند بد چلن نوجوانوں کی اس پر نظر پڑی اور ان میں سے ایک اس پر لٹو ہو گیا۔ جان دینے لگا۔ یہ عورت زنا سے دور بھاگتی اور اس کے پاس نہ پھٹکتی تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ ایک مرتبہ اس کا شوہر سفر پر گیا اور جوان نے ہر روز کئی کئی بار اس کے پاس پیغام بھیجنا شروع کیا لیکن اس نے بالکل جواب نہ دیا۔ مجبور ہو کر وہ جوان ایک بڑھیا کے پاس گیا جو اس کی پڑوس میں رہتی تھی اور اسے سلام کر کے اپنی محبت کی داستان سنائی کہ اسے ایک عورت سے عشق ہے۔ بڑھیا سے اس نے یہ بھی کہا کہ وہ اس کے وصال کا خواہاں ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ میں تجھے اس سے ملا دوں گی' تو گھبرا نہیں اگر خدا نے چاہا تو تیری مراد بر آئے گی۔ یہ سن کر جوان نے اسے ایک دینار دیا اور وہاں سے چل دیا۔ سویرا ہوا تو بڑھیا اس عورت کے پاس گئی اور پرانی واقفیت یاد دلائی۔ اب وہ ہر روز جانے لگی۔ دن اور رات کا کھانا بھی اس کے ساتھ کھاتی اور اپنے بچوں کے لیے بھی لے جاتی۔ بڑھیا اس کے ساتھ ہنسی مذاق اور ہاتھا پائی کرتی یہاں تک کہ وہ عورت بد چلن ہو گئی۔ اور بڑھیا کو ایک گھڑی بھی چھوڑ نہ سکتی تھی۔ ایک زمانے سے بڑھیا کا دستور تھا کہ جب وہ عورت کے گھر سے جاتی تو روٹی میں چربی اور مرچیں ملا کر ایک کتیا کو کھلاتی۔ اس نیکی اور محبت کی وجہ سے کتیا ہمیشہ اس کے پیچھے پیچھے لگی رہتی۔ ایک دن اس نے روٹی لے کر اس میں بہت سی چربی اور مرچیں ملائیں اور کتیا کو کھلایا۔ اسے کھا کر مرچوں کی گرمی سے کتیا کی

آنکھوں سے پانی بہنے لگا ایسا معلوم ہوا کہ وہ رو رہی ہے۔ لڑکی کو اس پر تعجب ہوا۔ اس نے بڑھیا سے پوچھا ماں! یہ کتیا روتی کیوں ہے؟ بڑھیا نے کہا کہ بیٹی اس کی عجیب و غریب کہانی ہے۔ یہ ایک لڑکی تھی اور میری دوست اور رفیق' بڑی حسین اور خوبصورت۔ اتفاق سے محلے کا ایک جوان اس پر عاشق ہو گیا اور اس کے عشق نے اتنا زور پکڑا کہ وہ بیمار ہو کر کھٹیا سے جا لگا کئی بار وہ لڑکی کے پاس پیغام بھیجتا تا کہ اسے اس پر رحم آئے اور وہ ترس کھائے لیکن وہ انکار کرتی رہی۔ میں نے اسے بہت سمجھایا اور اس سے کہا بیٹی' جو وہ کہتا ہے اسے مان لے' اس پر رحم کر اور ترس کھا لیکن اس نے میری نصیحت نہ مانی۔ جب جوان سے زیادہ صبر نہ ہو سکا تو اس نے اپنے ایک دوست کے آگے اپنا دکھڑا رویا' اس نے لڑکی پر جادو کر کے اسے انسانی صورت سے کتے کی شکل میں بدل دیا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کی یہ گت بن گئی ہے اور صورت بدل گئی ہے اور سوا میرے کوئی اس پر ترس نہیں کھاتا تو وہ میرے گھر آ کر آگے دم ہلانے' میرے ہاتھ پاؤں چومنے' رونے اور آہیں بھرنے لگی۔ میں نے اسے پہچان لیا اور اس سے کہا میں نے تجھے بہت سمجھایا تھا کہ تو نے نہ سنا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

پانچ سو پچاسیویں رات

پانچ سو پچاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... بڑھیا نے کہا جب یہ کتیا جس پر جادو ہوا تھا میرے پاس آئی اور روئی پیٹی تو میں نے کہا کہ میں نے تجھے کتنا سمجھایا تو نہ مانی۔ لیکن بیٹی میں نے اسے اس حالت میں دیکھا تو میرا دل پسیج گیا۔ میں نے اسے اپنے ہاں رکھ لیا اور وہ یہی ہے جسے تو دیکھ رہی ہے۔ جب کبھی وہ اپنی حالت یاد کرتی ہے تو اپنے اوپر روتی ہے۔ بڑھیا کی یہ باتیں سن کر لڑکی بہت ڈری اور کہنے لگی اماں جان! خدا کی قسم تو نے یہ کہانی سنا کر مجھے بہت ڈرا دیا۔ بڑھیا نے کہا کہ تجھے کس بات کا ڈر ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ ایک خوبصورت جوان مجھ پر عاشق ہے اور کئی بار میرے پاس پیغام بھیج چکا ہے مگر میں برابر انکار کر دیتی ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری حالت بھی کتیا کی سی نہ ہو جائے۔ بڑھیا نے کہا کہ بیٹی' خدا کو مان' اگر تو نے بھی میرا کہنا نہ مانا تو مجھے تیرے لیے وہی اندیشہ ہے۔ اگر تجھے اس کا گھر معلوم نہیں تو مجھے کم از کم اس کا حلیہ بتا۔ میں اسے تیرے پاس لے آؤں گی۔ خدا کے لیے کسی کا دل نہ دکھا۔ لڑکی نے اس کا حلیہ بیان کیا۔ بڑھیا نے انجان بن کر اس پر یہ ظاہر کیا کہ وہ اسے پہچانتی نہیں اور کہا میں جا کر اس کا پتا چلاؤں گی۔ وہاں سے نکل کر وہ جوان کے پاس پہنچی اور اس سے کہا خوش ہو میں نے لڑکی کی عقل درست کر دی ہے۔ کل ظہر کے وقت تو' آ کر محلے کے نکڑ پر ٹھہریو۔ میں آ کر تجھے اس کے گھر لے جاؤں گی اور تو دن بھر اور رات بھر اس کا مزہ لوٹیو۔ جوان بہت خوش ہوا اسے دو دینار دیئے اور کہا کہ جب میری مراد بر آئے گی تو میں تجھے دس دینار اور دوں گا۔

اس کے بعد بڑھیا نے لڑکی کے پاس جا کر کہا کہ میں نے اس کا پتا لگا لیا ہے اور

اس سے اس بارے میں باتیں بھی کیں، معلوم ہوا کہ وہ تجھ سے سخت ناراض ہے اور تجھے نقصان پہنچانے پر تلا ہوا ہے۔ میں نے اسے بہت سمجھایا بجھایا اور رضامند کر لیا۔ کل ظہر کی اذان کے وقت وہ یہاں آئے گا۔ یہ سن کر لڑکی کی باچھیں کھل گئیں۔ کہنے لگی اماں اگر وہ واقعی راضی ہو گیا ہے اور کل ظہر کے وقت یہاں آ گیا تو میں تجھے دس دینار دوں گی۔ بڑھیا بولی میں تجھے آ کر خبر دوں گی کہ وہ آ گیا ہے۔ سویرا ہوا تو بڑھیا نے کہا کہ کھانا پکا، بناؤ سنگھار کر، اچھے اچھے کپڑے پہن اور میں جا کر اسے لے آتی ہوں۔ لڑکی نے بناؤ سنگھار کیا، کھانا پکایا، بڑھیا جوان کی تلاش میں نکلی وہ نہ ملا۔ ادھر ادھر ڈھونڈا کہیں پتا نہ چلا۔ بڑھیا اپنے دل میں کہنے لگی کہ کیا یہ سب کیا دھرا بے کار جائے گا اور جن درہموں کا لڑکی نے وعدہ کیا ہے وہ بھی ہاتھ سے جائیں گے؟ لیکن میں اس موقع کو بے کار نہ جانے دوں گی کسی اور کو ڈھونڈ کر اس کے پاس لے جاؤں گی۔ وہ اسی سوچ میں ادھر ادھر پھر رہی تھی کہ اسے ایک دوسرا خوبصورت جوان دکھائی دیا جس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سفر سے آیا ہے۔ بڑھیا نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور کہا کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے ایسی جگہ لے چلوں جہاں کھانا پینا موجود ہو اور ایک لڑکی تیار ملے؟ اس شخص نے پوچھا، کہاں؟ بڑھیا بولی میرے گھر میں۔ وہ شخص اس کے ساتھ ہو لیا۔ بڑھیا کو معلوم نہ تھا کہ وہ اس لڑکی کا شوہر ہے۔ مکان پر پہنچ کر بڑھیا نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ لڑکی نے دروازہ کھولا۔ بڑھیا اندر آئی۔ لڑکی بناؤ سنگھار کرنے اور خوشبو جلانے کے لیے دوڑی۔ بڑھیا نے اس شخص کو بیٹھک میں بٹھایا اپنے دل میں خوش تھی کہ میں نے بڑا تیر مارا۔

جب وہ عورت اس شخص کے سامنے آئی اور دیکھا کہ یہ تو اس کا شوہر ہے۔ سٹپٹا گئی۔ فوراً اسے ایک چال سوجھی اور پاؤں سے جوتی اتار کر اپنے شوہر سے کہا کیا میرے اور تیرے درمیان یہی عہد و پیماں تھا! تو نے کیوں مجھ سے دغا کی اور میرے ساتھ یہ حرکت کی؟ جب میں نے سنا کہ تو سفر سے لوٹا ہے تو میں نے اس بڑھیا کے ذریعے

سے تیرا تجربہ کیا۔ جس چیز سے میں ڈرتی تھی تو اسی حالت میں مبتلا ہو گیا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ تو نے اس عہد و پیمان کو توڑ ڈالا ہے جو میرے اور تیرے درمیان بندھا تھا۔ جب تک میں نے تجھے اپنی آنکھ سے اس بڑھیا کے ساتھ نہ دیکھ لیا مجھے یہی گمان تھا کہ تو پاکباز ہے اب میں سمجھی تو رنڈیوں کے پاس آیا جایا کرتا ہے۔ یہ کہہ کر اس کے سر پر جوتیاں مارنے لگی وہ کہتا جاتا کہ میں بے گناہ ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ میں نے عمر بھر تجھ سے بے وفائی نہیں کی اور جس چیز کا تو مجھ پر بہتان رکھتی ہے وہ میں نے کبھی نہیں کی۔ مگر بیوی اسے برابر مارتی' روتی چلاتی اور کہے جاتی کہ اے مسلمانو' دوڑو۔ خاوند اس کا منہ پکڑ رہا تھا اور بیوی اسے دانتوں سے کاٹ رہی تھی۔ وہ اس کی خوشامد کرتا' اس کے ہاتھ پاؤں چومتا اور بیوی نہ مانتی۔ نہ اپنا ہاتھ مارنے سے روکتی اس نے بڑھیا سے اشارہ کیا کہ میرا ہاتھ پکڑ لے۔ بڑھیا آ کر اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگی یہاں تک کہ اس نے دونوں کو بٹھا دیا۔ جب دونوں بیٹھ گئے تو شوہر نے بڑھیا کے ہاتھ چومے اور کہنے لگا کہ خدا تجھے نیک بدلہ دے' تو نے اس سے مجھے نجات دلائی۔ بڑھیا اس عورت کے مکر و فریب پر تعجب کرنے لگی۔

اے بادشاہ! عورتیں ایسے ایسے چھل فریب کرتی ہیں۔ جب بادشاہ نے یہ کہانی سنی تو کچھ سمجھا اور اپنے بیٹے کے قتل کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو چھیاسیویں رات

پانچ سو چھیاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب چوتھے وزیر نے بادشاہ کو کہانی سنائی تو اس نے اپنے بیٹے کے قتل کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا۔ پھر پانچواں دن ہوا تو وہ کنیز ہاتھ میں ایک زہر کا پیالہ لیے ہوئے بادشاہ کے پاس آئی' دہائی دینے' اپنا منہ پیٹنے اور کہنے لگی اے بادشاہ! یا تو تو میرا انصاف کر اور اپنے بیٹے سے میرا بدلہ لے ورنہ میں یہ زہر کا پیالہ پی کر مر جاؤں گیا اور میرا خون قیامت تک تیری گردن پر رہے گا۔ یہ تیرے وزیر مجھ پر مکر و فریب کا الزام لگاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی مکار نہیں۔ کیا تو نے سنار اور لڑکی کی کہانی نہیں سنی؟ بادشاہ نے کہا کہ اے کنیز وہ کہانی کیا ہے؟ وہ بولی۔

○ سنار اور تصویر کی کہانی

اے بادشاہ! میں نے سنا ہے کہ ایک سنار تھا جسے عورتوں اور شراب خوری سے بڑی دلچسپی تھی۔ ایک دن جب وہ اپنے ایک دوست کے ہاں تھا تو اس نے اس کے گھر کی دیوار پر کسی لڑکی کی تصویر دیکھی جس سے زیادہ خوبصورت اس کی نظر سے نہیں گزری تھی۔ سنار اس تصویر کی طرف رہ رہ کر دیکھتا اور تعجب کرتا' اس سے اسے اتنی محبت ہو گئی کہ وہ بیمار ہو کر مرنے کے قریب ہو گیا۔ اسی اثناء میں اس کا دوست اس سے ملنے آیا اور پاس بیٹھ کر اس کا حال پوچھنے لگا۔ سنار نے کہا اے میرے بھائی! میری بیماری اور جو کچھ مجھ پر گزری ہے عشق کی وجہ سے ہے ہی۔ وہ اس طرح کہ میں اپنے فلاں دوست کی دیوار پر ایک تصویر دیکھ کر اس پر عاشق ہو گیا۔ دوست اسے ملامت کرنے لگا کہ یہ تو کم عقلی کی نشانی ہے تو دیوار کی تصویر پر کس طرح عاشق

ہو سکتا ہے جو نہ نقصان پہنچا سکتی ہے نہ فائدہ' نہ دیکھ سکتی ہے نہ سن سکتی ہے نہ لے سکتی ہے نہ دے سکتی ہے! سنار بولا آخر مصور نے اسے کسی نہ کسی حسین عورت کی صورت کے مطابق تو بنایا ہو گا۔ دوست نے کہا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مصور نے اسے محض خیالی بنایا ہو۔ سنار نے کہا میں بہر حال اس کی محبت کا مارا ہوا ہوں اور اگر اس تصویر کی دنیا میں کوئی مثال موجود ہے تو میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اتنی زندگی دے کہ میں اسے دیکھ سکوں۔ جب حاضرین وہاں سے اٹھ گئے تو انہوں نے جا کر پوچھا کہ اس کا مصور کون ہے؟ انہیں پتا چلا کہ مصور کسی دوسرے شہر میں چلا گیا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے اسے خط لکھا کہ ان کے دوست کا برا حال ہے اور اس تصویر کے متعلق دریافت کیا کہ آیا وہ محض خیالی ہے یا اس نے دنیا میں اس کی نظیر کہیں دیکھی ہے؟ مصور نے جواب بھیجا کہ وہ ایک وزیر کی گویا لڑکی کی تصویر ہے جو ہندوستان کے شہر کشمیر میں رہتی ہے۔

سنار کو یہ پتا چلا تو وہ فارس سے جہاں وہ رہتا تھا سفر کی تیاری کر کے ہندوستان پہنچا اور بڑی مشکل سے اس شہر میں آیا' کچھ روز وہاں ٹھہر کر ایک عطار کے پاس گیا جو بڑا حاذق' ذہین اور علقمند تھا۔ سنار نے پہلے اس سے ان کے بادشاہ کے متعلق پوچھا کہ اس کے عادات و اطوار کیا ہیں؟ عطار نے کہا ہمارا بادشاہ انصاف پسند ہے' نیک چلن اور اپنی رعایا پر مہربان ہے۔ سوا جادوگروں کے دنیا میں کسی چیز سے نفرت نہیں کرتا۔ اگر کوئی جادوگر یا جادوگرنی اس کے ہتھے چڑھ جاتی ہے تو وہ انہیں شہر کے باہر ایک اندھے کنوئیں میں ڈلوا دیتا ہے اور اتنا بھوکا مارتا ہے کہ وہ مر جاتے ہیں۔ اس کے بعد سنار نے بادشاہ کے وزیروں کے متعلق پوچھا۔ عطار نے ہر وزیر کے حالات بیان کئے یہاں تک کہ اس گویا لڑکی کی باتیں ہونے لگیں۔ عطار نے کہا وہ فلاں وزیر کے پاس ہے۔ سنار نے چند روز صبر کیا۔ اس کی سمجھ میں ایک تدبیر آئی۔ ایک رات کو مینہ برس رہا تھا بجلی چمک رہی تھی اور تیز ہوا چل رہی تھی سنار کچھ چوروں کو لے کر اس وزیر کے گھر کی طرف چل دیا جو اس کنیز کا آقا تھا اور کمند ڈال کر محل کے

اوپر چڑھ گیا وہاں سے صحن میں اترا دیکھا کہ تمام کنیزیں تختوں پر سو رہی ہیں اور ایک مر مر کے تخت پر ایک کنیز ہے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے سنار اس کے پاس جا کر اس کے سرہانے بیٹھ گیا اور اس کی چادر ہٹا دی جس پر سونے کا کام تھا۔ ایک شمع اس کے سرہانے اور ایک پائنتی تھی۔ دونوں شمعیں عنبر کی تھیں' خالص سونے کے شمع دانوں کے اندر اور اس کے تکیئے کے نیچے ایک چاندی کا ڈبا جس میں لڑکی کا تمام زیور تھا۔ سنار نے ایک چاقو نکال کر لڑکی کے چوتڑ پر ایک اوچھا سا زخم لگایا۔ لڑکی جاگ اٹھی۔ اور جب اس کی نظر سنار پر پڑی تو مارے ڈر کے چلا بھی نہ سکی۔ چپکی پڑی رہی سمجھی کہ وہ زیور چرانے آیا ہے اور اس سے کہنے لگی کہ یہ ڈبا اور جو کچھ اس کے اندر ہے لے جا۔ مجھے مار ڈالنے سے تجھے کوئی فائدہ نہیں۔ میں تیری حفاظت اور پناہ میں ہوں۔ سنار ڈبے کو لے کر چلتا ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو ستاسیویں رات

پانچ سو ستاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سنار ڈبا لے کر چلتا بنا۔ جب سویرا ہوا تو اس نے کپڑے پہنے اور ڈبے کو جس میں لڑکی کے زیور تھے لیے ہوئے بادشاہ کے پاس پہنچا اور اس کے آگے زمین چوم کر کہنے لگا اے بادشاہ میں تیرا خیر خواہ ہوں اور رعیت کے ساتھ تیری نیکی اور انصاف کا شہرہ سن کر خراسان سے تیری خدمت میں آیا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ تیری پناہ میں رہوں۔ جس وقت میں اس شہر کے پاس پہنچا تو دن ختم ہو چکا تھا اور دروازے بند ہو چکے تھے۔ اس لیے میں باہر ہی سو گیا۔ میں کچھ سویا اور کچھ جاگ رہا تھا کہ مجھے چار عورتیں دکھائی دیں جن میں سے ایک عورت ایک جھاڑو پر سوار تھی اور تین ایک ایک پنکھے پر۔ اے بادشاہ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ جادو گرنیاں ہیں جن کا ارادہ تیرے شہر کے اندر جانے کا ہے۔ ان میں سے ایک نے میرے پاس آ کر میرے ٹھوکر ماری اور ایک لومڑی کی دم سے جو اس کے ہاتھ میں تھی مجھے اس زور سے مارا کہ میرا بدن دکھنے لگا۔ میں نے چاقو کھینچ کر اسے مارا اور چونکہ وہ بھاگ رہی تھی چاقو اس کے چوتڑ پر لگا اور وہ زخمی ہو کر میرے سامنے سے بھاگی اور یہ ڈبا مع ان تمام چیزوں کے جو اس کے اندر ہیں اس کے پاس سے گر پڑا۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں نفیس زیور تھے۔ تو انہیں لے لے' مجھے ان کی ضرورت نہیں کیونکہ میں پہاڑ پر سفر کیا کرتا ہوں' دنیا کو اپنے دل سے نکال چکا ہوں' دنیا کی چیزیں چھوڑ چکا ہوں اور محض خدا کی عنایت کا طلبگار ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے وہ ڈبا بادشاہ کے آگے رکھ دیا اور چلتا ہوا۔

وہ چلا گیا تو بادشاہ نے وہ ڈبا کھولا۔ اس میں سے زیور نکال کر انہیں اپنے ہاتھ پر الٹ پلٹ کرنے لگا۔ دیکھا کہ ان میں ایک ہار ہے جو اس نے وزیر کو دیا تھا جو کنیز کا آقا ہے۔ بادشاہ نے اس وزیر کو بلوایا وہ حاضر ہوا تو اس سے کہا کہ یہ وہی ہار ہے

جو میں نے تجھے دیا تھا؟ وزیر نے اسے دیکھ کر پہچان لیا اور عرض کیا کہ جی ہاں' میں نے اسے اپنی ایک گویا کنیز کو دیا تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ کنیز کو فوراً یہاں میرے پاس حاضر کر۔ جب کنیز بادشاہ کے سامنے آئی تو اس نے وزیر سے کہا اس کے چوتڑ کھول کر دیکھ کر ان میں کوئی زخم ہے یا نہیں۔ وزیر نے اس کے چوتڑ کھولے تو دیکھا کہ ان پر چاقو کا زخم ہے۔ بادشاہ سے کہا ہاں اے میرے مولا زخم ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ بے شک یہ جادوگرنی ہے جیسا کہ اس زاہد نے کہا ہے اور اس نے حکم دیا کہ لڑکی کو جادوگروں کے اندھے کنوئیں میں ڈال دیا جائے۔ لوگ اسے اسی دن اندھے کنوئیں میں ڈال آئے۔ جب رات ہوئی اور سنار کو معلوم ہوا کہ اس کی چال پوری اتری تو کنوئیں کے چوکیدار کے پاس گیا اور ہاتھ میں ایک ہزار دنیار کا توڑا لے کر اس کے پاس ہو بیٹھا' باتیں شروع ہو گئیں۔ تہائی رات تک باتیں کرنے کے بعد اس نے کام کی بات شروع کی اور کہا اے میرے بھائی' یہ لڑکی اس الزام سے بے گناہ ہے جو اس پر لگایا گیا ہے۔ خود میں نے اسے بلا میں گرفتار کیا ہے۔ یہ کہہ کر سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک اس کو کہہ سنایا اور کہا اے میرے بھائی' یہ توڑا لے' اس میں ایک ہزار دینار ہیں اور لڑکی کو میرے حوالے کر دے۔ میں اسے لے کر اپنے وطن چلا جاؤں گا۔ لڑکی کو قید رکھنے سے بہتر تیرے لیے یہ دینار ہیں۔ تجھے اس کا ثواب ملے گا اور ہم دونوں تیرے لیے خیریت اور سلامتی کی دعا کریں گے۔ چوکیدار کو بڑا تعجب ہوا اور توڑا لے کر اس نے لڑکی کو اس کے حوالے کر دیا۔ مگر اس سے شرط کر لی کہ وہ ایک لمحہ بھی اس شہر میں نہ ٹھہرے گا۔ سنار اسے لے کر فوراً تیزی کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ بامراد ہو کر اپنے وطن پہنچ گیا۔

اے بادشاہ! مردوں کی چال بازی اور حیلے کو دیکھا۔ تیرے وزیر تجھے اس بات سے روکتے ہیں کہ تو میرے ساتھ انصاف کرے۔ کل میں اور تو دونوں ایک منصف حاکم کے آگے کھڑے ہوں گے اور وہ تجھ سے میرا بدلہ لے گا۔ اس کی یہ باتیں سن کر بادشاہ نے اپنے بیٹے کے قتل کا حکم دے دیا۔ اب پانچواں وزیر اس کے پاس آیا اور زمین

چوم کر کہنے لگا اے عظیم الشان بادشاہ' صبر کر اپنے بیٹے کے قتل کرنے میں اتنا جلد باز نہ بن۔ جلد بازی سے پشیمانی ہوتی ہے' میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تجھے اس شخص کی سی پشیمانی نہ ہو جو باقی عمر بالکل نہیں ہنسا۔ بادشاہ نے پوچھا اے وزیر وہ کیسے ہوا؟ وزیر نے کہا۔

○ اس شخص کی کہانی جو باقی عمر بالکل نہیں ہنسا

اے بادشاہ میں نے سنا ہے کہ ایک شخص کے پاس بہت سے مکانات' مال و دولت' نوکر' چاکر' لونڈی' غلام اور جائیدادیں تھیں۔ اس کا انتقال ہوا' خدا اس پر رحمت بھیجے! اس کا ایک کم سن بیٹا تھا جب لڑکا بڑا ہوا تو اس نے کھانا اڑانا اور ناچ رنگ اور لوگوں کو دینا لینا شروع کیا یہاں تک کہ اس نے سارا مال جو باپ نے چھوڑا تھا خرچ کر کے ختم کر دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو اٹھاسیویں رات

پانچ سو اٹھاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب لڑکا اپنے باپ کا سارا مال ختم کر چکا تو اس نے غلاموں' کنیزوں اور جائیدادوں کو بیچنا شروع کیا۔ غرض جو کچھ اس کے باپ نے چھوڑا تھا سب گنوا کر مفلس قلاش ہو گیا اور مزدوروں کے ساتھ مزدوری کرنے لگا۔ سال بھر تک اسی طرح زندگی گزارنے کے بعد ایک روز وہ ایک دیوار کے نیچے بیٹھا مزدور کا انتظار کر رہا تھا اس کی نظر ایک شخص پر پڑی جو خوبصورت تھا اور عمدہ لباس پہنے ہوئے۔ اس شخص نے لڑکے کے پاس آ کر سلام کیا۔ لڑکے نے کہا چچا' کیا تو مجھے پہلے سے پہچانتا ہے؟ وہ بولا بیٹا؟ میں تجھے بالکل نہیں پہچانتا مگر میں نے دیکھا کہ تو نے عیش و عشرت میں زندگی گزاری ہے اور اب تیرا برا حال ہے۔ لڑکے نے کہا چچا' میرے مقدر میں یہی بدا تھا۔ لیکن اے چچا' اے خوش رو شخص' کیا تو کسی کام کے لیے میری خدمت چاہتا ہے؟ لڑکے نے پوچھا چچا' وہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا' کہ بیٹا میں ایک آسان کام تجھ سے لینا چاہتا ہوں۔ لڑکے نے پوچھا' چچا وہ کیا ہے اس نے جواب دیا۔ میرے ہاں دس بوڑھے ہیں جو ایک ہی مکان میں رہتے ہیں ان کی خدمت کے لیے کوئی نہیں۔ اگر تو ان کی خدمت کے لیے تیار ہو جائے تو تجھے اتنا کھانا اور کپڑے ملے گا جو تیرے لیے کافی ہو گا۔ علاوہ اس کے ہم تیرے ساتھ بہت کچھ احسان کریں گے مال و دولت دیں گے اور عجب نہیں کہ ہماری وجہ سے خدا تیری پھر وہی پہلی سی حالت کر دے۔ لڑکے نے کہا سر آنکھوں پر۔ بوڑھے نے کہا مگر ایک شرط ہے۔ اس نے پوچھا چچا! وہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگا بیٹا' جو کچھ تو ہماری حالت دیکھے اسے پوشیدہ رکھیو' ہمیں روتا دیکھے تو اس کا سبب نہ پوچھیو۔ لڑکے نے کہا چچا' بہت اچھا۔ بوڑھے نے کہا آ تو چل میرے ساتھ' خدا برکت دے! لڑکا بوڑھے کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ پہلے وہ اسے حمام لے گیا اور جو اس کے بدن پر میل

کے تھپڑ جے ہوئے تھے انہیں دور کیا۔ اس کے بعد بوڑھے نے ایک شخص کے ہاتھ عمدہ کپڑے منگوا کر اسے پہنائے اور اسے اپنے گھر لے گیا جہاں اس کے ساتھی تھے۔

لڑکا اندر گیا تو اس نے دیکھا کہ وہ بڑا عالی شان مکان ہے جس کے مضبوط مضبوط ستون ہیں! آمنے سامنے بڑے بڑے دالان اور کمرے' ہر کمرے میں پانی کے حوض جن پر چڑیاں چہچہا رہی ہیں اور ارد گرد جھروکے ایک خوبصورت باغ کی طرف کھلتے ہوئے جو اسی مکان کے اندر ہے۔ بوڑھا اسے ایک دالان میں لے گیا۔ اس میں رنگ برنگ مرمر کی پچی کاری تھی۔ چھت پر لاجورد اور خالص چمک دار سونے کے نقش و نگار' اس میں ریشمی فرش بچھا ہوا تھا اور وہیں دس بوڑھے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے جو سوگ کا لباس پہنے رو رہے تھے اور آہیں بھر رہے تھے۔ لڑکے کو ان کی حالت دیکھ کر بڑا اچنبھا ہوا' وہ چاہتا ہی تھا کہ بوڑھے سے پوچھے مگر اسے شرط یاد آ گئی اور اس نے اپنی زبان روک لی۔ اس کے بعد بوڑھے نے ایک صندوق اس کے حوالے کیا جس میں تیس ہزار دینار تھے اور کہنے لگا بیٹا! اس صندوق سے دام لے کر ہمارے اور اپنے اوپر ایمانداری سے خرچ کر' یہ امانت تیرے سپرد ہے اور جو کچھ میں نے تجھ سے کہا ہے اسے نہ بھولیو۔ لڑکے نے کہا سر آنکھوں پر اور وہ دن رات وہاں رہنے لگا یہاں تک کہ ان میں سے ایک مر گیا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے نہلا کر کفن پہنایا اور مکان کے پیچھے باغ میں دفن کر دیا۔ اسی طرح ان میں سے ایک ایک کر کے مرتے رہے۔ سب مر گئے۔ فقط وہ بوڑھا رہ گیا جس نے لڑکے کو نوکر رکھا تھا۔ اب ان دونوں کے علاوہ اس گھر میں تیسرا کوئی آدمی نہ تھا۔ کئی سال تک وہ دونوں اکیلے رہے۔ آخر بوڑھا بھی بیمار پڑا۔ لڑکے کو اس کے جینے کی امید باقی نہ رہی تو وہ اس کے پاس آ کر ہمدردی سے کہنے لگا چچا میں بارہ سال تک تمہارے پاس رہا ہوں پھر بھی تمہاری خدمت میں کمی نہیں کی۔ تمہیں نیک مشورہ دیا اور جہاں تک مجھ سے ہو سکتا تھا تمہارے نمک کا حق ادا کیا۔ بوڑھے نے کہا بیٹا ٹھیک ہے تو نے ہماری اتنی خدمت کی کہ یہ تمام بوڑھے فوت ہو کر خدا کے پاس چل کر بسے اور اب میں بھی مرنے والا ہوں۔ لڑکا بولا۔

اے میرے آقا تیری حالت خطر ناک ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے کم از کم تمہارے رونے اور ہمیشہ آہیں بھرنے، غمگین رہنے اور افسوس کرنے کا سبب تو معلوم ہو جائے؟

وہ بولا بیٹا تجھے اس سے کیا واسطہ مجھ سے ایسی بات نہ پوچھ جس کا جواب میری طاقت سے باہر ہے۔ میں خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ میری سی مصیبت کسی پر نہ ڈالے۔
اگر تو چاہتا ہے کہ اس بلا میں گرفتار نہ ہو جس میں ہم ہوئے ہیں تو اس دروازے کو نہ کھولیو یہ کہہ کر اس نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا اور اگر تو چاہتا ہے کہ جس بلا میں ہم گرفتار ہیں تو بھی گرفتار ہو تو اسے کھولیو اور تجھے ہماری حرکتوں کا سبب معلوم ہو جائے گا لیکن یاد رکھ کہ پشیمان ہو گا اور پھر پشیمانی سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو نواسیویں رات

پانچ سو نواسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... بوڑھے نے کہا کہ اگر تو اس دروازے کو کھولے گا تو پچھتائے گا مگر پھر پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ بات آئی گئی ہوئی اور بوڑھے کی بیماری بڑھتی گئی۔ آخر وہ بھی مر گیا۔ لڑکے نے اسے اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور کفن پہنا کر وہیں دفن کر دیا جہاں اس کے ساتھی دفن تھے اور خود چپ چاپ اسی جگہ رہنے لگا لیکن ہمیشہ بوڑھوں کی حالت پر غور کیا کرتا۔ ایک روز وہ بیٹھا بوڑھے کی باتوں کو یاد کر رہا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ دروازے کی طرف سے کوئی اسے جھانک رہا ہے۔ وہ دروازے کے پاس جا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کی نظر ایک خوبصورت دروازے پر پڑی جس پر مکڑی کا جالا تنا ہوا تھا اور فولاد کے چار قفل لگے ہوئے تھے۔ بے تحاشا جی چاہا کہ اسے کھولے پھر یاد آ گیا کہ بوڑھے نے اسے خبردار کیا ہے' اس نے ہاتھ روک لیا اور دروازہ کھولنے کے متعلق پس و پیش کرنے لگا۔ سات دن تک وہ اپنے دل کو روکتا رہا کہ دروازہ نہ کھولے مگر آٹھویں دن سے نہ رہا گیا۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ میں ضرور اسے کھول کر دیکھوں گا کہ مجھ پر کیا گزرتی ہے۔ قسمت کا لکھا تو امٹ ہے اور بے خدا کے ارادے کے کوئی چیز ہوتی نہیں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور قفل توڑ کر دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھل گیا تو اسے اندر ایک تنگ دہلیز نظر آئی وہ کم و بیش تین پہر تک اس کے اندر چلتا رہا۔ چھتے یا گلیارے سے باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک بڑے دریا کے کنارے پر ہے۔ اس نے دریا کے کنارے کنارے چلنا شروع کر دیا۔ چلتا جاتا اور دائیں بائیں دیکھتا جاتا کہ ہوا میں سے ایک بہت بڑا عقاب اترا اور لڑکے کو اپنے پنجوں میں دبا کر اڑ گیا۔ اڑتے اڑتے ایک جزیرے میں پہنچا جو سمندر کے بیچ میں تھا اور اسے وہاں ڈال کر چل دیا۔ لڑکا ششدر ہو کر رہ گیا اس کی سمجھ میں نہ آیا

کہ کدھر جائے۔ وہ اسی حالت میں بیٹھا ہوا تھا کہ اسے سمندر میں ایک کشتی کا بادبان دکھائی دیا جیسے آسمان پر تارا' وہ اس کی طرف دیکھنے لگا کہ شاید اس کی وجہ سے وہ بچ جائے۔ وہ اس کی طرف برابر دیکھتا رہا یہاں تک کہ کشتی اس کے قریب آ گئی۔ اس نے دیکھا کہ وہ ایک بجرا ہے ہاتھی دانت اور آبنوس کا بنا ہوا اور اس کے چپو صندل اور عود کے ہیں۔ اس میں دس لڑکیاں باکرہ اور چاند کی طرح خوبصورت ہیں۔ لڑکے کو دیکھ کر لڑکیاں بجرے پر سے اتر آئیں اور اس کے ہاتھ چوم کر کہنے لگیں کہ تو نوشہ ہے۔

اب ایک لڑکی اس کے پاس آئی جو ایسی تھی جیسے صاف آسمان پر چمکتا ہوا سورج۔ اس کے ہاتھ میں ایک ریشمی رومال کی گٹھڑی سی بندھی ہوئی تھی جس میں شاہانہ لباس تھا اور ایک سونے کا تاج جس میں طرح طرح کے یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ لڑکی نے بڑھ کر اسے کپڑے پہنائے' اس کے سر پر تاج رکھا اور سب لڑکیاں اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بجرے میں لے گئیں۔ بجرے میں رنگ برنگ کے ریشمی فرش بچھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ بادبان کھول کر روانہ ہو گئیں۔ لڑکے کا بیان ہے کہ جب میں ان کے ساتھ روانہ ہوا ہوں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ وہ مجھے کہاں لیے جا رہی ہیں۔ بجرا کنارے پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہاں اس قدر فوج زرہ بکتر پہنے کھڑی ہے کہ جس کی تعداد سوا خدا کے اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے میرے سامنے پانچ گھوڑے پیش کیے جن کے اوپر مہر لگی ہوئی تھی اور سونے کی زینیں کسی ہوئی تھیں۔ زینوں میں موتی اور قیمتی ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ میں ان میں سے ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ باقی چار بھی میرے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ جب میں روانہ ہوا تو میرے ساتھ ساتھ جھنڈے اور علم چلے اور ڈھول اور تاشے بجائے گئے۔ دائیں بائیں فوجیں ہو گئیں اور میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ میں سو رہا ہوں یا جاگ رہا ہوں؟ میں برابر چلا جا رہا تھا اور مجھے یقین نہ آتا تھا کہ

یہ جلوس میرے ساتھ ہے۔ بلکہ مجھے خواب کا دھوکہ ہوتا تھا۔ چلتے چلتے میں ایک سبزہ زار میں پہنچا جہاں محل' باغ' نہریں' پھل اور چڑیاں دیکھیں جو یکہ و تنہا زبردست خدا کی پاکی بیان کر رہی تھیں۔ اب ان محلوں اور باغوں میں سے ایک لشکر سیلاب کی طرح نکلا تمام سبزہ زار ان سے بھر گیا۔ لشکر میرے قریب پہنچ کر ٹھہر گیا اور ان کا بادشاہ گھوڑے پر سوار اکیلا آگے بڑھا' اس کے آگے آگے چند مصاحب پیدل تھے۔ پاس پہنچ کر بادشاہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترا' اسے اترتا دیکھ کر لڑکا بھی اتر پڑا' دونوں نے ایک دوسرے کو بہت ادب سے سلام کیا' پھر دونوں سوار ہو گئے اور بادشاہ نے لڑکے سے کہا میرے ساتھ چل' تو میرا مہمان ہے۔ لڑکا اس کے ساتھ باتیں کرتا ہوا چلا' جلوس ان کے آگے آگے تھا۔ شاہی محل کے پاس پہنچ کر وہ سب گھوڑوں پر سے اترے اور محل میں چلے گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو نوے ویں رات

پانچ سو نوویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکا اوربادشاہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے محل میں داخل ہوئے' بادشاہ نے اسے سونے کی کرسی پر بٹھایا اور خود اس کے پاس بیٹھ گیا۔ جب بادشاہ نے اپنی نقاب اٹھائی تو معلوم ہوا کہ وہ مرد نہیں بلکہ لڑکی ہے اور اتنی خوبصورت جیسے صاف آسمان' چمک دار سورج' حسین و جمیل آب و تاب اور ناز و انداز والی۔ لڑکے کیے یہ ایک بڑی نعمت اور خوش بختی تھی۔ وہ اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ ملکہ نے کہا اے بادشاہ' سن! میں اس ملک کی ملکہ ہوں جتنا پیادہ اور سوار لشکر تو نے دیکھا ہے وہ سب عورتیں ہیں' ان میں ایک بھی مرد نہیں۔ ہمارے ہاں مرد بوتے'جوتتے' غلہ کاٹتے' عمارتیں بناتے اور پیشہ کرتے ہیں۔ عورتیں حاکم' منصب داری اور لشکری ہوتی ہیں۔ یہ سن کر لڑکے کو بڑا تعجب ہوا۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ اس کی وزیر آئی۔ یہ ایک بڑھیا عورت تھی۔ جس کے چہرے سے ہیبت اور وقار ٹپکتا تھا۔ ملکہ نے اس سے کہا' قاضی اور دو گواہوں کو بلا۔ بڑھیاانہیں بلانے گئی اور ملکہ لڑکے کے ساتھ مزے مزے سے باتیں کرنے لگی تا کہ اس کی گھبراہٹ جاتی رہے اور اس سے کہا کہ تجھے منظور ہے کہ میں تیری بیوی بنوں؟ لڑکے نے اٹھ کر اس کے آگے زمین چومی لیکن اس نے منع کیا۔ جوان بولا میں تو تیرے نوکروں سے بھی زیادہ حقیر ہوں جو تیری خدمت کرتے ہیں۔ ملکہ نے کہا یہ نوکر چاکر' لشکر مال' خزانے اور ذخیرے تو دیکھتا ہے؟ جوان نے کہا ہاں۔ ملکہ نے کہا یہ سب تیرا ہے' جس طرح تو چاہے خرچ کر اور جسے چاہے دے۔ اس کے بعد اس نے ایک بند دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا سوا اس دروازے کے ہر چیز پر اپنا حکم چلا۔ اسے نہ کھولیو اگر تو نے اسے کھولا تو پشیمان ہو گا اور پھر پشیمان ہونا کام نہ دے گا۔

ابھی وہ اپنی بات پوری نہ کرنے پائی تھی وزیر قاضی اور گواہوں کو لے کر آ پہنچی۔

اور جوان نے دیکھا کہ وہ سب بڑھیاں ہیں ان کے بال کندھوں پر بکھرے ہوئے ہیں' چہروں سے ہیبت اور وقار ٹپکتا ہے۔ جب وہ ملکہ کے آگے پہنچیں تو اس نے نکاح پڑھانے کو کہا اور انہوں نے اس کا نکاح لڑکے سے پڑھا دیا۔ اب ملکہ نے ولیمہ کیا اور سارے لشکر کو دعوت دی۔ سات سال تک لڑکے نے اس کے ساتھ عیش و عشرت کی زندگی بسر کی۔ ایک دن اسے اس دروازے کے کھولنے کا خیال آیا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا اگر اس میں ان خزانوں سے بہتر خزانے نہ ہوتے جو میں نے دیکھے تو وہ ہرگز مجھے منع نہ کرتی یہ کہہ کر وہ اٹھا اور اس نے دروازہ کھول دیا دیکھا کہ اس میں وہی پرندہ ہے جو اسے سمندر کے کنارے سے اٹھا کر جزیرے میں چھوڑ آیا تھا۔ پرندے نے اسے دیکھ کر کہا کہ نامراد تو کبھی خوش قسمت تو نہیں ہو سکتا۔ لڑکا ڈر کر اور اس کی باتیں سن کر بھاگا لیکن پرندے نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا اور اسے لے کر ہوا میں اڑ گیا تھوڑی دیر کے بعد اسے وہیں ڈال آیا جہاں سے لایا تھا اور غائب ہو گیا۔ لڑکا وہیں بیٹھ گیا اور جب اس کی عقل ٹھکانے ہوئی تو وہ یاد کرنے لگا کہ کس عیش و عشرت اور عزت و احترام سے رہتا تھا۔ لشکر اس کے آگے آگے چلتا اور حکمرانی کرتا تھا۔ یہ سوچ کر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آہیں بھرنے لگا۔ دو مہینے تک سمندر کے کنارے جہاں پرندے نے اسے اتارا تھا وہ اسی انتظار میں پڑا رہا کہ شاید کوئی سامان بیوی کے پاس پہنچنے کا نکل آئے۔ ایک رات جب غم و فکر کی وجہ سے اسے نیند نہ آتی تھی۔ اس نے کسی شخص کو جس کی صورت اسے دکھائی نہ دی یہ کہتے سنا کہ وہ لذتیں کیسی اچھی تھیں! جو زمانہ گزر گیا' لوٹنے والا نہیں۔ سوا حسرت کے تیرے ہاتھ کچھ نہیں لگے گا۔ یہ سن کر اسے یقین ہو گیا کہ اب نہ وہ ملکہ ملے گی نہ وہ عیش و عشرت میسر ہو گی۔ آخر وہ اس گھر میں گیا جس میں بوڑھے رہا کرتے تھے اور اس کی سمجھ میں آ گیا کہ ان سب پر بھی وہی گزری ہے جو مجھ پر اور یہی ان کے رونے پیٹنے اور غمگین رہنے کا سبب تھا۔ اور وہ واقعی معذور تھے۔ اب جوان بھی غمگین اور ملول ہو کر وہیں رہنے لگا دن رات روتا رہتا' نہ کھاتا نہ پیتا نہ خوشبو

لگاتا نہ ہنستا یہاں تک کہ وہ بھی مر گیا اور لوگوں نے اسے انہی بوڑھوں کے پہلو میں دفن کر دیا۔

دیکھ اے بادشاہ! جلد بازی کوئی اچھی چیز نہیں۔ اس کا نتیجہ محض پچھتاوا ہے۔ بس یہی میری نصیحت ہے۔ یہ باتیں سن کر بادشاہ نے تامل کیا اور اپنے بیٹے کے قتل سے دستبردار ہو گیا۔

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ооо

• پانچ سو اکیانویں رات

پانچ سو اکیانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ وزیر کی کہانی سن کر بادشاہ اپنے بیٹے کے قتل کے دستبردار ہو گیا۔ چھٹا دن ہوا تو کنیز پھر بادشاہ کے پاس آئی۔ اس بار اس کے ہاتھ میں ایک چمکتی ہوئی چھری تھی وہ کہنے لگی سن اے میرے آقا! اگر تو میری شکایت نہیں سنتا اور جو ظلم میرے اوپر کیا گیا ہے اس کی پروا نہیں کرتا تو یہ چھری ہے اور میرا گلا۔ میں اپنی جان ہلاک کر ڈالو گی۔ تیرے وزیروں کا خیال ہے کہ عورتیں مکار اور چالباز ہوتی ہیں۔ اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ میرا حق مجھے نہ ملے اور تو ناانصاف مشہور ہو۔ میں ابھی تیرے آگے ثابت کر سکتی ہوں کہ مرد عورتوں سے زیادہ مکار ہوتے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیونکر؟ کنیز کہنے لگی کہ ایک کہانی کے ذریعے سے جس میں ایک شہزادے اور سوداگر کی بیوی کے ملنے کا بیان ہے۔ بادشاہ نے کہا شہزادے اور سوداگر کی بیوی کی کہانی کیا کہانی ہے؟ کنیز بولی۔

○ شہزادے اور تاجر کی بیوی کی کہانی

اے خوش نصیب بادشاہ سن' ایک سوداگر جو اپنی بیوی سے بہت بد گمان رہتا تھا' بڑی خوبصورت بیوی تھی۔ ڈر اور رشک کے مارے وہ شہر کے اندر نہ رہتا بلکہ اس نے آبادی سے دور ایک علیحدہ محل بنوایا تھا۔ اس کی دیواریں اونچی اونچی' نیو مضبوط اور دروازے مستحکم۔ جب وہ شہر جاتا تو دروازوں میں قفل لگا دیتا اور کنجیاں اپنے گلے میں لٹکا لیتا۔
ایک دن سوداگر شہر میں آیا ہوا تھا کہ وہاں کے بادشاہ کا بیٹا سیرو تفریح کے لیے شہر سے نکلا۔ سوداگر کی حویلی نظر آئی۔ دیکھ کر اچنبھا ہوا کہ ایسے سنسان مقام پر کون رہتا

ہے؟ اوپر جو آنکھ اٹھی تو دیکھا جھروکے میں ایک حسین لڑکی بیٹھی ہے۔ غضب کی حسین لڑکی تھی ٹکٹکی بندھ گئی۔ یہ دیکھ رہا تھا کہ دریچہ بند ہو گیا۔ شہزادے کی بے تابی بڑھنے لگی۔ اندر جانا چاہا تو جا نہ سکا۔ غلام کو بلا کر لکھنے کا سامان منگایا اپنے دل کا حال اور محبت کا قصہ لکھا اور تیر پر باندھ کر محل کے اندر پھینک دیا۔ لڑکی باغ میں چہل قدمی کر رہی تھی کہ تیر اس کے پاس آ کر گرا۔ اس نے اپنی ایک کنیز سے کہا کہ دوڑ کر یہ کاغذ اٹھا لا۔ لڑکی لکھی پڑھی تھی۔ اس نے خط پڑھا اور سمجھ گئی کہ شہزادہ مجھ پر عاشق ہو گیا۔ اس نے جواب میں لکھا کہ میری محبت تیری محبت سے بھی زیادہ ہے اور کھڑکی میں جا کر کاغذ شہزادے کی طرف اڑا دیا۔ شہزادے نے جو اسے پڑھا تو اس کی محبت اور بھی بڑھ گئی اور محل کے نیچے آ کر لڑکی سے کہنے لگا کہ ایک ڈورا نیچے لٹکا تا کہ میں اس میں یہ کنجی باندھ دوں۔ تو اسے اپنے پاس رکھ لے۔ لڑکی نے ایک ڈورا نیچے لٹکا دیا۔ شہزادے نے اس میں وہ کنجی باندھ دی اور اپنے وزیروں کے پاس جا کر اس لڑکی کی محبت کا دکھڑا رونے لگا۔ اور کہا کہ مجھ سے زیادہ صبر نہیں ہو سکتا۔ ایک بولا پھر تیرا کیا حکم ہے؟ شہزادے نے کہا کہ تو مجھے ایک صندوق میں بند کر دے اور صندوق کو تاجر کے پاس اس کے محل میں رکھوا دے اور اس سے کہہ کہ یہ صندوق بطور امانت ہے۔ چند روز کے بعد جب میرا ارمان اس لڑکی سے پوار ہو جائے تو اپنا صندوق اس سے واپس لے آئیو۔ وزیر نے کہا کہ سر آنکھوں پر۔
شہزادہ اپنے گھر پہنچا تو وہ ایک صندوق میں بند ہو گیا جو اس کے پاس تھا۔ اور وزیر اسے مقفل کر کے تاجر کے محل میں لے گیا۔ جب تاجر وزیر کے سامنے آیا تو اس نے زمین کو بوسہ دے کر کہا کہ شاید ہمارے مولا وزیر کی کوئی حاجت ہے جسے میں پورا کر سکتا ہوں؟ وزیر بولا میں چاہتا ہوں کہ تو اس صندوق کو اپنے ہاں سب سے محفوظ جگہ رکھ دے۔ تاجر نے حمالوں سے صندوق کو اٹھوا کو اپنے مودی خانے میں رکھوا دیا۔ اس کے بعد وہ تاجر کسی کام کے لیے باہر گیا۔ لڑکی نے صندوق کے پاس جا کر اسے اس کنجی سے کھولا جو اس کے پاس تھی۔ اس میں سے چاند سا جوان نکلا۔ لڑکی

نے شہزادے کو دیکھا تو وہ جا کر اپنا بہترین لباس پہن آئی۔ اور عیش کرتی رہی۔ اس کا شوہر آتا تو وہ شہزادے کو صندوق میں بند کر کے اس میں تالا لگا دیتی۔ ایک دن بادشاہ نے اپنے بیٹے کے متعلق دریافت کیا۔ وزیر دوڑتا ہوا تاجر کے گھر گیا اور اس سے صندوق طلب کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو بانویں رات

پانچ سو بانویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب وزیر تاجر کے پاس اپنا صندوق مانگنے پہنچا تو وہ جلدی سے اور دنوں کے خلاف محل میں گیا اور دروانہ کھٹکھٹایا۔ لڑکی نے اپنے شوہر کی آواز سنی تو اس نے شہزادے کو صندوق میں بٹھا دیا مگر تالا ڈالنا بھول گئی۔ تاجر اور حمال اندر آئے اور انہوں نے ڈھکنا پکڑ صندوق کو اٹھانا چاہا تو وہ کھل گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس کے اندر شہزادہ بیٹھا ہوا ہے۔ تاجر نے پہچان لیا اور باہر آ کر وزیر سے کہنے لگا کہ تو خود اندر آ کر شہزادہ کو لے جا کیونکہ ہم میں کوئی اسے پکڑ نہیں سکتا۔ وزیر اندر آ کر اسے لے گیا اور جب وہ چلے گئے تو تاجر نے بیوی کو طلاق دے دی اور قسم کھائی کہ وہ پھر کبھی شادی نہ کرے گا۔

○ غلام کی کہانی جو چڑیوں کی بولی سمجھتا تھا

میں نے اے بادشاہ! ایک یہ بھی کہانی سنی ہے کہ ایک امیر آدمی بازار گیا اس نے دیکھا کہ ایک غلام پر بولی لگ رہی ہے۔ اس نے بھی بولی دی اور اسے خرید کر گھر لایا اور اپنی بیوی سے کہا کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کر۔ وہ غلام ایک مدت تک وہاں رہا۔ ایک روز شوہر اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ کل باغ میں جا کر سیر و تفریح کیجیو اور دل بہلائیو۔ عورت کچھ نہ سمجھی اور سیر کے لیے تیار ہو گئی۔ غلام نے جو سنا تو اس نے رات ہی کھانا شراب اور میوے تیار کئے اور باغ میں جا کر کھانے کو ایک درخت کے نیچے رکھا شراب کو دوسرے میوے اور نقل کو تیسرے درخت کے نیچے۔ یہ تینوں درخت اس کے آقا کے راستے میں پڑتے تھے۔ جب سویرا ہوا تو مالک نے غلام سے کہا بیگم کے ساتھ باغ میں جا اور جن جن کھانوں شراب اور میووں کی ضرورت

تھی ان کے مہیا کیے جانے کا حکم دیا۔ اب لڑکی باہر آکر گھوڑے پر سوار ہو گئی اور غلام ساتھ ساتھ روانہ ہوا۔ وہ اندر داخل ہوئے تو کوا بولا' غلام نے کہا تو سچ کہتا ہے۔ عورت نے پوچھا کیا تو سمجھتا ہے جو کوے نے کہا؟ غلام نے جواب دیا ہاں اے میری آقا۔ لڑکی نے پوچھا اچھا وہ کیا کہتا ہے؟ غلام نے بولا وہ کہتا ہے کہ فلاں درخت کے نیچے کھانا ہے' آؤ اور کھاؤ۔ لڑکی نے کہا کیا تو واقعی چڑیوں کی بولی سمجھتا ہے؟ غلام نے کہاں۔ لڑکی اس درخت کی طرف بڑھی اس نے کہا دیکھا کہ وہاں واقعی کھانا تیار رکھا ہے۔ لڑکی کو اس پر سخت تعجب ہوا۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ سچ مچ چڑیوں کی بولی جانتا ہے۔ کھانا کھا کر وہ باغ کی سیر کر رہے تھے کہ کوا پھر بولا۔ غلام نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے۔ بیگم نے پوچھا کہ اب وہ کیا کہتا ہے؟ غلام نے کہا اے میری آقا! وہ کہتا کہ فلاں درخت کے نیچے ایک کوزہ مشک کے پانی اور پرانی شراب کا ہے۔ دونوں وہاں گئے اور وہی چیزیں پائیں جو جو کوے نے کہیں تھیں۔ اب لڑکی کو اور بھی اچنبھا ہوا اور اس کی نظر میں غلام کی قدر بڑھ گئی اور وہ غلام کے ساتھ بیٹھ کر شراب پینے لگی۔ شراپ پی کر وہ پھر باغ میں ٹہلنے لگی۔ کوا پھر بولا اور غلام نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے۔ اس کی آقا نے پوچھا کہ اب کوا کیا کہتا ہے؟ غلام نے جواب دیا وہ کہتا ہے کہ فلاح درخت کے نیچے نقل اور میوے ہیں۔ دونوں اس درخت کے نیچے گئے اور وہاں حقیقت میں میوے تھے دونوں نے بیٹھ کر انہیں کھایا اور پھر باغ میں سیر کرنے لگے۔ اب پھر کوا بولا اور غلام نے پتھر اٹھا کر اس کی طرف پھینکا۔ لڑکی نے پوچھا کہ تو اسے مارتا کیوں ہے۔ اس نے کیا کہا ہے؟ وہ بولا اے میری آقا! اس نے ایسی بات کہی ہے کہ میں تجھ سے نہیں کہہ سکتا۔ لڑکی نے کہا کہ شرما نہیں' کیونکہ میرے اور تیرے درمیان کوئی پردہ نہیں۔ وہ نہیں نہیں کیے جاتا اور لڑکی کہے جاتی کہ کہہ۔ یہاں تک کہ اس نے غلام کو قسم دی۔ اس نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ اپنی آقا کے ساتھ وہ فعل کر جو اس کا شوہر کرتا ہے۔ اس کی بات سن کر وہ اتنا ہنسی کہ ہنستے ہنستے لوٹ گئی۔ اور کہنے لگی یہ کون سی مشکل بات ہے' اس میں'

میں تیری مخالفت نہیں کر سکتی۔ یہ کہہ کر وہ ایک درخت کے نیچے فرش بچھا کر لیٹ گئی اور غلام سے کہا کہ آ اپنا ارمان نکال۔ اتنے میں پیچھے سے اس کا شوہر آ گیا اور کہنے لگا اے غلام بیگم کو کیا ہو گیا وہ پڑی کیوں ہے؟ غلام نے جواب دیا کہ وہ ایک درخت پر سے گر کر مر گئی تھی مگر خدا نے اسے دوبارہ زندہ کر دیا۔ ذرا آرام کرنے کے لیے لیٹ گئی ہے۔ جب لڑکی نے اپنے شوہر کو اپنے سرہانے دیکھا تو بیمار بن کر کراہنے لگی اور کہا آہ میری پیٹھ' آہ میرا پہلو' لوگو' دوڑو اب بچوں گی نہیں۔ اس کا شوہر سٹ پٹا گیا اور غلام سے کہا کہ بیگم کے لیے گھوڑا لا اور اسے سوار کر۔ جب وہ سوار ہوئی تو ایک رکاب اس کے شوہر نے اور دوسری اس کے غلام نے پکڑی۔
شوہر کہتا جاتا تھا کہ خدا تجھے شفا دے اور پھر تندرست کر دے۔

اے بادشاہ! یہ ہیں مردوں کے مکر و فریب۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرے وزیر تجھے میری مدد کرنے اور میرا بدلہ لینے سے روک دیں۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگی۔ بادشاہ نے دیکھا کہ اس کی سب سے چہیتی کنیز رو رہی ہے تو اس نے اپنے بیٹے کے قتل کا حکم دے دیا۔ اب چھٹا وزیر اس کے پاس آیا اور زمین بوس ہو کر کہنے لگا کہ اے بادشاہ' خدا تیری عزت دن دونی اور رات چوگنی کرے! میں تجھے ایک مشورہ دیتا اور نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے بیٹے کے بارے میں سوچ کر کام کر۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو ترانویں رات

پانچ سو ترانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ چھٹا وزیر بولا اے بادشاہ' اپنے بیٹے کے بارے میں سوچ سمجھ کر کام کر۔ جھوٹ دھوئیں کی طرح ہوتا ہے۔ اور سچ کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے۔ سچ کی روشنی سے جھوٹ کا اندھیرا ہٹ جاتا ہے۔ عورتیں بڑے مکرو فریب والی ہوتی ہیں' خدا نے اپنے قرآن میں فرمایا ہے کہ تمہارا مکر و فریب بے پناہ ہے۔" میں نے ایک عورت کی کہانی سنی ہے جس نے حاکموں کو ایسا چکما دیا تھا کہ اس سے پہلے کسی نے نہ دیا ہو گا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کس طرح؟ وزیر نے کہا۔

○ عورت اور سوداگر زادے' والی' قاضی' وزیر بادشاہ اور بڑھئی کی کہانی

اے بادشاہ! وہ کہانی یہ ہے کہ ایک سوداگر زادی کا شوہر اکثر سفر میں رہا کرتا تھا۔ ایک بار وہ کسی دور دراز ملک میں گیا اور بہت زمانے تک غائب رہا۔ جب وہ بے چین ہونے لگی تو اس نے ایک سوداگر زادے سے محبت کر لی۔ یہ اسے بہت چاہنے لگی اور وہ اسے ایک روز اس لڑکے کا کسی شخص سے جھگڑا ہو گیا۔ اس شخص نے اس کی شکایت والی سے کی۔ والی نے لڑکے کو قید کر دیا۔ اس کی خبر تاجر کی بیوی کو ہوئی جو اس کی معشوقہ تھی تو اس کے حواس جاتے رہے اور وہ اپنے بہترین کپڑے پہن کر والی کے گھر گئی اور اسے سلام کر کے کاغذ دیا جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ جس کو تو نے قید کر دیا ہے وہ میرا بھائی ہے اس کا فلاں شخص سے جھگڑا ہو گیا تھا اور جن لوگوں نے اس کے خلاف گواہی دی ہے جھوٹی گواہی دی ہے۔ وہ مظلوم ہے اور سوا اس کے میرا کوئی نہیں جو میرا کام کاج کرے۔ میں اپنے مولا والی سے درخواست

کرتی ہوں کہ اسے چھوڑ دے۔ جب والی نے یہ کاغذ پڑھا تو آنکھ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور اس پر عاشق ہو گیا کہنے گا تو میرے گھر کے اندر جا کر بیٹھ میں اس ابھی بلاتا ہوں۔ وہ آ جائے تو میں تجھے بلا بھیجوں گا۔ تو آ کر اسے لے جائیو۔ لڑکی نے کہا اے میرے مولا' میرے سوا خدا کے کوئی نہیں' میں پردیسن ہوں اور کسی کے گھر کے اندر نہیں جا سکتی۔ والی بولا میں اسے اس وقت تک آزاد کر کے تیرے حوالے نہیں کروں گا جب تک تو گھر کے اندر نہ جائے اور میں تجھ سے اپنی حاجت پوری نہ کر لوں۔ لڑکی نے کہا اگر تو یہی چاہتا ہے تو میرے گھر آ' دن بھر بیٹھ' سو اور آرام کر۔ والی نے پوچھا کہ تیرا گھر کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ فلاں جگہ۔ یہ کہہ کر لڑکی تو چلتی ہوئی مگر والی کا دل اسی میں لگا رہا۔ اب وہ والی کے ہاں سے نکل کر شہر کے قاضی کے گھر پہنچی اور اس سے کہنے لگی کہ اے میرے آقا قاضی' میرا ایک بھائی ہے اس کے سوا اور کوئی میرا نہیں' اسی کی وجہ سے میں تجھے تکلیف دینے آئی ہوں۔ والی نے اسے قید کر دیا ہے کیونکہ لوگوں نے اس کے خلاف جھوٹی گواہی دی ہے۔ یہ اس کا ظلم ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تو والی کے پاس میری طرف سے سفارش کر دے۔ قاضی بھی دیکھتے ہی اس پر عاشق ہو گیا اور کہنے لگا میرے ساتھ اندر کنیزوں کے پاس چل اور ذرا ستا لے۔ میں والی کو پیغام بھیجتا ہوں کہ وہ تیرے بھائی کو چھوڑ دے۔ اگر اس کے اوپر قرضہ ہو گا تو میں اپنی حاجت پوری کرنے کی خاطر وہ بھی اپنے پاس سے ادا کر دوں گا کیونکہ تیری باتیں مجھے پیاری معلوم ہوتی ہیں۔ لڑکی نے کہا اے میرے مولا اگر تو یہی چاہتا ہے تو میرا گھر تیرے گھر سے بہتر اور پردے والا ہے۔ تیرے ہاں کنیزیں اور غلام ہیں' لوگ اندر باہر آتے جاتے رہتے ہیں۔ قاضی نے پوچھا تیرا گھر کہاں ہے؟ اس نے کہا فلاں جگہ اور اسے بھی وہی دن دیا جو والی کو دیا تھا۔

اب وہ قاضی کے پاس سے اٹھ کر وزیر کے گھر گئی اور اس کے آگے سارا معاملہ پیش کیا اور اپنے بھائی کی طرف سے فریاد کی کہ والی نے اسے قید کر دیا ہے۔ وزیر اسے

پھسلانے لگا اور کہا تو میری حاجت پوری کر دے تو میں تیرے بھائی کو چھڑا دوں گا۔
لڑکی نے کہا اگر تو یہی چاہتا ہے تو یہ بات گھر میں ہونی چاہیے وہاں میرا اور تیرا دونوں کا پردہ رہے گا۔ میرا گھر دور بھی نہیں اور جیسا صاف ستھرا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہے۔ وزیر نے پوچھا تیرا گھر کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ فلاں جگہ اور اسے بھی اسی دن بلایا جس روز دوسروں کو بلایا تھا' پھر وہاں سے نکل کر شہر کے بادشاہ کے پاس پہنچی اس سے فریاد کی اور کہا کہ میرے بھائی کو آزاد کر دے۔ بادشاہ نے پوچھا اسے کس نے قید کیا ہے؟ لڑکی نے جواب دیا والی نے۔ بادشاہ نے اس کی باتیں سنیں تو وہ بھی اس کے عشق کے تیر کا گھائل ہو گیا۔ بولا میرے ساتھ محل میں چل' میں والی سے کہلا بھیجوں گا کہ تیرے بھائی کو چھوڑ دے۔ لڑکی نے کہا اے بادشاہ' تیرے لیے یہ بات بہت آسان ہے' خواہ میری مرضی سے ہو یا زبردستی اگر تو ایسی بات مجھ سے چاہتا ہے تو یہ میری خوش قسمتی ہے لیکن اگر تو میرے ساتھ آئے تو تیرے قدموں سے میری عزت ہو گی۔ بادشاہ نے کہا' میں تیری کوئی بات رد نہ کروں گا اور اسے بھی لڑکی نے اپنے گھر کا پتا بتا کر اسی دن کا وعدہ کیا جس کا اوروں سے کیا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو چورانویں رات

پانچ سو چورانونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... لڑکی نے بادشاہ سے بھی اسی دن کا وعدہ کیا جس کا والی' قاضی اور وزیر سے کیا تھا۔ اب وہ ایک بڑھئی کے پاس گئی اور کہا میرے لیے ایک الماری بنا دے جس میں چار خانے ایک دوسرے کے اوپر تلے ہوں اور ہر خانے میں کواڑ کہ تالا لگ سکے۔ اس کے دام کیا ہوں گے میں تجھے پیشگی دے دوں۔ وہ بولا چار دینار لیکن اے حسینہ اگر تو مجھے وصال سے خوش کر دے تو بس یہی میرے لیے کافی ہے' اس کے سوا میں تجھ سے کچھ نہیں لوں گی۔ لڑکی نے کہ اگر تو نے اس کی ٹھان لی ہے تو پھر پانچ خانے کی الماری بنا۔ بڑھئی نے کہا دل و جان سے لڑکی نے اسے بھی الماری لانے کے لیے وہی دن بتایا۔ بڑھئی نے کہا اے میری آقا' اگر تو ذرا ٹھہر جائے تو میں ابھی تیرا کام کیے دیتا ہوں۔ اور پھر اطمینان سے تیرے پاس آؤں گا۔ لڑکی بیٹھ گئی۔ بڑھئی نے فوراً پانچ خانوں کی الماری تیار کر دی اور لڑکی نے اسے لے جا کر اپنی خواب گاہ کی کوٹھڑی میں رکھ دیا۔ اس کے بعد وہ کپڑوں کے چار جوڑے لے کر ایک رنگریز کے پاس گئی اور ان کو چار مختلف رنگ کا رنگوایا' کھانا پینا' خوشبوئیں اور میوے منگوا کر رکھے۔ وعدے کا دن آیا تو اس نے اپنا بہترین لباس پہنا' بناؤ سنگھار کیا' عطر لگایا اپنی خواب گاہ میں طرح طرح کے نفیس فرش بچھائے اور بیٹھ کر انتظار کرنے لگی کہ دیکھوں کون کون آتا ہے؟ سب سے پہلے قاضی جی پہنچے لڑکی انہیں دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ ان کے آگے زمین چومی اور لے جا کر فرش پر بٹھایا اور ساتھ لیٹ کر ہنسی مذاق کرنے لگی۔ قاضی نے چاہا کہ اس سے اپنی ضرورت پوری کرے وہ بولی اے میرے آقا پہلے اپنے کپڑے' پگڑی اتار ڈال۔ یہ زرد رنگ کا ڈھیلا ڈھیلا لباس پہن اور یہ رومال اپنے سر سے باندھ لے میں ابھی کھانا پینا حاضر کرتی ہوں' اسکے بعد تو اپنی ضرورت پوری کیجیو۔ قاضی نے

اپنی پگڑی اور کپڑے اتار کر دوسرا لباس پہنا ہی تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اس نے پوچھا یہ کون دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے؟ لڑکی نے جواب دیا کہ یہ میرا شوہر ہو گا۔ قاضی نے کہا تو پھر کیا کروں۔ کہاں جاؤں؟ لڑکی بولی۔ ڈر نہیں میں تجھے الماری کے اندر بند کئے دیتی ہوں۔ قاضی نے کہا کہ جو تیرا جی چاہے کر اور لڑکی نے اسے سب سے نیچے والے خانے میں داخل کر کے تالا لگا دیا۔ اس کے بعد دروازہ کھولا تو دیکھا والی ہے۔ لڑکی نے سلام کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لائی اور فرش پر بٹھایا اور کہا اے میرے آقا۔ یہ جگہ تیری ہے اور گھر تیرا گھر' میں تیری لونڈی ہوں اور خادمہ۔ اب ذرا اپنے کپڑے اتار ڈال اور یہ سرخ لباس پہن لے۔ سونے کے وقت ایسے ہی کپڑے پہننے چاہئیں۔ لڑکی نے ایک چیتھڑا اس کے سر پر باندھ دیا اور اس کے کپڑے علیحدہ رکھ کر اس کے پاس آئی اور دونوں میں چوما چاٹی ہاتھا پائی ہونے لگی۔
جب اس نے اپنا ہاتھ لڑکی کی طرف بڑھایا تو وہ کہنے لگی اے میرے مولا' سارا دن تیرا ہی ہے۔ اس میں کوئی شریک نہیں۔ مہربانی فرما کر پہلے مجھے یہ خط لکھ کر دے دے کہ میرا بھائی آزاد کر دیا گیا تا کہ مجھے اطمینان ہو جائے۔ والی نے کہا کہ ابھی لے اور اس نے جیل خانے کے داروغہ کو خط لکھا کہ اس خط کے پہنچتے ہی فلاں شخص کو بے پس و پیش فوراً آزاد کر دے اور خط لانے والے سے کوئی بات نہ کر۔ یہ لکھ کر اس نے خط پر مہر لگا دی۔ لڑکی نے وہ خط اس سے لے لیا اور پھر فرش پر ہنسی مذاق ہونے لگا۔ اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ والی نے پوچھا یہ کون؟ لڑکی نے کہا میرا شوہر۔ والی نے کہا اب میں کیا کروں؟ لڑکی بولی اس الماری کے اندر چلا جا۔ میں اسے ٹال کر ابھی تیرے پاس آتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے والی کو پکڑا اور دوسرے خانے میں داخل کر کے قفل لگا دیا۔ یہ تمام باتیں قاضی سن رہا تھا۔
اس کے بعد لڑکی نے جا کر دروازہ کھولا دیکھا کہ وزیر ہے۔ اسے دیکھ کر لڑکی نے زمین چومی اور اسے لا بٹھایا اس کی خاطر کی اور کہنے لگی اے میرے آقا' اے میرے مولا' میرے گھر میں آ کر تو نے مجھے عزت بخشی۔ خدا مجھے تیرے دیدار سے ہمیشہ با مراد

رکھے! کہنے لگی کہ اپنے کپڑے اور پگڑی اتار ڈال' یہ تو وزارتی پہناوا ہے' جب اس کا وقت آئے تو اسے پہن لیجیو۔ اس وقت کے لیے تو شراب نوشی کا لباس چاہیے۔ یہ ہلکا لباس پہن لے۔ وزیر نے اپنا سارا لباس اتار کر نیلا غرارے دار لباس پہن لیا اور سر پر ایک لال لمبی ٹوپی رکھ لی۔ جب وزیر نے دوسرے کپڑے پہن لیے تو وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹنے چمٹنے لگے۔ وزیر اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے اصرار کر رہا تھا اور وہ منع کرتی جاتی اور کہتی جاتی تھی کہ اے میرے آقا' یہ تو آخر ہونا ہی ہے۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ کسی نے دروازے کی کنڈی بجائی۔ وزیر نے پوچھا یہ کون ہے؟ لڑکی نے کہا میرا شوہر ہو گا۔ وزیر نے کہا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ لڑکی بولی اٹھ کر اس الماری کے اندر بیٹھ اور ڈر نہیں۔ میں ابھی اسے ٹالے دیتی ہوں۔ اور اس نے وزیر کو تیسرے خانے میں بند کر دیا اور اس میں تالا ڈال کر باہر گئی۔ دروازہ کھولا اور دیکھا کہ بادشاہ سلامت ہیں۔ لڑکی نے اس کے آگے زمین چومی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مکان کے صدر میں لائی۔ فرش پر بٹھایا اور کہا اے بادشاہ تو نے ہمیں عزت بخشی اگر میں ساری دنیا تیرے آگے رکھ دوں تو وہ تیرے ایک قدم کے برابر بھی نہیں جو تو نے میری طرف بڑھایا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو پچانویں رات

پانچ سو پچانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ عورت نے کہا اگر میں تجھے ساری دنیا بھی پیش کر دوں تو وہ تیرے ایک قدم کی بھی قیمت نہیں ہو سکتی جو تو نے میری طرف بڑھایا ہے۔ جب وہ فرش پر بیٹھ گیا تو عورت بولی اگر اجازت دے تو میں تجھ سے ایک بات کہوں۔ بادشاہ نے کہا کہہ جو تیرا جی چاہے۔ اس نے کہااے میرے آقا' آرام سے بیٹھ اور اپنا لباس پگڑی اتار ڈال۔ اس وقت بادشاہ جو کچھ پہنے ہوئے تھا۔ اس کی قیمت ایک ہزار دینار ہو گی۔ لڑکی نے اتروا کر اپنے چیتھڑے پہنا دیئے۔ وہ دس درہم سے زیادہ کے نہ ہوں گے۔ اب لڑکی نے بادشاہ کے پاس آ کر پیار اور ہنسی مذاق کی باتیں کرنی شروع کیں۔ ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ ادھر وہ لوگ جو الماری میں تھے۔ لڑکی کی گفتگو سن رہے تھے اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ ایک حرف بھی زبان پر لائے۔ جب بادشاہ نے اپنا ہاتھ اس کی گردن کی طرف بڑھایا اور چاہتا تھا کہ اپنی آرزو پوری کرے تو اس نے کہا کہ یہ بات تو بہرحال ہو کر رہے گی لیکن ایک بات سن میں نے تیرے آنے سے پہلے ارادہ کیا تھا کہ تیری خدمت کروں گی' میرے پاس تمام ایسی چیزیں ہیں جن سے تو خوش ہو جائے۔ یہ فقرہ ابھی مکمل نہ ہونے پایا تھا کہ کسی نے دروازہ پیٹا۔ بادشاہ نے لڑکی سے کہا یہ کون آیا؟ اس نے جواب دیا میرا شوہر ہے۔ بادشاہ نے کہا اس سے کہ اگر وہ خود چلا جائے تو مہربانی ہو گی ورنہ میں نکل کر اسے زبردستی نکال دوں گی۔ لڑکی بولی اے میرے مولا' ایسا نہیں ہو سکتا۔ ذرا صبر کر میں اسے ایک ترکیب سے لوٹا دوں گا۔ بادشاہ نے کہا پھر میں کیا کروں؟ لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر الماری کے چوتھے خانے میں داخل کر دیا اور تالا ڈال کر دروازے کے پاس گئی دیکھا کہ بڑھئی ہے۔ بڑھئی اندر آیا تو اس نے سلام کیا۔ لڑکی نے کہا تو نے یہ کیسی الماری بنائی ہے؟ بڑھئی نے کہا اے

میرے آقا' اس میں تو نے کیا خرابی دیکھی؟ لڑکی نے کہا اس کے خانے بہت تنگ ہیں۔ بڑھئی نے کہا اے میری آقا وہ تو بہت کشادہ ہیں۔ لڑکی نے کہا اس کے اندر جا کر دیکھ تو بھی تو اس کے اندر نہیں سما سکتا۔ بڑھئی نے کہااس میں تو چار آدمی سما آ سکتے ہیں۔ یہ کہہ کر بڑھئی اس کے اندر گیا۔ بڑھئی کے اندر جاتے ہی لڑکی نے پانچواں خانہ بھی بند کر کے اس میں قفل ڈال دیا۔

پانچوں کو الماری میں بند کر دیا تو لڑکی والی کا خط لے کر داروغہ جیل کے پاس گئی۔ داروغہ نے خط لے کر پڑھا' اسے چوما اور لڑکی کے عاشق کو قید سے رہا کر دیا۔ لڑکی نے اپنے عاشق سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ لڑکی بولی بہتر تو یہ ہے کہ ہم اس شہر سے بھاگ کر کسی دوسرے شہر میں چلے جائیں کیونکہ اس حالت میں ہمارا یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں۔ دونوں نے اپنا بوریا بستر باندھا اور اسے اونٹوں پر لاد کر فوراً ایک دوسرے شہر چل دیئے۔ اب ان لوگوں کو حال سنئے۔ وہ بے کھائے پیئے تین دن تک الماری کے خانوں میں بند پڑے رہے اور اپنا پیشاب پاخانہ بند کئے رہے۔ لیکن کب تک' بڑھئی سے ضبط نہ ہوا اور اس نے بادشاہ کے سر پر پیشاب کر دیا۔ بادشاہ نے وزیر کے سر پر' وزیر نے والی کے سر پر اور والی نے قاضی کے سر پر۔ قاضی نے چلا کر کہا یہ گندگی کیسی؟ کیا میری موجودہ مصیبت کم تھی کہ تم نے مجھ پر پیشاب کرنا بھی شروع کر دیا۔ یہ سن کر والی نے اپنی آواز بلند کی اور کہا اے قاضی' خدا تجھے بہت ثواب دے! والی کی آواز قاضی پہچان گیا۔ والی نے اوپر کے خانے والے سے کہا کہ یہ نجاست کیسی ہے؟ اس پر وزیر نے بلند آواز سے کہا اے والی' خدا تجھے بہت ثواب دے! والی نے بھی پہچان لیا کہ وزیر ہے۔ پھر وزیر نے یہی سوال اپنے اوپر والے سے کیا۔ بادشاہ نے وزیر کی آواز پہچان لی تھی مگر وہ چپ بیٹھا رہا کہ کہیں راز فاش نہ ہو جائے۔ وزیر نے کہا خدا اس عورت پر لعنت بھیجے۔ اس نے ہمارے ساتھ بری بری حرکت کی! سب کو اپنے گھر لا کر جمع کیا۔ بادشاہ کو آخر کیوں چھوڑ دیا۔ یہ سن کر بادشاہ سے نہ رہا گیا۔ وہ بولا' چپ رہ' میں پہلا شخص ہوں جو اس

رنڈی کے جال میں پھنسا ہوں۔ بڑھئی نے سب کی باتیں سنیں تو وہ کہنے لگا کہ اچھا میرا کیا گناہ تھا! میں نے اس کے لیے چار دینار میں ایک الماری بنائی تھی اور اس سے محض دام لینے آیا تھا۔ لیکن اس نے مجھے بھی فریب سے اس خانے میں بند کر دیا۔ اب وہ ایک دوسرے سے باتیں کرنے اور بادشاہ کو تسلی دینے لگے تاکہ اس کی گھبراہٹ جاتی رہے۔ اتنے میں پڑوسیوں نے آ کر دیکھا کہ مکان خالی ہے۔ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کل تک اس گھر میں فلاں شخص کی بیوی ہماری پڑوسن تھی۔ آج کوئی آواز سننے میں نہیں آتی نہ کوئی انسان دکھائی دیتا ہے۔ دروازے توڑ کر دیکھو تو کہ آخر بات کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ والی یا بادشاہ کے کان تک یہ بات پہنچے اور ہمیں پچھتانا پڑے۔ پڑوسی دروازہ توڑ کر اندر آئے دیکھا کہ ایک لکڑی کی الماری میں چند آدمی بیٹھے مارے بھوک اور پیاس کے تڑپ رہے ہیں۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ اس الماری میں جن تو نہیں گھس بیٹھے! ایک پڑوسی بولا کہ آؤ لکڑیاں جمع کر کے اس الماری کو آگ لگا دیں۔ قاضی نے چلا کر کہا ایسا غضب نہ کرنا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو چھیانویں رات

پانچ سو چھیانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ قاضی نے چلا کر کہا' ایسا غضب نہ کرنا۔ پڑوسیوں نے کہا جنوں نے انسانوں کی صورت اختیار کر لی ہے اور انسانوں کی سی باتیں کرتے ہیں۔ قاضی نے یہ سنا تو قرآن کی آیتیں پڑھنے لگا اور ان سے کہا کہ الماری کے پاس آؤ۔ وہ الماری کے پاس آئے تو قاضی نے ان سے کہا میں فلاں ہوں اور تم فلاں فلاں اور ہم یہاں کئی شخص ہیں۔ پڑوسیوں نے قاضی سے کہا کہ تجھے یہاں کون لایا ہے؟ ماجرا تو بیان کر۔ اس نے شروع سے لے کر آخر تک سارا ماجرا بیان کر دیا۔ انہوں نے ایک بڑھئی کو بلوا کر پہلے قاضی کا خانہ کھلوایا پھر والی کا پھر وزیر کا پھر بادشاہ کا اور پھر بڑھئی کا۔ سب کے سب وہی کپڑے پہنے ہوئے نکلے جو لڑکی نے انہیں پہنائے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ کر خوب ہنسے۔ ان کے اپنے کپڑے تو وہ لڑکی لے کر چلتی بنی تھی۔ اس لیے انہوں آدمی بھیج کر دوسرے کپڑے منگوائے۔ انہیں پہن کر لوگوں کی نگاہیں بچا کر نکل کھڑے ہوئے۔

دیکھ اے میرے مولا بادشاہ! یہ ہے وہ چال جو اس عورت نے ان لوگوں کے ساتھ چلی۔

اے بادشاہ! میں نے یہ اس لیے بیان کیا کہ تجھے عورتوں کی مکاری اور عیاری معلوم ہو جائے۔ لہٰذا کنیز کی بات پر کان نہ دھر' اپنے بیٹے کو جو تیرا جگر گوشہ ہے قتل نہ کر ورنہ تیرے بعد تیری یاد مٹ جائے گی۔ یہ سن کر بادشاہ نے اپنے بیٹے کے قتل کا ارادہ چھوڑ دیا۔

ساتواں دن ہوا تو کنیز نے ایک بڑا الاؤ جلایا اور اس میں کود پڑنے کو تیار ہو گئی۔ لوگ اسے پکڑ کر بادشاہ کے پاس لائے۔ بادشاہ نے پوچھا تو ایسا کیوں کرتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر تو اپنے بیٹے سے میرا بدلہ نہ لے گا تو میں اس آگ میں کود پڑوں گی کیونکہ میں زندگی سے بیزار ہو چکی ہوں۔ مجھے جینے کی خواہش نہیں رہی۔

وصیت نامہ بھی لکھ دیا ہے۔ اور اپنا مال خیرات کر آئی ہوں' مرنے کی تیاری ہے۔ اس کے بعد تو پچھتائے گا مگر تیرا پچھتانا ایسا ہی بے کار ہو گا جیسا کہ اس بادشاہ کا جس نے حمام کے پہرے دار کو مارا پیٹا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کیا کہانی ہے؟ کنیز نے کہا۔

○ کھوئے ہوئے ہار کی کہانی

اے بادشاہ' میں نے سنا ہے کہ ایک عورت بڑی عابدہ' زاہدہ اور پارسا تھی۔ وہ کسی بادشاہ کے محل میں آیا جایا کرتی تھی۔ محل والے اس کا آنا برکت کا باعث خیال کرتے اور اس کی بڑی عزت ہوتی۔ دستور کے موافق وہ ایک روز محل میں آئی اور بادشاہ کی بیوی کے پاس جا بیٹھی۔ بیگم نے اسے ہزار دینار کا ایک ہار دے کر کہا کہ بڑی بی' اس ہار کو اپنے پاس حفاظت سے رکھ لو' میں حمام سے آ کر لے لوں گی۔ حمام محل ہی میں تھا۔ پہرے دار بڑھیا اس ہار کو لے کر ملکہ کے کمرے میں بیٹھی رہی اور اس بات کا انتظار کرنے لگی کہ ملکہ حمام سے آ جائے تو ہار اس کے حوالے کر دے۔ نماز کا وقت ہوا تو وہ ہار کو جا نماز کے نیچے رکھ کر نماز پڑھنے لگی۔ اتنے میں ایک چڑیا آئی اور ہار کو اٹھا کر لے گئی اور لے جا کر اسے محل کے ایک طرف چھید میں ڈال دیا۔ بڑھیا ذرا پیشاب پاخانے کو چلی گئی تھی۔ اسے علم نہ ہوا کہ اس کے پیچھے ہار پر کیا گزری۔ بادشاہ کی بیگم حمام سے نکلی تو اس نے ہار مانگا۔ دیکھا تو ہار نہیں' ڈھونڈنے لگی۔ کہیں پتا نہ چلا۔ کہنے لگی خدا کی قسم اے میری بیٹی' میرے پاس کوئی نہیں آیا میں نے اسے لے کر جا نماز کے نیچے رکھ دیا۔ معلوم نہیں کسی نوکر نے دیکھ لیا اور جب میں نماز پڑھ رہی تھی' مجھے غافل پا کر اسے اٹھا لے گیا۔ اس کا علم سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ بادشاہ نے یہ سنا تو اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ بڑھیا کو

آگ اور مار کی سزا دے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو ستانویں رات

پانچ سو ستانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بادشاہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ بڑھیا کو آگ اور مار کی سزا دے۔ ملکہ نے اسے طرح طرح سے مارا پیٹا لیکن نہ اس نے خود چوری کا اقرار کیا نہ کسی پر تہمت رکھی۔ اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے بیڑیاں ڈال کر قید خانے میں بند کر دیا جائے۔ وہ قید کر دی گئی۔ ایک دن بادشاہ محل کے بیچ میں بیٹھا ہوا تھا بیوی اس کے پہلو میں تھی چاروں طرف پانی تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک چڑیا اس ہار کو محل کی دیوار کے ایک چھید میں سے نکال رہی ہے۔ بادشاہ نے ایک لونڈی کو اس کے پیچھے دوڑایا۔ اس نے چڑیا کو پکڑ کر ہار اس سے چھین لیا۔ اب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ بڑھیا بے گناہ تھی۔ وہ اپنی حرکت پر پچھتایا اور اسے بلوایا۔ بڑھیا آئی تو بادشاہ نے اس کے سر کو بوسہ دیا اور اپنے قصور پر رونے' معافی مانگنے اور پچھتانے لگا اور حکم دیا کہ اسے بہت کچھ انعام دیا جائے' مگر عورت نے اسے لینے سے انکار کر دیا۔ اللہ واسطے معاف کر دیا۔ وہاں سے چلی گئی اور اپنے دل میں قسم کھائی کہ اب وہ کسی کے گھر میں نہ جائے گی۔ پہاڑوں اور گھاٹیوں میں رہ کر خدا کی عبادت کرنے لگی یہاں تک کہ فوت ہو گئی۔

○ دو کبوتروں کی کہانی

اے بادشاہ! مردوں کے مکر و فریب کے متعلق میں نے یہ بھی کہانی سنی ہے کہ دو کبوتروں نے جو نر مادہ تھے' جاڑوں میں گیہوں اور جو اپنے گھونسلے میں جمع کئے۔ گرمیاں آئی تو دانے سکڑ کر کم دکھائی دینے لگے۔ نر نے مادہ سے کہا کہ تو ان دانوں میں سے

کھا گئی ہے۔ مادہ بولی خدا کی قسم میں نے نہیں کھائے۔ نر کو یقین نہ آیا اور اس نے مادہ کو پروں سے مارا اور ایسی چونچیں ماریں کہ وہ مر گئی۔ جب پھر جاڑے آئے تو دانے پہلے کی طرح ہو گئے۔ اب نر سمجھا کہ میں نے اسے ناحق مار ڈالا۔ اور وہ بہت بچھتایا لیکن اب پچھتائے سے کیا ہوتا تھا۔ آخر وہ اس کے پہلو میں لیٹ گیا' رونے پیٹنے اور گریہ و زار کرنے لگا' کھانا پینا چھوڑ دیا اور اسی حالت میں جان دے دی۔

○ شہزادے بہرام اور شہزادی دتما کی کہانی

میں نے عورتوں کے ساتھ مردوں کے مکر کرنے کی ایک اور کہانی بھی سنی ہے۔ جو ان سب سے زیادہ عجیب ہے۔ بادشاہ نے کہا وہ بھی سنا دے۔ اس نے کہا کہ اے بادشاہ! ایک بادشاہ کی بیٹی حسن و جمال' قد و قامت' آب و تاب' آن بان اور مردوں کو رجھانے میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی۔ وہ خود کہا کرتی کہ دنیا میں میرا مثل نہیں۔ بہتیرے شہزادوں نے اسے شادی کا پیغام بھیجا لیکن اس نے ان میں سے ایک کو بھی پسند نہ کیا۔ اس کا نام دتما تھا۔ وہ کہا کرتی تھی مجھ سے وہی شخص بیاہ کر سکتا ہے جو مجھے لڑائی کے میدان میں شمشیر زنی اور نیزہ بازی میں زیر کرے۔ اگر کسی نے مجھے زیر کر لیا تو میں خوشی سے اس کی بیوی بن جاؤں گی اور اگر میں نے اسے نیچا دکھایا تو میں اس کا گھوڑا' ہتھیار اور کپڑے لے کر اس کے ماتھے پر لکھ دوں گی کہ یہ میرا آزاد کیا غلام ہے۔ دور اور نزدیک سے شہزادے اس کے پاس آتے' مقابلے میں وہ انہیں نیچا دکھاتی اور ان کے ہتھیار لے کر ان پر گرم لوہے سے مہر لگا دیتی۔

ایک بار عجم کے ایک شہزادے نے جس کا نام بہرام تھا' اس کی تعریف سنی اور بہت مال و دولت سوار اور پیادے اور شاہی خزانے لے کر اس کے پاس پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اس نے لڑکی کے باپ کے پاس قیمتی قیمتی نذرانے بھیجے بادشاہ اس سے ملا اس کا بہت

احترام کیا۔ اس کے بعد شہزادے نے اپنے وزیروں کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ میں تمہاری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ لڑکی کے باپ نے جواب دیا کہ بیٹا' میری بیٹی دتما میرے کہنے سے باہر ہے۔ اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ اس مرد سے شادی کرے گی جو اس پر لڑائی کے میدان میں غالب آئے گا۔ شہزادہ بولا میں بھی اسی شرط کے ساتھ اپنے شہر سے سفر کر کے آیا ہوں۔ بادشاہ نے کہا اچھا کل مقابلہ ہو گا۔ دوسرا دن ہوا تو بادشاہ نے بیٹی کو بلا کر اسے سارا قصہ سنایا۔ لڑکی نے لڑائی کی تیاری کی اور ہتھیار لگا کر میدان میں نکلی۔ ادھر سے شہزادہ بھی میدان میں آیا۔ لوگوں کو خبر ہو چکی تھی۔ ہزاروں آدمی اس لڑائی کا تماشا دیکھنے آ گئے۔ ایک طرف سے دتما ہتھیار لگائے' کمر کسے اور نقاب ڈالے چلی دوسری طرف سے شہزادہ ڈھال تلوار لگائے' زرہ بکتر سے آراستہ ہو کر آ پہنچا۔ اور دونوں نے ایک دوسرے پر وار کرنے شروع کر دیئے۔ دونوں میں دیر تک رد و بدل اور قوت آزمائی ہوتی رہی۔ لڑکی نے جو دیکھا کہ شہزادہ اپنے فن کا پورا ہے تو دل میں ڈری کہ کہیں لوگوں کے آگے میری کرکری نہ ہو جائے۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ ضرور مجھ پر غالب آ جائے گا۔ اب اس نے چاہا کہ کوئی چال چل کر اسے دھوکا دے۔ اس نے فوراً اپنا چہرہ کھول دیا۔ شہزادے کی جو نظر پڑی تو اس کی آنکھوں میں چکا چوند سی ہو گئی۔ صورت دیکھ کر دنگ رہ گیا اور اس کی طاقت نے جواب دے دیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اسی حالت میں لڑکی نے اس پر حملہ کیا اور اسے زین پر سے کھینچ لیا وہ اس کے ہاتھ میں ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کسی عقاب کے پنجے میں فاختہ۔ شہزادہ اتنا بد حواس تھا کہ اسے معلوم بھی نہ ہوا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ لڑکی نے اس کا گھوڑا' ہتھیار اور کپڑے لے کر اس کا ماتھا داغ دیا اور چلتی ہوئی۔

شہزادے کو ہوش آیا تو اس نے کئی دن تک غصے کے مارے نہ کھایا نہ سویا بلکہ لڑکی کی محبت میں بے قرار رہا۔ اب اس نے اپنے غلاموں کو واپس کر دیا اور اپنے باپ کے نام ایک خط لکھا کہ جب تک میری آرزو پوری نہ ہو گی وطن کا رخ نہیں کر

سکتا بلکہ یہیں جان دے دوں گا۔ یہ خط اس کے باپ کے پاس پہنچا تو وہ بہت کڑھا اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ اس کے پاس فوجیں اور لشکر بھیجے لیکن وزیروں نے اسے اس حرکت سے روکا اور تسلی دی۔ ادھر شہزادے نے اپنی مراد پوری کرنے کے لیے ایک فریب گانٹھا' بوڑھوں کی سی صورت بنا کر شہزادی کے باغ میں پہنچا۔ وہ اکثر وہاں آیا کرتی تھی اور باغبان سے کہا کہ میں پردیسی ہوں۔ بڑی دور سے میرا آنا ہوا ہے۔ جوانی سے اس وقت تک میں نے کھیتی باڑی اور باغ بانی ہی کے کام میں عمر گزاری ہے۔ اس فن کا استاد ہوں' شاید ہی کوئی دوسرا مجھ سے زیادہ اس کام کو جانتا ہو۔ باغبان یہ سن کر بہت خوش ہوا اور اسے باغ کے اندر لے جا کر اپنے آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ وہ درختوں کی تربیت اور پھلوں کی دیکھ بھال کی خدمت انجام دینے لگا۔ ایک دن وہ اپنے کام میں مشغول تھا کہ بہت سے غلام خچر لئے ہوئے باغ میں آئے جن پر فرش اور برتن لدے ہوئے تھے۔ شہزادے نے ان سے باغ میں آنے کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا کہ شہزادی اس باغ میں سیر کے لیے آنے والی ہے۔ یہ سن کر شہزادہ دوڑ کر وہ زیور اور لباس لے آیا جو وہ اپنے وطن سے لایا تھا اور باغ میں آکر بیٹھ گیا اور ان میں سے کچھ چیزیں اپنے آگے رکھ لیں اور کانپنے لگا گویا بڑھاپے کی وجہ سے ہاتھ پاؤں قابو میں نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو اٹھانوے ویں رات

پانچ سو اٹھانویویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ شہزادے نے یہ ظاہر کیا کہ وہ بڑھاپے کی وجہ سے کانپ رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد لونڈیاں اور غلام آ پہنچے' ان کے درمیان شہزادی ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے کہ تاروں کے بیچ میں چاند۔ سب لڑکیاں باغ میں پھرنے' پھول' پھل توڑنے اور تفریح کرنے لگیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے کوئی شخص بیٹھا ہے وہ اس کے پاس گئیں' قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ ایک بوڑھا ہے جس کے ہاتھ پاؤں تھر تھر کانپ رہے ہیں اور اس کے آگے زیورات اور بڑی بڑی نایاب چیزوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ انہیں بہت تعجب ہوا۔ وہ پوچھنے لگیں کہ ان زیوروں کا تو کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ ان زیوروں کو میں تم سے ایک کو دے کر اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر انہوں نے اس کا بڑا مذاق اڑایا اور بولیں کہ شادی کر کے تو کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا محض ایک بوسہ لے کر اسے چھوڑ دوں گا۔ شہزادی نے ایک لونڈی کی طرف اشارہ کر کے کہا میں تیری شادی اس کنیز کے ساتھ کرتی ہوں۔ بوڑھا ایک ڈنڈے کی ٹیک لگا کر اٹھتا' تھر تھراتا' گر پڑتا۔ اس کنیز کے پاس گیا اور اسے ایک بوسہ دے کر تمام کپڑے اور زیور اس کے حوالے کر دیئے۔ کنیز خوش ہو گئی اور اس نے قہقہہ لگایا اور وہاں سے چل دیں۔ دوسرے دن وہ پھر باغ میں آئیں اور اس کے پاس پہنچیں۔ دیکھا کہ بوڑھا اسی جگہ بیٹھا ہے اور اس کے آگے کل سے زیادہ کپڑے اور زیور رکھے ہوئے ہیں۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں بڑے میاں! تو ان زیوروں کا کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ کل کی طرح پھر تم میں سے ایک سے شادی کروں گا۔ شہزادی نے کہا کہ میں تیری شادی اس کنیز سے کرتی ہوں۔ وہ اٹھا اس بوسہ دے کر سارے کپڑے' زیور اسے دے دیئے اور وہ واپس چلی گئیں۔

جب شہزادی نے دیکھا کہ اس نے کنیزوں کو اتنے کپڑے اور زیور دے ڈالے ہیں
تو وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ میں تو ان لونڈیوں سے زیادہ ان چیزوں کی حقدار ہوں۔
اس میں ہرج بھی کیا ہے۔ تیسرا دن آیا تو وہ کنیزوں کا بھیس بدل کر چپکے سے بوڑھے
کے پاس آئی اور بولی بڑے میاں! میں شہزادی ہوں کیا تو مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے؟
اس نے جواب دیا دل و جان سے اور اسے ایسے ایسے کپڑے اور زیور نکال کر دیئے
جو بہت ہی بڑھیا' قیمتی اور عمدہ تھے اور بوسہ لینے کے لیے اٹھا۔ شہزادی کو اطمینان تھا'
اسے کسی قسم کا کھٹکا نہ ہوا۔ لیکن شہزادے نے پاس پہنچ کر اسے زور سے پکڑا اور
زمین پر پٹک دیا اور کہنے لگا کیا تو مجھے پہچانتی ہے؟ اس نے کہا تو کون ہے؟ شہزادے
نے کہا عجم کا شہزاد بہرام۔ تیرے ہی لیے میں نے اپنا خاندان اور دھن چھوڑا ہے اور
تیرے ہی لیے اپنی صورت بدلی ہے۔ شہزادی اس کے نیچے سے اٹھی وہ چپ تھی اور
جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا اس کی وجہ سے نہ وہ جواب دے سکتی نہ کچھ کہہ سکتی۔
اس نے اپنے دل میں کہا اگر میں نے اسے قتل بھی کر دیا تو بھی اب کوئی فائدہ
نہ ہو گا۔ سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ میں اس کے ساتھ اس کے وطن بھاگ
جاؤں۔ یہ سوچ کر اس نے اپنا مال و دولت جمع کیا اور شہزادے کو بلوا کر کہا تو بھی
اپنا سامان تیار کر لے' دونوں میں یہ وعدہ ہوا کہ ہم رات کے وقت بھاگ چلیں گے۔
رات ہوئی تو وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر اندھیرے اندھیرے چل کھڑے ہوئے اور سویرا
ہونے سے پہلے بہت دور نکل گئے۔ چلتے چلتے عجم کے ملک میں پہنچ گئے۔ جہاں اس کے
باپ کا شہر قریب تھا۔ باپ کو یہ خبر ملی تو وہ فوجیں اور لشکر لے کر اس کی پیشوائی
کے لیے آیا اور وہ بے حد خوش ہوا۔ تھوڑے دنوں بعد اس نے دتما کے باپ کے پاس
عمدہ عمدہ تحفے بھیجے۔ اسے خط لکھا کہ تیری بیٹی میرے پاس ہے اور اس سے اس کا
جہیز منگوایا۔ جب یہ تحفے اس کے پاس پہنچے تو اس نے لانے والوں کا خیر مقدم کیا'
بہت خوش ہوا' انہیں انعام دیا اور دعوتیں کھلائیں اور قاضی اور گواہوں کو بلا کر اپنی

بیٹی کا نکاح نامہ شہزادے کے ساتھ لکھوا دیا اور سپاہیوں' ایلچیوں کو خلعتیں دیں اپنی بیٹی کا جہیز حوالے کیا۔ عجم کا شہزادہ اور دتما مدتوں تک ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ موت

نے دونوں کو جدا کر دیا۔

اے بادشاہ! دیکھ مرد عورتوں کے ساتھ کیسے کیسے فریب کرتے ہیں۔ میں مرتے دم تک اپنے حق کا مطالبہ نہیں چھوڑوں گی۔ یہ سن کر بادشاہ نے حکم دیا کہ شہزادہ قتل کر دیا جائے۔ اب ساتواں وزیر اس کے پاس گیا اور تخت کو بوسہ دے کر کہنے لگا اے بادشاہ! اجازت دے کہ میں تجھے ایک نصیحت کروں کیونکہ جو شخص جلدی کرتا ہے وہ پچھتاتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ کنیز نے ایک عجب سوانگ رچایا ہے جس کا نتیجہ بادشاہ کے لیے خطروں سے خالی نہیں' یہ تیرا غلام جسے تو نے اپنی بھلائیوں اور انعام سے پاٹ رکھا ہے تیری بھلائی چاہتا ہوں۔ مجھے عورتوں کے چھل فریب کا اتنا علم ہے کہ کسی اور کو نہ ہو گا۔ اس بارے میں نے بڑھیا اور سوداگر زادے کی ایک کہانی سنی ہے۔ بادشاہ نے کہا وزیر وہ کیا ہے؟ وزیر نے کہا کہ۔

○ بڑھیا اور سوداگر زادے کی کہانی

اے بادشاہ! میں نے سنا ہے کہ اے سوداگر بڑا مالدار تھا اور اس کا ایک بیٹا تھا۔ بہت چہیتا۔ ایک دن باپ سے کہنے لگا کہ ابا جان' میری ایک آرزو ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ تو اسے پورا کر دے۔ باپ نے کہا بیٹا' بتا وہ کیا ہے تا کہ میں اسے پورا کروں۔ اگر تو میری آنکھوں کی روشنی بھی چاہتا ہے تو میں اسے بھی دے کر تیری مراد پوری کر سکتا ہوں۔ بیٹا بولا' میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے کچھ مال دے اور میں اسے لے کر سوداگروں کے ساتھ بغداد جاؤں' وہاں کی سیر کروں اور خلفاء کے محلوں کو دیکھوں۔ سوداگروں نے مجھ سے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ ان کے دیکھنے کے لیے بے چین ہوں۔ باپ نے کہا مگر مجھے اتنا صبر کہاں کہ تیری جدائی گوارا کروں؟ بیٹے نے کہا

مجھے جو کہنا تھا کہہ چکا اور میں بغیر وہاں جائے نہیں رہوں گا خواہ تیری مرضی سے جاؤں یا تیری مرضی کے خلاف۔ میرے دل میں ایک آگ لگی ہوئی ہے جو وہاں گئے بغیر بجھ نہیں سکتی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو ننانویں رات

پانچ سو ننانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سوداگر زادے نے کہا میں بغداد گئے بغیر نہیں رہوں گا۔ باپ نے دیکھا کہ وہ اپنی ضد پر تلا ہوا ہے۔ تو اس نے تیس ہزاد دینار کا تجارتی مال تیار کرایا اور ان سوداگروں کے ساتھ اسے روانہ کر دیا جن پر اسے بھروسا تھا اور ان سے کہہ دیا کہ اس کی خبر گیری رکھیں۔ اس کے بعد وہ اپنے بیٹے سے رخصت ہو کر گھر لوٹ آیا۔ لڑکا اپنے سوداگر ساتھیوں کے ساتھ جاتے جاتے دارالسلام بغداد پہنچا۔ وہاں کے بازار میں جا کر اس نے ایک خوبصورت مکان کرائے پر لینے کی ٹھان لی جسے دیکھ کر اس کی عقل دنگ رہ گئی۔ اس کے اندر چڑیوں کے چہچہے تھے۔ سہ دریاں اور بارہ دریاں ایک دوسرے کے سامنے بنی ہوئی تھیں۔ فرش رنگ بہ رنگ کے مرمر کا تھا' چھتوں پر اصلی لاجورد کا کام۔ اس نے دربان سے پوچھا کہ اس کا ماہواری کرایہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا دس دینار۔ لڑکے نے کہا تو سچ کہتا ہے یا مجھ سے مذاق کرتا ہے؟ دربان نے کہا خدا کی قسم میں سچ کہتا ہوں کیونکہ جو کوئی اس مکان میں اترتا ہے وہ ہفتے دو ہفتے سے زیادہ نہیں رہتا۔ لڑکے نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ وہ بولا بیٹا! جو کوئی یہاں رہتا ہے بیمار ہو کر یا مر کر نکلتا ہے۔ مکان کی یہ حالت سارے شہر کے لوگوں کو معلوم ہے۔ کوئی اس میں رہنے کی ہامی نہیں بھرتا۔ اس وجہ سے اس کا کرایہ اتنا کم ہو گیا ہے۔ یہ سن کر لڑکے کو بڑا اچنبھا ہوا۔ اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ کوئی نہ کوئی وجہ تو اس کی ضرور ہو گی جو بیماری یا موت پیش آتی ہے۔ اس نے خدا سے دعا مانگی کہ وہ اسے شیطان سے پناہ میں رکھے اور دل مضبوط کر کے اس مکان میں رہ پڑا اور اپنا بیوپار شروع کیا۔ بہت دنوں تک رہا لیکن اس کے ساتھ کوئی بات پیش نہیں آئی جو دربان نے کہی تھی۔

ایک دن وہ گھر کے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا' اس کے پاس سے ایک بڑی عمر رسیدہ

برھیا گزری جس کی شکل چتکبرے سانپ کی سی تھی' وہ تسبیح پڑھتی جاتی ار راستے سے کنکر پتھر اور دوسری تکلیف دہ چیزیں ہٹاتی جاتی۔ اس نے لڑکے کو دروازے پر بیٹھا ہوا دیکھا تو سخت تعجب کا اظہار کیا۔ لڑکے نے کہا اے عورت' کیا تو مجھے پہچانتی ہے یا تجھے مجھ پر کسی دوسرے کا شبہہ ہوا ہے؟ یہ سن کر بڑھیا تیزی سے اس کی طرف بڑھی اور اسے سلام کر کے کہا کہ تو اس مکان میں کتنے دن سے رہتا ہے؟ لڑکے نے کہا اے مری اماں دو مہینے سے۔ بڑھیا بولی اسی پر مجھے تعجب ہوتا ہے ورنہ بیٹا' نہ میں تجھے پہچانتی ہوں نہ تو مجھے' نہ مجھے تجھ پر کسی اور کا شک ہوا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ سوا تیرے جو کوئی اس میں رہا وہ بیمار ہو کر یا مر کر نکلا۔ بیٹا اس میں شک نہیں کہ تو اپنی جوانی کو مصیبت میں ڈال رہا ہے۔ کیا تو نے محل کے اوپر چڑھ کر وہاں سے نظارہ نہیں کیا؟ اتنا کہتے ہی بڑھیا نے اپنی راہ لی اور لڑکا اس کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ نہ تو میں محل کے اوپر گیا ہوں نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ وہاں کوئی سیر کرنے کا برج ہے۔ اب وہ فوراً مکان کے اندر گیا۔ اس کے کونے کونے کو جھانکنا شروع کیا یہاں تک کہ اسے کونے میں ایک چھوٹا سا دروازہ دکھائی دیا جہاں مکڑی کے جالے تنے ہوئے تھے اور درختوں سے چھپا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر لڑکے نے سوچا کہ ہو نہ ہو مکڑی نے اسی وجہ سے جالا تنا ہو گا کہ اس کے اندر موت ہے۔ اب اس نے یہ آیت پڑھ کر کہ' سوا اس کے جو خدا نے ہماری قسمت میں لکھ چھوڑی ہے کوئی مصیبت ہمارے اوپر نہیں آ سکتی۔" اپنا دل مضبوط کیا اور دروازہ کھول کر ایک تنگ زینے پر چڑھ گیا۔ اوپر پہنچ کر دیکھا کہ واقعی وہاں ایک برج ہے وہاں سیر و تفریح کرنے لگا اور اس کی نظر ایک مکان پر پڑی جو بہت صاف ستھرا تھا' جس کے اوپر اتنا اونچا ایک گنبد تھا کہ وہاں سے سارا بغداد دکھائی دیتا تھا۔ اس برج میں ایک لڑکی حور جیسی بیٹھی تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ دل و جان سے عاشق ہو گیا' ہوش و حواس جاتے رہے' ایوب علیہ السلام کی تکلیف اور یعقوب علیہ السلام کا صدمہ اس کی انکھوں کے نیچے پھرنے لگا۔ جب اس نے لڑکی کو غور سے دیکھا تو وہ اپنے دل میں کہنے

لگا کہ لوگ جو یہ بیان کرتے ہیں کہ اس گھر میں رہنے والا یا تو مر جاتا ہے یا بیمار ہو جاتا ہے اس کا سبب یہی لڑکی ہو گی۔ معلوم نہیں اب میرا چھٹکارا کیسے ہو گا کیونکہ میرے ہوش و حواس بالکل درست نہیں! یہی سوچتا ہوا وہ محل کے اوپر سے اترا اور گھر کے اندر آ بیٹھا۔ لیکن جب یہاں بھی اسے چین نہ آیا تو وہ باہر آکر دروازے پر بیٹھ گیا۔

لڑکا اپنی حالت پر حیران و پریشان بیٹھا تھا کہ بڑھیا پھر ادھر سے تسبیح ہلاتی ہوئی۔ گزری لڑکا اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ سلام کیا اور اس سے کہنے لگا۔ اے میری ماں' جب تک تو نے مجھے دروازے کھولنے کا مشورہ نہ دیا تھا اس وقت تک تو میں اچھا خاصا تھا لیکن جس وقت سے میں نے اسے کھولا اور برج دیکھا اور اس پر چڑھ کر ادھر ادھر نظر دوڑائی تو میں نے ایسی چیز دیکھی کہ میرا دل کانپ اٹھا اور اب مجھے یقین ہے کہ میں مر جاؤں گا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ سوائے تیرے اور کسی کے ہاتھ میں میرا علاج نہیں۔ یہ سن کر بڑھیا ہنس پڑی اور کہنے لگی اگر خدا نے چاہا تو تیرا بال بیکا نہ ہو گا۔ جب اس نے یہ کہا تو لڑکا اٹھ کر اندر گیا سو دینار اپنی آستین میں رکھ کر لے آیا اور کہنے لگا اے اماں! انہیں لے اور میرے ساتھ ایسا سلوک کر جیسا آقا غلاموں کے ساتھ کیا کرتے ہیں اور جلد کوئی تدبیر سوچ۔ اگر میں مر گیا تو قیامت کے دن خون تیری گردن پر ہو گا۔ بڑھیا نے کہا سر آنکھوں پر' مگر میں اس میں تجھ سے تھوڑی سی مدد چاہتی ہوں تا کہ تیری مراد بر آئے۔ اس نے پوچھا ماں' تو مجھ سے کیا چاہتی ہے؟

بڑھیا نے جواب دیا کہ تو میرا ہاتھ بٹائے کہ ریشم کے بازار میں جا کر ابوالفتح بن قیدام کی دکان کا پتہ لگا۔ جب لوگوں سے تجھے اس کا پتہ لگ جائے تو اس کی دکان پر بیٹھ کر اسے سلام کیجیو اور کہیو کہ مجھے وہ نقاب دے جس میں سونے کے نقش و نگار ہیں۔ اس کی دکان میں اس سے بڑھ کر دوسری نقاب نہیں۔ اے بیٹا تو زیادہ سے زیادہ دام لگا کر اسے مول لے لیجیو اور اسے اپنے پاس رکھ چھوڑیو' اگر خدا نے چاہا تو میں

کل تیرے پاس آؤں گی۔ یہ کہہ کر بڑھیا چل دی اور لڑکے کی رات انگاروں پر کروٹیں بدلتے گزری۔ سویرا ہوا تو وہ لڑکا ایک ہزار دینار اپنی جیب میں رکھ کر ریشم کے بازار

میں گیا اور پوچھا کہ ابوالفتح کی دکان کہاں ہے؟ ایک سوداگر نے اسے پتہ بتا دیا۔ وہ وہاں جا پہنچا۔ دیکھا کہ اس کے سامنے غلام اور نوکر چاکر کھڑے ہیں' اس کے چہرے سے وقار ٹپکتا ہے۔ مال و دولت کی بہتات ہے اور منجملہ مال و دولت کے وہ لڑکی بھی تھی جس کی نظیر بادشاہوں کے پاس بھی نہ ہو گی۔ اسے دیکھ کر لڑکے نے سلام کیا' اس نے سلام کا جواب دے کر کہا بیٹھ جا۔ لڑکا بیٹھ گیا اور کہنے لگا اے سوداگر' میں تیری فلاں نقاب دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس نے غلام کو حکم دیا کہ ریشم کا گٹھا جو دکان کے صدر میں ہے لے آ۔ غلام اسے لے آیا۔ سوداگر نے گٹھڑی کھول کر اس میں سے کئی نقابیں نکالیں۔ لڑکا انہیں دیکھ کر دنگ رہ گیا ان میں وہ نقاب بھی تھی جسے وہ چاہتا تھا اور اس نے وہ نقاب پچاس دینار میں خرید لی اور اسے لے کر خوش خوش گھر چلتا ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سوویں رات

چھ سوویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب لڑکا نقاب لے کر گھر آیا تو اسی وقت بڑھیا بھی پہنچ گئی۔ اسے دیکھ کر لڑکا کھڑا ہو گیا اور وہ نقاب اسے دے دی۔ بڑھیا نے کہا آگ کا ایک انگارا لا۔ وہ انگارا لے آیا تو بڑھیا نے اس کا ایک کونا جلا دیا اور پھر اسے پہلے کی طرح لپیٹ کر چل دی۔ اور ابوالفتح کے گھر پہنچی۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ لڑکی نے بڑھیا کی آواز سنی تو اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ بڑھیا لڑکی کی ماں کی دوست تھی اور اس کے ساتھ اٹھا بیٹھا کرتی' اس لیے لڑکی اسے پہچانتی تھی۔ لڑکی نے اسے دیکھ کر پوچھا کہ ماں' تجھے اس وقت کیا ضرورت پیش آئی۔ میری ماں تو یہاں سے اپنے گھر چلی گئی ہے۔ بڑھیا نے کہا بیٹی' مجھے معلوم ہے کہ تیری ماں یہاں نہیں ہے۔ میں ابھی اس کے گھر سے آ رہی ہوں۔ نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا۔ ڈر ہوا کہ کہیں نماز قضا نہ ہو جائے۔ میں یہاں وضو کرنے آ گئی ہوں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تو ہمیشہ پاک رہتی ہے اور تیرا مکان صاف ستھرا ہے۔ لڑکی نے بڑھیا کو اندر بلا لیا۔ اندر آ کر بڑھیا نے سلام کیا۔ دعا دی اور لوٹا لے کر پاخانے گئی۔ پھر اس نے وضو کیا اور ایک جگہ کھڑی ہو کر نماز پڑھنے لگی۔ اس کے بعد وہ لڑکی کے پاس جا کر کہنے لگی۔ بیٹی' میں سمجھتی ہوں کہ جس جگہ میں نے نماز پڑھی ہے وہاں نوکر جوتے پہن کر آتے جاتے ہیں اور اس لیے وہ ناپاک ہے۔ میرے لیے کوئی دوسری جگہ ڈھونڈ دے جہاں میں نماز پڑھ سکوں۔ جو نماز میں نے پڑھی ہے وہ باطل ہو گئی۔ لڑکی اس کا ہاتھ پکڑ کر دالان میں لے گئی اور کہا ماں اس فرش پر نماز پڑھ جس پر میرا شوہر بیٹھتا ہے۔ لڑکی نے اسے فرش پر کھڑا کر دیا تو وہ نماز پڑھنے اور دعا مانگنے لگی اور جب اس نے دیکھا کہ لڑکی کی توجہ اس طرف نہیں ہے تو اس نے لڑکی کی آنکھ بچا کر اس نقاب کو تکیئے کے نیچے رکھ دیا۔ نماز پڑھ چکی تو اس نے لڑکی

کو دعائیں دیں اور اس کے پاس سے رخصت ہوئی۔
شام کا وقت ہوا تو سوداگر اپنی بیوی کے پاس آیا اور فرش پر بیٹھا۔ بیوی کھانا لائی۔ شوہر نے پیٹ بھر کر کھایا۔ ہاتھ دھوئے اور تکیہ لگا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں اسے نقاب کا کونا باہر نکلا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے اسے باہر کھینچ لیا' نقاب پہچانی ہوئی تھی۔ اپنی بیوی کی عصمت پر شک کرنے لگا اور بیوی کو آواز دی وہ آئی تو پوچھا کہ یہ نقاب کہاں سے ملی؟ بیوی نے قسمیں کھا کر کہا تیرے سوا یہاں کوئی نہیں آیا۔ بدنامی کے ڈر سے سوداگر چپ رہا دل میں کہنے لگا کہ اگر میں نے ذکر چھیڑا تو سارے بغدار میں بدنام ہو جاؤں گا اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ سوداگر خلیفہ کا مصاحب تھا۔ اب سوائے چپ رہنے کے اسے کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ اس نے اپنی بیوی سے زیادہ کچھ نہ کہا۔ بیوی کا نام مخطیبہ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سوداگر نے پھر اپنی بیوی کو بلایا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تیری ماں کو دل کے درد کی شکایت ہے۔ وہ بیمار پڑی ہوئی ہے اور تمام عورتیں بیٹھی رو رہی ہیں۔ میری رائے ہے کہ تو اس کے پاس جا۔ جب لڑکی اپنی ماں کے پاس گئی تو اس نے دیکھا کہ اس کی ماں ہٹی کٹی ہے۔ لڑکی وہاں ابھی ٹک کر بیٹھنے بھی نہیں پائی تھی کہ سوداگر کے گھر سے حمال لڑکی کا سامان لے کر آ پہنچے اور اس کا سارا سامان ادھر سے ادھر آ گیا۔ یہ دیکھ کر ماں نے کہا اے بیٹی تیرے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ لڑکی نے لا علمی ظاہر کی۔ ماں بہت روئی اور افسوس کیا کہ اس کی بیٹی کی اس شخص سے جدائی ہو گی۔ بہت دن کے بعد بڑھیا لڑکی سے اس کی ماں کے گھر ملنے آئی اور اسے بڑی محبت سے سلام کیا اور کہا میری بیٹی' اے میری پیاری' یہ کیا ہوا؟ تیری وجہ سے میں بہت سخت پریشان ہوں۔ پھر وہ لڑکی کی ماں کے پاس گئی اور کہنے لگی بہن' تیری بیٹی اور اس کے شوہر کا کیا قصہ ہوا؟ میں نے سنا ہے کہ اس نے طلاق دے دی ہے۔ آخر اس سے کون سا ایسا گناہ سر زد ہوا؟ لڑکی کی ماں نے کہا تیری برکت سے یقین ہے کہ اس کا شوہر پھر اس سے راضی ہو جائے گا۔ اے بہن' اس کے لیے دعا کر کیونکہ تو روزہ رکھتی ہے اور راتوں کو نماز پڑھتی

ہے۔ جب لڑکی کی ماں اور بڑھیا تینوں ایک جگہ اکٹھی ہوئیں اور آپس میں باتیں کرنے لگیں تو بڑھیا نے لڑکی سے کہا بیٹی' غمگین نہ ہو' اگر خدا نے چاہا تو میں آج کل میں تجھے تیرے شوہر سے ملا دوں گی۔ اب بڑھیا لڑکے کے پاس گئی اور اس سے بولی اک عمدہ مجلس تیار کر' میں آج ہی رات اسے تیرے پاس لاؤں گی۔ لڑکے نے فوراً کھانے پینے کا تمام ضروری سامان تیار کیا اور ان دونوں کا انتظار کرنے لگا۔ ادھر بڑھیا نے لڑکی کی ماں کے پاس جا کر کہا بہن! آج ہمارے ہاں شادی ہے' لڑکی کو بھی میرے ساتھ بھیج دے تا کہ وہ تماشا دیکھے اور اس کا غم غلط ہو۔ پھر میں اسے تیرے پاس اسی طرح پہنچا دوں گی جس طرح لے جاتی ہوں۔ لڑکی کی ماں نے اسے بہترین کپڑے پہنائے' زیوروں سے آراستہ کیا' دروازے تک اسے چھوڑ آئی اور وہ بڑھیا کے ساتھ روانہ ہو گئی۔ چلتے چلتے بڑھیا سے لڑکی کی ماں نے کہا دھیان رکھنا کہ اسے کوئی دیکھے نہیں۔ تجھے معلوم ہے کہ اس کے شوہر کا مرتبہ خلیفہ کے ہاں کتنا بڑا ہے۔ اور دیر بھی نہ کرنا بلکہ اسے تماشا دکھا کر الٹے پاؤں لے آنا۔ غرض کہ بڑھیا اسے لے کر لڑکے کے گھر گئی۔ لڑکی اس خیال میں تھی کہ وہ شادی کا گھر ہے۔ مکان کے اندر پہنچ کر وہ کمرے میں داخل ہوئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- چھ سو راتوں کے بعد پہلی رات

چھ سو راتوں کے بعد پہلی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی مکان کے اندر پہنچ کر کمرے میں داخل ہوئی تو لڑکا لپک کر اس کے پاس آیا۔ اسے گلے سے لگا لیا اور اس کے ہاتھ چومنے لگا۔ لڑکی اس کا حسن دیکھ کر دنگ ہو گئی وہ سمجھی کہ یہ مکان اور جو کچھ عطریات اور کھانا پینا وہاں موجود ہے۔ سب خواب ہے۔ جب بڑھیا نے دیکھا کہ لڑکی دنگ رہ گئی ہے تو اس نے کہا بیٹی' خدا تجھے اپنی پناہ میں رکھے! ڈر نہیں' میں یہیں بیٹھی ہوں اور ایک لمحے کے لیے بھی تیرا ساتھ نہیں چھوڑوں گی تو اس کے لائق ہے اور یہ تیرے۔ لڑکی شرما کر بیٹھ گئی۔ لڑکا اس سے ہنسی مذاق کرنے لگا اور اشعار اور کہانیاں سنا سنا کر اس کا دل بہلاتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی گھبراہٹ جاتی رہی' وہ مانوس ہو گئی۔ اس نے کھایا پیا شراب نے اپنا اثر دکھایا۔ لڑکی سارنگی لے کر گانے بجانے لگی۔ لڑکے کی خوبروئی پر اس کا دل آ گیا۔ لڑکا تو پہلے سے بے پیئے ہی بے ہوش تھا۔ اب اس کی کیفیت دوبالا ہو گئی۔ بڑھیا ان کے پاس سے ٹل کر چلتی بنی۔ صبح کو واپس آئی۔ دونوں کو صبح بخیر کہہ کر لڑکی سے پوچھا۔ اے میری آقا' رات کیسی گزری۔ بڑھیا نے کہا چل اب تجھے تیری ماں کے پاس پہنچا دوں۔ یہ سن کر لڑکے نے سو دینار نکالے اور اسے دے کر بولا لڑکی کو آج رات یہیں رہنے دے۔ بڑھیا وہاں سے چل دی اور لڑکی کی ماں کے پاس جا کر کہنے لگی تیری بیٹی نے تجھے سلام کہا ہے۔ دلہن کی ماں نے اسے قسم دی ہے کہ وہ آج رات بھی ہمارے ہاں رہے۔ لڑکی کی ماں نے کہا بہن' اسے بھی میرا سلام کہیو اور اگر وہ اس بات پر خوش ہے تو رات وہاں گزارنے میں کوئی حرج نہیں' جب اس کا جی چاہے چلی آئے۔ اگر میں ڈرتی ہوں تو اتنا ہے کہ کہیں اس کا شوہر ناراض نہ ہو جائے۔ اس

طرح بڑھیا ہر روز ایک نہ ایک نیا حیلہ نکالتی رہی حتیٰ کہ سات دن لڑکی وہاں رہی اور بڑھیا نے ہر روز لڑکے سے سو دینار وصول کیے۔

جب سات دن ہو چکے تو لڑکی کی ماں نے بڑھیا سے کہا میری بیٹی کو ابھی لا کر دے کیونکہ میرا دل اس میں لگا ہوا ہے' وہ بہت دن سے غائب ہے۔ مجھے اس میں شبہ ہوتا ہے۔ بڑھیا ان باتوں سے ناراض ہو کر فوراً اٹھ آئی۔ لڑکی کے پاس جا کر اسے ساتھ لیا اور لڑکے کو شراب کے نشے میں سوتا چھوڑ کر چل دی۔ لڑکی اپنی ماں کے پاس پہنچی تو لڑکی کو دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ اسے بے حد خوشی ہوئی اور کہنے لگی بیٹی' میرا دل تجھ میں لگا ہوا تھا اور اس وجہ سے بہن کی شان میں میرے منہ سے ایسی بات نکل گئی جس سے اس کے دل کو تکلیف پہنچی۔ لڑکی نے کہا اٹھ اور اس کے ہاتھ پاؤں چوم۔ اس نے نوکر کی طرح میری تمام ضرورتیں پوری کیں۔ اگر تو میرا کہنا نہ مانے گی تو نہ میں تیری بیٹی ہوں نہ تو میری ماں۔ یہ سن کر ماں اٹھی اس نے بڑھیا کو منایا۔ ادھر جب لڑکے کی آنکھ کھلی تو لڑکی غائب تھی۔ وہ خوش تھا کہ اس کا ارمان پورا ہو گیا۔ پھر بڑھیا لڑکے کے پاس گئی اور اسے سلام کر کے کہا میری کاروائی کی داد دے۔ اس نے کہا تو نے واقعی بڑا کمال کیا۔ بڑھیا بولی اب ہمیں اس برائی کی تلافی کرنی چاہیے جو ہم نے کی ہے اور لڑکی کو اس کے شوہر سے پھر ملا دینا چاہیے کیونکہ ہماری ہی وجہ سے دونوں میں جدائی ہوئی ہے۔ لڑکے نے کہا اچھا میں کیا کروں؟ بڑھیا نے کہا تو سوداگر کی دکان پر جا اور سلام کر کے اس کے پاس بیٹھ جا' اتنے میں' میں وہاں سے گزروں گی۔ جونہی تیری نظر مجھ پر پڑے فوراً دکان سے اتر کر مجھے پکڑ لیجیو' میرا دامن پکڑ کر کھینچنیو' مجھے برا بھلا کہیو' دھمکی دیجیو' نقاب کا تقاضا کیجیو اور سوداگر سے کہیو کہ اے میرے آقا' تجھے یاد ہے یا نہیں کہ میں نے تیری دکان سے پچاس دینار میں ایک نقاب خریدی تھی؟ اس کے بعد یہ ہوا کہ میری کنیز نے اسے منہ پر ڈالا۔ اتفاق سے اس کا ایک کونا جل گیا۔ کنیز نے وہ نقاب اس بڑھیا کو دی کہ کسی سے رفو کرا لائے۔ یہ نقاب لے کر چل دی اور آج تک اس

نے اپنی صورت نہیں دکھائی۔ لڑکا فوراً سوداگر کی دکان پر جا بیٹھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد بڑھیا وہاں سے گزری' اس کے ہاتھ میں ایک تسبیح تھی جسے وہ پڑھتی جاتی تھی۔ اسے دیکھتے ہی لڑکا دکان سے کود پڑا' اس کا گریبان پکڑ کر اسے کھینچا اور برا بھلا کہنا شروع کیا۔ بڑھیا نے کہا کہ بیٹا' تو مجبور ہے۔ اتنے میں بازار والے آ کر جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے؟ لڑکے نے کہا لوگو' سنو! میں نے اس سوداگر سے پچاس دینار میں ایک نقاب خریدی تھی۔ میری کنیز نے تھوڑی ہی دیر اسے سر پر ڈالا اور وہ انگیٹھی کے پاس جا کر بیٹھی ہی تھی کہ ایک چنگاری اڑ کا نقاب پر آ پڑی اور اس کا ایک کونا جل گیا۔ ہم نے وہ نقاب اس بڑھیا کو دی کہ جا کر کسی سے رفو کرا لائے۔ یہ لے کر چل دی اور آج تک اس نے اپنی صورت نہیں دکھائی۔ بڑھیا نے کہا' یہ جوان سچ کہتا ہے۔ میں اسے ضرور لے گئی تھی لیکن کسی مکان میں بھول آئی جہاں میں اکثر جایا کرتی ہوں۔ مجھے یاد نہیں کہ وہ کون سا مکان تھا۔ میں ایک فقیر عورت ہوں اس لیے اس کے مالک کے پاس لوٹ کر نہیں گئی۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں اور سوداگر اس لڑکی کا شوہر سن رہا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو کے بعد دوسری رات

چھ سو کے بعد دوسری رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب سوداگر نے وہ باتیں سنیں جو اس چال باز بڑھیا نے لڑکے کو سکھائی تھیں تو وہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اللہ اکبر! خدا سے اپنے گناہوں اور اس بدظنی کی جو میرے دل میں گزری تھی معافی مانگتا ہوں۔ اس کے بعد خدا کا شکر ادا کیا اس نے سچ بات ظاہر کر دی اور بڑھیا سے پوچھا کہ تو' میرے گھر بھی گئی تھی؟ بڑھیا نے کہا کہ بیٹا' میں خیرات لینے تیرے گھر بھی جاتی ہوں اور دوسروں کے گھر بھی لیکن آج تک کسی نے مجھے نقاب کا پتا نہ دیا۔ سوداگر بولا تو نے میرے گھر میں کسی سے پوچھا تھا؟ بڑھیا نے کہا اے میرے آقا' میں تیرے گھر گئی تھی اور پوچھا بھی تھا مگر لوگوں نے کہا کہ سوداگر نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے' اس لیے میں لوٹ آئی اور اس کے بعد آج تک کسی سے نہیں پوچھا۔ سوداگر نے لڑکے کی طرف مخاطب ہو کر کہا بڑھیا کو جانے دے' تیری نقاب میرے پاس ہے اور اس نے نقاب نکال کر سب کے سامنے خدا سے مغفرت مانگ کر بیوی کو منا لیا۔ یہ پتا بھی نہیں چلا کہ بڑھیا نے اس کے ساتھ کیا چال چلی۔

اے بادشاہ! عورتوں کے چرتر کیا پوچھتا ہے۔

○ شہزادے اور دیو کی معشوقہ کی کہانی

کہتے کہ ایک شہزادہ اکیلا سیر و تفریح کے لیے نکلا۔ چلتے چلتے ایک سر سبز باغ میں پہنچا جس میں بہت سے درخت اور پھل تھے' چڑیاں بول رہی اور نہریں بہہ رہی تھیں۔ لڑکے کو وہ جگہ پسند آئی وہاں بیٹھ کر اپنے توشہ دان میں سے میوے نکالے اور انہیں کھانے

لگا۔ کھاتے کھاتے جو نظر اٹھی تو دھوئیں کا ایک ستون سا آسمان کی طرف اٹھتا دکھائی دیا۔ شہزادہ ڈرا اور ایک درخت پر جا چھپا۔ دیکھتے دیکھتے یہ دھواں دیو کی صورت بن گیا جس کے سر پر مرمر کا ایک مقفل صندوق تھا۔ اس صندوق کو اس نے باغ میں رکھ کر کھولا۔ اس میں سے ایک لڑکی نکلی جو ایسی خوبصورت جیسے صاف آسمان پر چمکتا ہوا سورج۔ وہ آدم زاد تھی۔ دیو اسے اپنے سامنے بٹھا کر خوش ہونے لگا پھر اس کی گود میں سر رکھ کر سو گیا۔ لڑکی نے اس کا سر اٹھا کر صندوق پر رکھ دیا اور اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ اتفاق سے اس کی نظر درخت پر پڑی۔ اس نے شہزادے کو وہاں بیٹھا ہوا دیکھا' اشارہ کیا کہ نیچے اتر' شہزادے نے نیچے اترنے سے انکار کیا۔ لڑکی نے قسم دے کر کہا کہ اگر تو نے نیچے اتر کہ وہ نہ کیا جو میں چاہتی ہو تو دیو کو جگا دوں گی اور وہ تجھے فوراً مار ڈالے گا۔ لڑکا ڈر کر اتر آیا۔ لڑکی نے اس کے ہاتھ پاؤں چومے اور اس سے فرمائش کی۔ لڑکا راضی ہو گیا اس کے بعد اس نے لڑکے سے کہا کہ اپنی انگوٹھی انگلی سے اتار کر مجھے دے دے۔ انگوٹھی لے کر اس نے ایک ریشمی رومال میں رکھ لی۔ اس رومال میں اسی سے زیادہ انگوٹھیاں تھیں' انہی میں اس نے اس انگوٹھی کو بھی ملا دیا۔ شہزادہ نے پوچھا تو ان انگوٹھیوں کا کیا کرے گی؟ لڑکی نے جواب دیا۔ یہ دیو مجھے میرے باپ کے محل میں سے اٹھا لایا ہے' مجھے اس صندوق میں بند کر کے اس میں قفل لگائے رکھتا ہے' جہاں کہیں جاتا ہے صندوق کو اپنے سر پر لیے پھرتا ہے۔ رشک کی وجہ سے مجھے ایک لحظے کے لیے بھی نہیں چھوڑتا اور جو کچھ میں کرنا چاہتی ہوں کرنے نہیں دیتا۔ جب میں نے اس کی یہ حالت دیکھی تو قسم کھائی کہ میں اپنے وصال سے کسی کو نہیں روکوں گی۔ یہ جو انگوٹھیاں میرے پاس ہیں اتنی ہی ہیں جتنے آدمیوں سے میں ملی ہوں۔ جو کوئی میرے ساتھ لیٹتا ہے۔ میں اس کی انگوٹھی لے کر اس رومال میں رکھ لیتی ہوں۔ اس کے بعد اس نے کہا اچھا اب تو چلتا بن تاکہ میں کسی دوسرے کا انتظار کروں۔ دیو ابھی نہیں اٹھے گا۔ شہزادے کو ان باتوں

کا یقین نہ آتا تھا۔ وہ وہاں سے روانہ ہو کر اپنے گھر پہنچا۔ باپ کو لڑکی کے فریب کی خبر تھی نہ اس واقعے کی اطلاع کہ بیٹے کی کیا گت بنی ہے۔ جب بادشاہ نے سنا کہ اس کے بیٹے کی انگوٹھی کھو گئی ہے تو اس نے اس کے قتل کا حکم دے دیا اور اٹھ کر محل میں چلا گیا۔ اتنے میں وزیر اس کے پاس پہنچے اور اسے شہزادے کے قتل سے روک دیا۔ ایک رات بادشاہ نے وزیروں کو بلوایا۔ وہ آئے تو اس نے اٹھ کر ان کا خیر مقدم کیا اور اس بات پر ان کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اس کے بیٹے کو قتل نہ ہونے دیا۔ اسی طرح بیٹے نے بھی انکا شکریہ ادا کی اور کہا کہ تم نے نہایت عمدہ طریقے سے میرے باپ کو مجھے قتل کرنے سے روک لیا' اگر خدا نے چاہا تو میں عنقریب تمہیں اس کا بدلہ دوں گا اور لڑکے نے انہیں انگوٹھی کھو جانے کا سبب بتایا' انہوں نے اسے دعا دی کہ تیری عمر زیادہ ہو اور مرتبہ بڑھے۔ اس کے بعد مجلس برخاست ہو گئی۔

اے بادشاہ' دیکھ عورتیں کیسے کیسے چھل فریب کرتی ہیں اور مردوں کو کس طرح فریب دیتی ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ اپنے بیٹے کے قتل میں باز ایا۔ آٹھویں دن کی صبح ہوئی اور لڑکے کا باپ آ کر بیٹھا تو لڑکا اپنے استاد سندباد کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے آیا اور اس کے آگے زمین چوم کر نہایت میٹھی زبان سے گفتگو کی اور اپنے باپ' اس کے وزیروں' امیروں کی تعریف کی اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ اس مجلس میں امراء' علماء' لشکری اور بڑے بڑے لوگ حاضر تھے' وہ سب شہزادے کی فصاحت اور بلاغت اور شیریں بیانی پر تعجب کرنے لگے۔ بادشاہ بھی بے حد خوش ہوا' اسے قریب بلا کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور اس کے استاد سندباد سے پوچھا کہ میرے بیٹے کے سات دن تک چپ رہنے کی کیا وجہ تھی؟ استاد نے کہا اے میرے مولا بھلائی اس میں تھی کہ وہ بات نہ کرے کیونکہ اس مدت میں مجھے اس کے مارے جانے کا ڈر تھا اور اے میرے آقا' یہ میں اس کی پیدائش کے دن سے جانتا تھا۔ یہ سب باتیں مجھے ستارے سے معلوم ہو گئی تھیں۔ اب بادشاہ کے اقبال سے یہ بلا بھی دور ہو گئی۔ بادشاہ کو بڑی خوشی

ہوئی اور وزیروں سے کہنے لگا اگر میں اپنے بیٹے کو قتل کر دیتا تو یہ گناہ مجھ پر ہوتا یا کنیز پر یا لڑکے کے استاد سند باد پر؟ حاضرین اس کا جواب دینے سے ہچکچائے لیکن

سندباد نے لڑکے سے کہا بیٹا، تو اس کا جواب دے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کی دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چھ سو کے بعد تیسری رات

چھ سو تیسری رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... سندباد نے شہزادے سے کہا بیٹا اس کا جواب تو دے۔ شہزادے نے عرض کیا ایک بار ایک سوداگر کے ہاں کوئی مہمان آیا اور اس نے اپنی لونڈی سے کہا کہ بازار جا کر ایک دیگچی میں دودھ لے آ۔ دودھ خرید کر اپنے آقا کے گھر لوٹ رہی تھی کہ اس کے اوپر سے چیل سانپ کو پنجے میں دبائے ہوئے گزری اور سانپ کے زہر کا ایک قطرہ دیگچی کے اندر جا پڑا۔ لونڈی کو اس کی بالکل خبر نہ ہوئی۔ گھر پہنچی تو اس کے آقا نے دودھ خود بھی پیا اور مہمانوں کو بھی پلایا۔ دودھ ابھی ان کے پیٹ میں پہنچا ہی ہو گا کہ سب کے سب مر گئے۔ اے بادشاہ' اس میں کس کا جرم ہے؟ حاضرین میں سے ایک بولا جرم ان لوگوں کا ہے جنھوں نے پیا۔ دوسرے نے کہا نہیں' بلکہ لونڈی کا جس نے دیگچی کو ڈھانکا نہ تھا۔ لڑکے کے استاد سندباد نے پوچھا بیٹا' تو کیا کہتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ سب کا خیال غلط ہے نہ لونڈی کی اس میں خطا ہے اور نہ ان لوگوں کی بلکہ ان کی روزی ختم ہو چکی تھی اور موت آ پہنچی تھی۔ یہ سن کر حاضرین حیران ہو گئے وہ پکار پکار کر شہزادے کو دعائیں دینے لگے اور اس سے کہ اے ہمارے مولا تو نے ایسا جواب دیا جس کا جواب نہیں' تو اپنے زمانے کا سب سے عالم شخص ہے۔ ان کی یہ بات سن کر شہزادے نے کہا میں تو کوئی بڑا عالم نہیں ہوں' اندھا' بوڑھا' تین برس کا بچہ اور پانچ برس کا بچہ مجھ سے بڑھ کر ہیں۔ حاضرین نے کہا ان تینوں کی کہانی ہمیں سنا جو تجھ سے زیادہ عالم ہیں۔ شہزادے نے کہا کہ:

○ اندھے بوڑھے کی کہانی

میں نے سنا ہے کہ ایک سوداگر بڑا مال دار تھا۔ ملک ملک کا سفر کیا کرتا۔ ایک بار اس نے ایک ملک کا سفر کا ارادہ کیا اور وہاں کے آنے والوں سے پوچھا کہ کس مال میں زیادہ فائدہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ صندل کی لکڑی میں' وہ وہاں بہت مہنگی بکتی ہے۔ سوداگر کے پاس جو کچھ مال تھا اس کے بدلے اس نے صندل کی لکڑی خرید لی اور اس شہر کو روانہ ہو گیا۔ جب وہ شام کے قریب پہنچا تو اس کی ملاقات ایک بڑھیا سے ہوئی جو بھیڑیں لیے جا رہی تھی۔ سوداگر کو دیکھ کر اس نے پوچھا کہ اے شخص! تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں پردیسی تاجر ہوں۔ بڑھیا بولی شہر والوں سے خبردار رہیو کیونکہ وہ چور دغا باز ہیں اور پردیسیوں کو دھوکا دے کر ان کا مال اڑا لیتے۔ بس یہی میری نصیحت تیرے لیے ہے۔ یہ کہہ کر وہ چل دی۔ سویرا ہوا تو شہر والوں میں سے ایک شخص اسے ملا اور اسے سلام کر کے کہنے لگا' اے میرے آقا تو کہاں سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں فلاں شہر سے آیا ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ تجارت کا کیا مال لایا ہے؟ سوداگر نے کہ صندل کی لکڑی کیونکہ میں نے سنا تھا کہ اس کی یہاں بڑی قیمت ہے۔ اس شخص نے کہا جس نے تجھے یہ مشورہ دیا' غلط دیا ہم چولہے میں سوائے صندل کی لکڑی کے اور کچھ نہیں جلاتے۔ ہمارے ہاں صندل اور ایندھن کی ایک قیمت ہے۔ یہ سن کر سوداگر افسوس کرنے اور پچھتانے لگا۔ ایک دل کہتا تھا کہ یہ سچ ہے اور ایک دل جھوٹ۔ اس کے بعد سوداگر شہر کی ایک سرائے میں پہنچا اور صندل لے جا کر چولہے میں ڈالنے لگا۔ جب اس شخص نے یہ دیکھا تو سوداگر سے کہا کیا تو یہ صندل میرے ہاتھ بیچے گا؟ ایک صاع صندل کے بدلے جو چاہے لے لے۔ سوداگر نے کہاں ہاں بیچوں کا وہ شخص اس کا سارا صندل اپنے گھر لے گیا۔

سوداگر نے کہا میں اس کے بدلے تول کر سونا لوں گا۔

صبح ہوئی تو سوداگر شہر میں ٹہلنے کو نکلا اس کے پاس اس شہر کے باشندوں میں ایک نیلی آنکھوں والا شخص آیا جو کانا تھا۔ سوداگر سے لپٹ گیا او کہنے گا کہ تو نے ہی مجھے کانا کیا ہے۔ اب میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ سوداگر نے کہا کہ یہ نا ممکن ہے۔ لوگ

وہاں جمع ہو گئے اور کانے سے کہا کہ اسے کل تک مہلت دے۔ کل وہ تیری آنکھ کی قیمت ادا کر دے گا۔ سوداگر نے اپنی طرف سے ایک ضامن دیا اور اس سے چھٹکارا پایا۔ کانے کی پکڑ دھکڑ میں سوداگر کا جوتا پھٹ گیا تھا۔ اس نے ایک موچی کی دکان پر جا کر کہا اسے گانٹھ دے جو تو کہے گا میں تجھے دوں گا۔ اب وہ وہاں سے آگے بڑھا اس سے نے دیکھا کہ چند لوگ بیٹھے جوا کھیل رہے ہیں۔ وہ بھی وہاں بیٹھ گیا۔ لوگوں نے اس سے بھی جوا کھیلنے کو کہا وہ کھیلنے لگا۔ لوگ جیت گئے اور انہوں نے کہا کہ یا تو سمندر کا سارا پانی پی جا یا جتنی دولت تیرے پاس ہے ہمیں دے دے۔ سوداگر نے دوسرے دن تک کی مہلت مانگی اور غمگینی میں وہ ایک جگہ جا کر ستانے لگا۔ اتنے میں وہی بڑھیا اس کے پاس سے گزری اور اسے دیکھ کر کہنے لگی شاید شہر والوں کے پھندے میں تو آ گیا ہے کیونکہ تو اپنی مصیبت پر رنجیدہ ہے۔ سوداگر نے اسے ساری داستان شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنائی۔ بڑھیا نے کہا کہ صندل کے معاملے میں کسی نے تجھے دھوکا دیا ہے؟ ہمارے ہاں ایک رطل صندل کی قیمت دس دینار ہے۔ اب میں تجھے ایک ترکیب بتاتی ہوں اور امید ہے کہ تو بچ جائے گا۔ وہ یہ ہے کہ فلاں دروازے کے پاس جا۔ وہاں تجھے ایک بوڑھا اندھا بیٹھا ہوا ملے گا جو بڑا ہوشیار اور چالاک ہے۔ تمام لوگ اس کے پاس جا کر مشورہ لیتے ہیں اور وہ انہیں اچھا مشورہ دیتا ہے' وہ دغابازی اور جادو ٹونے سب کچھ ہی جانتا ہے۔ وہ چور بھی ہے اور سب چور رات کے وقت اس کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں تو اپنے قرض داروں سے چھپ کر اس کے پاس جائیو اور اس طرح بیٹھیو کہ وہ تجھے دیکھ نہ سکیں اور تو ان کی تمام باتیں سن سکے۔ وہ انہیں بتائے گا کہ کہ کس کی جیت اور کس کی ہار ہو گی۔ ممکن ہے کہ تو انہی کی ذریعے سے کوئی تدبیر سن لے جس سے تیرا پیچھا تیرے قرض خواہوں سے چھٹ جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چھ سو کے بعد چوتھی رات

چھ سو کے بعد چوتھی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑھیا کی باتیں سن کر سوداگر اس جگہ پہنچا جو اس نے بتائی تھی اور بھیس بدل کر بوڑھے کے پاس جا بیٹھا۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی ہو گی کہ بوڑھے کے ساتھ جو اس سے مشورہ لیا کرتے تھے' آئے اور بوڑھے کے سامنے پہنچ کر آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا اور آس پاس بیٹھ گئے۔ سوداگر نے دیکھا کہ اس کے چاروں قرض خواہ بھی انہیں میں ہیں۔ بوڑھے نے پہلے تو ان کے آگے کھانا پیش کیا پھر ایک ایک کر کے اپنا قصہ سنانے لگے جو انہیں اس روز پیش آیا تھا۔ پہلے صندل والے نے آگے بڑھ کر سنایا کہ میں نے ایک شخص سے ادھار صندل خریدا ہے اور شرط یہ ٹھہری ہے کہ ایک صاع صندل کے عوض وہ جو چاہے گا لے گا۔ بوڑھے نے کہا تیرا دشمن تجھ پر غالب آ گیا۔ اس نے پوچھا کیونکر؟ بوڑھے نے کہا اگر اس نے اسی وزن کا سونا یا چاندی مانگی تو کیا دے گا؟ اس نے کہا' ہاں دوں گا اور پھر بھی میں ہی فائدے میں رہوں گا۔ بوڑھا بولا اچھا اگر اس نے ہم وزن پسو مانگے جن میں سے آدھے نر آدھے مادہ ہوں تو پھر تو کیا کرے گا؟ اب اس شخص کو یقین ہو گیا کہ میں ہار جاؤں گا۔ اس کے بعد کانا ایا اور بوڑھے سے کہنے لگا۔ اے سردار' میں نے آج ایک شخص کو دیکھا جس کی دونوں آنکھیں نیلی تھیں اور وہ پردیسی تھا۔ میں اس سے جھگڑنے لگا اور اس کے پیچھے پڑ گیا کہ تو ہی میری آنکھ لے گیا ہے۔ میں نے اسے اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ لوگوں نے یہ ضمانت نہ لے لی کہ وہ پھر آ کر میری آنکھ کے بارے میں مجھے راضی کرے گا۔ بوڑھے نے کہا اگر وہ تجھ سے جیتنا چاہے تو جیت جائے گا۔ کانے نے پوچھا کس طرح جیت سکتا ہے؟ بوڑھے نے کہا کہ وہ تجھ سے کہے گا کہ تو اپنی آنکھ نکال' میں اپنی آنکھ نکالتا ہوں اور دونوں کو تولتا ہوں۔ اگر میری آنکھ کا وزن تیری آنکھ کے

وزن کے برابر نکلا تو' تو اپنے دعوے میں سچا ہے۔ پھر تجھے اس کی آنکھ کا قصاص دینا پڑے گا اور وہ بالکل اندھا ہو جائے گا مگر وہ اپنی بچی ہوئی آنکھ سے دیکھ سکے گا۔
کانے کی سمجھ میں آ گیا کہ اگر اس شخص نے یہ دلیل پیش کی تو واقعی جیت سکتا ہے۔
اسی طرح موچی نے کہا کہ اے سردار' آج میرے پاس ایک شخص آیا تھا' اس نے مجھ سے کہا کہ میرے جوتے گانٹھ دے۔ میں نے کہا کہ کیا تو مجھے اس کی گٹھوائی نہ دے گا؟ اس نے جواب دیا کہ گانٹھ تو سہی' جو تو مانگے گا دوں گا۔ میں تو بغیر اس کی ساری دولت لیے نہ مانوں گا۔ بوڑھے نے کہا اگر وہ چاہے گا تو اپنے جوتے تجھ سے لے جائے گا اور تجھے ایک ٹکا بھی نہ دے گا۔ موچی نے پوچھا کہ وجہ؟ بوڑھے نے کہا کہ وہ کہے گا کہ بادشاہ کے دشمن بھاگ گئے۔ اس کے مقابل کمزور ہو گئے اور اس کی اولادوں اور مددگاروں کی بہتات ہوئی تو راضی ہے کہ نہیں؟ اگر تو نے کہا کہ میں راضی ہوں تو وہ اپنے جوتے لے کر چلتا ہو گا اور اگر تو نے کہا کہ نہیں تو وہ جوتے لے کر تیرے منہ اور پیٹھ پر خوب مارے گا۔ موچی کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ اس طرح سے ہار جائے گا۔ اس کے بعد جواری بولا اے سردار' آج میں نے ایک شخص کے ساتھ جوا کھیل کر اسے ہرا دیا اور اس سے کہا کہ اگر تو یہ سارا سمندر پی جائے تو میں اپنی ساری دولت تجھے دے دوں گا اور اگر نہ پی سکا تو تو اپنی ساری دولت مجھے دے دیجیو۔ بوڑھے نے کہا اگر وہ جیتنا چاہے تو جیت جائے گا۔ جواری نے پوچھا یہ کیسے؟ بوڑھے نے کہا کہ وہ تجھ سے کہے گا سمندر کا منہ اپنے ہاتھ میں لے کر مجھے دے' میں اسے پی جاؤں گا اور تو یہ نہیں کر سکے گا اور وہ تجھ پر غالب آ جائے گا۔
سوداگر نے یہ باتیں سنیں تو اس کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ اپنے قرض خواہوں کے آگے کیا دلیل پیش کرے گا۔ اب وہ سب اٹھ کر بوڑھے کے پاس سے چلے گئے اور سوداگر بھی روانہ ہوا۔ سویرا ہوا تو وہ شخص پہنچا جس نے سوداگر کے ہاتھ سمندر پی جانے کی شرط کی تھی۔ سوداگر نے کہا کہ سمندر کا منہ مجھے دے' میں اسے پی جاؤں گا۔ جواری

اس کا منہ دیکھنے لگا اور سوداگر بازی لے گیا۔ جواری نے اسے سو دینار دے کر اپنا پیچھا چھڑایا۔ اس کے بعد موچی آیا اور کہا کہ مجھے اتنا دے کہ میں راضی ہو جاؤں۔ سوداگر بولا بادشاہ اپنے دشمنوں پر غالب آ گیا ہے۔ ان کو تباہ کر دیا ہے اور اس کے بال بچوں کی کثرت ہے تو راضی ہے یا نہیں؟ موچی نے کہا ہاں میں راضی ہوں۔ اس پر سوداگر نے اپنے جوتے اٹھائے اور بے دام دیئے وہاں سے چل دیا۔ پھر کانا آیا اور اس نے اپنی آنکھ کا خون بہا مانگا۔ سوداگر نے کہا کہ تو اپنی آنکھ نکال اور میں اپنی نکالتا ہوں۔ دونوں آنکھوں کو ہم تول کر دیکھیں گے' اگر دونوں برابر نکلیں تو تو سچا ہے اور میں خون بہا دے دوں گا۔ کانے نے کہا کہ مجھے جانے دے اور سوداگر سے سو دینار پر راضی نامہ کر کے چلتا بنا۔ اب وہ شخص آیا جس نے صندل مول لیا تھا اور کہنے لگا کہ اپنے صندل کے دام لے لے۔ سوداگر نے پوچھا تو مجھے کیا دینا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ شرط ٹھہری تھی کہ ایک سیر صندل کے بدلے ایک سیر کوئی چیز۔ اگر تو چاہتا ہے تو صندل کے ہم وزن سونا اور چاندی لے لے۔ سوداگر نے کہا کہ میں تو صندل کے برابر پسو لینا چاہتا ہوں جن میں آدھے نر اور آدھے مادہ ہوں۔ اس نے کہ یہ تو میرے اختیار سے باہر ہے۔ اب سوداگر جیت گیا۔ صندل کے خریدار نے صندل بھی واپس دیا اور سو دینار دے کر اپنی جان چھڑائی۔ سوداگر نے صندل لے کر اپنی مرضی کے مطابق بیچا اور اس کے دام لے کر اس شہر سے اپنے وطن روانہ ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو پانچویں رات

چھ سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... سوداگر صندل بیچ کر اس شہر سے اپنے وطن روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد شہزادے نے کہا۔

○ تین سال کے بچے کی کہانی

ایک شخص بڑا بد کار تھا' عورتیں اسے بہت پسند تھیں۔ ایک بار اس نے کسی حسین عورت کی شہرت سنی جو ایک دوسرے شہر میں رہتی تھی۔ وہ تحفے لے کر اس شہر میں پہنچا اور عورت کو ایک خط لکھا کہ مجھے تجھ سے محبت اور عشق ہے۔ اسی عشق کی بدولت میں وطن چھوڑ کر تیرے پاس آیا ہوں۔ عورت نے اسے اپنے پاس آنے کی اجازت دے دی۔ جب وہ اس کے پاس آیا تو وہ سروقد کھڑی ہو گئی۔ اس کی بڑی عزت کی۔ اس کے ہاتھ پاؤں چومے اور کھانے پینے کی ایسی ضیافت کی کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔ اس عورت کا ایک بیٹا تھا جس کی عمر تین سال تھی۔ عورت اسے چھوڑ کر کھانا پکانے میں مشغول ہوئی۔ اس شخص نے کہا کہ چل ہم ساتھ لیٹیں۔ عورت بولی میرا بیٹا بیٹھا ہوا دیکھ رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ تو بچہ ہے' نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ بات کر سکتا ہے۔ عورت نے کہا اگر تجھے یقین ہوتا کہ وہ کیا جانتا ہے تو تو کبھی ایسی بات نہ کرتا۔ بچے کو جب معلوم ہوا کہ چاول پک گئے ہیں تو وہ زور زور سے رونے لگا۔ ماں نے کہا کہ بیٹا' تو کیوں روتا ہے؟ اس نے نے جواب دیا کہ میرے لیے چاول نکال اور ان میں تھوڑا سا مکھن ڈال۔ عورت نے چاول نکال کر اس میں مکھن ڈال دیا۔ بچے نے چاول چکھے اور پھر رونے لگا۔ ماں بولی بیٹا' اب کیوں روتا ہے؟ بچے نے کہا کہ اماں' چاولوں پر شکر ڈال دے۔ مرد غصے میں آ کر کہنے لگا کہ

کیسا منحوس لڑکا ہے! بچے نے جواب دیا منحوس تو ہے' کیونکہ تو شہر بہ شہر سفر کر کے محض زنا کرنے کی خاطر یہاں آیا ہے' اب تو خود سمجھ لے کہ ہم دونوں میں سے کون منحوس ہے۔ اور میرے رونے کی وجہ محض یہ ہے کہ میری آنکھ میں کچھ پڑ گیا تھا جسے میں نے رو کر نکال دیا۔ اس کے بعد چاول' مکھن اور شکر کھائی۔ بچے کی یہ باتیں سن کر وہ شخص بہت شرمندہ ہوا اور اس نصیحت کا اس پر بڑا اثر ہوا۔ اس نے اس عورت کو بالکل ہاتھ نہ لگایا بلکہ فوراً اپنے وطن روانہ ہو گیا اور مرتے دم تک تائب رہا۔ اس کے بعد شہزادے نے پانچ سال کے بچے کی کہانی سنائی۔

○ پانچ سالہ کے بچے کی کہانی

اے بادشاہ! میں نے سنا ہے کہ چار سوداگروں نے ایک ہزار دینار جمع کر کے انہیں ایک تھیلی میں رکھا اور مال خریدنے کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک خوبصورت باغ پڑا۔ تھیلی کو مالن کے سپرد کر کے باغ کی سیر کرنے لگے۔ تفریح کی' کھایا پیا اور لطف اٹھایا۔ نہر جاری تھی۔ ایک شخص نے کہا' میرے پاس خوشبو ہے' آؤ ہم اس بہتے پانی سے سر دھو کر خوشبو لگائیں۔ دوسرا بولا پھر ہمیں کنگھی کی ضرورت ہو گی۔ تیسرا کہنے لگا مالن سے پوچھنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ اس کے پاس کنگھی ہو۔ اتنے میں چوتھا شخص مالن کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تھیلی مجھے دے دے۔ مالن نے جواب دیا کہ میں اس وقت تک نہیں دے سکتی جب سب نہ موجود ہوں یا تیرے ساتھی مجھے اجازت نہ دیں کہ میں تھیلی تجھے دے دوں۔ اس کے ساتھی اتنی دور تھے کہ مالن ان کو دیکھ سکتی اور ان کی باتیں سن سکتی تھی۔ اس شخص نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ مجھے کوئی چیز دینے پر راضی نہ ہوتی۔ ان سب نے کہا دے کیوں نہیں دیتی۔ یہ سن کر مالی نے اسے تھیلی دے دی اور وہ شخص تھیلی لے کر بھاگ گیا۔ جب دیر تک

نہ لوٹا تو انہوں نے مالن کے پاس آ کر کہا کہ تو نے اسے کنگھی کیوں نہ دی؟ وہ بولی اس نے مجھ سے محض تھیلی مانگی تھی اور میں نے اسے تمہاری اجازت سے دے دی۔ مالن کی یہ باتیں سن کر وہ اپنا منہ پیٹنے لگے اور اسے پکڑ کر کہنے لگے ہم نے تو صرف کنگھی دینے کے لیے کہا تھا۔ مالن نے کہا اس نے کنگھی کا تو ذکر بھی نہیں کیا۔ اب وہ اسے لے کر قاضی کے پاس پہنچے اور سارا قصہ بیان کیا۔ قاضی نے کہا کہ تھیلی لا کر دے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجات ملی تھی۔

○○○

• چھ سو کے بعد چھٹی رات

چھ سو کے بعد چھٹی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب قاضی نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے تھیلی لا کر دینی چاہیے تو وہ حیران پریشان وہاں سے نکلی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے۔ وہ اسی پریشانی میں تھی کہ اس کے پانچ سال کے بیٹے کی نظر اس پر پڑی۔ وہ بولا اماں تو ایسی پریشان کیوں نظر آتی ہے؟ ماں نے اسے بچہ سمجھ کر کچھ جواب نہ دیا مگر لڑکے نے پھر پوچھا اور بار بار پوچھنے لگا۔ اب عورت نے کہا کہ باغ میں چند آدمی آئے تھے' انہوں نے ایک ہزار دینار کی تھیلی میرے سپرد کر کے یہ کہا تھا کہ جب تک وہ سب موجود نہ ہوں' وہ تھیلی کسی کو نہ دوں۔ یہ کہہ کر وہ باغ میں سیر کرنے چلے گئے۔ اس کے بعد ان میں سے ایک نے مجھ سے کہا کہ تھیلی دے۔ میں نے کہا کہ جب تک تیرے سب ساتھی نہ آئیں میں نہیں دوں گی۔ اس نے کہا میں نے اجازت لے لی ہے۔ اس پر بھی میں تھیلی دینے پر راضی نہ ہوئے' اس نے چلا کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ مجھے کچھ بھی نہیں دینا چاہتی۔ وہ لوگ مجھ سے دور نہ تھے۔ انہوں نے کہا دے دے۔ میں نے اسے تھیلی دے دی اور وہ اسے لے کر چلتا بنا۔ جب اس کے آنے میں دیر ہوئی تو اس کے ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ تو کنگھی کیوں نہیں دیتی؟ میں نے کہا کہ کنگھی کا تو کوئی ذکر نہ تھا' اس نے فقط تھیلی مجھ سے مانگی تھی۔ اس پر وہ مجھے پکڑ کر قاضی کے پاس لے گئے اور قاضی نے کہا کہ میں تھیلی لا کر دوں۔ بچے نے کہا کہ مجھے مٹھائی کھانے کے لیے ایک درہم دے۔ میں تجھے ایسی رائے دوں گا کہ چھوٹ جائے گی۔ مالن نے اسے ایک درہم دیا اور کہا کہ بتا تو کیا بتانا چاہتا ہے۔ لڑکے نے کہا کہ قاضی کے پاس جا کر کہہ کہ مجھ میں اور ان میں یہ شرط تھی کہ میں انہیں اس وقت تک تھیلی

نہ دوں جب تک چاروں موجود نہ ہوں۔ مالن نے قاضی کے پاس جا کر وہی کہا جو لڑکے نے بتایا تھا۔ قاضی نے ان لوگوں سے کہا کہ اپنے ساتھی کو لے آؤ اور تھیلی لے جاؤ۔ اس سے مالن صاف چھوٹ گئی اور اس کا بال تک بیکا نہ ہوا اور وہ وہاں سے چل دی۔

بادشاہ' وزیروں اور تمام حاضرین نے شہزادے کی باتیں سنیں تو انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ اے ہمارے مولا بادشاہ! تیرا بیٹا دنیا کا سب سے بڑا عالم فاضل شخص ہے اور ان سب نے شہزادے اور بادشاہ کے لیے دعا مانگی۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔ اس کا ماتھا چوما اور پوچھا کہ تیرا اور کنیز کا کیا جھگڑا ہے؟ اس نے خدا اور اس کے نبی کی قسم کھا کر کہا کہ وہ مجھے بد کاری پر آمادہ کرنا چاہتی تھی۔ بادشاہ نے اس کی بات کا یقین کیا اور کہا میں تجھے اس پر حاکم بناتا ہوں۔ خواہ تو اسے قتل کر' خواہ اور کوئی سزا دے۔ وہ بولا کہ اسے شہر بدر کر دے۔ اس کے بعد شہزادے نے اپنے باپ کے ساتھ نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کی یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا ور صحبتوں کو تتربتر کرنے والی موت آ پہنچی۔

یہ بادشاہ' شہزادے' کنیز اور ساتوں وزیروں کی کہانی کی انتہا ہے جو میں نے سنی ہے۔

○ سوداگر زادے جودر اور اس کے بھائیوں کی کہانی

میں نے یہ کہانی بھی سنی ہے کہ عمر نامی ایک سوداگر کے تین بیٹے تھے۔ بڑے کا نام سالم تھا' چھوٹے کا جودر اور منجھلے کا سلیم۔ باپ نے ان کی پرورش کی' یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئے۔ لیکن جودر سے اس کو بہ نسبت باقی دو بھائیوں کے زیادہ محبت تھی۔ جب دونوں بھائیوں کو معلوم ہوا کہ باپ جودر کو زیادہ چاہتا ہے تو انہیں حسد ہوا ور وہ جودر سے نفرت کرنے لگے۔ یہ بات ان کے باپ کو بھی معلوم ہو گئی کہ وہ دونوں

اپنے بھائی سے جلتے ہیں۔ باپ کی عمر زیادہ ہو چکی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ اگر وہ مر گیا تو جودر کے بھائی اسے دق کریں گے۔ اس لیے اس نے کچھ آدمی اپنے خاندان کے کچھ حصہ بخرا کرنے والے لوگ قاضی کی طرف سے اور چند عالم اکٹھے کئے اور اپنا مال و دولت وغیرہ ان کے سامنے رکھ کر کہا کہ ان کے چار برابر حصے شرعی اصول پر کرو۔ ان چار حصوں میں سے اس نے ہر بیٹے کو ایک ایک حصہ دیا اور ایک حصہ خود لے لیا اور کہا کہ یہی میری ساری دولت تھی جو میں نے تقسیم کر دی ہے' اس کے سوا میرے پاس کچھ نہیں اگر میں مر گیا تو ان میں کوئی جھگڑا نہ ہو گا کیونکہ میں نے جیتے جی ہے ان کے درمیان میراث بانٹ دی ہے۔ جو کچھ میرے حصے میں ایا ہے وہ میری بیوی کو ملے گا جو ان کی ماں ہے تاکہ وہ اس سے اپنی اوقات بسر کرے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چھ سو ساتویں رات

چھ سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... سوداگر نے کہا کہ میرا حصہ میری بیوی کو ملے گا تاکہ اس کا کھانا پینا چلے۔ تھوڑے دنوں کے بعد سوداگر کا انتقال ہو گیا۔ دونوں بیٹوں میں سے کوئی اپنے باپ عمر کی تقسیم پر راضی نہ ہوا بلکہ انہوں نے اپنے بھائی جودر سے اور زیادہ مانگنا شروع کیا۔ اور اس سے کہا کہ ہمارے باپ کا اور مال تیرے پاس ہے۔ اسی وجہ سے اسے عدالت میں ان کے خلاف چارہ جوئی کرنی پڑی اور ان مسلمانوں نے جو تقسیم کے وقت موجود تھے' اپنے علم کے موافق گواہی دی۔ منصف نے ان کے درمیان صلح کرا دی۔ لیکن اس مقدمہ بازی میں جودر کا بھی مال بیکار خرچ ہوا اور اس کے بھائیوں کا بھی۔ تھوڑے دنوں تک تو وہ چپ رہے لیکن انہوں نے دوبارہ شرارت کی اور آپس کی مقدمہ بازی میں عدالت والے ان کا بہت مال کھا گئے۔ اسی طرح وہ ایک ظالم حاکم کے پاس سے دوسرے کے پاس جا کر بھائی کی اذیت کے درپے ہوتے خود بھی نقصان اٹھاتے اور اسے بھی نقصان پہنچاتے' یہاں تک کہ تینوں اپنا مال و دولت ظالموں کو کھلا کر قلانچ ہو گئے۔ اب دونوں بھائی ماں کے پاس آئے اور اس کا مال بھی لے گئے۔ صرف مال نہیں لے گئے بلکہ گھر سے نکال دیا۔ وہ اپنے بیٹے جودر کے پاس گئی اور اس سے کہا کہ تیرے بھائیوں نے میرے ساتھ یہ حرکت کی ہے اور میرا مال چھین لے گئے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ انہیں بدعائیں دینے لگی۔ جودر نے کہا اماں جان' انہیں بد دعا نہ دے' خدا ان کی حرکتوں کا بدلہ خود انہیں دے گا لیکن اماں جان' میں بھی اب فقیر ہو گیا ہوں اور میرے بھائی بھی' کیونکہ مقدمہ بازی کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ میں نے ان کے ساتھ عدالت میں بہت مقدمہ بازی کی ہے اور ہمیں اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ جو کچھ ہمارا باپ ہمارے لیے چھوڑ گیا تھا ہم وہ بھی کھو بیٹھے۔ لوگوں میں بھی ہم ذلیل ہوئے۔ کیا تیرے اور ان کے لیے

میں پھر حکام کے پاس جاؤں: یہ ممکن نہیں۔ اب تو یہی ہو سکتا ہے کہ تو میرے ساتھ رہ' جو روٹی میں کھاؤں گا تجھ کو بھی دوں گا۔ میرے لیے دعا کر جو خدا مجھے کھانے کو دیتا ہے تجھے بھی دے گا' انہیں جانے دے' خدا ان کے کرتوتوں کی سزا خود انہیں دے گا۔

وہ اسی طرح اپنی ماں کو تسلی دیتا رہا یہاں تک کہ اسے اطمینان ہو گیا اور وہ اس کے پاس رہنے لگی۔ جودر جال لے کر سمندر یا تالابوں پر یا جہاں کہیں بھی اسے پانی ملتا جاتا اور ہر روز نئی جگہ تلاش کرتا۔ کسی روز دس درہم کماتا کسی روز بیس' کسی روز تیس اور انہیں اپنی ماں پر بھی خرچ کرتا اور خود بھی اچھا کھاتا پیتا لیکن اس کے بھائیوں نے نہ تو کوئی پیشہ کیا نہ خرید و فروخت' ان کے ہاں فاقہ' تکلیف اور مصیبت اور بلا ٹوٹ پڑی کیونکہ جو کچھ انہوں نے اپنی ماں سے چھینا جھپٹا تھا اسے بھی کھا پی کر اڑا دیا۔ ننگ دھڑنگ فقیر ہو گئے۔ کبھی کبھی وہ اپنی ماں کے پاس آتے' اس کی خوشامدیں کرتے اور بھوک کی تکلیف بیان کرتے۔ ماں کا دل مہربان تو ہوتا ہی ہے۔ وہ انہیں بچا کر کھانا کھانے کو دے دیتی۔ اگر اس کے پاس باسی کوئی سالن ہوتا تو وہ کہتی کہ اسے جلدی سے کھا لو اور اپنے بھائی کے آنے سے پہلے چلے جاؤ کیونکہ وہ برا مانے گا' اس کا دل میری طرف سے بھی پھر جائے گا اور تمہاری وجہ سے میں فضیحت میں پڑ جاؤں گی۔ وہ جلدی جلدی کھا پی کر چلتے ہوتے۔ ایک روز جب وہ اپنی ماں کے پاس آئے تو اس نے انہیں روٹی سالن دیا' وہ کھا ہی رہے تھے کہ ان کا بھائی جودر آ پہنچا۔ ماں یہ دیکھ کر شرما گئی' اسے بڑی ندامت ہوئی' ڈری کہ کہیں وہ ناراض نہ ہو اور شرم کے مارے سر جھکا لیا مگر جودر ان سب کے ساتھ نہایت خندہ پیشانی سے پیش آیا اور کہنے لگا اے میرے بھائیو! مرحبا! آج کیسا مبارک دن ہے! کیا بات ہوئی کہ تم نے آج کے دن کو اپنی ملاقات سے مبارک بنایا؟ یہ کہہ کر اس نے انہیں گلے سے لگایا اور بڑی محبت سے پیش آیا اور کہا کہ مجھے کبھی یہ امید نہ تھی کہ تم میرے پاس نہ آؤ گے۔ مجھے چھوڑ دو گے اور مجھ سے اور اپنی ماں سے اتنے دنوں تک

جدا رہو گے۔ وہ بولے بھائی' خدا کی قسم ہم تجھے دیکھنے کو تڑپتے تھے لیکن محض ان باتوں کی شرم کے مارے نہ آئے جو ہمارے اور تیرے درمیان پیش آئی تھیں۔ ہم بہت پچھتا چکے ہیں۔ یہ شیطان کا کام تھا' خدا اس پر لعنت بھیجے! اگر ہمارے لیے کوئی برکت ہے تو تجھ میں اور ہماری ماں میں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- چھو سو آٹھویں رات

چھ سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب جودر اپنے گھر آیا اور اپنے بھائیوں کو دیکھا تو ان کی آؤ بھگت کی اور کہا کہ سوا تمہارے میرے لیے کوئی برکت نہیں۔ اس کی ماں بولی' بیٹا خدا تجھے عزت دے' آبرو سے رکھے' تیری بھلائی اور زیادہ کرے' تیرا مرتبہ اس سے بھی زیادہ ہو! اس نے بھائیوں سے کہا مرحبا! میرے ساتھ رہو' خداوند کریم کے فضل و کرم سے میرے پاس بہت دولت ہے۔ وہ خوش ہو گئے اور انہوں نے شام کا کھانا کھایا۔ رات اسی کے ساتھ بسر کی۔ دوسرے دن ناشتہ کر کے جودر نے اپنا جال لیا اور باب الفتاح چلا گیا۔ اس کے بھائی بھی چل دیئے اور دوپہر تک غائب رہے۔ جب لوٹے تو ماں نے انہیں دوپہر کا کھانا کھلایا۔ شام کے وقت ان کا بھائی گوشت ترکاری لے کر آیا۔ ایک مہینے تک ان کی یہی حالت رہی۔ جودر مچھلیاں لاتا' انہیں بیچتا اور ان کے دام اپنی ماں اور دونوں بھائیوں پر خرچ کرتا' دونوں بھائی کھاتے اور ڈنڈے بجاتے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ جودر جال لے کر سمندر پر گیا۔ اس نے جال پھینکا اور کھینچا تو وہ خالی نکلا۔ دوبارہ ڈالا پھر بھی کچھ نہ آیا۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس جگہ مچھلیاں نہیں۔ دوسری جگہ گیا اور جال پھینکا وہاں بھی محنت بیکار گئی' پھر تیسری جگہ جال ڈالے۔ صبح سے شام تک اسی طرح پھرتا رہا۔ مچھلیاں تو درکنار مچھلی کا یک بچہ تک نہ ملا حیران تھا کہ عجیب بات ہے! کیا مچھلیاں سمندر کو چھوڑ کر چلی گئیں اور کیا بات ہو سکتی ہے؟ اب اس نے جال اپنی پیٹھ پر رکھا' اپنے بھائیوں اور ماں پر افسوس کرتا ہوا غمگین اور غمزدہ گھر لوٹا۔

اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ انہیں آج کس طرح کھانے کو دے گا۔ اتنے میں اس کا گزر ایک تنور کے پاس سے ہوا دیکھا کہ لوگ درہم لیے روٹیاں خریدنے کے لیے

جمگھٹا باندھے کھڑے ہیں اور روٹی والا ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ جودر وہاں ٹھہر گیا اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگا۔ روٹی والے نے کہا مرحبا جودر! کیا بات ہے تو روٹیاں چاہتا ہے؟ جودر چپ رہا۔ روٹی والا بولا اگر تیرے پاس دام نہیں تو جتنی روٹیاں تجھے چاہئیں ادھار لے جا۔ جودر نے کہا کہ مجھے دس ادھنوں کی روٹیاں دے دے۔

اس نے کہا اور دس ادھنیاں نقد بھی لیتا جا' کل بیس ادھنیوں کی مچھلیاں لیتا آئیو۔ جودر روٹیاں اور دس ادھنیاں لے کر چل دیا ۔ گوشت ترکاری خریدی اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ کل میرا مولا میری مشکل آسان کر دے گا۔ گھر پہنچا۔ اس کی ماں نے کھانا پکایا اور کھا کر سو گیا۔ دوسرے دن جب اس نے جال اٹھایا تو ماں کہنے لگی کہ ٹھہر جا ناشتہ کھا کر جائیو۔ اس نے جواب دیا کہ تو اور میرے دونوں بھائی ناشتہ کر لیں۔

یہ کہہ کر وہ سمندر گیا۔ ایک بار جال پھینکا پھر دوسری بار اور پھر تیسری بار۔ جگہیں بدلیں۔ عصر کے وقت تک یہی کرتا رہا لیکن کچھ اس کے ہاتھ نہ لگا اور وہ غمگین جال اٹھا کر چل دیا۔ اس کا راستہ روٹی والے ہی کے سامنے سے گزرتا تھا۔ جب وہ وہاں سے گزرا اور روٹی والے نے اسے دیکھا تو روٹیاں اور درہم گن کر دے دیئے اور کہا کہ انہیں لے جا' اگر آج کچھ نہیں ملا تو کل ملے گا جودر عذر خواہی کرنے والا ہی تھا کہ روٹی والے نے کہا جا عذر خواہی کی ضرورت نہیں' اگر تو نے مچھلیاں پکڑی ہوتیں تو وہ تیرے پاس ہوتیں۔ جب میں نے تجھے خالی دیکھا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ مچھلیاں تیرے ہاتھ نہیں لگیں۔ اگر کل بھی تجھے کچھ نہ ملے تو آ کر روٹیاں لے جائیو اور شرمائیو نہیں۔ میں تجھے ادھار دوں گا۔ تیسرے دن بھی وہ تیسرے پہر تک ایک تالاب سے دوسرے تالاب جاتا رہا لیکن کہیں کچھ نظر نہ آیا اور روٹی والے کے پاس جا کر روٹیاں اور درہم لیے۔

اسی طرح سات دن تک وہ خالی ہاتھ لوٹا کیا۔ بالآخر اس نے تنگ آ کر کہا آج قارون کے تالاب کو چلنا چاہیے۔ وہاں پہنچ کر جال پھینکنے ہی والا تھا کہ یک بہ یک اس کے سامنے مغربی خچر سوار آ پہنچا' اس کا لباس نہایت شاندار تھا۔ خچر کی پیٹھ پر ایک زردوزی

خرجی تھی اور جتنی چیزیں خچر پر تھیں سب زردوزی تھیں۔ مغربی خچر سے اتر کر کہا اے جودر، اے عمر کے بیٹے، السلام علیکم۔ وہ بولا اے میرے آقا حاجی۔ وعلیکم السلام۔ مغربی نے کہا کہ جودر مجھے تجھ سے اک کام ہے اگر تو نے اسے پورا کر دیا تو تجھے بہت دولت ملے گی اور تو میرا دوست بن جائے گا کیونکہ تیری وجہ سے میری ضرورت پوری ہو گی۔ جودر نے کہا اے میرے آقا حاجی، جو تیرا کام ہے کہہ، میں تیری ضرورت پوری کروں گا اور تیری نافرمانی نہ کروں گا۔ مغربی نے کہا فاتحہ پڑھ، دونوں نے فاتحہ پڑھی۔ اس کے بعد مغربی نے ایک ریشم کی ڈوری نکالی اور جودر سے کہا اس سے میری مشکیں خوب مضبوط باندھ کر مجھے اس تالاب میں ڈال دے اور تھوڑی دیر تک انتظار کرتا رہ، اگر تو دیکھے کہ میں نے اپنے ہاتھ پانی سے اوپر نکال دیئے ہیں اور باقی جسم پانی کے اندر ہے جال ڈال کر مجھے فوراً نکال لیجیو اور اگر تو دیکھے کہ میں نے اپنے دونوں پاؤں نکال دیئے تو جان لیجیو کہ مر گیا۔ مجھے چھوڑ دیجیو اور خچر اور خرجی کو لے کر سوق التجار جائیو وہ تجھے سو دینار دے گا۔ انہیں لے لیجیو اور کسی سے یہ بھید نہ کہیو اور وہاں سے چل دیجیو۔ جودر اس کی مشکیں باندھ رہا تھا اور وہ کہتا جاتا تھا کہ اور کس کر باندھ۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اب مجھے لے جا کر تالاب میں ڈال دے۔ جودر نے اسے لے جا کر تالاب میں ڈال دیا اور وہ پانی میں ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد جودر نے اس کے پاؤں باہر نکلتے ہوئے دیکھے اسے یقین ہو گیا کہ وہ مر گیا ہے۔ اب اس نے مغربی کو وہیں چھوڑا اور خچر لے کر سوق التجار گیا۔ باب الحاصل پر ایک یہودی کو ایک کرسی پر بیٹھے دیکھا۔ یہودی نے خچر کو دیکھ کر کہا کہ وہ شخص مر چکا ہے اور اس کے مرنے کی وجہ سوا لالچ کے اور کچھ نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے خچر لے لیا اور جودر کو سو دینار دے دیئے اور کہا کہ بھید نہ کھولیو۔ جودر دینار لے کر چلتا ہوا اور جا کر روٹی والے سے ضرورت کے موافق روٹیاں لیں اور کہا کہ یہ دینار لے۔ اس نے دینار لے کر حساب کیا کہ دو دن کی روٹیاں ابھی اور میری

طرف نکلتی ہیں۔

اور شہزاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو نوویں رات

چھ سو نوویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب روٹی والے نے کہا دینار میں سے ابھی دو دن کی روٹیاں اور میری طرف باقی ہیں۔ تو جودر وہاں سے روانہ ہو کر قصاب کے پاس گیا' ایک دینار دے کر گوشت خریدا اور کہا کہ باقی دام اپنے حساب میں رہنے دے۔ اس کے بعد اس نے ترکاری خریدی اور گھر گیا۔ دیکھا کہ اس کے بھائی ماں سے کھانا مانگ رہے ہیں اور وہ کہہ رہی ہے کہ اپنے بھائی کو آ جانے دو' میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اتنے میں جودر آ گیا اور اس نے کہا کہ لو کھاؤ۔ وہ روٹیوں پر بھوتوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ جودر نے باقی دینار اپنی ماں کو دیئے اور کہا کہ اماں جان' انہیں لے اور جب میرے بھائی آئیں تو انہیں دیجیو تا کہ جب میں نہ ہوں تو وہ بازار سے خرید کر کھانا کھا سکیں۔ یہ کہہ کر وہ سو گیا اور سویرا ہوتے ہی جال لے کر قارون کے تالاب پر پہنچا۔ جال پھینکنا ہی چاہتا تھا کہ ایک اور مغربی خچر پر سوار آ پہنچا جس کے پاس پہلے مغربی سے بھی زیادہ سازو سامان تھا اور جس کی خرجی میں دونوں طرف دو ڈبے تھے۔ اس نے کہا اے جودر السلام علیک۔ جودر نے کہا' وعلیک السلام اے میرے آقا' اے مغربی۔ مغربی نے پوچھا کہ کل یہاں کوئی مغربی آیا تھا جو اس طرح کے خچر پر سوار تھا۔ جودر نے مارے ڈر کے کہا' نہیں' میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ یہ اس نے اس وجہ سے کہا کہ کہیں وہ پوچھ نہ بیٹھے کہ وہ کہاں گیا؟ اگر یہ کہا کہ وہ ڈوب گیا تو ممکن ہے مغربی کہے کہ تو نے ہی اسے تالاب میں ڈبو دیا ہے۔ اس کے لیے سوا انکار کے اسے کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ مغربی نے کہااے مسکین! وہ میرا بھائی تھا اور مجھ سے پہلے آیا تھا۔ جودر نے کہا میں نہیں جانتا۔ مغربی نے کہ کیا تو نے اس کی مشکیں باندھ کر اسے تالاب میں نہیں دھکیل دیا تھا؟ اور کیا اس نے نہیں کہا تھا کہ اگر میرے دونوں ہاتھ باہر نکل آئیں تو جال پھینک

کر مجھے فوراً نکال لیجیو اور اگر پاؤں نکلیں تو مجھے مردہ سمجھیو اور یہ خچر لے کر یہودی شمعیہ کو دے آئیو وہ تجھے سو دینار دے گا؟ اور اس کے پاؤں ہی باہر نکلے اور تو خچر کو لے جا کر یہودی کو دے آیا اور اس نے تجھے سو دینار دیئے۔

جودر نے کہا اگر تجھے یہ سب باتیں معلوم ہیں تو مجھ سے کیوں پوچھتا ہے؟ مغربی نے کہا میں چاہتا ہوں کہ جیسا تو نے میرے بھائی کے ساتھ کیا میرے ساتھ بھی کر۔ یہ کہہ کر اس نے ایک ریشم کی ڈوری نکالی اور کہا کہ میری مشکیں کس کر باندھ اور مجھے تالاب میں ڈال دے۔ اگر میرا بھی وہی حشر ہو جو میرے بھائی کا ہوا تو خچر لے جا کر یہودی کو دے دیجیو! اور اس سے سو دینار لے لیجیو۔ جودر نے کہا آگے آ۔ جودر نے اس کی مشکیں کس کر باندھیں اور اسے دھکیل دیا۔ وہ تالاب میں گر کر ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جودر کو اس کی ٹانگیں دکھائی دیں۔ اس نے کہا مردود مر گیا۔ خدا کرے کہ ہر روز ایسے ہی مغربی آئیں' میں ان کی مشکیں باندھوں اور وہ مر جائیں۔ اگر ہر مردے سے مجھے سو دینار ملیں تو وہ میرے لیے کافی ہیں۔ اس کے بعد وہ خچر کو لے کر چل دیا۔ یہودی نے اسے دیکھ کر کہا کہ وہ بھی مر گیا؟ جودر نے کہا خدا تیرا سر سلامت رکھے! یہودی بولا کہ لالچیوں کا حشر یہی ہوتا ہے اور جودر سے خچر لے کر اسے سو دینار دے دیئے۔ وہ ان دیناروں کو لئے ہوئے اپنی ماں کے پاس گیا اور اسے دے دیئے۔ ماں نے کہا بیٹا' یہ دینار تو کہاں سے لایا ہے؟ جودر نے اس سے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ ماں نے کہا کہ خبردار! اب کبھی قارون کے تالاب پر نہ جائیو میں ڈرتی ہوں کہ کہیں مغربیوں سے تجھے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ اس نے کہا اماں جان' میں انہیں بغیر ان کی مرضی کے تالاب میں نہیں پھینکتا' اس کے سوا میں کیا کر سکتا ہوں! اب تو میرا پیشہ یہ ہو گیا ہے جس سے میں ہر روز دینار سو دینار کماتا ہوں۔ اور جلد واپس آ جاتا ہوں۔ خدا کی قسم میں قارون کے تالاب کا جانا اس وقت نہ چھوڑوں گا جب جب کہ سارے مغربی ختم نہ ہو جائیں اور ان

میں سے ایک بھی باقی نہ رہے۔ تیسرے دن وہ پھر وہیں پہنچا دیکھا کہ ایک مغربی خچر سوار چلا آتا ہے۔ اس کے پاس بھی ایک خرجی ہے لیکن وہ پہلے دونوں مغربیوں سے بڑھ کر آراستہ و پیراستہ ہے۔ مغربی نے کہا اے جودر' اے عمر کے بیٹے' السلام علیک۔ جودر نے اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ سب مجھے کہاں سے پہچانتے ہیں۔ اور سلام کا جواب دیا۔ مغربی نے پوچھا کہ کیا یہاں پہلے بھی مغربی آ چکے ہیں؟ جودر نے کہا کہ ہاں دو آ چکے ہیں۔ مغربی نے پوچھا ان کا کیا حشر ہوا؟ جودر نے کہا میں نے ان کی مشکیں باندھ کر اس تالاب میں ڈال دیا اور وہ ڈوب گئے۔ اب تیرا بھی یہی حشر ہونے والا ہے۔ مغربی نے ہنس کر اے مسکین' ہر زندہ کی موت کا وقت مقرر ہے۔ پھر وہ خچر سے اتر پڑا اور جودر سے کہا کہ میرے ساتھ بھی وہی کرجو تو نے ان دونوں کے ساتھ کیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ریشم ایک ڈوری نکالی۔ جودر نے کہا کہ اپنے ہاتھ پیچھے کر میں جلدی سے تیری مشکیں باندھ دوں' مجھے جلدی ہے اور دیر ہو رہی ہے۔ مغربی نے اپنے ہاتھ پیچھے کر دیئے' جودر نے مشکیں باندھ کر اسے بھی دھکیل دیا اور وہ تالاب میں جا پڑا۔ جودر انتظار کرنے لگا' دیکھا کہ مغربی نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کر دیئے اور جودر سے کہا اے مسکین' جال پھینک۔ جودر نے جال پھینک کر اسے کھینچ لیا۔ دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھوں میں دو مچھلیاں ہیں جن کے رنگ مونگے کی طرح لال ہیں۔ اس نے جودر سے کہا کہ دونوں ڈبوں کو کھول۔ جودر نے دونوں ڈبے کھول دیئے۔ مغربی نے ہر ڈبے میں ایک ایک مچھلی ڈال کر اس کا منہ بند کر دیا۔ اس کے بعد اس نے جودر کو سینے سے لگا لیا' اس کے دہنے اور بائیں رخساروں پر بوسہ دیا اور کہا کہ خدا تجھے ہر بلا سے محفوظ رکھے! اگر تو نے جال پھینک کر مجھے نکال نہ لیا ہوتا تو میں پانی کے اندر پڑے پڑے اتنی دیر تک دونوں مچھلیوں کو پکڑے رہتا کہ مر جاتا کیونکہ میں خود پانی سے نکلنے کے قابل نہ تھا۔ جودر نے کہا اے میرے آقا حاجی' خدا کے واسطے مجھے ان دونوں کا قصہ جو ڈوب گئے ہیں اور دونوں مچھلیوں کا راز اور یہودی کا ماجرا تو بتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو دسویں رات

چھ سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جودر نے مغربی سے اصل ماجرا پوچھا تو اس نے کہا اے جودر' سن جو دو شخص ڈوب چکے ہیں وہ میرے بھائی

تھے۔ ایک کا نام عبدالسلام' دوسرے کا عبدالاحد تھا اور میرا نام عبدالصمد ہے۔ یہودی ہمارا بھائی ہے اور اس کا نام عبدالرحیم ہے۔ وہ یہودی نہیں بلکہ مسلمان ہے اور مالکی مذہب کا۔ ہمارے باپ نے ہمیں فال کھولنا اور خزانے دریافت کرنے کا جادو سکھایا۔ ہم نے اتنے چلے کھینچے کہ جن اور دیو ہمارے قبضے میں آ گئے۔ ہم چار بھائی ہیں۔ ہمارے باپ کا نام عبدالودود تھا۔ وہ ہمارے لیے بہت کچھ چھوڑ کر مرا جسے ہم نے آپس میں تقسیم کر لیا لیکن ایک کتاب کے متعلق جس کا نام اساطیر الاولین ہے ہم میں جھگڑا پڑ گیا۔ اس کتاب کا جواب دنیا میں نہیں اور کوئی شخص اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتا کیونکہ اگر اسے ہیرے جواہرات میں بھی تولا جائے تو وہ بھی کم ہیں۔ اس میں تمام خزانوں کا ذکر ہے اور ساری فالیں لکھی ہوئی ہیں۔ ہمارا باپ اس کی بنا پر جادو ٹونے کیا کرتا تھا' ہم نے بھی اس میں سے تھوڑا سا زبانی یاد کر لیا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک اس کتاب کو چاہتا تھا تا کہ جانے کہ اس میں کیا ہے؟ جب ہم بھائیوں میں جھگڑا ہونے لگا تو ہمارے پاس ہمارے باپ کا استاد آیا' جس نے اس کی تعلیم و تربیت کی تھی اور اسے جادو ٹونا سکھایا تھا۔ اس کا نام کہین ابطن ہے۔ اس نے کہا' تم لوگ میرے بیٹے کی اولاد ہو۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ تم میں سے کسی کے ساتھ بھی ناانصافی ہو۔ تم میں سے جو اس کتاب کو لینا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ جا کر شمردل کا خزانہ لائے اور آسمانی دائرہ' سرمے کی سلائی' انگوٹھی اور تلوار لے کر میرے پاس آئے۔ انگوٹھی کے تابع ایک جن ہے اس کا نام رعد قاصف ہے جس کے پاس یہ انگوٹھی ہو گی اس پر کسی بادشاہ یا سلطان کا زور نہیں چلے گا اگر وہ چاہے کہ دنیا کی لمبائی چوڑائی

پر حکومت کرے تو وہ کر سکتا ہے۔ تلوار کی یہ خاصیت ہے کہ اگر کوئی اسے میان سے نکال کر چلانا شروع کرے تو فوج کی فوج بھاگ جائے اور اگر تلوار ہلا کر وہ کہے کہ اس لشکر کا خاتمہ کر دے تو اس میں سے بجلی کی تیزی سے آگ نکل کر سارے لشکر کو جلا ڈالے گی۔ آسمانی دائرے کی تعریف یہ ہے کہ اس کا مالک پورب سے لے کر پچھم تک تمام ملکوں کو دیکھ سکتا ہے اور بیٹھے بیٹھے سب کی سیر کر سکتا ہے۔ وہ جس طرح دیکھنا چاہے ادھر دائرے کو گھما دے اور اس میں دیکھے تو اسے اس طرح کی ساری دنیا دکھائی دینے لگے گی حتیٰ کہ وہاں کے باشندے بھی۔ اسے ایسا معلوم ہو گا کہ وہ سب اس کے سامنے ہیں۔ اگر وہ کسی شہر کی تباہی چاہے اور اس دائرے کو سورج کی طرف پھیر دے تو وہ جل جائے گا۔ سلائی میں یہ کرامت ہے کہ جو اس سے سرمہ لگائے تو اسے زمین کے تمام خزانے دکھائی دینے لگیں گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ جو شخص اس خزانے پر قبضہ نہ کر سکے اسے اس کتاب کے لینے کا کوئی حق نہیں۔ ہم سب نے یہ شرط مان لی اور اس نے کہا اے میرے بچو! یہ سن لو کہ شمردل کا خزانہ لال بادشاہ کی اولاد کے ماتحت ہے اور تمہارے باپ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ اس نے اس خزانے کے کھولنے کے لیے چلے کھینچے ہیں لیکن وہ اسے کھول نہ سکا اور لال بادشاہ کی اولاد بھاگ کر مصر کے ایک تالاب میں جا چھپی جس کا نام قارون کا تالاب ہے۔ چونکہ وہ تالاب طلسم کے ماتحت ہے اس لیے وہ ان کا کچھ نہ کر سکا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو گیارہویں رات

چھ سو گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... کہیں ابطن نے یہ خبریں سنا کر کہا کہ تمہارا باپ ہار کر لوٹ آیا اور لال بادشاہ کی اولاد کا خزانہ اس کے ہاتھ نہ لگا۔ اس ناکامی کے بعد اس نے میرے پاس آکر اپنا دکھڑا رویا اور میں نے زائچہ کھینچ کر اسے بتایا۔ یہ خزانہ صرف ایک مصری لڑکے کے سامنے کھل سکتا ہے جس کا نام جودر بن عمر ہے۔ اسی کے وسیلے سے لال بادشاہ کی اولاد گرفتار ہو سکتی ہے وہ لڑکا ماہی گیر ہو گا اور قارون کے تالاب پر ملے گا۔ یہ جادو اس وقت تک نہیں ٹوٹ سکتا جب تک کہ جودر جس کی قسمت میں یہ خزانہ ہے اس کی مشکیں باندھ کر اس تالاب میں ڈال نہ دے اور لال بادشاہ کی اولاد سے نہ لڑے جس کی قسمت زبردست ہو گی۔ وہ لال بادشاہ کی اولاد کو گرفتار کر لے گا اور جو تقدیر کا ہیٹا ہو گا وہ ہلاک ہو جائے گا' اس کے پاؤں پانی سے نکلیں گے اور یہ بھی شرط ہے کہ جودر جال پھینک کر اسے تالاب سے نکال لے۔ میرے بھائیوں نے کہا کہ ہم جائیں گے خواہ ہلاک ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ میں نے کہا میں بھی جاؤں گا لیکن میرا جو بھائی یہودی کے بھیس میں ہے اس نے کہا کہ مجھے اس کی پروا نہیں اس لیے ہم نے اس سے یہ فیصلہ کیا کہ وہ یہودی تاجر کا بھیس بدل کر مصر جائے تاکہ اگر ہم میں سے کوئی تالاب کے اندر مر جائے تو وہ جودر سے خچر اور خرچی لے کر اسے سو دینار دے دے۔ جب پہلا شخص تیرے پاس آیا تو لال بادشاہ کی اولاد نے اسے مار ڈالا۔ یہ حال میرے دوسرے بھائی کا بھی ہوا لیکن مجھ پر ان کا کچھ بس نہ چلا اور میں نے انہیں پکڑ لیا۔ جودر نے پوچھا کہ کہاں ہیں وہ جنہیں تو نے پکڑا ہے؟ مغربی نے کہا تو نے دیکھا نہیں کہ میں نے انہیں دونوں ڈبوں میں بند کر دیا ہے جودر بولا وہ تو مچھلیاں ہیں۔ مغربی نے کہا مچھلیاں نہیں بلکہ مچھلیوں کی شکل میں جن ہیں۔ لیکن اے جودر' سن خزانے کا کھلنا

تیری ہی صورت دیکھ کر ہو سکتا ہے کیا تو میری درخواست منظور کر کے میرے ساتھ فاس اور مکناس کے شہروں تک چلے گا تاکہ ہم خزانے کو کھولیں؟ جو کچھ تو مانگے گا ہم تجھے دیں گے' خدا کے سامنے تو ہمیشہ میرا بھائی رہے گا اور جب تو اپنے بال بچوں کے پاس لوٹے گا تو تیرا دل خوش ہو گا۔ جودر نے کہا اے میرے آقا حاجی' میرے اوپر ماں اور دو بھائیوں کا بوجھ ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو بارہویں رات

چھ سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جودر نے مغربی سے کہا کہ میری گردن پر ماں اور دو بھائیوں کا بوجھ ہے کیونکہ میں ہی انہیں کھانے پینے کو دیتا ہوں۔ اگر میں تیرے ساتھ چلا گیا تو کون انہیں کھانے کو دے گا! مغربی کہنے لگا یہ تو کوئی ایسی وجہ نہیں، اگر خرچے ہی کا سوال ہے تو میں تجھے ایک ہزار دینار دیتا ہوں، تو انہیں اپنی ماں کو دے دے اور جب تک تو نہ لوٹے وہ انہیں خرچ کرے۔ اگر تو گیا بھی تو چار مہینے کے اندر اندر لوٹ آئے گا۔ جودر نے ایک ہزار کا نام سنا تو بولا کہ حاجی، لا ایک ہزار دینار۔ میں انہیں ماں کو دے کر تیرے ساتھ چلتا ہوں۔ مغربی نے ایک ہزار دینار نکال کر دے دیئے۔ جودر انہیں لے کر اپنی ماں کے پاس گیا اور سارا ماجرا بیان کیا جو اس کے اور مغربی کے درمیان پیش آیا تھا اور کہا کہ لے یہ ہزار دینار اور انہیں اپنے اور میرے دونوں بھائیوں کے اوپر خرچ کر، میں مغربی کے ساتھ مراکش جاتا ہوں۔ چار مہینے تک میں واپس نہیں آؤں گا اور جب آؤں گا تو بہت مال و دولت لے کر آؤں گا۔ اے ماں، میرے لیے دعا کر۔ ماں نے کہا کہ بیٹا، تو مجھے اکیلا چھوڑ کر جاتا ہے اس کے علاوہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تجھے تکلیف کا سامنا نہ ہو۔ جودر نے کہا کہ اماں جان، جو خدا کی پناہ میں ہو۔ اسے ڈر کا ہے کا! مغربی بہت اچھا آدمی ہے۔ الغرض وہ اس کی بڑی تعریف کرتا رہا۔ ماں نے کہا خدا اسے تجھ پر مہربان رکھے! اچھا بیٹا اس کے ساتھ جا ممکن ہے کہ اس سے تجھے کچھ مل جائے جودر ماں سے رخصت ہو کر چل دیا۔

جب مغربی عبد الصمد کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا کہ ماں سے اجازت لے لی ہے؟ جودر نے کہا ہاں اور اس نے مجھے دعا دی ہے۔ مغربی نے کہا میرے پیچھے سوار ہو جا، وہ اس کے پیچھے خچر کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور دونوں ظہر سے لے کر عصر تک چلتے

رہے۔ جودر کو بھوک معلوم ہونے لگی مگر اس نے دیکھا کہ مغربی کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں۔ مغربی سے وہ بولا اے میرے آقا حاجی' شاید تو راستے کے لیے کھانا لانا بھول گیا؟ مغربی نے کہا کیا تجھے بھوک لگی ہے؟ جودر نے کہا ہاں۔ اب مغربی اور جودر دونوں خچر سے اتر پڑے اور مغربی نے کہا کہ خرجی اتار۔ جودر نے خرجی اتاری۔ مغربی نے پوچھا بھائی تو کیا چیز چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جو کچھ بھی ہو۔ مغربی نے کہا کہ خدا کے لیے بتا تو سہی کہ تجھے کس کھانے کی خواہش ہے؟ اس نے جواب دیا کہ روٹی اور پنیر۔ مغربی نے کہا اے مسکین' روٹی اور پنیر تیری شان کے خلاف ہے' کوئی عمدہ چیز مانگ۔ جودر نے کہا اس وقت مجھے کچھ مل جائے وہی عمدہ ہے۔ مغربی بولا کیا تو سرخ تلا ہوا چوزہ چاہتا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ مغربی نے کہا چاول اور شہد؟ اس نے کہا ہاں۔ مغربی نے کہا فلاں فلاں کھانا؟ یہاں تک کہ وہ چوبیس کھانوں کے نام لے گیا۔ جودر اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ شخص پاگل معلوم ہوتا ہے' جتنے کھانوں کے اس نے نام لیے ہیں انہیں وہ لائے گا کہاں سے! نہ تو اس کے پاس باورچی خانہ ہے نہ باورچی' لیکن کہہ دے کہ بس کافی ہے۔ اس نے مغربی سے کہا' کافی ہے تو مجھے کھانوں کا لالچ دلاتا ہے مجھے کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ مغربی نے جودر سے کہا مرحبا! اور خرجی میں ہاتھ ڈال کر ایک سونے کا طباق نکالا جس میں دو سرخ تلے ہوئے گرم گرم چوزے تھے پھر اس نے دوبارہ ہاتھ ڈال ڈال کر پورے چوبیس کھانے نکال لیے جن کا اس نے ذکر کیا تھا۔ جودر یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ مغربی نے کہا اے مسکین کھا۔ جودر نے کہا اے میرے آقا تیری خرجی میں پورا باورچی خانہ اور کھانا پکانے والے لوگ موجود ہیں۔ مغربی ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ یہ خرجی جادو کی ہے اس کے ماتحت ایک جن ہے' اگر ہم ہر گھڑی ہزار کھانے بھی مانگیں تو وہ جن لا کر انہیں فوراً حاضر کر دے گا۔ جودر نے کہا کہ کیسی اچھی خرجی ہے! پھر دونوں نے پیٹ بھر کا کھانا کھایا اور بچا کھچا پھینک کر خالی طباق خرجی میں ڈال دیئے۔ اس کے بعد مغربی نے اس میں ہاتھ ڈال کر لوٹا نکالا اور دونوں نے پانی پیا' وضو کیا' عصر کی نماز پڑھی اور لوٹے

کو پھر کجی میں ڈال دیا اور دونوں ڈبے بھی اس میں رکھ کر خچر پر رکھ دیا اور دونوں سوار ہو کر چل دیئے۔
مغربی نے جودر سے پوچھا کہ تجھے معلوم ہے کہ ہم نے مصر سے یہاں تک کتنی راہ طے کی ہے؟ جودر نے کہا واللہ مجھے معلوم نہیں۔ مغربی بولا پورے ایک مہینے کی۔ جودر نے پوچھا یہ کیسے؟ اس نے کہا اے جودر سن' یہ خچر جس پر ہم سوار ہیں جن ہے جو ہر روز ایک سال کی راہ طے کرتا ہے۔ محض تیری خاطر وہ آہستہ چلا ہے۔ اب وہ دونوں سوار ہو کر مغرب تک چلا گئے۔ جب شام ہوئی تو مغربی نے شام کا کھانا خرجی میں سے نکالا۔ صبح کو ناشتہ۔ وہ چار دن تک اس طرح چلتے رہے۔ آدھی رات تک وہ سفر کرتے اور اتر کر سو جاتے اور صبح ہوتے ہی چل دیتے جودر کو جس چیز کی ضرورت ہوتی وہ مغربی سے مانگتا اور وہ اسے خرجی میں سے نکال کر دے دیتا۔ پانچویں دن وہ فاس و مکنا پہنچ گئے۔ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو جو کوئی مغربی کو دیکھتا اسے سلام کرتا اور اس کا ہاتھ چومتا۔ آخر وہ اکی دروازے پر پہنچے اور مغربی نے دستک دی۔ دروازہ کھلا۔ اس میں سے ایک لڑکی نکلی جو چاند کی طرح خوبصورت تھی۔ مغربی نے کہا اے رحمت' اے میری بیٹی! ہمارے لیے محل کھول دے۔ لڑکی نے کہا سر آنکھوں پر ابا جان اور وہ کولہے مٹکاتی ہوئی اندر گئی۔ اسے دیکھ کر جودر کے ہوش جاتے رہے' وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ ضرور کوئی شہزادی معلوم ہوتی ہے۔ لڑکی نے محل کھولا اور مغربی نے خچر پر سے خرجی اتار کر اس سے کہا کہ اب تو جا' خدا تیرا بھلا کرے! اتنے میں زمین پھٹی' خچر اس میں سما گیا اور زمین پھر ویسی کی ویسی۔ جودر نے کہا یا ستار! شکر ہے خدا کا کہ ہم اس کی پیٹھ پر نہ تھے۔ مغربی بولا اے جودر تعجب نہ کر۔ میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ یہ خچر جن ہے! اب ہمارے ساتھ محل کے اندر چل۔ محل کے اندر داخل ہوئے تو جودر کو وہاں اتنی قالینیں' قیمتی چیزیں اور ہیرے جواہرات کے ہار دکھائی دیئے کہ وہ دنگ رہ گیا۔ دونوں بیٹھ گئے تو مغربی نے لڑکی سے کہا اے رحمت فلاں بقچہ لے آ۔ لڑکی اٹھی اور اس نے بقچہ لا کر باپ کے سامنے رکھ دیا۔ مغربی

نے اسے کھول کر اس میں اسے ایک جوڑا کپڑوں کا نکالا جس کی قیمت ایک ہزار دینار ہو گی اور جودر سے کہا کہ پہن' خدا مبارک کرے! جودر نے اسے پہن لیا وہ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کوئی مغربی بادشاہ۔ اب مغربی نے خرجی کو اپنے آگے رکھ کر اس میں ہاتھ ڈالا اور مختلف کھانوں کی رکابیاں نکالنی شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ دسترخوان پر چالیس قسم کے کھانے چن دیئے۔ مغربی نے کہا اے میرے مولیٰ' آگے آ' کھا اور تکلف چھوڑ دے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی ار اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چھ سو تیرہویں رات

چھ سو تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- مغربی نے جودر سے کہا کہ کھانا کھا اور خاطر مدارات میں اگر کوتاہی ہو تو معاف کر' مجھے معلوم نہیں کہ تجھے کون کون سا کھانا پسند ہے۔ جو تجھے پسند ہو مجھ سے کہہ میں فوراً حاضر کر دوں گا۔ جودر نے کہا اے میرے آقا حاجی واللہ مجھے تمام کھانے پسند ہیں' جو تیرا جی چاہے منگوا۔ جودر بیس دن تک مغربی کے ہاں ٹھہرا رہا۔ مغربی اسے ہر روز نیا جوڑا کپڑوں کا پہناتا اور خرجی میں سے کھانا نکال کر کھلاتا' نہ گوشت روٹی بازار سے خریدتا نہ کھانا پکاتا بلکہ جس چیز کی ضرورت ہوتی خرجی میں سے نکال لیتا حتیٰ کہ طرح طرح کے میوے بھی۔ اکیسویں دن مغربی نے جودر سے کہا اٹھ' آج کا دن شمردل کا خزانہ کھولنے کے لے مقرر ہے۔ جودر اٹھ کھڑا ہوا اور دونوں شہر کے باہر تک پیدل گئے پھر وہ دونوں ایک خچر پر سوار ہوئے اور ظہر کے وقت تک چلا کئے۔ ایک چشمے کے پاس پہنچ کر عبدالصمد اتر پڑا اور جودر سے بھی اترنے کو کہا۔ اس کے بعد عبدالصمد نے دو غلاموں کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ چلو۔ دونوں غلام خچروں کو لے کر مختلف راستوں پر چل دیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے ایک غلام ایک خیمہ لے کر آیا اور اسے لگایا' دوسرا فرش لایا اور اسے خیمے میں بچھایا' چاروں طرف گاؤ تکیے لگائے۔ اس کے بعد ان میں سے ایک غلام جا کر دونوں ڈبے جن میں مچھلیاں تھیں اور دوسرا خرجی لے آیا۔ مغربی نے جودر سے کہا آ۔ جودر آ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ مغربی نے خرجی میں سے کئی قسم کے کھانے رکابیوں میں نکالے اور دونوں نے انہیں کھایا۔

اس کے بعد مغربی نے دونوں ڈبوں پر کچھ پڑھ کر پھونکا۔ ڈبوں کے اندر سے آوازیں آنے لگیں کہ اے دنیا کے جادوگروں کے استاد' ہم حاضر ہیں' ہم پر رحم کر وہ دہائیاں مانگتے جاتے اور مغربی اپنی پڑھنت پڑھے جاتا تھا یہاں تک کہ دونوں ڈبے ٹکڑے ٹکڑے

ہو گئے' ان کے ٹکڑے ادھر ادھر اڑنے لگے۔ ان میں سے دو شخص نکلے جن کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں اور جو کہہ رہے تھے کہ اے دنیا کے جادوگروں کے استاد رحم کر۔ تو ہمارے ساتھ آخر کیا کرنا چاہتا ہے؟ مغربی نے جواب دیا' میں چاہتا ہوں کہ تمہیں آگ میں جلا دوں ورنہ تم مجھ سے وعدہ کرو کہ شمردل کا خزانہ کھول دو گے۔ انہوں نے کہا ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تیرے لیے خزانہ کھول دیں گے مگر اس کے لیے یہ شرط ہے کہ تو جودر ماہی گیر کو یہاں حاضر کرے کیونکہ یہ خزانہ محض اس کے سامنے کھل سکتا ہے اور سوائے جودر بن عمر کے کوئی اس کے اندر نہیں جا سکتا۔ مغربی نے کہا جس شخص کا تم ذکر کر رہے ہو اسے میں لے آیا ہوں وہ یہاں موجود ہے اور تمہاری باتیں سن رہا ہے اور تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ سن کر ان دونوں نے خزانہ کھولنے کا وعدہ کر لیا اور مغربی نے ان کی مشکیں کھول دیں۔ پھر اس نے ایک ڈنڈا اور سرخ عقیق کی کئی کشتیاں نکالیں اور انہیں ڈنڈے پر رکھ کر ایک انگیٹھی لی' کوئلے رکھ کر ایک پھونک ماری اس میں آگ جل اٹھی۔ اب اس نے خوشبوئیں لا کر جودر سے کہا کہ میں منتر پڑھنا اور خوشبو ڈالنا شروع کرتا ہوں۔ جب میں پڑھنے لگوں تو بولیو نہیں ورنہ جادو کا اثر جاتا رہے گا۔ آ میں پہلے تجھے سکھا دوں کہ مراد حاصل ہونے کے لیے تجھے کیا کرنا چاہیے جودر بولا اچھا سکھا دے۔ مغربی نے کہا سن۔ جب میں منتر پڑھ کر خوشبو ڈالوں گا تو چشمے کا پانی سوکھ جائے گا اور تجھے ایک سونے کا دروازہ دکھائی دے گا جو شہر کے دروازے کے برابر ہو گا اور جس میں قیمتی دھات کے دو کنڈے لگے ہوں گے تو اس دروازے کے پاس جائیو اور آہستہ سے کھٹکھٹائیو اور تھوڑی دیر ٹھہر کر پھر ذرا زور سے کنڈی بجائیو۔ پھر تھوڑی دیر تیسری بار دستک دیجیو۔ جب تیسری بار کھٹکھٹا چکے گا تو کسی کی آواز یہ سنائی دے گی کہ خزانوں کا دروازہ کون کھٹکھٹا رہا ہے؟ بولنے والے کو یہ خبر نہ ہو گی کہ راز کھل گیا ہے۔ تو جواب میں کہیو کہ میں ہوں عمر کا بیٹا جودر اور ماہی گیر۔ یہ کہتے ہی دروازہ کھل جائے گا اور ایک شخص تلوار لے

کر نکلے گا اور تجھ سے کہے گا کہ اگر تو وہی شخص ہے تو اپنی گردن آگے کر تا کہ تیرا سر اڑا دوں۔ تو اپنی گردن آگے کر دیجیو۔ ڈریو نہیں کیونکہ جب وہ تلوار اٹھا کر آگے بڑھے گا تو فوراً تیرے سامنے گر پڑے گا اور تجھے معلوم ہو جائے گا کہ وہ بے جان پتلا ہے' تجھے کوئی تکلیف نہ پہنچے گی نہ کوئی نقصان لیکن اگر تو نے اس کا کہنا نہ مانا تو وہ تجھے مار ڈالے گا۔ جب تو اس کا حکم مان کر اس کے جادو کا توڑ کر چکے تو اندر جائیو۔ تجھے ایک اور دروازہ دکھائی دے گا' تو دروازے پر بھی دستک دیجیو ایک سوار نکلے گا جس کے شانے پر نیزہ ہو گا' وہ تجھ سے کہے گا کہ تو کیسے یہاں آیا جہاں نہ انسان کا گزر ہو سکتا ہے نہ جنات کا؟ اور تجھ پر نیزہ چلائے گا' تو اپنا سینہ آگے کر کے اس پر وار لیجیو' وہ فوراً گھوڑے سے گر پڑے گا اور تو دیکھے گا کہ وہ بھی بے جان پتلا ہے۔ اگر تو اس کی مخالفت کرے گا تو وہ تجھے مار ڈالے گا۔ آگے چل کر جب تیسرے دروازے میں گھسے گا تو ایک آدمی تیر کمان لیے ہوئے آئے گا اور تجھ پر تیر چلائے گا اس کے لیے بھی اپنا سینہ سپر کر دیجیو۔ اور جونہی تیر تیرے لگے گا وہ آدمی بے جان ہو کر گر پڑے گا اور اگر تو نے اس کی مخالفت کی تو وہ تجھے مار ڈالے گا۔ اس کے بعد چوتھے دروازے کے اندر جائیو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو چودہویں رات

چھ سو چودہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ مغربی نے جودر سے کہا کہ چوتھے دروازے پر جا کر وہاں دستک دیجیو۔ دروازے کھلتے ہی ایک بڑا شیر نکل کر تیرے اوپر جھپٹے گا اور اپنا منہ اس طرح کھولے گا کہ گویا وہ تجھے کھا جانا چاہتا ہے تو ڈریو نہیں نہ بھاگیو بلکہ جب وہ تیرے پاس پہنچے تو اپنا ہاتھ اس کے منہ میں دے دیجیو' وہ فوراً اگر پڑے گا اور تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس کے بعد پانچویں دروازے میں جائیو' ایک حبشی غلام تیرے پاس نکل کر آئے گا اور کہے گا کہ تو کون ہے؟ کہیو کہ میں جودر ہوں۔ وہ کہے گا کہ اگر تو واقعی جودر ہے تو چھٹا دروانہ کھول کر دکھا۔ تو دروازے کے پاس جا کر کہیو اے عیسیٰ موسیٰ سے کہہ کر دروازے کھول دے۔ اس پر دروانہ کھل جائے گا' اندر جا کر تو دو اژدہے دیکھے گا' ایک دہنی طرف دوسرا بائیں طرف۔ دونوں اپنے اپنے منہ کھول کر تیری طرف جھپٹیں گے۔ تو دونوں ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیجیو۔ دونوں ایک ایک ہاتھ کاٹ کھائیں گے۔ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو وہ تجھے ہلاک کر ڈالیں گے۔ اس کے بعد ساتویں دروازے پر جا کر دستک دیجیو۔ وہاں سے تیری ماں نکل کر تجھ سے کہے گی کہ بیٹا' مرحبا' آگے آ کہ میں تجھے سلام کروں' تو کہیو کہ بس مجھ سے دور ہی رہ اور اپنے کپڑے اتار ڈال۔ وہ کہے گی کہ بیٹا میں تیری ماں ہوں' میں نے تجھے دودھ پلایا ہے اور پالا پوسا ہے تو مجھے کاہے کو ننگا کر رہا ہے' تو کہیو کہ اگر تو نے اپنے کپڑے نہ اتارے تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ یہ کہہ کر تو اپنے داہنی طرف دیکھیو تجھے دیوار پر ایک تلوار لٹکی نظر آئے گی۔ اسے اتار کر کھینچ لیجیو اور اس کی طرف بڑھیو کہیو کہ اتار۔ وہ بڑی خوشامد کر کے تجھے دھوکا دینا چاہے گی مگر تو اس پر رحم نہ کھائیو۔ اس کا ایک کپڑا بھی باقی رہے تو کہیو کہ اسے بھی اتار ڈال۔ اسے ڈراتا رہیو کہ میں تجھے قتل کر

دوں گا یہاں تک کہ اس کے سارے کپڑے اتر جائیں اور وہ گر پڑے۔ اس کے بعد تمام طلسم ٹوٹ جائے گا۔ سحر بیکار ہو جائیں گے اور تجھے کسی بات کا ڈر باقی نہ رہے گا۔ پھر تو اندر جائیو۔ وہاں تجھے کوٹھڑی کے اندر سونے کے ڈھیر دکھائی دیں گے مگر ان کی طرف بالکل توجہ نہ کیجیو۔ خزانے کے صدر میں تجھے ایک کوٹھڑی دکھائی دے گی۔ جس پر پردہ پڑا ہو گا۔ جب تو پردہ اٹھائے گا تو وہاں تجھے جادوگر شمردل دکھائی دے گا وہ سونے پر بیٹھا ہوا ہو گا اور اس کے سر پر ایک چیز ہو گی جو چاند کی طرح چمک رہی ہو گی' اسی کا نام آسمانی دائرہ ہے۔ شمردل تلوار لٹکائے ہو گا۔ اس کی انگلی میں ایک انگوٹھی ہو گی اور گردن میں ایک زنجیر جس میں ایک سلائی بندھی ہو گی بس انہی چاروں چیزوں کو لیتا آئیو اور خبردار! جو کچھ میں نے کہا ہے انہیں بھولیو نہیں نہ ان کے خلاف کوئی کام کیجیو ورنہ پچھتائے گا بلکہ اس میں تیری جان کا بھی خطرہ ہے۔

مغربی نے اپنی باتیں دوسری' تیسری اور چوتھی بار دہرائیں یہاں تک کہ جودر نے کہا کہ مجھے سب یاد ہو گئی ہیں مگر اتنی طاقت کس میں ہے کہ وہ ان تمام طلسمات کا مقابلہ کر سکے جو تو نے بیان کیا اور ان ڈراؤنی صورتوں سے نہ ڈرے! مغربی نے کہا اے جودر ڈر نہیں وہ سب بے جان پتلے ہیں۔ اسی طرح وہ جودر کو تسلی دیتا رہا حتیٰ کہ اس نے کہا کہ اچھا میں خدا پر بھروسہ کر کے جاتا ہوں۔ اب مغربی عبدالصمد دیر تک خوشبوئیں ڈالتا اور منتر پڑھتا رہا' اتنے میں پانی ہٹ گیا اور چشمے کی تھاہ دکھائی دینے لگی اور خزانے کا دروازہ نظر آیا۔ جودر اتر کر دروازے کے پاس گیا اور دستک دی' کسی نے اندر سے پوچھا خزانوں کا دروازہ کون کھٹکھٹاتا ہے حالانکہ اسے جادو توڑنا معلوم نہیں؟ اس نے جواب دیا میں ہوں جودر بن عمر۔ اب دروازہ کھل گیا ایک شخص ننگی تلوار لیے اس میں سے نکل کر جودر کی طرف بڑھا اور کہا کہ گردن آگے کر۔ جودر نے گردن آگے کر دی اس نے گردن پر وار کیا اور گر پڑا۔ یہی حشر دوسرے دروازے کا ہوا یہاں تک ساتوں دروازے کے جادو ٹوٹ گئے اور اس کی ماں نکل آئی اور کہا

کہ بیٹا سلامتی ہو تجھ پر۔ جودر نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں تیری ماں ہوں' میں نے نو مہینے تیرا بوجھ اٹھایا ہے پھر دودھ پلایا اور پالا پوسا ہے۔ جودر نے کہا اپنے کپڑے اتار ڈال۔ اس نے کہا تو' تو میرا بیٹا ہے۔ مجھے کاہے کو ننگا کرتا ہے؟ جودر بولا کہ اتار ورنہ میں تلوار سے تیرا سر اڑا دوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھ میں تلوار لی۔ اس کی طرف بڑھا اور کہا کہ اگر تو نہ اتارے گی تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ دیر تک دونوں میں تو تو میں ہوتی رہی۔ جب جودر نے اسے بہت ڈانٹا ڈپٹا تو اس نے کچھ کپڑے اتار دیئے۔ جودر نے کہا کہ باقی بھی اتار۔ اس پر وہ جھگڑتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے کچھ اور کپڑے بھی اتار دیئے۔ جودر ڈانٹ ڈپٹ کر رہا تھا اور وہ کہتی جاتی کہ بیٹا' تربیت تیرے اوپر برباد ہو گئی۔ اب سوا ایک کرتے کے کچھ باقی نہیں رہا۔ عورت نے کہا بیٹا' کیا تیرا دل پتھر ہو گیا ہے کہ تو میری شرم گاہ بھی ننگی کرانا چاہتا ہے' بیٹا کیا یہ حرام نہیں؟ جودر نے کہا تو سچ کہتی ہے' اچھا کرتہ نہ اتار۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ عورت نے بلند آواز سے کہا کہ اس نے غلطی کی' اسے مارو اور اس پر مینہ کی بوندوں کی طرح مار پڑنے لگی اور خزانے کے نوکروں نے جمع ہو کر اتنے کوڑے مارے کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ نوکر اسے دھکیل کر خزانے کے دروازے کے باہر پھینک آئے' تو مغربی نے اسے فوراً اٹھا لیا اور تالاب کا پانی چڑھ کر پہلے کی طرح ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو پندرہویں رات

چھ سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب دروازے بند ہو گئے اور پانی چڑھ کر پہلے کی طرح ہو گیا تو مغربی عبدالصمد نے اٹھ کر جودر پر کچھ پڑھ کر پھونکا اور اس کی بے ہوشی جاتی رہی' مغربی نے کہا اے مسکین' تو نے کیا کیا؟ جودر نے جواب دیا۔ میں نے تمام طلسمات توڑ دیئے اور اپنی ماں کے پاس پہنچا۔ میرے اور اس کے درمیان دیر تک تو تو' میں میں ہوتی رہی اور اے بھائی! وہ اپنے کپڑے اتارتی چلی جاتی یہاں تک کہ صرف نیچے کی قمیص باقی رہ گئی۔ اس نے کہا کہ مجھے پشیمان نہ کر کیونکہ برہنہ ہونا میرے لیے حرام ہے۔ میں نے اس پر مہربانی کی اور قمیص رہنے دی۔ اتنے میں اس نے چلا کر کہا کہ اس نے غلطی کی' اسے مارو۔ معلوم نہیں کہاں سے لوگ آ پڑے۔ انہوں نے مجھے اتنے کوڑے مارے کہ میں مرتے مرتے بچا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے نکال باہر کیا۔

مجھے معلوم نہیں کہ مجھ پر کیا گزری۔ مغربی بولا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ مخالفت نہ کیجیو' تو نے میرے ساتھ بھی برائی کی اور اپنے ساتھ بھی۔ اگر وہ اپنی قمیص اتار ڈالتی تو ہماری مراد حاصل ہو گئی تھی۔ اب سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ تو اگلے سال تک یہاں ہمارے ساتھ ٹھہرے اور آج ہی کے دن کا انتظار کرے۔ یہ کہہ کر اس نے دونوں غلاموں کو آواز دی کہ جلدی کرو۔ انہوں نے خیمے اتار کر لاد لیے۔ اور تھوڑی دیر کے لیے غائب ہو کر خچر لیے ہوئے آئے۔ دونوں سوار ہو کر اس کے شہر کو گئے۔ جودر مغربی کے گھر رہا اور اچھی اچھی چیزیں کھائیں۔ مغربی اسے ہر روز ایک نئی پوشاک پہننے کو دیتا یہاں تک کہ سال ختم ہوا اور وہی دن آ گیا۔ مغربی نے کہا کہ آج ہی وہ مقررہ دن ہے' ہمارے ساتھ چل' جودر نے کہا اچھا' مغربی اسے شہر کے باہر لے گیا۔ وہاں وہی دونوں غلام دو خچر لیے موجود تھے۔ مغربی اور جودر سوار

ہو کر چشمے کے پاس پہنچا۔ غلاموں نے خیمے لگا کر ان میں فرش کیا۔ مغربی نے دسترخوان بچھایا' دونوں نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد اس نے پہلے کی طرح ڈنڈا اور تختیاں نکالیں آگ جلا کر خوشبوئیں جلائیں اور کہا' اے جودر میں چاہتا ہوں کہ تجھے سمجھا دوں۔

جودر نے کہا اے میرے آقا حاجی اگر میں کوڑوں کی مار بھول جاؤں تو تیری سمجھائی ہوئی باتیں بھی بھول جاؤں' مغربی نے کہا تجھے سب باتیں خوب یاد ہیں؟ جودر نے کہا ہاں۔ مغربی نے کہا اپنی جان بچائیو اور نہ سمجھیو کہ وہ عورت تیری ماں ہے' وہ محض جادو کا پتلا ہے جو تیری ماں کی شکل کا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ تجھے بہکائے۔ پہلی بار تو تو زندہ نکل آیا لیکن اگر اس مرتبہ بھی تو نے غلطی کی تو وہ لوگ تجھے قتل کر کے پھینک دیں گے۔ جودر نے کہا اگر میں پھر غلطی کروں تو اس قابل ہوں کہ وہ مجھے جلا کر بھسم کر دیں۔
اب مغربی نے خوشبوئیں جلا جلا کر منتر پڑھنے شروع کیے۔ چشمہ سوکھ گیا اور جودر نے جا کر دروازے پر دستک دی۔ وہ کھل گیا۔ اسی طرح طلسمات کو توڑتا ہوا اپنی ماں کے پاس پہنچا' اس نے کہا بیٹا' مرحبا۔ جودر نے کہا میں کہاں سے تیرا بیٹا ہوا اے ملعونہ' اتار اپنے کپڑے۔ عورت اسے دھوکا دیتی اور ایک ایک کر کے کپڑے اتارتی رہی یہاں تک کہ سوا کرتے کے کچھ باقی نہ رہا۔ جودر نے کہا اے ملعونہ اسے بھی اتار۔ بالآخر اس نے اسے بھی اتار ڈالا اور بے جان پتلا بن کر رہ گئی۔ اندر جا کر اس نے دیکھا کہ سونے کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں مگر ان کی طرف بالکل توجہ نہ کی' کوٹھڑی کے اندر چلا گیا دیکھا کہ جادوگر شمردل تلوار لگائے بیٹھا ہے۔ انگلی میں انگوٹھی ہے۔ سینے پر سلائی اور سر پر آسمانی دائرہ' جودر نے بڑھ کر تلوار لے لی۔ انگوٹھی' آسمانی دائرہ اور سلائی لے کر باہر نکل آیا۔ اتنے میں نوبت بجنے لگی۔ نوکر چاکر آ کر کہنے لگے کہ اے جودر مبارک ہو وہ چیزیں جو تجھے ملی ہیں؟ نوبت اس وقت تک بجتی رہی جب تک وہ کوٹھڑی سے نکل کر مغربی کے پاس نہ آ گیا۔ اب مغربی نے منتر پڑھا اور خوشبو جلانی بند کر دی اور اٹھ کر جودر کو سینے سے لگا لیا۔ اسے سلام کیا۔ جودر

نے اسے چاروں چیزیں دے دیں۔ اس نے انہیں لے کر غلاموں کو آواز دی' وہ خیمے لے کر چلتے ہوئے اور خچر لے کر لوٹے۔ دونوں سوار ہو کر فاس پہنچے۔ مغربی نے خرجی

لا کر اس میں سے طرح طرح کے کھانے نکالے۔ ان کے سامنے دسترخوان بھر گیا۔
اس نے کہا اے بھائی' اے جودر کھا۔ اس نے اتنا کھایا کہ اس کا پیٹ بھر گیا۔ بچا کھچا کھانا دوسرے برتنوں میں کر کے خالی برتن اس نے پھر خرجی میں ڈال دیئے۔ اس کے بعد مغربی نے جودر سے کہا اے جودر ہماری وجہ سے تو نے اپنا گھر بار چھوڑا اور ہماری ضرورت پوری کی' اب مانگ کیا مانگتا ہے' خدا تجھے دے گا اور میں اس کا سبب بنوں گا۔ اپنی مراد مانگ اور شرما نہیں کیونکہ تیرا حق ہے۔ جودر نے کہا میں خدا سے اور اس کے بعد تجھ سے مانگتا ہوں کہ مجھے یہ خرجی دے دے۔ مغربی نے کہا اچھا یہ خرجی لے تو اس کا مستحق ہے۔ اگر تو کچھ اور مانگتا تو میں وہ بھی تجھے دے دیتا لیکن اے مسکین' اس خرجی کے ذریعے تو صرف تیرا کھانا پینا چل سکتا ہے۔ ہم تجھے اور ایک خرجی دیں گے جو سونے اور جواہرات سے بھری ہو گی۔ اور تجھے تیرے وطن پہنچا دیں گے' تو تاجر ہو جائے گا' اپنے بال بچوں کو کھلا پہنا سکے گا اور تجھے کسی کام کرنے کی ضرورت نہ پڑے گی کیونکہ تو اور تیرے بال بچے اس خرجی سے کھائیں گے۔
اس کا عمل یوں ہے کہ تو اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھائے اور کہے کہ اے اس خرجی کے موکل' میں تجھے خدا کے بڑے ناموں کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ فلاں کھانا لا اور جو کھانے تو مانگے گا وہ مل جائیں گے خواہ تو ہر روز کھانے کیوں نہ مانگے۔
اب مغربی نے ایک غلام بلوایا جس کے پاس ایک خچر تھا اور ایک خرجی لے کر اس کے ایک طرف سونا اور دوسری طرف ہیرے جواہرات بھرے اور جودر سے کہا کہ سوار ہو اور یہ غلام تجھے راہ بتانے کے لیے آگے آگے چلے گا اور تجھے تیرے گھر کے دروازے تک پہنچا آئے گا۔ گھر پہنچ کر تو دونوں خرجیاں اتار لیجیو اور خچر غلام کو واپس دے دیجیو تاکہ وہ اسے یہاں لے آئے اور کسی سے اپنا بھید نہ کہیو۔ جا اب تجھے خدا کو سونپا جودر نے کہا خدا تیری بھلائیوں میں برکت دے! جودر دونوں خرجیاں خچر کی پیٹھ

پر رکھ کر اس پر سوار ہو گیا۔ غلام آگے آگے چلتا رہا اور خچر اس کے پیچھے پیچھے۔ دن بھر اور رات بھر چلا گیا۔ دوسرے دن صبح کو وہ باب النصر میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ اس کی ماں وہاں بیٹھی کہہ رہی ہے کہ خدا کے واسطے کچھ دیتا جا۔ یہ دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے۔ وہ خچر پر سے اتر پڑا اور ماں سے لپٹ گیا۔ ماں اسے دیکھ کر رونے لگی۔ اس نے ماں کو خچر پر سوار کر دیا۔ خود اس کی رکاب تھام کر پیدل چلنے لگا اور دونوں گھر پہنچے۔ اس نے ماں کو اتارا' دونوں خرجیاں لے کر خچر کو غلام کو حوالے کر دیا۔ غلام اسے لے کر اپنے آقا کے پاس چلا گیا' غلام بھی جن تھا اور خچر بھی۔

جودر کو اس بات سے سخت تکلیف ہوئی کہ اس کی ماں اور بھیک مانگے! گھر پہنچ کر اس نے پوچھا کہ بھائی تو خیریت سے ہیں؟ ماں نے جواب دیا خیریت سے ہیں۔ جودر نے کہا تو راستے میں بھیک مانگ رہی تھی؟ وہ بولی بیٹا' بھوک کے مارے جودر نے کہا جانے سے پہلے میں نے تجھے ایک دن سو دینار دیئے' دوسرے دن پھر سو دینار اور جس روز میں روانہ ہوا ہوں اس روز ہزار دینا دے گیا تھا۔ ماں نے کہا بیٹا' تیرے دونوں بھائی مجھے دھوکا دے کر سب لے گئے اور مجھ سے کہا ہم ان سے تجارت کا مال خریدنا چاہتے ہیں۔ دینار لے کر انہوں نے مجھے گھر سے نکال دیا اور میں بھوک سے تنگ آ کر گلی کوچوں میں بھیک مانگنے لگی۔ جودر نے کہا ماں گھبرا نہیں' اب میں آ گیا ہوں تجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ اس خرجی میں سونا اور جواہرات ہیں۔ ماں نے کہا بیٹا' تو بڑا نیک بخت ہے' خدا تجھ سے خوش رہے اور تجھ پر اپنا فضل و کرم رکھے! بیٹا اٹھ اور میرے لیے روٹی لا' کل رات سے میں نے کچھ نہیں کھایا اور ساری رات بھوکی رہی ہوں۔ جودر نے ہنس کر کہا اماں جان' مرحبا جو تو کھانا چاہتی ہے مانگ فوراً حاضر کروں گا۔ بغیر بازار جائے یا کسی سے کھانا پکوائے۔ ماں نے کہا بیٹا! مجھے تیرے پاس کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ وہ بولا میرے پاس خرجی میں تمام کھانے ہیں۔ ماں نے کہا کہ جو چیز موجود ہو گی اس سے پیٹ بھر لوں گی۔ جودر نے کہا کہ تو سچ کہتی

ہے۔ اگر کوئی چیز موجود نہ ہو تو انسان تھوڑی سے تھوڑی چیز پر قناعت کر سکتا ہے لیکن اگر سب کچھ موجود ہو تو انسان کو چاہیے کہ ان میں سے بہترین چیز پسند کرے۔ میرے پاس سب چیزیں موجود ہیں۔ اس لیے جو تیرا جی چاہے مانگ۔ ماں نے کہا بیٹا' گرم روٹی اور پنیر کا ایک ٹکڑا۔ جودر نے کہا یہ تیری شان سے بعید ہے۔ ماں نے کہا اگر تجھے میری شان کی خبر ہے تو میری شان کے مطابق تو ہی کھانا کھلا۔ جودر نے کہا تیری شان کے مطابق یہ چیزیں ہیں: بھنا ہوا گوشت' تلے ہوئے کھیرے' چاولوں سے بھری ہوئی بھیڑیں اور پسلیوں کا گوشت' سویاں جن پر میوہ چھڑکا ہوا ہو۔ مکھیوں کا شہد' مٹھائیاں اور بقلاوہ۔ ماں سمجھی کہ وہ اس کا مذاق اڑاتا ہے اور اس سے دل لگی کرتا ہے۔ کہنے لگی کہ واہ! واہ! تجھے کیا ہو گیا ہے؟ تو خواب دیکھ رہا ہے یا پاگل ہو گیا ہے؟ جودر نے کہا تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں پاگل ہو گیا ہوں؟ ماں نے کہا اس لیے کہ تو' تمام عمدہ عمدہ کھانوں کے نام لیتا ہے مگر انہیں خریدنے کے دام کس کے پلے ہیں اور انہیں کون پکانا جانتا ہے! جودر نے کہا تیرے سر کی قسم میں تجھے ابھی وہ تمام کھانے کھلا کر چھوڑوں گا جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔ ماں نے کہا مجھے تو کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ جودر نے کہا۔ خرجی لا۔ ماں نے خرجی لا کر اسے ٹٹولا وہ خالی تھی اور جودر کے آگے کر دیا۔ جودر اس میں ہاتھ ڈالتا جاتا اور قابیں نکالتا جاتا یہاں تک کہ اس نے وہ تمام کھانے نکال کر رکھ دیئے جن کا ذکر اس نے کیا تھا۔ ماں نے کہا بیٹا! خرجی تو ذرا سی ہے پھر وہ خالی بھی' اس میں کچھ بھی نہ تھا اور تو نے اس میں سے یہ ساری چیزیں نکال لیں' آخر یہ تمام رکابیاں تھیں کہاں؟ جودر نے کہا اماں جان' سن! یہ خرجی مجھے اس مغربی نے دی ہے' یہ طلسماتی خرجی ہے' اس کے تابع ایک جن ہے۔ جب اس میں سے کوئی شخص کچھ لینا چاہے تو ایک منتر پڑھ کر کہے اے اس خرجی کے موکل مجھے فلاں کھانا دے اور وہ حاضر کر دے گا۔ ماں نے کہا کیا میں بھی ہاتھ ڈال کر کوئی چیز مانگ سکتی ہوں؟ جودر نے کہا ہاتھ بڑھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کہا اے اس خرجی کے موکل خدا کے ناموں کے طفیل میں مجھے چاولوں سے بھرا

ہوا پسلی کا گوشت لا دے۔ اس نے ایک قاب کو خرجی میں آتا ہوا دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر اسے لے لیا دیکھا کہ اس میں سچ مچ بھرا ہوا پسلی کا عمدہ گوشت ہے۔ پھر اس نے روٹیاں اور طرح طرح کے کھانے مانگے۔

جودر نے کہا اماں جان کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بچا کھچا کھانا دوسری رکابیوں میں ڈال کر خالی برتن خرجی میں ڈال دیا کیجیو کیونکہ اس کا یہی قاعدہ ہے اور خرجی کو حفاظت سے رکھیو۔ ماں خرجی کو لے کر حفاظت سے رکھ آئی۔ جودر نے کہا اماں جان' سن اس بھید کو اپنے تک رکھیو اور ظاہر نہ کیجیو جب تجھے کسی چیز کی ضرورت ہو' خرجی سے نکال لیجیو اور خیرات کیجیو' میرے بھائیوں کو کھلائیو خواہ میں موجود ہوں یا نہ ہوں۔ اب وہ دونوں اس طرح نکال نکال کر کھایا کرتے تھے کہ ایک دن اس کے دونوں بھائی پہنچے۔ انہیں پڑوسن کے ایک لڑکے سے خبر ملی تھی کہ تمہارا بھائی آ گیا ہے اور جب وہ آیا تھا تو خچر پر سوار تھا اور ایک غلام آگے آگے تھا' اس کا لباس ایسا تھا جس کا جواب نہیں۔ یہ سن کر وہ آپس میں کہنے لگے کاش ہم نے ماں کے ساتھ برا برتاؤ نہ کیا ہوتا! اس نے ضرور بھائی کو ہماری حرکتوں کی خبر کر دی ہو گی۔ اس کے آگے ہمیں اب کیسی ندامت اٹھانی پڑے گی! ایک نے کہا کہ ہماری ماں بڑی رحمدل ہے اگر اس نے کہہ بھی دیا ہو گا تو ہمارا بھائی اس سے بھی زیادہ رحم دل ہے۔ جب ہم معافی مانگیں تو وہ معاف کر دے گا۔ چنانچہ وہ دونوں جودر کے پاس پہنچے۔ جودر کھڑا ہو گیا۔ بڑے تپاک سے سلام کیا اور کہا بیٹھو اور کھانا کھاؤ۔ وہ بیٹھ کر کھانے لگے۔ چونکہ وہ مارے بھوک کے کمزور ہو گئے تھے۔ انہوں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ اس کے بعد جودر نے کہا بھائیو' بچا کھچا کھانا فقیروں اور مسکینوں کو بانٹ دو۔ انہوں نے کہا بھائی' رہنے دے' ہم اسے شام کو کھائیں گے۔ جودر بولا شام کو تمہیں اس سے بھی زیادہ ملے گا۔ اب وہ بچا کھچا کھانا لے کر نکلے اور جو فقیران کے پاس سے گزرتا۔ اس سے کہتے کہ لے کھا' یہاں تک کہ کچھ باقی نہ رہا اور انہوں نے خالی رکابیاں واپس لا کر دیں۔ جودر نے ماں سے کہا کہ ان رکابیوں کر خرجی میں ڈال دے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو سولہویں رات

چھ سو سولہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جودر نے ماں سے کہا کہ خالی برتنوں کو خرجی میں ڈال دے۔ شام کے وقت وہ کوٹھڑی میں گیا اور خرجی میں سے چالیس قسم کے کھانے لا کر دسترخوان پر چن کر اپنے بھائیوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پھر ماں سے کہا کہ شام کا کھانا لا۔ ماں نے اندر جا کر دیکھا کہ رکابیاں بھری ہوئی رکھی ہیں' دسترخوان بچھا کر اس نے کھانا شروع کیا یہاں تک کہ چالیسوں پورے ہو گئے۔ سب کھانا کھا چکے تو جودر نے کہا باقی کھانا لے جا کر فقیروں اور مسکینوں کو کھلا آؤ۔ بھائی اسے لے جا کر تقسیم کر آئے۔ عشاء کے بعد اس نے مٹھائیاں نکال کر انہیں دیں اور کہا کھاؤ اور جو باقی رہے' پڑوسیوں کو کھلا آؤ۔ دوسرے روز ناشتے کے وقت بھی اس نے یہی کیا۔ دس دن تک یہی حالت رہی۔ اس کے بعد سالم نے سلیم سے کہا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ ہمارا بھائی صبح کے وقت ہماری دعوت کرتا ہے' پھر دوپہر کو' پھر شام کو اور پھر رات کو مٹھائی نکال کر دیتا اور جو کچھ بچ رہتا ہے' غریبوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ یہ تو بادشاہی شان ہے' اسے یہ خوش بختی کہاں سے میسر آئی؟ آخر اس سے پوچھا جائے کہ کھانے اور مٹھائیاں کہاں سے آتی ہیں اور جو بچ رہتا ہے' غریبوں اور فقیروں میں بانٹ دیا جاتا ہے؟ نہ تو ہم نے کبھی اسے کچھ خریدتے دیکھا ہے' نہ آگ جلاتے' نہ اس کا کوئی باورچی ہے نہ باورچی خانہ' بھائی نے کہا خدا کی قسم میری سمجھ میں نہیں آتا لیکن تو بتا سکتا ہے کہ اس بھید کا کس طرح پتا چل سکے گا؟ اس نے جواب دیا اگر کسی سے پتا چل سکتا ہے تو ماں ہے۔

ایک دن وہ ایک چال سوچ کر جودر کی ماں کے پاس گئے اور کہا کہ اماں ہمیں بھوک لگی ہے۔ ماں نے کہا حاضر ہے اور کمرے میں جا کر خرجی کے موکل سے گرم گرم

کھانا مانگ کر لے آئی۔ بیٹوں نے کہا اماں' یہ کھانا تو ہے مگر تو نے نہ آگ جلائی نہ پکایا؟ ماں نے کہا یہ کھانا خرجی میں سے نکلا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کیسی خرجی ہے؟ ماں نے کہا طلسمی ہے جو کوئی اس سے کوئی چیز مانگتا ہے۔ اسے کوئی منتر پڑھنا پڑتا ہے۔ انہوں نے کہا بھید پوشیدہ رہے گا لیکن اماں اس کی ترکیب تو ہمیں بتا۔ ماں نے ترکیب بتا دی اور انہوں نے ہاتھ بڑھا بڑھا کر جو چاہا اس میں سے نکال لیا اور ان کے بھائی کو اس کی بالکل خبر نہ ہوئی۔

جب انہیں خرجی کی کرامت معلوم ہو چکی تو سالم نے سلیم سے کہا بھائی! ہم یہاں جودر کے نوکر بن کر اس کی خیرات کھائیں گے' چل کسی تدبیر سے وہ خرجی اڑا لیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ سلیم نے کہا کس ترکیب سے؟ سالم نے کہا جودر کو بحر سویس کے رئیس کے ہاتھ بیچ ڈالیں گے۔ سلیم نے کہا کہ بیچنے کی کیا صورت ہو گی؟ سالم بولا ہم دونوں رئیس کے پاس چلیں گے اور اس کی مع اس کے دو ساتھیوں کی دعوت کریں گے۔ جو کچھ میں جودر سے کہوں تو اس کی تصدیق کرتا جائیو اور دیکھیو کہ پہلی رات میں کیا کرتا ہوں۔ بھائی کے بیچنے پر اتفاق کر کے وہ بحر سویس کے رئیس کے پاس پہنچے اور کہا کہ اے رئیس' ہم تیرے پاس ایک کام سے آئے ہیں جس سے تو خوش ہو جائے گا۔ رئیس نے کہا خیریت ہے۔ انہوں نے کہا ہم دونوں بھائی ہیں' ہمارا ایک بھائی اور ہے جو بالکل نکما اور ناکارہ ہے۔ جب ہمارا باپ مرا تو وہ ہمارے لیے بہت کچھ چھوڑ گیا تھا' ہم نے اسے آپس میں تقسیم کر لیا اور جو اس بھائی کا حصہ تھا اسے مل گیا لیکن اس نے اسے بدکاری میں صرف کر دیا۔ وہ قلانچ ہو گیا تو آ کر ہمارے سر پر سوار ہوا۔ حکام کے پاس نالش کی اور ہم پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا اور میرے باپ کا مال لے گئے' ہمیں بھی مجبوراً چارہ جوئی کرنی پڑی اور ہمارا بہت سا مال ضائع ہو گیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد اس نے پھر مقدمہ بازی شروع کر دی۔ یہاں تک ہمارے پاس کچھ نہ رہا۔ پھر بھی وہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ ہم اس سے دق آ گئے

ہیں۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ اسے تیرے ہاتھ بیچ ڈالیں۔ رئیس نے کہا تم کسی ترکیب سے اسے یہاں لا سکتے ہو؟ میں اسے پکڑ کر فوراً سمندر میں بھیج دوں گا۔ انہوں نے کہا' اسے یہاں لانا تو ہمارے لیے نا ممکن ہے لیکن تو ہمارا مہمان بن اور دو شخصوں کو اور اپنے ساتھ لیتا آ۔ جب وہ سو جائے گا تو ہم پانچوں مل کر اسے پکڑ لیں گے' اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیں گے تو اسے راتوں رات لے کر چلتا بنیو پھر جو چاہیو اس کے ساتھ کیجیو۔ رئیس نے کہا بڑی خوشی کے ساتھ لیکن کیا تم اسے چالیس دینار میں بیچنا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا' ہاں۔ عشاء کے بعد فلاں محلے میں آئیو۔ ہم میں سے ایک تیری راہ دیکھ رہا ہو گا۔ رئیس نے کہا اچھا جاؤ۔

اب وہ دونوں بھائی جودر کے پاس گئے' تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد سالم نے بڑھ کر اس کا ہاتھ چوما۔ جودر نے کہا کیا بات ہے؟ سالم بولا ہمارا ایک دوست ہے جس نے تیرے پیچھے کئی بار اپنے گھر میں میری دعوت کی ہے۔ علاوہ اس کے میرے اوپر اس کے ہزاروں احسان ہیں اور سلیم جانتا ہے کہ وہ میری کتنی عزت کرتا ہے۔ آج میری اس سے صاحب سلامت ہو گئی' اس نے مجھے پھر دعوت دی۔ میں نے کہا میں اپنے بھائی کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اس نے کہا اسے بھی ساتھ لیتا آئیو۔ میں نے کہا کہ وہ اسے منظور نہیں کرے گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ تو اور تیرے بھائی ہماری دعوت قبول کریں۔ یہ میں نے اس لیے کہا کہ اس کے بھائی بھی موجود تھے۔ میرا گمان تھا کہ وہ راضی نہ ہوں گے لیکن جب میں نے اسے اور اس کے بھائیوں کو دعوت دی تو اس نے منظور کر لی اور مجھ سے کہا کہ باب الزاویہ پر میرا انتظار کرنا۔ میں اپنے بھائیوں کو لے کر آؤں گا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ وہ آئے گا اور مجھے تیرے آگے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ کیا ممکن ہے کہ تو میری شرم رکھ لے اور آج انہیں دعوت کھلا دے کیونکہ بھائی تیری نیکی کی کوئی انتہا نہیں اور اگر تو اس پر رضامند نہیں تو اجازت دے کہ میں انہیں پڑوسیوں کے گھر میں اتار دوں۔ جودر نے کہا پڑوسیوں کے گھر میں اتارنے

کی کیا ضرورت؟ ہمارا مکان تنگ ہے یا ہمارے پاس انہیں کھلانے کے لیے نہیں؟ اس بارے میں تیرا پوچھنا ہی غلطی ہے۔ تیرے پاس تو اتنے کھانے اور مٹھائیاں ہیں کہ وہ سب کھائیں گے اور پھر بھی بچ رہے گا۔ اگر میں نہ بھی موجود ہوں اور تو لوگوں کو لے آئے تو ماں سے کہیو وہ تجھے بہت سے کھانے لا کر دے گی۔ جا اور انہیں بلا لا' خدا برکت دے گا۔ سالم اس کے ہاتھ چوم کر چل دیا اور عشاء کے بعد تک باب الزاویہ پر بیٹھا رہا۔ اتنے وہ آ پہنچے۔ سالم انہیں لے کر گھر آیا۔ جودر نے انہیں دیکھا تو مرحبا کہا اور اپنے ساتھ بٹھایا' اسے خبر نہ تھی کہ غیب میں ان کے ساتھ اس کی قسمت میں کیا لکھا ہے۔ اب جودر نے اپنی ماں سے کھانا مانگا اور اس نے خرجی سے نکالنا شروع کیا۔ وہ کہتا جاتا تھا فلاں کھانا لا' یہاں تک کہ چالیس قسم کے کھانے موجود ہو گئے۔ انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور دسترخوان بڑھایا گیا۔ ملاح سمجھتے تھے کہ یہ دعوت سالم کی طرف سے ہے۔ جب آدھی رات ہو چکی تو جودر نے مٹھائیاں نکلوائیں۔ سالم مہمانوں کے آگے پیش کرتا جاتا تھا اور جودر او سلیم بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے سونے کی اجازت مانگی اور جودر بھی جا کر سو رہا وہ بھی سو رہے۔ جب جودر نیند میں بے ہوش ہو گیا تو سب نے مل کر اسے پکڑ لیا اور ابھی اس کی آنکھ بھی نہ کھلی تھی کہ انہوں نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا اور اس کی مشکیں باندھ کر اٹھا لے گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو سترہویں رات

چھ سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہااے نیک نہاد بادشاہ ------ ملاح اسے لے کر سویس پہنچے' اس کے دونوں پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ وہ چپ چاپ خدمت کرنے لگا۔ پورے ایک سال تک قیدیوں اور غلاموں کی طرح خدمت کرتا رہا۔

یہ تو جودر کا حال ہوا' اب اس کے بھائیوں کا قصہ سنو۔ جب دوسری صبح ہوئی تو انہوں نے ماں کے پاس جا کر پوچھا کہ ہمارا بھائی جودر ابھی جاگا نہیں؟ ماں نے کہا اسے جا کر جگاؤ۔ بھائیوں نے پوچھا کہ وہ کہاں سو رہا ہے؟ ماں نے کہا مہمانوں کے ساتھ۔ انہوں نے کہا شاید مہمانوں کے ساتھ چلا گیا ہے اور ہمیں اے اماں اکیلا چھوڑ گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے پردیس کا چٹخارا پڑ گیا ہے اور وہ خزانوں کی تلاش میں گیا ہے۔ ہم نے اسے مغربیوں سے باتیں کرتے دیکھا تھا' وہ اسے کہہ رہے تھے کہ ہم تجھے اپنے ساتھ لے چلیں گے اور خزانوں کا پتا لگائیں گے۔ ماں نے کہا اس نے مغربیوں سے ملاقات کی تھی؟ انہوں نے کہا وہی تو ہمارے مہمان تھے۔ ماں نے کہا ہو نہ وہ انہی کے ساتھ چلا گیا۔ لیکن خدا اسے سیدھا راستہ دکھائے! وہ بڑا خوش قسمت ہے' ضرور بہت کچھ مال و دولت لے کر لوٹے گا۔ یہ کہہ کر ماں رونے لگی کیونکہ جودر کی جدائی کی اسے تاب نہ تھی۔ بیٹوں نے کہا ملعونہ' تجھے جودر سے تو اتنی محبت ہے اور ہم چلے جاتے ہیں تو تجھے افسوس نہیں ہوتا' نہ ہمارے یہاں رہنے سے خوشی ہوتی ہے کہا ہم تیرے بیٹے نہیں جیسے جودر تیرا بیٹا ہے؟ ماں نے کہا تم بھی دونوں میرے بیٹے ہو لیکن تم نالائق ہو' تم نے ایک احسان بھی مجھ پر نہیں کیا' جب سے تمہارا باپ مرا ہے میں نے تمہاری ایک بھلائی بھی نہیں دیکھی۔ برخلاف اس کے جودر نے میرے ساتھ بڑی بھلائی کی ہے' میرا دل ہاتھ میں لیا ہے اور مجھے عزت و آبرو سے رکھا ہے' اس لیے میرے اوپر واجب ہے کہ میں اس پر روؤں' اس نے نہ صرف میرے

ساتھ بھلائی کی ہے بلکہ تمہارے ساتھ بھی۔ یہ باتیں سن کر انہوں نے اسے برا بھلا کہا اور مارا اور اندر گھس کر خرجی ڈھونڈنے لگے اور جب وہ انہیں مل گئی تو انہوں نے ایک طرف سے جواہرات دوسری طرف سے سونا نکال لیا۔ طلسمی خرجی بھی لے لی اور ماں سے کہا یہ ہمارے باپ کا مال ہے۔ ماں نے کہا خدا کی قسم وہ تمہارے بھائی جودر کا ہے جسے وہ مغربیوں کے ملک سے لایا ہے۔ انہوں نے کہا تو جھوٹی ہے' وہ سوائے ہمارے باپ کے اور کسی کا ہو نہیں سکتا۔ ہم اسے اپنے خرچ میں لائیں گے۔ یہ کہہ کر انہوں نے وہ مال آپس میں تقسیم کر لیا لیکن طلسمی خرجی کے متعلق وہ ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے۔ سالم نے کہا اسے میں لوں گا۔ سلیم نے کہا میں یہاں تک کہ آپس میں تو تو میں ہونے لگی۔ ماں نے کہا بیٹو! جس خرجی میں ہیرے اور سونا تھا اسے تو تم نے تقسیم کر لیا مگر یہ دوسری خرجی تقسیم نہیں ہو سکتی ہر دولت اس کے مقابلے میں کم ہے۔ اگر وہ دو ٹکڑے ہو گئی تو اس کا طلسم ٹوٹ جائے گا۔ اسے میرے پاس ہی رہنے دو۔ میں اس میں سے کھانا نکال کر جب تمہاری مرضی ہو گی کھلاؤں گی اور اگر تم ایک نوالہ مجھے بھی دے دو گے تو مجھے منظور ہے اور اگر تم مجھے کچھ پہننے کو بھی دو گے یہ تو تمہاری مہربانی ہو گی تم خوشی سے لین دین کرو' تم میرے بیٹے ہو اور میں تمہاری ماں۔ ہمیں چاہیے کہ پہلے کی طرح گزارا کریں تاکہ جب تمہارا بھائی لوٹ آئے تو ہمیں پشیمانی نہ اٹھانی پڑے۔

دونوں میں سے کسی نے ماں کی بات نہ مانی اور رات بھر آپس میں جھگڑتے رہے۔

اتفاق سے بادشاہ کا ایک خواص اس رات جودر کے پڑوس میں مہمان تھا۔ پڑوس کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی' خواص سارا قصہ سنتا رہا اور مال کی تقسیم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ سویرا ہوا تو خواص بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ کا نام شمس الدولہ تھا اور وہ مصر کا بادشاہ تھا۔ خواص نے جو کچھ سنا تھا عرض کر دیا۔ بادشاہ نے جودر کے بھائیوں کو بلوا بھیجا اور اتنا پٹوایا کہ انہوں نے اقرار کر لیا۔ بادشاہ نے دونوں خرجیاں لے کر انہیں

قید خانے بھیج دیا اور جودر کی ماں کے لیے اتنا روزینہ مقرر کر دیا جو اس کے لیے کافی تھا۔ ادھر جودر پورے ایک سال تک سوئس میں خدمت کرتا رہا۔ سال گزرنے کے بعد وہ لوگ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوئے' خدا کی شان راستے میں طوفان آ گیا' جہاز ایک پہاڑ سے ٹکراکر ٹوٹ گیا' جہاز کی ساری مایا ڈوب گئی اور سارے مسافر مر گئے' سوائے جودر کے کوئی خشکی پر نہ پہنچا۔ خشکی پر پہنچ کر وہ عربوں کے پاس پہنچا جو اونٹ چرا رہے تھے۔ انہوں نے اس کی حالت پوچھی اس نے کہا کہ میں ایک جہاز میں ملاح تھا اور اپنی ساری کہانی کہہ سنائی۔ ان عرب گلہ بانوں میں ایک شخص جدے کا رہنے والا تھا۔ اسے جودر پر ترس آ گیا۔ اس نے کہا؟ اے مصری' تو میرے پاس نوکری کرے گا؟ میں تجھے کھانا کپڑا دوں گا اور اپنے ساتھ جدے لے جاؤں گا۔ جودر نے منظور کر لیا اور اس کے ساتھ سفر کر کے جدے پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اس کے آقا تاجر نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور جب حج کرنے گیا تو اسے بھی ساتھ مکہ لیتا گیا۔ مکہ پہنچ کر جودر حرم کا طواف کر ہی رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ اس کا دوست مغربی عبدالصمد بھی طواف کر رہا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو اٹھارہویں رات

چھ سو اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب عبدالصمد کی نظر جودر پر پڑی تو اس نے اسے سلام کیا اور اس کا حال پوچھا۔ جودر رونے لگا اور اس نے اپنا سارا حال بیان کر دیا۔ مغربی اسے لے کر اپنے گھر گیا اور بڑی خاطر مدارت کی۔ اسے ایک ایسی پوشاک پہنائی جس کا جواب نہیں اور کہا کہ جودر' اب تیری تکلیف کے دن ختم ہو گئے۔ یہ کہہ کر اس نے رمل کی تختی بچھائی اور جو کچھ جودر کے بھائیوں پر گزری تھی سب حقیقت معلوم ہو گئی۔ کہنے لگا کہ اے جودر' تیرے بھائیوں کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا ہے اور وہ اس وقت مصر کے بادشاہ کے قید خانے میں ہیں۔ چل پہلے حج کے ارکان ادا کر لیں' اس کے بعد تیرے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ جودر بولا' میں پہلے جاکراس تاجر سے اجازت لے آؤں جس کے پاس میں نوکر ہوں۔ مغربی نے پوچھا کیا اس کا تیرے اوپر کچھ قرض ہے؟ جودر نے کہا نہیں۔ مغربی نے کہا اچھا اجازت لے کر جلد لوٹ آئیو۔ نیک لوگ عیش و آرام کے مستحق ہیں۔ جودر نے جا کر تاجر سے اجازت مانگی اور کہا کہ میرے بھائی سے میری ملاقات ہو گئی ہے۔ تاجر نے کہا جا کر اسے بلا لا' میں اس کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ جودر نے کہا اس کی ضرورت نہیں وہ بڑا مالدار ہے۔ اس کے پاس بہت سے نوکر چاکر ہیں۔ تاجر نے اسے بیس دینار دے کر کہا کہ اب تیرا میری طرف کچھ نہیں نکلتا۔ اور وہ تاجر سے رخصت ہو کر چل دیا۔ راستے میں اسے ایک غریب آدمی ملا۔ اس نے وہ بیس دینار اسے دے دیئے اور مغربی عبدالصمد کے گھر جا کر اتنے روز ٹھہرا کہ دونوں حج کے ارکان ادا کر چکے اور مغربی نے اسے وہ انگوٹھی دی جو شمردل کے خزانے سے نکلی تھی اور کہا یہ انگوٹھی لے' اس سے تیری مراد بر آئے گی۔ اس کا ایک موکل ہے جس کا نام رعد قاصف ہے' دنیا کی جس چیز کی تجھے ضرورت ہو' تو اس انگوٹھی کو رگڑیو اور

وہ موکل آ کر تیری تمام حاجتیں پوری کر دے گا۔ یہ کہہ کر مغربی نے خود انگوٹھی رگڑی اور موکل نے آ کر کہا لبیک اے میرے آقا' جو تو مانگے ملے گا۔ کیا تو کسی اجاڑ شہر کو آباد کرنا یا آباد شہر کر اجاڑنا' کسی بادشاہ کو قتل کرنا یا کسی لشکر کو تباہ کرنا چاہتا ہے؟ مغربی نے کہا اے رعد' آج سے یہ تیرا آقا ہے' اس کی خدمت اچھی طرح سے کیجیو اور اب رخصت ہو جا۔ مغربی نے جودر سے کہا کہ جب کبھی تو اس انگوٹھی کو رگڑے گا تو اس کا موکل فوراً تیرے پاس حاضر ہو گا' جو تیرا جی چاہے اس سے مانگیو اور وہ فوراً اس کی تعمیل کرے گا۔ اب جا اپنے وطن اور اسے حفاظت سے رکھیو کیونکہ اس کی وجہ سے تو اپنے تمام دشمنوں پر فتح پائے گا اور اس کی قدر و قیمت کو نہ بھولیو۔

جودر نے کہا اے میرے آقا' تیری اجازت سے اب میں وطن جاتا ہوں۔ مغربی نے کہا کہ انگوٹھی کو رگڑ اور جب موکل آ جائے تو اس کی پیٹھ پر سوار ہو جا۔ اگر تو اس سے کہے گا کہ مجھے آج ہی میرے وطن پہنچا دے تو وہ آج ہی تجھے پہنچا دے گا۔

جودر عبدالصمد سے رخصت ہوا اور انگوٹھی رگڑی۔ فوراً رعد قاصد آ پہنچا اور کہنے لگا کہ میں حاضر ہوں' جو تو مانگے گا ملے گا۔ جودر نے کہا مجھے آج ہی مصر پہنچا دے۔ موکل نے کہا منظور ہے اور اسے لے کر اڑ گیا' دوپہر سے آدھی رات تک اڑتا رہا اور اسے اس کی ماں کے گھر کے اندر اتار کر چل دیا جودر اپنی ماں کے پاس گیا۔ وہ اسے دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی اور رونے لگی' اسے سلام کیا اور جو کچھ اس کے بھائیوں پر گزری تھی اس سے بیان کی کہ بادشاہ نے ان دونوں کو کتنا مارا اور طلسمی خرجی' سونے اور جواہرات کی خرجی دونوں ان سے چھین لیں۔ یہ سن کر جودر کو اپنے بھائیوں پر بڑا ترس آیا اور اس نے اپنی ماں سے کہا کو جو ہوا سو ہوا' رنج نہ کرنا دیکھ میں بھی کیا کرتا ہوں اور کس طرح اپنے بھائیوں کو لے آتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے انگوٹھی رگڑی' موکل نے آ کر کہا' حاضر ہوں مانگ کیا مانگتا ہے۔ جودر نے کہا میں حکم دیتا

ہوں کہ میرے دونوں بھائیوں کو بادشاہ کے قید خانے سے نکال لا۔ یہ سنتے ہی جن زمین میں گھس گیا اور قید خانے میں جا نکلا۔ قید خانے کی مصیبت سے سالم اور سلیم کا برا

حال تھا' وہ سخت تکلیف میں مبتلا تھے' موت کی دعا مانگ رہے تھے اور ایک بھائی دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ بھائی' خدا کی قسم! رنج و الم کی انتہا ہو چکی ہے' کب تک ہم اس قید خانے میں بند رہیں گے؟ اس سے تو مر جانا بہتر ہے۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ زمین پھٹی اور اس میں سے رعد قاصف نکل کر ان کے پاس آیا اور انہیں اٹھا کر زمین کے اندر چلا گیا۔ مارے ڈر کے دونوں بے ہوش ہو گئے جب انہیں ہوش آیا تو انہوں نے دیکھا کہ وہ اپنے گھر میں ہیں۔ جودر بیٹھا ہوا ہے اور ماں اس کے پاس ہے۔ جودر نے کہا بھائیو' سلامت ہو! تمہیں دیکھ کر میں خوش ہو گیا۔ یہ سن کر انہوں نے اپنی نظریں نیچی کر لیں اور رونے لگے۔ جودر نے کہا روؤ نہیں' شیطان اور لالچ نے تمہیں اس پر مجبور کیا کہ تم مجھے بیچ ڈال۔ لیکن یوسف علیہ السلام کی سر گزشت سن کر مجھے اطمینان ہو جاتا ہے کیونکہ ان کے بھائیوں نے ان کے ساتھ تم سے بھی بڑھ کر کیا تھا اور انہیں اندھے کنوئیں میں ڈال دیا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چھے سو انیسویں رات

چھ سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جودر نے اپنے بھائیوں سے کہا تم نے یہ حرکت میرے ساتھ کیوں کی؟ مگر خیر اب خدا کے آگے توبہ کرو اور اس سے معافی مانگو' وہ تمہیں معاف کر دے گا' وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ میں نے اپنی طرف سے تمہیں معاف کر دیا اور میں تمہارا خیر مقدم کرتا ہوں تم بالکل نڈر رہو۔ اسی طرح وہ ان کی دل دہی کرتا رہا اور وہ خوش ہو گئے پھر اس نے انہیں اپنا قصہ سنایا۔ سوئس میں' میں نے یہ تکلیفیں اٹھائیں یہاں تک کہ شیخ عبدالصمد سے ملاقات ہوئی اور انگوٹھی کا قصہ انہیں سنایا۔ بھائیوں نے کہا کہ بھائی' اس بار ہم پر ناراض نہ ہو۔ اگر ہم سے پھر ایسی حرکت سرزد ہو تو جو تیرا جی چاہے۔ کیجیو۔ جودر نے کہا ان باتوں کو چھوڑ دو لیکن یہ تو بتاؤ کہ بادشاہ نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں مارا' برا بھلا کہا اور ہم سے دونوں خرجیاں لے لیں۔ جودر نے کہا پروا نہیں اور اس نے انگوٹھی رگڑی موکل آ پہنچا۔ دونوں بھائی اسے دیکھ کر ڈر گئے اور سمجھے کہ اب جودر اس سے کہے گا کہ ہمیں مار ڈالے۔ اس ڈر سے وہ بھاگ کر اماں کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ اماں اماں ہم تیری پناہ میں ہیں' اماں ہماری سفارش کر دے۔ ماں نے کہا بیٹو ڈرو نہیں' اتنے میں جودر نے موکل سے کہا میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ بادشاہ کے خزانے میں جتنے جواہرات وغیرہ ہوں لے آ۔ اس میں کچھ نہ چھوڑنا اور طلسمی خرجی اور وہ خرجی جس میں جواہرات ہیں دونوں لیتا آئیو۔ یہ دونوں خرجیاں بادشاہ نے میرے بھائیوں سے چھین لی ہیں۔ موکل نے کہا سر آنکھوں پر اور فوراً جا کر جو کچھ خزانے میں تھا اکٹھا کیا اور اس کے ساتھ دونوں خرجیوں کو مع ان تمام چیزوں کے جو ان میں تھیں لا کر جودر کے آگے رکھ دیا اور کہا اے میرے آقا میں نے خزانے میں ایک چیز چھوڑی۔ جودر کی ماں نے کہا کہ جواہرارت

کی خرجی کو حفاظت سے رکھ اور طلسمی خرجی کو اپنے آگے رکھ لیا۔
اس کے بعد جودر نے جن سے کہا میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ رات ہی رات میں تو ایک عالی شان محل بنا کر تیار کر دے جس پر سونے کا پانی پھرا ہو' جس میں عمدہ عمدہ قالین بچھے ہوں اور دن نکلنے سے پہلے یہ سب ہو جائے۔ جن نے کہا ایسا ہی ہو گا' یہ کہہ کر وہ زمین کے اندر چلا گیا۔اب جودر نے کھانے نکالے۔ سب نے کھایا' خوش ہوئے اور سو گئے۔ ادھر جن نے اپنے مددگاروں کو جمع کر کے حکم دیا کہ محل بنوائیں' بعض ان میں سے پتھر تراشنے' بعض چننے' بعض سفیدی کرنے' بعض نقش و نگار بنانے' بعض فرش بچھانے لگے۔ ابھی سویرا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ محل بن کر تیار ہو گیا اور موکل نے جودر سے آ کر کہا اے میرے آقا' محل تیار اور آراستہ ہو چکا ہے' اگر تیرا جی چاہے تو چل کر دیکھ لے۔ جودر اپنی ماں اور بھائیوں کو لے کر نکلا۔ دیکھا کہ وہ ایسا محل ہے جس کا جواب نہیں۔ اس کی سجاوٹ دیکھ کر عقل دنگ ہو گئی۔ جودر اسے دیکھ کر دور ہی سے خوش ہو گیا اور دوسری خوشی کی بات یہ تھی کہ اس کا کچھ خرچ نہ ہوا۔ اس نے ماں سے پوچھا کہ تو اس محل میں رہے گی؟ ماں نے کہا تو رہ اور اسے دعائیں دیں۔ جودر نے پھر انگوٹھی کو رگڑا اور موکل نے آ کر کہا حاضر ہوں۔
جودر نے کہا میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ چالیس گوری' خوبصورت' اور چالیس کالی کنیزیں اور چالیس گورے اور چالیس کالے غلام لے آ۔ موکل نے کہا' ابھی حاضر کرتا ہوں اور وہ اپنے چالیس مددگاروں کو لے کر ہند' سند' اور عجم کے ملکوں کو روانہ ہو گیا۔
جہاں کہیں بھی کوئی خوبصورت لڑکی یا لڑکا دیکھتے اڑا لیتے یہاں تک کہ وہ چالیس ہو گئے۔ اس طرح وہ عمدہ عمدہ کالی کنیزیں اور کالے غلام بھی چالیس کے چالیس لے آئے اور سب کو لا کو جودر کے مکان میں داخل کیا۔ جودر انہیں دیکھ کر خوش ہو گیااور موکل سے کہا کہ اب ہر شخص کے لیے ایک ایک بہترین جوڑا کپڑے کالا۔ اس نے کہا حاضر ہے۔ جودر نے کہا کہ ایک جوڑا میری ماں کو دے تا کہ وہ پہنے اور ایک

جوڑا میں پہنوں۔ موکل بہت سے جوڑے لے آیا۔ جودر نے کنیزوں کو بھی کپڑے دیئے اور کہا کہ یہی میری ماں تمہاری آقا ہے' اس کے ہاتھ چومو اور تم گورے کالے سب اس کی خدمت کرنا کبھی اس کی نافرمانی نہ کرنا۔ غلاموں نے بھی کپڑے پہنے اور جودر کے ہاتھ چومے۔ اس کے دونوں بھائیوں نے بھی پہنے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جودر بادشاہ ہے اور دونوں بھائی وزیر۔ اس کا مکان بہت بڑا تھا اس نے سالم اور اس کی کنیزوں سے ایک طرف رہنے کو کہا۔ سلیم اور اس کی کنیزوں کو دوسری طرف جگہ دی اور خود ماں کے ساتھ رہنے لگا۔ سب اپنی اپنی جگہ بادشاہ معلوم ہوتے تھے۔

یہ تو ان لوگوں کا قصہ ہوا۔ اب بادشاہ کے خزانچی کا حال سنو۔ وہ خزانے میں سے جو کوئی چیز لینے گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو خزانے سے باہر نکلا۔ روتا پیٹتا خزانے کا دروازہ کھلا چھوڑ کر بادشاہ شمس الدولہ کے پاس گیا اور کہا اے امیرالمومنین! میں تجھے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ خزانہ آج رات خالی ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ ہمارے مال کا جو خزانے میں تھا' تو نے کیا کیا؟ اس نے جواب دیا خدا کی قسم میں نے کچھ نہیں کیا بلکہ اس کے خالی ہونے کی وجہ تک مجھے معلوم نہیں۔ کل جب میں خزانے میں گیا تھا تو بھرا ہوا تھا اور آج جب میں وہاں گیا تو وہ خالی ہے' اگرچہ دروازے بند تھے' نہ کسی جگہ سنیند لگی ہے نہ کنڈیاں ٹوٹی ہیں اور نہ چور کہیں سے اندر آئے۔ بادشاہ نے پوچھا کیا دونوں خرجیاں بھی غائب ہیں؟ خزانچی نے کہا ہاں۔ یہ سن کر بادشاہ کے ہوش و حواس اڑ گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چھ سو بیسویں رات

چھ سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ .... یہ سن کر بادشاہ کے ہوش و حواس جاتے رہے اور اس نے خزانچی سے کہا کہ آ میرے آگے آگے

چل۔ خزانچی آگے آگے چلا' بادشاہ پیچھے پیچھے اور وہ خزانے میں پہنچے۔ بادشاہ نے دیکھا کہ سچ مچ وہاں کچھ نہیں ہے۔ طیش میں آ گیا کہنے لگا کہ وہ کون ہے جو میرے خزانے کو لے گیا اور مجھ سے بالکل نہ ڈرا؟ اسے بے حد غصہ آیا۔ فوراً دربار کا حکم دیا' وزیر' امیر لشکر کے سارے سردار حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے کہا اے لشکر والو' میرا خزانہ آج رات کو لٹ گیا ہے' معلوم نہیں کہ کس نے یہ حرکت کی' میرے مقابلے میں اپنی قوت دکھائی اور مجھ سے بالکل نہ ڈرا! لوگوں نے پوچھا آخر یہ ہوا کیسے؟ بادشاہ نے کہا خزانچی سے پوچھو۔ خزانچی نے کہا کہ خزانہ کل تک بھرا ہوا تھا! آج میں نے جا کر دیکھا تو خالی پایا لیکن نہ وہاں کہیں کومل لگی ہے نہ دروازہ ٹوٹا ہے سارے لشکری یہ سن کر تعجب کرنے لگے اور کسی سے جواب نہ بن پڑا' اب جس خواص نے سلیم اور سالم کی چغلی کھائی تھی وہ بادشاہ کے پاس آیا اور کہنے لگا جہاں پناہ' رات بھر میں نے دیکھا کہ راج معمار کچھ تعمیر کر رہے ہیں' جب سویرا ہوا تو مجھے ایک محل کھڑا دکھائی دیا جس کا جواب نہیں۔ پوچھنے سے معلوم ہوا کہ جودر آ گیا ہے اور اسی نے یہ محل بنوایا ہے' اس کے پاس بہت سے گورے اور کالے غلام ہیں' وہ بہت مال و دولت لے کر آیا ہے' اس نے اپنے دونوں بھائیوں کو بھی قید سے چھڑا لیا ہے اور بادشاہ کی طرح اپنے گھر میں رہتا ہے۔ بادشاہ نے کہا اچھا قید خانے میں تو جا کر دیکھو' دیکھا تو وہاں سالم اور سلیم کو نہ پایا۔ بادشاہ کو اس کی خبر دی گئی۔

یہ سن کر بادشاہ سمجھ گیا کہ مجرم کون ہے۔ اس نے کہا جس شخص نے سالم اور سلیم کو قید خانے سے چھڑایا ہے وہی میرا مال لے گیا ہے۔ وزیر بولا اے میرے آقا' آخر

وہ کون ہے؟ بادشاہ نے کہا ان دونوں کا بھائی جودر۔ اور وہی دونوں خرجیاں بھی لے گیا۔ اے وزیر' ایک سردار کو پچاس آدمیوں کے ساتھ اس کے پاس بھیج کہ وہ اسے اور اس کے دونوں بھائیوں کو پکڑ لیں اس کی ساری جائیدار پر مہر لگا دیں اور انہیں میرے پاس لے آئیں تا کہ میں انہیں پھانسی پر چڑھا دوں۔ بادشاہ بہت طیش میں تھا۔ اسے مجرموں کو سزا دینے کی بہت جلدی تھی۔ وزیر نے عرض کیا رحم سے کام لے کیونکہ اللہ بھی بہت رحم سے کام لیتا ہے' اگر وہ بندہ نافرمانی کرے تو وہ اسے جلدی سزا نہیں دیتا۔ علاوہ اس کے جو شخص اس ایک رات میں محل بنا لے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں تو دنیا میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا' مجھے ڈر ہے کہ تیرے سردار کو جودر سے کہیں کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ بہتر ہے کہ ذرا ٹھہر جا میں کوئی تدبیر سوچ کر نکالوں اور دیکھوں کہ اصل بات کیا ہے اور تیرا مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ بادشاہ نے کہا اچھا کوئی تدبیر نکال۔ وزیر نے کہا کہ سردار کو بھیج کر اسے کھانے پر بلا' میں اس کی بڑی آؤ بھگت کروں گا اور اپنی محبت جتا کر اس کا حال دریافت کروں گا اسکے بعد ہم دیکھیں گے کہ اگر اسکا دل مضبوط ہے تو اس کے ساتھ کوئی چال چلیں گے اور اگر کمزور ہو گا تو اسے گرفتار کر کے جو چاہے اس کے اس کے ساتھ کیجیو۔ بادشاہ۔ نے کہا اچھا اسے کھانے پر بلا۔

بادشاہ نے ایک سردار کو حکم دیا جس کا نام امیر عثمان تھا ک جودر کے پاس جا کر اسے کھانے کی دعوت دے اور اسے کہہ کہ بادشاہ تیری ملاقات کا مشتاق ہے اور بغیر اسے ساتھ لیے نہ آئیو۔ یہ امیر بڑا بے وقوف او مغرور تھا جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ دروازے کے آگے ایک خادم کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ امیر عثمان کو دیکھ کر خادم اٹھا تک نہیں گویا کہ کوئی اس کے پاس آیا ہی نہیں' اگرچہ امیر عثمان کے ساتھ پچاس آدمی تھے۔ امیر عثمان نے خادم کے پاس پہنچ کر پوچھا' اے غلام تیرا آقا کہاں ہے؟ غلام نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے کہا محل میں۔ اس پر امیر عثمان کو غصہ آ گیا' اس نے کہا اے منحوس غلام' تجھے شرم نہیں آتی؟ میں تجھ سے باتیں کرتا ہوں اور تو

کرسی پر یوں تکیہ لگائے بیٹھا ہوا ہے جیسے کہ پھانسی پر چڑھا ہوا شخص۔ خادم نے کہا چل دور ہو بہت باتیں نہ بنا۔ اس کا سننا تھا کہ امیر طیش میں آ گیا اور اپنا خنجر کھینچ کر چاہتا تھا کہ اسے مارے۔ اسے یہ خبر نہ تھی کہ وہ جن ہے۔ جن نے دیکھا کہ وہ خنجر کھینچ رہا ہے تو اس نے اٹھ کر اس کا وار خالی کر دیا اور خنجر چھین کر اس کے چار زخم لگائے۔ آقا کو زخمی ہوتے دیکھ کر پچاسوں سپاہی تلواریں کھینچ کھینچ کر دوڑے اور چاہا کہ غلام کو قتل کر ڈالیں۔ اس نے کہا اے کتو! کیا تم تلواریں کھینچ رہے ہو؟ اور وہ ان پر پل پڑا۔ جس کے خنجر مارتا اس کی ہڈی پسلیاں ٹوٹ جاتیں اور وہ لہولہان ہو جاتا۔ اس حالت میں کون ٹھہرتا۔ سب اس کے آگے سے بھاگے' وہ بھاگتے جاتے اور غلام انہیں مارتا جاتا یہاں تک کہ وہ جب محل کے دروازے تک پہنچ گئے تو وہ جن واپس آ کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور کسی کی پروا نہ کی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو اکیسویں رات

چھ سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ خادم واپس آ کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور کسی کی پروا نہ کی۔ ادھر امیر سلیمان اوراس کے ساتھی زخمی ہو کر بھاگے اور بادشاہ شمس الدولہ کے پاس پہنچ کرسارا ماجرا بیان کیا۔ امیر عثمان نے کہا جہاں پناہ' جب میں محل کے دروازے پر پہنچا تومیں نے دیکھا کہ ایک غلام سونے کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے جو بڑا مغرور ہے۔ پہلے تو وہ بیٹھا ہوا تھا' مجھے دیکھ کر ٹیک لگا کر لیٹ گیا اور میری توہین کرنے لگا۔ کرسی سے اٹھا تک نہیں۔ میں نے اس سے گفتگو کی تو لیٹے لیٹے جواب دیا۔ اس پر مجھے جوش آ گیا' میں نے خنجر نکال لیا اور چاہتا ہی تھا کہ اسے ماروں اس نے میرا خنجر چھین کر مجھے بھی مارا اور میرے ساتھیوں کو بھی' وہ سب اس کے سامنے سے بھاگ کھڑے ہوئے اور ہماری اس کے آگے کچھ نہ چلی۔ بادشاہ کے غصے کا اب کیا پوچھنا تھا اس نے کہا سو سپاہی جائیں۔ جب یہ سو سپاہی اس کے پاس پہنچے دربان خنجر لے کر پھر اٹھا اور ایسے ہاتھ دکھائے کہ وہ بھی سب بھاگ کھڑے ہوئے اور پھر اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔ ان سو آدمیوں نے بھی جا کر بادشاہ کو خبر دی اور کہا کہ جہاں پناہ' اس نے ہم کو بھگا دیا۔ بادشاہ نے کہا اب دو سو جائیں۔ وہ بھی پٹ کر چلے آئے تو بادشاہ نے کہا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو پانچ سو سپاہی لے کر جا اور فوراً غلام' اس کے مالک جودر' جودر کے دونوں بھائیوں کو پکڑ لا۔ وزیر نے کہا مجھے لشکر کی ضرورت نہیں بلکہ میں اس کے پاس اکیلا بغیر ہتھیار لگائے جاؤں گا۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھا جیسا تو مناسب سمجھے۔ وزیر نے ہتھیار اتار ڈالے۔ سفید پوشاک پہنی' اور تسبیح ہاتھ میں لے کر اللہ اللہ کرتا ہوا تنہا چل دیا۔ جودر کے محل کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ غلام بیٹھا ہوا ہے۔ وزیر آگے بڑھا اور السلام علیکم کہہ کر ادب کے ساتھ اس کے پاس بیٹھ گیا۔ غلام نے کہا وعلیک السلام اے انسان' تو

کیا چاہتا ہے؟ وزیر نے اسے اے انسان کہتے ہوئے سنا تو وہ سمجھ گیا کہ غلام جن ہے۔ مارے ڈر کے کانپنے لگا اور پوچھا اے میرے آقا کیا تیرا آقا جودر گھر میں ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں محل کے اندر ہے۔ وزیر نے کہا' اے میرے آقا! اس کے پاس جا کر کہہ کہ بادشاہ شمس الدولہ تجھے دعوت دیتا ہے' اس نے تیرے لیے کھانا پکوایا ہے اور سلام کے بعد کہتا ہے کہ میرے گھر کو عزت بخش اور آ کر کھانا کھا۔ غلام نے کہا تو ٹھہر جا۔

غلام اندر گیا اور وزیر باہر کھڑا انتظار کرتا رہا۔ جن نے جودر سے کہا اے میرے آقا' بادشاہ نے تیرے پاس ایک سردار کو بھیجا تھا' میں نے اسے مارا اور پچاس آدمیوں کو جو اس کے ساتھ تھے' مار کر بھگا دیا۔ اس کے بعد اس نے سو نفر بھیجے میں نے انہیں بھی مار کر بھگا دیا۔ پھر اس نے دو سو بھیجے۔ میں نے انہیں بھی نکال باہر کیا۔ اب اس نے وزیر کو بے ہتھیار کئے بھیجا ہے وہ چاہتا ہے کہ تیری دعوت کرے۔ تو کیا کہتا ہے؟ جودر نے کہا کہ وزیر کو یہاں لے آ۔ جن نے محل کے باہر آ کر کہا کہ میرا آقا تجھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔ وزیر نے کہا سر آنکھوں پر اور اندر جودر کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ بادشاہوں سے بھی بڑھ کر معلوم ہوتا ہے اور ایسے فرش پر بیٹھا ہوا ہے جو کسی بادشاہ کو بھی میسر نہیں۔ وہ محل کی خوبصورتی' نقش و نگار اور فرش فروش دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وزیر اس کے سامنے فقیر معلوم ہوتا تھا۔ وزیر نے زمین چومی اور اسے دعا دی۔ اس نے کہا اے وزیر' کیا خبر ہے؟ وزیر نے کہا اے میرے آقا' تیرے دوست بادشاہ شمس الدولہ نے تجھے سلام کہا ہے اور تیری زیارت کا مشتاق ہے' اس نے تیرے لیے کھانا پکوایا ہے' کیا تو اس کا اشتیاق پورا کر سکتا ہے؟ جودر نے کہا چونکہ وہ اپنے آپ کو میرا دوست کہتا ہے لہٰذا اسے بھی میرا سلام کہیو اور کہیو کہ کیا اچھا ہو اگر تو ہی میرے پاس آ جائے۔ وزیر نے کہا بہت مناسب۔ جودر نے انگوٹھی اتار کر اسے رگڑا اس کا موکل فوراً آ پہنچا۔ جودر نے کہا ایک بہترین جوڑا کپڑوں کا لا۔ وہ لے آیا۔ جودر نے کہا اے وزیر' اسے پہن' وزیر نے اسے پہن لیا۔ جودر نے کہا

جا کر بادشاہ کو میرا سلام پہنچا دے۔ وزیر وہ جوڑا پہن کر باہر نکلا۔ ایسا جوڑا اس نے پہلے کبھی نہیں پہنا تھا۔ پھر بادشاہ کے پاس جا کر جودر کا حال بیان کیا۔ محل اور اس کے اندر کے سامان کی تعریف کی اور کہا کہ جودر تجھے دعوت دیتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ لشکر والو اٹھو' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ بادشاہ نے کہا گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ اور میرا گھوڑا لاؤ تاکہ میں جودر کے پاس جاؤں۔ اس کے بعد بادشاہ لشکر کو ساتھ لے کر جودر کے گھر روانہ ہو گیا۔ ادھر جودر نے جن سے کہا میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے ساتھیوں میں سے بہت سے دیوؤں کو انسانوں کی شکل میں لے آ اور انہیں لشکر کی شکل محل کے صحن میں کھڑا کر دے تاکہ بادشاہ انہیں دیکھ کر ڈرے' اس پر میرا رعب طاری ہو جائے اور وہ جان لے کہ میری شان اس کی شان سے بڑھ کر ہے۔ جن جا کر دو سو دیوؤں کو لے آیا جو بہت موٹے اور تازے اور طاقت ور تھے اور نہایت عمدہ ہتھیار لگائے ہوئے بادشاہ وہاں پہنچا اور اس نے ان موٹے تازے سپاہیوں کو دیکھا تو ڈر گیا۔ اب وہ محل کے اندر جودر کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ اس شان و شوکت سے بیٹھا ہوا ہے کہ نہ کوئی سلطان اس طرح بیٹھتا ہو گا' نہ کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ۔ بادشاہ نے جودر کو سلام کیا اور اس کے سامنے آداب بجا لایا مگر جودر نہ اٹھا نہ اس نے اس کے لیے جگہ خالی کی نہ اس سے کہا کہ بیٹھ بلکہ اسے کھڑا رہنے دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چھ سو بائیسویں رات

چھ سو بائیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جودر نے بادشاہ کو کھڑا رہنے دیا۔ اس پر اتنا خوف طاری ہو کہ نہ وہ بیٹھ سکتا تھا نہ باہر جانے کی ہمت ہوتی تھی وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ اگر یہ مجھ سے ڈرتا تو میرے ساتھ ایسی بے پروائی نہ کرتا۔ ممکن ہے کہ مجھ سے اپنے بھائیوں کو بدلہ لے اور مجھے سزا دے۔

جودر نے کہا جہاں پناہ! یہ بات تم لوگوں کی شان سے دور ہے کہ تم لوگوں پر ظلم کرو اور ان کا مال چھینو۔ بادشاہ نے کہا اے میرے آقا! میرے اوپر ناراض نہ ہو۔ لالچ نے مجھے اس پر آمادہ کیا میری قسمت میں یہی لکھا تھا۔ اگر دنیا میں گناہ نہ ہوتا تو معافی بھی نہ ہوتی اور وہ اپنی پچھلی حرکت پر معافی مانگنے لگا اور اتنی عاجزی کی کہ بالا خر جودر نے کہا خدا تجھے معاف کرے۔ اچھا بیٹھ جا۔ وہ بیٹھ گیا۔ جودر نے اسے امان دی اور اپنے بھائیوں سے کہا کہ دستر خوان بچھاؤ۔ وہ کھانا کھا چکے تو اس نے بادشاہ کے ساتھیوں کو خلعت دیئے اور ان کی عزت کی۔ اس کے بعد اس نے بادشاہ سے کہا کہ جا۔ وہ جودر کے گھر سے چلا گیا' مگر ہر روز جودر کے ہاں آتا اور دربار میں بھی عزت کرتا۔ غرض کہ دونوں میں بہت زیادہ میل جول ہو گیا۔ یہ ان کی حالت بہت دن تک رہی یہاں تک کہ ایک دن بادشاہ نے وزیر سے اکیلے میں کہا اے وزیر' میں ڈرتا ہوں کہ جودر کہیں مجھے قتل کر کے خود بادشاہ نہ بن بیٹھے۔ وزیر بولا' جہاں پناہ! بادشاہ بن بیٹھنے کے بارے میں تو ڈر نہیں کیونکہ اس کی موجودہ حالت شاہی حالت سے بہتر ہے' ڈرنا ہے کہ وہ کہیں تجھے قتل نہ کر ڈالے تو تو اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دے تاکہ تم دونوں ایک ہو جاؤ۔ بادشاہ نے کہا اے وزیر! تو ہی میرے اور اس کے درمیان واسطہ بن۔

وزیر نے کہا یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ تو اس کی دعوت کر اور ہم سب رات ایک

کمرے میں گزاریں اور جاگتے رہیں تو اپنی بیٹی سے کہہ کہ وہ بہترین کپڑے پہن کر اس کمرے کے دروازے کے سامنے سے گزرے۔ جودر اسے دیکھے گا تو اس پر عاشق ہو جائے گا۔ یہ بات معلوم ہوتے ہی میں اس کے کان میں کہہ دوں گا کہ وہ بادشاہ کی بیٹی ہے اور اس سے اسی طرح چپکے چپکے باتیں کروں گا گویا تجھے اس کی خبر بھی نہیں۔ پھر وہ اس کا پیغام تیرے پاس بھیجے گا اور جب تو اس کی شادی اپنی بیٹی سے کر دے گا تو تم دونوں ایک چیز ہو جاؤ گے اور تجھے اس سے کوئی کھٹکا نہیں رہے گا۔ اگر وہ مر گیا تو تیری بیٹی کو بہت بڑی میراث ملے گی۔ بادشاہ نے کہا اے وزیر! تو سچ کہتا ہے چنانچہ بادشاہ نے اس کی دعوت کی اور وہ سلطان کے محل میں آیا۔ سب لوگ شام تک کمرے میں بیٹھے۔ بڑی محبت کی باتیں کرتے رہے۔ بادشاہ نے اپنی بیوی کو کہلا بھیجا تھا کہ وہ بیٹی کا خوب سنگھار کر کے اس کے ساتھ کمرے کے دروازے پر سے گزرے۔ بیوی نے ایسا ہی کیا اور بیٹی کو لے کر گزری۔ جودر کی نگاہ اس پر پڑی گئی۔ وہ ایسی حسین و جمیل تھی کہ اس کا جواب نہ تھا۔ دیکھتے ہی جودر کے دل سے ایک آہ نکلی۔ اس کے ہاتھ پاؤں سنسانے لگے۔ وہ اس کے عشق کے تیر کا گھائل ہو گیا۔ اور اس کے چہرے کی رنگت زرد ہو گئی۔ وزیر نے کہا اے میرے آقا' خدا خیر کرے! تیرا رنگ کیوں بدل گیا ہے تو کیوں غمگین معلوم ہوتا ہے؟ جودر نے کہا اے وزیر! یہ لڑکی کس کی بیٹی ہے؟ اس نے تو میرے ہوش و حواس اڑا دیئے ہیں۔ وزیر نے کہا یہ تیرے دوست بادشاہ کی بیٹی ہے۔ اگر وہ تجھے پسند ہے تو میں بادشاہ سے کہوں گا کہ وہ اس کی شادی تیرے ساتھ کر دے۔ جودر نے کہا اے وزیر' ضرور کہہ اور میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو تو مانگے گا میں دوں گا اور جتنا مہر بادشاہ کہے گا اس کے لیے تیار ہوں۔ اور ہم آپس میں دوست اور رشتے دار ہو جائیں گے۔ وزیر نے کہا خاطر جمع رکھ تیرا مقصد پورا ہو جائے گا اس کے بعد وزیر نے بادشاہ سے اکیلے میں گفتگو کی اور کہا جہاں پناہ! تیرا دوست جودر تجھ سے قرابت داری چاہتا

ہے' اس نے میرے ذریعے سے پیغام بھیجا ہے کہ تو شہزادی آسیہ کا نکاح اس کے ساتھ کر دے۔ میرا توسط قبول کر اور مجھے نا امید نہ کر۔ جو کچھ مہر تو مقرر کرے گا جودر کو قبول ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ مہر مجھے مل چکا ہے۔ لڑکی اس کی کنیز اور خدمت گار ہے میں جودر کا نکاح اس کے ساتھ کئے دیتا ہوں۔ اگر وہ قبول کرے تو اس کی مہربانی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو تئیس ویں رات

چھ سو تئیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ نے کہا اگر وہ میری بیٹی کو قبول کر لے تو اس کی مہربانی ہے۔ اس گفتگو میں رات بہت آ گئی تھی۔ وہ سو گئے۔ سویرا ہوا تو بادشاہ نے دربار کیا۔ خاص و عام کو بلوایا اور جب شیخ الاسلام آیا تو جودر نے شہزادی کے ساتھ نکاح کی درخواست کی۔ بادشاہ نے کہا مہر مجھے مل چکا ہے۔ الغرض نکاح نامہ مرتب کر دیا گیا۔ اب جودر نے وہ خرجی منگوائی جس میں ہیرے جواہرات تھے اور اسے بادشاہ کو مہر میں دے دیا۔ اس کے بعد نقارے اور مجیرے بجنے لگے' جشن منائے گئے۔ جودر لڑکی سے ہم بستر ہوا اور وہ اور بادشاہ ایک ہو گئے۔ ان سب کا بہت دنوں تک ساتھ رہا یہاں تک کہ بادشاہ مر گیا اور لشکر نے اصرار کیا کہ جودر بادشاہ بنے۔ وہ اسے سمجھاتے رہے اور وہ انکار کرتا رہا لیکن بالآخر وہ مان گیا اور سب نے اسے بادشاہ بنا دیا۔ جودر نے حکم دیا کہ بادشاہ شمس الدولہ کی قبر کے پاس ایک مسجد بنوائی جائے اور اس کے لیے اس نے اوقاف مقرر کر دیئے۔ جودر کا گھر حارہ الیمانیہ میں تھا۔ جب وہ بادشاہ ہوا تو اس نے بہت سے مکانات تعمیر کرائے اور ایک مسجد اور محلے کا نام بھی اسی کے نام سے حارہ الجودریہ ہو گیا۔ اس نے بہت زمانے تک حکومت کی اور اپنے دونوں بھائیوں کو وزیر بنایا۔ سالم کو میمنے کا وزیر اور سلیم کو میسرے کا۔

ایک سال کی وزارت کے بعد ایک روز سالم نے سلیم سے کہا کہ اے بھائی آخر ہماری یہ حالت کب تک رہے گی؟ کیا ہم عمر بھر جودر کی غلامی میں بسر کریں گے۔ اور جب تک وہ زندہ رہے گا' نہ حکومت کر سکیں گے' نہ ہماری امیدیں بر آئیں گے؟ سلیم نے کہا کہ کیا ترکیب کی جائے کہ ہم اسے قتل کر کے اس کی انگوٹھی اور خرجی لے لیں۔ تو مجھ سے زیادہ سمجھ دار ہے' کوئی تدبیر نکال جس سے ہم اسے قتل کر

دیں۔ سالم نے کہا اگر میں اس کے قتل کی کوئی تدبیر نکالوں تو کیا تو اس پر رضامند ہے کہ میں سلطان بنوں اور میمنے کا وزیر۔ انگوٹھی میں لوں اور خرجی تو؟ سلیم نے کہا ہاں میں رضامند ہوں۔ الغرض دنیا اور حکوت کے لالچ میں آ کر انہوں نے جودر کے قتل کی ٹھان لی اور نہایت چالبازی سے اس کے پاس جا کر کہا بھیا! ہم چاہتے ہیں کہ تجھ پر فخر کریں' لہٰذا ہمارے ہاں آ کر دعوت کھا اور ہمارا دل رکھ لے۔ وہ اپنی چال بازی سے یہی کہتے جاتے تھے کہ ہمارا دل رکھ لے اور ہمارے ہاں آ کر دعوت کھا۔ آخر جودر نے کہا' کیا مضائقہ ہے! تم دونوں میں سے کس کے ہاں دعوت ہے؟ سالم نے کہا میرے ہاں' اور جب میری دعوت کھا چکو تو بھائی کے ہاں۔ جودر نے کہا بہت خوب اور سلیم کے ساتھ سالم کے گھر گیا۔ سالم نے کھانے میں زہر ڈال کر جودر کے سامنے پیش کیا۔ کھاتے ہی اس کا گوشت پھوٹ نکلا۔ اب سالم اٹھا اور چاہا کہ اس کی انگلی سے انگوٹھی اتار لے لیکن وہ نہ اتر سکی اس لیے اس نے چاقو سے انگلی کاٹ ڈالی اور انگوٹھی کو لے کر رگڑا۔ جن نے فوراً حاضر ہو کر کہا میں آ گیا ہوں' مانگ کیا مانگتا ہے۔ سالم نے کہا میرے بھائی کو پکڑ کر مار ڈال۔ اسے اور دوسرے کو جو زہر سے مرا ہے لے جا کر لشکر کے سامنے پھینک آ۔ جن نے سلیم کو قتل کر دیا اور دونوں کو لے کر باہر آ گیا اور انہیں لشکر کے سرداروں کے آگے ڈال آیا جو محل کے دیوان خانے میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ جب انہوں نے جودر اور سلیم کو مردہ دیکھا تو مارے ڈر کے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ جن سے پوچھا کہ بادشاہ اور وزیر کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ان کے بھائی سالم نے۔ اتنے میں سالم نے ان کے پاس آ کر کہا کھاؤ پیو اور خوشی مناؤ کیونکہ میرے بھائی جودر کی انگوٹھی اب میرے قبضے میں ہے اور یہ جن انگوٹھی کا موکل ہے۔ جس نے میرے حکم سے میرے بھائی سلیم کو قتل کر دیا ہے تاکہ وہ حکومت میں دعوے دار نہ بنے کیونکہ وہ دغاباز تھا اور مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ میرے ساتھ دغابازی نہ کرے۔اور

یہ جودر بھی قتل کر دیا گیا ہے۔ اب میں ہی تمہارا بادشاہ ہوں۔ اگر تم اس پر رضامند نہیں ہو تو میں ابھی انگوٹھی کو رگڑتا ہوں اور موکل آ کر تم سب کو چھوٹے ہوں یا

بڑے مار ڈالے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو چوبیسویں رات

چھ سو چوبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- سالم نے لشکر والوں سے کہا کہ موکل آ کر تم سب کو خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے مار ڈالے گا۔ انہوں نے کہا ہم تیرے بادشاہ ہونے پر راضی ہیں۔ اب اس نے دونوں بھائیوں کے دفن کرنے اور دربار لگانے کا حکم دیا۔ کچھ لوگ تو جنازوں کے ساتھ گئے اور کچھ لوگ اس کے آگے آگے جلوس میں ہو لیے۔ جب وہ دربار پہنچے تو سالم کرسی پر بیٹھا اور سب نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بعد ازاں اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی بھاوج کے ساتھ نکاح نامہ لکھوا لوں۔ لوگوں نے کہا کہ عدت پوری ہو جانے دے۔ وہ بولا میں عدت ودت کچھ نہیں جانتا۔ میں اپنے سر کی قسم کھاتا ہوں کہ آج رات ہی اس کے ساتھ ہم بستری کروں گا۔ مجبوراً انہوں نے نکاح نامہ لکھوا دیا اور جودر کی بیوی کو جو بادشاہ شمس الدولہ کی بیٹی تھی اس کی خبر بھیجی۔ اس نے کہلا بھیجا کہ اسے آنے دو۔ جب وہ آیا تو لڑکی نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور اس کا خیر مقدم کیا۔ مگر پانی میں زہر ملا کر اسے پلا دیا۔ وہ مر گیا۔ پھر اس نے انگوٹھی لے کر اسے توڑ مروڑ ڈالا تاکہ وہ کسی کی نہ ہو سکے۔ خرجی کو بھی پھاڑ ڈالا اور شیخ الاسلام کو بلا کر کہا کہ تم لوگ اپنا بادشاہ مقرر کر لو جو تم پر حکومت کرے۔

(یہ جودر کی کہانی کا آخری حصہ ہے)

○ کندمر اور اس کے بیٹوں، عجیب اور غریب کی کہانی

میں نے ایک اور کہانی سنی ہے کہ پرانے زمانے میں ایک بہت بڑا بادشاہ کندمر نام تھا۔

بڑا شہ سوار' بہادر اور سورما' جب وہ بہت بوڑھا ہو گیا تو اس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اس نے عجیب رکھا۔ کیونکہ وہ نہایت حسین و جمیل تھا' اسے کھلائیوں' دودھ پلائیوں' کنیزوں اور لونڈیوں کے سپرد کیا۔ جب اس کی عمر سات سال کی ہو گئی تو اس کے باپ نے ایک کاہن کو مذہبی تعلیم کے لئے مقرر کیا جس نے اسے ان کی شریعت' ان کا کفر اور جن جن چیزوں کی ضرورت تھی' پورے تین سال کے اندر سکھا دیا۔ یہاں تک کہ وہ ماہر ہو گیا۔ اس کا عزم قوی اور سمجھ مکمل ہو گئی۔ فصیح اور قابل فلسفی بھی ہو گیا' وہ عالموں کے ساتھ مناظرہ کرتا اور حکیموں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا۔ اس کا باپ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس کے بعد اسے شہ سواری' نیزہ بازی اور شمشیر زنی کی تعلیم دلوائی' ان فنون میں بھی اس نے کمال حاصل کر لیا۔ ابھی وہ پورے دس سال کا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ تمام ہم عصروں میں اس کی دھاک بندھ گئی' جنگ کے تمام کرتبوں سے بہ خوبی واقف' بڑا ظالم اور شیطان ہو گیا۔ جب وہ شکار کے لئے جاتا تو ایک ہزار سواروں کے ساتھ سوار ہوتا' جہاں تہاں خوب چھاپے مارتا' لوگوں کو لوٹتا' شہزادیوں اور شریف زادیوں کو پکڑ کر لے آتا۔ باپ کے پاس اس کی بہت سی شکایتیں پہنچتیں تو اس نے پانچ غلاموں کو بلایا اور ان سے کہا کہ پکڑو اس کتے کو۔ غلاموں نے عجیب کو گھیر کر اس کی مشکیں کس لیں۔ بادشاہ نے کہا' اسے مارو۔ انہوں نے اسے اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا اور اسے ایک کال کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ جہاں نہ اسے یہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان کدھر ہے اور زمین کدھر ہے۔ کوٹھڑی کی لمبائی کس طرف ہے اور چوڑائی کس طرف ہے' وہاں دو دن اور ایک رات قید رہا' اس کے بعد اسے چھوڑ دیا۔ عجیب دس دن تک تو چپکا رہا۔ گیارہویں رات جب باپ سو رہا تھا تو وہ اس کے کمرے میں گیا اور تلوار کا ایک ہاتھ مار کر اس کی گردن اڑا دی۔ سویرا ہوا تو عجیب باپ کی شاہی کرسی پر بیٹھا اور اپنے پیادوں کو حکم دیا کہ وہ زرہ بکتر پہن اور تلواریں کھینچ کر اس کے سامنے کھڑے ہوں' وہ اس کے دائیں

بائیں کھڑے ہو گئے۔
امرا اور سردار دربار میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کا بادشاہ قتل کیا ہوا پڑا ہے اور اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ ان کے حواس جاتے رہے۔ عجیب نے کہا اے لوگو! تم دیکھتے ہو کہ تمہارے بادشاہ کا کیا حشر ہوا' اب جو میری فرمانبرداری کرے گا' میں اس کی عزت کروں گا اور جو میری مخالفت کرے گا اس کا وہی حشر کروں گا جو بادشاہ کا کیا۔ اس کی باتیں سن کر وہ ڈرے کہ کہیں ان کا بھی یہی حال نہ ہو اور کہنے لگے کہ تو ہمارا بادشاہ اور بادشاہ زادہ ہے اور اس کے آگے زمین چومی۔ اس نے ان کا شکریہ ادا کیا اور خوش ہو کر خزانہ کھلوایا اور خلعت نکلوائے' انہیں عمدہ عمدہ خلعت دیئے اور بہت کچھ مال و دولت عطا کیا۔ وہ سب اسے چاہنے اور اس کی اطاعت کرنے لگے۔ اسی طرح اس نے اپنے نائبوں کی خلعت دیئے۔ تمام بدو شیخوں کو انعام بخشے خواہ وہ اس کے حکم کے اندر تھے یا باہر' اس لئے سارا ملک اس کا حکم ماننے لگا اور ساری رعیت مطیع ہو گئی۔ اس طور سے پانچ مہینے تک حکومت کرنے کے بعد اس نے ایک رات ایک خواب دیکھا' مارے ڈر کے اس کی آنکھ کھل گئی' صبح تک اسے نیند نہ آئی۔ صبح ہوئی تو وہ تخت پر بیٹھا' لشکر اس کے داہنے بائیں کھڑا ہوا' اس نے خواب کی تعبیر بتانے والوں اور نجومیوں کو بلا کر کہا میرے خواب کی تعبیر بتاؤ۔ انہوں نے کہا' اے بادشاہ کون سا خواب ہے جو تو نے دیکھا ہے" وہ بولا' میں نے خواب میں اپنے باپ کو دیکھا کہ اس کا ستر کھلا ہوا ہے' اس میں شہد کی مکھی کے برابر ایک چیز نکلی جو بڑھتے بڑھتے ایک بڑے شیر کے برابر ہو گئی۔ اس کے پنجے خنجروں کی طرح ہو گئے اور مجھے ان سے ڈر لگنے لگا۔ میں ڈر ہی رہا تھا کہ اس نے میرے اوپر حملہ کیا اور ناخن مار کر میرا پیٹ پھاڑ ڈالا۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔
بادشاہ کا خواب سن کر تعبیر بتانے والے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور جواب سوچنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے کہا اے عظیم الشان بادشاہ! اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تیرا ایک بھائی ہے جو تیرے باپ سے ہے' تیرے اور اس کے درمیان

دشمنی ہو گی اور وہ تجھ پر حملہ کرے گا۔ اس خواب کا مطلب یہ ہوا تو اس سے خبردار رہے۔ تعبیر دانوں کی باتیں سننے کے بعد عجیب نے کہا میرا کوئی بھائی نہیں جس سے مجھے ڈر ہو' تمہاری ساری باتیں غلط معلوم ہوتی ہیں۔

انہوں نے کہا ہم نے تجھ سے وہی کہا ہے جو ہمیں علم کی رو سے معلوم ہوا۔ بادشاہ کو ان سے نفرت ہو گئی۔ اس نے انہیں خوب مارا۔ پھر اٹھ کر اپنے باپ کی محل سرا میں گیا اور اس کی کنیزوں کا جائزہ لیا۔ دیکھا کہ ایک کنیز کو سات مہینے کا حمل ہے۔ اس نے اپنے دو غلاموں کو بلا کر کہا کہ اس لڑکی کو لے کر سمندر میں ڈبو آؤ۔ غلام لڑکی کو لئے ہوئے سمندر پہنچے۔ اسے ڈبونا ہی چاہتے تھے کہ اس کی صورت پر انہیں رحم آ گیا۔ وہ بڑی حسین لڑکی تھی۔ آپس میں کہنے لگے کہ ہم اس کنیز کو کیوں ڈبوئیں! کیوں نہ اسے لے کر جنگل چلے جائیں اور مزے اڑائیں۔ یہ صلاح کر کے دونوں غلام اسے لے کر چل دیئے۔ چلتے چلتے وہ بستی سے بہت دور ایک جنگل میں جا پہنچے جہاں گھنے درخت' بے حد میوے اور چشمے تھے۔ انہوں نے اس بات پر اتفا کر لیا کہ اس سے اپنی حاجت پوری کریں' مگر دونوں میں سے ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ میں اپنی حاجت پہلے پوری کروں۔ آخر آپس میں جھگڑا ہونے لگا۔ وہ جھگڑا کر رہے تھے کہ چند حبشی آ پہنچے اور دونوں طرف سے تلواریں کھنچ گئیں' وار ہونے لگے' خوب جنگ اور نیزہ باقی ہوئی۔ یہاں تک کہ دونوں غلام مارے گئے۔ کنیز چھپ گئی تھی حبشی چلے گئے تو وہ اکیلی جھاڑیوں میں چکر لگانے' پھل کھانے اور چشموں کا پانی پینے لگی۔

اسی حالت میں اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا جو گندمی رنگ کا اور بہت خوبصورت تھا۔ ماں نے اس کا نام غریب رکھا' اس لئے کہ وہ پردیس میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی ناف کاٹی۔ اپنے کپڑوں میں اسے لپیٹ لیا اور اسے دودھ پلانا شروع کیا' مگر وہ اپنی پہلی عزت اور عیش و عشرت کو یاد کر کے غمگین رہا کرتی' اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چھ سو پچیس ویں رات

چھ سو پچیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ! کنیز بچے کو دودھ پلاتی اور اپنی تنہائی پر افسوس کرتی اور ڈرتی رہتی۔ اسی حالت میں تھی کہ ایک روز اسے بہت سے سوار اور پیادے آتے دکھائی دیئے جن کے ساتھ شکرے اور شکاری کتوں کی جوڑیاں تھیں۔ ان کے گھوڑوں پر بیڑیں' سارسیں' عراقی بطخیں' پن ڈبیاں' مرغابیاں' اور جنگلی جانور خرگوش' ہرن' نیل گائیں' شتر مرغ کے بچے' بن بلاؤ' بھیڑیئے' اور شیر لدے ہوئے تھے۔ یہ عرب بدوؤں کا لشکر تھا۔ یہ بدو اس جھاڑی میں پہنچے تو دیکھا کہ ایک لڑکی ایک بچے کو گود میں لئے دودھ پلا رہی ہے۔ انہوں نے اس کے پاس آ کر پوچھا کہ تو انسان ہے یا جن! لڑکی بولی اے بزرگ عربو! میں انسان ہوں۔ یہ خبر انہوں نے اپنے سردار کو دی۔ وہ بنی قحطان کا شیخ مرداس تھا۔ اپنے قبیلے اور عزیزوں میں سے پانچ سو امیروں کو لے کر شکار کے لئے نکلا تھا۔ یہ لوگ شکار کھیلتے کھیلتے لڑکی کے پاس پہنچے' اسے دیکھا۔ لڑکی نے شروع سے لے کر آخر تک اپنی کہانی سنا دی۔ سردار کو اس پر بڑا اچنبھا ہوا۔ اس نے اپنے قبیلے والوں اور عزیزوں کو آواز دی۔ وہ سب شکار کھیلتے ہوئے بنی قحطان کے قبیلے میں پہنچے۔ سردار نے اسے ایک محل اکیلے رہنے کو دیا' اس کی خدمت کے لئے پانچ کنیزیں مقرر کر دیں لیکن سردار کو لڑکی سے بڑی محبت ہو گئی تھی' وہ اس کے پاس جا کر ہم بستر ہوا' لڑکی کو حمل رہ گیا۔ دن پورے ہوئے تو اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا' اس نے اس کا نام سہیم اللیل رکھا۔

دونوں بھائیوں کی ساتھ ساتھ پرورش ہونے لگی۔۔ اور دونوں امیر مرداس کی گود میں پل کر بڑے ہوئے' ہوشیار ہو گئے تو امیر نے دونوں کو ایک فقیہہ کے سپرد گیا۔ اس نے دونوں کو دین و مذہب کی تعلیم دی' پھر دونوں کو عرب شہ سواروں کے سپرد کر

کے انہیں نیزہ بازی' شمشیر زنی اور تیر اندازی سکھائی۔ ابھی وہ پندرہ سال کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ انہوں نے تمام ضروری فنون سیکھ لئے اور قبیلے کے ہر سورماسے بازی لے گئے۔ غریب ہزار سواروں کا مقابلہ کر سکتا تھا اور یہی کیفیت اس کے بھائی سہیم اللیل کی تھی۔ مرداس کے بہت دشمن تھے' مگر اس کے ساتھیوں کی بہادری کے مقابلے میں کسی کی پیری نہیں چلتی تھی۔ اس کے پڑوس میں ایک عرب امیر حسان بن ثابت نام رہتا تھا' دونوں آپس میں دوست تھے۔ اس امیر نے اپنے قببیلے کی ایک شریف زادی سے شادی کی اور اپنے تمام دوستوں کو دعوت دی۔ بنی قحطان کے سردار مرداس کو بھی بلایا۔ وہ اپنے قبیلے کے تین سو سوار لے کر دعوت میں چلا اور چار سو سوار عورتوں کی حفاظت کے لئے چھوڑ گیا۔ جب وہ حسان کے پاس پہنچا تو حسان نے اس کا خیر مقدم کیا اور اسے بہترین جگہ پر بٹھایا۔ دوسرے سوار بھی ولیمے میں شریک ہوئے' حسان نے سب کو ولیمہ کھلایا اور بڑا جشن منایا۔ اس کے بعد تمام عرب رخصت ہوئے۔ مرداس اپنے قبیلے میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ بہت سے لوگ قتل کئے ہوئے پڑے ہیں اور چڑیاں ان پر دہنے بائیں منڈلا رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ کانپ اٹھا۔ غریب زرہ بکتر لگائے کھڑا تھا۔ غریب نے اس کی سلامتی پر مبارک باد دی۔ مرداس نے کہا' اے غریب! یہ کیا ماجرا ہے؟ غریب بولا حمل بن ماجد نے اپنے قبیلے کے پانچ سو سواروں کے ساتھ ہم پر دھاوا کیا تھا۔

اس دھاوے کی وجہ یہ تھی کہ امیر مرداس کی ایک بیٹی تھی جس کا نام مہدیہ تھا جس سے زیادہ حسین کسی کی نظر سے نہ گزری ہو گی۔ اس کے حسن کا بڑا چرچا تھا۔

بنی بنہان کے سردار حمل نے سنا تو وہ پانچ سو سواروں کو لے کر مرداس کے پاس گیا' اس سے درخواست کی کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کر دے لیکن مرداس نے منظور نہ کیا اور اسے ناکام واپس ہونا پڑا۔ اس کے بعد حمل مرداس نے منظور نہ کیا اور اسے ناکام واپس ہونا پڑا۔ اس کے بعد حمل مرداس کی تاک میں برابر لگا رہتا تھا۔ جب وہ حسان کی دعوت کھانے گیا اور اپنے قبیلے سے غائب ہوا تو حمل نے اپنے

سورماؤں کو لے کر بنی قحطان پر دھاوا بول دیا۔ ان کے بہت سے سواروں کو قتل کر ڈالا اور جو بچے وہ پہاڑوں میں جا چھپے۔ غریب اور اس کا بھائی دونوں سو سواروں کے ساتھ سیر و شکار کے لئے گئے ہوئے تھے۔ دوپہر کے وقت لوٹے تو انہوں نے دیکھا کہ حمل اور اس کی قوم کے لوگ قبیلے پر قابض ہیں اور قبیلے کی ساری عورتوں کی مع مہدیہ بنت مرداس کے پکڑ کر لے گئے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر غریب کے ہوش اڑ گئے' اس نے اپنے بھائی سہیم اللیل سے پکار کر کہا اے شریف زادی کے بیٹے' لوگوں نے ہمارا قبیلہ لوٹ لیا ہے اور ہماری عورتوں کو لے گئے ہیں۔ دوڑ دشمن کی طرف' قیدیوں اور عورتوں کو چھڑا کر لا۔ اب غریب اور سہیم سو سواروں کو لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ غریب کا غصہ دوبالا ہو گیا تھا۔ اس نے ککڑیوں کی طرح سواروں کو اڑانا اور سور ماؤں کو موت کا جام پلانا شروع کر دیا یہاں تک کہ وہ حمل کے پاس پہنچ گیا۔ دیکھا کہ مہدیہ رسیوں سے جکڑی ہوئی ہے۔ اس نے حمل پر حملہ کر دیا اور ایسا نیزہ مارا کہ وہ لڑھک کر گھوڑے سے نیچے جا پڑا۔ ابھی عصر کا وقت بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اس نے دشمن قیدیوں کو چھڑایا اور حمل کا سر اپنے نیزے پر لئے قبیلے میں داخل ہوا۔ مرداس وہاں پہنچا اور اس نے دیکھا کہ مقتول پڑے ہوئے ہیں اور چڑیاں ان کے اوپر منڈ لا رہی ہیں تو اس کے ہوش جاتے رہے' وہ کانپنے لگا۔ غریب نے اس کی دل دہی کی۔ اس کی سلامتی پر مبارک باد دی اور بتایا کہ تیرے جانے کے بعد قبیلے پر کیا گزری۔ مرداس نے اس کی کارگزاری کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اے غریب تیری تربیت بے کار نہیں گئی۔ یہ کہہ کر مرداس نے اپنے خیمے میں گیا' سب لوگ اس کے گرد جمع ہوئے' تمام قبیلے والوں نے غریب کی تعریف کی اور کہا اے ہمارے سردار' اگر غریب نہ ہوتا تو قبیلے کا ایک شخص بھی نہ بچتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- چھ سو چھبیسویں رات

چھ سو چھبیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ! جب غریب نے حمل کو قتل کر کے مہدیہ کو اس کی قید سے چھڑایا تو مہدیہ نے غریب پر انی نظر کا تیر ایسا چلایا کہ وہ اس کی محبت کا گھائل ہو گیا' اس کے دل میں مہدیہ کی یاد سما گئی اور وہ اس کے عشق و محبت میں اتنا گرفتار ہوا کہ نہ اسے میٹھی نیند آتی' نہ کھانے پینے میں مزہ آتا' دن بھر وہ گھوڑے پر سوار پہاڑوں پر ادھر ادھر پڑا پھرتا۔ اشعار پڑھتا اور شام کو گھر واپس آتا۔ عشق و محبت کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں تھے۔ آخر اس نے اپنے ایک دوست سے اپنا بھید کہا' یہ خبر پھیلتے پھیلتے سارے قبیلے میں پھیل گئی۔ یہاں تک کہ مرداس کو بھی معلوم ہو گیا۔ وہ بہت گرجا' کڑکا' اٹھا' ناک بھوں چڑھائی اور سورج اور چاند کو برا بھلا کہا۔ اور بولا اس شخص کی یہی سزا ہے جو حرامی کی تربیت کرتا ہے' اگر میں نے غریب کو قتل نہ کیا تو یہ ذلت میرے اوپر سوار رہے گی۔ اس کے بعد اس نے قبیلے کے ایک دانش مند آدمی سے مشورہ کیا کہ میں غریب کو قتل کر دینا چاہتا ہوں اور سارا بھید اس سے کہہ دیا۔ اس نے کہا اے امیر ابھی کل ہی تو اس نے تیری بیٹی کو قید سے چھڑایا ہے' پھر بھی اگر سوائے قتل کے چارہ نہیں تو دوسرے کے ہاتھ سے قتل کرا تا کہ کوئی تیرے متعلق شک نہ کرے۔ مرداس نے کہا تو ہی اس کے قتل کرنے کی تدبیر سوچ' کیونکہ تجھ سے بڑھ کر اس کے قتل کی تدبیر اور نہیں نکال سکتا۔ وہ بولا اے امیر! اس کی گھات میں لگا رہ۔ جس دن وہ سیر و شکار کے لئے جائے تو اپنے ساتھ سو سواروں کو لے کر ایک غار میں چھپ جائیو اس طرح سے کہ اسے معلوم نہ ہو' اور جب وہ غار کے قریب پہنچ جائے تو تم سب اس پر حملہ کر کے اس کے تکے بوٹیاں کر ڈالنا۔ اس صورت میں تیرے اوپر کوئی بدنامی نہیں آئے گی۔ مرداس نے کہا' ٹھیک ہے اور ایک سو پچاس مضبوط بہادروں کو سمجھا

بجھا کر غریب کو قتل پر آمادہ کیا اور وقت کا انتظار کرتا رہا۔ ایک روز غریب شکار کھیلنے نکلا اور گھاٹیوں' پہاڑیوں میں بہت دور نکل گیا۔ مرداس اپنے کمینے سواروں کو لے کر غریب کے راستے میں گھات لگا جا بیٹھا کہ جب وہ شکار سے لوٹے تو وہ اس پر ٹوٹ پڑیں اور اسے قتل کر ڈالیں۔

مرداس اور اس کے سو آدمی درختوں کے پیچھے غریب کی گھات میں لگے ہی ہوئے تھے کہ پانچ سو آدمیوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ساٹھ کو قتل کر کے نوے کو گرفتار کر لیا۔ مرداس کی مشکیں باندھ دیں۔ اس اچانک حملے کی وجہ یہ تھی کہ جب حمل اور اس کے بہت سے ساتھی مارے گئے تو باقی بھاگتے ہوئے حمل کے بھائی کے پاس پہنچے اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ یہ سنتے ہی اس نے قیامت برپا کر دی اور اپنے جتھے والوں کو جمع کر کے ان میں سے پانچ سو سوار چنے جن میں سے ہر ایک پچاس پچاس ہاتھ لمبا تھا اور اپنے بھائی کا بدلہ لینے روانہ ہو گیا۔ مرداس اور اس کے سورماؤں سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی اور جو ان کے درمیان پیش آیا' وہ ظاہر ہے۔ مرداس اور اس کے ساتھی قید ہو چکے تو حمل کا بھائی اور اس کے ساتھی ستانے کے لئے اتر پڑے اور اس نے کہا اے لوگو! بتوں نے ہمیں خون کا بدلہ آسانی سے دلا دیا۔ مرداس اور اس کے ساتھیوں پر خوب نگاہ داری رکھو' میں ان کے پاس جا کر انہیں بری طرح سے قتل کروں گا۔ مرداس نے دیکھا کہ وہ بندھا پڑا ہے تو اسے اپنے کئے پر بڑی پشیمانی ہوئی اور وہ کہنے لگا کہ دغابازی کی یہی سزا ہے۔ ادھر وہ لوگ اپنی فتح کی خوشی میں سو گئے۔ ادھر مرداس اور اس کے ساتھ جو جکڑے ہوئے پڑے تھے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے اور انہیں موت کا یقین ہو گیا۔

یہ تو مرداس اور اس کے ساتھیوں کا ماجرا ہوا۔ اب سہیم اللیل کا قصہ سنو۔ جب وہ زخمی ہو کر اپنی بہن مہدیہ کے پاس گیا تو بہن نے اٹھ کر اس کے ہاتھ چومے اور کہا خدا نہ کرے کہ تیرے ہاتھ کبھی شل ہوں یا تیرے دشمن تجھ پر خوشیاں منائیں۔ اگر تو اور غریب نہ ہوتے تو ہمیں قید اور دشمنوں سے کبھی چھٹکارا نہ ملتا۔ بھائی سن' تیرا

باپ ڈیڑھ سو سواروں کو لے کر غریب کو قتل کرنے گیا ہے اور تجھے بہ خوبی معلوم ہے کہ غریب کا قتل ہونا ہمارے لئے اچھا نہیں۔ اس نے تمہاری عزت بچائی اور تمہارا مال چھڑایا۔ یہ سنتے ہی سہیم کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ وہ فوراً ہتھیار لگا اور گھوڑے پر سوار ہوا اس جگہ روانہ ہو گیا جہاں اس کا بھائی شکار کھیلنے کے لئے گیا ہوا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ اس کے پاس بہت سا شکار ہے۔ سہیم نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور کہا بھائی' زخمی ہونے کی وجہ سے خبر نہیں کی' میں چاہتا تھا کہ تو آرام کرے۔ سہیم بولا' بولا بھائی' میرے باپ سے خبردار رہ۔ یہ کہہ کر اس نے سارا ماجرا بیان کر دیا اور کہا کہ وہ ڈیڑھ سو سواروں کو لے کر نکلا ہے جو سب تیرے خون کے پیاسے ہیں۔ غریب نے کہا خدا اس کا فریب اسی کی گردن پر ڈالے! پھر غریب اور سہیم قبیلے کی طرف روانہ ہو گئے۔ رات ہو گئی تھی' وہ دونوں گھوڑوں پر چلے جا رہے تھے ادھر سے گرے جہاں وہ لوگ گرفتار بندھے جکڑے بیٹھے تھے تو انہیں گھوڑوں کی ہنہناہٹ سنائی دی۔ سہیم نے کہا بھائی' یہیں میرا باپ اور اس کے ساتھ گھات میں لگے ہوئے ہیں ہمیں چاہیے کہ اس گھاٹی سے کترا کر چلیں۔ غریب اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور اپنی باگ اپنے بھائی کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ میرے لوٹنے تک یہیں رہیو۔

یہ کہہ کر غریب آگے بڑھا۔ لوگ اسے دکھائی دینے لگے' مگر اس نے دیکھا کہ ان کے قبیلے کا کوئی شخص بھی ان میں نہیں اور اس نے سنا کہ وہ مرد اس کا ذکر کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہم مرداس کو اپنے ہاں لے جا کر قتل کریں گے' اسے یقین ہو گیا کہ اس کا چچا مرداس ان کی قید میں ہے۔ وہ کہنے لگا کہ مہدیہ کی جان کی قسم میں بے اس کے باپ کے چھڑائے یہاں سے نہ ٹلوں گا تا کہ اسے پریشانی نہ ہو' اور مرداس اس کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے بالاخر اس کے پاس پہنچ گیا' دیکھا کہ وہ رسیوں میں بندھا پڑا ہے۔ غریب اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور کہا' چچا! خدا تجھے اس ذلت اور گرفتار سے چھٹکا دے! غریب کو دیکھ کر مرداس کے ہوش جاتے رہے۔ اس نے

کہا' بیٹا میں تیری پناہ میں ہوں اتنی تربیت کی قسم مجھے چھڑا۔ غریب نے اس کے بند کھول دیئے اور وہ اپنے سواروں کے پاس جا پہنچا۔ سہیم اسے دیکھ کر خوش ہو گیا اور اس کی سلامتی پر مبارک باد دی۔ غریب اسی طرح ایک ایک کر کے قیدیوں کی مشکیں کھولتا رہا یہاں تک کہ نوے کے نوے سواروں کی قیدیں کاٹ دیں اور وہ سب دشمنوں سے دور پہنچ گئے۔ غریب نے ان کے لئے ہتھیار اور گھوڑے بھیجے اور کہلا بھیجا کہ سوار ہو کر دشمن کے چاروں طرف یا آل قحطان کے نعرے لگاؤ۔ اور جب وہ لوگ جاگ جائیں تو ان سے دور ہو کر ادھر ادھر پھیل جاؤ۔ غریب نے ایک تہائی رات رہے تک انتظار کیا۔ پھر نعرہ لگایا کہ یا آل قحطان! اس کے ساتھ ساتھ سارے لوگ چلا اٹھے کہ یا آل قحطان! پہاڑ گونج اٹھے اور دشمن سمجھا کہ قبیلے کا قبیلہ ان پر ٹوٹ پڑا ہے۔ وہ ہتھیار لے کر آپس میں ایک دوسرے پر پل پڑے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- چھ سو ستائیسویں رات

چھ سو ستائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ! وہ لوگ آپس ہی میں لڑنے اور کشت و خون کرنے لگے۔ غریب اور اس کے ساتھی الگ ہو گئے۔ دشمن صبح تک ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے۔ صبح ہوئی تو غریب اور مرداس اور نوے کے نوے بہادر باقی دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان میں سے بہتیروں کو قتل کر ڈالا۔ باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ بنو قحطان کوتل گھوڑے پر لڑائی کا سامان لے کر اپنی قبیلے کو واپس گئے۔ مرداس کو یقین نہ آتا تھا کہ وہ دشمن کے پنجے سے چھوٹ گیا ہے۔ جب وہ قبیلے میں پہنچے تو ان سے وہ لوگ ملے جو پیچھے رہ گئے۔ انہیں خیموں میں اتارا۔ غریب اپنے خیمے میں اترا' قبیلے کے نوجوان غریب کے ارد گرد جمع ہو گئے اور چھوٹے بڑے سب اسے سلام کے لئے آئے۔ مرداس نے دیکھا کہ نوجوان غریب کے ارد گرد جمع ہیں تو وہ اس سے اور زیادہ نفرت کرنے لگا اور اپنے بھائی بندوں سے کہا کہ غریب کی نفرت میرے دل میں بڑھ گئی ہے' اس کی وجہ فقط یہ ہے کہ اس کے ارد گرد نوجوانوں کا جمگھٹا رہتا ہے اور کل وہ مجھ سے مہدیہ کو مانگے گا۔ مشورہ دینے والے نے اس سے کہا کہ اے امیر' اس سے ایسی چیز مانگ جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ یہ سن کر مرداس خوش وہ گیا' رات بھر آرام کرنے کے بعد صبح سویرے اپنے ڈیرے یں آ کر بیٹھا۔ عرب اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ غریب بھی اپنے آدمیوں کے ساتھ نوجوانوں کو ارد گرد لئے پہنچا اور مرداس کے پاس آ کر سامنے زمین چومی۔ مرداس خوش ہو کر کھڑا ہو گیا' اسے اپنے پہلو میں بٹھایا۔ غریب نے کہا' چچا تونے ایک وعدہ کیا ہے' اسے پورا کر۔ مرداس نے کہا' بیٹا! وہ تیری ہمیشہ کے لئے ہو چکی ہے لیکن بات یہ ہے کہ تو غریب ہے۔ غریب نے کہا چچا' جو تیرا جی چاہے مانگ اور میں عرب سرداروں کے قبیلوں اور بادشاہوں کے شہروں کو لوٹ کر مال لے آؤں گا کہ پورب سے لے

کر پچھم تک بھر جائے گا۔ مرداس نے کہا' بیٹا! میں نے تمام بتوں کی قسم کھائی ہے کہ میں مہدیہ کا بیاہ اس شخص سے کروں گا جو میرا قصاص لے اور میری ذلت دور کرے۔ غریب نے کہا چچا' بتا کس بادشاہ پر تیرا قصاص ہے تا کہ میں اس کے پاس جا کر اس کے تخت کو اس کے سر پر دے پٹکوں۔

مرداس نے کہا' بیٹا میرا ایک بیٹا تھا بڑا بہادر۔ ایک بار وہ سواروں کو لے کر سیر و شکار کی غرض سے نکلا اور گھاٹیاں طے کرتا ہوا بہت دور پہاڑیوں میں نکل گیا یہاں تک کہ وادی ازہاء میں جا پہنچا جہاں جام بن ثیث بن شداد بن خلد کا محل ہے۔ بیٹا' وہاں ایک کالا کلوٹا اور لمبا تڑنگا شخص رہتا ہے جس کا قد ستر ہاتھ ہے اور جو درختوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ جب میرا بیٹا اس گھاٹی میں پہنچا تو اس غلام نے نکل کر اسے اور سو سواروں کو مار ڈالا' صرف تین جوان بچ رہے جنہوں نے آ کر مجھے یہ خبر دی۔ اس کے بعد میں سورماؤں کو جمع کر کے اس سے لڑنے گیا لیکن اس کے مقابلے میں میری کچھ نہ چلی۔ میں اب تک اپنے بیٹے کا بدلہ لینے کا خار کھائے بیٹھا ہوں' میں نے حلف اٹھایا ہے کہ میں اپنی بیٹی اس شخص کو دوں گا' جو میرے بیٹے کا بدلہ لے۔ مرداس کی باتیں سن کر غریب نے کہا' میں اس دیو کے پاس جاتا ہوں اور خدا کی مدد سے تیرے بیٹے کا بدلہ لے کر آتا ہوں۔ مرداس نے کہا اے غریب' اگر وہ تیرے قابو میں آ گیا تو تجھے اس قدر مال و دولت ہاتھ لگے کہ آگ بھی اسے تباہ نہیں کر سکتی۔ غریب بولا شادی کے متعلق گواہی پیش کرتا کہ میرا دل مضبوط ہو جائے اور میں اپنے شکاری کی تلاش میں روانہ ہو جاؤں۔ مرداس نے اس کی ہامی بھری اور قبیلے کے بڑے لوگوں کو گواہی میں پیش کیا۔ غریب خوش ہو گیا اس کی مراد بر آئی اور اپنی ماں کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کیا۔ ماں نے کہا بیٹا' مرداس کو تجھ سے دشمنی ہے وہ تجھے اس پہاڑ میں اس لئے بھیجتا ہے کہ میں تجھ سے جدا ہو جاؤں' لہٰذا مجھے بھی اپنے ساتھ لیتا چل تا کہ میں بھی اس ظالم کے پنجے سے چھوٹ جاؤں۔ غریب نے کہاں اماں جان میں یہاں سے اس وقت تک نہیں ٹلوں گا جب تک

کہ میری مراد پوری نہ ہو جائے اور میں اپنے دشمن کو نیچا نہ دکھا لوں گا۔ یہ کہہ کر غریب سو گیا۔ سویرا ہوا اور دن چڑھا تو وہ ابھی اپنے گھوڑے پر سوار بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اس کے نوجوان ساتھی آ پہنچے۔ انؑ کی تعدادٗ سو تھی وہ ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان سب نے غریب سے کہا کہ ہمیں بھی سات لے چل۔ ہم راہ میں تیری مدد کریں گے اور تیرا دل بہلائیں گے۔ غریب خوش ہو گیا اور ان سے کہا خدا تمہیں نیک بدلہ دے! چلو میرے دوستو چلو۔

غریب اپنے ساتھیوں کو لے کر روانہ ہوا۔ دو روز برابر چلنے کے بعد شام کے قریب وہ ایک اونچے پہاڑ کے قریب پہنچے۔ گھوڑوں کو وہاں باندھ دیا۔ غریب اس پہاڑ پر ادھر ادھر پھرنے لگا۔ پھرتے پھرتے ایک غار کے پاس پہنچا۔ یہاں سے اسے روشنی نکلتی ہوئی دکھائی دی۔ غار میں جا کر اسے ایک بوڑھا شخص دکھائی دیا جس کی عمر تین سو چالیس سال کی تھی۔ اس کی بھنوؤں سے اس کی آنکھیں چھپ گئی تھیں اور مونچھوں سے اس کا منہ۔ اس بوڑھے کہ دیکھتے ہی غریب پر اس کا رعب چھا گیا۔ بوڑھے نے کہا بیٹا' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو ان کافروں میں سے ہے جو دن اور رات اور گردش کرنے والے آسمان کے پیدا کرنے والے زبردست خدا کو چھوڑ کر پتھروں کی پوجا کرتے ہیں۔ بوڑھے کی باتیں سن کر غریب کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ اس نے کہاں بڑے میاں! یہ خدا ہے کہاں تا کہ میں بھی اس کی پرستش کروں' اسے دیکھ کر میرا دل خوش ہو۔ بوڑھے نے کہا بیٹا' وہ بڑا پروردگار ایسا ہے کہ دینا میں اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا' وہ دیکھتا ہے مگر دکھائی نہیں دیتا اور سب سے بلند منظر پر ہے' مگر اس کی کاریگری کے آثار ہر جگہ ظاہر ہیں۔ ہر مخلوق کو اس نے خلق کیا ہے' زمانہ اس کے کہے پر چلتا ہے' اس نے انسان اور جنات کو پیدا کیا ہے اور مخلوق کی ہدایت کے لئے نبیوں کو بھیجا ہے جو اس کی فرمانبرداری کرتا ہے اسے وہ جنت میں لے جاتا ہے اور جو اس کی نافرمانی کرتا ہے اسے دوزخ میں جگہ دیتا ہے۔ غریب نے کہا چچا' جو شخص اس بزرگ پروردگار کی عبادت کرتا ہے' جو ہر چیز پر قادر ہے وہ کون سا کلمہ ہے؟ بوڑھے نے

کہا بیٹا' میں عاد کی قوم میں سے ہوں جو ملک ملک فتنہ فساد برپا کرتے اور خدا کی نافرمانی کرتے پھرتے تھے۔ خدا نے اس کے پاس ایک نبی بھیجا جس کا نام ہود علیہ السلام تھا لیکن انہوں نے اس کا کہنا نہ مانا اور خدا نے ایک تند آندھی بھیج کر ان سب کو تباہ کر دیا۔ میں اور میری قوم کے کچھ لوگ ایمان لے آئے تھے' وہ عذاب سے بچ گئے۔ اس کے بعد ثمود کی قوم اور جو کچھ انہیں ان کے نبی صالح السلام کے ساتھ پیش آیا' میری آنکھوں دیکھی باتیں ہیں۔ صالح علیہ السلام کے بعد خدا نے ایک نبی بھیجا جس کا نام ابراہیم خلیل تھا' جو نمرود بن کنعان کے پاس بھیجے گئے تھے' جو کچھ دونوں کے درمیان پیش آیا وہ معلوم ہے۔ میرے ساتھی جو ایمان لائے تھے' سب مر گئے ہیں' میں اس غار میں اب تک خدا کی عبادت میں مشغول ہوں اور خدا مجھے اس طرح روزی بھیجتا ہے کہ جس کا مجھے وہم و گمان بھی نہیں۔ غریب نے کہا چچا' اس بزرگ پرور دگار کی پناہ میں آنے کے لئے مجھے کیا کلمہ پڑھنا چاہیے؟ بوڑھے نے جواب دیا کہ سوائے اللہ کے کوئی پرستش کے قابل نہیں اور ابراہیم علیہ السلام خدا کے دوست ہیں۔ یہ سن کر غریب ظاہری اور باطنی طور سے اسلام لے آیا' بوڑھے نے جب دیکھا کہ اسلام اور ایمان کی حلاوت اس کے دل میں بیٹھ گئی تو اس نے غریب کو کچھ فرائض سکھائے' کچھ الہامی کتابوں میں سے باتیں سنائیں اور اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ غریب نے جواب دیا غریب۔ بوڑھے نے کہا' اے غریب! تیرا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ غریب نے سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنایا اور اس پہاڑی دیو کا ذکر بھی آ گیا جس کی تلاش میں وہ یاں آیا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو اٹھائیسویں رات

چھ سو اٹھائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب غریب نے اس پہاڑی دیو کا ذکر کیا جس کی تلاش میں وہ آیا تھا تو بوڑھے نے کہا اے غریب' کیا تو پاگل ہو گیا ہے کہ پہاڑی دیو کے پاس اکیلا جا رہا ہے؟ غریب بولا اے میرے مولیٰ' میرے ساتھ دو سو سوار ہیں۔ بوڑھے نے کہا' اے غریب! اگر تیرے ساتھ دس ہزار سوار بھی ہوں تو بھی تو' اس پر غالب نہیں آ سکتا کیونکہ اس کا نام آخر دیو ہے وہ انسانوں کو کھاتا ہے اور ہم دعا مانگتے رہتے ہیں کہ خدا اس سے بچائے! وہ حام کی اولاد میں سے ہے اس کے باپ کا نام ہندی تھا جس نے ہند بسیا جو اسی کے نام پر ہے۔ ہندی نے اسے اپنا جانشین بنایا اور اس کا نام سعدان دیو رکھا۔ بٹیا وہ بڑا ظالم اور شیطان نکلا' اس کی خوراک محض انسان تھے۔ باپ نے مرنے سے پہلے اسے منع بھی کیا لیکن وہ نہ مانا بلکہ اور بھی زیادہ سرکش ہو گیا' آخر باپ نے لڑ جھگڑ کر بڑی مشکل سے اسے ہند کے ملک سے نکال باہر کیا' اس نے یہاں آ کر اپنے کو قلعہ بند کر لیا اور رہنے لگا۔ آتے جاتوں کو لوٹتا مارتا اور اس گھاٹی میں اپنے گھر لوٹ جاتا ہے۔ اسے خدا نے پانچ بیٹے دیئے ہیں جو بڑے جگادری اور طاقت ور ہیں جن میں سے ہر ایک' ایک ہزار سورماؤں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس نے اتنا مال و دولت' غنیمت کا سامان' گھوڑے' اونٹ' گائے' بیل اور بھیڑ بکریاں اکٹھی کر لی ہیں کہ ساری گھاٹی بھر گئی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس سے تجھے نقصان نہ پہنچے' میں خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ وہ توحید کے کلمے کے طفیل تجھے اس پر فتح دے۔ جب تو ان کافروں پر دھاوا بولے تو اللہ اکبر کا نعرہ ماریو۔ اس سے کافروں میں ہل چل مچ جاتی ہے۔ اس کے بعد بوڑھے نے اسے ایک گرز دیا جو فولاد کا تھا اور جس کا وزن چھ من تھا اور جس میں دس کنڈے تھے۔ جب اسے کوئی چلاتا تو اس میں سے بجلی کی سی آواز نکلتی اور ایک تلوار دی

جس کا لوہا فولاد کا تھا جس پر بجلی گری تھی۔ تین ہاتھ لمبی' تین بالشت چوڑی' اگر اسے سخت پتھر پر بھی مارا جائے تو اس کے دو ٹکڑے ہو جائیں۔ اس کے علاوہ اس نے اسے ایک زرہ بکتر دیا' ایک ڈھال اور ایک آسمانی کتاب پیش کر کے کہا' اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر ان کے سامنے اسلام پیش کر۔

غریب اپنے اسلام لانے پر خوش خوش اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔ انہوں نے اس کا خیر مقدم کیا' اسے سلام کیا اور پوچھا کہ تو اتنی دیر کہاں غائب رہا؟ اس نے سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا اور ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو غریب سوار ہو کر بوڑھے کے پاس گیا اور اس سے رخصت مانگی۔ بوڑھے نے اسے رخصت دے دی اور وہاں سے اپنے ساتھیوں میں آ رہا تھا کہ اس کی ایک سوار سے مڈبھیڑ ہو گئی جو فولاد میں اتنا ڈوبا ہوا تھا کہ سوا آنکھوں کے کویوں کے اور کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ اس نے غریب پر حملہ کر دیا اور کہا' اے ڈاکو! اپنی چیزیں اور ہتھیار اتر کر میرے حوالے کر دے ورنہ میں تجھے موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ غریب نے تلوار سونت لی اور دونوں میں ایسی لڑائی ہونے لگی جس سے بچہ بوڑھا ہو جائے اور سخت پتھر پگھل جائیں۔ اب بدو نے اپنی نقاب اٹھا دی' غریب نے دیکھا کہ وہ تو اس کا بھائی' اس کی ماں مرداس کا بیٹا سہیم اللیل ہے۔

سہیم کے یہاں پہنچنے کا سبب یہ ہوا کہ جب غریب پہاڑی دیو کی طرف چلا ہے تو سہیم موجود نہ تھا۔ جب وہ گھر آیا تو غریب کو نہ پایا وہ اپنی ماں کے پاس گیا' دیکھا کہ وہ رو رہی ہے۔ ماں سے رونے کا سبب دریافت کیا۔ ماں نے اس کے بھائی کے جانے کا سارا قصہ سنا دیا۔ یہ سن کر اس نے ذرا بھی دم نہ لیا۔ بلکہ ہتھیار لگا اور گھوڑے پر سوار ہو فوراً چل کھڑا ہوا اور اپنے بھائی کے پاس آ پہنچا۔ سہیم نے اپنا چہرہ کھول دیا تو غریب نے اسے پہچان لیا اسے سلام کیا اور کہا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ سہیم نے بتایا تاکہ تو لڑائی کے میدان میں میری جرات کا امتحان' شمشیر زنی اور نیزہ بازی میں میرا تجربہ کر لے۔ اس کے بعد دونوں آگے چلتے چلے۔ غریب نے سہیم کے سامنے

اسلام پیش کیا اور وہ مسلمان ہو گیا' پھر دونوں گھاٹی کے پاس پہنچے۔
پہاڑی دیو نے گرد اٹھی ہوئی دیکھی تو اپنے بیٹوں سے کہنے لگا' بیٹو سوار ہو جاؤ اور یہ غنیمت کا مال میرے پاس لے آؤ۔ پانچوں بیٹے سوار ہو کر ان کی طرف گئے۔ جونہی غریب نے دیکھا کہ پانچویں دیو اس کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں تو اس نے گھوڑے کو ایڑ دی اور ان سے کہا کہ تم لوگ کون ہو؟ تمہاری جنس کیا ہے؟ اور تم کیا چاہتے ہو؟ پہاڑی دیو سعدان کا بڑا بیٹا فلحون آگے بڑھا اور بولا کہ گھوڑوں پر سے اتر کر ایک دوسرے کی مشکیں باندھ دو تا کہ ہم تمہیں اپنے باپ کے پاس لے جائیں وہ تم میں سے بعض کو بھون کر اور بعض کو پکا کر کھا جائے۔ ایک مدت سے اس نے کسی آدمی کو نہیں کھایا ہے۔ یہ سن کر غریب فلحون پر جھپٹا اور گرز کے کنڈے بجلی کی کڑکی کی آواز دینے لگے۔ فلحون کے ہوش اڑ گئے۔ غریب نے اس پر گرز سے ایک ہلکا سا وار کیا۔ گرزا اس کے شانوں کے بیچ میں جا پڑا اور وہ لمبے تاڑے کے درخت کی مانند زمین پر گر پڑا۔ سہم اور چند اور لوگوں نے اتر کر اس کی مشکیں باندھ لیں اور اس کی گردن میں رسی ڈال کر اسے بیل کی طرح کھینچنے لگے۔ فلحون کے بھائیوں نے دیکھا کہ ان کا بھائی گرفتار ہو گیا ہے تو انہوں نے غریب پر دھاوا بول دیا مگر غریب نے فلحون سمیت چاروں کو گرفتار کر لیا' پانچواں بھاگ کر باپ کے پاس گیا۔
باپ نے پوچھا' کیا خبر ہے؟ اور تیرے بھائی کہاں ہیں؟ اس نے جواب دیا انہیں ایک لڑکے نے گرفتار کر لیا ہے۔ جس کے ابھی داڑھی مونچھیں بھی نہیں نکلی ہیں۔ پہاڑی دیو نے کہا کہ سورج دیوتا تمہارا ستیا ناس کرے! یہ کہہ کر وہ قلعے سے اترا اور ایک بڑا سا درخت اکھاڑ کر پیدل غریب اور اس کے ساتھیوں کی طرف بڑھا' وہ اتنا بھاری بھر کم تھا کہ کوئی گھوڑا اس کا بوجھ برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اس کا بیٹا اس کے پیچھے پیچھے تھا اور وہ غریب کے پاس پہنچے دیو نے غریب کے آدمیوں پر حملہ کر دیا درخت کے تنے سے پانچ کو مار ڈالا اور آگے بڑھ کر سہیم پر بھی اس درخت کے تنے سے وار کیا۔ سہم ہٹ گیا اور وار خالی پڑا۔ دیو نے غصہ میں آ کر درخت پھینک دیا اور

جھپٹ کر سہیم کو اس طرح پکڑ لیا جیسے شکرا چڑیا کو۔ غریب نے اپنے بھائی کو دیو کے پنجے میں دیکھا تو اس نے نعرہ مارا کہ اللہ اکبر! واسطہ ابراہیم خلیل کا' واسطہ محمد صلی

اللہ علیہ و آلہ سولم کا!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چھ سو انتیس ویں رات

چھ سو انتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ! غریب نے ابراہیم خلیل اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا واسطہ دے کر پہاڑی دیو کی طرف اپنا گھوڑا بڑھایا اور گرز ہلایا۔ اس کے کنڈے کڑکنے لگے اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر دیو کی پسلیوں پر گرز مارا۔ دیو بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اور سہیم اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ ابھی دیو کو ہوش بھی نہ آنے پایا تھا کہ اس کی مشکیں بندھ گئیں۔ وہ گرفتار ہو گیا۔ جب دیو کے بیٹے نے دیکھا کہ باپ گرفتار ہو گیا تو وہ دم دبا کر بھاگا۔ غریب نے اس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا اور اس کے شانوں کے بیچوں بیچ اس زور سے گرز مارا کہ وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ غریب نے اس کی بھی مشکیں باندھ لیں اور اس کے بھائیوں اور باپ کے پاس لے آیا اور سب کو رسیوں سے باندھ کر اونٹوں کی طرح کھینچتا لے چلا۔ اب وہ چلتے چلتے قلعے میں پہنچے۔ دیکھا کہ قلعہ مال و دولت اور عجیب و غریب چیزوں سے بھرا پڑا ہے۔ ایک ہزار دو سو عجمی بندھے پڑے ہیں۔ غریب پہاڑی دیو کی کرسی پر بیٹھ گیا جو کبھی صاحبان شیت بن شداد بن عاد کی ملکیت تھی۔ اپنے بھائی سہیم کی دہنی طرف اور اپنے ساتھیوں کو ارد گرد کھڑا کیا۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ پہاڑی دیو کو پیش کیا جائے۔ وہ سامنے آیا تو اس نے کہا اے ملعون! اس وقت تیرا کیا حال ہے؟ دیو بولا، اے میرے آقا، ذلت و رسوائی کی وجہ سے برا حال ہے۔ میں اور میرے بیٹے اونٹوں کی طرح رسیوں میں بندھے پڑے ہیں۔ غرب نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ میرا مذہب اختیار کر لو جو اسلام ہے اور اس خدا کی توحید کے قائل ہو جاؤ جو واقعی بادشاہ ہر چیز کا جاننے والا، اندھیرا اور اجالے کا پیدا کرنے والا اور ہر مخلوق کا خالق ہے، اس جزا اور سزا دینے والے بادشاہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور

ابراہیم خلیل اللہ کی نبوت کا اقرار کرو۔ پہاڑی دیو اور اس کے بیٹے سب کے سب مسلمان ہو گئے اور اچھے مسلمان ہوئے۔ پھر غریب نے حکم دیا کہ ان کی مشکیں کھول دی

جائیں اور ان کی مشکیں کھول دیں گئیں۔

سعدان دیو رونے لگا وہ اور اس کے بیٹے غریب کے پاؤں چومنے کے لئے آگے بڑھے لیکن اس نے انہیں پاؤں چومنےنہ دیئے۔ وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ جا کر کھڑے ہو گئے۔ غریب نے کہا اے سعد! وہ بولا اے میرے مولٰی میں حاضر ہوں۔ غریب نے کہا کہ یہ عجمی یہاں کیسے ہیں؟ اس نے کہا اے میرے مولٰی! یہ عجمی میرے شکار ہیں' ان کے ساتھ اور بھی لوگ ہیں۔ غریب نے پوچھا کہ ان کے ساتھ اور کون لوگ ہیں؟ دیو نے کہا' اے میرے آقا ان کے علاوہ عجم کے بادشاہ شاپور کی بیٹی ہے جس کا نام فخر تاج ہے اور اس کے ساتھ سو کنیزیں چندے آفتاب چندے ماہتاب ہیں۔ غریب کو یہ سن کر تعجب ہوا اور اس نے کہا یہ لوگ کس طرح تیرے ہاتھ لگے؟ دیو نے کہا اے امیر' ایک بار میں' میرے بیٹے اور میرے پانچ غلام نکلے لیکن راہ میں ہمیں کوئی شکار نہ ملا اور ہم جنگلوں اور بیابانوں میں پھرتے پھرتے عجم کے ملک میں جا پہنچے۔ ہم غنیمت کی تلاش میں تھے اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ ناکام واپس آئیں۔ اتنے میں ہمیں گرد اٹھتی دکھائی دی۔ ہم نے ایک غلام کو بھیجا کہ خبر لے کر آئے۔ تھوڑی دیر غائب رہنے کے بعد وہ لوٹا اور اس نے کہا اے میرے مولٰی یہ عجم' ترک اور دیلم کے بادشاہ شاپور کی بیٹی فخر تاج کی سواری ہے۔ اس کے ساتھ دو ہزار سوار سفر کر رہے ہیں۔ میں نے کہا' یہ خبر سنا کر تونے ہمیں خوش کر دیا۔ اس غنیمت سے بڑھ کر اور کوئی غنیمت نہیں ہو سکتی۔ میں نے اور میرے بیٹوں نے ان عجمیوں پر دھاوا بول دیا۔ ان میں سے تین سو سواروں کو قتل کر کے بارہ سو کو گرفتار کر لیا اور غنیمت کے مال میں شاپور کی بیٹی اور جو مال اور قیمتی چیزیں اس کے ساتھ تھیں' ہمارے ہاتھ لگیں۔ ہم ان سب کو اس قلعے میں لے آئے۔ سعدان کی باتیں سن کر غریب نے کہا تونے شہزادی

فخر تاج کے ساتھ کوئی بد عنوانی تو نہیں کی ہے؟ دیو نے کہا تیرے سر اور اس مذہب کی قسم جس میں، میں داخل ہوا ہوں، نہیں۔ غریب نے کہا تو نے بہت اچھا کیا ہے

سعدان، کیوں کہ اس کا باپ دنیا کے بڑے بادشاہوں میں سے ہے۔ وہ ضرور اس کے پیچھے لشکر لے کر آئے گا اور جس ملک پر قبضہ کرے گا، اسے تباہ کر دے گا، جو شخص نتیجے پر غور نہیں کرتا، زمانہ اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ اے سعدان، وہ لڑکی کہاں ہے؟ سعدان نے کہا۔ میں نے اسے اور اس کی کنیزوں کو ایک علیحدہ محل میں رکھا ہے۔ غریب نے کہا کہ بتا وہ محل کہاں ہے؟ دیو نے کہا سر آنکھوں سے، اب غریب اور سعدان دیو چل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ وہ شہزادی فخر تاج کے محل میں پہنچے۔ دیکھا کہ وہ اس بات پر افسوس کر رہی ہے اور رو رہی ہے کہ اسے عزت اور عیش و عشرت کے بعد کیسی ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔

جونہی غریب کی نظر فخر تاج پر پڑی تو اسے ایسا معلوم ہوا گویا چاند اس کے قریب آ گیا ہے۔ وہ سمیع اور علیم خدا کی بزرگی بیان کرنے لگا۔ اتنے میں فخر تاج کی نظر بھی غریب پر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ وہ بڑا شہ سوار ہے اور بہادری اس کے چہرے سے ٹپکتی ہے۔ شہزادی نے اٹھ کر اس کے ہاتھ چومے اور ہاتھ چومنے کے بعد اس کے پاؤں کی طرف جھک کر کہنے لگی۔ اے زمانے کے سورما، میں تیری پناہ میں ہوں، مجھے اس دیو سے بچا۔ میں ڈرتی ہوں کہ یہ کہیں مجھے خراب نہ کرے اور پھر مجھے کھا نہ جائے۔ مجھے اپنے ساتھ لے چل، میں کنیزوں کی طرح تیری خدمت کروں گی۔ غریب نے کہا کہ جب تک تو اپنے باپ کے پاس عزت و احترام سے پہنچ جائے، تیرا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ شہزادی نے اسے دعا دی کہ خدا تیری عمر میں برکت دے اور تیرا مرتبہ بڑھائے! اس کے بعد غریب نے حکم دیا کہ عجموں کی مشکیں کھول دی جائیں اور اس نے فخر تاج سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ تو اپنے محل سے نکل کر اس جنگل بیابان میں کیوں آئی تھی کہ ڈاکو، تجھے لے اڑے؟ وہ بولی کہ اے میرے مولیٰ، میرا

باپ اور اس کی رعایا سارے ترک' دیلم والے اور مجوسی زبردست خدا کو چھوڑ کر آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ایک آتش خانہ ہے جس کا نام دیر النار ہے جہاں ہر سال مجوسیوں اور آتش پرستوں کی عورتیں جمع ہوتی اور ایک مہینے تک جب تک ان کی عید ختم نہ وہ جائے رہتی ہیں' پھر اپنے وطن لوٹ جاتی ہیں۔ دستور کے موافق میں بھی اپنی کنیزوں کو لے کر دیر النار کو چلی۔ میرے باپ نے دو ہزار سوار میری حفاظت کے لئے ساتھ کر دیئے لیکن راہ میں اس دیو نے ہم پر حملہ کیا۔ بعضوں کو قتل کر کے باقیوں کو گرفتار کر لیا اور اس قلعے میں قید کر دیا۔ اے بہادروں کے بہادر' یہ ہے ہماری کہانی۔ خدا تجھے زمانے کی مصیبتوں سے پناہ میں رکھے! غریب نے کہا' ڈر نہیں۔ میں تجھے تیرے محل تک پہنچا دوں گا جہاں تو عزت آبرو سے رہ سکے گی۔

شہزادی نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کے ہاتھ چومے۔

اس کے بعد وہ وہاں سے چلا آیا' مگر یہ حکم دے دیا کہ اسے عزت آبرو سے رکھا جائے' رات کو آرم کیا۔ سویرا ہوا تو وہ اٹھا وضو کر کے ہمارے بزرگ ابراہیم خلیل کی ملت کے مطابق دو رکعت نماز پڑھی۔ دیو' اس کے بیٹوں اور غریب کے ساتھیوں نے اس کے پیچھے نماز ادا کی۔ پھر غریب نے سعدان سے کہا کیا تو ہمیں وادی ازہار کی سیر کرائے گا؟ اس نے کہا اے میرے مولیٰ ضرور۔ سعدان' اس کے بیٹے' غریب' اس کے ساتھی' شہزادی فخر تاج اور اس کی کنیزیں سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ سعدان نے اپنے غلاموں اور کنیزوں کو حکم دیا کہ ایک جانور کو ذبح کر کے پکائیں اور درختوں کے نیچے لگائیں۔ سعدان کے پاس ڈیڑھ سو کنیزیں اور ایک ہزار غلام تھے جو اونٹوں' گائے' بیلوں اور بھیڑ بکریوں کو چراتے تھے۔ وہاں سے غریب اور اس کے ساتھ وادی ازہار پہنچے۔ دیکھا کہ عجیب منظر اور عجب بہار ہے۔ چڑیا شاخوں پر بیٹھی الاپ رہی ہیں۔ بلبلیں طرح طرح کے نغمے سنا رہی ہیں۔ قمریاں خدا کی پیدا کی ہوئی جگھوں میں گونج رہی ہیں۔

اور اس شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے

اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو تیس ویں رات

چھ سو تیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! منجملہ اور چڑیوں کے بلبل تھی جو اپنی سریلی آواز سے انسان کی طرح گا رہی تھی۔ شحرور جس کی تعریف

سے زبان قاصر ہے' فاختہ جو اپنے گانے سے محبت کو تازہ کر دیتی ہے اور طوق دار قمری جس کے ساتھ طوطا بڑی فصاحت سے آواز ملاتا ہے' سب اپنی اپنی نغمہ سرائیوں میں مست تھے' پھلوں سے لدے ہوئے درخت کھٹے اور میٹھے اناروں سے دبی ہوئی شاخیں' بادامی اور کافوری کشمشیں' خرا سانی بادام اور آلو بخارے کی شاخیں' بڑ کے درختوں کی شاخوں میں گتھی ہوئی نارنگیاں جو مشعلوں کی طرح دہک رہی تھیں۔ سنگترے جن کے بوجھ سے شاخیں جھکی پڑتیں' نیبو جس سے خوب بھوک لگتی ہے۔ کھٹے میٹھے جو یرقان کا علاج ہیں' لال اور زرد کھجوریں' جنہیں خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ اس گھاٹی کو دیکھ کر غریب خوش ہو گیا' اس نے حکم دیا کہ وہیں فخر تاج کے لئے کسروی شامیانے لگائے جائیں۔ لوگوں نے درختوں کے نیچے شامیانے لگا دیئے اور ان میں عمدہ عمدہ فرش بچھا دیئے۔ غریب بیٹھ گیا' کھانا آیا اور سب نے پیٹ بھر کر کھایا۔ اس کے بعد غریب نے کہا اے سعدان! سعدان نے کہا اے میرے مولیٰ' میں حاضر ہوں۔ غریب بولا' تیرے پاس شراب ہے؟ اس نے کہا ہاں! میرے پاس ایک مٹکا پرانی شراب کا ہے۔ غریب نے کہا اس میں سے تھوڑی سی لے آ۔ سعدان نے دس غلاموں کو بھیج کر بہت سی شراب منگوائی۔ سب نے کھایا پیا اور مزے اڑائے غریب مزے میں آ کر مہدیہ کو یاد کرنے لگا۔ اسی طرح سے وہ تین دن تک کھاتے پیتے اور مزے کرتے رہے پھر لوٹ کر قلعے میں گئے اور غریب نے اپنے بھائی سہیم اللیل کو بلایا' جب وہ آیا تو اس نے کہا تو ساروں کو لے کر اپنے ماں باپ اور بنی قحطان کے پاس جا اور انہیں یہاں لے آ تا کہ آج سے وہ اپنی زندگی یہاں بسر کریں۔ میں شہزادی فخر تاج کو

لے کر اس کے باپ کے پاس عجم جاتا ہوں اور تو اے سعدان' اپنے بیٹوں کے ساتھ اس وقت تک اس قلعے میں ٹھہر جب تک میں لوٹ نہ آؤں۔ اس نے کہا تو مجھے اپنے ساتھ کیوں نہیں لئے چلتا؟ غریب نے کہا اس وجہ سے کہ تو نے عجم کے بادشاہ شاپور کی بیٹی کو قید کیا تھا' اگر وہ تجھے دیکھ پائے گا تو وہ تیری بوٹیاں نوچ ڈالے گا اور خون پی جائے گا۔ یہ سن کر پہاڑی دیو بجلی کی کڑک کی طرح زور سے ہنسنے لگا اور بولا' اے میرے مولیٰ' تیرے سر کی قسم اگر تمام عجم اور دیلم والے بھی اکٹھے ہو جائیں تو میں ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ غرب نے کہا تو واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ تو کہتا ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ میرے لوٹنے تک یہیں ٹھہرے۔ دیو نے کہا سر آنکھوں سے۔

الغرض سہیم اپنے قبیلے کی طرف چل دیا اور غریب شہزادی فخر تاج کو لے کر عجم کے بادشاہ شاپور کے دارالسلطنت مدائن کو روانہ ہوا۔ ادھر ان لوگوں کے ساتھ یہ گزر رہی تھی' ادھر بادشاہ شاپور اپنی بیٹی کا دیر النار سے لوٹنے کا انتظار کر رہا تھا۔ جب میعاد گزر چکی اور وہ نہ لوٹی تو اس کے دل میں کھلبلی مچنی شروع ہوئی۔ اس کے چالیس وزیر تھے' ان میں سب سے بڑا سمجھ دار اور پڑھا لکھا ایک وزیر تھا جس کا نام دیدان تھا۔ بادشاہ نے اس سے کہا' اے وزیرا وقت گزر چکا ہے اور اب تک میری بیٹی کی کوئی خبر نہیں' لہٰذا پیادوں کو دوڑا کہ وہ دیر لنار جا کر خبر لائیں۔ وزیر نے باہر نکل کر پیادوں کے سردار کو آواز دی اور کہا کہ فوراً دیر النار جا' وہ فوراً دیر النار روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر راہبوں سے شہزادی کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا ہم نے اسے اس سال بالکل نہیں دیکھا۔ یہ سن کر وہ الٹے پاؤں لوٹا اور اسانیر کے شہر پہنچ کر وزیر کے پاس آیا اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ وزیر بادشاہ کے پاس گیا۔ یہ خبر سنتے ہی بادشاہ نے قیامت برپا کر دی' اپنا تاج زمین پر پھینک دیا' داڑھی نوچنے لگا اور غش کھا کر گر پڑا۔ لوگوں نے اس پر پانی چھڑکا' اسے ہوش آیا' مگر اس کے آنسو جاری

تھے اور وہ سخت پریشان تھا۔ اس نے دس سرداروں کو بلا کر کہا کہ دس دس ہزار سوار لے کر جاؤ اور ایک ایک ملک جا کر شہزادی ملکہ تاج کو تلاش کرو۔ وہ سب تیار ہو گئے اور ہر ایک' ایک ایک ملک کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اب فخر تاج کی ماں کا حال سنیئے۔ اس نے اور اس کی کنیزوں نے کالے کپڑے پہن لئے اور راکھ بچھا کر رونے پیٹنے لگ گئیں۔ یہ ان لوگوں کا ماجرا ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو اکتیس ویں رات

چھ سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ! ادھر ان لوگوں پر یہ گزر رہی تھی اور ادھر غریب کے ساتھ راہ میں ایک عجیب و غریب معاملہ پیش آیا۔ دس روز چلنے کے بعد گیارہویں دن اسے گرد اٹھتی دکھائی دی جو اٹھتے اٹھتے آسمان پر پہنچ گئی۔ غریب نے اس امیر کو بلایا جو عجمیوں کا سردار تھا۔ وہ حاضر ہوا تو غریب نے کہا جا کر اس گرد کی خبر لا۔ امیر گھوڑے کر ایڑ لگا کر گرد کے پاس پہنچا۔ لوگوں کو دیکھ کر ان سے پوچھا۔ ایک شخص نے جواب دیا کہ ہم لوگ بنی ہطال کے قبیلے کے ہیں۔ ہمارا سردار صمصام بن جراح ہے۔ ہم لوٹ مار کی تلاش میں پھر رہے ہیں۔ ہمارا قبیلہ پانچ ہزار سواروں کا ہے۔ یہ سن کر عجمی نے اپنے گھوڑے کو ایڑ دی اور غریب کے پاس آ کر سارا ماجرا بیان کیا۔ غریب نے بنی قحطان اور عجمیوں کو للکار کر کہا ہتھیار لگا لو' وہ ہتھیار لگا کر آگے بڑھے۔ عرب غنیمت غنیمت چلاتے ہوئے ان کے مقابلے میں آئے۔ غریب نے بلند آواز سے کہا اے عربی کتو! خدا تمہیں تباہ کرے! یہ کہہ کر ان پر جا پڑا۔ بہادروں کی طرح حملہ کرتا جاتا اور کہتا جاتا کہ اللہ اکبر! برکت ہو ابراہیم خلیل علیہ السلام کے دین میں! اب ان میں کشت و خون اور گھمسان کی لڑائی ہونے لگی' تلواریں چلنے لگیں' نعرے لگائے جانے لگے۔ شام تک لڑائی ہوتی رہی' جب اندھیرا ہو گیا تو ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ غریب نے اپنے ساتھیوں کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ بنی قحطان میں سے پانچ آدمی مارے گئے ہیں۔ عجمیوں میں سے تہتر صمصام کے لوگوں میں سے پانچ سو سے زیادہ۔ ادھر صمصام گھوڑے پر سے اترا مگر نہ اس نے کھانا کھایا نہ سویا۔ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا' اس لڑکے کی سی لڑائی عمر بھر میری نظر سے نہیں گزری۔ کبھی تو وہ تلوار سے لڑتا تھا اور کبھی گرز سے۔ کل میں خود لڑائی کے میدان میں اس کا مقابلہ کروں گا اور اس کے ساتھ شمشیر زنی زور نیزہ بازی کروں

گا اور ان عربوں کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔
ادھر غریب جب اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ کر گیا تو شہزادی فخر تاج ڈر کے مارے جو اس کے دم میں سما گیا تھا' روتی ہوئی اس کے پاس پہنچی' رکاب میں اس کے پاؤں چومنے لگی اور کہا' اے زمانے کے سب سے بڑا سوار' خدا تیرے ہاتھ کبھی شل نہ کرے نہ تیرے دشمنوں کو تجھ پر ہنسنے کا موقع دے! شکر ہے خدا کا کہ اس نے تجھے آج کے دن صحیح و سلامت رکھا۔ میں آج بہت ڈر رہی تھی کہ کہیں تجھے ان بدووں سے نقصان نہ پہنچ جائے۔ یہ باتیں سن کر غریب ہنس پڑا۔ اسے تسلی دی' اطمینان دلایا اور کہنے لگا' اے شہزادی! ڈر نہیں۔ اگر دشمن اس جنگل کے درختوں کے برابر بھی ہوں تو میں بزرگ خدا کی مدد سے ان سب کا کام تمام کر دوں گا۔ شہزادی نے دعا دی کہ خدا تجھے دشمنوں پر فتح دے۔ پھر وہ اپنی کنیزوں کے پاس چلی گئی۔ اور غریب نے گھوڑے سے اتر کر اپنا ہاتھ جس پر کافروں کا خون لگا ہوا تھا' دھویا اور پہرے کھڑے کر کے رات گزاری۔ سویرا ہوا تو دونوں فریق سوار ہو کر پھر شمشیر زنی اور نیزہ بازی کے میدان میں اترے۔ سب سے پہلے غریب گھوڑا دوڑا کر کافروں کے پاس پہنچا اور چلا کر کہا' ہے کوئی چست اور طاقتور جنگجو جو آئے؟ یہ سن کر عاد کی قوم کا ایک دیو زاد نکلا اور غریب پر حملہ کر کے کہنے لگا اے غریب کے بچے لے یہ وار اور خوش ہو کہ تو ہلاک ہونے والا ہے۔ اس کے پاس ایک فولادی گرز تھا سوا من کا' اسے اٹھا کر غریب پر چلایا۔ غریب نے وار خالی کر دیا' گرز اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کئی ہاتھ زمین میں دھنس گیا اور اس نے جھونک کھائی۔ غریب کو موقع ملا اس نے اپنے فولادی گرز سے ایک ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا ماتھا پھٹ گیا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ خدا نے اس کی روح فوراً دوزخ میں پہنچا دی۔ اب غریب نے گھوڑے کو جولاں کیا اور کہاں کون ہے جو میدان میں آئے؟ ایک دوسرا شخص نکلا۔ غریب نے اسے بھی قتل کر دیا' پھر تیسرا آیا یہاں تک کہ دس نکلے اور اس نے سب کا کام تمام کر دیا۔ جب کافروں نے غریب کی لڑائی اور حملے دیکھے تو انہوں نے اپنی پیٹھ پھیر لی' کوئی اس کی طرف

نہ گیا۔ یہ دیکھ کر ان کے سردار نے کہا' خدا تم سے سمجھے' میں خود اس کے مقابلے میں جاؤں گا۔ یہ کہہ کر اس نے ہتھیار باندھ لئے' گھوڑا دوڑا کر میدان میں غریب کے پاس جا پہنچا اور کہنے لگا' اے عربوں کے کتے' کیا تو اتنا بڑا ہو گیا ہے کہ میدان میں میرے سامنے آ کر میرے آدمیوں کو قتل کرنے لگا؟ غریب بولا' شیخی نہ مار آلڑ اور مقتول سواروں کا بدلہ لے۔ صمصام نے غریب پر حملہ کیا۔ غریب نے نہایت خندہ پیشانی سے اس کا جواب دیا' دونوں میں گرز بازی ہونے لگی۔ دونوں طرف والے حیران تھے اور تمام آنکھیں ان کی طرف لگ گئیں۔ دونوں ایک دوسرے کی گھات میں تھے کہ ایک دفعہ ہی غریب نے صمصام کا وار خالی دے کر ایک ایسا تلوار کا ہاتھ مارا کہ اس کے سینے کے چاروں بند کھل گئے اور وہ مر کر زمین پر گر پڑا۔ اب صمصام کے ساتھیوں نے ایک ساتھ غریب پر حملہ کر دیا۔ غریب بھی ان پر ٹوٹ پڑا۔ ایک نعرہ لگایا کہ اللہ اکبر! فتح اور کامیابی ہمارے لئے اور ناکامی ان لوگوں کے لئے جو ابراہیم خلیل علیل السلام کے دین کو نہیں مانتے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چھ سو بتیسویں رات

چھ سو بتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ! جب کافروں نے غریب کو زبردست اور تنہا خدا کا ذکر کرتے ہوئے سنا جس کی رسائی دل تک ہے' مگر جس تک آنکھوں کی رسائی نہیں تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور کہنے لگے یہ کیسی باتیں ہیں' جن سے ہمارے بدن کانپے جاتے ہیں' ہماری ہمتیں پست اور ہماری عمریں کم ہو گئیں۔ ہم نے زندگی بھر ایسی باتیں نہیں سنی ہیں۔ وہ آپس میں کہنے لگے' لڑائی بند کر دو تا کہ ہم پوچھیں کہ یہ کیسی باتیں ہیں۔ انہوں نے لڑائی بند کر دی۔ گھوڑوں سے اتر پڑے اور ان کے سرداروں نے جمع ہو کر مشورہ کیا۔ یہ فیصلہ ہوا کہ وہ غریب سے ملیں۔ انہوں نے کہا ہم میں سے دس آدمی جائیں۔ انہوں نے اپنے بہترین آدمیوں سے دس کو چھانٹا وہ غریب کے خیموں کی طرف روانہ ہو گئے۔ ادھر غریب اور اس کے ساتھی اپنے خیموں میں پہنچے اور انہیں بڑا تعجب تھا کہ آخر یہ لوگ لڑائی چھوڑ کر کیوں چلتے بنے؟ اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ وہ دس آدمی آ پہنچے۔ انہوں نے غریب کے آگے پہنچ کر زمین چومی اور دعا دی کہ وہ عزت آبرو سے اپنی زندگی کاٹے۔ غریب نے پوچھا کہ تم لوگوں نے لڑائی کیوں بند کر دی؟ انہوں نے کہا' اے ہمارے مولیٰ جو باتیں تو نے چلا کر کہیں' ان سے ہمارے دلوں میں ہیبت بیٹھ گئی۔ غریب نے پوچھا آخر تم لوگ کن بلا بدتروں کی پرستش کرتے ہو؟ وہ بولے ' ہم ود' سواع اور یغوث کی پرستش کرتے ہیں جو نوح کی قوم کے دیوتا ہیں۔ غریب نے کہا ہم سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہیں کرتے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور ہر زندہ کو روزی دینے والا ہے' اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ پہاڑوں کو مضبوط گاڑا ہے' پتھروں میں سے پانی نکالا ہے' درخت اگائے ہیں اور وہی جانوروں کو جنگلوں اور بیابانوں میں روشی

پہنچاتا ہے' وہی یکتا اور زبردست خدا ہے۔
غریب کی یہ باتیں سن کر ان لوگوں کے دل توحید کی طرف مائل ہو گئے انہوں نے کہا کہ واقعی یہی خدا بڑا پرور دگار' مہربان اور رحیم ہے۔ اس کے بعد انہوں نے پوچھا کہ ہمیں کیا کہنا چاہیے تا کہ ہم مسلمان ہو جائیں۔ غریب نے جواب دیا کہو "سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں اور ابراہیم اللہ کے دوست ہیں۔" یہ سنتے ہی وہ دسوں کے دسوں دل سے اسلام لے آئے۔ غریب نے کہا اگر اسلام کی محبت واقعی تمہارے دلوں میں بیٹھ گئی ہے تو اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر ان کے سامنے اسلام پیش کرو۔ اگر وہ اسلام لے آئے تو بچ جائیں گے ورنہ ہم انہیں آگ میں جلا دیں گے۔ وہ دسوں رخصت ہو کر اپنے ساتھیوں کے پاس گئے اور اسلام پیش کیا۔ سچائی اور ایمان کے طریقے کی تشریح کی' وہ بھی سب ظاہر و باطن سے مسلمان ہو گئے اور دوڑتے ہوئے غریب کے خیمے میں پہنچے۔ اس کے سامنے زمین چومی اور دعا دی کہ اس کی عزت اور بلند مرتبے میں ترقی ہو۔ پھر کہا اے ہمارے مولیٰ' اب ہم تیرے غلام ہیں' جو تیرا جی چاہے ہمیں حکم دے۔ ہم تیری فرمانبرداری کریں گے اور کبھی تیرا ساتھ نہ چھوڑیں گے کیونکہ خدا نے تیرے ذریعے سے ہمیں ہدایت کی ہے۔ غریب نے ان کی اچھی طرح سے آؤ بھگت کی اور ان سے کہا کہ اپنے گھر جا کر اپنا مال و دولت اور بال بچوں کو لے کر ہم سے پہلے وادی الازہار صاابن ثیث کے قلعے میں پہنچ جاؤ' میں عجم کے بادشاہ شاپور کی بیٹی شہزادی تاج کو رخصت کر کے تمہارے پاس آتا ہوں۔ انہوں نے کہا' سر آنکھوں پر۔ یہ کہہ کر وہ فوراً اپنے قبیلے کی طرف روانہ ہو گئے اور اپنے اسلام لانے پر بڑے خوش تھے۔ انہوں نے وہاں جا کر اپنے اہل و عیال کے سامنے اسلام پیش کیا' وہ مسلمان ہو گئے' اپنے خیمے اکھاڑے' اپنے اونٹ مویشی لے کر وادی الازہار چل کھڑے ہوئے۔ غریب نے انہیں ہدایت کر دی تھی کہ اگر پہاڑی دیو نکل کر آئے اور تم سے لڑائی کرنا چاہے تو خدا کا ذکر کرنے لگنا' جب وہ خدا کا ذکر سنے گا تو لڑائی سے باز آ جائے گا اور تمہاری آؤ بھگت کرے گا۔ چنانچہ جب پہاڑی دیو نے اپنے لڑکوں

کے ساتھ ان سے لڑنے کا ارادہ کیا تو وہ زور زور سے خدا کا ذکر کرنے لگے۔ دیو نے ان کا استقبال کیا اور پوچھا کہ تم پر کیا گزری؟ انہوں نے وہ سارا قصہ بیان کر دیا جو انہیں غریب کے ساتھ پیش آیا تھا۔ سعدان بہت خوش ہوا۔ ان کی ضیافت کی اور انہیں نیکیوں سے پاٹ دیا۔

یہ تو ادھر کا قصہ ہوا' ادھر غریب شہزادی فخر تاج کو لے کر اسا نیز روانہ ہو گیا۔ پانچ روز تک چلنے کے بعد چھٹے دن اسے گرد اٹھتی دکھائی دی۔ اس نے ایک عجمی کو بھیج کر اس کا سبب دریافت کرایا۔ عجمی جا کر فوراً تیر کی طرح لوٹا اور کہنے لگا اے میرے مولیٰ' یہ گرد ایک ہزار سواروں کی ہے جو ہمارے ساتھی ہیں اور جنہیں بادشاہ نے فخر تاج کو تلاش میں بھیجا ہے۔ غریب کو یہ خبر ملی تو اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اتر پڑیں اور خیمے لگا دیں۔ وہ اتر پڑے اور خیمے لگا دیئے۔ اتنے میں آنے والے وہاں پہنچ گئے۔ شہزادی فخر تاج کے ساتھیوں نے اس کا استقبال کیا اور ان کے سردار طومان کو شہزادی فخر تاج کی خبر سنائی۔ طومان نے یہ ماجرا سنا تو غریب کے پاس جا کر اس کے سامنے زمین چومی اور شہزادی کی خیریت دریافت کی۔ غریب نے اسے شہزادی کے خیمے میں بھیج دیا۔ طومان نے وہاں جا کر اس کے ہاتھ پاؤں چومے اور کہا کہ کچھ معلوم ہے کہ تیرے ماں باپ پر کیا گزری ہے؟ شہزادی نے اپنا ماجرا بیان کیا اور یہ کہ غریب نے اسے کس طرح پہاڑی دیو کے پنجے سے چھڑایا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- چھ سو تینتیس ویں رات

چھ سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ! فخر تاج نے سارا ماجرا کہنے کے بعد طومان سے کہا کہ میرے باپ کو لازم ہے کہ وہ غریب کو اپنا آدھا ملک دے دے۔ اب طومان پھر غریب کے پاس گیا' اس کے احسان کا شکر گزار ہوا اور اس سے کہا اے میرے مولیٰ! اگر تو اجازت دے تو میں اسبانیر جا کر بادشاہ کو خوش خبری دوں؟ غریب نے کہا' جا اور میری طرف سے بھی مبارک باد لیتا جا۔ طومان روانہ ہو گیا اور غریب نے بھی کوچ کر دیا۔ طومان بہت تیز تیز چلا اور اسبانیرا مدائن پہنچ کر شاہی محل میں داخل ہوا۔ بادشاہ شاپور کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ بادشاہ نے کہا' اے خوشخبری لانے والے' کیا خبر ہے؟ طومان نے کہا جب تک تو مجھے خوشخبری کا انعام نہ دے گا' نہ کہوں گا۔ بادشاہ بولا کہہ تو سہی میں تجھے خوش کر دوں گا۔ اس نے کہا' جہاں پناہ میں شہزادی فخر تاج کی خوش خبری لایا ہوں۔ اپنی بیٹی کا نام سنتے ہی شاپور کو غش آ گیا۔ لوگوں نے اس پر گلاب چھڑکا تو ہوش آیا۔ اس نے طومان سے کہا' میرے قریب آ کر مجھے خوش خبری سنا۔ طومان نے اس کے قریب جا کر اسے سارا قصہ سنایا جو شہزادی فخر تاج کے ساتھ پیش آیا تھا۔ بادشاہ کو بڑی خوشی ہوئی۔ اس نے حکم دیا کہ طومان کو دس ہزار دینار دیئے جائیں اور اسے اصفہان کا شہر اور اس کے ماتحت اضلاع عنایت کئے اور امراء سے کہا کہ سب سوار ہو جاؤ' ہم شہزادی فخر تاج کے استقبال کے لئے جائیں گے۔ ایک خاص خادم نے جا کر شہزادی کی ماں اور تمام عورتوں کی خبر دی۔ وہ بھی سب خوش ہو گئیں۔ ماں نے خادم کو خلعت دیا اور ایک ہزار دینار بخشے۔ جب شہر والوں نے یہ خبر سنی تو انہوں نے بازار اور مکانات سجائے۔

اب بادشاہ اور طومان سوار ہو کر چلے۔ جونہی غریب والے آتے دکھائی دیئے اور غریب

پر نظر پڑی۔ بادشاہ شاپور گھوڑے سے اتر پڑا اور غریب کے استقبال کے لئے پیدل چلنے لگا۔ یہ دیکھ کر غریب بھی پیادہ ہو کر بادشاہ کی طرف بڑھا۔ دونوں گلے ملے' ایک نے دوسرے کو سلام کیا اور شاپور نے جھک کر غریب کے ہاتھ چومے' اس کے احسان کا شکریہ ادا کیا' آمنے سامنے خیمے لگا دیئے گئے اور شاپور اپنی بیٹی کے پاس گیا۔ بیٹی اٹھ کر باپ کے گلے ملی' ساری کہانی بیان کی کہ غریب نے کس طرح پہاڑی دیو کے پنجے سے اسے چھڑایا۔ باپ نے کہا اے حسینوں کی آقا! میں اسے اتنا دوں گا کہ کسی نے نہ دیا ہو گا۔ شہزادی بولی' ابا جان! اس سے رشتہ قائم کر لے تا کہ اس سے تجھے دشمنوں کے مقابلے میں مدد ملے کیونکہ وہ بہت بہادر ہے۔ یہ باتیں اس نے اس وجہ سے کیں کہ اس کا دل غریب پر آ گیا تھا۔ بادشاہ نے کہا بیٹی' تجھے معلوم نہیں کہ بادشاہ خرد شاہ نے تیری منگنی میں زربفت اور ایک لاکھ دینار بھیجے ہیں۔ وہ شیراز اور اس کے گرد نواح کا بادشاہ ہے۔ اس کے پاس بہت بڑا ملک ہے اور بڑی فوجیں ہیں۔
باپ کی یہ باتیں سن کر فخر تاج کہنے لگی' ابا جان تیری تجویز مجھے منظور نہیں اور اگر تو میری مرضی کے خلاف مجھے مجبور کرے گا تو میں جان دے دوں گی۔ اب بادشاہ غریب کے پاس آیا' غریب کھڑا ہو گیا اور شاپور اسے دیکھنے لگا۔ اس کا دل غریب کے دیکھنے سے سیر نہ ہوتا تھا۔ اپنے دل میں کہنے لگا' کہ میری بیٹی اس بدو سے محبت کرنے میں معذور ہے۔ اس کے بعد کھانا لایا گیا اور سب کھا پی کر سو گئے۔ صبح ہوئی تو شہر کی طرف بڑھے۔ رکاب سے رکاب ملائے اندر داخل ہوئے۔ یہ دن ان کے لئے بڑی خوشی کا دن تھا۔ فخر تاج اپنے محل میں گئی' اس کی ماں اور کنیزیں آ کر ملیں اور چہچہے قہقہے لگنے لگے۔
بادشاہ شاپور اپنی حکومت کی کرسی پر آ کر بیٹھا۔ غریب کو دہنی طرف بٹھایا' والی' حاجب' امرا' نواب اور وزرا ادھر ادھر کھڑے ہوئے' سب نے بادشاہ کو اس کی بیٹی کے ملنے پر مبارک باد دی۔ بادشاہ نے تمام امرا سے کہا کہ جسے مجھ سے محبت ہے وہ غریب کو خلعت دے' بادشاہ کا یہ کہنا تھا کہ اس پر خلعتوں کا مینہ برسنے لگا۔ دس دن

کی مہمانی کے بعد غریب نے جانے کا ارادہ کیا' بادشاہ نے اسے بڑا بھاری خلعت عطا کیا اور اس کے دین کی قسم دے کر کہا کہ ایک مہینے سے پہلے نہ جا۔ غریب نے کہا

اے بادشاہ! میں نے ایک عربی لڑکی سے شادی کی درخواست کی ہے' اس کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ بادشاہ بولا' تیری منگیتر زیادہ خوب صورت ہے یا فخر تاج؟ غریب نے کہا جہاں پناہ' کہاں غلام اور کہاں آقا! بادشاہ نے کہا فخر تاج تیری لونڈی ہو چکی ہے تو نے اسے دیو کے پنجے سے چھڑایا ہے۔ سوا تیرے کوئی اس کا شوہر نہیں ہو سکتا۔ غریب نے اٹھ کر زمین چومی اور کہا جہاں پناہ' تو بادشاہ ہے اور میں ایک فقری آدمی' اگر تو کوئی بھاری مہر مانگ بیٹھا تو میں کیا کروں گا؟ بادشاہ شاپور نے کہا بیٹا سن! شیراز اور اس کے گرد و نواح کا بادشاہ خرد شاہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس نے ایک لاکھ دینار مہر مقرر کیا ہے' مگر میں تجھے انتخاب کرتا ہوں اور تجھے اپنی مملکت کی تلوار اور حملے کی ڈھال بناتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ امرا کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں تمہیں اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنی بیٹی فخر تاج کی شادی اپنے بیٹے غریب سے کر دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو چونتیس ویں رات

چھو سو چونتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ! عجم کے بادشاہ شاپور نے امراء سے کہا کہ میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنی بیٹی فخر تاج کی شادی اپنے بیٹے غریب سے کر دی۔ یہ کہ کر اس نے غریب سے مصافحہ کیا اور شہزادی اس کی بیوی ہو گئی۔ غریب نے کہا کہ مہر مقرر کر دے تا کہ میں لے آؤں۔ صاصا کے قلعے میں میرے پاس اتنا مال و دولت ذخیرہ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ شاپور نے کہا بیٹا میں تجھ سے مال و دولت چاہتا ہوں نہ ذخیرے۔ دشت و ہواز کے بادشاہ جمر قان کے سر کے سوا میں اپنی لڑکی کے مہر میں کچھ نہیں مانگتا۔ غریب نے کہا جہاں پناہ! میں ابھی جا کر اپنے آدمیوں کو لاتا ہوں اور دشمن کی طرف روانہ ہو کر ان کا ملک تباہ کرتا ہوں۔ بادشاہ نے اسے دعائیں دیں۔ درباریوں اور امرا کو رخصت کیا' اس کا خیال تھا کہ اگر غریب دشت کے بادشاہ جمرقان کی طرف گیا تو پھر ہرگز نہیں لوٹے گا۔

صبح کو بادشاہ سوار ہوا' غریب کو بھی سوار کیا اور لشکر کو بھی سوار ہونے کا حکم دیا۔ سب سوار ہو کر میدان میں پہنچے۔ بادشاہ نے کہا کہ نیزہ بازی کے کرتب دکھا کر میرا دل خوش کرو۔ عجمی سورما آپس میں کرتب دکھانے لگے۔ غریب نے کہا۔ جہاں پناہ میں چاہتا ہوں کہ میں بھی عجمی شہ سواروں کے ساتھ کرتب دکھاؤں مگر ایک شرط پر۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ تیری شرط کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں ایک انگی قمیض پہنوں اور بغیر پھل کا نیزہ لوں اور اس پر زعفران میں ڈوبا ہوا کپڑا لپیٹ دوں۔ ہر بہادر اور سورما پھل دار نیزہ لے کر میری طرف آئے اگر وہ مجھ پر غالب ہو تو میری جان کا مالک ہے اور اگر میں اس پر غالب آ جاؤں تو اس کے سینے پر نشان لگا دوں اور وہ میدان سے نکل جائے گا۔ بادشاہ نے لشکر کے سردار کو آواز دی کہ عجمی بہادروں کو پیش کرے۔

اور اس نے ایک ہزار عجمی شہزادوں کو منتخب کیا جو نہایت بہادر اور سورما تھے اور ان سے فارسی میں کہا کہ جس نے بدو کو قتل کر دیا وہ جو مانگے گا پائے گا۔ اب غریب میدان میں نکلا اور عجمی بہادر بھی آنے شروع ہوئے' مگر حق و باطل میں فرق ہوتا ہے' اسی طرح سے سنجیدگی اور مذاق میں۔ غریب نے کہا کہ میں اللہ پر بھروسا کرتا ہوں جو ابراہیم خلیل کا محبوب ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں' جو یکتا اور زبردست ہے اور جسے نظر نہیں دیکھ سکتی۔ آئے جسے دو دو ہاتھ دیکھنے ہیں۔ عجمی سورماؤں میں سے ایک دیو زاد نکلا۔ وہ بھی غریب کے سامنے دیر تک ٹھہرنے نہ پایا تھا کہ غریب نے اس کے سینے پر زعفران کا نشان لگا دیا۔ وہ لوٹنے لگا تو غریب نے اس کی گردن پر ایک نیزہ مارا' وہ زمین پر گر پڑا اور غلام اسے میدان میں سے اٹھا لے گئے۔ اس کے بعد دوسرا شخص آیا۔ غریب نے اس پر بھی نشان لگا دیا' پھر تیسرا' چوتھا اور پانچواں۔ الغرض ایک ایک کر کے پہلوان آتے جاتے تھے یہاں تک کہ سب کی چھاتیوں پر اس نے نشان لگا دیئے۔ خدا نے اسے سب پر فتح دی اور سب میدان سے نکل گئے۔ کھیل تماشوں کے بعد دستر خوان بچھا' سب نے کھانا کھایا۔ شراب آئی' سب نے پی۔ شراب پی کر غریب کو نشہ چڑھا' وہ اٹھ کر ضرورت رفع کرنے گیا اور چاہتا تھا کہ پھر اپنی جگہ واپس آئے مگر غلطی سے فخر تاج کی محل سرا میں جا پہنچا۔ اسے دیکھ کر شہزادی کی عقل گم ہو گئی اور اس نے اپنی کنیزوں سے کہاں کہ اپنی اپنی جگہ چلی جاؤ اور وہ سب اپنی اپنی جگہ چلی گئیں۔ اب اس نے غریب کا ہاتھ چوما اور کہا مرحبا میرے آقا' جس نے مجھے دیو کے پنجے سے چھڑایا ہے! میں ہمیشہ کے لئے تیری باندی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے غریب کو اپنے فرش کی طرف کھینچا اور گلے سے لگا لیا۔ غریب تو نشے میں تھا ہی اس کی شہوت تیز ہو گئی۔ اس نے شہزادی کا کنوار پن زائل کر دیا اور صبح تک اس کے ساتھ سوتا رہا۔

ادھر یہ ہو رہا تھا' ادھر بادشاہ نے سمجھا کہ غریب چلا گیا۔ صبح ہوئی تو وہ بادشاہ کے

پاس پہنچا۔ بادشاہ اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا اور اسے اپنے پہلو میں بٹھایا۔ اتنے میں امرا آ پہنچے اور زمین چوم کر دہنے بائیں کھڑے ہو گئے۔ غریب کی بہادری کی باتیں کرنے لگے اور کہنے لگے کہ پاک ہے وہ ہستی جس نے باوجود اس کم سنی کے اسے یہ بہادری دی۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ انہیں محل کے جھروکے سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی گرد اٹھتی دکھائی دی۔ بادشاہ نے پیادوں سے کہا مردودو! جا کر خبر لاؤ کہ یہ گرد کیسی ہے؟ وہ دوڑے اور واپس آ کر کہا کہ گرد کے نیچے سو سوار ہیں اور ان کے سردار کا نام سہیم اللیل ہے۔ یہ سن کر غریب نے کہا اے میرے مولیٰ! یہ میرا بھائی ہے' میں نے اسے ایک کام سے بھیجا تھا اور اب میں جا کر اسے ملوں گا۔
غریب ایک ہزار عجمیوں کو لے کر سوار ہو گیا اور اپنی قوم بنی قحطان کے سواروں سے ملنے چلا۔ یہ عجیب شاندار جلوس تھا اور بڑائی محض خدا کے لئے ہے۔ چلتے چلتے غریب اپنے بھائی کے پاس پہنچا' دونوں گھوڑوں سے اتر پڑے۔ ایک نے دوسرے کو گلے لگایا اور پھر سوار ہو گئے۔ غریب نے کہا بھائی' کیا تو اپنی قوم کو وادی الازاہار پہنچا آیا جہاں صاصا کا قلعہ ہے' سہیم بولا بھائی' جب اس دغا باز کتے نے سنا کہ تونے پہاڑی دیو کے قلعے کو فتح کر لیا ہے تو اس کا کینہ اور بھی بڑھ گیا۔ اس نے سوچا کہ کہیں غریب آ کر میری بیٹی مہدیہ کو بغیر مہر کے نہ لے جائے۔ اس لئے وہ اپنی بیٹی' قبیلے اور بال بچوں کو لے کر عراق چلا گیا اور کوفہ پہنچ کر بادشاہ عجیب کے ہاں پناہ لی' وہ چاہتا ہے کہ بادشاہ کو اپنی مہدیہ پیش کرے۔
اپنے بھائی سہیم اللیل کی یہ باتیں سنتے ہی مارے غصے کے غریب کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ کہنے لگا قسم ہے ابراہیم خلیل کے دین جو اسلام ہے اور قسم ہے بزرگ پرور دگار کی میں ضرور عراق جا کر اس سے لڑوں گا۔ اس کے بعد وہ شہر میں آیا اور اپنے بھائی سہیم اللیل کو لے کر شاہی محل میں پہنچا' دونوں نے زمین چومی۔ بادشاہ غریب کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا اور سہیم کو سلام کیا۔ غریب نے بادشاہ سے سارا ماجرا

بیان کیا۔ بادشاہ نے دس سرداروں کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ جائیں۔ ان دسوں کے ساتھ دس دس ہزار عرب اور عجم سورما تھے۔ تین دن تک سفر کی تیاری ہوتی رہی۔

چوتھے روز غریب چل کھڑا ہوا' راستے میں پہلے صاصا کے قلعے پہنچا۔ پہاڑی دیو اور اس کے بیٹوں نے غریب کا استقبال کیا۔ گھوڑوں سے اتر کر غریب کے پاؤں رکاب میں چومے' غریب نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ دیو نے کہا اے میرے مولیٰ! تو یہیں اپنے قلعے میں بیٹھ۔ میں اپنے بیٹوں اور لشکر کو لے کر عراق جاتا ہوں' دیکھنا وہ رشاق کے شہر کو تباہ کر کے سب کی مشکیں باندھ کر تیرے سامنے ابھی لایا۔ غریب نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا اے سعدان' ہم سب چلیں گے۔ دیو نے اس کا کہنا مان لیا' قلعے کی حفاظت کے لئے ایک ہزار سوار چھوڑ کر باقی سب روانہ ہو گئے۔ ادھر مرداس اپنی قوم کو لے کر عراق پہنچا اور اپنے ساتھ ایک عمدہ ہدیہ لے کر کوفے گیا۔ ہدیہ عجیب کے سامنے پیش کیا۔ زمین چومی' دعائیں دیں جو بادشاہوں کو دی جاتی ہیں اور اس سے کہا کہ اے میرے آقا! میں تیرے پاس پناہ لینے آیا ہوں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو پینتیس ویں رات

چھ سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ! جب مرداس عجیب کے پاس پہنچا تو اس نے کہا میں تیری پناہ میں آیا ہوں۔ اس نے پوچھا' تجھ پر کس نے ظلم کیا؟ میں تجھے ظالم سے پناہ دوں گا' خواہ وہ عجم' ترک اور دیلم کا بادشاہ شاپوری ہی کیوں نہ ہو۔ مرداس نے کہا میرا ظلم محض ایک لڑکا ہے جسے میں نے پالا اور بڑا کیا۔ ایک گھاٹی میں گزر رہا تھا دیکھا کہ ایک لڑکی بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے۔ مجھے وہ اچھی معلوم ہوئی میں نے اس سے شادی کر لی اس سے میرا ایک بیٹا ہوا جس کا نام میں نے سہیم اللیل رکھا۔ اس سے پہلے کا نام غریب ہے جس نے میرے گھر میں پرورش پائی ہے۔ وہ انسان کیا بجلی ہے' آفت کا پر کالہ' وہی بنی بنہان کے سردار حسان کا قاتل ہے۔ بہت سے پیادوں اور سواروں کو اس نے موت کے گھاٹ اتارا۔ میری ایک بیٹی ہے جو سوائے تیرے اور کسی کے قابل نہیں۔ اس نے اس سے شادی کی درخواست کی' میں نے مہر میں پہاڑی دیو کا سر مانگا۔ اس نے لڑ کر دیو سے چھڑایا اور وہ صاصا بن ثیث بن شداد بن عاد کے قلعے کا مالک ہے جس میں پرانے اور نئے لوگوں کے ذخیرے اور گزشتہ قوموں کے خزانے ہیں۔ اس وقت وہ شاپور کی بیٹی کو پہنچانے گیا ہے۔ اور بغیر عجم کا مال و دولت لئے نہیں لوٹے گا۔ مرداس کی یہ باتیں سنتے ہی عجیب کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس کی حالت دگرگوں ہو گئی اور اسے اپنی موت کا یقین آ گیا۔ اس نے پوچھا اے مرداس' اس لڑکے کی ماں تیرے پاس ہے یا اس کے پاس؟ مرداس نے جواب دیا میرے پاس خیموں میں ہے۔ بادشاہ عجیب نے اس کا نام دریافت کیا۔ مرداس نے کہا نصرت۔ بادشاہ بولا ہاں یہ وہی ہے اسے میرے پاس حاضر کر۔ جب وہ عجیب کے سامنے آئی تو وہ اسے دیکھ کر پہچان گیا اور کہنے لگا' اے ملعونہ وہ دونوں غلام کہاں ہیں جنہیں میں نے تیرے ساتھ بھیجا تھا؟ اس نے

کہا انہوں نے ایک دوسرے کو میری وجہ سے قتل کر دیا۔ عجیب نے تلوار کھینچ کر ایک ایسا ہاتھ مارا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ لوگ اسے کھینچ کر باہر پھینک آئے۔

ساتھ عجیب کے دل میں ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ اس نے کہا اے مرداس! میرا نکاح اپنی بیٹی سے کر دے۔ مرداس بولا' وہ تیری لونڈی ہے اور میں تیرا غلام۔ میں اسے تیرے نکاح میں دیتا ہوں۔ عجیب نے کہا میں اس حرام زادے غریب سے سمجھ لوں گا۔ وہ یہاں آئے تو سہی۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ مرداس کی بیٹی کے مہر میں تیس ہزار دینار' سو تھان ریشم کے جو سنہرے کلابتوں سے کڑھے ہوئے ہوں' سو ٹکڑے حاشئے دار ریشم کے قیمتی رومال اور سونے کے ہار دیئے جائیں۔ یہ شاندار مہر لے کر مرداس وہاں سے نکلا اور مہدیہ کی رخصت کے انتظام میں مشغول ہو گیا۔
اب غریب کا حال سنو۔ وہ چلتے چلتے الجزیرہ پہنچا۔ جہاں سے عراق کا ملک شروع ہوتا ہے جو بڑا مضبوط اور مستحکم شہر ہے اور وہاں ڈیرے ڈال دیئے۔ شہر والوں نے لشکر اترتے دیکھا تو انہوں نے شہر کے دروازے بند کر لئے' شہر پناہ پر پہرے لگا دیئے اور جا کر بادشاہ کو خبر پہنچائی۔ بادشاہ نے محل کے اوپر سے دیکھا کہ ایک بہت بڑا لشکر ہے اور سب کے سب عجمی ہیں' اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ عجمی کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں۔ یہاں کے بادشاہ کا نام دامغ تھا کیونکہ وہ لڑائی کے میدان میں بہادروں کے دماغ نکال پھینکتا۔ اس کا ایک سردار تھا ایسا تیز جیسے آگ شعلہ' اس کا نام شیر نیستان تھا۔ بادشاہ نے اسے بلا کر کہا کہ اس لشکر کی طرف جا' ان کا حال دریافت کر اور دیکھ کہ ان کا کیا ارادہ ہے؟ اور جلد واپس آ۔ شیر نیشان آندھی کی طرح چل دیا اور غریب کے پاس پہنچا۔ عربوں کی ایک جماعت چوکنا ہو کر کھڑی ہو گئی اور پوچھا کہ تو کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا میں قاصد ہوں۔ اس شہر کے بادشاہ نے مجھے تمہارے سردار کے پاس بھیجا ہے۔ لوگ اسے لے کر خیموں' شامیانوں اور پرچموں میں سے گزرتے ہوئے غریب کے خیمے میں پہنچے اور اسے اطلاع

کی۔ اس نے ایلچی کو اندر بلایا۔ قاصد اندر آیا تو زمین کو بوسہ دیا۔ دعا و ثنا کرنے لگا۔
غریب نے پوچھا تیرے آنے کی کیا غرض ہے؟ اس نے کہا میں الجزیرہ کے بادشاہ دامغ کا فرستادہ ہوں جو کوفے کے شہر اور ملک عراق کے بادشاہ کندمر کا بھائی ہے۔ قاصد کی یہ باتیں سن کر غریب کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اس نے قاصد کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور پوچھا' تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا شیر نیستاں۔ غریب نے کہا' اپنے آقا کے پاس جا کر کہہ کہ ان خیموں والے کا نام غریب ہے جو کوفے کے بادشاہ کندر مر کا بیٹا ہے جسے اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے اور میں دغاباز کتے عجیب سے بدلہ لینے آیا ہوں۔ قاصد وہاں سے نکل کر خوش خوش دامغ کے پاس پہنچا اور زمین چومی۔ بادشاہ نے کہا اے شیر نسیتاں کیا خبر لایا ہے؟ اس نے کہا اے میرے مولٰی اس لشکر کا سردار تیرا بھتیجا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ بادشاہ کو یہ معلوم ہوا جیسے خواب دیکھ رہا ہو' اس نے کہا' اے شیر نیستاں! وہ بولا ہاں اے بادشاہ! بادشاہ نے کہا کہ جو کچھ تونے سنا کیا سچ ہے؟ اس نے جواب دیا تیرے سر کی قسم سچ ہے۔ بادشاہ نے امیروں کو حکم دیا کہ سوار ہو جائیں' وہ سوار ہو گئے اور بادشاہ بھی سوار ہو کر ان کے ساتھ خیموں کی طرف چل کھڑا ہوا۔ جب غریب کو اطلاع ملی کہ بادشاہ دامغ آ گیا ہے تو اس نے باہر آ کر اس کا استقبال کیا۔ دونوں اونچی جگہ بیٹھے۔ دامغ اپنے بھتیجے غریب کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ میرے دل میں تیرے باپ کا بدلہ لینے کی حسرت تھی۔ میں اس کتے کا جو تیرا بھائی ہے' کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ اس کا لشکر بڑا اور میرا چھوٹا ہے۔
غریب نے کہا' اب میں بھی آ گیا ہوں۔ میں بدلہ لوں گا۔ اسے ملک سے نکال باہر کروں گا۔ دامغ نے کہا بھتیجے' تیرے اوپر دو حق ہیں۔ ایک باپ کا اور دوسرا ماں کا۔
غریب نے پوچھا کہ میری ماں پر کیا گزری؟ بادشاہ نے کہا' اسے تیرے بھائی نے قتل کر ڈالا ہے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی

تھی۔

○○○

• چھ سو چھتیسویں رات

چھ سو چھتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ! جب غریب نے اپنے چچا دامغ کو کہتے سنا کہ تیرے بھائی نے تیری ماں کو قتل کر ڈالا ہے تو اس نے کہا چچا' اس نے اسے کیوں قتل کیا؟ چچا نے اس کی ماں کا سارا قصہ بیان کر دیا اور یہ بھی کہا کہ مرداس نے اپنی بیٹی کا بیاہ عجیب سے کر دیا ہے وہ عنقریب اس سے ہم بستر ہونے والا ہے۔ یہ سنتے ہی غریب کے ہوش اڑ گئے' اسے غش آ گیا' ہوش آیا تو اس نے للکار کر حکم دیا کہ سوار ہو جاؤ۔ دامغ نے کہا بیٹا' ذرا صبر کر تاکہ میں بھی تیاری کر لوں اور اپنے لشکر کو لے کر تیرے ساتھ چلوں۔ غریب نے جواب دیا کہ چچا' اب میں ٹھہر نہیں سکتا' تو تیاری کر کے مجھے کوفے میں آ ملو۔ غریب روانہ ہو گیا اور بابل میں جا پہنچا۔ اسے دیکھ کر شہر والے سہم گئے۔ وہاں کے بادشاہ کا نام جمک تھا جس کے پاس بیس ہزار سوار تھے۔ دوسرے شہروں سے اس کی کمک پر پچاس ہزار سوار پہنچ گئے۔ انہوں نے بابل کے سامنے ڈیرے ڈال دیئے۔ غریب نے خط لکھ کر اسے ایک قاصد کے ہاتھ بابل کے بادشاہ کے پاس روانہ کر دیا۔ قاصد نے شہر کے دروازے پر پہنچ کر آواز دی کہ میں قاصد ہوں۔ دربان نے جا کر بادشاہ جمک کر خبر دی کہ ایک قاصد آیا ہے۔ بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لے آ۔ دربان جا کر قاصد کے لے آیا۔ قاصد نے زمین چوم کر جمک کو خط دیا۔ جمک نے اسے پڑھا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ "سب تعریفیں واسطے اللہ کے ہیں جو دنیا کا بلکہ ہر چیز کا پالنے ' ہر زندہ کر روزی دینے والا اور ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ خط عراق اور کوفے کے بادشاہ کندمر کے بیٹے کی طرف سے جمک کے نام ہے۔ جونہی یہ خط تیرے پاس پہنچے تو تیرا جواب اس کے سوا کچھ نہ ہونا چاہیے کہ تو بتوں کو توڑ ڈال' خدا کی توحید کا قائل ہو جا جس نے اجالا اور اندھیرا پیدا کیا ہے سب چیزیں پیدا کی ہیں اور ہر چیز

پر قدرت رکھتا ہے۔ اگر تو میرا حکم نہیں مانتا تو آج کا دن تیرے لئے منحوس ثابت ہو گا۔ سلامتی ہو اس شخص پر جو سیدھے راستے پر چلے' ہلاکت سے ڈرتا رہے اور اس بڑے بادشاہ کی فرمانبرداری کرے جو دنیا اور آخرت کا پروردگار ہے اور جو کہتا ہے کہ ہو جاؤ اور وہ ہو جاتا ہے۔" یہ خط پڑھ کر اس کی آنکھیں زرد پڑ گئیں' چہرہ فق ہو گیا اور اس نے چلا کر قاصد سے کہا کہ اپنے آقا سے جا کر کہہ دے کل سویرے ہمارے درمیان لڑائی ہو گی اور معلوم ہو جائے گا کہ کس کا خدا سچا ہے۔ قاصد نے جا کر ساری باتیں غریب سے کہہ دیں۔ غریب نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ لڑائی کے لئے تیاری کریں۔ ادھر جمک نے بھی حکم دے دیا کہ غریب کے خیموں کے سامنے خیمے لگائے جائیں۔ دونوں لشکر متلاطم سمندر کی طرح باہر نکلے اور انہوں نے لڑائی کی دھن میں رات گزاری۔

سویرا ہوا تو دونوں فوجیں سوار ہو کر صف بستہ ہو گئیں' ڈھول بجنے لگے' گھوڑوں نے چوکڑیاں بھر بھر کر آس پاس کے سارے میدان بھر دیئے اور سورما آگے بڑھے۔ پہلا جو شخص لڑائی کے میدان میں آیا' پہاڑی دیو تھا۔ اس کے کندھے پر ایک بڑا درخت تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں آ کر اس نے کہا کہ میں سعدان دیو ہوں۔ ہے کوئی جو میرے مقابلے میں آئے؟ لیکن کسی سست اور کمزور کا کام نہیں۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹوں کو آواز دے کر کہا کہ مردودو! لکڑیاں جمع کر کے آگ جلاؤ میں بھوکا ہوں۔ انہوں نے اپنے غلاموں کو حکم دیا۔ انہوں نے بیچ میدان میں لکڑیاں جمع کر کے آگ سلگائی۔ اتنے میں کافروں کے اندر سے ایک دیو زاد نکلا۔ اس کے کندھے پر جہاز کے مستول جیسا ایک گرز تھا۔ اس نے سعدان پر حملہ کر دیا۔ کہا کہ ستیا ناس ہو تیرا اے سعدان! جب سعدان نے دیو زاد کی یہ باتیں سنیں تو اسے طیش آ گیا اور اس نے درخت کو اس طرح سے ہوا میں گھمایا کہ اس میں شائیں شائیں کی آواز آنے لگی اور اسے دیو زاد پر اس زور سے مارا کہ دیو زاد لمبے تاڑ کی طرح گر پڑا۔ سعدان نے اپنے غلاموں سے کہا کہ اس چکنے بچھڑے کو لے جا کر جلد بھونو۔ انہوں نے

جلدی سے آ کر اس دیو زاد کی کھال کھینچی اور اسے بھون کر سعدان دیو کے آگے رکھ دیا۔ سعدان نے اسے کھا کر اس کی ہڈیاں بھی چبا ڈالیں۔ کافروں نے سعدان کو اپنے ساتھی کے ساتھ یہ حرکت کرتے دیکھا تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ گھبرا اٹھے' ڈر کے مارے کانپنے لگے۔ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ جو کوئی اس دیو کے مقابلے میں جائے گا وہ اسے کھا کر اس کی ہڈیاں چبا ڈالے گا۔

اب انہوں نے دیو اور اس کے بیٹوں کے خوف سے لڑنا بند کر دیا اور بھاگ کر شہر میں جا گھسے۔ غریب نے اپنے آدمیوں سے للکار کر کہا کہ بھگوڑوں کا پیچھا کرو۔ یہ سنتے ہی عرب اور عجم والے بابل کے بادشاہ اور اس کی فوج پر ٹوٹ پڑے اور ایسی تلواریں چلائیں کہ ان میں سے تیس ہزار کو موت کے گھاٹ اتار دیا' بلکہ اس سے بھی زیادہ کو۔ بہت زیادہ لوگ شہر کے دروازے میں آ کر جمع ہوئے اور ان میں سے بھی بہت سے مارے گئے۔ وہ دروازہ ابھی بند نہ کرنے پائے تھے کہ عرب اور عجم والے ان کے سروں پر آ پہنچے۔ سعدان ایک مقتول کا گرز لے کر آگے بڑھا۔ میدان میں پہنچ کر بادشاہ جمک کے محل پر حملہ کر دیا اور بادشاہ کے بعد سعدان نے محل والوں کی تکا بوٹی کر ڈالی یہاں تک کہ سب کے سب امان! امان! چلانے لگے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چھ سو سینتیس ویں رات

چھ سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ! جب لوگ الامان! الامان! چلانے لگے تو سعدان نے ان سے کہا کہ اپنے بادشاہ کی مشکیں باندھ لاؤ۔ لوگ اس کی مشکیں باندھ کر لے آئے۔ جب شہر والوں کا زیادہ حصہ غریب کے لشکر کی تلواروں کا شکر ہو چکا تو سعدان ان کو بھیڑ بکریوں کی طرح اپنے آگے آگے لئے ہوئے غریب کے پاس پہنچا اور انہیں اس کے آگے لا کھڑا کیا۔ بابل کے بادشاہ جمک کو ہوش آیا تو دیکھا کہ اس کی مشکیں بندھی ہوئی ہیں۔ اور دیو کہہ رہا ہے کہ میں آج رات بادشاہ جمک کر کھاؤں گا۔ یہ سنتے ہی جمک نے غریب کی طرف مخاطب ہو کر کہا میں تیری پناہ میں ہوں۔ غریب نے جواب دیا کہ اسلام لے آ تو دیو کے پنجے سے بھی بچ جائے گیا اور اس زندگی خدا کے عذاب سے بھی جو ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ جمک نے دل اور زبان دونوں سے اسلام کا اقرار کر لیا۔ پھر غریب نے حکم دیا کہ اس کی مشکیں کھول دی جائیں۔ اس کے بعد غریب نے جمک کے ساتھیوں کے سامنے اسلام پیش کیا۔ وہ بھی سب مسلمان وہ گئے اور غریب کی خدمت میں آ کر حاضر ہوئے۔ جمک شہر کے اندر گیا' کھانا کھایا' شراب پی اور سب لوگوں نے بابل کے قریب رات گزاری۔ صبح ہوئی تو غریب نے کوچ بول دیا اور چلتے چلتے وہ میافار قین پہچنے۔ دیکھا کہ وہ خالی پڑا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی جب انہوں نے بابل کی سرگزشت سنی تو ملک چھوڑ کر بھاگ گئے۔ کوفے میں پناہ لی۔ اور عجیب سے سارا ماجرا بیان کیا۔ یہ سنتے ہی عجیب نے اپنے بہادروں کو جمع کر کے کہا غریب آ پہنچا ہے اور حکم دیا کہ لڑائی کا سامان تیار کر کے میرے بھائی سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ عجیب نے اپنی فوج کا شمار کیا تو ان کی تعداد تیس ہزار سوار اور دس ہزار پیادہ تھی۔ ان کے علاوہ اس نے باہر سے اور لشکر بلوایا' پچاس ہزار سوار اور پیادے اور آ پہنچے۔

یہ بھاری لشکر لے کر وہ روانہ ہو گیا۔ پانچ دن چلنے کے بعد اس نے دیکھا کہ اس کے بھائی کا لشکر موصل کے پاس اترا ہوا ہے۔ ان کے خیموں کے سامنے اس نے اپنے خیمے ڈال دیئے۔

اب غریب نے ایک خط لکھا اور اپنے ساتھیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کون ہے جو اس خط کو عجیب کے پاس لے جائے؟ سہیم اچھل پڑا اور کہنے لگا جہاں پناہ میں خط لے جاؤں گا اور اس کا جواب لے کر آؤں گا۔ لوگوں نے عجیب کو خبر دی۔ اس نے کہا کہ اسے میرے پاس لے آؤ۔ لوگ اسے عجیب کے سامنے لائے تو اس نے پوچھا تو کہاں سے آیا ہے؟ سہیم نے جواب دیا میں اس شخص کے پاس سے آیا ہوں جو عجم اور عرب کا بادشاہ کسریٰ کا داماد اور ایک زبردست حکمران ہے۔ اس نے تیرے پاس خط بھیجا ہے۔ اس کا جواب دے دے۔ عجیب نے کہا خط لا۔ سہیم نے خط دے دیا اس نے پڑھا۔ اس میں لکھا تھا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سلام ہو اوپر ابراہیم خلیل کے۔ جونہی تجھے یہ خط ملے تو اس کی خدا کی توحید کا اقرار کر جو بادشاہ ہے' بخشنے والا' سیوں کا پیدا کرنے والا' بادلوں کو حرکت دینے والا۔ اور بتوں کی پوجا چھوڑ دے۔ اگر تو اسلام لے آیا تو' میرا بھائی ہے اور ہمارا حکام۔ میں باپ اور ماں کا گناہ معاف کرنے کے لئے تیار ہوں' تیری حرکتوں اور کا بلکہ نہیں لوں گا اور اگر تونے میرا کہنا نہ مانا تو میں تیری گردن اڑا دوں گا اور تیرا ملک اجاڑ دوں گا۔ بس یہی ہے میرا مشورہ تیرے لئے' اور سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت پر چلے اور بزرگ خدا کی پیروی کرے۔"

عجیب نے خط پڑھا تو اس کی آنکھیں چڑھ گئیں وہ دانت پیسنے لگا' طیش میں آ گیا اور اس نے خط پھاڑ کر پھینک دیا۔ سہیم کو یہ بہت برا معلوم ہوا۔ اس نے عجیب کو ڈانٹا اور کہا خدا کرے تیرے ہاتھ ٹوٹیں۔ عجیب نے چلا کر اپنے لوگوں سے کہا کہ پکڑو اس کتے کو اور اپنی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔ لوگ سہیم پر ٹوٹ پڑے' وہ بھی اپنی تلوار کھینچ کر لڑنے لگا۔ پچاس بہادروں سے زیادہ کو مار ڈالا اور کترا کر لہو لوہان اپنے بھائی کے پاس جا پہنچا۔ غریب نے کہا' اے سہیم! یہ کیا ماجرا ہے؟ اس نے

ساری سرگزشت کہہ سنائی۔ غریب نے طیش میں آ کر اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ فوراً جنگی باجے بجنے لگے' سورما سوار ہو گئے۔ پیادوں نے صفیں باندھ لیں۔ بہادروں کا مجمع ہو گیا' گھوڑے میدان میں رقص کرنے لگے۔ لوگوں نے زرہ بکتر پہن' تلواریں باندھ لیں اور لمبے لمبے نیزے ہاتھ میں لے لئے۔ عجیب اپنے لشکر کے ساتھ سوار ہو گیا اور دونوں فوجوں میں مڈ بھیڑ ہو گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو اڑتیس ویں رات

چھ سو اڑتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ! ادھر غریب اپنا لشکر لے کر میدان میں آیا' ادھر عجیب نے دھاوا بول دیا۔ دونوں لشکر غت پٹ ہو گئے۔ لڑائی کے قاضی کا حکم جاری ہو گیا جو انصاف سے نہیں ہٹتا اور جس کے منہ پر مہر لگی رہتی ہے۔ وہ سنتا ہے بولتا نہیں۔ خون کی ندیاں بہنے اور زمین پر کشیدہ کاڑھنے لگیں۔ لوگ بوڑھے ہونے لگے۔ لڑائی نے زور پکڑا' بزدلوں کے قدم اکھڑنے شروع ہوئے اور بہادر ثابت قدم ہو گئے۔ لڑائی اور قتل و خون برابر ہوتا رہا یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا اور رات کا اندھیرا چھانے لگا۔ اب جنگ ختم ہونے کے باجے بجنے لگے' لوگ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے اور دونوں گروہ اپنے اپنے خیموں میں جا کر سو رہے۔ جب سویرا ہوا' تو پھر لڑائی کے نقارے بجنے لگے' لوگوں نے ہتھیار اور تلواریں لگا لیں۔ نیزے رکابوں پر رکھ لئے اور آواز دی کہ آج کمی نہ کی جائے۔ دونوں لشکر متلاطم سمندر کی طرح صف بستہ ہوئے۔ سب سے پہلے سہیم میدان میں نکلا اور اپنا گھوڑا بڑھا کر دو تلواروں اور نیزوں سے کھیلنے لگا۔ لڑائی کے بہت سے کرتب دکھائے' تجربے کار لوگ حیران ہو گئے۔ اس کے بعد اس نے بلند آواز سے کہا کہ ہے کوئی لڑنے والا؟ ہے کوئی مقابلہ کرنے والا؟ جو کوئی میرے سامنے آئے' تلوار کا دھنی اور دل کا مضبوط ایک آئے۔ یہ سن کر کافروں میں سے ایک سوار نکلا جو آگ بگولا تھا۔ سہیم نے اسے ایک لمحہ بھی اپنے سامنے نہ ٹھہرنے دیا۔ نیزے کے ایک ہی وار میں اسے گرا دیا۔ پھر دوسرا آیا اس نے اسے بھی قتل کر دیا۔ تیسرے کے اس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور چوتھے کا قیمہ بنا دیا۔ اسی طرح دوپہر تک جو نکلتا' مارا جاتا یہاں تک کہ دو سو جانباز کام آئے۔

یہ دیکھ کر عجیب نے جنگ ملغوبہ کا حکم دے دیا۔ بہادروں پر ٹوٹ پڑے اور گھمسان کی

لڑائی شروع ہو گئی۔ نعرے بلند ہونے لگے تلواریں جھنکارنے لگیں۔ سواروں سے سوار اور پیادوں سے پیادے بھڑ گئے۔ سب کا حال ابتر ہو گیا' خون کا دریا بہنے لگا۔ لوگوں کی کھوپڑیاں گھوڑوں کے نعل بن گئیں۔ اسی گھمسان کی لڑائی میں دن تمام ہوا۔ رات کا اندھیرا چھا گیا اور لوگ ایک دوسرے سے الگ ہو کر اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ صبح تک آرام کیا۔ سویرا ہوا تو دونوں گروہ سوار ہو کر میدان میں آ کھڑے ہوئے۔ لوگ انتظار کرنے لگے۔ غریب دستور کے موافق جھنڈوں کے نیچے آئے' مگر وہ نہ آیا۔ سہیم کا غلام غریب ڈیرے میں گیا۔ اسے نہ پا کر فراشوں سے پوچھا۔ انہوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں۔ اس نے باہر آ کر لشکر کو خبر دی۔ وہ لڑنے سے رک گئے اور کہنے لگے کہ اگر غریب موجود نہیں ہے تو دشمن ہمیں ہلاک کر دے گا۔ غریب کے غائب ہونے کی عجیب و غریب وجہ تھی۔ جسے ہم شروع سے آخر تک بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب عجیب اپنے بھائی سے لڑ کر لوٹا تو اس نے اپنے ایک سردار کو بلایا جس کا نام سیار تھا اور کہا اے سیار' آج ہی کے دن کے لئے میں نے تجھے سردار بنایا تھا۔ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ غریب کے لشکر میں جا' شاہی خیموں میں گھس کر غریب کو اٹھا لا اور اس کام میں استادی دکھا۔ وہ سردار غریب کے خیمے میں اس وقت پہنچا کہ رات اندھیری ہو چکی تھی اور ہر شخص آرام کرنے گیا تھا۔ سیار نوکروں کے لباس میں ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ اتنے میں غریب کو پیاس لگی' اس نے سیار سے پانی مانگا۔ سیار پانی کے کوزے میں بھنگ ملا کر لے آیا۔ غریب پیتے ہی منہ کے بل گر پڑا۔ سیار نے اسے چادر میں لپیٹا اور پیٹھ پر لاد کر چل دیا اور عجیب کے خیمے میں پہنچ گیا اور غریب کو اس کے سامنے ڈال دیا۔ عجیب نے پوچھا سیار' یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا یہ تیرا بھائی غریب ہے۔ عجیب نے خوش ہو کر کہا کہ بتوں کی برکت تجھ پر ہو۔ اسے کھول اور ہوشیار کر۔ اس نے غریب کو سرکہ سنگھایا' غریب نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ لاحول پڑھنے لگا۔ اس کے بھائی نے اسے ڈانٹ کر کہا' اے کتے! کیا تو نے اس لئے مجھ پر چڑھائی کی تھی کہ مجھے قتل کر کے اپنے ماں باپ کا بدلہ لے۔

دیکھ میں تجھے بھی ان کے پاس پہنچائے دیتا ہوں تا کہ دنیا کو تجھ سے آرام ملے۔ غریب بولا' اے کافروں کے کتے' تجھے ابھی معلوم ہو جائے گا کہ زمانے کے پہیے کے نیچے کون آتا ہے۔ وہ زبردست خدا جو تمام بھیدوں سے واقف ہے' کیسے سزا دیتا ہے اور تجھے کس طرح جہنم کے عذاب میں مبتلا کر کے پریشان کرتا ہے۔ بہتر ہے کہ تو اپنے اوپر رحم کر اور میرے ساتھ یہ کلمہ پڑھ کہ "نہیں کوئی معبود سوائے خدا کے اور ابراہیم خدا کے دوست ہیں۔" یہ باتیں سن کر عجیب ناک بھوں چڑھانے' اپنے پتھروں کے دیوتاؤں کو برا بھلا کہنے لگا اور حکم دیا کہ جلاد کو بلایا جائے اور وہ چمڑا بچھایا جائے جس پر گردن ماری جاتی ہے۔ اس پر وزیر اٹھا جو دل میں مسلمان مگر ظاہراً کافر تھا اور زمین چوم کر کہنے لگا اے بادشاہ جلدی نہ کر' جب تک ہار جیت کا فیصلہ نہ ہو جائے' صبر سے کام لے۔ اگر ہم جیت جائیں تو جب چاہیں اسے قتل کر سکتے ہیں اور اگر ہم ہار جائیں تو اس کا ہمارے قبضے میں رہنا ہمارے لئے قوت کا باعث ہو گا۔ تمام امیروں نے بھی تائید کی کہ وزیر سچ کہتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو انتالیسویں رات

چھ سو انتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ! جب وزیر نے کہا
کہ جلد بازی سے کام نے لے' ہم اسے ہر وقت قتل کر سکتے ہیں تو عجیب نے حکم

دیا کہ غریب کے دو بیڑیاں ڈالی جائیں اور دو طوق اور اسے اپنے خیمے میں رکھا اور اس
پر ایک ہزار سورماؤں کا پہرا لگا دیا۔ ادھر لوگوں نے غریب کو تلاش کیا اور وہ نہ ملا
تو صبح تک ان کی یہ حالت تھی کہ جسے بے گلہ بان کے بھیڑ بکریاں۔ سعدان دیو نے
چلا کر کہا کہ اے لوگو! ہتھیار لگا لو ور اپنے پرور دگار پر بھروسا کرو' وہ تمہاری مدد کرے
گا۔ یہ سن کر عرب اور عجم زرہ بکتر پہن کر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ سردار
نکل کھڑے ہوئے اور جھنڈے والے آگے بڑھے۔ اب پہاڑی دیو نے اپنے کاندھے پر
ایک گرز لے کر نکلا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر کہا اے بت پرستو! نکلو آج زور آزمائی
کا دن ہے۔ جو مجھے پہچانتا ہے وہ میری لڑائی سے بہ خوبی واقف ہے اور جو مجھے نہیں
جانتا وہ جان لے کہ میں بادشاہ غریب کا غلام سعدان ہوں۔ ہے کوئی جنگجو' ہے کوئی
جنگ آزما؟ کوئی بزدل اور کمزور نکل کر نہ آئے۔ یہ سن کر کافروں میں سے ایک
سورما آگ کے شعلے کی طرح نکلا اور سعدان پر حملہ کر دیا۔ سعدان نے اس کا مقابلہ
کیا۔ اس زور سے گرز مارا کہ اس کی ہڈیاں پسلیاں چکنا چور ہو گئیں اور وہ بے جان
ہو کر زمین پر گر پڑا۔ دیو نے پکار کر اپنے بیٹوں اور غلاموں سے کہا کہ آگ جلاؤ
اور کافروں میں سے جو گرتا جائے اسے پکا کر اور بھون کر میرے سامنے لاؤ میں ناشتہ
کروں گا۔ انہوں نے اس حککم کی تعمیل کی اور بیچ میدان میں آگ جلا کر اس مقتول
کو اس میں ڈال دیا' جب وہ پک گیا تو انہوں نے سعد ان کے آگے لا رکھا۔ سعدان
نے تمام گوشت نوچ کھایا اور ہڈیاں چبا ڈالیں۔ پہاڑی دیو کی یہ حرکت دیکھ کر کافر
بہت ڈرے۔ عجیب نے للکار کر اپنے لشکر سے کہا نا مردو! تم سب مل کر اس دیو پر

حملہ کر دو اور تلواروں سے اس کے تکے بوٹیاں کر ڈالو۔ یہ سن کر بیس ہزار سواروں نے سعدان پر حملہ کر دیا۔ اسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس پر تیر برسانے لگے۔ اس کے چوبیس زخم لگے۔ اس کا خون زمین پر بہنے اور نرغے میں پھنس گیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان سورما مشرکوں پر ٹوٹ پڑے اور جہان کے پرور دگار سے مدد مانگنے لگے اور یہاں تک لڑے کہ دن ختم ہو گیا اور لوگ جدا ہو گئے لیکن سعدان قید ہو چکا تھا' خون بہنے کی وجہ سے اس پر غشی طاری تھی۔ لوگ اس کی مشکیں باندھ کر وہاں لے گئے جہاں غریب تھا۔

غریب کی نظر جو سعدان پڑی اور دیکھا کہ وہ بھی گرفتار ہو گیا تو لاحول پڑھنے لگا اور کہا سعدان' یہ کیا ہوا؟ سعدان بولا اے میرے مولیٰ' تکلیف اور آرام سب خدا کی طرف سے ہے نہ اس سے مفر ہے نہ اس سے۔ غریب نے کہا' سعدان تو سچ کہتا ہے۔

ادھر عجیب نے رات نہایت خوشی میں گزاری۔ اور اپنے آدمیوں سے کہا کہ کل سوار ہو کر مسلمانوں کے لشکر پر ٹوٹ پڑو تا کہ ان میں سے بچے کھچے بھی ختم ہو جائیں۔ انہوں نے کہا سر آنکھوں سے۔ ادھر مسلمان جو ہارے ہوئے تھے۔ اپنے بادشاہ اور سعدان پر رو رو کر رات گزار رہے تھے۔ سہیم نے کہا اے لوگو! غم نہ کرو' خدا تمہیں جلد خوشی دینے والا ہے۔ اس کے بعد آدھی رات کے بعد سہیم عجیب کے پا جا پہنچا دیکھا کہ وہ شاہی تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور سردار اس کے گرد جمع ہیں۔ سہیم فراش کے بھیس میں آگے بڑھا۔ شمع کی بتی کاٹ کر اسے تیز بھنگ سے روشن کیا اور باہر نکل کر انتظار کرنے لگا۔ یہاں تک کہ عجیب اور اس کے سرداروں پر بھنگ کا اثر ہو گیا۔ وہ مردوں کی طرح زمین پر گر پڑے۔ سہیم انہیں اسی حالت میں چھوڑ کر اس خیمے کی طرف چلا جہاں غریب اور سعدان قید تھے۔ دیکھا کہ وہاں ایک ہزار بہادروں کا پہرا ہے مگر سب پڑے سو رہے ہیں۔ سہیم ان کو جگا کر للکارا کہ ستیا ناس ہو تمہارا! سوؤ نہیں بلکہ مشعلیں جلا کر اپنے قیدی پر پہرا دو۔ پھر سہیم نے ایک مشعل لے کر اسے جلایا اور اس پر بھنگ چھڑک کر خیمے کے چاروں طرف چکر لگایا۔ جونہی بھنگ کا دھواں نکل

کر نتھنوں کے اندر گیا۔ لشکر کا لشکر بے ہوش ہو گیا۔ سہیم کے پاس ایک اسفنج میں سرکہ تھا۔ اس نے غریب اور سعدان کو سنگھایا۔ انہیں ہوش آ گیا۔ ان کی بیڑیاں اور طوق کھول ڈالے۔ دونوں نے آنکھ اٹھا کر سہیم کو دیکھا' اسے دعا دی' دیکھ کر خوش ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے باہر نکل کر پہرے داروں کے تمام ہتھیار لے لئے۔ سہیم نے ان سے کہا کہ تم لوگ لشکر کے پاس جاؤ اور وہ چل دیئے۔ سہیم نے عجیب کے خیمے میں جا کر اسے اپنی چادر میں لپیٹا' کمر پر لاد کر مسلمانوں کے خیموں کی طرف روانہ ہو گیا۔ خدا نے اس کی پردہ پوشی کی' وہ غریب کے خیمے میں پہنچ گیا اور چادر کھول دی۔ غریب نے دیکھا تو اس کا بھائی عجیب ہے اور اس کی مشکیں بندھی ہوئی ہیں' اس نے کہا اللہ اکبر' اب جیت ہی جیت ہے اور سہیم کو دعا دے کر کہا' اسے ہوش میں لا۔ سہیم نے بڑھ کر اسے خوشبو ملا ہوا سرکہ سنگھایا' بھنگ کا نشہ جاتا رہا اور اس نے آنکھیں کھول دیں' دیکھا کہ اس کی مشکیں بندھی ہوئی ہیں۔ اپنے کو گرفتار دیکھ کر اس نے سر جھکا لیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو چالیس ویں رات

چھ سو چالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ! جب عجیب نے اپنا سر نیچا کر لیا تو غریب نے کہا' ملعون! اپنا سر اٹھا۔ اس نے سر اٹھایا' دیکھا کہ اس کے چاروں طرف عرب اور عجم کھڑے ہیں' اور اس کا بھائی اپنے معزز شاہی تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ چپ ہو گیا' کچھ نہ بولا۔ غریب نے چلا کر کہا' اس کتے کو ننگا کرو۔ لوگوں نے اسے ننگا کر کے کوڑے مارنے شروع کئے یہاں تک کہ وہ نیم مردہ ہو گیا اور اس کی حس جاتی رہی۔ پھر سو سواوں کا پہرا اس پر لگا دیا گیا۔ غریب اپنے بھائی کو سزا دے چکا تھا کہ کافروں کے خیموں کی طرف سے لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کے نعروں کی آواز سنائی دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب غریب اپنے چچا بادشاہ دامغ سے الجزریہ کے پاس سے رخصت ہوا تو دامغ دس بیس ہزار سو سوار لے کر چل کھڑا ہوا اور لڑائی کے میدان کے قریب پہنچ کر اپنے ایک پیادے کو خبر لانے بھیجا۔ دوسرے دن پیادے نے بادشاہ دامغ کے پاس آ کر وہ ماجرا بیان کیا جو غریب کو اس کے بھائی کے ساتھ پیش آیا تھا۔ دامغ آدھی رات تک انتظار کرنے کے بعد اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے کافروں پر ٹوٹ پڑا اور تلواروں نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا۔ غریب اور کے ساتھیوں نے اللہ اکبر کے نعرے سنے تو اس نے اپنے بھائی سہیم اللیل کو بلا کر کہا جا کر اس لشکر کی خبر لا اور یہ دریافت کر کہ یہ تکبیر کیسی ہے؟ سہیم نے میدان کے پاس جا کر غلاموں سے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ غریب کا چچا بادشاہ دامغ بیس ہزار سوار لے کر آیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ابراہیم خلیل کی قسم میں اپنے بھتیجے کو ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا بلکہ بہادری سے لڑ کر فافوں کو پسپا کروں گا تا کہ زبردست خدا مجھ سے راضی ہو اور راتوں رات اس نے اپنے لشکر کے ساتھ کافروں پر حملہ کر دیا۔ یہ خبر لے کر سہیم اپنے بھائی کے پاس یا اور اسے اس کے

چچا کی کارگزاری کہہ سنائی۔ غریب نے اپنے آدمیوں کو للکار کر کہا کہ ہتھیار لگا لو' گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ اور میرے شا کی مدد کو پہنچو۔ لشکر نے سوار ہو کر کافروں پر دھاوا بول دیا اور طرفین میں تلواریں چلنے لگیں۔ ابھی دن بھی نہ نکلنے پایا تھا کہ تقریباً پچاس ہزار کافر مارے گئے اور تقریباً تیس ہزار گرفتار ہو گئے۔ باقی جدھر ان کے سینگ سمائے بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمان مظفر و منصور لوٹے۔

اب غریب اپنے چچا دامغ سے ملنے گیا' اسے سلام کیا اور اس کی کارگزاری کا شکر گزار ہوا۔ دامغ نے کہا ہو نہ وہ کتا اس لڑائی میں کام آیا ہے۔ غریب نے کہا چچا اطمینان رکھ' وہ میرے ہاں بندھا پڑا ہے۔ دامغ بہت خوش ہوا' دونوں بادشاہ خیموں میں جا کر گھوڑوں سے اتر پڑے اور اندر گئے۔ دیکھا کہ عجیب غائب ہے۔ غریب نے کہا دہائی ہے ابراہیم خلیل کی' سلامتی ہو ان پر! اس بافمراد دن کے بعد کیسی نامرادی کا سامنا ہوا' اس نے فرشتوں سے پوچھا کہاں ہے میرا قیدی؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب تو سوار ہوا تم تیرے ارد گرد تھے تو تونے ہمیں یہ حکم نہیں دیا تھا کہ ہم اسے قید رکھیں۔ اس پر غریب لاحول پڑھنے لگا' مگر اس کے چچا نے کہا جلدی نہ کر' گھبرا نہیں' وہ بھاگ کر کہاں جائے گا! ہم اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ عجیب کے بھاگنے کا سبب بھی وہی سیار تھا۔ ہو لشکر میں آ کر چھپ گیا تھا۔ اسے یقین نہ آتا تھا کہ غریب اپنے قیدی کی حفاظت کے لئے کسی کو چھوڑ نہیں گیا۔ اس نے تھوڑی دیر صبر کیا' پھر عجیب کو اپنی پیٹھ پر لاد کر جنگل کی طرف چل دیا۔ عجیب کو بالکل خبر نہ تھی۔ وہ سزا کی تکلیف سے مدہوش تھا۔ سیار اسے لادے ہوئے رات بھر چلا کیا۔ چلتے چلتے دوسرا دن ہو گیا۔ وہ اسے لے کر ایک چشمے کے پاس پہنچا جہاں ایک سیب کا درخت تھا وہاں جا کر اس نے عجیب کو اپنی پیٹھ پر سے اتار دیا۔ اس کا منہ دھویا' اس نے آنکھیں کھول دیں۔ جب اس کی نظر سیار پر پڑی تو اس نے کہا اے سیار' مجھے کوفے لے چل تاکہ میں اچھا ہو کر فوجیں اکٹھی کروں اور اپنے دشمن کو نیچا دکھاؤں۔ پہلے کچھ کھانے کو لا' مجھے بھوک لگی ہے۔ سیار اٹھ کر ایک جھاڑی میں گیا اور ایک شتر

مرغ کا بچہ مار کر اپنے آقا کے پاس لے آیا' اسے ذبح کر کے بوٹیاں کیں اور لکڑیاں اکٹھا کر کے چقماق سے انہیں آگ لگائی۔ گوشت بھون کر اسے کھلایا اور پانی پلایا۔ کھا پی کر اس کی جان میں جان آئی۔ اس کے بعد سیار ایک بدو قبیلے کے ہاں سے جا کر ایک گھوڑا چرا لایا اور عجیب کو اس پر سوار کر کے کوفے کی طرف روانہ ہو گیا۔ کئی دن چلنے کے بعد شہر کے قریب پہنچے' عجیب کا نائب اس کی ملاقات کے لئے آیا۔ اسے سلام کیا اور دیکھا کہ وہ بہت کمزور ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ وہ سزا تھی جو اس کے بھائی نے اسے دی تھی۔ شہر کے اندر پہنچ کر بادشاہ نے حکیموں کو بلوایا' حکیم آئے تو ان سے کہا کہ مجھے دس دن کے اندر اچھا کر دو۔ حکیم عجیب کا علاج کرنے لگے اور وہ تندرست ہو گیا' بیماری اور سزا کی تکلیف دور ہو گئی۔ اب اس نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ ہر والی کے نام خط لکھے۔ وزیر نے اکیس خط لکھ کر روانہ کر دیئے۔ والیوں نے لشکر تیار کر کے تیزی کے ساتھ کوفے کو روانہ کر دیئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو اکتالیسویں رات

چھ سو اکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! اب ادھر تو یہ تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ادھر غریب کی سنو۔ اسے عجیب کے بھاگنے کا بہت افسوس ہوا۔ اس نے ایک ہزار سورماؤں کو مختلف راستوں سے روانہ کیا کہ عجیب کو ڈھونڈ کر لائیں۔ کسی کو اس کا پتہ نہ چلا' سب لوٹ آئے۔ غریب نے اپنے بھائی سہیم کو بلوایا۔ وہ بھی غائب تھا۔ غریب پریشان کہ کہیں وہ بھی زمانے کی لپیٹ میں نہ آ گیا ہو۔ وہ اسی سوچ میں تھا کہ سہیم آ پہنچا۔ غریب اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا پوچھا سہیم تو کہاں تھا؟ اس نے کہا' اے بادشاہ! میں کوفے سے آ رہا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ کتا عجیب اپنے شاہی محل میں پہنچ گیا ہے اور حکیم اس کا علاج کر رہے ہیں بلکہ اب وہ بالکل تندرست ہے۔ اس نے اپنے ماتحتوں کو خط لکھے اور انہوں نے فوجیں بھیج دیں ہیں۔ یہ سنتے ہی غریب نے کوچ بول دیا اور لشکر والے خیمے اکھاڑ کر کوفے کو روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو انہیں متلاطم سمندر کی طرح فوجیں دکھائی دیں جن کہ نہ ابتداء دکھائی دیتی تھی' نہ انتہا۔ غریب نے اٹھ کر وضو کیا۔ بزرگ ابراہم خلیل کے مذہب کے مطابق دو رکعت نماز پڑھی' نماز سے فارغ ہو کر ڈھول بجانے کا حکم دیا۔ ڈھول بجنے اور جھنڈے لہرانے لگے' سوار زرہ بکتر پہن کر گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ ڈینگیں مارنے اور مقابل کو میدان میں طلب کرنے لگے۔ پہلا شخص جس نے لڑائی کی ابتدا کی وہ غریب بادشاہ کا چچا دامغ بادشاہ تھا۔ وہ اپنا گھوڑا دوڑا کر دونوں صفوں کے بیچ میں پہنچا اور دونوں کے سامنے دو نیزوں اور دو تلواروں سے اتنے کرتب دکھائے کہ دونوں فریق واہ واہ کرنے لگے۔ پھر اس نے للکار کر کہا کہ ہے کوئی جنگجو جو آئے؟ لیکن وہ نہ سست ہو نہ کمزور میں ہوں بادشاہ دامغ بادشاہ کندمر کا بھائی۔ کافروں میں سے ایک سورما بھڑکتا ہوا نکلا اور بے کچھ کہے دامغ پر حملہ کر دیا۔ دامغ نے اس کا وار روک کر اس کے سینے پر ایسا نیزہ

مارا کہ پشت کے پار ہو گیا اور خدا نے اس کی روح فوراً دوزخ میں پہنچا دی جو رہنے کی بری جگہ ہے۔ اس کے بعد دوسرا نکلا اور مارا گیا' پھر تیسرا میدان میں آیا۔ وہ بھی جہنم واصل ہوا۔ اسی طرح کافروں کے چھہتر سوار مار مارے گئے۔ یہ دیکھ کر ان کے پہلوانوں نے لڑائی سے ہاتھ روک لیا اور کافر عجیب للکار کہ تف ہو تم پر اے لوگو! اگر تم ایک ایک کر کے اس مقابلے میں نکلتے رہو گے تو وہ تم میں سے ایک کو بھی کھڑا چھوڑے گا نہ بیٹھا' اس لئے اس پر ایک ساتھ ٹوٹ پڑو تا کہ زمین ان سے خالی ہو جائے اور کی کھوپڑیاں تمہارے گھوڑوں کے نعلوں کے نیچے بچھ جائیں۔
یہ سن کر وہ خوفناک جھنڈے ہلانے لگے۔ اور دونوں گروہ گڈ مڈ ہو گئے۔ زمین پر خون بہنے لگا اور لڑائی کے حاکم کا حکم چلنے لگا جو انصافی کے ساتھ حکم نہیں دیتا۔ بہادر میدان میں پاؤں جما کر کھڑے ہو گئے اور بزدل بھاگ نکلے' انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نہ دن ختم ہو گا اور نہ رات کا اندھیرا چھائے گا۔ لڑائی برابر ہوتی رہی یہاں تک کہ دن ڈھل گیا اور رات کی تاریکی پھیل گئی۔ اب مشرکین نے لڑائی ختم ہونے کے ڈھول بجائے۔ غریب نے اسے منظور نہ کیا بلکہ موحدین مسلاموں کو لے کر ان پر حملہ کر دیا۔ کتنے ہی سر اور گردنیں اڑا دیں۔ کتنے ہی ہاتھ اور ریڑھ کی ہڈیاں توڑ ڈالیں۔ کتنے ہی گھٹنے اور اوصاب چکنا چور کر دیئے' کتنے ہی بوڑھوں اور جوانوں کا خاتمہ کر دیا۔ ابھی سویرا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ کافروں نے بھاگنے کی ٹھان لی اور پو پھٹتے ہی وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ظہر تک مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور تقریباً بیس ہزار کو گرفتار کر کے انکی مشکیں باندھ لیں۔ غریب نے کوفے کے دروازے پر پہنچ کر شہر کے اندر ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ جو کوئی بتوں کی پوجا چھوڑ دے گا اور ہر چیز کے جاننے والے خدا کی پرستش کرے گا جو انسانوں' روشنی اور تاریکی کا پیدا کرنے والا ہے اس کے لئے امان ہے۔
اس اما کا ڈھنڈورا شہر میں راہ باٹ گلی کوچے میں پٹ گیا۔ چھوٹے بڑے سب اسلام لے آئے۔ اور بادشاہ غریب کے پاس سلام کو حاضر ہوئے۔ غریب انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا' اس کا دل باغ باغ تھا۔

اب اس نے مرداس اور اس کی بیٹی مہدیہ کی نسبت دریافت کیا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ مرداس جبل احمر کے پیچھے ٹھہرا ہوا ہے۔ یہ سن کر اس نے اپنے بھائی سہیم کو بلوایا اور اس سے کہا کہ اپنے باپ کا پتہ لگا۔ وہ فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا' اپنا گندمی نیزہ بڑی خوبی سے رکاب پر ٹیک لیا اور جبل احمر کی طرف روانہ ہوا لیکن بہت ڈھونڈنے پر بھی نہ اس کا پتہ چلا اور نہ اس کی قوم کا۔ اس جگہ اسے ایک بوڑھا عرب ملا جس کی عمر بہت زیادہ تھی۔ سہیم نے اس سے پوچھا کہ جو لوگ یہاں ٹھہرے ہوئے تھے کہاں گئے؟ اس نے کہا بیٹا' جب مرداس نے یہ سنا کہ غریب کوفے میں آ گیا ہے تو وہ بہت ڈرا' اپنی بیٹی اپنے قبیلے اور تمام باندی غلاموں کو لے کر اس جنگل بیابان میں چلتا وہ کہ کہاں گیا' یہ مجھے معلوم نہیں' بوڑھے کی باتیں سن کر سہیم اپنے بھائی کے پاس آیا اور اس سے سارا ماجرا بیان کر دیا' اس پر غریب کو بڑا افسوس ہوا۔ اب وہ اپنے باپ کے تخت پر بیٹھا' اس کے خزانے کھول کر تمام بہادروں میں تقسیم کر دیئے اور کوفے میں ٹھہر کر عجیب کی تلاش میں جاسوس لگا دیئے اور تمام امرا کو بلوایا۔ وہ سب بہ خوشی حاضر ہوئے۔ اسی طرح سے تمام شہر والے بھی آئے۔ غریب نے امرا کو خلعت دیئے اور انہیں رعایا کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا مشورہ دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو بیالیس ویں رات

چھ سو بیالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ! جب غریب کوفے والوں کو خلعت و انعام دے چکا اور انہیں مشورہ دیا کہ رعایا کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا تو ایک روز وہ سو سواروں کو لے کر سیر و شکار کے لئے گیا' چلتے چلتے ایک گھاٹی میں پہنچا جہاں بہت سے درخت اور میوے تھے' کئی چشمے بہہ رہے تھے۔ بے شمار چڑیاں چہچہا رہی تھی' ہرن اور غزال چر رہے تھے۔ جنہیں دیکھ کر دل خوش ہو جاتا تھا اور خوشبو سے غم غلط ہوتا تھا۔ لوگ دن بھر وہیں ٹھہرے رہے کیونکہ دن خوشگوار تھا۔ پھر رات بھی وہیں گزاری۔ صبح ہوئی تو غریب نے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی' خدا کی حمد اور اس کا شکر بجا لایا۔ اتنے میں اسے اس گھاٹی میں شور و غل سنائی دیا۔ اس نے سہیم سے کہا کہ جا کر خبر لا۔ سہیم جھپٹ کر گیا۔ دیکھا کہ ایک طرف لوٹا ہوا مال ہے اور دوسری طرف بندھے ہوئے گھوڑے' عورتیں بچے۔ اس نے ایک چرواہے سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ ان نے کہا یہ بنی قحطان کے سردار مرداس کی عورتیں اور اس کا اور اس کے قبیلے والوں کا سامان ہے۔ کل جمرقان نے مرداس کو قتل کر کے اس کا مال لوٹ لیا اور اس کے اہل و عیال کو گرفتار کر کے ان کا سارا مال چھین لیگا۔ جمرقان کی یہی عادت ہے کہ وہ لوٹنے اور ڈاکہ ڈالنے نکلتا ہے وہ بڑا زبردست اور ظالم ہے۔ نہ بدوؤں کی اس کے آگے کچھ چلتی ہے نہ بادشاہوں کی کیونکہ وہ بڑا موذی ہے۔ جب سہیم نے سنا کہ اس کا باپ مارا گیا اور عورتیں پکڑی گئیں اور مال لوٹ لیا گیا تو اس نے اپنے بھائی غریب کے پاس جا کر سارا حال کہہ سنایا۔ غریب کے اور آگ لگ گئی اور اس کی خودداری نے چاہا کہ بدلہ لیا جائے اور ذلت کا داغ مٹائے۔ وہ اپنے لوگوں کے ساتھ سوار ہو کر لڑنے کے لئے روانہ ہو گیا اور ان کے سروں پر جا دھمکا' اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اللہ اکبر کہہ کر گمراہوں' باغیوں اور کافروں پر ٹوٹ

پڑو۔ غریب نے ایک حملے میں اکیلے اکیس بہادروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بہادری کے ساتھ میدان میں کھڑے ہو کر کہا کہ کہاں ہے جمرقان؟ باہر نکل آئے تا کہ میں اسے ذلت کا جام پلاؤں اور دنیا کو اس سے خالی کروں۔ ابھی غریب اپنی بات پوری بھی نہ کرنے پایا تھا کہ جمرقان نکل ایا' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہت بڑا ٹوکرا کھجوروں کا ہے یا لوہے سے منڈھا وا پہاڑ کا ایک ٹکڑا۔ وہ بڑا لمبا تڑنگا دیو زاد تھا اور بغیر سلام کلام کے غریب پر وار شروع کر دیئے۔ غریب بھی خم ٹھونک کر خونخوار شیر کی طرح حملہ آوار ہوا۔ جمرقان کے پاس چینی فولاد کا ایک گرز تھا' اتنا بھاری کہ اگر وہ پہاڑ پر بھی پڑتا تو اسے ڈھا دیتا۔ اس نے اس گرز کو ہاتھ میں لے کر غریب کے سر پر مارا۔ غریب نے وار خالی کر دیا اور گرز زمین پر گر کر آدھا گز زمین میں گڑ گیا۔ پھر غریب نے اپنا گرز نکلا کر اس زور سے اس کی کلائی پر مارا کہ اس کی انگلیاں چکنا چور ہو گئیں۔ اور گرز اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ غریب نے بجلی کی طرح اپنی زین سے جھکر کر اسے اٹھایا اور اس زور سے جمرقان کی پسلیوں پر مارا کہ وہ لمبے تاڑ کی طرح زمین پر جا پڑا۔ سہیم نے اس کی مشکیں باندھ لیں اور ایک رسی گلے میں ڈال کر اسے کھینچتا لے چلا۔ غریب کے سوار جمرقان کے سواروں پر ٹوٹ پڑے۔ ان میں سے پچاس مارے گئے اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔

بھاگتے بھاگتے وہ اپنے قبیلے میں پہنچے اور چلا چلا کر یہ خبر سنائی۔ قلعے میں جتنے آدمی تھے سب سوار ہو کر ان کے پاس آئے اور ان سے ماجرا پوچھا' انہوں جو پیش آیا تھا کہہ سنایا۔ وہ یہ سن کر کہ ان کا سردار قید ہو گیا ہے اسے چھڑانے گھاٹی کی طرف روانہ ہو گئے۔ ادھر جب بادشاہ غریب نے جمر قان کو گرفتار کر لیا اور اس کے سوار بھاگ کھڑے ہوئے تو وہ گھوڑے سے اترا اور جمر قان کے پیش کیئے جانے کا حکم دیا۔ وہ حاضر ہوا تو اس نے گڑگڑا کر کہا' اے زمانے کے شہ سوار' میں تیری پناہ لیتا ہوں۔ غریب نے کہا اے عربی کتے' تو خدا کے بندوں پر ڈاکہ ڈالتا ہے اور دو جہاں کے پرور دگار سے نہیں ڈرتا؟ جمرقان نے کہا' اے میرے آقا' دو جہان کے پروردگار کس چیز

کا نام ہے؟ غریب نے پوچھا اے کتے' تو کس بلا بد ترکی پرستش کرتا ہے؟ اس نے کہا اے میرے آقا! میں ایک خدا پرستش کرتا ہوں جو کھجوروں کے قوام' مکھن اور شہد سے بنایا جاتا ہے۔ کبھی کبھی میں اسے کھا جاتا ہوں اور پھر دوسرا بنا لیتا ہوں۔ اس پر غریب ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور کہا کہ اے پاگل' کوئی عبادت کے قابل نہیں ہے سوائے اللہ کے جس نے تجھے اور تمام چیزوں کو پیدا کیا' جو ہر زندہ کو روزی دیتا ہے' جس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں' جو ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔ جمرقان نے کہا' اچھا تو یہ بزرگ خدا ہے کہاں تاکہ میں بھی اس کی پوجا کروں؟ غریب نے کہا سن' اس خدا کا نام اللہ ہے۔ اسی نے زمین اور آسمان پیدا کئے ہیں۔ درخت اگائے' چشمے جاری کئے' جانور' پرندے' جنت اور دوزخ پیدا کی ہے' وہ آنکھوں سے پوشیدہ ہے' خدا دیکھتا ہے مگر دکھائی نہیں' وہ سب سے اونچی جگہ رہتا ہے۔ اسی نے ہم سب کو پیدا کیا اور کھانے پینے کو دیا ہے' پاک ہے وہ اور سوائے اس کے کوئی پرستش کے قابل نہیں۔ غریب کی یہ باتیں سن کر جمرقان کے کان کھل گئے اور رونگٹے کھڑے ہونے لگے' وہ کہنے لگا اے میرے مولی! میں کیا کلمہ پڑھوں کہ تمہی میں سے ہو جاؤں اور یہ بزرگ پروردگار مجھ سے راضی ہو جائے؟ غریب نے کہا کہ "نہیں ہے کوئی پرستش کے قابل سوائے اللہ کے اور ابراہیم خلیل اس کے رسول ہیں۔" جمرقان نے شہادت کا کلمہ پڑھا اور اس کا شمار نیک بخت بندوں میں ہو گیا۔ غریب نے پوچھا' اب تجھے کچھ اسلام کا لطف آیا؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ غریب نے اس کی مشکیں کھلوا دیں۔ اس نے غریب کے آگے زمین چومی اور اس کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ اتنے میں ایسی گرد اٹھی کہ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چھ سو تینتالیس ویں رات

چھ سو تینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ! اتنے میں گرد اٹھی اور چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ غریب نے کہا' سہیم! دیکھ تو سہی یہ گرد کیسی ہے؟ سہیم پرندے کی طرح اڑا اور تھوڑی دیر بعد آ کر کہا' جہاں پناہ! یہ بنی عامر کی گرد ہے جو جمرقان کے آدمی ہیں۔ غریب نے جمرقان سے کہا جا کر اپنی قوم کے آگے اسلام پیش کر۔ اگر وہ تیرا کہنا مان لیں تو خیر ورنہ تلوار فیصلہ کر دے گی۔ جمرقان اٹھا اور اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا کر ان کے پاس پہنچا' انہیں پکارا۔ انہوں نے جمرقان کو پہچان لیا' گھوڑوں سے اتر کر پیدل اس کے قریب آئے اور کہنے لگے' اے ہمارے آقا! ہم خوش ہیں کہ تو صحیح سلامت ہے۔ جمرقان بولا اے میرے قبیلے والو! جو میرا کہنا مانے گا' سلامت رہے گا اور جو مخالفت کرے گا' میں اس کے دو ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ انہوں نے کہا جو تیرا جی چاہے' حکم دے ہم کسی بات میں تیری مخالفت نہ کریں گے۔ اس نے کہا مرے ساتھ یہ کلمہ پڑھو کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور ابراہیم اللہ کے دوست ہیں۔ انہوں نے کہا اے ہمارے مولیٰ! تو نے یہ کلمہ کہاں سے سیکھا؟ اس نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ اس کے بعد اس نے کہا' اے میری قوم! تم جانتے ہو کہ میدان لڑائی میں' میں تمہارا سردار ہوں لیکن اس کلمے کی برکت سے ایک اکیلے شخص نے مجھے گرفتار کر کے ذلت اور خواری کا مزہ چکھایا۔ یہ باتیں سن کر سب نے توحید کا کلمہ پڑھا۔ جمرقان انہیں لے کر غریب کے پاس آیا۔ انہوں نے اس کے آگے اسلام دہرایا' زمین چوم کر فتح یابی اور عزت کی دعا کی۔ غریب خوش ہو گیا اور ان سے کہا کہ اپنے قبیلے میں جا کر ان کے سامنے اسلام پیش کرو۔ جمر قان اور اس کے ساتھیوں نے کہا اے ہمارے آقا! اب ہم تیرا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے' ہاں اتنا کر سکتے ہیں کہ جائیں اور اپنے بال بچوں کو لے کر تیرے پاس آ جائیں۔ غریب نے کہا

اے میرے ساتھیوں! جاؤ اور کوفے میں آ کر مجھ سے ملنا۔
جمرقان اور اس کے ساتھی سوار ہر کر اپنے قبیلے میں گئے۔ اپنی عورتوں اور بچوں کے آگے اسلام پیش کیا' وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ اپنے گھر اجاڑ اور خیمے اکھاڑ کر گھوڑے' اونٹ اور بھیڑ بکریاں لیں اور کوفے کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ غریب بھی وہاں دیا۔ جب وہ کوفے پہنچا تو سواروں نے بڑے جلوس کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا اور وہ شاہی محل میں داخل ہو کر اپنے باپ کے تخت پر بیٹھا۔ بہادر لوگ دہنے بائیں کھڑے ہوئے جاسوسوں نے آ کر خبر دی کہ تیرا بھائی عمان اور یمن کے بادشاہ جلند بن کرکر پاس پہنچ گیا ہے۔ اپنے بھائی کی خبر پاتے ہی غریب نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ سفر کی تیاری کرو' تین دن کے بعد روانگی ہے۔ اس کے بعد اس نے ان تیس ہزار پر اسلام پیش کیا جنہیں اس نے ابتدا میں گرفتار کیا تھا اور ان سے کہا کہ میرے ساتھ چلو۔ بیس ہزار نے اسلام قبول کر لیا باقی دس ہزار نے انکار کیا۔ ان کو قتل کر دیا گیا۔ اب جمرقان اور اس کے ساتھیوں نے آگے بڑھ کر غریب کے آگے زمین چومی۔ غریب نے ان سب کو عمدہ عمدہ خلعت دیئے اور جمرقان کو لشکر کا سردار بنا کر کہا کہ اپنی قوم کے لوگوں اور بیس ہزار دوسرے سواروں کو لے کر آگے آگے عمان کے بادشاہ جلند بن کرکر کے ملک کی طرف روانہ ہو جا۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے۔ سب اپنی عورتوں اور بچوں کو کوفے میں چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔ غریب نے مرداس کی عورتوں کو تلاش کیا تو اس کی منظر مہدیہ پر پڑی جو عورتوں کے ساتھ تھی۔ غریب کو غش آ گیا۔ لوگوں نے اس پر گلاب چھڑکا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے مہدیہ کو گلے سے لگا لیا اور اسے لے کر بیٹھک کے کمرے میں گیا' اس کے ساتھ حلال طریقے سے ہم بستر ہوا۔ صبح ہوئی تو وہ باہر آ کر تخت پر بیٹھا اور اپنے چچا دامغ کو خلعت عطا کیا اور اسے تمام عراق کے ملک کا حاکم بنا کر اس سے کہا کہ مہدیہ کی خبری گیری رکھیو جب تک کہ میں اپنے بھائی کی مہم سے لوٹ نہ آؤں۔ چچا نے اس کا حکم مان لیا اور وہ بیس ہزار سوار دس ہزار پیادے لے کر عمان اور یمن کے ملک کو

روانہ ہو گیا۔
ادھر عجیب اپنے لشکر کے ساتھ بھاگ کر عمان پہنچا تھا تو عمان والوں کو گرد اٹھتی دکھائی دی۔ جونہی جلند بن کرکر کی نظر گرد پر پڑی' اس نے پیادے دوڑا دیئے کہ خبر لے کر آئیں۔ پیادے نے تھوڑی دیر کے بعد واپس آ کر خبر دی کہ ایک بادشاہ آ رہا ہے جس کا نام عجیب ہے جو عراق کا حکمران ہے' اسی کی یہ گرد ہے۔ جلند کو اس بات پر تعجب ہوا کہ عجیب اس کے ملک میں کیوں آ رہا ہے؟ جب اسے یقین ہو گیا کہ عجیب ہی ہے تو اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ جا کر اس کا خیر مقدم کرو۔ لوگوں نے جا کر اس کا خیر مقدم کیا' شہر کے دروازے پر اس کے لئے خیمے لگائے۔ عجیب روتا ہوا غمگین جلند کے پاس گیا۔ عجیب کی چچری بہن جلند کو بیاہی ہوئی تھی اور اس سے اس کی اولاد بھی تھی۔ جلند نے اپنے سالے کو اس بری حالت میں دیکھا تو اس کا سبب پوچھا۔ عجیب نے شروع سے لے کر آخر تک وہ باتیں بیان کر دیں جو اسے اپنے بھائی کے ساتھ پیش آئی تھیں اور اس سے یہ بھی کہا کہ اے بادشاہ' وہ لوگوں کو آسمانی خدا کی عبادت کو حکم دیتا' بتوں اور دوسرے خداؤں کی پرستش سے منع کرتا ہے۔ یہ سن کر جلند ناک بھوں چڑھانے لگا اور کہا کہ روشنی دینے والے سورج کی قسم میں تیرے بھائی کو دین سے نیست و نابود کر دوں گا۔ انہیں تونے کہاں چھوڑا ہے اور وہ کتنے ہیں؟ عجیب نے کہا میں نے انہیں کوفے میں چھوڑا ہے' ان کی تعداد پچاس ہزار سوار ہے۔ جلند نے اپنا لشکر بلوایا اور اپنے وزیر جواں مرد سے کہا کہ ستر ہزار سو سواروں کو لے کر کوفے جا کر اور مسلمانوں کو زندہ پکڑ لا تا کہ میں انہیں سزا دوں۔ مرد لشکر لے کر کوفے کی طرف روانہ ہو گیا' دن بھر چلتا رہا' پھر دوسرے دن یہاں تک کہ سات دن ہو گئے۔ راستے میں انہیں ایک گھاٹی پڑی جہاں بہت سے درخت' چشمے اور میوے تھے' جواں مرد نے لشکر حکم دیا کہ یہاں ٹھہر جائیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چھ سو چوالیسویں رات

چھ سو چوالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ! جواں مرد نے لشکر کو حکم دیا کہ اتر پڑیں اور وہ اتر کر آدھی رات تک آرام کرتے رہے۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ کوچ کرو اور خود سوار ہو کر آگے آگے ہو لیا۔ صبح تک چلتا رہا۔ اب وہ ایک گھاٹی میں اترے جہاں سبزہ زار تھا' پھول مہک رہے تھے' چڑیاں چہک رہی تھیں اور شاخیں جھوم رہی تھیں۔ اتنے میں درختوں میں سے ایک سوار نکل کر جواں مرد کے سامنے آیا۔ وہ لوہے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کی صورت سے ہیبت ٹپکتی تھی۔ یہ سوار دراصل جمرقان تھا۔ اس نے جواں مرد کو للکار کر کہا اے عرب کے کوڑے کرکٹ' اپنے کپڑے اور ہتھیار اتار کر مجھے دے دے' گھوڑے سے اتر پڑ اور اپنی جان لے کر بھاگ۔ یہ سن کر جوان مرد کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور اس نے تلوار کھینچ کر جمرقان پر حملہ کر دیا اور کہا کہ اے ذلیل عربی' کیا تو مجھ پر ڈاکہ ڈالنا چاہتا ہے؟ میں جلند بن کرکر کے لشکر کا سردار ہوں اور غریب اور اس کے لشکر کو گرفتار کرنے جا رہا ہوں۔ جمرقان نے کہا کہ اب میرا دل ٹھنڈا ہوا اور وہ بھی لڑنے لگا۔

جب جمرقان لشکر کو لے کر کوفے سے چلا تو دس دن تک سفر کرنے کے بعد گیارہویں دن وہ اتر پڑا اور آدھی رات تک ستاتا رہا' پھر اس نے کوچ بول دیا لشکر شل کھڑا ہوا۔ جمرقان ان کے آگے آگے تھا یہاں تک کہ وہ گھاٹی میں پہنچا' جواں مرد کو دیکھ کر اس پر خونخوار شیر کی طرح ٹوٹ پڑا ایسی تلوار ماری کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اب وہ اپنے سرداروں کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ اس کے پاس پہنچے تو اس نے ان سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ تم میں سے پانچ پانچ نفر پانچ پانچ ہزار کو لے کر گھاٹی کے ارد گرد پھیل جاؤ اور میں بنی عامر کے لوگوں کے ساتھ رہتا ہوں۔ جونہی دشمن

سے میری مڈ بھیڑ ہو گی' میں اللہ اکبر کا نعرہ لگاؤں گا۔ میری آواز سنتے ہی تم بھی حملہ کر دینا۔ تکبیر پڑھنا اور انہیں تلواروں کی دھار رکھ لینا۔ انہوں نے کہا کہ سر آنکھوں سے اور اپنے شہ تلواروں کے پاس جا کر یہ حکم سنایا۔ وہ سب تڑکا ہوتے ہی گھاٹی کے آس پاس پھیل گئے۔ اتنے میں دشمن کا لشکر بھیڑ بکریوں کے گلے کی طرح نکلا اور پہاڑ اور میدان ان سے بھر گئے۔ یہ دیکھتے ہی جمرقان اور بنی عامر کے لوگوں نے حملہ کر دیا اور اللہ اکبر کا ایسا نعرہ لگایا کہ مسلمانوں کے بھی کان کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے بھی چاروں طرف سے اللہ اکبر! فتح اور نصرت! کافروں کا ستیاناس ہو کے نعرے لگائے۔ پہاڑ اور ٹیلے گونج اٹھے' ہر خشک اور تر چیز سے اللہ اکبر کی آواز نکلنے لگی' کافر سہم گئے۔ تلوار چلنے لگی۔ پیچھے سے مسلمانوں نے ان پر حملہ کر دیا اور آگ کے شعلے کی طرح ان پر ٹوٹ پڑے۔ ہر طرف سے یہی نظر آنے لگا کہ سر اڑ رہے ہیں' خون بہہ رہا ہے اور بزدل گھبرا رہے ہیں۔ اس سے پہل جہ وہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں دو تہائی کافر کام آ گئے اور خدا نے ان کی روحیں دوزخ میں بھیج دیں جو رہنے کی بری جگہ ہے۔ باقی بھاگ کر جنگل میں تتر بتر ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا' دوپہر تک انہیں قتل اور گرفتار کرتے رہے۔ جب وہ لوٹے تو ان کے پاس سات ہزار قیدی تھے۔ کافر چھبیس ہزار سے زیادہ نہ بچے تھے اور ان میں سے بھی اکثر زخمی تھے۔ مسلمان کامیاب لوٹے' ان کے ہاتھ بہت سے گھوڑے اور لڑائی کا سامان اور خیمے لگے۔ انہوں نے ان چیزوں کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ کوفے روانہ کر دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو پینتالیس ویں رات

چھ سو پینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ! ادھر جمرقان نے سارا غنیمت کا مال کوفے روانہ کر دیا' ادھر مسلمانوں نے قیدیوں کے آگے اسلام پیش کیا اور وہ سب دل اور زبان سے مسلمان ہو گئے۔ ان کی مشکیں کھول دیں' انہیں گلے لگایا اور خوشی منائی۔ اب جمرقان کے ساتھ بہت بڑا لشکر ہو گیا' ایک دن اور ایک رات ستانے کے بعد صبح ہوتے ہی وہ جلندبن کرکر کے ملک کو روانہ ہو گئے اور جنہیں مال غنیمت کے ساتھ کوفے بھیجا تھا انہوں نے کوفے پہنچ کر بادشاہ غریب سے سارا ماجرا بیان کیا۔ وہ خوش ہو گیا۔ مبارک باد دی اور پہاڑی دیو کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تو سوار ہو اور بیس ہزا سواروں کو لے کر جمرقان کے پیچھے پیچھے روانہ ہو جا۔ پہاڑی دیو اپنے بیٹوں اور بیس ہزار سواروں کو لے عمان چل دیا۔

جب بھگوڑے کافر اپنے شہر میں روتے پیٹتے پہنچے تو جلندبن کرکر سہم گیا اور ان سے پوچھا کہ تم پر کیا بلا ٹوٹی ہے؟ انہوں نے ساری سرگزشت بیان کی۔ اس نے کہا کہ ستیاناس ہو تمہارا! وہ کتنے آدمی تھے؟ انہوں نے کہا اے بادشاہ! ان کے پاس بیس علم تھے اور علم کے نیچے ایک ہزار سوار۔ جلند یہ سن کر کہنے لگا کہ سورج دیوتا تمہیں غارت کرے! ستیاناس ہو تمہارا! کیا تم پر بیس ہزار غالب آ گئے حالانکہ تمہاری تعداد ستر ہزار تھی اور جوں مرد اکیلا میدان میں تین ہزار کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ مارے غصے کے اس نے تلوار کھینچ لی اور انہیں برا بھلا کہنے لگا اور حاضرین سے کہا کہ انہیں مارو۔ لوگوں نے تلواریں کھینچ لیں اور اتنا مارا کہ ان کا خاتمہ کر دیا اور انہیں کتوں کے آگے ڈال دیا۔ اس کے بعد جلند نے اپنے بیٹے سے کہا کہ سوار ہو جا اور ایک لاکھ سوار لے کر عراق جا' وہاں گدھوں کے ہل چلا دے۔ اس شہزادے کا نام قور جان تھا۔ سارے لشکر میں اس کی بہادری کی دھوم تھی۔ وہ تین ہزار سواروں کا اکیلے مقابلہ کر سکتا تھا۔

قور جان نے خیمے نکالے اور سوار اور پیادے نکل کھڑے ہوئے۔ ہتھیار لگا کر آگے پیچھے چل کھڑے ہوئے۔ قورجان لشکر کے آگے تھا۔ بارہ دن تک وہ چلتے رہے اس کے بعد انہیں گرد اٹھتی دکھائی دی۔ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ قورجان نے پیادوں سے کہا کہ خبر لائیں۔ وہ جھنڈوں تک پہنچ گئے اور واپس آ کر قور جان سے کہا اے شہزادے' یہ غبار مسلمانوں کا ہے۔ وہ خوش ہو گیا اور ان سے پوچھا کہ تم نے انہیں گنا بھی؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے بیس جھنڈے گنے ہیں۔ وہ بولا مجھے اپنے مذہب کی قسم' میں ان کے مقابلے میں ایک شخص کو بھی نہ بھیجوں گا بلکہ اکیلا جا کر ان کے سروں کو گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے کاٹ پھینک دوں گا۔

یہ گرد جمرکان کی تھی۔ جب اس نے کافروں کے لشکر کو دیکھا تو ہو موج زن سمندر کی طرح نظر آئے۔ اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اتر پڑو اور ڈیرے لگا دو۔ وہ اتر پڑے۔ جھنڈے گاڑ دیئے اور اس خدا کی یاد کرنے لگے جو ہر چیز کا جاننے والا' روشنی اور اندھیرا کا پیدا کرنے والا اور ہر ایک کو روزی پہنچائے والا ہے' جو دیکھتا ہے' مگر دکھائی نہیں دیتا' جو بلند مقام پر ہے۔ پاک ہے وہ ذات اور برتر۔ سوائے اس کے کوئی پرستش کے قابل نہیں۔ ادھر کافر بھی اترے ان کے بھی خیمے لگے گئے۔ قورجان نے اس سے کہا کہ لڑائی کا سامان ساتھ لئے اور ہتھیار لگائے رہو' اگر لیٹو بھی ہتھیار نہ اتارنا اور جب تہائی رات باقی رہے تو سوار جمرقان کا جاسوس کھڑا سن رہا تھا' اس نے جا کر جمرقان کو خبر دی۔ جمرقان نے اپنے بہادروں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ہتھیار لگا لو اور رات ہو جائے تو گردنوں میں پہنا دینا۔ ان کے پاس بیس ہزار سے زیادہ اونٹ اور خچر تھے۔ اب وہ اس بات کے منتظر رہے کہ کافر سو جائیں۔ وہ سو گئے تو جمرقان نے حکم دیا کہ سوار ہو جاؤ۔ وہ خدا پر بھروسہ کر کے سوار ہو گئے اور دوجہان کے پرور دگار سے فتح یابی کی دعا کی۔ جمرقان نے کہا اونٹوں اور دوسرے جانوروں کو کافروں کی طرف لے چلو۔ انہیں نیزوں کے پھلوں سے ہو لو۔ انہوں نے ویسا ہی کیا جیسا کہ انہیں حکم ملا تھا اور کافروں کے خیموں پر دھاوا بول دیا۔ آگے آگے گھونگرو

اور گھنٹیاں بجتی جاتی تھیں اور پیچھے پیچھے مسلمان اللہ اکبر کے نعرے لگاتے جاتے تھے۔
خدا کے اس ذکر سے پہاڑ اور پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ سواروں نے حملہ کر دیا۔ کافروں کو

تے میں جا لیا۔ خیموں کو کچل ڈالا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چھ سو چھیالیسویں رات

چھ سو چھیالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ! جمرقان نے اپنی قوم' گھوڑوں اور اونٹوں کے ساتھ مشرقین پر سوتے میں حملہ کر دیا تو وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور ایسے گھبرائے کہ آپس ہی میں ایک نے دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کا ایک بڑا حصہ کام آ گیا۔ جب ان کی نظر مردوں پر پڑی تو انہوں نے دیکھا کہ ان میں ایک بھی مسلمان نہیں بلکہ وہ سب ہتھیار لگائے کھڑے ہیں۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ محض ایک چال تھی جو ان کے ساتھ چلی گئی۔ قور جان نے بایوں سے کہا اے حرام زادو! جو چال ہم ان کے ساتھ چلنا چاہتے تھے' وہ ہم پر چل گئے اور ان کی تدبیر ہماری تدبیر پر غالب آ گئی۔ اب وہ حملہ کرنے ہی والے تھے کہ گرد اٹھی اور چاروں طرف پھیل گئی۔ ہوا نے اسے مار کر اوپر پہنچا دیا اور اس کے نیچے سے خودوں اور زرہ بکتر کی چمک دمک دکھائی دی' ساتھ ہی بانکے سوار نظر آئے جو ہندی تلواریں اور لچک دار نیزے لئے ہوئے تھے۔ گرد کو دیکھ کر کافر حملہ کرنے سے رک گئے۔

دونوں لشکروں نے ایک ایک پیادہ روانہ کیا جو گرد کے نیچے پہنچ کر لوٹ آئے اور خبر دی کہ مسلمان ہیں۔ یہ آنے والی فوج پہاڑی دیو کی تھی' جسے غریب نے بھیجا تھا اور پہاڑی دیو لشکر کے آگے آگے تھا۔ جونہی وہ مسلمانوں کے پاس پہنچا جمرقان اور اس کے ساتھ کافروں پر آگ کے شعلے کی طرح ٹوٹ پڑے۔ تیز تلواریں اور ردینی لچ دار نیزے چلنے لگے۔ اتنی گرد اٹھی کہ دن تاریک ہو گیا اور آنکھیں اندھی ہو گئیں بہادر جنگجو' ثابت قدم ہو گئے۔ بھگوڑے بزدل بھاگ نکلے' جنگلوں بیابانوں کی راہ لی۔ خون زمین پر لہریں مارنے لگا۔ دن چھپے تک لڑائی برابر جاری رہی۔ رات کا اندھیرا چھا گیا تو مسلمان اور کافر الگ الگ ہو گئے۔ خیموں میں جا کر کھانا کھایا اور سو رہے۔

رات گزر گئی اور سویرا ہوا تو مسلمانوں نے صبح کی نماز پڑھی۔ اور سوار ہو کر لڑائی کے

لئے آمادہ ہو گئے۔ گزشتہ رات جب دونوں گروہ علیحدہ ہوئے۔ اکثر کافر زخمی پائے گئے۔ دو تہائی تلواروں اور نیزوں کی نذر ہو چکے تو قور جان نے کہا کہ اے لوگوں! کل جب ہم میدان میں نکلیں گے اور لڑائی کا بازار گرم ہو گا تو میں بہادروں کا مزا چکھاؤں گا۔ دن نکل آیا تو دونوں گروہ سوار ہو کر خون نعرے لگاتے' نیزے ہلاتے میدان میں آئے۔ لڑائی کی صفیں درست ہونے لگیں۔ جس شخص نے جنگ کی ابتدا کی وہ قور جان بن جلند بن کرکر تھا۔ اس نے للکار کہا خبردار' کوئی سست اور کمزور مقابلے میں نہ آئے۔ ادھر وہ نعرہ لگا رہا تھا ادھر جمرقان اور سعدان دیو جھنڈوں کے نیچے کھڑے تھے کہ بنی عامر کا ایک سردار قور جان کے مقابلے میں نکلا۔ دونوں اس طرح حملہ آور ہوئے جیسے دو مینڈھے۔ بہت دیر تک ہتھیاروں کی رد و بدل ہونے کے بعد قور جان سردار کی طرف جھپٹا' آستین پکڑ کر اسے زین سے کھینچ لیا اور زمین پر گرا کر چھوڑ دیا۔ کافر آ پہنچے اور اس کی مشکیں باندھ کر اپنے خیموں کی طرف لے گئے۔ اس کے بعد قورجان نے پھر ادھر ادھر گھوڑا دوڑایا اور کہا نکلو مقابلے کے لئے۔ ایک اور سردار آیا۔ وہ بھی گرفتار ہو گیا۔ اسی طرح سے ابھی دوپہر نہ ہونے پائی تھی کہ قور جان نے ایک ایک کر کے سات سردار گرفتار کر لئے۔ اس کے بعد جمرقان نے ایک نعرہ مارا جس سے سارا میدان گونج اٹھا' دونوں لشکروں نے سنا اور بہادری کے ساتھ قور جان کے مقابلے میں آ ڈٹے۔ قور جان نے بھی اس کا جواب دیا۔ دونوں نے ایسے ہاتھ دکھائے کہ دونوں گروہ عش عش کرنے لگے۔ پھر نیزے چلنے اور نعرے بلند ہونے لگے۔ اتنی دیر تک یہ لڑائی جاری رہی کہ عصر کا وقت جاتا رہا' دن ڈھل گیا۔ جمرقان نے قور جان کے سینے پر اس زور سے گرز مارا کہ وہ تاڑ کی طرح زمین پر آ پڑا اور مسلمان اس کی مشکیں باندھ کر اونٹ کی طرح کھینچتے ہوئے لے چلے۔

کافروں نے دیکھا کہ ان کا سردار گرفتار ہو گیا ہے تو انہیں جاہلیت کا جوش آ گیا اور وہ اپنے آقا کو چھڑانے کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ مسلمانوں نے ان کا مقابلہ کیا'

ان میں سے بہتیروں کا مار کر گرایا' جو بچ رہے وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کی تلواروں کی جھنکاریں ان کے پیچھے لگی رہیں اور وہ ان کا برابر پیچھا کرتے رہے یہاں تک کہ ان کو پہاڑوں اور بیابانوں می بھگا دیا۔ ان کے ہاتھ غنیمت کا اتنا مال لگا کہ کیا کہنا! لوٹنے کے بعد جمر قان نے قور جان کے سامنے اسلام پیش کیا اور اسے بہت ڈرایا دھمکایا' لیکن وہ اسلام نہ لایا۔ اس پر انہوں نے اس کر گردن اڑا دی اور سر نیزے پر رکھ کر عمان کی طرف روانہ ہو گئے۔ ادھر کافروں نے جا کر بادشاہ کو خبر دی کہ اس کا بیٹا مارا گیا اور لشکر تباہ ہو گیا۔ یہ خبر سن کر جلند نے اپنا تاج زمین پر دے پٹکا۔ اپنے منہ پر اتنے طمانچے مارے کہ نتھنوں سے خون نکلنے لگا' بے ہوش کر زمین پر گر پڑا۔ لوگوں نے اس کے منہ پر گلاب چھڑکا۔ جب اسے ہو آیا تو اس نے اپنے وزیر کو بلا کر کہا کہ تمام والیوں کے نام خط لکھ اور انہیں حکمدے کہ کوئی شمشیر زن' نیزہ باز یا برا فگن باقی نہ رہے۔ سب کو چن چن کر بھیج دے۔ وزیر نے خط لکھ کر قاصدوں کے ہاتھ بھیج دئے۔ والیوں نے لشکر تیار کرئے اور ایک لاکھ اسی ہزار سپاہی خیموں' انٹھوں اور عمدہ عمدہ گھوڑوں کا انتظام کر کے فوراً روانہ ہو گئے۔ اتنے میں جمرقان اور سعدان دیو ستر ہزا سواروں کو لے کر آ پہنچے۔ وہ سب کے سب خونخوار شیروں کی طرح تھے اور فولاد میں ڈوبے ہوئے۔

جلند کو معلوم ہوا کہ مسلمان آ گئے ہیں تو وہ خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ قسم ہے سورج دیوتا کی جو روشنی پہنچاتا ہے' دشمن کا ایک آدمی بھی زندہ نہ چھوڑوں گا' جو ان کی خبر بھی لے جا سکے۔ عراق کو تباہ کر ڈالوں گا اور جب تک اپنے شہ سوار سورما بیٹے کا بدلہ نہ لے لوں گا' میرے دل کو تسکین نہ ہو گی۔ یہ کہہ کر عجیب کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا اے عراق کے کتے' یہ سب تیرا کیا دھرا ہے۔ میں اپنے معبود کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اپنے دشمن سے بدلہ نہ لے سکا تو تجھے بری موت ماروں گا۔ یہ سن کر عجیب کو بڑا غم ہوا۔ وہ اپنے آپ کو برا بھلا کہنے اور اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ مسلمان اتر کر ڈیرے ڈال دیا اور رات کا اندھیرا چھا جائے۔ چونکہ وہ اپنے

رشتے داروں کے ساتھ خیمہ گاہو سے الگ ٹھہرا ہوا تھا اس نے کہا اے بھائیوں! مسلمانوں کے آ جانے سے مجھے بھی بہت ڈر لگتا ہے اور جلند کو بھی' مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ مجھے نہ میرے بھائی سے بچا سکتا ہے اور نہ کسی اور سے۔ اس لئے میری رائے ہے کہ جب لوگ سو جائیں تو ہم یہاں سے چل دیں اور یعرب بن قحطان کے ملک کو روانہ ہو جائیں کیونکہ وہ جلند سے بڑا بادشاہ ہے اور اس کی فوجیں بھی اس سے زیادہ ہیں۔ یہ سن کر سب نے کہا کہ بس یہی ٹھیک رائے ہے۔ اس نے حکم دیا کہ خیموں کے دروازوں پر آگ روشن کریں اور اندھیرے میں چل کھڑے ہوں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور چل کھڑے ہوئے ابھی دن بھی نہ نکلنے پایا تھا کہ بہت دور پہنچ گئے۔ سویرا ہوا تو جلند اور اس کے دولاکھ ساٹھ ہزار ساتھیوں نے فولادی زرہ بکتر پہن لئے' جنگ کے ڈھول بجائے اور نیزہ بازی اور شمشیر زنی کے لئے صف بستہ ہو گئے۔ ادھر جمرقان اور سعدان سوار ہو کر چالیس ہزار سواروں کے ساتھ نکلے جو نہات مضبوط جوان تھے۔ ہر علم کے نیچے ایک ایک ہزار' ہزار دلاور اور سورما۔ دونوں لشکروں نے صفیں باندھ لیں' شمشیر زنی اور نیزہ بازی کے لئے تیار ہو گئے۔ تلواریں اور بھالے کھینچ لئے جو موت کے سخت کڑوے پیالے ہیں۔

پہلے جس شخص نے لڑائی کی ابتدا کی سعدان تھا جو سخت پہاڑ دیا جن کی طرح معلوم ہوتا تھا اس کے مقابلے کے لئے کافروں میں سے ایک سورما نکلا۔ سعدان نے اسے قتل کر کے میدان میں پھینک دیا اور اپنے بیٹوں اور غلاموں سے چلا کر کہا' آگ جلا کر اس مقتول کو بھونو۔ انہوں نے حکم تعمیل کی اور بھون کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ اسے کھا گیا' اس کی ہڈیاں تک چبا ڈالیں۔ کافر دور سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے کہنے لگے کہ روشنی دینے والے سورج دیوتا کی دہائی! کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ سعدان کے مقابلے میں آئے۔ جلند نے اپنے لوگوں کو للکار کر کہا کہ اس بھینسے کو قتل کرو۔ یہ سن کر کافروں کا ایک دوسرا سردار میدان میں اترا لیکن سعدان نے اسے بھی قتل کر

دیا۔ اسی طرح ایک ایک کر کے تیس سورما مارے گئے اور پھر کسی ملعون کافر کا حوصلہ نہ پڑا کہ سعدان سے لڑے۔ وہ کہنے لگے بھلا جن اور دیو سے کون لڑ سکتا ہے! جلند نے للکار کر کہا کہ سو سوار اس پر حملہ کر دیں اور خواہ زندہ یا مردہ اسے میرے پاس لے آئیں۔ یہ سن کر سو سار نکلے' تلواریں اور نیزے لے کر پل پڑے۔ دیو نے پتھر سے زیادہ مضبوط دل کے ساتھ ان کا مقابل کیا' خدا کی توحید کا کلمہ پڑا جو بڑا حاکم ہے جسے ایک چیز دوسری سے غافل نہیں کرتی۔ اللہ اکبر' کہا تلوارے لے کر گھس گیا اور ان کے سر اڑنے لگے' ایک ہی گردش میں اس نے چوہتر کو قتل کر دیا' باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر جلند نے اپنے دس سرداروں کو بلایا جن کے ماتحت ہزار ہزار سورما تھے اور ان سے کہا کہ اس کے گھوڑے پر تیر چلاؤ تا کہ وہ نیچے گر پڑے اور پھر اسے پکڑ لو۔ یہ سن کر دس ہزار سواروں نے اس پر حملہ کر دیا۔ مگر وہ دل مضبوط کئے ڈٹا رہا۔ جمرقان اور دوسرے مسلمانوں نے دیکھا کہ کافروں نے سعدان پر دھاوا بول دیا ہے تو اپنوں نے بھی تکبیر کا نعرہ بلند کر کے حملہ کر دیا' لیکن ابھی وہ سعدان تک پہنچنے نہ پائے تھے کہ اس کا گھوڑا مارا گیا اور وہ قید ہو گیا۔ بہر حال وہ کافروں پر حملہ کرتے رہے یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔ جس وقت تک کچھ بھی دکھائی دیتا رہا' برابر تیز تلواریں چلتی رہیں۔ بہادر سوار ثابت قدم رہے اور بزدلوں کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ مسلمانوں کی حالت کافروں کے بیچ میں ایسی تھی جیسے کالے سانڈ پر سفید دھبہ۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چھ سو سینتالیسویں رات

چھ سو سینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہ اے نیک نہاد بادشاہ! کافروں میں مسلمان ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے کالے سانڈ پر سفید دھبہ۔ یہ لڑائی برابر جاری رہی یہاں تک کہ بالکل اندھیرا چھا گیا' اپنے پرائے کی تمیز نہ رہی' دونوں فریق جدا ہو گئے۔ کافر اتنے کام آئے کہ ان کا شمار نہیں۔ جمرقان اور اس کے ساتھی لوٹے تو وہ سعدان پر بہت غمگین تھے۔ انہیں نہ کھانے میں مزا آتا تھا نہ سونے میں۔ جب انہوں نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا تو ایک ہار سے کم مارے گئے تھے۔ جمرقان نے کہا اے لوگو! اب میں نکل کر لڑائی اور نیزہ بازی کے میدان میں جاؤں گا۔ ان کے بہادروں کو قتل کر کے ان کے اہل و عیال کو گرفتار کر لاؤں گا اور انہیں فدیے میں دے کر سعدان کو چھڑاؤں گا بشرطیکہ حاکم الحاکمین خدا کی مرضی ہو جسے ایک بات دوسری سے غافل نہیں کر سکتی۔ یہ سن کر سب خوش ہو گئے اور اپنے اپنے خیموں میں جا سوئے۔

ادھر جب جلند اٹھ کر اپنے شامیانے میں گیا اور تخت پر بیٹھا' لوگ ارد گرد گھومنے لگے تو اس نے سعدان کو طلب کیا' لوگوں نے اسے لا کر حاضر کیا۔ اس نے کہا رذیل کتے! اے کمینے عرب اور لکڑیاں ڈھونے والے' میرے بیٹے قورن کو کس نے قتل کیا ہے جو زمانے بھر کا بہادر' سورماؤں کا قاتل اور بہادروں کا پچھاڑنے والا تھا؟ سعدان نے جواب دیا کہ اے بادشاہ غریب کی فوج کے سپہ سالار اور شہ سواروں کے سردار جمرقان نے قتل کیا ہے اور میں اسے بھون کر کھا گیا ہوں کیونکہ میں بھوکا تھا۔ سعدان کی گردن اڑا دی جائے۔ جلاد بہت بڑی ہمت کر کے سعدان کی طرف بڑھا۔ سعدان نے ایک انگڑائی لے کر سارے بند توڑ ڈالے۔ جلاد کی طرف بڑھ کر اس نے تلوار چھین لی اور ایک وار میں اس کا سر اڑا دیا۔ پھر جلند کی طرف بڑھا۔ وہ تخت سے کود کو بھاگا اور سعدان درباریوں پر پل پڑا اور ان میں سے بادشاہ کے بیس مصاحبوں کو مت

کے گھاٹ اتار دیا۔ باقی سردار بھاگ کھڑے ہوئے' کافروں کے لشکر میں کہرام مچ گیا' لیکن سعدان برار وار کرتا اور چوکھا لڑتا رہا۔ یہ دیکھ کر کافر بھاگ گئے۔ اس کے لئے راہ کھول دی اور تلوار چلاتا آگے بڑھا' حتیٰ کہ اس کے خیموں میں سے نکل کر مسلمانوں کے خیموں کی طرف جا پہنچا۔ مسلمانوں نے کافروں کی چیخ و پکار سنی تو کہا کہ ہو نہ ہو ان پر کوئی بلا نازل ہوئی ہے۔ وہ اسی سوچ میں ہکا بکا تھے کہ سعدان انکے پاس آیا۔ وہ اس کے آنے سے خوش ہو گئے۔ اس کے آنے کی سب سے زیادہ خوشی جمرقان کو ہوئی۔ جمرقان اور تمام مسلمانوں نے اس کو سلام کیا اور اس کی سلامتی پر مبارک باد دی۔ ادھر سعدان کے چلے جانے کے بعد کافر اور ان کا بادشاہ شامیانے میں آئے۔ بادشاہ نے کہا کہ اے میرے لوگو! قسم ہے روشنی پہنچانے والے سورج' رات کی تاریکی' دن کی روشنی اور گھومنے والے ستاروں کی' آج مجھے اپنی موت کا یقین آ گیا تھا۔ اگر میں اس کے ہتھے چڑھ جاتا تو وہ مجھے کھا جاتا' میں اس کے آگے ایک گیہوں یا جویا چھوٹے دے سانے کے برابر بھی نہ تھا۔ انہوں نے کہا اے بادشاہ سچ مچ اس دیو جیسا آج تک کوئی ہماری نظر سے نہیں گزارا۔ بادشاہ بولا اے میرے لوگوں کل ہتھیار لگا کر اور گھوڑوں پر سوار ہو کر انہیں گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے کچل ڈالو۔

ادھر مسلمان جمع ہوئے تو اپنی جیت اور سعدان کے چھٹ جانے پر بڑے خوش تھے۔ جمران نے کہا' میں کل میدان میں تمہیں اپنی کارگزاری دکھاؤں گا' جس کے میں لائق ہوں۔ ابراہم خیل کی قسم انہیں بری طرح ماروں گا اور ایسی تلوار چلاؤں گا کہ جو دیکھے حیران رہ جائے۔ لیکن میرا ارادہ ہے کہ میمنے اور میسرے دونوں پر ایک ساتھ حملہ کروں۔ اس لئے جب تم دیکھو کہ میں نے جھنڈوں کے نیچے بادشاہ پر حملہ کر دیا ہے تو میرے پیچھے تم بھی مکمل تیاری کے ساتھ حملہ کر دینا تا کہ جو بات ہونے والی ہے اسے خدا پورا کر دے۔ اس کے بعد دونوں گروہ پہرے لگا کر سو گئے۔ جب سویرا ہوا اور سورج نظر آنے لگا تو دونوں فریق پھرتی سے سوار ہو گئے۔ جدائی کا کوا بولنے لگا۔ وہ ایک

دوسرے کو دیکھنے لگے اور لڑائی کے لئے صفیں باندھ لیں۔ پہلے جو شخص میدان میں اترا جمرقان تھا۔ کہ اپنے لشکر کو لے کر حملہ کر دے کہ اتنے میں گرد اڑتی ہوئی دکھائی دی جو چاروں طرف پھیل گئی۔ دن تاریک ہو گیا' ہوا چلی تو گرد پھٹ گئی اور اس کے نیچے زرہ بکتر پہنے ہوئے سوار' بہادر' سورما چمکتی ہوئی تلواریں' نکیلے برچھے اور ایسے لوگ دکھائی دینے لگے جو خوں خوار درندوں کی طرح نہ ڈرتے تھے' نہ گھبراتے تھے۔
جب دونوں لشکروں نے یہ گرد دیکھی تو وہ رک گئے اور لوگوں کو روانہ کیا کہ جا کر خبر لائیں۔ یہ آنے والے اور گرد اڑانے والے کون لوگ ہیں۔ پیادے دوڑ کر گرد کے نیچے پہنچے اور آنکھوں سے اوجھل ہو گئے' ایک گھڑی کے بعد لوٹے۔ کافروں کے پیادے نے آ کر خبر دی کہ یہ آنے والے' مسلمانوں کا ایک گروہ ہیں۔ ان کا بادشاہ غریب ہے۔ اور مسلمانوں کے پیادے نے آ کر کہا کہ بادشاہ غریب اور اس کا لشکر آ گیا ہے۔
مسلمان خوش ہو گئے اور گھوڑے دوڑا کر اپنے بادشاہ سے ملے۔ اس کے آگے زمین چومی اور اسے سلام کیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو اڑتالیسویں رات

چھ سو اڑتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مسلمانوں کے لشکر نے بادشاہ غریب کو سلام کیا اور اس کے گرد گھومنے لگے۔ غریب نے انہیں مرحبا کہا اور ان کی سلامتی پر خوشی ظاہر کی۔ خیمہ گاہ میں پہنچ کر اس کے لئے شامیانے لگائے اور جھنڈے گاڑے۔ بادشاہ غریب اپنے تخت پر بیٹھا۔ امرا اس کے چاروں طرف کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے سعدان کی ساری داستان اسے سنائی۔
اب کافروں کا حال سنئے' جب وہ اکٹھے ہوئے تو عجیب کو ڈھونڈنے لگے لیکن نہ وہ خیموں کے اندر ملا نہ باہر۔ انہوں نے جا کر جلند بن کرکر کو اس کے بھاگنے کی خبر دی۔ وہ طیش میں آ گیا اور اپنے ہونٹ چبانے لگا اور کہا کہ قسم ہے اجالا دینے والے سورج کی وہ دھوکے باز کتا ہے' اپنے کمینے ساتھیوں کے ساتھ کہیں بھاگ گیا۔ خیر بغیر سخت کشت و خون کے ان دشمنوں کا علاج نہیں' تم اپنے دلوں کو مضبوط رکھو اور مسلمانوں سے خبردار ہو۔ ادھر بادشاہ غریب نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمت باندھو' ہراساں نہ ہو' اپنے پرور دگار سے مدد مانگو اور دعا کرو کہ وہ تمہیں دشمنوں پر کامیاب کرے۔ وہ بولے' اے بادشاہ! تجھے عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ہم لڑائی اور نیزہ بازی کے میدان میں کیا کر دکھاتے ہیں۔ پھر دونوں گروہ سو گئے۔ سویرا ہوا' دن نکلا پہاڑیوں اور میدانوں پر دھوپ نے کھیت کیا تو غریب نے ابراہیم خلیل کے مذہب کے مطابق دو رکعت نماز پڑھی اور ایک خط لکھ کر اپنے بھائی سہیم کے ہاتھ کافروں کو بھیجا۔ سہیم خط لے کر وہاں پہنچا رو درباریوں نے پوچھا تو کیا چاہتا ہے؟ وہ بولا میں تمہارے سردار سے ملنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ تو یہیں ٹھہر' ہم اس سے پوچھ کر ابھی آتے ہیں۔ سہیم ٹھہر گیا۔ وہ جلند کے پاس گئے اور کہا کہ تیرے پاس ایک قاصد آیا ہے۔ اس نے کہا بلاؤ۔ وہ سہیم کو لے آئے۔ جلند نے پوچھا تجھے کس نے بھیجا ہے؟ سہیم نے

کہا بادشاہ غریب نے جسے خدا نے عرب اور عجم کا بادشاہ بنایا ہے۔ لے یہ اس کا خط ہے اور جواب دے۔ جلند نے خط لے لیا' اسے پڑھا۔ اس مضمون تھا۔ "شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے سب کا پروردگار ازلی' یکتا اور بزرگ' ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ نوح علیہ السلام' صالح علیہ السلام' ہود علیہ السلام' اور ابراہیم علیہ السلام کا رب ہے بلکہ ہر چیز کا۔ سلامتی ہو اس شخص پر جو ٹھیک راستے کی پیروی کرتا ہے' ہلاکت سے ڈرتا' بزرگ خدا مانتا' سیدھی راہ چلتا ہے اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے۔ اس کے بعد اے جلند' سن کسی کی عبادت جائز نہیں سوائے اس خدا کے جو یکتا' زبردست' دن رات گھومتے ہوئے آسمان کا پیدا کرنے والا ہے' جس نے نیک نبی بھیجے ہیں۔ چشمے جاری کئے ہیں' آسمان کو بلند کیا' زمین کو بچھایا اور درختوں کو اگایا ہے۔ جو پرندوں کو گھونسلوں میں' چرندوں اور درندوں کو بیابانوں میں روزی پہنچاتا ہے۔ یہ ہے اللہ زبردست اور معاف کرنے والا' رحم دل اور پردہ پوش' آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں' وہی دن کے بعد رات لاتا ہے۔ اسی نے رسول بھیجے ہیں اور کتابیں نازل کی ہیں۔ سمجھ لے اے جلند کے ابراہیم خلیل کے دین کے سوا کوئی دین نہیں۔ اگر تو اسلام لے آئے تو یہاں تیز تلوار اور آخرت میں دوزخ کی آگ سے بچ جائے گا اور اگر تو نے اسلام لانے سے انکار کیا تو میں آگاہ کرتا ہوں کہ تیری بربادی کے دن آ گئے۔ تیرا ملک تباہی سے نہیں بچ سکتا۔ نام و نشان مٹ جائے گا۔ کتے عجیب کو میرے پاس بھیج دے تا کہ میں اپنے باپ کا بدلہ اس سے لے لوں۔"

جلند خط پڑھ چکا تو اس نے سہیم سے کہا' اپنے آقا سے کہہ دے کہ عجیب اور اس کے ساتھی معلوم نہیں کدھر بھاگ گئے ہیں۔ رہا جلند' وہ اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ کل ہمارے درمیان جنگ ہو گی اور سورج دیوتا ہماری مدد کرے گا۔ سہیم نے اپنے بھائی کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کر دیا۔ رات گزرنے کے بعد جب صبح ہوئی تو مسلمانوں نے ہتھیار لگا لئے' مضبوط گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور جیت دینے والے خدا کا ذکر کرنے لگے جس نے جسم اور روحیں پیدا کی ہیں۔ تکبیر کا نعرہ بلند کیا اور اس زور سے ڈھول

بجائے کہ زمین کانپ اٹھی۔ پہلا شخص جو لڑنے کے لئے آیا جرقان تھا۔ اس نے میدان میں گھوڑا کدا کر تلوار اور برچھے کے ایسے کرتب دکھائے کہ شہ سوار گھبرا گئے۔ اس

کے بعد اس نے للکار کر کہا کہ کوئی اپنی ماں کا پوت جو میرے مقابلے میں آئے مگر کوئی سست یا کمزور نہ نکلے۔ میں ہوں قاتل جلند کے بیٹے قورجان کا۔ اس کا بدلہ لینے کون نکلتا ہے؟ جلند نے اپنے بیٹے کا نام سنا تو اپنے لشکر سے للکار کر کہنے لگا کہ اے حرام زادو! لے آؤ میرے پاس اس سوار کو جس نے میرے بیٹے کو قتل کیا ہے تاکہ میں اس کا گوشت کھا جاؤں اور خون پی جاؤں۔ یہ سن کر سو سواروں نے جرقان پر حملہ کر دیا۔ اس نے اکثر کو قتل کر دیا۔ باقی دبک گئے۔ ان کا سردار بھاگ کھڑا ہوا۔ جلند نے جرقان کا یہ رنگ دیکھا تو للکار کر کہا اس پر ایک ساتھ دھاوا بول دو' دونوں گروہ خوفناک جھنڈے لے کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ ایسی مڈبھیڑ ہوئی جیسے دو سمندروں میں ہوتی ہے۔ یمنی تلواریں اور برچھے اس طرح چلنے لگے کہ سینے چھلنی اور بدن زخموں سے چور ہو گئے۔ دونوں لشکروں کو ملک الموت آنکھوں کے سامنے دکھائی دینے لگا اور گرد اڑ اڑ کر آسمان تک پہنچنے لگی۔ کان بہرے اور زبانیں گونگی ہو گئیں۔ موت نے چاروں طرف سے آ گھیرا۔ بہادر جم گئے اور بزدلوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ لڑائی برابر ہوتی رہی یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا' لڑائی بند کرنے کے ڈھول بجنے لگے۔ سوار سواروں سے اور پیدل پیدلوں سے علیحدہ ہو کر اپنے خیمہ گاہ میں چلے گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو انچاس ویں رات

چھ سو انچاس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ دونوں لشکر الگ الگ ہو گئے۔ بادشاہ غریب اپنے تخت پر بیٹھا' مصاحب ارد گرد جمع ہوئے تو ان سے کہا اس کتے عجیب کے بھاگ جانے پر مجھے بڑا غصہ آ رہا ہے۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں گیا۔ اگر وہ نہ ملا اور میں نے اس سے اپنا بدلہ نہ لیا تو میں غصے کے مارے مرجاؤں گا۔ یہ سن کر سہیم اللیل آگے بڑھا اور زمین چوم کر کہا میں کافروں کے لشکر میں جا کر دھوکے باز کتے عجیب کی خبر لاتا ہوں۔ غریب نے کہا جا اور اس سور کی خبر لا۔ سہیم نے کافروں کا لباس پہن کر ایسا بھیس بدلا کہ انہی میں سے معلوم ہونے لگا اور دشمن کی خیمہ گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ لڑائی کے تھکے ہارے سب بے خبر پڑے ہیں۔ سوائے چوکیداروں کے کوئی جاگ نہیں رہا ہے۔ سہیم ان میں گزرتا ہوا ہوا شامیانوں کے پاس پہنچا۔ بادشاہ اکیلا پڑا سو رہا تھا۔ سہیم نے آگے بڑھ کر اسے دو آتشہ بھنگ سنگھاری دی اور وہ مردے کی طرح ہو گیا۔ پھر سہیم ایک خچر لے آیا اور بادشاہ کو چادر میں لپیٹ کر لاد دیا' اوپر سے ایک چٹائی ڈال کر روانہ ہوا۔ اپنی خیمہ گاہ میں پہنچ کر وہ غریب کے پاس جانا چاہتا تھا کہ لوگوں نے اسے غیر سمجھ کر روکا اور پوچھا تو کون ہے؟ سہیم ہنس پڑا اور اپنا چہرہ کھول دیا۔ انہوں نے اسے پہچان لیا۔ غریب نے دریافت کیا سہیم یہ کیا لایا؟ اس نے جواب دیا اے بادشاہ! یہ جلند بن کرکر ہے اور اس نے چادر کھول دی۔ غریب نے اسے پہچان لیا اور کہا اسے جگا۔ سہیم نے اسے سرکے میں خوشبو ملا کر سنگھائی' اس کی ناک میں سے بھنگ نکل پڑی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور دیکھا کہ وہ مسلمانوں میں آ گیا ہے۔ کہنے لگا کہ یہ کیسا برا خوب ہے! یہ کہہ کر اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ سہیم نے لات مار کر اس سے کہا مردود! آنکھیں کھول۔ اس نے آنکھیں کھول دیں

اور پوچھا کہ میں کہاں ہوں؟ سہیم نے کہا عراق کے بادشاہ غریب بن کند مر کے سامنے۔ یہ بات سن کر جلند نے کہا اے بادشاہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں' تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میری کوئی خطا نہیں۔ جس نے ہم دونوں کو لڑائی کے میدان میں لا کھڑا کیا وہ تیرا بھائی ہے۔ وہ ہم میں اور تجھ میں تلوار چلوا کر چلتا بنا۔ غریب نے پوچھا تجھے معلوم ہے کہ وہ کس راستے سے گیا؟ وہ بولا روشنی دینے والے سورج کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں گیا۔ غریب نے حکم دیا کہ اسے بیڑیاں پہنا کر حفاظت سے رکھو۔ اس کے بعد تمام سردار اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔

جب جمرقان اپنے آدمیوں کے ساتھ واپس گیا تو اس نے کہا اے میرے بھائیو! میں آج رات کو ایک ایسی کاروائی کرنا چاہتا ہوں جس سے بادشاہ غریب کے سامنے ذلیل نہ ہوں۔ انہوں نے کہا جو تیرا جی چاہے کر' ہم تیرے تابع اور فرمانبردار ہیں۔ اس نے کہا ہتھیار باندھ کر میرے ساتھ چلو۔ اور اتنے آہستہ چلو کہ چیونٹیوں کو بھی کانوں کان خبر نہ ہو۔ اور کافروں کے خیموں کے ارد گرد پھیل جاؤ۔ جب تم میری تکبیر سننا تو تم بھی اللہ اکبر کے نعرے بلند کرنا' جلدی نہ کرنا بلکہ شہر کے دروازے کی راہ لینا۔ خدا اسے فتح کی دعا مانگنا۔ لشکر پورے ہتھیار لگا کر تیار ہو گیا اور آدھی رات تک انتظار کرنے کے بعد کافروں کے گرد پھیل گیا۔ تھوڑی دیر تک سب چپ چاپ رہے۔ اتنے میں جمرقان نے اپنی تلوار ڈھال پر ماری اور ایسا اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کہ میدان گونج اٹھا۔ لشکر نے بھی اس کا ساتھ دیا اور اس زور سے نعرے لگائے کہ وادیاں اور پہاڑ' بیابان اور ٹیلے یہاں تک کہ سارے کھنڈر گونج اٹھے۔ کافر گھبرا کر اٹھ بیٹھے' تلواریں سونت لیں۔ مسلمان تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد شہر کے دروازوں کی طرف چل دیئے۔ دربانوں کو قتل کر کے شہر میں گھس گئے۔ اور تمام مال و دولت اور عورتوں پر قبضہ کر لیا۔ ادھر جمرقان اس کاروائی میں لگا ہوا تھا' ادھر جونہی بادشاہ غریب نے تکبیر کا نعرہ سنا وہ لشکر کو لے کر سوار ہو گیا۔ سہیم نے پاس جا کر دیکھا کہ بنی عامر اور جمرقان

کافروں کو لوٹ رہے ہیں اور انہیں موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں۔ بھائی کو خبر دی۔ اس نے جمرقان کو دعا دی۔ کافر آپس میں ایک دوسرے کو خوب تیز تلواروں سے قتل کرتے رہے۔ اتنے میں دن نکل آیا اور چاروں طرف اجالا پھیل گیا۔ اب غریب نے اپنے لشکر کو للکار کر کہا کہ بھلے مانسو! تم حملہ کرو تا کہ خدا تم سے راضی ہو۔ مسلمانوں نے کافروں پر حملہ کر دیا اور تیز تیز تلواریں اور لچک دار برچھے چلنے لگے۔ ہر منافق کافر کا سینہ اور جسم چھلنی ہونے لگا۔ وہ اپنے شہر میں داخل ہونا چاہتے ہی تھے کہ جمرقان اپنے قبیلے کو لے کر نکلا کافر دو پہاڑوں کے بیچ میں گھر گئے اور اتنے مارے گئے کہ ان کا شمار نہیں' جو رہ گئے تھے وہ جنگلوں اور بیابانوں میں تتر بتر ہو گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو پچاسویں رات

چھ سو پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مسلمانوں کا لشکر شمشیر بہ درست کافروں کا پیچھا کرتا رہا' یہاں تک کہ انہیں گھاٹیوں اور پہاڑیوں میں تتر بتر کر دیا۔ اس کے بعد وہ لوٹ کر عمان آئے۔ بادشاہ غریب جلند کے محل میں دخل ہو کر اس کی شاہی کرسی پر بیٹھا' اس کے مصاحب دہنے بائیں چکر لگانے لگے۔
اب غریب نے جلند کو بلوایا' لوگ اسے بادشاہ کے پاس لے آئے۔ غریب نے حکم دیا کہ اسے شہر کے دروازے پر لٹکا دیا جائے اور لوگوں نے اس پر اتنے تیر چلائے کہ وہ کانٹوں بھری سیہہ بن کر رہ گیا۔ پھر غریب نے جمرقان کو خلعت عطا کی اور کہا کہ تو اس شہر کا مالک اور حاکم ہے۔ اس کا انتظام تیرے ہاتھوں میں ہے' کیونکہ تو نے ہی اسے اپنی تلوار اور فوج سے فتح کیا ہے۔ جمرقان نے بادشاہ غریب کے پاؤں چومے' شکریہ ادا کیا اور اسے دعا دی کہ وہ ہمیشہ فتح یاب' با عزت اور عیش و عشرت سے رہے۔
اس کے بعد غریب نے جلند کے خزانے کھولے دیکھا کہ ان میں کس قدر مال و دولت ہے۔ اسے سرداروں' سپاہیوں علم برداروں اور لڑنے والوں میں تقسیم کرنا شروع کیا۔
اسی طرح اس نے بچوں کو بھی دینا شروع کیا اور برابر دس دن تک دیتا رہا۔
اب آگے کا قصہ سنو' غریب ایک رات سو رہا تھا کہ اس نے کوئی بڑا خوفناک خواب دیکھا' مارے ڈر کے آنکھ کھل گئی اور اپنے بھائی سہیم کو جگا کر کہا' میں نے خواب دیکھا ہے کہ ہم دونوں ایک گھاٹی میں ہیں جو بہت لمبی چوڑی ہے۔ وہاں دو شکاری پرندے ہمارے اوپر جھپٹے جن سے بڑے آج تک میری نظر سے نہیں گزرے تھے۔ ان کی ٹانگیں برچھوں کی طرح تھیں۔ انہوں نے ہم پر حملہ کیا اور ہم ڈر گئے۔ یہ ہے میرا خواب۔ یہ سن کر سہیم نے کہا' اے بادشاہ! یہ کوئی بڑا دشمن ہے' اس سے خبردار رہ۔ باقی رات غریب کو بالکل نیند نہ آئی۔ سویرا ہوا تو غریب نے اپنا گھوڑا منگوایا اور

پر سوار ہو گیا۔ سہیم نے پوچھا بھائی' تو کہاں جانا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ صبح سے میری طبیعت پریشان ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ دس روز کہیں سیر کر آؤں تا کہ گھبراہٹ دور ہو جائے۔ سہیم نے کہا اپنے ساتھ ایک ہزار بہادر لیتا جا۔ غریب کہنے لگا نہیں ہم تم اکیلے چلیں گے اور کسی دوسرے کو ساتھ نہ لیں گے۔

غریب اور سہیم سوار ہو کر گھاٹیوں اور سبزہ زاروں کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ گھاٹی گھاٹی اور جنگل جنگل چلتے چلتے ایک گھاٹی میں پہنچے جہاں بہت سے درخت' میوے' چشمے اور خوشبودار پھول تھے۔ چڑیاں درختوں کی شاخوں پر طرح طرح کے گیت گا رہی تھیں۔ ہزار داستان پیاری آوازیں لگا رہی تھی۔ قمریوں کی کوکو سے سارا میدان گونج رہا تھا۔ بلبل اپنے گانے سے سوتوں کو جگا دیتی۔ شمرور انسانوں کی طرح بولیاں بولتی' فاختہ اور طوق دار قمری کا جواب طوطا نہایت صاف آواز میں دیتا۔ ہر قسم کے میووں کے درخت تھے۔ یہ گھاٹی ان کو بہت پسند آئی۔ وہ پھل کھا کر اور چشموں کا پانی پی کر درختوں کے سائے میں آرام کرنے لگے۔ اتنے میں انہیں نیند آ گئی' وہ سو گئے' پاک ہے وہ ذات جو کبھی سوتی نہیں۔ وہ سو ہی رہے تھے کہ ہٹے کٹے دیو آ کر وہاں اترے اور دونوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر ہوا میں اڑنے لگے اور اتنے اونچے اڑے کہ بادلوں کے اوپر پہنچ گئے۔ سہیم اور غریب کی آنکھیں کھل گئی۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ آسمان اور زمین کے درمیان ہیں۔ جب ان کی نظریں ان پر پڑیں جو انہیں اڑاتے لئے جا رہے تھے کہ دو دیو ہیں ایک کا سر کتے کا ہے اور دوسرے کا بندر کا۔ تاڑ کی طرح لمبے ہیں۔ ان کے بال گھوڑے کی دم کے جیسے اور پنجے شیر کی مانند تو وہ لاحول پڑھنے لگے۔

یہ قصہ یوں ہوا کہ ایک جنوں کا بادشاہ تھا' مرعش نام اور اس کا ایک بیٹا تھا جسے صاعق کہتے تھے۔ صاعق کی ایک پری سے آشنائی تھی جس کا نام نجمہ تھا۔ صاعق اور نجمہ پرندوں کی شکل بنا کر اس گھاٹی پر اترے تھے۔ غریب اور سہیم کی نظر ان پر پڑی تو وہ سمجھے کہ یہ چڑیاں ہیں۔ ان پر تیر چلائے۔ صاعق زخمی ہو گیا۔ نجمہ اس پر بہت کڑھی اور

اس ڈر سے کہ کہیں اس کا حال بھی صاعق کا سا نہ ہو جائے۔ اسے لے کر اڑ گئی۔ اڑتے اڑتے اس کے باپ کے محل کے دروازے پر پہنچی اور اسے وہاں ڈال کر چلتی ہوئی۔ دربان صاعق کو اٹھا کر اس کے باپ کے سامنے لے گئے۔ مرعش نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ اس کی پسلیوں میں تیر چھبا ہے ہوا تو وہ چلا اٹھا کہ ہائے بیٹا! بتا یہ حرکت کس نے تیرے ساتھ کی تا کہ میں اس کا ملک تباہ کر دوں اور اسے موت کی نیند سلا دوں خواہ وہ جنوں کا بڑے سے بڑا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ سن کر اس نے آنکھیں کھول دیں اور کہا ابا جان! مجھے وادی العیون میں ایک انسان نے زخمی کیا ہے۔ یہ جملہ وہ ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ اس کی جان نکل گئی۔ باپ سر پیٹنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کے منہ سے خون نکل آیا۔ اس نے دو جنوں کا بلا کر کہا کہ وادی العیون میں جاؤ اور جو کوئی وہاں ہو' اسے لے آؤ۔ دونوں جن وادی العیون میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ غریب اور سہیم سو رہے ہیں۔ وہ ان دونوں کو اٹھا کر مرعش کے پاس لے چلے۔ جب سہیم اور غریب کی آنکھ کھلی تو انہوں نے دیکھا کہ وہ آسمان اور زمین کے بیچ میں ہیں اور لاحول پڑھنے لگے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چھ سو اکیاون ویں رات

چھ سو اکیاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب جنوں نے انہیں لا کر مرعش کے آگے ڈال دیا تو انہوں نے دیکھا کہ مرعش اپنے شاہی تخت پر بیٹھا ہوا ہے' وہ پہاڑ کی طرح موٹا تازہ ہے۔ اس کے چار سر ہیں' ایک شیر کا' دوسرا ہاتھی کا' تیسرا چیتے کا اور چوتھا لگڑ بگڑ کا۔ جنوں نے غریب اور سہیم کو مرعش کے سامنے پیش کر کے کہا کہ اے بادشاہ! یہ ہیں وہ دو شخص جنہیں ہم نے وادی العیون میں پایا۔ مرعش غصے کی نظر سے انہیں دیکھنے اور ناک بھوں چڑھانے لگا۔ اس کی ناک ایسی چنگاریاں نکلنے لگیں کہ سب لوگ جو وہاں موجود تھے' ڈر گئے وہ کہنے لگا کہ اے انسانی کتو! تم نے میرے بیٹے کو قتل کیا ہے اور میرے دل میں آگ لگا دی ہے۔ غریب نے کہا تیرا بیٹا کون ہے جسے ہم نے قتل کیا ہے اور کس نے تیرے بیٹے کو مارے جاتے دیکھا ہے؟ مرعش نے کہا کیا تم دونوں وادی العیون میں نہیں تھے' میرے بیٹے کو چڑیا کی شکل میں نہیں دیکھا تھا اور تم نے اس پر تیر چلا کر اسے مار نہیں ڈالا؟ غریب نے کہا' مجھے نہیں معلوم کہ کس نے اسے قتل کیا' میں قسم کھاتا ہوں اور پرور دگار کی جو بزرگ ہے' یکتا اور ازلی ہے' جو ہر چیز کو جانتا ہے اور قسم کھاتا ہوں اس پرور دگار کی جو بزرگ ہے' یکتا اور ازلی ہے' جو ہر چیز کو جانتا ہے اور قسم کھاتا ہوں ابراہیم خلیل کی کہ نہ ہم نے کوئی چڑیا دیکھی نہ کسی جانور یا پرندے کو مارا۔ جب مرعش نے سنا غریب خدا' اس کی بزرگی اور اس کے نبی ابراہیم خلیل کی قسم کھا رہا ہے تو اسے معلوم ہو گیا کہ وہ مسلمان ہے۔ وہ خود آگ کو پوجتا تھا' زبردست خدا نہیں۔ اپنے اپنے لوگوں سے کہا کہ میری دیوی کو لاؤ۔ وہ جا کر ایک سونے کی انگیٹھی لے آئے۔ اس نے آگ جلائی اور جڑی بوٹیاں ڈالیں۔ اس میں سے سبز' نیلے

اور زرد شعلے نکلنے لگے۔ بادشاہ اور تمام حاضرین اس کے سامنے جھک گئے۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر غریب اور سہیم خدا کی توحید و تکبیر میں مشغول تھے اور یہ اقرار کر رہے تھے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ بادشاہ نے سجدے سے سر اٹھایا تو دیکھا کہ غریب اور سہیم کھڑے ہیں' سجدہ نہیں کرتے۔ وہ بولا اے کتو! تمہیں کیا ہو گیا کہ سجدہ نہیں کرتے؟ غریب نے کہا اے مردود! ستیاناس ہو تیرا! سجدہ سوائے اس خدا کے کسی کے لئے جائز نہیں جو تنہا پرستش کے قابل ہے' جس نے ہر موجود چیز کو عدم سے پیدا کیا ہے۔ سخت پتھر سے پانی نکالا اور ماں کے دل میں بچے کی محبت ڈالی ہے' نہ اسے کھڑا کہہ سکتے ہیں نہ بیٹھا۔ وہی پروردگار ہے نوح علیہ السلام' صالح علیہ السلام' ہود علیہ السلام' اور ابراہیم خلیل علیہ السلام کا۔ اسی نے جنت اور دوزخ بنائی ہے' درخت اور میوے پیدا کئے ہیں۔ وہی یکتا اور زبردست اللہ ہے۔

مرعش نے یہ باتیں سنیں تو تیوری چڑھا کر اپنے حوالیوں موالیوں سے کہا کہ ان دونوں کتوں کی مشکیں باندھ کر میری دیوی کے پاس لے جاؤ۔ لوگوں نے سہیم اور غریب کی مشکیں باندھ دیں اور چاہتے ہی تھے کہ انہیں آگ میں ڈال دیں۔ اتنے میں محل کا ایک کنگرہ ٹوٹ کر انگیٹھی پر گر پڑا۔ انگیٹھی ٹوٹ گئی۔ آگ بجھ گئی اور راکھ ہوا میں اڑنے لگی۔ غریب پکار اٹھا۔ اللہ اکبر! کامیابی اور جیت ہمارے لئے' ناکامی کافروں کے لئے ہے' اللہ اکبر!اور ان کے لے جو آگ کی پوجا کرتے ہیں' زبردست بادشاہ کی نہیں۔ بادشاہ بولا تو جادوگر ہے' تونے میری دیوی پر جادو کر کے اس کا یہ حال کر دیا۔ غریب نے کہا اے پاگل کتے! اگر آگ میں کچھ قدرت ہوتی تو اس طرح بجھ نہ جاتی۔ یہ سن کر مرعش شور و غل مچانے اور آگ کو برا بھلا کہنے لگا اور کہا کہ مجھے اپنے دین کی قسم' میں اسی میں تمہیں ماروں گا۔ اس نے حکم دیا کہ انہیں قید کر دو۔ سو جنوں سے کہا کہ بہت سے لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ جلاؤ۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ایک بڑا لاؤ جلنے لگا اور صبح تک جلتا رہا۔ اس کے بعد مرعش ایک ہاتھی پر سوار ہوا جس پر سونے کا تخت تھا اور اس میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ جنوں کے گروہ اس کے گرد

گھونے لگے جو قسم قسم کے تھے۔ اب لوگ غریب اور سہیم کو لائے۔ جونہی انہوں نے آگ کے شعلے دیکھے تو وہ اس ذات سے مدد مانگنے لگے جو یکتا اور زبردست ہے' جس نے دن اور رات پیدا کئے ہیں' جس کی شان بہت بڑی ہے' جسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتی' مگر وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے' جو لطیف اور خبیر ہے۔ وہ برابر عاجزی کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک بادل پچھم سے اٹھا اور امنڈتے ہوئے سمندر کی طرح پورب کی طرف مینہ برساتا چلا گیا۔ آگ بجھ گئی۔ بادشاہ اور لشکر مارے ڈرے کے اپنے محلوں میں گھس گئے۔ بادشاہ نے وزرا اور امرا کی طرف مخاطب ہو کر کہا ان دونوں شخصوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟وہ بولے اے بادشاہ! اگر وہ حق پر نہ ہوتے تو آگ کی یہ گت نہ بنتی۔ ہمارا تو خیال ہے کہ وہ حق پر ہیں اور سچے ہیں۔ بادشاہ نے کہا مجھے بھی حق اور ٹھیک راستہ معلوم ہو گیا' آگ کی پوجا باطل ہے اگر آگ دیوتا ہوتی تو نہ وہ مینہ کو پاس پھٹکنے دیتی جس نے اسے بجھا دیا' نہ پتھر کو جس نے انگیٹھی توڑ کر اسے راکھ کر دیا۔ میں تو ایمان لاتا ہوں اس ذات پر جس نے آگ اور روشنی کو پیدا کیا۔ سائے اور گرمی کو بنایا۔ تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا اے بادشاہ! ہم بھی تیری پیروری اور فرمانبرداری کرتے ہیں۔ اب اس نے غریب کو آواز دی۔ وہ آیا تو اس کی تعظم کے لئے کھڑا ہو گیا' اسے گلے لگایا' اس کے ماتھے کو بوسہ دیا اور اسی طرح سہیم سے بھی ملا۔ سارے لشکر کی بھیڑ غریب اور سہیم کے پاس لگ گئی' سب ان کے ہاتھ اور سر چومنے لگے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

- چھ سو باونویں رات

چھ سو باونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب لوگ غریب اور سہیم کے ہاتھ اور سر چوم چکے تو مرعش اپنی شاہی کرسی پر بیٹھا۔ غریب کو اپنے دہنے اور سہیم کو اپنے بائیں بٹھا کر کہا' اے انسانو! مسلمان ہونے کے لئے ہمیں کلمہ پڑھنا چاہیے؟ غریب نے کہا کہو "نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور ابراہیم اللہ کے دوست ہیں۔" بادشاہ اور رعایا دل و زبان' دونوں سے مسلمان ہو گئے اور غریب نے بیٹھ کر انہیں نماز سکھائی۔ اس کے بعد غریب اپنے لوگوں کو یاد کر کے آہیں بھرنے لگا۔ جنوں کے بادشاہ نے کہا' اب تو رنج و الم کا خاتمہ ہو گیا ہے' خوشی ہی خوشی ہے۔

غریب نے کہا' اے بادشاہ! میرے بہت سے دشمن ہیں۔ مجھے اپنے ساتھیوں کا خیال آ رہا ہے اور اس نے شروع سے لے کر آخر تک وہ باتیں کہہ سنائی جو اسے اپنے بھائی عجیب کے ساتھ پیش آئی تھیں۔ جنوں کے بادشاہ نے کہا اے انسانی بادشاہ! میں ابھی تیرے آدمیوں کی خبر منگائے دیتا ہوں لیکن تجھے اس وقت تک نہ جانے دوں گا جب تک میں تجھ سے سیر نہ ہو جاؤں۔ ہ کہہ کر اس نے دوجنوں کو بلوایا' ایک کا نام کیلجان تھا ار دوسرے کا قورجان۔ انہوں نے آ کر زمین چومی' بادشاہ نے کہا یمن جا کر ان دونوں کے لشکروں اور فوجوں کی خبر لے آؤ۔ وہ روانہ ہو کر یمن کی طرف اڑ گئے۔

یہ تو غریب اور سہیم کا قصہ ہوا۔ اب مسلمانوں کے لشکر کا حال سنو۔ جب صبح ہوئی تو وہ اور اس کے سردار بادشاہ غریب کے محل میں آئے۔ نوکروں نے کہا کہ بادشاہ اور اس کا بھائی صبح سے کہیں چلے گئے ہیں۔ سردار سوار ہو کر وادیوں اور پہاڑوں کی طرف چلے دیئے اور ان کے نشانوں پر چلتے چلتے وادی العیون پہنچ گئے۔ دیکھا کہ غریب اور سہیم کا سامان وہاں پڑا ہوا ہے' دونوں گھوڑے چر رہے ہیں۔ سرداروں نے کہا کہ بس یہیں سے بادشا غائب ہوا ہے' دہائی ابراہیم خلیل کی! اس کے بعد وہ پہاڑ اور وادی میں

منتشر ہو کر تین دن تک کھوج لگاتے رہے لیکن ان کا پتہ نہ چلا۔ رونا پیٹنا مچ گیا۔ پیادوں کو بلا کر کہا کہ شہر' گڑھیوں اور قلعوں میں جا کر اپنے بادشاہ کا پتہ لگاؤ۔ انہوں نے کہا کہ سر آنکھوں سے اور ایک ایک ان میں سے ایک ایک ملک کی طرف روانہ ہو گیا۔ ادھر عجیب کو جاسوسوں سے خبر ملی کہ اس کا بھائی غریب کھو گیا ہے' وہ بہت خوش ہوا اور خوشخبری سنانے بادشاہ یعرت بن قحطان کے پاس پہنچا۔ یہ وہی بادشاہ تھا جس سے عجیب نے پناہ مانگی تھی' جس نے اسے پناہ دی تھی۔ اور دو لاکھ قد آوروں کا لشکر دیا تھا۔ اس لشکر کو لے کر عجیب عمان پہنچا۔ جمرقان اور سعدان نے نکل کر ان کا مقابلہ کیا اور جب بہت سے مسلمان کام آئے تو انہوں نے شہر کے اندر جا کر دروازے بند کر لئے' شہر پناہ پر فوجیں کھڑی کر دیں۔ اتنے میں دونوں جن گیلجان اور قور جان آ پہنچے' دیکھا کہ مسلمان محاصرے میں ہیں۔ اندھیرا ہونے تک انتظار کیا۔ پھر دونوں نے تیز تلواریں کافروں پر چلانی شروع کر دیں۔ ہر تلوار بارہ ہاتھ لمبی تھی۔ اگر آدمی اسے پتھر بھی مارتا تو اس کے دو ٹکڑے ہو جاتے۔ وہ حملہ کرتے جاتے اور' کہتے جاتے کہ اللہ اکبر! ہمارے لئے فتح اور کامیابی اور ابراہیم خلیل کے دین کے منکروں کے لئے ناکامی! دونوں نے خوب مارا اور ان کے نتھنوں سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ کافروں نے جو اپنے خیموں میں سے نکل کر دیکھا تو انہیں ایک ایسی نئی چیز دکھائی دی جس سے رونگٹے کھڑے ہو گئے' ہوش اڑ گئے۔ انہوں نے آپس ہی میں لڑنا شروع کر دیا۔ ادھر دونوں جن ان کی گردنیں اڑاتے جاتے اور کہتے جاتے کہ اللہ اکبر! ہم بادشاہ غریب کے غلام ہیں جو جنوں کے بادشاہ مرعش کا دوست ہے۔ آدھی رات تک تلواریں چلتی رہیں' کافروں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ سارے جنوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ پہلا جو شخص بھاگ کھڑا ہوا' عجیب تھا۔

اور شہر زاد کو کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چھ سو ترپن ویں رات

چھ سو ترپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ سب سے پہلے عجیب بھاگ کھڑا ہوا۔ مسلمان یکجا ہوئے تو انہیں بھی اس موقعہ پر بڑا تعجب ہوا اور وہ بھی جنوں سے ڈرنے لگے' لیکن دونوں جن کافروں ہی کے پیچھے لگے رہے۔ انہیں جنگلوں' بیابانوں میں مار بھگایا اور ایسا مارا کہ دو لاکھ میں سے صرف پچاس ہزار زندہ بچے۔ وہ بھی زخمی ہو کر اپنے وطن کو بھاگ گئے۔ اس کے بعد دونوں جنوں نے مسلمانوں سے کہا اے لشکر والو! تمہارے آقا بادشاہ غریب اور اس کے بھائی نے تمہیں سلام بھیجا ہے۔ وہ جنوں کے بادشاہ مرعش کے مہمان ہیں' عنقریب تمہارے پاس آ جائیں گے۔ جب لشکر والوں نے سنا کہ غریب خیریت سے ہے تو وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے اے بزرگ روحو! خدا تمہیں خوشخبری کا اچھا بدلہ دے! اب دونوں جن لوٹ کر بادشاہ غریب اور اپنے بادشاہ مرعش کے پاس پہنچے دیکھا کہ وہ دونوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان سے سارا ماجرا جو کچھ انہوں نے کیا تھا' بیان کیا۔ دونوں نے دعا دی۔ غریب کے دل کو اطمینان ہوا بادشاہ مرعش نے کہا بھائی میں چاہتا ہوں کہ تجھے اپنا ملک دکھاؤں اور یافث بن نوح علیہ السلام کے شہر کی سیر کراؤں۔ غریب بولا' اے بادشاہ جیسی تیری مرضی۔ بادشاہ نے ان دونوں کے لئے دو گھوڑے منگوائے۔ وہ غریب اور سہیم ایک ہزار جنوں کو لے کر سوار ہو ئے۔ غریب نے نظارہ دیکھا گویا ایک پہاڑ ہے۔ لمبائی میں بیچ سے پھٹا ہوا۔ گھاٹیوں اور پہاڑوں کی سیر کرتے ہوئے وہ یافث بن نوح علیہ السلام کے شہر میں پہنچے۔ سب چھوٹے بڑے نکل کر مرعش سے ملنے آئے اور وہ بڑے جلوس کے ساتھ داخل ہوا' یافث بن نوح کے محل میں جا کر اپنی شاہی کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ کرسی مرمر کی تھی۔ سونے کی تیلیوں سے بنی ہوئی۔ اونچائی دس زینوں کی اور اس پر رنگ برنگ کے ریشم کا فرش تھا۔

شہر والے مرعش کے پاس آ کھڑے ہوئے تو اس نے کہا اے یافث بن نوح کی اولاد' تمہارے باپ دادا کس کی پرستش کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا' ہم نے تو اپنے بزرگوں کو آگ کی پرستش کرتے دیکھا ہے اور وہی ہم بھی کرتے ہیں' باقی تجھے ہم سے زیادہ خبر ہو گی۔ مرعش نے کہا' اے میری قوم! میں دیکھتا ہوں کہ آگ بھی خدا کی پیدا کی ہوئی ایک چیز ہے' اس خدا کی جس نے تمام چیزیں پیدا کی ہیں۔ جب مجھے اس کا علم ہو گیا تو میں اس خدا پر ایمان لے آیا جو یکتا اور زبردست ہے' دن رات کا پیدا کرنے والا گھومتے ہوئے آسمان کا بنانے والا آنکھیں اسے دیکھ نہیں سکتیں' مگر وہ آنکھوں کو دیکھ سکتا ہے۔ وہ لطیف ہے اور خبیر۔ تم لوگ بھی ایمان لے آؤ تا کہ یہاں خدا کے غضب سے اور آخرت میں دوزخ کے عذاب سے بچو۔ یہ سن کر وہ دل و زبان سے ایمان لے آئے۔ پھر مرعش غریب کا ہاتھ پکڑ کر یافث کے محل' اس کی عمارتوں اور تمام عجائبات کی سیر کرانے لگا۔ اس کے بعد وہ اسے اسلحہ خانے کی سیر کرانے لے گیا۔ وہاں غریب کو سونے کی کھونٹی میں لٹکی ہوئی ایک تلوار دکھائی دی۔ اس نے پوچھا اے بادشاہ! یہ کس کی تلوار ہے؟ مرعش نے جواب دیا' یہ یافث بن نوح کی تلوار ہے جس سے وہ انسانوں اور جنوں کے ساتھ لڑا کرتے تھے۔ اسے حکیم جردوم نے بنایا ہے۔ اس پر بڑے بڑے طلسمات کندہ کیے ہوئے ہیں۔ اگر یہ تلوار پہاڑ پر بھی ماری جائے تو یہ گر پڑے۔ اس کا نام ماحق ہے' یہ جس انسان کے لگی' اس کا خاتمہ کر دیا اور جس جن پر پڑی۔ اسے ہلاک کر دیا۔ اس کی باتیں اور تلوار کی خوبیاں سن کر غریب نے کہا کہ میں اس تلوار کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ مرعش بولا جو تیرا جی چاہے کر۔ غریب نے ہاتھ بڑھا کر تلوار اتار لی اور اسے میان سے نکال لیا۔ وہ جگ مگ جگ مگ کرنے لگی۔ اس کی دھار پر موت رینگنے لگی۔ اس کی لمبائی بارہ بالشت اور چوڑائی تین بالشت تھی۔ غریب نے اسے لینے کا ارادہ ظاہر کیا' بادشاہ مرعش نے کہا اگر تو اسے چلا سکتا ہے تو لے جا۔ غریب نے کہا ہاں اور اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ چھڑی کی طرح معلوم ہونے لگی۔ یہ دیکھ کو انسان اور جن جو ہاں موجود

تھے حیران ہو گئے اور کہنے لگے۔ شاباش اے شہ سوار! مرعش بولا اس سارے خزانے پر قبضہ کر لے' دنیا کے تمام بادشاہوں کو اس پر حسرت رہی اور سوار ہو جاتا کہ میں تجھے اور سیر کراؤں۔ غریب اور مرعش سوار ہو گئے' جن اور انسان کی خدمت میں پیدل چلنے لگے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو چون ویں رات

چھ سو چون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ غریب اور مرعش سوار ہو کر جنوں اور انسانوں کو ساتھ لے کر شہر کے دروازے سے نکلے اور باغوں میں سیر کرنے لگے جہاں میوہ دار درخت اور بہتی ہوئی نہریں تھیں۔ چڑیا چہک رہی اور اس ذات کی پاکی بیان کر رہی تھیں جو قوت والا اور ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ وہ برابر سیر کرتے رہے یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ پھر رات گزارنے کے غرض سے یافث بن نوح علیہ السلام کے محل میں لوٹ کر آ گئے۔ محل میں پہنچے تو ان کے لئے دستر خوان بچھایا گیا اور انہوں نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد غریب نے جنوں کے بادشاہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا' اے بادشاہ! میں اپنی قوم اور لشکر کے پاس جانا چاہتا ہوں' مجھے معلوم نہیں کہ میرے بعد وہ کس حالت میں ہیں۔ مرعش بولا' اے میرے بھائی! میں تیری جدائی گوارا نہیں کر سکتا۔ میں پورے ایک مہینے سے پہلے تجھے جانے نہیں دوں گا تا کہ میں تجھے سیر ہو کر دیکھ لوں۔ غریب کو اس کی مخالت کرتے بن نہ پڑی۔ وہ یافث کے شہر میں پورے ایک مہینے ٹھہرا رہا۔ پھر بادشاہ مرعش نے اسے کھلا پلا کر ہدیئے' تحفے' معدنیات' جواہرات' زمرد' بلخشں' ہیرے اور سونے چاندی کے ٹکڑے دیئے۔ علاوہ اس کے مشک' عنبر' زربفت کے تھان پیش کئے اور غریب کے لئے ایک تاج بھی تیار کرایا جس میں موتی اور ہیرے ٹنکے ہوئے تھے۔ جس کی کوئی قیمت مقرر نہیں کی جا سکتی۔ اس کے بعد اس نے ان سب چیزوں کو گھٹڑیاں بندھوائیں اور پانچ سو جنوں کو بلا کر کہا کہ سفر کے لئے تیار ہو جاؤ اور بادشاہ غریب اور سہیم کو ان کے وطن پہنچا آؤ۔ انہوں نے کہا' سر آنکھوں سے۔ سفر کی نیت سے انہوں نے رات بسر کی۔ سفر کا وقت آیا تو ہو کیا دیکھتے ہیں کہ سوار چلے آ رہے ہیں۔ ڈھول اور نفریاں بج رہی ہیں۔ لشکر سے زمین بھر گئی ہے۔ وہ ستر ہزار جن تھے جو ہوا میں بھی اڑ سکتے تھے اور

زمین کے اندر بھی گھس سکتے تھے۔ ان کے بادشاہ کا نام برقان تھا۔

اس فوج کے آنے کی بڑی عجیب و غریب وجہ تھی۔ یہ برقان مدینہ العقیق اور قصرالذہب کا بادشاہ' اس کی حکومت پانچ پہاڑی چوٹیوں پر تھی۔ جن میں پانچ پانچ لاکھ جن رہتے تھے۔ بادشاہ اور اس کی قوم کے لوگ آگ کی پرستش کرتے تھے۔ زبردست خد کی نہیں۔ یہ بادشاہ مرعش کا چچیرا بھائی تھا۔ مرعش کی رعایا میں ایک کافر جن تھا جو محض دکھاوے کے لئے مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کے دل میں دغا تھی' وہ چپکے سے چلتا ہوا وادی العقیق پہنچ کر بادشاہ برقان کے محل میں پہنچا' اس کے سامنے زمین چوم کر دعا دی کہ اس کی عزت اور نعمتیں ہمیشہ قائم رہیں۔ پھر اس نے کہا کہ مرعش مسلمان ہو گیا ہے۔ برقان نے پوچھا آخر وہ کس طرح اپنے دین سے پھر گیا؟ جن نے اسے ساری کہانی سنائی۔ برقان نے ناک بھوں چڑھائی' سورج چاند اور چنگاریوں والی آگ کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور کہا کہ قسم ہے مجھے اپنے دین کی' میں اپنے بھائی' اس کی قوم اور اس انسان کو بغیر قتل کئے نہ چھوڑوں گا تا کہ ان میں سے کوئی بھی باقی نہ بچے۔ اس کے بعد اس نے جنوں کے قبیلوں کو بلا کر ان میں سے ستر ہزار دیو چنے' انہیں لے کر روانہ ہو گیا اور شہر جابرصا پہنچا۔ وہ سب شہر کے گرد چکر لگانے لگے جیسا کہ آگے بیان ہو چکا ہے۔ برقان نے شہر کے دروازے کے سامنے ڈیرے ڈال دیئے۔ مرعش نے ایک جن کو بلا کر کہا کہ اس لشکر کے پاس جا کر جلد خبر لا کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ جن فوراً چل کھڑا ہوا اور برقان کے خیموں کے پاس پہنچا۔ جن دوڑ کر اس کے پاس آئے اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مرعش کا قاصد۔ جن اسے لے کر برقان کے سامنے پہنچے' اس نے سجدہ کیا اور کہا اے میرے مولیٰ! میرے آقا نے مجھے تم لوگوں کے پاس بھیجا ہے تا کہ تمہاری خبر دریافت کروں۔ برقان بولا اپنے آقا کے پاس جا کر کہہ کہ تیرا چچیرا بھائی برقان تجھے سلام کرنے آیا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• چھ سو پچپن ویں رات

چھ سو پچپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک بادشاہ! برقان نے کہا' جا کر خبر دے کہ تیر چچیرا بھائی تجھے سلام کرنے آیا ہے۔ جن نے اپنے آقا کو یہ پیغام سنا دیا۔ مرعش غریب سے کہنے لگھا تو اپنے تخت پر بیٹھا رہ' میں اپنے بھائی کو سلام کر کے ابھی واپس آتا ہوں اور وہ خیموں کی طرف چل دیا۔ یہ برقان کی ایک چال تھی تا کہ مرعش نکلے اور وہ اسے گرفتار کر لے۔ اس لئے اس نے اپنے گردن جن کھڑے کر رکھے تھے اور ان سے کہا تھا کہ جب تم دیکھنا کہ میں نے اسے گلے لگایا ہے تو پکڑ کر اس کی مشکیں کس دینا۔ انہوں نے کہا کہ سر آنکھوں سے' چنانچہ مرعش اپنے چچیرے بھائی کے شامیانے میں داخل ہوا تو اس نے اٹھ کر اسے گلے لگایا۔ گلے لگانا تھا کہ جنوں نے دوڑ کر اس کی مشکیں باندھ لیں اور بیڑیاں ڈال دیں۔ مرعش نے برقان کی طرف یکھ کر پوچھا یہ کیا ؟ اس نے کہا' اے جنوں کے کتے! کیا تو اپنا اور اپنے باپ داداؤں کا دین چھوڑ کر ایسے دین میں داخل ہوا ہے جس کی تجھے خبر نہیں؟ مرعش بولا بھائی! میں نے دیکھ لیا کہ ابراہیم خلیل ہی کا مذہب سچا ہے اور دوسرے تمام مذہب جھوٹے ہیں۔ برقان نے پوچھا' اس کی خبر تم لوگوں کو کس نے دی؟ اس نے جواب دیا کہ عراق کے بادشاہ غریب نے' وہ آج کل میر امعزز مہمان ہے۔ برقان نے کہا قسم ہے آگ' روشنی' سائے اور گرمی کی' میں اس سمیت تم سب کو قتل کر ڈالوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے مرعش کو قید خانے بھیج دیا۔ مرعش کے غلام نے اپنے آقا کی جو یہ حالت دیکھی تو نکل کر بھاگا اور بادشاہ مرعش کے قبیلوں سے جا کر اس کا حال بیان کیا۔ وہ نعرہ لگا کر گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ غریب نے پوچھا کہ کیا خبر ہے؟ انہوں نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ غریب نے سہیم کو آواز دی کہ میرے لئے

ان دونوں گھوڑوں میں سے ایک کو کس جو بادشاہ مرعش نے مجھے دیئے ہیں۔ اس نے پوچھا بھائی' کیا تو جنوں سے لڑنے کی ہمت کرتا ہے؟ غریب نے جواب دیا' ہاں' میں ان سے یافث بن نوح کی تلوار کے ساتھ جنگ کروں گا اور ابراہیم خلیل کے رب سے مدد چاہوں گا' وہ ہر چیز کا پالنے اور پیدا کرنے والا ہے۔ سہیم نے اس کے لئے جنوں کے گھوڑوں میں سے ایک سرنگ گھوڑا کس دیا اور غریب ہتھیار لگا کر نکلا گھوڑے پر سوار ہو گیا اور جنوں کے قبیلے بھی زرہ بکتر پہن کر نکل آئے۔

ادھر برقان اپنے آدمیوں کو لے کر نکلا۔ لڑائی کے لئے دونوں لشکروں نے صفیں باندھ لیں۔ پہلا جو شخص میدان میں نکلا' بادشاہ غریب تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو میدان میں ایڑ دی اور یافث بن نوح علیہ السلام کی تلوار کھینچ لی۔ اس سے ایسی روشنی نکلنے لگی کہ سارے جنوں کی آنکھیں چندھیا گئیں اور ان کے دلوں میں ڈر بیٹھ گیا۔ غریب نے تلوار کے ایسے ایسے کرتب دکھائے کے جنوں کے ہوش جاتے رہے۔ اس کے بعد اس نے للکار کر کہا اللہ اکبر! میں عراق کا بادشاہ غریب ہوں۔ ابراہیم خلیل کے دین کے علاوہ کوئی دین نہیں۔ غریب کی زبان سے یہ کلمات سن کر برقان کہنے لگا' یہی وہ شخص ہے جس نے میرے بھائی کا دین بدل دیا ہے۔ 'قسم ہے مجھے اپنے دین کی میں اس وقت تک اپنے تخت پر نہ بیٹھوں گا جب تک غریب کا سر کاٹ کر اس کی جان نہ نکال لوں اور اپنے چچیرے بھائی اور اس کی قوم کو پرانے دین کی طرف نہ پھیر دوں۔ جو کوئی اس میں میری مخالفت کرے گا' اسے تباہ کر دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ ایک سفید کاغذی رنگ کے ہاتھی پر سوار ہو گیا جو ایک مضبوط برج کی طرح معلوم ہوتا تھا' اسے ڈانٹا اور فولادی انکس اس زور سے مارا کہ اس کے گوشت میں اتر گیا۔ ہاتھ چلا کر لڑائی کے میدان کی طرف چلا اور غریب کے قریب آ پہنچا۔ برقان نے کہا اے انسانی کتے! تجھے ہمارے ملک میں کون لایا کہ تونے میرے چچیرے بھائی اور اس کی قوم کو گمراہ کر دیا۔ انہیں ایک دین سے دوسرے دین کی طرف لے گیا۔ جان لے کہ آج دنیا میں تیرا آخری دن ہے غریب نے کہا' ستیاناس ہو تیرا اے کمینے جن!

اب برقان نے ایک برچھا نکالا اور اسے ہلا کر غریب پر حملہ کیا۔ وار خالی پڑا۔ پھر اس نے دوسرا برچھا پھینکا۔ غریب نے اسے ہوا میں ہی پکڑ لیا اور گھما کر ہاتھی کے ایسا مارا کہ وہ ایک پہلو سے ہوتا ہوا دوسرے پہلو سے نکل آیا۔ ہاتھی مر کر زمین پر گر پڑا' ساتھ ہی برقان بھی بڑے تاڑ کی طرح گرا۔ وہ اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ غریب نے اس کی گردن پر یافث بن نوح کی تلوار پٹ اس زور سے ماری کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ جن اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کی مشکیں باندھ لیں۔ برقان کے ساتھیوں نے اپنے بادشاہ کی یہ گت بنتے دیکھی تو اسے چھڑوانے کے لئے دوڑے مگر غریب اور مسلمان جنوں نے ان پر حملہ کر دیا اور غیرب نے وہ ہاتھ دکھائے کہ خدا اس سے خوش ہو گیا' اس نے اپنی طلسمی تلوار سے خوب بدلہ لیا جس پر وہ ہاتھ مارتا اس کے دو ٹکڑے ہو جاتے اور مقتول کی روح نکلتے ہی دوزخ میں پہنچ کر خاکستر ہو جاتی۔ مومن جن کافر جنوں پر حملہ کر کے ان پر آگ کے گولے مارنے لگے یہاں تک کہ چاروں طرف دھواں ہی دھواں پھیل گیا۔ غریب نے ان کے درمیان دہنے بائیں چکر لگاتا اور اس کے سامنے سے ہٹ جاتے۔ اس طرح سے وہ بادشاہ برقان کے خیمے میں پہنچا کیلجان اور قور جان اس کے ساتھ ساتھ تھے۔ غریب نے ان سے کہا' اپنے آقا کی مشکیں کھول دو۔ انہوں نے مشکیں کھول دیں اور بیڑیاں توڑ ڈالیں۔

اور شہر زاد کو کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو چھپن ویں رات

چھ سو چھپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ .... دونوں جنوں نے بیڑیاں کاٹ کر اسے آزاد کر دیا۔ اب بادشا مرعش نے ان سے کہا کہ میرا لڑائی کا سامان اور اڑنے والا گھوڑا لاؤ۔ بادشاہ کے پاس دو اڑن گھوڑے تھے۔ ایک تو اس نے غریب کو دے دیا تھا اور دوسرا اپنے لئے رکھ لیا تھا۔ وہ ہتھیار لگا چکا تو لوگ اس کا گھوڑا لے آئے۔ گھوڑے ان کو لے کر اڑے اور انہوں نے حملہ کر دیا' ان کے ساتھی ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ وہ اللہ اکبر کا نعرہ مار چکے تو لوٹ آئے۔ یافث کے شہر میں داخل ہو کر دونوں بادشاہ اونچی جگہ بیٹھے اور برقان کو طلب کیا لیکن وہ نہ ملا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے قید کرنے کے بعد وہ دونوں لڑائی میں اتنے مشغول ہوئے کہ اسے بھول گئے' اس کے غلاموں میں سے ایک جن نے جلدی سے وہاں جا کر اس کی مشکیں کھول دیا اور اسے لے کر اس کی قوم کے پاس چلتا ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ بعض تو مرے پڑے ہیں اور بعض بھاگ رہے ہیں۔ دیو اسے وہاں سے بھی لے اڑے اور مدینہ العقیق اور قصر الذہب میں جا اتارا۔ بادشاہ اپنے شاہی تخت پر بیٹھا' اس کی قوم جو قتل ہونے سے باقی بچی تھی اس کے پاس آئی اور اسے سلامتی پر مبارک باد دی۔ اس نے کہا' اے میرے لوگو! سلامتی کیسی؟ میرا لشکر قتل ہوا اور میں گرفتار ہوا اور میں گرفتار ہو کر جنوں کے قبیلوں میں بے عزت ہوا۔ وہ بولے اے بادشاہ' جب تک بادشاہوں کا دم قائم ہے تو کوئی جیتے گا اور اور کوئی ہارے گا۔ اس نے کہا' لیکن مجھے بدلہ لینا ضروری ہے تا کہ بے عزتی کا دھبہ دھل جائے ورنہ جنوں میں ہمیشہ کے لئے میری ناک کٹ گئی۔ یہ کہہ کر اس نے خط لکھے اور قلعوں کے قبیلوں کے پاس بھیجے' وہ نہایت فرماں برداری اور اطاعت کے ساتھ حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے ان کی جانچ پڑتال کی تو وہ تین لاکھ بیس ہزار زبردست جن اور دیو تھے۔ انہوں

نے پوچھا کہ تجھے ہماری کیا ضرورت پڑی؟ اس نے جواب دیا کہ تین دن کے بعد چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا' سر آنکھوں سے۔

یہ تو بادشاہ برقان کا حال ہوا۔ ادھر جب بادشاہ مرعش نے واپس آ کر برقان کو بلوایا اور وہ نہ ملا تو اسے بڑا افسوس ہوا۔ کہنے لگا کہ کاش ہم سو جن اس کے پہرے کے لئے چھوڑ جاتے! اس حالت میں وہ ہرگز بھاگ نہ سکتا' لیکن اب وہ بھاگ کر بھی کہاں جائے گا! مرعش نے غریب سے کہا بھائی سن! برقان دھوکے باز ہے' وہ ضرور اپنے لشکر کو جمع کر کے ہم سے بدلہ لینے آئے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اسی وقت جب کہ وہ کمزور ہے اس کا پیچھا کر کے اسے جا لوں۔ غریب نے کہا' ہاں یہ ٹھیک رائے ہے اور ایسا ہی کرنا تعریف کے قابل ہے۔ اس کے بعد مرعش نے غریب سے کہا بھائی' جن تجھے تیرے وطن پہنچا آئیں۔ مجھے اکیلا کافروں سے لڑنے دے تا کہ میرے گناہ کم ہو جائیں۔ غریب نے کہا' قسم ہے اس ذات کی جو حلیم کریم اور ستار ہے کہ جب تک میں تمام کافر جنوں کو ملیامیٹ نہ کر دوں' ہرگز یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ خدا ان کی روحوں کو جلد دوزخ میں ڈال دے گا جو بری رہنے کی جگہ ہے اور سوائے اس کے کوئی جن باقی نہیں بچے گا جو یکتا اور زبردست خدا کی پرستش کرتے ہوں۔ ہاں سہیم کو عمان بھیج دے کہ وہ اپنی بیماری سے اچھا ہو جائے۔ سہیم بیمار تھا۔ مرعش نے جنوں کو بلا کر کہا کہ سہیم کو ان مالوں اور تحفوں کے ساتھ عمان پہنچا آؤ۔ وہ سہیم اور سارے سامان کو لے کر انسانوں کے ملک کی طرف روانہ ہو گئے۔ پھر مرعش نے اپنے تمام قلعے داروں اور والیوں کے نام خط لکھے۔ وہ آئے تو ان کی تعداد ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھی۔ وہ جو تیار ہو کر میدینتہ العقیق اور قصر الذہب کی طرف چلے۔ ایک دن میں وہ ایک برس کی راہ طے کرتے تھے۔ چلتے چلتے وہ ایک وادی میں پہنچے اور وہاں ستانے کی غرض سے اتر پڑے' رات بھر آرام کیا۔ جب صبح ہوئی تو وہ کوچ کرنے ہی والے تھے کہ جنوں کے جھنڈ کے جھنڈ آ پہنچے اور نعرے لگانے لگے اور اسی وادی میں دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہو گئی دونوں ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے اور کشت

و خون ہونے لگا۔ گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ سخت زلزلے آنے لگے' لوگوں کی حالتیں بگڑنے لگیں۔ مذاق جاتا رہا اور سچ مچ کی جنگ جاری ہو گئی' بکواس بند ہو گئی اور عمریں گھٹنے لگیں' کافروں کی بڑی ذلت اور خواری کا سامنا کرنا پڑا۔ غریب یکتا معبود اور بزرگ و خدا کی توحید بیان کر کر کے حملہ کرتا اور گردنیں اڑا اڑا کر سروں کو مٹی میں ملا جاتا تھا۔ ابھی شام بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ستر ہزار کے قریب کافر مرے گئے۔ اب علیحدگی کے نقارے بجنے لگے۔ لشکر ایک دوسرے سے ہو گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو ستاون ویں رات

چھ سو ستاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب لشکر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے تو مرعش اور غریب اپنے اپنے ہتھیار پونچھ کر خیموں میں آئے' دستر خوان بچھا' دونوں نے کھایا اور ایک نے دوسرے کو سلامتی پر مبارک باد دی۔ ان کے دس ہزار سے زائد جن کام آ چکے تھے۔ ادھر برقان اپنی خیمہ گاہ میں پہنچا تو اپنے ساتھیوں کے قتل ہونے پر بہت پشیمان ہوا۔ اس نے کہا' اے میرے ساتھیو! اگر ہم تین دن لڑے تو یہ لوگ ہمیں ملیا میٹ کر دیں گے۔ وہ بولے بادشاہ' تو ہم پھر کیا کریں؟ اس نے جواب دیا کہ رات کے اندھیرے میں جب کہ وہ سو رہے ہوں' ہم ان پر دھاوا بول دیں تا کہ ان کی خبر لے جانے والا بھی باقی نہ رہے' لہٰذا تیاری کر لو اور یک جان ہو کر ان پر ٹوٹ پڑو۔ چنانچہ وہ حملے کی تیاری کرنے لگے۔ ان میں جندل نامی ایک جن تھا جس کے دل میں اسلام کی محبت تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ کافر یہ ارادہ کر رہے ہیں تو چپکے سے وہاں سے چلتا ہوا' مرعش اور بادشاہ غریب کے پاس جا کر انہیں کافروں کے ارادے کی خبر کر دی۔ مرعش نے غریب کی طرف مخاطب ہو کر کہا' بھائی اب کیا کرنا چاہیے؟ اس نے جواب دیا کہ ہم راتوں رات کافروں پر حملہ کر کے زبردست خدا کی قدرت سے انہیں جنگلوں اور بیابانوں میں تتر بتر کر دیں گے۔ اس کے بعد اس نے جنوں کے سرداروں کو بلا کر کہا تم اپنی قوم کے ساتھ ہتھیار لگا لو اور اندھیرا ہوتے ہی سو سو کی ٹولیوں میں چپکے سے نکل کھڑے ہو' خیموں کو خالی چھوڑ کر پہاڑوں میں چھپ جاؤ۔ جب دیکھو کہ دشمن خیموں میں آ گیا ہے تو ہر طرف سے ان پر حملہ کر دو۔ ہمت مضبوط رکھو اور خدا پر بھروسہ کر وہ تمہیں جیت دے گا' میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔ جب رات ہوئی تو کافروں نے خیموں پر حملہ کر دیا اور آگ اور روشنی سے مدد مانگنے لگے۔ جونہی وہ خیمہ گاہ کے اندر پہنچے تو مسلمان

دو جہاں کے پروردگار سے دعا مانگ کر کافروں پر جا پڑے اور یا ارحم الراحمین اور اے تمام مخلوقات کے پیدا کرنے والے! کہہ کر انہیں گھاس کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ ابھی سویرا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ کافروں کے جسم بے روحوں کے ہو گئے۔ بچے کھچے جنگلوں اور گھاٹیوں میں بھاگ کھڑے ہوئے' مرعش اور غریب کامیاب ہو کر لوٹے۔ کافروں کا بہت کچھ مال ان کے ہاتھ لگا' رات بھر آرام کر کے صبح سویرے وہ مدینہ العقیق اور قصر الذہت کی طرف روانہ ہو گئے۔

ادھر جب برقان کو شکست ہوئی اور رات میں اس کے بہت سے لوگ مارے گئے و وہ بچوں کھچوں کو لے کر بھاگا' اپنے شہر میں پہنچ کر محل میں داخل ہوا اور اپنے قبیلوں کو اکٹھا کر کے ان سے کہا' اے میری قوم! اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر قصر ابلق میں کوہ قاف میں ہے' بادشاہ ازرق کے پاس مجھ سے ملو' وہی ہمارا بدلہ لے گا۔ سب اپنی عورتیں' بچے اور مال و دولت لے کر کوہ قاف روانہ ہو گئے۔ مرعش اور غریب مدینہ العقیق اور قصر الذہب پہنچے' دیکھا کہ دروازے کھلے پڑے ہیں اور وہاں کوئی خبر دینے والا بھی نہیں۔ تو مرعش غریب کو لے کر مدینہ العقیق اور قصر الذہب کی سیر کرانے لگا۔ غریب حیران ہو گیا کہ شہر پناہ کی بنیادیں زمرد کی ہیں' اس کے دروازے سرخ عقیق کے جن میں چاندی کی کیلیں جڑیں ہوئی تھیں۔ گھروں اور محلوں کی چھتیں عود اور صندل کی۔ سیر کر چکے تو آگے بڑھے اور پھرتے پھراتے قصر الذہب پہنچے۔ وہاں وہ ایک دہلیز سے دوسری میں گزرتے اور دیکھتے کہ وہ شاہی بلخش کی بنی ہوئی ہے' اس کی اینٹیں زمرد اور یاقوت کی ہیں۔ اس کے اندر قدم رکھا تو اس کی خوبصورتی دیکھ کر خدا یاد آ گیا۔

ایک ڈیوڑھی سے دوسری میں گزرتے ہوئے وہ سات ڈیوڑھیاں طے کر چکے تو انہیں چار چبوترے نظر آئے جو ایک دوسرے سے جدا گانہ تھے۔ محل کے بیچ میں سرخ سونے کا بنا ہوا ایک حوض تھا۔ جس کے چاروں طرف سونے کے بنے ہوئے شیر تھے ان کے منہ میں سے پانی نکلتا تھا۔ یہ ایسی چیزیں تھیں کہ دیکھ دیکھ کر عقل حیران ہوئی جاتی

تھی۔ صدر میں جو چبوترا تھا اس پر رنگ برنگ کے ریشمی قالین بچھے ہوئے تھے اور سرخ سونے کی دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جن میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اب مرعش اور غریب برقان کی کرسیوں پر بیٹھ گئے اور قصرالذہب میں بڑا جشن منایا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو اٹھاون ویں رات

چھ سو اٹھاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مرعش اور غریب نے برقان کی کرسیوں پر بیٹھ کر جشن منایا۔ جشن سے فارغ ہو کر غریب نے مرعش سے کہا' اب تو نے کیا تدبیر سوچی ہے؟ مرعش بولا' اے انسانوں کے بادشاہ! میں نے سو جن برقان کا پتہ لگانے بھیجے ہیں تا کہ ہم اس کا پیچھا کریں۔ انہیں قصر الذہب میں ٹھہرے تین دن ہوئے تھے کہ جن لوٹ کر آئے اور خبر دی کہ برقان نے کوہ قاف جا کر بادشاہ اور ازرق سے پناہ مانگی ہے اور اس نے پناہ دی ہے۔ مرعش نے غریب سے پوچھا بھائی! اب تیری کیا رائے ہے؟ غریب نے کہا اگر ہم ان پر حملہ نہیں کرتے تو وہ ہم پر حملہ کر دیں گے۔ مرعش اور غریب نے لشکر کو حکم دیا کہ تین دن کے بعد سفر کیلئے تیار ہو جائیں۔ وہ تیار ہو کر چلنے کا ارادہ کر رہی رہے تھے کہ وہ جن جو سہیم اور ہدیوں کی پہنچا کر آئے تھے' غریب کے سامنے آئے اور زمین چومی۔ غریب نے اپنی قوم کا حال پوچھا' انہوں نے بتایا کہ تیرا بھائی لڑائی سے بھاگ کر یعرب بن قحطان کے پاس پہنچا پھر ہند جا کر وہاں کے بادشاہ سے ملا اور اس کے بھائی کی ساری کہانی بیان کر کے بولے کہ اس نے اسے پناہ مانگی اور اس نے اپناہ دے دی۔ بادشاہ نے اپنے تمام عاملوں کو خط لکھے' اتنا بڑا لشکر جمع ہو گیا کہ موج زن سمندر کی طرح نہ اس کی ابتدا ہے نہ انتہا اور وہ عراق کے تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ یہ سن کر غریب نے کہا ستیاناس ہو کافروں کا! خدا اسلام کو فتح دے گا۔ میں عنقریب انہیں شمشیر زنی اور نیزہ اندازی کے کرتب دکھاؤں گا۔ مرعش نے کہا اے انسانوں کے بادشاہ! قسم ہے اسم اعظم کی' میں بھی ضرور تیرے ساتھ تیرے وطن چلوں گا اور تیرے دشمنوں کو تباہ کر کے تیری من مانی مراد پوری کر دوں گا۔ غریب نے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہ کوچ کے ارادے سے سو گئے۔

صبح ہوئی تو وہ کوہ قاف روانہ ہو گئے۔ دن بھر چلنے کے بعد قصر ابلق اور شہر مرمر کا رخ کیا۔ یہ شہر پتھر اور مرمر سے بنا ہوا تھا۔ اسے جنوں کے بزرگ بارق بن فاقع نے بنایا تھا۔ قصر ابلق بھی اسی کا بنایا ہوا تھا۔ اس نام کی وجہ یہی تھی کہ ایک اینٹ چاندی کی اور ایک سونے کی لگائی گئی تھی۔ ایسی عمارت تمام دنیا میں کہیں نہ تھی۔ جب وہ شہر مرمر کے قریب پہنچے اور محض آدھے دن کی راہ باقی رہ گئی تو ستانے کے لئے اتر پڑے اور مرعش نے خبر لینے کے لئے ایک جاسوس بھیجا۔ وہ جا کر لوٹا اور اس نے کہا اے بادشاہ' شہر مرمر میں درخت کے پتوں اور مینہ کی بوندوں کی طرح جنوں کے قبیلے جمع ہیں۔ مرعش نے غریب سے کہا' اے انسانوں کے بادشاہ! اب کیا کرنا چاہیے؟ غریب بولا اے بادشاہ! اپنے لشکر کے چار ٹکڑے کر اور انہیں حکم دے کہ وہ کافروں کے گرد چکر لگائیں اور اللہ اکبر کے نعرے ماریں۔ تکبیر کہہ چکیں تو رک جائیں۔ یہ بات آدھی رات کے وقت ہونی چاہیے' پھر دیکھ کہ جنوں کے قبیلوں پر کیا گزرتی ہے۔ مرعش نے اپنی قوم کو بلا کر غریب کے کہنے کے مطابق انہیں تقسیم کیا او وہ ہتھیار لگا کر آدھی رات کا انتظار کرنے لگے۔ جب آدھی رات ہوئی تو وہ نکل کھڑے ہوئے اور لشکر کے گرد چکر لگا کر چلانے لگے کہ اللہ اکبر! ابراہیم خلیل کے دین کا بول بالا! یہ کلمہ سن کر کافر مارے ڈر کے جاگ اٹھے اور اپنے ہتھیار اٹھا کر آپس میں قتل کرنا شروع کر دیا۔ سویرا ہوتے ہوتے بہت سے قتل ہو چکے تھے' تھوڑے سے باقی رہ گئے اب غریب نے للکار کر مسلمان جنوں سے کہا کہ جو کافر بچ رہے ہیں' ان پر حملہ کر دو' میں تمہارے ساتھ ہوں اور خدا تمہارا مدد گار ہے۔ مرعش نے ساتھ ساتھ حملہ کر دیا۔ غریب نے اپنی تلوار ماحق کھینچ لی جو جنوں کی تلواروں میں سے ایک تھی۔ ناکیں اڑنے لگیں۔ سر سفید ہونے لگے۔ غریب نے صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ برقان بھی اس کے ہتھے چڑھ گیا اور اس نے اس پر ایسا وار کیا کہ اس کا خاتمہ ہو گیا' وہ اپنے خون میں ڈوب کر گر پڑا۔ یہی گت غریب نے بادشاہ ازق کی بنائی۔

دن نکلتے نکلتے کافروں میں سے ایک بھی باقی نہ رہا جو ان کی خبر لے کر جاتا۔ اب مرعش اور غریب قصرا بلق میں داخل ہوئے' دیکھا کہ اس کی دیواروں یں ایک اینٹ سونے کی ہے اور ایک چاندی کی ہے۔ زینے بلور کے جو سبز زمرد سے جڑے ہوئے ہیں۔ محل کے بیچ میں ایک حوض اور ایک چبوترا ہے جس پر ریشم کا زردوزی فرش بچھا ہوا ہے اور ہیرے ٹنکے ہوئے ہیں۔ علاوہ اس کے انہیں وہاں اتنا مال متاع ملا جس کا نہ شمار ہو سکتا ہے نہ تعریف۔ اس کے بعد دونوں زنان خانے میں گئے جہاں نہایت خوبصورت عورتیں تھیں۔ جب غریب کی نظر بادشاہ ازرق کی عورتوں پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ ان میں ایک لڑکی ہے جس سے زیادہ حسین اس کی نظر سے نہیں گزری تھی' اس کا لباس ایک ہزار دینار کا ہو گا اس کے آپ پاس سو کنیزیں تھیں۔ جو اس کے دامن کو سونے کے کانٹوں سے اٹھائے ہوئے تھیں' وہ ان کے درمیاں ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے ستاروں میں چاند۔ اس لڑکی کو دیکھتے ہی غریب کے ہوش جاتے رہے۔ اس نے ایک کنیز سے پوچھا' یہ لڑکی کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ بادشاہ ازرق کی بیٹی کوکب الصباح ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چھ سو انسٹھ ویں رات

چھ سو انسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب کنیزوں نے کہا کہ یہ بادشاہ ازرق کی بیٹی کوکب الصباح ہے تو غریب نے مرعش کی طرف مخاطب ہو کر کہا' اے جنوں کے بادشاہ! میں اس لڑکی کو اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہوں۔ بادشاہ مرعش بولا محل' اس میں جتنا مال و متاع اور بال بچے ہیں' سب تیرے ہاتھ کی کمائی ہے۔ اگر تو نے اپنی تدبیر سے برقان اور بادشاہ ازرق کو تباہ اور ان کے لشکروں کو تباہ نہ کر دیا ہوتا وہ ہمیں ملیا میٹ کر دیتے' لہٰذا مال تیرا مال ہے اور بال بچے تیرے غلام ہیں۔ غریب نے اس کی دیا دلی کا شکریہ ادا کیا۔ اور لڑکی کی طرف بڑھ کر اسے غور سے دیکھا' اس پر عاشق ہو گیا۔ عجم' ترک' اور دیلم کے بادشاہ شاپور کی بیٹی فخر تاج کو بھی بھول گیا اور مہدیہ کو بھی۔ اس لڑکی کی ماں چین کے بادشاہ کی بیٹی تھی جسے بادشاہ اس کے محل سے اٹھا لایا تھا اور اس کا کنوار پن توڑا تھا۔ اسی کے حمل سے یہ بیٹی تھی۔ اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اس کے باپ نے اس کا نام کوکب الصباح رکھا تھا اور حسینوں میں اس کا جواب نہ تھا۔ وہ چالیس دن کی تھی کہ اس کی ماں مر گئی' دائیوں اور کھلائیوں کے ساتھ پل کر وہ سترہ سال کی ہوئی اب کہ یہ واقعہ پیش آیا۔ اس کا باپ مارا گیا' غریب اس پر عاشق ہو گیا۔ اس سے ہاتھ ملایا اور اسی رات اس سے ہم بستر ہوا تو دیکھا کہ وہ باکرہ ہے۔ اسے اپنے باپ سے نفرت تھی اور وہ خوش تھی کہ اس کا باپ مارا گیا۔ غریب نے حکم دیا کہ قصر ابلق ڈھا دیا جائے' وہ ڈھا دیا گیا اور غریب نے اسے جنوں میں بانٹ دیا۔ غریب کے حصے میں اکیس ہزار اینٹیں سونے اور چاندی کی آئیں۔ اور اتنا مال اور جواہرات اس کے ہاتھ لگے کہ ان کا گننا ناممکن تھا۔ اب بادشاہ مرعش نے غریب کو ساتھ لے کر کوہ قاف اور اس کے عجائبات کی سیر کرائی۔ پھر وہاں سے وہ برقان کے قلعے کی طرف روانہ ہو

گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے اسے بھی ڈھا دیا اور اس کا مال و اسباب بھی بانٹ کر مرعش میں قلعے میں پہنچے' وہاں پانچ دن ٹھہر کر غریب نے اپنے وطن جانے کی اجازت مانگی۔ مرعش نے کہا' اے انسانوں کے بادشاہ! میں تیرے ساتھ چل کر تجھے تیرے وطن پہنچاؤں گا۔ غریب بولا قسم ہے ابراہیم خلیل کی' میں تجھے ہرگز یہ تکلیف نہ دوں گا' بلکہ تیری قوم میں سے بھی سوائے کیلجان اور قور جان کے کسی کو ساتھ نہ لے جاؤں گا۔

یہ سن کر مرعش نے کہا اچھا دس ہزار جن سوار اپنے ساتھ لیتا جا تا کہ وہ تیری خدمت میں حاضر رہیں۔ غریب نے کہا میں صرف انہی کو لے جاؤں گا جن کے متعلق میں نے کہا ہے۔ مرعش نے ایک ہزار جنوں کو حکم دیا کہ وہ غریب کی غنیمت کا مال لے کر اسے اس کے وطن پہنچا آئیں۔ اور دونوں جنوں کیلجان اور قورمان کو حکم دیا کہ وہ غریب کے ساتھ رہیں اور اس کا حکم بجا لائیں۔ غریب نے جنوں سے کہا کہ تم مال و دولت اور کوکب الصباح کو لے چلو۔ اب غریب نے ارادہ کیا کہ خود جا کر اپنے اڑنے والے گھوڑے پر سوار ہو جائے لیکن مرعش نے کہا اے بھائی! یہ گھوڑا سوائے ہمارے ملک کے اور کہیں زندہ نہیں رہ سکتا' اگر انسانوں کے ملک میں گیا تو مر جائے گا۔ میرے پاس ایک دریائی گھوڑا ہے جس کا جواب عراق میں کیا' ساری دنیا میں نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے وہ گھوڑا منگوایا' غریب کی نظر اس پر پڑی تو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ کیلجان نے اسے باندھ کر اپنے اوپر لاد لیا اور قور جان نے بھی' بھی جتنی کچھ اٹھا سکتا تھا' اٹھا لیا۔ مرعش نے غریب کو گلے لگ لیا' اس کی جدائی پر رونے لگا اور کہا بھائی' اگر اگر تجھ پر کوئی ایسی بلا نازل ہو جو تیری طاقت سے باہر ہو تو مجھے بلا بھیجو۔ میں ایسا لشکر لے کر پہنچ جاؤں گا جو تمام زمین اور اس کی ساری چیزوں کو ملیا میٹ کر دے گا۔ غریب نے اس کے احسان اور اس کے اچھے مسلمان ہونے کا شکریہ ادا کیا پھر دونوں جن غریب اور گھوڑے کو لے کر دو دن اور ایک رات چلتے رہے اور پچاس سال کی راہ طے کر کے عمان کے شہر کے قریب پہنچے اور اتر کر آرام

کیا۔ غریب نے کیلجان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جا' میرے لوگوں کی خبر لے آ۔ جن چلا گیا اور لوٹ کر کہا' اے بادشاہ! تیرے شہر کے پاس کافروں کا لشکر موج زن سمندر کی طرح جمع ہے اور تیری قوم ان سے لڑ رہی ہے۔ اس وقت ڈھول بج رہے ہیں اور جمر قان ان کے مقابلے کے لئے میدان میں نکلا ہے۔ یہ سنتے ہی غریب نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کیلجان سے سے کہا کہ میرا گھوڑا کس' میرا سامان اور برچھا لا۔ آج لڑائی اور نیزہ بازی کے میدان میں شہ سوار اور بزدل میں فرق معلوم ہو جائے گا۔ کیلجان جا کر تمام چیزیں لے آیا جو اس نے مانگی تھیں۔ غریب نے لڑائی کا سامان لیا اور یافث بن نوح کی تلوار لگا کر گھوڑے پر سوار ہو کر کافروں سے لشکر اور فوجوں کی طرف چل کھڑا ہوا۔ کیلجان اور قور جان نے کہا کہ تو آرام کر ہم کافروں کے پس جا کر انہیں جنگلوں اور بیابانوں میں تتر بتر کر دیں گے' حتیٰ کہ زبردست خدا کے حکم سے ان میں کوئی آگ جلانے والا بھی باقی نہ رہے۔ غریب نے کہا' قسم ہے ابراہیم خلیل کی! جب تک میں گھوڑے کی پیٹھ پر نہ بیٹھوں' تمہیں اکیلے نہیں لڑنے دوں گا۔ اس لشکر کے آنے کا ایک عجیب و غریب سبب تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو ساٹھ ویں رات

چھ سو ساٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ اس لشکر کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ جب عجیب نے یعرب بن قحطان کا لشکر لا کر مسلمانوں کا محاصرہ کیا۔ جمرقان اور سعدان ان کے مقابلے کے لئے نکلے' کیلجان اور قورجان نے آ کر کافروں کو شکست دی اور عجیب بھاگ کھڑا ہوا تو اس نے کہا تھا کہ اے میرے لوگو! یعرب بن قحطان کے لشکر اور اس کے بیٹے کے قتل ہونے کے بعد اگر ہم اس کے پاس لوٹ کر گئے تو وہ کہے گا کہ اے لوگو! اگر تم نہ ہوتے تو میرا لشکر اور بیٹا مارا نہ جاتا' پھر وہ ہم کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالے گا۔ میری رائے یہ ہوئی ہے کہ ہم ہند کے ملک کو جا کر بادشاہ طرکنان سے ملیں' وہ ہمارا بدلہ لے سکتا ہے۔ اس کی قوم بولی کہ چل ہمارے ساتھ' آگ تجھے برکت دے! وہ چل پڑے' دن رات چلتے چلتے ہند پہنچے اور بادشاہ طرکنان سے ملنے کی اجازت چاہی۔ اس نے عجیب کو اندر آنے کی اجزت دی۔ عجیب نے جا کر زمین چومی' بادشاہوں کے مرتبے کے موافق دعائیں دی اور کہا اے بادشاہ! مجھے پناہ دے' آگ تجھے پناہ دے گی جو چنگاریوں والی ہے اور سایہ اپنے اندھیرے میں تجھے بچا کر رکھے گا۔ ہند کے بادشاہ نے عجیب کو دیکھ کر پوچھا' تو کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا میں عراق کا بادشاہ عجیب ہوں' میرے بھائی نے مجھ پر ظلم کیا ہے' وہ مسلمان ہو گیا ہے اور بہت سے لوگ بھی اس کی پیروی کرنے لگے ہیں' وہ کئی ملکوں پر قابض ہو گیا ہے جہاں میں پہنچتا ہوں وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آتا ہے۔ اب میں تیرے پاس آیا ہوں تا کہ تیری قوت کی پناہ لوں۔

ہند کے بادشاہ نے عجیب کی باتیں سنیں تو کھڑا ہو گیا اور پھر بیٹھ کر کہنے لگا کہ قسم ہے آگ کی' میں تیرا بدلہ لے کر چھوڑوں گا اور کسی کو زندہ نہ چھوڑوں گا جو میری اگنی دیوی کے سوا کسی اور کو پوجتا ہو۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے کو بلا کر کہا'

اے میرے بیٹے! تیار ہو کر عراق کی طرف روانہ ہو جا' وہاں کے باشندوں کو تباہ کر ڈال اور جو لوگ آگ کی پوجا نہیں کرتے انہیں باندھ کر ایسی سزا دے جو لوگوں کے لئے عبرت ہو مگر انہیں قتل نہ کر' میرے پاس لے آ کہ میں انہیں طرح طرح سے سزا دوں' انہیں ذلیل کروں اور انہیں دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں۔

اب بادشاہ نے اسی ہزار جنگجو چنے' جو گھوڑوں پر سوار تھے اور اسی ہزار جو زرافوں پر۔ ان کے سوا دس ہزار ہاتھی ساتھ کر دیئے جن پر صندل کے ہودے تھے جن کے جھروکوں میں سونے کی سلاخیں تھیں۔ ان کے چتر اور اور کیلیں سونے' چاندی کی' ہر ہودے پر سنہری زمردی پردہ پڑا ہوا تھا۔ علاوہ اس کے اس نے بہت سی لڑائی کی رتھیں بھیجیں جن میں آٹھ آٹھ آدمی بیٹھ کر ہتھیاروں سے لڑتے تھے۔ بادشاہ کا بیٹا زمانے بھر کا سورما تھا۔ بہادری میں جس کی نظیر نہ تھی' اس کا نام رعد شاہ تھا۔ دس دن میں تیار ہو کر لشکر بادل کے ٹکڑوں کی طرح روانہ ہو گئے۔ دو مہینے تک چلتے رہے اور عمان پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ عجیب خوش ہو گیا' اسے جیت کا یقین تھا۔ ادھر سے بھی جمرقان' سعدان اور سارے بہادر میدان میں نکل آئے' ڈھول بجنے اور گھوڑے ہنہنانے لگے۔ یہی وہ وقت تھا جب کیلجان آیا اور اس نے جا کر غریب کو خبر دی جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے۔ القصہ غریب سوار ہوا' گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آگے نکل کر کھڑا ہو گیا۔ کہ دیکھے میدان میں کس طرح کون نکل کر لڑائی کی ابتدا کرتا ہے۔ سب سے پہلے دیو سعدان میدان میں آیا۔ اس کے مقابلے میں ہند کا ایک بہادر نکلا۔ سعدان نے اسے اپنے آگے ذر بھی نہ ٹھہرنے دیا۔ ایسا گرز مارا کہ ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں اور وہ زمین پر لمبا لمبا گر پڑا۔ اس کے بعد دوسرا نکلا۔ سعدان نے اسے بھی قتل کر دیا' پھر تیسرا آیا سعدان کے ہاتھ سے وہ بھی مارا گیا۔ ہند کے بہادر آتے جاتے اور سعدان انہیں خاک و خون میں لٹاتا جاتا' یہاں تک کہ تیس قتل ہو چکے۔

جب تیس ہندی قتل ہو چکے تو ایک سورما نکلا جس کا نام بطاش الاقران تھا' اس کی بہادری کی بڑی دھاک تھی' لڑائی اور نیزہ بازی کے میدان میں پانچ ہزار سواروں کا مقابلہ کرنے

والا یہ بادشاہ طرکنان کا چچا تھا۔ بطاش سعدان کے مقابلے میں آ کر کہنے لگا' اے عرب کے فضلے' کیا تو اتنا بڑا ہو گیا کہ ہند کے بادشاہوں اور سورماؤں قتل کرنے اور ان کے شہ سواروں کو گرفتار کرنے لگا! آج دینا میں تیری زندگی کا آخری دن ہے۔ یہ سن کر سعدان کی آنکھیں غصے سے لال ہو گئیں۔ اس نے دوڑ کر بطاش پر گرز سے حملہ کیا' مگر وار خالی پڑا اور سعدان گرز کی جھونک میں آ کر زمین پر گر پڑا۔ سنبھلنے نہ پایا تھا کہ لوگوں نے اس کی مشکیں باندھ لیں۔ بیڑیا ڈالیں اور کھینچ کر اسے خیموں میں لے گئے۔ جمرقان نے دیکھا کہ اس کا ساتھ گرفتار ہو گیا ہے تو اس نے کہا بول بالا ہو ابراہیم خلیل کے دین کا! کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور بطاش الاقران کے مقابلے پر آیا۔ تھوڑی دیر تک دونوں اپنے اپنے گھوڑوں کو کاوے دیتے رہے۔ اس کے بعد بطاش نے جمرقان پر حملہ کیا اور اس کی آستین پکڑ زمین سے کھینچ کر زمین پر گرا دیا۔ اس کی بھی مشکیں باندھ کر لوگ کھینچتے ہوئے اپنے خیموں میں لے گئے۔ اس کے بعد بطاش ایک ایک سردار کو گرفتار کرتا رہا یہاں تک کہ مسلمانوں کے چوبیس سرداروں کو گرفتار کر لیا۔ مسلمان بڑے غمگین ہوئے۔ جب غریب نے دیکھا کہ اس کے بہادر برابر بچھڑتے اور گرفتار ہوتے چلے جاتے ہیں تو اس نے اپنے گھٹنے کے نیچے سے سونے کا گرز نکالا جس کا وزن ڈیڑھ من کا تھا' جو جنوں کے بادشاہ برقان کا گرز تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو اکسٹھ ویں رات

چھ سو اکسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ غریب نے جنوں کے بادشاہ برقان کا گرز نکالا اور اپنے دریائی گھوڑے کو چمکایا' وہ اسے ہوا میں اڑا کر میدان میں لے گیا۔ غریب نے نعرہ لگایا کہ اللہ اکبر! فتح اور کامیابی! ناکامی ان لوگوں کے لئے جو ابراہیم خلیل کے دین سے منکر ہیں اور بطاش پر حملہ کیا۔ ایسا گرز مارا کہ وہ زمین پر آ پڑا۔ اب غریب مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوا اور اپنے بھائی سہیم اللیل کو دیکھ کر کہا اس کتے کی مشکیں باندھ لے۔ یہ سنتے ہی سہیم بطاش کی طرف دوڑا اور اس کی مشکیں باندھ کر لے گیا۔ مسلمان جوان اس پر متعجب ہو گئے اور کافر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ آخر یہ سوار کون ہے جو نکلتے ہی اس نے ہمارے سردار کو گرفتار کر لیا۔ ادھر یہ چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں اور ادھر غریب کہہ رہا تھا کہ کوئی اور نکلے' اتنے میں ہندیوں کا ایک سردار نکلا۔ غریب نے اسے بھی گرز مار کر لمبا لٹا دیا۔ کیلجان اور قورجان نے اس کی بھی مشکیں کس کر سہیم کے حوالے کر دیا۔ اسی طرح غریب نے ان کے باون سورما اور بڑے سردار گرفتار کر لئے۔ اتنے میں دن ختم ہو گیا' علیحدگی کے ڈھول بجنے لگے اور غریب میدان سے لوٹ کر مسلمانوں کے لشکر کی طرف چلا گیا۔ پہلا شخص جس نے اسے دیکھا سہیم تھا۔ وہ رکاب میں اس کے قدم چوم کر بولا اے زمانے کے شہ سوار' خدا تیرے ہاتھ سلامت رکھے! بتا تو سہی تو کون سورما ہے؟ یہ سن کر غریب نے اپنا فولادی نقاب چہرے پر سے اٹھا دیا۔ سہیم نے اسے پہچان لیا اور کہا اے لوگو! یہ تمہارا بادشاہ اور آقا غریب ہے' وہ جنوں کے ملک سے واپس آ گیا ہے۔ جب مسلمانوں نے اپنے بادشاہ کا نام سنا تو وہ اپنے گھوڑوں پر سے کود پڑے' اس کے پاس جا کر رکاب میں اس کے پاؤں چومے' اسے سلام کیا' اس کی سلامتی پر خوش ہوتے اس کے ساتھ عمان میں داخل ہوئے۔ غریب اپنی شاہی کرسی پر بیٹھا اور

اس کے لوگ خوش خوش اس کے ارد گرد پھرنے لگے۔ اس کے بعد کھانا پیش کیا گیا۔ سب نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد غریب نے سارا ماجرا بیان کیا جو اسے کوہ قاف میں جن قبیلوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔ لوگوں کو بڑا اچنبھا ہوا اور اس کی سلامتی پر خدا شکر ادا کیا۔
کیلجان اور قورمان کبھی غریب سے جدا نہ ہوتے۔ سوتے جاگتے ساتھ ہی رہتے۔ سب باتوں سے فارغ ہو کر غریب نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اب وہ اپنے گھر چلے جائیں وہ سب چلے گئے اور سوائے دونوں جنوں کے کوئی اس کے پاس نہ رہا۔ اس نے ان سے پوچھا کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تم مجھے کوفے لے چلو تا کہ میں اپنی بیویوں کو دیکھ آؤں اور پھر تم مجھے پچھلی رات واپس لے آؤ؟ انہوں نے کہا' اے ہمارے مولا' جو تو چاہتا ہے وہ تو بڑی آسان بات ہے۔ کوفے اور عمان کے درمیان تیز سوار کے لئے ساٹھ دن کا راستہ ہے۔ کیلجان نے قورمان سے کہا کہ میں اسے ادھر سے لے جاؤں گا اور تو ادھر سے لے آئیو۔ یہ کہہ کر کیلجان اسے لے چلا اور قورجان ساتھ ساتھ ہو لیا۔ ابھی ایک پہر بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ انہوں نے کوفے پہنچ کر اسے محل کے دروازے پر اتار دیا۔ غریب پہلے اپنے چچا دامغ کے پاس گیا۔ وہ اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا اور سلام کیا۔ غریب نے پوچھا میری بیوی مہدیہ کا کیا حال ہے؟ دامغ نے کہا اچھی اور بہ خیر و عافیت ہے۔ اتنے میں خادم نے اندر جا کر عورتوں کو خبر دی کہ غریب آ گیا ہے۔ وہ خوش ہو گئیں۔ خوشی کے نعرے مارنے لگیں اور خادم کو خوشخبری کا انعام دیا۔ اب بادشاہ غریب اندر گیا' وہ کھڑی ہو گیں۔ سلام کیا اور باتیں چیتیں کرنے لگیں۔ جب دامغ آیا تو غریب نے اس سے سارا ماجرا بیان کی اجو اسے جنوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔ یہ سن کر دامغ اور بی بیاں سب کے سب اچنبھا کرنے لگے۔ باقی رات وہ سویا' جب تڑکا ہونے لگا تو وہ اپنے اہل و عیلا اور اپنے چچا دامغ سے رخصت ہو کر دونوں جنوں کے پاس گیا' قورجان کی پیٹھ پر سوار ہوا اور کیلجان کے ساتھ ساتھ چلا۔ ابھی اندھیرا گھٹنے بھی نہ پایا تھا کی عمان پہنچ گئے اور

ہتھیار لگا لیے۔ لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا پھر اس نے حکم دیا کہ دروازے کھول دیئے جائیں۔ اتنے میں کافروں کے لشکر کی طرف سے ایک سوار پہنچا جس کے ساتھ جمرقان' سعدان دیو اور سارے سردار تھے جو گرفتار ہو گئے تھے' وہ انہیں چھڑا کر لایا تھا اور اس نے ان سب کو مسلمانوں کے بادشاہ غریب کے حوالے کر دیا۔ مسلمان ان کی سلامتی پر خوش ہو گئے' اس کے بعد وہ زرہ بکتر پہن کر سوار ہو گئے' لڑائی کے باجے بجنے لگے' شمشیر زنی اور نیزہ بازی کا میدان کھل گیا۔ ادھر کافروں نے بھی سوار ہو کر صفیں باندھ لیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس انے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چھ سو ستھویں باسٹھ ویں رات

چھ سو باسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب مسلمان میدان میں نکلے تو پہلے جس نے ابتدا کی وہ بادشاہ غریب تھا۔ اس نے اپنی ماحق نامی تلوار کھینچ لی جو یافث بن نوح کی تلوار تھی او اپنے گھوڑے کو دونوں صفوں کے بیچ میں لا کر نعرہ مارا کہ جو کوئی مجھے پہچانتا ہے' وہ میری جنگ سے بھی بہ خوبی واقف ہے اور جو مجھے نہیں پہچانتا اسے میں اپنے آپ کو پہچواتا ہوں' میں عراق اور یمن کا بادشاہ غریب ہوں۔ عجیب کا بھائی۔ ہند کے بادشاہ کے بیٹے رعد شاہ نے غریب کی باتیں سنیں تو سرداروں سے کہا عجیب کو بلاؤ۔ وہ اسے بلا لائے۔ رعد شاہ نے کہا تو جانتا ہے کہ فتنہ کس کا اٹھایا ہوا ہے؟ تیرا! تو ہی اس کا بانی مبانی ہے۔ میدان میں اس وقت تیرا بھائی آیا ہوا ہے' جا اسے گرفتار کر کے لے آ' تا کہ میں اسے الٹا اونٹ پر بٹھاؤں اور برابر سزا دیتا ہوں جب تک کہ ہندنہ پہنچ جاؤں۔ عجیب نے کہا' اے شہزادے! کسی اور کو اس کے مقابلے میں بھیج' میری تو آج صبح سے طبیعت خراب ہے۔ یہ سن کر رعد شاہ ناک بھوں چڑھانے لگا اور کہا قسم ہے چنگاریوں والی آگ' روشنی' سائے اور گرمی کی اگر تو فوراً جا کر اپنے بھائی کو نہ لایا تو میں تیرا سر کاٹ کر تیری جان نکال لوں گا۔ عجیب نے مجبوراً گھوڑا بڑھا دیا اور دل مضبوط کر کے میدان میں اپنے بھائی کے پاس جا کے کہنے لگا' اے عرب کے کتے! اے ذلیل ترین طنابیں ٹھونکنے والے کیا تو بادشاہوں کا مقابلہ کرتا ہے' لے جو تیری قسمت میں لکھا ہے اور اپنی موت پر خوش ہو۔ یہ سن کر بادشاہ غریب نے کہا' تو کون سا بادشاہ ہے؟ اس نے جواب دیا میں تیرا بھائی ہوں۔ آج تیری زندگی کی آخری دن ہے۔ جب غریب کو یقین ہو گیا کہ وہ اس کا بھائی ہے تو اس نے نعرہ مارا کہ باپ اور ماں کا بدلہ! اور کیلجان کو اپنی تلوار دے کر گرز سے حملہ کر دیا اور ایسا سخت وار کیا کہ قریب تھا کہ اس کی پسلیاں نکل پڑتیں۔

پھر اس کا گریبان پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ وہ زین سے زمین پر گر پڑا۔ دونوں جنوں نے آ کر فوراً اس کی مشکیں باندھ لیں اور ذلت کے ساتھ کھینچ کر لے چلے۔

رعد شاہ نے دیکھا کہ عجیب کی اس کے بھائی غریب کے آگے کیا گت بنی ہے تو اس نے اپنا گھوڑا منگوایا' جنگی' لباس پہن' چادر اوڑھ میدان میں نکل آیا اور چلا کر کہا اے ذلیل ترین عرب اور لکڑیاں ڈھونے والے' تیری یہ ہمت ہو گئی کہ بادشاہوں اور سرداروں کو گرفتار کرتا ہے' اتر اپنے گھوڑے سے' باندھ اپنے ہاتھ سے اپنی مشکیں' چوم میرے پاؤں' آزاد کر میرے بہادروں کو' چل قید ہو کر بیڑیاں پہن کر میرے ملک کو تا کہ میں تجھے معاف کر دوں' اپنے ملک میں تجھے چودھری بنا دوں اور تجھے وہاں ایک ٹکڑا روٹی کھانے کو مل جایا کرے۔ اس کی یہ باتیں سن کر غریب ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور کہنے لگا' اے ذلیل کتے' گنجے بھیڑیے! تو ابھی دیکھ لے گا کہ کس کا بیڑا تباہ ہوتا ہے' کون بیڑیاں پہنتا ہے اور قید ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے سہیم کو بلایا اور اس سے کہا قیدیوں کو لا۔ قیدی آ گئے تو غریب نے ان کی گردنیں اڑا دیں۔ یہ دیکھ کر رعد شاہ نے بڑے سور شاشہ سوار کی طرح اس پر حملہ کر دیا اور بڑے دلاور کی طرح وار کیا۔ دونوں طرف سے ہتھیار کی رد و بدل ہونے لگی۔ بڑھتے اور ہٹتے اور اپنے اپنے ہاتھ دکھاتے رہے یہاں تک کہ اندھیرا چھا گیا' علیحدگی کے ڈھول بجنے لگے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو تریسٹھ ویں رات

چھ سو تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب لڑائی بند ہونے کے ڈھول بجنے لگے تو دونوں بادشاہ اپنی اپنی جگہ لوٹ آئے۔ لوگوں نے انہیں سلامتی پر مبارک باد دی۔ مسلمانوں نے بادشاہ غریب سے کہا اے بادشاہ! تیرا یہ تو کبھی دستور نہ تھا کہ لڑائی کو اتنا کھینچے۔ وہ بولا اے لوگوں! میں نے بڑے بڑے بہادروں اور بادشاہوں سے مقابلہ کیا ہے' اس بہادر سے زیادہ خوبصورت تلوار چلانے والا میری نظر سے نہیں گزرا۔ میں چاہتا تھا کہ یافث کی تلوار کھینچ کر اس پر چلاؤں اور اس کی ہڈیاں پسلیاں چکنا چور کر کے اس کا خاتمہ کر دوں' صرف اس خیال سے رک گیا اور قید کرنا ہی مناسب سمجھا کہ شاید اسے اسلام نصیب ہو جائے۔ ادھر غریب کا یہ حال تھا ادھر جب رعد شاہ خیمے میں گیا اپنے تخت پر بیٹھا اور اس کے لشکر کے سردار پاس پہنچے اور انہوں نے اس سے دشمن کا حال پوچھا تو اس نے کہا' قسم ہے چنگاریوں والی آگ کی' ایسا سورما میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ لیکن میں اسے کل گرفتار کر لوں گا اور ذلت و خواری سے اسے پکڑ کر لے جاؤں گا۔ جب وہ رات گزار چکے اور سویرا ہوا تو لڑائی کے ڈھول بجائے' کشت و خون کے لئے تیار ہو گئے' تلواریں باندھ لیں' نعرے بلند کئے' اپنے اصیل گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور خیمہ گاہوں سے نکل کر پہاڑوں اور وادیوں میں پھیل گئے۔ جس شخص نے جنگ کی ابتدا کی وہ شہ سوار سورما اور شیروں کا شیر بادشاہ غریب تھا۔ اس نے گھوڑوں کو جولانی دی اور کہا' ہے کوئی جنگجو؟ ہے کوئی جنگ آور؟ کسی سست اور کمزور کا آج کام نہیں۔ وہ ابھی اپنی بات بھی ختم نہ کرنے آیا تھا کہ رعد شاہ ایک ہاتھ پر جو گنبد کی طرح تھا' سوار ہو کر مقابلے میں نکلا۔ ہاتھی کی پیٹھ پر ہودہ ریشم کی ڈوریوں سے بندھا ہوا تھا' ہاتھ کے دونوں کانوں کے بیچ میں ہاتھی بان

انکس لئے بیٹھا ہوا تھا۔ جس سے وہ ہاتھی کو مارتا جاتا اور دہنے بائیں ہوتا جاتا۔ ہاتھی غریب کے گھوڑے کے پاس آیا تو وہ بدکا۔ اس نے ایسی چیز پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ غریب نے پیدل ہو کر گھوڑا کیلجان کے حوالے کر دیا اور اپنی تلوار ماحق کھینچ کر رعد شاہ کی طرف پیادہ چل کھڑا ہوا۔ ہاتھی کے بربار پہنچ گیا۔
رعد شاہ کا دستور تھا جب وہ دیکھا کہ کسی بہادر کے آگے اس کی نہیں چلتی تو وہ ہاتھی کے ہودے پر سوار ہو کر ہاتھ میں ایک چیز لے لیتا جس کا نام وہق تھا۔ اس کی شکل ایسے جال کی سی تھی جو نیچے سے کشادہ اور اوپر سے تنگ ہو' اس میں حلقے پڑے ہوئے تھے اور ریشم کی ڈوریاں لگی ہوئی تھیں۔ وہ اسے سوار اور گھوڑے پر پھینک کر کھینچ لیا کرتا' سوار گھوڑے سے گر پڑتا اور گرفتار ہو جاتا۔ اس طرح سے اس نے بہت سے سواروں کو نیچا دکھایا تھا۔ غریب اس کے اس پہنچا تو اس نے وہق کو اٹھا کر پھینکا۔ وہ غریب پر جا کر پھیل گیا۔ رعد شاہ نے اسے کھینچ کر اپنے پاس ہاتھی کی پیٹھ پر اٹھا لیا اور ہاتھی کو للکارا کہ اپنے لشکر کی طرف لوٹ جائے۔ کیلجان اور قورجان تو دم بھر بھی غریب کا ساتھ نہیں چھوڑتے تھے' لہٰذا جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے آقا کا یہ حال ہوا تو ہاتھی کو روک لیا۔ ادھر غریب نے زور لگا کو وہق کو پھاڑ ڈالا۔ ساتھ ہی کیلجان اور قور جان نے لپک کر رعد شاہ کی مشکیں باندھ دیں۔ اور تانڑ کی رسی سے باندھ کر کھینچتے ہوئے لے چلے۔ اب دونوں لشکر ایک دوسرے پر اس طرح ٹوٹ پڑے جیسے دو سمندر موجیں ماریں یا دو پہاڑ ٹکڑا رہے ہوں گرد اٹھ اٹھ کر آسمان تک پہنچنے لگی اور دونوں لشکروں کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا یا۔ کشت و خون ہونے اور لہو بہنے لگا۔ لڑائی نیزہ بازی اور شمشیرزنی برابر جاری رہی۔ یہاں تک کہ دن چھپ گیا' اندھیرا پھیلنے لگا' علیحدگی کے ڈھول بجنے لگے اور دونوں لشکر جدا ہو گئے۔ مسلمان اس روز بڑے ٹوٹے میں رہے' بہت مرے گئے اور اکثر زخمی ہوئے۔ اس کی وجہ ہاتھیوں اور زرافوں کے سوار تھے۔ غریب کو بڑا صدمہ پہنچا اس نے حکم دیا کہ زخمیوں کا علاج

کیا جائے اور سرداروں سے مخاطب ہو کر کہا' تمہاری یا رائے ہے؟ وہ بولے اے بادشاہ! یہ مصیبت ہم پر ہاتھیوں اور زرافوں کی وجہ سے آئی ہے۔ اگر ہم ان سے بچ جاتے تو دشمن کو مار لیتے۔ کیلجان اور قورجان نے کہا کچھ فکر نہ کرو ہم دونوں تلواریں کھینچ کر ان پر حملہ کرتے اور ان میں سے بہت سوں کو قتل کئے دیتے ہیں۔ اتنے میں ایک شخص عمان کا رہنے گالا آگے بڑھا جو جلند کا مشیر تھا اور کہنے لگا اے بادشاہ' اگر تو میری بات سنے اور مانے تو اس لشکر کا ذمہ میں لیتا ہوں۔ غریب نے اپنے سرداروں کی طرف مخاطب ہو کر کہا یہ استاد جو کچھ کہے اسے مانو۔ انہوں نے کہا سر آنکھوں سے

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو چونسٹھ ویں رات

چھ سو چونسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب سردار اس کا کہنا سر آنکھوں سے ماننے کے لئے تیار ہو گئے تو اس نے دس سردار چنے اور یمنی نے ان سے پوچھا کہ تمہارے ماتحت کتنے بہادر ہیں' انہوں نے جواب دیا' دس ہزار' یمنی انہیں لے کر اسلحہ خانے میں گیا ان میں سے پانچ ہزار کو گولیاں دیں اور انہیں ان کا چلانا سکھایا۔ سویرا ہوا تو کافر تیار ہوئے۔ انہوں نے ہاتھی اور زرافے نکالے اور ان کے پیادے ہتھیار لگا کر فوج کے آگے آگے ہو لئے۔ ادھر غریب اور اس کے سورما بھی سوار ہو گئے۔ صفیں درست ہونے لگیں۔ ڈھول بجنے لگے اور سردا زرافوں اور ہاتھیوں پر سوار ہو کر آگے آئے۔ اب یمنی نے نشانہ بازوں کو حکم دیا اور تیر اور گولیاں چلنے لگے۔ جونہی تیر اور گولیاں جانوروں کی پسلیوں میں جا کر لگیں وہ چلا کر اپنے ہی سواروں اور پیادوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں کچل ڈالا۔ ادھر تو ہاتھی انہیں کچل رہے تھے' ادھر مسلمانوں نے ان پر دائیں بائیں سے حملہ کر کے انہیں جنگلوں بیابانوں میں تتر بتر کر دیا اور تلواریں لئے ان کا پیچھا کرتے رہے یہاں تک کہ ہاتھیوں اور زرافوں میں سے سوائے چند کے کوئی نہ بچا۔ بادشاہ غریب اور اس کے لوگ اپنی جیت پر خوش لوٹے' سویرا ہوا تو انہوں نے غنیمت کا مال تقسیم کیا اور پانچ دن وہیں ٹھہرے رہے۔

اس کے بعد بادشاہ غریب اپنی شاہی کرسی پر بیٹھا اور اپنے بھائی عجیب کو بلا کر کہا تو کیوں بادشاہوں کو میرے خلاف ابھارتا پھرتا ہے حالانکہ وہ ذات جو ہر چیز پر قادر ہے' مجھ ہی کو فتح دیتی ہے۔ مسلمان ہو جا تاکہ تو بچ جائے۔ اس حالت میں' میں اپنے ماں باپ کا خون بھی بخش دوں گا اور تجھے پہلے کی طرح بادشاہ بنا دوں گا بلکہ خود تیرا ماتحت بن کر رہوں گا۔ غریب کی باتیں سن کر عجیب نے کہا۔ میں اپنا مذہب تو چھوڑنے کا نہیں۔ اس پر عجیب کو اس نے بیڑیاں پہنا دیں اور سو مضبوط غلام مقرر کر دیئے۔

پھر رعد شاہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو اسلام کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا اے میرے مولا' میں تیرے دین میں آتا ہوں' اگر وہ سچا اور اچھا دین نہ ہوتا تو تو ہم پر ہرگز غالب نہ آتا۔ پھیلا اپنا ہاتھ اوڑ میں اقرار کرتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی عبادت کے قابل سوائے اللہ کے اور ابراہیم خلیل علیہ السلام ' اللہ کے رسول ہیں۔ غریب اس کے اسلام کے آنے پر بڑا خوش ہوا اور اس سے پوچھا کہ اسلام کی مٹھاس تیرے دل میں بیٹھ گئی؟ اس نے کہا ہاں اے میرے مولا۔ غریب نے کہا اے رعد شاہ! کیا تو اپنے ملک اور وطن کو جانا چاہتا ہے؟ وہ بولا اے بادشاہ' میرا باپ مجھے مار ڈالے گا۔ کیونکہ میں اس کے مذہب سے نکل گیا ہوں۔ غریب نے میں تیرے ساتھ چلوں گا اور تجھے اس طرح ملک کا بادشاہ بناؤں گا کہ کریم اور سخی خدا کی مدد سے سارا ملک اور تمام رعایا تیری فرمانبرداری کرے۔ رعد شاہ نے اس کے ہاتھ پاؤں چومے۔ اب غریب نے اس شخص کو بہت کچھ مال عطا کیا جس کے مشورے سے دشمن ہارا تھا۔
اور کیلجان اور قورجان کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے جنو! وہ بولے ہم حاضر ہیں۔ غریب نے کہا میں چاہتا ہوں' تم مجھے ہند لے چلو۔ انہوں نے کہا سر آنکھو ں سے۔ قورجان نے جمرقان اور سعدان کو اپنے اوپر بٹھایا' کیلجان نے غریب اور رعد شاہ کو اور ہند کی طرف چل دیئے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو پینسٹھ ویں رات

چھ سو پینسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ دونوں جن غریب' جمرقان' سعدان اور رعد شاہ کو لے کر سورج ڈوبتے ہند کی طرف روانہ ہوئے تھے اور ابھی پچھلی رات نہ ہونے پائی تھی کہ کشمیر پہنچ گئے۔ جنوں نے انہیں محل کے اوپر اتر دیا اور وہ زینے سے نیچے اترے۔ طرکنان کو بھاگے ہوؤں کی زبانی خبر پہنچ چکی تھی کہ اس کے بیٹے اور لشکر پر کیا گزری ہے' وہ کس مصیبت میں گرفتار ہیں اور یہ کہ نہ اس کا بیٹا سوتا ہے' نہ اسے کسی چیز میں مزہ آتا ہے۔ وہ اسی سوچ میں بیٹھا ہوا تھا کہ یہ لوگ آ پہنچے۔ بادشاہ اپنے بیٹے اور اس کے ساتھیوں اور جنوں کو دیکھ کر ہکا بکا ہو گیا۔ رعد شاہ نے باپ کی طرف مخاطب ہو کر کہ اے غدار! اے آگ کے پجاری! آخر کہاں تک! تف ہو تجھ پر! چھوڑ دے آگ کی پوجا اور اس خدا کی پرستش کر جو زبردست' دن اور رات کا پیدا کرنے والا ہے' جسے آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ جب اس کے باپ نے یہ باتیں سنیں تو اس کی طرف اپنا گرز پھینک کر مارا جو اس کے ہاتھ میں تھا لیکن نشانہ خطا ہو گیا' گرز جا کر کھمبے میں لگا اس کے تین پتھر ٹوٹ گئے اور کہنے لگا اے کتے! تو نے لشکر تباہ کر دیا' اپنا مذہب کھو دیا اور اب میرا دین مجھ سے چھڑانے آیا ہے۔ غریب نے بڑھ کر اس کی گدی پر ایسا مکا مرا کہ وہ گر پڑا۔ کیلجان اور قورجان نے اس کی مشکیں باندھ دیں۔ محل والے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب غریب شاہی کرسی پر بیٹھا اور رعد شاہ سے کہا کہ اپنے باپ کا تو ہی فیصلہ کر۔ رعد شاہ نے باپ کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے گمراہ بڈھے' اسلام لے آ تا کہ دوزخ اور خدا کے عذاب سے بچ جائے۔ طرکنان نے کہا' میں سوائے اپنے دین کے کسی اور دین پر نہیں مرنا چاہتا۔ یہ سن کر غریب نے اپنی تلوار ماحق کھینچ لی اور ایسا وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔ خدا نے اس کی روح کو فوراً دوزخ

میں پہنچا دیا جو رہنے کی بری جگہ ہے۔ اس کے بعد غریب نے حکم دیا کہ اسے محل کے دروازے پر لٹکا دیا جائے۔ انہوں نے اسی طرح لٹکایا کہ ایک حصہ دہنی اور دوسرا بائیں طرف اور وہ سو گئے۔

صبح ہوئی تو غریب نے رعد شاہ سے کہا شاہی لباس پہن اور وہ پہن کر تخت پر بیٹھا' غریب اس کے دہنی طرف بیٹھا' کیلجان' قورجان' جمرقان اور سعدان ادھر ادھر کھڑے ہو گئے۔ غریب نے ان سے کہا کہ جو امیر آئے اسے باندھ لو' کوئی بچ کر نکلنے نہ پائے۔ انہوں نے کہا سر آنکھوں پر۔ اب سردار اپنے گھروں سے نکل نکل کر بادشاہ کے سلام کو محل میں آنے لگے۔ پہلے جو شخص آیا' ایک بڑا سردار تھا۔ یہ دیکھ کر کہ بادشاہ کی لاش دو ٹکڑوں میں لٹکی ہوئی ہے' ڈر گیا۔ کیلجان اس کی طرف بڑھا۔ اس کا گریبان پکڑ کر کھینچا اور گرا کر اس کی مشکیں باندھ لیں۔ پھر اسے محل کے اندر لے جا کر رسی سے باندھا اور کھینچتا لے گیا۔ ابھی سورج نکلنے بھی نہ پایا تھا کہ اس نے تین سو پچاس سرداروں کو باندھ کر غریب کے سامنے لا کھڑا کیا۔ غریب نے کہا تم نے دیکھا تمہارا بادشاہ محل کے دروازے پر لٹکا ہوا ہے؟ انہوں نے پوچھا کہ یہ حرکت اس کے ساتھ کس نے کی؟ غریب نے کہا' خدا کی مدد سے میں نے اس کی یہ گت بنائی ہے اور جو کوئی بھی میری مخالفت کرے گا' اس کی یہی گت بنے گی۔ انہوں نے پوچھا تو ہم سے کیا چاہتا ہے؟ غریب نے جواب دیا میں عراق کا بادشاہ ہوں' میں نے تمہارے سورماؤں کو تباہ کیا ہے۔ رعد شاہ اسلام میں داخل ہو گیا ہے اور پورا بادشاہ ہو کر تمہارا حاکم بن گیا ہے۔ تم بھی مسلمان ہو جاؤ تا کہ بچ جاؤ' اگر مخالفت کرو گے تو پشیمان ہو گے۔ سب نے شہادت کا کلمہ پڑھا اور نیک بختوں میں داخل ہو گئے غریب نے پوچھا' تمہارے دلوں میں اسلام کی مٹھاس بن گئی؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اس نے حکم دیا کہ ان کی مشکیں کھول دو۔ مشکیں کھول دی گئیں اور غریب نے انہیں خلعت دیئے۔ پھر ان سے کہا کہ اپنے اپنے قبیلوں میں جا کر ان کے سامنے اسلام پیش کرو جو اسلام لے آئے' اسے چھوڑ دو اور جو انکار کرے' اسے قتل کر ڈالو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چھ سو چھیاسٹھ ویں رات

چھ سو چھیاسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ غریب نے ان سے کہا کہ جو اسلام لے آئے' اسے چھوڑ دو اور جو انکار کرے' اسے قتل کر ڈالو۔

انہوں نے جا کر تمام لوگوں کو جمع کیا جو ان کے ماتحت اور محکوم تھے۔ ان سے سارا قصہ بیان کیا' پھر اس کے سامنے اسلام پیش کیا اور سوائے چند لوگوں کے سب مسلمان ہو گئے۔ جو مسلمان نہیں ہوئے' انہیں قتل کر دیا اور اس کی خبر غریب کو دی۔ وہ بہت خوش ہوا اور اس نے خدا کی حمد و ثنا کی اور کہا شکر ہے خدا کا کہ اس نے بغیر لڑائی کے یہ مرحلہ طے کرا دیا۔ غریب نے کشمیر میں چالیس دن ٹھہر کر ملک کا انتظام کیا اور آتش خانے توڑ کر ان کی جگہ چھوٹی بڑی مسجدیں بنوائیں۔ رعد شاہ نے اس کے لئے اتنے اور ایسے ایسے ہدیئے اور تحفے تیار کرائے جن کی نہ گنتی ہو سکتی ہے' نہ تعریف اور انہیں جہازوں میں رکھوا کر روانہ کر دیا۔ اس کے بعد غریب کیلجان پر سوار ہوا' سعدان اور جمرقان قورجان پر' اور رخصت ہو کر چل دیئے۔ پچھلی رات تک چلنے کے بعد ابھی سویرا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ عمان پہنچ گئے۔ لوگ آ کر ان سے ملے۔ انہیں سلام کیا اور دیکھ کر خوش ہوئے۔

جب غریب کوفے کے دروازے پر پہنچا تو اس نے حکم دیا کہ اس کا بھائی عجیب بلایا جائے۔ وہ حاضر کیا گیا تو غریب نے حکم دیا کہ اسے پھانسی پر چڑھا دو۔ سہیم اس کے لئے لوہے کے کانٹے لایا اور اس کی ایڑی میں لگا دیئے۔ پھر لوگ اسے کوفے کے دروازے پر لٹکا آئے۔ غریب نے حکم دیا کہ اس پر تیر چلائے جائیں اور لوگوں نے اتنے تیر مارے کہ وہ پہچانا نہیں جاتا تھا۔ اس کے بعد غریب کوفے میں داخل ہوا' اپنے محل میں جا کر شاہی تخت پر بیٹھا اور حکومت کے معاملات طے کرتا رہا یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا۔ وہاں سے اٹھ کر وہ حرم سرا میں گیا۔ کوب الصباح نے اٹھ کر اسے

گلے لگایا اور تمام کنیزوں نے اس کی سلامتی پر مبارک باد دی۔ وہ دن بھر اور رات بھر کوکب الصباح کے ساتھ رہا۔ صبح ہوئی تو اس نے اٹھ کر غسل کیا۔ فجر کی نماز پڑھی اور شاہی تخت پر بیٹھ کر مہدیہ کی شادی کی تیاری کرنے لگا۔ تین ہزار بھیڑیں' دو ہزار گائیں' ایک ہزار بکرے' پانچ سو اونٹ' چار ہزار مرغیاں' بے شمار بطخیں اور پانچ سو گھوڑے ذبح کیے۔ ایسی شادی اسلام میں کبھی پہلے نہ ہوئی تھی۔ غریب نے مہدیہ کے ساتھ ہم بستر ہو کر اس کی بکارت زائل کی اور دس دن تک کوفے میں ٹھہرا۔ اس کے بعد اس نے اپنے چچا سے کہا کہ رعیت کے ساتھ انصاف سے پیش آئے' اپنی بیویوں اور بہادروں کو لے کر ہدیوں اور تحفوں کی کشتیوں کے پاس گیا اور جو کچھ ان میں تھا سب اپنے لشکر میں تقسیم کر دیا۔ بہادروں کو اتنا مال دیا کہ وہ امیر ہو گئے' آگے چل کر وہ بابل پہنچے۔ غریب نے سہیم کو خلعت عطا کر کے اسے وہاں کا بادشاہ بنا دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو سڑسٹھ ویں رات

چھ سو سڑسٹھ ویں رات ہوئی اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ اپنے بھائی سہیم کو بابل کا بادشاہ بانے کے بعد غریب دس دن وہاں ٹھہرا اور پھر چل کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے سعدان دیو کے قلعے میں پہنچا وہاں پانچ دن آرام لے کر کیلجان اور قورجان سے کہا کہ اسبانیرلمدائن کی طرف روانہ ہو جاؤ' کسریٰ کے محل میں جا کر فخر تاج کی خبر لاؤ اور بادشاہ کے عزیزوں میں سے ایک شخص کو لیتے آؤ جو مجھ سے سارا ماجرا بیان کرے۔ وہ اسبانیہ المدائن کو روانہ ہو گئے۔ ابھی آسمان اور زمین کے درمیان اڑ رہی رہے تھے کہ انہیں موج زن سمندر کی طرح ایک لشکر آتا ہوا نظر آیا۔ کیلجان نے قورمان سے کہ چل دیکھیں تو سہی یہ کیسا لشکر ہے۔ وہ اتر کر لشکر میں پہنچے۔ دو عجمیوں کو دیکھ کر ایک سے پوچھا یہ کس کا لشکر ہے؟ اور کہا جا رہا ہے؟ اس نے کہا ہم غریب اور اس کے تمام ساتھیوں کو قتل کرنے جا رہے ہیں۔ یہ سن کر دونوں جن ان کے سردار کے خیمے کی طرف گئے جس کا نام رستم تھا اور انتار کرنے لگے کہ عجمی اپنی خواب گاہوں میں اور رستیم اپنے تخت پر سو جائے۔ جب سب سو گئے تو دونوں نے رستم کا تخت اٹھایا اور اسے لے کر مورچے سے نکل گئے۔ ابھی آدھی رات بھی نہ ہونے پائی تھی کہ وہ بادشاہ غریب کی خیمہ گاہ میں جا اترے اور خیمے کے دروازے کے پا پہنچ کر کہا کیا اجازت ہے؟ یہ سن کر غریب اٹھ بیٹھا اور کہا اندر آؤ۔ وہ تخت کو لئے ہوئے اندر گئے جس پر رستم سو رہا تھا۔ غریب نے ان سے پوچھا یہ کون ہے؟ وہ بولے یہ عجم کا ایک بہت بڑا سردار ہے' بہت لاؤ لشکر لے کر آیا ہے اور چاہتا ہے کہ تجھے اور تیری قوم کو قتل کر ڈالے۔ ہم اسے تیرے پاس لے آئے ہیں' تجھے جو پوچھنا ہو اس سے پوچھ لے۔ غریب نے حکم دیا۔ سو بہادروں کو بلا لاؤ۔ وہ آ گئے تو اس نے

کہا کہ اپنی تلواریں کھینچ کر اس عجمی کے سر پر کھڑے ہو جاؤ۔ انہوں نے ایسا ہی کیا جیسا کہ انہیں حکم دیا گیا تھا اور اسے جگایا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا

کہ سر پر تلواروں کی بجلیاں چمک رہی ہیں۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور کہنے لگا' میں کیسا برا خواب دیکھ رہا ہوں۔ کیلجان نے اپنی تلوار کی نوک چبھو دی' رستم اٹھ بیٹھا اور بولا' میں کہاں ہوں؟ کیلجان نے کہا تو عجم کے بادشاہ کے داماد بادشاہ غریب کے سامنے ہے۔ تیرا کیا نام ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ غریب کا نام سن کر رستم سوچ میں پڑ گیا اور اپنے دل میں کہا میں سو رہا یا جاگ رہا ہوں؟ سہیم نے اس کے ایک مکا مارا اور کہا جواب کیوں نہیں دیتا؟ رستم نے اپنا سر اٹھایا اور پوچھا کہ مجھے یہاں کون لے آیا ہے؟ میں تو اپنے خیمے کے اندر اپنی فوج کے ساتھ تھا؟ غریب نے کہا کہ یہ دونوں جن تجھے لے آئے ہیں۔ جونہی اس کی نظر کیلجان اور قورجان پر پڑی تو اس نے اپنا منہ ڈھانپ لیا لیکن انہوں نے اس کی طرف بڑھ کر دانت نکالے اور تلواریں کھینچ کر کہا' آگے بڑھ کر بادشاہ غریب کے سامنے زمین چومتا ہے یا نہیں؟ وہ جنوں کو دیکھ کر سہم گیا اور سے یقین آ گیا کہ وہ نیند میں نہیں ہے۔ اس نے اٹھ کر زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگا اے بادشاہ! آگ تجھ میں برکت دے اور تیری عمر بڑھائے! غریب نے کہا اے عجمی کتے! آگ پرستش کے قابل نہیں' اس سے نقصان ہی نقصان ہے' فائدہ ہے تو محض اتنا کہ اس سے کھانا پک سکتا ہے۔ رستم نے کہا تو پھر کون پرستش کے قابل ہے؟ غریب نے کا پرستش کے قابل محض اللہ ہے جس نے تجھے پیدا کیا' تیری صورت شکل بنائی اور آسمان زمین پیدا کیے۔ عجمی نے کہا میں کیا کلمہ پڑھوں کہ اس پروردگار کے جتھے میں میری گنتی ہو اور تمہارے دین میں مل جاؤں؟ غریب نے کہا کہہ "نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور ابراہم علیہ السلام اللہ کے دوست ہیں۔"

اس نے شہادت کا کلمہ پڑھا اور اس کا شمار نیک بختوں میں ہو گیا۔ اب اس نے غریب

سے کہا اے میرے مولا! تیرا خسرباد شاہ تیرے خون کا پیاسا ہو گیا۔ اس نے مجھے ایک لاکھ کا لشکر دے کر بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ تجھے اور تیرے ساتھیوں میں سے ایک

کو بھی زندہ نہ چھوڑوں۔ یہ سن کر غریب بولا کیا یہ اس بات کا بدلہ ہے کہ میں نے اس کی بیٹی کو مصیبت اور ہلاکت سے بچایا ہے؟ خدا اس کی بد نیتی کی سزا دے گا لیکن یہ تو تا کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا رستم شاپور کا سردار۔ غریب نے کہا' اسی طرح میرے لشکر کا بھی سردار ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا اے رستم! شہزادی فخر تاج کا کیا حال ہے؟ وہ بولا جہاں پناہ! تو سلامت رہے' وہ تو مر گئی۔ غریب نے کہا' اس کے مرنے کا کیا سبب ہوا؟ رستم نے کہا جب تو اپنے بھائی کی طرف روانہ ہوا تو تیرے خسر بادشاہ شاپور کی ایک کنیز نے اس کے پاس آ کر پوچھا' اے بادشاہ کیا تونے حکم دیا تھا کہ غریب میری شہزادی فخر تاج کے پاس آ کر سوئے؟ اس نے جواب دیا آگ کی قسم میں نے حکم نہیں دیا اور تلوار کھینچ کر اس کے پاس گیا' اس سے کہا اے بد ذات تونے اس بدو کو اپنے پاس کیوں سونے دیا حالانکہ نہ تو اس نے مہر ادا کیا نہ ولیمہ دیا؟ شہزادی نے کہا ابا جان تونے ہی تو اسے حکم دیا تھا کہ میرے ساتھ سوئے۔ بادشاہ نے پوچھا اس نے اور بھی کچھ کیا تھا؟ شہزادی چپ ہو گئی اور اپنا سر جھکا لیا۔ بادشاہ نے دائیوں اور لونڈیوں کو بلا کر کہا اس چھنال کی مشکیں باندھ دو اور اس کی شرم گاہ کے اندر دیکھو۔ انہوں نے اس کی مشکیں باندھ دیں اور اس کی شرم گاہ کے اندر دیکھ کر کہا' اے بادشاہ! اس کی بکارت زائل ہو چکی ہے۔ بادشاہ اس کی طرف جھپٹا اور چاہتا تھا کہ اسے قتل کر ڈالے لیکن اس کی ماں نے اسے روک لیا اور کہا اے بادشاہ! اسے قتل نہ کرو ورنہ یہ دھبہ ہمیشہ کے لئے تیرے اوپر رہے گا۔ بہتر ہے کہ اسے ایک کال کوٹھڑی میں بند کر دے تا کہ وہ وہاں مر جائے اور بادشاہ نے اسے قید کر دیا۔ جب رات ہوئی تو اس نے شہزادی کو نکال کر اپنے دو مصاحبوں کے ساتھ کر دیا۔ ان سے کہا کہ اسے یہاں سے لے جا کر جیحوں

دریا میں ڈال آؤ' کسی کو کانوں کان خبر نہ کرنا۔ انہوں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی' اور اب تو لوگ اسے بھول بھی گئے ہیں' کسی کو اس کی یاد نہیں آتی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو اڑسٹھ ویں رات

چھ سو اڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ .... رستم نے کہا فخر تاج بادشاہ کے حکم سے دریا میں ڈبو دی گئی ہے تو غریب کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا' اس کی حالت ابتر ہو گئی' وہ کہنے لگا کہ خلیل کی قسم! میں ضرور اس کتے کو تباہ کر دوں گا اور اس کا ملک خراب کر دوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے جمرقان ' میا فارقین اور موصل کے بادشاہوں کو خط لکھے اور رستم سے مخاطب ہو کر کہا کہ تیرے ساتھ کتنا لشکر ہے؟ اس نے کہا میرے ساتھ ایک لاکھ عجمی سوار ہیں۔ غریب نے کہا' دس ہزار لشکر لے کر اپنے لوگوں کی طرف جا اور انہیں جنگ میں مشغول رکھ۔ میں تیرے پیچھے پیچھے آتا ہوں۔ رستم غریب کے دس ہزار سوار لے کر روانہ ہو گیا اور اپنے دل کہنے لگا کہ میں ایسا کام کروں گا جس سے بادشاہ غریب کے آگے میرا منہ اجلا ہو۔ سات دن چلنے کے بعد جب رستم عجمی لشکر کے قریب پہنچا اور ان کے درمیان صرف آدھے دن کی راہ باقی رہ گئی تو اس نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور ان سے کہا کہ لشکر کو چاروں طرف سے گھیر لو اور تلواریں لے کر ہلہ بول دو۔ عشا کے وقت سے لے کر آدھی رات تک چلنے کے بعد وہ لشکر کے چاروں طرف پھیل گئے۔ رستم کے غائب ہو جانے کے بعد عجمی لشکر کو کسی بات کا اندیشہ نہ تھا۔ مسلمانوں نے حملہ کر کے اللہ اکبر کا نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ عجمی نیند سے چونک پڑے' ان پر تلواریں چلنے لگیں' ان کے قدم ڈگمگانے لگے۔ خدا ان سے ناراض ہوا اور رستم نے وہ کام کیا جو آگ سوکھی لکڑی کے ساتھ کرتی ہے۔ ابھی رات ختم ہونے بھی نہ پائی تھی کہ عجمی لشکر کچھ تو مارا گیا' کچھ بھاگ کھڑا ہوا' کچھ زخمی ہو گیا اور مسلمانوں کے ہاتھ سامان' خیمے' مال و دولت' گھوڑے اور ہاتھی لگے۔ اس کے بعد انہوں نے عجمیوں

میں اتر کر آرام یا۔ یہاں تک کہ غریب آ پہنچا۔ رستم کی کاروائی دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ رستم کو خلعت عطا کیا اور اس سے کہا' اے رستم! تو نے عجمیوں کو شکست

دی ہے لہٰذا غنیمت کا تمام مال تیرا ہے۔ رستم نے بادشاہ کے ہاتھ چومے اور اس کا شکر گزار ہوا اور سب لوگ دن بھر آرام کرتے رہے۔

اس کے بعد وہ عجم کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ اس مدت میں بھاگے ہوئے لوگ وہاں پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے بادشاہ شاپور کے پاس جا کر اپنا دکھڑا رویا تھا۔ شاپور نے ان سے پوچھا کہ کس نے تمہارے اوپر یہ بلا ڈھائی ہے؟ انہوں نے سارا ماجرا بیان کیا اور یہ کہ ان کے اوپر رات کے وقت چھاپہ مارا گیا۔ شاپور نے پوچھا' تم پر کس نے حملہ کیا؟ انہوں نے کہا سوائے تیرے سردار کے اور کون ہو سکتا ہے کیونکہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ غریب تو ہمارے پاس آیا بھی نہیں۔ جب بادشاہ نے یہ سنا تو اس نے اپنا تاج زمین پر پھینک دیا اور کہنے لگا کہ اب ہم لوگوں کی قدر و قیمت بالکل جاتی رہی ہے۔ پھر اس نے اپنے بیٹے ورد شاہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا' بیٹا یہ کام سوائے تیرے اور کسی سے نہیں ہو گا۔ ورد شاہ نے کہا قسم ہے تیری جان کی' میں غریب کی فوج کو تباہ کر کے اسے اور اس کے سرداروں کو باندھ کر لے آؤں گا۔ اس نے اپنے لشکر کی جانچ پڑتال کی تو ان کی تعداد دو لاکھ بیس ہزار نکلی۔ رات انہوں نے سفر کی نیت میں گزاری۔ صبح کو کوچ کرنے ہی والے تھے کہ انہیں گرد اٹھتی دکھائی دی جو چاروں طرف چھا گئی اور جس کی وجہ سے کچھ دکھاء نہ دیتا تھا۔ بادشاہ شاپور اپنے بیٹے سے رخصت ہونے کے لئے سوار کھڑا تھا۔ اس نے یہ گرد و بار دیکھا تو ایک پیادے کو بلا کر کہا' جا کر اس گرد کے اڑنے کی خبر لا۔ وہ جا کر لوٹا اور یہ خبر سنائی کہ غریب اور اس کے بہادر آ پہنچے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے سامان اتار دیا اور لڑائی کے لئے صفیں باندھ لیں۔ جونہی غریب اسابنیرالمدائن پہنچا اور اس کی نظر عجمیوں پر پڑی تو اس نے اپنے لشکر کو للکا کر کہا' حملہ کر دو' خدا تمہیں برکت دے! وہ جھنڈے ہلانے لگے اور عرب اور عجم میں مڈ بھیڑ ہو گئی۔ ایک گروہ دوسرے پر ٹوٹ پڑا اور

خون کی ندیاں بہنے لگے اور لوگوں کی آنکھوں کے آگے پھر موت پھرنے لگے۔ لڑائی نے یہاں تک طول کھینچا کہ دن ختم ہو گیا' علیحدگی کے نقارے بجنے لگے اور لشکر ایک

دوسرے سے جدا ہو گئے۔ بادشا شاپور نے حکم دیا کہ شہر کے دروازے پر خیمے لگائے جائیں۔ بادشاہ غریب نے بھی عجمیوں کے خیموں کے سامنے اپنے خیمے لگوائے اور دونوں بادشاہ اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو انہترویں رات

چھ سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ دونوں بادشاہ اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے اور رات بھر وہیں رہے۔ سویرا ہوا تو لوگ اپنے اپنے مضبوط گھوڑوں پر سوار ہو گئے' نعرے لگنے لگے' برچھے اٹھا لئے گئے' زرہ بکتر پہن ہر بہادر اور سورما نکل کھڑا ہوا۔ جو شخص سب سے پہلے میدان میں نکلا' رستم تھا۔ اپنا گھوڑا بیچ میدان میں لا کر اس نے کہا' میں عرب اور عجم کے سورماؤں کا سردار رستم ہوں۔ ہے کوئی جنگجو' ہے کوئی جنگ آور' آج کوئی ست اور کمزور میرے مقابلے میں نہ آئے۔ یہ سن کر عجمیوں میں سے طومان نکلا اور آتے ہی ایک نے دوسرے پر حملہ کر دیا' دونوں میں سخت خوف ناک وار ہونے لگے۔ رستم نے جھپٹ کر اپنے دشمن پر ایک گرز مارا جس کا وزن تیس سیر سے زیادہ تھا۔ اس کا سر سینے میں دھنس گیا اور وہ مردہ ہو کر خون میں ڈوب کر زمین پر گر پڑا۔ بادشاہ شاپور کو بڑا صدمہ ہوا' اس نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ حملہ کر دو۔ وہ ایک ساتھ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ روشنی دینے والے سورج کی مدد مانگنے لگے اور مسلمانوں نے خدا سے دعا کی وہ ان کی مدد کرے' لیکن عجمیوں کی تعداد عربوں سے زیادہ تھی' انہوں نے بہت عربوں کو قتل کیا۔ یہ دیکھ کر غریب نے نعرہ مارا اور ہمت کر کے اپنی تلوار ماحق جو یافث کی تلوار تھی' کھینچ لی اور عجمیوں پر پل پڑا۔ کیلجان اور قورجان اس کی رکاب کے ساتھ تھے' وہ اپنی تلوار لئے آگے بڑھتا چلا گیا' یہاں تک کہ علمبردار کے پاس پہنچ کر اس زور سے چپٹی تلوار ماری کہ وہ غش کھا کر زمین پر گیا گیا اور دونوں جن اسے اٹھا کر اپنی خیمہ گاہ میں لے گئے۔ جب عجمیوں نے دیکھا کہ ان کا جھنڈا گر گیا تو وہ دم دبا کر بھاگے اور شہر کے دروازے کی راہ لی۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور تلواریں لئے دروازے تک پہنچ گئے۔ دروازے میں عجمیوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی' ان میں سے اتنے مارے گئے

کہ دروازہ بند نہ ہو سکا' رستم جمرقان' سعدان' سہیم' دامغ' کیلجان' قورجان تمام مسلمان سور ماؤں اور موحد مسلمانوں نے دروازے ہی میں کافر عجمیوں پر حملہ کر دیا۔ کافروں کا خون گلیوں میں لہریں مارنے لگا اور وہ امان! امان! چلانے لگے۔ مسلمانوں نے تلواریں روک لیں' کافروں نے ہتھیار ڈال دیئے اور مسلمان انہیں باندھ کر خیمہ گاہ میں کھینچتے ہوئے لے گئے

غریب نے اپنے خیمے میں پہنچ کر ہتھیار ڈال دیئے ' کافروں کاخون دھونے کے بعد شاہی لباس پہن لیا اور تخت پر بیٹھ کر عجم کے بادشاہ کو طلب کیا۔ لوگ اسے لے آئے اور غریب کے آگے لا کر کھڑا کر دیا۔ اس نے کہا اے عجمی کتے' تو نے اپنی بیٹی کے ساتھ یہ کیا حرکت کی؟ تو نے یہ کیونکر سمجھا کہ میں اس کا شوہر بننے کے قابل نہیں ہوں؟ وہ بولا اے بادشاہ! میرے کرتوت پر ناراض نہ ہو' میں اس پر پچھتا چکا ہوں اور اب جو میں تجھ سے لڑنے آیا اس کی وجہ یہی ہے کہ میں تجھ سے ڈرتا تھا۔ جب غریب نے یہ سنا تو اس نے حکم دیا کہ اسے لٹا کر مارو' لوگوں نے حکم کے بہ موجب اسے اتنا مارا کہ اس کا سانس رک گیا۔ پھر اسے دوسرے قیدیوں میں لے جا کر ڈال دیا۔ اس کے بعد اس نے عجمیون کو بلا کر ان کے آگے اسلام پیش کیا' ایک لاکھ بیس ہزار نے اسلام قبول کر لیا' باقیوں کا کام تلواروں نے تمام کر دیا۔ شہر کے رہنے والے سب مسلمان ہو گئے اور غریب بڑے جلوس کے ساتھ سوار ہو کر اسابنیر المدائن پہنچا' عجم کے بادشاہ شاپور کی کرسی پر بیٹھا' لوگوں کو خلعت دیئے' بخششیں کیں' غنیمت کا مال اور سونا تقسیم کیا۔ عجمیوں کو بھی بہت کچھ دیا جس کی وجہ سے وہ اس سے محبت کرنے لگے۔ اسے کامیابی' عزت اور بقا کی دعا دی۔ فخر تاج کی ماں اپنی بیٹی کو یاد کر کے رونے لگی اور محل میں کہرام مچ گیا۔ یہ سن کر غریب ان کے پاس گیا اور پوچھا کہ تم لوگ کیوں روتے ہو؟ فخر تاج کی ماں نے آگے بڑھ کر کہا اے میرے آقا! تیرے آنے سے مجھے اپنی بیٹی یاد آ گئی' مجھے خیال آیا کہ اگر وہ زندہ ہوتی تو

کیسی خوش ہوتی۔ غریب اس کی یہ حالت دیکھ کر رونے لگا اور تخت پر بیٹھ کر اس نے کہا کہ شاپور کو حاضر کرو۔ وہ بیڑیوں میں جکڑا ہوا لایا گیا۔ غریب نے پوچھا' اے عجمی

کتے' آخر تو نے اپنی بیٹی کو کیا کیا۔ اس نے جواب دیا میں نے فلاں فلاں کے حوالے کر کے کہا تھا کہ اسے جیحون میں پھینک آؤ۔ غریب نے ان دونوں شخصوں کو بلا کر کہا کہ جو کچھ یہ کہتا ہے' سچ ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں' لیکن اے بادشاہ! ہم نے اسے ڈبویا نہیں بلکہ اس پر رحم کھا کر اسے جیحون کے کنارے چھوڑ دیا اور اس سے کہا کہ جان بچا کر بھاگ جا' مگر شہر میں ہرگز نہ آئیو ورنہ بادشاہ تجھے مار ڈالے گا اور ہماری بھی خیر نہیں۔ بس ہم اس قدر جانتے ہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو سترویں رات

چھ سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب غریب نے سنا کہ دونوں شخص اسے دریا کے کنارے چھوڑ آئے ہیں تو اس نے نجومیوں کو بلا کر کہا کہ رمل کی تختی بچھا کر دیکھو کہ وہ زندہ ہے یا مر گئی۔ نجومیوں نے تختی بچھا کر کہا جہاں پناہ! ہمیں معلوم ہوتا کہ ملکہ زندہ ہے' اس کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ دونوں جنوں کے ایک قبیلے میں ہیں اور وہ بیس سال تک تجھ سے جدا رہے گی' حساب کر کہ تو نے کتنے سال باہر گزارے ہیں؟ غریب نے حساب کر کے معلوم کیا کہ آٹھ سال ہوئے اور لاحول پڑھنے لگا۔ اس کے بعد اس نے مختلف قلعوں اور گڑھیوں میں قاصد بھیجے جو شاپور کے ماتحت تھیں اور وہاں کے سب لوگ فرمانبردار ہو کر اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ایک دن وہ اپنے محل میں بیٹھا ہوا تھا کہ غبار اٹھا جس نے چاروں طرف چھا کر اندھیرا کر دیا۔ غریب نے کیلجان اور قورجان کی آواز دی اور کہا کہ جا کر اس غبار کی وجہ دریافت کرو۔ دونوں جن گئے' غبار کے اندر پہنچ کر ایک سوار کو اٹھا لائے اور غریب کے سامنے کھڑا کر دیا۔ غریب نے اس سے پوچھا کہ یہ کس کا لشکر ہے؟ اس نے کہا اے بادشاہ! شیراز کا بادشاہ ورد شاہ ہے جو تجھ سے لڑنے آ رہا ہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب شاپور اور غریب کے درمیان لڑائی ہوئی اور اس کا جو حشر ہوا' معلوم ہے تو شاپور کا بیٹا اپنے باپ کچھ لشکر لے کر شیراز پہنچا' بادشاہ ورد شاہ کے پاس حاضر ہو کر اس نے زمین چومی اور اس کے آنسو رخساروں پر بہنے لگے۔ بادشاہ نے کہا' اے لڑکے! سر اٹھا اور اپنے رونے کی وجہ بیان کر۔ شہزادے نے کہا' اے بادشاہ! عرب کے ایک بادشاہ نے ہم پر حملہ کر دیا ہے' اس کا نام غریب ہے۔ اس نے میرے باپ کے ملک پر قبضہ کر لیا ہے اور عجمیوں کو مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک بیان کیا۔ شاپور کے بیٹے کی

باتیں سن کر ورد شاہ نے پوچھا کہ میری بیوی تو خیریت سے ہے؟ شہزادے نے کہا کہ اسے بھی غریب لے گیا ہے۔ بادشاہ نے کہا' اپنے سر کی قسم!! میں کسی بدو یا مسلمان

کو دنیا کے پردے پر نہ چھوڑوں گا۔ اس کے بعد اس نے خط لکھ کر اپنے تابعوں کے نام بھیجے۔ وہاں سے لشکر آ گئے۔ بادشاہ نے ان کو گنا تو ان کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ اب اس نے اسلحہ خانے کھول دیئے' لوگوں کو زرہ بکتر اور ہتھیار تقسیم کر کے ان کے ساتھ روانہ ہو گیا اور اسابنیر المدائن پہنچ کر شہر کے دروازے کے سامنے ڈیرے ڈال دیئے۔

کیلجان قورجان نے بڑھ کر غریب کا گھٹنا چوما اور کہا' اے ہمارے مولا! مہربان کر کے یہ لشکر ہمارے حصے میں دے دے۔ اس نے کہا اچھا جاؤ' دے دیا۔ دونوں جن اڑ کر ورد شاہ کے خیمے پہنچے' دیکھا کہ وہ شاہی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ شاپور کا بیٹا اس کے دہنے ہاتھ پر ہے۔ دوسرے سردار آس پاس دو صفوں میں کھڑے ہیں اور مسلمانوں کے قتل کا مشورہ ہو رہا ہے۔ کیلجان نے آگے بڑھ کر شاپور کے بیٹے کو اور قورجان نے ورد شاہ کو اٹھا لیا اور انہیں لے کر غریب کے پاس آ پہنچے۔ غریب نے حکم دیا کہ انہیں اتنا مارو کہ بے ہوش ہو جائیں۔ اس کے بعد دونوں جن لوٹ کر گئے۔ اور اپنی تلواریں کھینچ لیں۔ وہ تلواریں ایسی تھیں کہ انہیں کوئی اٹھا بھی نہ سکتا تھا۔ انہیں لے کر وہ کافروں پر پل پڑے اور خدا ان کی روحوں کو جلد از جلد دوزخ میں بھیجنے لگا جو رہنے کی طری جگہ ہے۔ کافروں کو صرف یہ دکھائی دیتا تھا کہ دو تلواریں ہیں جو چمک چمک کر لوگوں کو کھیتی کی طرح کاٹ رہی ہیں' مگر کوئی تلوار چلانے والا دکھائی نہ دیتا تھا۔ کافر یہ دیکھ کر اپنے خیموں میں سے نکلے اور گھوڑوں پر بے زین کے سوار ہو کر بھاگے۔ جن دو دن ان کا پیچھا کرتے رہے۔ ان میں سے بہت سوں کو قتل کرنے کے بعد لوٹے اور آ کر غریب کے ہاتھ چومے۔ غریب نے ان کی کارگزاری پر ان کا شکریہ ادا کیا اور ان سے کہا کہ یہ غنیمت کا مال تمہارا ہے' اس میں کوئی تمہارے ساجھے دار نہیں بنے گا۔ انہوں نے اسے دعائیں دیں جا کر اپنا مال جمع کیا اور اپنے

گھر جا کر اطمینان سے بیٹھ گئے۔ یہ تو غریب اور اس کے لوگوں کا ماجرا ہوا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کے اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چھ سو اکہترویں رات

چھ سو اکہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ اب کافروں کا ماجرا سنئے۔ وہ بھاگتے بھاگتے شیراز پہنچے اور مقتولوں کا ماتم کرنے لگے۔ بادشاہ ورد شاہ کا ایک بھائی تھا جسے سیران ساحر کہتے تھے اور جس سے بڑا جادوگر اس دنیا میں کوئی نہ ہو گا۔ وہ اپنے بھائی سے الگ ایک قلعے میں رہا کرتا تھا جہاں بہت سے کرخت' چشمے چڑیاں اور پھول تھے' اس قلعے اور شیراز کے درمیاں آدھے دن کی راہ تھی۔ لوگ بھاگتے ہوئے وہاں پہنچے اور روتے پیٹتے سیران ساحر کے پاس گئے۔ اس نے پوچھا تم کیوں روتے ہو؟ انہوں نے سارا قصہ بیان کیا اور کہا' دو جن تیرے بھائی ورد شاہ اور شاپور کے بیٹے کو اٹھا لے گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی سیران کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ بولا' میں اپنے مذہب کی قسم کھاتا ہوں کہ غریب اور اس کے ساتھیوں کو بے قتل کئے نہ چھوڑوں گا۔ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہے گا جو خبر لے جا سکے۔ یہ کہہ کر اس نے کچھ پڑھ کر لال بادشاہ کو طلب کیا۔ وہ حاضر ہوا تو سیران نے کہا اسابنیرالمدائن جا اور غریب کو پکڑ لا۔ وہ روانہ ہو کر بادشاہ غریب کے پاس پہنچا۔ غریب نے اسے دیکھا تو اپنی تلوار ماحق کھینچ کر اس پر حملہ کر دیا۔ کیلجان اور قورجان نے بھی تلواریں سونت لیں اور لال بادشاہ کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ ان میں سے پانچ سو تیس کو قتل کیا۔ لال بادشاہ زخمی و گیا اوور جان بچا کر بھاگا اور اس کے آدمی بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ بھاگتے بھاگتے حصن الفوا کہ پہنچے اور روتے پیٹتے سیران ساحر سے ملے۔ اس سے کہا اے حکیم' غریب کے پاس تو یافث بن نوح کی طلسی تلوار ہے جسے وہ مارتا تھا اس کے دو ٹکڑے ہو جاتے تھے۔ اس کے ساتھ کوہ قاف کے دوجن بھی ہیں جنہیں بادشاہ مرعش نے اس کی حفاظت کے لئے چھوڑ رکھا ہے اور یہ غریب وہی شخص ہے جس نے کوہ قاف جا کر برقان کو قتل کیا اور بادشاہ ازرق کو مار کر بہت سے جنوں کو ملیا میٹ

کر دیا۔
جادوگر لال بادشاہ کی باتیں سنیں تو بولا' اچھا جا اور وہ چلتا بنا۔ اس کے بعد اس نے پھر کچھ پڑھا۔ اب ایک جن کو بلایا جس کا نام زمازع تھا۔ اسے ایک درہم کے برابار تیز بھنگ دے کر کہا' اسابنیرالمدائن جا کر غریب کے محل میں داخل ہو اور فاختہ کی شکل بن کر اس بات کا انتظار کر کہ وہ سو جائے' کوئی شخص اس کے پاس نہ رہے' پھر بھنگ اس کی ناک میں ڈال دیجیو اور اسے یہاں اٹھا لائیو۔ جن اسابنیرالمدائن پہنچا۔ فاختہ کی شکل بن کر غریب کے محل کی محراب میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ رات ہوئی' سردار اپنی اپنی خواب گاہوں میں چلے گئے اور غریب سو گیا تو اس نے پسی ہوی بھنگ نکال کر اس کی ناک میں چڑھا دی۔ غریب کا سانس بند ہو گیا۔ جن نے اسے فرش کی چادر میں لپیٹا اور اپنے اوپر لاد کر آندھی کی طرح نکل بھاگا۔ ابھی آدھی رات بھی نہ ہونے پائی تھی کہ وہ حصن الفواکہ پہنچ کر سیران ساحر کے پاس آیا۔ سیران نے اس کا شکریہ ادا کیا' چاہتا تھا کہ اسی حالت میں قتل کر دے' مگر اس کے لوگوں میں سے ایک شخص نے عرب کے قتل کرنے سے اسے منع کیا اور کہا' اے حکیم! اگر تونے اسے قتل کیا تو جن ہمار ملک تباہ کر دیں گے' بادشاہ مرعش اس کا دوست ہے' وہ اپنے تمام جن لا کر ہمارے اوپر ٹوٹ پڑے گا۔ سیران نے پوچھا' پھر کیا کرنا چاہیے؟ اس نے جواب دیا ہوش میں آنے سے پہلے اسے جیحون میں پھنکوا دے۔ مرعش کو معلوم بھی نہ ہو گا کہ اسے کس نے پھینکا' غریب ڈوب جائے اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو گی۔ سیران نے ایک جن کو حکم دیا کہ غریب کو لے جا کر جیحون میں ڈال آئے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چھ سو بہترویں رات

چھ سو بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جن غریب کو لے کر جیحون گیا۔ دریا میں ڈالتے ڈالتے اسے کچھ خیال آ گیا اور اس نے لکڑیوں کا ایک بیڑا سا بنا کر غریب کو اس میں باندھا اور غریب سمیت اسے پانی میں ڈال دیا۔ پانی اسے بہا لے گیا۔

ادھر تو غریب پر یہ گزر رہی تھی' ادھر اس کے لشکری جب سو کر اٹھے اور اس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا بادشاہ سلامت غائب ہیں' تسبیح تخت پر پڑی ہے۔ تھوڑی دیر انتظار کیا۔ جب وہ نہ آیا تو حاجب کو بلا کر کہا کہ حرم سرا میں جا کر بادشاہ کو دیکھ' کیونکہ اس کی یہ عادت نہیں ہے کہ اس وقت تک غائب رہے' حاجب نے اندر جا کر پوچھا تو لوگوں نے کہا کہ ہم نے اسے کل سے نہیں دیکھا۔ حاجب واپس باہر آیا اور خبر دی کہ بادشاہ تو کل سے محل میں نہیں ہے۔ سب کو اچنبھا ہو گیا' ایک دوسرے سے کہنے لگے' آؤ دیکھیں کہیں وہ حاجت کرنے باغ میں تو نہیں چلا گیا۔ انہوں نے جا کر باغ بانوں سے پوچھا کہ کیا بادشاہ ادھر سے گزرا ہے؟ وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ ہم نے نہیں دیکھا۔ سخت پریشان' سارے باغ چھان مارے' کوئی سراغ نہ لگا۔ شام کے وقت روتے ہوئے لوٹے۔ کیلجان اور قوجان نے اس کی تلاش میں شہر بھر کو کھود ڈالا۔ پتہ ہوتا تو چلتا۔ تین دن کے بعد وہ بھی لوٹ آئے۔ لوگوں نے کالے کپڑے پہن لئے اور پروردگار کے آگے شکایت کرنے لگے جو من مانی بات کرتا ہے۔

یہاں سوگ منایا جا رہا تھا' وہاں غریب کو بیڑی پانی میں بہائے لئے چلی جاتی تھی۔ پانچویں دن موجوں نے اسے سمندر میں لا پھینکا۔ سمندر کی لہریں اسے ادھر ادھر پھینکنے لگیں تو اس کا پیٹ ہلا اور بھنگ باہر نکل پڑی اس نے آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا کہ وہ بیچ سمندر مین ہے اور لہریں اس کے ساتھ کھیل رہی ہیں۔ اس نے لاحول پڑھی اور کہنے

لگ معلوم نہیں یہ حرکت کس نے میرے ساتھ کی! اسی اچنبھے میں پڑا ہوا تھا کہ ایک جہاز گزرتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے اپنی آستین سے جہاز والوں کی طرف اشارہ کیا۔
اس نے اپنی آستین سے جہاز والوں کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے قریب آ کر اسے جہاز میں بٹھا لیا اور پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس نے جواب دیا پہلے مجھے کھانا کھلاؤ' پانی پلاؤ' جان میں جان آئے تو میں تم سے کہہ سکوں کہ میں کون ہوں۔ لوگ اس کے لئے کھانا پانی لے آئے۔ اس نے کھایا پیا' ہوش حواس درست ہوئے تو کہنے لگا اے لوگو! پہلے تم بتاؤ کہ تم کسی قوم سے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہم کرج کے رہنے والے ہیں اور ہم ایک بت کی جس کا نام منقاش ہے' پوجا کرتے ہیں۔ غریب نے کہا غارت ہو تم اور تمہارا معبود' اے کتو! پرستش کے قابل سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں۔ جس نے ہر چیز کو پیدا کی اور جب وہ کسی چیز سے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ یہ سن کر انہیں طیش آ گیا' سب کے سب اس پر ٹوٹ پڑے اور چاہا کہ اسے پکڑ لیں۔ ہتھیار تو اس کے پاس کوئی تھا نہیں لیکن وہ جس کے ایک گھونسا مارتا اس کی جان نکل جاتی۔ اس طرح سے اس نے چالیس آدمیوں کو لٹا دیا۔ اتنے میں اور بہت سے آدمی آ پڑے۔ اس کی مشکیں باندھ لیں' صلاح ہوئی کہ اس وقت اسے جان سے نہ مارو۔ کب ہم اپنے وطن پہنچ جائیں اور بادشاہ کے آگے پیش کر لیں اس وقت دیکھا جائے گا۔ اب وہ چلتے چلتے کرج پہنچے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو تہترویں رات

چھ سو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جہاز والے کرج پہنچ گئے۔ اس شہر کو ایک بڑے زبردست اور ظالم بادشاہ نے بنوایا تھا اور اس کے دروازے پر اس حکمت سے پیتل کی ایک انسانی پتلی لگائی تھی کہ جب کوئی پردیسی داخل ہوتا تو وہ صور پھونکتا' لوگ اسے آ کر پکڑ لیتے اور اگر وہ ان کے مذہب کا نہ ہوتا تو اسے قتل کر ڈالتے' غریب داخل ہوا تو اس نے اتنا شور مچایا کہ بادشاہ کا دل کانپ اٹھا۔ وہ اٹھ کر اپنے بت کے پاس گیا۔ دیکھا کہ اس کے منہ' ناک اور آنکھوں سے آگ اور دھواں نکل رہا ہے۔ شیطان نے اس کے اندر گھس کر اس کی زبان سے گفتگو کی اور کہا اے بادشاہ! تیرے شہر میں ایک شخص آیا ہے جس کا نام غریب ہے جو عراق کا بادشاہ ہے۔ وہ لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنے اپنے مذہبوں کو چھوڑ کر اس کے پرور دگار کی پرستش کریں۔ لوگ اسے تیرے پاس لائیں تو اسے زندہ نہ چھوڑیو۔ بادشاہ وہاں سے آ کر اپنے تخت پر بیٹھا ہی تھا کہ لوگ غریب کو لئے ہوئے پہنچے اور بادشاہ کے سامنے پیش کر کے کہا اے بادشاہ! ہم نے دیکھا کہ یہ لڑکا ہمارے دیوتا سے منکر ہے' ہم نے اسے ڈوبتے کو نکالا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے غریب کا سارا کچا چٹھا سنا دیا۔ بادشاہ نے کہا' اسے بڑے بت کے مندر میں لے جا کر اس کی بھینٹ چڑھا دو تا کہ وہ بت ہم سے خوش ہو جائے۔ وزیر نے کہا' اے بادشاہ! اسے ذبح کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ اس طرح وہ جلد مر جائے گا۔ بادشاہ نے پوچھا تو پھر ہم اسے قید رکھیں اور لکڑیاں جمع کر کے جلا دیں گے۔ لوگ صبح تک لکڑیاں اکٹھا کرتے اور انہیں سلگاتے رہے۔ اب بادشاہ اور تمام شہر والے باہر نکلے اور غریب کو بلانے کا حکم دیا۔ لوگ اسے لینے گئے تو دیکھا کہ وہ وہاں نہیں ہے۔ انہوں نے بادشاہ سے آ کر کہا کہ قیدی بھاگ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا' کیسے بھاگ گیا؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے دیکھا کہ زنجیریں

اور اور بیڑیاں وہاں پڑی ہوئی ہیں اور دروازے بند ہیں۔ بادشاہ کو اس پر بڑا اچنبھا ہوا۔
وہ کہنے لگا کیا آسمان پر اڑ گیا یا زمین میں سما گیا؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں کچھ معلوم
نہیں۔ بادشاہ بولا میں ابھی اپنے دیوتا کے پاس جا کر پوچھتا ہوں' وہ مجھے بتا دے کہ
کہا گیا۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور بت کے پاس جا کر چاہتا تھا کہ سجدے میں گرے
دیکھا تو وہ بھی ندارد ہے' اپنی آنکھیں مل مل کر کہنے لگا کہ میں سوتا ہوں یا جاگتا؟
اس نے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے وزیر! میرا دیوتا کہاں ہے؟ اور قیدی کدھر
گیا؟ اے وزیر کے کتے! میں اپنے دین کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تو مجھے اس
کے جلانے کا مشورہ نہ دیتا تو میں اسے ذبح کر چکا ہوتا' وہی میرے دیوتا کو لے گیا
ہے۔ میں اس کا بدلہ لے کر چھوڑوں گا' یہ کہہ کر اس نے اپنی تلوار کھینچی اور ایک
وار میں وزیر کا سر اڑا دیا۔
غریب اور دیوتا کے غائب ہو جانے کا عجیب قصہ تھا۔ وہ یہ کہ جب بادشاہ نے غریب
کو قید کیا تو وہ مندر کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گیا۔ پھر وہ کھڑا ہو کر خدا کو
یاد کرنے لگا اور اس سے اس مصیبت کو دور ہونے کی دعا کرنے لگا۔ یہ باتیں اس جن
نے سنیں جو بت کے اوپر مقرر تھا اور اس کی زبان سے باتیں کرتا تھا۔ تو وہ دل میں
ڈرنے لگا' اس نے کہا کہ وہ کون ہے جو مجھے دیکھتا ہے اور جسے میں نہیں دیکھ سکتا؟
یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا اور غریب کے قدموں پر گر کر کہنے لگا' اے میرے آقا! میں
کیا کلمہ پڑھوں کہ تیرے جتھے میں داخل ہو جاؤں اور تیرا ہم مذہب بن جاؤں؟ غریب
نے کہا کہ "نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور ابراہیم اس کے رسول ہیں۔" جن نے
یہ شہادت کا کلمہ پڑھ لیا' اس کا شمار نیک بختوں میں ہو گیا اس جن کا نام زلزال
بن مزلزل تھا' اس کا باپ جنوں کے بڑے بادشاہوں میں سے تھا۔ اب اس نے غریب
کی بیڑیاں کھول دیں اور اس کے ساتھ بت کو لے کر ہوا میں اڑ گیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

• چھ سو چوہترویں رات

چھ سو چوہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ادھر جن غریب اور بت کو لے کر ہوا میں اڑ گیا۔ ادھر جب بادشاہ' غریب کا حال پوچھنے بت کے پاس گیا تو اسے نہ پایا' وزیر کی یہ گت بنی کہ وہ قتل کر دیا گیا۔ بادشاہ کی فوج نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ بت کی پوجا سے پھر گئے۔ بادشاہ کو قتل کر دیا اور آپس میں لڑنے لگے۔ تین دن تک تلواریں چلتی رہیں یہاں تک کہ سوائے دو آدمیوں کے سب ختم ہو گئے۔ ان میں سے بھی ایک دوسرے پر غالب آ گیا اور اسے مار ڈالا۔ اس پر لڑکے ٹوٹ پڑے اور اسے قتل کر ڈالا اور ایک دوسرے سے اتنا لڑے کہ مرد کے نام بچہ تک نہ رہا۔ عورتیں اور لڑکیاں اکٹھی ہو کر گاؤں اور گڑھیوں میں چلی گئیں۔ شہر خالی ہو گیا اور سوائے الو کے وہاں کوئی باقی نہ رہا۔ جب زلزل بن مزلزل غریب کو لے کر ہوا میں اڑا تو اس نے اپنے وطن جزائر کافور اور قصر بلور کا رخ کیا جہاں طلمسی بچھڑا تھا۔ یہ بچھڑا چتکبرا تھا۔ بادشاہ مزلزل نے اسے زیور اور سرخ سونے کے بنے ہوئے کپڑے پہنا رکھے تھے اور اسے اپنا خدا بنا تھا۔ ایک دن بادشاہ اپنے ہم مشربوں کے ساتھ اس بچھڑے کے پاس گیا' تو دیکھا کہ وہ تھر تھر کانپ رہا ہے۔ بادشاہ نے کہا' اے میرے خدا! تو کیوں کانپ رہا ہے؟ شیطان نے جو بچھڑے کے اندر تھا کہا اے مزلزل' تیرے بیٹے نے عراق کے بادشاہ غریب کے ہاتھ پر ابراہیم خلیل کا دین قبول کر لیا ہے اور اس نے شروع سے آخر تک سارا ماجرا بیان کر دیا۔ بچھڑے کی باتیں سن کر بادشاہ کو سخت اچنبھا ہوا۔ وہ وہاں سے نکل کر اپنے شاہی تخت پر جا بیٹھا اور اپنے مصاحبوں کو طلب کیا۔ وہ حاضر ہوئے تو اس نے ان سے وہ تمام باتیں کہیں جو بت سے سنی تھیں۔ انہیں بھی تعجب ہوا۔ اور وہ کہنے لگے اے بادشاہ! اب کیا کیا جائے؟ بادشاہ نے کہا جب میرا بیٹا آئے اور تم دیکھو کہ میں اسے گلے لگا رہا ہوں تو اسے پکڑ لینا۔

دو دن کے بعد زلزال غریب اور کرج کے بادشاہ کے بت کو لئے اپنے باپ کے پاس پہنچا۔ ابھی وہ محل کے دروازے سے گھسا ہی تھا کہ لوگ اس پر اور غریب پر ٹوٹ پڑے اور انہیں پکڑ کر بادشاہ مزلزل کے آگے لا کھڑا کیا۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے کی طرف غصے کی نظر سے دیکھا اور بولا' اے جنوں کے کتے! کیا تونے اپنا اور اپنے باپ داداؤں کا دین چھوڑ دیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ میں سچے دین میں داخل ہو گیا ہوں' تف ہو تجھ پر! تو بھی کیوں مسلمان نہیں ہو جاتا تا کہ تو اس خدا کے غضب سے بچ جائے جو زبردست ہے اور جس نے دن اور رات کو پیدا کیا ہے۔ بادشاہ کو اپنے بیٹے پر طیش آگیا' کہنے لگا اے حرام زادے! مجھ سے تو ایسی باتیں کرتا ہے؟ ساتھ ہی حکم دیا کہ اسے قید کر دیا جائے' وہ قید کر دیا گیا۔ پھر بادشاہ نے غریب کی طرف مخاطب ہو کر کہا' اے انسانی کمینے! تو نے کیوں میرے بیٹے کو اس کے دین سے فرنٹ کر دیا؟ غریب نے کہا' میں نے اسے گمراہی سے نکال کر سیدھے راستے پر لگایا ہے۔ دوزخ سے بچا کر جنت کی طرف لے گیا ہوں اور کفر چھڑا کر مسلمان بنایا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے ایک جن کو آواز دی' جس کا نام سیار تھا اور اس سے کہا کہ اس کتے کو لے جا کر وادی النار میں پھینک ا کہ ہلاک ہو جائے۔ یہ وادی اتنی گرم تھی کہ کوئی اس میں جاتا' ایک گھڑی بھی زندہ نہ رہتا۔ اس وادی کے ارد گرد ایک اونچا چٹیل پہاڑ تھا جس پر چڑھنے کی کوئی راہ نہ تھی۔ ملعون سیار غریب کو لے کر دنیا کے اس چوتھائی حصے کی طرف چل دیا جو غیر آباد تھا۔ جب اس میں اور وادی میں ایک پہر کی راہ باقی رہ گئی تو جن کو تھکن معلوم ہوئی۔ وہ غریب کے ساتھ ایک وادی میں اتر پڑا۔ جہاں بہت سے درخت' چشمے اور پھل تھے۔ جن اترا تو غریب اسی طرح بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس نے انگڑائیاں لے کر بیڑیاں تور ڈالیں اور ایک پتھر جن کے سر پر ایسا مارا کہ اس کی ہڈیاں چور ہو گئیں اور وہ فوراً مر گیا۔ غریب اس وادی میں چل کھڑا ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• چھ سو پچھترویں رات

چھ سو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جن کو مار ڈلانے کے بعد غریب چل کھڑا ہوا' اس نے دیکھا کہ وہ وادی ایک جزیرے میں ہے جو سمندر سے گھرا ہوا اور بہت بڑا ہے۔ اس میں ہر قسم کے مزے دار میوے ہیں۔ غریب اس کے میوے کھا کر اور پانی پی کر دن گزارنے لگا۔ یہاں تک کہ کئی سال گزر گئے۔ کبھی پھلوں سے گزارہ کرتا۔ کبھی سمندر سے مچھلیاں پکڑتا اور کھاتا۔ اس طرح وہ سات سال تک اکیلا رہا۔

ایک دن وہ بیٹھا ہوا تھا کہ دو جن ہوا میں سے اترے۔ ہر جن کے پاس ایک ایک آدمی تھا۔ غریب کو دیکھ کر انہوں نے کہا' تو کون ہے اور کس قبیلے کا رہنے والا ہے؟ غریب کے بال بڑھ گئے تھے۔ اس لئے وہ یہ سمجھے کہ یہ بھی جن ہے۔ اس نے کہا' میں جن نہیں ہوں اور شروع سے لے کر آخر تک اپنی ساری کہانی سنائی۔ انہیں بڑا افسوس ہوا اور ان میں سے ایک دیو نے کہا تو یہیں ٹھہرا رہ' ہم ذررا ان دو بچھڑوں کو اپنے بادشاہ کے پاس پہنچا آئیں۔ ایک اس کے دن کے کھانے کے لئے ہے اور دوسرا رات کے۔ ہم لوٹ کر تیرے پاس آئیں گے اور تجھے تیرے وطن پہنچا دیں گے۔ غریب نے اس ک شکریہ ادا کیا اور پوچھا کہ وہ دونوں بچھڑے کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا یہی دونوں آدمی۔ غریب نے کہا کہ پناہ ابراہیم خلیل کے خدا کی جو ہر چیز کا پروردگار ہے اور ہر بات پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اب وہ دونوں جن اڑ گئے اور غریب بیٹھ کر ان کا انتظار کرنے لگا۔ دو دن کے بعد ان میں سے ایک جن آیا۔ وہی کپڑے بھی لایا تھا۔ اس نے غریب کو کپڑے پہنائے اور اسے لے کر ہوا میں اڑ گیا۔ اور اتنا اونچا اڑا کہ غریب کو ہوا میں فرشتوں کی تسبیح سنائی دینے لگی۔ اب فرشتوں کا ایک آتشی تیر اس دیو کے لگا اور وہ زمین کی طرف بھاگا یہاں تک کہ اس کے اور زمین کے

درمیان برچھے کی زد کا فاصلہ رہ گیا۔ دیو کے تیر لگ چکا تھا' غریب اس کے کاندھے پر سے کود پڑا۔ اور وہ دیو راکھ کا ڈھیر ہو کر گر پڑا۔ نیچے سمندر تھا۔ غریب پانی میں آ کر گرا' دو قد کے برابر ڈوب کر اچھلا اور تیرنے لگا۔ دو دن رات برابر تیرتا رہا اور اتنا کمزور ہو گیا کہ اسے اپنی موت کا یقین آ گیا' تیسرے دن تو وہ بالکل جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ آخر کنارے پر جا لگا۔ اسے ایک اونچا پہاڑ دکھائی دیا' گرتا پڑتا ادھر چلا اور اس کے اوپر چڑھنے لگا۔ گھاس پتے کھاتا ایک دن ایک رات میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر دوسری طرف اترا اور دو دن چلنے کے بعد ایک شہر میں پہنچا۔ جہاں بہت سے درخت' چشمے اور شہر پناہیں اور برج تھے۔ شہر میں پہنچا۔ جہاں بہت سے دربان اسے پکڑ کر اپنی ملکہ کے پاس لے گئے۔ اس ملکہ کا نام جان شاہ تھا' اس کی عمر پانچ سو برس تھی۔ جو کوئی اس کے شہر میں آتا' لوگ اسے ملکہ کے پاس لے جاتے' وہ اس کے ساتھ سوتی اور جب وہ اپنا کام کر چکتا تو ملکہ اسے مار ڈالتی' اس طرح سے اس نے بہت سے آدمی مار ڈالے تھے۔ لوگ غریب کو اس کے پاس لائے تو وہ اسے بہت پسند آیا۔ پوچھا تیرا کیا نام ہے' کس مذہب میں ہے اور وطن کہاں ہے؟ غریب نے جواب دیا میں عراق کا بادشاہ غریب ہوں اور میرا دن اسلام ہے۔ ملکہ نے کہا تو اپنا دین چھوڑ کر میرے دین میں آ جا۔ میں تجھ سے بیاہ کر لوں گی اور تجھے بادشاہ بنا دوں گی۔ غریب نے غصہ بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ستیاناس ہو تیرا اور تیرے دین کا۔ ملکہ ڈانٹ کر بولی کہ تو میرے بت کو برا بھلا کہتا ہے' حالانکہ وہ سرخ عقیق کا ہے اور اس میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے ہیں! اس کے بعد ملکہ نے کہا اے لوگو! اسے لے جا کر بت کے گنبد میں قید کر دو تا کہ اس کا دل نرم ہو جائے۔ لوگ اسے بت کے گنبدوں میں قید کر آئے اور باہر سے قفل لگا دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چھ سو چھہترویں رات

چھ سو چھہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب لوگ غریب کو لے جا کر بت کے گنبد میں بند کر آئے تو اس نے دیکھا کہ بت سرخ عقیق کا

ہے اور اس کے گلے میں موتیوں اور ہیروں کا ہار پڑے ہوئے ہیں۔ غریب نے آگے بڑھ کر بت کو اٹھا لیا اور زمین پر دے مارا۔ بت چور چور ہو گیا۔ غریب سو گیا اور دن چڑھتے تک سوتا رہا۔ سویرا ہوا تو ملکہ اپنے تخت پر بیٹھی اور کہا قیدی کو حاضر کرو۔ لوگ غریب کے پاس گئے' گنبد کھول کر اندر داخل ہوئے دیکھا کہ بت ٹوٹا پڑا ہے۔ وہ اپنا منہ پیٹنے لگے حتیٰ کہ ان کی آنکھوں کے کویوں سے خون بہنے لگا۔ اب وہ غریب کو پکڑنے بڑھے۔ اس نے ان میں سے ایک کو گھونسا مارا' وہ مر گیا اور دوسرے کو قتل کر دیا یہاں تک کہ ان میں سے پچیس آدمی کام آئے۔ باقی بھاگ کھڑے ہوئے اور روتے پیٹتے ملکہ جان شاہ کے پاس پہنچے۔ ملکہ نے پوچھا خیر تو ہے؟ انہوں نے کہا' قیدی نے تیرے بت کو توڑ ڈالا اور تیرے لوگوں کو قتل کر دیا۔ ملک نے اپنا تاج زمین پر دے مارا اور کہا اب بتوں کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہی' پھر اس نے ایک ہزار سورما ساتھ لئے اور مندر میں گئی۔ دیکھا کہ غریب گنبد سے باہر نکل آیا ہے۔ سورماؤں کو قتل کر رہا ہے اور لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار رہا ہے۔ غریب کی یہ بہادری دیکھ کر جان شاہ اسے اور زیادہ چاہنے لگی' اس نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے بت کی کوئی پروا نہیں' میں بس اتنا ہی چاہتی ہوں کہ باقی عمر غریب میرے پہلو میں سویا کرے۔ اس نے اپنے آدمیوں سے کہا تم سب ہٹ جاؤ' اسے چھوڑ دو اور اس نے آگے بڑھ کر کوئی منتر پڑھا۔ غریب کے بازو رہ گئے' اس کی کلائیاں سن ہو گئیں اور ہاتھ سے تلوار چھوٹ پڑی۔ لوگوں نے پکڑ کر اس کی مشکیں کس لیں۔ اور اسے ذلت کے ساتھ لے چلے۔ وہ بڑے اچنبھے میں تھا کہ یہ کیا ہوا؟ جان شاہ واپس آ

کر اپنے شاہی تخت پر بیٹھی۔ اور لوگوں سے کہا کہ تم چلے جاؤ۔ لوگ چلے گئے اور غریب کے ساتھ اکیلی رہ گئی۔
اب ملکہ نے غریب سے کہا اے عرب کے کتے! تیری یہ ہمت کہ میرے بت کو توڑ ڈالا اور میرے آدمیوں کو قتل کر دیا! غریب نے کہا اے ملعونہ اگر وہ خدا ہوتا تو اپنے آپ کو بچا نہ لیتا۔ ملکہ بولی اگر تو میرے ساتھ سوئے تو میں تیرے سارے گناہ معاف کر دوں گی۔ غریب نے کہا میں ایسی کوئی بات نہیں کر سکتا۔ ملکہ بولی قسم ہے مجھے اپنے دین کی' میں تجھے سخت سزا دوں گی۔ اور اس نے کچھ پانی لیا' اس پر کچھ پڑھ کر غریب پر چھڑکا۔ وہ بندر ہو گیا۔ ملکہ اسے کھلاتی پلاتی اور ایک کوٹھڑی میں بند رکھتی۔ دو سال تک بندر کے روپ میں قید رکھنے کے بعد ایک روز ملکہ نے پوچھا اب تو میری بات مانے گا۔ غریب نے سر ہلا کر کہا' ہاں۔ ملکہ نہال ہو گئی' جادو اتار دیا' اس کے آگے دستر خوان بچھایا۔ دونوں نے کھایا پھر غریب نے دل میں ایک منصوبہ گانٹھ کر ایسی حرکتیں کی کہ ملکہ کی تسلی ہو گئی۔ رات ہوئی تو وہ لیٹی اور غریب سے کہا' اٹھ' اپنا کام کر۔ وہ بولا اچھا اور ملکہ کے سینے پر چڑھ بیٹھا' اس کی گردن پکڑ کر مروڑ ڈالی۔ جب تک اس کی جان نہ نکل گئی ا کے اوپر سے نہ اترا۔ اب اس کی نظر ایک کوٹھڑی پر پڑی جو کھلی ہوئی تھی' وہ اندر گیا' وہاں ایک بجھی ہوئی تلوار اور چینی فولاد کی ڈھال دیکھی' انہیں لگا لیا۔ اور صبح کے انتظار میں رہا۔ سویرا ہوا تو محل کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ امرا دربار میں حاضر ہونے کے لئے آئے تو انہوں نے دیکھا کہ غریب ہتھیار لگائے کھڑا ہے۔ غریب نے انہیں آتا دیکھ کر کہا' اے لوگو! بتوں کو پاجا چھوڑ دو اور اس خدا کی پوجا کرو جو سب کا پرور دگار' ہڈیوں کو جلانے والا' ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور قادر مطلق ہے۔ یہ باتیں سن کر کافر اس پر ٹوٹ پڑے' مگر اس نے درندے شیر کی طرح ان پر حملہ کر دیا اور ان کے بہت سے آدمی مار ڈالے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چھ سو سترویں رات

چھ سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب غریب بہت سے کافروں کا مار چکا۔ رات ہونے لگی' ان کی تعداد بڑھتی ہی چلی گئی۔ سب یہی چاہتے تھے کہ اسے پکڑ لیں۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک ہزار جنوں نے ایک ہزار تلواروں کے ساتھ کافروں پر حملہ کر دیا۔ ان کا سردار زلزال بن مزلزل تھا جو آگے آگے تھا۔ جنوں نے کافروں پر تلواریں چلانی شروع کر دیں' انہیں موت کے گھاٹ اتارنے لگے۔ اور خدا نے ان کی روحیں دوزخ میں بھیج دیں یہاں تک کہ جان شاہ کی قوم کا کوئی خبر لے جانے والا بھی نہ بچا' جو باقی رہ گئے تھے وہ امان! امان چلانے لگے اور خدا پر ایمان لے آئے جسے ایک چیز دوسری چیز سے غافل نہیں کرتی۔ جس نے کسراؤں کو تباہ اور زبردست بادشاہوں کو فنا کر دیا' جو دنیا اور آخرت کا پروردگار ہے۔ اب زلزال نے غریب کو سلام کیا' اس کی سلامتی پر مبارک باد دی۔ غریب نے اس سے پوچھا' تجھے میری خبر کیسے ہوئی؟ اس نے کہا اے میرے مولا! جب میرے باپ نے مجھے قید کر دیا اور تجھے وادی النار بھیجا تو دو سال قید رکھنے کے بعد اس نے مجھے آزاد کر دیا۔ایک سال کے بعد پھر میری حالت ٹھیک ہو گئی۔ میں نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اور لشکر نے میری اطاعت قبول کر لی۔ اب ایک سال ہو گیا ہے کہ میں ان پر حکومت کر رہا ہوں۔ رات کو جب میں سو رہا تھا اور تیرا خیال میرے دل میں تھا' میں نے خواب میں دیکھا کہ تو جان شاہ کے لشکر سے لڑ رہا ہے' فوراً میری آنکھ کھل گئی۔ ان کے ایک ہزار جنوں کو لے کر آ پہنچا۔ غریب کو اس اتفاق پر اچنبھا ہوا۔ اس نے جان شاہ اور اس کی رعایا کا مال لے کر شہر میں ایک حاکم مقرر کر دیا۔ جن اس مال و دولت اور غریب کو لے کر چل دیئے۔ رات زلزال کے شہر میں گزاری۔ غریب زلزال کا چھ مہینے تک مہمان رہا' پھر اس نے روانگی کا ارادہ ظاہر کیا۔ زلزال نے ہدیئے حاضر

کئے اور تین ہزار جنوں کو بھیج کر کرج سے سارا مال منگوایا' اسے جان شاہ کے مال کے ساتھ رکھ کر جنوں کو حکم دیا کہ یہ ہدیئے اور مال لے چلیں۔ زلزال نے غریب کو

لیا اور سب کے سب اسبانیرالمدائن روانہ ہو گئے۔

ابھی آدھی رات نہ ہونے پائی تھی کہ وہ اسبانیر المدائن پہنچ گئے۔ غریب نے دیکھا کہ وہ محاصرے میں ہے اور اس کے ارد گرد سمندر کی طرح لشکر جمع ہے۔ غریب نے زلزال سے کہا کہ بھائی' دیکھ تو سہی اس محاصرے کا سبب کیا ہے اور یہ لشکر کہاں کا ہے؟ اتنے میں غریب محل کی چھت پر اتر پڑا اور آواز دی کہ اے کوکب الصباح! اے مہدیہ! اس کی آواز سن کر دونوں گھبراہٹ کے مارے جاگ پڑیں اور پوچھا کہ ہمیں اس وقت کون آواز دے رہا ہے؟ غریب نے جواب دیا میں تمہارا آقا غریب ہوں جس کے ساتھ عجیب و غریب باتیں پیش آئی ہیں۔ دونوں شریف زادیاں اپنے آقا کی آواز پہچان کر نہال ہو گئیں۔ غریب کے اترتے ہی وہ دونوں اسے لپٹ گئیں اور اتنا شور مچا کہ محل گونج اٹھا۔ سردار اپنی اپنی خواب گاہوں سے اٹھ کر دوڑے اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کیا کسی کنیز کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں' خوش ہو کہ بادشاہ غریب آ گیا۔ اتنا سنتے ہی سردار خوش ہو گئے اور غریب حرم سرا میں سلام کرنے کے بعد باہر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا وہ سب اس سے لپٹ گئے۔ اس کے ہاتھ پاؤں چومنے اور خدا کا شکر بجا لانے لگے۔ اب غریب اپنے تخت پر بیٹھا اور اپنے مصاحبوں کو بلوایا۔ وہ آ کر اس کے آس پاس بیٹھ گئے۔

غریب نے پوچھا کہ یہ لشکر کیسا ہے؟ انہوں نے کہا' اے بادشاہ! یہ لوگ تین دن سے آئے ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ جن اور انسان دونوں ہیں' ہمیں معلوم نہیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی تو درکنار ابھی تک بات بھی نہیں ہوئی۔ غریب بولا' اچھا کل ہم ان کو خط بھیج کر دریافت کریں گے کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ان کے بادشاہ کا نام مراد شاہ ہے اور اس کے ماتحت ایک لاکھ سوار' تین ہزار پیادے اور دو سو جن ہیں۔ اس لشکر کے آنے کی ایک عجیب وجہ تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- چھ سو انہترویں رات

چھ سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ اس لشکر کے آنے اور اسبانیر کا محاصرہ کرنے کی عجیب و غریب وجہ تھی۔ وہ یہ کہ جب بادشاہ شاپور نے اپنی بیٹی کو دو شخصوں کے ہمراہ روانہ کر کے حکم دیا کہ اسے جیحون میں ڈال آؤ اور دونوں نے اس سے کہا کہ بھاگ جا' مگر تیرے باپ کو اس کی خبر نہ ہو ورنہ وہ ہمیں بھی مار ڈالے گا اور تجھے بھی' تو فخر تاج حیران و پریشان ہو گئی' اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کدھر جائے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اے غریب' کہاں ہے تیری آنکھ کہ مجھے اس مصیبت کی حالت میں دیکھے۔ بالاخر وہ ملک ملک اور وادی وای چلتے ایسی جگہ پہنچی جہاں بہت سے درخت اور چشمے تھے اور اس کے بیچ میں ایک اونچا مضبوط قلعہ تھا۔ گویا جنت کا ایک باغ فخر تاج قلعے کی طرف چل کھڑی ہوئی۔ اندر جا کر دیکھا کہ وہاں ریشمی قالینوں کا فرش ہے' سونے چاندی کے برتن رکھے ہوئے ہیں اور سو خوبصورت لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ فخر تاج کو دیکھ کر کنیزیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور اسے سلام کیا' وہ سمجھیں کہ وہ بھی کوئی پری ہے اور اس کا حال دریافت کیا۔ اس نے کہا' میں عجم کے بادشاہ کی بیٹی ہوں اور اپنی ساری کہانی بیان کر دی۔ کنیزوں کو یہ سن کر افسوس ہوا۔ انہوں نے اس کی دل دہی کی اور اس سے کہا کہ غمگین نہ ہو جو کچھ تجھے کھانے پینے اور پہننے کے لئے چاہیے' یہاں موجود ہے اور ہم سب تیری خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ شہزادی نے انہیں دعا دی' وہ اس کے لئے کھانا لائیں اور اس نے پیٹ بھر کر کھایا۔ اب فخر تاج نے لڑکیوں سے پوچھا کہ اس محل کا مالک کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا آقا بادشاہ صلصال بن دال۔ وہ ہر مہینے ایک رات ہمارے پاس آتا ہے اور سویرا ہوتے ہی جنوں پر حکومت کرنے چلا جاتا ہے۔
فخر تاج پانچ روز وہاں ٹھہری۔ اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ چاند کی طرح خوبصورت

تھا۔ انہوں نے اس کی ناف کاٹی' آنکھوں میں کاجل لگایا ار اس کا نام مراد شاہ رکھا اور وہ ماں کی گود میں پلنے لگا۔ تھوڑے دن کے بعد بادشاہ صلصال پہنچا۔ وہ کاغذی رنگ کے سفید ہاتھی پر سوار تھا جو ایک مضبوط برج معلوم ہوتا تھا اور درجنوں کی جماعتیں اس کے ارد گرد تھیں۔ جب وہ محل میں داخل ہوا تو کنیزیں اس کے استقبال کے لئے آئیں۔ زمین چومی' فخر تاج بھی ان کے ساتھ تھی۔ بادشاہ کی نظر اس پر پڑی تو اس نے اپنی کنیزوں سے پوچھا ' یہ لڑکی کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ عجم' ترک اور دیلم کے بادشاہ شاپور کی بیٹی۔ اس نے دریافت کیا کہ اسے یہاں کون لایا ہے؟ انہوں نے ساری کہانی سنا دی۔ بادشاہ نے فخر تاج سے کہا' رنجیدہ نہ ہو' صبر کر جب تک کہ تیرا بیٹا پل کر جوان ہو جائے یہاں رہ۔ اس کے بعد عجم جا کر تیرے باپ کی گردن اڑا دوں گا اور تیری خاطر تیرے بیٹے کو عجم' ترک دیلم کے تخت پر بیٹھاؤں گا۔ فخر تاج نے اٹھ کر اس کے ہاتھ چومے' اس کے لئے دعا کی اور دوسرے شہزادوں کے ساتھ اپنے بیٹے کو بھی پالنے پوسنے لگی' یہاں تک کہ وہ اس قابل ہو گئے کہ گھوڑوں پر سوار ہو کر سیر و شکار کے لئے جانے لگے۔ مراد شاہ وحشی جانوروں اور خونخوار شیروں کا شکار کرنا سیکھ گیا اور ان کا گوشت کھا کھا کر اس کا دل پتھر سے بھی زیادہ مضبوط ہو گیا۔ جب وہ پندرہ برس کا ہوا اور سمجھا کہ میں بڑا ہو گیا ہوں تو اس نے ماں سے کہا کہ اماں میرا باپ کون ہے؟ ماں نے کہا بیٹا' تیرا باپ عراق کا بادشاہ غریب ہے اور میں عجم کے بادشاہ کی بیٹی ہوں۔ پھر اس نے سارا قصہ سنایا۔ ماں کی باتیں سن کر اس نے کہا۔ کیا سچ مچ میرے نانا نے تجھے میرے باپ کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا؟ ماں نے کہا' ہاں۔ بیٹے نے کہا قسم ہے تیری تربیت کی جو تو نے میری کی ہے میں تیرے باپ کے شہر جاؤں گا اور اس کا سر کاٹ کر تیرے آگے رکھ دوں گا۔ یہ سن کر وہ نہال ہو گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• چھ سو اناسی ویں رات

چھ سو اناسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ فخر تاج کا بیٹا مراد شاہ دو سو جنوں کے ساتھ تربیت پانے لگا۔ وہ لوٹ مار کرتے اور ڈاکے ڈالتے۔ ڈاکے ڈالتے ڈالتے وہ ایک دن شیراز پہنچ گئے۔ شہر پر حملہ کر دیا اور مراد شاہ کے محل میں گھس گئے۔ بادشاہ تخت سے اٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ اس کی گردن اڑا دی اور اس کے بہت سے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا' جو باقی رہے وہ امان' امان پکارنے لگے اور مراد شاہ کی رکابیں چومنے لگے۔ جب اس نے امان لینے والوں کو گنا تو وہ دس ہزار سوار تھے۔ انہیں لے کر وہ بلخ پہنچا۔ وہاں بادشاہ کو قتل کر کے لشکر کو تباہ کر دیا' ملک پر قبضہ کر لیا۔ وہاں سے تیس ہزار سواروں کے ساتھ نورین آیا۔ نوریں کا بادشاہ بھی اس کا فرمانبردار ہو گیا۔ اس کے آگے بہت مال و دولت اور تحفے تحائف پیش کیے۔ پھر انہی تیس ہزار سواروں کے ساتھ وہ عجم کے شہر سمر قند پر حملہ آور ہوا اور اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ اخلاط پر جا دھمکا اور اسے فتح کر لیا۔ غرض کہ جس شہر میں پہنچتے' اس پر قبضہ کر لیتے۔ اب مراد شاہ کے پاس بہت بڑا لشکر ہو گیا۔ جو مال و دولت اسے ہاتھ لگتا' اپنے لوگوں میں تقسیم کر دیتا۔ لشکر کو نہ فقط اس کی بہادری بلکہ اس کی سخاوت کی وجہ سے اس سے بڑی محبت ہو گئی۔ رفتہ رفتہ وہ اسبانیر المدائن پہنچ گیا اور لشکر سے کہا کہ ذرا ٹھہر جاؤ' میرا باقی لشکر بھی آ جائے' میں اپنے نانا کو گرفتار کر لاؤں اور اپنی ماں کے سامنے اس کی گردن اڑا کر اس کا دل ٹھنڈا کر دوں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی ماں کو بلوا بھیجا۔ یہی وجہ تھی کہ تین دن تک کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔

یہی وقت تھا جب کہ غریب' زلزال اور چالیس ہزا جنوں کے ساتھ جو مال و دولت سے لدے ہوئے تھے' پہنچا اور لشکر کا حال دریافت کیا جو اترا ہوا تھا۔۔ لوگوں نے کہا کہ

ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ یہ لشکر کہاں سے آیا ہے' تین دن سے ہم اور وہ یہاں پڑے ہوئے ہیں' مگر نہ وہ ہم سے لڑتے ہیں' نہ ہم ان سے ۔ اتنے میں فخر تاج پہنچ گئی۔

مراد شاہ اپنی ماں سے ملا اور کہا کہ تو اپنے خیمے میں بیٹھ' میں تیرے باپ کو لاتا ہوں۔

ماں نے اسے دعا دی کہ دو جہاں کا پرور دگار' زمینوں اور آسمانوں کا ملک تجھے کامیاب کرے! صبح ہوئی تو مراد شاہ سوار ہو گیا' دو سو جن اس کے دہنے تھے اور انسانوں کے بادشاہ بائیں اور لڑائی کے نقارے بج رہے تھے۔ غریب نے یہ سنا تو وہ بھی سوار ہو کر نکل آیا اور اپنے لوگوں سے کہا کہ لڑائی کے لئے چلو۔ جن اس کی دہنی طرف تھے اور انسان بائیں طرف۔ اب مراد اہ ہتھیاروں میں ڈوبا ہوا نکلا۔ اپنے گھوڑے ادھر کر دوڑانے لگا اور پکار کر کہا اے لوگو! سوائے تمہارے بادشاہ کے اور کوئی میرے مقابلے میں نہ آئے' اگر وہ مجھے نیچا دکھائے گا تو وہ دونوں لشکروں کو مالک ہو جائے گا اور اگر میں اس پر غالب آ جاؤں گا تو اوروں کی طرح اسے بھی قتل کر دوں گا۔ مراد شاہ کی بات سن کر غریب نے کہا' اچھا اے عرب کے کتے' میں آیا! دونوں نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا۔ برچھے چلنے لگے' برچھے ٹوٹ گئے تو تلواریں نکل آئیں۔ ان کی بھی دھاریں ٹوٹ گئیں اور ان میں برابر بڑھ بڑھ کر' ہٹ ہٹ کر' قریب سے اور دور سے وار ہوتے رہے یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی۔ دونوں کے گھوڑے تھک کر گر پڑے اور دونوں پیدل ہو کر آپس میں گتھ گئے۔ مراد شاہ نے غریب کے کمر بند میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھا لیا اور پٹکنا ہی چاہتا تھا کہ غریب نے اس کے دونوں کان پکڑ لئے اور زور سے کھینچا کہ مراد شاہ کو معلوم ہوا آسمان زمین پر ٹوٹ پڑا' وہ چلا کر کہنے لگا اے دنیا بھر کے شہ سوار' میں تیری پناہ میں ہوں۔ غریب نے اس کی مشکیں باندھ لیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چھ سو اسی ویں رات

چھ سو اسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب غریب نے مراد شاہ کی مشکیں باندھ لیں تو ان جنوں نے جو مراد کے ساتھ تھے' چاہا کہ حملہ کر کے اسے چھڑا لیں۔ غریب ایک ہزار جنوں کو لے کر ان پر ٹوٹ پڑا۔ وہ امان! امان! چلانے لگے اور ہتھیار ڈال دیئے۔ بعد ازاں غریب اپنے خیمے میں کر بیٹھا۔ جوہرے ریشم کا تھا' جس پر سونے کا کام اور موتی ہیرے ٹنکے ہوئے تھے اور مراد شاہ کو طلب کیا۔ لوگ اسے لائے تو وہ بیڑیوں اور زنجیروں میں گرتا پڑتا آیا۔ مراد شاہ کی نظر غریب پر پڑی تو مارے شرم کے اس نے سر نیچا کر لیا۔ غریب نے کہا اے عرب کتے! تجھے ایسی جرات کہاں سے آئی کہ بادشاہوں کے مقابلے میں آیا؟ وہ بولا اے میرے مولا! برا نہ مان میں مجبور تھا۔ غریب نے پوچھا تیری مجبوری کی کیا وجہ تھی؟ مراد شاہ نے کہا' اے میرے مولا' سن۔ میں عجم کے بادشاہ شاپور سے اپنے ماں باپ کا بدلہ لینے آیا تھا کیونکہ اس نے ان کے قتل کی ٹھان لی تھی۔ میری ماں تو بچ گئی' مگر نہ معلوم میرا باپ مارا گیا یا زندہ ہے۔ اس کی باتیں سن کر غریب نے کہا واللہ تو مجبور ہے لیکن اپنے باپ کا نام بتا اور تیری ماں کون ہے؟ مراد شاہ نے کہا میرا باپ عراق کا بادشاہ ہے اور میری ماں عجم کے بادشاہ شاپور کی بیٹی فخر تاج ہے۔

یہ سنتے ہی غریب نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑا۔ لوگوں نے اس پر گلاب چھڑکا اور اسے ہوش آیا تو اس نے کہا' کیا تو سچ مچ فخر تاج کا بیٹا ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔ غریب نے کہا تو شہ سوار اور تیرا باپ شہ سوار اور حکم دیا کہ میرے بیٹے کی بیڑیاں کھول دو۔ سہیم اور کیلجان نے آگے بڑھ کر مراد شاہ کی بیڑیاں کھول دیں۔ غریب نے اسے گلے لگا لیا۔ اپنے پہلو میں بٹھایا اور پوچھا کہ تیری ماں کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا' وہ میرے ساتھ ہے' میرے خیمے میں۔ غریب نے کہا اے

لے آ۔ مراد شاہ اپنے خیموں کی طرف گیا۔ اس کے ساتھیوں نے اس کا خیر مقدم کیا' اس کی سلامتی پر خوش ہوئے اور خیریت پوچھی۔ اس نے کہا یہ وقت پوچھ گچھ کا نہیں اور ماں کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کیا۔ وہ بڑی خوش ہوئی' پھر مراد شاہ اسے لے کر باپ کے پاس گیا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئے۔ فخر تاج بھی اسلام لے آئی اور مراد شاہ بھی مسلمان ہو گیا۔ دونوں نے اپنے لشکر کے سامنے اسلام پیش کیا اور انہوں نے دل و زبان سے اسے قبول کر لیا۔ غریب ان کے اسلام لانے پر بڑا خوش ہوا۔ اس کے بعد اس نے بادشاہ شاپور کو بلوایا۔ اسے اور اس کے بیٹے کو ان کی کرتوت پر برا بھلا کہا اور ان کے سامنے اسلام پیش کیا لیکن وہ نہ مانے۔ غریب نے انہیں شہر کے دروازے پر لٹکا دیا۔ اس کے بعد انہوں نے شہر کو سجایا۔ تمام شہر والے خوش ہو گئے۔ انہوں نے بھی شہر کو آراستہ و پیراستہ کیا۔ اور مراد شاہ کو کسروری تاج پہنا کر عجم' ترک اور دیلم کا بادشاہ بنا دیا' پھر بادشاہ غریب نے اپنے چچا بادشاہ دامغ کو عراق کا بادشاہ بنا کر روانہ کر دیا اور تمام شہریوں اور ساری رعایا نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ غریب اپنے ملک میں بیٹھ کر اپنی رعیت کے ساتھ عدل و انصاف کرنے لگا اور ساری خدائی اس سے محبت کرنے لگی۔ اس طرح وہ نہایت عیش و عشرت سے زندگی گزارتے رہے یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جس کی عزت اور بقا ہمیشہ سے ہے اور جن کی عنایتیں خلق پر بڑی بڑی ہیں۔ یہ ہے کہانی عجیب و غریب کی۔

○○○

• عتبہ اور ریا کی کہانی

عبداللہ بن معمر قیسی کا بیان ہے کہ میں نے ایک سال بیت اللہ کا حج کیا اور حج سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی قبر پر زیارت کے لئے گیا۔ ایک رات جب کہ میں روضے میں قبر اور منبر کے درمیان بیٹھا ہوا تھا میں نے سنا کہ کوئی شخص رو رو کر دھیمی آواز میں کچھ گا رہا ہے۔ جب گانا بند ہوا اور مجھے اس بات کا پتہ نہ لگا کہ کدھر سے آواز آ رہی ہے۔ میں حیران تھا کہ اتنے میں پھر رونے کی آواز آئی۔ میں آواز کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابھی وہ آواز بند نہیں ہوئی تھی کہ میں وہاں جا پہنچا۔ دیکھا کہ ایک نہایت حسین لڑکا ہے جس کے ابھی تک داڑھی مونچھیں بھی نہیں نکلی ہیں۔ آنسوؤں سے اس کے رخساروں میں گڑھے پڑ گئے ہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو اکیاسیویں رات

چھ سو اکیاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... عبداللہ بن معمر قیسی کا بیان ہے کہ اس کے آنسوؤں سے رخساروں میں گڑھے پڑ گئے تھے۔ میں نے کہا کیا اچھا لڑکا ہے! وہ بولا' تو کون شخص ہے؟ میں نے کہا' میں روضے پر بیٹھا ہوا تھا' تیری آواز سن کر ڈر گیا۔ قربان جاؤں تجھ پر! تو کس مصیبت میں گرفتار ہے؟
اس نے کہا بیٹھ جا۔ جب میں بیٹھ گیا تو اس نے کہا' میں عتبہ بن جبان بن منذر بن جموح انصاری ہوں۔ آج سویرے مسجد اضرب میں چلا گیا تھا اور جب میں نماز پڑھ کر ایک کونے میں عبادت کرنے لگا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ عورتیں آئیں جو چاند کی طرح خوبصورت تھیں۔ ان میں سے ایک لڑکی تھی جس کا حسن مکمل تھا۔ وہ میرے پاس ٹھہر گئی اور کہنے لگی' اے عتبہ! اس شخص کے بارے میں تیری کیا رائے ہے جو تیرا وصل چاہتا ہے؟ یہ کہتے ہی وہ چل دی۔ اب تک نہ مجھے اس کی خبر ملی' نہ پتہ چلا کہ کون تھی' میں جگہ جگہ حیران و پریشان پھرتا ہوں۔ پھر اس نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش کر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے رخسار زعفران سے رنگے ہوئے ہیں اور وہ حسرت آمیز اشعار پڑھنے لگا۔ میں نے کہا اے عتبہ! اے بیٹا! اپنے خدا کے آگے توبہ کر اور گناہ کی معافی مانگ کیونکہ قیامت قریب ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مرنے سے پہلے تو مجھے تسلی نہیں ہو سکتی۔
میں اس کے ساتھ رات بھر بیٹھا رہا۔ صبح ہوئی تو میں نے اس سے کہا چل مسجد چلیں۔ مسجد میں ظہر کی نماز تک بیٹھے رہے۔ اتنے میں وہی عورتیں آئیں' مگر وہ لڑکی ان کے ساتھ نہ تھی۔ انہوں نے کہا' اے عتبہ! تیرا کیا خیال ہے اس طرف سے جو تیرا وصال چاہتی ہے؟ عتبہ نے پوچھا اس کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا' اس کا باپ اسے لے کر سماوہ چلا گیا ہے۔ میں نے ان سے لڑکی کا نام پوچھا' انہوں نے کہا ریابنت

غطریف السلیمی۔ یہ سن کر عتبہ نے اپنا سر اٹھایا اور کہنے لگا "اے دوستوں! ریا اپنے قافلے کے ساتھ سماوہ چلی گئی۔ میرا رونا تو ختم ہو گیا' اگر کسی اور کے پاس آنسو ہوں

تو میں ادھار لے لوں۔" میں نے کہا' اے عتبہ! میں بہت مال دولت لے کر آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس سے شریف آدمیوں کی پردہ پوشی کروں۔ میری خواہش ہے کہ وہ سب میں تیرے اوپر خرچ کر دوں تا کہ تیری مراد حاصل ہو بلکہ مراد سے بڑھ کر۔ اٹھ اور میرے ساتھ انصاریوں کے پاس چل۔ ہم دونوں وہاں سے اٹھ کر انصاریوں کے پاس گئے۔ میں نے انہیں سلام کیا' انہوں نے نہایت اچھی طرح سے جواب دیا۔ اس نے کہا' اے لوگو! عتبہ اور اس کا باپ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ کہنے لگے وہ عرب کے بڑے لوگوں میں سے ہیں۔ میں نے کہا سنو! عتبہ محبت کی بیماری میں گرفتار ہے' میں چاہتا ہوں کہ تم مہربانی کر کے میرے ساتھ سماوہ چلو۔ انہوں نے کہا سر آنکھوں سے۔ اب ہم اور وہ لوگ سر ہو کر چل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے وہاں پہنچے جہاں بنو سلیم رہتے تھے۔ جب غطریف کو معلوم ہوا کہ کون لوگ ہیں تو اس نے انکل کر ہمارا خیر مقدم کیا اور کہا کہ اے بڑے لوگو! سلامتی ہو تم پر! ہم نے کہا تجھ پر بھی سلامتی ہو! ہم تیرے مہمان ہیں۔ اس نے جواب دیا تم ایسے گھرانے کے مہمان ہو جو بڑا فیاض اور کشادہ ہے۔ پھر گھوڑے سے اتر پڑا اور آواز دی کہ اے غلامو! نیچے آؤ۔ غلاموں نے نیچے آ کر کھالیں بچھائیں' گاؤ تکئے لگائے اور بھیڑ بکریاں ذبح کیں۔ ہم نے کہا جب تک تو ہماری خواہش نہ پوری کر دے' ہم تیرا کھانا چکھیں گے بھی نہیں۔ اس نے کہا' اچھا تمہاری خواہش کیا ہے؟ ہم نے کہا ہم عتبہ بن جبان بن منذر کا پیغام جو عالی نسب اور شریف زادہ ہے' تیری شریف بیٹی کے لئے لے کر آئے ہیں۔ اس نے کہا' اے میرے بھائیوں! جس کے لئے تم پیغام لے کر آئے ہو' اس کا فیصلہ خود اس کے ہاتھ میں ہے' میں اندر جا کر اسے خبر کئے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ تیوری چڑھائے اٹھا اور ریا کے پاس گیا۔ ریا نے پوچھا ابا جان تم ناراض سے کیوں معلوم ہوتے ہو۔ باپ نے جواب دیا کہ انصار تیرا پیغام لے کر آئے ہیں۔ ریا نے کہ انصار

بڑی شریف اور بزرگ قوم ہے' نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے لئے مغفرت چاہی ہے۔ ان میں سے کس کی طرف سے پیغام ہے؟ باپ نے کہا' ایک شخص کی طرف سے جس کا نام عتبہ بن جبان ہے۔ لڑکی بولی' میں نے اس عتبہ کے بارے میں سنا ہے کہ وہ وعدے کا پورا ہے۔ جس چیز کی خواہش ہوتی ہے' اسے لے کر چھوڑتا ہے۔ باپنے کہ کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تیرا بیاہ ہر گز اس کے ساتھ نہ کروں گا' کیونکہ تیری اور اس کی بعض باتیں میرے کان تک پہنچی ہیں۔ لڑکی نے کہا ایسی کوئی بات نہیں ہوئی لیکن بہر حال انصار کو بد سلوکی کے ساتھ لوٹانا نہیں چاہیے۔ اگر تو انکار ہی کرنا چاہتا ہے شرافت کے ساتھ کر۔ باپ نے پوچھا کس طرح؟ لڑکی نے کہا بھاری مہر مانگ' وہ خود چلے جائیں گے۔ باپ نے کہا تو نے بات تو بہت معقول کہی۔

اس کے بعد وہ باہر آیا اور کہا شریف زادی راضی ہے لیکن اپنے رتبے کے موافق مہر مانگتی ہے۔ اس کی ذمہ داری کون لیتا ہے۔ عبداللہ کا بیان ہے میں نے کہا کہ میں۔ غطریف نے کہ میں مہر میں یہ چیزیں چاہتا ہوں۔ ایک ہزار سرخ سونے کے کنگن' پانچ ہزار ہجر کی ٹکسال کے درہم۔ ایک سو چادریں اور یمنی تھان اور پانچ مشک عنبر۔ میں نے کہا یہ سب چیزیں حاضر ہیں' اب بتا منظور ہے۔ اس نے کہا' منظور ہے۔ میں نے چند انصاریوں کو مدینے بھیجا اور وہ تمام چیزیں لے آئے جن کا میں نے ذمہ لیا تھا۔ اب بھیڑ بکریاں ذبح کی گئیں اور تمام لوگ کھانے پر جمع ہوئے۔ چالیس دن تک ہماری یہی حالت رہی۔ اس کے بعد غطریف نے کہا کہ اپنی دلہن کو لے جاؤ۔ اس نے تیس اونٹوں پر لڑکی کا جہیز لاد کر دیا ہم نے اسے محمل میں بٹھا دیا۔

پھر ہم آپس میں رخصت ہوئے۔ جب غطریف لوٹ گیا تو ہم چل پڑے یہاں تک کہ ہمارے قافلے اور مدینے میں ایک دن کا فاصلہ باقی رہ گیا۔ اتنے میں کچھ سواروں نے ہمیں آ گھیرا اور چاہتے تھے کہ ہمیں لوٹ لیں' میرا خیال ہے کہ وہ لوگ بنی سلیم کے تھے۔ عتبہ بن جبان نے ان پر حملہ کیا' ان کے بہت سے آدمی قتل کر دیئے۔ اسی

اثناء میں ایک نیزے کا زخم کھا کر وہ پیچھے ہٹا اور زمین پر گر گیا' آپ پاس کے باشندے ہماری مدد کو دوڑے اور سواروں و مار کر بھگا دیا۔ لیکن عتبہ کی جان نکل چکی تھی۔ ہم ہائے عتبہ چلانے لگے تو یہ سن کر لڑکی اونٹ سے کود پڑی۔ عتبہ کی لاش کو لپٹ گئی اور بلک بلک کر رونے لگے۔ اس کے بعد اس نے ایک چیخ ماری اور اس کی بھی جان نکل گئی۔ ہم نے دونوں کے لئے ایک قبر کھو دی اور انہیں دفن کر کے اپنے وطن چلے آئے۔ سات سال کے بعد جب پھر حجاز آیا اور مدینہ منورہ کی زیارت کو گیا تو میں نے اپنے دل میں کہا عتبہ کی قبر پر اس پر لال' ررد اور سبز دھجیاں لٹک رہی ہیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس درخت کا کیا نام ہے؟ انہوں نے جواب دیا' دولہا دلہن کا درخت۔ میں ایک رات اور ایک دن قبر کے پاس قیام کر کے واپس آ گیا۔ اس سے میری آخری ملاقات تھی۔ خدا اس پر رحم کرے۔

○ ہند بنت نعمان اور حجاج کی کہانی

ہند بنت نعمان اپنے زمانے کی حسین ترین عورت تھی۔ لوگوں نے اس کے حسن و جمال کی تعریف حجاج کے سامنے کی۔ وہ اس کا گرویدہ ہو گیا۔ پیغام سلام کے بعد بڑی دھوم دھام کے ساتھ اس سے شادی کر لی۔ مہر کے علاوہ دو لاکھ درہم اور دیئے اور پھر دونوں بڑے خوش رہنے لگے۔ شادی کے بہت دن بعد ایک روز حجاج جو اس کے پاس گیا تو دیکھا وہ آئینہ دیکھ رہی اور یہ اشعار پڑھ رہی ہے "ہند تو ایک خالص عربی بچھڑی ہے جس پر خچر سوار ہوتا ہے۔ اب اگر وہ گھوڑے کا بچھڑا جنے تو کیا کہنا! اور اگر اس نے خچر جنا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔" حجاج نے یہ سنا تو وہ اس کے پاس نہیں گیا۔ الٹے پاؤں واپس آیا اور اس طرح کہ لڑکی کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔ حجاج نے یہ ارادہ کر لیا کہ اسے طلاق دے دے اور اس کام کے لئے عبداللہ بن طاہر کو بھیجا۔ عبداللہ بن نے لڑکی کے پاس جا کر کہا ابو محمد حجاج کہتا ہے کہ تیرے مہر میں

سے دو لاکھ درہم اس کی طرف جا نکلتے ہیں' وہ حاضر ہیں اور میں طلاق کا وکیل ہوں۔

اس نے جواب دیا اے ابن طاہر جب تک میں اس کے ساتھ رہی' ایک دن بھی خوشی سے نہ گزرا۔ اگر علیحدگی ہو گی تو واللہ مجھے بالکل افسوس نہ ہو گا اور یہ دو لاکھ درہم تیری خوشخبری کا معاوضہ ہے کہ اس ثقیف کتے سے میرا پیچھا چھوٹا۔

اس کے بعد اس کی خبر امیر المومنین عبدالملک بن مروان کو پہنچی۔ لوگوں نے اس کے حسن و جمال' قد و قامت اور شیریں بیانی کی تعریف کی۔ اس نے لڑکی پیغام بھیجا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو بیاسیویں رات

چھ سو بیاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب عبدالملک بن مروان نے لڑکی کے حسن و جمال کی تعریف سنی تو اس کے پاس پیغام بھیجا۔ لڑکی نے جواب میں حمد و نعت کے بعد صرف یہ لکھا' امیر المومنین کو معلوم ہونا چاہیے کہ برتن کو کتا جھوٹا کر گیا ہے۔ امیر المومنین یہ فقرہ پڑھ کر ہنس پڑا اور اس کے جواب میں یہ حدیث لکھی کہ اگر کتا کسی برتن کو جھوٹا کر دے تو چاہیے کہ وہ سات مرتبہ دھو ڈالا جائے' چھ دفعہ سے ایک دفعہ مٹی سے' لہٰذا جس جگہ کو کتے نے جھوٹا کر دیا ہے وہاں کی گندگی دھو ڈال۔ امیر المومنین کا خط پڑھ کر اسے انکار کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ اور اس نے لکھا کہ نکاح بغیر ایک شرط کے نہیں ہو سکتا۔ اگر تو جاننا چاہتا ہے کہ وہ کیا شرط ہے تو میں کہتی ہوں کہ حجاج اپنا لباس پہن کر ننگے پاؤں میرے محمل کو تیرے شہر میں لائے۔ یہ خط پڑھ کر عبدالملک نے بڑے زور سے قہقہہ لگایا اور حجاج کو کہلا بھیجا کہ میں حاضر ہوں۔ ہند نے تیاری کی اور حجاج جلوس کے ساتھ اس کے دروازے پر پہنچا۔ جب ہند محمل میں سوار ہوئی' کنیزوں اور غلاموں نے اس کے ارد گرد ہجوم کیا تو حجاج اپنی سواری سے اتر پڑا اور ننگے پاؤں اس کے اونٹ کی نکیل پکڑ کر لے چلا۔ ہند مع اپنی ماماؤں اور کنیزوں کے اس پر قہقہے لگاتی اور اس کا مذاق اڑاتی جاتی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے خواص سے کہنے لگی کہ محمل کا پردہ اٹھا دے۔ جونہی پردہ اٹھا' لڑکی اور حجاج آمنے سامنے ہو گئے۔ لڑکی اسے دیکھ کر ہنس پڑی اور حجاج نے یہ شعر پڑھا۔ آج تو ہنس رہی' مگر وہ راتیں تو یاد کر جب تجھے اکیلا چھوڑ دیتا تھا اور تو پڑی رویا کرتی تھی۔ ہند نے جوا میں یہ دو شعر پڑھے "جان بچی' لاکھوں پائے۔ اگ انسان بیماری اور مشقت سے بچ جائے تو وہ مال بھی کما سکتا ہے اور عزت بھی دوبارہ حاصل کر سکتا ہے۔" ہند اس پر برابر ہنستی رہی اور اس کا مذاق اڑاتی رہی

یہاں تک کہ خلیفہ کا شہر قریب آ گیا۔ جب وہ شہر میں پہنچ گئی تو اس نے ایک ایک دینارر نیچے گرا دیا اور کہا' اے شتربان' میرے ہاتھ سے ایک درہم نیچے گر گیا ہے' اسے ڈھونڈ کر اٹھا دے۔ حجاج ڈھونڈنے لگا' مگر سوائے دینارر کے اسے کچھ اور نہ ملا۔ اور اس کے کہا یہ تو دینار ہے۔ ہند نے کہا نہیں' درہم ہے۔ حجاج بولا' درہم نہیں بلکہ دینار۔ ہند نے کہا شکر ہے خدا کا کہ اس نے گرے ہوئے درہم کے بدلے مجھے دینار دیا' اچھا مجھے دے دے۔ یہ یہ سن کر حجاج بہت شرمندہ ہوا۔ اس کے بعد حجاج اسے امیر المومنین عبدل الملک بن مروان کے محل تک پہنچا آیا۔ وہ محل میں داخل ہوئی اور خلیفہ کی پیاری ہو گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چھ سو تراسیویں رات

○ خزیمہ اور عکرمہ فیاض کی کہانی

چھ سو تراسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں ایک شخص بنی اسد کے قبیلے سے خزیمہ بن بشر نام تھا۔ بڑی مروت والا اور دولت مند۔ اپنے بھائی بندوں کے ساتھ نیک سلوک کرتا اور بھلائی سے پیش آتا۔ خدا کی شان' وہ غریب ہو گیا اور ان بھائی بندوں سے مدد کا خواہش مند ہوا جن پر اس نے ہمیشہ احسان اور مہربانیاں کی تھیں۔ کچھ دنوں تک تو انہوں نے اس کی مدد کی' لیکن آخر میں اکتا گئے۔ اس نے ان کی تیوری بدلی دیکھی تو اپنی بیوی کے پاس گیا جو اس کی چچیر بہن تھی۔ اور کہنے لگا کہ اے میری چچیری بہن! میں اپنے بھائیوں کی آنکھیں پھری ہوئی دیکھتا ہوں۔ اس لئے میں نے اپنے دل میں ٹھان لی ہے کہ میں گھر سے باہر نہ نکلوں یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا دروازہ بند کر لیا اور جو کچھ اس کے پاس تھا' اس پر گزارہ کرنے لگا۔ پونجی ختم ہو گئی اور فاقوں تک نوبت پہنچنے لگی تو سوچنے لگا کہ اب کیا کرے؟ عکرمہ فیاض سے اس کی جان پہچان تھی جو بنی ربیعہ کے قبیلے کا اور جزیرے کا حاکم تھا۔ ایک دن اس کی مجلس میں خزیمہ بن بشر کا ذکر آ گیا' اس نے پوچھا کہ خزیمہ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا' وہ ایسی مصیبت میں گرفتار ہے جو بیان نہیں کی جا سکتی۔ اس نے اپنا درواز بند کر رکھا ہے اور گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ عکرمہ فیاض نے کہا' یہ مصیبت اس پر اس کی سخاوت کی وجہ سے پیش آئی' مگر اس کا کیا سبب ہے کہ کوئی اس کا ہمدرد اور مدد گار نہیں؟ لوگوں نے کہا' اللہ جانے بہر حال اب اس کا کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ رات ہوئی تو عکرمہ نے چار ہزار دینار لے کر ایک تھیلی میں رکھے اور اپنے گھوڑے پر چار

جامہ رکھوا کر گھر کے لوگوں سے پوشیدہ نکل کھڑا ہوا۔ وہ سوار اور اس کا ایک غلام تھیلی لئے ساتھ ساتھ تھا۔ چلتے چلتے وہ خزیمہ کے دروازے پر پہنچا۔ غلام کے ہاتھ سے تھیلی لے کر اسے دور ہٹا دیا اور خود جا کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ خزیمہ نے تھیلی ہاتھ میں لی تو دیکھا کہ وہ بھاری ہے۔ اس نے تھیلی کو زمین پر رکھ دیا اور گھوڑے کی باگ پکڑ کر پوچھا' قربان جاؤں! بتا تو سہی تو کون ہے؟ عکرمہ نے کہا اگر مجھے پہچاننا منظور ہوتا تو ایسے وقت نہ آتا۔ خزیمہ کہنے لگا جب تک تو بتا نہ دے کہ کون ہے' میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ عکرمہ نے کہا میں شریفوں کی غلطیوں کی اصلاح کرنے والا ہوں۔ خزیمہ نے کہا' ذرا زیادہ تفصیل سے بتا۔ عکرمہ نے کہا' نہیں۔ اور چل دیا۔ ادھر خزیمہ تھیلی لے کر اپنی چچیری بہن کے پاس گیا اور اس سے کہا' خوش ہو' خدا نے ہمیں مال دے کر ہماری مصیبت دور کر دی۔ اگر یہ واقعی درہم ہیں تو بہت زیادہ ہیں' اٹھ اور چراغ جلا۔ بیوی نے کہا' چراغ جلانے کے لئے کوئی چیز میرے پاس نہیں۔ اب خزیمہ رات بھر اندھیرے میں انہیں ٹٹولتا رہا۔ اسے ان میں دیناروں کی سی سختی معلوم ہوئی' مگر یقین نہیں آتا تھا کہ دینار ہوں گے۔

ادھر عکرمہ لوٹ کر گھر پہنچا تو دیکھا کہ اس کی بیوی اسے ڈھونڈ رہی اور لوگوں سے پوچھ رہی ہے اور وہ کہہ رہے ہی کہ عکرمہ سوار ہو کر کہیں چلا گیا ہے۔ عکرمہ سے پوچھا کہ جزیرے کا والی اتنی رات گئے کسی غلام کو ساتھ لئے بغیر اور اپنے گھر والوں سے پوشیدہ ہو نہ ہو کسی عورت یا کنیز کے پاس گیا ہو گا۔ عکرمہ نے کہا' خدا گواہ ہے ان میں سے میں کسی کے پاس نہیں گیا۔ بیوی نے کہا' اچھا تو پھر بتا کہ کہاں گیا تھا؟ عکرمہ بولا اس طرح اس وقت جانے کا میرا یہی مقصد تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ بیوی نے کہا' تجھے بتانا پڑے گا۔ عکرمہ نے کہا اگر تجھ سے کہہ دوں تو کیا تو اسے اپنے دل میں رکھے گی؟ بیوی بولی' ہاں۔ اس نے بیوی سے ساری کہانی اور جو کچھ پیش آیا تھا' کہہ سنایا اور کہا' کیا تو چاہتی ہے کہ میں حلف بھی اٹھاؤں۔

بیوی نے کہا' نہیں مجھے اطمینان ہو گیا۔ تیری بات کا میں یقین کرتی ہوں۔ ادھر خزیمہ نے سویرا ہوتے ہی قرض داروں کا قرض چکا دیا اور اپنی حالت درست کر کے سلیمان بن عبدالملک کے پاس گیا جو اس وقت فلسطین آیا ہوا تھا۔ جب خزیمہ اس کے دروازے پر پہنچا اور حاجبوں سے اندر جانے کی اجازت چاہی تو ایک حاجب نے اندر جا کر کہا کہ خزیمہ آیا ہوا ہے۔ خزیمہ کی سخاوت مشہور تھی۔ سلیمان اسے جانتا تھا اس لئے اس نے کہا کہ بلا لاؤ۔ وہ اندر آیا تو اس نے خلیفہ کہہ کر اسے سلام کیا۔ سلیمان بن عبدالملک نے پوچھا' اے خزیمہ تو اتنے دنوں سے کہا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ میں مصیبت میں گرفتار تھا۔ خلیفہ نے کہا تو پھر کس چیز نے تجھے میرے پاس آنے سے روکا؟ خزیمہ نے کہا اے امیر المومنین میری کمزوری نے۔ خلیفہ نے کہا پھر اب کیسے آیا ہے؟ خزیمہ نے کا اے امیر المومنین! ایک دن بڑی رات گزرے جب کہ میں اپنے گھر میں تھا ایک شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اس نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک سنا دیا۔ سلیمان نے کہا تو اسے پہچانتا ہے؟ خزیمہ نے کہا اے امیر المومنین! میں اسے پہچان نہیں سکا' وہ بھیس بدلے ہوئے تھا اور میں نے سوائے اس کے اسے کچھ نہ سنا کہ میں شریفوں کی غلطی کی اصلاح کرنے والا ہوں۔ یہ سن کر سلیمان بن عبدالملک بے چین ہو گیا اور اس شخص کے جاننے کی اسے چینک لگ گئی۔ کہنے لگا اگر اس کا پتہ لگ جائے تو میں اس کی مروت کا اسے بدلہ دوں گا۔ اس کے بعد اس نے خزیمہ بن بشر کو ایک جھنڈا عطا کیا اور عکرمہ فیاض کی جگہ اسے جزیرے کا والی مقرر کر دیا۔ خزیمہ جزیرے کی طرف چلا۔ قریب پہنچا تو عکرمہ اور جزیرے والے اس کے خیر مقدم کے لئے آئے۔ ایک دوسرے کو سلام کرنے کے بعد وہ سب روانہ ہو گئے۔ خزیمہ شہر میں پہنچ کر ولایت کے محل میں اترا۔ عکرمہ نے ضمانت مانگی اور حکم دیا کہ حساب دیکھا جائے۔ حساب دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کے ذمے بہت سا روپیہ نکلتا ہے۔ خزیمہ نے کہا ادا کر۔ عکرمہ نے کہا' میرے پاس کچھ نہیں۔ خزیمہ نے کہا' تجھے دینار ہو گا؟ عکرمہ نے کہا' میرے پاس ہو تو دوں' جو تیرا جی چاہے کر۔ خزیمہ

نے اسے قید کر دیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو چوراسیویں رات

چھ سو چوراسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عکرمہ فیاض کو قید کر کے خزیمہ نے پھر اس سے روپے کا مطالبہ کیا۔ عکرمہ نے کہلا بھیجا کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اپنی عزت دے کر اپنے مال کو بچاتے ہیں' جو تیرا جی چاہے کر لے۔ خزیمہ نے حکم دیا کہ قید کے علاوہ اسے لوہے کی بیڑیاں بھی پہنا دی جائیں۔ اس تکلیف سے وہ دبلا ہو گیا۔ جب یہ خبر اس کی چچیری بہن کو ملی تو اسے بڑا افسوس ہوا۔ اس نے ایک باندی کو بلایا جو بڑی سمجھ دار تھی اور اس سے کہا کہ فوراً خزیمہ بن بشر کے دروازے پر جا اور اس سے کہہ کہ میں اس سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ اگر کوئی دوسرا تجھ سے پوچھے کہ کیا بات ہے تو کہیوں کہ میں سوائے امیر کے اور اور کسی سے نہیں کہہ سکتی۔ اندر امیر کی خدمت میں پہنچ جائے تو کہیو تنہائی ہونی چاہیے۔ وہ اکیلا ہو تو کہیو' یہ تو نے کیا کیا؟ کیا شریفوں کی لغزشوں کے سنبھالنے والے کا بدلہ تیری طرف سے یہی ہے کہ تو اس کو قید کر کے بھاری بیڑیاں پہنچا دے۔ باندی نے جواب دیا' ہاں اور کون ہو سکتا ہے! خزیمہ نے فوراً حکم دیا کہ گھوڑے پر چار جامہ کسا جائے۔ اس کے بعد اس نے شہر کے بڑے لوگوں کو بلوایا' انہیں لے کر قید خانے کے دروازے پر پہنچا اور اسے کھلوا کر اندر داخل ہوا' دیکھا کہ وہ بیٹھا ہے' اس کی حالت خراب ہے۔ مار اور تکلیف کی وجہ سے اس کا برا حال ہے۔ عکرمہ' خزیمہ کو دیکھ کر شرم گیا اور اپنا سر نیچا کر لیا۔ خزیمہ نے بڑھ کر اس کے سر کو بوسہ دیا۔ عکرمہ نے پوچھا تو یہ کیوں کرتا ہے؟ خزیمہ نے کہا تیری شرافت اور اپنی رذالت کی وجہ سے۔ عکرمہ نے کہا' خدا ہم سب کو اور تجھے معاف کرے۔ اس کے بعد خزیمہ نے داروغہ کا حکم دیا کہ اس کی بیڑیاں کھول کر میرے پاؤں میں ڈال دے۔ عکرمہ نے پوچھا' یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میں چاہتا ہوں

کہ میری بھی وہی گت بنے جو تیری بنی ہے۔ عکرمہ نے کہا' میں تجھے تیری قسم دیتا ہوں کہ ایسا نہ کر۔

وہاں سے عکرمہ کو لے کر خزیمہ اپنے گھر آیا۔ عکرمہ اس سے رخصت ہو کر جانے لگا۔ خزیمہ نے کہا' میں چاہتا ہوں کہ تیری حالت سدھر جائے۔ میں تجھ سے زیادہ تیری چچیری بہن سے شرمندہ ہوں۔ اس کے بعد خزیمہ نے حکم دیا کہ حمام خالی کیا جائے اور دونوں حمام میں گئے۔ خزیمہ نے کمر باندھ کر خود اس کی خدمت کی۔ باہر نکل کر اسے ایک قیمتی خلعت عطا کیا اور اسے سوار کر کے بہت سا مال اس کے ساتھ کیا پھر اس کے گھر جا کر اجازت چاہی کہ اس کی چچیری بہن سے معذرت کرے۔ اس سے معذرت کر چکا تو عکرمہ سے کہا میرے ساتھ سلیمان بن عبدالملک کے پاس چل جو اس وقت رملہ میں تھا۔ عکرمہ نے منظور کر لیا' دونوں سلیمان بن عبدالملک کے پاس پہنچے۔ حاجب نے اندر جا کر خزیمہ بن بشر کے آنے کی خبر دی۔ خلیفہ یہ سن کر ڈر گیا اور کہنے لگا کہ جزیرے کا والی بے بلائے آیا ہے ضرور کوئی نہ کوئی خطر ناک بات پیش آئی ہو گی' اور اسے اندر بلا لیا۔ خزیمہ اندر آیا تو خلیفہ نے سلام سے پہلے ہی کہا' خزیمہ کیا خبر ہے؟ اس نے کہا' امیر المومنین خیریت ہے۔ خلیفہ نے پوچھا تیرے آنے کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا کہ شریفوں کی لغزشوں کو سدھارنے والا مل گیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تو اس سے مل کر خوش ہو' تجھے اس سے ملنے کی تمنا اور اسے دیکھنے کی آرزو تھی۔ خلیفہ نے کہا وہ کون ہے؟ خزیمہ نے کہا عکرمہ فیاض۔ خلیفہ نے کہا اسے بلاؤ۔ عکرمہ نے آ کر خلیفہ کو اس کے رتبے کے مطابق سلام کیا۔ خلیفہ نے اسے مرحبا کہا اور اپنے پاس بٹھا کر کہا' اے عکرمہ' اس کے ساتھ بھلائی کرنے میں تیرے اوپر بلا نازل ہوئی۔ اچھا اب اپنی تمام ضرورتیں اور حاجتیں ایک پرچے پر لکھ دے۔ وہ لکھ چکا تو خلیفہ نے حکم دیا کہ انہیں فوراً پورا کیا جائے۔ اور علاوہ ان ضرورتوں کے جو اس نے لکھیں تھیں خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے دس ہزار دینار دیئے جائیں۔ خلیفہ نے اسے کپڑوں کے بیس صندوق بھی عطا فرمائے۔ اس کے

بعد اس نے ایک نیزہ منگوا کر عکرمہ کے لئے جزیرے' ارمنستان اور آذر بائیجان کا جھنڈا باندھ دیا اور اس سے کہا خزیمہ کا فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ خواہ تو اسے برخاست کرے یا بحال رکھے۔ عکرمہ نے کہا میں اسے اس کی جگہ بحال رکھتا ہوں۔ اس کے بعد دونوں خلیفہ کے ہاں سے روانہ ہو گئے اور جب تک سلیمان بن عبد الملک خلیفہ رہا' وہ بھی والی رہے۔

○ یونس کاتب اور ولید بن سہل کی کہانی

کہتے ہیں کہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں ایک شخص یونس کاتب تھا۔ اس کی بڑی شہرت تھی۔ ایک بار وہ شام کے سفر میں گیا۔ اس کے ساتھ ایک کنیز تھی' حسن کی دیوی' ہنر مند اور ہر چیز سے آراستہ' اس کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی۔ کاروان چلتے چلتے دمشق کے پاس ایک تالاب پر ٹھہرا۔ یونس اس کے ایک کنارے اترا' اپنا کھانا نکالا اور ایک مشکیزہ جس میں نبیذ تھی' کھانے پینے میں مشغول تھا کہ ایک خوبصورت جوان گھوڑے پر سوار دو غلام ساتھ لئے پہنچا۔ یونس کو سلام کیا اور کہنے لگا' کیا تو ایک شخص کو اپنی مہمانی میں قبول کرے گا؟ یونس بولا ضرور۔ جوان اتر پڑا اور یونس سے کہا' مجھے شراب پلا۔ یونس نے اسے شراب پلائی اور کہا اگر تیرا جی چاہے تو کچھ گا کر سنا۔ جوان نے یہ شعر گا کر سنایا۔ "اس میں وہ حسن کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے جو کسی اور میں نہیں۔ اس کی محبت میں مجھے آنسو بہانا اور جاگنا بھی پیارا معلوم ہوتا ہے۔" اپنی کنیز سے کہہ کر کچھ گائے۔" کنیز نے یہ شعر گایا۔ "وہ حور ہے اس کا ناز و انداز دیکھ کر میرا دل حیران ہو گیا۔ اس کا مقابلہ نہ شاخ کر سکتی ہے' نہ سورج نہ چاند۔" یونس کا دل بے تاب ہو گیا اور کئی جام اور اس کو پلائے۔ جوان یونس کے ساتھ رہا یہاں تک کہ دونوں نے عشاء کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد جوان نے پوچھا تو اس شہر میں کس ارادے سے آیا ہے؟ یونس نے جواب دیا' اس لئے کہ

میں کچھ کما کر اپنا قرضہ ادا کروں اور اپنی حالت سدھاروں۔ جوان نے کہا' کیا تو اس کنیز کو میرے ہاتھ تیس ہزار درہم میں بیچ ڈالے گا۔ یونس نے کہا مجھے خدا کی اس مہربانی کی بہت ضرورت ہے' بلکہ اس سے بھی زیادہ کی۔ جوان نے کہا کہ چالیس ہزار درہم تیرے لئے کافی ہوں گے؟ یونس نے کہا یہ تو قرضے کی رقم ہوئی جو میرے اوپر ہے' اسے ادا کر کے میں خالی ہاتھ رہ جاؤں گا۔ جوان نے کہا اچھا تو پھر میں نے اسے پچاس ہزار درہم میں خرید لیا۔ اس کے علاوہ تجھے راہ خرچ دوں گا اور کپڑے لتے' بلکہ جب تک زندہ رہوں گا' اپنے ساتھ شریک رکھوں گا۔ یونس نے کہا' ہاں میں نے بیچ دیا۔ جوان نے کہا اگر میں دام کل تیرے پاس بھیج دوں تو کیا تو مجھ پر بھروسہ کرے گا اور کنیز کو میرے ساتھ کر دے گا۔ ورنہ کل تک جب میں تجھے دام بھیجوں' اس کنیز اپنے پاس رہنے دے۔ نشے' شرم اور نوجوان کے ڈر کی وجہ سے یونس سے انکار کرتے بن نہ پڑا۔ اس نے کہہ دیا مجھے تجھ پر اعتبار ہے' کنیز کو لے جا' خدا تجھے مبارک کرے!

جوان نے اپنے ایک غلام سے کہا کہ اس کنیز کو اپنے گھوڑے پر بٹھا لے' تو خود اس کے پیچھے بیٹھ جا اور اسے لے چل۔ جوان بھی یونس سے رخصت ہو کر چل دیا۔ ابھی جوان اس کی نظروں سے اوجھل ہی ہوا تھا کہ وہ اپنے دل میں کہنے لگا۔۔ میں نے اس سودے میں غلطی کی ہے' آخر مجھے کیا سوجھی تھی کہ میں نے اپنی کنیز کو ایک شخص کے سپرد کر دیا جسے پہچاننا تو درکنار یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ ہے کون۔ اور مانا کہ میں اسے پہچانتا ہوں' پھر بھی میری اس تک رسائی کیونکر ہو سکتی ہے۔ وہ صبح تک یہی سوچتا رہا۔ جب فجر کی نماز پڑھ چکا اور اس کے ساتھی دمشق میں داخل ہو گئے تو وہ حیران پریشان ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے لیکن وہ وہیں بیٹھا رہا یہاں تک کہ اس پر تیز دھوپ پڑنے لگی جس کو وہ برداشت نہ کر سکا۔ دمشق میں جانے کا ارادہ کیا۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ اگر میں اندر چلا گیا' قاصد آیا اور مجھے نہ پایا تو یہ دوسری غلطی ہو گی۔ یہ سوچ کر وہ ایک دیوار کے سائے میں

بیٹھ گیا۔ دن ڈھلنے لگا تو اس نے ان دونوں غلاموں میں سے ایک کو آتے دیکھا جو جوان کے ساتھ تھے۔ اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس غلام کو دیکھ کر جو خوشی مجھے حاصل ہوئی ہے وہ آج تک نہیں ہوئی۔ غلام اس کے پاس پہنچ کر کہنے لگا اے میرے آقا! مجھے تیرے پاس آنے میں دیر ہوئی۔ یونس نے اس گھبراہٹ کا بالکل ذکر نہ کیا جو اسے ہو رہی تھی۔ غلام نے پوچھا کیا تو اس شخص کو پہچانتا ہے جس نے تجھ سے کنیز خریدی ہے؟ یونس نے کہا' نہیں۔ غلام بولا' وہ ولید بن سہل امیر المومنین کا ولی عہد ہے۔ یونس یہ سن کر دم بخود ہو گیا۔ غلام نے کہا اٹھ اور سوار ہو۔ اس غلام کے پاس ایک گھوڑا تھا جس پر اس نے یونس کو سوار کر دیا۔ دونوں چلتے چلتے ایک مکان کے اوپر پہنچے اور اس میں داخل ہوئے۔ وہاں اس کنیز کی نظر یونس پر پڑی اور اس نے سلام کیا۔ یونس نے پوچھا تیرے خریدنے والے نے تجھ سے کیا برتاؤ کیا؟ کنیز نے کہا' اس نے مجھے اس حجرے میں اتارا ہے اور حکم دیا ہے کہ میری تمام ضرورتیں پوری کی جائیں۔ یونس کنیز کے پاس تھوڑی دیر بیٹھا ہو گا کہ مکان کے مالک کے ایک غلام نے آ کر کہا' اٹھ' میرے ساتھ چل۔ یونس اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیا' وہ غلام اسے اپنے آقا کے پاس لے گیا۔ یونس نے دیکھا کہ وہ شخص وہی ہے جو کل رات اس کا مہمان تھا اور آج وہ اپنے تخت پر بیٹھا ہے۔ اس نے پوچھا تو کون ہے؟ یونس نے جواب دیا' میرا نام یونس کاتب ہے؟ وہ بولا' مرحبا' واللہ میں تجھے دیکھنے کا مشتاق تھا۔ میں نے تیرا حال سنا ہے۔ بتا تو سہی کہ تیری رات کیسی گزری؟ یونس نے جوب دیا' خیریت سے' خدا تیرا بول بالا کرے' پھر اس نے کہا شاید را رات کے واقعہ پر پچھتایا ہے اور اپنے دل میں کہا ہے کہ میں نے اپنی کنیز ایک ایسے شخص کو دے دی جسے پہچاننا تو درکنار اس کا نام اور وطن تک نہیں جانتا۔ یونس نے کہا' معاذ اللہ! اے امیر! بھلا میں اس پر کیا پچھتاتا' اگر میں اسے امیر کو مفت بھی دے دیتا تو وہ تیرے لئے ایک ناچیز ہدیہ تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو پچاسیویں رات

چھ سو پچاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ یونس کاتب نے کہا کہ اگر میں کنیز تجھے مفت بھی دے دیتا تو وہ تیرے لے ایک ناچیز تحفہ ہے' تیرے آگے اس کی حقیقت کیا ہے! ولید نے کہا واللہ میں اسے تجھ سے لے کر بہت پچھتایا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ پردیسی آدمی ہے' مجھ کو پہچانتا تک نہیں۔ میں نے اس پر ظلم کیا۔ بڑی حماقت کی کہ کنیز کو اتنی جلد اس سے لے لیا۔ تجھے یاد ہے کہ ہم میں کیا باتیں ہوئی تھیں؟ یونس نے کہا' ہاں! ولید بولا اچھا تو کیا تو واقعی اس کنیز کو پچاس ہزار دینار میں میرے ہاتھ فروخت کر رہا ہے؟ یونس نے کہا ہاں۔ ولید نے غلام سے کہا دام لے آ۔ اس نے دام لا کر اس کے آگے رکھ دیئے۔ ولید نے کہا اے غلام' ایک ہزار پانچ سو دینار اور لے آ۔ غلام وہ بھی لے آیا۔ ولید نے یونس سے کہا یہ تو تیری کنیز کے دام ہیں۔ اور ایک ہزار دینار اس بات کے کہ تونے میری طرف سے بدگمانی نہیں کی اور یہ پانچ سو دینار اس لئے کہ ہیں تو راہ میں خرچ کرے اور اپنے بال بچوں کے واسطے کچھ خرید کر لے جائے۔ منظور ہے؟ یونس نے کہا' منظور ہے اور اس کے ہاتھ چوم کر کہا خدا کی قسم! تو نے میری آنکھیں اور دل سب کو پر کر دیا۔ اس کے بعد ولید نے کہا خدا کی قسم! اب تک نہ میں نے اس سے تنہائی کی' نہ اس کا گانا سن کر خوش ہوا۔ پھر حکم دیا کہ کنیز کو لاؤ۔ کنیز آئی تو ولید نے اس سے کہا بیٹھ جا۔ وہ بیٹھ گئی۔ ولید نے کہا گا' وہ گانے لگی۔ ولید باغ باغ ہو گیا اور اس نے میرا شکریہ ادا کیا میں نے اسے اتنی اچھی تعلیم و تربیت دی ہے۔ اس کے بعد ولید نے غلام سے کہا' اے غلام اس کے لئے ایک گھوڑا مع زین کے لا تا کہ وہ اس پر سوار ہو کر ایک خچر جس پر وہ سامان رکھے۔ بعد ازاں اس نے یونس سے

کہا اے یونس، جب تجھے خبر ملے کہ میں خلیفہ ہو گیا ہوں تو میرے پاس آئیو۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیرے دونوں ہاتھ مال سے بھر دوں گا۔ تیرا مرتبہ بڑھا دوں گا اور مرتے دم تک تجھے دولت کی کمی نہیں رہے گی۔ یونس وہ مال لے کر رخصت ہو گیا۔ یونس کا بیان ہے کہ جب ولید خلیفہ ہوا تو میں اس کے پاس گیا۔ اس نے جو کچھ وعدہ کیا تھا، پورا کیا، میری بڑی آؤ بھگت کی اور میں نے اس کے ساتھ بڑی خوشحالی اور قدر و منزلت کی زندگی بسر کی۔ میری حالت بہت سدھر گئی، میرے پاس اتنی دولت اور جائیدادیں ہو گئیں کہ وہ مرتے دم تک کافی ہوں گی، بلکہ میرے بعد وارثوں کے بھی کام آئیں گی۔ میں برابر اس کے ساتھ رہا یہاں تک کہ وہ مارا گیا، خدا اس پر رحمت کرے۔

○ ہارون الرشید اور عرب لڑکی کی کہانی

کہتے ہیں کہ ایک روز ہارون الرشید جعفر برمکی کے ساتھ سیر کرتا کرتا چند لڑکیوں کے پاس سے گزرا جو پانی پلا رہی تھیں اور پانی پینے کے لئے ان کی طرف گیا۔ کیا دیکھتا ہے ان میں ایک لڑکی دوسری لڑکیوں کی طرف مخاطب ہو کر عشقیہ اشعار پڑھ رہی ہے۔ امیر المومنین اس کی خوبصورتی اور فصاحت پر دنگ رہ گیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو بیاسیویں رات

چھ سو بیاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... امیر المومنین اس کی خوبصورتی اور فصاحت پر دنگ رہ گیا اور اس سے پوچھنے لگا۔ اے نیک بخت لڑکی! یہ اشعار تیرے ہیں یا کسی اور کے؟ لڑکی نے کہا' میرے ہیں۔ خلیفہ بولا اگر تیرے ہیں تو اس مضمون کو قافیہ بدل کر ادا کر۔ لڑکی نے فی البدیہہ اس مضمون کو قافیہ بدل کر ادا کر دیا۔ خلیفہ نے کہا یہ بھی چرائے معلوم ہوتے ہیں۔ لڑکی بولی' نہیں بلکہ میرے ہی ہیں۔ خلیفہ نے کہا اگر تیرے ہیں تو قافیہ بدل کر اسی مضمون کو پھر کہہ۔ لڑکی نے ایسا ہی کیا۔ خلیفہ نے کہا' میں انہیں بھی چوری کے سمجھتا ہوں۔ لڑکی نے کہا نہیں' یہ بھی میں نے کہے ہیں۔ خلیفہ نے کہا اگر یہ تیرا کلام ہے تو اچھا اسی مضمون کو دوسرے قافیوں میں ادا کر۔ لڑکی نے پھر اسی مضمون کو دوسرے قافیوں میں دہرایا۔ امیر المومنین نے کہا کہ تو اس قبیلے میں سے کس گھرانے کی ہے؟ لڑکی بولی' وہ اس گھرانے کی جس کے گھر متوسط ہیں اور کھمبے اونچے۔ امیر المومنین سمجھ گیا کہ وہ قبیلے کے سردار کی بیٹی ہے۔ اب لڑکی نے کہا کہ تراکن گھوڑوں کا چرواہا ہے؟ خلیفہ نے کہا ان کا جن کا شجرہ سب سے بلند ہے اور جن کے پھل سب سے زیادہ پکے ہوئے ہیں۔ لڑکی نے زمین کو بوسہ دے کر کہا' اے امیر المومنین! خدا تیری مدد کرے! اس کے بعد خلیفہ کو دعا دے کر دوسری عرب لڑکیوں کے ساتھ وہاں سے چل دی۔ خلیفہ نے جعفر سے کہا' میں اس سے ضرور شادی کروں گا۔ جعفر نے لڑکی کے باپ کے پاس جا کر کہا کہ امیر المومنین تیری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے' تو اس لڑکی کو ہمارے مولا امیر المومنین کی خدمت میں پیش کر دے۔ وہ راضی ہو گیا اور اس نے لڑکی کو جہیز دے کر خلیفہ کے پاس بھیج دیا۔ خلیفہ نے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ اس سے ہم بستر ہوا اور اس کا شمار خلیفہ کی چہیتی بیویوں میں ہونے لگا۔ پھر خلیفہ نے

اس کے باپ کو اتنا انعام و اکرام دیا کہ عربوں میں اس کا بول بالا ہو گیا۔ جب اس کے باپ نے انتقال کیا تو اس کی خبر خلیفہ کو پہنچی اور وہ لڑکی کے پاس غمگین صورت بنا کر گیا۔ لڑکی اسے غمگین دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی' اپنے کمرے میں جا کر اس نے اپنے قیمتی کپڑے اتار ڈالے اور سوگ کا لباس پہن کر باپ پر رونے پیٹنے لگی۔
لوگوں نے پوچھا کہ تو کیا کر رہی ہے؟ اس نے کہا' میرا باپ مر گیا ہے۔ انہوں نے یہ خبر جا کر خلیفہ کو دی۔ خلیفہ فوراً اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یہ خبر تجھے کس نے دی؟ لڑکی نے کہا' امیر المومنین! تیرے چہرے نے۔ خلیفہ نے کہا' یہ کیسے؟ لڑکی بولی جب سے میں تیرے پاس ہوں' میں نے تجھے کبھی اس طرح نہیں دیکھا سوائے اپنے باپ کے اور کسی کا مجھے اندیشہ نہ تھا' کیونکہ وہ بوڑھا تھا' خدا تجھے سلامت رکھے اے امیر المومنین! خلیفہ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور اس نے لڑکی سے تعزیت کی ۔ لڑکی مدت تک باپ کے سوگ میں رہی یہاں تک کہ اس سے جا ملی۔ خدا ان سب پر رحمت کرے!

○ اصمعی اور تین لڑکیوں کی کہانی

کہتے ہیں کہ رات امیر المومنین ہارون الرشید کو نیند نہ آئی' وہ اٹھ کر ایک کمرے سے دوسرے میں ٹہلنے لگا اور رات بھر بہت بے چین رہا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے کہا کہ اصمعی کو بلاؤ۔ نوکر نے دربانوں کے پاس جا کر کہا کہ امیر المومنین کہتا ہے کہ اصمعی کو بلاؤ۔ اصمعی آیا اور خلیفہ کو خبر ہوئی تو اس نے اسے اندر بلا لیا' سامنے بٹھایا' مرحبا کہا اور بولا اے اصمعی! میں چاہتا ہوں کہ عورتوں کا جو بہترین قصہ اور اشعار تجھے یاد ہوں' مجھے سنا۔ اصمعی نے کہا قصے اور اشعار تو مجھے یاد ہیں لیکن سوائے ان تین اشعار کے اور مجھے پسند نہیں جو میں نے تین لڑکیوں سے سنے ہیں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• چھ سو ستاسیویں رات

چھ سو ستاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب اصمعی نے تین لڑکیوں کے تین اشعار کا ذکر کیا تو خلیفہ نے کہا' اچھا سنا۔ اصمعی نے کہا' اے امیر المومنین! ایک سال جب کہ میں بصرے میں تھا' ایک روز اتنی گرمی پڑی کہ میں سایہ تلاش کرنے لگا لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ میں دہنے بائیں دیکھ ہی رہا تھا کہ میری نظر ایک بیٹھک پر پڑی جہاں جھاڑو ملی ہوئی اور پانی چھڑکاؤ کیا ہوا تھا اور جس کے اندر ایک لکڑی کی چوکی پڑی ہوئی تھی۔ چوکی کے اوپر طرف ایک جھروکا تھا جس میں سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ میں بیٹھک میں جا کر چوکی پر بیٹھ گیا اور چاہتا تھا کہ آرام کروں۔ اتنے میں ایک لڑکی کی پیاری پیاری آواز آئی۔ جو اپنی بہنوں سے یہ کہہ رہی تی کہ بہنو! آج ہم ہنسی مذاق کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ آؤ ہم تین سو دینار جمع کریں اور ہم میں سے ہر ایک' ایک شعر کہے' جس کا شعر سب سے زیادہ اچھا ہو' وہ ان تین سو دیناروں کو لے لے۔ انہوں نے جواب دیا کہ سر آنکھوں پر اور بڑی نے یہ شعر پڑھا "اگر وہ خواب میں میرے بستر پر آئے تو میں خوش ہو جاؤں گی' مگر اس سے زیادہ خوشی مجھ اس بات کی ہو گی کہ وہ جاگتے میں آئے۔" منجھلی نے کہا "خواب میں محض اس کی صورت مجھے دکھائی دیتی ہے اور میں اس کا خیر مقدم کرتی ہوں۔" چھوٹی نے کہا "میں اور میرا سارا گھر بار اس پر قربان ہو جو ہر رات میرے ساتھ سوتا ہے اور اس میں مشک کی خوشبو مہکتی ہے۔"

میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر اس کلام کے مطابق وہ حسین بھی ہوں تو پھر کیا کہنا' یہ کہہ کر میں چوکی پر سے اترا اور جانا چاہتا ہی تھا کہ دروازہ کھلا اور ایک لڑکی یہ کہتی ہوئی نکلی' اے بوڑھے بیٹھ جا۔ یہ سن کر میں پھر چوکی پر بیٹھ گیا اور لڑکی نے ایک پرچہ نکال کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی تحریر نہایت خوبصورت ہے۔ الف سیدھے'

ہ کھوکھلی اور واؤ گول ہیں۔ مضمون اس کا یہ تھا کہ ہم بڑے میاں سے کیا کہنا چاہتے ہیں' خدا اس کی عمر میں برکت دے! کہ ہم تین لڑکیاں بہنیں ہیں۔ بیٹھ کر ہنسی مذاق کر رہے تھے ہم نے تین سو دینار نکال کر رکھے اور یہ شرط لگائی کہ ہم میں سے جو بہترین شعر کہے گی' اسے یہ تین سو دینار مل جائیں گے۔ ہم سب تجھے حکم بناتے ہیں تو' اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کر۔ والسلام۔ میں نے لڑکی سے کہا' دوات اور کاغذ لا۔ یہ سن کر وہ چلی گئی اور ایک رو پہلی دوات اور سنہرا قلم لے کر آئی۔ میں نے اس پر سارے واقعات کو نظم میں لکھ دیا۔ آخری شعر یہ تھا کہ میں چھوٹی کے شعر کو ترجیح دیتا ہوں کیونکہ وہ سچائی کے قریب تر ہے۔ اصمعی کا بیان ہے کہ پرچہ لکھ کر میں نے لڑکی کو دے دیا اور وہ اسے لے کر محل میں چلی گئی۔ اور اندر سے ناچنے اور تالیاں بجانے کی آواز آنے لگی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب مجھے یہاں ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور میں چوکی پر سے اتر کر جانے والا ہی تھا کہ اس لڑکی نے پکار کر کہا' اے اصمعی بیٹھ' میں نے کہا تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں اصمعی ہوں؟ اس نے جواب دیا' بڑے میاں' ہم تجھے جانیں یا نہ جانیں لیکن تیرے کلام کو تو جانتے ہیں۔ میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور پہلی لڑکی ایک ہاتھ میں میوے کی سینی اور ایک میں مٹھائی لئے ہوئے نکلی۔ میں نے میوے اور مٹھائی کھائی اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ اب پھر میں نے چلنا چاہا کہ ایک لڑکی نے پکار کر کہا اے اصمعی بیٹھ! میں نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس کی ہتھیلیاں لال لال اور آستینیں زرد

زرد تھیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا بدلیوں میں سے چاند نکل آیا ہے۔ اس نے میرے آگے تین سو دینار کی ایک تھیلی رکھ دی اور کہا یہ میرے ہیں اور میں تجھے بطور ہدیے کے دیتی ہوں کیونکہ تو نے خوب فیصلہ کیا ہے۔

امیر المومنین نے پوچھا' تو نے چھوٹی کے متعلق فیصلہ کیوں کیا؟ اصمعی نے کہا اے امیر

المومنین' خدا تیری عمر میں برکت دے! بڑی لڑکی کے شعر میں محبوب دور ہے اور اس سے ملنے کی ایک شرط ہے جو پوری ہو یا نہ ہو۔ منجھلی لڑکی کے شعر میں محبوب اس کے خیال میں آیا ہے اور اس نے اسے سلام کیا ہے' مگر چھوٹی لڑکی کہتی ہے کہ وہ سچ مچ اس کے ساتھ ہم بستر ہوئی اور مشک سے بہتر خوشبو اسے آئی۔ اس نے محبوب پر اپنی جان اور اپنا خاندان نثار کر دیا' اور انسان اپنے آپ کو کسی پر اسی وقت نثار کرتا ہے جب کہ وہ اپنے آپ سے زیادہ پیارا ہو۔ خلیفہ نے کہا اصمعی' تو نے خوب فیصلہ کیا اور اس نے بھی اصمعی کو اس قصے کے بدلے تین سو دینار دیئے۔

○ ابو اسحٰق موصلی اور شیطان کی کہانی

ابو اسحٰق ابراہیم موصلی کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار ہارون الرشید سے ایک روز کی چھٹی مانگی تا کہ میں اپنے گھر والوں اور دوستوں سے مل آؤں۔ خلیفہ نے ہفتے کی چھٹی دی۔ میں نے گھر پہنچ کر کھانے پینے اور دوسری ضروری چیزوں کی تیاری شروع کر دی۔ دربانوں کو حکم دیا کہ کسی کو میرے پاس نہ آنے دیں۔ ابھی میں بیٹھک ہی میں تھا اور عورتیں آس پاس جمع تھیں کہ ایک شاندار خوبصورت بوڑھا آیا۔ سفید لباس اور ایک قیمتی قمیص پہنے ہوئے' سر پر عالمانہ پگڑی تھی' ہاتھ میں ایک ٹیڑھا ڈنڈا جس کا دستہ چاندی کا تھا۔ اس کے عطر لگے ہوئے کپڑوں کی خوشبو سے گھر اور محرابیں مہکنے لگیں۔ اسے آتے دیکھ کر میں طیش میں آ گیا اور چاہتا تھا کہ دربانوں سے کہوں کہ اسے نکال دو۔ اتنے میں اس نے نہایت ادب سے سلام کیا۔ میں نے اس کے سلام کا جواب دیا اور کہا' بیٹھ جا۔ وہ بیٹھ کر عرب کا قصے اور اشعار سنانے لگا' یہاں تک کہ میرا غصہ بالکل ٹھنڈا ہو گیا۔ اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ میرے غلاموں کو میری خوشی منظور ہو گی جو انہوں نے ایسے تربیت یافتہ اور خوش مذاق شخص کو میرے پاس اندر بھیج دیا۔ میں نے کہ اچھا کچھ پی لیجیے؟ وہ بولا تیری مرضی۔ میں نے ایک

قدح بھر کر خود پیا اور اتنا ہی اسے بھی دیا۔ اب اس نے کہا اے ابو اسحٰق! مجھے کچھ گا کر سنا تا کہ میں تیرا فن دیکھوں جس پر تو خاص و عام سے بازی لے گیا ہے۔
اس کی فرمائش پر مجھے بڑا غصہ آیا، مگر میں نے اپنے دل پر جبر کر کے سارنگی اٹھائی اور گانے بجانے لگا۔ اس نے کہا کیا خوب ابو اسحٰق! ابراہیم کا بیان ہے کہ اس پر مجھے اور غصہ آیا اور میں نے اپنے دل میں کہا اس نے یہی بات کافی نہ سمجھی کہ بغیر اجازت کے میرے پاس آ دھمکا ر اور مجھے دق کرے لگا بلکہ خطاب کے اصول کے خلاف اس کا بدلہ دوں گا۔ میں نے اپنے اوپر جبر کر کے سارنگی اٹھائی اور اس کا کہنا یاد رکھا کہ میں تجھے اس کا بدلہ دوں گا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- چھ سو اٹھاسیویں رات

چھ سو اٹھاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابو اسحٰق! گاتے وقت اس کی یہ بات بالکل نہ بھولا کہ میں تجھے اس کا بدلہ دوں گا۔ غرض کہ وہ شخص خوش ہو گیا اور اس نے کہا اے میرے آقا خوب گایا! پھر کہا کہ اجازت ہے' میں بھی کچھ گاؤں؟ میں نے کہا' تیری مرضی اور میں نے دل میں کہا وہ کیسا بے وقوف آدمی ہے کہ میرے گانے کے بعد میرے سامنے گانے کی ہمت کرتا ہے! اب اس شخص نے سارنگی لے کر اس کے تاروں پر ہاتھ پھیرا' واللہ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ سارنگی فصیح عربی بول رہی ہے اور اس میں سے پیاری گنگنانے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ اس نے گانا شروع کیا۔ ابو اسحٰق کہتا ہے کہ واللہ مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ در و دیوار اور گھر کی ساری چیزیں اس کے ساتھ ساتھ گا رہی ہیں بلکہ میرا رونگٹا رونگٹا اور کپڑے تک اس کے گانے کا ساتھ دے رہے ہیں۔ میں اتنا ہکا بکا ہو گیا کہ نہ منہ سے بات نکلتی تھی نہ جنبش کر سکتا تھا۔ اس کے بعد اس نے دوبارہ گایا' پھر تیسری دفعہ اور کہنے لگا' اے ابراہیم! اس راگ کو میرے انداز پر گا اور اپنی کنیزوں کو بھی سکھا دے۔ میں نے کہا ذرا ایک بار اور گا۔ اس نے کہا دہرانے کی ضرورت نہیں' تو اسے سیکھ کر فارغ ہو چکا ہے۔ یہ کہہ کر وہ میرے سامنے سے غائب ہو گیا۔ مجھے حیرت ہو گئی۔ میں نے تلوار اٹھا کر کھینچ لی اور اسے ہاتھ میں لئے حرم سرا کے دروازے کی طرف لپکا' مگر اسے بند پایا۔ میں نے کنیزوں سے پوچھا تم نے کیا سنا؟ انہوں نے کہا اتنا عمدہ اور پیارا گانا سنا جو کبھی نہ سنا تھا۔ اب میں حیران ہو کر گھر کے دروازے پر گیا' وہ بھی بند تھا۔ دربانوں سے پوچھا کہ وہ بوڑھا کون تھا؟ انہوں نے کہا' کون سا بوڑھا؟ واللہ آج تو تیرے پاس کوئی بھی نہیں آیا۔ میں وہاں سے سوچتا ہوا لوٹ ہی رہا تھا کہ مکان کے ایک طرف سے اسی شخص نے آواز دی اور کہا

ابو اسحق ڈر نہیں' میں شیطان ہوں اور آج تیرا ندیم تھا۔ خوف کی کوئی وجہ نہیں۔ میں جھٹ سوار ہو کر ہارون الرشید کے پاس گیا اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا وہ راگ سنا جو تونے اس سے سیکھے۔ میں نے سارنگی لے کر بجانی شروع کی کیونکہ وہ راگ میرے دل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہارون الرشید انہیں سن کر خوش ہو گیا۔ سنتا جاتا اور پیتا جاتا حالانکہ اسے پینے سے زیادہ شوق نہ تھا اور کہتا کاش وہ خود ایک روز مجھے خوش کر دیتا جیسا کہ اس نے تجھے کیا ہے۔ اس کے بعد خلیفہ نے مجھے انعام دے کر رخصت کر دیا۔

○ عشق عذر کی کہانی

مسرور غلام کہتا ہے کہ ایک رات امیر المومنین خلیفہ ہارون الرشید کو نیند نہیں آتی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا اے مسرور' اس وقت کون کون شاعر دروازے پر حاضر ہیں؟ میں نکل کر باہر گیا تو وہاں جمیل بن معمر عذری تھا۔ میں نے اس سے کہا' چل امیر المومنین تجھے یاد کرتا ہے۔ وہ میرے ساتھ ہو گیا۔ ہم دونوں اندر گئے اور اس نے اسے خلیفہ خطاب کر کے سلام کیا۔ خلیفہ نے سلام کا جواب دے کر بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد خلیفہ نے پوچھا اے جمیل! تجھے کوئی عجیب و غریب کہانی یاد ہے۔ اس نے کہا اے امیر المومنین! کیا تو ایسی کہانی چاہتا ہے جو میں نے آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی ہو یا ایسی جو کسی اور سے سن سنا کر یاد کر لی ہو۔ خلیفہ نے کہا ایسی سنا جو تو نے آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی ہو۔ جمیل نے عرض کیا' بہت خوب' اے امیر المومنین! میری طرف متوجہ ہو جا اور کان لگا کر سن۔ ہارون الرشید نے ایک سرخ زر بفت کا تکیہ لے کر' جس پر سونے کا کام تھا اور جس میں شتر مرغ کے روئیں بھرے ہوئے تھے' اپنی رانوں کے نیچے رکھ لیا اور اس پر دونوں کہنیاں ٹیک کر کہا' اے جمیل سنا۔ جمیل نے کہا اے امیر المومنین مجھے ایک لڑکی سے عشق تھا' میرے دل

و جان اس پر قربان تھے۔ میں اس کے پاس آیا جایا بھی کرتا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو نواسیویں رات

چھ سو نواسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جمیل نے کہا کہ میں اس کے پاس آیا جایا کرتا تھا' کیونکہ دنیا بھر میں وہی میری مطلوبہ تھی۔ تھوڑے دن کے بعد اس کا قبیلہ وہاں سے چل دیا۔ وہاں گھاس کی کمی تھی۔ اس طرح ایک مدت تک میں اسے دیکھ نہ سکا۔ بالاخر میرے عشق نے مجھے بے چین کر دیا' میرے دل اس کی طرف کھنچنے لگا۔ اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس کے پاس چلنا چاہیے۔ ایک رات میرا شوق اتنا زیادہ بڑھا کہ میں نے فوراً اٹھ کر اونٹنی پر کاٹھی رکھی' پگڑی باندھ کر اپنے پرانے کپڑے پہن لئے۔ تلوار باندھ' نیزہ لگا' اونٹنی پر بیٹھ گیا اور محبوبہ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے ایک بہت زیادہ اندھیری رات کو جب کہ میں وادیوں میں اترتا' پہاڑوں پر چڑھتا چلا جا رہا تھا مجھے شیروں نے دہاڑنے' بھیڑیوں اور دوسرے درندوں کی بھیانک آوازیں سنائیں دیں۔ میرے ہوش و حواس جاتے رہے' ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔ زبان سے سوائے خدا کی یاد کے اور کچھ نہ نکلتا تھا۔ اسی حالت میں چلا جا رہا تھا کہ نیند آنے لگی' میں اونٹنی کو راستے سے ہٹا کر لے چلا اور سو گیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کوئی میرے سر پر دھولیں مار رہا ہے۔ مارے ڈر کے میں اٹھ بیٹھا' کیا دیکھتا ہوں کہ بہت سے درخت ہیں اور چشمے' چڑیاں ڈالیوں پر بیٹھی اپنی اپنی بولی اور لے میں گا رہی ہیں اور سبزہ زار کے درخت ایک دوسرے میں گتھے ہوئے ہیں۔ میں اونٹنی پر سے اتر پڑا' اس کی نکیل ہاتھ میں تھام لی اور آہستہ آہستہ چل کر اس جگہ سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ یہاں تک کہ ان درختوں میں سے نکل کر کھلے میدان میں آ گیا۔ اب میں نے اونٹنی کی کاٹھی ٹھیک ٹھاک کی اور پھر اس پر بیٹھ گیا' مگر مجھے یہ خبر نہ تھی کہ کہاں جا رہا ہوں اور تقدیر کدھر لئے جا رہی ہے؟ ادھر ادھر نظر دوڑاتے دوڑاتے میں نے دیکھا کہ جنگل کے اوپر کی طرف آگ روشن

ہے۔ میں نے اونٹنی کو دوڑا کر اس کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور آگ کے قریب پہنچ کر کھڑا ہوا۔ اتنے میں میری نظر ایک خیمے پر پڑی جہاں ایک نیزہ گڑا ہوا تھا۔ جھنڈا لہلہا رہا تھا۔ گھوڑے کھڑے ہوئے' اونٹ چر رہے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس خیمے کا ضرور کوئی عجیب و غریب قصہ ہو گا۔ کیونکہ جنگل بھر میں سوائے اس کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔

یہ سوچ کر میں خیمے کی طرف بڑھا اور کہا اے خیمے والو! السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ یہ سن کر خیمے میں سے ایک لڑکا نکلا جس کی عمر کوئی انیس سال کی ہو گی۔ ایسا معلوم ہوتا کہ چودھویں رات کا چاند نکل آیا' اس کی پیشانی سے بہادر ٹپکتی تھی۔ اس نے کہا و علیک السلام و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ اے عرب میں سمجھتا ہوں کہ تو راہ بھول گیا ہے۔ میں نے جواب دیا ہاں تو نے سچ سمجھا' یہی واقعہ ہے۔ مجھے راستے پر لگا دے خدا تجھ پر رحم کرے! اس نے کہا اے عرب اس جگہ شیروں کی کثرت ہے' رات اندھیری اور خطرناک' سردی کا ٹھکانہ نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ تجھے درندے نہ پھاڑ کھائیں یا سردی میں ٹھٹھر جائے۔ اس لئے فی الحال اتر کر یہیں آرام کر' کل میں تجھے راستے پر لگا دوں گا۔ میں اپنی اونٹنی پر سے اتر پڑا۔ اسی نکیل سے اس کی ٹانگیں باندھ دیں اور اپنے کپڑے اتار کر ہلکا پھلکا ہو گیا۔ ذرا ہی دیر بیٹھا ہوں گا کہ جوان کہیں سے ایک بھیڑ لے آیا۔ اسے ذبح کیا' آگ جلائی اور اسے خوب تیز کیا' پھر وہ خیمے کے اندر جا کر عمدہ عمدہ مسالے نمک لایا اور گوشت کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر آگ پر بھوننے اور مجھے کھلانے لگا' لیکن میں نے دیکھا کہ وہ کبھی آئیں بھرتا' کبھی اپنی آنکھیں پونچھتا۔ میں اس کی یہ حرکتیں دیکھ کر حیران تھا کہ ایک دفعہ اس نے چیخ ماری اور بلک بلک کر رونے لگا۔

اتنا کہنے کے بعد جمیل نے خلیفہ سے کہا' امیر المومنین! اب مجھے یقین ہو گیا کہ جوان محبت کا مارا اور دل کا دکھیارا ہے' جس نے عشق کا مزہ نہیں چکھا' اسے کیا معلوم کہ عشق کیا ہوتا ہے؟ پہلے میں نے ارادہ کیا کہ اس سے پوچھوں' پھر سوچا کہ مہمان

کو ان باتوں سے کیا واسطہ اور میں نے اپنی زبان روک لی' گوشت کھانے لگا۔ یہاں تک کہ سیر ہو گیا۔ جب ہم کھا پی چکے تو نوجوان اٹھ کر خیمے کے اندر گیا' صاف ستھری سیلچی' خوب صورت لوٹا اور ریشمی رومال کے آیا جس کی جھالر زری کی تھی۔ اور ایک گلاب پاش جس میں مشک ملا ہوا گلاب کا عرق تھا میں اس کی نفاست اور خوش مذاقی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اپنے دل میں کہنے لگا' اس ریگستان میں اور یہ نفاست! خیر' ہم نے ہاتھ دھوئے اور تھوڑی دیر تک باتیں کیں' پھر وہ اٹھ کر خیمے کے اندر گیا' اپنے اور میرے درمیان سرخ زر بفت کا ایک پردہ ڈال دیا اور کہنے لگا اے معزز عرب' اندر جا کر سو جا' آج رات تو بہت تھکا ہوا ہے اور سفر کی تکلیف اٹھائے ہوئے ہے۔ میں اندر گیا تو دیکھا کہ سبز زربفت کا بچھونا میرے لئے بچھا ہوا ہے۔ میں کپڑے اتار کر لیٹ گیا۔ اور وہ رات ایسی گزری کہ عمر بھر نہ گزری ہو گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو نویں رات

چھ سو نویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جمیل نے کہا کہ جو راتیں اس خیمے کے اندر مجھے ملی کہہ نہیں سکتا' لیکن میرا خیال جوان میں لگا ہوا تھا۔ دیر تک جاگتا اور اس کے متعلق سوچتا رہا' رات زیادہ ہو گئی تو میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ آنکھیں بند ہوئی تھیں کہ یکا یک ایک دھیمی دھیمی آواز سنائی دی' جس سے زیادہ لطیف اور خوشگوار میں نے کبھی نہیں سنی تھی میں نے آہستہ سے پردہ اٹھایا جو ہمارے بیچ میں پڑا ہوا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جوان کے پاس ایک لڑکی بیٹھی ہوئی ہے پرستان کی پری کہوں یا جنت کی حور' وہ دونوں رو رہے تھے' عشق و محبت کا دکھڑا سنایا جا رہا تھا۔ میں نے کہا یا اللہ! یہ کہاں سے آ گئی؟ میں یہاں آیا ہوں تو سوائے جوان کے دوسرا کوئی بھی نہ تھا۔ پھر سوچا کہ وہ نہ ہو یہ کوئی پری ہو گی جو اس جوان پر عاشق ہے اور اس تنہا جگہ دونوں آپس میں ملتے ہیں۔ اب میں نے ذرا غور سے دیکھا تو انسان معلوم ہوئی اور عرب۔ جونہی اس نے چہرے سے نقاب اٹھائی تو سورج اس کے آگے شرما گیا اور اس کے چہرے کی روشنی سے سارا خیمہ چمک اٹھا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ اس کی معشوقہ ہے تو مجھے اسی طرح کا رشک آنے لگا جو عاشقوں کو آتا ہے اور میں پردہ گرا' منہ ڈھانک سو گیا' صبح ہوئی تو میں نے اپنے کپڑے پہنے' وضو کر کے نماز ادا کی اور اس سے کہا اے عرب بھائی' تو نے مجھ پر بڑی مہربانی کی ہے' اٹھ مجھے راستے پر لگا دے۔ جوان نے میری طرف دیکھ کر کہا' اے معزز عرب' جلدی نہ کر' مہمانی تین دن کی ہوتی ہے اور میں ان میں سے نہیں ہوں جو تجھے تین دن سے پہلے جانے دے۔ جمیل کا بیان ہے کہ میں تین دن تک اس کے پاس ٹھہرا رہا۔ چوتھے دن باتیں کرتے کرتے میں نے اس کا نام اور نسب پوچھا۔ اس نے کہا' میرا نسب تو یہ ہے کہ میں بنی عذرہ میں سے ہوں اور نام فلاں بن فلاں اور میرا چچا

فلاں شخص ہے۔

اے امیر المومنین! نام اور نسب سن کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ تو میرا چچیرا بھائی ہے اور بنی عذرہ کے شریف ترین خاندان میں سے ہے۔ میں نے کہ اے میرے چچیرے بھائی تو اس ریگستان میں اکیلا آ کر کیوں بسا' اپنی اور اپنے باپ دادا کی نعمتیں' غلام اور باندیاں چھوڑ کر اس جگہ تنہا کیوں رہتا ہے؟ اے امیر المومنین! میری باتیں سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ وہ رونے لگا اور بولا اے میرے چچیرے بھائی' میں اپنی چچیری بہن سے محبت کرتا تھا' اس کے عشق میں بے چین تھا' اس کے لئے پاگل ہو رہا تھا اور کی جدائی دم بھر کو گوارا نہ تھی۔ میرا عشق زیادہ بڑھا تو میں نے اپنے چچا سے درخواست کی کہ اس کی شادی میرے ساتھ کر دے' لیکن اس نے انکار کیا اور بنی عذرہ کے ایک اور شخص سے اس کا نکاح کر دیا۔ وہ شخص اس سے ہم بستر ہوا اور اسے اس جگہ لے جا کر رکھا جہاں وہ پچھلے سال سے رہتا ہے۔ وہ مجھ سے دور ہو گئی اور میں اسے دیکھ نہ سکا۔ محبت کے غم میں' میں نے اپنے قبیلے اور دوستوں کو خیر باد کیا' تمام نعمتیں اور عیش و عشرت چھوڑ کر ریگستان کے اس حصے میں اکیلا آ بسا۔ اب مجھے یہی تنہائی پسند ہے۔ میں نے پوچھا کہ ان کے خیمے کہاں ہیں؟ اس نے کہا' اس پہاڑ کی چوٹی کے قریب۔ رات بالکل سونی ہو جاتی ہے تو وہ چپکے سے نکل آتی ہے' کسی کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ میں اس سے باتیں کر کے اپنا ارمان نکال لیتا ہوں اور وہ اپنا۔ اس لئے میں یہاں آ پڑا ہوں کہ رات کے وقت ذرا دیر کے لئے میرا دل ٹھنڈا ہو جائے' دیکھا چاہیے' آگے خدا کی مرضی ہے' یا تو کئی ایسی بات پیش آ جائے جس سے حاسد جلیں گے یا خدا میرا کام تمام کر دے گا۔ وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

اس کے بعد جمیل نے کہا' اے امیر المومنین! جب اس لڑکے نے مجھ سے باتیں کیں تو مجھے اس کے حال پر بڑا ترس آیا۔ غیرت کی وجہ سے میں پریشان ہو گیا اور اس سے کہنے لگا' اے چچیرے بھائی! اگر تو ماننے کے لئے تیار ہو تو میں تجھے ایک تدبیر

بتاتا ہوں۔ اگر خدا نے چاہا تو مصلحت آمیز ثابت ہو گی' جس میں تیری بھلائی ہے اور جس سے خدا تجھے ہر تکلیف سے محفوظ رکھے گا۔ لڑکے نے کہا بھائی کہہ۔ میں نے کہا جب رات ہو اور لڑکی آئے تو اسے میری اونٹنی پر بٹھائیو۔ وہ بہت تیز ہے' تو اپنے گھوڑے پر سوار ہو جائیو اور میں ان اونٹنیوں میں سے کسی پر سوار ہو لوں گا۔ ہم سب ساری رات بھر چلتے رہیں گے۔ صبح ہوتے ہوتے بہت سے ریگستان اور جنگل طے کر چکے ہوں گے' تیری مراد پوری اور تیری محبوبہ تجھے مل چکی ہو گی۔ خدا کی زمین بہت وسیع ہے اور میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا اپنی جان اور مال اور تلوار سے تیری مدد کروں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو اکیانویں رات

چھ سو اکیانویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جمیل نے کہا کہ میں جیتے جی تیرا مدد گار رہوں گا۔ جوان بولا' اے چچیرے بھائی مجھے لڑکی سے اس بارے میں مشورہ کر لینے دے۔ وہ نا سمجھ نہیں' تجربے کار ہے۔ جمیل کہتا ہے کہ جب رات ہوئی اور اس کے آنے کا وقت قریب ہوا تو جوان اس کا انتظار کرنے لگا' مگر اس کے آنے میں دیر لگی' میں نے دیکھا کہ وہ خیمے سے نکلا اور اس طرف کی ہوا سونگھنے لگا' جدھر سے وہ آیا کرتی تھی۔ گویا اس کی خوشبو اسے آ رہی تھی۔ اس کے بعد وہ خیمے کے اندر گیا اور تھوڑی دیر تک بیٹھا روتا رہا۔ روتے روتے اس نے کہا' اے چچیرے بھائی! آج میری چچیری بہن پر ضرور کوئی حادثہ گزرا ہے جو اب تک وہ میرے پاس نہیں آئی۔ پھر وہ کہنے لگا' اچھا تو یہیں ٹھہرا رہ میں پتہ لگا کر آتا ہوں اور وہ اپنی ڈھال تلوار لے چل دیا۔ تھوڑی رات غائب رہنے کے بعد کوئی چیز ہاتھ میں لئے ہوئے آیا اور مجھے زور سے آواز دی۔ میں دوڑ کر اس کے پاس پہنچا تو اس نے کہا اے چچیرے بھائی! تجھے معلوم ہے کیا ہوا؟ میں نے کہا نہیں۔ خدا کی قسم! اس نے کہا آج میں اپنی چچیری بہن کے لئے سخت پریشان ہوں وہ یہاں آ رہی تھی کہ راہ میں اسے ایک شیر ملا' اس نے اسے پھاڑ کھایا اور جو کچھ اس میں سے بچا ہے یہی ہے جو تو دیکھ رہا ہے یہ کہہ کر اس نے وہ چیز زمین پر رکھ دی۔ میں نے دیکھا کہ چند بچی کھچی ہڈیاں ہیں۔ اس کے بعد وہ رونے لگا۔ اپنی کمان پھینک دی اور ایک تھیلی ہاتھ میں لے کر مجھ سے کہا کہ تو یہاں سے نہ ٹلیو' خدا نے چاہا تو تیرے پاس جلد لوٹ کر آؤں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک شیر کا سر ہاتھ میں لئے ہوئے آیا' اسے زمین پر پھینک دیا اور کہا کہ پانی لا۔ میں پانی لایا تو اس نے شیر کا منہ دھویا اور اسے بوسے دے دے کر رونے لگا۔ وہ سخت غمگین تھا۔

غم سے ذرا فرصت ملی تو اس نے کہا اے چچیرے بھائی' میں تجھے اللہ اور اس قرابت اور رشتے داری کی قسم دیتا ہوں جو میرے اور تیرے درمیان ہے کہ میری وصیت یاد

رکھیو کیونکہ تو مجھے ابھی اپنے آگے مردہ پائے گا۔ وصیت یہ ہے کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے غسل دیجیو' مجھے اور میری چچیری بہن کی ان ہڈیوں کو جو بچی کھچی ہیں' اس کپڑے میں لپیٹ کر ہم دونوں کو ایک قبر میں دفن کر دیجیو۔ یہ کہہ کر زار زار رونے لگا۔ پھر خیمے کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد آہیں بھرتا اور روتا پیٹتا ہوا نکلا۔ اس کے بعد اس نے ایک چیخ ماری اور چل بسا۔ یہ دیکھ کر مجھے بہت افسوس اور غم ہوا' قریب تھا کہ مارے غم کے میں بھی اس سے جا ملوں۔ اسی حالت میں' میں نے اسے سیدھا کر کے جیسا اس نے کہا تھا' ویسا ہی کیا' دونوں کو کفن میں لپیٹ کر ایک قبرستان میں دفن کر دیا اور دو سال تک ان کی زیارت کو جاتا رہا۔
یہ ہے اے امیر المومنین' ان دونوں کی کہانی۔ ہارون الرشید نے سن کر بہت پسند کیا' اسے خلعت اور انعام دیا۔

○ معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور بدو کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------ یہ کہانی بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز امیر المومنین معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق کے اپنے ایک محل میں بیٹھا ہوا تھا' چاروں طرف سے کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں تا کہ جس رخ کی بھی ہوا چلے' آ سکے۔ اس دن سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ اور ہوا بالکل نہ تھی۔ معاویہ بیٹھا ہوا ایک طرف دیکھ رہا تھا کہ اس کی نظر ایک شخص پر پڑی جو ننگ پاؤں زمین کی گرمی کے سبب اچھلتے ہوئے قدم رکھتا چلا آ رہا تھا۔ معاویہ نے اسے دیکھ کر اپنے مصاحبوں سے کہا' کیا خدا نے اس شخص سے زیادہ بد بخت کسی اور کو پیدا کیا ہے جو اس قت چلنے پر مجبور ہے۔ ایک مصاحب نے کہا شاید

وہ امیر المومنین کے پاس آ رہا ہے۔ معاویہ نے کہا خدا کی قسم! اگر وہ میرے پاس آ رہا ہے تو میں اسے انعام دوں گا اور اگر وہ مظلوم ہے تو اس کی مدد کروں گا۔ اے غلام! دروازے پر جا کر کھڑا ہو اور اگر یہ بدو میرے پاس آنا چاہے تو روکیو نہیں۔
غلام باہر گیا ہی تھا کہ بدو آ پہنچا۔ غلام نے پوچھا کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا میں امیر المومنین کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ غلام نے کہا اندر آ۔ بدو نے اندر آ کر سلام کیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو بانویں رات

چھ سو بانویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بدو نے آ کر امیر المومنین کو سلام کیا۔ معاویہ نے پوچھا تو کس قبیلے کا آدمی ہے؟ اس نے جواب دیا بنی تمیم کا۔ معاویہ نے کہا اس وقت تو کیوں آیا ہے؟ بدو بولا کہ شکایت کرنے اور تیری مدد مانگنے۔ معاویہ نے پوچھا کس کی شکایت۔ بدو نے کہا تیرے عامل مروان بن حکم کی۔ اس نے میری بیوی سعاد کو چھین لیا ہے اور مجھ پر ظلم کیا ہے۔ جب معاویہ نے دیکھا کہ اس کے منہ سے آگ نکل رہی ہے تو اس نے کہا' اے عرب! اہلا و سہلا۔ اپنا قصہ سنا اور پنی حالت بیان کر۔ بدو نے کہا اے امیر المومنین! میری ایک بیوی تھی جسے میں بہت پیار چاہتا جس کے ساتھ عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتا تھا۔ میرے پاس بہت سے اونٹ تھے جن سے میری زندگی کٹتی تھی۔ ایک بار ہمارے ہاں قحط پڑا' سارے جانور مر گئے' میں خالی ہاتھ رہ گیا۔ میری حالت ابتر ہو گئی۔ اونٹ چل بسے' میں ذلیل ہو گیا۔ اور ان پر بھی دو بھر ہو گیا جو پہلے مجھ سے ملنا پسند کرتے تھے۔ میرے خسر کو میری ابتر حالت اور برا انجام معلوم ہوا تو وہ میری بیوی کو بھی لے گیا' مجھے برا بھلا کہا اور گالیاں دے کر نکال دیا۔ پھر میں تیرے عامل مروان بن حکم کے پاس گیا کہ وہ میری مدد کرے۔ اس نے میرے خسر کو بلوایا اور اس سے میرا حال پوچھا۔ خسر نے کہا کہ میں اسے بالکل نہیں جانتا۔ میں نے کہا کہ خدا امیر کو سلامت رکھے' اگر مرضی ہو تو عورت کو بلوا' اس سے پوچھ کہ اس کا باپ سچ کہتا ہے یا جھوٹ۔ مروان نے اسے بلوایا اور جب وہ حاضر ہوئی تو مروان دیکھتے ہی اس پر لٹو ہو گیا۔ میرے ساتھ دشمنی باندھ لی۔ مجھے جھٹلایا اور ناراض ہو کر مجھے قید کر دیا۔ میری یہ حالت تھی گویا میں آسمان سے گرا ہوں اور ہوا نے مجھے لے جا کر دور دراز ملک میں پھینک دیا ہے۔ پھر اس نے عورت کے باپ سے کہا کیا تو اس کا نکاح میرے

ساتھ ایک ہزار دینار اور دس ہزار درہم پر کرے گا؟ اس بدو سے اس کا چھڑانا میرے ذمے ہے۔ یہ سودا اس کے باپ نے پسند کیا اور ہامی بھرلی۔ اب اس نے مجھے بلایا اور میری طرف غضبناک شیر کی طرح دیکھ کر کہا اے بدو سعاد کو طلاق دے دے۔ میں نے کہا' نہیں دوں گا۔ اس نے مجھ کو اپنے غلاموں کے حوالے کر دیا' وہ مجھے طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے۔ یہاں تک کہ میرے لئے سوائے طلاق کے اور کوئی چارہ باقی نہ رہا اور میں نے طلاق دے دی۔ مروان نے مجھے پھر قید خانے میں بھیج دیا اور عدت پوری ہونے تک مجھے بند رکھا۔ بعد ازاں اس نے اس سے نکاح کر لیا اور مجھے چھوڑ دیا۔ اب تیرے آسرے پر میں یہاں آیا ہوں اور تجھ سے مدد مانگتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ تڑپنے اور اپنے دانت کٹکٹانے لگا۔ اور غش کھا کر زمین پر گر پڑا اور نیم مردہ سانپ کی طرح بل کھانے شروع کئے۔ اس کی یہ باتیں سن کر معاویہ نے کہا کہ ابن حکم نے دین کی حدود سے تجاوز کیا اور مسلمان کی بیوی پر جو ستم کئے۔۔۔۔۔۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چھ سو ترانویں رات

چھ سو ترانویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- معاویہ نے کہ ابن حکم نے مسلمان کی بیوی پر ظلم و ستم کیا اور بدو سے مخاطب ہو کر بولا کہ تو ایسا مقدمہ لایا ہے جس کی مثال میرے کانوں تک کبھی نہیں پہنچی اور اس نے دوات اور کاغذ منگوا کر مروان بن حکم کو لکھا' مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تو نے رعیت کے معاملے میں دین کی حدود سے تجاوز کیا ہے۔ والی کو چاہیے کہ اپنے آپ کو آنکھ اور نفس کی شہوت سے بچائے۔ اس کے بعد اس نے سارا ماجرا تفصیل کے ساتھ قلم بند کیا اور خط بند کر کے اپنی مہر لگائی اور کمیت اور نصر بن زبیان کے سپرد کر دیا جن کی ایمانداری کی وجہ سے معاویہ انہیں اہم کاموں پر بھیجا کرتا تھا۔ وہ دونوں خط لے کر مدینہ پہنچے اور مروان بن حکم کے پاس حاضر ہو کر اسے سلام کیا' خط دیا اور سارا ماجرا بیان کیا۔
مروان خط کر پڑھتا جاتا اور روتا جاتا تھا۔ پھر اس نے سعاد کے پاس جا کر اسے خبر کی۔ اور چونکہ وہ معاویہ کی مخالفت نہ کر سکتا تھا اس لئے کمیت اور نصر بن زبیان کے سامنے سعاد کو طلاق دی اور ان کے ساتھ ہی اسے روانہ کر دیا اور خط کا جواب بھی لکھا۔

کمیت اور نصر دونوں معاویہ کے پاس پہنچے تو اسے مروان کا خط دیا۔ معاویہ نے پڑھ کر کہا' اس نے میرے حکم کی تعمیل بہت اچھی طرح سے کی لیکن لڑکی کی تعریف کو بڑا طول دیا ہے اور اس نے کہا لڑکی حاضر کی جائے۔ وہ آئی تو معاویہ نے دیکھا وہ ایسی دل ربا ہے کہ نہ حسن و جمال میں اس کا کوئی ثانی ہو سکتا ہے نہ قدو قامت میں۔ پھر جب اس سے باتیں کیں تو سبحان اللہ۔ اس کی زبان فصیح اور بیان پیارا پایا۔ حکم دیا کہ بدو کو حاضر کرو۔ بدو حاضر ہوا تو زمانے کی مصیبت سے اس کی حالت بدلی ہوئی تھی۔ معاویہ نے کہا اے بدو' کیا تجھے اس بات سے تسلی ہو جائے گی کہ میں

اس کے بدلے تجھے تین کنواری لڑکیاں دوں جن کے سینے ابھرے ہوئے اور چاند کی طرح خوبصورت ہوں اور ہر لڑکی کے ساتھ ایک ایک ہزار دینار ہوں۔ مزید برآں تجھے بیت المال سے ہر سال اتنا دیا کروں کہ تیرے لئے محض کافی ہی نہ ہو بلکہ تو میرا ہو جائے۔ معاویہ کی باتیں سن کر بدو نے ایک چیخ ماری۔ معاویہ سمجھا کہ وہ مر گیا۔ اسے ہوش آیا تو معاویہ نے پوچھا یہ کیا حالت تھی؟ بدو ے جواب دیا ابن حکم کے ظلم کی فریاد میں خستہ حال ہو کر تیرے پاس لایا تھا' اب تیرے ظلم کی فریاد کہاں جا کر کروں۔ امیر المومنین اگر تو خلافت کے سارے خزانے بھی مجھے دے دے تو میں سوائے سعاد کے اور کچھ نہ لوں گا۔ معاویہ نے کہا تو اقرار کرتا ہے کہ تو اسے طلاق دے چکا ہے اور مروان نے بھی اسے طلاق دے دی ہے۔ اب ہم اسے اختیار دیتے ہیں اگر وہ تیرے سوا کسی اور کو پسند کرے تو ہم اس کی شادی اس کے ساتھ کر دیں گے اور اگر وہ تجھے پسند کرے گی تو تیرے حوالے ہے۔ بدو بولا' اچھا ایسا ہی کر۔ معاویہ نے سعاد سے پوچھا کہ تو کسے ترجیح دیتی ہے' امیر المومنین کو مع اس کے شرف' عزت' محلوں' قوت اور مال و دولت کے جو کچھ تو اس کے پاس دیکھتی ہے یا مروان اور اس کے ظلم و ستم کو یا اس بدو اور اس کی بھوک اور فقیری کو۔ لڑکی نے جواب دیا "خواہ یہ بدو کتنا ہی بھوکا اور فلاکت زدہ کیوں نہ ہو لیکن وہ میرے نزدیک میری ساری قوم' پڑوسیوں' تاج داروں' والی مروان اور تمام دولت مندوں سے زیادہ عزیز ہے۔" اس کے بعد اس نے کہا واللہ اے امیر المومنین! میں اسے نہیں چھوڑ سکتی ہوں' زمانہ کیسی ہی مصیبتیں ڈالے اور دنیا کتنی ہی بے وفائی کرے' میرا اس کا پرانا ساتھ ہے اور ایسی صحبت جو بھولی نہیں جا سکتی۔ جس طرح میں نے خوشحالی میں اس کے ساتھ عیش و عشرت میں بسر کی ہے' اسی طرح اب میرا فرض ہے کہ ناداری کے وقت بھی اس کے ساتھ صبر کروں۔ معاویہ کو اس کی عقل' محبت اور وفاداری پر حیرت ہو گئی' اسے دس ہزار دینار دے کر بدو کے حوالے کر دیا اور بدو اسے لے کر روانہ ہوا۔

○ ضمرہ اور اس کی محبوبہ کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ...... کہتے ہیں کہ ایک رات ہارون الرشید کو نیند نہیں آتی تھی' اس نے اصمعی اور حسین خلیع کو بلوایا' وہ حاضر ہوئے تو ان سے کہا' کہانیاں سناؤ۔ لیکن اے حسین' پہلے تو سنا۔ اس نے بہت خوب کہہ کر کہانی شروع کی کہ ایک سال میں محمد بنی سلیمان ربیعی کی شان میں ایک قصیدہ کہہ کر بصرے گیا۔ اس نے میرا قصیدہ قبول کر لیا اور کہا یہاں ٹھہر۔ ایک دن میں مہالیہ کے راستے مربد جا رہا تھا کہ سخت گرمی پڑنے لگی۔ میں پانی مانگنے ی غرض سے ایک بڑے دروازے کے پاس پہنچا' کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک لڑکی کھڑی ہے' لڑکی کیا گویا لچک دار شاخ تھی۔ وہ گل ناری رنگ کی قمیص پہنے ہوئے جس پر صنعا کی ساخت کی ایک قبا پڑی ہوئی' سرخ قمیص میں سے اس کے بدن کی سفیدی جھلک رہی تھی۔ قمیص کے نیچے سے انار کی مانند دو پستان چمک رہے تھے اس کا پیٹ ایسا تھا جیسا کہ قبطی کاغذ لپٹا ہوا جس کے شکنوں میں جو سفید کاغذ کی طرح تھیں گویا مشک بھرا ہوا تھا۔ اے امیر المومنین! اس کے گلے میں سرخ سونے کا ایک تعویذ دونوں پستانوں کے بیچ میں لٹک رہا تھا۔ ماتھے پر تسبیح کی طرح گیسو لٹک رہا تھے اس کی دونوں بھوئیں ملی ہوئی تھیں' آنکھیں بڑی بڑی' رخسار بھرے بھرے' ناک ستی ہوئی۔ سیب کی طرح ہونٹ اور دانت موتیوں کی لڑیاں۔ وہ خوب سا عطر لگائے' گھبرائی ہوئی سی دروازے کے اندر ادھر ادھر پھر رہی تھی۔ اس کی پنڈلیوں کے آگے اس کی پازیبیں گونگی معلوم ہوتی تھیں۔ اے امیر المومنین! میں اسے دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا مگر جرات کر کے اسے سلام کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ در و دیوار اور گلی مشک کی خوشبو سے مہک رہی تھی۔ میں نے اسے سلام کیا اور اس نے دھیمی آواز اور پژمردہ دل سے سلام کا جواب دیا۔ گویا وہ محبت کی آگ سے جل رہا ہے۔ میں نے کہا' اے میرے آقا! میں ایک پردیسی بوڑھا ہوں اور پیاس سے بے چین۔ کیا تو مجھے ایک گھونٹ پانی پلوا دے گی' خدا تجھے اس کا ثواب دے

گا؟ وہ بولی چل لمبا ہو' بوڑھا ہے تو ہوا کرتے' پیاس سے برا حال ہے تو میں کیا کروں۔ اپنا راستہ لے' مجھے پانی اور کھانے کا دماغ کہاں!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو چورانویں رات

چھ سو چورانویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی نے کہا اے بوڑھے' مجھے پانی اور کھانے کا دماغ کہاں! پوچھا اے میری آقا کیوں؟ اس نے جواب دیا مجھے ایک ایسے شخص سے محبت ہے جو میرے ساتھ انصاف نہیں کرتا۔ میں اسے چاہتی ہوں اور وہ مجھے نہیں چاہتا۔ میں راتیں تارے گن گن کر کاٹتی ہوں اور اسے میری پروا نہیں۔ میں نے کہا اے میری آقا! ایسا ہو سکتا ہے کہ تو کسی اور کو چاہے اور وہ تجھے نہ چاہے؟ وہ بولی' ہاں اور اس کی وجہ اس کا حسن و جمال اور نازو و انداز ہے۔ میں نے کہا اور تو اس دہلیز پر کیوں کھڑی ہوئی ہے؟ اس نے کہا یہی اس کا راستہ ہے اور یہی اس کے آنے کا وقت۔ میں نے کہا اے میری آقا! کیا تم دونوں کبھی ملے ہو اور باتیں کی ہیں جس سے عشق نے اتنا زور پکڑا؟ اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور اس کے رخساروں پر آنسو گرنے لگے جیسے گلاب پر اوس۔ میں نے کہا اے لڑکی تیرا عشق کس حد تک پہنچ چکا ہے؟ اس نے کہا جب میں اس کے گھر کی دیواروں پر سورج دیکھتی ہوں' تو سمجھتی ہوں کہ وہی ہے اور اگر میری نظر اس پر اچانک پڑ جاتی ہے ہکا بکا ہو جاتی ہوں' میرے بدن سے روح اور رگوں سے خون نکل جاتا ہے۔ اور میں ہفتے دو ہفتے کے لئے پاگل ہو جاتی ہوں۔ میں نے کہا معاف کر مجھ پر بھی ایسا ہی جنون گزر چکا ہے جیسا اب تجھ پر ہے' میرے دل میں بھی محبت ہی محبت بسی ہوئی تھی۔ جسم گھل گیا تھا اور طاقت زائل ہو گئی تھی۔ تیرے بھی زرد رنگ اور منہ کی ہوائیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تو عشق کی بیماری میں مبتلا ہے اور ایسا ہونا کچھ تعجب کی بات بھی نہیں۔ بصرے میں رہے اور عشق کا تیر نہ لگے۔ وہ بولی اس جوان کی محبت سے پہلے میں واللہ بڑی خوبرو اور خوش ادا تھی۔ بصرے کا ہر امیر زادہ مجھ پر فدا تھا اسی سلسلے میں یہ جوان بھی گرفتار ہوا۔ میں نے پوچھا تم میں جدائی کس طرح سے

ہوئی؟ اس نے کہا زمانے کے تغیر و تبدل کی وجہ سے۔ میرا اور اس کا قصہ عجیب و غریب ہے تم بھی سن لو۔ نو روز کے دن میں نے بصرے کی کئی لڑکیوں کو دعوت دی تھی۔ ان میں ایک سیران کی کنیز بھی تھی۔ جسے اس نے عمان سے اسی ہزار درہم میں خریدا تھا۔ اس کو مجھ سے بڑی محبت تھی۔ وہ آئی تو مجھے لپٹ گئی' نوچنے کھسوٹنے اور دانتوں سے کاٹنے لگی۔ اس کے بعد ہم دونوں تنہائی میں بیٹھ کر شراب پینے اور دسترا خوان بچھنے کا انتظار کرنے لگے۔ سرور بڑھتا جاتا تھا۔ کبھی وہ میرے اوپر چڑھ بیٹھتی اور کبھی میں اس کے اوپر۔ نشے کی حالت میں اس نے میرے ازار بند پر ہاتھ مار کر اسے کھول دیا' ہم میں غیرت تو تھی ہی نہیں' اسی ہاتھا پائی میں میری ازار نیچے کھسک گئی۔ اتنے میں وہ آ پہنچا۔ مجھے اس کی خبر تک نہ تھی۔ یہ دیکھ کر وہ غصے میں بھر گیا اور میرے پاس سے اس طرح بھاگا جس طرح عربی بچھری لگام کی جھنکار سن کر بھاگتی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چھ سو پچانویں رات

چھ سو پچانویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی نے حسین سے کہا یہ دیکھ میرا محبوب مجھ سے خفا ہو کر چلا گیا۔ اے بوڑھے' میں تین سال سے برابر اس سے معافی مانگ رہی ہوں' اس کی خوشامد میں لگی ہوں اور اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہوں' مگر وہ نظر اٹھا کر میری طرف نہیں دیکھتا' نہ میرے اشتیاق ناموں کا جواب دیتا ہے' نہ میرے قاصد سے بات کرتا ہے۔ غرضیکہ میری کوئی بات سننا نہیں چاہتا۔ میں نے پوچھا وہ عرب ہے یا عجم؟ اس نے کہا برا ہوا تیرا! وہ بصرے کے سرداروں میں سے ہے۔ میں نے پوچھا وہ بوڑھا ہے یا جوان؟ یہ سن کر اس نے میری طرف دیکھا اور ہنس کر کہا تو بڑا بے وقوف معلوم ہوتا ہے۔ وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے' چکنے چکنے رخسار نہ داڑھی نہ مونچھیں۔ اس میں کوئی عیب نہیں سوائے اس کے مجھ سے بھاگتا ہے۔ میں نے پوچھا اس کا نام کیا ہے؟ نام پوچھ کر تو کیا کرے گا؟ میں نے کہا میں کوشش کر کے اس سے ملوں گا اور تم دونوں کو ملا دوں گا۔ اس نے کہا اس شرط پر تو اس کے پاس ایک چٹھی لے جائے۔ میں نے کہا کیا ہرج ہے۔ اب اس نے بتایا کہ اس کا نام ضمرہ بن مغیرہ ہے' کنیت ابو الثا۔ اور اس کا محل مربد میں ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اندر آواز دی کہ دوات کاغذ لاؤ۔ پھر اس نے اپنی آستینیں چڑھا لیں۔ اس کی دونوں کلائیاں جو چاندی کی طوق کی

طرح تھیں' کھل گئیں۔ بسم اللہ کے بعد اس نے لکھا اے میرے آقا! میں خط کے شروع میں اس لئے دعا نہیں لکھتی کہ وہ ہمیشہ الٹی پڑتی ہے۔ اگر میری دعا مقبول ہوتی تو تو مجھے کبھی نہ چھوڑتا۔ میں نے بے حد دعائیں مانگی ہیں کہ تو' مجھ سے جدا نہ ہو لیکن تو مجھ سے جدا ہو گیا اگرچہ مجھے امید نہیں کہ تو میرے خط کا جواب دے

گا تاہم اس لئے یہ خط لکھتی ہوں کہ گناہ سے زیادہ مجھے سزا مل چکی ہے۔ میں خوب جانتی ہوں کہ تم جواب نہ دے گا۔ ایسی حالت میں بھی میری بڑی سے بڑی تمنا یہ ہے کہ تو اس گلی میں سے ہو کر گزرے دروازے کی طرف ایک نظر ڈالتا جائیو۔ اس سے میری جان میں جان آ جائے گی گی۔ بہتر تو یہی ہوتا کہ تو مجھے اپنے ہاتھ سے خط لکھتا' (خدا تیرے ہاتھ کو برکت دے) تاکہ مجھے ان راتوں کا کچھ لطف آ جاتا جن میں ہم تم اکیلے ملا کرتے تھے' کیا تو انہیں بھول گیا! اے میرے آقا! کیا میں تیری عاشق نہ تھی! اگر تو میری درخواست قبول کر لے تو میں تیرا شکریہ اور خدا کی تعریف بجا لاؤں گی' والسلام۔"

میں یہ خط لے کر وہاں سے روانہ ہو گیا اور جب صبح کو محمد بن سلیمان کے دربار میں پہنچا تو میں نے دیکھا وہاں بڑے بڑے لوگ جمع ہیں ار ایک نوجوان بھی ہے جو ساری مجلس کی زینت اور سب سے زیادہ حسین و جمیل ہے' والی اس کی بڑی آؤ بھگت کر رہا ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ضمرہ بن مغیرہ یہی ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس بیچاری پر جو چھ گزر رہا ہے' بجا ہے۔ اب میں وہاں سے اٹھ کر مربد پہنچا اور اس جوان کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں وہ جلوس کے ساتھ آیا۔ میں لپک کر اس کے پاس گیا اور بہت سی دعائیں دے کر خط اس کے حوالے کیا۔ اس نے خط پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا تو مجھ سے کہنے لگا' بڑے میاں! اب اس کی بجائے ایک دوسری میرے پاس ہے۔ اگر تو اسے دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ اس نے ایک نوجوان لڑکی کو بلایا جس کے آگے چاند اور سورج مات تھے۔ اس کا سینہ ابھرا ہوا تھا اور وہ بے دھڑک تیز تیز چلتی تھی۔ جوان نے اسے وہ خط دے کر کہا کہ تو ہی اس کا جواب لکھ دے۔ لڑکی یہ خط پڑھتے ہی زرد ہو گئی۔ مجھ سے بولی بڑے میاں! خدا سے معافی مانگ کہ تو ایسا پیغام اور اجازت لے کر اندر گیا۔ اس نے پوچھا کیا خبر ہے؟ میں نے جواب دیا مصیبت اور نا امیدی۔ اس نے کہا اس میں تیرا کوئی قصور نہیں۔ خدا اور اس کی قدرت کو کیا ہو گیا؟ یہ کہہ کر اس نے مجھے پانچ سو دینار

دینے کا حکم دیا اور میں انہیں لے کر چلتا ہوا۔ کئی دن بعد میں پھر اسی جگہ سے گزرا۔
کیا دیکھتا ہوں کہ غلام اور سوار وہاں کھڑے ہیں۔ یہ سب ضمرہ کے بھیجے ہوئے تھے۔
لڑکی کی خوشامدیں ہو رہی تھیں کہ وہ ضمرہ کے پاس لوٹ آئے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ
ہرگز نہیں، قسم ہے خدا کی، میں اس کا منہ نہیں دیکھنا چاہتی۔ اے امیر المومنین! میں
خدا کے شکر میں سجدہ بجا لایا کہ اس نے ضمرہ کو نیچا دکھایا۔ جب میں لڑکی کے قریب
پہنچا تو اس نے ایک خط نکال کر مجھے دیا۔ جس میں بسم اللہ کے بعد یہ لکھا اے میری
آقا! خدا تیری عمر میں برکت دے! اگر مجھے تیرا پاس نہ ہوتا تو جو کچھ میرے اوپر تیری
جدائی میں گزر رہی ہے۔ اس کا ایک ٹکڑا تجھ سے بیان کرتا جو کچھ تونے میرے اور
ظلم ڈھایا ہے۔ اپنی اور میری جان کو ستایا ہے، بد عہدی اور بے وفائی کی ہے اور دسرے
کو مجھ پر ترجیح دی ہے اس کا عذر پیش کرتا۔ لیکن تو نے میری محبت کو ٹھکرا دیا۔
ان تیری باتوں پر میں خدا سے مدد چاہتا ہوں، والسلام۔"
اس کے بعد اس نے مجھے وہ تحائف دکھائے جو ضمرہ نے اسے بھیجے تھے اور جن کی قیمت
کم و بیش تیس ہزار دینار ہو گی۔ پھر جب ایک بار میں نے اسے دیکھا تو ضمرہ سے
اس کی شادی ہو چکی تھی۔ رشید نے کہا اگر ضمرہ اس سے شادی کر چکا ہوتا تو میرا
اس لڑکی سے کوئی نہ کوئی تعلق ہو جاتا۔

○ اسحٰق موصلی اور ابلیس کی کہانی

اے بادشاہ! اسحٰق بن ابراہیم موصلی کا بیان ہے کہ ایک رات میں اپنے گھر میں تھا،
جاڑوں کے دن تھے، بادل گھرے ہوئے اور مینہ ایسا برس رہا تھا گویا مشکیں چھوٹ رہی
ہوں، پانی اور کیچڑ کی وجہ سے سڑکوں پر آمد و رفت بند تھی۔ میں اکیلا گھبرا رہا تھا ایسی
حالت میں نہ کوئی دوست میرے پاس آ سکتا تھا، نہ میں اس کے پاس جا سکتا تھا۔

میں نے اپنے غلام سے کہا کہ دل بہلانے کا کوئی سامان لا۔ وہ نقل و شراب لے آیا لیکن میرا نہ کچھ کھانے کو جی چاہا نہ پینے کو' ساتھ دینے والا کوئی نہ تھا۔ زیادہ اکتایا تو کھڑکیوں میں بیٹھ کر گلی کا نظارہ کرنے لگا' حتیٰ کہ رات ہو گئی۔ مجھے ایک لڑکی کی یاد آنے لگی جو مہدی کے ایک بیٹے کی کنیز تھی اور جس سے مجھے کسی قدر تعلق خاطر تھا۔ وہ گانے بجانے میں بڑی ماہر تھی۔ میں اپنے دل میں یہ کہہ رہی رہا تھا کہ اگر وہ آج رات کو میرے پاس ہوتی تو میرا وقت خوب گزرتا اور جو پریشانی مجھے آج ہو رہی ہے' وہ کم ہو جاتی اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا "کیا محبوب جو دروازے پر کھڑا ہے' اندر آ سکتا ہے؟" میں نے اپنے دل میں کہا غالباً میری امید بر آئی اور میں اٹھ کر دروازے پر گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میری محبوبہ ایک سبز ریشمی چادر اوڑھے مینہ سے بچاؤ کے لئے سر پر زر بفت کی چھتری لگائے کھڑی ہے اور گھٹنوں تک کیچڑ میں لتھڑی ہوئی ہے' پرنالوں کے پانی سے اس کے تمام کپڑے بھیگے ہوئے ہیں۔ عجیب ہیئت بنی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا اے میری آقا! ایسے کیچڑ پانی میں تو کیوں آئی؟ اس نے جواب دیا تیرے قاصد نے آ کر بیان کیا کہ تو کس آرزو اور تمنا میں بیٹھا ہوا ہے اس لئے مجھ سے نہ رہا گیا اور میں دوڑ کر تیرے پاس آ گئی۔ اس پر مجھے سخت تعجب ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو چھیانویں رات

چھ سو چھیانویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ اسحق نے کہا
ہ مجھے اس پر سخت تعجب ہوا اور بولا میں نے تو تیرے پاس کسی کو نہیں بھیجا۔ بہر
حال شکر ہے خدا کا کہ صبر کی مصیبت جھیلنے کے بعد اس نے ہمیں وصال عطا کیا۔ اگر
تیرے آنے میں ذرا بھی دیر ہوتی تو میں دوڑ کر تیرے پاس پہنچتا کیونکہ میں تیرا آرزو
مند اور تیرے دیدار کا مشتاق تھا۔ پھر میں نے اپنے غلام سے کہا پانی لا۔ وہ ایک کیتلی
پانی کی لے آیا تا کہ لڑکی ہاتھ پاؤں دھو ڈالے۔ لڑکی نے ہاتھ پاؤں دھوئے اور میں
نے اس کے بھیگے ہوئے کپڑے اتار ڈالے۔ اور ایک نہایت عمدہ لباس منگوا کر اسے
پہنا دیا۔ اس کے بعد میں نے کھانا منگوایا لیکن اس نے کھانے سے انکار کیا۔ میں نے
اس سے پوچھا کیا شراب سے شوق کرے گی؟ اس نے کہا ہاں۔ چند پیالے پینے کے
بعد اس نے کہا کون گائے گا؟ میں نے جواب دیا اے میری آقا! میں۔ اس نے کہا'
نہیں۔ میں بولا اچھا میری کوئی کنیز۔ اس نے کہا نہیں۔ میں نے کہا پھر تو گا۔ وہ
بولی میں نہیں گاؤں گی۔ میں نے کہا پھر کون تجھے گا کر سنائے گا؟ اس نے کہا باہر
جا کر کسی گویے کو تلاش کر۔ میں باہر گیا لیکن مجھے امید نہ تھی کہ کوئی ملے اور
یقین تھا کہ اس وقت کسی کا ملنا ممکن نہیں۔ بالآخر میں سڑک پر پہنچا دیکھا کہ ایک
اندھا زمین پر ڈنڈا پٹک رہا اور کہہ رہا ہے کہ جن کے پاس میں تھا خدا انہیں نیک
بدلہ نہ دے! اگر میں گاتا تھا تو وہ سنتے نہ تھے اور جب چپ ہو جاتا تھا تو وہ میرا مذاق
اڑاتے۔ میں نے پوچھا کیا تو گویا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا کیا تو یہ چاہتا
ہے کہ باقی رات ہمارے ساتھ گزارے اور ہمیں خوش کرے؟ بولا اگر تیری مرضی
یہی ہے تو میرا ہاتھ پکڑ لے۔

میں اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر لے آیا۔ اور لڑکی سے کہا اے میری آقا میں ایک اندھے

گویئے کو لایا ہوں' ہم لطف اٹھائیں گے اور وہ ہمیں دیکھ نہ سکے گا۔ اس نے کہا میرے پاس بلا اندھے کو۔ میں اس کے سامنے لایا اور کھانا پیش کیا۔ اس نے تھوڑا سا کھا کر ہاتھ دھو ڈالے۔ پھر شراب کے تین پیالے پیئے اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں نے کہا کہ اسحق بن ابراہیم موصلی۔ کہنے لگا کہ میں نے تیرا نام سنا تھا اور آج تیری صحبت میں بیٹھ کر خوش ہوں۔ میں نے کہا اے میرے آقا! تیری خوشی سے مجھے بھی خوشی ہوئی۔ وہ بولا اے اسحق' گا کر مجھے کچھ سنا۔ میں نے لا پروائی سے سارنگی اٹھا لی اور جب گا کر چپ ہو گیا تو اس نے کہا اے اسحق تیرے گویا ہونے میں ابھی تھوڑی ہی کسر باقی ہے۔ یہ سن کر میں بہت کٹا اور سارنگی کو ہاتھ سے پھینک دیا۔ اس نے کہا کیا تیرے پاس اور کوئی شخص ہے جو گانا جانتا ہو۔ میں نے جواب دیا کہ میرے پاس کہ میرے پاس ایک لڑکی ہے۔ اس نے کہا لڑکی سے کہہ کہ گائے۔ میں نے پوچھا اس کے گانے کے بعد تو گائے گا؟ اس نے کہاں ہاں۔ لڑکی نے گایا مگر اس نے کہا کہ تو نے کوئی استادی نہیں دکھائی۔ لڑکی نے غصے میں آ کر سارنگی دے پٹکی اور کہنے لگی جتنا مجھے آتا تھا میں نے سنا دیا اگر تجھے آتا ہے تو مہربانی کر کے سنا۔ اس نے کہا مجھے ایک سارنگی دے جسے کسی کا ہاتھ نہ لگا ہو۔ میں نے نوکر کو حکم دیا وہ ایک نئی سارنگی لے آیا۔ گویئے نے ایک ایسا راگ بجایا جو مجھے معلوم نہ تھا اور یہ اشعار گائے "میرا محبوب اندھیری رات میں میرے پاس آیا اور میں اس کا سلام اور یہ کلام سن کر گھبرایا گیا کہ محبوب جو دروازے پر کھڑا ہے اندر آ سکتا ہے؟" یہ سن کر لڑکی نے غصے سے میری طرف دیکھا اور کہنے لگی کہ جو بھید محض میرے اور تیرے درمیان تھا' اسے گھڑی بھر بھی تو نہ رکھ سکا اور اس شخص سے کہہ دیا۔ میں نے قسم کھائی کہ میں بے گنا ہوں اور اس کے ہاتھ چومنے پر سینہ گد گدانے اور رخسار کاٹنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ ہنس پڑی۔ پھر میں نے اندھے کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے میرے آقا اور گا۔ اس نے سارنگی لے کر یہ دو شعر گائے "میں اکثر حسینوں کی ملاقات کے لئے گیا ہوں اکثر ان کی رنگی ہوئی انگلیوں کو اپنے ہاتھ سے

چھوا ہے' ان کے سینوں کو گدگدایا اور رخساروں کے گول گول سیبوں کا کاٹا ہے۔"
میں نے لڑکی سے کہا اے میری آقا! اب بتا کہ ہماری راز و نیاز کی باتیں اس سے
کس نے کہیں؟ وہ بولی تو سچ کہتا ہے۔ اس کے بعد ہم دونوں اس سے ذرا ہٹ کر
بیٹھے اور اس نے کہا کہ مجھے پیشاب لگا ہے۔ میں نے کہا اے غلام! شمع لے کر اس
کے آگے آگے جا۔ وہ چلا گیا اور دیر تک نہ لوٹا تو ہم اس کی تلاش میں گئے لیکن
اسے کہیں نہ پایا۔ حالانکہ تمام دروازے بند تھے اور کنجیاں کوٹھڑی کے اندر تھیں۔ معلوم
نہیں وہ آسمان پر چڑھ گیا یا زمین میں سما گیا۔ اب ہم سمجھ گئے کہ وہ ابلیس تھا۔
اور میرا کٹنا بن کر آیا تھا۔ اس پر مجھے ابو نواس کا کہنا یاد آ گیا کہ "مجھے ابلیس پر
تعجب آتا ہے کہ ظاہراً تو وہ اتنا مغرور کہ آدم کو سجدہ نہیں کیا مگر دل میں اتنا خبیث
کہ آدمیوں کے لئے کٹناپا کرتا ہے۔

○ اسحق موصلی اور مدنی عاشق کی کہانی

اسحق بن ابراہیم موصلی کا بیان ہے کہ برمکیوں کے پاس میری بہت آمد و رفت
رہتی تھی۔ ایک روز جبکہ میں اپنے گھر میں تھا' کسی نے دروازے کھٹکھٹایا۔ غلام نے
باہر جا کر دیکھا اور آ کر کہا کہ دروازے پر ایک خوبصورت جوان ہے اور وہ اندر آنا
چاہتا ہے۔ میں نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی' جب وہ جوان اندر آیا تو میں
نے دیکھا کہ وہ بیمار معلوم ہتا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں ایک مدت سے تجھ
سے ملنا چاہتا تھا کیونکہ مجھے ایک ضرورت ہے۔ میں نے کہا' وہ کیا؟ اس نے تین
سو دینار نکال کر میرے آگے رکھ دیئے اور کہنے لگا مہربانی کر کے انہیں قبول کر لے
اور دو شعروں کا راگ بنا دے جو میں نے کہے ہیں۔ میں نے کہا وہ شعر مجھے سنا۔
اس نے انہیں پڑھ کر مجھے سنایا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• چھ سو ستانویں رات

چھ سو ستانویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- اسحق بن ابراہم کہتا ہے کہ اس نے وہ شعر مجھے سنائے اور میں نے ان کا ایک غمگین راگ بنا کر

اسے سنایا۔ وہ بے ہوش ہو گیا مجھے گمان ہوا کہ وہ مر گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے کہا پھر گا۔ میں نے کہا خدا کی قسم نہیں گاؤں گا۔ مجھے ڈر ہے کہ تو کہیں واقعی نہ مر جائے۔ وہ بولا کاش ایسا ہو جائے! اور اس نے اتنی خوشامد کی کہ مجھے ترس آیا اور میں نے دوبارہ گایا۔ اب اس نے پہلے سے زیادہ زور کی چیخ ماری' مجھے یقین ہوا کہ وہ مر گیا۔ میں اس پر گلاب چھڑکتا رہا یہاں تک کہ وہ ہوش میں آ کر اٹھ بیٹھا۔ میں نے خدا کی شکر ادا کیا۔ اس کے دینار اس کے آگے رکھ دیئے اور کہا اپنا مال لے اور میرے پاس سے چلا جا۔ اس نے کہا مجھے ان کی ضرورت نہیں اور اگر تو پھر گائے تو میں اسی قدر تجھے اور دوں گا۔ دیناروں کا نام سن کر میرا دل للچایا' میں نے کہا تین شرطوں کے ساتھ میں دوبارہ گاؤں گا۔ پہلی یہ کہ تو میرے پاس ٹھہرے اور کھانا کھائے' تیری جان میں جان آجائے۔ دوسری یہ کہ تو شراب پئے تا کہ تیرا دل مضبوط ہو جائے۔ تیسری یہ کہ تو اپنا قصہ مجھے سنائے۔ اس نے منظور کر لیا۔ اور کہنے لگا کہ میں مدینے کا رہنے والا ہوں۔ ایک روز سیر کرتا ہوا اپنے دوستوں کے ساتھ العقیق کی سڑک پر جا رہا تھا کہ میں نے چند عورتوں کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھا گویا وہ ایک شاخ تھی جس پر شبنم کی پوشاک پڑی ہوئی تھی۔ وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک اسے دیکھنے والے کی جان جانے کا یقین نہ ہو گیا۔ وہ عورتیں دن ڈھلے تک سائے میں بیٹھ کر چلی گئیں اور میرے دل پر ایسا زخم لگا جس کا اچھا ہونا جلد ممکن نہیں۔ میں لوٹا کہ یہ پتہ لگاؤں وہ لڑکی کون ہے تو میں نے ہوں کسی کو نہ پایا۔ میں اس کی تلاش میں بازار پھرتا رہا لیکن اس کا

کہیں کھوج نہ لگا۔ میں مارے غم کے بیمار پڑ گیا اور اپنے ایک عزیز سے اپنا قصہ بیان کیا۔ اس نے کہا گھبرا نہیں' اس وقت تو وہاں جائیو' میں تیرے ساتھ چلوں گا اور تیری مراد بر آئے گی۔ میرے دل میں بھی اپنے بھائی بندوں کو لے کر نکلا اور ہم سب اسی جگہ جا کر بیٹھ گئے۔

ابھی ہم بیٹھے ہی تھے کہ وہی عورتیں گھڑ دوڑ کے گھوڑوں کی طرح دوڑتی ہوئی آ پہنچیں۔ میں نے ایک اپنی رشتے دار لڑکی سے کہا فلاں لڑکی سے اکر کہہ کہ یہ شخص کہتا ہے کہ کسی نے کیا اچھا کہا ہے کہ "وہ دل لے کے چپکے سے چلتے ہوئے' یہاں رہ گئے ہم ہاتھ ملتے ہوئے۔" لڑکی نے جا کر اس سے کہا اس نے جواب دیا کہ اس سے جا کر کہہ کہ کسی نے اس شعر کا جواب کیسا اچھا دیا ہے کہ۔

الفت کا جب مزہ ہے کہ دونوں ہوں بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

اس سے زیاد میں نے کچھ نہ کہا کہیں رسوائی نہ ہو جائے اور میں اٹھ کر چل دیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور میں اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ وہ مجھے پھر پھر کر برابر دیکھتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ مجھے اس کا گھر معلوم ہو گیا۔ اب وہ میرے ہاں آنے جانے لگی اور میں اس کے ہاں۔ ہم اکثر ساتھ رہتے۔ چند روز میں یہ خبر مشہور ہو گئی اور اس کے باپ کے کان تک پہنچی لیکن میں نے اس سے ملنا نہ چھوڑا اور اپنے باپ سے اس کا ذکر کیا۔ وہ سارا کنبہ اکٹھا کر کے لڑکی کے پاس لے گیا تا کہ میرا لڑکی سے نکاح کر دیا جائے۔ اس نے جواب دیا کہ اگر رسوائی سے پہلے میرے سامنے یہ تجویز پیش کی جاتی تو میں ضرور نکاح کر دیتا لیکن اب یہ خبر لوگوں میں مشہور ہو چکی ہے اور میں انہیں جھٹلا نہیں سکتا۔ اسحق کا بیان ہے کہ میں نے پھر وہی راگ گا کر سنایا۔ وہ مجھے اپنے گھر کا پتہ بتا کر چلا گیا اور ہم دونوں دوست ہو گئے۔

ایک روز جعفر بن یحییٰ نے دربار کیا۔ میں بھی دستور کے مطابق حاضر ہوا۔ میں نے اس جوان کے دونوں شعر گائے۔ وہ خوش ہو کر کئی پیالے چڑھا گیا۔ اور مجھ سے کہنے لگا سچ بتا یہ راگ کس کا بنایا ہوا ہے؟ میں نے جوان کا سارا قصہ سنا دیا۔ اس نے کہا ابھی سوار ہو کر اس کے پاس جا' اسے اپنے ساتھ لے آ۔ یقین دلا کہ اس کی مراد پوری ہو جائے گی۔ میں جا کر جوان کو لے آیا۔ جعفر نے اس سے کہا اپنا قصہ دہرا۔ اس نے کہہ سنایا۔ جعفر بولا' میں اس کی ذمے داری لیتا ہوں کہ تیری شادی اس سے ہو جائے گی۔ یہ سن کر جوان خوش ہو گیا اور ہمارے پاس ٹھہرا رہا۔ جب صبح ہوئی تو جعفر سوار ہو کر رشید کے پاس گیا اور اس سے یہ قصہ کہا۔ خلیفہ نے ہم دونوں کو بلا کر مجھ سے کہا کہ وہ راگ سنا۔ وہ سنتا جاتا اور پیتا جاتا تھا۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ حجاز کے والی کو خط لکھا جائے کہ وہ لڑکی کے باپ اور اس کے سارے کنبے کو عزت کے ساتھ خلیفہ کے پاس روانہ کر دے اور ان پر بہت مال خرچ کرے۔ تھوڑے ہی دن گزرے ہوں گے کہ وہ سب آ گئے۔ رشید نے لڑکی کے باپ کو اپنے پاس بلوایا۔ وہ حاضر ہوا تو اس نے کہا کہ اپنی بیٹی کا نکاح اس جوان سے کر دے اور اسے ایک لاکھ دینار دے کر اس کے گھر واپس کر دیا۔ جوان برابر جعفر کا ندیم رہا یہاں تک کہ اس پر جو گزری وہ معلوم ہے۔ اس کے بعد جوان اپنی بیوی کو لے کر مدینے چلا گیا۔ خدا ان سب کی روحوں پر رحمت بھیجے!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ الملک الناصر اور اس کے وزیر کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------ وزیر ابو عامر بن مروان کو تحفے کے طور پر کہیں سے ایک عیسائی غلام ملا جس سے زیادہ حسین کسی کی آنکھ سے نہ گزرا ہو گا۔ جب الملک الناصر

صلاح الدین کی نظر اس پر پڑی تو اس نے غلام کے آقا سے پوچھا تجھے یہ کہاں سے ملا؟ وہ بولا خدا سے۔ سلطان نے کہا کیا تو مجھے ستاروں سے ڈراتا اور چاندوں کا قیدی بنانا چاہتا ہے؟ وزیر نے معافی مانگی اور ایک ہدیہ تیار کر کے غلام کے ہاتھ سلطان کے پاس بھیجا اور غلام سے کہا کہ تو بھی ہدیئے کا جز ہے۔ اگر مجبوری نہ ہوتی تو میرا دل کبھی تجھے چھوڑنے کو گوارا نہ کرتا۔ صلاح الدین کو یہ غلام بہت پسند آیا۔ اس نے وزیر کو بہت انعام دیا اور اس کی عزت اس کے دل میں زیادہ ہو گئی۔ اس کے بعد وزیر کو ایک نہایت حسین لڑکی ہدیے میں ملی وہ ڈرا کہ کہیں اس کی خبر بھی سلطان تک نہ پہنچ جائے۔ وہ مانگ بیٹھے اور پھر غلام کا سا قصہ نہ پیش آ جائے۔ اس لئے اس نے پہلے سے بڑھ کر ایک ہدیہ تیار کیا اور اسے لڑکی کے ہاتھ بھیجا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو اٹھانویں رات

چھ سو اٹھانویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ وزیر نے وہ ہدیہ لڑکی کے ہاتھ بھیجا۔ اب وزیر کی عزت اور زیادہ ہو گئی۔ حاسد جلنے لگے۔ ایک دشمن نے سلطان سے جا لگایا کہ اسے ابھی تک لڑکے کی محبت باقی ہے۔ جب ذرا شراب چڑھ جاتی ہے تو وہ برابر اس کی یاد کیا کرتا اور اس بات پر افسوس کرتا ہے کہ اس نے لڑکے کو کیوں دے ڈالا۔ صلاح الدین نے چغل خور سے کہا کہ اس کے خلاف زبان نہ ہلا' ورنہ میں تیرا سر اڑا دوں گا۔ ادھر اس نے لڑکے کی طرف سے وزیر کو ایک خط لکھا جس کا مضمون تھا "اے میرے مولا! تجھے معلوم ہے کہ تو ہی میرا سب کچھ تھا اور میں نے تیرے ساتھ کس عیش و عشرت کی زندگی بسر کی۔ اب اگرچہ میں سلطان کے پاس ہوں تاہم میری آرزو ہے کہ محض تیرا ہو کر رہوں لیکن میں سلطان سے ڈرتا ہوں' تو کوئی تدبیر نکال کر مجھے اس سے مانگ لے۔" یہ خط صلاح الدین نے ایک چھوٹے لڑکے کو دے کر کہا' وزیر سے کہیو کہ فلاں غلام نے بھیجا ہے۔ یہ نہ کہیو کہ سلطان نے مجھ سے کچھ کہا ہے' لڑکا خط لے کر ابو عامر کے پاس پہنچا تو ہو تاڑ گیا اور اس نے خط کی پشت پر لکھ دیا "کہیں تجربے کار آدمی سے یہ ہو سکتا ہے کہ وہ شیر کے غار میں گھس پڑے۔ نہ میں عشق میں اندھا ہوں' نہ حاسدوں کے پھندے میں آنے والا۔ اگر تو میری جان بھی ہوتا تو میں تجھے خوشی سے دے چکا ہوں۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ جان نکل کر پھر لوٹ آئے۔" یہ جواب پڑھ کر صلاح الدین وزیر کی دانشمندی پر تعجب کرنے لگا اور اس کے بعد کسی کی چغلی اس کے بارے میں نہیں سنی۔ پھر ایک بار اس نے وزیر سے پوچھا کہ تو پھندے سے کس طرح بچ گیا؟ اس نے جواب دیا کہ میری عقل نفسانی خواہشات میں مبتلا نہیں ہے۔

○ دلیلہ اور زینب کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------ ہارون الرشید کی خلافت کے زمانے میں دو شخص تھے۔ ایک کا نام احمد دنف اور دوسرے کا حسن شومان تھا۔ دونوں بڑے ٹھگ' فریبی اور چال باز تھے او عجیب و غریب حرکتیں کیا کرتے۔ کسی مصلحت سے خلیفہ نے احمد دنف کو خلعت دے کر میمنے کا سردار بنا دیا اور حسن شومان کو میسرے کا' دونوں کی ماہواری تنخواہ ایک ہزار دینار مقرر کر دی۔ دونوں کے ماتحت چالیس چالیس سوار کر دیئے۔ احمد دنف کے سپرد شہر کے باہر کی چوکیداری کی۔ اب احمد دنف اور حسن شومان اپنے اپنے سواروں کو لے کر دربار سے نکلے' امیر خالد شہر کا والی ان کے ساتھ ساتھ تھا' ڈھنڈورا پیٹنے والا ڈھنڈورا پیٹتا جاتا کہ حکیم خلیفہ کا بغداد کے میمنے کا سردار سوائے احمد دنف کے کوئی اور نہیں اور بغداد کے میسرے کا سردار سوائے حسن شومان کے دوسرا نہیں۔ ان کا حکم ماننا پڑے گا اور ان کی تعظیم کی جائے گی۔

شہر میں ایک بڑھیا رہتی تھی جس کا نام فریبی دلیلہ تھا۔ اس کی بیٹی چال باز نے اپنی ماں دلیلہ سے کہا اماں! یہ وہی احمد دنف ہے نا جو مصر سے نکالا گیا اور بغداد میں چال بازیوں سے خلیفہ تک رسائی پا کر میمنے کا سردار بن بیٹھا اور یہ گنجا لونڈا حسن شومان میسرے کا سردار ہو گیا' اس کے لئے صبح کو ایک شاہی دستر خوان پیش کیا جاتا ہے اور ایک شام کو دونوں کو ایک ایک ہزار دینار ماہانہ ملتے ہیں اور ہم گھر میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ نہ ہمارے پاس کوئی عہدہ ہے' نہ ہماری عزت' نہ ہمارا پوچھنے گھچنے والا ہے۔ اسی دلیلہ کا شوہر پہلے بغداد کا سردار تھا اور اسے ہر مہینے خلیفہ سے ایک ہزار دینار ملتے تھے۔ دو بیٹیاں چھوڑ کر مرا' ایک کی شادی ہو چکی تھی' اس کا ایک بیٹا جس کا نام احمد لقیط تھا اور دوسری کنواری تھی۔ اس کا نام چال باز زینب تھا۔

دلیلہ بڑی چھل فریب والی عورت تھی' اپنے چال بازی سے وہ اژدہے کو اس کے بل

میں سے نکال لاتی۔ شیطان کو مکر و فریب میں اس کا شاگرد سمجھو۔ اس کا شوہر خلیفہ کے کبوتر خانے کا داروغہ تھا اور قاصد کبوتروں کے پالنے کی خدمت اس کے ذمے تھی۔

خلیفہ کے لئے ہر ایسا کبوتر ضرورت کے وقت اس کے بیٹے سے زیادہ عزیز تھا۔ زینب نے اپنی ماں سے کہا کوئی ایسی تدبیر چل کہ بغداد میں ہم مشہور ہو جائیں اور باپ کی تنخواہ ہمارے لئے مقرر کر دی جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھ سو ننانویں رات

چھ سو ننانویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- زینب نے اپنی ماں سے یہ کہا تو وہ بولی تیری جان کی قسم' دیکھتی رہ' میں بھی وہ چال چلوں گی کہ احمد دنف کا اور حسن شومان بھی مات ہو جائیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے چہرے پر نقاب ڈالی' صوفی درویشوں کی طرح ٹخنوں تک کرتا پہنا' اونی عبا اوڑھی' ایک چوڑی پیٹی کمر سے باندھی ' ایک لوٹا لے کر اس میں گلے تک پانی بھرا' اس کے اندر تین دینار ڈال کر اس کا منہ کھجورے کے ریشوں سے بند کر دیا۔ گلے میں ایک تسبیح ڈالی جو لکڑیوں کا ایک پورا گٹھا تھا' ہاتھ میں ایک جھنڈی لی جس میں لال پیلے چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے اور اللہ اللہ کہتی ہوئی نکل کھڑی ہوئی۔ زبان سے خدا کی پاکی بیان کرتی جاتی اور دل میں دغا بازی بھری ہوئی تھی۔ سوچ یہ تھی کہ شہر میں کیا مکر و فریب کرے۔ گلی گلی پھرتی پھراتی ایک جگہ پہنچی جہاں مر مر کا فرش تھا اور پر جھاڑو دی ہوئی تھی۔ وہاں اس کی نظر ایک دروازے پر پڑی جس کے اوپر مر مر کی محراب تھی اور جس کا دربان ایک مغربی دروازے پر کھڑا تھا۔

یہ حویلی خلیفہ کے پولیس کے سردار کی تھی جس کے بہت سے گاؤں تھے' جس کی بڑی تنخواہ تھی۔ اس کا نام امیر حسن شرالطریق تھا۔ اس کی شادی ایک خوبصورت لڑکی سے ہوئی تھی' جسے وہ بہت چاہتا تھا اور جس نے پہلی رات ہی اس سے قسم لے لی تھی کہ وہ اس کے بعد اور کوئی نکاح نہ کرے گا اور کوئی رات گھر سے باہر نہ گزارے گا۔ ایک روز جبکہ اس کا شوہر دربار میں گیا اور دیکھا کہ کسی امیر کے ساتھ اس کا ایک بیٹا ہے' کسی کے ساتھ دو۔ چنانچہ ایک بار وہ حمام گیا۔ آئینہ یکھا تو داڑھی کے سفید بالوں سے کالے بال چھپ گئے تھے' اپنے دل میں کہنے لگا کہ کیا جس خدا نے تیرے باپ کو اٹھا لیا ہے وہ تجھے کوئی بیٹا نہ دے گا! پھر وہ غصے میں بھرا ہوا اپنی

بیوی کے پاس گیا۔ بیوی نے شام بخیر کہا۔ شوہر بولا میرے سامنے سے دور ہو' جس دن سے میں نے تیرا منہ دیکھا ہے' مجھے کوئی بھلائی نصیب نہیں ہوئی۔ بیوی نے کہا وہ کیسے؟ شوہر نے کہا پہلی رات تو نے مجھ سے قسم لی تھی کہ میں تیرے اوپر دوسرا نکاح نہ کروں گا۔ آج میں نے دیکھا کہ ہر امیر کے ساتھ ایک ایک بیٹا ہے بلکہ بعضوں کے ساتھ دو دو۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ میں مرنے والا ہوں لیکن نہ میرے کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی۔ جس کے بیٹا نہیں ہوتا اس کی یاد بھی باقی نہیں رہتی۔ یہ ہے سبب میرے غصے کا' تو بانجھ ہے' تجھے مجھ سے حمل نہیں ہوتا۔ بیوی نے کہا خدا خدا کر' میں تو اپنے لئے دوائیں کوٹتے کوٹتے تھک گئی' میری کیا خطا' حمل نہ ہونے کا سبب تیری طرف سے ہے۔ تو ہی چپٹی ناک والا خچر ہے۔ تیرا مادہ کمزور ہے اور بچہ پیدا نہیں کر سکتا۔ شوہر نے کہا' میں سفر سے لوٹ کر دوسرا نکاح کروں گا۔ بیوی نے کہا میری قسمت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس گفتگو کے بعد وہ باہر چلا گیا اور دونوں کو ایک دوسرے پر الزام لگانے کا افسوس ہوا۔

اب جبکہ امیر کی بیوی اپنی کھڑکی سے جھانک رہی اور زیور کی وجہ سے دلہن کی طرح معلوم ہوتی تھی' اس وقت دلیلہ وہاں جا پہنچی۔ دیکھا کہ ایک لڑکی قیمتی زیور اور لباس پہنے ہوئے ہے۔ اس نے اپنے دل میں کہا' اے دلیلہ' تیری چال بازی بے کار ہے اگر تو اس لڑکی کو اس کے شوہر کے گھر سے اڑا نہ لے گئی اور اس کے کپڑے اور زیور اتار کر چلتی نہ بنی۔ وہ کھڑکی کے نیچے کھڑی ہو کر خدا کی یاد کرنے اور اللہ اللہ کہنے لگی۔ اتنے میں لڑکی کی نظر بڑھیا پر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ وہ سفید کپڑے پہنے سرتاپا نور معلوم ہوتی ہے اور درویشانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی کہہ رہی ہے کہ اے اولیاء اللہ! حاضر ہو۔ اس کی صدا سن کر محلے کی ساری عورتیں اپنی اپنی کھڑکیوں سے جھانکنے اور کہنے لگیں کہ خدا کے لئے ہماری بھی کچھ مدد ہو جائے۔ یہ ایک بڑی بوڑھی عورت ہے' اس کے چہرے پر نور برستا ہے۔ امیر حسن کی بیوی خاتون رونے لگی اس نے اپنی باندی سے کہا کہ جا کر شیخ ابو علی دربان کے ہاتھ چوم اور اس سے

کہہ کہ بڑی بی کو اندر آ جانے دیجئے تا کہ میں اس سے برکت حاصل کروں۔ باندی نے اتر کر اس کے ہاتھ چومے اور کہا میری آقا کہتی ہے کہ بڑی بی کو اندر آنے دے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سوویں رات

سات سوویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- باندی کا یہ پیغام سن کر دربان آگے بڑھا اور بڑھیا کے ہاتھ چومے' مگر اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہنے لگی کہ دور ہو' کہیں میرا وضو نہ ٹوٹ جائے۔ تیرے اوپر بھی ولیوں کی عنایت کی نظر ہے۔ اے ابو علی خدا تجھے اس نوکری سے پناہ دے! دربان کی تین مہینے کی تنخواہ امیر سے کس طرح وصول کرے۔ اس نے بڑھیا سے کہا مائی اپنے لوٹے میں سے مجھے پانی پلا دے تا کہ مجھے برکت حاصل ہو۔ بڑھیا نے لوٹے کو کندھے پر سے اتار کر ہوا میں چکر دیا اور اپنا ہاتھ ہلایا کہ کھجور ک ریشے لوٹے کے منہ سے ہٹ گئے اور اس میں سے تینوں دینار زمین پر گر پڑے۔ دربان نے انہیں زمین پر سے اٹھا لیا اور اپنے دل میں کہنے لگا سبحان اللہ! یہ بڑھیا تو ولی اللہ ہیں' اسے مکاشفے سے معلوم ہو گیا کہ میرے اوپر خرچ کی تنگی ہے اور اس نے ہوا میں سے تین دینار میرے لیے پیدا کر دیئے۔ اس کے بعد اس نے وہ تین دینار ہاتھ میں لے کر کہا خالہ' یہ تین دینار تیرے لوٹے میں سے گرے ہیں' انہیں لے لے۔ بڑھیا بولی' انہیں میرے پاس نہ لا' میں ان لوگوں میں سے ہوں جو دنیا سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ انہیں لے جا کر تو اپنے اوپر خرچ کر' جو دام تیرے امیر کے اوپر آتے ہیں۔ ان کا یہ ایک حصہ ہیں۔ دربان نے دل میں کہا یہ خدا کی طرف سے میری مدد ہے اور بڑھیا کے کشف کا نتیجہ۔ اتنے میں باندی اس کا ہاتھ چوم کر اسے اپنی آقا کے پاس لے گئی۔ اندر جا کر بڑھیا نے دیکھا کہ باندی کی آقا گویا ایک طلسمی خزانہ ہے۔ لڑکی نے مرحبا کہہ کر بڑھیا کے ہاتھ چومے۔ بڑھیا نے کہا بیٹی' میں تیرے پاس محض خدا کے اشارے سے آئی ہوں۔ لڑکی نے اس کے آگے کھانا پیش کیا۔ اس نے کہا بیٹی' میں سوا جنت کے کھانے کے اور کچھ نہیں کھاتی' ہمیشہ روزہ رکھتی ہوں اور سال میں فقط پانچ روز افطار کرتی ہوں۔

لیکن بیٹی' میں دیکھتی ہوں کہ تو پریشان ہے' چاہتی ہوں تو اپنی پریشانی کا سبب مجھے بتا۔

لڑکی نے کہا مائی' پہلی رات میں نے اپنے شوہر کو قسم دی تھی کہ وہ میرے بعد کسی

اور اسے شادی نہ کرے۔ ایک بار اس نے اوروں کے بیٹے دیکھے' اسے بھی اولاد کی تمنا پیدا ہوئی اور اس نے مجھ سے کہا کہ تو بانجھ ہے' میں نے جواب دیا کہ تو خچر ہے جو گابھن نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر وہ غصے میں بھر گیا اور جاتے جاتے یہ کہہ گیا کہ اب میں تیرے اوپر دوسری بیوی لاؤں گا' مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے طلاق دے کر دوسری شادی نہ کر لے کیونکہ' اس کے پاس املاک' جا گیریں اور بڑی آمدنی ہے۔ اگر کسی اور سے اس کے اولاد ہو گئی تو ساری دولت مجھ سے نکل کر دوسری کے پاس چلی جائے گی۔ بڑھیا نے کہا بیٹی کیا تو میرے شیخ ابو الحملات کو نہیں جانتی؟ اگر کوئی مقروض ان کی زیارت کرے تو خدا اس کا قرضہ ادا کردیتا ہے اور اگر بانجھ عورت ان کے پاس جائے تو وہ حاملہ ہو جاتی ہے۔ لڑکی نے کہا مائی' جس روز سے میری شادی ہوئی ہے وہ میں کسی کے غم میں شریک ہونے کے لئے باہر گئی ہوں' نہ خوشی میں۔

بڑھیا نے کہا بیٹی میں تجھے اپنے ساتھ لے جا کر ابو الحملات سے ملاؤں گی' تو اپنا ان بوجھ پر ڈال دیجینو اور اس کی نذر مانیو۔ یقین ہے کہ جب تیرا شوہر سفر سے لوٹ کر تیرے ساتھ ہم بستر ہو گا تو تو اس سے حاملہ ہو جائے اور بیٹا یا بیٹی جو تیری تقدیر میں ہو گا' پیدا ہو جائے گا لیکن یاد رکھیو بیٹا ہو یا بیٹی وہ شیخ ابو الحملات کا درویش ہو گا۔ یہ سن کر لڑکی اٹھ کھڑی ہوئی' اپنے تمام زیور اور بہترین لباس پہن لئے اور باندی سے کہا گھر کا خیال رکھیو۔ جب وہ نیچے آئی تو شیخ ابو علی دربان نے سامنے آ کر کہا اے میری آقا' تو کہاں جاتی ہے؟ لڑکی نے جواب دیا میں شیخ ابو الحملات کی زیارت کے لئے جاتی ہوں۔ دربان نے کہا میرے اوپر ایک سال کے روزے فرض ہو گئے ہیں' اس بڑھیا کا شمار اولیاء اللہ میں سے ہے' وہ خدا کی مقرب ہے اور اے میری آقا وہ پہنچی ہوئی ہے۔ اس نے مجھے لال سونے کے تین دینار عطا کئے ہیں' بغیر میرے

کہے' اسے کشف ہو گیا کہ مجھے خرچ کی ضرورت ہے۔
اس کے بعد بڑھیا اور امیر حسن شرالطریق کی بیوی دنوں چل کھڑی ہوئیں وہ فریبی بڑھیا دلیلہ لڑکی سے کہتی جاتی تھی کہ بیٹی اگر خدا کو منظور ہوا تو شیخ ابو الحملات کو دیکھ کر تیرے دل کو تسکین ہو جائے گی' تجھے حمل رہ جائے گا' ان بزرگ کی برکت سے تیرا شوہر امیر حسن تجھ سے محبت کرنے لگے گا اور پھر کوئی تکلیف وہ بات تجھ سے نہ کرے گا۔ لڑکی نے کہا مائی' میں ان سے ضرور ملوں گی۔ اب بڑھیا سوچنے لگی کہ یہاں جائز نہیں' اسے ننگا کروں اس کے کپڑے لے کر چلتی بنوں؟ یہاں تو لوگ آ جا رہے ہیں۔ اس نے لڑکی سے کہا تو میرے پیچھے پیچھے مجھ سے اتنی دور چل کہ تو مجھے دیکھ سکے کیونکہ تیری مائی کے اوپر بہت سے بوجھ ہیں۔ ہر شخص اپنا بوجھ میرے اوپر ڈال دیتا ہے' ہر نذر والا اپنی نذر مجھے دیتا اور میرا ہاتھ چومتا ہے۔ یہ سن کر لڑکی اس سے دور پیچھے پیچھے چلنے لگی اور بڑھیا آگے آگے یہاں تک کہ وہ دونوں سوداگروں کے بازار میں جا پہنچے' لڑکی کی جھانجھیں جھنکارتی جاتی اور اس کے بالوں پر گرد پڑ رہی تھی اس حالت میں وہ ایک سوداگر زادے کی دکان پر پہنچی جس کا نام سید حسن تھا۔ بہت حسین' ابھی تک اس کے داڑھی مونچھیں بھی نہیں نکلی تھیں۔ وہ لڑکی کو کن اکھیوں سے دیکھنے لگا۔ بڑھیا نے یہ دیکھ کر لڑکی کو اشارہ کیا اور کہا کہ اس دکان پر بیٹھ جا' میں ابھی آتی ہوں۔ لڑکی نے حکم کی تعمیل کی اور سوداگر زادے کی دکان کے آگے بیٹھ گئی۔

سوداگر زادے نے حسرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ بڑھیا نے اس کے پاس جا کر پوچھا کیا تیرا نام سیدی حسن ہے اور تیرا باپ محسن سوداگر ہے؟ لڑکے نے کہاں ہاں' تجھے میرا نام کیسے معلوم ہوا! بڑھیا نے کہا اولیاء اللہ نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے۔ سن' یہ لڑکی میری بیٹی ہے اس کا باپ سوداگر تھا' اس کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس نے لڑکی کے لئے بہت مال و دولت چھوڑا ہے۔ عقلمندوں کا قول ہے کہ اپنی بیٹی کو

شادی کے لئے پیش کر نہ کہ اپنے بیٹے کو۔ آج سے پہلے یہ لڑکی کبھی گھر سے باہر نہیں نکلی۔ مجھے یہ الہام ہوا کہ میں اس کی شادی تیرے ساتھ کر دوں۔ اگر تو غریب ہے تو میں تجھے بہت سا مال دوں گی۔ اور ایک دکان کے بدلے دو دکانیں کھلوا دوں گی۔ جوان نے اپنے دل میں کہا' میں نے خدا سے ایک دلہن مانگی تھی اس نے تین چیزیں مجھے عطا کر دیں۔ اس نے بڑھیا سے کہا مائی تیرا مشورہ بہت اچھا ہے' میری ماں ایک مدت سے میری شادی کرنا چاہتی تھی' میں منظور نہ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ بغیر دیکھے بھالے نکاح نہیں کروں گا۔ بڑھیا نے کہا میرے ساتھ چل تا کہ میں اسے تجھ کو برہنہ دکھا دوں۔ جوان اٹھ کھڑا ہوا' ایک ہزار دینار اپنے ساتھ لے لئے اس خیال سے کہ ممکن ہے کسی چیز کے خریدنے کی ضرورت پڑ جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• سات سو کے بعد پہلی رات

سات سو کے بعد پہلی رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جوان نے کہا' ممکن ہے کہ مجھے کوئی چیز خریدنی پڑ جائے یا نکاح نامے کی اجرت دینی ہو۔ بڑھیا جوان سے بولی۔ لڑکی کے اتنے پیچھے پیچھے چل کہ تو اسے دیکھ سکے اور اپنے دل میں کہنے لگی جوان اپنے دکان میں تو قفل ڈال چکا ہے اب اسے کہاں لے جاؤں' جو لڑکے اور لڑکی دونوں کے کپڑے اتار لوں۔ بہرحال وہ آگے چلی۔ اس کے پیچھے لڑکی اور لڑکی کے پیچھے لڑکا ہو لیا۔ چلتے چلتے وہ رنگریز کی دکان پر پہنچی جس کا نام حاجی محمد تھا جو لڑکوں اور لڑکیوں دونوں سے محبت کرتا تھا۔ جب اسے جھانجنوں کے کھنکنے کی آواز آئی تو اس نے سر اٹھایا دیکھا ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے۔ بڑھیا اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اسے سلام کیا اور پوچھا حاجی محمد رنگریز تو ہی ہے۔ اس نے جواب دیا ہاں میں ہی حاجی محمد ہوں' کیا چاہتی ہے؟ بڑھیا نے کہا چند بھلے مانسوں نے مجھے تیرا پتہ دیا ہے۔ دیکھ یہ خوبصورت لڑکی میری بیٹی ہے اور یہ خوبصورت بے داڑھی مونچھ والا لڑکا میرا بیٹا۔ میں نے انہیں پالا پوسا ہے اور ان پر بہت دولت خرچ کی ہے۔ میرا ایک بہت بڑا مکان ہے مگر ٹوٹا پھوٹا پڑا ہے۔ میں نے اسے اڑواڑیں لگا کر سنبھال رکھا ہے۔ معمار نے مجھ سے کہا کہ تو کسی دوسری جگہ جا کر رہ تا کہ میں اس کی مرمت کراوں' کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرے اوپر گر پڑے۔ مرمت کے بعد تو پھر اس مکان میں آ کر رہ سکتی ہے۔ اب میں مکان کی تلاش میں نکلی ہوں اور چند بھلے مانسوں نے مجھے تیرا پتہ دیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنے بیٹے اور بیٹی کو تیرے مکان میں ٹھہرا دوں۔ رنگریز نے اپنے دل میں کہا پانچوں انگلیاں گھی میں اور بڑھیا کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا یہ تو ٹھیک ہے کہ میرا ایک گھر' ایک دیوان خانہ اور ایک بالا خانہ ہے مگر مجھے ان کی ضرورت مہمانوں اور اپنے گاہکوں کے لئے ہوتی ہے۔ بڑھیا بولی بیٹا! مجھے زیادہ سے

زیادہ ایک یا دو مہینے کے لئے ضرورت ہے' اس مدت میں میرا گھر تیار ہو جائے گا' ہم لوگ پردیسی ہیں' مہمان خانے کو اپنے اور ہمارے درمیان مشترک کر دے۔ بیٹا اگر تو چاہتا ہے کہ تیرے مہمان ہمارے مہمان ہوں تو سر آنکھوں پر ہم انہی کے ساتھ کھانا کھائیں گے اور انہیں کے ساتھ سوئیں گے۔

یہ سن کر رنگریز نے اسے کنجیاں دے دیں۔ ایک بڑی کنجی گھر کی' ایک ٹیڑھی بیٹھک کی اور چھوٹی بالا خانے کی۔ بڑھیا کنجیاں لے کر چل دی' لڑکی اس کے پیچھے پیچھے ہو لی اور سوداگر زادہ لڑکی کے پیچھے پیچھے۔ ایک گلی میں پہنچ کر بڑھیا نے گھر کا دروازہ دیکھا' اسے کھولا' لڑکی اس کے اندر گئی۔ بڑھیا نے کہا بیٹی! یہی مکان شیخ ابو الحملات کا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے بیٹھک کی طرف اشارہ کیا' مگر پھر کہنے لگی بہتر ہے کہ تو بالا خانے پر چڑھ جا اور برقع اتار ڈال' میں ابھی آتی ہوں۔ لڑکی بالا خانے پر جا کر بیٹھ گئی اور بڑھیا نے سوداگر زادے کے پاس جا کر کہا بیٹھک میں بیٹھ' میں ابھی لڑکی کو لاتی ہوں تا کہ تو اسے دیکھ لے۔ جوان بیٹھک میں بیٹھ گیا۔ بڑھیا لڑکی کے پاس گئی۔ لڑکی نے کہا میں ابو الحملات کا دیدار کرنا چاہتی ہوں' قبل اس کے کہ اور لوگ آئیں۔ بڑھیا نے کہا بیٹی' مجھے ڈر لگتا ہے۔ لڑکی بولی کس بات سے؟ بڑھیا نے کہا یہاں میرا ایک بھولا بیٹا ہے جو سردی گرمی میں فرق نہیں کر سکتا اور ہمیشہ ننگا رہتا ہے۔ وہ شیخ کا نقیب ہے۔ اگر تجھ جیسی لڑکی شیخ کی زیارت کو جائے گی تو وہ تیری کان کی بالیاں کھینچ لے گا' تیرے کان نوچ ڈالے گا اور تیرے ریشمی کپڑے پھاڑ ڈالے گا۔ بہتر ہے کہ تو اپنا زیور اتار ڈال جب تک تو زیارت نہ کر چکے' میں انہیں حفاظت سے رکھوں گی۔ لڑکی نے زیور اور کپڑے اتار کر بڑھیا کے حوالے کر دیئے۔ بڑھیا نے کہا میں انہیں شیخ کے پردے پر رکھ دوں گی تا کہ تجھے برکت ملے۔ لڑکی محض کرتے پاجامے میں رہ گئی اور بڑھیا باقی چیزوں کو لے کر زینے میں کسی جگہ چھپا آئی۔ اس کے بعد وہ سوداگر زادے کے پاس آئی' دیکھا کہ وہ لڑکی کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہے۔

اس نے پوچھا تیری بیٹی کہاں ہے کہ میں اسے دیکھوں۔ بڑھیا اپنا سینہ پیٹنے لگی۔ لڑکے نے کہا تجھے کیا ہو گیا؟ بڑھیا نے کہا' مریں برے پڑوسی! خدا کسی کو حاسد پڑوسی نہ دے! جب انہوں نے تجھے میرے ساتھ آتے ہوئے دیکھا تو پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے کہا یہ میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس پر وہ حسد کرنے لگے اور انہوں نے لڑکی سے کہا کہ کیا تیری ماں تجھے کھلانے پلانے سے اتنی تنگ ہو گئی ہے کہ وہ تیری شادی ایک کوڑھی سے کر رہی ہے؟ میں نے قسم کھا کر لڑکی سے کہا کہ میں تجھے جوان کو ننگا کر کے دکھا دوں گی۔ جوان بولا خدا حاسدوں سے بچائے اور اپنی دونوں بانہیں ننگی کر دیں۔ بڑھیا نے دیکھا کہ وہ چاندی کی طرح ہیں۔ بڑھیا نے کہا ڈر نہیں تو بھی اسے ننگا دیکھ لے گا اور وہ بھی تجھے ننگا دیکھ لے گی۔ لڑکے نے کہا اسے لے آ تا کہ وہ مجھے دیکھ لے۔ اور اس نے اپنا سمور کا لبادہ زردوز پیٹی' خنجر اور تمام کپڑے اتار ڈالے یہاں تک کہ وہ محض پاجامے کرتے میں رہ گیا' ہزار دینار بھی اس نے کپڑوں کے ساتھ رکھ دیئے۔ بڑھیا نے کہا کہ اپنے کپڑے مجھے دے دے۔ میں انہیں حفاظت سے رکھ آؤں' اور وہ انہیں بھی لڑکی کے کپڑوں کے ساتھ لے کر گھر سے باہر آ گئی۔ دونوں کو اندر بند کر دیا اور چلتی بنی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو کے بعد دوسری رات

سات سو کے بعد دوسری رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑھیا وہ تمام کپڑے لئے ایک عطار کے پاس چھوڑ کر رنگریزی کی دکان پر گئی' دیکھا کہ وہ بیٹھا اس کا انتظار کر رہا ہے۔ رنگریز نے کہا امید ہے کہ مکان تم لوگوں کو پسند آیا ہو گا۔ بڑھیا بولی' اس مکان میں برکت ہے۔ اب میں حمالوں کو لینے جاتی ہوں جو ہمارے گھر کا سامان اور قالینیں لے آئیں۔ میرے بچوں نے مجھ سے گوشت روٹی کی خواہش کی ہے۔ لے یہ دینار' ان کے لئے گوشت روٹی تیار کر کے لے جا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھا۔ رنگریز نے کہا' میری دکان کی کون حفاظت کرے گا؟ اس میں لوگوں کے کپڑے ہیں۔ بڑھیا نے کہا تیرا نوکر۔ رنگریز سینی اور سرپوش لے کر کھانا لینے چلا گیا۔

یہ تو رنگریز کا قصہ ہوا' باقی قصہ رنگریز کا آگے آئے گا۔

اب بڑھیا کی داستان سنئے۔ وہ لڑکی اور سوداگر زادے کے کپڑے عطار سے لے کر رنگریز کی دکان پر پہنچی اور رنگریز کے نوکر سے کہا' جا تجھے تیرا استاد بلاتا ہے۔ جب تک تو لوٹ کر نہ آئے گا' میں یہیں بیٹھی رہوں گی۔ بڑھیا نے دکان کا سارا سامان جمع کیا۔ اتنے میں ایک بھنگڑی گدھے والا پہنچا جسے ایک ہفتے سے کوئی گاہک نہ ملا تھا۔ بڑھیا نے کہا گدھے والے' یہاں آ۔ وہ آیا تو بڑھیا بولی تو میرے بیٹے رنگریز کو جانتا ہے؟ گدھے والے نے کہا' ہاں جانتا ہوں۔ بڑھیا نے کہا بیچارے پر بہت قرضہ ہے' جب کبھی وہ قید خانے گیا' میں ہی اسے چھڑا کر لائی۔ میں چاہتی ہوں کہ اسے دیوالیہ قرار دے دیا جائے اور میں لوگوں کے کپڑے انہیں جا کر دے آؤں۔ تو اپنا گدھا مجھے دے کہ میں لوگوں کے کپڑے اس پر لاد کر پہنچا دوں۔ لے یہ ایک دینار اس کا کرایہ ہے۔ جب میں جا چکوں تو تو ڈونگا لے کر مٹکوں کو خالی کر دیجیو۔ پھر کونڈوں اور گھڑوں کو خالی کر دیجیو تا کہ اگر قاضی کی طرف سے کوئی عہدیدار آئے تو دکان میں کچھ

نہ پائے۔ گدھے والے نے کہا استاد کا مجھ پر احسان ہے' میں اس کی کوئی نہ کوئی خدمت اللہ کرنا چاہتا ہوں۔ بڑھیا نے سامان لے کر گدھے پر لادا اور اور خدا نے اس کی پردہ پوشی کی' وہ گھر پہنچ کر اپنی بیٹی زینب کے پاس گئی۔ زینب نے کہا اماں' میرا جی تجھ میں لگا ہوا تھا' تو نے کون سا فریب کیا تھا؟ بڑھیا نے کہا میں چار آدمیوں پر چار چالیں چل کر آئی ہوں۔ ایک سوداگر زادہ ہے' دوسری کوتوال کی بیوی' تیسرا رنگریز اور چوتھا گدھے والا۔ اس کے گدھے پر تمام سامان لاد کر لے آئی ہوں۔ لڑکی نے کہا اماں' اب تیرا شہر میں نکلنا ناممکن ہو گیا ہے۔ ایک تو کوتوال کی وجہ سے جس کی بیوی کے کپڑے اتار لئے ہیں' دوسرے سوداگر کے سبب جسے تو ننگا کر آئی' تیسرا رنگریز جس کی دکان سے تو لوگوں کا سامان اٹھا لائی اور چوتھے اس گدھے کا مالک۔ بڑھیا نے کہا بیٹی' جا اپنے کام کر میں گدھے والے کے سوا کسی کو دھیان میں نہیں لاتی کیونکہ وہ مجھے جانتا ہے۔

اب رنگریز کا ماجرا سنو۔ وہ گوشت روٹی اپنے غلام کے سر پر رکھوا کر لایا اور اپنی دکان کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ گدھے والا اس کے کونڈے توڑ رہا ہے۔ دکان میں نہ کوئی کپڑا باقی ہے نہ کسی قسم کا سامان اور دکان تباہ ہو گئی ہے۔ حیران ہو کر گدھے والے سے کہنے لگا ہاتھ روک۔ اس نے ہاتھ روک لیا اور کہنے لگا۔ استاد' خدا شکر ہے کہ تو صحیح سلامت ہے' میرا جی تجھ میں لگا ہوا تھا۔ رنگریز نے پوچھا یہ کیوں؟ میرے اوپر کیا مصیبت آئی؟ گدھے والے نے کہا' تو مفلس ہو گیا ہے اور تیرا افلاس نامہ لکھا جا چکا ہے۔ رنگریز بولا یہ تجھ سے کس نے کہا؟ اس نے کہا تیری ماں نے' اسی نے مجھے حکم دیا کہ میں کونڈوں کو توڑ ڈالوں اور گھڑوں کو خالی کر دوں تا کہ اگر قاضی کے فرستادے آئیں تو دکان میں کچھ نہ پائیں۔ رنگریز نے کہا خدا تیرا ستیاناس کرے! میری ماں کو مرے تو زمانہ ہو گیا۔ یہ کہہ کر وہ اپنا سینہ پیٹنے لگا کہ ہائے میرا اور دوسرے لوگوں کا مال ہاتھ سے جاتا رہا' گدھے والا بھی اس کے ساتھ لگا اور بولا ہائے میرا گدھا بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کے بعد اس نے رنگریز سے کہا' اے

رنگریز میرا گدھا اپنی ماں سے لا کر مجھے دے۔ رنگریز اسے پکڑ کو گھونسے مارنے لگا اور کہا بڑھیا کو لا کر حاضر کر۔ یہ سن کر بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• سات سو کے بعد تیسری رات

سات سو کے بعد تیسری رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... لوگ جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے اے استاد محمد! یہ کیا قصہ ہے؟ گدھے والے نے کہا کہ میں تم سے سارا قصہ بیان کرتا ہوں اور اپنا سارا قصہ کہہ سنایا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ استاد میرا شکر گزار ہو گا لیکن مجھے دیکھتے ہی اپنا سینہ پیٹنے لگا اور کہا کہ میری ماں تو مر چکی ہے۔ اب میں اس سے اپنا گدھا مانگتا ہوں۔ اس نے میرا گدھا اڑا لینے کے لئے یہ چال چلی ہے۔ لوگوں نے کہا استاد محمد! کیا تو اس بڑھیا کو جانتا ہے تو نے دکان اور سارا مال اس کے حوالے کر دیا تھا۔ اس نے جواب دیا میں اسے نہیں جانتا۔ آج ہی تو وہ' اس کا بیٹا اور بیٹی میرے پاس آئے تھے ایک شخص بولا میرے خیال میں گدھے کا ذمے دار رنگریز ہے۔ دوسروں نے پوچھا یہ کیوں کر؟ اس نے جواب دیا گدھے والے نے اس وقت مطمئن ہو کر بڑھیا کو اپنا گدھا دیا جبکہ اس نے دیکھا کہ رنگریز اپنی دکان اور سامان اس کے سپرد کر گیا ہے۔ ایک صاحب بولے' اے استاد! جب تو نے بڑھیا کو اپنے ہاں ٹھہرایا ہے تو تجھ پر لازم ہے کہ اس کا گدھا لا دے۔ اب سب کے سب رنگریز کے گھر کی طرف چلے اب ان کا باقی قصہ آگے آئے گا۔

ادھر سوداگر زادہ انتظار کر رہا تھا کہ بڑھیا اپنی لڑکی کو لے کر آئے' مگر وہ نہ آئی اور ادھر لڑکی یہ راہ دیکھ رہی تھی کہ بڑھیا اپنے لڑکے سے اجازت لے کر آئے جو شیخ ابو الحملات کا نقیب ہے' وہ بھی نہ آئی۔ اتنے میں لڑکی خود اٹھ کر زیارت کے لئے چل کھڑی ہوئی۔ سوداگر زادہ اسے دیکھ کر کہنے لگا آ' تیری ماں کہاں ہے جو مجھے یہاں لائی ہے کہ میں تیرے ساتھ نکاح کروں؟ اس نے کہا' میری ماں کو تو مرے ہوئے عرصہ ہوا' کیا تو بڑھیا کا مجذوب بیٹا اور شیخ ابو الحملات کا نقیب ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ میری ماں نہیں بلکہ ایک دغاباز بڑھیا ہے۔ جو فریب سے میرے کپڑے اور

ایک ہزار دینار لے کر چلتی بنی۔ لڑکی نے کہا اس نے میرے ساتھ بھی دھوکے بازی کی ہے۔ شیخ ابو الحملات کی زیارت کا دھوکہ دے کر ظالم نے مجھے بھی ننگا کر دیا۔

سوداگر لڑکی سے کہنے لگا میں تو اپنے کپڑے اور ایک ہزار دینار تجھ سے لوں گا اور لڑکی کہنے لگی کہ میرا زیور اور میرے کپڑے تیرے ذمے ہیں' اپنی ماں کو بلا' یہی جھگڑا ہو رہا تھا کہ رنگریز پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ سوداگر زادہ اور لڑکی دونوں ننگے ہیں۔ ان سے کہنے لگا بتاؤ تمہاری ماں کہاں ہے؟ اس پر لڑکی نے اپنی کہانی سنائی اور سوداگر زادے نے اپنی کہانی سنائی۔ رنگریز نے کہا ہائے میرا اور لوگوں کا سامان کیا ہوا؟ اور گدھے والا کہنے لگا کہ ہائے میرا گدھا کون لے گیا؟ اے رنگریز' میرا گدھا۔ رنگریز نے کہا اچھا تم دونوں میرے گھر سے تو نکلو کہ میں گھر میں قفل ڈال دوں۔ سوداگر زادے نے کہا یہ تیرے لئے عیب کی بات ہے کہ ہم تیرے گھر میں کپڑے پہن کر آئیں اور ننگے ہو کر باہر نکلیں۔ رنگریز نے اسے بھی پہننے کے لئے کپڑے دیئے اور لڑکی کو بھی کپڑے پہنا کر اس کے گھر پہنچا دیا۔ لڑکی کی باقی کہانی آگے آئے گی۔ جب اس کا شوہر سفر سے لوٹ کر آئے گا۔

رنگریز نے گھر میں قفل لگا کو سوداگر زادے سے کہا چل ہم دونوں بڑھیا کو تلاش کر کے اسے والی کے حوالے کریں۔ اب دونوں گدھے والے کو لے کر والی کے گھر پہنچے اور فریاد کی۔ والی نے کہا اے لوگو! اپنا ماجرا سناؤ۔ انہوں نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ والی نے کہا شہر میں ہزاروں بڑھیا ہیں' جاؤ اور اسے ڈھونڈ کر پکڑ لاؤ' پھر میں اسے سزا دوں گا۔ یہ سن کر وہ بڑھیا کو ڈھونڈنے چل دیئے۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔ ادھر دغاباز بڑھیا دلیلہ نے اپنی بیٹی زینب کے پاس جا کر کہا بیٹی میں اب ایک اور چال چلنے والی ہوں۔ اس نے کہا اماں' مجھے ڈر ہے کہ کہیں تو پھنس نہ جائے۔ بڑھیا بولی میں تونبی کی طرح ہوں۔ نہ پانی بھگوئے نہ آگ جلائے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور رئیسوں کی باندیوں کا بھیس بدل کر کسی نئے داؤ کی فکر میں چلی۔ چلتے چلتے وہ ایک گلی میں پہنچی جہاں فرش بچھا ہوا تھا' قندیلیں لٹکی ہوئی تھیں اور ڈومنوں کے گانے

اور ڈھولکوں کے بجنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے ایک کنیز کو دیکھا کہ اس کے کندھے پر ایک بچہ سوار ہے۔ اس کی قمیص پر روپہلی کشیدہ کڑھا ہوا تھا اور قمیص کے اوپر ایک خوبصورت انگرکھا تھا۔ ٹوپی میں موتی جڑے ہوئے تھے' گلے میں ہیروں کا ہار تھا اس کی قبا مخمل کی تھی۔ یہ حویلی بغداد کے تاجروں کے ملک التجار کی تھی اور لڑکا اس کا بیٹا تھا۔ اس کی ایک کنواری بیٹی بھی تھی جس کا بیاہ ہونے والا تھا اور آج اس کی منگنی رچائی جا رہی تھی۔ اس کے گھر میں بہت سے مہمان اور ڈومنیاں جمع تھیں۔ جب وہ اوپر جاتی یا نیچے اترتی تو لڑکا اس کا چمٹ جاتا۔ اس لئے اس نے کنیز کو بلا کر کہا کہ اسے لے جا کر اس کے ساتھ کھیل جب تک کہ مجلس برخاست ہو۔ بڑھیا دلیلہ اس گلی میں داخل ہوئی اور لڑکے کو کنیز کے کندھے پر دیکھا تو اس سے کہنے لگی آج تیرے آقا کے گھر میں کیا جشن منایا جا رہا ہے؟ اس نے کہا آج اس کی بیٹی کی منگنی ہے۔ بڑھیا نے اپنے دل میں کہا اے دلیلہ' اگر اس لڑکے کو کنیز سے نہ لیا تو کچھ نہ کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو کے بعد چوتھی رات

سات سو کے بعد چوتھی رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑھیا نے اپنے دل میں کہا کہ اے دلیلہ' اگر تو نے کنیز سے لڑکے کو نہ لیا تو کچھ نہ کیا۔ اس کے بعد اس نے آواز سے کہا اے اللہ! اور اپنی جیب سے پیتل کا ایک سکہ نکالا جو دینار کے برابر تھا۔ کنیز بھولی بھالی تو تھی ہی۔ بڑھیا اس سے بولی' یہ دینار لے کر اپنی آقا کے پاس جا اور کہہ کہ ام الخیری تیری خوشی میں شامل ہے کیونکہ تیرا اس کے اوپر بڑا احسان ہے۔ شادی کے دن وہ اور اس کی بیٹیاں آ کر سنگار کرنے والیوں کو انعام دیں گی۔ بڑھیا نے کہا' میں اسے اپنی گود میں لیے لیتی ہوں تو جا کر پیغام پہنچا آ۔ کنیز سکہ لے کر اندر گئی اور بڑھیا لڑکے کو لے کر چلتی بنی اور ایک تنگ گلی میں جا کر اس کے کپڑے اور زیور اتار لئے اور اپنے دل میں کہنے لگی اے دلیلہ! بات تو جب ہے کہ جس طرح تو نے کنیز کو دھوکہ دے کر اس لڑکے کو لے لیا اسی طرح اب اس لڑکے کو کہیں ایک ہزار درہم پر گروی بھی رکھ آ۔ یہ کہہ کر وہ جوہری بازار کی طرف چل دی۔ دیکھا کہ ایک یہودی سنار کے آگے ایک زیور بھرا صندوقچہ رکھا ہوا ہے۔ اس نے دل میں کہا استادی تو جب ہے کہ اس یہودی کو ٹھگ کر اس سے ایک ہزار دینا کے زیور لے اڑوں اور اس کے بدلے لڑکے کو اس کے پاس گروی رکھ دوں۔ یہودی نے دیکھا کہ بڑھیا کے ساتھ ایک لڑکا ہے۔ اس نے پہچان لیا کہ وہ ملک التجار کا بیٹا ہے۔ یہ یہودی بڑا مال دار تھا' مگر ہمیشہ برا لگتا اگر اس کا پڑوسی کوئی چیز بیچے اور وہ خود نہ بیچ سکے۔ اس نے بڑھیا سے کہا اے میری آقا' تو کیا چاہتی ہے؟ بڑھیا نے کہا تو ہی یہودی استاد عذرہ ہے۔ یہودی کا نام بڑھیا لوگوں سے پوچھ چکی تھی۔ یہودی نے کہا' ہاں۔ بڑھیا نے کہا اس لڑکے کی بہن کی جو ملک التجار کی بیٹی ہے' آج منگنی رچائی جا رہی ہے اور اسے زیور کی ضرورت ہے مجھے سونے کے جھانجنوں

کی ایک جوڑی' دو کنگن' موتیوں کی بالیاں' ایک پٹی' ایک خنجر اور ایک انگوٹھی دے دے۔
اس طرح سے بڑھیا نے کوئی ہزار دینار کی چیزیں یہودی سے لے لیں اور اس سے کہا' میں انہیں اس شرط پر لے جاتی ہوں کہ جو چیز پسند آئے گی' وہ لے لیں گے۔ اس کے دام لے آؤں گی' باقی واپس اور اس وقت تک اس لڑکے کو اپنے پاس رہنے دے۔
یہودی نے کہا' جیسے تیری مرضی۔
بڑھیا زیور لے کر اپنے گھر چلتی ہوئی۔ بیٹی نے پوچھا! اب تو کون سی چال چل کر آئی ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ ایک چال چل کر تو میں ملک التجار کے بیٹے کو اڑا لائی' اس کے کپڑے اتار لئے پھر دوسرا داؤ یہ مارا کہ ایک یہودی کے پاس جا کر اسے ایک ہزار دینار میں گروی رکھ آئی۔ بیٹی نے کہا اب تو شہر میں ہرگز اپنا منہ نہیں دکھا سکتی۔ ادھر کنیز نے انفر جا کر اپنی آقا سے کہا' اے میری آقا! ام الخیر تجھے سلام کہتی ہے اور تیری خوشی میں شریک ہے۔ شادی کے روز وہ اور اس کی بیٹیاں آ کر ڈومینوں کو انعام دیں گی۔ اس کی آقا نے کہا لڑکا کہاں ہے؟ کنیز نے کہا میں نے اسے بڑھیا کے پاس چھوڑ دیا ہے کہ وہ پھر کہیں تیرا دامن نہ پکڑ لے' بڑھیا نے مجھے ڈومینوں کے کے لئے انعام بھی دیا ہے۔ بی بی نے بڑی ڈومنی سے کہا اپنا انعام لے لے۔ جب اس نے اسے ہاتھ میں لیا تو دیکھا کہ وہ پیتل کا سکہ ہے۔ اس کی آقا نے کہا کہ اے چھوکری جا لڑکے کی خبر لا۔ کنیز باہر گئی دیکھا کہ نہ وہاں لڑکا ہے نہ بڑھیا۔ وہ چلانے اور لوٹنے لگی۔ سب کی خوشی کرکری ہو گئی۔ اتنے میں ملک التجار اندر آیا' اس کی بیوی نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ ملک التجار اس کی تلاش میں چل دیا اور ہر تاجر اسے ڈھونڈنے کے لئے ایک ایک سڑک پر ہو لیا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ملک التجار نے اپنا بیٹا یہودی کی دکان پر ننگا بیٹھا ہوا دیکھا۔ کہنے لگا' یہ میرا بیٹا ہے۔
یہودی نے کہا' ہاں۔ باپ نے اسے اٹھا لیا اور مارے خوشی کے یہ نہ پوچھا کہ اس کے کپڑے کہاں ہیں۔ جب یہودی نے یہ دیکھا کہ تاجر نے اپنے بیٹے کو گود میں اٹھا لیا تو اس نے اس کا دامن پکڑ لیا اور کہا خدا کرے خلیفہ تیرے معاملے میں انصاف

کرے! تاجر نے کہا اے یہودی' خیر تو ہے؟ یہودی بولا بڑھیا تیری بیٹی کے لئے ایک ہزار دینار کے زیور لے گئی ہے اور اس لڑکے کو میرے پاس گروی رکھ گئی ہے۔ اگر وہ اس لڑکے کو زیور کے بدلے چھوڑ نہ جاتی تو میں زیور ہر گز اسے نہ دیتا اور کبھی اس پر اعتبار نہ کرتا اگر مجھے معلوم نہ ہوتا کہ یہ لڑکا تیرا بیٹا ہے۔ تاجر نے کہا میری بیٹی کو کسی زیور کی ضرورت نہیں۔ لڑکے کے کپڑے لا کر مجھے دے۔ یہودی چلانے اور کہنے لگا' اے مسلمانو! میری مدد کو دوڑو۔ اتنے میں گدھے والا' رنگریز اور سوداگر زادہ تینوں بڑھیا کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں پہنچے۔ تاجر اور یہودی سے پوچھنے لگے کہ تم کیوں جھگڑ رہے ہو۔ دونوں نے اپنا ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ عورت ٹھگ ہے' تم سے پہلے ہمیں بھی ٹھگ چکی ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے بھی اپنی تمام داستان سنا دی۔ ملک التجار نے کہا چونکہ میرا بیٹا مجھے مل گیا ہے کپڑے میں اس پر قربان کرتا ہوں' اگر بڑھیا ہاتھ لگ گئی تو میں اس سے کپڑے طلب کروں گا۔ اور وہ اپنے بیٹے کو لے کر اس کی ماں کے پاس چلا گیا' وہ اس کی سلامتی پر بہت خوش ہوئی۔

اب یہودی نے ان تینوں سے پوچھا کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا بڑھیا کی تلاش میں۔ یہودی نے کہا مجھے بھی اپنے ساتھ لے لو۔ مگر یہ تو کہو کہ تم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی ہے؟ گدھے والے نے کہا میں اسے پہچانتا ہوں۔ یہودی بولا اگر ہم سب ساتھ ہوں گے تو اس کا پکڑنا ناممکن ہو جائے گا۔ وہ ہمیں دیکھ کر بھاگ جائے گی۔ بہتر ہے کہ ہر ایک الگ ایک ایک گلی میں جا کر ڈھونڈے اور پھر ہم سب آ کر حاجی مسعود مغربی نائی کی دکان پر ملیں۔ اب ہر ایک الگ الگ سڑک پر ہو لیا۔ اسی وقت بڑھیا بھی کسی دوسرے شکار کی تلاش میں نکلی تھی۔ گدھے والے نے اسے دیکھ کر پہچان لیا اور اس کا دامن پکڑ کر کہنے لگا او مردار' کیا تو مدت سے پیشہ کر رہی ہے؟ بڑھیا نے کہا تیرا کیا مطلب ہے؟ وہ بولا میرا گدھا لا۔ بڑھیا نے کہا بیٹا' جس چیز کو خدا نے پردہ دری نہیں کی تو بھی نہ کر۔ تو اپنا گدھا چاہتا ہے یا اور لوگوں کا سامان؟ اس نے جواب دیا میں فقط اپنا گدھا چاہتا ہوں۔ بڑھیا نے کہا میں

نے دیکھا کہ تو غریب ہے اس لئے میں تیرے گدھے کو مغربی نائی کے سپرد کر آئی ہوں۔ تو ذرا ٹھہرا رہ میں اس کے پاس جا کر کہے دیتی ہوں کہ وہ تیرا گدھا تجھے دے دے۔ یہ کہہ کر وہ مغربی کے پاس گئی اور اس کے ہاتھ چوم کر رونے لگی۔ مغربی نے کہا خیر تو ہے؟ بڑھیا نے کہا بیٹا' دیکھ وہ لڑکا جو وہاں کھڑا ہے' میرا بیٹا ہے۔ وہ بیمار تھا۔ اسے نزلے کی شکایت تھی جس کی وجہ سے اس کا دماغ میں خلل آ گیا ہے چونکہ وہ پہلے گدھوں کی تجارت کیا کرتا تھا اس لئے ہر وقت یہی کہتا رہتا ہے کہ میرا گدھا' میرا گدھا' چلتے پھرتے' بیٹھتے اٹھتے گدھے ہی کی چیخ لگی رہتی ہے۔ ایک حکیم نے مجھ سے کہا کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے اور اس کا علاج سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اس کے دو دانت نکوا دیئے جائیں اور کنپٹی داغ دی جائے۔ یہ دینار لے اور اسے بلا کر کہہ کہ تیرا گدھا میرے پاس ہے۔ مغربی نے کہا اگر میں نے اس کا گدھا اس کے ہاتھ میں تھما نہ دیا تو میں سال بھر کے روزے رکھوں گا۔ نائی کی دکان میں دو شاگرد تھے' اس نے ان میں سے ایک سے کہا جا کر دو سیخیں گرم کر لا اور خود باہر آ کر اس نے گدھے والے کو آواز دی۔ بڑھیا تو چلتی بنی۔ گدھے والا آیا تو نائی نے کہا' تیرا گدھا میرے پاس ہے۔ اے غریب آ کر اسے لے جا' مجھے اپنے سر کی قسم ہے' میں اسے تیرے ہاتھ میں تھما دوں گا۔ یہ کہہ کر نائی اسے ایک اندھیری کوٹھڑی میں لے گیا اور ایسا مکا مارا کہ وہ گر پڑا۔ سب نے مل کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ مغربی نے اس کے دو دانت نکال ڈالے اور دوبارہ اس کی کن پٹیاں داغ کر اسے چھوڑ دیا۔ اس نے اٹھ کر کہا اے مغربی' تو نے یہ کیوں کیا۔ اس نے جواب دیا تیری ماں نے مجھ سے کہا تھا کہ تو پاگل ہو گیا ہے' بخار کی حالت میں تجھے ہوا لگ گئی تھی' اگر تو کھڑا ہوتا ہے تو کہتا ہے میرا گدھا اور بیٹھتا ہے تو کہتا ہے میرا گدھا' چلتا ہے تو کہتا ہے میرا گدھا۔ لے یہ گدھا اپنے ہاتھ میں تھام۔ گدھے والے نے کہا خدا میرے دانت نکالنے کا بدلہ تجھے دے گا۔ نائی نے کہا تیری ماں نے مجھے حکم دیا تھا۔ یہ کہہ کر اس نے بڑھیا کا سارا قصہ سنا دیا۔ گدھے والے

نے کہا اس سے خدا سمجھے! وہ اور نائی دونوں لڑتے جھگڑتے دکان سے دور پہنچ گئے۔ مغربی اپنی دکان میں لوٹ کر آیا تو ہوں کچھ نہ پایا کیونکہ بڑھیا نے جب دیکھا کہ مغربی اور گدھے والا دور چلا گیا ہے تو وہ دکان کا سارا سامان لے کر اپنی بیٹی کے پاس چل دی اور اس سے ساری سرگزشت بیان کی۔

ادھر نائی نے جب دیکھا کہ اس کی دکان خالی ہو گئی ہے تو اس نے گدھے والے کا گریبان پکڑ لیا اور کہا' اپنی ماں کو لے کر آ۔ اس نے کہا' وہ میری ماں نہیں بلکہ ایک ٹھگ عورت ہے جس نے بہت سے لوگوں کو دھوکہ دیا ہے اور میرا گدھا بھی لے گئی ہے۔ اتنے میں رنگریز' یہودی اور سوداگر زادہ وہاں آ پہنچے۔ دیکھا کہ مغربی گدھے والے سے دست و گریباں ہے۔ گدھے والے کی کن پٹیاں دغی ہوئی ہیں۔ انہوں نے کہا' اے گدھے والے تجھ پر کیا مصیبت نازل ہوئی؟ گدھے والے نے اپنا قصہ بیان کیا اور مغربی نے اپنا۔ انہوں نے اپنا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ نائی نے اپنی دکان میں قفل ڈالا اور ان کے ساتھ والی کے گھر روانہ ہو گیا۔ سب نے مل کر کہا کہ ہمارے جان و مال کا ذمہ دار تو ہے۔ والی نے کہا کہ شہر میں کتنی ہی بڑھیا ہیں تم میں سے کوئی اسے پہچانتا ہے؟ گدھے والے نے کہا کہ میں اسے پہچانتا ہوں لیکن تو میرے ساتھ اپنے دس سپاہی کر دے۔ گدھے والا والی کے سپاہی لے کر چلا اور باقی لوگ اس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ وہ چکر لگا رہی تھے کہ بڑھیا دلیلہ انہیں مل گئی' اسے پکڑ کر والی کے پاس لے گئے اور اس کی کھڑکی کے نیچے ٹھہر کر والی کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔ چونکہ سپاہی والی کے ساتھ بہت دیر تک جاگ چکے تھے' انہیں نیند آ گئی۔ بڑھیا نے بھی اپنے آپ کو سوتا بنا لیا' گدھے والا اور اس کے ساتھی بھی سو گئے۔ بڑھیا وہاں سے اٹھ کر حرم سرا میں گئی اور بی بی کے ہاتھ چوم کر پوچھا والی کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا سو رہا ہے' تو کیا چاہتی ہے؟ بڑھیا نے کہا' میرا شوہر غلاموں کی تجارت کرتا ہے۔ سفر پر جاتے جاتے مجھے پانچ غلام بیچنے کے لئے دے گیا تھا۔ راہ میں مجھے والی ملا اور اس سے سودا ہو گیا ایک ہزار دینار غلاموں کی قیمت اور دو سو میرا حق۔

والی نے کہا تھا کہ انہیں میرے گھر پہنچا دے' میں انہیں لے آئی ہوں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

سات سو پانچویں رات

سات سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑھیا نے کہا' والی نے مجھے حکم دیا ہے کہ غلاموں کو اس کے گھر پہنچا دوں۔ اتفاق سے والی نے اپنی بیوی کو ایک ہزار دینار دے رکھے تھے۔ اور کہا تھا انہیں حفاظت سے رکھ' میں ان سے غلام خریدوں گا۔ اس نے بڑھیا کی یہ باتیں سنیں تو اسے یقین آ گیا کہ اس کے شوہر نے ایسا ہی کیا ہو گا۔ اس نے بڑھیا سے پوچھا کہ غلام کہاں ہیں؟ بڑھیا بولی اے میری آقا! تیرے محل کے جھروکے کے نیچے سو رہے ہیں۔ بی بی نے نیچے جھانکا' دیکھا' مغربی بھی غلاموں کا لباس پہنے ہوئے تھا' سوداگر زادے کا بھی حلیہ غلاموں کا سا دیکھا۔ رنگریز' گدھے والے اور یہودی کے سر بھی غلاموں کی طرح منڈے ہوئے تھے۔ اس نے دل میں کہا کہ ان میں سے تو ہر غلام ایک ہزار سے زیادہ کی قیمت کا ہے۔ جھٹ صندوقچی کھول بڑھیا کو ایک ہزار دینار دے دیئے اور کہا انہیں لے جا' جب والی سو کر اٹھے گا تو میں اس سے دو سو دینار تیرے لئے اور لے لوں گی۔ بڑھیا نے کہا اے میری آقا' ان میں سے ایک سو تیری نذر ہے اور ایک سو اپنے پاس رہنے دیجیو۔ میں آ کر لے جاؤں گی۔ اس کے بعد وہ بولی اے میری آقا! مجھے پیچھے کے دروازے سے نکال دے اور وہ نکل کر چلتی ہوئی۔ خدا نے اس کی پردہ پوشی کی اور وہ اپنی بیٹی کے پاس پہنچ گئی۔ بیٹی نے کہا' اماں تو نے کیا کھیل کھیلا؟ اس نے کہا بیٹی' ایک چال چل کر میں نے والی کی بیوی سے یہ ایک ہزار دینار وصول کر لئے ہیں اور گدھے والے' یہودی' رنگریز' اور نائی اور سوداگر زادے پانچوں کو غلام بنا آئی ہوں لیکن بیٹی' مجھے کسی اور سے اتنا ڈر نہیں جتنا گدھے والے سے ہے۔ وہ مجھے پہچانتا ہے۔ بیٹی نے کہا اماں اب گھر سے نہ نکل' جو کچھ تو نے کیا کافی ہے' گھڑا ہر بار کنوئیں سے سالم نہیں نکلتا۔

ادھر جب والی سو کر اٹھا تو اس کی بیوی نے کہا' میں بہت خوش ہوں کہ تو نے بڑھیا سے پانچ غلام خریدے۔ والی بولا کیسے غلام؟ بیوی نے کہا تو ان جان کیوں بنتا ہے؟ خدا نے چاہا تو وہ بھی تیری طرح عہدے دار ہو جائیں گے والی نے کہا تیرے سر کی قسم! میں نے غلام نہیں خریدے' تجھ سے کس نے کہا؟ بیوی بولی دلالہ بڑھیا نے جس سے تو نے غلاموں کا سودا کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ غلاموں کی قیمت ایک ہزار اور بڑھیا کا حق دو سو دینار دے گا۔ والی نے پوچھا کیا تو نے دام دے دیئے؟ بیوی نے کہا' ہاں اور میں نے غلاموں کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ان میں سے ایک ایک کا لباس ہی فقط ہزار ہزار دینا کر ہو گا۔ میں نے ان پر پہرا لگا دیا ہے۔ والی نے باہر جا کر دیکھا کہ یہودی' گدھے والا' مغربی' رنگریز اور سوداگر زادہ سب پڑے ہوئے ہیں۔ اس نے پہرے داروں سے پوچھا کہ وہ پانچ غلام کہاں ہیں جنہیں ہم نے بڑھیا سے ایک ہزار دینار میں مول لیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا یہاں تو کوئی غلام نہیں اور ہم تو سوائے ان پانچ کے جو بڑھیا کو پکڑ کر لائے ہیں' کسی اور کو نہیں دیکھا اور وہ پانچوں پڑے سو رہے ہیں۔ بڑھیا اٹھ کر اندر گئی تھی اور اندر سے ایک باندی نے آ کر پوچھا کہ جن پانچ کو بڑھیا لائی ہے وہ موجود ہیں؟ ہم نے جواب دیا ہاں۔ والی نے کہا خدا کی قسم یہ سب سے بڑی دھوکے بازی ہے۔ پانچوں نے کہا ہمارے سامان کا ذمے دار تو ہے۔ والی نے کہا تمہارے ساتھن نے تمہیں ایک ہزار دینار میں ہمارے ہاتھ بیچ ڈالا ہے۔ وہ بولے' اسے خدا نے حرام کیا ہے' ہم آزاد لوگ ہیں بک نہیں سکتے' ہمارا اور تیرا معاملہ خلیفہ کے سامنے پیش ہو گا۔ والی نے کہا بڑھیا کو تم ہی تو یہاں لائے تھے' ٹھہرو تو سہی میں تمہیں دو سو دینار میں بحری بیڑے کے ہاتھ بیچتا ہوں۔

ادھر یہ معاملہ در پیش تھا' ادھر امیر شرالطریق سفر سے لوٹا۔ دیکھا کہ اس کی بیوی کے کپڑے اور زیور جا چکے ہیں۔ جب بیوی نے سارا ماجرا بیان کیا تو وہ کہنے لگا سوائے والی کے اور میرا کوئی دشمن نہیں اور اس نے والی کے پاس جا کر کہا کیا تو نے بڑھیوں کو یہ اجازت دے رکھی ہے کہ وہ شہر میں پھر کر ٹھگی کیا کریں اور لوگوں کا مال اڑا

کر لے جائیں۔ یہ تیری ذمے داری ہے۔ میں اپنی بیوی کا سامان تجھ سے وصول کروں گا۔ اس کے بعد اس نے ان پانچوں سے ان کا قصہ پوچھا۔ انھوں نے اپنا سارا حال بیان کر دیا۔ امیر نے کہا تم بھی مظلوم ہو اور والی کی طرف مخاطب ہو کر کہا تو نے انہیں کیوں قید کر رکھا تھا۔ والی نے جواب دیا بڑھیا کو انہی پانچوں نے میرے گھر کا راستہ بتایا ہے جس کی وجہ سے وہ میرے ایک ہزار دینار لے اڑی اور انہیں میری بیوی کے ہاتھ بیچ گئی ہے۔ انھوں نے کہا اے امیر حسن' اس دعوے میں تجھے اپنا وکیل بناتے ہیں۔ والی نے امیر حسن سے کہا تیری بیوی کے سامان کا ذمہ میں لیتا ہوں اور بڑھیا کو گرفتار کرنا بھی میرا کام ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم میں سے کون اسے پہچانتا ہے۔ سب نے کہا کہ ہم اسے پہچانتے ہیں۔ ہمارے ساتھ دس سپاہی کر دے۔ ہم اسے پکڑ لائیں گے۔ والی نے ان کے ساتھ دس سپاہی کر دیئے۔ گدھے والے نے کہا میرے پیچھے آؤ۔ میں اس کی گنجی آنکھوں سے اسے پہچان لوں گا۔ اتنے میں بڑھیا ایک گلی میں سے آتی دکھائی دی اور وہ اسے پکڑ کر والی کے پاس لے آئے۔ والی نے اسے پوچھا ان لوگوں کا سامان کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا نہ میں نے اسے لیا نہ دیکھا ہے۔ والی نے قید خانے کے داروغہ سے کہا کہ اسے کل قید خانے میں بند کر دے۔ داوغہ نے کہا' نہ میں اسے گرفتار کروں گا' نہ قید خانے میں رکھوں گا۔ کہیں وہ میرے ساتھ بھی کوئی چال بازی نہ کرے اور میں مجرم ٹھہروں۔ والی' بڑھیا اور دوسرے لوگوں کو دجلے کے کنارے لے گیا اور مشعلچی کو بلا کر کہا کہ اس کے جھونٹے باندھ کر لٹکا دے۔ مشعلچی نے اسے رسی سے باندھ کر صلیب کے اوپر لٹکا دیا' اس پر دس آدمیوں کا پہا لگا دیا اور والی کے گھر روانہ وہ گیا۔ جب اندھیرا ہوا اور پہرے دار سو گئے تو بڑھیا نے دیکھا کہ ایک بدو کسی شخص سے کہہ رہا ہے کہ شکر میں نے شہد پارے کھائے ہیں۔ بدو نے کہا میں بھی بغداد جا کر شہد پارے ضرور کھاؤں گا۔ بدو نے اپنی زندگی میں کبھی شہد پارے نہیں کھائے تھے' نہ کبھی بغداد گیا تھا۔ پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا' دل میں کہتا جاتا کہ شہد پارے خدا جانے جس مزے کے ہوں گے!

عربوں کی عزت کی قسم میں سوائے شہد پاروں کے اور کوئی چیز نہیں کھاؤں گا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو کے بعد چھٹی رات

سات سو کے بعد چھٹی رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بدو یہی کہتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں بڑھیا لٹکی ہوئی تھی اور اس کے پاس جا کر پوچھا تو بولا تو کیوں لٹکی ہوئی ہے؟ بڑھیا نے کہا ایک شہد پارے بنانے والا ہے جس سے میری عداوت ہے۔ میں اس سے کچھ شہد پارے مول لینے گئی تھی کہ میں نے تھوکا۔ میرا تھوک شہد پاروں پر جا پڑا۔ اس نے حاکم کے ہاں مجھ پر مقدمہ دائر کر دیا۔ حاکم نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے لٹکا دیا جائے اور اسی حالت میں مجھے دس رطل شہد پارے کھلائے جائیں۔ اگر میں کھا لوں تو مجھے چھوڑ دیا جائے اور نہ کھا سکوں تو لٹکی رہوں لیکن مشکل یہ آ پڑی ہے کہ میٹھی چیز مجھے پسند نہیں۔ بدو نے کہا قسم ہے عربوں کی عزت کی میں چراگاہ چھوڑ کر محض شہد پارے کھانے آیا ہوں۔ تیرے بدلے میں انہیں کھالوں گا۔ بڑھیا نے کہا وہ اسی شخص کو کھانے کے لئے دیئے جائیں گے جو اس جگہ لٹکا ہوا ہو گا۔ یہ چال بدو پر چل گئی۔ اس نے بڑھیا کو کھول دیا' خود اس کی جگہ لٹک گیا اور اپنے کپڑے اتار ڈالے۔ بڑھیا نے اس کے کپڑے پہنے' اس کی پگڑی باندھی اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی بیٹی کے پاس پہنچ گئی۔

بیٹی نے پوچھا تو نے یہ کیا شکل بنائی ہے؟ بڑھیا نے کہا' انہوں نے مجھے صلیب پر چڑھا دیا تھا' پھر بدو کا سارا قصہ بیان کر دیا۔ یہ تھی جو بڑھیا پر گزری۔

ادھر جب ایک پہرے دار کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ انہوں نے دیکھا کہ دن نکل چکا ہے۔ ایک نے ان میں سے دلیلہ کو آواز دی۔ بدو نے جواب دیا واللہ میں نے رات بھر کچھ نہیں کھایا ہے' کیا تم شہد پارے لائے ہو؟ پہرے دار کہنے لگے یہ تو کوئی بدو معلوم ہوتا ہے اور اس سے پوچھا کہ دلیلہ کہاں ہے؟ اسے

کس نے کھول دیا۔ بدو نے کہا اسے میں نے کھولا ہے' وہ زبردستی شہد پارے نہیں کھا سکتی' شہد پاروں کے نام سے جی متلاتا ہے۔ اب انہیں معلوم ہوا کہ بدو کو بڑھیا کے حال کی بالکل خبر نہیں' اس نے اسے بھی چکمہ دیا اور صلاح کرنے لگے کہ ہم یہاں سے بھاگ نکلیں یا یہیں ٹھہر کر دیکھیں کہ ہماری تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ اتنے میں والی ان لوگوں کو لئے ہوئے پہنچا جنہیں بڑھیا نے دھوکہ دیا تھا اور سپاہیوں سے بولا اٹھ کر دلیلہ کو کھولو۔ بدو بولا میں نے رات بھر کچھ نہیں کھایا ہے' کیا تم شہد پارے لے کر آئے ہو؟ والی نے صلیب کی طرف نظر اٹھائی دیکھا کہ بڑھیا کی جگہ ایک بدو لٹکا ہوا ہے۔ سپاہیوں سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے کہا اے ہمارے آقا امان! والی نے کہا قصہ سناؤ ہوا کیا؟ انہوں نے جواب دیا' ہم تیرے ساتھ گشت میں رات بھر جاگے تھے' اس خیال سے کہ دلیلہ تو صلیب پر لٹکی رہی ہے ہمیں اونگھ آ گئی۔ جب ہماری آنکھ کھلی تو ہم نے اس بدو کو لٹکا ہوا دیکھا۔ اب تیرا جو جی چاہے' ہمارے ساتھ کر۔ والی نے کہا اے لوگو! یہ عورت ٹھگ ہے' خدا تمہیں امن و امان میں رکھے! انہوں نے بدو کو کھول دیا۔ بدو نے والی کا دامن پکڑ لیا اور کہنے لگا خدا میرے دعوے میں خلیفہ کی مدد کرے! میں اپنا گھوڑا اور کپڑے تجھ سے لوں گا اور اس نے والی کو اپنی ساری کہانی سنا دی۔ والی تو بڑا تعجب ہوا' اس نے پوچھا آخر تو نے اسے کھولا کیوں؟ بدو نے کہا' مجھے کیا خبر تھی کہ وہ ٹھگ ہے۔ پھر سب لوگ والی سے کہنے لگے اے والی! ہم تو اپنی چیزیں تجھ سے لیں گے۔ ہم نے بڑھیا کو لا کر تیرے حوالے کر دیا تھا اور وہ تیری حراست میں تھی۔ ہمیں خلیفہ کے دربار لے چل۔ حسن شرالطریق دربار میں پہنچا ہی تھا کہ والی بدو' اور ان پانچوں کو لے کر داخل ہوا اور وہ چلانے لگے کہ ہم مظلوم ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا تم پر کس نے ظلم کیا؟ ہر ایک نے آگے بڑھ بڑھ کر اپنا قصہ بیان کیا۔ والی کی باری آئی تو اس نے کہا امیر المومنین! اس نے مجھے بھی ٹھگا ہے اور پانچوں کو میرے ہاتھ ایک ہزار دینار میں بیچا ہے حالانکہ وہ آزاد ہیں۔ خلیفہ نے کہا تم سب کے سامان کا ذمے دار میں ہوں۔ اس کے بعد اس نے والی سے کہا

میں بڑھیا کی گرفتار تیرے سپرد کرتا ہوں۔ والی نے اپنا طوق اتار کر رکھ دیا اور کہنے لگا کہ یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا' میں تو اسے صلیب پر چڑھا چکا تھا لیکن اس بدو کے ساتھ ایسی چال چلی کہ بدو نے اسے اتار کر اپنے آپ کو اس جگہ لٹکا دیا اور وہ اس کا گھوڑا اور کپڑے لے کر چلتی بنی۔ خلیفہ نے کہا تو پھر میں کیا کسی اور کو متعین کروں؟ والی نے کہا احمد دنف کو متعین کر' اس کی تنخواہ ایک ہزار دینار ہے اور اس کے ماتحت اکتالیس سپاہی ہیں جو ہر مہینے سو سو دینار تنخواہ پاتے ہیں۔ خلیفہ نے احمد دنف سے مخاطب ہو کر کہا اے سردار احمد! میں یہ کام تیرے سپرد کرتاہوں' تو بڑھیا کو لا کر پیش کر۔ احمد نے کہا اس کا ذمے دار میں ہوں۔ خلیفہ نے بدو اور باقی پانچوں کو اپنے پاس ٹھہرائے رکھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو ساتویں رات

سات سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ احمد دنف بڑھیا کے پکڑنے کی ذمے داری لے کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ کمرے میں گیا اور مشورے ہونے لگا کہ بڑھیا کو کس طرح پکڑنا چاہیے۔ بڑھیا تو شہر میں کتنی ہی ہوں گی۔ ایک نے جس کا نام علی کنف الجمل تھا احمد دنف سے کہا آخر تم لوگ حسن شومان سے کیوں مشورہ لیتے ہو؟ وہ ایسا کہاں آیا! حسن بولا اے علی! تو مجھے اتنا ذلیل کیوں سمجھتا ہے؟ اسم اعظم کی قسم اس بارے میں تمہارا ہرگز ساتھ نہ دوں گا اور وہ ناراض ہو کر وہاں سے چل دیا۔ احمد دنف نے کہا جوانو! ہر افسر اپنے ساتھ دس دس آدمی لے کر ایک ایک محلے میں چلا جائے اور دلیلہ کو تلاش کرے۔ علی کنف الجمل دس آدمیوں کو لے کر چل دیا' اسی طرح دوسرے بھی اپنی اپنی جماعت کے ساتھ ایک ایک محلے کی طرف روانہ ہوئے اور جانے سے پہلے یہ فیصلہ کر لیا کہ سب فلاں محلے میں ملیں گے۔ جب یہ خبر شہر میں مشہور ہوئی کہ احمد دنف نے چال باز دلیلہ کی گرفتاری کا بیڑا اٹھایا ہے تو زینب نے کہا اماں' اگر تو واقعی چال باز ہے تو احمد دنف اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ کوئی چال بازی کر۔ بڑھیا بولی بیٹی' اگر مجھے کسی ڈر سے ڈر ہے تو حسن شومان سے۔ بیٹی نے کہا اپنی زلفوں کی قسم! میں اکتالیسوں کے کپڑے اتار کر تیرے پاس لے آؤں گی۔ یہ کہہ کر وہ اٹھی' کپڑے بدلے اور برقع پہن کر ایک عطار کی دکان پر پہنچی جہاں دو دروازے والا ایک کمرہ تھا' اسے سلام کیا اور ایک دینار دے کر کہا یہ دینار اپنا منہ میٹھا کرنے کے لئے لے اور شام تک کے لئے اپنا کمرہ مجھے دے۔ عطار نے اسے کنجیاں دے دیں۔ وہ جا کر گدھے پر فرش لے آئی' کمرے میں بچھایا' چبوتروں پر کھانا اور شراب لگا دی اور چہرہ کھول کر دروازے پر کھڑی ہو گئی۔ اتنے میں علی کنف الجمل اور اس کے ساتھی آ پہنچے۔ زینب نے اس کے

ہاتھ چومے۔ اس نے دیکھا کہ لڑکی بڑی پیاری ہے' وہ اس پر عاشق ہو گیا اور کہنے لگا
کہ کیا چاہتی ہے؟ لڑکی نے کہا کیا سردار احمد دنف تو ہی ہے؟ وہ بولا نہیں' میں اس
کا ساتھی ہوں۔ میرا نام علی کتف الجمل ہے۔ لڑکی نے پوچھا تم لوگ کہاں جا رہے
ہو؟ اس نے کہا ہم ایک ٹھگ بڑھیا کی تلاش میں ہیں جو لوگوں کو روزیاں مار رہی
ہے' ہم اسے گرفتار کرنا چاہتے ہیں' لیکن تو کون ہے اور یہاں کیا کر رہی ہے؟ لڑکی
نے کہا میرا باپ موصل میں شراب بیچتا تھا۔ وہ فوت ہو چکا ہے۔ اس نے میرے لئے
بہت مال متاع چھوڑا ہے۔ حکام کے ڈر سے میں موصل چھوڑ کر یہاں چلی آئی ہوں
اور لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کون میری حمایت کر سکتا ہے' انہوں نے کہا سوائے احمد
دنف کے اور کوئی تیری حمایت نہیں کر سکتا۔ علی نے کہا اچھا تو آج سے تو اس کی
حمایت میں ہے۔ لڑکی نے کہا ایک لقمہ کھا کر اور پانی پی کر میرا دل رکھ لے۔ جب
وہ راضی ہو تو لڑکی ان سب کو اندر لے گئی۔ انہوں نے خوب کھانا کھایا اور شراب
پی۔ لڑکی نے شراب میں بھنگ ملا کر انہیں پلا دی اور ان کے کپڑے لتے اتار لئے۔
احمد دنف دلیلہ کو ڈھونڈتا چلا آ رہا تھا' مگر راہ میں نہ دلیلہ دکھائی دی اور نہ اس کی
نظر اپنے ساتھیوں پر پڑی۔ آخر وہ بھی لڑکی کے پاس پہنچا۔ لڑکی نے اس کے بھی ہاتھ
چومے۔ احمد بھی اسے دیکھتے ہی لٹو ہو گیا۔ لڑکی نے پوچھا تو ہی سردار دنف ہے؟ اس
نے جواب دیا ہاں اور تو کون ہے؟ لڑکی نے کہا' میں پردیسن' موصل سے آئی ہوں۔
میرا باپ شراب کی تجارت کرتا تھا' اس کے مرنے کے بعد مجھے مال و متاع ملا۔ حکام
کے ڈر سے میں یہاں چلی آئی اور یہ شراب خانہ کھولا۔ والی نے میرے اوپر محصول
لگا دیا ہے اور میں تیری پناہ میں آنا چاہتی ہوں' میرے مال کا والی سے زیادہ تو مستحق
ہے۔ احمد دنف نے کہا اسے ہرگز کچھ نہ دیجیو' تو میرے سر آنکھوں پر۔ لڑکی نے
کہا میں چاہتی ہوں کہ تو میری درخواست منظور کر کے میرے ہاں کھانا کھائے۔ احمد
نے اندر جا کر خوب کھایا اور خوب پیا۔ شراب نوشی کی یہاں تک کہ وہ بد مست
ہو گیا لڑکی نے بھنگ پلا کر اس کے کپڑے اتار لئے اور ساری چیزیں بدو کے گھوڑے

اور گدھے والے کے گدھے پر لاد کر چل دی۔ اور چلتے چلتے علی کتف الجمل کو جگاتی گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو دیکھا کہ ننگا ہوں' احمد دنف اور تمام سپاہی بھنگ کے نشے میں چور ہیں تو اس نے انہیں بھنگ کا توڑ دے کر جگایا۔ انہوں نے بھی آنکھ کھلتے ہی اپنے آپ کو ننگا پایا۔ احمد دنف نے کہا جوانو! یہ کیا ماجرا ہے؟ ہم تو بڑھیا کے شکار کے لئے نکلے تھے' مگر اس نے الٹا ہمیں شکار کر لیا۔ حسن شومان ہمارے اوپر کیسی تالی بجائے گا۔ بہر حال ہمیں رات سے پہلے یہاں سے نہ نکلنا چاہیے۔

حسن شومان نقیب سے پوچھ رہا تھا کہ لوگ کہاں ہیں؟ اتنے میں وہ سب ننگ دھڑنگ وہاں پہنچ گئے۔ حسن نے انہیں دیکھ کر پوچھا' تمہیں کس نے ننگا کر دیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ گئے تو ہم ایک بڑھیا کو ڈھونڈنے تھے مگر ننگا کیا ہمیں ایک خوبصورت لڑکی نے۔ حسن شومان بولا' اس نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا' خوب کیا۔ انہوں نے کہا اے حسن! کیا تو اسے جانتا ہے؟ اس نے جواب دیا میں اسے بھی جانتا ہوں اور بڑھیا کو بھی۔ وہ کہنے لگے۔ اب ہم خلیفہ کے سامنے کیا منہ لے کر جائیں۔ شومان نے کہا اے دنف' تو خلیفہ کے آگے اپنا طوق اتار کر رکھ دیجیو' خلیفہ پوچھے گا کہ بڑھیا کے پکڑنے کی کس نے ذمے داری لی تھی اور کہے گا کہ تو نے اسے گرفتار کیوں نہیں کیا تو کہیو میں اسے پہچانتا نہیں۔ حسن شومان کو اس کے پیچھے بھیج۔ پھر اگر خلیفہ نے مجھے اس کے پیچھے بھیجا تو میں اسے پکڑ لاؤں گا۔ اس کے بعد سب جا کر سو رہے۔

سویرا ہوا تو خلیفہ کے دربار میں آ کر زمین بوس ہوئے۔ خلیفہ نے کہا اے سردار احمد' بڑھیا کہا ہے؟ اس نے طوق اتار کر رکھ دیا۔ خلیفہ نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا میں اسے پہچانتا نہیں' شومان کو اس کی تلاش میں بھیج' وہ اسے بھی پہچانتا ہے اور اس کی بیٹی کو بھی۔ اس کے بعد اس نے یہ بھی کہا بڑھیا نے لوگوں کے مال کے لالچ میں یہ چال بازیاں نہیں کیں بلکہ اپنی اور اپنی بیٹی کی استادی جتانے کے لئے یہ کرتب دکھائے ہیں تا کہ تو بڑھیا کے شوہر کی تنخواہ بڑھیا کے لئے مقرر کر دے اور باپ کی تنخواہ بیٹی کے لئے۔ ساتھ ہی شومان نے سفارش بھی کہ وہ قتل نہ کی جائے' میں

اسے حاضر کر دوں گا۔ خلیفہ نے کہا اگر وہ لوگوں کا مال لوٹا دے تو اسے امان ہے اور تیری سفارش منظور' اور اسے امان کا رومال دے دیا۔ شومان رومال لے کر دلیلہ کے گھر گیا اور سے آواز دی' اس کی بیٹی زینب نے جواب دیا۔ شومان نے پوچھا تیری ماں کہاں ہے؟ اس نے کہا بالا خانے پر شومان نے کہا اس سے کہہ کہ لوگوں کا سامان لے ائے اور میرے ساتھ خلیفہ کے پاس چلے۔ میں اس کے لئے امان کا رومال لے آیا ہوں۔ اگر وہ خوشی سے نہ آئی تو پھر کسی دوسرے کو الزام نہ دے۔ دلیلہ نیچے اتر آئی اور رومال اپنے گلے میں باندھ کر لوگوں کا سامان گدھے والے کے گدھے اور بدو کے گھوڑے پر لاد کر اس کے حوالے کر دیا۔ شومان نے کہا' ابھی میرے سردار اور اس کے ساتھیوں کے کپڑے باقی ہیں۔ بڑھیا نے کہا کہ اسم اعظم کی قسم میں نے ان کے کپڑے نہیں اتارے۔ حسن شومان نے کہا تو سچ کہتی ہے۔ یہ کام تیری بیٹی کا ہے اور اس بات سے تیرے مقصد حاصل ہونے میں تجھے کامیابی ہو گی۔ اب وہ بڑھیا کو لے کر خلیفہ کے دربار میں گیا اور اسے خلیفہ کے آگے پیش کیا۔ خلیفہ نے دیکھتے ہی حکم دیا کہ اسے گردن زدنی کی چٹائی پر بٹھایا جائے بڑھیا نے کہا اے شومان! میں تیری پناہ میں ہوں۔ شومان نے اٹھ کر خلیفہ کے ہاتھ چومے اور کہا معاف کر' تو اسے امان دے چکا ہے۔ خلیفہ نے کہا ہاں وہ تیری پناہ میں ہے۔ بڑھیا آ اور بتا کہ تیرا نام کیا ہے۔ وہ بولی میرا نام دلیلہ ہے۔ خلیفہ نے کہاں تو بڑی چال باز' اور فریبی ہے اور اس وجہ سے تیرا نام چل باز دلیلہ پڑ گیا۔ خلیفہ نے پوچھا تو نے یہ چال بازیاں کر کے ہم سب کو کیوں پریشان کر رکھا ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا ان چال بازیوں سے میرا مقصد لوگوں کا مال لینا تھا' میں نے احمد دنف اور حسن شومان کیچال بازیوں کا حال سنا تھا جو انہوں نے بغداد میں کی تھیں' میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں بھی ایسا ہی کر دکھاؤں گی۔ رہا لوگوں کا مال' وہ میں نے لوٹا دیا ہے۔ گدھے والے نے ہا میرا اور اس کا فیصلہ شروع کی رو سے ہونا چاہیے کیونکہ اس نے محض میرا گدھا لینے پر بس نہیں کی بلکہ نائی کو بھی میرے پیچھے لگا دیا' اس نے میرے دو دانت نکال ڈالے

اور دو بار یہ کنپٹیاں داغیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو آٹھویں رات

سات سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- یہ سن کر خلیفہ نے گدھے والے کو سو دینار دینے کا حکم دیا' رنگ ریز کو سو دینار دلوا کر کہا' جا اپنی دکان ٹھیک کر۔ دونوں خلیفہ کو دعا دیتے ہوئے چلے گئے۔ بدو نے اپنے کپڑے اور گھوڑا لیا اور کہنے لگ لعنت ہو مجھ پر اگر میں بغداد آ کر شہد پارے کھاؤں۔ الغرض ہر ایک اپنا پاتا سامان لے کر چلتا بنا۔ خلیفہ نے دلیلہ سے کہا مانگ کیا مانگتی ہے۔ وہ بولی میرا باپ تیرے کبوتر خانے کا داروغہ تھا۔ پیغام بر کبوتروں کی تربیت میں ہی کیا کرتی تھی۔ اور میرا شوہر بغداد کا کوتوال تھا۔ میں چاہتی ہوں کہ میرے شوہر کا حق مجھے دیا جائے اور میری بیٹی' میرے باپ کا حق مانگتی ہے۔ جو جو وہ چاہتی تھیں' خلیفہ نے اس کے فرمان لکھ دیئے۔ بڑھیا نے کہا میں یہ اور چاہتی ہوں کہ تو مجھے اپنی کاروان سرائے کی دربان بنا دے۔ خلیفہ نے تاجروں کے رہنے کے لئے ایک تین منزل والی سرائے بنوائی تھی۔ اس کے لئے چالیس غلام اور چالیس کتے متعین کئے تھے جنہیں وہ سلیمانیہ کے بادشاہ کے پاس سے لایا تھا۔ جب اس نے اسے تخت سے اتارا تھا' کتوں کے لئے اس نے پٹے بنوا لئے تھے۔ سرائے میں ایک غلام باورچی تھا جو غلاموں کے لئے کھانا پکاتا اور کتوں کو گوشت کھلاتا۔ خلیفہ نے کہا اے دلیلہ' میں تجھے سرائے کی نگہ بانی سونپتا ہوں' اگر وہاں سے کوئی چیز جاتی رہی تو تجھ سے باز پرس کروں گا۔ اس نے کہا بہت خوب' لیکن میری بیٹی کو اس حویلی میں رکھ جو سرائے کے دروازے پر ہے۔ اس میں بہت سی چھتیں ہیں اور کبوتروں کی تربیت محض کشادہ جگہ میں ہو سکتی ہے۔ خلیفہ نے اس کی درخواست منظور کر لی' اس کی بیٹی اپنا ساز و سامان لے کر اس حویلی میں پہنچ گئی جو سرائے کے دروازے پر تھی۔ اور چالیسوں کبوتر جو خط لے کے جاتے تھے اس کے سپرد کر دیئے گئے۔ زینب نے چالیس جوڑے کپڑے مع احمد دنف کے جوڑے کے

اپنی حویلی میں لٹکا دیئے۔ خلیفہ نے چال باز دلیلہ کو چالیسوں غلاموں کی سردار بنا دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اس کی فرمانبرداری کریں۔ بڑھیا کی بیٹھک سرائے کے دروازے کے پیچھے رہا کرتی تھی۔ وہ ہر روز دربار میں حاضر ہوتی کہ شاید خلیفہ کو پیغام بر کبوتروں کے کہیں بھیجنے کی ضرورت پڑ جائے۔ شام سے پہلے وہ دربار سے باہر نہ نکلتی اور چالیس غلام سرائے کی حفاظت کرتے۔ رات ہوتی چالیسوں کتے چھوڑ دیئے جاتے تا کہ وہ رات بھر سرائے کی نگہبانی کریں۔ یہ ہے چال باز دلیلہ کی سرگزشت بغداد میں۔

○ پارا علی کی کہانی

پارا علی کا قصہ سنئے' وہ مصر کے کوتوال صلاح مصری کے زمانے میں ایک شاطر ٹھگ تھا۔ صلاح کے ماتحت چالیس سپاہی تھے' جب کبھی وہ علی کے لئے کوئی پھندے لگاتے اور ان کا خیال ہوتا کہ وہ اس میں پھنس جائے گا تو انہیں معلوم ہوتا کہ وہ نکل بھاگا جس طرح کہ پارہ نکل بھاگتا ہے۔ اس لئے لوگ اسے مصری پارہ کہتے تھے۔ ایک روز یہ شاطر اپنے یاروں کے ساتھ بیٹھا تھا کہ اس کا دل گھبرانے سا لگا۔ ساتھیوں نے اس کا مزاج خراب دیکھا تو کہنے لگے' استاد' کیا بات ہے؟ اگر طبیعت گھبراتی ہے تو شہر جا کر سیر کر آ۔ بازاروں کی سیر سے غم غلط ہو جاتا ہے۔ علی اٹھ کر شہر چل دیا لیکن وہاں اس کا رنج و غم زیادہ ہو گیا۔ پھرتے پھراتے وہ ایک شراب کی بھٹی پر پہنچا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ آج خوب پیوں گا۔ اندر گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ سات قطاروں میں لوگ بیٹھے ہوئے ہیں' وہ بھٹی والے سے کہنے لگا' میں اکیلا بیٹھنا چاہتا ہوں۔ بھٹی والے نے اسے ایک کمرے میں لے جا کر اکیلا بٹھا دیا اور شراب لا کر اس کے آگے رکھ دی۔ اس نے اتنی پی کہ متوالا ہو گیا اور بھٹی سے نکل کر چل دیا۔ گلی کوچوں میں ہوتا ہوا لال گلی میں آیا۔ لوگ ڈر کے مارے گلی چھوڑ کر بھاگ

گئے۔ اب اس کی نظر ایک بہشتی پر پڑی جو کوزے سے پانی پلاتا جاتا اور کہتا جاتا تھا کہ شراب تو وہ ہے جو انگور کی نظر سے نکلے اور وصال وہ ہے جو محبوب سے ہو مگر صدر نشین عقل مند کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ علیؑ نے کہا آ مجھے پانی پلا۔ بہشتی نے اسے پانی کا کوزہ دیا۔ علی نے کوزہ لے کر اسے ہلا اور پانی زمین پر پھینک دیا۔ بہشتی نے کہا تو پانی نہیں پینا چاہتا؟ علی نے کہا لا پانی پلا۔ بہشتی نے پھر کوزہ بھر کر اسے دیا۔ اس نے کوزہ لے کر پھر ہلایا اور زمین پر انڈیل دیا۔ تیسری بار بھی اس نے یہی کیا۔ بہشتی بولا اگر تو پانی نہیں پیتا تو میں جاتا ہوں۔ علی نے کہا' پانی پلا' بہشتی نے کوزہ بھر کر پھر اسے دیا۔ علی اسے پی گیا اور بہشتی کو ایک دینار دیا۔ بہشتی اس کی طرف حقارت سے دیکھ کر کہنے لگا۔ اے لڑکے ' خدا تجھے بہت دے! خدا تجھے بہت دے! ایسے ہی چھوٹے لوگ ایک دن بڑے ہو جاتے ہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• سات سو نویں رات

سات سو نویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... بہشتی نے کہا' ایسے ہی چھوٹے لوگ ایک دن بڑے ہو جاتے ہیں' شاطر علی نے اٹھ کر بہشتی کا دامن پکڑ لیا اور ایک قیمتی خنجر کھینچ کر کہنے لگا اے بڈھے' مجھ سے سیدھی طرح بات کر۔ تیرے مشک کی قیمت زیادہ سے زیادہ تین درہم ہو گی اور دو کوزے پانی جو میں پھینکا ہے' تقریباً ایک رطل ہوں گے' بہشتی بولا ٹھیک ہے۔ علی نے کہا اور میں نے تجھے سونے کا ایک دینار دیا ہے' پھر تو نے میری طرف حقارت سے کیوں دیکھا؟ کیا تیری نظر سے ایسا کوئی شخص گزرا ہے جو مجھ سے زیادہ بہادر اور سخی ہو؟ بہشتی نے کہا میں نے ایک شخص دیکھا ہے جو تجھ سے زیادہ بہادر اور سخی ہے۔ سخی نے کہا وہ کون شخص ہے جو مجھ سے زیادہ بہادر اور سخی ہے؟ بہشتی بولا میرے ساتھ ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا ہے۔ میرا باپ مصر بہشتیوں کا چودھری تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو مجھ میراث میں پانچ اونٹ' ایک خچر' ایک دکان اور ایک مکان ملا۔ لیکن غریب کی روح کبھی نہیں بھرتی اور اگر بھر جاتی ہے تو وہ مرجاتا ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ حجاز چلنا چاہیے اور میں نے کئی اونٹ مول لئے' اس کی وجہ سے میرے اوپر پانچ سو دینار کا قرضہ ہو گیا لیکن حج میں سارے اونٹ ضائع ہو گئے۔ اب میں نے سوچا کہ اگر میں لوٹ کر مصر گیا تو لوگ اپنے مال کی وجہ سے مجھے قید خانے بھیج دیں گے۔ اس لئے میں شامی حاجیوں کے ساتھ روانہ ہو کر حلب اور حلب سے بغداد آیا۔

بغداد پہنچ کر میں ے وہاں کے بہشتیوں کے چودھری کا پتہ دریافت کیا۔ لوگ مجھے اس کے گھر پہنچا آئے' میں اندر گیا اور اس کے سامنے الحمد پڑھی۔ اس نے میرا حال دریافت کیا' میں نے اس کسے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ اس نے میرے لئے ایک دکان خالی کرادی' مجھے ایک مشک اور دوسرا ضروری سامان دے دیا' میں خدا کا نام لے کر نکل کھڑا ہوا

اور شہر میں چکر لگانے لگا۔ راہ میں نے ایک شخص کو پانی پینے کے لئے کونہ دیا' وہ بولا
میں نے ابھی کھایا ہی کیا ہے کہ پانی پیوں! آج ایک کنجوس نے میری دعوت کی تھی
اور اس نے اپنے آگے سے دو مٹی کے پیالے اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیئے۔ میں
نے اس سے کہا اے کنجوس کے بچے تو نے مجھے کھلایا بھی ہے کہ پانی پلاتا ہے۔
اے بہشتی' اس وقت تو جا' جب میں کچھ کھا لوں تو مجھے پانی پلائیو۔ اس کے بعد میں
ایک دوسرے شخص کے پاس گیا' اس نے جواب دیا کہ اللہ تجھے روزی دے! اسی طرح
میں دوپہر تک مارا مارا پھرتا رہا اور کسی نے مجھے کچھ نہ دیا' میں اپنے دل میں کہنے
لگا کاش میں بغداد آیا ہوتا! اتنے میں میں نے دیکھا کہ لوگ بھاگے چلے جا رہے ہیں۔
میں بھی ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا' دیکھا کہ ایک جلوس دو دو کر کے جا رہا ہے اور
سب لوگ مکمل سپاہیانہ لباس پہنئے ہوئے ہیں۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا' یہ کس
کا جلوس ہے؟ اس نے کہا جواب دیا کہ سردار احمد دنف کا۔ میں نے پوچھا' اس کا
رتبہ کیا ہے؟ اس نے کہا کے وہ دربار کا سرادر اور بغداد کا امیر ہے' شہر کے گرد
و نواح کی دیکھ بھال اس کے سپرد ہے اور خلیفہ کی طرف سے اس کا ماہرہ ایک ہزار
دینا بندھا ہوا ہے' اس کے ہر ماتحت کو سو دینار ماہوار ملتے ہیں۔ حسن شومان بھی اسی
طرح ہزار دینار پاتا ہے۔ اس وقت وہ دربار سے لوٹے ہیں اور اپنی بارکوں میں جا رہے
ہیں۔ اتنے میں احمد دنف کی طرح میرے اوپر پڑی' اس نے کہا لا پانی لا۔ میں نے
کونہ بھر کر اسے دیا' اس نے اسے ہلایا اور انڈیل دیا۔ دوسری بار بھی اس نے ایسا ہی
کیا' تیسری بار ایک گھونٹ میں پی گیا جیسے کہ تو نے پیا ہے اور مجھ سے پوچھا اے
بہشتی تو کہاں سے آیا ہے؟ میں نے جواب دیا مصر سے۔ اس نے کہا خدا مصر اور مصرو
والوں کو زندہ رکھے! تو اس شہر میں کیوں آیا ہے؟ میں نے اپنی ساری سرگزشت سنا
دی اور کہا کہ میں مقروض ہوں' قرض اور ناداری کی وجہ سے بھاگ کر یہاں آیا
ہوں۔ اس نے کہا خوش آمدید اور مجھے پانچ دینار دیئے۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ
اس کے ساتھ احسان کرو' خدا تم سے خوش ہو گا۔ یہ سن کر ہر ایک نے مجھے ایک

ایک دینار دیا۔ اس کے بعد اس نے کہا جب تک تو بغداد میں رہے گا اور جب مجھے پانی پلائے گا تو تجھے اتنا ہی ملا کرے گا۔ میں ان کے پاس اکثر آتا جاتا رہا اور وہ میرے ساتھ بھلائی کرتے رہے۔ تھوڑے دن کے بعد میں نے اپنی کمائی گنی تو ایک ہزار دینار ہو گئے تھے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا۔ اب بہتر ہے کہ میں اپنے وطن جاؤں' میں اس کے گھر گیا اور اس کے ہاتھ چومے اور اس نے پوچھا کیا چاہتا ہے؟ میں نے کہا سفر کرنا چاہتا ہوں' قافلہ مصر جا رہا ہے' میں چاہتا ہوں کہ اپنے بال بچوں سے جا کر ملوں۔ یہ سن کر اس نے مجھے ایک خچر اور سو دینار دیئے اور کہا میں تیرے ہاتھ ایک امانت بھیجنا چاہتا ہوں' کیا تو مصر والوں کو پہچانتا ہے؟

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو دسویں رات

سات سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بشہتی نے کہا' میں مصروالوں کو جانتا ہوں۔ وہ بولا اچھا تو یہ خط پارا علی مصری کو پہنچا دیجیو اور اس سے کہیو کہ تیرا باپ تجھے سلام کہتا ہے اور وہ خلیفہ کی خدمت میں ہے۔ میں اس سے خط لے کر روانہ ہو گیا' مصر پہنچا اور قرض خواہوں سے مل کر ان کا قرضہ ادا کیا۔ اب پھر میں پانی پلانے کا کام کرتا ہوں لیکن ابھی تک وہ خط نہیں پہنچایا کیونکہ مجھے پارا علی مصری کے گھر کا پتہ معلوم نہیں۔ علی نے جواب دیا۔ بڑے میاں' خوش رہو' پارا علی مصری میں ہی ہوں اور سردار دنف کا سب سے بڑا بیٹا ہوں' لا خط مجھے دے۔ بہشتی نے خط اسے دے دیا' اس نے خط کھول کر پڑھا۔ اس میں بعد سلام لکھا ہوا تھا کہ "یہ خط احمد دنف کی طرف سے اس کے بڑے بیٹے پارا علی مصری کے نام ہے۔ تجھے معلوم ہنا چاہیے کہ میں نے صلاح الدین مصری کی ایسی گت بنائی ہے' اسے ایسے چکمے دیئے کہ وہ زندہ درگور ہو گیا اور اس کے جواب میرے ساتھ ہو گئے۔ منجملہ ان کے علی کتف الجمل ہے۔ اب میں خلیفہ کا درباری اور بغداد کا کوتوال ہوں' میرے ذمے گرد و نواح کی دیکھ بھال ہے ہے۔ اگر تجھے اس عہد و پیمان کا پاس ہے جو میرے اور تیرے درمیان ہوا تھا تو میرے پاس چلا آ۔ ممکن ہے کہ تو بغداد میں کوئی ایسی بدمعاشی کرے جس کی وجہ سے تجھے خلیفہ کا قرب حاصل ہو جائے۔ وہ تیرا روزینہ اور ماہانہ مقرر کر دے' تجھے سجا سجایا مکان رہنے کے لئے دے دے۔ بس یہی انتہائی مقصد ہونا چاہیے والسلام۔"

یہ خط پڑھ کر علی نے اسے چوما' اپنے سر پر رکھا۔ اس خوش خبری کے بدلے اس نے بہشتی کو دس دینار انعام دیئے' اپنے گھر جا کر اپنے ساتھیوں کو یہ خبر سنائی۔ اور ان سے کہا میں تمہیں ایک دوسرے کے سپرد کرتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے اپنے کپڑے

اتر کر ایک لمبا چوغا پہنا' سر پر لمبی نوک دار ٹوپی رکھی اور ایک صندوقچی لی جس میں قنا کی لکڑی کا ایک برچھا تھا چوبیس ہاتھ لمبا ہاتھ اور جس کے ٹکڑے ایک دوسرے میں لگ سکتے تھے۔ مکان دار نے کہا تو جا رہا ہے اور خزانہ خالی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ شام پہنچ کر میں تمہارے لئے کافی مال بھیجوں گا۔ یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گیا اور چند سواروں سے جا ملا جو سفر کے لئے تیار تھے۔ ان میں ایک تاجر ملک التجار اور چالیس دوسے تاجر تھے۔ تاجر اپنا قافلہ لاد چکے تھے اور ملک تاجر ملک التجار کا سامان ابھی زین پر پڑا ہوا تھا۔ قافلہ سالار ایک ایک شامی تھا جو خچر والوں سے کہہ رہا تھا کہ کہ تم میں سے ایک میرا ہاتھ بٹانے آئے اور وہ اسے برا بھلا کہہ رہے تھے۔ علی نے اپنے دل میں کہا کہ بس اس قافلہ سالار سے بہتر مجھے اور کوئی ہم سفر نہیں مل سکتا۔ علی نہایت حسین جوان تھا' ابھی اس کی داڑھی مونچھیں بھی نہ نکلی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر قافلہ سالار کو سلام کیا۔ قافلہ سالار نے مرحبا کہہ کر پوچھا' کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا چچا' میں نے دیکھا کہ تو اکیلا ہے اور تیرے پاس چالیس خچر سامان ہے تو لوگوں کو اپنی مدد کے لئے کیوں نہیں بلاتا؟ وہ بولا بیٹا' میں نے دو لڑے مزدوری پر لئے تھے اور انہیں کپڑے لتے پہنا کر ہر ایک کی جیب میں دو دو سو دینار رکھ دیئے تھے۔ دونوں خانقاہ تک میرے ساتھ آ کر بھاگ گئے۔ علی نے پوچھا تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا' حلب۔ علی نے کہا میں تیری مدد کروں گا۔ اب سب اپنا سامان لاد کر چل دیئے اور ملک التجار اپنے خچر پر سوار ہو کر ان کے ساتھ ہو لیا۔

شامی قافلہ سالار علی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس سے محبت کرنے لگا۔ رات ہوئی تو لوگ اترے اور کھانے پینے لگے۔ جب سونے کا وقت آیا تو علی جھوٹ موٹ زمین پر پڑ گیا۔ قافلہ سالار بھی اس کے پاس لیٹ کر سو گیا۔ علی اٹھ کر تاجر کے خیمے کے دروازے پر جا بیٹھا اتنے میں سالار نے کروٹ لی اور چاہتا تھا کہ علی کو لپٹا لے مگر وہ وہاں تھا ہی نہیں۔ سالار اپنے دل میں کہنے لگا شاید اس نے کسی اور سے وعدہ کر لیا ہے اور وہ اسے لے اڑا ہے مگر میرا حق اس پر زیادہ ہے' خیر کل رات میں اسے

اپنے آغوش میں لے لوں گا۔ علی برابر خیمے کے دروازے پر بیٹھا رہا۔ صبح ہوئی تو آ کر سالار کے پاس لیٹ گیا۔ سالار کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ وہ موجود ہے' اپنے دل میں کہنے لگا اگر میں اس سے پوچھوں کہ تو کہاں تھا تو وہ مجھے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ سالار اسے برابر پھسلاتا رہا۔ یہاں تک کہ قافلہ ایک پہاڑ کی کھوہ کے پاس پہنچا جہاں جھاڑیاں تھیں' اور ان میں ایک خونخوار شیر رہتا تھا۔ جب کوئی قافلہ وہاں سے گزرتا تو لوگ قرعہ ڈالتے اور جس پر قرعہ نکلتا اسی کو وہ شیر کے آگے ڈال دیتے۔ آج ملک التجار پر قرعہ پڑا۔ اتنے میں شیر بھی آ پہنچا اور دیکھنے لگا کہ قافلے کا کون شخص اس کے حصے میں آتا ہے۔ ملک التجار بہت پریشان ہوا اور قافلہ سالار سے کہنے لگا خدا کی مار تیرے قدموں اور تیرے دستر خوان پر! لیکن میں تجھے یہ وصیت کرتا ہوں کہ تو میرے مرنے کے بعد میرا مال میرے بچوں کو پہنچا دے۔ علی نے پوچھا یہ کیا ماجرا ہے؟ لوگوں نے اس سے سارا قصہ بیان کر دیا۔ اس نے کہا کہ جنگل کی بلی سے ڈرنے کے کیا معنی؟ میں اسے مار ڈالنے کا ذمہ لیتا ہوں۔ سالار نے جا کر یہ خبر سوداگر کو سنائی۔ تاجر نے کہا اگر وہ اسے قتل کر دے تو میں اسے ایک ہزار دینار دوں گا۔ دوسرے بولے ہم بھی اسے دیں گے۔ اتنے میں علی نے اپنے کپڑے اتارے' زرہ بکتر پہن لی اور ایک فولادی تلوار کے پیچ کسے اور اکیلا شیر کے سامنے آ کر آواز دی۔ شیر اس کی طرف جھپٹا ہی تھا کہ علی مصری نے اس کی پیشانی پر تلوار ماری۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے شیر کے دو ٹکڑے کر ڈالے اور سالار سے کہا چچا ڈر نہیں۔ اس نے کہا بیٹا' میں زندگی بھر تیرا غلام رہوں گا۔ تاجر نے اٹھ کر اسے گلے لگایا' اس کی پیشانی چومی اور اسے ایک ہزار دینار دے دیئے۔ باقیوں نے بھی بیس بیس دینار پیش کئے۔ علی نے تمام دینار تاجر کے پاس بطور امانت رکھ دیئے اور رات گزرنے کے بعد صبح سویرے سب بغداد روانہ ہو گئے۔

راہ میں وہ غابت الاسادی اور وادی الکلاب پہنچے۔ وہاں ایک بد معاش بدو ڈاکو مع اپنے قبیلے کے رہتا تھا۔ اس نے قافلے والوں پر چھاپہ مارا وہ سب بدوؤں کے سامنے سے بھاگے۔

تاجر کہنے لگا۔ ہائے میرا مال ہاتھ سے گیا! اتنے میں علی ایک کھال پہنے ہوئے نکلا جس میں گھنٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اپنا برچھا نکال کر اس کے ٹکڑے جوڑے اور ایک بدو کا گھوڑا چھین کر اس پر سوار ہو گیا۔ پھر پکارا کہ آؤ میدان میں نکلو۔ ایک بدو پر چھالئے نکلا۔ وہ گھنٹیا بجانے لگا۔ بدو کا گھوڑا بد کا' علی نے اس کے برچھے پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ ٹوٹ گیا۔ ایک ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا سر اڑ گیا۔ بدو کے قبیلے والے یہ دیکھ کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ مار کر ان پر حملہ کر دیا' انہیں مار بھگایا اور بدو کا سر برچے پر اٹھا لیا۔ تاجروں نے اسے انعام دیا اور روانہ ہو گئے' چلتے چلتے بغداد پہنچ گئے۔ شاطر علی نے تاجر سے اپنا مال مانگا۔ اس نے دے دیا۔ علی نے اسے قافلہ سالار کے سپرد کر کے کہا کہ مصر پہنچ کر میرے گھر کا پتہ لگائیو اور یہ مال مکان دار کے حوالے کر دیجیو۔ رات گزرنے کے بعد علی صبح سویرے شہر جا کر ادھر ادھر چکر لگانے اور احمد دنف کا گھر پوچھے لگا لیکن کسی نے اس کا پتہ نہ بتایا۔ اب وہ النفض کی چوک پر پہنچا' دیکھا کہ وہاں کئی لڑکے کھیل رہے ہیں' ان میں ایک لڑکا احمد لقیط تھا۔ علی اپنے دل میں کہنے لگا اگر ان لوگوں کا پتہ کسی سے چل سکتا ہے تو بچوں سے۔ یہ سوچ کر اس نے ایک حلوائی سے مٹھائی خریدی اور بچوں کو آواز دی۔ احمد لقیط لڑکوں کی بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا پہنچا اور علی کے سامنے پہنچ کر پوچھا تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا میرے ساتھ ایک لڑکا تھا' وہ فوت ہو گیا میں نے اسے خواب میں دیکھا ہے کہ وہ مٹھائی مانگ رہا ہے۔ اس لئے میں نے مٹھائی خریدی ہے' چاہتا ہوں کہ تھوڑی تھوڑی ہر لڑکے کو دوں یہ کہہ کر اس نے احمد لقیط کو تھوڑی سی مٹھائی دی۔ لڑکے نے دیکھا کہ مٹھائی پر ایک دینار چپکا ہوا ہے۔ وہ کہنے لگا چل دور ہو' میں بد چلن لڑکا نہیں ہوں تو میرے متعلق دریافت کر سکتا ہے۔ علی نے کہا بیٹا' مزدوری وہی پاتا ہے جو کام کرتا ہے اور وہی دیتا ہے جو کام لیتا ہے۔ یہ دینار تیری مزدوری ہے تا کہ تو مجھے احمد دنف کے گھر کا پتہ بتا دے۔ لڑکے نے کہا میں آگے چلتا ہوں اور تو پیچھے پیچھے آ۔ احمد دنف کے دروازے پر پہنچ کر پاؤں کی

انگلیوں میں ایک کنکری لوں گا اور اسے دروازے پر پھینک ماروں گا' بس تو جان جائیوں کہ وہ کون سا دروازہ ہے۔ لڑکا آگے آگے چل اور علی پیچھے پیچھے ہو لیا یہاں تک کہ اس نے پاؤں میں ایک کنکری لے کر احمد دنف کے دروازے پر پھینک ماری اور علی سمجھ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو گیارہویں رات

سات سو گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب علی کو دروانہ معلوم ہو گیا تو اس نے لڑکے کر پکڑ لیا اور چاہتا تھا کہ دینار چھین لے مگر ناکام رہا لڑکے سے کہنے لگا جا تو' انعام کا مستحق ہے کیونکہ تو چالاک' سمجھ دار اور بہادر ہے۔ اگر خدا نے چاہا اور میں خلیفہ کے ہاں سردار بن گیا تو تجھے اپنے ساتھیوں میں لے لوں گا۔ لڑکا چل دیا اور پارا علی مصری نے آگے بڑھ کر دروانہ کھٹکھٹایا۔ احمد دنف نے کہا اے مکان دار' دروانہ کھول' یہ دستک پارا علی مصری کی ہے۔ مکان دار نے دروانہ کھولا' علی نے اندر آ کر احمد دنف کو سلام کیا' اس کے گلے لپٹ گیا' چالیسوں ساتھیوں نے بھی اسے سلام کیا۔ اس کے بعد احمد دنف نے اسے کپڑے پہننے کو دیئے اور کہا جب خلیفہ نے مجھے عہدہ دیا تھا اور میرے ساتھیوں کے لئے کپڑے عطا کئے تھے تو میں نے یہ جوڑا تیرے لئے رکھ چھوڑا۔ علی نے کپڑے پہن لئے تو انہوں نے اسے اپنے درمیان صدر میں بٹھایا اور کھانا حاضر کیا' سب نے کھایا' پھر شراب منگوائی اور سب نے پی اور صبح تک نشے میں پڑے رہے۔ اس کے بعد احمد دنف نے علی مصری سے کہا خبر دار بغداد میں ہرگز نہ نکلیو' اسی گھر میں بیٹھا رہیو۔ علی نے پوچھا یہ کیوں؟ کیا میں یہاں قید ہونے آیا ہوں؟ احمد دنف نے کہا بیٹا' بغداد کو مصر کی طرح نہ سمجھ۔ یہ بغداد خلافت کی جگہ ہے' یہاں بہت ٹھگ رہتے ہیں' ٹھگیاں یہاں سبزی کی طرح اگتی ہیں' چنانچہ تین دن تک علی گھر سے باہر نہیں نکلا' تین دن کے بعد احمد دنف نے اس سے کہا میں چاہتا ہوں کہ تجھے خلیفہ کی خدمت میں پیش کروں تا کہ وہ تیرا روزینہ مقرر کر دے۔ علی بولا جلدی کیا ہے! اس کا وقت بھی آ جائے گا۔ احمد نے زیادہ اصرار نہیں کیا۔

ایک روز جب کہ علی گھر میں بیٹھا ہوا تھا' اس کی طبیعت پریشان ہونے لگی اور دل

گھبرانے لگا۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ بغداد کا گشت لگانا چاہیے۔ طبیعت تو کچھ بہلے' وہ گھر سے نکلا اور سیر کرتا ہوا چلا۔ بازار کے بیچ میں اس نے ایک باورچی کی دکان دیکھی' وہاں جا کر کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر ہاتھ دھونے باہر آیا ہی تھا کہ اس نے دیکھا چالیس غلام فولادی خنجر لگائے اور فولادی لباس پہنے دو دو کر کے چلے جا رہے ہیں۔ اس جلوس کے آخر میں چالباز دلیلہ زرہ بکتر لگائے' فوج وردی پہنے ایک خچر پر سوار تھی۔ سر پر سونے کا پانی پھرا ہوا ایک خود تھا جس کا اوپر کا حصہ فولاد کا تھا۔ اس وقت دلیلہ دربار سے آ رہی تھی اور سرائے جا رہی تھی۔ پارا علی پر نظر پڑتے ہی وہ سوچ میں پڑ گی۔ اس نے دیکھا کہ لمبائی چوڑائی میں وہ احمد دنف سے مشابہ ہے' عبا' لمبی ٹوپی اور فولادی خنجر وغیرہ یہ ساری چیزیں ویسی ہی ہیں اور بہادری اس کے چہرے سے نمودار ہے۔ سرائے پہنچ کر وہ اپنی بیٹی زینب کے پاس گئی' رمل کی تختی لے کر دیکھا کہ اس کا نام علی مصری ہے اور اس کا ستارہ اس کے اور اس کی بیٹی کے ستارے پر غالب ہے۔ زینب نے کہا اماں' رمل کی تختی تو نے کیا دیکھنے کے لئے نکالی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ میں نے آج ایک جوان کو دیکھا ہے جو احمد دنف سے مشابہ ہے۔ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں اسے یہ پتہ چل جائے کہ تو نے احمد دنف اور اس کے ساتھیوں کے کپڑے اتار لئے ہیں اور وہ اس سرائے میں آ کر اپنے باپ اور اس کے چالیس ساتھیوں کا بدلہ لینے کی غرض سے ہمارے ساتھ کوئی چال نہ چلے۔ میرا یہ بھی خیال ہے کہ وہ احمد دنف کے ہی گھر ٹھہرا ہے۔ زینب نے کہا وہ ہوتا کون ہے! میرے خیال میں تجھے حساب سے بھی یہی معلوم ہوا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا بہترین لباس پہنا اور نکل کر شہر میں گھومنے لگی۔ لوگ اسے دیکھ کر اس سے عشق و محبت کی باتیں کرتے' وہ کسی سے وعدہ کرتی' کسی سے قسم کھاتی' کسی کو برا بھلا کہتی اور کسی سے راز و نیاز کی باتیں کرتی۔ اسی طرح وہ ایک گلی سے دوسری میں چلی جاتی' اتنے میں اس نے دیکھا کہ علی مصری سامنے آ رہا ہے۔ زینب نے اسے کاندھا

مارا اور اس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی' خدا آنکھ والوں کو زندہ رکھے! علی نے کہا تیر شکل کسی پیاری ہے! تو کس کی ہے؟ اس نے جواب دیا تیر طرح بانکے جوان کی۔ علی نے پوچھا تو شادی شدہ ہے یا کنواری؟ وہ بولی شادی شدہ۔ علی نے کہا میرے گھر یا تیرے گھر۔ زینب نے کہا' میں تاجر زادی ہوں اور میرا شوہر بھی تاجر ہے۔ سوائے آج کے عمر بھر گھر سے نہیں نکلی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے کھانا پکایا تھا اور کھانا چاہتی تھی کہ تو نظر آ گیا۔ اکیلے کھانے کو جی نہیں چاہا۔ کیا تو چاہتا ہے کہ میرا دل رکھ لے اور ایک نوالہ میرے ساتھ کھائے؟ علی نے کہا جسے دعوت دی جائے اسے قبول کرنی چاہیے۔ زینب ایک گلی سے دوسری میں ہوتی ہوئی جاتی تھی اور علی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

جاتے جاتے علی نے اپنے دل میں کہا' اب میں کیا کروں؟ میں تو پردیسی ہوں اور کہتے ہیں کہ جو پردیس میں زنا کرے' اسے خداتا مردار کرتا ہے۔ بہتر ہے کہ نرمی سے اسے ٹال دوں۔ یہ سوچ کر اسے زینب سے کہا یہ دینار لے اور کوئی دوسرا وقت مجھے بتا دے۔ زینب نے کہا قسم ہے اسم اعظم کی اس وقت تو تجھے میرے ہی ساتھ گھر چلنا ہو گا تا کہ میں تجھے پیار کروں۔ الغرض وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک دروازے پر پہنچے جس پر قفل پڑا ہوا تھا۔ زینب نے کہا قفل کھول۔ علی بولا کنجی کہاں ہے؟ زینب نے کہا کھو گئی۔ علی نے کہا قفل بغیر کنجی کے کھولنے والا مجرم ہوتا ہے اور حاکم اسے سزا دیتا ہے۔ علاوہ بریں مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ قفل بے کنجی کے کھلتا کس طرح ہے۔ زینب نے اپنی نقاب اٹھا دی اور علی حسرت بھری آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اب زینب نے اپنی نقاب قفل پر ڈال کر موسیٰ کی ماں کا جادو پڑھا۔ وہ کھل گیا۔ زینب اندر گئی۔ علی پیچھے پیچھے ہو لیا' دیکھا کہ وہاں تلواریں اور دوسرے فولادی ہتھیار لٹکے ہوئے ہیں۔ لڑکی نے برقع اتار ڈالا اور اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ علی اپنے دل میں کہنے لگا جو کچھ خدا نے قسمت میں لکھا ہے وہ پورا

ہو کر رہے گا اور اس نے بڑھ کر چاہا کہ اس کے رخسار کا بوسہ لے لیکن اس نے اپنے رخسار پر ہاتھ رکھ لیا اور کہنے لگی پیار کی باتیں رات میں ہوتی ہیں۔ اس کے بعد وہ جا کر کھانا اور شراب لے آئی' دونوں نے مل کر کھایا پیا' پھر زینب نے کنوئیں میں سے لوٹا بھرا اور علی کے ہاتھوں پر پانی ڈال کر انہیں دھلایا۔ اب وہ یک بہ یک اپنا سینہ پیٹنے لگی اور کہا میرے شوہر کے پاس یاقوت کی ایک انگوٹھی تھی جس کو کسی نے اس کے پانچ سو دینار میں گروی رکھا تھا۔ وہ میری انگلی تھی' بڑی ہونے کی وجہ سے میں نے اس موم سے چپکا لیا تھا۔ انگلی سے کہیں نکل گئی۔ خیال ہوتا ہے کہ جب میں نے کنوئیں کی طرف منہ کر کے ڈول ڈالا ہے تو گر پڑی ہو گی۔ لیکن مضائقہ نہیں تو دروازے کی طرف منہ کر لے تا کہ میں کپڑے اتار کر کنوئیں میں اتر جاؤں اور انگوٹھی نکال لاؤں۔ علی نے کہا یہ میرے لئے شرم کی بات ہے کہ میرے ہوتے ہوئے تو کنوئیں میں اترے' ٹھہر میں اترتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے کپڑے اتار ڈالے' کمر سے رسی لپیٹ لی' زینب نے اسے کنوئیں میں اتار دیا اور کہنے لگی رسی چھوٹی پڑ گئی ہے تو اسے کھول کر اتر جا۔ علی نے رسی کھول ڈالی اور کنوئیں میں اتر گیا۔ کنوئیں میں پانی بہت تھا' لیکن وہ اس میں غوطے کھانے لگا اور کنوئیں کی تھاہ تک نہ پہنچ سکا۔ ادھر زینب نے اپنا برقع اوڑھا اور علی کے کپڑے سمیٹ اپنی ماں کے پاس چل دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

سات سو بارہویں رات

سات سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... زینب نے اپنی ماں کے پاس جا کر کہا' میں علی مصری کے کپڑے اتار لائی اور اسے امیر حسن کے مکان کے کنوئیں میں ڈال آئی ہوں جہاں سے اس کا نکلنا مشکل ہے۔

اب امیر حسن مکان کے مالک کا حال سنو۔ جس وقت کا یہ واقعہ ہے وہ دربار میں تھا' لوٹا تو اس نے دیکھا کہ گھر کھلا پڑا ہے۔ سائیں سے کہنے لگا تو نے کھٹکا کیوں بند نہیں کیا؟ اس نے کہا اے میرے مولا! میں نے تو اسے اپنے ہاتھ سے بند کیا ہے۔ امیر بولا' پھر تو گھر میں ضرور چور گھسا ہے اور اندر جا کر ادھر ادھر ڈھونڈا کسی کو نہ پایا۔ اب سائیں سے کہا کہ لوٹا بھر لا' میں وضو کروں گا۔ سائیں نے ڈول لے کو کنوئیں میں ڈالا لیکن جب کھینچنے لگا تو بھاری معلوم ہوا۔ کنوئیں میں جھانک کر دیکھا تو ڈول میں کوئی بیٹھا ہوا دکھائی دیا۔ وہ ڈول کو وہیں چھوڑ کر چلایا کہ اے میرے آقا' کنوئیں میں سے ایک بھوت نکل کر میری طرف آ رہا ہے۔ امیر حسن نے کہا جا کر چار ملاؤں کو بلا لا کہ وہ قرآن پڑھ کر بھوت کو بھگا دیں۔ ملا آئے تو اس نے کہا کنوئیں کے چارو طرف بیٹھ کر بھوت پر قرآن پڑھو۔ اس کے بعد غلام اور سائیں نے مل کر ڈول ڈالا' علی اس میں ہو بیٹھا اور اوپر آ کر کود ملاؤں کے بیچ میں بیٹھ گیا۔ وہ ایک دوسرے کو دھکیلنے اور بھوت! بھوت! کا شور مچانے لگے۔ امیر حسن نے دیکھا تو وہ آدمی کا بچہ نکلا۔ پوچھا کیا تو چور ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ امیر بولا پھر تو کنوئیں میں کیوں اترا؟ اس نے کہا مجھے احتلام ہو گیا تھا' نہانے کی غرض سے دجلے میں غوطہ مارا لین پانی مجھے بہا کر زمین کے نیچے نیچے یہاں لے آیا اور میں اس کنوئیں میں آنکلا۔ امیر نے کہا سچ کہہ' علی نے اپنا سارا ماجرا شروع سے آخر تک سنا دیا۔ امیر نے اسے ایک جوڑا کپڑوں کا دے کر رخصت کر دیا۔ گھر جا کر اس نے ساری

سرگزشت احمد دنف سے بیان کی۔ احمد نے کہا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ بغداد میں ایسی عورتیں ہیں جو مردوں کو انگلیوں پر نچا دیتی ہیں۔ علی کتف الجمل نے کہا' میں تجھے اسم اعظم کی قسم دیتا ہوں' بتا تو سہی کہ تو مصر کے غنڈوں کا سردار کس طرح ہو گیا حالانکہ ایک لڑکی نے تیرے کپڑے اتار لیئے۔ یہ بات اسے بہت بری معلوم ہوئی اور وہ شرمندہ ہوا۔

احمد دنف نے علی کو دوسرے کپڑے پہننے کے لئے دیئے۔ حسن شومان نے کہا تو اسے پہچانتا ہے؟ وہ بولا نہیں۔ حسن شومان کہنے لگا وہ زینب چال باز دلیلہ کی بیٹی ہے جو خلیفہ کی سرائے کی داروغہ ہے۔ تو کیا اے علی' تو اس کے جال میں پھنس گیا؟ اس نے کہا ہاں۔ حسن شومان نے کہا اے علی' اسی نے تیرے باپ اور اس کے ساتھیوں کے کپڑے اتار لیئے ہیں۔ علی نے کہا یہ تمہارے لئے شرم کی بات ہے۔ حسن نے پوچھا آخر تو کیا چاہتا ہے؟ علی نے کہا اے شومان آخر کوئی تدبیر تو نکال کہ میں اس سے شادی کر سکوں۔ اس نے جواب دیا مرحبا! اگر تو میرے چلو سے پانی پیئے اور میرے جھنڈے کے نیچے چلے تو میں تیری مراد پوری کر دوں گا۔ علی نے کہا منظور ہے۔ حسن بولا اے علی! اپنے کپڑے اتار ڈال اور اس نے اتار ڈالے۔ حسن نے ایک دیگچی لے کر اس میں کوئی چیز الٹائی جو رال جیسی تھی اور علی کے بدن پر اسے مل دیا۔ اس کا رنگ حبشی غلاموں کا سا ہو گیا۔ اس میں سے تھوڑی سی اس کے ہونٹوں اور رخساروں پر چپڑ دی اور اس کی آنکھوں میں لال کاجل لگا کر غلاموں کا پہناوا اور اس کے ہاتھ میں کباب و شراب دے کر کہا سرائے میں ایک باورچی ہے' بالکل اسی صورت جا جسے بازار سے سوائے گوشت اور ترکاری کے اور کسی چیز کے لانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ تو جا کر اس سے نرمی سے پیش آ۔ غلاموں کی زبان میں اس سے گفتگو کر اور سلام کر کے کہہ کہ ایک مدت سے میں نے تجھے شراب خانے میں نہیں دیکھا۔ وہ کہے گا میں نوکر ہو گیا ہوں اور میرے سر چالیس غلاموں کا کھانا ہے' میں ان کے لئے دونوں وقت کا کھانا پکاتا ہوں' کتوں کا راتب کھلانا بھی میرے ذمے ہے۔ دو دستر خوان ایک

دلیلہ اور ایک اس کی بیٹی زینب کے لئے تیار کرنے پڑتے ہیں' مجھے فرصت کہاں تو کہیو کہ آ کباب کھائیں اور شراب پئیں اور کمرے میں جا کر اسے اتنی پلائیو کہ وہ بدمست ہو جائے۔ اس کے بعد اس سے پوچھیو کہ تجھے کتنے قسم کے کھانے پکانے ہیں' کتے کیا کھائیں گے۔ باورچی خانے کی کنجی کہاں ہے اور نعمت خانے کی کہاں۔ غلام ساری باتیں بتا دے گا کیونکہ متوالا وہ تمام باتیں کہہ دیتا ہے جسے ہوش کی حالت میں چھپاتا ہے۔ اس کے بعد تو اسے بھنگ پلائیو' اس کے کپڑے اتار کر پہن لیجیو۔ کمر میں چھریاں لگا کر ترکاری کی ٹوکری لے بازار جائیو اور گوشت' ترکاری خرید لائیو۔ باورچی خانے میں آ کر کھانا پکائیو۔ پھر کھانا ڈونگوں میں نکال کر سرائے میں دلیلہ کے پاس جائیو۔ لیکن کھانے میں بھنگ ہو تا کہ کتے' غلام' دلیلہ ار اس کی بیٹی زینب سب کے سب نشے میں چور ہو جائیں اس کے بعد حویلی کے اندر جا کر سارے کپڑے لے آئیو اور تو چاہتا ہے کہ تیری شادی زینب کے ساتھ ہو جائے تو چالیسوں پیغام بر کبوتر بھی۔

علی سرائے میں جا پہنچا۔ غلام نے باورچی کو سلام کیا اور کہنے لگا۔ میں نے مدت سے تجھے شراب خانے میں نہیں دیکھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں غلام اور کتوں کے لئے کھانا پکانے میں لگا رہتا ہوں۔ علی نے اسے لے جا کر خوب پلائی اور پوچھا کتنے قسم کا کھانا پکتا ہے؟ وہ بولا پانچ قسم کا دوپہر کو' اور پانچ قسم کا شام کو' کل مجھ سے چھٹی قسم کی فرمائش کی گئی ہے جو زردہ ہے۔ اور ساتویں قسم کو جو انار دانے ہیں۔ علی نے پوچھا' دستر خوان بچھانے کا کیا طریقہ ہے؟ غلام نے کہا پہلے زینب کے لئے دستر خوان بچھاتا ہوں' پھر کتوں کو اور سب کو پیٹ بھر گوشت دیا جاتا ہے جو رطل سے کم نہیں لیکن اتفاق سے کنجیوں کے بارے میں پوچھنا بھول گیا۔ اس کے بعد اس نے غلام کے کپڑے اتار کر خود پہنے اور ٹوکری لے کر بازار گیا' گوشت' ترکاری خریدی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو تیرہویں رات

سات سو تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ پارا علی مصری گوشت ترکاری لے کر لوٹا اور سرائے کے دروازے سے اندر آیا' دیکھا کہ دلیلہ بیٹھی ہوئی آنے جانے والوں کو غور سے دیکھ رہی ہے۔ علی نے چالیسوں غلاموں پر نظر ڈالی جو ہتھیار بند تھے اور وہ اپنا دل مضبوط کر کے داخل ہوا۔ دلیلہ نے اسے دیکھ کر پہچان لیا اور کہنے لگی اے چوروں کے سردار' واپس جا' کیا تو سرائے میں نقب لگانے آیا ہے؟ علی مصری نے جو غلاموں کے بھیس میں تھا' دلیلہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے داروغہ' تیرا کیا مطلب ہے؟ وہ بولی تو نے غلام باورچی کے ساتھ کیا کیا ہے؟ اسے مار ڈالا یا بھنگ پلا دی۔ علی نے کہا کون سا غلام باورچی؟ کیا یہاں میرے سوا اور بھی کوئی غلام باورچی ہے؟ دلیلہ بولی' تو جھوٹا ہے' تو پارا علی مصری ہے۔ علی نے غلاموں کے لہجے میں اے داروغہ' مصری لوگ گورے ہوتے ہیں یا کالے؟ اب میں نوکری نہیں کروں گا۔ دوسرے غلاموں نے پوچھا اے چچیرے بھائی' کیا قصہ ہے؟ دلیلہ نے کہا' یہ تمہارا چچیرا بھائی نہیں بلکہ پارا علی مصری ہے۔ اس نے یا تو تمہارے چچیرے بھائی کو بھنگ پلا دی ہے اور یا مار ڈالا ہے۔ وہ بولے نہیں یہ ہمارا چچیرا بھائی باورچی سعد اللہ ہے۔ دلیلہ نے کہا نہیں تمہارا چچیرا بھائی نہیں بلکہ علی مصری ہے جس نے اپنا رنگ بدل لیا ہے۔ علی بولا' علی کون؟ میں تو سعد اللہ ہوں؟ دلیلہ نے کہا میرے پاس اس کا توڑ ہے۔ وہ ایک مرہم لے آئی اور اس کی بانہوں میں لگا کر انہیں خوب رگڑا لیکن سیاہی نہ گئی۔ غلاموں نے کہا اسے جانے دے تا کہ وہ ہمارا کھانا تیار کرے۔ دلیلہ نے کہا اگر وہ تمہارا چچیرا بھائی ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ کل رات تم نے اس سے کس کھانے کی فرمائش کی تھی' وہ ہر روز کتنی قسم کے کھانے پکاتا ہے۔ غلاموں نے اس سے کھانوں کی قسموں اور کل رات کی فرمائش کے بارے میں پوچھا' اس نے کہا

مسور کی دال' چاول' شوربا' یخنی اور ماوردیہ' چھٹا کھانا زردہ ہے' ساتواں انار دانے اور یہی شام کا کھانا ہے۔ غلاموں نے کہا ٹھیک کہتا ہے۔ دلیلہ بولی' اچھا اس کے ساتھ جاؤ اگر اسے معلوم ہے کہ باورچی خانہ کہاں ہے اور نعمت خانہ کہاں تو وہ تمہارا چچیرا بھائی ہے ورنہ تم اسے قتل کر دینا۔

باورچی نے ایک بلی پال رکھی تھی' جب کبھی وہ اندر آتا تو بلی اسے باورچی کے دروازے پر کھڑی ملتی اور جونہی وہ اندر داخل ہوتا وہ اس کے کندھے پر چڑھ بیٹھتی۔ علی داخل ہوا اور بلی نے اسے دیکھا تو وہ کود کر اس کے کندھے پر جا بیٹھی۔ اس نے بلی کو نیچے گرا دیا۔ وہ اس کے آگے آگے باورچی خانے کی طرف چلی اور دروازے پر پہنچ کر رک گئی۔ علی نے کنجیاں اٹھا لیں اور یہ دیکھ کر کہ ایک کنجی پر پر چپکے ہوئے ہیں' پہچان گیا کہ یہ باورچی خانے کی کنجی ہو گی' سے کھول کر وہاں ترکاری رکھ دی اور نکل ایا۔ اب بلی پھر اس کے آگے آگے چلی اور نعمت خانے کے دروازے کا رخ کیا۔ علی نے دیکھا کہ وہ نعمت خانہ ہے اور کنجیاں اٹھا لیں' دیکھا کہ ایک کنجی پر چربی کے دھبے ہیں' سمجھ گیا کہ یہ نعمت خانے کی کنجی ہو گی' اسے کھولا۔ غلاموں نے دلیلہ کے پاس جا کر کہا کہ اگر وہ اجنبی ہوتا تو اسے کیا معلوم ہوتا کہ باورچی خانہ اور نعمت خانہ کہاں ہے' نہ وہ کنجیوں میں سے ہر جگہ کی کنجی پہچان سکتا۔ وہ ضرور ہمارا چچیرا بھائی سعد اللہ ہے۔ دلیلہ نے کہا کہ ان باتوں کا پتہ اسے بلی سے چلا اور کنجیوں کو اس نے قرینے سے پہچانا۔ میں ایسی باتوں کے پھندوں میں نہیں آتی۔ اب علی باورچی خانے میں گیا' دیکھا کہ اس کے گھر میں تمام کپڑے لٹکے ہوئے ہیں۔ وہاں سے آ کر اس نے دلیلہ کے لئے دستر خوان بچھایا' اسکے بعد غلاموں اور کتوں کو کھانا کھلایا۔ شام کے وقت بھی اس نے یہی کیا۔ سرائے کا دروازہ صبح اور شام سورج کے ساتھ کھلتا اور بند ہوتا تھا' لہٰذا علی نے کھڑے ہو کر آواز دی کہ اے مسافرو! غلام پہرے کے لئے کھڑے ہو گئے ہیں اور ہم نے کتے کھول دیے ہیں۔ اگر کوئی شخص

باہر جانا چاہے تو اپنی جان اور مال کا خود ذمے دار ہے کسی اور کو الزام نہ دے۔ علی نے کتوں کو رات کا کھانا دے دیا اور اس میں زہر ملا دیا۔ جسے کھاتے ہی کتے مر گئے اور تمام غلاموں دلیلہ اور اس کی بیٹی زینب کو بھنگ کھلا دی۔ اس کے بعد اس نے سارے کپڑے سمیٹے' پیغام بر کبوتر لئے اور سرائے کھول کر نکل گیا اور اپنے گھر پہنچا۔ حسن شومان نے اسے دیکھ کر کہا کیا کر آیا؟ اس نے سارا ماجرا بیان کیا' حسن شومان نے اس کی بڑی تعریف کی' اٹھ کر اس کے کپڑے اتارے اور ایک بوٹی کو گھول کر اسے نہلایا' وہ پہلے کی طرح گورا چٹا ہو گیا۔ پھر علی غلام کے پاس گیا' اسے اس کے کپڑے پہنائے اور بھنگ کا نشہ توڑا۔ غلام اٹھ کر کنجڑے کی دکان پر گیا اور ترکاری لے کر سرائے لوٹا۔ یہ تھا جو پارا علی مصری کے ساتھ پیش آیا۔
اب چال باز دلیلہ کا ماجرا سنو۔ سرائے کا ایک تاجر اپنے کمرے سے نکل کر علی الصباح اس کے پاس اتر کر جا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ سرائے کا دروازہ کھلا پڑا ہے' غلام بھنگ کے نشے میں اور کتے مرے پڑے ہیں۔ وہ دلیلہ کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ بھی بھنگ کے نشے میں پڑی ہوئی ہے۔ اس کی گردن میں ایک کاغذ لٹک رہا ہے اور سرہانے ایک اسپنج کا ٹکڑا بھنگ کے توڑ میں ڈوبا ہوا رکھا ہے۔ تاجر نے وہ ٹکڑا دلیلہ کے نتھنے میں رکھ دیا۔ وہ ہوش میں آ گئی اور کہنے لگی میں کہاں ہوں؟ تاجر نے کہا میں ابھی اتر کر آیا تھا دیکھا کہ سرائے کا دروازہ کھلا ہوا ہے تو اور غلام سب کے سب بھنگ کے نشے میں اور کتے مرے پڑے ہیں۔ دلیلہ نے وہ کاغذ اتارا' دیکھا اس میں لکھا ہوا ہے کہ کام سوائے علی مصری کے اور کسی کا نہیں۔ اس کے بعد اس نے غلاموں اور زینب کو بھنگ کا توڑ سنگھایا اور بولی میں نے کہا نہ تھا کہ وہ یقیناً علی مصری ہے' پھر وہ غلاموں سے کہنے لگی کہ یہ بات کسی سے کہنا نہیں اور اپنی بیٹی سے کہا میں نے تجھ سے کتنی بار کہا تھا کہ علی اپنا بدلہ لے کر چھوڑے گا۔ یہ اس مکر کا جواب ہے جو تو نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ وہ میرے ساتھ اس کے سوا بھی اور کچھ کر سکتا تھا لیکن اس نے صرف اسی پر بس کی کیونکہ وہ کوئی برائی نہیں چاہتا بلکہ اپنے ہمارے

درمیان محبت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد دلیلہ نے مردوں کا لباس اتر کر عورتوں کا لباس پہنا اور صلح کا رومال گردن میں باندھ کر احمد دنف کے گھر گئی۔ جب علی کپڑے اور پیغام بر کبوتر لے کر گھر میں داخل ہوا تو شومان نے مکان دار کو چالیس کبوتروں کی قیمت دے کر انہیں خرید لیا تا کہ وہ انہیں پکا کر لوگوں کو کھلائے۔ اب جبکہ دلیلہ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو احمد دنف بولا کہ یہ دستک تو دلیلہ کی ہے۔ اے مکان دار، اٹھ اور دروازہ کھول کر اسے اندر آنے دے۔ مکان دار نے جا کر دروازہ کھولا۔ وہ اندر آ گئی۔

اور شہر یار کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چودھویں رات

سات سو چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ دلیلہ اندر آئی تو شومان نے کہا اے منحوس بڑھیا' تو یہاں کیوں آئی ہے؟ تو اور تیرا بھائی ماہی فروش زریق ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ بڑھیا بولی اے سردار' میں گنہگار ہوں' میری گردن تیرے سامنے حاضر ہے لیکن یہ بتا کہ تم میں سے کس شخص نے میرے ساتھ یہ چھل فریب کیا؟ احمد دنف بولا میرے بہترین شاگرد نے۔ بڑھیا نے کہا خدا کے لئے تو اس سے سفارش کر کہ وہ پیغام بر کبوتر مجھے دے دے۔ یہ تیرا میرے اوپر احسان ہو گا۔ حسن شومان نے علی سے کہا خدا تیرا برا کرے! ان کبوتروں کو تو نے کیوں پکایا؟ علی نے کہا میں کیا جانتا تھا کہ ہ پیغام بر کبوتر ہیں۔ احمد نے مکان دار سے کہا پکے ہوئے کبوتر لا' وہ لاے آیا۔ دلیلہ نے ایک بوٹی لے کر چبائی اور کہنے لگی یہ پیغام بر کبوتروں کا گوشت نہیں ہے' میں نے انہیں مشک کی گولیاں کھلائی ہیں اور ان کا گوشت بالکل مشک کی طرح ہو گیا ہے۔ شومان نے دلیلہ سے کہا اگر تو پیغام بر کبوتر واپس لینا چاہتی ہے تو علی مصری کی خواہش پوری کر دے۔ دلیلہ نے پوچھا اس کی کیا خواہش ہے؟ شومان نے جواب دیا' اپنی بیٹی کو اسے بیاہ دے۔ دلیلہ نے کہا میں ہر حالت میں زینب کی بھلائی چاہتی ہوں۔ اس پر حسن نے مصری سے کہا کبوتر اسے دے دے اور اس نے دے دیئے۔ بڑھیا بہت خوش ہوئی۔ شومان نے کہا ہمیں ٹھیک ٹھیک جواب لا کر دے۔ دلیلہ نے کہا اگر زینب سے شادی کرنا چاہتا ہے تو یہ چال جو وہ ہمارے ساتھ چلا' کوئی استادی نہیں۔ استادی تو جب ہے کہ وہ زینب کو اس کے ماموں سردار زریق سے طلب کرے جو اس کا سرپرست ہے اور جو آواز لگاتا ہے کہ چلو ٹکے سیر مچھلی۔ زریق نے اپنی دکان میں ایک تھیلی لٹکا رکھی تھی جس میں دو ہزار سونے کے دینار تھے۔ یہ سن کر سپاہی چلا اٹھے کہ اے عورت' تو کیا بک رہی ہے؟

تو چاہتی ہے کہ ہمارا بھائی علی مصری جان سے مارا جائے۔
اب دلیلہ وہاں سے روانہ ہوئی اور سرائے پہنچی اور اپنی بیٹی سے کہنے لگی' علی مصری

چاہتا ہے کہ تجھے اس سے بیاہ دوں۔ وہ خوش ہو گئی کیونکہ اسے یہ بات بہت پسند آئی تھی کہ علی نے اس کی آبرو نہیں لی۔ اس نے ماں سے ساری باتیں تفصیل کے ساتھ پوچھیں۔ ماں نے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا میں نے اس سے یہ شرط کی ہے کہ وہ تیرے نکاح کا پیغام تیرے ماموں کے ذریعے سے بھیجے اور اس چال سے میں اسے مارنے کا سامان کر آئی ہوں۔ ادھر علی مصری نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ زریق کا کیا قصہ ہے اور وہ کون ہے؟ انہوں نے کہا وہ کل عراق کے لچوں کا سرغنہ ہے' پہاڑ میں نقب لگاتا ہے اور آسمان کے تارے توڑ لاتا ہے۔ آنکھوں میں سے سرمہ چرا لیتا ہے۔ اس فن میں اس کا جواب نہیں۔ لیکن وہ ان باتوں سے اب توبہ کر چکا ہے' مچھلیوں کی کان کھول رکھی ہے' مچھلیاں بیچ بیچ کر دو ہزار دینار بچائے ہیں۔ انہیں ایک تھیلی میں رکھ کر اس میں ریشم کی ڈوریاں باندھی ہیں اور ڈوری میں پیتل کی گھنٹیاں اور گھنگرو باندھ کر اسے دکان کے دروازے کے اندر تھیلی کے قریب ایک کھونٹی پر لٹکا دیا ہے۔ جب وہ دکان کھولتا ہے تو آواز لگاتا ہے کہ کہاں ہو تم اے مصر کے ٹھگو' عراق کے اٹھائی گیرو اور عرب کی سرزمین کے اچکو' ماہی فروش زریق نے تھیلی کو دکان کے باہر لٹکا دیا ہے۔ جو کوئی اپنی کارستانی دکھا کر اسے لے جائے' وہ اس کی ملکیت ہے۔ یہ سن کر اچکے لالچی آتے اور اسے لینا چاہتے ہیں' مگر لے نہیں سکتے کیونکہ جب وہ آگ جلاتا یا مچھلیاں تلتا ہے تو اپنے پاس رانگ کے گولے رکھ لیا ہے۔ اگر کوئی لالچ کا مارا آ جاتا ہے کہ اسے دھوکہ دے کر تھیلی اڑا لے تو وہ اس کی طرف رانگ کا گولہ پھینکتا ہے جس سے وہ شخص مر جاتا ہے یا کم از کم زخمی ہو جاتا ہے۔ اے علی' اگر تو وہاں جائے تو تیری مثال ایسی ہی ہو گی کہ کوئی شخص جنازے کو ٹٹولے اور یہ نہ معلوم ہو کہ میت کس کی ہے۔ وہ تیرے بس کا

نہیں۔ وہ اپنے آپ سے زیادہ تیری طرف سے خبر دار ہے۔ تو زینب کی شادی کا خیال دل سے نکال دے۔ جو شخص کسی چیز سے دست کش ہو جاتا ہے تو اس کے بغیر بھی زندہ رہتا ہی ہے۔ علی نے کہا اے لوگو! یہ میرے لئے شرم کی بات ہے' میں تو تھیلی لے کر ہی چھوڑوں گا' تم ذرا میرے لئے لڑکیوں کا لباس لے آؤ۔

لوگ اس کے لئے لڑکیوں کا لباس لے آئے۔ اس نے اسے پہن کر ہاتھ میں مہندی لگائی' چہرے پر نقاب ڈالی اور ایک بکری کا بچہ لے کر اسے ذبح کیا۔ اس کا خون جمع کر لیا' آنتیں نکال کر انہیں صاف کیا' ان میں خون بھرا اور ناف کے نیچے رکھ کر رانوں سے باندھ لیا۔ اوپر سے کپڑے اور جوتے پہن لئے اور چڑیوں کے پوٹے لے کر ان کی پستانیں بنائیں۔ ان میں دودھ بھر لیا اور اپنے پیٹ سے کپڑے باندھ کر ان کے اندر روئی رکھ کر موٹا کر لیا اور ایک کلف دار پٹی باندھ لی جو کوئی اسے دیکھتا "کہتا کہ کیسے خوبصورت کولہے ہیں! اتنے میں اسے ایک گدھے والا ملا' اس نے اسے ایک دینار دیا اور گدھے پر سوار ہو کر ماہی فروز زریق کی دکان کی طرف روانہ ہو گیا' دیکھا کہ تھیلی لٹک رہی ہے اور سونے کا رنگ اس میں سے جھلک رہا ہے۔ اس وقت زریق مچھلیاں تل رہا تھا۔ علی نے کہا' گدھے والے! یہ خوشبو کس چیز کی آ رہی ہے؟ وہ بولا زریق کی مچھلیوں کی۔ علی نے کہا' میں حاملہ عورت ہوں۔ یہ خوشبو سونگھ کر میرا جی بھر بھرا اٹھا ہے' جا اور اس سے ایک ٹکڑا مچھلی کا لے آ۔ گدھے والے نے زریق سے کہا کیا تو سویرا ہوتے ہی مچھلیوں کی خوشبو عورتوں کو سنگھانے لگتا ہے؟ میرے ساتھ امیر حسن شرالطریق کی بیوی ہے۔ اس کی ناک میں خوشبو پہنچی اور وہ حاملہ ہے' لا اس کے لئے ایک ٹکڑا مچھلی کا دے کیونکہ بچہ اس کے پیٹ میں کلبلا رہا ہے۔ زریق نے ایک ٹکڑا مچھلی کا تلنے کے لئے اٹھایا لیکن آگ بجھ چکی تھی۔ اس لئے وہ آگ جلانے اندر گیا' اتنے میں مصری نے ذرا آنتوں کا دبایا' وہ پھٹ گئیں اس کے پاؤں کے بیچ میں خون بہنے لگا وہ وہ چلانے لگا ہائے میرا پہلو! ہائے میری پیٹھ! گدھے والے نے پھر کر دیکھا کہ خون بہہ رہا ہے۔ وہ کہنے لگا' اے میری آقا! خیریت تو ہے۔

علی عورتوں کا بھیس تو بنائے ہی ہوا تھا کہنے لگا مجھے اسقاط ہو گیا۔ زریق نے دیکھا کہ خون جاری تھا تو وہ ڈر کر دکان کے اندر بھاگا۔ گدھے والے نے کہا اے زریق' خدا تیرا برا کرے! لڑکی کو اسقاط ہو گیا اور تو اس کے شوہر کے آگے بچ ہے۔ صبح ہی صبح تیرے ہاں سے مچھلیوں کی خوشبو مہکتی ہے اور جب میں نے کہا کہ لڑکی کے لئے ایک ٹکڑا مچھلی لے آ تو تو نہ لایا۔

گدھے والا تو اپنا گدھا لے کر چلتا بنا اور زریق جونہی دکان پر کے اندر بھاگا علی مصری نے اپنا ہاتھ تھیلی کی طرف بڑھایا لیکن اس نے تھیلی کو چھوا ہی تھا کہ اشرفیاں کھنکھنے لگیں۔ گھنٹیاں اور گھنگرو بجنے لگے۔ زریق بولا اے اچکے' تیری چال کھل گئی تو لڑکی بن کر مجھے ٹھگنے آیا ہے۔ اچھا اب سزا بھی بھگتتا جا۔ یہ کہہ کر اس نے رانگ کر گولا علی کو پھینک مارا' مگر وہ بچ گیا اور گولا کسی دوسرے کے جا لگا۔ لوگ اس کے اوپر چڑھ آئے اور کہنے لگے تو دکان دار ہے یا مارتے خاں؟ اگر تو دکان دار ہے تو تھیلی اتار دے تا کہ لوگ تجھ سے نجات پائیں۔ زریق نے کہا بسم اللہ' سر آنکھوں سے۔

علی گھر پہنچا تو شومان نے کہا تو نے کیا کیا؟ اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا اس کے بعد اس نے عورتوں کے کپڑے اتار کر شومان سے کہا میرے لئے سیسوں کے کپڑے لا۔ وہ لے آیا' علی نے انہیں پہن لیا اور ایک پیالہ اور پانچ درہم لے کر ماہی فروز زریق کی دکان پر پہنچا۔ زریق نے کہا' استاد کیا چاہتا ہے؟ اس نے پانچ دہم ہاتھ پر رکھ کر دکھائے اور زریق اسے سینی پر سے مچھلیاں اٹھا کر دینے لگا۔ وہ بولا کہ میں تو گرم گرم مچھلیاں لو گا۔ زریق نے مچھلیاں کڑاہی میں ڈالیں' آگ بجھ چکی تھی۔ ' وہ دہکانے اندر گیا' علی مصری نے تھیلی کی طرف ہاتھ بڑھایا' گھنگرو اور گھنٹیاں بجنے لیگیں۔

زریق نے کہ اکہ سیس کے بھیس میں بھی تیری چال مجھ پر نہ چل سکی۔ تیرے دام اور پیالے کے پکڑنے کے انداز سے ہی میں تجھے پہچان گیا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو پندرہویں رات

سات سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ زریق نے کہا کہ میں دام اور پیالہ تھامنے کے انداز سے تاڑ گیا تھا کہ تو ہی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے رانگ کا گولا مصری کی طرف پھینکا۔ اب کے بھی اس نے زد خالی دی۔ رانگ کا گولا ایک ہانڈی میں جا پڑا۔ جس کے اندر گرم گرم قورمہ تھا' وہ ٹوٹ گئی اور اس کا شوربا ایک قاضی کے سر پر جا گرا جو ادھر اسے گزر رہا تھا اور اس کے سینے پر بہتا ہوا شرم گاہ تک جا پہنچا۔ قاضی کہنے لگا اے میری شرم گاہ! تو کس مصیبت میں مبتلا ہو گئی! اے بدبخت' یہ کارستانی تیرے ساتھ کس نے کی؟ لوگوں نے کہا اے ہمارے مولا' ایک بچے نے پتھر پھینکا تھا وہ آ کر ہانڈی کے لگا' خدا کا شکر ہے کہ زیادہ مصیبت نہ آئی۔ لیکن جب لوگوں نے پھر کر دیکھا تو وہ رانگ کا گولا تھا اور ماہی فروش زریق نے پھینکا تھا۔ لوگ پھر اس کے سر ہو گئے اور کہنے لگے اے زریق! اس کی جازت خدا نے نہیں دی ہے' یہ تھیلی اتار ڈال' اسی میں تیری بھلائی ہے۔ اس نے جواب دیا' خدا نے چاہا تو میں اسے اتار دوں گا۔ اب علی مصری گھر جا کر لوگوں سے ملا' انہوں نے پوچھا کہ تھیلی کہاں ہے؟ اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ وہ بولے کہ تیری دو تہائی استادی تو بے کار گئی۔ علی نے اپنے کپڑے اتار کر تاجروں کا بھیس بدلا اور نکل کھڑا ہوا۔ راہ میں اسے ایک سپیرا دکھائی دیا جس کے پاس ایک تھیلے میں سانپ تھے اور ایک جھولی میں ضرورت کی چیزیں' اس سے کہا میں چاہتا ہوں کہ تو میرے بچوں کو کھیل دکھا' میں تجھے انعام دوں گا۔ گھر لا کر علی نے اسے کھانا کھلایا۔ بھنگ پلا کر اس کے کپڑے اتار لئے اور انہیں خود پہن کر ماہی فروش زریق کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر بین بجانے لگا۔ زریق نے کہا خدا تجھے بہت دے! مگر اس نے سانپ نکال کر زریق آگے ڈال دیئے۔ زریق سانپوں سے بہت ڈرتا تھا۔ وہ انہیں دیکھ کر دکان کے

اندر بھاگا۔ علی نے سانپوں کو اٹھا کر تھیلے میں ڈال لیا اور تھیلی کی طرف ہاتھ بڑھایا' ایک روز وہ اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ حلقے' گھنٹیاں اور گھنگرو بجنے لگے۔ زریق نے کہا' میرے ساتھ چالبازی کرتے کرتے اب سپیرا بن کر آیا ہے' یہ کہہ کر اس نے رانگ کا گولا پھینکا' اس وقت ایک سپاہی ادھر سے گزر رہا تھا جس کے پیچھے پیچھے اس کا سیس تھا۔ ڈھیلا سیس کے سر پر آ لگا اور وہ گر پڑا۔ سپاہی کہنے لگا' اسے کس نے گرایا ہے' لوگوں نے کہا چھت پر سے ایک پتھر گرا ہے۔ جب سپاہی چلا گیا تو دیکھا کہ یہ تو وہی رانگ کا گولا ہے اور زریق کے پاس جا کر کہا کہ اس تھیلی کو اتار ڈال۔ اس نے کہا کہ خدا نے چاہا تو میں اسے آج رات کو اتار لوں گا۔ علی زریق کے ساتھ چال بازیاں کرتا رہا یہاں تک کہ اس کے سات داؤ خالی گئے اور تھیلی ہاتھ نہ لگی۔

گھر آ کر اس نے سپیرے کے کپڑے اور اس کی چیزیں واپس کر دیں۔ اسے انعام دے کر پھر زریق کی دکان پر یا اسے کہتے سنا کہ اگر میں تھیلی کو آج رات دکان میں چھوڑ گیا تو وہ سیند لگا کر لے جائے گا۔ اس لئے میں اسے گھر لیتا جاؤں گا۔ یہ کہہ زریق نے دکان بند کر دی' تھیلی اتار کر قمیص کے اندر سینے پر رکھ لی اور چل دیا۔ علی اس کے پیچھے ہو لیا۔ جب زریق مکان کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ پڑوس میں خوشی منائی جا رہی ہے۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا گھر جا کر تھیلی اپنی بیوی کے سپرد کر دوں تو کپڑے بدل کر خوشی میں شامل ہوں۔ علی اس کے پیچھے پیچھے لگا ہوا تھا۔ زریق کی بیوی ایک حبشن وزیر' جعفر کی آزاد کردہ کنیز تھی۔ اس کا ایک لڑکا عبد اللہ نام تھا۔ زریق نے اپنی بیوی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بیٹے کے ختنے اور شادی میں اس تھیلی کو خرچ کرے گا۔ زریق تیوری چڑھائے ہوئے اپنی بیوی کے پاس پہنچا۔ بیوی نے پوچھا تیری تیوری کیوں چڑھی ہوئی ہے؟ اس نے جواب دیا خدا نے ایک ٹھگ کو میرے پیچھے لگا دیا ہے جو سات بار اس تھیلی کو لے جانے کی کوشش کر چکا ہے لیکن اب تک اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ بیوی نے کہا میں اسے بیٹے کی شادی کے لئے اٹھا رکھوں۔ زریق نے تھیلی اس کے ہاتھ میں دے دی۔ علی مصری ایک کوٹھڑی میں چھپا ہوا

سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا۔ زریق نے اپنے کپڑے اتارے' دوسرا لباس پہنا اور کہنے لگا عبداللہ کی ماں' میں تو شادی میں جاتا ہوں' تو تھیلی کو حفاظت سے رکھیو۔ بیوی بولی ذرا سو لے۔ وہ سو گیا علی اٹھا اور دبے پاؤں جا کر تھیلی اٹھالی اور اس گھر میں پہنچا جہاں شادی تھی۔ بیٹھ کر سیر دیکھنے لگا۔ زریق نے خواب میں دیکھا کہ ایک چڑھیا تھیلی کو لے گئی ہے۔ سہم کر جاگ پڑا اور عبداللہ کی ماں سے کہنے لگا' اٹھ کر تھیلی ڈھونڈ۔ وہ ڈھونڈ نے لگی۔ اسے نہ ملی۔ منہ پیٹنے اور کہنے لگی۔ اے عبداللہ کی ماں' تو کیسی بد بخت ہے! ٹھگ تھیلی لے کر چلتا ہوا۔ زریق بولا واللہ سوائے علی کے اور کسی نے نہیں لی۔ میں اسے لا کر ہی چھوڑوں گا۔ بیوی نے کہا اگر تو نہ لایا تو میں دروازے میں قفل لگا دوں گی اور تجھے رات بھر باہر سڑک پر پڑا رہنا ہو گا۔

اب زریق شادی میں گیا۔ دیکھا کہ شاطر علی بیٹھا تماشا دیکھ رہا ہے۔ دل میں کہا یہی تھیلی لے اڑا ہے۔ یہاں سے یہ احمد دنف کے گھر جائے گا۔ وہیں چل کر اس سے سلٹنا چاہیے۔ چنانچہ وہ علی سے پہلے وہاں جا پہنچا اور چھت پر چڑھ کر گھر کے اندر اتر گیا۔ دیکھا کہ سب پڑے سوتے ہیں۔ اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ زریق نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا مصری۔ زریق نے کہا تھیلی لے آیا ہے؟ علی سمجھا کہ یہ شومان ہے کہنے لگا ہاں لے آیا ہوں' دروازہ کھول۔ وہ بولا جب تک میں اسے دیکھ نہ لوں دروازہ نہیں کھول سکتا کیونکہ مجھ میں اور تیرے باپ میں شرط لگی ہے۔ علی نے کہا ہاتھ بڑھا دیا۔ زریق نے دروازے کے پیچھے سے ہاتھ بڑھا دیا۔ علی نے اسے تھیلی دے دی۔ زریق جدھر سے آیا تھا۔ اسی طرف سے نکل کر چل دیا اور شادی میں شریک ہو گیا۔ علی دروازے سے کھٹکھٹانا شروع کیا۔ لوگ جاگ اٹھے اور کہنے لگے۔ یہ تو علی مصری کی دستک معلوم ہوتی ہے۔ مکان دار نے دروازہ کھول کر پوچھا۔ تھیلی لایا ہے؟ علی بولا شومان' زیادہ مذاق نہ کر' کیا میں نے دروازے کے پیچھے سے تجھے تھیلی نہیں دی ہے؟ تو نے کہا تھا کہ میں نے قسم کھائی ہے جب تک تو مجھے تھیلی نہ دکھائے

گا' دروازہ نہ کھولوں گا۔ شومان نے کہا خدا کی قسم! میں نے نہیں لی۔ یہ زریق کی چالا کی ہے۔ وہ تجھ سے لے گیا۔ علی نے کہا میں اسے بے لائے نہ چھوڑوں گا۔ اور علی مصری پھر شادی میں جا پہنچا اور مسخرے کو یہ کہتے سنا کہ "شاباش اے عبداللہ کے باپ! تیرے بیٹے کی قسمت زبردست ہے۔ علی اپنے دل میں کہنے لگا اب میری قسمت پھر جاگی اور زریق کے گھر گیا۔ پیچھے کی دیوار پھاند کر اندر جا اترا۔ دیکھا کہ اس کی بیوی سو رہی ہے۔ اسے بھنگ سنگھا دی۔ اس کے کپڑے پہن کر بچے کو گود میں لے لیا۔ ادھر ادھر ڈھونڈ کر ایک ٹوکری لی جس میں عید کی مٹھائی آئی ہو گی جسے زریق نے اٹھا رکھا تھا۔ اتنے میں زریق گھر پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ شاطر علی نے عورت کے انداز سے جواب دیا اور پوچھا دروازے پر کون ہے؟ زریق نے کہا عبداللہ کا باپ۔ علی بولا میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تو تھیلی نہ لائے گا' دروازہ نہ کھولوں گی۔ زریق نے کہا میں تھیلی لے آیا ہوں۔ علی بولا پہلے مجھے دے دے۔ اس نے کہا ٹوکری لٹکا کر لے لے۔ علی نے ٹوکری لٹکا دی اور زریق نے تھیلی اس میں رکھ دی۔ علی نے تھیلی اٹھا لی بچے کو بھنگ سنگھا کر بغل میں مارا اور بیوی کو جگا دیا۔ پھر جدھر سے آیا تھا' نکل گیا۔ گھر پہنچ کر اپنے آدمیوں کو تھیلی اور بچہ دکھایا' سب اس کی تعریف کرنے لگے۔ علی نے انہیں مٹھائی دی' سب نے کھائی اور شومان سے کہا کہ یہ بچہ زریق کا بیٹا ہے۔ اسے اپنے پاس چھپا رکھ۔ شومان نے اسے چھپا دیا۔ ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اور اسے مسلم پکوا کر اس پر کپڑا لپیٹ دیا اور اسے لاش سا بنا دیا۔

ادھر زریق نے پہلے تو دیر تک انتظار کیا پھر زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ بیوی نے کہا تھیلی لے کر آیا ہے؟ وہ بولا کیا تو نے ابھی ٹوکری لٹکا کر اسے نہیں لیا؟ بیوی نے کہا میں نے ٹوکری لٹکائی نہ تھیلی دیکھی' نہ اسے لیا۔ زریق کہنے لگا۔ واللہ شاطر علی مجھ سے پہلے آ کر اسے لے اڑا اور اندر جا کر دیکھا تو نہ مٹھائی ہے' نہ بچہ۔ وہ ہائے میرا بچہ کہہ کر چلانے لگا۔ بیوی اپنا سینہ پیٹنے اور کہنے لگی میرا اور تیرا انصاف وزیر

کے سامنے ہو گا' میرے بچے کو اسی شاطر نے مارا ہے جو تیرے ساتھ ٹھگی کرتا تھا اور یہ سب تیری کارستانی ہے۔ زریق نے کہا میں اس کا ذمے دار ہوں اور گلے میں صلح کا رومال باندھ کر نکلا۔ احمد دنف کے گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ مکان دار نے دروازہ کھولا۔ زریق اندر گیا۔ شومان نے پوچھا' کیسے آنا ہوا؟ اس نے کہا تم لوگ علی مصری سے سفارش کر دو کہ وہ میرا بیٹا مجھے دے دے۔ میں تھیلی سے ہاتھ دھوتا ہوں۔ شومان بولا اے علی' خدا تیرا بھلا کرا! تو نے مجھ یہ کیوں نہ کہا کہ یہ زریق کا بیٹا ہے۔ زریق نے پوچھا اس کے ساتھ کیا ماجرا ہوا؟ شومان بولا ہم نے اسے منقہ کے دانے کھانے کو دیئے تھے۔ اس کا دم گھٹ گیا اور وہ مر گیا۔ یہ کیا پڑا ہے۔ زریق ہائے میرا بیٹا کہہ کر رونے لگا اور بولا اب میں اس کی ماں کو کیا جواب دوں گا! پھر اس نے اٹھ کر کفن ہٹایا اور مسلم بکری کے بچے کو دیکھ کر کہنے لگا۔ اے علی تو نے تو میرا دم خشک کر دیا تھا۔ اس کے بعد لوگوں نے اس کا بیٹا سے دے دیا۔ احمد دنف نے کہا تو نے شاطروں کے واسطے تھیلی لٹکا رکھی تھی کہ جو اسے لے جائے' اسی کی وہ ملکیت ہے لہٰذا وہ اب علی مصری کی ہو گئی۔ زریق بولا' میں نے تھیلی اسے بخش دی۔ علی نے کہا اپنی بھانجی زینب کے لئے تو اسے قبول کر لے۔ اس نے قبول کیا۔ لوگوں نے کہا ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں تو زینت کی شادی علی مصری سے کر دے۔ اس نے جواب دیا کہ سوائے محبت کے میرا حکم اس پر نہیں چلتا اور اس نے اپنا بیٹا اور تھیلی لے لی۔ شومان نے کہا ہمارا پیغام تجھے منظور ہے؟ اس نے جواب دیا اس شخص کے لئے منظور ہے جو اس کا مہر ادا کر سکے۔ شومان نے پوچھا اس کا مہر کیا ہے؟ اس نے کہا زینب نے قسم کھائی ہے کہ اس کے سینے پر وہی شخص چڑھ سکتا ہے جو یہودی عذرہ کی بیٹی قمر کے کپڑے اور گہنا اس کے لئے لے آئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو سولھویں رات

سات سو سولھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ زریق نے شومان سے کہا' زینب نے قسم کھائی ہے کہ اس کے سینے پر وہی شخص چڑھے گا جو یہودی

عذرہ کی بیٹی قمر کے کپڑے' تاج' پٹی اور چپل لے آئے۔ علی مصری بولا اگر میں اس کے کپڑے وغیرہ آج ہی رات کو نہ لے آیا تو زینب کے پیغام کے قابل نہیں۔ شومان نے کہا اے علی' اگر تو نے قمر پر کوئی چال چلی تو مارا جائے گا۔ علی نے پوچھا کیوں؟ لوگوں نے کہا یہودی عذرہ جادوگر' مکار اور دغاباز ہے' اس کے قبضے میں جنات ہیں' شہر کے باہر اس کا ایک محل ہے جس کی اینٹیں سونے اور چاندی کی ہیں۔ یہ محل صرف اس وقت دکھائی دیتا ہے جب یہودی اس کے اندر ہو جہاں وہ باہر نکلا محل نظروں سے غائب ہوا۔ اس کی بیٹی کا نام قمر ہے جن کپڑوں کا ذکر ہے' انہیں عذرہ کسی طلسمی خزانے سے لایا ہے۔ وہ انہیں سونے کی سینی میں رکھ کر محل کے جھروکے کھول دیتا ہے اور کہتا ہے! کہاں ہیں مصر کے استاد ٹھگ' عراق کے غنڈے اور عجم کے اچکے' جو یہ کپڑے لے جائے وہی ان کا مالک ہے۔ تمام شاطر طرح طرح کی استادیاں دکھا چکے ہیں لیکن اب تک تو وہ کسی کے ہاتھ نہیں آئے بلکہ اس نے الٹا انہیں جادو سے بندر اور گدھا بنا دیا۔ علی بولا' میں ان کپڑوں کو نہیں چھوڑوں گا اور زینب کی منہ دکھائی وہی کپڑے ہوں گے۔ یہ کہہ کر علی مصری یہودی کی دکان کی طرف چل کھڑا ہوا۔ دیکھا وہ ناک بھوں چڑھائے بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے پاس ترازو' بٹے' سونا' چاندی اور کسوٹیاں رکھی ہوئی ہیں اور قریب ہی ایک خچر بندھا ہوا ہے۔ تھوڑی دیر بعد یہودی نے دکان بند کی۔ سونے چاندی کو دو تھیلیوں میں رکھا اور دونوں تھیلیوں کو ایک خرجی میں ڈال کر خچر پر رکھ دیا اور سوار ہو گیا۔ چلتے چلتے شہر کے باہر پہنچا۔ علی اس کے پیچھے پیچھے لگا ہوا تھا۔ یہودی کو اس کی خبر نہ تھی' اب یہودی نے ایک تھیلی میں سے

جو اس کی جیب میں تھی، کچھ مٹی نکالی اور اس پر منتر پڑھ کر ہوا میں اڑا دیا۔ شاطر علی کو ایک محل دکھائی دینے لگا جس کا جواب نہ تھا۔ خچر یہودی کو لئے ہوئے اس کے زینے چڑھ گیا۔ اتنے میں خچر کے پاس ایک جن آیا جو یہودی کے قبضے میں تھا، اس نے خرجی کو خچر پر سے اتار لیا اور خچر نظروں سے غائب ہو گیا۔

یہودی محل میں جا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد علی نے دیکھا کہ یہودی نے سونے کا ایک ڈنڈا منگوایا اور اس میں ایک سونے کی سینی سونے کی زنجیروں سے لٹکا کر کپڑے اس کے اندر رکھ دیئے۔ علی دروازے کے پیچھے سے اسے دیکھ رہا تھا کہ یہودی نے پکار کر کہا، کہاں ہیں مصر کے لچے، عراق کے ٹھگ اور عجم کے اٹھائی گیرے؟ جو کوئی اپنی استادی سے کپڑے لے جائے، وہ ان کا مالک ہے۔ اس کے بعد پھر اس نے منتر پڑھا اور کھانے کا دستر خوان آموجود ہوا، وہ کھا چکا تو دستر خوان خود بخود اٹھ گیا۔ دوبارہ منتر پڑھا، شراب کی کشتی آ گئی اور اس نے شراب پی۔ علی نے دل میں کہا بس اسی نشے کی حالت میں وہ کپڑے کھو بیٹھے گا اور اس کے پیچھے سے آ کر فولادی تلوار کھینچ لی۔ یہودی نے اس طرف کچھ پڑھ کر کہا اے ہاتھ مع تلوارے کے رک جا اور وہ تلوار لئے ہوئے ہاتھ ہوا میں رک گیا۔ پھر علی نے اپنا بایاں ہاتھ بڑھایا وہ بھی تھم ہو کر رہ گیا۔ یہی کیفیت اس کے دہنے پاؤں کی ہوئی اب وہ محض ایک پاؤں پر کھڑا تھا۔ اس کے بعد یہودی نے جادو اتار لیا اور وہ پہلے جیسا ہو گیا۔ یہودی نے رمل کھینچ کر معلوم کیا کہ اس کا نام پارا علی مصری ہے۔ اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا آ تو کون ہے اور کیوں آیا ہے؟ اس نے جواب دیا میں احمد دنف کا شاگرد علی مصری ہوں۔ میں نے دلیل محتالہ کی بیٹی زینب کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔ لڑکی والے مہر میں تیری بیٹی کے کپڑے مانگتے ہیں اس لئے اگر تو اپنی سلامتی چاہتا ہے تو مجھے کپڑے دے دے اور مسلمان ہو جا۔ یہودی بولا تیرے مرنے کے بعد۔ بہت لوگوں نے کپڑے لینے کی خاطر طرح طرح کی چالیں چلیں لیکن وہ مجھ سے کپڑے نہ لے سکے۔ اگر

تو میری نصیحت مانے تو اپنی کان لے کر بھاگ جا۔ وہ لوگ کپڑے محض اس لئے مانگتے ہیں کہ تو مارا جائے۔ اور میں یہ نہ دیکھ چکا ہوتا کہ تیری تقدیر' میری تقدیر پر غالب ہے تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ علی کو بڑی خوشی ہوئی کہ اس کی تقدیر' یہودی کی تقدیر پر غالب ہے اور وہ کہنے لگا میں تو کپڑے لے کر اور تجھے مسلمان بنا کر ہی چھوڑو گا۔ یہودی نے کہا کیا یہی اور بس یہی آرزو ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔
یہودی نے ایک پیالہ لیا اس میں پانی بھرا' کوئی منتر پڑھ کر کہنے لگا کہ دمیوں کی صورت سے گدھے کی صورت میں ہو جا اور ہو پانی اس پر چھڑک دیا۔ وہ واقعی کھروں اور لمبے کانوں والا گدھا ہو گیا اور گدھے کی طرح رینکنے لگا۔ پھر یہودی نے اس کے آس پاک ایک کنڈلی کھینچ دی جو چار دیواری کا کام دینے لگی۔ اور خود بیٹھ کر صبح تک شراب پیا کیا۔ صبح ہوئی تو کہنے لگا آج میں تجھ پر ہی سوار ہوں گا اور خچر کو ستانے دوں گا۔ یہ کہہ کر یہودی نے کپڑے مع سینی' ڈنڈے اور زنجیروں کے تہہ خانے میں بند کر دیئے' باہر آ کر گدھے پر کوئی افسوں پھونکا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ یہودی نے اس کے اوپر خرجی رکھی اور سوار ہو گیا' محل کی عمارت آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ یہودی سوار ہو کر اپنی دکان پر پہنچا اور چاندی سونے کی دونوں تھیلیاں اس الماری میں رکھ دیں جو اس کے آگے تھی۔ علی گدھے میں شکل میں بندھا کھڑا تھا لیکن وہ سن اور سمجھ سکتا تھا اگرچہ بول نہ سکتا تھا۔ اتنے میں ایک سوداگر زادہ وہاں آیا جو زمانے کا مارا ہوا تھا اور جس کے لئے سوائے سقہ گری کے اور کوئی پیشہ باقی نہ رہا تھا۔ وہ اپنی بیوی کا گہنا لے کر یہودی کے پاس آیا تھا کہنے لگا کہ اس گہنے کے دام مجھے دے دے کہ میں ایک گدھا خریدوں۔ یہودی نے پوچھا اسے کس چیز کے لادنے کام میں لائے گا؟ سوداگر زادے نے کہا استاد میں اس پر دریا کا پانی لایا کروں گا تا کہ اسے بیچ کر اپنا گزارہ کروں۔ یہودی بولا' یہ میرا گدھا لے جا۔ سوداگر زادے نے گہنا اس کے ہاتھ بیچنا منظور کر لیا۔ یہودی نے داموں کا ایک حصہ گدھے کی قیمت میں ادا کر ہاتھ بیچنا منظور کیا۔ یہودی نے داموں کا ایک حصہ گدھے کی قمیت میں ادا کر دیا

اور باقی اسے نقد دے دیا۔ سوداگر زادہ‘ علی مصری کو لے کر جو جادو کے زور سے گدھا بنا ہوا تھا‘ چھر چل دیا۔ علی اپنے دل میں کہنے لگا اگر گدھے والے نے تیرے اوپر کاٹھی اور مشک رکھی اور روز دس چکر لگائے تو آرام درکنار تو مر جائے گا۔ گھر پہنچ کر سقے کی بیوی اس کے آگے چارا ڈالنے کے لئے آئی۔ اس نے زور سے ٹکر ماری کہ وہ چت گر پڑی۔ گدھا اس کے اوپر چڑھ بیٹھا۔ اپنی تھوتھنی اس کے سر پر رگڑ نے لگا۔ وہ عضو لٹکا دیا جو اسے باپ سے ملا تھا۔ عورت چلانے لگی۔ پڑسیوں نے آ کر اسے مارا اور عورت کے سینے سے اتارا۔ اتنے میں اس کا شوہر آ گیا جو پانی بھرنے کے لئے جانے والا تھا۔ بیوی نے کہا یا تو تو مجھے طلاق دے دے یا اس گدھے کو اس کے مالک کے پاس واپس کر آ۔ شوہر نے پوچھا کیا بات پیش آئی؟ بیوی نے کہا یہ گدھے کی صورت میں شیطان ہے‘ وہ میرے اوپر چڑھ بیٹھا۔ اگر پڑوسی نہ آ گئے ہوتے اور اسے میرے سینے پر سے نہ ہٹایا ہوتا تو وہ میرے ساتھ بری حرکت کر چکا ہوتا۔ شوہر گدھے کو لے کر یہودی کے پاس گیا۔ یہودی نے پوچھا تو گدھے کو کیوں واپس کرنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ اس نے میری بیوی کے ساتھ بری حرکت کی ہے۔ یہودی نے اس کا دام لوٹا دیئے اور وہ چلا گیا۔ اس کے بعد اس نے علی سے کہا‘ اے بدبخت تو نے اس کے ساتھ ایسی دھوکے بازی کی کہ وہ تجھے واپس دے گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو سترہویں رات

سات سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- یہودی نے کہا' تو نے اس کے ساتھ ایسی دھوکہ بازی کی کہ وہ تجھے واپس دے گیا۔ لیکن چونکہ تو گدھا رہنا پسند کرتا ہے اس لئے میں تیری وہ گت بناؤں گا کہ سب چھوٹے بڑے ہنسیں گے۔ یہ کہہ کر یہودی اس پر سوار ہو کر شہر کے باہر چل دیا اور خاک کی چٹکی لیکر اس پر کچھ پڑھا اور ہوا میں اڑا دیا۔ محل دکھائی دینے لگا۔ یہودی نے اوپر جا کر گدھے پر سے خرجی اتاری اور مال کی دونوں تھیلیاں لے کر ڈنڈا نکالا اور کپڑوں کو سینی میں رکھ کر اس ڈنڈے پر لٹکا دیا اور روز کی طرح پکار کر کہنے لگا کہاں ہیں تمام ملکوں کے اٹھائی گیرے؟ کس کی ہمت ہے کہ ان کپڑوں کو لے جائے؟ پھر اس نے پہلے دن کی طرح منتر پڑھا اور دستر خوان اس کے سامنے حاضر ہو گیا' پھر دوبارہ کچھ پڑھا' شراب آ پہنچی اور وہ پی کر مست ہو گیا۔ پھر اس نے ایک پیالہ لیا اور اس پر کچھ دم کر کے گدھے پر چھڑک دیا اور کہا اس شکل سے پھر پہلی شکل میں آ جا۔ وہ پہلے کی طرح انسان ہو گیا۔ یہودی نے کہا اے علی' نصیحت مان لے اور میرے شر سے بچ۔ زینب سے شادی کرنے کی تجھے کوئی ضرورت نہیں' نہ میری بیٹی کے کپڑے لینے کی کیونکہ یہ تیرے لئے آسان نہیں۔ لالچ چھوڑ دینا تیرے لئے بہتر ہے ورنہ میں تجھے جادو سے ریچھ یا بندر بنا دوں گا اور ایک جن کو تیرے اوپر مقرر کروں گا وہ تجھے کوہ قاف پھینک آئے۔ علی نے کہا اے عذرہ! میں نے تو کپڑے لینے کی قسم کھائی ہے' انہیں لے کر چھوڑوں گا اور تو مسلمان ہو جا' ورنہ میں تجھے مار ڈالو گا۔ یہودی بولا اے علی تو مثل اخروٹ کے ہے جو بغیر توڑے کھایا جا سکتا اور ایک پیالے میں پانی لے کر اس پر کچھ پڑھا اور علی پر چھڑک دیا اور کہا ریچھ ہو جا' وہ فوراً ریچھ ہو گیا۔ پھر اس نے اس کے گلے میں طوق ڈالا' اس کا منہ باندھا اور اور لوہے کی ایک کھونٹی

گاڑ کر اسے باندھ دیا اور خود کھانا کھانے اور ایک اک دو دو نوالے اسے بھی کھلانے لگا۔ پھر پیالے کا بچا کچھا پانی اس پر انڈیل دیا۔

صبح ہوئی تو یہودی اٹھ کر بینی مع کپڑوں کے اتار لی اور ریچھ کو اپنے پیچھے پیچھے دکان لے چلا۔ علی سب کچھ سن سکتا تھا' سمجھ سکتا تھا' مگر بول نہ سکتا تھا۔ اتنے میں یہودی کی دکان پر ایک تاجر آیا اور کہنے لگا' استاد کیا تو یہ ریچھ میرے ہاتھ بیچے گا؟ میری ایک بیوی ہے جو میری چچیری بہن ہے۔ اس کے لئے یہ تجویز کیا گیا ہے وہ ریچھ کا گوشت کھائے اور اس کی چربی بدن پر ملے۔ یہودی خوش ہو گیا اور اپنے دل میں سوچا کہ میں اسے ضرور بیچ ڈالوں گا تا کہ یہ ذبح ہو جائے اور میرا اس سے پیچھا چھوٹے۔ علی اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا ہی مجھے بچائے تو تو بچائے! یہ شخص تو مجھے ذبح کرنے پر تلا ہوا ہے۔ یہودی نے تاجر سے کہا میں تجھے یہ ریچھ مفت دیتا ہوں۔ تاجر اسے لے کر قصاب کے پاس گیا اور بولا اپنے چھرے لے کر میرے ساتھ چل۔ قصاب چھرے لے کر اس کے ساتھ ہو لیا اور ریچھ کو باندھ کر ذبح کرنے کے لئے چھرا تیز کرنے لگا۔ علی مصری قصاب کو اپنی طرف آتا دیکھ کر بھاگا اور ہوا میں اڑنے لگا۔

اڑتے اڑتے محل پر یہودی کے پاس جا اترا۔ یہ اس طرح پیش آیا کہ جب یہودی ریچھ کو تاجر کے حوالے کر کے گھر گیا تو اس کی بیٹی نے پوچھا کہ کیا گزری؟ یہودی نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ لڑکی نے کہا کہ کسی جن کو بلا تا کہ میں اس سے پوچھوں کہ آیا جو شخص اچکے پن پر تلا بیٹھا ہے' یہی علی مصری ہے یا کوئی اور شخص۔ یہودی نے جادو کیا' جن آیا تو اس سے پوچھا بتا یہی علی مصری ہے یا کوئی اور شخص جو اچکا پن کرنا چاہتا ہے؟ جن جا کر اسے اٹھا لایا اور کہنے لگا یہی علی مصری ہے' قصاب اس کی ٹانگیں باندھ کر چھرا تیز کر رہا تھا اور چاہتا تھا کہ ذبح کرے جو میں اٹھا لایا۔ یہودی نے پانی کا ایک پیالہ لیا اور کچھ پڑھ کر تھوڑا سا ریچھ پر چھڑک دیا اور کہنے لگا پھر اپنی انسانی صورت اختیار کر لے اور وہ پہلے کی طرح انسان ہو گیا۔

یہودی کی بیٹی قمر نے جو ولی کو خوش روجوان دیکھا تو اس پر عاشق ہو گئی' علی بھی اس

سے محبت کرنے لگا۔ قمر نے کہا اے بد بخت! تو میرے کپڑوں کے پیچھے کیوں پڑا ہے جو میرے باپ نے تیری یہ گت بنا رکھی ہے؟ علی بولا میں نے قسم کھائی ہے کہ میں انہیں لے جاؤں تا کہ فریبی زینب کے ساتھ میرا بیاہ ہو جائے۔ قمر بولی کہ اوروں نے بھی میرے باپ کے ساتھ بڑی بڑی چالیں چلی ہیں تا کہ میرے کپڑے لے جائیں لیکن ناکام رہے۔ لالچ چھوڑ دے۔ علی نے کہا میں تو انہیں لے کر چھوڑوں گا اور اگر تیرا باپ مسلمان نہ ہوا تو اسے مار ڈالوں گا۔ قمر کے باپ نے کہا اس کم بخت کو دیکھ جو خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد اس نے علی سے کہا کہ اب میں جادو سے تجھے کتا بنا دوں گا اور ایک پیالہ لے کر جس پر طلسمات کندہ تھے اور جس میں پانی بھرا ہوا تھا' کچھ پڑھا اور تھوڑا سا پانی اس پر چھڑک دیا اور کہنے لگا کہ کتا بن جا' وہ کتا بن گیا۔ یہودی اور اس کی بیٹی صبح تک شراب پیتے رہے۔ پھر اٹھ کر سینی اور کپڑے اتار لئے اور خچر سوار ہو کرتے پر جادو کیا' وہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ کتے راہ میں اس پر بھونکتے یہاں تک کہ وہ ایک کباڑیے کی دکان پر پہنچا۔ کباڑیے نے اٹھ کر کتوں کو اس کے پاس سے بھگایا اور وہیں اس کے پاس لیٹ کر سو گیا۔ یہودی نے جب پھر کر دیکھا تو اسے نہ پایا۔ ادھر کباڑیے نے اٹھ کر دکان بند کر اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ کتا اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ جب کباڑیا اپنے گھر پہنچا اور اس کی بیٹی کی نظر کتے پر پڑی تو اس نے اپنا منہ ڈھانک لیا اور باپ سے کہنے لگی کہ ابا تو غیر مردوں کو اپنے ساتھ لئے گھر میں چلا آتا ہے؟ اس نے کہا بیٹی' یہ کتا ہے بیٹی بولی یہ علی مصری ہے' یہودی نے اس پر جادو کیا ہے۔ کباڑیے نے اس کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کیا تو سچ مچ علی مصری ہے؟ اس نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں۔ کباڑیے نے بیٹی سے پوچھا' یہودی نے اس پر کیوں جادو کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اپنی بیٹی قمر کے کپڑوں کی وجہ سے میں اس کا جادو توڑ سکتی ہوں۔ کباڑیے نے کہا اگر اس میں کوئی بھلائی ہو تو فوراً توڑ دے۔ لڑکی

نے کہا اگر وہ میرے ساتھ شادی کرنا منظور کرے تو میں اسے چھڑا دوں گی۔ علی نے سر کے اشارے سے کہا' ہاں لڑکی نے ایک نقی پیالہ لیا اور منتر پڑھنے لگی۔
اتنے میں کسی کے چیخنے کی سی آواز آئی اور پیالہ اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ پھر دیکھا تو اس کے باپ کی کنیز تھی۔ جس نے چیخ ماری تھی۔ وہ کہنے لگی اے میری آقا! کیا میرے تیرے درمیان یہی عہد و پیمان تھا؟ یہ فن میں نے ہی تجھے سکھایا ہے اور تونے وعدہ کیا تھا کہ بغیر میرے مشورے کے کوئی بات نہ کرے گی اور یہ کیا جو تیرے ساتھ شادی کرے گا' میرے ساتھ بھی کرے گا۔ ایک رات وہ میرے ساتھ سوئے گا اور ایک رات وہ تیرے ساتھ۔ لڑکی نے کہا' ٹھیک ہے۔ کنیز کی یہ باتیں سن کر کباڑیے نے کہا بیٹی اور اس کنیز کو کس نے سکھایا ہے؟ بیٹی نے کہا ابا' اس نے تو مجھے سکھایا ہے اور اسے کس نے سکھایا ہے' یہ میں اس سے پوچھ کر بتاؤں گی۔ اس نے کنیز سے پوچھا تو اس نے کہا اے میرے آقا سن' جب میں عذرہ یہودی کے پاس تھی تو جب کبھی وہ جادو پڑھا کرتا' میں چھپ کر سنا کرتی۔ وہ دکان جاتا تو میں کتابیں کھول کر پڑھتی یہاں تک کہ میں جادو میں ماہر ہو گئی۔ ایک دن یہودی نشے کی حالت میں مجھ سے ہم بستری کا خواہش مند ہوا۔ میں نے انکار کیا اور کہا کہ تو مسلمان ہو جا۔ اس نے انکار کیا۔ میں نے کہا اچھا مجھے سلطانی بازر لے چل۔ وہاں اس نے مجھے تیرے ہاتھ بیچا اور میں نے تیرے ہاں آ کر تیری بیٹی کو جادو سکھایا اور اس سے یہ شرط کی کہ وہ بغیر میرے مشورے کے جادو نہ کرے اور جو اس سے شادی کرے' مجھ سے بھی کرے۔ ایک رات میرے ساتھ سوئے اور ایک رات اس کے ساتھ۔ اب کنیز نے ایک پیالہ پانی لے کر اس پر کچھ پڑھا اور تھوڑا سا کتے کے اوپر چھڑک دیا اور کہنے لگی' اپنی انسانی صورت اختیار کر لے۔ وہ پہلے کی طرح انسان ہو گیا۔ کباڑیے نے اسے سلام کیا اور اس کے جادو کا سبب پوچھا۔ اس نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• سات سو اٹھارہویں رات

سات سو اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب علی آپ بیتی کہہ چکا تو کباڑیے نے پوچھا تو میری بیٹی اور کنیز پر اکتفا کرے گا۔ اس نے جواب دیا' میں زینب کو ضرور لوں گا۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔ کنیز نے دریافت کیا کون ہے؟ جواب آیا یہودی کی بیٹی قمر' کیا علی مصری تمہارے ہاں ہے؟ کباڑیے کی بیٹی نے کہا اے یہودی کی بچی' ہے تو یہیں' تو کیا کرے گی؟ اے کنیز' جا کر دروازہ کھول دے۔ کنیز نے دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر آ گئی۔ جب اس کی نظر علی پر پڑی اور علی کی اس پر تو وہ کہنے لگا اے کتے کی بچی! تو یہاں کیوں آئی ہے؟ اس نے کہا میں اقرار کرتی ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور اقرار کرتی ہں کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ سلم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ وہ مسلمان ہو گئی اور پوچھا کہ اسلام کے دین میں مرد عورتیں کو مہر دیتے ہیں یا عورتیں مردوں کو۔ علی نے جواب دیا مرد عورتوں کو۔ قمر نے کہا مگر میں اپنی طرف تجھے مہر دیتی ہوں اور وہ میرے کپڑے' ڈنڈا' زنجیریں اور میرے باپ کا سر ہے جو تیرا اور خدا کا دشمن تھا۔ باپ کو قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب اس نے علی کو جادو کے زور سے کتا بنا دیا تو قمر نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اس سے کہہ رہا ہے کہ مسلمان ہو جا اور وہ مسلمان ہو گئی۔ آنکھ کھلی تو اس نے اپنے باپ کے سامنے اسلام پیش کیا۔ وہ نہ مانا اور لڑکی نے اسے بھنگ پلا کر مار ڈالا۔ علی نے اس سے ساری چیزیں لے لیں اور کباڑیے سے کہا کہ کل ہم سب خلیفہ کے پاس حاضر ہوں گے اور میں تیری بیٹی اور کنیز سے نکاح کروں گا۔ یہ کہہ کر وہ خوش خوش وہاں سے نکلا اور سارا سامان لئے ہوئے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

جاتے جاتے وہ ایک حلوائی کے پاس سے گزرا جو تالیں بجا بجا کر کہہ رہا تھا کہ سوائے

بزرگ خدا کے نہ کسی میں طاقت ہے نہ قوت' لوگ اپنی ساری کوشش حرام کمائی میں صرف کرتے ہیں اور اس سے لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ خدا کے لئے یہ مٹھائی چکھتا جا۔ علی نے ایک ٹکڑا لے کر چکھا' اس میں بھنگ ملی ہوئی تھی۔ اس طرح حلوائی نے اسے بھنگ کھلا دی اور اس سے کپڑا' ڈنڈا اور زنجیریں لے کر مٹھائی کے صندوق میں رکھ دیں۔ صندوق اور مٹھائی کی سینی اٹھا کر چل دیا۔ اتنے میں اسے ایک قاضی ملا۔ اس نے پکار کر کہا اے حلوائی' ادھر آ۔ حلوائی رک گیا۔ اپنی گھڑونچی زمین پر رکھ کر سینی اس کے اوپر رکھ دی۔ اور کہنے لگا کیا چاہتا ہے؟ قاضی نے کہا مٹھائی' پھر شکر پارے اور ان میں سے تھوڑی تھوڑی دوسری چیزیں اپنے ہاتھ میں لے کر بولا' اس مٹھائی اور شکر پاروں میں ملاوٹ ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی جیب سے مٹھائی نکالی اور حلوائی سے کہا دیکھ یہ کیسی اچھی ہے! اس کو چکھ اور اسی بنا۔ حلوائی نے اسے چکھا' اس میں بھنگ ملی ہوئی تھی۔ اس طرح حلوائی کو بھنگ کھلا کر اس کی گھڑونچی' صندوق اور کپڑے وغیرہ لے لئے اور حلوائی کو گھڑونچی کے نیچے بند کر کے سب چیزیں لے احمد دنف کے گھر چل دیا۔ قاضی کے بھیس میں خود احمد شومان تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب سے علی کپڑے لینے کی قسم کھا کر گھر سے نکلا تھا' اس وقت سے وہ غائب تھا۔ احمد دنف نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جا کر اپنے بھائی علی مصری کی خبر لاؤ۔ وہ سب اس کی تلاش کرنے لگے اور حسن شومان قاضی کا بھیس بدل کر کپڑے لے آیا۔ ادھر چالیسواں سپاہی شہر کے گلی کوچوں میں گشت لگا رہے تھے کہ علی کتف الجمل ان سے الگ ہو کر ایک جگہ لوگوں کی بھیڑ میں گھس گیا۔ دیکھا کہ علی بھنگ کے نشے میں پڑا ہوا ہے۔ اس کا نشہ اتارا۔ ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے پاس ایک بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ علی کتف الجمل نے کہا ہوش میں آ جا۔ اس نے پوچھا' میں کہاں ہوں؟ علی کتف الجمل نے اور اس کے ساتھیوں نے جواب دیا۔ ہم نے تجھ بھنگ کے نشے میں پڑا ہوا پایا ہے' معلوم نہیں کہ تجھے کس نے بھنگ دے دی۔ علی

نے کہا مجھے ایک حلوائی نے بھنگ کھلا دی او ساری چیزیں لے گیا ہے۔ گھر پہنچ کر وہ احمد دنف سے ملے جس نے ان کا خیر مقدم کیا اور کہنے لگا' اے علی! کیا تو کپڑے لے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا میں کپڑے وغیرہ اور یہودی کا سر لایا تو تھا لیکن راستے میں ایک حلوائی نے مجھے بھنگ کھلا کر سب چیزیں لے لیں۔ یہ کہہ کر اس اس نے سارا ماجرا تفصیل کے ساتھ کہہ سنایا اور آخر میں کہنے لگا اگر وہ حلوائی مجھے پھر دکھائی دیا تو میں اسے اس کا مزہ چکھاؤں گا۔

اتنے میں حسن شومان ایک کوٹھڑی میں سے نکلا اور کہنے لگا اے علی! کیا تو سامان لے آیا؟ اس نے جواب دیا' میں سارا سامان اور یہودی کا سر لا رہا تھا کہ راہ میں ایک حلوائی نے مجھے بھنگ کھلا کر کپڑے وغیرہ لے لئے اور نہ معلوم وہ کدھر چلتا ہوا۔ ذرا مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ کہاں رہتا ہے' میں اسے ٹھیک کر دوں گا۔ کیا تو مجھے بتا سکتا ہے کہ حلوائی کہاں گیا؟ شومان بولا مجھے معلوم ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور ایک کوٹھڑی کھول دی۔ دیکھا کہ حلوائی بھنگ کے نشے میں پڑا ہوا ہے' اس کا نشہ دور کیا۔ حلوائی نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا کہ علی مصری' احمد دنف اور چالیسواں شاطر اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ گھبرا کر پوچھا' میں کہاں ہوں؟ مجھے کون پکڑ لایا ہے؟ شومان بولا' میں تجھے پکڑ لایا ہوں۔ علی مصری نے کہا اے دغاباز' تو میرے ساتھ یہ حرکتیں کرتا ہے اور اس سے ذبح کرنا چاہتا ہی تھا کہ حسن شومان نے کہا ہاتھ کھینچ لے' وہ اب تیرا رشتے دار ہو گیا ہے۔ علی نے کہا رشتے دار کہاں سے ہوا۔ اس نے جواب دیا یہ زینت کا بھانجا احمد لقیط ہے۔ علی نے کہا اے لقیط' یہ تو نے کیا کیا؟ اس نے جواب دیا میری نانی دلیلہ محتالہ نے مجھے حکم دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک روز ماہی فروش زریق نے میری نانی سے مل کر کہا کہ علی مصری بڑا استاد شاطر ہے' وہ ضرور یہودی کو قتل کر کے کپڑے لے آئے گا۔ اس پر اس نے مجھے بلا کر کہا اے احمد' تو علی مصری کو پہچانتا ہے؟ میں نے کہا' ہاں پہچانتا ہوں۔ میں نے ہی اسے احمد دنف کے گھر کا پتہ بتایا تھا۔ نانی نے کہا جا اور اپنا جال

بچھا اور اگر علی کپڑے لے کر آتا ہو تو کسی چال بازی سے انہیں اڑا لے۔ میں شہر کی گلیوں میں چکر لگا رہا تھا تو میری نظر ایک حلوائی پر پڑی۔ میں نے اسے دس دینار دے کر اس کے کپڑے اور مٹھائی اور سارا سامان لے لیا۔ اس کے بعد جو گزرا' وہ تجھے معلوم ہے۔ علی نے احمد لقیط سے کہا کہ اپنی نانی اور ماہی فروش زریق کے پاس جا کر کہہ دے کہ میں سارا سامان اور یہودی کا سر لے آیا ہوں اور وہ دونوں کل خلیفہ کے دربار میں مجھ سے زینب کا مہر لے لیں۔ احمد دنف اس پر بڑا کوش ہوا اور کہنے لگا اے علی' تربیت تجھ پر ضائع نہیں ہوئی۔ صبح ہوئی تو علی مصری نے کپڑے' سینی ڈنڈا اور سونے کی زنجیریں لیں اور ایک نیزے پر عذرہ یہودی کے آگے زمین چومی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو انیسویں رات

سات سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ علی مصری' احمد دنف اور اس کے ساتھیوں نے خلیفہ کے سامنے زمین چومی۔ خلیفہ نے دیکھا کہ ایسا بہادر جوان گرد و پیش کے لوگوں میں ایک بھی نہیں۔ پوچھا یہ کون ہے؟ احمد دنف نے کہا اے امیر المومنین! یہ مصر کے جوانوں کا سردار یارا علی مصری اور میرے جوانوں میں سے بہترین ہے۔ خلیفہ کو اس سے محبت ہو گئی کیونکہ اس کی پیشانی سے بہادری کے آثار نمودار تھے۔ علی نے اٹھ کر یہودی کا سر خلیفہ کے آگے رکھ دیا۔ اور عرض کیا' اے امیر المومنین! تیرے ہر دشمن کا حشر یہی ہو! خلیفہ نے پوچھا' یہ کس کا سر ہے؟ علی نے کہا عذرہ یہودی کا۔ خلیفہ نے پوچھا اسے کس نے قتل کیا؟ علی مصری نے شروع سے آخر تک سارا ماجرا بیان کر دیا۔ خلیفہ نے کہا میرے خیال میں تو نے اسے قتل نہیں کیا ہے وہ جادوگر تھا۔ علی نے کہا اے امیر المومنین' خدا نے اسے میرے ہاتھ قتل کیا ہے۔ خلیفہ نے والی کو یہودی کے محل بھیجا' اس نے دیکھا کہ یہودی بغیر سر کے پڑا ہوا ہے۔ لوگ اسے جنازے پر رکھ کر خلیفہ کے سامنے لے گئے اور اس نے حکم دیا کہ لاش جلا دی جائے۔ اتنے میں یہودی کی بیٹی قمر آئی اور خلیفہ کے سامنے زمین چوم کر کہنے لگی۔ میں عذرہ یہودی کی بیٹی قمر ہوں اور مسلمان ہو گئی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اسلام کا اعادہ خلیفہ کے سامنے کیا اور کہنے لگی تو میری سفارش کر دے کہ یار علی مصری میرے ساتھ شادی کرے۔ قمر نے خلیفہ کو اپنا وکیل بنایا کہ وہ اس کی شادی علی سے کرا دے۔ خلیفہ نے علی مصری کو یہودی کا محل مع تمام چیزوں کے جو اس میں تھیں بخش دیا اور کہا مانگ کیا مانگتا ہے۔ علی نے کہا میں یہ مانگتا ہوں کہ میں تیرے دربار میں رہوں اور تیرے دستر خوان پر کھانا کھاؤں۔ خلیفہ بولا اے علی! تیرے ساتھی بھی ہیں؟ اس نے جواب دیا میرے چالیس ساتھی ہیں لیکین

وہ مصر میں ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا اے علی' تیرا یہاں کوئی گھر بار بھی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ حسن شومان نے کہا اے امیر المومنین! میں اسے اپنا گھر مع تمام چیزوں کے جو اس کے اندر ہیں بخشتا ہوں۔ خلیفہ نے کہا اے حسن! تیرا گھر تیرے ہی پاس رہے گا اور خزانچی کو حکم دیا کہ معمار کو دس ہزار دینار دے کر اس کے لئے ایسا گھر بنوا دے جس میں چار چبوترے ہوں اور اس کے ساتھیوں کے لئے چالیس کوٹھڑیاں۔

اس کے بعد خلیفہ نے پوچھا اے علی! کیا تیری اور کوئی حاجت رہ گئی ہے کہ اسے پورا کروں۔ اس نے جواب دیا جہاں پناہ! ج ہاں دلیلہ سے سفارش کر دیجئے کہ وہ اپنی بیٹی زینب کا نکاح میرے ساتھ کر دے اور مہر میں یہودی کی لڑکی کے کپڑے اور دوسرا سامان لے لے۔ دلیلہ نے خلیفہ کی سفارش مان لی۔ کپڑے' ڈنڈا اور سونے کی زنجیریں لے لیں اور زینب کا نکاح نامہ علی کے نام لکھ دیا' اسی طرح کباڑیے کی بیٹی' کنیز اور یہودی کی بیٹی قمر کا نکاح نامہ علی کے نام لکھا گیا۔ خلیفہ نے علی کے لئے روزینہ' صبح شام کا دستر خوان' مشاہرہ اور گھوڑوں کے لئے دانہ چارا مقرر کر دیا۔ تیس دن تک علی مصری جشن اور خوشیاں مناتا رہا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں کے نام جو مصر میں تھے' خط بھیجا۔ اس میں لکھا کہ تم لوگ ضرور یہاں چلے آؤ' اور میرے ساتھ جشن مناؤ۔ میں نے چار کنواری لڑکیوں سے شادی کی ہے۔ تھوڑی مدت کے بعد اس کے چالیسوں ساتھی آ گئے اور سب نے مل کر خوشیاں منائیں۔ علی نے انہیں اپنے گھر میں رکھا' ان کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ انہیں بھی خلیفہ کے سامنے پیش کیا اور خلیفہ نے انہیں خلعت عطا کئے۔ اس کے بعد ڈومنیوں نے زینب کی منہ دکھائی کی رسم ادا کی۔ علی مصری اس کے ساتھ ہم بستر ہوا۔ دیکھا کہ وہ ایک ایسا موتی ہے جو ابھی تک بندھا نہیں اور ایسی بچھیری ہے جس پر ابھی تک کوئی دوسرا سوار نہیں ہوا' پھر باقی تین لڑکیوں کے ساتھ بھی ہم بستر ہوا۔ انہیں بھی بے حس حسین و جمیل پایا۔ ایک رات جبکہ علی مصری کا پہرا محل میں تھا' خلیفہ نے کہا اے علی!

میں چاہتا ہوں کہ تو اپنی سرگزشت شروع سے لے کر آخر تک سنا دے۔ علی نے سارا ماجرا کہہ سنایا جو اسے دلیلہ محتالہ' زینب نصابہ اور ماہی فروش زریق کے ساتھ پیش آیا تھا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ یہ قصہ لکھ کر شاہی خزانے میں رکھ دیا جائے۔ کاتبوں نے سارا ماجرا لکھ لیا اور دوسرے واقعات کے ساتھ ساتھ رکھ دیا تا کہ خیر لبشر کی امت اسے پڑھے۔ اس کے بعد وہ سب عیش و عشرت کے ساتھ دن کاٹنے لگے یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی' پاک اور بزرگ خدا ان تمام باتوں کو بہتر جانتا ہے۔

○ اردشیر اور حیات النفوس کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------ یہ بھی ایک کہانی ہے کہ شیراز میں ایک بڑا بادشاہ سیف اعظم شاہ تھا۔ بڑھاپا آنے تک اس کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک بار اس نے حکیموں اور طبیبوں کو اکٹھا کر کے ان سے کہا' میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور تم میری حالت اور حکومت کے احوال و انتظام سے خوب واقف ہو' مجھے ڈر ہے کہیں میرے بعد میری رعیت کا حال تباہ نہ ہو جائے کیونکہ ابھی تک میرے کوئی لڑکا نہیں ہوا۔ انہوں نے کہا ہم جڑی بوٹیوں سے تیرے لئے ایک دوا تیار کرتے ہیں' اگر خدا کو منظور ہے تو اس سے تجھے فائدہ ہو گا۔ انہوں نے دوا تیار کی' بادشاہ اسے کھا کر اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا اور خدا کا کرنا کہ وہ حاملہ ہو گئی' بس خدا جس چیز سے کہہ دیا ہے کہ ہو جا وہ ہو جاتی ہے۔ جب حمل کے دن پورے ہو چکے تو چاند سا خوبصورت لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے اردشیر رکھا۔ وہ پلنے بڑھنے لگا اور علم و ادب کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں تک کہ اس کی عمر پندرہ سال کی ہو گئی۔ عراق میں ایک بادشاہ ملک عبد القادر تھا' اس کی ایک بیٹی تھی چودھویں رات کے چاند جیسی۔ اس کا نام حیات النفوس تھا۔ اسے مردوں سے اتنی نفرت تھی کہ کیا مجال جو کوئی اس کے آگے کسی مرد کا نام

تو لے۔ کئی ایرانی بادشاہوں نے اس کے باپ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا اور باپ نے اس سے ذکر کیا لیکن اس نے کہہ دیا کہ اگر تو ضد کرے گا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔ جب شہزادی کی خبر اردشیر کو پہنچی تو اس نے اپنے باپ سے اس کا ذکر کیا۔ باپ ہر روز اس سے وعدہ کرتا کہ میں تیری شادی اس سے کرا دوں گا۔ آخر اس نے اپنے وزیر کو لڑکی کے باپ کے پاس پیغام لے کر بھیجا۔ اس نے انکار کر دیا۔ وزیر ملک عبد القادر کے پاس سے لوٹ آیا اور اپنے بادشاہ کو خبر دی کہ تیرا مقصد پورا نہیں ہوا۔ بادشاہ پر بہت گراں گزرا، اسے طیش آ گیا۔ وہ کہنے لگا کہ میں کسی بادشاہ سے کوئی خواہش کروں اور وہ اسے پورا نہ کرے! اس کے بعد اس نے لشکر میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ خیمے نکالے جائیں اور لڑائی کا اہتمام کیا جائے۔ خواہ اس میں قرضہ ہی کیوں نہ لینا پڑے اور کہا میں اس وقت تک نہ لوٹوں گا جب تک کہ ملک عبد القادر کا ملک تباہ نہ کر ڈالوں، اس کا لشکر قتل نہ کر دوں، اس کا نام و نشان نہ مٹا دوں اور مال و دولت نہ لوٹ لاؤں۔ یہ خبر ردشیر کو ملی تو وہ اپنے باپ کے پاس گیا اور زمین چوم کر کہنے لگا اے زبردست! یہ تکلیف نہ کر۔

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• سات سو بیسویں رات

سات سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ شہزادے نے باپ سے کہا کہ یہ تکلیف نہ اٹھا۔ اپنے لشکر اور سرماؤں کو لے جا' اپنا مال برباد نہ کر۔ تو اس سے زیادہ طاقت ور ہے۔ اس لئے اگر تو اس پر چڑھائی کرے گا تو اس کا تمام مملک تباہ کر دے گا۔ اس کے لشکر اور سورماؤں کو قتل کر ڈالے گا' ماں و دولت لوٹ لے گا اور اسے بھی مار ڈالے گا۔ جب شہزادی کو یہ خبر ہو گی کہ اسی کی وجہ سے یہ ساری بلا نازل ہوئی ہے تو وہ بھی اپنی جان دے دے گی اور اس کے مرتے ہی میں بھی مر جاؤں گا۔ اس کے بعد میں ہرگز زندہ نہیں رہ سکتا۔ بادشاہ نے پوچھا بیٹا! تو پھر تیری کیا رائے ہے؟ اس نے جوب دیا میں اپنے دل کی خاطر خود جاؤں گا' تاجروں کا بھیس بدل کر اس تک پہنچنے کی صورت نکالوں گا اور دیکھوں گا کہ کس طرح میری مراد بر آتی ہے۔ باپ نے کہا' کیا تو نے یہی دل میں ٹھان لی ہے؟ اس نے کہا ابا جان' ہاں۔ بادشاہ نے وزیر کو بلا کر کہا میرے بیٹے اور جگر پارے کے ساتھ جا اور حاجت روائی میں اس کی مدد کر' اس کی دیکھ بھال رکھ اور اسے اپنی صائب رائے سے چلا تو اس کے لئے بجائے میرے ہے۔ وزیر نے کہا سر آنکھوں سے۔ اس کے بعد بادشاہ نے اپنے بیٹے کو تین لاکھ سونے کے دینار' ہیرے' جواہرات' زیور' مال اور ذخیرے وغیرہ دیئے۔ پھر شہزادہ اپنی ماں کے پاس گیا اور اس کے ہاتھ چوم کر کہا' میرے لئے دعا کر۔ اس نے دعا کی اور اٹھ کر اپنا خزانہ کھولا اس میں سے ہار' گہنے' لباس اور وہ نایاب چیزیں جو پرانے بادشاہوں کے زمانے سے چلی آتی تھیں' اور جو بے بہا تھیں' اسے دیں۔ اب شہزادے نے مملوک' غلام اور چوپائے وغیرہ جنہیں وہ راستے کے لئے چاہتا تھا' لے کر تاجروں کا بھیس بدلا۔ وزیر اور اس کے ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ شہزادے نے اپنے والدین' اہل و عیال اور رشتے داروں کو خدا حافظ کہا اور وسب چل دیئے۔ دن رات جنگل بیابان طے کرنے لگے۔ راہ کٹھن معلوم ہونے لگی تو وہ

اشعار گا گا کر اپنا دل بہلانے لگا‘ مگر اس کے بعد وہ غش کھا کر گر گیا۔ وزیر نے اس پر گلاب چھڑکا‘ کچھ دیر بعد اسے ہوش آیا تو وزیر نے کہا‘ اے شہزادے! صبر سے کام لے‘ صبر کا نتیجہ خوشی ہے اور تو تو اپنی مراد ہی کی طرف جا رہا ہے۔ وزیر اسے سمجھاتا اور تسلی دیتا رہا یہاں تک کہ اس کی گھبراہٹ جاتی رہی اور وہ تیز تیز چلنے لگے۔ چلتے چلتے شہزادہ پھر اپنی محبوبہ کو یاد کر کے اشعار پڑھنے‘ بلک بلک کر رونے اور محبت نے جو مصیبت اس پر ڈھائی تھی‘ اس کی شکایت کرنے لگا۔ وزیر نے پھر اسے سمجھایا‘ تسلی دی اور وعدہ کیا کہ وہ اپنی مراد ضرور پائے گا۔ تھوڑے دن اور چلنے کے بعد ایک روز سورج نکلنے کے بعد انہیں ایک سفید شہر دکھائی دینے لگا۔

وزیر نے شہزادے سے کہا‘ اے شہزادے! بالک خوش ہو جا‘ دیکھ یہ سفید شہر وہی ہے جہاں تو جانا چاہتا ہے۔ یہ سن کر شہزادہ پھولا نہ سمایا۔ سفید شہر میں داخل ہو کر دونوں نے پوچھا کہ مال دار تاجروں کی سرائے کہاں ہے؟ لوگوں نے پتہ بتا دیا۔ انہوں نے وہاں جا کر تین کوٹھڑیاں کرائے پر لیں۔ کنجیاں لے کر انہیں کھولا‘ ان میں اپنا مال و اسباب رکھ کر وہاں ٹھہر گئے۔ اور آرام کیا۔ اس کے بعد وزیر سوچنے لگا کہ شہزادے کے لئے کیا تدبیر کرنی چاہیے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اکیسویں رات

سات سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... شہزادے کے لئے تدبیر سوچ کر وزیر نے کہا میرے دل میں ایک بات آئی ہے اور میرا خیال ہے کہ اگر خدا کو منظور ہے تو میں تیرے لئے بھلائی ہو گی۔ شہزادہ بولا' اے نیک رائے وزیر! جو تیرے دل میں آیا ہے کر خدا کرے تیری رائے ٹھیک ہو! وزیر نے کہا' میں چاہتا ہوں کہ تیرے لئے ایک دکان کرائے پر لوں جو بزازوں کے بازار میں ہو اور تو اس میں بیٹھ' چونکہ خاص و عام ہر شخص کو بازار جانے کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے جب تو دکان پر بیٹھے گا' لوگوں کی نظر تجھ پر پڑے گی تو ان کے دل تیری طرف مائل ہو جائیں گے اور تیری مطلب براری میں آسانی ہو گی کیونکہ تو خوبصورت ہے' آنکھیں تجھے دیکھ کر خوش ہوتی ہیں۔ شہزادے نے کہا جو تیری مرضی۔ صلاح کر کے وزیر اور شہزادہ دونوں بہترین کپڑے پہن اور جیب میں ہزار دینار کا توڑا رکھ' شہر کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ لوگ انہیں دیکھتے' شہزادے کے حسن کی تعریفیں کرتے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اس جوان کو گندے پانی سے پیدا کیا' کیسا عالی شان ہے وہ اللہ جو خوبصورت سے خوبصورت چیزیں پیدا کرتا ہے! لوگ اسی طرح کی باتیں کرتے اور کہتے کہ یہ انسان تو ہو نہیں سکتا' ضرور کوئی فرشتہ ہو گا۔ کوئی کہتا کہ ہو نہ ہو جنت کا دربان رضوان' جنت کے دروازے سے غافل ہو گیا اور اس میں سے یہ لڑکا بھاگ نکلا ہے۔ لوگ اس کے پیچھے پیچھے بزازوں کے بازار تک گئے۔ وہ دونوں وہاں پہنچ کر ٹھہر گئے۔

ایک شان دار بڈھا ان کے پاس آیا' انہیں سلام کیا۔ دونوں نے سلام کا جواب دیا۔ بڈھے نے کہا' اے میرے آقا! کیا تم کچھ چاہتے ہو۔ کہو تو میں اسے پورا کر کے عزت حاصل کروں؟ وزیر نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں بازار کا چودھری ہوں۔

وزیر نے کہا اے بوڑھے! سن' یہ جوان میرا بیٹا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کے لئے اس بازار میں ایک دکان کرائے پر لوں تا کہ وہ اس میں بیٹھ کر خرید و فروخت اور لین دین سیکھے اور تاجروں کے رسم و رواج سے اسے واقفیت ہو۔ چودھری فوراً جا کر ایک دکان کی چابی لے آیا اور دلالوں سے کہا کہ اس میں جھاڑوں دو' انہوں نے جھاڑو دے کر اسے صاف ستھرا بنا دیا۔ وزیر نے دکان کے لئے ایک موٹا گدا منگوایا جس میں شتر مرغ کے پر بھرے ہوئے تھے' اس پر ایک چھوٹا سا سجادہ بچھایا' جس کے ارد گرد زری کا کام تھا۔ پھر ایک تکیہ لگا کر جو سامان وہ ساتھ لایا تھا' اس میں سے اتنا لے آیا کہ دکان بھر جائے دوسرے دن جوان نے آ کر دکان کھولی' گدے پر بیٹھ گیا اور غلاموں کو عمدہ عمدہ کپڑے پہنا کر اپنے سامنے دکان کے اوپر اور دو نہایت خوبصورت حبشی غلاموں کو دکان کے نیچے کھڑا کیا۔ وزیر اس سے یہ کہہ کر کہ راز فاش نہ کیجیو کہیں تیری حاجت بر آری میں خلل نہ پڑ جائے اور جو معاملہ گزرے' فوراً مجھ سے کہیو' یہ کہہ کر وزیر سرائے چلا گیا۔ لڑکا دکان پر بیٹھتا تو ایسا معلوم ہو تا گویا چودھویں رات کا چاند نکلا ہوا ہے لوگ اس کا اور اس کے حسن کا بیان ایک دوسرے سے سنتے اور بے ضرورت اس کے پاس جاتے' اس کا حسن و جمال' قد قامت دیکھتے اور خدا کی پاکی بیان کرتے جس نے اسے پیدا کیا۔ ایسا خوبصورت بنایا' یہاں تک کہ لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے اس بازار میں جانا مشکل ہو گیا۔ شہزادہ دائیں بائیں دیکھتا اور لوگوں کو اپنے اوپر فریفتہ دیکھ کر حیران ہوتا دل میں کہتا کاش دربار کے مصاحبوں میں سے بھی کوئی ملتا اور شہزادی کا ذکر کرتا! لیکن نہ کسی نے خود شہزادی کا ذکر کیا' نہ یہ پوچھ سکا۔ اب اس کا دل گھبرانے لگا۔ وزیر ہر روز اسے دلاسہ دیتا اور کہتا کہ صبر سے بیٹھا رہ' تیری مراد ضرور بر آئے گی۔ اس طرح ایک مدت گزر گئی۔

ایک دن وہ دکان میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شاندار' باوقار بڑھیا آئی جو شریف زادیوں کے کپڑے پہنے ہوئے تھی اور اس کے پیچھے پیچھے دو چاند سی خوبصورت کنیزیں تھیں۔ بڑھیا دکان پر ٹھہر کر جوان کو دیکھنے لگی اور بولی پاک ہے وہ ذات جس نے اس مکھڑے

کو اس کاریگری کے ساتھ بنایا۔ اس کے بعد بڑھیا نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دے کر اسے اپنے پاس بٹھایا۔ بڑھیاں نے پوچھا' اے خوش رو جوان! تو کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس نے کہا' مائی ہند کا' سیر کرنے کی غرض سے یہاں آیا ہوں۔ بڑھیا بولی' تیرے قدم مبارک ہوں! تیرے پاس کیا کیا سامان اور کپڑے ہیں۔ مجھے کوئی ایسی چیز دکھا جو بادشاہوں کے قابل ہو۔ یہ سن کر جوان نے کہا' کیا تو کوئی نہایت نفیس چیز دیکھنا چاہتی ہے کہ میں اسے دکھاؤں؟ میرے پاس ہر درجے کے لوگوں کے قابل چیزیں ہیں۔ بڑھیا نے کہا بیٹا! میں ایسی چیز دیکھنا چاہتی ہوں جو قیمتی' خوبصورت اور اعلیٰ ہو۔ جواب نے کہا بتا تو سہی کس کے لئے خریدنا چاہتی ہے تا کہ خریدار کا درجہ معلوم کر کے اس کے قابل چیزیں پیش کروں۔ بڑھیاں بولی' بیٹا' تو ٹھیک کہتا ہے۔ میں اپنی آقا حیات النفوس کے لئے چاہتیں ہوں جو اس ملک کے بادشاہ عبد القادر کی بیٹی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سٹپٹا گیا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے چپکے سے ہاتھ پیچھے بڑھا کر ایک توڑا نکالا جسن میں سو دینار تھے اور بڑھیا کو دے کر کہا یہ تیرے کپڑوں کی دھلائی کے لئے ہے۔ پھر اس نے ایک بقچے کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس میں سے ایک جوڑا کپڑوں کا نکالا۔ جس کی قیمت دس ہزار دینار بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو گی اور کہنے لگا۔ یہ من جملہ ان چیزوں کے ہے جو میں تمہارے ملک میں لایا ہوں۔ بڑھیا اسے دیکھ کر حیران ہو گئی اور بولی اے نیکیوں کے پتلے! یہ کتنے کا ہے؟ اس نے جواب دیا' مفت! بڑھیا نے شکریہ ادا کر کے پھر وہی سوال کیا۔ جوان نے کہا خدا کی قسم! میں اس کے دام نہ لوں گا۔ اگر شہزادی اسے قبول نہ کرے تو تیری نذر ہے اور میری طرف سے تیری دعوت ہے۔ خدا کا شکر ہے اس نے مجھے تجھ سے ملایا۔ اگر مجھے کبھی تجھ سے کام پڑے تو تو ضرور میری مدد کرے گی۔ بڑھیا اس خوش گفتاری' انتہائی کرم اور خوش سلیقگی پر حیران ہو گئی اور پوچھا' اے میرے آقا! تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا' اردشیر۔ بڑھیا بولی' عجیب نام ہے۔ ایسا نام تو شہزادوں کا ہوتا ہے اور تو تو سوداگر کے لباس میں ہے۔ جوان نے کہا' میرے باپ نے پیار سے میرا یہ

نام رکھا ہے اور محض نام سے تو کسی بات کا پتہ نہیں چلتا۔
بڑھیا شہزادے کی ہر بات سن کر متعجب ہوئی جاتی تھی۔ اس نے پھر کہا' بیٹا! اپنی چیزوں کے دام لے لے۔ شہزادہ قسم کھا کر کہنے لگا میں کچھ نہ لوں گا۔ بڑھیا بولی میاں' دنیا میں سب سے بڑی چیز سچائی ہے' یہ کرم جو تو میرے ساتھ کر رہا ہے' اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہے۔ اپنا حال اور بھید مجھ سے کہہ دے۔ اگر تیری کوئی آرزو ہوئی تو اس کے پورا کرنے میں' میں تیری مدد کروں گی۔ یہ سنتے ہی اس نے اپنا ہاتھ بڑھیا کے ہاتھ میں دے دیا اور اس سے قسم لی کہ وہ راز فاش نہ کرے گی۔ پھر اس نے اپنا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ یہ کہ وہ شہزادی کو چاہتا ہے اور اس کی وجہ سے کس بلا میں گرفتار ہے۔ بڑھیا سر دھننے لگی اور کہا یہ ضرور سچ ہے مگر عقل مند کہہ گئے ہیں کہ اگر کوئی یہ چاہے کہ لوگ اس کی اطاعت کریں تو ایسی بات نہ کہے جو کوئی کر نہ سکے۔ بیٹا' تیرا نام تاجر ہے' اگر تیرے پاس تمام خزانوں کی کنجیاں ہی کیوں نہ ہوں تا ہم رہے گا تو تاجر ہی' اگر تو اپنے درجے سے بڑھ کر چاہتا ہے تو کسی قاضی یا امیر کی بیٹی کو پیغام دے' اس کی کیا وجہ ہے کہ تو اتنے بڑے بادشاہ کی بیٹی چاہتا ہے؟ وہ اب تک پاک باکرہ لڑکی ہے گو دنیا کی چیزوں کی اسے بالکل خبر نہیں' عمر بھی اس نے سوائے اپنے محل کے اور کچھ نہیں دیکھا لیکن باوجود کم سنی اور ان سب باتوں کے وہ عاقل' سمجھ دار' ذکی اور فطین ہے۔ اس کی عقل تیز' اس کا ہر کام نیک اور رائے صائب ہے۔ اپنے باپ کی وہ اکلوتی بیٹی ہے اور وہ اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے' ہر روز سویرے آ کر اسے صبح بخیر کہتا ہے اور سارے محل والے اس کا ادب لحاظ کرتے ہیں۔ بیٹا کسی کی مجال نہیں کہ کوئی اس سے ایسی بات کہہ سکے۔ میں تو کسی شمار ہی میں نہیں۔ بیٹا! میں دل و جان سے تجھ سے محبت رکھتی ہوں اور میرا جی تو یہی چاہتا ہے کاش تیری رسائی اس تک ہو جائے لیکن یہ آرزو دیوانہ پن ہے۔ ہاں ایک بات ہے شاید خدا اس کے ذریعے تیرا علاج کر دے۔ حاجت براری کے لئے

میں اپنا جان و مال تجھ پر صدقے کرنے کے لئے تیار ہوں۔ شہزادے نے کہا بڑی بی' وہ کیا ہے؟ اس نے کہا کسی وزیر یا امیر کی بیٹی مجھ سے مانگ اور میں تیرا سوال پورا کر دوں گی کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کوئی ایک پھلانگ میں زمین سے آسمان پر پہنچ جائے۔ لڑکے نے ادب اور سنجیدگی سے کہا۔ تیری سمجھ کیا کیا کہنا۔ خوب سمجھی کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کسی کا سر دکھتا ہو تو وہ اپنے ہاتھ میں پٹی باندھ لے؟ بڑھیا بولی بیٹا' نہیں' لڑکے نے کہا اسی طرح میرا دل بھی سوائے اس کے اور کسی کو نہیں چاہتا۔ میں اس کی محبت کا مارا ہوں۔ خدا کی قسم اگر مجھے کوئی مدد کرنے والا نہ ملا تو میں مر جاؤں گا۔ میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ میرے پردیسی ہونے اور آنسو بہانے پر رحم کر۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو بائیسویں رات

سات سو بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... اردشیر نے کہا' میرے پردیسی ہونے اور آنسو بہانے پر رحم کھا۔ بڑھیا بولی' بیٹا خدا کی قسم تیری باتیں سن کر میرا دل پھٹا جاتا ہے لیکن کوئی تدبیر میری سمجھ میں نہیں آتی۔ شہزادے نے کہا مہربانی کر کے میرا خط تو لے جا کر اس کے ہاتھ میں دے دے۔ بڑھیا کو ترس آ گیا' بولی اچھا لکھ دے' میں اس تک پہنچا دوں گی۔ یہ سن کر مارے خوشی کے وہ پھولا نہ سمایا' قلم' دوات اور کاغذ منگوا کر شہزادی کے نام خط لکھا۔ اسے بند کر کے چوما اور بڑھیا کو دے دیا۔ اس کے بعد اس نے صندوق کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس میں سے ایک دوسرا دینار کا توڑا نکال کر اسے دیا۔ اور کہا انہیں باندیوں میں تقسیم کر دیجیو۔ بڑھیا نے لینے سے انکار کیا اور کہا بیٹا! مال کی وجہ سے میں تیری مدد پر آمادہ نہیں ہوئی۔ شہزادے نے شکریہ ادا کر کے کہا' تجھے یہ لینا پڑے گا۔ بڑھیا نے توڑا لے لیا۔ اس کے ہاتھ چوم کر روانہ ہو گئی اور شہزادی کے پاس جا کر کہا' اے میری آقا! میں تیرے لئے ایک ایسی چیز لائی ہوں جو شہر میں کسی کے پاس نہ ہو گی اور ایسے خوش رو نوجوان کے پاس سے لائی ہوں جس کا جواب دنیا بھر میں نہ ہو گا۔ شہزادی نے کہا' اے میری ماما! وہ جوان کہاں سے آیا ہے؟ بڑھیا نے کہا' ہند سے۔ اس نے مجھے یہ کپڑے دیئے ہیں جن میں زری کا کام ہے اور ایسے ایسے موتی اور ہیرے جڑے ہوئے ہیں جن کی قیمت کسریٰ اور قیصر کے ملکوں کے برابر ہے۔

جونہی اس نے کپڑے نکالے۔ ان کی چمک سے سارا محل جھلملا اٹھا۔ ان کی ساخت نہات نفیس تھی اور ان میں افراط سے ہیرے جواہرات ٹنکے ہوئے تھے۔ سارے محل والے انہیں دیکھ کر دنگ ہو گئے۔ شہزادی نے انہیں غور سے دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ ان کی قیمت اس کے باپ کی سلطنت کی پورے سال کی آمدنی ہے۔ وہ ماما

سے پوچھنے لگی اے ماما! یہ کپڑے اسی کے پاس سے لائی ہے یا کسی اور سے؟ بڑھیا نے جواب دیا اسی کے پاس سے۔ شہزادی نے کہا' یہ تاجر ہمارے شہر کا ہے یا پردیسی؟ بڑھیا نے کہا اے میری آقا' وہ پردیسی ہے اور تھوڑے ہی دن ہوئے ہ ہمارے شہر میں آیا ہے۔ خدا کی قسم اس کے پاس بہت نوکر چاکر ہیں۔ وہ بڑا خوش رو جوان اور سڈول بدن کا ہے' اس کا اخلاق بہت وسیع اور وہ دریا دل ہے۔ اس سے زیادہ خوبصورت سوائے تیرے دنیا میں اور کوئی نہیں۔ شہزادی نے کہا یہ عجیب بات ہے کہ ایسا جوڑا جس کی قیمت داموں میں ادا نہ کی جا سکے' ایک تاجر کے پاس ہو۔ اے ماما' بتا تو سہی وہ اس کی کیا قیمت مانگتا ہے؟ بڑھیا بولی اے میری آقا! خدا کی قسم اس نے اس کی کوئی قیمت نہیں بتائی ہے بلکہ مجھ سے یہی کہا ہے کہ میں اس کی کوئی قیمت نہ لوں ا۔ یہ میری طرف سے شہزادی کے لئے تحفہ ہے کیونکہ یہ اور کسی کی شان کے قابل نہیں۔ اس نے وہ دام پھیر دیئے ہیں جو تو نے میرے ہاتھ بھیجے تھے اور قسم کھائی ہے کہ وہ اسے نہیں لے گا بلکہ مجھ سے اس نے کہا اگر شہزادی اسے قبول نہ کرے تو یہ جوڑا تیری نذر ہے۔ شہزادی نے کہا خدا کی قسم! یہ بڑا احسان اور بڑی مہربانی ہے' مگر میں اس کے انجام سے ڈرتی ہوں' کہیں اس میں کوئی نقصان پوشیدہ نہ ہو۔ تو نے اس سے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ اگر اسے کوئی خواہش ہو تو ہم پورا کر سکتے ہیں؟ ماما نے کہا میں نے پوچھا اور اس کی خواہش دریافت کی۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں مجھے یہ خط دیا ہے اور کہا ہے کہ اسے شہزای کو دے دیجیو۔ شہزادی نے خط لے کر کھولا اور آخر تک پڑھا۔ پڑھتے ہی اس کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ ہوش جاتے رہے اور اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ بڑھیا سے کہنے لگی کہ خدا تیرا برا کرے! یہ کتا جو ایسی بات شہزادی سے کہتا ہے اسے کیا سزا دینی چاہیے؟ مجھ میں اور کتے میں کیا مناسبت جو وہ مجھے ایسی بات لکھتا ہے۔ قسم ہے بزرگ خدا' زمزم اور حطم کے پروردگار کی اگر مجھے خدا کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس کی مشکیں کس کر ناک اور کان کاٹ کر اسے

بوچا کر دیتی او اسی بازار میں جہاں اس کی دکان ہے' اسے سولی دے دیتی۔
یہ باتیں سن کر بڑھیا کے منہ پر ہوائیں اڑنے لگیں۔ اس کا بدن کانپنے لگا۔ اس کی زبان بند ہو گئی اس نے دل مضبوط کر کے کہا' اے میری آقا! خیر تو ہے؟ خط میں کون سی ایسی بات ہے کہ تو پریشان ہو گئی؟ کیا اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے وہ اپنی ناداری کی شکایت کرتا ہو اور تیری مہربانی سے اس ظلم کو دور کرنا چاہتا ہو جو اس پر ٹوٹا پڑا ہے۔ شہزادی نے کہا' نہیں بلکہ اس میں اشعار اور بری باتیں ہیں' لیکن اے ماما! یہ کتا تین حالتوں سے خالی نہیں۔ یا تو اس کی عقل جاتی رہی ہے' وہ پاگل ہو گیا ہے یا خود کشی سے خالی نہیں۔ یا کسی قوت والے اور طاقتور نے اسے آمادہ کیا ہے کہ وہ مجھ سے اپنی مراد پوری کرے۔ اگر یہ نہیں تو اس نے سنا ہے کہ میں اس شہر کی رنڈیوں میں سے ہوں جو اپنے طالب کے ساتھ رات دو رات سویا کرتی ہیں' ورنہ اس نے میرا سر پھیرنے کے لئے ایسے رذیل اشعار کیوں لکھے! بڑھیا نے کہا' اے میری آقا! تیرا کہنا بالکل ٹھیک ہے' لیکن تو اس جاہل کتے کی پروا کیوں کرتی ہے؟ تو تو مضبوط' اونچے اور محفوظ قلعے کی رہنے والی ہے جہاں نہ پرندہ پر مار سکے' نہ ہوا کا گزر ہو اور وہ تو بالکل پاگل ہے' لیکن اسے خط کا جواب دے۔ اس میں اسے خوب ڈانٹ' ہر طرح سے برا بھلا کہہ' اسے موت دے ڈرا اور یہ لکھ کہ اے تاجروں کے کتے' تو مجھے کہاں سے جانتا ہے جو ایسا خط لکھنے کی جرات ہوئی؟ تو تو عمر بھر ایک درہم یا دینار کمانے کے جنگل جنگل پریشان پھرا کرتا ہے۔ خدا کی قسم ! اگر تو ہوش میں نہ آیا اور تیرا نشانہ نہ ٹوٹا تو اسی بازار کے دروازے پر' جہاں تیری دکان ہے' میں تجھے سولی پر چڑھا دوں گی۔ شہزادی نے کہا' میں ڈرتی ہوں کہ اگر میں نے لکھا تو اسے اور امید بندھ جائے گی۔ بڑھیا بولی' وہ ہوتا کون ہے اور اس کی حقیت کیا ہے کہ ہماری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے! لکھنے کا مقصد تو یہی ہے کہ وہ امید چھوڑ دے اور ڈر جائے۔ بڑھیا نے شہزادی کو ایسی پٹی پڑھائی کہ اس نے دوات اور کاغذ منگوا کر خط

لکھ دیا اور اسے لپیٹ کر بڑھیا کے حوالے کیا۔ بڑھیا خط لے کر چل دی اور لڑکے کی دکان پر پہنچ کر اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• سات سو تئیس ویں رات

سات سو تئیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک بادشاہ! بڑھیا نے جوان کو خط دے کر کہا اپنے خط کا جواب لے اور پڑھ' مگر سن لے کہ وہ تیرا خط پڑھ کر بہت لال پیلی ہوئی' میں اس کا غصہ ٹھنڈا کرتی رہی' یہاں تک کہ اس نے جواب لکھ دیا۔ جوان نے خط پڑھا اور اس کا مطلب سمجھ کر رونے لگا۔ بڑھیا کا دل بہت کڑھا۔ اس نے کہا بیٹا' خدا نہ کرے کہ تیری آنکھ روئے اور تیرا دل غمگین ہو' تو نے خط لکھا تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس نے جواب دیا؟ وہ بولا والدہ' میں اس سے بڑھ کر اور کیا تدبیر کر سکتا تھا لیکن وہ مجھے قتل کرنے اور سولی دینے کی دھمکی دیتی ہے اور خط لکھنے سے منع کرتی ہے۔ خدا کی قسم میرے لئے زندگی سے بہتر موت ہے۔ مہربانی کر کے یہ ایک خط اور پہنچا دے۔ بڑھیا نے کہا لکھ' جواب لانا میرے ذمے ہے۔ خدا کی قسم میں تجھ پر اپنی جان قربان کر دوں گی اور تجھے خوش کرنے کے لئے مرنے سے بھی نہ جھجکوں گی۔ شہزاد نے اس کا شکریہ ادا کیا' اس کے ہاتھ چومے اور ایک دوسرا خط لکھ کر بڑھیا کو دے دیا اور دو توڑے جن میں دو سو دینار تھے' اس کے آگے رکھ دیئے۔ بڑھیا نے ان کے لینے سے انکار کیا مگر شہزادے نے اسے قسم دی۔ وہ انہیں لے کر کہنے لگی میں تیری مراد پوری کر کے رہوں گی' خواہ تیرے دشمن کتنے ہی ناراض کیوں نہ ہوں۔ یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گئی اور حیات النفوس کے پاس پہنچ کر اسے خط دیا۔ حیات النفوس نے کہا اب تو ہم خط و کتابت قائم ہو گئی ہے اور تو آنے جانے لگی ہے۔ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں ہمارا راز فاش نہ ہو جائے اور ہماری بدنامی نہ ہو۔ بڑھیا نے کہا اے میری آقا! یہ کیسے؟ کس کی مجال ہے کہ ایسی باتیں کرے! شہزادی نے بڑھیا سے خط لے کر پڑھا' اس کا مطلب سمجھی اور ہاتھ

پر ہاتھ مار کر کہنے لگی ہم کس بلا میں گرفتار ہو گئے؟ نا معلوم نہیں یہ لڑکا کہاں سے آیا ہے؟ بڑھیا نے کہا اے میری آقا! خدا کی قسم اسے ایک اور خط لکھ اور پہلے سے

زیادہ برا بھلا کہہ اور لکھ کہ اس کے بعد تو نے اور کوئی خط لکھا تو تیری گردن اڑا دوں گی۔ شہزادی نے کہا ماما' میں جانتی ہوں کہ اس سے یہ معاملہ ختم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بہتر ہے کہ خط و کتابت بند کر دی جائے' اگر گزشتہ ڈانٹ ڈپٹ کافی نہیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں گی۔ بڑھیا نے کہا ایک خط لکھ کر سارا معاملہ صاف کر دے۔ شہزادی نے دوات اور کاغذ منگوا کر نہایت سخت خط لکھا اور لپیٹ کر بڑھیا کو دے دیا' مگر شہزادی کا عجب حال تھا۔

بڑھیا خط لے کر چل دی۔ جوان کے پاس پہنچ کر اسے دے دیا۔ اس نے خط لے کر پڑھا اور سر جھکا کر انگلی سے زمین پر لکیر کھینچنے لگا' زبان سے ایک لفظ نہ نکالا۔ بڑھیا نے کہا بیٹا! تجھے کیا ہو گیا ہے' نہ تو بات کرتا ہے نہ جواب دیتا ہے؟ اس نے کہا' میں کیا کہوں! وہ مجھ پر ناراض ہو رہی ہے' اس کی سخت دلی اور نفرت بڑھتی جاتی ہے۔ بڑھیا نے کہا جو تیرا جی چاہے' جواب دے' میں خط پہنچا دوں گی۔ تیرا دل ضرور خوش کروں گی اور تم دونوں کو ملا کر چھوڑوں گی۔ جوان نے اس کی مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے ہاتھ چومے اور خط لکھ کر لپیٹا اور بڑھیا کے حوالے کر کے اسے تین دو دینار دیئے اور کہا کہ یہ تیری ہاتھ دھلائی ہے۔ بڑھیا نے شکریہ ادا کیا اور وہاں سے روانہ ہو کر شہزادی کے پاس پہنچی اور اسے خط دے دیا۔ اس نے لے کر آخر تک پڑھا' اسے پھینک کر کھڑی ہو گئی اور اپنے چپل پہن کر جن پر سونے کا کام تھا' موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ اپنے باپ کے محل میں پہنچی۔ مارے غصے کے وہ پسینے پسینے ہو رہی تھی' کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ اس سے اس کا سبب پوچھے۔ محل میں پہنچ کر اس نے اپنے باپ کو پوچھا' باندیوں اور کنیزوں نے جواب دیا کہ اے آقا' وہ تو سیر و شکار کی غرض سے باہر گیا ہوا ہے۔ شہزادی یہ سن کر پھاڑ کھانے والے شیر کی طرح لوٹی اور تین پہر تک کسی سے بات نہ کی۔ یہاں تک کہ اس کا غصہ

ٹھنڈا ہوا اور چہرے کے بل جاتے رہے۔
بڑھیا نے دیکھا کہ شہزادی کی کدورت جاتی رہی' غلہ اتر گیا تو وہ اس کے پاس آئی اور ہاتھ چوم کر کہا اے میری آقا! تو نے کہاں قدم رنجہ فرمایا تھا؟ شہزادی بولی باپ کے محل میں۔ بڑھیا نے کہا کیا اور کوئی تیرا منشا پورا نہیں کر سکتا؟ شہزادی بولی میں تو اس لئے گئی تھی کہ باپ سے سارا ماجرا کہوں جو اس تاجر کتے کے ساتھ گزرا ہے اور اصرار کروں کہ وہ اسے اور اس کے تمام آدمیوں کو پکڑ کر ان کی دکان پر سولی دے دے۔ ایک پردیسی تاجر کو بھی ہمارے شہر میں نہ چھوڑے۔ بڑھیا بولی بس اتنی بات کے لئے تو اپنے باپ کے پاس گئی تھی؟ شہزادی نے کہا ہاں لیکن وہ یہاں پر موجود نہیں ہے بلکہ سیر و شکار کے لئے گیا ہوا ہے۔ اب میں اس کے لوٹنے کی راہ دیکھ رہی ہوں۔ بڑھیا بولی اے میری آقا! خدا خدا کر' اتنی بڑی عقل مند ہو کر ایسی فضول باتیں جو کسی پر ظاہر نہیں کرنی چاہئیں' اس سے کہنے گئی تھی۔ شہزادی نے کہا کیوں؟ بڑھیا بولی فرض کر کہ بادشاہ تجھے اپنے محل میں مل جاتا اور تو اس سے یہ باتیں کہتی اور وہ حکم دیتا کہ تمام تاجر اپنی دکانوں پر پھانسی دے دیئے جائیں' مگر جب لوگ دیکھتے اور پوچھتے کہ انہیں کیوں پھانسی دی گئی' تو انہیں جواب ملتا کہ یہ لوگ بادشاہ کی بیٹی کو خراب کرنا چاہتے تھے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چوبیسویں رات

سات سو چوبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑھیا بولی انہیں جواب ملتا کہ وہ لوگ بادشاہ کی بیٹی کی آبرو لینا چاہتے تھے۔ سوچ تو سہی اگر ایسا ہوا تو لوگ طرح طرح کے قصے گھڑیں گے۔ کہیں گے شہزادی دس روز تک اپنے محل سے غائب رہ کر ان کے ساتھ رہی یہاں تک کہ وہ سیر ہو گئے اور بعض کچھ اور کہیں گے۔ اے میری آقا! آبرو کی مثال دودھ کی سی ہے' ذرا سی گرد اسے گدلا کر دیتی ہے یا شیشے کی سی کہ اگر وہ ایک بار ٹوٹ جائے تو پھر نہیں جڑتا۔ خبردار! ایسی بات نہ اپنے باپ سے کیجیو' نہ کسی اور سے' کہیں تیری آبرو کو بٹہ نہ لگے۔ اے میری آقا! لوگوں کو خبر دینے سے تیرا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ ان میری باتوں کو اچھی طرح تول لے اور اگر پھر بھی تیری سمجھ میں یہ ٹھیک نہ اتریں تو جو تیرا جی چاہے کر۔ شہزادی نے بڑھیا کی باتیں سنیں اور ان پر غور کیا تو انہیں ٹھیک پایا۔ وہ کہنے لگی کہ ماما جو کچھ تو نے کہا بالکل ٹھیک ہے لیکن غصے کی وجہ سے مجھے اپنے دل پر قابو نہ رہا تھا۔ بڑھیا بولی خدا کے نزدیک تیری نیت صاف ہے کیونکہ ابھی تک تو نے اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا ہے۔ اب ایک بات باقی رہتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں اس کمینے تاجر کتے کی بے شرمی پر چپ نہ رہنا چاہیے بلکہ اسے خط لکھ کہ اے کمینے تاجر! اگر بادشاہ اس وقت یہاں موجود ہوتا تو میں تجھے اور تیرے تمام پڑوسیوں کو سولی پر چڑھوا دیتی' بہر حال ایک روز ایسا ہی ہو کر رہے گا۔ تیرا نام و نشان مٹا دوں گی۔ خط میں تو اسے خوب ڈانٹیو ڈپٹیوں تا کہ وہ اس سے باز آ جائے اور اپنی بے ہوشی سے چونک پڑے۔ شہزادی نے کہا کیا ایسی بات لکھنے سے وہ اپنی حرکت سے باز آ جائے گا؟ بڑھیا نے کہا آئے گا کیسے نہیں! میں بھی تو اس سے کہوں گی اور سارے واقعے کی خبر دوں گی۔

شہزادی نے دوات اور کاغذ منگوا کر خط لکھا اور بڑھیا کو دے کر کہا ماما! اس کتے کو تو بھی ان باتوں سے منع کر دے تا کہ مجھے اس کا سر کاٹ کر گنہگار نہ بننا پڑے۔ بڑھیا بولی' اے میری آقا! میں اس کے سارے دعوے رد کر دوں گی اور خط لے کر چل دی۔ جوان کے پاس پہنچ کر اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ بڑھیا نے اسے خط دے دیا۔ شہزادے نے خط لے کر پڑھا اور سر ہلا کر کہا انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اب میں کیا کروں؟ میرا صبر ختم ہو گیا' میرا جسم بیمار ہے۔ بڑھیا بولی' اپنے دل کو سمجھا' خدا کوئی نہ کوئی راستہ نکال دے گا۔ جو تیرے جی میں آئے لکھ' میں جواب لے آؤں گی۔ گھبرا نہیں اور دل میں نہ کڑھ۔ اگر خدا نے چاہا تو میں تم دونوں کو ملا کر دم لوں گی۔ اس نے بڑھیا کو دعا دی' خط لکھ کر اسے دے دیا اور ایک توڑا اس کے حوالے کیا جس میں چار سو دینا تھے۔ بڑھیا روانہ ہو گئی اور شہزادی کے پاس پہنچ کر اسے خط دینے لگی لیکن اس نے نہ لیا اور کہا اب یہ خط کیسا؟ بڑھیا بولی یہ اس خط کا جواب ہے جو تو نے اسے تاجر کتے کو لکھا تھا۔ سشہزادی نے کہا میں نے تو تجھے سمجھا دیا تھا کہ اسے منع کر دیجیو۔ بڑھیا نے کہا ٹھیک ہے اور یہ سی کا تو جواب ہے۔ شہزادی نے خط لے کر آخر تک پڑھ اور بڑھیا کی طرف مخاطب ہو کر بولی کیا یہی تیری لن ترانیوں کا نتیجہ ہے۔ بڑھیا نے کہا اے میری آقا' کیا اس نے جواب میں نہ نہیں لکھا کہ وہ توبہ کرتا ہے اور پچھلی باتوں کی معافی مانگتا ہے؟ شہزادی نے کہا واللہ! ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ اور زیادتی ہے۔ بڑھیا نے کہا اے میری آقا! اسے خط لکھ اور تو دیکھ لے گی کہ میں اس کے ساتھ کیا کرتی ہوں۔ شہزادی نے کہا اب میں نہ خط کی ضرورت سمجھتی ہوں نہ جواب کی۔ بڑھیا بولی جواب ضرور دے تا کہ میں اسے برا بھلا کہوں اور اس کی امیدوں پر پانی پھیروں۔ شہزادی نے کہا بغیر خط کے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دے۔ بڑھیا بولی اسے ڈانٹنے ڈپٹنے اور اس کی امیدوں پر پانی پھیرنے کے لے ضروری ہے کہ خط ساتھ ہو۔ شہزادی نے دوات اور کاغذ منگوا کر خط لکھا اور بڑھیا کے سامنے پھینک دیا۔ بڑھیا اسے اٹھا کر جوان کے

پاس گئی' اس نے خط لے کر پڑھا اور اسے معلوم ہو گیا کہ شہزادی کو اس پر بالکل ترس نہیں آتا' بلکہ اس کا غصہ بڑھتا جاتا ہے۔ اور اس کا وصال نا ممکن ہے۔

اب اس نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ وہ اس خط میں اسے بد دعائیں دے اور ایسا ہی خط لکھ کر اس نے بڑھیا کے حوالے کیا اور اسے ایک اور توڑا دیا جس میں پانچ سو دینار تھے۔ بڑھیا خط لے کر چل دی اور شہزادی کے پاس پہنچ کر اسے دے دیا۔ جب اس نے خط پڑھ ااور اس کا مطلب سمجھا تو اسے زمین پر پٹک کر کہنے لگی' اے بد ذات بڑھیا! بتا کہ تو یہ چھل فریب میرے ساتھ کیوں کرتی ہے اور اس کی طرف داری پر کیوں تلی ہوئی ہے؟ میں نے خط پر خط لکھ او تو برابر ہمارے خطوط لاتی اور لے جاتی ہی۔ یہاں تک کہ ہمارے درمیان باقاعدہ خط و کتابت ہونے ہو گگی اور داستانیں شروع ہو گئیں۔ ہر بار تو یہی کہتی رہی کہ میں اس کی بد ذاتی کو بند کر دوں گی اور سوال جواب کا خاتمہ کر دوں گی۔ تو ایسی باتیں اس لئے کرتی رہی کہ میں اسے خط لکھوں' تو ہمارے درمیان کٹناپا کرے اور میر آبرو پر دھبہ لگائے۔ اے غلامو پکڑو اس بڑھیا کو اور خوب مارو۔ انہوں نے بڑھیا کو اتنا مارا کہ اس کے سارے بدن سے خون بہنے لگا اور وہ غش کھا کر گر پڑی۔ پھر شہزادی نے باندیوں سے کہا کہ اس کی ٹانگیں پڑک کر کھینچتے ہوئے لے جاؤ۔ وہ اسے کھینچ کر محل کے کنارے تک لے گئیں۔ شہزادی نے حکم دیا کہ ایک باندی اس کے پاس کھڑی رہے' جب اسے ہوش آئے تو اس سے کہے کہ شہزادی نے قسم کھائی ہے کہ اب تو پھر اس محل میں لوٹ کر قدم نہ رکھے گی اور اگر تو آئی تو شہزادی تجھے ضرور بالضرور قتل کرادے گی۔ بڑھیا کو ہوش آیا تو باندی نے شہزادی کا حکم اسے سنا دیا۔ بڑھیا نے کہا سر آنکھوں سے۔

اس کے بعد باندیاں ایک ٹوکرا لے آئیں۔ شہزادی نے ایک حمال کو حکم دیا کہ بڑھیا کو اس کے گھر پہنچا آئے۔ حمال اسے اٹھا کر گھر پہنچا آیا۔ شہزادی نے اس کے پیچھے ایک طبیب روانہ کیا اور اس سے کہ کہ بڑھیا کا علاج نہایت مہربانی سے کیجیو تا

کہ وہ اچھی ہو جائے۔ طبیب نے حکم کی تعمیل کی۔ بڑھیا اچھی ہو گئی تو پھر جوان کے پاس پہنچی۔ بڑھیا کے اتنی مدت تک نہ آنے کی وجہ سے وہ سخت پریشان تھا اور اس کی خیر خبر کا مشتاق۔ جونہی اس نے بڑھیا کو دیکھا' وہ کھڑا ہو گیا' دوڑ کر اس کے پاس گیا ار سلام کیا لیکن اس نے دیکھا کہ بڑھیا بیمار سی معلوم ہوتی ہے۔ اس کا حال پوچھا۔ بھیا نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ جوان کو اس پر سخت افسوس ہوا اور وہ ہاتھ ملنے لگا اور کہا خدا کی قسم تیری حالت پر مجھے سخت افسوس ہے' لیکن تو یہ تو بتا کہ اسے مردوں کے ساتھ اتنی دشمنی کیوں ہے؟ بڑھیا نے کہا بیٹا سن۔ اس کا ایک باغ ہے جس سے زیادہ خوبصورت زمین کے پردے پر نہ ہو گا۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ جب وہ باغ میں سو رہی تھی کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ باغ میں گی ہے۔

ایک چڑی مار نے وہاں جال پھیلا کر اس کے آس پاس گیہوں چھڑک دیئے ہیں اور خود دور بیٹھا ہوا دیکھ رہا ہے کہ جال میں کیا پھنستا ہے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی ہو گی کہ چڑیاں آ کر گیہوں چگنے لگیں اور ایک نر جال میں پھنس گیا اور پھڑپھڑانے لگا۔ یہ دیکھ کر ساری چڑیاں اڑ گئیں۔ ان میں اس کی مادی بھی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ مادہ لوٹ کر آئی' جال کے پاس جا کر دیکھا کہ کسی حلقے میں نر کا پاؤں پھنسا ہوا ہے اور اس پر اتنی چونچیں ماریں کہ پھندا ٹوٹ گیا اور نر چھوٹ گیا۔ ادھر یہ ہو رہا تھا۔ ادھر چڑی مار کو پینک آ گئی تھی۔ پینک سے اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ جال ٹوٹا پڑا ہے۔ اس کی مرمت کر کے دوبارہ گیہوں چھڑک دیئے اور جال سے دور جا بیٹھا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر چڑیا جمع ہوئیں اور ان میں وہ نر مادہ بھی تھے۔ سب چڑیاں دانے چگنے لگیں۔ اس بار مادہ جال میں پھنس گئی اور پھڑپھڑانے لگی۔ ساری چڑیں اڑ گئیں اور اس کا نر بھی جسے اس نے چھڑایا تھا' چڑیوں کے ساتھ چلتا ہوا اور پھر لوٹ کر نہ آیا چڑی مار نشے میں تھا' بہت دیر کے بعد جاگا۔

جاگا تو اس نے دیکھا کہ مادہ جال میں پھنسی ہوئی ہے' وہ اس کے پاس گیا اور اسے

جال سے نکال کر ذبح کر ڈالا۔ شہزادی ڈر کر جاگ پڑی اور کہنے لگی۔ مردوں کی ذات کس قدر بے وفا ہے! مرد تکلیف میں ہوتا ہے تو عورت کے محبت کے مارے اپنی جان تک قربان کر دیتی ہے۔ اس کے بعد جب تقدیر سے عورت مصیبت میں پھنس جاتی ہے تو وہ اسے چھوڑ کو چل دیتا ہے اوراس کے چھڑانے کی کوشش نہیں کرتا۔ عورت کا کیا دھرا سب بے کار جاتا ہے۔ لعنت ہو خدا کی اس پر جو مردوں پر بھروسہ کرے کیونکہ وہ عورتوں کے احسانوں کو بھول جاتے ہیں۔ بس اس دن سے شہزادی کو مردوں سے نفرت ہو گئی۔ شہزادے نے کہا کیا وہ کبھی باہر نہیں نکلتی؟ بڑھیا نے کہا بیٹا کبھی نہیں' مگر اس کا ایک باغ ہے اس سے بہتر سیر و تفریح کی جگہ شاید ہی دینا پر پردے پر ہو۔ ہر سال جب اس میں پھل آتے ہیں تو وہاں جاتی ہے اور محض ایک دن اس کی سیر کرتی ہے' وہیں باغ کی بارہ دری میں رات گزارتی ہے اور چور دروازے سے باغ میں جاتی ہے۔ جو باغ سے لگا ہوا ہے۔ میں تجھے ایک بات بتانا چاہتی ہوں' خدا نے چاہا تو اس میں تیری بھلائی ہو گی۔ پھل پکنے میں ایک مہینے ہے۔ جب شہزادی وہاں سیر کرنے جائے گی' میری رائے ہے کہ تو آج ہی سے باغبان کے پاس جانا شروع کر دے تا کہ تیرے اور اس کے درمیان دوستی اور محبت ہو جائے۔ ورنہ وہ کسی کو بھی اس میں جانے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ شہزادی کے محل سے ملا ہوا ہے۔ جب اس کے آنے کا وقت ہو گا تو میں دو روز پہلے تجھے خبر کر دوں گی' تو دستور کے موافق باغ میں جائیو اور کسی ترکیب سے رات بھر وہیں ٹھہرا رہیوں تا کہ جب شہزادی آئے تو' کہیں نہ کہیں چھپا ہو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو پچیسویں رات

سات سو پچیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑھیا نے کہا تو چھپا رہیو اور جب شہزادی کو دیکھو تو نکل کر اس کے سامنے آ جائیو۔ جونہی اس کی نظر تجھ پر پڑے گی' اسے تجھ سے محبت ہو جائے گی' اور محبت کے آگے کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ بیٹا یقین کر کہ تجھے دیکھتے ہی اس کا دل تجھ پر آ جائے گا کیونکہ تو خوش رو جوان ہے۔ اس لئے بیٹا' خوش ہو اور گھبرا نہیں' میں تجھے اس سے ملا کر چھوڑوں گی۔ شہزادے نے اس کے ہاتھ چومے اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ اسے تین تھان اسکندریہ ریشم کے دیئے اور تین تھان اطلس کے جن کے رنگ ایک دوسرے سے مختلف تھے اور ہر تھان کے ساتھ ایک ایک ٹکڑا قمیصوں' ایک ایک پاجاموں کے لئے' ایک ایک رومال کے لئے اور استر کے لئے بعلبکی کپڑا۔ اس طرح سے کہ تین جوڑے پورے ہو گئے اور ہر جوڑا دوسرے سے بہتر تھا۔ اس کے بعد اس نے اسے ایک توڑا دیا جس میں چھ سو دینار تھے اور کہا یہ سلائی کے دام ہیں۔ بڑھیا نے ساری چیزیں لے لیں اور بولی بیٹا کیا تو چاہتا ہے کہ میرے گھر کا راستہ تجھے معلوم ہو جائے اور تیرے گھر کا مجھے؟" اس نے جواب دیا' ہاں۔ اس نے ایک غلام کو اس کے ساتھ کر دیا تا کہ وہ اس کا گھر دیکھ آئے۔ اور اپنی رہائش کی جگہ اسے بتا دے۔ بڑھیا چلی گئی تو شہزادے نے غلاموں سے کہا' دکان بڑھاء اور وزیر کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کیا جو اس کے اور بڑھیا کے درمیان پیش آیا تھا۔ شہزادے کی باتیں سن کر وزیر نے کہا بیٹا! اگر حیات النفوس باہر آئے' مگر تجھے منظور نہ کرے تو تو کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا پھر تو سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ میں قول و فعل کی طرف توجہ کروں' اپنی جان پر کھیل کر غلاموں کے درمیان میں سے اسے اچک لوں اور گھوڑے پر اپنے پیچھے بٹھا کر جنگل بیابان کی طرف اڑ جاؤں۔ پھر اگر میں صحیح سلامت نکل گیا

تو میری مراد بر آئی اور اگر مارا گیا تو اس رذیل زندگی سے چھٹکارا ملا۔ وزیر نے کہا بیٹا! اس کے ساتھ تو دنیا میں کس طرح گزارا کر سکتا ہے۔ ہمارا ملک یہاں سے اتنی دور ہے کہ ہم بھاگ کر وہاں پہنچ نہیں سکتے۔ علاوہ ازیں تو ایسی حرکت ایسے بڑے بادشاہ کے ساتھ کس طرح کر سکتا ہے جس کے ماتحت ایک لاکھ سوار ہیں' وہ تو اپنی فوج بھیج کر ہمارا راستہ روک دے گا۔ یہ تو کوئی معقول بات نہ ہوئی جسے عقل مند لوگ کریں۔ شہزادے نے کہا اے با تدبیر وزیر تو پھر کیا کرنا چاہیے۔ میں تو بہر حال مرنے والا ہوں؟ وزری نے کہا کل تک صبر کر' ہم کل سویرے اس باغ کو چل کر دیکھیں گے اور باغبان سے باتیں کریں گے۔

صبح ہوئی تو وزیر اور شہزادہ ایک ہزار دینار جیب میں ڈال کر چل کھڑے ہوئے۔ باغ میں پہنچنے' دیکھا کہ اس کی دیواریں اونچی' ستون مضبوط' درخت بہ کثرت' نہریں لبریز اور پھل نفیس ہیں۔ پھول مہک رہے ہیں اور چڑیا چہک رہی ہیں۔ گویا وہ جنت کا ایک باغ ہے۔ دروازے کے اندر ایک بہت بوڑھا شخص چوکی پر بیٹھا ہوا ہے۔ جونہی اس کی نظر ان دونوں پر پڑی تو ان کے وقار اور شان کو دیکھ کر اس نے سلام کیا اور کھڑا ہو گیا۔ دونوں نے سلام کا جواب دیا' باغبان نے کہا' اے میرے آقاؤ' شاید تم کسی ضرورت سے آئے ہو جس کے پورا کرنے کی میں عزت حاصل کر سکتا ہوں۔ وزیر بولا بڑے میاں' سنو ہم پردیسی ہیں' گرمی سخت پڑ رہی ہے اور ہمارا گھر بڑی دور شہر کے اس کنارے ہے۔ مہربانی کر کے یہ دو دینا لو' کھانے کے لئے کوئی چیز لے آؤ اور باغ کا دروازہ کھول کر ہمیں کہیں سائے میں بٹھا دو' جہاں ٹھنڈا پانی ہو تا کہ ہمیں گرمی سے نجات ملے۔ جب تم کھانا لے کر آ جاؤ گے تم ہم سب مل کر کھائیں گے اور ستا کر اپنی راہ لیں گے۔ یہ کہہ کر وزیر نے اپنا ہاتھ جیب میں ڈالا اور دو دینار دنکال کر باغبان کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ باغبان کی عمر ستر سال کی ہو گئی تھی لیکن کبھی اس نے اپنے ہاتھ میں سیی چیز نہ دیکھی تھی۔ دو دینار دیکھ کر اس کے ہوش اڑ

گئے۔ اس نے فوراً اٹھ کر دروازہ کھول دیا اور انہیں لے جا کر ایک درخت کے نیچے بٹھا دیا جو بہت گنجان اور پھل دار تھا اور کہنے لگا۔ یہیں بیٹھے رہنا' باغ کے اندر ہرگز نہ جانا کیونکہ ہواں سے ایک چور دروازہ شہزادی حیات النفوس کے محل کو جاتا ہے' انہوں نے جواب دیا ہمیں کہیں جانے آنے سے کیا واسطہ' اسی جگہ بیٹھے رہیں گے۔

اب بوڑھا باغبان وہ چیزیں خریدنے چل دیا جن کا انہوں نے حکم دیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک حمال کو لئے ہوئے لوٹا' جس کے سر پر ایک تللا ہو بھیڑہ اور روٹیاں تھیں۔ سب نے مل کر کھانا اور کچھ دیر باتیں چیتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد وزیر اٹھ کر باغ میں دائیں بائیں نظر دوڑانے لگا۔ دیکھا کہ اس میں ایک اونچی بارہ دری ہے' مگر پرانی ہو گئی ہے' دیوار کی سفیدی جھڑ گئی ہے' اس کے کھمبے گرے پڑے ہیں۔ پوچھا بڑے میاں' یہ باغ تیرا ہے یا تو یہاں نوکر ہے؟ اس نے جواب دیا اے میرے مولا' یہ میرا نہیں ہے' میں تو نوکر ہوں اور اس کی نگہ بنی کرتا ہوں۔ وزیر نے کہا تجھے کیا تنخواہ ملتی ہے؟ باغبان بولا اے میرے آقا' ایک دینار مہنہ۔ وزیر نے کہا یہ ان لوگوں کا ظلم ہے' خصوصاً اگر تو بال بچوں والا ہے۔ بوڑھے نے کہا اے میرے آقا' خدا کی قسم میرے آٹھ بال بچے ہیں اور نواں میں ہوں۔ وزیر نے کہا لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم واللہ اے مسکین! میں تیرے ساتھ ہمدردی رکھتا ہوں' لیکن اگر کوئی تیرے بال بچوں کی وجہ سے تیرے ساتھ نیکی کرے تو تو کیا کہے گا؟ بوڑھا بولا اے میرے مولا اگر تو بھلائی کرے تو وہ تیرے لئے خدا کے پاس جمع رہے گی۔ وزیر نے کہا سن' یہ باغ تو بہت اچھا ہے اور اس میں یہ بارہ دری بھی ہے' مگر وہ پرانی اور بوسیدہ ہو چکی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی مرمت کرا کے اس پر سفیدی اور خوبصورت رنگ و روغن پھرا دو تا کہ باغ میں اس محل سے زیادہ خوبصورت اور کوئی چیز نہ ہو۔ جب باغ کا مالک آ کر دیکھے گا کہ اس کی مرمت ہو کر یہ نہایت خوبصورت ہو گیا ہے تو وہ تجھ سے پوچھے گا کہ کس نے مرمت کرائی ہے؟ اگر وہ پوچھے تو اس سے کہیو

کہ اے میرے مولا! میں نے اس کی مرمت کرائی ہے کیونکہ میں نے دیکھا کہ وہ اجاڑ پڑا ہے' نہ تو اس سے کسی کو فائدہ پہنچتا ہے نہ کوئی یہاں اٹھ بیٹھ سکتا ہے۔ اس کی خراب حالت دیکھ کر میں نے اس پر دام خرچ کئے اور اس کی مرمت کرائی۔
اگر وہ پوچھے تیرے پاس دام ہاں سے آئے جو تونے اس پر خرچ کئے تو کہیو میں نے اپنے دام لگائے کہ تیرے سامنے سرخ رو اور انعام کا مستحق ہوں۔ اس کے بعد لازم ہے کہ وہ تیرے دام کام کے مناسب تجھے انعام دے گا۔ کل میں معماروں' سفیدی کرنے والوں اور رنگ چڑھانے والوں کو بلا کر اسے درست کرا دوں گا اور جو تجھ سے وعدہ کیا ہے' تجھے دوں گا۔ اس کے بعد وزیر نے اپنی جیب سے پانچ سو دینار کی ایک تھیلی نکالی اور باغبان سے کہا انہیں لے کر اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا کہ وہ مجھے اور میرے بیٹے کو دعائیں دیں۔ شہزادے نے اس کا سبب پوچھا تو وزیر نے جواب دیا کہ اس کا نتیجہ عنقریب دیکھ لے گا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چھبیس ویں رات

سات سو چھبیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ اتنا سونا دیکھ کر بوڑھے کے ہوش جاتے رہے' وہ وزیر کے قدموں پر گر پڑا' انہیں چومنے لگا' اسے اور اس کے بیٹے کو دعائیں دیں۔ جب وہ چلنے لگے تو باغبان نے کہا' کل میں تمہاری راہ دیکھوں گا۔ خدا کرے کہ ہم کبھی آپس میں جدا نہ ہوں۔ نہ دن میں نہ رات میں۔ دوسرے روز وزیر وہاں آیا اور معماروں کے چودھری کو بلوایا۔ وہ حاضر ہوا تو وزیر اسے لے کر باغ میں گیا۔ باغبان اسے دیکھ کر خوش ہو گیا' وزیر نے مزدوروں کی مزدوری اور عمارت کا سامان دیا۔ انہوں نے محل کو بنا کر اور سفیدی اور رنگ و روغن لگا کر تیار کر دیا تو وزیر نے رنگ سازوں سے کہا کہ اے استادو! میری بات کان دھر کر سنو او میرا مطلب سمجھو۔ میرا ایک ایسا ہی باغ ہے' ایک روز رات کے وقت جب میں سو رہا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک چڑی مار نے جال بچھایا' اس کے آس پاس گیہوں چھڑک دیئے چڑیاں گیہوں چگنے کے لئے جمع ہو گئیں اور ایک نر جال میں پھنس گیا۔ تمام چڑیاں یہ دیکھ کر بھاگیں۔ من جملہ ان کے اس نر کی مادی بھی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد مادہ اکیلی لوٹی اور اس حلقے کو کاٹ ڈالا جس میں اس کے نر کا پاؤں پھنسا ہوا تھا اور نر آزاد ہو کر اڑ گیا۔ چڑی مار اس وقت سو رہا تھا' جب وہ جاگا تو اس نے دیکھا کہ جال کٹا پڑا ہے۔ اس نے اس کی مرمت کر کے دوبارہ گیہوں ڈال دیئے اور خود دور جا کر بیٹھ گیا اور یہ راہ دیکھنے لگا کہ جال میں کوئی شکار پھنسے۔ اب پھر چڑیاں وہاں پہنچیں' ان میں وہ مادہ بھی تھی۔ یہ مادہ جال میں پھنس گئی۔ باقی سب چڑیاں اڑ گئیں۔ انہی کے ساتھ اس کا نر بھی اڑ گیا اور پھر لوٹ کر نہ آیا۔ چڑی مار نے آ کر مادہ کو پکڑ لیا اور اسے ذبح کر ڈالا۔ نر جب چڑیوں کے ساتھ اڑ گیا تھا تو ایک شکاری پرندے نے اسے شکار کر لیا' اسے مار کر اس کا خون پی گیا اور گوشت

کھا ڈالا۔ میں چاہتا ہوں کہ جس طرح میں نے تم سے یہ خواب بیان کیا ہے اسی طرح عمدہ رنگ میں اس کی تصویر کھینچ دو اور تصویر میں اسی باغ کی دیوار درخت اور پرندے

ہوں' نیز چڑی اور اس کا جال اور نر کا سارا ماجرا ہو جو اسے شکاری پرندے کے ساتھ پیش آیا۔ اگر اس تفصیل کے مطابق تم نے تصویر بنائی اور میں نے اسے دیکھ کر پسند کیا تو میں مزدوری کے علاوہ تمہیں اتنا دوں گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔

رنگ سازوں نے یہ باتیں سنیں تو انہوں نے بہت عمدہ رنگ سے پورا نقشہ تیار کر دیا۔ تصویر تیار ہو گئی تو وزیر کو خبر کی۔ وزیر یہ دیکھ کر کہ انہوں نے ہو بہو خواب کی مطابق تصویر بنائی ہے خوش ہو گیا' ان کا شکریہ ادا کیا اور انہیں بہت کچھ انعام دیا۔ اس کے بعد شہزادہ جیسے آیا کرتا تھا آیا اور اس محل کے اندر گیا' اسے معلوم نہ تھا کہ وزیر نے کیا کیا ہے۔ جب اس نے وہ تصوری دیکھی جس میں باغ' چڑی مار' جال اور چڑیاں تھیں وہ نر بھی تھا جسے شکاری پرندہ اپنے پنجوں میں دبائے ہوئے اس کا خون پی رہا اور گوشت کھا رہا تھا تو اس کے ہوش جاتے رہے۔ اس نے وزیر سے جا کر کہا اے با تدبیر وزیر! میں نے آج ایسی چیز دیکھی ہے اگر وہ سوئی سے آنکھ کے کویوں میں لکھی جائے تو عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے عبرت ہو گی۔ وزیر نے پوچھا' اے میرے آقا وہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ شہزادی نے خواب میں کیا دیکھا ہے جس کی وجہ سے وہ مردوں سے نفرت کرنے لگی ہے؟ وزیر نے کہا ہاں۔ شہزادہ بولا۔ اے وزیر' میں نے اسے رنگین تصویر میں اس طرح دیکھا کہ گویا وہ میرا ہی خواب ہے۔ اور میں نے ایک اور بات بھی پائی جو اب تک شہزادی کے علم میں نہیں اور اس کی نظر سے نہیں گزری' اسی سے مجھے مطلب بر آری کی امید ہے۔ وزیر نے کہا بیٹا' وہ وہ کیا؟ شہزادہ بولا جب مادہ جال میں پھنس گئی اور نر اس کے پاس اڑ گیا' پھر لوٹ کر نہ آیا تو ایک شکاری پرندے نے اسے پھاڑ کھایا اور اس کا خون پی گیا۔ کاش شہزادی پورا خواب دیکھتی کہ نر کو شکاری پرندے نے شکار کر لیا تھا' یہی

وجہ تھی کہ وہ لوٹ کر نہ آیا اور مادہ کو جال سے نہ چھڑا سکا! وزیر نے کہا اے نیک نہاد شہزادے! یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے۔

شہزادہ اس رنگین تصویر پر تعجب کرتا اور کہتا کہ ہائے شہزادی نے اس خواب کو آخر تک کیوں نہ دیکھا! کاش شہزادی یہ خواب آخر تک دیکھتی یا اب دوبارہ پورا خواب دیکھ لے! وزیر نے کہا جب تو نے مجھے اس بارہ دری کے بنانے کا سبب پوچھا تھا تو میں نے جواب دیا تھا کہ تجھے اس کا سبب معلوم ہو جائے گا۔ میں نے ہی یہ کام کیا ہے اور رنگ سازوں کو حکم دیا ہے کہ خواب کی تصویر کھینچ دیں اور نر کو شکاری پرندے کے ساتھ اس طرح رکھیں گویا اس نے اس کا خون چوس لیا اور گوشت کھا ڈالا ہے تا کہ جب شہزادی آئے' اس تصویر کو دیکھے اور اس کی نظر نر پر پڑے کہ شکاری پرندے نے اسے مار ڈالا ہے تو وہ اسے معذور سمجھے اور مردوں کی دشمنی سے باز آ جائے۔

یہ سن کر شہزادے نے وزیر کے ہاتھ چومے' اس کا شکریہ ادا کیا اور کہنے لگا واقعی تو ملک اعظم کا وزیر ہونے کے قابل ہے۔ خدا کی قسم اگر میری مراد بر آئی اور خوش و خرم بادشاہ کے پاس لوٹا تو اس سے ضرور اس کا ذکر کروں گا تا کہ وہ تجھ پر اور زیادہ مہربان ہو جائے' تیرا رتبہ بڑھ جائے اور وہ ہمیشہ تیری بات مانے۔ اس پر وزیر نے اس کے ہاتھ اور دونوں بوڑھے باغبان کے پاس گئے اور اس سے کہنے لگے۔ یہ جگہ کیسی خوب صورت ہو گئی! بوڑھے نے جواب دیا' یہ تمہارے ہی اقبال کی بدولت ہے۔ انہوں نے کہا اے مالی! اگر اس باغ کے مالک تجھ سے پوچھیں کہ یہ محل کس نے بنوایا ہے تو کہیو کہ میں نے اور اس پر اپنے دام خرچ کئے ہیں۔ ایسا کہنے سے تجھے مال و دولت ہاتھ آئے گا۔ بوڑھے نے کہا بسر و چشم۔ شہزادے نے اپنی آمد و رفت بوڑھے کے پاس نہ چھوڑی۔ یہ تو وزیر اور شہزادے کا ماجرا ہوا ادھر خط و کتابت کے بند ہو جانے اور بڑھیا کے نہ آنے کی وجہ سے حیات النفوس بڑی خوش تھی' اس کا خیال تھا کہ جوان اپنے وطن چلا گیا۔ ایک روز باپ کے پاس سے ایک سینی آئی جس کے

اوپر سر پوش تھا۔ اس نے سرپوش اٹھایا تو دیکھا کہ سینی میں عمدہ عمدہ پھل ہیں' وہ کہنے لگی کیا پھلوں کا موسم آ گیا ہے؟ لوگوں نے کہا' ہاں۔ شہزدی بولی کیا اچھا ہوتا اگر

ہم باغ کی سیر کرتے!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو ستائیسویں رات

سات سو ستائیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ شہزادی نے کہا' کیا اچھا ہوتا کہ ہم باغ کی سیر کرتے تو باندیوں بولیں' اے ہماری آقا تیرے قربان' باغ کی سیر کے لئے تو ہمارا بھی جی للچاتا ہے۔ شہزادی بولی کیا کیا جائے؟ ہر سال تو ماما ہمیں سیر کرانے لے جاتی اور شاخ شاخ کا حال بتاتی تھی۔ اب میں نے اسے مار کر اپنے پاس آنے سے منع کر دیا ہے۔ میں اپنے کئے پر شرمندہ ہوں وہ ہے تو آخر میری ہی ماما اور اس کی تربیت کا میرے اوپر حق بھی ہے لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم... یہ سن کر باندیاں اٹھ کھڑی ہوئی اور زمین چوم کر کہنے لگیں اے آقا! خدا کے لئے معاف کر دے اور اسے بلوا لے۔ شہزادی بولی میرا دل بھی جی یہی چاہتا ہے لیکن تم میں سے کون اسے لینے جائے گا؟ میں نے اس کے لئے ایک نہایت عمدہ خلعت تیار کیا ہے۔ دو باندیاں آگے آئیں جن میں سے ایک کا نام بلبل تھا اور دوسری کا سواد العین تھا۔ دونوں شہزادی کو خاص منہ چڑھی' دونوں حسین و جمیل تھیں' وہ کہنے لگیں' اے شہزادی ہم جائیں گے۔ شہزادی نے کہا جیسی تمہاری مرضی! انہوں نے ماما کے دروازے پر جا کر دستک دی اور اندر آ گئیں۔ پہچان کر ماما نے انہیں گلے لگایا اور خوش آمدید کہا۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد انہوں نے کہا ماما' شہزادی نے تجھے معاف کر دیا ہے اور اب وہ تجھ سے راضی ہے۔ ماما نے کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا خواہ مجھے موت ہی کا گھونٹ کیوں نہ پینا پڑے۔ کیا تم بھول گئی ہو کہ دوست اور دشمن دونوں کے سامنے مجھے سزا دی گئی۔ میرے کپڑے خون میں لت پت ہو گئے اور قریب تھا کہ پٹتے پٹتے میں مر جاتی۔ پھر انہوں نے مرے ہوئے کتے کی طرح مجھے پاؤں پکڑ کر کھینچا اور دروازے کے باہر پھینک آئے۔ خدا کی قسم میں اس کے پاس ہرگز نہ جاؤں گی۔ میں اس کا

منہ دیکھنا تک گوارا نہیں کرتی۔ کنیزوں نے کہا ہماری کوشش کو اپنے لیے بیکار نہ بنا۔ تیری مہربانی کو کیا ہو گیا جو تو ہم پر کرتی تھی۔ دیکھ تو سہی تیرے پاس کون آیا ہے۔ کیا تو چاہتی ہے کہ کوئی ایسا آئے جس کا رتبہ شہزادی کے نزدیک ہم سے بڑھ کر ہو؟ بڑھیا نے کہا خدا نہ کرے! میں جانتی ہوں کہ میرا رتبہ تم سے کم ہے۔ اگر شہزادی نے مجھے اپنی لونڈیوں اور باندیوں میں بڑھا چڑھا کر نہ رکھا ہوتا تو ایسی بات کس طرح ہوتی۔ میں بڑی سے بڑی کنیز پر غلبہ کروں اور وہ مارے ڈر کے مر جائے۔ دونوں کنیزوں نے کہا اب بھی وہی تیری عزت باقی ہے' اور بغیر کسی واسطے کے تجھے راضی کرنا چاہتی ہے۔ بڑھیا نے کہا اگر تم نہ آئی ہوتیں تو میں ہرگز اس کے پاس نہ جاتی' خواہ وہ مجھے قتل کرنے کا حکم کیوں نہ دے دیتی۔ اس پر دونوں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

اب بڑھیا نے فوراً اٹھ کر اپنے کپڑے بدلے' دونوں کنیزوں کے ساتھ چل کھڑی ہوئی اور شہزادی کے پاس پہنچی۔ شہزادی اسے دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی۔ ماما نے کہا اللہ اللہ' اے شہزادی' قصور میرا ہے یا تیرا؟ شہزادی نے کہا میں قصور وار ہوں تو مجھے معاف کر دے اور مجھ سے راضی ہو جا۔ اے ماما خدا کی قسم تیری قدر میرے دل میں بہت زیادہ ہے اور تیری تربیت کا حق بھی میرے اوپر ہے۔ لیکن تو جانتی ہے کہ خدا نے اپنے بندوں کو چار چیزیں عطا کی ہیں۔ خلق' عمر' رزق اور موت۔ اور کوئی شخص قسمت کے لکھے کو مٹا نہیں سکتا۔ اس وقت مجھے اپنے اوپر قابو نہ رہا تھا۔ میں اپنے آپ کو روک نہ سکی اور اب میں اپنے کیے پر پشیمان ہوں۔ یہ سن کر بڑھیا کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اس نے اٹھ کر شہزادی کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ شہزادی نے کہا' ماما ہمارے باغ اور پھلوں میوؤں کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا اے میری آقا! واللہ شہر میں تو میں نے بہت سے پھل دیکھے ہیں' لیکن اس کی تحقیق کر کے میں آج ہی تجھے جواب دوں گی۔ اس انتہائی عزت کو حاصل کرنے کے بعد وہ شہزادی کے پاس سے رخصت ہوئی اور شہزادے کے پاس پہنچی۔ شہزادہ اسے دیکھ کر خوش ہو گیا' اسے گلے سے لگا

لیا۔ اسے بے حد تسلی ہوئی' کیونکہ وہ اسے دیکھنے کا بے حد مشتاق تھا۔ اس کے بعد بڑھیا نے اس سے وہ سارا ماجرا بیان کیا کہ جو اسے شہزادی کے ساتھ پیش آیا تھا اور اس سے یہ بھی کہا کہ شہزادی فلاں روز باغ میں جانا چاہتی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اٹھائیسویں رات

سات سو اٹھائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بڑھیا نے آ کر شہزادے کو خبر دی کہ شہزادی فلاں روز باغ میں آنے والی ہے تو اس نے یہ بھی پوچھا کہ جو کچھ میں نے تجھ سے باغبان کے بارے میں کہا تھا وہ تو نے کیا یا نہیں' اسے انعام دیا یا نہیں؟ شہزادے نے جواب دیا ہاں' وہ میرا دوست بن گیا ہے جو کچھ میری مرضی ہو گی' وہ کرے گا۔ دل سے اس کی خواہش ہے کہ وہ میری کوئی خواہش پوری کر سکے۔ اس نے یہ بھی بیان کیا کہ وزیر کے حکم سے وہاں کیا کیا ترمیم ہوئی ہے اور شہزادی کے خواب کی تصویر بنائی گئی۔ چڑی مار' جال اور شکار پرندے کا قصہ بھی بیان کیا۔ یہ سن کر بڑھیا بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ وزیر کو اپنے دل میں جگہ دے جو کچھ اس نے کیا ہے اس سے اس کی ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ تیری مطلب بر آری میں وہ تیرا مددگار ہے۔ بیٹا فوراً اٹھ کر حمام جا اور بہترین پوشاک پہن' اس سے بڑھ کر پھر کبھی موقع نہیں ملے گا۔ اور باغبان کے پاس جا کر کوئی ترکیب چل کہ وہ تجھے باغ میں رات بھر رہنے دے کیونکہ اگر اسے زمین کے برابر بھی سونا دیا جائے تو وہ کسی کو باغ کے اندر نہ گھسنے دے گا۔ اندر جا کر تو چھپ جائیو تا کہ کوئی تجھے دیکھ نہ پائے اور اس وقت تک چھپا رہیو کہ میں یہ نہ کہوں اے پوشیدہ مہربانیوں والے' جس چیز سے ہم ڈرتے ہیں' اس سے ہمیں بچا۔ یہ سنتے ہی نکل آئیو اور درختوں کے پیچھے کھڑے ہو جائیو تا کہ شہزادی حیات النفوس کی نظر تجھ پر پڑ جائے۔ تیرے حسن کے آگے چاند شرماتا ہے' تیرے محبت اس کے جوڑ جوڑ میں بیٹھ جائے گی' تیری مراد بر آئے گی اور غم جاتا رہے گا۔ جوان نے کہا بسر و چشم اور ہزار دینار کا ایک توڑا نکال کر اسے دیا جسے لے کر وہ چل دی۔

شہزاد فوراً جا کر حمام جا کر نہایا' عجمی بادشاہوں کا لباس پہنا اور ایک ایسی پٹی کمر سے باندھی جس میں طرح طرح کے قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ ایسا عمامہ باندھا جو

سرخ سونے کے کلابتوں سے بنا ہوا تھا۔ جس میں موتیوں اور ہیروں کی جھالر تھی۔ اس کے رخسار گلاب جیسے تھے۔ ہونٹ سرخ اور آنکھیں غزالوں کی سی' چال متوالی' حسن و جمال اس پر چھایا ہوا تھا' اس کے لچک دار قد کے آگے شاخیں شرمندہ تھیں۔ بن سنور کر اس نے اپنی جیب میں ایک ہزار دینار کا توڑا رکھا اور باغ کے دروازے پر جا کر دستک دی۔ باغبان نے آ کر دروازہ کھولا اور نہایت ادب سے سلام کیا' اس نے دیکھا کہ شہزادے کا چہرہ اترا ہوا ہے۔ اس کا سبب پوچھا۔ شہزادے نے کہا بڈھے مالی' سن۔ میرا باپ مجھے بہت چاہتا ہے' آج سے پہلے کبھی اس نے مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ مجھ میں اور اس میں کچھ جھگڑا ہو گیا تھا' اس پر اس نے مجھے برا بھلا کہا اور طمانچے اور ڈنڈے مارے اور مجھے گھر سے نکال دیا۔ میرا کوئی دوست تو یہاں ہے نہیں۔ میں زمانے کی مصیبت سے ڈرتا ہوں کیونکہ ماں باپ کا غصہ کوئی چھوٹی چیز نہیں۔ چچا' میں تیرے پاس آیا ہوں کیونکہ میرا باپ تجھے جانتا ہے اور تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ شام تک مجھے یہاں رہنے دے اور اگر اس وقت تک خدا مجھ میں اور اس میں صلح نہ کرا دے تو رات کو بھی مجھ پر احسان کیجیو۔ بوڑھے کو یہ سن کر کہ اس کے اور اس کے باپ کے درمیان یہ ماجرا پیش آیا ہے' بڑا افسوس ہوا۔ وہ کہنے لگا اے میرے آقا' اگر تیری اجازت ہو تو میں جا کر تیرے باپ سے ملوں اور دونوں میں ملاپ کرا دوں۔

جوان نے کہا چچا' میرا باپ تیرے بس کا نہیں۔ اگر اس کے غصے کی حالت میں تو ملاپ کرانا چاہے گا تو وہ تیری ایک نہ سنے گا۔ بوڑھے نے کہا تو پھر اے میرے آقا' میرے گھر چل اور میرے بال بچوں کے ساتھ رات گزار' کوئی برا نہیں مانے گا۔

جوان نے کہا چچا ناراضگی کے وقت میں اکیلا ہی رہنا چاہتا ہوں۔ بوڑھے نے کہا یہ میں کیسے گوارا کر سکتا ہوں کہ میرا گھر موجود ہو اور تو باغ میں اکیلا سوئے۔ جوان نے کہا چچا' جب تک اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہو جائے میں یہی کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس

کی عادت معلوم ہے۔ اس میں اسے کوئی اعتراض نہیں ہو گا اور وہ مجھ سے جلد راضی ہو جائے گا۔ تو بوڑھے نے کہا اچھا اگر تو ضد کرتا ہے تو میں تیرے سونے کے لئے ایک بچھونا اور اوڑھنے کے لے لحاف لے آتا ہوں۔ شہزادے نے کہا چچا' اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بوڑھا اٹھا' باغ کا دروازہ کھول دیا اور بچھونا اور لحاف لے آیا۔

یہ تو شہزادے کا قصہ ہوا' ادھر بڑھیا نے جا کر شہزادی کو خبر دی کہ درختوں کے پھل پک گئے ہیں' شہزادی نے کہا ماما۔ کل میرے ساتھ چل کر باغ کی سیر کر لیکن کسی کو باغبان کے پاس بھیج کر کہلا کہ ہم کل باغ میں آئیں گے۔ ماما نے اسے کہلا بھیجا کہ شہزادی کل باغ میں آئے گی' سقوں' مزدوروں کو باہر نکلا دیجیو اور کسی کو باغ کے اندر نہ آنے دیجیو۔ باغبان کو شہزادی کا یہ پیغام پہنچا تو اس نے نالیاں وغیرہ ٹھیک ٹھاک کیں اور جوان کے پاس جا کر کہا شہزادی اس باغ کی مالکہ ہے۔ اے میرے آقا! میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں۔ یہ تیرا ہی گھر ہے اور تو ہی میرا روزی رساں' مگر یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ شہزادی حیات النفوش کل سویرے باغ میں آئے گی۔ اس نے حکم دیا ہے کہ باغ میں کسی کو رہنے نہ دوں تا کہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے۔

میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ کل صبح باغ سے نکل جائیو۔ شہزادی عصر تک یہاں ٹھہرے گی' اس کے بعد تو مہینوں اور برسوں یہاں رہ سکتا۔ شہزادے نے کہا شاید تجھے ہماری طرف سے کوئی تکلیف پہنچی ہے۔ وہ بولا میرے مولا! خدا کی قسم کوئی تکلیف نہیں پہنچی بلکہ ہمیشہ بھلائی ملی ہے۔ جوان نے کہا اگر ایسا ہے تو اب بھی تجھے بھلائی ہی ملے گی۔ میں اس باغ میں چھپ جاؤں گا اور جب تک شہزادی اپنے محل میں لوٹ نہ جائے' مجھے کوئی دیکھ نہیں سکے گا۔ باغبان نے کہا اگر اس نے کسی شخص کا سایہ بھی دیکھ لیا تو وہ میری گردن اڑا دے گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو انتیس ویں رات

سات سو انتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ----- گابان نے کہا کہ اگر شہزادی نے کسی کا سایہ بھی دیکھ پایا تو وہ میری گردن اڑا دے گی۔ تو جواب بولا میں ہرگز ہرگز اپنے آپ کو ظاہر نہ کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ آج تیرے پاس بال بچوں پر خرچ کرنے کے لئے کچھ تنگی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے تھیلی میں ہاتھ ڈالا اور اس میں سے پانچ سو دینار نکال کر کہنے لگا۔ لے یہ اشرفیاں اپنے بال بچوں پر خرچ کرنا کہ تجھے ان کی طرف سے اطمینان ہو جائے۔ بوڑھے کی نظر سونے پر پڑی تو اس کا دل ٹھنڈا ہو گیا' شہزادے کو چھوڑ کر چل دیا اور کہتا گیا کہ خبردار باغ میں پھریو' چلیو نہیں۔

یہ تو باغبان اور شہزادے کی سرگزشت ہوئی۔ اب شہزادی کی روداد سنو۔ جب دوسرا دن ہوا اور اس کی کنیزیں اس کے پاس آئیں تو اس نے حکم دیا کہ وہ چور دروازہ کھولا جائے جو بارہ دری والے باغ میں کھلتا ہے اور خود شاہانہ پوشاک پہنی جس میں چھوٹے بڑے موتی اور ہیرے ٹنکے ہوئے تھے۔ پوشاک کے نیچے ایک ہلکی قمیص تھی جس میں یاقوت لگے ہوئے تھے۔ ان سب کے نیچے وہ چیز تھی جس کی تعریف سے زبان عاجز ہے' دل متحیر اور جس کی چاہت میں بزدل بھی بہادر ہو جاتے ہیں۔ اس کے سر پر سرخ سونے کا تاج تھا۔ جن پر سرخ سونے کا کام تھا قیمتی قیمتی رنگ اور قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ اس نے بڑھیا کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا چور دروازے سے نکل چل۔ بڑھیا نے دیکھا کہ باغ باندیوں اور کنیزوں سے بھرا ہوا ہے' وہ پھل کھا رہی اور نہروں کو گدلا کر رہی ہیں' کھیل کود اور ہنسی مذاق میں مشغول ہیں۔ وہ شہزادی سے کہنے لگی تو بڑی عقلمند اور سمجھ دار ہے۔ تجھے خوب معلوم ہے کہ ان لونڈیوں کی ضرورت باغ میں نہیں۔ اگر اپنے باپ کے محل سے باہر جاتی تو ان کا تیرے جلوس میں ہونا

عزت کا باعث ہوتا۔ یہاں تو اے میری آقا' تو چور دروازے سے باغ میں جا رہی ہے جہاں کسی کی نظر تیرے اوپر نہیں پڑ سکتی۔ شہزادی نے کہا ماما تو ٹھیک کہتی ہے۔

اچھا اب کیا کرنا چاہیئے؟ بڑھیا بولی باندیوں کو حکم دے کہ وہ لوٹ جائیں۔ شہزادی نے حکم دیا کہ سب باندیاں لوٹ جائیں۔ پھر ماما نے کہا ابھی تو اور نوکر چاکر باقی ہیں۔ یہی بس کی گانٹھ ہوتے ہیں۔ انہیں بھی واپس کر دے' اپنے ساتھ صرف دو کنیزیں رہنے دے' جن سے مذاق کر سکیں۔ اس کے بعد جب ماما نے دیکھا کہ شہزادی پر اس کا افسوں چل گیا تو کہنے لگی اب ہماری خوب سیر ہو گی۔ آ باغ میں چل۔ شہزادی چور دروازے سے نکل کر باہر آئی۔ دونوں کنیزیں اس کے آگے آگے تھیں' وہ ان سے ہنسی مذاق کرتی اور اپنی قبا میں مٹکتی جاتی تھی۔ ماما بڑھ بڑھ کر اسے درخت دکھاتی اور میوے کھلاتی۔ اس طرح سے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ چلتی پھرتی بارہ دری کے پاس پہنچ گئی۔

جب شہزادی کی نظر بارہ دری پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ وہ بالکل نئی ہو گئی ہے۔ ماما سے کہنے لگی دیکھ تو سہی اس باہ دری کی مرمت ہو گئی اور دیواروں پر سفیدی پھر گئی ہے۔ ماما نے کہا اے میری آقا! اس بارے میں میں نے سنا تھا کہ باغبان نے چند تاجروں سے کپڑے لئے ہیں اور انہیں بیچ کر اس نے اینٹیں' چونا' قلعی اور پتھر وغیر خریدے ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ تو ان کا کیا کرے گا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس بارہ دری کی مرمت کرائی ہے۔ جو ٹوٹی پڑی تھی۔ پھر بوڑھے نے ایک روز کہا تاجر مجھ پر تقاضا کرتے ہیں اور میں ان سے کہتا ہوں کہ شہزادی کو باغ میں آ لینے اور اسے دیکھ کر پسند کر لینے دو۔ شہزادی آئے گی اور مجھے کچھ مرحمت فرمائے گی تو میں تمہارا قرضہ ادا کر دوں گا۔ میں نے باغبان سے پوچھا کہ آخر تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے دیکھا کہ وہ گر گئی ہے' اس کے کھمبے ٹوٹے پڑے ہیں۔ سفیدی اتر گئی ہے اور کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ اس کی

مرمت کرادے' اس لئے میں نے خود قرض لے کر اس کی مرمت کرادی' مجھے امید ہے کہ شہزادی اپنے رتبے کے موافق میرے کام کی داد دے گی۔ میں نے بھی اس سے کہا کہ شہزادی سرتاپا نیکی اور بھلائی ہے۔ بیٹی! اس نے سب کچھ اس لئے کیا ہے کہ اسے تیرے احسان کی امید ہے۔ شہزادی نے کہا خدا کی قسم اس نے محض مروت کی بنا پر یہ کام کیا ہے' یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ خزانچی کو بلا۔ ماما نے خزانچی کو آواز دی' وہ فوراً شہزادی کے پاس حاضر ہوا۔ شہزادی نے اسے حکم دیا کہ باغبان کو دو ہزار دینار دے دے۔ بڑھیا نے باغبان کے پاس ایک آدمی بھیجا' اس نے جا کر باغبان سے کہا کہ شہزادی کی خدمت میں حاضر ہو۔ یہ پیغام سن کر باغبان کانپنے لگا۔ اس کی طاقت نے جواب دے دیا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ ضرور شہزادی کی نظر جوان پر پڑ گئی ہے اور آج میری شامت آ گئی۔ باغبان وہاں سے اپنے گھر گیا' اپنی بیوی اور بچوں کو یہ خبر سنائی۔ انہیں وصیت کی اور رخصت ہوا۔ وہ سب رونے پیٹنے لگے۔ اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ چل کر شہزادی کے پاس پہنچا۔ اس کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں' قریب تھا کہ وہ زمین پر دھڑ سے گر پڑے۔ بڑھیا سمجھ گئی اور کہنے لگی بوڑھے! زمین چوم کر خدا کا شکریہ ادا کر اور گڑگڑا کر شہزادی کو دعا دے' میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ تو نے ہی ٹوٹے ہوئے محل کی مرمت کرائی ہے' وہ خوش ہو گئی اور اس کے بدلے اس نے تجھے دو ہزار دینار انعام دیئے ہیں۔ خزانچی سے لے لے۔ شہزادی کو دعا دے اور اس کے آگے زمین چوم کر چلتا بن۔ ماما کی باتیں سن کر باغبان نے دو ہزار دینار لئے' شہزادی کے آگے زمین چوم کر اپنے گھر چلا گیا۔

اس کے بال بچے خوش ہو گئے اور اس شخص کو دعائیں دینے لگے جس کی وجہ سے انہیں یہ تمام چیزیں ملیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو تیسویں رات

سات سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ باغبان کے بال بچے اس شخص کو دعائیں دینے لگے جس کی وجہ سے انہیں یہ دولت ملی تھی۔ ادھر بڑھیا نے شہزادی سے کہا اے میری آقا! یہ محل کتنا خوبصورت ہو گیا ہے' نہ اس سے صاف سفیدی میری نظر سے گزری ہے اور نہ ہی اس سے خوبصورت رنگ و روغن۔ دیکھیں تو اسی ان نے اندر اور باہر دونوں طرف سے مرمت کی ہے یا فقط باہر سفید ہے اور اندر سیاہ۔ آ اندر چلیں۔ ماما آگے آگے اور شہزادی پیچھے پیچھے اندر گئیں دیکھا کہ اندر بھی نہایت عمدہ رنگ و روغن اور سنہرا کام ہے۔ شہزادی دائیں بائیں دیکھتی ہوئی بارہ دری کے صدر میں پہنچی۔ اور وہاں دیر تک نظر جمائے دیکھتی رہی۔ ماما! تاڑ گئی کہ وہ اس خواب کی تصویر دیکھ رہی ہے' اس نے دونوں کنیزوں کو اپنے ساتھ لیا تا کہ شہزدی کی توجہ اس طرف نہ ہٹنے پائے۔ خواب کی تصویر دیکھنے کے بعد شہزادی بڑھیا کی طرف متوجہ ہوئی' متعجب ہو کر کہنے لگی' ماما! آ تجھے ایک عجیب و غریب چیز دکھاؤں۔ جو اگر سوئی سے آنکھ کویوں پر لکھی جائے تو عبرت حاصل کرنے والے اس سے عبرت حاصل کریں گے۔ بڑھیا بولی۔ اے میری آق١٠ وہ کیا؟ شہزادی نے کہا بارہ دری کے صدر میں جا کر دیکھ اور جو تجھے دکھائی دے' مجھ سے کہیو۔ بڑھیا نے اندر جا کر تصویر کو غور سے دیکھا اور باہر آ کر بولی' واللہ اے میری آقا' یہ تو وہی باغ چڑی مار' جال اور وہی تمام چیزیں ہیں۔ جنہیں تو نے خواب میں دیکھا تھا۔ ساتھ یہ بھی ہے کہ نر کا پھر لوٹ کو اپنی مادہ کے پاس نہ آنا اور اسے جال سے نہ چھڑانا کس وجہ سے ہوا۔ میں دیکھتی ہوں کہ وہ شکار پرندے کے پنجے میں پھنسا ہوا ہے۔ جس نے اسے مار کر اس کا خون پی لیا ہے اور گوشت چبا کر کھا گیا ہے۔ اے میری آقا۔ اب کھلا کہ وہ واپس آ کر اپنی مادہ کو جال سے کیوں نہ چھڑا سکا۔ لیکن اے میری آقا! تعجب کی

بات تو یہ ہے کہ تصویر کس طرح کھنچ گئی۔ اگر تو بھی اس کی تصویر کھینچنا چاہتی تو ہرگز نہ کھینچ سکتی۔ خدا کی قسم یہ عجیب و غریب بھید ہے جو تاریخ کی کتابوں میں لکھا

جائے گا۔ اے میری آقا! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں جو انسانوں کے ساتھ ہیں معلوم ہوا کہ نر مظلوم ہے' اور ہم نے اس پر ظلم کیا' اس کے واپس نہ آنے پر اسے برا بھلا کہا' اس لئے انہوں نے نر کی طرف داری کی اور اس کی مجبوری ظاہر کر دی۔ دیکھ وہ کیا شکاری پرندنے کے پنجوں میں مردہ پڑا ہے۔

شہزادی بولی ماما' اس چڑیا پر قضا و قدر مسلط ہو گئی تھی' مگر ہم نے اس پر ظلم کیا۔

بڑھیا نے کہا اے میری آقا! دشمنوں کا فیصلہ خدا کے سامنے ہو گا۔ اے میری آقا! سچ ظاہر ہو گیا اور نر کی مجبوری ہمیں معلوم ہو گئی۔ اگر وہ شکاری پرندے کے پنجوں میں نہ پھنسا ہوتا جس نے اسے مار کر اس کا خون چوس لیا اور گوشت کھا ڈالا تو وہ مادہ کے پاس لوٹ کر جانے میں ہرگز دیر نہ کرتا بلکہ فوراً جا کر اسے جال سے چھڑاتا لیکن موت کا کوئی علاج نہیں۔ مرد کی تو یہ خاصیت ہے کہ وہ خود بھوکا رہتا ہے اور بیوی کو کھلاتا ہے' خود ننگا رہتا ہے' اسے کپڑے پہننے کو دیتا ہے۔ اپنے خاندان کو ناراض کر کے اسے خوش رکھتا ہے۔ ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہے' انہیں نہیں دیتا اور اسے دیتا ہے۔ بیوی اس کے سارے بھید اور را جانتی ہے۔ پل بھر اس سے الگ نہیں رہ سکتی۔ اگر وہ ایک رات بھی موجود نہیں ہوتا تو اس کی آنکھ بند نہیں ہوتی' اس کے لئے شوہر سے زیادہ عزیز اور کوئی نہیں ہوتا۔ وہ ماں باپ سے زیادہ اسے چاہتی ہے۔ جب دونوں سوتے ہیں تو گلے لپٹ کو سوتے ہیں۔ اس کا ہاتھ اس کی گردن کے نیچے ہوتا ہے اور اس کا ہاتھ اس کی گردن کے نیچے۔ یہ اس کے بوسے لیتا ہے اور وہ اسے کے۔ ایک بادشاہ نے اپنی بیوی کے ساتھ یہاں تک کیا کہ جب وہ بیمار ہو گئی تو اس کے ساتھ زندہ دفن ہو گیا۔ وہ اسے اتنا چاہتا تھا کہ اس نے اپنے لئے موت کو ترجیح دی۔ اسی طرح ایک بادشاہ بیمار ہو کر مر گیا لوگ اسے دفن کرنے کے لئے گئے تو بیوی نے اپنے خاندان والوں سے کہا کہ مجھے بھی اسی کے ساتھ دفن ہو جانے

دو' ورنہ میں اپنی جان دے دوں گی اور میرا خون تمہاری گردن پر ہو گا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ وہ باز نہ آئے گی تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور وہ اپنی محبت اور پیار کی وجہ سے اس کے ساتھ قبر میں کود پڑی۔ بڑھیا نے مردوں اور عورتوں کے اتنے قصے بیان کئے کہ رہی سہی مردوں کی دشمنی بھی شہزادی کے دل سے نکل گئی۔ جب بڑھیا سمجھ گئی کہ مردوں کی محبت اس کے دل میں بیٹھ گئی ہے تو وہ کہنے لگی۔ اب باغ کی سیر کا وقت آیا ہے اور دونوں بارہ دری سے نکل کر درختوں کے درمیان ٹہلنے لگیں۔ شہزادے نے آنکھ اٹھائی تو اس کی نظر شہزادی پر جا پڑی' اس نے عجیب پیاری پیاری شکل دیکھی۔ قد سڈول تھا' رخسار گلابی' آنکھیں کالی کالی اور ادائیں دل لبھانے والی۔
اس کے ہوش جاتے رہے' وہ اس کی طرف دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ اس کے قدم لڑکھڑانے لگے تھے اور محبت حد سے بڑھ گئی۔ وہ دل و جان سے اس پر نثار تھا اور اس کے دل میں عشق کی آگ بھڑک رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گیا اور غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ نظر سے غائب ہو چکی ہے۔ اور درختوں کی اوٹ میں پہنچ گئی ہے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اکتیس ویں رات

سات سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ جب شہزادے نے دیکھا کہ وہ آنکھوں سے اوٹ ہو گئی ہے تو وہ آہیں بھرنے لگا۔ ادھر بڑھیا اسے لئے ہوئے اس جگہ پہنچی جہاں شہزادہ تھا اور کہنے لگی اے پوشیدہ مہربانیوں والے' بچا ہمیں اس چیز سے جس سے ہم ڈرتے ہیں۔ یہ اشارہ سن کر شہزادہ باہر نکل آیا اور متعجب ہو کر درختوں کے درمیان ٹہلنے لگا اس کے قد پر ڈالیاں خار کھاتی تھی۔ اس کی پیشانی پسینے پسینے ہو رہی تھی اور دونوں رخسار شفق کی طرح چمک رہے تھے۔ پاک ہے خدا کی ذات جس نے کیا کیا چیزیں پیدا کیں! شہزادی نے نظر اٹھا کر دیکھا تو شہزادہ اس کے سامنے تھا' اس کی نظر وہیں جم کر رہ گئی' وہ اس کا حسن و جمال' قد و قامت اور آنکھیں دیکھنے لگی جو غزالوں کی تھیں۔ اس کے ہوش جاتے رہے' عقل سلب ہو گئی اور اس کی آنکھوں کا تیر اس کے دل میں جا کر لگا۔ اس نے بڑھیا سے کہا' اے ماما! یہ خوش رو سڈول جوان یہاں کہاں سے آیا؟ بڑھیا بولی اے میری آقا! کہاں؟ شہزادی نے جواب دیا وہ کیا درختوں کے درمیان ہیں ۔ بڑھیا دائیں بائیں دیکھنے لگی' گویا اسے اس کی خبر تک نہ تھی اور کہا اس جوان کو اس باغ کا راستہ کس نے بتایا۔

حیات النفوس نے کہا'اس جوان کا حال کون ہمیں بتا سکتا ہے؟ پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو پیدا کیا لیکن ماما! بتا تو سہی تو اس جوان کو جانتی ہے؟ ماما نے کہا یہ وہی جوان ہے جو میرے ذریعے سے تیرے ساتھ خط و کتابت کرتا تھا۔ شہزادی اس کی محبت میں ڈوب تو چکی ہی تھی کہنے لگی۔ ماما یہ جوان کیسا حسین ہے اور اس کا ناک نقشہ کتنا خوبصورت ہے! میرے خیال میں اس سے زیادہ خوش رو دنیا کے پردے پر کوئی نہ ہو گا۔

جب بڑھیا نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ شہزادی نوجوان کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے

تو کہنے لگی اے میری آقا! میں نے کہا نہ تھا کہ وہ حسین اور خوش رو جوان ہے۔
شہزادی بولی' ماما! بادشاہوں کی بیٹیوں کو دنیا کی بالکل خبر نہیں ہوتی۔ نہ وہ دنیا والوں کے حالت سے واقف ہوتی ہیں اور نہ وہ کسی سے ملتی جلتی یا لین دین رکھتی ہیں۔ اے ماما! اس تک کیوں کر رسائی ہو اور میں کیا منہ لے کر اس کے پاس جاؤں۔ میں اس سے کیا کہوں اور خدا جانے وہ کیا کہے؟ بڑھیا نے کہا اب میں کیا تدبیر کر سکتی ہوں! تو نے تو ہم سب کو پریشانی میں ڈال دیا۔ شہزادی نے کہا ماما اگر عشق میں کوئی مر سکتا ہے تو میں مر جاؤں گی' مجھے اپنے مرنے کا یقین آ چکا ہے اور یہ سب محبت کی آگ کا کرشمہ ہے۔ بڑھیا نے یہ باتیں سنیں اور دیکھا کہ وہ محبت سے گھائل ہو چکی ہے تو کہنے لگی' اے میری آقا! اس کا تیرے پاس آنا تو نا ممکن ہے اور تو بھی اس کے پاس کسی طرح نہیں جا سکتی کیونکہ تو ابھی کم سن ہے لیکن میرے ساتھ ساتھ چل' میں آگے آگے ہوں گی' اس کے پاس پہنچ کر میں اس سے بات چیت کروں گی' اس طرح سے تجھے شرمندگی اٹھانی نہیں پڑے گی اور آنکھ جھپکتے ہی تم دونوں میں محبت ہو جائے گی۔ شہزادی نے کہا اچھا آگے آگے چل' جو خدا نے مقدر کر دیا ہے' وہ پھر نہیں سکتا تھا۔ ماما اور شہزادی شہزادے کے پاس پہنچیں جو وہاں بیٹھا ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند۔ دونوں اس کے پاس پہنچ گئیں تو بڑھیا نے کہا اے جوان! دیکھ تیرے پاس کون آیا ہے۔ وہ عالی شان بادشاہ کی بیٹی حیات النفوس ہے۔
اس کی اس عزت افزائی اور اپنے پاس آنے کا شکریہ ادا کر۔ اٹھ کر آداب بجا لا اور اس کے سامنے سر و قد کھڑا ہو جا۔ جوان فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں اور دونوں بے پئے مست ہو گئے' جوان کی محبت اور تمنائیں دوبالا ہو گئیں۔
شہزادی نے اپنے ہاتھ بڑھائے' جوان نے اپنے۔ اور دونوں بڑے اشتیاق کے ساتھ گلے لپٹ گئے۔ عشق نے انہیں اتنا مغلوب کر دیا کہ دونوں غش کھا کر زمین پر گر پڑے اور دیر تک پڑے رہے۔ بڑھیا ڈری کہ کہیں بدنامی نہ ہو اس لئے اس نے انہیں بارہ

دری کے اندر داخل کر دیا اور خود دروازے پر بیٹھ گئی اور کنیزوں سے کہا تم اس فرصت کو غنیمت سمجھو' باغ میں جاؤ' کھیلو کودو۔ شہزادی سو رہی ہے۔ یہ سن کر کنیزیں سیر کرنے چلی گئیں۔ جب دونوں کو ہوش آیا تو انہوں نے دیکھا کہ وہ بارہ دری کے اندر ہیں' جوان بولا اے حسینوں کی سر تاج' یہ خیال ہے یا خواب؟ اور پھر دونوں گلے لپٹ گئے۔ متوالوں کی طرح محبت کا شکوہ شکایت کرنے لگے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• سات سو بتیس ویں رات

سات سو بتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ دونوں محبت کا شکوہ شکایت کرنے لگے۔ شہزادی نے جوان کو سینے سے لگا لیا' ان کا منہ اور ماتھا چومنے لگی۔ اس کی جان میں جان آئی۔ وہ عشق کے ظلم' محبت کے جور' انتہائی شوق و تمنا اور ان تمام واقعات کو بیان کرنے لگا جو اس کی سخت دلی کی وجہ سے پیش آئے تھے۔ شہزادی بے تاب ہو گئی'اس کا سر کھل گیا' کالی رات اور اس میں دودھویں رات کا چاند نظر آنے لگا' وہ کہنے لگی۔ اے میرے پیارے اور میری تمنا خدا کرے کہ اب ہم میں جدائی نہ ہو اور فراق کی گھڑیاں پھر لوٹ کر نہ آئیں! اس کے بعد دونوں گلے لپٹ گئے اور رونے لگے۔ اسی طرح دونوں میں راز و نیاز کی باتیں ہو رہی تھیں کہ عصر کی اذان ہو گئی اور ان کے درمیان سوائے ان باتوں کے اور کچھ نہ ہوا۔ جب دونوں رخصت ہونے لگے تو شہزادی نے کہا اے میرے پیارے' آنکھ کے تارے' جدائی کا وقت آ گیا ہے۔ اب یہ بتا کہ پھر کب ملنا ہو گا؟ جوان کے دل میں ایک تیر سا لگا۔ وہ کہنے لگا خدا کے لئے جدائی کا نام نہ لے۔ اور وہ بارہ دری سے نکل گئی۔ جوان نے پھر کر دیکھا تو وہ آہیں بھر رہی ہے جس سے پتھر بھی پگھل جائے! اس کے آنسو مینہ کی طرح جاری تھے۔ کچھ دیر بعد وہ پھر لوٹ کر آئی اور جوش محبت میں اسے گلے لگا لیا' اس کے دل میں وہ آگ لگی ہوئی تھی جسے سوائے بوس و کنارے کے اور کوئی چیز نہ بجھا سکتی تھی۔ کہنے لگی کہ محبوب کے بارے میں صبر کرنا چاہئے نہ کہ بے صبری۔ میں ملنے کی کوئی نہ کوئی تدبیر نکال لوں گی۔ یہ کہہ کر وہ چل دی لیکن اسے یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ پاؤں کہاں پڑ رہے ہیں۔ بہرحال وہ اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔ ادھر جوان کا یہ حال تھا کہ مارے محبت کے اس کی نیند جاتی رہی۔ ادھر شہزادی

کا کھانا پینا بند ہو گیا' صبر جاتا رہا وہ بیمار پڑ گئی۔
صبح ہوئی تو اس نے ماما کو بلوایا۔ ماما نے آ کر دیکھا کہ اس کی حالت کچھ اور ہی ہے۔ شہزادی نے کہا میرا حال نہ پوچھ۔ جو کچھ مجھ پر گزری ہے' تیری وجہ سے گزری ہے۔ اس کے بعد وہ کہنے لگی کہ میرا پیارا کہاں ہے؟ بڑھیا نے کہا اے میری آقا! وہ تیرے پاس سے کب گیا ہے؟ کیا رات ہونے سے پہلے چلا گیا؟ شہزادی نے کہا' کیا ممکن ہے کہ میں ایک پل بھی صبر کر سکوں۔ جا اور کسی ترکیب سے اسے فوراً مجھ سے ملا ورنہ قریب ہے کہ میری روح نکل جائے۔ ماما نے کہا اے میری آقا' صبر کر میں تیرے لئے ایک ایسی ترکیب نکالنے والی ہوں کہ کسی کو خبر تک نہ ہونے پائے۔ شہزادی نے کہا قسم ہے بزرگ خدا کی اگر تو آج اسے نہ لئے آئی تو میں بادشاہ سے جا کر کہہ دوں گی کہ تو نے ہی مجھے اس مصیبت میں ڈالا ہے اور وہ تیری گردن اڑا دے گا۔ بڑھیا نے کہا خدا کے لئے مجھے سوچ سمجھ کر کام کرنے دے' یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے۔ اسی طرح بڑھیا نے خوشامد کر کے اسے تین دن تک روکا۔ اس کے بعد شہزادی کہنے لگی۔ ماما یہ تین دن مجھ پر ایسے گزرے ہیں جیسے تین سال۔ اگر چوتھا دن بھی گزر گیا اور تو اسے میرے پاس نہ لائی تو میں کوشش کر کے تجھے قتل کرا دوں گی۔ یہ سن کر بڑھیا وہاں سے روانہ ہو گئی اور اپنے گھر پہنچی۔
جب چوتھا دن ہوا تو اس نے شہر کی مشاطاؤں کو بلوایا اور ان سے کہا کہ عمدہ رنگ مجھے لا دو جن سے کنواری لڑکیاں رنگی جاتی ہیں۔ وہ بہترین سے بہترین رنگ لے آئیں۔ اب بڑھیا نے جوان کو بلوایا' وہ آیا تو بڑھیا نے اپنا صندوق کھول کر اس میں سے ایک بقچہ نکالا۔ جس میں زنانے کپڑے تھے۔ ان کی قیمت پانچ ہزار دینار ہو گی اور ایک پگڑی نکالی جس کی جھالر جواہرات کی تھی اور کہنے لگی بیٹا' کیا تو حیات النفوس سے ملنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔ بڑھیا نے ایک موچنا نکال کر اس کے بال نوچے' سرمہ لگایا پھر اس کے کپڑے اتار کر اس کے دونوں ہاتھوں پر ناخنوں سے لے کر کاندھوں تک اور تلوؤں سے رانوں تک نقش و نگار سے آراستہ کیا۔ جسم کو رنگا' وہ ایسا معلوم

ہونے لگا جیسے مر مر کی تختیوں پر لال گلاب۔ اس کے بعد اس نے اسے دھویا' پونچھا اور اس کے لئے نیچے اوپر پہننے کے کپڑے لے آئی۔ ان شاہی کپڑوں کو پہنا کر بڑھیا نے اس کے پگڑی باندھی' نقاب ڈالی' اسے چلنا سکھایا اور کہا کہ بایاں پاؤں آگے بڑھا اور دایاں پیچھے ہٹا۔ جوان نے ایسا ہی کیا جیسا کہ بڑھیا نے کہا اور اس کے آگے آگے چلنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جنت سے کوئی حور آ گئی ہے۔ اب بڑھیا بولی کہ دل مضبوط کر کیونکہ تو شاہی محل میں جا رہا ہے جس کے دروازے پر فوج اور نوکر چاکر سب ہی ہوں گے۔ اگر تو ذرا بھی جھجکا یا گھبرایا تو وہ تیرا جھاڑا لیں گے اور تجھے پہچان جائیں گے' ہم بلا میں گرفتار ہو جائیں گے اور مارے جائیں گے۔ اگر تو ایسا نہیں کر سکتا تو ابھی بتا دے۔ جوان نے کہا مجھے ان باتوں کا کوئی ڈر نہیں۔ تو گھبرا نہیں' بے دھڑک چلی چل۔ بڑھیا آگے آگے ہو گئی اور وہ محل کے دروازے پر پہنچ گئے۔ جو نوکروں چاکروں سے بھرا ہوا تھا۔ اور وہ پھر کر دیکھنے لگی کہ جواب گھبرا تو نہیں گیا ہے۔ دیکھا تو اس پر بالکل اثر نہیں تھا۔ بڑھیا وہاں پہنچی۔ تو بڑے دربان نے اسے دیکھ کر پہچان لیا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ بڑھیا کے پیچھے پیچھے ایک لڑکی ہے جسے دیکھ کر عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ بڑھیا تو ماما ہے مگر جو لڑکی اس کے پیچھے ہے' اس جیسی حسن' جمیل اور خوبرو تو ہمارے ملک بھر میں کوئی نہ ہو گی۔ کہیں یہ شہزادی حیات النفوس تو نہیں۔ لیکن وہ تو پردے میں رہتی ہے' کبھی باہر نہیں نکلتی۔ معلوم نہیں وہ نکلی کیسے اور نکلی بھی تو بادشاہ کے حکم سے یا بے حکم۔ دربان اس کی تحقیق کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور تقریباً تیس غلام اس کے ساتھ ہو لئے۔ یہ دیکھ کر بڑھیا کے ہوش اڑ گئے۔ وہ "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھنے اور دل میں کہنے لگی کہ اب ہماری جانیں گئیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو تینتیسویں رات

سات سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب بڑھیا نے کہا کہ اب ہماری جانیں گئیں اور بڑے دربان نے اسے سنا تو وہ گھبرایا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شہزادی کی کیا شان ہے اور یہ کہ بادشاہ اس کی ہربات مانتا ہے۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ شاید بادشاہ نے ماما کو حکم دیا ہو کہ وہ شہزادی کو کسی ضرورت کے لئے باہر لے جائے اور وہ نہ چاہتی ہو کہ کسی کو اس کی خبر ہو۔ اگر میں نے اسے ٹوکا تو اس کے دل میں میری طرف سے کینہ پیدا ہو جائے گا' وہ کہے گی کہ یہ غلام میرا حال دریافت کرنے کے لئے مجھے ٹوکتا ہے اور مجھے قتل کرانے کے پیچھے پڑ جائے گی۔ مجھے اس کی ضرورت ہی کیا ہے! یہ سوچ کر وہ لوٹ گیا اور تیسوں غلام بھی اس کے ساتھ پھاٹک کی طرف چلنے لگے بلکہ انہوں نے لوگوں کو پھاٹک پر سے ہٹا دیا۔ ماما اندر داخل ہوئی اور سر کے اشارے سے سلام کیا۔ تیسوں غلام ٹھہر گئے اور نہایت ادب سے اس کے سلام کا جواب دیا۔ بڑھیا شہزادے کو لئے ہوئے آگے بڑھی اور ایک دروازے سے دوسرے میں گزرتی ہوئی ساری منزلیں طے کر لیں اور خدا نے اس کی پردہ پوشی کی' وہ دونوں ساتویں دروازے پر پہنچ گئے جو بڑے محل کا دروانہ تھا۔ اس محل میں بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ یہیں سے کنیزوں کے کمروں' حرم سرا اور شہزادی کے محل کا راستہ تھا۔ بڑھیا ٹھہر گئی اور کہنے لگی۔ بیٹا! اب ہم یہاں تک پہنچ گئے اور پاک ہے وہ ذات جس نے ہماری پردہ پوشی کی بیٹا ملاقات رات سے پہلے نہیں ہو سکتی کیونکہ رات ہی ڈرنے والوں کی پردہ پوش ہے۔ اس نے کہا تو ٹھیک کہتی ہے' پھر اب کیا کرنا چاہئے؟ بڑھیا نے کہا اس اندھیری کوٹھڑی میں چھپ جا۔ جوان اس اندھیری جگہ جا کر بیٹھ گیا' بڑھیا کہیں چلی گئی۔ شام ہوئی تو وہ اس کے پاس آئی اور اسے وہاں سے لے کر محل میں داخل ہوئی۔ چلتے چلتے دونوں حیات النفوس

کے کمرے کے دروازے پر پہنچے۔ بڑھیا نے دستک دی۔ ایک کم سن لونڈی نے آ کر پوچھا کون ہے دروازے پر؟ بڑھیا نے جواب دیا میں۔ لونڈی نے جا کر اپنی آقا سے اجازت مانگی کہ ماما آ جائے۔ شہزادی نے کہا' دروازہ کھول کر اسے اور جو کوئی اس کے ساتھ ہو اسے بھی اندر بلا لا۔ دونوں اندر آئے تو بڑھیا نے دیکھا کہ حیات النفوس نے مجلس کا کمرہ تیار اور قندیلیں آراستہ کر رکھی ہیں۔ چوکیوں اور چبوتروں پر قالینیں بچھی ہوئی' تکئے لگے ہوئے ہیں۔ قندیلوں میں شمعیں روشن' دستر خوان پر میوے مٹھائیاں چنی ہوئی ہیں' مشک' عود اوور عنبر کی خوشبوئیں پھیل رہی ہیں اور شہزادی قندیلوں کے بیچ میں بیٹھی ہوئی ہے۔ ان سب کی روشنی اس کے آگے پھیکی پڑ گئی ہے۔ ماما کو دیکھتے ہی اس نے کہا اے ماما! میرے دل کا پیار کہاں ہے۔ اس نے کہا اے میری آقا' وہ مجھے ملا نہ کہیں دکھائی دیا لیکن میں اس کی سگی بہن کو لائی ہوں جو حاضر ہے۔ شہزادی بولی تو پاگل تو نہیں ہو گئی' میں اس کی بہن کو لے کر کیا کروں گی؟ کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ اگر کسی کے سر میں درد ہو تو وہ ہاتھ پر پٹی باندھ لے! بڑھیا بولی نہیں لیکن اے میری آقا' دیکھ تو سہی اگر وہ تجھے پسند آئے تو اپنے پاس رہنے دیجیو' یہ کہہ کر اس نے شہزادے کی نقاب اٹھا دی۔ شہزادی نے اسے پہچان لیا' اٹھ کر سینے سے لگا لیا۔ شہزادہ اس سے لپٹ گیا دونوں غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ اس کے بعد شہزادی اس کے منہ پر بوسے دینے لگی اور ہزار سے زیادہ بوسے لئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چونتیس ویں رات

سات سو چونتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بوسہ بازی کے بعد شہزادی بولی کیا یہ صحیح ہے کہ میں تجھے اپنے گھر میں دیکھ رہی ہوں اور تو میرے ساتھ بیٹھا ہوا مجھے پیار کر رہا ہے؟ رات اسی طرح گزر گئی اور سویرا ہوتے ہی اس نے شہزادے کو اپنی حرم سرا میں چھپا دیا۔ پھر جب رات ہو گئی تو اسے نکالا اور دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے' شہزادہ بولا میں چاہتا ہوں کہ اپنے وطن جا کر باپ سے تیرا ذکر کروں تا کہ وہ اپنے وزیر کو نکاح کے پیغام لے کر تیرے باپ کے پاس بھیجے۔ شہزادی نے کہا پیارے' مجھے ڈر ہے کہ تو اپنی حکومت اور اپنے وطن میں جا کر مجھے بھول جائے گا اور میری محبت تیرے دل سے نکل جائے گی یا تیرا باپ اس بات پر راضی نہ ہو گا اور میں جان دے دوں گی۔ بہتر یہ ہوتا کہ تو میرے ہی ساتھ رہتا' میرے قبضے سے باہر نہ ہوتا' میں تیرا مکھڑا دیکھتی رہتی اور تو میرا۔ یہاں تک کہ میں کوئی ترکیب نکال کر ایک رات تیرے ساتھ چل کھڑی ہوتی' ہم دونوں تیرے وطن پہنچ جاتے کیونکہ اپنے خاندان والوں سے میں ناامید ہو چکی ہوں۔ شہزادے نے کہا بسر و چشم اور مے نوشی میں لگ گئے۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ انہیں شراب میں بڑا مزہ آیا۔ وہ صبح تک جاگتے رہے۔ اسی روز کسی بادشاہ نے اس کے پاس تحفے بھیجے تھے جس میں نایاب جواہرات کا ایک ہار بھی تھا۔ جواہرات کی تعداد اتنی تھی۔ اور جن کی قیمت کسی بادشاہ کا خزانہ بھی ادا نہ کر سکتا تھا۔ بادشاہ نے کہا یہ ہار محض میری بیٹی حیات النفوس کے قابل ہے اور ایک غلام کو آواز دی جس کے دانت ایک بار شہزادی نے غصے میں آ کر تڑوا ڈالے تھے۔ اس سے کہا کہ یہ ہار لے کر حیات النفوس کو دے اور کہیو کہ ایک بادشاہ نے اسے تیرے باپ کے پاس بطور ہدیے کے بھیجا ہے۔ اس کی قیمت داموں میں ادا نہیں

کی جا سکتی' اسے پہن کے' غلام اسے لے چلا اور کہنے لگا خدا کرے اس کے بعد دنیا میں تجھے اور کوئی چیز نصیب نہ ہو' تو نے ہی میرے دانت تڑوا ڈالے ہیں۔ کمرے کے

دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ وہ بند ہے اور بڑھیا دروازے پر سو رہی ہے۔ اس نے بڑھیا کو جگایا تو وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی' کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا بادشاہ نے مجھے ایک ضرورت سے اپنی بیٹی کے پاس بھیجا ہے۔ بڑھیا نے کہا کنجی موجود نہیں ہے' ذرا ٹھہر کر آئیو۔ میں جا کر کنجی لے آؤں۔ غلام بولا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں لوٹ کر بادشاہ کے پاس چلا جاؤں! بڑھیا کنجی لینے کے بہانے سے چل دی لیکن راہ میں اس پر اتنا ڈر طاری ہوا کہ وہ اپنی جان لے کر بھاگ گئی۔

بڑھیا کے آنے میں دیر ہوئی تو غلام ڈرا کہ کہیں بادشاہ کے پاس لوٹنے میں مجھے دیر نہ ہو جائے۔ اس نے دروازے کو ہلایا اور دھکا دیا۔ کھٹکا نکل گیا اور دروازہ کھل گیا۔ غلام اندر داخل ہوا اور ساتویں دروازے پر پہنچ کر جھانکا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہاں نہایت نفیس فرش بچھا ہوا ہے' شمعیں اور صراحیاں رکھی ہوئی ہیں۔ غلام کو بڑا اچنبھا ہوا بڑھ کر تخت کے پاس گیا جس پر ریشم کا پردہ پڑا ہوا تھا اور جواہرات کی جھالر لگی ہوئی تھی۔ جونہی اس نے وہ پردہ اٹھایا تو حیرت کی انتہا نہ رہی۔ شہزادی سو رہی ہے اور اس کی بغل میں اس سے زیادہ حسین ایک جوان ہے۔ وہ خدا کی بزرگی بیان کرنے لگا جس نے اسے ذلیل پانی سے پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا کیا خوب! مردوں سے دشمنی اور یہ کرتوت! یہ شخص اسے ملا کہاں سے؟ میرا خیال ہے کہ اسی کی وجہ سے شہزادی نے میرے دانت تڑوائے ہیں۔ اس نے پردہ چھوڑ دیا اور دروازے کی راہ لی۔ اتنے میں شہزادی گھبرا کر اٹھ بیٹھی اور کافور غلام کو دیکھ کر اسے آواز دی لیکن اس نے جواب تک نہ دیا۔ اب وہ تخت پر سے اتر پڑی اور دوڑ کر کافور کا دامن پکڑ لیا' اسے اپنے سر پر رکھا۔ اس کے پاؤں چومنے لگی اور کہا کہ جو بات خدا نے پوشیدہ رکھی ہے' اسے طشت ازبام نہ کر۔ غلام نے کہا خدا نہ تیری پردہ پوشی کرے نہ اس

شخص کی جو تیری پردہ پوشی کرے! تو نے میرے دانت تڑوائے ہیں اور مجھ سے کہا ہے کہ کوئی میرے سامنے مردوں کا نام نہ لے۔ یہ کہہ کر غلام نے اپنا دامن چھڑایا' بھاگ کر باہر چلا گیا۔ دونوں کو اندر بند کر کے دروازے میں قفل ڈال دیا۔ اور ایک غلام کو پہرے پر بٹھا کر بادشاہ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ نے پوچھا: ہار حیات النفوس کو دے آیا؟ اس نے کہا خدا کی قسم تو ان سب سے زیادہ مستحق ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیا ہوا؟ جلد بتا۔ وہ بولا میں تجھ سے محض تنہائی میں کہہ سکتا ہوں۔ بادشاہ بولا' بلا تنہائی کے کہہ۔ غلام نے کہا میں شہزادی حیات النفوس کے پاس گیا تو دیکھتا ہوں کہ کمرے میں فرش بچھا ہوا ہے۔ وہ سو رہی ہے اور اس کی آغوش میں ایک جوان ہے۔ میں نے دونوں کو اندر چھوڑ کر دروازے میں قفل ڈال دیا اور تیرے پاس حاضر ہوا ہوں۔

یہ سنتے ہی بادشاہ تلوار کھینچ لی اور غلاموں کے سردار کو آواز دے کر کہا اپنے ساتھیوں کو لے کر حیات النفوس کے پاس جا' اسے اور جو کوئی اس کے ساتھ ہو دونوں کو مع تخت کے اٹھا لا لیکن انہیں چادر سے ڈھانک دینا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو پینتیس ویں رات

سات سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب بادشاہ نے کہا کہ دونوں کو میرے پاس لے آ تو وہ غلام مع اپنے ساتھیوں کے وہاں گیا' جب وہ داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ حیات النفوس کھڑی ہے۔ روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئی ہیں اور شہزادے کا بھی یہی حال ہے۔ غلاموں کے سردار نے جوان سے کہا جس طرح تو تخت پر لیٹا ہوا تھا' لیٹ جا اور اسی طرح شہزادی بھی لیٹ جائے۔ شہزادی ڈری اور شہزادے سے کہنے لگی اب مخالفت سے کوئی فائدہ نہیں' اس لئے دونوں لیٹ گئے۔ غلام انہیں اٹھا کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے چادر اٹھائی' تو شہزادی اٹھ کھڑی ہوئی' بادشاہ نے اس کی طرف دیکھا اور چاہتا ہی تھا کہ اس کی گردن اڑا دے' اتنے میں شہزادہ آگے بڑھ کر بادشاہ کے سینے سے لپٹ گیا اور کہنے لگا' بادشاہ اس کا کوئی گناہ نہیں گناہ میرا ہے۔ اس سے پہلے مجھے قتل کر۔ بادشاہ نے چاہا کہ اسے قتل کر دے لیکن حیات النفوس باپ کے قدموں میں گر پڑی اور کہنے لگی' مجھے قتل کر دے' مگر اسے قتل نہ کر کیونکہ وہ ملک اعظم کا بیٹا ہے جس کا حکم دنیا کی لمبائی چوڑائی پر چلتا ہے۔ اپنی بیٹی کی باتیں سن کر بادشاہ بڑے وزیر کی طرف مخاطب ہوا جو بس کی گانٹھ تھا اور اس سے کہا اے وزیر! تیری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ وزیر بولا میرا کہنا یہ ہے کہ جو بھی اس حالت میں پھنسا ہوا ہوتا ہے' وہ جھوٹ بولنے پر مجبور ہوتا ہے۔ ان کی یہی سزا ہے کہ پہلے انہیں طرح طرح کی تکلیف دی جائے اور پھر گردن اڑا دی جائے۔ بادشاہ نے جلاد کو بلوایا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر آ پہنچا۔ بادشاہ نے کہا پکڑو اس حرام زادے کو اور اس کی گردن اڑا دو۔ اس کے بعد اس چھوکری کی' پھر دونوں کو جلا دو اور دوبارہ ان کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھنا۔ یہ سن کر جلاد نے شہزادی کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔ لیکن بادشاہ نے اسے ڈانٹا اور کوئی چیز

جو اس کے ہاتھ میں تھی' اس زور سے پھینک ماری کہ قریب تھا' وہ مر جائے اور کہنے لگا اے کتے! میں غضب ناک ہوں اور تو اس کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ پکڑ اس کے بال اور کھینچ تا کہ وہ منہ کے بل گر پڑے۔ جلاد نے ایسا ہی کیا اور اسے منہ کے بل کھینچنے لگا۔ اسی طرح جوان کو بھی کھینچا۔ یہاں تک کہ وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں گردن اڑائی جاتی تھی۔ جوان کے دامن میں سے ایک دھجی پھاڑ کر اس کی آنکھیں باندھ دیں' تلوار کھینچ لی جو بہت تیز تھی اور شہزادی کو پیچھے ہٹا دیا تا کہ کوئی اس کی سفارش کرے' جوان کی طرف متوجہ ہوا اور تین بار تلوار ہلائی۔ تمام فوجی لوگ رونے اور خدا سے دعائیں مانگنے لگے کہ ان کی سفارش منظو ہو جائے۔ جلاد نے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ ایک گرد اٹھی اور چاروں طرف پھیل گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب ایک مدت تک جوان کے باپ کو بیٹے کی خبر نہیں معلوم ہوئی تو وہ ایک بڑا لشکر تیار کر کے خود ہی اس کی تلاش میں نکلا۔ جب بادشاہ عبد القادر نے گرد اٹھتی دیکھی تو پوچھا کیا خبر ہے اور یہ گرد کیسی ہے جس سے آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا؟ بڑا وزیر بادشاہ کے پاس سے اٹھ کر اس گرد کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ لوگ ٹڈیوں کی طرح جمع ہیں جن کا گننا ناممکن ہے اور جن کے مقابلے میں کوئی مدد کارگر نہیں ہو سکتی۔ پہاڑ گھاٹیاں اور ٹیلے ان سے بھرے ہوئے ہیں۔ وزیر نے بادشاہ کے پاس آ کر ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ نے کہا جا کر اس لشکر کی خبر لا اور پوچھ کہ وہ ہمارے ملک میں کیوں آئے ہیں اور ان کا سردار کون ہے؟ اس سے میرا سلام کہیو اور آنے کا سبب دریافت کیجیو۔ اگر اسے کوئی ضرورت ہے تو ہم پورا کرنے کے لئے حاضر ہیں۔ اگر وہ کسی بادشاہ سے بدلہ لینا چاہتا ہے تو ہم اس کے ساتھ ہیں اور اگر وہ کوئی ہدیہ چاہتا ہے تو ہم ہدیہ دینے کے لئے تیار ہیں کیونکہ یہ لوگ بے شمار ہیں اور بڑا لشکر ہے' ہمیں ڈر ہے کہ کہیں وہ ہمارے ملک پر قبضہ نہ کرے۔

وزیر چل دیا اور صبح سے شام تک خیموں' سپاہیوں اور سرداروں کے درمیان چلتے چلتے ان

لوگوں کے پاس پہنچا جن کی تلواریں سنہری اور خیمے ستارے دار تھے۔ اس کے بعد وہ امیروں' وزیروں' حاجبوں اور نوجوانوں کے قریب پہنچا آخر وہ بادشاہ کے پاس پہنچ گیا۔ دیکھا کہ وہ بہت بڑا بادشاہ معلوم ہوتا ہے' جونہی درباریوں پر اس کی نظر پڑی' انہوں نے کہا کہ زمین چوم! وزیر زمین چوم کر کھڑا ہو گیا' انہوں نے دوسری بار اور پھر تیسری بار چلا کر وہی کہا۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور چاہتا ہی تھا کہ کھڑا ہو تو مارے ہیبت کے دھڑ سے گر پڑا۔ اس کے بعد جب وہ بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوا تو کہنے لگا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... خدا تجھے ہمیشہ قائم رکھ' تیری حکومت بڑھائے اور عزت زیادہ کرے! بادشاہ عبد القادر نے تجھے سلام بھیجا ہے اور تیرے آگے زمین چوم کر پوچھنا چاہتا ہے کہ تو کس مہم پر آیا ہے۔ اگر تو کسی بادشاہ سے بدلہ لینے جا رہا ہے تو وہ بھی تیرے ساتھ ہے اور اگر تجھے اور کوئی ضرورت ہے جسے وہ پورا کر سکتا ہے تو وہ ہر طرح سے حاضر ہے۔ بادشاہ نے کہا اے پیغام بر اپنے آقا کے پاس جا کر کہہ کہ ملک اعظم کا ایک بیٹا ہے جو مدت سے غائب ہے' نہ اس کی خیر خبر معلوم ہوتی ہے نہ پتہ چلتا ہے۔ اگر وہ اس شہر میں ہے تو میں اسے لے کر چلا جاؤں گا اور اگر اس کا ذرا بھی بال بیکا ہوا ہو گا اور تمہارے ہاں اس پر کوئی مصیبت آئی ہو گی تو میں تمہارا ملک تباہ کر دوں گا' تمہارا مال لوٹ لوں گا' تمہارے مردوں کو قید کر لوں گا اور عورتوں کو باندیاں بنا لوں گا۔ قبل اس کے کہ تیرے بادشاہ پر بلا نازل ہو' فوراً جا کر اسے خبر پہنچا۔ وہ جانے لگا تو حاجبوں نے چلا کر کہا کہ زمین چوم! زمین چوم! اس سے بیس مرتبہ زمین چموائی۔ وہ اٹھا تو اس کی روح منہ تک آ گئی تھی۔ وہ بادشاہ کے دربار سے چلا تو راستے بھر اس بادشاہ کا معاملہ اور فوجوں کی کثرت پر سوچتا رہا یہاں تک کہ اپنے بادشاہ عبد القادر کے پاس جا پہنچا۔ اس کا رنگ فق تھا اور مارے ڈر کے وہ کانپ رہا تھا۔ اس حالت میں اس نے بادشاہ سے سارا ماجرا بیان کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چھتیس ویں رات

سات سو چھتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب وزیر نے بادشاہ عبد القادر سے سارا ماجرا بیان کیا تو وہ گھبرا گیا' اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔

رعیت کے بارے میں ڈرا اور کہنے لگا اے وزیر! اس بادشاہ کا بیٹا آخر کون ہو سکتا ہے؟ اس نے جواب دیا اس کا بیٹا وہی ہے جسے تو نے قتل کئے جانے کا حکم دیا ہے' مگر شکر ہے خدا کا جس نے اس کے قتل کئے جانے میں جلدی نہیں کی ورنہ اس کا باپ ہمارا ملک تباہ کر ڈالتا اور ہمارا مال لوٹ لیتا۔ بادشاہ نے کہا تو نے دیکھا کہ تیری رائے کیسی بری تھی۔ تو نے ہمیں اس کے قتل کا مشورہ دیا تھا۔ بتا کہ اس بڑے بادشاہ کا بیٹا کہاں ہے؟ وزیر نے کہا اے عالی قدر بادشاہ! تو تو اس کے قتل کا حکم دے چکا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ کے ہوش اڑ گئے اور اس کے دل سے یہ آواز نکلی کہ مردو دو! جلاد کو جا کر دیکھو' کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ قتل کر چکا ہو۔ لوگ فوراً جلاد کو بلا لائے۔ جلاد نے حاضر ہوتے ہی کہاں جہاں پناہ! تیرے حکم کے مطابق میں جوان کی گردن اڑا دی ہے۔ بادشاہ نے کہا کتے! اگر یہ سچ نکلا تو میں تیری بھی وہی گت بناؤں گا۔ جلاد نے کہا اے بادشاہ! تو نے ہی تو حکم دیا تھا کہ میں بغیر دوبارہ پوچھے اسے قتل کر دوں۔ بادشاہ نے کہا' میں غصے میں تھا۔ اپنے مرنے سے پہلے سچ بول۔ وہ بولا بادشاہ وہ زندہ ہے۔ بادشاہ خوش ہو گیا۔ اس کے دل کو اطمینان ہوا اور اس نے کہا اسے یہاں لا۔ شہزادہ آیا تو بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے منہ کو بوسہ دیا اور کہا بیٹا! میں خدا سے معافی مانگتا ہوں کہ میں نے تیرے ساتھ یہ برتاؤ کیا' کہیں اپنے باپ ملک اعظم سے کوئی ایسی بات نہ کر دیجیو جس سے میری بے عزتی ہو۔ لڑکے نے پوچھا' جہاں پناہ ملک اعظم کہا ہے؟ اس نے جواب دیا تیری وجہ سے آیا ہوا ہے۔ لڑکے نے

کہا قسم ہے تیری عزت کی میں اس وقت تیرے پاس سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ میں اپنی اور تیری بیٹی کی آبرو کو اس الزام سے بری نہ کر لوں جو تو نے ہم لگایا ہے۔ وہ اب تک پاک اور کنواری ہے۔ دائیوں کو بلوا کر بھی اس کا معائنہ کرا لے' اگر اس کا کنوار پن ٹوٹ گیا ہے تو میں اپنا خون تجھ پر حلال کرتا ہوں اور اگر اس میں اب تک کنوار پن باقی ہے تو میری اور اس کی بے گناہی کا صاف صاف اقرار کر۔

بادشاہ نے دائیوں کو بلوایا۔ انہوں نے شہزادی کا معائنہ کیا تو دیکھا کہ وہ پاک صاف ہے اور بادشاہ کو یہ خبر سنا کر اس سے انعام مانگا۔ بادشاہ نے انہیں انعام دیا اور اپنی پوشاک اتار کر انہیں دے دی۔ اسی طرح اس نے تمام حرم سرا والیوں کو انعام دیا' لوگوں نے خوشبو کی سینیا لا کر درباریوں کو عطر لگایا اور سبھوں کو بے حد خوشی ہوئی۔ اب بادشاہ نے جوان کو گلے لگایا اور اس کے ساتھ بڑی عزت اور احترام اور کا برتاؤ کیا۔ اپنے خاص غلاموں کو حکم دیا کہ اسے حمام لے جائیں۔ جب وہ حمام سے نکلا تو بادشاہ نے اسے نفیس کپڑے پہنائے' اس کے سر پر ہیروں کا تاج رکھا' ریشم کا پٹکا باندھا' جس میں سرخ ہونے کا کام تھا' موتی اور جواہرات ٹنکے ہوئے تھے۔ اس کے بعد اس نے شہزادے کو ایک نایاب گھوڑے پر سوار کیا جس کے اوپر سونے کی زین تھی۔ جواہرات سے مرصع۔ اور درباریوں اور ملک کے رئیسوں کو حکم دیا کہ اس کے ہمراہ جا کر اسے اس کے باپ کے پاس پہنچا آئیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے کہا کہ اپنے باپ ملک اعظم سے کہیو کہ بادشاہ عبد القادر تیرے حکم کے تابع ہے اور ہربات میں تیرا فرمانبردار۔ جوان نے کیا یہ تو میں بہر حال کہوں گا اور وہ رخصت ہو کر باپ کے پاس پہنچا۔ بیٹے کو دیکھتے ہی باپ نہال ہو گیا۔اٹھ کر چند قدم بڑھا اور اسے گلے سے لگا لیا اور لشکر میں خوشی کے نعرے بلند ہونے لگے۔ اس کے بعد تمام وزیر' لشکری اور سردار حاضر ہوئے' شہزادے کے آگے زمین چومی اور اس کے آنے پر بہت خوش ہوئے۔ بڑا جشن منایا اور شہزادے نے بادشاہ عبد القادر کے شہر والوں کو بھی اجازت دے دی

کہ وہ ملک اعظم کے لشکر والوں کے ساتھ خوشی میں شامل ہوں اور کوئی ان کی روک ٹوک نہ کرے تا کہ وہ اس کی فوجوں اور شان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ جو شخص بازار آیا جایا کرتا تھا اور اس سے پہلے جوان کو وہاں بیٹھا دیکھا کرتا تھا' وہ اس بات پر نہایت تعجب کرتا تھا کہ باوجود اس درجے اور شرافت کے ایسا کام جوان نے کیوں کیا لیکن وہ کہتے تھے کہ محبت بری بلا ہے۔ شہزادی کی محبت نے اس سے یہ سارے کوتک کرائے۔

اب اس کی بے شمار فوج کا چرچا لوگوں سے ہوا یہاں تک کہ اس کی خبر حیات النفوس کو بھی ملی اور اس نے محل پر چڑھ کر دیکھا کہ تمام پہاڑ فوجوں سے بھرے پڑے ہیں۔ شہزادی اپنے باپ کے محل میں نظر بند تھی۔ اور لوگ اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں بادشاہ اس کے بارے میں کیا فیصلہ کرتا ہے۔ آیا خوش ہو کر اسے آزاد کر دیتا ہے یا قتل اور جلائے جانے کا حکم دیتا ہے۔ حیات النفوس کی نظر اس پر پڑی اور اسے معلوم ہوا کہ یہ شہزادے کے باپ کی فوجیں ہیں تو ہوہ ڈری کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شہزادہ مجھے بھول جائے۔ باپ کے ساتھ ہو کر مجھے اپنے دل سے نکال ڈالے اور میرا باپ مجھے قتل کر دے۔ یہ سوچ کر اس نے شہزادے کے پاس ایک لونڈی بھیجی جو اس کے گھر کا کام کیا کرتی تھی اور اس سے کہا کہ شہزادے اردشیر کے پاس جا کر کہو کہ میری آقا تجھے سلام بھیجتی ہے اور وہ بادشاہ کے حکم سے محل میں نظر بند ہے' اسے معلوم نہیں کہ اس کا باپ اسے معاف کر دینا چاہتا ہے یا قتل کرنا' وہ تجھ سے درخواست کرتی ہے کہ اسے بھولیو نہیں' نہ اسے چھوڑ کر چلتا بنیو کیونکہ آج تو بڑا آدمی ہے۔ اگر تو کسی بات کی طرف اشارہ بھی کرے تو کسی کی مجال نہیں کہ وہ اسے نہ مانے۔ اگر تو یہ مناسب سمجھتا ہے کہ اسے اس کے باپ سے چھڑا کر اپنے ساتھ لے جائے تو تیرا احسان ہو گا' کیونکہ یہ ساری بلا تیری ہی وجہ سے اس پر ٹوٹی ہے اور اگر تو یہ مناسب نہیں سمجھتا کیونکہ تیری غرض اس سے پوری ہو چکی ہے تو اپنے باپ ملک اعظم سے کہہ دیجئے کہ اس کی سفارش اس کے باپ سے کر

دے اور بے اسے آزاد کرائے یہاں سے نہ جائے اور اس کے باپ سے وعدہ لے لے کہ وہ اس کے ساتھ برابر برتاؤ نہ کرے' اس کے قتل کا خیال دل سے نکال دے۔

بس یہ آخری پیغام ہے' خدا تجھے کبھی نامراد نہ کرے! والسلام!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو سینتیس ویں رات

سات سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب لونڈی نے شہزادی کا پیغام ارد شیر کو سنایا تو وہ رونے لگا اور بولا سن' حیات النفوس میری آقا ہے' میں اس کا غلام اور اس کی محبت کا بندہ۔ میں نہ لذت وصل کو بھول سکتا ہوں' نہ فراق کے زمانے کی تلخی کو۔ شہزادی کے قدم چوم کر اس سے کہیو کہ میں تیرے متعلق اپنے باپ سے گفتگو کروں گا۔ وہ تیرا پیغام لے کر اسی وزیر کو بھیجے گا جو پہلے آیا تھا اور تیرا باپ مخالفت نہیں کر سکے گا۔ اگر تیرا باپ تجھے بلوا کر تجھ سے پوچھے تو انکار نہ کیجیو کیونکہ میں بغیر تیرے وطن نہیں لوٹوں گا۔ لونڈی نے جا کر شہزادی کے ہاتھ چومے اور یہ پیغام سنا دیا۔ وہ مارے خوشی کے رونے لگی اور خدا کا شکر ادا کیا۔ ادھر جب شہزادہ رات کے وقت اپنے باپ سے تنہائی میں ملا' باپ نے سارا حال پوچھا شہزادے نے تمام باتیں شروع سے لے کر آخر تک بیان کیں تو بادشاہ نے کہا بیٹا! اب تو کیا چاہتا ہے کہ میں تیرے لئے کیا کروں؟ اگر تو اسے نقصان پہنچانا چاہتا ہے تو میں اس کا ملک تباہ کر دوں گا' اس کا مال لوٹ لوں گا اور اس کے گھر والوں کو ذلیل کر ڈالوں گا۔ شہزادہ بولا' ابا جان! میں یہ نہیں چاہتا۔ اس نے میرے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہیں جس کی یہ سزا ہو بلکہ میں شہزادی سے نزدیکی حاصل کرنا چاہتا ہوں' میری خواہش ہے کہ تو ایک ہدیہ تیار کر کے اس کے باپ کے پاس بھیج' لیکن ہدیہ نفیس ہو اور اسی وزیر کے ہاتھ بھیج جو بڑا دانش مند ہے۔ باپ نے خزانے میں سے جو پرانے زمانے سے چلا آتا تھا عمدہ عمدہ چیزیں چن کر بیٹے کو دکھائیں جنہیں اس نے بہت پسند کیا۔ پھر وزیر کو بلا کر اس کے حوالے کر دیں اور اس سے کہا یہ چیزیں بادشاہ عبد القادر کے پاس لے جا کر اس کی بیٹی کو میرے بیٹے کے لئے طلب کرو اس سے کہہ یہ ہدیہ قبول کر اور جواب دے۔ وزیر بادشاہ عبد القادر کی طرف روانہ ہو گیا۔

شہزادے کے چلے آنے کے بعد بادشاہ عبدالقادر بہت غمگین اور ملول تھا اور اسی دھیان میں پریشان کہ اب اس کا ملک تباہ ہوا اور مال لوٹا گیا' وزیر پہنچا' سلام کر کے زمین چومی۔ بادشاہ کھڑا ہو گیا اور اس کا احترام کیا' مگر وزیر جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے پاؤں پر گر پڑا اور کہاں جہاں پناہ' معاف کر' تجھ جیسا شخص مجھ جیسے شخص کے لئے کھڑا ہو' میں تیرے نوکروں کا بھی ادنیٰ غلام ہوں۔ اے بادشاہ سن' شہزادے نے اپنے باپ سے باتیں کی ہیں۔ تیری چند عنایتوں اور مہربانیوں کا ذکر کیا ہے۔ بادشاہ تیرا شکر گزار ہے اور اس نے تیرے اس غلام کے ہاتھ جو تیرے سامنے کھڑا ہے' ایک ہدیہ بھیجا ہے تجھے سلام کیا ہے اور خاص طور پر تیرا احترام کیا ہے۔ بادشاہ کو یقین نہیں آیا' کیونکہ اس پر بہت خوف طاری تھا۔ پھر جب ہدیہ اس کے سامنے رکھا گیا تو اس نے دیکھا کہ یہ ہدیہ اتنا بے بہا ہے کہ دنیا کا کوی بادشاہ اسے خرید نہیں سکتا تو اسے اپنی کم مائیگی محسوس ہونے لگی' اس نے اٹھ کر خدا کی حمد و ثنا کی اور شہزادے کا شکریہ ادا کیا' اب وزیر نے کہا اے مہربان بادشاہ' کان دھر کر سن۔ ملک اعظم تیرے پاس آیا ہے تجھ سے رشتہ کرنا چاہتا ہے اور میں یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ اس کے بیٹے کی شادی تو اپنی بیٹی حیات النفوس سے' جو پاک دامن' شریف زادی اور خزانے کا ہیرا ہے' کر دے' اگر تجھے یہ منظور ہے اور تو اس پر راضی ہے تو مہر کے بارے میں مجھ سے بات چیت کر لے۔ یہ سن کر بادشاہ نے کہا جہاں تک میرا تعلق ہے' مجھے انکار نہیں بلکہ وہ میرے نزدیک بہترین بات ہے۔ اب رہی لڑکی' وہ بالغ' سمجھ دار اور اپنی جان کی مالک ہے۔ اتنا کہہ کر اس نے غلاموں کے سردار کی طرف مخاطب ہو کر کیا میری بیٹی کے پاس جا اور یہ باتیں سنا آ۔ سردار حرم سرا میں پہنچ کر شہزادی کے پاس گیا اور اس کے ہاتھ چوم کر بادشاہ کا پیغام سنایا اور کہا تو کیا جواب دیتی ہے؟
وہ بولی سر آنکھوں سے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو اڑتیسویں رات

سات سو اڑتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... شہزادی کا جواب لے کر غلاموں کا سردار واپس آیا اور بادشاہ کو سنایا۔ بادشاہ بڑا خوش ہوا' ایک نفیس خلعت منگوا کر وزیر کو دیا۔ دس ہزار دینار انعام دیئے اور اس سے کہا کہ بادشاہ کو یہ پیغام پہنچا دے اور اس سے اجازت مانگ کہ میں اس کے پاس حاضر ہوں۔ وزیر بادشاہ عبد القادر سے رخصت ہو کر ملک اعظم کے پاس پہنچا اور اسے جواب پہنچایا اور ساری باتیں بیان کیں۔ شہزادے کا باپ بھی خوش ہو گیا اور شہزادے کا تو یہ حال تھا کہ مارے خوشی کے پھولا نہیں سماتا تھا۔ اس کے بعد ملک اعظم نے اجازت دے دی کہ بادشاہ عبد القادر اس سے آ کر ملے۔ دوسرے ہی دن بادشاہ عبد القادر سوار ہو کر ملک اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عبد القادر کا خیر مقدم کیا' بڑی آؤ بھگت کی' سلام کیا' دونوں بیٹھ گئے' شہزادہ ان کے سامنے کھڑا رہا۔ اب بادشاہ عبد القادر کے ایک خاص مقرر نے اٹھ کر نہایت فصیح و بلیغ تقریر کی جس میں اس شہزادے کو اس کی مطلب براری پر مبارک باد کی کہ اس کی شادی شہزادیوں کی سر تاج سے ہو گئی۔
جب مقرر تقریر کر کے بیٹھ گیا تو ملک اعظم نے ایک صندوق منگوایا جو موتیوں اور جواہرات سے بھرا ہوا تھا جس میں پچاس ہزار دینار بھی تھے اور بادشاہ عبد القادر سے کہنے لگا اس معاملے میں جو طے ہو چکا ہے' میں اپنے بیٹے کی طرف سے وکیل ہوں۔ بادشاہ عبد القادر نے مہر لینا قبول کر لیا اور من جملہ ان کے پچاس ہزار دینار بھی تا کہ وہ انہیں اپنی بیٹی اور شہزادیوں کی سرتاج حیات النفوس کے ولیمے میں صرف کرے۔
اسی وقت قاضی اور گواہ بلوا لئے گئے۔ انہوں نے بادشاہ عبد القادر کی بیٹی اور ملک اعظم کے بیٹے اردشیر کا نکاح نامہ مرتب کر دیا۔ یہ ایک ایسا دن تھا کہ سارے دوست خوش' دشمن اور حاسد ناراض تھے۔ اس کے بعد ولیمے اور دعوتیں ہونے لگیں۔ پھر شہزادہ

شہزادی کے ساتھ ہم بستر ہوا' اس نے دیکھا کہ وہ ایسا موتی ہے جو ابھی تک چھیدا نہیں گیا۔ ایسی بچھڑی ہے جس پر کوئی دوسرا چڑھا نہیں اور وہ پاک لاثانی اور خزانے کا ہیرا ہے۔ یہ ساری باتیں اس نے شہزادی کے باپ سے بھی کہہ دیں۔ ملک اعظم نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ چلنے سے پہلے تو کچھ اور بھی چاہتا ہے؟ اس نے کہا اے بادشاہ! ہاں میں اس وزیر سے بدلہ لینا چاہتا ہوں جس نے ہمارے ساتھ برابر برتاؤ کیا ہے اور اس غلام سے جس نے ہمارے اوپر جھوٹ الزام لگایا۔ ملک اعظم نے فوراً بادشاہ عبد القادر کے پاس قاصد بھیجا کہ وزیر اور غلام بھیج دے۔ اس نے بھیج دیا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو ملک اعظم نے حکم دیا کہ انہیں شہر کے دروازے پر پھانسی دے دی جائے۔ کچھ دن ٹھہرنے کے بعد انہوں نے بادشاہ عبد القادر سے اس کی بیٹی کے لئے سفر کی اجازت مانگی۔ اس نے اپنی بیٹی کے لئے سفر کی تیار کر کے اسے سرخ سونے کے تخت پر بٹھایا جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے اور جسے اصیل گھوڑے کھینچتے تھے۔ شہزادی نے اپنی ساری کنیزیں' نوکر چاکر ساتھ لئے' ماما بھی بھاگ جانے کے بعد پھر اس کے پاس لوٹ آئی تھی اور اس کی وہی پہلی سی عزت تھی۔ ملک اعظم اور اس کا بیٹا دونوں سوار ہوئے۔ اور بادشاہ عبد القادر اور اس کی تمام رعیا بھی اس کے داماد اور بیٹی کی رخصتی دیکھنے کے لئے آئے۔ یہ دن بہترین دنوں میں سے تھا۔ سرحد پار ہونے لگے تو ملک اعظم نے اپنے سدھی سے قسم دے کر کہا کہ وہ اپنے ملک کو لوٹ جائے اور وہ ملک اعظم کو سینے سے لگا کر اس کی پیشانی کو بوسہ دے کر' اس کے کرم اور احسان کا شکریہ ادا کر کے رخصت ہو گیا اور کہتا گیا کہ میری بیٹی تیرے سپرد ہے۔ ملک اعظم اور اس کے بیٹے سے وداع ہونے کے بعد وہ اپنی بیٹی کے پاس گیا' اسے گلے سے لگایا۔ بیٹی نے باپ کے ہاتھ چومے' دونوں رونے لگے' پھر بادشاہ عبد القادر اپنے ملک کو لوٹ گیا اور شہزادہ' اس کی بیوی اور اس کا باپ منزلیں طے کرتے ہوئے اپنے وطن

پہنچے وہاں دوبارہ جشن منایا گیا اور نہات عمدہ عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگے یہاں تک کہ لذتوں کو کر کرا اور صحبتوں کو درہم برہم' محلوں کو ویران اور قبروں کو آباد کرنے والی موت آ پہنچی۔ یہ اس کہانی کی انتہا ہے۔

○ گلنار بحریہ اور اس کے بیٹے بدر باسم کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------ لوگ یہ کہانی بھی بیان کرتے ہیں کہ پرانے زمانے میں عجم میں شہرمان نامی ایک بادشاہ تھا اور جس کی حکومت خراسان پر تھی۔ اس کی سو کنیزیں تھیں لیکن اس کے نہ کوئی لڑکا ہوا' نہ لڑکی۔ ایک دن وہ بیٹھا افسوس کر رہا تھا کہ میری زندگی کا بڑا حصہ گزر چکا ہے اور خدا نے کوئی بیٹا نہیں دیا جو میرے ملک کا وارث بنے۔ جس طرح کہ میں اپنے باپ دادا کا وارث ہوا ہوں۔ اسی سوچ اور غم و پریشانی کے عالم میں تھا کہ ایک غلام آیا اور اس نے کہا اے میرے آقا! دروازے پر ایک کنیز ہے جو کسی تاجر کے ساتھ آئی ہے۔ اس سے زیادہ حسین ہماری نظر سے تو گزری نہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کنیز اور تاجر کو اندر بلا لا' وہ دونوں اندر آ گئے۔ بادشاہ نے دیکھا کہ وہ مثل ردینی نیزے کے ہے اور ایک ریشمی قبا پہنے ہوئے جس میں سونے کی جھالر ہے۔ جونہی تاجر نے اس کا چہرہ کھولا' سارا محل اس کے حسن سے چمک اٹھا اور اس کی سات لٹیں پاؤں تک لٹک پڑیں جیسے گھوڑوں کی دمیں۔ اس کی آنکھیں سرگیں تھیں' کولہے بھاری' کمر پتلی' وہ بیماروں کی دوا تھی اور آہ بھرنے والوں کا علاج۔ اس کا حسن و جمال اور قدو قامت دیکھ کر بادشاہ حیران رہ گیا اور تاجر سے پوچھا بڑے میاں! یہ کنیز کتنے کی ہے؟ تاجر نے کہا' اے میرے آقا! میں نے اس کے مالک سے دو ہزار دینار میں اسے خریدا تھا' تین سال سے اس کے ساتھ سفر کر رہا ہوں اور یہاں پہنچنے تک میں اس پر تین ہزار دینار خرچ کر چکا ہوں۔ اب یہ کنیز

تیری نذر ہے۔ بادشاہ نے اسے ایک عمدہ خلعت عطا کیا' دس ہزار دینار دینے کا حکم دیا۔ تاجر نے بادشاہ کے ہاتھ چومے' اس کی مہربانی اور احسان کا شکریہ ادا کر کے چل دیا۔ بادشاہ نے کنیز کو بناؤ سنگار کرنے والیوں کے حوالے کیا اور ان سے کہا کہ اس کی آرائشگی و پیراستگی کرو' اسے سنوار کر ایک سجے ہوئے کمرے میں رکھو۔ حاجبوں کو حکم دیا کہ جن جن چیزوں کی اسے ضرورت ہو' اس کے کمرے میں منتقل کر دو۔ ملک کا وہ حصہ جہاں بادشاہ کی محل سرا تھی' سمندر کے کنارے واقع تھا اور اس کے دار السلطنت کا نام مدینہ بیضا تھا۔ کنیز کمرے میں پہنچا دی گئی۔ اس کمرے کے جھروکے سمندر کی طرف تھے۔

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• سات سو انتالیسویں رات

سات سو انتالیسویں رات ہوئی اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بادشاہ کنیز کے پاس گیا تو کنیز نے اس سے کوئی بات نہ کی بلکہ اس کی طرف متوجہ بھی نہ ہوئی۔ بادشاہ کو خیال ہوا شاید وہ ایسے لوگوں کے ساتھ رہی ہے جنہوں نے شعور اور تمیز اسے بالکل نہیں سکھایا لیکن وہ بادشاہ نے دیکھا کہ کنیز حسن و جمال اور قد و قامت کے لحاظ سے لا جواب ہے' اس کا چہرہ ایسا ہے جیسے پورے چاند کا دائرہ یا جیسے صاف آسمان پر چمکتا ہوا سورج' اس کی آنکھیں چندھیانے لگیں اور وہ خدا کی پاکی بیان کرنے لگا جس کی قدرت اتنی بڑی ہے۔ پھر وہ آگے بڑھ کر کنیز کے پاس بیٹھ گیا' اسے سینے سے لگایا' اپنی گود میں بٹھایا۔ اس کے ہونٹ چوسے جو شہد سے بھی زیادہ میٹھے تھے۔ اس کے بعد بادشا نے عمدہ عمدہ کھانوں کا دستر خوان چنوائے۔ خود بھی کھایا اور اسے بھی نوالے بنا بنا کر دیتا رہا یہاں تک کہ وہ سیر ہو گئی تا ہم اس نے کوئی بات نہ کی۔ بادشاہ اس سے باتیں کرتا اور اس کا نام پوچھتا لیکن وہ چپ تھی۔ نہ بات کرتی نہ جواب دیتی بلکہ سر نیچا کیۓ بیٹھی رہی۔ جو چیز اسے بادشاہ کے غصے سے بچاتی وہ اس کا حسن و جمال اور ناز و انداز تھا۔ بادشاہ اپنے دل میں کہتا پاک ہے وہ خدا جس نے اس کنیز کو پیدا کیا۔ وہ کیسی پیاری ہے؟ لیکن وہ بولتی کیوں نہیں' ہاں ہر چیز کی قدرت تو خدا ہی کو ہے۔ اب بادشاہ نے لونڈیوں سے پوچھا کہ تم نے کبھی اسے بولتے سنا؟ انہوں نے جواب دیا' جب سے وہ آئی اس وقت تک نہ ہم سے اس نے بات کی نہ ہم نے اس کو بولتے سنا۔ بادشاہ نے چند کنیزوں بلا کر کہا کہ اس کے آگے گائیں اور اس کا دل بہلائیں ممکن ہے کہ وہ باتیں کرنے لگے کنیزوں نے طرح طرح کے راگ گائے اور باجے بجائے یہاں تک کہ مجلس والے سب مزے میں آ گئے لیکن لڑکی چپ چاپ ان کی طرف دیکھتی رہی' نہ ہنسی نہ بولی۔ اس سے بادشاہ کو بڑی پریشانی

ہوئی۔ اس نے کنیزوں کو رخصت کر دیا اور لڑکی کے ساتھ رہ گیا' اپنے کپڑے اتارے اور اس کے بھی۔ دیکھا کہ اس کا بدن ایسا ہے جیسے چاندی کا ڈھلا ہوا ٹکڑا۔ وہ اور زیادہ چاہنے لگا۔ اس کے بعد بادشاہ نے اٹھ کر اس کا کنوار پن زائل کیا' معلوم ہوا کہ وہ اس وقت تک بالکل باکرہ تھی' اور زیادہ خوش ہوا اپنے جی میں کہنے لگا یا اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک کنیز اتنی سڈول اور خوبصورت ہو اور تاجر اسے یونہی چھوڑ دیں۔

غرض کہ بادشاہ بالکل اسی کنیز کا ہو رہا۔ باقی تمام کنیزوں کو بالکل چھوڑ دیا۔ اس طرح ایک سال گزر گیا گویا وہ ایک دن تھا لیکن اس نے کوئی بات نہ کی۔ ایک دن جب کہ مارے محبت کے بادشاہ کی حالت بہت خراب تھی' وہ کہنے لگا اے دلوں کی تمنا' تیری محبت میرے دل میں سب سے زیادہ ہے اور تیری وجہ سے میں نے تمام لونڈیوں' کنیزوں' عورتوں اور باندیوں کو چھوڑ رکھا ہے' فقط تیرا ہو گیا ہوں۔ ایک سال تک صبر بھی کیا ہے اور خدا سے دعا مانگتا رہا ہوں کہ وہ تیرا دل نرم کر دے اور تو مجھ سے باتیں کرے۔ اگر تو گونگی ہے تو اشارے سے بتا دے تا کہ میں تیری گفتگو سے نا امید ہو جاؤں۔ میں خدا سے امید کرتا کہ وہ مجھے تجھ سے ایک بیٹا عطا کرے جو میرے بعد ملک کا مالک ہو کیونکہ میں اکیلا ہوں۔ میرا کوئی وارث نہیں اور میری عمر زیادہ ہو چکی ہے۔ میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں اگر تجھے مجھ سے محبت ہے تو مجھے جواب دے۔ لڑکی سر نیچا کر کے سوچنے لگی پھر سر اٹھایا اور بادشاہ کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ بادشاہ کو ایسا معلوم ہوا کہ کمرے میں بجلی چمک گئی اور لڑکی بولی اے با ہمت بادشاہ اور دلیر شیر' خدا نے تیری دعا منظو کر لی ہے' میں تجھ سے حاملہ ہو گئی ہوں اور بچہ پیدا ہونے کا وقت قریب ہے لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ لڑکا ہو گا یا لڑکی۔ اگر مجھے تجھ سے حمل نہ رہ گیا ہوتا تو میں ایک بات بھی نہ کرتی۔ بادشاہ نے یہ باتیں سنیں تو مارے خوشی کے اس کی باچھیں کھل گئیں' خوش ہو کر وہ اس کا سر چومنے لگا اور کہا شکر ہے خدا کا کہ اس نے مجھے وہ تمام چیزیں عطا کر دیں جن کی مجھے آرزو

تھی۔ اول تو تیرا بات کرنا' دوسرے تیرا کہنا کہ تو مجھ سے حاملہ ہے۔ اب بادشاہ بے حد خوش خوش اس کے پاس سے اٹھ کر باہر آیا' تخت پر بیٹھا اور وزیر سے کہا خدا کے شکریے میں غریبوں' فقیروں اور ناداروں کو ایک لاکھ دینار صدقہ دے۔ بادشاہ نے جو کہا تھا' وزیر نے اس کی تعمیل کی۔

اس کے بعد بادشاہ پھر لڑکی کے پاس گیا اور اس کے پاس بیٹھ کر اسے سینے سے لگا لیا اور کہنے لگا اے میری آقا اور میرے دل و جان کے مالک تو پورے ایک سال سے میرے ساتھ رہتی سہتی اور سوتی جاگتی رہی' پھر یہ خاموشی کیسی تھی؟ آج سے پہلے تو نے مجھ سے بات تک نہ کی' آخر اس چپ رہنے کا سبب کیا تھا؟ لڑکی نے کہا' جہاں پناہ! سن میں مسکین پردیسن اور شکستہ دل ہوں' میری ماں' میرا خاندان اور بھائی بند مجھ سے چھوٹ گئے ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ اس کا مقصد سمجھ گیا اور بولا تیرا یہ کہنا کہ تو مسکین ہے' بے جا ہے کیونکہ میری ساری ملکیت' مال و دولت اور گھر بار سب تیری خدمت میں ہیں حتیٰ کہ میں بھی تیرا غلام ہو گیا ہوں۔ ہاں تیری یہ بات کہ تو اپنی ماں' اپنے خاندان اور بھائی بندوں سے جدا ہو گئی ہے' مگر اس کا علاج نا ممکن نہیں' بتا کہ وہ کہاں ہیں' میں انہیں تیرے پاس بلا دوں گا۔ لڑکی نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... سن میرا نام گلنار بحریہ ہے۔ میرا باپ بحری بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا۔ جب وہ فوت ہو چکا تو اس کا ملک ہمارے قبضے میں آیا۔ اسی حالت میں ایک بادشاہ نے ہم پر حملہ کیا اور ہمارا ملک چھین لیا۔ میرا ایک بھائی ہے' اس کا نام صالح ہے۔ میری ماں بھی بحری عورتوں میں سے ہے۔ مجھ میں اور میرے بھائی میں کچھ جھگڑا ہو گیا' میں نے قسم کھائی کہ میں کسی بری آدمی کے پاس چلی جاؤں گی۔ یہ کہہ کر میں سمندر سے نکلی اور ایک جزیرے کے کنارے چاندنی رات میں آ کر بیٹھ گئی۔ ادھر سے ایک شخص گزرا' مجھے اپنے گھر لے گیا اور چاہا کہ میرے ساتھ برا کام کرے' لیکن میں نے اس کے سر پر اس زور سے گھونسا مارا کہ وہ مرتے مرتے بچا۔ اس نے مجھے لے جا کر اس شخص کے ہاتھ بیچا جس سے تو نے مجھے خریدا ہے' وہ بڑا

نیک' پارسا' دین دار' امین اور بامروت شخص ہے اگر تو دل سے مجھے نہ چاہتا اور مجھے اپنی تمام کنیزوں پر ترجیح نہ دیتا تو میں تیرے پاس ایک لحہ بھی نہ ٹھہرتی بلکہ اس جھروکے کے راستے سمندر میں کود پڑتی' اپنی ماں اور اپنے لوگوں کے پاس چل دیتی' مگر میں شرماتی تھی کہ تیرا حمل لے کر ان کے پاس جاؤں' وہ میری طرف سے بد گمانی کریں' میرا کہنا سچ نہ مانیں' خواہ میں کتنی ہی قسمیں کھاؤں اور ان سے کہوں کہ تو نے مجھے ترجیح دی ہے۔ یہ ہے میری کہانی اور بس!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چالیسویں رات

سات سو چالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... شہرمان نے گلنار بحریہ کی باتیں سنیں تو اس کا شکریہ ادا کیا' اس کا ماتھا چوما اور کہنے لگا اے میری آقا اور میری آنکھ کا نور! میں ایک دم کے لئے بھی تیری جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر تو چلی گئی تو میں مر جاؤں گا۔ اچھا اب کیا کرنا چاہئے؟ لڑکی نے کہا اے میرے آقا! ولادت کا زمانہ قریب آ گیا ہے اور یہ ضروری ہے کہ اس وقت میرے خاندان والے آ کر میرے ساتھ رہیں' کیونکہ خشکی کی عورتیں سمندر کی لڑکیوں کے بچے پیدا کرانے کا طریقہ نہیں جانتیں اور نہ سمندر کی عورتیں خشکی والیوں کے بچے جنانے کا طریقہ جانتی ہیں۔ میرے لوگ آ جائیں گے تو وہ مجھے دیکھ کر خوش ہو جائیں گے اور میں انہیں دیکھ کر۔ بادشاہ نے پوچھا کیا وہ پانی میں چلتے ہیں اور بھیگتے نہیں؟ لڑکی نے جواب دیا جیسے تم لوگ خشکی پر چلتے ہو ویسے ہی ہم ان طلسمات کے زور سے جو حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی پر کندہ ہیں' پانی پر چل سکتے ہیں' لیکن اے بادشاہ' جب میرے خاندان والے اور بھائی بہن آئیں گے تو میں ان سے کہوں گی تو نے مجھے داموں سے خریدا ہے' میرے ساتھ بھلائی اور احسان کیا ہے' تجھے چاہئے کہ ان کے سامنے میری تصدیق کرے' باقی باتیں تو وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ تو بادشاہ ہے اور شاہی خاندان سے ہے۔ یہ سن کر بادشاہ بولا اے میری آقا! جو تیرا جی چاہے کہ میں ہر بات میں تیرا فرمانبردار ہوں۔ لڑکی نے کہا جہاں پناہ! سن جب ہم سمندر میں چلتے ہیں تو ہماری آنکھیں کھلی ہوتی ہیں' ہمیں سمندر کی تمام چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور ان سے کچھ ضرر نہیں پہنچتا۔ ہمیں سورج' چاند' تارے اور آسمان اسی طرح دکھائی دیتے ہیں' جیسے زمین پر' اور یہ بھی سن لے کہ سمندر میں بے حد قسم کی مخلوقات ہیں جن کی صورتیں شکلیں خشکی کی مخلوقات سے

مختلف ہیں اور تجھے یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ خشکی کی تمام چیزیں پانی کی چیزوں سے بہت کم ہیں۔ اس پر بادشاہ کو بڑا اچنبھا ہوا۔

اس کے بعد لڑکی نے اپنے کندھے کے پاس دو دو ٹکڑے قماری عود کے نکالے اور ان میں سے ایک ٹکڑا توڑ کر انگیٹھی میں ڈال دیا۔ سیٹی بجائی اور کچھ پڑھنے لگی جو کسی کی سمجھ میں نہ آ سکتا تھا۔ بادشاہ کے دیکھتے دیکھتے' ایک دھواں اٹھا' لڑکی نے کہا اے میرے مولا' اٹھ کر ایک کمرے میں چھپ جا کہ تو میرے بھائی بندوں' ماں اور خاندان والوں کو دیکھے اور وہ تجھے نہ دیکھ سکیں۔ میں انہیں ابھی بلانا چاہتی ہوں اور تو ابھی اسی جگہ عجیب و غریب نظارہ دیکھے گا۔ بادشاہ فوراً اٹھ کر ایک کمرے میں چلا گیا اور دیکھنے لگا کہ وہ کیا کرتی ہے۔ لڑکی دھونی دیتی اور جادو پڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ سمندر میں جھاگ اٹھنے لگی' پانی کو جنبش ہوئی اور اس میں سے ایک حسین جوان نکلا۔ جیسے پورا چاند۔ اس کی پیشانی چمک دار تھی۔ رخسار سرخ' دانت موتیوں اور جواہرات کی طرح وہ اپنی بہن سے بے حد مشابے تھا۔ اس کے بعد ایک بوڑھی عورت نکلی جس کے بال کھچڑی تھے۔ اس کے بعد پانچ لڑکیاں اور چاند جیسی تھیں اور گلنار سے مشابے۔ بادشاہ نے دیکھا کہ وہ جوان' بڑھیا اور لڑکیاں پانی سے گزرتی ہوئی جھروکے کے پاس پہنچیں۔ جونہی گلنار کی نظر ان پر پڑی' وہ اٹھ کھڑی ہوئی' اس نے بڑی خوشی سے ان کا خیر مقدم کیا۔ انہوں نے گلنار کو جو دیکھا تو پہچان لیا۔ پاس آ کر اس کے گلے لپٹ گئیں' چیخیں مار مار کر رونے لگیں اور کہا اے گلنار! تو نے چار سال سے ہمیں کیوں چھوڑ رکھا ہے۔ ہمیں یہ بھی خبر نہیں کہ تو ہے کہاں؟ خدا کی قسم تیری جدائی کی وجہ سے ہمارے آگے دنیا تنگ تھی۔ ہمیں ایک دن بھی نہ کھانا بھایا نہ پینا بلکہ ہم دن رات تیری تمنا میں روتے رہے۔ اس کے بعد لڑکی اپنے بھائی' ماں چچیری بہنوں کے ہاتھ چومنے لگی۔

تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد انہوں نے اس کی حالت اور سرگزشت پوچھی' اس نے کہا سنو'

تمہیں چھوڑ کر میں سمندر سے نکل اور ایک جزیرے کے کنارے جا کر بیٹھ گئی۔ وہاں سے ایک شخص مجھے لے گیا اور ایک تاجر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ وہ تاجر مجھے لے کر شہر میں آیا اور مجھے دس ہزار دینار میں یہاں کے بادشاہ کے ہاتھ فروخت کیا۔ بادشاہ مجھ سے ہم بستر ہوا' میری وجہ سے اس نے اپنی تمام لونڈیوں' کنیزوں اور بیویوں کو چھوڑ دیا' اپنا گھر بار اور شہر کی حکومت چھوڑ کر وہ فقط میرا ہو گیا۔ لڑکی کی باتیں سن کر بھائی نے کہا شکر ہے خدا کا کہ اس نے ہمیں تجھ سے ملا دیا لیکن بہن! میں چاہتا ہوں کہ تو ہمارے ساتھ وطن اور گھر والوں کے پاس چلے۔ اس کے بھائی کی یہ باتیں سنتے ہی بادشاہ کے ہوش جاتے رہے وہ ڈرا کہ کہیں وہ اپنے بھائی کی بات مان نہ لے او میں اس کی محبت کا مارا اسے روک نہ سکوں۔ اس کی جدائی کا خیال کر کے وہ بہت گھبرایا' لیکن گلنار بولی۔ بھائی واللہ! جس شخص نے مجھے خریدا ہے' وہ اس شہر کا بادشاہ ہے اور بڑا بادشاہ' دانش مند' بے حد سخی اور شریف۔ وہ مجھے بڑی عزت اور احترام سے رکھتا ہے۔ وہ بڑا با مروت اور مال دار ہے مگر نہ اس کے کوئی لڑکا نہ لڑکی۔ اس کا میرے اوپر بڑا احسان ہے' کوئی بھلائی نہیں جو اس نے میرے ساتھ نہ کی ہو۔ جب سے میں آئی ہوں' اس وقت سے آج تک میں نے کوئی ایسی بری بات اس کے منہ سے نہیں سنی جس سے میرا دل دکھا ہو۔ وہ ہمیشہ میرے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا رہا اور بے میرے مشورے کے کوئی کام نہیں کرتا' میں اس کے ساتھ نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کر رہی ہوں اور یہ بھی بات ہے کہ اگر میں اس سے جدا ہوئی تو وہ مر جائے گا۔ کیونکہ وہ دم بھر بھی میری جدائی گوارا نہیں کرتا۔ اس کا مجھ پر اتنا احسان ہے کہ میں بھی اس کی محبت میں جان دے دوں گی۔ اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو وہ بھی مجھے اتنی اچھی طرح سے نہ رکھتا جیسے کہ یہ بڑا اور جلیل القدر بادشاہ رکھتا ہے اور تم لوگ یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ میں اس سے حاملہ ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے سمندر کے بادشاہ کی بیٹی بنایا اور میرے شوہر کو خشکی کا سب سے بڑا بادشاہ۔ خدا نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا بلکہ جو لیا' اس سے بہتر دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اکتالیسویں رات

سات سو اکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ گلنار نے اپنے بھائی سے کہا کہ خدا نے جو لیا' اس سے بہتر دیا۔ بادشاہ کے نہ کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی۔ میں خدا سے دعا مانگتی ہوں کہ وہ مجھے ایک بیٹا عطا کرے تا کہ وہ اس بڑے بادشاہ کے مکانوں' محلوں اور ملک کا وارث بنے۔ یہ باتیں سن کر اس کے بھائی اور چچیری بہنوں کا دل ٹھنڈا ہوا' انہوں نے کہا اے گلنار' تو جانتی ہے کہ ہم تجھے کتنا عزیز رکھتے ہیں اور کس قدر چاہتے ہیں یہاں تک کہ تجھ سے زیادہ عزت اور احترام کسی اور کا نہیں کرتے اور تجھے یقین ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ تو آرام سے رہے اور تجھے کوئی تکلیف نہ ہو۔ لہٰذا اگر تو تکلیف میں ہو تو ہمارے ساتھ اپنے ملک و وطن کو چل اور اگر تجھے یہاں عیش و آرام ہے' تو عزت اور خوشی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہے ہماری تو بس یہی ہماری مراد اور تمنا ہے۔ ہماری تو یہی آرزو ہے کہ تو جہاں رہے خوش رہے۔
گلنار نے کہا خدا کی قسم! میں بہت خوشی' آرام اور عزت و آبرو کی زندگی بسر کرتی ہوں۔
بادشاہ نے یہ سنا تو وہ خوش ہو گیا اس کے دل کو اطمینان ہوا۔ وہ اس کا شکر گزار ہوا اور اس کی محبت پہلے سے زیادہ اس کے دل میں جا گزیں ہو گئی اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ بھی مجھے ایسا ہی چاہتی ہے جیسے میں اسے چاہتا ہوں اور وہ آرزو مند ہے کہ اپنا بیٹا دیکھے جو میرے نطفے سے ہونے والا ہے۔ اس کے بعد گلنار بحریہ نے لونڈیوں کو حکم دیا کہ دستر خوان بچھائیں اور طرح طرح کا کھانا چنیں۔ گلنار نے خود باورچی خانے میں جا کر کھانے نکالے' باندیوں نے کھانے اور مٹھائیاں اور پھل لا کر پیش کیے اور گلنار اور اس کے خاندان والے کھانے لگے۔
پھر انہوں نے کہا' اے گلنار! تیرے آقا سے ابھی تک ہمارا تعارف نہیں ہوا۔ ہم بغیر اس کی اجازت کے اس کے مکان میں آئے ہیں' اسے ہماری خبر تک نہیں تو اس کی

مہر بانیوں کی اتنی تعریف کر رہی ہے اور اس سے ملاتی نہیں۔ علاوہ اس کے تو نے اس کا کھانا ہمارے سامنے پیش کیا اور ہم نے کھایا ہے حالانکہ ہماری اس سے ملاقات تک نہیں ہوئی۔ نہ اس نے ہمیں دیکھا' نہ ہم نے اسے' نہ وہ ہمارے پاس آیا نہ اس نے ہمارے ساتھ کھانا کھایا' نہ ہمارے اور اس کے درمیان روٹی اور نمک کا واسطہ ہوا۔ یہ کہہ کر سب نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ گلنار پر خفا ہونے لگے اور ان کے نتھنوں سے مشعل کی طرح آگ نکلنے لگی۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کے ہوش اڑ گئے۔

گلنار نے اٹھ کر ان کا غصہ ٹھنڈا کیا اور اس کمرے میں آئی جہاں اس کا آقا بادشاہ تھا اور کہنے لگی اے میرے آقا تو نے دیکھا اور سنا کہ میں نے کس طرح تیرا شکریہ ادا کیا اور اپنے لوگوں کے سامنے تیری کتنی تعریف کی۔ اور تو نے یہ بھی سنا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ بادشاہ بولا میں نے سب کچھ دیکھا اور سنا' خدا تجھے اس کا اچھا بدلہ دے۔ خدا کی قسم اس مبارک گھڑی سے پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ تو میری محبت کی اتنی قدر کرتی ہے۔ اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ تو مجھ سے محبت کرتی ہے۔ لڑکی نے کہا اے میرے آقا' احسان کا بدلہ تو احسان ہے۔ تو نے میرے اوپر احسان کیا' مجھے نعمتوں سے مالا مال کر دیا اور میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ تو مجھے بے حد پیار کرتا ہے۔ تو نے میرے ساتھ بڑی بڑی بھلائیاں کی ہیں اور اپنی تمام پیاری چیزیں چھوڑ کر میرا ہو گیا ہے۔ تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تو میرے اوپر احسان اور مہربانی کرے اور میں چاہوں کہ تجھ سے جدا ہو جاؤں اور تجھے چھوڑ کر چلتی بنوں۔ اب میں چاہتی ہوں تو مہربانی فرما کر چل اور میرے عزیزوں کو سلام کرتا کہ وہ تجھ سے ملیں اور تو ان سے ملے' تیرے اور ان کے درمیان محبت اور اخلاص پیدا ہو جائے۔ جہاں پناہ! میرے بھائی' ماں اور چچیری بہنوں کو تجھ سے بے حد محبت ہو گئی ہے۔ میں نے ان سے تیری تعریف کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم بغیر بادشاہ سے ملے اور اسے سلام کیئے نہ جائیں گے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تجھے دیکھیں اور تجھ سے مانوس ہوں۔ بادشاہ نے کہا سر آنکھوں سے' میں بھی یہی چاہتا ہوں۔

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور ان کے پاس جا کر نہایت ادب سے سلام کیا۔ وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑی عزت کے ساتھ اس سے ملے۔ بادشاہ نے ان کے ساتھ بیٹھ کر دستر خوان پر کھانا کھایا' اس کے بعد بادشاہ اور وہ لوگ تیس دن تک ساتھ رہے' پھر ان کا ارادہ ہوا کہ اپنے وطن اور گھر بار کی راہ لیں اور بادشاہ اور ملکہ گلنار بحریہ کی اجازت لے کر نہایت عزت اور احتام کے ساتھ رخصت ہوئے۔ گلنار کے حمل کا زمانہ پورا ہو چکا تھا۔ ولادت کا وقت آ گیا۔ اس کے ہاں لڑکا ہوا جیسے چودھیوں رات کا پورا چاند۔ بادشاہ بہت خوش ہوا کیونکہ عمر بھر نہ اس کے لڑکا ہوا تھا نہ لڑکی۔ سات دن تک برابر جشن منائے گئے اور سب کو بڑی خوشی اور مسرت ہوئی۔ ساتویں روز ملکہ گلنار کی ماں' بھائی اور کل چچیری بہنیں آئیں کیونکہ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ گلنار کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- سات سو بیالیسویں رات

سات سو بیالسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب گلنار کے اولاد ہوئی تو اور اس کے رشتے دار اس کے پاس آئے تو بادشاہ نے ان کا خیر مقدم کیا' ان کے آنے پر بڑا خوش ہوا اور کہنے لگا میں نے سوچا تھا کہ اپنے بیٹے کا نام نہیں رکھوں گا جب تک کہ تم نہ آ جاؤ۔ اب تم جو چاہو' اس کا نام رکھو۔ انہوں نے اس کا نام بدر باسم رکھا۔ سب نے یہ نام پسند کیا۔ اس کے بعد انہوں نے بچے کو اس کے ماموں صالح کے حوالے کیا اور وہ اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر محل میں ادھر ادھر ٹہلتے ٹہلتے محل سے نکل کر سمندر میں اتر گیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ وہ اس کے بیٹے کو لے کر سمندر کی تھاہ میں غائب ہو گیا تو وہ اسے ہاتھ دھو بیٹھا اور رونے پیٹنے لگا۔ گلنار اس کی یہ حالت دیکھ کر کہنے لگی جہاں پناہ! ڈرو نہیں' اپنے بیٹے پر غمگین نہ ہو۔ میں اسے تجھ سے زیادہ چاہتی ہوں' وہ تو میرے بھائی کے ساتھ ہے' سمندر کی پروا نہ کر اور بیٹے کو ڈوبنے کا ڈر اپنے دل سے نکال دے۔ اگر میرے بھائی کو یہ معلوم ہوتا کہ بچے کو نقصان پہنچے گا تو وہ ایسا ہرگز نہ کرتا۔ اگر خدا نے چاہا تو وہ تیرے بیٹے کو صحیح و سالم لے کر ابھی تیرے پاس آ جائے گا۔ دم بھر بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ سمندر میں جنبش ہوئی اور شہزادہ اپنے ماموں کے ساتھ صحیح و سالم نکل آیا۔ صالح بچے کو ہاتھوں پر لئے ہوئے اڑا اور ان کے پاس آ پہنچا۔ بچہ رویا نہ ڈرا۔ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ اس کے بعد بچے کے ماموں نے بادشاہ کی طرف دیکھ کر کہا شاید تو ڈرا ہو گا کہ کہیں بچے کو کچھ نقصان نہ پہنچ جائے کیونکہ میں اسے لے کر سمندر کے اندر چلا گیا تھا۔ بادشاہ نے کہا اے میرے آقا! ہاں۔ میرے دل میں بڑی دھکڑ پکڑ تھی' میرا خیال تھا کہ وہ ہرگز زندہ نہیں رہ سکتا۔ ماموں نے کہا اے خشکی کے بادشاہ! میں نے اس کی آنکھوں میں ایک سرمہ لگایا ہے جس

کا پتہ محض ہمیں لوگوں کو ہے اور اس پر وہ طلسم پڑھا ہے جو حضرت سلیمان بن داؤد علیہا السلام کی انگوٹی پر کندہ ہے۔ ہمارے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ہم اس کے ساتھ یہی کرتے ہیں۔ اب وہ جس سمندر میں چاہے' چلا جائے نہ اسے ڈوبنے کا ڈر ہے نہ دم گھٹنے کا۔ جس طرح تم لوگ خشکی پر چلتے ہو' ہم لوگ سمندر میں چلتے ہیں۔

یہ کہہ کر صالح نے اپنی جیب سے ایک صندوقچی نکالی جس پر طلسمات کندہ تھے اور مہر لگی ہوئی تھی۔ اس کا مہر توڑ کر اسے الٹ دیا' اس میں سے قسم قسم کے یاقوت اور ہیرے پروئے ہوئے نکل پڑے۔ من جملہ ان کے تین سو چھڑیں زمرد کی تھیں اور تین سو تلیاں جن میں شتر مرغ کے انڈوں کے برابر ہیرے' جن کی چمک کے آگے سورج اور چاند مات تھے۔ اور کہنے لگا جہاں پناہ! یہ ہیرے اور یاقوت میری طرف سے تیرے لئے ہدیہ ہیں۔ پہلی بار ہم اس کے لئے کوئی ہدیہ نہ لا سکے کہ ہمیں خبر ہی نہ تھی کہ گلنار کہاں ہے' نہ اس کا پتہ نشان ہیں معلوم تھا نہ تو اس کی کوئی اطلاع ملی تھی۔ لیکن جب ہم نے دیکھا کہ تو اس سے رشتہ قائم کر چکا ہے اور ہم سب ایک ہو گئے ہیں تو ہم اب یہ ہدیہ لے کر آئے ہیں اگر خدا کو منظور ہے تو ہم ہمیشہ ایسا ہی ہدیہ لایا کریں گے کیونکہ جتنے خشکی پر کنکر پتھر ہیں اس سے زیادہ ہمارے ہاں ہیرے اور یاقوت ہیں۔ ہم ان میں سے اچھے اور برے کی تمیز کر سکتے ہیں۔ ہمیں وہ راستے جگہیں معلوم ہیں جہاں وہ پائے جاتے ہیں۔ اور وہ ہمیں آسانی سے مل جاتے ہیں۔ اتنے ہیرے اور یاقوت دیکھ کر بادشاہ کے ہوش اڑ گئے۔ وہ کہنے لگا خدا کی قسم ان میں سے ایک ایک ہیرے کی قیمت میرے ملک کے برابر ہے۔ پھر بادشاہ نے صالح کا شکریہ ادا کیا اور ملکہ گل نار کی طرف دیکھ کر کہنے لگا' میں تیرے بھائی کے آگے شرماتا ہوں۔ اس نے مجھے ایسا ہدیہ عطا فرمایا ہے جس سے تمام دنیا والے عاجز ہیں۔ گل نار نے اپنے بھائی کا شکریہ ادا کیا۔ اس نے جواب دیا کہ جہاں پناہ! پہلے تو تو نے ہی ہمارے اوپر احسان کیا ہے اور اس لئے ہمارا فرض تھا کہ ہم تیرا شکریہ ادا کریں۔ تو نے میری بہن پر

احسان کیا ہے اور ہم نے تیرے گھر آ کر تیری روٹی کھائی ہے۔ جہاں پناہ! اگر ہم ایک ہزار سال تک منہ کے بل کھڑے ہو کر بھی تیری خدمت کریں تب بھی تیرا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ یہ تیری نیک دلی کا بدلہ جو کچھ ہم نے دیا ہے' کم ہے۔ بادشاہ نے مسکرا کر اس شکریہ ادا کیا۔

بادشاہ کے ہاں اپنی ماں اور چچیری بہنوں کے ساتھ چالیس دن تک ٹھہرنے کے بعد صالح نے اپنے بہنوئی بادشاہ کے آگے زمین چومی۔ بادشاہ بولا صالح' کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا جہاں پناہ! تو نے ہمارے اوپر بڑی مہربانیاں کی ہیں' اب ہماری درخواست ہے کہ ہم پر یہ احسان کر' ہمیں جانے کی اجازت دے دے۔ ہمیں اپنا گھر بار' وطن اور اہل و عیال یاد آ رہے ہیں۔ لیکن ہم تیری' اپنی بہن اور بھانجے کی خدمت میں حاضر ہوتے رہا کریں گے۔ جہاں پناہ! ہمارا دل تم لوگوں کو چھوڑنے کو نہیں چاہتا' مگر کیا کیا جائے! ہم سمندر میں پلے بڑھے ہیں' خشکی پر ہمارا جی نہیں لگتا۔ یہ سن کر بادشاہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے صالح بحری' اس کی ماں اور چچیری بہنوں کو رخصت کیا وہ سب رونے لگے اور انہوں نے کہا' ہم عنقریب پھر آئیں گے اور تمہیں کبھی نہ چھوڑیں گے بلکہ ہر تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد ملاقات کیا کریں گے۔

اس کے بعد وہ اٹھے اور سمندر میں اتر کر غائب ہو گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو تینتالیسویں رات

سات سو تینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ سمندر میں وہ لوگ غائب ہو گئے۔ اب بادشاہ گلنار کی اور زیادہ آؤ بھگت کرنے لگا۔ بچہ بڑھنے پلنے لگا۔ اس کا ماموں' نانی' ممانی اور ماں کی چچیری بہنیں بادشاہ کے ہاں اکثر آتیں' مہینے دو مہینے ٹھہر کر اپنے گھر چلی جاتیں۔ لڑکا عمر کے ساتھ حسن و جمال میں بھی ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ اس کی عمر پندرہ سال ہو گئی' وہ خوب روئی اور قد و قامت میں یکتا ہو گیا۔ تاریخ' نحو' لغت' وغیرہ ہر علم میں پوری قابلیت حاصل کر لی۔ نیزہ بازی' شہ سواری اور ان تمام فنون میں جن کی ضرورت شہزادوں کو ہوتی ہے' کمال پیدا ہو گیا۔ شہر والوں میں نہ کوئی مرد ایسا تھا' نہ عورت جس کی زبان پر اس کی تعریف نہ ہو کیونکہ وہ جمال اور کمال دونوں میں لاثانی تھا' اسی وجہ سے بادشاہ بھی اسے بہت پیار کرتا تھا۔

ایک روز بادشاہ نے وزیروں' امیروں منصب داروں اور سرداروں کو اکٹھا کر کے انہیں قسم دی کہ وہ اس کے بعد اس کے بیٹے بدر باسم کو بادشاہ بنائیں۔ سب نے نہایت خوشی سے قسم کھائی۔ سب کے دل میں بادشاہ کی محبت تھی۔ ہر ایک کے ساتھ وہ احسان کرتا' نرمی سے پیش آتا اور ایسا کام بھی نہ کرتا جس میں رعیت کی بھلائی نہ ہو۔

اس کے بعد دوسرے دن بادشاہ مع منصب داروں' تمام امرا اور سرداروں کے شہر گیا' واپسی میں محل کے قریب پہنچ کر بادشاہ اپنے بیٹے کی عزت افزائی کے لئے گھوڑے سے اتر پڑا' پیدل چلنے لگا۔ اس کے امرا اور منصب دار تھوڑی تھوڑی دور تک باری باری اس کا دامن ہاتھ میں لے کر چلتے محل کے دروازے پر پہنچے۔ اب بیٹا گھوڑے سے اترا' اس کے باپ اور تمام امرا نے اسے سینے سے لگا کر شاہی تخت پر بٹھایا۔ سب اس کے سامنے کھڑے ہو گئے اور بدر باسم حکومت کرنے لگا۔ اس نے ظالموں کو معزول اور

نصاف پسندوں کو والی بنانا شروع کیا۔ اسی طرح وہ ظہر کے قریب تک حکومت کرتا رہا اور پھر تخت سے اتر کر تاج پہنے ہوئے اپنی ماں گلنار بحریہ کے پاس گیا' اس وقت وہ چاند سا معلوم ہوتا تھا۔ جونہی اس کی ماں نے اسے اور بادشاہ کو اپنے سامنے دیکھا تو اٹھ کر اسے بوسہ دیا اور بادشاہ ہونے کی مبارک باد' اور خدا سے دعا مانگی کہ وہ اور اس کا باپ دیر تک زندہ رہیں اور انہیں دشمنوں پر فتح نصیب ہو! اب وہ عصر تک اپنی ماں کے پاس بیٹھ کر آرام کرتا رہا۔ پھر سوار ہو کر امرا کے ساتھ چل دیا اور میدان میں پہنچ کر اپنے باپ اور امرا کو ہتھیاروں کے کرتب دکھائے اور عشاء کے وقت سب کے ساتھ میں لوٹا۔ یہ اس کا روزانہ کا معمول تھا کہ پہلے میدان جاتا' وہاں سے پلٹتا تو رعیا کے کاروبار میں مشغول ہو جاتا' امیر اور غریب کے درمیان انصاف کرتا۔
اسی طرح سے ایک سال گزرنے کے بعد اس نے سیر و شکار کے لئے جانا شروع کر دیا اور ان شہروں اور صوبوں میں دورہ کرنے لگا جو اس کی حکومت میں تھے۔ ان میں امن و اطمینان پیدا کیا۔ اور وہ تمام کار وائیاں کیں جو بادشاہ کیا کرتے ہیں۔ عزت' بہادری اور انصاف کرنے میں یکتا ہو گیا۔
انہی دنوں میں اتفاق سے بدر باسم کا باپ بادشاہ یکا یک اتنا بیمار پڑا کہ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اسے یہ معلوم ہوا کہ اب میں اس دنیا سے رخصت ہو کر دوسری دنیا میں جانے والا ہوں اور بیماری نے اتنا زور پکڑا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گیا اس نے بیٹے کو بلا کو وصیت کی کہ رعایا کی خبر گیری سے غافل نہ رہیو' ماں کے ساتھ اچھا سلوک کیجیو اور تمام منصب داروں اور زیر دستوں کا خیال رکھیو۔ اسی طرح اس نے امرا' وزرا کو بھی دوبارہ قسم دی کہ وہ اس کے بیٹے کی اطاعت کریں گے اور ان سے خوب مضبوط عہد و پیمان باندھا۔ اسی بیماری میں اس کا انتقال ہو گیا۔ خدا اس پر رحم کرے!
اس کے بیٹے باسم' اس کی بیوی گلنار' تمام امیروں اور وزیروں اور سرداروں کو بہت افسوس ہوا' انہوں نے اس کی تجہیز و تکفین کی۔ پورے ایک مہینے تک اس کا سوگ کرتے رہے۔ اس کے بعد گلنار کا بھائی صالح' اس کی ماں اور چچیری بہنیں آئیں۔ بادشاہ

کے مرنے پر سب نے تعزیت کی اور کہا' اے گلنار اگرچہ بادشاہ مر گیا ہے لیکن اس نے ایک سعادت مند بیٹا چھوڑا ہے اور جس نے ایسا بیٹا چھوڑا ہو' وہ مرتا نہیں' بیٹا بے نظیر اور بہادر شیر ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• سات سو چوالیسویں رات

سات سو چوالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... نہوں نے کہا' بیٹا بے نظیر' بہادر شیر اور آب و تاب والا چاند ہے' پھر امر ااور سرداروں نے بادشاہ بدر باسم کے پاس آ کر کہا اے بادشاہ! بادشاہوں پر جتنا افسوس کیا جائے' بجا ہے لیکن سوگ تو کچھ عوتوں پر ہی پھبتا ہے۔ تو اپنے باپ پر سوگ کر کے اپنا اور ہمارا دل غمگین نہ کر' وہ تو مر گیا لیکن تجھے چھوڑ گیا ہے اور جو تجھ جیسے کو چھوڑے' وہ مرتا نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے نرم نرم باتیں کر کے اسے تسلی دی اور حمام گئے۔ وہ حمام سے نکلا تو اس نے نہایت نفیس پوشاک پہنی جس کا تانا سونے کا تھا اور جس میں ہیرے اور یاقوت ٹنکے ہوئے تھے۔ وہ سر پر شاہی تاج رکھ کر تخت پر بیٹھا اور رعیت کے کاروبار میں مشغول ہو گیا' قوی اور ضعیف میں انصاف کرنے لگا اور امیر سے غریب کا حق دلایا۔ لوگ اس سے بڑی محبت کرنے لگے۔ ایک سال تک یہی حالت رہی۔ اس کے بحری رشتے دار اکثر آتے جاتے رہتے جس سے اسے بہت خوشی ہوتی اور آنکھیں ٹھنڈی رہتیں۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ صالح گلنار کے پاس آیا' اسے سلام کیا۔ وہ اٹھی' بھائی کو گلے لگا کر اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا بھائی' تیرا مزاج کیسا ہے؟ اماں اور چچیری بہنوں کا کیا حال ہے؟ وہ بولا بہن' وہ سب بخیر و عافیت ہیں۔ مزے سے ہیں اور سوائے تیرے دیدار کے انہیں کسی بات کی کمی نہیں۔ اس کے بعد گلنار بھائی کے لئے کھانا لائی۔ اس نے کھانا کھایا' پھر دونوں میں باتیں ہونے لگیں۔ باتوں باتوں میں بادشاہ بدر باسم اس کے حسن و جمال' قد و قامت ' شہ سواری' عقل اور آداب کا ذکر آ گیا۔ اس وقت بادشاہ بدر باسم تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ماموں اس کی باتیں کر رہے ہیں تو وہ سونے کا بہانہ کر کے لیٹ گیا اور ان کی باتیں سننے لگا۔ صالح کو اپنی بہن گلنار

سے کہتے سنا کہ تیرے بیٹے کی عمر سترہ سال ہو چکی ہے اور ابھی تک اس کا بیاہ نہیں ہوا' مجھے ڈر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے کوئی بیٹا ہی پیدا نہ ہو' اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس کا بیاہ کسی بحری شہزادی سے کرا دوں جو اسی کی طرح حسین و جمیل ہو۔ گلنار بولی ان کا نام ایک ایک کر کے لے۔ میں ان سب کو جانتی ہوں۔ وہ ایک ایک کا نام لیتا جاتا اور گلنار کہتی جاتی کہ یہ مجھے اپنے بیٹے کے لئے پسند نہیں' میں اس کا بیاہ کسی ایسی سے کرنا چاہتی ہوں جو حسن و جمال' عقل و دین' ادب و مروت' سلطنت اور حسب نسب میں اس کے برابر ہو صالح بولا میں سو سے زیادہ لڑکیاں بتا چکا ہوں لیکن ان میں سے تجھے کوئی پسند نہیں' اب محض ایک بحری شہزادی باقی رہ گئی ہے' مگر بہن یہ دیکھ لے کہ تیرا بیٹا سو رہا ہے یا نہیں۔ اس نے جا کر دیکھا۔ بیٹا اسے سوتا ہوا دکھائی دیا اور اس نے آ کر کہا وہ سو رہا ہے' تو کیا کہنا چاہتا ہے۔ اس کے سونے نہ سونے سے تیرا کیا مقصد ہے؟ صالح نے کہا بہن میرے خیال میں ایک بحری شہزادی آئی ہے جو تیرے بیٹے کے لئے مناسب ہو گی مگر مجھے ڈر ہے کہیں وہ جاگتا نہ ہو' میں شہزادی کا ذکر کروں' تیرا بیٹا اس کی محبت میں گرفتار ہو جائے اور وہ اسے مل نہ سکے پھر وہ ہم' اور اس کے تمام امرا مصیبت میں پھنس جائیں اور پریشان ہوں۔

صالح کی بہن نے یہ باتیں سنیں تو کہنے لگی' کہہ تو سہی یہ لڑکی کون ہے اور اس کا نام کیا ہے۔ وہ کون سی بحری لڑکی ہے جسے میں نہیں جانتی خواہ وہ بادشاہوں کی بیٹی ہو یا کسی دوسرے کی؟ اگر میں دیکھوں گی کہ وہ اس کے قابل ہے تو اس کے باپ کے پاس پیغام بھیجوں گی چاہے اس میں میرا تمام مال و دولت ہی خرچ کیوں نہ ہو جائے۔ آخر کہہ تو سہی ڈر نہیں' میرا بیٹا سو رہا ہے۔ بھائی نے پھر کہا کہیں وہ جاگتا نہ ہو۔ گلنار بولی بھائی کہہ' باتیں نہ بنا اور خوف نہ کر۔ وہ بولا واللہ بہن' تیرے بیٹے کے لئے بادشاہ سمندل کی بیٹی شہزادی جوہرہ کے سوا اور کوئی مناسب نہیں۔ وہ حسن و جمال' خوب روئی اور تم اوصاف میں اس کے ہم پلہ ہے اور اس سے زیادہ خوبصورت

نہ سمندر میں کوئی ہے اور نہ ہی خشکی پر' وہ حسین' خوش قامت اور سڈول ہے' اس کے رخسار سرخ' پیشانی روشن' دانت ہیروں کی طرح' آنکھیں پیاری پیاری' کولہے بھاری' کمر پتلی اور چہرہ خوبصورت ہے۔ جب وہ دیکھتی ہے تو نیل گائیں اور غزال شرمندہ ہو جاتے ہیں اور جب وہ چلتی ہے تو بید کی شاخ اس پر حسد کرنے لگتی ہے۔ جب وہ نقاب اٹھاتی ہے تو سورج اور چاند شرما جاتے ہیں اور جو اسے دیکھتا ہے' گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اس کے ہونٹ میٹھے میٹھے اور پہلو نرم نرم ہیں۔ گلنار نے کہا بھائی تو سچ کہتا ہے۔ جب ہم چھوٹے تھے تو وہ میری سہیلی تھی۔ میں نے کئی بار اسے دیکھا ہے۔ آج ہم ایک دوسرے کو پہچان نہ سکیں گے کیونکہ ہم اس سے دور جا پڑے ہیں اور اٹھارہ سال سے اسے نہیں دیکھا۔ واللہ سوائے اس کے اور کوئی میرے بیٹے کا جوڑ نہیں۔ جب بدر باسم نے باتیں سنیں اور شروع سے آخر تک اس کی سمجھ میں آ گیا جو صالح نے شہزادی جوہرہ کے متعلق کہا تھا جو بادشاہ سمندل کی بیٹی تھی تو اسے اس نادیدہ کے ساتھ عشق ہو گیا۔ انہیں تو یہ خیال تھا کہ وہ سو رہا ہے مگر اس کے دل میں جوہرہ کی محبت کی آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ ایسے سمندر میں ڈوب گیا تھا جس کا نہ کنارہ تھا' نہ تھاہ۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو پینتالیسویں رات

سات سو پینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... ادھر صالح اور گلنار میں یہ باتیں ہو رہی تھیں' ادھر بدر باسم شہزادی کی محبت میں گرفتار ہو چلا جاتا تھا۔ صالح نے اپنی بہن گلنار کی طرف مخاطب ہو کر کہا بہن' خدا کی قسم! سمندر کے بادشاہوں میں نہ اس کے باپ سے زیادہ بے وقوف کوئی ہے نہ' طاقتور اس لئے جب تک اس کا باپ ہمارا پیغام منظور نہ کرے' اپنے بیٹے سے لڑکی کا بالکل ذکر نہ کیجیو۔ اگر اس نے مہربانی کر کے منظور کر لیا تو ہمیں خدا کا شکر گزار ہونا چاہئے لیکن اگر اس نے رد کر دیا اور اپنی بیٹی کا نکاح تیرے بیٹے سے نہ کیا تو پھر ہم کسی اور جگہ پیغام بھیجیں گے۔ گلنار نے اپنے بھائی صالح کی بات سن کر کہا' تیری رائے بہت ٹھیک ہے۔ اس کے بعد وہ چپ ہو گئے اور جا کر سو رہے۔ بدر باسم کے دل میں شہزادی جوہرہ کے عشق کی آگ بھڑکتی رہی لیکن اس نے اپنا بھید کسی سے نہ کیا۔ شہزادی کا نام نہ ماں کے آگے لیا نہ ماموں کے آگے اگرچہ وہ اس کی محبت کے انگاروں پر تڑپ رہا تھا۔ جب صبح ہوتی تو بادشاہ اور اس کا ماموں دونوں حمام گئے۔ نہا کر وہاں سے نکلے تو انہوں نے شراب پی' کھانا کھایا تو بادشاہ بدر باسم' اس کی ماں اور ماموں نے کھایا۔ کھا کر ہاتھ دھوئے اس کے بعد صالح اٹھا' بادشاہ بدر باسم اور اس کی ماں سے کہا تم لوگوں کی اجازت سے میں اپنی ماں کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ بہت دن ہو گئے ہیں' ان کا جی مجھ میں لگا ہوا ہو گا' وہ میری راہ دیکھ رہے ہوں گے۔ بادشاہ بدر باسم نے کہا' ماموں صالح! آج کے دن اور ٹھہر جا' اس نے اس کا کہنا مان لیا۔ وہ بولا ماموں میرے ساتھ باغ میں چل۔ دونوں باغ میں جا کر ٹہلنے اور چہل قدمی کرنے لگے۔ بادشاہ بدر باسم ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور چاہتا تھا کہ ذرا ستانے کو سو جائے لیکن وہ باتیں یاد کر کے جو اس کے ماموں صالح نے لڑکی کی تعریف میں

بیان کی تھیں اور اس کے حسن و جمال کا خیال کر کے زار زار رونے اور آہیں بھرنے لگا۔
یہ کہہ کر اس نے ماموں صالح کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور کہنے لگا "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ------ ولا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم" پھر بولا بیٹا' کیا تو نے وہ تمام باتیں سنیں ہیں جو میں نے اور تیری ماں نے شہزادی جوہرہ کے متعلق کی ہیں اور اس کی تعریف کی ہے؟ بدر باسم نے کہا ماموں' ہاں اور صرف تمہاری باتیں ہی سن کر میں اس پر عاشق ہو گیا ہوں۔ میرا دل اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے اور میں بے قرار ہوں۔
ماموں نے کہا بھانجے' اچھا تو آ ہم چل کر تیری ماں سے سارا قصہ بیان کریں اور اس سے اجازت لیں کہ میں تجھے اپنے ساتھ لے جا کر شہزادی جوہرہ کو تیر پیغام دوں۔ اس سے رخصت ہونا ضروری ہے' اگر میں بغیر اس کی اجازت کے تجھے لے جاؤں گا' وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گی اور حق بجانب ہو گی کیونکہ اب ایک بار وہ خود میری وجہ سے ہم سے جدا ہوئی اور اب بھی میں ہی تم دونوں کی جدائی کا سبب ہو رہا ہوں' پھر یہ بھی ہے کہ شہر بغیر بادشاہ کے رہ جائے گا' کوئی رعایا کا حال دیکھنے بھالنے والا نہ ہو گا' ملک کی حالت خراب ہو جائے گی اور وہ تیرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔
اپنے ماموں صالح کی یہ باتیں سن کر بدر باسم نے کہا ماموں' سن' اگر میں نے اپنی ماں سے رائے لی تو وہ مجھے ہرگز ایسا نہ کرنے دے گی' اس لئے میں ہرگز اس کے پاس جا کر اس کی رائے نہیں لوں گا۔ یہ کہہ کر وہ ماموں کے آگے رونے لگا اور کہا میں ماں سے بالکل نہ کہوں گا بلکہ تیرے ساتھ چلوں گا اور پھر لوٹ کر آ جاؤں گا۔
صالح حیران پریشان ہو گیا اور کہنے لگا میں دعا کرتا ہوں کہ خدا ہر حال میں ہماری مدد کرے! صالح نے اپنے بھانجے کی یہ حالت دیکھی اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ اپنی ماں کے پاس نہیں جانا چاہتا بلکہ الگ ہی الگ اس کے ساتھ چلنا چاہتا ہے تو اس نے اپنی انگلی سے ایک انگوٹھی اتاری جس پر خدا کے کئی نام کندہ تھے۔ اور اسے بادشاہ بدر باسم کو دے کر کہا' اسے اپنی انگلی میں پہن لے تا کہ تو ڈوبنے' بحری جانوروں

او مچھلیوں کی ایذا سے محفوظ رہے۔ بدر باسم نے اپنے ماموں صالح سے وہ انگوٹھی لے کر اپنی انگلی میں پہن لی۔ اور دونوں نے پانی میں غوطہ مارا۔

اور شہر زاد کر صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چھیالیسویں رات

سات سو چھیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ بدر باسم اور اس کا ماموں صالح سمندر میں غوطہ لگا کر روانہ ہوئے اور چلتے چلتے صالح کے محل میں پہنچ گئے' جب وہ اندر گئے اور اس کی نانی کی نظر اس پر پڑی جو اپنے رشتے داروں کے ساتھ بیٹھی تھی تو دونوں نے ان سب کے ہاتھ چومے' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اسے گلے سے لگایا اور اس کی پیشانی کو بوسہ دے کر نانی نے کہا بیٹا! تیرا آنا مبارک ہو! تیری ماں گلنار کیسی ہے؟ اس نے جواب دیا بخیر و عافیت ہے' تجھے اور اپنی چچیری بہنوں کو سلام کہا ہے۔ اس کے بعد صالح نے اپنی ماں سے وہ باتیں کہیں جو اس کے اور اس کی بہن گلنار کے درمیان ہوئی تھیں اور یہ کہ بادشاہ بدر باسم بادشاہ سمندل کی بیٹی شہزادی جوہرہ کی تعریف سن کر اس پر نادیدہ عاشق ہو گیا ہے اور اس نے شروع سے آخر تک تمام ماجرا بیان سنا دیا اور کہا کہ وہ محض اس وجہ سے آیا ہے کہ شہزادی کے باپ کو پیغام دے کر اس کے ساتھ شادی کرے۔ بادشاہ بدر باسم کی نانی' صالح کی یہ باتیں سن کر طیش میں آ گئی۔ بہت پریشان ہوئی اور نہایت افسوس کے ساتھ کہنے لگی' بیٹا! تو نے غلطی کی کہ بادشاہ سمندل کی بیٹی شہزادی جوہر کا ذکر اپنے بھانجے کے سامنے کیا۔ تو جانتا ہے کہ بادشاہ سمندل بڑا احمق' ظالم' کم عقل' زبردست اور اپنی بیٹی جوہرہ کے معاملے میں بڑا بخیل ہے' سمندر کے سارے بادشاہوں کے پاس سے جوہرہ کا پیغام آ چکا ہے لیکن اس نے انکار کر دیا' کسی کو بھی پسند نہیں کیا۔ سب کو رد کر کے ان سے کہہ دیا کہ نہ تو تم حسن و جمال میں اس کے برابر ہو نہ کسی اور بات میں۔ ہمیں ڈر ہے کہ ہم شہزادی کا پیغام اس کے باپ کے پاس لے جائیں اور وہ ہمیں بھی اوروں کی طرح دھتکار دے۔ ہم لوگ بڑے غیرت مند ہیں۔ اس سے

ہماری بڑی بے آبروئی اور دل شکنی ہو گی۔

ماں کی یہ باتیں سن کر صالح نے کہا اماں تو پھر اب کیا کیا جائے؟ جب میں نے اس لڑکی کا ذکر اپنی گلنار بہن سے کیا تھا سی وقت سے بادشاہ بدر باسم اس پر عاشق ہو گیا ہے' وہ کہتا ہے کہ میں ضرور اس کے باپ کو پیغام دوں گا' خواہ مجھے اپنا سارا ملک دے دینا پڑے اور یقین ہے کہ اگر اس نے شہزادی کے ساتھ شادی نہ کی تو وہ اس کی محبت میں جان دے دے گا۔ صالح نے اپنی ماں سے یہ بھی کہا کہ میرا بھانجا اس سے کہیں زیادہ حسین و جمیل ہے۔ اس کے علاوہ اس کا باپ سارے عجم کا بادشاہ تھا اور اب وہ بادشاہ ہے۔ اس لئے جوہرہ سوائے اس کے اور کسی کے قابل نہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اس کے باپ کی شان کے شایاں یاقوت لے جاؤں اور اس سے اس کی بیٹی کی طلب کروں۔ اگر وہ حجت پیش کرے گا کہ میں بادشاہ ہوں تو وہ بھی بادشاہ کا بیٹا خود بادشاہ ہے۔ اگر وہ خوبصورتی کے متعلق بحث کرے گا تو وہ اس کی بیٹی سے زیادہ خوبصورت ہے' اگر وہ حکومت کی بڑائی بیچ میں لائے گا تو اس کا ملک شہزادی اور اس کے باپ کے ملک سے بڑا ہے' اس کی فوجیں اور لشکر بھی زیادہ ہے۔ سوائے اس کے اب اور کوئی چارہ نہیں کہ میں اپنے بھانجے کا مقصد پورا کرنے کی کوشش کروں' خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ مجھ ہی سے یہ قصہ چلا ہے اور جس طرح میں نے اسے عشق کے سمندر میں ڈالا ہے' اسی طرح میں اسے کے نکاح کی کوشش کروں گا اور اس میں خدا میری مدد کرے گا۔ ماں نے کہا جیسی تیری مرضی ہو کر۔ لیکن خبر دار اس سے سخت کلامی نہ کیجیو' تو اس کی حماقت اور طاقت سے خوب واقف ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تجھے اس سے نقصان نہ پہنچ جائے کیونکہ وہ کسی کو دھیان میں نہیں لاتا۔ صالح نے کہا سر آنکھوں پر اور اٹھ کر دو تھیلیاں لیکن جن میں ہیرے' یاقوت' زمرد کی چھڑیں' اور طرح طرح کے قیمتی پتھر تھے اور انہیں اپنے غلاموں کے سروں پر رکھوایا اور اپنے بھانجے کے ساتھ بادشاہ سمندل کے محل پر پہنچا اور اندر جانے کی اجازت مانگی۔ اسے اجازت مل گئی۔ اور وہ اندر چلا گیا تو اس

نے سمندل کے آگے زمین چومی اور نہایت آؤ بھگت کے ساتھ اسے بٹھایا۔ تھوڑی دیر تک بیٹھنے کے بعد بادشاہ نے کہا اے صالح' تیرا آنا مبارک ہو تو نے ہمیں بالکل چھوڑ دیا ہے۔ بتا تو کس ضرورت سے آیا ہے تا کہ میں اس سے پورا کروں۔ صالح نے اٹھ کر دوبارہ زمین چومی اور کہاں جہاں پناہ! میری حاجت خدا سے ہے اور اس کے بعد ایسے باہمت اور شیر دل بادشاہ سے جس کی تعریفیں سوار ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں' جس کی سخاوت' احسان' عفو اور دریا دلی کی شہرت' اقلیموں او ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے دونوں تھیلیاں کھولیں' ان میں سے ہیرے وغیرہ نکال کر بادشاہ سمندل کہ آگے پھیلا دیئے اور کہنے لگا جہاں پناہ! ممکن ہے کہ تو میرا ہدیہ قبول کر کے میرا دل ہاتھ میں لے لے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• سات سو سینتالیسویں رات

سات سو سینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب صالح نے کہا کہ میر ہدیہ قبول کر کے مجھے خوش کر دے' تو بادشاہ بولا' اس ہدیے کے دینے کی کیا وجہ ہے؟ ماجرا کہہ اور اپنی حاجت بیان کر۔ اگر میں اسے پورا کر سکتا ہوں تو فوراً پورا کر دوں گا اور تجھے کوئی تکلیف اٹھانی نہیں پڑے گی اور اگر میں اسے پورا کرنے سے عاجز ہوں گا تو خدا بھی کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ صالح نے اٹھ کر تین بار زمین چومی اور کہا جہاں پناہ میری حاجت ایسی ہے جسے تو پورا کر سکتا ہے' وہ تیری طاقت میں ہے اور تو اس کا مالک ہے۔ میں بادشاہ کو کسی تکلیف میں ڈالنا نہیں چاہتا' نہ میں اتنا پاگل ہوں کہ بادشاہ سے کوئی ایسی بات کہوں جو اس کے ہاتھ میں نہ ہو ایک حکیم کا قول ہے اگر تو چاہتا ہے کہ لوگ تیری مات مانیں تو ایسی بات نہ چاہ جو لوگوں کی طاقت سے باہر ہو۔ رہی وہ حاجت جو میں بادشاہ سے مانگنے آیا ہوں' خدا اسے اپنی پناہ میں رکھے اس کے اختیار میں ہے۔ بادشاہ بولا' مانگ اپنی حاجت' صاف صاف بات کر اور کہہ کیا چاہتا ہے۔ صالح نے کہا' جہاں پناہ! سن میں بے بہا موتی اور خزانے کا ہیرا تیری بیٹی جوہرہ کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ اے بادشاہ مجھے نامراد نہ لوٹائیو۔

یہ سن کر بادشاہ اتنا ہنسا کہ لوٹ گیا۔ صالح کا مذاق اڑانے لگا اور کہا اے صالح! میں تو سمجھتا تھا کہ تو عقل مند اور سمجھدار انسان ہے جو سیدھی راہ چلتا اور ٹھکانے کی بات کرتا ہے لیکن تیری عقل کیا کیا ہو گیا جو تو ایسی بڑی بات کرتا ہے اور اپنے آپ کو خطرے میں ڈالتا ہے؟ تو ایسے بادشاہوں کی بیٹیاں مانگتا ہے جو ملکوں اور اقلیموں کے مالک ہیں؟ تو اتنا بڑا کہاں سے آیا کہ اس مرتبے پر پہنچنا چاہتا ہے؟ کیا تعیر عقل ماری گئی ہے میرے آگے ایسی باتیں کرتا ہے؟ صالح نے کہا خدا بادشاہ کا بھلا کرے!

میں اسے اپنے لئے نہیں مانگتا اور اگر میں اسے اپنے لئے بھی مانگتا تو میں اس سے کم نہیں ہوں۔ مانا کہ آج تو ہمارے اوپر حکومت کرتا ہے لیکن تجھے معلوم ہے کہ میرا باپ بھی سمندر کا بادشاہ تھا' مگر میں تو اسے بادشاہ بدر باسم کے لئے مانگتا ہوں جو عجم کی اقلیموں کا مالک ہے' اس کا باپ شہر مان تھا جس کی قوت سے تو خوب واقف ہے۔ اگر تو سمجھتا ہے کہ تو بادشاہ ہے تو بدر باسم تجھ سے بڑا ہے' اگر تیرا دعویٰ ہے کہ تیری بیٹی حسین ہے تو بادشاہ بدر باسم اس سے بھی زیادہ حسین اور خوب رو ہے اور حسب نسب میں اس سے بڑھ چڑھ کر ہے کیونکہ وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا شہ سوار ہے۔ جہاں پناہ اگر تو نے میری درخواست مان لی تو گویا تو نے چیز کو اس کی جگہ رکھا اور اگر تو نے اپنے آپ کو ہم سے بڑا سمجھا تو تو نے ہماری ساتھ نا انصافی کی اور ٹھیک سلوک نہ کیا۔ اے بادشاہ! تو جانتا ہے کہ تیری بیٹی شہزادی جوہرہ ایک نہ ایک دن بیاہ کرنا ہے' حکیموں کا قول ہے کہ لڑکی کے لئے یا بیاہ ہے یا قبر۔ اگر تو اس کا بیاہ کرنا چاہتا ہے تو میرا بھانجا سب سے زیادہ مستحق ہے۔

بادشاہ نے صالح کی باتیں سنیں تو اسے طیش آ گیا۔ اس کی عقل جاتی رہی' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی روح پرواز کر جائے گی۔ اس نے کہا اے کتے! تجھ جیسا شخص میرے سامنے ایسی باتیں کرتا ہے۔ مجلس میں میری بیٹی کا نام لیتا ہے اور کہتا ہے کہ تیری بہن گلنار کا بیٹا اس کا ہم پلہ ہے۔ تو کون اور تیری بہن کیا۔ اس کا بیٹا کون اور بیٹے کا باپ کیا جو تو مجھ سے ایسی باتیں کرتا ہے اور مجھے یوں مخاطب کرتا ہے۔ میری بیٹی کے مقابلے میں تمہاری حیثیت کتے سے زیادہ نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے غلاموں کو آواز دی اور کہا اے غلامو! اس مردود کا سر اتار لو۔ غلام تلواریں کھینچ اس کے پیچھے دوڑے اور وہ جان بچا کر محل کے دروازے کی طرف بھاگا۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ وہاں اس کے چچیرے بھائی' رشتے' کنبے والے غلام جمع ہیں۔ ان کی تعداد ہزار سے زیادہ تھی اور سب لوہے اور زرہ بکتر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں نیزے اور چمکتی ہوئی تلواریں تھیں۔ صالح کو اس حالت میں دیکھ کر انہوں

نے ماجرا پوچھا۔ اس نے ساری سرگزشت بیان کر دی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں اس کی ماں نے اس کی مدد کی لئے بھیجا تھا۔ صالح کا قصہ سن کر انہیں یقین ہو گیا کہ بادشاہ بڑا احمق اور ہٹ دھرم ہے۔ وہ گھوڑوں سے اتر تلواریں کھینچ کر بادشاہ سمندل کے پاس پہنچ گئے۔ دیکھا کہ وہ کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور ان لوگوں کی اسے بالکل خبر نہیں۔ صالح پر سخت ناراض ہے' اس کے نوکر چاکر' غلام اور سپاہی بھی غافل ہیں۔ بادشاہ نے انہیں ننگی تلواریں لئے ہوئے دیکھا تو اپنے لوگوں سے چلا کر کہا مردودو' ان کتوں کا سر اڑا دو۔ مگر ذرا سی ہی دیر میں بادشاہ سمندل کے لوگوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ صالح اور اس کے رشتے داروں نے سمندل کو پکڑ کر اس کی مشکیں باندھ لیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اڑتالیسویں رات

سات سو اڑتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ----- صالح اور اس کے رشتے داروں نے بادشاہ سمندل کے مشکیں باندھ لیں۔ جوہرہ کو جب معلوم ہوا کہ اس کا باپ گرفتار ہو گیا ہے اور اس کا لشکر مارا گیا تو وہ محل سے نکل کو بھاگی اور ایک جزیرے میں جا کر ایک اونچے درخت پر چڑھ گئی اور وہاں چھپ رہی۔ جس وقت دونوں لشکروں میں لڑائی ہوئی۔ اور بادشاہ سمندل کے کچھ غلام بھاگے نکلے تو بدر باسم نے انہیں دیکھا اور حال دریافت کیا۔ انہوں نے سارا ماجرا بیان کیا' اس نے یہ سن کر کہ بادشاہ سمندل پکڑا گیا ہے تو اسے اپنی جان کے لالے پڑے' وہ بھاگا اور اپنے دل میں کہنے لگا۔ کہ یہ ساری مصیبت میری وجہ سے آئی ہے۔ یہ لوگ میری ہی تلاش میں ہوں گے اور اسے اپنی جان بچانے کی فکر پڑ گئی۔ وہ بھاگا مگر اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جائے۔ قسمت اسے اسی جزیرے میں لے گئی جہاں بادشاہ سمندل کی بیٹی جوہرہ تھی اور اسی درخت کے نیچے آ کر مردے کی طرح گر پڑا اور لیٹ کر ستانا چاہا۔ اسے کیا خبر تھی کہ لوگ جس کے پیچھے پڑے ہوں ' اسے چین کہاں نصیب۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اس کے لئے تقدیر کے پردے میں کیا پوشیدہ ہے۔ وہ لیٹا ہوا تھا کہ اس کی نظر درخت کے اوپر پڑی' جوہرہ سے آنکھیں چار ہو گئیں اس نے دیکھا گویا چاند نکل آیا ہے۔ کہنے لگا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے یہ عجیب و غریب شکل بنائی ہے' اسی نے سب چیزیں پیدا کی ہیں اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔ واللہ اگر میرا دل سچ کہتا ہے تو بادشاہ سمندل کی بیٹی جوہرہ یہی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ جب اس نے سنا ہو گا کہ دونوں لشکروں میں لڑائی ہو رہی ہے تو وہاں سے بھا گی اور اس جزیرے میں آ کر اس درخت کے اوپر چھپ گئی ہے اور اگر یہ شہزادی جوہرہ نہیں تو کوئی اس سے بھی زیادہ خوبصورت لڑکی ہے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا اور اپنے دل میں

کہنے لگا' اس کا حال تو پوچھا چاہئے اگر وہ جوہرہ ہے تو میں خود اس کو نکاح کا پیغام دوں گا' وہی تو میری محبوبہ ہے۔
یہ کہہ کر وہ اٹھا اور جوہرہ سے کہنے لگا اے بے حد پیاری محبوبہ تو کون ہے اور تجھے یہاں کون لایا ہے؟ جوہرہ کی نظر بدر باسم پر پڑی تو اسے ایسا معلوم ہوا گویا چودھویں رات کا چاند کالے بادلوں میں سے نکل آیا ہے۔ بدن چھریرا' چہرہ ہنس مکھ ہے۔ وہ بولی اے حسین' میں بادشاہ سمندل کی بیٹی شہزادی جوہرہ ہوں اور بھاگ کر یہاں آئی ہوں۔ صالح اور اس کی فوج نے میرے باپ پر چڑھائی کر کے اس کی فوج کو قتل کر ڈالا ہے اور میرے باپ کو باقی فوج سمیت گرفتار کر لیا ہے۔ میں اس ڈر سے بھاگ آئی ہوں کہ کہیں ماری نہ جاؤں۔ مجھے معلوم نہیں کہ میرے باپ کا کیا حشر ہوا۔ اس عجیب و غریب اتفاق پر بادشا بدر باسم کو بڑا تعجب ہوا۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگے اس کے باپ کے پکڑے جانے کی وجہ سے میری مراد بر آئی اور اس کی طرف دیکھ کر کہا اے میری آقا' اتر آ کیونکہ میں محبت کا مارا ہوں اور تیری آنکھوں کا گرفتار' میری اور تیری ہی وجہ سے یہ سارا فتنہ و فساد اور لڑائیاں برپا ہوئی ہیں۔ سن میں ہی عجم کا بادشاہ بدر باسم ہوں اور صالح میرا ماموں ہے۔ اسی نے تیرے باپ کے پاس جا کر تیری شادی کا پیغام دیا تھا' تیری ہی وجہ ہے میں اپنا ملک چھوڑ کر آیا ہوں' خدا کی قدرت ہے کہ ہم اس جگہ آ کر ملے۔ اتر کر میرے پاس آتا کہ میں تیرے ساتھ تیرے باپ کے محل میں چلوں اور اپنے ماموں سے کہوں کہ اسے چھوڑ دے اور میں حلال طریقے سے تیرے ساتھ شادی کر لوں۔ بدر باسم کی باتیں سن کر جوہرہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ اسی موئے کی بدولت یہ سارا قصہ پیش آیا ہے' میرا باپ قید ہوا ہے اس کے حاجب اور درباری قتل ہوئے ہیں اور میں نے اپنے محل سے بھاگ کر اس جزیرے میں پناہ لی ہے۔ اگر میں نے اس سے بچنے کے لئے کوئی چال نہ چلی تو وہ مجھے پکڑ کر اپنا مقصد حاصل کر لے گا۔ وہ عاشق ہے اور اگر عاشق ایسا کرے تو کوئی اسے برا نہیں کہتا۔ یہ سوچ کر اس نے باتیں بنائیں اور نرمی سے گفتگو کرنی شروع

کی۔ بدر باسم کو کیا خبر تھی کہ اس کے دل میں کیسے کیسے چھل فریب پوشیدہ ہیں۔
جوہرہ بولی اے میرے آقا اور میری آنکھ کے نور! کیا ملکہ گلنار کا بیٹا بادشاہ بدر باسم

تو ہی ہے؟ اس نے کہا اے میری آقا' ہاں!
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

○○○

سات سو انچاسویں رات

سات سو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بدر باسم نے کہا ہاں' میں ہی بدر باسم ہوں تو جوہرہ کہنے لگی خدا سمجھے میرے باپ سے۔ اگر اس کا خیال ہو کہ تجھ سے زیادہ حسین اور مہ جبیں مل سکتا ہے تو اس کے ملک کو آگ لگائے۔ اسے کبھی دل شاد نہ کرے اور وطن کا منہ نہ دکھائے۔ خدا کی قسم وہ بڑا کم عقل اور نا سمجھ ہے۔ پھر وہ بولی جہاں پناہ! میرے باپ کے کہے کا برا نہ مان' اگر تو مجھے ماشہ بھر چاہتا ہے تو میں تجھے تولوں چاہتی ہوں' میں تیری محبت کے جال میں پھنس چکی ہوں اور تیرا شکار ہو چکی ہوں۔ محبت تیرے دل سے منتقل ہو کر میرے دل میں آ بیٹھی ہے اور اس وقت میری محبت تیری محبت سے دس گناہ زیادہ ہے۔ پھر وہ درخت سے اتری اور بدر باسم کے گلے سے لپٹ گئی۔ اسے سینے سے لگا لیا اور بوسے لینے لگی۔ بادشاہ بدر باسم نے یہ دیکھا تو اس کی محبت اور زیادہ بڑھ گئی' عشق اور زور پکڑ گیا' اسے یقین ہو گیا کہ شہزادی بھی مجھے بہت چاہتی ہے' وہ بھی لپٹ کر اس کے بوسے لینے لگا اور کہا اے شہزادی' خدا کی قسم! میرے ماموں صالح نے جو کچھ بیان کیا وہ تیرے حسن کا دسواں حصہ تو کیا رتی بھر بھی نہ تھا۔ اب جوہرہ نے پھر اسے اپنی چھاتی سے لگا لیا اور کچھ بڑبڑا کر جو اس کی سمجھ میں نہ آیا اس کے منہ پر تھوک دیا اور کہا اس انسانی صورت کو چھوڑ کر ایسی خوبصورت چڑیا بن جا جس کے پر سفید' چونچ اور ٹانگیں سرخ ہوں۔ ابھی وہ اپنی بات ختم بھی کرنے پائی تھی کہ بادشاہ بدر باسم ایک ایسی خوبصورت چڑیا بن گیا جس سے خوبصورت کوئی چڑیا نہیں ہو سکتی اور پر جھاڑ کر کھڑا ہو گیا اور جوہرہ کی طرف دیکھنے لگا۔

جوہرہ کے ساتھ اس کی ایک باندی تھی جس کا نام مرسینہ تھا۔ اس کی طرف دیکھ کر

کہنے لگی' خدا کی قسم اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرا باپ اس کے ماموں کے پاس گرفتار ہے تو میں اسے قتل کر ڈالتی۔ خدا اس کا برا کرے! اس کے قدم کتنے منحوس ہیں'

یہ سار فتنہ و فساد اسی کی وجہ سے اٹھا ہے۔ اے باندی اسے بیابان جزیرے میں چھوڑ آ تا کہ وہ پیاس سے مر جائے۔ باندی نے اسے لے جا کر جزیرے میں پہنچی۔ چڑیا کو چھوڑ کر لوٹنا چاہتی ہی تھی کہ اسے کچھ خیال آیا۔ دل میں کہنے لگی خدا کی قسم! یہ نہیں ہو سکتا کہ ایسا حسن و جمال والا اس طرح پیاسا مارا جائے۔ وہ اس کو بیابان جزیرے سے لئے ہوئے ایک ایسے جزیرے میں گئی جہاں بہت سے درخت' میوے اور چشمے تھے' اسے وہاں چھوڑ دیا اور اپنی آقا کے پاس جا کر کہا کہ میں اسے بیابان جزیرے میں چھوڑ آئی ہوں۔ ادھر جب بادشاہ بدر باسم کا ماموں صالح بادشاہ سمندل کو گرفتار' اس کی فوج اور نوکروں چاکروں کو قتل کر چکا تو شہزادی جوہرہ کی تلاش میں نکلا۔ اسے کہیں نہ پایا۔ لوٹ کر اپنے وطن میں گیا جہاں اس کی ماں تھی اور اس سے کہا اماں' میرا بھانجا بدر باسم کہاں ہے؟ وہ بولی بیٹا معلوم نہیں' کہاں گیا؟ جب اس نے سنا تھا کہ تو بادشاہ سمندل سے لڑ رہا ہے' دونوں میں سخت جنگ بپا ہے اور کشت و خون ہو رہا ہے تو وہ ڈر کر بھاگ گیا۔ ماں سے یہ سن کر صالح کو بڑا افسوس ہوا۔ وہ کہنے لگا اماں' خدا کی قسم ہم نے ہلاک نہ ہو جائے یا بادشاہ سمندل کے کسی سپاہی یا خود اس کی بیٹی جوہرہ کے ہاتھ میں نہ جا پھنسے۔ مجھے اس کی ماں کے آگے شرمندہ ہونا پڑے اور وہ ہماری برائی کے درپے ہو جائے کیونکہ میں اس کے بیٹے کو بغیر اس کی اجازت کے لے آیا ہوں۔ ساتھ ہی اس نے بدر باسم کی تلاش میں سپاہی اور جاسوس روانہ کیئے جنہوں نے اسے سمندر کے کونے کونے میں ڈھونڈا' اس کا پتہ نہ چلا اور انہوں نے لوٹ کر بادشاہ صالح کو اطلاع دی۔ یہ سن کر اس کا رنج و غم اور زیادہ ہو گیا اور بادشاہ بدر باسم کے لئے وہ بہت پریشان ہونے لگا۔

یہ تو ب بادشاہ بدر باسم اور اس کے ماں صالح کا قصہ ہوا' اب اس کی ماں گلنار بحریہ کا ماجرا سنو۔ جب بدر باسم اپنے ماموں صالح کے ساتھ باہر گیا تو وہ اس کا انتظار کرنے

لگی لیکن وہ لوٹ کر نہ آیا' نہ اس کی کوئی خبر ملی۔ کچھ دنوں تک انتظار کرنے کے بعد وہ سمندر میں اتری اور اپنی ماں کے پاس پہنچی۔ ماں اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی' اسے بوسہ دیا اور گلے لگایا۔ یہی اس کی چچیری بہنوں نے بھی کیا۔ گلنار نے اپنی ماں سے پوچھا' بادشاہ بدر باسم کہاں ہے؟ ماں نے جواب دیا بیٹی' وہ اپنے ماموں کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ اس کے بعد اس کا ماموں یاقوت اور جواہرات لے کر اس کے ساتھ بادشاہ سمندل کے پاس گیا اور اس کی بیٹی کو نکاح میں مانگا لیکن اس نے نہ مانا اور تیرے بھائی کے ساتھ سخت کلامی کی۔ اس پر میں نے تقریباً ایک ہزار سوار تیرے بھائی کی مدد کے لئے بھیجے' ان میں اور بادشاہ سمندل میں جنگ ہوئی۔ خدا نے تیرے بھائی کی مدد کی' اس نے بادشاہ سمندل کے مدد گاروں اور فوجوں کو قتل کر کے اسے گرفتار کر لیا۔ یہ خبر تیرے بیٹے نے سنی تو شاید وہ ڈر کر بغیر ہماری مرضی کے یہاں سے بھاگ گیا' اور اب تک لوٹ کر نہیں آیا' نہ ہمیں معلوم ہے کہ وہ کہاں گیا ہے۔ گلنار نے اپنے بھائی کے بارے میں دریافت کیا۔ ماں نے کہا' وہ بادشاہ سمندل کی جگہ شاہی تخت پر بیٹھا ہے اور لوگوں کو ہر طرف دوڑا رہا ہے کہ وہ تیرے بیٹے اور شہزادی جوہرہ کی خبر لائیں۔ ماں کی یہ باتیں سن کر گلنار اپنے بیٹے پر افسوس کرنے لگی اور اپنے بھائی صالح پر سخت ناراض ہوئی کہ وہ بغیر اس کی اجازت کے اس کے بیٹے کو لے کر سمندر میں اترا۔ وہ کہنے لگی' اماں' مجھے اپنے ملک کا ڈر لگا ہوا ہے۔ میں بغیر کسی سے کچھ کہے تمہارے پاس چلی آئی ہوں۔ مجھے خوف ہے کہ اگر میں وہاں دیر میں پہنچی تو کہیں رعایا بغاوت نہ کر بیٹھے اور ملک ہمارے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ مصلحت یہ ہے کہ میں جا کر ملک کا کام سنبھالوں' اس وقت تک کہ خدا میرے بیٹے کی مشکل حل کر دے۔ تم میرے بیٹے کو بھولنا نہیں' نہ اس کے بارے میں غافل رہنا۔ اگر اس کا بال بھی بیکا ہوا تو میں بھی ضرور مر جاؤں گی۔ میری دنیا وہی ہے' بے اس کے زندگی میں کوئی مزہ نہیں۔ ماں نے کہا بیٹی' خاطر جمع رکھ' نہ پوچھ کہ اس کی جدائی کی وجہ سے ہم پر کیا آ بنی۔ ماں نے بھی اس کی تلاش میں لوگ بھیجے اور گلنار پریشان

حال روتی پیٹتی اپنے ملک کو روانہ ہو گئی۔ دنیا اس کی آنکھوں میں تاریک تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو پچاسویں رات

سات سو پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملکہ گلنار اپنی ماں کے پاس سے روانہ ہو کر اپنے ملک میں پہنچی تو وہ سخت پریشان اور بد حواس تھی۔

یہ تو اس کا ماجرا تھا' اب بادشاہ بدر باسم کی روداد سنو۔ جب شہزادی جوہرہ نے اس پر جادو کر کے اسے اپنی باندی کے ہمراہ بیابان جزیرے کو بھیجا اور اس سے کہا کہ اسے وہاں چھوڑ آ تا کہ وہ مارے پیاس کے مر جائے تو باندی نے بیابان جزیرے کے بجائے اسے جزیرے کی بجائے اسے میں چھوڑا جہاں بہت سے درخت اور چشمے تھے' وہ پھل کھانے اور چشموں کا پانی پینے لگا۔ اسی طرح چڑیا کی صورت میں اس نے وہاں ایک مدت گزار دی' نہ اسے اڑنا آتا تھا نہ یہ معلوم کہ کہاں جائے۔ ایک روز اتفاق سے کوئی چڑی مار اپنی روزی کمانے کی خاطر وہاں آیا' اس کی نظر بدر باسم پر پڑی جو سفید پروں سرخ چونچ اور ٹانگوں والی چڑیا کی شکل میں تھا۔ ایسی انوکھی' خوش نظر دل کش چڑیا کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا' اپنے دل میں کہنے لگا کہ تو بڑی خوبصورت چڑیا ہے' ایسی خوبصورت اور خوش شکل چڑیا تو آج تک میری نظر سے نہیں گزری۔ اس نے جال پھیلایا اور اسے پکڑ کر شہر میں لے گیا' دل میں سوچا کہ اس کے منہ مانگے دام لینے چاہئیں۔ شہر والوں میں سے ایک شخص نے اس کے پاس آ کر پوچھا چڑی مار' یہ چڑیا کتنے کی ہے؟ چڑی مار بولا تو اسے مول لے کر کس کام میں لائے گا؟ اس نے جواب دیا ذبح کر کے کھاؤں گا۔ چڑی مار بولا کس کا دل یہ گوارا کر سکتا ہے کہ اس چڑیا کو ذبح کر کے کھائے! میں تو اسے بادشاہ کی نذر کرنا چاہتا ہوں' مجھے دام بھی زیادہ ملیں گے' یہ بھی ذبح ہونے سے بچ جائے گی وہ اس کی خوبصورتی کا تماشا دیکھا کرے گا۔ میں نے عمر بھر چڑی ماری کی ہے لیکن ایسا نہ سمندر میں کوئی شکار ملا نہ خشکی پر۔ اگر تجھے یہ بہت ہی پسند آئے تو بھی تو مجھے اس کی قیمت زیادہ سے زیادہ ایک درہم

دے گا اور خدا کی قسم میں اتنے میں کبھی نہ بیچوں گا۔

چڑی مار' اس چڑیا کو لے کر بادشاہ کے محل گیا' بادشاہ کی نظر جو اس پر پڑی تو اس کی خوبصورتی اور چونچ اور ٹانگوں کی سرخی اسے بہت پسند آئی۔ اس نے ایک غلام سے کہا کہ اسے خرید لا۔ غلام نے چڑی مار سے پوچھا کیا تو چڑیا بیچے گا؟ اس نے کہا' نہیں بلکہ میں اسے بادشاہ کی نذر کروں گا۔ غلام اسے لے کر بادشاہ کے پاس گیا اور جو کچھ اس نے کہا تھا' بادشاہ سے کہہ دیا۔ بادشاہ نے چڑیا لے لی اور اسے دس دینار دے دیئے۔ چڑی مار نے دینار لے کر زمین چومی اور چلا گیا۔ غلام چڑیا کو لئے ہوئے شاہی محل میں گیا' اسے ایک خوبصورت پنجرے میں بند کر کے لٹکا دیا اور دانہ پانی رکھ دیا۔ بادشاہ محل میں آیا تو اس نے غلام سے پوچھا کہ چڑیا کہاں ہے؟ اسے لا' میں دیکھوں' خدا کی قسم وہ بڑی خوبصورت ہے۔ غلام نے پنجرہ بادشاہ کے سامنے رکھ دیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ وہ دانہ بالکل نہیں کھاتی۔ کہنے لگا معلوم نہیں اس کا کھاجا کیا ہے؟ معلوم ہو جائے تو میں وہی اسے کھانے کے لئے دوں۔ اس کے بعد بادشاہ نے اپنے لئے کھانا منگوایا۔ دستر خوان بچھائے گئے۔ بادشاہ نے کھانا کھایا' چڑیا کی نظر گوشت' کھانوں اور مٹھائیوں پر پڑی تو اس نے دستر خوان پر سے وہ تمام چیزیں کھائیں جو بادشاہ کے آگے تھیں۔ بادشاہ حیران ہو گیا۔ اس کے کھانے پر تعجب کرنے لگا' حاضرین بھی تعجب میں تھے۔ بادشاہ نے نوکروں اور غلاموں سے جو اس کے آس پاس تھے' کہا کہ میں نے تمام عمر میں ایسی چڑیا نہیں دیکھی جو اس کی طرح کھاتی ہو۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ میری بیوی کو بلاؤ' وہ بھی اس کا تماشا دیکھے۔ غلام نے ملکہ سے جا کر عرض کیا کہ اے میری آقا! بادشاہ تجھے بلاتا ہے تا کہ تو ایک چڑیا کا تماشا دیکھے جسے اس نے مول لیا ہے۔ جب ہم نے دستر خوان پر کھانا رکھا تو وہ پنجرے میں سے نکل کر دستر خوان پر آ بیٹھی اور ساری چیزیں چکھیں جو وہاں موجود تھیں۔ اے میری آقا! چل کر اس کا تماشا دیکھ' وہ بڑی پیاری اور ایک عجیب و غیب چڑیا ہے۔ غلام کی باتیں سن کر ملکہ جلدی سے آئی' مگر جونہی اس کی نظر چڑیا پر پڑی اور اس نے اسے غور سے دیکھا تو

منہ چھپا لیا اور واپس جانے لگی۔ بادشاہ نے اس کا دامن پکڑ لیا اور پوچھا تو منہ کیوں چھپاتی ہے؟ یہاں تو سوائے باندیوں' غلاموں اور تیرے شوہر کے غیر کوئی نہیں' اس نے کہا' اے بادشاہ! یہ چڑیا نہیں بلکہ تیری طرح مرد ہے۔ اپنی بیوی کو یہ کہتے سن کر بادشاہ بولا تو جھوٹ کہتی ہے اور میرے ساتھ مذاق کرتی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ چڑیا' چڑیا نہیں! اس نے کہا خدا کی قسم میں مذاق نہیں کرتی' سچ کہتی ہوں۔ یہ چڑیا' عجم کے بادشاہ شہرمان کا بیٹا بادشاہ بدر باسم ہے جس کی ماں گلنار بحریہ ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اکیاونویں رات

سات سو اکیاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب ملکہ نے کہا کہ اس کی ماں گلنار بحریہ ہے تو بادشاہ نے پوچھا' اچھا یہ اس شکل میں کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا بادشاہ سمندل کی بیٹی شہزادی جوہرہ نے اسے پر جادو کیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے سارا حال شروع سے آخر تک بیان کر دیا اور یہ بھی کہا اس نے جوہرہ سے شادی کرنے کی درخواست اس کے باپ سے کی تھی' مگر اس نے منظور نہیں کی اور ہی کہ اس کے ماموں صالح اور بادشاہ سمندل کے درمیان سخت لڑائی ہوئی۔ صالح نے فتح پائی اور اس نے بادشاہ سمندل کو گرفتار کر لیا۔ اپنی بیوی کی باتوں پر بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا۔ یہ ملکہ اپنے زمانے کی سب سے بڑی جادوگرنی تھی۔ بادشاہ بولا' تجھے میری جان کی قسم اس کا جادو اتار کر اسے تکلیف سے نجات دے' جوہرہ کے ہاتھ ٹوٹیں! وہ کیسی بد ذات' بے دین' مکار اور فریبی ہے۔ اس کی بیوی نے کہا' بدر باسم سے کہہ کہ اس کوٹھڑی میں چلا جائے۔ بادشاہ نے اسے کوٹھڑی میں جانے کے لئے کہہ دیا۔ وہ کوٹھڑی میں گئی۔ اس پر کچھ پڑھا جو اس کی سمجھ میں نہ آیا اور کہنے لگی میں تجھے خدا کے ناموں' محترم آیتوں اور اس بزرگ کا واسطہ دیتی ہوں جو زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا' مردوں کو زندہ کرنے والا' رزق اور موت کا بانٹنے والا ہے کہ تو اس موجود صورت کو چھوڑ کر وہ صورت اختیار کر لے جس پر تجھے خدا نے پیدا کیا ہے۔ ابھی وہ اپنی بات ختم بھی نہ کرنے پائی تھی کہ بدر باسم اپنا جسم جھاڑ کر انسانی صورت میں آ گیا اور بادشاہ نے دیکھا کہ وہ ایسا خوش رو جوان ہے جس کا جواب دنیا بھر میں نہ ہو گا۔

بادشاہ بدر باسم اپنے آپ کو اپنی اصلی صورت میں دیکھ کر کہنے لگا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پاک ہے مخلوقات کا پیدا کرنے والا' روزی اور موت دینے والا! اس نے بادشاہ کے

ہاتھ چومے اور عمر کی زیادتی کی دعا دی۔ بادشاہ نے بدر باسم کے سر کو بوسہ دیا اور کہا اے بدر باسم' اپنا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک بیان کر۔ اس نے ساری داستان سنا دی کوئی بات نہ چھپائی۔ بادشاہ حیران ہو گیا اور کہنے لگا اے بدر باسم! خدا نے جادو سے تجھے چھٹکارا دے دیا' اب تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا جہاں پناہ! میں چاہتا ہوں کہ تو مہربانی سے میرے لئے ایک کشتی بنوا اور راہ کے لئے ضروری چیزیں رکھ کر اپنے غلاموں کو میرے ساتھ کر دے۔ ایک مدت ہوئی کہ میں اپنے ملک سے غائب ہوں' مجھے ڈر ہے کہ کہیں حکومت ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ میرا خیال ہے کہ میری ماں بھی اب تک زندہ نہ ہو گی۔ عجب نہیں' وہ میرے فراق میں مر گئی ہو' اسے کیا معلوم کہ میرے اوپر کیا گزری' نہ اسے خبر کہ میں زندہ ہوں یا مر گیا۔ اے بادشاہ! میں درخواست کرتا ہوں کہ میری حاجت روائی کر کے اپنا احسان میرے اوپر مکمل کر دے۔ بادشاہ نے اس کا حسن و جمال اور شیریں بیانی دیکھی تو وہ راضی ہو گیا اور ایک کشتی تیار کرا کے اس میں تمام ضرورت کی چیزیں رکھی اور بدر باسم کو اپنے غلاموں کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ وہ بادشاہ سے رخصت ہو کر کشتی میں بیٹھ گیا اور کشتی سمندر میں چل دی۔ ہوا موافق تھی۔ کشتی دس دن تک برابر چلتی رہی' گیارہواں دن ہوا تو سمندر میں سخت تلاطم آیا' کشتی جھونکے کھانے لگی۔ ملاح اس کی روک تھام نہ کر سکے۔ لہریں اس کے ساتھ اس طرح کھیلتی رہیں یہاں تک کہ وہ ایک چٹان کے پاس پہنچی اور اس سے ٹکرا کو ٹوٹ گئی۔ سوائے بدر باسم کے سب لوگ ڈوب گئے۔ جب وہ ڈوبنے کے قریب تھا تو ایک تختہ اس کے ہاتھ لگ گیا۔ اور وہ اس لے کر سمندر میں بہنے لگا۔ بدر باسم کو کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کہاں جا رہا ہے نہ وہ تختے کو روک سکتا تھا۔ جدھر پانی اور ہوا لے جا رہی تھی' ادھر چلا جا رہا تھا۔ تین دن تک یہی حالت رہی' چوتھے دن تختہ سمندر کے کنارے جا لگا۔ وہاں اسے ایک شہر نظر آیا جو فاختہ کی طرح بالکل سفید تھا اور اسی جزیرے پر جو سمندر کے کنارے تھا۔ اس کے ستون بلند'

عمارتیں خوب صورت اور شہر پناہ اونچی تھی۔ سمندر کی لہریں اس سے ٹکراتی تھیں۔ بادشاہ بدر باسم مارے بھوک اور پیاس کے مرنے کے قریب تو ہو ہی چکا تھا۔ شہر کو جزیرے میں دیکھ کر خوش ہو گیا اور تختے سے اتر کر چاہتا ہی تھا کہ شہر کے اندر جائے' اتنے میں بے شمار خچر' گدھے اور گھوڑے آ گئے اور مار مار کر اس کو شہر کے اندر جانے سے روکنے لگے۔ اب وہ تیرتا ہوا شہر کے پیچھے گیا اور خشکی پر اترا' دیکھا کہ وہاں نہ کوئی آدم ہے نہ آدم زاد۔ حیران ہو کر دل میں کہنے لگا' خدا جانے اس شہر کا مالک کون ہے؟ نہ تو یہاں کوئی بادشاہ معلوم ہوتا ہے نہ رعیت' پھر یہ خچر' گدھے اور گھوڑے کہاں سے آ گئے تھے جنہوں نے مجھے اترنے نہ دیا۔

اس سوچ میں وہ چلا جا رہا تھا' اس کی سمجھ کام نہیں کرتی تھی کہ کہاں جائے' یکایک اس کی نظر ایک بوڑھے کنجڑے پر پڑی۔ اسے سلام کیا۔ بوڑھے نے سلام کا جواب دیا اور دیکھا کہ ایک نہایت حسین جوان ہے۔ بولا اے لڑکے! تو کہاں سے آیا اور اس شہر میں تیرا گزر کیوں کر ہوا؟ اس نے شروع سے آخر تک ساری داستان سنا دی۔ بوڑھے کو سخت تعجب ہوا وہ کہنے لگا بیٹا! تو نے راہ میں تو کسی کو نہیں دیکھا؟ اس نے جواب دیا چچا' مجھے تو پہلے ہی اس پر تعجب ہے کہ یہ آدمیوں سے کیوں خالی پڑا ہے۔ بوڑھے نے کہا بیٹا دکان کے اندر آ جا کہیں ایسا نہ ہو کہ تو ہلاک ہو جائے۔ بدر باسم دکان پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ بوڑھا اس کے لئے کھانا لے آیا اور کہنے لگا بیٹا اندر جا کر بیٹھ۔ شکر ہے خدا کا کہ اس نے تجھے اس چڑیل کے پنجے سے بچا لیا۔ یہ سن کر بادشاہ بدر باسم سہم گیا مگر پہلے بوڑھے کا لایا ہوا کھانا کھایا اور جب پیٹ بھر کر کھا چکا' ہاتھ دھو چکا تو اس نے بوڑھے کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے میرے آقا' تو نے کیا کہا تھا؟ میں تو اس شہر اور شہر والوں سے ڈرنے لگا ہوں۔ بوڑھا بولا بیٹا سن یہ شہر جادوگروں کا شہر ہے۔ یہاں کی ملکہ ایک جادوگرنی ہے۔ بڑی چڑیل اور بس کی گانٹھ' جادوگرنی مکار اور دغاباز ہے جو گھوڑے خچر اور گدھے تو نے دیکھے تھے' وہ سب میری اور تیری طرح انسان ہیں اور سب پردیسی ہیں۔ کیونکہ تیری طرح جو کوئی جوان

یہاں آتا ہے اسے یہ کافر جادوگرنی لے جا کر اپنے ساتھ سلاتی ہے جب چالیس دن پورے ہو جاتے ہیں تو جادو کے زور سے یا تو خچر بنا دیتی ہے یا گھوڑا یا گدھا۔ یہ وہی جانور ہیں جنہیں تو نے سمندر کی کنارے دیکھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• سات سو باونویں رات

سات سو باونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بوڑھے کنجڑے نے بادشاہ بدر باسم سے جادوگرنی ملکہ کا حال بیان کر کے کہا کہ تمام شہر والے وہی ہیں جنہیں اس نے جادو کر کے ان ہی جیسا نہ بنا دے۔ اسی لئے انہوں نے تجھے خشکی پر اترنے سے روکنا چاہا۔ ملکہ نے اس شہر کو شہر والوں سے جادو کر کے چھین لیا ہے اور خود مالک بن بیٹھی ہے۔ اس کا نام ملکہ لاب ہے اور لاب کے معنی عربی میں سورج نکلنے کے ہیں۔ بوڑھے کی یہ باتیں سن کر بادشاہ بدر باسم ڈرا' بید کی طرح تھر تھر کانپنے لگا۔ اور بولا خدا کی پناہ! ابھی تو میں ایک جادو سے چھوٹا ہوں۔ تقدیر نے مجھے اس سے بھی بڑی مصیبت میں لا ڈالا۔ یہ کہہ کر وہ سوچ میں پڑ گیا۔ بوڑھے نے دیکھا کہ وہ سہا جاتا ہے تو کہنے لگا بیٹا اٹھ اور دکان کی دہلیز پر بیٹھ کر لوگوں' ان کے لباسوں اور رنگوں کا نظارہ کر اور دیکھ کہ جادو سے ان کا کیا حال ہو گیا ہے' ڈر نہیں۔ ملکہ اور سارے شہر والے مجھ سے محبت اور میرا لحاظ کرتے ہیں' کوئی ایسی بات نہیں کرتے جس سے میرا دل ٹوٹے یا میں کشیدہ خاطر ہوں۔ بوڑھے نے کہا تو بادشاہ بدر باسم باہر آیا اور دکان کے دروازے پر بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگا' اس نے دیکھا کہ وہاں سے بے شمار آدمی گزر رہے ہیں۔ جب ان کی نظر بدر باسم پر پڑی تو انہوں نے بوڑھے کے پاس آ کر پوچھا بڈھے کیا یہ تیرا شکار ہے' جو آج تک تیرے پھندے میں پھنسا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا' یہ میرا بھتیجا ہے۔ میں نے سنا تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا ہے اسی لئے میں نے اسے یہاں اپنے پاس بلوایا تا کہ اسے دیکھ کر میں اپنا دل ٹھنڈا کروں۔ انہوں نے کہا یہ جوان بڑا خوبصورت ہے' ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ملکہ لاب تجھے دھوکا دے کر اسے نہ لے اڑے۔ اسے خوبصورت جوانوں سے محبت ہے۔ بوڑھا بولا ملکہ میرے خلاف کچھ نہیں کرتی بلکہ میرا لحاظ کرتی ہے اور مجھ سے

محبت رکھتی ہے۔ جب اسے معلوم ہو گا کہ یہ میرا بھتیجا ہے تو وہ نہ اس کا پیچھا کرے گی۔ نہ اس کے متعلق میرے ساتھ برا برتاؤ۔

بادشاہ بدر باسم کئی مہینے تک بوڑھے کے ہاں ٹھہرا رہا۔ وہاں کھاتا پیتا رہا' بوڑھے کو اس سے بڑی محبت ہو گئی۔ اک دن کا واقعہ ہے' بدر باسم اپنی عادت کے موافق بوڑھے کی دکان پر بیٹھا تھا کہ ادھر سے ایک ہزار غلام گزرے' ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ وہ طرح طرح کی وردیاں پہنے کمر سے ایسی پیٹیاں باندھے ہوئے تھے' جن میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ ان کے گھوڑے عربی اور تلواریں ہندی تھی۔ وہ بوڑھے کی دکان پر آئے اور اسے سلام کر کے آئے چلتے ہوئے۔ ان کے بعد چاند کی طرح ایک ہزار کنیزیں آئیں' وہ طرح طرح کی اطلسی پوشاکیں پہنے تھیں جن میں سونے کی جھالریں لگی ہوئی تھیں اور ہیرے ٹنکے ہوئے تھے۔ سب کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ ان ے درمیان ایک لڑکی عربی گھوڑے پر سوار تھی۔ گھوڑے کا زین سونے کا تھا۔ جس میں رنگ رنگ کے ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ آتے آتے یہ جلوس بوڑھے کی دکان پر پہنچ گیا۔ کنیزیں اسے سلام کر کے آگے چل دیں۔ اب ملکہ لاب آتی ہوئی دکھائی دی۔ آتے آتے بوڑھے کی دکان کے سامنے پہنچی۔ اس کی بادشاہ بدر باسم سے آنکھیں چار ہوئیں جو چودھویں رات کے چاند کی طرح دکان پر بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ملکہ لاب اس پر لٹو ہو گئی اور ہکا بکا ہو کر دکان پر اتر پڑی۔ بادشاہ بدر باسم کے پاس جا بیٹھی اور بوڑھے سے پوچھنے لگی' یہ حسین کہاں سے تیرے ہاتھ لگا؟ بوڑھا بولا' یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے اور تھوڑے ہی دن ہوئے یہاں آیا ہے۔ ملکہ نے کہا اسے آج رات میرے ساتھ رہنے دے تا کہ میں اس سے باتیں کروں۔ بوڑھا بولا اسے میرے پاس سے لے جا کر اس پر جادو تو نہیں کرے گی؟ اس نے جواب دیا' نہیں۔ بوڑھے نے کہا قسم کھا۔ اس نے قسم کھا کر حکم دیا کہ بدر باسم کے لئے ایک خوبصورت گھوڑا لایا جائے جس پر سونے کا زین اور سونے کی لگام بلکہ ہر چیز سونے کی ہو جس میں ہیرے جڑے ہوں اور بوڑھا کو ایک ہزار دینار دے کر کہا ان سے اپنا کام چلا۔

پھر اس نے بادشاہ بدر باسم کو اپنے ساتھ لیا اور چل دی۔ وہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چودھویں رات رات کا چاند۔ جب وہ ملکہ کے ساتھ روانہ ہوا' لوگوں کی نظریں اس پر پڑی اور انہوں نے دیکھا کہ کیسا حسین جوان ہے تو وہ افسوس کر کے کہنے لگے کہ یہ جوان اس بات کا مستحق نہیں کہ وہ ملعونہ اس پر جادو کرے۔ بادشاہ باسم لوگوں کی باتیں سن رہا تھا مگر چپ' اس نے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر رکھا تھا۔ چلتے چلتے وہ محل میں پہنچے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو ترپنویں رات

سات سو ترپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بدر باسم اور ملکہ لاب دونوں محل کے دروازے پر پہنچے' امرا' غلام اور مصاحب سب گھوڑے پر سے اتر پڑے۔ ملکہ نے حاجبوں کو حکم دیا کہ امرا کو رخصت کریں۔ وہ سب زمین چوم کر چلے گئے' محض ملکہ' غلام اور کنیزیں محل کے اندر داخل ہوئیں۔ بادشاہ بدر باسم کی نظر محل پر پڑی تو دیکھا کہ ایسا محل تو کبھی اس کی نظر سے نہیں گزرا' اس کی اینٹیں سونے کی تھیں اور بیچ میں ایک بڑا شاندار باغ تھا جس کے اندر پانی سے لبالب بھرا ہوا ایک حوض۔ باغ میں مختلف شکل اور رنگ برنگ کی چڑیاں طرح طرح کی بولیاں بول رہی' خوش آمیز اور درد انگیز اشعار گا رہی تھیں۔ بادشاہ بدر باسم کہنے لگا کہ پاک ہے وہ ذات جو اپنے احسان اور نرم دلی سے اسے بھی روزی دیتا ہے جو اس کی عبادت نہیں کرتا۔ اب ملکہ اس جھروکے کے پاس جو باغ کی طرف کھلتا تھا ایک ہاتھی دانت کے تخت پر جا بیٹھی جس کے اوپر ایک عالی شان تخت بچھا ہوا تھا۔ بادشاہ بدر باسم بھی اس کے پہلو میں بیٹھ گیا' ملکہ اس کے بو سے لینے لگی اور اسے سینے پر لپٹا لیا۔ اس کے بعد ملکہ نے کنیزوں کو حکم دیا کہ دستر خوان بچھائیں' انہوں نے ایسا دستر خوان بچھایا جو سرخ سونے کا تھا' جس میں موتی اور ہیرے ٹنکے ہوئے تھے۔ اس پر طرح طرح کے کھانے لگائے گئے۔ دونوں نے پیٹ بھر کر کھایا اور ہاتھ دھوئے۔ پھر کنیزیں سونے' چاندی اور بلور کے برتن' پھول کی سینیاں لے آئیں۔ ملکہ نے حکم دیا کہ ڈومنیوں کو بلاؤ۔ فوراً دس کنیزیں آ پہنچیں جو چاند سی خوبصورت تھیں اور جن کے پاس طرح طرح کے باجے تھے۔

ادھر گانا بجانا شروع ہوا' ادھر بے ہوشی' ملکہ جام بھر کر خود پیتی اور دوسرا بادشاہ باسم کو دیتی۔ وہ اسے پی جاتا۔ پیتے پیتے جب دونوں جی بھر کی پی چکے تو ملکہ ڈومنیوں کی

طرف متوجہ ہوئی' وہ طرح طرح کے راگ سنا رہی تھیں۔ بادشاہ بدر باسم کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ محل مارے خوشی کے اس کے ناچ رہا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی عقل جاتی رہی۔ ایسا بدمست ہوا کہ اپنی غربت کا خیال اس کے دل سے نکل گیا۔ جی میں کہنے لگا کہ یہ ملکہ نوجوان اور خوبصورت ہے' اب میں اس کے پاس سے ہرگز نہیں جاؤں گا۔ اس کا ملک بھی میرے ملک سے بڑا ہے۔ اور وہ خود شہزادی جوہرہ سے زیادہ حسین ہے۔ اسی ناچ رنگ میں شام ہو گئی۔ قندیلیں اور موم بتیاں جلنے اور خوشبوئیں پھیلنے لگیں۔ ڈومیناں گاتی جاتیں اور وہ پیتے جاتے تھے یہاں تک کہ دونوں آپے سے باہر ہو گئے جب ملکہ لاب پر نشہ چڑھ گیا تو وہ جا کر ایک تخت پر سو رہی اور کنیزوں کو رخصت کر کے بادشاہ بدر باسم سے کہا میرے پاس آ کر لیٹ جا۔ وہ آ کر لیٹ گیا اور صبح تک بڑے مزے اڑائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• سات سو چونویں رات

سات سو چونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ صبح کو اٹھ کر ملکہ حمام گئی جو محل کے اندر تھا۔ بادشاہ بدر باسم بھی اس کے ساتھ تھا' جب دونوں نہا کر حمام سے نکلے تو ملکہ نے بدر باسم کو بہترین کپڑے پہنائے اور شراب منگوائی' دونوں نے خوب پی۔ ملکہ نے ہاتھ پکڑ کر بادشاہ بدر باسم کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے تو کھانا منگوایا' دونوں نے کھانا کھایا اور ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد کنیزیں ان کے لئے مے نوشی کا سامان' پھل' پھول اور میوہ لائیں۔ وہ کھا پی رہے تھے اور کنیزیں طرح طرح کے گیت سنا رہی تھی کہ شام ہو گئی۔ اسی طرح کھاتے پیتے مزے اڑاتے چالیس دن گزر گئے۔ اب ملکہ نے پوچھا بدر باسم' بتا یہ جگہ بہتر ہے یا تیرے چچا کنجڑ کی دکان؟ اس نے کہا اے ملکہ' خدا کی قسم یہ بہتر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میرا چچا غریب آدمی ہے' باقلے کی پھلیاں بیچنے والا۔ یہ سن کر ملکہ ہنس پڑی اور دونوں جا کر مزے سے سو گئے۔ سویرا ہوا اور بادشاہ بدر باسم کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا ملکہ اس کے پہلو میں نہیں ہے۔ وہ سخت حیران و پریشان تھا۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا جانے ملکہ کہاں چلی گئی۔ پھر جب وہ دیر تک غائب رہی اور لوٹ کر نہ آئی تو اپنے دل میں سوچنے لگا کہ وہ کہاں گئی ہو گی۔ آخر کپڑے پہن کر اٹھا اور ملکہ کو ادھر ادھر ڈھونڈنے لگا مگر جب وہ کہیں نہ ملی تو اس نے اپنے دل میں کہا کہیں وہ باغ میں تو نہیں گئی۔ وہ باغ میں گیا اس نے دیکھا کہ وہاں ایک چشمہ بہہ رہا ہے اور اس کے کنارے ایک سفید چڑیا بیٹھی ہوئی ہے' وہیں کنارے پر ایک درخت ہے جس پر بہت سی رنگ برنگ کی چڑیاں بیٹھی ہیں۔ وہ چڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔ چڑیاں اسے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ اب اس نے دیکھا کہ ایک کالی چڑیا درخت سے اتر کر سفید چڑیا کے پاس آئی اور اس کی چونک میں چونچ ڈالنے لگی جیسے کبوتر کیا کرتے

ہیں۔ اور تین بار اس سے جتی کھائی۔ تھوڑی دیر کے بعد سفید چڑیا انسانی صورت میں آ گئی۔ اور بدر باسم نے دیکھا کہ وہ ملکہ لاب ہے۔ اسے یقین ہو گیا کہ کالی چڑیا بھی کوئی انسان ہے جس نے اس پر جادو کیا ہے' جسے وہ چاہتی ہے اور جس سے جماع کی خاطر وہ بھی چڑیا بن گئی تھی۔ وہ دیکھ کر وہ مارے غیرت کے مر گیا اور کالی چڑیا کی اس حرکت سے ملکہ لاب پر سخت ناراض ہوا اور اپنے فرش پر جا کر سو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ملکہ لاب بھی لوٹ کر آئی' اسے بوسے دینے اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے لگی' مگر وہ غصے میں بھرا ہو تھا' اس نے بات تک نہ کی۔ ملکہ تاڑ گئی' اسے یقین آ گیا کہ بدر باسم نے مجھے چڑیا بنتے اور دوسری چڑیا سے جفتی کھاتے دیکھ لیا ہے لیکن منہ سے نہ کہا۔ تمام باتیں اپنے دل میں پوشیدہ رکھیں۔ جب بدر باسم اپنی حاجت پوری کر چکا تو بولا اے ملکہ! مجھے اجازت دے کہ میں اپنے چچا کی دکان پر جاؤں' چالیس دن سے میں نے اسے دیکھا نہیں ہے۔ اس سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ ملکہ نے جواب دیا مگر جلد لوٹیو' کیونکہ مجھے ایک پل بھر بھی تیری جدائی گوارا نہیں ہے۔ بدر باسم سوار ہو کر بوڑھے کنجڑے کی دکان پر پہنچا۔ بوڑھے نے اسے مرحبا کہا' اٹھ کر گلے لگایا اور پوچھا کہ اس بے دین کے ساتھ کیسی گزری؟ جوان نے جواب دیا خوب گزری اور میں بہ خیر و عافیت رہا لیکن آج رات کو سوتے سوتے میری آنکھ کھلی تو وہ غائب تھی۔ میں نے کپڑے پہن کر اسے ڈھونڈنا شروع کیا اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے باغ میں پہنچا۔ اس کے بعد اس نے چشمے اور درخت کی چڑیوں کا قصہ سنایا۔

بوڑھا بولا اس سے ہوشیار رہ۔ درخت کی چڑیاں سب پردیسی جوان ہیں۔ جن سے اس نے محبت کی ہے اور پھر جادو سے انہیں چڑیاں بنا دیا ہے۔ کالی چڑیاں بنا دیا ہے۔ کالی چڑیا جسے تو نے دیکھا تھا اس کا ایک غلام ہے جسے وہ بہت چاہتی تھی۔ غلام نے کسی کنیز سے آنکھ لڑائی اور ملکہ نے جادو کر کے اسے کالی چڑیا بنا دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو پچپنویں رات

سات سو پچپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بوڑھے نے بیان کیا کہ ملکہ نے غلام کو لای چڑیا بنا دیا تا ہم جب کبھی محبت کا جوش اٹھتا تو اسی مجامت کرنے کی غرض سے وہ خود چڑیا بن جاتی ہے۔ اب چونکہ وہ جان گئی ہے کہ تو اس کے بھید سے واقف ہو گیا ہے تو ضرور تجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہو گی اور اس کا دل تیری طرف سے کبھی صاف نہ ہو گا۔ لیکن جب تک تو میری پناہ میں ہے' تیرا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ ڈر نہیں' میں مسلمان ہوں۔ میرا نام عبداللہ ہے اور دنیا بھر میں مجھ سے بڑا جادوگر کوئی نہیں۔ ہاں جب تک مجبور نہیں ہوتا جادو کا استعمال نہیں کرتا' اکثر میں نے اس بد ذات کا جادو توڑ کر لوگوں کو اس کے پھندے سے چھڑایا ہے۔ میں اس سے بالکل نہیں ڈرتا۔ وہ میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی بلکہ وہ الٹا مجھ سے ڈرتی ہے۔ اسی طرح شہر کے تمام جادوگر مجھ سے ڈرتے ہیں۔ ان سب کا وہی مذہب ہے جو ملکہ کا۔ خدا کو چھوڑ کر آگ کی پوجا کرتے ہیں۔ خیر اس وقت جا' کل میرے پاس آ کر بتائیو کہ اس نے تیرے ساتھ کیا کیا۔ کیونکہ وہ آج رات تجھے مارنے کی کوشش کرے گی۔ پھر میں تجھے بتا دوں گا کہ اس کے مکر سے بچنے کے لئے تجھے کیا کرنا چاہئے۔

جب بادشاہ بدر باسم بوڑھے سے رخصت ہو کر ملکہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ بیٹھی اس کی راہ دیکھ رہی ہے۔ اسے دیکھتے ہی تعظیم کے لئے کھڑی ہو گئی' اسے بٹھا کر مرحبا کہا اور اس کے لئے کھانا پینا لائی۔ دونوں نے خوب پیٹ بھر کر کھایااور ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد ملکہ نے شراب منگوائی اور دونوں آدھی رات پیتے رہے۔ اس کے بعد ملکہ نے اسے پے در پے جام پلانے شروع کئے یہاں تک کہ وہ مست ہو گیا' اس کے ہوش حواس جاتے رہے۔ ملکہ نے اسے اس حالت میں دیکھا تو کہنے لگی میں تجھے خدا

کا واسطہ دیتی ہوں جو تیرا معبود ہے اگر میں تجھ سے کوئی بات پوچھوں تو کیا سچ جواب دے گا اور میری بات مان لے گا۔
وہ نشے میں تو تھا ہی کہہ دیا کہ اے میری آقا' ہاں۔ ملکہ بولی اے میرے آقا اور میری آنکھ کے تارے کل جب تو نے جاگ کر مجھ کو موجود نہ پایا۔ مجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے باغ پہنچا اور تو نے دیکھا کہ میں سفید چڑیا کی شکل میں ہوں اور ایک کالی چڑیا مجھ سے جفتی کھاتی ہے تو میں تجھے بتا دینا چاہتی ہوں کہ وہ کالی چڑیا میرا ایک غلام تھا جسے میں بہت چاہتی تھی' ایک دن وہ میری ایک کنیز کے ساتھ پھنس گیا۔ اس پر مجھے اتنا رشک آیا کہ میں نے اسے جادو سے کالی چڑیا بنا دیا اور کنیز کو قتل کر ڈالا لیکن آج تک میرا یہ حال ہے کہ میں اس غلام سے صبر نہیں کر سکتی' جب کبھی میں اس کے پاس جاتی ہوں تا کہ وہ مجھ سے جفتی کھائے اور میرا آقا بنے جیسے کہ تو نے خود دیکھا۔ تیرا غصہ اسی وجہ سے مجھ پر تھا نا؟ قسم ہے آگ' روشنی' اور گرمی کی میں تجھے بے حد چاہتی ہوں اور دنیا میں سوائے تیرے اور کسی کی خواہش نہیں۔ بدر باسم بد مست تو تھا ہی کہنے لگا یہ بالکل ٹھیک ہے کہ میں اسی وجہ سے ناراض تھا۔ کوئی اور وجہ ناراضگی کی نہیں۔ یہ سن کر ملکہ نے اسے لپٹا لیا اور محبت جتانے لگی' پھر سو گئی۔ وہ بھی اس کے پہلو میں سو گیا۔
جب آدھی رات گزر چکی تو ملکہ اٹھی۔ بادشاہ بدر باسم جاگ رہا تھا مگر گھنی سادھے پڑا رہا اور کنکھیوں سے دیکھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ اس نے دیکھا کہ ملکہ نے ایک لال تھیلی میں سے کوئی لال سی چیز نکال کر اسے محل کے بیچ میں گاڑ دیا اور ایک چشمہ بن کر بہنے لگا پھر اس نے مٹھی بھر جو لے کر مٹی میں بو دیئے اور انہیں اسی پانی سے سینچنے لگی۔ بالیں نکل آئیں' دانے لگ گئے۔ اب اس نے انہیں لے کر پیسا' آٹے کو ایک جگہ رکھ آئی اور آ کر بدر باسم کے پاس سو گئی۔ صبح ہوئی تو بادشاہ بدر باسم نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور ملکہ سے بوڑھے کے پاس جانے کی اجازت مانگی۔ ملکہ نے اسے اجازت دے دی۔ اس نے بوڑھے کے پاس جا کر سارا ماجرا اور جو کچھ

اس کی نظر سے گزرا تھا بیان کر دیا۔ بوڑھا ہنس پڑا اور کہنے لگا' خدا کی قسم اس بے دین جادوگرنی نے تیرے ساتھ چال چلی ہے لیکن تو اس کی ہرگز پروانہ نہ کر۔ یہ کہہ کر اس نے آدھ سیر کے قریب ستو نکالے اور اس سے کہا کہ انہیں ساتھ لیتا جا۔ ملکہ پوچھے گی کہ یہ کیا ہے' تو انہیں کیا کرے گا؟ تو جواب دیجیو کہ جو کچھ کھانے میں بچ رہے' اس میں برکت ہوتی ہے۔ جب وہ اپنے ستو نکالے اور تجھ سے کہے کہ یہ کھا تو پر یہ ظاہر کیجیو کو گویا تو انہیں کھا رہا ہے۔ مگر کھائیو انہیں' خبر دار! اس کے ستوؤں میں سے ذرہ برابر بھی نہ چکھیو۔ اگر تو نے اس کے ستو زبان پر بھی رکھے' خواہ ذرہ برابر ہی کیوں نہ ہوں تو اس کا جادو تجھ پر چل جائے گا۔ وہ تجھ پر جادو کر دے گی' تجھ سے کہے گی کہ یہ انسانی صورت چھوڑ دے اور تو اپنی صورت چھوڑ کر وہ صورت اختیار کر لے گا جو وہ چاہے گی اور اگر تو نے ان میں سے نہ کھایا تو اس کا جادو باطل ہو جائے گا اور اس سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا' وہ بے حد پشیمان ہو گی' تجھ سے کہے گی کہ میں تو تیرے ساتھ مذاق کرتی تھی اور تجھ سے پیار محبت کی باتیں کرنے لگے گی۔ یاد رکھ یہ ساری باتیں دغا بازی کی ہوں گی تو بھی اس سے محبت کا اظہار کیجیو اور کہیو اے میری آقا اور آنکھوں کی روشنی' اب ذرا ان ستوؤں کو بھی کھا کر دیکھ کہ کیسے مزیدار ہیں۔ جب وہ انہیں کھائے' خواہ ایک ہی ذرہ کیوں نہ ہو' تو تو چلو میں پانی لے کر اس کے منہ پر ماریو اور کہیو کہ یہ انسانی صورت چھوڑ دے اور اس صورت میں ہو جاؤ جو میں چاہتا ہوں۔ پھر اسے وہیں چھوڑ کر میرے پاس آ جائیو تا کہ میں بتاؤں کہ اب تجھے کیا کرنا ہے۔

بدر باسم بوڑھے سے رخصت ہوا اور محل پہنچ کر ملکہ کے پاس گیا۔ ملکہ نے اسے دیکھتے ہی کہا اہلاً و سہلاً مرحبا' اٹھ کر اسے بوسہ دیا اور کہنے لگی اے میرے آقا! تو نے بڑی دیر لگائی۔ اس نے جواب دیا اپنے چچا کے پاس تھا اور اس نے مجھے یہ ستو کھانے کو دیئے تھے۔ ملکہ بولی میرے پاس ان سے اچھے ستو ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے بدر باسم کے ستو ایک پیالے میں ڈالے اور اپنے ستو دوسرے پیالے میں اور کہنے لگی

ان میں سے کھا' یہ تیرے ستو سے اچھے ہیں۔ بدر باسم نے ملکہ پر ظاہر کیا گویا وہ اس کے ستو کھا رہا ہے ملکہ کو یقین آ گیا کہ اس نے وہ ستو کھا لئے تو اس نے چلو میں پانی لے کر اس پر چھڑکا اور کہنے لگی' موئے مردود! اپنی شکل بدل کر ایک بھونڈے کانے خچر کی طرح ہو جا' لیکن وہ نہ بدلا۔ ملکہ نے دیکھا کہ وہ اپنی صورت پر قائم ہے تو اس نے اٹھ کر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور بولی پیارے میں تیرے ساتھ مذاق کر رہی تھی' ناراض نہ ہو جائیو۔ بدر باسم نے کہا کہ تو مجھ سے محبت کرتی ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میرے ستو بھی کھا۔ ملکہ ان میں سے مٹھی بھر لے کر کھا گئی' ان کے پیٹ میں پہنچتے ہی اسے بے چینی سی ہونے لگی۔ بادشاہ بدر باسم نے چلو پھر پانی لے کر اس کے منہ پر مارا اور کہا کہ اس انسانی صورت سے زر زوری خچر کی صورت میں آ جا۔ ملکہ ابھی اپنے آپ کو دیکھنے بھی نہ پائی تھی کہ خچر بن گئی۔ آنسو اس کے چہرے پر بہنے لگے اور وہ اپنے رخسار اس کے پاؤں پر رگڑنے لگی۔ بدر باسم نے اسے لگام دینی چاہی۔ اس نے نہ لی۔ وہ اسے چھوڑ کر بوڑھے کے پاس گیا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ بوڑھا ایک لگام لے آیا اور کہا جا کر یہ لگا دے" بدر باسم اس لگام کو لے کر اس کے پاس آیا۔ اسے دیکھتے ہی خچری اس کے پاس گئی۔ بدر باسم نے اس کے منہ میں لگام لگائی' اس پر سوار ہو کر محل سے نکلا اور شیخ عبداللہ کے پاس پہنچا۔

بوڑھے نے اسے دیکھا تو کہنے لگا' ملعونہ! خدا تیرا ستیاناس کرے! پھر اس نے بدر باسم کی طرف مخاطب ہو کر کہا بیٹا! اب تیرا اس شہر میں ٹھہرنا ممکن نہیں" اس پر سوار ہو کر جہاں تیرا دل چاہے چلا جا لیکن خبر دار! لگام کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہ دیجیو۔

بادشاہ بدر باسم نے اس کا شکریہ ادا کی اور رخصت ہو کر چل دیا۔ تین دن چل چلنے کے بعد وہ ایک شہر میں پہنچا' وہاں اسے ایک خوبصورت بوڑھا ملا اور اس نے پوچھا بیٹا تو کہاں سے آ رہا ہے؟ بدر باسم نے جواب دیا اس جادوگرنی کے شہر سے۔ بوڑھا بولا آج کی رات تو میرا مہمان ہے۔ بدر باسم نے منظو کر لیا' دونوں چلے جا رہے تھے کہ ایک بڑھیا ملی جو خچر کو دیکھتی ہی رو پڑی اور کہنے لگی لا الہ الا اللہ یہ خچری تو میرے

بیٹے کی خچر سے بہت مشابہت رکھتی ہے جو مر گیا اور جس کی وجہ سے میں سخت پریشان ہو رہی ہوں۔ اے میرے آقا! خدا کے لئے یہ خچری میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ بدر باسم نے جواب دیا۔ خدا کی قسم مائی' میں اسے بیچ نہیں سکتا۔ بڑھیا بولی میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ میری درخواست رد نہ کر کیونکہ اگر میں نے اپنے بیٹے کے لئے خچری نہ خریدی تو وہ ضرور جان دے دے گا۔ اس نے بہت اصرار کیا تو بدر باسم کہنے لگا میں اسے ایک ہزار دینار سے کم نہیں بیچوں گا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ بڑھیا ہزار دینار لائے گی کہاں سے! مگر بڑھیا نے فوراً اپنے پٹکے میں سے ایک ہزار دینار نکال لئے۔ یہ دیکھ کر بادشاہ بدر باسم بولا مائی' میں تو تیرے ساتھ مذاق کرتا تھا' اسے تو میں کسی طرح بیچ نہیں سکتا۔ بوڑھے نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا بیٹا' اس شہر میں کوئی شخص جھوٹ نہیں بول سکتا' اگر کوئی جھوٹ بولتا ہے تو لوگ اسے قتل کر دیتے ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ بدر باسم خچری پر سے اتر پڑا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چھپنویں رات

سات سو چھپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جونہی بادشاہ بدر باسم نے خچری بڑھیا کے سپرد کی تو اس نے لگام اس کے منہ سے نکال لی۔ لو میں پانی لے کر اس کا منہ چھڑکا اور کہا اے میری بیٹی! اس صورت کو بدل کر اپنی پہلی صورت اختیار کر لے۔ وہ فوراً اپنی اصلی صورت پر آ گئی۔ اور دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھ کر لگے لپٹ گئیں۔ بادشاہ بدر باسم کو معلوم ہوا کہ بڑھیا اس کی ماں تھی اور اس کی چال چل گئی۔ چاہا کہ بھاگے لیکن بڑھیا نے زور سی سیٹی بجائی۔ بدر باسم کے آگے بڑے پہاڑ کی طرف ایک دیوار آ کھڑی ہوا۔ وہ سہم کر رک گیا' بڑھیا دیو کی پیٹھ پر سوار ہو گئی' اپنی بیٹی کو پیچھے بٹھا لیا اور بادشاہ بدر باسم کو آگے' دیو انہیں لے کر اڑا وہ چشم زدن میں ملکہ لاب کے محل میں پہنچ گئے۔ شاہی کرسی پر بیٹھ کر ملکہ لاب بادشاہ بدر باسم کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی' موئے' اب میں اپنے گھر آ پہنچی' مری منہ مانگی مراد مجھے مل گئی' دیکھ تو سہی میں تیرے اور اس بوڑھے سبز فروش کے ساتھ کیا کرتی ہوں۔ میں نے اس پر کتنے احسان کئے ہیں لیکن وہ میرے ساتھ برائی کرتا رہا۔ اس کے ذریعے سے تو نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔

یہ کہہ کر ملکہ لاب نے پانی لیا اور اس پر چھڑک کر کہا اس صورت کو بدل کر بد صورت سی چڑیا کی شکل اختیار کر لے' وہ فوراً ایک بھونڈی چڑیا کی شکل میں آ گیا۔ ملکہ نے اسے ایک پنجرے میں ڈال کر اس کا کھانا پینا بند کر دیا۔ اتفاق سے ایک باندی کی نظر اس پر پڑی' اسے ترس آ گیا۔ وہ ملکہ کی پیٹھ پیچھے اسے کھلاتی پلاتی رہتی' ایک روز ملکہ کی آنکھ بچا کر وہ بوڑھے کنجڑے کے پاس پہنچی۔ اس سے ساری باتیں کہہ دیں۔ اور یہ بھی کہا کہ ملکہ لاب چاہتی ہے کہ تیرے بھتیجے کو مار ڈالے۔ بوڑھے نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بولا اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ میں اس کے

ہاتھ سے شہر چھین لوں اور اس کے بجائے تجھے اس کی ملکہ بنا دوں۔ یہ کہہ کر اس
نے زور سی سیٹی بجائی۔ ایک دیو آ پہنچا۔ جس کے چار بازو تھے۔ بوڑھے نے کہا اس
لڑکے کو لے کر گلنار بحریہ اور اس کی ماں فراشہ کے شہر میں جا کیونکہ ان دونوں
سے بڑھ کر دنیا بھر میں کوئی جادوگر نہیں ہے اور لڑکی سے بولا۔ وہاں پہنچ کر ان سے
کہیو کہ بادشاہ بدر باسم ملکہ لاب کی قید میں ہے۔ دیو اسے لے کر اڑا۔ ابھی ایک
پل بھی نہ گزرا ہو گیا کہ گلنار بحریہ کے محل پر جا اترا۔ لڑکی چھت پر اسے اتر کہ
ملکہ گلنار کے پاس پہنچی اور زمین چوم کر سارا ماجرا کہہ سنایا جو اس کے بیٹے کے ساتھ
پیش آیا تھا۔ گلنار اس کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کا شکریہ ادا کیا اور
شہر میں شادیانے بجنے لگے۔ گل ناز نے شہر والوں اور تمام امرا کو خبر پہنچا دی کہ بدر
باسم کا پتہ چل گیا ہے۔ اب گلنار بحریہ اور اس کی ماں فراشہ اور اس کے بھائی صالح
نے جنوں کے تمام قبیلوں اور سمندری لشکر کو بلوایا کیونکہ بادشاہ سمندل کے گرفتار ہونے
کے بعد وہ سب ان کے مطیع ہو گئے تھے اور جادو گرنی کے شہر میں پہنچے۔ محل کو لوٹ
کر اس میں جتنے کافر تھے' سب کو آناً فاناً قتل کر دیا۔

میدان صاف ہو گیا تو گلنار نے لڑکی سے پوچھا' میرا بیٹا کہاں ہے؟ وہ جا کر پنجرہ لے
آئی اور چڑیا کی طرف اشارہ کر کے کہا لے یہ ہے تیرا بیٹا۔ ملکہ گلنار نے اسے پنجرے
سے نکالا' پانی اس پر چھڑک دیا اور کہنے لگی کہ اس صورت کو بدل کر اپنی صلی صورت
پر آ جا' ابھی وہ اپنی بات ختم بھی نہ کرنے پائی تھی کہ وہ پر جھاڑ کو پہلے کی طرح
انسان ہو گیا۔ ماں نے اسے اصلی صورت میں دیکھ کر گلے لگا لیا۔ وہ بلک بلک کر
رونے لگا۔ اسی طرح اس کا ماموں صالح' نانی فراشہ اور صالح کی چچیری بہنیں رونے اور
اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگیں۔ اس کے بعد گلنار نے شیخ عبداللہ کو بلوایا اور جو نیکی
اس نے اس کے بیٹے کے ساتھ کی تھی' اس کا شکریہ ادا کیا اور بیٹے کا بیاہ اس لڑکی
کے ساتھ' جو اس کی خبر لے کر آئی تھی' وہ اس کے ساتھ ہم بستر ہوا۔ اس کے
بعد گلنار نے شیخ عبداللہ کو اس شہر کا بادشاہ بنا دیا۔ شہر کے تمام مسلمانوں کو بلا کر ان

سے ان کی بیعت ی اور ان سے قسم دے کر وعدہ لیا کہ وہ اس کی اطاعت کریں اور خدمت کریں گے۔ انہوں نے کہا سر آنکھوں سے۔ اس کے بعد وہ لوگ شیخ عبداللہ سے رخصت ہو کر اپنے شہر کو روانہ ہو گئے' جب وہ اپنے محل پہنچے تو شہر والوں نے شادیانوں اور جشنوں سے ان کا خیر مقدم کیا' وہ اپنے بادشاہ بدر باسم کے آنے پر اس قدر خوش تھے کہ تین دن تک شہر کو آراستہ پیراستہ رکھا۔ اس کے بعد بادشاہ بدر باسم نے اپنی ماں سے کہا' اماں اب سوائے اس کے اور کچھ باقی نہیں رہا کہ میں شادی کر لوں اور ہم سب اکٹھے ہو جائیں۔ وہ بولی بیٹا' تیری رائے ٹھیک ہے لیکن مجھے یہ پتہ لگا لینے دے کہ کون سی شہزادی تیرے قابل ہو گی۔ اس کی نانی فراشہ' ماموں اور چچیری بہنوں نے کہا اے بدر باسم! جو کچھ تو چاہتا ہے' اس کے پورا کرنے کے لئے ہم سب حاضر ہیں اور وہ سب مختلف شہروں کو دلہن ڈھونڈنے کی غرض سے روانہ ہو گئے۔ گلنار بحریہ نے بھی اپنی کنیزوں کو دیوؤں کے کندھوں پر سوار کر کے روانہ کر دی اور ان سے کہا کوئی شہر یا شاہی محل نہ بچے' جہاں تم نہ جاؤ اور نہ دیکھو کہ کون کون خوبصورت لڑکیاں ہیں۔ بادشاہ بدر باسم نے دیکھا کہ وہ سب اس بارے میں کتنی کوششیں کر رہے ہیں تو اس نے اپنی ماں گلنار سے کہا' اماں یہ تکلیف نہ اٹھا' مجھے سوائے بادشاہ سمندل کی بیٹی جوہرہ کے اور کوئی پسند نہیں جیسا اس کا نام ہیرا ہے ویسے ہی وہ بھی ہیرا ہے۔ ماں بولی' میں تیرا مطلب سمجھ گئی اور اس نے بادشاہ سمندل کو بلوا بھیجا۔ وہ فوراً حاضر کیا گیا۔ اس کے بعد اس نے بدر باسم کو بلایا۔ وہ آیا تو گلنار نے کہا بادشاہ سمندل حاضر ہے اور بدر باسم اس کے پاس گیا۔

جونہی بادشاہ سمندل نے بدر باسم کو آتے دیکھا تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا اور سلام کر کے اس کا خیر مقدم کیا۔ بادشاہ بدر باسم نے اس سے اس کی بیٹی جوہرہ سے شادی کی درخواست کی' اس نے جواب دیا کہ وہ تیری لونڈی ہے اور تیری خدمت کے لئے حاضر ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے چند خاص آدمیوں کو یہ کہہ کر اپنے ملک بھیجا کہ میری بیٹی جوہرہ کو یہاں لے آؤ اور اس سے کہو کہ تیرا باپ گلنار بحریہ

کے بیٹے بادشاہ باسم کے پاس ہے وہ لوگ اڑ کہ ہوا میں غائب ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد شہزادی جوہرہ کو لے کر حاضر ہوئے۔ جونہی اس کی نظر اپنے باپ پر پڑی۔ وہ دوڑ کر اس کے گلے لپٹ گئی۔ باپ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا بیٹی' میں نے تیری شادی اس باہمت اور شیر دل سے کر دی ہے جو ملکہ گلنار کا بیٹا بادشاہ بدر باسم ہے۔ وہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ حسین' عالی مرتبہ' جمیل اور شریف النسب ہے۔ نہ وہ سوائے تیرے اور کسی کے قابل ہے نہ تو کسی اور کے لائق جو ہرہ نے کہا ابا' میں تیری مخالفت نہیں کر سکتی جو تیرا جی چاہے کر کیونکہ اب میری دشمنی اور نفرت جاتی رہی ہے۔ میں اس کی لونڈی ہو گئی ہوں۔ اس کے بعد قاضی اور گواہ بلوائے گئے۔ انہوں نے ملکہ گلنار بحریہ کے بیٹے بادشاہ بدر باسم کا نکاح نامہ شہزادی جوہرہ کے ساتھ مرتب کر دیا۔ شہر والوں نے شہر کو سجایا۔ شادیانے بجائے گئے' قیدی رہا ہوئے اور بادشاہ نے فقیروں اور یتیموں کی کپڑے پہنائے۔ سرداروں' امیروں اور رئیسوں کو خلعت دیئے' بڑا جشن منایا گیا' ولیمے دیئے گئے اور دس روز تک دن رات خوشیاں رہیں' نو مختلف لباسوں میں جوہرہ کی منہ دکھائی بادشاہ بدر باسم کے سامنے ہوئی اس کے بعد بادشاہ بدر باسم نے بادشاہ سمندل کو خلعت عطا کر کے اسے اس کے وطن اور اہل و اقارب کے پاس روانہ کر دیا۔ سب کے سب بڑے عیش و عشرت کے ساتھ کھانے پینے اور مزے اڑانے لگے۔ یہاں تک کہ لذتوں کو مٹانے' صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔ یہ ہے ان کی کہانی آخر' ان سب پر خدا کی رحمت ہو۔

○ بادشاہ محمد بن سبائک اور تاجر حسن کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------ ایک یہ کہانی بھی سننے میں آئی ہے کہ پرانے زمانے میں عجم کا ایک بادشاہ تھا' محمد بن سبائک نام' جس کی حکومت سارے خراسان پر تھی ہر سال وہ ہند' سند' چین ماورا النہر اور دوسرے عجمی کافروں کے ملکوں پر جہاد کیا کرتا۔ بڑا

انصاف پسند' نیک دل اور سخی بادشاہ تھا۔ اسے صحبتیں' قصے اشعار' داستانیں' حکایتیں اور رات کی کہانیاں بہت پسند تھی۔ جس کسی کو کوئی عجیب و غریب کہانی یاد ہوتی اور اسے سناتا وہ اسے بہت انعام دیتا۔ کہتے ہیں کہ جب کبھی کوئی پردیسی آ کر اسے عجیب و غریب حکایت بیان کرتا اور وہ اسے پسند آتی تو وہ اسے عمدہ خلعت عطا کرتا' ایک ہزار دینار' سواری کے لئے گھوڑا مع زین اور رکاب کے نذر کرتا' سر سے پاؤں تک پہننے کے لئے لباس دیتا' ان کے علاوہ بھی بڑے بڑے اور انعام دیتا۔ ایک دن واقعہ ہے کہ کوئی بوڑھا شخص اس کے پاس آیا اور اسے ایک عجیب و غریب کہانی سنائی۔ بادشاہ کو وہ کہانی بے حد پسند آئی اور اس شخص کو عمدہ عمدہ انعام دیئے' منجملہ ان کے ایک ہزار خراسانی دینار اور پورے سازو سامان کے ساتھ ایک گھوڑا بھی تھا۔

اس بادشاہ کی خبر تمام ملکوں میں پھیل گئی۔ رفتہ رفتہ یہ شہرت تاجر حسن نامی ایک شخص کے کانوں تک بھی پہنچی جو بڑا شریف سخی' عالم فاضل اور شاعر تھا۔ بادشاہ کا ایک وزیر تھا جسے حسد کا پتلا اور بس کی گانٹھ کہنا چاہئے۔ اس کو کسی سے بھی محبت نہ تھی۔ نہ امیر سے نہ غریب سے' جو کوئی اس بادشاہ کے پاس آتا اور بادشاہ اسے کچھ دیتا تو وزیر اس سے حسد کرنے لگتا اور کہتا کہ ای باتوں سے مال ضاؤ اور ملک تباہ ہوتا ہے' مگر کیا کیا جائے بادشاہ کی یہی عادت ہے۔ وزیر ایسی باتیں محض حسد اور بغض کی وجہ سے کیا کرتا۔ جب بادشاہ نے تاجر حسن کے متعلق سنا تو اسے بلوا بھیجا۔ وہ حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا اے تاجر حسن' وزیر مجھ سے بیر رکھا ہے اور میر مخالفت پر تلا ہوا ہے کیونکہ میں شاعروں' ندیوں' کہانیاں اور شعر سنانے والوں کو مال و دولت دیتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے کوئی ای عجیب و غریب کہانی سنا میں نے کبھی نہ سنی ہو۔ اگر وہ مجھے پسند آئی تو میں بہت جاگیریں مع ان کے قلعوں کے تجھے عطا کروں گا۔ تیری عزت اور زیادہ ہو جائے گی بلکہ اپنی ساری حکومت تیرے ہاتھ میں دے دوں گا' تجھے اپنا بڑا وزیر بناؤں گا۔ اپنے دہنے ہاتھ پر بٹھاؤں گا۔ تو میری رعیت پر حکومت کرے گا اور اگر جیسا میں کہتا ہوں' تو نے کیا تو میں تیرا سارا مال ضبط کر کے تجھے شہر

بدر کر دوں گا۔ تا جر حسن نے جواب دیا اے ہمارے مولا بادشاہ! تیرا حکم سر آنکھوں پر لیکن تیرا غلام تجھ سے یہ درخواست کرتا ہے کہ ایک سالصبر کر۔ اس کے بعد میں تجھے ایک ایسی داستان سناؤں گا کہ جیسے نہ تونے عمر بھر نہ سنی ہو گی' نہ کسی اور نے' چہ جائیکہ کہ اس سے بہتر۔ بادشاہ بولا اچھا میں تجھے ایک سال کی مہلت دیتا ہوں اور ایک نفیس خلعت منگا کرر اسے عنایت کیا اور اس سے کہا ایک سال تک نہ تو سوار ہو جائیو' نہ کہیں آئیو جائیو۔ یہاں تک کہ جو چیز میں نے تجھ سے طلب کی ہے وہ لے کر حاضر ہو۔ اگر تو لے آیا تو تو خاص انعام کا مستحق ہے اور جو میں نے وعدہ کیا ہے' اسے پورا کر کے تجھے خوش کر دوں گا ورنہ نہ تو تو ہمارا ہے' نہ ہم تیرے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو ستاونویں رات

سات سو ستاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بن سبائک کہہ چکا کہ نہ تو ہمارا' نہ ہم تیرے تو تاجر حسن نے اس کے آگے زمین چومی اور چلا گیا۔ گھر پہنچ کر اس نے پانچ غلام چنے جو سب لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ فاضل' عاقل ادیب اور خاص غلاموں میں سے تھے۔ ہر ایک کو پانچ پانچ ہزار دینار دے کر کہا میں نے تمہیں آج ہی کے لئے پالا تھا۔ اب تم بادشاہ کی مطلب بر آری میں میری مدد کر کے مجھے اس کے پنجے سے چھڑا لو۔ انہوں نے پوچھا تو کیا کرنا چاہتا ہے؟ ہم اپنی جانیں تجھ پر فدا کر دیں گے۔ اس نے جواب دیا میں یہ چاہتوں ہوں کہ تم میں سے ہر ایک' ایک ملک کو جائے' وہاں کے عالموں' ادیبوں' فاضلوں اور عجیب و غریب قصے کہانی سنانے والوں سے قصے کہانیاں سنے اور سیف الملوک کی کہانی ڈھونڈ کر میرے پاس لائے۔
اگر تمہیں معلوم ہو کہ وہ کسی ایسے شخص کے پاس ہے جو دولت کا لالچی ہو تو جتنا سونا چاندی وہ مانگے' اسے دے دو باقی کا وعدہ کر لو اور وہ کہانی لے کر میرے پاس آ جاؤ۔ تم میں سے جو کوئی وہ کہانی لے کر آئے گا' اسے میں عمدہ عمدہ خلعت اور بہت سا انعام دوں گا اور اس سے زیادہ عزیز میری نگاہ میں کوئی دوسرا نہ ہو گا۔ تاجر حسن نے ان میں سے ایک سے کہا کہ تو ہند' سند' ان کے صوبوں اور ملکوں کو جا۔ دوسرے سے کہا تو عجم اور چین کے ملکوں کا سفر کر۔ تیسرے سے کہا کہ تیرے حصے میں خراسان کے تمام ملک صوبے ہیں' چوتھے سے کہا تو مغرب کے ملکوں' ان کے دارالسلطنتوں' صوبوں اور تمام آس پاس کے ملکوں میں جا۔ پانچواں جو باقی رہا اس سے کہا تو شام' مصر کے علاقوں اور ملکوں کی سیر کر۔
تاجر نے ان کے لئے ایک مبارک دن مقرر کیا۔ وہ دن آ گیا تو ان سے کہا' آج روانہ ہو جاؤ اور میرا مقصد پورا کرنے میں جان توڑ کوشش کرو' اگر تمہیں جان بھی دی پڑے

تو دریغ نہ کرنا۔ وہ رخصت ہو کر روانہ ہو گئے اور ان میں سے ہر ایک اس طرف گیا جہاں جانے کا تاجر نے حکم دیا تھا۔ ان میں چار آدمی چار مہینے تک غائب رہے اور ڈھونڈتے پھرتے رہے' مگر جب انہیں کچھ نہ ملا تو لوٹ آئے جب یہ چار غلام لوٹ آئے تو تاجر کو بڑی پریشانی ہوئی۔ انہوں نے آ کر یہ کہا کہ ہم نے شہر' ملک اور اقلیمیں چھان ماریں لیکن ہمیں اپنے آقا کا مقصد ہاتھ نہ لگا۔ پانچواں غلام سفر کرتے کرتے شام پہنچا؟ دمشق میں جا کر اس نے دیکھا کہ وہ بڑا خوبصورت اور مضبوط شہر ہے وہاں سے درخت' چشمے' میوے ہیں اور چڑیاں یکتا اور قوی خدا کی جس نے دن رات پیدا کئے ہیں' پاکی بیان کر رہی ہیں۔ وہ وہاں کئی روز ٹھر کر اپنے آقا کی ضرورت کے متعلق پوچھتا رہا' کوئی اسے پوا نہ کر سکا اور وہ چاہتا ہی تھا کہ وہاں سے روانہ ہو کر کسی اور جگہ جائے' دیکھتا کہ ایک جوان اس سے ٹکرا گیا۔ غلام نے پوچھا تو ایسی بد حواسی میں کہاں بھاگا جا رہا ہے؟ اس نے جواب دیا یہاں ایک فاضل بوڑھا ہے جو ہر روز اسی وقت کرسی پر بیٹھ کر اسے اچھے اچھے قصے کہانیاں داستانیں سناتا ہے جو کسی نے نہ سنی ہوں۔ اس لمحے دوڑا جا رہا ہوں کہ اس کے قریب جگہ مل جائے کیونکہ مجھے بھی ڈر ہے کہ لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے جگہ نہ ملے۔ غلام بولا مجھے بھی اپنے ساتھ لیتا چل۔ جوان نے کہا دوڑ کر آ۔ غلام اپنا دروازہ بند کر کے اس کے ساتھ دوڑا اور اس جگہ پہنچا جہاں وہ بوڑھا لوگوں کے بیچ بیٹھا قصہ سنا رہا تھا' اس نے دیکھا کہ ایک خوب صورت بوڑھا کرسی پر بیٹھا کہانی کہہ رہا ہے۔ اس کے پاس بیٹھ اور کان لگا کر سننے لگا۔ سورج غروب ہوتے وقت شیخ نے اپنی داستانیں ختم کیں اور لوگ چلے گئے۔

اب غلام نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا' اس نے سلام کا جواب دیا اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ غلام نے کہا اے میرے آقا شیخ مجھے تجھ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ شیخ نے کہا جو تیرا جی چاہے ' پوچھ۔ غلام بولا تیرت پاس سیف الملوک اور بدیع الجمال کی بھی کہانی ہے؟ شیخ نے کہا تو نے کس سے سنا اور تجھ سے کس نے ان کا ذکر

کیا ہے؟ غلام بولا میں نے یہ کہانی تو کسی سے نہیں سنی لیکن میں بڑی دور سے اس کہانی کی تلاش میں آیا ہوں' اگر وہ تیرے پاس ہو' تو مہربانی فرما کر مجھے عنایت کر دے اور اپنے اوپر صدقہ کر کے مجھے دے دے تو جو قیمت تو مانگے گا' میں دوں گا۔ اگر میری جان میرے ہاتھ میں ہوتی تو میں اسے بھی خوشی سے دے دیتا۔ شیخ نے کہا خوش ہو' غم نہ کر وہ تیرے لئے حاضر ہے لیکن یہ کہانی ایسی نہیں ہے کہ کوئی اسے راہ گلی سناتا پھرے۔ نہ میں اسے ہر کس و ناکس کو دے سکتا ہوں۔ غلام نے کہا اے میرے آقا' خدا کے لئے میرے ساتھ بخل نہ کر اور جو تیرا جی چاہے' مانگ۔ شیخ نے کہا اگر تو یہ قصہ چاہتا ہے تو میں اسے ایک سو دینار کے بدلے تجھے دوں گا پانچ شرطوں کے ساتھ۔ غلام نے سنا کہ وہ قصہ شیخ کے پاس ہے اور دینے کے لئے آمادہ ہے تو بہت خوش ہوا اور بولا کہ میں تجھے سو دینار اس کی قیمت اور دس دینار انعام دوں گا اور جو تیری شرطیں ہوں گی' انہی پر لوں گا۔ شیخ نے کہا جا اشرفیاں لے آ اور اسے ساتھ لے جا۔ غلام نے اٹھ کر اس کے ہاتھ چومے' خوش خوش اپنے گھر روانہ ہو گیا اور ایک سو دس دینار ایک تھیلی میں رکھے جو اس کے پاس تھی۔

سویرا ہوتے ہی اس نے کپڑے پہنے اور دینار لے کر شیخ کے پاس پہنچا' دیکھا کہ وہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھا ہوا ہے۔ غلام نے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ غلام نے اسے ایک سو دس دینار دیئے۔ وہ انہیں لے کر غلام کے ساتھ گھر کے اندر گیا' غلام کو بٹھایا اور اس کے سامنے قلم' دوات اور کاغذ رکھ دیا اور ایک کتاب اس کے سامنے پیش کر کے کہا کہ سیف الملوک کا قصہ جس کی تلاش میں تو ہے' اس کتاب میں سے نقل کر لے۔ غلام بیٹھ کر وہ قصہ لکھنے لگا یہاں تک کہ سارا لکھ ڈالا اور شیخ کے سامنے پڑھ کر اس کی تصیح کرالی۔ اب شیخ نے کہا' بیٹا پہلی شرط یہ ہے کہ تو اس کو سڑک پر بیٹھ کر نہ سنائے' نہ عورتوں اور لونڈیوں کے سامنے' نہ غلاموں اور بے وقوفوں کے سامنے' نہ بچوں کے سامنے بلکہ محض امیروں' بادشاہوں'

وزیروں، عالموں، اور مفسروں وغیرہ کے سامنے۔ غلام نے سب شرطیں قبول کر لیں۔
شیخ کے ہاتھ چومے اور اس سے رخصت ہو کر چل دیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اٹھاونویں رات

سات سو اٹھاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ تاجر حسن کا غلام' شیخ سے رخصت ہو کر چلا گیا اور اسی دن خوش خوش سفر شروع کر دیا۔ وہ سیف الملوک کے قصے پا جانے پر اتنا خوش تھا کہ دن رات سفر کرنے لگا اور اپنے وطن پہنچ کر اپنے نوکر کو آگے بھیجا تاکہ تاجر کو خوش خبری دے اور اس سے کہے کہ تیرا غلام آ گیا ہے اور مراد حاصل ہو گئی ہے جب غلام اپنے آقا کے شہر میں پہنچا اور اسے خوشخبری بھیجی تو اس میعاد میں جو بادشاہ اور تاجر حسن کے درمیان مقرر ہوئی تھی' محض دس دن باقی رہ گئے تھے۔ غلام نے اپنے آقا کے پاس جا کر اسے خبر دی کہ میں تیری مراد حاصل کر کے آیا ہوں۔ وہ بہت خوش ہوا اور غلام نے اپنے گھر میں ستانے کے بعد اپنے آقا کو وہ کتاب دے دی جس میں سیف الملوک اور بدیع الجمال کا قصہ لکھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی آقا نے اپنے سارے کپڑے اتار کر اسے دے دیئے' دس اصیل گھوڑے' دس اونٹ' دس خچر اور تین غلام عطا کئے اور اس قصے کو تفصیل کے ساتھ اپنے ہاتھ سے لکھ کر بادشاہ کے پاس پہنچا اور کہا اے نیک نہاد بادشاہ! میں ایسی پیاری اور کمیاب کہانی لایا ہوں جو کبھی کسی نے نہ سنی ہو گی۔ بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ تمام سمجھ دار' امیر وزیر' پڑھے لکھے' سارے ادیب' شاعر اور دانش مند لوگ حاضر ہوں۔ تاجر حسن نے بادشاہ کے سامنے وہ قصہ پڑھا۔ اسے سن کر بادشاہ اور تمام حاضرین حیران ہو گئے' بہت پسند کیا۔ سب نے اس کے اوپر سونا چاندی اور جواہرات نثار کئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ تاجر حسن کو بہترین خلعت دیا جائے اور اسے ایک پورا شہر قلعوں اور جاگیروں سمیت عطا کیا۔ اسے اپنا بڑا وزیر بنا کر اپنے داہنی طرف بٹھایا اور کاتبوں کو حکم دیا کہ اس قصے کو سونے سے لکھ کر شاہی خزانے میں محفوظ رکھیں۔ جب کبھی بادشاہ کا دل گھبراتا تو وہ تاجر حسن کو بلاتا اور تاجر حسن وہ قصہ پڑھ کر

اسے سناتا۔

○ سیف الملوک اور بدیع الجمال کی کہانی

قصے کا مضمون یہ ہے کہ پرانے زمانے میں مصر کا ایک بادشاہ عاصم بن صفوان نام تھا' بڑا سخی' دریا دل اور شاندار۔ اس کے قبضے میں بہت سے ملک' قلعے' گڑھیاں' فوجیں اور لشکر تھے۔ اس کا ایک وزیر فارس بن صالح تھا۔ سارا ملک خدا کو چھوڑ کر سورج اور آگ کی پرستش کرتا۔ ہوتے ہوتے یہ بادشاہ بوڑھا ہو گیا۔ بڑھاپے اور بیماریوں کی وجہ سے نہایت کمزور' کیونکہ اس کی عمر ایک سو اسی برس کی ہو چکی تھی' لیکن اس کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ نہ لڑکا نہ لڑکی۔ وہ رات دن غمگین اور رنجیدہ رہتا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ وہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ امرا' وزرا' سردار اور منصب دار دستور کے موافق اس کی خدمت میں درجہ بہ درجہ فائز تھے جو امیر آتا اس کے ساتھ ایک ایک دو دو بیٹے ہوتے' یہ دیکھ کر بادشاہ کو حسد ہوا۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ ہر شخص اپنی اولاد پر خوش و خرم ہے لیکن میری کوئی اولاد نہیں۔ کل میں مر جاؤں گا اور میرا تخت جائیدادیں' خزانے اور مال و دولت غیروں کے ساتھ لگے گا۔ کوئی میرا نام لیوا نہ رہے گا' نہ دنیا میں مجھے کوئی یاد کرے گا۔ اس خیال کا اس کے دل پر اتنا صدمہ ہوا کہ آنسو نکل پڑے' تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور گریہ و زاری کرنے لگا۔

وزیر اور حکومت کے دوسرے امراء نے جو وہاں حاضر تھے' اس کی یہ حالت دیکھی تو انہوں نے لوگوں سے پکار کر کہا کہ جب تک بادشاہ کی حالت سنبھل نہ جائے تم سب گھر جا کر آرام کرو۔ وہ سب چلے گئے' سوائے بادشاہ اور وزیر کے وہاں کوئی باقی نہ رہا۔ جب بادشاہ کو ذرا ہوش آیا تو وزیر نے اس کے آگے زمین چومی اور کہا' جہاں پناہ! اس رونے کا سبب کیا ہے؟ بادشاہوں' قلعے والوں یا امراء اور منصب داروں میں سے کسی نے تیرے ساتھ دشمنی کی ہے' مجھے بتا کون تیری مخالفت پر آمادہ ہے تاکہ اسے

بادشاہ! ہم سب مل کر اس کی جان نکال لیں۔ اس کا جواب دینا تو درکنار' بادشاہ نے سر تک نہ اٹھایا۔ وزیر نے دوبارہ اس کے آگے زمین چومی اور کہا جہاں پناہ! میں تیرے لڑکے اور غلام کی طرح ہوں تو نے مجھے[1] پالا پوسا ہے اگر مجھے تیرے غم' رنج اور افسوس کا سبب معلوم نہ ہوا تو اور کسے معلوم ہو سکتا ہے۔ کون ایسا ہو سکتا ہے جو تیرے آگے مجھ جیسی خدمت کرے؟ کہہ تو سہی کہ اس رونے دھونے اور رنج و غم کا کیا سبب ہے؟ اس پر بھی بادشاہ نہ بولا' نہ اس نے منہ کھولا اور نہ سر اٹھایا بلکہ برابر روتا' چلاتا اور آہ واویلا کرتا رہا۔ تھوڑی دیر صبر کرنے کے بعد وزیر نے کہا کہ اگر تو اس کا سبب نہ بتائے گا تو میں ابھی تیرے آگے جان دے دوں گا کیونکہ میں تجھے رنجیدہ نہیں دیکھ سکتا۔ اب بادشاہ عاصم نے سر اٹھایا اور اپنے آنسو پونچھ کر کہنے لگا اے نیک رائے وزیر' مجھے میرے رنج و غم میں رہنے دے' جو درد و غم میرے دل میں ہے وہ کیا کم ہے! وزیر بولا اے بادشاہ! اس رونے دھونے کا سبب مجھے بتا دے' شاید میرے ذریعے سے تجھے خوشی حاصل ہو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو انسٹھ ویں رات

سات سو انسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب وزیر نے بادشاہ عاصم سے کہا کہ اس رونے دھونے کا سبب مجھے بتا دے شاید میرے ذریعے سے تجھے خوشی حاصل ہو تو بادشاہ نے کہا اے وزیر! میرے رونے کی وجہ نہ مال و دولت ہے' نہ ہاتھی گھوڑے نہ اس قسم کی کوئی اور چیز بلکہ تو جانتا ہے کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں' میری عمر ایک سو اسی سال کے لگ بھگ ہو چکی ہے اور اب تک میرے ہاں کوئی لڑکا ہوا نہ لڑکی۔ اگر میں مر گیا تو لوگ مجھے دفن کر کے بھول جائیں گے' میرا نام مٹ جائے گا اور دوسرے لوگ میرا تخت اور ملک لے لیں گے' کوئی میرا نام لیوا باقی نہ رہے گا۔ وزیر نے کہا جہاں پناہ! میں تجھ سے سو برس بڑا ہوں' میری بھی کوئی اولاد نہیں' میں بھی اس پر دن رات رنجیدہ اور غمگین رہتاہوں اب ہم دونوں کو کیا کرنا چاہیے؟

لیکن میں نے سنا ہے کہ کوئی سلیمان بن داؤد بادشاہ ہے اور اس کا ایک پروردگار ہے جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ مجھے چاہیے کہ میں ایک ہدیہ لے کر اس کے پاس جاؤں اور اس سے کہوں کہ وہ اپنے پروردگار کے آگے دعا کرے کہ ہم دونوں کے ہاں اولاد پیدا ہو۔ یہ کہہ کر وزیر نے سفر کی تیاری کی اور نہایت قیمتی ہدیہ لے کر سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس پہنچا۔

یہ تو وزیر کا قصہ ہوا' اب سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا حال سنو۔ خدا نے ان پر وحی نازل کی اے سلیمان' مصر کے بادشاہ نے اپنے بڑے وزیر کو ہدیئے اور تحفے دے کر تیرے پاس روانہ کیا ہے اور ان میں یہ یہ چیزیں ہیں۔ تو اپنے وزیر آصف بن برخیا کو اس کے پاس بھیج تاکہ وہ عزت و احترام سے اس کا استقبال کرے اور ہر منزل پر اس کے لئے کھانا پینا مہیا کرے۔ جب وہ تیرے پاس پہنچے تو اس سے کہیو کہ بادشاہ

نے تجھے فلاں فلاں کام کے لئے بھیجا ہے اور اس کی یہ یہ خواہش ہے۔ اس کے بعد اس کے آگے سلام پیش کیجیو۔ یہ سنتے ہی سلیمان نے اپنے وزیر آصف کو حکم دیا کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر روانہ ہو جائے' عزت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کرے اور ہر منزل پر ان کے لئے کھانا پینا' دانہ چارا مہیا کیا او ان سے کہا آنے والے مہمانو! اہلاً و سہلاً مرحبا' خوش اور دل شاد ہو اور بے فکر ہو جاؤ کہ تمہاری حاجت پوری ہو گئی۔ وزیر اپنے دل میں کہنے لگا' ان لوگوں کو کیسے خبر ہو گئی؟ اور آصف بن برخیا سے پوچھا' اے میرے آقا! ہماری اور ہمارے مقصد کی خبر تمہیں کس نے دی؟ آصف برخیا نے کہا' سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے۔ وزیر فارس نے پوچھا' ہمارے آقا سلیمان بن داؤد علیہما السلام کو کس نے خبر دی؟ آصف نے کہا' انہیں زمین اور آسمان کے پروردگار اور ساری مخلوقات کے خدا نے خبر دی۔ وزیر فارس بولا پھر تو وہ بہت بڑا خدا ہو گا۔ اب آصف برخیا نے پوچھا کہ کیا تم اس کی پرستش نہیں کرتے؟ مصر کے بادشاہ کے وزیر فارس نے کہا ہم سورج کی پرستش کرتے ہیں اور اسی کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ آصف نے کہا اے وزیر فارس! سورج منجملہ اور تاروں کے ایک تارا ہے جو خدا نے پیدا کیا' وہ ہرگز معبود نہیں ہو سکتا' وہ تو کبھی نکلتا ہے اور کبھی چھپ جاتا ہے' مگر ہمارا پروردگار ہمیشہ موجود ہے کبھی غائب نہیں ہوتا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ سبا کے ملک میں پہنچے اور جب سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے دارالسلطنت کے قریب آئے تو انہوں نے اپنے جن وانس وغیرہ کے لشکروں کو حکم دیا کہ ان کی راہ میں صف باندھ کر کھڑے ہو جائیں۔ یہ سنتے ہی سمندر کے جانور' ہاتھی' چیتے اور تیندوے دو رویہ صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اس طرح سے کہ ہر جنس والے ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ یہی جنات نے بھی کیا' وہ پوشیدہ نہ تھے بلکہ دکھائی دیتے تھے اور طرح طرح کی بھیانک شکل میں تھے۔ سب کے سب دو رویہ صف باندھے کھڑے تھے۔ چڑیاں ان کے اوپر بازو پھیلائے سایہ کر رہی تھیں۔ ان چڑیوں میں سے بعض طرح طرح کی بولیاں بول رہی اور راگ گا رہی تھیں۔ مصر والے ان کے پاس

پہنچے تو مارے ڈر کے ٹھٹک گئے۔ آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ آصف نے کہا ان کے بیچ میں ہو کر چلو اور ان سے ڈرو نہیں کیونکہ وہ سب سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی رعایا ہیں' ان میں سے کوئی بھی تمہیں تکلیف نہ پہنچائے گا۔ یہ کہہ کر آصف ان کے آگے آگے چلا' پیچھے پیچھے باقی سب لوگ جن میں ڈرتے ڈرتے مصر کے بادشاہ کے وزیر کے ساتھی بھی تھے۔ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو مہمان خانے میں اتارے گئے۔ ان کی بڑی خاطر مدارات کی گئی۔ تین دن تک انہیں عمدہ عمدہ کھانے کھلائے گئے۔ پھر وہ خدا کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے پیش ہوئے۔ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے چاہا کہ سجدہ کریں لیکن حضرت سلیمان بن داؤد نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ کسی انسان کو سجدہ جائز نہیں سوائے اس بزرگ خدا کے جس نے زمین و آسمان وغیرہ پیدا کئے ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی کھڑا رہنا چاہتا ہے تو وہ کھڑا رہے لیکن میری خدمت کے لئے نہیں۔ سب نے اس کی تعمیل کی' وزیر فارس اور اس کے بعض نوکر چاکر بیٹھ گئے اور بعض چھوٹے درجے کے غلام کھڑے رہے۔

وہ بیٹھ چکے تو ان کے لئے دسترخوان بچھائے گئے۔ اور تمام لوگوں نے کھانا کھایا۔ یہاں تک کہ سیر ہو گئے۔ اب سلیمان نے مصر کے وزیر سے کہا اپنی حاجت بیان کرتا کہ وہ پوری ہو جائے۔ بول اور جس لئے تو آیا ہے اس میں سے کوئی بات نہ چھپا کیونکہ تو حاجت روائی کی غرض سے آیا ہے۔ اچھا میں خود ہی تجھے بتائے دیتا ہوں کہ وہ کیا ہے' وہ فلاں فلاں بات ہے اور مصر کا بادشاہ جس نے تجھے بھیجا ہے اس کا نام عاصم ہے۔ وہ بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہے اور خدا نے اب تک نہ اسے لڑکا دیا نہ لڑکی۔ اس وجہ سے وہ رات دن غم' رنج اور فکر میں مبتلا رہتا ہے۔ ایک دن جب وہ شاہی کرسی پر بیٹھا تھا۔ امرا' وزراء اور حکومت کے دوسرے بڑے لوگ آتے جاتے تھے' دیکھا کہ کسی کے ساتھ ایک بیٹا' کسی کے ساتھ دو اور کسی کے ساتھ تین بیٹے ہیں۔ وہ اپنے اپنے بیٹوں کے ساتھ آتے اور اس کی خدمت میں کھڑے ہوتے جاتے ہیں۔ اس پر وہ سوچ میں پڑ گیا اور نہایت افسوس کے ساتھ کہنے لگا دیکھا چاہیے کہ میرے مرنے

کے بعد میرا ملک کس کے پاس جاتا ہے' وہ کسی غیر شخص کے قبضے میں آ جائے گا اور میری یہ حالت ہو جائے گی' گویا میں تھا ہی نہیں۔ اس لیے وہ سوچ میں پڑ گیا' اتنا متفکر اور پریشان ہوا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ رومال سے منہ ڈھانک کر خوب رویا۔ اس کے بعد روتا پیٹتا تخت سے اترا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ اس وقت اس کی حالت سوائے خدا کے اور کسی کو معلوم نہ تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

● سات سو ساٹھ ویں رات

سات سو ساٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے بادشاہ کا سارا حال اس کے وزیر فارس سے بیان کرکے پوچھا۔ اے وزیر کیا جو کچھ میں نے تجھ سے کہا' صحیح نہیں؟ وزیر نے کہا اے خدا کے نبی! جو کچھ تو نے کہا بالکل درست اور ٹھیک ہے' لیکن اے خدا کے نبی جب میں اور بادشاہ اس بارے میں گفتگو کر رہے تھے تو ہمارے پاس کوئی اور نہ تھا' نہ کسی کو کانوں کان اس کی خبر تھی' تجھے ان باتوں کی خبر کیسے ہو گئی؟ آپ نے فرمایا' میرے پروردگار نے مجھے خبر دے دی ہے جو ان تمام باتوں کو جانتا ہے جو آنکھوں سے اوجھل اور سینے میں چھپی رہتی ہیں۔ یہ سن کر وزیر فارس بولا' اے خدا کے نبی! وہ تو کوئی بڑا عظیم الشان پروردگار معلوم ہوتا ہے جسے دلوں کے بھید تک معلوم ہیں' اور وہ اور اس کے تمام ساتھی اسلام لے آئے۔ اس کے بعد خدا کے نبی سلیمان نے وزیر سے کہا تیرے ساتھ یہ ہدیے اور تحفے ہیں وزیر نے جواب دیا ہاں سلیمان نے کہا میں نے قبول کیے لیکن وہ سب تجھے عطا کرتا ہوں۔ اب تم سب جا کر اس مکان میں آرام کرو جہاں تم ٹھہرے ہوئے ہو یہاں تک کہ سفر کی تھکن جاتی رہے۔ اگر خدا نے چاہا تو میں کل تمہاری حاجت پوری کر دوں گا۔

وزیر فارس اپنی قیام گاہ پر چلا گیا اور دوسرے دن حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے کہا جب تو بادشاہ عاصم بن صفوان کے پاس پہنچ کر اس سے ملے تو تم دونوں فلاں درخت پر چڑھ کر چپ چاپ بیٹھ جانا' دونوں نمازوں کے بیچ کا وقت ہو اور دوپہر کی گرمی کم ہو جائے تو درخت سے اتر کر نظر دوڑانا' تمہیں دو اژدہے دکھائی دیں گے۔ جن میں سے ایک کا سر بندر کا ہو گا اور دوسرے کا دیو کا۔ انہیں دیکھتے ہی تم ان پر تیر چلانا' انہیں مار ڈالنا' ان کے سروں اور دموں کی طرف سے ایک ایک

بالش کاٹ کر پھینک دینا' جوباقی رہ جائے' اسے پکانا وہ خوب گل جائے تو اسے اپنی بیویوں کو کھلانا اور اسی رات ان سے ہم بستر ہونا۔ اگر خدا نے چاہا تو دونوں کو لڑکوں کا حمل رہ جائے گا۔ اس کے بعد حضرت سلیمان نے[1] ایک انگوٹھی' ایک تلوار اور ایک بقچہ منگوایا جس کے اندر دو قبائیں تھیں' جن میں ہیرے ٹنکے ہوئے تھے اور کہا اے وزیر فارس' جب دونوں بیٹے بڑے ہو جائیں تو دونوں کو یہ ایک ایک قبا دینا۔ اچھا بسم اللہ' خدا نے تیری حاجت پوری کر دی۔ اب خدا کا نام لے کر روانہ ہو جا۔ بادشاہ منتظر ہے۔ اس کی آنکھیں راستے پر لگی ہوئی ہیں۔ وزیر فارس خدا کے نبی سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی طرف بڑھا۔ اس کے ہاتھ چومے اور روانہ ہو گیا۔ اس خوشی میں کہ حاجت پوری ہو گئی۔ دن اور رات برابر سفر کرتے کرتے مصر کے قریب پہنچا۔ وہاں سے اس نے اپنے ایک غلام کو آگے روانہ کیا کہ جا کر بادشاہ عاصم کو خبردے۔

جب بادشاہ نے سنا کہ وزیر آ گیا ہے اور اس کی حاجت پوری ہو گئی ہے تو وہ' اس کے مصاحب' درباری اور تمام لشکر پھولے نہ سمائے' خاص کر اس وجہ سے کہ وزیر صحیح و سلامت آ گیا۔ بادشاہ اور وزیر آمنے سامنے ہوئے تو وزیر نے گھوڑے سے اتر کر بادشاہ کے آگے زمین چومی او اسے خوش خبری دی کہ اس کی تمنا نہایت عمدہ طرح سے پوری ہو گئی اور اس کے سامنے اسلام پیش کیا۔ بادشاہ عاصم اسلام لے آیا اور وزیر فارس سے کہا' آج رات گھر جا کر آرام کر' ایک ہفتہ آرام لینے کے بعد حمام جائیو اور پھر میرے پاس آئیو تاکہ ہم سوچیں کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ وزیر نے زمین چومی اور وہ' اس کے غلام اور نوکر چاکر چلے گئے۔ آٹھ دن تک ستانے کے بعد وزیر بادشاہ کے پاس آیا جو کچھ اس کے اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے درمیان پیش آ یا تھا' بیان کیا اور بادشاہ سے کہا اکیلا میرے ساتھ چل۔ جنگل میں پہنچ کر بادشاہ اور وزیر تیر کمان ہاتھوں میں لے کر درخت پر چڑھ گئے اور دوپہر ڈھلنے تک چپ چاپ بیٹھے رہے۔ عصر کا وقت قریب ہوا تو نیچے اترے' انہوں نے دیکھا کہ دو اژدہے اسی درخت کے نیچے سے نکلے۔ بادشاہ دیکھتے ہی ان پر ریجھ گیا۔ ان کی گردنوں

میں سنہرے طوق تھے اور وزیر سے کہنے لگا' ان کی گردنوں میں تو سنہرے طوق ہیں' واللہ یہ کیسے عجیب و غریب ہیں۔ چل انہیں پکڑ کر پنجرے میں رکھیں اور ان کا تماشا دیکھا کریں۔ وزیر نے کہا انہیں خدا نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ ان سے فائدہ پہنچے۔ ان میں سے ایک پر تو تیر چلا اور ایک پر میں۔ دونوں نے ان پر تیر چلائے۔ جب وہ مر گئے تو ایک ایک بالشت ان کی دم کی طرف سے اور ایک ایک بالشت سر کی طرف سے کاٹ کر پھینک دیا' باقی کو لے کر محل میں گئے۔ باورچی کوبلا کر وہ گوشت اسے دیا اور کہا اس میں نمک مرچ اور مسالا ملا کر خوب اچھی طرح پکا اور دو پیالوں میں نکال کر فلاں وقت' فلاں گھڑی یہاں لے آئیو۔ دیر نہ کیجیو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اکسٹھ ویں رات

سات سو اکسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ نے باورچی کو پکانے کا حکم دیا۔ باورچی نے خوب مسالا لگا کر اسے پکایا اور دو پیالوں میں نکال

کر بادشاہ اور وزیر کے پاس لے گیا۔ ایک پیالہ وزیر نے لیا' دوسرا بادشاہ نے اور اپنی اپنی بیویوں کو کھلا کر اسی رات ان سے ہم بستر ہوئے۔ خدا کا کرنا کہ دونوں اسی رات حاملہ ہو گئیں۔ تین مہینے تک بادشاہ نے پریشانی کے ساتھ انتظار کیا اپنے دل میں کہتا کہ دیکھا چاہیے یہ بات صحیح ہے یا غلط۔ ایک روز اس کی بیوی بیٹھی ہوئی تھی کہ بچہ اس کے پیٹ میں کلبلایا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ حاملہ ہے۔ جب اسے درد معلوم ہونے لگا اور اس کا رنگ بدل گیا تو اس نے اپنے ایک غلام کو بلایا جو سب سے بڑا تھا۔ اس سے کہا جہاں کہیں بادشاہ ہو اس کے پاس جا کر کہہ جہاں پناہ! میں تجھے خوش خبری دیتا ہوں کہ ہماری آقا کا حمل ظاہر ہو گیا اور بچہ اس کے پیٹ میں کلبلانے لگا۔ غلام خوش خوش اور تیزی کے ساتھ دوڑا' اس نے دیکھا کہ بادشاہ اکیلا بیٹھا ہوا ہے۔ اپنے چہرے کو ہاتھ کی ٹیک دیئے کچھ سوچ رہا ہے۔ غلام نے سامنے آ کر زمین کو بوسہ دیا اور کہا جہاں پناہ' ملکہ کو حمل رہ گیا ہے۔ غلام سے یہ سنتے ہی بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا اور مارے خوشی کے غلام کا ہاتھ اور سر چومنے لگا' اپنے تمام کپڑے اتار کر اسے دے دیئے اور حاضرین سے کہا کہ تم میں سے جو کوئی مجھ سے محبت رکھتا ہو وہ اسے انعام دے' اور انہوں نے اسے اس قدر مال و دولت' جواہرات' یاقوت' گھوڑے' خچر اور باغ دیئے جو گنتی سے باہر ہیں۔

اسی وقت وزیر بھی بادشاہ کے پاس پہنچا' اس نے کہا' جہاں پناہ میں ابھی گھر میں اکیلا بیٹھا حمل کے بارے میں سوچ رہا اور دل میں کہہ رہا تھا کہ دیکھا چاہیے یہ صحیح بھی ہے کہ خاتون حاملہ ہے' بچہ اس کے پیٹ میں کلبلا رہا ہے اور اس کا رنگ بدل گیا

ہے۔ میں نے مارے خوشی کے اپنے تمام کپڑے اور ایک ہزار دینار دے کر اسے غلاموں کا سردار بنا دیا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ عاصم نے کہا' اے وزیر! خدا نے ہم دونوں پر اپنے فضل و احسان' سخاوت و بخشش کی ہے اور سچے دین کے طفیل بڑی مہربانی کی' اپنے کرم و بزرگی سے انعام و اکرام کیا اور ہمیں اندھیرے سے نکال کر اجالے میں لایا۔ میں چاہتاہوں کہ لوگوں پر مہربانی کرکے انہیں خوش کروں۔ وزیر بولا جو تیرا جی چاہے کر۔ بادشاہ نے کہا'اے وزیر! ابھی جا تمام مجرموں اور قرض داروں کو قید خانے سے رہا کر دے اور اس کے بعد بھی جو کوئی جرم کرے گا' اسے مناسب طریقے سے معاف کر دیں گے۔ علاوہ بریں ہم تین سال تک لگان نہیں لیں گے۔ تو شہر پناہ کے اردگرد لنگر خانے کھول دے۔ باورچیوں کو حکم دے کہ طرح طرح کے کھانوں کی دیگیں چڑھائے رکھیں' ہر قسم کا کھانا رات دن پکاتے رہیں' شہر اور گرد و نواح والے خواہ دور کے ہوں یا نزدیک کے' کھائیں پئیں اور اپنے گھروں کو لے جائیں اور یہ بھی حکم دے دے کہ سات دن تک وہ شہر کو سجائے رکھیں۔ خوشیاں منائیں اور اپنی دکانیں نہ دن میں بند کریں نہ رات میں۔

وزیر فوراً اٹھ کر باہر گیا اور جو کچھ بادشاہ نے کہا تھا' بجا لایا۔ لوگوں نے شہر' قلعے اور برجوں کو بہترین طریقے سے سجایا' عمدہ عمدہ کپڑے پہنے' ہر روز کھانے پینے' کھیل کود اور تفریح میں مشغول ہو گئے' یہاں تک کہ ملکہ کے حمل کے دن پورے ہو گئے اور بچہ پیدا ہوا۔ بادشاہ عاصم نے حکم دیا کہ شہر کے تمام عالم' ادیب' منجم' فاضل اور منشی حاضر ہوں۔ وہ حاضر ہو کر اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ طاق میں کوڑی پھینکی جائے' یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ نجومیوں اور دائیوں کو معلوم ہو جائے کہ بچہ پیدا ہو گیا ہے۔ لوگ اسی انتظار میں تھے کہ ملکہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا جو چاند جیسا تھا۔ نجومی اس کا زائچہ کھینچنے اور پیدائش کا وقت دیکھنے' جنم پترہ بنانے میں لگ گئے۔ پھر سب نے اٹھ کر بادشاہ کے آگے زمین چومی' انعام مانگا اور اسے خوش خبری دی

کہ بچہ مبارک ہے اور اس کا طالع نیک' لیکن لڑکپن میں اس پر ایک حادثہ گزرے گا جسے ہم کہتے ڈرتے ہیں۔ بادشاہ بولا کہو' بالکل نہ ڈرو۔ انہوں نے کہا اے بادشاہ! یہ بچہ اس ملک سے نکل کر پردیس جائے گا اور سمندر میں ڈوبے گا' اسے تکلیف' قید اور پریشانیوں کا سامنا ہو گا' بہت سی مصیبتیں جھیلنی پڑیں گی۔ اس کے بعد اسے ان چیزوں سے چھٹکارا ملے گا' اس کا مقصد حاصل ہو گا اور باقی عمر نہایت عیش و آرام سے گزرے گی' وہ اپنی رعایا اور ملکوں پر حکمرانی کرے گا اور دنیا پر اس طرح حکومت کرے گا کہ اس کے دشمن اور حاسد جلیں گے۔

نجومیوں کی باتیں سن کر بادشاہ نے کہا' یہ غیب کی باتیں ہیں اور جو اچھی بری بات خدا اپنے بندے کے مقدر میں لکھ دیتا ہے' اسے پورا کرکے چھوڑتا ہے۔ ممکن ہے اسے کوئی تکلیف بھی پہنچے اور عجب نہیں کہ آج سے اس وقت تک اسے ہزاروں خوشیاں نصیب ہوں۔ بہرحال بادشاہ نے ان کی باتوں کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی' انہیں اور تمام حاضرین کو خلعت دے کر رخصت کر دیا۔ اتنے میں وزیر فارس بادشاہ کی خدمت میں خوش خوش آیا اور اس کے آگے زمین چوم کر کہنے لگا۔ اے بادشاہ! خوش ہو' میری بیوی کے ہاں ابھی لڑکا پیدا ہوا ہے جو چاند کے ٹکڑے کی طرح ہے۔ بادشاہ بولا' اے وزیر! جا کر اسے لے آ تاکہ دونوں ساتھ ساتھ میرے محل میں تربیت پائیں اور اپنی بیوی کو میری بیوی کے ساتھ رکھ کہ دونوں اپنے بیٹوں کو ایک ساتھ تربیت دیں۔ وزیر اپنی بیوی اور بچے کو لے آیا اور دونوں بچے کھلائیوں اور دودھ پلائیوں کے سپرد کر دیئے گئے۔ جب سات دن گزر گئے تو دونوں' بادشاہ عاصم کے سامنے پیش کئے گئے اور اس سے پوچھا گیا کہ ان کا کیا نام رکھا جائے؟ بادشاہ نے کہا تم ہی ان کا نام رکھو۔ انہوں نے جواب دیا بیٹے کا نام سوائے باپ کے اور کوئی نہیں رکھتا۔ بادشاہ نے کہا میرے بیٹے کا نام میرے دادا کے نام پر سیف الملوک رکھو اور وزیر کے بیٹے کا نام ساعد۔ بادشاہ نے کھلائیوں اور دودھ پلائیوں کو انعام دیئے اور کہا ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اور ان کی تربیت عمدہ طریقے سے کرو۔ کھلائیوں نے بہت دل لگا کر

ان کی تربیت کی اور جب ان کی عمر پانچ سال ہو گئی تو بادشاہ نے انہیں مکتب میں ملا کے سپرد کیا۔ ملا نے انہیں پڑھنا لکھنا سکھایا۔ یہاں تک کہ ان کی عمر دس دس سال کی ہو گئی۔ اب بادشاہ نے انہیں مختلف استادوں کے سپرد کیا کہ ان دونوں کو گھوڑے پر چڑھنا' تیر چلانا' نیزہ پھینکنا' چوگان کھیلنا اور سپاہ گری کا فن سکھائیں۔ جب پندرہ پندرہ سال کے ہوئے تو وہ ہر فن میں طاق تھے۔ کوئی ایسا نہ تھا جو شہ سواری میں ان کی ٹکر کا ہو' ہر ایک اکیلا ایک ہزار کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ بادشاہ انہیں دیکھتا اور خوش ہوتا۔

جب ان کی عمر بیس سال کی ہو گئی تو ایک روز بادشاہ نے اپنے وزیر فارس کو تنہائی میں بلا کر کہا اے وزیر! میرے دل میں ایک بات آئی ہے' جسے میں کرنا چاہتا ہوں' لیکن چاہتا ہوں کہ پہلے تجھ سے مشورہ لے لوں۔ وزیر بولا جو کچھ تیرے دل میں ہے کہہ ڈال' تیری رائے مبارک ہوتی ہے۔ بادشاہ عاصم بولا اے وزیر میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری عمر بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک کونے میں بیٹھ کر خدا کی عبادت کروں اور اپنا ملک اور اپنی حکومت اپنے بیٹے سیف الملوک کے حوالے کر دوں' وہ خوب صورت جوان شہ سواری' عقل' ادب' دبدبے اور ریاست میں کامل ہو چکا ہے۔ اس میں تیری کیا رائے ہے؟ وزیر نے جواب دیا' تیری رائے بہت اچھی' مبارک اور نیک ہے۔ اگر تو نے ایسا کیا تو میں بھی ایسا ہی کروں گا اور میرا بیٹا ساعد سیف الملوک کا وزیر ہو گا۔ وہ بھی خوش رو جوان' علم اور رائے والا ہے۔ دونوں کا ساتھ رہے گا' مگر ہم ان دونوں کا کام سنبھالے رہیں گے اور کوتاہی کرنا تو درکنار' انہیں سیدھے راستے پر چلاتے رہیں گے۔ بادشاہ عاصم نے وزیر سے کہا خط لکھ کر پیادوں کے ہاتھ ہراقلیم' ملک' قلعے اور گڑھی کو روانہ کر دے جو ہماری حکومت میں ہیں اور ہر بڑے آدمی کو حکم دے کہ وہ فلاں مہینے میں آ کر میدان فیل میں حاضر ہوں۔ وزیر نے فوراً جا کر تمام والیوں' قلعوں کے سرداروں اور جو جو بادشاہ عاصم کے ماتحت تھے' ان کے نام خط لکھے کہ وہ سب فلاں مہینے میں حاضر ہوں اور اسی طرح سے شہر کے

بھی تمام دور اور نزدیک والوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب میعاد کے زیادہ دن گزر چکے اور کم باقی رہ گئے تو بادشاہ عاصم نے فراشوں کو حکم دیا کہ میدان میں خیمے لگائیں' بہترین طریقے سے آراستہ کریں اور وہ بڑا تخت لگائیں جس پر بادشاہ محض عید کے دن بیٹھا کرتا ہے۔ انہوں نے فوراً ہر حکم کی تعمیل کی' تخت لگایا۔ اور نواب' حاجب اور امرا باہر آئے۔ بادشاہ نے نکل کر کہا لوگوں میں منادی کر دی جائے کہ میدان میں آ جائیں۔ تمام امیر' وزیر' صوبہ دار اور جاگیردار میدان میں آئے اور دستور کے مطابق بادشاہ کی خدمت میں درجہ بہ درجہ بعض کھڑے ہوئے اور بعض بیٹھ گئے۔ جب سب لوگ حاضر ہو چکے تو بادشاہ نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا۔ سب نے کھایا پیا اور بادشاہ کو دعا دی۔

اب بادشاہ نے حاجیوں کو حکم دیا کہ لوگوں میں منادی کر دیں کہ کوئی نہ جائے انہوں نے منادی کی کہ بادشاہ کی تقریر سننے سے پہلے کوئی نہ جائے۔ پردہ اٹھا اور بادشاہ نے کہا جسے مجھ سے محبت ہے وہ میری تقریر سننے کے لئے ٹھہر جائے۔ اب تک تو لوگ ڈر رہے تھے' مگر یہ سن کر انہیں اطمینان ہوااور وہ بیٹھ گئے۔ بادشاہ کھڑا ہو گیا اور انہیں قسم دی کہ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اس کے بعد اس نے کہا اے امیرو' وزیرو اور حکمرانو! چھوٹے بڑے تمام حاضر ہو۔ تم جانتے ہو یا نہیں کہ یہ سلطنت مجھے باپ دادا سے وراثت میں ملی ہے؟ وہ بولے اے بادشاہ! ہاں' ہم سب جانتے ہیں۔ پھر اس نے کہا پہلے ہم تو سب سورج اور چاند کی پرستش کیا کرتے تھے لیکن خدا نے ہمیں ایمان عطا کیا۔ اندھیرے سے نکال کر اجالے کی طرف لایا اور ہمیں اسلام کی طرف ہدایت کی۔ اب سنو کہ میں بہت بوڑھا' کمزور اور عاجز ہو گیا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں ایک کونے میں بیٹھ کر خدا کی عبادت کروں' پچھلے گناہوں کی معافی مانگوں' یہ میرا بیٹا سیف الملوک حکومت کرے۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ خوبصورت' جوان' فصیح' تجربہ کار عاقل' فاضل اور عادل ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے اسی وقت اپنی حکومت

سپرد کر دوں اور اپنے بجائے اسے تم پر بادشاہ بنادوں' اپنی جگہ اسے سلطان بنا کر بٹھا دوں اور میں ایک کونے میں بیٹھ کر محض خدا کی عبادت میں مشغول ہو جاؤں اور میرا بیٹا سیف الملوک تم پر بادشاہی او حکمرانی کرے۔ تم سب کی متفقہ رائے کیا ہے؟ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے آگے زمین چوم کر کہنے لگے۔ اے ہمارے بادشاہ اور نگہبان اگر تو ہمارے اوپر اپنا ایک غلام بھی مقرر کر دیتا تو ہم اس کی فرمانبرداری کرتے' تیری بات نہ ٹالتے' تیری حکم کی تعمیل کرتے اور یہ تو تیرا بیٹا ہے سیف الملوک ہے' وہ ہمیں بسر و چشم منظور ہے اور ہم اس سے خوش ہیں۔ اب بادشاہ عاصم بن صفوان اٹھا' تخت سے اتر کر اپنے بیٹے کو اس پر بٹھا دیا' اپنے سر سے تاج اتار کر اس کے سر رکھ دیا' شاہی پٹکا اس کی کمر سے باندھ دیا اور خود اس کے پہلو میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ امرا' وزرا اور ملک کے چھوٹے بڑے سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ نئے بادشاہ کے آگے زمین چومی اور آپس میں کہنے لگے واقعی یہ بادشاہت کے قابل ہے اور دوسروں سے بہتر' پھر سب نے امان کی درخواست کی اور اس کے لئے کامرانی و اقبال مندی کی دعا مانگی' سیف الملوک نے حاضرین پر سونا چاندی نچھاور کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اوراس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو باسٹھ ویں رات

سات سو باسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ سیف الملوک نے سونا' چاندی نچھاور کیا' خلعت عطا کئے اور انعام و اکرام دیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد وزیر فارس اٹھا اور زمین چوم کر کہنے لگا' اے امرا اور اے حکومت کے بڑے لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ میں وزیر ہوں اور میری وزارت بہت پرانی ہے۔ بادشاہ عاصم بن صفوان کے بادشاہ ہونے سے پہلے کی' وہ اس وقت بادشاہت سے کنارہ کش ہو گیا ہے اور اس نے اپنی جگہ اپنے بیٹے کو بادشاہ بنا دیا ہے۔ سب نے کہا' ہاں ہم جانتے ہیں کہ تیری وزارت باپ دادا سے چلی آتی ہے۔ وزیر بولا۔ اب میں بھی اس سے دست بردار ہوتا ہوں اور اسے اپنے بیٹے ساعد کے سپرد کرتا ہوں کیونکہ وہ عاقل' سمجھ دار اور تجربہ کار ہے' تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا بادشاہ سیف الملوک کی وزارت کے قابل سوائے ساعد کے اور کوئی نہیں ہو سکتا' دونوں ایک دوسرے کا جوڑ ہیں۔ اب وزیر فارس نے اٹھ کر اپنی وزارت کی پگڑی اتاری اور اپنے بیٹے ساعد کے سر پر رکھ دی اور وزارت کا قلم دان بھی اس کے حوالے کیا۔ حاجب اور امرا کہنے لگے' وہ واقعی وزارت کا مستحق ہے۔ بادشاہ عاصم اور وزیر فارس نے اس کے بعد خزانے کھول دیئے۔ والیوں' امرا' وزراء اور بڑے چھوٹے لوگوں کو عمدہ عمدہ خلعت عطا کئے۔ انعام و اکرام دیئے اور ان کے لئے نئے وثیقے اور حکم نامے لکھ دیئے جن پر سیف الملوک اور وزیر فارس کے بیٹے وزیر ساعد کی مہریں تھیں جو جو اس تقریب میں آئے تھے' ہفتہ بھر ٹھہرنے کے بعد اپنے اپنے وطن اور گھروں کو روانہ ہو گئے۔

تاج پوشی سے فارغ ہو کر بادشاہ عاصم اپنے بیٹے سیف الملوک اور وزیر زادے ساعد کو لے کر شہر میں داخل ہوا اور محل میں پہنچ کر خزانچی کو بلوایا' اسے حکم دیا کہ انگوٹھی' تلوار' بغچہ اور مہر حاضر کرے' پھر اپنے بیٹے اور وزیر زادے سے بولا اے میرے بیٹو!

آؤ ان میں سے اپنے لئے پسند کرکے لے لو۔ سیف الملوک نے ہاتھ بڑھایا۔ بقچہ اور انگوٹھی لے لی' پھر ساعد نے ہاتھ بڑھا کر تلوار اور مہر اٹھالی۔ اس کے بعد دونوں بادشاہ کا ہاتھ چوم کر اپنے اپنے مکان چلے گئے۔ جب سیف الملوک نے بقچہ لیا تو اسے کھول کر نہیں دیکھا کہ اس میں کیا ہے بلکہ اسے اس تخت پر رکھ دیا جس پر وہ اور اس کا وزیر ساعد سویا کرتے تھے' یہ ان کا دستور تھا کہ رات کو دونوں ساتھ سوتے' چنانچہ آج بھی دونوں پہلو بہ پہلو سو گئے۔ شمعیں ان کے پاس جلتی رہیں۔ آدھی رات کو جو سیف الملوک کی آنکھ کھلی اور بقچے کو سرہانے دیکھا تو اپنے دل میں کہنے لگا' نہ معلوم اس بقچے میں جو بادشاہ نے مجھے تحفے میں دیا ہے' کیا ہے! وہ اس بقچے اور موم بتی کو لے کر تخت سے اترا اور ساعد کو سوتا چھوڑ کر کوٹھڑی میں گیا وہاں جا کر بقچہ کھولا' دیکھا کہ اس میں جنوں کی بنی ہوئی ایک قبا ہے۔ قبا کو الٹا پلٹا تو اس کے استر پر پیٹھ کی طرف سونے سے کڑھی ہوئی ایک لڑکی کی تصویر تھی۔ تصویر کو دیکھتے ہی اس کے ہوش جاتے رہے۔ عشق کا جن اس پر سوار ہو گیا' غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ ہوش آیا تو رونے پیٹنے اور تصویر کو بوسے دینے لگا۔ اتنا رویا پیٹا کہ وزیر ساعد اٹھ بیٹھا۔ ادھر ادھر ٹٹولنے لگا۔ دیکھا کہ سیف الملوک وہاں نہیں ہے اور صرف ایک موم بتی پاس جل رہی ہے۔ حیران کہ سیف الملوک کہاں چلا گیا۔ اس نے موم بتی لے کر سارے محل میں چکر لگایا اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کوٹھڑی میں پہنچ گیا جہاں سیف الملوک تھا۔ دیکھا کہ وہ رو رہا اور آہیں بھر رہا ہے۔ اس نے کہا بھائی اس رونے کی وجہ کیا ہے؟ تجھ پر کیا ماجرا گزرا؟ کہہ تو سہی منہ سے کچھ تو بول۔

سیف الملوک نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ نہ سر اٹھایا بلکہ روتا' آہیں بھرتا اور سینہ پیٹتا رہا۔ ساعد اس کی یہ حالت دیکھ کر بولا' میں تیرا وزیر اور بھائی ہوں' میری اور تیری تربیت ایک ساتھ ہوئی ہے۔ اگر تو اپنی باتیں مجھ سے نہ کہے گا اور اپنے راز مجھ پر ظاہر نہ کرے گا تو پھر انہیں کس پر ظاہر کرے گا؟ ساعد دیر تک خوشامد کرتا اور زمین چومتا رہا لیکن سیف الملوک اس کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوا۔ اس سے بات

تک نہ کی بلکہ برابر روتا دھوتا رہا۔ جب ساعد کو سیف الملوک کی حالت دیکھ کر ڈر لگنے لگا اور پوچھتے پوچھتے تھک گیا تو وہاں سے باہر آیا اور تلوار لے کر اس کوٹھڑی میں گیا جہاں سیف الملوک تھا اور اس کی نوک اپنے سینے پر رکھ کر کہا اے میرے بھائی! ہوشیار ہو جا' اگر تو نے اپنا ماجرا بیان نہ کیا تو میں جان دے دوں گا' میں تجھے اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔ سیف الملوک نے اپنا سر اٹھایا اور اپنے وزیر ساعد کی طرف دیکھ کر کہا' بھائی! مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنا ماجرا تجھ سے کہوں۔ ساعد بولا میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں جو پروردگاروں کا پروردگار' غلاموں کا آزاد کرنے والا' سب کا پیدا کرنے والا' یکتا' مہربان' کریم اور بخشش کرنے والا ہے کہ تو اپنا ماجرا بیان کر' مجھ سے شرما نہیں۔ میں تیرا وزیر' غلام اور تمام باتوں میں تیرا مشیر ہوں۔
سیف الملوک نے کہا آ اور اس تصویر کو دیکھ۔ ساعد اس تصویر کو دیر تک دیکھتا رہا' اس کے اوپر پروئے ہوئے موتیوں سے لکھا تھا کہ یہ تصویر بدیع الجمال کی ہے جو مسلمان جن بادشاہ شاہ شاخ بن شاروخ کی بیٹی ہے' یہ جنات بابل شہر میں آ کر اترے ہیں اور ارم بن عاداکبر کے باغ میں رہتے ہیں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو تریسٹھ ویں رات

سات سو تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب وزیر ساعد نے قبا پر بدیع الجمال کی تصویر دیکھی تو اس نے سیف الملوک سے کہا' بھائی! تجھے معلوم ہے یہ کس عورت کی تصویر ہے تا کہ ہم اسے تلاش کریں؟ سیف الملوک بولا' بھائی! خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ یہ کس کی تصویر ہے۔ ساعد نے کہا' لے اسے پڑھ۔ سیف الملوک نے بڑھ کر جو تاج پر لکھا ہوا تھا' پڑھا تو اس کے دل سے ایک ٹھنڈا سانس نکلا اور وہ آہیں بھرنے لگا۔

ساعد نے کہا بھائی! اگر تصویر والی' دنیا میں موجود ہے اور اس کا نام بدیع الجمال ہے تو میں فوراً اس کی تلاش میں جاتا ہوں تا کہ تیری مراد برآئے' مگر بھائی! خدا کے لئے یہ رونا دھونا چھوڑ دے اور صبح کو جب درباری لوگ تیری خدمت میں آئیں تو تاجروں' درویشوں' سیاحوں اور پردیسیوں کو بلا کر اس شہر کے متعلق دریافت کیجیو' ممکن ہے خدا کی رحمت اور مدد سے ہمیں اس شہر اور ارم کے باغ کا پتا لگ جائے۔ جب سویرا ہوا تو سیف الملوک اٹھا اور قبا کو لپیٹے تخت پر جا بیٹھا کیونکہ بغیر اس کے وہ نہ اٹھتا تھا' نہ بیٹھتا تھا' نہ اسے نیند آتی تھی۔ امرا' وزرا' لشکری اور رؤسا دربار میں حاضر ہوئے تو سیف الملوک نے اپنے وزیر ساعد سے کہا' جا ان سے کہہ دے کہ بادشاہ آج پریشان حال ہے' وہ بیمار ہے' رات بھر اسے نیند نہیں آئی ہے۔ جو کچھ بادشاہ نے کہا تھا' وہ وزیر ساعد نے لوگوں سے کہہ دیا۔

اتنے میں بادشاہ عاصم کو یہ خبر پہنچی۔ وہ اپنے بیٹے کے حال پر افسوس کرنے لگا' حکیموں اور نجومیوں کو بلایا اور انہیں لے کر اپنے بیٹے کے پاس گیا۔ حکیموں نے اسے دیکھ کر دوا کا نسخہ لکھ دیا لیکن جب وہ تین مہینے تک برابر بیمار رہا تو بادشاہ عاصم نے غصے میں آ کر حکیموں سے کہا مردودو! کتو! کیا تم میں سے کوئی بھی میرے بیٹے کا علاج نہیں

کر سکتا؟ اگر تم نے فوراً اس کا علاج نہ کیا تو میں تم سب کی گردنیں اڑا دوں گا۔
بڑے حکیم نے جواب دیا جہاں پناہ! ہمیں معلوم ہے کہ یہ تیرا بیٹا ہے اور تو جانتا ہے کہ ہم غریبوں کے علاج میں بھی سستی نہیں کرتے' پھر تیرے بیٹے کے علاج میں کیونکر غفلت کر سکتے ہیں۔ اصل میں تیرا بیٹا ایک سخت بیماری میں مبتلا ہے اگر تو اسے جاننا چاہتا ہے تو ہم اسے تجھ سے بیان کر سکتے ہیں۔ بادشاہ عاصم نے پوچھا' تمہیں میرے بیٹے میں کون سا مرض معلوم ہوتا ہے؟ بڑا حکیم بولا جہاں پناہ! تیرا بیٹا عاشق ہے اور ایسے شخص پر عاشق جس کا ملنا ناممکن ہے؟ بادشاہ نے ناراض ہو کر کہا' تمہیں کہاں سے معلوم ہوا کہ میرا بیٹا عاشق ہے اور عشق آخر آیا کہاں سے؟ انہوں نے جواب دیا اس کے دودھ شریک بھائی وزیر ساعد سے پوچھ' وہ اس کی حالت سے واقف ہے۔ یہ سن کر بادشاہ عاصم اٹھا اور تنہائی میں ساعد کو بلا کر اس سے کہا کہ اپنے بھائی کی بیماری کا حال سچ سچ کہہ دے۔ اس نے جواب دیا مجھے اس کا حال معلوم نہیں۔ بادشاہ نے جلاد سے کہا کہ ساعد کو پکڑ اور آنکھیں باندھ کر اس کی گردن اڑا دے۔ ساعد اپنی جان کے خوف سے کہنے لگا کہ جہاں پناہ! مجھے پناہ دے۔ بادشاہ بولا' تو بتا دے گا تو تجھے پناہ ہے۔ ساعد نے کہا تیرا بیٹا عاشق ہے۔ بادشاہ نے پوچھا' اس کا معشوق کون ہے؟ ساعد نے کہا' جنات کے ایک بادشاہ کی لڑکی۔ اس نے اس کی تصویر اس قبا پر دیکھی ہے جو اس بقچے میں تھی جو خدا کے نبی حضرت سلیمان نے تمہیں بطور ہدیئے کے بھیجی ہے۔
اتنا سنتے ہی بادشاہ عاصم نے اپنے بیٹے سیف الملوک کے پاس جا کر کہا بیٹا! تجھ پر کیا مصیبت آئی؟ وہ تصویر کون سی ہے جس پر تو عاشق ہوا اور یہ باتیں تو نے مجھ سے کہیں کیوں نہیں؟ سیف الملوک نے کہا' ابا جان! مجھے تیرے آگے شرم آتی تھی اس لئے میں نے تجھ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان کا ذکر کسی سے بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن اب تجھے میرا حال معلوم ہو گیا ہے اس لئے اس کا علاج جس

طرح تو کر سکتا ہے' کر باپ بولا' آخر کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟ اگر وہ کسی انسان کی بیٹی ہوتی تو ہم اس تک پہنچنے کی تدبیر کر سکتے تھے' وہ تو جنات کی بیٹی ہے اور سوائے حضرت

سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے کسی کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکتی! لیکن بیٹا' اٹھ کھڑا ہو' دل مضبوط کر اور سوار ہو کر سیروشکار کے لئے جا۔ میدان میں کھیل کود' کھانے پینے میں لگ جا اور دل سے رنج و غم نکال دے۔ میں تو تیرے لئے سو شہزادیاں لا موجود کروں گا' جنات کی بیٹیوں کی تجھے کیا پروا۔ نہ تو ہمارا زور ان پر چلتا ہے' نہ وہ ہماری جنس میں سے ہیں۔ اس نے جواب دیا' نہ تو میں اس سے دست کش ہو سکتا ہوں' نہ کسی اور کی مجھے خواہش ہے۔ بادشاہ نے کہا بیٹا تو پھر کیا ہو؟ بیٹے نے جواب دیا' سارے تاجروں' مسافروں اور سیاحوں کو بلا کر اس بارے میں گفتگو کر' ممکن ہے خدا ہمیں ارم کے باغ اور بابل کے شہر تک پہنچا دے۔ بادشاہ عاصم نے فوراً حکم دیا کہ شہر کے تمام تاجر' پردیسی اور ناخدا حاضر ہوں۔ وہ حاضر ہوئے تو اس نے ان سے بابل کے شہر' اس کے جزیرے اور ارم کے باغ کے متعلق دریافت کیا' کوئی بھی ایسا نہ نکلا جو انہیں جانتا ہو یا ان کا بتا سکے' مگر مجلس برخاست ہوتے وقت ان میں سے ایک نے کہا جہاں پناہ! اگر تو ان کا پتا لگانا چاہتاہے تو صرف چین کے شہر سے لگ سکتا ہے' وہ بڑا شہر ہے' وہاں کا کوئی نہ کوئی شخص ضرور تجھے تیرے مقصد تک پہنچا دے گا۔ یہ سن کر سیف الملوک اپنے باپ سے بولا کہ چین کے سفر کی خاطر مجھے ایک کشتی تیار کرا دے بادشاہ نے کہا بیٹا' تو اپنی شاہی کرسی پر بیٹھا رہ اور رعیت پر حکومت کئے جا' میں خود چین جا کر اس بات کا پتا چلاؤں گا۔ سیف الملوک بولا ابا جان! اس بات کا تعلق مجھ سے ہے اور میری طرح کوئی اس کا پتا نہیں لگا سکتا۔ تیرا کیا بگڑتا ہے تو مجھے سفر کی اجازت دے دے۔ چند روز کی بات ہے۔ اگر مجھے اس کی خبر مل گئی تو میں نے من مانی مراد پائی۔ نہ ملی تو سفر میں میرا جی بہل جائے گا اور میری حالت سنبھل جائے گی۔ زندہ رہا تو صحیح و سالم تیرے پاس لوٹ کر آ جاؤں

گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• سات سو چونسٹھ ویں رات

سات سو چونسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ سیف الملوک نے کہا' اگر میں زندہ رہا تو صحیح و سالم تیرے پاس لوٹ کر آ جاؤں گا۔ بادشاہ نے

اپنے بیٹے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا' اسے سوائے اس کے اورکوئی چارہ نہ دکھائی دیا کہ اس کی بات مان لے۔ ناچار اس نے بیٹے کو سفر کی اجازت دے دی اور چالیس کشتیاں تیار کرکے اس کے ہمراہ علاوہ نوکر چاکر کے بیس ہزار غلام کر دیئے اور مال و دولت اور تمام ضروری ہتھیار دے کر کہا بیٹا! سفر کر' خدا تجھے خیریت' عافیت اور سلامتی کے ساتھ واپس لائے! میں تجھے اس خدا کے حوالے کرتا ہوں جو امانت کو حفاظت کے ساتھ رکھتا ہے۔

اس کے بعد اس کے ماں باپ اس سے رخصت ہوئے' کشتیاں' تمام سامان اور لشکر سمیت روانہ ہو گئیں اور چلتے چلتے چین کے شہر میں پہنچیں۔ ادھر جب چین والوں کو یہ خبر ملی کہ چالیس کشتیاں سپاہیوں' جنگ کے سامان' ہتھیاروں اور ذخیروں سے لدی ہوئی آئی ہیں تو انہیں گمان ہوا کہ کوئی دشمن ان سے لڑنے اور ان کا محاصرہ کرنے کے لئے آ گیا۔ انہوں نے شہر کے دروازے بند کر لئے' پتھر پھینکنے کے آلات لگا دیئے۔ ادھر بادشاہ سیف الملوک کو یہ معلوم ہوا تو اس نے اپنے خاص غلاموں میں سے دو غلاموں کو چین کے بادشاہ کے پاس بھیجا' پیغام دے کر کہا کہ یہ بادشاہ عاصم کا بیٹا سیف الملوک ہے جو محض مہمانوں کی حیثیت سے تیرے ملک میں آیا ہے تاکہ کچھ دنوں سیر و تفریح کرے' نہ لڑنے آیا ہے نہ دشمنی کرنے' اگر تیری خوشی ہو تو وہ تیرے ہاں آ کر ٹھہرے ورنہ لوٹ جائے' کیونکہ نہ وہ تجھے پریشانی میں ڈالنا چاہتا ہے' نہ شہر والوں کو۔ غلاموں نے شہر کے دروازے پر جا کر کہا کہ ہم بادشاہ سیف الملوک کے ایلچی ہیں۔ لوگوں نے دروازہ کھول دیا اور ایلچیوں کو لے کر اپنے بادشاہ کے پاس گئے۔ اس بادشاہ کا

نام فغفور شاہ تھا۔ بادشاہ عاصم سے اس کی جان پہچان تھی۔ جب اس نے سنا کہ نووارد بادشاہ سیف الملوک بادشاہ عاصم کا بیٹا ہے تو اس نے ایلچیوں کو خلعت دیئے اور حکم دیا کہ سب دروازے کھول دیئے جائیں۔ دعوت کی تیاری کی اور خود اپنے خاص درباریوں کو لے کر باہر آیا۔ سیف الملوک سے گلے ملا اور کہا کہ ہمارے مہمان کا آنا مبارک ہو! میں تیرا اور تیرے باپ کا غلام ہوں' میرا سارا شہر تیری خدمت کے لئے حاضر ہے اور جو کچھ تو چاہے گا' مہیا کر دیا جائے گا۔ یہ کہہ کر اس نے دعوت کا سامان اس جگہ پہنچا دیا جہاں وہ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس کے بعد سیف الملوک اور اس کا وزیر ساعد سوار ہوئے' اپنے مصاحبوں وغیرہ کو ساتھ لے کر سمندر کے کنارے سے شہر پہنچے۔ ان کی خوشی میں مجیرے اور شادیانے بجائے گئے' چالیس دن تک خوب دعوتیں رہیں۔

دعوتوں سے فارغ ہو کر بادشاہ نے کہا اے میرے بیٹے! کچھ تیرا دل خوش ہوا؟ میرا ملک تجھے پسند آیا؟ سیف الملوک بولا اے بادشاہ! خدا تیری عزت کے ساتھ تیرے ملک کی عزت کو برقرار رکھے۔ بادشاہ فغفور شاہ نے کہا تو ضرور کسی نہ کسی ضرورت سے یہاں آیا ہو گا۔ بتا تو میرے ملک میں کیا چاہتا ہے تاکہ میں تیری حاجت روائی کروں؟ سیف الملوک نے کہا اے بادشاہ! میری داستان عجیب و غریب ہے' میں بدیع الجمال کی تصویر پر عاشق ہوں۔ چین کے بادشاہ کو یہ سن کر اس پر اتنا ترس آیا کہ وہ رونے لگا۔ پوچھا اے سیف الملوک! اب تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا' میں چاہتا ہوں کہ تمام سیاحوں' پردیسیوں اور ان لوگوں کو بلا جو سفر کیا کرتے ہیں' میں اس تصویر والی کے متعلق ان سے دریافت کروں گا۔ ممکن ہے ان میں سے کوئی مجھے اس کا پتا نشان بتا سکے۔ بادشاہ فغفور شاہ نے والیوں' حاجبوں اور سرداروں کو حکم دیا کہ وہ تمام سیاحوں اور مسافروں کو بلا لائیں جو ملک میں ہیں۔ وہ آئے تو بڑی تعداد میں تھے۔ بادشاہ فغفور شاہ کے پاس آ کر حاضر ہوئے تو سیف الملوک نے ان سے بابل کے شہر اور ارم کے باغ کی نسبت دریافت کیا' کوئی اس کا جواب نہ دے سکا۔ سیف الملوک کو بڑی

مایوسی ہوئی کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ اتنے میں ایک ناخدا بولا اے بادشاہ! اگر تو اس شہر اور اس باغ کا پتا معلوم کرنا چاہتا ہے تو پہلے تجھے جزائر جانا چاہیے جو ہند کی ولایت

میں ہیں۔

یہ سنتے ہی سیف الملوک نے حکم دیا کہ کشتیاں حاضر کی جائیں۔ لوگوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی' ان میں کھانا پانی وغیرہ ساری ضرورت کی چیزیں رکھ دیں اور سیف الملوک اور اس کا وزیر ساعد بادشاہ فغفور شاہ سے رخصت ہو کر سوار ہو گئے۔ ہوا موافق تھی۔ چالیس دن تک خیریت اور اطمینان کے ساتھ سفر کرتے رہے لیکن اس کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ یکایک آندھی چلی' لہریں ہر طرف سے تھپیڑے مارنے لگیں' مینہ برسنے لگا' آندھی کی وجہ سے سمندر کی حالت ابتر ہو گئی اور سب کشتیاں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹوٹ گئیں۔ یہی حشر چھوٹی ناؤں کا بھی ہوا۔ سب لوگ ڈوب گئے' محض سیف الملوک چند غلاموں کے ساتھ ایک ناؤ پر باقی رہ گیا۔ اب خدا کا کرنا کہ آندھی رک گئی' سورج نکل آیا' سیف الملوک نے اپنی آنکھیں کھولیں' سوائے آسمان اور سمندر کے کوئی کشتی نظر نہ آئی۔ اس نے دیکھا کہ وہ اور اس کے چند ساتھی ایک ناؤ میں بیٹھے ہوئے ہیں' اس نے غلاموں سے پوچھا کہ کشتیاں اورچھوٹے بجرے کہاں ہیں اور میرا بھائی ساعد کدھر گیا؟ انہوں نے کہا جہاں پناہ! نہ کشتیاں بچیں' نہ بجرے اور نہ وہ لوگ جو ان میں سوار تھے' سب ڈوب کر مچھلیوں کا چارہ بن چکے ہیں۔ سیف الملوک نے ایک چیخ ماری اور وہ جملہ کہا جس کا کہنے والا پشیمان نہیں ہوتا یعنی لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم اور اپنا منہ پیٹنے لگا۔ منہ پیٹتے پیٹتے چاہتا تھا کہ سمندر میں کود پڑے۔ غلاموں نے اسے روک لیا اور کہا اے بادشاہ اس سے کیا فائدہ! تو نے اپنی خوشی سے یہ کام کیا ہے۔ اگر اپنے باپ کا کہنا مانتا تو ایسی کوئی بات پیش نہ آتی لیکن یہ بات روحوں کے پیدا کرنے والے نے ازل سے مقدر کر رکھی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• سات سو پینسٹھ ویں رات

سات سو پینسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ غلاموں نے کہا روحوں کو پیدا کرنے والے نے یہ بات ازل سے مقدر کر رکھی تھی' بندہ اس کے لکھے کو مٹا نہیں سکتا۔ تیری پیدائش کے وقت نجومیوں نے تیرے باپ سے کہا تھا کہ یہ ساری مصیبتیں تیرے بیٹے کو جھیلنی ہوں گی۔ اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ جب تک یہ بلا ہم سے ٹلے' صبر کریں۔ سیف الملوک نے کہا "لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم" جو کچھ خدا نے مقدر کر دیا ہے' اس سے چھٹکارا نہیں۔ یہ کہہ کر وہ سوچ میں پڑ گیا' آنسو لڑی بن کر اس کے رخساروں پر بہنے لگے اور وہ تھوڑی دیر کے لئے سو گیا۔ جب وہ جاگا تو اس نے کھانا مانگا' کھانا آیا اس نے کھایا' ناؤ برابر چلتی جا رہی تھی' کوئی نہیں جانتا تھا کہ انہیں کدھر لئے جا رہی ہے' اسی طرح ایک مدت تک ناؤ کو موجیں اور ہوا دن رات بہائے لئے چلی گئیں۔ یہاں تک کہ کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا۔ وہ کہیں جا پڑے۔ بھوک' پیاس اور پریشانی سے عاجز آ گئے۔ ایک دن دور سے ایک جزیرہ دکھائی دیااور ہوا انہیں اسی طرف لے چلی' وہاں پہنچ کر انہوں نے لنگر ڈال دیا۔ بجرے میں ایک شخص کو چھوڑ کر باقی لوگ اترے۔ جزیرے کے اندر داخل ہوئے تو انہیں طرح طرح کے بے شمار میوے نظر پڑے اور انہوں نے پیٹ بھر کر کھائے۔ میوے کھا رہے تھے کہ انہیں درختوں کے نیچے بیٹھا ہوا ایک شخص دکھائی دیا بڑا سا لمبا تڑنگا اور عجیب الخلقت تھا۔ داڑھی اور تمام بدن سفید۔ اس نے ایک غلام کو نام لے کر آواز دی اور کہا کہ یہ پھل نہ کھا' کچے ہیں۔ میرے پاس آ' میں یہ پکے ہوئے پھل تجھے کھانے کے لئے دوں۔ غلام کی نظر اس پر پڑی تو وہ سمجھا کہ یہ بھی انہیں لوگوں میں سے ہو گا جو ڈوب گئے اور یہاں آ کر نکلا ہے۔ وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا' اس کے پاس پہنچا۔ غلام کو کیا معلوم تھا کہ غیب میں اس

کے لئے کیا مقدر ہو چکا ہے اور اس کی پیشانی پر کیا لکھا ہے! جونہی غلام اس شخص کے قریب پہنچا تو وہ اچھل کود کر اس کے کندھے پر چڑھ بیٹھا اور ایک ٹانگ اس کی گردن میں لپیٹ کر دوسری پیٹھ پر لٹکا دی اور کہا چل' اب میں تجھے چھوڑوں گا نہیں اور تو ہمیشہ میرا گدھا بنا رہے گا۔ یہ دیکھ کر غلام نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور رو رو کر کہنے لگا۔ ہائے میرے آقا! تم لوگ اپنی جان لے کر اس جنگل سے بھاگو' یہاں کا ایک شخص میرے کندھے پر چڑھ بیٹھا ہے اور دوسرے تمہاری طرف آ رہے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح تم پر سوار ہو جائیں گے۔ غلام کی یہ بات سن کر سب کے سب بھاگے اور بجرے میں سوار ہو گئے۔ لیکن ان لوگوں نے سمندر میں بھی ان کا پیچھا کیا اور کہنے لگے کہ تم کہاں بھاگے جاتے ہو؟ آ کر ہمارے ساتھ رہو تاکہ ہم تمہارے اوپر سوار ہوں' تمہیں کھلائیں پلائیں اور تم ہمارے گدھے بنے رہو۔ یہ لوگ ناؤ کو تیز تیز سمندر میں کھینے لگے۔ یہاں تک کہ وہ ان سے دور نکل گئے اور خدا پر بھروسہ کر کے آگے چل دیئے۔

ایک مہینے تک ان کی یہی حالت رہی۔ پھر انہیں ایک اور جزیرہ نظر آیا' وہ اس میں اترے' انہوں نے دیکھا کہ وہاں قسم قسم کے پھل ہیں۔ وہ ان پھلوں کو کھا ہی رہے تھے کہ انہیں دور سے کوئی چیز چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کے قریب پہنچے اور غور سے دیکھا تو وہ ایک بدصورت سی چیز چاندی کے ستون جیسی تھی۔ ایک غلام نے اسے اپنے پاؤں سے ٹھکرایا وہ آدمی نکلا۔ جس کی آنکھیں لمبی لمبی' سر پھٹا ہوا' ایک کان اوڑھے ہوئے تھا۔ کان کیا اوڑھنا اور بچھونا ہے۔ جب وہ سوتا تو ایک کان اپنے نیچے بچھا لیتا اور دوسرا اوڑھ لیتا۔ اس شخص نے غلام کو پکڑ لیا جس نے اسے ٹھوکر ماری تھی اور اسے لے کر جزیرے میں چلا گیا۔ وہاں سب اسی طرح کے بھوت پریت رہتے اور آدم خور تھے۔ اس غلام نے بھی اپنے ساتھیوں کو آواز دی کہ اپنی اپنی جان لے کر بھاگو۔ یہ بھوتوں کا جزیرہ ہے جو انسانوں کو کھا جاتے ہیں' اور وہ مجھے کاٹ کر کھانے کے لئے تیار ہیں۔

وہ سب بھاگے اور پھلوں کو چھوڑ چھاڑ ناؤ پر سوار ہو گئے۔ کئی دن تک سفر کرتے کرتے ایک اور جزیرہ دکھائی دیا، وہاں اترے تو سامنے ایک اونچا پہاڑ تھا۔ اسکے اوپر چڑھے تو انہیں ایک گنجان جنگل نظر آیا۔ بھوکے تو تھے ہی، پھلوں پر ایسے آنکھیں بند کرکے گرے کہ آس پاس کی کچھ خبر نہ رہی۔ انہوں نے دیکھا بھی نہیں اور درختوں میں سے بہت سے ڈراؤنی شکل والے لمبے تڑنگے لوگ آ پہنچے۔ ہر ایک پچاس پچاس ہاتھ لمبا تھا اور دانت ہاتھی کی طرح باہر نکلے ہوئے تھے۔ ناؤ والوں کو گھیر کر وہ ایک شخص کے پاس لے گئے جو ٹیلے پر ایک کالا نمدا بچھائے بیٹھا ہوا تھا۔ اردگرد بہت سے زنگی کھڑے تھے۔ انہوں نے سیف الملوک اور اس کے غلاموں کو پکڑ کر اپنے بادشاہ کے آگے پیش کیا اور کہنے لگے۔ ہم نے ان چڑیوں کو درختوں کے بیچ میں پایا ہے۔ بادشاہ بھوکا تھا۔اس نے غلاموں میں سے دو کو پکڑ کر ذبح کیا اور کھا گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چھیاسٹھ ویں رات

سات سو چھیاسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... ان کے بادشاہ نے دو غلاموں کو پکڑا اور انہیں ذبح کرکے کھا گیا۔ یہ دیکھ کر سیف الملوک کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ وہ رونے اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگا۔ بادشاہ اس کے رونے کی آواز سن کر بولا۔ یہ چڑیا بڑی خوش آوازی سے گاتی ہے! مجھے ان کی بولی بہت پسند ہے۔ اب انہوں نے ایک ایک کو ایک پنجرے میں بند کیا۔ اور پنجرے بادشاہ کے سر کے اوپر لٹکا دیئے کہ وہ ان کی بولی سنے۔ سیف الملوک اور اس کے غلام پنجرے میں بند ہو گئے۔ زنگی انہیں کھانا پانی دینے لگے۔ وہ کبھی روتے اور کبھی ہنستے' کبھی باتیں کرتے اور کبھی چپ ہو جاتے۔ ادھر ان کی یہ حالت ادھر زنگیوں کا بادشاہ ان کی آوازوں کے مزے لیتا۔ اسی طرح سے وہ مدت تک رہے۔

زنگیوں کے بادشاہ کی ایک بیٹی تھی۔ جس کا بیاہ کسی دوسرے جزیرے میں ہوا تھا۔ اسے جو خبر لگی کہ باپ کے پاس نہایت خوش گلو چڑیاں ہیں تو اس نے آدمی بھیج کر اپنے باپ سے کچھ چڑیاں منگوائیں۔ بادشاہ نے سیف الملوک اور تین غلاموں کو چار پنجروں میں بند کرکے بھیج دیا۔ یہ انسانی چڑیاں لڑکی کے پاس پہنچیں تو اس نے بہت پسند کیا اور حکم دیا کہ انہیں اس کے سرہانے کسی جگہ ٹانک دیا جائے۔ سیف الملوک اپنی حالت اور اپنی پچھلی عزت کا خیال کرکے رونے لگا۔ تینوں غلام بھی رونے لگے۔ ادھر وہ رو رہے تھے۔ ادھر شنرادی سمجھتی تھی کہ وہ گا رہے ہیں۔ شنرادی کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی کوئی شخص مصر یا کسی دوسرے ملک سے آتا اور وہ اسے پسند کرتی تو اس کی بڑی قدر و منزلت کرتی۔ خدا کا کرنا شنرادی نے سیف الملوک کو دیکھا تو اس کا حسن و جمال اور قد و قامت اسے بہت بھایا۔ اس نے حکم دیا کہ انہیں عزت کے ساتھ رکھا جائے۔ اتفاق سے ایک دن جب وہ سیف الملوک کے ساتھ تنہا تھی اس نے

کہا کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو' سیف الملوک نہ مانا اور جواب دیا اے میری آقا' میں پردیسی اور محبت کا مارا' جس سے مجھے عشق ہے اس کے سوا کسی اور سے وصال کی تمنا نہیں رکھتا' شہزادی اسے پھسلاتی اور محبت کا اظہار کرتی' مگر نہ مانتا اور اسے اپنے قریب بھی پھٹکنے نہ دیتا' کسی حالت میں اس کے وصال پر راضی نہ ہوتا۔ جب شہزادی کی کوئی تدبیر اس پر نہ چلی تو وہ اس سے اور اس کے غلاموں سے بہت ناراض ہوئی۔ جل کر کہہ دیا کہ اب ان کی خاطر نہ کی جائے بلکہ یہ پانی اور لکڑیاں ڈھو کر لایا کریں۔ چار سال تک ان کی یہی حالت رہی۔ سیف الملوک اکتا گیا اور اس نے بادشاہ کے پاس ایک شخص کو سفارش کے لئے بھیجا تاکہ شہزادی انہیں آزاد کردے' وہ اپنی راہ لیں اور اس مصیبت سے انہیں چھٹکارا ہو۔ شہزادی نے سیف الملوک کو بلا کر کہا اگر تو میرا ارمان نکال دے تو میں تجھے اس مصیبت سے آزاد کر دوں گی' تو اپنے وطن صحیح و سالم پہنچ جائے گا۔ غرض یہ کہ شہزادی نے بڑی خوشامد کی' بہت پھسلایا لیکن سیف الملوک نے اس کا ارمان پورا نہ کیا۔ شہزادی نے ناراض ہو کر سیف الملوک کی طرف سے منہ پھیر لیا اور وہ سب اسی طرح جزیرے میں زندگی بسر کرتے رہے۔ جزیرے والوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ شہزادی کی چڑیاں ہیں' اس لئے کسی کی مجال نہ تھی کہ انہیں نقصان پہنچائے۔ شہزادی کو ان کی طرف سے اطمینان تھا اور یہ یقین کہ وہ جزیرے سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ وہ بھی دو دو تین تین دن غائب رہتے اور جنگل میں پھر کر لکڑیاں جمع کرکے شہزادی کے باورچی خانے میں لاتے۔ پانچ سال تک یہی حال رہا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ سیف الملوک اور اس کے غلام کو اپنی ماں' باپ اور بھائی ساعد کی یاد آنے لگی۔ ان کی جدائی میں رونے لگا۔ خوب بلک بلک کر رویا۔ غلام بھی ان کے ساتھ رونے لگے۔ انہوں نے کہا جہاں پناہ! آخر ہم کب تک رویا کریں گے؟ رونے دھونے سے کیا فائدہ! یہ باتیں تو خدا نے ہماری قسمت میں لکھ دی ہیں اور قلم نے وہی لکھا ہے جو خدا کا حکم ہے۔ سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہیں' ممکن ہے کہ

جس خدا نے ہمیں اس بلا میں گرفتار کیا ہے وہی ہمیں اس سے چھٹکارا بھی دے۔ سیف الملوک بولا بھائیو! اس بیسوا کے پھندے سے آخر کس طرح چھٹکارا پائیں! خدا ہی اپنے فضل سے چھڑا دے تو چھڑا دے ورنہ مجھے تو کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ ہاں ایک ترکیب ہو سکتی ہے جو ہم یہاں سے بھاگ چلیں اوراس مصیبت سے نجات پائیں۔ غلاموں نے کہا جہاں پناہ! اس جزیرے سے بھاگ کر ہم کہاں جا سکتے ہیں؟ جدھر دیکھو بھوت ہی بھوت ہیں اور انسانوں کو کھانے والے۔ جہاں بھی جائیں گے وہ ہمیں پکڑ لائیں گے۔ پھر یا تو ہمیں کھا جائیں گے یا پکڑ کر پھر یہیں لے آئیں گے اور شہزادی سخت ناراض ہو گی۔ سیف الملوک بولا میں تمہارے لئے ایک چیز بتاؤں گا' ممکن ہے کہ خدا کی مدد سے ہمیں نجات ملے اور ہم اس جزیرے سے نکل بھاگیں۔ انہوں نے پوچھا تو کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا ہمیں چاہیے کہ درخت کاٹیں' ان کی چھال سے رسیاں بٹیں' لکڑیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھیں اور ان کی کشتی بنا کر سمندر میں ڈال دیں۔ اس میں میوے بھریں اورسوار ہو جائیں ممکن ہے کہ اس طرح سے خدا ہمیں خوشی نصیب کرے' وہ ہر بات پر قادر ہے۔ خدا کرے کہ ہوا موافق ہو ہمیں ہند پہنچا دے اور ہم اس ملعونہ سے چھٹکارا پا جائیں! سب نے کہا یہ رائے بہت ٹھیک ہے' وہ خوش ہو گئے اور فوراً کشتی کے لئے لکڑیاں کاٹنے لگے۔ اپنی کشتی کے لئے شہتیر بھی بناتے۔ رسیاں بھی بٹتے اورشام کو کچھ لکڑیاں لے کر شہزادی کے باورچی خانے بھی پہنچ جاتے۔ ایک مہینے تک وہ یہی کیا کئے یہاں تک کہ کشتی بن کر تیار ہو گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو سڑسٹھ ویں رات

سات سو سڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ کشتی بن چکی تو انہوں نے اسے سمندر میں ڈالا۔ جزیرے کے درختوں سے پھل توڑ کر اس میں بھر لئے۔ کسی کو معلوم بھی نہ ہوا کہ انہوں نے کیا بنایا ہے۔وہ ایک روز شام کے وقت سوار ہو گئے۔ چار مہینے تک کشتی سمندر میں چلتی رہی' انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ وہ انہیں کہاں لئے جا رہی ہے' کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو گئیں۔ بھوک پیاس کی شدت سے تنگ آ گئے۔ ساتھ ہی سمندر میں تلاطم آ گیا۔ ایک ڈراؤنے مگرمچھ نے اچک کر ایک غلام کو پکڑ لیا اور اسے نگل گیا۔ یہ دیکھ کر سیف الملوک رونے لگا۔ اب کشتی میں صرف دو آدمی رہ گئے۔ وہ اور ایک غلام اور مگرمچھ کے ڈر سے ایک کونے میں جا بیٹھے۔ اسی طرح چلے جا رہے تھے کہ ایک دن انہیں ایک بڑاخوفناک اونچا پہاڑ دکھائی دیا جس کے پیچھے ایک جزیرہ نظر آتاتھا۔ وہ تیز تیز اس کی طرف بڑھے' انہیں بڑی خوشی تھی کہ وہاں جا کر اتریں گے۔ اتنے میں پھر سمندر میں تلاطم آیا' لہریں اٹھنے لگیں۔ اس کی صورت بدل گئی او ایک مگرمچھ نے سر نکالا۔ سیف الملوک کا جو ایک غلام باقی رہ گیا تھااسے بھی پکڑ کر نگل گیااور سیف الملوک جزیرے میں پہنچتے پہنچتے اکیلا رہ گیا۔ بڑی مشکل سے پہاڑ چڑھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسے ایک جنگل نظر آیا۔ جنگل میں جا کر درختوں کے پھل کھانے لگا۔ پھل کھا ہی رہا تھا کہ اس نے درختوں کے اوپر سے بیس سے زیادہ بڑے بڑے بندر دیکھے جو خچروں سے بھی بڑے تھے۔ سیف الملوک ڈر گیا۔ بندروں نے نیچے اتر کر اسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور اشارے سے کہہ کر کہ ہمارے پیچھے آ' آگے آگے چلنے لگے۔ سیف الملوک پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا اور بندر آگے آگے کہ ایک بلنداور مضبوط قلعے کے پاس پہنچے۔ بندر

اس میں داخل ہوئے۔ سیف الملوک بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس نے وہاں طرح طرح کی نفیس چیزیں' جواہرات اور معدنیات اس قدر دیکھیں جن کے بیان سے زبان گونگی ہے۔ اس قلعے میں اسے ایک جوان نظر آیا جس کی ابھی داڑھی مونچھیں نہیں نکلی تھیں لیکن وہ بہت بلند بالا تھا۔ سیف الملوک اس سے مانوس ہو گیا کیونکہ سوائے اس جوان کے سارے قلعے میں کوئی انسان نہ تھا۔

جب جوانکی نظر سیف الملوک پر پڑی تو وہ اسے بہت پسندآیا' اس نے پوچھا تیرا نام کیا ہے' کس ملک کا رہنے والا ہے اور یہاں کیسے آیا؟ مجھ سے اپنا سارا ماجرا کہہ دے۔ کچھ چھپائیو نہیں۔ سیف الملوک نے جواب دیا' خدا کی قسم! میں اپنی مرضی سے یہاں نہیں آیا' نہ میرا یہاں آنے کا ارادہ تھا' نہ میری یہ خواہش تھی کہ میں جگہ جگہ سیر کرتا پھروں۔ میرا مقصد تو کچھ اور ہی تھا۔ جوان بولا اچھا اپنا مقصد بیان کر؟ سیف الملوک نے کہا میں مصر کا رہنے والا ہوں۔ میرا نام سیف الملوک' میرا باپ بادشاہ عاصم بن صفوان ہے اور اس نے اپنی ساری کہانی شروع سے آخر تک سنا دی۔ جوان نے جو سیف الملوک کی کہانی سنی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ جہاں پناہ! میں بھی مصر میں رہا ہوں۔ میں نے وہاں سنا تھا کہ تو چین گیا ہے۔ کہاں چین اور کہاں یہ ملک! عجیب و غریب بات ہے۔ سیف الملوک بولا' تو ٹھیک کہتا ہے لیکن میں چین پہنچنے کے بعد ہند روانہ ہوا تھا' راہ میں طوفان آیا' سمندر متلاطم ہوا جتنی کشتیاں میرے ساتھ تھیں سب چکنا چور ہو گئیں۔ آخر میں اس نے یہ کہا اب میں تیرے یہاں پہنچا ہوں۔ جوان نے کہا اے بادشاہ زادے! غربت اور اس کی مصیبتیں تیرے اوپر کافی گزر چکی ہیں لیکن خدا کا شکر ادا کر کہ تو یہاں پہنچ گیا۔ اب میرے ساتھ ٹھہر' میں تجھے محبت سے رکھوں گا اور جب میں مر جاؤں گا تواس ملک کا بادشاہ ہو جائے گا جس میں یہ اتنا بڑا جزیرہ ہے جس کی حد نہیں اور یہ بندر بڑے کاریگر ہیں' تجھے ہر چیز یہاں مل سکتی ہے۔ سیف الملوک نے کہا' جب تک میرا مقصد پورا نہ ہو جائے میں کسی جگہ نہیں ٹھہر سکتا خواہ مجھے ساری دنیا کا چکر ہی کیوں نہ لگانا پڑے۔ ممکن ہے کہ خدا

میری مراد پوری کر دے یا میں اس جگہ پہنچ جاؤں جہاں میری موت لکھی ہے اور مر جاؤں۔ جوان نے ایک بندر کی طرف اشارہ کیا' وہ چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد بہت سے بندروں کے ساتھ آیا جن کی کمروں میں ریشمی پٹکے بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے آ کر دستر خوان بچھایا۔ سو کے قریب سونے اور چاندی کے برتن لا کر رکھے جن میں طرح طرح کے کھانے تھے۔ کھانے چننے کے بعد بندر اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے غلام بادشاہوں کے آگے کھڑے ہوا کرتے ہیں۔ اس کے بعد جوان نے حاجبوں سے کہا بیٹھ جائیں۔ سوائے اس کے جو خدمت کے لئے مامور تھا' سب بیٹھ گئے جب وہ کھانا کھا کر سیر ہو گئے تو دسترخوان بڑھایا گیا۔ سونے کے طشت اور لوٹے لائے گئے۔ انہوں نے ہاتھ دھوئے۔ پھر تقریباً چالیس شیشے شراب کے لائے گئے۔ جن میں سے ہر ایک میں الگ الگ قسم کی شراب تھی۔ سب نے شراب پی' مزے اڑائے۔ خوش ہوئے اور ان کا وقت اچھا گزرا کیونکہ جب تک وہ کھایا پیا کئے۔ بندر ناچتے اور کھیلتے رہے۔ سیف الملوک کو بڑا تعجب ہوا اور وہ اپنی مصیبتیں بھول گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اڑسٹھ ویں رات

سات سواڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- سیف الملوک بندروں کا ناچ دیکھ کر اتنا متعجب ہوا کہ وہ اپنی غربت اور غربت کی مصیبتیں بھول گیا۔ رات ہوئی تو بندروں نے موم بتیاں جلا کر سونے چاندی کے شمع دانوں بن رکھیں۔ پھل اور میووں کی رکابیاں لائے دونوں نے کھایا اور سونے کا وقت آیا تو سو گئے۔ سویرا ہوا تو نوجوان اٹھا اور سیف الملوک کو جگا کر کہنے لگا۔ جھروکے سے سر نکال کر دیکھ کیا دکھائی دیتا ہے۔ سیف الملوک نے دیکھا کہ سارا میدان اور جنگل بندروں سے بھرا ہوا ہے جنکی تعداد سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ وہ کہنے لگا یہ تو بے شمار بندر ہیں' چاروں طرف آخران کے جمع ہونے کا کیا سبب ہے؟ جوان نے کہا ان کا یہ دستور ہے جزیرے کے سارے بندر یہاں آ جاتے ہیں بلکہ ان میں ایسے بھی ہیں جو دو دو' تین تین دن کی راہ طے کرکے آئے ہوں گے۔ ہر سنیچر کو وہ اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ میں سو کر اٹھوں اور اپنا سراس جھروکے سے باہر نکالوں۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑتی ہے تو وہ میرے آگے زمین چومتے ہیں اور پھر اپنے اپنے کام پر چلے جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا سر جھروکے میں سے نکالا' بندروں نے اس کے آگے زمین چومی اور چلے گئے۔

سیف الملوک جوان کے پاس پورے ایک مہینے تک ٹھہر کر رخصت ہوا۔ جوان نے سو کے قریب بندروں کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ جائیں۔ انہوں نے اس کے ساتھ سفر کرکے سات دن میں اسے اپنے جزیرے کی سرحد تک پہنچا دیا اور واپس اپنے گھر لوٹ گئے۔ سیف الملوک چار مہینے پہاڑوں' ٹیلوں' جنگلوں اور بیابانوں میں سفر کرتا رہا' کبھی بھوکا رہتا' کبھی گھاس پات سے پیٹ بھرتا' کبھی درختوں کے پھل سے' وہ اپنے کئے پرپچھتاتا تھا کہ کیوں جوان کے پاس سے چلا آیا۔ اسی سوچ میں چلتے چلتے کھڑا ہو گیا۔

دل میں تھی کہ لوٹ جائے اتنے میں دور سے کوئی کالی چیز چمکتی ہوئی دکھائی دی اور کہنے لگا یہ کوئی آباد شہر تو نہیں؟ اور کیا ہو سکتا ہے؟ جب تک میں دیکھ نہ لوں کہ یہ کیا چیز ہے اس وقت تک لوٹ کر نہیں جاؤں گا اور وہ اس کے قریب پہنچا۔ وہ ایک عالیشان محل تھا۔ وہی عمارت جو یافث بن نوح علیہ السلام نے بنائی تھی۔ جس کا ذکر خدا نے اپنی بزرگ کتاب میں کیا ہے کہ و بئر معطلہ و قصر مشید' سیف الملوک محل کے دروازے پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ خدا جانے اس محل کے اندر کیا ہو گا اور یہاں کس کی بادشاہت ہو گی یہ پتا کس سے چلے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس میں انسان رہتے ہیں یا جنات۔ دیر تک بیٹھا یہی سوچتا رہا لیکن نہ کسی کو اندر جاتے دیکھا' نہ باہر نکلتے' بالآخر وہ خدا کا نام لے کر محل میں داخل ہوا اور سات دہلیزیں گنتا چلا گیا' کوئی شخص نظر نہ آیا۔ اب اسے دائیں ہاتھ پر تین دروازے دکھائی دیئے اور سامنے ایک دروازہ جس پر پردہ پڑا ہوا تھا وہ اس دروازے کی طرف بڑھا' پردے کو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اندر چلا گیا۔ دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا کمرہ ہے جس میں ریشمی قالین بچھے ہوئے ہیں' صدر میں ایک سونے کا تخت ہے جس پر چاند کی سی ایک لڑکی بیٹھی ہوئی ہے' اس کا لباس شاہانہ ہے اور وہ ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے پہلی رات کی دلہن۔ تخت کے نیچے چالیس دسترخوان جن پر سونے چاندی کے برتن چنے ہوئے ہیں اور سب میں عمدہ عمدہ کھانے۔ سیف الملوک لڑکی کی طرف بڑھا اور سلام کیا' اس نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا تو انسان ہے یا جن؟ سیف الملوک بولا بہترین انسانوں میں سے کیونکہ میں بادشاہ اور بادشاہ زادہ ہوں۔ لڑکی نے کہا' تو یہاں کس کام سے آیا ہے؟ لیکن پہلے کھانا کھا لے' اس کے بعد شروع سے آخر تک اپنی کہانی سنائیو اور یہ بھی سنائیو کہ تو یہاں کس طرح پہنچا۔ سیف الملوک نے دسترخوان پر بیٹھ کر سرپوش اٹھائے اور بھوکا تو تھا ہی اتنا کھایا کہ پیٹ بھر گیا۔ ہاتھ دھوئے اور تخت پر چڑھ کر لڑکی کے پاس بیٹھ گیا۔

لڑکی نے پوچھا اب کہہ تو کون ہے' تیرا کیا نام ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور تجھے یہاں

کون لایا ہے؟ سیف الملوک نے جواب دیا کہ میری کہانی تو بہت لمبی ہے لڑکی بولی کہہ تو سہی کہ تو کہاں سے آیا' کیوں آیا اور تیرا مقصد کیا ہے؟ سیف الملوک نے کہا پہلے تو بتا کہ تو کون ہے؟ تیرا نام کیا ہے؟ تجھے کون لایا ہے اور تو یہاں اکیلی کیوں رہتی ہے؟ لڑکی بولی میرا نام دولت خاتون ہے۔ ہند کے بادشاہ کی بیٹی ہوں جو سرندیپ میں رہتاہے میرے باپ کا بہت بڑا خوبصورت باغ ہے' ویسا خوبصورت باغ نہ ہند میں ہے نہ اس کے قرب و جوار میں' اس کے اندر ایک بڑا حوض ہے ایک دن میں اپنی کنیزوں کے ساتھ اس باغ میں گئی' ہم سب کپڑے اتارکر حوض کے اندر گئے اور وہاں کھیلنے کودنے لگے۔ اتنے میں یک بہ یک کوئی چیز بادل کی طرح میرے اوپر اتری۔ مجھے کنیزوں کے درمیان میں سے اٹھا کر ہوا میں اڑ گئی اور کہنے لگی اے دولت خاتون' ڈر نہیں' گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ تھوڑی دیر اڑنے کے بعد اس نے مجھے زمین پر اتاردیا۔ فوراً اپنی صورت بدل کر ایک خوبصورت اور خوش پوشاک جوان کی صورت اختیار کر لی اور مجھ سے کہا کیا تو مجھے پہچانتی ہے؟ میں نے کہا اے میرے آقا! نہیں۔ وہ بولا۔ میں جنوں کے بادشاہ ملک ارزق کا بیٹا ہوں۔ میرا باپ قلعہ قلزم میں رہتا ہے۔ اس کے حکم میں چھ لاکھ جن ہیں جو ہوا میں بھی اڑ سکتے ہیں اور زمین کے اندر بھی گھس سکتے ہیں۔ آج اتفاق سے میں ادھر گزر رہا تھا کہ میری نظر تجھ پر جا پڑی۔ میں عاشق ہو گیا اور اتر کر تجھے تیری کنیزوں کے درمیان سے اٹھا کر اس مضبوط قلعے میں لے آیا۔ یہی میرا گھر ہے اور میں یہیں رہتا ہوں۔ یہاں تک کسی کی پہنچ نہیں' نہ جنوں کی' نہ انسانوں کی اور ہند سے یہاں تک تو ایک سو بیس برس کا راستہ ہے۔ یقین کر کہ اب تو اپنے ماں باپ کا وطن کبھی دیکھ نہیں سکتی لہٰذا اطمینان سے میرے پاس اس جگہ رہ جو کچھ تو چاہے گی' میں لا کر تیرے لئے حاضر کر دوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے گلے لگایا اور میرا منہ چوما۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو انہترویں رات

سات سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... لڑکی نے سیف الملوک سے کہا کہ جنوں کے شہزادے نے مجھے گلے لگایا' میرا منہ چوما اور مجھ سے کہا کہ کسی بات کا خوف نہ کر اور اتنا کہنے کے بعد وہ میرے پاس سے چلتا بنا۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ دستر خوان' فرش اور قالینیں لے آیا۔ اب وہ ہر منگل کو میرے پاس آتا ہے' تین روز ٹھہرتا ہے اور چوتھے روز عصر کے وقت تک ٹھہر کر چلا جاتا ہے۔ منگل تک غائب رہتا ہے اور پھر اسی طرح آتا ہے جب وہ آتا ہے تو میرے ساتھ بیٹھ کر کھاتا پیتا۔ مجھے گلے لگاتا اور میرا منہ چومتا ہے اور بس میں اسی طرح اب تک باکرہ ہوں جیسا کہ مجھے خدا نے پیدا کیا ہے۔ وہ میرے ساتھ اور کوئی حرکت نہیں کرتا۔ میرے باپ کا نام تاج الملوک ہے' اسے نہ میرا حال معلوم ہے نہ پتا۔ میری کہانی تو ختم ہوئی۔ اب تو اپنی کہانی سنا۔ سیف الملوک بولا میری کہانی بڑی طول طویل ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اسے بیان کیا تو بڑی دیر لگے گی اور جن آ جائیگا۔ لڑکی نے کہا وہ تو ابھی تیرے آنے سے گھڑی بھر پہلے گیا ہے' منگل سے پہلے نہیں آئے گا تو اطمینان سے بیٹھ اور آپ بیتی شروع سے لے کر آخر تک سنا دے۔ سیف الملوک نے اپنی کہانی اسے سنانی شروع کی۔ جب وہ بدیع الجمال کے قصے پر پہنچا تو لڑکی کے آنسو ڈبڈبا آئے۔ وہ کہنے لگی اے بدیع الجمال مجھے تیری طرف سے ایسا گمان نہ تھا۔ اے بدیع الجمال ہائے افسوس! کیا تونے کبھی مجھے یاد نہیں کیا۔ نہ یہ پوچھا کہ میری بہن دولت خاتون کہاں چلی گئی ہے؟ یہ کہہ کر وہ زار زار رونے اور بدیع الجمال کے نہ یاد کرنے پر فریاد کرنے لگی۔

سیف الملوک نے کہا اے دولت خاتون! تو انسان ہے اور بدیع الجمال جن' وہ تیری بہن کیسے ہوئی؟ اس نے جواب دیا وہ میری دودھ شریک بہن ہے۔ اس طرح کہ میری

ماں ایک دن اس باغ میں سیر کر رہی تھی کہ اسے نہ کا درد محسوس ہوا اور میں اس باغ میں پیدا ہوئی۔ اتفاقاً بدیع الجمال کی ماں بھی اپنے غلاموں کے ساتھ اس وقت اسی باغ میں تھی۔ اسے بھی نہ کا درد شروع ہو گیا۔ اس نے باغ کے ایک کونے میں جا کر بدیع الجمال کو جنا اور اپنی چند کنیزوں کو میری ماں کے پاس بھیج کر کھانا اور دوسری چیزیں جن کی ضرورت بچہ جننے کے وقت ہوتی ہے منگوائیں۔ میری ماں نے تمام چیزیں بھیج دیں اور اسے مدعو کیا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بدیع الجمال کو لئے میری ماں کے پاس آئی' میری ماں نے اسے دودھ پلایا۔ اس کے بعد وہ اور اس کی ماں دو مہینے باغ میں ہماری مہمان رہیں۔ جاتے وقت اس نے میری ماں کو کچھ چیزیں دے کر کہا کہ جب تجھے میری ضرورت ہو تو میں اسی باغ کے اندر حاضر ہو جاؤں گی۔ مدتوں ان کا یہ دستور رہا کہ وہ ہر سال ہمارے ہاں آتیں اور کچھ دن ٹھہر کر اپنے وطن چلی جاتیں۔ اے سیف الملوک اگر میں اپنی ماں کے پاس ہوتی اپنے وطن میں تجھ سے ملتی' ہم دونوں ساتھ ہوتے تو میں کوئی نہ کوئی تدبیر نکال کر تیری مراد پوری کر دیتی لیکن میں تو اب یہاں پڑی ہوں اور انہیں میری خبر تک نہیں۔ اگر انہیں یہ معلوم ہوتا کہ میں یہاں ہوں تو وہ مجھے چھڑا سکتے تھے۔ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس میں' میں کیا کر سکتی ہوں۔ سیف الملوک بولا اٹھ۔ میرے ساتھ بھاگ چل' جہاں خدا کی مرضی ہو گی' ہم پہنچ جائیں گے۔ لڑکی نے جواب دیا یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ خدا کی قسم! اگر ہم ایک سال کی راہ بھی طے کر چکے ہوں گے تو یہ ملعون ایک پل میں ہمارے پاس پہنچ جائے گا اور ہمیں تباہ کر دیگا۔ سیف الملوک بولا اچھا میں کسی جگہ چھپ رہوں اور جب وہ میرے پاس سے گزرے گا میں تلوار کا وار کرکے اسے قتل کر دوں گا لڑکی بولی تو اسے ہرگز قتل نہیں کر سکتا۔ جب تک اس کی روح زندہ ہے سیف الملوک نے کہا' اس کی روح کس جگہ ہے؟ لڑکی نے کہا میں نے اس کے متعلق بارہا پوچھا لیکن وہ ہمیشہ انکار کرتا رہا۔ ایک بار میں نے بہت گڑگڑا کر پوچھا تو وہ ناراض ہو کر کہنے لگا تو کب تک میری روح کو پوچھا کرے گی؟ آخر تیرا مطلب کیا ہے؟

میں نے کہا اے حاتم۔ میرا تیرے بعد خدا کے سوا کوئی نہیں ہے جب تک میں جیتی رہوں گی تیری روح کو لپٹائے رہوں گی۔ اگر میں تیری روح کو اپنی آنکھ کے اندر حفاظت سے نہ رکھوں تو تیرے بعد کیوں کر زندہ رہ سکتی ہوں۔ مجھے معلوم ہوجائے کہ تیری روح کہاں ہے تو میں اسے اپنی دائیں آنکھ کی طرف حفاظت سے رکھوں گی۔

یہ سن کر اس نے کہا سن' میں پیدا ہوا تو نجومیوں نے کہا کہ میری روح کی موت ایک انسانی شہزادے کے ہاتھ سے ہو گی۔ اس لئے میں نے اپنی روح کو ایک بھونرے کے پوٹے میں رکھا۔ بھونرے کو ایک ڈبیا میں بند کیا۔ ڈبیا کو ایک ڈبے میں' ڈبے کو صندوقچی میں' صندوقچی کو سات صندوقوں میں اور اسے مرمر کی سینی میں رکھ کر سینی کو اس سمندر کے کنارے گاڑ دیا ہے کیونکہ یہ کنارہ انسانوں کے ملک سے بہت دور ہے کسی انسان کی پہنچ یہاں تک نہیں ہو سکتی۔ میں نے تجھ سے یہ سب کچھ کہہ دیا لیکن کسی سے مت کہیو۔ یہ بھید فقط میرے اور تیرے درمیان رہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• سات سو سترویں رات

سات سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جن کی روح کا سارا قصہ بیان کرکے دولت خاتون نے کہا جن بولا یہ بھید فقط میرے اور تیرے درمیان رہے۔ میں نے کہا میں کس سے جا کر کہوں گی' میرے پاس تیرے سوا آتا کون ہے جس سے کہوں' مگر خدا کی قسم تو نے اپنی روح ایسے مضبوط قلعے میں محفوظ کر رکھی ہے جہاں کسی کی بھی پہنچ نہیں' کوئی انسان وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ خدا نے وہی مقدر کیا ہے جو نجومی کہتے ہیں پھر بھی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان کی رسائی وہاں تک کیسے ہو سکتی ہے۔ جن نے کہا ممکن ہے ان میں سے کوئی شخص ایسا آئے جس کی انگلی میں حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی ہو۔ وہ اس جگہ پہنچ کر اس ہاتھ کو جس میں انگوٹھی ہو پانی کے اوپر رکھے اور کہے کہ ان ناموں کی قسم فلاں شخص کی روح نکل آئے تو وہ تابوت نکل آئے گا اور وہ صندوقوں وغیرہ کو توڑ کر بھونرے کو نکال لے گا' اس کی گردن گھونٹ دے گا اور میں مر جاؤں گا۔ سیف الملوک بولا' وہ شہزادہ میں ہی ہوں۔ دیکھ یہ میری انگلی میں سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی ہے اٹھ اور میرے ساتھ سمندر کے کنارے چل دیکھیں تو جو اس نے کہا جھوٹ ہے یا سچ۔ دونوں چل کھڑے ہوئے اور سمندر تک پہنچ گئے۔ دولت خاتون سمندر کے کنارے کھڑی رہی اور سیف الملوک نے پانی میں جا کر کہا میں فلاں شخص کی روح کو جو بادشاہ ارزق جن کا بیٹا ہے ان اسما اور طلسمات جو اس کی انگوٹھی پر کندہ ہیں اور خود حضرت سلیمان علیہ السلام کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ باہر نکل آئے۔ یہ کہتے ہی سمندر میں موجیں اٹھیں اور تابوت باہر آ گیا۔ سیف الملوک نے اسے اٹھا کر پتھر پر دے پٹکا اور وہ ٹوٹ گیا۔ اسی طرح اس نے صندوق اور صندوقچیوں کو توڑ کر ڈبے میں سے بھونرے کو نکال لیا اور جا کر تخت پر بیٹھ

گیا۔
اتنے میں ایک بڑی آندھی اٹھی اور کوئی بڑی سی چیز اڑتی ہوئی نظر آئی۔ جس میں سے یہ آواز آئی کہ اے شہزادے! مجھے مار نہیں زندہ رہنے دے۔ میں تیرا آزاد کردہ غلام رہوں گا۔ اور تیرا مقصد پورا کر دوں گا۔ دولت خاتون بولی جن آ گیا ہے' اب بھونرے کو مار ڈال۔ اگر وہ ملعون محل میں آ گیا تو اسے چھین لے گا۔ تجھے مار ڈالے گا اور اس کے بعد مجھے بھی۔ سیف الملوک نے بھونرے کو مسل ڈالا' وہ مر گیا اور جن محل کے دروازے پر گر کر کالی راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ دولت خاتون بولی۔ اس ملعون کے ہاتھ سے تو چھٹکارا ہو گیا' اب کیا کرنا چاہیے؟ سیف الملوک نے کہا جس خدا نے ہمیں مصیبت میں گرفتار کیا ہے' وہی ہماری مدد کرے گا اوراس بلا سے چھٹکارے کی تدبیر نکال دے گا۔ یہ کہہ کر وہ اٹھااور محل کے دس دروازے اکھاڑ ڈالے۔ یہ دروازے صندل اور اگر کے تھے۔ اس کی کیلیں سونے اور چاندی کی۔ پھر اس نے وہیں سے رسیاں لیں جو ریشم کی تھیں۔ دروازوں کے پٹوں کو ایک دوسرے سے ملا کر باندھا وہ اور دولت خاتون مل کر انہیں سمندر کے کنارے لے گئے اور انہیں پانی میں ڈال کر مثل کشتی کے کنارے سے باندھ دیا۔ یہ کام کرکے محل میں آئے۔ چاندی کے پتر' جواہرات' یاقوت اور عمدہ عمدہ معدنیات لیں غرض کہ تمام چیزیں جن کا وزن کم اور قیمت زیادہ تھی لے جا کر کشتی میں رکھیں۔ خدا پر بھروسہ کر کے اس میں بیٹھ گئے اور چپو کی طرح دو لکڑیاں ہاتھوں میں لے کر رسیاں کھول دیں اور کھینے لگے۔ اس طرح وہ چار مہینے پانی پر رہے یہاں تک کہ کھانا پینا ختم ہو گیا۔ مصیبت کا سامنا ہوا' انہوں نے گھبرا کر خدا سے دعا مانگی کہ یامالک ہمیں اس بلا سے چھٹکارا دے۔
سیف الملوک کا سفر میں یہ دستور تھا کہ سوتا تھا تو دولت خاتون کو اپنے پیچھے سلاتا اور جب کروٹ بدلتا تو تلوار بیچ میں رکھ لیتا۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ سیف الملوک سو رہا تھا اور دولت خاتون جاگ رہی تھی کہ کشتی نے خشکی کی طرف رخ کیا اور ایک بندرگاہ پر جا لگی جہاں اور بھی بہت سی کشتیاں کھڑی تھیں۔ دولت خاتون کی نظر

کشتیوں پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ ایک شخص ملاحوں سے باتیں کر رہا ہے۔ یہ باتیں کرنے والا ان کا بڑا ناخدا تھا۔ ناخدا کی باتیں سن کر دولت خاتون کو یقین ہو گیا کہ یہ خشکی کسی شہر کی بندرگاہ ہے اور یہ کہ اب وہ دونوں آبادی میں پہنچ گئے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوئی اور سیف الملوک کو جگا کر کہا اٹھ کر ناخدا سے پوچھ کہ اس شہر اور بندرگاہ کا کیا نام ہے؟ سیف الملوک جلدی سے کھڑا ہوا اور اس سے جا کہا' بھائی اس شہر کا کیا نام ہے' اس بندرگاہ کو کیا کہتے ہیں اور یہاں کا بادشاہ کون ہے؟ ناخدا بولا پھٹکار ہو تجھ پر! اگر تجھے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ بندرگاہ اور شہر کیا ہیں تو یہاں آیا کیوں؟ سیف الملوک بولا میں پردیسی ہوں۔ تاجروں کی ایک کشتی میں سفر کر رہا تھا وہ ٹوٹ گئی' جو کچھ اس میں تھا سب ڈوب گیا۔ میں ایک تختے پر بیٹھ کر یہاں پہنچا۔ اس لئے میں نے تجھ سے پوچھا ہے اور پوچھنے میں کوئی عیب نہیں۔ ناخدا نے کہا یہ شہر عماریہ ہے اور اس بندرگاہ کو کمین البحرین کہتے ہیں۔ دولت خاتون نے جو یہ نام سنے تو بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی شکر ہے خدا کا! سیف الملوک نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا اے سیف الملوک خوش ہو کہ خوشی قریب ہے۔ اس شہر کا بادشاہ میرا سگا چچا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اکھترویں رات

سات سو اکھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ دولت خاتون نے سیف الملوک سے کہا اس شہر کا بادشاہ میرا سگا چچا ہے اور اس کا نام عالی الملوک ہے۔ اس کے بعد وہ بولی ناخدا سے پوچھ کہ کیا اس شہر کا بادشاہ عالی الملوک خیریت سے ہے؟ اس نے پوچھا تو ناخدا نے غصے میں آ کر کہا' تو تو کہتا تھا کہ میں کبھی یہاں آیا نہیں' پردیسی ہوں' پھر تجھے اس شہر کے بادشاہ کا نام کیسے معلوم ہوا۔ ہاں اچھا ہے۔ یہ سن کر دولت خاتون خوش ہو گئی اور ناخدا کو پہچان لیا۔ اس کا نام معین الدین تھا اور اس کے باپ کے ناخداؤں میں سے تھا۔ جب سے دولت خاتون غائب ہوئی تھی وہ اس کی تلاش میں دنیا بھر کا چکر لگا کر ناکام واپس ہوتے ہوئے اس کے چچا کے شہر میں تھا۔ لڑکی نے سیف الملوک سے کہا ناخدا سے کہہ اے ناخدا معین الدین' تیری شہزادی تجھے بلاتی ہے آ کر اس سے بات کر۔ سیف الملوک نے جب اسی طرح اس سے خطاب کیا۔ ناخدا طیش میں آ گیا اور کہنے لگا اے کتے' تو کون ہے؟ مجھے کہاں سے جانتا ہے؟ اور اس نے ملاحوں سے کہا مجھے ایک مضبوط سا ڈنڈا تو دینا میں اس منحوس کا سر پھوڑ دوں۔ اب وہ ڈنڈا لے کر سیف الملوک کی طرف جھپٹا' مگر جب اس کی نظر کشتی پر پڑی تو اسے ایک عجیب خوبصورت سی شکل دکھائی دی۔ وہ اسے دیکھ کر حیران ہو گیا اور غور سے دیکھنے پر اسے معلوم ہوا کہ دولت خاتون ہے جو چاند کے ٹکڑے کی طرح وہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ ناخدا نے پوچھا تیرے ساتھ کون ہے؟ اس نے جواب دیا ایک لڑکی' جس کا نام دولت خاتون ہے۔ ناخدا نے اس کا نام سنا اور معلوم ہو گیا کہ یہ اس کی آقا اور اس کے بادشاہ کی بیٹی ہے تو اسے غش آ گیا۔ ہوش آیا تو کشتی کو چھوڑ کر شہر کی طرف بھاگا اور بادشاہ کے محل پر پہنچ کر اندر جانے کی اجازت چاہی۔ حاجب نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ناخدا معین الدین تجھے کوئی خوشخبری

دینے آیا ہے۔ بادشاہ نے اسے اندر بلا لیا۔
بادشاہ کے پاس آ کر ناخدا نے زمین چومی اور کہا اے بادشاہ! تیرے پاس خوشخبری لے کر آیا ہوں' تیرے بھائی کی بیٹی دولت خاتون بہ خیریت اس شہر میں پہنچ گئی ہے۔ وہ ایک کشتی پر ہے اور اس کے ساتھ چودھویں رات کے چاند کی طرح ایک جوان ہے۔
بھتیجی کی خبر سنتے ہی بادشاہ خوش ہو گیا' ناخدا کو ایک نفیس خلعت عطا کیا اور فوراً حکم دیا کمہ اس کی بھتیجی کی سلامتی کی خوشی میں شہر آراستہ کیا جائے' پھر اسے اور سیف الملوک کو اپنے پاس بلوایا۔ انہیں سلام کیا اور سلامتی پر مبارکباد دی۔ اس کے بعد اس نے اپنے بھائی کو خبر بھیجی کہ تیری بیٹی مل گئی ہے اور اس وقت میرے پاس ہے۔ جونہی یہ خبر دولت خاتون کے باپ تاج الملوک کو ملی تو اس نے تیاری کر کے سفر شروع کر دیا اور اپنے بھائی عالی الملوک کے پاس پہنچ کر دولت خاتون سے ملا۔ سب کو بڑی خوشی ہوئی۔ ایک ہفتہ اپنے بھائی کے پاس ٹھہرنے کے بعد تاج الملوک اپنی بیٹی اور سیف الملوک کو لے کر چل دیا۔ جب دولت خاتون اپنے باپ کے ملک سرندیپ میں پہنچی اور اپنی ماں سے ملی تو سب اس کی سلامتی پر خوش ہوئے اور جشن منائے گئے۔ وہ دن ایسا تھا جس کی طرح کبھی کوئی نہ ہوا تھا۔ بادشاہ نے سیف الملوک کی بڑی آؤ بھگت کی اور اس سے کہا اے سیف الملوک' تو نے میرے اور میری بیٹی کے ساتھ اتنی بڑی بھلائی کی ہے کہ میں اس کا بدلہ نہیں دے سکتا۔ اگر اس کا بدلہ کوئی دے گا تو خدا۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے بجائے تو تخت پر بیٹھ اور ہند پر حکومت کر میں اپنا ملک' تخت' خزانے اور نوکر چاکر سب تجھے دیتا ہوں اور بطور ہدیئے کے دیتا ہوں۔ یہ سن کر سیف الملوک اٹھا' اس کے آگے زمین چوم کر اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا جہاں پناہ! میں تیرے سارے ہدیئے قبول کرتا ہوں او انہیں پھر تجھے ہدیتاً واپس دیتا ہوں۔ جہاں پناہ! مجھے نہ ملک کی ضرورت ہے نہ سلطنت کی' میں تو محض یہ چاہتا ہوں کہ خدا میری مراد پوری کر دے۔ بادشاہ بولا اے سیف الملوک! میری ساری دولت تیرے آگے ہے' اس میں سے جو تیرا جی چاہے لے اور مجھ سے بالکل

اجازت نہ مانگ۔ خدا میری طرف سے تجھے نیک بدلہ دے! سیف الملوک نے جواب دیا' خدا بادشاہ کی عزت بڑھائے۔ جب تک میں اپنا مقصد حاصل نہ کر لوں' نہ مجھے ملک میں مزا آئے گا نہ مال میں۔ ہاں میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ میں اس شہر اور اس کے گلی کوچوں کی سیر کروں۔ تاج الملوک نے حکم دیا کہ اس کے لئے اچھے سے اچھا گھوڑا حاضر کیا جائے اور جب ایک عمدہ گھوڑا مع زین اور لگام کے حاضر کیا گیا تو وہ اس پر سوار ہو کر بازار گیا اور شہر کے گلی کوچوں میں سیر کرنے لگا۔

وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اس کی نظر ایک جوان پر پڑی جو ایک قبا لئے کہہ رہا تھا کہ پندرہ دینار! سیف الملوک نے غور سے دیکھا تو وہ اس کے بھائی ساعد کے مشابہ معلوم ہوا' اور حقیقت میں تھا بھی وہی لیکن غربت کی درازی اور سفر کی تکلیفوں کی وجہ سے اس کا رنگ روپ بدل گیا تھا اس نے اسے بالکل نہ پہچانا اور اپنے نوکروں سے کہا اس جوان کو یہاں لے آؤ تاکہ میں اس کا حال دریافت کروں وہ اسے لے آئے تو سیف الملوک نے کہا اسے میرے محل میں لے جا کر جب تک میں سیر سے نہ لوٹوں اپنے ساتھ رکھو۔ وہ لوگ غلطی سے یہ سمجھے کہ اس نے یہ حکم دیا ہے کہ اسے لے جا کر قید خانے میں بند کر دو۔ انکا گمان ہوا کہ شاید جوان اس کا بھاگا ہوا غلام ہے۔ لوگوں نے اسے پکڑ کر قید خانے میں بند کر دیا اور چلے آئے۔ سیف الملوک سیر سے لوٹ کر محل آیا تو نہ اسے اپنے بھائی ساعد کی یاد آئی' نہ کسی اور نے اسے یاد دلایا۔ غرض کہ ساعد قید خانے میں پڑا رہا۔ جب لوگ قیدیوں کو عمارت کے کام کے لئے لے جاتے تو ان کے ساتھ ساعد کو بھی لے جاتے۔ وہ بہت بدحال ہو گیا اور ایک مہینے تک اس کی یہی حالت رہی۔ وہ اپنے حال پر غور کرتا اور اپنے دل میں کہتا کہ نہ معلوم میں کیوں قید ہوں۔ ادھر سیف الملوک اپنی خوشی کی وجہ سے اسے بالکل بھول گیا۔ ایک دن سیف الملوک بیٹھا اپنے بھائی ساعد کو یاد کر رہا تھا کہ اس نے اپنے ساتھ والے غلاموں سے پوچھا فلاں روز جو غلام تمہارے ساتھ تھا کہاں ہے۔ انہوں نے جواب دیا تو نے کہا نہ تھا کہ اسے قید خانے پہنچا آؤ۔ سیف الملوک بولا میں نے تم سے

یہ کب کہا تھا' میں نے تو کہا تھا کہ اسے میرے محل پہنچا آؤ۔ یہ کہہ کر اس نے حاجبوں کو ساعد کے پاس بھیجا۔ وہ جا کر اسے بیڑیوں سمیت لے آئے اور اسے سیف الملوک کے آگے پیش کیا۔ سیف الملوک نے کہا اے جوان! تو کس ملک کا رہنے والا ہے؟ اس نے جواب دیا مصر کا۔ میرا نام ساعد ہے ' میں وزیر فارس کا بیٹا ہوں۔ یہ سن کر سیف الملوک تخت سے کود پڑا اور دوڑ کر اس کے گلے سے لپٹ گیا۔ مارے خوشی کے چیخ چیخ کر رونے لگا اور کہا اے میرے بھائی ساعد! خدا کا شکر ہے کہ میں تجھ سے ملنے تک زندہ رہا۔ میں بادشاہ عاصم کا بیٹا تیرا بھائی سیف الملوک ہوں۔ ساعد نے اپنے بھائی کی باتیں سنیں او اسے پہچان لیا تو پھر دونوں گلے مل کر رونے لگے۔ حاضرین کوبڑا تعجب ہوا۔ اب سیف الملوک نے حکم دیا کہ ساعد کو حمام لے جایا جائے۔ لوگ اسے حمام لے گئے۔ وہ حمام سے نکلا تو اسے نفیس کپڑے پہنا کر سیف الملوک کے دربار میں لائے۔ سیف الملوک نے اسے اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیا۔ تاج الملوک کو خبر لگی کہ سیف الملوک اور اس کا بھائی ساعد ایک دوسرے سے آ ملے ہیں تو اسے بے حد خوشی ہوئی۔ وہ بھی ان کے پاس آ گیا اور تینوں نے بیٹھ کر اپنی اپنی کہانیاں شروع سے لے کر آخر تک سنا ڈالیں۔ ساعد نے اپنی کہانی یوں شروع کی کہ اے میرے بھائی' اے سیف الملوک! جب کشتیاں ڈوب گئیں اور غلام غرق ہو گئے اور میں اور چند غلام پورے مہینے بھر تک سمندر پر تیرتے رہے پھر خدا کی قدرت سے ہواؤں نے ہمیں ایک جزیرے پر لا پھینکا۔ ہم بھوکے تو تھے ہی درختوں کے پھل کھائے اور کھانے میں اتنے مشغول ہو گئے کہ ہمیں اپنی خبر بھی نہ رہی۔ دیو جیسے لوگ آ پڑے اور اچھل اچھل کر ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے اور ہم سے کہنے لگے کہ ہمیں لے کر چلو۔ اب تم ہمارے گدھے ہو۔ جو شخص میرے اوپر سوار تھا اس سے میں نے پوچھا تو کیا بلا ہے اور میرے اوپر کیوں سوار ہوا؟ یہ سن کر اس نے اپنی ٹانگ اس زور سے میرے گلے میں لپیٹی کہ میں مرنے کے قریب ہو گیا اور دوسری ٹانگ اس زورسے میری پیٹھ پرماری کہ مجھے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ٹوٹ گئی۔ میں منہ کے بل زمین پر

گر پڑا۔ بھوک اور پیاس کی وجہ سے بے حال تھا۔ میں گر پڑا تو وہ سمجھا کہ میں بھوکا ہوں' وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک امرود کے درخت کے پاس لے گیا جس میں امرود لدے ہوئے تھے اور کہا پیٹ بھر کر کھا۔ میں نے پیٹ بھر کر امرود کھائے اور بے خیالی میں اٹھ کر چلنے لگا لیکن ابھی چند ہی قدم چلا ہوں گا کہ وہ شخص پلٹا اور میرے کندھوں پر سوار ہو گیا۔ میں کبھی آہستہ آہستہ چلتا' کبھی تیز تیز دوڑتا اور وہ میرے اوپر بیٹھا بیٹھا ہنستا اور کہتا کہ میں نے عمر بھر تجھ سا گدھا نہیں دیکھا۔

اتفاق سے ہم نے ایک روز انگور کے خوشے جمع کئے اور انہیں پاؤں سے کچل کر ایک گڑھے میں بھر دیا۔ وہ گڑھا ایک حوض کی طرح ہو گیا۔ تھوڑے دنوں بعد جب ہم پھر وہاں گئے تو دیکھا کہ دھوپ کھا کر وہ شراب ہو گئی ہے۔ ہم اسے پیتے اور نشے میں آ کر خوب مزے لیتے۔ ہمارے چہرے سرخ ہو جاتے اور ہم مست ہو کرناچنے لگتے۔ انہوں نے پوچھا کہ تمہارے چہرے کس وجہ سے سرخ ہو جاتے ہیں اور تم ناچنے اور گانے لگتے ہو؟ ہم نے کہا اس کا سبب پوچھ کر کیا کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہو تو سہی ہمیں بھی تو معلوم ہو کہ کیا بات ہے۔ ہم نے کہا انگور کا عرق' یہ سن کر وہ ہمیں ایک گھاٹی میں لے گئے جس کی لمبائی چوڑائی کا پتا نہ چلتا تھا۔ وہاں اس زیادتی سے انگوروں کے خوشے تھے کہ یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ کہاں سے شروع ہوتے اور کہاں ختم ہوتے ہیں۔ اور ایک ایک خوشے کا وزن دس دس سیر ہو گا۔ وہ بہت گنجان تھے۔ انہوں نے ہم سے کہا انہیں توڑ کر جمع کرو۔ ہم نے بہت سے خوشے توڑ کر جمع کئے۔ وہاں ایک بڑا گڑھا بھی تھا۔ ایک بڑے حوض سے بھی بڑا۔ ہم نے ان انگوروں کو بھر کر خوب پاؤں سے کچلا اور وہی کیا جو پہلی بار کیا تھا۔ جب وہ شراب بن گئی تو ہم نے کہا اب یہ ٹھیک ہے لیکن اسے پیو گے کس چیز میں؟ انہوں نے جواب دیا' ہمارے پاس تمہاری طرح کے گدھے تھے جن کا گوشت ہم کھا چکے ہیں اور کھوپڑیاں باقی ہیں ان میں بھر کر ہمیں پلاؤ۔ ہم نے انہیں شراب پلائی یہاں تک کہ وہ نشے میں آ کر سو گئے۔ ان کی تعداد دو سو کے قریب ہو گئی۔ وہ سو گئے تو ہم آپس میں

کہنے لگے کہ یہی بس نہیں کہ وہ ہم پر سوار ہوتے ہیں بلکہ وہ ہمیں کھا بھی جائیں گے۔ "لا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم!" ہمیں چاہیے کہ انہیں خوب بدمست کر کے قتل کر ڈالیں اور ان سے چھٹکارا پائیں۔ اب ہم نے انہیں جگایا اور کھوپڑیوں میں بھر بھر کر شراب پلانی شروع کی۔ وہ بولے کہ یہ کڑوی ہے۔ ہم نے جواب دیا تم اسے کڑوی کیوں کہتے ہو۔ جو کوئی ایسا کہے اس نے دس بار نہ پی تو اسی دن مر جائے گا۔ موت کے ڈر کے مارے وہ کہنے لگے۔ اچھا ہمیں دس بار پلا دو۔ جب وہ پورے دس بار پی چکے تو انہیں اتنا نشہ ہوا کہ ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ ہم نے انہیں ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور ایک جگہ اکٹھا کر کے ان کے اردگرد اور اوپر انگوروں کی لکڑیوں کا ڈھیر لگایا او ان میں آگ لگا کر دور سے دیکھنے لگے کہ ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

سات سو بہترویں رات

ساتسو بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ساعد نے کہا کہ ہم دور جا کر دیکھنے لگے کہ ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔ جب وہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئے تو ہم لوٹ کر آئے۔ خدا کا شکر کیا کہ اس نے ہمیں ان کے ہاتھ سے نجات دی۔ اب ہم جزیرے سے سمندر کے کنارے کی طرف چلے اور ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ میں دو غلاموں کے ساتھ ایک بڑے جنگل میں پہنچا جہاں بہت سے درخت تھے اور پھل کھانے لگے۔ ابھی کھا ہی رہے تھے کہ ہمیں ایک لمبا تڑنگا شخص دکھائی دیا جس کی داڑھی لمبی اور کان بڑے بڑے اور آنکھیں مشعل کی طرح تھیں۔ اس کے قریب بہت سی بھیڑیں تھیں جنہیں وہ چرا رہا تھا اور اس کے ساتھ اسی کی طرح کے اور لوگ بھی تھے ہمیں دیکھ کر وہ خوش ہو گیا ہمارا استقبال کیا اور چلا کر کہا کہ مرحبا اہلاً و سہلاً میرے ساتھ چلو میں تمہارے لئے ان بھیڑوں میں سے ایک بھیڑ ذبح کروں اور اسے بھون کر تمہیں کھلاؤں۔ ہم نے پوچھا تیرا گھر کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا اس پہاڑ کے پاس۔ تم اس طرف جاؤ۔ وہاں تمہیں ایک غار دکھائی دے گا اس کے اندر چلے جانا۔ وہاں تمہاری طرح اور بہت سے مہمان ہیں' ان کے ساتھ جا کر بیٹھو۔ میں ابھی دعوت کا سامان تیار کرکے لاتا ہوں۔ ہم سمجھے کہ وہ سچ کہتا ہے اور اسی سمت روانہ ہو کر غار کے اندر داخل ہو گئے دیکھا کہ وہاں سارے مہمان اندھے ہیں جونہی ہم اندر پہنچے ایک کہنے لگا میں بیمار ہوں۔ دوسرا بولا میں کمزور ہوں۔ ہم نے پوچھا کیسی باتیں کر رہے ہو' تمہاری کمزوری اور بیماری کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے ہم سے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ ہم نے کہا مہمان۔ وہ بولے تمہیں کس نے لا کر اس ملعون کے ہاتھ میں گرفتار کرایا۔ "لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔" یہ بھوت ہے جو انسانوں کو کھا جاتا ہے۔ اسی نے ہمیں اندھا کیا ہے تاکہ ہمیں کھا جائے۔ ہم نے پوچھا تمہیں

اس بھوت نے کس طرح اندھا کیا۔ انہوں نے جواب دیا' وہ تمہیں بھی ہماری طرح اندھا کر دیگا۔ ہم نے پوچھا کہ آخر کیونکر؟ انہوں نے جواب دیا وہ تمہارے پاسدودھ کے پیالے لائے گا اور کہے گا کہ تم سفر کی وجہ سے تھکے' ماندے ہو' لو یہ دودھ پی لو۔ دودھ پیتے ہی تم بھی ہماری طرح ہو جاؤ گے۔ میں نے اپنے دل میں کہا بغیر کسی تدبیر کے ہمارا چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔ اور زمین میں ایک گڑھا کھود کر میں اس پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد ملعون بھوت دودھ کے پیالے لے کر آ پہنچا۔ ایک پیالہ مجھے اور ایک ایک میرے ساتھیوں کو دے کر کہا جنگل سے پیاسے آئے ہو' جب تک میں گوشت بھون کر تمہارے لئے لاؤں یہ دودھ پیو۔ میں نے پیالہ لے لیا اور منہ کے پاس لا کر اسے گڑھے میں انڈیل دیا اور چلانے لگا آہ! میری آنکھیں جاتی رہیں' میں اندھا ہو گیا اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر رونے پیٹنے لگا۔ وہ ہنسا اور بولا ڈر نہیں' لیکن میرے دونوں ساتھی دودھ پی گئے اور اندھے ہوگئے۔ اب وہ ملعون فوراً اٹھا غار کا دروازہ بند کرکے میرے پاس آیا اور میری پسلیاں ٹٹولنے لگا۔ جب اس نے دیکھا کہ میں دبلا ہوں اور میرے جسم پر گوشت کا نام نہیں تو اس نے دوسرے کو ٹٹولا اور اسے موٹا تازہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس کے بعد اس نے تین بھیڑیں ذبح کیں ان کی کھال کھینچی اور لوہے کی سنجیں لا کر ان پر گوشت لگایا اور آگ پر بھون کر میرے دونوں ساتھیوں کے پاس لایا۔ انہوں نے بھی کھایا اور ان کے ساتھ اس نے بھی۔ پھر وہ جا کر ایک شراب بھری مشک لے آیا۔ پی کر اوندھا لیٹ گیا اور خراٹے لینے لگا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب وہ سو تو گیا ہے لیکن اسے قتل کیسے کروں؟ فوراً مجھے سیخوں کا خیال آیا۔ میں نے ان میں سے دو سیخیں لے کر آگ میں رکھیں اور جب وہ انگارے کی طرح لال ہو گئیں تو میں نے اٹھ کر اپنی کمر کسی۔ دونوں سیخیں اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اس ملعون کے پاس جا کر اس کی آنکھوں میں بھونک دیں اور زور سے دبایا۔ اسے بھی جان عزیز تھی۔ باوجود اندھے ہونے کے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور چاہتا تھا کہ مجھے پکڑ

لے مگر میں نے غار کے اندر بھاگنا شروع کیا۔ اس نے میرا پیچھا کیا۔ میں نے اندھوں سے جو وہاں تھے' پوچھا کہ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ ان میں سے ایک نے کہا اے ساعد! اچک کر اس محراب کے اوپر چڑھ جا۔ وہاں تجھے ایک چمک دار تلوار ملے گی۔ اسے میرے پاس لے آ' پھر میں بتاؤں گا کہ اب تجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے اچک کر محراب سے تلوار اتار لی۔ اور اس شخص کے پاس گیا۔ اس نے کہا تلوار سے اس کی کمر پر وار کر' وہ فوراً مر جائے گا۔ وہ دوڑتے دوڑتے تھک گیا۔ میں اس کی طرف دوڑا' وہ اندھوں کے پاس گیا کہ انہیں قتل کر دے لیکن میں نے بڑھ کر اس کی کمر پر تلوار ماری اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس نے چلا کر کہا اے شخص' اگر تو مجھے قتل ہی کرنا چاہتا ہے تو ایک ہاتھ اور مار' میں دوسرا وار کرنے ہی والا تھا کہ جس نے مجھے تلوار کا پتا بتایا تھا کہا خبردار دوسرا وار ہرگز نہ کیجیو' پھر وہ نہیں مرے گا بلکہ زندہ ہو کر ہم سب کو مار ڈالے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو تہترویں رات

سات سو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ساعد نے کہا جس شخص نے مجھے تلوار کا پتا دیا تھا کہا کہ دوسرا وار ہرگز نہ کیجیو' وہ زندہ ہو جائے

گا اور ہم سب کو مار ڈالے گا۔ میں نے اس کا کہنا مان لیا' دوسرا وار نہ کیا وہ ملعون مر گیا۔ اب پھر وہی شخص بولا کہ غار کا دروازہ کھول کر ہمیں نکال دے' ممکن ہے کہ خدا ہماری مدد کرے اور ہمیں یہاں سے چھٹکارا ملے۔ میں نے جواب دیا کہ اب ہمیں کوئی ڈر نہیں رہا' آؤ تھوڑا آرام کریں ان بھیڑوں کو ذبح کرکے کھائیں اور شراب پیئں۔ جنگل بہت بڑا ہے' چنانچہ دو مہینے تک ہم وہیں ٹھہرے۔ بھیڑوں اور پھلوں پر گزارہ کرتے رہے۔

ایک دن ایسا اتفاق پیش آیا کہ ہم سمندر کے کنارے بیٹھے تھے۔ ہمیں دور سے ایک بڑی کشتی دکھائی دی ہم نے کشتی والوں کی طرف اشارہ کیا' انہیں آواز دی۔ وہ ہمیں بھوت سمجھ کر ڈرے۔ وہ جانتے تھے کہ اس جنگل میں ایک بھوت رہتا ہے جو آدمیوں کو کھا جاتا ہے اور بھاگنے لگے' لیکن ہم نے اپنے عماموں کے پلّے ہوا میں اڑائے اور زیادہ قریب جا کر آوازیں دیں۔ ان میں سے ایک شخص جو تیز نظر تھا' کہنے لگا اے کشتی والو! یہ تو مجھے ہم جیسے آدمی معلوم ہوتے ہیں' بھوت نہیں ہیں۔ یہ سن کر وہ آہستہ آہستہ ہماری طرف بڑھے اور ہمارے قریب آ گئے۔ پھر جب انہیں یقین آ گیا کہ ہم آدمی ہیں تو انہوں نے ہمیں سلام کیا۔ ہم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور انہیں خوشخبری سنائی کہ ہم نے بھوت کو مار ڈالا ہے۔ انہوں نے ہمارا شکریہ ادا کیا اور ہم جزیرے سے کچھ پھل کھانے کے لئے لے کر کشتی میں سوار ہو گئے۔ تین دن تک موافق ہوا کے ساتھ چلتے رہے۔ اس کے بعد ہوا تیز ہوئی' اندھیرا چھا گیا اور آندھی نے کشتی کو لے جا کر ایک پہاڑ سے ٹکرا دیا' کشتی ٹوٹ گئی او اس کے تختے تتر بتر ہو گئے۔

خدا کی قدرت کہ ایک تختہ میرے ہاتھ آگیا اور میں اس پر بیٹھ کر دو دن تک تیرتا رہا۔ ہا موافق تھی' میں عرصے تک تختے کو پاؤں سے کھیتا رہا یہاں تک کہ خدا نے مجھے صحیح و سلامت خشکی پر پہنچا دیا۔ اس شہر کی صورت دکھائی دی۔ اندر داخل ہوا تو پردیسی اور اکیلا تھا۔ عقل کام نہیں کرتی تھی کہ کیا کروں۔ مارے بھوک کے بے تاب تھا اور سخت تھکا ماندہ۔ میں نے یہ قبا اتاری۔ چھپ کر شہر کے بازار میں گیا اور اپنے دل میں کہا کہ اسے بیچ کر گزارہ کروں گا۔ اس وقت تک کہ اللہ کوئی نہ کوئی صورت نکال دے۔ اے میرے بھائی! میں نے قبا ہاتھ میں لے لی۔ لوگ اسے دیکھتے اور بڑھ بڑھ کر بولی بولتے۔ اتنے میں تو آیا او تو نے مجھے دیکھ کر حکم دیا کہ غلام مجھے محل میں لے جائیں مگر انہوں نے مجھے لے جا کر قید خانے میں بند کردیا۔ اب تو نے مجھے یاد کیا اور اپنے پاس بلایا' خدا کا شکر ہے کہ ہم پھر مل گئے۔ وزیر ساعد کی یہ داستان سن کر سیف الملوک اور دولت خاتون کا باپ تاج الملوک اچنبھے میں پڑ گئے۔ تاج الملوک نے سیف الملوک اور اس کے بھائی ساعد کو ایک خوبصورت محل رہنے کے لئے دیا۔ جب دولت خاتون سیف الملوک کے پاس آتی اس کا شکریہ ادا کرتی۔ اس کے احسان کا ذکر کرتی تو وزیر ساعد اس سے کہتا اے شہزادی! تجھ سے ہماری ایک درخواست ہے کہ اس کی مراد پوری کرا دے۔ وہ جواب دیتی ہاں میں کوشش کروں گی اور اگر خدا کو منظور ہوا تو اس کی آبرو بر آئے گی۔ یہ کہہ کر وہ سیف الملوک کی طرف مخاطب ہوتی اور کہتی کہ دل کو خوش رکھ اور آئندہ آنکھیں ٹھنڈی۔

یہ تو سیف الملوک اور اس کے وزیر ساعد کا قصہ ہوا۔ اب شہزادی بدیع الجمال کا حال سنو' جب اسے یہ خبر ملی کہ اس کی بہن اپنے باپ کے پاس اپنے وطن لوٹ کر آ گئی ہے تو اس نے کہا میرے لئے ضروری ہے کہ میں پوشاکوں اور گہنوں سے خوب آراستہ ہو کر اس کی ملاقات کو جاؤں اور اسے سلام کروں لہٰذا وہ روانہ ہو گئی۔ دولت خاتون کے پاس پہنچی تو وہ اس کے استقبال کے لئے آئی۔ سلام کرکے اسے گلے لگایا' اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ شہزادی بدیع الجمال نے بھی اس کی سلامتی پر اسے مبارکباد

دی اور بیٹھ کر دونوں باتیں کرنے لگیں۔ بدیع الجمال نے دولت خاتون سے پوچھا کہ پردیس میں تیرے اوپر کیا گزری؟ دولت خاتون بولی' بہن نہ پوچھ کہ مجھ پر کیا گزری' ہائے مخلوق کو کن کن مصیبتوں کا سامنا ہوتا ہے! بدیع الجمال نے پوچھا' وہ کیا؟ اس نے کہا بہن' میں قصر مشید میں تھی' بادشاہ ارزق کے بیٹے نے مجھے وہاں لے جا کر رکھا تھا اور اس نے باقی کہانی آخر تک سنا دی۔ منجملہ اس کے سیف الملوک کا قصہ بھی اور یہ کہ محل میں اس کے ساتھ کیا گزری۔ قصر مشید تک پہنچنے سے پہلے اسے کن کن مصیبتوں اور خطروں کا سامنا ہوا اور کس طرح بادشاہ ارزق کے بیٹے کو قتل کیا۔ دروازے نکال کر ان کی ایک ناؤ بنائی اور چپو تیار کر کے یہاں پہنچا۔ بدیع الجمال کو بڑا تعجب ہوا۔ وہ کہنے لگی بہن! بڑا عجیب و غریب قصہ ہے دولت خاتون نے کہا میں چاہتی ہوں کہ تجھ سے اصل واقعہ بیان کر دوں لیکن شرم روکتی ہے۔ بدیع الجمال نے کہا شرم کی کیا بات ہے' تو تو میری بہن اور دوست ہے۔ ہمارے درمیان بہت سی باتیں ہیں اور میں جانتی ہوں کہ تو میرے لئے بھلائی ہی بھلائی چاہتی ہے' پھر شرم کیسی؟ جو تو کہنا چاہتی ہے' کہہ ڈال۔ شرما نہیں اور مجھ سے کوئی بات نہ چھپا۔ دولت خاتون نے کہا کہ اس نے تیری تصویر اس قبا میں دیکھی تھی جو تیرے باپ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھیجی تھی۔ آپ نے بغیر کھولے اور بے دیکھے کہ اس کے اندر کیا ہے اسے مصر کے بادشاہ عاصم بن صفوان کے پاس منجملہ اور ہدیوں اور تحفوں کے بھیج دیا۔ بادشاہ عاصم نے بھی اسی طرح لپٹی لپٹائی وہ قبا اپنے بیٹے سیف الملوک کو دے دی۔ جب سیف الملوک نے اسے کھول کر پہننا چاہا تو اس پر تیری تصویر دیکھ کر عاشق ہو گیا۔ تیری تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور تیری وجہ سے یہ ساری مصیبتیں جھیلیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چوہتر ویں رات

سات سو چوہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ دولت خاتون نے بدیع الجمال سے کہا' اس نے بڑی بڑی مصیبتیں تیری خاطر جھیلیں۔ بدیع الجمال کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ دولت خاتون کے آگے شرما کر کہنے لگی۔ یہ بات تو ممکن نہیں۔ انسانوں اور جنات میں بھی کبھی نبھی ہے؟ دولت خاتون برابر سیف الملوک کی صورت' سیرت اور شہ سواری کی تعریف کرتی' اس کی خوبیاں بیان کرتی اور کہتی کہ بہن خدا کے لئے اس سے بات کر لے خواہ ایک جملہ کیوں نہ ہو۔ بدیع الجمال انکار کئے جاتی کہ تیری یہ بات نہ سنوں گی' نہ مانوں گی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اس نے کچھ نہیں سنا۔ سیف الملوک کی صورت' سیرت اور بہادری کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر دولت خاتون اس کی خوشامدیں کرکے اور اس کے پاؤں چوم کر کہنے لگی۔ اے بدیع الجمال ! تجھے قسم ہے اس دودھ کی جو ہم دونوں نے پیا ہے اور قسم ہے اس نقش کی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی پر ہے۔ میری یہ بات مان لے۔ میں نے قصر مشید میں اس سے وعدہ کیا ہے کہ میں تیری صورت دکھا دوں گی۔ تجھے خدا کی قسم میری خاطر سے اسے اپنی صورت دکھا دے اور خود اس کی بھی صورت دیکھ لے۔ وہ یہ کہتی روتی' خوشامدیں کرتی اور اس کے ہاتھ پاؤں چومتی جاتی یہاں تک کہ وہ مان گئی اور کہنے لگی۔ اچھا تیری خاطر میں اسے ایک بار اپنی صورت دکھا دوں گی۔

دولت خاتون خوش ہو گئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں چوم کر اس بڑے محل میں پہنچی جو باغ میں تھا اور کنیزوں کو حکم دیا کہ اس میں فرش بچھا کر سونے کا تخت لگائیں اور شراب کے برتن چنیں۔ پھر وہ سیف الملوک اور اس کے وزیر ساعد کے پاس گئی۔ دیکھا وہ دونوں بیٹھے ہیں۔ اس نے سیف الملوک کو خوش خبری سنائی کہ تیرا مقصد حاصل ہو گیا اور تیری مراد بر آئی۔ اب تم دونوں محل میں جا کر چھپ جاؤ اس طرح کہ تمہیں

کوئی دیکھ نہ سکے اور وہاں میرے اور بدیع الجمال کے آنے کا انتظار کروں۔ سیف الملوک اور ساعد اس جگہ چلے گئے جو دولت خاتون نے بتائی تھی۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ سونے کا تخت بچھا ہوا ہے۔ اس پر تکیے لگے ہوئے ہیں۔ طرح طرح کے کھانے اور شرابیں چنی ہوئی ہیں۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد سیف الملوک کو اپنی معشوقہ کی یاد آگئی۔ اس کا دل گھبرانے لگا۔ محبت نے زور پکڑا۔ وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا اور ٹہلتے ٹہلتے محل کے دروازے سے باہر آ گیا۔ ساعد بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ سیف الملوک نے کہا بھائی' تو اپنی جگہ بیٹھا رہ' میرے پیچھے نہ آ میں ابھی آتا ہوں۔ ساعد واپس جا کر بیٹھ گیا اور سیف الملوک وہاں سے نکل کر باغ میں پہنچا وہ محبت کی شراب کے نشے میں چور تھا۔ آنسو جاری اور پریشان ادھرادھر پھرنے لگا۔ اسکے آنے میں دیر ہوئی تو ساعد اسے باغ میں ڈھونڈنے نکلا۔ ڈیکھا کہ وہ اکیلا دیوانوں کی طرح پھر رہا ہے۔ ساعد نے اسے باتوں میں لگایا۔ غم غلط کیا اور وہ دونوں باغ کی سیر کرنے اور پھل کھانے لگے۔

ادھر تو ساعد اور سیف الملوک باغ میں مٹر گشت لگا رہے تھے ادھر جب نوکر محل کو آراستہ کر چکے دولت خاتون کے حکم کی تعمیل ہو چکی اور بدیع الجمال کے بیٹھنے کے لئے سونے کا تخت بچھا دیا گیا تو دونوں شہزادیاں محل میں داخل ہوئیں۔ بدیع الجمال تخت پر بیٹھ گئی۔ تخت ایک محراب کے پاس تھا۔ جہاں سے باغ دکھائی دیتا تھا۔ غلام طرح طرح کے نفیس کھانے لائے۔ دونوں نے کھائے اس طرح کہ دولت خاتون خود بھی کھاتی اور بدیع الجمال کو نوالے بنا بنا کر دیتی۔ کھانوں سے پیٹ بھر گیا تو دولت خاتون نے مٹھائیاں منگوائیں۔ مٹھائیاں کھائیں اور ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد شراب اور شراب نوشی کا سامان لایا گیا۔ صراحیاں اور جام چنے گئے۔ دولت خاتون ایک جام بھر کر بدیع الجمال کو پلاتی اور دوسرا خود پیتی۔ اب بدیع الجمال محراب میں سے باغ کو دیکھنے لگی۔ کیسے کیسے پھل اور کس کس رنگ کے پھول ہیں۔ یک بہ یک اس کی نظر سیف الملوک پر جا پڑی جو باغ میں ٹہل رہا تھا۔ دیکھا کہ سیف الملوک اشعار پڑھ رہا ہے اور اس

کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ ایک ہی نگاہ اس پر پڑی تھی کہ ہزاروں تمنائیں امنڈ آئیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو پچھترویں رات

سات سو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بدیع الجمال کے دل میں ہزاروں تمنائیں امنڈ آئیں کیونکہ شراب اپنا کام کر چکی تھی تو اس نے دولت خاتون سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ بہن! باغ میں یہ کون جوان ہے جو پریشان اور محبت کا مارا معلوم ہوتا ہے؟ دولت خاتون نے کہا اگر اجازت دے تو میں یہاں بلوا کر اسے دیکھوں۔ اس نے جواب دیا کہ اگر تو بلا سکتی ہے تو بلا۔ دولت خاتون نے پکار کر کہا اے شہزادے! ہمارے پاس آ اور اپنا حسن و جمال ہمیں دکھا۔ سیف الملوک نے دولت خاتون کی آواز پہچان لی اور محل کی طرف روانہ ہو گیا جونہی اس کی نظر بدیع الجمال پر پڑی۔ غش کھا کر گر پڑا۔ دولت خاتون نے اس پر گلاب چھڑکا جب اسے ہوش آیا تو اس نے بدیع الجمال کے آگے زمین چومی اور اس کا حسن و جمال دیکھ کر بدیع الجمال کے ہوش اڑ گئے۔ دولت خاتون سے کہا اے شہزادی! یہی سیف الملوک ہے جس نے خدا کے حکم سے مجھ چھڑایا ہے اور جس پر تیری وجہ سے بڑی بڑی مصیبتیں آئی ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ تو ایک نظر اسے دیکھ لے۔ بدیع الجمال نے ہنس کر کہا خاکی سب بے وفا ہوتے ہیں۔ یہ جوان کیا وفا کرے گا! انسانوں میں محبت کا مادہ ہی نہیں ہوتا۔ سیف الملوک بولا' اے شہزادی! میں بے وفائی ہرگز نہیں کر سکتا۔ سب لوگ یکساں نہیں ہوتے۔ یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگا۔ بدیع الجمال نے کہا اے شہزادے! میں ڈرتی ہوں کہ اگر میں تیری طرف بالکل متوجہ ہو گئی اور پھر دیکھا کہ نہ تجھ میں الفت ہے نہ محبت تو کیا ہو گا؟ انسانوں میں بھلائی کم ہوتی ہے اور بے وفائی بہت۔ تجھے معلوم نہیں کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے بلقیس پر عاشق ہو کر اس سے شادی کی' مگر جب ان کی نظر دوسری پر پڑی جو اس سے زیادہ حسین تھی تو بلقیس کو چھوڑ کر ان کے ہو گئے۔ سیف الملوک بولا' اے میری آنکھ اور میری

روح! خدا نے ہر انسان کو یکساں نہیں پیدا کیا ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو میں عہد کا پکا رہوں گا اور تیرے قدموں کے نیچے جان دے دوں گا۔ تجھے عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ میں بات کا کتنا پکا ہوں اور خدا میری بات کو پورا کرنے کا ذمے دار ہے۔ بدیع الجمال نے کہا' بیٹھ اور میرے آگے اپنے دین کی قسم کھا اور ہم دونوں عہد و پیمان کریں کہ ہم میں سے کوئی بھی دوسرے کے ساتھ بے وفائی نہ کرے گا اور جو بھی بے وفائی کرے' خدا اسے سزا دے۔ یہ سن کر سیف الملوک بیٹھ گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر قسم کھائی کہ اپنے ساتھی کے بعد دونوں میں سے کوئی بھی دوسرا ساتھی نہ چنے گا نہ انسانوں میں سے اور نہ جنوں میں سے۔ اس کے بعد دونوں دیر تک ایک دوسرے کے گلے لپٹے اور خوشی کے آنسو بہاتے رہے۔ جب دونوں قسمیں کھا چکے اور دونوں کے دل رونے دھونے سے ہلکے ہو گئے تو سیف الملوک اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ بدیع الجمال بھی ٹہلنے لگی اس کے ساتھ ایک کنیز تھی جس کے پاس کھانا اور شراب تھی ٹہلنے کے بعد بدیع الجمال آ کر بیٹھی تو کنیز نے اس کے آگے کھانا اور شراب رکھ دی۔ تھوڑی دیر کے بعد سیبف الملوک پہنچا' سلام کرکے اسے گلے لگایا اور دونوں کھانے پینے لگے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چھتر ویں رات

سات سو چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ دونوں بیٹھ کر کھانے پینے لگے۔ بدیع الجمال نے کہا' اے شہزادے! جب تو باغ ارم پہنچے گا تو تجھے وہاں ایک بہت بڑا خیمہ لگا ہوا دکھائی دے گا' جو لال اطلس کا ہو گا اور جس کا استر ہرے ریشم کا' دل مضبوط کرکے اس کے اندر جائیو۔ وہاں تجھے ایک بوڑھی عورت لال سونے کے تخت پر بیٹھی ہوئی دکھائی دے گی۔ تخت میں موتی اور ہیرے جڑے ہوں گے۔ اس کے پاس جا کر ادب اور شان سے سلام کیجیو اور تخت کی طرف نظر دوڑائیو۔ اس کے نیچے تجھے جوتیاں دکھائی دیں گی۔ سونے کے تاروں سے بنی ہوئی اور جوہرات سے مرصع ان جوتیوں کو چومیو' سر پر رکھیو پھر دہنی بغل میں دبا کر چپ چاپ سر جھکا کر بڑھیا کے سامنے کھڑا ہو جائیو۔ اگر وہ تجھ سے پوچھے کہ تو کہاں سے آیا ہے' یہاں تک تیری رسائی کیونکر ہوئی' اس جگہ کا پتا تجھے کس نے دیا' میری جوتیاں تو نے کیوں اٹھائیں تو کچھ نہ بولیو۔ اس وقت تک کہ یہ میری کنیز آ کر اس سے باتیں کرے۔ اسے تجھ پرمہربان اور راضی کرے۔ کیا عجب کہ خدا اس کا دل تیری طرف پھیر دے اور تیری مراد پوری کر دے۔

یہ کہہ کر اس نے ایک کنیز کو آواز دی جس کا نام مرجانہ تھا اور کہنے لگی۔ تجھے اس محبت کی قسم جو مجھے تیرے ساتھ ہے یہ کام آج ہی کر دے' دیر نہ لگا۔ اگر تو نے اسے آج ہی پورا کر دیا تو میں تجھے خدا کی خاطر آزاد کر دوں گی۔ تجھے انعام دوں گی۔ تجھ سے بڑھ کر کوئی دوسرا مجھے عزیز نہ ہو گا اور تو میری رازدار کنیز ہو گی۔ کنیز نے کہا اے میری آقا! میری آنکھوں کی روشنی کہہ تو سہی کہ تیرا کیا کام ہے' میں اسے بسر و چشم پورا کروں گی۔

بدیع الجمال نے کنیز سے کہا اس انسان کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر میری دادی کے پاس

باغ ارم لے جا اور حفاظت کے ساتھ اس کے خیمے میں پہنچا دے۔ جب تم دونوں خیمے میں داخل ہو اور تو دیکھے کہ اس نے میری دادی کی جوتیاں اٹھا لی ہیں' اس کی خدمت میں کھڑا ہے اور وہ پوچھ رہی ہے کہ تو کہاں کا رہنے والا ہے' کدھر سے یہاں آ پہنچا' تجھے کون لے کر آیا ہے' تو نے کس لئے یہ جوتیاں اٹھا لی ہیں اور بتا تیری خواہش کیا ہے' میں اسے پورا کروں تو فوراً اندر جا کر اسے سلام کیجیو اور کہیو اے میری آقا! اسے میں یہاں لائی ہوں۔ یہ مصر کے بادشاہ کا بیٹا اور وہی شخص ہے جس نے قصر مشید میں جاکر بادشاہ ارزق کے بیٹے کو قتل کیا اور دولت خاتون کو چھڑا کر صحیح و سالم اس کے باپ کے پاس پہنچا دیا۔ انہوں نے اس کو میرے ساتھ بھیجا ہے اور میں اسے اس لئے لے کر آئی ہوں کہ وہ تجھے دولت خان کے صحیح و سالم پہنچنے کی خوشخبری سنائے اور تو اس کی آؤ بھگت کرے۔

اس کے بعد تو اس سے کہیو کہ کیا یہ جوان حسین نہیں؟ وہ جواب دے گی ہاں ہے۔ اس وقت تو اس سے کہیو یہ بڑی عزت آبرو والا' بہادر' شجاع' مصر کا مالک اور بادشاہ ہے۔ اس میں ساری اچھی خصلتیں پائی جاتی ہیں پھر اگر وہ تجھ سے پوچھے کہ وہ کس ضرورت سے آیا ہے تو کہیو میری آقا نے سلام کے بعد تجھے یہ کہلا بھیجا ہے کہ میں کب تک بے نکاح کے کنواری بیٹھی رہوں گی؟ مدت گزرتی چلی جاتی ہے' آخر تم میری شادی کیوں نہیں کرنا چاہتیں اور اپنے اور میری ماں کے جیتے جی دوسری لڑکیوں کی طرح کیوں مجھے بیاہ نہیں دیتیں؟ اگر وہ کہے کہ کس طرح اس کا نکاح کرنا چاہیے؟ اگر کسی سے اس کی آنکھ لڑ گئی ہے یا اس کا دل کسی سے مل گیا ہے تو وہ ہمیں بتائے ہم جہاں تک ہو سکے گا اس کی خواہش کے مطابق اس کا ارمان پورا کر دیں گے۔ اس کے جواب میں کہیو! اے میری آقا! تیری بیٹی نے کہلا بھیجا ہے کہ تم لوگ میرا نکاح حضرت سلیمان سے کرانا چاہتے تھے اور قبا پر میری تصویر بنا کر تم نے ان کے پاس بھیجی تھی لیکن میں اس کی قسمت میں نہ تھی۔ اس نے وہ قبا مصر کے بادشاہ

کے پاس بھیج دی۔ اس نے اسے اپنے بیٹے کے حوالے کیا۔ وہ قبا پر میری تصویر دیکھتے ہی مجھ پر عاشق ہو گیا۔ ماں باپ کو چھوڑ کر دنیا تک ترک کر دی۔ حیران و پریشان گھر سے نکل کھڑا ہوا اور میری خاطر بڑی بڑی مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلیں۔

کنیز نے سیف الملوک کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر کہا اپنی آنکھیں میچ لے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور وہ اسے لے کر اڑ گئی۔ تھوڑی دیر بعد کہا' آنکھیں کھول۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔اسے ایک باغ نظر آیا۔ یہی باغ ارم تھا۔ کنیز مرجانہ بولی۔ اے سیف الملوک ! اس خیمے کے اندر جا' سیف الملوک خدا کا نام لے کر اندر گیا۔ ادھر ادھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بڑھیا تخت پر بیٹھی ہوئی ہے اور کنیزیں اس کی خدمت میں کھڑی ہیں۔ وہ ادب سے اس کے قریب پہنچا۔ جوتیاں اٹھا کر چومیں اور جو کچھ بدیع الجمال نے کہا تھا' کیا۔ بڑھیا بولی تو کون ہے' کہاں سے آیا ہے' کس ملک کا رہنے والا ہے' یہاں تجھے کون لایا' تو نے یہ جوتیاں اٹھا کر کیوں چومیں اور کب تو نے مجھ سے کوئی حاجت کہی ہے اور میں نے اسے پورا نہیں کیا؟ یہ سنتے ہی کنیز مرجانہ نے اندر آ کر بڑے ادب کے ساتھ سلام کیا اور اس سے وہی گفتگو کی جو بدیع الجمال نے بتائی تھی۔ یہ سنتے ہی بڑھیا چلائی اور ناراض ہو کر کنیز سے کہا انسان اور جن کا کیسے ملاپ ہو سکتا ہے!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• سات سو سترویں رات

سات سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑھیا غصے میں آ کر بولی' انسان اور جن میں کیسے ملاپ ہو سکتا ہے! سیف الملوک نے کہا اگر خدا نے چاہا تو مجھ سے کوئی بے وفائی ظاہر نہیں ہو گی تیرا غلام بن کر زندگی بسر کروں گا' تیری محبت پر جان دے دوں گا۔ جو عہد تیرے ساتھ باندھوں گا اسے پورا کروں گا اور سوا تیرے کسی اور کو دھیان میں نہ لاؤں گا۔ تو عنقریب دیکھ لے گی کہ میں سچا ہوں' جھوٹا نہیں اور تیرے ساتھ کس مروت سے پیش آتا ہوں۔ بڑھیا تھوڑی دیر سر جھکائے سوچ میں بیٹھی رہی' پھر سر اٹھا کر کہنے لگی اے خوش رو جوان کیا تو عہد و پیمان پر پکا رہے گا؟ اس نے جواب دیا ہاں' قسم ہے اس ذات کی جس نے آسمان کو بلند بنایا اور زمین کو پانی پر بچھایا کہ میں وعدہ پورا کروں گا۔ یہ سن کر بڑھیا بولی اگر خدا کو منظور ہے تو میں تیری مراد پوری کروں گی۔ اچھا اب تو باغ میں جا کر سیر کر اور پھل کھا جن کی نظیر دنیا میں نہیں۔ میں اپنے بیٹے شہیال کو بلاتی ہوں۔ وہ آ جائے گا تو میں اس بارے میں اس سے بات چیت کروں گی اور خدا نے چاہا تو اس میں بھلائی ہو گی کیونکہ وہ میری مخالفت نہیں کرے گا بلکہ میرا حکم مان لے گا اور میں اس کی بیٹی بدیع الجمال کا بیاہ تیرے ساتھ کرا دوں گی۔ اے سیف الملوک خوش ہو کہ وہ تیری بیوی ہو جائے گی۔ سیف الملوک نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کے ہاتھ پاؤں چوم کر وہاں سے باغ کی طرف چل دیا۔ بڑھیا نے کنیز کی طرف مخاطب ہو کر کہا جا میرے بیٹے شہیال کو ڈھونڈ کہ کہاں ہے اور اسے میرے پاس لے آ۔ کنیز چلی' بادشاہ شہیال کو ڈھونڈ کر اس سے ملی اور اسے لے آئی۔

یہ تو بڑھیا کا قصہ ہوا۔ اب سیف الملوک کا ماجرا سنو۔ وہ باغ میں سیر کر رہا تھا کہ پانچ جنوں کی نظر اس پر پڑی جو بادشاہ ارزق کی رعایا تھے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ کہاں

کا رہنے والا ہے اور اسے یہاں کون لایا ہے؟ ہو نہ ہو یہ وہی ہے جس نے بادشاہ ارزق کے بیٹے کو قتل کیا۔ کسی چالاکی سے اس سے پوچھیں۔ وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھے اور باغ میں ایک طرف بیٹھ کر کہنے لگے۔ اے خوش رو جوان! تو نے بادشاہ ارزق کے بیٹے کے مارنے اور دولت خاتون کو اس پنجے سے چھڑانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ وہ بڑا دھوکے باز کتا تھا اسے فریب دے کر اڑا لے گیا تھا۔ اگر خدا کی طرف سے تو اس پر مسلط نہ کیا گیا ہوتا تو لڑکی ہرگز نہ چھوٹتی بتا تو سہی تو نے اسے کیونکر قتل کیا؟ سیف الملوک نے ان کی طرف دیکھ کر کہا کہ میں نے اسے اس انگوٹھی کے زور سے قتل کیا ہے جو میری انگلی میں ہے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ اسی نے اسے قتل کیا ہے اور دو نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے' دو نے دونوں پاؤں اور پانچویں نے اس کا منہ دبا لیا کہ کہیں ایسا نہ ہو وہ چلائے اور بادشاہ شہیال کے آدمی آواز سن کر اسے چھڑا لے جائیں۔ اس کے بعد وہ اسے اڑا لے گئے۔ اڑتے اڑتے اپنے بادشاہ کے پاس پہنچے اور اسے اس کے سامنے لے جا کر کھڑا کیا اور کہنے لگے جہاں پناہ! ہم تیرے بیٹے کے قاتل کو تیرے پاس لے آئے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا یہ ہے۔ بادشاہ ارزق بولا کیا تو نے ہی میرے بیٹے کو ناحق قتل کیا ہے جو میرے جگر کا ٹکڑا اور میری آنکھ کا تارا تھا؟ اس نے تیرا کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ سیف الملوک نے کہا' ہاں میں نے ہی اسے قتل کیا ہے لیکن اس کے ظلم و ستم کی وجہ سے وہ بادشاہوں کی اولاد کو بئر معطلہ اور قصر مشید لے جایا کرتا تھا۔ ان کے اور ان کے ماں باپ میں جدائی ڈالتا' ان کے ساتھ بدفعلی کرتا تھا میں نے اس انگوٹھی کے زور سے اسے قتل کیا جو میری انگلی میں ہے اور خدا اس کی روح کو فوراً دوزخ میں لے گیا جو رہنے کی بری جگہ ہے۔

بادشاہ ارزق پر ثابت ہو گیا کہ بے شک اسی نے اس کے بیٹے کو مارا ہے اس نے اپنے وزیر کو بلا کر کہا' اس میں شک نہیں کہ یہی میرے بیٹے کا قاتل ہے تیری کیا رائے ہے' اس کے ساتھ کیا کروں' اسے بری طرح سے قتل کروں' سخت عذاب دوں یا

کیا؟ بڑا وزیر بولا اس کا عضو عضو کاٹ کر پھینک دے۔ دوسرے نے کہا روزانہ اس پر مار پڑنی چاہیے۔ تیسرے نے کہا اس کے دو ٹکڑے کر ڈال۔ چوتھا بولا اس کی انگلیاں کاٹ کر اسے آگ میں جلا دے۔ پانچویں نے کہا صلیب پر چڑھا دے۔ غرض کے ہر ایک اپنی اپنی رائے کے مطابق اسے مشورے دینے لگا۔ بادشاہ ارزق کے دربار میں ایک بڑا سیاستدان تھا۔ دنیا کی باتوں سے باخبر' اس نے کہا جہاں پناہ! میں تجھ سے ایک بات کہتا ہوں میرے مشورے پر عمل کرنے میں تجھے شرمندگی نہیں ہوگی۔ یہ شخص بادشاہ کا مشیر اور حکومت کا بڑا آدمی تھا اس کی ہر بات مانی جاتی' اس کی رائے پر عمل کیا جاتا کسی بات میں بادشاہ اس کی مخالفت نہ کرتا۔ اس نے اٹھ کر بادشاہ کے آگے زمین چومی اور بولا جہاں پناہ! اگر میں اس بارے میں تجھے مشورہ دوں تو کیا تو اسے مانے گا اور میری جان بخشی کرے گا؟ بادشاہ نے کہا' اپنے رائے بیان کر' میں تیری جان بخشی کرتاہوں۔ اس نے کہا جہاں پناہ! اگر تو نے اسے ابھی قتل کر دیا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تو نے میری نصیحت نہ مانی اور میری بات نہ سمجھی۔ ابھی اس کا قتل کرنا بیکار ہے کیونکہ وہ تیرے قبضے میں ہے' تیرے اختیار میں ہے' تیرا قیدی ہے۔ جب تو چاہے گا وہ تجھے مل جائے گا اور جو تیرا جی چاہے تو اس کے ساتھ کر سکتا ہے' لیکن جہاں پناہ! صبر سے کام لے۔ اس نے باغ ارم میں جا کر بادشاہ شہیال کی بیٹی بدیع الجمال سے شادی کی ہے اور اس طرح یہ ان کا رشتے دار ہو گیا ہے تیرے آدمی اسے پکڑ کر تیرے پاس لے آئے ہیں یہ بات تجھ پر بھی ظاہر ہے اور ان پر بھی۔ اگر تو نے اسے قتل کر دیا تو بادشاہ شہیال تجھ سے اس کا بدلہ لے گا اور تیرا دشمن ہو جائے گا' اپنی بیٹی کی خاطر لشکر لے کر تیرے اوپر چڑھائی کرے گا۔ اس کے لشکر کے آگے تیری کچھ نہ چلے گی' تو اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ بادشاہ نے اس کی رائے مان لی اور سیف الملوک کو قید خانے بھیج دیا۔

یہ تو سیف الملوک کی سرگزشت ہوئی۔ اب بدیع الجمال کی دادی کا حال سنو ......

اپنے بیٹے شہیال سے ملنے کے بعد اس نے کنیز کو بھیجا کہ سیف الملوک کو تلاش کر

کے لائے۔ نہ ملا تو اس نے اپنی آقا کے پاس آ کر کہا' وہ مجھے باغ میں نہیں ملتا۔ یہ سن کر بڑھیا نے باغ کے ملازموں کو بلوایا اور ان سے سیف الملوک کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا ہم نے اسے ایک درخت کے نیچے بیٹھا دیکھا تھا کہ اتنے میں بادشاہ ارزق کی جماعت کے پانچ شخص اتر کر اس کے پاس آئے اس سے باتیں کرنے لگے' پھر اسے اٹھا کر اور اس کا منہ بند کرکے اڑ گئے۔ بدیع الجمال کی دادی کو سخت افسوس ہوا۔ وہ طیش میں آ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے بیٹے شہیال سے کہنے لگی تو کیسا بادشاہ ہے کہ تیرے جیتے جی بادشاہ ارزق کی جماعت کے آدمی ہمارے باغ میں گھس کر ہمارے مہمان کو زندہ اٹھا لے جاتے ہیں۔ ماں نے بیٹے کو خوب ابھارا اور کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تیرے جیتے جی ہم پر کوئی زبردستی کر سکے! اس نے جواب دیا' ماں! اس انسان نے بادشاہ ارزق کے بیٹے کو قتل کیا ہے۔ اب خدا نے اسے اس کے قبضے میں دیدیا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ ایک انسان کی خاطر میں جن سے دشمنی مول لوں۔ ماں بولی کہ اس کے پاس جا کر ہمارے مہمان کو طلب کر۔ اگر وہ زندہ ہے اور ارزق نے اسے تیرے حوالے کر دیا تو اسے یہاں لے آ اور اگر بادشاہ ارزق نے اسے قتل کر دیا ہے تو اسے اور اس کی اولاد' بیویوں اور متعلقین کو زندہ پکڑ کر میرے پاس لے آ۔ میں انہیں اپنے ہاتھ سے قتل کرکے ان کا ملک تباہ کر ڈالوں۔ اگر تو نے میرا حکم نہ مانا تو میں ہرگز تجھے اپنا دودھ نہ بخشوں گی اور اپنی تربیت تجھ پر حرام کر دوں گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو انہترویں رات

سات سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- بدیع الجمال کی دادی نے اپنے بیٹے شہیال سے کہا اگر تو نے میرا حکم نہ مانا تو میں اپنا دودھ ہرگز نہ بخشوں گی۔ یہ سن کر بادشاہ شہیال اٹھا او اپنے لشکر کو باہر نکال کر اپنی ماں اور اس کے چہیتوں کی خاطر اور اس چیز کیوجہ سے جو ازل میں مقدر ہو چکی تھی۔ بادشاہ ارزق کی طرف روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے وہاں پہنچ گیا اور دونوں لشکروں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ بادشاہ ارزق اور اس کا لشکر ہار گیا' اس کی چھوٹی بڑی اولادیں حکومت کے حکام اور تمام بڑے لوگ گرفتار ہو کر بادشاہ شہیال کے سامنے پیش ہوئے۔ شہیال نے کہا اے بادشاہ! ارزق' انسان سیف الملوک میرا مہمان ہے؟ بادشاہ ارزق بولا' اے شہیال تو بھی جن ہے اور میں بھی۔ کیا یہ ساری باتیں تو نے ایک انسان کی خاطر کی ہیں جس نے میرے بیٹے کو قتل کیا ہے؟ وہ اس شخص کا قاتل ہے جو میرا بیٹا ہے' میرے جگر کا ٹکڑا اور میری روح کا آرام تھا۔ پھر تو نے یہ حرکت کیوں کی اور ایک ہزار جنوں کا خون کیوں بہایا؟ شہیال نے کہا باتیں نہ بنا' اگر وہ زندہ ہے تو اسے حاضر کر میں تجھے اور تیری اولاد کو چھوڑ دوں گا جنہیں میں نے گرفتار کیا ہے اور اگر تو نے اسے قتل کر ڈالا ہے تو میں تجھے اور تیری اولاد کو ذبح کر ڈالوں گا۔ بادشاہ ارزق نے کہا اے بادشاہ! کیا تجھے یہ شخص میرے بیٹے سے زیادہ عزیز ہے؟ بادشاہ شہیال نے کہا تیرا بیٹا ظالم تھا' وہ انسانوں کے بچے اور بادشاہوں کی بیٹیوں کو اٹھا لاتا' انہیں قصر مشید اور بئر معطلہ میں لا کر رکھتا اور ان کے ساتھ بدکاری کرتا تھا۔ بادشاہ ارزق بولا وہ میرے پاس ہے۔ اچھا میرے اور اس کے درمیان صلح کرا دے۔ شہیال نے دونوں میں صلح کرا دی۔ انہیں خلعت دیئے۔ بادشاہ ارزق اور سیف الملوک کے درمیان معاہدہ لکھ دیا جس سے اس کے بیٹے کا خون معاف ہو گیا اس کے بعد شہیال نے اسے مسلمان

کر لیا اور انہیں عمدہ عمدہ ضیافتیں دیں۔ بادشاہ ارزق تین دن تک مہمان رہ کر رخصت ہو گیا اور شہیال سیف الملوک کا حسن دیکھ کر اچنبھے میں پڑ گیا۔ سیف الملوک نے اپنی ساری داستان شروع سے آخر تک اسے کہہ سنائی او نیز وہ واقعہ جو اسے بدیع الجمال کے ساتھ پیش آیا تھا۔ بادشاہ شہیال نے کہا اماں چونکہ تیری یہی مرضی ہے اس لئے اب تو اسے لے کر سرندیپ جا اور وہاں دھوم دھام سے اس کی شادی رچا' وہ خوبصورت جوان ہے اور اس نے بدیع الجمال کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالی ہے۔

بڑھیا اپنی کنیزوں کو لے کر سرندیپ پہنچی۔ جب یہ سب دولت خاتون کی ماں کے باغ میں پہنچ کر خیمے کے اندر گئیں تو بدیع الجمال کی نظر ان پر پڑی۔ بڑھیا نے ان سے وہ سارا ماجرا بیان کیا جو سیف الملوک اور بادشاہ ارزق میں گزرا اور یہ کہ وہ بادشاہ ارزق کے قید خانے میں موت کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس کے بعد دولت خاتون کے باپ تاج الملوک نے حکومت کے بڑے لوگوں کو جمع کرکے بدیع الجمال کا نکاح سیف الملوک سے کر دیا۔ عمدہ عمدہ خلعت تقسیم کئے اور لوگوں کو دعوتیں دیں۔ اب سیف الملوک نے اٹھ کر تاج الملوک کے آگے زمین چومی اور کہا اے بادشاہ مجھے معاف کر' میں تجھ سے ایک بات کا خواہش مند ہوں' مگر ڈرتا ہوں کہ کہیں تو میری درخواست رد نہ کرے۔ تاج الملوک بولا قسم ہے خدا کی اگر تو میری جان بھی مانگے تو میں دینے میں دریغ نہ کروں۔ تو نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے۔ سیف الملوک نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تو شہزادی دولت خاتون کا نکاح میرے بھائی ساعد سے کر دے تاکہ ہم سب تیرے غلام ہو جائیں۔ تاج الملوک بولا سر آنکھوں پر اور اس نے دوبارہ حکومت کے بڑے لوگوں کو اکٹھا کرکے دولت خاتون کا نکاح ساعد سے کردیا اور قاضیوں نے نکاح نامہ لکھ دیا۔ نکاح نامے کے مرتب ہونے کے بعد سونا چاندی نچھاور کیا گیا اور بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر آراستہ کیا جائے۔ پھر جشن ہونے لگے۔ سیف الملوک بدیع الجمال سے ہم بستر ہوا اور اسی رات ساعد دولت خاتون سے' سیف الملوک بدیع الجمال سے چالیس دن تک برابر ہم بستر ہوتا رہا۔ ایک دن شہزادی نے کہا' اے شہزادے!

اب کوئی اور حسرت تو تیرے دل میں باقی نہیں رہ گئی؟ سیف الملوک نے جواب دیا خدا نہ کرے! تو نے میرا ارمان نکال دیا کوئی حسرت میرے دل میں باقی نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ مصر جا کر اپنے ماں باپ سے ملوں اور دیکھوں کہ ان کا کیا حال ہے۔ بدیع الجمال نے اپنے چند نوکروں کو حکم دیا کہ اسے اور ساعد کو مصر پہنچا آئیں۔ وہ انہیں لے جا کر مصر میں ان کے گھر والوں کے پاس پہنچا آئے۔ سیف الملوک اور ساعد اپنے اپنے والدین سے ملے' ایک ہفتہ ان کے پاس ٹھہرے او ان سے رخصت ہو کر پھر سرندیپ چلے آئے۔ اسی طرح جب کبھی اپنے گھر والوں سے ملنے کی تمنا ہوتی تو انکے پاس چلے آتے اور لوٹ آتے۔ سیف الملوک بدیع الجمال کے ساتھ اور ساعد دولت خاتون کے ساتھ بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ لذتوں کو کرکرا' صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو ہمیشہ زندہ ہے اور کبھی مرتی نہیں اور جس نے مخلوقات کو پیدا کیا اور ان کی قسمت میں موت لکھی! وہ ذات بلا ابتداء کے اول ہے اور بلاانتہا کے آخر۔

○ بصرے کے سوداگر حسن کی کہانی

پرانے زمانے میں ایک سوداگر تھا' بصرے کا رہنے والا' بڑا مالدار' اس کے دو بیٹے تھے۔ اللہ کا کرنا کہ وہ تاجر مر گیا' خدا اس پر رحمت کرے! اور ساری دولت وارثوں کے لئے چھوڑ گیا۔ دونوں بیٹوں نے باپ کی تجہیز و تکفین کے بعد مال و اسباب آپس میں برابر تقسیم کرکے دکانیں کھول لیں۔ ایک پیتل کے برتن بیچنے لگا اور دوسرے نے سنار کا کام شروع کردیا۔ ایک دن یہ سنار اپنے ٹھیئے پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عجمی بازار کی سیر کرتا ہوا اس کی دکان پر پہنچا اور اس کی کاریگری دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار کیا۔ اس سنار کا نام حسن تھا۔ عجمی اپنا سر ہلانے لگا اور کہا کہ قسم ہے خدا کی تو بڑا اچھا

سنار ہے۔ وہ حسن کی کاریگری کو دیکھ رہا تھا۔ حسن اپنے ہاتھ میں ایک پرانی کتاب لئے پڑھ رہا تھا۔ لوگ اس کے حسن و جمال اور اس کے تناسب پر محو تھے۔ جب عصر کا وقت ہوا اور دکان لوگوں سے خالی ہو گئی تو عجمی نے حسن کے پاس آ کر کہا بیٹا تو بڑا خوش رو جوان ہے۔ یہ کون سی کتاب ہے؟ تو بے باپ کا بیٹا ہے اور میرا کوئی بیٹا نہیں۔ مجھے ایک کاریگری آتی ہے جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ہنر نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اناسیویں رات

سات سو اناسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عجمی کہنے لگا' مجھے اک کاریگری آتی ہے جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ہنر نہیں۔ بہت سے لوگوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں انہیں سکھا دوں لیکن میں نے ان میں سے کسی کو بھی سکھانا پسند نہ کیا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں تجھے سکھا دوں اور تجھ کو اپنا بیٹا بنا لوں تا کہ فقر و فاقے سے تجھے نجات ملے اور اس پیشے سے تیرا پیچھا چھوٹے جس میں نہائی اور ہتھوڑا' بھٹی اور آگ کی تکلیف ہے۔ حسن نے پوچھا اے میرے آقا! تو مجھے کب سکھائے گا؟ اس نے جواب دیا کہ میں کل تیرے پاس آ کر تیرے سامنے پیتل سے خالص سونا بناؤں گا۔ حسن یہ سن کر بہت خوش ہوا اور عجمی سے رخصت ہو کر اپنی ماں کے پاس گیا۔ سلام کیا اور اس کے ساتھ کھانے کے بعد نہایت حیرانی سے عجمی کا ماجرا سنایا۔ ماں نے کہا بیٹا' تجھے کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں کی باتیں نہ مانا کر خاص کر عجمیوں کی بات تو ہرگز نہ سننی چاہیے کیونکہ وہ دھوکے باز ہوتے ہیں اور کیمیا گری جانتے ہیں۔ لوگوں کو جال میں پھانس کر ان کا مال لے اڑتے ہیں اور اسے کھا جاتے ہیں۔ حسن نے کہا اماں! ہم غریب لوگ ہیں ہمارے پاس ہے کیا کہ کوئی اس کے لالچ میں ہم کو جال میں پھانسے گا! اور یہ عجمی تو ایک بھلا مانس بوڑھا ہے نیکی اس کے چہرے سے ٹپکتی ہے' خدا نے اسے میرے اوپر مہربان کر دیا ہے۔ یہ سن کر اس کی ماں مارے غصے کے چپ ہو گئی' مگر بیٹے کا دل اسی میں لگا رہا اور مارے خوشی کے وہ رات بھر سویا بھی نہیں۔

جب صبح ہوئی تو حسن اٹھا اور کنجیاں لے کر دکان کھولی ہی تھی کہ عجمی آ پہنچا۔ حسن اٹھ کھڑا ہوا اور چاہتا تھا کہ اس کے ہاتھ چومے لیکن اس نے اسے روک دیا اور اس بات کو پسند نہ کیا۔ حسن سے کہا کہ کٹھالی کو آگ پر رکھ اور دھونکنی لگا۔ حسن

نے عجمی کے کہنے کی تعمیل کی اور کوئلے دہکائے۔ عجمی بولا بیٹا! تیرے پاس پیتل ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک ٹوٹا ہوا پیالہ ہے۔ عجمی نے کہا اسے قینچی سے کاٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر۔ حسن نے اس کے کہنے کے مطابق اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹے اور انہیں کٹھالی میں ڈال کر دھونکنی سے ہوا دینی شروع کی یہاں تک کہ وہ پگھل کر پانی ہو گئے۔ اب عجمی نے اپنا ہاتھ گھڑی کی طرف بڑھایا اور اس میں سے ایک لپٹا ہوا کاغذ نکالا اور آدھے درہم کے برابر کوئی سفوف نکال کر کٹھالی میں ڈال دیا۔ یہ سفوف زرد سرمے کی طرح کا تھا۔ اب اس نے حسن سے کہا کہ اور دھونک' حسن اور دھونکنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ ایک سونے کا ٹکڑا بن گیا۔ یہ دیکھ کر حسن کے ہوش و حواس مارے خوشی کے جاتے رہے۔ وہ اس ٹکڑے کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا اور اسے چھری سے کھرچ کر دیکھا تو وہ عمدہ قسم کا کندن تھا۔ اس کی مسرت کا کیا پوچھنا' چاہتا تھا کہ جھک کر عجمی کا ہاتھ چوم لے۔ عجمی نے اسے روک دیا اور کہا کہ اس ٹکڑے کو بازار میں لے جا اور بیچ کر دام کھرے کر مگر کسی سے اس کا ذکر نہ کیجیو۔ حسن نے بازار جا کر وہ ٹکڑا دلال کو دیا۔ دلال نے اسے لے کر کسوٹی پر لگایا اور دیکھا کہ وہ خالص سونا ہے۔ دس ہزار درہم سے بولی شروع ہوئی سوداگر بڑھ بڑھ کر بولی بولنے لگے یہاں تک کہ پندرہ ہزار درہم تک دام لگ گئے۔ گھر جا کر حسن نے ماں سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ اماں! میں اس صنعت کو سیکھ گیا ہوں ماں ہنسی اور کہنے لگی کہ "لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

سات سو اسیویں رات

سات سو اسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ماں لاحول پڑھ کرمارے غصے کے چپ ہو گئی۔ حسن بھولے پن سے ایک ہاون دستہ لے کر عجمی کے پاس گیا جو دکان پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے آگے رکھ دیا۔ اس سے کہا کہ بیٹا تو اس ہاون دستے کا کیا کرنا چاہتا ہے؟ حسن نے جواب دیا کہ اس کو بھی آگ پر پگھلا کر سونے کے ڈلے بنا لیں۔ عجمی ہنس کر بولا' بیٹا! کہیں تو پاگل تو نہیں ہو گیا ہے؟ کیا تو ایک ہی دن میں دو سونے کے ڈلے لے کر بازار جائے گا؟ تجھے معلوم نہیں کہ لوگ ہم سے بدظن ہو جائیں گے اور ہمیں مار ڈالیں گے۔ بیٹا! جب تو مجھ سے یہ فن سیکھ جائے تو اسے سال میں ایک بار سے زیادہ مت کیجیو۔ اور وہ تیرے لئے ایک سال سے دوسرے سال تک کافی ہو گا۔ حسن کہنے لگا اے میرے آقا! تو ٹھیک کہتا ہے اور دکان میں بیٹھ کر اس نے کٹھالی پر آگ چڑھا دی اور بھٹی میں کوئلے ڈال دیئے۔ عجمی نے کہا بیٹا اب تیرا کیا مطالبہ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ فن مجھے سکھا دے۔ عجمی نے ہنس کر کہا لاحول ولاقوہ الاباللہ العلی العظیم۔ بیٹا تو بڑا کم عقل ہے اور اس فن کے سیکھنے کے بالکل ناقابل۔ کبھی کوئی اس فن کو بیچ سڑک پر یا بازاروں میں سیکھ سکتا ہے؟ اگر ہم نے اس جگہ یہ کام شروع کردیا تو لوگ کہیں گے ہم کیمیاگر ہیں اور جب اس کی خبر حکام تک پہنچے گی تو وہ ہماری جان کے گاہک ہو جائیں گے۔ بیٹا! اگر تو یہ کام سیکھنا چاہتا ہے تو میرے گھر چل' حسن نے اٹھ کر دکان بند کی اور عجمی کے ساتھ ہو لیا مگر راستے میں اسے اپنی ماں کی بات یاد آ گئی اور اس کے دل میں کش مکش ہونے لگی۔ وہ دیر تک سر نیچا کئے کھڑا رہا۔ جب عجمی نے دیکھا کہ وہ رک گیا ہے تو ہنسا اور بولا کہ تیرا دل نہیں الٹ گیا؟ اگر تو سمجھتا ہے کہ میں تجھے نقصان پہنچاؤں گا تو پھر میرے دل میں تیری طرف سے کیونکر بھلائی آ سکتی ہے! اگر

تو میرے گھر سے ڈرتا ہے تو میں تیرے گھر چل کر وہاں تجھے سکھا سکتا ہوں۔ حسن نے کہا ہاں چچا عجمی بولا کہ اچھا میرے آگے آگے چل۔ حسن آگے آگے اپنے گھر کی طرف چلا اور عجمی پیچھے پیچھے ہو لیا۔ گھر پہنچ کر حسن اندر گیا۔ ماں سے مل کر کہا کہ عجمی میرے ساتھ آیا ہے اور دروازے پر کھڑا ہے۔ ماں نے فرش بچھایا اور مکان کو آراستہ کرکے وہاں سے چلی گئی۔ اس کے بعد حسن نے عجمی سے کہا کہ اندر آ جا اور وہ اندر آ گیا۔ حسن ہاتھ میں پیالہ لے کر بازار گیا تا کہ کھانے کے لئے کوئی چیز لے آئے اور کھانا لا کر عجمی کے آگے رکھ دیا اور کہا اے میرے آقا! آیئے پہلے کچھ نوش فرما لیجئے تا کہ ہمارے درمیان روٹی اور نمک کا واسطہ ہو جائے اور ہم میں سے جو کوئی روٹی اور نمک کے بارے میں خیانت کرے' خدا اس سے سمجھے۔ عجمی بولا کہ بیٹا! تو سچ کہتا ہے اور پھر مسکرا کر کہا بیٹا روٹی اور نمک کا پاس کرتا کون ہے! اس کے بعد عجمی آگے بڑھا اور حسن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ یہاں تک کہ دونوں سیر ہو گئے۔ عجمی نے کہا کہ بیٹا حسن' ہمارے لئے مٹھائی لا۔ حسن عجمی کی یہ بات سن کر خوش ہو گیا اور بازار جا کر دس قسم کی مٹھائی لے آیا اور اس کے آگے رکھی۔ دونوں نے مل کر مٹھائی کھائی۔ مٹھائی کھا چکے تو عجمی نے کہا خدا تجھے اس نیکی کا بدلہ دے! واقعی تو ایسا شخص ہے کہ لوگ تیرا ساتھ دیں۔ اپنے بھید تجھ پر ظاہر کریں اور تیرے فائدے کی بات تجھے سکھائیں۔ پھر عجمی بولا اے حسن' لا سامان لے آ۔ حسن کو ان باتوں کا یقین نہ آتا تھا تاہم وہ اس تیزی سے روانہ ہوا جیسے بہار کے موسم میں بچھیرا اور دکان پہنچ کر اس نے سارا سامان لیا اور واپس آ کر اسے عجمی کے آگے رکھ دیا۔

عجمی نے کاغذ کی ایک پڑیا نکالی اور کہنے لگا اے حسن! روٹی اور نمک کی قسم اگر تو مجھے میرے بیٹے سے زیادہ عزیز نہ ہوتا تو میں تجھے یہ فن نہ سکھاتا۔ اس وقت میرے پاس

محض یہی اکسیر باقی ہے جو اس کاغذ میں ہے۔ لیکن صبر کر میں جڑی بوٹیوں کو ملا کر تیرے لئے اکسیر بناؤں گا۔ اے میرے بیٹے! سن جو اکسیر اس کاغذ میں ہے اس کا نصف درہم پانچ سیر پیتل کے لئے کافی ہے جو اسے پانچ سیر خالص سونا بنا دے گا۔ اے میرے بیٹے' اے حسن! اس کاغذ میں ڈیڑھ چھٹانک مصری اکسیر ہے! جب یہ ختم ہو جائے گی تو میں تجھے اور بنا دوں گا۔ حسن نے کاغذ کی پڑیا کو لے کر دیکھا۔ اسے اس میں پہلے سے بھی عمدہ کوئی پیلی چیز نظر آئی۔ کہنے لگا'' اے میرے آقا! اس کا نام کیا ہے؟ یہ کہاں پائی جاتی ہے اور کس طرح بنائی جاتی ہے؟ عجمی حسن کا بڑھتا ہوا لالچ دیکھ کر ہنسا۔ اس نے کہا کہ آخر تو کتنی باتیں پوچھے گا؟ چپ چاپ اپنا کام کئے جا۔ حسن گھر میں جا کر ایک رکابی لے آیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کاٹ کر کٹھالی میں ڈال دیئے۔ جب وہ پگھل گئے تو پڑیا کی تھوڑی سی دوا لے کر ڈال دی اور وہ خالص سونا ہو گیا۔ حسن باغ باغ ہو گیا۔ سونے کے ڈلے نے اس کی عقل کو چکر میں ڈال دیا۔ اب عجمی نے اپنی پگڑی میں سے تیزی کے ساتھ ایک تھیلی نکالی جس میں کوئی ایسی نشہ آور چیز تھی کہ اگر اسے ہاتھی بھی سونگھ لیتا تو ایک دن سے لے کر دوسرے دن تک سوتا رہتا۔ اس نے اس میں سے تھوڑی سی لے کر چپکے سے مٹھائی میں ملا دی اور کہا اے حسن! تو ہی میرا بیٹا ہے اور میرے جان و مال سے زیادہ عزیز ہے۔ میری ایک بیٹی ہے اس سے میں تیرا نکاح کر دوں گا۔ حسن نے کہا میں تیرا غلام ہوں اور جو بھی بھلائی تو میرے ساتھ کرے گا وہ خدا کے پاس جمع رہے گی۔ عجمی نے کہا بیٹا! ذرا صبر سے کام لے پھر تیرے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے وہ مٹھائی حسن کو دی۔ اس نے اس کا ہاتھ چوم کر اسے اپنے منہ میں رکھ لیا۔ اسے کیا خبر تھی کہ غیب میں اس کے لئے کیا پوشیدہ ہے۔ مٹھائی کا نگلنا تھا کہ اس کا سر اس کے پاؤں سے آگے آگے چلنے لگا اور دنیا سے غائب ہو گیا۔ جب عجمی نے دیکھا کہ بلا حسن کے اوپر نازل ہو چکی ہے تو بہت خوش ہوا اور کھڑا ہو کر کہنے

لگا کہ اے مردود' اے عرب کتے! آخر تو میرے جال میں پھنس گیا۔ اے حسن میں کئی سال سے تیری تلاش میں تھا اور اب تو قابو میں آ گیا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اکیاسی ویں رات

سات سو اکیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عجمی نے کہا بالاخر تو میرے جال میں پھنس ہی گیا اور اپنی کمر کس کر اس نے حسن کی مشکیں باندھیں' ہاتھ پاؤں ملا کر باندھ دیئے اور ایک صندوق لیا۔ اسے خالی کرکے اس میں حسن کو بند کیا اور قفل ڈال دیا۔ پھر اس نے دوسرا صندوق کھولا۔ اس کی ساری چیزیں نکال پھینکیں اور حسن کا سارا مال متاع سونے کے دونوں ڈلوں سمیت صندوق میں بھر کر بازار سے حمال کو لایا۔ اس پر دونوں صندوق لادے اور انہیں شہر کے باہر لے جا کر سمندر کے کنارے اتارا۔ وہاں ایک کشتی لنگر ڈالے کھڑی تھی۔ اس کشتی میں غلام تھے اور ناخدا اس کا انتظار کررہا تھا۔ جب ملاحوں کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس کے پاس آئے اور دونوں صندوقوں کو لے جا کر کشتی میں رکھ دیا۔ عجمی نے ناخدا اور سب ملاحوں کو پکار کرکہا کہ تیار ہو جاؤ۔ ہماری حاجت پوری ہو چکی ہے اور مراد بر آئی ہے۔ ناخدا نے ملاحوں سے کہا کہ لنگر اٹھاؤ اور بادبان کھول دو۔ ہوا موافق تھی کشتی چل نکلی۔

یہ تو عجمی اور حسن کا قصہ ہوا۔ اب حسن کی ماں کا حال سنو۔ اس نے عشا کے وقت تک انتظار کیا' مگر جب نہ اسے کوئی خبر ملی' بلکہ آواز تک نہ سنائی دی تو وہ گھر کو کھلا دیکھ کر اس کے اندر آئی۔ اس نے دیکھا نہ وہاں کوئی شخص ہے نہ صندوق' نہ مال' اسے یقین ہو گیا کہ اس کا بیٹا کھو گیا اور جو قسمت میں بدی تھی' وہ پوری ہو گئی۔ وہ اپنا منہ پیٹنے لگی۔ کپڑے پھاڑ ڈالے اور واویلا کرنا شروع کردیا۔ کبھی روتی' کبھی کہتی کہ ہائے میرے بیٹے اور میرے دل کے پھل! جب وہ صبح تک اسی طرح روتی رہی تو پڑوسیوں نے آ کر اس کے بیٹے کا حال پوچھا۔ اس نے وہ سارا ماجرا بیان کر دیا جو اسے عجمی کے ساتھ پیش آیا تھا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ اب اپنے بیٹے

کو نہ دیکھ سکے گی۔ وہ گھر میں دیوانوں کی طرح پھرتی اور اسی طرح روتی پیٹتی رہی' پڑوسیوں نے دعا کی کہ اسے صبر آ جائے اور اس کا بیٹا مل جائے اور اس سے رخصت ہو کر چلے گئے' مگر وہ دن رات برابر روتی رہی اور گھر کے بیچ میں ایک قبر بنا کر اس پر حسن کا نام اور اس کے کھوئے جانے کی تاریخ لکھ دی۔ وہ ہمیشہ اسی قبر کے پاس رہتی اور جس دن سے اس کا بیٹا اس سے جدا ہوا تھا اس کا یہی دستور تھا۔
یہ توماں کا قصہ ہوا' اب سنو کہ حسن کو عجمی کے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا۔ یہ عجمی مجوسی تھا۔ مسلمانوں سے اس کو بڑی نفرت تھی۔ جب اس کا داؤ کسی مسلمان پر چل جاتا تو وہ اسے بے تابہ کئے نہ چھوڑتا کیونکہ وہ خبیث اور ملعون اور خودغرض اور کیمیاگر تھا۔ اس مردود کا نام بہرام مجوسی تھا۔ وہ ہر سال کسی نہ کسی مسلمان کو پکڑ کر کسی خاص مطلب کے لئے ذبح کر ڈالتا۔ جب اس کی چال سنار حسن پر چل گئی اور وہ اسے لے کر چلا۔ صبح سے شام تک اور پھر شام سے دوسری صبح تک چلنے کے بعد کشتی نے ایک ساحل پر لنگر ڈالا۔ دم لے کر کشتی آگے چلی۔ جب دن نکل آیا تو عجمی نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ صندوق لے آئیں۔ جس کے اندر حسن بند ہے۔ وہ لے آئے تو اس نے کھول کر حسن کو نکالا۔ اسے سرکہ سنگھایا اور اس کی ناک میں کوئی سفوف پھونکا۔ حسن کو چھینک آئی اور جو چیز مٹھائی میں ملا اسے کھلائی تھی' قے کے ذریعے نکل پڑی۔ حسن آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ وہ بیچ سمندر میں ہے۔ کشتی چلی جا رہی ہے اور عجمی اس کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ اسے یقین آ گیا کہ عجمی کا فریب کارگر ہو گیا اور وہ اسی بلا میں گرفتار ہے جس سے اس کی ماں اسے ڈراتی تھی۔ اس نے لاحول پڑھ کر خدا سے دعا مانگی کہ اے عالموں کے پروردگار' میری تقدیر میں مہربانی سے کام لے اور اپنے امتحان میں مجھے صبر عطا کر۔ اس کے بعد اس نے عجمی کی طرف نرمی کے ساتھ مخاطب ہو کر کہا اے میرے والد یہ تو نے کیا حرکت کی اور کیا ہوا اس روٹی اور نمک کو اور کہاں گئی وہ قسم جو تو نے میرے ساتھ کھائی

تھی؟ عجمی نے آنکھیں نکال کر کہا' اے کتے! کیا دنیا میں لوگ روٹی اور نمک کا پاس کرتے ہیں! میں نے تیری طرح ایک کم ہزار لوگوں کو قتل کیا ہے اور تیرے بعد پورے ہزار ہو جائیں گے۔ یہ کہہ کراس نے حسن کو ڈانٹا۔ حسن نے زبان روک لی اور اسے یقین ہو گیا کہ قسمت کا تیر اس پر آ پڑا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو بیاسی ویں رات

سات سو بیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- حسن کو یقین ہو گیا کہ قسمت کا تیر اس کے آ لگا ہے۔ عجمی ملعون نے اب حکم دیا کہ اس کی مشکیں کھول دی جائیں اور لوگوں نے اسے تھوڑا تھوڑا پانی پلانا شروع کیا۔ مجوسی ہنس رہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ آگ اور روشنی' سائے اور گرمی کی قسم میں یہ نہ سمجھتا تھا کہ تو میرے جال میں پھنس جائے گا لیکن آگ کے طفیل میں نے تجھ پر قابو پا لیا اور اس کی مدد سے تجھے رام کر لیا یہاں تک کہ میری حاجت پوری ہو گئی۔ اب میں گھر واپس جا کر تجھے آگ پر قربان کروں گا تا کہ وہ مجھ سے راضی ہو جائے۔ حسن نے کہا تو نے روٹی اور نمک کے معاملے میں مجھ سے خیانت کی اور شاید کچھ اور بھی کہتا لیکن مجوسی نے ہاتھ اٹھا کر ایسی دھول ماری کہ اس کے دانت زمین پر گر گئے۔ اس پر غشی طاری ہو گئی اور اس کے آنسو بہنے لگے۔ مجوسی نے اپنے غلاموں سے کہا کہ آگ جلائیں۔ حسن نے پوچھا کہ تو آگ جلا کر کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ یہ آگ' روشنی اور چنگاریوں کی ساتھی ہے اور میں اسی کی عبادت کرتا ہوں۔ اگر تو بھی میری طرح اس کی پرستش کرے تو میں اپنی آدھی دولت تجھے دے دوں گا اور اپنی بیٹی کی شادی تیرے ساتھ کر دوں۔ حسن نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ مردود! تو کافر مجوسی ہے اور اس خدا کو چھوڑ کر جس نے دن رات پیدا کئے ہیں' آگ کو پوجتا ہے انہی وجہوں سے تمام مذہبوں پر مصیبت آئی ہے یہ سن کر مجوسی طیش میں آ گیا اور کہنے لگا' اے عرب کتے! کیا تو میرا کہنا نہ مانے گا اور میرے مذہب کی پیروی نہ کرے گا؟ لیکن حسن نے بالکل اس کی بات نہ مانی۔ ملعون مجوسی نے اٹھ کر آگ کے آگے سجدہ کیا اور اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ حسن کو اوندھا لٹائیں اور جب انہوں

نے اسے پٹ لٹا دیا تو مجوسی نے اسے ایسے کوڑے سے مارنا شروع کیا جو چمڑے کے تسموں سے گندھا ہوا تھا یہاں تک کہ اس کی کھال پھٹ گئی۔ وہ دہائی دیتا لیکن کوئی اس کی دہائی نہ سنتا اور وہ مدد کے لئے چلاتا مگر کوئی اس کی مدد کو نہ آتا۔ بالاخر اس نے اپنی نظر اوپر خدا کی طرف اٹھائی اور اسے رسول اللہ کا واسطہ دیا اس کا صبر جاتا رہا۔ آنسو رخساروں پر مینہ کی طرح برسنے لگے۔ مجوسی نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اسے بٹھائیں اور اس کے آگے کھانا پینا رکھیں۔ غلام کھانا پینا لے آئے لیکن حسن نے نہ دانہ کھایا نہ پانی پیا۔

مجوسی راستے بھر اسے تکلیفیں دیتا اور وہ صبر کرتا۔ جتنا حسن خدا کے آگے گڑگڑاتا' مجوسی کا دل اس کی طرف سے سخت ہوتا جاتا۔ اسی طرح وہ تین مہینے تک سمندر میں سفر کرتے اور حسن کو تکلیف پہنچاتے رہے جب پورے تین مہینے گزر گئے تو خدا کی طرف سے ایک آندھی آئی۔ سمندر تاریک ہو گیا۔ کشتی اچھلنے لگی' ناخدا اور ملاحوں نے کہا خدا کی قسم' ہم پر اسی لڑکے کا صبر پڑا ہے۔ جسے مجوسی تین مہینے سے تکلیف دے رہا ہے۔ خدا ایسی باتوں کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ کہہ کر انہوں نے مجوسی پر بلوہ کر دیا۔ اس کے غلام اور ساتھیوں کو مار ڈالا۔ جب مجوسی نے دیکھا کہ اس کہ غلام مار ڈالے گئے ہیں تو وہ ڈرا کہ کہیں میں بھی نہ مار ڈالا جاؤں۔ اس نے حسن کی مشکیں کھول دیں۔ اس کے پھٹے پرانے کپڑے اتار کر اسے دوسرے کپڑے پہنا دیئے۔ اس سے صلح کی درخواست کی اور کہا میں تجھے وہ فن سکھا دوں گا اور تجھے تیرے وطن پہنچا دوں گا۔ بیٹا میں نے جو کچھ کیا ہے اس کا بدلہ مت نکال۔ حسن بولا کہ اب میں تیرا کیونکر یقین کر سکتا ہوں! اس نے کہا کہ بیٹا! اگر دنیا میں گناہ نہ ہوتا تو مغفرت بھی نہ ہوتی۔ اور میں تو تیرے صبر کا امتحان کر رہا تھا اور تجھے یہ تو معلوم ہی ہے کہ جو خدا کرتا ہے وہی ہوتا ہے۔

حسن کی رہائی پر ملاح اور ناخدا خوش ہو گئے۔ حسن نے ان کو دعا دی اور خدا کی تعریف کی۔ اس کا شکر بجا لایا۔ اب آندھی رک گئی اور اندھیرا جاتا رہا۔ کشتی باد موافق کے

ساتھ چلنے لگی۔ حسن نے مجوسی سے پوچھا کہ اے عجمی! تو کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا بیٹا! میں جبل السحاب جا رہا ہوں جہاں وہ اکسیر ملتی ہے جس سے ہم کیمیا بناتے ہیں۔ اس کے بعد مجوسی نے حسن کے آگے آگ اور روشنی کی قسم کھا کر کہا کہ اب تجھے مجھ سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ مجوسی کی یہ باتیں سن کر حسن خوش ہو گیا اور اسے اطمینان ہو گیا۔ اب مجوسی اس کے ساتھ کھانے پینے' بیٹھنے اٹھنے لگا۔ اسے اپنے کپڑے پہننے کو دیئے۔ تین مہینے سفر کرنے کے بعد کشتی نے ایک بہت لمبی خشکی پر لنگر ڈالا۔ جہاں سفید' زرد' نیلے' کالے اور باقی تمام رنگوں کے کنکر پتھر تھے۔ جونہی کشتی نے وہاں لنگر ڈالا' عجمی اٹھ کھڑا ہوا اور حسن سے کہنے لگا کہ اتر' ہم جہاں پہنچنا چاہتے تھے پہنچ گئے۔ حسن اٹھ کھڑا ہوا اور عجمی کے ساتھ اتر پڑا۔ مجوسی ناخدا کو اپنا سامان سپرد کرکے حسن کے ساتھ چل دیا۔ چلتے چلتے دونوں کشتی سے دور نظروں سے غائب ہو گئے۔ ایک جگہ ایسی آئی جہاں مجوسی بیٹھ گیا اور اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا طبلہ نکالا جو تانبے کا تھا اور ایک ریشمی ڈوری جو سنہری تاروں سے بٹی ہوئی تھی اور اس پر طلسمات لکھے ہوئے تھے' پھر اس نے اس طبلے کو بجایا۔ طبلہ بجتے ہی جنگل کے پیچھے سے گرد اٹھی۔ یہ دیکھ کر حسن کو تعجب ہوا وہ مجوسی سے ڈرنے لگا اور اس کے ساتھ اترنے پر پشیمان ہوا۔ اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ مجوسی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا بیٹا! تجھے کیا ہو گیا ہے؟ قسم ہے آگ اور روشنی کی اب تجھے مجھ سے ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ اگر میری مراد بغیر تیرے نام کے پوری ہو سکتی تو میں تجھے ہرگز کشتی سے نہ اتارتا۔ خوش ہو کہ اب تیرے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے اور یہ گرد وہ ہے جس پر ہم سوار ہوں گے اور جو ہمیں اس جنگل کے طے کرنے میں مددگار ہو گی اور ہماری مشکل کو آسان کر دے گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو تراسی ویں رات

سات سو تراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... عجمی نے حسن سے کہا کہ اس گرد کی وجہ سے ہماری مشکل آسان ہو جائے گی۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد گرد چھٹی اور اس میں سے تین اصیل اونٹنیاں نکلیں۔ ایک پر عجمی سوار ہو گیا اور دوسری پر حسن اور تیسری پر انہوں نے سفر کے لئے کھانے پینے کا سامان رکھ لیا اور سات دن تک چلتے رہے۔ ایک بڑے میدان میں پہنچ کر وہ ٹھہر گئے اور ایک گنبد دیکھا جو چار سرخ سونے کے کھمبوں پر کھڑا تھا۔ اونٹنیوں پر سے اتر پڑے۔ گنبد کے نیچے بیٹھ کر کھایا پیا اور ستانے لگے۔ اتنے میں حسن کی نظر ایک اونچی عمارت پر پڑی۔ وہ کہنے لگا کہ چچا! یہ کیا ہے؟ مجوسی بولا کہ یہ ایک محل ہے۔ حسن نے کہا آؤ اس کے اندر جا کر ہم آرام کریں اور اس کی سیر کریں۔ مجوسی اس کے پاس منہ لا کر کہنے لگا کہ میرے آگے اس محل کا ذکر مت کر کیونکہ اس میں میرا ایک دشمن رہتا ہے' اس کے ساتھ مجھے ایک قصہ درپیش ہے جس کے بیان کرنے کا یہ وقت نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے طبلہ بجایا اور اونٹنیاں آ موجود ہوئیں۔ دونوں پھر سوار ہو گئے اور سات دن تک چلتے رہے۔ جب آٹھواں دن ہوا تو مجوسی نے کہا کہ اے حسن! تجھے کیا دکھائی دیتا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے بادل ہی بادل دکھائی دیتے ہیں جو پورب سے پچھم تک پھیلے ہوئے ہیں۔ مجوسی بولا کہ یہ بادل نہیں بلکہ ایک بڑا اونچا پہاڑ ہے جس پر بادل آ کر ٹکراتے ہیں۔ وہ اتنا اونچا ہے کہ اس کے اوپر کوئی بادل نہیں جا سکتا ہماری منزل مقصود یہی پہاڑ ہے کیونکہ جس چیز کی ہمیں تلاش ہے' وہ اسی پر ملتی ہے۔ اسی وجہ سے میں تجھے اپنے ساتھ لایا ہوں کیونکہ تیرے ہی ہاتھوں میری مراد پوری ہو سکتی ہے۔ یہ سن کر حسن اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا اور مجوسی سے کہنے لگا کہ تجھے قسم ہے اپنے معبود کی اور اپنے دین کی جس پر تیرا ایمان ہے وہ تیرا کون سا مقصد ہے جس

کی وجہ سے تو مجھے یہاں لایا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کیمیا کی صنعت بلا ایک بوٹی کے، مکمل نہیں ہوتی جو ایسی ہی جگہ اگتی ہے جہاں بادل ٹکرا کر الگ الگ ہو جاتے ہیں اور وہ یہی پہاڑ ہے اور اسی کے اوپر بوٹی ہے جب ہمیں وہ بوٹی مل جائے گی تو میں تجھے وہ فن سکھا دوں گا۔ مارے ڈر کے، حسن نے کہہ دیا کہ اے میرے آقا! ہاں۔ مگر وہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا اور ماں باپ اور رشتے داروں اور وطن کی جدائی پر رونے لگا اور اس بات پر پشیمان تھا کہ اس نے اپنی ماں کا کہنا نہ مانا۔

آخر دونوں چلتے چلتے اس پہاڑ کے پاس جا پہنچے اور اس کے نیچے ٹھہر گئے۔ حسن نے دیکھا کہ پہاڑ کے اوپر ایک محل ہے۔ وہ مجوسی سے پوچھنے لگا کہ یہ محل کیسا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ جنوں اور بھوت پریتوں اور شیطانوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ اب مجوسی اپنی اونٹنی سے اترا اور حسن سے کہا کہ تو بھی اتر پڑ اور اٹھ کر اس کا سر چوما اور کہنے لگا کہ جو کچھ میں نے تیرے ساتھ کیا ہے اس کا برا نہ مان۔ جب تک محل میں داخل ہو گا تو میں تیری حفاظت کروں گا، مگر میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تجھے جو چیز وہاں ملے اس میں میرے ساتھ دھوکے بازی مت کیجیو۔ اس میں سے میرا اور تیرا حصہ برابر کا ہے۔ حسن نے کہا سر آنکھوں پر۔ عجمی نے ایک تھیلا کھولا اور اس میں سے ایک چکی نکالی اور تھوڑے سے گیہوں نکال کر اسی چکی میں پیسے اور تین ٹکیاں بنائیں اور آگ جلا کر انہیں پکایا۔ پھر وہی تانبے کا طبلہ اور کلابتونی ڈوری نکال کر طبلہ بجایا۔ اونٹنیاں آ موجود ہوئیں۔ اس نے ان میں سے ایک اونٹنی کو پکڑ کر ذبح کیا اور اس کی کھال کھینچ کر حسن سے کہا کہ اے میرے بیٹے! اے حسن! جو میں کہتا ہوں اسے کان دھر کر سن۔ اس نے کہا کہئے۔ مجوسی بولا کہ اس کھال کے اندر گھس جا۔ میں اسے سی کر تجھے زمین پر ڈال دوں گا اور سفید گدھ آ کر تجھے اٹھا کر لے جائیں گے اور تجھے اڑا کر اس پہاڑ کے اوپر لے جائیں گے۔ اس چھری کو اپنے ساتھ رکھ لے جب وہ اڑ کر رک جائیں اور تجھے یقین ہو جائے کہ تو پہاڑی پر پہنچ گیا ہے تو تو کھال چاک کرکے نکل آئیو۔ گدھ تجھ سے ڈر کر بھاگ جائیں گے اور تو پہاڑ

پر سے نیچے دیکھ کر مجھ سے بات کیجئو تاکہ میں تجھے بتا دوں کہ تجھے کیا کرنا ہے۔اس کے بعد اس نے تینوں ٹکیاں اور ایک کوزہ پانی کا اس کے ساتھ کھال میں رکھ دیا اور کھال کو سی دیا۔ سفید گدھوں نے آ کر اسے اٹھا لیا اور اڑ کر پہاڑ پر پہنچے اور اسے وہاں رکھ دیا۔ جب حسن کو یقین ہو گیا کہ گدھوں نے اسے پہاڑ پر رکھ دیا ہے تو اس نے کھال چاک کر دی اور اس میں سے نکل کر مجوسی کو آواز دی۔ اس کی آواز سن کر مجوسی اتنا خوش ہوا کہ مارے خوشی کے ناچنے لگا اور کہا کہ پیچھے کی طرف جا اور جو کچھ تجھے نظر پڑے مجھ سے کہہ۔ حسن نے جا کر دیکھا کہ بہت سی سڑی ہوئی ہڈیاں پڑی ہیں اور ان کے پاس بہت سی لکڑیاں۔ اس نے مجوسی سے کہا کہ اسے یہ یہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ مجوسی بولا کہ بس یہی میرا مقصد ہے۔ ان لکڑیوں کے چھ گٹھڑ باندھ کر میرے پاس پھینک دے۔ انہی سے ہم کیمیا بناتے ہیں۔ جب حسن نے چھ گٹھڑ پھینک دیئے اور مجوسی نے دیکھ لیا کہ وہ اس کے پاس پہنچ گئے ہیں تو وہ حسن سے کہنے لگا کہ اے موت کے شکار، جو میری ضرورت تجھ سے تھی وہ پوری ہو گئی، اب خواہ تو پہاڑ پر بیٹھا رہ اور خواہ زمین پر کود اور مر جا۔ یہ کہہ کر مجوسی چلتا بنا۔
حسن نے لاحول پڑھی اورکہا کہ یہ کتا میرے ساتھ چال چل گیا اور بیٹھ کر اپنے اوپر واویلا کرنے لگا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چوراسی ویں رات

سات سو چوراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... حسن نے لاحول پڑھ کر کہا کہ اس مردود کتے کی چال مجھ پر چل گئی۔ اور وہ کھڑا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کبھی پہاڑ پر ادھر جاتا' کبھی ادھر' اسے یقین تھا کہ اب میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ اسی اثنا میں جب وہ پہاڑ کی دوسری طرف پہنچا تو اس نے دیکھا کہ پہاڑ سے ملا ہوا ایک نیلا سمندر ہے جو پہاڑ کے برابر موجیں مار رہا ہے۔ وہ بیٹھ کر جو کچھ قرآن میں سے یاد تھا' پڑھنے لگا اور خدا سے مدد مانگی کہ میری مشکل آسان کر دے۔ خواہ موت سے یا ان مصیبتوں کے چھٹکارے سے۔ پھر خود اپنے اوپر جنازے کی نماز پڑھ کر سمندر میں کود پڑا۔ موجوں نے اسے لے جا کر خدا کی قدرت سے صحیح و سلامت خشکی پر پہنچا دیا۔ اس نے خدا کی تعریف کی' شکر بجا لایا اور اٹھ کر کھانے کی کوئی چیز ڈھونڈنے لگا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں مجوسی نے اسے کھال میں سیا تھا۔ آگے بڑھا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک بڑے اونچے محل کے پاس جا نکلا۔ یہ وہی محل تھا جس کے بارے میں اس نے مجوسی سے پوچھا تھا اور اس نے کہا تھا کہ اس میں میرا ایک دشمن رہتا ہے۔ حسن اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس محل میں ضرور جانا چاہیے۔ ممکن ہے کہ وہاں پہنچ کر مجھے خوشی حاصل ہو۔ اس نے دیکھا کہ محل کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور وہ داخل ہو گیا۔ اندر جا کر اس نے دیکھا کہ ایک چوکی پر دو لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں جو چاند کی طرح ہیں۔ ان کے بیچ میں شطرنج کی بساط بچھی ہوئی ہے اور وہ کھیل رہی ہیں۔ ان میں سے ایک نے سر اٹھایا اور مارے خوشی کے چلا اٹھی کہ خدا کی قسم! یہ انسان ہے اور میرے خیال میں یہ وہی ہے جسے مجوسی بہرام اس سال لایا ہو گا۔ اس کی باتیں سن کر حسن ان کے آگے گر پڑا اور زار زار رونے لگا اور کہا کہ اے پری زادو خدا کی قسم میں بیچارہ وہی ہوں۔

اب چھوٹی لڑکی نے اپنی بڑی بہن سے کہا کہ بہن! تو گواہ رہیو کہ میں خدا سے عہد و پیمان کرتی ہوں کہ یہ میرا بھائی ہے' اس کی موت میری موت ہے اور اس کی زندگی میری زندگی۔ اس کی خوشی میری خوشی اور اس کا غم میرا غم۔ یہ کہہ کر وہ اٹھی اور اسے گلے لگا کر بوسہ دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی بہن کے ساتھ ساتھ محل میں داخل ہوئی۔ اس کے پھٹے پرانے کپڑے اتار کر شاہانہ پوشاک لائی اور اسے پہنائی اور طرح طرح کے کھانے تیار کرکے اس کے آگے رکھے۔ اس نے اس کی بہن نے حسن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا اور اس سے کہا کہ جب سے تو اس کافر جادوگر کے پنجے میں پھنسا ہے اس وقت سے لے کر اس سے چھٹکارا پانے تک کی داستان سنا۔ اس کے بعد ہم بھی سنائیں گے کہ ہمیں اس کے ساتھ شروع سے لے کر آخر تک کیا پیش آیا تا کہ اگر تو پھر اسے دیکھے تو اس سے خبردار رہے۔ ان کی یہ باتیں سن کر اور ان کی آؤ بھگت دیکھ کر حسن کی جان میں جان آئی اور اس کے ہوش و حواس درست ہوئے اور اس نے اپنا قصہ شروع سے لے کر آخر تک سنا دیا۔ لڑکیوں نے کہا کہ تو نے اس سے محل کے بارے میں بھی پوچھا تھا؟ اس نے جواب دیا' ہاں پوچھا تھا اور اس نے جواب دیا تھا کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کیونکہ اس میں شیطان اور ابلیس رہتے ہیں۔ یہ سن کر لڑکیاں طیش میں آگئیں اور کہنے لگیں کہ یہ کافر ہمیں شیطان اور ابلیس کہتا ہے؟ حسن نے جواب دیا کہ ہاں چھوٹی لڑکی جو حسن کی بہن بنی تھی بولی کہ قسم ہے خدا کی میں اسے ایسی بری مار ماروں گی کہ پھر اسے دنیا کی ہوا نصیب نہ ہو۔ حسن نے پوچھا کہ تیری پہنچ اس تک کیسے ہو گی اور تو اسے کس طرح قتل کرے گی؟ وہ تو بڑا مکار جادوگر ہے۔ اس نے جواب دیا کہ وہ شید نامی باغ میں رہتا ہے اور میں اسے عنقریب مار ڈالوں گی۔ اس کی بہن بولی کہ حسن سچ کہتا ہے اور جو کچھ بھی اس نے اس کتے کے بارے میں کہا ہے ٹھیک ہے لیکن اسے ہماری داستان بھی سنا دے تا کہ وہ بھی اس کے ذہن میں رہے۔

اب چھوٹی بہن نے بیان کرنا شروع کیا کہ اے میرے بھائی! ہم شہزادیاں ہیں اور ہمارا

باپ جنوں کا ایک عظیم الشان بادشاہ ہے اور اس کے پاس دیوؤں کا بہت بڑا لشکر ہے۔ خدا نے اسے ایک ہی بیوی سے سات بیٹیاں دی ہیں اور اس میں اتنی غیرت اور رشک اور حمیت ہے کہ اس نے ہماری شادی بھی اب تک کسی سے نہیں کی۔ ایک بار اس نے اپنے وزیروں اور مصاحبوں کو اکٹھا کر کے پوچھا کہ تم مجھے کسی ایسی جگہ کا پتہ دے سکتے ہو جہاں تک کسی کی رسائی نہ ہو سکتی ہو نہ انسانوں کی اور نہ جنات کی اور جہاں بہت سے درخت اور میوے اور چشمے ہوں؟ انہوں نے کہا کہ جہاں پناہ! تو اسے کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ میں اپنی ساتوں بیٹیوں کو وہاں رکھنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ جبل سحاب کا محل ان کے لئے مناسب ہو گا جسے ان جنوں میں سے ایک جن نے بنایا تھا جنہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی۔ جب سے وہ مارا گیا ہے اس میں کوئی نہیں رہا۔ نہ انسان نہ جن کیونکہ وہ اتنی دور ہے کہ کسی کی پہنچ نہیں۔ اس کے اردگرد درخت اور پھل اور چشمے ہیں جن کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سرد ہے۔ اگر کسی کو کوڑھ وغیرہ ہو اور وہ اس پانی کو پی لے تو فوراً اچھا ہو جاتا ہے۔ جب ہمارے باپ نے یہ سنا تو ہمیں اس محل میں بھیج دیا اور ہمارے ساتھ بڑا لاؤ لشکر کر دیا اور ضرورت کی ہر چیز مہیا کر دی۔ جب وہ سوار ہونا چاہتا ہے تو ڈھول بجتا ہے اور ساری فوجیں آ کر اس کے پاس حاضر ہو جاتی ہیں اور ان میں سے چن لیتا ہے کہ کون کون اس کے ساتھ سوار ہوں باقی لوگ لوٹ جاتے ہیں اور جب ہمارا باپ چاہتا ہے کہ ہم اس کی خدمت میں حاضر ہوں تو وہ اپنے ماتحت جادوگروں کو حکم دیتا ہے کہ ہمیں آ کر لے جائیں اور وہ ہمارے پاس آ کر ہمیں اس کی خدمت میں لے جاتے ہیں تاکہ وہ ہمیں دیکھ کر خوش ہو اور ہمیں جس چیز کی ضرورت ہو' پوری ہو جائے۔ اس کے بعد ہم اس جگہ واپس آ جاتے ہیں۔ ہماری باقی پانچ بہنیں بھی یہیں ہیں جو اس وقت جنگل میں شکار کھیلنے گئی ہیں کیونکہ یہاں بے شمار جنگلی جانور ہیں۔ ہم میں سے دو باری باری کھانا پکانے کے لئے یہاں ٹھہر جاتی ہیں۔ آج میری اور میری بہن کی باری ہے اور ہم کھانا پکانے کے لئے ٹھہرے

ہیں۔ ہم خدا سے دعا مانگ رہے تھے کہ وہ کسی انسان کو یہاں بھیج دے تاکہ ہم اس کے ساتھ بیٹھ کر خوش ہوں۔ اس کا شکر ہے کہ اس نے تجھے ہمارے پاس بھیج دیا۔ خوش اور دل شاد ہو' تجھے یہاں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔

یہ سن کر حسن خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا کہ اس نے مجھے چھٹکارے کے راستے پر لگا دیا اور اپنے بندوں کے دلوں کو میری طرف سے نرم کر دیا۔ اب اس کی بہن اٹھی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک کمرے میں لے گئی اور وہاں سے ایسے ایسے لباس اور فرش نکال کر لائی جو دنیا میں کسی کے پاس نہ ہوں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی بہنیں بھی سیر و شکار سے لوٹیں اس نے ان سے حسن کا ذکر کیا۔ وہ بھی خوش ہوئیں اور کمرے میں جا کر اسے سلام کیا اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دی۔ حسن ان کے ساتھ بڑے عیش و عشرت سے رہنے لگا' ان کے ساتھ سیر و شکار کو جاتا اور شکار مار کر ذبح کرتا۔ غرض کہ بہت جلد وہ ان سے مانوس ہو گیا اور ان کے ساتھ اس طرح اس جگہ رہتے رہتے اس کے بدن میں توانائی بھی آ گئی' رنگ روپ نکل آیا۔ وہ ان کے ساتھ اس خوبصورت محل کی سیر کرتا' باغوں اور پھولوں کے مزے لیتا اور وہ اس کی خاطر تواضع کرتیں' بات چیت سے اس کا دل بہلاتیں۔ اس سے اس کے دل کی گھبراہٹ جاتی رہی اور لڑکیاں بھی اس کی وجہ سے خوش و خرم رہنے لگیں۔ جتنی ان کو اس سے خوشی ہوتی تھی اس سے زیادہ اسے ان سے۔ اس کے بعد چھوٹی بہن نے اپنی بہنوں سے بہرام مجوسی کا قصہ بیان کیا اور کہا کہ اس نے ہمیں شیطان اور ابلیس اور بھوت بتایا ہے اس پر سب نے قسم کھا کر کہا کہ ہم اسے بے قتل کئے نہ مانیں گے۔ جب دوسرا سال ہوا تو وہ ملعون ایک خوبصورت مسلمان جو ان کو ساتھ لے آیا جو چاند کا ٹکڑا تھا اس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور وہ سخت تکلیف میں تھا۔ حسن درختوں کے نیچے ایک چشمے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی حسن کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ ہاتھ ملنے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• سات سو پچاسی ویں رات

جب سات سو پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مجوسی کو دیکھ کر حسن سنار کا دل دھڑکنے لگا' اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ ہاتھ ملنے لگا اور اس نے لڑکیوں سے کہا کہ بہنو! خدا کے لئے اس ملعون کو قتل کرنے میں میری مدد کرو۔ دیکھو یہ آ گیا ہے اور تمہارے قبضے میں ہے۔ اس کے ساتھ ایک جوان مسلمان قیدی ہے جو کسی بڑے آدمی کا لڑکا معلوم ہوتا ہے۔ مجوسی اسے سخت تکلیف پہنچا رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے قتل کروں تاکہ میرا دل ٹھنڈا ہو جائے اور جوان کو اس کے ہاتھ تکلیف سے چھٹکارا ملے۔ میں ثواب لوں اور مسلمان جوان اپنے وطن واپس جا کر اپنے بھائیوں اور رشتے داروں اور دوستوں سے ملے۔ یہ تمہاری طرف سے خیرات ہو گی اور خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔ لڑکیاں بولیں کہ اے حسن! تیرا اور خدا کا حکم سر آنکھوں پر یہ کہہ کر انہوں نے اپنے چہروں پر نقابیں ڈالیں اور ہتھیار لگا کر کمرے سے تلواریں باندھ لیں اور حسن کے لئے بہترین گھوڑا منگوا کر اس پر چارجامہ کسا اور حسن کے عمدہ ہتھیار باندھے اس کے بعد سب چل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ مجوسی ایک اونٹ کو ذبح کرکے اس کی کھال کھینچ چکا ہے اور جوان کو سخت تکلیف دے رہا ہے کہ اس کی کھال کے اندر گھس' اتنے میں حسن پیچھے سے آ پہنچا۔ مجوسی کو اس کی خبر تک نہ ہوئی اور اس زور سے للکارا کہ اس کی عقل جاتی رہی' وہ بدحواس ہو گیا اب حسن نے آگے بڑھ کر کہا' اے ملعون اے خدا اور مسلمانوں کے دشمن اے کتے' اے دھوکے باز' اے آتش پرست' اے گنہگاروں کے راستے پر چلنے والے اپنا ہاتھ روک۔ کیا تو آگ اور روشنی کی پرستش کرتا اور دھوپ چھاؤں کی قسم کھاتا ہے؟ مجوسی نے مڑ کر دیکھا اور جونہی اس کی نظر حسن پر پڑی۔ وہ کہنے لگا کہ بیٹا! تو کیسے

چھوٹ کر زمین پر اتر آیا ہے؟ حسن نے جواب دیا کہ اے کافر زندیق! مجھے اس نے چھڑایا ہے جو تیری جان اسی طرح تیرے دشمنوں کے ہاتھ سے لے گا جس طرح تو نے مجھے راستے بھر تکلیفیں پہنچائی ہیں۔ اب تو مصیبت میں آ پھنسا ہے اور راستہ بھول گیا ہے' اب نہ ماں تجھے فائدہ پہنچا سکتی ہے' نہ بھائی نہ دوست' نہ کوئی پکا عہد و پیمان' تیرا ہی قول ہے کہ جو کوئی روٹی اور نمک میں خیانت کرتا ہے' خدا اس کا بدلہ لیتا ہے۔ تو نے روٹی اور نمک میں خیانت کی ہے اس لئے خدا نے تجھے میرے ہاتھ میں دے دیا ہے اور اب تیرا چھٹکارا مجھ سے ناممکن ہے۔ مجوسی نے کہا کہ بیٹا! خدا کی قسم میں تجھے اپنی جان اور اپنی آنکھوں کی روشنی سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔

حسن نے کچھ نہ سنا' بڑھ کر اس پھرتی سے اس کی گدی پر وار کیا کہ تلوار چمکتی ہوئی اس کی گردن کے آر پار ہو گئی اور خدا نے اس کی روح فوراً دوزخ میں پہنچا دی جو بری رہنے کی جگہ ہے۔ اس کے بعد حسن نے وہ تھیلا لیا جو مجوسی کے پاس تھا اور اسے کھول کر اس میں سے طبلہ اور ڈوری نکالی اور ڈوری سے طبلہ بجایا۔ اس پر تین اونٹنیاں بجلی کی طرح حسن کے پاس آ پہنچیں اس نے جوان کی مشکیں کھول کر اسے ایک اونٹنی پر بٹھا دیا اور دوسری پر کھانے پینے کا سامان باندھ کر اس سے کہا کہ اپنے وطن جا۔ جونہی خدا نے اسے حسن کی بدولت تکلیف سے نجات دی وہ روانہ ہو گیا۔ جب لڑکیوں نے دیکھا کہ حسن نے مجوسی کی گردن اڑا دی ہے تو وہ مارے خوشی کے اس کے اردگرد پھرنے لگیں اور انہیں اس کی بہادری اور قوت پر بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے اس کی کارگزاری پر اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دی اور کہا کہ اے حسن تو نے وہ کام کیا جس سے بیمار شفا پاتے ہیں اور خدا خوش ہوتا ہے۔ اب وہ لڑکیوں کو لے کر محل میں گیا اور ان کے ساتھ کھانے پینے' ہنسی مذاق میں مشغول ہو گیا اور ان کی صحبت میں اسے اتنا مزہ آیا کہ وہ اپنی ماں کو بھول گیا۔

وہ ان کی صحبت کے مزے اڑا ہی رہا تھا کہ اتنے میں جنگل کی طرف سے ایسی گرد

اٹھتی دکھائی دی کہ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ لڑکیوں نے کہا کہ اے حسن' اٹھ اور اپنے کمرے میں جا کر چھپ جا' ورنہ باغ میں جا کر درختوں اور انگور کی بیلوں میں چھپ رہ لیکن ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ حسن جا کر اپنے کمرے میں چھپ رہا اور اسے اندر سے بند کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد گرد چھٹی اور اس میں سے متلاطم سمندر کی طرح ایک زبردست لشکر نکلا جو اس بادشاہ کے پاس سے آیا تھا جو ان لڑکیوں کا باپ تھا۔ جب لشکر وارد ہوا تو لڑکیوں نے انہیں بہترین جگہ ٹھہرایا اور تین روز تک ان کی دعوت کی پھر ان سے خیریت اور خبر پوچھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم بادشاہ کے پاس سے تمہیں لینے آئے ہیں۔ لڑکیوں نے پوچھا کہ بادشاہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک بادشاہ کے ہاں جشن منایا جا رہا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تم بھی آ کر اس میں شریک ہو۔ لڑکیوں نے پوچھا کہ ہمیں کتنے دن لگیں گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جانا آنا دو دو مہینے' لڑکیاں اٹھ کر محل میں حسن کے پاس گئیں اس سے سارا ماجرا بیان کرکے کہا کہ یہ مکان تیرا مکان ہے اور ہمارا گھر تیرا گھر ہے۔ تو خوش اور اطمینان سے رہیو' ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس جگہ آ سکے۔ ہر قسم کا سامان یہاں موجود ہے۔ ہم اپنے کمروں کی کنجیاں تیرے پاس چھوڑ جاتے ہیں لیکن بھائی تجھے بھائی چارے کی قسم! فلاں دروازے کو نہ کھولیو کیونکہ اس کا کھولنا تیرے لئے بیکار ہے۔ یہ کہہ کر وہ حسن سے رخصت ہوئیں اور لشکر کے ساتھ روانہ ہو گئیں۔ حسن محل میں اکیلا رہ گیا اور ان کی جدائی کی وجہ سے گھبرانے لگا۔ محل باوجود اتنا بڑا ہونے کے اسے تنگ معلوم ہوتا تھا۔ اسے وحشت ہونے لگی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چھیاسی ویں رات

سات سو چھیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکیوں کے چلے جانے کے بعد جب حسن اکیلا رہ گیا تو اس کی طبیعت گھبرانے لگی۔ وہ اکیلا سیر و شکار کے لئے جاتا' شکار مار کے اسے ذبح کرتا اور اکیلا کھاتا۔ جب تنہائی کی وجہ سے اسے وحشت اور گھبراہٹ ہونے لگی تو وہ اٹھ کر چاروں طرف گھومنے لگا۔ دل بہلانے کی غرض سے اس نے لڑکیوں کے کمرے کھولے اور دیکھا کہ ان میں اتنی دولت بھری پڑی ہے کہ جس کا حساب عقل بھی نہیں کر سکتی لیکن لڑکیوں کے نہ ہونے کی وجہ سے اسے اس کا کوئی مزا نہ آیا۔ جس دروازے کے بارے میں اس کی بہن نے کہا تھا اسے ہرگز نہ کھولیو بلکہ اس کے پاس تک نہ پھٹکیو اس کے لئے حسن کے دل میں ایک آگ سی لگی ہوئی تھی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ میری بہن نے اس دروازے کو نہ کھولنے کے لئے ضرور اس وجہ سے کہا ہو گا کہ اس میں کوئی ایسی چیز ہے جو وہ نہیں چاہتی کہ کوئی دیکھے۔ قسم ہے خدا کی کہ میں اسے کھول کر دیکھوں گا کہ اس میں کیا چیز ہے۔ خواہ موت ہی کیوں نہ ہو۔ یہ کہہ کر اس نے کنجی سے وہ کوٹھڑی کھولی اور دیکھا کہ اس میں مال و دولت کچھ بھی نہیں لیکن غور جو کیا تو اندر ایک زینہ دکھائی دیا جو سلیمانی پتھر کا بنا ہوا تھا۔ اس زینے پر چڑھ کر وہ محل کی چھت پر پہنچ گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ انہوں نے بس اسی لئے مجھے منع کیا تھا' اب وہ چھت پر گھومنے لگا اور اس نے دیکھا کہ محل کے نیچے بہت سے کھیت اور باغ اور درخت اور پھول اور جانور اور چڑیاں ہیں جو چہچہا رہی ہیں اور یکتا اور زبردست خدا کی پاکی بیان کر رہی ہیں۔ وہ ان سیر گاہوں کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ اسے بہت بڑا موجزن سمندر دکھائی دیا۔

وہ اس محل کے اردگرد چکر لگاتے لگاتے ایک بیٹھک کے پاس پہنچا جس کے نیچے چار کھمبے

تھے اور اوپر ایک چبوترا جس میں یاقوت اور زمرد اور بلخش اور طرح طرح کے جواہرات کے نقش و نگار تھے اور ایک ایک اینٹ سونے' چاندی' یاقوت اور زمرد کی تھی۔ اس بیٹھک کے بیچ میں ایک حوض تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا جس کے اردگرد صندل اور عود کی چوکھٹوں میں سرخ سونے اور ہرے زمرد کی جالیاں لگی ہوئی تھیں جن میں کبوتر کے انڈوں کے برابر طرح طرح کے ہیرے اور موتی جڑے ہوئے تھے حوض کے ایک طرف عود کا ایک تخت پڑا ہوا تھا جو موتی اور جواہرات سے مرصع تھا۔ کندن کی جالیاں تھیں اور رنگ برنگ کے جواہرات سے ایسا جڑاؤ کہ آدمی دیکھا کرے۔ حوض کے چاروں طرف چڑیاں مختلف آوازوں سے گا رہی تھیں اور ان کی خوش الحانی اور چہچہے اللہ اللہ۔ اپنی اپنی بولیوں میں خدا کی پاکی کے نغمے گائے جا رہے تھے۔ اس محل کا جواب نہ کسریٰ کے پاس ہو گا نہ قیصر کے پاس۔ حسن اسے دیکھ کر دنگ ہو گیا اور بیٹھ کر اپنے اردگرد نظر دوڑانے لگا۔

وہ بیٹھا ہوا اس کی خوبصورتی پر تعجب کر رہا تھا کہ اس نے دیکھا' جنگل سے محل کی طرف دس چڑیاں آئیں۔ حسن سمجھا کہ وہ حوض پر پانی پینے آ رہی ہیں۔ وہ اس ڈر سے چھپ گیا کہ کہیں اسے دیکھ کر بھڑک نہ جائیں۔ اب چڑیاں اتر کر ایک خوبصورت درخت کے گرد پھدکنے لگیں۔ حسن نے دیکھا کہ ان میں ایک چڑیا اوروں سے بہت زیادہ خوبصورت ہے۔ جس کے اردگرد دوسری چڑیاں چڑیوں کی طرح ٹہل کررہی ہیں۔ حسن کو بڑی حیرت تھی کہ وہ چڑیا باقی نو چڑیوں پر چونچ مارتی اور ان پر اپنی بڑائی جتاتی ہے اور وہ اس سے بھاگتی ہیں۔ حسن دور کھڑا ہوا یہ تماشا دیکھتا رہا۔ اب وہ ساری چڑیاں تخت پر بیٹھ گئیں اور پنجوں سے اپنی اپنی کھالیں پھاڑنے لگیں۔ اور پروں کا لباس اتار کر دس پاکیزہ لڑکیاں بن گئیں۔ جن کے حسن کے آگے چاند بھی مات تھا۔ برہنہ ہو کر وہ سب حوض میں اتریں اور نہانے کھیلنے اور ہنسی مذاق کرنے لگیں۔ سردار چڑیا انہیں دھکیلتی اور ڈبکیاں دیتی۔ اور وہ اس سے بھاگتیں' مگر ان کی یہ مجال نہ ہوتی

کہ اس کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔ حسن اس کو دیکھتے ہی لٹو ہو گیا' اس کے حواس جاتے رہے اور اسے یقین آ گیا کہ لڑکیوں نے اسی وجہ سے منع کیا تھا کہ میں اس دروازے کو نہ کھولوں۔ اس کی رعنائی بانکی ادا اور حسن کا انداز دیکھ کر حسن کی طبیعت بے چین ہو گئی۔ دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ کھڑا دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا اور یہ حسرت کرنے لگا کہ کاش وہ ان کے ساتھ ہوتا! ہوش ٹھکانے نہ تھے' کلیجہ دھڑک رہا تھا' آنکھ دیکھنے میں محو تھی اور تن بدن میں ایک آگ سی لگی ہوئی تھی اور اس کا نفس برے کام کا حکم دے رہا تھا۔ وہ اس نوبہار حسن کی گل چینی کے اشتیاق میں رونے لگا اور سر سے پاؤں تک بھٹی بن گیا اور ایسے شعلے اٹھنے لگے جن کا بجھانا مشکل پڑ گیا۔ عشق نے ایسے ٹوکے لگائے جن کا اثر چھپائے نہ چھپ سکا۔ اب لڑکیاں حوض سے باہر آئیں۔ حسن انہیں دیکھ رہا تھا' مگر وہ اسے نہ دیکھ سکتی تھیں۔ پانی سے نکل کر سب نے اپنے اپنے کپڑے اور زیور پہن لئے' بڑی نے ایک سبز پوشاک زیب جسم کی اور وہ دنیا کے تمام حسینوں سے حسین تر معلوم ہونے لگی اور چال کی لچک میں وہ ٹہنیوں پر سبقت لے گئی اور عقل اسے دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو ستاسی ویں رات

سات سو ستاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑی لڑکی کا حسن و جمال دیکھ کر حسن کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ جب لڑکیاں اپنے کپڑے پہن چکیں تو بیٹھ کر باتیں چیتیں اور ہنسی مذاق کرنے لگیں' حسن کھڑا ہوا انہیں دیکھ رہا تھا اور اپنے عشق کے سمندر میں غرق تھا اور اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ خدا کی قسم میری بہن نے انہی لڑکیوں کی وجہ سے مجھ سے کہا تھا کہ میں ان دروازوں کو نہ کھولوں تاکہ کہیں میں ان میں سے کسی سے پھنس نہ جاؤں۔ اب حسن اس کے ایک ایک عضو کو دیکھنے لگا۔ اس کا منہ سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کی طرح تھا' کالے کالے بال جیسے عاشق کے اوپر ہجر کی رات' پیشانی رمضان کی عید کا چاند' آنکھیں جیسے غزالوں کی آنکھیں' ناک ستواں اور چمک دار' دونوں رخسار شقائق النعمان' دونوں ہونٹ مرجان' دانت موتی کی لڑی' گلابید کی شاخ کے اوپر چاندی کا ڈالا۔ رانیں موٹے موٹے مرمر کے ستونوں کی طرح' جیسے شترمرغ کے پروں سے بھرے ہوئے دو تکیے۔ یہ لڑکی بید کی شاخوں اور خیزراں کی چھڑیوں سے بھی زیادہ خوبصورت تھی۔ لڑکیاں خوش فعلیاں کرتی رہیں اور حسن برابر کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ وہ کھانا پینا تک بھول گیا تھا۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت آ گیا اور اس لڑکی نے اپنی ہم جولیوں سے کہا کہ اے شہزادیو! رات ہونے کو آئی' ہمارا ملک دور ہے اور ہم یہاں بیٹھے بیٹھے تھک بھی گئے ہیں چلو اب ہم گھر چلیں۔ سب نے اٹھ کر پروں کی پوشاک پہن لی اور پہلے کی طرح چڑیاں بن کر ایک ساتھ اڑ گئیں۔ آس پاس دوسری تھیں اور بیچ میں وہ لڑکی۔ جب حسن ان سے ناامید ہو گیا تو اس نے چاہا کہ اٹھ کر نیچے اترے لیکن اس میں اٹھنے تک کی سکت نہ تھی۔ آنسو اس کے رخسار پر بہہ رہے تھے۔ بہرحال حسن آہستہ آہستہ چلنے لگا اور الٹا سیدھا چلتے چلتے محل کے نیچے اترا اور بڑی مشکل سے کوٹھڑی کے دروازے تک پہنچا

اور اندر جا کر اسے بند کر لیا اور بیمار ہو کر لیٹ گیا' نہ کھاتا نہ پیتا بلکہ فکر میں ڈوبا رہتا۔ پھر وہ رونے پیٹنے لگا اور رات بھر روتا پیٹتا رہا۔ جب صبح ہوئی' سورج نکلا تو اس نے کوٹھڑی کا دروازہ کھولا اور اسی جگہ پہنچا جہاں وہ کل گیا تھا اور اسی منظر کے سامنے رات تک بیٹھا رہا لیکن کوئی چڑیا نہ آئی وہ زار زار رونے لگا۔ یہاں تک کہ غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو گھسٹتا ہوا محل کے نیچے اترا۔ رات ہو گئی تھی اور ہر چیز اسے کاٹنے کو دوڑتی تھی۔ وہ رات بھر برابر روتا اور آہ و زاری کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سویرا ہو گیا۔ ٹیلوں پر اور گھاٹیوں میں دھوپ نکل آئی وہ نہ کھاتا' نہ پیتا' نہ سوتا نہ اسے چین آتا بلکہ دن بھر پریشان رہتا اور رات بھر بیدار' مغموم اور بے چین ......

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اٹھاسی ویں رات

سات سو اٹھاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' نیک نہاد بادشاہ ------ جب حسن سنار کا عشق بہت زیادہ بڑھ گیا تو وہ برابر اشعار پڑھا کرتا اور چونکہ وہ محل میں اکیلا تھا اس کا دل ہرگز نہ بہلتا۔ وہ اسی پریشانی میں تھا کہ اسے جنگل کی طرف سے گرد اٹھتی دکھائی دی۔ وہ نیچے آ کر چھپ گیا اور اسے یقین ہوا کہ محل والے آ گئے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد لشکر اتر کر محل کے آس پاس پھیل گیا اور ساتوں لڑکیاں اتر کر محل کے اندر آئیں اور اپنے ہتھیار اور جنگی لباس اتار ڈالے لیکن چھوٹی لڑکی نے اپنی جنگی وردی نہ اتاری بلکہ اسی طرح حسن کے کمرے میں گئی۔ اسے وہاں نہ پایا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اسے ایک دوسری کوٹھڑی میں دیکھا۔ وہ کمزور اور دبلا نظر آتا تھا۔ اس کا جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا۔ ہڈیاں دکھائی دیتی تھیں' رنگ زرد پڑ گیا تھا' آنکھیں دھنس گئی تھیں۔ لڑکی سے اسے اتنی محبت ہو گئی کہ کھانا پینا چھوٹ گیا تھا اور آنسو جاری تھے۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر بڑی بہن گھبرا گئی' اس کے ہوش اڑ گئے۔ اس نے پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے اور کس مصیبت میں گرفتار ہے۔ بھائی! کہہ تو سہی تا کہ میں تیرا علاج کروں اور تجھ پر فدا ہو جاؤں۔ اس کے جواب میں حسن بلک بلک کر رونے لگا۔ حیران ہو کر اس کی بہن بولی' بھائی! تو اس مصیبت میں کب سے گرفتار ہے اور یہ بلا تجھ پر کب سے نازل ہوئی؟ کیونکہ میں دیکھتی ہوں کہ تو اشعار پڑھتا ہے اور تیرے آنسو برابر جاری ہیں۔ بھائی! تجھے خدا کی قسم اور اس محبت کا واسطہ جو ہمارے درمیان ہے' اپنا حال کہہ اور اپنے بھید سے مجھے مطلع کر اور مجھ سے کچھ نہ چھپا جو میری غیر موجودگی میں تجھ پر گزرا ہے کیونکہ تیری وجہ سے میں پریشان ہوں اور میری زندگی دوبھر ہو گئی ہے۔ یہ سن کر اس نے ٹھنڈا سانس بھرا' اس کے آنسو اور زیادہ بہنے لگے اور اس نے کہا بہن میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں تجھ سے کہوں گا تو تو میرے مقصد کے

حاصل کرنے میں میری مدد نہ کرے گی اور مجھے چھوڑ دے گی اور میں اپنے غم سے مر جاؤں گا۔ اس نے کہا کہ بھائی' میں تجھے ہرگز نہ چھوڑوں گی خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔ یہ سن کر اس نے سارا ماجرا اور دروازہ کھولنے کے بعد جو کچھ دیکھا تھا' بیان کر دیا اور کہا کہ تمام مصیبت اور بلا اس لڑکی کی محبت اور عشق کی وجہ سے پیش آئی ہے جسے میں نے دیکھا ہے اور یہ کہ دس دن سے میں نے نہ کھایا ہے نہ پیا ہے۔ یہ کہہ کر اس کی ہچکی لگ گئی۔ اسے اس طرح بے تحاشا روتا دیکھ کر اس کی بہن بھی رو پڑی اور اس کی حالت پر غمگین ہو گئی اور اس کی غربت پر اسے ترس آنے لگا۔ اس نے کہا کہ بھائی خوش ہو اور غم مت کر کیونکہ تیرے مقصد کے حاصل ہونے میں میں دل و جان سے کوشش کروں گی اور اپنی جان لڑا دوں گی اور کوئی نہ کوئی ترکیب ڈھونڈ نکالوں گی' خواہ اس میں میری جان اور میرا مال ہی کیوں نہ صرف ہو جائے۔ انشاء اللہ لیکن بھائی میرا مشورہ مان' میری بہنوں پر یہ راز نہ کھلنے پائے۔ اگر تو نے ان میں سے کسی سے بھی کہا تو میری اور تیری دونوں کی جان جائے گی۔ اگر وہ تجھ سے پوچھیں کہ تو نے دروازہ کھولا تو کہیو بالکل نہیں' میں محض اس وجہ سے پریشان خاطر ہوں کہ تم مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھیں اور میں محل میں اکیلا بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا تھا۔

حسن نے کہا یہ بہت ٹھیک ہے اور اس کے سر کو بوسہ دیا۔ وہ خوش ہو گیا اور اس کی گھبراہٹ جاتی رہی۔ اب تک تو وہ اپنی بہن سے ڈر رہا تھا کہ اس نے دروازہ کیوں کھولا اور مارے ڈر کے مرا جا رہا تھا لیکن اب اس کی جان میں جان آ گئی اور اس نے اپنی بہن سے کھانا مانگا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر غمگین اور روتی ہوئی اپنی بہنوں کے پاس چلی گئی۔ انہوں نے اس کی خیریت پوچھی اور اس نے جواب دیا کہ میں اپنے بھائی کی وجہ سے سخت پریشان ہوں کیونکہ وہ بیمار ہے اور دس دن سے اس کے پیٹ میں کوئی دانہ نہیں اترا۔ انہوں نے اس کی بیماری کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا کہ سبب یہی

ہے کہ ہم اسے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے اور ہماری غیر موجودگی کے دن اس پر ہزار سال سے بھی زیادہ سخت گزرے۔ اس میں اس کی کوئی خطا نہیں کیونکہ وہ پردیسی ہے اور اکیلا' اور ہم اسے تنہا چھوڑ کر چل دیئے اور اس کے پاس کوئی نہ تھا جو اس کا دل بہلاتا اور اسے گھبرانے نہ دیتا۔ بہرحال وہ ابھی کم سن جوان ہے اور جب کبھی وہ اپنے خاندان والوں اور خاص کر اپنی بوڑھی ماں کو یاد کرتا ہے تو اسے خیال ہوتا کہ وہ دن رات رو رو کر گزارتی ہو گی اور غمگین رہتی ہو گی اور محض ہماری محبت سے اسے ذرا ڈھارس سی بندھی رہتی ہے۔ اس کی یہ باتیں سن کر اس کی بہنیں بھی رونے لگیں اور انہیں اس پر بڑا ترس آیا اور کہنے لگیں کہ واللہ وہ معذور ہے اب لشکر کو رخصت کرکے وہ حسن کے پاس گئی اور اسے سلام کیا اور دیکھا کہ اس کی خوبصورتی ماند پڑ گئی ہے' رنگ زرد ہو گیا اور جسم گھل گیا ہے۔ ان کا دل بھر آیا' اس کے پاس بیٹھ کر باتوں سے اس کی پریشانی دور کرنے اور اس کا دل بہلانے لگیں اور اس سے وہ تمام عجیب و غریب باتیں بیان کیں جو انہوں نے دیکھی تھیں اور دولہا اور دلہن میں پیش آئی تھیں۔ اسی طرح پورے ایک مہینے تک وہ اس کی دل جوئی کرتی رہیں' مگر مرض روز بروز بڑھتا گیا جب کبھی وہ اسے اس حالت میں دیکھتیں تو آنسو بہائے بغیر نہ رہتیں اور چھوٹی لڑکی سب سے زیادہ روتی۔ مہینہ گزرنے کے بعد لڑکیوں کا جی سیر و شکار کے لئے چاہنے لگا اور جب انہوں نے پکا ارادہ کر لیا تو اپنی چھوٹی بہن سے کہا کہ تو بھی ہمارے ساتھ سوار ہو کر چل' لیکن اس نے کہا کہ بہنو! واللہ جب تک میرا بھائی اچھا نہ جائے اور اس کی بیماری جاتی نہ رہے میں اسے اس حالت میں چھوڑ کر تمہارے ساتھ نہیں چل سکتی بلکہ اس کے پاس ٹھہر کر اس کا دل بہلانا چاہتی ہوں۔ یہ سن کر انہوں نے اس کا شکریہ ادا کیا کہ وہ بڑی بامروت ہے اور کہا کہ جو بھلائی بھی تو اس پردیسی کے ساتھ کرے گی' تجھے اس کا اجر ملے گا یہ کہہ کر انہوں نے بہن کو اس کے پاس رہنے دیا اور بیس دن کا توشہ لے کر سوار ہو گئیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• سات سو نواسی ویں رات

سات سو نواسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکیاں اپنی چھوٹی بہن کو محل میں حسن کے پاس چھوڑ کر سیر و شکار کے لئے سوار ہو گئیں۔ جب وہ محل سے دور گئیں اور اس کی بہن کو یقین ہو گیا کہ اب وہ دور نکل گئی ہیں تو اس نے اپنے بھائی کے پاس آ کر کہا کہ بھائی! اٹھ کر مجھے وہ جگہ دکھا جہاں تو نے لڑکیوں کو دیکھا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بسرو چشم۔ بسم اللہ۔ وہ اس کی باتیں سن کر خوش ہوا اور اسے یقین آ گیا کہ اب میری مراد برآئیگی۔ اب وہ چاہتا ہی تھا کہ اسے وہ جگہ دکھائے لیکن اس میں چلنے کی بالکل سکت نہ تھی۔ اس لئے اسے لڑکی اپنی گود میں اٹھا کر لے گئی اور زینے کا دروازہ کھول کر محل کے اوپر چڑھ گئی اور پہنچ کر حسن نے وہ مقام اور بیٹھک کا حوض دکھایا جہاں اس نے لڑکیوں کو دیکھا تھا۔ اس کی بہن نے کہا کہ بھائی! اب یہ بتا کہ وہ کس طرح سے آئی تھیں؟

حسن نے جو کچھ دیکھا تھا' بیان کردیا۔ خاص کر اس لڑکی کے متعلق جس پر وہ عاشق ہو گیا تھا۔ اس کی تعریف سن کر لڑکی سمجھ گئی کہ وہ کون ہے اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور حالت دگرگوں ہو گئی۔ اس نے کہا کہ بہن! تیرا چہرہ کیوں اتر گیا اور تیری حالت ابتر کیوں ہو گئی۔ وہ بولی کہ بھائی! سن۔ یہ لڑکی جنوں کے بادشاہوں میں سے عظیم الشان بادشاہ کی بیٹی ہے جس کی حکومت انسانوں اور جنوں اور جادوگروں اور کاہنوں اور قبیلوں اور اقلیموں اور ملکوں اور بہت سے جزیروں پر ہے اور جس کے پاس بہت مال و دولت اور لشکر ہے۔ ہمارا باپ بھی اس کے نوابوں میں سے ایک نواب ہے۔ اس کے پاس اتنی زیادہ فوجیں اور اتنا بڑا ملک اور اتنی زیادہ دولت ہے کہ کسی کا بس اس پر نہیں چلتا۔ اس نے اپنی اولاد کے لئے جو وہی لڑکیاں ہیں جنہیں تو نے دیکھا ہے ملک کا اتنا بڑا حصہ الگ کر دیا ہے جس کی لمبائی چوڑائی سال سال بھر کے راستے کی ہے

اور جس کے اردگرد ایک بڑا سمندر ہے وہاں تک کسی کی پہنچ نہیں نہ انسان کی نہ جن کی۔ اس کے پاس پچیس ہزار لڑکیوں کا ایک لشکر ہے جو شمشیرزن اور نیزہ زن ہیں۔ جن میں سے ہر ایک ایسی ہے کہ جب وہ ہتھیار باندھ کر گھوڑے پر سوار ہوتی ہے تو ہزار بہادر سورماؤں کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ اس کی سات بیٹیاں ہیں جو بہادری اور شہ سواری میں دوسری لڑکیوں سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہیں۔ اس نے اپنے ملک کے اس حصے کی حکومت اپنی بڑی بیٹی کو دے رکھی ہے جو ساتوں میں بڑی ہے اور اتنی بہادر اور شہ سوار اور مکار اورسیاست دان اور جادوگر ہے کہ اس کے ملک کے تمام لوگ بھی اسے زیر نہیں کر سکتے' اور جو لڑکیاں اس کے ساتھ تھیں وہ اس کی درباری اور سردار اور مصاحب ہیں۔ جن پروں کی کھالوں کو وہ پہن کر اڑتی ہیں وہ جن جادوگروں کی بنائی ہوئی ہیں۔ اگر تو چاہتا ہے کہ اس لڑکی کو اپنے بس میں لا کر اس سے شادی کرے تو یہاں ٹھہر کر اس کا انتظار کر کیونکہ وہ ہر چاند "رات کو یہاں آتی ہے جب ان لڑکیوں کو تو دوبارہ دیکھے تو چھپ جائیو۔ اس طرح سے کہ وہ تجھے نہ دیکھ سکیں ورنہ ہم سب کی جان جائے گی۔ میری بات پلے باندھ اور اسے اچھی طرح یاد کر لے۔ ان کے قریب کسی ایسی جگہ بیٹھ کر انتظار کر کہ وہ تیری آنکھوں سے اوجھل نہ ہوں۔ جب وہ اپنے کپڑے اتار ڈالیں تو اس لڑکی کے کپڑوں پر نگاہ جمائے رہیو جو سب سے بڑی ہے اور جسے تو چاہتا ہے اور آنکھ بچا کر انہیں اٹھا لیجیو مگر اور کسی کے نہ اٹھائیو کیونکہ وہ اپنے ہی کپڑے پہن کر وطن جا سکتی ہے۔ اگر کپڑے تیرے قبضے میں آ گئے تو لڑکی بھی تیرے قبضے میں آ جائے گی لیکن خبردار اس کی باتوں میں نہ آ جائیو کیونکہ وہ کہے گی کہ اے فلاں' جس نے میرے کپڑے چرائے ہیں مجھے واپس کردے اور میں تیرے پاس تیری ہو کر رہوں گی۔ اگر تو نے لوٹا دیئے تو وہ تجھے مار ڈالے گی اور ہمارا محل غارت کر دے گی اور ہمارے باپ کو قتل کر دے گی' بس سمجھ جا کہ تیری کیا گت بنے گی۔ جب اس کی بہنیں دیکھیں گی کہ اس کے کپڑے چوری ہو

گئے ہیں تو وہ اسے اکیلا چھوڑ کر اڑ جائیں گی۔ اس وقت تو اس کے پاس جائیو اور اس کے بال پکڑ کر خوب کھینچیو۔ جب تو اس طرح اسے کھینچے گا تو اس کے جادو کا زور

ٹوٹ جائیگا اور وہ تیرے بس میں آ جائے گی۔ اس کے بعد پروں والا لباس حفاظت سے رکھیو۔ جب تک وہ تیرے قبضے میں رہے گا' وہ بھی تیری قید میں رہے گی کیونکہ بغیر اس لباس کے اپنے ملک کو اڑ کر نہیں جا سکتی۔ جب تو لڑکی کو پکڑ لے تو اسے اٹھا کر اپنے کمرے میں لے جائیو لیکن اس سے یہ نہ کہیو کہ تو نے اس کے کپڑے لئے ہیں۔

اپنی بہن کی باتیں سن کر حسن کو اطمینان ہوا اور ڈر' جاتا رہا اور رنج و غم دور ہو گیا اور اس نے اٹھ کر اپنی بہن کا سر چوما اور دونوں محل پر سے اتر کر اپنی اپنی خوابگاہوں میں چلے گئے۔ حسن رات بھر اپنے دل پر جبر کئے بیٹھا رہا۔ جب سویرا ہوا تو اٹھا اور دروازہ کھول کر اوپر چڑھ گیا اور بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ جب بیٹھے بیٹھے عشا کا وقت ہو گیا تو اس کی بہن اس کے لئے کچھ کھانا پینا لائی اور اس کے کپڑے بدلے اور وہ سو گیا۔ ہر روز اس کا یہی دستور تھا۔ یہاں تک کہ چاند نکلا اور چاند دیکھتے ہی وہ ان کا انتظار کرنے لگا۔ وہ اسی انتظار میں تھا کہ لڑکیاں بجلی کی طرح آ پہنچیں اور انہیں دیکھتے ہی وہ ایسی جگہ جا کر چھپ گیا جہاں سے وہ انہیں دیکھ سکے' مگر وہ اسے نہ دیکھ سکیں۔ اب چڑیاں اتریں اور ان میں سے ہر ایک الگ الگ بیٹھ گئی۔ انہوں نے اپنے اپنے کپڑے اتار ڈالے اور اسی طرح اس لڑکی نے بھی' جسے وہ چاہتا تھا اور اپنی بہنوں کے ساتھ حوض میں اتر گئی۔ اب حسن اٹھا اور چپکے چپکے آہستہ آہستہ بڑھا۔ خدا نے اس کی پردہ پوشی کی اور اس نے اس کے کپڑے اٹھا لئے۔ کسی ایک لڑکی کی بھی نظر اس پر نہ پڑی بلکہ وہ آپس میں کھیلتی اور چہلیں کرتی رہیں۔ جب وہ فارغ ہوئیں تو باہر آئیں اور ہر ایک نے اپنا اپنا پروں کا لباس پہن لیا۔ اس کی محبوبہ بھی اپنا چولا پہننے آئی لیکن اسے نہ پایا' وہ چیخنے چلانے اور اپنا منہ پیٹنے لگی اور اپنے کپڑے

پھاڑ ڈالے۔ اس کی بہنوں نے آ کر پوچھا تو اس نے کہا کہ میرے پروں کا لباس کوئی اٹھا لے گیا ہے۔ یہ سن کر وہ بھی رونے پیٹنے اور منہ پر طمانچے مارنے لگیں۔ جب رات ہوئی تو وہ اس کے ساتھ ٹھہر نہ سکتی تھیں اس لئے انہوں نے اسے محل کے اوپر چھوڑ دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو نوے ویں رات

سات سو نوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی کی بہنیں اسے اکیلا چھوڑ کر اڑ گئیں۔ جب حسن نے دیکھا کہ وہ اڑ گئیں' اب نظر نہیں آتیں اور لڑکی اکیلی رہ گئی تو اس نے اسے یہ کہتے سنا کہ اے وہ شخص جو میرے کپڑے لے گیا ہے اور مجھے ننگا کر گیا ہے ' میں تجھ سے درخواست کرتی ہوں کہ میرا چولا مجھے واپس دے دے اور میرے بدن کو چھپا' خدا تجھے وہ حسرت نہ دے جو اس نے مجھے دی ہے۔ جب حسن نے اس کی باتیں سنیں تو اس کی محبت کے مارے اس کی عقل جاتی رہی اور اس کا عشق دوبالا ہو گیا اور اس سے صبر نہ ہو سکا اور وہ دوڑ کر اس کے پاس گیا۔ جھپٹ کر اسے پکڑ لیا اور اپنی طرف کھینچا اور اسے لے کر محل کے نیچے اترا اواپنے کمرے میں لے جا کر اپنی عبا اس پر ڈال دی۔ وہ روتی جاتی اور دانتوں سے اپنے ہاتھ کاٹتی جاتی تھی۔ حسن اسے بند کرکے اپنی بہن کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ وہ میرے ہاتھ آ گئی ہے میں کامیاب ہو گیا ہوں اسے اپنے کمرے میں لے آیا ہوں اور اس وقت وہ میرے کمرے میں بیٹھی دانتوں سے اپنے ہاتھ کاٹ رہی ہے۔ یہ سن کر اس کی بہن اٹھی اور جا کر کمرے کے اندر داخل ہوئی اور دیکھا کہ وہ غم زدہ بیٹھی رو رہی ہے' اس کے آگے زمین چوم کر اسے سلام کیا۔ لڑکی نے کہا کہ اے شہزادی! کیا تم جیسے لوگ شہزادیوں کے ساتھ ایسی ناشائستہ حرکت کرتے ہیں؟ تجھے معلوم ہے کہ میرا باپ ایک بہت بڑا بادشاہ ہے اور تمام جن بادشاہ اس سے ڈرتے ہیں اور اس کا لوہا مانتے ہیں۔ اس کے پاس اتنے جادوگر اور حکیم اور کاہن اور شیطان اور دیو ہیں کہ کسی کا زور اس کے اوپر نہیں چلتا۔ اس کے ماتحت اتنی مخلوقات ہے کہ جنکی گنتی سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ اے شہزادیو! یہ تمہارے لئے کہاں

تک زیبا ہے کہ تم انسانوں کو اپنے یہاں پناہ دو اور ان سے اپنا اور ہمارا حال کہہ دو' ورنہ یہ انسان یہاں آیا کیسے؟ حسن کی بہن بولی کہ اے شہزادی! یہ انسان مروت کا پکا ہے اور وہ کوئی برا کام نہیں چاہتا' اسے تجھ سے محبت ہو گئی ہے اور عورتیں تو مردوں ہی کے لئے پیدا ہوئی ہیں۔ اگر وہ تجھ پر عاشق نہ ہوتا تو تیری وجہ سے وہ بیمار نہ پڑتا اور تیری محبت میں اس کی جان نہ جاتی۔ غرض کہ اس نے وہ تمام باتیں اس سے کہہ دیں جو حسن نے اپنے عشق کے بارے میں اس سے کہی تھیں کہ لڑکیاں کس طرح اڑتی ہوئی آئیں اور نہائیں اور اسے ان میں سے سوائے تیرے کوئی پسند نہ آئی کیونکہ وہ سب تیری کنیزیں تھیں' تو انہیں حوض میں ڈبکیاں دیتی تھی لیکن ان کی مجال نہ تھی کہ وہ اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھائیں۔

یہ باتیں سن کر اسے رہائی کی امید بالکل جاتی رہی۔ اب حسن کی بہن اٹھی اور جا کر اس کے لئے ایک نفیس پوشاک لائی اور اسے پہنا کر اس کے لئے کھانا پینا لائی اور دونوں نے بیٹھ کر کھایا اور لڑکی کے دل کو اطمینان ہوا اور اس کا ڈر جاتا رہا۔ حسن کی بہن برابر نرمی سے باتیں کرتی جاتی اور کہتی کہ رحم کرکے اسے ایک نظر دیکھ لے کیونکہ وہ تیری محبت کا مارا ہے۔ وہ اسے ڈھارس دیتی اور راضی کرتی اور اچھی اچھی باتیں کرتی لیکن لڑکی برابر روئے جاتی۔ جب سویرا ہوا تو اسے ذرا تسکین ہوئی اور اس نے رونا بند کیا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ پھنس گئی ہے' چھٹکارا ناممکن ہے اور وہ حسن کی بہن سے کہنے لگی کہ اے شہزادی! اگر میری قسمت میں یہی لکھا ہے کہ میں پردیس میں رہوں اور اپنے وطن اور خاندان والوں اور بہنوں کو چھوڑ دوں تو خدا کے حکم پر صبر ہی کرنا بہتر ہے۔ اب حسن کی بہن نے اس کے لئے ایک کمرہ خالی کر دیا جس سے زیادہ خوبصورت محل میں نہ تھا۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر برابر اس کی دل داری کرتی' اس کا غم غلط کرتی یہاں تک کہ وہ مان گئی۔ اسے اطمینان ہو گیا اور وہ ہنسنے لگی اور جو رنج و غم اسے اپنے خاندان والوں اور وطن اور بہنوں اور ماں باپ

اور ملک سے جدائی سے ہوا تھا' جاتا رہا۔ اب حسن کی بہن اٹھ کر حسن کے پاس گئی اور اس سے کہا کہ اس کے کمرے میں جا کر اس کے ہاتھ پاؤں چوم' حسن نے جا کر ایسا ہی کیا اور اس کے بعد اس کی پیشانی کو بوسہ دے کر کہا' اے حسینوں کی سرتاج اور روحوں کی جان اور دیکھنے والوں کی مسرت' اطمینان رکھ میں نے تجھے محض اس واسطے لیا ہے کہ قیامت تک میں تیرا غلام رہوں اور میری بہن تیری لونڈی۔ اے میری روح رواں' میرا ارادہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا اور رسول کے طریقے کے موافق' میں تجھ سے نکاح کروں اور اپنے وطن جا کر ہم دونوں بغداد میں رہیں اور میں تیرے لئے غلام اور باندیاں خریدوں' میری ماں جو بہترین عورت ہے' تیری خدمت کرے۔ ہمارا ملک دنیا میں سب سے اچھا ہے اور جو کچھ اس میں ہے' کسی اور ملک میں نہیں اور وہاں کے لوگ اچھے اور خوبصورت ہوتے ہیں۔

وہ اس قسم کی باتیں کرکے اس کا دل بہلانا چاہتا تھا اور وہ اس سے بات تک نہ کرتی تھی کہ کسی نے محل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ حسن نکل کر باہر گیا اور دیکھا کہ لڑکیاں سیر و شکار سے آ گئی ہیں۔ انہیں دیکھ کر وہ خوش ہو گیا اور خوش آمدید کہہ کر انہیں سلام کیا انہوں نے اسے اور اس نے انہیں سلامتی اور خیر وعافیت کی دعا دی۔ اس کے بعد وہ گھوڑوں پر سے اتر کر محل میں آئیں اوراپنے اپنے کمروں میں داخل ہو گئیں اور میلے کچیلے کپڑے اتار کر خوبصورت پوشاکیں پہنیں اور ہرن' نیل گائے' خرگوش اور بجو وغیرہ جو جو شکار مار کر لائی تھیں۔ ان میں سے ایک حصہ ذبح کرنے کے لئے دے دیا اور باقی کو اپنے پاس محل میں رہنے دیا۔ حسن کمر کسے چھری ہاتھ میں لئے ذبح کرتا جاتا تھا اور وہ کھیل کود رہی اور خوش ہو رہی تھیں۔ اس سے فارغ ہو کر وہ کھانا پکانے میں لگ گئیں۔ حسن نے بڑھ کر بڑی لڑکی کے سر کو بوسہ دیا' اسی طرح وہ ایک ایک کرکے سب کا سر چومتا اور وہ کہتیں کہ بھائی تو ہمارے ساتھ بہت انکسار کرتا ہے اور ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ تجھے ہم سے اتنی محبت کیوں ہے؟ بھائی تجھے ایسا ہرگز نہ چاہئے بلکہ یہ عاجزی تو ہمیں کرنی چاہئے' کیونکہ تو انسان ہے اور انسان ہم

سے برتر ہے کیونکہ ہم جن ہیں۔ یہ سن کر اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں اور وہ زور زور سے رونے لگا۔ انہوں نے پوچھا کہ خیر تو ہے، تو کیوں روتا ہے؟ تیرے رونے سے ہماری خوشی مٹی میں مل جاتی ہے۔ غالباً تو اپنی ماں اور وطن کی تمنا رکھتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو ہم ابھی تیار ہو کر تجھے تیرے وطن دوستوں کے پاس پہنچائے آتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں تم سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ وہ بولیں کہ ہم میں سے کس نے تجھے پریشان کر رکھا ہے کہ تو اتنا غمگین ہے؟ حسن کو جواب میں یہ کہتے شرم محسوس ہوئی کہ مجھے اس لڑکی کی محبت نے پریشان کر رکھا ہے کیونکہ وہ ڈرتا تھا کہ کہیں وہ برا نہ مان جائیں۔ یہ سوچ کر وہ چپ ہو گیا اور اپنی حالت ان پر بالکل ظاہر نہ کی۔ اب اس کی بہن اٹھی اور کہنے لگی کہ اس نے ایک اڑتی ہوئی چڑیا پکڑی ہے اور چاہتا ہے کہ تم اس چڑیا کے سدھارنے میں اس کی مدد کرو۔ سب نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ہم سب تیری خدمت کے لئے حاضر ہیں اور تیرا ہر حکم ماننے کے لئے تیار ہیں لیکن اپنا ماجرا تو بیان کر اور اپنی حالت ہم سے بالکل مت چھپا۔ اس نے اپنی بہن سے کہا کہ میرا قصہ انہیں سنا دے کیونکہ میں ان سے شرماتا ہوں اور ان کے آگے ایسی باتیں بیان نہیں کر سکتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اکیانوے ویں رات

جب سات سو اکیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- حسن نے اپنی بہن سے کہا کہ تو ہی سنا دے کیونکہ میں ان کے آگے ایسی باتیں کرتا شرماتا ہوں۔ اس کی بہن بولی کہ بہنو! جب ہم اس بے چارے کو یہاں اکیلا چھوڑ کر چلے گئے تھے تو وہ محل کے اندر گھبرانے لگا اور اسے ڈر لگا کہ کہیں کوئی گھس نہ آئے۔ تمہیں معلوم ہے کہ انسانوں کی عقل کم ہوتی ہے۔ اس لئے جب وہ اکیلا بیٹھے بیٹھے گھبرایا تو اس دروازے کو کھول کر جو اوپر کی طرف جاتا ہے چھت پر چڑھ گیا اور وہاں بیٹھ کر گھاٹی کی سیر کرنے لگا لیکن دروازے کی طرف برابر دیکھتا رہا کہ کہیں کوئی محل میں نہ گھس آئے۔ ایک دن وہ بیٹھا ہوا تھا کہ دس چڑیاں محل میں اتریں اور پھرتے پھرتے حوض پر آ بیٹھیں۔ اس نے دیکھا کہ ان میں سے ایک چڑیا ان سب سے زیادہ خوبصورت ہے اور وہ ان سب کے چونچیں مارتی ہیں لیکن. کسی کی مجال نہیں ہوئی کہ اسے ٹھونگ تک لگائے۔ اس کے بعد وہ اپنے پنجے گریبان کے پاس لے گئیں اور پروں کے لباس کھول کر اس میں سے نکل آئیں اور ہر ایک ان میں سے ایک ایسی لڑکی بن گئی جیسے چودھویں رات کا پورا چاند۔ حسن ان کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ کپڑے اتار کر پانی کے اندر گئیں اور کھیلنے کودنے لگیں بڑی لڑکی انہیں غوطے دیتی' مگر کوئی اسے ہاتھ نہ لگا سکتی۔ اس کا چہرہ سب سے زیادہ خوبصورت تھا اور جسم سب سے زیادہ سڈول اور پوشاک سب سے زیادہ صاف ستھری' حسن کھڑا ہوا انہیں اس حالت میں برابر دیکھتا رہا کہ عصر کا وقت ہو گیا اور انہوں نے حوض میں سے نکل کر اپنے کپڑے پہنے اور پروں کا لباس پہن کر ایک ساتھ اڑ گئیں۔ بڑی لڑکی کی وجہ سے اس کے دل میں ایک آگ بھڑک اٹھی اور اسے افسوس ہوا کہ اس نے اس کا پروں

کا لباس کیوں نہیں چرا لیا۔ اس پر وہ بیمار پڑ گیا اور محل کے اوپر بیٹھے بیٹھے ان کا انتظار کرنے لگا اور کھانا پینا بند اور سونا سوگند ہو گیا۔ چاند رات تک اس کی یہی حالت رہی کہ موافق دستور کے وہ پھر آئیں اور اپنے کپڑے اتار کر حوض میں چلی گئیں اب اس نے بڑی لڑکی کا چولا چرا لیا اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ ان کے بغیر نہیں اڑ سکتی تو اسے لے کر چھپا دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں خبر ہو جائے اور وہ مجھے مار ڈالیں۔ جب باقی چڑیاں اڑ گئیں تو وہ نکلا اور لڑکی کو پکڑ کر محل پر سے نیچے لے آیا۔

اس کی بہنوں نے پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس کے پاس فلاں کمرے میں۔ انہوں نے کہا کہ بہن ذرا اس کی تعریف تو بیان کر۔ وہ بولی کہ وہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ حسین ہے اور اس کا چہرہ سورج سے زیادہ چمک دار ہے' اس کا لعاب شہد سے زیادہ میٹھا ہے' اس کا قد بید سے زیادہ لچک دار ہے' اس کی آنکھیں کالی کالی ہیں اور چہرہ آب دار اور پیشانی چمک دار اور سینہ جیسے جوہر اور دونوں پستانیں جیسے انار اور دونوں رخسار جیسے سیب' اس کے پیٹ میں شکنیں پڑی ہوئی ہیں اور اس کی ناف ہاتھی دانت کا ڈبہ ہے جس میں مشک بھرا ہوا ہو' اس کی پنڈلیاں ایسی ہیں جیسے مرمر کے دو کھمبے' سرمئی آنکھوں اور پتلی کمر اور بھاری کولھوں اور میٹھی میٹھی باتوں سے وہ دلوں پر قبضہ کر لیتی ہے۔ یہ تعریف سن کر لڑکیوں نے حسن کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ہمیں لے چل اور دکھا۔ وہ گرتا پڑتا انہیں لے گیا اور اس کمرے کو کھولا جس میں شہزادی تھی اور آگے آگے اس میں داخل ہوا۔ جب ان کی نظر اس پرپڑی او انہوں نے دیکھا کہ وہ کیسی حسین ہے تو وہ اس کے آگے زمین چومنے لگیں اور اس کی ظاہری اور باطنی خوبصورتی پر متعجب ہوئیں اور اسے سلام کرکے کہا کہ اے بڑے بادشاہ کی بیٹی! یہ عجیب بات ہے لیکن اگر تو اس انسان کی تعریف عورتوں سے سنے تو عمر بھر تعجب کرے۔ وہ تجھ سے بے حد محبت کرتا ہے لیکن اے شہزادی! وہ کوئی بری حرکت نہیں کرنا چاہتا بلکہ حلال طریقے سے تیرا طالب ہے۔ اگر ہمیں معلوم

ہوتا کہ لڑکیاں مردوں سے مستغنی ہیں تو ہم اسے باز رکھتے۔ بجائے اس کے وہ تیرے پاس کوئی قاصد بھیجے' وہ خود آیا ہے۔ اس نے ہم سے کہا ہے کہ اس نے پروں کا لباس جلا دیا ورنہ وہ ہم اس سے لے لیتے۔اب ان میں سے ایک لڑکی شہزادی کی مرضی سے اس کی وکیل بن گئی اور اس کا نکاح حسن سے کرا دیا۔ حسن نے اس سے مصافحہ کیا اور انہوں نے شہزادیوں کی خلق کے موافق جشن منایا۔ اب اسے اس سے اور زیادہ محبت ہو گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• سات سو بانوے ویں رات

جب سات سو بانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اعلیٰ حضرت جب تخت کی رات ختم ہوئی اور صبح کو دولہا دلہن دونوں خوش خوش اٹھے تو حسن کی محبت پہلے سے دوبالا تھی۔ وہ اپنے حجلہ عروسی سے نکلا تو شہزادی کی تعریف میں اشعار پڑھتا ہوا۔ لڑکیاں تو دروازے پر ہی کھڑی تھیں۔ اشعار سن کر کہنے لگیں کہ اے شہزادی! سن کہ یہ انسان تیری تعریف کس طرح شعر میں کرتا ہے۔ شہزادی یہ سن کر باغ باغ ہو گئی۔ حسن نے چالیس دن اس کے ساتھ بڑے مزے سے گزارے اور لڑکیاں روز اس کی دعوتیں کرتیں۔ اس کو نئے نئے تحفے دیتیں اور وہ ان کے درمیان بڑا خوش و خرم رہتا۔ شہزادی بھی ان کے ساتھ رہ کر اتنی خوش ہوئی کہ اپنے لوگوں کو بھول گئی۔

چالیس دن کے بعد حسن نے خواب میں اپنی ماں کو دیکھا۔ کہ وہ اس کے لئے غمگین ہے' اس کی ہڈیاں نکل آئی ہیں اور بدن گھل گیا ہے اور حال سے بے حال ہو گئی ہے لیکن وہ خود بڑی اچھی حالت میں ہے۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر ماں نے کہا کہ اے حسن! میرے بیٹے' تو دنیا کے عیش میں پڑ کر مجھے کیوں بھول گیا؟ دیکھ تیرے پیچھے میرا کیا حال ہوا ہے' میں تجھے بھولی نہیں اور مرتے دم تک میری زبان تیرا ذکر نہ چھوڑے گی۔ میں نے گھر میں تیری قبر بنا رکھی ہے تاکہ تجھے کبھی نہ بھولوں۔ کاش میں اتنے دنوں زندہ رہوں کہ تجھے اپنے پاس دیکھ لوں اور ہم پہلے کی طرح مل جائیں!" آنکھ کھلی تو آنسو اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ وہ بے حد غمگین تھا' ماں کی یاد اسے تڑپا رہی تھی۔ لاکھ کروٹیں بدلیں' پھر بھی نیند نہ آئی۔ جب سویرا ہوا تو لڑکیاں دستور کے موافق اس کے پاس آئیں اور اسے صبح بخیر کہا اور حسب معمول اس سے مذاق کرنے لگیں۔ لیکن وہ بالکل متوجہ نہ ہوا۔ انہوں نے اس کی بیوی سے

پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس کی حالت پوچھ۔ وہ اس کے پاس گئی اور کہا کہ اے میرے شوہر! خیریت تو ہے؟ اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر اس سے اپنا خواب بیان کر دیا۔ بیوی نے ان سے وہ باتیں کہہ دیں جو اس نے کہی تھیں۔ یہ سن کر لڑکیوں کو اس کے حال پر ترس آ گیا۔ انہوں نے کہا کہ بسم اللہ چل ہم تجھے ماں کی زیارت سے روک نہیں سکتے' بلکہ جس طرح ہم سے ہو سکے گا تیری مدد کریں گے تاکہ تو اپنی ماں سے ملے۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ تو ہم سے بھی ملتا رہے۔ خواہ سال میں ایک بار ہی کیوں نہ ہو۔ بالکل ہم میں جدائی نہ ہو جائے۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں پر۔ لڑکیوں نے فوراً اٹھ کر راہ کا توشہ اس کے لئے تیار کیا اور اس کی دلہن کو گہنوں اور پوشاکوں میں ایسی ایسی بیش بہا چیزوں کا جہیز دیا جس کی تعریف نہیں ہو سکتی اور حسن کو ایسے ایسے تحفے تحائف دیئے جنہیں لکھنے سے قلم عاجز ہے۔

اس کے بعد انہوں نے طبلہ بجایا اور ہر طرف سے اونٹنیاں آ پہنچیں۔ ان میں سے انہوں نے اتنی اونٹنیاں چن لیں جو سارا جہیز لے جا سکیں۔ اب انہوں نے لڑکی اور حسن کو سوار کیا اور ان کے ساتھ پچیس تخت سونے کے اور پچاس چاندی کے کر دیئے اور تین دن تک ان کے ساتھ گئیں اور تین مہینے کی راہ طے کی۔ اس کے بعد انہوں نے دونوں کو رخصت کرکے لوٹنے کا قصد کیا۔ لیکن اس کی چھوٹی بہن اس کے گلے لپٹ کر اتنی روئی کہ اسے غش آ گیا۔ جب اسے پھر ہوش آیا تو وہ اس سے رخصت ہوئی اور اس سے تاکید کر دی کہ جب تجھے ماں سے مل کر تسلی ہو جائے تو ہر چھٹے مہینے مجھ سے ملنے ضرور آئیو اور اس سے یہ بھی کہا کہ جب تجھے کوئی خطرناک بات پیش آئے اور تجھے اس سے ڈر لگے تو مجوسی کا طبلہ بجائیو تو یہی اونٹنیاں حاضر ہو جائیں گی اور تو ان پر سوار ہو کر ہمارے پاس آجائیو۔ حسن نے اس کی قسم کھا لی اور انہیں قسم دی کہ وہ لوٹ جائیں۔ وہ اس سے رخصت ہو کر لوٹ گئیں لیکن اس کی جدائی پر

بے حد غمگین تھیں اور سب سے زیادہ غم اس کی چھوٹی بہن کو تھا' اسے بالکل قرار اور چین نہ آتا تھا بلکہ وہ دن رات روتی رہتی۔

یہ تو لڑکیوں کا قصہ ہوا۔ اب حسن کا ماجرا سنو۔ وہ دن رات اپنی بیوی کے ساتھ جنگل' بیابان اور گھاٹیاں اور پہاڑیاں طے کرتا صحیح و سلامت بصرے پہنچ گیا اور وہاں سے روانہ ہو کر اونٹنیوں کو اپنے گھر کے دروازے پر لا بٹھایا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھولنے ہی والا تھا کہ اس نے سنا کہ اس کی ماں زخمی دل سے آہستہ آہستہ رو رہی ہے۔ ماں کو روتے سن کر حسن بھی رونے پیٹنے لگا اور زور سے دروازے پر دستک دی ماں نے پوچھا کہ دروازے پر کون ہے؟ اس نے کہا کہ کھول تو سہی۔ ماں دروازہ کھول کر اسے دیکھنے لگی اور پہچان کر بے ہوش گئی۔ حسن اسے پیار کرنے لگا' یہاں تک کہ اسے ہوش آیا اور دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگا لیا اور ماں اسے بوسے دینے لگی۔ اس کے بعد حسن اپنا سارا ساز و سامان مکان کے اندر لانے لگا اور لڑکی کھڑی اسے اور اس کی ماں کو دیکھتی رہی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو ترانوے ویں رات

جب سات سو اترانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ حسن اور اس کی ماں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور ماں نے کہا بیٹا! عجمی کے ساتھ تیری کیسی گزری؟ وہ بولا کہ اماں وہ عجمی تو مجوسی نکلا جو خدا کو چھوڑ کر آگ کی پرستش کرتا تھا۔ یہ کہہ کر اس نے اس کی ساری حرکتیں بیان کیں کہ اس نے مجھے لے جا کر اونٹ کی کھال میں بند کیا اور اسے سی دیا' چڑیاں مجھے وہاں سے اٹھا لے گئیں اور پہاڑ کے اوپر جا کر اتار دیا۔ پہاڑ پر میں نے بہت سے انسانوں کی لاشیں دیکھیں جن سے مجوسی اپنا مقصد پورا کرتا اور پھر انہیں وہیں پہاڑ پر پڑا رہنے دیتا۔ وہاں سے میں سمندر میں کود پڑا اور خدا نے مجھے صحیح و سلامت لڑکیوں کے محل تک پہنچا دیا اور ایک لڑکی نے مجھے بھائی بنا لیا اور میں انہی لڑکیوں کے پاس رہ پڑا۔ اس کے بعد پھر وہ مجوسی وہاں پہنچا اور میں نے اسے قتل کر دیا' پھر مجھے اس لڑکی سے عشق ہو گیا اور میں نے اسے پکڑ لیا اور پھر یہ واقعات پیش آئے یہاں تک کہ اب ہم پھر ملے گئے۔

ماں اس کی سرگزشت سن کر حیران ہو گئی اور اس کی سلامتی پر خدا کا شکر بجا لائی اور جا کر سامان دیکھا اور بیٹے سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جب اس نے بتایا کہ ان میں کیا ہے تو ماں بہت خوش ہوئی اور لڑکی کے پاس چلی گئی تاکہ اس سے ملے۔ جونہی اسکی نظر لڑکی کے چہرے پر پڑی تو اس کا حسن دیکھ کر ہوش جاتے رہے۔ نہال ہو گئی۔اس کی آنکھ' ناک' قد و قامت بہت پسند آیا۔ اس نے کہا کہ بیٹا خدا کا شکر ہے کہ تو خیرت سے رہا اور خیریت سے لوٹ آیا۔ اس کے بعد وہ لڑکی کے پاس جا بیٹھی اور پیار کی باتیں کرکے اس کا دل بہلانے لگی۔ دوسرے دن صبح کو وہ بازار جا کر دس جوڑے پوشاک کے خرید لائی جن سے بہتر شہر میں نہ تھے اور قالین خریدے اور لڑکی کو پوشاک پہنائی اور خوبصورت گہنوں سے اسے آراستہ کیا۔ پھر وہ اپنے بیٹے

کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ بیٹا! ہم لوگ اتنے مال و دولت کے ساتھ اس شہر میں نہیں رہ سکتے۔ ہم غریب ہیں' لوگ ہم پر کیمیاگری کا الزام لگائیں گے۔ چل ہم چل کر دارالسلام بغداد میں رہیں جو خلافت کی جگہ ہے اور تو وہاں دکان میں بیٹھ کر خرید و فروخت کیجیو اور خدا سے ڈر کررہیو' وہ اس مال میں تجھے برکت دے گا۔
حسن کو اپنی ماں کی رائے ٹھیک معلوم ہوئی اور وہ فوراً اس کے پاس سے اٹھا اور جا کر مکان کو فروخت کر دیا اور اونٹنیوں پر سارا مال متاع لادا اور اپنی ماں اور بیوی کو سوار کرکے چل دیا اور چلتے چلتے دجلے پر پہنچا او ایک کشتی کو بغداد کے لئے کرائے پر لیا اورسارا مال اور سامان اس میں رکھ کر ماں اور بیوی کو اس میں بٹھا دیا اور خود بھی بیٹھ گیا۔ ہوا موافق تھی' کشتی دس دن میں بغداد پہنچ گئی۔ وہاں پہنچ کر وہ سب بہت خوش ہوئے۔ جب کشتی شہر کے اندر داخل ہوئی تو وہ شہر میں اتر پڑے اور ایک سرائے میں ایک کوٹھڑی کرائے پر لی اور کشتی میں سے سارا سامان لاد کر اس میں رکھ دیا۔
سرائے میں اتر کر ایک رات آرام کیا۔ جب سویرا ہوا تو اس نے اپنے کپڑے بدلے اور دلال نے اسے دیکھ کر پوچھا کہ تجھے کس چیز کی ضرورت ہے؟ اس نے کہا کہ میں ایک مکان چاہتا ہوں جو خوبصورت اور بڑا ہو۔ دلال نے اسے تمام مکان دکھائے جو اس کے پاس تھے اور حسن کو ان میں سے ایک گھر پسند آیا جو کسی وزیر کا تھا۔ اس نے اسے ایک لاکھ دینار میں خرید کر اس کی قیمت ادا کر دی۔ اس کے بعد وہ اس سرائے میں آیا جہاں اترا تھا اور وہاں سے سارا مال اور سامان منتقل کر دیا اور پھر بازار جا کر گھر کے لئے ضروری برتن اور فرش وغیرہ خریدا۔ غلام مول لئے' منجملہ ان کے اندر کے لئے ایک غلام بچہ' یہاں اس نے اطمینان سے اپنی بیوی کے ساتھ تین سال تک نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کی اور بیوی سے اس کے دو لڑکے ہوئے جن میں سے ایک کا نام اس نے ناصر رکھا اور دوسرے کا منصور۔
اس مدت کے بعد اسے اپنی بہنوں کی یاد آئی اور یہ سوچ کر کہ ان کا کتنا احسان اس پر ہے۔ اور انہوں نے کس طرح اس کا مقصد حاصل کرنے میں اس کی مدد کی ہے۔

وہ انہیں دیکھنے کا مشتاق ہو گیا اور شہر کے بازار میں جا کر ان کے لئے کچھ گہنے اور عمدہ عمدہ کپڑے اور میوے خریدے جو انہوں نے کبھی نہ دیکھے ہوں گے بلکہ انہیں جانتی تک نہ ہوں گی۔ ماں نے ان تحفوں کے خریدنے کا سب پوچھا اس نے کہا کہ میں اپنی بہنوں کے پاس جانے کا ارادہ رکھتا ہوں' جنہوں نے مجھ پر ہر طرح کا احسان کیا ہے اور جو روزی آج مجھے مل رہی ہے' انہی کی عنایت اور احسان کی بدولت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ انہیں جا کر دیکھوں اور اگر خدا کو منظور ہے تو جلد لوٹ آؤں گا۔ ماں بولی کہ بیٹا' دیر نہ کیجیو۔ اس نے کہا اماں تجھے ایک بات جتانی چاہتا ہوں۔ سن جو صندوق زمین میں دفن ہے اس میں اس کا پروں کا لباس ہے اسے حفاظت سے رکھیو تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اسے پہن کر اڑ جائے اور اپنے بیٹوں کو ساتھ لیتی جائے اور مجھے ان کا پتہ نہ چلے اور میں ان کی وجہ سے مارے غم کے مر جاؤں۔ اماں! خبردار اس سے اس کا ذکر مت کیجیو اور سن' وہ جنوں کے ایک بادشاہ کی بیٹی ہے کوئی جن بادشاہ نہ اس سے بڑا ہے' اور نہ ہی کسی کے پاس اس سے زیادہ لشکر اور مال و دولت ہے اور سن وہ اپنی قوم کی سردار ہے اور اپنے باپ کی سب سے زیادہ چہیتی ہے۔ وہ بڑی خوددار ہے' اس کی خدمت خود اپنے ہاتھ سے کیجیو اور اسے نہ گھر سے نکلنے دیجیو اور نہ کھڑکی یا دیوار سے جھانکنے دیجیو کیونکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں اسے ہوا نہ لگ جائے۔ اگر اس کا ذرا بال بھی بیکا ہوا تو میں جان دے دوں گا۔ ماں نے کہا کہ بیٹا خدا نہ کرے کہ میں تیرے کہنے کے خلاف کروں۔ کیا میں پاگل ہو گئی ہوں کہ تیرا کہنا نہ مانوں۔ بیٹا تو بے دھڑک سفر پر جا اور خدا نے چاہا تو جب تو لوٹ کر آئے گا' سب خیریت ہو گی اور تو اسے دیکھے گا اور وہ تجھ سے کہے کہ میں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا لیکن بیٹا آنے جانے میں زیادہ دیر نہ ٹھہریو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو چورانوے ویں رات

جب سات سو چورانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- حسن نے چلتے وقت ماں کو بیوی کے بارے میں سارا دستور العمل بتا دیا۔ خدا کا کرنا کہ اس

کی بیوی وہ تمام باتیں سن رہی تھی جو اس نے ماں سے کیں مگر ماں بیٹوں کو اس کی خبر تک نہ تھی۔ اس کے بعد حسن اٹھ کر روانہ ہو گیا اور شہر کے بیچ میں پہنچ کر طبلہ بجایا اور اونٹنیاں آ پہنچیں۔ ان پر اس نے عراق کے تحفوں کے بیس گٹھے لادے اور ماں اور بیوی بچوں سے رخصت ہوا۔ ایک لڑکے کی عمر ایک سال کی تھی اور دوسرے کی دو سال کی۔ اس کے بعد وہ پھر ماں کے پاس گیا اور اسے دوبارہ وہی باتیں سمجھا کر سوار ہو گیا اور اپنی بہنوں کی طرف چل دیا اور دس روز تک دن رات گھاٹیوں اور پہاڑوں اور میدانوں اور پتھریلی زمین پر چلنے کے بعد گیارہویں روز محل میں پہنچ کر بہنوں سے ملا اور جو وہ لایا تھا' انہیں پیش کیا۔ لڑکیاں اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دی۔ اس کی چھوٹی بہن نے محل کو اندر اور باہر سے آراستہ کیا' سوغاتیں لیں اور اسے پرانے دستور کے موافق ایک کمرے میں اتارا اور اس کی ماں اور بیوی کی خیریت پوچھی۔ اس نے کہا کہ بیوی سے میرے دو بیٹے پیدا ہوئے ہیں۔ اس کی چھوٹی بہن یہ دیکھ کر کہ وہ خوش اور بہ خیریت ہے' بہت خوش ہوئی اور وہ ان کے ساتھ تین مہینے تک دعوتیں کھاتا اور خوشیاں مناتا اور سیر و شکار میں مشغول رہا۔

یہ تو اس کا قصہ ہوا۔ اب اس کی ماں اور بیوی کی داستان سنو۔ حسن کے چلے جانے کے بعد اس کی بیوی دو روز تو اس کی ماں کے ساتھ چپ چاپ ٹھہری رہی لیکن تیسرے روز اس نے کہا کہ سبحان اللہ میں تین سال سے اس کے ساتھ ہوں' مگر آج تک حمام جانا نصیب نہیں ہوا اور رونے لگی۔ ماں کو اس کی حالت پر ترس آیا اور کہنے لگی

کہ بیٹی! ہم لوگ اس جگہ پردیسی ہیں اور تیرا شوہر شہر کے باہر گیا ہوا ہے' اگر وہ یہاں موجود ہوتا تو تیری خدمت کے لئے حاضر تھا۔ میرا تو حال یہ ہے کہ میں یہاں کسی کو بھی نہیں جانتی بیٹی میں پانی گرم کرکے تیرا سر یہیں گھر کے حمام میں دھلائے دیتی ہوں۔ وہ بولی اے میری آقا! اگر تو کسی باندی سے بھی یہ بات کہتی تو وہ ہرگز تیرے پاس نہ ٹھہرتی بلکہ تجھے مجبور کر دیتی کہ تو اسے بازار لے جا کر بیچ ڈالے۔ اے میری آقا! مرد تو اپنی غیرت کی وجہ سے مجبور ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر عورت گھر سے باہر گئی تو وہ ضرور عصمت فروشی کرے گی لیکن اے میری آقا! تمام عورتیں ایک سی نہیں ہوتیں اور تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اگر عورت کوئی کام کرنا چاہے تو کوئی اسے منع نہیں کر سکتا۔ نہ روک سکتا ہے' نہ بچا سکتا ہے' نہ وہ حمام جانے سے رک سکتی ہے نہ کسی اور کام سے بلکہ جو وہ چاہے کر گزرتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ رونے اور اپنے آپ کو کوسنے اور اپنی غربت پر افسوس کرنے لگی۔ یہ حالت دیکھ کر ساس کو اس پر ترس آ گیا' سمجھ گئی کہ وہ ٹھیک کہتی ہے اور اس نے حمام کی ضروری چیزیں تیار کیں اور بہو کو لے کر حمام گئی۔ جب وہ حمام میں داخل ہوئی اور کپڑے اتارے تو تمام عورتیں اسے دیکھنے' خدا کی پاکی بیان کرنے اور سوچنے لگیں کہ خدا نے یہ کیسی حسین صورت بنائی ہے! جو عورت بھی حمام کے پاس سے گزرتی' اندر جا کر تماشا دیکھتی۔ اس طرح سارے شہر میں یہ خبر پھیل گئی عورتوں کے ٹھٹ لگ گئے راستہ رک گیا۔

اتفاق کی بات ہے کہ اس روز امیر المومنین ہارون الرشید کی ایک کنیز بھی ادھر سے گزری جس کا نام تحفتہ العوادہ تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ ہزاروں آدمی کھڑے ہیں' حمام آنے جانے کا راستہ بند ہے تو اس کا سبب پوچھا لوگوں نے لڑکی کا ذکر کیا۔ کنیز اس کے پاس گئی اور اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر ہوش اڑ گئے۔ خدا کی پاکی بیان کرنے لگی۔ اس نے کیسی کیسی صورتیں بنائی ہیں۔ اتنے میں لڑکی غسل میں مصروف

ہو گئی جب وہ نہا چکی اور باہر نکل کر کپڑے پہنے تو اس کا حسن اور دوبالا ہو گیا۔ تھوڑی دیر وہ مسند پر بیٹھی۔ عورتیں برابر اسے دیکھا کیں' پھر وہ ان کی طرف دیکھتی ہوئی چل دی۔ خلیفہ کی کنیز تحفتہ العوادہ اس کے ساتھ ساتھ چلی اور اس کا گھر دیکھ کر خلیفہ کے محل کو لوٹ گئی اور شہزادی زبیدہ کے پاس پہنچ کر اس کے آگے زمین چومی۔ شہزادی زبیدہ نے کہا اے تحفہ تجھے حمام میں اتنی دیر کیوں لگی؟ اس نے کہا اے میری آقا! میں نے ایک عجوبہ دیکھا ہے جس کی مثال نہ مردوں میں پائی جاتی ہے نہ عورتوں میں۔ اس میں' میں اتنی مشغول اور حیران رہی کہ میں نے سر تک نہیں دھویا۔ زبیدہ بولی اے تحفہ وہ کیا؟ کنیز نے جواب دیا اے میری آقا! میں نے حمام میں ایک لڑکی دیکھی جس کے ساتھ چاند جیسے دو چھوٹے چھوٹے بچے تھے جس کی نظیر نہ پہلے کسی نے دیکھی ہو گی اور نہ آئندہ کبھی کوئی دیکھے گا۔ اس کی شکل و صورت کی مثال تمام دنیا میں موجود نہیں۔ اے میری آقا! تیرے احسانوں کی قسم اگر امیرالمومنین کو اس کی خبر ہو جائے تو وہ اس کے شوہر کو قتل کر کے اسے چھین لے کیونکہ اس جیسی دنیا میں کوئی عورت نہیں۔ میں نے اس کے شوہر کے متعلق بھی پوچھا ہے' وہ ایک تاجر ہے جس کا نام حسن بصری ہے۔ جب تک وہ حمام سے نکل کر اپنے گھر نہ پہنچ گئی میں اس کے پیچھے پیچھے لگی رہی اور میں نے دیکھا کہ وہ اس گھر میں رہتی ہے جو وزیر کا ہے اور جس کے دو دروازے ہیں۔ ایک سمندر کی طرف اور دوسرا خشکی کی طرف۔ اے میری آقا میں ڈرتی ہوں کہ اگر امیر المومنین کے کانوں تک یہ خبر پہنچ گئی تو کہیں وہ شرع کے خلاف اس کے شوہر کو قتل کر کے اس سے شادی نہ کر لے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو پچانوے ویں رات

سات سو پچانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ کنیز سے لڑکی کی تعریف سن کر شہزادی زبیدہ نے کہا کہ دور ہو' کیا وہ ایسی خوبصورت ہے کہ امیرالمومنین اپنے دین کودنیا کے ساتھ بیچ ڈالے اور اس کے پیچھے شرع کی مخالفت کرے! خدا کی قسم میں اس لڑکی کو دیکھنا چاہتی ہوں اور اگر وہ ایسی نہ ہوئی جیسا تو کہتی ہے تو میں تیری گردن مار دوں گی۔ چھوکری سال میں تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں اور امیرالمومنین کے محل میں اتنی ہی کنیزیں ہیں کیا ان میں سے کسی میں وہ خوبیاں نہیں جو اس میں ہیں۔ کنیز بولی اے میری مالکہ! خدا کی قسم نہیں۔ نہ کل بغداد میں اس کی مثال ہے اور نہ عجم و عرب میں بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ خدا نے اس کی مثال پیدا ہی نہیں کی۔

یہ سن کر شہزادی زبیدہ نے مسرور کو بلایا۔ مسرور نے آ کر اس کے آگے زمین چومی۔ زبیدہ نے کہا کہ اے مسرور! وزیر کے اس گھر کو جا جس کے دو دروازے ہیں۔ ایک سمندر کی طرف دوسرا خشکی پر اور فوراً اس لڑکی کو جو وہاں ہے مع اس کے دونوں بچوں اور بڑھیا کے' لے آ' دیر نہ کر۔ مسرور حکم پاتے ہی وہاں سے روانہ ہو کر مکان کے دروازے پر پہنچا اوردستک دی۔ حسن کی بڑھیا ماں نے پوچھا کہ دروازے پر کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ امیرالمومنین کا غلام مسرور۔ بڑھیا نے پوچھا کہ کیا چاہتا ہے؟ مسرور نے کہا کہ قاسم کی بیٹی اور نبی کے چچا عباس کی اولاد کے ساتویں خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی شہزادی زبیدہ نے تجھے' تیری بہو اور اس کے بچوں کو بلایا ہے کیونکہ عورتوں نے اس کے آگے تیری بہو اور اس کے حسن کی تعریف کی ہے۔ حسن کی ماں بولی کہ اے مسرور! ہم پردیسی ہیں اور لڑکی کا شوہر جو میرا بیٹا ہے' یہاں موجود نہیں

ہے اس کا حکم ہے کہ نہ میں اور نہ اس کی بیوی گھر سے نکل کر کسی شخص کے پاس جائے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی بات پیش آئی تو میرا بیٹا اپنی جان دے دے گا۔ اے مسرور! تیری مہربانی ہو گی اگر تو ہم سے کوئی ایسی بات نہ کرے جس کی ہم میں طاقت نہیں۔ مسرور نے کہا اے میری آقا! اگر میں جانتا کہ اس میں تیرے لئے کوئی اندیشہ ہے تو تجھے ہرگز تکلیف نہ دیتا۔ شہزادی زبیدہ بس اتنا چاہتی ہے کہ اسے دیکھ لے' اس کے بعد وہ واپس چلی آئے۔ اس کی مخالفت نہ کر ورنہ پچھتائے گی میں تمہیں جس طرح لے جاؤں گا اگر خدا کو منظور ہے تو اسی طرح واپس پہنچا جاؤں گا۔

حسن کی ماں سے مسرور کی مخالفت بن نہ پڑی اور اس نے اندر جا کر لڑکی کو بنایا سنوارا اور پھر وہ سب مسرور کے پیچھے پیچھے خلیفہ کے محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ مسرور نے انہیں اندر لے جا کر شہزادی زبیدہ کے آگے کھڑا کر دیا۔ انہوں نے زبیدہ کے آگے زمین چومی اور اسے دعا دی لیکن لڑکی نے اپنا منہ نہ کھولا۔ زبیدہ نے کہا ذرا اپنا منہ تو کھول کہ میں دیکھوں۔ لڑکی نے زمین چوم کر اپنا منہ کھول دیا جسے دیکھ کر آسمان پر چاند شرما جائے۔ زبیدہ کی نظر جب اس پر پڑی تو وہ دیکھتی کی دیکھتی ہی رہ گئی۔ اس کے نور اور چہرے کی روشنی سے محل چمک اٹھا۔ زبیدہ اس کا حسن دیکھ کر دنگ ہو گئی اور یہی حال سارے محل والوں کا ہوا۔ جو اسے دیکھتا' حواس باختہ ہو جاتا اور اس کے منہ سے بات تک نہ نکلتی۔ اب شہزادی زبیدہ اٹھ کھڑی ہوئی' لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر سینے سے لگا لیا' اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور حکم دیا کہ محل میں لے جایا جائے۔ اس کے بعد اس نے ایک نہایت شاندار جوڑا اور بہترین جواہرات کا ایک ہار منگوا کر اسے پہنایا اور کہا اے حسینوں کی سرتاج تو مجھے پسند ہے' تو نے میری آنکھیں ٹھنڈی کر دیں' تیرے پاس کون سی عمدہ چیز ہے؟ لڑکی بولی اے میری آقا' میرے پاس پروں کا ایک ایسا لباس ہے کہ اگر میں اسے تیرے سامنے پہنوں تو اس کی کاریگری پر تجھے تعجب ہو گا اور جو کوئی اسے دیکھے گا اس کا ذکر نسل در نسل کرتا رہے گا۔ زبیدہ

نے پوچھا' وہ تیرا لباس کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ میری ساس کے پاس ہے' اس سے مانگ لے۔
شہزادی زبیدہ نے کہا اے میری ماں! تجھے میری جان کی قسم! جا کر اس کا پروں کا لباس لے آ تا کہ ہم اس کا تماشہ دیکھیں' پھر تو اسے لے جائیو۔ بڑھیا بولی اے میری آقا یہ جھوٹی ہے کبھی تو نے کسی عورت کے پاس پروں کا لباس بھی دیکھا ہے! وہ تو محض چڑیوں کی پوشاک ہے۔ لڑکی نے شہزادی زبیدہ سے کہا کہ اے میری آقا! تیری جان کی قسم میرا پروں کا لباس اس کے پاس ہے اور وہ گھر کی ایک کوٹھڑی میں دفن ہے۔

شہزادی زبیدہ نے اپنے گلے سے ہیروں کا ایک ہار اتارا جو کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کے برابر ہو گا اور کہنے لگی اے میری والدہ یہ لے...... یہ کہہ کر اس نے اسے وہ ہار دیا اور کہا کہ میری جان کی قسم جا کر وہ لباس لے آ۔ جب ہم اسے دیکھ لیں تو پھر لے جائیو۔ بڑھیا نے قسم کھائی کہ میں نے وہ لباس کبھی نہیں دیکھا ہے اور نہ میں یہ جانتی ہوں کہ وہ کہاں ہے۔ شہزادی زبیدہ نے اسے ڈانٹا اور اس سے کنجیاں لے لیں اور مسرور کو آواز دی۔ وہ حاضر ہوا تو زبیدہ نے کہا یہ کنجیاں لے اور اس کے گھر جا کر اسے کھول اور اس کوٹھڑی میں داخل ہو جس کا دروازہ اس طرح کا ہے۔ اس کے بیچ میں ایک صندوق ہے اسے توڑ کر اس میں جو پروں کا لباس ہے' اسے میرے پاس لے آ۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو چھیانوے ویں رات

سات سو چھیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ زبیدہ نے مسرور کو حکم دیا کہ جا کر اس کا لباس لے آ۔ اور وہ شہزادی زبیدہ کے ہاتھ سے کنجیاں لے کر چل دیا۔ حسن کی ماں بھی روتی پیٹتی اس کے ساتھ ہو لی۔ وہ پشیمان تھی کہ لڑکی کا کہنا مان کر اسے حمام کیوں لے گئی۔ لڑکی کا حمام جانے کا ارادہ محض ایک فریب تھا۔ اتنے میں گھر آ گیا بڑھیا اور مسرور اندر گئے' کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر اس میں داخل ہوئے۔ مسرور نے صندوق کھول کر اس میں سے پروں کا لباس نکالا اور اسے ایک رومال میں لپیٹ کر شہزادی زبیدہ کے پاس لے آیا۔ زبیدہ نے اسے ملاحظہ کیا اور اس کی کاریگری پر تعجب کرنے لگی۔ پھر اسے لڑکی کو دے کر کہا کہ کیا یہی تیرا پروں کا لباس ہے! وہ بولی ہاں میری آقا! ہاں۔ اور خوش خوش ہاتھ بڑھا کر اسے لے لیا اور الٹ پلٹ کر دیکھا کہ وہ پہلے کی طرح مکمل ہے اور اس کا ایک پر بھی ضائع نہیں ہوا۔ اپنا ہر طرح سے اطمینان کرکے وہ شہزادی زبیدہ کے پاس سے اٹھی اور لباس کو لے کر کھولا اور بچوں کو گود میں لے کر اسے پہن لیا۔ خدا کی قدرت سے وہ چڑیا بن گئی۔ زبیدہ اور تمام حاضرین تعجب کرنے لگے۔ سب کو اچنبھا تھا اب لڑکی مٹکنے' چلنے اور ناچنے کودنے لگی۔ لوگ اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے اور تعجب کرتے۔ لڑکی نے پوچھا اے میری آقا! کیوں یہ خوب صورت ہے نا؟ حاضرین نے کہا اے حسینوں کی سرتاج! بہت خوبصورت۔ لڑکی بولی اے میری آقا! جو کچھ میں کروں گی وہ اس سے بھی زیادہ نیا کرشمہ ہو گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے پر کھولے اور اپنے بیٹوں کو لے کر اڑ گئی اور اڑ کر گنبد پر بیٹھ گئی۔ لوگ اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے اور کہتے کہ خدا کی قسم یہ عجیب و غریب کاریگری ہے۔ ایسی بات ہم نے آج تک

نہیں دیکھی۔
اب لڑکی چاہتی تھی کہ اڑ کر اپنے وطن چلی جائے لیکن اسے حسن کی یاد آ گئی وہ رونے لگی۔ شہزادی زبیدہ نے کہا اے حسینوں کی سرتاج' اتر کر ہمارے پاس آ تاکہ ہم تیرا حسن دیکھ کر خوش ہوں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے تجھے فصاحت اور حسن دونوں عطا کیے۔ لڑکی نے جواب دیا کہ کہیں کوئی جا کر بھی آیا ہے۔ اس کے بعد اس نے حسن کی ماں سے کہا جو بیچاری غمگین کھڑی تھی۔ کہ اے میری آقا! اے حسن کی ماں! واللہ تجھ پر مجھے ترس آتا ہے جب تیرا بیٹا لوٹ کر آئے جدائی کے دن اس پر کٹھن گزریں اسے مجھ سے ملنے کی تمنا ہو' محبت اور عشق کی ہوا کے جھونکے چلنے لگیں تو وہ میرے پاس جزائر واق میں آ جائے۔ یہ کہہ کر وہ مع اپنے بچوں کے اڑی اور اپنے وطن کی طرف چل دی۔ یہ دیکھ کر حسن کی ماں رونے اور اپنا منہ پیٹنے لگی اور اتنی آہ و بکا کی کہ اسے غش آ گیا۔ ہوش آیا تو شہزادی زبیدہ نے کہا' اے میری پردیسن' مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایسا ہو گا۔ اگر تو مجھے پہلے سے بتا دیتی تو میں تجھ سے ضد نہ کرتی۔ میں یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اڑنے والے جنوں میں سے ہے۔ اگر مجھے یہ حال معلوم ہوتا تو میں اسے کبھی وہ لباس نہ پہننے دیتی اور نہ اسے بچوں کو لے جانے دیتی۔ بہرحال اے میری آقا! مجھے معاف کر دے۔ بڑھیا کے لئے اس کے سوا اور چارہ ہی کیا تھا اس نے کہا میں تجھے معاف کرتی ہوں اور یہ کہہ کر وہ محل سے نکلی' اپنے گھر پہنچی اور اپنے منہ پر اتنے طمانچے مارے کہ بے ہوش ہو گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ اس لڑکی اور اس کے بچوں پر افسوس اور اپنے بیٹے کی تمنا کرنے لگی۔ اس نے گھر کے اندر تین قبریں کھودیں۔ ان پر بیٹھ کر دن رات رویا کرتی بیٹے کو گئے جتنا عرصہ گزرا جاتا' اتنا ہی اس کے دل میں فکر اور رنج بڑھتا جاتا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سات سو ستانوے ویں رات

سات سو ستانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ حسن کی ماں کا حال تو یہ رہا' اب اس کے بیٹے حسن کا ماجرا سنو' جب وہ لڑکیوں کے پاس پہنچا تو انہوں نے اسے قسم دی کہ تین مہینے ٹھہرے۔ تین مہینے کے بعد انہوں نے اس کے لئے مال کے دس گٹھڑ تیار کئے ۔ پانچ سونے اور پانچ چاندی کے اور ایک اونٹ پر کھانے پینے کا سامان ساتھ کر دیا اور اس کے ساتھ چلنے لگیں لیکن اس نے انہیں قسم دی کہ لوٹ جائیں اور وہ اسے رخصت کرنے کی غرض سے گلے ملنے لگیں۔ چھوٹی لڑکی بڑھ کر اس کے گلے سے لپٹ گئی اوراتنا روئی کہ اسے غش آ گیا۔ پھر دوسری' پھر تیسری' پھر چوتھی' پھر پانچویں' پھر چھٹی' پھر ساتویں ایک ایک کرکے اس کے گلے ملیں اور حسن ان سے رخصت ہوتے وقت اتنا رویا کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔ بالاخر وہ چل دیا اور دن رات چلتے چلتے بغداد پہنچا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اس کے جانے کے بعد کیا حادثہ پیش آیا ہے۔ جب وہ گھر کے اندر گیا اور چاہتا تھا کہ اپنی ماں کو سلام کرے تو اس نے دیکھا کہ رونے پیٹنے اور جاگنے کی وجہ سے ماں کا جسم گھل گیا ہے اور اس کی ہڈیاں نکل آئی ہیں۔ وہ سوکھ کر تنکا سا ہو گئی ہے۔ اس کے منہ سے بات تک نہیں نکلتی۔ اونٹنیوں کو ایک جگہ کھڑا کرکے وہ ماں کی طرف بڑھا اور پوچھا کہ میرے بیوی بچے کہاں ہیں؟ یہ سن کر ماں اتنی روئی کہ بے ہوش ہو گئی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر حسن اٹھا اور بیوی بچوں کو ڈھونڈنے لگا لیکن ان کا کہیں پتا نہ چلا۔ اس کے بعد وہ کوٹھڑی میں جا کر تلاش کرنے لگا' دیکھا کہ کوٹھڑی بھی کھلی پڑی ہے اور صندوق بھی۔ لباس غائب ہے۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ بیوی اپنے پروں کے لباس کو لے کر اڑ گئی اور بچوں کو اپنے ساتھ لیتی گئی۔

کوٹھڑی سے نکل کر حسن اپنی ماں کے پاس آیا دیکھا کہ وہ ہوش میں آ گئی ہے۔ اس نے پوچھا کہ میرے بیوی بچے کہاں ہیں؟ ماں نے رو کر کہا۔ بیٹا خدا ان کے بارے میں تجھے بڑا اجر دے! یہ ان تینوں کی قبریں ہیں۔ اپنی ماں کی زبان سے یہ سن کر حسن نے زور سے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر گیا۔ صبح سے ظہر تک اسی طرح پڑا رہا۔ ماں کو اور غم پر غم ہوا اور وہ اس کے جینے سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ جب حسن کو پھر ہوش آیا تو وہ منہ پر طمانچے مارنے اور کپڑے پھاڑنے اور گھر میں پاگلوں کی طرح پھرنے لگا۔ تلوار کھینچ کرماں کے پاس آیا اور کہنے لگا اگر تو نے ٹھیک نہ بتایا تو میں تیری بھی گردن اڑا دوں گا اور اپنے آپ کو بھی مار ڈالوں گا۔ وہ بولی بیٹا! ایسا نہ کر میں ابھی بتائے دیتی ہوں' تلوار کو میان میں ڈال لے اور بیٹھ کر سارا ماجرا سن۔ جب اس نے تلوار میان میں کر لی اور ماں کے پاس بیٹھ گیا تو اس نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک سنا دیا اور کہا بیٹا اگر میں حمام کے بارے میں اسے روتا نہ دیکھتی اور مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تیرے آنے پر وہ شکایت کرے گی اور تو مجھ پر ناراض ہو گا تو میں کبھی اسے حمام نہ لے جاتی اور اگر شہزادی زبیدہ ناراض ہو کر مجھ سے زبردستی کنجی نہ لے لیتی تو میں ہرگز لباس نہ نکالتی خواہ مر ہی کیوں نہ جاتی۔ بیٹا تو جانتا ہے کہ کسی کا ہاتھ خلیفہ کے ہاتھ سے زیادہ لمبا نہیں۔ جب اسے لباس مل گیا تو اس نے اسے لے کر الٹا پلٹا اور یہ سوچنے لگی کہ اس میں سے کوئی چیز جاتی تو نہیں رہی لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ مکمل ہے تو وہ خوش ہو گئی' بچوں کو اپنی کمر سے باندھا اور پروں کا لباس پہن لیا کیونکہ اس سے پہلے شہزادی زبیدہ اس کی عزت احترام اور خوبصورتی دیکھنے کی خاطر اس کے سارے کپڑے اتروا چکی تھی۔ پروں کا لباس پہنتے ہی اسے جھرجھری سی آئی اور وہ چڑیا بن گئی اور محل کے اندر ادھرادھر پھدکنے لگی۔ لوگ اسے دیکھنے اور اس کے حسن و جمال پر تعجب کرنے لگے۔ اس کے بعد وہ اڑ کر محل کے اوپر جا بیٹھی اور میری طرف دیکھ کر کہنے لگی' اگر تیرا بیٹا آئے اور

جدائی کی راتیں اس پر کٹھن گزریں' اسے مجھ سے ملنے کی خواہش ہو اور محبت اور تمناؤں کی ہوائیں چلنے لگیں تو وہ اپنا وطن چھوڑ کر جزائر واق آ جائے۔ یہ ہیں وہ باتیں

جو اس نے تیرے پیچھے کیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو اٹھانوے ویں رات

سات سو اٹھانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- اپنی ماں کی باتیں سن کر حسن نے زور سے چیخ ماری اور بے ہو ش ہو گیا اور شام تک بے

ہوش پڑا رہا۔ ماں اس کے سرہانے بیٹھی آدھی رات تک روتی رہی۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ پانچ دن تک یہی حالت رہی کہ وہ گھر میں سر ٹکراتا' روتا' پیٹتا اور ٹھنڈے سانس بھرتا' نہ کھاتا نہ پیتا' ماں اسے برابر قسمیں دیتی کہ رونا بند کردے مگر وہ اس کی بات نہ سنتا اور برابر روتا' پیٹتا رہتا' ماں اسے تسلی دیتی مگر وہ نہ مانتا۔ اسی طرح ایک بار وہ رات بھر روتا رہا۔ جب صبح کو اس کی آنکھ جھپک گئی تو اس نے خواب میں اپنی بیوی کو دیکھا کہ وہ غمگین ہے اور رو رہی ہے' اس پر وہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھا۔ دن نکلا تو اس کا رونا' پیٹنا اور زیادہ ہو گیا۔ پورے ایک مہینے تک وہ غمگین روتا رہا۔ رات بھر جاگتا رہتا اور بہت کم کھاتا پیتا۔ مہینہ ختم ہونے پر اسے خیال آیا کہ بہنوں کے پاس چلنا چاہئے تاکہ وہ اس کی مطلب براری میں مددگار ہوں۔ یہ ارادہ کرکے اس نے اونٹنیوں کو بلایا۔ پچاس کے اوپر عراق کے تحفے لادے اور ایک اپنی سواری کے لئے رکھ لی۔ پھر گھر کو ماں کے سپرد کرکے اپنی بہنوں کی طرف روانہ ہو گیا کہ شاید ان کی کوشش سے اس کی بیوی مل جائے اور چلتے چلتے لڑکیوں کے محل میں پہنچ گیا جو جبل السحاب میں تھا۔

بہنوں کے پاس پہنچ کر حسن نے انہیں تحفے دیئے وہ خوش ہو گئیں اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دینے لگیں اور کہا کہ بھائی تو اتنی جلدی کیوں لوٹ آیا؟ ابھی تو تجھے گئے دو مہینے بھی نہیں ہوئے یہ سن کر اس نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر گیا۔ لڑکیاں اس کے اردگرد بیٹھ کر رونے لگیں۔ کئی بار اسے ہوش آیا اور پھر بے ہوش ہو گیا۔

اس کی بہن نکل کر اس کے پاس آئی اور یہ دیکھ کر کہ وہ بے ہوش پڑا ہے چیخنے اور منہ پیٹنے لگی۔ یہ سن کر اس کی دوسری بہنیں بھی نکل آئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ حسن پر غشی طاری ہے تو وہ بھی اس کے اردگرد بیٹھ کر رونے لگیں۔ مگر اسے دیکھ کر ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ یہ ساری مصیبت محبت اور عشق' شوق اور تمنا کی لائی ہوئی ہے۔ جب انہوں نے ماجرا پوچھا تو اس نے رو رو کر بیان کیا کہ میری غیر موجودگی میں میری بیوی اپنے بچوں کو لے کر اڑ گئی ہے۔

انہیں اس پر بڑا افسوس ہوا اور انہوں نے پوچھا کہ جاتے وقت اس نے کیا کہا تھا؟ حسن نے کہا بہنو! اس نے میری ماں سے کہا تھا کہ اپنے بیٹے سے کہہ دیجیو کہ اگر جدائی کی راتیں اس کے لئے کٹھن ہو جائیں اور وہ میرے ملنے کا مشتاق ہو' محبت اور تمنا زور کرے تو وہ میرے پاس جزائر واق میں آ جائے۔ اس کی باتیں سن کر وہ سر ہلانے لگیں اور سوچ میں پڑ گئیں۔ حسن نے دیکھا کہ وہ ایک دوسری کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ تھوڑی دیر سر جھکائے رہیں پھر سر اٹھا کر انہوں نے کہا کہ "لا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔" اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا' اگر وہ آسمان تک پہنچ گیا تو تیری بیوی مل جائے گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سات سو ننانوے ویں رات

سات سو ننانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب لڑکیوں نے حسن سے کہا کہ اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا اگر وہ آسمان تک پہنچ گیا تو تجھے بیوی بچے مل جائیں گے تو اس کے آنسو مینہ کی طرح اس کے رخساروں پر بہنے لگے۔ یہاں تک کہ اس کے کپڑے بھیگ گئے۔ اسے روتا دیکھ کر لڑکیاں بھی رونے لگیں۔ انہیں اس پر ترس بھی آنے لگا اور رشک بھی۔ وہ اس کے ساتھ نرمی سے باتیں کرتیں' صبر دلاتیں اور دعا کرتیں کہ اس کے چھیتے اسے مل جائیں۔ اب اس کی ایک بہن نے آگے بڑھ کر کہا بھائی! اگر تو اطمینان رکھے گا اور صبر سے کام لے گا تو تیری مراد بر آئے گی۔ جو صبر اور انتظار کرتا ہے اس کی تمنا بر آتی ہے کیونکہ صبر خوشی کی کنجی ہے۔ اپنا دل مضبوط اور ارادہ پکا رکھ۔ دس برس والا نویں برس میں نہیں مرتا ہے۔ غم اور رنج سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ہمارے ہاں ٹھہر کر آرام کر۔ میں کوئی نہ کوئی تدبیر نکال کرخدا نے چاہا تو تیرے بیوی بچوں سے ملا دوں گی۔ حسن بلک بلک کر رونے لگا اور اپنی بہن کے پاس بیٹھ گیا بہن اس سے باتیں کرتی' اسے تسلی دیتی اور پوچھتی کہ وہ کس وجہ سے اڑ گئی ہے۔ وہ اس کی وجہ بتاتا۔ اس نے کہا بھائی! میں تجھ سے کہنے والی تھی کہ پروں کو آگ لگا دے لیکن شیطان نے مجھے بھلا دیا۔ جب اس کی بہن نے دیکھا کہ وہ محبت اور عشق کا مارا ہے تو وہ روتی ہوئی دوسری بہنوں کے پاس گئی اور نڈھال ہو کر ان پر گر پڑی۔ ان کے قدم چومنے لگی اور ان سے کہا کہ میرے بھائی کی مدد کرو تاکہ اس کے بچے بیوی اسے مل جائیں اور انہیں قسم دی کہ کوئی نہ کوئی تدبیر نکال کر اسے جزائر واق پہنچا دو۔ یہ کہہ کر وہ اپنی بہنوں کے آگے اتنا روئی کہ وہ بھی رونے لگیں اور انہوں نے کہا کہ اطمینان رکھ' ہم کوشش کریں گے اور اگر خدا نے چاہا تو اسے اس کی بیوی سے ملا دیں گے حسن

ان کے ساتھ ایک سال تک رہا اور ایک روز بھی اس کے آنسو نہ تھمے۔
اس کی بہنوں کا عبدالقدوس نامی ایک سگا چچا تھا۔ اسے اپنی بڑی بھتیجی سے بہت محبت تھی۔ وہ ہر سال ایک بار آتا اور جو اسے ضرورت ہوتی' پورا کردیتا۔ لڑکیوں نے اس مرتبہ اس سے حسن کا قصہ بھی بیان کیا تھا اور یہ کہ اس مجوسی کے ساتھ کیا پیش آیا اور اس نے اسے کس طرح قتل کیا۔ چچا نے یہ کہانی سنی تو بہت خوش ہوا اور اس نے بڑی لڑکی کو ایک تھیلا دے کر جس میں خوشبوئیں تھیں کہا کہ بھتیجی' اگر تجھے کوئی مشکل پیش آئے یا تکلیف ہو یا کسی قسم کی ضرورت پڑے تو ان خوشبوؤں کو آگ میں ڈال کر میرا نام لیجیو' میں فوراً آ کر تیری حاجت پوری کر دوں گا۔ یہ باتیں سال کے پہلے روز ہوئی تھیں۔ اب لڑکی نے اپنی بہن سے کہا کہ سال پورا ہو گیا ہے اور چچا نہیں آیا جا کر خوشبوؤں کی تھیلی لے آ اور چقماتی سے آگ جلا۔
لڑکی خوش خوش اٹھی اور خوشبوؤں کی تھیلی لا کر اسے کھولا اوراس میں تھوڑی خوشبوئیں نکال کر اپنی بہن کو دے دیں۔ اس نے انہیں آگ میں ڈال دیا اور اپنے چچا کا نام لینے لگی۔ ابھی خوشبو جل بھی نہیں چکی تھیں کہ گھاٹی کی طرف سے ایک گرد اٹھی اور تھوڑی دیر کے بعد اس میں سے ایک ہاتھی چنگھاڑتا ہوا اور اس پرایک بوڑھا سوار دکھائی دیا جونہی لڑکیوں کی نظر اس پر پڑی انہوں نے دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے ان کی طرف اشارہ کررہا ہے چند لمحے نہ گزرنے پائے تھے کہ وہ ان کے پاس پہنچ گیا انہوں نے اس کے ہاتھ چومے اور سلام کیا۔ پھر وہ بیٹھ گیا اور لڑکیاں اس سے باتیں کرنے اور اس کے نہ آنے کا سبب پوچھنے لگیں۔ اس نے کہا کہ ابھی میں اور تمہاری چچی بیٹھے ہی ہوئے تھے کہ مجھے خوشبو آئی اور میں اس ہاتھی پر سوار ہو کر آ پہنچا۔ اے میری بھتیجی! تم لوگوں کو کیا ضرورت پیش آئی؟ اس نے کہا چچا! تجھے دیکھنے کا ہمیں بہت زیادہ اشتیاق تھا۔ کیونکہ سال گزر چکا ہے اور تو کبھی ایک سال سے زیادہ غائب نہیں رہتا۔ اس نے کہا میں کام میں لگا ہوا تھا اور کل تمہارے پاس آنے

کا ارادہ کر رہا تھا۔ لڑکیوں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اسے دعا دی اور اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• آٹھ سو ویں رات

آٹھ سو ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب لڑکیاں بیٹھ کر اپنے چچا سے باتیں کرنے لگیں تو بڑی نے کہا چچا! ہم نے تجھے حسن بصری کا قصہ تو سنایا ہے جسے مجوسی لایا تھا اور جس نے اسے قتل کیا ہے اور ملک اکبر کی بیٹی کا ماجرا بھی بیان کیا ہے کہ کیسی کیسی مصیبتیں اور تکلیفیں جھیل کر اس نے اسے پکڑا' اس سے نکاح کیا اور پھر وہ اسے لے کر اپنے وطن گیا؟ چچا بولا ہاں' پھر کیا ہوا؟ لڑکی نے کہا کہ اس کی اس بیوی سے دو بچے ہوئے اور پھر اس کی غیر موجودگی میں لڑکی نے اس کے ساتھ بے وفائی کی بچوں کو لے کر اپنے وطن چلی گئی اور چلتے چلتے اس کی ماں سے یہ کہتی گئی کہ اگر اسے مجھ سے ملنے کی تمنا ہو تو وہ میرے پاس جزائر واق میں آ جائے۔ چچا اپنا سر ہلانے اور دانتوں سے انگلیاں کاٹنے لگا۔ پھر سر نیچا کرکے اپنی انگلی سے زمین پر لکیریں کھینچیں۔

اس کے بعد وہ پھر اپنا سر ہلانے لگا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا' حسن اس کی نظروں سے پوشیدہ اسے دیکھ رہا تھا۔ لڑکیوں نے چچا سے کہا ہمیں جواب دے کیونکہ ہمارا دل پھٹا جا رہا ہے۔ اس نے ان کی طرف سر ہلا کر کہا کہ اے میری بیٹیو! اس شخص نے بے کار ہی اپنی جان جوکھوں میں ڈال رکھی ہے اور مفت میں خطرناک چیزوں کا سامنا کر رہا ہے۔ کیونکہ جزائر واق تک اس کا پہنچنا ناممکن ہے۔ لڑکیوں نے حسن کو آواز دی۔ وہ نکل آیا اور شیخ عبدالقدوس کی طرف بڑھ کر اس کا ہاتھ چوما' اسے سلام کیا۔ شیخ نے خوش ہو کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا لڑکیوں نے چچا سے کہا جو کچھ تو نے ہم سے کہا ہے ہمارے بھائی سے بھی تفصیل کے ساتھ بیان کر دے۔ شیخ' حسن سے مخاطب ہو کر بولا بیٹا! اس سخت تکلیف اور عذاب میں اپنی جان نہ ڈال۔ جزائر واق تک تیرا پہنچنا ناممکن ہے۔ خواہ تیرے قبضے میں اڑنے والے جن اور چلنے والے ستارے ہی کیوں

نہ ہوں۔ کیونکہ تیرے اور ان کے جزیروں کے درمیان سات گھاٹیاں' سات بڑے پہاڑ اور سات سمندر ہیں تو اس جگہ کیسے پہنچ سکتا ہے اور تجھے وہاں کون پہنچا سکتا ہے' خدا کے لئے فوراً لوٹ جا اور اس بکھیڑے میں نہ پڑ۔

شیخ عبدالقدوس کی یہ باتیں سن کر حسن اتنا رویا کہ بے ہوش ہو گیا۔ لڑکیاں بھی اس کے آس پاس بیٹھ کر رونے لگیں۔ چھوٹی لڑکی نے تو اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اتنا منہ پیٹا کہ غش کھا کر گر پڑی۔ ان کے رنج و غم کو دیکھ کر شیخ عبدالقدوس کو ترس آ گیا۔ اس کا دل کڑھنے لگا اور اس نے کہا کہ چپ ہو جاؤ اور حسن کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ غم نہ کر خدا نے چاہا تو تیری مراد بر آئے گی۔اس کے بعد وہ کہنے لگا۔ بیٹا اٹھ اور دل مضبوط کرکے میرے ساتھ چل۔ حسن لڑکیوں سے رخصت ہوا اور دل مضبوط کرکے شیخ کے ہمراہ ہو گیا۔ وہ خوش تھا کہ اب میری مراد بر آئے گی۔ شیخ عبدالقدوس ہاتھی منگوا کر اس پر سوار ہو گیا۔ حسن کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور برابر تین دن اور تین رات بجلی کی طرح چلنے کے بعد ایک بہت بڑے پہاڑ کے پاس پہنچا جو نیلا تھا۔ اس پہاڑ کے بیچ میں ایک کھوہ تھی جس میں چینی لوہے کا دروازہ لگا ہوا تھا۔ شیخ نے حسن کا ہاتھ پکڑ کر اسے ہاتھی پر سے اتارا اور اس کے بعد خود اتر کر ہاتھی کو چلتا کیا اور کھوہ کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا اور اس میں سے دیو کی طرح ایک کالا بھجنگ ننگا غلام نکلا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں تلوار اور بائیں میں فولادی ڈھال تھی۔ شیخ عبدالقدوس کو دیکھتے ہی اس نے تلوار اور ڈھال ہاتھ سے پھینک دی اور شیخ کی طرف بڑھ کر اس کا ہاتھ چوما۔ شیخ' حسن کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا اور غلام نے ان کے پیچھے دروازے میں تالا ڈال دیا۔ حسن نے دیکھا کہ غار بڑا لمبا چوڑا ہے اور اس کی دہلیز ڈاٹ کی ہے۔ ایک میل تک برابر چلنے کے بعد وہ ایک بڑے میدان میں پہنچے جہاں ایک ستون میں پیتل کے ڈھلے ہوئے دو بڑے دروازے لگے ہوئے تھے۔ شیخ عبدالقدوس نے ان میں سے ایک دروازہ کھولا اور حسن سے یہ کہہ کر کہ یہیں دروازہ

پر بیٹھ رہیو خبردار اندر نہ آئیو میں ابھی لوٹ کر آتا ہوں۔ دروازے کے اندر گیا اسے پھر بھیڑ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ ایک گھوڑا لے کر نکلا جس پر زین اور لگام لگی ہوئی تھی۔ وہ گھوڑا ایسا تھا کہ اگر چلتا تو معلوم ہوتا کہ اڑ رہا ہے اور جب وہ اڑتا تو گرد بھی اس تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ شیخ نے اسے حسن کو دے کر کہا کہ سوار ہو جا اب شیخ نے دوسرے دروازہ کھولا اس میں ایک بڑا جنگل دکھائی دیا حسن گھوڑے پر سوار ہوا اور دونوں اس دروازے سے نکل کر جنگل میں داخل ہوگئے۔ شیخ نے حسن سے کہا بیٹا! یہ خط لے اور اس گھوڑے پر سوار ہو جا جہاں تک وہ جائے چلا جا جب تو دیکھے کہ وہ اسی غار کی طرح ایک غار کے دروازے پر ٹھہر گیا ہے تو اس کی پیٹھ پر سے اتر کر اور اس کی باگ اس کی زین پر ڈال کر اسے جانے دیجیو وہ اسی غار کے اندر چلا جائے گا لیکن تو اس کے ساتھ نہ جائیو بلکہ پانچ روز تک غار کے دروازے پر ٹھہر رہیو' گھبرائیو نہیں چھٹے دن ایک سیاہ فام بڈھا نکل کر تیرے پاس آئے گا جس کا سیاہ لباس اور سفید داڑھی ناف تک ہو گی اسے دیکھتے ہی اس کے ہاتھ چومیو' اس کا دامن اپنے سر پر رکھیو اور اس کے آگے اتنا روئیو کہ اسے رحم آ جائے۔ وہ تجھ سے پوچھے گا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ جب وہ یہ سوال کرے تو اسے یہ خط دے دیجیو۔ وہ تجھ سے خط لے گا' مگر کوئی بات نہیں کرے گا اور تجھے اکیلا چھوڑ کر اندر چلا جائے گا اور پھر تو اور پانچ روز اطمینان سے رہیو' چھٹے دن اس کی راہ دیکھیو اگر وہ خود نکل کر تیرے پاس آئے تو جان جائیو کہ تیری مراد بر آئی اور اگر اس کا کوئی غلام نکل کر آئے تو سمجھ لیجیو کہ وہ شخص تجھے قتل کر دینا چاہتا ہے اور بس بیٹا تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ جو شخص اپنی جان پر کھیلتا ہے' اسی کا انجام موت ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو کے بعد پہلی رات

آٹھ سو کے بعد پہلی رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ شیخ عبدالقدوس نے کہا کہ جو شخص اپنی جان پر کھیلتا ہے اس کا انجام موت ہے۔ اگر تجھے اپنی جان پیاری ہے تو ہلاکت میں نہ پڑ اور اگر تو مرنے سے نہیں ڈرتا تو بسم اللہ! میں نے ہر بات صاف صاف بتا دی ہے۔ اگر تو اپنی بہنوں کے پاس جانا چاہتا ہے تو یہ ہاتھی حاضر ہے' وہ تجھے میری بھتیجیوں کے پاس پہنچا دے گا۔ پھر وہ تجھے تیرے وطن پہنچا دیں گی اور خدا تجھے اس لڑکی سے بہتر عطا کرے گا جس میں تیرا دل اٹکا ہوا ہے۔ حسن نے شیخ سے کہا جب تک میں اپنی مراد نہ پالوں زندگی میں کیا مزا آئیگا! خدا کی قسم میں لوٹوں گا تو اپنی محبوبہ کو لے کر لوٹوں گا ورنہ یہیں جان دے دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگا' شیخ کو یقین ہو گیا کہ جب تک اس کی مراد نہ بر آئے' وہ نہیں لوٹے گا' کسی کے کہنے سننے کا اس پر اثر نہ ہو گا اور وہ اپنی جان کو ضرور خطرے میں ڈالے گا۔ خواہ جان سے ہاتھ کیوں نہ دھونا پڑے۔ اب اس نے کہا کہ بیٹا سن' جزائر واق سات جزیرے ہیں اور وہاں بہت بڑا لشکر ہے جس میں محض کنواری لڑکیاں ہیں۔ اندرونی' جزائر میں صرف شیطان' جن جادوگر اور بھانت بھانت کے دیو بستے ہیں اور جو کوئی بھی ان کے ملک میں جاتا ہے لوٹ کر نہیں آتا۔ کم از کم اب تک تو کوئی ایسا نہیں کہ جا کر لوٹ آیا ہو۔ خدا کے لئے تو اپنے عزیزوں کے پاس واپس چلا جا۔ تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ جس لڑکی کی تجھے تلاش ہے وہ ان تمام جزیروں کے بادشاہ کی بیٹی ہے' پھر بھلا اس تک تیری پہنچ کیونکہ ہو سکتی ہے! بیٹا' میری بات مان لے' خدا ضرور اس کے بدلے میں اس سے بہتر دے گا۔ حسن نے کہا اے میرے آقا! میں مرنے سے نہیں ڈرتا' اس کی محبت میری جان کے ساتھ ہے۔ میں جزائر واق میں جا کر اور اپنے بیوی بچوں کو دیکھ کر رہوں گا اور خدا نے چاہا تو بیوی بچوں کو لے کر لوٹوں گا۔

یہ سن کر شیخ عبدالقدوس نے کہا پھر تو بغیر گئے چارہ نہیں۔ حسن بولا' ہاں اور تجھ سے میں محض دعا اور مدد چاہتا ہوں تاکہ خدا مجھے بیوی بچوں سے جلد ملا دے۔ یہ کہہ کر وہ اتنا رویا کہ اسے غش آ گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو شیخ عبدالقدوس نے کہا' بیٹا تیری ایک ماں ہے' اسے موت کا غم نہ دے۔ حسن نے شیخ عبدالقدوس سے کہا' اے میرے آقا! خدا کی قسم یا تو میں اپنی بیوی کو لے کر لوٹوں گا اور یا جان دے دوں گا۔ اس سے زیادہ نہ مجھ میں کچھ کہنے کی تاب ہے نہ سننے کی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ شیخ کو یقین ہو گیا کہ اس پر کسی نصیحت کا اثر نہیں ہو گا۔ اب اس نے وہ خط دے دیا اور اس کے لئے دعا کی' اسے سمجھا دیا کہ اسے ایسا کرنا چاہئے اور کہا کہ میں نے تیرے بارے میں ابوالرویش بن بلقیس بنت معین کو تاکید کے ساتھ لکھ دیا ہے' وہ میرا پیر اور استاد ہے۔ تمام جن وانس اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں۔ اچھا روانہ ہو جا۔ خدا برکت دے! حسن رخصت ہوا اور اسنے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور وہ بجلی سے تیز اڑنے لگا۔ دس دن تک چلنے کے بعد ایک بہت بڑی کالی سی چیز دکھائی دی جو رات سے بھی زیادہ تاریک تھی اور جس نے پورب سے لے کر پچھم تک روک رکھاتھا۔ جب حسن اس کے پاس پہنچا تو اس کا گھوڑا ہنہنانے لگا۔ اس کے ہنہناتے ہی لاکھوں گھوڑے آ پہنچے جن کا گننا ناممکن اور جن سے بچنا محال تھا۔ وہ اپنے جسموں کو اس گھوڑے سے رگڑنے لگے۔ انہیں دیکھ کر حسن ڈر اور سہم گیا۔ حسن چلا جاتا تھا اور گھوڑے اس کے آس پاس تھے۔ یہاں تک کہ وہ اس غار کے قریب جا پہنچا۔ جس کا ذکر شیخ عبدالقدوس نے کیا تھا۔ وہاں پہنچ کر گھوڑا غار کے دروازے پر ٹھہر گیا اور حسن نے اس پر سے اتر کر لگام زین پر ڈال دی۔ گھوڑا غار کے اندر چلا گیا اور حسن دروازے پر کھڑا رہا جس طرح کہ شیخ عبدالقدوس نے کہا تھا کہ سوچنے لگا کہ آخر اس کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو کے بعد دوسری رات

آٹھ سو کے بعد دوسری رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ حسن اسی طرح سے پانچ روز تک دروازے پر کھڑا رہا' نہ اسے نیند آئی نہ آنسو رکے اور نہ دل کی گھبراہٹ کم ہوئی۔ وہ حیران و پریشان تھا کہ اس کے گھر والے' وطن' ساتھی اور دوست سب چھوٹ گئے پھر اسے اپنی ماں یاد آئی۔ پھر وہ اپنی مصیبتوں' بیوی بچوں کی جدائی اور اپنی تکلیفوں کو سوچنے لگا۔ اسی حالت میں تھا کہ شیخ ابوالرویش نکل کر اس کے پاس آیا۔ وہ کالا تھا اور اس کے کپڑے بھی کالے تھے۔ حسن اسے دیکھتے ہی پہچان گیا کیونکہ شیخ عبدالقدوس نے اس کا رنگ روپ بتا دیا تھا۔ حسن فوراً اس کے قدموں پر گر پڑا۔ اپنے رخسار اس کے قدموں سے ملنے لگا۔ اس کا پاؤں اٹھا کر اسے سر پر رکھ لیا' اس کی آنکھوں سے آنسو برابر جاری تھے۔ اس نے حسن سے کہا بیٹا تو کیا چاہتا ہے؟ حسن نے ہاتھ بڑھا کر خط اسے دے دیا اور وہ خط لے کر بے جواب دیئے غار کے اندر چلا گیا۔ شیخ عبدالقدوس کی ہدایت کے مطابق اپنی جگہ دروازے پر کھڑا برابر روتا رہا۔ اس کی گھبراہٹ بڑھتی جاتی تھی اور ڈر زیادہ ہوتا جا رہا تھا۔ نیند بالکل نہ آتی تھی۔ ایک رات جب اسی حالت میں اسے تڑکا ہو گیا تو شیخ ابوالرویش نکل کر اس کے پاس آیا اس وقت وہ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس نے ہاتھ سے حسن کو اشارہ کیا کہ اندر آ' وہ آگے بڑھا' شیخ اس کا ہاتھ پکڑ کر غار کے اندر لے چلا' حسن کا دل اچھلنے لگا' اسے یقین آ گیا کہ اس کی مراد بر آئی۔ آدھے دن تک چلنے کے بعد وہ ایک محراب دار دروازے پر پہنچے جس میں فولاد کے کواڑ لگے ہوئے تھے۔ شیخ نے دروازہ کھولا اور حسن کو لے کر ایک دہلیز میں داخل ہوا جس پر سلیمانی پتھر کی ڈاٹ تھی اور سونے کی مینا کاری' چلتے چلتے وہ ایک بڑے مرمر کے صحن میں پہنچے جس کے بیچ میں ایک باغ تھا جہاں طرح طرح کے درخت' پھول' پھل تھے' چڑیاں درختوں پر بیٹھی چہچہا

رہی تھیں اور زبردست خدا کی پاکی بیان کررہی تھیں۔
اس صحن میں آمنے سامنے چار چبوترے تھے اور ہر چبوترے پر ایک ایک بیٹھک' جن میں ایک ایک حوض تھا اور ہر حوض کے ستونوں پر سونے کے شیر بنے ہوئے تھے۔ ہر بیٹھک میں ایک ایک کرسی پڑی ہوئی تھی جن پر ایک ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ ہر ایک کے سامنے بہت سی کتابیں تھیں اور سونے کی انگیٹھیاں جن میں انگارے اور خوشبوئیں تھیں شاگرد کتابیں پڑھ رہے تھے جب یہ دونوں ان کے پاس پہنچے تو وہ کھڑے ہو گئے شیخ نے آگے بڑھ کر ان سے اشارے سے کہا کہ حاضرین کو چلتا کرو۔ شاگرد چلے گئے تو وہ چاروں استاد آ کر شیخ ابولرویش کے آگے بیٹھ گئے اور حسن کے متعلق دریافت کرنے لگے۔ شیخ نے حسن کی طرف اشارہ کرکے کہا' ان لوگوں کو اپنا سارا قصہ اور ماجرا شروع سے لے کر آخر تک سنا۔ حسن نے رو رو کر انہیں اپنا سارا قصہ سنا دیا۔ جب حسن سنا چکا تو سب بوڑھوں نے چلا کر کہا یہ تو وہی شخص ہے جسے مجوسی نے اونٹ کی کھال میں سی کر گدھوں کے ذریعے سے جبل السحاب بھیجا تھا۔ حسن بولا ہاں! ان سب نے شیخ ابوالرویش سے مخاطب ہو کر کہا اے شیخ! بہرام نے تو اسے مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں رکھی تھی۔ پھر یہ پہاڑ سے کس طرح نیچے آیا۔ شیخ ابوالرویش نے کہا اے حسن! ان لوگوں سے بیان کر کہ تو نے کیا کیا عجیب باتیں دیکھیں اور کیسے نیچے اتر آیا۔ حسن نے شروع سے لے کر آخر تک سارا حال انہیں سنایا اور یہ بھی بیان کیا کہ مجوسی پھر کس طرح اس کے ہتھے چڑھا اور کیسے اس نے اسے قتل کیا اور کس صورت سے اس دوسرے شخص کو اس نے بہرام کے پنجے سے چھڑایا اور وہ لڑکی اسے کہاں ملی اور پھر وہ اسکے ساتھ بے وفائی کرکے اور بچوں کو لے کر اڑ گئی اور اسے تکلیف اور مصیبت میں چھوڑ گئی۔ اس کی سرگزشت سن کر حاضرین کو تعجب ہوا اور انہوں نے شیخ کی طرف مخاطب ہو کر کہا' اے شیخوں کے شیخ! خدا کی قسم یہ جوان مصیبت زدہ ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ تو اسکی مدد کرکے اس کے بیوی بچوں

کو اس سے ملا دے گا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• آٹھ سو تیسری رات

آٹھ سو تیسری رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ انہوں نے شیخ ابوالرویش سے کہا کہ جوان مصیبت زدہ ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ تو اس کی مدد کرکے اس کے بیوی بچوں کو اس سے ملا دے گا۔ شیخ بولا' اے میرے بھائیو! یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے اور سوائے اس جوان کے میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اپنی جان سے تنگ آ چکا ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ جزائر واق تک پہنچنا آسان کام نہیں اور بغیر اپنی جان پر کھیلے کوئی وہاں تک نہیں پہنچا۔ تم جانتے ہو کہ وہ لوگ بڑے قوی ہیں۔ ان کے پاس بہت بڑا لشکر ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ نہ میں خود ان کی زمین پر قدم رکھوں گا نہ ان کی کسی بات میں مداخلت کروں گا۔ پھر یہ جوان ملک اکبر کی بیٹی تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ کس کی مجال ہے کہ اس لڑکی تک اس کو پہنچائے یا اس معاملے میں اس کی کچھ بھی مدد کر سکے۔ وہ بولے' اے شیخ! یہ شخص محبت کا مارا ہے' جان پر کھیل کر آیا ہے اور تیرے بھائی عبدالقدوس کا خط لایا ہے' اس لئے اس کی مدد کرنا تجھ پر لازمی ہے۔اب حسن نے اٹھ کر شیخ ابوالرویش کے قدم پکڑ لئے' اس کا دامن لے کر اپنے سر پر رکھا اور رو رو کر کہنے لگا' خدا کے لئے میری بیوی بچوں کو مجھ سے ملا دے۔ خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔اسے روتا دیکھ کر سب حاضرین رونے لگے اور انہوں نے شیخ ابوالرویش سے کہا اس بیچارے کا ثواب غنیمت جان اور اپنے بھائی عبدالقدوس کے طفیل میں اس کے ساتھ بھلائی کر۔ شیخ بولا یہ جوان واقعی بے یارومددگار ہے اور اسے خبر نہیں کہ اس پر کیا کچھ گزرنے والی ہے لیکن خیر جہاں تک ہو سکے گا ہم اس کی مدد کریں گے۔ یہ سن کر حسن خوش ہو گیا' اس کے ہاتھ چومے' دوسرے کے ہاتھوں پر بھی بوسے دیئے اور ان سے مدد کی درخواست کی۔

اب ابوالرویش نے کاغذ اور قلم دوات لے کر ایک خط لکھا اور مہر لگا کر حسن کو دے

دیا۔ پھر اسے چمڑے کی ایک تھیلی دے کر جس میں خوشبوئیں اور آگ جلانے کا سامان مثلاً چقماق وغیرہ تھا کہا کہ اس تھیلی کو حفاظت سے رکھیو۔ جب تجھ پر کوئی مصیبت آئے تو تھوڑی سی خوشبو لے کر جلائیو اور میرا نام لیجیو میں فوراً تیرے پاس آ کر مدد کروں گا۔ بعدازاں اس نے حاضرین میں سے ایک شخص سے کہا کہ اڑنے والے جنوں میں سے ایک دیو لے آئے۔ دیو حاضر ہوا تو شیخ نے پوچھا' تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا تیرا غلام دہنش بن نقطش ہے' ابوالرویش بولا کہ آ۔ وہ پاس آیا تو شیخ ابولرویش نے اپنا منہ اس کے کان کے پاس لے جا کر کچھ کہا اور دیو نے اپنا سر ہلایا۔ اب شیخ نے حسن سے کہا کہ بیٹا' اٹھ کر اس اڑنے والے دیو دہنش پر سوار ہو جا۔ جب وہ تجھے لے کر آسمان پر پہنچے اور تیرے کان میں فرشتوں کی تسبیح کی آواز پہنچے تو تو تسبیح نہ پڑھیو ورنہ تو بھی ہلاک ہو جائے گا اور وہ بھی۔ حسن نے کہا کہ میں ہرگز کچھ نہ کہوں گا۔ شیخ نے کہا اے شیخ! یہ دیو تجھے لے جا کر کل صبح ایک سفید ملک میں اتارے گا جو کافور کی طرح صاف ہو گا۔ جب وہ تجھے وہاں اتار دے تو تنہا روانہ ہو جائیو' دس دن کے بعد تو ایک شہر کے دروازے پر پہنچے گا وہاں پہنچ کر اندر داخل ہو جائیو' بادشاہ کا پتا پوچھیو اور اس سے مل کر اسے سلام کیجیو اور اس کا ہاتھ چومیو اور اسے یہ خط دیجیو۔ وہ جو کچھ اشارے سے کہے' اسے سمجھیو۔ حسن نے کہا کہ سر آنکھوں پر اور جا کر دیو کے پاس کھڑا ہو گیا اور سب بزرگوں نے اسے دعا دی اور دیو سے کہا کہ اس کی نگہبانی کیجیو۔

دیو اسے اپنے کندھے پر بٹھا کر آسمان کی طرف اڑ گیا۔ ایک دن ایک رات اڑتا رہا۔ یہاں تک کہ حسن کو آسمان میں فرشتوں کی تسبیح سنائی دینے لگی۔ دوسرے دن صبح کو دیو نے اسے ایک ملک میں جا اتارا جو کافور کی طرح سفید تھا اور اسے وہاں چھوڑ کر لوٹ گیا۔ جب حسن کو اس بات کا احساس ہوا کہ وہ زمین پر ہے اور اس کے ساتھ کوئی اور نہیں تو وہ برابر دس دن اور دس رات چلتا رہا۔ چلتے چلتے ایک شہر کے دروازے پر پہنچا۔ اندر جا کر اس نے بادشاہ کا پتا پوچھا۔ لوگوں نے اس کا پتا بتایا اور کہا کہ

اس کا نام ملک حسون ہے' وہ ارض کافور کا بادشاہ ہے اور اس کے پاس اتنا لشکر ہے کہ زمین کی لمبائی اور چوڑائی اس سے بھر جائے۔ حسن نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ بادشاہ نے اجازت دے دی۔ حسن نے دیکھا کہ وہ بہت بڑا بادشاہ ہے۔ اس کے آگے زمین چومی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کس ضرورت سے آیا ہے؟ حسن نے خط کو چوم کر اسے دے دیا۔ اس نے خط پڑھا اور تھوڑی دیر تک سر ہلاتا رہا۔ پھراپنے ایک مصاحب غلام سے کہا کہ اس جوان کو لے جا کر دارالضیافت میں اتار۔ غلام اسے وہاں لے گیا۔ وہ تین دن تک کھانے میں مشغول رہا' سوائے اس ایک غلام کے اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہ تھا۔ وہی اس سے بات چیت کرتا' اس کا دل بہلاتا' اس کا حال دریافت کرتا اور پوچھتا کہ تو اس ملک میں کس طرح پہنچا۔ اور حسن اس سے بیان کرتا کہ اس پر کیا کیا مصیبتیں گزر چکی ہیں اور اب وہ کن کن بلاؤں میں گرفتار ہے۔

چوتھے روز غلام' حسن کو لے کر بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ نے کہا اے حسن تو میرے پاس اس لئے آیا ہے کہ یہاں سے جزائر واق جائے۔ جیسا کہ شیخ الشیوخ نے ہمیں لکھا ہے۔ بیٹا! اگر تو چاہے تو میں تجھے آج ہی روانہ کر دوں مگر یہ جان لے کہ راہ میں بے حد مخدوش مقامات ہیں اور بڑے بڑے خطرناک بیابان۔ لیکن صبر کر تیرے لئے بھلائی ہو گی اور خدا نے چاہا تو میں کسی نہ کسی تدبیر سے تجھے تیرے مقصد تک پہنچا دوں گا۔ اور بیٹا سن' مدت سے دیلم کا ایک لشکر پڑا ہوا ہے جن کے پاس ہتھیار اور گھوڑے اور جنگی سامان ہے پھر بھی وہ جزائر واق میں داخل نہیں ہو سکتے مگر بیٹا! شیخ الشیوخ ابوالرویش بن بلقیس بنت معین کی خاطر میں تجھے ناکام لوٹا نہیں سکتا۔ عنقریب یہاں جزائر واق سے کشتیاں آئیں گی' ان کے آنے میں اب زیادہ دیر نہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی آ گئی تو میں تجھے اس میں بٹھا کر ملاحوں سے تاکید کر دوں گا کہ وہ تجھے حفاظت کے ساتھ جزائر واق پہنچا دیں۔ اگر کوئی پوچھے تو کہیو کہ میں ارض کافور کے بادشاہ ملک حسون کا داماد ہوں۔ جب کشتی جزائر واق میں لنگر ڈالے اور ناخدا کہے کہ خشکی پر اتر تو اتر پڑیو۔ خشکی پر ہر طرف تجھے چوکیاں ہی چوکیاں پڑی نظر آئیں گی

ان میں سے ایک کے نیچے جا کر بیٹھ جائیو اور ہلیو نہیں۔ جب رات ہو جائے اور تو دیکھے کہ عورتوں کا لشکر آ کر سامان کے اردگرد جمع ہو گیا ہے تو اس چوکی والی کا دامن پکڑ کر جس کے نیچے تو ہو کہیو کہ مجھے پناہ دے اور بیٹا سن اگر اس نے تجھے پناہ دے دی تو جانیو کہ تیری مراد بر آئی اور تیری پہنچ تیرے بیوی بچوں تک ہو جائے گی اور اگر اس نے پناہ نہ دی تو اپنی جان کو رو بیٹھیو' زندگی سے ہاتھ دھو ڈالیو اور موت کا یقین کر لیجنو۔ بیٹا سن! تو اپنی جان کو خود خطرے میں ڈال رہا ہے اور میں اس سے زیادہ تیری مدد نہیں کر سکتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو چوتھی رات

آٹھ سو چوتھی رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملک حسون نے حسن سے کہا کہ اس سے زیادہ میں تیری مدد نہیں کر سکتا اور بیٹا' یہ بھی سن رکھ کہ اگر تجھ پر آسمان کے خدا کی مہربانی نہ ہوئی تو یہاں بھی نہ پہنچ سکتا۔ ملک حسون کی یہ باتیں سن کر حسن رونے لگا اور اتنا رویا کہ اسے غش آ گیا۔ ہوش آیا تو اس نے بادشاہ کے آگے زمین چومی اور کہا اے زبردست بادشاہ! کشتیوں کے آنے میں ابھی کتنا زمانہ باقی ہے؟ اس نے جواب دیا' ایک مہینہ اور ان کا سامان بکنے میں دو مہینے اور لگیں گے' اس کے بعد وہ اپنے گھروں کو واپس جائیں گے لہٰذا کہیں چھ مہینے کے بعد تجھے سفر کی امید ہو سکتی ہے۔ اب بادشاہ نے حسن سے کہا کہ دارالضیافت جا اور حکم دیا کہ اس کے لئے شاہانہ انداز سے کھانے پینے اور پہننے کا سامان مہیا کیا جائے۔

اس طرح سے وہ ایک مہینے تک دارالضیافت میں رہا کیا۔ مہینے گزرنے کے بعد کشتیاں آئیں اور بادشاہ اور تاجر لوگ حسن کو لے کر کشتیوں کے پاس گئے۔ حسن کی نظر ایک کشتی پر پڑی۔ جس میں روڑوں کی طرح لوگ بھرے ہوئے تھے کہ ان کی گنتی محض اس ذات کو معلوم ہو سکتی تھی جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ یہ کشتی بیچ سمندر میں کھڑی تھی اور اس کے ساتھ چھوٹی چھوٹی کشستیاں سامان لے کر خشکی پر اترتی جاتی تھیں۔ حسن ان کے پاس کھڑا رہا' یہاں تک کہ کشتی والوں نے سارا سامان اتار کر خرید و فروخت شروع کر دی اور سفر میں محض تین روز باقی رہ گئے۔

اب بادشاہ نے حسن کو اپنے پاس بلایا اور تمام ضروری چیزیں اس کے لئے مہیا کیں۔ اسے بہت کچھ انعام دیا اور اس کشتی کے ناخدا کو بلا کر کہا کہ اس جوان کو اپنے ساتھ کشتی میں لیتا جا مگر کسی سے اس کا ذکر نہ کیجیو اور اسے جزائر واق پہنچا کر

چھوڑ دیجیو' واپس نہ لائیو۔ ناخدا نے کہا کہ سر آنکھوں پر۔ اس کے بعد اس نے حسن کو یہ مشورہ دیا کہ اپنا حال کشتی والوں سے بالکل نہ کہیو۔ نہ انہیں اپنا قصہ سنائیو ورنہ تو مارا جائے گا۔ حسن نے بادشاہ کو دعا دی کہ اس کی عمر میں برکت ہو اور اسے حاسدوں اور دشمنوں پر کامیابی ملے۔ بادشاہ نے بھی اسے دعا دی کہ وہ صحیح و سلامت رہے اور اس کی مراد بر آئے۔ یہ کہہ کر اس نے حسن کو ناخدا کے سپرد کر دیا اور ناخدا نے اسے ایک صندوق میں بند کرکے ناؤ پر رکھ دیا اور صندوق کو اس وقت کشتی میں اتارا جب لوگ اپنا سامان چڑھانے میں مشغول تھے۔ اس کے بعد کشتیاں چل دیں اور برابر دس دن تک چلتی رہیں۔ گیارہویں دن جب کہ وہ خشکی پر پہنچے تو ناخدا نے اسے کشتی سے نکالا۔ کشتی سے اتر کر اس نے اتنی چوکیاں خشکی پر پڑی دیکھیں جن کا شمار سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔ چلتے چلتے حسن ایک چوکی کے پاس پہنچا جو لاجواب تھی اور اس کے نیچے جا کر چھپ گیا۔ جب رات ہوئی تو ٹڈیوں کی طرح بے حساب عورتیں آئیں' وہ سب پیدل تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں اور وہ زرہ بکتر میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ تجارت کا سامان دیکھ کر عورتیں اس میں مشغول ہو گئیں اور پھر ستانے کے لئے چوکیوں پر آ بیٹھیں۔ ان میں سے ایک عورت اسی چوکی پر آ بیٹھی۔ جس کے نیچے حسن چھپا ہوا تھا۔ حسن نے اس کا دامن لے کر اپنے سر پر رکھ لیا اور اس کے آگے گر پڑا اور رو رو کر اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا۔ عورت بولی۔ اے شخص نکل کر کھڑا ہو' کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی تجھے دیکھ لے اور مار ڈالے۔

یہ سن کر حسن چوکی کے نیچے سے نکل آیا اور گھٹنوں کے بل کھڑا ہو کر اس کے ہاتھ چومنے اور کہنے لگا کہ میری آقا! میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اس کے بعد وہ رو رو کر کہنے لگا کہ رحم کر اس شخص پر جو اپنے گھر والوں اور بیوی بچوں سے جدا ہو گیا ہے اور انہی سے ملنے کے لئے نکلا ہے اور اپنی جان پر کھیل رہا ہے۔ رحم کر میرے حال پر اور یقین کر کہ تجھے اس کے بدلے جنت ملے گی اور اگر تو مجھے اپنی پناہ میں

قبول نہیں کرتی تو پردہ پوش خدا کا تجھے واسطہ دیتا ہوں کہ میری پردہ پوشی کر۔ جب حسن اس سے یہ باتیں کر رہا تھا تو تاجر اسے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ جب اس عورت نے حسن کی باتیں سنیں اور اس کی عاجزی دیکھی تو اسے ترس آ گیا۔ اس کا دل پسیج گیا اور وہ سمجھی کہ وہ ضرور کسی دشوار کام کے لئے اس جگہ آیا ہے اور اپنی جان کو خطرے میں ڈالا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے حسن سے کہا' بیٹا پریشان نہ ہو' اطمینان رکھ پہلے کی طرح چوکی کے نیچے چھپ جا اور کل رات تک چھپا رہ' جو خدا کو منظور ہے ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر اس نے حسن کو رخصت کیا اور وہ پہلے کی طرح چوکی کے نیچے چل گیا۔ لشکر والوں نے عود اور عنبر کی شمعیں جلا کر رات گزاری۔

جب سویرا ہوا تو پھر کشتیاں خشکی پر آ گلیں اور تاجر سامان اتارنے لگے۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ حسن پریشان خاطر اور روتا چوکی کے نیچے چھپا بیٹھا رہا۔ اسے کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ غیب میں اس کے لئے کیا پوشیدہ ہے۔ وہ اسی حالت میں تھا کہ وہی تاجر عورت جس کی پناہ میں حسن تھا' آئی اور ایک زرہ' تلوار' سونے کی پٹی اور نیزہ دے کر لشکر کے ڈر سے چل دی۔ ان چیزوں کو دیکھ کر حسن سمجھ گیا کہ تاجر عورت نے اسے یہ چیزیں پہننے ہی کے لئے دی ہوں گی۔ اس نے اٹھ کر زرہ پہنی' اور کمر سے پٹی باندھی' بغل کے نیچے تلوار لگائی اور ہاتھ میں نیزہ لے کر چوکی پر آ بیٹھا۔ زبان سے خدا کی یاد کرنے لگا اور اس سے پردہ پوشی کی درخواست کی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو پانچویں رات

آٹھ سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... حسن نے خدا سے پردہ پوشی کی درخواست کی۔ وہ اسی حالت میں تھا کہ عورتوں کا لشکر مشعلیں اور فانوس اور شمعیں لئے آ پہنچا۔ حسن اٹھ کر لشکر میں مل گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انہی میں کا ایک ہے۔ جب سویرا ہونے لگا تو حسن ان کے ساتھ ان کے خیموں میں پہنچا۔ وہ سب ایک ایک خیمے میں داخل ہو گئیں۔ حسن بھی ایک خیمے کے اندر چلا گیا اس نے دیکھا کہ وہ اسی عورت کا خیمہ ہے جس سے اس نے پناہ کی درخواست کی تھی۔ جب وہ عورت اندر آئی تو اس نے اپنے ہتھیار کھول دیئے۔ زرہ اور نقاب اتار ڈالی۔ حسن نے بھی اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دیئے اور دیکھا کہ اس کی ساتھن بڑھیا ہے۔ اس کے بال سفید' آنکھیں نیلی اور ناک بڑی ہے۔ شکل چڑیل کی سی ہے جس سے زیادہ بدصورت ہونا ممکن نہیں۔ چیچک داغ منہ ہے' بھنوؤں پر بال نہیں' دانت ٹوٹے ہوئے' رخسار ڈھلے ہوئے' بال سفید ہیں' ناک سے پانی بہہ رہا ہے اور منہ سے رال ٹپک رہی ہے۔ اس کی شکل گنجی قحبہ اور چتکبرے سانپ کی سی ہے۔ حسن کی طرف دیکھ کر بڑھیا کو تعجب ہوا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ آخر یہ شخص یہاں پہنچا کس طرح' کس کشتی میں بیٹھ کر آیا اور کیسے صحیح و سلامت پہنچ گیا؟ اس کے بعد بڑھیا نے اس کا حال پوچھا اور اس کے آنے پر تعجب کیا۔ حسن اٹھ کر اس کے پاؤں سے اپنا چہرہ ملنے لگا اور اتنا رویا کہ بے ہوش ہو گیا۔

جب اسے ہوش آیا تو اس نے بڑھیا کا دامن اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ کبھی روتا اور کبھی دہائی دیتا۔ اس کی دل سوزی' تمنا' تکلیف اور مصیبت دیکھ کر بڑھیا کا دل کڑھنے لگا۔ اس نے کہا تو میری پناہ میں ہے' ڈر نہیں' پھر اس نے حسن کا ماجرا پوچھا۔ حسن

نے شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنایا۔ بڑھیا کو بڑا چنبھا ہوا۔ وہ کہنے لگی تو غم نہ کر' خدا نے چاہا تو تیری مراد بر آئے گی۔ یہ سن کر حسن کی باچھیں کھل گئیں۔
اس کے بعد بڑھیا نے لشکر کے سرداروں کو بلا بھیجا۔ یہ مہینے کا آخری دن تھا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو بڑھیا نے ان سے کہا کہ جا کر لشکر کو حکم دو کہ وہ کل صبح سویرے نکلیں۔ ان میں سے کوئی پیچھے نہ رہے ورنہ جان سے مارا جائے گا۔
انہوں نے کہا سر آنکھوں پر اور باہر جا کر منادی کرا دی کہ سارا لشکر کل سویرے نکلے اور لوٹ کر بڑھیا کو خبر دی۔ حسن جان گیا کہ بڑھیا لشکر کی سردار ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے وہ ان کی حاکم ہے حسن نے تمام دن اپنے ہتھیار نہ کھولے۔ اس بڑھیا کا نام شواہی تھا اور کنیت ام الدواہی' احکام صادر کرتے کرتے صبح ہو گئی اور تمام لشکر باہر نکل آیا مگر بڑھیا اندر ہی رہی۔ جب سارا لشکر باہر آ چکا اور بڑھیا اکیلی رہ گئی تو اس نے حسن سے کہا' بیٹا میرے پاس آ' حسن قریب جا کر سامنے کھڑا ہو گیا۔
بڑھیا اس کی طرف مخاطب ہو کر بولی۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ تو اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر یہاں آیا ہے؟ تو مرنے پر کیوں تلا ہوا ہے؟ اپنا سارا قصہ سچ سچ بتا دے۔ کوئی بات چھپا نہیں' خوف نہ کر' تو میری پناہ میں ہے۔ میں نے تجھے پناہ دی اور تیرے اوپر ترس کھایا ہے۔ اگر تو مجھ سے سچ سچ کہہ دے گا تو میں تیری مطلب بر آری میں تیری مدد کروں گی خواہ اس کے ساتھ جسم و جان کی تباہی کیوں نہ وابستہ ہو۔ اب چونکہ تو میرے پاس پہنچ گیا ہے' تیرا بال بیکا نہ ہو گا اور جزائر واق میں کسی کی یہ مجال نہیں ہو سکتی کہ تیرے اوپر نظر اٹھا سکے۔
یہ سن کر حسن نے اپنی تمام سرگزشت شروع سے لے کر آخر تک سنا دی بیوی اور چڑیوں کا قصہ بھی بیان کیا کہ اس نے اسے کس طرح دس چڑیوں میں سے شکار کر کے اس سے شادی کی پھر اس نے اس کے ساتھ بہت سے دن گزارے۔ دو لڑکے پیدا ہوئے بالآخر اس نے اپنے پروں کے لباس کا پتا لگا لیا اور اپنے بچوں کو لے کر اڑ گئی۔ غرض کہ اس نے پہلے روز سے لے کر اس وقت تک کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس

کی باتیں سن کر بڑھیا نے اپنا سر ہلایا اور کہنے لگی کہ پاک ہے وہ ذات جس نے تجھے صحیح و سلامت رکھا اور یہاں لا کر میرے پاس پہنچا دیا۔ اگر تو کسی اور کے ہتھے چڑھتا تو نہ تیری جان بچتی' نہ تیرا مقصد حاصل ہوتا لیکن تیری نیت کی سچائی' محبت اور بیوی بچوں کی تمنا تجھے تیرے مقصد تک پہنچا دے گی۔ اگر تو اس پر عاشق اور اس کی تمنا میں بے تاب نہ ہوتا تو اپنی جان پر یہ مصیبتیں نہ جھیلتا۔ خدا کا شکر ہے کہ تو صحیح و سلامت بچ گیا اور اب ہمارا فرض ہے کہ تیری حاجت پوری ہونے میں تیری مدد کریں اور خدا نے چاہا تو تیری مراد بر آئے گی۔ لیکن بیٹا! سن تیری بیوی جزائر واق کے ساتویں جزیرے میں ہے اور یہاں سے وہاں تک دن رات چلنے پر سات مہینے کی راہ ہے۔ یہاں سے چل کر ہم پہلے ایک ملک میں پہنچیں گے جس کا نام ارض طیور ہے' وہاں چڑیوں کی آواز اور ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ اتنی زیادہ ہے کہ کوئی ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھ سکتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• آٹھ سو چھٹی رات

آٹھ سو چھٹی رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- اس ملک میں چڑیوں کی آواز اور ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ اتنی زیادہ ہے کہ ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھ سکتا۔ اس ملک سے گیارہ دن اور گیارہ رات چلنے کے بعد ہم دوسرے ملک میں پہنچیں گے۔ جس کا نام ارض الوحوش ہے۔ وہاں درندوں' بجوؤں اور وحشی جانوروں کی چیخم دہاڑ' بھیڑیوں کا شور اور شیروں کی ڈکاریں ایسی ہوں گی کہ ہمیں کچھ سنائی نہ دے گا۔ وہاں سے بیس روز چلنے کے بعد ہم ایک اور ملک میں پہنچیں گے جس کا نام ارض الجن ہے۔ اس میں جنات کا شور و غل اور آگ کی لپٹ کی انتہا نہ ہو گی۔ ان کے منہ سے اس قدر انگارے اور دھواں نکلتا ہو گا کہ ہمارا راستہ رک جائے گا اور کان اتنے بہرے ہو جائیں گے اور آنکھیں اس قدر چندھیا جائیں گی کہ نہ ہم سن سکیں گے' نہ دیکھ سکیں گے۔ اگر وہاں کسی نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ہلاک ہو جائے گا اور سوار وہاں اپنا منہ تین دن تک زین پر اوندھا کئے چلتا رہے گا۔ اس کے بعد ہمیں ایک بڑا پہاڑ اور ایک بہتا ہوا دریا ملے گا۔ جو جزائر واق سے ملے ہوئے ہیں۔ اور بیٹا سن! یہ سارا لشکر باکرہ عورتوں کا ہے اور ہماری حکمران ایک عورت ہے جو جزائر واق ہی کے ساتوں جزیروں میں سے ہے اور اگر کوئی سوار بہت تیز چلے تو پورے ایک سال میں ان جزیروں کو طے کر سکتا ہے۔ اس دریا کے کنارے ایک اور پہاڑ ہے جس کا نام جبل واق ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں ایک درخت پیدا ہوتا ہے جس کی شاخیں آدمیوں کے سروں کی سی ہوتی ہیں اور جب ان پر دھوپ پڑتی ہے تو تمام سر چلانے لگتے ہیں اور ان میں سے واق واق سبحان الملک الخلاق کی آوازیں نکلتی ہیں ہم ان کی آوازیں سنتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ دھوپ نکل آئی۔ اسی طرح جب سورج ڈوبنے لگتا ہے تو پھر ان سروں میں سے وہی آواز نکلتی ہے کہ واق واق سبحان الملک

الخلاق اور ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ سورج ڈوب رہا ہے۔ اس وقت کسی مرد کی مجال نہیں ہمارے ہاں ٹھہر سکے یا باہر سے آ کر ہمارے ملک میں داخل ہو۔
اس جگہ سے ملکہ تک جو ہم پر حکومت کرتی ہے' ایک مہینے کی راہ ہے۔ اس ملک کے تمام باشندے اس ملکہ کی رعیت ہیں۔ علاوہ ان کے اس کی رعیت میں جنوں' دیوؤں شیطانوں کے قبیلے بھی ہیں اور اتنے جادوگر ہیں جن کی تعداد سوائے اس ذات کے جس نے انہیں پیدا کیا ہے' کوئی نہیں جان سکتا۔ اگر تجھے اپنی جان کا ڈر لگتا ہو تو میں تجھے کسی کے ساتھ سمندر کے کنارے بھیجے دیتی ہوں اور وہاں ایک شخص کو اپنے ساتھ لاؤں گی جو تجھے کشتی پر بٹھا کر تیرے وطن پہنچا دے گا اور اگر تیرا دل چاہتا ہے کہ ہمارے ساتھ رہے تو میں تجھے منع نہ کروں گی بلکہ تجھے اپنی آنکھوں میں جگہ دوں گی اور خدا نے چاہا تو تیری مراد بر آئے گی۔ اس نے جواب دیا کہ اے میری آقا! جب تک میری بیوی نہ مل جائے یا میری جان نہ چلی جائے میں تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ بڑھیا بولی کہ یہ آسان کام ہے' اطمینان رکھ اور خدا کو منظور ہے تو عنقریب تیرا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ میں ضرور ملکہ کو تیرے حال سے مطلع کروں گی تاکہ وہ تیری مطلب برآری میں مدد کر سکے۔ حسن نے اسے دعا دی' اس کے ہاتھوں اور سر کو بوسہ دیا اور اس کے سلوک اور انتہائی مروت کا شکر گزار ہوا اور اپنا انجام سوچتا ہوا اس کے ساتھ ہو لیا اب بڑھیا کے حکم سے کوچ کا نقارہ بجایا گیا۔ لشکر چل کھڑا ہوا اور حسن اپنی فکروں میں غرق بڑھیا کے ساتھ ہولیا۔ بڑھیا اسے صبر اور تسلی دلانے کی کوشش کرتی مگر نہ اسے افاقہ ہوتا اور نہ وہ بڑھیا کی باتوں کی طرف دھیان دیتا۔
چلتے چلتے ساتوں جزیروں میں سے پہلے جزیرے میں پہنچے جو جزیرہ الطیور تھا۔ اس میں داخل ہوتے ہی حسن کو ایسا معلوم ہوا کہ شور و غل کی وجہ سے دنیا الٹ پلٹ ہوئی جا رہی ہے۔ اس کے سر میں درد ہونے لگا۔ ہوش جاتے رہے اور کان بہرے ہو گئے اور وہ بے حد ڈرنے لگا۔ موت کا یقین آ گیا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر ارض الطیور کا یہ رنگ ہے تو ارض الوحوش کا کیا حال ہو گا! بڑھیا شواہی اس کی یہ کیفیت دیکھ

کر ہنسنے لگی اور کہا بیٹا! اگر پہلے ہی جزیرے میں تیرا یہ حال ہے تو باقی جزیروں میں پہنچ کر تیرے اوپر کیا گزرے گی۔ حسن گڑگڑا کر خدا کے آگے دعا مانگنے لگا کہ خداوند' جس مصیبت میں تو نے مجھے مبتلا کیا ہے' اس میں میری مدد کر اور میری مراد برلا۔ غرض کہ ارض الطیور کو طے کرکے وہ ارض الوحوش میں پہنچے اور پھر اس سے گزرکر ارض الجان میں۔ اسے دیکھ کر حسن ڈر گیا اور اس کے ساتھ وہاں جانے پر پشیمان ہوا لیکن خدا کی مدد مانگ کر ان کے ساتھ چل کھڑا ہوا اور ارض الجان کو طے کرکے دریا پر پہنچ گیا اور لوگوں نے اس اونچے پہاڑ کے نیچے دریا کے کنارے خیمے ڈال دیئے۔ بڑھیا نے حسن کے لئے ایک مرمر کی چوکی بچھوا دی جس میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے اور دریا کے کنارے سرخ سونے کی اینٹیں بچھا دیں۔ حسن ان پر بیٹھ گیا اور بڑھیا نے لشکر کو اس کے سامنے سے گزارا پھر لوگوں نے اس کے اردگرد خیمے لگائے اور ذرا ستا کر کھایا پیا اور آرام سے سو گئے' کیونکہ اب وہ اپنے وطن میں پہنچ گئے تھے۔

حسن نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لی تھی۔ سوائے آنکھوں کے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اتنے میں لڑکیاں حسن کے خیمے کے پاس سے ہو کر گزریں اوراپنے کپڑے اتار کر دریا میں اتر گئیں۔ نہانے اور کھیلنے کودنے لگیں۔ انہیں یہ گمان نہ ہوا کہ کوئی مرد انہیں دیکھ رہا ہے کیونکہ انکے خیال میں وہ کوئی شہزادی تھی۔ حسن نے دیکھا کہ ان کے چہرے چاند کی طرح ہیں اور بال جیسے دن پر رات' وہ سب شہزادیاں تھیں۔ نہر سے نکل کر وہ ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے چودھویں رات کا چاند' لشکر کا لشکر آ کر حسن کے آگے جمع ہو گیا کیونکہ بڑھیا نے منادی کرا دی تھی کہ سب اس کے خیمے کے آگے آ کر جمع ہوں اور کپڑے اتار کر دریا میں اتریں اور نہائیں تاکہ ان میں اس کی بیوی ہو تو وہ پہچان لے۔ بڑھیا ایک ایک جماعت کو اس کے سامنے لاتی اور اس سے پوچھتی لیکن وہ کہتا کہ اے میری آقا! وہ ان میں نہیں ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو ساتویں رات

آٹھ سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب بڑھیا حسن سے پوچھتی تو وہ یہی کہتا کہ اے میری آقا! وہ ان میں نہیں ہے۔ اب سب کے بعد ایک لڑکی آئی جس کے ساتھ دس خواصیں اور تیس لونڈیاں تھیں۔ سب باکرہ اور سب کے سینے ابھرے ہوئے تھے۔ وہ سب اپنے کپڑے اتار کر لڑکی کے ساتھ دریا کے اندر چلی گئیں اور لڑکی ان کے ساتھ انکھیلیاں کرنے اور انہیں پانی میں دھکیلنے اور غوطے دینے لگی۔ تھوڑی دیر وہ یہی کرتی رہی' پھر اس دریا میں سے نکل کر وہ سب بیٹھ گئیں۔ لونڈیاں اس کے لئے ریشمی رومال لائیں جن پر سونے کا کام تھا۔ اس نے اپنا بدن پونچھا۔ پھر وہ اس کے لئے جنوں کی کاریگری کے کپڑے اور گہنے لائیں۔ اس نے انہیں پہنا اور اپنی کنیزوں کو لے کر لشکر کے درمیان ناز و انداز سے پھرنے لگیں۔

اسے دیکھ کر حسن کے ہوش اڑ گئے اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ اس چڑیا سے بے حد مشابہ ہے جسے میں نے اپنی بہن لڑکیوں کے محل میں حوض میں دیکھا تھا اور اسی کی طرح یہ بھی اپنی ساتھیوں سے انکھیلیاں کرتی تھی۔ بوڑھی بولی' اے حسن! کیا یہ تیری بیوی ہے؟ حسن نے کہا اے میری آقا' تیری جان کی قسم! یہ میری بیوی نہیں بلکہ اسے تو میں نے آج تک دیکھا بھی نہیں' جتنی عورتوں کو میں نے اس جزیرے میں دیکھا ہے ان میں سے ایک میں بھی وہ قد و اعتدال اور حسن و جمال نہیں پایا جاتا۔ بڑھیا نے کہا اس کی تعریف تو کر اور اس کا سارا حلیہ بتا تاکہ میں دیکھوں کہ وہ کون ہے۔ میں جزائر واق کی ہر لڑکی کو جانتی ہوں کیونکہ میں لڑکیوں کے لشکر کی سردار ہوں اور ان کی حکمران ہوں۔ اگر تو مجھ سے تفصیل کے ساتھ بیان کرے گا تو میں اسے پہچان جاؤں گی اور کسی نہ کسی طرح اسے لا موجود کروں گی۔ حسن نے کہا کہ میری بیوی کا چہرہ خوبصورت' قد سڈول اور رخسار چکنے چکنے اور سینہ ابھرا ہوا' آنکھیں

آبی سیال' پنڈلیاں موٹی موٹی' دانت سفید سفید' زبان میٹھی اور انداز دل فریب ہے۔ گویا وہ جھکی ہوئی ٹہنی ہے' اس کے ہونٹ گلابی اور پتلے پتلے' آنکھیں سرگیں ہیں۔ اس کے داہنے رخسار پر ایک تل ہے' اس کا چہرہ گول چاند کی طرح چمکتا ہوا ہے' اس کی کمر پتلی اور کولہے بھاری ہیں۔ اس کا لعاب بیمار کے لئے شفا ہے گویا وہ کوثر اور سلسبیل ہے۔

بڑھیا بولی کہ کچھ اور تعریف کر' خدا تجھے اس کا عشق زیادہ دے۔ حسن بولا' اس کی گردن لمبی' رخسار لعل کی طرح اور منہ عقیق کی انگوٹھی کا سا' اس کے دانت ایسے چمک دار ہیں کہ جام اور صراحی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بڑھیا نے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سر جھکا لیا اور پھر حسن کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔ سبحان اللہ! میں بھی تیرے ساتھ مصیبت میں پھنس گئی۔ اے حسن! کاش میں تجھ سے نہ ملی ہوتی! جس عورت کی تو نے تعریف کی ہے' جسے تو اپنی بیوی بتاتا ہے وہ تو ملک اکبر کی بڑی بیٹی ہے جو کل جزائر واق کی حکمران ہے۔ آنکھیں کھول اور اپنے معاملے پر غور کر' اگر تو سو رہا ہے تو جاگ جا کیونکہ اس تک ہرگز تیری پہنچ نہیں ہو سکتی اور اگر تو وہاں پہنچ بھی جائے تو تو اسے نہیں پا سکتا کیونکہ تجھ میں اور اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔
بیٹا تو جلدی سے واپس چلا جا ورنہ ہلاک ہو جائے گا اوراپنے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ تیری قسمت میں نہیں۔ بڑھیا کو اپنی اور حسن کی جان کے لالے پڑ گئے۔ اس کی باتیں سن کر حسن اتنا رویا کہ اسے غش آ گیا۔ بڑھیا اس کے منہ پر برابر پانی چھڑکتی رہی۔ یہاں تک کہ اسے ہوش آیا' مگر بڑھیا کی باتوں سے اسے اتنا رنج و الم ہوا کہ روتے روتے اس کے کپڑے آنسوؤں سے بھیگ گئے اور وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ پھر اس نے بڑھیا سے کہا' اے میری آقا! اب یہاں تک پہنچنے کے بعد میں کیسے واپس جا سکتا ہوں! پھر میرا دل بھی گواہی نہیں دیتا کہ تو میرے مطلب برآری میں ناکام رہے گی خاص کر جب کہ تو لڑکیوں کے لشکر کی سردار ہے اور ان کی حاکم۔ بڑھیا بولی' بیٹا! خدا کے واسطے تو ان لڑکیوں میں سے ایک لڑکی چن

لے اور میں تیری بیوی کے بدلے اسے تیرے حوالے کر دوں گی' ورنہ اگر تو بادشاہوں کے پنجے میں پڑ گیا تو پھر میں کسی تدبیر سے بھی تجھے چھڑا نہیں سکتی۔ خدا کے واسطے تو میرا کہنا مان جا اور کسی دوسری اچھی سے اچھی لڑکی کو اپنی بیوی بنا کر فوراً اپنے وطن کو چل دے۔ ایسا نہ ہو کہ تیرا غم مجھے اٹھانا پڑے۔ تو نے اپنے آپ کو ایسی بڑی بلا اور ہولناک خطرے میں ڈال رکھا ہے کہ کوئی تجھے اس سے چھٹکارا نہیں دے سکتا۔ یہ سن کر حسن نے سر نیچا کر لیا اور بلک بلک کر رونے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• آٹھ سو آٹھویں رات

آٹھ سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ حسن نے سر نیچا کر لیا اور بلک بلک کر رونے لگا یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گیا' بڑھیا برابر اس کے منہ پر پانی چھڑکتی رہی۔ جب اسے ہوش آیا تو بڑھیا نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے میرے آقا! اپنے وطن لوٹ جا' اگر میں تجھے شہر میں لے گئی تو تیری بھی جان جائے گی اور میری بھی کیونکہ اگر ملکہ کو اس کی خبر ہو گئی تو وہ مجھے برا بھلا کہے گی کہ میں تجھے اس کے ملک میں کیوں لائی؟ آج تک کوئی آدم زاد اس کے جزیروں میں نہیں پہنچا ہے۔ وہ مجھے اس جرم میں قتل کر ڈالے گی کہ میں تجھے اپنے ساتھ لائی اور تجھے ان باکرہ لڑکیوں پر نظر ڈالنے دی جنہیں تو نے دریا میں دیکھا ہے کیونکہ ابھی تک نہ کسی غیر مرد نے انہیں چھوا ہے' نہ کوئی شوہر ان کے پاس پھٹکا ہے۔ حسن نے قسم کھائی کہ میں نے انہیں بری نظر سے ہرگز نہیں دیکھا۔ بڑھیا بولی بیٹا! بہتر ہے کہ تو اپنے وطن لوٹ جا اور میں تجھے اتنا مال و دولت اور تحفے تحائف دوں گی کہ تجھے کسی عورت کی پروا نہ رہے گی۔ میرا کہنا مان لے اور جانے میں دیر نہ کر اپنی جان پر نہ کھیل بس یہی میری آخری نصیحت ہے۔ بڑھیا کی باتیں سن کر حسن رو پڑا اور اپنا منہ اس کے قدموں سے رگڑنے لگا اور کہا اے میری آقا! مولٰی اور آنکھ کی روشنی' یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں یہاں تک پہنچ کر بے اسے دیکھے چلا جاؤں' جس کی تمنا میں میں آیا ہوں' اس وقت میں اپنے محبوب کے گھر کے قریب ہوں اور امید ہے کہ اس کا دیدار جلد نصیب ہو اور ممکن ہے کہ وہ مجھے مل بھی جائے۔ بڑھیا کو اس پر رحم آ گیا اور وہ اس کی طرف مخاطب ہو کر اسے دلاسہ دینے لگی اور اس سے کہنے لگی کہ خوش ہو جا اور غم کو اپنے دل سے نکال ڈال۔ خدا کی قسم میں تیری خاطر اپنی جان لڑا دوں گی' تیری مراد برآئے گی یا میری جان جاتی رہے

گی۔ یہ سن کر حسن کی باچھیں کھل گئیں اور وہ شام تک بیٹھا بڑھیا سے باتیں کرتا رہا۔ جب دن چھپ گیا تو سب لڑکیاں چلی گئیں۔ بعض اپنے محل میں جو شہر میں تھا

اور بعض نے خیموں میں رات بسر کی۔

اب بڑھیا حسن کو ساتھ لے کر شہر میں گئی اور اسے اکیلا ایک مکان میں اتارا کیونکہ وہ ڈرتی تھی کہ اگر ملکہ کو اس کی خبر ہو گئی تو وہ اسے بھی قتل کر ڈالے گی اور اس کے لانے والے کو بھی۔ بڑھیا خود اس کی خدمت کرتی اور اسے ملک اکبر کے دبدبے سے ڈراتی رہتی جو اس کی بیوی کا باپ تھا اور وہ بڑھیا کے آگے رو رو کر کہتا کہ اے میری آقا! میں نے تو موت پسند کر لی ہے اور دنیا سے بیزار ہو گیا ہوں' اگر میں اپنے بیوی بچوں سے نہ مل سکا تو اپنی جان پر کھیل جاؤں گا' یا تو میں اپنی مراد پوری کرکے رہوں گا' یا جان دے دوں گا' بڑھیا سوچ میں پڑ گئی کہ اس کے وصال کی کیا تدبیر نکلے اور اسے اس کی بیوی سے کیونکر ملایا جائے اور ایسے ضدی کا کیا علاج ہو جس نے اپنی جان تباہی میں ڈال رکھی ہے۔ کسی ڈرانے دھمکانے پر بھی اپنے مقصد سے باز نہیں آتا اور اپنی جان کی پروا نہیں کرتا۔ مثل ہے کہ عاشق اس شخص کی بات نہیں سنتا جسے عشق نہ ہو۔ وہ لڑکی اسی جزیرے کی ملکہ تھی جہاں یہ سب آ کر اترے تھے اور اس کا نام نور الہدیٰ تھا۔ اس ملکہ کی سات بہنیں تھیں اور سب کنواری اور اپنے باپ ملک اکبر کے ساتھ رہا کرتیں جو واق کے جزیروں اور ملکوں کا بادشاہ تھا۔ اس بادشاہ کا پایہ تخت اس ملک کا سب سے بڑا شہر تھا جس شہر میں اس وقت حسن تھا۔ اس پر اور اس کے گرد و نواح پر بادشاہ کی بڑی بیٹی نور الہدیٰ کی حکومت تھی۔

جب بڑھیا نے دیکھا کہ حسن اپنے بیوی بچوں سے ملنے کے لئے تڑپ رہا ہے تو وہ نور الہدیٰ کے محل میں جا کر اس سے ملی اور اس کے آگے زمین چومی۔ بڑھیا کا اس پر حق تھا کیونکہ اسی نے بادشاہ کی سب بیٹیوں کی پرورش کی تھی اور سب پر حکم چلاتی تھی۔ اس کی عزت لڑکیاں بھی کرتی تھیں اور بادشاہ بھی۔ جب بڑھیا نور الہدیٰ کے پاس پہنچی تو اس نے اٹھ کر اسے گلے لگایا اور اسے اپنے پاس بٹھا کر سفر کا حال پوچھا۔

بڑھیا نے کہا اے میری آقا! سفر بڑا مبارک رہا اور میں اپنے ساتھ تیرے لئے ایک ہدیہ لائی ہوں جسے ابھی پیش کروں گی۔ یہ کہہ کر بڑھیا بولی اے میری بیٹی! اور دنیا جہان کی ملکہ' میں اپنے ساتھ ایک عجیب و غریب چیز لائی ہوں اور چاہتی ہوں کہ اس سے تجھے مطلع کر دوں تا کہ اس کی حاجت روائی میں مدد کر سکے۔ ملکہ نے پوچھا وہ کیا؟ بڑھیا نے حسن کی کہانی شروع سے لے کر آخر تک سنا دی اور ایسا کانپی جیسے آندھی میں بید' یہاں تک کہ وہ شہزادی کے آگے گر پڑی اور کہنے لگی اے میری آقا! وہ شخص ایک چوکی کے نیچے چھپا بیٹھا تھا۔ اس نے مجھ سے پناہ کی درخواست کی میں نے اسے پناہ دی اور اس کے ہتھیار لگا کراس طرح اپنے ساتھ لڑکیوں کے لشکر کے ہمراہ لے کر شہر میں لائی کہ کسی نے اسے پہچانا تک نہیں۔ میں نے اسے تیرے دبدبے سے بہت ڈرایا' تیری قوت اور طاقت اسے جتلائی لیکن جب میں اسے ڈراتی تو وہ روتا اور کہتا کہ بغیر میری بیوی بچوں کے میرے لئے اور کوئی چارہ نہیں' مر جاؤں گا لیکن خالی ہاتھ لوٹوں گا نہیں۔ وہ اپنی جان پر کھیل کر جزائر واق آیا ہے۔ عمر بھر میں نے اس سے زیادہ مضبوط اور قوی دل آدمی نہیں دیکھا۔ اس کے دل میں بے حد عشق سمایا ہوا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو نوویں رات

آٹھ سو نوویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑھیا نے ملکہ نور البدیٰ سے حسن کا قصہ سنا کر کہا' میں نے اس سے زیادہ مضبوط اور قوی دل کسی کو نہیں دیکھا۔ اس کے سوا اس کے دل میں بے حد عشق سمایا ہوا ہے۔ ملکہ نے بڑھیا کی باتیں سنیں اور حسن کا ماجرا سنا تو وہ طیش میں آ گئی اور سر نیچا کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے نظر اٹھائی اور بڑھیا کی طرف دیکھ کر کہا' اے منحوس بڑھیا! کیا تیری بدذاتی اس حد تک بڑھ گئی کہ تو مردوں کو جزائر واق میں میرے پاس لاتی ہے اور میرے دبدبے سے بالکل نہیں ڈرتی۔ بادشاہ کے سر کی قسم! اگر میرے اوپر تیری تربیت کا حق نہ ہوتا اور تیری عزت مجھ پر واجب نہ ہوتی تو میں تجھے اور اسے ابھی بری طرح قتل کر دیتی تاکہ اے ملعونہ! آنے جانے والے لوگ عبرت پکڑتے اور کوئی ایسا کام نہ کرتا جیسا کہ تو نے کیا ہے اور جس کی جرات آج تک کسی کو نہیں ہوئی۔ جا اور اسے فوراً لے آ تاکہ میں اسے دیکھوں۔ بڑھیا اس کے پاس سے فوراً روانہ ہو گئی لیکن حیران تھی' اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جائے اور دل میں کہہ رہی تھی کہ یہ ساری بلا جو خدا اس ملکہ کے ہاتھ سے میرے اوپر لا رہا ہے' حسن کی وجہ سے ہے۔ جب وہ حسن کے پاس پہنچی تو اس نے کہا کہ چل ملکہ بلاتی ہیں' تیری زندگی کا آخری دن آ پہنچا ہے۔ حسن اٹھ کر اس کے ساتھ چل کھڑا ہوا لیکن اس کی زبان پر برابر خدا کے نام کی تسبیح تھی اور وہ کہہ رہا تھا کہ خداوند میرے اوپر رحم اور مصیبت میں میری مدد کر۔ بڑھیا حسن کو لئے ہوئے ملکہ نور البدیٰ کے پاس پہنچ گئی لیکن راہ میں اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ ملکہ کے ساتھ کس طرح سے باتیں کرے۔ جب حسن نور البدیٰ کے سامنے حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ نقاب ڈالے ہوئے ہے۔ حسن نے اس کے آگے جا کر زمین چومی اور سلام کیا۔

ملکہ نے بڑھیا کی طرف اشارہ کیا کہ حسن سے سوال و جواب کرے۔ بڑھیا نے حسن سے کہا کہ ملکہ تیرے سلام کا جواب دیتی ہے اور پوچھتی ہے کہ تیرا کیا نام ہے' وطن کہاں ہے اور جن بیوی بچوں کی خاطر تو آیا ہے' ان کا کیا نام ہے؟ یہ سن کر اس کا دل مضبوط ہو گیا اور تقدیر نے اس کی مدد کی۔ اس نے جواب دیا اے دنیا جہاں کی ملکہ اورسارے زمانے کی یکتا' میرا نام غمگین حسن ہے' میرا وطن بصرہ ہے۔ اپنی بیوی کانام تو مجھے معلوم نہیں لیکن ایک بیٹے کا نام ناصر اور دوسرے کا منصور ہے۔ اس کا جواب سن کر ملکہ نے کہا کہ وہ کون سی جگہ تھی جہاں سے وہ اپنے بیٹوں کو لے کراڑ گئی؟ حسن نے کہا اے ملکہ! بغداد میں خلیفہ کے محل سے۔ ملکہ نے پوچھا کہ اس نے اڑتے وقت تم میں سے کسی سے کچھ کہا بھی تھا؟ حسن نے جواب دیا کہ وہ میری ماں سے کہہ گئی تھی کہ جب تیرا بیٹا آئے اور جدائی کی وجہ سے اس کے دن کٹھن ہونے لگیں اور اسے میری ملاقات کی تمنا ہو اور اشتیاق حد سے بڑھ جائے تو وہ میرے پاس جزائر واق آ جائے۔ ملکہ نور الہدیٰ نے اپنا سر ہلایا اور کہا کہ اگر وہ تجھے نہ چاہتی ہوتی اور تیرے ملنے کی تمنا اسے نہ ہوتی تو وہ اپنے مکان کا پتا تجھے نہ بتاتی اور تجھے اپنے وطن نہ بلاتی۔ حسن نے کہا کہ اے بادشاہوں کی سرتاج اور ہر امیر و غریب کی حاکم! ساری باتیں میں نے تجھ سے بیان کر دی ہیں اور کوئی راز باقی نہیں رکھا۔ اب میں خدا اور تجھ سے پناہ کی درخواست کرتا ہوں کہ مجھ پر ظلم نہ کر بلکہ رحم کر اور میری وجہ سے اجر اور ثواب حاصل کر' بیوی بچوں سے ملنے میں میری مدد کر اور ان کا دیدار مجھے دکھا دے۔ یہ کہہ کر وہ رونے پیٹنے اور فریاد کرنے لگا۔ ملکہ نور الہدیٰ دیر تک آنکھیں نیچے کیے اپنا سر ہلاتی رہی اور پھر سر اٹھا کر کہنے لگی کہ میں تیرے حال پر رحم کھاتی اور تجھ پر افسوس کرتی ہوں اور میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ اس شہر اور باقی تمام جزیرے کی لڑکیاں تیرے سامنے پیش کروں اور اگر تو نے اپنی بیوی کو پہچان لیا تو اسے تیرے سپرد کر دوں گی اور اگر نہ پہچانا تو تجھے

قتل کر کے اسی بڑھیا کے دروازے پر لٹکا دوں گی۔ حسن نے کہا کہ اے ساری دنیا کی ملکہ! تیری یہ شرط مجھے منظور ہے اور سوائے خدا کے اور کسی میں نہ طاقت ہے نہ

زور۔

اب ملکہ نور الہدیٰ نے حکم صادر کر دیا کہ شہر کی ہر لڑکی محل آ کر اس کے سامنے سے گزرے۔ اور بڑھیا شواہی سے کہا کہ تو خود شہر میں جا کر ہر لڑکی کو میرے پاس محل میں لا' ملکہ لڑکیوں کو سو سو کر کے حسن کے آگے پیش کرتی یہاں تک کہ شہر کی کوئی لڑکی نہ بچی جو حسن کے سامنے پیش نہ کی گئی ہو لیکن ان میں کوئی بھی اس کی بیوی نہ نکلی۔ ملکہ نے پوچھا' ان لڑکیوں میں تو نے اپنی بیوی کو دیکھا؟ حسن بولا اے ملکہ! تیری جان کی قسم ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ اس پر ملکہ کا غصہ اور تیز ہو گیا! اس نے بڑھیا سے کہا کہ محل کے اندر جا کر سب کو نکال لا اور اس کے آگے پیش کر۔ بڑھیا نے سب لڑکیوں کو اس کے سامنے پیش کیا جو محل کے اندر تھیں لیکن حسن کو اپنی بیوی ان میں بھی دکھائی نہ دی اور اس نے ملکہ سے کہا اے ملکہ! تیرے سر کی قسم وہ ان میں بھی نہیں ہے۔ ملکہ غصے میں بھر گئی اور آس پاس کے لوگوں کو پکار کر کہا کہ اسے پکڑ کر زمین پر گھسیٹو اور اس کی گردن مار دو تا کہ پھر کوئی اپنی جان پر کھیل کر یہاں نہ آئے۔ ہمارے حال سے آگاہی نہ پائے' ہمارے ملک میں داخل نہ ہو اور ہمارے جزیروں میں قدم نہ رکھے۔

لوگوں نے اسے منہ کے بل گھسیٹا' اس کا دامن اس کے اوپر ڈال کر اس کی آنکھیں باندھ دیں اور تلواریں لے لے کر اس کے سر پر کھڑے ہونے لگے اور حکم کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں شواہی نے ملکہ کی طرف بڑھ کر زمین چومی' اس کا دامن اپنے سر پر لیا اور کہنے لگی اے ملکہ! تجھے میری تربیت کی قسم اتنی جلدی نہ کر خاص کر جب کہ تو جانتی ہے کہ یہ بیچارہ پردیسی ہے اور جان پر کھیل کر آیا ہے' اس نے ایسی ایسی مصیبتیں جھیلی ہیں جو کسی نے بھی نہ بھگتی ہوں گی' مگر خدا نے اسے موت

سے بچا لیا ہے اور اس کی عمر بڑھائی ہے۔ تیری انصاف پسندی سن کر وہ تیرے ملک اور وطن میں آیا ہے۔ اگر تو نے اسے قتل کر دیا تو مسافر اس خبر کو لے کر دور دور پہنچا دیں گے کہ تو پردیسیوں سے بغض رکھتی اور انہیں قتل کر ڈالتی ہے۔ اگر اس کی بیوی تیرے شہر میں نہ نکلی تو وہ یوں بھی تیری تلوار کا شکار ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ اول تو جب کبھی اسے بلانا چاہے' تو میں اسے لا سکتی ہوں۔ دوسرے یہ بھی سمجھ لے کہ محض تیرے احسان کی امید میں' میں نے اسے پناہ دی ہے کیونکہ میری تربیت کا حق تیرے اوپر ہے۔ تیرے انصاف اور مہربانی کا مجھے یقین ہے۔ اگر مجھے تیری طرف سے ان باتوں کا یقین نہ ہوتا تو میں اسے کبھی تیرے شہر میں نہ لاتی۔ پھر مجھے تو گمان تھا کہ تو اسے دیکھ کر خوش ہو گی۔ اس کے اشعار اور باتوں کو پسند کرے گی جو ایسے ہیں جیسے پروئے ہوئے موتی۔ اور اب تو وہ ہمارے ملک میں آ گیا ہے۔ اس نے ہمارا کھانا کھایا ہے' ہم پر اس کا حق ہو گیا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو دسویں رات

آٹھ سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑھیا نے ملکہ نور البدئی سے کہا کہ ہم پر اس کا حق ہو گیا ہے اور میں اس سے وعدہ کر چکی ہوں کہ اسے تجھ سے ملاؤں گی۔ تو جانتی ہے کہ جدائی کتنی کٹھن چیز ہے اور تجھے معلوم ہے کہ جدائی قاتل ہے۔ خاص کر اولاد کی جدائی۔ اب عورتوں میں سے سوائے تیرے کوئی باقی نہیں رہا' تو بھی اپنا چہرہ اسے دکھا دے۔ ملکہ نے مسکرا کر کہا کہ وہ کہاں سے میرا شوہر ہو سکتا ہے اور مجھ سے اولاد پیدا کر سکتا ہے کہ میں اسے اپنا چہرہ دکھاؤں۔ یہ کہہ کر اس نے حسن کو بلوایا اور جب لوگ اسے لے آئے تو اس نے اپنا چہرہ کھول دیا۔ اسے دیکھتے ہی حسن نے زور سے چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑا۔ بڑھیا اسے برابر پیار کرتی رہی۔ یہاں تک کہ اسے ہوش آ گیا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا لیکن ملکہ کو دیکھ کر اس نے پھر اس زور سے چیخ ماری کہ قریب تھا کہ محل گر پڑے اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ بڑھیا پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی اور جب اسے ہوش آیا تو بڑھیا نے اس کا سبب پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ یاتو یہ ملکہ خود میری بیوی ہے یا تمام لوگوں سے زیادہ میری بیوی سے مشابہت رکھتی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• آٹھ سو گیارہویں رات

آٹھ سو گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ حسن نے بڑھیا سے کہا کہ یہ ملکہ یا تو میری بیوی ہے یا تمام لوگوں کی نسبت میری بیوی سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے ملکہ نے بڑھیا سے کہا اے ماما! افسوس ہے کہ یہ پردیسی یا تو پاگل ہے یا کوئی فیلیا' کیونکہ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میری طرف دیکھتا ہے۔ بڑھیا بولی! اے ملکہ وہ معذور ہے اس لئے اس کے کسی فعل کا برا نہ مان۔ مثل ہے کہ محبت کا بیمار لادوا ہوتا ہے۔ اس میں اور دیوانے میں بالکل فرق نہیں ہوتا۔ اب حسن بلک بلک کر رونے لگا اور ملکہ سے کہا کہ خدا کی قسم تو میری بیوی تو نہیں لیکن میری بیوی سے بے حد مشابہت رکھتی ہے۔ اس پر ملکہ نور الہدیٰ ہنستے ہنستے لوٹ گئی اور کہنے لگی میرے پیارے تو مجھے خوب دیکھ بھال لے اور میرے سوال کا جواب دے' دیوانے پن اور بھولے پن کو جانے دے' تجھے جلد خوشی حاصل ہو گی۔ حسن نے کہا' اے بادشاہوں کی سرتاج اور امیر و غریب کی پناہ! جب میری نظر تجھ پر پڑی تو میں دیوانہ ہو گیا کیونکہ یا تو تو میری بیوی معلوم ہتی تھی یا میری بیوی سے بے حد مشابہ۔ اب جو تو چاہتی ہے پوچھ۔ ملکہ بولی کہ تیری بیوی کس بات میں میرے مشابہ ہے؟ وہ بولا' اے میری آقا! تیری تمام چیزیں اس سے مشابہت رکھتی ہیں۔ مثلاً حسن و جمال اور خوبروئی' شان و شوکت' سڈول بدن' شیریں کلامی' رخساروں کی سرخی اور سینے کا ابھار وغیرہ وغیرہ' اب ملکہ نے شواہی ام الدواہی کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ اسے پھر تو اپنے گھر لے جا اور خود اس کی خدمت کر۔ میں اس کے معاملے کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہوں اور اگر وہ مروت والا نکلا جو دوستی' صحبت اور محبت کی پاسداری کرتا ہے تو ہم پر واجب ہے کہ اس کی حاجت روائی میں مدد کریں۔ خاص کر اس وجہ سے کہ وہ ہمارے ملک میں آیا ہے اور ہمارا کھانا کھایا ہے۔ علاوہ بریں اس نے سفر کی مصیبتیں اٹھائی ہیں اور خطرے جھیلے ہیں'

لیکن اسے اپنے گھر پہنچا کر نوکروں کے حوالے کر دیجیو اور جلدی سے میرے پاس لوٹ آئیو۔ خدا نے چاہا تو اس کے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے۔

یہ سن کر بڑھیا نے حسن کو ساتھ لیا اور گھر پہنچ کر اپنی کنیزوں' غلاموں اور نوکروں چاکروں کو حکم دیا کہ اس کی خدمت کریں اور جس چیز کی اسے ضرورت ہو' مہیا کریں اور اس کی خدمت کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ اس کے بعد وہ فوراً ملکہ کے پاس پہنچی ملکہ نے حکم دیا کہ وہ فوراً ہتھیار لگائے اور بہادروں میں سے ایک ہزار سوار چن لے۔ بڑھیا شواہی نے حکم کی تعمیل کی اور زرہ بکتر پہن کر ایک ہزار سوار لے آئی۔

جب اس نے ملکہ کے پاس آ کر خبر دی کہ میں ایک ہزار سوار لے کر آئی ہوں تو ملکہ نے حکم دیا کہ میرے باپ ملک اکبر کے شہر میں جا اور وہاں پہنچ کر اس کی بیٹی منار النساء کے ہاں اتر جو میری سب سے چھوٹی بہن ہے اور اس سے کہیو کہ وہ اپنے دونوں بیٹوں کو وہ زرہیں پہنا کر جو اس نے ان کے لئے بنائی ہیں' اپنی خالہ کے پاس بھیج دے کیونکہ اس کا جی انہیں دیکھنے کو چاہتا ہے' اور اے بڑھیا میں تجھے مشورہ دیتی ہوں کہ حسن کا نام ہرگز نہ لیجیو بلکہ تو انہیں لے چکے تو میری بہن سے کہیو کہ وہ بھی آ کر مجھ سے مل جائے۔ جب وہ اپنے دونوں بیٹے تجھے دے دے اور تو انہیں لے کر میری طرف روانہ ہو تو انہیں بہت جلد لے کر یہاں آ جائیو اور ان کی ماں کو اطمینان سے تیاری کرنے دیجیو اور جس راہ سے تو گئی ہو اس سے نہ لوٹیو۔ دن رات سفر کیجیو اور اس راز کو کسی نے نہ کہیو۔ اس کے بعد میں ہر طرح سے قسم کھانے کو تیار ہوں کہ اگر میری بہن اس کی بیوی نکلی اور یہ ثابت ہو گیا کہ اس کے دونوں بیٹے حسن کے بیٹے ہیں تو میں ہرگز اسے اس بات سے نہ روکوں گی کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو لے کر چلا جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو بارہویں رات

آٹھ سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملکہ نے کہ اگر وہ اس کی بیوی نکلی تو میں اسے ہرگز اس بات سے نہ روکوں گی کہ وہ اسے مل جائے بلکہ اس کی مدد کروں گی کہ وہ اسے لے کر اپنے وطن چلا جائے۔ بڑھیا سمجھی کہ وہ سچ کہتی ہے اور اس کی اسے خبر نہ تھی کہ اس کے دل میں کیا کھوٹ ہے۔ اس چاتر نے اپنے دل میں یہ بات چھپا رکھی تھی کہ اگر وہ اس کی بیوی نہ ہو گی اور بچے اس کے مشابہ نہ ہوں گے تو وہ اسے قتل کر دے گی۔ اس کے بعد ملکہ نے بڑھیا سے کہا اگر میرا دل سچ کہتا ہے تو اس کی بیوی میری بہن منار النساء ہے لیکن اللہ بہتر جانتا ہے جو کچھ وہ کہتا ہے وہ میری بہن کی تعریف ہے اور جو جو خوبصورتی اور خوبروئی اس نے بیان کی ہے وہ سوائے میری بہنوں کے اور کسی میں پائی نہیں جاتی خاص کر سب سے چھوٹی بہن میں۔ بڑھیا نے اس کا ہاتھ چوما اور حسن کے پاس جا کر جو کچھ ملکہ نے کہا تھا' بیان کر دیا۔ مارے خوشی کے حسن دیوانہ سا ہو گیا اور اٹھ کر بڑھیا کا سر چومنے لگا۔ بڑھیا بولی بیٹا! میرے سر کو نہ چوم بلکہ میرے منہ کو اور اس بوسے کو اپنی سلامتی کا صدقہ سمجھ خوش ہو اور غم کو اپنے دل میں نہ آنے دے اور میرا منہ چومنے سے کراہیت نہ کر کیونکہ تیرے ملاپ کا سبب میں ہی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اس سے رخصت ہوئی اور ہتھیار لگا کر ایک ہزار مسلح سواروں کو لے کر اس جزیرے کو روانہ ہو گئی جہاں ملکہ کی بہن تھی۔ نور الہدیٰ اور اس کی بہن کے شہر میں تین دن کی راہ تھی۔

شہر میں پہنچ کر شواہی ملکہ کی بہن منار النساء کے پاس گئی۔ اسے سلام کرکے اس کی بہن نور الہدیٰ کا سلام پہنچایا اور اس سے کہا کہ تیری بہن تجھے اور تیرے بچوں کے دیکھنے کی مشتاق ہے اور تیری ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشان ہے۔ شہزادی

منار النساء نے کہا میری بہن کا مجھ پر حق ہے اور میں اس سے نہ ملنے کی قصوروار ہوں۔ اب ضرور جا کر اس سے ملوں گی۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ خیمے شہر کے باہر نکالے جائیں اور اپنے ساتھ اپنی بہن کے لئے تحفے اور ہدیئے لئے۔ جب اس کے باپ بادشاہ نے محل کی کھڑکیوں میں سے دیکھا کہ خیمے لگے ہوئے ہیں تو اس نے اس کا سبب دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا کہ شہزادی منار النساء اپنی بہن نور الہدیٰ کی ملاقات کے لئے جانا چاہتی ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے اس کے لئے ایک لشکر تیار کرا دیا جو اسے اس کی بہن کے پاس پہنچا آئے اور اپنے خزانوں میں سے اتنا مال' کھانے پینے کی چیزیں' ایسے ایسے تحائف اور جواہرات نکال کر دیئے کہ زبان اس کی تعریف نہیں کر سکتی۔ سوائے چھوٹی کے بادشاہ کی چھیوں بیٹیاں سگی بہنیں تھیں' بڑی بہن کا نام نور الہدیٰ تھا' دوسری کا نجم الصباح' تیسری کا شمس الضحیٰ' چوتھی کا تجرتہ الدر' پانچویں کا قوت القلوب' چھٹی کا شرف البنات اور ساتویں کا منار النساء۔ یہ سب سے چھوٹی' یہی حسن کی بیوی اور محض باپ کی طرف سے ان کی بہن تھی۔ بڑھیا نے بڑھ کر منار النساء کے آگے زمین چومی' منار النساء نے پوچھا' کیا تجھے کوئی ضرورت پیش آئی ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا' تیری بہن نور الہدیٰ نے تجھے یہ پیغام دیا ہے کہ اپنے دونوں بیٹوں کے کپڑے بدل کر انہیں وہ زرہیں پہنا دے جو تو نے ان کے لئے بنائی ہیں اور انہیں میرے ساتھ روانہ کر دے میں انہیں لے کر آگے آگے چلوں گی اور جا کر نور الہدیٰ کو تیرے آنے کی خوشخبری دوں گی۔ یہ سن کر منار النساء نے سر جھکا لیا' اس کا رنگ بدل گیا اور بڑی دیر تک سر جھکائے بیٹھی رہی۔ پھر اس نے سر کو ہلایا اور بڑھیا کو دیکھ کر کہا' بڑی بی! اپنے بیٹوں کا نام سن کر میرا دل کانپ رہا ہے اور گھبرا رہا ہے کیونکہ جب سے وہ پیدا ہوئے ہیں نہ کسی جن نے انہیں دیکھا ہے نہ کسی بشر نے' نہ عورت نے نہ مرد نے بلکہ انہیں ہوا بھی نہیں لگنے دیتی۔ بڑھیا نے کہا' اے میری آقا! یہ تو کیسی باتیں کرتی ہے؟ کیا تو ان کے بارے میں اپنی

بہن سے بھی ڈرتی ہے؟
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• آٹھ سو تیرہویں رات

آٹھ سو تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑھیا بولی اے میری آقا' خدا تیری عقل ٹھکانے رکھے! کیا تو ان کے بارے میں اپنی بہن سے بھی ڈرتی ہے؟ اس بات میں تیری مخالفت نہیں چل سکتی کیونکہ وہ تجھ سے ناراض ہو جائے گی لیکن اے میری آقا! تیرے بچے چھوٹے ہیں اور ان کے بارے میں تیرا ڈرنا بجا ہے' محبت کرنے والا ہمیشہ بدگمان ہوتا ہے' مگر بیٹی تو جانتی ہے کہ میں تجھے اور تیرے بچوں کو کتنا چاہتی ہوں' میں نے تجھے پالا ہے اور ان کو بھی' میں خود اپنے ساتھ انہیں لے کر جاؤں گی' اپنی آنکھیں ان کے لئے بچھاؤں گی اور اپنا دل کھول کر اس کے اندر انہیں جگہ دوں گی' ان باتوں میں تیری تاکید کی ضرورت نہیں۔ تو ڈر نہیں' اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھ اور انہیں ان کی خالہ کے پاس جانے دے۔ زیادہ سے زیادہ ہمارا ایک یا دو دن کا آگا پیچھا ہو گا۔ غرض کہ اس نے اتنی خوشامد کی کہ لڑکی کا دل نرم ہو گیا۔ وہ اپنی بہن کے غصے سے ڈرتی بھی تھی لیکن اسے یہ خبر نہ تھی کہ غیب میں اس کے لئے کیا پوشیدہ ہے۔ اس لئے وہ بچوں کو بڑھیا کے ساتھ بھیجنے پر راضی ہو گئی اور بچوں کو بلوا کر انہیں گرم پانی سے نہلایا' ان کا بناؤ سنگار کیا' کپڑے بدلے اور زرہیں پہنا کر بڑھیا کے حوالے کر دیا۔ بڑھیا انہیں لے کر اڑی اور جیسا کہ ملکہ نور البدیٰ نے اس سے کہا تھا' اس راستے سے نہ آئی جس سے ان کی ماں آنے والی تھی۔ وہ بہت تیز روانہ ہوئی کیونکہ وہ ان کے بارے میں ڈرتی تھی۔ یہاں تک کہ نور البدیٰ کے شہر میں پہنچی اوردریا پار کرکے اس کے پاس جا اتری اور بچوں کو اس کے سامنے پیش کردیا۔ ملکہ انہیں دیکھ کر خوش ہو گئی۔ انہیں لپٹایا' چپٹایا' گلے لگایا اور ایک کو دائیں ران پر اور دوسرے کو بائیں پر بٹھایا۔ اس کے بعد اس نے بڑھیا سے کہا' اب حسن کو بلا میں اس سے وعدہ کر چکی اور اپنی تلوار سے اسے پناہ دے

چکی ہوں۔ بڑی بڑی مصیبتیں جھیلنے کے بعد اس نے ہمارے گھر میں آ کر پناہ لی ہے‘ اگرچہ ابھی تک یہ یقین نہیں کہ وہ موت کا جام پینے سے بچ گیا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو چودہویں رات

آٹھ سو چودہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملکہ نور الہدیٰ نے بڑھیا سے کہا کہ ابھی تک اس بات کا یقین نہیں ہے کہ حسن کی جان بچ گئی تو بڑھیا بولی کہ جب میں حسن کو تیرے پاس لاؤں گی تو کیا تو اسے ان سے ملا دے گی؟ اور اگر یہ معلوم ہوا کہ وہ اس کی اولاد نہیں ہے تو اسے اس کے وطن واپس بھیج دے گی؟ یہ سن کہ ملکہ کو طیش آ گیا۔ وہ کہنے لگی اے منحوس بڑھیا! کب تک اس پردیسی کے بارے میں تو چال بازیاں کرتی رہے گی جو ہمارے ملک میں زبردستی گھس آیا ہے' ہماری پردہ دری کرتا ہے اور ہمارے حالات سے واقف ہو گیا ہے۔ کیا تیرا خیال ہے کہ وہ ہمارے ملک میں آئے' ہمارے چہرے دیکھے' ہماری عزت پر دھبہ لگائے اور پھر اپنے ملک کو صحیح و سالم چلائے جائے' وہاں جا کر اپنے لوگوں میں ہماری فضیحت کرے' ساری دنیا کے بادشاہوں میں ہمارا ڈھنڈورا پٹ جائے اور تاجر ہماری خبریں ہر جگہ پہنچائیں اور کہیں کہ ایک انسان جادوگروں اور کاہنوں کے ملک سے گزر کر ارض جان اور ارض و حوش و طیور سے ہو کر جزائر واق گیا اور صحیح و سالم لوٹ آیا' ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا! قسم ہے آسمان کے پیدا کرنے اور اس کے بنانے والے کی اور زمین کے بچھانے اور برابر کرنے والے کی' مخلوق کے پیدا کرنے اور گننے والے کی کہ اگر وہ اس کے بچے نہ ہوئے تو میں اسے قتل کر دوں گی اور خود اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اڑا دوں گی۔ یہ کہہ کر اس نے بڑھیا کو اس زور سے ڈانٹا کہ وہ مارے ڈر کے گر پڑی۔ ملکہ نے حاجب اور بیس غلاموں کو اس پر مسلط کر دیا اور ان سے کہا کہ اس بڑھیا کے ساتھ جا کر فوراً اس جوان کو لے آؤ جو اس کے گھر میں ہے۔ وہ لوگ گھسیٹتے ہوئے اسے لے گئے' اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔

جب وہ گھر پہنچ کر حسن کے پاس گئی تو حسن نے اٹھ کر اس کے ہاتھ چومے' اسے سلام کیا لیکن بڑھیا نے سلام کا جواب دینے کے بدلے اس سے کہا کہ ملکہ کے پاس چل۔ میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ اپنے وطن لوٹ جا اور ان تمام باتوں سے روکا تھا! لیکن تو نے میرا کہنانہ مانا۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تجھے اس قدر مال و دولت دوں گی جتنی کسی کے پاس نہ ہو۔ مگر تو نے نہ مانا بلکہ سنا تک نہیں' میری مخالفت کی' مجھے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا۔ اب جیسی کرنی' ویسی بھرنی۔ موت قریب آ چکی ہے' چل کر اس ظالم اور بدذات عورت سے باتیں کر۔ حسن رنجیدہ اور شکستہ دل ہو کر مارے ڈر کے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے بچانے والے خدا! مجھ کو بچا' خداوندا جو امتحان تو میرا لے رہا ہے اس میں مہربانی سے پیش آئیو اور اے سب سے بڑے رحم کرنے والے! مجھے بچائیو۔ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ آخر غلاموں' حاجب اور بڑھیا کے ساتھ چل کھڑا ہوا۔ جب لوگ اسے لے کر ملکہ کے پاس پہنچے تو اس نے دیکھا کہ اس کے دونوں بیٹے ناصر اور منصور اس کی گود میں بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ ان کے ساتھ کھیل رہی ہے اور انہیں پیار کر رہی ہے۔ انہیں دیکھتے ہی حسن پہچان گیا اور اسے اتنی خوشی ہوئی کہ زور سے چیخ مار کر زمین پر گر پڑا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو پندرہویں رات

آٹھ سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ حسن چیخ مار کر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دونوں بیٹوں کو پہچان لیا اور وہ بھی اپنے باپ کو پہچان گئے توان کی فطری محبت جوش میں آئی۔ وہ ملکہ کی گود سے نکل کر حسن کے پاس آ کھڑے ہوئے اور خدا نے ان کی زبان سے یہ لفظ نکلوا دیئے کہ "اے ہمارے باپ!" بڑھیا اور تمام حاضرین کو ان پر اتنا ترس آیا کہ سب رونے لگے اور کہا شکر ہے خدا کا کہ اس نے انہیں باپ سے ملا دیا۔ غشی دور ہونے کے بعد حسن نے اپنے بیٹوں کو گلے سے لگالیا اور اتنا رویا کہ بے ہوش ہو گیا۔ جب ملکہ کو یقین ہو گیا کہ بچے حسن کی اولاد ہیں اور اس کی بہن منار النساء اس کی بیوی ہے جس کی تلاش میں وہ آیا ہے تو اسے اپنی بہن پر اتنا غصہ آیا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اوراس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## آٹھ سو سولھویں رات

آٹھ سو سولھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملکہ اپنی بہن پر اتنی ناراض ہوئی کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں اور حسن کو اس زور سے ڈانٹا کہ وہ تھرا اٹھا اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ آنکھ کھولی تو دیکھا کہ لوگ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر باہر ڈال آئے ہیں۔ وہ اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا چلنے لگا' مگر اسے یقین نہ آتا تھا کہ میں ملکہ کی ایذا رسانی سے بچ جاؤں گا۔ اس پر بڑھیا شواہی کو بھی بڑا افسوس ہوا لیکن ملکہ کے غصے کے ڈر سے وہ حسن ے بارے میں اس سے کچھ نہ کہہ سکتی تھی۔جب حسن محل سے نکلا تو وہ حیران پریشان تھا۔ اسکی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے اور کہاں جائے؟ زمین باوجود اتنی وسعت کے اسے تنگ معلوم ہوتی تھی۔ نہ کوئی باتیں کرنیوالا اسے ملتا تھا' نہ دل بہلانے والا' نہ تسلی دینے والا' نہ رائے بتانے والا اور نہ کوئی ایسا شخص جس کے پاس جا کر وہ پناہ لے۔ اسے موت سامنے کھڑی دکھائی دیتی تھی کیونکہ اس میں چلنے کی طاقت نہ تھی' نہ کوئی اس کا ہم سفر تھا' نہ اسے راستہ معلوم تھا' نہ وادی جنات' ارض و حوش اور جزائر طیور سے گزر سکتا تھا۔ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور اتنا رویا کہ غش آ گیا۔ ہوش آیا تو وہ اپنے بیٹوں اور اپنی بیوی کی فکر میں پڑ گیا اور یہ سوچنے لگا کہ اب وہ اپنی بہن کے پاس آئے گی اور نہ معلوم بہن اس کی کیا گت بنائے گی؟ یہ سوچ کر وہ پشیمان ہوا کہ کیوں اس ملک میں آیا۔ سمجھانے سے بھی کچھ نہ سمجھا۔ تاہم وہ برابر چلا گیا یہاں تک کہ شہر سے باہر دریا کے کنارے پہنچ گیا۔ حیران و پریشان ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ادھر اس کی بیوی منار النساء کے ساتھ یہ پیش آیا کہ بڑھیا کے چلے آنے کے دوسرے روز جب کہ وہ سفر کرنے والی تھی' اس کے باپ بادشاہ کا حاجب اس کے پاس آیا اور اس کے آگے زمین چومی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## آٹھ سو سترہویں رات

آٹھ سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ منار النساء روانہ ہونے ہی والی تھی کہ اس کے باپ بادشاہ کا حاجب اس کے پاس آیا اور زمین چوم کر کہنے لگا' اے شہزادی! تیرے باپ ملک اکبر نے سلام بھیجا اور تجھے بلایا ہے۔ شہزادی فوراً اٹھ کر حاجب کے ساتھ چل کھڑی ہوئی تا کہ دیکھے اس کا باپ اس سے کیا چاہتا ہے۔ جب اس کے باپ کی نظر اس پر پڑی تو اس نے اسے اپنے پاس تخت پر بٹھا لیا اور کہا بیٹی! سن' میں نے رات ایک خواب دیکھا ہے جس کی وجہ سے مجھے تیرے بارے میں ڈر لگتا ہے کہ کہیں اس سفر میں تجھے کسی بڑی مصیبت کا سامنا نہ پڑے۔ بیٹی بولی کہ ابا! تو نے کیا خواب دیکھا؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ خواب میں' میں ایک خزانے کے اندر داخل ہوا' اس میں بہت مال و دولت اور بے شمار ہیرے جواہرات ہیں' مگر ان تمام مال و دولت اور ہیروں میں سے مجھے محض سات ہیرے پسند آئے جو سب سے زیادہ خوبصورت تھے' میں نے ان میں سے ایک کو چھانٹ کر لے لیا جو سب سے چھوٹا اور خوبصورت اور چمکدار تھا' اس کی خوبصورتی مجھے اتنی بھلی معلوم ہوئی کہ میں اسے اپنی ہتھیلی پر رکھ کر خزانے سے نکل آیا۔ دروازے کے باہر آ کر میں نے اپنا ہاتھ کھولا اور ہیرے کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا' اتنے میں ایک اجنبی چڑیا جو ہمارے ملک کی چڑیوں میں سے نہ تھی' بلکہ کسی دور کے ملک سے آئی تھی' آسمان سے میرے اوپر گری اور میرے ہاتھ سے وہ ہیرا جھپٹ لیا اور جہاں سے آئی تھی' چلی گئی۔ مجھے بہت رنج و افسوس ہوا اور اتنا ڈر لگا کہ میری نیند اچٹ گئی اور میں اس ہیرے پر افسوس کرتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

نیند سے اٹھ کر میں نے تعبیر دینے والوں کو بلوایا اور ان کے سامنے اپنا خواب بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ تیری سات بیٹیوں میں سے سب سے چھوٹی کھو جائے گی اور

کوئی شخص اسے جبراً تیری مرضی کے بغیر لے جائے گا۔ بیٹی تو میری سب سے چھوٹی بیٹی ہے۔ سب سے زیادہ پیاری اور عزیز۔ تو اپنی بہن کے پاس جا رہی ہے' معلوم نہیں وہاں تجھ پر کیا گزرے' بہتر ہے کہ سفر سے باز آ اور اپنے محل میں لوٹ جا۔ باپ کی باتیں سن کر منار النساء کا دل دھڑکنے لگا اور اپنے بیٹوں کے خیال میں ڈوب گئی۔ سر نیچا کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر باپ کی طرف دیکھا اور کہنے لگی' اے بادشاہ! ملکہ نور الہدیٰ نے میری دعوت کی تیاری کی ہے اور وہ میرا انتظار کر رہی ہے۔ چار سال سے اس نے مجھے نہیں دیکھا' اگر اب میں اس لے ملنے نہ گئی تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گی۔ زیادہ سے زیادہ میں اس کے پاس ایک مہینہ ٹھہر کر لوٹ آؤں گی۔ ایسا کون ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے ملک میں آ کر جزائر واق تک پہنچ سکے اور یہ کس کی مجال ہے کہ ارض بیضا' جبل اسود' جزیرہ کافور اور قلعہ طیور تک پہنچ جائے۔ وادی طیور پھر وادی حوش پھر وادی جنات طے کرکے ہمارے جزیروں میں قدم رکھے' اور اگر کوئی پردیسی ملک میں داخل ہو بھی جائے تو وہ خوفناک سمندروں میں ڈوب جائے گا' لہٰذا میرے سفر کے متعلق بالکل پریشان نہ ہو' کسی کی مجال نہیں کہ ہمارے ملک میں قدم رکھ سکے۔ غرض کہ وہ برابر باپ کو مناتی رہی یہاں تک کہ اس نے سفر کی اجازت دے دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو اٹھارہویں رات

آٹھ سو اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ وہ برابر باپ کو مناتی رہی یہاں تک کہ اس نے سفر کی اجازت دے دی اور ایک ہزار سواروں کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ جائیں اور اسے دریا تک پہنچا کر وہاں ٹھہرے رہیں۔ جب وہ اپنی بہن سے مل کر لوٹے تو پھر اسے اپنے ساتھ لے آئیں۔ بیٹی سے اس نے یہ بھی کہا کہ اپنی بہن کے پاس دو دن ٹھہر کر لوٹ آئیو۔ اس نے جواب دیا کہ سر آنکھوں سے۔ اب وہ اٹھ کر باہر آئی اور باپ اس کے ساتھ باہر آ کر اس سے رخصت ہوا۔ باپ کی باتوں کا اس پر یہ اثر ہوا کہ وہ اپنے بیٹوں کے متعلق ڈرنے لگی' مگر تقدیر کے آگے کوئی خبرداری نہیں چلتی تین دن رات تیز تیز چلنے کے بعد وہ دریا کے پاس پہنچی اور اس کے کنارے ڈیرے ڈال دیئے۔ وہاں سے وہ چند غلاموں' نوکروں اور وزیروں کو لے کر دریا کے پار اتری اور ملکہ نور الہدیٰ کے شہر میں پہنچ کر محل کے اندر گئی۔ دیکھا کہ اس کے بیٹے خالہ کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں اور ابا! ابا! چلا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس کے آنسو نکل پڑے اور وہ رونے لگی' اپنے بیٹوں کو چھاتی سے لگا لیا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم نے اپنے باپ کو دیکھا ہے؟ خدا اس گھڑی کا ستیاناس کرے جب میں اس سے جدا ہوئی! اگر مجھے معلوم ہو کہ وہ ابھی تک دنیا میں ہے تو میں تمہیں اس کے پاس پہنچا دوں گی۔ بچوں کو روتا دیکھ کر اور اپنا اور اپنے شوہر کا خیال کرکے وہ آہ زاری کرنے لگی۔ جب اس کی بہن نے دیکھا کہ اس نے اپنے بچوں کو لپٹا لیا ہے اور کہہ رہی ہے کہ میں نے اپنے اور اپنے بیٹوں کے ساتھ یہ ظلم کیا ہے اور اپنا گھر برباد کیا ہے تو وہ بے اسے سلام کئے کہنے لگی تیری یہ اولاد کہاں سے آئی؟ کیا تو نے بغیر باپ کو خبر کئے نکاح کیا؟ اگر تو نے زنا کیا ہے تو تجھے اس کی سزا ملنی چاہئے اور اگر تو نے ہم سے چھپا کر نکاح کیا ہے تو پھر تو

اپنے شوہر کو کیوں چھوڑ کر اپنے بچوں کو لے آئی اور ان میں اور ان کے باپ میں جدائی ڈال کر ہمارے ملک میں چلی آئی!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

آٹھ سو انیسویں رات

آٹھ سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملکہ نور الہدیٰ نے اپنی بہن منار النساء سے کہا کہ اگر تو نے ہم سے چھپا کر نکاح کیا ہے تو پھر تو کیوں اپنے شوہر کو چھوڑ کر اپنے بچوں کو لے آئی اور ان میں اور ان کے باپ میں جدائی ڈالی اور اپنے بچوں کو ہم سے چھپائے رکھا؟ کیا تیرا گمان تھا کہ ہمیں اس کی خبر نہ ہو گی؟ غیب داں خدا نے ہمارے اوپر تیری باتیں ظاہر کر دیں' تیرا حال کھول دیا اور تیرے راز فاش کر دیئے۔ یہ کہہ کر اس نے نوکروں کو حکم دیا کہ اسے پکڑ کرمیرے پاس لاؤ' جب وہ پکڑ کر لائے تو ملکہ نے اس کی مشکیں باندھ کر اس کے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال دیں' اتنا مارا کہ اس کا بدن پھٹ گیا اور اس کے بال پکڑ کر کھینچا اور قید خانے میں بند کر دیا اور اپنے باپ ملک اکبر کو خط لکھا' جس میں منار النساء کا سارا حال بیان کیا کہ ہمارے ملک میں ایک انسان آیا ہے' میری بہن منار النساء کہتی ہے کہ وہ اس کا شوہر ہے جس سے اس کے دو بیٹے پیدا ہوئے ہیں۔ انہیں اس نے ہم سب سے اور خاص کر تجھ سے چھپا کر رکھا تھا۔ جب تک وہ شخص یہاں نہ آیا' بہن کے منہ سے بات تک نہ نکلی۔ وہ شخص انسانوں میں سے ہے' اس کا نام حسن ہے' وہ کہتا ہے کہ اس نے اس سے شادی کی ہے اور وہ بہت دنوں تک اس کے ساتھ رہی ہے' پھر اپنے بیٹوں کو لے کر بے کہے چل دی اور چلتے وقت اس کی ماں سے کہتی آئی کہ اپنے بیٹے سے کہہ دیجیو کہ اگر اسے میری تمنا ہو تو جزائر واق آ جائے۔ اس شخص کو ہم نے پکڑ کر رکھ لیا اور بہن کے پاس بڑھیا شواہی کو بھیجا کہ وہ جا کر اسے اور اس کے بیٹوں کو لے آئے۔ اب وہ یہاں آ گئی ہے میں نے بڑھیا کو حکم دیا تھا کہ وہ بچوں کو لے کر آگے چلی آئے تاکہ وہ اس سے پہلے یہاں پہنچ جائیں۔ بڑھیا بچوں کو لے کر یہاں آئی تو میں نے اس شخص کو بلوایا جو

اس کا شوہر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جب وہ میرے پاس پہنچا اور اس نے بچوں کو دیکھا تو انہیں پہچان لیا' بچے بھی اسے پہچان گئے جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ بچے اس کے بیٹے ہیں اور وہ اس کی بیوی ہے اور مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ سچ کہتا ہے اور اس کی طرف سے کوئی بری بات نہیں ہوئی' بلکہ ساری برائی اور عیب میری بہن کا ہے۔ میں ڈری کہ کہیں جزیرے والوں کے آگے ہماری بے عزتی نہ ہو جائے اس لئے جب یہ دغاباز لڑکی میرے پاس پہنچی تو میں اس پر سخت ناراض ہوئی' اسے خوب مارا اور اس کے بال باندھ کر اسے لٹکا دیا۔ تجھے میں نے اس کا سارا کچا چٹھا لکھ دیا' حکم تیرا حکم ہے' جو تو ہمیں حکم دے گا' وہ ہم کریں گے۔ تجھے خوب معلوم ہے کہ اس میں ہماری بے عزتی ہے اور اس سے ہماری اور خاص کر تیری عزت پر دھبہ لگتا ہے اگر جزیرے والوں کو اس کی خبر ہو گئی تو ہم سب ان کے لئے ضرب المثل بن جائیں گے' اس لئے ضروری ہے کہ جواب جلد بھیج۔

یہ خط لکھ کر اس نے قاصد کو دے دیا اور وہ اسے لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا۔ خط پڑھ کر ملک اکبر طیش میں آ گیا اور اس نے اپنی بیٹی نور الہدیٰ کو یہ جواب بھیجا کہ میں اسے بالکل تیرے سپرد کرتا ہوں اور اس کے خون کا تجھے حکم بناتا ہوں۔ اگر جیسا کہ تو نے لکھا ہے سچ ہے تو بے میری رائے لئے اسے قتل کر دے۔ جب یہ خط اس کے پاس پہنچا اور اس نے پڑھا تو منار النساء کو اپنے پاس بلایا۔ وہ لہو میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے بالوں سے اس کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں اور پاؤں میں لوہے کی بھاری بھاری بیڑیاں' وہ بالوں کے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ جب لوگوں نے اسے لا کر ملکہ کے آگے کھڑا کیا تو وہ ذلت سے کھڑی ہو گئی اور اپنے آپ کو اس ذلت اور توہین کی حالت میں دیکھ کر اسے وہ زمانہ یاد آ گیا جب اس کے دن عزت سے گزرتے تھے اور وہ رونے لگی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو بیسویں رات

آٹھ سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب شہزادی منار النساء اپنی بہن نور الہدیٰ کے سامنے لائی گئی تو اس کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں بہن نے ایک لکڑی کی ٹکٹکی منگوا کر اسے لٹایا اور نوکروں کو حکم دیا کہ اسے پیٹھ کے بل ٹکٹکی سے باندھ دیا جائے اور اس کی کلائیاں کھینچ کر رسیوں سے باندھ دی جائیں۔ اس کے بعد اس نے اس کا سر کھول کر بال ٹکٹکی سے باندھ دیئے۔ غرض کہ اس کے دل میں مہربانی کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ اپنے آپ کو اس ذلت اور توہین میں دیکھ کر منار النساء رونے پیٹنے لگی لیکن کوئی اس کی مدد کو نہ آیا' وہ کہنے لگی بہن! تیرا دل کیونکر اتنا سخت ہو گیا کہ نہ تجھے مجھ پر رحم آتا ہے نہ ان چھوٹے چھوٹے بچوں پر۔ یہ باتیں سن کر اس کا دل اور سخت ہو گیا' وہ گالیاں دینے اور کہنے لگی اے عاشقہ! اے رنڈی! جو تیرے اوپر رحم کھائے' خدا اس پر رحم نہ کھائے! اے دغاباز! تجھ پر کیونکر ترس کھا سکتی ہوں! منار النساء جو ٹکٹکی سے بندھی پڑی تھی' کہنے لگی میں آسمانوں کے خدا سے تیری خلاف دہائی مانگتی ہوں' میں اس گناہ سے بری ہوں جو تو مجھ پر لگا رہی ہے۔ خدا کی قسم میں نے زنا نہیں کیا بلکہ حلال طریقے سے اس کے ساتھ شادی کی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ میں سچ کہتی ہوں یا جھوٹ' تیری سخت دلی سے مجھے تجھ پر سخت غصہ آتا ہے کہ بے جانے بوجھے تو مجھ پر زنا کا الزام لگاتی ہے۔ میرا پروردگار مجھے تجھ سے چھٹکارا دے گا اور اگر تیرا زنا کا الزام صحیح ہے تو مجھے اس کی سزا دے گا۔

اپنی بہن کی باتیں سن کر ملکہ سوچ میں پڑ گئی اور کہنے لگی تو اور مجھ سے ایسی باتیں کرے! ساتھ ہی اس نے اٹھ کر بہن کو مارنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گئی۔ لوگوں نے اس کے چہرے پر پانی چھڑکا اور اسے ہوش آیا لیکن مار کی وجہ

سے اس کی ساری خوبصورتی ڈھل گئی تھی۔ نور الہدیٰ اس پر ناراض ہو رہی اور اس سے کہہ رہی تھی کہ اے فاحشہ! تو میرے سامنے اپنے گناہوں کا عذر پیش کر رہی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ تجھے تیرے شوہر کے پاس بھیج دوں تاکہ تیری بدکاری کا مشاہدہ کروں' کیونکہ تو اس پر فخر کرتی ہے کہ تجھ سے بدکاری' بدفعلی اور گناہ سرزد نہیں ہوئے۔ اب اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ تاڑ کی چھڑی لائیں۔ چھڑی آ گئی تو اس نے اٹھ کر اپنی آستینیں چڑھائیں اور سر سے لے کر پاؤں تک اسے مارنا شروع کیا۔

اس کے بعد اس نے ایک گندھا ہوا کوڑا منگوایا کہ اگر اسے ہاتھی پر بھی لگا دیا جاتا تو وہ بھاگ نکلتا اور اس کی پیٹھ' پیٹ اور تمام اعضا پر اتنے کوڑے لگائے کہ اسے غش آ گیا۔ یہ دیکھ کر بڑھیا ملکہ کے پاس سے روتی اور کوستی بھاگی' ملکہ نے اپنے نوکروں کو پکار کر کہا کہ اسے پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ وہ اس کے پیچھے دوڑے اور اسے پکڑ کر ملکہ کے سامنے لے آئے۔ ملکہ نے حکم دیا کہ اسے زمین پر پٹک دو اور اپنی کنیزوں سے کہا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹو اور میرے سامنے سے لے جا کر باہر پھینک آؤ۔

یہ تو ان لوگوں کا حال ہوا' اب حسن کا قصہ سنو' وہ دل مضبوط کرکے اٹھا اور دریا کے کنارے کنارے جنگل کی طرف روانہ ہو گیا' لیکن پریشان و غمگین تھا اور جینے سے ناامیدی اور اس قدر حواس باختہ کہ دن اور رات میں فرق نہ کر سکتا تھا چلتے چلتے وہ ایک درخت کے پاس پہنچا جس پر ایک کاغذ کا پرزہ لٹکا ہوا تھا حسن اسے ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگا' دیکھا کہ اس میں یہ لکھا ہے: "جب تو اپنی ماں کے پیٹ میں تھا اس وقت میں نے تیرا زائچہ دیکھا تھا اور ہم تیرے رنج و الم میں تیری دست گیری کریں گے" اسے پڑھ کر اسے یقین آ گیا کہ اب مجھے تکلیف سے نجات مل جائے گی اور بچھڑے ہوؤں سے مل جاؤں گا۔ دو چار قدم چلنے کے بعد اس نے دیکھا کہ وہ اکیلا

ایک سنسان جگہ میں ہے جہاں کوئی مونس و غم خوار نہیں۔ اس تنہائی و خوف کا خیال کرکے اس کے ہوش جاتے رہے اور اس ڈراؤنی جگہ کو دیکھ کر وہ کانپنے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اوراس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو اکیسویں رات

آٹھ سواکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ کاغذ کا پرچہ پڑھ کر حسن کو یقین آ گیا کہ اب اسے تکلیف سے نجات مل جائے گی۔ دریا کے کنارے دو چار قدم چلنے کے بعد اسے جادوگروں کے دو چھوٹے لڑکے ملے جن کے پاس پیتل کا ایک ڈنڈا تھا جس پر طلسمات کندہ تھے اور اس کے قریب چمڑے کی ایک تکونی ٹوپی جس پر فولاد اور اسما طلسمات بنے ہوئے تھے۔ ڈنڈا اور ٹوپی دونوں زمین پر پڑے تھے دونوں آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے اور ایک دوسرے کو اتنا مار رہے تھے کہ دونوں کے جسموں سے خون جاری ہو گیا۔ ایک کہتا تھا کہ یہ ڈنڈا اور ٹوپی میں لو گا۔ دوسرا کہتا تھا کہ میں۔ حسن نے قریب جا کر ان دونوں کو چھڑایا اور ان سے پوچھا کہ آخر تم کس بات پر لڑ جھگڑ رہے ہو؟ دونوں بولے چچا! ہم میں فیصلہ کر دے کیونکہ اس وقت خدا نے تجھے یہاں بھیجا ہے کہ ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے۔ حسن نے کہا مجھ سے اپنا قصہ بیان کرو؟ میں تم دونوں میں فیصلہ کر دوں گا۔ وہ بولے کہ ہم دونوں سگے بھائی ہیں۔ ہمارا باپ بہت بڑا جادوگر تھا اور اس پہاڑ کی ایک کھوہ میں رہتا تھا۔ مرنے کے بعد اس نے یہ ڈنڈا اور یہ ٹوپی ترکے میں چھوڑی' میرا بھائی کہتا ہے کہ انہیں میں لوں گا اور میں کہتاہوں کہ میں۔ ہمارا فیصلہ کرکے ہمیں اس سے نجات دے۔ ان کی باتیں سن کر حسن نے کہا کہ ڈنڈے اور ٹوپی میں کیا فرق ہے۔ ظاہراً تو ڈنڈا چھ پیسے کا ہو گا اور ٹوپی تین پیسے کی۔ لڑکوں نے کہا کہ تجھے ان کی خاصیت معلوم نہیں۔ حسن نے پوچھا کہ کیا خاصیت ہے۔ انہوں نے کہا کہ دونوں میں عجیب و غریب خاصیت ہے' ڈنڈے کی قیمت جزائر واق اور اس کے مقبوضات کا خراج ہے اور اسی طرح ٹوپی کی بھی۔

حسن نے کہا بیٹو! خدا کے لئے بتاؤ تو سہی کہ ان میں کیا بھید ہے۔ وہ بولے کہ چچا

ان میں بڑی خاصیت ہے' ہمارا باپ اک سو پینتیس سال تک زندہ رہا اور برابر انہیں کو بناتا رہا یہاں تک کہ انہیں خوب اچھی طرح سے بنایا اور ان میں بڑے بھید رکھے' ان کے ماتحت عجیب و غریب موکل رکھے' گھومنے والے آسمان کے سے اس میں نقش و نگار بنائے اور تمام طلسمات کوٹ کوٹ کر بھر دیئے۔ جب وہ انہیں مکمل بنا چکا تو اسے موت آ گئی۔ جس سے کسی کو مفر نہیں۔ ٹوپی کی تو یہ خاصیت ہے کہ اگر کوئی اسے پہن لے تو لوگوں کی نظروں سے چھپ جائے گا۔ رہا ڈنڈا اس کی یہ خاصیت ہے کہ وہ جس کے پاس ہو اس کے قبضے میں سات قبیلے جنوں کے آ جائیں گے۔ ساتوں اسی ڈنڈے کے ماتحت ہیں اس لئے وہ سب کا حکم مانیں گے۔ اگر ڈنڈے کا مالک اسے ہاتھ میں لے کر زمین پر مارے تو جنوں کے بادشاہ اس کی اطاعت کریں گے اور تمام جن اس کی خدمت میں آ موجود ہوں گے۔ یہ سن کر حسن تھوڑی دیر تک سر جھکائے رہا اور دل میں کہنے لگا کہ خدا کی قسم اگر خدا نے چاہا تو مجھے یہ ڈنڈا اور یہ ٹوپی مل جائے گی کیونکہ لڑکوں سے زیادہ میں مستحق ہوں۔ میں ابھی کسی نہ کسی چال سے لڑکوں سے دونوں چیزوں کو لے لیتا ہوں تاکہ ان کی مدد سے میں اپنے بیوی بچوں کو اس ظالم ملکہ کے پنجے سے چھڑا سکوں اور اس اندھیر نگری سے چلتا بنوں جہاں سے آج تک کسی انسان کو چھٹکارا نہیں ملا ہے۔ شاید مجھے ان دونوں لڑکوں کے پاس اسی وجہ سے لایا گیا ہے کہ میں ان سے ڈنڈا اور ٹوپی لے اڑوں۔ اب اس نے سر اٹھا کر لڑکوں سے کہا کہ اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو میں تمہارا امتحان کرتا ہوں اور جو غالب آ جائے اس کا ڈنڈا اور جو مغلوب ہو اس کی ٹوپی' امتحان لے کر میں یہ فیصلہ کروں گا کہ تم میں سے کون کس چیز کا مستحق ہے؟ دونوں بولے کہ چچا! ہم تجھے امتحان لینے کا اختیار دیتے ہیں۔ جس طرح تیرا جی چاہے فیصلہ کر۔ حسن نے کہا کیا تم میری بات ماننے کے لئے تیار ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ حسن نے کہا کہ میں ایک پتھر پھینکتا ہوں' جو آگے دوڑ کر اسے اٹھا لے گا' اسے ڈنڈا ملے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا' ٹوپی

پائے گا۔ دونوں بولے کہ ہم اس بات کو منظور کرتے ہیں اور اس پر راضی ہیں۔
اب حسن نے ایک پتھر لے کر اپنی پوری قوت سے اسے پھینکا' اور وہ نظروں سے غائب ہو گیا اور دونوں لڑکے اس کے پیچھے دوڑے۔ جب وہ دور پہنچ گئے تو حسن نے ٹوپی لے کر پہن لی اور ڈنڈے کو ہاتھ میں لے کر اپنی جگہ بدل دی تاکہ وہ دیکھے کہ انہوں نے اپنے باپ کا بھید سچ بتایا ہے کہ نہیں۔ چھوٹے لڑکے نے آگے بڑھ کر پتھر اٹھا لیا اور اسے لے کر وہاں لوٹا جہاں حسن تھا لیکن اس کا پتا بالکل نہ پایا او اپنے بھائی کو پکار کر کہا کہ وہ شخص کہاں ہے جو ہمارا حکم تھا؟ بھائی بولا کہ وہ مجھے بھی دکھائی نہیں دیتا۔ معلوم نہیں کہ آسمان پر چڑھ گیا یا زمین میں دھنس گیا۔ دونوں نے حسنکو بہتیرا ڈھونڈا لیکن وہ دکھائی نہ دیا۔ اگرچہ حسن اپنی جگہ کھڑا تھا۔ لڑکے ایکدوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور بولا کہ ڈنڈا بھی جاتا رہا اور ٹوپی بھی' لڑکے ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور بولا کہ ڈنڈا بھی ٹوپی بھی نہ تجھے کچھ ملا نہ مجھے۔ ہمارے باپ نے یہی کہا تھا لیکن ہم اس کی بات بھول گئے۔ یہ کہہ کر دونوں لڑکے لوٹ گئے اور حسن ٹوپی پہنے اور ڈنڈا ہاتھ میں لئے شہر کے اندر گیا۔ کوئی اسے دیکھ نہ سکا اور محل میں داخل ہو کر اس جگہ پہنچا جہاں شواہی ذات الدواہی تھی۔ اسی طرح اس کے پاس پہنچ گیا وہ اسے دیکھ نہ سکی۔ چلتے چلتے وہ اس الماری کے پاس پہنچا جس کے نیچے بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی اور جس میں کانچ اور چینی کے برتن رکھے ہوئے تھے۔ حسن نے الماری کو اپنے ہاتھ سے ہلایا اور جو کچھ اس کے اندر تھا' زمین پر گر پڑا۔ شواہی ذت الدواہی شور مچانے اور اپنا منہ پیٹنے لگی۔ اس نے اٹھ کر وہ چیزیں پھر ان کی جگہ پر رکھ دیں اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ ضرور ملکہ نور الہدیٰ نے کوئی شیطان بھیجا ہے جو میرے ساتھ یہ حرکت کررہا ہے میں خدا سے دعا مانگتی ہوں کہ وہ مجھے ملکہ کے پنجے سے چھڑائے اور اس کے غصے سے مجھے بچائے۔ خداوندا جس نے اپنی بہن کو جو باپ کی چہیتی ہے اتنا مارا اور لٹکایا اگر وہ مجھ غریب سے ناراض ہو گئی تو نہ معلوم میری کیا گت

بنائے گی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

آٹھ سو بائیسویں رات

آٹھ سو بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑھیا ذات الدواہی نے کہا کہ جب ملکہ نور الہدیٰ نے اپنی بہن کے ساتھ یہ حرکت کی تو اگر وہ کسی غریب پر ناراض ہو گئی تو نہ معلوم اس کی کیا گت بنا ڈالے گی۔ اس کے بعد اس نے کہا اے شیطان! میں تجھے قسم دیتی ہوں اس ذات کی جو حنان منان عظیم الشان قوی السلطان اور انسانوں اور جنات کا پیدا کرنے والا ہے اور اس نقش کی جو سلیمان بن داؤد کی انگوٹھی پر ہے' بول اور مجھے جواب دے۔ اس کا جواب حسن نے دیا کہ میں شیطان نہیں بلکہ محبت کا مارا حیران و پریشان حسن ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے سر سے ٹوپی اتار لی۔ بڑھیا نے اسے پہچان لیا اور کہنے لگی کہ کیا تیری عقل ماری گئی ہے کہ یہاں آیا؟ جا کرکہیں چھپ جا' اس حرامزادی نے تیری بیوی کو سخت سے سخت تکلیف پہنچائی ہے حالانکہ وہ اس کی بہن ہے' پھر اگر تو اس کے ہتھے چڑھ گیا تو تیری کیا گت بنے گی! یہ کہہ کر اسے اس کی بیوی کا سارا قصہ سنا دیا کہ وہ کس تکلیف اور مصیبت اور بلا میں گرفتار ہے۔ اس کے بعد وہ بولی کہ ملکہ تجھے چھوڑ کر سخت پشیمان ہے اور اس نے تیرے پکڑنے کے لئے ایک شخص کو بھیجا ہے جسے وہ ڈھیروں سونا دے گی اور میرے عہدے پر مقرر کرے گی۔ اس نے قسم کھائی ہے کہ اگر وہ شخص تجھے پکڑ لائے تو وہ تجھے بھی قتل کردے گی اورتیرے بیوی بچوں کو بھی۔

بڑھیا نے یہ باتیں جو سنائیں تو حسن رونے لگا اور اس نے کہا اے میری آقا! اس ملک اور اس ظالم ملکہ سے کیونکہ چھٹکارا مل سکتا ہے اور تو مجھے کیا تدبیر بتا سکتی ہے جس سے میں بیوی بچوں کو چھڑا سکوں اورانہیں لے کر صحیح و سالم اپنے وطن پہنچ جاؤں۔

بڑھیا بولی کم بخت! اپنی جان لے کربھاگ' حسن نے کہا' میں تو اپنی بیوی اور اپنے بچوں

کو زبردستی چھڑا کر رہوں گا۔ بڑھیا بولی کہ تو انہیں کس طرح ان سے زبردستی چھڑائے گا؟ بیٹا جا کر کہیں چھپ رہ اور دیکھ کہ خدا کا کیا حکم ہوتا ہے۔ اب حسن نے اسے پیتل کا ڈنڈا اور ٹوپی دکھائی۔ بڑھیا انہیں دیکھ کر باغ باغ ہو گئی اور کہنے لگی کہ پاک ہے وہ خدا جو گلی سڑی ہڈیوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ بیٹا! تیرے اور تیری بیوی کے لئے سوائے مرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا لیکن بیٹا! اب تو بھی بچ گیا اور تیرے بیوی بچے بھی کیونکہ میں اس ڈنڈے کو بھی جانتی ہوں اور اس کے مالک کو بھی' وہ میرا استاد تھا جس نے مجھے جادو سکھایا ہے۔ وہ بہت بڑا جادوگر تھا اور ایک سو پینتیس سال زندہ رہا اور اس ڈنڈے اور ٹوپی کو مکمل کرکے چھوڑا۔ جب وہ انہیں تکمیل تک پہنچا چکا تو اسے موت آ گئی جس سے کسی کو مفر نہیں۔ میں نے خود سنا ہے کہ وہ اپنے بیٹوں سے کہتا تھا کہ یہ دونوں چیزیں تمہاری قسمت میں نہیں ہیں بلکہ انہیں تم سے ایک پردیسی لے جائے گا اور تمہیں پتا بھی نہ چلے گا کہ وہ کس طرح لے گیا۔ لڑکوں نے کہا ابا! بتا تو کہ وہ کس طرح انہیں لے جائے گا؟ باپ نے کہا کہ بیٹو! یہ مجھے بھی معلوم نہیں۔ بیٹا! بتا تو سہی کہ یہ چیزیں کیسے تیرے ہاتھ لگیں؟ حسن نے اپنا ماجرا سنا دیا کہ وہ انہیں کس طرح دونوں لڑکوں سے اڑا کر لے اڑا۔ یہ سن کر بڑھیا خوش ہو گئی اور کہنے لگی کہ بیٹا! اب چونکہ تیرے بیوی بچے تجھے مل جائیں گے' لہٰذا میری بات سن۔ اس تکلیف کے بعد جو اس حرامزادی نے مجھے پہنچائی ہے میں تو اس کے پاس نہ ٹھہروں گی بلکہ جادوگروں کے غار میں جا کر مرتے دم تک ان کے ساتھ رہوں گی۔ لیکن بیٹا! تو ٹوپی پہن کر اور ہاتھ میں ڈنڈا لے کر اس جگہ جا' جہاں تیرے بیوی بچے ہیں اور ڈنڈے کو زمین پر مار کر کہیو کہ اے طلسمات کے موکلو! تیرے یہ کہتے ہی موکل تیرے سامنے حاضر ہوں گے۔ اگر قبیلے کے سرداروں میں سے کوئی حاضر ہو تو جو تیری ضرورت ہو اس سے بیان کر دیجیو' اب وہ بڑھیا سے رخصت ہو کر باہر نکلا اور ٹوپی پہن کر اور ڈنڈا ہاتھ میں لے کر اس جگہ پہنچا۔ جہاں اس کی بیوی تھی اور دیکھا کہ اس پر مردنی چھائی ہوئی ہے اور وہ ٹکٹکی سے بندھی ہوئی لٹک رہی ہے۔ اس

کے بال لٹکے ہوئے ہیں۔ وہ غمگین ہے اور رو رہی ہے' برا حال ہے۔ اس کے بچے سیڑھی کے نیچے کھیل رہے ہیں اور وہ ان پر اور اپنے آپ پر واویلا کر رہی ہے اور سخت مصیبت میں مبتلا ہے۔ اسے اس تکلیف اور ذلت میں دیکھ کر حسن کو غش آ گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ بچے کھیل کود رہے ہیں اور ان کی ماں مارے تکلیف کے بے ہوش پڑی ہے تو اس نے ٹوپی اتار لی اور بچوں کے شور سے ماں کو ہوش آ گیا۔ اسے کوئی نظر نہ آیا۔ اس نے صرف یہ دیکھا کہ بچے رو رہے ہیں اور ابا ابا پکار رہے ہیں۔ بچوں کو باپ کا نام لیتے اور روتے دیکھ کر وہ بھی رو پڑی۔ اس کا سینہ پھٹنے لگا اور وہ زخم خوردہ دل سے کہنے لگی تم کہاں اور تمہارا باپ کہاں! اس کے بعد اسے وہ زمانہ یاد آ گیا جب کہ وہ ساتھ تھے۔ نیز وہ باتیں جو اس کی جدائی کے بعد اس پر گزری تھیں اور وہ اتنا روئی کہ آنسوؤں سے اس کے رخسار گھائل ہو گئے مگر اس کا کوئی ہاتھ کھلا ہوا نہ تھا کہ وہ آنسو پونچھ سکے' ہاں مکھیاں اس کی جلد پر بیٹھی خون چوس رہی تھیں اور اس کے لئے سوائے رونے کے کوئی چارہ نہ تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو تیسویں رات

آٹھ سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ رونے دھونے کے بعد حسن کی بیوی نے ادھر ادھر دیکھا کہ آخر اس کے لڑکے کیوں رو رہے ہیں اور کسے اپنا باپ کہہ کر پکار رہے ہیں لیکن اسے کوئی شخص دکھائی نہ دیا جب اسے کوئی نظر نہ آیا تو اسے تعجب ہوا کہ اس وقت بچوں نے اپنے باپ کو کیوں یاد کیا۔

یہ تو اس کی داستان ہوئی' اب حسن کا ماجرا سنو' وہ اسے روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگا اور اتنا رویا کے بے ہوش ہونے کے قریب ہو گیا۔ پھر روتے روتے بچوں کے پاس جا کر اس نے ٹوپی اتارلی۔ بچوں نے اسے دیکھ کر کر پھر پہچان لیا اور پھر ابا ابا کہہ کر چلانے لگے۔ بچوں کے منہ سے باپ کا نام سن کر ان کی ماں رونے لگی' اس نے کہا خدا کے لکھے کے خلاف کسی کی نہیں چلتی۔ وہ حیران تھی کہ یا اللہ! اس وقت بچے کیوں اپنے باپ کو یاد کر رہے ہیں اور پکار رہے ہیں۔ حسن سے اب زیادہ صبر نہ ہو سکا اوراس نے ٹوپی اتار لی۔ جونہی اس کی بیوی نے اسے دیکھا' اس زور سے چیخ ماری کہ سارے محل والے سہم گئے۔ پھر اس نے پوچھا کہ تو یہاں تک کیسے پہنچ گیا؟ کیا تو آسمان پر سے اترا ہے یا زمین توڑ کر نکل آیا ہے؟ اس کے بعد اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور حسن بھی رو پڑا۔ بیوی نے کہا کہ اے شخص! یہ نہ رونے کا وقت ہے نہ شکوے شکایت کا۔ جو قسمت میں لکھا تھا پورا ہو گیا اور آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ جو خدا نے ازل میں حکم دے دیا تھا' قلم نے لکھ دیا' میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ جہاں سے آیا ہے' وہاں لوٹ جا' کہیں کوئی تجھے دیکھ نہ لے۔ اگر میری بہن کو خبر ہو گئی تو وہ مجھے بھی ذبح کر ڈالے گی اور تجھے بھی۔ حسن بولا اے میری اور تمام شہزادیوں کی آقا! میں جان پر کھیل کر یہاں آیا ہوں' اب یا تو مر جاؤں گا یا اس مصیبت سے چھڑا کر تجھے اور اپنے بچوں کو وطن لے جاؤں گا' خواہ تیری بہن

.... کتنی ہی مخالفت کیوں نہ کرے۔
اس کی باتیں سن کر وہ مسکرانے اور ہنسنے لگی اور دیر تک اپنا سر ہلاتی رہی۔ پھر بولی اے میری جان! ممکن نہیں کہ سوائے خدا کے اور کوئی مجھے اس مصیبت سے چھڑا سکے' لہٰذا یہاں سے بھاگ جا اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈال۔ اس کے پاس اتنا زبردست لشکر ہے کہ کسی کو اس کے مقابلے کی تاب نہیں ہو سکتی اور مان لیا کہ تو مجھے لے کر یہاں سے چل دیا لیکن یہ تو بتا کہ آخر ان جزیروں سے نکل کر جہاں بے حد دشواریاں اور خطرے ہیں' اپنے وطن کس طرح پہنچے گا؟ راہ میں تو نے خود عجیب و غریب چیزیں' خطرے اور ایسی ایسی بلائیں دیکھی ہوں گی جن سے بڑے بڑے زبردست جنوں کا چھٹکارا بھی ممکن نہیں لہٰذا فوراً چل دے اور مجھے غم پر غم اور رنج پر رنج نہ دے اور یہ دعویٰ نہ کر کہ تو مجھے اس حالت سے نجات دے کر اپنے وطن لے جائے گا۔ حسن بولا! اے میری آنکھ کی روشنی' قسم ہے مجھے تیری جان کی میں بے تیرے نہ اس جگہ سے نکلوں گا' نہ سفر کروں گا۔ اس نے جواب دیا اے شخص تو یہ کام کیسے کر سکتا ہے! آخر تجھ میں کیا کمال ہے؟ تو سوچ سمجھ کر بات نہیں کرتا۔ اگر تیرے قبضے میں جن اور دیو اور جادوگر بھی ہوں تو بھی تو اس جگہ سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ بہتر ہے کہ تو اپنی جان لے کر بھاگ اور مجھے چھوڑ دے' ممکن ہے کہ خدا ان باتوں کے بعد دوسری باتیں پیدا کر دے۔
حسن بولا اے حسینوں کی سرتاج میں تو آیا ہی اس لئے ہوں کہ اس ڈنڈے اور ٹوپی کے زور سے تجھے چھڑاؤں۔ یہ کہہ کر وہ دونوں لڑکوں کا قصہ اس سے بیان ہی کر رہا تھا کہ ملکہ آ پہنچی اور ان کی گفتگو سننے لگی ملکہ کو دیکھ کر حسن نے ٹوپی پہن لی اور وہ اپنی بہن سے کہنے لگی' اے کم ذات! تو کس سے باتیں کر رہی تھی؟ اس نے جواب دیا سوائے ان بچوں کے یہاں کون ہے جو مجھ سے باتیں کرے۔ اب ملکہ نے کوڑا لے کر اسے مارنا شروع کر دیا اور حسن کھڑا دیکھتا رہا' اس نے اتنا مارا

کہ وہ بے ہوش ہو گئی اور حکم دیا کہ اسے اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے۔
لوگ اسے کھول کر دوسری جگہ لے گئے جہاں اسے لے گئے حسن بھی ساتھ گیا۔
وہاں پہنچ کر انہوں نے اسی بے ہوشی کی حالت میں اسے زمین پر ڈال دیا اور کھڑے دیکھتے رہے۔ جب اسے ہوش آیا تو کنیزیں اس کے پاس سے چلی گئیں۔ حسن نے پھر ٹوپی اتار لی۔ اس کی بیوی نے کہا' اے شخص! دیکھ یہ میری گت اس لئے بنی ہے کہ میں نے تیری نافرمانی کی اور تیرا حکم نہ مانا اور بغیر تیری اجازت کے چلی آئی۔
اے شخص! خدا کے لئے اس کی سزا مجھے نہ دیجیو۔ یقین جان کہ جب تک میاں بیوی میں جدائی نہیں ہوتی' اس وقت تک بیوی میاں کی قدر نہیں جانتی۔ سچ ہے کہ میں گنہگار اور خطاوار ہوں لیکن خدا کے آگے اپنے کئے کی معافی مانگتی ہوں۔ اگر خدا نے ہمیں پھر ملا دیا تو میں کبھی تیرے حکم کی نافرمانی نہ کروں گی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو چوبیسویں رات

آٹھ سو چوبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب حسن کی بیوی نے اس کے آگے معذرت کی تو حسن کا دل دکھنے لگا۔ اس نے کہا کہ خطا تیری نہیں ہے بلکہ میں خطاوار ہوں کیونکہ میں تجھے ایسے شخص کے پاس چھوڑ کر چلا گیا جسے تیری قدر و قیمت بالکل معلوم نہ تھی اور اے میرے دل کی ٹھنڈک اور آنکھ کی روشنی! خدا نے مجھے یہ قدرت دی ہے کہ میں تجھے چھڑا لوں لیکن یہ بتا اس کے بعد تو یہ چاہتی ہے کہ جب تک خدا کا حکم پورا نہ ہو لے اپنے باپ کے پاس رہے۔ یا یہ چاہتی ہے کہ فوراً ہمارے وطن چلی چلے جہاں تیرے لئے خوشی ہی خوشی ہے؟ اس نے جواب دیا سوائے آسمان کے پروردگار کے مجھے کون چھڑا سکتا ہے' لہٰذا اپنے ملک کو چلا جا اور لالچ اپنے دل سے نکال ڈال کیونکہ ان ملکوں کے خطروں کی تجھے خبر نہیں۔ اگر تو نے میرا کہنا نہ مانا تو عنقریب اس کا مزہ چکھ لے گا۔ اس کے بعد وہ اور اس کے بچے اتنا روئے کہ کنیزیں ان کی آواز سن کر اندر آ گئیں اور انہوں نے دیکھا کہ شہزادی منار النساء اور اس کے بچے رو رہے ہیں۔ حسن ان کی نظروں سے غائب تھا کنیزوں کا دل ان پر اتنا کڑھا کہ وہ رونے اور ملکہ نور الہدیٰ کو کوسنے لگیں۔ حسن نے رات تک انتظار کیا۔ جب پہرے دار چلے گئے تو وہ اٹھا کر کس کر اپنی بیوی کے پاس آیا اسے کھول کر اس کا سر چوما' سینے سے لگایا اور کہا کہ میں اس بات کا کتنا مشتاق ہوں کہ اپنے وطن جا کر سب سے ملوں۔ معلوم نہیں کہ ہمارا اس وقت کا ملنا خواب میں ہے یا بیداری میں؟ یہ کہہ کر اس نے بڑے لڑکے کو گود میں اٹھایا اور اس کی بیوی نے چھوٹے لڑکے کو اور محل سے نکل کر چل دیئے۔ خدا نے ان کی پردہ پوشی کی۔ محل سے نکل کر وہ اس دروازے پر پہنچے جو ملکہ کی حرم سرا میں کھلتا تھا۔ یہ دیکھ کر کہ اس میں قفل پڑا ہوا ہے' حسن لاحول.... پڑھنے لگا اور انہیں یقین ہو گیا

کہ یہاں سے نکلنا ناممکن ہے حسن "یامشکل کشا" کہہ کر ہاتھ ملنے لگا کہ سوائے اس کے ہر بات کا میں نے انتظام کر لیا اور نتیجہ سوچ لیا تھا۔ دن نکلتے ہی لوگ ہمیں گرفتار کر لیں گے' اب کیا کرنا چاہیے! حسن کے آنسو نکل پڑے۔ اس کی بیوی بھی رونے لگی۔ اپنی توہین اور رنج و الم کا خیال کرکے افسوس کرتی اور کہتی کہ خدا کی قسم! ہمیں بے اس کے چین نہیں ملے گا کہ ہم خودکشی کرکے اس مصیبت سے نجات پائیں ورنہ کل صبح ہمیں پھر تکلیفوں کا سامنا ہے۔

وہ یہیں باتیں کر رہے تھے کہ کسی نے باہر سے آواز دی اور کہا اے میری آقا منار النساء اور اس کے شوہر حسن! جب تک تم میری بات نہ مان لو میں دروازہ نہ کھولوں گی۔ وہ چپ ہو گئے۔ اور چاہتے ہی تھے کہ جہاں سے آئے ہیں وہیں لوٹ جائیں کہ اتنے میں پھر کسی کی آواز آئی کہ تم چپ کیوں ہو' جواب کیوں نہیں دیتے۔ اب دونوں نے پہچان لیا کہ بڑھیا شواہی ذات الدواہی کی آواز ہے اور جواب دیا کہ جو کچھ تیرا حکم ہو' ہم ماننے کے لئے تیار ہیں لیکن پہلے دروازہ تو کھول دے' یہ زیادہ باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے۔ بڑھیا بولی کہ خدا کی قسم! میں اس وقت تک دروازہ نہ کھولوں گی جب تک تم قسم نہ کھاؤ کہ تم مجھے اپنے ساتھ لے چلو گے' میں اس ظالم کے پاس رہنا نہیں چاہتی جو تمہاری حالت ہو گی وہی میری بھی ہو گی اور اگر تم صحیح و سلامت رہے تو میں بھی رہوں گی اور اگر تم پر مصیبت آئے گی تو میں بھی اسے جھیلوں گی کیونکہ یہ حرامزادی ہر وقت میری ذلت کرتی ہے اور تمہاری وجہ سے میرے پیچھے پڑ گئی ہے اور اے بیٹی! تو میری قدر و قیمت جانتی ہے۔ جب انہوں نے بڑھیا کو پہچان لیا تو انہیں اطمینان ہوا اور انہوں نے اتنی قسمیں کھائیں کہ اسے یقین آ گیا اور اس نے دروازہ کھول دیا' دونوں باہر نکل آئے' دیکھا کہ بڑھیا ایک رومی سرخ مٹی کے مٹکے پر سوار ہے' مٹکے کے گلے میں تاڑ کے ریشوں کی ایک رسی پڑی ہوئی ہے' مٹکا اس کے نیچے گھوم رہا اور نجدی بچھیرے سے بھی تیز چل رہا ہے۔ بڑھیا نے آگے بڑھ

کرکہا کہ میرے پیچھے پیچھے آؤ اور کسی بات سے نہ ڈرو۔ جادو کے چالیس باب مجھے برزبان یاد ہیں جن میں سے سب سے چھوٹا یہ ہے کہ "میں اس شہر کو ایک متلاطم سمندر بنا سکتی ہوں جس میں تمام لڑکیاں جادو کے زور سے مچھلیاں بن جائیں اور سویرا ہونے سے پہلے پہلے یہ تمام باتیں پیش آ جائیں" لیکن میں محض اس کے باپ کے ڈر سے اور اس کی بہنوں کی خاطر یہ نہیں کر سکتی کیونکہ ان کے پاس دیوں اور جنوں کا بہت بڑا لشکر ہے۔ تم عنقریب میرے جادو کی نیرنگیاں دیکھ لو گے۔ خدا سے برکت اور مدد کی دعا مانگ کر چل کھڑے ہو۔ یہ سن کر حسن اور اس کی بیوی خوش ہو گئے اور ان کو اپنی نجات کا یقین آ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

آٹھ سو پچیسویں رات

آٹھ سو پچیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب حسن' اس کی بیوی اور بڑھیا شاہی محل سے نکلے اور انہیں اپنے بچ جانے کا یقین ہو گیا تو وہ شہر کے باہر پہنچے' حسن نے ڈنڈا لے کر زمین پر مارا اور دل کو کڑا کرکے کہا' اے اس طلسمات کے موکلو' تم اپنے حال سے آ کر مجھے مطلع کرو! زمین پھٹی اور اس میں سے دس دیو نکلے جن کے پاؤں زمین کے اندر دھنسے ہوئے اور سر بادلوں سے ٹکر کھا رہے تھے۔ انہوں نے حسن کے آگے تین بار زمین چومی اور یک زبان ہو کرکہا اے ہمارے آقا اور حاکم! ہم حاضر ہیں' تیرا ہر حکم ماننے اور بجا لانے کے لئے تیار ہیں' اگر تو چاہے تو ہم سمندروں کو سکھا دیں اور پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دیں۔ حسن نے دیکھا کہ کتنی جلد انہوں نے جواب دیا تو وہ خوش ہو گیا اور اپنا دل مضبوط کرکے کہنے لگا تم لوگ کون ہو' تمہارے نام کیا ہیں' کس قبیلے کی طرف تم منسوب ہو' کس گروہ' کس جماعت اور کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ یہ سن کر انہوں نے دوبارہ زمین چومی اور بولے کہ ہم میں سات بادشاہ ہیں' ہر ایک جنوں' شیطانوں اور دیووں کے سات سات قبیلوں پر حکومت کرتا ہے' لہٰذا ہم سات بادشاہوں کے ماتحت جنات' شیاطین اور دیووں کے انچارج قبیلے ہیں جن میں اڑنے والے' زمین کے اندر گھسنے والے' پہاڑوں' جنگلوں' بیابانوں اور سمندروں کے اندر رہنے والے ہیں' تو جو حکم دینا چاہے دے' ہم تیرے نوکر اور غلام ہیں جس کے قبضے میں یہ ڈنڈا ہے وہی ہماری گردنوں کا بھی مالک ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

ان کی باتیں سن کر حسن' اس کی بیوی اور بڑھیا سب کے سب خوش ہو گئے اور حسن نے ان جنوں سے کہا' میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے قبیلوں اور لشکروں سے ملاؤ۔

انہوں نے جواب دیا اے ہمارے آقا! ہم تجھے اور تیرے ساتھیوں کواپنے لوگوں سے ملاتے

ہوئے ڈرتے ہیں کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ صورتیں' شکلیں' رنگ' چہرے اور بدن طرح طرح کے ہیں۔ بعض ہم میں سے سر ہیں بے جسم کے اور بعض جسم ہیں بے سر کے' بعضوں کی شکل وحشی جانوروں کی ہے اور بعضوں کی درندوں کی سی۔ لیکن اگر تو یہی چاہتا ہے تو ہم ضرور دکھائیں گے اور سب سے پہلے تو ان کو دیکھے گا جو وحشی جانوروں کی شکل کے ہیں۔ مگر اے ہمارے آقا! اس وقت تو ہم سے کیا چاہتا ہے؟ حسن نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے' میری بیوی اور اس نیک عورت کو ابھی بغداد لے چلو۔ یہ سن کر جنوں نے سر نیچا کر لیا' حسن نے پوچھا کہ تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ وہ یک زبان ہو کر بولے' اے ہمارے آقا اور حاکم! ہم حضرت سلیمان بن داؤد کے زمانے کے ہیں۔ انہوں نے ہمیں قسم دی تھی کہ ہم کسی آدم زاد کو اپنے اوپر سوار نہ کریں۔ اس وقت سے لے کر آج تک نہ کسی آدم زاد کو ہم نے اپنے اپنے کندھوں پر بٹھایا ہے نہ پیٹھوں پر' لیکن ہم فوراً جنات کے گھوڑوں کو کس کر لاتے ہیں' وہ تجھے اور تیرے ساتھیوں کو تیرے وطن پہنچا آئیں گے۔ حسن نے پوچھا یہاں سے بغداد کتنی دور ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تیز رفتار سوار کے لئے سات برس کی راہ۔ حسن نے تعجب سے کہا پھر میں کیسے ایک سال سے کم میں پہنچ گیا؟ انہوں نے جواب دیا' خدا نے اپنے نیک بندوں کا دل تجھ پر مہربان کردیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس ملک تک تیری پہنچ نہ ہوتی بلکہ تو اس کی صورت بھی نہ دیکھ سکتا۔

شیخ عبدالقدوس نے تجھے ہاتھی اور میمون گھوڑے پر بٹھا کر تین دن میں اتنی دور پہنچایا ہے جتنا کہ ایک تیز رفتار سوار تین برس کی راہ چلتا ہے اور شیخ ابوالرویش نے جو تجھے دہنش کے سپرد کیا تھا اس نے ایک رات اور ایک دن میں تیرے ساتھ تین برس کی مسافت طے کی۔ یہ خدا کی مہربانی تھی کیونکہ شیخ ابوالرویش' آصف بن برخیا کی اولاد میں سے ہے اور اسے اسم اعظم آتا ہے۔ بغداد سے لڑکیوں کے محل تک ایک برس کی راہ ہے یہ پورے سات سال ہو گئے۔ یہ سن کر حسن کو بڑا تعجب ہوا اور وہ کہنے

لگا کہ پاک ہے وہ ذات جو مشکلیں آسان کرتی ہے' ٹوٹے ہوئے دل جوڑتی ہے' دور کو نزدیک کرتی ہے اور ہر ظالم سرکش کو نیچا دکھاتی ہے' اس نے ہماری مشکلیں آسان کیں اور مجھے اس ملک میں پہنچا کر ان تمام مخلوق کو میرا فرمانبردار بنایا اور مجھے میرے بیوی بچوں سے ملایا۔ نہ معلوم میں سو رہا ہوں یا جاگ رہا ہوں' نشے میں ہوں یا ہوش میں۔ اس کے بعد حسن نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا اگر تم ہمیں اپنے گھوڑوں پر سوار کرا دو گے تو وہ ہمیں کتنے دن میں بغداد پہنچا دیں گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ پہنچا تو وہ تمہیں ایک سال سے کم میں دیں گے لیکن اس مدت میں بے شمار تکلیفوں' سختیوں اور خطروں کا سامنا ہو گا' خشک گھاٹیوں' دہشت ناک بیابانوں' جنگلوں اور مہلک مقامات میں سے ہو کر گزرنا ہو گا کیونکہ اے میرے آقا! ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ان جزیروں والوں سے تجھے نقصان نہ پہنچ جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو چھبیس ویں رات

آٹھ سو چھبیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جنوں نے حسن سے کہا اے ہمارے آقا! ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ان جزیرے والوں سے تجھے نقصان نہ پہنچ جائے یا ملک اکبر سے' یا ان جادوگروں اور کاہنوں سے' ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں شکست دے کر تمہیں ہم سے چھین لیں اور ہماری بری درگت بنائیں اور جو کوئی یہ خبر سنے' ہم سے کہے کہ تم نے بڑی زیادتی کی ہے' تم نے یہ کیا کیا کہ ملک اکبر کے ملک میں جا کر اس لڑکی کو بھی اٹھا لے گئے اور ایک انسان کو بھی! اگر تو اکیلا ہمارے ساتھ ہوتا تو ہمارے لئے آسانی تھی لیکن پروا نہیں' جس ذات نے تجھے ان جزیروں تک پہنچایا ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تجھے تیرے وطن پہنچا دے اور تو عنقریب اپنی ماں سے مل جائے۔ ہمت کرکے خدا پر بھروسہ کر اور ڈر نہیں' جب تک اپنے وطن نہ پہنچ جائے گا ہم تیرے ساتھ رہیں گے۔ حسن نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ خدا تمہیں نیک بدلہ دے! اچھا گھوڑے جلد لاؤ' انہوں نے پاؤں زمین پر مارے' زمین پھٹ گئی اور وہ اس کے اندر غائب ہوگئے اور تھوڑی دیر بعد تین گھوڑے لے کر نکلے جن پر زینیں کسی ہوئی' لگامیں لگی ہوئی تھیں او ہر زین کے اگلے حصے میں دو دو خرجیاں لٹکی ہوئی تھیں' ایک میں پانی بھری تھیلیاں تھیں اور دوسری میں کھانا' انہوں نے گھوڑے پیش کئے۔ ایک پر حسن سوار ہو گیا اور ایک لڑکے کو اپنے آگے بٹھا لیا' دوسرے پر اس کی بیوی بیٹھی او دوسرے لڑکے کو اپنے سامنے سوار کر لیا' پھر بڑھیا اپنے مٹکے پر سے اتر کر تیسرے گھوڑے پر بیٹھ گئی۔ رات بھر چلے'صبح ہوئی تو راستے سے ہٹ کر پہاڑ کا رخ کیا اور برابر خدا کی یاد میں لگے لگے چلتے رہے۔

چلتے چلتے حسن کو اپنے آگے ایک پہاڑ دکھائی دیا جو ایک ستون کی طرح تھا اور اتنا لمبا کہ گویا دھواں آسمان کی طرف اٹھ رہا ہے۔ اسے دیکھ کر حسن قرآن کی آیتیں پڑھنے

لگا اورخدا کے آگے مردود شیطان سے پناہ مانگی۔ جوں جوں وہ اس کے قریب ہوتے جاتے‘ سیاہی زیادہ صاف نظر آتی جاتی۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے نیچے پہنچ گئے توانہوں نے دیکھا کہ وہ ایک دیو ہے‘ جس کا سر ایک بڑے گنبد جیسا‘ دانت نیزوں کی طرح‘ جبڑا سڑک کی مانند‘ نتھنے لوٹوں کی مثل‘ کان جیسے چمڑے کی ڈھالیں‘ منہ غار‘ دانت پتھر کے ستون اور ہاتھ سلائیوں کی طرح اور ٹانگیں مستولوں جیسی‘ اس کا سر بادلوں کے اندر تھا اور پاؤں زمین کے نیچے مٹی میں۔ اس دیو کو دیکھتے ہی حسن نے اس کے آگے جھک کر زمین چومی‘ دیو نے کہا‘ اے حسن! مجھ سے ڈر نہیں میں اس ملک کے باشندوں کا سردار ہوں اور یہ جزائر واق میں سے پہلا جزیرہ ہے۔ میں مسلمان ہوں اور خدا کی توحید کا قائل‘ تمہارے آنے کی خبر سن کر اور تمہارا حال معلوم کرکے مجھے اس بات کی آرزو ہوئی کہ جادوگروں کے ملک کو چھوڑ کر ایسی جگہ رہوں جو غیر آباد ہو۔ جہاں دور دور نہ انسان بستے ہوں نہ جنات۔ اکیلا رہ کر میں خدا کی عبادت کرتا رہوں یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری رہبری کروں تاکہ تم ان جزیروں سے نکل جاؤ۔ میں محض رات کو دکھائی دیتا ہوں۔ میری طرف سے تم مطمئن رہوں۔ کیونکہ جیسے تم مسلمان ہو‘ میں بھی ہوں۔ دیو کی باتیں سن کر حسن بہت خوش ہوا۔ اسے اپنی نجات کا یقین آ گیا اور دیو ان کے آگے مخاطب ہو کر بولا‘ خدا تجھے نیک بدلہ دے! آ ہمارے ساتھ چل۔ دیو ان کے آگے آگے ہو لیا۔ ہم باتیں اور ہنسی مذاق کرتے روانہ ہوگئے۔ سب خوش اور مطمئن تھے اور حسن اپنی بیوی سے اپنی بیتی کہتا جاتا تھا۔ اسی طرح وہ رات بھر چلتے رہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو ستائیس ویں رات

آٹھ سو ستائیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ وہ لوگ رات بھر گھوڑوں پر سوار رہے اور گھوڑے بجلی کی طرح چلا کئے۔ جب دن نکلا تو ہر ایک نے اپنی خرجی میں ہاتھ ڈالا' کھانا نکال کر کھایا اور پانی نکال کر پیا۔ اس کے بعد وہ اور تیز تیز چلنے لگے' دیو ان کے آگے آگے تھا' وہ ایک راستہ چھوڑ کر انہیں دوسرے راستے سے لے گیا جہاں بالکل آمد و رفت نہ تھی اور جو سمندر سے لگا لگا جاتا تھا۔
اسی طرح وہ ایک مہینے تک گھاٹیاں اور بیابان طے کرتے رہے اور اکتیس ویں دن انہیں گرد اڑتی نظر آئی جو اٹھ کر چاروں طرف پھیل گئی او دن تاریک نظر آنے لگا اور ڈراؤنی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ حسن گھبرا گیا اور اس کے چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی۔ بڑھیا نے حسن سے مخاطب ہو کر کہا بیٹا! جزائر واق کا لشکر آ پہنچا ہے اور وہ ہمیں فوراً گرفتار کر لیں گے۔ حسن بولا! اب کیا کیا جائے؟ اس نے جواب دیا کہ ڈنڈا زمین پر مار۔ ڈنڈا زمین پر مارنا تھا کہ ساتوں بادشاہ نکل کر حسن کے پاس آئے اور اس کے آگے زمین چوم کر کہنے لگے کہ ڈر نہیں' گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ ان کی یہ بات سن کر حسن خوش ہو گیا اور کہنے لگا اے جنوں اور دیوؤں کے سردارو! تم نے خوب کیا' یہی تمہاری مدد کا وقت ہے۔ وہ بولے کہ تو اپنی بیوی' بچوں اور ساتھیوں کو لے کر پہاڑ پر چڑھ جا' ہم ان سے نبٹ لیں گے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ تم لوگ حق پر ہو اور وہ باطل پر' خدا ہمیں ان پر فتح دے گا۔ حسن' اس کے بیوی بچے اور بڑھیا گھوڑوں پر سے اتر پڑے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو اٹھائیس ویں رات

آٹھ سو اٹھائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... حسن اس کی بیوی بچے اور بڑھیا گھوڑوں پر سے اتر کر پہاڑ کے دامن پر چڑھ گئے۔ اتنے میں ملکہ نور الہدیٰ اپنے لشکر کے میمنے اور میسرے کے ساتھ آ پہنچی' سرداروں نے صفیں آراستہ کیں' دونوں لشکر مقابلے میں آئے۔ دونوں ایک دوسرے پر پل پڑے' شعلے بلند ہوئے' بہادر بڑھنے اور بزدل بھاگنے لگے' جنوں کے منہ سے آگ کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں یہاں تک کہ رات ہو گئی اور دونوں گروہ الگ الگ ہو گئے۔ جب وہ گھوڑوں سے اترے تو انہوں نے آگ جلائی۔ اب ساتوں بادشاہوں نے حسن کے پاس آ کر زمین چومی' اس نے شکریہ ادا کیا' فتح کی دعا دی اور ان سے پوچھا کہ ملکہ نور الہدیٰ کی فوج کے مقابلے میں ان کا کیا حال رہا؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ تین دن سے زیادہ ہمارے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتے! آج بھی میدان ہمارے ہی ہاتھ رہا ہے۔ ہم نے ان میں سے قریب دو ہزار کے قیدی پکڑے ہیں اور قتل تو اتنوں کو کیا ہے جن کی گنتی نہیں' لہٰذا خوش ہو اور غم نہ کر۔ اس کے بعد وہ اس سے رخصت ہو کر اپنے لشکر کی حفاظت کے لئے روانہ ہو گئے اور انہوں نے رات بھر آگ جلتی رکھی۔ صبح ہوئی اور دن نکلا تو سوار گھوڑوں پر سوار ہ گئے' چمکدار تلواروں اور گندمی نیزوں سے لڑنے لگے تمام رات انہوں نے گھوڑوں کی پیٹھ پر گزاری' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک موجزن سمندر ہیں اور لڑائی کے شعلے لپٹیں مار رہے ہیں۔ انہوں نے اتنے سخت حملے کئے کہ واق کا لشکر دبنے لگا۔ ان کے دل ٹوٹ گئے' ہمت پست ہو گئی اور قدم ڈگمگانے لگے۔ وہ جس طرف بھاگ کر جاتے' شکست کھاتے بالاخر وہ دم دبا کر بھاگے۔ ان کا بڑا حصہ مارا جا چکا تھا' ملکہ نور الہدیٰ اور اس کے سردار اور مصاحب قید ہو چکے تھے۔

جب سویرا ہوا تو ساتوں بادشاہوں نے آ کر حسن کے لئے مرمر کا تخت لگایا جس میں

موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے اور تخت پر اسے بٹھا کر اس کے پاس ایک اور تخت بچھایا جو اس کی بیوی منار النساء کے لئے تھا۔ یہ تخت ہاتھی دانت کا تھا جس پر قیمتی سونے کے پتھر چڑھے ہوئے تھے۔ وہ اس پر بیٹھ گئی۔ اس کے پہلو میں انہوں نے تیسرا تخت ڈالا' اس پر بڑھیا شواہی ذات الدواہی کو بٹھایا۔ اس کے بعد انہوں نے حسن کے سامنے قیدیوں کو پیش کیا۔ ان میں ملکہ نور الہدیٰ بھی تھی' اس کی مشکیں بندھی ہوئی اور پاؤں میں بیڑیاں پڑی تھیں۔ بڑھیا نے اسے دیکھ کر کہا' اے ظالمہ اور فاجرہ! تیری سزا اب یہی ہو سکتی ہے کہ وہ کتیوں کو بھوکا اور دو گھوڑوں کو پیاسا رکھ کر تجھے گھوڑوں کی دموں سے باندھ دیا جائے اور اور انہیں سمندر کی طرف بھگا کر دونوں کتیوں کو تیرے پیچھے لگا دیا جائے تاکہ وہ تیرے تکے بوٹیاں کر ڈالیں۔ اے فاجرہ! تو نے اپنی بہن کے ساتھ یہ حرکت کیوں کی؟ حالانکہ اس نے خدا اور رسول کی سنت کے موافق حلال طور پر شادی کی ہے' اسلام بھی رہبانیت نہیں سکھاتا اور نکاح کرنا تمام بڑے پیغمبروں کی سنت رہی ہے' عورتیں مردوں ہی کے لئے تو پیدا ہوئی ہیں۔ اب حسن نے حکم دیا کہ تمام قیدی قتل کر دیئے جائیں اور بڑھیا نے چلا کر کہا کہ سب کو قتل کر دیا جائے' ایک بھی نہ بچنے پائے۔ شہزادی منار النساء نے اپنی بہن کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ گرفتار ہے اور اس کے بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں تو وہ رونے لگی' اس نے پوچھا کہ بہن تو جانتی ہے کہ یہ کون شخص ہے جس نے ہمارے ملک میں آ کر ہم پر فتح پائی ہے اور ہمیں قیدی بنایا ہے؟ اس نے جواب دیا یہ عجیب و غریب بات ہے۔ اس شخص نے ہمیں نیچا دکھایا ہے جس کا نام حسن ہے اور خدا نے اسے ہم پر بھی حاکم بنایا ہے اور ہمارے تمام ملک پر بھی' اسی نے ہمیں اور جنوں کے بادشاہوں کو شکست دی ہے۔ اس کی بہن نے کہا کہ محض اس ٹوپی اور ڈنڈے کی وجہ سے خدا نے اسے تم پر جیت دی ہے تمہیں نیچا دکھایا اور گرفتار کیا ہے۔ اب ملکہ کو یقین ہو گیا کہ اسی وجہ سے اس نے اپنی بیوی کو چھڑا لیا ہے' اور اس نے اپنی بہن کے آگے اس قدر ہاتھ جوڑے کہ اس کا دل پسیج گیا۔

شہزادی نے اپنے شوہر حسن سے کہا کہ تو میری بہن کو کیا سزا دینا چاہتا ہے؟ اس وقت وہ تیرے قبضے میں ہے لیکن اس نے تیرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی ہے جس کی تو اسے سزا دے۔ حسن نے کہا کہ یہ کافی ہے کہ اس نے تیرے ساتھ برا سلوک کیا۔ اس نے جواب دیا کہ جو کچھ برائی اس نے میرے ساتھ کی اس میں وہ مجبور تھی۔ میرے باپ کا دل میرے لئے پہلے ہی میری وجہ سے دکھا ہوا ہے۔ اگر میری بہن بھی نہ رہی تو اس کا کیا حال ہو گا؟ حسن بولا کہ رائے تیری رائے ہے' جو تیرا جی چاہے کر۔ یہ سن کر شہزادی منار النساء نے حکم دیا کہ سب قیدی آزاد کر دیئے جائیں اور اسی طرح اس کی بہن بھی۔ اس کے بعد اس نے بڑھ کر اپنی بہن کو گلے لگا لیا۔ دونوں رونے لگیں اور بہت دیر تک روتی رہیں۔ پھر ملکہ نور الہدیٰ نے اپنی بہن سے کہا کہ بہن' جو برائی میں نے تیرے ساتھ کی ہے اس کا بدلہ نہ لیجیو۔ شہزادی منار النساء بولی بہن! تقدیر میں یہی لکھا تھا۔ دونوں تخت پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں اور منار النساء نے اپنی بہن اور بڑھیا میں بھی ملاپ کرا دیا اور دونوں خوش ہو گئیں۔

اس کے بعد حسن نے اس لشکر کو جو ڈنڈے کی خدمت میں تھا' رخصت کیا اور جو فتح انہوں نے اس کے دشمنوں پر حاصل کی تھی' اس کا شکریہ ادا کیا۔ شہزادی منار النساء نے اپنی بہن سے وہ ساری سرگزشت بیان کی جو اسے اس کے شوہر حسن کے ساتھ پیش آئی تھی اور تمام تکلیفیں جو حسن نے اس کی خاطر اٹھائی تھیں اور کہا کہ ایسے کارنامے کون کر سکتا تھا اور اتنی قوت کس میں تھی! محض خدا کی مدد تھی کہ وہ ہمارے ملک میں آیا' تجھے گرفتار کیا' تیرے لشکر کو مار بھگایا اور تیرے باپ ملک اکبر کو نیچا دکھایا جو تمام جنوں کے بادشاہوں کا سردار ہے۔ اس کے حق میں کمی کرنا ظلم ہے۔ اس کی بیوی بولی کہ اے بہن! تیرا کہنا سچ ہے کہ اس نے اس قدر مصیبتیں جھیلیں' اور بہن! یہ سب تیری خاطر تھیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اوراس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو انتیس ویں رات

آٹھ سو انتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب شہزادی منار النساء نے اپنی بہن سے حسن کے اوصاف بیان کئے اور اسی طرح کی باتوں چیتوں میں ساری رات گزار دی' جب سورج نکلا تو کوچ کی[1] سوچی اور ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ منار النساء بڑھیا سے بھی رخصت ہوئی کیونکہ وہ اس کے اور اپنی بہن کے درمیان ملاپ کروا چکی تھی۔ اب حسن نے زمین پر ڈنڈا مارا' موکل آ پہنچے اور انہوں نے سلام کرکے کہا کہ شکر ہے خدا کا کہ اس نے تیرا دل ٹھنڈا کیا۔ اب بتا تیرا کیا حکم ہے تاکہ ہم اسے پلک مارنے سے پہلے بجا لائیں۔ حسن نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ خدا تمہیں نیک بدلہ دے۔ اچھا اب دو بہترین گھوڑے ہمارے لئے لے آؤ۔ وہ فوراً لے آئے اور اس کے سامنے کسے کسائے پیش کر دیئے۔ ایک پر حسن سوار ہو گیا اور اپنے بڑے بیٹے کو آگے بٹھا لیا' دوسرے پر اس کی بیوی بیٹھ گئی اور چھوٹے بیٹے کو ساتھ لیا۔ ملکہ نور الہدیٰ اور بڑھیا بھی سوار ہو گئیں اور سب اپنے وطن کو روانہ ہو گئے حسن اور اس کی بیوی دائیں طرف اور ملکہ نور الہدیٰ اور بڑھیا بائیں طرف پورے ایک مہینے تک سفر کرنے کے بعد حسن اور اس کی بیوی بچے ایک شہر کے قریب پہنچے' جس کے اردگرد بہت سے درخت اور نہریں تھیں' درختوں کے پاس پہنچ کر وہ گھوڑوں سے اتر کر ستانے لگے۔

بیٹھے باتیں کر ہی رہے تھے کہ بہت سے گھوڑے آتے دکھائی دیئے انہیں دیکھ کر حسن اٹھ کھڑا ہوا ان سے مل کر معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ حسون ارض کافور اور قلعہ طیور کا مالک ہے۔ حسن نے بڑھ کر اس کے ہاتھ چومے اور سلام کیا۔ بادشاہ بھی گھوڑے پر سے اتر پڑا۔ دونوں درختوں کے نیچے فرش پر بیٹھ گئے۔ بادشاہ نے حسن کو سلام کیا اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دی۔ اس سے مل کر بہت خوش ہوا اور کہا اے حسن!

اپنی سرگزشت شروع سے لے کر آخر تک بیان کر۔ حسن نے ساری داستان سنا دی‘ بادشاہ حسون کو بڑا تعجب ہوا‘ وہ کہنے لگا کہ بیٹا‘ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی

جزائر واق جا کر لوٹ آیا ہو سوائے تیرے۔ تیرا ماجرا عجیب و غریب ہے لیکن شکر ہے خدا کا کہ تو صحیح و سلامت رہا۔ اس کے بعد بادشاہ سوار ہو گیا اور حسن سے کہا کہ تو بھی سوار ہو جا اور میرے ساتھ چل۔ حسن نے ایسا ہی کیا‘ چلتے چلتے شہر پہنچے‘ شاہی محل میں داخل ہو کر بادشاہ اترا‘ حسن اور اس کے بیوی بچوں کو مہمان خانے میں اتارا جہاں وہ دس دن تک کھانے پینے اور کھیل کود میں مشغول رہے۔ پھر حسن نے بادشاہ حسون سے وطن جانے کی اجازت مانگی۔ اس نے اجازت دیدی۔ حسن اور اس کے بیوی بچے سوار ہو گئے‘ بادشاہ بھی سوار ہو کر دس دن تک ان کے ہم رکاب رہا اور ان سے رخصت ہو کر لوٹ آیا۔ حسن اور اس کے بیوی بچے پورے ایک مہینے تک چلنے کے بعد ایک بڑے غار کے پاس پہنچے جس کی زمین پیتل کی تھی۔ حسن نے اپنی بیوی سے کہا تو اسے پہچانتی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ حسن نے کہا اس میں ایک بزرگ رہتے ہیں جن کا نام ابوالرویش ہے‘ ان کا مجھ پر بڑا احسان ہے کیونکہ انہی نے مجھے بادشاہ حسون سے ملایا تھا۔

حسن اپنی بیوی سے شیخ ابوالرویش کا ذکر رہی رہا تھا کہ وہ غار میں سے نکلا۔ اسے دیکھ کر حسن اپنے گھوڑے پر سے اتر پڑا اور اس کے ہاتھ چومے۔ شیخ نے اسے سلام کیا اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دی اور بہت خوش ہوا‘ پھر دونوں بیٹھ گئے اور حسن نے اس سے وہ ساری باتیں بیان کیں جو اسے جزائر واق میں پیش آئی تھیں۔ شیخ ابوالرویش نے پوچھا‘ اے حسن! تو نے اپنے بیوی بچوں کو کس طرح چھڑایا؟ حسن نے ڈنڈے اور ٹوپی کا قصہ اسے سنایا۔ شیخ کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے کہا‘ اے حسن بیٹا! اگر یہ ڈنڈا اور ٹوپی نہ ہوتی تو تو اپنے بیوی بچوں کو چھڑا نہ سکتا تھا۔ حسن بولا اے میرے آقا! ہاں۔ وہ باتیں کر رہی رہے تھے کہ کسی نے غار کے دروازے پر دستک دی۔

شیخ ابوالرویش نے دروازہ کھولا دیکھا کہ شیخ عبدالقدوس ہاتھی پر سوار آیا ہے۔ شیخ عبدالرویش

نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا' گلے لگایا اور بہت خوش ہوا اور اس کی سلامتی پر مبارکباد دی۔ اس کے بعد اس نے حسن سے کہا کہ شیخ عبدالقدوس کو بھی ساری کہانی سنا دے۔

حسن نے ساری کہانی شروع سے لے کر آخر تک سنا دی یہاں تک کہ وہ ڈنڈے اور ٹوپی کے قصے تک پہنچا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

آٹھ سو تیسویں رات

آٹھ سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب حسن اپنا قصہ بیان کرتے کرتے ڈنڈے اور ٹوپی تک پہنچا تو شیخ عبدالقدوس نے کہا بیٹا! اب چونکہ تو اپنے بیوی بچوں کو چھڑا لایا ہے۔ ڈنڈے اور ٹوپی کی ضرورت باقی نہیں۔ علاوہ ازیں ہماری مدد سے تو جزائر واق تک پہنچا ہے اور میں نے اپنی بھتیجیوں کی وجہ سے تجھ پر احسان کیا ہے لہٰذا مہربانی کر کے تو ڈنڈا مجھے دے اور ٹوپی شیخ ابوالرویش کو۔ یہ سن کر حسن نے سر نیچا کر لیا' اسے انکار کرتے شرم آئی۔ اپنے دل میں کہا کہ ان دونوں بزرگوں نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے اور محض انہی کی وجہ سے میری رسائی جزائر واق تک ہوئی ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو نہ میں اس جگہ تک پہنچتا نہ اپنے بیوی بچوں کو چھڑا سکتا' نہ مجھے یہ ڈنڈا اور یہ ٹوپی ملتی۔ یہ سوچ کر اس نے سر اٹھایا اور کہا ہاں' میں تمہیں دیتا ہوں لیکن اے میرے آقاؤ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری بیوی کا باپ ملک اکبر فوج لے کر آ جائے اور ڈنڈے اور ٹوپی کے چلے جانے کی وجہ سے میں اس کا مقابلہ نہ کر سکوں۔ شیخ نے حسن سے کہا بیٹا! ڈر نہیں' ہم تیری طرف سے اس جگہ گھات میں لگے رہیں گے اور جو کوئی بھی تیرے خسر کی طرف سے آئے گا اسے تیرے پاس نہ پھٹکنے دیں گے۔ تو مطمئن رہ اور کسی طرح کا خوف نہ کر۔

شیخ کی گفتگو سن کر حسن کو شرم آئی اور اس نے ٹوپی شیخ ابوالرویش کو دے کر عبدالقدوس سے کہا کہ مجھے میرے وطن پہنچا دے اور ڈنڈا لے لے۔ دونوں بزرگ خوش ہو گئے اور حسن کو اس قدر مال دیا کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ تین دن ٹھہرنے کے بعد حسن نے سفر کی اجازت مانگی' شیخ عبدالقدوس بھی اس کے ساتھ سفر کے لئے تیار ہو گیا جب حسن ایک گھوڑے پر بیٹھ کر دوسرے پر اپنی بیوی کو سوار کر دیا تو شیخ نے سیٹی بجائی' جنگل میں سے ایک بہت بڑا ہاتھی دوڑتا ہوا آ پہنچا۔ شیخ اس پر سوار ہو گیا۔

سب روانہ ہو گئے اور شیخ ابوالرویش اپنے غار کے اندر چلا گیا۔ شیخ کی رہبری سے وہ آسان راستوں اور قریب موڑوں میں سے ہو کر چلنے لگے۔ اس کا وطن جتنا قریب آتا جاتا' اتنی ہی اسے خوشی ہوتی کہ اب وہ بیوی بچوں کو لے کر اپنی ماں سے ملے گا۔ اس نے خدا کا شکر کیا اور اس کی عنایتوں اور مہربانیوں کا ممنون ہوا۔ اتنے میں انہیں قبہ خضرا' فوارہ اور سبز محل دکھائی دینے لگے اور جبل سحاب بھی دور سے نظر آنے لگا۔ شیخ عبدالقدوس نے کہا' اے حسن خوش ہو' اب آرام ہی آرام ہے' آج ہی رات تو میری بھتیجیوں کا مہمان ہو گا۔ حسن اور اس کی بیوی سن کر بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے گنبد کے پاس اتر کر ذرا دم لیا اور کھاپی کر پھر سوار ہوگئے اور محل کے قریب پہنچے۔

جب وہ محل کے پاس پہنچ گئے تو شیخ عبدالقدوس کے بھائی بادشاہ کی بیٹیوں نے نکل کر ان کا خیرمقدم کیا۔ اسی طرح انہوں نے اپنے چچا کو بھی سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا اور ان سے کہا اے میری بھتیجو! میں نے تمہارے بھائی حسن کی مراد پوری کر دی ہے اور اس کی مدد کرکے اس کے بیوی بچوں کو چھڑا دیا ہے۔ لڑکیوں نے بڑھ کر حسن کو گلے لگایا' اس سے مل کر خوش ہوئیں' اس کی خیر و عافیت پر اسے مبارکباد دی اور نیز اس بات پر کہ اس کی بیوی بچے اسے مل گئے۔ یہ دن اس کے لئے عید کا دن تھا۔ اب حسن کی چھوٹی بہن بڑھ کر اس کے گلے سے لپٹ گئی اور بلک بلک کر رونے لگی۔ حسن بھی یہ خیال کرکے کہ وہ بہن سے اتنے دنوں جدا رہا ہے' رو پڑا۔ اس کے بعد وہ شکوے شکایت کرنے لگی کہ جدائی اور فراق کے کتنے صدمے اٹھائے ہیں۔ حسن نے کہا بہن' میں اس معاملے میں تیری بہنوں سے بھی زادہ شکرگزار ہوں' خدا تیری مدد کرے اور تجھ پر عنایت کی نظر رکھے۔ پھر اس نے سفر کے تمام حالات شروع سے لے کر آخر تک اور ساری مصیبتیں جو اس نے جھیلی تھیں مع ان واقعات کے جو سالی کے ساتھ پیش آئے تھے اور یہ کہ کس طرح اس نے بیوی بچوں کو چھڑایا بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ اسے کس قدر خطروں کا سامنا ہوا۔

یہاں تک کہ اس کی سالی اسے اور اس کے بچوں کو ذبح کر ڈالنے کے لئے تیار تھی۔
اس کے بعد اس نے اسے ڈنڈے اور ٹوپی کی کہانی سنائی اور کہا کہ ان دونوں چیزوں کو شیخ عبدالرویش اور شیخ عبدالقدوس نے مجھ سے مانگ لیا ہے اور محض تیری خاطر میں نے انہیں دونوں چیزیں دے دیں۔ لڑکی نے اس پر حسن کا شکریہ ادا کیا اور اسے عمر کی درازی کی دعا دی۔ حسن نے کہا کہ خدا کی قسم میں تیری بھلائیوں کو ہرگز نہیں بھول سکتا جو تو نے میرے ساتھ شروع سے لے کر آخر تک کی ہیں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

آٹھ سو اکتیس ویں رات

آٹھ سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... حسن نے اپنی بہن سے کہا کہ میں تیری بھلائیاں ہرگز نہیں بھول سکتا جو تو نے میرے ساتھ شروع سے لے کر آخر تک کی ہیں۔ اب اس نے حسن کی بیوی منار النساء کو گلے لگا لیا اور اس کے بیٹوں کو سینوں سے چمٹا کر کہا' اے ملک اکبر کی بیٹی! کیا تیرے دل میں اتنا کم رحم تھا کہ تو نے اسے اس کے بچوں سے جدا کر دیا اور اس کا دل جلایا؟ کیا اس سے تیرا یہ مقصد تھا کہ وہ مر جائے؟ منار النساء ہنس پڑی اور کہا خدا کا یہی حکم تھا' جو کوئی لوگوں کے ساتھ برائی کرتا ہے' خدا اس کے ساتھ بری طرح پیش آتا ہے۔ اس کے بعد ان کے لئے کھانا آیا' سب نے کھایا اور خوش ہوئے۔ اسی طرح کھانے پینے میں انہوں نے خوش و خرم دس دن گزارے اور جب دس دن ہو چکے تو حسن نے سفر کی تیاری کی' اس کی بہن نے اس قدر مال و دولت اور تحفے تحائف اس کے ساتھ کر دیئے کہ بیان سے باہر ہے۔ اس کے بعد اس نے حسن کو رخصت کرنے کی غرض سے اسے اپنے گلے اور سینے سے لگا لیا۔ حسن نے شیخ عبدالقدوس کو ڈنڈا دے دیا جس پر وہ بہت خوش ہوا' اس کا شکریہ ادا کیا اور اسے لے کر اپنی جگہ چلا گیا۔ اب حسن اور اس کے بیوی بچے سوار ہو گئے لڑکیاں اپنے محل سے نکل کر اسے پہنچا آئیں۔ دو مہینے اور دس دن تک جنگل بیابان میں سفر کرتے کرتے حسن بغداد پہنچا اور اپنے گھر کے چور دروازے پر پہنچ کر جو جنگل کی طرف کھلتا تھا دستک دی۔ وہ اتنے دنوں غائب رہا تھا کہ اس کی ماں کی نیند حرام ہو گئی تھی رونے پیٹنے میں اس کے دن گزرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ بیمار پڑ گئی نہ کھاتی نہ پیتی' ہمیشہ اپنے بیٹے کو یاد کرتی۔ اسے بیٹے کے واپس آنے کا کوئی آسرا نہیں رہا تھا۔ حسن کو اپنی ماں کے رونے کی آواز آئی اور ماں نے اسے دروازے پر یہ کہتے سنا کہ اماں' زمانے کی مہربانی

سے ہم سب پھر مل گئے۔
حسن کی آواز پہچان کر ماں دروازے کی طرف بڑھی لیکن ایک دل کہتا کہ وہی ہے اور ایک دل کہتا کہ نہیں ہے۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ اس کا بیٹا اور بیوی بچے کھڑے ہیں۔ مارے خوشی کے اس نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑی۔ حسن نے ہوش میں لانے کی کوشش کی اور وہ ہوش میں آ گئی۔ اس نے حسن کو گلے سے لگا لیا اور رونے لگی۔ اس کے بعد اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ سارا سامان اندر لے جائیں اور وہ اندر لے گئے اور ماں نے اپنی بہو کو گلے لگایا' اس کے سر اور دونوں پاؤں چومے اور کہا اے ملک اکبر کی بیٹی! اگر مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہے تو میں خدا سے معافی مانگتی ہوں۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تو اتنی مدت تک کیوں غائب رہا؟ جس پر حسن نے اپنی ساری کہانی شروع سے آخر تک کہہ سنائی۔ ماں نے زور سے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑی۔ ہوش آیا تو بولی بیٹا تو نے ڈنڈا اور ٹوپی ناحق دے دی۔ اگر تو انہیں اپنے پاس رکھتا تو ساری دنیا کا بادشاہ ہو جاتا لیکن شکر ہے کہ تو' تیری بیوی اور تیرے بچے سلامت ہیں۔ رات انہوں نے بڑی خوشی سے گزاری' صبح ہوئی تو حسن نے اپنے کپڑے بدل کر ایک نہایت نفیس پوشاک پہنی اور بازار جا کر غلام' باندیاں' کپڑے' گہنے' قالین اور قیمتی برتن خریدے جن کا جواب بادشاہوں کے ہاں بھی نہ ہو گا اور پھر مکان' باغ اور جاگیریں مول لیں۔ اس کے بعد وہ اور اس کی اولاد' بیوی اور ماں خوب کھانے پینے اور مزے اڑانے' زندگی بسر کرنے اور بڑے عیش و عشرت سے رہنے لگے۔ یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ساری حکومت ہے اور جو ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والی ہے اور کبھی نہیں مرتی۔

○ خلیفہ ماہی گیر کی کہانی

پرانے زمانے کا ذکر ہے، بغداد میں خلیفہ نام کا ایک ماہی گیر رہتا تھا۔ بہت غریب، بیچارے نے افلاس کے مارے شادی بھی نہیں کی تھی۔ ایک دن وہ اپنا جال لے کر دستور کے موافق دریا پر پہنچا تاکہ دوسرے ماہی گیروں سے پہلے شکار کھیلے۔ دریا کے کنارے پہنچ کر اس نے دامن اوپر اٹھائے، کمر کسی اور پانی میں جال پھینکا۔ ایک بار پھر دوسری بار، تیسری بار، یہاں تک کہ دس مرتبہ جال ڈالے، مگر کوئی چیز نہ پھنسی، یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوا، اپنے دل میں غور کرنے لگا اور کہا کہ میں اس خدا سے مغفرت مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جو ہمیشہ زندہ ہے اور تمام چیزوں کو سنبھالے ہوئے ہے، سوائے خدا کے نہ کسی میں قوت ہے نہ طاقت، جو وہ چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ رزق دینے کا ذمے دار وہی خدا ہے اگر وہ کسی کو دینا چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا اور اگر وہ کسی کو نہ دینا چاہے کوئی اسے نہیں دے سکتا۔ یہ کہہ کر وہ سر جھکائے سوچتا رہا، طبیعت نے صلاح دی کہ ایک آخری بار اور پھینکوں اور خدا پر بھروسہ کروں، ممکن ہے کہ وہ مجھے نا امید نہ کرے۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا، اپنا ہاتھ خوب لمبا کرکے جال پھینکا اور اس کی رسیاں پکڑ کر تھوڑی دیر انتظار کیا پھر اسے کھینچا تو دیکھا کہ وہ بھاری ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو بتیسویں رات

آٹھ سو بتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جو ماہی گیر نے جال کھینچا تو اسے بھاری معلوم ہوا' اس نے بہت سنبھال کر کھینچا۔ جب وہ باہر

آیا تو اس میں ایک کانا اور لنگڑا بندر نکلا۔ اسے دیکھ کر خلیفہ لاحول پڑھنے لگا اور کہا کہ میری قسمت بھی عجب منحوس ہے کہ آج کے مبارک دن میں مجھے یہ ہاتھ آیا لیکن قسمت میں یہی لکھا ہے کیا کیا جائے! اس نے بندر کو ایک رسی سے باندھا اور رسی ایک درخت سے اٹکا دی۔ ماہی گیر کے پاس ایک کوڑا تھا' اس نے کوڑا ہاتھ میں لے کر اوپر اٹھایا اور چاہتا ہی تھا کہ بندر کو مارے' اتنے میں خدا کی قدرت سے بندر نہایت فصیح زبان میں بولا اے خلیفہ' اپنا ہاتھ روک لے اور مجھے نہ مار بلکہ مجھے یہیں بندھا چھوڑ کر دریا پر جا اور خدا پر بھروسہ کرکے جال پھینک' وہ تجھے روزی دے گا۔ بندر کی باتیں سن کر خلیفہ نے جال اٹھایا' دریا پر جا کر پھینکا اور کچھ دیر تک ڈوریاں ڈھیلی رکھنے کے بعد اسے کھینچا محسوس ہوا کہ جال پہلے سے بھی بھاری ہے' وہ بہ مشکل اسے کھینچتا کھینچتا کنارے پر لایا اور دیکھا کہ اس میں ایک دوسرا بندر ہے' جس کے دانت دور دور ہیں' آنکھیں کالی کالی' ہاتھ لال لال' وہ ہنس رہا ہے اور اس کی کمر سے ایک چیتھڑا بندھا ہوا ہے' خلیفہ بولا کہ سب تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس نے دریا کی مچھلیوں کو بندر بنا دیا اور اس بندر کے پاس جو درخت سے بندھا ہوا تھا آ کر کہنے لگا اے منحوس! تو نے مجھے کیسا برا مشورہ دیا کہ دوسرا بندر بھی میرے پلے پڑا۔ چونکہ سویرے سویرے میں نے تجھ لنگڑے اور کانے کا منہ دیکھا ہے اسی لئے میں دن بھر پریشان رہوں گا' مجھے نہ دینار ملے گا نہ درہم' یہ کہہ کر اس نے ایک ڈنڈا لیا اور اسے تین بار ہوا میں چکر دے کر چاہتا ہی تھا کہ بندر کو مارے' بندر دہائی مانگنے لگا اور کہا کہ خدا کے لئے میرے ساتھی کے طفیل مجھے معاف کر دے اور اس سے اپنا مطلب بیان کر کہ

تو کیا چاہتا ہے' وہ تیری مراد پوری کر دے گا۔ خلیفہ نے ڈنڈا پھینک دیا اور اسے معاف کر دیا۔

اس کے بعد وہ دوسرے بندر کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ بندر نے کہا اے خلیفہ' ایسی باتوں سے تجھے کچھ نہ ملے گا۔ تو اپنا فائدہ چاہتا ہے تو میری بات سن' اگر تو نے میرا کہنا مان لیا اور مخالفت نہ کی تو میرے سبب سے تو امیر ہو جائے گا۔ خلیفہ بولا وہ کیا بات ہے جس میں تو میری موافقیت چاہتا ہے؟ بندر نے کہا مجھے یہیں بندھا چھوڑ کر دریا پر جا اور جال پھینک' اس کے بعد میں بتاؤں گا کہ تجھے کیا کرنا چاہیے' خلیفہ جال لے کر دریا کے پاس گیا' جال پھینک کر تھوڑی دیر تک انتظار کیا' کھینچا تو بھاری معلوم ہوا' آہستہ آہستہ کھینچ کر کنارے پر لایا۔ دیکھا کہ اس کے اندر ایک بندر اور ہے لیکن یہ بندر سرخ سفید تھا اور نیلے کپڑے پہنے ہوئے۔ اس کے ہاتھ پاؤں رنگے ہوئے تھے اور آنکھیں سرمئی' خلیفہ بولا' سبحان اللہ' واقعی آج کا دن شروع سے لے کر آخر تک مبارک نکلا کیونکہ پہلے بندر کی وجہ سے اس کا شگون اچھا نکلا' مضمون کی سرخی سے پتا چل جاتا ہے کہ اس کے اندر کیا ہو گا۔ آج کا دن بندروں کا دن ہے اور دریا میں ایک بھی مچھلی باقی نہیں' گویا ہم بندر ہی کا شکار کرنے آئے ہیں۔ ساری تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس نے مچھلیوں کو بندر سے بدل دیا۔ پھر وہ اس تیسرے بندر کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا' اے منحوس' بتا تو کون ہے؟ اس نے کہا خلیفہ کیا تو مجھے پہچانتا نہیں؟ خلیفہ بولا نہیں۔ بندر بولا کہ میں یہودی صراف ابوالسعادات کا بندر ہوں۔ خلیفہ نے پوچھا تیرا کام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب میں اسے صبح بخیر کہتا ہوں تو وہ پانچ دینار کما لیتا ہے اور جب میں شام کو شام بخیر کہتا ہوں تو وہ پھر پانچ دینار کما لیتا ہے۔ خلیفہ نے پہلے بندر کی طرف مخاطب ہو کر کہا' اے منحوس' دیکھ دوسرے لوگوں کے بندر کیسے اچھے ہیں! ایک تو ہے کہ صبح کو اپنی لنگڑی' کانی اور منحوس صورت دکھا کر مجھے فقیر مفلس اور بھوکا بنا دیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ڈنڈا اٹھایا اور ہوا میں تین بار گھما کر چاہتا ہی تھا کہ بندر کو مارے' ابوالسعادات کا بندر بولا۔ اے

خلیفہ جانے دے' اسے مار نہیں بلکہ میرے پاس آ تا کہ میں بتاؤں کہ تجھے کیا کرنا چاہیے۔ خلیفہ نے ڈنڈا پھینک دیا اور اس کے پاس جا کر کہا اے تمام بندروں کے سرتاج' تو مجھ سے کیا کہنا چاہتا ہے؟ بندر بولا کہ جال لے کر دریا میں پھینک' مجھے اور ان بندروں کو اپنے پاس بیٹھا رہنے دے اور جو کچھ جال میں آئے' اسے لے کر میرے پاس آ' میں تجھے ایسی بات بتاؤں گا کہ تیرا دل خوش ہو جائے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو تینتیس ویں رات

آٹھ سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابوالسعادات کے بندر نے خلیفہ سے کہا کہ میں تجھے ایسی بات بتاؤں گا کہ تیرا دل خوش ہو جائے گا۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ بسرو چشم اور جال لپیٹ کر اپنے کندھے پر رکھا' دریا پر جا کر اسے پھینکا اور تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد کھینچا دیکھا کہ اس میں ایک مچھلی کا بچہ آیا ہے جس کا سر بڑا' دم ڈوئی جیسی ہے اور آنکھیں ایسی ہیں جیسے دو دینار' اسے دیکھ کر خلیفہ خوش ہو گیا' کیونکہ عمر بھر کبھی اس نے ایسی مچھلی نہیں پکڑی تھی اور تعجب کے ساتھ اسے لے کر یہودی ابو السعادات کے بندر کے پاس آیا' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ساری دنیا اس کے قبضے میں آ گئی۔ بندر بولا' اے خلیفہ تو اس مچھلی کا کیا کرے گا اور اپنے بندر کے متعلق تیرا کیا ارادہ ہے؟ خلیفہ نے کہا اے بندروں کے آقا! سن میں کیا کیا کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی نہ کسی ترکیب سے اپنے اس ملعون بندر کو مار ڈالوں' اس کے بدلے تجھے اپنے پاس رکھوں اور ہر روز جو تیرا جی چاہے' تجھے کھلاؤں بندر بولا چونکہ تو نے مجھے پسند کر لیا ہے میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تجھے کیا کرنا چاہیے' خدا نے چاہا تو تیری حالت سدھر جائے گی جو کچھ میں چاہتا ہوں اسے اچھی طرح سمجھ لے۔ وہ یہ ہے کہ میرے لئے بھی ایک رسی بٹ اور مجھے کسی درخت سے باندھ کر دریا کے پشتے کے بیچ میں کھڑا ہو' پھر دجلہ میں جال پھینک اور تھوڑی دیر ٹھہر کر اسے کھینچ' اس میں تجھے ایک ایسی مچھلی ملے گی جیسی تو نے عمر بھر نہ دیکھی ہو گی۔ مچھلی کو لے کر میرے پاس آئیو تا کہ میں بتاؤں کہ اس کے بعد تجھے اور کیا کرنا ہے۔ خلیفہ نے فوراً اٹھ کر دجلہ میں جال پھینکا اور جب اسے کھینچا تو اس میں ایک بیاض مچھلی نکلی جو بھیڑ کے بچے کے برابر تھی اور

بالکل نئی صورت شکل کی۔
خلیفہ اس مچھلی کو لے کر بندر کے پاس گیا۔ بندر بولا کہ تھوڑی سی ہری گھاس لے آ' اور اس میں سے آدھی ایک ٹوکرے میں ڈال کر مچھلی کو اس کے اوپر رکھ دے' باقی آدھی سے اسے ڈھانک دے پھر اس ٹوکرے کو کندھے پر رکھ کر بغداد جا۔ ہمیں یہیں بندھا رہنے دے کوئی بھی تجھ سے بات کرے یا کچھ پوچھے تو بالکل جواب نہ دیجیو۔ جب تو صرافوں کے بازار میں پہنچے گا تو اس کے صدر میں تجھے صرافوں کے چودھری استاد ابوالسعادات یہودی کی دکان ملے گی' تو دیکھے گا کہ وہ ایک گدے پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے پیچھے تکیے لگے ہوئے ہیں۔ سامنے دو صندوق ایک سونے کے لئے' دوسرا چاندی کے لئے اور اس کے اردگرد بہت سے نوکر چاکر اور غلام ہیں۔ اس کے پاس پہنچ کر ٹوکرا اس کے آگے رکھ دیجیو اور کہیو اے ابو السعادات' میں آج مچھلیاں مارنے نکلا تھا' تیرے نام پر جال پھینکا اور خدا نے یہ مچھلی بھیجی۔ وہ کہے گا کہ تو نے کسی اور کو تو نہیں دکھایا؟ تو کہیو کہ خدا کی قسم نہیں۔ وہ تجھ سے مچھلی لے لے گا اور تجھے ایک دینار دے گا لیکن تو اسے منظور نہ کیجیو۔ پھر وہ تجھے دو دینار دے گا' انہیں بھی نہ لیجیو۔ غرض کہ جو کچھ وہ تجھے دینا چاہے' اسے قبول نہ کیجیو' خواہ وہ اس کے برابر سونا بھی تول کر تجھے کیوں نہ دے۔ پھر وہ پوچھے گا کہ آخر تو کیا چاہتا ہے؟ کہیو کہ خدا کی قسم میں اسے محض دو بولوں کے بدلے بیچوں گا اگر وہ پوچھے کہ وہ دو بول کیا ہیں تو کہیو کہ اپنے پاؤں کے بل کھڑا ہو جا اور کہہ کہ اے بازار والو' گواہ رہو کہ میں خلیفہ ماہی گیر کے بندر سے اپنا بندر بدلتا ہوں اور اس کا حصہ اپنے حصے سے اور اس کی قسمت اپنی قسمت سے بس یہی مچھلی کی قیمت ہے۔ اشرفیوں کی مجھے ضرورت نہیں۔ اگر اس نے یہ کہہ دیا تو میں ہر روز تیرے پاس صباح بخیر اورشام بخیر کہنے آؤں گا اور ہر روز تو دس دینار سونے کے کما لیا کرے گا' اور یہ کانا لنگڑا بندر روز ابوالسعادات یہودی کو صباح بخیر کہے گا اور خدا اسے ہر روز قرض میں

مبتلا کرتا رہے گا یہاں تک کہ وہ فقیر ہو جائے گا' اور اس کے پلے ایک دمڑی بھی نہ رہے گی۔ یہ میری بات غور سے سن لے تاکہ تو امیر ہو جائے۔ بندر کی باتیں سن کر خلیفہ ماہی گیر بولا' اے تمام بندروں کے سرتاج میں تیرا مشورہ مانتا ہوں' لیکن خدا اس منحوس سے سمجھے! سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے ساتھ کیا کروں۔ بندر بولا کہ اسے بھی پانی میں چھوڑ دے اور مجھے بھی۔ خلیفہ نے کہا کہ سر آنکھوں پر۔ یہ کہہ کر وہ بندر کے پاس گیا اور انہیں کھول کر چھوڑ دیا' وہ دریا میں چلے گئے۔ خلیفہ نے مچھلی اٹھائی اور اسے دھویا' ٹوکرے میں ہری گھاس بچھائی اور مچھلی کو اس پر رکھ کر باقی گھاس سے ڈھانک دیا اور ٹوکرے کو کندھے پر رکھ کر چل دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• آٹھ سو چونتیس ویں رات

آٹھ سو چونتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ ماہی گیر ٹوکرے کو اپنے کندھے پر رکھ کر چل دیا۔ شہر کے اندر پہنچا تو لوگوں نے اسے دیکھ کر آواز دی اور کہا اے خلیفہ تیرے پاس کیا ہے؟ لیکن وہ کسی کی طرف متوجہ نہ ہوا بلکہ سیدھا صراف کی طرف چلا گیا اور بندر کے کہنے کے موافق دکانوں کے آگے سے گزرنے لگا یہاں تک کہ اس کی نظر یہودی پر پڑی۔ دیکھا کہ وہ دکان میں بیٹھا ہوا ہے اور غلام اس کی خدمت میں حاضر ہیں۔ گویا وہ خراسان کا کوئی بادشاہ ہے۔ خلیفہ نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ یہودی نے سر اٹھا کر دیکھا اور پہچان کر کہا کہ اے خلیفہ مرحبا! تو کیا چاہتا ہے اور تیرا کیا مقصد ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے تجھ سے ٹیڑھی بات کہی ہے یا جھگڑا کیا ہے بتا تاکہ میں تجھے والی کے پاس لے چلوں اور وہ تیرے حق میں انصاف کرے۔ خلیفہ بولا' اے یہودیوں کے سردار! تیرے سر کی قسم مجھ سے کسی نے ٹیڑھی بات نہیں کہی بلکہ آج میں تیری قسمت پر گھر سے نکلا اور دجلہ میں جا کر جال پھینکا اور یہ مچھلی نکلی۔ یہ کہہ کر اس نے ٹوکرا کھولا اور مچھلی کو یہودی کے آگے ڈال دیا۔ یہودی نے اسے دیکھ کر پسند کیا اور کہا قسم ہے توریت' زبور اور احکامات کی کہ رات جب میں سو رہا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حضرت مریم کے آگے کھڑا ہوں اور وہ کہہ رہی ہیں کہ سن اے ابو السعادات' میں نے تیرے پاس ایک ہدیہ بھیجا ہے۔ بے شک وہ ہدیہ یہی ہو گا۔ اس کے بعد اس نے خلیفہ سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ تجھے قسم ہے اپنے دین کی بتا کہ اس مچھلی کو کسی اور نے تو نہیں دیکھا؟ خلیفہ نے کہا اے یہودیوں کے سردار! ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی قسم! سوائے تیرے کسی نے نہیں دیکھا۔

اب یہودی نے اپنے ایک غلام سے مخاطب ہو کر کہا۔ یہ مچھلی میرے گھر لے جا اور سعادات سے کہیو کہ وہ اسے بنا کر اور صاف کرکے میری واپسی کے وقت تک تل رکھے۔ خلیفہ نے بھی کہا کہ اے غلام! استاد کی بیوی سے کہیو کہ اس میں سے کچھ تلے اور کچھ بھونے' غلام مچھلی لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہودی نے ایک دینار نکال کر خلیفہ ماہی گیر کو دیا اور کہا اے خلیفہ' اسے لے کر اپنے بال بچوں پر صرف کر۔ خلیفہ دینار اپنے ہاتھ میں دیکھ کر کہنے لگا کہ پاک ہے سارے عالم کا مالک' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے کبھی کوئی سونے کی چیز نہ دیکھی تھی۔ وہ دینار لے کر چند قدم چلا' یکا یک اسے بندر کا کہنا یاد آ گیا۔ اس نے واپس آ کر دینار پھینک دیا اور کہا کہ لے اپنا دینار اور مچھلی واپس دے دے' کیا تو لوگوں کا مذاق نہیں اڑانا چاہتا ہے؟ یہ سن کر یہودی کو گمان ہوا کہ وہ اس سے مذاق کرتا ہے۔ اس نے خلیفہ کو دو دینار اور دے دیئے۔ خلیفہ بولا کہ مچھلی واپس دے دے۔ مذاق نہیں' کیا تو سمجھتا ہے کہ میں ان داموں میں مچھلی بیچ ڈالوں گا؟ یہودی نے ہاتھ بڑھا کر اور دو دینار نکالے اور کہا کہ لے یہ پانچ دینار اپنی مچھلی کے دام لے اور لالچی نہ بن۔ خلیفہ انہیں ہاتھ میں لے کر خوش خوش چل دیا۔ وہ دیناروں کو دیکھتا اور تعجب کرتا اور کہتا کہ پاک ہے اللہ! جو میرے پاس ہے وہ بغداد کے خلیفہ کے پاس بھی نہ ہو گا۔ وہ سڑک کے دوسرے کنارے پر پہنچا تو اسے بندر کا کہنا پھر یاد آ گیا جو اس نے چلتے وقت کہا تھا اور یہودی کے پاس لوٹ کر اس نے دینار پھینک دیئے۔ یہودی نے کہا اے خلیفہ! تجھے کیا ہو گیا ہے؟ آخر تو کیا چاہتا ہے؟ کیا میں تیرے دیناروں کو توڑ کر درہم دے دوں؟ خلیفہ بولا نہ میں درہم چاہتا ہوں' نہ دینار' تو مچھلی واپس کر دے۔ یہودی کو غصہ آ گیا اور ڈانٹ کر کہا اے ماہی گیر! تو ایک مچھلی لایا جس کے دام ایک دینار بھی نہیں۔ میں تجھے اس کے بدلے پانچ دینار دیتا ہوں اور تو راضی نہیں ہوتا۔ کہیں تو پاگل تو نہیں ہو گیا ہے؟ اچھا بتا کتنے میں بیچے گا؟

خلیفہ بولا کہ نہ میں اسے درہم کے بدلے بیچوں گا نہ دینار کے بلکہ دو بولوں کے بدلے جو تو مجھ سے کہہ دے۔ دو بولوں کا نام سن کر یہودی کی آنکھیں دھنس گئیں' سانس اکھڑ گیا اور دانت پیس کر کہنے لگا اے مسلمانوں کے ڈاکو! تو چاہتا ہے کہ میں تیری مچھلی کے بدلے اپنا دین بیچ ڈالوں؟ کیا تو میرا مذہب اور عقیدہ بگاڑنے آیا ہے جس پر میرے باپ دادا چلے آئے ہیں؟ اب اس نے اپنے غلاموں کو آواز دی' وہ آئے تو اس نے کہا کہ پکڑو اس منحوس کو' مارے گھونسوں کے توڑ ڈالو اس کی گردن اور اتنا مارو کہ وہ بھی یاد کرے۔ یہ سنتے ہی انہوں نے مارنا شروع کردیا اور اتنا مارا کہ وہ دکان کے نیچے جا گرا۔ یہودی بولا کہ اب اسے چھوڑ دو کہ کھڑا ہو جائے' خلیفہ اٹھ کھڑا ہوا' گویا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ یہودی بولا' بتا تو مچھلی کے دام کیا چاہتا ہے تاکہ میں تجھے دے دوں کیونکہ اس وقت میں نے تیرے ساتھ برا برتاؤ کیا ہے۔

خلیفہ نے کہا' استاد' مار کی پروا نہ کر' میں دس گدھوں کے برابر مار کھا سکتا ہوں۔ یہودی ہنس پڑا اور کہنے لگا خدا کے لئے بتا تو سہی کہ تو کیا چاہتا ہے اور میں اپنے دین کی قسم کھاتا ہوں کہ تو جو مانگے گا میں دوں گا۔ خلیفہ نے کہا اس مچھلی کی قیمت سوائے دو بولوں کے اور کچھ نہ لوں گا۔ یہودی بولا' شاید تو چاہتا ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔ خلیفہ نے کہا اے یہودی! اگر تو مسلمان ہو گیا تو تیرے اسلام سے نہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا نہ یہودیوں کو نقصان' اور اگر تو کافر ہی رہا تو تیرے کفر سے نہ مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا نہ یہودیوں کو فائدہ۔ میں تو محض اتنا چاہتا ہوں کہ تو کھڑا ہو کر کہہ دے کہ اے بازار والو! گواہ رہو کہ میں اپنے بندر کو خلیفہ کے بندر سے بدلتا ہوں' اپنے دنیوی فائدے کو اس کے دنیوی فائدے سے اور اپنی قسمت کو اس کی قسمت سے۔ یہودی بولا کہ اگر تو اتنی سی بات چاہتا ہے تو وہ میرے لئے آسان ہے۔

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو پینتیس ویں رات

آٹھ سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ یہودی خلیفہ ماہی گیر سے بولا کہ اگر تو اتنی ہی سی بات چاہتا ہے تو وہ میرے لئے آسان ہے۔
یہ کہہ کر وہ فوراً کھڑا ہو گیا' جو کچھ خلیفہ ماہی گیر نے کہا تھا کہہ دیا اور پھر اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا' اب اور کچھ تو باقی نہیں؟ ماہی گیر نے کہا نہیں۔
یہودی بولا کہ اچھا خدا حافظ' خلیفہ فوراً اٹھا ٹوکرا اور جال لے کر دجلہ پر پہنچا۔ جال پھینک کر کھینچا تو وہ بھاری معلوم ہوا۔ اور بڑی مشکل سے نکلا۔ جال باہر آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ طرح طرح کی مچھلیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اتنے میں ایک عورت آئی جس کے پاس ایک سینی تھی۔ اس نے خلیفہ کو ایک دینار دیا اور خلیفہ نے اسے ایک دینار کی مچھلیاں دے دیں پھر ایک نوکر آیا۔ اس نے بھی ایک دینار کی مچھلیاں مول لیں۔ اسی طرح اس نے دس دینار کی مچھلیاں بیچ لیں اور پھر برابر دس دن تک دس دس دینار کی مچھلیاں بیچتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس سونے کے سو دینار اکٹھے ہو گئے۔
اس ماہی گیر کا مکان ایک گلی میں تھا' جہاں سوداگر رہا کرتے تھے ایک رات وہ اپنے گھر میں بھنگ کے نشے میں پڑا ہوا تھا کہنے لگا کہ اے خلیفہ! تمام لوگ جانتے ہیں کہ تو ایک غریب ماہی گیر ہے لیکن تو نے سونے کے سو دینار کما لئے ہیں۔ اب خلیفہ ہارون الرشید کو ضرور کسی نہ کسی شخص سے اس کی خبر مل جائے گی۔ ممکن ہے کہ اسے داموں کی ضرورت ہو اور وہ تجھے بلا بھیجے اور تجھ سے کہے کہ مجھے کچھ دیناروں کی ضرورت ہے مجھے خبر ملی ہے کہ تیرے پاس سو دینار ہیں لہٰذا وہ مجھے قرض دے دے۔
میں کہوں گا کہ اے امیر المومنین میں تو قلاش ہوں جس نے تجھ سے کہا ہے کہ میرے پاس سو دینار ہیں' جھوٹ کہتا ہے بلکہ اس کا ایک حصہ بھی نہ میرے پاس ہے۔ نہ میری ملکیت' یہ سن کر وہ مجھے والی کے حوالے کر دے گا اور کہے گا کہ

اس کے کپڑے اتار کر اسے ڈنڈے مارو اس لئے بہتر ہے کہ میں فوراً اٹھ کر خود کو کوڑے ماروں تاکہ مجھے مار کھانے کی مشق ہو جائے۔ بھنگ نے اس سے کہا کہ اٹھ کر کپڑے اتار ڈال اور اس نے فوراً کپڑے اتار ڈالے اور ہاتھ میں ایک کوڑا لے لیا۔ اس کے پاس چمڑے کا ایک تکیہ تھا وہ ایک کوڑا اس پر اور ایک اپنے اوپر مارنے اور کہنے لگا آہ آہ! اے میرے آقا' خدا کی قسم یہ سب جھوٹ ہے' لوگ میرے اوپر بہتان لگاتے ہیں' میں تو ایک غریب ماہی گیر ہوں اور دنیاداری کی کوئی چیز میرے پاس نہیں۔ جب خلیفہ ماہی گیر ایک کوڑا اپنے ا اور ایک تکیے کے مار رہا تھا تو لوگوں کے کان میں اس کی آواز پہنچی کیونکہ رات میں آواز زیادہ گونجتی ہے منجملہ دوسرے لوگوں کے سوداگروں نے بھی سنا' وہ کہنے لگے کہ اس بیچارے کو کیا ہوا کہ چلا رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اسے مار رہا ہے' ہو نہ ہو چور اس کے گھر آئے ہیں اور اسے مار رہے ہیں۔ وہ سب کے سب اٹھے اور اپنے گھر لے نکل کر خلیفہ کے گھر پہنچے۔

وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ گھر میں قفل پڑا ہوا ہے آپس میں کہنے لگے کہ غالباً چور پچھواڑے سے اترے ہوں گے۔ اس لئے ہمیں چھت پر چڑھنا چاہیے۔ یہ کہہ کر وہ چھت پر چڑھ گئے اور روشندان میں سے ہو کر اندر اترے۔ دیکھا کہ وہ ننگا اپنے آپ کو مار رہا ہے۔ انہوں نے کہا اے خلیفہ! تجھے کیا ہو گیا؟ اس نے کہا اے لوگو! میں نے چند دینار کمائے ہیں میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسانہ ہو کہ میرا حال خلیفہ ہارون الرشید کومعلوم ہو جائے اور وہ مجھے بلا کر دینار مانگے اور میں انکار کروں۔ اگر میں نے انکار کیا تو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے سزا دے گا' اس لئے میں خود ہی اپنے آپ کو سزا دے رہا ہوں تاکہ جو کچھ میرے اوپر گزرنے والی ہے اس کی مشق ہو جائے۔

اس پر سوداگر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ ایسی باتیں جانے دے' خدا تجھ سے بھی سمجھے اور تیرے دیناروں سے بھی۔ تو نے ہمیں گھبرا دیا اور پریشان کردیا۔ یہ سن کر خلیفہ نے اپنے آپ کو مارنا بند کردیا اور جا کر سو گیا' صبح تک سوتا رہا۔ جاگا اور اپنے کام

پر جانے لگا تو اسے اپنے سو دیناروں کی فکر پڑی۔ دل میں کہا کہ اگر میں انہیں گھر میں چھوڑے جاتا ہوں تو چور لے جائیں گے اور اگر میں انہیں کمر میں باندھ لوں تو ممکن ہے کہ کسی کی نظر پڑ جائے۔ وہ گھات میں لگا رہے مجھے کسی اکیلی جگہ پا کر قتل کر دے اور دینار لے اڑے' لیکن ایک ترکیب ہے بڑی عمدہ اور سودمند' یہ کہہ کر وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا' اپنے گریبان میں ایک جیب لگائی اور دیناروں کو تھیلی میں رکھ کر جیب کے اندر ڈال لیا اس کے بعد وہ اپنا جال اور ٹوکرا اور ڈنڈا لے کر چل دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو چھتیس ویں رات

آٹھ سو چھتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... دجلہ پہنچ کر ماہی گیر نے جال پھینکا' کھینچا تو اس میں کچھ نہ تھا۔ اب وہ اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری

جگہ گیا اور جال ڈالا وہاں بھی کچھ نہ نکلا۔ اسی طرح وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا رہا یہاں تک کہ وہ شہر سے آدھے دن کے فاصلے پر پہنچ گیا۔ ہر بار وہ جال پھینکتا اور وہ خالی نکلتا۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب میں آخری دفعہ جال ڈالتا ہوں' یا تو چیپ یا پٹ' یہ کہہ کر اس نے غصے میں بھر کر زور سے جال پھینکا' ساتھ وہ تھیلی بھی جس میں سو دینار تھے دریا میں جا پڑی اور پانی اسے بہا کر لے چلا۔ اس نے جال کو وہیں پھینکا اور کپڑے اتار تھیلی کے پیچھے دریا میں غوطہ مارا۔ تقریباً سو غوطے لگائے' مگر تھیلی ہاتھ نہ آئی۔ یہاں تک کہ اس کی قوت نے جواب دے دیا۔ اور وہ تھک کر خالی ہاتھ پانی کے اوپر آ گیا۔ ناامید ہو کر کنارے پر آیا تو دیکھا کہ سوائے ڈنڈے اور جال اور ٹوکرے کے وہاں کچھ نہیں۔ اس نے اپنے کپڑے بہت ڈھونڈے لیکن پتا نہ چلا۔ آخر جال کو اپنے بدن پر لپیٹ' ڈنڈا ہاتھ میں لے کر ٹوکرا کندھے پر رکھ کر ایسا بھاگا جیسے بولایا ہوا اونٹ دائیں بائیں اور آگے پیچھے بھاگتا ہے یا بال بکھرے گرد آلود جیسے کوئی نافرمان جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے قید خانے سے چھوٹا ہو۔

یہ تو خلیفہ ماہی گیر کا قصہ ہوا۔ اب خلیفہ ہارون الرشید کا ماجرا سنو۔ ایک جوہری ابن القرناص نامی اس کا مصاحب تھا تمام لوگوں خاص کر تاجروں دلالوں اور سٹے والوں کو معلوم تھا کہ ابن قرناص خلیفہ کا تاجر ہے اور خلیفہ جتنے تحفے تحائف اور قیمتی چیزیں مول لینا چاہتا ہے بے اس کے مشورے کے نہیں لیتا یہاں تک کہ غلام اور باندیاں بھی۔

ایک روز جب کہ وہ تاجر اپنی دکان پر بیٹھا ہوا تھا دلالوں کا چودھری ایک کنیز کو لے کر اس کے پاس آیا۔ جس کا قد و قامت اور حسن و جمال ایسا عجیب و غریب تھا کہ

کسی کی نظر سے نہ گزرا ہو گا۔ منجملہ اور خوبیوں کے وہ تمام علوم و فنون میں بھی ماہر تھی۔ شعر کہتی اور تمام باجے بجاتی۔ ابن قرناص جوہر نے اسے پانچ ہزار دینار میں مول لے لیا اور ایک ہزار دینار کے کپڑے پہنا کر امیر المومنین کے پاس لے گیا۔ خلیفہ اس رات اس کے ساتھ سویا۔ ہر علم و فن میں اس کا امتحان لیا۔ دیکھا کہ واقعی صاحب کمال ہے اور اس کا جواب کہیں نہیں۔ اس کا نام قوت القلوب تھا' صبح اٹھ کر ہارون الرشید نے ابن قرناص جوہری کو بلوایا وہ حاضر ہوا تو کنیز کے بدلے دس ہزار دینار عنایت کئے۔

خلیفہ اس کنیز کا اتنا گرویدہ ہو گیا کہ اس نے شہزادی زبیدہ بنت قاسم کو جو اس کی چچیری بہن تھی اور تمام چہیتی کنیزوں کو بالکل ترک کر دیا اور پورے ایک مہینے تک اس نئی کنیز کے ساتھ رہا۔ محض جمعے کی نماز پڑھنے کے لئے وہ اس سے جدا ہوتا اور نماز پڑھ کر فوراً اس کے پاس لوٹ آتا۔ امرا کو بڑا فکر پیدا ہوا' انہوں نے اس کی شکایت وزیر جعفر برمکی سے کی۔ وزیر نے آئندہ جمعے تک انتظار کیا۔ جمعے کے دن جامع مسجد میں جا کر امیر المومنین سے ملا اور جتنے عجیب و غریب عشق کے قصے اسے اس وقت یاد آئے کہہ سنائے تاکہ خلیفہ کے دل میں جو بات ہے نکل جائے۔ خلیفہ نے کہا اے جعفر خدا کی قسم یہ میرے اختیار سے باہر ہے' میرا دل اس درجے اس کی محبت کا شکار ہو گیا ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ وزیر جعفر بولا' امیر المومنین سن' یہ چہیتی کنیز قوت القلوب اب تیرے قبضے میں ہے' تیری خادمہ ہے اور مثل ہے کہ جو چیز ہاتھ میں آ جاتی ہے اس سے دل ہٹ جاتا ہے اور میں تجھے ایک دوسری بات بتاتا ہوں کہ بادشاہ اور شہزادے جس چیز پر سب سے زیادہ فخر کرتے ہیں وہ سیر و شکار ہے۔ اگر تو اس طرف مشغول ہو تو غالباً اسے بھول جائے گا اور تیرا دل اس کی طرف سے ہٹ جائے گا۔ خلیفہ بولا: اے جعفر! یہ تو نے خوب بات کہی۔ ہمارے ساتھ فوراً شکار کھیلنے چل۔ جمعے کی نماز ختم ہوتے ہی دونوں جامع مسجد سے نکلے اور فوراً سوار ہو کر سیر و شکار کے لئے چل دیئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• آٹھ سو سینتیس ویں رات

آٹھ سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ ہارون الرشید اور جعفر سیر و شکار کے لئے چل کھڑے ہوئے چلتے چلتے ایک جنگل میں پہنچے۔

امیر المومنین اور جعفر دونوں خچروں پر سوار تھے۔ باتوں میں اس قدر مصروف ہوئے کہ لشکر آگے نکل گیا۔ گرمی کا موسم تھا' رشید نے کہا اے جعفر! مجھے سخت پیاس لگی ہے۔ نظر دوڑائی تو اسے ایک اونچے ٹیلے پر کوئی چیز ہلتی ہوئی دکھائی دی۔ اس نے وزیر سے پوچھا کہ کیا تجھے بھی ایسا ہی دکھائی دیتا ہے' جیسا مجھے؟ وزیر بولا کہ اے امیرالمومنین! ہاں مجھے بھی ایک اونچے ٹیلے پر کوئی چیز ہلتی دکھائی دے رہی ہے یا تو کسی باغ کا باغبان ہے یا کسی کھیرے کے کھیت کا رکھوالا' بہرحال اس کے قریب پانی ہو گا۔ میں ابھی جا کر تیرے لئے پانی لاتا ہوں۔ رشید بولا کہ میرا خچر تیرے خچر سے تیز ہے تو لشکر کی خاطر یہیں ٹھہر رہ' میں خود جا کر اس شخص کے پاس سے پانی پی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر رشید نے اپنے خچر کو ایڑ لگائی' خچر اس طرح چل نکلا جیسے آندھی اور دریا کا پانی اور پلک مارتے اس نے خلیفہ کو اس ہلتی ہوئی چیز کے پاس پہنچا دیا جو دراصل خلیفہ ماہی گیر تھا۔ رشید نے دیکھا کہ اس کے بدن پر بجائے کپڑوں کے جال لپٹا ہوا ہے اور آنکھیں مشعل کی طرح سرخ ہیں۔ اس کی صورت ڈراؤنی' قد جھکا ہوا ہے اور وہ ایسا گرد آلود ہے جیسے کوئی دیو یا شیر۔ رشید نے اسے سلام کیا۔ اس نے غصے کے لہجے میں سلام کا جواب دیا گویا اس کے بدن سے شعلے نکل رہے تھے۔ رشید نے پوچھا' اے شخص تیرے پاس کچھ پانی ہے؟ خلیفہ نے جواب دیا کیا تو اندھا ہے یا پاگل ہے؟ تیرے پاس ہی تو دجلہ بہہ رہا ہے اور اسی ٹیلے کے پیچھے رشید ٹیلے کے پیچھے سے گھوم کر دجلہ پر پہنچا۔ خود بھی پانی پیا اور اپنے خچر کو بھی پلایا۔
پانی پی کر رشید فوراً خلیفہ ماہی گیر کے پاس آیا اور کہا اے شخص' تو کون ہے اور یہاں

کھڑا کیا کرتا ہے۔ خلیفہ بولا یہ تیرا سوال پانی کے سوال سے بھی عجیب و غریب ہے' کیا تجھے میرے پیشے کا سامان میرے کندھے پر رکھا دکھائی نہیں دیتا؟ رشید بولا تو ماہی گیر معلوم ہوتا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ رشید نے پوچھا تیری قبا کہاں ہے اور شملہ کیا ہوا' پٹکا کدھر گیا اور کپڑے کیا ہوئے؟ لطف کی بات یہ تھی کہ اسی ترتیب سے خلیفہ کی یہ چیزیں غائب ہوتی رہی تھیں' لہٰذا جب خلیفہ نے خلیفہ کی باتیں سنیں تو اسے یقین ہو گیا کہ یہی شخص میرے کپڑے دریا کے کنارے سے لے گیا ہے اور وہ بجلی کی طرح ٹیلے سے اترا اور خلیفہ کے خچر کی لگام تھام کر کہنے لگا' اے شخص میرے کپڑے مجھے دے دے۔ ہنسی مذاق جانے دے۔ خلیفہ بولا خدا کی قسم! میں نے تیرے کپڑے دیکھے تک نہیں۔ نہ میں جانتا ہوں کہ وہ کیسے ہیں؟ رشید کے رخسار بڑے اور منہ چھوٹا تھا۔ اس لئے خلیفہ نے اسے دیکھ کر کہا تو گویا یا بانسری بجانے والا معلوم ہوتا ہے لیکن ان دونوں سے بہتر ہے کہ تو میرے کپڑے دے دے ورنہ میں اس ڈنڈے سے تجھے اتنا ماروں گا کہ تیرے کپڑے پیشاب سے تر ہو جائیں گے۔ جب خلیبفہ نے دیکھا کہ خلیفہ ماہی گیر کے پاس ڈنڈا ہے اور وہ مارنے کے لئے تیار تو اپنے دل میں کہنے لگا کہ واللہ اس پاگل قلاش کے ڈنڈے کی آدھی مار بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس نے اپنی اطلس کی قبا اتار کر خلیفہ سے کہا کہ اپنے کپڑوں کے بدلے اس قبا کو لے لے۔ خلیفہ نے الٹ پلٹ کر دیکھا اور کہنے لگا میری قبا اس رنگین قبا سے دس گنی بہتر تھی۔ رشید بولا کہ جب تک میں تیرے کپڑے نہ لے آؤں' اسی قبا کو پہن لے۔ جب خلیفہ نے اسے لے کر پہنا تو دیکھا کہ وہ بہت لمبی ہے اس کے پاس ٹوکرے سے بندھی ہوئی ایک چھری تھی۔ اسے لے کر خلیفہ نے نیچے سے ایک تہائی کاٹ ڈالا اب وہ اس کی گھٹنوں تک آئی۔

پھر ماہی گیر نے رشید کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے بانسری بجانے والے' خدا کے لئے مجھے بتا دے کہ تیرا مشاہرہ کیا ہے جو تیرا استاد تجھے دیتا ہے۔ خلیفہ نے جواب

دیا سونے کے دس دینار' خلیفہ بولا اے مسکین تو نے اپنے غم کا بوجھ بھی میرے اوپر ڈال دیا۔ خدا کی قسم میں ہر روز دس دینار کماتا ہوں' اگر تو چاہتا ہے تو میری نوکری کر لے' میں تجھے مچھلیاں پکڑنا سکھا دوں گا اور میری کمائی میں تیرا حصہ ہو گا۔ اس طرح سے تو ہر روز پانچ دینار کمائے گا اور میرا غلام بن کر رہے گا اور اگر تیرے استاد نے کچھ چون و چرا کی تو اسی ڈنڈے سے میں اس کی خبر لوں گا۔ رشید بولا منظور ہے خلیفہ نے کہا اچھا اپنی گدھی کی پیٹھ پر سے اتر پڑ اور اسے باندھ دے تا کہ میں اس سے مچھلیاں ڈھونے کا کام لوں اور فوراً میرے ساتھ چل میں تجھے مچھلیاں پکڑنا سکھا دوں۔ یہ سن کر رشید اپنے خچر سے اتر پڑا اور اسے ایک طرف باندھ کر اپنا دامن پٹی میں اڑس لیا۔ خلیفہ نے کہا' اے بانسری بجانے والے' جال کو یوں پکڑ اور اسے یوں اپنے بازوؤں پر لپیٹ اور یوں دجلہ میں پھینک رشید نے دل مضبوط کرکے ایسا ہی کیا جیسا کہ اسے خلیفہ نے بتایا تھا اور جال کو دریا میں پھینکا لیکن جب اس نے اسے کھینچنا چاہا تو کھینچ نہ سکا۔ اب خلیفہ نے بھی آ کر زور لگایا وہ پھر بھی نہ کھنچا' خلیفہ کہنے لگا کہ اے منحوس بانسری بجانے والے' ایک بار تو میں اپنے کپڑوں کے بدلے تیری قبا لے چکاہوں' اگر اس بار میرا جال پھٹ گیا تو اس کے بدلے میں تیری گدھی لے لوں گا اور تجھے اتنا ماروں گا کہ تجھے دم دبا کر بھاگتے ہی پڑے گی۔ رشید بولا کہ آ ہم دونوں مل کر کھینچیں۔ اس پر بھی جال مشکل سے کھنچا' اور جب باہر نکلا تو انھوں نے دیکھا کہ اس میں رنگ رنگ کی مچھلیاں ہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• آٹھ سو اڑتیس ویں رات

آٹھ سو اڑتیں ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب خلیفہ ماہی گیر اور خلیفہ نے جال کھینچا تو دیکھا کہ وہ طرح طرح کی مچھلیوں سے بھرا ہوا ہے تو خلیفہ بولا اے بانسری والے' خدا کی قسم تو بڑا خوش نصیب ہے' اگر تو نے ذرا محنت سے کام لیا تو بڑا ہوشیار ماہی گیر ہو جائیگا۔ اب بہتر ہے کہ تو اپنی گدھی پر سوار ہو کر بازار جا اور وہاں سے دو ٹوکرے لے کر آ۔ تیرے آنے تک میں ان مچھلیوں کی خبر گیری کا کام کروں گا' پھر ہم دونوں انہیں تیری گدھی پر لاد کر لے چلیں گے۔ میرے پاس ترازو' بٹے اور تمام ضروری چیزیں ہیں۔ تیرا کام بس اتنا ہو گا کہ تول تول کر دیتا جائے اور دام لیتا جائے۔ ہمارے پاس بیس دینار کی مچھلیاں ہوں گی' جلدی جا کر دو ٹوکرے لے آ اور دیر نہ کر۔ خلیفہ نے سر آنکھوں پر کہہ کر ماہی گیر اور مچھلیوں کو وہیں چھوڑا اور اپنے خچر پر خوش خوش بیٹھ کر چل دیا۔ راستے بھر ہنستا رہا یہاں تک کہ جعفر کے پاس پہنچا۔ اسے دیکھ کر جعفر نے کہا امیرالمومنین جب تو پانی پینے گیا تھا تو شاید تجھے کوئی عمدہ باغ مل گیا اور تو اس میں جا کر اکیلے سیر و تفریح کرنے لگا۔ جعفر کی یہ باتیں سن کر رشید ہنس پڑا اور تمام برمکیوں نے اٹھ کر اس کے آگے زمین چومی اور کہنے لگے کہ اے امیر المومنین خدا تجھے ہمیشہ خوش رکھے' غم کو تیرے پاس پھٹکنے نہ دے! جب تو پانی پینے گیا تو تجھے دیر کیوں لگی' تیرے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا؟ خلیفہ نے کہا میرے ساتھ عجیب و غریب واقعہ پیش آیا یہ کہہ کر اس نے خلیفہ کا ماجرا دہرایا اور اس کا کہنا کہ تو نے میرے کپڑے چرائے ہیں' بیان کیا اور اس نے ماہی گیر کو اپنی قبا دے دی اور ماہی گیر نے اسے لمبا دیکھ کر نیچے سے کاٹ ڈالا۔

یہ سن کر جعفر بولا۔ امیر المومنین واللہ میرا خیال تھا کہ میں تجھ سے وہ قبا مانگ لوں

لیکن اب فوراً جا کر وہ قبا ماہی گیر سے خرید لاتا ہوں۔ خلیفہ نے کہ اب تو اس نے قبا کو نیچے کی طرف سے کاٹ کے بیکار کر دیا ہے۔ اے جعفر' دریا پر مچھلیاں پکڑتے پکڑتے میں تھک گیا ہوں میں نے بہت سی مچھلیاں ماری ہیں اور وہ سب میرے استاد خلیفہ کے پاس دریا کے کنارے پڑی ہوئی ہیں اور وہ کھڑا ہوا میری راہ دیکھ رہا ہو گا کہ میں دو ٹوکرے لے کر پہنچوں اور ہم دونوں بازار جا کر انہیں بیچیں اور دام تقسیم کریں۔ جعفر نے کہا امیرالمومنین میں تمہارے پاس گاہکوں کو لے آؤں گا۔ خلیفہ بولا اے جعفر! قسم ہے اپنے پاک بزرگوں کی جو کوئی اس خلیفہ کی جس نے مجھے مچھلیاں مارنا سکھایا ہے ایک مچھلی لے کر میرے پاس آئے گا' میں اسے ایک سونے کا دینار دوں گا۔ یہ سن کر ڈھنڈورا پیٹنے والے نے لشکر میں ڈھنڈورا پیٹ دیا کہ جا کر امیر المومنین کے لئے مچھلیاں خرید لاؤ۔ سارے غلام دریا کی طرف چل کھڑے ہوئے خلیفہ امیر المومنین کی راہ دیکھ ہی رہا تھا کہ غلام اس پر گدھوں کی طرح ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کو مار مار کر پیچھے ہٹانے لگے اور مچھلیاں لے کر زردوز رومالوں میں باندھ لیں۔ خلیفہ نے اپنے دل میں کہا کہ بے شک یہ جنت کی مچھلیاں ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے دو مچھلیاں اپنے دائیں ہاتھ میں لیں دو بائیں اور گلے گلے پانی میں اتر کر کہنے لگا کہ یا اللہ ان مچھلیوں کی قسم تیرا بندہ بانسری بجانے والا جو میرا شریک ہے' ابھی آتا ہو گا۔

خلیفہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ایک غلام پہنچا جو خلیفہ کے غلاموں کا سردار تھا اور اس نے دیکھا کہ وہاں مچھلیاں باقی نہیں۔ جب اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ خلیفہ ماہی گیر مچھلیاں لئے پانی میں کھڑا ہے۔ وہ کہنے لگا اے ماہی گیر' ادھر آ۔ ماہی گیر نے جواب دیا چلتا ہو اور فضول باتیں نہ کر۔ غلام نے آگے بڑھ کر کہا یہ مچھلیاں مجھے دے دے' میں تجھے اس کی قیمت دیتا ہوں۔ خلیفہ ماہی گیر نے غلام سے کہا کیا تو پاگل ہو گیا ہے؟ میں انہیں نہیں بیچتا۔ یہ سن کر غلام نے اپنا گرز اٹھایا۔ خلیفہ

بولا کم بخت مجھے مار نہیں' گرز کی مار کھانے سے تو یہی بہتر ہے کہ میں تجھے مفت میں دے دوں۔ یہ کہہ کر اس نے مچھلیاں پھینک دیں اور غلام نے انہیں اٹھا کر رومال میں باندھ لیا۔ جب اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں ایک درہم بھی نہ نکلا۔ وہ کہنے لگا اے ماہی گیر! تیری قسمت کھوٹی ہے' خدا کی قسم میرے پاس ایک درہم بھی نہیں' لیکن کل خلیفہ کے محل میں آ جائیو اور کہیو کو مجھے صندل غلام کے پاس لے چلو۔ غلام تجھے میرے پاس لے آئیں گے' وہاں جو تیری قسمت میں ہے' تجھے مل جائیگا۔ خلیفہ بولا آج کا دن بڑا مبارک ہے اور اس کی برکت شروع ہی سے ظاہر ہے۔ یہ کہہ کر اس نے جال کندھے پر رکھا اور چل دیا۔ بغداد پہنچ کر بازار میں سے گزرا۔ لوگوں نے اسے خلیفہ کی قبا پہنے دیکھا تو حیران ہو کر دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے محل میں پہنچا۔ اسی محلے کے نکڑ پر خلیفہ کے درزی کی دکان تھی۔ درزی نے دیکھا کہ ماہی گیر ایک ہزار دینار کی قبا پہنے ہوئے ہے جو خلیفہ کی پوشاکوں میں سے ہے' وہ بولا اے خلیفہ' یہ قبا تجھے کہاں سے ملی؟ خلیفہ نے جواب دیا تو فضول باتیں کیوں کرتا ہے؟ مجھے یہ قبا ایک شخص سے ملی ہے جسے میں نے مچھلیاں پکڑنا سکھائی ہیں' جو میرا شاگرد بن گیا ہے اور جس کے ہاتھ کاٹے جانے کا گناہ میں نے بخش دیا ہے کیونکہ اس نے میرے کپڑے چرا لئے تھے ان کے بدلے اس نے مجھے یہ قبا دی ہے۔ درزی سمجھ گیا کہ جب وہ مچھلیاں مار رہا تھا تو خلیفہ اس کے پاس سے گزرا ہو گا اور اس کا مذاق بنا کر اسے یہ قبا دے دی ہو گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو انتالیسویں رات

آٹھ سو انتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ درزی سمجھ گیا کہ خلیفہ نے اس کے ساتھ مذاق کیا ہے۔
یہ تو ماہی گیر کا قصہ ہوا۔ اب خلیفہ ہارون الرشید کا حال سنو۔ وہ سیروشکار کے لئے اسی غرض سے گیا تھا کہ کنیز قوت القلوب کی یاد اس کے دل سے نکل جائے۔ ادھر زبیدہ کو یہ خبر ہوئی کہ خلیفہ اس کنیز کی محبت میں گرفتار ہے تو اسے ویسا ہی رشک ہونے لگا جو عورتوں کو ہوا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا کھانا پینا بند ہو گیا' میٹھی نیند نے اسے خیرباد کہہ دیا اور وہ اسی تاک میں لگی رہی کہ خلیفہ کہیں باہر جائے یا سفر کرے تو وہ قوت القلوب کے لئے مکر کا جال بچھائے۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ خلیفہ سیر و شکار کے لئے گیا ہے تو اس نے باندیوں کو حکم دیا کہ کمروں میں فرش بچھائیں اور اسے خوب سجائیں پھر اس نے کھانے اور مٹھائیاں چنیں' منجملہ ان کے ایک چینی طباق میں بہترین حلوہ منگوا کر اس میں بھنگ ملا دی اور ایک غلام سے کہا کہ کنیز قوت القلوب کے پاس جا کر کہہ کہ امیر المومنین کی بیوی شہزادی زبیدہ بنت قاسم تجھے کھانے پر مدعو کرتی ہے اور اس سے یہ بھی کہیو کہ امیر المومنین کی بیوی آج بیمار ہے' اس نے سنا ہے تو گاتی اچھا ہے اس لئے وہ تیرے فن کو سن کر خوش ہونا چاہتی ہے۔ کنیز نے جواب بھیجا کہ پہلے خدا کا اور پھر شہزادی زبیدہ کا حکم سر آنکھوں پر۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ غیب کے پردے میں اس کے لئے کیا پوشیدہ ہے اور تمام ضروری باجے لے کر غلام کے ساتھ شہزادی زبیدہ کے پاس پہنچ گئی۔ اس کے آگے کئی بار زمین کو بوسہ دیا پھر کہنے لگی کہ سلام ہو بلند منزلت اور عالی جناب ذات پر جو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نبی علیہ السلام کے خاندان سے ہے! خدا تجھے روز بروز اور سال بہ سال اقبال دے اور امن و امان سے

رکھے! یہ کہہ کر وہ دوسرے غلاموں اور باندیوں کے برابر کھڑی ہو گئی۔

شہزادی زبیدہ نے اس کی طرف نظر اٹھائی' دیکھا کہ وہ نہایت حسین و جمیل ہے' اس کے رخسار چکنے چکنے ہیں' سینہ انار کی طرح' چہرہ جیسے چاند' پیشانی آب دار اور آنکھیں سرمگیں ہیں' گویا سورج اس کے ماتھے سے طلوع ہوتا ہے اور اندھیری رات اس کی زلفوں سے نکلتی ہے۔ مشک میں اسی کی خوشبو ہے اور پھولوں میں اسی کی خوش نمائی' چاند اسی کی جبین سے روشن ہے اور شاخ میں اس کے قد کی لچک ہے۔ گویا وہ پورا چاند ہے جو کالی رات میں چمک رہا ہے۔ اس کی آنکھیں گویا ہیں' بھنویں کمان کی سی اور ہونٹ مونگے کے بنے ہوئے جو کوئی اسے دیکھتا ہے' حیران ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھیں اس پر جادو کر دیتی ہیں۔ عالی شان ہے وہ ذات جس نے اسے پیدا کیا اور یہ خوبیاں عطا کیں۔ شہزادی زبیدہ نے کہا اے قوت القلوب اہلاً و سہلاً مرحبا۔ بیٹھ کر اپنے فن سے ہمیں خوش کر' وہ بیٹھ کر دف بجانے لگی اور اتنا گایا بجایا کہ چڑیاں اڑنے سے رک گئیں اور مکان رقص کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے دف کو رکھ دیا اور بانسری بجائی' پھر سارنگی اٹھائی' تاروں کو کھینچ اور کھونٹیوں کو گھما کر اسے اپنی گود میں رکھ لیا اور اس پر اس طرح جھک گئی جیسے بچے پر ماں اور چودہ مختلف راگ بجائے یہاں تک کہ دیکھنے والے دنگ ہو گئے اور سننے والے جھومنے لگے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو چالیسویں رات

آٹھ سو چالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... شہزادی زبیدہ کے سامنے سارنگی بجانے کے بعد قوت القلوب نے انگلیوں اور ہاتھوں کے کرتب دکھانے شروع کئے یہاں تک کہ شہزادی زبیدہ کو اس سے عشق ہو گیا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ میرا چچیرا بھائی رشید اس کے عشق میں حق بجانب ہے۔ اس کے بعد کنیز زبیدہ کے آگے زمین چوم کر بیٹھ گئی۔ کھانا لایا گیا' پھر مٹھائیاں اور وہ طباق جس میں بھنگ ملی ہوئی تھی۔ کنیز نے اس میں سے کھایا ابھی حلوہ اس کے پیٹ میں بھی نہ پہنچا ہو گا کہ اس کا سر چکرانے لگا اور وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔ شہزادی زبیدہ نے باندیوں سے کہا' اسے اٹھا کر کسی کوٹھڑی میں لے جاؤ اور جب میں کہوں تو اسے لانا پھر زبیدہ نے ایک غلام سے کہا کہ ایک صندوق تیار کر اور ایک قبر سی بنا کر مشہور کر دے کہ کنیز کے گلے میں کوئی چیز پھنس گئی اور وہ مر گئی۔ زبیدہ نے اپنی خواصوں کو تنبیہہ کر دی کہ اگر کسی نے بھی کہا کہ وہ زندہ ہے تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ اتنے میں خلیفہ سیر و شکار سے لوٹا اور سب سے پہلے اس کنیز کے متعلق دریافت کیا۔ ایک غلام آگے بڑھا جسے شہزادی زبیدہ نے سکھا دیا تھا کہ اگر خلیفہ تجھ سے اس کے بارے میں پوچھے تو کہہ دیجیو کہ مر گئی۔ اس نے خلیفہ کے آگے زمین چوم کر کہا اے میرے آقا! خدا تجھے سلامت رکھے! یقین جان کہ قوت القلوب کے حلق میں کھانے کی کوئی چیز پھنس گئی اور وہ مر گئی۔ خلیفہ بولا اے کم بخت غلام' خدا تجھے کبھی کوئی خوشخبری نصیب نہ کرے یہ کہہ کر وہ محل کے اندر گیا اور ہر ایک کو یہی کہتے سنا کہ وہ مر گئی۔ خلیفہ نے پوچھا کہ اس کی قبر کہاں ہے؟ لوگ اسے اس قبر کے پاس لے آئے جو جھوٹ موٹ بنا دی گئی تھی اور کہنے

لگے کہ یہ ہے اس کی قبر اسے دیکھ کر خلیفہ نے ایک چیخ ماری اور قبر سے لپٹ کر رونے لگا۔ بہت دیر تک اسی حالت میں رہا پھر وہ نہایت غمگین قبر کے پاس سے اٹھا'

شہزادی زبیدہ کو یقین ہو گیا کہ اس کی چال چل گئی۔ اس نے غلام سے کہا کہ وہ صندوق لا' صندوق آ گیا تو زبیدہ نے کنیز کو اس میں بند کیا اور غلام سے کہا کہ کوشش کر کے اس صندوق کو بیچ آ مگر اس شرط سے بچیو کہ وہ بند رہے اور پھر دام اسے لوٹا دیجیو۔ غلام اسے لے کر زبیدہ کے پاس سے چل دیا اور جیسا کہا تھا ویسا ہی کیا۔

یہ تو ان لوگوں کا ماجرا ہوا' اب خلیفہ ماہی گیر کا قصہ سنو۔ دوسرے دن جب صبح ہوئی اور دن نکلا تو اس نے اپنے دل میں کہا کہ بہتر ہے آج میں اس غلام کے پاس جاؤں جس نے مجھ سے مچھلیاں خریدی تھیں اور کہا تھا کہ میں خلیفہ کے محل میں جا کر اس سے ملوں' چنانچہ خلیفہ اپنے گھر سے نکلا اور خلیبفہ کے محل کی طرف چل دیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ غلام اور نوکر چاکر کچھ کھڑے ہیں' کچھ بیٹھے اور وہ غلاموں کا سردار بھی موجود ہے۔ خلیفہ کو دیکھ کر ایک غلام نے زور سے ڈانٹا جس کی وجہ سے سردار اس کی طرف متوجہ ہوا کہ دیکھے کون شخص ہے' ماہی گیر نے اسے پہچان لیا اور اسے یقین آ گیا کہ سردار نے بھی اسے پہچان لیا ہے تو وہ بولا اے لال بالوں والے' تو نے کسر باقی نہیں رکھی کیا ایمان دار آدمی ایسا ہی کیا کرتے ہیں؟ اس کی باتیں سن کر سردار ہنس پڑا اور کہنے لگا اے ماہی گیر واللہ تو سچ کہتا ہے۔

غلاموں کے سردار صندل نے چاہا کہ اسے کچھ دے' اسی لئے اس نے اپنی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اتنے میں شور وغل کی آوازیں آئیں۔ سردار نے سر اٹھایا کہ دیکھے کیا بات ہے۔ اس کی نظر وزیر جعفر برمکی پر پڑی جو خلیفہ کے پاس سے آ رہا تھا سردار فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے آگے آگے چلنے اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ اس میں اتنی دیر ہو گئی کہ خلیفہ ماہی گیر بیٹھے بیٹھے تھک گیا اور اسے خلیفہ سے بات کرنے کا موقع نہ ملا۔ زیادہ دیر ہو گئی تو اس نے دور ہی سے اس کی طرف

اشارہ کرکے کہا اے میرے لال بالوں والے آقا' آخر تو مجھے رخصت کیوں نہیں کرتا؟
سردار نے سن تو لیا لیکن وزیر جعفر کے سامنے جواب دیتے اسے شرم آئی۔ وہ وزیر کے ساتھ گفتگو کرتا رہا اور ماہی گیر کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوا۔ خلیفہ نے کہا اے قرضے کو دیر میں ادا کرنے والے' خدا دیر لگانے والوں کا ستیاناس کرے اور ان تمام لوگوں کا جو اوروں کا مال لے کر اس کی ادائیگی میں شش و پنج کرتے ہیں۔ اے بڑی توند والے آقا' مجھے اپنی پناہ میں لے لے اور میرا قرض ادا کر دے تاکہ میں چلا جاؤں سردار تو کچھ بول نہ سکا لیکن جعفر نے دیکھ لیا کہ ایک آدمی سردار کیطرف ہاتھ ہلا ہلا کرکچھ کہنا چاہتا ہے۔ اسے برا معلوم ہوا اس نے سردار سے کہا اے غلام! یہ بیچارہ فقیر تجھ سے کیا مانگ رہا ہے؟ صندل نے عرض کیا اے میرے مولا وزیر' کیا تو اسے نہیں پہچانتا؟ وزیر جعفر نے جواب دیا' خدا کی قسم میں نہیں پہچانتا اور پہچانوں بھی تو کس طرح؟ اس وقت سے پہلے میں نے کبھی اسے دیکھا بھی نہیں۔ غلام بولا' اے میرے مولا' یہ وہی ماہی گیر ہے جس کی مچھلیاں ہم نے دجلہ کے کنارے لوٹی تھیں۔ میرے ہاتھ کچھ نہیں لگا تھا اور امیر المومنین کے پاس خالی ہاتھ جاتے شرم آتی تھی کیونکہ سارے غلام مچھلیاں لا رہے تھے۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ دریا کے بیچ کھڑا خدا سے دعا مانگ رہا ہے اور اس کے پاس چار مچھلیاں ہیں۔ میں نے کہا کہ جو کچھ تیرے پاس ہے مجھے دے دے' اس کے دام لے لے۔ اس نے مجھے مچھلیاں دے دیں تو میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تاکہ میں اسے کچھ دوں لیکن میری جیب خالی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس محل میں آ جائیو اور میں تجھے اتنا کچھ دوں گا کہ تیری مفلسی دور ہو جائے گی آج وہ آیا اور میں نے اسے کچھ دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ تو آ گیا۔ میں تیری خدمت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا' اسے بھول گیا اور وہ انتظار کرتے کرتے تھک گیا' بس یہ ہے اس کا قصہ اور اسی وجہ سے وہ ٹھہرا ہوا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

آٹھ سو اکتالیسویں رات

آٹھ سو اکتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ صندل نے جعفر برمکی سے خلیفہ ماہی گیر کا قصہ سنا کر کہا کہ بس یہ ہے اس کا قصہ اور اسی وجہ سے وہ ٹھہرا ہوا ہے یہ سن کر وزیر مسکرایا اور کہنے لگا اے غلاموں کے سردار! یہ تو نے کیا کیا کہ یہ ماہی گیر تیرے پاس اتنی حاجت لے کر آیا اور تو نے اسے پورا نہ کیا؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ یہ کون ہے؟ صندل نے جواب دیا نہیں وزیر بولا' یہ امیر المومنین کا استاد اور شریک ہے۔ ہمارا مولا خلیفہ آج صبح سے پریشان خاطر ہے اور سوائے اس ماہی گیر کے کوئی اسے خوش نہیں کر سکتا۔ ماہی گیر کو جانے نہ دیجیو جب تک میں خلیفہ کی اجازت لے کر اسے اس کے آگے پیش نہ کر لوں۔ ممکن ہے کہ اس کی پریشانی دور ہو جائے۔ اسے دیکھ کر خلیفہ قوت القلوب کو بھول جائے اور ماہی گیر کی کچھ مدد کرے اور اس کا سبب تو ہو۔ غلام نے کہا کہ میرے مولا' جو تیرا جی چاہے کر' خدا تجھے بطور امیر المومنین کی سلطنت کے رکن کے قائم رکھے اور سلطنت پر خدا ہمیشہ اپنا سایہ رکھے اور اس کی حفاظت کرے! وزیر جعفر! خلیفہ کے پاس گیا اور غلاموں کے سردار نے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ ماہی گیر کا ساتھ نہ چھوڑیں۔ خلیفہ نے کہا کہ اے لال بالوں والے' تیرا کس قدر مجھ پر احسان ہے۔ قرض خواہ قرض دار ہو گیا تیرا گریبان پکڑتے الٹا میرا گریبان پکڑا گیا۔ ادھر جب جعفر خلیفہ کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ پریشان حال سر جھکائے بیٹھا ہوا ہے۔ خلیفہ کے سامنے آ کر جعفر نے کہا اے امیر المومنین دین کی حرمت بچانے والے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے چچیرے بھائی' سلامتی ہو تجھ پر! خلیفہ سر اٹھا کر بولا' تیرے اوپر بھی سلامتی ہو' خدا کی رحمت اوراس کی برکتیں! جعفر نے کہا اگر امیو المومنین کی اجازت

ہو اور میرا اس میں نقصان نہ ہو تو بندہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ خلیفہ نے کہا بات کرنے میں کب تجھے نقصان پہنچا ہے! تو تو وزیروں کا سردار ہے' جو تیرا جی چاہے کہہ۔

وزیر جعفر بولا! اے میرے مولا' جب میں تیرے پاس سے نکل کر گھر جا رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ تیرا استاد' معلم اور شریک دروازے پر کھڑا ہے تجھ سے ناراض ہے' تیری شکایت کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ سبحان اللہ میں نے اسے مچھلیاں مارنی سکھائیں اور جب وہ ٹوکرے لینے گیا تو لوٹ کر بھی نہ آیا۔ یہ عجیب طرح کی شرکت ہے اور وہ عجیب قسم کا شاگرد اگر تجھے اس کے شریک بننے کی ضرورت ہے تو بسم اللہ ورنہ اس سے کہہ دے کہ وہ دوسرے کو شریک بنا لے۔ یہ سن کر خلیفہ مسکرا دیا' اس کی پریشانی دور ہو گئی اور وہ جعفر سے کہنے لگا تجھے میری جان کی قسم! کیا تو سچ کہتا ہے' ماہی گیر دروازے پر کھڑا ہے؟ جعفر نے جواب دیا' امیر المومنین' تیری جان کی قسم وہ دروازے پر کھڑا ہے۔ خلیفہ نے کہا اے جعفر! واللہ میں اس کا حق ادا کرنے کی ضرور کوشش کروں گا' اگر میرے خدا کو میرے ہاتھ سے اس کی بدبختی منظور ہے تو اسے بدبختی ملے گی اور اگر نیک بختی منظور ہے تو نیک بختی ملے گی۔ یہ کہہ کر خلیفہ نے ایک کاغذ لیا اور اس کے کئی پرزے کرکے جعفر سے کہا کہ تو ان پر اپنے ہاتھ سے ایک دینار سے لے کر ایک ہزار دینار تک مختلف رقمیں لکھ اور چھوٹے چھوٹے عہدے سے لے کر خلافت تک مختلف مراتب اور سرداریاں اور چھوٹی سے چھوٹی سزا سے لے کر قتل تک طرح طرح کی سزائیں' جعفر نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی۔

اب خلیفہ نے کہا اے جعفر! قسم ہے مجھے اپنے پاک آباؤ اجداد کی' حمزہ اور عقیل کے ساتھ اپنی قرابت کی کہ میں خلیفہ ماہی گیر کو بلا کر حکم دیتا ہوں کہ وہ ان پرزوں میں سے جن کے مضمون کی خبر سوائے میرے اور تیرے کسی کو نہیں' ایک پرزہ اٹھا لے اور جو بات اس میں نکلے گی' وہ میں اسے دوں گا' اگر اس میں خلافت بھی نکلی تو میں اسے ماہی گیر کو دے دوں گا' اور اس میں کسی طرح کی کنجوسی نہ کروں گا

اور اگر پرزے میں پھانسی یا ہاتھ کاٹنا یا قتل کرنا نکلا تو وہی اس کے ساتھ کروں گا' اسے لے آ۔ یہ سن کر جعفر نے دل میں کہا لاحول ولا قوہ ------ اگر اس بیچارے کے لئے کوئی نقصان دہ چیز نکلی تو اس کا گناہ میرے اوپر ہو گا لیکن خلیفہ قسم کھا چکا ہے اور اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ اندر آئے اور خدا کو جو منظور ہے وہی ہو گا۔

یہ کہہ کر وہ خلیفہ ماہی گیر کے پاس گیا اور چاہتا تھا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے جائے۔ خلیفہ کے ہوش جاتے رہے اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا میری کیا عقل ماری گئی تھی کہ میں اس لال بالوں والے منحوس غلام کے پاس آیا اور اس بڑی توند والے سے ملا۔ جعفر اسے اپنے ساتھ لئے جا رہا تھا' غلام اس کے آگے آگے اور پیچھے پیچھے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ میری گرفتاری کافی نہ تھی کہ یہ لوگ میرے آگے اور پیچھے بھی ہو لئے کہ میں بھاگ بھی نہ سکوں۔ جب جعفر اسے لئے ہوئے سات دہلیزیں طے کر چکا تو کہنے لگا اے ماہی گیر' تو اس وقت مسلمانوں کے سردار اور دین کی حرمت کے بچانے والے کے سامنے کھڑا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے بڑا پردہ اٹھایا اور خلیفہ ماہی گیر کی خلیفہ رشید سے آنکھیں چار ہو گئیں جو تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور جس کے آس پاس بڑے بڑے عہدے دار خدمت کے لئے کھڑے تھے۔ جب خلیفہ نے اسے پہچان لیا تو آگے بڑھ کر کہا اے بانسری بجانے والے' اہلاً و سہلاً یہ ٹھیک نہیں کہ ہم ماہی گیری کریں اور تو مجھے مچھلیوں کی خبر گیری کرتا چھوڑ کر چلتا بنے اور لوٹ کر نہ آئے۔ غلام طرح طرح کے چوپایوں پر سوار میرے پاس آ پہنچے اور مچھلیاں چھین کر لے گئے۔ میں اکیلا کھڑا دیکھتا رہا۔ یہ سب تیرا قصور ہے کیونکہ تو اگر ٹوکرے جلد لے آتا تو ہم سو دینار کی مچھلیاں بیچ لیتے۔ اب جب کہ میں اپنے دام لینے آیا تو لوگوں نے مجھے گرفتار کر لیا' لیکن یہ تو بتا کہ تجھے کس نے یہاں باندھ کر بٹھایا ہے یہ سن کر خلیفہ مسکرا دیا اور پردے کا ایک کنارہ اٹھا کر اپنا سر نکالا اور کہا آگے بڑھ کر ان میں سے ایک کاغذ اٹھا لے۔ خلیفہ ماہی گیر نے امیر المومنین سے کہا کہ آج تک تو ماہی

گیر تھا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آج تو نجومی ہو گیا ہے' لیکن تجھے معلوم نہیں کہ جو شخص زیادہ پیشے اختیار کرتا ہے اس کی مفلسی زیادہ ہوجاتی ہے۔ جعفر نے کہا جلدی سے پرنہ اٹھا لے' باتیں مت کر اور امیر المومنین کا حکم مان' خلیفہ ماہی گیر نے آگے بڑھ کر ہاتھ بڑھایا اور کہنے لگا کاش کہ یہ بانسری بجانے والا میرا پورا شاگرد ہو جاتا اور میرے ساتھ مچھلیاں مارتا! اس کے بعد اس نے پرنہ اٹھا کر خلیفہ کو دے دیا اور کہنے لگا اے بانسری بجانے والے' جوکچھ اس میں نکلے اسے مجھ سے ہرگز نہ چھپائیو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو بیالیس ویں رات

آٹھ سو بیالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ماہی گیر نے خلیفہ سے کہا اے بانسری بجانے والے! جو کچھ اس میں نکلے اسے مجھ ضرور بتائیو۔ خلیفہ نے وہ پرزہ لے کر وزیر جعفر کو دے دیا اور کہا' پڑھ اس میں کیا لکھا ہا ہے۔ جعفر اسے دیکھ کر لاحول پڑھنے لگا' خلیفہ نے کہا اے جعفر! خیر تو ہے' اس میں کیا لکھا ہے؟ اس نے کہا' امیر المومنین پرزے میں لکھا ہوا ہے کہ اس کے سو ڈنڈے مارے جائیں۔ خلیفہ نے سو ڈنڈے مارنے کا حکم دے دیا اور لوگ اس کا حکم بجا لائے۔ خلیفہ کے سو ڈنڈے مارے گئے۔ اس کے بعد وہ اٹھا اور کہنے لگا اے بڑی توند والے' خدا اس مذاق پر لعنت بھیجے! کیا گرفتاری اور مار پیٹ بھی مذاق کا ایک حصہ ہے؟ جعفر نے کہا امیر المومنین یہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بیچارہ دریا پر آئے اور پیاسا لوٹ جائے۔ اتنی مہربانی کر کہ وہ ایک اور پرزہ اٹھائے ممکن ہے کہ اس میں کوئی ایسی چیز نکل آئے جس کے پانے سے اس کی مفلسی دور ہو جائے۔ خلیفہ نے جواب دیا اے جعفر! خدا کی قسم اگر اس نے دوسرا پرزہ اٹھایا اور اس میں قتل کیا جانا نکلا تو میں اسے ضرور قتل کر دوں گا اور اس کا گناہ تیری گردن پر ہو گا۔ جعفر بولا اگر وہ مر گیا تو آرام سے رہے گا۔ خلیفہ ماہی گیر نے کہا خدا تیرا برا کرے! کیا میری وجہ سے بغداد تم پر تنگ ہو گیا ہے کہ تم میری جان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہو۔ جعفر بولا ایک پرزہ اٹھا لے اور خدا سے بھلائی کی دعا کر۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور ایک پرزہ اٹھا کر جعفر کو دے دیا۔ جعفر نے اسے لے کر پڑھا اور چپ ہو گیا۔ خلیفہ نے کہا اے یحییٰ کے بیٹے کیا ہے کہ تو چپ ہو گیا؟ اس نے کہا کہ امیر المومنین! اس پرزے میں لکھا ہے کہ ماہی گیر کو کچھ نہ دیا جائے۔ خلیفہ نے کہا اس کی روزی ہمارے پاس نہیں' اس سے کہہ دے کہ کالا منہ کرے۔ جعفر بولا کہ قسم ہے تیرے پاک باپ داداؤں

کی اسے ایک بار اور اٹھانے دے ممکن ہے کہ اس میں اس کی روزی نکل آئے خلیفہ نے کہا اچھا اسے ایک پرنہ اور اٹھا لینے دے' لیکن یہ سب سے آخری ہے۔ خلیفہ نے اپنا ہاتھ بڑھا کر تیسرا پرنہ اٹھایا' اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ ماہی گیر کو ایک دینار دے دیا جائے۔ جعفر نے خلیفہ ماہی گیر سے کہا کہ میں تو چاہتا تھا کہ خدا تجھے مالا مال کر دے لیکن خدا کی مرضی میں فقط یہ دینار تھا۔ خلیفہ ماہی گیر بولا ہر سو ڈنڈے کے بدلے ایک دینار بڑی برکت ہے خدا تیرے بدن کو تندرست رکھے۔

خلیفہ ہنس پڑا اور جعفر خلیفہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر لے گیا۔ دروازے پر پہنچ کر صندل سے اس کی آنکھیں چار ہوئیں۔ وہ کہنے لگا اے ماہی گیر! امیر المومنین کی بخشش سے ہمیں بھی کچھ دیتا جا۔ خلیفہ نے کہا اے لال بالوں والے! واللہ تو سچ کہتا ہے۔ اے کلوٹے! تو میرے ساتھ حصہ بخرا کرنا چاہتا ہے؟ میں نے سو ڈنڈے کھائے اور ایک دینار پایا۔ وہ تیرے لئے حلال ہے۔ یہ کہہ کر اس نے دینار کو غلام کے آگے پھینک دیا اور روتا ہوا باہر چلا گیا۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر غلام کو یقین آ گیا کہ وہ سچ کہتا ہے وہ اس کی طرف بڑھا اور غلاموں سے کہا اسے واپس لے آؤ۔ او وہ اسے واپس لے آئے۔ غلام نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک تھیلی نکالی اور اسے کھول کر الٹا تو اس میں سے سو دینار نکل پڑے۔ اس نے کہا اے ماہی گیر! یہ سونے کے دینار لے لے' یہ تیری مچھلیوں کی قیمت ہے اور چلتا بن۔ یہ دیکھ کر خلیفہ ماہی گیر خوش ہو گیا اور یہ سو دینار اور خلیفہ کا ایک دینار لے کر چل دیا اور یہ بھول گیا کہ اس پر مار پڑی تھی۔ اب خدا کو یہ منظور ہوا کہ وہ کنیزوں کے بازار میں سے ہو کر گزرے۔ وہاں اس نے دیکھا کہ بہت سے لوگ حلقہ باندھے کھڑے ہیں۔ خلیفہ نے اپنے دل میں کہا کہ یہ لوگ آخر کیوں کھڑے ہیں؟ آگے بڑھ کر تاجروں کے اندر گھس گیا۔ تاجر بولے کہ اس لچے لفنگے کو جگہ دو' وہ ہٹ گئے اور خلیفہ نے دیکھا کہ ایک بوڑھا کھڑا ہے اور اس کے آگے ایک صندوق رکھا ہے اور ایک غلام اس پر بیٹھا ہے اور بوڑھا پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے تاجرو' اے مال والو! کون ہمت کرتا ہے اس

صندوق کو خریدنے کی جس کے اندر معلوم نہیں کیا ہے اور جو امیر المومنین ہارون الرشید کی بیوی شہزادی زبیدہ بنت قاسم کے گھر سے آیا ہے۔ خدا تمہیں برکت دے! تمہاری طرف سے کیا بولوں؟ ایک تاجر بولا کہ واللہ یہ بڑی خطرناک بات ہے لیکن مجھے ملامت نہ کرو تو میں ایک بات کہتا ہوں بیس دینار میں' میں اسے لیتا ہوں۔ دوسرا بولا کہ پچاس دینار' پھر دوسرے تاجر نے بڑھ کر بولی بولی یہاں تک کہ سو دینار ہو گئے۔ اب دلال نے کہا' اے تاجرو! کوئی اس سے بڑھ کر بولی بولنا چاہتا ہے؟ خلیفہ ماہی گیر بولا کہ میں ایک سو ایک دینار لگاتا ہوں۔ یہ سن کر تاجر سمجھے کہ خلیفہ مذاق کرتا ہے' ہنس دیئے اور کہنے لگے اے غلام! اسے خلیفہ کے ہاتھ ایک سو ایک دینار میں بیچ ڈال۔ غلام بولا خدا کی قسم میں بھی سوائے اس کے اور کسی کے ہاتھ نہ بیچوں گا۔ اے ماہی گیر لے اور خدا اس میں تجھے برکت دے! دینار لا۔ خلیفہ نے دینار نکال کر اسے دے دیئے اور سودا پکا ہو گیا۔ پھر غلام نے اسی وقت دینار اسے بخش دیئے اور محل میں جا کر اپنی کارروائی کی خبر دی' زبیدہ خوش ہو گئی۔ خلیفہ ماہی گیر نے صندوق اپنے کندھے پر رکھا لیکن وہ اتنا بھاری تھا کہ وہ اسے اٹھا نہ سکا اس لئے وہ اسے اپنے سر پر رکھ کر اپنے محلے میں پہنچا اور اسے سر پر سے اتار تھک کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ اور اپنے دل میں کہنے لگا کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اس صندوق میں کیا ہے؟ اس نے اپنے گھر کا دروازہ کھولا' صندوق کو بہ مشکل اندر لے گیا۔ پھر اس کے کھولنے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ نہ کھلا' وہ اپنے اوپر لعنت بھیجنے لگا کہ میری عقل پر کیا پتھر پڑے تھے جو میں نے یہ صندوق خرید لیا' خیر اسے توڑ کر دیکھنا تو چاہیے کہ اس کے اندر کیا ہے۔ پھر اس نے قفل پر زور لگایا آخر ہار کر سونے کا ارادہ کیا کہ کل دیکھا جائے گا۔ صندوق بڑا تھا اور ماہی گیر کی کوٹھڑی چھوٹی' لیٹنے کی جگہ نہ تھی لہذا وہ صندوق کے اوپر لیٹ گیا لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد اسے صندوق میں کوئی چیز ہلتی ہوئی معلوم ہوئی اور وہ اتنا ڈرا کہ اس کی نیند اڑ گئی اس کے ہوش جاتے رہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو تینتالیس ویں رات

آٹھ سو تینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ ماہی گیر کے ہوش اڑ گئے اٹھ بیٹھا سمجھا کہ اس کے اندر جن ہیں اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا کہ اس نے مجھے کھولنے نہ دیا' اگر میں نے اسے کھول لیا ہوتا تو وہ اندھیرے میں مجھ پر چڑھ کر مجھے مار ڈالتے اور الٹے لینے کے دینے پڑ جاتے۔ یہ کہہ کر وہ پھر صندوق پر لیٹ گیا' اب وہ پہلے سے زیادہ ہلنے لگا۔ خلیفہ پھر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ یہ دوسری بار ہے اور پہلے سے زیادہ خطرناک' اب وہ چراغ ڈھونڈنے چلا لیکن اسے نہ پایا اور نہ اس کے پاس چراغ خریدنے کے لئے ٹکے تھے۔ اس لئے اس نے گھر سے نکل کر آواز دی کہ اے محلے والو! محلے والے سو گئے تھے' وہ سب اس کی آواز سن کر جاگ پڑے اور کہنے لگے خلیفہ' تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا مجھے ایک چراغ لا دو کیونکہ جنات میرے پیچھے دوڑتے ہیں۔ لوگ خوب ہنسے اور ایک چراغ لا کر دیا۔ خلیفہ چراغ لے کر گھر میں گیا اور صندوق کے قفل کو پتھر مار کر توڑ ڈالا' دیکھا کہ اس کے اندر ایک لڑکی پڑی سو رہی ہے جو حور کی طرح ہے۔ اس وقت بھنگ کا نشہ اتر رہا تھا اور اس نے ہوش میں آ کر آنکھیں کھول دی تھیں' کسمسانا شروع کر دیا تھا۔ اسے دیکھ کر خلیفہ بولا' اے میری آقا تو کہاں سے آئی ہے؟ لڑکی نے آنکھیں کھول دیں اور بولی یاسمین' نرگس ------ خلیفہ نے کہا یہاں تو مہندی کے علاوہ کوئی بھی نہیں۔ اب لڑکی کو ہوش آیا اور وہ خلیفہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگی' تو کون بلا ہے اور میں کہاں ہوں؟ اس نے جواب دیا تو میرے گھر میں ہے۔ لڑکی بولی کیا میں خلیفہ ہارون الرشید کے محل میں نہیں ہوں؟ خلیفہ نے جواب دیا اے پاگل' رشید کس بلا کا نام ہے؟ تو تو میری زر خرید باندی ہے' آج ہی تو میں تجھے ایک سو ایک دینار میں خرید کر گھر لایا ہوں' اسی صندوق میں تو سو رہی تھی۔

اس کی باتیں سن کر لڑکی نے کہا' تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا نام خلیفہ ہے۔ نہ معلوم میرا ستارہ کیوں چمک اٹھا۔ اب تک تو میری تقدیر الٹی تھی۔ لڑکی ہنس پڑی' اس نے کہا یہ باتیں جانے دے' بتا کہ تیرے پاس کھانے کے لئے بھی کچھ ہے۔ اس نے کہا کہ پینے کے لئے بھی کچھ نہیں۔ دو دن سے میں نے کچھ کھایا بھی نہیں اور اس وقت میں ایک نوالے کے لئے محتاج ہوں۔ لڑکی نے کہا تیرے پاس دام ہیں؟ اس نے جواب دیا خدا اس صندوق کو سلامت رکھے! اس نے مجھے کنگال کر دیا ہے' جو کچھ میرے پاس تھا میں اس پر لگا چکا اور مفلس ہو گیا۔ لڑکی ہنس پڑی اور کہنے لگی' اچھا جا کر پڑوسیوں کے ہاں سے کچھ کھانے کے لئے لا کیونکہ میں بھوکی ہوں۔ خلیفہ اٹھ کر باہر گیا اور آواز دی کہ اے محلے والو! اے میرے پڑوسیو' میں بھوکا ہوں اور میرے پاس کھانے کو کچھ نہیں' یہ سن کر ایک شخص روٹی لے آیا' دوسرا گوشت کی بوٹیاں' تیسرا ایک ٹکڑا پنیر اور چوتھا کھیرا۔ خلیفہ اپنی جھولی بھر کر اندر گیا اور لڑکی کے آگے سب چیزیں ڈال دیں اور کہا کہ کھا۔ لڑکی ہنس پڑی اور کہنے لگی میں کھاؤں کیسے؟ پینے کے لئے پانی تو ہے نہیں اگر نوالہ پھنس گیا تو میں مر جاؤں گی۔ خلیفہ نے کہا میں تیرے لئے یہ گھڑا بھرے لاتا ہوں۔ اور نکل کر محلے کے بیچ میں پہنچا اور آواز دی کہ اے محلے والو! ------ انہوں نے کہا۔ اے خلیفہ' آج رات تجھ پر کیا مصیبت آئی ہے؟ اس نے کہا تم نے مجھے کھانا دیا اور میں نے کھایا اور اب مجھے پیاس لگی ہے لہٰذا پانی پلاؤ۔ یہ سن کر ایک شخص کوزہ بھر لایا ایک ایک لوٹا اور ایک لٹیا۔ خلیفہ گھڑا بھر کر اندر لایا اور کہا اے میری آقا' اب تیری کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ لڑکی نے کہا ٹھیک ہے' اس وقت اور کوئی ضرورت نہیں۔ خلیفہ نے کہا اب مجھ سے باتیں کر اور اپنا قصہ سنا۔ لڑکی بولی اگر تو مجھے نہیں جانتا تو سن' میں خلیفہ ہارون الرشید کی کنیز قوت القلوب ہوں۔ شہزادی زبیدہ نے رشک سے مجھے بھنگ کھلا کر اس صندوق میں بند کر دیا۔ لیکن شکر ہے خدا کا کہ اس نے یہ کام مشکل سے آسان کر دیا اور محض تیری خوش قسمتی سے یہ ماجرا میرے ساتھ پیش آیا کیونکہ اب تجھے خلیفہ ہارون

الرشید سے اتنا مال ملے گا کہ تو امیر ہو جائے گا۔
خلیفہ نے کہا وہی رشید تو نہیں جس کے محل میں' میں قیدی تھا؟ لڑکی نے کہا ہاں وہی۔

خلیفہ نے کہا واللہ میں نے اس سے زیادہ کنجوس کسی کو نہیں دیکھا۔ یہ بے خبر اور کم عقل بانسری بجانے والا! اس نے کل میرے سو ڈنڈے لگوائے اور ایک دینار دیا' اگرچہ میں نے اسے مچھلیاں مارنا سکھایا اور اپنا شریک بنایا تھا' پھر بھی اس نے میرے ساتھ دھوکے بازی کی۔ لڑکی نے کہا ایسی بری باتیں نہ کر آنکھیں کھول' اگر تو اسے پھر دیکھے تو ادب سے بات کیجیو اور تیرا مقصد پورا ہو جائے گا۔ یہ باتیں سن کر ایسا معلوم ہوا کہ گویا وہ سوتے سے جاگ اٹھا اور چونکہ خدا کو اس کی بہتری منظور تھی اس کی عقل ٹھکانے آ گئی اور اس نے کہا کہ سر آنکھوں پر' اچھا اب سوجا' وہ جا کر سو گئی اور خلیفہ اس سے دور جا کر سو رہا۔ صبح تک سوتا رہا۔ جب دن نکلا تو لڑکی نے اس سے دوات اور کاغذ مانگا۔ وہ دونوں چیزیں لے آیا تو لڑکی نے اس تاجر کے نام ایک خط لکھا جو خلیفہ کا مصاحب تھا' اس میں اپنی ساری کہانی بیان کی اور یہ کہ اب اسے خلیفہ ماہی گیر نے خرید لیا ہے اور وہ اس کے پاس ہے۔ خلیفہ کو یہ خط دے کر لڑکی نے کہا کہ اسے لے کر جوہری بازار جا' ابن قرناص جوہری کی دکان پوچھ کر اسے دے دیجیو اور کوئی بات نہ کیجیو۔ خلیفہ بولا۔ سر آنکھوں سے اور لڑکی کے ہاتھ سے خط لے کر جوہری بازار گیا۔ وہاں پہنچ کر ابن قرناص کی دکان پوچھی۔ لوگوں نے اس کا پتہ بتا دیا۔ خلیفہ نے اس کے پاس جا کر سلام کیا۔ جوہری نے نہایت حقارت سے اس کے سلام کا جواب دیا اور پوچھا کیسے آنا ہوا؟ خلیفہ نے اسے خط دے دیا' اس نے خط لے تو لیا مگر پڑھا نہیں کیونکہ وہ سمجھا کہ یہ کوئی فقیر ہے جو بھیک مانگنے آیا ہے اور اپنے غلام سے کہا اسے آدھا درہم دے دے۔ خلیفہ بولا مجھے بھیک نہیں چاہیے' خط پڑھ۔ جب اس نے خط پڑھا تو اس کا مطلب سمجھا اور اسے چوم کر اپنے سر پر رکھ لیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

آٹھ سو چوالیس ویں رات

آٹھ سو چوالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابن قرناص نے خط چوم کر اپنے سر پر رکھ لیا اور کھڑا ہو کر کہنے لگا بھائی تیرا گھر کہاں ہے؟ خلیفہ نے جواب دیا تو میرے گھر کیوں جانا چاہتا ہے؟ کیا تیرا ارادہ ہے کہ میرے گھر جا کر میری کنیز کو چرا لائے؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ کچھ کھانا خرید کر تیرے ساتھ کر دوں تاکہ تو اور تیری کنیز کھائے۔ خلیفہ نے کہا میرا گھر فلاں محلے میں ہے۔ تاجر بولا شاباش! کم بخت' خدا تیرا بھلا کرے! یہ کہہ کر اس نے اپنے دو غلاموں کو آواز دی اور کہا کہ اس شخص کو محسن صراف کی دکان پر لے جاؤ' اس سے کہنا کہ اسے ایک ہزار دینار سونے کے دے دے اور پھر اسے فوراً میرے پاس لے آنا۔ دونوں غلام خلیفہ کو صراف کی دکان پر لے گئے اور اس سے کہا اے محسن' اس شخص کو ایک ہزار دینار سونے کے دے دے۔ خلیفہ دینار لے کر دونوں غلاموں کے ساتھ ابن قرناص کی دکان پر لوٹ آیا اور دیکھا کہ وہ زرزوری خچر پر سوار ہے جس کی قیمت ایک ہزار دینار ہو گی' کالے اور گورے غلام اس کے آس پاس ہیں' اس کے خچر کے برابر ایک اور خچر اسی طرح کا ہے جس پر زین کسا ہوا اور لگام لگی ہوئی ہے۔ ابن قرناص نے خلیفہ سے کہا بسم اللہ' اس خچر پر سوار ہو جا' اس نے جواب دیا' میں نہیں سوار ہوں گا۔ خدا کی قسم میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے گرا دے گا' تاجر بولا خدا کی قسم تجھے سوار ہونا پڑے گا۔ خلیفہ سوار ہونے کے لئے آگے بڑھا اور الٹا سوار ہوا۔ خچر کی دم پکڑ لی اور ایک چیخ ماری۔ خچر نے اسے زمین پر پھینک دیا اور لوگ اس پر ہنس پڑے۔ خلیفہ اٹھ کر کہنے لگا۔ میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ میں اس اونچے گدھے پر سوار نہ ہوں گا۔ اب ابن قرناص خلیفہ کو بازار میں کھڑا چھوڑ کر امیر

المومنین کے پاس گیا' اسے کنیز کی خبر دے کر کنیز کو اپنے گھر لے آیا۔ جب خلیفہ اپنے گھر گیا کہ دیکھے کنیز کس حال میں ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ محلے والے جمع ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ آج خلیفہ بے حد ڈرا معلوم ہوتا ہے' نہ معلوم یہ کنیز اسے کہاں سے ہاتھ لگ گئی۔ ایک بولا کہ وہ پاگل کتنا معلوم ہوتا ہے اس نے لڑکی کو راہ میں بدمست پایا ہو گا' اٹھا کر اپنے گھر لے آیا اور اب اپنا جرم معلوم کر کے روپوش ہو گیا۔

وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ خلیفہ جا پہنچا' لوگوں نے کہا کم بخت' یہ تو نے کیا کیا؟ تجھے معلوم ہے کہ تجھ پر کیا گزری۔ اس نے جواب دیا خدا کی قسم نہیں۔ انہوں نے کہا کہ جس کنیز کو تو چرا لایا تھا ابھی غلام آ کر اسے لے گئے' وہ تجھے بھی ڈھونڈتے تھے لیکن تو غائب تھا۔ خلیفہ بولا وہ کیونکر میری کنیز کو لے گئے؟ ایک شخص نے جواب دیا کہ اگر تو ان کے ہتھے چڑھ جاتا تو وہ تجھے مار ڈالتے۔ خلیفہ ان کی طرف زیادہ متوجہ نہ ہوا بلکہ الٹے پاؤں ابن قرناص کی دکان پر گیا' دیکھا کہ وہ سوار ہے اس سے کہنے لگا کہ خدا کی قسم یہ تیری حرکت ٹھیک نہیں' ادھر تو نے مجھے باتوں میں لگایا ادھر غلاموں کو بھیج کر میری کنیز کو پکڑوا بلایا۔ ابن قرناص نے کہا چپ چاپ میرے ساتھ چل۔ یہ کہہ کر وہ اسے ایک خوبصورت مکان میں لے گیا۔ وہاں پہنچ کر خلیفہ نے دیکھا کہ کنیز ایک سونے کے تخت پر بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کے آس پاس چاند سی خوبصورت دس لونڈیاں ہیں۔ ابن قرناص نے اسے دیکھتے ہی زمین کو بوسہ دیا' کنیز نے پوچھا کہ تو نے میرے نئے آقا' میں نے اسے ایک ہزار دینار سونے کے دیئے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے خلیفہ کا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ کنیز نے ہنس کر کہا کہ اس کا برا نہ مان کیونکہ وہ سیدھا سادا آدمی ہے' لے یہ ایک ہزار دینار میری طرف سے اس کی نذر ہیں اور خدا نے چاہا تو خلیفہ اسے مالا مال کر دے گا۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ خلیفہ کے پاس سے ایک خادم آیا کہ وہ قوت القلوب کو بلاتا ہے کیونکہ جس وقت اسے معلوم ہوا ہے کہ وہ ابن قرناص کے گھر میں ہے' وہ بے

چین ہے۔ جب قوت القلوب خلیفہ کے پاس گئی تو خلیفہ کو اپنے ساتھ لیتی گئی۔ خلیفہ کے پاس پہنچ کر اس نے زمین چومی۔ خلیفہ نے اٹھ کر اسے سلام کیا' مرحبا کہا اور پوچھا کہ اس شخص کے ساتھ تیری کیسی گزری جس نے تجھے خریدا تھا؟ کنیز نے کہا اس شخص کا نام خلیفہ ماہی گیر ہے' وہ دروازے پر کھڑا ہے۔ اس نے مجھ سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس کے اور میرے مولا امیر المومنین کے درمیان مچھلیاں مارنے کی شرکت کے بارے میں کچھ حساب کتاب باقی ہے۔ خلیفہ نے پوچھاوہ کیا واقعی دروازے پر کھڑا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے بلاؤ۔ وہ آیا تو اس نے خلیفہ کے سامنے زمین چومی اور دعا دی کہ تیری عزت اور نعمتیں ہمیشہ قائم رہیں۔

یہ سن کر خلیفہ کو تعجب ہوا' وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا اے ماہی گیر' کیا آج رات تو سچے معنوں میں میرا شریک تھا؟ خلیفہ' امیر المومنین کا مطلب سمجھ گیا اور اس نے دل کڑا کرکے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے تجھے تیرے چچیرے بھائی کا خلیفہ بنایا' سوائے دیکھنے او باتیں کرنے کے' میں نے اس کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ اس کے بعد ماہی گیر اس سے سارا ماجرا کہتا جاتا اور وہ ہنستا جاتا۔ پھر اس نے غلام کا قصہ بیان کرنا شروع کیا اور یہ کہ اس نے خلیفہ کے ایک دینار کے ساتھ سو دینار اور دیئے اس نے یہ بھی کہا کہ بازار جا کر میں نے ان ایک سو ایک دینار میں ایک صندوق خریدا جس کے اندر مجھے معلوم نہ تھا کہ کیا ہے۔ غرض اس نے سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنایا۔ اس پر خلیفہ خوب ہنسا اور کہنے لگا اے حق کو حقدار تک پہنچانے والے' مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ خلیفہ کو پچاس ہزار دینار اور خلفا کی پوشاک میں سے ایک عمدہ خلعت او ایک خچر دیا جائے۔ علاوہ ازیں خلیفہ کو خدمت کے لئے حبشی غلام عطا کئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی اس زمانے کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہے۔ خلیفہ کو اپنی کنیز کے مل جانے کی بڑی خوشی ہوئی او اسے یقین ہو گیا کہ یہ حرکت اس چچیری بہن شہزادی زبیدہ کی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو پینتالیسویں رات

آٹھ سو پینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... قوت القلوب کے دوبارہ مل جانے پر خلیفہ بہت خوش ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ حرکت شہزادی زبیدہ کی تھی۔ وہ زبیدہ پر سخت ناراض ہوا۔ ایک مدت اس کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا' نہ وہ اس سے ملتا اور نہ اس کا دل اس سے ملنے کو چاہتا۔ زبیدہ کو خلیفہ کے غصے کا علم ہوا تو اسے بڑا رنج ہوا۔ اس کا رنگ سرخ سے زرد ہو گیا۔ زیادہ صبر نہ ہو سکا تو اپنے چچیرے بھائی امیر المومنین کے پاس خط بھیجا جس میں اس نے اپنے جرم کا اعتراف کیا اور معافی مانگی۔ جب شہزادی زبیدہ کا خط امیر المومنین کے پاس پہنچا اور اس نے پڑھا تو اسے معلوم ہو گیا کہ وہ اپنے گناہ کو تسلیم کرتی ہے اور اپنے کئے پر پشیمان ہے وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا سارے گناہ بخش دیتا ہے وہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے زبیدہ کے خط کا جواب لکھا کہ میں نے تجھے معاف کردیا اور تجھ سے پھر خوش ہو گیا۔ اس کے بعد خلیفہ نے خلیفہ ماہی گیر کی تنخواہ پچاس دینار ماہانہ مقرر کر دی اور اس کی بڑی عزت و احترام کرنے لگا۔ چلتے وقت خلیفہ نے امیر المومنین کے آگے زمین چومی اور اکڑتا ہوا چل دیا۔ جب وہ دروازے پر پہنچا تو اس پر اس غلام کی نظر پڑی جس نے اسے ایک سو دینار دیئے تھے۔ اس نے اسے پہچان لیا اور کہا کہ اے ماہی گیر! یہ تمام چیزیں تجھے کہاں سے ہاتھ لگیں؟ ماہی گیر نے سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنایا۔ غلام بھی خوش ہو گیا کیونکہ ماہی گیر کے امیر ہو جانے کا وہی سبب تھا اور کہنے لگا کہ اپنے مال میں سے مجھے بھی کچھ انعام دے۔ خلیفہ نے اپنی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس میں سے ایک ہزار دینار کی ایک تھیلی نکال کر غلام کو دی۔ غلام نے کہا کہ اپنا مال اپنے پاس رکھ' خدا اس میں تجھے برکت دے! اور اسے اس بات پر تعجب ہوا کہ ماہی گیر باوجود

غریب ہونے کے اس قدر بامروت اور سخی ہے۔
اب خلیفہ خچر پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ غلام اس کی رکابیں پکڑے ہوئے تھے وہ سرائے پہنچا تو لوگ اسے دیکھ کر اچنبھے میں آ گئے۔ جب وہ خچر سے اترا تو لوگوں نے بڑھ کر اس سے اس کی خوش قسمتی کا سبب پوچھا' اس نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ اس کے بعد اس نے ایک خوبصورت مکان خریدا اسے خوب آراستہ کیا اور اس میں رہنے لگا۔
جب وہ اس مکان میں رہنے لگا تو اس نے شہر کے ایک بڑے آدمی کی بیٹی سے نکاح کر لیا جو بڑی حسین تھی۔ اپنے آپ کو ان نعمتوں میں دیکھ کر اس نے خدا کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کیا اور اس کی حمد و ثنا کی۔ خلیفہ سے خلیفہ ہارون الرشید بہت خوش تھا۔ وہ اکثر اس کے دربار میں آیا جایا کرتا اور بہت کچھ انعام و اکرام پاتا۔ اس طرح خلیفہ نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگا یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جس کے لئے عزت اور بقا ہے' جو ہمیشہ زندہ رہنے والی ہے اور کبھی مرتی نہیں۔

○ مسرور تاجر اور زین المواصف کی کہانی

پرانے زمانے میں ایک تاجر تھا مسرور نام اور اپنے زمانے کے حسین ترین لوگوں میں بڑا مال دار اور خوش حال تھا لیکن اسے چمنوں' باغوں کی سیر بہت پسند تھی۔ اور خوب صورت عورتوں کو بہت چاہتا تھا۔ ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک نہایت خوبصورت چمن میں ہے جہاں چار چڑیاں ہیں' منجملہ ان کے ایک فاختہ ہے جو صاف چاندی کی طرح سفید ہے۔ یہ فاختہ اسے بہت پسند آئی۔ وہ دل سے اسے چاہنے لگا۔ اس کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک بڑا پرندہ جھپٹ کر اسے اٹھا لے گیا۔ اس صدمے سے اس کی آنکھ کھل گئی اور فاختہ کو نہ پا کر صبح تک بے چین رہا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو چھیالیس ویں رات

آٹھ سو چھیالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... مسرور تاجر نے کہا کہ کسی ایسے شخص کو ڈھونڈنا چاہیے جو اس خواب کی تعبیر بتا سکے۔ یہ ارادہ کرکے وہ اٹھ کھڑا ہوا' ادھر ادھر پھرتے پھراتے وہ اپنے گھر سے دور پہنچ گیا' لیکن کوئی تعبیر بتانے والا نہ ملا۔ مجبور ہو کر لوٹا۔ موڑ پر ایک عالی شان حویلی دیکھی یہ امیر آدمی کا مکان تھا۔ اسے اندر سے ایک دردناک آواز گانے کی سنائی دی۔ آواز سن کر مسرور نے دروازے کے اندر نظر دوڑائی' دیکھا کہ وہاں ایک عمدہ سے عمدہ چمن ہے اور اندر سرخ زربفت کے پردے پڑے ہیں جن پر موتی اور جواہرات کا کام ہے' ان کے پیچھے چار لڑکیاں بیٹھی ہیں' ایک میانہ قد' چہرہ چاند کی طرح گول اور روشن' آنکھیں سرمئی' بھنویں ملی ہوئی' منہ گویا سلیمان کی انگوٹھی' ہونٹ اور دانت گویا موتی اور مونگے' اپنے حسن و جمال اور قد و قامت سے وہ عقلوں کو سلب کرتی ہے۔ اسے دیکھ کر مسرور مکان کے اندر چلا گیا اور اتنا آگے بڑھا کہ وہ پردے کے پاس جا پہنچا۔ لڑکی نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا' مسرور نے فوراً اسے سلام کیا۔ اس نے نہایت میٹھی آواز سے سلام کا جواب دیا۔ اسے دیکھتے ہی مسرور کے ہوش جاتے رہے۔ باغ میں چنبیلی' لالہ' بنفشہ' گلاب' نارنگی اور طرح طرح کے خوشبو دار درخت ہیں۔ میووں سے لدے ہوئے اور چار چبوتروں پر سے جو اس کے سامنے ہیں' پانی گر رہا ہے۔ قمریاں' کبوتر' بلبلیں اور قسم قسم کی چڑیاں اپنی اپنی بولیاں بول رہی ہیں اور لڑکی اپنے حسن و جمال میں اس آن بان سے جھک کر چل رہی ہے کہ دیکھنے والا اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔

لڑکی نے مسرور سے کہا' اے شخص تو اپنے گھر کے علاوہ دوسرے گھر میں اور اپنی لڑکیوں کو چھوڑ کر دوسروں کی لڑکیوں کے پاس بغیر گھر والوں کی اجازت کے کیسے آ

گیا؟ مسرور بولا اے میری آقا! جب میں نے یہ چمن دیکھا تو اس کا ہرا بھرا پن‘ اس کے پھول او چڑیوں کا گانا مجھے اتنا بھایا کہ میں اندر آ گیا تاکہ تھوڑی دیر سیر وتفریح کرکے چلا جاؤں۔ لڑکی نے کہا اچھا آ بیٹھ جا۔ مسرور تاجر نے اس کی باتیں سنیں‘ اس کی ترچھی نظروں اور سڈول قد و قامت کی طرف دیکھا تو اس کے ہوش جاتے رہے اور چمن کی لطافت اور چڑیوں کے نغموں نے مست کر دیا۔ زین المواصف کے دل میں بھی اسے دیکھ کر ہزاروں تمنائیں آنے لگیں اور مسرور نے کوشش کرکے اپنا راز چھپایا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ مصیبت پر سوائے صبر کے اور چارہ نہیں۔ اسی حالت میں رات ہو گئی اور لڑکی نے حکم دیا کہ دسترخوان بچھایا جائے۔ دسترخوان آیا تو اس پر طرح طرح کے کھانے تھے۔ دونوں نے پیٹ بھر کر کھایا‘ پھر دسترخوان بڑھایا گیا۔ ہاتھ دھونے کا سامان آیا انھوں نے ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد شمع دان رکھے گئے اور اس میں کافوری موم بتیاں لگائی گئیں۔ زین المواصف نے کہا‘ آج رات میری طبیعت بہت گھبرا رہی ہے کیونکہ مجھے کچھ حرارت ہے۔ مسرور نے کہا خدا تیری گھبراہٹ دور کرے اور رنج و غم سے نجات دے! لڑکی نے کہا کہ مجھے شطرنج کھیلنے کی عادت ہے۔ تجھے بھی شطرنج کھیلنا آتا ہے؟ اس نے جواب دیا‘ ہاں آتا ہے لڑکی نے بساط بچھائی جو آبنوس اور ہاتھی دانت کی تھی۔ خانوں کے بیچ میں سونے کا کام تھا اور مہرے موتی اور یاقوت کے تھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو سینتالیس ویں رات

آٹھ سو سینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بساط بچھ گئی تو زین المواصف نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تو لال چاہتا ہے یا سفید؟ وہ بولا اے حسینوں کی سرتاج اورخوبصورتوں کی زینت' تو لال لے کیونکہ وہ خوبصورت ہیں اور تیری شان کے شایاں' سفید میرے لئے رہنے دے۔ لڑکی نے کہا منظور' اور انہیں لے کر اس نے سفید مہروں کے مقابلے میں رکھا۔ مسرور کی نظر اس کی انگلیوں پر پڑی' اس نے دیکھا کہ گویا وہ چاندی کی بنی ہوئی ہیں۔ ان کی خوبصورتی دیکھ کر مسرور دنگ ہو گیا اور لڑکی اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی' گھبرا نہیں بلکہ صبر سے کام لے اور ثابت قدم رہ۔ مسرور بولا اے حسن کی دیوی' تیرے آگے چاند اور سورج مات ہیں' پھر عاشق کو کیونکر صبر ہو سکتا ہے؟ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ لڑکی نے کہا کہ شاہ مات اور اس نے مات مان لی اور زین المواصف کو یقین آ گیا کہ وہ اس کی محبت میں پاگل ہے' اس نے کہا اے مسرور' میں تیرے ساتھ بے شرط لگائے نہیں کھیل سکتی اور ہم دونوں قسم کھائیں کہ ہم میں سے ایک' دوسرے کو دھوکہ نہ دے گا' دونوں نے قسم کھالی۔ لڑکی بولی اے مسرور! اگر میں جیت جاؤں تو تجھ سے دس دینار لوں گی اور اگر تو جیت جائے تو میں تجھے کچھ نہ دوں گی۔ مسرور کو خیال تھا کہ میں جیتوں گا' کہنے لگا' اے میری آقا' اپنی قسم کو جھوٹ نہ کیجیو' میں دیکھتا ہوں کہ شطرنج میں تو مجھ سے زبردست ہے۔ لڑکی بولی' منظور' دونوں کھیلنے' پیادے بڑھانے اور ان کے مقابلے میں فرزیں رکھنے' رخوں سے زور ڈالنے اور گھوڑے بڑھا بڑھا کر خوش ہونے لگے۔

زین المواصف کے سر پر نیلے زربفت کا ایک رومال تھا' اسے اس نے سر سے گرا دیا۔ اپنی کلائیاں کھول لیں جو نور کے ستونوں کی طرح تھیں اور لال مہروں کی طرف اپنا

ہاتھ بڑھا کر کہا ہوشیار ہو جا۔ ان پیاری پیاری باتوں کو سن کر مسرور کے ہوش و حواس جاتے رہے اور جب اس نے اپنا ہاتھ سفید مہروں کی طرف بڑھایا تو وہ سرخ پر جا پڑا۔ لڑکی بولی اے مسرور! کیا تیری عقل ماری گئی ہے؟ لال مہرے میرے ہیں اور سفید تیرے۔ مسرور نے کہا جو کوئی تیری طرف دیکھتا ہے اس کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی۔ زین المواصف نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اس سے سفید مہرے خود لے لئے لال اسے دے دیئے اور ان سے کھیل کر اسے مات کر دی۔ اسی طرح وہ اس سے برابر کھیلتی اور مات پر مات دیتی رہی اور وہ ہر بار دس دینار ہارتا رہا۔ جب زین المواصف نے دیکھا کہ وہ اس کی محبت میں گرفتار ہے تو کہنے لگی اے مسرور! جب تک شرط کے مطابق تو مجھے ہرا نہ دے اس وقت تک تیری مراد حاصل نہ ہو گی اور اب میں سو دینار فی بازی تجھ سے کھیلوں گی۔ مسرور نے کہا کہ سر آنکھوں سے' پھر حاضر کروں گا۔ اس نے جواب دیا' تیرے پلے ٹکے تو رہے ہی نہیں' لائے گا کہاں سے؟ مسرور بولا اے امیدوں کی انتہا' اگرچہ میرے پاس کچھ نہیں رہا لیکن لوگ میری مدد کریں گے۔ لڑکی نے کہا کہیں دینے والے بھی مانگتے ہیں! مسرور بولا میرے عزیز و اقارب اور دوست ہیں جو کچھ میں ان سے مانگوں گا' وہ انکار نہ کریں گے۔ لڑکی نے کہا میں چار نافے خالص مشک چار کپیاں مشک بلاؤ کا مشک' چار رطل عنبر' چار ہزار دینار نقد اور چار سو پوشاکیں شاہی زربفت کی چاہتی ہوں۔ اگر اے مسرور تو یہ چیزیں لے آئے تو تجھے میرا وصال حاصل ہو گا۔ مسرور نے کہا اے چاندوں کو شرمانے والی' یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

یہ کہہ کر مسرور وہاں سے چل دیا تاکہ لڑکی کی مانگی ہوئی چیزیں لے آئے اور لڑکی نے اپنی باندی ہیوب کو اس کے پیچھے پیچھے بھیجا تاکہ وہ دیکھے کہ جن لوگوں کا مسرور نے ذکر کیا ہے' وہ اس کی بات کہاں تک مانتے ہیں۔ وہ چلا ہی جا رہا تھا کہ اس کی نظر دور سے ہیوب پر پڑی۔ وہ ٹھہر گیا کہ ہیوب قریب آ جائے۔ وہ قریب آ گئی تو اس نے پوچھا اے ہیوب تو کہاں جا رہی ہے؟ اس نے جواب دیا اے میرے آقا!

میری مالکہ نے مجھے فلاں کام کے لئے تیرے پیچھے بھیجا ہے۔ پھر اس نے شروع سے لے کر آخر تک ساری باتیں کہہ دیں جو زین المواصف نے کہی تھیں۔ مسرور نے کہا واللہ اے ہیوب! میرے پلے اب کوڑی بھی باقی نہیں۔ ہیوب بولی پھر تو نے وعدہ کیوں کیا؟ اس نے کہا کتنے ایسے وعدے ہیں جنہیں وعدہ پورا کرنے والا پورا نہیں کر سکتا اور محبت کا گھائل تو وعدہ پورا کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ یہ سن کر ہیوب نے کہا اے مسرور خوش ہو اور گھبرا نہیں' خدا کی قسم میری وجہ سے تیرا وصال ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ مسرور کے پاس سے چل دی' اپنی آقا کے پاس پہنچی' بلک بلک کر رونے لگی اور کہا واللہ اے میری آقا! وہ شخص بڑے مرتبے والا ہے۔ لوگ اس کی بہت عزت کرتے ہیں۔ آقا نے کہا خدا کا لکھا کوئی مٹا نہیں سکتا' ہم نے اس شخص کے ساتھ نرم دلی کا برتاؤ نہیں کیا' اس کے ٹکے تو سب وصول کر لئے لیکن نہ اس کے ساتھ محبت سے پیش آئے نہ اس سے وصال کیا۔ اگر میں اس کی مراد پوری کر دوں تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ بات پھیل نہ جائے۔ ہیوب بولی۔ اے میری آقا' ہمیں اس کے حال پر اور مال کے لے لینے پر افسوس ہے لیکن تیرے پاس سوائے میرے اور دوسری باندی سکوب' تیسرا ہے کون! اور ہم دونوں تیری کنیزیں ٹھہریں' ہم میں سے کس کی مجال ہو سکتی ہے کہ اپنی زبان کھول سکے۔ یہ سن کر لڑکی نے اپنا سر جھکا لیا' تھوڑی دیر کے بعد پھر باندیوں نے کہا اے ہماری آقا! ہماری رائے میں تو اسے بلا بھیج' اس پر مہربانی کر اوراسے اس بات پر مجبور نہ کر کہ وہ کمینوں کے آگے ہاتھ پھیلائے' ایسی درخواست بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ لڑکی نے باندیوں کا کہنا مان لیا' قلم دوات اور کاغذ منگا کر مسرور کے نام خط لکھا اور اسے بند کرکے اپنی باندی ہیوب کے حوالے کر دیا۔ ہیوب وہ خط لے کر مسرور کے پاس گئی' دیکھا کہ وہ رو رہا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

آٹھ سو انچاس ویں رات

آٹھ سو انچاس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ہیوب کے کانوں میں اس کے رونے کی آواز آئی تو اس نے دروازے پر دستک دی۔ مسرور نے اٹھ کر دروازہ کھولا' ہیوب نے اندر بڑھ کر اسے خط دیا۔ اس نے خط لے کر پڑھا اور کہا اے ہیوب' تو اپنی آقا کے پاس سے کیا خبر لائی ہے؟ اس نے کہا اے میرے آقا! اس سوال کے جواب دینے کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے! سب کچھ اس کے اندر ہے اور تو تو سمجھ دار آدمی ہے۔ مسرور خوش ہو گیا اور خط کا جواب لکھ کر اس نے ہیوب کو دے دیا۔ جب وہ خط لے کر زین المواصف کے پاس پہنچی تو مسرور کی خوبیاں بیان کرنے لگی' اس کے کرم کا ذکر کیا اور کوشش کی کہ وہ اس سے مل جائے۔ زین المواصف نے کہا اے ہیوب! اس نے یہاں آنے میں دیر کی۔ ہیوب بولی وہ آ ہی رہا ہو گا۔ ابھی یہ بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ مسرور نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ہیوب نے دروازہ کھولا اور اسے لے کر اپنی آقا زین المواصف کے پاس گئی۔ زین المواصف نے اسے سلام کیا' مرحبا کہہ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور ہیوب سے کہا کہ اس کے لئے ایک بہترین پوشاک لا۔ وہ جا کر ایک زربفت کی پوشاک لے آئی۔ لڑکی نے اسے لے کر مسرور کو پہنا دیا' خود بھی ایک نہایت نفیس پوشاک پہن لی۔ اپنے سر پر سفید موتیوں کی جالی ڈال کر اس کے اوپر ایک رومال باندھ لیا جس میں موتی' جواہرات اور یاقوت ٹنکے ہوئے تھے اور بال کھول دیئے جو کالی رات کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ عود کی دھونی لی۔ مشک اور عنبر سے اپنے آپ کو معطر کیا۔ اس کی باندی ہیوب بولی کہ خدا تجھے نظر سے بچائے! پھر وہ نہایت ناز و انداز سے ٹہلنے لگی اور مسرور کی طرف متوجہ ہوئی۔ مسرور اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر میرا گمان ٹھیک ہے تو تو انسان نہیں بلکہ جنت کی دلہنوں میں سے ایک دلہن ہے۔

اس کے بعد اس نے دسترخوان منگوایا دونوں نے کھایا اور مزے اڑائے' پھر کھانے کے بعد شراب نوشی کا سامان آیا' جام اور پیالوں کا دور چلنے لگا' دونوں مزے میں آ گئے۔

مسرور نے ایک جام بھر کر کہا کہ یہ اس کی صحت کا جام ہے جس کا میں غلام ہوں اور جو میری آقا ہے۔ لڑکی نے کہا اے مسرور! جو شخص اپنے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہے جس نے ہماری روٹی اور نمک کھایا ہے اس کا حق ہمارے اوپر ہو گیا لہٰذا یہ باتیں جانے دے' تیرا مال و دولت میں تجھے لوٹائے دیتی ہوں۔ اس نے جواب دیا اے میری آقا! جن چیزوں کا تو ذکر کر رہی ہے' وہ تجھ پر حلال ہو چکی ہیں۔ اگر تو اس قسم کو توڑنا چاہتی ہے جو میرے اور تیرے درمیان ہے تو ابھی جا کر مسلمان ہوئے جاتا ہوں۔ ہیوب نے کہا اے میری آقا! تو ابھی کم سن ہے تاہم بہت سی باتیں جانتی ہے' میں خدا کو تیرے آگے سفارش میں پیش کرتی ہوں' اگر تو نے میرا کہنا نہ مانا اور میری دل دہی نہ کی تو میں آج رات تیرے گھر میں نہ سوؤں گی۔ اس نے کہا اے ہیوب جو تو چاہتی وہی ہو گا' اٹھ اور ہمارے لئے ایک کمرہ تیار کر۔ ہیوب نے اٹھ کر ایک اور کمرہ تیار کیا' اپنی پسند کے مطابق اس کے لئے کھانا تیار کرکے لائی۔ شرابیں حاضر کیں' جام کے دور چلنے لگے اور ان پر مستی چھا گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو پچاسویں رات

آٹھ سو پچاس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب دور چلنے اور نہیں مزا آنے لگا تو زین المواصف بولی اے مسرور! اب وصل کا وقت قریب آ گیا ہے یہ کہہ کر وہ ایک کمرے میں گئی اور وہاں جا کراس نے مسرور کو بلایا۔ مسرور کمرے کے اندر جا کر اس سے لپٹ گیا۔اسے گلے سے لگایا' بوسے دیئے اور اس کی وہ مراد پوری ہو گئی جسے وہ ناممکن سمجھتا تھا۔ اس کے بعد زین المواصف نے کہا اے مسرور! تیرا مال اب ہم پر حرام ہے اور تجھ پر حلال کیونکہ ہم دوست ہو گئے۔ یہ کہہ کر اس نے مسرور کا مال واپس کر دیا جو اس نے لیا تھا اور کہنے لگی اے مسرور! کیا تیرا کوئی باغ ہے جہاں چل کرہم سیر کریں؟ اس نے کہا کہ اے میری آقا! میرا ایک ایسا باغ ہے جس کی نظیر نہیں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھر گیا اور اپنی کنیزوں کو حکم دیا کہ نہایت نفیس کھانا تیار کریں اور عمدہ محفل آراستہ ہو۔ پھر اس نے لڑکی کو اپنے گھر بلایا۔ وہ اپنی کنیزوں کو لے کر آئی۔ سب نے مل بیٹھ کر کھانا کھایا' خوش ہوئے اور پھر دور چلنے لگا۔ انہیں بڑا مزا آیا اور دوست کا دوست سے وصال ہوا۔ پھر لڑکی نے مسرور سے کہا' میں سارنگی بجانا چاہتی ہوں اور اس نے سارنگی ہاتھ میں لے کر اس کے تاروں کو جنبش دی اور نہایت عمدہ راگ بجائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو اکیاونویں رات

آٹھ سو اکیاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... راگ بجانے کے بعد لڑکی بولی اے مسرور صبح ہونے والی ہے اور سوائے رخصت ہونے کے کوئی چارہ نہیں تاکہ کہیں بدنامی نہ ہو جائے۔ مسرور بسرو چشم کہہ کر اسے گھر تک پہنچا آیا اور رات بھر اسی کی یاد میں گزاری۔ سویرا ہوا اور دن نکلا تو وہ ایک عمدہ ہدیہ تیار کرکے اس کے پاس لے گیا اور اس کے ساتھ رہا۔ اسی طرح ایک مدت تک دونوں نے نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کی۔ ایک دن لڑکی کے پاس اس کے شوہر کا خط آیا کہ وہ عنقریب آنے والا ہے۔ لڑکی اپنے دل میں کہنے لگی خدا اس کا ستیاناس کرے! اگر وہ یہاں آ گیا تو ہمارا مزا کرکرا ہو جائے گا۔ کاش کہ میں اسے رو چکی ہوتی! جب مسرور اس کے پاس آیا اور دستور کے موافق بیٹھ کر باتیں کرنے لگا تو وہ بولی اے مسرور! میرے شوہر کا خط آیا ہے' وہ عنقریب سفر سے لوٹنے والا ہے۔ اب کیا کرنا چاہیے؟ ہم دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مسرور نے کہا میں کیا بتاؤں کیا کرنا چاہیے تو اپنے شوہر کی عادتوں سے زیادہ واقف ہے علاوہ اس کے تو بڑی سمجھ دار عورت ہے' ایسی ایسی ترکیبیں سوچتی ہے جن کی مردوں کو ہوا تک نہیں لگ سکتی۔ لڑکی بولی' وہ بہت سخت آدمی ہے اور شک کرنے والا بھی۔ لیکن جب وہ سفر سے لوٹے اور تجھے خبر ملے کہ وہ آ گیا ہے تو اس کے پاس آ کر سلام کیجیو' اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رکھیو اور اس سے کہیو کہ بھائی' میں عطر فروش ہوں' مختلف قسم کے عطر اس سے خریدیو' اس کے پاس آتا جاتا رہیو اور اس کے ساتھ بات چیت کیا کیجیو' اگر وہ تجھ سے کوئی بات کہے تو اس کی مخالفت نہ کیجیو۔ غالباً اس طرح سے میری چال اس پر چل جائے گی۔ مسرور نے کہا سر آنکھوں پر' اور وہاں سے روانہ ہو گیا مگر محبت کی آگ اس کے دل میں سلگتی رہی۔

اس کا شوہر گھر آیا تو اس نے بڑی خوشی کا اظہار کیا' مرحبا کہا اور سلام کیا۔ شوہر نے دیکھا کہ بیوی کا چہرہ زرد پڑ گیا ہے۔ عورت نے اپنا منہ زعفران سے دھویا تھا اور بعض دوسری ترکیبیں بھی کی تھیں جو عورتیں کیا کرتی ہیں۔ پوچھنے لگا خیریت تو ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جب سے تو گیا ہے میں اور کنیزیں سب بیمار ہیں' ہم سب کا دل تجھ میں لگا ہوا تھا۔ غرض کہ وہ جدائی کی تکلیفیں بیان کرکے رونے لگی اور کہا تو نے بھی غضب کیا اتنے لمبے سفر میں اکیلا چلا گیا۔ میرے دل میں نہ جانے کیسے کیسے وہم آتے تھے۔ اے میرے آقا! اب اگر جاؤ تو اکیلے نہ جانا اور مجھے برابر اپنی خیریت بھیجتے رہنا تاکہ میرے دل کو اطمینان رہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو باونویں رات

آٹھ سو باونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب زین المواصف نے اپنے شوہر سے کہا کہ بے ساتھی کے سفر پر نہ جائیو تو اس نے جواب دیا کہ سر آنکھوں سے' واللہ تیرا کہنا بجا ہے اور تیری رائے ٹھیک' تیری جان کی قسم جیسا تو چاہتی ہے ویسا ہی ہو گا۔ اس کے بعد وہ اپنا سامان لے کر دکان پر گیا۔ دکان کھولی اور لین دین کرنے لگا۔ وہ ابھی دکان پر ہی تھا کہ مسرور پہنچا' سلام کرکے اس کے پاس جا بیٹھا' دیر تک باتیں کرتا رہا۔ پھراس نے ایک تھیلی نکالی' تھیلی کھول کر اس میں سے دینار نکالے اور انہیں زین المواصف کے شوہر کو دے کر کہا کہ ان دیناروں کے بدلے مجھے مختلف قسم کے عطر دے دے تا کہ میں بھی کچھ نفع کمالوں۔ اس نے بہت اچھا کہہ کر مختلف قسم کے عطر دے دیئے۔ مسرور ایک مدت تک اس کے پاس آتا جاتا رہا۔ ایک دن اس نے مسرور سے مخاطب ہو کر کہا کہ میری خواہش ہے کہ کسی شخص کو تجارت میں اپنا شریک بناؤں۔ مسرور بولا میں بھی اسی خیال میں ہوں کہ کوئی شخص میرے ساتھ مل کرتجارت کرے کیونکہ میرے باپ نے جو یمن میں تجارت کرتا تھا' میرے لئے بہت مال چھوڑا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ ضائع نہ ہو جائے۔ زین المواصف کے شوہر نے کہا کیا تجھے یہ منظور ہے کہ تو میرا رفیق بنے اور میں سفر اور حضر میں تیرا ساتھی رہوں' تجھے خرید و فروخت اور لین دین سکھاؤں۔ مسرور نے اقرار کر لیا۔ تاجر اسے لئے ہوئے اپنے گھر پہنچا اور اس کو دروازے پر بٹھا کر اندر اپنی بیوی زین المواصف کے پاس گیا اور کہا میں نے ایک شخص کو اپنا رفیق بنایا ہے اور اسے کھانے پر بلایا ہے' لہٰذا ہمارے لئے نہایت نفیس کھاناتیار کر۔ زین المواصف سمجھ گئی کہ ہو نہ ہو مسرور ہے۔ اب اس کی خواہش کا کیا پوچھنا۔ یار کی مہمانی میں اس نے

نہایت عمدہ کھانے پکوائے اور اس کی دعوت کی خوب تیاری کی۔
جب مسرور زین المواصف کے شوہر کے گھر میں آیا تو اس نے اپنی بیوی سے کہا پردہ نہ کر' اس سے کہہ تیرے آنے سے ہمیں خوشی ہوئی۔ زین المواصف نے ناراض ہو کر کہا' کیا تو مجھے ایک غیر مرد کے سامنے لے جائے گا' خدا نہ کرے! اگر تو میری تکے بوٹیاں بھی کر ڈالے تو بھی اس کے سامنے نہیں آؤں گی۔ شوہر بولا تو اس سے کیوں شرماتی ہے؟ وہ عیسائی ہے اور ہم یہودی۔ اب تو میں اور وہ دوست ہو گئے ہیں۔
بیوی نے جواب دیا' میں ایسے اجنبی مرد کے سامنے نہیں آنا چاہتی جس کو نہ میری آنکھوں نے کبھی دیکھا نہ میں اسے پہچانتی ہوں۔ شوہر کو اس کی عصمت کا یقین ہو گیا اور وہ برابر اس کی خوشامد کرتا رہا۔ آخر وہ اٹھی نقاب ڈالی اور کھانا لے کر مسرور کے پاس گئی اور اسے خوش آمدید کہا۔ مسرور نے اپنا سر نیچا کر لیا گویا وہ شرماتا ہے۔
شوہر اسے سر جھکائے دیکھ کر اپنے دل میں کہنے لگا بے شک یہ شخص بڑا پارسا ہے۔
اب انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا' اس کے بعد دسترخوان بڑھایا گیا' شراب پیش کی گئی۔ زین المواصف مسرور کے ٹھیک سامنے بیٹھی اور اسے دیکھتی رہی' وہ بھی اسے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا اور مسرور اپنے گھر کو روانہ ہوا۔ اس کے سینے میں ایک آگ سی لگی رہی۔ ادھر زین المواصف کا شوہر اپنے دوست کی خوبیوں اور خوبصورتی میں محو تھا۔ رات ہوئی تو اس کی بیوی اس کے لئے رات کا کھانا لائی تاکہ وہ عادت کے مطابق کھائے۔ گھر میں ایک بلبل تھی جب وہ کھانا کھانے بیٹھتا تو بلبل اس کے پاس آتی اور سر پر اڑتی۔ جانور کو کیا خبر اسے مسرور سے کوئی خوف نہیں رہا تھا۔ مسرور کھانا کھانے بیٹھا تو بلبل بھی اس کے آس پاس اڑتی رہی' مگر جب مسرور چلا گیا اور بلبل کا مالک آیا تو اس نے اسے بالکل نہ پہچانا اور اس کے پاس بھی نہ پھٹکی۔ چڑیا کی یہ کیفیت دیکھ کر اور یہ کہ وہ اس سے دور دور بھاگتی ہے وہ سوچ میں پڑ گیا۔
اب زین المواصف کا حال سنو' اسے رات بھر نیند نہ آئی۔ وہ مسرور کی یاد میں بے چین

رہی۔ یہی حال دوسری رات کو بھی رہا اور تیسری رات کو بھی۔ یہودی کو دال میں کچھ کالا کالا معلوم ہوا۔ چوتھی رات کو آدھی رات کے قریب اس کی آنکھ جو کھلی تو کیا

دیکھا کہ وہ اس کی گود میں لیٹی ہوئی نیند میں ہے اور مسرور کا نام لے رہی ہے۔ یہ بات اسے بہت ناگوار گزری لیکن زبان سے کچھ نہ بولا۔ سویرا ہوا تو وہ اپنی دکان پر جا کر بیٹھا' اتنے میں مسرور پہنچا اور سلام کیا۔اس نے سلام کا جواب دیا اور کہا اے میرے بھائی' خوش آمدی' میں تیرے دیدار کا مشتاق تھا۔ یہ کہہ کر وہ دیر تک باتیں چیتیں کرتا رہا اور آخر میں کہا بھائی' میرے ساتھ میرے گھر چل تاکہ ہم بھائی چارہ کریں۔ مسرور بولا سر آنکھوں پر۔ جب دونوں گھر پہنچے تو یہودی نے آگے جا کر اپنی بیوی کو خبر دی کہ مسرور آیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں مل کر تجارت کریں اور ایک دوسرے کے بھائی بنیں' لہٰذا ہمارے لئے ایک کمرے کو خوب سجا' تجھے بھی ہمارے پاس موجود رہنا اور بھائی چارہ دیکھنا ہو گا۔ بیوی نے کہا خدا کے لئے مجھے اس غیر مرد کے سامنے روز روز نہ آنے دے۔ اس کے سامنے آنے سے مجھ کو کیا واسطہ؟ یہ سن کر یہودی چپ ہو گیا اور باندیوں کو حکم دیا کہ کھانا اور شراب لائیں۔ اس کے بعداس نے کہا بلبل کو لاؤ۔ وہ آ کر مسرور کی گود میں بیٹھ گئی اور اپنے مالک کو پہچانا تک نہیں۔ یہودی نے پوچھا اے میرے آقا تیرا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا میرا نام مسرور ہے' اس کی بیوی سوتے میں یہی نام لیا کرتی تھی۔ اب اس نے سر اٹھا کر دیکھا کہ وہ مسرور کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور آنکھیں مار رہی ہے۔ اسے یقین آ گیا کہ اس کی چال چل گئی۔ اس نے کہا اے میرے آقا! اجازت دے کہ میں جا کر اپنے چچیرے بھائی کو لے آؤں تاکہ وہ بھی بھائی چارے کے وقت موجود ہو۔ مسرور بولا کہ جیسی تیری مرضی ہو کر' یہودی گھر سے نکلا اور کمرے کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

آٹھ سو ترپن ویں رات

آٹھ سو ترپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ زین المواصف کا شوہر کمرے کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا جہاں ایک محراب تھی اور وہ دونوں دکھائی دیتے لیکن وہ اسے نہ دیکھ سکتے۔ اس نے سنا کہ زین المواصف اپنی باندی سکوب سے پوچھ رہی ہے کہ تیرا آقا کدھر گیا؟ اس نے جواب دیا باہر۔ زین المواصف بولی کہ دروازہ بند کرکے لوہے کا کھٹکا لگا دے اور جب وہ دروازہ کھٹکھٹائے تو پہلے مجھے خبر کرکے کھولیو۔ باندی بولی کہ ایسا ہی ہو گا۔ اب زین المواصف نے پیالہ اٹھایا اور اسے گل و مشک سے دھو کر مسرور کے پاس آئی۔ مسرور اٹھ کر اس سے ملا اور کہنے لگا خدا کی قسم تیرا لعاب دہن اس شراب سے میٹھا ہے۔ اس نے اسے شراب پلائی اور اس نے اسے۔ اس کے بعد اس نے مسرور پر سر سے لے کر پاؤں تک گلاب چھڑکا یہاں تک کہ اس کی خوشبو سے سارا کمرہ مہک اٹھا۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر اس کا شوہر دونوں کو دیکھ رہا اور ان کی محبت پر تعجب کر رہا تھا۔ اس کے دل میں غصے کی آگ بھڑکتی جاتی تھی اور رشک کے مارے اس کے تن بدن میں پتنگے لگے جاتے تھے۔ اب وہ دروازے کے پاس آیا دیکھا کہ وہ بند ہے۔ طیش میں آ کر زور سے کھٹکھٹایا باندی نے کہا اے میری آقا! تیرا آقا آ گیا۔ اس نے جواب دیا کھول دے۔ خدا اسے خیریت سے واپس نہ لے جائے۔ سکوب نے جا کر دروازہ کھولا۔ یہودی نے کہا تو نے دروازہ کیوں بند کر رکھا ہے؟ باندی نے کہا جب تو نہیں ہوتا تو دروازہ بند رکھا جاتا ہے۔ نہ دن میں کھلا رہتا ہے نہ رات میں۔ آقا بولا تو نے خوب کیا' یہ مجھے پسند ہے۔ اس کے بعد وہ ہنستا ہوا مسرور کے پاس پہنچا۔ اپنے دل کا بھید بالکل ظاہر نہ کیا اور بولا اے مسرور! آج بھائی چارہ رہنے دے' کسی اور دن بھائی چارہ کر لیں گے۔ مسرور نے کہا سر آنکھوں سے' جیسی تیری مرضی' مسرور اپنے گھر کو روانہ ہوا اور زین المواصف کا شوہر

سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا کرے۔ وہ نہایت حیران و پریشان اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ بلبل تک مجھے نہیں پہچانتی' باندیاں میرے ہوتے ہوئے دروازہ بند کر لیتی ہیں اور دوسروں کو مجھ پر ترجیح دیتی ہیں۔

جب زین المواصف کے شوہر کو سچ مچ واقعہ معلوم ہو گیا تو اس نے اپنا سارا مال و متاع بیچنا شروع کیا اور دل میں یہ منصوبہ باندھا جب تک ان دونوں کو ایک دوسرے سے دور نہ کیا جائے گا' یہ اپنی حرکت سے باز نہ آئیں گے۔ وہ اپنا مال اسباب بیچ چکا تو اس نے جھوٹ موٹ ایک خط لکھا اور اپنی بیوی کو سنا کر کہا کہ یہ خط میرے چچیرے بھائیوں کے پاس سے آیا ہے' وہ مجھے اور تجھے دعوت دیتے ہیں۔ بیوی نے پوچھا' ہمیں کتنے دن وہاں ٹھہرنا ہو گا؟ اس نے جواب دیا بارہ دن۔ یہ سن کر وہ راضی ہو گئی اور اس نے پوچھا کہ کسی باندی کو بھی ساتھ لیتی چلوں؟ شوہر نے کہا ہیوب اور سکوب کو لیتی چل' خطوب کو یہیں رہنے دے۔ پھر اس نے ان کے لئے ایک نفیس محمل تیار کرایا اور انہیں سفر میں لے چلنے کی ٹھان لی۔ زین المواصف نے مسرور کو کہلا بھیجا کہ اگر میعاد گزرنے کے بعد ہم نہ آئیں تو سمجھ جائیو کہ اس نے دھوکہ دے کر ہم دونوں کو جدا کیا ہے' مجھے اس کے مکرو فریب سے ڈر لگتا ہے۔ لیکن جو عہد و پیماں میرے اور تیرے درمیان ہے' اسے نہ بھولیو' ادھر زین المواصف کا شوہر سفر کی تیاریاں کر رہا تھا اور ادھر وہ روتی پیٹتی تھی اور اسے دن رات کسی کل چین نہ آتا تھا۔ شوہر نے اس کی بالکل پروا نہ کی۔ جب زین المواصف نے دیکھا کہ اس کا شوہر سفر پر تلا ہوا ہے تو اس نے اپنے کپڑے لتے اور مال و دولت جمع کرکے اپنی بہن کے سپرد کئے اسے اپنا سارا ماجرا سنایا اور رخصت ہو کر روتی ہوئی اپنے گھر آئی۔ اتنے میں اونٹ دروازے پر آ گئے تھے ان پر سامان لدوایا جا رہا تھا اور سب سے زیادہ خوبصورت اونٹنی زین المواصف کے لئے تیار تھی۔ سفر کے سوا زین المواصف کو کوئی چارہ نظر نہ آیا تو وہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔ اتفاق کی بات کہ اس کا شوہر کسی کام سے باہر گیا' اسے موقف ملا اور وہ باہر نکل کر ہر دروازے پر کچھ لکھ آئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• آٹھ سو چون ویں رات

آٹھ سو چون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ زین المواصف تمام دروازوں پر لکھ چکی تو بلک بلک کر گزرے ہوئے زمانے کو یاد کرنے لگی اور کہا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے ہماری قسمت میں یہ باتیں لکھیں۔ اس کے بعد وہ اپنے شوہر کے پاس گئی۔ اس نے اسے محمل میں بٹھا دیا جو اس کے لئے بنایا گیا تھا اور اس سے کہا اے زین المواصف' گھر چھوڑنے پر افسوس نہ کر ہم لوٹ کر جلد آ جائیں گے۔ وہ اسے تسلی دیتا رہا یہاں تک کہ قافلہ شہر کے باہر نکل آیا اور اپنی راہ لگا۔ زین المواصف کو جدائی کا یقین آ گیا۔ اسے تکلیف ہونے لگی۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر مسرور اپنے گھر میں بیٹھا اپنی محبوبہ کے خیال میں محو تھا کہ اس کے دل میں جدائی محسوس ہونے لگی۔ فوراً اٹھ کر اس کے گھر پہنچا۔ دیکھا کہ دروازے پر قفل پڑا ہوا ہے اور اوپر زین المواصف کے ہاتھ سے کچھ لکھا ہوا ہے۔ اسے پڑھ کر مسرور کو غش آ گیا۔ ہوش آیا تو پہلے دروازے کو کھول کر دوسرے کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ وہاں بھی کچھ اشعار لکھے ہوئے ہیں اور اسی طرح تیسرے پر بھی۔ انہیں پڑھ کر اس کے اشتیاق اور تمنا نے اتنا زور کیا کہ وہ قافلے کے نشان قدم پر دوڑا اور انہیں جا لیا' دیکھا کہ وہ سب کے پیچھے ہے اور اس کا شوہر سامان کی حفاظت کی خاطر سب سے آگے ہے۔ اسے دیکھتے ہی مسرور روتا ہوا محمل سے لپٹ گیا اور زین المواصف کو خبر ہو گئی کہ مسرور ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو پچپن ویں رات

آٹھ سو پچپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب زین المواصف کو معلوم ہوا کہ مسرور ہے تو وہ اور اس کی کنیزیں رونے لگیں۔ اس نے کہا اے مسرور' خدا کے لئے لوٹ جا کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا شوہر تجھے اور مجھے دیکھ لے۔ یہ سن کر مسرور کو غش آ گیا۔ ہوش آیا تو وہ دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے لیکن مسرور برابر روتا اور ٹھنڈے سانس بھرتا محمل کے ساتھ ساتھ لگا رہا اور وہ سمجھاتی رہی کہ صبح ہونے سے پہلے لوٹ جائیو تاکہ بدنامی نہ ہو۔ مسرور دوبارہ محمل کے پاس جا کر اس سے رخصت ہوا اور دیر تک بے ہوش رہا۔ حواس درست ہوئے تو اس نے دیکھا کہ قافلہ چلا جا رہا ہے آخر لوٹ کر اس کے گھر پہنچا دیکھا کہ وہاں نہ کچھ سامان باقی ہے نہ کوئی رہنے والا۔ یہ دیکھ کر وہ اتنا رویا کہ اس کے کپڑے بھیگ گئے۔ اسے غش آ گیا اور قریب تھا کہ اس کی روح بدن سے پرواز جائے دیر تک اسی حالت میں پڑا رہا پھر اٹھا حیران پریشان اپنے گھر گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے دس دن تک اس کی یہی کیفیت رہی۔

یہ تو مسرور کا حال ہوا' اب زین المواصف کا قصہ سنو۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس کے شوہر کی چال چل گئی۔ دس دن تک برابر سفر کرنے کے بعد ایک شہر میں اترے یہاں زین المواصف نے ایک خط لکھ کر اپنی کنیز ہیوب کو دیا اور کہا کہ جس طرح ہو سکے اس خط کو مسرور کے پاس بھیج دے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ یہودی نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور اس کا داؤ ہم پر چل گیا۔ کنیز نے وہ خط مسرور کو بھیج دیا۔ خط مسرور کے پاس پہنچا تو اسے بڑا صدمہ ہوا اور وہ اتنا رویا کہ زمین بھیگ گئی اور اس نے خط کا جواب لکھ کر زین المواصف کو بھیجا۔ جب یہ خط زین المواصف کے پاس پہنچا تو اس نے پڑھا اور پھر اپنی کنیز ہیوب کو دے کر کہا کہ اس کا ذکر کسی

سے نہ کیجیو۔ لیکن اس کے شوہر کو خبر ہو گئی کہ دونوں آپس میں خط و کتابت کرتے ہیں۔ وہ زین المواصف اور اس کی کنیزوں کو لے کر بیس دن سفر کرتا رہا۔ ادھر مسرور کا یہ حال تھا کہ نہ اسے رات کو نیند آتی تھی' نہ دن کو چین' نہ صبر آتا تھا۔ اسی حالت میں ایک رات کو جو اس کی پلک ذرا جھپکی تو اس نے خواب میں دیکھا کہ زین المواصف اسی باغ میں آئی ہوئی ہے او اسے گلے لگا رہی ہے۔ اتنے میں اس کی آنکھ کھل گئی اپنے پہلو میں اسے ٹٹولنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے' دل محبت سے بے چین ہو گیا اور وہ روتا ہوا اس کے گھر کی طرف چل کھڑا ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ گھر خالی پڑا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اس کی تصویر سامنے کھڑی ہے۔ اس کے دل کی آگ اور بھڑک اٹھی' غم دوبالا ہو گیا اور وہ غش کھا کر گر پڑا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

آٹھ سو چھپن ویں رات

آٹھ سو چھپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ...... مسرور کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ مکان کے ایک طرف ایک کوا بیٹھا کائیں کائیں کر رہا ہے۔ اس نے کہا سبحان اللہ کوا تو خالی جگہوں پر بولا کرتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ حسرت سے دیکھنے اور آہیں بھرنے لگا۔ زین المواصف کی ایک بہن تھی جس کا نام نسیم تھا' اس نے مسرور کی یہ حالت جو دیکھی تو تڑپ اٹھی۔ اس کو معلوم تھا کہ دونوں کو ایک دوسرے سے کس قدر عشق و محبت ہے۔ وہ کہنے لگی اے مسرور! خدا کے لئے اس گھر میں نہ آیا کر' کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دیکھ لے اور یہ خیال کرے کہ تو میری وجہ سے آتا ہے۔ تیرے ہی سبب سے میری بہن گئی ہے' اب کیا تو چاہتا ہے کہ میں بھی یہاں سے چلتی بنوں؟ تجھے معلوم ہے کہ اگر تو نہ ہوتا تو گھر والے گھر چھوڑ کر نہ جاتے' لہٰذا اب دل پر صبر کر لے اور اسے بھول جا' جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اس کی بہن کی یہ باتیں سن کر مسرور بلک بلک کر رونے لگا اور کہا اے نسیم' اگر مجھے اڑنا آتا ہوتا ہے تو مارے اشتیاق کے میں اڑ کر اس کے پاس پہنچ جاتا' ایسی حالت میں اسے کیونکر دل سے بھلا سکتا ہوں! بہن نے کہا تیرے لئے سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔ وہ بولا خدا کے لئے اپنی طرف سے اسے ایک خط بھیج اور اس کا جواب منگوا تا کہ میرے دل کو تسکین ہو اور سینے کی آگ میں ٹھنڈک پڑے۔ اس نے جواب دیا کہ سر آنکھوں سے۔

بہن نے دوات قلم اور کاغذ لیا او مسرور نے اپنی محبت کی زیادتی اور جدائی کا غم لکھوانا شروع کیا اور کہا یہ خط اس غم ناک عاشق اور غریب بچھڑے ہوئے کی طرف سے ہے جسے بالکل چین نہیں آتا' نہ دن میں نہ رات میں بلکہ جو آنسو بہاتا رہتا ہے۔ ان

سے اس کے پپوٹے گھائل ہو گئے ہیں اس کے جگر میں غم کی آگ دہک رہی ہے' رنج و الم سہتے سہتے زمانہ ہو گیا ہے۔ اس کی مثال اس چڑیا کی سی ہے جس کا ساتھی کھو گیا ہو اور جس کی تباہی قریب ہو ہائے تیری جدائی اور تجھ سے نہ ملنے کا افسوس۔ میرا جسم لاغر ہو گیا ہے' آنسوؤں کی جھڑی برابر لگی رہتی ہے اور دنیا میرے اوپر تنگ ہے۔ نسیم کو اس کی فصاحت بلاغت اور معنی خیزی پر تعجب ہوا۔ اس نے خط پر خالص مشک سے مہر لگائی' عنبر سے دھونی دی اور اسے ایک سوداگر کے پاس بھیج کر کہلا بھیجا کہ اسے سوائے میری بہن یا اس کی کنیز ہیوب کے کسی اور کے ہاتھ میں نہ دیجیو۔ جب یہ خط زین المواصف کے پاس پہنچا تو وہ سمجھ گئی کہ مسرور کا لکھوایا ہوا ہے۔ اس نے اسے چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھا' رونے لگی اور اتنا روئی کہ اسے غش آ گیا۔ ہوش آیا تو اس نے دوات قلم اور کاغذ منگوا کر جواب لکھا اور اپنی محبت' شوق اور تمنا کا ذکر کیا اور دوست احباب کی جدائی کی شکایت کی اور اپنا رونا رویا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو ستاونویں رات

آٹھ سو ستاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ زین المواصف نے مسرور کے خط کے جواب میں لکھا کہ یہ خط میرے آقا' مالک اور مولا کے نام ہے جو میرے ظاہر اور باطن کا مالک ہے۔ معلوم ہو کہ جاگتے جاگتے میں پریشان ہو گئی ہوں فکر میں پڑی رہتی ہوں' تیری جدائی میں مجھے صبر نہیں آتا۔ اے سورج اور چاند سے زیادہ حسین' محبت مجھے گھلائے ڈالتی ہے اور اشتیاق مارے ڈالتا ہے' اے دنیا کی رونق اور زندگی کی زینت' جس کی جان نکل رہی ہو اسے جام میں کیا مزا آئے کیونکہ نہ اس کا شمار زندوں میں ہے نہ مردوں میں۔ یہ خط لکھ کر خط پر مشک اور عنبر چھڑکا اور اس پر مہر لگا کر ایک سوداگر کو دے دیا اور کہا کہ سوائے میری بہن نسیم کے اور کسی کے ہاتھ میں نہ دیجیو۔ جب یہ خط نسیم کے پاس پہنچا تو اس نے اسے مسرور کے پاس بھیج دیا۔ مسرور نے خط کو اپنی آنکھوں سے لگایا اور اتنا رویا کہ بے ہوش ہو گیا۔

یہ تو ان لوگوں کا حال ہوا' اب زین المواصف کے شوہر کی داستان سنو' جب اسے معلوم ہوا کہ دونوں میں خط و کتابت ہوتی ہے تو زین المواصف اور اس کی کنیزوں کو لئے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتا رہا۔ زین المواصف نے کہا سبحان اللہ تو ہمیں کہاں کہاں اور وطن سے کتنی دور لے جائے گا؟ اس نے جواب دیا ایک سال کی دوری پر تاکہ تیرے پاس مسرور کے خط نہ پہنچ سکیں۔ تم لوگوں نے کس طرح میرا مال لے کر مسرور کو دے دیا' میرا جتنا مال ضائع ہوا ہے' وہ سب میں تم سے وصول کروں گا۔ دیکھوں اب تمہیں مسرور سے کیا فائدہ پہنچتا ہے یا وہ کس طرح تمہیں میرے پنجے سے چھڑا سکتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ ایک لوہار کے پاس گیا اور لوہے کی تین بیڑیاں بنوا لایا اور ان کے ریشمی کپڑے اتار کر انہیں بالوں کا لباس پہنایا' ان میں گندھک کی

دھونی دی اور لوہار کو بلا کر کہا کہ ان لڑکیوں کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دے۔ سب سے پہلے زین المواصف آگے بڑھی' اسے دیکھتے ہی لوہار کے ہوش اڑ گئے' وہ اپنی انگلیاں کاٹنے لگا۔ اس کی عقل سلب ہو گئی۔ وہ اس پر عاشق ہو گیا اور یہودی سے پوچھا کہ ان کنیزوں نے کیا جرم کیا؟ اس نے جواب دیا کہ یہ میری لونڈیاں ہیں' انہوں نے میرا مال چرایا تھا اور میرے پاس سے بھاگ گئی تھیں۔ لوہار نے کہا خدا تیرا بھلا کرے! واللہ اگر یہ کنیز قاضی القضاۃ کے پاس ہوتی اور ہر روز ایک ہزار جرم کرتی تو بھی وہ اسے سزا نہ دیتا۔ علاوہ اس کے وہ صورت سے چور نہیں معلوم ہوتی اور بیڑیوں کا بوجھ اس سے نہیں اٹھ سکتا۔ اس کے بعد لوہار نے اس سے درخواست کی کہ وہ زین المواصف کو بیڑیاں نہ پہنائے اور سفارش پر سفارش کرتا رہا کہ اسے بیڑیاں نہ پہنائی جائیں۔ جب زین المواصف نے لوہار کو سفارش کرتے دیکھا تو اس نے یہودی سے کہا خدا کے لئے مجھے اس غیر مرد کے سامنے نہ کر۔ اس نے جواب دیا تو پھر مسرور کے سامنے کس طرح آتی تھی؟ اس کا جواب اس نے نہ دیا۔

یہودی نے لوہار کی سفارش مان لی' زین المواصف کے پاؤں میں ہلکی بیڑیاں ڈلوا دیں اور لونڈیوں کے پاؤں میں بھاری بیڑیاں۔ زین المواصف نازک بدن تھی اور سخت کپڑے نہیں پہن سکتی تھی اس لئے دن رات بالوں کے کپڑے پہنتے پہنتے اس کے اور اس کی کنیزوں کے جسم کی کھال چھل گئی اور چہرے اتر گئے۔ ادھر لوہار کو زین المواصف سے بے حد عشق ہو گیا اور وہ گھر جا کر آہیں بھرنے لگا۔ اتفاق سے اسی وقت قاضی القضاہ لوہار کے گھر کے پاس سے گزرا اور اس کی آہیں سن کر اسے بلوایا۔ پوچھا اے لوہار! تو کس عورت کو یاد کر رہا ہے اور تیرا دل کس کی محبت میں گرفتار ہے؟ لوہار نے اٹھ کر قاضی کا ہاتھ چوما اور کہا خدا ہمارے مولا قاضی کی عمر دراز کرے اور اس میں برکت دے! پھر لوہار نے لڑکی کے حسن و جمال اور قد و قامت کی تعریف کی اور یہ کہ اس کا چہرہ خوبصورت ہے' کمر پتلی اور کولہے بھاری۔ اس کے بعد اس نے یہ بھی بیان کیا کہ وہ کس خواری کےساتھ قید اور بیڑیوں کی تکلیف میں مبتلا ہے اور اسے

کس قدر کم کھانے کو دیا جاتا ہے۔ قاضی نے کہا اے لوہار! تو مجھے اس کے پاس لے چل' اس سے ملا تاکہ میں اس کا حق اسے دلاؤں۔ ورنہ کنیز کا گناہ آئندہ تیری گردن پر ہو گا' اگر تو نے اسے مجھ سے نہ ملایا تو قیامت کے دن خدا تجھ سے بدلہ لے گا۔ لوہار نے کہا' سر آنکھوں پر اور فوراً زین المواصف کے مکان پر گیا' مگر دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور کوئی شخص غمگین دل سے رو رہا ہے لوہار کے آنسو مینہ کی طرح برسنے لگے' اس نے دستک دی۔ لڑکیوں نے کہا کہ دروازے پر کون ہے؟ اس نے جواب دیا' میں ہوں لوہار' قاضی تم لوگوں کو اپنے پاس بلاتا ہے تاکہ اس کے آگے مقدمہ پیش ہو اور تمہارے ساتھ انصاف کیا جا سکے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• آٹھ سو اٹھاونویں رات

آٹھ سو اٹھاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لوہار نے کہا کہ تمہیں قاضی بلاتا ہے تو زین المواصف بولی کہ ہم کیوں کر اس کے پاس جا سکتے ہیں دروانہ بند ہے' ہمارے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں اور کنجیاں یہودی کے پاس ہیں۔ لوہار نے کہا کہ میں ابھی کنجیاں بنا کر قفل کھولے دیتا ہوں اور تمہاری بیڑیاں بھی اتار دوں• گا۔ اس نے کہا کہ قاضی کا گھر ہمیں کون بتائے گا؟ لوہار بولا کہ میں اس کا پتا بتا دوں گا۔ زین المواصف نے کہا ہم قاضی کے پاس کس طرح جا سکتے ہیں ہمارے کپڑے تو بالوں کے ہیں اور ان میں گندھک بسی ہوئی ہے۔ لوہار نے کہا کہ قاضی اس کا برا نہ مانے گا کہ تم اس حالت میں ہو۔ اب لوہار نے فوراً قفلوں کی کنجیاں بنائیں دروانہ کھول کر اندر گیا' ان کی بیڑیاں اتار دیں اور انہیں باہر لا کر قاضی کے گھر کا پتا بتا دیا۔ ہیوب نے اپنی آقا کے کپڑے اتار ڈالے جو بالوں کے تھے اسے حمام لے گئی اور نہلا دھلا کر ریشمی کپڑے پہنائے جس سے اس کے چہرے میں رنگ و روپ آ گیا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کا شوہر کسی تاجر کے ہاں دعوت کھانے گیا ہواتھا اور اس لئے وہ خوب بن ٹھن کر قاضی کے گھر پہنچی۔
اسے دیکھتے ہی قاضی کھڑا ہو گیا اور اس نے اس شیریں کلامی اور میٹھے الفاظ میں قاضی کو سلام کیا کہ قاضی کا دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ لڑکی بولی خدا ہمارے مولا قاضی کو سلامت رکھے اوراس کے ذریعے سے فریادیوں کی مدد کرے! اس کے بعد اس نے لوہار کا قصہ سنایا اور اس کا شریفانہ برتاؤ بتایا اور اس تکلیف کا ذکر کیا جو یہودی نے اسے پہنچائی تھی اور کہا کہ اس نے ہمیں مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور کوئی ہمیں چھڑانے والا نہ ملا۔
قاضی نے پوچھا اے لڑکی! تیرا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا میرا نام زین المواصف

اور میری کنیز کا نام ہیوب ہے۔ قاضی بولا تو اسم بامسمی ہے۔ لڑکی نے مسکرا کر اپنا منہ چھپا لیا۔ قاضی نے کہا اے زین المواصف تیرا شوہر ہے یا نہیں؟ اس نے جواب دیا میرا کوئی شوہر نہیں۔ قاضی نے پوچھا تیرا مذہب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میرا دین اسلام ہے اور میں خیرالانام کی ملت میں سے ہوں۔ قاضی نے کہا کہ شریعت کی قسم کھا کہ تو رسول اللہ کی ملت میں سے ہے۔ لڑکی نے قسم کھائی اور شہادت کا کلمہ پڑھا۔ قاضی بولا پھر تو اپنی جوانی اس یہودی کے ساتھ کیوں برباد کر رہی ہے؟ اس نے کہا اے قاضی' سن' مرتے وقت میرے باپ نے پندرہ ہزار دینار ترکے میں چھوڑے اور وہ سب اس یہودی کے حوالے کر دیئے تا کہ وہ ان سے تجارت کرے اور نفع میرے اور اس کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہو مگر پونجی شرع کی بنا پر محفوظ رہے۔ جب میرا باپ مر گیا تو یہودی کا جی میرے لئے للچانے لگا۔ اس نے میری ماں سے کہا کہ وہ میری شادی اس کے ساتھ کر دے۔ میری ماں نے جواب دیا کہ وہ مجھے میرا دین چھڑا کر کس طرح یہودی بنا سکتی ہے! خدا کی قسم میں حکومت میں تیری شکایت کر دوں گی۔ یہ سن کر یہودی ڈرا اور سارا مال لے کر عدن بھاگ آیا۔ جب ہم نے سنا کہ وہ عدن چلا گیا ہے تو ہم بھی اس کے پیچھے پیچھے عدن پہنچے' اس سے ملے تو اس نے کہا کہ وہ تجارت اور خرید و فروخت کرتا ہے۔ ہمیں اس کی باتوں کا یقین آ گیا۔ اسی طرح وہ ہمیں برابر دھوکہ دیتا رہا یہاں تک کہ اس نے ہمیں قید کر دیا اور بیڑیاں ڈال کر ہمیں طرح طرح کی تکلیف پہنچائی۔ ہم یہاں پردیسی ہیں اور سوائے خدا اور ہمارے آقا قاضی کے ہمارا کوئی مددگار نہیں۔

یہ قصہ سن کر قاضی نے اس کی کنیز ہیوب سے پوچھا کہ کیا یہ واقعی تیری آقا ہے اور تم لوگ پردیسی ہو اور اس کا کوئی شوہر نہیں؟ وہ بولی ہاں۔ قاضی نے کہا کہ میری شادی اس کے ساتھ کر دے اور اگر میں اس کتے کو سزا دے کر تمہارا حق اس سے نہ دلا دوں تو اس کا کفارہ غلام آزاد کرنا' روزہ' حج اور صدقہ ہو گا۔ ہیوب نے کہا تیرا حکم سر آنکھوں پر۔ قاضی نے کہا' جا اور مطمئن ہو بیٹھ اور اپنی آقا کو بھی تسلی

دے' اگر خدا نے چاہا تو میں کل اس کافر کو بلا کر تمہارا حق تم کو دلا دوں گا اور اسے اتنی سزا دوں گا کہ تم کو تعجب ہو گا۔ لڑکی نے دعا دی اور اسے اپنی محبت میں گرفتار چھوڑ کر چل دی۔ ہیوب اور اس کی آقا قاضی کے گھر سے روانہ ہو گئیں تو انہوں نے لوگوں سے دوسرے قاضی کا پتا پوچھا' اس کا پتا معلوم ہو گیا تو دونوں وہاں پہنچیں اور اس سے بھی باتیں بیان کیں۔ اسی طرح تیسرے اور چوتھے قاضی کے پاس گئیں یہاں تک کہ چاروں سے وہی شکایت کر آئیں۔ ہر قاضی اس سے شادی کی درخواست کرتا اور وہ حامی بھر دیتی انہیں ایک دوسرے کی خبر نہ ہوتی اور ان میں سے ہر ایک کا دل لڑکی کے لئے للچایا۔ یہودی کو ان باتوں کی بالکل اطلاع نہ تھی کیونکہ وہ دعوت میں تھا۔ دوسرے دن صبح کو کنیز نے زین المواصف کو بہترین کپڑے پہنائے اور اس محکمے میں لے گئی جہاں چاروں قاضی بیٹھے تھے۔ قاضیوں کو دیکھتے ہی لڑکی نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دی اور انہیں سلام کیا۔ چاروں نے سلام کا جواب دیا اور اسے پہچان گئے۔ ایک ان میں سے لکھنے میں مشغول تھا' اس کے ہاتھ سے قلم گر گیا۔ ایک باتیں کر رہا تھا' وہ ہکلانے لگا۔ ایک کچھ حساب لگا رہا تھا' اس نے جوڑنے گھٹانے میں غلطی کر دی۔ سب نے لڑکی سے کہا اے خوبصورت اور خوش سیرت' تیرے آگے اب خوشی ہی خوشی ہے' اب ہم تیرا حق ضرور دلوائیں گے اور تیری مراد پوری ہو جائے گی۔ لڑکی انہیں دعا دے کر رخصت ہو گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو انسٹھویں رات

آٹھ سو انسٹھ ویں رات ہوئی تواس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... قاضیوں کو دعا دے کر رخصت ہو گئی۔ ادھر یہ لگاوٹ بازیاں ہو رہی تھیں اور ادھر یہودی ان باتوں سے بے خبر اپنے دوستوں کے ساتھ دعوت میں مشغول تھا۔ ساتھ ہی زین المواصف نے دربار کے حاکموں اور کاتبوں سے بھی درخواست کی کہ وہ اس مردود کافر کے مقابلے میں اس کی مدد کریں اور اسے اس بے پناہ عذاب سے چھٹکارا دیں۔ اس کے بعد اس نے ایک خط لکھا جس میں شروع سے لے کر آخر تک وہ تمام حرکتیں بیان کیں جو یہودی نے اس کے ساتھ کی تھیں اور اپنے مسلمان ہونے کا بھی ذکر کیا۔ خط بند کرکے اپنی کنیز ہیوب کو دے دیا اور کہا کہ اسے حفاظت سے اپنی جیب میں رکھیو میں اسے مسرور کو بھیجوں گی۔ اتنے میں یہودی آیا اور انہیں نہایت خوش دیکھ کر کہنے لگا تم اس قدرخوش کیوں ہو؟ زین المواصف نے کہا تیرے پنجے سے ہمیں سوائے خدا کے اور کوئی نہیں چھڑا سکتا وہی ہمیں تیرے ظلم سے نجات دے گا۔ اگر تم نے ہمیں ہمارے وطن نہ پہنچایا تو ہم کل تیری شکایت شہر کے حاکم اور قاضی کے سامنے کریں گے یہودی نے پوچھا کہ تمہارے پاؤں میں بیڑیاں کس نے اتاریں؟ اب میں تم میں سے ہر ایک کے لئے دس دس رطل کی بیڑیاں بنوا کر تمہیں شہر کے گرد پھراؤں گا۔ ہیوب بولی جو کنواں تو ہمارے لئے کھود رہا ہے خدا نے چاہا تو تو خود اس میں گرے گا۔ تو نے وطن سے ہمیں بے وطن کیا ہے خیر کل ہمارا اور تیرا فیصلہ شہر کے حاکم کے سامنے ہو گا۔ رات بھر اسی طرح کی باتیں ہوتی رہیں' صبح ہوتے ہی یہودی لوہار کے پاس گیا کہ ان کے لئے بیڑیاں بنوائے۔ ادھر زین المواصف اوراس کی کنیزیں قاضی کے محکمے میں پہنچیں۔ زین المواصف نے قاضیوں کو دیکھتے ہی سلام کیا سب نے سلام کا جواب دیا۔ قاضی القضاۃ نے اپنے آس پاس کے لوگوں سے کہا کہ یہ لڑکی زہرہ کی طرح ہے

جو اسے دیکھتا ہے عاشق ہو جاتا ہے اور اس کی خوبصورتی کے آگے گردن جھکا لیتا ہے۔
اس کے بعد قاضی نے لڑکی کے ہمراہ چار پیادے بھیجے جو بڑے عہدے کے تھے اور ان سے کہا کہ مجرم کو بری طرح سے پکڑ کر لے آؤ۔
یہ تو ان کا ماجرا ہوا' اب یہودی کا حال سنو۔ جب وہ ان کے لئے بیڑیاں بنوا کر گھر لوٹا تو دیکھا کہ وہ غائب ہیں' حیران و پریشان ہو گیا۔ اتنے میں پیادے آ پہنچے۔ انہوں نے پہلے تو اسے پکڑ کر خوب مارا' پھر منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے قاضی کے پاس لے گئے۔ قاضی نے اسے دیکھتے ہی چلا کر کہا اے مردود' خدا کے دشمن' تیری یہ ہمت ہوئی کہ تو نے ایسے ایسے کام کئے اور عورتوں کو وطن سے بے وطن کر دیا ان کا مال چرا لیا اور اب چاہتا ہے کہ وہ یہودی ہو جائیں' تو مسلمانوں کو کافر بنانا چاہتا ہے؟ یہودی بولا اے میرے مولا' یہ میری بیوی ہے۔ اس کی یہ بات سن کر سارے قاضی اسے ڈانٹنے لگے اور کہا اس کتے کو زمین پر دے پٹکو' اس کے منہ پر جوتیاں مارو اور جتنا پیٹا جائے اسے خوب پیٹو کیونکہ اس کا گناہ معافی کے قابل نہیں۔ لوگوں نے اس کے ریشمی کپڑے اتار کر بالوں کا لباس پہنایا' اسے زمین پر پٹک کر اس کی داڑھی نوچنے اور اس کے منہ پر جوتیاں مارنے لگے۔ اس کے بعد انہوں نے اسے الٹے گدھے پر سوار کیا گدھے کی دم اس کے ہاتھ میں دے کر سارے شہر کا چکر لگایا اور ڈھنڈورا پیٹ کر نہایت ذلت کے ساتھ اسے پھر قاضی کے گھر لائے۔ چاروں قاضیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی چڑھا دیا جائے۔ یہ فیصلہ سن کر وہ ملعون گھبرا گیا اس کے ہوش و حواس جاتے رہے اور اس نے کہا اے بزرگ قاضیو! تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ کہہ یہ میری بیوی نہیں ہے' میرا تمام مال اس کا مال ہے میں نے اس پر ظلم کیا ہے اور اسے وطن سے بے وطن کیا ہے۔ یہودی نے اس کا اقرار کر لیا اور انہوں نے اس اقرار کو ایک دستاویز میں درج کر لیا اور اس کا سارا مال لے کر زین المواصف کو مع دستاویز کے دے دیا اور وہ لے کر چلتی ہوئی جو اسے دیکھتا اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو جاتا اور ہر قاضی یہی سمجھتا کہ بس اب وہ میرے

قبضے میں آ گئی۔ گھر پہنچ کر اس نے سارے سامان میں سے جس جس کی ضرورت تھی باندھا۔ دن ختم ہونے کا انتظار کیا اور تمام چیزیں جو ہلکی اور قیمتی تھیں لے کر رات کے اندھیرے میں اپنی کنیزوں کے ساتھ روانہ ہو گئی اور تین رات تین دن برابر چلتی رہی۔ ادھر قاضیوں نے یہودی کو قید خانے میں ڈال دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• آٹھ سو ساٹھ ویں رات

آٹھ سو ساٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... قاضیوں نے یہودی کو جو زین المواصف کا شوہر تھا قیدخانے میں ڈال دیا' صبح ہوئی تو قاضی اور گواہ سب اس انتظار میں رہے کہ زین المواصف اس کے پاس آتی ہو گی لیکن وہ کسی کے پاس بھی نہ آئی۔ اس کے بعد وہ قاضی جس کے پاس لڑکی سب سے پہلے گئی تھی یہ کہہ کر مجھے شہر میں آج کچھ کام ہے اپنے خچر پر سوار ہو گیا اور غلام کو ساتھ لے کر شہر کے گلی کوچوں میں پھرنے اور زین المواصف کو ڈھونڈنے لگا لیکن کہیں اس کا پتا نہ چلا۔ وہ چکر لگا ہی رہا تھا کہ دیکھا باقی تین قاضی بھی اسی طرح پھر رہے ہیں۔ اس نے ان سے پوچھا کہ تم خچروں پر سوار شہر کے بازار میں کیوں پھر رہے ہو؟ جب انہوں نے اپنا قصہ سنایا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ بھی اسی مصیبت میں گرفتار ہیں جس میں وہ گرفتار ہے وہ بھی اسی کی تلاش میں ہیں جسے وہ ڈھونڈ رہا ہے۔ اب چاروں نے مل کر لڑکی کو ڈھونڈنا شروع کیا لیکن کہیں سراغ نہ چلا۔ آخر سب کے سب واپس اپنے اپنے گھر چلے اور بیمار ہو کر بچھونے پر لیٹ گئے۔ قاضی القضاۃ کو بڑے بڑے لوہار کا خیال آیا اور اسے بلوا کر پوچھنے لگا اے لوہار! تجھے اس لڑکی کا کچھ پتا ہے جسے تو ہمارے پاس لایا تھا؟ اگر تو ہمیں اس کا پتہ نہ دے گا تو میں تیرے کوڑے ماروں گا۔ لوہار نے کہا اے میرے مولا' خدا کی قسم جب میں تیرے پاس سے آیا ہوں میں نے اسے بالکل نہیں دیکھا۔ میرا دل اسی میں لگا ہوا ہے' یہ سن کر قاضی نے اتنے زور سے چیخ ماری کہ قریب تھا کہ اس کی روح نکل جائے اور وہ کہنے لگا واللہ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔

ادھر لوہار وہاں سے رخصت ہوا اور ادھر قاضی بچھونے پر لیٹ گیا اور لڑکی کے عشق میں بیمار پڑ گیا۔ یہی حالت باقی تینوں قاضیوں اور گواہوں کی بھی ہوئی۔ حکیم برابران کا علاج

کرتے تھے مگر ان کی بیماری ایسی تھی جس کا علاج حکیموں کے بس کا نہ تھا۔ اس کے بعد بڑے بڑے لوگ پہلے قاضی کی عیادت کے لئے گئے اور مزاج پرسی کی۔ قاضی نے اپنا دل کھول کر ان کے آگے رکھ دیا' رونے اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگا اور پھر زور سے ایک چیخ ماری اور اس کی روح بدن سے پرواز کر گئی۔ لوگوں نے اسے غسل دے کر کفن پہنایا اور جنازے کی نماز پڑھا کر دفن کر آئے اور اس کے لئے دعا کر کے دوسرے قاضی کے پاس پہنچے' ایک حکیم کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ اسے بھی کوئی بیماری نہیں جس کے لئے کسی حکیم کی ضرورت ہو۔ لوگوں نے اس کی مزاج پرسی کی اور اس نے انہیں سارا ماجرا سنا دیا۔ جب لوگوں نے اسے لعنت ملامت کی تو اس نے ایک چیخ ماری اور اس کی روح جسم سے پرواز کر گئی اور لوگ اس کی تجہیز و تکفین کر کے اسے بھی دفن کر آئے اور اس کے لئے دعا کی۔ پھر تیسرے قاضی کے پاس گئے۔ دیکھا کہ وہ بھی بیمار ہے اس کا بھی وہی حال تھا جو دوسروں کا۔ یہی قصہ چوتھے قاضی کے ساتھ بھی پیش آیا اور چاروں کے چاروں اسی کی محبت کے شکار نکلے اور اسی طرح تمام گواہ بھی۔ غرض کہ جس جس نے اسے دیکھا تھا سب نے اس کی محبت میں جان دے دی اور جو نہ مرا وہ اس کی محبت کی آگ میں جلتا رہا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• آٹھ سو اکسٹھ ویں رات

آٹھ سو اکسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جو نہ مرا وہ اس کی محبت کی آگ میں جلتا رہا' خدا ان سب پر رحم کرے! ادھر زین المواصف کئی روز تک تیز تیز چلتی رہی یہاں تک کہ دور پہنچ گئی۔ اتفاقاً اس کا گزر ایک دیر پر ہوا جہاں ایک بہت بڑا راہب رہتا تھا۔ اس کا نام دانس تھا اور اس کے نیچے چالیس بطریق تھے۔ راہب نے دیکھا کہ زین المواصف اتنی حسین ہے تو وہ نکل کر اس کے پاس آیا اسے دعوت دی اور کہا کہ ہمارے ہاں اتر کر دس دن تک آرام کر لو پھر آگے چلنا' لڑکی اور اس کی کنیزیں خانقاہ میں ٹھہر گئیں۔ اسے دیکھ کر راہب کے ایمان میں خلل آ گیا اور اسے پرچانے کے لئے اس نے بطریقوں کو ایک ایک کرکے اس کے پاس بھیجنا شروع کیا۔ جو بطریق اس کے پاس جاتا وہ اس کی محبت کے جال میں پھنس جاتا اور اسے پھسلاتا لیکن وہ ان کے آگے عذر پیش کرتی اور انہیں منع کرتی۔ اسی طرح دانس نے ایک ایک کرکے چالیسوں کو بھیجا جو اسے دیکھتا لٹو ہو جاتا اس کی بڑی آؤ بھگت کرتا اور اسے پھسلاتا' دانس کا نام تک نہ لیتا۔ وہ انہیں اس فعل سے روکتی اور سخت جواب دیتی۔ جب دانس کو بالکل صبر نہ رہا اور اس کی محبت کی آگ بھڑکنے لگی تو اس نے اپنے دل میں کہا' کیا خوب مثل ہے کہ میرے بدن کو میرے ناخنوں سے بہتر کوئی کھجا نہیں سکتا' میری مراد کو سوائے میرے اور کوئی پورا نہیں کر سکتا! یہ کہہ کر وہ اٹھا نفیس کھانا تیار کرکے لڑکی کے پاس لایا اور کہا کہ بسم اللہ نوش کر۔ بہترین کھانا وہی ہے جو نصیب ہو۔ لڑکی نے ہاتھ بڑھا کر بسم اللہ الرحمن الرحیم کہا اور اپنی کنیزوں کے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ وہ کھا چکی تو راہب نے اپنے عشق کا اظہار کیا' زین المواصف نے کہا خام خیالات کو اپنے دل سے نکال ڈال۔ راہب اپنی خانقاہ میں جا کر سوچ میں پڑ گیا اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے اور رات بری طرح

سے گزری۔ رات بالکل اندھیری ہو گئی تو زین المواصف اٹھی اور اس نے کنیزوں سے کہا کہ چلو چالیس رہبانوں کے مقابلے میں ہم کچھ نہیں کر سکتے' سب کے سب مجھے پھسلانا چاہتے ہیں۔ کنیزیں بولیں کہ سر آنکھوں پر اور اپنے خچروں پر سوار ہو کر دیر کے دروازے سے نکل کھڑی ہوئیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

آٹھ سو باسٹھ ویں رات

آٹھ سو باسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ زین المواصف اور اس کی کنیزیں چلی جا رہی تھیں کہ انہیں ایک قافلہ دکھائی دیا' قافلے کے قریب پہنچیں تو معلوم ہوا کہ وہ عدن سے آ رہا ہے جہاں وہ خود تھی اور اس نے سنا کہ لوگ زین المواصف کا ذکر کر رہے ہیں کہ قاضیوں اور گواہوں نے اس کی محبت میں جان دے دی اور شہر والوں نے دوسرے قاضی اور گواہ مقرر کر لئے اور زین المواصف کے شوہر کو قید خانے سے چھوڑ دیا۔ یہ سن کر زین المواصف نے اپنی کنیزوں سے کہا سنتی ہو یہ باتیں؟ ہیوب نے کہا اگر راہب جن کے مذہب میں عورتوں سے کنارہ کشی ہے تیری محبت کے شکار ہو گئے تو قاضی تو معافی کے قابل ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اسلام میں رہبانیت نہیں۔ بہرحال چپکے سے وطن چلی چل کیونکہ اب تک ہمارا حال کسی کو معلوم نہیں۔ یہ کہہ کر وہ اور زیادہ تیزی سے سفر کرنے لگیں۔

یہ تو زین المواصف اوراس کی کنیزوں کا قصہ ہوا۔ اب راہبوں کا حال سنو۔ صبح ہوئی اور وہ زین المواصف کو سلام کرنے کے لئے آئے تو انہوں نے دیکھا کہ مکان خالی پڑا ہے ان کا دل بیٹھ گیا پہلے راہب نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اس کی محبت میں رونے لگا۔ یہی حال باقی بطریقوں اور راہبوں کا بھی تھا' وہ سب کے سب رو رہے تھے۔ ان میں شیخ وانس کی کیفیت سب سے بدتر تھی۔ جب وہ سب مایوس ہو گئے تو انہوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ اس کی تصویر بنا کر اپنے پاس رکھیں۔ اس پر سب نے اتفاق کیا یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا کرنے والی موت آ پہنچی۔

یہ تو خانقاہ کے رہبانوں کا قصہ ہوا' اب زین المواصف کا ماجرا سنو' وہ برابر اپنے محبوب مسرور کی طرف سفر کرتی رہی' چلتے چلتے آخر اپنے گھر پہنچ گئی اور گھر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ پھر اس نے اپنی بہن نسیم کو بلا بھیجا۔ نسیم بہت خوش ہوئی اس

کے لئے فرش اور نفیس کپڑے لائی اور مکان کو عود' عنبر اور مشک سے اس قدر بسایا کہ وہ مہک اٹھا۔ غرض کہ اس سے بہتر ہونا ممکن نہ تھا۔ اس کے بعد زین المواصف نے بہترین لباس پہنا اور خوب بناؤ سنگار کیا۔ ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور ادھر مسرور کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ وہ آ گئی ہے بلکہ وہ بے حد رنج و غم میں مبتلا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو تریسٹھ ویں رات

آٹھ سو تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... مسرور کو اس کے آنے کی خبر نہ تھی وہ رنج و غم میں مبتلا تھا۔ زین المواصف اپنے گھر میں بیٹھ کر اپنی ان کنیزوں سے باتیں کرنے لگی جو سفر میں اس کے ساتھ نہ تھیں۔ پھر اس نے ہیوب کو چند درہم دے کر کہا کہ جا کر میرے اور کنیزوں کے لئے کھانے کی چیزیں خرید لا۔ ہیوب جا کر وہ تمام چیزیں کھانے پینے کی لے آئی جو اس نے کہی تھیں۔ سب کھا پی چکیں تو زین المواصف نے ہیوب سے کہا' اب جا کر دیکھ کہ مسرور کہاں ہے اور کس حالت میں ہے۔ مسرور کی یہ حالت تھی کہ نہ اسے چین آتا تھا نہ صبر۔ جب اس کا شوق زور پکڑتا تو وہ زین المواصف کے گھر جا کر دیوار کو بوسے دیتا۔ اس وقت بھی وہ اسی کے گھر سے ہو کر آیا تھا۔ مایوسی کے عالم میں روتے روتے اسے نیند آ گئی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ زین المواصف اپنے گھر لوٹ کر آ گئی ہے' وہ روتا ہوا اٹھ کر زین المواصف کے گھر کی طرف چل دیا اس کی گلی میں پہنچا تو اسے خوشبوئیں آنے لگیں اور اس کا دل محبت سے اور بے چین ہو گیا۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ ہیوب کسی کام کے لئے جا رہی ہے اور ابھی گلی سے نکلی ہے اسے دیکھ کر وہ خوش ہو گیا۔ ہیوب کی نظر اس پر پڑی تو اس نے قریب آ کر سلام کیا' زین المواصف کے آنے کی خوشخبری دی اور کہا کہ اس نے مجھے تیری تلاش میں بھیجا ہے۔ مسرور یہ سن کر بہت خوش ہوا اور ہیوب اسے لے کر اپنی آقا کے پاس گئی۔ مسرور کو دیکھتے ہی زین المواصف اپنے تخت سے اتر پڑی اور اسے چومنے لگی' وہ اسے چومنے لگا اور دونوں ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے اور اتنی دیر تک بوسے دیتے اور گلے ملتے رہے کہ انہیں غش آ گیا۔ جب انہیں ہوش آیا تو زین المواصف نے اپنی کنیز ہیوب سے کہا کہ ایک کوزے میں شکر کا اور ایک میں نیبو کا شربت

لے آئے' کنیز لے آئی اور انہوں نے کھایا پیا۔ کھاتے پیتے انہیں رات ہو گئی پھر دونوں نے اپنی اپنی داستانیں شروع سے لے کر آخر تک سنائیں۔ لڑکی نے اس سے کہا کہ میں اسلام لے آئی ہوں۔ اس پر مسرور کو بڑی خوشی ہوئی' وہ بھی مسلمان ہو گیا اور کنیزیں بھی' سب نے مل کر خدا کے آگے توبہ کی۔ صبح ہوئی تو اس نے قاضی اور گواہوں کو بلوایا اور ان سے کہا کہ میں بیوہ ہوں' عدت پوری ہو چکی ہے' انہوں نے اس کا نکاح نامہ لکھ دیا اور وہ نہایت عیش و عشرت سے رہنے لگے۔

یہ تو زین المواصف اور مسرور کا قصہ ہوا' اب اس کے شوہر یہودی کا ماجرا سنو۔ جب شہر والوں نے اسے قید سے رہا کر دیا تو وہ وہاں سے اپنے وطن کی طرف چل دیا اور چلتے چلتے اتنے قریب پہنچ گیا کہ محض تین دن کی راہ اور باقی رہ گئی زین المواصف کو اس کی خبر ملی تو اس نے اپنی کنیز ہیوب کو بلا کر کہا کہ یہودیوں کے قبرستان میں جا کر ایک قبر کھدوا اور اس پر پھول رکھ کر اس کے آس پاس پانی چھڑکوا دے۔ یہودی آئے اور میرے بارے میں دریافت کرے تو کہیوکہ میری آقا تجھ سے اتنی ناراض تھی کہ مر گئی اور اسے مرے بیس دن ہو چکے ہیں۔ اگر وہ کہے کہ چل کر اس کی قبر دکھا تو اسے اسی قبر کے پاس لئے آئیو اور کسی چال سے اسے زندہ دفن کر دیجیو۔ کنیز نے کہا بسر و چشم۔ اس کے بعد تمام فرش اٹھا دیا گیا اور زین المواصف محمل میں بیٹھ کر مسرور کے گھر چلی گئی دونوں کھانے پینے میں مشغول ہو گئے اور تین دن تک برابر انکا یہی شغل رہا۔

یہ تو ان لوگوں کا ماجرا ہوا' اب یہودی کا حال سنو۔ جب وہ سفر سے لوٹ کر گھر پہنچا تو اس نے دروازہ کھٹکھٹایا ہیوب نے اندر سے پوچھا کہ دروازے پر کون ہے؟ اس نے جواب دیا تیرا آقا۔ ہیوب نے آ کر دروازہ کھولا' یہودی نے دیکھا کہ اس کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے ہیں' پوچھا کہ تو کیوں رو رہی ہے' اور تیری آقا کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ وہ تیرے اوپر اتنی ناراض تھی کہ مر گئی۔ یہ سن کر اسے سخت حیرت ہوئی وہ بلک بلک کر رونے لگا اور کہا اے ہیوب' اس کی قبر کہاں ہے؟ ہیوب اسے لے

کر قبرستان گئی اور وہ دکھائی جو اس نے کھدوائی تھی۔ اب وہ اور زیادہ رونے پیٹنے اور واویلا کرنے لگا اور غش کھا کر گر پڑا۔ اسی غشی کی حالت میں ہیوب نے اسے کھینچ کر زندہ قبر میں ڈال دیا قبر پاٹ کر اپنی آقا کے پاس آ گئی اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ آقا یہ سن کر بہت خوشی ہوئی اور دونوں کھانے پینے اور لہو و لعب میں عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی اور لڑکوں لڑکیوں کو مارنے والی موت آ پہنچی......

○ علی نور الدین اور مریم زناریہ کی کہانی

پرانے زمانے میں مصر میں ایک تاجر تاج الدین رہتا تھا۔ بہت بڑا تاجر ہونے کے علاوہ اس کی شرافت کی بھی بڑی دھوم تھی۔ اسے شوق تھا کہ ہر ملک کا سفر کرے اور درہم و دینار کی خواہش میں جنگل بیابان' میدان' پہاڑ اور سمندر کے جزیرے چھانتا پھرے۔ اس کے پاس بہت سے غلام نوکر چاکر اور کنیزیں تھیں سفر میں اس نے اتنی تکلیفیں اور خطرے اٹھائے تھے کہ جن سے بچے بوڑھے ہو جائیں وہ اپنے زمانے کے تمام تاجروں سے زیادہ مال دار اور خوش گفتار تھا۔ اس کے پاس بہت سے گھوڑے' خچر' اونٹ' اونٹنیاں' سامان' مال اور لاجواب کپڑے تھے۔ مثلاً حمص کی ململ' بطبک کی زربفت' سندس کی روئی کے کپڑے' مرد کے تھان' بغداد کی جالی' مغرب کی شالیں' ترکی غلام' حبشی نوکر چاکر' رومی کنیزیں اور مصری لڑکے۔ اس کا تجارتی سامان ریشم کے گٹھوں میں باندھا جاتا تھا کیونکہ اس کی دولت مندی کی کوئی انتہا نہ تھی۔

اس تاجر کا علی نور الدین نام کا ایک بیٹا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند حسین و جمیل خوش قامت اور سڈول۔ ایک روز یہ لڑکا اپنے باپ کی دکان پر بیٹھا ہوا دستور کے مطابق خرید و فروخت اور لین دین کر رہا تھا' دوسرے تاجر زادے اس کے سامنے ایسے معلوم ہوتے

تھے جیسے چاند کے آگے تارے۔ تاجرزادوں نے اسے دعوت دی اور کہا اے ہمارے آقا نور الدین ہم چاہتے ہیں کہ آج فلاں باغ میں چل کر سیر کریں۔ اس نے جواب دیا پہلے میں اپنے باپ سے اجازت لے لوں کیونکہ اس کی بے اجازت میں نہیں جا سکتا۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اس کا باپ آ گیا اور اس نے کہا اے ابا جان' تاجر زادے مجھے فلاں باغ میں سیر و تفریح کے لئے دعوت دیتے ہیں' کیا میں جا سکتا ہوں؟ باپ نے کہا ہاں بیٹا۔ اس کے بعد اس نے بیٹے کو کچھ دام دیئے اور کہا کہ ان کے ساتھ جا۔ تاجر زادے گدھوں اور خچروں پر سوار ہو گئے اور نور الدین بھی ایک خچر پر بیٹھ گیا اور ان کے ساتھ ایک ایسے باغ میں پہنچا جہاں دماغ اور آنکھوں کی لذت میں تمام چیزیں موجود تھیں۔ اس کے ستون مضبوط اورعمارت بلند تھی' اسکا ایک دروازہ محراب دار تھا گویا وہ ایک محل سرا تھی اور ایک دروازہ آسمانی رنگ کا' گویا وہ جنت کے دروازے تھے اور اس کے دربان کا نام رضوان تھا۔ اس کے اوپر طرح طرح کے انگور تھے بعض مرجان کی طرح لال' بعض حبشیوں کی ناکوں کی طرح کالے اور بعض کبوتر کے انڈوں کی طرح سفید۔ باغ میں ناشپاتی' انار' امرود' شفتالو اور سیب تھے۔ یہ سارے میوے مختلف رنگ کے تھے بعض خوشوں میں اور بعض اکیلے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

آٹھ سو چونسٹھ ویں رات

آٹھ سو چونسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب سوداگر زادے باغ کے اندر گئے تو انہیں رنگ رنگ کے انگور دکھائی دیئے۔ چلتے چلتے وہ ایک برساتی

کے پاس پہنچے دیکھا کہ باغ کا رکھوالا رضوان اس میں بیٹھا ہوا ہے گویا وہ واقعی جنت کا دربان رضوان ہے۔ اس باغ میں طرح طرح کے میوے اور رنگ بہ رنگ کی چڑیا تھیں' مثلاً فاختہ' بلبل' قمری' کبوتر جو ٹہنیوں پر گا رہی تھیں۔ نہروں میں پانی بہہ رہا تھا اور ان کے اردگرد پھول اور پھل لدے پڑے تھے۔ ہر میوہ شاداب' انار جیسی قیروانی گیند' سیب میٹھے اور خوشبودار' شفتالو بادامی' دامانی' کافوری' جیلانی اور غتابی بیر اور شاہ دانے' انگور جو بیماروں کو شفا دیں اور سر کے چکر اور صفرے کو دور کریں۔ لال اور ہرے انجیر جنہیں دیکھ کر عقل دنگ ہو جائے۔ علاوہ ازیں اس باغ میں طوری' حلبی اور رومی امرود تھے طرح کے اور رنگ بہ برنگ۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو پینسٹھ ویں رات

آٹھ سو پینسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب سوداگر زادے باغ میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں طوری' حلبی اور رومی امرود ہیں۔ بعض زرد' بعض ہرے' سلطانی شفتالو' کچھ زعفرانی' کچھ لال' ہرے بادام بہت میٹھے اور ایسے جیسے کرم کلے اس کی گری تین تین غلافوں کے اندر خدا کی صنعت طرح طرح کے بیر گچھوں میں اور الگ الگ' نارنگیاں خولنجاں کی طرح' نیبو جن کا رنگ سونے کی طرح جو ڈالیوں میں جھولتے تھے' کھٹ مٹھے ٹہنیوں سے ٹکے ہوئے گویا غزالوں کی سی کنواری لڑکیوں کے سینے۔ غرض کہ اس باغ میں ہر طرح کے میوے' خوشبو دار بوٹیاں' سبزیاں اور پھول تھے۔ مثلاً چنبیلی' مہندی' مرچ' عنبری سنبل' طرح طرح کے گلاب اور کیلے۔ یہ باغ بے تشبیہ جنت کا ایک ٹکڑا تھا اگر اس میں کوئی بیمار بھی داخل ہو جائے تو تیوری چڑھائے ہوئے شیر کی طرح نکلے' اس کی تعریف سے زبان قاصر تھی' اس میں اتنی عجیب و غریب چیزیں تھیں جو سوائے جنت کے اور کہیں پائی نہیں جاتیں۔ اس کے دربان کا نام رضوان تھا۔ اگرچہ دونوں رضوانوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سیر و تفریح کرنے کے بعد سوداگر زادے آ کر ایک چبوترے پر بیٹھ گئے اور نور الدین کو بارہ دری کے بیچ میں بٹھایا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو چھیاسٹھ ویں رات

آٹھ سو چھیاسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سوداگر زادوں نے نور الدین کو بارہ دری کے بیچ میں چمڑے کے فرش پر بٹھایا جس پر زردوزی کا کام تھا اور اسے ایک تکیہ لگانے کو دیا جس میں شترمرغ کے پر بھرے ہوئے تھے اور ایک پنکھا جو شترمرغ کے پروں کا تھا۔ اس کے بعد سوداگر زادوں نے اپنے اپنے عمامے اور قبائیں اتار ڈالیں اور بیٹھ کر باتیں چیتیں کرنے لگے لیکن ہر ایک کی نظر نور الدین ہی کی طرف لگی ہوئی تھی اور وہ سب اس کی خوبصورتی میں محو تھے جب انہیں بیٹھے بیٹھے کچھ وقت گزر گیا تو ایک غلام اپنے سر پر کھانے کی سینی لئے پہنچا جس میں چینی اور بلوری برتن تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ باغ جانے سے پہلے ایک سوداگر زادہ اپنے گھر کھانے کا حکم دے آیا۔ اس سینی میں زمین پر چلنے والے ' ہوا میں اڑنے والے اور پانی میں تیرنے والے جانوروں کا گوشت تھا۔ دستر خوان بچھایا گیا سب نے پیٹ بھر کر کھایا اور کھانے سے فارغ ہو کر صاف پانی اور مشکی صابون سے ہاتھ دھوئے' ریشمی رومالوں سے منہ پونچھے اور نور الدین کو ہاتھ پونچھنے کے لئے ایک رومال دیا۔ جس پر سرخ سونے کا کام تھا۔ اس کے بعد قہوہ آیا سب نے جی بھر کر پیا اور پھر باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں باغبان ایک ٹوکری بھر گلاب کے پھول لے آیا اور کہنے لگا اے میرے آقا' کہو ان خوشبودار پھولوں کی کیسی رہی؟ ایک سوداگر زادے نے کہا خوب رہی خاص کر گلاب کے پھول جو ہمیشہ دل پسند ہیں۔ باغبان بولا ٹھیک ہے لیکن ہمارا دستور ہے کہ ہم گلاب کے پھول اس وقت تک نہیں دیتے جب تک کہ مزے مزے کی باتیں نہ ہوں۔ لہٰذا جو شخص گلاب کے پھول لینا چاہے وہ مناسب شعر سنائے۔ سوداگر زادے دس تھے' ان میں سے ایک بولا اچھا مجھے دے' مناسب شعر سناتا ہوں۔ باغبان نے اسے ایک گل دستہ دیا اور اس نے گل دستے پر کچھ شعر سنائے۔

جب سب کے پاس پھولوں کا ایک ایک گل دستہ پہنچ گیا تو باغبان نے شراب کا دسترخوان بچھایا' پہلے ایک جام بھر کر خود پیا' پھر دوسروں کو دینا شروع کیا۔ تاج الدین تاجر کے بیٹے نور الدین کا نمبر آیا اور باغبان جام بھر کر سامنے لایا تو نور الدین نے کہا تو جانتا ہے کہ یہ چیز میرے لئے غیر معروف ہے میں نے کبھی نہیں پی کیونکہ اس کے پینے میں بڑا گناہ ہے اور خدا نے اسے اپنی کتاب میں حرام کر دیا ہے۔ باغبان بولا اے میرے آقا نور الدین' اگر تو محض گناہ کی وجہ سے نہیں پیتا تو جان لے کہ خدا کریم' حلیم' غفور اور رحیم ہے' بڑے بڑے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے' اس کی رحمت سب پر حاوی ہے۔ ساتھ ہی ایک تاجر زادے نے کہا اے میرے آقا نور الدین تجھے میری جان کی قسم اس جام کو پی لے۔ اس کے بعد ایک دوسرا جوان آگے بڑھا اور اسے سخت قسم دی' پھر تیسرا آ کر عاجزی سے کھڑا ہو گیا۔ نور الدین نے شرم کے مارے باغبان کے ہاتھ سے پیالہ لے کر ایک گھونٹ منہ میں لے کر تھوک دیا اور کہا' یہ کڑوی ہے۔ نوجوان باغبان بولا اے میرے آقا نور الدین' اگر کڑوی نہ ہوتی تو اس میں اتنے فائدے بھی نہ ہوتے۔ تجھے معلوم نہیں کہ میٹھی چیز بھی اگر دوا کے طور پر پی جائے تو وہ کڑوی لگتی ہے شراب میں بہت سے فائدے ہیں' منجملہ ان کے وہ کھانا ہضم کرتی' رنج و غم دور کرتی ہے' ریح کو زائل اور خون کو صاف کرنے والی ہے' رنگ نکھارتی ہے اور جسم کو چست و چاق کرتی ہے۔ بزدل کو دلیر بناتی اور جماع کی قوت دیتی ہے اگر میں اس کے تمام فائدے بیان کروں تو ایک دفتر ہو جائے۔

اب باغبان فوراً اٹھا اور بارہ دری کا ایک کمرہ کھول کر قند کا کوزہ لے آیا' ایک بڑا سا ٹکڑا توڑ کر نور الدین کے پیالے میں ڈال دیا اور کہنے لگا میرے آقا' اگر تو شراب کی تلخی سے ڈرتا ہے تو اب یہ میٹھی ہو گئی ہے پی جا۔ یہ سن کر نور الدین نے پیالہ اٹھایا اور پی گیا۔ اس کے بعد ایک تاجر زادے نے پیالہ بھرا اور کہا اے میرے آقا نور الدین میں تیرا غلام ہوں۔ اسی طرح دوسرا بولا کہ میں تیرے نوکروں میں سے ہوں'

تیسرا بولا کہ میری خاطر۔ چوتھے نے کھڑے ہو کر کہا اے میرے آقا نور الدین' میری دل شکنی نہ کر اسی طرح دسوں نوجوانوں نے نور الدین کو ایک ایک کر کے دس پیالے پلا دیئے' چونکہ نور الدین کے پیٹ میں اس دن سے پہلے کبھی شراب نہیں گئی تھی اس کا دماغ چکرانے لگا' اسے خوب نشہ ہو گیا' وہ اٹھ کھڑا ہوا' اس کی زبان موٹی پڑ گئی وہ کہنے لگا اے لوگو' تم خوب صورت ہو اور تمہاری باتیں پیاری ہیں اور یہ تمہاری جگہ خوبصورت ہے مگرایک عمدہ گانے کی کمی ہے۔ اگر شراب کے ساتھ گانا بجانا نہ ہو تو خالی پینا پلانا کس کام کا۔ یہ سن کر جوان باغبان اٹھا اور ایک سوداگر زادے کے ساتھ خچر پر چڑھ کر غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک مصری لڑکی لے کر لوٹا جو ایسی تھی جیسے دنبے کی موٹی تازی دم یا صاف چاندی یا سینی پر دینار یا جنگل میں غزال' اس کے چہرے کے آگے روشن سورج مات تھا' آنکھیں جادو بھری اوربھنویں جیسے کھنچی ہوئی کمانیں' رخسار گلابی' دانت موتیوں کی لڑی' ہونٹ قندکے' آنکھیں متوالی' سینہ ہاتھی دانت سا' کمر پتلی اور شکن دار' کولہے جیسے بھرے ہوئے تکیے۔ رانیں شامی ستونوں کی مانند' الغرض وہ لڑکی ایسی تھی جیسے چودھویں رات کا چاند' اس کی پوشاک نیلی تھی' نقاب سبز اور چہرہ آن بان والا جسے دیکھ کر عقل دنگ ہو جائے اور سمجھ دار لوگ حیران رہ جائیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## آٹھ سو سڑسٹھ ویں رات

آٹھ سو سڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ .... سوداگر نے لڑکی سے کہا اے حسینوں کی سرتاج' میں تجھے یہاں محض اس غرض سے لایا ہوں کہ تو اس خوبصورت نوجوان نور الدین کے ساتھ نشست و برخاست کرے کیونکہ آج پہلی بار ہمارے ہاں آیا ہے۔ لڑکی بولی کاش تو نے پہلے سے کہہ دیا ہوتا تاکہ میں اپنے ساتھ اور کچھ بھی لیتی آتی! باغبان نے کہا اے میری آقا' میں جا کر لئے آتا ہوں لڑکی بولی جیسی تیری مرضی۔ اس نے کہا مجھے کوئی نشانی دے دے' لڑکی نے اسے ایک رومال دے دیا۔ رومال لے کر وہ چل دیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ سنہری رنگ کی ایک تھیلی لے کر لوٹا جو اطلس کی تھی جس پر سونے سے دو تصویریں کڑھی ہوئی تھیں۔ لڑکی نے تھیلی کو کھولا اس میں سے بتیس ٹکڑے لکڑی کے نکلے۔ اب اس نے ان ٹکڑوں کو آپس میں جوڑا او وہ ایک ایسی سارنگی بن گئی جیسی کہ ہندوستان والے بناتے ہیں۔
سارنگی جوڑ کر لڑکی اس پر ایسی جھکی جیسے ماں بچے پر اور اس پر اپنی انگلیاں چلانے لگی' سارنگی اپنی پرانی جگہوں کو یاد کرکے رونے لگی' اسے اس پانی کی یاد آئی جس نے اسے سینچا تھا' اس زمین کی جہاں وہ اگ کر بڑی ہوئی تھی' ان بڑھیوں کو جنھوں نے اسے کاٹا چھانٹا تھا' ان روغن سازوں کو جنھوں نے اس پر روغن چڑھایا تھا' ان تاجروں کو جو اسے لے کر آئے تھے اور ان کشتیوں کی جن پر وہ لد کر آئی تھی ان تمام باتوں کو یاد کرکے وہ گریہ زاری کرنے لگی۔ اس کے بعد لڑکی نے بجانا بند کردیا۔ پھر اسے دوبارہ اپنی گود میں رکھ کر اور کئی طرح کے راگ بجائے لڑکی کو گاتے بجاتے دیکھ کر نور الدین اسے محبت بھری نگاہ سے دیکھنے لگا گویا اس کادل ہاتھ سے جاتا رہا۔ ادھر لڑکی کا بھی یہی حال تھا کیونکہ جب اس نے تمام سوداگر زادوں کی طرف نظر کی تو وہ نور الدین کے سامنے ایسے معلوم ہوئے جیسے پرندے کے آگے تارے۔ وہ نہایت شیریں

گفتار، آن بان والا، سڈول بدن کا اور حسین و جمیل تھا۔ نسیم سے زیادہ لطیف اور تسنیم سے زیادہ رقیق۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• آٹھ سو اڑسٹھ ویں رات

آٹھ سو اڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی کا گانا بجانا نور الدین کو بہت پسند آیااور نشے کے چڑھاؤ میں وہ اس کی تعریف کرنے لگا۔ نور الدین کے منہ سے اپنی تعریف سن کر لڑکی کی آنکھیں بھی محبت میں لڑکھڑانے لگیں' اس کا عشق دوبالا ہو گیا' اس کے حسن و جمال اور رعنائی و زیبائی کو دیکھ کر دنگ ہو گئی اور بے ساختہ سارنگی دوبارہ اپنی گود میں لے کر گانے بجانے لگی۔ نور الدین کو اس کی شیریں بیانی اور خوش سرائی پر نہایت تعجب ہوا' مارے محبت اور شوق کے اس کے ہوش جاتے رہے' صبر ہاتھ سے جاتا رہا اور وہ اس کی طرف جھکا اسے اپنے سینے سے لگا لیا لڑکی بھی اس سے لپٹ گئی اس کی پیشانی اور منہ چومنے لگی گویا ایک دوسرے کو چوم رہے تھے جو وہ کرتا وہ بھی کرتی تھی۔ یہاں تک کہ حاضرین مزے میں آ کر کھڑے ہو گئے اور نور الدین نے شرما کر ہاتھ کھینچ لیا۔ اس کے بعد لڑکی نے سارنگی کے مختلف راگ بجائے۔ نور الدین مارے خوشی کے سرتاپا اس کی طرف متوجہ ہو گیا' تعجب کے مارے اس کی عقل ٹھکانے نہ رہی' سارنگی لے کر وہ خود گانے بجانے لگا اور ایسا گایا بجایا کہ لڑکی دنگ ہو گئی۔ پھر لڑکی نے سارنگی لے کر گانا بجانا شروع کیا۔ بعدازاں نور الدین نے اور پھر لڑکی نے گایا بجایا اور نور الدین نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس کی تعریف پر لڑکی کو اتنی خوشی ہوئی کہ اس نے اپنا لباس اور گہنا اتار ڈالا اور اکڑوں بیٹھ کر اس کی پیشانی اور رخسار کے تل کو بوسے دینے لگی اور ساری چیزیں اس کے نذر کر دیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو انہترویں رات

آٹھ سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... لڑکی نے نور الدین کو ساری چیزیں دے کر کہا کہ ہدیہ' ہدیہ دینے والے کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔

نور الدین نے اسے قبول کر لیا اور پھر واپس دے دیا۔ اس کے منہ' رخساروں اور آنکھوں کو بوسہ دیا جب یہ سب کچھ ختم ہو چکا' ہمیشہ قائم رہنے والی تو محض خدا کی ذات ہے جو مور اور الو دونوں کی رزاق ہے' تو نور الدین اٹھ کھڑا ہوا۔ لڑکی نے پوچھا اے میرے آقا' کہاں؟ اس نے جواب دیا اپنے باپ کے گھر۔ سوداگر زادوں نے اسے قسم دی کہ وہ ان کے ساتھ سوئے لیکن وہ نہ مانا اور اپنے خچر پر سوار ہو کر گھر چلا گیا۔

جب وہ گھر پہنچا تو اس کی ماں نے اس کے پاس آ کر پوچھا بیٹا' تو اب تک کہاں غائب رہا؟ خدا کی قسم تیرے غائب رہنے سے میں اور تیرا باپ دونوں پریشان تھے' ہمارا دل تجھ ہی میں لگا ہوا تھا۔ یہ کہتے ہوئے اس کی ماں آگے بڑھی کہ اس کے منہ کو بوسہ دے لیکن یہ دیکھ کر کہ اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہے کہنے لگی بیٹا' نماز اور عبادت کے بعد تو نے شراب پینی شروع کر دی اور خدا کی نافرمانی کرنے لگا۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اس کا باپ آ گیا اور نور الدین فرش پر گر کر سو گیا۔

باپ نے پوچھا کہ نور الدین کو کیا ہوا۔ اسے بھی نورالدین کے منہ سے شراب کی بو آنے لگی۔ تاج الدین شراب پینے والوں سے بہت نفرت کرتا تھا بولا بیٹا' بڑے افسوس کی بات ہے' کیا تو اس درجہ گر گیا کہ شراب پینے لگا؟ نور الدین نشے میں تو تھا ہی ہاتھ اٹھا کر اس کے طمانچہ ماردیا۔ خدا کا کرنا کہ طمانچہ اس کی دہنی آنکھ پر پڑا اور وہ پھوٹ گئی۔ تاج الدین غش کھا کر زمین پر گر پڑا لوگوں نے اس پر گلاب چھڑکا' ایک پہر کے بعد اسے ہوش آیا۔

ہوش آتے ہی وہ بیٹے کو مارنے چلا ماں نے اسے روک لیا۔ بیوی کے آڑے آ جانے

سے اس وقت تو تاج الدین رک گیا لیکن اس نے کہا کہ اگر کل سویرا ہوتے ہی اس کا داہنا ہاتھ نہ کاٹ ڈالوں تو اس کی ماں کو طلاق۔ یہ سن کر بیوی بہت گھبرائی اور بیٹے کے متعلق ڈرنے لگی۔ بار بار میاں کے پاس جا کر سمجھاتی یہاں تک کہ وہ سو گیا۔ ماں نے چاند نکلنے کا انتظار کیا۔ جب چاند نکلا تو بیٹے کے پاس گئی۔ اس وقت اس کا نشہ اتر چکا تھا' ماں نے کہا اے نور الدین' یہ تو نے اپنے باپ کے ساتھ کیا حرکت کی۔ وہ بولا میں نے باپ کے ساتھ کیا کیا۔ ماں بولی تو نے اس کی دہنی آنکھ پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ وہ پھوٹ گئی۔ اب اس نے قسم کھائی ہے کہ اگر وہ کل صبح تیرا دہنا ہاتھ نہ کاٹ ڈالے تو مجھے طلاق ہے۔ نور الدین یہ سن کر سخت پشیمان ہوا لیکن اب پشیمان ہونے سے کیا بنتا تھا۔ ماں نے کہا بیٹا' اب پشیمانی سے کوئی فائدہ نہیں' بہتر یہ ہے کہ تو فوراً اٹھ کر بھاگ جا اپنے آپ کو بچا اپنے جانے کی کسی کو خبر نہ کر۔ کسی اپنے دوست کے پاس جا کر چھپ رہ اور دیکھ کہ خدا کیا کرتا ہے کیونکہ وہ حالتیں بدلتا رہتا ہے۔ یہ کہہ کر اس کی ماں نے ایک صندوق کھولا اور اس میں سے سو دینار کا ایک توڑا نکال کر بیٹے سے کہا ان سے اپنا کام چلائیو اور جب یہ ختم ہو جائیں تو مجھے خبر بھیجنو۔ ممکن ہے کہ خدا تیری تقدیر میں خوشی لکھ دے اور تو گھر لوٹ آئے۔

یہ کہہ کرماں نے نور الدین کو رخصت کیا اور بلک بلک کر رونے لگی نور الدین توڑا لے کر باہر جانے والا ہی تھا کہ اس نے صندوق کے ایک کونے میں ایک اور توڑا دیکھا جس میں ایک ہزار دینار تھے جسے اس کی ماں بھول گئی تھی۔ نور الدین نے اسے بھی لے لیا اور دونوں کو کمر سے باندھ کر دن نکلتے نکلتے شہر سے نکل گیا اور بولاق کی طرف چل دیا۔ لوگ نماز پڑھنے اور کام پر جانے لگے تو وہ بولاق پہنچ چکا تھا۔ وہاں پہنچ کر وہ سمندر کے کنارے ٹہلنے لگا' اس کی نظر ایک کشتی پر پڑی جس کے بادبان اٹھے ہوئے تھے۔ لوگ اس میں آ جا رہے تھے چاروں لنگر زمین میں دھنسے ہوئے اور

ملاح کھڑے ہوئے تھے نور الدین نے ان سے پوچھا تم کہاں جاتے ہو؟ وہ بولے اسکندریہ' نور الدین بولا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لیتے چلو۔ وہ بولے اے حسین جوان' اہلاً سہلاً و مرحبا۔ نور الدین فوراً اٹھا اور بازار جا کر کھانا' بچھونا اور اوڑھنا غرض کہ جن جن چیزوں کی اسے ضرورت تھی لے آیا۔ جب وہ لوٹا تو کشتی لنگر اٹھانے والی تھی۔ نور الدین کشتی پر چڑھا ہی تھا کہ وہ چل دی اور چلتے چلتے رشید جا پہنچی۔ نور الدین نے دیکھا کہ ایک چھوٹی کشتی اسکندریہ جا رہی ہے وہ اس میں بیٹھ کر خلیج کے پار ہو گیا اور ایک پل کے پاس پہنچا جس کا نام قنطرہ الجامی تھا۔ وہاں نور الدین کشتی سے اترا اور باب السدرہ سے داخل ہوا' خدا نے اس کی پردہ پوشی کی اور جتنے لوگ دروازے پر کھڑے تھے ان میں سے کسی کی نظر اس پر نہیں پڑی اور نور الدین اسکندریہ میں داخل ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو سترویں رات

آٹھ سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب نور الدین اسکندریہ میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ اس کی شہر پناہ بڑی مضبوط ہے' سیر گاہیں خوش نما ہیں اور وہاں رہنے کو جی چاہتا ہے۔ سردیاں جا چکی ہیں' بہار کا موسم گلاب کے پھولوں کو لے آ گیا ہے کلیاں کھل رہی ہیں' درختوں پر جوبن ہے' پھل پک گئے ہیں اور نہریں ابل رہی ہیں' شہر نہایت خوب صورت ہے اور شہر والے بہترین لوگ۔
جب اس کا دروازہ بند ہو جاتا ہے تو لوگ محفوظ ہو جاتے ہیں۔ سیر کرتا نور الدین تاجروں کے بازار میں پہنچا وہاں سے صرافوں کے بازار میں اور وہاں سے عطر فروشوں کے بازار میں' شہر کو دیکھ کر نور الدین کی حیرت بڑھتی جاتی تھی کہ جیسا اس کا نام سنا تھا ویسا ہی پایا۔ وہ عطر فروشوں کی دکان سے گزر ہی رہا تھا کہ ایک بوڑھے نے اپنی دکان سے اتر کر اسے سلام کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گیا۔ نور الدین نے دیکھا کہ گلی صاف ستھری' پانی چھڑکا ہوا' ہوا ٹھنڈی' درختوں کے پتوں کا سایہ' اس گلی میں تین مکان ہیں جو مکان صدر میں ہے اس کی بنیاد بڑی مضبوط ہے اور دیواریں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ اس کے آگے کا چوک نہایت اجلا' پاکیزہ' آنے جانے والوں کو پھولوں کی خوشبو آ رہی ہے' گویا جنت کا ایک ٹکڑا ہے۔ چوک کے آگے مکان ڈیوڑھی تک مرمر کا فرش ہے۔ بوڑھا' نور الدین کو لئے ہوئے مکان کے اندر گیا اس کے آگے کھانا پیش کیا دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔
کھا پی چکے تو بوڑھے نے نور الدین سے پوچھا تو قاہرہ سے یہاں کب آیا؟ نور الدین نے جواب دیا چچا' آج ہی رات آیا ہوں۔ بوڑھا بولا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا علی نور الدین' بوڑھا کہنے لگا بیٹا نور الدین اگر تو یہاں رہ کر مجھ سے الگ رہا تو میری بیوی کو تین طلاقیں' میں تیرے رہنے کے لیے ایک الگ مکان دیئے دیتا ہوں۔ نور الدین نے کہا اے میرے آقا' بتا کہ تو ہے کون؟ بوڑھے نے کہا بیٹا' میں ایک بار قاہرہ

گیا تھا وہاں میں نے خرید و فروخت کی' اسی اثناء میں مجھے ایک ہزار دینار کی ضرورت پڑ گئی اور تیرے باپ تاج الدین نے بے اس کے کہ وہ مجھے جانتا ہو دینار تول کر دے دیئے۔ رسید تک نہ لی یہاں تک کہ میں اسکندریہ پہنچا اور ایک غلام کے ہاتھ وہ قرضہ اور اس کے ساتھ ایک ہدیہ تیرے باپ کے پاس بھیجا۔ میں نے تجھے بھی دیکھا تھا لیکن اس وقت تو بہت چھوٹا تھا۔ اگر خدا کو منظور ہے تو میں اس کے احسان کے بدلے میں تیرے ساتھ بھی کچھ احسان کروں گا۔ یہ سن کر نور الدین خوش ہو گیا اس کی باچھیں کھل گئیں' اس نے وہ توڑا نکالا جس میں ایک ہزار دینار تھے اور اسے بوڑھے کو دے کر کہا کہ اسے اپنے پاس بہ طور امانت کے رکھے' کچھ مدت کے بعد میں اس سے تجارت کروں گا۔ اس کے بعد نور الدین کئی دن تک اسکندریہ میں رہا' ہر روز وہاں کی گلیوں میں سیر کرتا' کھاتا پیتا اور مزے اڑاتا یہاں تک کہ وہ سو دینار جو وہ خرچ کے لئے لایا تھا ختم ہو گئے اور وہ بوڑھے عطر فروش کے پاس آیا تاکہ ایک ہزار دینار میں سے کچھ لے جائے اور خرچ کرے' لیکن اسے دکان پر نہ پایا بیٹھ کر و اپس آنے کی راہ دیکھنے لگا۔ دائیں بائیں تاجروں کی چہل پہل دیکھنے میں مشغول ہو گیا۔

وہ اسی شغل میں تھا کہ ایک عجمی خچر پر سوار بازار میں آیا اس کے پیچھے ایک لڑکی تھی ایسی جیسے خالص چاندی یا حوض میں بلطیہ مچھلی یا جنگل میں غزال۔ اس کے چہرے کے آگے سورج مات تھا' آنکھیں جادو' بھری تھیں' سینہ ہاتھی دانت کی تختی دانت موتی' کمر پتلی' اس کا حسن و جمال مکمل تھا اور قد و قامت سڈول' عجمی نے خچر سے اتر کر لڑکی کو اتارا۔ دلال کو آواز دی اور کہا کہ اس لڑکی کو لے جا کر بولی لگوا۔ دلال اسے لے جا کر بیچ بازار میں پہنچا۔ آبنوس کی ایک کرسی بچھائی جس پر ہاتھی دانت کا کام تھا۔ دلال نے لڑکی کو اس پر بٹھا دیا اور اس کی نقاب الٹ دی' اس کا چہرہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ویلمی ڈھال یا چمک دار تارہ' گویا وہ چودھویں رات کا چاند تھی' نہایت حسین' اب دلال نے تاجروں سے کہا کہ تم اس یگانہ موتی اور سونے کی چڑیا کی کیا

قیمت لگاتے ہو؟ ایک تاجر بولا سو دینار میں' میں لیتا ہوں' دوسرے نے دو سو دینار لگائے' تیسرے نے تین سو۔ اسی طرح لوگ بڑھا بڑھا کر بولیاں بولنے لگے یہاں تک کہ اس کی قیمت نو سو پچاس تک پہنچ گئی۔ یہ آخری بولی تھی اور اب محض ایجاب و قبول کی دیر تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو اکھترویں رات

آٹھ سو اکھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی کے نو سو پچاس دینار لگ چکے ہیں تو دلال نے اس کے مالک عجمی کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا بول' کیا تو ان داموں بیچنا چاہتا ہے؟ عجمی بولا کیا وہ راضی ہے؟ مجھے اس کی خاطر منظور ہے کیونکہ اس سفر میں اس نے میری بہت خدمت کی ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ اسے ایسے شخص کے ہاتھ بیچوں گا جسے وہ چاہے گی اب تو اسی سے مشورہ کر' اگر وہ کہے کہ بیچ ڈال تو بیچ ڈالیو اور اگر وہ کہے کہ نہ بیچ تو نہ بیچیو۔ یہ سن کر دلال لڑکی کے پاس گیا اور کہنے لگا اے حسینوں کی سرتاج' تیرا بکنا تیرے آقا نے تیری مرضی پر چھوڑ دیا ہے اور تیرے دام نو سو پچاس دینار تک پہنچ چکے ہیں کیا تیری اجازت ہے کہ میں تجھے بیچ دوں۔ کنیز بولی اس شخص کو مجھے دکھا دے جو مجھے خریدنا چاہتا ہے تاکہ بیع نامے سے پہلے میں اسے دیکھ لوں۔ دلال اسے ایک تاجر کے پاس لے گیا جو بے حد بوڑھا تھا۔ کنیز اس کی طرف تھوڑی دیر تک دیکھتی رہی اور پھر دلال سے کہنے لگی اے دلال' کیا تو پاگل ہو گیا ہے اور تیری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں؟ کیا خدا اس بات کی تجھے اجازت دے سکتا ہے کہ تو مجھ جیسی جوان کو اس بڈھے کھوسٹ کے ہاتھ بیچے!

وہ بوڑھا' تاجروں کا چودھری تھا اس نے کنیز کو اپنی شان میں یہ برے الفاظ کہتے سنا تو بے حد ناراض ہوا اور دلال سے بولا اے منحوس دلال' تو کس کم بخت کنیز کو بازار میں لے آیا ہے کہ وہ میرا مذاق اڑاتی اور تاجروں کے سامنے میری برائی کرتی ہے؟ دلال کنیز کو لے کر وہاں سے چل دیا اور اس سے کہا اے میری آقا' بے ادب نہ بن۔ جس بوڑھے کو تو برا بھلا کہتی ہے وہ بازار کا چودھری' محتسب اور تاجروں کا مشیر ہے۔

کنیز نے دلال سے کہا اے میرے آقا' واللہ میں اس کے ہاتھ بکنا نہیں چاہتی' مجھے کسی دوسرے کے ہاتھ بیچ اگر وہ میرے سامنے شرمندہ ہو گا تو مجھے لے جا کر کسی اور کے ہاتھ بیچ ڈالے گا اور میں محض نوکرانی ہو کر رہ جاؤں گی۔ میں جانتی ہوں کہ اپنے بیچنے کی خود میں مختار ہوں۔ دلال اسے ایک اور بڑے تاجر کے پاس لے گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے کہا اے میری آقا' کیا میں تجھے اپنے آقا شریف الدین کے ہاتھ نو سو پچاس دینار میں بیچ سکتا ہوں؟ کنیز نے اس کی طرف نظر اٹھائی دیکھا وہ بھی بوڑھا ہے مگر اس کی داڑھی رنگی ہوئی ہے۔ لڑکی دلال سے کہنے لگی کیا تو دیوانہ ہے یا تیری عقل ماری گئی ہے تجھے بوڑھوں کے سوا کوئی جوان میسر نہیں' میں کباڑیے کی دکان کا مال تو نہیں کہ تو مجھے ایک بوڑھے سے' دوسرے بوڑھے کے پاس لے جا رہا ہے۔ دونوں کی مثال ایسی دیوار کی ہے جو گرنے والی ہو یا ایسے دیووں کی جنہیں ستاروں نے مار کر گرا دیا ہو۔ اور دوسرا بوڑھا تو مکار بھی ہے اس نے اپنے بڑھاپے کو کالا کر رکھا ہے اور داڑھی رنگ کر لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ لڑکی کی یہ باتیں سن کر خضاب والا بوڑھا بے حد ناراض ہوا اور دلال سے کہنے لگا اے منحوس ترین دلال' آج تو یہ کیسی رذیل کنیز لے کر بازار میں آیا ہے کہ وہ ایک ایک کرکے ہم سب پر فقرے کستی اور ہماری ہجو کرتی ہے؟ یہ کہہ کر تاجر دکان سے اترا اور دلال کے ایک طمانچہ مارا' دلال غصے میں آکر وہاں سے چل دیا۔ لڑکی اس کے ساتھ تھی اس سے کہا خدا کی قسم میں نے تجھ سے زیادہ بے شرم لڑکی نہیں دیکھی۔ تیری وجہ سے آج ہم دونوں کا رزق اٹھ گیا ہے اور سب تاجر مجھ سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ راستے میں ایک اور تاجر کی نظر ان پر پڑی۔ اس نے لڑکی کی قیمت میں دس دینار اور بڑھا دیئے' اس تاجر کا نام شہاب الدین تھا۔ دلال نے لڑکی سے پوچھا کیا تجھے بیچ سکتا ہوں؟ لڑکی بولی میں پہلے اسے ایک نظر دیکھنا اور اس سے ایک چیز کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہوں۔ اگر وہ چیز اس کے پاس ہوئی تو میں اس کے ہاتھ بک جاؤں گی ورنہ نہیں۔ دلال لڑکی کو چھوڑ کر تاجر کے پاس گیا اور بولا اے میرے آقا شہاب الدین' یہ لڑکی مجھ سے

کہتی ہے کہ وہ ایک چیز کے متعلق تجھ سے پوچھنا چاہتی ہے' اگر وہ تیرے پاس ہو گی تو وہ تیرے ہاتھ بک جائے گی لیکن تو سن چکا ہے کہ اس نے اور تاجروں سے کیا

کہا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو بہترویں رات

آٹھ سو بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ دلال نے تاجر سے کہا کہ تو سن چکا ہے کہ لڑکی نے دوسرے تاجروں سے کیا کہا ہے' واللہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں اسے تیرے پاس لایا تو کہیں وہ تیرے ساتھ بھی وہی حرکت نہ کرے جو اس نے تیرے پڑوسیوں کے ساتھ کی ہے اور مجھے تیرے آگے شرمندگی اٹھانا پڑے۔ تیری اجازت ہو تو میں اسے لے آؤں۔ تاجر بولا لے آؤ۔ دلال' کنیز کو لے آیا۔ کنیز نے اسے دیکھ کر پوچھا اے میرے آقا شہاب الدین' کیا تیرے گھر میں ایسے گول تکیے ہیں جن کے اندر گلہری کی کھال کے ٹکڑے بھرے ہوں؟ اس نے کہا ہاں اے حسینوں کی سرتاج' میرے گھر میں ایسے دس تکیے ہیں' لیکن خدا کے لئے بتا تو سہی کہ تو ان کا کیا کرے گی۔ لڑکی بولی کہ جب تو سو جائے گا تو میں انہیں تیرے منہ اور ناک میں ٹھونس دوں گی تا کہ تو مر جائے۔ یہ کہہ کر وہ دلال کی طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی اے منحوس ترین دلال کیا تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے کہ ایک پہر پہلے تو نے مجھے دو بوڑھوں کے آگے پیش کیا جن میں دو دو عیب تھے اور اب تو مجھے میرے آقا شہاب الدین کے آگے پیش کرتا ہے جس میں تین عیب ہیں' ایک تو وہ پستہ قد ہے دوسرے اس کی ناک بڑی ہے اور تیسرے اس کی داڑھی لمبی ہے۔ لڑکی کی یہ باتیں سن کر شہاب الدین دکان سے اترا دلال کا گریبان پکڑ لیا اور کہنے لگا اے منحوس ترین دلال! تو ایسی کنیز کو لے کر ہمارے پاس آیا جو ہمیں بدنام کرتی اور برا بھلا کہتی ہے۔ دلال کنیز کو لے کر وہاں سے بھی چل دیا اور اس سے کہنے لگا خدا کی قسم میں نے عمر بھر یہی پیشہ کیا ہے لیکن تو سب سے زیادہ بے ادب اور میرے لئے سب سے زیادہ منحوس نکلی۔ میری آج کی روزی تو نے برباد کر دی اور نفع میں مجھے ایک مکا ملا اور میرا گریبان پکڑا گیا۔

اس کے بعد دلال کنیز کو لے کر ایک اور تاجر کے پاس ٹھہرا جس کے پاس بہت سے کالے اور گورے غلام تھے اور اس سے کہنے لگا کہ کیا تو اس تاجر علاء الدین کے ہاتھ بکنا چاہتی ہے۔ کنیز نے دیکھا تو وہ کبڑا تھا۔ کہنے لگی ارے یہ تو کبڑا ہے۔ دلال اسے جلدی سے لے کر ایک اور تاجر کے پاس گیا اور پوچھا تجھے اس کے ہاتھ بیچوں؟ لڑکی نے دیکھا کہ وہ گنجا ہے' کہنے لگی تو مجھے اس گنجے کے ہاتھ کیوں کر بیچ سکتا ہے! پھر دلال اسے لے کر ایک لمبی داڑھی والے کے پاس پہنچا' کنیز نے اس پر مینڈھے کی پھبتی کسی کہ اس کی دم حلق میں آ کر نکلی ہے۔ تو نے سنا نہیں کہ لمبی داڑھی والا کم عقل ہوتا ہے اور داڑھی جتنی لمبی ہوتی جاتی ہے اتنی ہی عقل گھٹتی جاتی ہے۔ یہ بات تو دانش مندوں میں مشہور ہے اب دلال اسے لے کر مڑا۔ لڑکی نے پوچھا تو مجھے کہاں لئے جاتا ہے؟ دلال بولا تیرے آقا عجمی کے پاس جو آج تیرے سبب سے مجھ پر گزری وہ بہت کافی ہے' تیری بے ادبی کی وجہ سے میری اور اس کی روزی جاتی رہی۔ کنیز نے بازار میں دائیں بائیں اور آگے پیچھے نظر دوڑائی خدا کا کرنا کہ اس کی نظر نور الدین علی مصری پر جا پڑی اس نے دیکھا کہ وہ خوش رو جوان ہے' اس کے رخسار صاف ستھرے' قد سڈول ہے' عمر چودہ سال ہو گی' نہایت حسین و جمیل ہے' گویا چودھویں رات کا چاند' اس کی پیشانی بارونق' رخسار سرخ' گلا مرمر کی طرح' دانت جیسے ہیرے اور لعاب' شکر سے زیادہ میٹھا۔ اسے دیکھتے ہی لڑکی اس پر عاشق ہو گئی۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو تہترویں رات

آٹھ سو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ کنیز علی نور الدین کو دیکھتے ہی اس پر فدا ہو گئی اور دلال سے مخاطب ہو کر کہنے لگی' یہ نوجوان تاجر جو دوسرے تاجروں کے بیچ میں لمبی آستینوں کی مرزئی پہنے بیٹھا ہے کیا اس نے میرے دام بالکل نہیں بڑھائے؟ دلال نے جواب دیا اے حسینوں کی سرتاج' یہ نوجوان قاہرہ کا رہنے والا پردیسی ہے' اس کا باپ وہاں کے سارے تاجروں میں بڑا ہے۔ اسے یہاں آئے تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے اور وہ اپنے باپ کے ایک دوست کے ہاں ٹھہرا ہے اس نے تیرے دام نہ بڑھائے نہ گھٹائے۔ یہ سن کر کنیز نے اپنی انگلی سے یاقوت کی اک قیمتی انگوٹھی اتاری اور دلال سے کہا مجھے اس خوش رو جوان کے پاس لے چل اگر اس نے مجھے خرید لیا تو یہ انگوٹھی تیرا محنتانہ ہے۔ دلال خوش ہو گیا اور نورالدین کے پاس پہنچا۔ لڑکی نے اسے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا وہ گویا پورا چاند ہے۔ اس سے کہنے لگی اے میرے آقا' خدا کی قسم بتا کہ میں خوب صورت نہیں ہوں؟ اس نے کہا اے حسینوں کی سرتاج' دنیا میں تجھ سے زیادہ خوبصورت بھلا کوئی ہو سکتا ہے! کنیز نے کہا پھر یہ کیسے ہوا' تو نے دیکھا کہ تاجر میرے دام بڑھا رہے ہیں اور تو بالکل چپ رہا اور کچھ بھی نہ کہا' میرے داموں میں ایک دینار بھی نہ بڑھایا۔ اے میرے آقا! گویا میں تجھے بالکل پسند نہیں۔ اس نے کہا اے میری آقا' اگر میں اپنے وطن میں ہوتا تو میں اپنی ساری دولت دے کر تجھے خرید لیتا۔ لڑکی بولی میں تجھ سے یہ نہیں کہتی کہ تو مجھے خواہ مخواہ خرید لیکن اگر تو میرے دام بڑھاتا تو میرا دل خوش ہو جاتا خواہ تو مجھے نہ خریدتا لیکن تاجر کہتے ہیں کہ اگر یہ کنیز حسین نہ ہوتی تو یہ قاہرہ کا تاجر اس کے دام نہ بڑھاتا کیوں کہ قاہرہ والوں کو کنیزوں کی پرکھ ہے۔ کنیز کی یہ باتیں سن کر نور الدین شرما گیا۔ اس نے دلال سے پوچھا کہ اس کنیز کے دام کہاں تک

پہنچ چکے ہیں؟ دلال بولا کہ دلالی کے علاوہ نو سو پچاس دینار اور بادشاہ کا حق بیچنے والے پر ہے۔ نور الدین بولا کہ قیمت اور دلالی ملا کر اسے ایک ہزار دینار میں بیچ ڈال۔ کنیز دلال کو چھوڑ کر آگے بڑھی اور کہنے لگی میں اس خوش رو جان کے ہاتھ ایک ہزار دینار میں بک گئی۔

یہ سن کر نور الدین چپ ہو گیا۔ ایک بولا کہ ہم نے اسے بیچ ڈالا' دوسرے نے کہا کہ وہ اس لڑکی کا اہل ہے' تیسرا کہنے لگا کہ جو دام بڑھائے اور نہ خریدے اس پر لعنت اور اس کے باپ پر لعنت! چوتھا بولا کہ خدا کی قسم وہ ایک دوسرے کے لائق ہیں۔

نور الدین کو پتا بھی نہیں چلا کہ دلال قاضیوں اور گواہوں کو لے آیا۔ انہوں نے بیع نامہ لکھ کر نور الدین کے حوالے کیا اور دلال نے کہا کہ کنیز کو لے' خدا اسے تیرے لئے مبارک کرے! وہ سوائے تیرے اور کسی کے لائق نہیں اور تو سوائے اس کے اور کسی کے لائق نہیں۔ تاجروں کی شرم کے مارے نور الدین فوراً اٹھا اور ایک ہزار دینار لا کر جو اس نے امانتہ عطر فروش کے پاس رکھ چھوڑے تھے تول دیئے اور کنیز کو لے کر اس مکان میں گیا۔ جہاں عطر فروش بوڑھے نے اسے ٹھہرایا تھا۔ جب لڑکی مکان میں داخل ہوئی تو اس نے وہاں پھٹا ہوا فرش اور پرانا قالین دیکھا۔ کہنے لگی اے میرے آقا! کیا میری قدر تیرے دل میں بالکل نہیں اور کیا میں اس قابل نہیں کہ تو مجھے اپنے خاص گھر میں لے چلے جہاں تیرا سامان ہے؟ تو نے مجھے اپنے باپ کے گھر لا کر کیوں اتارا؟ نور الدین نے کہا اے حسینوں کی سرتاج! میں اسی مکان میں رہتا ہوں' اس کا مالک ایک عطر فروش بوڑھا ہے جو اسی شہر کا رہنے والا ہے اس نے مجھے یہ مکان رہنے کے لئے دے رکھا ہے۔ میں نے کہا نہ تھا کہ میں پردیسی قاہرہ کا رہنے والا ہوں۔ لڑکی بولی اے میرے آقا! وطن جانے سے پہلے ہمارے لئے چھوٹے سے چھوٹا مکان بھی کافی ہے لیکن اے میرے آقا! خدا کے لئے جا کر کچھ بھنا ہوا گوشت' شراب' خشک میوہ اور تازے پھل لے آ نور الدین نے کہا اے حسینوں کی سرتاج! خدا کی قسم میرے پاس وہی ایک ہزار دینار تھے جو میں نے تول کر تیری قیمت میں دے دیئے ان

کے بعد اب میرے پاس کچھ نہیں اور جو چند درہم تھے بھی وہ کل تک خرچ ہو چکے۔
لڑکی نے کہا کیا اس شہر میں تیرا کوئی دوست نہیں جس سے تو پچاس درہم قرض لے آئے تا کہ میں ان کا مصرف بتاؤں؟ اس نے جواب دیا کہ سوائے عطر فروش کے میرا کوئی دوست نہیں۔ یہ کہہ کر وہ عطر فروش کے پاس گیا اور کہا چچا! السلام علیک' اس نے سلام کا جواب دیا اور کہا بیٹا! تو نے آج ایک ہزار دینار میں کیا خریدا ہے؟ نور الدین نے جواب دیا ایک کنیز' عطر فروش نے کہا بیٹا' کیا تیرا سر پھر گیا ہے کہ تو نے ایک ہزار دینار میں ایک کنیز خریدی؟ نہ معلوم وہ کیسی کنیز ہو گی نور الدین نے کہا چچا' وہ ایک فرنگن کنیز ہے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

- ## آٹھ سو چوہترویں رات

آٹھ سو چوہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ نور الدین نے بوڑھے عطر فروش سے کہا وہ ایک فرنگن کنیز ہے۔ بوڑھا بولا بیٹا' اس شہر میں بہترین فرنگنوں کی قیمت سو دینار ہے' بیٹا اس میں کسی نے تیرے ساتھ چال چلی ہے۔ اگر وہ تجھے پسند ہے تو آج رات کو اس کے ساتھ سو اور اس سے اپنا مطلب نکال کر صبح اسے بازار میں بیچ ڈالیو' خواہ اس میں تجھے دو سو دینار کا ٹوٹا ہی کیوں نہ ہو اور سمجھ لیجیو کہ وہ پانی میں گر پڑے یا ڈاکو راہ سے لے اڑے۔ نور الدین نے کہا تو ٹھیک کہتا ہے لیکن چچا' تو جانتا ہے کہ میرے پاس وہی ہزار دینار تھے جن سے میں نے کنیز خرید کی اور اب میرے پاس خرچ کرنے کے لئے ایک درہم تک نہیں۔ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے پچاس درہم ادھار دے دے تاکہ کل تک خرچ چلے' کل میں کنیز کو بیچ کر اس کے داموں میں تیرا قرضہ ادا کر دوں گا۔ بوڑھے نے پچاس درہم تول کر دے دیئے اور کہا بیٹا' تو ابھی کم سن ہے اور یہ کنیز خوب صورت' اگر تیرا دل پھنس گیا تو اس کا بیچنا تیرے لئے آسان نہ ہو گا اور تیرے پاس خرچ کرنے کے لئے دام نہیں۔ جب یہ پچاس درہم ختم ہو جائیں گے تو تو پھر میرے پاس آئے گا اور میں ایک بار دوں گا دو بار دوں گا تین بار دوں گا دس بار دوں گا اور تو پھر میرے پاس آئے گا تو میں تیرے شرعی سلام کا جواب بھی نہ دوں گا اور جو محبت مجھے تیرے باپ سے ہے وہ بھی اکارت جائے گی یہ کہہ کر بوڑھے نے اسے پچاس درہم دے دیئے اور وہ انہیں لے کر کنیز کے پاس آیا کنیز نے کہا اے میرے آقا ابھی بازار جا کر میرے لئے بیس درہم کا ریشم لے آ جو پانچ مختلف رنگوں کا ہو اور باقی تیس درہم کا گوشت' روٹی' پھل' شراب اور عطر۔

نور الدین بازار جا کر وہ تمام چیزیں خرید لایا جو لڑکی نے کہی تھیں۔ لڑکی نے فوراً آستینیں

چڑھا لیں' خوب اچھی طرح سالن پکایااس کے آگے لا رکھا اور دونوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ اس کے بعد وہ شراب لائی اور دونوں نے پی لڑکی اسے برابر پلاتی جاتی اور پیار کی باتیں کرتی جاتی یہاں تک کہ وہ نشے میں آ کر سو گیا۔ اب لڑکی نے اٹھ کر اپنے بقچے میں سے ایک طائفی چمڑے کی تھیلی نکالی تھیلی میں سے دو بننے کی سوئیاں اور بننے لگی۔ تھوڑی دیر میں ایک پٹی بن کر تیار کر دی۔ اسے صاف کر کے استری کی اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر تکیے کے نیچے رکھ دی پھراس نے اٹھ کر اپنے کپڑے اتارے اورنور الدین کے پاس لیٹ کر اسے دابنے لگی یہاں تک کہ اس کی آنکھ کھل گئی اس نے دیکھا کہ اس کے پہلو میں ایک لڑکی ہے گویا وہ خالص چاندی ہے ریشم سے زیادہ نرم اور دبنے کی دم سے زیادہ ترو تازہ' میانہ قد' سینہ ابھرا ہوا' بھنویں جیسے کھنچی ہوئی کمانیں' آنکھیں غزالوں کی سی اور رخسار شقائق النعمان جیسے۔ نور الدین نے اسے دیکھ کر فوراً سینے سے لگا لیا پہلے نیچے کا ہونٹ چوسا پھر اوپر کا اور پھر اس کی بکارت زائل کرکے اس طرح اس کے بوسے لینے لگا جیسے پانی میں سنگریزے گرتے ہوں کیونکہ نور الدین کو تمنا تھی کہ وہ اس حور کو گلے سے لگائے اور اس کے ہونٹ چوسے' بال کھولے' کمر میں ہاتھ ڈالے اور رخسار کاٹے۔ اس کے بعد نور الدین اور کنیز بڑے مزے سے صبح تک سوتے رہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو پچھترویں رات

آٹھ سو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ نور الدین اور کنیز بڑے مزے سے صبح تک سوتے رہے' صبح ہوئی اور دن چڑھا تو نور الدین جاگا دیکھا کہ وہ پانی لائی ہے دونوں نے غسل کیا اور نور الدین نے نماز پڑھی' لڑکی ناشتہ لائی اس نے کھایا پیا۔ اس کے بعد لڑکی نے تکیے کے نیچے ہاتھ بڑھا کر وہ پٹی نکالی جو اس نے رات کو بنائی تھی اور نور الدین کو دے کر کہا اے میرے آقا' یہ پٹی لے اس نے پوچھا یہ پٹی کہاں سے آئی؟ لڑکی نے کہا اے میرے آقا یہ اسی ریشم کی ہے جو تو نے کل بیس درہم میں خریدا تھا۔ اسے لے کر عجمی بازار میں جا' دلال کو دے کر کہیو کہ لوگ اس پر بولی بولیں اور اس وقت تک نہ بیچیو جب تک دلالی نکال کر پورے بیس دینار تجھے نہ ملیں۔ نور الدین نے کہا اے حسینوں کی سرتاج' بیس درہم کی چیز تھی جو ایک رات میں بن گئی ہو کہیں بیس دینار میں بکی ہے! لڑکی نے کہا اے میرے آقا' تجھے اس کی قیمت کی خبر نہیں تو اسے بازار لے جا کر دے تو سہی' جب تو آواز لگائے گا تو تجھے اس کی قیمت معلوم ہو جائے گی۔ نور الدین پٹی کو لے کر عجمی بازار میں گیا اور اسے دلال کو دے کر کہا اس پر آواز لگا۔ نور الدین ایک دکان کی چوکی پر بیٹھ گیا اور دلال پٹی لے کر چل دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے نو الدین کے پاس آ کر کہا اے میرے آقا' چل کر اپنی پٹی کی قیمت لے لے' اس کی قیمت بے دلالی کاٹے بیس دینار تک پہنچ گئی ہے۔ دلال کی باتیں سن کر نور الدین کو بڑا اچنبھا ہوا وہ مارے خوشی کے وجد کرنے لگا اور جا کر بیس دینار لے آیا لیکن اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ حقیقت ہے یا دھوکہ۔ دینار لے کر اس نے سب کا رنگ برنگ ریشم لے لیا۔ تاکہ لڑکی ان سب کی پٹیاں بنا ڈالے۔ اب نور الدین نے گھر

جا کر لڑکی کو سارا ریشم دے دیا اور کہا کہ ان سب کی پیٹیاں بنا ڈال بلکہ مجھے بھی سکھا دے تاکہ میں بھی تیرے ساتھ بیٹھ کر بناؤں' عمر بھر اس صنعت سے بہتر صنعت میری نظر سے نہیں گزری اور نہ اس سے زیادہ فائدہ مند۔ تجارت کرنے سے یہ ہزار درجے بہتر ہے اس کی باتیں سن کر لڑکی ہنس پڑی اور کہنے لگی اے میرے آقا نورالدین اپنے دوست عطر فروش کے پاس جا کر بیس درہم اور قرض لے اور کل پیٹی کی قیمت میں سے یہ تیس اور پہلے کے پچاس درہم ادا کر دیجیو۔ نور الدین نے عطر فروش کے پاس جا کر کہا چچا' تیس درہم اور مجھے دے دے اگر خدا کو منظور ہے تو میں کل تمام اسی درہم لا کر تجھے دے دوں گا۔ عطر فروش نے تیس درہم لا کر تول کر دیئے۔

نور الدین انہیں لے کر بازار گیا اور کل کی طرح گوشت روٹی' خشک اور ترمیوہ اور عطر خرید کر لڑکی کے پاس لے آیا۔ اس لڑکی کو پیٹی والی مریم کہتے تھے۔ گوشت لے کر اس نے فوراً پکایا اور عمدہ کھانا تیار کرکے اسے اپنے آقا نور الدین کے آگے لا رکھا۔ اس کے بعد اس نے شراب کا دسترخوان بچھایا دونوں نے شراب پی' لڑکی بھر بھر کر اسے پلاتی جاتی وہ اسے پلاتا جاتا اور دونوں ایک دوسرے سے باتیں چیتیں کرتے جاتے لڑکی اسے پیالہ دیتی اور کہتی اسے بھر کر مجھے پلا اور جب وہ اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتا تو وہ شرارت سے ہٹ جاتی۔ نشے کی وجہ سے اس کا حسن و جمال دوبالا ہو گیا تھا' اسی حالت میں نور الدین نشے میں آ کر سو گیا اور لڑکی اٹھ کر دستور کے مطابق پیٹی بننے کے کام میں لگ گئی جب وہ بن چکی تو اس نے اسے ٹھیک ٹھاک کرکے ایک کاغذ میں لپیٹ دیا اور اپنے کپڑے اتار کرنور الدین کے پہلو میں جا لیٹی اور سویرے تک سوتی رہی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو چھترویں رات

آٹھ سو چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ پٹی والی مریم نے پٹی بنا اسے ٹھیک ٹھاک کر ایک کاغذ میں لپیٹ دیا اور صبح تک نور الدین کے ساتھ سوتی رہی۔ جب نور الدین سو کر اٹھا اور اپنی ضروریات سے فارغ ہو چکا تو لڑکی نے اسے پٹی دی اور کہا اسے کل کی طرح بیس دینار میں بیچ آ۔ وہ اسے لے کر بازار گیا اور بیس دینار میں بیچ' عطر فروش کے اسی درہم ادا کر آیا۔ اس کی عنایت کا شکریہ ادا کیا اور اسے دعا دی۔ اس نے کہا بیٹا' کیا تو کنیز کو بیچ آیا؟ نور الدین بولا تو مجھے بددعا دیتا ہے' میں کس طرح روح کو جسم سے نکال کر بیچ سکتا ہوں! یہ کہہ کر اس نے شروع سے لے کر آخر تک سارا ماجرا کہہ سنایا بوڑھا عطر فروش بے حد خوش ہوا اور کہنے لگا بیٹا خدا کی قسم تو نے مجھے دل سے شاد کر دیا' خدا نے چاہا تو تو ہمیشہ خیر و عافیت سے رہے گا۔ تیرے باپ کی محبت کی وجہ سے میں ہمیشہ تیری بھلائی چاہتا ہوں۔ بوڑھے عطر فروش کے پاس سے رخصت ہو کر نور الدین فوراً بازار گیا اور دستور کے موافق گوشت' میوے' شراب اور دوسری ضروری چیزیں مول لے کر لڑکی کے پاس آیا۔ غرض کہ ایک سال تک دونوں اسی عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے رہے' لڑکی ہر رات ایک پٹی بناتی اور نور الدین صبح ہوتے ہی اسے بیس دینار میں بیچ آتا اور ضرورت کے مطابق اس میں سے خرچ کرتا۔ باقی لڑکی کے پاس اٹھا رکھتا تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے۔

ایک سال گزر گیا تو لڑکی نے کہا اے میرے آقا نو الدین' کل جب تو پٹی بیچ چکے تو اس کے داموں میں چھ رنگ کا ریشم الگ لیتا آئیو۔ میرے داغ میں یہ خیال آیا ہے کہ میں تیرے لئے ایک رومال بنوں جسے تو اپنے کندھے پر ڈالا کرے۔ ایسے رومال کی خوشی تاجر زادوں کو تو درکنار شاہ زادوں کو بھی نصیب نہ ہوئی ہو گی۔ نور الدین نے

بازار جا کر پٹی بیچی اور جس جس رنگ کا ریشم لڑکی نے کہا تھا خرید کر اس کے پاس لے آیا۔ مریم زناریہ ایک ہفتے تک اس کے بننے میں مشغول رہی۔ آخر اس نے رومال تیار کرکے نور الدین کو دے دیا' جب کبھی وہ اسے کندھے پر ڈال کر بازار میں نکلتا تو تاجر راہ چلتے اور شہر کے بڑے لوگ صف باندھ کرکھڑے ہو جاتے تاکہ اس رومال کا تماشہ دیکھیں ایک رات جبکہ نور الدین سو رہا تھا اس کی آنکھ کھل گئی دیکھا کہ لڑکی بلک بلک کر رو رہی ہے اس نے پوچھا اے میری آقا مریم تو کیوں رو رہی ہے؟ لڑکی نے جواب دیا کہ جدائی کے صدمے سے۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ جدائی ہونے والی ہے۔ نور الدین نے کہا اے حسینوں کی سرتاج' کون ہے جو ہمیں جدا کر سکتا ہے کیونکہ میں تجھے ساری دنیا سے پیارا ہوں! لڑکی بولی میرا خیال اس سے بھی زیادہ ہے لیکن خوشی میں محو ہو جانا انسان کو ایک روز دکھ دکھاتا ہے۔ اے میرے آقا نور الدین' اگر تیری یہ تمنا ہے کہ جدائی نہ ہو تو ایک فرنگی سے بچ کر رہیو جو دائیں آنکھ سے کانا اور بائیں پاؤں سے لنگڑا ہے' گندہ رنگ داڑھی بھری ہوئی۔ وہی ہماری جدائی کا سبب ہو گا۔ میں نے اسے اس شہر میں آتے دیکھا ہے میرا خیال ہے کہ وہ میری ہی تلاش میں آیا ہو گا۔ نور الدین نے کہا اے حسینوں کی سرتاج' اگر میری نظر اس پر پڑ گئی تو میں اسے قتل کر دوں گا تاکہ لوگ عبرت پکڑیں۔ مریم بولی اے میرے آقا' نہ قتل کیجنو نہ اسے منہ لگائیو نہ اس سے لین دین کیجنو نہ کوئی معاملہ رکھیو نہ اس کے پاس بیٹھیو نہ اس کے ساتھ چلیو اور نہ اس سے کوئی بات کیجنو بلکہ شرعی جواب تک نہ دیجیو' اب خدا سے دعا کر کہ وہ ہمیں اس کی برائی اور مکر سے بچائے۔

دن نکلا تو نور الدین پٹی لے کر بازار گیا اور ایک دکان کے چبوترے پر بیٹھ کر تاجرزادوں سے باتیں کرنے لگا اتنے میں اسے نیند کا ایک جھونکا آیا اور وہ وہیں چبوترے پر سو گیا۔ اسی وقت اتفاق سے فرنگی سات اور فرنگیوں کو لئے ادھر سے گزرا' دیکھا کہ نور الدین رومال سے منہ ڈھانکے دکان کے چبوترے پر سو رہا ہے اور اس کا کنارہ اس کے

ہاتھ میں ہے۔ فرنگی اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور رومال کا ایک کونہ پکڑ کر اسے دیر تک الٹتا پلٹتا رہا آہٹ سے نور الدین جاگ اٹھا دیکھا کہ وہی فرنگی جس کا ذکر لڑکی نے کیا تھا اس کے سرہانے بیٹھا ہے نور الدین نے اس زور سے اسے ڈانٹا کہ وہ سہم گیا۔ فرنگی بولا تو ہمیں کیوں ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے؟ کیا ہم نے تیری کوئی چیز لے لی ہے؟ نور الدین نے کہا اے ملعون خدا کی قسم اگر تو نے میری کوئی چیز لے لی ہوتی تو میں تجھے والی کے پاس لے جاتا۔ بولا اے مسلمان! تجھے اپنے دین ایمان کی قسم بتا کہ یہ رومال تجھے کہاں سے ملا؟ نور الدین نے کہا یہ میری ماں نے بنایا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

آٹھ سو ستترویں رات

آٹھ سو ستترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... فرنگی نے نور الدین سے پوچھا کہ رومال کس نے بنایا ہے تو اس نے جواب دیا کہ میری ماں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ فرنگی نے کہا اسے میرے ہاتھ بیچ ڈال اور مجھ سے دام لے لے۔ نور الدین بولا اے ملعون' خدا کی قسم نہ اسے میں تیرے ہاتھ بیچوں گا نہ کسی اور کے ہاتھ ماں نے یہی ایک رومال بنایا ہے اور وہ بھی میرے نام پر۔ فرنگی نے کہا مرے ہاتھ بیچ ڈال میں ابھی اس کی قیمت پانچ سو دینار ادا کئے دیتا ہوں تو جا کر اپنی ماں سے اس سے بہتر بنوا لیجیو۔ نور الدین بولا میں اسے ہرگز نہیں بیچ سکتا کیونکہ اس کا جواب شہر بھر میں نہیں۔ فرنگی نے کہا اے میرے آقا کیا تو خالص سونے کے چھ سو دینار میں بھی نہ بیچے گا؟ فرنگی اسی طرح سو سو دینار بڑھاتا رہا یہاں تک کہ نو سو دینار لگا دیئے۔ نور الدین بولا کہ بے اس کے بکے خدا میری حاجت روائی کرے گا' میں اسے ہرگز ہرگز نہیں بیچوں گا خواہ تو دو ہزار دینار ہی کیوں نہ لگائے۔ فرنگی نور الدین کو لالچ دلاتا دلاتا ایک ہزار تک پہنچ گیا چند تاجر بولے کہ ہم تیرے ہاتھ یہ رومال بیچتے ہیں' لا دام نکال۔ نور الدین بولا خدا کی قسم میں تو نہیں بیچوں گا۔ ایک تاجر نے کہا بیٹا' اس رومال کی قیمت زیادہ سے زیادہ سو دینار ہو سکتی ہے بشرطیکہ کوئی قدردان مل جائے اور وہ زیادہ سے زیادہ دینے کے لئے بھی تیار ہو' یہ فرنگی تو تجھے ایک ہزار دینار دے رہا ہے' اس میں تجھے نو سو دینار کا فائدہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہتا ہے؟ میری رائے میں تو اس رومال کو ایک ہزار میں بیچ ڈال اور جس نے یہ رومال بنایا ہے ایسا ہی اس سے دوسرا بنوا لے یا اس سے بھی اچھا اور اس ملعون دین کے دشمن سے ایک ہزار دینار کھرے کر لے۔ تاجروں کی شرم کے مارے نور الدین نے وہ رومال فرنگی کے ہاتھ ایک ہزار دینار میں بیچ ڈالا اور فرنگی نے سب کے سامنے دام نکال کر

دے دیئے۔ نور الدین چاہتا ہی تھا کہ مریم کے پاس جا کر اسے فرنگی کا ماجرا سنائے کہ فرنگی نے کہا اے تاجرو' نور الدین کو ابھی جانے نہ دینا' تو اور وہ سب آج رات

میرے مہمان ہو' میرے پاس پرانی رومی شراب کا ایک پیپا ہے' ایک موٹا تازہ دنبہ' خشک اور تر میوے اور خوشبوئیں۔ آج رات کے لئے تم سب میری دعوت قبول کرو' ایسا نہ ہو کہ تم میں سے ایک بھی رہ جائے۔ تاجروں نے کہا اے ہمارے آقا نور الدین ایسی دعوت میں ہماری خواہش ہے کہ تو بھی ہمارے ساتھ ہو تا کہ ہم باتیں کر سکیں۔ مہربانی کرکے ہمارے ساتھ چل اس فرنگی نے ہم سب کو دعوت دی ہے۔ اور وہ بڑا سخی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اسے طلاق کی قسم دے کر کہا کہ گھر نہ جا' اور انہوں نے اپنی دکانیں بند کرکے نور الدین کو ساتھ لیا اور فرنگی کے ساتھ چل کھڑے ہوئے اور اس کے ہاں ایک کمرے میں پہنچے جو صاف ستھرا اور بڑا تھا جس کے اندر دو چبوترے تھے۔ فرنگی نے انہیں وہاں بٹھایا ان کے آگے ایک عجیب و غریب کاری گری کا دستر خوان بچھایا جس میں فاتح اور مفتوح' عاشق اور معشوق' بھیک مانگنے والے اور دینے والے کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ اس دستر خوان پر فرنگی نے چینی اور بلور کے عمدہ عمدہ برتن رکھے جن میں نفیس نفیس میوے اور خوشبوئیں تھیں۔ ایک پیپا پرانی رومی شراب کا لے آیا اور موٹی تازی بھیڑ کے ذبح کرنے کا حکم دیا' وہ آگ جلا کو گوشت بھونتا' تاجروں کو کھلاتا' اس کے ساتھ شراب پلاتا جاتا اوراس سے اشارے سے کہتا جاتا کہ نور الدین کو بھی پلاؤ۔ تاجر اسے خوب شراب پلاتے رہے یہاں تک کہ نور الدین مست ہو گیا۔ جب فرنگی نے دیکھا کہ وہ نشے میں چور ہے تو اس سے کہنے لگا اے میرے آقا نور الدین آج رات تو نے ہمیں بہت خوش کیا' مرحبا مرحبا!

اسی طرح فرنگی اس سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا رہا اور اس کے پہلو میں بیٹھ کر تھوڑی دیر تک اسے اپنی باتوں میں محو رکھا پھر کہنے لگا اے میرے آقا نور الدین کیا تو وہ کنیز میرے ہاتھ بیچنا چاہتا ہے جسے تو نے ایک سال ہوا کہ انہیں تاجروں کے سامنے ایک

ہزار دینار میں خریدا تھا؟ میں اس کی قیمت پانچ ہزار دینار دینے کو تیار ہوں یعنی چار ہزار زیادہ۔ نور الدین نے انکار کردیا۔ لیکن فرنگی اسے برابر کھلاتا پلاتا رہا یہاں تک کہ دس ہزار تک دام لگا دیئے۔ نور الدین نشے میں تو تھا ہی تاجروں کے سامنے بول اٹھا کہ ہاں بیچتا ہوں لا دس ہزار یہ سن کر فرنگی خوش ہو گیا اور تاجروں سے کہا گواہ رہنا۔
رات بھر اسی طرح کھانا پینا' ہنسی مذاق رہا اور جب صبح ہوئی تو فرنگی نے غلاموں کو بلا کر کہا کہ دینار لاؤ۔ وہ لائے تو اس نے دس ہزار دینار گن کر اسے نقد دے دیئے اور کہا اے میرے آقا نور الدین یہ دینار اپنی تحویل میں لے' یہ تیری اس کنیز کی قیمت ہے جو تو نے رات ان مسلمان تاجروں کے سامنے میرے ہاتھ بیچی ہے۔ نور الدین بولا' اے ملعون میں نے تیرے ہاتھ کچھ نہیں بیچا تو مجھ پر بہتان لگاتا ہے' میرے پاس کنیزیں کہاں سے آئیں! فرنگی نے کہا تو نے واقعی کنیز میرے ہاتھ بیچی ہے اور اس سودے کے یہ تاجر گواہ ہیں۔ تمام تاجروں نے کہا' ہاں اے نور الدین تو نے ہمارے سامنے اپنی کنیز کو بیچا ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو نے کنیز کو اس کے ہاتھ دس ہزار دینار میں فروخت کر دیا ہے۔ اٹھ اور دام لے کر کنیز کو اس کے حوالے کر دے' خدا اس کے بدلے اس سے بہتر تجھے دے گا۔ اے نور الدین یہ کیا برا سودا ہے کہ تو نے ایک کنیز ایک ہزار دینار میں مول لی۔ ڈیڑھ سال تک اس کے حسن و جمال کا مزا اڑایا دن رات اس کی صحبت میں حظ اٹھاتا اور وصال کا شربت پیتا رہا ہے! اور پھر اس کی اصلی قیمت پر نو ہزار دینار کا فائدہ مل رہا ہے! علاوہ بریں ہر روز تیرے لئے ایک پٹی بناتی تھی جسے تو بیس دینار میں بیچتا تھا۔ ان تمام باتوں کے بعد بھی تو بیچنا پسند نہیں کرتا اور فائدے کو حقیر سمجھتا ہے اس فائدے سے بڑھ کر آخر کیا فائدہ ہو سکتا ہے اور اس لین دین سے زیادہ اور کون سا لین دین ہے! مانا کہ تجھے اس سے محبت تھی لیکن اس مدت میں اس سے سیر ہو چکا ہو گا تو ہم اپنی کسی بیٹی سے تیری شادی کر دیں گے اور اس کے آدھے سے کم مہر لیں گے باقی آدھے تیرے پاس بطور پونجی کے رہیں گے اور وہ لڑکی بھی اس سے زیادہ حسین ہو گی۔

غرض کہ تاجر نور الدین کے ساتھ نرمی سے باتیں کرتے اور اسے پھسلاتے رہے یہاں تک کہ اس نے کنیز کے بدلے دس ہزار دینار لے لئے۔ فرنگی نے فوراً قاضیوں اور گواہوں کو بلوایا۔ انہوں نے نور الدین کی طرف سے اس کنیز کا بیع نامہ لکھ دیا جس کا نام مریم زناریہ تھا۔ ادھر تو نور الدین پر یہ گزر رہی تھی ادھر مریم زناریہ دن بھر بیٹھی شام تک اپنے آقا کا انتظار کرتی رہی پھر شام سے لے کر آدھی رات تک اور بہت پریشان ہوئی اور رونے لگی۔ اس کے رونے کی آواز بوڑھے عطر فروش کے کان میں پڑی تو اس نے اپنی بیوی کو اس کے پاس بھیجا۔ بیوی نے جا کر دیکھا کہ وہ رو رہی ہے۔ وہ کہنے لگی اے میری آقا تو کیوں رو رہی ہے؟ لڑکی بولی اماں' میں بیٹھی اپنے آقا نور الدین کی راہ دیکھ رہی ہوں لیکن وہ ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا' مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری خاطر کسی نے اس پر کوئی چال نہ چلی ہو اور اس نے دھوکے میں آ کر مجھے بیچ نہ ڈالا ہو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو انہترویں رات

آٹھ سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ مریم نے عطر فروش کی بیوی سے کہا کہ کہیں اس نے دھوکے میں آ کر مجھے بیچ نہ ڈالا ہو۔ عطر فروش کی بیوی بولی اے میری مریم آقا! اسے تو تجھ سے اتنا پیار ہے کہ اگر کوئی اسے اتنا سونا دے کہ یہ کوٹھڑی بھر جائے پھر بھی وہ تجھے نہیں بیچے۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ قاہرہ سے اس کے والدین کے پاس سے آئے ہوں اور اس نے ان کی دعوت وہیں کر دی ہو جہاں وہ اترے ہوں اور انہیں یہاں لانے سے وہ شرماتا ہو کیونکہ یہ مکان ان کے لئے چھوٹا ہے' یا وہ کم درجے کے لوگ ہوں جنہیں وہ گھر میں لانا مناسب نہ سمجھتا یا تیرا حال ان سے چھپانا چاہتا ہو اور رات کو انہی کے پاس رہ گیا ہو۔ خدا نے چاہا تو کل وہ بہ خیریت یہاں آ جائے گا۔ اے میری آقا تو بالکل رنج نہ کر' اس کے نہ آنے کا یہی سبب ہو گا۔ میں آج رات تیرے پاس سوؤں گی اور تیرے آقا کے آنے تک تجھے تسلی دوں گی۔ اس کے بعد عطر فروش کی بیوی مریم کے ساتھ ہنسی مذاق کرتی اور اسے تسلی دیتی رہی یہاں تک کہ رات ختم ہو گئی صبح ہوتے مریم نے دیکھا کہ نور الدین گلی میں داخل ہوا اور اس کے پیچھے پیچھے وہ فرنگی ہے اور ارد گرد دوسرے تاجر۔ انہیں دیکھتے ہی مریم کانپنے لگی اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وہ اس طرح کانپنے لگی جیسے طوفان کے وقت سمندر میں کشتی۔ عطر فروش کی بیوی نے اسے دیکھ کر کہا اے میری آقا مریم' تجھے کیا ہوا کہ تیری حالت بدل گئی' چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں؟ لڑکی نے کہا اے میری آقا' مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جدائی کی گھڑی آ گئی۔

یہ کہہ کر لڑکی سسکیاں بھرنے لگی اور اتنا روئی کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ اسے جدائی کا بالکل یقین آ گیا اور وہ عطر فروش کی بیوی سے کہنے لگی اے میری آقا' میں

نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ میرے بیچنے کے بارے میں نور الدین پر کوئی چال چلی گئی ہے مجھے یقین ہے کہ اس نے رات کو مجھے اس فرنگی کے ہاتھ بیچ ڈالا' حالانکہ میں نے اسے خبردار کر دیا تھا۔ لیکن قسمت کے لکھے کے آگے خبرداری کام نہیں کرتی۔ تجھے معلوم ہو گیا ناں کہ میں ٹھیک کہتی تھی۔ وہ دونوں یہ باتیں کر ہی رہی تھیں کہ نور الدین مریم کے پاس پہنچا' مریم نے دیکھا کہ اس کا رنگ فق ہو گیا ہے وہ کانپ رہا ہے اور اس کے چہرے سے غم اور پشیمانی ٹپک رہی ہے اور وہ کہنے لگی اے میرے آقا نور الدین' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے مجھے بیچ ڈالا۔ یہ سن کر وہ رونے' ٹھنڈے سانس بھرنے اور آہیں کھینچنے لگا' لڑکی کے آگے معذرت کی اور کہنے لگا اے میری آقا! جو کچھ قسمت میں لکھا تھا ہو گیا۔ تیرے بیچنے کے بارے میں لوگ مجھ پر چال چل گئے اور میں نے تجھے بیچ ڈالا۔ واقعی تیرے حق میں' میں نے بڑا گناہ کیا' لیکن ممکن ہے کہ جس خدا نے جدائی کا حکم دیا ہے وہی ہمیں پھر ملا کر ہم پر احسان کرے۔ لڑکی بولی' میں نے تجھے اس سے خبردار کر دیا تھا لیکن تو خبردار نہ ہوا۔ یہ کہہ کرلڑکی نے اسے سینے سے لگایا اور اس کی پیشانی چومنے لگی۔

اتنے میں فرنگی ان کے پاس پہنچ گیا اور بڑھ کر شہزادی مریم کے ہاتھ چومنے چاہے کہ لڑکی نے اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور کہا دور ہو اے ملعون' خدا نے چاہا تو اس میں بہتری ہو گی۔ یہ سن کر فرنگی ہنس پڑا' اس کی حرکت پر تعجب کرنے لگا اور معذرت کرتے ہوئے بولا اے میری آقا مریم میں نے کیا گناہ کیا؟ تیرے آقا نور الدین ہی نے تو تجھے اپنی مرضی سے میرے ہاتھ بیچا ہے۔ مسیح کی قسم اگر اسے تجھ سے محبت ہوتی تو کبھی یہ حرکت نہ کرتا اور اگر وہ تجھ سے اپنا مقصد پورا نہ کر چکا ہوتا تو تجھے ہرگز نہ بیچتا۔

یہ لڑکی افرنجہ کے بادشاہ کی بیٹی تھی' افرنجہ بہت بڑا شہر ہے اور قسطنطنیہ کی طرح کاری گری کا مرکز' اس میں عجیب و غریب چیزیں پائی جاتی ہیں اور بہت پیداوار ہوتی ہے۔

لڑکی کے اس شہر کو چھوڑنے کی وجہ نہایت عجیب و غریب ہے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- **آٹھ سو اناسی ویں رات**

جب آٹھ سو اناسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... لڑکی کے اپنے ماں باپ کے شہر کو چھوڑنے کی وجہ عجیب و غریب ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی تربیت ماں باپ کے پاس نہایت اچھے طریقے سے ہوئی تمام دست کاریاں اس نے سیکھیں' مثلاً زردوزی' سینا' پرونا' بننا' پٹی بنانا' بساط خانے کا سامان اور سونے پر چاندی اور چاندی پر سونے کی پچی کاری کرنا' علاوہ اس کے فصاحت' لکھنا پڑھنا' حساب کتاب' شہ سواری اور شمشیر زنی' غرض کہ مردوں اور عورتوں دونوں کے علوم و فنون سیکھے یہاں تک کہ وہ اپنے زمانے میں یکتاہو گئی۔ اس پر خدا نے اسے اتنا حسن و جمال دیا تھا کہ اس کا جواب دنیا میں ملنا ناممکن تھا۔ جب جزیروں کے بادشاہوں نے اس کی شادی کی درخواستیں بھیجیں تو اس کے باپ نے انکار کر دیا کیونکہ وہ اسے بے حد پیار کرتا تھااور دم بھر بھی اس کی جدائی اس کو گوارا نہ تھی۔ اس کے علاوہ باپ کی اور کوئی بیٹی بھی نہ تھی۔ بیٹے کئی تھے لیکن وہ بیٹوں سے زیادہ بیٹی کو چاہتا تھا' ایک بار وہ اتنی بیمار ہوئی کہ مرنے کے قریب پہنچ گئی' اس نے نذر مانی کہ اگر میں اچھی ہو گئی تو فلاں دیر کی زیارت کو جاؤں گی جو فلاں جزیرے میں ہے۔ یہ دیر' ان کے نزدیک بڑے درجے کا تھا اور لوگ تبرک نیاز مانا کرتے تھے۔ مریم اچھی ہو گئی تو اس نے ارادہ کیاکہ اپنی نذر پوری کرے اس کے باپ افرنجہ کے بادشاہ نے اسے ایک چھوٹی سی کشتی میں بٹھا کر دیر کو روانہ کر دیا اور اس کی خدمت کے لئے شہر کی بعض شریف زادیاں اور بطریق ساتھ کر دیئے۔

جب مریم اس دیر کے قریب پہنچی تو مسلمانوں کے ایک جہاز نے حملہ کردیا جس میں وہ مسلمان تھے جو خدا کی راہ میں جہاد کرتے پھرتے تھے۔ انہوں نے کشتی میں سے بطریقوں' لڑکیوں اور مال و دولت کو لے کر قیروان میں جا بیچا اور مریم ایک عجمی تاجر کے ہاتھ

بک گئی۔ یہ عجمی نامرد تھا اور وہ مریم سے محض اوپری خدمت لیا کرتا۔ ایک بار یہ عجمی اتنا بیمار ہوا کہ مرنے کے قریب پہنچ گیا اور کئی مہینے تک بیمار رہا۔ اس بیماری میں مریم نے اس کی اتنی خدمت کی کہ خدا نے اسے اچھا کر دیا۔ اچھا ہو گیا تو عجمی نے اس بات کا احساس کیا کہ مریم نے کیسی شفقت اور محبت سے بیماری کے زمانے میں اس کی خدمت کی اور اس نے اس احسان کا بدلہ دینا چاہا اور پوچھا کہ مریم مانگ کیا مانگتی ہے۔ اس نے جواب دیا اے میرے آقا میں یہ چاہتی ہوں کہ تو مجھے ایسے شخص کے ہاتھ بیچ دے جسے میں چاہتی ہوں۔ عجمی نے کہا بہت خوب' یہ تیرا حق میرے اوپر ہے' خدا کی قسم اے مریم' میں تجھے اسی شخص کے ہاتھ بیچوں گا جسے تو پسند کرے' تیرا بیچا جانا تیرے ہی ہاتھ میں ہو گا۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئی' عجمی نے اس کے آگے اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہو گئی۔ اسے نماز سکھائی اور اس نے اس مدت میں اسلام کی تمام باتیں سیکھیں۔ عجمی نے اسے قرآن حفظ کرایا' فقہ اور حدیث پڑھائی اور اسکندریہ لا کر اسے ایسے شخص کے ہاتھ بیچا جسے وہ چاہتی تھی اور وہ یہی علی نور الدین تھا جس نے اسے خریدا تھا۔

یہ تو مریم کے وطن سے نکلنے کا قصہ ہوا' اب اس کے باپ افرنجہ کے بادشاہ کا حال سنو۔ یہ سنتے ہی بیٹی اور اس کے ساتھیوں پر کیا گزری ہے قیامت بپا ہو گئی۔ اس نے فوراً اس کی تلاش میں جہاز روانہ کئے اور انکے ساتھ بطریق شہ سوار اور بہادر پیادے بھیجے۔ انہوں نے مسلمانوں کے جزیروں میں اسے بہت تلاش کیا لیکن اس کا کہیں پتا نہ چلا وہ شکستہ دل ہو کر نہایت افسوس کے ساتھ اس کے باپ کے پاس لوٹ آئے۔ باپ کو نہایت صدمہ پہنچا اور پھر اس نے بیٹی کی تلاش میں اسی شخص کو بھیجا جو دائیں طرف سے کانا اور بائیں طرف سے لنگڑا لیکن اس کا بڑا وزیر تھا۔ حد درجے کا چالاک اور بڑی کاٹ چھانٹ کا آدمی' اور اسے حکم دیا کہ مسلمانوں کے تمام ملکوں میں شہزادی کو تلاش کرے اگر کشتی بھر سونے کے بدلے بھی وہ مل سکے تو اسے خرید لائے۔ اس ملعون

نے سمندر کے تمام جزیروں اور ہر بڑے شہر میں اس کی تلاش کی کہیں سراغ نہ ملا۔
بالاخر وہ اسکندریہ پہنچا اسے خبر ملی کہ شہزادی قاہرہ والے نور الدین علی کے پاس ہے۔
اس کے بعد جو ماجرا پیش آیا معلوم ہے یعنی رومال کے ذریعے سے اس کا پتا لگا کر جو اس خوبی کے ساتھ اور کوئی نہ لگا سکتا تھا اس نے دھوکے سے اسے خرید لیا۔ اس کی خبر اس نے تاجروں کو پہلے سے دے دی تھی اور ان سے مل کر وہ یہ چال چلا تھا۔
جب شہزادی اس کے پاس پہنچی تو وہ برابر روتی اور آہیں بھرتی رہی۔ وزیر نے کہا اے میری آقا' رونا پیٹنا جانے دے اور وہاں چل جہاں تیرے باپ کا ملک' تیری حکومت اور عزت کی جگہ اور تیرا وطن ہے تاکہ تو اپنے نوکروں اور غلاموں کے ساتھ زندگی بسر کرے اور اس ذلت اور غربت کو خیرباد کہہ' تیری وجہ سے جو سفر کی تکلیف مجھے اٹھانی پڑی اور جو خرچ ہوا وہ بہت کافی ہے۔ ڈیڑھ سال سے برابر تکلیفیں اٹھا رہا اور خرچ کررہا ہوں تیرے باپ نے حکم دیا ہے کہ اگر کشتی بھر سونا بھی صرف ہو جائے تو میں تجھے خرید کر ضرور لے آؤں۔
غرض افرنجہ کے بادشاہ کا وزیر اس کے قدم چومتا اور اس کی خوشامد کرتا رہا لیکن وہ برابر ناراض ہوتی اور یہی کہتی رہی کہ اے مردود' خدا تجھے ہمیشہ نامراد رکھے! اتنے میں غلام ایک خچر لے آئے جس پر زردوزی کی زین پڑی ہوئی تھی شہزادی کو اس پر سوار کر دیا' اس کے اوپر ریشم کی ایک چھتری لگا لی جس کے ڈنڈے سونے اور چاندی تھے' اور فرنگی اس کے ارد گرد ہو لئے یہاں تک کو وہ باب البحر سے نکل آئی۔ یہاں انہوں نے ایک چھوٹی سی ناؤ پر سوار کیا اسے کھیتے ہوئے بڑے جہاز کے پاس پہنچے اور شہزادی کو اس میں سوار کر دیا۔ اس کے بعد کانا وزیر جہاز پر آیا اور ملاحوں سے کہا کہ لنگر اٹھا دو۔ انہوں نے فوراً اٹھا کر بادبان کھول دیئے اور چپو مارنے لگے جہاز چل دیا۔ ادھر یہ ہو رہا تھا کہ ادھر مریم کی نظر اسکندریہ کی طرف لگی ہوئی تھی رفتہ رفتہ وہ آنکھوں سے اوٹ ہو گیا اور مریم دل ہی دل میں کڑھنے اور رونے لگی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

- ## آٹھ سو اسی ویں رات

آٹھ سو اسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ مریم زناریہ برابر اسکندریہ کی طرف دیکھتی رہی یہاں تک کہ وہ نظر سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے بعد

بھی وہ اسے یاد کرکر کے روتی رہی۔ بطریق اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتے لیکن وہ نہ مانتی اور اپنے خیال میں محو رہتی۔ راہ بھر اس کی یہی حالت رہی کہ اسے چین آتا نہ صبر۔

یہ تو مریم اور کانے لنگڑے وزیر کا ماجرا ہوا' اب نور الدین علی مصری کا حال سنو۔ جب مریم جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہو گئی تو دنیا اسے تنگ معلوم ہونے لگی۔ دل اور آنکھیں بھر آئیں۔ وہ اس کمرے میں گیا جہاں وہ مریم کے ساتھ رہتا تھاوہ اس کو سیاہ اور تاریک نظر آیا۔ وہاں اس نے وہ سامان بھی دیکھے جن سے وہ پیٹیاں بنایا کرتی' وہ کپڑے بھی جو وہ پہنتی اس نے انہیں اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کے آنسو بہنے لگے وہ اتنا رویا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ اس کے بعد وہ اٹھادروازے میں قفل ڈال کر سمندر کی طرف چل کھڑا ہوا اور اس جگہ کو دیکھ کر جہاں سے جہاز اسے لے کر روانہ ہوا تھارونے پیٹنے اور یا مریم یا مریم پکارنے لگااور کہا کہ کیامیں نے تجھے محض خواب میں دیکھا تھا؟ نور الدین اسی طرح روتااور مریم مریم چلاتا تھا کہ ایک بوڑھا ایک کشتی میں سے نکل کر اس کے پاس آیا اور کہنے لگا بیٹا' شاید تو اس لڑکی پر روتا ہے جو کل فرنگی کے ساتھ گئی ہے بوڑھے کی یہ بات سنتے ہی نور الدین غش کھا کر گر پڑا اورجب اسے ہوش آیا تو بلک بلک کر رونے لگا۔ بوڑھے نے دیکھا کہ نور الدین نہایت حسین و جمیل' خوش قد' بدن کا سڈول اور خوش بیان ہے تو اسے اس پر ترس آ گیا۔ یہ بوڑھا ایک جہازکا ناخدا تھا جواسی لڑکی کے شہر کو جانے والا تھا اور جس میں سو مومن مسلمان تاجر تھے۔ وہ کہنے لگا صبر کر' آئندہ تیرے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ خدا کو منظور ہے

تو میں تجھے اس تک پہنچا دوں گا!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو اکیاسی ویں رات

آٹھ سو اکیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... بوڑھے نے کہا کہ خدا کو منظور ہے تو میں تجھے اس تک پہنچا دوں گا تو نور الدین نے پوچھا کہ کب تک روانگی ہو گی؟ ناخدا بولا تین دن اور باقی ہیں' پھر اگر ہم سب بہ خیریت رہے تو چل دیں گے۔ ناخدا کی یہ باتیں سن کر نور الدین بہت خوش ہوا اور اس کے احسان اور مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ اسے وصال کے دن اور اس بے نظیر لڑکی کی صحبت یاد آنے لگی اور وہ زار زار رونے لگا۔اس کے بعد نور الدین بازار گیا' کھانے پینے اور سفر کی تمام ضروری چیزیں لا کر ناخدا کے پاس پہنچا۔ ناخدا نے کہا بیٹا' تیرے پاس یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ راہ کے لئے کھانا پینا اور سفر کی باقی ضروریات۔ یہ سن کرناخدا ہنس پڑا اور کہنے لگا اپنے خیال میں تو عموالصواری کی سیر کرنے جا رہا ہے' تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جہاں تو جانا چاہتا ہے دو مہینے کی راہ ہے' وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ ہوا موافق اور مطلع صاف ہو۔ یہ کہہ کر بوڑھے نے نور الدین سے کچھ دام لئے اور بازار جا کراتنی چیزیں خرید لایا کہ اس کے لئے سفر میں کافی ہوں اور ایک پیپا میٹھے پانی کا بھر لایا۔ اب نور الدین تین دن جہاز میں بیٹھا رہا یہاں تک کہ تاجر تیار ہو گئے اور ضرورت کی چیزیں لا کر جہاز میں بیٹھ گئے۔ ناخدا نے لنگر اٹھا دیئے اور جہاز اکیاون دن تک چلتا رہا جہاز امن کے ساتھ چلا جا رہا تھا کہ ڈاکوؤں نے ان پر حملہ کردیا' جہاز لوٹ لیا' تمام مسافروں کو پکڑ کرافرنجہ لے گئے اور بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ نور الدین بھی انہی میں تھا' بادشاہ نے حکم دیا کہ ان سب کو قید خانے بھیج دیا جائے۔

یہ لوگ بادشاہ کے پاس سے قید خانے کی طرف جا رہے تھے کہ جنگی جہاز آ پہنچا جس میں مریم زناریہ اور کانا وزیر تھا جب یہ جہاز کنارے آ کر لگا تو وزیر اتر کر بادشاہ کے پاس گیا اور خوشخبری دی کہ اس کی بیٹی مریم زناریہ صحیح سلامت آ گئی ہے۔ شادیانے

بجنے لگے' شہر خوب سجایا گیا بادشاہ تمام لشکر اور امرا کے ساتھ سوار ہو کر بیٹی کے خیرمقدم کے لئے سمندر کی طرف چلا۔ مریم جہاز سے اتری تو باپ نے اسے گلے لگایا' سلام کیا۔ بیٹی نے باپ کو سلام کیا۔ بادشاہ نے گھوڑا منگوایا۔ وہ سوار ہو کر محل پہنچی۔ ماں نے اس کا خیرمقدم کیا اسے گلے لگایا' سلام کیا۔ اس کی خیریت پوچھی اور یہ کہ تو اب تک پہلے کی طرح باکرہ ہے یا عورت ہو چکی ہے؟ مریم نے جواب دیا اماں جان' جب کوئی لڑکی مسلمانوں کے ملکوں میں ایک تاجر کے ہاتھ سے دوسرے تاجر کے ہاتھ بکتی پھرے اور محکوم ہو کر رہے تو کیسے باکرہ رہ سکتی ہے؟ جس تاجر نے مجھے پہلے خریدا اس نے ڈرا دھمکا کر میری بکارت زائل کر دی اور دوسرے تاجر کے ہاتھ بیچ ڈالا' پھر اس نے ایک اور تاجر کے ہاتھ۔ اس کی یہ بات سن کر ماں کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ ماں نے اس کے باپ سے یہ ماجرا بیان کیا تو وہ بھی ہاتھ ملنے لگا' اس نے امرا اور بطریقوں سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ اے بادشاہ! مسلمانوں نے اس کو نجس کر دیا ہے اور یہ اس وقت تک پاک نہیں ہو سکتی جبتک سو مسلمانوں کی گردن نہ اڑا دی جائے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ مسلمان قیدی جو قید خانے میں ہیں حاضر کئے جائیں۔ وہ لائے گئے تو نور الدین بھی ان میں تھا' بادشاہ نے حکم دے دیا کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ سب سے پہلے ناخدا کی گردن اڑائی گئی پھر ایک ایک کرکے تمام تاجروں کی' سوائے نور الدین کے اور کوئی باقی نہ رہا۔

اب انہوں نے نور الدین کے دامن میں سے ایک پٹی پھاڑی اس کی آنکھیں باندھ کر اسے قتل کی چٹائی پر لے گئے اور چاہتے ہی تھے کہ اس کی گردن اڑا دیں کہ ایک بڑھیا بادشاہ کے پاس پہنچی اور کہنے لگی اے میرے مالک تو نے نذر مانی تھی کہ اگر تیری بیٹی مریم کو خدا واپس لے آئے تو تو ہر گرجا کی خدمت کے لئے پانچ پانچ مسلمان قیدی دے گا۔ اب چونکہ تیری بیٹی آ گئی ہے اپنی نذر پوری کر۔ بادشاہ نے کہا والدہ' مسیح اور اس کے سچے دین کی قسم اس وقت میرے پاس قیدیوں میں سے محض یہ قیدی بچا

ہے' اسے لے جا تاکہ وہ گرجا کی خدمت میں تیری مدد کرے۔ جب اور مسلمان قیدی آئیں گے تو میں چار اور بھیج دوں گا۔ اگر تو ان کے قتل سے پہلے آئی ہوتی تو جتنے

تو چاہتی میں دے دیتا۔

بڑھیا نے بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور دعا دی کہ خدا اس کی عزت بقا اور نعمتیں قائم رکھے!

پھر فوراً نور الدین کی طرف بڑھ کر اسے خونی چٹائی پر سے لے آئی۔ دیکھا کہ وہ خوش رو اور خوش قد جوان ہے۔ اس کا چہرہ ایسا ہے جیسا چودھویں رات کا چاند' بڑھیا اسے لے کر گرجا کی طرف روانہ ہو گئی اور اسے کہا بیٹا' اپنے یہ کپڑے اتار ڈال کیونکہ ان کپڑوں میں تو بادشاہ کی خدمت کی جاتی ہے۔ یہ کہہ کر بڑھیا نور الدین کے لئے ایک کالا اونی جبہ' ایک کالا اونی عمامہ اور ایک چوڑی پٹی لے آئی' اسے وہ جبہ پہنایا' عمامہ باندھا' پٹی کمر میں لگائی اور اس سے کہا اب جا کر گرجا کی خدمت کر' اس نے سات دن تک خدمت کی ۔ ساتویں دن جبکہ وہ خدمت کر رہا تھا بڑھیا آئی اور کہنے لگی اے مسلمان' تو اپنے ریشمی کپڑے پہن لے۔ یہ دس درہم لے اور فوراً سیر کرنے چلا جا یہاں بالکل نہ ٹھہر ورنہ تیری جانکی خیر نہیں۔ نور الدین نے کہا اماں' کیا بات ہے؟ بڑھیا بولی بیٹا' بادشاہ کی بیٹی شہزادی مریم زناریہ ابھی گرجامیں آنے والی ہے تاکہ اس کی زیارت کرے' تبرک حاصل کرے اور اس خوشی میں کہ وہ مسلمانوں کے ملک سے چھٹ کر آئی ہے چڑھاوا چڑھائے اور نیاز کرے کیونکہ مسیح نے اسے نجات دی۔ اس کے ساتھ چار سو لڑکیاں اور آئیں گی جو حسن و جمال میں یکتا ہیں' منجملہ ان کے وزیر زادی اور دیگر امراء زادیاں ہیں۔ وہ سب تھوڑی دیر میں آنے والی ہیں' اگر انہوں نے تجھے کہیں دیکھ پایا تو تجھے تلواروں سے کاٹ کر پھینک دیں گی۔ نور الدین نے اپنے کپڑے پہن کر بڑھیا سے دس درہم لئے اور بازار جا کر شہر کی گلیوں کی سیر کرنے لگا تاکہ اسے شہر کی سمتیں اور دروازے معلوم ہو جائیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو بیاسی ویں رات

آٹھ سو بیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- نور الدین اپنے کپڑے پہن‘ بڑھیا سے دس درہم لے بازار چلتا ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد گرجا لوٹ آیا‘ دیکھا کہ بادشاہ زادی مریم زناریہ چار سو باکرہ لڑکیوں کے ساتھ جو چاندی کی طرح خوب صورت ہیں گرجا میں آئی منجملہ ان کے کانے وزیر کی بیٹی اور دیگر امرا کی بیٹیاں ہیں اور وہ انکے درمیان اس طرح چل پھر رہی ہے جیسے ستاروں کے جھرمٹ میں چاند‘ جوں ہی نور الدین کی نظر اس پر پڑی تو اس سے نہ رہا گیا بے تاب ہو کر بے ساختہ ”یامریم یا مریم“ چلانے لگا۔ لڑکیوں نے نور الدین کو یامریم چلاتے ہوئے سنا تو انہوں نے اس کی طرف بڑھ کر تلواریں کھینچ لیں اور چاہتی ہی تھیں کہ اسے قتل کر ڈالیں۔ اتنے میں مریم نے اسے غور سے دیکھا‘ دیکھتے ہی پہچان گئی اور لڑکیوں سے کہنے لگی کہ اس جوان کو جانے دو پاگل ہے اس کے پاگل پن کا پتا اس کے چہرے سے چلتا ہے۔ مریم کو یہ کہتے ہوئے سن کر نور الدین نے اپنا سر ننگا کر دیا اور آنکھیں پھرانے اور ہاتھ مٹکانے اور پاؤں چلانے لگا اسکے منہ سے جھاگ نکلنے لگی۔ مریم نے لڑکیوں سے کہا میں نے کہا نہ تھا کہ دیوانہ ہے۔ اسے میرے پاس لے آؤ اور تم لوگ ہٹ جاؤ‘ میں ذرا سنوں تو کہ وہ کیا کہتا ہے کیونکہ میں عربوں کی بولی سمجھتی ہوں اور یہ بھی معلوم کروں کہ اس کے پاگل پن کا علاج ہو سکتا ہے یا نہیں۔ لڑکیاں اسے اٹھا کرمریم کے پاس لے آئیں اور ادھر ادھر چلی گئیں۔ مریم نے اس سے پوچھا کیا تو میری خاطر جان پر کھیل کر اور پاگل بن کر یہاں آیا ہے؟ نور الدین بولا کہ جینے کا مزا تو محض پاگلوں کے لئے ہے۔

مریم نے کہا نور الدین تو نے واللہ اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ میں نے آج سے پہلے تجھے اس دن سے خبردار کیا تھا لیکن تو نے میری بات نہ سنی اور جیسا چاہا کیا۔ میں نے

جو کچھ تجھ سے کہا تھا وہ نہ کشف تھا' نہ فراست' نہ خواب' بلکہ مشاہدے کی بنا پر تھا کیونکہ جوں ہی میں نے کانے وزیر کی شکل دیکھی میں تاڑ گئی کہ وہ شہر میں محض مجھے ڈھونڈنے آیا ہے۔ نور الدین نے کہا اے میری آقا' عاقل کی غلطی سے ہم خدا کے آگے پناہ مانگتے ہیں۔ اس کے بعد نور الدین اور شہزادی مریم زناریہ ایک دوسرے سے شکوے شکایت کرنے لگے۔ دونوں نے اپنی اپنی سرگزشت سنائی۔ اشعار پڑھے اور دونوں کے رخساروں پر دریا کی طرح آنسو بہنے لگے۔ غرض کہ دونوں نے اپنا اپنا دکھڑا اتنا رویا کہ ان کے منہ تھک گئے' دن ختم ہو گیا اور اندھیرا چھانے لگا۔ مریم اس وقت سبز پوشاک پہنے ہوئے تھی جس سے اس کا حسن دوبالا ہو گیا تھا۔ رات ہوئی تو شہزادی مریم نے لڑکیوں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ تم نے دروازہ بند کر دیا ہے؟

اب شہزادی مریم لڑکیوں کو لے کر اس کوٹھڑی میں گئی جس کا نام مریم عذرا ام نور کی کوٹھڑی تھا کیونکہ عیسائیوں کے اعتقاد کے بہ موجب حضرت مریم کی روح اور دل اس جگہ تھے۔ لڑکیاں وہاں تبرک لینے اور گرجا کا طواف کرنے لگیں۔ جب وہ فارغ ہو چکیں تو شہزادی مریم نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا اب میں چاہتی ہوں کہ اس گرجا میں اکیلی جا کر تبرک لوں' میں مسلمانوں کے ملکوں میں اتنے عرصے تک رہی ہوں کہ مجھے تبرک کا اشتیاق ہے۔ تم لوگ زیارت سے فارغ ہو کر جہاں چاہنا سو رہنا۔ وہ بولیں کہ سر آنکھوں سے' تیرا جو جی چاہے کر۔ یہ کہہ کر وہ اس سے رخصت ہو گئیں اور گرجا میں ادھر ادھر جا کر سو رہیں مریم انکی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر نور الدین کی تلاش میں نکلی دیکھا کہ وہ اس کے انتظار میں گویا انگاروں پر بیٹھا ہوا ہے جب وہ اس کے سامنے آئی تو اس نے اٹھ کر اس کے ہاتھ چومے۔ وہ بیٹھ گئی اور اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا اپنا بیرونی لباس اور گہنے اتار کر نور الدین کو سینے سے لگا لیا اور دونوں ایک دوسرے سے بوس و کنار کرنے لگے۔ وہ اسی مزے اور خوشی میں تھے کہ ایک غلام نے گرجا کی چھت پر گجر بجایا تاکہ لوگ عبادت کے لئے آئیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو تراسی ویں رات

آٹھ سو تراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ غلام نے ناقوس بجایا تو مریم نے اٹھ کر اپنے کپڑے اور گہنے پہن لئے۔ نور الدین کو اس سے بے حد تکلیف ہوئی وہ رونے اور آنسو بہانے لگا۔ اس کے بعد شہزادی مریم نے نور الدین کو سینے سے لگالیا اس کے رخسار کو بوسہ دے کر کہا اے نور الدین تو اس شہر میں کتنے دنوں سے ہے۔ اس نے جواب دیا کہ سات دن سے۔ مریم بولی کہ شہر کی بھی سیر کی ہے اور اس کی گلیاں اور باہر جانے کے راستے اور دروازے بھی معلوم ہیں جو خشکی یا سمندر کی طرف نکلتے ہیں؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ مریم نے پوچھا تجھے اس صندوق کا راستہ بھی معلوم ہے جس میں گرجا کی نذر نیاز کی چیزیں رکھی جاتی ہیں؟ نورالدین نے کہا ہاں۔ مریم بولی چونکہ تجھے یہ سب چیزیں معلوم ہیں تو کل تہائی رات گزرنے کے بعد اسی وقت اس صندوق کو کھول کر اس میں سے جو تیرا جی چاہے نکال لیجیو اور پھر گرجا کا وہ دروازہ کھول کر جہاں سے سرنگ جاتی ہے سمندر تک چلا جائیو وہاں تجھے ایک بجرا ملے گا جس میں دس ملاح ہوں گے جونہی ناخدا کی نظر تجھ پر پڑے تو اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیجیو' وہ تیرا ہاتھ پکڑ کر تجھے بجرے میں بٹھا لے گا' جب تک میں وہاں پہنچ نہ جاؤں تو اسی کے پاس رہیو۔ اور خبردار! رات میں نہ جائیو ورنہ پچھتائے گا اور پچھتائے سے کچھ نہ بنے گا۔ یہ کہہ کر شہزادی مریم' نور الدین سے رخصت ہوئی اور فوراً جا کر اپنی کنیزوں اور باقی لڑکیوں کو جگایا اور گرجا کے دروازے پر آ کر اسے کھٹکھٹایا بڑھیا نے دروازہ کھولا' مریم نے باہر نکل کر دیکھا کہ نوکر چاکر اور بطریق باہر کھڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے زردوزی خچر پیش کیا اور وہ اس پر سوار ہو گئی۔ بطریقوں نے اس پر ریشمی چھتری لگائی اور خچر کی لگام اپنے ہاتھ لے لی' لڑکیاں پیچھے پیچھے ہولیں اور چاؤش لوگ ننگی تلواریں لے کر اس کے اردگرد اسے باپ کے محل تک

پہنچا آئے۔

یہ تو مریم زناریہ کی کہانی ہوئی' اب نورالدین مصری کا ماجرا سنو۔ جس پردے کے پیچھے وہ اور مریم چھپے ہوئے تھے وہیں وہ صبح تک چھپا بیٹھارہا۔ جب گرجا کا دروازہ کھلا اور لوگوں کی بھیڑ لگ گئی تو نور الدین بھی ان کے ساتھ مل گیا اور بڑھیا کے پاس پہنچا جو گرجا کی رکھوالی تھی۔ بڑھیا نے پوچھا آج رات تو کہاں سویا؟ اس نے جواب دیا ایک جگہ جو شہر کے اندر تھی جیسا کہ تو نے حکم دیا تھا۔ بڑھیا بولی بیٹا' تو نے ٹھیک کیا' اگر تو نے رات گرجا میں گزاری ہوتی تو شہزادی تجھے بری موت مارتی۔ نور الدین نے کہا کہ شکر ہے خدا کا کہ اس نے رات کی مصیبت سے مجھے پناہ میں رکھا۔ دن بھر نور الدین اپنے کام میں مشغول رہا یہاں تک کہ رات ہو گئی' اس نے اٹھ کر نذر کا صندوق کھولا اس میں سے وہ چیزیں نکال لیں جو ہلکی اور قیمتی تھیں۔ جب تہائی رات گزر چکی تو وہ سرنگ والے دروازے سے نکل کھڑا ہوا اور خدا سے دعا مانگی کہ وہ پردہ پوشی کرے۔ سرنگ کا دروازہ کھول کر وہ سمندر پر پہنچ گیا دیکھا کہ وہیں دروازے کے قریب ایک کشتی لنگر ڈالے کھڑی ہے اس کا ناخدا ایک بہت بوڑھا خوبصورت شخص ہے جس کی داڑھی بہت لمبی ہے اور بیچ کشتی میں کھڑا ہوا ہے ناخدا کے آس پاس دس شخص اور ہیں۔ اور نور الدین نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا جیسا کہ مریم نے اس سے کہا تھا' ناخدا نے ہاتھ پکڑ کر اسے کشتی میں کھینچ لیا۔

اب بوڑھے ناخدا نے ملاحوں کو آواز دے کر کہا کہ کشتی کے لنگر اٹھا دو اور دن نکلنے سے پہلے چل دو۔ ایک ملاح نے کہا اے میرے آقا ناخدا' ہم کیسے چل سکتے ہیں! بادشاہ نے ہمیں خبر بھیجی ہے کہ وہ کل اس کشتی پر بیٹھ کر سمندر کی چھان بین کرے گا کیونکہ اسے ڈر ہے کہ کہیں مسلمان چور اس کی بیٹی کو نہ چرا لے جائیں۔ ناخدا نے ڈانٹ کر کہا اے مردود ستیاناس ہو تمہارا! کیا تمہاری یہ ہمت ہو گئی کہ تم میرا حکم نہیں مانتے اور مجھے پلٹ کر جواب دیتے ہو؟ یہ کہہ کر بوڑھے ناخدا نے تلوار کھینچ

لی اور اس ملاح پر ایسا وار کیا کہ تلوار چمکتی ہوئی اس کی گردن کے پار ہو گئی۔ ایک دوسرا ملاح بولا ہمارے ساتھی نے کیا جرم کیا کہ تو نے اس کی گردن مار دی؟ یہ سن کر ناخدا نے دوسرے ہاتھ میں اس کی گردن بھی اڑا دی۔ ناخدا اسی طرح ایک ایک گردن اڑاتا رہا یہاں تک کہ دسوں کے سر کاٹ کر کنارے پر پھینک دیئے۔ اس کے بعد نور الدین کی طرف مخاطب ہوا اور چلا کر کہا کھونٹی سے رسی کھول دے۔
نور الدین ڈرا کہ کہیں اس پر بھی تلوار کا وار نہ ہو جائے' اٹھ کر دوڑا اور خشکی پر کود کر کھونٹی سے رسی کھول دی اور پھر بجلی کی طرح لپک کر کشتی پر آ گیا۔ ناخدا اس سے کہتا جاتا کہ یہ کر' وہ کر اور یوں تھما اور ستاروں کی طرف دیکھ' نور الدین سب کی تعمیل کرتا جاتا مگر اس کے دل کا اللہ ہی مالک تھا۔ اس کے بعد نور الدین نے بادبان کھول دیئے اور کشتی متلاطم سمندر میں چل کھڑی ہوئی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو چوراسی ویں رات

آٹھ سو چوراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بوڑھے ناخدا نے کشتی کے بادبان کھول دیئے تو کشتی موافق ہوا کے ساتھ اسے اور نور الدین کو لے کر متلاطم سمندر میں چل دی' ادھر کشتی چلی جا رہی تھی اور ادھر نور الدین رسہ چرخی پکڑے ہوئے سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اسے خبر بھی نہ تھی کہ غیب میں اس کے لئے کیا پوشیدہ ہے۔ جب اس کی نظر ناخدا پر پڑ جاتی اس کا دل کانپ اٹھتا اور اسے کچھ پتا نہ لگتا کہ ناخدا اسے کدھر لئے جا رہا ہے۔ اسی پریشانی میں صبح ہو گئی۔ نور الدین نے دیکھا کہ ناخدا نے اپنی داڑھی ہاتھ سے پکڑ کر کھینچی اور وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر اس کے ہاتھ میں آ گئی معلوم ہوا کہ وہ جھوٹی اور محض چپکی ہوئی تھی۔ اب جو نور الدین نے ناخدا کی طرف نظر ڈالی تو وہ تو اس کی معشوقہ اور دلی محبوبہ شہزادی مریم تھی۔ یہ اس کی صرف چال تھی' اس نے ناخدا کو قتل کرکے اس کی داڑھی مع چہرے کی کھال کے اتار اپنے چہرے پر لگالی تھی۔ نور الدین کو اس کی اس کارستانی' بہادری اور دل کی مضبوطی پر سخت تعجب ہوا حیرت سے ہوش جاتے رہے اس کو اطمینان ہو گیا اور کہنے لگا اے میری دلی آرزو اور انتہائی مقصد' مرحبا' نور الدین جھومنے لگا اور اسے یقین آ گیا کہ اب میری مراد برآئی

شہزادی مریم دل کی بڑی مضبوط تھی سمندر میں کشتی کھینا جانتی تھی موسم کے حالات سے واقف تھی اور سمندر کے تمام راستے اسے معلوم تھے۔ نور الدین بولا اے میری آقا' اگر تو اور زیادہ یہی کھیل کھیلتی تو مارے ڈر کے میں مرجاتا خاص کر محبت کی آگ اور جدائی کی تکلیف کی وجہ سے۔ اس کی باتیں سن کر مریم ہنس پڑی اور اس نے فوراً اٹھ کر کھانے پینے کی چیزیں نکالیں' دونوں نے کھایا' پیا اور مزے اڑائے۔ اس

کے بعد اس نے یاقوت' جواہرات' طرح طرح کی معدنیات اور سونا چاندی نکالا جو وہ اپنے ماں باپ کے محل اور خزانے میں سے ہلکے اور قیمتی دیکھ کر لے آئی تھی انہیں نور الدین کے آگے پیش کیا اور وہ انہیں دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اس ساری مدت میں ہوا معتدل رہی' کشتی برابر چلتی گئی۔ وہ اسکندریہ پہنچ گئے اس کے نئے پرانے نشانات اور عمودالصواری انہیں دکھائی دینے لگے۔ کنارے پہنچ کر نور الدین فوراً کشتی پر سے اتر پڑا اور اسے ایک پتھر سے باندھ کر کچھ قیمتی پتھر اپنے ساتھ لئے اور شہزادی مریم سے کہا اے میری آقا' تو کشتی میں بیٹھی رہ جب تک میں تجھے اس طرح نہ اتاروں جیسے کہ میرا جی چاہتا ہے۔ مریم بولی مگر یہ جلد ہونا چاہیے کیونکہ دیر کرنے میں پشیمانی اٹھانا پڑے گی۔ نور الدین نے کہا کہ میں دیر نہیں کروں گا۔ مریم کشتی میں بیٹھی رہی اور نور الدین اپنے باپ کے دوست عطر فروش کے گھر گیا تا کہ وہ اسکندریہ کے دستور کے موافق نقاب' چادر' جوتیاں اور جبہ لے کر آئے' لیکن یہ اس کو کیا معلوم تھا کہ زمانہ اس کے لئے کیا حوادث مہیا کر رہا ہے۔

یہ تو مریم اور نور الدین کی کہانی ہوئی' اب اس کے باپ افرنجہ کے بادشاہ کا حال سنو۔ صبح ہوئی تو اس نے اپنی بیٹی مریم کو ڈھونڈا لیکن کہیں اس کا پتا نہ چلا' اس نے کنیزوں اور غلاموں سے دریافت کیا۔ انہوں نے کہا اے ہمارے مولا' کل وہ یہاں سے گرجا گئی تھی' اس کے بعد کی ہمیں بالکل خبر نہیں۔ بادشاہ کنیزوں اور غلاموں سے باتیں کر ہی رہا تھا کہ محل کے نیچے سے دو بار ایسی چیخ کی آوازیں آئیں کہ محل گونج اٹھا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا اے بادشاہ' سمندر کے کنارے دس آدمی مرے ہوئے پائے گئے ہیں۔ شاہی بجرا غائب ہے' سرنگ کا دروازہ جو گرجا کی طرف ہے کھلا پڑا ہے اور قیدی جو گرجا کی خدمت کرتا تھا ندارد ہے۔ بادشاہ بولا اگر میرا بجرا جو سمندر میں تھا غائب ہے تو شک نہیں کہ میری بیٹی مریم اس میں ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• آٹھ سو پچاسی ویں رات

آٹھ سو پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ افرنجہ کے بادشاہ نے کہا کہ اگر میرا بجرا غائب ہے تو بلاشک میری بیٹی اس میں ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے بندرگاہ کے سردار کو بلوایا' اس سے کہا کہ قسم ہے مسیح اور سچے دین کی اگر تو میرے بجرے اور اس کے مسافروں کو فوراً نہ لے آیا تو میں تجھے اتنی بری طرح ماروں گا کہ لوگوں کو عبرت ہو گی۔ یہ کہہ کر اس نے اسے زور سے ڈانٹا وہ کانپتا ہوا گرجا کی بڑھیا کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا' تو نے کبھی قیدی سے سنا تھا کہ وہ کس ملک کا رہنے والا ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ اکثر کہا کرتا تھا کہ میں اسکندریہ کا رہنے والا ہوں۔ بڑھیا سے یہ سن کر ناخدا بندرگاہ پر آیا اور ملاحوں کو پکار کر کہا تیار ہو جاؤ اور بادبان کھول دو۔ ملاحوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور روانہ ہو گئے دن رات چلتے چلتے بالاخر اسکندریہ اس وقت پہنچے جبکہ نور الدین مریم کو کشتی میں چھوڑ کر جا چکا تھا۔ ان فرنگیوں کے ساتھ وہ کانا اور لنگڑا وزیر بھی آیا تھا جس نے مریم کو نور الدین سے مول لیا تھا۔ شاہی بجرا دیکھ کر ملاح پہچان گئے۔ اپنے جہاز کو انہوں نے دور جا کر باندھا اور ایک چھوٹی کشتی میں بیٹھ کر بجرے کے پاس آئے' یہ کشتی چپوؤں سے کھیئی جاتی تھی' اس میں سو جنگجو جوان تھے اور کانا لنگڑا وزیر بھی بڑا قوی ہیکل مردود شیطان اور ایسا چالباز ڈاکو تھا کہ اس کی چالبازیوں کا توڑ کسی کے پاس بھی نہ تھا' غرض اس کو ابو محمد بطال سمجھو۔ کھیتے کھیتے وہ اس بجرے کے پاس پہنچ گئے اور اس پر یک بارگی دھاوا بول دیا' لیکن دیکھا کہ اس میں سوائے مریم کے اور کوئی نہیں۔ تھوڑی دیر تک کنارے پر ٹھہرنے کے بعد وہ مریم اور بجرے کو اپنے جہاز کے پاس لے گئے اور بغیر لڑائی کے ان کا مقصد پورا ہو گیا یہاں تک کہ انہیں ہتھیار نکالنے کی بھی

ضرورت نہ پڑی۔ اب وہ عیسائی ملکوں کی طرف روانہ ہو گئے ہوا موافق تھی اور وہ سپاہیوں کی پناہ میں تھے' اس طرح وہ افرنجہ جا پہنچے اور شہزادی مریم کو لے کر اس کے باپ کے پاس گئے جو اس وقت تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔

مریم کے باپ نے اسے دیکھ کر کہا اے دغاباز' تو نے باپ داداؤں کا دین کیسے چھوڑ دیا' مسیح کی پناہ سے کیوں نکل گئی جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور خانہ بدوشوں کا مذہب یعنی اسلام کیوں اختیار کیا جو صلیب اوربتوں کی ضد میں تلوار کے ذریعے سے قائم کیا گیا ہے؟ مریم بولی اس میں میری کیا خطا ہے! میں رات کو جاگی ہوئی تھی تا کہ حضرت مریم کی زیارت اور تبرک حاصل کروں۔ بے خبری کی حالت میں مسلمان ڈاکوؤں نے مجھ پر حملہ کر دیا' میرا منہ بند کرکے مشکیں باندھ دیں اور مجھے کشتی میں ڈال کر اپنے ملک کی طرف لے چلے۔ میں نے انہیں دھوکہ دے کر ان کے دین کی باتیں شروع کر دیں یہاں تک کہ انہوں نے میری مشکیں کھول دیں اتنے میں یکایک تیرے لوگ پہنچ گئے اور انہوں نے مجھے چھڑا لیا۔ مسیح اور سچے دین کی قسم' صلیب اور اس کی قسم جو صلیب پر چڑھایا گیا ہے کہ میں مسلمانوں کے پنجے سے چھوٹ کر بہت خوش ہوئی باپ نے کہا اے بدکار تو جھوٹی ہے قسم ہے انجیل اور اس کے اٹل حلال و حرام احکام کی کہ میں تجھے بری طرح قتل کروں گا تا کہ لوگ تیری بری مثال سے عبرت پکڑیں۔ کیا یہ تیرے لئے کافی نہ تھا کہ تو ایک بار جھوٹ بول چکی ہے تو اب پھر ہمیں دھوکہ دینا چاہتی ہے! بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے قتل کر کے محل کے دروازے کے قریب صلیب پر چڑھا دیا جائے۔ اسی وقت کانا وزیر اندر آیا' وہ بہت دنوں سے اسے چاہتا تھا' کہنے لگا اے بادشاہ' اسے قتل نہ کر بلکہ میرے نکاح میں دے دے۔ میں اس کی بڑی حفاظت کروں گا اور اس وقت تک اس سے ہم بستر نہ ہوں گا جب تک میں اس کے لئے سخت پتھر کا ایک محل نہ بنا لوں اور دیواریں اتنی اونچی نہ کروا لوں کہ کوئی چور اس پر چڑھ نہ سکے۔ جب وہ محل بن چکے گا تو میں اس کے دروازے

پر تمیں مسلمانوں کی اپنی اور اس کی طرف سے بھینٹ چڑھاؤں گا۔ بادشاہ نے مہربانی فرما کر مریم کی شادی اس سے منظور کر لی۔ پادریوں' رہبانوں اور بطریقوں کو اجازت دے دی کہ دونوں کو ایک دوسرے سے بیاہ دیں۔ انہوں نے مریم کا نکاح کانے وزیر سے کر دیا' بادشاہ نے یہ بھی حکم دے دیا کہ اس کی شان کے موافق ایک مضبوط محل کی بنیاد رکھی جائے' اور فوراً کام شروع ہو گیا۔

یہ تو شہزادی مریم اس کے باپ اور کانے وزیر کا ماجرا ہوا' اب نور الدین اور بوڑھے عطر فروش کی کہانی سنو' عطر فروش کے گھر پہنچ کر نور الدین نے اس کی بیوی سے جبہ' نقاب' جوتیاں اور ایسے کپڑے لئے جو اسکندریہ کی عورتیں پہنتی ہیں اور سمندر پہنچ کر اس کشتی کی طرف چلا جس میں شہزادی مریم تھی مگر اس نے دیکھا کہ میدان خالی پڑا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

آٹھ سو چھیاسی ویں رات

جب آٹھ سو چھیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ میدان خالی دیکھ کر نور الدین کادل بیٹھ گیا اس کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے اور وہ سمندر کے کنارے دائیں بائیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ کہ لوگ کنارے پر کھڑے ہوئے کہہ رہے ہیں اے مسلمانو! اب اسکندریہ کی کوئی حرمت باقی نہیں رہی' فرنگی یہاں گھس آتے ہیں اور جو چاہتے ہیں مزے سے لے کر چل دیتے ہیں ان کا تعاقب نہ کوئی مسلمان کرتا ہے نہ مجاہد لشکر' نور الدین نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے جواب دیا بیٹا ابھی فرنگیوں کے ایک جہاز نے جس میں لشکر تھا اس بندرگاہ پر حملہ کر دیا اور ایک کشتی کو جو یہاں لنگر ڈالے کھڑی تھی مع ایک لڑکی کے پکڑ' اپنے ملک کو چل دیئے۔ یہ سنتے ہی نور الدین غش کھا کر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو لوگوں نے ماجرا پوچھا' اس نے شروع سے آخر تک سب کچھ کہہ سنایا۔ لوگوں کو اصل واقعے کا پتہ چلا تو سب اسے برا بھلا کہنے لگے کہ آخر تو نے اسے بے جبے اور نقاب کے کیوں نہ باہر نکال لیا؟ غرض کہ ہر شخص کوئی نہ کوئی تکلیف دہ بات کہتا۔ ایک نے تو یہاں تک کہا کہ اسے چھوڑ' اس کی یہی سزا تھی۔ لوگ نور الدین سے اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے کہ بوڑھا عطر فروش آ پہنچا اس نے دیکھا کہ لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے اور بیچ میں نور الدین بے ہوش پڑا ہے۔

عطر فروش نے نور الدین کے سرہانے بیٹھ کر اسے ہوشیار کیا اور جب وہ ہوش میں آ چکا تو اسے کہا بیٹا یہ تیری کیا حالت ہے؟ نور الدین بولا چچا' جو لڑکی میرے ہاتھ سے نکل چکی تھی اسے جا کر میں اس کے باپ کے شہر سے کشتی میں بٹھا کر لایا تھا اور اس کے لانے میں سخت مصیبتیں جھیلی تھیں' جب یہاں پہنچا تو کشتی کو باندھ کر اور لڑکی کو اسی میں بیٹھا چھوڑ تیرے گھر گیا اور تیری بیوی سے کپڑے لتے لے

کر لڑکی کو لینے آیا' اتنے میں فرنگی آ کر کشتی اور لڑکی کو اڑا لے گئے۔ بوڑھے عطر فروش کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ وہ نور الدین پر بڑا افسوس کرنے لگا اور کہا بیٹا' تو نے بغیر جبے کے اسے کیوں نہ اتار لیا؟ لیکن اب باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ بیٹا' اٹھ میرے ساتھ شہر چل' ممکن ہے کہ خدا تجھے اس سے زیادہ حسین لڑکی عنایت کرے اور تو اسے بھول جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس لڑکی میں تجھے ٹوٹا نہیں ہوا بلکہ فائدہ ہی فائدہ رہا۔ بیٹا سن' جدائی اور ملاپ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ نور الدین نے کہا چچا' خدا کی قسم میں اسے کبھی بھول نہیں سکتا ہوں خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔ عطر فروش نے کہا بیٹا' تیرے دل میں کون سی بات ہے جو تو کرنا چاہتا ہے؟ نور الدین بولا میں چاہتا ہوں کہ پھر روم کے ملک میں جا کر افرنجہ پہنچوں اور جان پر کھیل جاؤں۔ اس میں یا تو میرا مقصد پور ہو جائے اور یا میں مر جاؤں۔ بوڑھے عطر فروش نے کہا مثل ہے کہ گھڑا ہر بار سالم نہیں نکلتا۔ اگرچہ انہوں نے پہلی بار تجھے چھوڑ دیا ممکن ہے کہ اس بار وہ تجھے قتل کر ڈالیں۔ خاص کر اس وجہ سے کہ اب وہ تجھے خوب پہچان گئے ہیں۔ نور الدین بولا چچا' مجھے جانے دے تا کہ میں اس کی محبت میں جلد قتل ہو جاؤں اور اس کی جدائی میں گھٹ گھٹ کر نہ مروں اتفاق سے اس وقت ایک جہاز بندرگاہ میں لنگر ڈالے سفر کے لئے تیار کھڑا تھا مسافر اپنا اپنا کام نبٹا چکے تھے اور ملاح لنگر اٹھانے ہی والے تھے کہ نور الدین اس میں بیٹھ گیا' ہوا موافق تھی کشتی کئی دن تک چلتی رہی۔ وہ چلے جا رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ کئی فرنگی جہاز سمندر میں چکر لگا رہے ہیں اور جس کشتی کو دیکھتے ہیں پکڑ لیتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اندیشہ ہے کہ مسلمان ڈاکو کہیں شہزادی کو نہ لے جائیں۔ جب وہ کسی کشتی کو پکڑتے تو سارے مسافروں کو افرنجہ کے بادشاہ کے پاس لے جاتے اور وہ انہیں ذبح کرکے اپنی نذر پوری کرتا جو اس نے بیٹی کے بارے میں مانی تھی۔ جب ان کی نظر اس کشتی پر پڑی جس پر نور الدین تھا تو انہوں نے اسے بھی پکڑ لیا اور تمام مسافروں کو لے

کر بادشاہ کے پاس پہنچے جو مریم کا باپ تھا۔ جب قیدی صف باندھ کر کھڑے ہوئے تو بادشاہ نے دیکھا کہ وہ سو مسلمان ہیں اس نے فوراً ان کے قتل کا حکم دے دیا' انہی میں نور الدین بھی تھا۔ سب ذبح کر دیئے گئے محض نور الدین باقی رہ گیا' جلاد نے اس کی کم سنی اور خوب صورتی کی وجہ سے اسے سب کے بعد رکھا تھا۔ بادشاہ اسے دیکھ کر پہچان گیا اور کہنے لگا کہ کیا تو نور الدین نہیں ہے جو اس سے پہلے ایک بار اور یہاں آیا تھا؟ اس نے جواب دیا میں پہلے کبھی یہاں نہیں آیا تھا' نہ میرا نام نور الدین ہے بلکہ ابراہیم ہے۔ بادشاہ بولا تو جھوٹا ہے تیرا نام نور الدین ہے' تجھے میں نے اس بڑھیا کے حوالے کیا تھا جو گرجا کی سردار ہے تاکہ تو گرجا کی خدمت میں اس کا ہاتھ بٹائے۔ نور الدین نے کہا اے میرے مولا' میرا نام ابراہیم ہے بادشاہ بولا اگر بڑھیا یہاں آئے اور تجھے دیکھے تو وہ ٹھیک بتا سکتی ہے کہ تو نور الدین ہے یا کوئی اور۔

وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ کانا وزیر جس نے شہزادی سے نکاح کیا تھا آ پہنچا اور بادشاہ کے آگے زمین چوم کر کہنے لگا کہ بادشاہ سلامت' محل بن کر تیار ہو چکا ہے اور تجھے معلوم ہے کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جب میں محل بنا کر تیار کر لوں گا تو اس کے دروازے پر تیس مسلمانوں کو ذبح کروں گا۔ اس وقت میں اسی لئے آیا تھا کہ تجھ سے تیس مسلمان لے کر ذبح کروں تاکہ مسیح کی نذر پوری ہو جائے۔ بادشاہ نے کہا کہ مسیح اور سچے دین کی قسم سوائے اس قیدی کے میرے پاس اور کوئی نہیں یہ کہہ کر اس نے نور الدین کی طرف اشارہ کیا اور کہا اسے تو ابھی ذبح کر ڈال اور جب اور مسلمان قیدی میرے پاس آئیں گے تو میں باقی بھی تیرے پاس بھیج دوں گا۔ کانا وزیر' نور الدین کو لے کر چل دیا تاکہ اسے اپنے دروازے کی دہلیز پر ذبح کرے لیکن رنگ کرنے والوں نے اسے کہا اے ہمارے مولا' ہمارا دو روز کا کام اور باقی ہے' اس لئے ابھی ٹھہر جا' جب ہم رنگ روغن کر چکیں تو اسے ذبح کیجئو۔ ممکن ہے کہ اس وقت تک باقی انتیس بھی آ جائیں اور تو سب کو ایک ساتھ ذبح کر کے نذر پوری کر سکتا ہے۔ یہ سن کر وزیر نے حکم دیا کہ نور الدین کو قید کر دیا جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو ستاسی ویں رات

آٹھ سو ستاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب وزیر نے نور الدین کے قید کئے جانے کا حکم دیا تو لوگ اس کے بیڑیاں ڈال کر اصطبل میں لے گئے۔ وہ بھوکا پیاسا اپنے اوپر افسوس کر رہا تھا۔ اسے موت ہی موت ہر طرف دکھائی دیتی تھی۔ بادشاہ کے دو گھوڑے بھائی بھائی تھے' ایک کا نام سابق اور دوسرے کا لاحق تھا اور وہ ایسے تھے کہ ایک ایک کی تمنا بڑے بڑے بادشاہوں کو ہو سکتی ہے ایک ان میں سے اشہب تھا چمک دار اور دوسرا ادہم رات کی طرح کالا۔ جزیروں کے بادشاہوں نے کہہ رکھا تھا کہ جو کوئی ان دونوں میں سے ایک گھوڑا بھی چرا لائے تو وہ جس قدر سونا اور موتی جواہرات مانگے ہم دیں گے پھر بھی کسی کو ایک گھوڑے کے چرانے میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اتفاقاً ان میں سے ایک بیمار پڑ گیا۔ یرقان اور آنکھوں میں جالا بادشاہ نے ملک کے تمام بیطار بلوائے لیکن کسی کے علاج سے فائدہ نہ ہوا۔ ایک بار بادشاہ کے پاس وہی کانا وزیر آیا جس نے اس کی بیٹی سے شادی کی تھی' دیکھا کہ وہ گھوڑے کے بارے میں بہت غمگین ہے۔ غم دور کرنے کی غرض سے اس نے بادشاہ سے کہا کہ یہ گھوڑا مجھے دے دے میں اس کا علاج کروں گا۔ بادشاہ نے اسے گھوڑا دے دیا اس نے گھوڑے کو لے جا کر اسی اصطبل میں رکھا' جہاں نور الدین بند تھا۔ جب یہ گھوڑا اپنے بھائی سے الگ ہو گیا تو اتنا چیخنے چلانے اور ہنہنانے لگا کہ لوگ پریشان ہو گئے۔ وزیر سمجھ گیا کہ گھوڑا اپنے بھائی کی جدائی کی وجہ سے چلاتا ہے اور بادشاہ کو اس کی خبر کی۔ جب بادشاہ نے اس کی تحقیق کی تو کہنے لگا اگر یہ جانور اپنے بھائی کی جدائی گوارا نہیں کر سکتا تو پھر انسانوں کی کیا حالت ہو گی! یہ کہہ کر اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ دوسرے گھوڑے کو بھی وزیر کے ہاں پہنچا آؤ اور اس سے کہنا کہ اپنی بیٹی کی خاطر میں یہ دونوں گھوڑے تجھے انعام میں دیتا ہوں۔

ایک رات نور الدین کی نگاہ ان دونوں گھوڑوں پر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ ایک کی آنکھوں میں جالا ہے۔ نور الدین کو گھوڑوں کی پہچان اور ان کے علاج میں کچھ مشق تھی۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا کی قسم یہ موقع ہے میں ابھی جا کر وزیر سے کہتا ہوں کہ میں اس گھوڑے کا علاج کروں گا پھر اگر اس نے اجازت دے دی تو ایسی دوا دوں گا کہ وہ اندھا ہو جائے اور وزیر مجھے قتل کر دے اس رذالت کی زندگی سے تو کسی طرح نجات ملے۔ وزیر گھوڑے کو دیکھنے اصطبل میں آیا تو نور الدین نے کہا اے میرے مولا' اگر میں نے علاج کرکے اس گھوڑے کی آنکھوں کو اچھا کر دیا تو تو مجھے کیا دے گا؟ وزیر بولا مجھے اپنے سر کی قسم اگر تو نے اسے اچھا کردیا تو میں تجھے ذبح نہ کروں گا اور جو تو مانگے گا دوں گا۔ نور الدین نے کہا اے میرے مولا' میرے ہاتھ کھلوا دے وزیر نے حکم دے دیا کہ اس کے ہاتھ کھول دیئے جائیں اور اس نے ایک دوا تیار کرکے گھوڑے کی آنکھوں میں لگائی' ان پر پٹی باندھ دی اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب اس کی آنکھیں جاتی رہیں گی اور وہ مجھے قتل کر دے گا۔ اس کے بعد نور الدین خوب آرام سے سویا' خدا کے آگے گڑگڑایا اور کہا اے میرے پروردگار جو میری دعا ہے تو خوب جانتا ہے۔ جب صبح ہوئی اور دن چڑھنے لگا تو وزیر نے اصطبل میں آ کر گھوڑے کی آنکھوں سے پٹی کھولی دیکھا کہ خدا کی قدرت سے وہ بالکل صاف اور خوب صورت ہو گئی ہیں۔ نور الدین سے اس نے کہا اے مسلمان! تجھ سے بڑھ کرمعالج میں نے دنیا میں نہیں دیکھا۔ قسم ہے مسیح اور سچے دین کی کہ میں تجھ سے بے حد خوش ہوں ہمارے ملک کا ایک بیطار بھی اس گھوڑے کا علاج نہ کر سکا۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا اپنے ہاتھ سے اس کی بیڑیاں اتار دیں اسے ایک نفیس پوشاک پہننے کو دی اصطبل کا داروغہ بنا دیا ماہانہ اور روزینہ مقرر کیا اور اصطبل کی ایک منزل اسے رہنے کو عطا کی۔ جو نیا محل وزیر نے شہزادی مریم کے لئے بنایا تھا اس کی ایک کھڑکی وزیر کے گھر کی طرف تھی اور اسی منزل کے سامنے جس میں نور الدین رہتا تھا نور الدین ایک مدت تک مزے مزے کی چیزیں کھاتا پیتا اور سائیسوں پر حکم چلاتا رہا ان میں

سے جو کوئی غیر حاضر ہوتا یا طویلے میں بندھے ہوئے گھوڑوں کو دانہ چارا نہ دیتا تو وہ اسے دھکے دیتا' خوب مارتا اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیتا۔ نور الدین کی وجہ سے وزیر بڑا خوش تھا لیکن اسے یہ خبر نہ تھی کہ اونٹ کس کل بیٹھنے والا ہے۔ نور الدین روز دونوں گھوڑوں کے پاس جاتا اور ان پر ہاتھ پھیرتا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وزیر انہیں کتنا چاہتا اور ان کی عزت کرتا ہے وزیر کی ایک باکرہ بیٹی تھی ایسی حسین جیسے چوکڑی بھرنے والا آہو یا لچک دار شاخ' اتفاق سے ایک روز وہ اس جھروکے میں بیٹھی تھی جو وزیر کے گھر اور نور الدین کے کمرے کے سامنے تھا کہ اس نے نور الدین کو کچھ حسرت آمیز اشعار پڑھتے سنا' اپنے دل میں کہنے لگی کہ قسم ہے مسیح اور سچے دین کی یہ مسلمان بڑا خوش رو جوان ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عاشق ہے اور اپنی معشوقہ سے جدا' خدا جانے اس خوش رو جوان کی محبوبہ اسی کی طرح حسین ہے تو اس کا آنسو بہانا اور فریاد کرنا بجا ہے ورنہ وہ انہی حسرتوں میں اپنی عمر ضائع کر رہا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

آٹھ سو اٹھاسی ویں رات

آٹھ سو اٹھاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ وزیر کی بیٹی نے کہا ورنہ وہ انہی حسرتوں میں اپنی عمر ضائع کرے گا۔ اتفاق سے وزیر کی بیوی مریم زناریہ ایک دن پہلے نئے محل میں آ چکی تھی اور وزیر کو معلوم تھا کہ وہ غمگین و ملول رہتی ہے اس لئے اس کا ارادہ ہوا کہ اس کے پاس جا کر اس جوان کا ذکر کرے۔ اس کا یہ خیال ابھی ختم بھی نہ ہوا تھا کہ شہزادی مریم نے جواس کے باپ کی بیوی تھی اسے بلوا بھیجا تاکہ اس کے ساتھ باتیں چیتیں کرکے اپنا دل بہلائے۔ وزیر زادی اس کے پاس پہنچی تو دیکھا کہ وہ غمگین ہے آنسو رخساروں پر بہہ رہے ہیں۔ کہنے لگی اے شہزادی' تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو غمگین اور سوچ میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ سن کر شہزادی مریم کو گزرا ہوا زمانہ یاد آ گیا جبکہ وہ عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتی تھی۔ وزیر زادی نے کہا اے شہزادی' غمگین نہ ہو اور میرے ساتھ محل کے جھروکے پر چل' ہمارے ہاں اصطبل میں ایک حسین' خوش قامت اور شیریں کلام جوان ہے جو فراق زدہ عاشق معلوم ہوتا ہے شہزادی مریم نے اپنے دل میں کہا اگر وزیر زادی کی باتیں سچی ہیں تو یہ نور الدین ہی کی علامتیں ہیں جو بے چارا زخم خوردہ ہے۔ دیکھنا تو چاہیے کہ وہ نور الدین ہے یا کوئی اور؟

اب شہزادی مریم کی محبت اتنے جوش میں آئی اور تمنائیں اس قدر امڈنے لگیں کہ وہ فوراً اٹھ کر وزیر زادی کے ساتھ جھروکے پر پہنچی دیکھا تو اپنے محبوب اور آقا نور الدین کی سی صورت نظر آئی۔ ذرا غور سے دیکھنے کے بعد اسے بالکل شبہ باقی نہ رہا' لیکن اس نے دیکھا کہ نور الدین مارے رنج و غم کے بیمار اور بہت زیادہ دبلا ہو گیا ہے اس بھید کواس نے وزیر زادی پر ظاہر نہیں کیا بلکہ اس سے کہنے لگی کہ مسیح اور سچے دین

کی قسم مجھے اب تک یہ نہ معلوم تھا کہ تجھے میری پریشانی اور رنج و غم کی خبر ہے۔
یہ کہہ کر وہ جھروکے کے پاس سے اٹھی اور اپنی جگہ چلی گئی اور وزیر زادی اپنے کام پر چل دی۔ تھوڑی دیر کے بعد شہزادی مریم جھروکے کے پاس لوٹی' وہاں آ کر بیٹھ گئی اور نور الدین کو دیکھنے لگی کہ وہ کیسا پیارا ہے۔ گویا چودھویں رات کا چاند' لیکن اس کی صورت سے حسرت ٹپک رہی ہے اور آنسو جاری ہیں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

آٹھ سو نواسی ویں رات

آٹھ سو نواسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب مریم نے دیکھا کہ نور الدین کی صورت سے حسرت ٹپک رہی ہے اور آنسو جاری ہیں تو اس نے دوات اور کاغذ منگوا کر بسم اللہ کے بعد یہ لکھنا شروع کیا: "سلامتی ہو تیرے اوپر اللہ کی طرف سے اور رحمت اور برکت! میں تجھے خبر دیتی ہوں کہ تیری باندی مریم تجھے سلام کہتی ہے اور وہ تیری تمنا میں تڑپ رہی ہے اور یہ اسی کیطرف سے خط ہے۔ جوں ہی تجھے یہ خط ملے فوراً وہ تمام باتیں کیجئو جو میں اس میں لکھ رہی ہوں اور خبردار نہ ان کے خلاف کیجئو نہ سستی سے کام لیجیو۔ بہترین موقع تہائی رات گزرنے کے بعد ہے۔ اس وقت سوائے اس کے اور کوئی کام نہ کیجئو کہ دونوں گھوڑوں پر زینیں کس کر انہیں شہر کے باہر لے جائیو اور اگر کوئی پوچھے کہ تو کہاں جا رہا ہے تو کہیو کو انہیں نہلانے کو لئے جا ہوں۔ تو یہ کہے گا تو تجھے کوئی نہ روکے گا کیونکہ لوگوں کو یقین ہو گا کہ شہر کے دروازے بند ہیں۔ یہ لکھ کر اس نے خط بند کیا اور اسے ایک ریشمی رومال میں لپیٹ کر جھروکے سے نور الدین کے پاس پھینک دیا۔ نور الدین نے اسے اٹھا کر پڑھا اس کا طلب سمجھا اور یہ معلوم کرکے کہ یہ شہزادی مریم کا خط ہے اسے چوما' آنکھوں سے لگایا اور اس کے آنسو بہنے لگے۔ رات ہوتے اس نے دونوں گھوڑوں کو بنانا سنوارنا شروع کیا اور جب تہائی رات گزر چکی تو اس نے ان پر زینیں کسیں اور اصطبل سے نکل کر دروازے میں قفل ڈال دیا اور شہر کے باہر جا کر شہزادی مریم کا انتظار کرنے لگا۔

یہ تو نور الدین کی کہانی ہوئی' اب شہزادی مریم کا ماجرا سنو' وہ فوراً اٹھ کر اس کمرے میں گئی جو محل میں اس کے لئے آراستہ کیا گیا تھا' اس نے دیکھا کہ کاناوزیر شتر مرغ کے پروں کا ایک تکیہ لگائے بیٹھا ہے لیکن اس کی ہمت نہیں پڑتی کہ اس کی

طرف ہاتھ بڑھائے یا باتیں کرے۔ اسے دیکھتے ہی مریم نے خدا کی درگاہ میں مناجات کی اور کہنے لگی کہ خداوندا اس کی مراد مجھ سے پوری نہ ہونے دیجیو اور پاک کرنے کے بعد مجھے ناپاک نہ بنائیو۔ پھر وہ وزیر کی طرف متوجہ ہو کر محبت کا اظہار کرنے لگی اور اس کے پہلو میں بیٹھ کر پیار کرنے لگی اور کہا اے میرے آقا! آخر یہ ناز نخرا کیسا؟ مثل ہے کہ تجربے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھا کھڑے کو سلام کرتا ہے اے میرے آقا' اگر تو میرے پاس آ کر باتیں نہیں کرتا تو میں تیرے پاس آ کر باتیں کروں گی۔ وزیر نے کہا اے تمام دنیا کی رانی' نیکی اور احسان تیری طرف سے ہے۔ میں تو تیرے نوکروں میں سے ایک نوکر اور تیرا ادنی غلام ہوں۔ اے یکتا موتی' میں تجھ سے بات کرتے شرماتا ہوں اور تیرے آگے میرا سر نیچا ہو جاتا ہے۔ مریم بولی کہ باتیں نہ بنا بلکہ کھانے پینے کے لئے کچھ لا۔ یہ سنتے ہی وزیر نے باندیوں اور نوکروں کو آواز دے کر کہا کہ کھانا لاؤ وہ فوراً دسترخوان لا کر بچھا گئے اور اس پر طرح طرح کے کھانے چن دیئے۔ شہزادی مریم نے دسترخوان کی طرف ہاتھ بڑھایا خودبھی کھاتی جاتی اور وزیر کے منہ میں بھی نوالے دیتی جاتی اور اس کا منہ بھی چومتی جاتی۔ جب دونوں کا پیٹ بھر گیا تو انہوں نے اٹھ کر ہاتھ دھوئے۔

اس کے بعد نوکروں نے دسترخوان بڑھایا اور مے نوشی کا سامان حاضر کیا۔ مریم جام بھر بھر کر پیتی اور پلاتی اور وزیر کی خدمت کرتی جاتی یہاں تک کہ مارے خوشی کے اس کی باچھیں کھل گئیں۔ وزیر کو خوب شراب چڑھ گئی اور اس کی زبان بھٹکنے لگی تو مریم نے اپنی جیب سے تازہ مغربی بھنگ کا ایک ٹکڑا نکالا کہ اگر ہاتھی بھی اس میں سے ذرا سی سونگھ لیتا تو اس سال سے آئندہ سال تک سوتا رہتا۔ یہ بھنگ مریم نے اسی موقع کے لئے تیار کی تھی۔ وزیر کو بے خبر پا کر اس نے وہ بھنگ پیالے میں ڈال دی او اسے بھر کر اس کے آگے پیش کیا۔ مارے خوشی کے وزیر کے ہوش جاتے رہے اسے یقین نہ آتا تھا کہ وہ اسے شراب دے رہی ہے اور وہ پیالے کو چڑھا گیا۔ ابھی شراب پیٹ تک نہ اترنے پائی ہو گی کہ وہ زمین پر گر پڑا۔ شہزادی مریم نے اٹھ

کر فوراً دو خرجیوں میں ایسی چیزیں بھریں جو ہلکی اور قیمتی تھیں مثلاً جواہرات' یاقوت اور طرح طرح کی قیمتی معدنیات' اس کے بعد اس نے کھانے پینے کا سامان ساتھ لیا اور جنگی لباس پہن کر ہتھیار لگا لئے' اس کے علاوہ اس نے نور الدین کے لئے عمدہ شاہی لباس ساتھ لیا اور سب چیزوں کو خرجیوں میں رکھ کر اپنے کندھے پر لادا اور محل سے نکل نور الدین کی تلاش میں چل دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو نوے ویں رات

آٹھ سو نوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... مریم محل سے نکل کر نور الدین کی تلاش میں چل دی۔

یہ تو مریم کا ماجرا ہوا' اب مسکین عاشق نور الدین کی سرگزشت سنو۔ وہ شہر کے دروازے پر جا کر بیٹھ گیا اور گھوڑوں کی لگامیں ہاتھ میں لئے مریم کی راہ دیکھنے لگا۔ خدا نے اس پر نیند مسلط کر دی اور وہ سو گیا پاک ہے وہ ذات جو کبھی سوتی نہیں! جزیروں کے بادشاہ زیادہ سے زیادہ مال و دولت دینے کے لئے تیار تھے بشرطیکہ کوئی ان دونوں گھوڑوں کو یا کم از کم ایک کو چرا لائے۔ اس زمانے میں ایک حبشی غلام تھا جس نے جزیروں میں پرورش پائی تھی اور گھوڑوں کے چور کے نام سے مشہور تھا۔ فرنگستان کے بادشاہوں نے اسے بہت رشوتیں دی تھیں کہ وہ دونوں گھوڑوں میں سے ایک کو چرا لائے اور اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ دونوں چرا لائے تو وہ اسے ایک پورا جزیرہ دے دیں گے اور ایک نفیس خلعت عطا کریں گے۔ یہ غلام افرنجہ میں مدت سے چھپ کر گشت لگایا کرتا تھا لیکن اب تک ایک گھوڑا بھی اس کے ہاتھ نہ لگا تھا کیونکہ دونوں بادشاہ کے اصطبل میں تھے جب بادشاہ نے وہ دونوں گھوڑے کانے وزیر کو دے دیئے اور وہ اس کے اصطبل میں آ گئے تو غلام بہت خوش ہوا اور اس کی ہمت بڑھ گئی اس نے کہا' مسیح اور سچے دین کی قسم اب میں انہیں ضرور چرا لے جاؤں گا۔ اس رات وہ غلام اسی ارادے سے نکلا تھا کہ وہ وزیر کے اصطبل میں جا کر دونوں گھوڑے چرا لائے۔ وہ ابھی راستے ہی میں تھا کہ اس نے دیکھا کہ نور الدین پڑا سو رہا ہے اور دونوں گھوڑوں کی باگیں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ غلام نے دونوں کی باگیں اتار دیں اور چاہتا ہی تھا کہ ایک پر سوار ہو کر دوسرے کو کھینچتا ہوا لے جائے کہ شہزادی مریم دونوں خرجیاں کندھے سے لٹکائے آ پہنچی اور غلام کو نور الدین سمجھ کر اسے ایک خرجی دی اور اس نے اسے

ایک گھوڑے پر رکھ لیا غلام نے چپ چاپ خرجیاں لے لیں اور وہ اسے نور الدین سمجھتی رہی اس کے بعد وہ شہر کے دروازے سے باہر نکل آئی اور غلام چپ چاپ ساتھ ہو لیا۔ مریم نے کہا اے میرے آقا نور الدین تم چپ کیوں ہو؟ غلام نے غصے سے اس کی طرف دیکھ کر کہا اے لونڈیا تو کیا کہتی ہے؟ مریم اس کی گنٹھل زبان سن کر سمجھ گئی کہ وہ نور الدین کی زبان نہیں اور سر اٹھا کر اس کی طرف نظر ڈالی اور دیکھا اس کے نتھنے لوٹوں کیطرح کے ہیں۔ اسے دیکھتے ہی مریم کی آنکھوں تلے اندھیرا آ گیا وہ کہنے لگی اے بنوحام کے بزرگ تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا اے ملعون بچی' میرا نام مسعود ہے اور جب لوگ سو جاتے ہیں تو میں گھوڑے چرایا کرتا ہوں۔

اس پر مریم نے کچھ جواب نہ دیا بلکہ تلوار کھینچ کر ایسا وار کیا کہ وہ چمکتی ہوئی غلام کی گردن کے آرپار ہو گئی' وہ زمین پر اپنے خون میں لوٹنے لگا اور خدا نے اس کی روح کو فوراً دوزخ میں پہنچا دیا جو بری قیام گاہ ہے۔ اب شہزادی مریم نے دونوں گھوڑوں کو لیا' ایک پر سوار ہو گئی اور دوسرے کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا اور نور الدین کو ڈھونڈنے پیچھے لوٹی دیکھا کہ وہ اسی جگہ جہاں اس سے ملنے کا وعدہ تھا لاتیں پکڑے نیند میں خراٹے لے رہا ہے اسے نہ سر کا ہوش ہے نہ پاؤں کا۔ مریم نے گھوڑے سے اتر کر اسے دھکا دیا وہ سہم کر جاگ پڑا اور کہنے لگا اے میری آقا' خدا کا شکر ہے کہ تو صحیح سلامت پہنچ گئی مریم نے کہا اٹھ کر چپ چاپ اس گھوڑے پر سوار ہو جا' وہ اس پر سوار ہو گیا او شہزادی مریم دوسرے گھوڑے پر اور دونوں شہر سے نکل آئے۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعدمریم نے نور الدین کی طرف مخاطب ہو کرکہا کہ میں نے تجھ سے کہا نہ تھاکہ سوئیو نہیں کیونکہ جو سویا وہ کھویا۔ نور الدین نے کہا اے میری آقا' کہہ تو سہی کیا بات ہے۔ اس پر مریم نے سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک سنایا۔

نور الدین بولا شکر ہے خدا کا کہ ہم بچ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے تیز تیز چلنا شروع کیا اپنا معاملہ خدا کے سپرد کر دیا اور باتیں کرتے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں شہزادی مریم

غلام کو مار کر پھینک آئی تھی اور جہاں وہ دیو کی طرح زمین پر پڑا تھا۔ مریم نے نور الدین سے کہا اتر کر اس کے کپڑے اتار ڈال اور اس کے ہتھیار لے آ۔ اس نے کہا اے میری آقا' واللہ میں اترتے ڈرتا ہوں نہ میں اس کے قریب کھڑا ہوں اور نہ اس کے پاس پھٹکوں۔ غلام کا ڈیل ڈول دیکھ کر نور الدین ڈر گیا۔ مریم کے کارنامے پر اس کا شکرگزار ہوا اور اس کی بہادری اور دلاوری پر تعجب کرنے لگا۔ اس کے بعد وہ رات بھر تیز تیز چلتے رہے' جب صبح ہوئی اور دن نکلا تو وہ ایک بڑے سبزہ زار پر پہنچے جہاں غزال رعنائی کر رہے تھے جس کے ہر طرف سبزی ہی سبزی تھی' پھل آئے ہوئے تھے' چڑیاں بیٹھی ہوئی تھیں اور چشمے ہر طرف بہہ رہے تھے۔ وہاں شہزادی مریم اور نور الدین اتر پڑے تا کہ اس وادی میں ذرا ستالیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو اکیانوے ویں رات

آٹھ سو اکیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- مریم اور نور الدین نے اس وادی میں اتر کر پھل کھائے' پانی پیا اور گھوڑوں کو سبزہ زار میں چھوڑ دیا کہ چریں' پانی پیئں اور نور الدین اور مریم بیٹھ کر اپنی اپنی کہانیاں سنانے اور جدائی کے شکوے شکایت کرنے لگے۔ اتنے میں انہوں نے گرد اٹھتی دیکھی جس سے چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز اور ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دی۔ قصہ یہ تھا کہ جب بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی وزیر سے کر دی اور وزیر اس رات اس کے پاس گیا تو صبح ہوتے بادشاہ انہیں صباح بہ خیر کہنے گیا جیسا کہ بادشاہوں کا اپنی بیٹیوں کے متعلق دستور ہے۔ بادشاہ اپنے ساتھ ریشمی جوڑے لیتا گیا اور راستے میں چاندی سونا نچھاور کیا تاکہ نورکر چاکر اور سنگار کرنے والیاں انہیں اٹھا لیں۔ بادشاہ اور اس کے چند غلام چلتے چلتے نئے محل میں پہنچے' دیکھا کہ وزیر فرش پر پڑا ہوا ہے اور اسے سر پاؤں کی خبر نہیں۔ بادشاہ نے محل میں ادھر ادھر دیکھا اس کی بیٹی بھی کہیں دکھائی نہ دی وہ گھبرا گیااس نے گرم پانی' سرکہ اور کندر منگا کر آپس میں ملایا اور اسے اس کی ناک میں ڈال کر اسے خوب ہلایا۔ پنیر کے ٹکڑے کی طرح بھنگ اس کے پیٹ سے نکل پڑی بادشاہ نے دوبارہ یہی کیا اور جب وزیر کو ہوش آیا تو اس نے اس کی اور اپنی بیٹی مریم کی خیریت پوچھی۔ وزیر بولا اے عظیم الشان بادشاہ' سوائے اس کے مجھے اس کی اور کوئی خبر نہیں کہ اس نے مجھے اپنے ہاتھ سے ایک جام پلایا تھا۔ اس وقت سے مجھے کچھ خبر نہیں' نہ معلوم وہ کہاں ہے

بادشاہ نے وزیر کی یہ باتیں سنیں تو غصے میں اندھا ہو گیا' تلوار کھینچ کر وزیر کے سر پر ایسا وار کیا کہ تلوار چمکتی ہوئی اس کے دانتوں سے نکل گئی۔ اس کے بعد بادشاہ نے غلاموں اور سائیسوں کو بلا کر کہا کہ دونوں گھوڑے لے آؤ۔ وہ بولے اے بادشاہ!

دونوں گھوڑے رات سے غائب ہیں ہمارا داروغہ بھی ان کے ساتھ غائب ہے اور آج صبح ہم نے دیکھا کہ سارے دروازے کھلے پڑے ہیں۔ بادشاہ نے کہا قسم ہے میرے دین و ایمان کی کہ دونوں گھوڑوں کو سوائے میری بیٹی اور اس قیدی کے جو گرجا کی خدمت کرتا تھا کوئی نہیں لے گیا۔ وہی میری بیٹی کو پہلی بار بھی لے گیا تھا۔ اسے میں خوب پہچان گیا تھا' اسی کانے وزیر نے اسے میرے پنجے سے چھڑایا اور اب اس نے مجھے اس کا بدلہ دیا۔ یہ کہہ کر بادشاہ نے فوراً اپنے تینوں بیٹوں کو بلایا' تینوں بڑے بہادر اور سورما تھے' ہر ایک شمشیر زنی اور نیزہ بازی میں ایک ایک ہزار کے برابر تھا۔ بادشاہ نے ان سے چلا کر کہا کہ سوار ہو جاؤ' وہ سوار ہو گئے اور بادشاہ بھی اپنے بطریقوں' مصاحبوں اور سرداروں کو لے کر ان کے ساتھ سوار ہو گیا مریم اور نور الدین کی کھوج میں چل کھڑے ہوئے اور اسی وادی میں آ کر انہیں پکڑا انہیں دیکھ کر مریم اٹھ کھڑی ہوئی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر تلوار باندھ لی' ہتھیار لگا لئے اور نور الدین سے کہنے لگی کہ لڑائی میں تیرا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ لڑائی میں میری ثابت قدمی ایسی ہے جیسے کھونٹی کی تاڑیں۔

نور الدین کی یہ باتیں سن کر مریم مسکرانے لگی اور بولی اے میرے آقا نور الدین' تو اپنی جگہ کھڑا رہیو' میں ان کے لئے کافی ہوں خواہ ان کا شمار ریت کے ذروں کی طرح کیوں نہ ہو اب مریم تیار ہو کر گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ گئی باگ ڈھیلی چھوڑ دی اور گھوڑا اس طرح نکلا جیسے آندھی یا نل کا پانی' مریم اپنے زمانے کی سب سے بہادر لڑکی تھی کیونکہ باپ نے اسے بچپن ہی سے شہسواری اور جنگ جوئی سکھائی تھی۔ اس نے نور الدین سے کہا کہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میرے پیچھے پیچھے رہیو اور اگر ہم بھاگیں تو خبردار تو گھوڑے سے گریو نہیں یاد رکھ تیرے گھوڑے کو کوئی پکڑ نہیں سکتا۔ جب بادشاہ کی نظر اپنی بیٹی مریم پر پڑی تو وہ اسے پہچان گیا اور اپنے بڑے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے برطوط' مجھے یقین ہے کہ یہ تیری بہن مریم ہے' وہ ہمارے مقابلے پر آمادہ ہے اورہم سے جنگ کرنا چاہتی ہے۔ بڑھ کر اس پر حملہ کر

لیکن قسم ہے تجھے مسیح اور سچے دین کی اگر تو' اس پر فتح پا جائے تو جب تک عیسائیوں کا دین اس کے سامنے پیش نہ کر لیجیو اسے قتل نہ کیجنو۔ اگر وہ اپنا پرانا دین اختیار کر لے تو اسے گرفتار کرکے لے آئیو' اور اگر انکار کرے تو اسے بری طرح سے قتل کر دیجیو تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور یہی کارروائی اس ملعون کے ساتھ کیجنو جو اس کے ساتھ ہے۔ برطوط بولا سر آنکھوں سے اور فوراً بڑھ کر اس نے اپنی بہن مریم پر حملہ کر دیا۔ وہ بھی ادھر سے بڑھ کر اس کے قریب آ گئی۔ برطوط نے کہا اے مریم' کیا یہ کافی نہ تھا کہ تو نے باپ داداؤں کا مذہب چھوڑ کر خانہ بدوشوں کا مذہب یعنی اسلام اختیار کر لیا! قسم ہے مسیح اور سچے دین کی اگر تو نے اپنے باپ دادا بادشاہوں کا دین نہ اختیار کر لیا اور اس کی اچھی طرح پیروی نہ کی تو میں تجھے اس بری طرح قتل کروں گا کہ لوگوں کو عبرت ہو گی۔ مریم اپنے بھائی کی باتوں پر ہنس پڑی اور کہنے لگی کہ گئی بات پھر ہاتھ نہیں آتی نہ مر کر کوئی پھر زندہ ہوتا ہے۔ ابھی تو تجھے اس سے زیادہ ناکامیاں اٹھانی ہیں۔ قسم ہے خدا کی کہ میں محمد بن عبداللہ کے دین سے منہ نہیں موڑوں گی کیونکہ وہی سچا دین ہے اگر مجھے موت کا جام پینا پڑے تو بھی میں اس سیدھے راستے سے نہیں پھروں گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• آٹھ سو بانوے ویں رات

آٹھ سو بانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ مریم نے کہا اگر مجھے موت کا جام بھی پینا پڑے تو بھی میں سیدھے راستے سے منہ نہیں موڑوں گی۔ جب ملعون برطوط نے اپنی بہن کو یہ کہتے سنا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور اس پر وہ باتیں سخت گراں گزریں اب دونوں میں لڑائی ہونے لگی۔ جب وہ اپنی بہن مریم پر کوئی نیا ہاتھ مارتا تو وہ اسے نہایت خوبی سے روک لیتی۔ اس لڑائی نے اتنا طول کھینچا کہ دونوں گرد آلود اور گھوڑے نظروں سے غائب ہو گئے۔ برطوط حملہ کرتے کرتے تھک گیا تو مریم نے اس پر ایسا وار کیا کہ اس کی تلوار چمکتی ہوئی گردن کے آرپار ہو گئی اور خدا نے جلدی سے اس کی روح جہنم میں پہنچا دی جو بری جگہ ہے۔ اب مریم گھوڑے کو میدان میں جولانی دینے لگی اور کہا' ہے کوئی بہادر جنگجو' جو میرے مقابلے میں آئے؟ محض سورما نکل کر آئیں تا کہ میں انہیں ذلت کا جام پلاؤں۔ اے بت پرستو' کافرو اور گمراہو' آج کے دن ایمان والوں کا چہرہ سفید ہو گا اور کافروں کا سیاہ۔

بادشاہ نے دیکھا کہ اس کا بڑا بیٹا مارا گیا تو وہ اپنا منہ پیٹنے لگا کپڑے پھاڑ ڈالے اور منجھلے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے برطوس' فوراً اپنی بہن مریم کے مقابلے کے لئے نکل اپنے بھائی برطوط کا بدلہ اس سے لے اور اسے ذلت و خواری کے ساتھ گرفتار کرکے میرے پاس لے آ۔ اس نے کہا ابا جان' سر آنکھوں سے اور فوراً اپنی بہن مریم کے مقابلے کے لئے نکل کھڑا ہوا اور حملہ کر دیا۔ ادھر سے مریم بھی حملہ آور ہوئی دونوں میں پہلے سے بھی زیادہ لڑائی ہونے لگی۔ بھائی نے دیکھا اس کی مریم کے آگے کچھ چلتی نظر نہیں آتی۔ وہ چاہتا تھا کہ بھاگ کھڑا ہو مگر مریم نے اسے مہلت نہ دی اس کے قریب آ کر ایسا ہاتھ دیا کہ اس کا سر بھٹا سا اڑ گیا۔ اب مریم پھر میدان

میں جولانی کرنے لگی اور کہا' کہاں ہیں شہسوار سورما اور کہاں ہے بے دین کانا وزیر؟ اس کا باپ بادشاہ زخمی دل اور فگار آنکھوں سے کہنے لگا کہ قسم ہے مسیح اور سچے دین کی اس نے میرے منجھلے بیٹے کو بھی قتل کر دیا۔ یہ کہہ کر اس نے چھوٹے بیٹے کو آواز دی اور کہا اے فسیان' اپنی بہن سے لڑنے کے لئے تیار ہو جا' جا کر اپنے دونوں بھائیوں کا بدلہ لے اور اس کا مقابلہ کر خواہ ادھر یا ادھر اور اگر تو اسے زیر کر لے تو بری طرح قتل کیجئو۔ غرض کہ اب مریم کا چھوٹا بھائی اس کے مقابلے میں نکلا مریم نے اس پر نہایت بہادری اور خوبی سے حملہ کیا اور کہنے لگی اے ملعون' اے اللہ اور مسلمانوں کے دشمن' میں تجھے بھی ابھی تیرے بھائیوں سے ملائے دیتی ہوں' کافروں کے رہنے کی جگہ بری ہے۔ یہ کہہ کر اس نے میان سے تلوار نکالی اور ایسا وار کیا کہ اس کی گردن اور دونوں بانہیں اڑ گئیں۔ وہ بھی اپنے بھائیوں سے جا ملا اور خدا نے اس کی روح فوراً جہنم میں بھیج دی جو بری رہنے کی جگہ ہے۔

جب بطریقوں اور شہسواروں نے جو بادشاہ کے ساتھ تھے دیکھا کہ اس کے تینوں بیٹے مارے گئے حالانکہ وہ بڑے سورما تھے تو اس کے دل میں شہزادی مریم کی طرف سے ڈر بیٹھ گیا اوردہشت سما گئی' انہوں نے سر نیچا کر لیا انہیں موت' سر کوبی اور ذلت و خواری کا یقین آ گیا اور غصے سے ان کے دل میں آگ بھڑک اٹھی وہ دم دبا کر بھاگے۔

بادشاہ نے دیکھا کہ اس کے تینوں بیٹے مارے گئے اور لشکر بھاگ کھڑا ہوا تو وہ حیران و پریشان اور ڈرنے لگا اس کے دل میں ایک آگ بھڑکنے لگی اور وہ اپنے جی میں کہنے لگا کہ شہزادی مریم ہمیں بے حد حقیر سمجھتی ہے اگر میں ہمت کرکے اکیلا اس کے مقابلے میں نکلوں تو ممکن ہے کہ وہ مجھے بھی نیچا دکھلائے اور بری طرح سے قتل کر دے جیسے کہ اس نے اپنے بھائیوں کو قتل کیا ہے کیونکہ اسے اب ہم سے کوئی امید باقی نہیں' نہ ہمیں اس کے لوٹ آنے کی پروا ہے لہٰذا بہتر ہے کہ اپنی عزت بچا کر اپنے شہر چلا جاؤں۔ یہ کہہ کر بادشاہ نے اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور اپنے شہر کی طرف چل دیا۔ جب وہ محل میں پہنچا تو اس کے دل میں آگ بھڑک رہی تھی کیونکہ

اس کے تینوں بیٹے مارے گئے اور لشکر بھاگ کھڑا ہوا اور عزت خاک میں مل گئی۔
ابھی وہ آدھے ہی پل بیٹھا ہو گا کہ اس نے اپنے مصاحبوں اور سرداروں کو بلوایا اور ان سے اپنی بیٹی کی شکایت کی کہ اس نے اُس کے تینوں بیٹوں کو قتل کر دیا جس پر اسے بے حد رنج ہے اور ان سے مشورہ چاہا۔ سب نے یہی مشورہ دیا کہ وہ خلیفہ ہارون الرشید کے نام خط لکھے اور اسے سارے واقعے سے آگاہ کرے بادشاہ نے خلیفہ ہارون الرشید کو اس مضمون کا خط لکھا کہ "امیر المومنین کو سلام کے بعد معلوم ہو کہ میری ایک بیٹی ہے جس کا نام مریم زناریہ ہے اسے ایک مسلمان قیدی نے جس کا نام نور الدین علی ابن تاجر تاج الدین مصری ہے ' خراب کر دیا تھا اور ایک رات لے کر بھاگ گیا تھا۔ میں اپنے آقا امیر المومنین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مسلمان ملکوں میں خط لکھ کر اس کا پتا چلائے اور ایک معتمد ایلچی کے ہاتھ یہاں بھیج دے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو ترانوے ویں رات

آٹھ سوترانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ افرنجہ کے بادشاہ نے امیرالمومنین ہارون الرشید کو خط لکھا کہ "میری بیٹی کو تلاش کرکے اپنے نوکروں میں سے ایک معتمد ایلچی کے ہاتھ میرے پاس بھیج دے۔" اس خط میں یہ بھی تھا کہ "اس مہربانی کے بدلے میں تجھے رومتہ الکبری کا آدھا شہر دے دوں گا تاکہ تو وہاں مسلمانوں کے لئے ایک مسجد بنوا لے اور اس کا خراج وصول کرے۔" جب وہ اپنے درباریوں اور مصاحبوں کے مشورے کے مطابق یہ خط لکھ چکا تو اس نے اسے لپیٹا اور اس وزیر کو بلوایا جسے اس نے کانے وزیر کی جگہ وزیر بنایا تھا اور اس سے کہا کہ اس پر شاہی مہر لگا۔ اسی طرح تمام سرداروں نے اپنے اپنے دستخط کر کے مہریں لگا دیں اب بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ اگر تو میری بیٹی کو لے آیا تو میں تجھے دو امیروں کی جاگیر عطا کروں گا اور دوہری جھالر کی خلعت پہناؤں گا۔ یہ کہہ کر اس نے خط وزیر کو دیا اور کہا بغداد جا کر یہ خط خود خلیفہ کے ہاتھ میں دیجیو۔ وزیر خط لے کر روانہ ہو گیا' گھاٹیاں اور بیابان طے کرتا ہوا بغداد پہنچا۔ وہاں پہنچ کر وہ پہلے تین دن ستایا' پھر لوگوں سے امیر المومنین ہارون الرشید کے محل کا پتا دریافت کیا۔ لوگوں نے اسے وہاں پہنچا دیا۔ اس نے وہاں پہنچ کر امیر المومنین سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ جب اجازت مل گئی تو وزیر اندر گیا اور اس کے آگے زمین چوم کر اسے افرنجہ کے بادشاہ کا خط پیش کیا اور اس کے ساتھ وہ تحفے تحائف بھی' جو امیر المومنین کے قابل تھے۔ جب امیر المومنین نے خط کھول کر پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا تو فوراً اپنے وزیروں کو حکم دے دیا کہ تمام اسلامی ممالک میں خط لکھے جائیں وزیروں نے خطوط لکھے' مریم اور نور الدین کے حلئے اور دونوں کے نام لکھے اور یہ کہ وہ بھاگ کر آئے ہیں جو کوئی انہیں پکڑے امیر المومنین کے پاس بھیج دے اور خبردار اس میں نہ سستی کی جائے نہ

غفلت' خطوط پر مہر لگی اور وہ پیادوں کے ہاتھ ہر صورت میں روانہ کر دیئے گئے۔
یہ تو ان بادشاہوں کا قصہ ہوا' اب نور الدین مصری اور افرنجہ کے بادشاہ کی بیٹی مریم زناریہ کی داستان سنو۔ بادشاہ اور اس کے لشکر کے بھاگنے کے بعد انہوں نے فوراً سوار ہو کر شام کی راہ لی' خدا نے ان کی پردہ پوشی کی اور وہ دمشق پہنچ گئے۔ لیکن خلیفہ کے فرستادے ان سے ایک دن پہلے وہاں پہنچ چکے تھے اور دمشق کے والی کو معلوم ہو چکا تھا کہ یہ اس کا فرض ہے کہ وہ دونوں جب کبھی اسے ملیں وہ انہیں پکڑ کر خلیفہ کے پاس بھیج دے۔ جوں ہی دونوں دمشق میں داخل ہوئے جاسوسوں نے ان کے پاس جا کر ان کے نام پوچھے' انہوں نے ٹھیک ٹھاک بتا دیا اور اپنا سارا قصہ سنا دیا۔ جاسوسوں کو معلوم ہو گیا کہ دونوں یہی ہیں وہ انہیں پکڑ کر دمشق کے والی کے پاس لے گئے اور والی نے انہیں دارالسلام بغداد بھجوا دیا۔ بغداد پہنچ کر انہوں نے امیر المومنین ہارون الرشید سے ملنے کی اجازت مانگی اجازت ملنے کے بعد وہ اس کے پاس آئے اور اس کے آگے زمین چومی اور کہا اے امیر المومنین یہ ہے افرنجہ کے بادشاہ کی بیٹی مریم زناریہ اور یہ ہے کہ مصری تاجر تاج الدین کا بیٹا نور الدین جس نے اسے خراب کیا ہے اور اسے اس کے وطن سے چرا کر دمشق لایا ہے۔ ان کے داخل ہوتے ہی ہم نے انہیں پکڑا اور ان کے نام پوچھے انہوں نے سچ سچ بتا دیا۔ اس کے بعد ہم انہیں لے تیری خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔
امیر المومنین کی نظر مریم پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ اس کا قد درمیانہ بدن سڈول اور باتیں میٹھی ہیں اس جیسی حسین دنیا میں نہ ہو گی' علاوہ بریں اس کے چہرے سے بہادری ٹپکتی ہے۔ خلیفہ کے قریب پہنچ کر مریم نے اس کے آگے زمین چومی اور دعا دی کہ خدا اس کی عزت اور نعمتیں قائم رکھے اور اسے آفتوں سے بچائے! خلیفہ کو اس کی خوب صورتی اور شیریں زبانی پر تعجب ہوا اس نے پوچھا کہ تو ہی مریم زناریہ ہے جو افرنجہ کے بادشاہ کی بیٹی ہے؟ مریم نے کہا ہاں امیر المومنین' موحدین کے امام' دین کی پشت و پناہ اور رسول اللہ کے چچا زاد بھائی۔ اب خلیفہ نے علی نور الدین کی طرف نظر

اٹھائی دیکھا کہ وہ بڑا خوش رو اور خوب صورت جوان ہے گویا چودھویں رات کا چاند' خلیفہ نے پوچھا نور الدین علی تو ہی ہے جو تاجر تاج الدین کا بیٹا اور قیدی ہے؟ اس نے کہا اے امیر المومنین! ہاں۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تو اس لڑکی کو اس کے باپ کے ملک سے کیوں بھگا لایا؟ اس پر نور الدین نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ یہ قصہ سن کر خلیفہ کو بڑا اچنبھا ہوا اور خوشی بھی ہوئی اور وہ کہنے لگا کہ مرد کیا کیا تکلیفیں جھیلتے ہیں!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• آٹھ سو چورانوے ویں رات

آٹھ سو چورانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- خلیفہ ہارون الرشید کو نور الدین کا قصہ سن کر بڑا تعجب ہوا' اس نے شہزادی مریم کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے مریم' سن تیرے متعلق تیرے باپ افرنجہ کے بادشاہ نے مجھے لکھا ہے' تو کیا کہتی ہے؟ مریم نے کہا اے زمین پر خدا کے خلیفہ اور نبی کی سنتوں اور فرضوں کے قائم کرنے والے' خدا تجھے ہمیشہ نعمتوں میں رکھے اور تکلیفوں سے بچائے! تو خدا کی زمین پر اس کا نائب ہے اور میں تمہارے دین میں داخل ہو چکی ہوں کیونکہ وہی مضبوط اور صحیح دین ہے اور میں نے کافروں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو مسیح پر بہتان لگاتے ہیں۔ میں خدا پر اور ان چیزوں پر جو اس کا رسول لایا ہے ایمان رکھتی ہوں' پاک خدا کی پرستش کرتی ہوں' اس کی توحید کی قائل ہوں' اس کے آگے عاجزی سے سجدہ کرتی ہوں اس کی بزرگی بیان کرتی ہوں اور خلیبفہ کے سامنے اس بات کا اقرار کرتی ہوں کہ سوائے خدا کے اور کوئی معبود نہیں اور محمد خدا کے رسول ہیں جنہیں اس نے ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دکھائے خواہ مشرکین کتنا ہی برا کیوں نہ مانیں۔ اے امیر المومنین کیا تیرا دل یہ گوارا کر سکتا ہے کہ ملحدوں کے بادشاہ کے لکھنے پر تو مجھے کافروں کے ملک کو بھیج دے جو خدا کے ساتھ شرک' صلیب کی تعظیم اور بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور عیسی کی الوہیت کے قائل ہیں حالانکہ وہ مخلوق ہے! اے خدا کے نائب' اگر تو نے ایسا کیا تو میں حشر کے دن خدا کے آگے تیرا دامن پکڑوں گی اور تیرے چچیرے بھائی رسول اللہ کے آگے تیری شکایت کروں گی اور "وہ' وہ دن ہو گا کہ نہ مال کام آئے گا نہ اولاد' اگر کوئی چیز کام آئے گی تو انسان کا سچا دل۔" امیر المومنین نے کہا اے مریم! خدا نہ کرے کہ میں ایسا کروں۔ میں ایک مسلمہ موحد کو ایسی جگہ کیسے بھیج سکتا ہوں جہاں خدا اور اسکے رسول نے منع

کیا ہو! مریم بولی میں اقرار کرتی ہوں کہ سوائے خدا کے اور کوئی معبود نہیں اور یہ بھی اقرار کرتی ہوں کہ محمد اس کے رسول ہیں۔ امیر المومنین نے کہا' مریم' خدا تجھے برکت دے اور اسلام کی طرف اور زیادہ ہدایت کرے۔ چونکہ تو مسلمان ہو گئی ہے تیرا ہم پر حق ہو گیا ہے اور وہ یہ کہ میں تیرے ساتھ کبھی ناانصافی نہ کروں گا خواہ تیرے بدلے مجھے زمین بھر سونا اور جواہرات ہی کیوں نہ مل رہے ہوں۔ تو اطمینان رکھ اور بالکل غم نہ کر کیا تو اس پر راضی ہے کہ یہ جوان علی مصری تیرا شوہر اور تو اس کی بیوی' مریم بولی میں کیونکر راضی نہ ہوں گی کہ یہ میرا شوہر ہو! اسی نے تو اپنے مال سے مجھے مول لیا ہے اور میرے اوپر بڑے بڑے احسان کئے ہیں' منجملہ ان کے وہ میری خاطر کئی بار اپنی جان پر کھیل چکا ہے۔

امیر المومنین نے لڑکی کی شادی نور الدین سے کر دی اس کا مہر باندھا اور شادی کے دن قاضی اور گواہوں کو بلوا کر اس کا نکاح نامہ لکھوا دیا' وہ دن دیکھنے کے قابل تھا۔

اب امیر المومنین روم کے بادشاہ کے وزیر کی طرف مخاطب ہوا جو اس وقت وہاں موجود تھا اور اس سے کہنے لگا تو نے اس کی باتیں سنیں؟ وہ اب مسلمان ہے اور میں اسے اس کے باپ کے پاس جو کافر ہے کیونکر بھیج سکتا ہوں' وہ اس کے ساتھ برا سلوک اور اس پر ظلم کرے گا خاص کر اس وجہ سے کہ اس نے اس کے بیٹوں کو قتل کیا ہے' اور قیامت کے دن اس کا گناہ میری گردن پر ہو گا! لہٰذا تو اپنے وطن واپس جا کر بادشاہ سے کہہ دے کہ یہ باتیں جانے دے اور بیٹی سے ہاتھ دھو بیٹھ۔ وزیر بے وقوف تو تھا ہی کہنے لگا اے امیر المومنین! قسم ہے مسیح اور سچے دین کی کہ میں بغیر مریم کو لئے واپس نہیں جا سکتا خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو گئی ہو' اگر میں بے اس کے گیا تو بادشہ مجھے مار ڈالے گا۔ خلیفہ بولا کہ پکڑو اس مردود کو' اسے قتل کر دو اور جلا دو۔ شہزادی مریم بولی اے امیر المومنین' اس مردود کے خون سے اپنی تلوار گندی نہ کر اور خود تلوار کھینچ کر اس پر ایسا وار کیا کہ سر تن سے جدا ہو گیا اور

وہ جہنم واصل ہوا۔ خلیفہ کو اس کی پھرتی اور دلیری پر بڑا تعجب ہوا اس کے بعد خلیفہ نے نور الدین کو خلعت بخشا اور دونوں کے لئے خاص اپنے محل میں ایک حصہ عنایت کیا' اور ان کا ماہانہ اور روزینہ مقرر کر دیا اور حکم دے دیا کہ ان کے لئے تمام ضروری چیزیں کپڑے' فرش اور نفیس برتن مہیا کر دیئے جائیں غرض کہ وہ بغداد میں نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگے۔

اس کے بعد نور الدین کو اپنے ماں باپ سے ملنے کا اشتیاق ہوا اس نے خلیفہ سے اجازت چاہی کہ وہ اپنے وطن جا کر عزیز و اقارب سے ملے اور مریم کو بھی بلا کر خلیفہ کے سامنے پیش کیا۔ خلیفہ نے اجازت دے۔ قیمتی ہدیئے اور تحفے ان کے ساتھ کر دیئے' دونوں کو ایک دوسرے کی خبر گیری کرنے کی تاکید کر دی اور حکم دیا کہ مصر کے امرا' علما اور روٴسا کو خطوط لکھے جائیں کہ وہ نور الدین' اس کی بیوی اور ماں باپ کی خبر گیری رکھیں اور ان کا احترام کریں۔ جب یہ خبر تاج الدین کو مصر میں پہنچی تو وہ اپنے بیٹے کی واپسی پر بے حد خوش ہوا ماں کو بھی بہت خوشی ہوئی اور خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں سارے بڑے لوگ اس کے خیر مقدم کے لئے گئے اس سے ملے' یہ دن دیکھنے کے قابل تھا کہ سب پیارے آپس میں مل گئے۔ آئے دن کسی نہ کسی امیر کے گھر دعوت ہونے لگی اور سبھوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ نور الدین سے مل کر اس کے والدین بہت خوش ہوئے اور ان کا رنج و غم دور ہو گیا' اس طرح وہ شہزادی مریم سے مل کر بے حد خوش ہوئے' اس کی بڑی عزت کی۔ ہر دن ان کے لئے عید کا دن تھا وہ نہایت عیش و عشرت سے دن گزارنے لگے یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتربتر کرنے والی' گھروں اور محلوں کو اجاڑنے اور قبروں کو آباد کرنے والے موت آ پہنچی۔ وہ دنیا سے چل بسے اور ان کا شمار مردوں میں ہو گیا۔ پاک ہے وہ ذات جو زندہ ہے اور کبھی مرتی نہیں اور جس کے ہاتھ میں حکومت کی کنجیاں ہیں.......

○ مصری شوہر اور فرنگن بیوی کی کہانی

قاہرہ کا والی امیر شجاع الدین بیان کرتا ہے کہ ہم نے ایک رات صعید مصر میں ایک شخص کے ساتھ گزاری۔ اس نے ہماری دعوت کی اور ہمارا بہت احترام کیا۔ یہ شخص گندم گوں کیا بلکہ خاصا سیاہ فام اور بوڑھا تھا مگر اس کے چھوٹے چھوٹے بچے گورے اور سرخی مائل تھے۔ ہم نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ تیرے بچے گورے ہیں اور تو سیاہ؟ اس نے جواب دیا کہ ان کی ماں فرنگن ہے اور یہ عجیب و غریب قصہ ہے ہم نے کہا کہ کیا تو ہمیں یہ قصہ بتا سکتا ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ سنو میں نے ایک بار اس شہر میں سن کی کھیتی کی' جب وہ تیار ہو گئی تو اسے کاٹا اور بنایا۔ اس میں میرے پانچ سو دینار صرف ہوئے لیکن جب میں اسے بیچنے لگا تو اس سے زیادہ دام کسی نے نہ لگائے۔ لوگوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اسے عکا لے جاؤں' وہاں مجھے فائدہ ہو گا۔ اس وقت عکا فرنگیوں کے ہاتھ میں تھا۔ میں سن لے کر عکا گیا۔ اوراس میں سے تھوڑا سا چھ مہینے کی میعاد پر بیچا۔ اسی اثنا میں ایک فرنگن میرے پاس سن خریدنے آئی' فرنگنوں کا دستور ہے کہ بازار میں بے نقاب پھرتی ہیں۔ اس کا حسن دیکھ کر میں دنگ رہ گیا اس کے ہاتھ میں نے کچھ مال ادھار بیچا اور وہ لے کر چل دی تھوڑے دنوں کے بعد وہ پھر میرے پاس آئی پھر میں نے اس کے ہاتھ ادھار بیچا لیکن پہلے سے بھی زیادہ مدت کے لئے۔ اب وہ بار بار آنے لگی۔ اور تاڑ گئی کہ میں اسے چاہتا ہوں۔ وہ ہمیشہ ایک بڑھیا کے ساتھ آیا کرتی تھی' میں نے بڑھیا سے کہا کہ میں اس کی محبت میں گرفتار ہو گیاہوں' کیا تو کسی ترکیب سے میرا وصال اس سے کرا سکتی ہے؟ اس نے جواب دیا میں ترکیب تو نکال سکتی ہوں لیکن یہ بھید ہم تینوں سے باہر نہ جانے پائے۔ علاوہ اس کے تجھے کچھ دام بھی خرچ کرنے پڑیں گے۔ میں نے کہا اگر مجھے اپنی جان بھی دے دینی پڑے تو کم ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو پچانوے ویں رات

آٹھ سو پچانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ اس شخص نے کہا اگر مجھے جان بھی دینی پڑے تو دریغ نہ کروں گا۔ اب یہ فیصلہ ہوا کہ وہ بڑھیا کو پچاس دینار دے دے اور لڑکی اس کے پاس آئے۔ اسنے پچاس دینار نکال کر اسے دے دیئے۔ جب بڑھیا نے دینار لے لئے تو کہنے لگی کہ آج رات کو وہ تیرے ہاں آئے گی' اس کے لئے کوئی جگہ اپنے گھر میں آراستہ کر رکھیو۔ اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے جا کر اپنی حیثیت کے مطابق کھانا پینا اور موم بتیاں تیار کیں۔ میرا مکان سمندر کے کنارے تھااور زمانہ گرمیوں کا' اس لئے میں نے چھت پر فرش بچھایا' فرنگن آئی ہم نے کھایا پیا اور جب رات زیادہ گزری تو ہم وہیں آسمان کے نیچے لیٹ گئے۔ چاند ہمارے اوپر چمک رہا تھا اور سمندر میں تاروں کے عکس ہمیں دکھائی دے رہے تھے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا تجھے خدا کے آگے شرم نہیں آتی کہ تو پردیسی آسمان کے نیچے اور سمندر کے کنارے ہو کر ایک فرنگن کے ساتھ خدا کی نافرمانی کرتا اور دوزخ کے عذاب کا مستحق بنتا ہے۔ خداوندا! میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ تیری شرم اور تیرے عذاب کے ڈر سے میں آج رات اس فرنگن کے ساتھ گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا۔ یہ کہہ کر میں صبح تک سوتا رہا' وہ صبح کو ناراض ہو کر اٹھی اور اپنے گھر چلی گئی میں اپنی دکان پر جا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں وہ اور بڑھیا دونوں میرے پاس سے گزریں' وہ طیش میں بھری ہوئی تھی اور اس کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میں بے حال ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا تو ایسا کہاں کا آیا جو اس لڑکی سے کنارہ کشی کرتا ہے؟ کیا تو سری مقطی ہے یا بشرحافی' جنید بغدادی یا فضیل بن عیاض؟ یہ کہہ کر میں بڑھیا کے پاس گیا اور کہا کہ اسے دوبارہ میرے ہاں لا۔ بڑھیا

بولی کہ مسیح کی قسم میں سو دینار سے کم میں اسے نہ لاؤں گی۔ میں نے اسے سو دینار دے دیئے اور وہ اسے پھر لے آئی۔ لیکن جب وہ میرے پاس آئی تو میں پھر وہی سوچ کر گناہ سے باز آیا اور اسے خدا کے ڈر سے چھوڑ دیا۔

صبح کو حسب معمول میں پھر اپنی دکان پر جا بیٹھا۔ بیٹھا ہی تھا کہ وہ بڑھیا تیوری چڑھائے میری دکان کے سامنے سے گزری۔ میں نے کہا اسے ایک دفعہ اور لے آیا وہ بولی اب پانچ سو دینار سے کم میں تو اس کی صورت نہیں دیکھ سکتا۔ میں یہ سن کر کانپ اٹھا اور پکا ارادہ کر لیا کہ سن کے تمام دام لے کر اپنی جان کے فدیئے میں دے دوں گا۔ اتنے میں ایک منادی ڈھنڈورا پیٹتا ہوا آیا کہ اے مسلمانو! جو وقتی صلح ہمارے اور تمہارے درمیان تھی ختم ہو گئی' اب جتنے تم میں سے یہاں باقی ہیں انہیں ہم ایک ہفتے کی مہلت دیتے ہیں تا کہ وہ اپنا کاروبار ختم کرکے اپنے اپنے ملکوں کو چلے جائیں۔ اس صورت میں اس لڑکی کا آنا جانا بھی معدوم اور میں اپنے سن کے دام لوگوں سے وصول کرنے لگا جسے میں نے ادھار بیچا تھا' جتنے دام وصول ہوسکے وصول کئے اور جو باقی رہ گئے ان کے بدلے دوسرا مال لے لیا۔ غرض کہ عکا سے عمدہ عمدہ مال لے کر چل دیا مگر دل میں اسی فرنگن کی لو لگی رہی کیونکہ وہ میرے دل اور مال دونوں پر قبضہ کر چکی تھی' دمشق پہنچ کر سامان خوب مہنگا بیچا۔ صلح کے ختم ہو جانے کی وجہ سے وہ چیزیں بہت مہنگی ہو گئی تھیں' خدا نے مجھے بہت فائدہ دیا۔ اب میں نے ان کنیزوں کی تجارت شروع کر دی جو لڑائی میں پکڑی گئی تھیں تا کہ اس فرنگن کی طرف سے مجھے تسکین ہو جائے اور تین سال تک اسی کام میں لگا رہا۔ اس کے بعد جو ماجرا ملک ناصر کو فرنگیوں کے ساتھ پیش آیا سب جانتے ہیں۔ خدا نے اسے ان پر فتح دی اور اس نے ان کے تمام بادشاہوں کو گرفتار کرکے خدا کے حکم سے سمندر کے کنارے کا تمام ملک اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس اثنا میں ایسا اتفاق ہوا کہ ایک شخص ملک ناصر کے لئے ایک کنیز خریدنے میرے پاس آیا۔ میرے پاس ایک نہایت حسین کنیز تھی اسے میں نے پیش

کیا اور اس شخص نے اسے سو دینار میں خرید لیا۔ نوے دینار تو اس نے نقد ادا کر دیئے اور دس باقی رہے' اس وقت شاہی خزانے میں روپے کی کمی تھی کیونکہ سارا مال فرنگیوں کی لڑائی میں خرچ ہو چکا تھا جب بادشاہ کو یہ خبر ملی تو اس نے کہا اسے وہاں لے جاؤ جہاں قیدی لڑکیاں ہیں اور دس دینار کے بدلے ایک فرنگن لڑکی پسند کر لینے دو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو چھیانوے ویں رات

آٹھ سو چھیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملک ناصر نے حکم دیا کہ میں ایک کنیز پسند کر لوں' لوگ مجھے وہاں لے گئے جہاں قیدی لڑکیاں تھیں۔ کنیزوں کو دیکھتے دیکھتے میری نظر اسی فرنگن لڑکی پر جا پڑی جس سے مجھے محبت تھی اور میں اسے پہچان گیا۔ وہ ایک فرنگی شہسوار کی بیوی تھی' میں نے ان سے کہا کہ اسے مجھ کو دے دو جب میں اسے لے کر اپنے خیمے میں آیا تو میں نے پوچھا کیا تو مجھے پہچانتی ہے؟ وہ بولی نہیں۔ میں نے کہا میں وہی تیرا دوست تاجر ہوں جو سن کی تجارت کرتا تھا میرے اور تیرے درمیان کچھ باتیں پیش آ چکی ہیں تو مجھ سے ڈیڑھ سو دینار بھی لے چکی ہے۔ بلکہ پانچ دینار اور لینے کی امید رکھتی تھی اب میں نے دس دینار میں تجھے خرید لیا ہے۔ وہ بولی کہ یہ تیرے سچے دین کی بدولت ہے' میں اقرار کرتی ہوں کہ خدا کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں اور محمد خدا کے رسول ہیں۔ غرض وہ مسلمان ہو گئی اور بہت اچھی مسلمان ہوئی۔ اب میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا کی قسم جب تک میں اسے آزاد کرکے قاضی کو خبر نہ کر لوں اس سے ہم بستر نہ ہوں گا۔ میں نے جا کر ابن شداد سے سارا ماجرا بیان کیا اوراس نے نکاح پڑھا دیا۔ میں اس سے ہم بستر ہوا اور وہ حاملہ ہو گئی۔ اس کے بعد لشکر روانہ ہو گیا اور ہم لوگ دمشق چلے گئے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد دونوں طرف سے معاہدے کی رو سے تمام قیدی مرد اور عورتیں واپس دے دی گئیں سوائے اس عورت کے جو میرے پاس تھی کوئی باقی نہ رہی۔ اب لوگ کہنے لگے کہ فلاں شہسوار کی بیوی نہیں آئی۔ اس کے متعلق پوچھ گچھ اور بڑی جستجو ہونے لگی۔ لوگوں نے خبر دی کہ وہ میرے پاس ہے انہوں نے اسے مجھ سے مانگا۔ میں اس کے پاس نہایت پریشان حالت میں پہنچا میرا رنگ فق

تھا۔ اس نے پوچھا کہ تجھے کیا ہوا؟ میں نے کہا بادشاہ کا فرستادہ قیدیوں کو لینے آیا ہے اور تجھے بھی مجھ سے لینا چاہتا ہے۔ وہ بولی کہ گھبرا نہیں مجھے بادشاہ کے پاس لے چل' میں جانتی ہوں کہ اس سے کیا کہنا چاہیے۔

مصری کا بیان ہے کہ میں اسے لے کر سلطان ملک ناصر کے پاس گیا دیکھا کہ فرنگیوں کے بادشاہ کا ایلچی اس کے دائیں طرف بیٹھا ہوا ہے' میں نے کہا یہی وہ عورت ہے جو میرے پاس ہے۔ ملک ناصر نے ایلچی کے سامنے اس سے پوچھا کہ تو اپنے وطن جانا چاہتی ہے یا اپنے شوہر کے ساتھ رہنا چاہتی ہے' خدا نے تم سب کو آزاد کر دیا ہے۔ عورت نے سلطان سے کہا کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں اور میرا پیٹ دیکھ کہ حاملہ ہوں' اب میرا وجود فرنگیوں کے لئے بیکار ہے ایلچی نے کہا کون تجھے زیادہ عزیز ہے یہ مسلمان یا فلاں شہسوار جو تیرا شوہر ہے؟ اس نے وہی جواب دیا جو سلطان کو دیا تھا۔ ایلچی نے اپنے ساتھ والے فرنگیوں سے کہا کہ تم نے سن لیا کہ یہ کیا کہتی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں' ایلچی نے مجھ سے کہا کہ تو اپنی بیوی کو لے جا۔ میں ابھی چند قدم گیا ہوں گا کہ ایلچی نے مجھے واپس بلوایا اور کہا کہ لڑکی کی ماں نے میرے ہاتھ اس کے لئے ایک امانت یہ کہہ کر بھیجی ہے کہ میری بیٹی قید میں ہے اس کے پاس پہننے کو کپڑے نہیں' میں چاہتی ہوں کہ تو اسے یہ شندوق پہنچا دے۔ لہٰذا یہ صندوق بھی لیتا جا۔ میں نے صندوق لے لیا اور گھر پہنچ کر جب اسے کھولا تو دیکھا کہ اس کے کپڑے اسی طرح رکھے ہیں جیسے وہ چھوڑ آئی تھی اور دونوں توڑے بھی ایک پچاس اور دوسرا سو دینار کا اس میں رکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح بندھے ہوئے ان میں کوئی تغیر نہیں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ یہ اسی کے بچے ہیں اور وہ ابھی زندہ ہے۔ اسی نے یہ کھانا تمہارے لئے پکایا ہے۔ یہ قصہ سن کر ہمیں سخت تعجب ہوا اور بڑا لطف آیا' خدا بہتر جاننے والا ہے۔

ایک مال دار بغدادی اور اس کی کنیز کی کہانی

پرانے زمانے کا ذکر ہے بغداد میں ایک امیرزادہ رہتا تھا جس نے اپنے باپ سے بہت بڑی میراث پائی تھی۔ اسے ایک کنیز سے عشق تھا کنیز کو بھی اس سے ایسی ہی محبت تھی جیسے اسے کنیز سے۔ اس نے کنیز کے اوپر اتنا خرچ کیا کہ تمام مال و دولت ختم ہو گیا۔ اب اس نے چاہا کہ کوئی کام کرے لیکن کام بھی اسے نہ ملا۔ جب یہ جوان مال دار تھا تو وہ موسیقی کے استادوں کے پاس اٹھتا بیٹھتا۔ اسے اس فن میں کافی مہارت ہو گئی تھی۔ اس کے بعض دوستوں نے اسے مشورہ دیا کہ تیرے اور تیری کنیز کے لئے بہترین پیشہ یہ ہے کہ تم گایا کرو۔ اس سے تو بہت کچھ کما لے گا اور کھانے پینے کا سامان ہو جائے گا لیکن نہ اس نے اسے پسند کیا نہ کنیز نے بلکہ کنیز نے اس سے کہا میری رائے یہ ہے کہ تو مجھے بیچ ڈال اور ہم دونوں اس مصیبت سے چھٹ جائیں۔ جو شخص مجھ جیسی کو مول لے گا وہ ضرور مال دار ہو گا اور جب عیش و عشرت میں رہنے لگوں گی تو کسی نہ کسی تدبیر سے پھر تیرے پاس آ جاؤں گی۔ چنانچہ وہ کنیز کو بازار لے گیا۔ جس شخص کی نظر سب سے پہلے اس پر پڑی وہ بصرے کا رہنے والا ایک ہاشمی تھا بڑا ادیب' شریف اور سخی آدمی' اس نے ڈیڑھ ہزار دینار میں اسے خرید لیا۔ کنیز کے مالک کا بیان ہے کہ دام لے کر میں بہت پچھتایا۔ میں اور کنیز دونوں رونے لگے میں نے چاہا کہ سودا واپس ہو جائے لیکن خریدار راضی نہ ہوا۔ ناچار میں نے دیناروں کو تھیلی میں رکھ لیا' میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جاؤں کیونکہ گھر میں اس کے بغیر کیا جی لگتا' میں اتنا رویا پیٹا کہ کبھی ایسا نہ کیا ہو گا اور ایک مسجد میں جا کر بیٹھ گیا' مجھے اپنے تن بدن کی خبر نہ رہی' تھیلی کو تکیے کی جگہ سر کے نیچے رکھ کر لیٹ رہا نیند آ گئی اسی بے خبری کی حالت میں کوئی شخص تھیلی کو میرے سر کے نیچے سے نکال کر بھاگا میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا کہ تھیلی غائب ہے اس

کے پیچھے دوڑنا چاہا لیکن میرے پاؤں میں رسی بندھی ہوئی تھی منہ کے بل گر پڑا رونے پیٹنے اور اپنے دل میں کہنے لگا تیری جان بھی گئی اور مال بھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

آٹھ سو ستانوے ویں رات

آٹھ سو ستانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جوان نے کہا کہ جان بھی گئی اور مال بھی اور میری حالت اتنی ابتر ہوئی کہ میں دجلہ پہنچا' اور منہ پر کپڑا لپیٹ دریا میں کود پڑا۔ آس پاس کے لوگ سمجھ گئے کہ کسی بڑی مصیبت کی وجہ سے میں نے یہ حرکت کی ہے وہ میرے پیچھے کود پڑے اور مجھے باہر نکال لائے اور مجھ سے وجہ پوچھی میں نے اپنا قصہ سنایا تو انہیں بہت افسوس ہوا اور ایک بوڑھے شخص نے میرے پاس آ کر کہا کہ تیرا مال تو جا چکا ہے' اب تو اپنی جان کھو کر کیوں جہنمی بنتا ہے؟ میرے ساتھ چل کر اپنا گھر دکھا میں نے اس کے کہنے کی تعمیل کی جب ہم گھر پہنچے تو کچھ دیر تک وہ میرے ہاں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ مجھے ذرا تسکین ہوئی میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہ چلا گیا۔ وہ چلا گیا تو پھر وحشت نے عود کیا قریب تھا کہ میں خودکشی کر لوں لیکن مجھے آخرت اور دوزخ کی یاد آ گئی او میں اپنے گھر سے بھاگ کر ایک دوست کے پاس پہنچا اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اسے مجھ پر بہت ترس آیا وہ رونے لگا اور اس نے مجھے پچاس دینار دے کر کہا کہ میری رائے مان فوراً بغداد چلا جا اور جب تک لڑکی کی محبت تیرے دل سے نکل نہ جائے انہیں خرچ کر۔ تو' تو منشیوں کی اولاد میں سے ہے' تیرا خط بہت عمدہ ہے تو ادب میں ماہر ہے' جس والی کے پاس تیرا جی چاہے اس کے ساتھ لگا رہ' ممکن ہے کہ خدا تجھے تیری کنیز سے ملا دے۔ میں نے اس کی رائے مان لی' میرا دل مضبوط ہو گیا غم و رنج میں کمی آئی اور میں نے واسط جانے کا ارادہ کر لیا کیونکہ وہاں میرے عزیز و اقارب تھے سمندر کے کنارے پہنچ کر میں نے دیکھا کہ ایک جہاز لنگر ڈالے کھڑا ہے اور ملاح اس میں سامان لاد رہے ہیں۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ جہاز ایک ہاشمی کا ہے اس پوشاک میں ہم تجھے نہیں

لے جا سکتے۔ میں نے انہیں کرائے کا لالچ دیا وہ بولے اگر تو جانے پر تلا ہوا ہے تو اس نفیس پوشاک کو اتار ڈال اور ملاحوں کے کپڑے پہن کر ہمارے ساتھ ہو جا۔ گویا

تو بھی ملاح ہے۔ میں نے جا کر ملاحوں کا لباس خرید اور اسے پہن کر جہاز پر چڑھ گیا۔ یہ جہاز بصرے جا رہا تھا' مجھے وہاں بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ میں نے دیکھا اس جہاز میں وہی میری کنیز ہے اور دو باندیاں اس کی خدمت کر رہی ہیں۔ اب میری پریشانی ذرا دور ہوئی اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ کم از کم بصرے تک تو میں اس کی صورت دیکھوں اور اس کا گانا سنوں گا۔ اتنے میں وہی ہاشمی چند لوگوں کے ساتھ سوار آ پہنچا سب جہاز پر بیٹھ گئے اور جہاز چل نکلا۔
اس کے بعد ہاشمی نے کھانا نکالا اس نے کنیز نے اور سب لوگوں نے کھایا' ہاشمی نے کنیز سے کہا آخر کب تک تو نہ گائے گی اور گریہ و زاری کرتی رہے گی؟ تو ہی انوکھی تو نہیں جو اپنے محبوب سے جدا ہوئی ہو۔ یہ باتیں سن کر مجھے یقین آ گیا کہ اسے مجھ سے اب تک کتنی محبت ہے۔ اب ہاشمی نے کنیز کے سامنے پردہ ڈال دیا اور ان لوگوں کو بلا کر جو میری طرف تھے پردے کے باہر بیٹھ گیا۔ میں نے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں معلوم ہوا کہ اس کے بھائی بند ہیں۔ وہ ان کے لئے ضروری چیزیں مثلاً شراب اور خشک میوہ نکال کر لایا سب کے سب کنیز سے گانے بجانے کا اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اس نے سارنگی منگا کر اسے ٹھیک ٹھاک کیا اور گانے لگی۔ گاتے گاتے اس کا دل بھر آیا اس نے سارنگی پھینک دی اور گانا بند کردیا۔ لوگوں کا مزا کرکرا ہو گیا اور میں غش کھا کر گر پڑا۔ انہیں گمان ہوا کہ مجھ پر جن چڑھ آیا ہے وہ میرے کان میں آیتیں پڑھنے لگے اور اسے برابر پھسلانے اور گانے پر آمادہ کرتے رہے آخر اس نے سارنگی لے کر دو شعر اور گائے اور غش کھا کر گر پڑی۔ لوگ رونے لگے' میں نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا ملاح مجھے دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ ہاشمی کے ایک غلام نے کہا کہ تم اس دیوانے کو کیوں اپنے ساتھ لائے ہو؟ ایک اور شخص بولا کہ کسی شہر کے پاس پہنچ کر اسے اتار دینا تاکہ ہمیں اس سے نجات ملے۔ یہ

سن کر مجھے بہت رنج ہوا' میں نے اپنے دل میں کہا کہ ان لوگوں کے ہاتھ سے چھٹکارا اسی وقت ہو سکتا ہے جب میں کنیز کو اپنی موجودگی کی خبر کر دوں اور وہ لوگوں کو منع کر دے کہ مجھے نہ اتاریں۔ اب چلتے چلتے ہم ایک گاؤں کے پاس پہنچے' جہاز کے مالک نے لوگوں سے کہا کہ ہمارے ساتھ خشکی پر اترو' لوگ اتر گئے۔ شام کا وقت تھا میں اٹھ کر پردے کے پیچھے گیا اور سارنگی لے کر ایک ایک کرکے راگ بجانے لگا یہاں تک کہ اس راگ پر پہنچا جو لڑکی نے مجھ سے سیکھا تھا اور پھر جہاز میں اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو اٹھانوے ویں رات

آٹھ سو اٹھانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جوان نے کہا کہ میں اپنی جگہ جا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں لوگ بھی خشکی پر سے آ کر جہاز میں اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ اس وقت خشکی اور سمندر پر چاندنی کھیت کئے ہوئے تھی ہاشمی نے کنیز سے کہا کہ خدا کے لئے ہمارا مزا کرکرا نہ کر۔ کنیز نے سارنگی اٹھائی تاروں پر ہاتھ پھیرا اور ایک چیخ ماری' لوگوں کو گمان ہوا کہ اس کی جان نکل گئی۔ وہ بولی کہ میرا استاد اس جہاز میں ہے۔ ہاشمی بولا اگر وہ ہمارے ساتھ ہوتا تو ہم ضرور اس کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے اور اس کی وجہ سے تیرا غم غلط ہو جاتا اور ہم تیرے گانے کا لطف بھی حاصل کرتے' جہاز میں اس کا ہونا ناممکن ہے' لڑکی نے کہا جب تک میرا استاد موجود ہے نہ میں سارنگی بجا سکتی ہوں نہ راگ گا سکتی ہوں۔ ہاشمی بولا اچھا ہم ملاحوں سے پوچھتے ہیں' لڑکی نے کہا ہاں پوچھ' اس نے ملاحوں سے پوچھا کہ کیا تم اپنے ساتھ اور کسی کو بھی لائے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں' میں ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تلاش کا خاتمہ کر دیا جائے اس لئے میں نے ہنس کر کہا میں اس کا استادہوں اور جب میں اس کا آقاتھا تو میں نے اسے کئی راگ سکھائے تھے۔ میری آواز لڑکی کے کان میں پڑی تو وہ کہنے لگی خدا کی قسم یہ تو میرے آقا کی آواز ہے۔ غلام آ کر مجھے ہاشمی کے پاس لے گئے اس نے مجھے پہچان لیا اور کہا ارے یہ تجھے کیا ہو گیا اور تجھ پر کیا مصیبت گزری؟ میں نے اپنی ساری روداد سنا دی اور رونے لگا' ساتھ ہی پردے کے پیچھے سے لڑکی کے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ مجھ پر ترس کھا کر ہاشمی اوراس کے بھائی بند بھی رو پڑے۔ ہاشمی کہنے لگا کہ واللہ میں اب تک نہ لڑکی کے پاس گیا ہوں نہ اس سے ہم بستر ہوا ہوں نہ آج تک اس کا گانا سنا ہے۔ خدا نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے' میں بغداد محض گانا سننے اور امیر المومنین سے اپناوظیفہ لینے گیا تھا

اور مجھے دونوں میں کامیابی ہوئی۔ جب میں اپنے وطن کو لوٹنے لگا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ کوئی بغدادی گانے والا میرے ساتھ رہنا چاہیے اور اس کنیز کو خرید لیا مجھے اس کی بالکل خبر نہ تھی کہ تم دونوں کی یہ حالت ہے۔ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ بصرے پہنچ کر اسے آزاد کر دوں گا اور اس کی شادی تیرے ساتھ کر کے تیرے لئے کافی تنخواہ مقرر کر دوں گا بلکہ کافی سے بھی زیادہ' لیکن اس شرط پر کہ جب میں اس کا گانا سننا چاہوں تو پردہ ڈال کر وہ پردے کے پیچھے گائے' میرے بھائیوں اور مصاحبوں کے ساتھ تو بھی موجود ہو' میں یہ سن کر چپ ہو گیا۔
اس کے بعد ہاشمی نے اپنا سر پردے کے اندر ڈال کر کہا اب تو خوش ہے؟ وہ اسے دعائیں دینے لگی اور اس کی شکرگزار ہوئی۔ پھر اس نے اپنے ایک غلام کو بلا کر کہا کہ اس جوان کا ہاتھ پکڑ کر لے جا اس کے کپڑے اتار کر عمدہ لباس پہنا' عطر لگا اور ہمارے پاس لے آ۔ غلام مجھے لے گیا اور جو کچھ اس کے آقا نے حکم دیا تھا کیا اور پھر مجھے اس کے پاس لے آیا اور جس طرح دونوں کے آگے شراب رکھی گئی میرے آگے بھی رکھی گئی۔ لڑکی نے بہترین گانے گائے سب کو وجد آنے لگا اور مجھے بھی بے حد خوشی ہوئی اب میں نے اس لڑکی سے سارنگی لے کر گانا شروع کیا۔ لوگ میرا گانا بجانا سن کر بہت خوش ہوئے سارے راستے یہی کیفیت رہی' تھوڑی دیر میں گانا اور تھوڑی دیر لڑکی یہاں تک کہ جہاز کنارے پر آ کر ٹھہرا' جہاز نے لنگر ڈال دیا سب لوگ کنارے پر اتر پڑے اور میں بھی اتر پڑا۔ میں نشے میں تو تھا ہی پیشاب کرنے بیٹھا تو نیند آ گئی مسافر جہاز پر بیٹھ کر چل دیئے انہیں میرا پتا بھی نہ چلا کیونکہ وہ بھی نشے میں تھے۔ ادھر وہ بصرے پہنچ گئے ادھر میری آنکھ اسوقت کھلی جب دھوپ تیز ہونے لگی۔ میں نے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا۔ یہ پوچھنا بھول گیا تھا کہ ہاشمی کا نام کیا ہے' اس کا گھر کہاں ہے اور وہ کس لقب سے پکارا جاتا ہے۔ حیران و پریشان تھا اور جو خوشی مجھے لڑکی سے مل کر ہوئی تھی خواب و خیال معلوم ہوتی

تھی۔ اسی پریشانی کی حالت میں ایک بڑا جہاز میرے پاس سے گزرا میں اس میں بیٹھ کر بصرے پہنچا جہاں نہ میں کسی کو پہچانتا تھا اور نہ ہاشمی کا گھر جانتا تھا۔ وہاں ایک

بقال کی دکان پر جا کر میں نے اس سے دوات اور کاغذ مانگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• آٹھ سو ننانوے ویں رات

آٹھ سو ننانوے ویں رات ہوئی تو اے نیک نہاد بادشاہ ------- جوان کا بیان ہے کہ میں دوات اور کاغذ لے کر کچھ لکھنے لگا۔ بقال نے دیکھا کہ میں خوش خط ہوں لیکن میرے کپڑے میلے کچیلے ہیں' اس نے میرا حال دریافت کیا میں نے کہا پردیسی ہوں اور نادار' وہ بولا کیا تو میرے ساتھ رہنا پسند کرے گا؟ میں تجھے کھانا کپڑا اور روزانہ نصف درہم دیا کروں گاتو میری دکان کا حساب کتاب رکھا کیجئو۔ میں نے کہا ہاں اور اس کے پاس ٹھہر گیا اس کی آمدنی اور خرچ کا حساب لکھنے لگا۔ ایک مہینہ ہو گیا تو اس نے دیکھا کہ آمدنی بڑھ گئی ہے اور خرچ کم ہو گیا ہے۔ اس پر اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور میرا روزینہ ایک درہم کر دیا۔ جب ایک سال گزر گیا تو اس نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ میری شادی اپنی بیٹی سے کر دے اور دکان میں مجھے اپنا ساجھی بنا لے۔ میں نے اسے منظور کر لیا اور اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا اور دکان کا کام کاج کرنے لگا۔ باوجود ان سب باتوں کے میں ہمیشہ شکستہ دل رہتا اور میرے چہرے سے غم ظاہر ہوتا۔ بقال شراب پیتا تو مجھے بھی پلاتا لیکن غم کی وجہ سے میں منظور نہ کرتا۔ دو سال تک یہی کیفیت رہی۔ ایک دن جب کہ میں دکان میں بیٹھا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ لوگ کھانا پینا لئے کہیں جا رہے ہیں بقال سے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ اس نے کہا آج کا دن سیر و تفریح کے لئے مخصوص ہے۔ تمام گانے بجانے والے اور امیر زادے سمندر کے کنارے جا کر کھاتے پیتے اور نہرایلہ پر درختوں کے درمیان سیر و تفریح کرتے ہیں۔ میرے دل نے کہا کہ میں بھی جا کر سیر کروں' ممکن ہے کہ جب میں ان لوگوں کو دیکھوں تو میری محبوبہ بھی مل جائے۔ میں نے بقال سے کہا میں بھی سیر و تفریح کے لئے جانا چاہتا ہوں' وہ بولا بہتر ہے' انہیں کے ساتھ چلا جا اور اس نے میرے لئے کھانا پینا تیار کروا دیا میں نہرایلہ پہنچا تو دیکھا کہ لوگ لوٹ رہے ہیں' میں بھی ان کے

ساتھ لوٹ کر آنے لگا اتنے میں میری نظر اس ناخدا پر پڑی جس کی کشتی میں ہاشمی اور کنیز تھے کہ وہ نہرابلہ میں کشتی پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے اسے آواز دی اس نے اور اس کے ساتھیوں نے مجھے پہچان کر اپنے ساتھ بٹھا لیا اور کہنے لگے کہ تو زندہ ہے؟ اور مجھے گلے لگا کر میرا قصہ پوچھنے لگے۔

جب میں اپنا سارا قصہ سنا چکا تو وہ بولا ہمارا خیال تھا کہ نشے کی حالت میں پانی میں ڈوب گیا ہے میں نے ان سے لڑکی کا حال پوچھا انہوں نے بیان کیا کہ جب اسے معلوم ہوا کہ تو کھو گیا ہے تو اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ سارنگی جلا ڈالی۔ رونے پیٹنے لگی۔ ہم بصرے پہنچے تو اس سے کہا کہ یہ رونا دھونا اور غم کرنا جانے دے۔ اس نے کہا میں کالے کپڑے پہنوں گی' اس گھر کے ایک کونے میں ایک قبر بنا کر اس کے پاس بیٹھ رہا کروں گی اور گانے سے توبہ کروں گی۔ ہم نے اس کے لئے یہ سب چیزیں بنا دیں اور وہ آج تک اسی حالت میں ہے۔ یہ کہہ کر وہ مجھے اپنے ساتھ لے چلے وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ واقعی اسی حالت میں ہے۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے ایک چیخ ماری میں سمجھا کہ اس کی جان نکل گئی اور اسے گلے لگا لیا اور دیر تک گلے لگائے رہا۔ ہاشمی نے مجھ سے کہا کہ اسے لے جا' میں نے کہاں ہاں لیکن پہلے اسے آزاد کر دے جیسا کہ تو نے وعدہ کیا تھا اور اس کا نکاح میرے ساتھ پڑھا دے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور ہمیں بہت کچھ عمدہ سامان' لباس' فرش اور پانچ سو دینار دیئے اور کہا کہ یہی رقم میں تجھے ہر مہینے دیا کروں گا' لیکن شرط یہ ہے کہ تو میرا مصاحب رہے اور لڑکی گانا سنایا کرے۔ اس کے بعد اس نے ہمارے لئے ایک گھر خالی کر دیا اور حکم دیا کہ ہماری سب ضروریات کی چیزیں اس میں منتقل کرا دی جائیں' میں لڑکی کو اس میں لے گیا۔ پھر میں نے بقال کے پاس جا کر اپنا قصہ سنایا اور کہا کہ تو مجھے اجازت دے دے کہ میں تیری لڑکی کو بے کسی جرم کے طلاق دے دوں۔ میں نے اس کا مہر بھی واپس کر دیا اور چیزیں بھی جو میرے اوپر واجب تھیں۔ دو

سال تک ہاشمی کے ساتھ رہا خوب مال دار ہو گیا اور میری وہی حالت ہو گئی جو کنیز کے ساتھ بغداد میں تھی۔ خدا نے ہماری مشکل دور کر دی' ہمیں بہت کچھ دیا اور صبر

کے بدلے کامیابی عطا کی۔ واللہ اعلم۔

○ جلی عاد بادشاہ اور اس کے وزیر کی کہانی

کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں ہند کا ایک بادشاہ تھا' جلی عاد نام تھا۔ بہت بلند بالا' خوب صورت' خوش سیرت' سخی اور عظیم الشان' فقیروں پر احسان کرتا' رعیت اور تمام ملک والوں سے محبت رکھتا۔ اس کے ماتحت بہتر بادشاہ تھے اوراس کے ملک میں تین سو پچاس قاضی'اس کے ستر وزیر تھے اور ہر دس سپاہیوں پر ایک سردار' بڑے وزیر کا نام شماس تھا' اس کی عمر بائیس سال کی تھی' وہ بڑا خلیق' نرم زبان' سوچ سمجھ کر جواب دینے والا' ہر بات میں پکا' حکیم' مدبر' باوجود کم سنی کے حکم رانی میں قابل اور علم و ادب میں ماہر' بادشاہ اس سے بے حد محبت کرتا اور اس کی فصاحت' بلاغت اورسیاست دانی کی وجہ سے اس کا بہت گرویدہ تھا اور اس وجہ سے بھی کہ خدا نے اس کے دل میں رحم اور رعیت پروری عطا کی تھی۔ بادشاہ بھی بڑا انصاف پسند تھا' رعیت کی حفاظت' چھوٹوں بڑوں کے ساتھ احسان کرتا اور جس رعایت' بخشش' امان اور اطمینان کی ضرورت انہیں ہوتی اسے مہیا کرتا' رعیت سے خراج کم لیتا' ہر چھوٹے بڑے سے محبت رکھتا' ان کے ساتھ احسان کرتا اور شفقت سے پیش آتا۔ غرض کہ وہ ان کے ساتھ ایسی خوش خلقی سے پیش آتا کہ پہلے کبھی کوئی نہ پیش آیا ہو گا۔ باوجود ان تمام باتوں کے اولاد کی طرف سے بدنصیب تھا۔ جب یہ خیال آتا کہ خدا نے سب کچھ دیا مگر کوئی بیٹا نہیں دیا تو کلیجے پر سانپ سا لوٹ جاتا۔ ایک دن وہ لیٹا ہوا سوچ رہا تھا کہ میرے بعد حکومت و سلطنت کا کیا حشر ہو گا کہ اسے نیند آ گئی اس نے خواب میں

دیکھا کہ وہ ایک درخت کی جڑ میں پانی ڈال رہا ہے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو ویں رات

نو سو ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جلی عاد نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک درخت کی جڑ میں پانی ڈال رہا ہے' اس درخت کے آس پاس اور بہت سے درخت ہیں' اتنے میں اس درخت سے آگ نکلی اور اس نے آس پاس کے تمام درخت جلا دیئے۔ بادشاہ کی خوف سے آنکھ کھل گئی۔ ایک غلام کو بلا کر کہا کہ وزیر کو فوراً بلا لا۔ غلام نے شماس کے پاس جا کر کہا کہ بادشاہ نے تجھے فوراً بلایا ہے' وہ ابھی گھبرایا ہوا نیند سے اٹھا ہے اور مجھے بھیجا ہے کہ تجھے فوراً لے چلوں۔ غلام کی یہ باتیں سن کر شماس فوراً چل کھڑا ہوا' بادشاہ کے پاس پہنچا دیکھا ہ وہ فرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ شماس نے اس کے آگے سجدہ کیا دعا دی کہ اس کی عزت اور نعمتیں قائم و دائم رہیں اور کہنے لگا اے بادشاہ! خدا تجھے کبھی غمگین نہ کرے! آج رات تو نے کیا خواب دیکھا کہ ڈر گیا اور فوراً مجھے بلوایا؟ بادشاہ بولا بیٹھ جا' وہ بیٹھ گیا اور بادشاہ نے خواب بیان کرنا شروع کیا کہ میں نے رات ایسا خواب دیکھا ہے جس سے میں ڈر گیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں ایک درخت کی جڑ میں پانی ڈال رہا ہوں' اس درخت کے آس پاس اور بہت سے درخت ہیں اتنے میں اس درخت کی جڑ سے ایک آگ نکلی اس نے آس پاس کے سارے درخت جلا دیئے۔ یہ خواب دیکھ کر میں سہم گیا' کانپنے لگا اور تجھے بلوا بھیجا کیونکہ تو بڑا ماہر ہے خواب کی تعبیر جانتا ہے۔ بڑا عالم اور دانش مند ہے۔ شماس نے تھوڑی دیر کے لئے سر جھکایا اور پھر مسکرانے لگا۔ بادشاہ نے پوچھا اے شماس تیری سمجھ میں کیا آتا ہے؟ سچ سچ کہہ دے اور مجھ سے کچھ نہ چھپا۔ شماس کہنے لگا اے بادشاہ! خدا نے تیری دعا منظور کر لی اور تیری آنکھیں ٹھنڈی کر دے گا۔ اس خواب کی تعبیر بہت نیک ہے وہ یہ کہ خدا تجھے ایک لڑکا دے گا وہ تیری بڑی عمر کے بعد تیرا وارث ہو گا لیکن اس میں ایک بات ہو گی جس کا بیان کرنا میں

اس وقت مناسب نہیں سمجھتا کیونکہ ابھی اس کی تفصیل کا وقت نہیں آیا ہے۔
یہ سن کر بادشاہ خوش ہو گیا اس کا ڈر جاتا رہا اور کہنے لگا کہ اگر یہ بات ہے تو جب تعبیر پوری بتانے کا وقت آ جائے تو اسے پورا کر دیجیو تاکہ میری خوشی پوری ہو جائے' میں اس سے محض خدا کی مرضی کا خواہاں ہوں۔ شماس نے دیکھا کہ بادشاہ پوری تعبیر سننے پر تلا ہوا ہے تو اس نے کچھ بہانہ کرکے ٹال دیا۔ بادشاہ نے اپنے ملک کے تمام نجومیوں اور تعبیر گوؤں کو بلایا وہ سب حاضر ہوئے تو ان سے اپنا خواب بیان کیا اور کہا میں چاہتاہوں کہ تم اس کی ٹھیک ٹھاک تعبیر بتاؤ۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر بادشاہ سے اجازت مانگی کہ وہ بات کرے۔ بادشاہ نے اسے اجازت دے دی تو اس نے کہا اے بادشاہ سن' تیرا وزیر شماس اس خواب کی تعبیر بتانے سے عاجز نہیں ہے لیکن اس نے اس وجہ سے نہیں بتایا کہ تجھے پریشانی نہ ہو۔ یہ ہے وجہ کہ اس نے پوری تعبیر نہیں بتائی۔ لیکن اگر تو مجھے اجازت دے تو میں کہوں۔ بادشاہ بولا اے تعبیر گو' بلا کم و کاست کہہ ڈال اور سچ سچ بتا۔ تعبیر گو نے کہا تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو گا جو اس وقت تیرا وارث ہو گا جب تو بڑی عمر کو پہنچ چکا ہو گا لیکن رعیت کے ساتھ اس کا برتاؤ وہ نہ ہو گا جو تیرا ہے بلکہ وہ تیرے دستور کے خلاف چلے گا لوگوں پر ظلم کرے گا اور اس کا وہی حشر ہو گا جو چوہے کو بلی کے ساتھ ہوا' خدا اس سے محفوظ رکھے! بادشاہ نے پوچھا کہ بلی اور چوہے کی کیا کہانی ہے؟

○ بلی اور چوہے کی کہانی

تعبیر گو نے کہا خدا بادشاہ کی عمر دراز کرے! ایک بار ایک بلی رات کے وقت ایک جھاڑی میں گئی کہ کچھ شکار مارے لیکن اسے کچھ ہاتھ نہ لگا بلکہ وہ سردی اور بارش کیوجہ سے بیمار اور کمزور ہو گئی اور اپنے دل میں کہنے لگی۔ کہ مطلب نکالنے کے لیے کوئی

چال چلنی چاہیے۔ اتنے میں اسے ایک درخت کے نیچے ایک بل دکھائی دیا وہ اس کے قریب جا کر سونگھنے اور میاؤں میاؤں کرنے لگی یہاں تک کہ اسے پتا چل گیا کہ بل کے اندر ایک چوہا ہے' اردگرد گھومنے لگی اور ارادہ کیا کہ چوہے کو پکڑنے کے لئے اندر گھسے جب چوہے کو یہ معلوم ہوا تو اس نے بلی کی طرف پیٹھ کر کے پاؤں ٹیک لئے تاکہ بل کا منہ بند ہو جائے۔ اور بلی اندر نہ آ سکے۔ یہ دیکھ کر بلی کمزور آواز سے کہنے لگی بھائی تو یہ کیا کرتا ہے؟ میں تو تیرے پاس پناہ لینے آئی ہوں تاکہ تو میرے حال پر رحم کھا کر مجھے آج رات اپنے بل میں رہنے دے۔ بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے میں بیمار ہو گئی ہوں۔ کتنی ہی بار میں نے موت کی دعا مانگی ہے کہ مجھے آرام مل جائے اب میں سردی اور بارش کی ماری تیرے دروازے پر پڑی ہوں اور تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ مہربانی کر اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اندر لے لے اور اپنے بل کے دروازے ہی پر مجھے پڑا رہنے دے' میں پردیسن اور مسکین ہوں مثل ہے کہ جو پردیسی مسکین کو اپنے گھر میں پناہ دیتا ہے قیامت کے روز اسے جنت دی جاتی ہے۔ اے میرے بھائی تو اس بات کا مستحق ہے کہ میرا ثواب لے اور مجھے اجازت دے دے کہ میں آج رات صبح تک تیرے ہاں گزار دوں اور پھر چلتی بنوں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو کے بعد پہلی رات

نو سو کے بعد پہلی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بلی نے چوہے سے کہا میں محض رات گزار کر چلتی بنوں گی۔ بلی کی باتیں سن کر چوہا بولا تو کیسے میرے بل میں آ سکتی ہے! تو تو میری قدرتی دشمن ہے اور تیری غذا میرا گوشت ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ تو مجھے کہیں دھوکہ دے رہی ہو کیونکہ یہ تیری فطرت ہے اور تیرے عہد و پیماں پر کوئی بھروسہ نہیں۔ مثل ہے کہ بداطوار شخص کے سپرد خوبصورت عورت کو نہیں کرنا چاہیے نہ فقیر نادار کے سپرد مال کو' نہ آگ کے سپرد سوکھی لڑکی کو' اس لئے میں اپنے آپ کو تیرے حوالے نہیں کر سکتا۔ عقل مندوں نے بھی کہا ہے کہ جب دشمن کمزور ہو جاتا ہے تو اس کی دشمنی بڑھ جاتی ہے۔ بلی نے نہایت دھیمی آواز اور اداس چہرہ بنا کر کہا تیرا کہنا ٹھیک ہے' میں اس سے انکارنہیں کرتی لیکن درخواست کرتی ہوں کہ پچھلی باتیں معاف کر دے جو میری اور تیری فطری دشمنی کی وجہ سے پیش آئی ہیں بزرگ یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ جو مخلوق دوسری مخلوق کو معاف کر دیتی ہے تو اس کا خالق بھی اس کے گناہ بخش دیتا ہے' میں کل تک تیری دشمن ضرور تھی مگر آج تیری دوستی کی طلب گار ہوں۔ بقول کسی کے کہ اگر تو اپنے دشمن کو دوست بنانا چاہتا ہے تو اس کے ساتھ نیکی کر' اور بھائی' میں تو خدا کے سامنے تجھ سے عہد و پیمان کرتی ہوں کہ میں تجھے کبھی نقصان نہ پہنچاؤں گی۔ علاوہ اس کے اب مجھ میں اس کی طاقت بھی نہیں' اس لئے خدا پر بھروسہ کرکے میرے ساتھ بھلائی کر اور اے میرے بھائی' میرے عہد و پیمان پر بھروسہ رکھ۔ چوہا بولا میں کیسے اس شخص کا عہد و پیمان مان سکتا ہوں جس کی دشمنی میرے ساتھ ازلی ہے اور جس کا دستور ہی مجھے دھوکہ دینا ہو۔ اگر ہماری دشمنی سوائے خون کے اور کسی چیز کی ہوتی تو بھی خیریت

تھی لیکن وہ تو روحوں کے درمیان فطری دشمنی ہے مثل ہے کہ جو کوئی اپنے آپ کو دشمن کے سپرد کردیتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنا ہاتھ کالے سانپ کے منہ میں دے دے۔ بلی نے ناراض ہو کر کہا اب میں پریشان ہو گئی ہوں اور میرا جسم کمزور ہو گیا ہے' نزع کی حالت ہے اور عنقریب تیرے دروازے پر میری جان نکل جائے گی اور یہ گناہ تیری گردن پر ہو گا کیونکہ تو مجھے مصیبت سے نجات دے سکتا ہے اور نہیں دیتا۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔

یہ سن کر چوہا خدا سے ڈرا' اسے ترس آ گیا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ جو خدا سے اپنے دشمن پر مدد لینا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ دشمن کے ساتھ رحم اور نیکی سے پیش آئے۔ میں خدا پر بھروسہ کرکے اس بلی کو مرنے سے بچائے لیتا ہوں تاکہ مجھے اس کا ثواب ملے۔ یہ کہہ کر چوہا باہر نکل آیا اور بلی کو گھسیٹ کر اپنے بل میں لے گیا۔ بلی تھوڑی دیر تک اس کے پاس چپ چاپ بیٹھی رہی یہاں تک کہ اس میں طاقت آ گئی وہ ستا چکی اور ذرا دم لے لیا تو وہ اپنی بیماری' کمزوری اور دوستوں کی کمی پر افسوس کرنے لگی' چوہا اس کو دلاسہ دینے اور اس کی دل جوئی کرنے لگا' اس کے قریب آ کر کبھی بیٹھتا کبھی اس کے آس پاس پھرتا۔ اتنے میں بلی بل کے منہ پر ٹیک لگا کر لیٹ گئی تاکہ چوہا اس کے قبضے میں رہے نکل نہ بھاگے۔ جب چوہا بل سے نکلنے لگا تو ظاہر تھا کہ بلی کے پاس سے گزرے جوں ہی بلی کے قریب آیا اس نے اسے پکڑ کر پنجے میں دبوچ لیا' کاٹنے' جھنجوڑنے' اچھالنے' لڑھکانے نوچنے اور تکلیف دینے لگی۔ اب چوہا خدا سے دہائی مانگنے اور نجات کی درخواست کرنے لگا اور ناراض ہو کر بلی سے کہا کہ وہ عہد و پیماں کہاں گیا جو تو نے باندھا تھا اور کہاں ہوئیں وہ قسمیں جو تو نے کھائی تھیں؟ کیا یہی بدلہ ہے جو تو مجھے دے رہی ہے؟ میں نے تجھے اپنے بل میں داخل کیا اور اپنی جان تیرے سپرد کر دی لیکن کسی نے سچ کہا ہے کہ جو اپنے دشمن کے ساتھ عہد باندھتا ہے وہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ خیر مجھے

اپنے پیدا کرنے والے پر بھروسہ ہے کہ وہ مجھے تیرے پنجے سے چھڑائے گا۔ چوہا یہی کہہ رہا تھا اور بلی ارادہ کر ہی رہی تھی کہ اسے چٹ کر جائے اتنے میں ایک شکاری آ پہنچا جس کے پاس شکاری کتے تھے' ایک کتے نے بل کے پاس آ کر دیکھا کہ اندر لڑائی جھگڑا ہو رہا ہے اس نے خیال کیا کہ بل کے اندر لومڑی کسی چیز کا شکار کر رہی ہو گی۔ یہ سوچ کر کتا نیچے کی طرف دوڑا کہ اس کا شکار کرے اور بلی کو پکڑ کر کھینچا جب بلی کتے کے پنجے میں پھنس گئی تو اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے اس نے چوہے کو چھوڑ دیا جو ابھی زندہ تھا بلکہ گھائل تک نہیں ہوا تھا مگر بلی کو شکاری کتا کھینچ کر باہر نکال لایا اور اس کی گردن توڑ کر پھینک دی' اور یہ مثل ٹھیک اتری کہ جو رحم کرتا ہے اس پر کسی نہ کسی دن رحم کیا جاتا ہے اور جو ظلم کرتا ہے وہ فوراً ظلم کا بدلہ پا لیتا ہے۔

اے بادشاہ! یہ ہے جوان کے ساتھ پیش آیا لہٰذا کسی کو یہ نہ چاہیے کہ بھروسہ کرنے والے کو دغا دے کیونکہ جو شخص دغا دے گا اور خیانت کرے گا اس کا وہی حشر ہو گا جو بلی کا ہوا' جیسی کرنی ویسی بھرنی اور جو نیکی کرے گا اس کا ثواب پائے گا' لیکن اے بادشاہ! افسوس نہ کر اور غمگین نہ ہو کیونکہ ظلم وجور کرنے کے بعد تیرا بیٹا تیری اچھی عادتیں اختیار کر لے گا۔ اور یہ فاضل شماس جو تیرا وزیر ہے چاہتا ہے کہ تجھ سے کوئی ایسی بات نہ چھپائے جس کا تعلق تجھ سے ہے اور اس کا ایسا کرنا بہت ٹھیک ہے کیونکہ مثل مشہور ہے وہی شخص سب سے زیادہ ڈرتا ہے جس کا علم سب سے زیادہ ہو اور جو بھلائی کرنے پر سب سے زیادہ تلا ہوا ہو۔ یہ سن کر بادشاہ قائل ہو گیا اور حکم دیا کہ انہیں بہت انعام دیا جائے۔ بعدازاں بادشاہ نے انہیں رخصت کیا اور اٹھ کر اندر گیااور سوچنے لگا۔ جب رات ہوئی تو وہ اپنی ایک بیوی کے ساتھ ہم بستر ہوا جو اسے سب سے زیادہ عزیز اور پیاری تھی۔ چار ماہ گزرنے کے بعد بچہ اس کے پیٹ میں کلبلانے لگا اسے بے حد خوشی ہوئی اس نے بادشاہ کو خبر دی۔ بادشاہ بولا کہ

میرا خواب ٹھیک نکلا' آئندہ خدا مددگار ہے بادشاہ نے رانی کو بہترین محل رہنے کے لئے دیا' اسے بڑی عزت و حرمت سے رکھا اور اسے بہت کچھ انعام دیا پھر اس نے ایک غلام کو بلا کر کہا' شماس کو بلا لا۔ شماس آیا تو بادشاہ نے اس سے اپنی بیوی کا حاملہ ہونا بیان کیا اور خوش ہو کر کہا کہ میرا خواب ٹھیک نکلا اور میری مراد بر آئی۔ یقین ہے کہ اس حمل سے بیٹا پیدا ہو گا اور میری بادشاہت کا وارث ہو گا۔ اے شماس' تیری کیا رائے ہے؟ شماس چپ رہا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بادشاہ بولا کیا بات ہے کہ تو میری خوشی میں شامل نہیں ہوتا اور مجھے جواب نہیں دیتا؟ اے شماس' کیا یہ بات تجھے بری معلوم ہوتی ہے؟ شماس نے بادشاہ کے آگے سجدہ کرکے کہا اے بادشاہ' خدا تیری عمر دراز کرے! درخت کے سائے میں بیٹھنے سے فائدہ اگر اس میں سے آگ نکلنے لگے! صاف شراب پینے میں کیا مزا اگر وہ گلے میں پھنسی رہے! اور ٹھنڈا میٹھا پانی پینے سے کیا فائدہ اگر پینے والا اس میں ڈوب جائے! اے بادشاہ! میں خدا کا اور تیرا غلام ہوں لیکن مثل ہے کہ تین چیزوں کے بارے میں سمجھدار آدمی کو بات نہیں کرنی چاہیے۔ جب تک وہ پوری نہ ہو جائیں ایک مسافر کے بارے میں جب تک وہ سفر سے لوٹ نہ آئے دوسرے سپاہی کے بارے میں جب تک وہ دشمن کو زیر نہ کر لے' تیسرے حاملہ عورت کے بارے میں جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• نو سو کے بعد دوسری رات

نو سو کے بعد دوسری رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ یہ کہنے کے بعد کہ عقل مندوں کو تین چیزوں کے بارے میں زبان نہیں کھولنی چاہیے جب تک وہ پوری نہ ہو جائیں۔ شماس نے بادشاہ سے کہا اے بادشاہ سن! ادھوری بات کے بارے میں زبان کھولنے والے کی مثال ایسی ہے جیسی اس درویش کی جس کے سر پر گھی الٹ گیا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اس درویش کی کیا کہانی ہے اور اس کے ساتھ کیا گزری؟

○ درویش کی کہانی جس کے سر پر گھی الٹ گیا تھا

شماس نے کہا اے بادشاہ! کسی شہر میں ایک شریف شخص کے ہاں ایک درویش رہتا تھا جسے ہر روز اس شخص کے ہاں سے کھانا ملتا' تین روٹیاں' تھوڑا سا گھی اور شہد' اس شہر میں گھی مہنگا تھا اس لئے وہ درویش گھی کو ایک ہانڈی میں جمع کرتا جاتا یہاں تک کہ وہ بھر گئی' اس نے اس ڈر سے کہ کہیں چوری نہ ہو جائے اپنے اوپر چھینکے میں لٹکا دیا ایک رات جب کہ وہ ڈنڈا لئے اپنے فرش پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ گھی اس شہر میں مہنگا ہے مجھے سب کا سب گھی بیچ کر ایک بھیڑ خریدنی اور اس میں ایک کسان کے ساتھ ساجھا کرنا چاہیے۔ پہلے سال اس کے ایک نر پیدا ہو گا پھر مادہ' دوسرے سال پہلے مادہ پھر نر' پھر ان بھیڑوں کے بھی نر اور مادہ بچے ہوں گے یہاں تک کہ ایک بڑا گلہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد میں اپنا حصہ الگ کر لوں گا اور اس میں سے ایک حصہ بیچ ڈالوں گا اور اس کے داموں سے فلاں زمین مول لوں گا اس میں باغ لگا کر ایک عالی شان محل بنواؤں گا کپڑے اور پوشاکیں بنواؤں گا' غلام اور باندیاں خریدوں گا پھر فلاں تاجر کی بیٹی سے شادی کروں گا اور ایسی ولیمے کی دعوت دوں گا کہ کبھی

نہ ہوئی ہو کیونکہ اس کے لئے میں جانور ذبح کروں گا' عمدہ کھانے' مٹھائیاں' شکر پارے بنواؤں گا اور اس میں موسیقی دانوں' استادوں اور سارے باجوں کو اکٹھا کروں گا۔ پھول' خوشبوئیں او خوش بو دار بوٹیاں مہیا کروں گا۔ تمام امیروں' غریبوں' عالموں' رئیسوں اور حکام کو دعوت دوں گا جو شخص جس چیز کی فرمائش کرے گا لاموجود کروں گا' طرح طرح کے کھانے اور شرابیں منگواؤں گا اور ڈھنڈورا پٹوا دوں گا کہ جس کسی کو جس چیز کی ضرورت ہو لے جائے جب دلہن کی منہ دکھائی ہو چکے گی تو میں اس سے ہم بستر ہوں گا' اسکے حسن و جمال کے مزے لوٹوں گا' خوب کھاؤں گا' پیوں گا اور لطف اٹھاؤں گا اور اپنے دل میں کہوں گا کہ اب میری مراد برآئی اور زہد و عبادت سے چھٹکارا ملا۔ اس کے بعد میری بیوی کو حمل رہ جائے گا اس کے ایک لڑکا پیدا ہو گا' مجھے بڑی خوشی ہو گی' میں دعوتیں دوں گا اور بڑے ناز و نعمت سے اسے پالوں گا اسے حکمت' ادب اور حساب سکھاؤں گا اس کا نام لوگوں میں مشہور کروں گا' مجلسوں میں بیٹھ کر اس پر ناز کروں گا' اسے بھلائی کرنے کا حکم دوں گا اور وہ میری مخالفت نہیں کرے گا' بری باتوں سے اسے روکوں گا اور اسے تنبیہہ کروں گا کہ خدا سے ڈرے' نیکی کرے اور اسے عمدہ عمدہ اور خوب صورت خوبصورت تحفے دوں گا' اگر میں دیکھوں گا کہ وہ خدا کی فرمانبرداری کرتا ہے تو اسے اور زیادہ تحفے تحائف دوں گا اور اگر میں دیکھوں گا کہ وہ گناہ کی طرف مائل ہے تو اسی ڈنڈے سے اس کی خبر لوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے خیالی بیٹے کو مارنے کے لئے ڈنڈا اٹھایا اور وہ جا کر گھی کی ہانڈی پر پڑا جو چھینکے میں لٹک رہی تھی وہ ٹوٹ گئی اس کے ٹکڑے درویش کے سر پر آ کر گرے اور گھی اس کے سر کپڑوں اور داڑھی پر بہنے لگا اور لوگوں نے اس سے عبرت حاصل کی۔

اے بادشاہ! یہی وجہ ہے کہ انسان کو کسی بات پر زبان نہیں کھولنی چاہیے جب تک وہ ہو نہ جائے۔ بادشاہ نے کہا اے وزیر' تو سچ کہتا ہے۔ تو بڑا اچھا وزیر ہے کیونکہ تو سچ بولتا اور اچھا مشورہ دیتا ہے۔ اسی وجہ سے تیرا رتبہ میرے نزدیک تیری خواہش کے

موافق ہے او میں تجھے ہمیشہ مانتا ہوں۔ شماس خدا اور بادشاہ کے آگے سجدے میں گر گیا اسے دعا دی کہ تیری نعمتیں ہمیشہ قائم رہیں اور خدا تیری عمر دراز کرے اور تیرا رتبہ بلند کرے! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں تجھ سے کوئی بات نہیں چھپاتا خواہ وہ پوشیدہ ہو یا اعلانیہ۔ تیری رضامندی میری رضامندی ہے اور تیری ناراضگی میری ناراضگی۔ سوا تیری خوشی کے' میری اور کوئی خوشی نہیں اور یہ ممکن نہیں کہ اگر تو مجھ سے ناراض ہو تو مجھے نیند آ سکے کیونکہ تیرے احسان کی وجہ سے خدا نے مجھے تمام اچھی چیزیں دی ہیں۔ میں خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے فرشتوں سے تیری نگہبانی کرے اور جب تو اس سے ملے تو وہ تجھے اچھا ثواب دے! یہ سن کر بادشاہ خوش ہو گیا اور شماس اس سے رخصت ہو کر چلا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد رانی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا' خوش خبری دینے والوں نے جا کر بادشاہ کو خوش خبری دی کہ تیرے بیٹا پیدا ہوا ہے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا خدا کا بڑا شکریہ ادا کیا اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا کہ اس نے ناامیدی کے بعد مجھے اولاد دی اور وہ بندوں پر بڑا شفیق اور مہربان ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے تمام رعایا کے نام خط بھیجے تاکہ انہیں خبر ہوجائے اور انہیں اپنے ہاں بلایا اور تمام امرا' رؤسا' علما اور حکام جو اس کے ماتحت تھے حاضر ہوئے۔

یہ تو بادشاہ کا حال ہوا' اب اس کے بیٹے کا حال سنو' سارے ملک میں شادیانے بجنے اور ہر طرف سے لوگ آنے لگے۔ عالم' فلسفی' ادیب اور حکیم آ کر دربار میں داخل ہوئے اور اپنی اپنی جگھوں پر کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ساتوں بڑے وزیروں کو حکم دیا جن کا سردار شماس تھا کہ وہ اپنی اپنی حکمت کے مطابق اس مسئلے پر تقریریں کریں جو اس وقت سب سے زیادہ اہم ہے۔ وزیروں کا سرتاج شماس سب سے پہلے اٹھا اور بادشاہ سے تقریر کرنے کی اجازت چاہی' بادشاہ نے اجازت دے دی' وزیر نے کہنا شروع کیا کہ شکر ہے خدا کا جو ہمیں عدم سے وجود میں لایا اور اپنے شاہی بندوں پر جو عادل اور مصنف ہیں یہ احسان کیا کہ انہیں حکومت اور نیک روی دی' ان کے ہاتھ سے ان کی رعیت کو روزی عطا کی' بالخصوص ہمارا بادشاہ جس کے ذریعے سے خدا نے

ہمارے ملک کے مردوں کو زندہ کیا! اس نے ہمیں نعمتوں سے پاٹ دیا اس کی سلامتی کی وجہ سے ہمیں عیش و عشرت' اطمینان اور انصاف نصیب ہوا۔ کونسا بادشاہ اپنی رعیت کے ساتھ وہ کام کرتا ہے جو اس بادشاہ نے کیا۔ ہماری ضروریات کو پورا کرنا' ہمارے اوپر سے ظلم و ستم کو دور کرنا! یہ خدا کا لوگوں پر احسان ہے اگر ان کا بادشاہ ان کاموں میں دلچسپی لے اور انہیں ان کے دشمنوں سے بچائے کیونکہ دشمن کا انتہائی مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے دشمن کو زیر کرکے انہیں اپنے قبضے میں لے آئے۔ بہت سے لوگ اپنے بیٹوں کو بادشاہوں کے پاس خدمت کے لئے بھیجتے ہیں اور ان کے پاس غلاموں کی طرح رہتے ہیں تاکہ وہ انہیں دشمنوں سے بچائیں۔ ہماری حالت یہ ہے کہ اس بادشاہ کے زمانے میں کسی دشمن نے ہمارے ملک میں قدم نہیں رکھا' یہی بڑی نعمت اور سعادت ہے جسکی تعریف سے لوگ عاجز ہیں کیونکہ وہ تعریف سے بالاتر ہے اور تو اے بادشاہ' اس بڑی نعمت کا اہل اور مستحق ہے اور ہم تیری پناہ اور تیری قوت کے سائے میں ہیں' خدا تجھے بہترین ثواب دے اور تیری عمر دراز کرے! ہم اس سے پہلے خدا کے آگے ہاتھ جوڑ کر دعا مانگتے تھے کہ وہ ہماری دعا قبول کرے اور تجھے ہماری خاطر زندہ رکھے اور ایک نیک بخت بیٹا دے جس سے تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں' خدا نے ہماری درخواست سن لی اور دعا قبول کر لی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو تیسری رات

نو سو تیسری رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ وزیر شماس نے بادشاہ سے کہا کہ خدا نے ہماری درخواست اور دعا قبول کر لی اور ہمیں بہت جلد خوشی عطا کی جس طرح کہ کسی تالاب میں مچھلیوں کو بادشاہ نے پوچھا کہ مچھلیوں کا کیا قصہ ہے اور یہ کس طرح ہوا؟

○ مچھلیوں اور جھینگے کی کہانی

شماس نے کہا اے بادشاہ! کسی جگہ ایک تالاب تھا اور اس میں چند مچھلیاں رہتی تھیں۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ اس کا پانی سوکھ گیا اور مچھلیاں ایک دوسرے کے قریب آ گئیں کیونکہ ان کے لئے پانی کافی نہ تھا وہ مرنے کے قریب ہو گئیں اور کہنے لگیں معلوم نہیں اب ہمارا کیا حشر ہونے والا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہیے کس سے جا کر مشورہ کریں کہ ہمیں کیونکر نجات مل سکتی ہے۔ ان میں سے ایک مچھلی کھڑی ہوئی جو عمر اور عقل میں سب سے بڑی تھی اور بولی سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم خدا سے دعا مانگیں لیکن پہلے چل کر جھینگے سے مشورہ کر لیں وہ ہمارا سردار ہے۔ دیکھیں کہ اس کی کیا رائے ہے وہ ہم سب سے زیادہ صائب الرائے بھی ہے۔ مچھلیوں نے اس کی رائے مان لی اور سب کی سب مل کر جھینگے کے پاس گئیں دیکھا کہ وہ اپنے گڑھے میں بیٹھا ہوا ہے اسے ان کی تکلیف کی خبر تک نہیں۔ مچھلیوں نے اسے سلام کر کے کہا اے ہمارے آقا! کیا تجھے ہماری حالت کی خبر نہیں حالانکہ تو ہمارا حاکم اور سردار ہے۔ جھینگے نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا تمہیں کیا ہوا اور کیا چاہتی ہو؟ مچھلیوں نے اپنا قصہ سنایا اور کہا پانی کی کمی سے ہم پر مصیبت آ گئی ہے' تالاب اگر

بالکل سوکھ گیا تو ہم مر جائیں گے۔ ہم تیری رائے لینے آئے ہیں جس سے ہم بچ جائیں
کیونکہ تو ہمارا بڑا اور ہم سے زیادہ سمجھدار ہے۔ جھینگے نے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سر
نیچا کر لیا اس کے بعد کہنے لگا اس میں شک نہیں کہ تمہاری عقل ناقص ہے تمہیں
خدا کی رحمت سے ناامیدی ہے اور اس بات کو نہیں جانتیں کہ وہ تمام مخلوقات کو
روزی دینے کا ذمہ دار ہے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ خدا اپنے بندوں کو بغیر حساب کے
روزی دیتا ہے قبل اس کے کہ اس نے کوئی چیز پیدا کی ہو اس کی روزی مقرر کر
دی ہے اور اپنی خدائی قدرت سے ہر شخص کی عمر محدود اور روزی مقسوم کر دی ہے۔
پھر ہم کیسے اس چیز پر غمگین ہو سکتے ہیں جو ابھی تک غیب میں پوشیدہ ہے! میری رائے
میں اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں کہ خدا کے آگے عاجزی کی جائے اور ہم میں
سے ہر ایک اپنا ضمیر صاف کرکے خدا سے دعا مانگے کہ وہ ہمیں تکلیفوں سے بچائے۔
جوخدا پر بھروسہ کرتا ہے خدا اس کی امید کو بے کار نہیں جانے دیتا اور جو اس کا وسیلہ
چاہتا ہے وہ اسے نامراد نہیں پھیرتا۔ اگر ہم اپنی حالت درست کر لیں تو ہمارے سب
کام ٹھیک ہو جائیں گے اور ہمیں بھلائی اور نعمتیں ملیں گی۔ میری صلاح ہے کہ ہم
صبر کریں اور دیکھیں کہ خدا کیا کرتا ہے اگر ہمیں موت آ جائے گی تو آرام ہو جائے
گا اور اگر کوئی ایسی بات پیش آ جائے گی کہ ہمیں بھاگنا پڑے تو ہم بھاگ کر خدا
جہاں لے جائے گا چلے جائیں گے تمام مچھلیوں نے ایک زبان ہو کر کہا اے ہمارے
مولا' تو ٹھیک کہتا ہے' خدا تجھے ہماری طرف سے نیک بدلہ دے! یہ کہہ کر سب مچھلیاں
اپنی اپنی جگہ چلی گئیں۔ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ خدا نے خوب مینہ برسایا اور
تالاب پہلے سے زیادہ بھر گیا۔

اے بادشاہ' اسی طرح ہم بھی تیری اولاد کی طرف سے نا امید ہو چکے تھے۔ اب چونکہ
خدا نے ہماری خاطر تجھے ایک مبارک لڑکا دیا ہے ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ
نیک بخت نکلے' تیری آنکھیں ٹھنڈی کرے تیرا اچھا وارث ہو اور ہمارے ساتھ ایسی بخششیں

کرے جیسی کہ تو کرتا رہا ہے جو کوئی خدا سے مقصد رکھتا ہے خدا اسے نامراد نہیں پھیرتا' کسی شخص کو خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیے اس کے بعد دوسرا وزیر اٹھا اور اس نے بادشاہ کو سلام کیا۔ بادشاہ نے جواب میں وعلیکم السلام کیا۔ وزیر نے تقریر شروع کی کہ کوئی بادشاہ اس وقت تک بادشاہ نہیں کہلا سکتا جب تک وہ بخششیں اور انصاف نہ کرے اور اپنے احکام میں دریا دلی سے کام نہ لے' رعیت کے ساتھ پرانے عمدہ دستور کی حفاظت نہ کرے' انہیں تکلیف سے نہ بچائے' غریبوں کی خبرگیری نہ کرے اور جس کا جو واجب حق ہو نہ دے تاکہ سب اس کے لئے دعا کریں اور اس کے فرمانبردار رہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایسا بادشاہ رعیت کا پیارا ہوتا ہے دنیا میں بلندی حاصل کرتا ہے اور آخرت میں بزرگی اور خدا کی رضا مندی' اے بادشاہ ہم سب تیرے غلام اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ جتنی خوبیاں ہم نے بیان کی ہیں وہ سب تجھ میں موجود ہیں۔ مثل ہے کہ بہترین بات یہ ہے کہ بادشاہ کو رعایا کے حق میں منصف ہونا چاہیے' ان کے حکیم کو ماہر اور ان کے عالم کو باخبر اور اپنے علم پر عمل کرنے والا۔ ہم ان ساری بھلائیوں سے مستفید ہیں اس سے پہلے ہم اس بات سے ناامید ہو چکے تھے کہ تیرا ایک بیٹا ہو جو تیرے بعد حکومت کرے لیکن خدا نے تیری دعا نہیں ٹالی کیونکہ تیرا گمان اس کی طرف سے اچھا تھا اور تو نے اپنے کام کو اس کے حوالے کر رکھا تھا۔ تیری امید کیسی اچھی امید تھی! اور تیرا حال وہی ہوا جو کوے کا سانپ کے ساتھ ہوا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیسے؟ کوے اور سانپ کی کیا حکایت ہے؟

وزیر نے کہا اے بادشاہ' کسی درخت پر ایک کوا اور اس کی بیوی آرام اور چین سے زندگی بسر کرتے تھے یہاں تک کہ بچے نکلنے کا زمانہ آیا۔ یہ زمانہ سخت گرمیوں کا تھا' ایک سانپ اپنے بل میں سے نکل کر درخت پر چڑھ گیا اور شاخوں میں لٹکتے لٹکتے کوے کے گھونسلے میں جا بیٹھا اور گرمیوں کا سارا زمانہ اس میں گزار دیا۔ کوے مارے مارے پھرنے لگے' نہ انہیں آرام ملتا نہ کہیں رہنے کی جگہ۔ جب گرمیاں ختم ہو گئیں تو سانپ اپنی جگہ چلا گیا اور کوا اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ ہم خدا کا شکر بجا لاتے ہیں

کہ اس نے ہمیں بچا لیا اور اس آفت سے نجات دی۔ اگرچہ اس سال ہمارے کھانے پینے کا سامان ضائع ہو گیا لیکن خدا ہماری امیدوں پر پانی نہیں پھیرے گا' ہمیں اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں صحیح سلامت رکھا' ہمیں سوائے اس کے اور کسی پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے اگر خدا کو منظور ہے اور ہم آئندہ سال تک زندہ رہے تو ہمیں اور بچے عنایت کرے گا۔ پھر بچے نکالنے کا زمانہ آیا تو سانپ اپنی جگہ سے نکل کر پھر درخت پر چڑھا۔ ابھی وہ ایک شاخ میں لٹکا ہی ہوا تھا اور پہلے کی طرح کوے کے گھونسلے میں گھسنا ہی چاہتا تھا کہ ایک چیل اس پر جھپٹی اور اس زور سے اس کے سر پر پنجہ مارا کہ اس کے چیتھڑے اڑ گئے۔ وہ زمین پر گر پڑا اور چیونٹیوں نے آ کر اسے چٹ کر لیا' کوا اور اس کی بیوی سلامتی اور اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگے ان کے بہت سے بچے ہوئے اور انہوں نے اپنی سلامتی اور اولاد پر خدا کا شکریہ ادا کیا۔

اے بادشاہ' ہمیں بھی اس بات پر خدا کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ اس نے ناامیدی کے بعد تجھے مبارک بیٹا دے کر تجھ پر اور ہم پر کتنا احسان کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو چوتھی رات

نو سو چوتھی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب دوسرا وزیر اپنی تقریر ختم کر چکا تو تیسرا وزیر اٹھا اور کہنے لگا اے منصف بادشاہ جو اس دنیا میں نیکی کرے گا آخرت میں اس کا پھل پائے گا' خوش ہو کر جسے دنیا والے چاہتے ہیں اسی کو آسمان والے بھی چاہتے ہیں۔ خدا نے تیری محبت کے حصے کرکے تیری رعیت کے دلوں میں رکھ دیئے ہیں ہمیں اور تجھے چاہیے کہ اس کا شکر ادا کریں اور اس کی حمد بجا لائیں تاکہ وہ اپنی نعمتوں سے تجھے اور تیری وجہ سے ہمیں مالا مال کر دے۔ اے بادشاہ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ بغیر خدا کے حکم کے کوئی شخص کچھ نہیں کر سکتا' وہی بخشش کرنے والا ہے اور جو بھلائی کسی کے حصے میں آئی ہے اسی سے ملی ہے وہ جس طرح چاہتا ہے اپنے بندوں کو نعمتیں دیتا ہے' کسی کو مالا مال کر دیتا ہے اور کسی کو اپنی روٹی کمانے کے لئے مزدوری کرنی پڑتی ہے کسی کو خدا سردار بناتا ہے اور کسی سے دنیا چھڑا کر اپنی طرف راغب کر لیتا ہے' اس کا قول ہے کہ میں ہی نفع اور نقصان پہنچاتا ہوں' میں ہی شفا دیتا' بیمار کرتا' مارتا' جلاتا' امیر اور غریب بناتا ہوں' ساری چیزیں میرے ہی ہاتھ میں ہیں اور وہ لوٹ کر میرے ہی پاس آئیں گی۔ ہر شخص پر فرض ہے کہ خدا کا شکر کرے اور اے بادشاہ! تو سب سے بڑا نیک اور نیک بخت ہے کیونکہ مثل ہے کہ سب سے زیادہ نیک اور نیک بخت وہ شخص ہے جس میں خدا نے دنیا اور آخر دونوں کی نیکیاں جمع کر دی ہوں اور جو خدا کی دی ہوئی نعمت پر قناعت کرے اور اس کی عطا کردہ حکومت پر شکرگزار ہو اور جو شخص ظلم کرتا ہے فرائض اور حقوق پر کاربند نہیں ہوتا تو اس کی مثال جنگلی گدھے اور لومڑی کی سی ہے بادشاہ نے پوچھا کہ وہ قصہ کیا ہے؟

○ جنگلی گدھے اور لومڑی کی کہانی

وزیر نے کہا اے بادشاہ! ایک لومڑی ہر روز اپنے بھٹ سے نکل کر روزی تلاش کرنے جایا کرتی تھی۔ ایک روز جب وہ کسی پہاڑی پر تھی دن ڈھل گیا اس نے لوٹنے کا ارادہ کیا' راہ میں دیکھا کہ ایک اور لومڑی چلی جا رہی ہے۔ دونوں لومڑیاں ایک دوسرے سے اپنے اپنے شکار کی باتیں کرنے لگیں۔ ایک نے کہا کہ کل مجھے ایک وحشی گدھا مل گیا' میں بھوکی تھی تین دن سے کچھ کھایا نہ تھا خوش ہو گئی۔ خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے میرے لئے جنگلی گدھا بھیج دیا اور میں اس کے دل کی طرف بڑھی اور اسے کھا کر خوب سیر ہو گئی۔ اس کے بعد میں اپنے بھٹ میں چلی گئی۔ آج تین روز ہوئے کہ مجھے کھانے کو نہیں ملا ہے مگر میں سیر ہوں۔ دوسری لومڑی اس کی سیری کا حال سن کر حسد کرنے لگی اور اپنے دل میں کہا کہ میں بھی ضرور گدھے کا دل کھا کر چھوڑوں گی۔ اور اس نے کئی دن تک کچھ کھایا نہیں کمزور اور مرنے کے قریب ہو گئی اس کی دوڑ دھوپ جاتی رہی اور اپنے غار سے باہر بھی نہ نکل سکی۔ ایک دن جبکہ وہ اپنے غار میں بیٹھی ہوئی تھی دو شکاری شکار کے لیے ادھر آ نکلے اور ایک گدھے کو دیکھ کر اس کا پیچھا کیا اور دن بھر اس کا پیچھا کرتے رہے۔ بالاخر ایک نے اس پر ایک دوشاخہ تیر چلایا جو گدھے کے بدن میں گھس کر اس کے دل تک پہنچ گیا اور وہ مر کر اسی لومڑی کے غار کے پاس گرا۔ شکاریوں نے اسے ٹٹولا تو دیکھا کہ وہ مر چکا ہے اور وہ تیر جو اس کے دل میں چبھ گیا تھا کھینچا۔ لکڑی تو باہر نکل آئی لیکن پیکان اندر رہ گیا۔ شام ہوئی تو لومڑی کمزوری اور بھوک سے پریشان اپنے غار سے نکلی دیکھا کہ ایک جنگلی گدھا غار کے منہ پر پڑا ہوا ہے اتنی خوش ہوئی کہ پھولے نہ سمائی اور کہنے لگی کہ شکر ہے خدا کا اس نے بغیر محنت مشقت کے میری خواہش پوری کر دی' میں کیا جانتی تھی کہ مجھے جنگلی گدھا مل جائے گا۔ شاید خدا اسے مار

کر یہاں کھینچ لایا ہے۔ یہ کہہ کر وہ گدھے کی طرف جھپٹی اور اس کا پیٹ پھاڑ کر اپنا سر اس میں ڈالا اور منہ ادھر ادھر دوڑانے لگی اور جب اسے دل مل گیا تو اسے نگلنا چاہا۔ دل اس کے حلق میں پہنچا تو دو شاخہ پیکاں اس کے گلے کی ہڈی میں چبھ گیا وہ نہ اسے نگل سکتی نہ اگل سکتی۔ لومڑی کو یقین ہوا کہ موت آ گئی اور کہنے لگی سچ ہے کہ کسی مخلوق کو اس سے زیادہ نہ طلب کرنا چاہیے جو خدا نے اس کی قسمت میں لکھ دیا ہے۔ اگر میں اس پر قناعت کرتی جو خدا نے میری قسمت میں لکھ دیا ہے تو ہلاک نہ ہوتی۔

لہٰذا اے بادشاہ' انسان کو چاہیے کہ قسمت کے لکھے پر راضی رہے' خدا کا شکر کرے اور اس سے ناامید نہ ہو۔ دیکھ اے بادشاہ' تیری اچھی نیت اور نیک کرداریوں کی وجہ سے خدا نے ناامیدی کے بعد تجھے بیٹا دیا۔ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اسے لمبی عمر اور دائمی نیک بختی عطا کرے اور تیری دراز عمر کے بعد اسے تیرا مبارک وارث بنائے جو تیرے راستے پر چلے۔ اس کے بعد چوتھا وزیر کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اگر بادشاہ سمجھ دار اور عقل مندی کی باتوں کو سمجھنے والا ہو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو پانچ ویں رات

نو سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- چوتھے وزیر نے کہا اگر بادشاہ سمجھ دار ہو اور دانش مند ہو اور حکمرانی' سیاست دانی' نیک نیتی اوررعایا کے ساتھ انصاف پسندی برتتا ہو' معزز لوگوں کی عزت' محترم لوگوں کا احترام کرتاہو اور باوجود قدرت کے عفو کر سکتا ہو' بڑوں اور چھوٹوں کی رعایت اور ان کا بوجھ ہلکا ان کے ساتھ بخشش کرتا ہو' ان کی جانوں کی حفاظت ان کی پردہ پوشی کرتا ہو اور ان کے ساتھ عہد و پیماں پر قائم رہتا ہو' تو وہ دنیاوی اور اخروی نیک بختی کا مستحق ہے۔ یہی چیز اسے رعایا سے محفوظ رکھتی ہے۔ ملک کی برقراری' دشمنوں پر فتح یابی اور مطلب براری کے لئے مددگار ہوتی ہے بلکہ اس کی وجہ سے خدا کی نعمت اس پر اور بڑھ جاتی ہے اور اس میں خدا کی شکرگزاری کی توفیق پیدا ہو جاتی ہے' اس کی مہربانی سے اسے کامیابی ہوتی ہے۔ لیکن اگر بادشاہ میں یہ باتیں نہیں تو وہ اور اس کا ملک دونوں مصیبتوں اور آفتوں کا شکار رہتے ہیں کیونکہ وہ قریب اور دور والوں دونوں پر ظلم و ستم کرتا ہے اور اس کا وہی حشر ہوتا ہے جو ایک بادشاہ کا اس کے درویش بیٹے کے ساتھ ہوا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ کیسے؟

○ ظالم بادشاہ اور اس کے درویش بیٹے کی کہانی

وزیر بولا اے بادشاہ! پچھم کے ملک میں ایک بادشاہ بڑا ظالم' جابر' تند مزاج اور سخت گیر تھا رعایا کے ساتھ بالکل رعایت نہ کرتا۔ جب کوئی شخص اس کے ملک میں داخل ہوتا تو اس کے حکام اس کے مال کے پانچ حصے کرکے چار حصے لے لیتے اور صرف پانچواں

حصہ اس کے لئے چھوڑ دیتے۔ اللہ کی شان کہ اس کا بیٹا باپ کے برعکس بڑا نیک بخت اور سعید تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ دنیا ٹیڑھی چل رہی ہے تو اس نے دنیا ترک کر دی اور بچپن ہی سے درویش بن کر خدا کی عبادت کرنے نکل کھڑا ہوا۔ دنیا سے دست کشی کر کے جنگل بیابانوں کی سیر کرتا اور کبھی کبھی شہروں میں بھی جاتا۔ اتفاق سے ایک بار اسی شہر میں آ پہنچا۔ پہرے داروں نے اسے پکڑ کر اس کا جھاڑا لیا لیکن سوائے دو جوڑے کپڑوں کے اس کے پاس کچھ نہ نکلا' ایک نیا اور ایک پرانا۔ پہلے انہوں نے اسے خوب ذلیل و خوار کیا پھر اس کے نئے کپڑے اتار لئے اور پرانے چھوڑ دیئے۔

وہ فریاد کرنے اور کہنے لگا کہ اے ظالمو' ستیاناس ہو تمہارا! میں ایک فقیر درویش آدمی ہوں ان کپڑوں سے تمہارا کیا فائدہ ہو گا! اگر تم وہ کپڑے واپس نہ کرو گے تو میں بادشاہ کے پاس جا کر تمہاری شکایت کروں گا۔ انہوں نے جوابدیا کہ ہم نے تو بادشاہ ہی کے حکم سے یہ کیا ہے' تیرا جو جی چاہے کر۔ درویش بادشاہ کے محل پر پہنچا لیکن دربانوں نے اسے اندر جانے سے روکا وہ لوٹ گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب سوائے اس کے چارا نہیں کہ میں یہیں اس کا انتظار کروں اور جب وہ نکلے تو اس سے شکایت کروں کہ میری کیا گت بنائی گئی۔ وہ بادشاہ کے نکلنے کا انتظار ہی کر رہا تھا کہ اس نے لشکری کو کہتے سنا کہ وہ آ رہا ہے۔ درویش آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا کہ یکایک بادشاہ نکل آیا' درویش نے اس کے سامنے آ کر اس کی کامیابی کی دعا دی اور وہ ماجرا بیان کیا جو اسے پہرے دار کے ساتھ پیش آیا تھا۔ ان کی شکایت کی اور کہا کہ میں اللہ والے لوگوں میں سے ہوں دنیا ترک کر کے خدا کی خوشنودی ڈھونڈ رہا ہوں' درویشی اختیار کر لی ہے' جن لوگوں کے پاس میں جاتا ہوں وہ حتی الامکان میرے ساتھ بھلائی کرتے ہیں اور اسی حالت میں میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں جاتا ہوں۔

اس کے بعد درویش نے کہا کہ جب میں اس شہر میں آیا تو مجھے خیال تھا کہ یہاں کے لوگ بھی میرے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو درویشوں کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن

تیرے ملازموں نے مجھے روک کر میرا لباس اتار لیا اور خوب مارا دیکھ میری حالت میری مدد کر' میرے کپڑے دلوا دے اور میں فوراً اس شہر سے چلا جاؤں گا۔ ظالم بادشاہ نے جواب دیا کہ تجھے کس نے اس شہر میں آنے کو کہا تھا کیا تو نہیں جانتا کہ یہاں کا بادشاہ کیا کرتا ہے؟ درویش نے کہا میرے کپڑے دے دے پھر جو جی چاہے کیجئو۔ درویش کی یہ باتیں سن کر بادشاہ کا مزاج برہم ہو گیا وہ کہنے لگا اے جاہل' ہم نے تجھے ذلیل کرنے کے لیے تیرے کپڑے اتار لئے ہیں اور اب چونکہ تو شور مچا رہا ہے ہم تیری جان نکال لیں گے۔ یہ کہہ کر بادشاہ نے اسے قید خانے بھجوا دیا۔ جب وہ قید خانے پہنچا تو اپنے جواب پر پچھتانے لگا اور اپنے آپ کو برا بھلا کہنے لگا کہ آخر میں کپڑوں کو چھوڑ کر بھاگ کیوں نہ گیا۔ جب آدھی رات ہوئی تو اس نے اٹھ کر بہت دیر تک نماز پڑھی اور کہنے لگا کہ خداوندا تو ہی انصاف کرنیوالا اور میرا حال جاننے والا ہے کہ مجھے اس جابر بادشاہ کے ساتھ کیا پیش آیا' میں تیرا مظلوم بندہ ہوں اور تیرے آگے دعا مانگتا ہوں کہ میرے حال پر رحم کر مجھے اس ظالم بادشاہ کے پنجے سے چھڑا اور اس پر اپنا عذاب اتار کیونکہ تو کسی ظالم کے ظلم سے بے خبر نہیں ہے۔ اگر تو سمجھتا ہے کہ اس نے مجھ پر ظلم کیا تو آج ہی رات اس پر اپنا عذاب نازل کر' تیرا حکم انصاف ہے اور تو ہر مظلوم کا مددگار ہے' تیری قدرت اور بڑائی آخر تک قائم رہے گی۔ جب قید خانے کے داروغہ نے اس مسکین کی دعا سنی تو وہ سر سے پاؤں تک کانپ اٹھا۔ اتنے میں بادشاہ کے محل سے ایک شعلہ نکلا اور وہاں سے لے کر قید خانے تک ہر جگہ آگ لگ گئی سوائے داروغہ اور درویش کے کوئی نہ بچا۔ درویش آزاد ہو گیا وہ اور داروغہ وہاں سے چل دیئے اور چلتے چلتے ایک دوسرے شہر میں پہنچے' ادھر ظالم بادشاہ کا شہر ایک سرے سے دوسرے سرے تک راکھ ہو گیا۔

اے نیک بخت بادشاہ! ہم تو دن رات تیرے لئے دعا مانگتے اور خدا کا شکر بجا لاتے ہیں کہ اس نے تجھے پیدا کیا اور تیرے انصاف اور خوش خلقی سے ہمیں اطمینان ہے۔ اس

بات کا بڑا غم تھا کہ تیرے کوئی اولاد نہ تھی جو تیرے بعد بادشاہت کرے اور ڈر تھا کہ کہیں تیرے بعد کوئی دوسرا بادشاہ نہ بن بیٹھے لیکن اب اس نیک بخت لڑکے کے پیدا ہونے کی وجہ سے خدا نے ہم پر کرم کیا ہمارا غم دور کر کے ہمیں دل شاد کر دیا۔

ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اسے خلیفہ بنائے ایسی عزت اور سعادت دے جو ہمیشہ باقی رہے۔

اب پانچواں وزیر اٹھا اور کہنے لگا کہ مبارک ہے بزرگ خدا-------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• نو سو چھٹی رات

نو سو چھٹی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ پانچویں وزیر نے کہا کہ مبارک ہے بزرگ خدا جو عمدہ بخششیں کرتا اور نفیس انعامات دیتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ ہمیں تحقیق کیساتھ معلوم ہے' خدا اسی کے ساتھ انعام و اکرام کرتا ہے جو اس کا شکریہ بجا لاتا اور اس کے دین پر قائم رہتا ہے اور اے نیک بخت بادشاہ! تجھ میں یہ تمام خصلتیں پائی جاتی ہیں علاوہ ازیں رعایا کے ساتھ ایسا عدل و انصاف بھی جس سے خدا راضی ہو۔ اسی وجہ سے خدا نے تیرا رتبہ بڑھایا۔ تیری زندگی کو مبارک بنایا اور ناامیدی کے بعد تجھے یہ نیک تحفہ دیا ہے جو تیرا نیک بخت بیٹا ہے جس کے سبب سے ہمیں دائمی خوشی اور سرور حاصل ہوا ہے جو کبھی جا نہیں سکتا۔ اب تک تیرے بیٹا نہ ہونے سے ہمیں بہت رنج و غم تھا تیرا عدل اور تیری محبت جو ہمارے ساتھ ہے۔ ہم سوچ میں پڑے ہوئے تھے اور ہمیں ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری زندگی ختم ہو جائے اور تیرا والی وارث کوئی نہ ہو ہماری رائیں مختلف ہو جائیں' ہم میں پھوٹ پڑ جائے اور ہماری وہی حالت ہو جائے جو کوے کی ہوئی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کوے کا کیا قصہ ہے؟

وزیر نے عرض کیا اے نیک نہاد بادشاہ ------ کسی جنگل میں ایک بہت بڑی گھاٹی تھی جہاں بہت سے چشمے' درخت' میوے تھے اور چڑیاں زبردست خدا کی تسبیح کرتی تھیں جس نے دن اور رات پیدا کئے ہیں۔ منجملہ اور چڑیوں کے وہاں کوے بھی تھے جو بڑے عیش وآرام سے رہتے۔ ان کا سردار اور حاکم ایک کوا تھا جوان پر بڑا مہربان اور شفیق تھا' جس کے ساتھ وہ امن و امان سے بسر کرتے اور اپنے درمیان اتنا اچھا انتظام رکھتے کہ چڑیوں کی ان کے خلاف کچھ نہ چلتی۔ اب ایسا اتفاق ہوا کہ ان کے سردار کو موت

آ گئی جو ہر مخلوق کے لئے مقدر ہے۔ انہیں بہت رنج و افسوس ہوا لیکن سب سے زیادہ رنج اس بات کا تھا کہ کوئی ایسا نہیں جو اس کا جانشین ہو سکے سب نے مل کر مشورہ کیا کہ کون ایسا نیک ہے جو ان کا سردار بنے۔ بعض نے ایک کوے کو تجویز کیا اور کہا کہ بس یہی ہمارا بادشاہ ہونے کے قابل ہے لیکن دوسرے ان سے متفق نہ ہوئے اور اس کوے کو پسند نہ کیا۔ اس پر ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی جھگڑا ہونے لگا اور بڑا فتنہ و فساد ہوا۔ بالاخر یہ فیصلہ ہوا کہ وہ رات بھر آرام کریں جب صبح ہو تو کوئی روزی کی فکر میں نہ جائے جب تک دن نہ نکل آئے اور پو پھٹتے ہی ایک جگہ جمع ہوں اور دیکھیں کہ کون سا پرندہ سب سے تیز اڑتا ہے جو سب سے تیز اڑے وہی خدا کی طرف سے ہمارے اوپر مامور سمجھا جائے گا ہم اسے بادشاہ بنا لیں گے اور اپنی حکومت اس کے سپرد کریں گے۔ اس پر سب رضامند ہوگئے اور اس شرط پر اتفاق ہو گیا۔ اتنے میں ایک شکرا آتا دکھائی دیا انہوں نے اس سے کہا اے نیک بخت' ہم تجھے اپنا سردار مقرر کرتے ہیں تاکہ تو ہمارا انتظام کر۔ شکرا راضی ہو گیا اور کہنے لگا خدا نے چاہا تو تمہیں مجھ سے بڑا فائدہ پہنچے گا۔ اس کے سردار بننے کے بعد یہ دستور ہو گیا کہ جب کوے اپنی روزی ڈھونڈنے نکلتے تو وہ ان میں سے ایک کے ساتھ ہو جاتا اور اسے مار کر اس کا بھیجا اور دونوں آنکھیں کھا جاتا باقی حصہ پھینک دیتا وہ برابر یوں ہی کرتا رہا یہاں تک کہ کوے تاڑ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کی بڑی تعداد ہلاک ہو چکی ہے اور باقی بھی یقیناً ہلاک ہو جائیں گے ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ ہم میں بہت سے ہلاک ہو چکے ہیں اور ہمیں اس کا احساس اس وقت ہوا جب ہمارے بڑے ہلاک ہونے لگے۔ اب ہمیں چاہیے کہ اپنی جان کی خیر منائیں' چنانچہ صبح ہوتے ہی وہ اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔

ہمیں بھی اب تک یہی ڈر تھا کہ ہماری بھی کہیں یہی گت نہ بنے اور کوئی غیر ہم پر بادشاہت نہ کرے لیکن خدا نے اپنی عنایت سے یہ شہزادہ ہمیں عطا کیا جو تیرا ہی گوشت و پوست ہے اور اب ہمیں یقین ہے کہ ہم اطمینان اور اتفاق سے رہیں گے۔

ہمارے وطن میں امن و امان اور سلامتی رہے گی مبارک ہے برتر وبزرگ خدا اور وہی حمد' شکر اور اچھی ثنا کا حقدار ہے۔ خدا برکت دے ہم کو جو اس کی رعیت ہیں اور ہمیں اور اسے نیک بختی عطا کرے! اس کے بعد چھٹا وزیر اٹھا اور کہنے لگا اے بادشاہ! خدا تجھے دنیا اور آخرت دونوں میں نیک بخت رکھے! بزرگوں کا یہ پہلے ہی سے مقولہ ہے کہ جو نماز پڑھتا' روزہ رکھتا' ماں باپ کا حق ادا کرتا اور انصاف سے احکام جاری کرتا ہے تو جب وہ خدا سے ملے گا اسے راضی پائے گا۔ جب سے تو ہمارا حکمران بنا ہے ہمارے ساتھ انصاف کرتا ہے تیرا کام مبارک ہے اس لئے ہم خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ تجھے بہترین ثواب اور تیرے احسانوں کا بدلہ دے۔ تو نے ابھی سن لیا ہے کہ اس عالم وزیر نے کیا کہا' اگر بادشاہ مر جائے یا کوئی دوسرا بادشاہ حکومت کرنے لگے جو اس جیسا نہ ہو تو ہمیں کتنی مایوسی ہو گی' اس کے بعد ہم میں کتنا اختلاف بڑھے گا اور اس اختلاف کی وجہ سے کیا آفت آئے گی' اس لئے ہم نے خدا سے دعا کی کہ وہ بادشاہ کو ایک نیک بخت بیٹا عطا کرے جو اس کے بعد ملک کا والی وارث بنے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان جس دنیاوی چیز کو محبوب رکھتا ہے اس کا نتیجہ اسے معلوم نہیں ہوتا' اس وجہ سے انسان اپنے پروردگار سے کوئی ایسی چیز نہ مانگے جس کے نتیجے میں وہ بے خبر ہو کیونکہ ایسی حالت میں اس کا نقصان فائدے سے زیادہ ہوتا ہے اس کی مطلوبہ چیز میں اس کی تباہی پوشیدہ ہوتی ہے اور اس کا وہی حشر ہوتا ہے جو سپیرے اس کے بیوی بچوں اور گھر والوں کا ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

نو سو ساتویں رات

نو سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ وزیر نے کہا کہ اس کا وہی حشر ہو گا جو سپیرے' اس کی بیوی بچوں اور گھر والوں کا ہوا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ سپیرے' اس کے بیوی بچوں اور گھر والوں کا کیا قصہ ہے؟

سپیرے اور اس کے بیوی بچوں کی کہانی

وزیر نے کہا اے بادشاہ! ------ ایک سپیرا تھا جو سانپ پکڑتا' انہیں پالتا اور انہی کے ذریعے سے اپنی روزی پیدا کرتا۔ اس کے پاس ایک بڑا پٹارا تھا جس میں تین سانپ تھے لیکن گھر والوں کو اس کی خبر نہ تھی۔ وہ ہر روز اس پٹارے کو لے کر شہر کا چکر لگاتا لوگوں کو سانپوں کا تماشا دکھاتا اور اپنے بال بچوں کے لئے روٹی کماتا ' شام کے وقت گھر لوٹتا اور پٹارے کو ایک طرف رکھ دیتا اور دوسرے دن صبح کو پھر اسے لے کر شہر میں نکل جاتا۔ یہی اس کا دستور تھا گھر والے بالکل بے خبر تھے کہ پٹارے میں کیاہے۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ جب سپیرا عادت کے موافق گھر لوٹ آیا تو اس کی بیوی نے پوچھا اس پٹارے میں کیا ہے؟ سپیرا بولا اس سے تیرا کیا مطلب ہے؟ کیا تیرے پاس کافی بلکہ اس سے بھی زیادہ کھانے کو نہیں ہے! جو کچھ خدا نے تجھے دیا ہے اس پر قناعت کر اور ادھر ادھر کی باتیں نہ پوچھ۔ عورت یہ سن کر چپ تو ہو گئی لیکن اپنے دل میں کہنے لگی کہ میں ضرور اس بات کا پتا لگا کر رہوں گی کہ اس پٹارے میں کیا ہے۔ اس پر وہ تل گئی اپنے بچوں کو بھی لگا دیا وہ اپنے باپ سے پوچھیں کہ اس پٹارے میں کیا ہے اور ضد کریں تا کہ وہ انہیں بتا دے۔ بچوں کو گمان ہوا کہ اس میں ضرور کوئی کھانے کی چیز ہو گی وہ روز باپ کے پیچھے پڑ جاتے کہ دکھا

پٹارے میں کیا ہے۔ باپ ان کو ٹال دیتا۔ پھسلاتا اور کہتا کہ یہ بات نہ پوچھو۔ ایک مدت تک یہی پوچھ گچھ ہوتی رہی اور ان کی ماں برابر انہیں اکساتی رہی یہاں تک کہ ماں بیٹوں نے یہ صلاح کی کہ جب تک باپ پٹارا کھول کر انہیں دکھا نہ دے اس وقت تک وہ نہ اس کا کھانا کھائیں گے نہ پانی پئیں گے۔ ایک رات وہ یہی سوچ رہے تھے کہ سپیرا بہت سا کھانا پینا لے کر آیا اور انہیں بلایا کہ آؤ ساتھ مل کر کھائیں' لیکن انہوں نے آنے سے انکار کر دیا اور خفگی کا اظہار کیا' باپ انہیں میٹھی میٹھی باتیں کرکے پھسلاتا اور کہتا کہ تم کیا چاہتے ہو' کھانا پینا یا کپڑے! انہوں نے کہا ابا' ہم سوائے اس کے اور کچھ نہیں چاہتے کہ تم اس پٹارے کو کھول دو ہم بھی تو دیکھیں کہ اس میں کیا ہے۔ اس نے کہا بیٹو! اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہو گا بلکہ الٹا نقصان پہنچے گا۔ یہ سن کر وہ اور زیادہ ضد کرنے لگے باپ نے انہیں بہتیرا ڈانٹا ڈپٹا' مارنے کی دھمکی بھی دی مگر وہ نہ مانے برابر اپنی ضد پر اڑے رہے۔ آخر سپیرے کو طیش آگیا اور ڈنڈا لے کر انہیں مارنے دوڑا وہ اس کے پاس سے مکان کے اندر بھاگے۔ اس وقت پٹارا وہیں رکھا ہوا تھا سپیرے نے اسے چھپایا نہ تھا۔ بیوی نے یہ دیکھ کر کہ اس کا شوہر لڑکوں کے ساتھ مشغول ہے جلدی سے پٹارا کھول دیا کہ دیکھے اس کے اندر کیا ہے۔ پٹارے کا کھلنا تھا کہ سانپ باہر نکل آئے سب سے پہلے عورت کو ڈسا وہ مر گئی۔ پھر وہ مکان کے اندر دوڑنے لگے' سوائے سپیرے کے سب چھوٹوں بڑوں کو مار ڈالا۔ سپیرا گھر چھوڑ کر بھاگ گیا۔

اے نیک بخت بادشاہ' اگر تو غور کرے تو تجھے معلوم ہو جائیگا کہ انسان کو خدا کی مرضی کے خلاف کوئی تمنا نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس کی قدرت اور ارادے پر پورا بھروسہ کرنا چاہیے' دیکھ اے بادشاہ! تیری نیکیوں کی افراط اور سمجھ کی خوبیوں کی وجہ سے خدا نے ناامیدی کے بعد تجھے بیٹا دے کر تیری آنکھیں ٹھنڈی اور تیرا دل خوش کردیا ہے اور ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اسے ایسا عادل بادشاہ بنائے جس سے خدا راضی اور رعیت خوش ہو۔ اب ساتواں وزیر اٹھا اور کہنے لگا اے بادشاہ! میں نے ان باتوں پر

خوب غور و خوض کیا ہے جو میرے بھائیوں! ان عالم اور حکیم وزیروں نے کی ہیں اور جو کچھ تیرے عدل ' خوش اخلاقی او دوسرے بادشاہوں پر تیری فضیلت کا ذکر کیا ہے ہمارے اوپر فرض ہے کہ ہم تیری ان باتوں کا ذکر کیا کریں' میں خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ اس نے اپنی نعمتوں سے تجھے مالا مال کر دیا اپنی رحمت سے تجھ میں ملک کی بہبودی کا احساس پیدا کیا تجھے اور ہمیں اس بات کی توفیق دی کہ ہم اس کا بہت بہت شکر کریں' یہ سب باتیں محض تیری ذات کی وجہ سے ہیں۔ جب تک تو ہمارے درمیان میں ہے ہمیں کسی ظلم و جور کا اندیشہ نہیں اور باوجود ہماری کمزوری کے کوئی ہم پر دست درازی نہیں کرسکتا۔ مثل ہے کہ بہترین رعایا وہ ہے جس کا بادشاہ منصف مزاج ہو اور بد ترین وہ جس کا بادشاہ ظالم ہو۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے تجھ سا بادشاہ ہمیں عنایت کیا اور ناامیدی اور بڑھاپے کے بعد یہ نیک بخت بیٹا تجھے دیا' خدا کی بہترین بخشش نیک اولاد ہے۔ بزرگوں نے سچ کہا ہے کہ جس کے بیٹا نہیں اس کے لئے نہ تو آرام ہے نہ اس کا نام چلے گا۔ تجھے اپنے ٹھیک عدل اور خدا کے ساتھ نیک نیتی کے بدلے یہ نیک بیٹا ملا ہے۔ تیری ہی خوش خلقی اور صبر کے بدلے خدا نے اپنے احسان سے تجھے اور ہمیں یہ مبارک شہزادہ عطا کیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسی کہ مکڑی اور آندھی کی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ مکڑی اور آندھی کا کیا قصہ ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو آٹھویں رات

نو سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ نے وزیر سے پوچھا کہ مکڑی اور آندھی کی کیا کہانی ہے؟

○ مکڑی اور آندھی کی کہانی

وزیر نے کہا اے بادشاہ! ایک مکڑی نے کسی اونچے دروازے پر چڑھ کر ایک جالا تنا تھا اس میں آرام سے زندگی بسر کرتی اور خدا کی شکر گزار رہتی کہ اسے یہ گھر میسر ہوا اور خوف سے پناہ ملی۔ وہ اسی طرح بہت دنوں تک رہتی اور خدا کا شکر بجا لاتی رہی کہ اس نے اسے راحت دی اور اس کو روزی پہنچاتا رہا۔ خدا نے ایک بار اس کا امتحان لینا چاہا کہ اسے وہاں سے نکال کر دیکھے کہ وہ کہاں تک شکر اور صبر کرتی ہے۔ ایک روز آندھی بھیجی جس نے اسے مع جالے کے اڑا کر سمندر میں پھینک دیا۔ موجیں اسے خشکی کی طرف بہا لے گئیں' لیکن اس نے اپنی سلامتی پر خدا کا شکر کیا اور آندھی سے ناراض ہو کر کہا اے آندھی تو نے میرے ساتھ یہ کیا کیا اور تجھے اس سے کیا فائدہ ملا کہ تو مجھے میرے گھر سے یہاں لے آئی حالانکہ میں دروازے کے اوپر اپنے گھر میں بڑے امن و امان سے رہتی تھی؟ آندھی نے جواب دیا ناراض نہ ہو میں تجھے اسی جگہ پہنچا دوں گی جہاں تو پہلے تھی۔ مکڑی صبر کے ساتھ انتظار کرتی رہی کہ آندھی اسے اس کے گھر پہنچا دے یہاں تک کہ اتر کی ہوا چلی لیکن وہ اسے واپس نہ لے گئی' پھر دکھن کی ہوا آئی اور مکڑی کو لے کر اسی گھر کی طرف چلی۔ مکڑی اس جگہ پہنچی تو اس نے اسے پہچان لیا اور بہت خوشی ہوئی۔

ہم خدا کے شکر گزار ہیں کہ اس نے بادشاہ کی تنہائی اور صبر کا نیک بدلہ دیا' نامیدی

اور بڑھاپے کے باوجود اسے یہ لڑکا عطا کیا اور اسے دنیا سے اٹھانے سے پہلے اس کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں اسے اتنی بڑی حکومت اور سلطنت بخشی' اس کی رعیت پر رحم فرما کر انہیں اپنی نعمتوں سے مالا مال کردیا۔ بادشاہ نے کہا کہ تعریف ہے خدا کے لئے ہر تعریف سے برتر اور شکر ہے اس کا ہر شکر سے بالاتر' نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے' وہی ہے پیدا کرنیوالا ہر چیز کا' اس کی بڑی عظمت کا پتا ہمیں اس کی نشانیوں کے نور سے چلتا ہے' وہ اپنے ملک میں جس بندے کو چاہتا ہے حکومت اور سلطنت دیتا ہے اسے اپنی مخلوقات پر نائب اورامین بنانے کے لئے منتخب کر لیتا ہے اور اسے حکم دیتا ہے کہ ان کے ساتھ عدل و انصاف کرے اور اس کی شریعتیں اور سنتیں قائم رکھے اور حق بات پر عمل کرے اور جس طرح خدا اور رعایا کو پسند ہو ان کے کاموں کو انجام دے جو کوئی اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی اطاعت کرتا ہے تو وہ بھی دنیا کے خطرے اس کے پاس پھٹکنے نہیں دیتا اور آخرت میں اسے بہت عمدہ بدلہ دیتا ہے۔ وہ نیکو کاروں کے اجر کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ مگر جو کوئی خدا کے حکم کے خلاف کام' گناہ اور اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتا ہے آخرت میں پکڑا جاتا ہے۔ خدا ظالموں اور فسادیوں کی رسی ڈھیلی نہیں چھوڑتا نہ کسی نیک بندے کے اجر کو ضائع کرتا ہے۔ ہمارے ان وزیروں نے ابھی بیان کیا ہے کہ ہمارے عدل اور نیک برتاؤ سے جو ہم ان کے ساتھ کرتے رہے ہیں خدا نے ہم پر اور ان پر یہ مہربانی کی کہ ہمیں ایسے شکر ادا کرنے کی توفیق ہوئی جس سے ہم اور زیادہ انعام و اکرام کے مستحق ہو گئے۔ ان میں سے ہر ایک نے وہ باتیں کیں جو خدا نے اس کے دل میں ڈالیں۔ انہوں نے خدا کی نعمتوں اور عنایتوں پر اس کا انتہائی شکریہ ادا کیا اور اس کی تعریف کی۔ میں بھی خدا کا شکرگزار ہوں کیونکہ میں اسی کا مامور بندہ ہوں اور میرا دل اس کے ہاتھ میں ہے' میری زبان اس کی فرمانبردار اور اس کے حکم کی تابع ہے اور وہی کرتی ہے جو اس کی مرضی میرے اور ان کے متعلق ہے خواہ دنیا ادھر سے ادھر کیوں نہ ہو جائے علاوہ

بریں انہوں نے وہ بھی بیان کیا جو اس کے بارے میں ان کے دل میں آیا اور یہ بھی
کہا کہ میرے اس عمر پر پہنچنے کے بعد جبکہ ناامیدی اور یقین کی کمزوری غالب آ جاتی
ہے خدا نے مجھ پر نئے سرے سے مہربانی کی۔ شکر ہے خدا کا کہ اس نے ہمیں مایوسی
اور رات اور دن کی طرح حاکموں کے بدلے سے محفوظ رکھا' واقعی یہ مجھ پر اور ان
پر خدا کی بڑی عنایت ہے شکر ہے خدا کا کہ اس نے ہمیں یہ بیٹا دیا جو فرمانبردار اور
مطیع ہے اور خدا نے اسے بادشاہت کا وارث بنا کر بلند مرتبہ عنایت فرمایا۔ ہم خدا
کی مہربانی سے امیدوار ہیں کہ وہ اس کے ہر کام کو مبارک کرے اور اسے بھلائی کی
توفیق دے تاکہ وہ ایسا بادشاہ اور حکمران ہو جو رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کرے
جس کی عنایت نوازش اور کرم سے وہ آفتوں کی ہلاکت سے بچیں۔
بادشاہ اپنی تقریر ختم کر چکا تو علماء اور حکماء نے اٹھ کر خدا کے آگے سجدہ کیا بادشاہ
کا شکریہ ادا کیا اور اس کے ہاتھ چوم کر رخصت ہوگئے اس کے بعد بادشاہ محل کے اندر
گیا اور لڑکے کو دیکھ کر اس کے لئے دعا کی اس کا نام ورد خان رکھا۔ جب وہ بارہویں
سال میں لگا تو بادشاہ کو اس کی تعلیم کا خیال ہوا اس نے اس کے لئے شہر کے بیچوں
بیچ ایک محل بنوایا جس میں تین سو ساٹھ کمرے تھے اور لڑکے کو وہاں رکھا اس کے
لئے حکمت داں عالموں میں سے تین استاد مقرر کئے اور انہیں حکم دیا کہ وہ دن رات اس
کی تعلیم میں لگے رہیں ہر روز اس کے ساتھ ایک نئے کمرے میں بیٹھیں اور کوئی ایسا
علم نہ ہو جو وہ اسے نہ سکھائیں تاکہ وہ ہر فن میں طاق ہو جائے' اور جو علم اسے
جس کمرے میں پڑھائیں اسے کمرے کے دروازے پر لکھ دیں اور ہر ہفتے وہ جتنا سیکھتا
جائے اس سے بادشاہ کو مطلع کرتے رہیں۔ اب علماء لڑکے کی تعلیم میں مشغول ہو گئے
دن رات اسے پڑھاتے رہے اور کسی علم میں جو انہیں آتا تھا کوتاہی نہیں کی۔ لڑکے
نے بھی ذہانت اور تیز فہمی کا ایسا ثبوت دیا جو اس سے پہلے کسی نے نہ دیا ہو گا استاد
ہر ہفتے بادشاہ کو اطلاع دیتے رہے کہ لڑکے نے کیا کیا پڑھا اور اسے پکا کر لیا ہے۔

عالموں کا قول تھا کہ ہم نے ایسا ذکی و فہیم لڑکا کبھی نہیں دیکھا انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ خدا تجھے اس میں برکت دے اور اس کی زندگی سے تجھے فائدہ ملے۔

جب لڑکے کی عمر اٹھارہ سال کی ہو چکی تو ہر علم کا بہترین حصہ اسے بر زبان یاد تھا۔ وہ اپنے زمانے کے تمام علماء و حکماء سے بازی لے گیا تو اس کے استادوں نے بادشاہ کے پاس آ کر کہا اے بادشاہ' خدا نے اس بلند اقبال لڑکے کی وجہ سے تیری آنکھیں ٹھنڈی کر دی ہیں اور ہم اسے اس وقت تیرے پاس لائے ہیں جب وہ تمام علم اس حد تک سیکھ چکا ہے کہ دنیا بھر کے علماء اور حکماء میں سے کسی کو اس کے برابر استطاعت نہیں۔ بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا' خدا کا شکر ادا کیا اس کے سامنے سجدے میں گر گیا اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا اس کی بے شمار نعمتوں پر۔ اس کے بعد اس نے وزیر شماس کو بلوایا اور اس سے کہا اے شماس' علماء نے میرے پاس آ کر بیان کیا ہے کہ میرا بیٹا سارے علوم سیکھ چکا ہے اور کوئی علم باقی نہیں جو انہوں نے اسے نہ سکھایا ہو یہاں تک کہ وہ تمام لوگوں سے بازی لے گیا ہے۔ اے شماس' تو کیا کہتا ہے؟ شماس نے یہ سن کر خدا کے آگے سجدہ کیا بادشاہ کا ہاتھ چوما اور کہا کہ یاقوت ہمیشہ چراغ کی طرح چمکتا ہے خواہ وہ سخت سے سخت پہاڑ کے اندر کیوں نہ ہو' اور یہ تیرا بیٹا تو ہیرا ہے' پھر اس کی کم سنی اسے دانش مند ہونے سے کیونکر روک سکتی ہے! شکر ہے خدا کا کہ اس نے اسے اتنا کچھ عطا کیا' کل میں خاص خاص علماء اور امرا کو اکٹھا کر کے اس کے علم کا امتحان لوں گا۔

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو نویں رات

نو سو نویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بادشاہ جلی عاد نے شماس کی باتیں سنیں تو اس نے حکم دیا کہ مشہور علماء' ذہین فضلا اور ماہر حکماء کل شاہی محل میں حاضر ہوں۔ علماء و فضلا بادشاہ کی ڈیوڑھی پر اکٹھے ہو گئے تو اس نے انہیں اندر آنے کی اجازت دی۔ اس کے بعد شماس وزیر حاضر ہوا اس نے شہزادے کے ہاتھ چومے' شہزادے نے اٹھ کر شماس کے آگے سجدہ کیا۔ شماس نے کہا شیر کے بچے پر واجب نہیں کہ وہ کسی اور جانور کے آگے سر جھکائے نہ روشنی کو اندھیرے کے قریب پھٹکنے کی ضرورت ہے۔ لڑکے نے کہا شیر کے بچے نے جب بادشاہ کے وزیر کو دیکھا تو اس کے آگے جھکنا پڑا۔ شماس نے کہا اچھا بتاؤ کہ "دائم مطلق" خدا ہے کیونکہ وہ اول ہے بلا ابتدا کے اور آخر ہے بلا انتہا کے۔ اس کے دونوں "کون" دنیا اور آخرت ہیں "کونین" میں سے دائم آخرت کی نعمتیں ہیں۔ شماس بولا تو نے ٹھیک کہا میں نے تیرا جواب مان لیا لیکن میں چاہتا ہوں کہ تو یہ بتائے کہ تجھے کیوں کر معلوم ہوا کہ "کونین" میں سے ایک دنیا ہے اور دوسری آخرت؟ لڑکے نے کہا اس لئے کہ دنیا مخلوق ہے اور نیست سے ہست ہوئی ہے لہٰذا وہ پہلی "کون" ہے لیکن وہ عرض ہے جوہر نہیں اور جلد زائل ہونے والی ہے' اس میں جو عمل کیا جائے وہ سزا اور جزا کا مستحق ہے۔ اسی لئے اس فانی چیز کے اعادے کی ضرورت ہے اور وہ اعادہ آخرت ہے۔ شماس بولا تو نے ٹھیک کہا تیری بات میں نے مان لی لیکن میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تجھے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ "کونین" میں سے دائم آخرت کی نعمتیں ہیں؟ لڑکے نے جواب دیا میں نے اس طرح جانا کہ یہ دنیا جسے اس ذات نے پیدا کیا جو باقی اور لازوال ہے اعمال کا گھر ہے جن پر جزا و سزا ملتی ہے۔ شماس نے کہا کس دنیا والے کے اعمال تعریف کے قابل ہیں؟ لڑکے نے کہا اس کے جو دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔

دنیا ختم ہونے والی ہے' وہ اسی لئے بنائی گئی ہے کہ فنا ہو جائے اور فنا کے بعد محاسبہ کیا جائے گا اور اگر اس دنیا میں کوئی ایسا بھی ہوتا جو ہمیشہ رہتا تو وہ بھی دنیا کو آخرت

پر ترجیح دیتا۔

اب شماس نے کہا اچھا بتا آخرت بے دنیا کے بھی درست ہو سکتی ہے؟ لڑکا بولا جس کی دنیا نہیں آخرت بھی نہیں' دنیا والوں اور آخرت کی مثال جس کی طرف وہ جانے والے ہیں ایسی ہے جیسے ایک جاگیر کے مزدور جن کے لئے ایک امیر نے ایک تنگ مکان بنا کر انہیں اس میں رکھا ہو ان کا کام تقسیم کر دیا ہو اور اس کی میعاد مقرر کر دی ہو ان پر ایک پاسبان مقرر کر دیا ہو' جو مزدور اپنا کام پورا کرتا جائے پاسبان اسے اس تنگ مکان سے نکالتا جائے اور جو مزدور اپنا کام پورا نہ کرے اور میعاد ختم ہو جائے تو پاسبان اسے سزا دے۔ وہ ایسی حالت میں تھے اس عذاب پر بھی جس کی طرف وہ عنقریب جانے والے تھے اس تھوڑی سی مٹھاس پر ریجھ گئے مگر جس جس کی میعاد پوری ہوتی جاتی پاسبان اسے نکالتا جاتا۔ اس سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ دنیا ایسا گھر ہے جہاں آنکھیں چکا چوند ہو جاتی ہیں جہاں کے رہنے والوں کے لئے موت لا بدی ہے جو کوئی دنیا میں تھوڑی سی مٹھاس پا کر اسی کا ہو رہتا ہے وہ برابر ہو جائے گا کیونکہ وہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے' لیکن جس شخص نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی اور تھوڑی سی مٹھاس کو بالکل منہ نہ لگایا وہی کامیاب ہوا۔ شماس بولا جو کچھ تو نے دنیا اور آخرت کے بارے میں کہا میں نے سن لیا اور اسے مان لیا' مگر میں دیکھتا ہوں کہ وہ دونوں انسان پر مسلط ہیں اس لئے اسے ان دونوں کو راضی رکھنا ہے' لیکن دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں' اگر بندہ روزی کمانے میں لگ گیا تو آخرت میں بھی اس کی روح ٹوٹے میں رہے گی اور اگر وہ آخرت کی دھن میں لگا رہا تو اس کا جسم نقصان اٹھائے گا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ دو مخالف کو ایک ساتھ خوش کر سکے۔ لڑکے نے کہا جسے دنیا کی روزی میسر ہوئی آخرت حاصل کرنے کی قوت اس میں زیادہ ہو گئی۔ دنیا اور آخرت

کا معاملہ ایسا ہے جیسے دو بادشاہ' ایک منصف مزاج اور دوسرا ظالم۔

○ منصف مزاج اور ظالم بادشاہ کی کہانی

کسی زمانے میں دو بادشاہ تھے ایک عادل اور دوسرا ظالم۔ ظالم بادشاہ کا ملک سر سبز تھا اس میں بہت سے درخت اور میوے تھے۔ یہ بادشاہ ہر تاجر کا مال اور تجارتی سامان ضبط کر لیا کرتا تھا اور وہ اس پر صبر کرتے تھے کیونکہ ملک اتنا زرخیز تھا کہ انہیں کھانے پینے کے لئے کافی مل جاتا۔ ایک بار عادل بادشاہ نے اپنے ملک کے ایک شخص کو بہت سا مال و دولت دے کر ظالم بادشاہ کے ملک کو بھیجا تا کہ وہ وہاں سے جواہرات خرید کر لائے۔ یہ شخص مال لے کر اس ملک میں پہنچا' بادشاہ کو خبر ملی کہ اس کے ملک میں ایک تاجر بہت سا مال لے کر جواہرات خریدنے آیا ہے بادشاہ نے کسی شخص کو بھیج کر اسے بلوایا اور اسے پوچھا کہ تو کون ہے' کہاں سے آیا ہے' کون تجھے یہاں لایا ہے اور تو کس ضرورت سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا میں فلاں ملک سے آیا ہوں' وہاں کے بادشاہ نے مجھے بہت مال و دولت دے کر یہاں سے جواہرات مول لینے بھیجا ہے اور میں اس کا حکم بجا لانے آیا ہوں۔ بادشاہ نے کہا ستیاناس ہو تیرا! تجھے معلوم نہیں کہ میں اپنی رعایا کے ساتھ کیا کرتا ہوں؟ میں ہر روز ان کا مال ضبط کر لیتا ہوں' پھر تجھے کیا ہوا کہ اپنا مال لے کر تو میرے ملک آیا اور اتنی مدت سے یہاں ٹھہرا ہوا ہے؟ تاجر نے جواب دیا مال میرا نہیں بلکہ وہ میرے پاس بہ طور امانت کے ہے تا کہ میں اسے اس کے مالک کے پاس پہنچا دوں۔ بادشاہ نے کہا جب تک تو اپنی جان کے فدیئے میں سارا مال مجھے نہ دے دے میں تجھے اپنے ملک سے روزی نہ حاصل کرنے دوں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• نو سو دسویں رات

نو سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ ظالم بادشاہ نے تاجر سے کہا کہ یا تو تو تمام مال دے کر اپنی جان بچا لے یا جان دے دے۔ وہ شخص اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں دو بادشاہوں کے بیچ میں برا پھنسا۔ مجھے معلوم ہے کہ اس بادشاہ کا ظلم عام ہے اور ان سب پر ہوتا ہے جو اس کے ملک میں رہتے ہیں۔ اگر میں نے اس کی شرط منظور نہ کی تو میں مارا جاؤں گا میرا مال بھی ضائع ہو جائے گا اور مطلب بھی پورا نہ ہو گا اور اگر میں نے اسے سارا مال دے دیا تو پھر وہ دوسرا بادشاہ مجھے مار ڈالے گا جس کا مال ہے۔ اب سوائے اس کے کوئی تدبیر نظر نہیں آتی کہ میں یہ مال دے کر کم از کم اس بادشاہ سے جان چھڑا لوں اور اس زرخیز ملک سے اپنی روزی حاصل کرتا رہوں جب تک کہ میں جواہرات نہ خرید لوں۔ اس میں یہ فائدہ ہے کہ میں مال دے کر اس بادشاہ کو بھی راضی کر لوں گا اس کے ملک سے روزی بھی کماتا رہوں گا اور مال والے کی حاجت پوری کرکے اس کے پاس جا بھی سکوں گا کیونکہ جو کچھ تھوڑا بہت یہ بادشاہ لے لے گا اس پر وہ بادشاہ سزا نہیں دے گا۔ جتنا کہ وہ اپنے عدل کی وجہ سے درگزر کرے گا۔ یہ سوچ کر تاجر نے بادشاہ کو دعا دی اور کہا اے بادشاہ میں مال کو اپنی جان پر قربان کرتا ہوں یہ مال ایک حقیر بدلہ ہے میرے آنے کے وقت سے جانے کے وقت تک کا۔ بادشاہ نے منظور کر لیا اسے ایک سال رہنے کی اجازت دے دی۔ اس شخص نے اپنا کل مال دے کر جواہرات خرید لیے اور اپنے بادشاہ کے پاس چلا گیا۔

اس کہانی میں عادل بادشاہ کی مثال آخرت کی ہے اور جو جواہرات ظالم بادشاہ کے ملک میں تھے وہ نیکیاں اور بھلے کام ہیں۔ مال والا شخص دنیا دار ہے اور جو مال اس کے پاس ہے وہ انسان کی زندگی ہے۔ جب تو نے یہ دیکھ لیا تو تجھے معلوم ہو جانا چاہیے کہ

جو شخص دنیا کی روزی تلاش کرے اسے چاہیے کہ ایک دن بھی آخرت کی طلب سے خالی نہ رہے' اس طرح سے زمین کی زرخیزی سے فائدہ اٹھا کر اس نے دنیا کو بھی خوش کردیا اور اپنی زندگی سے آخرت کی تلاش میں خرچ کرکے آخرت کو بھی راضی کر لیا۔ شماس بولا بتا آیا جسم اور روح عذاب میں برابر ہیں؟ یا عذاب مخصوص ہے محض اس شخص کے لئے جو شہوتوں اور گناہوں کا مرتکب ہے/ لڑکے نے جواب دیا شہوتوں اور گناہوں کی طرف میلان ثواب کا سبب ہو سکتا ہے اس طرح سے کہ وہ نفس کو اس سے روکے اور توبہ کرتا رہے لیکن فیصلہ اس ذات کے ہاتھ میں ہے جو جس طرح چاہتی ہے کرتی ہے۔ چیزیں اپنی ضد کے مقابلے میں پہچانی جاتی ہیں کھانا پینا بدن کے لیے ضروری ہے اور بدن بغیر روح کے قائم نہیں رہ سکتا روح کی پاکی یہ ہے کہ دنیا میں نیت کی سچائی اور اس چیز کی طرف توجہ جس سے آخرت میں فائدہ پہنچے۔ دنیا اور آخرت ایسی ہیں جیسے دو گھڑ دوڑ کے گھوڑے یا دو رضاعی بھائی' ایک کام کے دو ساجھی' اس اجمال کی تفصیل نیت پر منحصر ہے۔ اسی طرح بدن اور روح عمل اور ثواب و عذاب میں مشترک ہیں۔

○ ایک اندھے اور ایک لولے لنگڑے کی کہانی

اس کی مثال ایک اندھے اور ایک لولے لنگڑے کی ہے جنہیں ایک باغ والا اپنے باغ میں لے گیا اور ان سے کہا کہ دیکھو اسے خراب نہ کرنا نہ تم سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جس سے باغ کو نقصان پہنچے۔ جب باغ میں پھل پکنے لگے تو لولے لنگڑے نے اندھے سے کہا مجھے پکے پکے پھل دکھائی دیتے ہیں اور میرا جی للچا رہا ہے لیکن میں کھڑا نہیں ہو سکتا کہ جا کر انہیں کھاؤں۔ تیرے دونوں پاؤں ٹھیک ہیں تو جا کر پھل توڑ لا تاکہ ہم کھائیں۔ اندھے نے کہا کہ مجھے تو اس کی خبر بھی نہ تھی تو نے

ان کا ذکر کرکے مجھے بے چین کر دیا مگر میں مجبور ہوں کہ وہ مجھے دکھائی نہیں دیتے اور انہیں توڑنے کی کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ باغ کا پاسبان آیا جو سمجھ دار آدمی تھا۔ لولے لنگڑے نے اس سے کہا اے پاسبان میرا جی چاہتا ہے کہ کچھ پھل توڑ کر کھاؤں لیکن تو دیکھتا ہے کہ میں لولا لنگڑا ہوں اور یہ میرا ساتھی اندھا ہے جسے کچھ دکھائی نہیں دیتا پھر کیا ترکیب کریں۔ پاسبان بولا افسوس ہے تم پر تمہیں یاد نہیں تم نے باغ کے مالک سے کیا وعدہ کیا ہے کہ تم کوئی ایسی بات نہ کرو گے جس سے باغ میں خرابی پیدا ہو لہٰذا مان جاؤ اور ایسی بات نہ کرو۔ دونوں نے جواب دیا ہمیں اتنے پھل تو ضرور مل جانے چاہئیں کہ ہم کھائیں تو ہی کوئی تدبیر نکال دے۔ جب وہ اپنے خیال پر اڑے رہے تو پاسبان نے کہا اس کی ترکیب یہ ہو سکتی ہے کہ اندھا کھڑا ہو کر تجھے اپنی پیٹھ پر بٹھا لے اور اس درخت کے پاس لئے جائے جس کے پھل تجھے پسند ہوں پھر جب تو اس درخت کے پاس پہنچ جائے تو جو پھل تیرے ہاتھ لگیں انہیں چن لئے۔ یہ سن کر اندھا اٹھا اور لولے لنگڑے کو اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا۔ لولا لنگڑا اسے راہ بتاتا جاتا یہاں تک کہ وہ ایک درخت کے پاس پہنچا اور اس میں سے پھل پسند کرکے توڑنے لگا ان کا ہمیشہ یہی دستور رہا یہاں تک کہ انہوں نے درختوں کو اجاڑ ڈالا اس کے بعد باغ کا مالک آیا اور کہنے لگا ستیاناس ہو تمہارا' یہ تم نے کیا کیا۔ کیا میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ باغ کو اجاڑنا نہیں۔ انہوں نے کہا تجھے معلوم ہے کہ ہم کہیں چل پھر نہیں سکتے کیوں کہ ہم میں سے ایک لولا لنگڑا ہے اٹھ نہیں سکتا اور دوسرا اندھا' قریب کی چیز بھی اسے دکھائی نہیں دیتی اس لئے ہمارا کیا جرم۔ باغ والے نے کہا شاید تمہارا یہ گمان ہے کہ میں جانتا نہیں کہ تم نے کیا کیا اور میرا باغ کیوں کر اجاڑا۔ میں اس طرح جانتا ہوں کہ گویا میں تمہارے ساتھ تھا اے اندھے تو نے لولے کو اپنی پیٹھ پر بٹھایا اور وہ تجھے راہ بتاتے بتاتے ایک درخت کے پاس لے گیا یہ کہہ کر اس نے انہیں پکڑا اور خوب مار کر باغ سے باہر نکال دیا۔

یہاں اندھے کی مثال جسم کی ہے جو بغیر نفس کے دیکھ نہیں سکتا اور لولے لنگڑے کی مثال نفس کی جو بغیر جسم کے حرکت نہیں کر سکتا۔ باغ وہ عمل ہے جس پر بندے کو جزا سزا ملتی ہے۔ پاسبان عقل ہے جو نیکی کی طرف ابھارتی اور برائی سے روکتی ہے اس لئے جسم اور روح دونوں ثواب و عذاب میں برابر ہیں۔ شماس نے کہا بہت ٹھیک اور میں تیری بات تسلیم کرتا ہوں اب یہ بتا کہ تیرے نزدیک کون سا عالم سب سے زیادہ تعریف کے قابل ہے۔ لڑکے نے کہا جسے اللہ کا علم ہو اور اس علم سے اسے فائدہ پہنچتاہو۔ شماس نے پوچھا وہ کون شخص ہے۔ لڑکے نے جواب دیا جو شخص اپنے پروردگار کی خوشنودی چاہتا ہو اوراس کی ناخوشی سے بچتا ہو۔ شماس نے پوچھا ان میں سے افضل کون ہے۔ لڑکے نے جواب دیا جس کا علم اللہ کے متعلق زیادہ ہو۔ شماس نے پوچھا کس کا علم زیادہ ہے۔ لڑکا بولا جوعلم پر ثابت قدمی کے ساتھ عمل کرتا ہو۔ شماس نے پوچھا ان میں سے کس کا دل زیادہ رقیق ہے۔ لڑکے نے کہا جو شخص موت کے لئے زیادہ تیار ہو اس کی یاد زیادہ کرتا ہو اور امید کم رکھتا ہو کیونکہ جو شخص موت کے مصائب کا ہمیشہ خیال رکھتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو صاف آئینے میں دیکھ رہا ہو کیونکہ وہ اپنی شکل ہو بہ ہو دیکھے گا اور آئینے سے اس کی صفائی اور چمک اور بڑھ جائے گی۔ شماس نے پوچھا کون سے خزانے سب سے اچھے ہیں۔ اس نے کہا آسمان کے خزانے۔ شماس بولا آسمان کے خزانوں میں سے کون سا بہترین ہے۔ اس نے کہا خدا کی تعظیم اور تحمید۔ شماس نے کہا دنیا کے خزانوں میں سے کون سا افضل ہے۔ لڑکے نے کہا کہ نیکی کرنا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

نو سو گیارہویں رات

نو سو گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ جب لڑکے نے جواب دیا کہ نیکی کرنا تو شماس نے کہا ٹھیک ہے میں تیری بات مانتا ہوں اب تین مختلف چیزوں علم' رائے اور ذہن کے بارے میں اپنی رائے دے اور بتا کر کون سی چیز انہیں اکٹھا کرتی ہے۔ لڑکے نے کہا کہ علم پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے' رائے تجربے سے' ذہن سوچنے سے اور عقل انہیں مضبوط اور یک جا رکھتی ہے۔ جس میں یہ تینوں چیزیں ہوں وہ کامل ہوتا ہے اورجو شخص ان کے ساتھ خدا کا تقویٰ بھی شامل کر لے وہ ہدایت پاتا ہے۔ شماس نے کہا ٹھیک ہے میں نے مان لیا اب بتا کہ ایسے عالم کو جو بڑا علم والا' سمجھدار اور ذہین و فطین ہو خواہش اور شہوت ان حالات سے بدل دیتی ہے جن کا تو نے ذکر کیا یا نہیں۔ لڑکے نے جواب دیا جب یہ دونوں خصلتیں انسان میں سرایت کر جاتی ہیں تو وہ اس کے علم' فہم سمجھ اور ذہانت کو بدل دیتی ہیں۔ اس کی مثال اس درندے شاہین کی ہے جو اپنے شکار سے دور اپنی نگاہ کی تیزی کی وجہ سے آسمان پر اڑ رہا ہے اور اسی حالت میں اس نے دیکھا کہ چڑی مار نے جال بچھایا اور اس میں گوشت کا ٹکڑا رکھ دیا ہے۔ گوشت دیکھ کر شاہین پر خواہش نے اتنا غلبہ کیا کہ وہ جال کو بھی بھول گیا ان چڑیوں کے برے حال کو جو اس میں پھنستی ہیں وہ آسمان سے جھپٹا اور گوشت کے ٹکڑے کے پاس آتے ہی جال میں پھنستی گیا۔ چڑی مار نے دیکھا کہ جال میں شاہین پھنسا ہوا ہے تو وہ بڑے تعجب سے کہنے لگا میں نے تو جال میں اس لئے لگایا تھا کہ کبوتر یا ایسا ہی کوئی اور کمزور پرندہ پھنسے لیکن یہ شاہیں کیسے پھنس گیا؟ کہا جاتا ہے کہ جب نفسانی خواہش کسی سمجھ دار شخص کو کسی بات کی طرف لے جاتی ہے تو وہ پہلے اسے عقل کی کسوٹی پر کستا ہے اس کے برے نتیجے سوچ کر اس سے

کنارہ کش ہو جاتا ہے اور اپنی نفسانی خواہش کو دبا دیتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص کو نفسانی خواہش کسی کام کی طرف مائل کرے تو اسے چاہیے کہ اپنی عقل سے ایسے شہسوار کا کام لے جو شہسواری میں ماہر ہو ایسا شہسوار منہ زور گھوڑے پر سوار ہوتا ہے تو لگام زور سے کھینچتا ہے۔ یہاں تک کہ گھوڑا سیدھا ہو جاتا ہے اور سوار کو اس کی مرضی کے مطابق لے چلتا ہے۔ مگر جو شخص ناسمجھ ہوتا ہے نہ علم رکھتا ہے نہ رائے' ٹھیک فیصلہ نہیں کر سکتا اور نفسانی خواہشات اس پر غالب ہوتی ہیں تو وہ خواہشات کے کہنے پر چل کر تباہ ہو جاتا ہے اور اس سے بدتر حالت کسی کی نہیں ہوتی۔ شماس بولا تو نے ٹھیک کہا میں تیری بات مانتا ہوں اب بتا کہ علم کس وقت فائدہ پہنچاتا ہے اور عقل کب نفسانی خواہشات کو روک سکتی ہے؟ لڑکے نے جواب دیا جب اس ان کا مالک انہیں آخرت کی طلب میں صرف کرتا ہے' عقل اور علم دونوں مفید چیزیں ہیں لیکن انسان کو چاہیے کہ ان سے محض اس قدر دنیا کا طالب ہو جس سے اس کی روزی چل سکے اور وہ اس کے شر سے بچ سکے باقی آخرت کے کاموں میں صرف کرے۔ شماس نے کہا کون سی بات اس کی سب سے زیادہ مستحق ہے کہ انسان اس میں لگا رہے اور اس کا دل اس میں مشغول رہے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ نیک کام۔ شماس نے کہا اگر انسان نے یہ کیا تو روزی کمانے میں ہرج ہو گا' پھر روزی کمانے کی کیا ترکیب ہو گی جو اس کے لئے ضروری ہے؟ لڑکا بولا اس کا دن چوبیس گھنٹے کا ہے اس لیے اسے چاہیے کہ اس کا ایک حصہ روزی کمانے میں صرف کرے ایک حصہ آرام کرنے میں اور جو باقی رہے اس میں علم حاصل کرے کیونکہ اگر انسان عاقل ہے لیکن علم سے بے بہرہ تو اس کی مثال بنجر زمین کی سی ہے جس میں نہ کھیتی ہو سکتی نہ باڑھ لگائی جا سکتی ہے نہ گھاس اگ سکتی ہے جب تک وہ زمین کام کی نہ بن جائے کہ اس میں کھیتی ہو سکے اور درخت لگائے جا سکیں تو کسی قسم کا بھی بیج اس میں کارآمد ثابت نہ ہو گا۔ جب وہ کھیتی کے لئے تیار ہو جائے اور اس کے بعد اس

میں پود لگائی جائے۔ اس کی پیداوار اچھی ہو گی۔ یہی مثال بے علم انسان کی ہے کہ جب تک اس میں علم کی پود نہ لگائی جائے تو وہ بے سود ہے اور جب اس میں علم بو دیا جائے تو پھل آنے لگیں گے۔ شماس نے پوچھا علم بے عقل کے کیسا ہے "لڑکے نے جواب دیا جیسے جانور کا علم جو اس سے کھانے پینے اور جاگنے کے اوقات سیکھ لیتا ہے لیکن اس میں عقل نہیں ہوتی۔ اس پر شماس بولا کہ اس کا جواب تو نے بہت مجمل دیا لیکن میں اسے تقسیم کرتا ہوں اب بتا میں اپنے آپ کو بادشاہ سے کیونکر محفوظ رکھ سکتا ہوں؟ لڑکے نے جواب دیا اسے اپنے خلاف کوئی موقع نہ دے۔ شماس بولا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اسے اپنے خلاف موقع نہ دوں حالانکہ وہ میرے اوپر حاکم ہے اور میرے ہر کام کی باگ اس کے ہاتھ میں ہے؟ لڑکے نے جواب دیا اس کی حکومت تیرے اوپر ان حقوق کی وجہ سے ہے جو اس کے تیرے اوپر ہیں جب تو نے اس کے حقوق ادا کر دیئے تو پھر اس کی کوئی حکومت تیرے اوپر باقی نہیں رہی۔ شماس نے پوچھا بادشاہ کا حق وزیر پر کیا ہے؟ لڑکے نے کہا نصیحت ظاہر و باطن میں اس کی خدمت کرنا' نیک رائے دینا اس کے بھیدوں کو پوشیدہ رکھنا اس سے کوئی ایسی بات نہ چھپانا جس کے جاننے کا اسے حق ہو اور جس حاجت کے پورا کرنے کا بادشاہ نے اسے حکم دیا ہو اس میں غفلت نہ کر' ہر طرح سے اسے راضی رکھنا اور اس کے غصے سے بچنا۔ شماس بولا وزیر کو بادشاہ کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ لڑکے نے جواب دیا اگر تو بادشاہ کا وزیر ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی برائی سے بچتا رہے تو تیرا سننا اور کہنا اس سے زیادہ ہونا چاہیے۔ جو تیری شان کے شایاں ہو۔ خبر دار اپنا رتبہ اتنا نہ بڑھائیو کہ وہ تجھے اس کا اہل نہ سمجھے ورنہ وہ سمجھے گا کہ تو اس کے اوپر رعب ڈالنا چاہتا ہے۔ اگر تو اس کی بردباری کی وجہ سے مغرور ہو گیا اور اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھنے لگا جس کا وہ تجھے اہل نہیں سمجھتا تو تیری مثال اس شکاری کی سی ہو گی جس نے جانوروں کا شکار کر کے ان کی کھالیں اپنی ضرورت کے لئے اتاریں اور گوشت پھینک دیا۔ پھر شیر آ کر ان جانوروں کو کھاتا رہا اور وہاں اکثر آنے جانے کی وجہ سے شیر شکاری سے مانوس ہو گیا۔

شکاری روز اس کے آگے گوشت پھینکتا اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا اور شیر اپنی دم ہلاتا رہا۔ اب جب کہ شکاری نے دیکھا کہ شیر اس سے مانوس ہو گیا ہے اور اس کے آگے دم ہلاتا ہے تو اس نے اپنے دل میں کہا کہ شیر مجھ سے ہل گیا ہے میں اس کا مالک بن گیا ہوں اور اب کوئی وجہ باقی نہیں میں اس پر سوار ہو کر دوسرے جانوروں کی طرح اس کی کھال بھی نہ کھینچ لوں۔ اس کے بعد شکاری ہمت کرکے اس پر چڑھ بیٹھا لیکن جب شیر نے شکاری کی یہ حرکت دیکھی تو وہ طیش میں آ گیا اور اس پر ایسا پنجہ مارا کہ وہ اس کی پیٹ میں گیا اس نے شکاری کو اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر چیر پھاڑ ڈالا اس سے تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ وزیر کو چاہیے کہ اپنے رتبے کے موافق بادشاہ کے پاس رہے اور اپنے آپ کو بڑا یا قابل سمجھ کر اس کے ساتھ گستاخی نہ کر بیٹھے ورنہ بادشاہ اس کی بری گت بنائے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• نو سو بارہویں رات

نو سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ جلی عاد کے بیٹے نے وزیر سے کہا اگر تو نے بادشاہ کے ساتھ گستاخی کی تو وہ تیری بری گت بنائے گا۔ شماس نے پوچھا وہ کیا چیز ہے جس سے بادشاہ کے نزدیک وزیر کی شان بڑھ جاتی ہے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ اس امانت کے ادا کرنے سے جو اس کے سپرد کی گئی ہے۔ مثلاً نصیحت' ٹھیک رائے اور اس کے حکموں کی تعمیل۔ شماس نے کہا تو نے پہلے بیان کیا تھا کہ بادشاہ کا حق وزیر پر یہ ہے کہ وہ اس کی ناراضی سے پرہیز کرے اور اس کی رضا مندی ڈھونڈے لیکن اگر بادشاہ کی رضا مندی ہی جو رو ظلم کرنے میں ہو؟ لڑکے نے جواب دیا اگر وزیر ان باتوں میں بادشاہ کو عقل و انصاف کی راہ پر لائے' جو رو ظلم سے ڈرائے رعیت کے ساتھ خوش اخلاقی کرنا بتائے اور ان سے جو ثواب و عذاب ہوتا ہو آگاہ کرے۔ اگر بادشاہ وزیر کی باتوں کی طرف مائل ہو گیا تو مطلب بر آیا ورنہ وہ عمدہ طرح سے بادشاہ سے جدا ہو جائے کیونکہ اس جدائی میں دونوں کے لئے فائدہ ہے۔ وزیر نے کہا بادشاہ کا حق رعیت پر اور رعیت کا بادشاہ پر کیا ہے؟ اس نے جواب دیا بادشاہ انہیں حکم دے اسے وہ سچی نیت سے پورا کریں اور جس بات سے وہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو بجا لائیں۔ رعیت کا حق بادشاہ پر یہ ہے کہ وہ ان کے مال اور عزت کی حفاظت کرے۔ رعیت کا حق بادشاہ پر زیادہ ضروری ہے۔ بہ نسبت بادشاہ کے حق کے کیونکہ اگر رعیت کا حق ضائع ہو جائے تو بادشاہ کے ملک و دولت کا زوال ہے اور خود بادشاہ تباہ ہو جاتا ہے اس لئے جس کے پاس بادشاہت ہو اسے تین چیزوں کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ دین کی اصلاح' رعیت کی اصلاح اور سیاست کی اصلاح۔ ان تین چیزوں کا لحاظ رکھنے سے اس کی حکومت قائم رہتی ہے۔

اس کے بعد وزیر نے پوچھا وزیر کا حق بادشاہ پر کیا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا کسی شخص

کا حق بادشاہ پر اتنا ضروری نہیں ہے جتنا کہ وزیر کا۔ اس کے تین سبب ہیں۔ پہلے یہ کہ غلط رائے کی وجہ سے بادشاہ پر آفت آتی ہو اور ٹھیک رائے سے بادشاہ اور رعیت دونوں کا فائدہ ہوتا ہو۔ دوسرے یہ کہ اگر رعایا کو معلوم ہو جائے کہ بادشاہ کے نزدیک وزیر کا بڑا رتبہ ہے تو وہ بھی وزیر کو عزت کی نظر سے دیکھیں گے اور اس کی فرماں برداری کریں گے۔ تیسرے یہ کہ جب وزیر دیکھے گا کہ بادشاہ اور رعایا کے نزدیک اس کا یہ رتبہ ہے تو وہ بری باتوں کو ان کے پاس آنے سے روکے گا اور اچھا سلوک ان کے ساتھ کرے گا۔ وزیر نے کہا زبان کو جھوٹ اور بے ہودہ گوئی سے روکنے' کسی کی بے عزتی کرنے اور اور زیادہ باتیں کرنے کے بارے میں تیرا کیا خایل ہے؟ لڑکے نہ جواب دیا انسان کو چاہیے کہ محض نیکی اور بھلائی کی باتیں زبان سے نکالے۔ جس بات سے اس کا تعلق نہ ہو وہ زبان پر نہ لائے۔ چغلی نہ کھائے' کسی کے پاس وہ باتیں نہ لے جائے جو اس کے دشمن نے کہی ہوں' اپنے دوست یا دشمن کسی کی برائی بادشاہ کے سامنے نہ کرے اور سوائے خداکے کسی کی پروا نہ کرے خواہ اس سے فائدہ کی امید ہو یا نقصان کا ڈر کیونکہ دراصل نفع اور نقصان پہنچانے والا خدا ہی ہے کسی کا عیب نہ بیان کرے اور اور جہالت کی باتیں نہ کرے تاکہ وہ خدا کے عذاب اور آدمیوں کی دشمنی سے بچا رہے۔ بات کی مثال تیر کی سی ہوتی ہے جب نکل جائے تو کوئی اسے واپس نہیں لا سکتا اور اپنا بھید ایسے شخص سے نہ کہے جو اسے ظاہر کر دے۔ اپنا بھید دشمن کی نسبت دوست سے زیادہ چھپانا چاہیے۔ شماس بولا کہ عزیز واقارب کے ساتھ خوش خلقی کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ لڑکے نے کہا انسان کو سوائے خوش خلقی کے اور کسی چیز میں راحت نہیں۔ عزیز و اقارب کے ساتھ واجبی خوش خلقی سے پیش آنا چاہیے۔ جس کے وہ مستحق ہیں۔ وزیر نے پوچھا رشتے داروں سے کیا سلوک کرنا چاہیے؟ لڑکے نے جواب دیا۔ ماں باپ کے ساتھ فرمانبرداری شیریں کلامی' اطاعت اور عزت و احترام بھائی بندوں کے ساتھ نصیحت' مال سے ان کی مدد کرنا' ان کی خوشی

پر خوش ہونا اور ان کی غلطیوں پر پردہ پوشی۔ اگر تجھے کسی اپنے بھائی پر اعتماد ہو تو اس کے ساتھ محبت' ہر بات میں اس کا مدد گار ہو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ооо

- ## نو سو تیرہویں رات

نو سو تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ مذکورہ باتوں کا جواب پانے کے بعد وزیر شماس نے جلی عاد بادشاہ کے بیٹے سے کہا بھائی بند دو طرح کے ہوتے ہیں' ایک تو سچے دوسرے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے۔ سچے بھائی بندوں کے بارے میں تو تو کہہ چکا ہے اب ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے بھائی بندوں کے متعلق بتا۔ لڑکے نے کہا ان سے تجھے لذت' خوش' خلقی' شیریں کلامی اور صحت کے آداب ملتے ہیں' اس لئے ان سے الگ تھلگ نہ رہنا چاہیے بلکہ ان کے ساتھ وہی برتاؤ کرنا چاہیے جو تیرے ساتھ کرتے ہیں اور جس خندہ پیشانی اور خوش کلامی سے وہ تیرے ساتھ پیش آتے ہیں تو بھی ان کے ساتھ پیش آ۔ اس طرح سے تیری زندگی مزے سے گزرے گی اور تو ان میں مقبول ہو گا۔ شماس نے کہا اب یہ بتا کہ جو رزق خدا کی طرف سے مقدر ہے کیا وہ ساری زندگی کے لئے ہے؟ اور اگر یہ واقعہ ہے تو روزی کا طالب یہ جاننے کے بعد بھی کیوں محنت و مشقت کرتا ہے؟ پھر اگر مقدر نہیں ہے تو وہ کتنی ہی کوشش کرے اسے نہیں ملے گا۔ ایسی حالت میں کیا اسے کوشش چھوڑ دینی واجب ہے اور خدا پر بھروسہ کرکے اپنے جسم کو آرام دینا چاہیے؟ لڑکے نے کہا یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہر ایک کا رزق مقدر اور موت لابدی ہے تاہم ہر رزق کے لئے راستے اور اسباب ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اگر روزی کا طالب تلاش چھوڑ دے تو اسے آرام ملے گا لیکن باوجود اس کے اس کے لئے تلاش ضروری ہے اور طالب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جسے روزی مل جاتی ہے اور دوسرا جو محروم رہتا ہے۔ پہلے کی دو حالتیں ہیں۔ اس کی روزی کا ملنا اور اس کی تلاش کا نتیجہ اچھا ہونا۔ محروم کو تین طرح سے آرام مل سکتا ہے۔ روزی کی تلاش کی قابلیت سے' لوگوں پر بار نہ ہونے سے اور ملامت کا شکار نہ بننے سے۔ شماس بولا روزی کی تلاش کا طریقہ کیا ہے؟ لڑکا بولا جو کچھ خدا نے حلال رکھا

ہو اسے حلال سمجھے اور جو حرام کر دیا ہے اس سے بچا رہے۔
یہاں تک پہنچنے کے بعد ان کے درمیان سوال و جواب بند ہو گئے۔ شماس اور دوسرے علما نے جو وہاں پر موجود تھے' اٹھ کر لڑکے کے آگے سجدہ کیا' اس کی تعظیم کی' اسے سراہا' باپ نے اسے سینے سے لگا لیا اسے شاہی تخت پر بٹھایا اور کہنے لگا شکر ہے خدا کا اس نے میری زندگی میں مجھے ایسا بیٹا دیا جس سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔
اب لڑکے نے تمام علماء کے روبرو شماس سے کہا اے عالم اور روحانی مسئلوں کے ماہر اگرچہ خدا نے مجھے تھوڑا ہی سا علم دیا ہے لیکن میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے میرے جوابوں کو مان لیا خواہ جواب ٹھیک تھے یا غلط اور غلطیوں کو معاف کر دیا۔ اب میں تجھ سے چند باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں جن کے سمجھنے سے میری عقل عاجز' استطاعت ناکافی اور زبان گونگی ہے۔ ان کا سمجھنا میرے لئے ایسا ہی مشکل ہے جیسے کالے برتن میں صاف پانی اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تو ان کی تشریح کر دے تاکہ مجھ جیسا شخص بھی انہیں سمجھ لئے جس طرح خدا نے پانی میں زندگی کھانے میں قوت اور طبیب کے علاج میں مریض کے لئے شفاء رکھی ہے۔ اسی طرح عالم کے علم میں جاہل کے لئے روشنی لہٰذا کان دھر کر میری بات سن۔ شماس نے کہا اے روشن عقل اور عمدہ مسائل کے ماہر میں جانتا ہوں کہ جو کچھ تو پوچھے گا اس میں تیری رائے زیادہ صائب ہو گی کیونکہ جو علم خدا نے تجھے دیا ہے کسی اور کو نہیں دیا۔ بہر حال کہہ کہ تو مجھ سے کیا پوچھنا چاہتا ہے!
لڑکے نے کہا یہ بتا کہ خدا نے کس چیز سے مخلوقات کو پیدا کیا کیونکہ اس سے پہلے کوئی چیز موجود نہ تھی لیکن اس دنیا میں نظر یہی آتا ہے کہ ایک چیز کسی دوسری چیز سے پیدا ہوئی ہے؟ وزیر شماس نے جواب دیا کمہار اور دوسرے کاری گر اس قابل نہیں کہ بغیر ایک چیز کے دوسری چیز پیدا کر سکیں کیونکہ وہ خود مخلوق ہیں لیکن اگر اس خالق کی قدرت جاننا چاہتا ہے جس نے تمام چیزیں ایجاد کی ہیں تو طرح طرح کی مخلوقات

کو خوب غور سے دیکھ تجھے معلوم ہو جائے گا کہ اس کی قدرت اس درجے ہے کہ وہ چیزوں کو بے کسی چیز کے پیدا کر سکتا ہے بلکہ انہیں خالص عدم سے وجود میں لا سکتا ہے کیونکہ عناصر جن سے چیزیں بنی ہیں کچھ نہ تھے اس کا ثبوت تجھے دن اور رات سے مل سکتا ہے۔ جب دن چھپ جاتا اور رات آ جاتی ہے تو ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ دن کہاں چلا گیا۔ اسی طرح جب رات کا اندھیرا اور وحشت دور ہو جاتی ہے اور دن نکل آتا ہے تو ہمیں اس کا پتا نہیں چلتا کہ رات کہاں گئی۔ اسی طرح جب سورج نکلتا ہے تو ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی روشنی کہاں لپٹی ہوئی ہے اور جب وہ ڈوب جاتا ہے تو ہمیں یہ پتہ نہیں چلتا کہ غروب کے وقت وہ کہاں ہے۔
اسی طرح کی مثالیں اور بہت سی ہیں۔ جن سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ لڑکے نے کہا کہ عالم! تو نے خدا کی قدرت اس اچھے پیرائے میں بیان کی کہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا' اب یہ بتا کہ خدا نے مخلوقات کو ایجاد کس طرح کیا؟ شماس نے جواب دیا اس کلمے سے جو عالم کی پیدائش سے پہلے موجود تھا۔ اسی سے اس نے تمام چیزیں پیدا کیں۔ لڑکے نے کہا کہ کیا خدا نے چیزوں کے وجود سے پہلے انہیں پیدا کرنے کا ارادہ کر لیا تھا؟ شماس نے جواب دیا اگر اس میں گویائی نہ ہوتی اور منہ سے کوئی بات نکال نہ سکتا تو آج مخلوقات کا وجود نہ ہوتا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو چودہویں رات

نو سو چودہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- ان سوالوں کا جواب دینے کے بعد شماس نے کہا پیارے بیٹے! جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس کے خلاف کوئی شخص کچھ نہیں کہہ سکتا بشرطیکہ وہ شریعت کی باتوں کی تاویل توڑ مروڑ کر نہ کرے اور سچی باتوں کو جھوٹا نہ کرے اور اگر تو کہے کہ کلمے میں قوت ہے تو خدا اس عقیدے سے بچائے بلکہ ہمارا یہ کہنا ہے کہ خدا نے مخلوقات کو اپنے ایک بول سے پیدا کیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا اپنی ذات اور صفات میں یکتا ہے نہ یہ کہ اس کے بول میں قدرت ہے۔ قدرت تو خدا کی ایک صفت ہے۔ جس طرح کہ باتیں کرنا وغیرہ جو مکمل صفتیں ہیں خدا ہی کی صفتیں ہیں لہٰذا خدا کی صفت میں اس کے کلام کا لانا ضروری ہے۔ جس طرح اس کے کلام کی صفت میں خدا کا لانا۔ خدا نے اپنے کلام سے ہر چیز کو پیدا کیا اور بے کلام کے کچھ نہیں۔ ہر چیز کو وہ اپنے سچ کلام سے وجود میں لایا اس لئے ہم بھی سچ کلام سے پیدا ہوئے ہیں۔ لڑکے نے کہا تو کہتا ہے کہ خدا نے مخلوقات کو اپنے سچ کلام سے پیدا کیا اور حق باطل کا مخالف ہے پھر باطل کہاں سے آیا؟ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ باطل حق سے مل کر مشتبہ اور لوگوں کو دونوں میں فرق کرنا مشکل ہو گیا یہاں تک انہیں دونوں میں فرق کرنے کی ضرورت پڑ گئی؟ دوسرے یہ کہ خدا اس باطل کو پسند کرتا ہے یا اس کے خلاف؟ اگر تو کہے کہ وہ حق کو پسند کرتا ہے اس نے اسی سے ساری خلقت پیدا کی ہے اور وہ باطل کا دشمن ہے۔ تو پھر یہ کیسے ہوا کہ باطل جس سے خدا کی بغض ہو حق میں جا کر شامل ہو گیا۔ جس سے خدا کو محبت ہو؟۔ شماس نے جواب دیا یہ سچ ہے کہ خدا نے انسان کو حق سے پیدا کیا اور انسان کو اس وقت تک توبہ کی ضرورت نہ پڑی جب تک باطل حق میں مل جل نہ گیا۔ اس حق میں جس کے ساتھ انسان اس وجہ سے پیدا کیا گیا

تھا کہ اس میں ایک استطاعت ہے جس کا نام ارادہ ہے اور ایک فعل ہے جسے کسب کہتے ہیں اس لحاظ سے جب باطل حق سے مل گیا تو حق اور باطل میں امتیاز باقی نہ رہا اس کی وجہ انسانی ارادہ' استطاعت کسب اور اس کی طبیعت کی کمزوری ہے۔ یہاں پہنچ کر خدا نے توبہ پیدا کی تاکہ باطل کو اس سے پھیر دے اور حق پر لا جمائے۔ پھر اگر وہ باطل پر مصر رہا تو اس کے لئے عذاب پیدا کیا۔ لڑکے نے پوچھا' آخر اس باطل کو حق کے سامنے پیش کرنے کی کیا ضرورت پڑی کہ دونوں گڈ مڈ ہو گئے اور انسان عذاب کا کیوں مستحق ہوا کہ اسے توبہ کی ضرورت پڑی؟ شماس نے جواب دیا جب خدا نے انسان کو حق کے ساتھ پیدا کیا تو اسے اس نے اپنا محبوب بنایا اس وقت تک نہ عذاب کا وجود تھا نہ توبہ کا۔ یہ حالت اس وقت تک رہی کہ خدا نے انسان کے لئے نفس پیدا نہ کیا جو ایک طرف تو انسانیت کا کمال ہے اور دوسری طرف اس پر خواہشات کے فعل کی مہر لگی ہوئی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ باطل اس حق سے مل کر گڈ مڈ ہو گیا۔ جس کے ساتھ انسان پیدا کیا گیا تھا اور اس کی فطرت پر خدا کی محبت کی مہر لگائی گئی تھی۔ اس منزل پر پہنچ کر انسان حق سے مڑ کر گناہ میں جا پڑا اور یہ تو ظاہر ہے کہ جو شخص حق سے منہ موڑے گا باطل میں جا پڑے گا۔

اب لڑکے نے پوچھا کیا گناہ اور مخالفت کی وجہ سے باطل نے حق پر قابو پا لیا؟ شماس نے جواب دیا یہی بات ہے کیونکہ خدا انسان کو چاہتا ہے اور اسی محبت کی زیادتی کی وجہ سے خدا نے اسے اپنا محتاج بنایا ہے لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان بھٹک جاتا ہے کیونکہ نفس کا میلان خواہشات کی طرف ہے وہ پیچھے ہٹتا ہے گناہ کے سبب باطل میں جا پڑتا ہے اور اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتا ہے لہٰذا وہ عذاب اور سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے لیکن جب وہ توبہ کرکے باطل کو دور کر دیتا ہے اور حق کی محبت کی طرف رجوع کرتا ہے تو ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ لڑکے نے کہا گناہ کی ابتدا کیا ہے۔ حالانکہ ساری خلقت اپنی ابتدا آدم سے بتاتی ہے اور اللہ نے انہیں حق سے پیدا کیا ہے پھر یہ کیونکر ہوا کہ انہوں نے گناہ کو جلب کر لیا اور پھر اس کے بعد توبہ کو جس کا

نتیجہ ثواب ہو سکتا ہے یا عذاب؟ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ گناہ کی طرف مائل ہیں جو خدا کی ناراضگی کی وجہ ہے اور بعض لوگ خدا کی رضا مندی اور اطاعت کی طرف جس کی وجہ سے وہ اس کی رحمت اور ثواب کے مستحق ہیں۔ اس اختلاف کا سبب کیا ہے؟ شماس نے کہا دنیا میں یہ معصیت سب سے پہلے ابلیس کی وجہ سے آئی جو شروع میں فرشتوں اور جن و انس سب سے بزرگ تھا اس پر محبت کی مہر تھی اس کے سوا وہ کچھ نہ جانتا تھا۔ جب اس کی یہ تخصیص ہو گئی تو اس میں غرور' بڑائی' گھمنڈ' ایمان اور خدا کی اطاعت سے تکبر سرایت کر گیا اس لئے خدا نے اسے ساری مخلوقات سے پست کر دیا اور اسے محبت سے نکال کر معصیت میں ڈال دیا۔ جب ابلیس نے دیکھا کہ خدا معصیت کو دوست نہیں رکھتا اور آدم حق محبت اور خدا کی اطاعت کا پتلا ہے تو وہ حسد کرنے لگا اس نے آدم کو حق سے باہر کرنے کے لئے ایک چال چلی تاکہ وہ باطل میں ان کا شریک ہو جائے۔ اس لئے آدم پر بھی عذاب لازم آیا مگر چونکہ خدا جانتا تھا کہ انسان کمزور ہے جلدی سے دشمن کے کہے میں آ جاتا ہے اور حق کو چھوڑ دیتا ہے تو خدا نے اپنی رحمت سے اس کے لئے توبہ پیدا کی تاکہ وہ معصیت کے بھنور سے نکل آئے اور توبہ کے ہتھیار سے اپنے دشمن ابلیس کو زیر کرکے حق کی طرف آ جائے جو اس کی سرشت ہے۔ ابلیس کو معلوم ہوا کہ خدا نے اس کی رسی ڈھیلی کر رکھی ہے تو وہ انسان کے خلاف لڑائی کرنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس پر ایسی ایسی چالیں چلا کہ وہ خدا کی رحمت سے نکل کر خدا کی ناراضگی کا مستحق ہو جائے جس میں ابلیس اور اس کا لشکر مبتلا ہے۔ اس کے جواب میں خدا نے انسان کو توبہ کی استطاعت دے دی اور اسے حکم دیا کہ وہ حق سے ملا رہے اس پر مداومت کرے' معصیت اور خدا کی خلاف ورزی سے منع کیا اور اسے الہام کیا کہ زمین پر تیرا ایک جنگ جو دشمن ہے اس سے دن رات کبھی بے خبر نہ ہو جیو۔ یہی وجہ ہے کہ اگر انسان حق کا ساتھ دے تو وہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور اگر اس کا نفس اس پر غالب

آ کر اسے نفسانی خواہشوں کی طرف لے جائے تو عذاب کا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سوپندرہویں رات

نو سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک بادشاہ! ان سوالوں کے بعد لڑکے نے پوچھا انسان کے پاس ایسی کون سی قوت ہے جس کے برتے پر اس نے اپنے خالق کی مخالفت کی حالانکہ وہ اتنا زبردست ہے کہ کوئی چیز اسے نیچا نہیں دکھا سکتی نہ اس کے ارادے سے باہر قدم رکھ سکتی ہے۔ کیا تیرا یہ خیال نہیں کہ خدا اس بات پر قادر ہے کہ اپنی مخلوق کو اس معصیت سے پھیر دے اور انہیں ہمیشہ محبت میں لگا رکھے؟ شماس نے جواب دیا خدا ان پر مہربان ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں' اس نے انہیں نیکی کا راستہ دکھا دیا ہے اور جو نیکی وہ کرنا چاہیں اس کی قدرت اور استطاعت انہیں دے رکھی ہے اگر وہ اس کے خلاف کریں تو ہلاکت اور معصیت میں جا پڑتے ہیں۔ لڑکے نے کہا اگر خدا ہی نے انہیں استطاعت دی جس کی وجہ سے وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں تو خدا ان کے اور ان کے باطل کے درمیان حائل کیوں نہیں ہو جاتا تاکہ وہ انہیں حق کی طرف پھیر دے؟ شماس نے جواب دیا اس کی وجہ خدا کی بڑی رحمت اور مکمل حکمت ہے' وہ ایک بار ابلیس پر ناراض ہوا اور اسے معاف نہیں کیا' اسی طرح اس نے ایک بار اپنی رحمت سے آدم کو توبہ عطا کی اور ناراضگی کے بعد راضی ہو گیا۔ لڑکا بولا یہ واقعی ٹھیک ہے کیونکہ خدا ہر ایک کے عمل کا بدلہ دیتا ہے اور سوائے اس کے کوئی ایسا خالق نہیں جو ہر چیز پر قادر ہو لیکن یہ بتا کہ آیا خدا نے وہ سب چیزیں پیدا کیں جو اسے پسند تھیں اور ناپسند یا فقط وہی جو اسے پسند تھیں۔ شماس بولا پیدا تو اس نے سب چیزیں کی ہیں مگر راضی انہی سے ہے جو اسے پسند ہیں۔ لڑکے نے پوچھا یہ دو چیزیں کیسی ہیں' ایک وہ جن سے خدا راضی ہوتا ہے اور ثواب دیتا ہے اور دوسری وہ جن سے خدا ناراض ہوتا ہے اور عذاب نازل کرتا ہے؟ وہ خیر اور شر ہیں جسم اور روح سے صادر ہوتے ہیں ان میں سے خیر کو اس لئے خیر کہتے ہیں کہ اس

میں خدا کی رضا مندی ہے اور شر کو شر اس لئے کہ اس میں خدا کی ناراضگی ہے۔
اس کے بعد لڑکے نے کہا یہ بتا کہ پانچوں حواس خیر کے لئے پیدا کئے گئے ہیں یا شر کے لئے؟ شماس بولا خدا نے انسان کو حق پر پیدا کیا ہے اور اسے محض عدل و انصاف اور نیکی کا حکم دیتا ہے لیکن اس کے نفس میں خواہشات کی طرف بھی میلان ہے اور یہ پانچوں حواس محض سبب ہیں ثواب یا عذاب کے۔ خدا نے ان پانچوں کو قدرت عطا کی ہے کہ وہ عمل اور حرکت کر سکیں اور حکم دیا ہے کہ کوئی کام ایسا نہ کریں جو اس کی مرضی کے خلاف ہے۔ گویائی میں وہ سچ سے راضی ہے جس کو وہ دوست رکھتا ہے نہ کہ اس چیز کی طرف جو اسے پسند ہو مرغوب نہیں۔ کان کی یہ بات اسے بھلی معلوم ہوتی ہے کہ وہ سوائے حق کے اور کچھ نہ سنئے مثلاً نصیحت اور جو کچھ خدا کی کتابوں میں مذکور ہے اور جس چیز سے خدا ناراض ہوتا ہے اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ یہی حالت دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کی ہے۔ ان کے علاوہ جو باتیں انسان کرتا ہے وہ اس طرح صادر ہوتی ہیں کہ روح جسم کو حکم دیتی ہے شہوت جو جسم سے صادر ہوتی ہے دو قسم کی ہے۔ تناسل کی شہوت اور پیٹ کی شہوت۔ اگر تناسل کی شہوت حلال ہو تو وہ خدا کو پسند ہے کہ وہ حلال کھائے اور خدا کا شکر کرے اور ناپسند یہ ہے کہ وہ ان چیزوں کو کھائے پئے جن کا حق اسے نہیں ہے۔ ان کے سوا جتنے احکام ہیں سب باطل ہیں۔ لڑکے نے کہا خدا کو پہلے سے معلوم تھا کہ آدم اس درخت کا پھل کھا کر جسے خدا نے منع کیا ہے طاعت سے نکل کر معصیت میں جا پڑے گا؟ شماس نے جواب دیا ہاں آدم کے پیدا ہونے سے پہلے خدا کو یہ معلوم تھا اس لئے اس کا بھنور میں پھنس جانا اور اس کی غلطی اس کی نسل میں چلی آ رہی ہے۔ اس کے خدا نے نبی اور رسول بھیجے انہیں کتابیں عطا کیں' انہوں نے ہمیں شریعتیں سکھائیں اور ان کتابوں میں جو احکام اور نصائح تھے انہیں تفصیل کے ساتھ ہمیں سمجھایا اور یہ بتایا کہ ہم کو کیا کرنا اور کیا نہ کرنا چاہیے۔ جو ان حدود کے اندر رہا وہ کامیاب ہوا اور فائدے میں رہا مگر جس نے ان حدود سے تجاوز کیا ان نصیحتوں کے خلاف عمل کیا

وہ دنیا اورآخرت دونوں میں نامراد رہا بس یہی ہے راستہ نیکی اور بدی کا۔ خدا ہر چیز پر قادر ہے اور جو خواہشات اس نے ہمارے لئے پیدا کی ہیں اپنی مرضی اور ارادے سے کی ہیں اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم حلال طور پر ان سے فائدہ اٹھائیں اگر ہم حرام طریقے سے انہیں استعمال کریں گے تو اس میں ہمارے لئے برائی ہے۔ لہٰذا جو نیکی ہمیں ملے وہ خدا کی طرف سے ہے اور بدی خود ہماری ذات سے نہ کہ خدا کی طرف سے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ㅇㅇㅇ

نو سو سولہویں رات

نو سو سولہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- اس سوال و جواب کے بعد جلی عاد بادشاہ کے بیٹے نے شماس وزیر سے پوچھا مجھے اس بات پر تعجب آتا ہے کہ بنی آدم آخرت سے بے خبر اس کی یاد سے غافل اور دنیا سے لو لگائے رہتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ وہ اسے ایک دن ذلت سے چھوڑ کر باہر جانے والے ہیں۔ شماس نے جواب دیا بدترین شخص وہی ہے جو دنیا کے فریب میں آ کر آخرت کو بھول گیا ہو۔ اگر انسان کو معلوم ہوتا کہ موت کے وقت اس پر کیا مصیبت آتی ہے اور کن کن لذتوں اور عیشوں سے اسے ہاتھ دھونا پڑتا ہے تو دنیا کو ہرگز منہ نہ لگاتا اور اسے یقین ہوتا کہ آخرت ہمارے لئے بہتر اور زیادہ فائدہ مند ہے۔ اس کے بعد ایک عالم نے جو وہاں موجود تھا کہا میں نے آج تم لوگوں سے وہ وہ مسئلے سنے ہیں جو میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنے تھے۔ اس لئے مجھے ہمت ہوتی ہے کہ میں بھی تم سے کچھ پوچھوں۔ بتاؤ کہ دنیا کی بہترین نعمتیں کیا ہے؟ لڑکے نے کہا۔ تندرستی' حلال رزق اور نیک اولاد۔ عالم نے کہا وہ چار چیزیں کیا ہیں جو تمام مخلوق میں مشترک ہیں؟ لڑکے نے کہا۔ کھانا' پینا' سونا' عورت کی خواہش اور موت کی تکلیف۔ عالم نے کہا کہ سب سے احمق کون ہے؟ لڑکے نے کہا جو پیٹ کے دھندے میں ہمیشہ پڑا رہے۔ اس شماس نے بادشاہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے بادشاہ! تو ہمارا بادشاہ ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ تو اپنے بعد اپنے بیٹے کو بادشاہ بنا دے اور ہم فرمانبردار رعایا رہیں۔ بادشاہ نے تمام علما اور دوسرے حاضرین سے کہا یہ بات سن رکھو' یاد رکھو اسی پر عمل کرنا اور میرے بیٹے کا حکم ماننا کیونکہ میں اسے اپنا نائب اور خلیفہ بناتا ہوں۔ جس وقت بادشاہ زادے کی عمر سترہ برس کی ہوئی تو بادشاہ بیمار پڑا اور اتنا بیمار کہ مرنے کے قریب ہو گیا۔ جب اس کو یقین ہو گیا کہ موت کا پیغام آ گیا ہے تو اس نے گھر والوں

سے کہا کہ یہ بیماری موت کی بیماری ہے۔ میرے عزیزوں اور بیٹے کو بلاؤ میری رعایا کو حاضر کرو۔ لوگوں نے جا کر دور اور نزدیک ڈھنڈورا پیٹا سب کے سب بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا جہاں پناہ! تیرا مزاج کیا ہے؟ آج دنیا میں میرا آخری دن اور آخرت کا پہلا دن ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے سے کہا قریب آ۔ لڑکا قریب آیا اور اتنا رویا کہ فرش تر ہو گیا۔ بادشاہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور تمام حاضرین رو پڑے۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے سے کہا بیٹا! رو نہیں میں پہلا شخص نہیں ہوں جسے یہ دن دیکھنا پڑا ہے بلکہ یہ دن تو تمام لوگوں کے لئے لابدی ہے۔ بیٹا! خدا سے ڈرتا رہیو اور بھلے کام کیجئو تاکہ وہ پہلے سے اس جگہ پہنچ جائیں جہاں سب کو ایک روز جانا اور سچ بولنے کو اپنا دستور بنائیو' بس یہ میری آخری نصیحت تیرے لئے ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو سترہویں رات

نو سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ جلی عاد اپنے بیٹے کو وصیت کر چکا تو بیٹے نے کہا ابا جان! تو جانتا ہے کہ میں ہمیشہ تیرا فرمانبردار رہا ہوں' تیری نصیحتیں مانی ہیں' تیرے حکموں کی تعمیل کی ہے' تجھے خوش رکھنے کی کوشش کی ہے اور تو نے بھی میرے ساتھ بہتر باپ ہونے کا حق ادا کیا ہے۔ بہترین تربیت دینے کے بعد اب تو مجھے چھوڑ رہا ہے اور میں تجھے روک نہیں سکتا۔ اگر میں نے تیری وصیت پر عمل کیا تو میں نیک بخت ہو جاؤں گا اور مجھے بڑا فائدہ پہنچے گا۔ بادشاہ اس وقت سخت سکرات کی حالت میں تھا کہنے لگا پیارے بیٹے! دس عادتوں کو مت چھوڑیو تاکہ تجھے دین و دنیا میں فائدہ پہنچے۔ تجھے غصہ آئے تو پی جائیو' مصیبت پڑے تو صبر کیجئو' بات کیجئو تو سچ بولیو' وعدہ کرے تو پورا کیجئو' فیصلہ کیجئو تو انصاف کے ساتھ' کمزور کو معاف کیجئو' اپنے حکام کی تعظیم کیجئو' دشمنوں کو معاف کیجیو' بلکہ ان کے ساتھ نیکی کیجیو' ایذا نہ پہنچائیو۔ اس کے بعد تمام علماء اور امراء کو جو حاضر تھے مخاطب کرکے کہا خبردار اپنے بادشاہ کی مخالفت نہ کرنا نہ اپنے بڑوں کی نافرمانی ورنہ تمہارا ملک تباہ ہو جائے گا' تم تتر بتر ہو جاؤ گے۔ تمہیں جانی اور مالی نقصان پہنچے گا اور تمہارے دشمن تم پر قابو پائیں گے' تمہیں معلوم ہے کہ تم نے مجھ سے کیا وعدہ کیا تھا' بس وہی عہد و پیاں تمہارا اس لڑکے کے ساتھ ہونا چاہیے۔ تمہیں اس کی فرمانبرداری کرنی چاہیے کیونکہ اس میں تمہاری بھلائی ہے اس کے ساتھ ایسی ہی ثابت قدمی دکھانا جیسی تم میرے ساتھ دکھاتے رہے ہو' اس سے تمہاری حالت سدھری رہے گی۔ لو یہ تمہارا بادشاہ اور تمہارا آقا' والسلام۔

اس کے بعد موت کی تکلیف اور بڑھ گئی' بادشاہ کی زبان بند ہو گئی اس نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگا لیا' اسے بوسہ دیا اور خدا کا شکر ادا کیا پھر اس کی روح نکل گئی تمام

لوگ رونے پیٹنے لگے اور اسے کفن پہنا کر بڑی شان و شوکت سے دفن کیا۔ دفن کرکے وہ لڑکے کے ساتھ لوٹے' اسے شاہی پاشاک پہنا کر باپ کا تاج اس کے سر پر رکھا' انگلی میں انگوٹھی پہنائی اور شاہی تخت پر اسے بٹھا دیا۔ تھوڑے دنوں تک تو لڑکا علم و عدل اور احسان میں اپنے باپ کے قدم بہ قدم چلتا رہا پھر دنیاوی خواہشات نے اسے اپنی طرف کھینچا وہ اس کی لذتوں میں پڑ گیا اور باپ کی نصیحتیں بھلا دیں' حکومت کے کاروبار چھوڑ دیئے اور خوبصورت عورتوں کی اسے ایسی لت پڑی کہ جہاں کہیں اسے حسین صورت کا پتا چلتا اسے بلا کر نکاح میں لے آتا۔ اس طرح سے اس کے پاس اتنی عورتیں اکٹھی ہو گئیں جتنی بنی اسرائیل کے بادشاہ سلیمان بن داؤد کے پاس بھی نہ ہوں گی۔ وہ ان کی صحبت سے ایک ایک مہینہ تک باہر نہ نکلتا نہ اپنے ملک کا حال پوچھتا نہ رعیت کی فریاد سنتا اگر وہ اسے لکھتے تو جواب تک نہ دیتا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ وہ ان کے کاموں سے اس درجے پہلو تہی کرتا ہے تو انہیں یقین ہو گیا کہ عنقریب ان پر کوئی آفت آنے والی ہے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور ان کی یہ رائے ہوئی کہ چلو بڑے وزیر شماس کے پاس چل کراس کے آگے اپنا دکھڑا روئیں تاکہ وہ بادشاہ کو سمجھائے ورنہ ہم پر جلد کوئی بلا نازل ہونے والی ہے۔ دنیا کے مزوں نے بادشاہ کے حواس معطل کر دیئے ہیں اور اسے اپنے جال میں پھنسا لیا ہے۔ یہ فیصلہ کرکے وہ شماس کے پاس آئے اور کہنے لگے اے عالم حکیم! اس بادشاہ کی آنکھیں دنیا کی اندھا بنانے والی روشنیوں سے چندھیا گئی ہیں اور لذتوں نے اس کو اپنے جال میں پھانس رکھا ہے۔ وہ باطل کی طرف مائل ہے اور اپنے ملک کو تباہ کر رہا ہے۔ ملک کی تباہی کے ساتھ رعایا بھی تباہ ہو جائے گی اور ہم سب برباد ہو جائیں گے۔ ہم مہینوں تک اس کی راہ دیکھتے رہتے ہیں لیکن وہ نظر نہیں پڑتا نہ ہمارے لئے وزیر کے پاس کوئی حکم بھیجتا ہے نہ کسی اور کے پاس۔ اب ہم تیرے پاس اس لئے آئے ہیں کہ تجھے حقیقت سے آگاہ کریں کیونکہ تو ہمارا بڑا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس ملک میں تو ہو اس پر آفت نازل ہو۔ اگر تو بادشاہ کو سدھار نہیں سکتا تو پھر کوئی اسے سدھار

نہیں سکتا۔ لہٰذا جا کر اس سے بات کر' ممکن ہے کہ وہ تیری بات مان لے اور خدا کے احکام کی تعمیل کرنے لگے۔ شماس اٹھ کر ایک غلام کے پاس گیا جس کے ذریعے سے اسے بادشاہ سے ملنے کی امید تھی اور کہا اچھے لڑکے' مہربانی کرکے بادشاہ سے اجازت لے آ کہ میں اس کے پاس جا سکوں۔ کیونکہ مجھے اس سے ایک ایسا کام ہے کہ چار آنکھیں کیے اور جواب لئے بغیر چارہ نہیں غلام نے جواب دیا اے میرے آقا! خدا کی قسم ایک مہینے سے اس نے کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دی بلکہ اس اثنا میں میں نے بھی اس کی شکل نہیں دیکھی۔ لیکن میں تجھے بتا سکتا ہوں کہ کون تجھے اس تک پہنچا سکتا ہے۔ وہ فلاں غلام ہے جو بادشاہ کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہتا ہے اور باورچی خانے سے اس کے لئے کھانا لاتا ہے۔ جب وہ کھانا لینے باورچی خانے جائے تو اس سے درخواست کیجنو' وہ تیرا کام کر دے گا۔ شماس باورچی خانے کے دروازے پر جا کر بیٹھ گیا' تھوڑی دیر کے بعد غلام آیا اور باورچی خانے میں جانے لگا۔ شماس نے اس سے کہا بیٹا! میں بادشاہ سے ایک خاص بات کہنے کے لئے ملنا چاہتا ہوں تجھ سے درخواست ہے جب وہ ناشتہ کر چکے اور اس کی طبیعت بحال ہو تو میری خبر کرکے میرے لئے اندر آنے کی اجازت مانگ لیجنو' غلام نے کہا سر آنکھوں پر۔ غلام کھانا لے کر بادشاہ کے پاس گیا وہ کھا چکا تھا اور اس کی طبیعت بحال ہو گئی تو غلام نے کہا شماس دروازے پر کھڑا ہے اور تجھ سے اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے تاکہ چند خاص باتیں عرض کرے۔ یہ سن کر بادشاہ سہم گیا اور گھبرا کر غلام سے کہا اسے بلا لا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو اٹھارہویں رات

نو سو اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ نے غلام سے کہا کہ شماس کو بلا لا۔ شماس نے اندر آ کر بادشاہ کے آگے سجدہ کیا اس کے ہاتھ چومے اور اسے دعا دی۔ بادشاہ نے کہا شماس! تجھے ایسی کون سی ضرورت آ پڑی کہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے؟ شماس نے کہا ایک زمانے سے میں نے اپنے آقا بادشاہ کی صورت نہیں دیکھی تھی' دیدار کا بہت مشتاق تھا' یہ خوش قسمتی مجھے حاصل ہو گئی پھر ایک بات اور بھی عرض کرنی تھی۔ بادشاہ بولا کہہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ شماس نے کہا اے بادشاہ! خدا نے تجھے بچپن سے اتنا علم اور اتنی عقل دی ہے کہ تجھ سے پہلے کسی بادشاہ کو نہ اتنی عقل دی ہو گی نہ اتنا علم اس پر تجھے بادشاہی دے کر اپنا فضل و احسان مکمل کر دیا۔ لیکن خدا چاہتا ہے کہ تو نافرمانی کرکے اپنے آپ کو اس احسان کے ناقابل نہ ٹھہرا۔ اپنے خزانوں اور مال کے برتے پر خدا سے جنگ نہ کر اس کے حکموں کی تعمیل سے منہ نہ پھیر میں دیکھ رہا ہوں کہ کچھ دنوں سے تو اپنے ماں باپ اور اس کی وصیتوں کو بھول گیا ہے اس کے عہد و پیاں کو چھوڑ دیا ہے' اس کی نصیحتوں کو بھلا دیا ہے' اس کے عدل و احکام سے دور جا پڑا ہے' خدا کی نعمتوں کو ٹھکرا رہا ہے اور ان کے احسان سے واسطہ نہیں رکھا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیونکر؟ یہ تو کس وجہ سے کہتا ہے؟ شماس بولا اس وجہ سے کہ تو نے حکومت اور رعایا کے کاروبار جو خدا نے تیرے سپرد کئے ہیں چھوڑ رکھے ہیں اور دنیا کی کم مایہ خواہشات میں لگ گیا ہے جو تیرے نفس کو پسند ہیں۔ اے بادشاہ! میرا مشورہ یہ ہے کہ تو اپنے انجام پر خوب غور کر تاکہ تجھے وہ روشن راستہ دکھائی دینے لگے۔ جس میں نجات ہے اس تھوڑی اور فانی لذت سے دل نہ لگا ورنہ تو بربادی کے بھنور میں جا پھنسے گا اور تیرا وہی حشر ہو گا جو ماہی گیر کا ہوا۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیا؟

○ لالچی ماہی گیر کی کہانی

شماس نے کہا ایک بار ایک ماہی گیر اپنے دستور کے موافق دریا پر مچھلیاں پکڑنے گیا۔ وہ ابھی پل کو طے کر رہا تھا کہ اسے ایک بہت بڑی مچھلی دکھائی دی اپنے دل میں کہنے لگا کہ مجھے کھڑے رہنے کی ضرورت نہیں بلکہ جہاں وہ جائے گی میں اس کا پیچھا کروں گا اور جب میں اسے پکڑ لوں گا تو پھر کئی روز تک مجھے مچھلیاں پکڑنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ کہہ کر اس نے کپڑے اتارے اور مچھلی کے پیچھے کود پڑا۔ پانی کا دھارا اسے بہا کر لے چلا یہاں تک کہ اس نے مچھلی کے پاس پہنچ کر اسے پکڑ لیا۔ پھر کر جو دیکھا تو وہ کنارے سے دور جا پڑا تھا لیکن اس نے مچھلی کو نہ چھوڑا بلکہ دھارے کے ساتھ ساتھ بہنے لگا' بہتے بہتے ایک بھنور میں پھنس گیا جہاں پہنچ کر کوئی زندہ نہیں لوٹ سکتا تھا اور وہ چلانے لگا کہ ڈوبتے ہوئے کو بچاؤ یہ سن کر دریا کے پہرے داروں نے پوچھا تجھ پر ایسی کیا مصیبت پڑی تھی کہ تو اس خطرناک جگہ پر گیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نجات کا روشن راستہ چھوڑ کر نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ کر مارا گیا۔ انہوں نے کہا آخر تو نے یہ کیوں کیا؟ تجھے تو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ وہاں جا کر کوئی شخص صحیح و سالم نہیں لوٹا ہے۔ تو نے مچھلی پھینک کر اپنی جان کیوں نہ بچائی تاکہ اس مصیبت سے تجھے نجات ملتی؟ اب ہم میں سے کوئی تجھے اس تباہی سے بچا نہیں سکتا۔

اے بادشاہ! یہ مثال میں نے اس لئے بیان کی ہے کہ تو حقیر لہو و لعب کی باتوں کو چھوڑ کر اپنی رعیت کے کاروبار اور حکومت کے انتظام کی طرف توجہ کر تاکہ تجھ میں کوئی عیب نہ نکال سکے۔ بادشاہ بولا اب تو مجھے کیا مشورہ دیتا ہے؟ شماس نے کہا کل تو خیر و عافیت کے ساتھ لوگوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے ان کی خیریت پوچھ' ان سے معذرت کر انہیں قول دے کہ تو ان کے ساتھ بھلائی اور خوش سلوکی سے

پیش آئے گا۔ بادشاہ نے کہا اے شماس! تو ٹھیک کہتا ہے خدا نے چاہا تو میں کل تیرے کہنے کے مطابق عمل کروں گا۔ شماس نے باہر جا کر لوگوں کو اس کی خبر دی اور جب دن نکلا تو بادشاہ نے حرم سرا سے نکل کر لوگوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت دی ان سے معذرت کی اور وعدہ کیا کہ جیسا تم چاہتے ہو میں کروں گا۔ یہ سن کر لوگ خوش ہو گئے اور اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ اب بادشاہ کی ایک بیوی جو سب سے زیادہ چہیتی اور معزز تھی آئی دیکھا کہ اس کا چہرہ اترا ہوا ہے کیونکہ وہ بڑے وزیر کی باتوں کی وجہ سے سوچ میں پڑ گیا تھا اور کہنے لگی اے بادشاہ! تو پریشان معلوم ہوتا ہے۔ کیا تجھے کوئی شکایت ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ عیش و عشرت میں پڑ کر میں اپنے فرائض اور رعیت کی حالت سے بے خبر ہو گیا ہوں۔ اگر میں یوں ہی رہا تو ملک میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ بیوی نے کہا اے بادشاہ! میں دیکھتی ہوں تیرے عمال اور وزراء نے تجھے دھوکے میں ڈال رکھا ہے ان کا مقصد صرف اتنا ہے کہ وہ تجھے تکلیف اور دھوکے میں رکھیں۔ تاکہ تجھے تیری حکومت سے تھوڑی سی بھی لذت نہ ملے نہ تجھے عیش میسر ہو نہ راحت' وہ بس یہی چاہتے ہیں کہ تم عمر بھر ان کی تکلیف دور کیا کرے' تیری زندگی اسی محنت و مشقت میں رائیگاں جائے اور لڑکے اور چوروں کے قصے کے مطابق تیرا حال لڑکے کی طرح ہو جائے جو دوسروں کے فائدے کے لئے مارا گیا۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیا قصہ ہے؟

○ لڑکے اور چوروں کی کہانی

بادشاہ کی بیوی نے کہا کسی جگہ سات چور تھے' ایک بار ساتوں اپنے دستور کے موافق چوری کرنے نکلے۔ ان کا گزر ایک باغ کے پاس سے ہوا جس میں پکے پکے اخروٹ لگے ہوئے تھے' باغ کے اندر گئے وہاں ان کی نظر ایک لڑکے پر پڑی کہنے لگے اے لڑکے! کیا

تو ہمارے ساتھ باغ کے اندر چلنا چاہتا ہے تاکہ اس درخت کے اوپر چڑھ کر خوب اخروٹ کھائے اور ہمارے لئے بھی تھوڑے سے گرا دے۔ لڑکے نے منظور کر لیا اور ان کے

ساتھ اندر جا پہنچا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو انیسویں رات

نو سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکا چوروں کے ساتھ باغ میں گیا تو ایک نے دوسرے سے کہا ہم میں سے جو سب سے زیادہ ہلکا اور چھوٹا ہو وہ درخت پر چڑھے۔ سب یک زبان ہو کر بولے اس لڑکے سے زیادہ ہلکا ہمیں اور کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ انہوں نے لڑکے کو اوپر چڑھا دیا تو اس نے کہا اے لڑکے! درخت کا کوئی پھل نہ چھوئیو کیونکہ اگر کسی نے تجھے دیکھ لیا تو تجھے نقصان پہنچائے گا۔ لڑکے نے پوچھا پھر کیا کروں؟ انہوں نے کہا درخت میں چھپ کر بیٹھ جا اور ہر شاخ کو اتنے زور سے ہلا کہ اس کے سارے پھل جھڑ جائیں اور ہم انہیں چن لیں' تمام پھل جھڑ چکیں تو اتر آئیو اور اپنا حصہ لے لیجئو۔ لڑکے نے درخت پر چڑھ کر ایک ایک شاخ ہلا ڈالی اخروٹ گرنے اور چور انہیں اکٹھا کرنے لگے۔ وہ اسی میں لگے ہوئے تھے کہ درخت کا مالک آ پہنچا اور ان سے کہنے لگا تم کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم یہاں سے گزر رہے تھے کہ دیکھا ایک لڑکا درخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ خیال کرکے کہ وہ اس کا مالک ہو گا ہم نے اس سے کہا کچھ پھل ہمیں کھانے کو دے' اس نے چند ڈالیاں ہلائیں اور اخروٹ جھڑ پڑے۔ مالک نے لڑکے سے کہا تو کیا کہتا ہے؟ وہ بولا یہ لوگ جھوٹے ہیں' میں تجھ سے سچ سچ کہتا ہوں ہم سب ایک ساتھ یہاں آئے تھے' انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اس درخت پر چڑھ کر شاخیں ہلا تاکہ اخروٹ جھڑ پڑیں اور میں نے ایسا ہی کیا۔ درخت والے نے کہا کہ تو نے اپنے آپ کو بڑی آفت میں ڈال دیا۔ لیکن یہ بتا کہ تو نے کچھ کھایا بھی؟ لڑکے نے جواب دیا کچھ نہیں۔ درخت والا بولا اب مجھے معلوم ہو گیا کہ تو بے وقوف بھی ہے اور ناسمجھ بھی کیونکہ تو نے دوسروں کے فائدے کے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈالی۔ اس کے بعد اس نے چوروں سے کہا چلتے بنو تم سے میری کوئی غرض نہیں اور لڑکے کو پکڑ کر خوب مارا۔

یہی حال تیرے وزیروں اور حکام کا ہے کہ وہ اپنے فائدے کے لئے تجھے ہلاکت میں ڈالنا چاہتے ہیں اور تیرے ساتھ وہی برتاؤ کرنا چاہتے ہیں جو چوروں نے لڑکے کے ساتھ کیا۔ بادشاہ بولا تو ٹھیک کہتی ہے میں نہ ان کے پاس جاؤں گا نہ اپنے مزوں سے دست کش ہوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے رات بھر اپنی بیوی کے ساتھ بڑے مزے اڑائے۔
صبح ہوئی تو وزیر' حکام اور رعایا کو لے کر خوش خوش بادشاہ کی ڈیوڑھی پر پہنچا لیکن بادشاہ نے نہ تو دروازے کھولنے کی اجازت دی نہ باہر آیا اور نہ انہیں اندر بلایا۔ جب ناامیدی ہو گئی تو انہوں نے وزیر سے کہا اے فاضل اور ماہر حکیم دیکھا کہ اس کمسن اور کم عقل لڑکے نے کیا کیا' گناہگار تو تھا ہی اب جھوٹا بھی ہو گیا' وعدہ کرکے پھر گیا۔ اب تو ایک بار اور اس کے پاس جا اور دیکھ کہ وہ کیوں نہیں باہر آیا۔ اب ہمیں اس کی بد طینتی کا یقین آ گیا ہے اور اس کی سخت دلی کی انتہا ہو گئی ہے۔
الغرض شماس دوبارہ بادشاہ کے پاس گیا اور اسے سلام کرکے کہا' اے بادشاہ! تو نے پھر تھوڑی سی لذت کے پیچھے بڑے بڑے کام چھوڑ دیئے۔ تیری مثال اس شخص کی ہے جس کے پاس ایک اونٹنی تھی اور وہ اس کا دودھ دوہا کرتا تھا۔ ایک روز اس کا دودھ اسے اتنا بھلا معلوم ہوا کہ اس کی ڈوری ڈھیلی چھوڑ دی۔ اونٹنی بھاگ کر جنگل میں چلی گئی اور اسے اونٹنی اور دودھ دونوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اے بادشاہ! تجھے ایسی بات کرنی چاہیے۔ جس میں تیرا بھی فائدہ ہو اور رعیت کا بھی بھلا ہو۔ انسان کو یہ زیبا نہیں کہ اگر اسے کھانے کی ضرورت ہو تو وہ دن رات باورچی خانے کے دروازے پر بیٹھا رہے اسی طرح اگر اسے عورتوں کی طرف میلان ہو تو ہمیشہ ان کے ساتھ صحبت رکھے جس طرح کھانے کا یہ مقصد ہے کہ بھوک کی تکلیف دور ہو جائے اور پینے کا مقصد یہ ہے کہ پیاس بجھ جائے اسی طرح سمجھدار آدمی کو چاہیے کہ وہ چوبیس گھنٹے میں دو گھنٹے عورتوں کے ساتھ گزارے' باقی وقت اپنی رعایا کی اصلاح میں صرف کرے' ورنہ عقل اور تندرستی دونوں کو نقصان پہنچے گا۔ آدمی کو یہ بھی چاہیے کہ ان کے قول و فعل پر بھروسہ نہ کرے۔ بہت لوگ اپنی عورتوں کی وجہ سے تباہ اور برباد ہو گئے

ہیں۔ ان میں سے ایک تو اس وجہ سے ہلاک ہوا کہ وہ اپنی بیوی کی ہر بات میں اطاعت کرتا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ کیسے؟

○ ایک میاں بیوی کی کہانی

شماس نے کہا ...... ایک شوہر کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی اس کی بڑی عزت کرتا تھا' اس کی ہر بات سنتا اور اس کی رائے پر عمل کرتا' اس کا ایک باغ تھا جسے اس نے نیا نیا لگایا تھا ہر روز باغ کاٹ چھانٹ کرنے اور اسے سینچنے جاتا۔ ایک روز اس کی بیوی نے پوچھا' تو نے باغ میں کیا بویا ہے؟ مرد نے جواب دیا وہی چیزیں جو تجھے پسند ہیں اور میں بڑی تندہی سے اسے سینچتا اور کاٹ چھانٹ کرتا ہوں۔ بیوی بولی مجھے بھی وہاں سیر کرانے لے چل' میں اسے دیکھ کر تجھے بڑی اچھی دعا دوں گی۔ کیونکہ میری دعا قبول ہو جاتی ہے۔ میاں نے کہا اچھا میں کل تجھے لے چلوں گا' دوسرے دن صبح کے وقت وہ اپنی بیوی کو باغ میں لے گیا اسی وقت اتفاق سے دو نوجوانوں کی نظر ان پر پڑی' ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہ دونوں بدکار معلوم ہوتے ہیں اور یہ بدکاری کرنے باغ میں آئے ہیں یہ کہہ کر دونوں جوان ان کے پیچھے پیچھے ہو لیے کہ دیکھیں وہ کیا کرتے ہیں اور باغ کے ایک کونے میں چھپ گئے۔ میاں بیوی باغ میں پہنچ کر رکے۔ میاں نے کہا جس دعا کا تو نے وعدہ کیا تھا' کر۔ بیوی بولی میں اس وقت تک دعا نہ کروں گی جب تک تو میری وہ حاجت پوری نہ کر دے جو عورتوں کو مردوں سے ہوا کرتی ہے۔ میاں نے کہا یہ بری بات ہے کیا میں نے گھر میں تیری کافی حاجت روائی نہیں کی! یہاں مجھے بدنامی کا ڈر ہے۔ علاوہ اس کے میرا کام رہا جاتا ہے۔ کیا تو ڈرتی نہیں کہ کسی نے دیکھ لیا تو کیا ہو گا؟ بیوی بولی اس کی ہمیں پروا نہیں ہم کوئی بدکاری تو کرتے نہیں اور باغ سینچنے کے لئے تو ابھی کافی وقت پڑا ہے۔ غرض کہ اس نے میاں کا کوئی عذر نہ سنا' برابر اصرار کرتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ آ کر اس

کے ساتھ لیٹ گیا۔ یہ دیکھتے ہی دونوں جوانوں نے دوڑ کر انہیں پکڑ لیا اور کہا کہ ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے تم بدکار معلوم ہوتے ہو اگر ہم بھی اس عورت کے ساتھ نہ لیٹ لیں تو ہم اس کا نالش کر دیں گے۔ مرد نے کہا ہوش سنبھالو' یہ میری بیوی ہے میں اس باغ کا مالک ہوں۔ جوانوں نے اس کی ایک نہ سنی بلکہ عورت کی طرف لپکے وہ چلانے اور اپنے شوہر کی دہائی مانگنے لگی کہ ان لوگوں کو میری آبرو نہ لینے دے۔ وہ مدد مدد چلاتا ہوا ان کی طرف بڑھا لیکن ایک جوان نے اس کی طرف بڑھ کر خنجر مارا اور وہ مر گیا پھر دونوں نے اطمینان سے عورت کی آبرو لی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو بیسویں رات

نو سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ یہ قصہ سن کر شماس نے کہا اے بادشاہ! میں نے یہ کہانی اس لئے سنائی ہے کہ مرد کو عورت کی بات سنی یا اس کا کہنا ماننا نہیں چاہیے۔ اس کے مشورے پر ہرگز نہ چلے خبردار حکمت اور علم کا لباس اتار کر جہل کا لباس نہ پہن! نہ سیدھی اور مفید رائے جاننے کے بعد فاسد رائے کی پیروی کر۔ شماس کی یہ باتیں سن کر بادشاہ نے کہا خدا کو منظور ہے تو کل ضرور میں ان سے ملوں گا۔ شماس باہر گیا اور حاضرین کو بادشاہ کا پیغام سنا دیا۔ جب عورت کو بادشاہ کی باتوں کا پتا چلا تو بادشاہ کے پاس گئی اور کہا رعیت تو بادشاہ کی غلام ہوتی ہے لیکن میں دیکھتی ہوں کہ تو رعیت کا غلام ہے تو ان سے ڈرتا ہے' وہ محض تیرے دل کا امتحان لے رہے ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ تو کمزور ہے تو وہ تجھے ذلیل کر ڈالیں گے اور اگر وہ دیکھیں گے تو بہادر ہے تو تجھ سے ڈریں گے۔ وزیر لوگ اپنے بادشاہ کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں کیونکہ وہ بڑے جاں باز ہوتے ہیں۔ میں نے ان کی چالوں کا کچا چٹھا تجھ سے کہہ دیا ہے اگر تو ان کے کہنے پر چلا تو وہ تیری حکومت چھین کر مطلب حاصل کر لیں گے اور تجھے لگا تار ادھر سے ادھر دھکیلتے رہیں گے یہاں تک کہ تو ہلاک ہو جائے گا اور تیری مثال سوداگر اور چوروں کی سی ہو جائے گی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کیا؟

○ سوداگر اور چوروں کی کہانی

اس نے کہا ایک سوداگر تھا جس کے پاس بہت دولت تھی۔ ایک بار وہ تجارت کا سامان لے کر کسی شہر میں بیچنے گیا وہاں پہنچ کر ایک مکان کرائے پر لیا اور اس پر چند

چوروں کی نظر پڑی جو سوداگروں کا مال چرانے کا غرض سے ان کی گھات میں لگے رہا کرتے تھے۔ وہ سوداگر کے گھر پر پہنچے اور اندر گھسنے کی بہت ترکیبیں کیں لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ ان کے سرغنہ نے کہا اچھا میں اس کا بیڑا اٹھاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے طبیبوں کا بھیس بدلا اور دواؤں کی ایک تھیلی کندھے پر رکھ' کر آواز لگانی شروع کی کہ ہے کسی کو طبیب کی ضرورت؟ آواز لگاتے لگاتے سوداگر کے گھر پہنچا دیکھا کہ وہ کھانے پر بیٹھا ہوا ہے اور کہنے لگا تجھے طبیب کی ضرورت تو نہیں؟ سوداگر بولا نہیں لیکن آ میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا۔ چور نے اسے دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ اب میرا داؤں چل گیا اور اس نے سوداگر کی طرف مخاطب ہو کر کہا چونکہ میرے اوپر تیرے نمک کا احسان ہے میرا فرض ہے کہ تجھے نصیحت کروں اور وہ یہ ہے کہ تو بڑا پیٹو ہے اس لئے تیرا معدہ صحیح نہیں اگر تو نے جلد اس کا علاج نہ کیا تو مرجائے گا۔ سوداگر بولا میں تندرست ہوں اور میرا معدہ نہایت قوی ہے۔ اگرچہ میں بہت کھاتا ہوں تاہم میرے جسم میں کوئی بیماری نہیں اور میں خدا کا شکر گزار ہوں۔ چور نے کہا تجھے ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے مگر میں جانتا ہوں کہ تجھے پوشیدہ مرض ہے۔ میرا کہنا مان اور اپنا علاج کرا۔ سوداگر بولا ایسا طبیب کہاں سے لاؤں جو میرا علاج کرے؟ چور نے کہا اصل علاج کرنے والا تو خدا ہے لیکن مجھ سا طبیب بھی حتی الامکان بیمار کا علاج کر سکتا ہے۔ سوداگر نے کہا اگر میری دوا تیرے پاس ہے تو دکھا اور اس میں سے کچھ مجھے دے۔ چور نے اسے ایک سفوف دیا جس میں ایلوا ملا ہوا تھا اور کہا آج رات کھا لیجئو۔ سوداگر نے دوا لے لی' رات کے وقت اسے کھایا دیکھا کہ وہ کڑوی اور بدمزہ ہے لیکن اسے کچھ شک نہ ہوا۔ دوا کھانے کے بعد اسے ہلکا پن معلوم ہوا' دوسرے دن رات کو پھر چور آیا اور اسے ایک اور خوراک دی جس میں پہلی دوا سے زیادہ ایلوا ملا ہوا تھا۔ اسے کھانے کے بعد سوداگر کو دست آنے لگے لیکن اس نے صبر کیا اور برا نہ مانا۔ اب جبکہ چور نے دیکھا کہ سوداگر کو اس پر بھروسہ ہو گیا ہے اور جو وہ اسے دے گا وہ کھالے گا تو اس نے ایک قاتل دوا لا کر اسے دی سوداگر نے اسے

پی لیا اور اس کی آنتیں کٹ گئیں۔ صبح ہوتے ہوتے اس کی جان نکل گئی اور چور تاجر کا سارا سامان لے اڑا۔

اے بادشاہ! میں نے یہ کہانی محض اس وجہ سے کہی ہے کہ تو اس دغاباز کا کہنا نہ سن ورنہ تباہ ہو جائے گا۔ بادشاہ بولا تو سچ کہتی ہے میں ہرگز ان سے ملنے نہ جاؤں گا۔ صبح ہوئی تو لوگ بادشاہ کی ڈیوڑھی پر آئے اور دن کا بڑا حصہ وہاں بیٹھے بیٹھے گزار دیا۔ جب انہیں ناامیدی ہو گئی تو وہ پھر شماس کے پاس گئے اور کہا دیکھو یہ جاہل لڑکا ہمارے ساتھ جھوٹ پر جھوٹ بولتا چلا جاتا ہے۔ بہتر ہے کہ ملک اس کے ہاتھ سے نکل جائے اور اس کی جگہ دوسرا بادشاہ ہو تاکہ ہمارا انتظام اچھا ہو سکے لیکن ایک بار اور اس کے پاس جا اور اسے سمجھا دے کہ محض اس کے باپ کے احسانات اور عہدو پیماں کی وجہ سے ہم اس کے خلاف بلوا کرنے اور اس کا ملک چھین لینے سے درگزر کر رہے ہیں۔ کل ہم سب لوگ اپنے اپنے ہتھیار لے کر جمع ہوں گے اور قلعے کا دروازہ توڑ ڈالیں گے اگر وہ نکلا اور جیسا کہ ہم چاہتے ہیں کیا تو خیر ورنہ ہم گھس کر اسے قتل کر ڈالیں گے اور کسی دوسرے کو بادشاہ بنا لیں گے۔ وزیر شماس نے بادشاہ کے پاس جا کر کہا تو اپنی شہوتوں اور کھیل کود میں مشغول ہو کر یہ کیا بلا اپنے سر لایا ہے! نہ معلوم کون تجھے اس پر ابھار رہا ہے اگر تو اپنے اوپر یہ ظلم ڈھا رہا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیری سمجھ پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ کس نے تجھے علم کے بدلے جہالت میں' وفا کے عوض بے وفائی میں اور نرم دلی چھڑا کر سنگ دلی میں ڈال دیا ہے ورنہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں تین بار نصیحت کروں اور تو نہ مانے تجھے نیک مشورہ دوں اور تو اس کے خلاف کرے! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تیری رعیت اس پر تلی کھڑی ہے کہ تیرے محل میں گھس کر تجھے قتل کر دے اور کسی اور کو بادشاہ بنا لے۔ اگر تجھے دنیا میں اور رہنا اور بادشاہت کرنا ہو تو ہوش میں آ ملک کا انتظام اور لوگوں پر اپنی قوت کا اظہار کر۔ معذرت کر کے انہیں سمجھا بجھا ورنہ وہ تیرے ہاتھ سے ملک چھین لیں گے اور دوسرے کے سپرد کر دیں گے کیونکہ وہ نافرمانی اور

مخالفت پر آمادہ ہو چکے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ تو کمسن ہے' لہو و لعب اور شہوت پرستی میں مبتلا ہو گیا ہے۔ پتھر کتنے ہی زمانے تک کیوں نہ پانی میں پڑے رہیں جب تو انہیں نکال کر ایک دوسرے پر مارے گا تو ان میں سے آگ نکلے گی۔ تیری مثل اب لومڑی اور بھیڑیے کی سی ہونی والی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو اکیسویں رات

نو سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب شماس نے کہا کہ تیری مثل لومڑی اور بھیڑیے کی سی ہونے والی ہے تو بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کیا؟

○ لومڑی اور بھیڑیے کی کہانی

شماس نے کہا ایک بار چند لومڑیاں کچھ کھانے کی چیز ڈھونڈ رہی تھیں کہ انہیں ایک مرا ہوا اونٹ ملا' وہ کہنے لگیں کہ اب ہمیں بہت دنوں کے لئے کھانا مل گیا ہے لیکن ہمیں ڈر ہے کہ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنے لگیں اور مضبوط کمزور کو نہ دبا لے۔ ایسا ہوا تو کمزور ہلاک ہو جائیں گے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ایک حاکم تلاش کریں جو ہمارا حصہ بخرہ کر دیا کرے تاکہ پھر طاقتور کی کمزور کے خلاف کچھ نہ چلے۔ ان میں یہی صلاح مشورہ ہو رہا تھا کہ ایک بھیڑیا آ پہنچا لومڑیاں آپس میں کہنے لگیں کہ اگر سب کی رائے ہو تو اس بھیڑیے کو اپنا حاکم بنا لیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ پہلے بھی اس کا باپ ہمارا بادشاہ تھا اور ہم خدا سے امید رکھیں کہ وہ ہمارے درمیان انصاف کرے۔ یہ کہہ کر لومڑیاں بھیڑیے کے پاس گئیں اور کہا کہ ہم تجھے اپنا حاکم بناتے ہیں' تو ہم میں سے ہر ایک کو ضرورت کے موافق دے تاکہ ہم میں سے زبردست کمزور پر ظلم نہ کرے اور ہم آپس میں کٹ نہ مریں۔ بھیڑیے نے منظور کر لیا اور اس دن کے لئے ان میں کافی حصہ تقسیم کر دیا لیکن دوسرے دن وہ اپنے دل میں کہنے لگا اگر میں اس اونٹ کو اسی طرح ان کمزوروں میں بانٹتا رہا تو مجھے بھی اتنا ہی ملے گا جتنا کہ انہوں نے میرے لئے مقرر کر رکھا ہے۔ اگر میں اکیلا اسے

کھاؤں گا تو وہ میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتیں کیونکہ وہ میرے اور میرے گھر والوں کے لئے ایسی ہیں جیسے بھیڑ بکریاں' میں کیوں نہ خود قبضہ کر لوں۔ غالباً خدا نے اپنی طرف سے یہ نعمت میرے لئے بھیج دی ہے پھر میں ان کا احسان کیوں اٹھاؤں! بہتر ہے کہ میں اونٹ کو اپنے لئے مخصوص کر لوں اور انہیں کچھ نہ دوں۔

صبح ہوئی تو لومڑیاں دستور کے مطابق بھیڑیئے کے پاس اپنا روزینہ لینے گئیں' بھیڑیئے نے جواب دیا کہ میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ باقی نہیں۔ لومڑیاں پریشان ہو کر وہاں سے چل دیں اور کہنے لگیں کہ خدا نے ہمیں بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ یہ خبیث خائن خدا سے بھی نہیں ڈرتا اور ہم اس کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتے۔ ایک لومڑی بولی آج وہ بہت بھوکا ہو گا' اسے پیٹ بھر کر کھا لینے دو اور کل پھر اس کے پاس چلیں۔ دوسرے دن لومڑیوں نے اس کے پاس جا کر کہا اے ابو سرحان! ہم نے تو تجھے اس لئے اپنے اوپر حاکم مقرر کیا تھا کہ تو ہم میں سے ہر ایک کو اس کی روزی دے' طاقتور کے مقابلے میں کمزور کا انصاف کرے' جب یہ اونٹ ختم ہو جائے تو ہمارے لئے کھانا تلاش کرے اور ہم ہمیشہ کے لئے تیرے فرمانبردار اور رعایا رہیں۔ ہم نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ بھوکے ہیں' ہمارا کھانا دے اور باقی کا جو تیرا جی چاہے کر۔ بھیڑیئے نے کچھ جواب نہ دیا بلکہ اس کا دل اور زیادہ سخت ہو گیا۔ انہوں نے اسے بہت منایا لیکن نہ ماننا تھا نہ مانا۔ اب لومڑیوں کی یہ رائے ہوئی کہ ہم شیر کے پاس چل کر اپنے آپ کو اس کے سپرد کرکے اونٹ اس کے حوالے کر دیں اگر اس نے ہمیں اس میں سے کچھ دے دیا تو اس کی مہربانی ہے ورنہ اس خبیث سے تو وہی زیادہ مستحق ہے۔ چنانچہ شیر کے پاس جا کر انہوں نے بھیڑیئے کا سارا قصہ سنایا اور کہا ہم تیرے غلام ہیں اور تجھ سے مدد لینے آئے ہیں تو اس بھیڑیئے سے ہماری جان چھڑا ہم ہمیشہ تیرے فرمانبردار رہیں گے۔ لومڑیوں کی یہ باتیں سن کر شیر کی حمیت جوش میں آ گئی اور وہ ان کے ساتھ ہو لیا۔ جوں ہی بھیڑیئے کی نظر شیر پر پڑی وہ بھاگا لیکن شیر اس کے پیچھے دوڑا پکڑ کر اس کے تکے بوٹی کر ڈالی اور لومڑیوں کا شکار ان

کے حوالے کر دیا۔
اس سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ بادشاہ کو رعیت کے معاملے میں پہلو تہی نہ کرنی چاہیے' لہٰذا میری نصیحت مان لے اور جو وعدہ تو نے ان کے ساتھ کیا ہے اسے پورا کر۔ تیرے باپ نے مرنے سے پہلے تجھے یہ وصیت کی تھی کہ نصیحت مانیو۔ یہی آخری بات ہے جو میں تجھ سے کہنا چاہتا تھا اور بس۔ بادشاہ بولا میں تیری بات تسلیم کرتا ہوں خدا نے چاہا تو کل ان سے ملوں گا۔ شماس نے باہر آ کر لوگوں سے کہا کہ بادشاہ نے میری نصیحت مان لی ہے اور وعدہ کیا ہے کہ کل باہر آ کر تم سے ملے گا اور بادشاہ کی بیوی نے جو شماس کو یہ کہتے سنا اور اسے یقین آ گیا کہ اب بادشاہ ضرور اپنی رعایا سے ملنے جائے گا تو وہ فوراً اس کے پاس دوڑی ہوئی گئی اور کہا کتنے تعجب کی بات ہے کہ تو اپنے غلاموں کے حکم کی تعمیل کرتا ہے یہ وزیر تو تیرے غلام ہیں' پھر تو نے انہیں اتنا سر چڑھا رکھا ہے وہ سمجھتے ہیں گویا انہی نے تجھے بادشاہت اور حکومت دے رکھی ہے اور وہی تیرے ساتھ بخشش کرتے ہیں حالانکہ وہ تیرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔ تجھے ان کی خوشامد کرنی نہیں چاہیے بلکہ انہیں چاہیے کہ تیری خوشامد کریں اور تیرا حکم مانیں' آخر تو کیوں اتنا ان کے رعب میں آ گیا ہے؟ اگر تیرا دل فولاد کی طرح نہیں تو تو بادشاہ ہونے کے قابل نہیں۔ تیری نرمی کی وجہ سے ان کی یہ ہمت ہو گئی ہے کہ وہ تجھے حکم دیتے ہیں حالانکہ انہیں چاہیے کہ وہ تیری فرمانبرداری کریں اور تیرا حکم مانیں۔ میری بات مان اور ان کا کہنا نہ سن ورنہ تیری مثال بھی چرواہے اور چور کی سی ہو جائے گی۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیا قصہ ہے؟

○ چرواہے اور چور کی کہانی

عورت نے کہا ایک چرواہا بھیڑوں کا گلہ جنگل میں چرایا اور ان کی خوب حفاظت کیا کرتا

تھا۔ ایک رات ایک چور بھیڑیں چرانے آیا لیکن اس نے دیکھا کہ چرواہا ان کی حفاظت کر رہا ہے۔ رات بھر وہ گھات میں لگا رہا آخر ایک بھیڑ بھی چرا نہ سکا۔ جب کوئی تدبیر نہ چلی تو اس نے جنگل میں جا کر ایک شیر مارا اس کی کھال اتار کر اس میں بھس بھر دیا اور اسے ایک ایسی اونچی جگہ لا کر رکھا کہ چرواہا دیکھ سکے اور یقین کر سکے کہ وہ شیر ہے۔ اس کے بعد چور نے چرواہے کے پاس آ کر کہا' شیر نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے تاکہ تو اس کے رات کے کھانے کے لئے بھیڑیں دے۔ چرواہے نے پوچھا شیر کہاں ہے؟ چور بولا آنکھ اٹھا کر دیکھ' وہ کھڑا ہے۔ چرواہے نے آنکھ اٹھا کر دیکھا سمجھا کہ واقعی شیر ہے اسے دیکھ کر سہم گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو بائیسویں رات

نو سو بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ چرواہا اتنا ڈرا کہ چور سے کہنے لگا بھائی جو تیرا جی چاہے لے جا' مجھے کوئی عذر نہیں۔ چور جتنی بھیڑیں چاہتا تھا لے گیا۔ چرواہے کو خوفزدہ دیکھ کر اس کی اتنی ہمت بڑھ گئی کہ آئے دن آتا اور شیر کے نام سے اسے ڈرا کر جتنی بھیڑیں چاہتا لے جاتا یہاں تک کہ وہ اپنے گلے کا بڑا حصہ کھو بیٹھا۔

اے بادشاہ! میں نے یہ کہانی اس لئے سنائی ہے کہ کہیں تیرے امراء گھمنڈ میں آ کر تیرے سر نہ چڑھ جائیں۔ ان کی ان حرکتوں سے تو مر جانا ہی بہتر ہے۔ بادشاہ نے اس کا کہنا مان لیا اور کہا میں ان کی ہرگز نہ سنوں گا اور نہ جا کر ان سے ملوں گا۔ صبح کو سارے وزیر امیر اور شریف ہتھیار لے بادشاہ کے محل پر پہنچے تاکہ اس پر حملہ کرکے اسے قتل کر دیں اور دوسرا بادشاہ منتخب کریں۔ انہوں نے دربان سے کہا دروازہ کھول لیکن اس نے نہ کھولا انہوں نے آگ منگوائی کہ دروازوں کو جلا کر اندر گھس جائیں۔ دربان دوڑا ہوا بادشاہ کے پاس گیا اور کہا لوگ دروازے پر اکٹھا ہیں' مجھ سے انہوں نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا تھا میں نے انکار کر دیا تو انہوں نے آگ منگوائی ہے کہ دروازوں میں آگ لگا کر اندر گھس آئیں اور تجھے مار ڈالیں۔ اب تو کیا حکم دیتا ہے؟ بادشاہ نے اپنے دل میں کہا کہ بڑی مصیبت میں پھنسا اور عورت کو بلا کر کہا شماس نے جو کچھ کہا تھا سب ٹھیک نکلا خاص اور عام سب لوگ چاہتے ہیں کہ مجھے اور تم سب کو قتل کر دیں۔ جب دربار نے دروازہ نہیں کھولا تو انہوں نے آگ منگوائی ہے کہ محل میں آگ لگا دیں اور ہم اس کے اندر جل جائیں' اب تو کیا مشورہ دیتی ہے؟ عورت نے کہا ڈر نہیں آج کل کا زمانہ ہی ایسا ہے کہ رذیل لوگ اپنے بادشاہ کے سر چڑھ کر ناچتے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا اچھا تیری رائے میں اب ہمیں

کیا کرنا چاہیے؟
عورت نے کہا اپنے سر پر پٹی باندھ لے بیمار بن کر لیٹ جا اور وزیر شماس کو بلا کہ وہ تیری حالت آ کر دیکھ جائے' جب وہ آئے تو اس سے کہیو کہ میں آج باہر نکل کر لوگوں سے ملنا چاہتا تھا لیکن بیماری کی وجہ سے مجبور ہوں تو جا کر لوگوں سے میری حالت بیان کر دے کہ میں کل باہر آ کر ان کی تمام ضرورتیں پوری کر دوں گا۔ اس سے ان کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ صبح ہوئی تو اپنے باپ کے دس موٹے تازے غلاموں کو بلوائیو۔ جن پر تجھے بھروسہ ہو جو تیرا حکم مانیں اور تیرا راز فاش نہ کریں۔ انہیں اپنے پاس کھڑا کرکے حکم دیجیئو کہ وہ محض ایک ایک کو تیرے پاس اندر آنے کی اجازت دیں جب ایک شخص داخل ہو تو ان سے کہیو کہ اسے پکڑ کر قتل کر دو۔ اگر وہ اس بات پر راضی ہو جائیں تو صبح سویرے اپنی کرسی دربار میں لا کر دروازہ کھلوا دیجئیو۔ وہ دیکھیں گے کہ تو نے دروازہ کھلوا دیا ہے تو خوش خوش اور نڈر ہو کر تیرے پاس آئیں گے تو انہیں ایک ایک کرکے اندر بلائیو جیسا کہ میں نے کہا ہے اور اپنا مطلب پورا کیجئیو لیکن ابتدا شماس سے کیجئیو۔ کیونکہ وہ بڑا وزیر ہے اور بڑا سردار اسی کو سب سے پہلے قتل کیجئیو پھر دوسرے کو جن کے متعلق تجھے گمان ہو کہ وہ تیری مخالفت کریں گے یا جن کی قوت سے تجھے اندیشہ ہو جب تو ایسا کر چکے گا تو پھر کسی کا زور تجھ پر نہ چلے گا تو ان سے بے غم ہو جائے گا ملک تیرے لئے صاف ہو جائے گا اور تو جو چاہیے گا کر سکے گا۔ اس تدبیر سے زیادہ اور کوئی تدبیر مفید نہیں۔
بادشاہ نے کہا تیری رائے بالکل ٹھیک ہے اور میں ضرور ایسا ہی کروں گا۔ اس کے بعد اس نے ایک پٹی منگوا کر باندھ لی اور شماس کو اندر بلا کر کہا اے شماس! تو جانتا ہے کہ میں تجھے بہت پیار کرتا اور تیری رائے مانتا ہوں تجھے اپنے بھائی بلکہ باپ کے برابر جانتا ہوں تو نے مجھ سے کہا ہے کہ میں نکل کر اپنی رعایا سے ملوں مجھے یقین ہے

کہ تیری رائے ٹھیک ہے اور میں نے کل ارادہ کر لیا تھا کہ آج نکلوں گا لیکن میں بیمار پڑ گیا اٹھ کر بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ مجھے خبر ملی ہے کہ ملک والے مجھ سے ناراض ہیں اور میرے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہتے ہیں جو ان کی شان کے خلاف ہے انہیں معلوم نہیں کہ میں بیماری میں مبتلا ہوں۔ تو جا کر ان سے میرا حال بیان کر دے اور میری طرف سے معذرت کر میں ان کی ہر بات ماننے کے لئے تیار ہوں اور جو وہ پسند کریں وہی کروں گا۔ تو میری طرف سے انہیں سمجھا دے تو میرا بھی مشیر ہے اور میرے باپ کا بھی تو ہی مشیر تھا تو لوگوں میں ہمیشہ سمجھوتہ کراتا رہا ہے۔ اگر خدا کو منظور ہے تو میں کل باہر نکل کر ان سے ملوں گا اور امید ہے کہ اپنی نیک نیتی اور خیر خواہی کی بدولت میں آج رات ہی تندرست ہو جاؤں۔ شماس نے خدا کے آگے سجدہ کیا بادشاہ کو دعا دی اس کے ہاتھ چومے اور خوش خوش باہر نکل کر لوگوں سے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ انہیں ان کے ارادے سے روکا' بادشاہ کے نہ نکلنے کی وجہ سنائی اور کہا اس نے کل نکلنے اور تمہارے کہنے پر عمل کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ سن کر سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو تیئیس ویں رات

نو سو تیئیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... یہ سن کر سب لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے' ادھر بادشاہ نے اپنے باپ کے غلاموں میں سے دس مسٹنڈوں کو چھانٹ کر بلوایا جو بڑے مضبوط اور بہادر تھے ان سے کہا تمہیں معلوم ہے کہ میرا باپ تمہاری کتنی عزت اور توقیر کرتا تھا اب میں تمہارا درجہ اور زیادہ کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن پہلے میں تم سے پوچھتا ہوں کہ آیا تم میرا ساتھ دو گے اور میرے بھید کو پوشیدہ رکھو گے۔ اگر تمہیں منظور ہے تو جتنا تم احسان چاہتے ہو میں اس سے زیادہ کروں گا۔ دسوں نے یک زبان ہو کر کہا جو کچھ ہمارے آقا کا حکم ہو گا اس کی ہم تعمیل کریں گے۔ تیرا کہنا مانیں گے کیونکہ تو ہمارا مالک ہے۔ اس نے کہا خدا تمہیں نیک بدلے دے! اب سنو میں کیوں تم پر احسان کرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میرا باپ اپنی رعیت پر کتنا احسان و اکرام کیا کرتا تھا۔ اس نے ان کے ساتھ عہد و پیماں باندھا تھا کہ وہ میرا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور میری نافرمانی نہ کریں گے پھر تم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ کل وہ مجھے قتل کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ان کی احسان فراموشی کے بدلے میں چاہتا ہوں کہ جس کی طرف میں اشارہ کروں اسے تم چپکے سے قتل کر دو۔ جب امراء اور روسا قتل ہو جائیں گے تو میرے ملک سے بلا دور ہو جائے گی۔ میں کل اسی جگہ کمرے میں بیٹھوں گا' ایک ایک کرکے انہیں اندر بلاؤں گا اور حکم دوں گا کہ لوگ ایک دروازے سے اندر آئیں اور دوسرے سے باہر جائیں۔ تم لوگ میرے سامنے کھڑے رہنا میرا اشارہ سمجھنا جو اکیلا اندر آئے اسے اس کمرے میں لے جا کر قتل کر دینا اور اس کی لاش چھپا دینا۔ انہوں نے جواب دیا تیرا کہنا اور حکم سر آنکھوں پر۔ اس کے بعد اس نے انہیں انعام دیا اور وہ اپنے اپنے گھر جا کر سو رہے۔

سویرا ہوا تو بادشاہ نے انہیں طلب کیا' تخت بچھوایا' شاہی لباس پہنا' فیصلوں کی کتاب ہاتھ میں لی حکم دیا کہ دروازہ کھول دیا جائے اور ایک ایک کر کے درجہ بہ درجہ انہیں

اندر بلوایا۔ دستور کے مواقف سب سے پہلے شماس آیا وہ سب سے بڑا وزیر تھا اور بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو گیا کہ یک بہ یک دسوں غلاموں نے اسے پکڑ لیا اور کمرے میں لے جا کر قتل کر دیا۔ یہی حشر باقی وزراء علماء اور صلحا کا ہوا۔ ایک ایک کر کے قتل ہوتے رہے یہاں تک کہ سب ٹھکانے لگا دیئے گئے۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ تمام بہادروں اور شجاعوں کی بھی گردنیں اڑا دی جائیں۔ جلادوں نے چھانٹ چھانٹ کر انہیں بھی قتل کر دیا۔ سوائے عوام الناس کے اور کوئی باقی نہ رہا اور بادشاہ سلامت اپنے عیش و عشرت میں مصروف ہو گئے اور اتنا ظلم و جور ہونے لگا کہ اس سے پہلے کسی نے سنا بھی نہ ہو گا۔ اس بادشاہ کے ملک میں سونے' چاندی' یاقوت اور جواہرات کی کانیں تھی' آس پاس کے سارے بادشاہ اس پر رشک کرتے اور چاہتے تھے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے۔ ایک پڑوسی بادشاہ نے اپنے دل میں کہا کہ اب میری من مانی مراد پوری ہو گئی اور میں اس جاہل لڑکے کے ہاتھ سے یہ ملک چھین لوں گا کیونکہ اس نے حکومت کے سرداروں اور ملک کے تمام بہادروں کو مروا ڈالا ہے۔ یہ وقت غنیمت ہے وہ کم عمر ہے اسے لڑائی کا بالکل تجربہ نہیں اور تجربہ کار کوئی باقی نہیں جو اسے ٹھیک راہ پر چلائے اور اس کی مدد کرے۔ میں اس کے ساتھ ایک چال چلتا ہوں اسے ایک خط لکھتا ہوں جس میں اسے لعنت ملامت کروں گا' دیکھوں وہ کیا جواب دیتا ہے۔

یہ کہہ کر اس نے ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مجھے خبر ملی ہے کہ تو نے اپنے وزیروں' عالموں اور بہادروں کے ساتھ کیا سلوک کیا اور اپنے آپ کو کس بلا میں ڈال رکھا ہے یہاں تک اگر کوئی تجھ پر دھاوا کر دے تو اسے روک بھی نہیں سکتا۔ یہ خدا کا کرنا ہے کہ اس نے مجھے تیرے اوپر غالب کر دیا۔ لہٰذا میری بات سن میرا حکم مان اور بیچ سمندر میں میرے لئے ایک عالی شاہ محل بنوا دے اگر

تو یہ نہیں کرتا تو اپنا ملک چھوڑ دے اور اپنی جان لے کر بھاگ جا ورنہ میں ہند اقصیٰ سے بارہ رسالے بھیجوں گا جن میں بارہ بارہ ہزار جنگجو ہوں گے وہ تیرے ملک میں گھس کر تیری دولت لوٹ لیں گے' مردوں کو مار ڈالیں گے اور عورتوں کو گرفتار کر لائیں گے۔ ان کا سردار میں اپنے وزیر بدیع کو بناؤں گا اور اسے حکم دوں گا کہ وہ تیرے شہر کا سخت محاصرہ کرے یہاں تک کہ وہ فتح ہو جائے اس قاصد غلام کو میں نے حکم دیا ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ تیرے پاس نہ ٹھہرے اگر تو نے میرا حکم مان لیا تو تو بچ جائے گا ورنہ میں تیرے اوپر چڑھائی کر دوں گا۔ جب بادشاہ نے یہ خط پڑھا تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے' عقل جاتی رہی' اپنی تباہی کا یقین ہو گیا اب کوئی ایسا نہ تھا جس سے وہ مشورہ لے یا مدد چاہیے۔ اٹھ کر اپنی بیوی کے پاس گیا' اس کا چہرہ اترا ہوا دیکھ کر بیوی نے پوچھا اے بادشاہ! خیر تو ہے؟ اس نے جواب دیا آج میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ ایک بادشاہ کا غلام۔ یہ کہہ کر اس نے خط کھولا اور پڑھ کر بیوی کو سنا دیا۔ یہ سنتے ہی وہ رونے پیٹنے اور اپنے کپڑے پھاڑنے لگی۔ بادشاہ نے کہا اس مشکل وقت میں کوئی رائے دے اور تدبیر نکال۔ اس نے جواب دیا لڑائیوں کے بارے میں عورتوں کے پاس کوئی تدبیر نہیں۔ عورتوں میں نہ قوت ہوتی ہے نہ ان کی کوئی رائے ایسی باتوں میں تو مرد قوت والے' رائے اور تدبیر والے ہیں۔ بادشاہ نے اپنی بیوی کی یہ باتیں سنیں تو اسے بڑی پشیمانی' افسوس اور تکلیف ہوئی کہ اس نے اپنے مصاحبوں اور وزیروں کے ساتھ کیسا برا سلوک کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- نو سو چوبیں ویں رات

نو سو چوبیں ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ کو بڑا افسوس ہوا کہ اس نے اپنے وزیروں اور رئیسوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہنے لگا کاش ایسی بری خبر آنے سے پہلے میں مر گیا ہوتا' اور وہ اپنی بیویوں سے بولا کہ تمہارے ساتھ میرا وہی حال ہوا جو تیتر کا کچھوؤں کے ساتھ۔ انہوں نے کہا وہ کیسے؟

○ تیتر اور کچھوؤں کی کہانی

بادشاہ نے کہا کسی جزیرے میں چند کچھوے رہتے تھے۔ اس جزیرے میں بہت سے درخت' پھل اور نہریں تھیں۔ ایک بار ایک تیتر اڑتا ہوا ادھر سے گزرا گرمی اور تھکن کے مارے اس جزیرے میں اتر پڑا اور وہیں ٹھہر گیا جہاں کچھوے رہتے تھے۔ جب کچھوے چرتے چگتے اپنی جگہ آئے اور ان کی نظر تیتر پر پڑی تو وہ اس کی خوبصورتی پر ریجھ گئے۔ خدا کی پاکی بیان کرنے لگے انہیں تیتر سے بڑی محبت ہو گئی وہ اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے اور ایک دوسرے سے کہتے کہ یہ سب سے خوبصورت جانور ہے اس کے ساتھ نرمی اور تواضع برتنی چاہیے۔ تیتر کو بھی اس سے انس ہو گیا اور اگرچہ وہ صبح کو اڑ کر جہاں چاہتا جاتا لیکن شام کے وقت لوٹ کر کچھوؤں کے پاس آ جاتا ایک مدت تک یہی ہوتا رہا لیکن کچھوؤں کا تیتر کے چلے جانے سے دل گھبراتا وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہمیں اس تیتر سے محبت ہو گئی ہے۔ وہ ہمارا دوست بن گیا ہے اس کی جدائی ہم سے برداشت نہیں ہوتی۔ کیا تدبیر ہو کہ وہ دن رات ہمارے ساتھ رہا کرے؟ اب تک تو وہ اڑ جاتا دن بھر غائب رہتا ہے اور صرف رات کے وقت ہم اسے دیکھتے ہیں۔ ایک کچھوے نے کہا بھائیو! ٹھہرو میں ایک ایسی ترکیب کرتا ہوں

کہ وہ ہم سے دم بھر بھی جدا نہ ہو۔ سب بولے اگر تو نے ایسا کر دیا تو ہم تیرے غلام بن کر رہیں گے۔ جب تیتر چر چگ کر لوٹا اور کچھوؤں کے بیچ میں آ کر بیٹھا تو اس کچھوے نے آگے بڑھ کر اسے دعا دی اس کی سلامتی پر مبارک بادی اور کہا اے میرے آقا! خدا نے تیری محبت ہمارے دل میں اور ہماری محبت تیرے دل میں ڈال دی ہے اور اس بیابان میں تجھے ہمارا غم خوار بنایا ہے۔ دوستوں کا بہترین وقت وہ ہے جو ساتھ گزرے جدائی بڑی بری بلا ہے تو صبح کو چلا جاتا ہے اور شام سے پہلے لوٹ کر نہیں آتا۔ اس سے ہمیں بڑی پریشانی رہتی ہے۔ تیتر بولا مجھے بھی تم سے بڑی محبت ہے تمہارا بہت اشتیاق رہتا ہے اور تمہاری جدائی میرے لئے آسان نہیں لیکن میرے پاس اس کا علاج نہیں کیونکہ میں پرندہ ہوں محض رات کے وقت سونے کے لئے ایک جگہ ٹھہر سکتا ہوں صبح ہوتے ہی اڑ جاتا ہوں اور جہاں اس کا دل لگتا ہے چرتا چگتا ہے۔

کچھوے نے کہا تو سچ کہتا ہے لیکن پرندوں کو اکثر آرام نہیں ملتا کیونکہ جو کچھ انہیں ملتا ہے اس سے چوگنی ان کو محنت مشقت کرنی پڑتی ہے۔ حالانکہ مقصد آرام اور راحت ہے۔ خدا نے ہمارے اور تیرے درمیان محبت اور الفت پیدا کر دی ہے۔ اس لئے ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرا کوئی دشمن تجھے مار ڈالے اور پھر ہمیں تیرا دیدار نصیب نہ ہو۔ تیتر بولا تو سچ کہتا ہے لیکن پھر میرے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ کچھوے نے کہا میری رائے یہ ہے کہ تو اپنے پر نوچ ڈال جن سے تو اتنا تیز اڑا سکتا ہے۔ آرام سے ہمارے ساتھ رہ اور اس گھنے اور میوے دار جنگل میں ہمارا کھانا کھا ہمارا پانی پی۔ اس طرح سے ہم سب اس زرخیز جگہ میں اکٹھے رہیں گے اور ایک دوسرے کی صحبت کا لطف اٹھائیں گے۔ تیتر نے اس کی بات مان لی' آرام اٹھانے کے خیال سے ایک ایک کرکے اپنے سارے پر نوچ ڈالے اور کچھوؤں کے ساتھ رہنے لگے۔ وہ اسی حالت میں رہتے تھے کہ ایک نیولا ادھر سے گزرا غور سے دیکھنے پر اسے معلوم ہوا کہ تیتر کے پرنچے ہوئے ہیں اور وہ اڑ نہیں سکتا۔ یہ دیکھ کر وہ بہت خوش

ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا اس تیتر کے پر نہیں مگر ہے موٹا تازہ اور پاس جا کر اسے پکڑ لیا۔ تیتر چلانے اور کچھوؤں سے مدد مانگنے لگا لیکن مدد دینا تو درکنار وہ اسے نیولے کے پنجے میں دیکھ کر اور دور ہٹ گئے۔ ایک دوسرے سے چمٹ گئے اور یہ دیکھ کر نیولا اسے تکلیف پہنچا رہا ہے روتے روتے ان کی آواز بلند ہو گئی۔ تیتر نے اس سے کہا سوائے رونے کے تم اور کچھ بھی کر سکتے ہو؟ وہ بولے بھائی! نیولے کے آگے ہماری کچھ نہیں چلتی جب تیتر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تو کچھوؤں سے کہنے لگا جرم تمہارا نہیں ہے بلکہ میرا ہے کیوں میں نے تمہاری باتوں میں آ کر پر نوچ ڈالے جن سے میں اڑ سکتا تھا۔

اے عورتو! میں بھی تمہیں لعنت ملامت نہیں کرتا بلکہ کردنی خویش آمدنی پیش' قصور میرا ہے' میں یہ بھول گیا کہ تمہاری ہی وجہ سے ہمارے باپ آدم گناہ میں مبتلا ہوئے اور جنت سے نکالے گئے اور یہ بات بھی میرے خیال سے بالکل اتر گئی کہ ہر برائی کی جڑ تمہی ہو۔ تمہارا کہنا مان کر میں نے اپنے وزیروں اور سرداروں کو قتل کر دیا جو مجھے ہر بات میں مشورہ دیتے تھے اور میری عزت اور قوت کا سبب تھے۔ آج ان کی جگہ میرے پاس کوئی نہیں نہ کوئی ایسا دکھائی دیتا ہے جو ان کی جگہ لے سکے اور مصیبت میں گرفتار ہو چکا ہوں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• نو سو پچیسویں رات

نو سو پچیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- بادشاہ اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے لگا اور کہا کہ اگر خدا نے میرے لئے کوئی ایسا شخص نہ بھیج

دیا جو اپنی صائب رائے سے مجھے ٹھیک راستے پر چلائے تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ اپنی خواب گاہ میں گیا اور اپنے وزراء اور حکماء پر نوحہ کرنے لگا اور کہا کاش یہ عظیم الشان لوگ ایک پہر ہی کے لئے میرے پاس آ جاتے۔ تا کہ میں ان سے معافی مانگتا انہیں ایک نظر دیکھ لیتا ان کے آگے اپنا دکھڑا روتا اور ان سے کہتا کہ تمہارے بعد میرے اوپر کیا گزر رہی ہے۔ دن بھر وہ اسی سوچ میں ڈوبا رہا۔ جب رات ہوئی تو اس نے اپنی پوشاک اتار کر پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور بھیس بدل کر شہر میں گشت لگانے لگا کہ شاید کوئی ایسی بات اس کے کان میں پڑ جائے جس سے اس کا غم غلط ہو۔ وہ شہر کے گلی کوچوں میں پھر رہا تھا کہ اس کی نظر دو لڑکوں پر پڑی جو ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے' دونوں کم سن تھے' دونوں بارہ برس کے ہوں گے۔ بادشاہ ان کے قریب گیا تا کہ ان کی باتیں سن سکے۔

بادشاہ نے سنا کہ ایک لڑکا دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ بھائی سن! کل رات میرے باپ نے مجھ سے پوچھا کھیت وقت سے پہلے کیوں سوکھ گئے ہیں۔ دوسرا بولا تو جانتا ہے کہ اس آفت کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں اگر تو جانتا ہو تو بتا۔ دوسرے نے کہا میرے باپ کے ایک دوست نے مجھ سے کہا تھا کہ ہمارے بادشاہ نے اپنے وزیروں اور امیروں کو محض عورتوں کی محبت میں آ کر بے گناہ قتل کر دیا ہے کیونکہ وزیروں نے اسے ان باتوں سے منع کیا تھا جو اسے نہیں کرنی چاہئیں مگر وہ نہ مانا اور اپنی عورتوں کے کہنے پر انہیں قتل کر دیا حتیٰ کہ میرے باپ شماس کو بھی جو اس کا وزیر تھا اور اس سے پہلے اس کے باپ کا وزیر بھی رہ چکا تھا۔ وہ اس کا مشیر تھا لیکن

دیکھ کہ خدا اس کا بدلہ کس طرح لیتا ہے۔ پہلے لڑکے نے کہا ان کے مر جانے کے بعد اب خدا بادشاہ کے ساتھ کیا کرے گا؟ دوسرے نے جواب دیا کہ ہند اقصیٰ کے بادشاہ نے ہمارے بادشاہ کی توہین کی ہے ایک خط میں اسے خوب جھاڑا ہے اور لکھا ہے کہ میرے لئے بیچ سمندر میں ایک محل بنوا اور اگر تو نہ بنوائے گا تو میں بارہ رسالے بھیجوں گا۔ جن میں ایک ایک لاکھ جنگجو ہوں گے اور اس لشکر کا سردار میرا وزیر بدیع ہو گا۔ وہ تیرا ملک چھین لے گا تیرے مردوں کو قتل کر دے گا اور تیری عورتوں کو گرفتار کر لائے گا۔ ہند اقصیٰ کے ایلچی کو جو خط لے کر آیا ہے ہمارے بادشاہ نے تین روز تک ٹھہرنے کے لئے کہا ہے۔ وہ بادشاہ بڑا زبردست قوت والا ہے۔ اور اس کے ملک کی آبادی بہت بڑی ہے اگر ہمارے بادشاہ نے کسی تدبیر سے اسے روک نہ دیا تو برباد ہو جائے گا اور جب ہمارا بادشاہ ہلاک ہو جائے گا تو وہ بادشاہ ہماری روزی چھین لے گا' ہمارے مردوں کو مار ڈالے گا اور ہماری عورتوں کو پکڑ لے جائے گا۔

بادشاہ نے ان دونوں کو یہ گفتگو سنی تو وہ اور زیادہ گھبرایا اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ لڑکا بڑا حکیم معلوم ہوتا ہے کیونکہ جو خط ہند اقصیٰ کے بادشاہ کے پاس آیا ہے وہ میرے پاس ہے اس کا بھید میں نے اب تک کسی اور سے نہیں کہا پھر اس لڑکے کو اس کی کیونکر خبر ہو گئی؟ یہ کہہ کر بادشاہ اس کے پاس گیا اور نرمی سے کہنے لگا' اے پیارے لڑکے! ہمارے بادشاہ کے بارے میں تو کیا کہہ رہا ہے؟ اس نے واقعی بڑا برا کیا کہ اپنے وزیروں اور امیروں کو قتل کر دیا' سچ مچ اس سے اسے اور اس کی رعیت کا بڑا نقصان پہنچا اور جو کچھ تو کہتا ہے بالکل ٹھیک ہے لیکن بیٹا یہ تو بتا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ ہند اقصیٰ کے بادشاہ نے اسے اس مضمون کا خط لکھا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ بزرگوں کے قول کے موافق خدا پر کوئی بات پوشیدہ نہیں اور انسانوں میں روحانیت ہوتی ہے جس سے انہیں پوشیدہ بھید معلوم ہو جاتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا بیٹا! تو سچ کہتا ہے اچھا اب یہ بتا کہ کوئی تدبیر ہو سکتی ہے جس سے یہ بلا اس کے

اور اس کی رعیت کے سر سے ٹل جائے؟ لڑکے نے کہا ہاں! اگر بادشاہ مجھے بلائے اور پوچھے کہ کس تدبیر سے اس کا دشمن دور ہو سکتا ہے تو میں اسے بتا دوں گا۔ بادشاہ نے کہا، کون جا کر بادشاہ کو اس کی خبر دے سکتا ہے تا کہ وہ تیرے پاس کسی کو بھیج کر تجھے بلائے؟ لڑکے نے کہا میں نے سنا ہے کہ وہ دانش مندوں کی تلاش میں ہے اگر وہ مجھے بلائے گا تو میں اس کے پاس جا کر وہ تدبیر بتاؤں گا، جس سے اسے فائدہ پہنچے اور اس کے سر سے یہ بلا ٹل جائے۔ اگر اس مشکل کام میں اس نے دیر لگائی، عورتوں کے ساتھ لہو و لعب میں مشغول ہو گیا اور میں خود اس کے پاس گیا تو ان لوگوں کی طرح وہ مجھے بھی مروا ڈالے گا اور اس کی ملاقات میری ہلاکت کا باعث ہو گی۔ لوگ میرا مذاق اڑائیں گے۔ مجھے ناسمجھ خیال کریں گے اور میں اس مثل کا مصداق بن جاؤں گا۔ جس عالم کا علم اس کی عقل سے زیادہ ہو وہ اپنے جہل میں مارا جائے گا۔

بادشاہ نے لڑکے کی باتیں سنیں تو اسے یقین آ گیا کہ وہ بڑا عقل مند اور فاضل ہے اس کی اور اس کی رعیت کی نجات اسی کے ہاتھوں ہو سکتی ہے۔ اس نے لڑکے سے پوچھا تو کہاں رہتا ہے اور تیرا گھر کہاں ہے؟ لڑکے نے کہا یہ دیوار میرے گھر سے ملی ہوئی ہے۔ بادشاہ نے اس مقام کو خوب پہچان لیا اور لڑکے سے رخصت ہو کر خوش خوش اپنے محل کو چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنا لباس پہنا، کھانا پینا منگوایا اور کہہ دیا کہ عورتیں اس کے پاس نہ آئیں۔ کھانے پینے کے بعد اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس سے نجات اور مدد کی دعا مانگی اور جو حرکت اس نے اپنے علما اور روسا کے ساتھ کی تھی اس کی معافی چاہی، خدا کے آگے سچی توبہ کرکے روزہ نماز اور خیرات کا حتمی وعدہ کیا پھر اس نے اپنے خاص غلام کو بلا کر لڑکے کے مکان کا پتا دیا اور کہا کہ اسے نرمی کے ساتھ بلا لا۔ غلام نے لڑکے کے پاس جا کر کہا کہ بادشاہ تجھے انعام دینے کے لئے بلا رہا ہے۔ وہ تجھ سے کچھ پوچھے گا اور تجھے خیریت کے ساتھ تیرے گھر بھجوا دے گا۔ لڑکے نے پوچھا بادشاہ کس لئے مجھے بلاتا ہے؟ غلام نے جواب دیا

کچھ پوچھنے گچھنے کے لئے۔ لڑکے نے کہا بادشاہ کا حکم ہزار بار سر آنکھوں پر۔ لڑکا وہاں پہنچا تو پہلے خدا کے آگے سجدہ کیا پھر بادشاہ کو سلام کرکے اسے دعا دی۔ بادشاہ نے سلام کا جواب دیا اور بیٹھ جانے کو کہا وہ بیٹھ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو چھبیسویں رات

نو سو چھبیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکا بیٹھ گیا تو بادشاہ نے پوچھا کل تجھ سے کس نے باتیں کی تھیں؟ اس نے کہا اسی نے جو اس وقت باتیں کر رہا ہے۔ بادشاہ بولا پیارے! تو سچ کہتا ہے اس کے بعد بادشاہ نے اپنے پہلو میں کرسی ڈلوا کر اسے بٹھایا' کھانا منگوایا اور دونوں باتیں چیتیں کرنے لگے۔ بادشاہ نے لڑکے سے کہا اے وزیرا! تو نے کل مجھ سے چند باتیں کی تھیں منجملہ ان کے یہ کہ تیرے پاس ہند اقصیٰ کے بادشاہ کی چال کا توڑ ہے۔ بتا وہ کیا تدبیر ہے کہ میں اس کی برائی سے بچ جاؤں اور تجھے اپنا وزیر بنا لوں ہر معاملے میں تیری رائے پر چلا کروں اور تیری بڑی تنخواہ مقرر کر دوں؟ لڑکے نے کہا تیری تنخواہ تجھے مبارک ہو مشورہ اور رائے اپنی عورتوں سے لیا کر جن کے کہنے پر تو نے میرا باپ شماس اور دوسرے وزیروں کو قتل کروا دیا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ پشیمان ہو گیا اور ایک آہ بھر کر کہا پیارے بیٹے! کیا شماس سچ مچ تیرا باپ تھا؟ لڑکا بولا شماس سچ مچ میرا باپ اور میں واقعی اس کا بیٹا ہوں۔ یہ سن کر بادشاہ نے سر نیچا کر لیا اس کے آنسو ڈبڈبا آئے وہ خدا سے معافی کا خواستگار ہوا اور کہنے لگا بیٹا! اس کی وجہ میری جہالت اور عورتوں کی بری رائے تھی' ان کی چال بے ڈھب ہوتی ہے لیکن میں تجھ سے معافی کی درخواست کرتا ہوں۔ تجھے تیرے باپ کا عہدہ بلکہ اس سے بھی بڑا رتبہ دیتا ہوں اور جب یہ بلا ٹل جائے گی تو تجھے سونے کا طوق پہناؤں گا سب سے زیادہ معزز سواری پر سوار کروں گا اور ڈھنڈورا پٹوا دوں گا کہ یہ معزز جوان بادشاہ کے بعد دوسری کرسی کا مالک ہے اور جو کچھ تو نے عورتوں کے بارے میں کہا ہے تو میں ان سے بدلہ لے کر رہوں گا۔ اب بتا کہ تو کیا تدبیر بتانا چاہتا ہے۔ تا کہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے؟ لڑکے نے جواب دیا پہلے وعدہ کر تو میری رائے کے خلاف نہ کرے گا اور جس چیز سے میں

ڈرتا ہوں اس سے مجھے امان ملے گی۔ بادشاہ نے کہا میں خدا کو حاضر ناظر جان کر وعدہ کرتا ہوں کہ میں تیری بات نہ ٹالوں گا تو میرا مشیر رہے گا جو تو کہے گا میں کروں گا اور جو کچھ میں کہتا ہوں اس کا گواہ خدا ہے۔ یہ سن کر لڑکے کا دل خوش ہو گیا اسے بات کرنے کی ہمت پڑی اس نے کہا اے بادشاہ! ترکیب یہ ہے کہ جو مہلت تو نے ایلچی کو دے رکھی ہے اس کے بعد جب وہ جواب لینے آئے تو ایک دن کے لئے اسے اور ٹال دیجینو اس پر وہ یہ اعتراض کرے گا کہ اس کے بادشاہ نے اسے اتنی ہی مہلت دی ہے اور تجھ سے ضد کرے گا مگر تو اپنی بات پر اڑا رہینو وہ ناراض ہو کر تیرے پاس سے چلا جائے گا اور شہر میں جا کر لوگوں کے سامنے خفا ہو گا اور کہے گا کہ اے شہر والو! میں ہند اقصیٰ کے بادشاہ کا فرستادہ ہوں' وہ اتنا طاقتور اور ارادے کا پکا ہے کہ اس سے لوہا بھی نرم ہو جائے۔ اس نے مجھے ایلچی بنا کر یہاں بھیجا ہے اور ٹھہرنے کی میعار مقرر کر دی ہے اور مجھ سے کہا ہے کہ اگر تو مقررہ میعاد تک واپس نہ آیا تو میں تجھے سزا دوں گا جب میں نے یہاں آ کر اس شہر کے بادشاہ کو خط دیا تو اس نے اسے پڑھ کر تین دن کی مہلت مانگی۔ آج تین دن گزر چکے اور میں جواب لینے گیا تو اس نے ایک دن کی مہلت چاہی لیکن اب میں زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکتا۔ اس لئے اپنے آقا ہند اقصیٰ کے بادشاہ کے پاس واپس جا رہا ہوں اور اس سے سارا ماجرا بیان کروں گا تم میرے اور اس کے درمیان گواہ رہنا۔

جب وہ اس قسم کی باتیں کرے گا تو اس کی خبر تجھے پہنچے گی اس وقت تو اسے بلوائیو اور نرمی سے باتیں کیجنو اور کہینو کہ تو اپنی جان کے پیچھے کیوں ہاتھ دھو کر پڑا ہے کہ ہماری رعیت کے آگے ہمیں برا بھلا کہتا ہے؟ اس کی سزا تو یہ ہے کہ میں فوراً تجھے قتل کر دوں لیکن بزرگوں کا مقولہ ہے کہ بڑے لوگوں کا شیوہ معاف کرنا ہے جواب میں دیر کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ میں جواب نہیں دے سکتا! بلکہ یہ کہ میں بہت مشغول ہوں۔ یہ کہہ کر خط منگوائیو اسے دوبارہ پڑھیو پڑھ کر خوب ہنسیو اور اس سے کہنیو کہ اس کے علاوہ اور کوئی خط میرے پاس نہیں پھر تیسری بار تو اس سے یہی سوال

کیجنو اور جب وہ انکار کرے تو اس سے کہنیو کہ تمہارا بادشاہ بڑا نا سمجھ ہے وہ ایسی باتیں لکھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنا لشکر لے کر اس کے ملک پر دھاوا بول دیں اور اس کی بادشاہت چھین لیں لیکن اس بار ہم اس کی گستاخی معاف کرتے ہیں کیونکہ وہ کم عقل اور پست ہمت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس بار اسے ڈرا دھمکا دیں کہ ایسی باتیں پھر نہ کرے ورنہ میں اس پر سخت بلا نازل کروں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ نہ تو اس کے پاس کوئی عقل مند وزیر ہے جو اسے مشورہ دے نہ خود اس میں اتنی سمجھ ہے کہ ایسی بے ہودہ گوئی سے پہلے کسی وزیر سے مشورہ لیتا۔ میں بھی اس کے خط کا جواب ویسا ہی بلکہ اس سے بڑھ کر دے سکتا ہوں میں یہ خط مکتب کے کسی لڑکے کو دے دوں گا کہ وہ اس کا جواب لکھ دے۔

یہ کہہ کر تو مجھے بلوائیو اور کہنیو کہ اس خط کو پڑھ کر اس کا جواب دے دے۔

یہ سن کر بادشاہ خوش ہو گیا' لڑکے کی رائے کو بہت پسند کیا اسے انعام دے کر اس کے باپ کا رتبہ اسے عطا کیا۔ لڑکا خوش خوش رخصت ہوا جب تین دن گزر گئے تو ایلچی نے بادشاہ کے پاس آ کر جواب مانگا بادشاہ نے ایک روز کے لئے اور ٹال دیا اس پر ایلچی نے محل سے نکل کر ویسی ہی باتیں کیں جیسا کہ لڑکے نے کہا تھا اور بازار میں جا کر کہا اے شہر والو! میں ہند اقصیٰ کے بادشاہ کے پاس سے تمہارے بادشاہ کے پاس خط لے کر آیا تھا مگر وہ جواب دینے میں آج کل کر رہا ہے جو میعاد میرے بادشاہ نے مقرر کی تھی وہ ختم ہو چکی اور تمہارے بادشاہ کے لئے اب کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ لہٰذا تم گواہ رہنا جب بادشاہ کو یہ خبر ملی تو اس نے ایلچی کو بلوایا اور کہا تو اپنی جان کے پیچھے کیوں ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے کہ جو کچھ ایک بادشاہ نے دوسرے کو لکھا ہے تو اسے کہتا پھرتا ہے حالانکہ دو بادشاہوں کے درمیان جو باتیں ہوتی ہیں وہ راز ہے۔ لہٰذا تو سزا کا مستحق ہے لیکن ہم اس کا برا نہیں مانتے تاکہ تیرے بے وقوف بادشاہ کو جواب مل جائے۔ مناسب یہ ہے کہ اس خط کا جواب مکتب کا سب سے چھوٹا لڑکا دے۔

یہ کہہ کر اس نے لڑکے کو بلوایا' لڑکے نے آ کر خدا کے آگے سجدہ کیا اور بادشاہ کو عمر کی درازی اور عزت کی ہمیشگی کی دعا دی۔ بادشاہ نے خط لڑکے کی طرف پھینک کر کہا اسے پڑھ کر فوراً اس کا جواب لکھ دے۔ لڑکے نے خط لے کر پڑھا اور مسکرا پڑا اور مسکرا کر بادشاہ سے کہا بس اسی خط کے جواب دینے کے لئے تو نے مجھے بلوایا ہے؟۔ بادشاہ نے کہا ہاں لڑکے نے کہا سر آنکھوں پر اور دوات قلم کاغذ نکال کر لکھنا شروع کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو ستائیسویں رات

نو سو ستائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... لڑکے نے دوات اور کاغذ لے کر لکھا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' سلامتی ہو اس پر جسے امن و امان اور خدا کی رحمت ملنے میں کامیابی ہو۔ اس کے بعد اے بادشاہ جس کا نام بڑا اور کام چھوٹا ہے میں تجھے خبر دیتا ہوں کہ تیرا خط پہنچا' میں نے پڑھا جو بے ہودہ باتیں اور خرافات کا طومار تو نے لکھا ہے میں خوب سمجھا۔ مجھے یقین آ گیا کہ تو سخت جاہل اور بدتمیز ہے ایسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہتا ہے جو تیری طاقت سے باہر ہے اگر مجھے خلق اللہ کے ساتھ محبت نہ ہوتی تو میں فوراً تجھ پر چڑھائی کر دیتا۔ تیرے ایلچی نے بازار میں جا کر خط کا مضمون ہمہ شما سے بیان کیا' مجھے چاہیے تھا کہ اسے سزا دوں لیکن میں نے رحم کھا کر اسے چھوڑ دیا۔ آگے چل کر جو کچھ تو نے وزیروں' عالموں اور حکومت کے بڑے لوگوں کے قتل کے بارے میں لکھا ہے درست ہے۔ لیکن ہر ایک مقتول کی بجائے میرے پاس ایک ہزار اور ہیں جو ان سے زیادہ عالم سمجھدار اور عقل مند ہیں بلکہ میرے یہاں کا بچہ بچہ علم سے لبریز ہے اور میرا ہر سپاہی تیرے رسالے کے برابر۔ اب رہی دولت میرے یہاں واقعی سونے اور چاندی کی کانیں ہیں' ہیرے جواہرات ایسے جیسے کنکر پتھر۔ تیری یہ کیونکر ہمت پڑی جو تو لکھتا ہے کہ میں تیرے لئے بیچ سمندر میں ایک محل بنوا دوں۔ یہ تیری حماقت کی دلیل ہے تاہم میں بنوا بھی دوں گا۔ بشرطیکہ تو موجوں اور ہوا کو روک تھام لے۔ تیرا یہ گمان کہ تو مجھ پر فتح پا جائے گا غلط ہے بلکہ خدا مجھے تجھ پر فتح دے گا۔ اس بدتمیزی کا جواب تو یہ تھا کہ تجھے سزا دی جاتی خیر میں اس مرتبہ محض تجھے سمجھانے پر اکتفا کرتا ہوں۔ لہٰذا اس سال کا خراج جلد بھیج دے ورنہ میں اپنے وزیر کے ساتھ گیارہ لاکھ ہاتھی سوار بھیج کر تین برس تک

تیرا محاصرہ کروں گا اور تیرا ملک چھین لوں گا لیکن سوائے تیرے اور کسی کو قتل نہ کروں گا اور سوائے تیری عورتوں کے اور کسی کو گرفتار نہ کروں گا۔"

یہ خط لکھ کر لڑکے نے اس کے نیچے اپنی تصویر بنا دی اور تصویر کے ایک طرف لکھ دیا کہ یہ خط مکتب کے سب سے چھوٹے بچے نے لکھا ہے۔ بعدازاں اس نے خط پر مہر لگا کر بادشاہ کو دے دیا اور بادشاہ نے ایلچی کو۔ ایلچی نے اسے لے کر بادشاہ کے ہاتھ چومے خدا کا شکریہ ادا کیا' بادشاہ کی بربادی کا شکر گزار ہوا اور لڑکے کے علم و فضل پر تعجب کرتا ہوا روانہ ہو گیا۔ اپنے بادشاہ کے پاس تین دن دیر سے پہنچا اس وقت بادشاہ دربار لگائے ہوئے تھا کیونکہ ایلچی مقررہ میعاد پر واپس نہ آیا تھا۔ ایلچی دربار میں حاضر ہوا تو اس نے سجدہ کرکے خط بادشاہ کے حوالے کر دیا۔ بادشاہ نے خط لے کر اس سے پوچھا تو نے کیوں دیر لگائی اور بادشاہ ورد خان کی کیا حالت ہے؟ ایلچی نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا کہہ دیا۔ بادشاہ کے ہوش اڑ گئے اور ایلچی سے کہنے لگا ستیاناس ہو تیرا! ایسے بادشاہ کے پاس سے تو ایسی خبریں لایا ہے؟ ایلچی نے جواب دیا ابھی میرے سامنے اس خط کو کھول تاکہ تجھے سچ اور جھوٹ میں فرق معلوم ہو جائے۔ اب بادشاہ نے خط کھول کر پڑھا اس میں لڑکے کی تصویر دیکھی جس نے خط لکھا تھا اور اسے یقین آ گیا کہ اب اس کا ملک ہاتھ سے گیا اور نہ معلوم اس کا کیا حشر ہو گا؟ اس کے بعد اس نے اپنے وزیروں اور سرداروں کے آگے وہ خط پڑھا ان سے سارا ماجرا کہا۔ وہ سب کے سب کانپ اٹھے لیکن ظاہراً بادشاہ کو اطمینان دلاتے رہے۔ بڑے وزیر بدیع نے کہا اے بادشاہ جو کچھ میرے بھائی وزراء تجھ سے کہہ رہے ہیں بے فائدہ ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تو اس بادشاہ کے نام ایک اور خط لکھ اس میں معذرت کر اور اسے جتا کہ میں تجھ سے محبت رکھتا ہوں اور تجھ سے پہلے تیرے باپ سے محبت رکھتا تھا۔ پہلا خط میں نے محض بطور امتحان کے لکھا تھا کہ دیکھو تیری ہمت' بہادری علم اور عمل کس درجے کے ہیں اب میں خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ تیرا ملک تجھے مبارک

کرے، تیرا ملک اور زیادہ مضبوط کرے۔ یہ خط ایک دوسرے ایلچی کے ہاتھ بھیج دیا۔
بادشاہ نے کہا خدا کی قسم یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے، یہ کیسے ہوا کہ وہ بادشاہ اپنے

ملک کے علماء عقل مندوں اور سرداروں کے قتل کے بعد بھی اتنا بڑا ہو اس کا ملک
خوش حال ہو اور اس میں اتنی قوت ہو؟ سب سے زیادہ اچنبھے والی یہ بات ہے کہ مکتب
کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اپنے بادشاہ کی طرف سے ایسا خط لکھ سکتے ہیں۔ میں نے
لالچ میں آ کر یہ آگ بھڑکا دی ہے اور اب سوائے میرے اس وزیر کے اسے کوئی
بجھا نہیں سکتا یہ کہہ کر اس نے قیمتی تحفے تحائف غلام باندیاں اور بڑا جلوس تیار
کیا ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اس کے بعد معلوم ہو
کہ اے میرے پیارے بھائی جلی عاد کے بیٹے (خدا اس پر رحم کرے) زبردست بادشاہ
ورد خاں! میرے خط کا جواب ملا میں نے اسے پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا اس کا مضمون
دیکھ کر میں خوش ہو گیا کیونکہ زیادہ سے زیادہ میں خدا سے ہی امید رکھتا تھا۔ میری
دعا ہے کہ خدا تیرا مرتبہ اور بڑھائے تیری حکومت اور مضبوط کرے اور جو تیرے دشمن
تیرا برا چاہتے ہیں اس پر تجھے فتح دے۔ اے بادشاہ! سن تیرا باپ میرا بھائی تھا۔ جب
تک وہ زندہ رہا میرے اور اس کے درمیان عہد و پیماں رہے اسے مجھ سے بھلائی ہی
بھلائی ملا کی اور مجھے بھی اس سے۔ جب اس کا انتقال ہو گیا اور تو اس کی شاہی
کرسی پر بیٹھا تو مجھے بڑی خوشی اور مسرت ہوئی لیکن جب مجھے یہ خبر ملی کہ تو نے اپنے
وزیروں اور بڑے لوگوں کے ساتھ یہ حرکت کی تو میں ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو اس کی
خبر کسی دوسرے بادشاہ کے پاس پہنچ جائے اور اس کے دل میں تیرے ملک کا لالچ پیدا
ہو اور تو بے خبری کی حالت میں اس کا شکار ہو جائے۔ میرے خط کا مقصد تجھے آگاہ
کرنا تھا لیکن تیرا جواب پڑھ کر مجھے اطمینان ہو گیا خدا تیرا ملک تجھے مبارک کرے
اور تیرا مرتبہ بڑھائے والسلام اس نے تحفے تحائف تیار کرکے سو سواروں کے ہاتھ روانہ
کیے۔

• نو سو اٹھائیسویں رات

نو سو اٹھائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... ہند اقصیٰ کے بادشاہ نے تحفے تحائف تیار کرکے سو سواروں کے ہاتھوں روانہ کر دیئے اور انہوں نے بادشاہ ورد خان کے پاس پہنچ کر اسے سلام کیا خط دیا ورد خاں نے خط پڑھا اس کا مطلب سمجھا اور سواروں کے رسالدار کو ایسی جگہ اتارا جو اس کی شان کے شایاں تھا اس کی بڑی عزت کی اور جو تحفے تحائف وہ لائے تھے انہیں بڑی خوشی سے منظور کیا اس کی خبر لوگوں میں مشہور ہو گئی اس کے بعد اس نے شماس کے بیٹے کو بلوایا اور اسے انعام دے کر عزت کے ساتھ رسالدار کے پاس بھیجا خط لڑکے کو دیا لڑکے نے اسے پڑھا' لڑکا رسالدار پر ناراض ہوتا رہا اور رسالدار اس کے ہاتھ چومتا معذرت کرتا اور اسے جان و مال کی دعا دیتا رہا۔ بادشاہ نے اس کا شکریہ ادا کیا' اس کا احترام کیا اسے اور اس کے ساتھیوں کو ان کے رتبے کے مطابق انعام دیئے اور تحفے تحائف تیار کرکے لڑکے سے کہا کہ خط کا جواب لکھ۔ لڑکے نے جواب میں بہت اچھا آداب القاب لکھا مصالحت کا بھی ذکر کیا اور ایلچی اور اس کے سواروں کے ادب و آداب کی تعریف کی۔ خط ختم کرنے کے بعد اس نے بادشاہ کے سامنے پیش کیا' بادشاہ نے کہا اے پیارے بیٹے! پڑھ تاکہ میں سنوں کہ تو نے کیا لکھا ہے لڑکے نے سب سواروں کے سامنے خط پڑھ کر سنایا۔ بادشاہ اور تمام حاضرین اس کا مطلب سمجھ کر متعجب ہو گئے۔ اب بادشاہ نے اس پر مہر لگا کر رسالدار کے سپرد کر دیا اسے رخصت کیا اور اس کے ساتھ لشکر کا ایک حصہ روانہ کیا تاکہ وہ انہیں ان کے ملک کی سرحد تک پہنچا آئے۔

یہ تو بادشاہ اور لڑکے کا ماجرا ہوا۔ اب رسالدار کا قصہ سنو۔ لڑکے کا علم و فضل دیکھ کر اس کی عقل دنگ ہو گئی۔ اس نے اس کا شکریہ ادا کیا کہ اتنی جلد اس کا کام ہو گیا اور بادشاہ نے صلح منظور کر لی۔ ہند اقصیٰ پہنچ کر اس نے بادشاہ کو تحفے تحائف اور خط دیا اور جو کچھ دیکھا تھا کہا۔ بادشاہ کو بڑی خوشی ہوئی۔ وہ خدا کا شکر بجا لایا۔

رسالدار کا بڑا احترام کیا اس کی کارگزاری کا شکریہ گزار ہوا اس کا رتبہ بڑھا دیا اور بڑے اطمینان و بے فکری سے رہنے لگا۔

ہند اقصیٰ کے بادشاہ کی کیفیت معلوم ہو گئی اب بادشاہ درد خان کا حال سنو۔ اس نے اپنی بری عادتیں چھوڑ کر خدا کے آگے توبہ کی۔ عورتوں کی صحبت بالکل ترک کر کے ملک کی اصلاح کی طرف ہمہ تن مشغول ہو گیا۔ شماس کی جگہ اس کے بیٹے کو وزیر بنا لیا اور حکم دیا کہ سات دن تک شہر میں چراغاں کیا جائے' رعیت خوش ہو گئی ان کے دل سے بادشاہ کی برائی کا ڈر نکل گیا اور اس کے عدل و انصاف سے سب خوش ہو گئے۔ بادشاہ کو بھی دعا دی اور وزیر کو بھی جس نے بادشاہ اور رعیت کا غم غلط کر دیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے وزیر سے پوچھا اب کیا تدبیر ہونی چاہیے کہ ملک ویسا ہی سر سبز و شاداب ہو جائے جیسا کہ اگلے روسا اور سیاست دانوں کے وقت میں تھا؟ وزیر نے کہا اے عالی شان بادشاہ! میری رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے دل سے گناہوں کی جڑ کو کاٹ کر پھینک دے کھیل کود' جورو ظلم اور عورتوں سے انہماک چھوڑ دے کیونکہ اگر تو گناہوں کی جڑ کی طرف دوبارہ مائل ہوا تو یہ دوسری گمراہی پہلی سے بھی بڑھ چڑھ کر ہو گی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ گناہوں کی جڑ کیا ہے جو مجھے کاٹ ڈالنی چاہیے؟ چھوٹی عمر اور بڑی عقل والے وزیر نے کہا اے عالی شان بادشاہ گناہ کی جڑ عورتوں کی محبت' ان کی طرف میلان' ان کی رائے اور تدبیر کا قبول کرنا ہے کیونکہ ان کی محبت صاف عقل کو گندہ اور سالم طبیعتوں کو پراگندہ کر دیتی ہے۔ اگر تو غور کرے تو اس بات کو خود سمجھ سکتا ہے میرے کہنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ خدا نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ عورتوں سے زیادہ میل جول نہ رکھنا چاہیے۔ ایک عقل مند بادشاہ نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ بیٹا! جب تو میرے بعد بادشاہ ہو تو عورتوں سے زیادہ میل جول نہ رکھیو ورنہ تیرا دل فاسد ہو جائے گا اور رائے گمراہ' ان کے زیادہ میل جول سے ان کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور ان کی محبت سے رائے بگڑ جاتی ہے۔ اس کی دلیل حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام

ہیں۔ جنہیں خدا نے اتنا علم' حکمت اور حکومت دی تھی کہ کسی کو آج تک ملی بھی نہیں' ان کے باپ کی غلطی کا سبب بھی عورتیں ہی تھیں۔ اے بادشاہ! ایسی مثالیں بہت سی ہیں لیکن میں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر اس لئے کیا کہ جیسی ان کی حکومت تھی کسی کی بھی نہ ہوئی یہاں تک کہ دنیا کے تمام بادشاہ ان کے فرمانبردار تھے۔ عورتوں کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے اور عقل تو ان میں سے کسی میں بھی نہیں ہوتی۔ انسان کو چاہیے کہ عورتوں سے میل جول جتنا کم ہو سکے رکھے بالکل انہی کا ہو کر اپنے کو تباہی میں نہ گرا لے۔ اے بادشاہ! اگر تو نے میرا کہنا مان لیا تو تیرے سب کام ٹھیک ہو جائیں گے ورنہ تو ایسا پچھتائے گا کہ پھر پچھتائے کچھ نہ بنے گا۔

بادشاہ نے کہا میں نے اب عورتوں کا رجحان بالکل ترک کر دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو انتیس ویں رات

نو سو انتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ ورد خاں نے کہا میں نے عورتوں کی طرف رجحان تو بالکل ترک کر دیا لیکن ان کی حرکتوں کی سزا کیا دینی چاہیے کیونکہ تیرے باپ شماش کی موت کا باعث یہی عورتیں ہیں' میرا مقصد ہر گز یہ نہ تھا مجھے معلوم نہیں کہ میری عقل پر کیا پتھر پڑ گئے تھے۔ کہ میں نے ان کی بات مان لی اس کے بعد اس نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا چیخ ماری اور کہا ہائے افسوس کیا ہوا میرے وزیر کی صائب رائے کہاں گئی...... کدھر گئے۔ دوسرے وزیر اور حکومت کے بڑے بڑے لوگ! وزیر نے کہا جرم محض عورتوں کا نہیں ان کی مثال محض ایک خوب صورت کھلونے کی سی ہے جسے دیکھ کر لوگ خوش ہوتے ہیں جو کوئی انہیں خریدنا چاہتا ہے وہ اس کے ہاتھ بک جاتی ہے اور جو انہیں خریدنا نہیں چاہتا اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ لیکن جرم اسی کا ہے جو خریدتا ہے بالخصوص جب کہ وہ اس کے نقصان کو جانتا ہو۔ میں بھی تجھے اس سے خبردار کرتا ہوں اور اس سے پہلے میرے باپ نے بھی تجھے خبردار کیا تھا لیکن تو نے اس کی نصیحت نہ مانی۔ بادشاہ بولا میں گناہ کا مرتکب ہو چکا ہوں اور میرے پاس سوا اس کے کوئی عذر نہیں کہ خدا کا یہی حکم تھا۔ وزیر نے کہا' اے بادشاہ خدا نے ہمیں پیدا کیا' ہم میں قوت دی' ارادہ اور اختیار دیا اگر ہم چاہیں ایک کام کریں نہ چاہیں نہ کریں۔ خدا نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ ہم ایسا کام کریں جس میں نقصان ہو اور گناہ کے مرتکب ہوں۔ ہم اچھا کریں یا برا اپنے ارادے سے کرتے ہیں۔

یہ سن کر بادشاہ نے کہا کہ تو بالکل سچ کہتا ہے واقعی غلطی میری ہے کہ میں شہوتوں میں پڑا رہا۔ میں نے کئی بار اپنے آپ کو ڈرایا اور تیرے باپ شماس نے بھی بارہا ڈرایا۔ لیکن میرا نفس عقل پر غالب آ گیا تو مجھے ان غلطیوں سے روک سکتا ہے۔ تا کہ

میری عقل نفسانی شہوتوں پر غالب آ جائے؟ وزیر نے جواب دیا ہاں! میں ایک بات بتا سکتا ہوں جس سے تو پھر ایسی غلطی نہ کرے وہ یہ ہے کہ تو جہالت کو چھوڑ کر انصاف پسندی سے کام کرے۔ اپنی خواہشات کی نافرمانی اور اپنے مالک کی فرمانبرداری کر اپنی عادتیں ترک کر کے اپنے عادل باپ کی عادتوں کو اپنا' رہنما بنا خدا اور اپنی رعیت کے حقوق ادا کر' اپنے دین' اپنی رعیت اور ذات کی حفاظت فرض جان' ہر بات کا انجام سوچ' ظلم و جور اور فساد سے دست کش ہو' عدل و انصاف اور خضوع و خشوع پر کار بند ہو' خدا کے احکام کی تعمیل سے منہ نہ موڑ' اس کی مخلوق کے ساتھ جو اس نے تیرے سپرد کی ہے مہربانی سے پیش آ' ان سے ایسا برتاؤ کر کہ وہ تجھے ہمیشہ دعا دیں۔ اگر انہوں نے ہمیشہ تجھے دعا دی تو تیری زندگی خوشی سے گزرے گی' خدا اپنی رحمت سے تجھے معاف کرتا رہے گا اور تجھے دیکھے گا تیرا رعب مانے گا تو اپنے دشمنوں کو نیچا دکھائے گا۔ خدا ان کے لشکروں کو تباہ کر دے گا' اس کے نزدیک تو مقبول ہو گا اور خلق کے نزدیک محبوب۔ بادشاہ بولا تو نے سچ مچ میرے دل کو زندہ کر دیا' اپنی شریں کلامی سے اس میں روشنی پیدا کر دی' میری اندھی آنکھیں نورانی کر دیں۔ خدا نے چاہا تو میں تیری تمام باتوں پر کاربند رہوں گا' جن خواہشات اور گناہوں میں مشغول ہوں انہیں چھوڑ دوں گا حتی کہ تو مجھ سے خوش ہو جائے گا۔ میں باوجود بڑی عمر کے مثل تیرے بیٹے کے ہوں اور تو باوصف کم عمری کے میرے باپ کی طرح۔ میرا فرض ہے کہ جو کچھ تو کہے اسے حتی الامکان پورا کروں۔ میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ اس نے تیری وجہ سے مجھے ایسے سیدھے راستے پر لگا دیا۔ جس سے میرا رنج و غم دور ہو گیا۔ تیری معرفت اور تدبیر سے میری رعیت سلامتی کے گنبد میں آ گئی اس وقت تو میرے ملک کا منتظم ہے تو ہمیشہ کرسی پر بیٹھا کرے گا اور جو کچھ تو کرے گا میں تسلیم کروں اور تیری بات کبھی نہ ٹالوں گا۔ اگرچہ تو کم سن ہے لیکن تیری عقل اور تیرا علم بہت بڑا ہے۔

وزیر بولا اے نیک بخت بادشاہ! نصیحت سے مجھے تجھ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ

تیری بخششوں کی وجہ سے یہ مجھ پر فرض ہے اور یہ حال میرا ہی نہیں بلکہ میرے باپ پر بھی تیری نعمتیں حد سے زائد تھیں۔ ہم سب تیرے احسانوں اور مہربانیوں کو تسلیم کرتے ہیں اور کیوں تسلیم نہ کریں تو ہمارا چرواہا اور حاکم ہے۔ ہمارے دشمنوں کو مار کر ہم سے بھگا دیتا ہے' ہمارا پہرے دار اور ہماری حفاظت کا ضامن ہے' ہماری سلامتی کی جان توڑ کوشش کرتا ہے اگر ہم فرمانبرداری میں اپنی جانیں بھی دے دیں تو بھی تیرا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ لیکن ہم دل سے خدا کے شکر گزار ہیں کہ اس نے تجھے ہمارا ولی اور حاکم بنایا اور اس سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تیری عمر دراز کرے تجھے ہر کام میں کامیابی دے' مشکل میں ڈال کر تیرا امتحان نہ لے' تیری مراد بر لائے تمام عمر لوگوں پر تیرا دبدبہ قائم رکھے' تجھے اتنی قوت عطا کرے کہ تو ساری دنیا کا سرتاج بن جائے' تمام دشمنوں کو نیچا دکھائے' تجھے یہ توفیق دے کہ تو عالموں اور بہادروں کو اپنے ملک میں اکٹھا کرے' جاہلوں اور بزدلوں کو نکال باہر کرے اور اپنی رعیت سے گرانی اور تکلیفوں کو دور رکھے' ان میں الفت اور محبت پیدا کرے' خدا اپنے کرم و مہربانی سے تجھے دنیا میں بہبودی اور آخرت میں نیکی عطا کرے۔ آمین! وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کے لئے کوئی بات دشوار نہیں اور ہم سب اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ وزیر کی یہ دعا سن کر بادشاہ باغ باغ ہو گیا اس سے بے حد محبت کرنے لگا اور کہا اے وزیر! سن تو میرے نزدیک مثل بھائی' بیٹے اور باپ کے ہے سوائے موت کے اب ہمیں کوئی چیز جدا نہیں کر سکتی۔ میری تمام ملکیت پر تجھے خرچ کرنے کا اختیار ہے اور اگر میرے کوئی اولاد نہ ہوئی تو میرے بعد تو تخت پر بیٹھے گا کیونکہ تجھ جیسا میرے تمام ملک میں کوئی نہیں۔ میں ملک کے تمام بڑے آدمیوں کے آگے تجھے اپنا جانشین بنا دوں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو تیسویں رات

نو سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ میں ملک کے تمام بڑے آدمیوں کے آگے تجھے اپنا جانشین بنا دوں گا اس کے بعد اس نے اپنے کاتب کو بلا کر کہا ملک کے تمام بڑے آدمیوں کے نام لکھ کر وہ حاضر ہوں اور شہر میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ سب خاص و عام آئیں۔ بادشاہ نے ایک بڑا دربار منعقد کیا اور ایسا دستر خوان بچھوایا کہ اس سے پہلے کبھی نہ بچھا ہو گا' خاص و عام سب کو دعوت دی سب آ کر ایک مہینے تک کھایا پیا کئے۔ بادشاہ نے اپنے تمام نوکر چاکروں اور فقیروں کے پہننے کے لئے کپڑے بخشے' پڑھے لکھوں کو بڑے بڑے انعام دیئے۔ تمام عالموں اور حکیموں کا شماس کے بیٹے سے تعارف کرایا اور اس سے کہا کہ ان میں سے سات کو منتخب کرکے اپنے ماتحت وزیر بنا لے۔ شماس کے بیٹے نے چھ کو منتخب کر لیا جو عمر میں سب سے بڑے' عقل میں سب سے زیادہ قابل تھے اور انہیں بادشاہ کے پاس لے جا کر وزارت کے خلعت پہنائے۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ تم ابن شماس کے ماتحت میرے وزیر ہو اگرچہ وہ عمر میں تم سے چھوٹا ہے لیکن عقل میں تم سب سے بڑھا ہوا ہے لہٰذا وہ جو کچھ تم سے کہے تمہیں ماننا ہو گا اور جو کچھ حکم دے اس کی تعمیل کرنی ہو گی۔ اس کے بعد بادشاہ نے انہیں وزراء کے دستور کے موافق زردوز کرسیوں پر بٹھایا ان کا روزینہ اور تنخواہیں مقرر کیں پھر ان سے کہا کہ ملک کی خدمت کے لئے ان لوگوں میں سے منتخب کر لیں جو دعوت میں حاضر تھے ہزار ہزار' سو سو اور دس دس کے سردار بنا لیں۔ بادشاہ نے ان کے بھی روزینے اور تنخواہیں مقرر کر دیں۔ جیسے کہ سرداروں کی ہوتی ہیں اور ان سے کہا کہ تمام حاضرین کو بڑے بڑے انعامات دیں اور انہیں عزت و احترام سے ان کے وطن بھیج دیں پھر اس نے اپنے والیوں کو حکم دیا کہ رعیت کے ساتھ انصاف کریں اور امیروں اور غریبوں سب کے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں۔ وزیروں

نے دعا دی کہ اس کی عزت ہمیشہ قائم رہے اور عمر دراز ہو! بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر میں تین دن تک چراغاں کیا جائے۔

یہ تو ملک کے انتظام کے بارے میں بادشاہ' اسؒ کے وزیر ابن شماس' امراء اور والیوں کا قصہ ہوا۔ اب بادشاہ کی ان چہیتی عورتوں کا حال سنو جن کی چالوں اور فریب کی وجہ سے وزیر مارے گئے تھے اور ملک تباہ ہو گیا جب سب لوگ رخصت ہو گئے اور ملک کا انتظام ٹھیک ٹھاک ہو گیا تو بادشاہ نے اپنے بڑے وزیر کو جو عمر میں سب سے چھوٹا تھا' حکم دیا کہ باقی وزیروں کو بلا جب وہ حاضر ہوئے تو بادشاہ نے ان سے تنہائی میں کہا تمہیں معلوم ہے کہ میں اب تک سیدھے راستے سے پھرا ہوا' جہالت میں غرق' نصیحتوں اور نصیحت کرنے والوں سے برگشتہ اور عہد و پیماں کو توڑا کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں ان عورتوں کے ساتھ کھیل کود میں لگا رہتا' وہ مجھے اپنی بیہودہ گوئی سے مکرو فریب میں رکھتی تھیں اور میں ان کی باتوں میں آ جاتا تھا۔ کیونکہ میں ان کی شیریں بیانی اور نرم کلامی کو نصیحت سمجھتا تھا لیکن وہ قاتل زہر نکلیں۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ محض میری ہلاکت اور بربادی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی تھیں۔ اس لئے میرا فرض ہے کہ انصاف کی بنا پر میں انہیں سزا دوں تاکہ اور لوگ ان سے عبرت پکڑیں۔ بتاؤ کس طرح سے انہیں سزا دینی چاہیے۔ وزیر ابن شماس نے کہا اے عالی شان بادشاہ! میں تجھ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جرم محض عورتوں کا نہیں بلکہ اس میں وہ مرد بھی شامل ہیں جنہوں نے ان کا کہنا مانا۔ بہر حال عورتوں کو سزا دینی واجب ہے اس کے دو سبب ہیں ایک یہ کہ تو بڑا بادشاہ ہے تیرا حکم ماننا چاہیے' دوسرے یہ کہ انہوں نے تیرے ساتھ بڑی دیدہ دلیری کی' تجھے دھوکا دیا' ایسی باتوں میں دخل اندازی کی جن سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا اور جن کے متعلق باتیں کرنے کا انہیں کوئی حق نہ تھا۔ وہ سزا کی مستحق ضرور ہیں لیکن جو سزا انہیں مل چکی ہے کافی ہے اب انہیں محض نوکرانیاں بنا کر رکھ۔ آگے تجھے اختیار ہے۔

بعض دوسرے وزیروں نے بھی وہی مشورہ دیا جو ابن شماس نے دیا تھا مگر ایک وزیر نے

آگے بڑھ کر بادشاہ کو سجدہ کیا اور کہا خدا بادشاہ کی عمر میں برکت دے! اگر تو ان کی بربادی پر تلا ہوا ہے تو میرا کہنا مان اور اپنی ایک چہیتی عورت سے کہہ کہ جن جن عورتوں نے تجھے دھوکا دیا ہے انہیں وہ اس کوٹھڑی میں لے جائے جہاں وزراء اور حکما قتل کیئے گئے ہیں تو انہیں وہاں قید کر دے اور انہیں بہت تھوڑا کھانا پینا دے' بس اتنا کہ وہ زندہ رہ سکیں انہیں وہاں سے نکلنے کی بالکل اجازت نہ ہو اور جو کوئی ان میں سے مر جائے اسے وہیں پڑا رہنے دے یہاں تک سب مر مٹیں۔ یہ کم از کم ان کی سزا ہے کیونکہ اس تمام فتنے کی وجہ وہی ہے اور ان پر یہ مقولہ ٹھیک اترتا ہے کہ جو اپنے بھائی کے لئے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔ بادشاہ نے اس کی رائے مان لی اور اپنی چار چہیتی عورتوں کو بلا کر مجرم عورتیں ان کے حوالے کیں اور کہا انہیں مقتولوں کی کوٹھڑی میں لے جا کر قید کر دو۔ بادشاہ نے ان کے لئے تھوڑا تھوڑا اور خراب کھانا پینا مقرر کر دیا۔ وہ اپنی کرتوت پر بہت پچھتائیں بے حد افسوس کرنے لگیں۔ خدا نے انہیں دنیا میں نامرادی دی اور آخرت میں عذاب۔ وہ برابر اس اندھیری اور بدبو دار جگہ میں پڑی رہیں' ہر روز ان میں سے دو چار مر جاتیں یہاں تک کہ سب مر مٹیں اور اس کی خبر تمام ملکوں میں پھیل گئی۔ یہ تھا انجام بادشاہ' اس کے وزیروں اور رعیت کا۔ سب تعریفیں ہیں واسطے خدا کے جو قوموں کو مارتا سڑی ہڈیوں کو جلاتا ہے اور ابد تک عزت و احترام اور پاکی کا مستحق ہے۔

○ رنگریز ابو قیر اور نائی ابو صیر کی کہانی

اسکندریہ میں دو شخص رہتے تھے ایک کا نام ابو قیر تھا دوسرے کا ابوصیر۔ ابو قیر رنگریز تھا اور ابو صیر نائی۔ دونوں کی دکانیں بازار میں پاس پاس تھیں۔ رنگ ریز بڑا چال باز' جھوٹا اور شریر تھا کسی برائی سے نہ جھجکتا۔ اس کی عادت تھی کہ جب کوئی گاہک اس کے پاس کپڑے رنگوانے آتا تو وہ رنگائی پہلے لے لیتا اور گاہک سے کہتا کہ میں

ان داموں سے رنگ مول لاؤں گا مگر انہیں کھانے پینے میں خرچ کر دیتا پھر کپڑے بھی بیچ ڈالتا اور ان کے دام کھا پی جاتا۔ ہمیشہ اچھے سے اچھا کھانا کھاتا اور جب کپڑے والا آتا تو اس سے کہتا کہ کل دھوپ نکلنے سے پہلے آئیو تو تیرے کپڑے رنگے ہوئے ملیں گے۔ یہ سن کر کپڑے والا چلا جاتا اور اپنے دل میں کہتا کہ کل کا دن بھی دور نہیں۔ جب وہ دوسرے دن آتا تو رنگ ریز کہتا کل آ کر لے جائیو کیونکہ کل میں رنگنے سے فارغ نہ ہو سکا' میرے ہاں مہمان آ گئے تھے۔ میں ان کی خدمت میں لگا رہا' کل تم کو کپڑے رنگے رنگائے تیار ملیں گے۔ گاہک چلا جاتا اور پھر تیسرے دن آتا۔ رنگ ریز کہتا کل میں مجبور تھا کیونکہ رات کو میری بیوی کے بچہ پیدا ہوا اور دن بھر اس کے لئے ضروری چیزیں مہیا کرتا رہا' کل ضرور اپنے کپڑے لے جائیں۔ گاہک پھر آتا اور رنگ ریز کوئی اور بہانہ نکال دیتا قسمیں کھاتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو اکتیسویں رات

نو سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب گاہک رنگ ریز کے پاس آتا تو وہ کوئی نہ کوئی بہانہ نکال دیتا اور قسمیں کھاتا یہاں تک کہ گاہک تنگ آ جاتا اور کہتا کہ تو کب تک کل کل کرتا رہے گا' میرے کپڑے واپس دے دے میں رنگوانا نہیں چاہتا۔ رنگ ریز کہتا کہ بھائی' خدا کی قسم میں تجھ سے شرمندہ ہوں لیکن کیا بتاؤں بس یہ سمجھ لے کہ جو شخص لوگوں کو دق کرتا ہے خدا اسے دق کرتا ہے گاہک کہتا بتا تو سہی کیا ہوا؟ رنگ ریز جواب دیتا میں نے تیرے کپڑے ایسے رنگے تھے جس کا جواب نہیں اور رسی پر لٹکا دیئے تھے کوئی کم بخت انہیں چرا لے گیا اور مجھے پتا بھی نہ لگا کہ کس نے چرایا۔ اگر گاہک بھلا مانس ہوتا تو کہتا کہ خیر خدا ان کے بدلے مجھے اور دے گا اور اگر بدمعاش ہوتا تو تو تو میں میں ہونے لگتی لیکن اگر وہ حکام کے پاس بھی جا کر شکایت کرتا تو بھی اس کے ہاتھ کچھ نہ لگتا۔ رنگ ریز کا یہی رویہ رہا یہاں تک کہ سب لوگ اس کی بدمعاشی سے واقف ہو گئے اور ایک دوسرے کو ابوقیر سے خبردار کرتے رہے وہ ضرب المثل ہو گیا سب نے اس کے پاس جانا چھوڑ دیا اور اگر کوئی پھنستا تو وہی جو اس سے واقف نہ ہوتا پھر بھی ہر روز اس سے تو تو میں میں ہوتی رہتی آخر اس کا کام بند ہو گیا۔ اب رنگ ریز نے یہ ترکیب شروع کی کہ اپنے پڑوسی نائی کی دکان کے اندر جا بیٹھتا اور اپنی دکان کے دروازے کی طرف دیکھتا رہتا اگر اسے کوئی نیا گاہک دکھائی دیتا تو نائی کی دکان سے نکل کر باہر آتا اور کہتا کہ کیا چاہتا ہے؟ گاہک جواب دیتا کہ یہ کپڑے رنگ دے۔ رنگریز کہتا کون سا رنگ چاہتا ہے' رنگریز بدمعاش تو تھا مگر رنگائی کے ہنر میں بھی اس کی پوری دست گاہ تھی اور چونکہ ہر شخص کو دھوکہ دیتا اس لئے وہ غریب رہتا' اچھا تو وہ

کپڑے لے لیتا اور کہتا کہ رنگائی پیشگی دیتا جا کل آ کر کپڑے لے جائیو۔ گاہک رنگائی دے کر چل دیتا۔ جب گاہک چلا جاتا تو رنگریز کپڑے لے کر بازار میں بیچ آتا اور گوشت ترکاری' تمباکو میوے خرید لاتا اور اگر وہ کسی کو دکان پر کھڑا دیکھتا جو کپڑے رنگنے کو دے گیا ہے اسے اپنی صورت نہ دکھاتا کئی سال تک اس کا یہی دستور رہا۔
ایک دن کا ذکر ہے کہ اس نے اسی طرح ایک بڑے آدمی کے کپڑے لے کر بیچ ڈالے اور اس کے دام کھا پی گیا۔ گاہک روز اس کی دکان پر آتا لیکن اسے نہ پاتا۔ کیونکہ رنگریز جب کسی کو دیکھتا جس کے کپڑے اس کے پاس ہوتے تو جا کر ابو صیر نائی کی دکان میں چھپ رہتا جب اس بڑے آدمی نے اسے بار بار دکان پر نہ پایا اور وہ آتے آتے تھک گیا تو جا کر قاضی کے پیادے کو لے آیا اور اس نے کئی مسلمانوں کے روبرو دکان کے دروازے میں کیلیں ٹھونک کر مہر لگا دی کیونکہ اس نے دکان میں گاہک کی چیزوں کے بدلے کچھ ٹوٹے ہوئے مٹی کے برتن دیکھے' پیادے نے پڑوسیوں سے کہا اس سے کہہ دینا کہ اس گاہک کے کپڑے لے آئے اور دکان کی کنجی لے جائے۔ یہ کہہ کر گاہک اور پیادہ دونوں چلے گئے۔ ابوصیر نے ابوقیر سے کہا یہ کیا آفت ہے کہ جو تیرے پاس کپڑے لاتا ہے تو انہیں کھو دیتا ہے اس بڑے آدمی کے کپڑے کیا ہوئے؟ اس نے جواب دیا اے میرے پڑوسی! چوری ہو گئے۔ ابوصیر بولا عجیب بات ہے جو چیز کوئی شخص تجھے دے جاتا ہے اسے چور چرا لے جاتا ہے' کیا تیرے یہاں چوروں کا اڈا ہے؟ میرے خیال میں تو جھوٹ بولتا ہے' آخر واقعہ کیا ہے؟ رنگریز نے کہا کہ میرے ہاں سے کوئی چیز چوری نہیں کی گئی۔ ابوصیر بولا پھر تو لوگوں کے کپڑوں کا کیا کرتا ہے؟ ابوقیر نے جواب دیا جو گاہک کپڑے لاتا ہے انہیں بیچ کر کھا جاتا ہوں۔ ابوصیر نے کہا کیا یہ خدا نے تیرے لئے حلال کر رکھا ہے؟ ابوقیر بولا میں ناداری کی وجہ سے ایسا کرتا ہوں' میرا پیشہ چلتا نہیں اور میں غریب ہوں' میرے پاس کچھ نہیں۔ ابوصیر نے کہا میرا کام بھی رکا ہوا ہے اگرچہ میں اس فن میں استاد ہوں اور میرا جواب اس شہر میں نہیں لیکن میرے غریب ہونے کی وجہ سے

کوئی میرے پاس خط بنوانے نہیں آتا اس لئے مجھے اس پیشے سے نفرت ہو گئی ہے۔
ابوقیر رنگ ریز بولا بھائی میں بھی اپنے پیشے سے نفرت کرنے لگا ہوں پھر اس شہر میں ٹھہرنے سے کیا فائدہ۔ چل ہم دونوں دوسرے شہروں کی سیر کریں۔ ہمارے پیشے ایسے ہیں کہ ہر جگہ کام دیں گے۔ یہاں سے نکل کر خدا نے چاہا تو ہمارے سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔ غرض کہ ابوقیر نے ابوصیر سے سفر کی خوبیاں یہاں تک بیان کیں کہ وہ چلنے پر راضی ہو گیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

نو سو بتیسویں رات

نو سو بتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابو صیر چلنے پر راضی ہو گیا۔ ابو قیر بہت خوش ہوا اور ابو صیر سے کہنے لگا اے پڑوسی! اب ہم دونوں بھائی بھائی ہو گئے ہیں ہم میں کوئی فرق نہیں ہمیں چاہیے کہ فاتحہ پڑھیں اور عہد کریں کہ ہم میں سے جو کام کرے وہ نکھٹو کو بھی کھلائے اور جو باقی بچے اسے صندوق میں جمع کرتے رہیں۔ جب ہم لوٹ کر اسکندریہ آئیں تو انصاف سے برابر برابر تقسیم کر لیں۔ ابوصیر نے یہ بات مان لی۔ فاتحہ پڑھ کر وعدہ کر لیا۔ ابوصیر نے تو دکان بند کرکے چابی دکان کے مالک کو دے دی لیکن ابوقیر نے چابی قاضی کے پیادے کے پاس رہنے دی اور دکان کو بند سربہ مہر چھوڑ کر چل دیا۔ دونوں اسی روز ایک کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ نائی کی خوش قسمتی سے کشتی میں سوا اس کے اور کوئی نائی نہ تھا حالانکہ اس میں علاوہ ناخدا اور ملاحوں کے ایک سو بیس مسافر تھے۔ جوں ہی کشتی کے بادبان کھلے نائی نے رنگ ریز سے کہا بھائی! سمندر میں ہمیں کھانے پینے کی ضرورت ہو گی اور ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان کم ہے۔ اس لئے اگر کوئی مجھ سے کہے گا کہ اے نائی! میری حجامت بنا دے تو میں ایک روٹی یا نصف درہم یا ایک پیالہ پانی کے عوض بنا دوں گا۔ اس سے مجھے اور تجھے دونوں کو فائدہ ہو گا۔ رنگریز نے کہا بہت خوب اور لیٹ کر سو گیا۔

اب نائی اٹھا اپنی کسوت سنبھالی' پیالہ ہاتھ میں لیا اور رومال کی بجائے ایک پھٹا پرانا کپڑا کندھے پر ڈالا کیونکہ وہ غریب تھا اور مسافروں میں گھومنے لگا۔ ایک مسافر نے کہا استاد! میری حجامت بنا دے' نائی نے حجامت بنا دی۔ مسافر نے اسے نصف درہم دے دیا۔

نائی بولا بھائی! اس نصف درہم کا میں کیا کروں گا؟ اگر تو مجھے ایک روٹی دیتا تو وہ مجھے

سمندر پر زیادہ کام دیتی۔ میرا ایک ساتھی اور ہے اور ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان کافی نہیں۔ مسافر نے اسے ایک روٹی ایک ٹکڑا پنیر کا بھی دے دیا اور اس کے پیالے میں میٹھا پانی بھر دیا۔ نائی یہ چیزیں لے کر ابو قیر کے پاس پہنچا اور کہا کہ روٹی پنیر کے ساتھ کھا اور پیالہ پانی کا پی لے۔ ابو قیر نے روٹی کھائی اور پانی پیا اس کے بعد ابو قیر پھر اپنی کسوت لے کر مسافروں کے پاس گیا۔ ایک شخص کے بال دو روٹیوں کے بدلے بنائے اور ایک دوسرے کے بال پنیر کے بدلے اب ہر طرف سے اس کی بلاؤ شروع ہو گئی۔ جب کو اس سے کہتا کہ استاد میری حجامت بنا دے تو اس سے دو روٹیوں اور نصف درہم کی شرط کر لیتا۔ کیونکہ کشتی میں اور کوئی نائی نہ تھا لہٰذا مغرب سے پہلے پہلے اس نے تیس روٹیاں اور تیس نصف درہم کما لئے۔ علاوہ ان کے بہت سا پنیر' زیتون اور مچھلیاں جمع کر لیں۔ اب اس کی یہ حالت ہو گئی کہ جو کچھ وہ مانگتا اسے مل جاتا۔ ایک بار اس نے ناخدا کی حجامت بنائی اور اس نے شکایت کی میرے پاس سفر میں کھانے پینے کے لئے کم ہے۔ ناخدا نے کہا مرحبا! ہر رات اپنے ساتھی کے ساتھ ہمارے ہاں کھانا کھا جایا کر جب تک تم ہمارے ساتھ سفر میں ہو ہر گز تکلیف نہ اٹھاؤ۔ اب نائی رنگ ریز کے پاس گیا دیکھا کہ وہ ابھی تک سو رہا ہے اسے جگایا۔ اس نے آنکھ کھولی تو دیکھا اس کے پاس روٹیوں' زیتون' پنیر اور مچھلیوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ پوچھا کہ تجھے یہ سب چیزیں کہاں سے مل گئیں؟ نائی نے کہا خدا کی مہربانی ہے۔ رنگ ریز نے کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن ابوصیر بولا بھائی! ان میں سے کچھ نہ کھا' یہ کسی اور وقت کام آئیں گی۔ میں نے آج ناخدا کی حجامت بنائی تھی اور اس سے اپنی ناداری کا رونا رویا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ اپنے ساتھی کو لے کر ہر رات ہمارے ساتھ کھانا کھا جایا کر لہٰذا آج رات پہلا کھانا ناخدا کے ساتھ ہے۔

ابو قیر بولا کہ سمندر کے سفر سے میرا جی متلا رہا ہے اور میں اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکتا۔ مجھے یہی چیزیں کھا لینے دے تو اکیلا ناخدا کے پاس جا کر کھا آئیو۔ نائی بولا بہت خوب اس نے دیکھا کہ رنگریز نوالے اس طرح سے توڑتا ہے جیسے پہاڑ میں پتھر اور

یوں نگل جاتا ہے جیسے ہاتھی۔ جس نے کئی دن سے کچھ نہ کھایا ہو۔ ایک نوالے کو اتارنے سے پہلے دوسرا نوالہ منہ میں رکھ لیتا ہے اور کھانے کی طرف اس طرح دیکھتا ہے جیسے بھوت اور اس طرح سانس بھرتا جاتا ہے جیسے بھوکا بیل چارے دانے کو دیکھ کر۔ اتنے میں ایک ملاح نے آ کر کہا اے استاد! ناخدا کہتا ہے کہ اپنے ساتھی کے ساتھ آ کر شام کا کھانا کھا جا۔ ابوصیر نے ابوقیر سے کہا چلتا ہے میرے ساتھ؟ اس نے جواب دیا میں چل نہیں سکتا۔ نائی اکیلا گیا اس نے دیکھا کہ ناخدا بیٹھا ہوا ہے اس کے آگے دستر خوان پر بیس یا بیس سے بھی زیادہ قسم کے کھانے چنے ہوئے ہیں وہ اور اس کے ساتھی نائی اور اس کے ساتھی کا انتظار کر رہے ہیں۔ ناخدا نے نائی کو دیکھ کر پوچھا تیرا ساتھی کہا ہے؟ اس نے جواب دیا اے میرے آقا سمندر کے سفر کی وجہ سے اس کا جی متلا رہا ہے۔ ناخدا بولا مضائقہ نہیں' اس کی متلی جاتی رہی گی۔ تو میرے ساتھ کھا' میں تیری راہ دیکھ رہا تھا۔ ناخدا نے ایک سینی میں کباب اور ہر کھانے سے تھوڑا تھوڑا الگ رکھ دیا اور جب نائی کھا چکا تو اس نے کہا یہ سینی اپنے ساتھی کے لئے لیتا جا۔ ابوصیر اسے لے کر ابوقیر کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ اونٹ کی طرح کھانا اپنے دانتوں سے پیس رہا ہے اور نوالے پر نوالہ تیزی سے منہ میں رکھتا جاتا ہے۔ ابوصیر بولا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ یہاں نہ کھا۔ ناخدا بہت بھلا آدمی ہے۔ جب میں نے اس سے کہا کہ تجھے متلی ہو رہی ہے تو دیکھ اس نے تیرے لئے کیا بھیجا ہے۔ ابوقیر بولا لا ابوصیر نے سینی اس کے آگے رکھ دی اور وہ اس طرح کھانے پر پل پڑا جیسے گھبرایا ہوا کتا یا حملہ آور شیر یا رخ جو کبوتر پر گرتا ہو۔ وہ شخص جو مارے بھوک کے مرنے کے قریب ہو یہ دیکھ کر کہ ابو صیر وہاں سے چل دیا اور ناخدا کے پاس جا کر قہوہ پیا پھر لوٹ کر ابو قیر کے پاس آیا تو دیکھا اس نے سینی کو خالی کرکے ایک طرف پھینک دیا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو تینتیسویں رات

نو سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب ابوصیر نے دیکھا کہ ابوقیر نے سینی کو خالی کرکے ایک طرف پھینک دیا ہے تو وہ اسے لے جا کر ناخدا کے ایک نوکر کو دے آیا اور ابوقیر کے پاس آ کر سو رہا۔ دوسرے روز پھر ابوصیر نے حجامتیں بنانی شروع کر دیں۔ جو کچھ وہ کماتا ابوقیر کے پاس لے آتا اور ابوقیر خوب کھاتا پیتا پڑا اینڈا کرتا اور سوائے ضرورت رفع کرنے کے اور کسی کام کے لئے نہ اٹھتا۔ ابوصیر ہر روز رات کے وقت اس کے لئے ناخدا کے پاس سے سینی بھر کر کھانا لاتا۔ یہ حالت بیس دن تک رہی یہاں تک کہ کشتی نے ایک شہر کے بندر گاہ میں لنگر ڈالا اور دونوں کشتی میں سے اتر کر شہر گئے۔ سرائے میں ایک کوٹھڑی کرائے پر لی۔ ابوصیر نے اس میں فرش بچھایا اور جن جن چیزوں کی انہیں ضرورت تھی خرید کر لایا گوشت لا کر پکایا لیکن ابوقیر کوٹھڑی میں داخل ہوتے ہی سو گیا اور اس وقت جاگا جب کہ ابوصیر نے اس کے آگے دستر خوان بچھا کر اسے جگایا۔ اٹھتے ہی اس نے کھانا کھایا اور ابوصیر سے کہا برا نہ مان مجھے متلی ہو رہی ہے۔ یہ کہہ کر وہ پھر سو گیا۔ چالیس دن تک اس کی یہی حالت رہی۔ نائی ہر روز اپنی کسوت لے کر شہر جاتا جو کچھ کماتا اسے لے کر ابوقیر کے پاس آتا دیکھتا کہ وہ سو رہا ہے اسے جگاتا' جب وہ جاگتا تو اس طرح کھاتا گویا وہ کبھی سیر نہ ہو گا اور پھر سو جاتا۔ اس طرح سے اور چالیس روز گزر گئے۔ جب کبھی ابوصیر کہتا کہ بیٹھ کر آرام کر اور جا کر شہر کی سیر کر۔ وہ ایسا خوب صورت ہے کہ اس کا جواب نہیں تو ابوقیر جواب دیتا برا نہ مان مجھے متلی ہو رہی ہے۔ ابوصیر نائی ہرگز یہ گوارا نہ کرتا کہ ابوقیر کا دل دکھے اس سے کوئی ایسی بات نہ کرتا جس سے وہ رنجیدہ ہو لیکن اکتالیس ویں دن وہ خود بیمار پڑ گیا چلنے پھرنے کے قابل نہ رہا تو اسنے ایک آدمی نوکر رکھ لیا تاکہ وہ ان

کے لئے کھانا پینا لے آیا کرے۔ نائی کا تو یہ حال تھا لیکن ابوقیر کو سوائے کھانے اور سونے کے کسی بات سے غرض نہ تھی۔

رفتہ رفتہ نائی کی بیماری زیادہ بڑھ گئی اور وہ بے ہوش پڑا رہنے لگا۔ ادھر ابوقیر مارے بھوک کے بے چین ہو گیا اور ابوصیر کی جیبوں کو ٹٹولنا شروع کیا۔ اسے بہت سے درہم مل گئے۔ انہیں لے کر اس نے کوٹھڑی کے دروازے میں قفل لگایا اور بے کسی کو خبر کئے چلتا بنا۔ نوکر بھی اس وقت بازار گیا ہوا تھا اس نے بھی ابوقیر کو جاتے نہیں دیکھا۔ ابوقیر نے بازار جا کر پہننے کے لئے عمدہ عمدہ کپڑے خریدے اور شہر کی سیر کرنے لگا دیکھا کہ اس شہر کا جواب دینا میں نہیں ہر شخص کا لباس سفید ہے یا نیلا۔ ایک رنگ ریز کی دکان پر جا کر بھی اس نے یہی دیکھا کہ سارے کپڑے نیلے رنگے ہوئے ہیں وہاں اس نے ایک رومال نکال کر رنگ ریز کو دیا اور کہا استاد! اسے رنگ دے اور بتا کہ اس کی رنگائی کیا ہو گی؟ اس نے جواب دیا بیس درہم۔ ابوقیر نے کہا ہمارے ملک میں تو اس کی رنگائی دو درہم ہوتی ہے۔ رنگ ریز بولا جا اپنے ملک میں رنگا لے۔ میں تو بیس درہم سے کم میں نہیں رنگوں گا۔ ابوقیر بولا میں اسے لال رنگوانا چاہتا ہوں۔ رنگ ریز نے کہا مجھے لال رنگنا نہیں آتا۔ ابوقیر نے کہا ہرا؟ اس نے کہا مجھے ہرا بھی رنگنا نہیں آتا۔ ابوقیر نے کہا پیلا؟ اس نے کہا مجھے پیلا بھی رنگنا نہیں آتا۔ ابوقیر نے ایک ایک کرکے سارے رنگوں کے نام لے ڈالے۔ لیکن رنگ ریز نے کہا کہ اس شہر میں چالیس استاد ہیں' نہ ایک کم نہ ایک زیادہ۔ جب ان میں سے کوئی مر جاتا ہے تو ہم اس کے بیٹے کو رنگنا سکھا دیتے ہیں۔ اگر اس کے کوئی بیٹا نہیں ہوتا تو ہماری تعداد میں ایک کی کمی ہو جاتی ہے اگر اس کے دو بیٹے ہوتے ہیں تو ہم ان میں سے ایک ہی کو سکھاتے ہیں اور اگر وہ مر جاتا ہے تو اس وقت اس کے بھائی کو۔ ہمارے پیشے کے مقررہ قواعد ہیں اور نیلے رنگ کے سوار رنگنا نہیں آتا۔

اس پر ابوقیر نے رنگ ریز سے کہا میں رنگ ریز ہوں اور ہر رنگ رنگنا جانتا ہوں۔ اگر تو مجھے اپنے ہاں نوکر رکھ لے تو میں تجھے تمام رنگ رنگنے سکھا دوں گا تاکہ تو دوسرے

رنگ ریزوں میں بڑا رنگریز مانا جائے۔ اس نے جواب دیا ہم پردیسی کو اپنے پیشے کے اندر ہر گز نہیں لیتے۔ ابو قیر بولا اگر میں اپنی دکان الگ کھول لوں؟ اس نے جواب دیا یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ ابو قیر اسے چھوڑ کر دوسرے کے پاس گیا اس نے بھی وہی جواب دیا جو پہلے نے دیا تھا۔ اس طرح وہ چالیسوں استادوں کے پاس ہو آیا لیکن نہ کوئی اسے شاگرد بنانے پر راضی ہوا نہ استاد۔ اس کے بعد اس نے رنگ ریزوں کے چودھری کے پاس جا کر سارا ماجرا کہا۔ اس نے جواب دیا کہ ہم کسی پردیسی کو اپنے میں نہیں ملاتے۔ اس پر ابو قیر کو بہت غصہ آیا اس نے شہر کے بادشاہ کے پاس جا کر شکایت کی اور کہا کہ جہاں پناہ! میں پردیسی ہوں اور میرا پیشہ رنگ ریزی ہے۔ یہاں رنگ ریزوں کے ساتھ مجھے یہ یہ باتیں پیش آئیں۔ میں کئی طرح کے لال رنگ رنگ سکتا ہوں مثلاً گلابی اور عنابی اور طرح طرح کے ہرے رنگ مثلاً دھانی' پستی' زیتونی' اور کاہی اور طرح طرح کے کالے رنگ مثلاً سرمئی اور کوئلے کے رنگ کا اور طرح طرح کے پیلے رنگ مثلاً نارنجی اور لیمونی غرض کہ وہ سارے رنگ گنا گیا اور کہنے لگا جہاں پناہ! تیرے شہر کے رنگ ریز سوائے نیلے کے اور کوئی رنگ رنگ نہیں سکتے اور مجھے بہ حیثیت شاگرد یا استاد کے بھی قبول نہیں کرتے۔ بادشاہ نے کہا تو سچ کہتا ہے لیکن میں تیرے لئے الگ ایک دکان کھول دوں گا اور تجھے سرمایہ دوں گا ان کی پروا نہ کر جو کوئی تیرے کام میں مداخلت کرے گا میں اسے اسی کی دکان کے دروازے پر لٹکا دوں گا۔ اب بادشاہ نے معماروں کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ شہر میں جائیں اور جو جگہ اسے پسند آئے خواہ وہ دکان ہو یا سرائے یا کچھ اور اس کے مالک کو وہاں سے نکال دیں اور اس کی جگہ ابو قیر کے لئے اس کی خواہش کے موافق رنگ ریز خانہ بنا دیں اور جیسا وہ کہے کریں۔ بعد ازاں بادشاہ نے اسے ایک عمدہ لباس پہننے کو دیا اور ایک ہزار دینا دے کر کہا جب تک دکان تیار ہو تو انہیں اپنے اوپر خرچ کر۔ ان کے علاوہ دو غلام خدمت کے لئے آئے اور ایک گھوڑا جس پر زردوز چار جامہ تھا سواری کو۔ جب وہ لباس پہن کر گھوڑے پر سوار ہوا تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ کوئی امیر ہے۔ بادشاہ نے

اس نے لئے ایک گھر خالی کرا کے اس میں فرش بچھوا دیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو تینتیسویں رات

نو سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ نے ابوقیر کے لئے ایک گھر خالی کرا کے اس پر فرش بچھوا دیا وہ اس میں رہنے لگا دوسرے دن معماروں کو ساتھ لے کر سوار ہوا شہر میں پھر کر غور سے دیکھنے کے بعد ایک جگہ پسند کی اور کہا یہ جگہ ٹھیک ہو گی۔ انہوں نے اس کے مالک کو نکال کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے جتنا وہ چاہتا تھا اس سے زیادہ ہرجانہ دیا اور وہاں دکان بننے لگی۔ ابوقیر معماروں سے کہتا جاتا کہ یوں بناؤ اور یوں بناؤ یہ کرو اور یہ کرو یہاں تک کہ ایسا ایسا رنگریز خانہ تیار ہو گیا ہے جس کا جواب نہ تھا۔ اب اس نے بادشاہ کے پاس جا کر کہا رنگریز خانہ بن گیا ہے۔ رنگوں کے داموں کی ضرورت ہے تاکہ کام شروع کروں۔ بادشاہ نے کہا چار ہزاردینار لے جا یہ دکان کی پونجی ہے اور اپنے کام کی بانگی دکھا۔ ابوقیر دینار لے کر بازار گیا۔ دیکھا کہ نیل کی افراط ہے اور وہ بے حد سستا ہے اس نے وہ تمام چیزیں خرید لیں جن سے اسے رنگریز خانے کے لئے ضرورت تھی۔ بادشاہ نے اس کے پاس پانچ سو کپڑے بھیجے اس نے انہیں رنگنا شروع کیا اور طرح طرح سے رنگ کر انہیں دکان کے آگے پھیلا دیا جب لوگ ادھر سے گزرتے تو عجیب نظارہ دیکھتے جو انہوں نے عمر بھر کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس کی دکان پر لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ تماشا دیکھنے والے کہتے کہ استاد ان رنگوں کے نام کیا ہیں؟ وہ جواب دیتا کہ یہ لال ہے' یہ زرد اور یہ ہرا۔ غرض کہ وہ سارے رنگوں کے نام انہیں بتاتا۔ اب لوگ اپنے کپڑے لانے اور کہنے لگے انہیں فلاں فلاں رنگوں میں رنگ دے اور جو چاہے ان کی رنگائی لے لے۔ جب بادشاہ کے کپڑے رنگ چکا توانہیں لے کر دربار میں حاضر ہوا۔ بادشاہ انہیں دیکھ کر خوش ہو گیا اسے بہت کچھ انعام دیا۔ تمام لشکر والے اس کے پاس آتے۔ کپڑے لاتے اور کہتے کہ انہیں اس اس طرح کے رنگ

دے اور وہ ان کی خواہش کے مطابق رنگ دیتا۔ اسی طرح سے اس پر سونا چاندی برسنے لگا وہ ہر جگہ مشہور ہو گیا اور اس کے رنگریز خانے کا نام لوگوں نے سلطانی رنگ ریز خانہ رکھ دیا۔ ہر طرف سے اسے آمدنی ہونے لگی اور کسی رنگریز کی مجال نہ تھی کہ اس سے بات تک بھی کر سکے۔ وہ اس کے پاس آتے اس کے ہاتھ چومتے اس سے معذرت کرتے کہ ہم نے تیرے ساتھ ایسا سلوک کیا اپنی خدمت پیش کرتے اور کہتے کہ تو ہمیں اپنا شاگرد بنا لے لیکن وہ کسی کو بھی شاگرد بنانے پر راضی نہ ہوتا کیونکہ اس کے پاس خود غلام اور کنیزیں تھیں اور بہت کچھ مال و دولت۔

یہ تو ابو قیر کا قصہ ہوا اب ابوصیر کا ماجرا سنو۔ جب ابو قیر اس کے درہم لے کر اسے بیمار اور بے ہوش چھوڑ کر کوٹھڑی میں قفل لگا چلتا ہوا تو وہ تین دن تک کوٹھڑی میں بند پڑا رہا۔ دربان کی نظر کوٹھڑی کے دروازے پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ قفل پڑا ہوا ہے۔ مغرب تک دونوں میں سے کوئی بھی اسے دکھائی نہ دیا تو وہ اپنے دل میں کہنے لگا شاید وہ بے کرائے ادا کئے بھاگ گئے یا مر گئے ہیں یا نہ جانے ان کا کیا حال ہوا۔ وہ دروازے کے قریب آیا تو اسے اندر سے نائی کے کراہنے کی آواز سنائی دی' نظر اٹھائی تو اس نے دیکھا کہ کنجی قفل کے اندر لگی ہوئی تھی۔ دروانہ کھول کر اندر گیا دیکھا کہ نائی پڑا کراہ رہا ہے۔ پوچھنے لگا خیر تو ہے تیرا ساتھی کہاں گیا؟ اس نے جواب دیا خدا کی قسم میں ابھی بیماری سے اٹھا ہوں۔ میں نے بارہا آواز دی لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔ بھائی! خدا کے لئے تھیلی میں سے جو میرے سرہانے ہے پانچ ادھلیاں لے کر کھانے کے لئے کوئی چیز لے آئیں۔ بہت بھوکا ہوں۔ دربان نے ہاتھ بڑھا کر تھیلی نکالی تو وہ خالی تھی۔ اب ابوصیر کو یقین ہو گیا کہ ابو قیر تھیلی خالی کر کے بھاگ گیا ہے۔ دربان سے کہا کیا تو نے میرے ساتھی کو نہیں دیکھا؟ اس نے جواب دیا میں نے تین دن سے اسے نہیں دیکھا۔ میرا گمان تھا کہ تم دونوں چلے گئے ہو۔ نائی بولا اس نے مجھے بیمار دیکھ کر میرے دام چرا لئے اور بھاگ گیا۔ یہ کہہ کر وہ رونے پیٹنے لگا۔ دربان نے کہا مضائقہ نہیں وہ اپنے کئے کی سزا خدا سے پائے گا۔ دربان

نے اس کے لئے یخنی پکائی اور کٹورا بھر کر اسے پلائی۔ اس طرح وہ دو مہینے تک نائی کو اپنی جیب سے کھلاتا پلاتا رہا۔ یہاں تک کہ خدا نے اسے شفا دی اور وہ چلنے پھرنے لگا تو اس نے دربان سے کہا اگر خدا نے مجھے مقدرت دی تو تیری بھلائیوں کا بدلہ دوں گا اگرچہ بدلے دینے والا خدا کے سوا اور کوئی نہیں۔ دربان بولا شکر ہے خدا کا کہ تو' اچھا ہو گیا۔ میں نے جو کچھ کیا محض خدا کے لئے کیا۔

اب نائی سرائے سے نکل کر بازاروں میں سیر کرنے لگا' پھرتے پھرتے وہ بازار میں پہنچا جہاں ابو قیر کا رنگریز خانہ تھا اس نے دیکھا کہ کپڑے رنگ بہ رنگ کے رنگے ہوئے دروازے پر پھیلے ہوئے ہیں اور لوگ کھڑے تماشا دیکھ رہے ہیں۔ نائی نے شہر والوں میں سے ایک شخص سے پوچھا یہ کیا جگہ ہے اور یہ بھیڑ کیسی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ یہ سلطانی رنگریز خانہ ہے جسے ابوقیر نامی ایک پردیسی نے کھولا ہے جب وہ کپڑا رنگتا ہے تو ہم آ کر تماشا دیکھتے ہیں کیونکہ ہمارے ہاں کے رنگ ریز اس طرح کے رنگ رنگنا نہیں جانتے۔ اسے شہر کے رنگریزوں کے ساتھ یہ ماجرا پیش آیا اس نے بادشاہ سے شکایت کی۔ بادشاہ نے اس کی دست گیری کی اور اس کے لئے یہ رنگریز خانہ بنوایا۔

ابوصیر یہ سن کر خوش ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ شکر ہے اللہ نے اس کی مصیبت دور کر دی۔ اور وہ دکان دار بن گیا۔ دکان کھولنے کی وجہ سے وہ تیرے پاس سے چلا آیا اور تجھے بھول گیا لیکن جب وہ بے کار تھا تو تو نے اس کے ساتھ بھلائی کی تھی جب وہ تجھے دیکھے گا تو تیری بھلائی کے بدلے وہ بھی تیرے ساتھ بھلائی کرے گا۔ یہ کہہ کر وہ رنگریز خانے کے دروازے کی طرف بڑھا دیکھا کہ ابوقیر دکان کے دروازے پر شاہانہ لباس پہنے ہوئے ایک اونچی چوکی پر بیٹھا ہوا ہے اس کے آگے چار حبشی غلام اور چار گورے غلام عمدہ عمدہ کپڑے پہنے کھڑے ہیں اور دس غلام کپڑے رنگ رہے ہیں کیونکہ اس نے انہیں خرید کر رنگریزی کا کام سکھایا تھا اور وہ تکیوں کے بیچ میں یوں بیٹھا ہوا ہے جیسے بڑا وزیر عالی شاہ بادشاہ اور اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہیں کرتا۔ بس اتنا کہتا جاتا ہے کہ یہ کرو اور یہ کرو۔ ابوصیر اس کے سامنے جا کھڑا

ہو گیا۔ خیال کیا کہ وہ اسے دیکھ کر خوش ہو گا' سلام کرے گا اور اس کی عزت اور خاطر تواضع کرے گا لیکن جوں ہی ان کی چار آنکھیں ہوئیں تو ابوقیر نے کہا اے خبیث! میں تجھ سے کتنی بار کہوں کہ اس کارخانے کے دروازے پر نہ کھڑا ہوا کر؟ اے چوٹے! کیا تو مجھے لوگوں میں بدنام کرنا چاہتا ہے؟ پکڑو اسے۔ یہ سنتے ہی غلاموں نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا۔ ابوقیر ڈنڈا لے کر اٹھا اور کہا اسے پچھاڑو۔ جب انہوں نے اسے پچھاڑا تو ابوقیر نے اس کی پیٹھ پر سو ڈنڈے لگائے پھر انہوں نے اسے چت کیا اور اس نے پیٹ پر سو ڈنڈے رسید کئے اور کہا اے خبیث اے خائن! اگر میں نے تجھے پھر دکان کے دروازے پر کھڑا دیکھا تو تجھے فوراً پکڑ کر بادشاہ کے پاس بھیج دوں گا وہ تجھے والی کے سپرد کر دے گا اور والی تیری گردن توڑ دے گا۔ دور ہو یہاں سے خدا تیرا ستیاناس کرے! اس مار پیٹ اور ذلت کے سلوک سے وہ دل شکستہ ہو کر چل دیا۔ لوگوں نے ابوقیر سے پوچھا کہ اس شخص نے کیا کیا تھا؟ اس نے جواب دیا یہ چور ہے' لوگوں کے کپڑے چرایا کرتا ہے۔

○○○

• نو سو پینتیس ویں رات

نو سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابو قیر نے کہا کہ یہ چور ہے' لوگوں کے کپڑے چرایا کرتا ہے' میرے یہاں سے بھی کئی بار کپڑے چرا لے گیا ہے لیکن میں اپنے دل میں کہتا ہوں کہ خدا اسے معاف کرے! وہ غریب آدمی ہے اس لئے میں اس کے ساتھ سختی نہیں کرتا بلکہ لوگوں کو ان کے کپڑوں کے دام دے دیتا ہوں اور اسے نرمی سے منع کرتا ہوں پھر بھی وہ مانتا نہیں اگر دوبارہ آیا تو میں اسے بادشاہ کے پاس بھیج دوں گا اور وہ اسے قتل کرکے لوگوں کو اس مصیبت سے نجات دے گا۔ یہ سن کر لوگ بھی اس کی پیٹھ پیچھے اس کو برا بھلا کہنے لگے۔

یہ تو ابو قیر کا قصہ ہوا۔ اب ابوصیر کا ماجرا سنو۔ وہ سرائے جا کر اس سوچ میں پڑ گیا کہ ابوقیر نے اس کی کیسی بری گت بنائی۔ جب بیٹھے بیٹھے اس کے درد میں کمی ہوئی تو وہ بازار گیا اسے خیال آیا کہ حمام جانا چاہیے اس نے ایک شہر والے سے پوچھا کہ بھائی! حمام کا راستہ کون سا ہے؟ اس نے کہا حمام کیا چیز ہوتی ہے؟ ابوصیر نے جواب دیا جہاں لوگ نہاتے ہیں اور اپنا میل دور کرتے ہیں۔ وہ بولا سمندر پر جا۔ وہ بولا سمندر پر جا۔ ابوصیر نے کہا میں تو حمام جانا چاہتا ہوں۔ شخص نے کہا ہم حمام نہیں جانتے' ہم تو سمندر کے کنارے نہانے جاتے ہیں۔ جب ابوصیر کو معلوم ہوا کہ اس شہر میں حمام نہیں ہے بلکہ لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ حمام ہوتا کیا ہے تو وہ بادشاہ کے دربار میں گیا اس کے آگے زمین چومی اسے دعا دی اور کہا کہ میں ایک پردیسی ہوں اور حمام کا کام کرتا ہوں۔ تیرے شہر میں آکر میں نے حمام جانے کا ارادہ کیا لیکن یہاں ایک حمام بھی نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جس شہر میں اتنی خوبیاں ہوں وہاں حمام نہ ہوں جو دنیا کی بہترین نعمت ہے۔ بادشاہ نے پوچھا حمام کیا ہوتا ہے؟ ابوصیر نے حمام کی تعریف بیان کی اور کہا تیرا شہر پورا شہر نہیں ہو سکتا

جب تک اس میں حمام نہ ہو۔ بادشاہ نے کہا تو خوب آیا اور اسے ایک لاجواب پوشاک پہنائی ایک گھوڑا اور دو غلام عطا کئے' چار کنیزیں اور دو گورے غلام دیئے اور ایک گھر فرش سے آراستہ کرا دیا۔ رنگریز سے زیادہ اس کا احترام کیا اور معماروں کو اس کے ساتھ بھیج کر حکم دیا کہ جو جگہ یہ پسند کرے وہاں اس کے لئے ایک حمام بنا دو۔

ابوصیر معماروں کو لے کر شہر میں آیا اور ایک جگہ پسند کرکے ان سے کہا کہ یہاں حمام بنا دو پھر اس نے اس میں اتنے اچھے نقش و نگار بنوائے کہ لوگ دیکھ کر حیران ہوتے۔ اس نے بادشاہ کے پاس جا کر کہا حمام تیار ہو گیا ہے۔ اس میں نقش و نگار بھی ہو گئے ہیں۔ اب محض فرش کی کمی رہ گئی ہے۔ بادشاہ نے اسے دس ہزار دینار دیئے۔ اس نے حمام کے لئے فرش خریدا اور پردے ڈالے۔ لوگ دیکھتے اور تعجب کرتے وہاں لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی وہ تماشا دیکھتے اور پوچھتے کہ یہ کیا ہے؟ ابوصیر کہتا یہ حمام ہے اس کے بعد اس نے حوض میں ایک فوارہ لگایا' پانی گرم کیا اور حمام چل نکلا۔ پھر اس نے بادشاہ سے دس گورے غلام مانگے جو ابھی بالغ نہ ہوئے ہوں۔ بادشاہ نے اسے دس گورے غلام دے دیئے جو چاند کی طرح خوبصورت تھے۔ ابوصیر ان کی مالش کرتا اور کہتا کہ گاہکوں کے ساتھ ایسا کیا کروں۔ اس کے بعد اس نے ڈھنڈورا پیٹنے والے شہر میں بھیجے کہ اے لوگو! حمام آؤ' کیونکہ اس کا نام سلطانی حمام ہے۔ لوگوں نے آنا شروع کیا اس نے غلاموں سے کہا ان کے بدن دھوئیں اور انہیں نہلائیں۔ نہانے کے بعد لوگ حوض میں غوطہ مارتے اور نکل کر چبوترے پر بیٹھتے۔ غلام ان کی اسی طرح مالش کرتے جیسا ابوصیر نے انہیں سکھایا تھا۔ تین دن تک لوگ آتے نہاتے رہے اور اس نے ان سے کوئی اجرت نہ لی۔

چوتھے دن بادشاہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ سوار ہو کر حمام آیا۔ ابوصیر نے خود بادشاہ کی مالش اور میل کی بتیاں اتار کر اسے دکھائیں وہ بہت خوش ہوا جب وہ اپنا بدن چھوتا تو وہ چکنا اور صاف ستھرا معلوم ہوتا۔ اس کے بعد ابوصیر نے حوض میں گلاب ملا دیا۔ بادشاہ اس میں غوطہ لگا کر نکلا تو اس کا بدن مہک اٹھا پھر اس نے بادشاہ کو چبوترے

پر بٹھایا غلاموں نے اس کی مالش کی۔ بادشاہ نے پوچھا استاد! حمام اسی کا نام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں! بادشاہ نے کہا میرے سر کی قسم بے اس حمام کے میرا شہر شہر نہ تھا۔ پھر کہا تو ہر شخص سے اجرت لیا کر۔ ابوصیر نے کہا جو تو حکم دے وہ لیا کروں گا۔ بادشاہ نے اسے ایک ہزار دینار دینے کا حکم دیا اور کہا کہ جو کوئی نہانے آئے اس سے ایک ہزار دینار لے۔ ابوصیر بولا جہاں پناہ! لوگ سب ایک سے نہیں' کوئی امیر ہے کوئی غریب۔ اگر میں ہر ایک سے ایک ہزار دینار لوں تو حمام بند ہو جائے گا۔ کیونکہ غریب آدمی ایک ہزار نہیں دے سکتا۔ بادشاہ نے کہا تو پھر تو کیا اجرت لے گا؟ ابوصیر نے کہا جو جس کا جی چاہے دے۔ اس طرح سے بہت سے لوگ آیا کریں گے۔ امیر اپنی حیثیت کے مطابق دے گا اور غریب اپنی بساط کے موافق۔ اس طرح سے حمام چل نکلے گا اور اس کی شان قائم رہے گی۔ ایک ہزار دینار تو شاہی بخشش ہے ہر شخص اتنا نہیں دے سکتا۔ مصاحبوں نے اس کی تصدیق کی اور کہا جہاں پناہ یہ ٹھیک ہے۔ بادشاہ بولا تم سچ کہتے ہو۔ اس نے ہمارے شہر میں یہ حمام بنایا ہے جس کی مثال ہماری نظر سے عمر بھی نہیں گزری۔ بے اس کے ہمارے شہر میں نہ زینت تھی نہ شان۔ ہم اسے کتنی ہی اجرت کیوں نہ دیں کم ہے۔ انہوں نے کہا اگر تو اس کے ساتھ اکرام کرنا چاہتا ہے تو اپنے مال سے کر اور تیرا اکرام یہ ہے کہ لوگوں سے اجرت کم لی جائے تاکہ وہ تجھے دعا دیں۔ رہا ایک ہزار دینار کا سوال تو ہم تیری حکومت کے بڑے لوگ بھی اتنا نہیں دے سکتے پھر غریب لوگ کہاں سے لائیں گے؟ بادشاہ نے کہا اے حکومت کے بڑے لوگو! اس بار تم میں سے ہر ایک سو دینار' ایک گورا غلام' ایک کنیز اور ایک حبشی غلام دے۔ انہوں نے کہا بہت خوب ہم اسے اسی قدر دیں گے لیکن آج کے بعد جس کا جو جی چاہے دے۔ امراء کی تعداد جو بادشاہ کے ساتھ نہانے آئے تھے چار سو تھی۔ ان میں سے ہر ایک نے ایک کنیز' ایک گورا اور ایک کالا غلام دیا۔

• نو سو چھتیس ویں رات

نو سو چھتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ مصاحبوں کی تعداد اس وقت چار سو تھی لہذا اسے چالیس ہزار دینار' چار سو گورے' چار سو کالے غلام اور چار سو کنیزیں ملیں۔ یہ عطیہ کچھ کم نہ تھا۔ اس کے علاوہ بادشاہ نے دس ہزار دینار دس گورے' دس کالے غلام اور دس کنیزیں اپنی طرف سے اور دیں۔ ابوصیر نے آگے بڑھ کر بادشاہ کے سامنے زمین چومی اور عرض کیا اے نیک بخت بادشاہ! اس قدر غلاموں اور کنیزوں کو میں رکھوں گا کہاں؟ بادشاہ نے کہا میں نے یہ اس لئے حکم دیا ہے تاکہ تیرے پاس بہت کچھ مال دولت جمع ہو جائے اور جب تو اپنے وطن جانا چاہیے تو تیرے پاس اتنا ہو کہ تو اپنا وقت عیش سے کاٹ سکے۔ ابوصیر نے کہا کہ جہاں پناہ! خدا تجھے عزت دے۔ اس قدر غلام اور کنیزیں تو بادشاہ کے قابل ہیں اگر بجائے اس لشکر کے تو مجھے نقد دیتا تو میرے لئے بہتر تھا کیونکہ انہیں کھلانا پلانا' پہنانا پڑے گا اور اتنا مال میرے پاس کہاں سے آئے گا۔ کہ میں ان کا خرچ چلا سکوں۔ بادشاہ ہنس پڑا اور بولا واللہ تو سچ کہتا ہے۔ واقعی یہ تو فوج کی فوج ہو گئی کہ تو انہیں کھلا پلا بھی نہیں سکتا۔ اچھا میں انہیں فی کس سو دینار میں مول لینے کے لئے تیار ہوں' بیچے گا؟ اس نے جواب دیا میں اس قیمت پر بیچنے کے لئے تیار ہوں۔ بادشاہ نے خزانچی کو بلوا کر کل دام ادا کر دیئے اور اس کے بعد غلام اور کنیزیں ان کے مالکوں کو بخش دیں۔ ابوصیر بولا جہاں پناہ! جس طرح تو نے مجھے ان بھوتوں سے بچایا ہے خدا تجھے بچائے۔ بادشاہ ہنس پڑا اور کہا تو سچ کہتا ہے۔

بادشاہ اپنے مصاحبوں کو لے کر اپنے محل چلا گیا اور ابوصیر رات بھر دینار گنتا انہیں تھیلیوں میں رکھتا اور ان پر مہر لگاتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو ابوصیر نے حمام کھولا اور ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ جو کوئی حمام میں آ کر نہائے جو اس کا جی چاہیے دے۔ ابوصیر

صندوق کے پاس بیٹھ گیا نہانے والوں کی بھیڑ کی بھیڑ آ پہنچی جو نہا کر نکلتا جو اس کا جی چاہتا صندوق میں ڈال دیتا۔ یہاں تک کہ شام ہوتے ہوتے صندوق لبالب بھر گیا۔ اب ملکہ نے حمام جانے کا ارادہ کیا۔ ابوصیر کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے دن کے دو حصے کر دیئے۔ فجر سے ظہر تک مردوں کے لئے اور ظہر سے مغرب تک عورتوں کے لئے۔ ملکہ آئی تو ابوصیر نے ایک کنیز کو صندوق کے پاس بٹھا دیا اور چار غسالہ لڑکیوں کو اندر مامور کر دیا جنہیں اس نے سکھا کر ماہر کر دیا تھا۔ جب ملکہ حمام میں داخل ہوئی تو اسے بڑا تعجب ہوا اس نے خوش ہو کر صندوق میں ایک ہزار دینار ڈال دیئے۔ اس کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ امیر غریب سب اس کی عزت کرنے لگے۔ بادشاہ کے مصاحبوں سے بھی اس کا تعارف ہو گیا۔ اور وہ سب اس کے دوست بن گئے ۔ بادشاہ ہر ہفتے ایک بار حمام آتا اور ایک ہزار دینار دیتا' باقی دن امراء اور فقراء کے لئے مخصوص تھے۔ ابوصیر ہر شخص کا دل ہاتھ میں لیتا اور بڑی نرمی کے ساتھ پیش آتا۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ بادشاہ کا بحری کپتان حمام میں آیا۔ ابوصیر خود اس کے کپڑے اتار کر اسے حمام کے اندر لے گیا اس کی مالش کی اور بڑی نرمی برتی۔ جب وہ حمام سے نکلا تو اس کے لئے شربت اور قہوہ بنوایا لیکن جب وہ اسے دام دینے لگا تو اس نے قسم کھائی کہ میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا۔ کپتان پر اس کی نیکی کا بڑا اثر ہوا اور وہ سوچنے لگا کہ کس طرح اس کی نیکی کا بدلہ دے؟

یہ تو ابوصیر کی کہانی تھی۔ اب ابوقیر کا ماجرا سنو۔ جب اس نے سنا کہ سب لوگ حمام کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور ہر ایک کی زبان پر یہی ہے کہ یہ حمام دنیا کی نعمتوں میں سے ہے۔ ابوقیر اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں کل ضرور جا کر اس حمام کو دیکھوں گا جس پر لوگ ریجھے ہوئے ہیں۔ دوسرے دن اس نے بہترین کپڑے پہنے خچر پر سوار ہوا چار گورے اور چار کالے غلاموں کو آگے پیچھے لے کر حمام گیا۔ حمام کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ خوشبوئیں مہک رہی ہیں۔ لوگ اندر باہر آ جا رہے ہیں اور چبوترے چھوٹے بڑوں سے بھرے پڑے ہیں۔ دروازے کے اندر داخل ہوا اور

ابوصیر کی نظر اس پر پڑی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور خوش ہو گیا۔ ابوقیر نے کہا کیا حلال زادے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں؟ میں نے ایک رنگریز خانہ کھولا' سارے شہر کا استاد ہوں۔ بادشاہ سے میرا تعارف ہے' بڑا خوش حال اور عزت و احترام والا ہوں لیکن نہ تو میرے پاس آتا ہے نہ میری خبر لیتا ہے نہ یہ پوچھتا ہے کہ میرا ساتھی کیا ہوا۔ میں تجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گیا۔ میرے غلاموں نے ساری ساری سرائیں' شہر کا کونا کونا چھان ڈالا لیکن کسی سے تیرا پتا نہ چلا۔ ابوصیر بولا کیا میں تیرے پاس نہیں آیا تھا؟ تو نے مجھے چور کہہ کر مارا تھا اور لوگوں کے سامنے میری ذلت کی تھی۔ ابوقیر نے غمگین صورت بنا کر کہا یہ تو کیا کہتا ہے؟ کیا وہ تو ہی تھا۔ جسے میں نے مارا تھا؟ ابوصیر بولا ہاں وہ میں ہی تھا۔ ابوصیر نے ہزاروں قسمیں کھا ڈالیں کہ میں نے تجھے نہیں پہچانا بلکہ ایک شخص تیرا ہم شکل ہر روز آ کر لوگوں کے کپڑے چرا لے جایا کرتا تھا۔ میرا خیال ہوا کہ تو وہی شخص ہے یہ کہہ کر اس نے بڑی پشیمانی کا اظہار کیا اور ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا لاحول ولا قوہ۔ میں نے تیرے ساتھ بہت برا کیا۔ کاش تو اپنا نام بتا دیتا۔ غلطی تری ہے کہ تو نے اپنا نام نہیں بتایا' خاص کر جب کام کی زیادتی کی وجہ سے میرے ہوش ٹھکانے نہ تھے۔ ابوصیر بولا اے دوست! خدا تجھے معاف کرے۔! یہ چیز میری قسمت میں لکھی ہوئی تھی اور خدا مجھے اس کا بدلہ دے گا۔ حمام میں چل کر کپڑے اتار' نہا اور خوش ہو۔ ابوقیر نے کہا پہلے تو مجھے معاف کر دے۔ ابوصیر بولا خدا تیرا دامن پاک کرے اور تجھے معافی دے کیونکہ یہ ازل سے میرے لئے مقدر تھا۔ اس کے بعد ابوقیر نے پوچھا تو اتنا بڑا کیونکر ہو گیا؟ اس نے جواب دیا۔ جس خدا نے تیری قسمت کھول دی اور اس نے میرے لئے حمام بنوا دیا۔ ابو قیر بولا۔ جس طرح تجھے بادشاہ جانتا ہے مجھے بھی جانتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو سینتیس ویں رات

نو سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- ابوقیر بولا جس طرح بادشاہ تجھے جانتا ہے مجھے بھی جانتا ہے اور خدا نے چاہا تو اب میں تیری محبت اس کے دل میں ڈال دوں گا اور میری وجہ سے وہ تیرا زیادہ احترام کرے گا۔ اسے معلوم نہیں کہ تو میرا دوست ہے۔ میں اس بتا دوں گا کہ تو میرا دوست ہے اور تیری سفارش کر دوں گا۔ ابوصیر بولا سفارش کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو ذات محبت پیدا کرتی ہے اب بھی موجود ہے' بادشاہ اور اس کے تمام حکام مجھے چاہتے ہیں اور مجھے فلاں فلاں انعام دیا ہے۔ اب تو صندوق کے پیچھے جا کر کپڑے اتار ڈال اور میرے ساتھ حمام کے اندر چل کیونکہ میں خود تیری مالش کروں گا۔ ابوقیر نے کپڑے اتار ڈالے' حمام کے اندر گیا۔ ابوصیر نے اس کی مالش کی' صابن سے نہلایا' دوبارہ کپڑے پہنائے اور باہر نکلنے تک اس کی خدمت کرتا رہا۔ جب وہ باہر آیا تو ابوصیر نے ناشتہ حاضر کیا اور طرح طرح کے شربت پلائے۔ اس کے بعد ابوقیر نے اسے کچھ دینا چاہا اس نے قسم کھائی کہ میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا اور کہا کہ تجھے شرم نہیں آتی تو میرا دوست ہے اور ہم میں کوئی فرق نہیں۔ اب ابو قیر نے ابوصیر سے کہا دوست! یہ حمام تو نہایت عالی شان ہے لیکن ایک چیز کی کسر ہے۔ ابوصیر نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا بال اڑانے کی دوا جو ہڑتال اور کھریا مٹی سے بنائی جاتی ہے۔ اسے بنا کر رکھ لے جب بادشاہ آئے تو اسے پیش کیجنو اور بال اڑنے کا طریقہ اسے بتائیو۔ اس پر وہ تجھ سے بہت زیادہ محبت اور تیرا احترام کرنے لگے گا۔ ابوصیر نے کہا تو ٹھیک کہتا ہے' خدا نے چاہا تو ضرور بناؤں گا۔

ابوقیر حمام سے نکل کر اپنے خچر پر سوار ہوا اور سیدھا بادشاہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا جہاں پناہ! میں تجھے خبردار کرنے کے لئے آیا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا کس بات سے؟

ابو قیر نے کہا تو نے ایک حمام بنوایا ہے؟ بادشاہ نے کہا ہاں! تیری ہی طرح ایک پردیسی آیا تھا اور جس طرح میں نے تیرے لئے ایک رنگریز خانہ بنوایا ہے اسی طرح اس کے لئے ایک حمام۔ ابو قیر نے کہا تو اس کے اندر بھی گیا ہے؟ بادشاہ بولا ہاں! گیا ہوں۔ ابو قیر نے کہا شکر ہے خدا کا تو اس کے شر سے محفوظ رہا جو حمامچی ہے وہ بڑا خبیث اور دین کا دشمن ہے۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کون ہے؟ ابو قیر بولا جہاں پناہ! اگر تو پھر گیا تو مارا جائے گا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیسے؟ ابو قیر نے کہا حمامچی تیرا اور دین کا دشمن ہے۔ حمام قائم کرنے کا مقصد ہی اس کا یہ ہے کہ وہ تجھے زہر دے دے۔ جب تو حمام جائے تو وہ ایک دوا تیرے پاس لائے گا اور کہے گا کہ اس کی دھونی سے بال بلا تکلف گر پڑتے ہیں لیکن وہ دوا نہیں بلکہ قاتل زہر ہے۔ اس خبیث سے عیسائیوں کے بادشاہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تجھے قتل کر دے تو وہ اس کی بیوی کو قید سے چھوڑ دے گا۔ اس کی بیوی بچے عیسائیوں کے بادشاہ کے یہاں قید ہیں۔ میں بھی وہیں قید تھا لیکن میں نے وہاں ایک رنگریز خانہ کھولا۔ رنگ بہ رنگ کے کپڑے رنگے اور بادشاہ نے خوش ہو کر مجھے آزاد کر دیا۔ وہاں سے میں یہاں آیا تو میں نے اسے دیکھا اور پوچھا کہ تو اور تیرے بیوی بچے کیسے چھوٹے؟ اس نے جواب دیا کہ بادشاہ نے ایک روز دربار کیا جس میں میں بھی موجود تھا۔ میں نے سنا ہے کہ بادشاہ افسوس کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ سوائے فلاں شہر کے بادشاہ کے کسی نے میرے اوپر اس قدر ظلم نہیں کیا۔ اس لئے جو کوئی اسے قتل کر دے گا جو مانگے گا میں دوں گا۔ اس پر میں نے آگے بڑھ کر کہا اگر میں کسی حیلے سے اسے مار ڈالوں تو کیا تو مجھے اور میرے بیوی بچوں کو چھوڑ دے گا۔ اس نے جواب دیا ہاں اور جو تو مانگے گا دوں گا۔ اس لئے میں نے یہاں کر بادشاہ سے ایک حمام بنوایا اور اب یہی باقی ہے کہ میں بادشاہ کو قتل کر کے عیسائیوں کے بادشاہ کے پاس جاؤں اپنے بیوی بچوں کو چھڑاؤں اور اس سے انعام لوں۔ میں نے پوچھا تو نے کیا ترکیب سوچی ہے؟ اس نے کہا میں نے ایک دوا بنائی ہے جب وہ حمام آئے گا میں کہوں گا کہ اس کی دھونی لے تاکہ تیرے تمام

نیچے کے بال گر جائیں۔ لیکن یہ زہر ہے وہ دھونی لیتے ہی ایک دن رات میں زہر اس کے دل تک سرایت کر جائے گا وہ مر جائے گا اور بس یہ سن کر مجھے تیری جان کے لالے پڑ گئے اور میں تجھے خبر دینے دوڑا ہوں۔ کیونکہ میرے اوپر تیرے بڑے احسانات ہیں۔

اس کی یہ باتیں سن کر بادشاہ کو تیش آ گیا اور رنگریز سے کہا کہ یہ بھید کسی پر ظاہر نہ کیجئو۔ اس کے بعد اس نے حمام جانے کا ارادہ کر لیا تاکہ شک جاتا رہے اور یقین ہو جائے۔ حمام پہنچا تو ابوصیر نے دستور کے مطابق اس کے کپڑے اتارے مالش کی اور پھر کہا کہ جہاں پناہ! میں نے ایک دوا بنائی ہے جس سے نیچے کے بال اڑ جائیں۔ بادشاہ بولا اسے لا وہ لے آیا تو بادشاہ نے دیکھا کہ وہ بڑی بدبودار ہے اسے یقین ہو گیا کہ وہ زہر ہے اور طیش میں آ کر اپنے نوکروں سے کہا پکڑو اسے۔ نوکروں نے پکڑ لیا بادشاہ غصے میں بھرا وہاں سے نکلا کسی کو اس کے غصے کی وجہ معلوم نہ ہوئی۔ نہ کسی کی ہمت پڑی کہ اس سے پوچھے۔ اب بادشاہ کپڑے پہن کر دربار میں آیا اور ابوصیر مشکیں باندھ کر حاضر کیا گیا بادشاہ نے کپتان کو بلا کر کہا اس خبیث کو لے جا کر ایک بوری میں بند کرکے اس میں بے بجھا دو من چونا ڈال دے' بوری کا منہ بند کرکے اسے ایک ناؤ میں رکھ اور میرے محل کے نیچے آ تو مجھے وہاں ایک جھروکے میں بیٹھا دیکھے گا۔ مجھ سے پوچھیو کہ پھینکوں اسے؟ میں کہوں گا پھینک' اس وقت تو اسے پھینک دیجئو تاکہ وہ جل کر ڈوب جائے اور مر جائے۔ کپتان نے کہا سر آنکھوں سے اور ابوصیر کو محل کے سامنے ایک جزیرے میں لے گیا اور اس سے کہا تو نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ بتا تو سہی کہ بادشاہ کے ساتھ تجھے کیا پیش آیا تو نے کیا ایسی حرکت کی کہ بادشاہ تجھ سے ناراض ہو گیا اور مجھے حکم دیا کہ تجھے بری موت ماروں۔ ابوصیر نے کہا میں نے تو کوئی بات ایسی نہیں کی کہ اس سزا کا مستحق بنوں۔

• نو سو اڑتیسویں رات

نو سو اڑتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... ابوصیر نے کپتان سے کہا مجھ سے تو کوئی ایسی حرکت سر زد نہیں ہوئی کہ اس سزا کا مستحق بنوں۔ کپتان بولا تیرا درجہ تو بادشاہ کے نزدیک اتنا بڑا تھا کہ بڑے بڑے لوگ حسد کرتے تھے شاید کسی حاسد نے کوئی بات بادشاہ کے آگے تیرے خلاف کہی ہے کہ وہ اتنا ناراض ہو گیا ہے۔ لیکن خوش ہو تیرا بال بیکا نہ ہو گا جس طرح تو نے بے جانے پہچانے میرے ساتھ نیکی کی ہے میں بھی خالص دوستی کا حق ادا کروں گا اور تجھے چھڑا دوں گا۔ لیکن جب میں تجھے آزاد کر دوں تو اسی جزیرے میں میرے پاس ٹھہرا رہیو کوئی کشتی یہاں سے تیرے وطن جائے گی تو میں روانہ کر دوں گا۔ ابوصیر نے کپتان کے ہاتھ چومے اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ کپتان نے چونا لا کر بوری میں بھرا اس کے اندر انسان کے برابر ایک پتھر رکھا اور خدا پر بھروسا کرکے بیٹھ گیا اور ابوصیر کو ایک جال دے کر کہا کہ اسے سمندر میں ڈال کر مچھلیاں پکڑ کیونکہ میرا فرض ہے کہ ہر روز بادشاہ کے باورچی خانے کے لئے مچھلیاں پکڑا کروں۔ آج اس مصیبت کی وجہ سے میں نے کوئی مچھلی نہیں پکڑی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ باورچی کے غلام آئیں اور کوئی مچھلی نہ پائیں۔ اگر تو مچھلیاں پکڑنے جائے گا تو میں اطمینان سے کوئی ترکیب چلوں گا اور محل کے نیچے جا کر کہوں گا میں نے تجھے سمندر میں پھینک دیا ہے۔ ابوصیر نے کہا اچھا میں مچھلیاں پکڑتا ہوں تو جا خدا تیری مدد کرے! کپتان بوری کو کشتی میں رکھ کر محل کے نیچے پہنچا۔ دیکھا کہ بادشاہ جھروکے میں بیٹھا ہوا ہے۔ کپتان نے کہا پھینکوں؟ بادشاہ نے کہا پھینک۔ ساتھ ہی ہاتھ سے اشارہ کیا اور کوئی چیز چمکتی ہوئی اس کے ہاتھ سے سمندر میں جا پڑی۔ یہ بادشاہ کی انگوٹھی تھی اور طلسمی تھی۔ جب بادشاہ کسی سے ناراض ہوتا اور اسے قتل کرنا چاہتا تو داہنے ہاتھ سے جس میں انگوٹھی تھی اشارہ کرتا اور اس میں

بجلی نکلتی اور جس کی طرف وہ اشارہ کرتا اس کا سر کندھے سے جدا ہو جاتا۔ جب انگوٹھی اس کے ہاتھ سے نکل پڑی تو اس نے اس بھید کو پوشیدہ رکھا کیونکہ وہ کسی سے کہہ نہ سکتا تھا کہ میری انگوٹھی سمندر میں گر پڑی ہے۔ ورنہ اس کا لشکر اس پر چڑھائی کرکے اسے مار ڈالتا۔ یہ تھی وجہ اس کے چپ رہنے کی۔

یہ تو بادشاہ کا قصہ ہے ہوا اب ابو صیر کا ماجرا سنو۔ کپتان کے جانے کے بعد اس نے جال لے کر سمندر میں پھینکا' کھینچا تو مچھلیوں سے بھرا ہوا تھا۔ جتنی بار وہ جال پھینکتا وہ مچھلیوں سے بھرا ہوا نکلتا۔ یہاں تک کہ اس کے آگے مچھلیوں کا ڈھیر لگ گیا۔

اب وہ اپنے دل میں کہنے لگا۔ میں نے ایک زمانے سے مچھلیاں نہیں کھائیں اور اس نے اپنے لئے ایک موٹی تازی مچھلی نکال کر الگ رکھ لی۔ جب کپتان آئے تو میں اس سے کہوں گا یہ مچھلی میرے ناشتے کے لئے بھون دے۔ اس کے بعد اس نے چھری نکال کر مچھلی کی گردن کاٹی تو اس میں سے وہی انگوٹھی نکلی اس نے اسے اپنی چھنگلی میں پہن لیا۔ لیکن اسے انگوٹھی کی خاصیت کی بالکل خبر نہ تھی۔ اتنے میں باورچی کے دو غلام مچھلیاں لینے آئے ابوصیر کے پاس پہنچ کر انہوں نے پوچھا کپتان کہاں ہے؟ ابوصیر بولا مجھے خبر نہیں اور اپنے داہنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اشارہ کرتے ہی دونوں کے سرتن سے جدا ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ابوصیر حیران ہو گیا اور کہنے لگا خدا جانے انہیں کس نے قتل کر دیا؟ اسی سوچ میں تھا کہ کپتان پہنچا دیکھا کہ مچھلیوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے' دو مقتول پڑے ہوئے ہیں اور ابوصیر کی انگلی میں انگوٹھی ہے۔ اس نے کہا بھائی! اپنا وہ ہاتھ نہ ہلائیو۔ جس میں انگوٹھی ہے ورنہ میں قتل ہو جاؤں گا۔

اس کے بعد کپتان نے ابوصیر سے پوچھا ان دونوں غلاموں کو کس نے قتل کیا ہے؟ اس نے جواب دیا بھائی۔ خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں۔ کپتان بولا تو سچ کہتا ہے اچھا بتا یہ انگوٹھی تجھے کہاں سے ملی؟ ابوصیر بولا مچھلی کے پیٹ میں سے۔ کپتان بولا ٹھیک ہے میں نے اسے شاہی محل پر سے سمندر میں گرتے ہوئے دیکھا تھا غالباً اس مچھلی نے

اسے شاہی محل پر سے سمندر میں گرتے دیکھا تو غالباً اس مچھلی نے اسے نگل لیا۔ خدا نے اس مچھلی کو تیرے پاس پہنچا دیا اور تو نے اسے شکار کر لیا۔ یہ تیرا نصیب ہے۔ لیکن تجھے اس انگوٹھی کی خاصیت بھی معلوم ہے؟ ابوصیر بولا نہیں۔ کپتان نے کہا ہمارے بادشاہ کا لشکر محض اس انگوٹھی کی وجہ سے اس کی اطاعت کرتا ہے کیونکہ وہ طلسم ہے جب بادشاہ کسی سے ناراض ہوتا ہے اور اسے قتل کرنا چاہتا ہے تو اس انگوٹھی سے اس کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس کا سر گردن سے الگ ہو جاتا ہے۔ یہ سن کر ابوصیر بہت خوش ہوا اور کپتان سے کہا مجھے شہر واپس بھیج دے۔ کپتان نے کہا میں واپس بھیج دوں گا اب مجھے بادشاہ سے تیرے بارے میں کوئی ڈر نہیں کیونکہ اگر تو اپنے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرے گا تو اس کا سر تیرے آگے پڑے گا اگر تو بادشاہ اور اس کے سارے لشکر کو قتل کرنا چاہے تو بغیر کسی دقت کے انہیں قتل کر سکتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ابوصیر کو کشتی میں بٹھایا اور شہر کی طرف روانہ کر دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو انتالیس ویں رات

نو سو انتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- کپتان نے اسے کشتی میں بٹھا کر شہر بھیج دیا۔ وہاں پہنچ کر ابوصیر سیدھا شاہی محل کے اندر چلا گیا‘ دیکھا کہ بادشاہ بیٹھا ہوا ہے لشکر اس کے سامنے کھڑا ہے اور وہ انگوٹھی کی وجہ سے نہایت غمگین ہے مگر کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا۔ بادشاہ کی نظر ابوصیر پر پڑی تو اس نے کہا ہم نے تجھے سمندر میں پھینک دیا تھا پھر تو کس طرح نکل آیا؟ ابوصیر نے کہا جہاں پناہ! جب تو نے حکم دیا تھا کہ کپتان مجھے سمندر میں پھینک دے تو اس نے اس بھلائی کے بدلے جو میں نے تیرے حمام میں اس کے ساتھ کی تھی بجائے میرے بوری میں ایک پتھر رکھ دیا اور میں مچھلیاں پکڑنے لگا۔ ایک مچھلی کے پیٹ میں سے یہ انگوٹھی نکلی۔ کپتان سے معلوم ہوا کہ یہ تیری انگوٹھی ہے اور اس کی یہ یہ خاصیت ہے۔ لہٰذا یہ انگوٹھی لے کر تیرے پاس آیا ہوں کہ تجھے دے دوں۔ کیونکہ تو نے میرے ساتھ بڑے بڑے احسانات کئے ہیں اگر میں نے تیرے ساتھ کوئی برائی کی ہو جس سے میرا قتل واجب آتا ہو تو مجھے بتا دے اور مجھے قتل کر ڈال۔ میرے خون کا تیرے اوپر کوئی دعویٰ نہ ہو گا۔ یہ کہہ کر اس نے انگوٹھی اتار دی اور بادشاہ کو دے دی۔

بادشاہ نے دیکھا کہ ابوصیر اس کے ساتھ یہ احسان کر رہا ہے تو اس نے انگوٹھی لے کر پہن لی اس کی جان میں جان آ گئی اس نے اٹھ کر ابوصیر کو گلے سے لگا لیا اور کہا اے شخص! تو بہت حلال زادہ ہے‘ جو کچھ مجھ سے تیرے حق میں صادر ہوا اسے معاف کر دے اگر کسی اور کے ہاتھ یہ انگوٹھی لگتی تو وہ مجھے ہرگز نہ دیتا۔ ابوصیر نے کہا جہاں پناہ! اگر تو چاہتا ہے کہ میں تجھے معاف کر دوں تو مجھے بتا کہ کہ مجھ سے ایسا کون سا گناہ سرزد ہوا تھا جو تو اتنا ناراض ہوا کہ میرے قتل کا حکم دے دیا؟

بادشاہ بولا تو نے اتنی بڑی بھلائی میرے ساتھ کی ہے کہ تیری بے گناہی مجھ پر ثابت ہو گئی لیکن رنگریز نے مجھ سے یہ یہ باتیں کہی تھیں۔ ابوصیر نے کہا جہاں پناہ! نہ میں عیسائیوں کے بادشاہ کو جانتا ہوں نہ کبھی ان کے ملک میں گیا ہوں اور نہ کبھی تیرے قتل کرنے کا خیال میرے دل میں آیا ہے۔ یہ رنگریز اسکندریہ میں میرا دوست اور پڑوسی تھا۔ یہ کہہ کر اس نے رنگریز کا سارا واقعہ بادشاہ سے کہہ دیا اور کہا جو دوا میں نے بنائی تھی وہ ہرگز مضر نہیں۔ ہم اسے اپنے ہاں بنایا کرتے ہیں اور ہر حمام میں اس کا ہونا لازمی ہے۔ اے بادشاہ! سرائے کے دربان اور رنگریز خانے کے ملازموں کو لا کر خود پوچھ لے۔ جب وہ لوگ آئے تو انہوں نے بادشاہ کے سامنے تمام باتیں سچ سچ کہہ دیں۔ اب بادشاہ نے حکم دیا کہ رنگریز کو ننگے پاؤں اور ننگے سر مشکیں باندھ کر لے آؤ۔ رنگریز اس وقت اپنے گھر میں خوش خوش بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا کہ ابوصیر مارا گیا کہ یکایک بادشاہ کے پیادے آ پہنچے اسے خوب مارا اور اس کی مشکیں باندھ کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ اس نے دیکھا کہ ابوصیر بادشاہ کے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے سرائے کا دربان اور رنگریز خانے کے ملازم اس کے سامنے کھڑے ہیں اسے دیکھتے ہی دربان نے کہا کیا یہ وہ تیرا دوست نہیں ہے جس کے درہم تو نے چرائے تھے جسے تو کوٹھڑی میں بیمار چھوڑ کر چلا گیا تھا اور جس کے ساتھ فلاں فلاں حرکت کی تھی؟ رنگریز خانے کے ملازموں نے کہا کیا یہ وہی شخص نہیں جس کے متعلق تو نے ہم سے کہا تھا کہ اسے پکڑو اور خوب مارو۔ اسے پکڑ کر شہر اور بازار میں ڈھنڈورا پیٹو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• نو سو چالیس ویں رات

نو سو چالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ نے حکم دیا کہ ابوقیر کو شہر میں تشہیر کرو اور پھر ایک بوری میں بند کرکے سمندر میں پھنک دو۔ ابوصیر نے کہا جہاں پناہ! میری سفارش مان لے۔ میں نے اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے۔ بادشاہ بولا تو نے تو اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے مگر میں اس کے گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ اسے فوری بوری میں بند کرکے اور اس میں چونا ڈال کر سمندر میں پھینک دو تاکہ وہ ڈوب کر جل جائے اس کے بعد بادشاہ نے ابوصیر سے کہا مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے میرے وطن بھیج دے۔ کیونکہ اب میرا جی یہاں نہیں لگتا۔ بادشاہ نے اسے بہت کچھ مال و دولت دے کر کہا میں تجھے اپنا وزیر بنا لوں گا لیکن وہ راضی نہ ہوا اور بادشاہ سے رخصت ہو کر روانہ ہو گیا۔ جب وہ سکندریہ پہنچا تو ملاحوں نے لنگر ڈالا اور خشکی پر اترے دیکھا کہ کہ خشکی کے کنارے ایک بڑی بھاری بوری ہے اس کا منہ بندھا ہوا ہے نہ معلوم اس کے اندر کیا ہے؟ ابوصیر نے اسے لے کر کھولا تو اس میں ابوقیر کی لاش ہے۔ سمندر اسے سکندریہ تک بہا لایا تھا۔ ابوصیر نے اسے نکال کر اسکندریہ کے قریب دفن کیا اس کا مزار بنایا اور بہت سا مال اس کے لئے وقف کر دیا۔ کچھ زمانے کے بعد ابوصیر کا انتقال ہوا تو لوگوں نے اسے بھی اس کے دوست ابوقیر کے پاس دفن کیا۔ اس وجہ سے اس جگہ کا نام ابوقیر و ابوصیر پڑ گیا اور آج کل محض ابوقیر کے نام سے مشہور ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو دائمی ہے اور جس کے حکم سے دن رات آتے جاتے رہتے ہیں۔

○ عبداللہ ماہی گیر' عبداللہ باورچی اور عبداللہ بحری کی کہانی

ایک ماہی گیر تھا۔ عبداللہ نام' اس کی ایک بیوی اور نو اولادیں تھیں۔ لیکن ان کی غربت اتنی تھی کہ سوائے جال کے اور کچھ نہ تھا۔ وہ ہر روز مچھلیاں مارنے دریا کے کنارے جاتا اور اگر تھوڑی بہت مچھلیاں مل جاتیں تو انہیں بیچ کر اپنے اہل و عیال پر صرف کرتا کبھی کچھ زیادہ آمدنی ہو جاتی تو اچھا کھانا پکاتا' میوے خریدتا اور خرچ کرتا رہتا یہاں تک کہ اس کے پاس کچھ باقی نہ رہتا۔ اور وہ اپنے دل میں کہتا کہ کل کی روزی کل آئے گی۔ خدا کی قدرت اس کی بیوی کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا اور اب ان کی تعداد دس ہو گئی' اس ماہی گیر کی جیب بالکل خالی تھی۔ بیوی نے کہا اے میرے آقا! کچھ لا کہ میں کھاؤں' ماہی گیر بولا میں ابھی دریا کے کنارے جاتا ہوں اور اس بچے کا نام لے کر جال پھینکتا ہوں۔ دیکھوں اس کی قسمت کیسی ہے؟ یہ کہہ کر اس نے جال اٹھایا اور دریا کی طرف چل کھڑا ہوا وہاں پہنچ کر بچے کے نام پر جال پھینکا اور کہا خداوند اس بچے کا رزق آسان کیجیو مشکل نہ کیجیو۔ زیادہ دیجیو کم نہ دیجیو۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر جب اس نے جال پھینکا تو اس میں گھاس پھوس' ریت' کنکر پتھر نکلے مچھلی کا نام و نشان نہ تھا پھر اس نے دوسری بار جال پھینکا پھر بھی کوئی مچھلی نہ آئی۔ تیسری' چوتھی اور پانچویں بار جال پھینکا ہر بار جال خالی نکلا۔ اب اس نے وہاں سے دور جا کر قسمت آزمائی کی اور شام تک بیٹھا رہا۔ مچھلی کا بچہ بھی ہاتھ نہ لگا وہ اپنے دل میں کہنے لگا خدا نے اس بچے کو بے روزی کے پیدا کیا ہے مگر یہ تو ہو نہیں سکتا۔ جس ذات نے منہ بنایا ہے اور اسے کھلانے کا بھی ذمے دار ہے۔ یہ کہہ کر اس نے جال لیا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا ان کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا اور اس کی بیوی زچہ خانے میں تھی۔

وہ اپنے دل میں یہی کہتا چلا جا رہا تھا کہ آج رات بچوں سے کیا کہوں گا کہ اس کا گزر ایک باورچی کے تنور پر ہوا دیکھا کہ وہاں بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ لوگ باورچی کو دام دیتے لیکن بھیڑ کی وجہ سے وہ کسی طرف متوجہ نہ ہوتا۔ ماہی گیر کھڑا ہو کر تماشا

دیکھنے لگا جب گرم گرم روٹیوں کی خوشبو اس کے دماغ میں پہنچی تو مارے بھوک کے اس کا جی للچانے لگا۔ باورچی نے اسے دیکھ کر کہا ماہی گیر! آگے آ' وہ آگے آیا تو باورچی نے پوچھا کیا تو روٹیاں چاہتا ہے؟ ماہی گیر چپ ہو گیا۔ باورچی نے کہا بول شرما نہیں اللہ کریم ہے اگر تیرے پاس دام نہیں تو میں ادھار دوں گا اور تیری حالت سدھرنے تک انتظار کروں گا۔ ماہی گیر نے کہا استاد! سچ مچ میرے پاس درہم نہیں لیکن تو میرے بال بچوں کے لئے کافی روٹیاں دے دے اور کل تک کے لئے میرا جال گروی رکھ لے۔
باورچی بولا اے غریب! یہی جال تو تیری دکان اور تیری روزی کا دروانہ ہے اگر تو نے اسے گروی رکھ دیا تو مچھلیاں کاہے سے پکڑے گا؟ یہ بتا کہ کتنی روٹیاں تیرے لئے کافی ہوں گی؟ اس نے کہا دس اٹھنیوں کی۔ باورچی نے اسے دس اٹھنیوں کی روٹیاں اور دس اٹھنیاں نقد دے دیں اور کہا کہ ان دس اٹھنیوں کا سالن پکائیو۔ اس طرح تیری طرف بیس اٹھنیاں ہو جائیں گی ان کے بدلے کل مچھلیاں لیتا آئیو اور اگر کچھ نہ ملے تو آ کر اپنی روٹیاں اور دس اٹھنیاں لے جائیو بلکہ جب تک تیرے پاس دام نہ ہوں میں انتظار کروں گا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• نو سو اکتالیسویں رات

نو سو اکتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- باورچی نے ماہی گیر سے کہا جب تک تیرے پاس دام نہ ہوں میں انتظار کروں گا۔ ماہی گیر نے کہا خدا تجھے اس کا اجر دے۔ وہ روٹیاں اور دس اٹھنیاں لے کر خوش خوش چل دیا اور جو کچھ ان سے خرید سکتا تھا خرید کر اپنی بیوی کے پاس گیا دیکھا کہ وہ بیٹھی ہوئی بچوں کو دم دلاسا دے رہی ہے اور وہ مارے بھوک کے رو رہے ہیں۔ ماں کہہ رہی ہے کہ تمہارا باپ تمہارے لئے ابھی کھانا لا رہا ہو گا۔ اتنے میں باپ آ گیا اور کھانا ان کے سامنے رکھ دیا انہوں نے کھایا پیا۔ ماہی گیر نے اپنی بیوی سے سارا ماجرا بیان کیا اس نے جواب دیا اللہ کریم ہے۔ دوسرے روز وہ پھر جال لے کر نکلا اور کہنے لگا اے پروردگارا میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں کہ آج تو مجھے روزی دیجیئو تا کہ میں باورچی کے سامنے سرخرو ہوں۔ سمندر پر پہنچ کر وہ دن بھر جال پھینکتا اور کھینچتا رہا۔ لیکن کوئی مچھلی نہ پھنسی وہ غمگین اور رنجیدہ ہو کر لوٹا۔ اس کے گھر کا رستہ باورچی کے تنور ہی پر ہو کر تھا وہ کہنے لگا میں کدھر سے ہو کر گھر جاؤں؟ لیکن ایسا کر سکتا ہوں کہ جلدی سے گزر جاؤں تا کہ باورچی کی نظر مجھ پر نہ پڑے۔ تنور پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ بھیڑ لگی ہوئی ہے اور وہ باورچی کی شرم کے مارے تیز تیز چلنے لگا۔ باورچی نے اسے دیکھ لیا اور پکار کر کہا اے ماہی گیر! اپنی روٹیاں اور اوپر کا خرچ لیتا جا۔ شاید تو بھول گیا ہے۔ ماہی گیر بولا واللہ میں بھولا نہیں مجھے تیرے آگے شرم آتی ہے کیونکہ آج بھی میرے ہاتھ کوئی مچھلی نہیں لگی۔ باورچی بولا شرما نہیں میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ جب تک تیری حالت سدھر نہ جائے میں انتظار کروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے ماہی گیر کو روٹیاں اور دس اٹھنیاں دے دیں اور اس نے اپنی بیوی کے پاس جا کر سارا قصہ بیان کیا۔ بیوی بولی اللہ کریم ہے تیری قسمت خدا نے چاہا تو جاگ اٹھے

گی۔

چالیس دن تک ماہی گیر کی یہی حالت رہی کہ وہ صبح سے شام تک دریا پر رہتا اور پھر بے مچھلیوں کے لوٹ آتا۔ باروچی اسے روٹیاں اور دام دیتا لیکن مچھلی کا نام نہ لیتا نہ اسے اور لوگوں کی طرح کھڑا رکھتا۔ جب کبھی ماہی گیر کہتا بھائی! حساب کر تو وہ جواب دیتا کہ چل یہ وقت حساب کتاب کا نہیں جب تیرے پاس ٹکے آ جائیں گے تو حساب کر لوں گا۔ ماہی گیر اسے دعا دیتا اور اس کا شکریہ ادا کر کے چلا جاتا۔ اکتالیس ویں دن اس نے اپنی بیوی سے کہا میں چاہتا ہوں کہ جال کو کاٹ کر پھینک دوں اور اس کاروبار سے چھٹکارا پاؤں۔ بیوی نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا دریا سے اب میری روزی جاتی رہی ہے اور باورچی کے آگے مارے شرم کے پسینے پسینے ہو جاتا ہوں اس لیے نہ میں دریا پر جاؤں نہ اس کے تنور کے آگے سے گزروں لیکن میرا اور کوئی راستہ نہیں جب میں ادھر سے گزرتا ہوں تو وہ مجھے پکار کر روٹیاں اور دس اٹھنیاں دے دیتا ہے۔ آخر کب تک میں اس سے ادھار لیا کروں گا؟ بیوی بولی شکر ہے خدا کا کہ اس نے اس کا دل تیری طرف سے نرم کر دیا ہے اور وہ تجھے کھانا دیتا ہے اس میں کون سی بری بات ہے؟ ماہی گیر بولا اس کے بہت سے درہم میرے اوپر ہو گئے ہیں اور وہ ضرور ایک نہ ایک دن مانگ بیٹھے گا۔ بیوی نے کہا کیا اس نے تجھ سے تقاضا کیا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ وہ حساب بھی کرنا نہیں چاہتا اور کہتا ہے کہ پہلے کافی کما لے بیوی نے کہا اگر وہ مطالبہ کرے تو کہہ دیجیو کہ مجھے خوش حال ہونے دے۔ اس نے کہا ہم کب خوش حال ہوں گے؟ بیوی نے جواب دیا اللہ کریم ہے۔

وہ بولا تو سچ کہتی ہے۔ وہ پھر جال لے کر دریا پر گیا کہنے لگا اے پروردگار! میری روزی عطا کر خواہ ایک ہی مچھلی کیوں نہ ہو تاکہ میں باورچی کو دوں۔ یہ کہہ کر اس نے جال پھینکا' کھینچا تو وہ بھاری معلوم ہوا اس نے اتنا زور لگایا کہ تھک گیا۔ جال باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ اس میں ایک مردار گدھا ہے جو پھول گیا ہے اور جس میں

بری بدبو نکل رہی ہے۔ اس سے اسے بڑی گھن آئی۔ اس نے گدھے کو جال میں سے
نکالا' لاحول پڑھنے لگا اور کہا میں تو عاجز آ گیا ہوں' لاکھ اس عورت سے کہتا ہوں
کہ اب سمندر سے میری قسمت میں روزی نہیں' مجھے یہ پیشہ چھوڑ دینے دے لیکن وہ
کہتی ہے اللہ کریم ہے۔ عنقریب تجھے بہت کچھ مل جائے گا۔ کیا وہ بہت کچھ یہی مردار
گدھا ہے؟ اب وہ رنجیدہ ہو کر دوسری جگہ گیا تاکہ گدھے کی بدبو سے دور ہو جائے
اور جال لے کر پھینکا تھوڑی دیر ٹھہر کر کھینچا تو وہ وزنی تھا اور اس نے اتنا زور لگایا
کہ اس کی ہتھیلیوں سے خون نکلنے لگا۔
جال باہر نکلا تو ماہی گیر نے دیکھا کہ اس میں ایک آدمی ہے اسے گمان ہوا کہ یہ
کوئی دیو ہو گا جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے پیتل کی لٹیا میں بند کر کے سمندر میں
پھینک دیا ہو گا۔ اور اب اتنی مدت کے بعد وہ لٹیا ٹوٹ گئی ہو گی وہ اس میں سے
نکل پڑا ہو گا اور جال میں پھنس گیا ہو گا۔ یہ سوچ کر وہ بھاگا اور چلانے لگا اے سلیمان
علیہ السلام کے دیو! امان' امان! آدمی نے جال کے اندر سے جواب دیا اے ماہی گیر!
بھاگ نہیں یہاں آ۔ میں بھی تیری طرح آدمی ہوں' مجھے جال میں سے نکال دے
تاکہ تجھے ثواب ملے۔ یہ سن کر ماہی گیر کو اطمینان ہوا اور اس کے پاس آ کر کہا کیا
تو دیو نہیں؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ میں انسان ہوں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ
وسلم پر ایمان رکھتا ہوں۔ ماہی گیر نے پوچھا تجھے سمندر میں کس نے پھینکا؟ اس نے
کہا میں دریائی انسان ہوں پھر رہا تھا کہ تیرے جال میں پھنس گیا۔ ہم لوگ خدا کے
احکام کی پیروی کرتے اور اس کی مخلوقات سے محبت رکھتے ہیں۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا
کہ کہیں نافرمان بندوں میں میرا شمار نہ ہو جائے تو میں تیرا جال پھاڑ ڈالتا لیکن میں
نے اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا تو مجھے جال سے چھڑائے گا تو تو میرا مالک
ہو گا اور میں تیرا غلام۔ کیا تو اس بات پر راضی ہے کہ مجھے خدا کی راہ پر آزاد کر
دے اور میرے ساتھ عہد و پیماں کرے کہ ہم دوست رہیں گے۔ میں ہر روز تجھ سے
اسی جگہ ملا کروں گا تو میرے لیے خشکی کا تحفہ لایا کر کیونکہ تمہارے ہاں انگور' انجیر'

تربوز' شفتالو اور انار وغیرہ ہوتے ہیں جو چیز تو لائے گا مجھے منظور ہے اور ہمارے ہاں مونگے' موتی' زبرجد' زمرد' یاقوت اور ہیرے ہوتے ہیں جس ٹوکری میں تو میرے لیے میوے لائے گا اسے میں دریائی جواہرات سے بھر دوں گا۔ بتا منظور ہے؟ ماہی گیر نے کہا اس بات پر ہمارے درمیان فاتحہ ہو جانی چاہیے۔ دونوں نے فاتحہ پڑھی۔ ماہی گیر نے اسے جال سے نکال دیا اور پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا عبداللہ بحری اگر تو یہاں آئے اور مجھے نہ پائے تو کہیو کہ اے عبداللہ بحری! تو کہاں ہے؟ میں فوراً حاضر ہو جاؤں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو بیالیسویں رات

نو سو بیالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ عبداللہ بحری نے کہا' جب تو کہے گا اے عبداللہ بحری! تو کہاں ہے؟ تو میں فوراً حاضر ہو جاؤں گا اور تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا عبداللہ بحری بولا کہ تو عبداللہ بری ہے اور میں عبداللہ بحری۔ تو یہیں ٹھہرا رہ میں جا کر تیرے لیے ایک ہدیہ لاتا ہوں۔ ماہی گیر بولا سر آنکھوں پر۔ عبداللہ بحری دریا میں چلا گیا اب عبداللہ بری پشیمان ہوا کہ میں نے اسے جال سے کیوں چھڑایا اور اپنے دل میں کہنے لگا کیا جانے وہ لوٹ کر آئے گا کہ نہیں۔ اس نے مجھے دھوکا دیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اگر میں اسے رہنے دیتا تو شہر میں اس کا تماشا دکھاتا اور درہم کماتا اسے لے کر امیروں کے گھروں میں جاتا۔ غرضیکہ اسے چھوڑ دینے پر ماہی گیر کو بڑی پشیمانی ہوئی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب تیرا قیدی تیرے ہاتھ سے جاتا رہا۔ وہ اسی افسوس میں تھا کہ عبداللہ بحری دونوں ہاتھوں میں موتی' مونگے' زمرد اور یاقوت اور ہیرے لیے ہوئے لوٹا اور کہا بھائی! لے اور معاف کر اگر میرے پاس ٹوکری ہوتی تو میں اسے بھر دیتا۔ عبداللہ بری بہت خوش ہوا اورجواہرات اس سے لے کر کہنے لگا ہر روز سورج نکلنے سے پہلے یہاں آیا کیجیو اس کے بعد دونوں رخصت ہوئے اور عبداللہ بحری دریا کے اندر چلا گیا۔

ماہی گیر خوش خوش شہر میں داخل ہوا اور باورچی کے تنور پر پہنچ کر کہنے لگا بھائی! حساب کر' میرے پاس دام آ گئے ہیں۔ باورچی بولا حساب کی کیا ضرورت ہے؟ اگر تیرے پاس کچھ ہو تو دے دے نہیں تو اپنی روٹیاں اور اوپر کا خرچ لے کر چل دے۔ ماہی گیر نے کہا دوست خدا کی مہربانی سے مجھے دام مل گئے ہیں۔ تیرا قرضہ تو میرے اوپر بہت ہے لیکن فی الحال یہ لے اتنا کہہ کہ اس نے مٹھی بھر موتی' مونگے یاقوت اور ہیرے اسے دے دیئے اور کہا مجھے کچھ نقدی دے دے تاکہ اسے خرچ میں لاؤں۔

اور جب تک یہ جواہرات بکیں اس سے کام چلاؤں۔ باورچی نے جتنے درہم اس کے پاس تھے نکال کر دے دیئے تمام روٹیاں بھی جو ٹوکری میں تھیں اور جواہرات لے کر ماہی گیر سے کہتا ہوا کہ میں تیرا نوکر اور غلام ہوں اور غلام ہوں روٹیوں کی ٹوکری اپنے سر رکھ کر ماہی گیر کے پیچھے پیچھے ہو لیا اور اس کی بیوی بچوں کے حوالے کر آیا اس کے بعد وہ بازار جا کر گوشت' ترکاری اور قسم قسم کے میوے لے آیا اور تنور چھوڑ کر دن بھر عبداللہ بری کی خدمت میں لگا رہا۔ عبداللہ بری نے کہا بھائی! تو بڑی تکلیف اٹھاتا ہے' باورچی نے جواب دیا۔ میرا فرض ہے کیونکہ میں تیرا نوکر ہو گیا اور تیرے احسان کے نیچے دب گیا ہوں۔ ماہی گیر بولا تو نے تنگی اور ناداری کے وقت مجھ پر احسان کیا ہے۔ رات کو دونوں نے اچھے اچھے کھانے کھائے اور باورچی ماہی گیر کا دوست ہو گیا۔ ماہی گیر نے عبداللہ بحری کا قصہ اپنی بیوی سے بیان کیا' بیوی خوش ہو گئی اور کہا اس بھید کو ظاہر نہ کیجیو ورنہ حکام تیرے پیچھے پڑ جائیں گے۔ ماہی گیر بولا خواہ میں ساری دنیا سے یہ بھید پوشیدہ رکھوں لیکن باورچی سے نہیں چھپاؤں گا۔ دوسرے دن صبح کو وہ ٹوکری بھر میوے لے کر دن نکلنے سے پہلے دریا پر پہنچا اور اسے کنارے پر رکھ کر آواز دی۔ اے عبداللہ بحری! کہاں ہو؟ اس نے فوراً لبیک کہا اور نکل آیا۔ ماہی گیر نے اسے میوے دیئے وہ انہیں لے کر پانی کے اندر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد ٹوکری بھر جواہرات لے کر نکلا۔ عبداللہ بری ٹوکری کو سر پر رکھ کر چل دیا۔

جب وہ باورچی کی دکان پر پہنچا تو باورچی نے کہا' اے میرے آقا! میں نے چالیس کلچے پکا کر تیرے گھر بھیج دیئے ہیں اور اب میں خاص قسم کی روٹیاں پکا رہا ہوں جب وہ تیار ہو جائیں تو میں انہیں بھی تیرے گھر بھیج دوں گا اور پھر ترکاری اور گوشت لے آؤں گا۔ ماہی گیر نے ٹوکری میں سے تین مٹھی بھر جواہرات لے کر اسے دے دیئے باقی گھر لے گیا اور ان میں سے اچھے اچھے چھانٹ کر جوہری بازار پہنچا۔ بازار کے چودھری کی دکان پر ٹھہرا اور اس سے کہا جواہرات خریدتا ہے؟ اس نے کہا دکھا

ماہی گیر نے جواہرات دکھائے تو چودھری نے پوچھا ان کے سوا تیرے پاس اور بھی جواہرات ہیں؟ اس نے جواب دیا میرے پاس ٹوکری بھر ہیں۔ چودھری نے جواہرات لے کر اپنے ساتھیوں سے کہا اسے گرفتار کر لو۔ یہ چور ہے۔ اس نے بادشاہ کی بیوی ملکہ کا مال چرایا ہے۔ مارو اسے۔ انہوں نے اسے خوب مارا اور اس کی مشکیں باندھ دیں۔ چودھری اور تمام جوہری بازار والے جمع ہو گئے اور کہنے لگے ہم نے چور کر پکڑ لیا ہے۔ ایک کہتا کہ فلاں شخص کا سامان بھی اسی خبیث نے چرایا ہو گا دوسرا کہتا کہ فلاں شخص کے گھر کا سارا سامان بھی یہی چرا لے گیا ہے۔ غرض کہ ہر شخص کچھ نہ کچھ کہتا۔ ماہی گیر چپ تھا کوئی جواب نہ دیتا یہاں تک کہ لوگوں نے اسے بادشاہ کے سامنے لا کھڑا کیا اور چودھری نے بادشاہ سے کہا کہ جب ملکہ کا ہار چوری ہو گیا تھا تو تو نے مجھے خبر بھیجی تھی کہ چور کو پکڑوں۔ میں نے اس میں جان لڑا دی اور آخر چور کو پکڑ لیا اور یہ جواہرات اس کے پاس سے برآمد ہوئے ہیں۔ بادشاہ نے غلام سے کہا یہ جواہرات لے جا کر ملکہ کو دکھا اور پوچھ کو کیا یہی تیرے جواہرات ہیں جو چوری ہو گئے تھے؟ غلام انہیں لے کر ملکہ کے پاس گیا۔ ملکہ انہیں دیکھ کر حیران ہو گئی اور بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ میرا ہار مل گیا ہے اور یہ جواہرات میرے نہیں یہ تو ہار کے جواہرات سے بہتر ہیں اس شخص پر ظلم نہ کر۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو تینتالیس ویں رات

نو سو تینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملکہ نے کہلا بھیجا ہے کہ اس شخص پر ظلم نہ کر اور اگر وہ انہیں بیچنا چاہے تو اپنی بیٹی ام سعود کے لیے خرید لے تا کہ ہم اس کے لیے ایک ہار بنا دیں۔ غلام نے آ کر بادشاہ کو خبر دی تو وہ چودھری اور اس کے ساتھیوں کو عادو ثمود کی طرح لعنت ملامت کرنے لگا۔ انہوں نے عرض کیا جہاں پناہ! ہمیں معلوم ہے کہ یہ شخص غریب ماہی گیر ہے اس کے پاس جواہرات کہاں سے آئے؟ اس نے ضرور چرایا ہو گا۔ بادشاہ بولا اے بد ذاتو! کیا تم مومن کی طرف سے ایسا برا گمان کرتے ہو؟ تم نے اس سے پوچھا کیوں نہیں؟ یہ خدا کی دین ہے تم اسے کیوں چور قرار دے کر بدنام کرتے ہو؟ بھاگو یہاں سے۔ خدا تمہارا ستیاناس کرے۔ یہ سنکر وہ مارے ڈر کے وہاں سے چل دیئے۔

یہ ان کا حال ہوا۔ اب بادشاہ کا ماجرا سنو۔ اس نے ماہی گیر سے کہا اے شخص! خدا نے جو کچھ تجھے دیا ہے اس میں برکت ہو۔ تو ڈر نہیں' سچ سچ بتا دے کہ یہ جواہرات تجھے کہاں سے ملے ہیں؟ میں بادشاہ ہوں لیکن میرے پاس بھی ایسے نہیں۔ اس نے کہا جہاں پناہ! میرے پاس ایسے ایسے ایک ٹوکری بھر ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے عبداللہ بحری کا قصہ بیان کیا اور یہ کہ میرے اس کے درمیان وعدہ ہے کہ میں اسے کے لیے ہر روز ٹوکری بھر میوے لے جایا کروں اور وہ اسی ٹوکری میں اتنے ہی جواہرات مجھے دیا کرے۔ بادشاہ نے کہا اے شخص! یہ تیری قسمت ہے لیکن مال کے لیے رتبے کی ضرورت ہے اب تو میں لوگوں کے ظلم سے تجھ بچا لوں گا پھر اگر میں تخت سے اتر گیا یا مر گیا اور دوسرا شخص تخت پر بیٹھا تو وہ دنیا کے لالچ میں آ کر تجھے مار ڈالے گا اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹی کی شادی تیرے ساتھ کر دوں۔ تجھے اپنا وزیر بنا لوں اور وصیت کر دوں کہ تو میرے بعد بادشاہ ہو تا کہ میرے مرنے کے بعد کوئی

تیری طرف بری نظر سے نہ دیکھے۔ اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا اسے حمام لے جاؤ' لوگوں نے اسے حمام لے جا کر خوب نہلایا اور شاہانہ لباس پہنا کر بادشاہ کے سامنے لائے۔ بادشاہ نے اسے اپنا وزیر بنا لیا اور اس کے گھر پیادے' لشکری اور امیر زادیوں کو بھیجا جنہوں نے اس کی بیوی اور بچوں کو شاہانہ پوشاکیں پہنائیں۔ تخت رواں پر سوار کیا اور بادشاہ کے محل میں لے آئے چھوٹا بچہ اس کی گود میں تھا' بڑے لڑکوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اس نے انہیں عزت سے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ یہ نو لڑکے تھے اور بادشاہ کے سوائے ایک ام سعود کوئی اولاد نہ تھی۔

ملکہ نے عبداللہ بری کی بیوی کی بری آؤ بھگت کی اور انعام و اکرام کے ساتھ اسے اپنی مصاحبہ بنا لیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ عبداللہ بری کا نکاح نامہ میری بیٹی کے ساتھ مرتب کر دیا جائے اور مہر میں اس کے تمام جواہرات لکھ دیئے جائیں۔ اب جشن ہونے لگے' بادشاہ نے ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ اس کی بیٹی کی شادی کی خوشی میں شہر آراستہ کیا جائے۔ جب وہ شاہزادی کے ساتھ ہم بستر ہوا تو اس کے دوسرے دن بادشاہ نے جھروکے میں سے دیکھا کہ عبداللہ ٹوکری بھر میوے اپنے سر پر رکھے چلا جا رہا ہے اسے پکار کر پوچھا' اے میرے داماد! یہ کیا لیے جا رہا ہے؟ وہ بولا' اپنے دوست عبداللہ بری کے پاس میوے لئے جا رہا ہوں۔ بادشاہ نے کہا اے داماد! یہ تیرے دوست کے پاس جانے کا وقت نہیں ہے۔اس نے جواب دیا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے وعدہ خلافی نہ ہو جائے وہ مجھے جھوٹا ٹھہرائے اور کہے کہ دنیا میں پڑ کر تو مجھے بھول گیا۔ بادشاہ نے کہا تو سچ کہتا ہے جا اپنے دوست کے پاس۔ خدا تیری دست گیری کرے۔ وہ شہر میں سے ہوتا ہوا اپنے دوست کی طرف روانہ ہو گیا۔ بہت لوگ اس سے واقف ہو چکے تھے اس نے انہیں کہتے سنا کہ یہ بادشاہ کا داماد ہے' پھلوں کے بدلے جواہرات لینے جا رہا ہے لیکن جو اسے پہچانتا نہ تھا کہتا اے شخص! کتنے رطل بیچتا ہے' آ میرے ہاتھ بیچ اور وہ جواب دیتا کہ ٹھہر جا۔ میں ابھی لوٹ کر آتا ہوں کسی کا دل نہ دکھاتا' عبداللہ بحری کے پاس پہنچ کر اس نے پھل دیئے اور ان کے بدلے جواہرات لیے۔ اسی طرح

وہ ہر روز باورچی کے تنور پر سے گزرتا لیکن اسے بند پاتا۔ جب دس دن تک برابر اس نے باورچی کو نہ دیکھا اور تنور بند پایا تو اپنے دل میں کہنے لگا نہ جانے باورچی کہاں چلا گیا؟ اس کے پڑوسی سے پوچھا کہ تیرا پڑوسی باورچی کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا اے میرے آقا! وہ بیمار ہے اور گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ اس نے پوچھا اس کا گھر کہاں ہے؟ پڑوسی نے کہا فلاں محلے میں۔

ماہی گیر نے اس محلے میں جا کر باورچی کا پتا پوچھا اور جب اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو باورچی نے محراب میں سے جھانک کر دیکھا تو اس کا پرانا دوست ماہی گیر تھا اور اس کے سر پر بھری ہوئی ٹوکری تھی اس نے نیچے آ کر دروازہ کھولا' ماہی گیر اندر جا کر اس سے لپٹ گیا اسے گلے لگایا رونے لگا اور کہا دوست! خیریت تو ہے؟ میں ہر روز تیرے تنور پر سے گزرتا تھا لیکن اسے بند پاتا تھا پھر مجھے تیرے پڑوسی سے معلوم ہوا کہ تو بیمار ہے میں نے تیرے گھر کا پتا پوچھا کہ تجھ سے ملوں۔ باورچی بولا خدا تجھے نیک جزا دے۔ سب خیریت ہے میں بیمار نہیں۔ میں نے سنا تھا کہ بادشاہ نے تجھے پکڑ بلایا ہے کیونکہ بعض لوگوں نے تجھ پر بہتان لگایا اور تجھے چور بتایا ہے۔ اس لیے مارے ڈر کے میں نے تنور بند کر دیا اور چھپ رہا۔ ماہی گیر بولا تو سچ کہتا ہے اس کے بعد اس نے اپنا قصہ سنا دیا اور کہا بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کر دی ہے اور مجھے اپنا وزیر بنا لیا ہے جو کچھ اس ٹوکری میں ہے لے لے۔ یہی تیری قسمت کا ہے اور ڈر نہیں۔ جب وہ خالی ٹوکری لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا تو اس نے کہا اے داماد! شاید آج تیرا دوست عبداللہ بحری تجھے نہیں ملا؟ اس نے جواب دیا میں اس کے پاس گیا تھا اور جو کچھ اس نے دیا میں اپنے دوست باورچی کو دے آیا ہوں اس کا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ بادشاہ نے پوچھا یہ باورچی کون ہے؟ اس نے باورچی اور اس کے احسان کا سارا ماجرا بیان کر دیا۔ بادشاہ بولا اس کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا عبداللہ باورچی ہے' میرا نام عبداللہ بری اور میرے دوست کا نام عبداللہ بحری ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ میرا نام بھی عبداللہ ہے اور کل عبداللہ بھائی بھائی ہیں۔ اسے میرے پاس بلاتا

کہ میں اسے اپنا بایاں وزیر بنا لوں۔ باورچی بادشاہ کے پاس آیا تو اس نے اسے وزیروں
کا لباس پہنا کر میسرے کا وزیر بنا دیا اور عبداللہ بری کو میمنے کو۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

○○○

• نو سو چوالیسویں رات

نو سو چوالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ نے اپنے داماد عبداللہ بری کو میمنے اور عبداللہ باورچی کو میسرے کا وزیر بنالیا۔ عبداللہ بری کی ایک سال تک یہی حالت رہی کہ وہ ہر روز ٹوکری میں پھل بھر کر لے جاتا اور ان کے بدلے جواہرات بھر کر لے آتا۔ تازے پھلوں کا زمانہ ختم ہو جاتا تو کشمش' بادام' اخروٹ اور انجیر وغیرہ لے جاتا اور ہیرے جواہرات لے آتا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ دستور کے موافق ٹوکری میں میوے بھر کر لے گیا اور عبداللہ بحری کنارے کے قریب پانی میں بیٹھ گیا۔ عبداللہ بری پانی کے قریب کنارے پر' اور دونوں باتیں چیتیں کرنے لگے یہاں تک کہ قبروں کا ذکر آ گیا۔ بحری نے کہا بھائی! لوگ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ہاں خشکی پر مدفون ہیں' تجھے معلوم ہے کہ ان کی قبر کہاں ہے؟ اس نے کہا' ہاں۔ بحری نے کہا' کس جگہ؟ وہ بولا' ایک شہر میں جس کا نام طیبہ ہے۔ بحری نے پوچھا' کیا خشکی والے اس کی زیارت کرنے جاتے ہیں؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔ بحری بولا' اے خشکی والو تم لوگ کیسے خوش قسمت ہو کہ تمہیں اس نبی کی زیارت نصیب ہوتی ہے جس کی زیارت سے شفاعت واجب آتی ہے۔ بھائی! کیا تو نے بھی ان کی زیارت کی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اب تک تو میں بالکل غریب تھا' راہ خرچ سے نادار۔ جب سے تیری ملاقات ہوئی ہے میں امیر ہو گیا ہوں اور اب میرے اوپر فرض ہے کہ بیت اللہ کے حج کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو جاؤں۔ تیری محبت مجھے اب تک روکے رہی کیونکہ تیری جدائی مجھے ایک دن کے لیے گوارا نہیں۔ بحری بولا کیا تو میری محبت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت پر ترجیح دیتا ہے جو قیامت کے دن تیری شفاعت کریں گے اور دوزخ سے چھڑا کر جنت

میں لے جائیں گے؟ اس نے جواب دیا نہیں لیکن میں تجھ سے اجازت چاہتا ہوں کہ اس سال جا کر ان کی زیارت کروں۔ بحری بولا میں تجھے اجازت دیتا ہوں۔
جب تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر پہنچو تو میرا سلام کہیو اور میرے پاس ان کے لیے ایک تحفہ ہے تو میرے ساتھ پانی کے اندر چل میں تجھے اپنے شہر میں لے جا کر اپنے گھر لے چلوں گا۔ تیری دعوت کروں گا اور وہ ہدیہ تیرے حوالے کروں گا تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر رکھیو میرا سلام کہیو اور کہیو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عبداللہ بحری نے تجھے یہ ہدیہ بھیجا ہے اور تجھ سے شفاعت کا خواستگار ہے کہ وہ دوزخ میں نہ بھیجا جائے۔ عبداللہ بری نے کہا' بھائی! تو پانی میں پیدا ہوا ہے اور وہیں رہتا ہے اس لیے پانی تجھے نقصان نہیں پہنچاتا لیکن جب تو نکل کر خشکی پر آتا ہو گا تو کیا تجھے تکلیف نہ ہوتی ہو گی؟ اس نے کہا ہاں اگر زیادہ دیر ٹھہروں تو میرا بدن سوکھ جائے گا اور پھر جب اس پر خشکی کی ہوائیں چلیں گی تو میں مر جاؤں گا۔ بری بولا اسی طرح میں بھی خشکی پر پیدا ہوا ہوں اور یہیں رہتا بستا ہوں اگر میں سمندر کے اندر گیا تو پانی میرے پیٹ میں بھر جائے گا میرا دم گھٹ جائے گا اور میں مر جاؤں گا۔ بحری بولا ڈر نہیں میں ایک چربی لا دوں گا جسے اگر تو جسم پر مل لے گا تو پانی تجھے نقصان نہیں پہنچائے گا خواہ تو عمر بھر سمندر میں پھرتا' سوتا اور اٹھتا بیٹھتا رہے۔ بری نے کہا اگر ایسا ہے تو چربی لا تا کہ میں اس کا تجربہ کروں۔ بحری نے کہا بہت خوب اور ٹوکری لے کر سمندر میں چلا گیا' تھوڑی دیر کے بعد ایک قسم کی چربی لے کر لوٹا جو گائے کی چربی کی طرح تھی۔ اس کا رنگ زرد تھا اور خوشبو دار تھی۔
عبداللہ بری نے کہا بھائی! یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا یہ ایک قسم کی مچھلی کی کلیجی ہے جسے وندان کہتے ہیں۔ یہ مچھلی تمام مچھلیوں سے بڑی ہوتی ہے اور ہم لوگوں کی سخت ترین دشمن ہے۔ اتنا بڑا جانور خشکی پر کوئی نہیں اگر وہ ہاتھی یا اونٹ کو دیکھے تو اسے

نگل جائے۔ بری نے کہا بھائی! یہ کم بخت کھاتی کیا ہے؟ اس نے جواب دیا دریائی جانور۔ کیا تو نے یہ مثل نہیں سنی کہ قوی ضعیف کو کھاتا ہے جیسے دریائی مچھلیاں۔ بری بولا سچ ہے لیکن کیا سمندر میں وندان مچھلیاں بہت ہوتی ہیں؟ اس نے جواب دیا انہیں سوائے خدا کے اور کوئی گن نہیں سکتا۔ عبداللہ بری نے کہا ڈرتا ہوں کہ اگر کہیں مجھ سے اس مچھلی کی مڈ بھیڑ ہو گئی تو وہ مجھے کھا جائے گی۔ عبداللہ بری نے کہا ڈر نہیں جب وہ دیکھے گی کہ تو آدم زاد ہے تو ڈر کر بھاگ جائے گی۔ وہ جتنا آدم زاد سے ڈرتی ہے سمندر میں کسی سے نہیں ڈرتی کیونکہ اگر اس نے کسی آدم زاد کو کھا لیا تو فوراً مر جائے گی۔ ہم اس کی چربی اسی طرح محض انسانوں کے ذریعے جمع کرتے ہیں جب کبھی وہ سمندر میں گر کر ڈوب جاتا ہے تو اس کی شکل صورت بدل جاتی ہے گوشت پھٹ جاتا ہے' وندان اسے دریائی جانور سمجھ کر کھا لیتی ہے اور مر جاتی ہے پھر ہم اس کی کلیجی کی چربی اتار لیتے ہیں اسے اپنے بدن پر ملتے ہیں اور سمندر میں چلتے پھرتے ہیں اگر کسی جگہ سو دو سو بلکہ ہزار یا اس سے بھی زیادہ اس کی قسم مچھلیاں ہوں اور صرف آدم کی آواز سن لیں تو سب کی سب مر جائیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو پینتالیسویں رات

نو سو پینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ آدم زاد کی آواز سن کر وہ اسی جگہ مر کر رہ جاتی ہیں۔ عبداللہ بری نے کہا میں اللہ پر بھروسا کرتا ہوں کہہ کر اپنے کپڑے اتار سمندر کے کنارے ایک گڑھا کھود کر اس میں گاڑ دیئے سر سے پاؤں تک چربی مل لی اور پانی میں غوطہ مار کر آنکھیں کھول دیں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا وہ ادھر ادھر چلنے پھرنے لگا' کبھی پانی کے اوپر آ جاتا اور کبھی تہہ میں پہنچ جاتا۔ عبداللہ بحری نے پوچھا بھائی! تجھے کیا دکھائی دیتا ہے؟ اس نے جواب دیا بھائی! تو نے سچ کہا تھا کہ پانی سے مجھے بالکل نقصان نہیں پہنچے گا۔ بحری بولا میرے پیچھے پیچھے چلا آ۔ دائیں بائیں اور آگے پیچھے پانی کے پہاڑ ہی پہاڑ دکھائی دیتے تھے۔ بری ان کی سیر اور مچھلیوں کا تماشا دیکھتا جاتا تھا کہ وہ پانی میں کس طرح کھیل رہی ہیں۔ بعض بڑی ہیں بعض چھوٹی بعض بھینسوں کی طرح بعض گایوں کی طرح بعض کتوں کی طرح بعض آدمیوں کی طرح جن کے پاس یہ دونوں پہنچتے وہ بھاگ جاتیں۔

بری نے کہا بھائی! یہ کیا بات ہے کہ جب ہم ان کے پاس پہنچتے ہیں تو وہ بھاگ جاتی ہیں؟اس نے جواب دیا تیرے ڈر کے مارے کیونکہ ساری مخلوقات آدم زاد سے ڈرتی ہے۔

عبداللہ بری سمندر کے عجائبات کی برابر سیر کرتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک بہت بلند پہاڑ کے پاس پہنچا اور عبداللہ بری اس کے دامن میں چل ہی رہا تھا کہ اسے ایک بڑے زور کی آواز سنائی اور دیکھا کہ کوئی کالی سی چیز پہاڑ پر سے اس کے اوپر چلی آ رہی ہے۔ اونٹ یا اس سے بھی بڑی اور شور مچا رہی ہے۔ بری نے کہا بھائی! یہ کیا ہے؟ بحری بولا' یہی وندان ہے اور وہ مجھے دیکھ کر اتری ہے کہ کھا جائے۔ بھائی! زور سے چیخ ورنہ وہ میرے پاس پہنچ کر مجھے کھا جائے گی۔ عبداللہ بری چیخا اور وہ مر کر گر

پڑی۔ بری کہنے لگا پاک ہے خدا اور شکر بجا لاتا ہوں میں اس کا' کہ نہ میں نے اس پر تلوار چلائی نہ چھری اور اتنے بڑے ڈیل ڈول والا جانور محض میری چیخ کی تاب نہ لا سکا اور مر گیا۔ عبداللہ بحری نے کہا بھائی! تعجب نہ کر اگر ایسی ایسی ہزار دو ہزار بھی ہوتیں تو آدم زاد کی ایک چیخ کی تاب نہ لا سکتیں۔ اس کے بعد وہ ایک شہر میں پہنچے جہاں لڑکیاں ہی لڑکیاں رہتی تھیں ان میں کوئی مرد نہ تھا۔ بری نے پوچھا بھائی! یہ کیا شہر ہے اور یہ لڑکیاں کون ہیں؟ اس نے جواب دیا اس کا نام مدینہ البنات ہے دریائی لڑکیاں یہاں رہتی ہیں۔ بری نے کہا' بغیر مردوں کے وہ کس طرح حاملہ ہوتی اور بچے جنتی ہیں؟ اس نے جواب دیا سمندر کا بادشاہ انہیں جلا وطن کر کے یہاں بھیج دیتا ہے اور وہ نہ حاملہ ہوتی ہیں نہ بچے جنتی ہیں جس کسی دریائی لڑکی پر بادشاہ خفا ہوتا ہے وہ اس شہر میں بھیج دیتا ہے یہاں سے وہ نکل نہیں سکتیں اور اگر کوئی نکل کر چلی جاتی ہے تو جو دریائی جانور اسے دیکھ لیتا ہے کھا جاتا ہے۔ باقی شہروں میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی۔ بری بولا' تمہارا کوئی بادشاہ بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں! بری بولا تمہارے ہاں سمندر میں بڑی بڑی عجیب چیزیں ہیں۔ اس نے جواب دیا تو نے یہ مثل نہیں سنی کہ سمندر کے عجائبات خشکی کے عجائبات سے زیادہ ہیں۔ بری بولا تو سچ کہتا ہے۔

اب بری ان لڑکیوں کا تماشا دیکھنے لگا اس نے دیکھا کہ ان کے چہرے چاند کے سے ہیں اور بال عورتوں کے سے لیکن ان کے ہاتھ پاؤں پیٹ میں لگے ہوئے ہیں اور مچھلیوں کی طرح ان کی دمیں ہیں۔ وہاں سے نکل کر وہ دوسرے شہر میں پہنچے۔ دیکھا کہ وہ مردوں اور عورتوں سے پر ہے۔ سب کے چہرے عورتوں کے سے ہیں اور ان کی دمیں ہیں لیکن خشکی کی طرح ان کے ہاں خرید و فروخت نہیں۔ وہ کپڑے نہیں پہنتے۔ سب ننگے ہیں' شرم گاہیں تک کھلی ہوئیں۔ یہ دیکھ کر بری بولا' بھائی! یہاں تو مردوں اور عورتوں سب کی شرمگاہیں کھلی ہوئی ہیں۔ اس نے جواب دیا سمندر کے باشندوں کے پاس کپڑے کہاں سے آئے؟ بری نے پوچھا یہاں شادی بیاہ کس طرح ہوتا ہے؟ اس

نے کہا یہ شادی بیاہ نہیں کرتے بلکہ جب کسی مرد کو کوئی لڑکی پسند آتی ہے تو اس سے اپنی حاجت پوری کر لیتا ہے۔ بری بولا یہ تو حرام ہے اور خدا اور رسول کی مرضی کے خلاف۔ اس نے کہا ہم سب ایک دین کے پیرو نہیں۔ ہم میں مسلمان موحدین بھی ہیں' عیسائی اور یہودی وغیرہ بھی۔ شادی بیاہ جو خصوصاً مسلمانوں کے ہاں ہوتا ہے۔ بری نے کہا کہ تمہارے ہاں خرید و فروخت نہیں ہوتی پھر اپنی عورتوں کا مہر کیونکر ادا کرتے ہو؟ کیا تم انہیں ہیرے جواہرات دیتے ہو؟ اس نے جواب دیا یہاں جواہرات تو کنکر پتھر کی طرح ہیں۔ ہمارے ہاں ان کی کوئی قیمت نہیں اگر کوئی مرد شادی کرنا چاہتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ ایک مقرر تعداد مثلاً ہزار دو ہزار یا کم و بیش مچھلیاں شکار کر کے لائے اور جب وہ لے آتا ہے تو دولہا اور دلہن والے اکٹھا ہو کر ولیمہ کھاتے ہیں اور اسے اس کی بیوی سے ہم بستر کرا دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ مچھلیاں پکڑ پکڑ کر بیوی کو کھلاتا ہے اور اگر وہ اس کے قابل نہیں بیوی مچھلیاں پکڑ پکڑ کر اسے کھلاتی ہے۔

عبداللہ بری نے کہا اگر کوئی مرد کسی عورت سے زنا کرے تو کیا ہوتا ہے؟ اس نے کہا اگر یہ ثابت ہو جائے تو عورت کو شہر بدر کر دیتے ہیں۔ اگر لڑکی پیدا ہو تو اسے ماں کے ساتھ شہر بدر کر دیتے ہیں اس کو زانیہ کی بیٹی زانیہ کہہ کر پکارتے ہیں اور مرتے دم تک وہ کنواری رہتی ہے اور اگر لڑکا پیدا ہو تو لوگ اسے بادشاہ کے پاس لے جاتے ہیں اور وہ اسے قتل کر دیتا ہے۔ اس پر عبداللہ بری کو بڑا اچنبھا ہوا پھر وہ وہاں سے چل دیئے اور تقریباً دوسرے اسی شہروں کی سیر کی دیکھا کہ ایک شہر کے باشندے دوسرے شہر کے باشندوں سے مشابہت نہیں رکھتے۔ اب اس نے کہا بھائی! کیا سمندر میں اور شہر باقی رہ گئے ہیں؟ بحری نے جواب دیا ابھی تو نے سمندر کے شہروں اور ان کے عجائبات کو دیکھا ہی کیا ہے۔ قسم ہے بزرگ اور مہربان نبی کی اگر میں ایک ہزار سال تک تجھے سیر کراتا رہوں تو ہر روز ایک ہزار شہر دیکھتا رہے اور میں تجھے ہر شہر میں ایک ہزار عجائبات دکھاتا رہوں تو پھر بھی چوبیس قیراط میں سے ایک قیراط

نہ دیکھ سکے گا۔ ابھی تک تو میں نے تجھے اپنے ہی شہر اور اپنا ہی ملک دکھایا ہے۔ بری نے کہا' بھائی! اگر یہ بات ہے تو جو کچھ میں نے دیکھا ہے اس پر بس کر میں مچھلیاں کھاتے کھاتے تھک گیا ہوں۔ میں اسی دن سے تیرے ساتھ ہوں اور تو صبح شام سوائے کچی مچھلیوں کے کچھ نہیں کھلاتا نہ تل کر نہ پکا کر۔

عبداللہ بحری نے کہا تلنا اور پکانا کیا ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا ہم مچھلیوں کو آگ پر تلتے اور پکاتے ہیں۔ بحری بولا: ہم آگ کہاں سے لائیں؟ اس لیے نہ ہم تلنا جانتے ہیں نہ پکانا۔ بری بولا ہم انہیں زیتون اور تل کے تیل میں تلتے ہیں۔ بحری نے کہا ہمارے پاس زیتون اور تل کا تیل کہاں سے آیا؟ ہم وہ تمام چیزیں نہیں جانتے جن کا تو نے ذکر کیا ہے۔ بری بولا تو سچ کہتا ہے لیکن بھائی! تو نے بہتیرے شہر دکھا ڈالے اور اپنا شہر نہ دکھایا۔ اس نے کہا ہم اپنے شہر سے بہت دور آ گئے ہیں وہ اس خشکی کے قریب ہے جہاں سے ہم چلے ہیں۔میں اسے چھوڑ کر اس لیے آگے بڑھ آیا ہوں کہ تجھے سمندر کے شہروں کی سیر کراؤں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے شہر کی طرف لوٹا اور وہاں پہنچ کر کہا یہ ہے میرا شہر۔ بری نے کہا کہ وہ تمام شہروں سے چھوٹا ہے اب وہ بحری کے ساتھ شہر کے اندر گیا' دونوں چلتے چلتے ایک غار میں پہنچے۔ بحری بولا یہ میرا گھر ہے اور اس شہر کے تمام گھر اسی طرح کے چھوٹے بڑے غار ہیں بلکہ تمام شہروں میں یہی حالت ہے اگر کوئی شخص گھر بنانا چاہتا ہے تو بادشاہ کے پاس جا کر کہتا ہے کہ میں فلاں جگہ اپنا گھر بنانا چاہتا ہوں۔ بادشاہ اس کے ساتھ ایک قسم کی مچھلیاں کر دیتا جنہیں نقار کہتے ہیں اور مچھلیوں کی ایک مقدار کرایہ مقرر کر دیتا ہے۔ نقاروں کی چونچیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ سخت سے سخت پتھر کو بھی توڑ دیتی ہیں اور اس پہاڑ میں جا کر جہاں وہ شخص گھر بنانا چاہتا ہے اور پہاڑ کھود کر گھر بنا دیتی ہیں جب تک غار بن کر تیار نہیں ہو جاتا گھر بنانے والا ان کے لیے مچھلیاں پکڑ کر لاتا اور انہیں کھلاتا ہے اس کے بعد وہ واپس چلی جاتی ہیں اور گھر والا اس غار میں رہنے لگتا ہے۔

تمام سمندر والوں کا یہی حال ہے۔ مچھلیوں ہی سے وہ لین دین ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں اور وہ خود بھی مچھلیاں ہی ہیں۔ غار کے اندر گئے تو عبداللہ بحری نے اپنی بیٹی کو آواز دی اور وہ آئی تو بری نے دیکھا اس کا چہرہ چاند کی طرح گول بال لمبے لمبے' کولہے بھاری' آنکھیں سرمئی اور کمر پتلی ہے لیکن ننگی ہے اور اس کے دم ہے۔ جوں ہی اس کی نظر عبداللہ بری پر پڑی اپنے باپ سے کہنے لگی ابا! یہ کون دم کٹا ہے جسے تو اپنے ساتھ لے آیا؟ باپ بولا بیٹی! یہ وہی میرا خشکی والا دوست ہے جس کے پاس سے میں تیرے لیے خشکی کے میوے لایا کرتا ہوں' آگے بڑھ کر اسے سلام کر۔ لڑکی نے آگے بڑھ کر نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں سلام کیا۔ باپ نے کہا ہمارے مہمان کے لیے کھانا لا وہ اپنے قدموں سے ہمارے ہاں برکت لایا ہے۔ لڑکی جا کر دو مچھلیاں لے آئی جن میں سے ہر ایک بکری کے بچے کے برابر تھی اور بری نے انہیں زبردستی نگلا کیونکہ وہ مچھلیاں کھاتے کھاتے تنگ آ گیا تھا اور ان کے پاس سوائے مچھلیوں کے اور کچھ نہ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد عبداللہ بحری کی بیوی آئی وہ خوبصورت تھی اس کے ساتھ دو لڑکے تھے جن کے ہاتھ میں ایک مچھلی تھی اور ان پر اس طرح منہ مار رہے تھے جیسے کھیروں پر۔ عورت نے عبداللہ بری کو اپنے شوہر کے ساتھ دیکھا تو کہنے لگی یہ دم کٹا کون ہے؟ دونوں لڑکے' ان کی بہن اور ماں عبداللہ بری کی پیٹھ کی طرف دیکھتے اور کہتے خدا کی قسم یہ تو دم کٹا ہے اور اس پر ہنستے۔ عبداللہ بری نے کہا بھائی! کیا تو مجھے اس لیے لایا ہے کہ تیرے بیوی بچے میرا مذاق اڑائیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

نو سو چھیالیسویں رات

نو سو چھیالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ عبداللہ بری نے کہا بھائی! کیا تو مجھے اس لیے لایا ہے کہ تیرے بیوی بچے میرا مذاق اڑائیں؟ بحری بولا بھائی! معاف کر ہمارے کوئی ایسی مخلوق نہیں جس کے دم نہ ہو اس لیے اگر کوئی بے دم والا کہیں سے آ جاتا ہے تو بادشاہ اس کا مذاق اڑانے کے لیے جاتا ہے لیکن بھائی! ان بچوں اور عورت کا برا نہ مان' ان کی سمجھ کم ہوتی ہے۔ اس کے بعد عبداللہ بحری نے اپنے بیوی بچوں کو ڈانٹ کر کہا چپ ہو اور وہ مارے ڈر کے چپ ہو گئے۔ دونوں باتیں کر ہی رہے تھے کہ دس موٹے تازے مسٹنڈے جوان آ پہنچے اور کہنے لگے عبداللہ! بادشا کو خبر ملی ہے کہ تیرے ہاں خشکی کے دم کٹوں میں سے ایک دم کٹا ہے۔ اس نے کہا ہاں! اور وہ یہی میرا دوست میرا مہمان ہے اور اب میں سے خشکی پر واپس بھیجنے والا ہوں۔ انہوں نے کہا ہم بغیر اسے لیے واپس نہیں جا سکتے اگر تجھے کچھ کہنا ہے تو اسے لے کر خود بادشاہ کے پاس چل اور جو کچھ کہنا چاہتا ہے بادشاہ سے کہہ۔ عبداللہ بحری نے عبداللہ بری سے کہا بھائی! ہم بادشاہ کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ بادشاہ کے پاس چل خدا نے چاہا تو ہم جلد لوٹ آئیں گے ڈر نہیں' وہ تجھے دیکھتے ہی سمجھ جائے گا کہ تو خشکی والوں میں سے ہے۔ تیری عزت کرے گا اور خشکی پر لوٹا دے گا۔ عبداللہ بری بولا جیسی تیری مرضی۔ میں خدا پر بھروسا کر کے تیرے ساتھ چلتا ہوں۔ بحری اسے لے کر بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ اس کو دیکھ کر ہنسنے لگا اور کہا دم کٹے۔ مرحبا! اس کے آس پاس جتنے لوگ تھے سب اس پر ہنستے اور کہتے خدا کی قسم یہ دم کٹا ہے۔ عبداللہ بحری نے آگے بڑھ کر بادشاہ سے بری کا سارا ماجرا بیان کیا اور کہا یہ خشکی والا اور میرا دوست ہے مگر ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتا کیونکہ وہ مچھلیاں صرف تل کر یا پکا کر کھا سکتا ہے اس لیے تو مجھے اجازت دے کہ میں اسے خشکی پر پہنچا

دوں۔ بادشاہ نے کہا اگر یہ بات ہے اور وہ ہمارے ہاں نہیں رہ سکتا تو میں تجھے اجازت دیتا ہوں کہ اس کی دعوت کرنے کے بعد اسے اس گھر واپس کر آ۔ اس کے لیے طرح طرح کی مچھلیاں لائی گئیں۔ اور اس نے وہ محض بادشاہ کو حکم کی وجہ سے انہیں کھایا۔ اس کے بعد بادشاہ نے کہا مانگ کیا مانگتا ہے؟ عبداللہ بری نے کہا میں جواہرات مانگتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا اسے جواہرات کے خزانے میں لے جاؤ اور جس قدر چاہتا ہے وہاں سے چن لے۔ عبداللہ بحری اسے ایک شہر میں لے گیا اور ایک تھیلی دے کر کہا یہی وہ ہدیہ ہے جسے نبی کی قبر پر پہنچانا ہے۔ اس نے تھیلی لے لی لیکن اسے یہ نہ معلوم ہوا کہ اس میں کیا ہے۔ اب وہ خشکی کی طرف چل دیئے۔ انہوں نے راہ میں دیکھا کہ گانا ہو رہا ہے اور جشن منایا جا رہا ہے‘ دسترخوان پر مچھلیاں لگی ہوئی ہیں‘ لوگ کھاتے اور گاتے جاتے ہیں اور مگن ہیں۔ عبداللہ بری نے عبداللہ بحری سے پوچھا یہ لوگ کیا خوشی منا رہے ہیں؟ کیا کوئی شادی بیاہ ہے؟ عبداللہ بحری نے جواب دیا شادی بیاہ تو نہیں بلکہ کوئی مر گیا ہے۔ بری بولا جب کوئی تمہارے ہاں مر جاتا ہے تم کیا خوشی مناتے‘ گاتے اور دعوتیں کھاتے ہو؟ اس نے جواب دیا ہاں اور تم خشکی والے کیا کرتے ہو؟ بری نے کہا ہم اپنے مردے پر افسوس کرتے‘ روتے‘ عورتیں اپنا منہ پیٹتی اور گریبان چاک کرتی ہے۔

یہ سن کر عبداللہ بحری‘ عبداللہ بری کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا اور کہا‘ میری امانت لا۔ اس نے امانت دے دی اور بحری نے اسے خشکی پر اتار کر کہا اب ہماری صحبت اور محبت کا خاتمہ ہو گیا۔ آج کے بعد نہ تو مجھے دیکھے گا نہ میں تجھے۔ بری نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ تم خشکی والے بھی خدا کی امانت نہیں ہو؟ بری بولا کیوں نہیں؟ اس نے کہا پھر تم پر یہ کیوں گراں گزرتا ہے کہ خدا اپنی امانت لے لے اور تم اس پر کیوں روتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت تجھے کیونکر سپرد کر سکتا ہوں۔ جب تمہارے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو تم خوش ہوتے ہو حالانکہ

خدا اس میں روح کو بطور امانت کے رکھتا ہے پھر جب وہ روح کو لے لیتا ہے تو کیوں روتے اور افسوس کرتے ہو؟ ہمیں تم لوگوں کی دوستی کی بالکل حاجت نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اسے چھوڑ دیا اور سمندر میں چلا گیا۔ اب عبداللہ بری اپنے کپڑے پہن اور جواہرات لے بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ اسے دیکھ کر خوش ہو گیا' بڑے پرتپاک سے ملا اور کہنے گا داماد! خیریت تو ہے اتنی مدت تک کہاں غائب رہا؟ اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ سمندر کے عجائبات بیان کئے اور جو کچھ عبداللہ بحری نے اس سے کہا تھا بادشاہ سے دہرایا۔ بادشاہ نے کہا تو نے غلطی کی' اس سے یہ کہا اس کے بعد وہ مدت تک سمندر کے کنارے جایا اور عبداللہ بحری کو پکارا کیا۔ لیکن نہ وہ آیا نہ اس نے جواب دیا۔ عبداللہ بری اس سے بالکل نا امید ہو گیا' اپنے خسر بادشاہ اور دونوں خاندانوں کے ساتھ عیش و عشرت سے زندگی گزارنے لگا یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صبحتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو زندہ ہے اور کبھی مرتی نہیں۔ بادشاہت اسی کے ہاتھ میں ہے وہ ہر چیز پر قادر اور اپنے بندوں کے ہر حال سے واقف ہے۔

○ ہارون الرشید اور ابو الحسن عمانی کی کہانی

ایک رات ہارون الرشید کو بالکل نیند نہ آتی تھی۔ اس نے مسرور کو بلا کر کہا فوراً جعفر کو بلا لا۔ جعفر حاضر ہوا تو خلیفہ نے کہا آج رات مجھے نیند نہیں آتی نہ معلوم کیوں؟ اس نے کہا امیر المومنین! دانش مندوں کا قول ہے کہ آئینہ دیکھنے' حمام جانے اور گانا سننے سے غم غلط ہوتا ہے۔ خلیفہ بولا میں ان سب باتوں کا امتحان کر چکا ہوں ان سے ذرا بھی فائدہ نہیں ہوا۔ قسم ہے میرے پاک آباؤ اجداد کی اگر تو نے اس کے دور کرنے کی کوئی تدبیر نہ کی تو میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ جعفر نے کہا جو کچھ میں تجھ سے کہوں گا کرے گا؟ اس نے پوچھا کیا؟ جعفر بولا دجلے پر ایک بجرے میں

بیٹھ کر ایک جگہ چلیں جس کا نام قرن الصراط ہے ممکن ہے کہ ہم وہاں ایسی باتیں سنیں جو کبھی نہ سنی ہوں یا ایسی چیزیں دیکھیں جو کبھی نہ دیکھی ہوں۔ مثل ہے کہ تین چیزوں سے غم غلط ہوتا ہے۔ ایسی چیز دیکھنے سے جو کبھی نہ دیکھی ہو یا ایسی چیز سننے سے جو کبھی نہ سنی ہو یا ایسے ملک میں جانے سے جہاں کبھی نہ گیا ہو۔ شاید اس سے تیری پریشانی دور ہو جائے۔ رشید اٹھ کر کھڑا ہوا۔ جعفر اس کے بھائی فضل' اسحاق' ندیم' ابونواس' ابودلف اور سرور جلاد کو لے کر۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی

○○○

• نو سو سینتالیس ویں رات

نو سو سینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جعفر اور باقی لوگوں کو ساتھ لے کر توشہ خانہ میں گیا اور سب کے سب تاجروں کا بھیس بدل کر دجلے پر پہنچے اور ایک بجرے میں بیٹھ کر جس پر سونے کا کام تھا چل دیئے جب وہ اس جگہ پہنچے جہاں وہ جانے والے تھے ان کے کان میں ایک لڑکی کی آواز آئی جو ستار پر گا رہی تھی۔ اس کی آواز سن کر خلیفہ نے جعفر سے کہا کیسی پیاری آواز ہے؟ جعفر بولا اس سے زیادہ پیاری آواز آج تک میرے کان میں نہیں پڑی لیکن اے میرے آقا! دیوار کے اوٹ کا گانا آدھا گانا ہے۔ کاش ہم پردے کے پیچھے سنتے۔ خلیفہ نے کہا اے جعفر! چل ہم اس مکان والے کے مہمان بن جائیں۔ ممکن ہے کہ اس گانے والی کو آنکھ سے دیکھ لیں۔ وہ بجرے پر سے اتر پڑے اور اندر جانے کی اجازت مانگی۔ ایک خوش رو اور شیریں زبان نوجوان اندر سے نکلا اور کہا اے بزرگ مہر بانو! اہلاً و سہلاً اندر تشریف لاؤ اور وہ انہیں ساتھ لے کر اندر گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ مکان میں چاروں طرف کمرے ہیں چھت سنہری ہے' دیواروں پر لاجورد کے نقش و نگار ہیں ایک بارہ دری ہے جس پر خوبصورت پردہ پڑا ہوا ہے اس سے لگی ہوئی سو لڑکیاں بیٹھی ہیں جو چاندی سی حسین ہیں۔ گھر والے نے انہیں آواز دی وہ اپنے اپنے تخت پر اتر کر آ گئیں۔ اب اس نے جعفر کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے میرے آقا! مجھے معلوم نہیں کہ تم بزرگوں میں کون سب سے بڑا ہے۔ بسم اللہ! جو تم لوگوں میں سے سب سے بڑا ہے صدر میں بیٹھے اور اپنے بھائیوں کو درجہ بدرجہ بٹھائے۔ ہر شخص اپنے اپنے مرتبے کے مطابق بیٹھ گیا اور مسرور ان کے آگے خدمت کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد مکان والے نے کہا' اے مہمانو! اگر اجازت ہو تو تم لوگوں کے

لیے کچھ کھانا حاضر کروں؟ انہوں نے کہا' بہت خوب! اس نے کنیزوں کو حکم دیا کہ کھانا لائیں۔ چار کنیزیں کمر باندھ کر دستر خوان لائیں جن پر طرح طرح کے کھانے اور حاشئے پر موقع کے مناسب اشعار لکھے ہوئے تھے۔ جب وہ کھانا کھا کر ہاتھ دھو چکے تو جوان نے کہا اے میرے آقا! اگر کوئی اور خواہش ہو تو کہو تاکہ میں اسے پورا کر کے شرف حاصل کروں۔ انہوں نے کہا ہم محض اس آواز کو سن کر آئے ہیں جو تیرے گھر کے اندر سے آئی تھی۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسے سنیں اور اس آواز والی کو دیکھیں اگر تو ہم پر یہ مہربانی کرتے تو تیری بڑی عنایت ہو گی۔ پھر ہم جہاں سے آئے ہیں چلے جائیں گے۔ جوان نے کہا سر آنکھوں سے ایک اور حبشی کنیز کی طرف مخاطب ہو کر کہا اپنی فلاں آقا کو بلا لا۔ کنیز نے پہلے ایک کرسی لا کر رکھی' پھر جا کر ایک لڑکی کو لے آئی جو چودھویں رات کے چاند کی طرح تھی۔ جب وہ کرسی پر بیٹھ گئی تو حبشی کنیز نے اسے اطلس کا ایک تھیلا دیا۔ اس نے اس میں سے ایک ستار نکالا جس میں ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے اور اس کی کھونٹیاں سونے کی تھیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• نو سو اڑتالیس ویں رات

نو سو اڑتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی نے ستار لے کر اس کے تار کسے' اسے اپنے سینے سے لگا کر اس پر اس طرح جھکی جیسے ماں اپنے بچے پر اور گانے بجانے لگی۔ گانے سے فارغ ہو کر اتنا روئی اور تمام گھر والے بھی اس کے ساتھ اتنا روئے پیٹے کے قریب تھا کہ سب کہ سب مر جائیں۔ رشید نے کہا اس لڑکی کے گانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فراق زدہ عاشق ہے۔ اس کے آقا نے کہا اس کے ماں باپ مر گئے ہیں۔ رشید بولا یہ رونا پیٹنا اس شخص کا نہیں ہے جس کے ماں باپ مر گئے ہوں بلکہ اس کا جو اپنے محبوب سے جدا ہو گیا ہو اور اسحاق کی طرف مخاطب ہو کر کہا واللہ اس جیسا میری نظر سے نہیں گزرا۔ رشید برابر مکان کے مالک کی طرف دیکھتا ہے اور اس کے حسن و جمال پر غور کرتا جاتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا چہرہ زرد ہے اور اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے جوان! تو جانتا ہے کہ ہم کون لوگ ہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ جعفر بولا میں تیرا تعارف کرائے دیتا ہوں' یہ تو امیر المومنین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچیرا بھائی ہے۔ یہ فلاں اور یہ فلاں۔ امیر المومنین نے کہا یہ تو بتا کہ تیرا چہرہ زرد کیوں ہے۔ آیا یہ پیدائشی ہے یا بعد میں ایسا ہو گیا؟ اس نے کہا اے امیر المومنین میرا قصہ ایسا عجیب و غریب ہے کہ اگر سوئی سے آنکھ کے کویوں پر لکھا جائے تو لوگ اس سے عبرت پکڑیں گے۔ خلیفہ بولا ہمیں سنا۔ ممکن ہے کہ میرے ہاتھ سے تجھے شفا پہنچے۔ تو نے مجھے اس کے سننے کا مشتاق بنا دیا ہے۔ جوان نے کہنا شروع کیا کہ میں بحری تاجر ہوں اور عمان کا رہنے والا' میرا باپ بھی بڑا مال دار تاجر تھا اس کے تیس جہاز سمندر میں چلتے تھے جن کی آمدنی تیس ہزار دینار سالانہ تھی۔ اس نے مجھے لکھنا پڑھنا اور تمام ضرور باتیں سکھائیں۔ جب وہ مرنے کے قریب ہوا تو اس نے مجھے دستور کے موافق وصیت

کی۔ اس کے بعد خدا نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ خدا امیر المومنین کو سلامت رکھے۔
ایک دن کا واقعہ ہے کہ جب میں بعض تاجروں کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھا تھا۔ میرے ایک غلام نے آ کر کہا دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے جو تجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے بلا لیا۔ وہ اندر آیا تو اس کے سر پر ایک ڈھنکا ہوا خوان تھا۔ میرے سامنے رکھ کر اس نے کھولا تو اس کے اندر بے فصل کے پھل تھے بعض خشک نمکین اور بعض تازے۔ جو ہمارے ملک میں پیدا نہیں ہوتے تھے۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اسے ایک سو دینار دیئے وہ شکر بجا لایا اور چلا گیا۔ انہیں میں نے اپنے دوستوں میں تقسیم کر دیا جو اس وقت وہاں موجود تھے اور ان سے پوچھا کہ یہ پھل کہاں کے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا' بصرے کے ------ اور اس کی بڑی تعریف کی۔ بصرے کی تعریف کرتے کرتے وہ بغداد کی تعریف کرنے لگے اور سب نے متفقہ بیان کیا کہ بغداد سے اچھا دنیا میں کوئی شہر نہیں۔ یہ سن کر بغداد کے دیکھنے کا مشتاق ہو گیا' اپنی تمام جائیدادیں اور املاک فروخت کر دی' ایک لاکھ دینار میں جہاز بیچ ڈالے' اسی طرح غلام اور باندیاں بھی اور دس لاکھ دینار جمع کیے۔ ان کے علاوہ بہت سے ہیرے جواہرات تھے۔ اب میں نے ایک جہاز کرائے پر لیا اس میں اپنا سارا مال و متاع بھر کر بصرے پہنچا وہاں کچھ دن ٹھہرنے کے بعد ایک دوسرا جہاز کرائے پر لیا اور بغداد آیا یہاں آ کر میں نے پوچھا کہ تاجر لوگ کہاں رہتے ہیں؟ اور بہترین رہنے کی جگہ کون سی ہے؟ لوگوں نے بتایا کرخ میں۔ کرخ میں آ کر درب الزعفران میں ایک مکان کرائے پر لیا اور رہنے لگا۔ ایک روز جیب میں کچھ دام رکھ کر میں سیر کرنے نکلا۔ یہ جمعے کا دن تھا' پہلے تو میں ایک جامع مسجد گیا جس کا نام جامع منصور ہے جہاں جمعے کی نماز ہوا کرتی ہے' نماز پڑھ کر میں لوگوں کے ساتھ ایک جگہ گیا جس کا نام قران الصراط ہے۔ وہاں میں نے ایک بلند اور خوب صورت مکان دیکھا جس کی کھڑکیاں دریا کی طرف کھلتی تھی۔ اور اس میں جھروکا تھا۔ جب میں لوگوں کے ساتھ اندر گیا تو دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص عمدہ کپڑے پہنے بیٹھا ہوا ہے جن سے عطر کی خوشبو آ رہی ہے' اس کی داڑھی لمبی

اور سینے پر آ کر دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ اس کے آس پاس چار کنیزیں اور پانچ غلام ہیں۔ میں نے ایک ساتھی سے پوچھا اس بوڑھے کا کیا نام اور کیا پیشہ ہے؟ اس نے جواب دیا یہ طاہرین علا ہے اور یہ اس کی لڑکیاں ہیں۔ جو کوئی یہاں آتا ہے کھاتا پیتا ہے اور خوبصورت لڑکیوں کو دیکھتا ہے۔ میں نے کہا واللہ ایک مدت سے میں اسی کی تلاش میں تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو انچاسویں رات

نو سو انچاس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جوان نے کہا واللہ میں ایک مدت سے اسی کی تلاش میں تھا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا اے امیر المومنین! میں نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور کہا اے میرے آقا! مجھے تجھ سے کچھ ضرورت ہے۔ اس نے پوچھا کیا ضرورت ہے؟ میں نے کہا میں آج رات تیرا مہمان ہونا چاہتا ہوں۔ وہ بولا سر آنکھوں پر۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ بیٹا! میرے پاس بہت سی لڑکیاں ہیں' بعض دس دینار رات والی بعض بیس دینار رات والی' بعض اس سے بھی زیادہ۔ ان میں سے جنہیں تیرا جی چاہے پسند کر لے۔ میں نے کہا دس دینار رات والی اور ایک مہینے کے تین سو دینار تول کر اسے دے دیئے۔ اس نے مجھے ایک غلام کے ساتھ کر دیا جو مجھے لے کر اسی محل کے ایک حمام میں گیا اور اچھی طرح میری خدمت کی پھر وہ مجھے وہاں سے باہر لایا اور ایک کمرے کا دروازہ کھڑکھڑایا۔ کمرے سے ایک لڑکی نکلی۔ غلام نے کہا لے یہ تیرا مہمان ہے۔ اس نے ایسی خندہ پیشانی سے میرا خیر مقدم کیا کہ میں مرمر گیا۔ میں نے دیکھا کہ یہ لڑکی چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے' اس کی خدمت میں دو اور کنیزیں ہیں جو تاروں کی طرح ہیں۔ اب اس نے مجھے بٹھایا خود میرے پہلو میں بیٹھ گئی اور کنیزوں سے کہا دسترخوان لگاؤ جب دسترخوان لگایا گیا تو اس پر طرح طرح کے کھانے تھے۔ ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھایا' ایسا لذیز کھانا میں نے عمر بھر نہ کھایا تھا۔ جب ہم کھا چکے تو دسترخوان بڑھایا گیا۔ شراب' عطر' حلوے اور میوے لائے گئے اس طرح سے میں ایک مہینہ تک اس کے ساتھ رہا جب مہینہ ختم ہو گیا تو میں حمام کر کے بوڑھے کے پاس گیا اور کہا اے میرے آقا' اب میں اسے چاہتا ہوں جو بیس دینار رات والی ہے۔ اس نے کہا تول دینار۔ میں جا کر دینار لے آیا چھ سو دینار تول کر اسے دے دیئے اور غلام مجھے دوسری لڑکی کے پاس لے گیا جس کی خدمت میں چار کنیزیں تھیں۔ جب ہم کھا پی چکے تو اس نے ستار

لے کر گانا بجانا شروع کیا۔ اس لڑکی کے ساتھ ایک مہینے تک رہنے کے بعد میں نے بوڑھے کے پاس جا کر کہا اب میں چالیس دینار رات والی چاہتا ہوں اور اسے ایک مہینے کے دام ایک ہزار دو سو دینار تول کر دے دیئے اور ایک مہینہ اس کے ساتھ رہا' لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دن رہا ہوں۔ جب میں وہاں سے بوڑھے کے پاس گیا تو شام کے وقت مجھے بڑا شور غل سنائی دیا۔ میں نے اس کا سبب پوچھا بوڑھے نے کہا ہمارے ہاں آج کی رات سب لوگ سیرو تفریح کرتے ہیں اگر تیرا جی چاہے تو بھی چھت پر چڑھ کر تماشا دیکھ۔ میں چھت پر چڑھ گیا۔ دیکھا کہ وہاں ایک خوبصورت پردہ پڑا ہوا ہے اور اس کے پیچھے ایک لڑکی بیٹھی ہے جس کا حسن و جمال اور قد و قامت دیکھ کر انسان دنگ ہو جائے اس کے پہلو میں ایک جوان ہے جو لڑکی کے گلے میں ہاتھ ڈالے اسے بوسے دے رہا ہے اور وہ اسے بوسے دے رہی ہے۔ اے امیر المومنین اس کا حسن دیکھ کر میرے ہاتھ سے دل جاتا رہا۔ چھت سے اتر کر میں نے اس لڑکی سے پوچھا جس کا میں مہمان تھا کہ یہ کون ہے؟ اس نے کہا تجھے اس سے کیا غرض؟ میں نے کہا واللہ میں اس پر فریفتہ ہو گیا ہوں۔ وہ بولی اگر تو اس سے کوئی غرض رکھتا ہے تو سن۔ وہ طاہر بن علا کی بیٹی ہماری آقا ہے اور ہم سب اس کی کنیزیں ہیں۔ اے ابو الحسن! تجھے معلوم ہے کہ ایک دن رات کی اس کی اجرت کیا ہے؟ پانچ سو دینار۔ کتنے امیرزادوں کے دل میں اس کی حسرت ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا واللہ میں اپنا سارا مال اس لڑکی پر نثار کر دوں گا۔ رات بھر میں اس کی محبت میں تڑپتا رہا' صبح ہوئی تو میں حمام گیا اور شاہانہ لباس پہن کر اس کے باپ کے پاس پہنچا اور کہا اے میرے آقا! اب میں وہ لڑکی چاہتا ہوں جو فی رات پانچ سو دینار کی ہے اور میں نے ایک مہینے کے دام پندرہ ہزار دینار تول کر دے دیئے۔ اس نے دینار لے کر غلام کو اشارہ کیا کہ اسے فلاں لڑکی کے پاس لے کر جائیے۔ میں اس لڑکی کے پاس پہنچا تو اے امیر المومنین! اس کو دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ وہ ایسی تھی جیسے چودھویں رات کا چاند۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو پچاسویں رات

نو سو پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جوان نے کہا کہ اسے دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ میں نے اسے سلام کیا' اس نے کہا اہلاً و سہلاً و مرحبا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ میں اس کے عشق میں اتنا گرفتار ہو گیا کہ جدائی کو یاد کر کے رونے لگا۔ وہ پیاری پیاری باتیں کر کے میرا دل بہلانے لگی۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ کھانا لاؤ' چار باکرہ اور ابھرے ہوئے سینے والی کنیزوں نے کھانا' میوے' عطر اور ایسی ایسی شرابیں ہمارے آگے رکھیں جو بادشاہوں کے قابل تھیں۔ اے امیر المومنین! ہم نے کھایا اور پھر شراب سے بیٹھ گئے۔ پھر اے امیر المومنین! ایک کنیز ایک ریشمی تھیلا لائی۔ لڑکی نے اس میں سے ایک ستار نکال کر تار ٹھیک ٹھاک کئے اور گانے بجانے لگی۔ اے امیر المومنین! ایک بڑی مدت تک اسی طرح اس کے پاس رہا یہاں تک کہ میرا سارا مال ختم ہو گیا اور میں اس کی جدائی کے خیال سے اتنا رویا کہ آنسو میرے رخساروں پر چشمے کی طرح بہنے لگے اور مجھے یہ نہ معلوم ہوا کہ دن ہے یا رات۔ اس نے پوچھا تو کیوں رو رہا ہے؟ میں نے کہ اے میری آقا! جب سے میں تیرے پاس آیا ہوں تیرا باپ مجھ سے ہر رات کے پانچ سو دینار لیتا ہے اور اب میری جیب میں کچھ نہیں رہا۔ اس نے کہا میرے باپ کا یہ دستور ہے کہ جب کوئی تاجر اس کے پاس آتا ہے اور اس کے دام جب ختم ہو جاتے ہیں تو وہ تین دن تک اسے کھلاتا پلاتا اس کے بعد نکال باہر کرتا ہے لیکن اپنا راز کسی سے نہ کہہ۔ میں ایک ترکیب کرتی ہوں جس سے جب تک خدا کو منظور ہو ہم ساتھ رہیں گے کیونکہ میں بھی تجھ پر دل سے فریفتہ ہوں۔ سن! میرے باپ کا سارا مال میرے پاس رہتا ہے اور اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کس قدر ہے۔ میں ہر روز تجھے پانچ سو دینار کی ایک تھیلی دیا کروں گا تو میرے باپ کو کہہ دیا کیجیو

کہ اب میں ایک ایک دن کے دام دیا کروں گا۔ جب تو اسے دے گا تو وہ میرے حوالے کر دیا کرے گا اور وہی پھر تجھے دیا کروں گی اس طرح سے جب تک خدا کو منظور ہے ہم ساتھ رہیں گے۔ اے امیر المومنین! میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس کا ہاتھ چوما اور اس طرح ایک سال اور اس کے ساتھ رہا۔
ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ لڑکی نے کسی وجہ سے اپنی باندی کو بہت مارا' باندی بولی جس طرح تو نے مجھے تکلیف دی ہے میں بھی تیرا دل جلاؤں گی اور جا کر اس کے باپ سے ہمارا کچا چٹھا شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ سنتے ہی طاہر بن علا دوڑا ہوا میرے پاس آیا دیکھا کہ میں اس کی بیٹی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں۔ کہنے لگا اے فلاں! میں نے جواب دیا حاضر ہوں۔ اس نے کہا ہمارا دستور یہ ہے کہ جب ہمارے ہاں کوئی تاجر آتا ہے اور پھر غریب ہو جاتا ہے تو ہم محض تین دن اسے کھانا پینا دیتے ہیں' تجھے ایک سال ہو گیا کہ کھانا پینا اور جو چاہتا کرتا ہے۔ اب اس نے اپنے غلاموں سے کہا اس کے کپڑے اتار کر اسے دوسرے کپڑے پہنا دو جن کی قیمت پانچ درہم ہو۔ اس کے بعد اس نے مجھے دس درہم دے کر کہا دور ہو یا یہاں سے۔ میں تجھے نہ ماروں گا نہ برا بھلا کہوں گا لیکن اگر تو اس شہر میں ٹھہرا رہا تو تیرا خون حلال ہے۔ اے امیر المومنین! میں مجبوراً وہاں سے نکلا' میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جاؤں' دنیا بھر کا رنج و غم میرے اوپر ٹوٹ پڑا اور میں اپنے دل میں کہنے لگا میں دس لاکھ دینار لے کر یہاں آؤں' وہ سب اس منحوس بوڑھے کے ہاں خرچ ہو جائیں اور پھر میں ننگا اور دل شکستہ یہاں سے نکالا جاؤں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم!
اس کے بعد میں تین دن بعد بغداد میں رہا لیکن نہ کھانا کھایا' نہ پانی پیا' چوتھے دن میں نے دیکھا کہ ایک جہاز بصرے جا رہا ہے میں اس میں بیٹھ کر بصرے پہنچا بازار گیا مارے بھوک پیاس کے میری جان نکلی جاتی تھیں۔ اتنے میں ایک کنجڑے کی نظر مجھ پر پڑی وہ آکر میرے گلے سے لپٹ گیا کیونکہ وہ میرا اور اس سے پہلے میرے باپ کا دوست تھا۔ اس نے میری حالت پوچھی میں نے اپنا سارا ماجرا اسے بیان کر

دیا۔ اس نے کہا میرے پاس ٹھہر جا میری آمدنی اور خرچ لکھا کر۔ میں نے منظور کر لیا۔ ایک سال تک اس کی دکان پر خرید و فروخت کرتا رہا یہاں تک کہ میرے پاس سو دینار ہو گئے۔ میں نے سمندر کے کنارے ایک کوٹھری کرائے پر لی اور انتظار کرنے لگا کہ کوئی جہاز سامان لے کر آئے تو میں اپنے دیناروں سے کچھ سامان لے کر بغداد جاؤں۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ کئی جہاز آئے' تاجر سامان خریدنے روانہ ہوئے میں بھی ان کے ساتھ چل دیا۔ دیکھا کہ ایک جہاز میں سے دو شخص نکلے' کرسیاں بچھا کر بیٹھ گئے اور ایک غلام سے کہا قالین بچھا اور ایک خرجی میں سے ایک تھیلی نکال کر اسے قالین پر انڈیل دیا۔ اس میں سے اتنے ہیرے' موتی مونگے' یاقوت اور لعل نکل پڑے کہ آنکھیں چندھیا گئیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

نو سو اکیاونویں رات

نو سو اکیاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جوان نے خلیفہ سے بیان کیا کہ ہیرے جواہرات نکالنے کے بعد ایک تاجر نے جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا کہ اے تاجرو! آج میں بیچنا نہیں چاہتا کیونکہ میں تھکا ہوا ہوں۔ تاجروں نے بڑھ بڑھ کر دام لگانے شروع کر دیئے اور چار سو دینار تک پہنچ گئے۔ تھیلی والے تاجر کو میں بہت دنوں سے جانتا تھا اس نے مجھ سے کہا کہ تو اور تاجروں کی طرح بولی کیوں نہیں بولتا؟ میں نے کہا، قسم خدا کی اے میرے آقا! مجھے شرم آتی ہے، میرے پاس سو درہم سے زیادہ نہیں۔ یہ کہتے ہوئے میری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ مجھے اس حالت میں دیکھ کر اسے ترس آ گیا اور اس نے تاجروں سے کہا تم گواہ رہنا کہ میں اس تھیلی کے تمام ہیرے جواہرات اس شخص کے ہاتھ سو دینار میں بیچتا ہوں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ ان کی قیمت اتنے ہزار دینار ہے۔ میں یہ اسے بطور ہدیئے کے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے خرجی تھیلی، قالین اور اس پر جتنے ہیرے جواہرات تھے دے دیئے۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور تمام حاضرین اس کی تعریف کرنے لگے۔ میں ان جواہرات کو لے کر جوہری بازار گیا اور وہاں بیٹھ کر خرید و فروخت کرنے لگا۔
منجملہ ان ہیرے جواہرات کے ایک گول تعویذ تھا جس کی صورت جادوگروں کی بنائی ہوئی تھی۔ اس کا وزن ایک پاؤ ہو گا، اس کا رنگ نہایت سرخ تھا اور اس کے دونوں طرف ایسی لکیریں بنی ہوئی تھیں جیسے چیونٹیوں کے پاؤں کی۔ یہ مجھے بالکل خبر نہ تھی کہ وہ کس کام کا ہے۔ میں نے اس کا دلال کے حوالے کیا وہ ہر پھر کر تھوڑی دیر کے بعد لوٹا اور کہنے لگا کہ کوئی تاجر اس کے دس درہم سے زیادہ نہیں لگاتا۔ میں نے کہا ان داموں کو نہیں بیچوں گا اور وہ اسے میرے آگے پھینک کر چل دیا۔
ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص نے آ کر سلام کیا اور کہا اگر تیری اجازت ہو تو

میں تیرا سامان الٹ پلٹ کر دیکھوں۔ میں نے کہا بہت خوب۔ اس نے الٹنا پلٹنا شروع کیا اور اس گول تعویذ کے سوا اس نے اور کچھ نہ نکالا اسے دیکھ کر' اے امیر المومنین

اس نے اپنا ہاتھ چوما اور کہا شکر ہے خدا کا۔ پھر کہا اے میرے آقا! کیا تو اسے بیچتا ہے؟ میں غصے میں بھرا بیٹھا تھا کہنے لگا ہاں۔ اس نے اس کے دام پوچھے میں نے کہا تو کیا دے گا؟ اس نے کہا بیس دینار۔ میں سمجھا کہ وہ مذاق کر رہا ہے اور اسے کہا چل دور ہو' اس نے کہا پچاس دینار لیکن میں نے اس کی طرف پھر کر بھی نہ دیکھا۔ اس نے کہا ایک ہزار دینار۔ اے امیر المومنین! وہ دام بڑھاتا جاتا اور میں چپ تھا وہ میرے چپ رہنے پر ہنستا اور کہتا تو جواب کیوں نہیں دیتا؟ میں اس سے کہتا کہ یہاں سے چلتا بن اور قریب تھا کہ اس سے لڑ پڑوں' ادھر وہ ہزار ہزار کر کے دام بڑھاتا جاتا۔ بالاخراس نے کہا کہ بیس ہزار دینار میں بیچتا ہوں؟ میں اب تک یہی خیال کر رہا تھا کہ وہ میرے ساتھ مذاق کرتا ہے۔ اتنے میں لوگ جمع ہو گئے' ہر ایک یہی کہنے لگا کہ بیچ ڈال اور اگر وہ نہیں خریدے گا تو ہم سب پکڑ کر اسے ماریں گے اور شہر سے نکال دیں گے۔ اب میں نے اس سے پوچھا کہ تو واقعی خریدتا ہے یا مذاق کر رہا ہے؟ اس نے جواب دیا تو واقعی بیچتا ہے یا مذاق کرتا ہے؟ میں نے کہا بیچتا ہوں۔ اس نے کہا اچھا تیس ہزار دینار لے اور سودا ختم کر۔ میں نے حاضرین سے کہا' تم گواہ رہنا لیکن میں اس شرط پر بیچتا ہوں کہ وہ مجھے اس کا فائدہ بتا دے۔ اس نے کہا سودا ختم کر اور میں تجھے اس کا فائدہ بتا دوں گا۔ میں نے کہا' بیچ ڈالا۔ اس نے دینار نکال کر مجھے پکڑا دیئے۔ تعویذ لے کر جیب میں ڈال لیا اور مجھ سے کہا منظور ہے؟ میں نے کہا ہاں!

اب اس نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا تم گواہ رہنا کہ سودا تمام ہو گیا' اس نے تعویذ کے دام تیس ہزار دینار لے لیے۔ اس کے بعد اس نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا اے مسکین! اگر تو تھوڑی دیر اور نہ بیچتا تو میں اس کی قیمت ایک لاکھ تک بڑھا دیتا بلکہ دس لاکھ تک۔ اے امیر المومنین! یہ سن کر میرا چہرہ زرد پڑ گیا جو

آج تک قائم ہے جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔ میں نے تعویذ کا قصہ پوچھا اس نے کہا سن! ہند کے بادشاہ کی ایک بیٹی ہے جس سے زیادہ حسین کہیں دیکھی نہیں گئی ہو گی' اس پر آسیب آتا ہے۔ بادشاہ نے تمام علاج کر ڈالے لیکن آسیب کو نہ جانا تھا نہ گیا۔ میں نے بادشاہ سے کہا میں ایک شخص سعداللہ بابلی کو جانتا ہوں جس سے بہتر ایسی باتوں کے لیے اور کوئی نہیں۔ بادشاہ بولا کہ تو ہی جا میں نے کہا عقیق کا ایک ٹکڑا منگوا' اس نے عقیق کا ایک بڑا ٹکڑا منگوایا ایک لاکھ دینار اور تحفے دے کر مجھے رخصت کر دیا۔ بابلی پہنچ کر میں نے شیخ کو وہ ایک لاکھ دینار اور ہدیہ دیا۔ اس نے قبول کر لیا اور عقیق کا ٹکڑا ایک سنگ تراش کو دے کر کہا اسے تعویذ کی شکل میں بنا دے۔ اس کے بعد شیخ سات مہینے تک تاروں کو دیکھتا رہا ہے۔ میں اسے لے کر بادشاہ کے پاس گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- نو سو باون ویں رات

نو سو باون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جوان نے امیر المومنین سے کہا اس شخص نے یہ بیان کیا کہ میں تعویذ لے کر بادشاہ کے پاس گیا' اس کے پہنچتے ہی اس کی بیٹی اچھی ہو گئی۔ اس وقت تک وہ چار زنجیروں میں جکڑی رہتی تھیں اور ہر رات اس کے ساتھ ایک کنیز سوتی تھی۔ جو صبح کے وقت ذبح کی ہوئی پائی جاتی۔ بادشاہ بہت خوش ہوا مجھے بہت انعام دیا اور وہ تعویذ اس کے ہار میں پرو دیا۔ ایک روز جب کہ وہ اپنی کنیزوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھی سمندر کی سیر کر رہی تھی' وہ ہار ٹوٹ کر سمندر میں گر پڑا' اسی وقت سے پھر آسیب آنے لگا۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ کو کتنا افسوس ہوا ہو گا؟ اس نے مجھے بہت سا مال دے کر دوسرا تعویذ بنوانے بھیجا۔ بابل پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ شیخ کا انتقال ہو گیا۔ جب میں نے لوٹ کر بادشاہ کو اس کی خبر دی تو اس نے میرے ساتھ دس اور آدمیوں کو بھیجا کہ ہم ملک ملک پھر کر اس کی دوا تلاش کریں۔ خدا نے اسے مجھ سے ملا دیا۔ اور میرے پاس اسے وہ تعویذ مل گیا۔ اے امیر المومنین! وہ اسے لے کر چل دیا۔ یہ وجہ ہے میرے چہرے کے زرد پڑ جانے کی۔ اس کے بعد میں اپنا سارا مال متاع لے کر بغداد آیا اور اسی مکان میں ٹھہرا جس میں پہلے ٹھہرا تھا۔ دوسرے دن صبح کو میں کپڑے پہن کر طاہر بن علا کے گھر پہنچا تاکہ اپنی محبوبہ کو ایک نظر دیکھ لوں کیونکہ اس کی محبت روز بروز میرے دل میں زیادہ ہوتی جاتی تھی۔

میں اس کے گھر پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ جھروکا ٹوٹا پڑا ہے۔ ایک غلام سے پوچھا کہ شیخ کو کیا ہو گیا؟ اس نے کہا بھائی؟ چند سال ہوئے یہاں ابو الحسن عمانی نامی ایک شخص آیا تھا اس کی بیٹی کے ساتھ مدت تک رہا تھا۔ جب اس کے دام ختم ہو گئے تو شیخ نے اسے دل شکستہ کر کے نکال دیا۔ لڑکی کو اس سے بے حد محبت ہو گئی تھی۔

اس لیے جب وہ چلا گیا تو لڑکی اتنی بیمار پڑی کہ مرنے کے قریب ہو گئی۔ جب اس کے باپ کو یہ معلوم ہوا تو اس نے لوگوں کو جوان کی تلاش میں بھیجا اور وعدہ کیا کہ جو اسے لے آئے گا میں اسے ایک لاکھ دینار دوں گا لیکن کسی کو اس کا پتا نہ چلا۔ اب تک لڑکی کا وہی حال ہے۔ میں نے پوچھا اس کے باپ کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا اس مصیبت کی وجہ سے جو اس پر آئی ہے اس نے تمام کنیزیں بیچ ڈالی ہیں۔ جوان نے کہا میں تجھے ابو الحسن عمانی کا پتا بتا دوں؟ اس نے کہا خدا کے لیے بتا دے۔ جوان بولا اس کے باپ کو جا کر خوشخبری دے کہ ابو الحسن عمانی دروازے پر کھڑا ہے۔ غلام اس طرح دوڑا جیسے خچر چکی سے نکل کر دوڑتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد شیخ کو لے کر آیا۔ مجھے دیکھتے ہی شیخ الٹے پاؤں پھرا اور غلام کو ایک لاکھ دینار دیئے' غلام تو دینار لے کر مجھے دعا دیتا ہوا چلا گیا۔ شیخ نے آگے بڑھ کر مجھے گلے لگا لیا رونے لگا اور کہا اے میرے آقا' اتنے دنوں سے تو کہا تھا؟ تیری جدائی میں میری بیٹی ہلاک ہو گئی۔ اندر چل۔ میں اندر گیا تو اس نے خدا کے آگے شکر گزاری کا سجدہ ادا کیا اور کہا شکر ہے خدا کا اس نے ہمیں تجھ سے ملا دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی بیٹی کے پاس جا کر کہا خدا نے اس مرض سے تجھے شفا دی۔ وہ بولی' ابا! میں اس وقت تک اچھی نہیں ہو سکتی جب تک ابو الحسن کا دیدار نہ کر لوں۔ باپ نے کہا ایک لقمہ کھانا کھا لے اور حمام ہو آ پھر میں تم دونوں کو ملا دوں گا۔ بیٹی نے کہا' سچ سچ؟ باپ بولا خدا کی قسم میں ٹھیک کہتا ہوں۔ بیٹی نے کہا اگر میں اس کا مکھڑا دیکھ لوں تو کھانے پینے کی ضرورت نہیں۔ شیخ نے غلام سے کہا اپنے آقا کو بلا لا۔ لڑکی نے مجھے دیکھا تو اے امیر المومنین! وہ غش کھا کر گر پڑی۔ اسے ہوش آیا وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی' اے میرے آقا! واللہ مجھے یہ گمان کبھی نہ ہو سکتا تھا کہ سوائے خواب کے میں تیرا دیدار کبھی کر سکوں گی۔ یہ کہہ کر وہ میرے گلے سے لپٹ گئی اور کہنے لگی۔ اے امیر المومنین! میں ان کے یہاں بہت دنوں تک ٹھہرا رہا اس کی خوبصورتی

عود کر آئی اس کے باپ نے قاضی اور گواہوں کو بلا کر ہم دونوں کا نکاح کرا دیا اور آج تک وہ میری بیوی ہے۔

اتنا کہہ کر جوان اندر گیا ایک حسین لڑکے کو لے کر آیا اور اس سے کہا امیر المومنین کے آگے زمین کو بوسہ دے۔ اس نے بوسہ دیا' بعد ازاں خلیفہ اپنے ساتھیوں کو لے کر رخصت ہوا۔ محل میں پہنچ کر مسرور کر بلا لیا اور اس سے کہا بصرے' بغداد اور خراسان کا خراج لا کر اس ایوان میں رکھ۔ وہ مل کر اتنا زیادہ ہو گیا کہ اس کا شمار سوائے خدا کے اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ اب اس نے جعفر کو حکم دیا ابو الحسن کو بلا۔ میں نے آ کر خلیفہ کے آگے زمین چومی۔ خلیفہ نے کہا اے عمانی! اس پردے کو اٹھا جب اس نے پردے کے پیچھے وہ سارا خزانہ دیکھا تو اس کی عقل دنگ ہو گئی۔ خلیفہ بولا اے ابو الحسن! یہ مال زیادہ ہے یا وہ جو تعویذ کی قیمت میں سے تجھے نہ ملا تھا؟ اس نے کہا امیر المومنین! یہ کئی گنا زیادہ ہے۔ رشید نے حاضرین سے کہا تو گواہ رہنا کہ میں نے یہ مال اس جوان کو بخش دیا۔ جوان نے زمین چومی' شرما گیا اور مارے خوشی کے رشید کے سامنے رونے لگا۔ رونے کی وجہ سے اس کے رخسار پر آنسو بہنے لگے' خون عود کر آیا اور اس کا چہرہ پھر چودھویں رات کے چاند سا ہو گیا۔ خلیفہ بولا پاک ہے وہ ذات جو حالتوں کو بدلتی رہتی ہے مگر خود ایک حالت پر قائم ہے۔

اور اس نے آئینہ منگوا کر اسے دکھایا جوان اپنی صورت دیکھ کر سجدے میں گر پڑا۔ خلیفہ نے حکم دیا سارا مال اس کے گھر پہنچوا دیا جائے۔ اور اس سے کہا میرے پاس آتا جاتا رہیو۔ جوان نے آمدورفت برابر جاری رکھی یہاں تک کہ خلیفہ کا انتقال ہو گیا' رحمتہ اللہ علیہ! پاک ہے وہ ذات جو مرتی نہیں اور حکومت اسی کی ہے۔

○ ابراہیم اور جمیلہ کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------ مصر کے عامل خصیب کا ایک بیٹا تھا' اتنا خوبصورت کہ باپ

اسے جمعے کی نماز کے علاوہ کبھی باہر نہ نکلنے دیتا۔ ایک روز جمعے کی نماز کے بعد وہ ایک بوڑھے شخص کے پاس سے گزرا جس کے پاس بہت سی کتابیں تھیں' وہ گھوڑے سے اتر کر اس کے قریب گیا' کتابوں کو الٹنے پلٹنے اور غور سے دیکھنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے اس کی نظر ایک عورت کی بولتی ہوئی تصویر پر پڑی جس کا مثل اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہوش جاتے رہے۔ اس نے شیخ سے کہا کہ یہ تصویر میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ شیخ نے اس کے آگے زمین چوم کر کہا اے میرے آقا! مفت نذر ہو۔ جوان نے اسے سو دینار دیئے اور وہ کتاب جس میں تصویر تھی لے لی۔ اب وہ دن رات اسی کو دیکھتا اور روتا نہ کھاتا نہ پیتا نہ سوتا اور اپنے دل میں کہتا کاش میں نے کتب فروش سے پوچھ لیا ہوتا کہ اس کا مصور کون ہے؟ اگر وہ کسی زندہ عورت کی تصویر ہے تو میں اس سے ملوں اور اگر خیالی تصویر ہے تو اپنی بے چینی چھوڑ دوں اور اپنی جان کو ایسی چیز کے پیچھے عذاب میں نہ ڈالوں جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو ترپنویں رات

نو سو ترپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جوان نے کہا اگر یہ تصویر محض خیالی ہے تو کیوں اس کے پیچھے اپنی جان کو عذاب میں ڈالوں؟ چنانچہ دوسرے جمعہ کو وہ پھر اس بوڑھے کے پاس گیا اور کہا چچا! یہ تو بتا یہ تصویر کس نے کھینچی ہے؟ اس نے جواب دیا بغداد کے ایک مصور نے جس کا نام ابوالقاسم صندلانی ہے اور جو کرخ کے محلے میں رہتا ہے لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ تصویر ہے کس کی؟ جوان وہاں سے چل دیا' کسی کو خبر نہ تھی کہ اس کے دل پر کیا گزر رہی ہے؟ نماز پڑھ کر گھر لوٹا تو اس نے ایک تھیلی میں ہیرے اور سونا بھرا جن میں صرف ہیروں کی قیمت تیس ہزار دینار ہو گی اور دوسرے دن علی الصبح نکل کھڑا ہوا۔ کسی کو خبر کئے بغیر ایک قافلے کے پاس پہنچا وہاں ایک بدو کو دیکھ کر اس سے کہا چچا! اگر تو مجھے بغداد پہنچا دے تو میں تجھے سو دینار اور یہ گھوڑا دوں گا جس پر میں سوار ہوں اور جس کی قیمت ایک ہزار دینار ہے۔ بدو بولا خدا ہماری باتوں کا گواہ رہے لیکن آج رات میرے پاس سو۔ جوان نے اس کا کہنا مان لیا' اس کے یہاں رات گزاری' سویرا ہوا تو بدو محض گھوڑے کے لالچ میں اسے قریب کے راستے سے لے گیا۔ وہ بغداد کی شہر پناہ کے پاس پہنچے تو بدو نے کہا اے میرے آقا! شکر ہے خدا کا کہ ہم سلامتی کے ساتھ پہنچ گئے' یہ بغداد ہے۔ جوان بہت خوش ہوا' گھوڑے سے اتر کر گھوڑا اور سو دینار بدو کو دے دیئے اور تھیلی لے کر چل دیا۔ کرخ اور تاجروں کی سرائے کا پتا پوچھتا' پوچھتا اتفاق سے ایک گلی میں پہنچا جہاں آمنے سامنے دس گھر تھے۔ صدر میں ایک ایسا مکان جس کا دروازہ دوپٹوں کا تھا اور کنڈی چاندی کی تھی۔ دروازے کے سامنے کی دونوں چوکیاں مرمر کی تھیں اور ان پر خوب صورت قالینیں بچھی ہوئی' ایک پر ایک شان دار خوب صورت شخص بھڑکیلے کپڑے پہنے بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے پانچ گورے غلام چاند

کی طرح خوب صورت کھڑے ہوئے تھے۔

جوان پہچان گیا کہ یہ وہی نشانیاں ہیں جو کتب فروش نے بیان کی تھیں اور اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ مرحبا کہا' بٹھایا اور مزاج پوچھا۔ جوان نے کہا میں پردیسی ہوں اور چاہتا ہوں کہ تو مہربانی فرما کر اس گلی میں ایک مکان تلاش کر دے تاکہ میں وہاں رہوں۔ اس شخص نے آواز دی اے غزالہ! اور ایک کنیز نے نکل کر کہا اے میرے آقا! حاضر ہوں۔ اس نے کہا چند نوکروں کو لے جا اور ایک کمرے کو صاف ستھرا کرا' فرش بچھوا اور اس حسین جوان کے لیے تمام ضروریات مہیا کر دے۔ جب کنیز اس کے حکم کی تعمیل کر چکی تو بوڑھا اسے کمرے میں لے گیا۔ جوان نے پوچھا اس کمرے کا کرایہ کیا ہے؟ بوڑھا بولا' اے حسین جوان! جب تک تیرا جی چاہے یہاں رہ۔ میں تجھ سے کوئی کرایہ نہیں لوں گا۔ اس کے بعد بوڑھے نے ایک کنیز کو بلا کر کہا' شطرنج لا۔ وہ شطرنج لے آئی۔ ایک غلام نے بساط بچھائی اور بوڑھے نے جوان سے کہا میرے ساتھ کھیلے گا؟ اس نے کہا ہاں! کئی بازیاں کھیلیں اور ہر بار جوان نے مات دی۔ بوڑھے نے کہا شاباش! تجھ میں سارے کمال موجود ہیں۔ بغداد میں کوئی شخص مجھ سے جیت نہیں سکتا لیکن تو نے مجھے مات پر مات دی پھر بوڑھے نے اسے کمرے کی کنجیاں حوالے کر دیں اور کہا میرے غریب خانے میں آ اور میرا کھانا کھا۔ اس سے مجھے عزت حاصل ہو گی۔ جوان نے منظور کر لیا اس کے ساتھ اندر گیا دیکھا کہ وہ بڑا خوبصورت مکان ہے' طرح طرح کی تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ بوڑھے نے اس کا خیر مقدم کیا اور کھانا منگوایا۔ لوگ ایک دسترخوان لائے جو صنعا کا بنا ہوا تھا اور ایسے ایسے کھانے جن سے زیادہ لذیز ممکن نہیں۔ جوان نے کھا پی کر ہاتھ دھوئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اب جو اپنی تھیلی پر نظر ڈالی تو وہ غائب۔ لاحول پڑھنے اور کہنے لگا ایک یا دو درہم کا میں نے کھانا کھایا اور تیس ہزار دینار کی تھیلی غائب ہو گئی لیکن خدا میرے مدد کرے گا۔ یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا اسے کچھ کہتے نہ بن پڑی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

- نو سو چون ویں رات

نو سو چون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جوان چپ ہو گیا۔ اسے کچھ کہتے بن نہ پڑی۔ بوڑھا شطرنج لایا اور کہا کھیلتا ہے؟ جوان بولا ہاں! دونوں کھیلنے لگے اور بوڑھے نے اسے مات دے دی۔ جوان نے کہا شاباش! اور کھیل چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ بوڑھے نے پوچھا کیا بات ہے؟ جوان بولا میں اپنی تھیلی تلاش کر رہا ہوں' بوڑھے نے تھیلی نکال کر کہا لے یہ ہے تیری تھیلی۔ اب دوبارہ مجھ سے شطرنج کھیلے گا؟ اس نے کہا' ہاں! اور اس نے بوڑھے کو مات دے دی۔ بوڑھا بولا تیرا جی تھیلی میں لگا ہوا تھا اس لیے تو مات کھا گیا' تھیلی مل گئی تو تو نے مات دے دی۔

پھر بوڑھے نے کہا بیٹا! تیرا وطن کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا مصر۔ پوچھا کہ بغداد کیسے آنا ہوا؟ جوان نے تصویر نکال کر کہا چچا! میں مصر کے عامل خصیب کا بیٹا ہوں۔ یہ تصویر میں نے ایک کتب فروش کے پاس دیکھی تھی۔ میں اس پر عاشق ہو گیا۔ مصور کا پتا پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ کرخ میں درب زعفران میں رہتا ہے اور اس کا نام ابوالقاسم صندلانی ہے۔ اس پر میں نے کچھ مال اپنے ساتھ لیا اور بغیر کسی کو خبر کیے اکیلا نکل کھڑا ہوا۔ اب میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اس کا پتا بتا دے تاکہ میں اس سے پوچھوں کہ یہ کس طرح کی تصویر ہے؟ اور اس نے کیوں کھینچی؟ جو کچھ مانگے گا دوں گا۔

بوڑھے نے کہا بیٹا! ابوالقاسم صندلانی میں ہی ہوں اور یہ ایک عجیب و غریب واقعہ ہے کہ قسمت تجھے میرے پاس لے آئی۔ یہ سنتے ہی جوان اٹھ کھڑا ہوا' اس کے گلے سے لپٹ گیا' اس کا سر اور ہاتھ چومنے لگا اور کہا خدا کے واسطے بتا دے کہ وہ کس کی تصویر ہے؟ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اور اٹھ کر ایک کوٹھڑی کھولی' بہت سی کتابیں نکال لایا جن میں اس نے یہی تصویر رکھی تھی اور کہنے لگا بیٹا! یہ تصویر میری

چھچیری بہن کی ہے' وہ بصرے میں رہتی ہوں جہاں اس کا باپ والی ہے۔ اس کا نام ابواللیث ہے اور لڑکی کا جمیلہ۔ ایسی حسین دنیا بھر میں نہیں' لیکن وہ مردوں کو پاس نہیں پھٹکنے دیتی بلکہ ان کا ذکر بھی سننا پسند نہیں کرتی۔ میں اس سے شادی کرنے کی غرض سے اس کے باپ کے پاس گیا تھا۔ بہت مال خرچ کیا پھر بھی اس نے منظور نہیں کیا۔ جب اس کی خبر لڑکی کو ملی تو وہ تیش میں آگئی اور مجھے کہلا بھیجا کہ اگر تو سمجھدار ہے تو یہاں سے چلا جا ورنہ مارا جائے گا اور تیرا خون تیری ہی گردن پر ہو گا۔ وہ بہت ظالم ہے اس لیے میں شکستہ دل ہو کر بصرے سے چلا گیا اور بہت سی کتابوں میں اس کی تصویر کھینچ کر انہیں ملک ملک روانہ کر دیا تا کہ وہ تیری طرح کسی حسین جوان کے ہاتھ پڑ جائے وہ اس تک پہنچنے کی کوشش کرے اور ممکن ہے کہ لڑکی اس پر عاشق ہو جائے۔ میں جوان سے وعدہ لے لوں گا کہ اگر وہ اسے مل جائے تو مجھے ایک نظر دکھا دے خواہ دور ہی سے سہی۔

ابراہیم بن خصیب نے یہ باتیں سنیں تو سر جھکا کر سوچ میں پڑ گیا۔ صندلانی کہنے لگا! میں نے بغداد بھر میں تجھ سے زیادہ حسین کسی کو نہیں دیکھا۔ میرا خیال ہے کہ تجھے دیکھ کر ضرور عاشق ہو جائے گی۔ کیا تو یہ کر سکتا ہے کہ اگر تجھے کامیابی ہو جائے تو تو مجھے ایک بار اس کا دیدار دکھا دے خواہ دور ہی سے کیوں نہ ہو؟ اس نے جواب دیا ہاں! بوڑھے نے کہا اگر یہ بات ہے تو تو سفر کرنے تک یہیں میرے پاس ٹھہر۔

جوان بولا میں ٹھہر نہیں سکتا اس کے عشق کی آگ میرے دل میں بھڑک رہی ہے۔

بوڑھے نے تین دن میں اس کے لیے ایک کشتی تیار کی اور کھانا پینا وغیرہ اس میں رکھ کر کہا میں نے ایک کشتی میں تیرے لیے کھانا پینا تیار کر کے رکھ دیا کشتی میری ملکیت ہے' ملاح میرے نوکر ہیں اور کشتی میں اتنا سامان ہے کہ جانے آنے کی لیے کافی ہو گا۔ میں نے ملاحوں کو تاکید کر دی ہے کہ واپسی تک وہ تیری خدمت کریں۔

جوان اٹھا اور اس سے رخصت ہو کر کشتی میں سوار ہو گیا ور چلتے چلتے بصرے پہنچا

اور سو دینار نکال کر ملاحوں کو دیئے۔ انہوں نے کہا' ہم اپنے آقا سے مزدوری لے چکے ہیں۔ وہ بولا۔ یہ انعام ہے' میں اس سے نہیں کہوں گا۔ انہوں نے لے لیا اور اسے

دعا دی۔

جوان نے بصرے میں داخل ہو کر پوچھا تاجروں کو سرائے کون سی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ سرائے حمدان۔ وہ اس سرائے کی طرف چلا جا رہا تھا اور لوگ اس کے حسن و جمال پر محو تھے۔ سرائے میں داخل ہو کر اس نے دربان کو پوچھا اور اس کے پاس جا کر سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ جوان نے کہا تیرے پاس کوئی خوبصورت سا کمرہ بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں! اور ایک خوبصورت کمرہ کھول دیا جس میں سونے کا کام تھا اور کہا اے جوان! یہ تیرے قابل ہے۔ جوان نے دو دینار نکال کر اسے دیئے اور کہا یہ کنجی دینے کا انعام ہے۔ دربان نے دینار لیے اور اسے دعا دی۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو دربان اس کی خدمت کے لیے وہیں ٹھہرا رہا۔ جوان نے اسے ایک دینار دے کر کہا اس کی روٹی' سالن' مٹھائی اور شراب لے آ۔ دربان جا کر دس درہم کی یہ چیزیں لے آیا اور باقی جوان کو دینے لگا اور اس نے کہا انہیں اپنے خرچ کے لیے رہنے دے۔ اب جوان نے ایک چپاتی اور کچھ سالن کھایا اور دربان سے کہا باقی اپنے گھر لیتا جا۔ وہ گھر جا کر کہنے لگا میرے خیال میں اس جوان سے زیادہ سخی دنیا بھر میں کوئی نہیں جو ہمارے ہاں آ کر ٹھہرا ہے۔ نہ اس سے زیادہ پیارا۔ اگر وہ کچھ دنوں اور ٹھہرا رہا تو ہم امیر ہو جائیں گے۔ جب دربان لوٹ کر سرائے میں آیا تو اس نے دیکھا کہ جوان بیٹھا رو رہا ہے' وہ بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانے لگا اور انہیں چوم کر کہا اے میرے آقا! تو کیوں رو رہا ہے؟ خدا تجھے کبھی نہ رلائے' اس نے جواب دیا چچا! میں چاہتا ہوں کہ آج رات دونوں بیٹھ کر شراب پئیں۔ بوڑھا بولا سر آنکھوں سے۔ جوان نے اسے پانچ دینار دے کر کہا کہ ان کا خشک میوہ' عطر' پانچ موٹی تازی مرغیاں اور عود لیتا آئیو۔ دربان نے جا کر تمام چیزیں خریدیں اور اپنی بیوی سے کہا انہیں پکا' شراب کو صاف کر اور ہر چیز خوب اچھی طرح سے بنا کیونکہ یہ جوان ہم

پر بڑا مہربان ہے۔ بیوی نے تمام چیزیں خوب اچھی طرح سے تیار کیں' دربان انہیں لے کر ابراہیم کے پاس آیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو پچپن ویں رات

نو سو پچپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ دربان یہ سب چیزیں لے کر جوان کے پاس گیا' دونوں نے کھایا پیا' خوش ہوئے۔ جوان رو رو کر یہ اشعار پڑھتے ہوئے' "اگر تیرے وصل کے بدلے مجھے اپنی روح' مال دولت' ساری دنیا' جنت اور فردوس دینا پڑے تب بھی میرا دل اسے مول لینے کے لیے تیار ہے۔" ایک چیخ مار کر گر پڑا اور دربان سسکیاں بھرنے لگا۔ دربان نے کہا اے میرے آقا! تو کیوں روتا ہے اور اس شعر سے تیرا کس طرف اشارہ ہے؟ وہ کوئی بھی ہو تو تیرے قدموں کی خاک سے بڑھ کر نہ ہو گی۔ جوان نے اٹھ کر ایک بقچہ نکالا جس میں عمدہ عمدہ زنانے کپڑے تھے اور دربان سے کہا انہیں اپنی بیوی کو دے آ۔ دربان انہیں اپنی بیوی کے پاس لے گیا وہ اپنے شوہر کے ساتھ جوان کے پاس آئی تو دیکھا کہ جوان رو رہا ہے۔ بیوی بولی تو نے ہمارا دل پاش پاش کر دیا ہے۔ بتا تو سہی کہ تو کس حسین کے غم میں رو رہا ہے؟ وہ زیادہ سے زیادہ تیری لونڈی کے برابر ہو گی۔ جوان بولا چچی سن! میں مصر کے عامل خصیب کا بیٹا ہوں اور ابواللیث والی کی بیٹی پر عاشق۔ دربان کی بیوی نے کہا بھائی! اللہ اللہ کر یہ باتیں جانے دے اگر کسی نے سن لیا تو ہم سب مارے جائیں گے' اس سے بڑھ کر ظالم دنیا میں نہیں۔ کس کی مجال ہے کہ مرد کا نام اس کے آگے لے سکے۔ اس قدر اسے مردوں سے نفرت ہے۔ بیٹا! اس کا دھیان دل سے نکال ڈال کسی اور سے دل لگا لے۔ یہ سن کر جوان کو زیادہ رقت آگئی دربان نے کہا میری جان کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں۔ اسے میں تیرے اوپر قربان کر سکتا ہوں اور تیرے لیے کوئی تدبیر نکالوں گا یہ کہہ کر دونوں چلے گئے۔

صبح ہوئی تو جوان حمام گیا اور شاہانہ لباس پہنا' اتنے میں دربان اور اس کی بیوی نے آ کر کہا' اے میرے آقا! یہاں ایک کبڑا درزی ہے جو جمیلہ کے کپڑے سیتا ہے' جا

کر اسے اپنا ماجرا سنا ممکن ہے کہ وہ کوئی تدبیر نکال دے' جس سے تیری مراد بر آئے۔
جوان فوراً اٹھ کر کبڑے درزی کی دکان پر پہنچا دیکھا کہ اس کے پاس دس گورے غلام ہیں۔ چاند کی طرح خوبصورت جوان نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا خوش ہو کر اسے بٹھایا اور اس کا حسن و جمال دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ جب کبڑے کی نظر اس پر پڑی تو اس کے ہوش بھی جاتے رہے۔ جوان نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تو میری جیب سی دے' درزی نے ریشم کا ڈورا لے کر سی دی۔ جوان نے اپنی جیب عمداً پھاڑ ڈالی تھی' درزی نے جیب سی دی نوجوان نے پانچ دینار نکال کر اسے دے دیئے اور چلا گیا درزی اپنے دل میں کہنے لگا میں نے اس لڑکے کے لیے کون سا ایسا بڑا کام کیا کہ اس نے پانچ دینار دیئے اور رات بھر اسے جوان کا خیال رہا۔ دوسرے دن صبح کو وہ پھر کبڑے درزی کی دکان پر گیا اور سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا اور عزت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا۔ جوان نے کبڑے سے کہا چچا! میری جیب دوبارہ سی دے کیونکہ وہ پھر پھٹ گئی ہے۔ درزی نے کہا' بیٹا سر آنکھوں سے۔ اور اس کی جیب سی دی۔ جوان نے اسے دس دینار دیئے اس نے لے لیے اور اس کا حسن اور سخاوت دیکھ کر دنگ ہو گیا۔ اس کے بعد درزی نے کہا اے جوان۔ تیری اس بخشش کا کوئی نہ کوئی سبب ہے یہ محض جیب سینے کی مزدوری نہیں' بتا کیا بات ہے؟ اگر تو یہاں کسی پر عاشق ہے تو خدا کی قسم ان میں سے کوئی تجھ سے زیادہ حسین نہیں۔ وہ سب تیرے قدموں کی خاک کے برابر ہیں' اور تیری لونڈیاں۔ یہ بات نہیں تو پھر کیا ہے بتا۔ جوان نے کہا چچا! یہ جگہ باتیں کرنے کی نہیں۔ میری داستان عجیب و غریب ہے۔ درزی بولا اگر یہ بات ہے تو تنہائی میں چل۔ یہ کہہ کر درزی اسے دکان کے پیچھے ایک کمرے میں لے گیا اور اس نے اپنی ساری داستان شروع سے لے کر آخر تک سنا دی۔ درزی ششدر ہو کر کہنے لگا اے جوان! خدا سے ڈر اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈال جس کا تو ذکر کرتا ہے وہ بڑی ظالم ہے اور مردوں سے نفرت کرتی ہے۔ اپنی زبان روک کے رکھ ورنہ اس میں تیری جان چلی جائے گی۔ جوان رونے لگا اور درزی

کا دامن پکڑ کر کہا چچا! رحم کر ورنہ میں تباہ ہو جاؤں گا' میں اپنا اور اپنے باپ دادا کا وطن چھوڑ کر یہاں پردیس میں آیا ہوں اور اس کے لیے بے چین ہوں۔ درزی کو اس کی حالت دیکھ کر ترس آ گیا۔ بولا بیٹا۔ میرے پاس صرف ایک جان ہے جو میں تجھ پر قربان کر سکتا ہوں' تیری حالت دیکھ کر میرے دل پر چھریاں چلتی ہیں۔ اچھا کل میں کوئی نہ کوئی تدبیر نکالوں گا جس سے تیری مراد بر آئے۔ جوان نے اسے دعا دی اور سرائے میں واپس جا کر جو کچھ کبڑے نے کہا تھا دربان سے بیان کیا۔ دربان بولا کہ اس نے تیرے ساتھ بڑی بھلائی کی۔

دوسرے دن صبح کو جوان نے اپنے بہترین کپڑے پہنے اور دینار کا ایک توڑا لے کر کبڑے کے پاس پہنچا اسے سلام کر کے بیٹھ گیا اور کہا چچا! اپنا وعدہ پورا کر۔ اس نے کہا جا کر تین موٹی تازی مرغیاں' ڈیڑھ چھٹانک قند' دو نفیس کوزے شراب کے ایک جام لے۔ انہیں ایک تھیلے میں رکھ کر فجر کی نماز کے بعد ایک کشتی میں بیٹھ جا اور ملاح سے کہہ کہ وہ تجھے بصرے کے نیچے لے چلے۔ اگر وہ کہے کہ میں ایک فرسخ سے آگے نہیں بڑھ سکتا تو کہیو جیسی تیری مرضی۔ وہ وہاں تک پہنچ جائے تو اسے مال کا لالچ دیجیو تاکہ وہ منزل مقصود تک پہنچا دے۔ اس جگہ پہلا باغ جو تجھے دکھائی دے گا وہ جمیلہ کا باغ ہے۔ وہاں تجھے میری ہی طرح ایک کبڑا شخص دکھائی دے گا اس کے آگے اپنا دکھڑا روئیو اور اس سے مدد مانگیو ممکن ہے کہ وہ تیرے حال پر ترس کھا کر تجھے اس کا دیدار دکھا دے' خواہ دور ہی سے کیوں نہ ہو۔ اس کے سوا اور کوئی تدبیر میرے پاس نہیں اگر اس نے تیرے حال پر ترس نہ کھایا تو میں اور تو دونوں ہلاک ہو جائیں گے۔ جوان بولا میں خدا سے دعا مانگتا ہوں جو وہ چاہے گا ہو گا سوائے اس کے کسی میں کوئی طاقت نہیں۔ جوان نے فوراً اپنے کمرے میں جا کر تمام چیزیں جو درزی نے بتائی تھی تھیلے میں رکھیں اور صبح ہوتے ہی دجلے کے کنارے جا پہنچا۔ دیکھا کہ ایک ملاح پڑا سو رہا ہے' اسے جگا کر جوان نے دس دینار دیئے اور کہا مجھے بصرے کے نیچے پہنچا دے۔ وہ بولا اے میرے آقا! اس شرط پر کہ میں ایک فرسخ سے آگے

نہیں بڑھوں گا اگر میں بالشت بھر بھی آگے بڑھا تو میں اور تو دونوں ہلاک ہو جائیں گے۔
جوان بولا جیسی تیری مرضی۔ غرض کہ ملاح اسے کشتی میں بٹھا کر چل دیا اور جوں ہی وہ باغ کے قریب پہنچے۔ ملاح نے کہا بیٹا! اگر ہم یہاں سے آگے بڑھیں گے تو ہم دونوں ہلاک ہو جائیں گے' جوان نے مزید دس دینار نکال کر اسے دیئے اور کہا' انہیں اپنے اوپر خرچ کر۔ ملاح مارے شرم کے کہنے لگا میں اپنے آپ کو خدا کے حوالے کرتا ہوں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• نو سو چھپن ویں رات

نو سو چھپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملاح شرم کے مارے کہنے لگا میں اپنے آپ کو خدا کے حوالے کرتا ہوں اور آگے بڑھا۔ باغ کے قریب پہنچ کر جوان مارے خوشی کے کشتی پر سے کود پڑا اور ملاح اسے چھوڑ کر بھاگا۔ جوان نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ باغ کا دروازہ کھلا ہوا ہے' دروازے پر ایک ہاتھی دانت کا تخت بچھا ہوا ہے اس پر ایک خوب صورت کبڑا سنہرے کپڑے پہنے بیٹھا ہے اس کے ہاتھ میں چاندی کا ایک گرز ہے جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے۔ جوان دوڑا اور اس کا ہاتھ لے کر چومنے لگا۔ اس نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور تجھے اس جگہ کس نے پہنچایا؟ ابراہیم نے کہا چچا! میں ایک ناسمجھ اور پردیسی لڑکا ہوں' یہ کہہ کر وہ رونے لگا' بوڑھے کا دل پسیج گیا اسے تخت پر بٹھا لیا اس کے آنسو پونچھے اور کہا غم نہ کر اگر تیرے اوپر قرضہ ہے تو خدا تیرا قرضہ ادا کر دے گا اور اگر تجھے کسی کا ڈر ہے تو خدا اسے دور کرے گا۔ جوان نے کہا چچا! نہ مجھے کسی کا ڈر ہے نہ میرے اوپر کسی کا قرضہ' خدا کی مدد سے میرے پاس بہت کچھ ہے۔ بوڑھے نے کہا بیٹا! پھر تجھ پر کیا مصیبت آئی کہ اپنی جان اور خوبصورتی کو خطرے میں ڈال کر یہاں مرنے آیا ہے؟ اس پر جوان نے اپنا سارا کچھا چٹھا کہہ سنایا۔

بوڑھے یہ سن کر اپنا سر نیچا کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا کبڑے درزی نے تجھے میرے پاس بھیجا ہے؟ اس نے کہا ہاں! بوڑھا بولا وہ میرا بھائی ہے اور بڑا مبارک شخص ہے بیٹا! اگر تیری محبت میرے دل میں نہ پیدا ہو گئی ہوتی تو تو میرا بھائی سرائے کا دربان اور اس کی بیوی سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ سن! اس باغ کا جواب ساری دنیا میں نہیں اس کا نام موتی باغ ہے' میری زندگی بھر اس میں سوائے والی اس کی

بیٹی جمیلہ کے اور میرے کوئی داخل نہیں ہوا ہے۔ ہر چالیسویں دن وہ بجرے میں بیٹھ کر یہاں آتی ہے اور اپنی کنیزوں کے ساتھ اطلس کی پوشاک پہن کر وہ داخل ہوتی ہے جس کا دامن دس کنیزیں سونے کے کانٹوں سے پکڑ کر اٹھاتی ہیں۔ میں نے اس کا جسم کا کوئی حصہ نہیں دیکھا۔ میری بس ایک جان ہے جو تیرے اوپر فدا کر سکتا ہوں۔

جوان نے اس کا ہاتھ چوما۔ اس نے کہا میرے پاس ٹھہر میں تیرے لیے کوئی تدبیر نکالوں گا پھر وہ جوان کا ہاتھ پکڑ کر باغ کے اندر لے گیا' اسے دیکھ کر ابراہیم نے خیال کیا کہ بس جنت یہی ہے۔ اس کے بعد بوڑھا اسے بارہ دری میں لے گیا اور کہا کہ جمیلہ اسی میں آ کر ٹھہرتی ہے۔ جوان نے دیکھا کہ وہ بہترین تفریح کی جگہ ہے وہاں بے شمار سونے اور لاجورد کی تصویریں ہیں۔ بارہ دری کے چار دروازے ہیں اور ان کے زینے پانچ پانچ پیڑھیوں کے ہیں' اس کے بیچ میں ایک حوض ہے جس میں اترنے کے لیے سونے کا زینہ ہے جس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ حوض کے بیچ میں سونے کا فوارہ ہے اور میں چھوٹی بڑی مورتیں ہیں' جن کے منہ سے پانی نکلتا ہے۔ جب پانی نکلتا ہے اور چڑیاں چہچہاتی ہیں تو سننے والے کو خیال ہوتا ہے کہ میں جنت میں ہوں۔ بارہ دری کے چاروں طرف ایک نہر ہے جس کے ڈول چاندی کے ہیں اور پر زربفت چڑھا ہوا ہے۔ نہر کے بائیں طرف ایک جھروکا ہے جہاں سے ایک ہرا گنبد دکھائی دیتا ہے جس میں طرح طرح کے جنگلی جانور' ہرن اور خرگوش ہیں اس کے داہنی طرف ایک جھروکا ہے جس میں سے ایک میدان دکھائی دیتا ہے جہاں طرح طرح کی چڑیاں ہے جو اپنی اپنی بولیاں بولتی ہیں۔

جوان اس باغ کو دیکھ کر خوش ہو گیا' باغ کے دروازے پر بیٹھ گیا۔ باغبان اس کے پہلو میں ہو بیٹھا اور کہنے لگا میرا باغ تجھے کیسا پسند ہے؟ اس نے کہا یہ دنیا کی جنت ہے۔ باغبان ہنسنے لگا اور جا کر ایک سینی لے آیا جس میں مرغیاں' بٹیریں' دوسرے عمدہ عمدہ کھانے اور شکر کی مٹھائیاں تھیں۔ انہیں جوان کے آگے رکھ کر کہا' پیٹ بھر کا کھا۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ میں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا اور وہ مجھے دیکھ کر خوش

ہوا اور کہنے لگا واللہ امیروں اور امیر زادوں کی یہی شان ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا اے ابراہیم! اس تھیلے میں کیا ہے؟ میں نے تھیلے کو اس کے سامنے انڈیل دیا اس نے کہا جب جمیلہ کے پاس جائیو تو اسے لیتا جائیو کیونکہ جب وہ آئے تو میں تجھے کوئی کھانے کی چیز نہ پہنچا سکوں گا اس کے بعد وہ اٹھا اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک جگہ لے گیا جو اس خوبصورت بارہ دری کے سامنے تھی اور وہاں درختوں کے بیچ میں ایک مچان بنا کر مجھ سے کہا اس پر چڑھ کر بیٹھ جا۔ جب وہ آئے گی تو تو اسے دیکھے گا اور وہ تجھے دیکھ نہ سکے گی۔ یہ بڑی سے بڑی تدبیر ہے۔ جو میں کر سکتا ہوں باقی بھروسہ خدا پر ہے۔ جب وہ گائے تو اس کے گیت کا مزہ لیجیو اور جب وہ چلی جائے تو تو بھی چلتا بنیو۔ جوان نے اس کا شکریہ ادا کیا اور چاہتا تھا کہ اس کا ہاتھ چومے لیکن اس نے روک دیا۔ اس کے بعد جوان نے اپنا تھیلا مچان کے اوپر رکھ دیا۔ باغبان نے کہا ابراہیم! باغ کی خوب سیر کر اور پھل کھا کیونکہ تیری دوست کے آنے کا دن کل ہے جب سویرا ہوا اور دن نکلا ابراہیم نے فجر کی نماز پڑھی' اتنے میں باغبان آیا اس کا چہرہ فق تھا۔ کہنے لگا بیٹا! مچان پر چڑھ جا کنیزیں بارہ دری میں فرش بچھانے آ گئی ہیں اور وہ بھی عنقریب آتی ہو گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو ستاون ویں رات

نو سو ستاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ باغبان نے کہا کہ عنقریب وہ بھی آتی ہو گی۔ خبردار! نہ تھوکیو نہ چھینکو اور نہ ناک صاف کیجیو ورنہ ہم دونوں مارے جائیں گے۔ جوان مچان پر چڑھ بیٹھا اور باغبان یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ بیٹا! خدا تجھے سلامت رکھے۔ جوان بیٹھا ہوا تھا کہ پانچ کنیزیں آئیں بارہ دری کے اندر جا کر انہوں نے کپڑے اتارے بارہ دری کو دھویا' گلاب چھڑکا' عود اور عنبر سلگایا' زربفت کا فرش بچھایا اور اس کے بعد پچاس کنیزیں باجے لیے آئیں اور ان کے درمیان ایک سرخ زربفت کے شامیانے کے نیچے خود جمیلہ تھی۔ کنیزیں سونے کے کانٹوں سے شامیانے کے پردے اٹھائے ہوئے تھیں۔ جمیلہ بارہ دری کے اندر چلی گئی جوان اس کی جھلک بھی نہ دیکھ سکا اپنے دل میں کہنے لگا واللہ میری ساری محنت اکارت گئی خیر میں بھی ڈٹا رہوں گا۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے' کھانے پینے کے بعد کنیزوں نے اس کے لیے کرسی بچھائی وہ بیٹھ گئی اور کنیزوں نے گانا بجانا شروع کیا۔ اتنے میں بڑھیا ماما تالیاں بجاتی اور ناچتی باہر نکل آئی۔ کنیزوں نے اسے پکڑ پھر اندر کھینچ لیا۔ اب پردہ اٹھا اور جمیلہ ہنستی ہوئی نکلی۔ ابراہیم نے دیکھا کہ وہ لباس اور زیوروں سے لدی ہوئی ہے اس کے سر پر ایک تاج ہے جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے ہیں' گلے میں موتیوں کا ہار اور کمرے سے زبرجد کے ٹکڑوں کی پٹی بندھی ہوئی ہے جس کی جھالر میں یاقوت اور موتی پروئے ہوئے ہیں۔ کنیزوں نے اٹھ کر اس کے آگے زمین چومی وہ برابر مسکراتی رہی۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ اسے دیکھتے ہی مجھے اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا اس کا حسن و جمال دیکھ کر میرے ہوش و حواس جاتے رہے اور میں غش کھا کر گر پڑا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں رو رہا تھا اور میں نے بڑھیا کو کنیزوں سے کہتے سنا کہ تم میں سے

دس اٹھ کر گائیں بجائیں۔ انہیں دیکھ کر ابراہیم اپنے دل میں کہنے لگا کاش جمیلہ اٹھ کر ناچتی۔ جب دسوں کنیزیں ناچ چکیں تو انہوں نے کہا اے ہماری آقا! اب ہماری خواہش ہے کہ تو بھی ناچ تاکہ ہمارا سرور مکمل ہو جائے۔ آج بے حد پیارا دن ہے۔ ابراہیم بن خصیب اپنے دل میں کہنے لگا بے شک آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں۔ خدا نے میری دعا سن لی۔ اتنے میں جمیلہ نے اپنے کپڑے اتار ڈالے' محض ایک قمیض میں رہ گئی جو سونے کے تاروں سے بنی ہوئی تھی اور جس میں ہیرے جواہرات پروئے ہوئے تھے۔ اس کا سینہ انار کی طرح ابھرا ہوا تھا جب اس نے اپنا چہرہ کھولا تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا چودھویں رات کا چاند نکل آیا وہ ایسے عجیب و غریب انداز سے ناچی کہ انسان جام بلبلوں کے رقص کو بھول جائے اور اسے سر پر سے پگڑیوں کا جھکنا یاد آئے۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ میں اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ اس کی نظر مجھ پر پڑی اور مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ اپنی کنیزوں سے کہنے لگی' تم گاتی رہو میں ابھی آتی ہوں اور وہ ڈیڑھ بالشت کی چھری لے کر میری طرف بڑھی۔ جونہی وہ میرے پاس پہنچی میرے ہوش جاتے رہے لیکن مجھے دیکھتے ہی اس کے ہاتھ سے چھری گر پڑی اور اس کی زبان سے نکلا پاک ہے وہ ذات جو دلوں کو پھیر دیتی ہے! اس کے بعد بولی اے جوان! ڈر نہیں تجھے امان ہے۔ یہ سن کر میرے آنسو بہنے لگے اور وہ انہیں ہاتھ سے پونچھنے لگی۔

پھر اس نے کہا اے جوان! تو کون ہے اور یہاں کیوں آیا ہے؟ میں نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس کا دامن پکڑ لیا۔ وہ بولی گھبرا نہیں' سوائے تیرے کسی مرد کے دیدار سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوئیں۔ بتا تو ہے کون؟ ابراہیم نے اپنی ساری روداد بیان کی۔ لڑکی کو بڑا تعجب ہوا کہنے لگی اے میرے آقا! خدا کی قسم بتا کیا تو ہی ابراہیم بن خصیب ہے؟ میں نے کہا ہاں! وہ چمٹ گئی یہ کہتے ہوئے اے میرے آقا! تو ہی وہ شخص ہے جس کی وجہ سے میں نے مردوں کو چھوڑ دیا ہے۔ میں نے

سنا تھا کہ مصر میں ایک لڑکا ہے جس سے زیادہ خوبصورت دنیا بھر میں نہ ہو گا اور میں تجھ پر نادیدہ دل و جان سے عاشق ہو گئی۔ شکر ہے خدا کا کہ اس نے تیرا مکھڑا مجھے دکھایا۔ واللہ اگر کوئی اور ہوتا تو میں باغبان' درزی سرائے کے دربان اور اس کی بیوی کی گردنیں اڑا دیتی۔ اچھا اب بتا کہ بغیر کنیزوں کو خبر کئے تیرے لیے کھانا کیسے منگواؤں؟ میں نے جواب دیا میرے پاس کھانے پینے کی چیزیں ہیں جنہیں ہم کھا پی سکتے ہیں۔ یہ کہہ کر میں نے تھیلا الٹ دیا وہ ایک مرغی لے کر مجھے نوالے دینے لگی اور میں اسے نوالے دینے لگا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ پھر میں نے شراب نکالی اور ہم دونوں نے پی۔ صبح سے ظہر تک کنیزیں گاتی رہیں اور وہ میرے پاس بیٹھی رہی۔ بعدازاں وہ اٹھی اور مجھ سے کہا فوراً اپنے لیے ایک کشتی منگا اور فلاں جگہ میرا انتظار کر۔ اب میں تیری جدائی گوارا نہیں کر سکتی۔ میں نے کہا اے میری آقا! میرے پاس اپنی کشتی ہے اس کے ملاح میرے مزدور ہیں اور وہ میرے منتظر ہوں گے۔ اس نے کہا بس پھر اور کیا چاہیے! یہ کہہ کر وہ اپنی کنیزوں کے پاس گئی۔

ooo

• نو سو اٹھاون ویں رات

نو سو اٹھاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جمیلہ نے اپنی کنیزوں کے پاس جا کر کہا چلو محل میں چلیں۔ وہ بولیں' ابھی سے؟ ہم تو یہاں تین تین دن ٹھہرا کرتے تھے۔ اس نے کہا میری طبیعت بھاری معلوم ہوتی ہے' کہیں ایسا نہ ہو کہ بیمار پڑ جاؤں۔ انہوں نے اپنے کپڑوں پہن لیے اور کنارے پر جا کر بجرے میں بیٹھ گئیں۔ اب باغبان ابراہیم کے پاس گیا' اسے کیا معلوم تھا کہ کیا ماجرا پیش آیا ہے کہنے لگا اے ابراہیم! کیا تجھے اس کا دیدار نصیب نہیں ہوا وہ تو یہاں تین دن اور ٹھہرے گی' کہیں اس نے تجھے دیکھ تو نہیں لیا؟ ابراہیم بولا اس نے مجھے دیکھا نہ میں نے اس سے بلکہ وہ تو بارہ دری سے نکلی بھی نہیں۔ باغبان بولا بیٹا! تو سچ کہتا ہے ورنہ ہم دونوں مارے جاتے۔ اچھا میرے ساتھ ٹھہرا رہ' وہ دوسرے ہفتے پھر آئے گی اور تو اسے خوب جی بھر کر دیکھ لیجیو۔ ابراہیم بولا میرے پاس گھر میں مال ہے اور مجھے اس کا ڈر لگا ہوا ہے' دوسرے میں اپنے لوگوں کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں کہیں یہ نہ سمجھیں کہ میں کھو گیا۔ اس نے کہا بیٹا! تیری جدائی مجھ پر شاق گزرتی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے گلے لگایا اور رخصت کیا۔ ابراہیم نے سرائے جا کر دربان سے اپنا سارا مال لیا' دربان بولا خیریت تو ہے؟ ابراہیم نے کہا میرا مطلب پورا نہ ہوا اب میں اپنے وطن جا رہا ہوں۔ دربان رونے لگا اسے رخصت کیا اور اس کا سامان خود لے کر کشتی میں رکھا۔

کشتی میں بیٹھ کر ابراہیم اس جگہ پہنچا جہاں جمیلہ نے کہا تھا کہ میرا انتظار کیجیو۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو وہ اس بھیس میں آئی کہ لباس جنگی سپاہی کا تھا' داڑھی گول اور کمرے سے پٹی بندھی ہوئی تھی' ایک ہاتھ میں تیر کمان اور دوسرے میں ننگی تلوار۔ آتے ہی اس نے کہا کیا تو ہی مصر کے عامل خصیب کا بیٹا ہے؟ ابراہیم بولا ہاں! میں

ہی ہوں۔ اس نے کہا تیری کیوں شامت آئی ہے کہ امیر زادوں کو بگاڑنے آیا ہے؟ چل والی تجھے بلاتا ہے۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ میں غش کھا کر گر پڑا اور ملاح مارے ڈر کے مرنے کے قریب ہو گئے۔ میری یہ حالت دیکھ کر اس نے داڑھی اتار' تلوار پھینک دی' پٹی کھول ڈالی۔ میں نے دیکھا کہ وہ جمیلہ ہے اور کہنے لگی خدا کی قسم

تو نے میرا دل پاش پاش کر دیا۔ اس کے بعد میں نے ملاحوں سے کہا جلدی سے چل کھڑے ہو۔ انہوں بادبان کھولے اور تیز تیز روانہ ہو گئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد ہم بغداد پہنچ گئے دیکھا کہ کنارے پر ایک کشتی کھڑی ہے اس کے ملاح ہمارے ملاحوں کو دیکھ کر کہنے لگے مبارک ہو کہ تم صحیح سلامت لوٹ آئے۔ ملاح وہ کشتی بڑھا کر ہماری کشتی کے پاس لے آئے۔ ہم نے دیکھا کہ اس میں ابوالقاسم صندلانی بیٹھا ہوا ہے۔ ہمیں دیکھ کراس نے کہا بس یہی میرا مقصد تھا۔ جاؤ خدا کو سونپا۔ میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔ اس کے بعداس نے کہا شکر ہے خدا کا تو صحیح سلامت آ گیا۔ کیا تیرا مقصد پورا ہو گیا؟ میں نے کہا ہاں! اس نے وہ شمع جو اس کے پاس تھی ہمارے آگے کی اسے دیکھتے ہی جمیلہ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ صندلانی نے اسے دیکھ کر کہا جاؤ خدا کو سونپا' میں والی کے ایک کام سے بصرے جا رہا ہوں لو یہ میری طرف سے ہدیہ۔
اور اس نے ایک پٹاری حلوے کی نکالی اور ہماری کشتی میں پھینک دی۔ اس حلوے میں بھنگ ملی ہوئی تھی۔ ابراہیم نے کہا اے میری آنکھ کے تارے! کھا۔ وہ رونے لگی اس نے کہا اے ابراہیم! تو جانتا ہے کہ یہ کون ہے؟ وہ بولا ہاں' یہ فلاں شخص ہے۔
لڑکی نے کہا یہ میرا چچیرا بھائی ہے' ایک بار اس نے میرے ساتھ شادی کا پیغام بھیجا تھا میں نے قبول نہیں کیا۔ اب وہ بصرے جا رہا ہے ضرور میرے باپ کو خبر کرے گا۔ میں نے کہا اے میرے آقا! اس کے بصرے پہنچنے سے پہلے ہم موصل پہنچ چکے ہوں گے لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ غیب میں ان کے لیے کیا پوشیدہ ہے۔
میں نے حلوا کھایا ابھی وہ پیٹ میں بھی نہ اترا ہو گا کہ میرا سر جا کر زمین سے جا

ٹکرایا۔ صبح ہوئی تو مجھے چھینک آئی اور بھنگ میری ناک سے نکل پڑی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں دیکھا کہ میں ننگا ایک کھنڈر میں پڑا ہوں' اپنا منہ پیٹنے لگا اور دل میں کہا کہ یہ صندلانی کا فریبہ ہے۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کدھر جاؤں' سوائے پاجامے کے میرے بدن ایک دھجی نہ تھی۔ میں اٹھ کر آہستہ آہستہ چلنے لگا کیا دیکھتا ہوں کہ والی میری طرف چلا آ رہا ہے اس کے ساتھ اور لوگ ہیں۔ تلواریں اور ڈھالیں لیے ہوئے۔ ایک حمام کا کھنڈر دیکھ میں وہاں چھپ گیا۔ اتنے میں میرا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا میں نے اسے ٹٹولا تو میرے ہاتھ خون میں لتھڑ گئے۔ میں نہیں پاجامے سے پونچھا۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا ہے۔ میں نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا تو وہ ایک مقتول پر جا پڑا اس کا سر میرے ہاتھ میں آ گیا۔ میں نے اسے پھینک دیا لاحول..... پڑھنے لگا اور حمام کے ایک کونے میں جا کر چھپ رہا۔ اس اثناء میں والی حمام کے دروازے پر آ کر ٹھہر گیا اور کہنے لگا اس کے اندر جا کر تلاش کرو اور دس آدمی مشعلیں لے کر اندر آئے۔ ڈر کے مارے میں ایک دیوار کے پیچھے جا چھپا دیکھا کہ مقتول ایک لڑکی ہے۔ چودھویں رات کی طرح خوب صورت اس کا سر ایک طرف پڑا ہے اور دھڑ دوسری طرف۔ وہ قیمتی کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ اسے دیکھ کر میرا دل دھڑکنے لگا والی نے اندر آ کر کہا ہر کونے میں ڈھونڈو۔ اب وہ اس جگہ آ گئے جہاں میں تھا اور ایک شخص کی نظر مجھ پر پڑ گئی اس کے ہاتھ میں ڈیڑھ بالشت کا ایک خنجر تھا۔ جب وہ میرے پاس پہنچا تو کہنے لگا پاک ہے وہ ذات جس نے اس خوبصورت مکھڑے کو پیدا کیا۔ اے لڑکے! تو کہاں سے آیا ہے؟ اس کے بعد اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا اے لڑکے! تو نے اسے کیوں قتل کیا؟ میں نے کہا خدا کی قسم میں نے نہیں قتل کیا ہے۔ مجھے تو اس کے قاتل کی خبر تک نہیں۔ میں تو یہاں تمہارے ڈر کے مارے آ چھپا ہوں۔

اس کے بعد میں نے اسے سارا قصہ سنا دیا اور کہا خدا کے لیے میرے اوپر ظلم نہ کر' میں خود اپنی مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں۔ اس نے مجھے لے جا کر والی کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے دیکھا کہ میرے ہاتھوں پر خون کے نشان ہیں تو کہنے لگا اس کے لیے

اب کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں اس کی گردن اڑا دو۔

○○○

• نو سو انسٹھ ویں رات

نو سو انسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ والی کہنے لگا اس کی گردن اڑا دو۔ یہ سن کر میں رونے لگا' میرے آنسو بہنے لگے اور ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ میری یہ حالت جو دیکھی تو جلاد کا دل پسیج گیا اس نے کہا خدا کی قسم یہ قاتل کا چہرہ نہیں ہے۔ والی بولا اڑا دو اس کی گردن۔ مجھے قتل کی چٹائی پر بٹھایا میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی' جلاد نے تلوار لے کر والی سے اجازت مانگی اور چاہتا ہی تھا کہ میری گردن اڑا دے میں ہائے پردیس چلانے لگا اتنے میں چند سوار آ پہنچے اور ان میں سے ایک کہنے لگا اسے جانے' اے جلاد! اپنا ہاتھ روک لے۔ اپنا ہاتھ روک لے۔ اس کا ایک عجیب و غریب سبب تھا وہ یہ کہ مصر کے عامل خصیب نے خلیفہ ہارون الرشید کے پاس اپنے حاجب کو بھیجا تھا اس کے ساتھ تحفے تحائف کر کے لکھا تھا کہ میرا بیٹا ایک سال سے غائب ہے میں نے سنا ہے وہ بغداد میں ہے اس لیے میں خلیفہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مہربانی فرما کر اسے تلاش کرے اور حاجب کے ساتھ میرے پاس بھیج دے۔ خط پڑھ کر خلیفہ نے والی سے کہا اسے تلاش کر۔ والی اور خلیفہ اس کی تلاش میں تھے کہ انہیں خبر ملی وہ بصرے میں ہے اور خلیفہ نے ایک خط لکھ کر مصری حاجب کے ہاتھ بصرے روانہ کیا۔ حاجب کو اپنے آقا کے بیٹے کا اتنا خیال تھا کہ وہ فوراً چل کھڑا ہوا اس نے دیکھا کہ وہ والی کے پاس مقتولوں کی چٹائی پر بیٹھا ہوا ہے۔ حاجب کو دیکھتے ہی والی گھوڑے سے اتر پڑا حاجب نے پوچھا یہ کون لڑکا ہے؟ حاجب کو اب تک یہ خبر نہ تھی کہ وہ عامل کا بیٹا ہے اس نے کہا کہ یہ تو قاتل کا چہرہ نہیں معلوم ہوتا اور حکم دیا کہ اس کی مشکیں کھول دی جائیں۔ جب لڑکا حاجب کے سامنے آیا تو وہ پہچان نہ سکا' مصیبت نے اس کی خوبصورتی بدل دی۔ حاجب نے کہا اے لڑکے! اپنا حال بیان کر اور یہ مقتول لڑکی تیرے قریب کیسی

ہے؟
لیکن ابراہیم حاجب کو دیکھ کر پہچان گیا اور کہنے لگا بھلے مانس! تو نے مجھے پہچانا نہیں؟ کیا میں تیرے آقا کا بیٹا ابراہیم نہیں ہوں؟ غالباً تو میرے ہی کھوج میں آیا ہے۔ حاجب نے اسے غور سے دیکھ کر پہچان لیا اور اس کے قدموں پر گر پڑا۔ والی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور حاجب اس سے کہنے لگا ظالم' ستیاناس ہو تیرا' کیا تو مصر کے عامل میرے آقا خصیب کے بیٹے کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ والی نے حاجب کا دامن چوم کر کہا اے میرے مولا! میں اسے کیونکر پہچان سکتا جبکہ وہ اس حالت میں تھا اور لڑکی قتل کی ہوئی اس کے پاس پڑی تھی۔ حاجب بولا ستیاناس ہو تیرا! اس لڑکے کی عمر پندرہ برس کی ہے اور ابھی تک اس نے ایک چڑیا کو بھی نہیں مارا پھر وہ انسانوں کو کیونکر قتل کر سکتا ہے؟ تو نے اس سے سارا ماجرا پوچھا بھی یا نہیں؟ والی اور حاجب دونوں نے سپاہیوں سے کہا قاتل کو ڈھونڈو اور وہ دوبارہ حمام کے اندر گئے' قاتل ان کی نظر پڑ گیا وہ اسے پکڑ کر والی کے پاس آئے۔ والی اسے خلیفہ کے پاس لے گیا اور اس سے ماجرا بیان کیا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ لڑکی کے قاتل کو قتل کر دیا جائے اور کہا خصیب کے بیٹے کو حاضر کرو۔
ابراہیم خلیفہ کے سامنے حاضر ہوا تو وہ مسکرایا اور کہنے لگا اپنا قصہ بیان کر۔ ابراہیم نے شروع سے لے کر آخر تک سنا دیا۔ خلیفہ کو بڑا افسوس ہوا اور اس نے مسرور کو بلا کر کہا فوراً ابوالقاسم صندلانی کے گھر پر دھاوا بول دے۔ اسے اور لڑکی کو لے آ۔ مسرور نے جا کر دیکھا کہ لڑکی اپنے بالوں میں بندھی پڑی ہے اسے کھول کر صندلانی کے ساتھ خلیفہ کے پاس لے آیا۔ رشید لڑکا کا حسن دیکھ کر دنگ ہو گیا اور حکم دیا کہ صندلانی کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالو جن سے اس نے اس لڑکی کو مارا ہے اور پھر اسے سولی پر چڑھا دو اس کی تمام نقدی اور جائیداد ابراہیم کو دے دو۔ اتنے میں جمیلہ کا باپ ابواللیث جو بصرے کا عامل تھا آ پہنچا تاکہ وہ خلیفہ سے خصیب کے بیٹے کی شکایت کرے کہ اس کی بیٹی کو بھگا لے گیا ہے۔ رشید بولا اسی کی وجہ سے تو وہ تکلیف

اور قتل سے بچ گئی۔ پھر اس نے ابراہیم کو بلوایا اور ابواللیث سے کہا کیا تو راضی ہے کہ یہ لڑکا جو مصر کے عامل کا بیٹا ہے تیری بیٹی کا شوہر بن جائے؟ اس نے جواب دیا خدا کا اور تیرا حکم سر آنکھوں پر۔ خلیفہ نے قاضی اور گواہوں کو بلوا کر دونوں کا نکاح کرا دیا اور ابراہیم بن خصیب کو صندلانی کا سارا مال دے کر اس کے وطن بھجوا دیا۔ دونوں بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو ہمیشہ زندہ ہے اور کبھی مرتی نہیں۔

○ معتضد باللہ اور ابوالحسن خراسانی کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------ معتضد باللہ بڑا عالی ہمت اور شریف النفس انسان تھا' محض بغداد میں اس کے چھ سو وزیر تھے اور لوگوں کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہ تھی۔ ایک روز وہ اور ابن حمدون رعایا کی سیر کرنے نکلے تاکہ دیکھیں کہ کیا نئی باتیں پیش آتی ہیں لیکن گرمی اتنی تیز پڑ رہی تھی کہ وہ سڑک کو چھوڑ کر ایک گلی میں پھر گئے' انہوں نے دیکھا کہ گلی کے صدر میں خوبصورت اور بلند ایک حویلی ہے جس سے حویلی کے مالک کی تعریف ٹپکتی ہے۔ دونوں دروازوں پر ستانے کی غرض سے ٹھہر گئے اتنے میں اندر سے دو نوکر نکلے جو چودھویں رات کے چاند کی طرح تھے ایک دوسرے سے کہنے لگا کاش ایک اور مہمان آ گیا ہوتا کیونکہ ہمارا آقا بغیر دو مہمانوں کے کھانا نہیں کھاتا اور اس وقت تک مجھے کوئی نظر نہیں آتا۔ یہ سن کر خلیفہ کو تعجب ہوا وہ کہنے لگا ثابت ہوتا ہے کہ مکان والا بڑا سخی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اندر چل کر اس کی مروت کا تجربہ کریں' ممکن ہے کہ اس وجہ سے وہ ہمارے انعام کا مستحق ہو جائے۔ اب اس نے غلام سے کہا اپنے آقا سے جا کر کہہ کہ چند پردیسی اندر آنا چاہتے ہیں۔

خلیفہ کا دستور تھا کہ جب وہ اپنی رعیت کی سیر کرنے جاتا تو تاجروں کا بھیس بدل لیتا۔ نوکر نے اندر جا کر خبر دی اس کا آقا خوش ہو کر خود باہر نکل آیا تھا دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے۔ نیشاپوری قمیض پہنے ہوئے اس کی قباء سنہری ہے' وہ عطر میں بسا ہوا ہے اور اس کی انگلی میں یاقوت کی ایک انگوٹھی ہے۔ انہیں دیکھتے ہی وہ بولا آقاؤں! خوش آمدید! تم نے قدم رنجہ فرما کر مجھ پر بڑا احسان کیا' مکان کے اندر داخل ہوتے ہی وہ اپنا گھر بھول گئے کیونکہ وہ جنت کا ایک ٹکڑا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو ساٹھ ویں رات

نو سو ساٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ اندر جا کر اپنے گھر بار کو بھول گیا کیونکہ وہاں ایک باغ تھا جس میں ہر قسم کے درخت تھے۔

اور تمام کمروں میں قیمتی فرش بچھے ہوئے۔ معتضد بیٹھ کر مکان اور فرش کو غور سے دیکھنے لگا۔ ابن حمدون کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا خلیفہ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا خدا خیر کرے آج وہ ناراض معلوم ہوتا ہے۔ اتنے میں لوگ ایک سونے کا تشت لائے ہم نے ہاتھ دھوئے پھر انہوں نے ایک ریشمی چادر بچھا کر اس پر خیز ران کا دسترخوان لگایا۔ جب رکابیوں پر سے سر پوش اٹھائے گئے تو کھانے اس طرح رکھے ہوئے تھے جیسے بہار کے پھول بہترین زمانے میں۔ اب مکان کے مالک نے کہا اے آقاؤ! بسم اللہ! بھوک میرے چٹکیاں لے رہی ہے' مجھ پر مہربانی کر کے کھانا شروع کرو۔ جیسے بزرگ لوگ کیا کرتے ہیں۔ مکان کا مالک مرغیوں کے ٹکڑے کر کے ہمارے آگے سرکاتے ہوئے مذاق کرتا' اشعار پڑھتا' کہانیاں سناتا اور مجلس کی شان کے لائق لطیفے بیان کرتا جاتا۔ ابن حمدون کا بیان ہے کہ ہم کھا پی کر ایک دوسرے کمرے میں گئے جسے دیکھ کر عقل دنگ ہو گئی جہاں نفیس خوش بوئیں مہک رہی تھیں وہاں اس نے ہمارے آگے عمدہ عمدہ پھل اور مٹھائیاں رکھیں لیکن باوجود ان تمام باتوں کے خلیفہ کی تیوری برابر چڑھی رہی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ وہ ہنسی مذاق کو بہت پسند کرتا ہے اور یہ بھی کہ اس میں نہ حسد کا مادہ ہے نہ ظلم کا۔ اس کے بعد چاندی اور بلور کے برتنوں میں شراب لائی گئی' مکان کے مالک نے خیزران کی چھڑی ایک کمرے کے دروازے پر ماری' دروازہ کھلا اس میں سے تین باکرہ اور ابھرے ہوئے سینے والی لڑکیاں نکلیں' ان کا چہرہ ایسا تھا جیسے چوتھے پہر کا سورج۔ ایک ستار بجانے والی دوسری رباب بجانے والی اور تیسری

ناچنے والی۔
ابن حمدون کا بیان ہے کہ اس نے ہمارے اور تینوں لڑکیوں کے بیچ میں ایک زربفت کا پردہ ڈال دیا جس کی جھالر ریشم کی تھی اور حلقے سونے کے۔ خلیفہ ان میں سے کسی

چیز کی طرف متوجہ نہ ہوا اور نہ مکان والے کو یہ معلوم ہوا کہ اس کا مہمان کون ہے۔ بالآخر خلیفہ نے اس سے پوچھا کیا تو امراء میں سے ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ میں سوداگر ہوں' لوگ مجھے ابو الحسن علی بن احمد خراسانی کہتے ہیں۔ خلیفہ نے کہا اور تو جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟ وہ بولا خدا کی قسم میں تم دونوں بزرگوں میں سے کسی کو نہیں جانتا۔ ابن حمدون نے کہا یہ امیر المومنین معتضد باللہ متوکل علی اللہ کا پوتا ہے۔ اتنا سنتے ہی وہ شخص اٹھا' خلیفہ کے آگے زمین چومی' مارے ڈر کے کانپنے لگا اور کہا امیر المومنین! تجھے میں تیرے پاک بزرگ کا واسطہ دیتا ہوں اگر مجھ سے کوئی تقصیر یا بے ادبی سرزد ہوئی ہو تو معاف کیجیو۔ خلیفہ نے کہا جو بھلائی تو نے ہمارے ساتھ کی ہے اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی لیکن جو بات مجھے ناپسند ہے اس کے متعلق اگر تو نے سچ سچ کہہ دیا اور میری سمجھ میں آ گیاتو تیری خیریت ہے اور اگر تو نے ٹھیک بات نہ کہی تو میں ظاہری حالت پر فیصلہ کر کے اتنی سخت سزا دوں گا کہ کسی کو بھی نہ دی ہو گی۔ اس نے کہا خدا نہ کرے کہ میں تجھ سے جھوٹ بولوں لیکن اے امیر المومنین! بتا تو سہی کہ میری کونسی بات تجھے ناپسند ہے؟ خلیفہ بولا جب سے میں تیرے ہاں آیا ہوں میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ہر برتن' فرش اور زیب و زینت کی تمام چیزوں یہاں تک کہ تیرے کپڑوں پر بھی میرے دادا متوکل علی اللہ کا نام ہے۔ اس نے کہا درست ہے اے امیر المومنین! خدا تیری مدد کرے! سچائی تیرا لباس ہے' صدق تیری چادر اور کسی کی یہ ہمت نہیں کہ تیرے آگے سچ کے علاوہ کچھ کہہ سکے۔ خلیفہ نے کہا بیٹھ جا جب وہ بیٹھ گیا تو خلیفہ بولا اب کہہ۔
اس نے کہا امیر المومنین! سن بغداد میں نہ مجھ سے زیادہ مال دار کوئی شخص تھا نہ میرے

باپ سے۔ اب اس کا سبب سن جس کی وجہ سے تو مجھ سے ناراض ہے۔ میرے باپ کا کاروبار صراف' عطار اور بزاز بازاروں میں تھا' ان تمام جگہوں میں اس کی دکانیں تھیں جہاں اس کے وکیل اور سامان رہا کرتا۔ صراف بازار والی دکان کے اندر ایک کمرہ تھا جس میں وہ لوگوں سے تنہائی میں ملا کرتا اور دکان خرید و فروخت کے لیے تھی۔ اس کے مال و دولت کی نہ حد تھی نہ شمار اور میں اس کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ مجھے بہت چاہتا' جب وہ مرنے کے قریب ہوا تو اس نے مجھے بلا کر وصیت کی کہ ماں کی خبر گیری رکھیو اور خدا سے ڈرتا رہیو۔ اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ رحمتہ اللہ علیہ! خدا امیر المومنین کو قائم رکھے۔ اب میں کھانے پینے اور مزے اڑانے لگا' یار دوستوں کی صحبتوں میں پڑ گیا۔ ماں مجھے برابر منع کرتی رہی لیکن میں نے اس کی ایک نہ سنی یہاں تک کہ سارا مال ختم ہوا۔ اس کے بعد میں نے ایک ایک کر کے جائیدادیں بیچنی شروع کر دیں اور سوائے اس گھر کے جس میں میں رہتا تھا کچھ باقی نہ رہا۔ اے امیر المومنین! وہ بڑا خوبصورت مکان تھا' میں نے اپنی ماں سے کہا اسے میں بیچنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا بیٹا! اگر تو اسے بھی بیچ ڈالے گا تو لوگوں میں بدنامی ہو گی اور تیرے رہنے کے لیے کوئی گھر باقی نہ رہے گا۔ میں نے کہا وہ پانچ ہزاد دینار میں بکے گا میں ایک دوسرا مکان ایک ہزاد دینار میں خرید کر باقی سے تجارت کروں گا۔ ماں نے ایک صندوق کھول کر اس میں سے ایک چینی کا پیالہ نکالا جس میں پانچ ہزار دینار تھے۔ انہیں دیکھ کر مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا گھر سونے سے بھرا ہوا ہے۔ ماں نے کہا بیٹا! یہ گمان نہ کیجیو کہ یہ مال تیرے باپ کا ہے۔ خدا کی قسم بیٹا! یہ میرے باپ کا مال ہے اور میں نے اسے اس لیے اٹھا رکھا تھا کہ برے وقت کام آئے۔ جب تک تیرا باپ زندہ تھا مجھے اس مال کی ضرورت نہیں پڑی اس وقت میں مال دار تھی۔

اے امیر المومنین! میں نے دام اس سے لے لیے اور پہلے کی طرح گلچھرے اڑانے لگا وہ پانچ ہزار دینار بھی خرچ ہو گئے۔ میں نے دوبارہ ماں سے کہا کہ میں اس گھر

کو بیچنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا بیٹا! میں نے منع کیا تھا کہ نہ بیچ کیونکہ میں جانتی تھی کہ اس کی تجھے ضرورت ہے۔ اب تو دوبارہ اسے کیسے بیچ سکتا ہے؟ میں نے کہا زیادہ باتیں نہ بنا۔ میں اسے بیچ کر رہوں گا۔اس نے کہا کہ میں پندرہ ہزار دینار میں خریدتی ہوں بہ شرطے کہ میں خود تیرا انتظام کروں۔ میں نے اس شرط پر اس کے ہاتھ مکان بیچ دیا۔ اس نے باپ کے وکیلوں کو بلا کر ہر ایک کو ایک ایک ہزار دینار دیئے' سارا مال اپنے قبضے میں رکھا' خود لین دین کرنے لگی اور مجھے کچھ دام دے کر کہا اس سے تجارت کر اور اپنے باپ کی دکان پر جا کر بیٹھ۔ امیر المومنین! جیسا میری ماں نے کہا تھا میں نے کیا' اور صراف بازار میں جا کر دکان کھول دی' خوب کمائی ہونے لگی۔ میری یہ حالت دیکھ کر ماں نے تمام ہیرے' جواہرات' موتی اور سونا دکھا دیا جو اس نے جمع کر رکھا تھا۔ اب میری تمام جائیدادیں واپس آ گئیں۔ جو میں نے اڑا دی تھیں اور میں پہلے کی طرح مال دار ہو گیا۔ امیر المومنین!ایک دن جب کہ میں دکان پر بیٹھا تھا ایک لڑکی ائی جس سے زیادہ حسین کسی کی نظر سے نہ گزری ہو گی اور کہنے لگی ابو الحسن علی بن احمد خراسانی کی دکان یہی ہے؟ میں نے کہا ہاں! اس نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ میں نے کہا میں ہوں۔ لیکن اے امیر المومنین! اس کا حسن دیکھ کر میری عقل دنگ تھی' وہ بیٹھ گئی اور مجھ سے کہا اپنے غلام سے کہ مجھے تین سو دینار تول دے۔ میں نے تول دیئے وہ انہیں لے کر چل دی اور میں ہکا بکا دیکھتا رہ گیا۔ غلام نے مجھ سے پوچھا تو اسے پہچانتا ہے؟ میں بولا نہیں۔ اس نے کہا پھر تو نے مجھ سے کیوں کہا کہ اسے تول دے؟ میں نے جواب دیا اس کے حسن و جمال سے میں اتنا بد حواس ہو گیا تھا کہ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ میں نے کیا کیا۔ بغیر مجھ سے کچھ کہے۔ غلام اس کے پیچھے ہو لیا' تھوڑی دیر کے بعد لوٹا تو اس کے آنسو نکل رہے تھے اور منہ پر تھپڑ کا نشان تھا۔ میں نے پوچھا خیریت توہے؟ اس نے کہا میں لڑکی کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا کہ دیکھوں وہ کہاں جاتی ہے لیکن جوں ہی اسے یہ معلوم ہوا اس نے پھر کر اس زور سے میرے طمانچہ مارا کہ قریب تھا میری آنکھ نکل پڑے۔ اے

امیر المومنین! اس کے بعد ایک مہینے تک میں اس کی راہ دیکھتا رہا' وہ نہ دکھائی دی۔ چاند رات کے دن وہ پھر آئی اور سلام کیا' مارے خوشی کے میں باغ باغ ہو گیا۔ اس نے میری خیریت پوچھی کہنے لگی شاید تو نے اپنے دل میں کہا ہو گا کہ یہ کون دغاباز عورت تھی جو میرے دام لے کر چلتی بنی۔ میں نے جواب دیا اے میری آقا! میرا مال اور میری جان دونوں تیرے ہیں۔ اس نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دی اور ستانے کی غرض سے بیٹھ گئی اس کا لباس اور گہنا اس کے چہرے اور سینے پر کھلنے لگا اس نے کہا میرے لیے تین سو دینار اور تول دے' مجھے ضرورت ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اس سے پوچھوں آخر کس بات پر میں تجھے دام دوں لیکن اس کی محبت کی وجہ سے میری زبان بند ہو گئی۔ میں نے چپکے سے پانچ سو دینار تول کر اسے دے دیئے اور وہ لے کر چل دی۔ اب میں خود اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا میں نے دیکھا کہ جوہری بازار پہنچ کر اس نے ایک شخص سے ایک ہار خریدا اور پلٹ کر مجھ سے کہا پانچ سو دینار مجھے تول دے جب ہار والے کی نظر مجھ پر پڑی تو اس نے اٹھ کر میری تعظیم کی اور میں نے اس سے کہا اسے ہار دے دے' دام میں دوں گا۔ اس نے ہار دے دیا اور لڑکی ہار لے کر آگے بڑھ گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## نو سو اکسٹھ ویں رات

نو سو اکسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ...... لڑکی ہار لے کر آگے بڑھ گئی۔ ابو الحسن خراسانی کہتا ہے کہ میں اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا دیکھا کہ وہ دجلے پہنچ کر ایک کشتی پر جا بیٹھی۔ میں نے زمین کی طرف اشارہ کیا گویا میں اس کے آگے زمین چومتا ہوں لیکن وہ ہنستی ہوئی چل دی۔ میں اسے برابر دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک محل میں داخل ہو گئی' غور سے دیکھنے پر مجھے یہ پتہ چلا کہ وہ خلیفہ متوکل کا محل ہے۔ اے امیر المومنین! اب میں وہاں سے لوٹا اور اپنے دل میں کہنے لگا وہ میرا مال بھی لے گئی اور عقل بھی اور اب میری جان بھی اس کی محبت میں چلی جائے گی۔ گھر جا کر میں نے ماں سے سارا ماجرا بیان کیا۔اس نے کہا بیٹا! خبردار! اب اس سے کوئی واسطہ نہ رکھیو ورنہ تو تباہ ہو جائے گا۔ جب میں دکان پر پہنچا تو میرا عطار بازار والا وکیل آیا جو بہت بوڑھا تھا اور کہنے لگا اے میرے آقا! تیری حالت متغیر کیوں ہے؟ میں نے سارا ماجرا بیان کیا وہ کہنے لگا بیٹا! یہ کنیز خلیفہ کی چہیتی کنیز ہے اب تک وہ جو تیرا مال گیا اس کا دھیان دل سے نکال ڈال اور اگر وہ پھر آئے تو خبردار! اسے منہ نہ لگائیو اور مجھے اس کی خبر کیجیو تاکہ میں کوئی تدبیر نکالوں جس سے تیری جان بچے۔ جب چاند رات ہوئی تو وہ پھر آئی میں اسے دیکھ کر باغ باغ ہو گیا' اس نے پوچھا تو نے میرا پیچھا کیوں کیا تھا؟ میں نے کہا عشق کی زیادتی کی وجہ سے۔ یہ کہہ کر میں اس کے سامنے رونے لگا اس پر اسے اتنا ترس آیا کہ وہ بھی رو پڑی اور کہنے لگی جتنی محبت تیرے دل میں میری طرف سے ہے اس سے زیادہ میرے دل میں تیری طرف سے ہے۔ لیکن کیا کرنا چاہیے؟ میرے اختیار میں اس سے زیادہ نہیں تجھے مہینے میں ایک بار آ کر دیکھ جایا کروں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک پرچہ مجھے دیا کہ اسے فلاں جگہ فلاں شخص کے پاس لے جا' وہ میرا وکیل ہے اور جو کچھ

اس میں لکھا ہے اس سے لے لے۔ میں بولا مجھے کسی مال کی حاجت نہیں بلکہ میرا جان و مال تجھ پر قربان ہے۔ اس نے کہا میں جلد کوئی نہ کوئی اس کی تدبیر نکالوں گی کہ تیری پہنچ مجھ تک ہو جائے خواہ اس میں مجھے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اٹھانی پڑے۔

یہ کہہ کر وہ مجھ سے رخصت ہوئی۔ میں نے بوڑھے عطر فروش کو یہ قصہ بھی جا سنایا۔ وہ مجھے متوکل کے محل تک لے گیا میں نے دیکھا کہ یہ وہی محل جہاں لڑکی گئی تھیں۔ بوڑھا پریشان تھا کہ کیا تدبیر نکالے اتنے میں اس کی نظر ایک درزی پر پڑی جس کی دکان محل کے جھروکے کے سامنے تھی اور جس میں کئی شاگرد کام کر رہے تھے۔ بوڑھے نے کہا بس اسی سے تیرا مقصد پورا ہو گا لیکن اپنا گریبان پھاڑ ڈال اور جا کر اس سے کہہ کہ اس سے کہہ' سی دے۔ جب وہ سی دے تو اسے دس دینار دیجیو۔ میں درزی کے پاس دو رومی زربفت کے ٹکڑے لے گیا اور کہا ان کی چار صدریاں سی دے' دو لمبی اور دو چھوٹی آستینوں والی۔ جب اس نے صدریاں سی کر تیار کر دیں تو میں نے اس کی مزدوری سے کئی گنے زیادہ دام دیئے اور اس سے کہا یہ صدریاں اپنے لیے رہنے دے۔ اب میں اس کی دکان پر دیر تک بیٹھا رہنے لگا۔ اس کے بعد اس سے اور بہت سے کپڑے سلوائے اور کہا کہ انہیں دکان کے آگے لٹکا دے تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر خریدیں۔ جو کوئی خلیفہ کے محل میں سے آتا اور کسی کپڑے کو پسند کرتا میں اسے بے دام دے دیتا یہاں تک کہ دربان کو بھی کئی کپڑے دے دیئے۔ ایک دن درزی کہنے لگا بیٹا! مہربانی کر کے یہ تو بتا کہ تیرا قصہ کیا ہے' تو نے سو کے قریب کپڑے مجھ سے سلوائے ہیں جن میں ایک سے ایک بڑھ کر قیمتی ہے اور اکثر ان میں سے تو نے لوگوں کو مفت دے دیئے۔ یہ تاجروں کا کام نہیں وہ تو ایک ایک درہم گن کر رکھتے ہیں۔ تیری پونجی کتنی ہے کہ تو اس قدر بخششیں کرتا اور سال میں تیری کتنی آمدنی ہے؟ سچ سچ کہہ دے تاکہ میں تیری مطلب برآری میں کوشش کروں۔ اس کے بعد وہ بولا تجھے خدا کی قسم سچ بتا کسی پر عاشق تو نہیں؟ میں نے کہا

ہاں! اس نے پوچھا کس پر؟ میں نے کہا خلیفہ کے محل کی ایک کنیز پر۔ وہ بولا ستیاناس کرے خدا ان کا! کتنے لوگوں کو انہوں نے پریشان کر رکھا ہے تو اس کا نام جانتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا اسؑ کا حلیہؒ بیان کر۔ جب میں نے اس کا حلیہ بیان کیا تو وہ کہنے لگا ستیاناس ہو اس کا! وہ خلیفہ متوکل کی چہیتی ستار بجانے والی کنیز ہے لیکن اس کا ایک غلام ہے' میں تیرے اور اس کے درمیان دوستی کرا دوں گا ممکن ہے اس کے ذریعے سے تیری رسائی ہو جائے۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ وہی غلام آ پہنچا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چودھویں رات کا چاند نکل آیا۔ اس وقت میرے سامنے رنگ برنگ زربفت کے کپڑے تھے جو درزی نے میرے لیے سیئے تھے' غلام انہیں غور سے دیکھنے لگا پھر آگے بڑھ کر میرے پاس آیا۔ میں نے بڑھ کر اسے سلام کیا۔ اس نے پوچھا تو کون ہے؟ میں نے کہا تاجر۔ اس نے کہا کیا یہ کپڑے بیچتا ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں! اس نے پانچ کپڑے پسند کر کے پوچھا ان پانچ کے کیا دام ہیں؟ میں نے کہا مفت نذر ہیں تا کہ تیرے اور میرے درمیان دوستی ہو جائے۔ یہ سن کر وہ خوش ہو گیا پھر میں گھر جا کر اس کے لیے ایک اور لباس لے آیا جس میں ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے جس کی قیمت تین ہزار دینار تھی اور اس کے پاس لے گیا' اور کہا تاجروں میں تو کس نام سے مشہور ہے؟ میں نے کہا ایک تاجر کے نام سے۔ اس نے کہا' تو نے مجھے شک میں ڈال رکھا ہے۔ میں نے کہا' یہ کیسے؟ وہ بولا' تو نے مجھے اتنی بیش بہا چیزیں دیں کہ میرے دل پر قبضہ کر لیا اور مجھے یقین ہے کہ تو ابو الحسن خراسانی صراف ہے۔ اے امیر المومنین! یہ سن کر میں رونے لگا۔ اس نے کہا کیوں روتا ہے؟ واللہ جس کی خاطر تو رو رہا ہے اس کے دل میں تیری طرف سے اتنی محبت ہے کہ تیرے دل میں بھی اس کی طرف سے نہ ہو گی اور محل کی کنیزوں میں تم دونوں کا ماجرا پھیل گیا ہے۔ اس نے دوسرے دن کا وعدہ کیا اور میں گھر چلا گیا۔ دوسرے دن صبح سویرے میں اس کے کمرے میں گیا اس نے کہا کل جب وہ خلیفہ کی خدمت سے لوٹی تو میں نے اس سے تیرا سارا قصہ بیان کیا اور وہ تجھ سے

ملنا چاہتی ہے۔ شام تک یہاں ٹھہرا رہ جب شام ہوئی تو غلام ایک قمیص لایا جو سونے کے تاروں سے بنی ہوئی تھی اور خلیفہ کے پہننے کی ایک پوشاک۔ مجھے یہ دونوں چیزیں پہنا کر اس نے خوشبوؤں کی دھونی دی اور میں ہو بہ ہو خلیفہ کی طرح ہو گیا اس کے بعد وہ مجھے ایک جگہ لے گیا جہاں دو رویہ کمرے تھے اور کہنے لگا یہ خاص کنیزوں کے کمرے ہیں جب تو یہاں سے گزرے تو ہر دروازے پر ایک ایک پھلی رکھ دیجیو خلیفہ ہر رات ایسا ہی کرتا ہے۔

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

نو سو باسٹھ ویں رات

نو سو باسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ غلام نے کہا کہ پھلیاں رکھتے رکھتے تو کمروں کی ایک اور قطار پر پہنچے گا جو تیرے داہنی طرف ہو گی۔ وہاں تجھے ایک کمرہ ملے گا جس کا دروازہ مرمر کا ہو گا' اسے اپنے ہاتھ سے چھوئیو اور اندر داخل ہو جائیو وہیں تیری محبوبہ تجھے مل جائے گی۔اب رہا وہاں سے باہر آنا تو خدا یہ بھی میرے لیے آسان کر دے گا خواہ تجھے صندوق ہی میں بند کر کے کیوں نہ لانا پڑے۔ یہ کہہ کر وہ تو چل دیا میں دروازے گنتے اور ہر دروازے پر ایک ایک پھلی رکھنے لگا جب میں کمروں کے بیچ میں پہنچا تو مجھے شور و غل سنائی دیا اور شمعوں کی روشنی بڑھتے بڑھتے میرے پاس تک پہنچ گئی۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ خلیفہ ہے اور اس کے اردگرد شمعیں لیے ہوئے کنیزیں۔ میں نے ایک کنیز کو دوسری سے کہتے سنا بہن! کیا ہمارے دو خلیفہ ہیں؟ ایک خلیفہ تو ابھی میرے کمرے کے پاس سے گزرا تھا' مجھے عطر کی خوشبو آئی تھی اس نے میرے دروازے پر دستور کے موافق پھلی بھی رکھی اب مجھے پھر خلیفہ کی شمعوں کی روشنی دکھائی دیتی ہے۔ دوسری کنیز نے کہا یہ عجیب و غریب بات ہے کیونکہ یہ کسی کی ہمت نہیں کہ وہ خلیفہ کے کپڑے پہنے جب روشنی میرے قریب پہنچی تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے' اتنے میں ایک غلام نے پکار کر کہا کنیزو! اس طرف آؤ' وہ سب ایک کمرے میں داخل ہو گئیں اور وہاں سے نکل کر میری محبوبہ کے کمرے کے پاس پہنچیں۔ خلیفہ نے پوچھا یہ کس کا کمرہ ہے؟ انہوں نے کہا شجرہ الدر کا۔ خلیفہ بولا اسے بلاؤ اور اس نے نکل کر خلیفہ کے قدم لیے۔

خلیفہ نے شجرہ الدر سے پوچھا آج رات پیے گی؟ اس نے جواب دیا اگر تیرے قدموں میں ہوں گی اور تیرا دیدار ہوتا رہے گا تو پیوں گی ورنہ آج شراب کی خواہش نہیں۔

خلیفہ نے غلام کو حکم دیا خزانچی سے کہہ کہ اسے فلاں ہار دے دے اور ساتھیوں سے کہا اس کے کمرے میں چلو۔ شجرہ الدر اندر گئی اور خلیفہ بھی اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ ان کے آگے آگے ایک لڑکی تھی جس کے چہرے کی روشنی اس شمع پر غالب تھی جو اس کے ہاتھ میں تھی۔ جب وہ میرے قریب آئی تو اس نے پوچھا' یہ کون ہے؟ اس کے بعد وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئی اور کہا تو کون ہے؟ اس نے اس کے آگے زمین چومی اور کہنے لگا اے میری آقا! تجھے میں خدا کا واسطہ دیتا ہوں میرا خون نہ خشک کر بلکہ میرے اوپر رحم کھا۔ یہ کہہ کر مارے ڈر کے میں رونے لگا' وہ بولی بے شک تو چور ہے۔ میں نے کہا اگر تو سچ سچ بتا دے تو میں تجھے پناہ دے دوں گی۔ میں نے کہا میں ایک ناسمجھ اور بے وقوف عاشق ہوں' عشق اور ناسمجھی نے مجھے اس بھنور میں لا پھنسایا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ جا کر زنانے کپڑے لے آئی اور مجھے پہنا کر اپنے کمرے میں لے گئی' ایک تخت پر مجھے بٹھا کر کہا ڈر نہیں کیا تو خراسانی صراف ابو الحسن نہیں ہے؟ میں نے کہا ہاں! بولی تیرے سچ بولنے پر خدا نے تیرا خون معاف کر دیا ورنہ تو مارا جاتا خاص کر اس وجہ سے کہ تو خلیفہ کے کپڑے پہنے ہوئے اور اس کا عطر لگائے ہوئے ہے اگر تو واقعی ابو الحسن ہے تو بے خوف ہو جا کیونکہ تو شجرہ الدر کا محبوب ہے اور وہ میری بہن ہے۔ ہمیشہ تیرا ذکر کیا کرتی ہے اس نے تیرا سارا قصہ مجھ سے بیان کیا ہے۔ جتنا تو اسے چاہتا ہے اس سے زیادہ وہ تجھے چاہتی ہے لیکن تو یہاں آیا کیسے؟ اس کے کہنے پر یا بغیر اس کے کہے تو نے اپنی جان ہلاکت میں ڈالی؟ اس سے ملنے میں تیرا کیا مقصد ہے؟

میں نے جواب دیا اے میری آقا! واللہ میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر یہاں آیا ہوں' میرا مقصد سوا اس کے کچھ نہیں کہ اسے دیکھوں اور اس کی باتیں سنوں۔ اس کے علاوہ کبھی میرے دل میں اس کی طرف سے کوئی برا خیال نہیں آیا ہے۔ اس نے کہا اسی نیک نیتی کی وجہ سے خدا نے تجھے بچا لیا اور میرے دل میں تیری طرف

سے رحم ڈال دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی باندی سے کہا شجرہ الدر کے پاس جا کر کہہ' تیری بہن تجھے سلام کہتی ہے اور بلاتی ہے۔ اس کا دل گھبرا رہا ہے۔ باندی جا کر یہ جواب لائی کہ خدا تیرا سایہ میرے اوپر قائم رکھے اور میں تجھ پر قربان جاؤں اگر تو کسی اور وقت مجھے بلاتی تو میں دریغ نہ کرتی لیکن اس وقت خلیفہ کے سر کے درد کی وجہ سے میں مجبور ہوں اور تو جانتی ہے کہ وہ میری کتنی عزت کرتا ہے۔ اس نے باندی سے کہا کہ پھر جا کر اس سے کہہ کہ تجھے ضرور آنا ہو گا کیونکہ میں تجھ سے ایک راز کی بات کہنا چاہتی ہوں۔ باندی جا کر اسے لے آئی۔ بہن نے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا اسے گلے لگایا اور کہا اے ابو الحسن! نکل کر اس کے ہاتھ چوم۔ میں کمرے کے پیچھے ایک کوٹھڑی میں تھا وہاں سے نکل آیا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ مجھ سے لپٹ گئی' مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا اپنا ماجرا سنا۔ میں نے سارا ماجرا سنایا تو کہنے لگی مجھے افسوس ہے کہ تجھے ایسی ایسی تکلیفیں اٹھانی پڑیں خیر شکر ہے خدا کا کہ تو صحیح و سلامت بچ گیا اور تیری سلامتی کی انتہا ہے کہ میرے اور میری بہن کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی بہن سے کہا ہم نے عہد کیا ہے کہ حرام کاری نہ کریں گے لیکن چونکہ اس نے میری خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالی ہے اور مصیبتیں جھیلی ہیں میں اس کے قدموں کی خاک اور جوتوں کی مٹی بن کر رہوں گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو تریسٹھ ویں رات

نو سو تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی نے اپنی بہن سے کہا میں اس کے قدموں کی خاک اور جوتوں کی مٹی بن کر رہوں گی۔ بہن نے جواب دیا اسی نیت کی وجہ سے خدا نے اسے نجات دی۔ لڑکی نے کہا تو دیکھ لے گی کہ میں حلال طریقے سے اس سے ملوں گی اور اس مقصد کے حاصل کرنے میں اپنی جان لڑا دوں گی۔

ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ بڑا شور و غل اٹھا ہم نے دیکھا کہ خلیفہ شجرہ الدر کے کمرے میں آ رہا ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے مجھے تہہ خانے میں بند کر دیا' اوپر سے تختہ لگا دیا اور جا کر خلیفہ کا خیر مقدم کیا۔ خلیفہ آ کر بیٹھ گیا' وہ کھڑی ہو کر اس کی خدمت کرنے لگی اور حکم دیا کہ شراب لائی جائے۔ خلیفہ ایک کنیز کو بہت چاہتا تھا جس کا نام بنجہ تھا اور معتز باللہ کی ماں تھی لیکن اس کنیز نے خلیفہ کو چھوڑ رکھا تھا اور خلیفہ نے اسے۔ وہ اپنے حسن و جمال کے گھمنڈ میں متوکل سے صلح نہ کرتی اور متوکل اپنی خلافت اور بادشاہت کے زعم میں اس سے صلح نہ کرتا اور اس کے آگے نہ جھکتا۔ حالانکہ اس کی محبت اس کے دل میں شعلے مار رہی تھی تاہم اور کنیزوں سے اپنا غم غلط کرتا اور ان کے کمروں میں جاتا۔ اسے شجرہ الدر کا گانا بہت پسند تھا۔ خلیفہ نے اس سے گانے کی درخواست کی۔ شجرہ الدر نے ستار لے کر گانا بجانا شروع کیا۔ خلیفہ بہت خوش ہوا اور میں تو اے امیر المومنین! تہہ خانے کے اندر اتنے مزے میں آ گیا کہ اگر خدا مجھ پر مہربان نہ ہوتا تو چیخ مار کر بدنام ہو گیا ہوتا۔ خلیفہ نے اس سے کہا مانگ کیا مانگتی ہے۔ بولی مجھے آزاد کر دے اور ثواب لے۔ اس نے کہا میں تجھے خدا کے لیے آزاد کرتا ہوں۔ لڑکی نے اٹھ کر اس کے آگے زمین چومی اور خلیفہ بنجہ کے کمرے کی طرف چل دیا۔ ایک کنیز نے آگے بڑھ کر بنجہ کو خبر دی

کہ خلیفہ آ رہا ہے۔ اس نے خلیفہ کا خیر مقدم کیا اس کے آگے زمین چومی اور اس کے قدموں کو بوسہ دیا' اس طرح دونوں میں پھر ملاپ ہو گیا۔

یہ تو خلیفہ کا قصہ ہوا۔ اب شجرہ الدر کا ماجرا سنو۔ وہ خوش خوش میرے پاس دوڑی ہوئی آئی اور کہنے لگی میں آزاد ہو گئی ہوں' یہ تیرے قدموں کی برکت ہے اگر خدا نے میری تدبیر کارگر کر دی تو میں حلال طور پر تیرے ساتھ ہو جاؤں گی۔ میں نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا شکر ہے خدا کا کہ نتیجہ اچھا نکلا اور اب میں خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تجھے یہاں سے صحیح و سالم نکال بھی دے۔ اتنے میں لڑکی کی بہن جس کا نام فاتر تھا آ پہنچی اور کہنے لگی بہن! اب کیا تدبیر ہو کہ وہ محل سے صحیح و سالم نکل جائے؟ اس کے قدموں کی برکت سے تو آزاد ہو گئی۔ اس نے کہا سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں کہ میں اسے زنانہ کپڑے پہنا دوں۔ اے امیر المومنین! جب میں زنانہ کپڑے پہن کر نکلا تو ابھی محل کے صحن تک پہنچا ہوں گا کہ دیکھا امیر المومنین بیٹھا ہوا ہے اور غلام اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ جونہی اس کی نظر مجھ پر پڑی وہ مجھے شک کی نگاہ سے دیکھنے لگا اور اپنے نوکروں سے کہا اس لڑکی کو لے آؤ جو جا رہی ہے۔ جب انہوں نے میری نقاب اٹھائی تو مجھے پہچان لیا اور مجھ سے پوچھا' یہ کیا بات ہے؟ میں نے سارا کچا چھٹا سچ بیان کر دیا اور کوئی بات اس سے نہ چھپائی۔ میرا بیان سن کر وہ سوچ میں پڑ گیا پھر اٹھ کر فوراً شجرہ الدر کے کمرے میں گیا اور کہا تو میرے اوپر ایک سوداگر زادے کو کیونکر ترجیح دیتی ہے؟ اس نے زمین چوم کر سارا قصہ شروع سے آخر تک سنا دیا۔ اس کی گفتگو سن کر خلیفہ کا دل پسیج گیا' اسے رحم آ گیا وہ سمجھ گیا کہ عشق نے اسے مجبور کر دیا ہے اور وہاں سے چلا گیا۔ اس کے بعد اس کا غلام اس کے پاس آیا اور کہنے لگا خوش ہو کر تیرے دوست نے خلیفہ سے حرف بہ حرف وہی بیان کیا ہے جو تو نے۔

وہاں سے واپس آ کر خلیفہ نے مجھے بتایا اور کہا کہ تاجر ہو کر خلیفہ کے محل میں کیوں آیا؟ میں نے کہا اے امیر المومنین اپنی جہالت' عشق اور تیرے عفو و کرم کی وجہ سے

میری ہمت پڑی۔ یہ کہہ کر میں رو پڑا اور اس کے آگے زمین چومی اس نے کہا میں نے تم دونوں کو معاف کیا۔ اس کے بعد اس نے مجھے بیٹھنے کا حکم دیا' میں بیٹھ گیا

اور اس نے قاضی احمد بن ابی داؤد کو بلا کر ہم دنوں کا نکاح پڑھوا دیا اور کہا لڑکی کا سارا سامان گھر پہنچا دیا جائے اور اس کا زنانہ میرے ساتھ اسی کے کمرے میں ہوا' تین دن کے بعد میں وہاں سے نکلا اور اے امیر المومنین! جو کچھ تو نے دیکھا اور تجھے برا لگا سب اسی کا جہیز ہے۔ اس کے بعد وہ ایک دن مجھ سے کہنے لگی تو جانتا ہے کہ متوکل بڑا شریف آدمی ہے لیکن ممکن ہے کہ کسی نہ کسی روز اسے ہماری یاد آ جائے یا کوئی حاسد اسے ہماری یاد دلا دے اس لیے میں چاہتی ہوں کہ ایک تدبیر کر کے اس سے بھی نجات پاؤں۔ میں نے پوچھا وہ کیسے؟ اس نے کہا میں چاہتی ہوں کہ اس سے حج کرنے اور گانے سے تائب ہونے کی درخواست کروں۔ میں نے کہا تیری رائے بہت مناسب ہے ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ خلیفہ کا پیادہ اسے بلانے آیا کیونکہ وہ اس کا گانا بہت پسند کرتا تھا اور اس نے جا کر خلیفہ کی خدمت کی۔ خلیفہ نے اس سے کہا آنا جانا بند نہ کیجیو وہ بولی سر آنکھوں سے۔ ایک روز جب وہ خلیفہ کے ہاں سے لوٹی تو اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور وہ رو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر میں ڈر گیا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے لگا۔ سمجھا کہ اس نے ہماری گرفتاری کا حکم دیا ہو گا۔ میں نے پوچھا کہ کیا متوکل ہم پر ناراض ہو گیا ہے؟ اس نے کہا متوکل ہے کہاں؟ اس کا تو انتقال ہو گیا۔ میں نے کہا آخر کیسے؟ بتا تو سہی۔ وہ بولی وہ پردے کے پیچھے بیٹھا شراب پی رہا تھا اس کے ساتھ فتح بن خاقان اور صدقہ بن صدقہ تھے۔ اتنے میں اس کے بیٹے منتصر اور ترکوں کی ایک جماعت نے اس پر حملہ کر دیا اسے مار ڈالا۔ خوشی غم سے بدل گئی اور لطف رونے پیٹنے سے۔ یہ سنتے ہی میں لڑکی کو لے وہاں سے بھاگا۔ خدا نے ہمیں صحیح و سلامت بصرے پہنچا دیا وہاں پہنچ کر ہمیں خبر ملی کہ منتصر اور مستعین میں لڑائی ہو رہی ہے۔ میں نے اپنا سارا مال و متاع بصرے منتقل کر دیا۔ اے امیر المومنین! یہ ہے میری کہانی اس سے ایک لفظ زیادہ

نہ کم اور جو کچھ تو میرے پاس دیکھ رہا ہے اور جن پر تیرے دادا متوکل کا نام ہے وہ اسی کی دی ہوئی چیزیں ہیں۔ یہ سن کر خلیفہ خوش ہو گیا اس کے بعد میں لڑکی اور اس کے بچوں کو خلیفہ کے سامنے لایا وہ ان کی خوبصورتی دیکھ کر حیران ہو گیا اور انہوں نے اس کے آگے زمین چومی۔ اب خلیفہ نے دوات قلم منگوا کر مجھے ایک پروانہ لکھ دیا کہ بیس سال ہماری جائیدادوں سے لگان نہ لیا جائے۔ خلیفہ اتنا خوش ہوا کہ اس نے ابو الحسن کو اپنا مصاحب بنا لیا یہاں تک کہ موت نے انہیں الگ الگ کر دیا اور محلوں میں رہنے کے بعد وہ قبروں میں رہنے لگے۔ پاک ہے وہ ذات جو حکم چلاتی اور گناہوں کو معاف کرتی ہے۔

○ قمرالزمان اور جوہری کی بیوی کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------ پرانے زمانے میں ایک تاجر تھا جس کا نام عبدالرحمان تھا' خدا نے اسے ایک بیٹی دی تھی اور ایک بیٹا۔ بیٹی کا نام اس نے اس کے حسن و جمال کی وجہ سے کوکب الصباح رکھا اور بیٹے کا اس کی خوبصورتی کے سبب قمر الزمان۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ ایسے حسین و جمیل ہیں تو اسے ڈر ہوا کہ کہیں انہیں نظر نہ لگ جائے یا حاسدوں کی زبان اور مکاروں کی مکاری یا بد چلنوں کے حیلے سے انہیں نقصان پہنچ جائے اس لیے اس نے انہیں چودہ سال تک ایک محل میں بند رکھا اور سوائے ان کے ماں باپ اور خادمہ کے جو ان کی خدمت کیا کرتی تھی کسی کی نظر ان پر نہ پڑی۔ باپ نے بیٹے کو اور ماں نے بیٹی کو قرآن پڑھایا۔ یہاں تک کہ دونوں حافظ ہو گئے۔ اسی طرح سے انہوں نے خوش نویسی' حساب اور فنون و آداب اپنے والدین ہی سے سیکھے۔ کسی دوسرے معلم کی مدد نہ لی۔ لڑکا بالغ ہوا تو تاجر سے اس کی بیوی نے کہا آخر قمرالزمان کو کب تک لوگوں کی نظروں سے بچائے گا؟ وہ لڑکی ہے یا لڑکا؟

وہ بولا لڑکا۔ بیوی نے کہا اگر وہ لڑکا ہے تو اسے بازار لے جا کر دکان پر کیوں نہیں بٹھاتا تاکہ وہ لوگوں سے واقفیت پیدا کرے اور لوگ اس سے ملیں تو اسے خرید و فروخت سکھا' اگر تیرے ساتھ کوئی بات پیش آ جائے تو لوگوں کو معلوم ہو کہ بیٹا ہے' وہ تیرے ترکے کو اپنے قبضے میں لے سکے گا اگر اسی بے خبری میں تو مر گیا اور اس نے کہا میں تاجر عبدالرحمان کا بیٹا ہوں تو اس کی بات کا کوئی یقین نہ کرے گا۔ سب کہیں گے ہم نے تجھے کبھی نہیں دیکھا' ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کا کوئی بیٹا تھا اس طرح سے تیرا مال حکام لے لیں گے اور تیرا بیٹا محروم ہو جائے گا۔ بیٹی کے متعلق بھی میں یہی چاہتی ہوں کہ لوگوں میں اس کا چرچا کروں تاکہ کوئی برابر والا اس کے نکاح کا پیغام بھیجے ہم اس کی شادی کریں اور خوشیاں سنائیں۔ اس نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں انہیں نظر نہ لگ جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• نو سو چونسٹھ ویں رات

نو سو چونسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب تاجر نے کہا کہ کہیں انہیں نظر نہ لگ جائے تو اس کی بیوی بولی جسے خدا بچانا چاہتا ہے اس کا کوئی کچھ کر نہیں سکتا۔ آج ہی سے اسے دکان لے جا۔ یہ کہہ کر اس نے بیٹے کو نہایت نفیس کپڑے پہنائے اور وہ دیکھنے والوں کے لیے ایک فتنہ اور عاشقوں کے دل کے لیے حسرت بن گیا۔ الغرض باپ اسے لے کر بازار گیا جو کوئی اسے دیکھتا دل تھام کر رہ جاتا بڑھ کر اس کا ہاتھ چومتا اور اسے سلام کرتا باپ لوگوں کو برا بھلا کہتا کہ تم نے کیوں تماشہ لگا رکھا ہے؟ بعض کہتے کہ فلاں جگہ سورج نکلا ہے اور بازار میں چمک رہا ہے بعض کہتے فلاں طرف چودہویں رات کا چاند طلوع ہو رہا ہے بعض کہتے ہیں لوگوں کے لیے عید کا چاند نکل آیا ہے۔ یہ باتیں سن کر باپ کو بری شرمندگی ہوئی لیکن وہ کس کس کی زبان روکتا! اب وہ ماں کو برا بھلا کہنے لگا کیونکہ اس کی وجہ سے بیٹا باہر نکلا تھا۔ بالآخر لوگوں کی بھیڑ میں سے نکلتا ہوا دکان پر پہنچا' خود بیٹھا لڑکے کو بٹھایا' سامنے ہجوم لگا ہوا تھا جو کوئی ادھر سے گزرتا اس خوبصورت مکھڑے کو دیکھنے کے لیے دکان پر ٹھہر جاتا اس کے اردگرد اور عورتوں کا جھرمٹ لگ گیا۔

عبدالرحمان نے دیکھا کہ مردوں اور عورتوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے اور وہ ٹکٹکی باندھے اس کے بیٹے کو دیکھ رہے ہیں تو وہ بہت پشیمان ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے؟

اتنے میں بازار کی طرف سے ایک سیاح درویش آتا نظر آیا۔ اس کا لباس پارساؤں کا سا تھا' وہ لڑکے کے پاس آ کر اشعار پڑھنے اور بڑے بڑے آنسو بہانے لگا' وہ ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر گھومتا اور اپنا داہنا ہاتھ داڑھی پر پھیرتا۔ اس نے آگے بڑھ کر لڑکے کو ایک ریحان کی چھڑی دی باپ نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور جو کچھ دام نکلے

نکال کر درویش کو دے دیئے اور کہا چلتا ہو۔
درویش نے درہم لے لیے اور دکان کی چوکی پر لڑکے کے سامنے بیٹھ گیا' اسے دیکھ دیکھ کر رونے' آہیں بھرنے لگا اور اس کے آنسو پانی کی طرح بہنے لگے۔ لوگ اسے دیکھتے اس پر فقرے کستے' کوئی کہتا درویش سارے بدکار ہوتے ہیں' کوئی کہتا کہ درویش کے دل میں لڑکے کی محبت کی آگ لگی ہوئی ہے۔ یہ حالت دیکھ کر تاجر اٹھا اور بیٹے سے کہا چل دکان میں قفل لگا کر گھر چلیں۔ آج خرید و فروخت نہیں ہو سکتی۔ خدا تیری ماں سے سمجھے! یہ سارا اسی کا کیا دھرا ہے۔ جب وہ گھر کی طرف چلا تو درویش اور دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ ہو لیے۔ لڑکا مکان کے اندر چلا گیا تو تاجر نے درویش کی طرف مخاطب ہو کر کہا تو کیا چاہتا ہے اور کیوں رو رہا ہے؟ وہ کہنے لگا اے میرے آقا! میں چاہتا ہوں کہ آج رات تیرا مہمان رہوں اور مہمان خدا کا مہمان ہوتا ہے۔ تاجر نے کہا اے خدا کے مہمان! مرحبا' اندر آ۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- نو سو پینسٹھ ویں رات

نو سو پینسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ تاجر نے کہا اے خدا کے مہمان! مرحبا اندر آ۔ اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر یہ درویش لڑکے پر عاشق نکلا اور اس کے ساتھ بدکاری کرنی چاہی تو میں آج ہی رات کو اسے قتل کر کے چپکے سے دفن کر دوں گا اور اگر اس کی نیت بری نہ ہوئی تو مہمان اپنی قسمت کا کھاتا ہے۔ اب اس نے درویش اور قمرالزمان کو ایک ہی کمرے میں اتارا اور قمرالزمان کے کان میں کہہ دیا کہ بیٹا! جب میں چلا جاؤں تو تو درویش کے پہلو میں بیٹھ کر اس سے ہنسی مذاق کیجیو اگر وہ تجھ سے بدکاری کی خواہش کرے گا تو خاطر جمع رکھ میں محراب سے اتر کر اسے مار ڈالوں گا۔ لڑکا درویش کے ساتھ اکیلا رہ گیا تو وہ درویش کے پہلو میں جا بیٹھا' درویش اسے دیکھتا آہ کھینچتا اور روتا۔ لڑکا اس سے بات کرتا تو وہ نرمی سے جواب دیتا' کانپتا اور اس کی طرف متوجہ ہو کر ٹھنڈے سانس بھرنے لگتا۔ جب رات کا کھانا آیا تو درویش کھاتا جاتا اور لڑکے کو برابر دیکھتا اور روتا جاتا۔ چوتھائی رات گزر چکی تو لڑکے کے باپ نے آ کر کہا بیٹا! اپنے چچا درویش کی خدمت کیجیو اور اس کی مخالفت نہ کیجیو۔ یہ کہہ کر وہ جانا چاہتا ہی تھا کہ درویش نے کہا اے میرے آقا! اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ لیتا جایا تو بھی یہیں ہمارے ساتھ سو۔ وہ بولا نہیں یہ میرا بیٹا تیرے پاس سوئے گا تاکہ اگر تجھے رات میں کوئی ضرورت پڑے تو وہ اسے پورا کر دے اور تیری خدمت کرے۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا' دوسرے کمرے میں جا بیٹھا اور محراب میں سے ان دونوں کو دیکھنے لگا۔

یہ تو تاجر کا قصہ ہوا۔ اب اس کے بیٹے کا ماجرا سنو۔ وہ درویش کے پاس جا کر نخرے کرنے اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کرنے لگا۔ درویش کو غصہ آ گیا کہنے لگا بیٹا! یہ کیا بات ہے؟ خدا مجھے مردود شیطان سے بچائے۔ خداوندا! ایسی بری بات تجھے ہرگز

پسند نہیں۔ بیٹا! میرے پاس سے چلا جا اب درویش لڑکے سے دور جا کر بیٹھ گیا لیکن لڑکا پھر اس کے پیچھے پیچھے پہنچا' اس سے لپٹ گیا اور کہنے گا درویش! تو اپنے آپ کو میرے وصال کی لذت سے کیوں محروم رکھتا ہے حالانکہ میں دل سے تجھے چاہتا ہوں؟ اس پر درویش اور زیادہ ناراض ہوا اور بولا اگر تو نے مجھے زیادہ چھیڑا تو ابھی میں تیرے باپ کو آواز دے کر تیری شکایت کرتا ہوں۔ لڑکے نے کہا میرا باپ جانتا ہے کہ مجھے یہ عادت ہے اس لیے وہ مجھے منع نہیں کر سکتا۔ آخر مجھے سمجھا تو دے کہ تو کیوں مجھ سے کھنچتا ہے' کیا میں تجھے پسند نہیں؟ درویش نے کہا بیٹا! میں یہ حرکت نہیں کروں گا خواہ تلوار سے میری بوٹیاں کیوں نہ کر دی جائیں۔ اس کے بعد درویش رونے لگا اور لڑکے سے کہا دروازہ کھول دے کہ میں چلا جاؤں' میں یہاں نہیں سوؤں گا۔ لڑکا اٹھ کر اس سے لپٹ گیا اور کہنے لگا دیکھ میرا چمک دار چہرہ' لال رخسار' نرم نرم پہلو پتلے پتلے ہونٹ۔ یہ کہہ کر لڑکے نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں جنہیں دیکھ کر شراب اور شراب پلانے والا دونوں شرمندہ ہو جائیں اور اسے ایسی نگاہوں سے دیکھنے لگا کہ جادو اور جادوگر دونوں عاجز آ جائیں۔ دیکھ میرا سینہ وہ لڑکیوں کے سینے سے بھی زیادہ خوب صورت ہے چکھ میرا لعاب' وہ مصری سے بھی زیادہ میٹھا ہے۔ زہد و عبادت کو الگ رکھ' میرے وصال کی لذت لوٹ' میرے حسن کے مزے اڑا اور ڈر نہیں تیرا بال بیکا نہیں ہو گا۔ بے وقوفی جانے دے' وہ بری عادت ہے۔ لڑکا یہ کہتا جاتا اور اپنی پوشیدہ خوب صورتیاں اسے دکھا دکھا کر اس کی عقل کی باگ موڑتا جاتا لیکن درویش کہتا خدا کی پناہ۔ یہ حرام کاری ہے' ایسی باتیں میں خواب میں بھی نہیں کر سکتا۔
جب لڑکے نے اور زیادہ ضد کی تو درویش قبلہ رو کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا' دو رکعتیں

پڑھ چکا اور سلام پھیرا تو لڑکے نے چاہا کہ پھر اس کے پاس پہنچے تو اس نے دوبارہ نیت باندھ لی اور پھر دور رکعتیں پڑھیں۔ یہی اس نے تیسری چوتھی اور پانچویں بار

کیا۔ لڑکا بولا یہ کیسی نماز ہے؟ کیا تو چاہتا ہے کہ رات بھر محراب میں کھڑا رہ کر بادلوں پر اڑنے لگے اور ہمارا مزا کرکرا کر دے۔ اب لڑکا اس سے لپٹ کر اس کا ماتھا چومنے لگا لیکن اس نے کہا بیٹا! شیطان کو مار کر دور بھگا دے اور خدا کا حکم مان۔ لڑکے نے کہا اگر تو وہ کام نہیں کرتا جو میں چاہتا ہوں تو ابھی باپ کو پکار کر کہتا ہوں کہ درویش مجھ سے بد فعلی کرنا چاہتا ہے اور وہ آ کر تیری ہڈیاں پسلیاں توڑ ڈالے گا۔ لڑکے کا باپ یہ ساری باتیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا اور اپنے کانوں سے سن رہا تھا۔ اسے یقین آ گیا کہ درویش کے دل میں کوئی کھوٹ نہیں۔ لڑکا برابر درویش کے پیچھے پڑا رہا' جب نماز کی نیت باندھتا وہ توڑ دیتا بالاخر درویش لڑکے پر اتنا ناراض ہوا کہ اسے برا بھلا کہنے لگا اور مارا یہاں تک کہ وہ رونے لگا اور باپ نے آ کر اس کے آنسو پونچھے' اسے دلاسا دیا اور درویش سے کہا اگر تیرا یہ حال ہے تو تو میرے بیٹے کو دیکھ دیکھ کر کیوں روتا اور ٹھنڈے سانس بھرتا ہے؟ میں نے تیرا امتحان لینے کے لیے یہ سب کیا تھا اب مجھے یقین آ گیا کہ تو بڑا پارسا ہے لیکن خدا کے لیے اپنے رونے کی وجہ بتا۔ درویش نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ پرانے زخموں کو تازہ نہ کر۔ اس نے کہا تجھے ضرور بتانا ہو گا۔ درویش بولا' سن میں درویش ہوں' ملک ملک پھرتا اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھتا ہوں۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ میں بصرے پہنچا یہ جمعے کا دن اور صبح کا وقت تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو چھیاسٹھ ویں رات

نو سو چھیاسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ درویش نے کہا جب میں بصرے میں داخل ہوا تو جمعے کا دن اور صبح کا وقت تھا میں نے دیکھا کہ تمام دکانیں کھلی ہوئی ہیں' طرح طرح کا سامان اور کھانے پینے کی چیزیں ان میں رکھی ہوئی ہیں لیکن کوئی جان دار وہاں نہیں' نہ مرد نہ عورت نہ لڑکی نہ لڑکا یہاں تک کہ گلی کوچوں میں نہ کتے ہیں نہ بلیاں' نہ کوئی آواز سنائی دیتی نہ کوئی شکل دکھائی دیتی ہے۔ مجھے بڑا تعجب ہوا' میں کہنے لگا یا اللہ! یہ لوگ اپنے کتے اور بلیاں لے کر کہاں چل دیئے؟ چونکہ میں بھوکا تھا' میں نے ایک باورچی کے تنور پر سے ایک گرم روٹی لی اور ایک زیتوں فروش کی دکان پر جا کر روٹی کو زیتوں کے تیل اور شہد سے چپڑا اور کھا گیا۔ اس کے بعد میری نظر ایک قہوہ خانے پر پڑی اس کے اندر جا کر میں نے خوب قہوہ پیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شہر والوں کو موت آ گئی ہے اور وہ ابھی ابھی مر گئے ہیں یا ان پر کوئی بلا نازل ہوئی ہے اور وہ دوکانوں کو کھلا چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ مجھے نوبت بجنے کی آواز سنائی دی' میں مارے ڈر کے ذرا دیر کے لیے چھپ گیا ایک سوراخ میں سے دیکھا کہ چاند کی سی لڑکیاں دو دو کر کے چہرے کھلے چلی آ رہی ہیں۔ کل اسی لڑکیاں تھیں۔ ان کے بیچ میں ایک لڑکی ایک گھوڑے پر سوار تھی' سونے' چاندی اور جواہرات سے اتنی لدی ہوئی تھی کہ اس کے قدم مشکل سے اٹھتے تھے۔ یہ لڑکی بھی بے نقاب تھی' اس کے گلے میں ہیروں کا ہار تھا' سینے پر سونے کی ہنسلیاں اور کلائیوں میں کنگن جو تاروں کی طرح چمک رہے تھے' پاؤں میں سونے کے جھانجھن جن میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ اس کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے کنیزیں تھیں۔ ٹھیک سامنے ایک کنیز تلوار لگائے ہوئے جس کا قبضہ زمرد کا تھا اور جھالر دنے کی جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

جب لڑکی اس جگہ پہنچی جو میرے سامنے تھی اس نے گھوڑے کی لگام روک لی اور کہنے لگی اے لڑکیو! مجھے اس دکان میں سے کوئی آواز سنائی دیتی ہے۔ جا کر ڈھونڈو کہیں

ایسا تو نہیں کوئی اس میں چھپا ہوا ہمارا تماشا دیکھ رہا ہو اور ہم کھلے منہ ہیں۔ وہ اندر جا کر ایک مرد کو پکڑ لائیں' لڑکی نے تلواروں والی کنیز سے کہا اس کی گردن اڑا دے۔ اس نے اس کی گردن اڑا دی اور وہ اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئیں۔ یہ دیکھ کر میں سہم گیا لیکن میرا دل لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد لوگ آ پہنچے اور اپنی اپنی دکانوں پر جا بیٹھے۔ مقتول کے گرد تماش بینوں کی ایک بھیڑ لگ گئی۔ اب میں دکان میں سے نکل کر لوگوں سے چپکے چپکے پوچھنے لگا کہ وہ لڑکی کون تھی؟ کسی نے نہ بتایا اس کے بعد میں بصرے سے چلا آیا اس کی محبت اب تک دل سے نہیں نکلی۔ جب میں نے تیرے بیٹے کو دیکھا جو اس لڑکی سے بے حد مشابہ ہے تو اس کی یاد تازہ ہو گئی' محبت کی آگ لپیٹیں مارنے لگی اور میں اس اس کے عشق میں تڑپنے لگا۔ یہ کہہ کر وہ اتنا رویا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ پھر اس نے کہا اے میرے آقا! خدا کے لیے دروازہ کھول دے کہ میں چلا جاؤں۔ اس نے دروازہ کھول دیا اور درویش چلا گیا۔

یہ تو درویش کا قصہ ہوا۔ اب قمرالزمان کا ماجرا سنو! اس لڑکی کا ذکر سنتے ہی اس کے دل میں ایک آگ بھڑک اٹھی وہ اس کی محبت میں بے چین ہو گیا۔ صبح ہوتے ہی اس نے باپ سے کہا کہ ہر تاجر زادہ ملکوں ملکوں سفر کو جاتا' باپ کے مال سے تجارت کرتا اور کماتا ہے۔ مجھے تو کیوں نہیں بھیجتا؟ میں بھی دوسرے ملکوں میں جا کر قسمت آزمائی کروں۔ باپ بولا بیٹا! تاجر اکثر غریب ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنے بیٹوں کو سفر پر بھیجتے ہیں تاکہ وہ کمائی کر کے لائیں لیکن میرے پاس بہت کچھ مال دولت ہے اور زیادہ کمانے کا لالچ نہیں پھر میں تجھے کیوں پردیس بھیجوں؟ علاوہ اس کے میں تیری جدائی ایک گھڑی کے لیے بھی گوارا نہیں کر سکتا کیونکہ تو بے حد حسین و جمیل ہے

اور مجھے تیرے بارے میں ڈر لگتا ہے۔ بیٹے نے کہا سوائے اس کے چارہ نہیں کہ تو مجھے سامان دے کر سفر پر بھیج ورنہ میں ایک دن تیری آنکھ بچا کر بھاگ جاؤں گا خواہ میرے پاس کچھ مال اور تجارت کا سامان ہو یا نہ ہو۔ باپ نے دیکھا کہ لڑکا مانتا ہی نہیں تو اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیرا بیٹا سفر کرنے پر تلا کھڑا ہے حالانکہ پردیس مصیبت ہے۔ بیوی بولی اس میں تیرا کیا نقصان ہے؟ تاجر زادوں کا یہی دستور رہا ہے اور وہ ایک دوسرے پر اس بات میں فخر کرتے ہیں کہ ہم نے اتنے سفر کیے' اتنا کمایا اور مال کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہوں اس سے نقصان نہیں پہنچتا۔ اگر تو اپنا مال دے کر اسے بھیجنا پسند نہیں کرتا تو میں اپنا مال دے کر بھیج دوں گی ورنہ تو ایک دن دیکھے گا کہ ہمارا بیٹا غائب ہو گیا۔ ہم اسے ڈھونڈ رہے ہیں' وہ نہیں ملتا اور ہمیں لوگوں میں ندامت ہو رہی ہے۔ تاجر نے اپنی بیوی کا کہنا مان لیا اور نوے ہزار دینار کا سامان اس کے لیے تیار کر دیا۔ ماں نے اسے ایک تھیلی دی جس میں چالیس ہیرے کے نگ تھے جو اتنے قیمتی تھے کہ ان میں سب سے سستا پانچ سو دینار کا تھا اور اس سے کہا ان ہیروں کو حفاظت سے رکھیو' یہ تیرے کام آئیں گے۔ قمر الزمان سب چیزیں لے کر بصرے کو روانہ ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• نوسوستھویں رات

نو سو سوستھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ قمر الزمان یہ تمام چیزیں لے کر بصرے کو روانہ ہو گیا اور جواہرات کو کمر بند میں رکھ کر کمر سے باندھ لیا۔ جب بصرہ ایک منزل رہ گیا تو بدوؤں نے اس پر حملہ کیا اس کے کپڑے اتار لیے' نوکروں چاکروں کو قتل کر دیا۔ وہ اپنے آپ کو خون میں لتھیڑ کر مردوں کے بیچ میں لیٹ گیا۔ بدوؤں نے مقتول سمجھ کر اسے چھوڑ دیا اور سارا سامان لے کر چل دیئے۔ وہ چلے گئے تو قمرالزمان اٹھا اور بصرے کی طرف پیدل روانہ ہو گیا۔ اس وقت اس کے پاس سوائے جواہرات کے اور کچھ نہ تھا۔ اتفاق کی بات وہ بھی جمعے ہی کے دن بصرے میں داخل ہوا اور جیسا کہ درویش نے بیان کیا تھا شہر کو آدمیوں سے خالی' پایا دکانیں کھلی ہوئی تھیں' سارا سامان اور کھانے پینے کی چیزیں ان میں رکھی ہوئیں مگر انسان حیوان کوئی نظر نہ آیا۔ اتنے میں نوبت بجنے کی آواز آئی۔ وہ ایک دکان میں جا کر چھپ گیا' لڑکیاں پہنچیں تو ان کا تماشا دیکھنے لگا' جوں ہی نظر اس لڑکی پر پڑی ہوش جاتے رہے' کھڑا رہنا دو بھر ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد لوگ آ گئے۔ بازاروں میں چہل پہل ہو گئی اس نے ایک جوہری کے پاس جا کر ایک ہیرا بیچا جس کی قیمت ایک ہزار دینار تھی اور چل دیا۔ صبح ہوئی تو اس نے کپڑے بدل' حمام گیا وہاں سے نکلا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاند نکل آیا۔ اس کے بعد اس نے چار ہیرے اور چار ہزار دینار کو بیچے اور زرق برق کپڑے پہن کر بصرے کے گلی کوچوں کی سیر کرنے لگا۔

ایک بازار میں اسے ایک نائی کی دکان دکھائی دی وہاں جا کر اس نے بال بنوائے اس کے ساتھ باتیں کرنے لگا اور کہا چچا! میں پردیسی ہوں کل جب میں یہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ سارا شہر خالی پڑا ہے نہ آدم ہے نہ آدم زاد۔ اسی اثناء میں بہت سی لڑکیاں

دیکھیں ان کے بیچ میں ایک لڑکی تھی جس کا شاید وہ جلوس تھا۔ نائی نے کہا تو نے کسی اور اسے تو یہ بات نہیں کہی ہے۔ وہ بولا نہیں۔ نائی نے کہا' خبردار! کسی سے یہ بات نہ کہیو کیونکہ ہر آدمی راز نہیں رکھ سکتا۔ بیٹا! جو کچھ تو نے دیکھا ہے کسی نے نہیں دیکھا ہے اور نہ ایسا کسی اور شہر میں ہوتا ہے۔ ہر جمعے کے دن لوگ کتے بلیوں کو باندھ کر خود مسجدوں میں جا کے اور دروازے بند کر دیتے ہیں' کسی کی مجال نہیں کہ گلی کوچوں میں نکلے یا کسی سوراخ سے جھانکے۔ بیٹا! اس کی وجہ کسی کو معلوم نہیں لیکن میں آج اپنی بیوی سے پوچھوں گا کیونکہ وہ دائی ہے۔ بڑے بڑے گھرانوں میں آتی جاتی رہتی ہے اور شہر کی خبریں اسے معلوم رہتی ہیں۔ خدا نے چاہا تو جب کل تو میرے پاس آئے گا تو میں اس سے پوچھ کر تجھے بتا دوں گا۔ لڑکے نے مٹھی بھر سونا نکال کر اسے دے دیا اور کہا یہ اپنی بیوی کو دے دیجیو۔ اب وہ میری ماں ہو گئی ہے اس کے بعد اس نے اور ایک مٹھی بھر سونا نکالا اور یہ کہہ کر اسے دے دیا کہ یہ تیرے لیے ہے۔ نائی نے کہا بیٹا! تو یہیں بیٹھا رہ۔ میں ابھی جا کر اپنی بیوی سے پوچھے آتا ہوں۔ گھر پہنچ کر اس نے لڑکے کا قصہ بیان کیا کہ شہر کی ٹھیک خبر بتا دے تاکہ میں جوان سے جا کر کہہ دوں۔ میرے خیال میں وہ عاشق ہے اور بڑا شریف اور سخی ہے اگر ہم اسے بتا دیں گے تو ہمیں بہت مال مل جائے گا۔ بیوی بولی اسے جا کر بلا لا اور کہہ دے کہ تیری حاجت پوری ہو گئی۔ جب نائی دکان پر پہنچا تو قمرالزمان بیٹھاہوا اس کی راہ دیکھ رہا تھا کہنے لگا اپنی ماں میری بیوی کے پاس چل تیرا مقصد پورا ہو گیا۔ وہ نائی کے گھر پہنچا تو نائن نے جوان کو مرحبا کہا اور بٹھایا۔

جوان نے سو دینار نکال کر اسے دیئے اور پوچھا مائی! اس لڑکی کا کیا قصہ ہے؟ اس نے کہا بیٹا! سن ایک بار ہند کے بادشاہ نے بصرے کے حاکم کے پاس ایک ہیرا بھیجا اس نے جوہریوں کو بلا کر کہا کہ جس نے اس میں چھید کر دیا جو مانگے گا دوں گا اور اگر وہ ٹوٹ جائے گا تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔ جوہری بولے جہاں پناہ! ہیرا جلد ٹوٹ

جاتا ہے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ہیرے میں چھید کیا جائے اور وہ ثابت رہے لہٰذا ہم پر ایسا کام نہ ڈال جو ہماری طاقت سے باہر ہے۔ حاکم نے پوچھا تمہارا چودھری کون ہے؟ انہوں نے کہا استاد عبید۔ حاکم نے اسے بلا کر حکم دیا کہ اس ہیرے میں چھید کر دے اس نے چھید کر دیا۔ حاکم نے کہا مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے کہا کل تک مجھے مہلت دے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی بیوی کی رائے لینا چاہتا تھا اور اس کی بیوی وہی لڑکی تھی جسے تو نے جلوس کے ساتھ دیکھا۔ جوہری کو اس سے بہت محبت تھی اور محبت کی وجہ سے وہ بے اس کے مشورے کے کوئی کام نہ کرتا تھا۔ جوہری نے اس کے پاس جا کر کہا میں نے حاکم کے لیے ایک ہیرے میں چھید کیا ہے اور اس نے کہا ہے مانگ کیا مانگتا ہے۔ بتا کہ میں اس سے کیا مانگوں؟ وہ بولی مال و دولت کی تو ہمیں کوئی ضرورت نہیں لیکن اگر تجھے مجھ سے محبت ہے تو حاکم سے یہ مانگ کہ وہ بصرے کی گلی کوچوں میں ڈھنڈورا پٹوا دے کہ ہر جمعے کی نماز سے دو گھنٹے پہلے سے لوگ چھوٹے ہوں یا بڑے مسجد چلے جایا یا گھر میں بند ہو جایا کریں لیکن دکانیں کھلی رہیں۔ میں اپنی کنیزوں کو لے کو اس وقت شہر میں سے گزرا کروں گی اور اگر مجھے کوئی راہ میں مل گیا تو اسے قتل کر دوں گی۔ اس نے حاکم کے پاس جا کر یہی مانگا اور حاکم نے بصرے میں ڈھنڈورا پٹوا دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو اڑسٹھ ویں رات

نو سواڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب حاکم نے یہ ڈھنڈورا پٹوا دیا تو لوگوں نے اس کے پاس آ کر کہا کہ کتے بلیاں ہمارا سامان آ کر خراب کر ڈالیں گے۔ حاکم نے حکم دیا کہ جب تک لوگ جمعے کی نماز پڑھ کر نہ نکلیں انہیں بند رکھا جائے۔ چنانچہ وہ لڑکی ہر جمعے کو نماز سے دو گھنٹے پہلے نکلا کرتی اور اپنی کنیزوں کے ساتھ جلوس میں بصرے کے گلی کوچوں سے گزرتی ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ محراب یا جھروکے میں سے اسے جھانکے۔ بس یہ بات ہے اب تجھے یہ تو معلوم ہو گیا کہ لڑکی کون ہے لیکن بیٹا! تو محض اس کا حال جاننا چاہتا ہے یا تجھے اس سے ملنے کی آرزو ہے؟ اس نے کہا مائی! میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ بولی بیٹا! بتا تیرے پاس کیا کیا قیمتی چیزیں ہیں؟ لڑکے نے بتایا کہ میرے پاس چار قسم کے ہیرے ہیں' پانچ سو دینار والے' سات سو والے' اٹھ سو والے اور ہزار والے۔ اس نے کہا کیا تو ان میں سے چار کو علیحدہ کر سکتا ہے؟ لڑکے نے کہا بلکہ سب اس نے کہا بیٹا! جا کر ایک ہیرا لے آ جس کی قیمت پانچ سو دنیار ہے اور جوہریوں کے چودھری استاد عبید کی دکان کا پتا پوچھ کر اس کے پاس جا تو دیکھے گا کہ وہ زرق برق کپڑے پہنے بیٹھا ہے اور شاگرد اس کے ہاتھ کے نیچے کام کر رہے ہیں۔ اسے سلام کر کے دکان پر بیٹھ جائیو اور ہیرا نکال کر کہیو استاد! سونے کی انگوٹھی بنا کر اس ہیرے کو اس میں جڑ دے۔ انگوٹھی ایک مثقال سے زیادہ نہ ہو اور اس کی بناوٹ بہترین ہو۔ یہ کہہ کر بیس دینار استاد کو دیجیو ایک ایک دینار ہر کاریگر کو اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگیو اگر کوئی فقیر آئے تو اسے بھی ایک دنیار دے دے دیجیو اور ہر طرح سے اپنی شرافت کا اظہار کیجیو تاکہ اس کے دل میں تیری محبت بیٹھ جائے پھر اپنے گھر جا کر سو رہیو۔ سویرا ہو تو سو دینار لا کر اپنے چچا کو دے دیجیو کیونکہ وہ غریب ہے اس نے

کہا ایسا ہی ہو گا۔
قمرالزمان نے اپنے وکیل کے پاس جا کر اس سے پانچ سو دینار والا ایک ہیرا لیا اور جوہری بازار جا کر جوہریوں کے مکھیا استاد عبید کا پتا پوچھا اس کی دکان پر پہنچ کر دیکھا کہ وہ بڑا شان دار شخص ہے اور نفیس پوشاک پہنے بیٹھا ہے' اس کے نیچے چار کاریگر کام کر رہے ہیں۔ جوان نے اسے وہ نگ دے کر کہا استاد! ایک سونے کی انگوٹھی بنا کر اس میں یہ نگ جڑ دے لیکن وہ ایک مثقال سے زیادہ نہ ہو اور اس کی ساخت نہایت نفیس ہو اس کے بعد اس نے بیس دینار اسے دے کر کہا یہ اس کے نقشے کے دام ہیں اور مزدوری ابھی باقی ہے پھر اس نے کاریگر کا ایک ایک دینار دیا جس سے وہ بھی خوش ہو گئے اور استاد عبید بھی۔ اب وہ بیٹھ کر باتیں کرنے لگا کوئی فقیر آتا تو وہ اسے ایک درہم دیتا' لوگ اس کی سخاوت پر تعجب کرتے۔ استاد عبید کے گھر میں بھی وہی سامان تھا جو دکان میں۔ جب وہ کوئی عجیب و غریب چیز بناتا تو گھر جا کر بناتا تاکہ کاریگر سیکھ نہ لیں۔ گھر میں وہ اپنی بیوی کے سامنے بٹھا کر بناتا اسے دیکھتا جاتا اور ایسی کاریگری سے بناتا کہ وہ چیز سوائے بادشاہوں کے اور کسی کے قابل نہ ہوتی چنانچہ وہ گھر میں بیٹھ کر نہایت عجیب طریقے سے انگوٹھی بنانے لگا۔
اس کی بیوی نگینہ دیکھا تو پوچھا اس کا تو کیا بنائے گا؟ اس نے کہا کہ انگوٹھی بنا کر اس میں یہ نگ جڑوں گا' اس کی قیمت پانچ سو دینار ہے۔ بیوی نے پوچھا کس کے لیے؟ وہ بولا ایک حسین تاجر زادے کے لیے۔ وہ کبھی اس کے حسن کی تعریف کرتا اور کبھی اس کی سخاوت کی یہاں تک کہ عورت سنتے سنتے اس پر عاشق ہو گئی۔اس شخص سے زیادہ احمق کون ہے جو اپنی بیوی کے سامنے دوسرے مرد کی خوبصورتی اور سخاوت کا ذکر کرے۔ اچھا تو جب اس کے دل میں جوان کی محبت نے گھر کر لیا تو اس نے کہا اس میں مجھ سا بھی کچھ حسن ہے؟ شوہر نے کہا تیرا ہر حسن اس میں ہے اور وہ ہو بہ ہو تجھ سا ہے بلکہ اس کا حسن بھی وہی ہے جو تیرا اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ میں تیرا دل دکھا دوں گا تو میں کہتا کہ وہ تجھ سے ہزار گنا زیادہ حسین ہے۔

بیوی چپ ہو گئی لیکن اس کے دل میں محبت کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی۔ یہی باتیں کرتے کرتے استاد نے انگوٹھی بنا کر تیار کر دی۔ بیوی نے اسے پہنا تو وہ اس کی انگلی میں ٹھیک آئی۔ کہنے لگی اے میرے آقا! مجھے یہ انگوٹھی بہت اچھی لگتی ہے میں اسے انگلی سے اتارنا نہیں چاہتی۔ اس نے کہا ٹھہر جا میں اس کے مالک سے کہوں گا کہ وہ اسے میرے ہاتھ بیچ ڈالے اور غالباً وہ مان لے گا کیونکہ وہ بڑا سخی ہے ورنہ اگر اس کے پاس دوسرا نگینہ ہو گا تو میں اسے خرید کر تیرے لیے دوسری انگوٹھی بنا دوں گا جو اسی جیسی ہو گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو انہترویں رات

نو سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جوہری نے اپنی بیوی سے کہا میں تیرے لیے ایسی ہی دوسری انگوٹھی بنا دوں گا۔ ادھر جب قمرالزمان صبح کو اٹھا تو سو دینار لے کر بڑھیا کے پاس گیا جو نائی کی بیوی تھی اور کہا یہ دینار لے اس نے کہا اپنے چچا کو دے دے اور بتا کہ جو میں نے کہا تھا تو نے کیا بھی؟ اس نے کہا ہاں کیا۔ بڑھیا بولی اب جوہری کے پاس جا وہ تجھے انگوٹھی دے تو اسے انگلی کے سرے میں پہن کر فوراً اتار ڈالیو اور کہیو استاد! یہ تو ٹھیک نہیں آتی تنگ ہے وہ کہے گا اے تاجر! میں اسے توڑ کر بڑی بنا دوں گا تو کہیو توڑ کر پھر بنانے کی ضرورت نہیں اسے اپنی کنیز کو دے دے اس کے بعد دوسرا نگ نکالیو جس کی قیمت سات سو دینار اور کہیو اس کی انگوٹھی بنا دے اور اسے تیس دینار اور ہر کاریگر کو دو دو دینار دیجیو پھر کل سویرے دو سو دینار لے کر یہاں آئیو اور میں تجھے آخری ترکیب بتا دوں گی۔

جوان جوہری کے پاس گیا اس نے اس کا خیر مقدم کر کے دکان میں بٹھایا اور انگوٹھی دی۔ جوان نے اسے انگلی میں ڈال کر فوراً اتار دیا اور کہا یہ تنگ ہے' باقی تمام باتیں بھی وہی کیں جو بڑھیا نے بتائی تھیں اور اسے سات سو دینار کا ہیرا دے کر کہا اسے بنا دے۔ وہ چلا گیا تو جوہری اس کی سخاوت پر عش عش کرنے لگا اور اپنی بیوی کے پاس جا کر کہا اس جوان سے زیادہ سخی میں نے نہیں دیکھا تیری قسمت جاگ اٹھی اس نے انگوٹھی مجھے مفت دے دی ہے۔ یہ لڑکا مجھے تاجر زادہ نہیں بلکہ شاہزادہ معلوم ہوتا ہے وہ اس کی جتنی تعریف کرتا جاتا لڑکی کا عشق اتنا ہی بڑھتا جاتا۔ لڑکی نے انگوٹھی لے کر پہن لی اور جوہری نے دوسری انگوٹھی بنائی جو اس سے ذرا ڈھیلی تھی اسے دیکھ کر بیوی نے کہا اے میرے آقا! دیکھ دونوں انگوٹھیاں میری انگلی میں کیسی بھلی معلوم

ہوتی ہیں، کاش دونوں میری ہوتیں۔ جوہری بولا صبر کر، ممکن ہے کہ میں یہ دوسری انگوٹھی اس سے خرید لوں۔اس کے بعد وہ جا کر سو رہا۔

اب قمرالزمان کا ماجرا سنو! وہ صبح اٹھ کر نائی کی بیوی کے پاس گیا اور اسے دو سو دینار دے دیئے۔ وہ بولی اٹھ جوہری کے پاس جا وہ تجھے انگوٹھی دے تو اسے انگلی میں پہن کر فوراً اتار ڈالیو اور کہیو استاد! تو نے ٹھیک نہیں بنائی۔ یہ ڈھیلی ہے۔ جب کبھی تجھ جیسے استاد کے پاس مجھ جیسا گاہک آئے تو پہلے ناپ لے لینی چاہیے۔ یہ کہہ کر تو دوسرا ہیرا نکالیو جس کی قیمت ایک ہزار دینار ہے اور کہیو اس کی انگوٹھی بنا دے اور یہ انگوٹھی اپنی کسی کنیز کو دے ڈال اس کے بعد تو تین سو دینار لا کر اپنے چچا کو دے دیجیو کیونکہ وہ غریب ہے ان سے اس کا کام چلے گا۔ لڑکے نے کہا سر آنکھوں سے اور جوہری کے پاس جا کر اس سے انگوٹھی لی، انگلی میں ڈا کر فوراً اتار ڈالی اور وہی باتیں کیں جو بڑھیا نے بتائی تھیں پھر ایک ہزاد دینار والا نگ نکال کر اسے دیا جوہری نے ناپ لی اور کہا میں تجھ سے کتنی اجرت لے چکا ہوں تو ہمارے اوپر بڑا احسان کر رہا ہے اس نے کہا مضائقہ نہیں اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔ جوہری اپنے گھر گیا تو جوان کی خوبصورتی اور سخاوت کی پھر تعریف کرنے لگا۔ بیوی نے کہا اے بد مذاق! اگر اس نے تجھے دو قیمتی انگوٹھیاں دی ہیں تو تجھے چاہیے کہ اس کی دعوت کر اور اس سے دوستی بڑھا۔ تیری محبت کو دیکھ کر وہ تیرے گھر آئے گا اور ممکن ہے کہ ہمیں اس سے کوئی بڑا فائدہ پہنچے اگر تو اس کی دعوت نہیں کرتا تو میں خود اپنی طرف سے اسے بلا کر کھانا کھلاؤں گی۔ آج بے اسے لیے گھر نہ آئیو اور اگر وہ انکار کرے تو اسے طلاق کی قسم دیجیو اور اصرار کیجیو ادھر تو وہ انگوٹھی بنا کر دکان پر گیا ادھر قمرالزمان تین سو دینار لے کر بڑھیا کے پاس پہنچا بڑھیا نے کہا جب وہ تیری آج دعوت کرے اور تو اس کے گھر سوئے تو جو ماجرا ہو مجھ سے آ کر بیان کیجیو اور چار سو دینار اپنے ساتھ لیتا آئیو۔ جوں ہی وہ جوہری کے پاس پہنچا تو اس نے اسے

انگوٹھی دی وہ ٹھیک اتری۔ جوان نے کہا اے استادوں کے سر تاج! اب تو نے انگوٹھی تو ٹھیک بنائی ہے لیکن نگینہ مجھے پسند نہیں آتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو سترویں رات

نو سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ قمرالزمان نے جوہری سے کہا انگوٹھی تو تو نے ٹھیک بنائی ہے لیکن نگینہ نگینہ مجھے پسند نہیں آتا' میرے پاس اس سے اچھا نگینہ ہے یہ انگوٹھی کسی اپنی کنیز کے حوالے کر۔ یہ کہہ کر اس نے ایک دوسرا ہیرا نکالا سو دینار اسے دیئے اور کہا یہ تو مزدوری ہوئی لیکن جو تکلیف میں نے تجھے دی ہے اسے معاف کیجیو! جوہری بولا جو تکلیف تو نے مجھے دی ہے اس کا معاوضہ تو تو نے ادا کر دیا ہے اس کے علاوہ مجھ پر احسان کیا ہے۔ میرے دل میں تیری محبت جاگزیں ہو گئی اور تیری جدائی مجھ پر شاق ہے۔ خدا کے لیے آج رات کو میری دعوت قبول کر کے میرا دل رکھ لے۔ اس نے کہا مضائقہ نہیں میں سرائے جا کر اپنے نوکروں سے کہہ آؤں میں آج رات باہر رہوں گا تاکہ وہ میری راہ نہ دیکھیں۔ جوہری بھی اس کے ساتھ ہو لیا تاکہ اسے لے کر آئے ورنہ اسے اپنی بیوی کے ناراض ہونے کا ڈر تھا۔ جب دونوں گھر پہنچے تو لڑکی اسے دیکھتے ہی اس کی محبت کا شکار ہو گئی۔ دونوں نے کھانا کھایا' پیا' نماز کا وقت آیا تو نماز پڑھی۔ اس کے بعد ایک کنیز دونوں کے لیے دو پیالے لائی جن میں کھانے پینے کی چیز تھی اس کے پیتے ہی انہیں نیند آ گئی۔ اب لڑکی ان کے پاس آئی دیکھا کہ دونوں سو رہے ہیں۔ قمرالزمان کے چہرے پر ٹکٹکی لگا دی اور کہنے لگی جو حسینوں کو چاہتے ہیں' سوتے نہیں۔ اور اسے چت لٹا کر اس کے سینے پر بیٹھ گئی' اتنے بوسے لیے کہ اس کے رخسار لال ہو گئے۔ اس کے ہونٹ اتنے چوسے کہ ان میں سے خون نکلنے لگا۔ باوجود ان تمام باتوں کے اس کا دل ٹھنڈا نہ ہوا اتنی دیر تک بوس و کنار کرتی اور ٹانگوں میں ٹانگیں ڈالے رہی کہ صبح نمودار ہونے لگی اس جوان کی جیب میں چار پانسے ڈال کر چل دی۔ اس نے اپنی کنیز کو نسوار لے کر بھیجا اس نے اسے دونوں کی نتھنوں میں ڈال دی انہیں چھینک آئی اور

وہ دونوں جاگ اٹھے۔ کنیز نے کہا اے میرے آقا! نماز کا وقت آ گیا ہے اٹھ کر نماز پڑھو۔

کنیز جا کر تشت اور لوٹا لے آئی۔ قمرالزمان نے استاد سے کہا ہم ضرورت سے زیادہ سو چکے ہیں۔ اس نے جواب دیا اس کمرے میں ہمیشہ گہری نیند آتی ہے جب کبھی میں یہاں سوتا ہوں تو یہی پیش آتا ہے۔ جوان بولا تو سچ کہتا ہے جب وضو کرتے کرتے اس نے منہ پر پانی ڈالا تو اس کے رخسار اور ہونٹ جلنے لگے۔ وہ کہنے لگا اس کی کیا وجہ ہے کہ میرے رخسار اور ہونٹ جل رہے ہیں؟ جوہری نے کہا مچھروں نے کاٹا ہو گا۔ جوان بولا کیا تجھے بھی کاٹا ہو گا؟ اس نے کہا نہیں لیکن جب کوئی بے داڑھی مونچھ والا شخص یہاں سوتا ہے تو صبح اٹھ کر مچھروں کے کاٹنے کی شکایت کرتا ہے۔ داڑھی مونچھ والے کو مچھر نہیں کاٹتے اسی وجہ سے انہوں نے مجھے نہیں کاٹا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مچھر داڑھی مونچھ والوں کو پسند نہیں کرتے۔ لڑکا بولا تو سچ کہتا ہے پھر کنیز ناشتہ لائی اور دونوں ناشتہ کر کے چلے گئے۔ لڑکا بڑھیا کے پاس پہنچا تو اس نے کہا تیرے چہرے سے خوشی ٹپکتی ہے۔ بتا کہ تو نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا کچھ نہیں دیکھا۔ ہم دونوں نے ایک کمرے میں کھانا کھایا عشاء کی نماز پڑھی سو گئے اور صبح تک ہماری آنکھ نہیں کھلی۔

بڑھیا ہنسنے لگی اور کہا تیرے رخساروں اور ہونٹوں پر یہ نشان کیسے ہیں؟ وہ بولا مچھروں کی کارستانی کے۔ بڑھیا بولی تو سچ کہتا ہے لیکن مکان والے کو بھی مچھروں نے کاٹا یا نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ استاد نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ اس کمرے کے مچھر داڑھی مونچھ والوں کو نہیں کاٹتے۔ محض بے داڑھی مونچھ والوں کو کاٹتے ہیں۔

جب کبھی کوئی بے داڑھی مونچھ والا اس کا مہمان ہوتا ہے تو صبح اٹھ کر مچھروں کی شکایت کرتا ہے اور اگر داڑھی مونچھ والا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ کوئی ایسی بات پیش نہیں آتی۔ بڑھیا بولی بالکل سچ لیکن اس کے علاوہ تو نے اور کوئی چیز بھی دیکھی؟ وہ بولا ہاں! میری جیب میں چار پانسے پڑے ملے۔ بڑھیا نے کہا دکھا۔ لڑکے نے انہیں دکھایا

تو بڑھیا بولی یہ پانسے تیری محبوبہ نے تیری جیب میں ڈال دیئے ہیں۔ لڑکا بولا یہ کیسے؟ بڑھیا نے کہا وہ اشارتاً تجھے بتانا چاہتی ہے کہ اگر تو عاشق ہوتا تو نہ سوتا‘عاشق سویا نہیں کرتے تو ابھی بچہ ہے اور اسی قابل ہے کہ ان پانسوں سے کھیلے۔ تجھے حسینوں کو چاہنے سے مطلب! وہ رات کو تیرے پاس آئی تھی اور تجھے سوتا دیکھ کر تیرے اتنے بوسے لیے کہ تیرے رخسار زخمی ہو گئے لیکن ابھی اس کا ارمان پورا نہیں ہوا۔ وہ آج تیرے پاس اپنے شوہر کو بھیج کر پھر کھانے پر بلائے گی۔ لہٰذا جلد نہ سو جائیو اور پانچ سو دینار لے کر کل آئیو اور جو کچھ پیش آئے بیان کیجیو۔ ادھر جوہری کی بیوی نے شوہر سے پوچھا کہ مہمان چلا گیا؟ اس نے کہا ہاں! لیکن رات مچھروں نے اسے بہت کاٹا اور میں اس کے آگے بڑا پشیمان ہوا۔ بیوی بولی ہمارے کمرے کے مچھروں کی یہی عادت ہے کہ وہ بے داڑھی مونچھ والوں ہی کو کاٹتے ہیں خیر آج اسے پھر کھانے پر بلا۔

جوہری جا کر اسے بلا لایا۔ انہوں نے کھایا پیا اور عشاء کی نماز پڑھی پھر کنیز نے آ کر دونوں کو ایک ایک پیالہ دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو اکتروین رات

نو سو اکترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ کنیز نے آ کر دونوں کو ایک ایک پیالہ دیا وہ پی کر سو گئے لڑکی نے آ کر کہا ستیاناس ہو تیرا! تو عاشق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور سو جاتا ہے۔ عاشق بھی کہیں سویا کرتے ہیں؟ اب وہ پھر اس کے سینے پر چڑھ کر اس کے بوسے لینے' ہونٹ چوسنے اور ناز نخرے کرنے لگی اور صبح کے وقت اس کی جیب میں ایک چھری ڈال کر چل دی۔ اس کے بعد کنیز کو بھیج کر انہیں بیدار کرایا۔ لڑکا اٹھا تو اس کے رخسار آگ کی طرح جل رہے اور اس کے ہونٹ سرخ انگارہ تھے۔ جوہری نے پوچھا شاید تجھے آج بھی مچھروں نے کاٹا ہے؟ اس نے کہا نہیں' کیونکہ وہ اس نکتے کو سمجھ گیا تھا اور شکایت چھوڑ دی تھی۔ جیب میں ہاتھ ڈالا تو چھری پڑی ہوئی ملی' مگر وہ چپ رہا۔ گھر جا کر پانچ سو دینار لیے' بڑھیا کے پاس پہنچا۔ اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا میں سونا نہیں چاہتا تھا لیکن آنکھیں بند ہو گئیں' جاگا تو میری جیب میں ایک چھری تھی۔ بڑھیا بولی' آج رات خدا خیر کرے! اس کا اشارہ یہ ہے کہ اگر تو پھر سو گیا تو میں تیری گردن کاٹ ڈالوں گی۔ لڑکے نے پوچھا' اب کیا کرنا چاہیے؟ بڑھیا بولی سونے سے پہلے تو کیا کھاتا اور کیا پیتا ہے؟ لڑکے نے کہا جو اور لوگ کھاتے ہیں' اس کے بعد ایک کنیز عشاء کے بعد آ کر ہمیں ایک ایک پیالہ دے جاتی اور اسے پی کر ایسا سو جاتا ہوں کہ صبح تک آنکھ نہیں کھلتی۔ بڑھیا بولی بس ساری آفت پیالے ہی کی لائی ہوئی ہے۔ آج تو پیالہ اس وقت تک نہ پیجیو جب تک اس کا شوہر پی کر نہ سو جائے اور کنیز سے کہنو کہ مجھے پانی پلا دے' وہ پانی لینے جائے تو پیالے کو تکیے کے پیچھے الٹ دیجیو اور جھوٹ موٹ آنکھیں بند کر کے لیٹ جائیو۔ تھوڑی دیر کے بعد تجھ پر سارا حال ظاہر ہو جائے گا لیکن خبردار! میرے کہنے پر چلیو۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے اور سرائے کی طرف چل دیا۔

یہ تو اس کا حال ہوا' اب جوہری کی بیوی کا ماجرا سنو۔ اس نے اپنے شوہر سے کہا' مہمان کی دعوت تین دن ہوتی ہے۔ وہ جا کر لڑکے کو بلا لایا۔ جب کھا پی کر نماز سے فارغ ہو چکے تو کنیز نے آ کر دونوں کو ایک ایک پیالہ دیا۔ جوہری اسے پی کر سو گیا اور لڑکے نے کنیز سے کہا میں پیاسا ہوں' ایک کوزہ پانی لے آ۔ وہ پانی لینے گئی تو اس نے پیالے کو تکیے کے پیچھے انڈیل دیا اور لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ کنیز لوٹی اور اسے سوتا ہوا دیکھا تو جا کر اپنی آقا سے کہا وہ پیالہ پی کر سو گیا۔ لڑکی نے اپنے دل میں کہا اس کے جینے سے مرنا بہتر ہے ایک تیز چھری لے کر اس کے پاس گئی اور تین بار کہا' اے پاگل! تو نے میرا اشارہ نہیں سمجھا' اب میں تیرا پیٹ پھاڑ ڈالوں گی۔ قمر الزمان نے اسے چھری لیے آتا دیکھ کر آنکھیں کھول دیں اور ہنستا ہوا اٹھ بیٹھا۔ لڑکی بولی تو نے اپنی عقل سے تو میرا اشارہ نہیں سمجھا کسی کٹنی نے تجھے ہوشیار کر دیا۔ بتا تجھے کس نے بتایا؟ اس نے کہا' ایک بڑھیا نے اور اس کے ساتھ یہ یہ باتیں پیش آ چکی ہیں۔ لڑکی بولی' کل یہاں سے نکل کر بڑھیا کے پاس جائیو اور کہیو تیری چالوں کی پہنچ اس سے آگے بھی ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہے ہے تو اس سے کہیو مجھے لڑکی سے اعلانیہ ملا دے' اگر وہ کہے نہیں تو اس سے کنارہ کش ہو جائیو۔ کل رات میرا شوہر پھر تجھے کھانے پر بلائے گا تو مجھ سے سارا ماجرا بیان کیجیو اور میں تجھے آخری تدبیر بتاؤں گی۔ لڑکے نے کہا' بہت خوب اور دونوں رات بھر مزے اڑاتے رہے۔

جب صبح ہوئی تو اس نے لڑکے سے کہا' تجھ سے میری طبیعت ایک رات یا ایک دن یا ایک مہینے میں بھر نہیں سکتی۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنی عمر تیرے ساتھ گزار دوں۔ لیکن ذار صبر کر' دیکھ میں اپنے شوہر کے ساتھ ایک ایسی چال چلتی ہوں جس سے بڑے بڑے سمجھدار لوگ حیران ہو جائیں۔ میں اسے شک میں ڈال کر اس سے طلاق لے لوں گی اور تجھ سے شادی کر کے تیرے گھر چلوں گی۔ بلکہ اسے دھوکا دے کر اس کا سارا مال تیرے پاس لے آؤں گی۔ اسے تباہ اور ملیا میٹ کر دوں گی۔ لیکن جیسا

میں کہوں ویسا ہی کیجیو۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے' تیرے خلاف میں کچھ نہیں کروں گا۔ لڑکی نے کہا جا اپنی سرائے اور جب میرا شوہر تجھے کھانے پر بلانے آئے تو اس سے کہیو بھائی! انسان جلد تنگ آ جاتا ہے اور جب بہت لوگ آتے جاتے رہتے ہیں سخی ہو یا بخیل اکتا جاتا ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا کہ میں ہر روز جا کر تیرے ہاں سوؤں۔ اگر تو مجھ سے نہ بھی ناراض ہو تو تیری اہلیہ ہو جائے گی کیونکہ میری وجہ سے تو اس کے پاس نہیں جاتا اگر تو مجھ سے زیادہ میل جول رکھنا چاہتا ہے تو اپنے گھر کے پاس میرے لیے بھی ایک گھر لے دے تاکہ سونے کے وقت تک کبھی میں تیرے ہاں رہوں' کبھی تو میرے ہاں رہے اور سونے کا وقت آئے تو تو اپنی بیوی کے پاس چلا جائے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ تو ہر روز اپنی بیوی سے جدا رہے۔ تو یہ کہے گا تو وہ میرے پاس آ کر میری رائے لے گا میں اسے یہ مشورہ دوں گی کہ ہمارا پڑوسی اگر اٹھ جائے کیونکہ وہ ہمارا مکان ہے اور وہ آ رہے تو بہت اچھا ہے۔ پھر جب تو اس مکان میں آ جائے گا تو خدا اور باتیں بھی آسان کر دے گا۔ یہ کہہ کر وہ چل دی۔ تھوڑی دیر کے بعد کنیز نے آ کر انہیں جگایا۔ جوہری کی آنکھ کھلی تو اس نے پوچھا اے تاجر! آج مچھروں نے تجھے ستایا نہیں؟ اس نے کہا' نہیں۔ جوہری بولا شاید اب تجھے ان کی عادت ہو گئی ہے۔ دونوں نے ناشتہ کیا اور وہ قہوہ پی کر اپنے اپنے کام پر چلے گئے۔ قمر الزمان نے بڑھیا کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی

○○○

نو سو بہترویں رات

نو سو بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ قمر الزمان نے بڑھیا کے پاس جا کر کہا کہ اس نے مجھ سے یہ کہا اور میں نے اس سے یہ کیا تو اور کوئی تدبیر کر سکتی ہے جس سے ہم دنوںؓ علانیہ ملیں؟ اس نے جواب دیا بیٹا' اب اس کے آگے میرے پاس کوئی تدبیر نہیں۔ جوان وہاں سے رخصت ہو کر سرائے گیا اور دوسرے دن شام کے وقت جوہری اسے بلانے آیا تو اس نے کہا میں تیرے ساتھ نہیں جا سکتا۔ جوہری بولا یہ کیوں؟ مجھے تجھ سے محبت ہو گئی ہے اور تیری جدائی گوارا نہیں' خدا کے لیے میرے ساتھ چل۔ لڑکے نے کہا اگر تو چاہتا ہے کہ میں اور تو ہمیشہ ساتھ رہیں تو مجھے ایک مکان اپنے مکان کے قریب لے دے' اس وقت چاہے تو میرے ہاں رات گزاریو چاہے میں تیرے ہاں رات گزاروں تا کہ جب سونے کا وقت آئے تو ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے گھر پر چلا جائے۔ جوہری بولا میرے گھر کے پاس میرا ایک اور گھر ہے' آج تو میرے ساتھ چل' کل اس گھر کو میں تیرے لیے خالی کرا دوں گا۔ لڑکا اس کے ساتھ چل دیا دونوں نے کھانا کھایا نماز پڑھی اور جوہری نے وہ پیالہ پیا جس میں کچھ ملا ہوا تھا اور سو گیا۔ قمر الزمان کے پیالے میں کوئی ملاوٹ نہ تھی' اس نے پیا لیکن سویا نہیں' لڑکی آ کر اس سے رات بھر باتیں کرتی رہی اور اس کا شوہر مردے کی طرح پڑا رہا۔ جب وہ جاگا تواس نے کرائے دار کو بلا کر کہا میرا گھر خالی کر دے' مجھے اس کی ضرورت ہے۔ اس نے خالی کر دیا اور قمر الزمان اس میں رہنے لگا۔ پہلی رات جوہری اس کے گھر گیا اور جب سونے کا وقت آیا تو اپنے گھر چلا گیا۔ دوسرے دن لڑکی نے معمار کو بلا کر کہا میرے گھر سے دوسرے گھر تک سرنگ بنا دے۔ قمر الزمان کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور لڑکی دو تھیلیاں مال کی لے کر اس کے پاس پہنچ گئی۔ قمر الزمان نے پوچھا کدھر سے آ گئی؟ اس نے سرنگ کی طرف اشارہ کیا پھر صبح تک اس کے ساتھ بیٹھی ہنسی مذاق کرتی رہی اور کہا کہ

اب جا کر میں اسے جگاتی ہوں تا کہ وہ دکان پر جائے تو میری راہ دیکھیو میں ابھی لوٹ کر آتی ہوں۔ لڑکی نے جا کر اپنے شوہر کو جگایا' اس نے وضو کر کے نماز پڑھی اور دکان پر چلا گیا۔ اب لڑکی چار اور تھیلیاں لے کر اس کے پاس آئی اور تھوڑی دیر بیٹھ کر رخصت ہو گئی اور قمر الزمان بازار چلا گیا۔ جب وہ مغرب کی وقت لوٹا تو اس نے دیکھا کہ دس تھیلیاں اور جواہرات وغیرہ کی اس کے ہاں رکھی ہوئی ہیں۔

اس کے بعد جوہری گھر آیا اور قمر الزمان کو اپنے گھر میں لے گیا۔ کنیز نے آ کر دونوں کو پیالے دیئے' جوہری پی کر سو گیا قمر الزمان پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا کیونکہ اس کے پیالے میں کوئی ملاوٹ نہ تھی۔ لڑکی آ کر اس سے ہنسی مذاق کرنے لگی اور بہت کچھ سامان سرنگ کے راستے اس کے گھر منتقل کر دیا۔ تیسرے دن لڑکی نے ایک خنجر نکال کر اسے دیا جو اس کے شوہر نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور جس کی قیمت اس کے خیال میں پانچ سو دینار تھی۔ چونکہ لوگ اسے جوہری سے اکثر مانگتے رہتے تھے اس نے اسے ایک صندوق میں بند کر رکھا تھا اور کسی کے ہاتھ اسے بیچنے پر راضی نہ ہوتا۔ یہ خنجر اسے دے کر لڑکی نے کہا اسے کمر سے لگا کر میرے شوہر کے پاس جا اور اس سے کہیو کہ استاد یہ خنجر' میں نے اسے آج خریدا ہے بتا کہ میں نے مہنگا خریدا ہے یا سستا؟ وہ اسے پہچان لے گا لیکن شرم کے مارے یہ نہیں کہے گا کہ یہ خنجر میرا ہے۔ اگر وہ پوچھے کہ کہاں سے خریدا اور کتنے دام دیئے؟ تو کہیو میں نے دیکھا کہ دو بدکار آپس میں ملے ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ تو کہاں تھا؟ وہ بولا کہ اپنی آشنا کے پاس اور جب کبھی میں اس کے پاس جاتا ہوں تو وہ مجھے درہم دیا کرتی ہے لیکن آج اس نے کہا میرے پاس اس وقت درہم نہیں ہیں لہٰذا یہ خنجر لے جا' یہ میرے شوہر کا ہے۔ میں اس سے لے آیا اور چاہتا ہوں کہ اسے بیچوں۔ مجھے یہ خنجر پسند آیا میں نے تین سو دینار میں اسے خرید لیا' بتا سستا خریدا یا مہنگا؟ اس کے تھوڑی دیر بعد اس کے پاس سے چلا آئیو اور سرنگ کے قریب آ کر خنجر مجھے واپس دیجیو۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے۔ لڑکا خنجر لے کر جوہری کے پاس پہنچا اور کہا

اسے دیکھ۔ جوہری نے اپنا خنجر پہچان لیا لیکن مارے شرم کے کچھ نہ بولا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو تہترویں رات

نو سو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جوہری نے خنجر ہاتھ میں لے کر پوچھا تو نے یہ کہاں سے خریدا؟ اس نے وہی جواب دیا جو لڑکی نے اسے سکھا پڑھا دیا تھا۔ جوہری بولا ان داموں یہ سستا ہے' اس کی قیمت پانچ سو دینار ہے۔ جوہری کا دل اندر سے تڑپ رہا تھا' اس نے اپنا کام بند کر دیا اور سوچ میں پڑ گیا۔ اگر لڑکا اس سے پچاس لفظ کہتا تو وہ جواب میں محض ایک لفظ بولتا۔ جوہری کی یہ حالت دیکھ کر لڑکا اٹھا اور جلدی سے گھر چلا گیا۔ لڑکی نے پوچھا جو میں نے تجھ سے کہا تھا تو نے کیا؟ اس نے جواب دیا؟ لڑکا بولا اس نے کہا' یہ ان داموں سستا ہے' اس کی قیمت پانچ سو دینار ہے' لیکن اس کا رنگ فق ہو گیا اور میں اٹھ کر چلا آیا۔ لڑکی نے اس سے خنجر لے کر وہیں رکھ دیا جہاں وہ پہلے تھا اور بیٹھ گئی۔

یہ تو لڑکی کا ماجرا ہوا' اب اس کے شوہر کا حال سنو۔ قمر الزمان کے چلے جانے کے بعد اسے بڑی پریشانی اور گھبراہٹ ہوئی وہ اپنے دل میں کہنے لگا چل کر خنجر تلاش کرنا چاہیے تاکہ شک دور ہو جائے۔ وہ گھر گیا اور اژدھے کی طرح ہانپتا ہوا اپنی بیوی کے پاس پہنچا۔ بیوی نے کہا اے میرے آقا! خیریت تو ہے؟ اس نے پوچھا خنجر کہاں ہے؟ بیوی بولی صندوق میں' اور پھر سینہ کوٹنے اور کہنے لگی ہائے میرے اللہ' کہیں تو کسی سے لڑا تو نہیں کہ خنجر لے کر اسے مارنے جائے گا؟ اس نے کہا خنجر لا کر مجھے دکھا۔ بیوی نے کہا' پہلے تو قسم کھا کہ اس سے کسی کو مارے گا تو نہیں۔ اس نے قسم کھائی بیوی خنجر نکال کر اس کے پاس لے آئی۔ وہ خنجر کو الٹ پلٹ کر دیکھتا اور کہتا یہ عجیب بات ہے! بیوی نے پوچھا آخر کیا بات ہے؟ وہ بولا میں نے اپنے دوست کے پاس ایسا ہی خنجر دیکھا ہے لیکن اب اسے دیکھ کر میرا شبہ جاتا رہا۔ بیوی بولی شاید تو نے میری طرف سے بدگمانی کی مجھے بدکار سمجھا اور یہ کہ میں نے اسے خنجر دیا

ہے؟ جوہری بولا ہاں مجھے شک ہوا تھا مگر خنجر دیکھنے کے بعد اطمینان ہو گیا ہے۔ بیوی نے کہا مردود' اب تجھ میں کوئی بھلائی باقی نہیں۔ جوہری معذرت کرنے لگا یہاں تک کہ وہ مان گئی اور جوہری اٹھ کر دکان پر چلا گیا۔ دوسرے دن اس نے قمر الزمان کو اپنے شوہر کی گھڑی دے کر اس کے پاس بھیجا جسے اس نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا جو لاجواب تھی اور کہا اس سے کہیو جس شخص کو میں نے کل دیکھا تھا' آج بھی دیکھا اس کے ہاتھ میں یہ گھڑی تھی' کہنے لگا یہ گھڑی خریدتا ہے؟ میں نے کہا' اسے کہاں سے لایا؟ اس نے کہا اپنی آشنا کے پاس سے' میں نے اسے پچاسی دینار میں خرید لیا۔ بتا یہ سستی ہے یا مہنگی؟ اس کے بعد تو جلدی سے واپس آ کر مجھے گھڑی دے دیجیو۔ قمر الزمان نے جوہری کے پاس آ کر یہی باتیں کہیں' اس نے کہا یہ گھڑی سات سو دینار کی ہے اور پھر شک میں پڑ گیا' ہانپتا ہوا اپنی بیوی کے پاس پہنچا اور کہا میری گھڑی کہاں ہے؟ اس نے گھڑی نکال کر دکھا دی جوہری لاحول.... پڑھنے لگا اور بیوی سے کہا پہلے میں نے اپنے دوست تاجر کے پاس اپنا خنجر دیکھا اور پھر گھڑی' دونوں میری ہی بنائی ہوئی چیزیں ہیں ان کا جواب بصرے بھر میں کسی کے پاس نہیں کیا بتاؤں اس نے یہ یہ باتیں کیں جن سے مجھے رنج پہنچا میری عقل دنگ ہو گئی اور خدا جانے میرے اوپر کیا گزری۔ بیوی نے کہا تیری تمام باتوں کا مقصد یہ ہے کہ میں اس تاجر کی دوست اور آشنا ہوں تو نے مجھے خائن ٹھہرایا اور مجھ سے پوچھنے آیا۔ اگر تو نے میرے پاس اپنی گھڑی اور خنجر دیکھ نہ لیا ہوتا تو تجھے میری خیانت کا یقین آ جاتا۔ تیری اس بدگمانی کی وجہ سے اب میں نہ تیری روٹی کھاؤں گی نہ تیرا پانی پیوں گی اور تیری صحبت کو حرام سمجھوں گی۔ شوہر اسے منانے لگا اور پھر من گئی اور شوہر پشیمان ہو کر دکان چلا گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

نو سو چوہترویں رات

نو سو چوہترویں رات اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جوہری پشیمان ہو کر دکان چلا گیا' کبھی شک کرتا کبھی یقین۔ شام کے وقت وہ اکیلا قمر الزمان کے بغیر گھر آیا۔

لڑکی نے پوچھا' قمر الزمان کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا' اپنے گھر میں۔ لڑکی بولی' کیا تم دونوں کی دوستی ٹھنڈی پڑ گئی؟ شوہر نے کہا' واللہ ان باتوں سے میں اس سے نفرت کرنے لگا ہوں۔ لڑکی بولی جا اور میری خاطر سے اسے لے آ۔ جوہری اٹھ کر اس کے گھر گیا اپنا سامان وہاں پھیلا پڑا دیکھا اس کے دل میں اگ بھڑکنے لگی آہیں بھرنے لگا۔ قمر الزمان نے پوچھا تو کس سوچ میں پڑا ہے؟ لیکن مارے شرم کے اس نے کچھ نہ کہا اور اس سے اپنے گھر چلنے کو کہا۔ اس نے جواب دیا' میں تیرے گھر نہیں جاؤں گا' مجھے یہیں رہنے دے۔ جوہری نے اسے قسم دی اور اپنے گھر لے گیا۔ دونوں نے کھانا کھایا اور تھوڑی دیر تک جاگتے رہے۔ اگر قمر الزمان اس سے سو لفظ کہتا تو وہ ایک لفظ میں جواب دیتا۔ اس کے بعد کنیز پیالے لائی جوہری پی کر سو گیا اور لڑکا جاگتا رہا۔ لڑکی اس کے پاس آئی اور کہنے لگی دیکھا تو نے اس سینگ دار کو کہ وہ پڑا سو رہا ہے اسے عورتوں کے چھل فریب کی بالکل خبر نہیں۔ میں اس کے ساتھ اب ایسی چال چلوں گی کہ وہ مجھے طلاق دینے پر مجبور ہو جائے۔ کل میں کنیز کے بھیس بدل کر تیرے ساتھ دکان چلوں گی تو کہیو کہ استادا! آج میں یسیرجیہ کی سرائے گیا تھا وہاں اس کنیز کو ایک ہزار دینار میں مول لیا ہے' دیکھ کہ ان داموں سستی ہے یا مہنگی؟ اس کے بعد میرا چہرہ اور سینہ کھول کر اسے دکھا دیجیو' پھر مجھے اپنے گھر واپس لے آئیو میں سرنگ میں سے ہو کر اپنے گھر چلی جاؤں گی اور اس آخری چال کا نتیجہ دیکھوں گی۔

دونوں نے رات بڑے مزے میں گزاری صبح ہوتے لڑکی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کنیز

نے آ کر اپنے آقا اور قمر الزمان کو جگایا۔ دونوں نے اٹھ کر وضو کیا' فجر کی نماز پڑھی ناشتہ اڑایا' قہوہ پیا' جوہری دکان چلا گیا اور قمر الزمان اپنے گھر۔ اتنے میں لڑکی کنیز کا بھیس بدل سرنگ میں سے نکل کر اس کے پاس آئی۔ وہ پہلے تھی بھی کنیز ہی اور قمر الزمان کے ساتھ دکان چلی۔ وہاں پہنچ کر قمر الزمان نے جوہری کو سلام کیا اور بیٹھ کر کہنے لگا استاد! آج میں سیر کی غرض سے یسیرجیہ کی سرائے گیا تھا۔ ایک دلال کے ساتھ اس کنیز کو دیکھا مجھے پسند آئی اور میں نے ایک ہزار دینار میں مول لے لیا۔ میں چاہتا ہوں تو اسے دیکھ کر بتائے کہ یہ سودا سستا ہے یا مہنگا۔ اتنا کہہ کر اس نے اس کا چہرہ کھول دیا جوہری نے دیکھا کہ وہ اس کی بیوی ہے' خوب بنی ٹھنی سرمہ اور مہندی لگائے جس طرح کہ وہ اس کے آگے گھر میں بنی ٹھنی رہتی ہے۔ اس کے چہرے لباس اور گہنے سے جو اس نے خود بنایا تھا وہ اسے بالکل پہچان گیا اس نظر ان انگوٹھیوں' پر بھی پڑی جو اس نے حال میں قمر الزمان کے لیے بنائی تھیں اور اسے ہر طرح سے یقین ہو گیا کہ وہ اس کی بیوی ہے۔ اس نے پوچھا کنیز' تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا' حلیمہ۔ یہی اس کی بیوی کا نام تھا۔ اب اس نے جوان سے پوچھا' تو نے اسے کتنے میں خریدا ہے؟ لڑکا بولا ایک ہزار دینار میں۔ جوہری نے کہا ان داموں میں مفت ہے کیونکہ محض اس کی انگوٹھیوں' لباس اور دوسرے گہنے کی قیمت اس سے زیادہ ہے۔ جوان بولا تو نے میرا سودا پسند کیا۔ خدا تجھے نیکی دے' اب میں اپنے گھر جاتا ہوں اور لڑکی کو ساتھ لے اپنے گھر چلا گیا اور لڑکی سرنگ میں سے ہو کر اپنے گھر چلی گئی۔

یہ تو لڑکی کے ساتھ پیش آیا' ادھر جوہری کے دل میں آگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اس نے اپنے دل میں کہا میں ابھی جا کر اپنی بیوی کو دیکھتا ہوں۔ اگر وہ گھر میں ہے تو یہ کنیز اس کے ہم شکل ہے اور اگر وہ گھر میں نہیں تو وہ ضرور میری بیوی ہے۔ وہ اٹھ کر گھر گیا دیکھا کہ اس کی بیوی وہی لباس اور گہنا پہنے بیٹھی ہوئی ہے ہاتھ پر ہاتھ مار کر لاحول.... پڑھنے لگا۔ بیوی بولی تجھے جنون تو نہیں ہو گیا ہے؟ اس نے کہا

ہمارا دوست تاجر ایک کنیز خرید کر لایا تھا اس کا قد بھی تجھ سا تھا' بلندی بھی تجھ جیسی' نام بھی تیرا ہی اور لباس بھی یہی تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر گمان کیا کہ تو ہی ہے۔ کاش میں اس تاجر سے نہ ملا ہوتا کیونکہ اس نے میری خوشی مٹی میں ملا دی ہے اور میرے دل میں شک پیدا کر دیا ہے! بیوی بولی میرا چہرہ خوب غور سے دیکھ' ممکن ہے میں ہی اس کے ساتھ ہوں اور وہ میرا آشنا ہو۔ جوہری بولا تو یہ کیا کہتی ہے؟ میرے خواب و خیال میں بھی یہ نہیں آتا کہ تو ایسی حرکت کرے۔ اس کے بعد بیوی نے کہا میں یہیں بیٹھی رہتی ہوں تو جا کر دروازہ کھڑکھڑا اور کسی چال سے فوراً اندر چلا جا۔ اگر تو نے اس کے پاس کسی کنیز کو دیکھا تو وہ میرے مشابہ ہو گی اور کسی کنیز کو نہ دیکھا تو وہ کنیز میں ہی ہوں اور تیرا شبہ بجا ہو گا۔ اس نے کہا یہ ٹھیک ہے اور وہاں سے چل دیا۔ ادھر اس کی بیوی سرنگ میں سے ہو کر قمر الزمان کے پاس پہنچی اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا فوراً دروازہ کھول کر اسے میری صورت دکھا دے۔ اس نے دروازہ کھول کر جوہری کو اندر بلا لیا۔ جوہری نے دیکھا کہ اس کی بیوی وہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ بیوی نے اٹھ کر اس کے اور قمر الزمان کے ہاتھ چومے۔ جوہری دیر تک اسے دیکھتا رہا اور اس سے باتیں کرتا رہا دیکھا کہ اس کنیز اور اس کی بیوی میں کوئی فرق نہیں۔ اپنے دل میں کہنے لگا' خدا جو چاہے پیدا کرے۔ اب اس کی حیرانی پریشانی اور بڑھ گئی وہ فوراً اپنے گھر واپس گیا دیکھا کہ اس کی بیوی وہاں بیٹھی ہوئی ہے کیونکہ وہ سرنگ میں سے ہو کر اس سے پہلے گھر پہنچ گئی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو پچھترویں رات

نو سو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... لڑکی سرنگ میں سے ہو کر اپنے شوہر سے پہلے گھر پہنچ گئی اور جب وہ آیا تو کہنے لگی تو نے کیا دیکھا؟ شوہر نے کہا وہ اپنے آقا کے پاس تھی اور تیرے ہم شکل بیوی بولی جا اپنی دکان' میری طرف سے تو کافی بدگمانی کر چکا۔ شوہر بولا' قصور معاف کر۔ بیوی نے کہا خدا تجھے معاف کرے! اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کو دائیں بائیں لپٹایا اور دکان چلا گیا۔ بیوی چار تھیلیاں لے کر سرنگ کے راستے سے قمر الزمان کے پاس پہنچی اور کہا جلدی سے سفر کی تیاری اور مال لے چلنے کا انتظام کر۔ قمر الزمان نے بازار جا کر خچر خریدے' ایک تخت رواں تیار کرایا غلام اور ہیجڑے مول لیے اور سب کو شہر کے باہر پہنچا کر لڑکی کے پاس آیا اور کہا میں اپنا کام پورا کر چکا ہوں۔ لڑکی بولی' میں بھی اس کا سارا مال متاع لے کر تیرے پاس آ گئی ہوں اس کے پاس ایک تنکا تک نہیں چھوڑا ہے۔ اے میرے پیارے! یہ سب تیری محبت کی وجہ سے ہے۔ میں اپنے شوہر کو ہزار بار تجھ پر قربان کرتی ہوں۔ لیکن تجھے چاہیے کہ جا کر اس سے رخصت ہو اور کہہ کہ میں تین دن کے بعد سفر کرنے والا ہوں' جو کچھ کرایہ میری طرف نکلتا ہو اس کا حساب کر لے تا کہ میں ادا کر دوں۔ جو کچھ وہ جواب دے مجھ سے آ کر کہیو' میں تو عاجز آ گئی ہوں اور لاکھ کوشش کی کہ وہ مجھے طلاق دے دے لیکن وہ اور زیادہ مجھ سے مانوس ہوتا جاتا ہے اب سوائے اس کے چارہ نہیں کہ میں تیرے وطن چلی چلوں۔ قمر الزمان نے کہا کاش یہ خواب صحیح نکلے اس نے دکان پر جا کر کہا' استاد! میں تین دن کے بعد سفر کرنے والا ہوں اور تجھ سے رخصت ہونے آیا ہوں' کرائے کا حساب کر لے تا کہ میں بے باق کر دوں۔ جوہری نے کہا تو یہ کیا باتیں کرتا ہے؟ احسان تو تیرا میرے اوپر ہے' میں گھر کا کرایہ ہرگز نہ لوں گا۔ لیکن تو نے سفر کا نام لے

کر مجھے اداس کر دیا اگر میرے اوپر یہ حرام نہ ہوتا تو میں تجھے تیرے وطن جانے سے روک لیتا۔ یہ کہہ کر وہ گلے ملے اور دونوں بے حد روئے اور جوہری دکان بند کر کے اسے رخصت کرنے چلا۔ جب وہ قمر الزمان کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ بیوی وہاں موجود ہے پھر اپنے گھر گیا تو اسے وہاں پایا۔

تین دن تک یہی حالت رہی' اس کے بعد لڑکی نے کہا کہ جوہری کا سارا مال اور فرش فروش تو میں نے یہاں منتقل کر دیا ہے محض وہ کنیز باقی رہ گئی ہے جو تمہارے لیے رات کو شراب لاتی ہے میں اسے چھوڑ نہیں سکتی وہ میری رشتے دار ہے میں اسے چاہتی ہوں اور وہ میری راز دار بھی ہے۔ میں اس پر ناراض ہوں گی' اسے ماروں گی اور جب میرا شوہر آئے گا تو اس سے کہوں گی کہ میں اس کنیز کا منہ نہیں دیکھنا چاہتی اس کے ساتھ ایک گھر میں نہیں رہنا چاہتی' اسے لے جا کر بیچ ڈال وہ اسے بیچنے لے جائے تو تو اسے خرید لیجیو تاکہ ہم اسے اپنے ساتھ لے چلیں۔ اب اس نے کنیز کو مارا شوہر آیا تو اسے روتا دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا میری آقا نے مارا ہے۔ جوہری نے بیوی سے پوچھا کہ اس مردود کنیز نے کیا خطا کی کہ تو نے اسے مارا؟ میں اس کنیز کا منہ نہیں دیکھنا چاہتی' اسے لے جا کر بیچ ڈال ورنہ مجھے طلاق دے دے۔ جوہری نے کہا میں ہر گز تیری مخالفت نہ کروں گا اسے ابھی بیچ آتا ہوں۔ وہ اسے بیچنے چلا تو راہ میں قمر الزمان ملا۔ اس اثنا میں لڑکی سرنگ میں سے ہو کر قمر الزمان کے پاس پہنچی اور قبل اس کے وہ جوہری کے پاس جائے اس نے لڑکی کو تخت رواں پر سوار کر دیا۔ جب وہ جوہری کے پاس پہنچا اور اس کے ساتھ اس نے کنیز کو دیکھا تو کہا یہ کیا؟ جوہری بولا یہ میری کنیز ہے جو ہمیں شراب پلایا کرتی تھی لیکن اس نے اپنی آقا کو ناراض کر دیا ہے اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسے بیچ ڈالوں۔ جوان نے کہا میرے ہاتھ بیچ ڈالو' اس کی وجہ سے مجھے تیری یاد آتی رہے گی اور میری کنیز حلیمہ کی خدمت کرے۔ جوہری بولا بہت خوب لے جا۔ جوان نے کہا' کتنے میں؟ جوہری بولا تجھ سے کچھ نہ لوں گا تیرا میرے اوپر احسان

ہے۔ اس نے منظور کر لیا اور لڑکی سے کہا اپنے آقا کا ہاتھ چوم' لڑکی نے تخت رواں سے اتر کر اس کا ہاتھ چوما اور پھر سوار ہو گئی۔ جوہری اسے دیکھتا رہا۔ قمر الزمان نے کہا' استاد عبید' میں تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں' ہمارا حساب کتاب بے باق ہے۔ جوہری بولا' خدا بے باق کرے اور تجھے صحیح و سلامت گھر والوں سے ملائے؟ غرض کہ اس سے رخصت ہو کر وہ روتا ہوا دکان پہنچا اسے قمر الزمان سے چھٹنے کا افسوس تھا ساتھ ہی اس بات کی خوشی بھی تھی کہ وہ چلا گیا اور بیوی کے بارے میں اس کا شک صحیح نہ نکلا۔ ادھر لڑکی نے قمر الزمان سے کہا اگر تجھے سلامتی منظور ہے تو عام راستے سے نہ چلیو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو چھترویں رات

نو سو چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی نے کہا اگر تجھے سلامتی منظور ہے تو عام راستے سے نہ چلیو۔ قمر الزمان اس راستے سے روانہ ہوا جدھر سے لوگ عموماً آتے جاتے نہ تھے' چلتے چلتے مصر کی سرحد پر پہنچا اور وہاں پیادے کے ہاتھ باپ کو خط بھیجا۔ باپ تاجروں کے ساتھ بازار میں بیٹھا ہوا تھا کہ پیادہ پہنچا۔ اس نے پوچھا تم میں سے عبدالرحمان نامی تاجر کون ہے؟ لوگوں نے کہا' تیرا اس سے کیا کام ہے؟ وہ بولا کہ میں اس کے بیٹے کا خط لایا ہوں اور میں نے اسے عریش کے پاس چھوڑا ہے۔ یہ سن کر عبدالرحمان خوش ہو گیا۔ دوسرے تاجر نے بھی خوش ہو کر اسے مبارک دی اس نے خط لے کر پڑھا------
"قمر الزمان کی طرف تاجر عبدالرحمان کے نام' تجھ پر اور تمام تاجروں پر سلام پہنچے۔ خدا کا شکر کہ میں بھی بخیریت ہوں۔ میں نے خرید و فروخت کی' کمایا اور صحیح و سلامت لوٹ کر آ رہا ہوں۔"
یہ پڑھتے ہی وہ خوشیاں منانے لگے۔ دعوتیں اور گانا بجانا ہونے لگا۔ جب اس کا بیٹا صالحیہ پہنچا تو باپ اور تمام تاجر اس کے استقبال کے لیے گئے اور اس سے ملے۔ باپ اس کے گلے لپٹ گیا اسے سینے سے لگا لیا اور روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو کہا بیٹا' مبارک ہو آج کا دن خدا نے ہمیں تجھ سے ملایا! اب اور تاجروں نے بڑھ کر اسے سلام کیا دیکھا کہ اس کے ساتھ بہت سا سامان' نوکر چاکر ایک تخت رواں ہے انہیں ساتھ لے کر وہ اس کے گھر پہنچے۔ لڑکی تخت رواں میں سے اتری' باپ نے دیکھا کہ وہ انسان کیا فتنہ ہے۔ اسے ایک محل میں اتارا' گویا وہ خزانہ تھی جو طلسمات سے نکلی تھی۔ ماں بھی اسے دیکھ کر فریفتہ ہو گئی سمجھی کہ وہ کوئی شاہزادی ہے۔ خوش ہوئی اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا تیری بہو ہوں۔ ماں نے کہا تو پھر ہمیں اس خوشی میں جشن منانا چاہیے۔

یہ تو لڑکی کا قصہ ہوا' اب عبدالرحمان کا ماجرا سنو۔ جب سب لوگ چلے گئے تو اس نے بیٹے کے پاس آ کر پوچھا یہ کنیز کون ہے اور تو نے اسے کتنے میں مول لیا؟ اس نے جواب دیا یہ کنیز نہیں' یہ وہی لڑکی ہے جس کی وجہ سے میں پردیس گیا اور جس کا ذکر درویش نے کیا تھا۔ درویش سے اس کا ذکر سنتے ہی میرے دل میں محبت کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ میں نے اسی کی خاطر سفر کیا راستے میں بدوؤں نے میرا سامان لوٹ لیا اور میرے کپڑے اتار لیے۔ میں اکیلا بصرے پہنچا اور میرے ساتھ یہ ماجرا پیش آیا۔ باپ نے پوچھا ان تمام باتوں کے بعد تو نے اس سے شادی کی یا نہیں؟ لڑکا بولا نہیں لیکن اس سے میں نے وعدہ کر لیا ہے۔ باپ نے کہا کیا اب تو اس سے شادی کرنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا اگر تو اجازت دے گا تو کر لوں گا ورنہ نہیں۔ باپ بولا اگر تو اس سے شادی کرے گا تو دنیا اور آخرت دونوں میں میرا ساتھ نہیں۔ اس نے اپنے شوہر کے ساتھ یہ حرکت کی ہے تو تیرے ساتھ بھی یہی حرکت کرے گی۔ یہ دغاباز ہے اور دغاباز پر کوئی بھروسہ نہیں۔ اگر تو نے میرا کہنا مان لیا تو میں اس سے خوب صورت لڑکی تلاش کروں گا جو پاک صاف ہو اور ایسا جشن مناؤں گا کہ کبھی نہ منایا گیا ہو۔ لوگوں کا یہ کہنا کہ فلاں شخص نے فلاں کی بیٹی سے شادی کی ہے اس سے بہتر ہے کہ وہ کہیں کہ اس نے ایک کنیز سے شادی کی جس کا حسب نسب معلوم نہیں۔ قمر الزمان نے کہا اگر یہ بات ہے تو میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔

یہ سن کر باپ نے قمر الزمان کی پیشانی چومی اور کہا تو واقعی میرا بیٹا ہے۔ تیری جان کی قسم میں تیری شادی ایسی لڑکی سے کروں گا جس کا جواب نہ ہو گا۔ اب عبدالرحمان نے جوہری عبید کی بیوی اور اس کی کنیز کو ایک اونچے محل میں اتارا اور ان کے ساتھ ایک کالی کنیز کو رکھا جو انہیں کھانا پینا پہنچائے اور کہلا بھیجا کہ تو اور تیری کنیز یہیں بند رہے گی جب تک میں تمہیں کسی کے ہاتھ بیچ نہ ڈالوں' اگر تو نے یہ نہ مانا تو میں تجھے اور تیری کنیز دونوں کو قتل کر دوں گا کیونکہ تو نے خیانت کی ہے اور تجھ

میں کوئی بھلائی نہیں۔ اس نے جواب دیا جو تیرا جی چاہے کر میں اس کی مستحق ہوں۔ اس نے دروازے میں قفل ڈال دیا اور اپنی بیوی سے کہا سوائے کالی کنیز کے ان کے پاس کوئی نہ جائے اور وہ بھی محض محراب میں سے انہیں کھانا پینا دے آیا کرے۔ اب وہ وہاں رہنے لگی۔ دن رات روتی اور پشیمان ہوتی کہ میں نے اپنے شوہر کے ساتھ کیا کیا۔

یہ تو اس کا قصہ ہوا' اب عبدالرحمان کا ماجرا سنو۔ اس نے کٹنیوں کو ہر طرف روانہ کر دیا جب وہ کسی خوب صورت لڑکی کو دیکھتیں تو انہیں معلوم ہوتا کہ ایک اور لڑکی اس سے بھی زیادہ حسین ہے یہاں تک کہ وہ شیخ اسلام کے گھر پہنچیں دیکھا کہ اس کی بیٹی جوہری عبید کی بیوی سے ہزار درجے بہتر ہے آ کر عبدالرحمان کو خبر کی۔ عبدالرحمان اور دوسرے بڑے آدمی اس کے باپ کے پاس پیغام لے کر پہنچے۔ نکاح نامہ تیار ہو گیا اور دعوتیں شروع ہو گئیں۔ پہلے دن فقیہوں کو بلایا گیا اور میلاد شریف ہوا' دوسرے دن تمام تاجر مدعو کئے گئے۔ ہر روز گانے بجانے والے آتے گاتے بجاتے روزانہ ایک خاص طبقے کی دعوت ہوتی۔ چالیس دن تک یہی رنگ رہے عبدالرحمان اور اس کا بیٹا بیٹھ کر تماشا دیکھتے کہ اس جشن کا جواب نہیں۔ آخری دن دور اور نزدیک کے فقیروں اور مسکینوں کو دعوت دی گئی اور وہ آ کر دعوت میں شریک ہونے لگے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ شیخ عبید بھی فقیروں کے ساتھ داخل ہوا۔ اس کے چہرے سے سفر کے آثار نمودار تھے وہ ننگا اور تھکا ہارا تھا۔ قمر الزمان نے اسے دیکھ کر پہچان لیا اور باپ سے کہا اس فقیر کو ملاحظہ کیا جو ابھی دروازے سے داخل ہوا ہے؟ اس نے دیکھا کہ ایک شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے آیا ہے جن کی قیمت دو درہم ہو گی' اس کا چہرہ زرد اور اس پر گرد پڑی ہوئی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو سترویں رات

نو سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب عبدالرحمان کے بیٹے نے اس سے کہا اس فقیر کو دیکھا تو اس نے پوچھا بیٹا! یہ کون ہے؟ اس نے جوب دیا جو عورت ہمارے ہاں قید میں ہے اس کا شوہر' استاد عبید جوہری ہے۔ اس کے آنے کا سبب یہ تھا کہ جب وہ قمر الزمان سے رخصت ہو کر دکان پر گیا تو دن بھر وہاں کام کرتا رہا شام کو دکان میں قفل ڈال کر گھر گیا' دروازے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہ کھل گیا اندر جا کر دیکھا کہ نہ اس کی بیوی ہے نہ سامان اور گھر بری حالت میں پڑا ہوا ہے۔ گھر کو خالی دیکھ کر وہ ادھر ادھر پاگلوں کی طرح پھرنے لگا کوئی نظر نہ آیا کوٹھڑی کھولی تو اس کا سارا سامان غائب تھا۔ اب اس کے ہوش و حواس اڑ گئے اور اس کی سمجھ میں آ گیا کہ اس کی بیوی ہی یہ چالیں چلتی تھی یہاں تک کہ وہ اسے دھوکا دے کر چل دی۔ لیکن اس نے یہ راز کسی سے نہ کہا تاکہ دشمن اس کا مذاق نہ اڑائیں اور دوستوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس رسوائی کو آشکارا نہ کر بلکہ جو کچھ تو کر سکتا ہے کر۔

اس نے گھر میں قفل لگایا دکان جا کر اسے اپنے ایک کاریگر کے سپرد کی اور کہا میرے دوست تاجر نے مجھے دعوت دی ہے کہ میں اس کے ساتھ مصر چل کر سیر کروں اور اپنی بیوی کو بھی لے چلوں۔ اگر حاکم دریافت کرے تو کہیو کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حج کرنے گیا ہے۔ اس کے بعد اس نے چیزوں کو بیچ کر اونٹ' خچر اور غلام و کنیزیں خریدیں ایک کنیز کو تخت رواں میں بٹھایا اور دس دن کے بعد دوست احباب سے رخصت ہو کر بصرے روانہ ہو گیا۔ لوگوں کو یہی معلوم تھا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حج کرنے گیا ہے۔ وہ خوش ہو گئے کہ ہر جمعے کو مسجدوں اور گھروں میں بند رہنے سے انہیں چھٹکارا ملا۔ بعض تو یہ کہتے تھے کہ خدا پھر اسے بصرے نہ لائے ورنہ ہم پھر جمعے کو

مسجدوں اور گھروں میں بند رہا کریں گے! بعض کہتے کہ بصرے والوں کی بد دعا کی وجہ سے وہ سفر سے لوٹے گا ہی نہیں۔ بعض کہتے کہ اگر وہ لوٹا بھی تو خراب حال ہو کر لوٹے گا۔ جب جمعے کا دن آیا تو دستور کے مطابق شہر میں ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ لوگ نماز سے دو گھنٹے پہلے مسجدوں میں چلے جائیں یا گھروں میں چھپ رہیں اور کتے بلیاں بھی بند کر دی جائیں۔ یہ سن کر لوگ حیران پریشان ہو گئے' حاکم کے پاس دربار میں جا کر کہا کہ جوہری تو اپنی بیوی کو لے کر حج کرنے گیا ہے' اب ہمیں کس لیے بند کیا جاتا ہے؟ حاکم بولا کیا وہ دغا باز چلا گیا ہے اور مجھے خبر تک نہیں؟ اگر وہ واپس آ گیا تب بھی تمہیں پھر تکلیف نہ دی جائے گی' جاؤ اپنی دکانوں پر اور خرید و فروخت کرو۔

یہ تو حاکم اور بصرے والوں کا ماجرا ہوا' اب جوہری عبید کا قصہ سنو۔ دس مرحلے طے کرنے کے بعد اس پر وہی گزری جو قمر الزمان پر بصرے میں داخل ہوتے وقت گزری تھی۔ بدوؤں نے اس پر حملہ کر کے اس کے کپڑے لتے اتار لیے جو کچھ اس کے پاس تھا چھین لیا اور وہ مردہ بن کر لیٹ گیا۔ جب بدو چلے گئے تو وہ اٹھ کر آگے چلا اور چلتے چلتے ایک شہر میں پہنچا جہاں لوگوں نے اسے کچھ پھٹے پرانے کپڑے دے دیئے تاکہ وہ اپنی شرمگاہ ڈھانک سکے۔ اب وہ وہاں سے شہر بہ شہر بھیک مانگتا مصر پہنچا اور مارے بھوک کے بازاروں میں بھیک مانگنے لگا۔ ایک مصری نے اس سے کہا اے فقیر! آج ایک جگہ جشن منایا جا رہا ہے' وہاں جا کر کھا پی' اس وقت فقیروں اور مسکینوں ہی کی باری ہے۔ جوہری بولا مجھے معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ مصری نے کہا' میرے ساتھ چل میں تجھے دکھا دوں گا۔ وہاں پہنچا تو قمر الزمان کی نظر اس پر پڑی وہ اسے پہچان گیا اور اس نے اپنے باپ سے کہا۔ باپ بولا بیٹا! اس وقت وہ بھوکا ہے پہلے اسے کھا پی لینے دے پھر ہم اسے بلائیں گے۔ وہ کھا پی کر باہر جانے لگا تو قمر الزمان کے باپ نے ایک شخص کو اس کے پیچھے دوڑایا اس نے جا کر کہا اے پردیسی! تاجر عبدالرحمان تجھے بلا رہا ہے۔ اس نے کہا یہ تاجر کون ہے؟ پیادے نے کہا جس کے ہاں جشن ہو

رہا ہے۔ جوہری لوٹ پڑا وہ سمجھا کہ تاجر مجھے انعام دے گا۔
جونہی جوہری عبدالرحمان کے پاس پہنچا اور قمر الزمان سے چار آنکھیں ہوئی تو وہ مارے

شرم کے بد حواس ہو گیا۔ قمرالزماں اٹھ کر اس سے لپٹ گیا سلام کیا اور دونوں
دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اس کے بعد اس نے جوہری کو اپنے پہلو میں بٹھایا۔ باپ
نے کہا اے ناسمجھ! دوست اس طرح نہیں ملا کرتے' اسے حمام بھیج اور اس کی شان
کے لائق اسے کپڑے پہنا' اس کے بعد بیٹھ کر باتیں کر۔ تاجر نے ایک نوکر کو آواز
دی اور کہا اسے حمام لے جا' اس نے اس کے لیے ایک پوشاک بھیجی جس کی قیمت
ایک ہزار دینار بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو گی' اسے پہن کر وہ ایسا معلوم ہونے لگا
جیسے تاجروں کا شاہ بندر۔ جب وہ حمام میں تھا تو لوگوں نے قمر الزمان سے پوچھا یہ کون
ہے اور تو اسے کہاں سے جانتا ہے؟ اس نے جواب دیا یہ میرا دوست ہے' اس نے
مجھے اپنے گھر میں رکھا اور مجھ پر بڑے احسان کئے ہیں۔ وہ امیر کبیر ہے اس کا پیشہ
جوہری کا ہے اور بصرے کا حاکم اس سے بڑی محبت کرتا ہے۔ مجھے اس کے آگے
شرم آتی ہے کہ اس کے احسانوں کے مقابلے میں اس کے ساتھ کچھ کر سکتا۔ انہوں
نے کہا ہم سب اس کا واجبی احترام کریں گے لیکن ہم جاننا چاہتے ہیں کہ وہ مصر
کس لیے آیا اور اس کا یہ برا حال کیونکر ہوا؟ جوان بولا' انسان قضا و قدر کی رسی میں
جکڑا ہوا ہے اور جب تک وہ اس دنیا میں رہتا ہے آفتیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔

اب قمر الزمان نے اپنی کہانی شروع کی کہ جب میں بصرے پہنچا تو میری حالت اس
سے بھی زیادہ بری تھی۔ وہ تو کم از کم پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہے' میرے پاس
تو اپنی شرمگاہ چھپانے کے لیے بھی کوئی کپڑا لتا نہ تھا۔ میرا ایک ہاتھ آگے تھا اور
ایک پیچھے' سوا خدا اور اس شخص کے کسی نے میری مدد نہ کی۔ جب بدو' میرے کپڑے
لتے اور سامان لے کر چل دیئے تو میں بالکل ننگا بصرے میں داخل ہوا' اسی شخص نے
مجھے پہننے کے لیے کپڑے دیئے اور گھر رہنے کو' اور جو کچھ بھی میں لے کر آیا ہوں
وہ خدا اور اس کی بدولت ہے۔ جس وقت میں مال و دولت لے کر خوش خوش اپنے

وطن لوٹا ہوں تو وہ بڑی اچھی حالت میں تھا شاید اس کے بعد اس پر کوئی بلا نازل ہوئی ہے کہ وہ اپنے ملک اور وطن چھوڑ کر یہاں سے آیا اور غالباً راہ میں اس پر بھی وہی گزری ہے جو مجھ پر گزری تھی۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ استاد عبید آ گیا۔ سب نے اٹھ کر اسے سلام کیا اور صدر میں بٹھایا۔ قمر الزمان نے کہا دوست! آج کا دن مبارک ہے۔ مجھ پر رشک نہ کھا کیونکہ یہی میرے ساتھ بھی ہوا تھا اگر بدوؤں نے تیرا مال چھین لیا ہے تو غم نہ کر، تیرے جسم سے بلا اتر گئی۔ میں بھی تیرے شہر میں ننگا پہنچا تھا اور تو نے مجھے پہننے کے لیے کپڑے دیئے میری عزت کی اور مجھ پر بڑا احسان کیا، میں تجھے اس کا بدلہ دوں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو اٹھترویں رات

نو سو اٹھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ قمر الزمان نے کہا میں تجھے اس کا بدلہ دوں گا بلکہ اس سے بھی زیادہ' میرے پاس بیٹھنے کے بعد غم کس بات کا خوش ہو۔ اسی طرح وہ اس کی دل دہی کرتا رہا اور اسے بات کرنے کا موقع نہ دیا کہ کہیں وہ اپنی بیوی کا ذکر نہ کر بیٹھے۔ جوہری سمجھ گیا وہ بھی کچھ نہ بولا۔ پھر قمر الزمان اور اس کا باپ جوہری کو لے کر اندر گئے اس سے تنہائی میں باتیں کیں اور کہا ہم نے عمداً تجھے باتیں کرنے سے روکا ورنہ تیری اور ہماری دونوں کی فضیحت ہو جاتی۔ اب ہم اکیلے ہیں' بتا کہ تجھ میں تیری بیوی اور میرے بیٹے میں کیا ماجرا پیش آیا؟ جوہری نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک سنا دیا۔ جب وہ ختم کر چکا تو عبدالرحمان نے پوچھا اس میں خطا تیری بیوی کی ہے یا میرے بیٹے کی؟ جوہری بولا تیرا بیٹا بالکل قصور وار نہیں۔ مردوں کو تو ہمیشہ عورتوں کی طرف کشش ہوتی ہے لیکن عورتوں کا فرض ہے کہ وہ مردوں سے بچتی رہیں۔ لہٰذا خطا میری بیوی کی ہے کیونکہ اس نے مجھے دھوکا دیا اور میرے ساتھ یہ حرکت کی۔ تاجر اٹھ کر اپنے بیٹے کے پاس گیا اور کہا میں نے اس کی بیوی کے بارے میں معلوم کر لیا ہے کہ وہ دغاباز ہے لیکن میں جاننا چاہتا ہوں آیا جوہری میں عزت اور انسانیت ہے یا وہ بھی کٹنا ہے؟ بیٹے نے کہا تو یہ کیسے معلوم کرے گا؟

تاجر بولا میں اس سے کہوں گا کہ وہ اپنی بیوی سے صلح کر لے۔ اگر وہ صلح کرنے پر راضی ہو گیا تو میں تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا اور اس کے بعد اس کی بیوی اور کنیز کو بھی قتل کر ڈالوں گا کیونکہ کٹنے اور زانیہ کے جینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اور اگر وہ اس سے الگ ہو جائے گا تو میں اس کی شادی تیری بہن سے کر دوں گا اور جتنا مال تجھے اس سے ملا ہے اس سے زیادہ اسے دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ جوہری

کے پاس گیا اور کہا استاد! عورتوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے بڑی دریا دلی کی ضرورت ہے اور جو ان سے محبت کرے اسے نہایت فراخ دلی سے کام لینا چاہیے وہ اپنے حسن و جمال کی وجہ سے مردوں کے ساتھ ناز نخرے کرتی اور انہیں ستاتی ہیں خاص کر جب انہیں معلوم ہو جائے کے ان کے شوہر انہیں چاہتے ہیں جس مرد کا دل بڑا نہ ہو وہ اپنی بیوی کی بری بات دیکھ کر اس کی صحبت ترک کر دیتا ہے۔ عورتوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ آسمان پر ہی کیوں نہ ہوں مردوں کی گردنیں ان کی طرف جھکتی ہیں۔ یہ تو تیری بیوی ہے اور تو نے اس کے ساتھ ایک مدت گزاری ہے' تجھے چاہیے کہ اسے معاف کر دے۔ عورتوں کی سمجھ اور دین ناقص ہوتے ہیں اگرچہ اس نے برا کیا ہے اب وہ توبہ کرتی ہے اور خدا نے چاہا تو وہ پھر ایسا نہ کرے گی۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ تو اس کے ساتھ صلح کر لے میں تیرے مال سے زیادہ تجھے دوں گا۔ اور اگر تو میرے ساتھ رہنا چاہے گا تو بہ سر و چشم' یہاں تم لوگوں کے لیے ہر طرح سے خوشی ہی خوشی ہے۔ اور اگر تو اپنے گھر جانا چاہے تو جو تیری مرضی ہو لے جا تخت رواں حاضر ہے۔ اپنی بیوی اور کنیز کو اس میں بٹھا کر اپنے وطن چلا جا جوہری نے پوچھا۔ اے میرے آقا! میری بیوی کہاں ہے؟ اس نے کہا' فلاں محل میں۔ اس کے پاس جا کر اسے میری طرف سے تسلی دے اور سختی نہ کر۔ جب میرا بیٹا اسے لایا ہے تو وہ اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے روک دیا اسے ایک محل میں اتار کر اس میں قفل لگا دیا اور اپنے دل میں کہا کہ جب اس کا شوہر آئے گا تو میں اسے اس کے سپرد کر دوں گا کیونکہ وہ حسین ہے۔ اب رہا میرا بیٹا' اس کی شادی میں نے دوسری لڑکی سے کر دی ہے یہ اسی کا جشن ہے جو منایا جا رہا ہے اور آج رات وہ اس سے ہم بستر ہو گا۔ لے یہ اس محل کی کنجی ہے جس میں تیری بیوی ہے' اسے کھول کر اپنی بیوی اور کنیز سے مل اور خوش ہو۔ میں کھانا پینا بھیجتا ہوں' جب تک تو پیٹ بھر کر کھا نہ لیجیو وہاں سے نہ نکلیو۔ جوہری بولا خدا تجھے نیک بدلہ دے' اور کنجی لے کر خوش خوش چل دیا۔ تاجر سمجھا کہ اسے یہ باتیں

پسند آئیں' تلوار لے کر چپکے چپکے اس کے پیچھے ہو لیا اور کھڑا ہو کر سننے لگا کہ اس میں اور اس کی بیوی میں کیا باتیں پیش آتی ہیں۔

یہ تو عبدالرحمان کا قصہ ہے' اب جوہری کے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا' سنو! جب وہ اپنی بیوی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ اس بات پر بلک بلک کر رو رہی ہے کہ قمر الزمان نے دوسری شادی کر لی اور کنیز اس سے کہہ رہی ہے کہ اے میری آقا! میں نے تجھے کتنا سمجھایا کہ اس جوان سے تجھے کوئی بھلائی نہ ملے گی لیکن تو نے میری بات نہ سنی اپنے شوہر کا مال تک اسے دے دیا اور گھر بار چھوڑ کر اس کے ساتھ چل دی دیکھا اس نے تجھے کس طرح اپنے دل سے نکال دیا اور دوسری شادی کر لی اور تجھے قید کر دیا۔ لڑکی بولی' اے ملعونہ! چپ رہ' اگرچہ اس نے دوسری شادی کر لی لیکن ایک نہ ایک دن اسے ضرور میری یاد آئے گی اور وہ میرے بارے میں دریافت کرے گا۔ میں اپنے دل سے اس کی محبت نہیں نکال سکتی خواہ میں قید خانے میں مر ہی کیوں نہ جاؤں وہ میرا پیارا اور میرے دکھ کی دوا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ میری طرف لوٹ کر آ جائے گا۔ جب اس کے شوہر نے اس کی یہ باتیں سنیں تو اس کے پاس جا کر کہا اے دغا باز! تیری امید اس کے بارے میں ایسی ہے جیسی ابلیس کی جنت کے بارے میں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تجھ میں یہ عیب ہے تو میں تجھے ایک پہر اپنے پاس نہ ٹھہرنے دیتا۔ اب جب کہ مجھے یقین ہو گیا ہے تو لازم ہے کہ میں تیری گردن اڑا دوں خواہ اس کے بدلے میں قتل ہی کیوں نہ کر دیا جاؤں۔ یہ کہہ کر اس نے اس کا گلا اس زور سے دبایا کہ وہ مر گئی۔ کنیز چلانے لگی کہ ہائے میری آقا! جوہری نے کہا اے چڑیل' قصور سارا تیرا ہے' تجھے معلوم تھا کہ وہ یہ جو کچھ کر رہی ہے لیکن تو نے مجھے خبر نہ کی۔ اس کے بعد اس نے کنیز کا بھی گلا گھونٹ دیا۔

ادھر یہ وارادات ہو رہی تھی اور ادھر عبدالرحمٰن ہاتھ میں تلوار لیے دروازے کے پیچھے کھڑا سن رہا اور دیکھ رہا تھا۔ جب عبید نے دیکھا کہ میں نے تاجر کے گھر میں انہیں مار ڈالا ہے تو اسے طرح طرح کے وہم آنے لگے' نتیجے سے ڈرا اور اپنے دل میں

کہنے لگا کہ جب تاجر کو معلوم ہو گا میں نے انہیں اس کے محل کے اندر قتل کیا ہے تو وہ ضرور مجھے بھی قتل کر ڈالے گا‘ لیکن میں خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو! اتنے میں تاجر عبدالرحمان اس کے پاس اندر جا پہنچا اور کہنے لگا ڈر نہیں تیرا بال بیکا نہ ہو گا۔ دیکھ یہ تلوار میں اس لیے لایا تھا کہ اگر تو نے صلح کر لی تو میں تجھے بھی مار ڈالوں اور لڑکی کو بھی۔ لیکن چونکہ تو نے یہ کام کیا ہے‘ لہٰذا مرحبا‘ مرحبا! اس کے بدلے میں تیری شادی اپنی بیٹی سے کروں گا۔ اب تاجر جوہری کو لے کر باہر آیا مردہ شو کو بلوایا اور یہ خبر مشہور کر دی کہ قمر الزمان دو کنیزیں ساتھ لایا تھا‘ ان کا انتقال ہو گیا لوگ اس کے پاس تعزیت کے لیے آتے اور کہتے کہ تو سلامت رہے ان کے بدل خدا تجھے اور دے! اس کے بعد دونوں کو غسل دے کر کفن پہنایا اور دفن کر آئے۔ کسی کو اصل واقعے کا پتا تک نہ چلا۔

یہ تو جوہری عبید اور اس کی بیوی اور کنیز ماجرا ہوا۔ اب تاجر عبدالرحمان کا ماجرا سنو۔ اس نے شیخ الاسلام اور تمام امراء کو بلا کر کہا کہ اے شیخ الاسلام! میری بیٹی کوکب الصباح کا نکاح نامہ استاد عبید جوہری کے نام لکھ دے۔ اس کا مہر مجھے پورا مل چکا ہے اور دونوں جشن ساتھ ساتھ منائے جانے لگے۔ شیخ الاسلام کی بیٹی اور کوکب الصباح کی منہ دکھائی ایک ہی تخت رواں پر ایک ہی رات ساتھ ساتھ کی گئی۔ اسی طرح شام کے وقت قمر الزمان اور استاد عبید کی منہ دکھائی ساتھ ساتھ ہوئی اور عبید نے دیکھا کہ کوکب الصباح اس کی بیوی سے ہزار درجے خوبصورت ہے۔ کچھ دنوں تک عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے بعد وہ ایک روز تاجر عبدالرحمان کے پاس گیا اور کہنے لگا چچا‘ مجھے وطن جانے کا اشتیاق ہے‘ وہاں میرا بڑا کاروبار ہے میں اسے اپنے ایک کاریگر کے سپرد کر آیا تھا۔ چاہتا ہوں کہ وطن جا کر ساری چیزیں بیچ ڈالوں اور پھر لوٹ کر یہاں آ جاؤں۔ تاجر بولا بیٹا! تجھے دل سے اجازت دیتا ہوں وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے لیکن اگر تو بغیر اپنی بیوی کے واپس جائے گا تو تیرا دل ڈانواں ڈول رہے گا کہ وطن میں رہوں یا بیوی کے پاس جاؤں۔ اس لیے بہتر ہے کہ اپنی بیوی کو بھی

لیتا جا' پھر اگر تو یہاں آنا چاہے تو مرحبا۔ ہم لوگ طلاق بالکل نہیں جانتے نہ ہماری عورتیں دوبارہ شادی کرتی ہیں اور نہ ہم کسی شخص کو نکال باہر کرتے ہیں۔

جوہری بولا مجھے ڈر ہے کہ شاید تیری لڑکی میرے ساتھ وطن چلنے پر راضی نہ ہو۔ اس نے جواب دیا کہ ہمارے ہاں ایسی کوئی عورت نہیں جو اپنے شوہر کی مخالفت کرے یا اس پر ناراض ہو۔ جوہری بولا برکت دے خدا تمہیں اور تمہاری عورتوں کو۔ اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کے پاس جا کر کہا میں اپنے وطن جانا چاہتا ہوں' تو کیا کہتی ہے؟ وہ بولی کہ جب تک میں کنواری تھی باپ کے حکم پر چلتی تھی اور اب چونکہ میری شادی ہو گئی ہے شوہر کا حکم مانوں گی اور کبھی اس کی مخالفت نہ کروں گی۔ جوہری بولا برکت دے خدا تجھے اور تیرے باپ کو اور رحمت بھیجے اس پر جس نے تیرا بوجھ اٹھایا اور اس پیٹھ پر جس سے تجھے رحم میں ڈالا۔ اب وہ چچا سے رخصت ہوا اور اپنی بیوی کو لے کر بصرے پہنچا۔ اس کے دوست اور رشتے دار اس کے خیر مقدم کے لیے گئے وہ اب تک اسی خیال میں تھے کہ وہ حجاز گیا ہوا ہے بعض اس کے آنے پر خوش تھے بعض ناخوش' بعض کہتے تھے کہ پھر وہ آگیا ہے اب ہمیں پھر مسجدوں اور گھروں میں بند ہونا پڑے گا یہاں تک کہ کتوں اور بلیوں کو بھی بند کرنا پڑے گا۔

یہ تو ان کا ماجرا ہوا' اب بصرے کے حاکم کا قصہ سنو! جب اسے معلوم ہوا کہ جوہری آگیا ہے تو وہ بہت ناراض ہوا اور اسے بلا کر کہا تو چلا گیا اور مجھے خبر تک نہ کی۔ کیا میں اتنا کم ہمت تھا کہ تجھے سفر کے لیے کچھ نہ دیتا؟ اس نے کہا معاف کر' واللہ میں حج پر نہیں گیا تھا بلکہ میرے ساتھ یہ باتیں پیش آئی تھیں۔ حاکم نے کہا واللہ اگر مجھے خدا کا ڈر نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کر کے اس لڑکی سے شادی کر لیتا خواہ اس میں مجھے خزانے کیوں نہ خرچ کر دینے پڑتے لیکن خدا نے اسے تیری قسمت میں لکھ دیا ہے اس لیے اسے اچھی طرح سے رکھیو۔ اس کے بعد حاکم نے اسے انعام دیا اور وہ چلا آیا۔ پانچ سال تک لڑکی کے ساتھ بسر کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

حاکم نے اس سے شادی کی درخواست کی' وہ راضی نہ ہوئی اور حاکم سے کہا ہم لوگوں میں کوئی عورت اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے سے شادی نہیں کرتی۔ لہٰذا نہ میں تجھ سے شادی کر سکتی ہوں نہ کسی اور سے خواہ تو مجھے مار ہی کیوں نہ ڈالے۔ اس کے بعد حاکم نے پوچھا کہ کیا تو اپنے وطن واپس جانا چاہتی ہے؟ اس نے جواب میں کہلا بھیجا اگر تو میرے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہے تو تجھے اس کا بدلہ ملے گا۔ حاکم نے جوہری کا تمام مال جمع کیا اور اس کی حیثیت کے مطابق اپنے پاس سے بھی دیا اور اپنے ایک وزیر کے ہمراہ اسے روانہ کر دیا اور پانچ سو سوار اس کے ساتھ کر دیئے۔ وزیر اسے اس کے باپ کے پاس پہنچا آئے۔ مرتے دم تک اس نے شادی نہ کی اور کر بھی کیسے سکتی تھی؟ جب اس نے حاکم سے شادی نہ کی تو پھر کس سے کرتی۔ اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ سب عورتیں برابر ہوتی ہیں تو اس کے جنوں کا کوئی علاج نہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے اور جو کبھی نہیں مرتی۔

○ عبداللہ بن فاضل اور اس کے بھائیوں کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------ ایک یہ کہانی بھی لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز خلیفہ ہارون الرشید ملکوں کے خراج کا معائنہ کر رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ سوائے بصرے کے خراج کے تمام ملکوں کا خراج موجود ہے۔ وزیر جعفر کو بلا کر پوچھا کہ تمام ملکوں کا خراج بیت المال میں آ گیا ہے لیکن بصرے کا ابھی تک نہیں آیا۔ جعفر نے عرض کیا ممکن ہے کہ بصرے کے والی کے ساتھ کوئی ایسی بات پیش آ گئی ہو جس کی وجہ سے وہ خراج بھیجنا بھول گیا ہو۔ خلیفہ نے کہا خراج بھیجنے کی مدت بیس دن ہوئے گزر چکی ہے اس اثنا میں نہ اس نے خراج بھیجا اور نہ اس تعویق کی وجہ لکھی۔ جعفر نے کہا اگر تیری رائے ہو تو ہم اس کے پاس کسی کو بھیجیں۔ خلیفہ بولا ابو اسحاق الموصلی

الندیم کو بھیج۔ جعفر نے گھر جا کر ابو اسحاق کو بلوایا اور اسے خط دے کر کہا بصرے کے والی عبداللہ بن فاضل کے پاس جا اور دیکھ اس نے خراج بھیجنے میں کیوں غفلت کی۔ پھر خراج لے کر فوراً لوٹ آئیو۔ اگر خراج موجود نہ ہو اور وہ عذر کرے تو اسے اپنے ساتھ لیتا آئیو تاکہ وہ خلیفہ کے آگے خود جواب دہی کر لے۔ ابو اسحاق پانچ ہزار سوار لے کر روانہ ہو گیا اور بصرے پہنچا۔ عبداللہ بن فاضل کو اس کے آنے کی خبر ملی تو وہ اپنے لشکر کے ساتھ اس کے استقبال کو گیا اسے لے کر بصرے میں داخل ہوا اور اپنے محل میں اتارا۔

جب ابواسحاق دربار میں آیا کرسی پر بیٹھا تو اس نے عبداللہ کو اپنے پہلو میں بٹھایا سارے درباری درجہ بہ درجہ بیٹھے۔ مزاج پرسی کے بعد ابن فاضل نے پوچھا اے میرے آقا! کیا کسی خاص وجہ سے تو نے قدم رنجہ فرمایا؟ اس نے کہا خراج لینے کے لیے کیونکہ خلیفہ کہتا ہے کہ خراج بھیجنے کا وقت گزر چکا اور ابھی تک نہیں آیا۔ ابن فاضل نے کہا اس لیے تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ خراج پورا حاضر ہے اور میں اسے کل بھیجنے والا تھا لیکن چونکہ تو آ گیا میں تین روز تیری ضیافت کر کے تیرے حوالے کر دوں گا‘ اور اب چونکہ تو نے اور امیر المومنین نے میرے اوپر مہربانی کی ہے میرے لیے واجب ہے کہ تجھے ہدیہ دوں۔ اس کے بعد اس کے ساتھیوں کو کھانا کھلایا‘ قہوہ‘ شربت پلایا اور جب بیٹھے بیٹھے تہائی رات گزر گئی تو اس کے لیے ہاتھی دانت کا تخت بچھوایا جس پر سونے کا کام تھا۔ ابواسحاق اس پر لیٹ گیا اور بصرے کا والی دوسرے تخت پر جو اس کے بازو میں تھا۔ ابو اسحاق کو اس رات نیند نہ آئی کیونکہ وہ شعر کی بحروں اور نظام میں غرق تھا۔ اسے اشعار اور لطیفہ گوئی میں خاص لیاقت تھی‘ آدھی رات تک شعر کہتا رہا۔ اتنے وہ کیا دیکھتا ہے فاضل اٹھا اور ایک الماری کھول کر اس میں سے ایک کوڑا نکالا اور ایک جلتی ہوئی شمع لے کر محل کے دروازے سے نکل گیا‘ اسے یہی خیال تھا کہ ابو اسحاق سو رہا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

- ## نو سو اناسی ویں رات

نو سو اناسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب عبداللہ بن فاضل دروازے سے نکلا تو ابو اسحاق حیران ہوا اپنے دل میں کہنے لگا کہ شاید وہ کوڑا لے کسی کو سزا دینے جاتا ہے۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے جا کر دیکھوں تو سہی کہ وہ آج رات کیا کرتا ہے۔ ابو اسحاق اٹھ کر دبے پاؤں اس کے پیچھے ہو لیا اس طرح سے کہ وہ اسے نہ دیکھ سکے کیا دیکھتا ہے کہ عبداللہ نے ایک کوٹھڑی کھولی اور اس میں سے ایک سینی نکالی جس پر چار پیالوں میں کھانا' روٹی اور ایک کوزہ پانی۔ان چیزوں کو لے کر وہ ایک دوسری کوٹھڑی میں گیا اور ابو اسحاق دروازے کی دراڑ میں سے جھانکنے لگا دیکھا اس میں بڑا قیمتی فرش بچھا ہوا ہے' بیچ میں ایک ہاتھی دانت کا تخت پڑا ہے جس پر سونے کے پتر چڑھے ہوئے ہیں' اس تخت سے دو کتے سونے کی زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں۔ عبداللہ نے سینی تو ایک طرف رکھ دی اور آستینیں چڑھا کر

ایک کتے کو کھولا۔ کتا اچھلنے کودنے لگا اور اس نے اپنی تھوتھنی زمین پر رکھ دی گویا وہ اس کے آگے زمین چوم رہا ہے۔ اب اس نے کتے کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کوڑا نکالا اسے بے رحمی کے ساتھ مارنا شروع کیا اور اتنا مارا کہ اس کی آواز بند ہو گئی وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے دوسرے کتے کے ساتھ بھی وہی کیا جو پہلے کتے کے ساتھ کیا تھا' پھر اس نے رومال نکال کر دونوں کے آنسو پونچھے اور انہیں چمکار کر کہا مجھ سے ناراض نہ ہونا۔ واللہ میں یہ اپنی خوشی سے نہیں کرتا ہوں بلکہ یہ مجھ پر بہت گراں گزرتا ہے میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تمہیں اس مصیبت سے نجات دے۔ پھر اس نے دسترخوان پر سے کھانا لے کر ان کے منہ میں نوالے دیئے اور ان کے منہ پونچھ کر انہیں کوزے سے پانی پلایا' عبداللہ لوٹنے لگا تو ابو اسحاق اس سے پہلے

ہی جا کر تخت پر لیٹ گیا۔ عبداللہ نے ساری چیزیں اپنی جگہ رکھ دیں اور کپڑے اتار کر سو گیا۔

یہ تو اس کا ماجرا ہوا اب ابو اسحاق کا حال سنو! مارے حیرانی کے اسے رات بھر نیند نہ آئی وہ اپنے دل میں کہتا کہ یا اللہ' یہ کیا قصہ ہے؟ جب صبح ہوئی تو انہوں نے اٹھ کر ناشتہ کیا اور قہوہ پی کر دربار میں گئے' ابو اسحاق اسی سوچ میں لگا رہا لیکن عبداللہ سے کچھ ذکر نہ کیا نہ اس نے کچھ پوچھا۔ دوسری رات پھر یہی باتیں اس کی نظر سے گزریں اور پھر تیسری رات بھی' چوتھے روز وہ خراج لے کر روانہ ہو گیا اور عبداللہ سے کچھ نہ کہا۔ جب اس نے بغداد پہنچ کر خلیفہ کو خراج دیا اور کہا کہ خراج روانگی کے لیے بالکل تیار تھا' اگر میں ایک دن بعد روانہ ہوتا تو وہ مجھے راستے میں ملتا' لیکن میں نے عبداللہ کی ایک ایسی عجیب و غریب بات دیکھی جو کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس کی وجہ بھی پوچھی؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ خلیفہ نے کہا میں حکم دیتا ہوں کہ بصرے جا کر عبداللہ اور دونوں کتوں کو لے آ۔ اس نے کہا کہ مجھے اس سے معاف رکھ کیونکہ اس نے میرا بڑا احترام کیا ہے اور یہ باتیں مجھے اتفاقاً معلوم ہو گئی ہیں اور میں نے ان کا ذکر تجھ سے کر دیا ہے۔ میں کیا منہ لے کر اس کے پاس جاؤں اور اسے لے کر یہاں آؤں؟ خلیفہ نے کہا اگر میں کسی دوسرے کو بھیجوں تو ممکن ہے کہ وہ مکر جائے کہے کہ میرے پاس کتے نہیں لیکن تیرے سامنے وہ مکر نہیں سکتا۔ اس لیے تیرا جانا ضروری ہے ورنہ میں تیری گردن اڑا دوں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• نو سو اسی ویں رات

نو سو اسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ بولا کہ اگر تو نہ جائے گا تو میری تیری گردن اڑا دوں گا۔ ابو اسحاق نے کہا۔ یہ مثل سچ ہے کہ ساری آفتیں زبان سے پیدا ہوتی ہیں۔ میں نے تجھ سے کہہ کر خود اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا اچھا تو اپنے ہاتھ سے خط لکھ اور جا کر اسے لے آؤں گا۔ خلیفہ نے اپنے ہاتھ سے خط لکھا اور وہ اسے لے کر بصرے روانہ ہو گیا۔ والی نے اسے دیکھ کر پوچھا خدا خیر کرے' تو دوبارہ کیسے آیا ہے؟ کیا خراج میں کچھ کمی ہے؟ اس نے کہا نہیں' خراج تو پورا ہے اور خلیفہ نے اسے منظور کر لیا ہے۔ لیکن مجھے معاف کر کہ مجھ سے تیرے حق میں ایک گستاخی سرزد ہو گئی ہے' کیا کیا جائے' قسمت کا لکھا مٹ نہیں سکتا۔ عبداللہ بولا وہ کیا ہے مجھ سے کہہ دے' تو میرا دوست ہے' میں تجھ پر ناراض نہیں ہو سکتا۔ ابو اسحاق بولا میں تیرے پاس مہمان تھا تو میں نے تین رات برابر دیکھا کہ تو اٹھ کر کتوں کو مارتا ہے لیکن مارے شرم کے میں نے تجھ سے کچھ کہا نہیں۔ اس کے بعد اتفاق سے خلیفہ کے سامنے میرے منہ سے یہ بات نکل گئی اس نے مجھے واپس بھیجا اور تجھے یہ خط دیا ہے۔ عبداللہ نے کہا چونکہ تو خلیفہ سے کہہ چکا ہے میں تجھے جھٹلاؤں گا نہیں' تو میرا دوست ہے اگر کوئی اور ہوتا تو میں مکر جاتا اور اسے جھٹلا دیتا۔ چل میں کتوں کو لے کر تیرے ساتھ چلتا ہوں خواہ اس میں میری موت ہی کیوں نہ ہو۔ ابو اسحاق بولا جس طرح تو نے خلیفہ کے آگے میری عزت رکھ لی خدا تیری عزت رکھے گا۔

اب اس نے خلیفہ کے لائق ہدیے لیے' دونوں کتوں کو سونے کی زنجیروں میں باندھ کر اونٹوں پر سوار کیا اور بغداد پہنچ کر خلیفہ کے پاس گیا اس کے آگے زمین چومی۔ خلیفہ نے پوچھا یہ کیسے کتے ہیں؟ اس پر دونوں کتے زمین چومنے اور دم ہلا ہلا کر رونے لگے

گویا وہ شکایت کر رہے تھے۔ خلیفہ کو اس پر تعجب ہوا اس نے کہا ان کیا کیا قصہ ہے؟ اس نے جواب دیا یہ کتے نہیں بلکہ دو خوش رو اور حسین جوان اور میرے سگے بھائی ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا وہ انسان سے کس طرح کتے ہو گئے؟ عبداللہ نے کہا جو کچھ میں کہوں گا اس پر یہ دونوں گواہی دیں گے۔ خلیفہ بولا کتے کس طرح گواہی دے سکتے ہیں؟ اس نے کتوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا اگر میں جھوٹ بولوں تو تم سر اوپر اٹھا کر آنکھیں پھیرنا اور اگر سچ کہوں تو سر جھکا کر آنکھیں نیچی کر لینا۔

پھر اس نے کہنا شروع کیا کہ اے خلیفہ! ہم تینوں سگے بھائی ہیں' ہماری ماں ایک اور باپ ایک۔ باپ کا نام فاضل تھا اس لیے کہ وہ ایک دوسرا بچہ جڑواں پیدا ہوئے تھے دوسرا بچہ مر گیا اور ہمارا باپ زندہ رہا لہٰذا اس کے باپ نے اس کا نام فاضل رکھا۔ اس کی تین اولادیں ہوئی سب سے بڑا منصور' منجھلا ناصر اور چھوٹا میں عبداللہ۔ جب ہم جوان ہوئے تو باپ کا انتقال ہو گیا۔ اس نے ہمارے لیے ترکے میں ایک مکان چھوڑا اور ایک دکان جس میں طرح طرح کے ہندی' رومی اور خراسانی کپڑے تھے اور ساٹھ ہزار دینار نقد۔ ہم نے اسے دفن کر کے اس کا ایک شان دار مزار بنایا اور چالیس روز تک قرآن خوانی کی۔ اس کے بعد میں نے تمام تاجروں اور شریفوں کو اکٹھا کر کے کھانا کھلایا اور ان سے کہا اے تاجرو! دنیا فنا ہونے والی ہے اور آخرت باقی رہنے والی' پاک ہے وہ ذات جو دنیا کے فنا ہونے کے بعد بھی قائم رہے گی۔ میں نے تمہیں اس لیے جمع کیا ہے کہ ممکن ہے میرے باپ کے اوپر کسی کا قرضہ ہو تو میں ادا کر دوں۔ انہوں نے کہا اے عبداللہ! دنیا کے پیچھے آخرت بگاڑنا بے سود ہے' ہم جھوٹ نہ بولیں گے۔ ہم حلال اور حرام میں فرق جانتے ہیں۔ خدا سے ڈرتے ہیں اور یتیم کا مال خوردبرد نہیں کرنا چاہتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تیرے باپ کا مال اوروں کے پاس رہا کرتا تھا لیکن اوروں کا اس کے پاس نہیں۔ وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ خداوندا' تجھی پر میرا بھروسہ اور امید ہے'ایسی حالت میں مجھے نہ ماریو کہ میں کسی کا قرض دار ہوں! اگر اس کے پاس کسی کی کوئی چیز ہوتی تو وہ اسے بے مانگے دے دیتا اور اگر اس کے دام کسی

پر آتے تو کہتا کہ جب ہو سکے دے دیجیو اگر وہ غریب ہوتا تو اسے معاف کر دیتا' غریب نہ بھی ہوتا اور مر جاتا تو وہ کہتا کہ خدا اسے معاف کر دے! ہم ایمان سے کہتے ہیں کہ اس پر کسی کا قرضہ نہیں۔ میں نے کہا خدا تمہیں برکت دے۔!

اب میں نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ ہمارے باپ پر کسی کا قرضہ نہیں اور ترکے میں اس نے مال' کپڑے اور دکان چھوڑی ہے' ہم تین بھائی تہائی تہائی کے حق دا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ ہم تقسیم نہ کریں' ساتھ ساتھ رہیں اور کھائیں پئیں؟ یا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم سارا سال آپس میں بانٹ لیں؟ وہ بولے کہ بانٹ لیں اور ہر شخص اپنا اپنا حصہ لے لے۔ یہ کہہ کر وہ کتوں کی طرف مخاطب ہوا اور کہا بھائیو' یہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ انہوں نے سر جھکا کر آنکھیں نیچی کر لیں گویا وہ کہنا چاہتے تھا کہ ہاں۔

پھر اس نے کہا امیرالمومنین! میں نے قاضی کے پاس سے حصہ کرنے والوں کو بلایا اور انہوں نے حصہ بخرا کر دیا۔ مکان اور دکان میرے حصے میں آئے اور وہ دونوں مال اور کپڑوں میں اپنا حصہ لے کر چل دیئے۔ میں نے دکان کھولی جو دام میرے حصے میں آئے تھے ان کے کپڑے خرید کر دکان کو بھر دیا اور خرید و فروخت کرنے لگا۔ لیکن میرے بھائیوں نے اچھے اچھے کپڑے خریدے اور ایک کشتی کرائے پر لے کر چل کھڑے ہوئے۔ ایک سال تجارت کرنے کے بعد میرے پاس اتنا مال ہو گیا جتنا کے باپ نے چھوڑا تھا۔ ایک دن میں دوکان میں دولبادے پہنے ہوئے بیٹھا تھا ایک سمور کا اور ایک سنجاب کا کیونکہ ان دنوں سخت سردی پڑ رہی تھی کہ میرے دونوں بھائی محض پھٹی ہوئی قمیص پہنے آئے ان کے ہونٹ مارے سردی کے سفید پڑ گئے تھے اور کانپ رہے تھے' میں یہ دیکھ کر سہم گیا اور ان پر افسوس کرنے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو اکیاسی ویں رات

نو سو اکیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ عبداللہ نے خلیفہ سے کہا میں ان پر افسوس کرنے لگا میرے ہوش جاتے رہے میں نے اٹھ کر انہیں گلے سے لگا لیا' رونے لگا اور ایک کو سمور دوسرے کو سنجاب کا لبادہ دے دیا اور انہیں حمام بھیج کر دونوں کے لیے ایک ایک ہزار دینار کی پوشاکیں بھیجیں۔ پھر میں انہیں اپنے گھر لے گیا ہم نے مل کر کھانا کھایا اور ان کے ساتھ نرمی سے باتیں کیں۔ انہیں دلاسا دیا۔ پھر اس نے کتوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا بھائی! یہی پیش آیا تھا یا کچھ اور؟ انہوں نے سر جھکا کر آنکھیں نیچی کر لیں۔ بعد ازاں اے امیرالمومنین! میں نے ان سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا گزری اور تمہارا مال کیا ہوا؟ انہوں نے کہا ہم سمندر کا سفر کرتے کرتے کوفے پہنچے وہاں ہمیں بہت فائدہ ہوا اور وہاں سے عجمی کپڑے خریدے جن کی قیمت بصرے میں چوگنی تھی' پھر وہاں سے کرخ گئے اور بہت فائدہ اٹھایا۔ جب ہم وہاں سے بصرے لوٹنے لگے تو تین دن تو خیریت سے گزرے' چوتھے دن طوفان آیا آندھیاں چلنے لگیں ہماری کشتی ایک چٹان سے ٹکرائی اور ٹوٹ گئی' سارا مال متاع سمندر میں جا پڑا اور ہم ایک دن پانی میں تیرتے رہے۔ خدا نے اپنی حکمت سے ایک کشتی بھیج دی اس کے مسافروں نے ہمیں اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اور ہم شہر شہر بھیک مانگتے پھرے یہاں تک کہ کپڑے بھی اتار کر بیچ ڈالے۔ اب خدا خدا کر کے بصرے پہنچے ہیں کہ ہمارا سارا مال ضائع نہ ہو گیا ہوتا تو ہم بادشاہوں کا مقابلہ کر سکتے تھے لیکن خدا کو یہی منظور تھا۔ میں نے کہا بھائی! غم نہ کرو' جان بچی لاکھوں پائے۔

آؤ ہم یہ سمجھ لیں کہ ہمارا باپ آج مر گیا ہے اور جو کچھ مال و دولت میرے پاس ہے اس کا ترکہ ہے میں خوشی سے اسے آپس میں تقسیم کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں

نے قاضی کے محکمے سے ایک حصہ کرنے والا بلایا اپنا سارا سامان اس کے آگے رکھ دیا اور تینوں نے ایک ایک تہائی لے لیا۔ اب میں نے اپنے بھائیوں سے کہا ہم تینوں دکانیں کھول کر خرید و فروخت کریں' جو جس کی قسمت میں لکھا ہے ملے گا۔ میں نے دونوں کو بھی دکانیں کھلوا دیں ان میں سامان بھر دیا اور کہا خرید و فروخت کرو اس میں سے کچھ خرچ نہ کرنا' تمہارا کھانا پینا میرے ساتھ ہے لیکن جب میرا اور ان کا ساتھ ہوتا تو وہ سفر کی تعریف کرتے اور مجھے بھی سفر پر آمادہ کرنا چاہتے۔ پھر اس نے کتوں کی طرف دیکھ کر پوچھا صحیح ہے یا غلط؟ انہوں نے سر جھکا کر آنکھیں نیچی کر لیں۔

اس نے خلیفہ سے کہا انہوں نے مجھ سے اس قدر اصرار کیا کہ بالاخر میں راضی ہو گیا اور طرح طرح کے تھان لے کر ان کے ساتھ ایک کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا' چلتے چلتے ہم ایک شہر میں پہنچے جہاں ہم نے خرید و فروخت کی اور بہت فائدہ اٹھایا۔ وہاں سے اور شہروں میں گئے کچھ خریدا کچھ بیچا یہاں تک کہ ہمارے پاس بے حد مال ہو گیا۔ سفر بھی جاری تھا کشتی چلی جا رہی تھی کہ پہاڑوں کے پاس ناخدا نے لنگر ڈال دیئے اور کہا مسافرو! خدا تمہیں آج کی مصیبت سے بچا لے! اتر کر پانی تلاش کرو۔ ہم سب اتر کر پانی کی تلاش میں چل دیئے' ہر ہر شخص ایک ایک طرف روانہ ہو گیا اور پہاڑ پر چڑھ گیا۔

میں دھر چوٹی تک پہنچا بھی نہ تھا دیکھا کہ ایک سفید سانپ بھاگا چلا جاتا ہے اس کے پیچھے ایک بد صورت اژدھا لگا ہوا تھا۔ بالاخر اژدھے نے اسے پکڑ لیا اور اس کا سرا اپنے منہ میں لے کر اس کی دم اپنی دم میں لپیٹ لی اور سانپ چلانے لگا مجھے اس پر ترس آ گیا میں نے ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر مارا پتھر ٹھیک اس کے سر پر جا کر پڑا اور وہ مر گیا۔ اب میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ سانپ لوٹ پوٹ کر فوراً ایک خوبصورت لڑکی بن گئی جیسے چودھویں رات کو چاند۔ لڑکی نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ چوما اور کہا خدا تجھے دنیا میں عار سے آخرت میں نار سے بچائے! یہ کہہ اس نے زمین کی طرف اشارہ کیا' زمین پھٹی اور اس میں سما گئی مجھے یقین ہوا کہ وہ جن ہے۔ اژدھے کے

اندر سے ایک آگ نکلی اور وہ جل بھن کر خاک ہو گیا۔ اپنے ساتھیوں کے پاس آ کر میں نے سارا ماجرا بیان کیا' سویرا ہوتے ہی ناخدا نے بادبان کھول دیئے اور کشتی چل نکلی' بیس دن تک نہ ہمیں خشکی دکھائی دی نہ کوئی چڑیا اور ہمارا پانی پھر ختم ہو چلا ناخدا نے کہا ہم راستے سے بھٹک گئے ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کدھر چلیں جو خشکی ملے۔ ہم سب خدا سے دعا کرنے لگے کہ وہ ہمیں راستے پر لے آئے اور وہ رات بڑی کٹھن گزری۔

سویرا ہوا اور دن نکلا تو ہمیں ایک بہت اونچا پہاڑ دکھائی دیا ہم اسے دیکھ کر خوش ہوگئے ناخدا نے کہا اے لوگو! چلو ہم خشکی پر چل کر پانی ڈھونڈیں۔ ہم سب اتر کر پانی ڈھونڈنے لگے لیکن پانی کہیں نظر نہ آیا ہم بہت پریشان ہونے لگے میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور مجھے ایک گھنٹے کے فاصلے پر ایک بڑا سا دائرہ دکھائی دیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو آواز دے کر کہا پہاڑ کے پیچھے اس دائرے کو دیکھو ایک عالی شان شہر دکھائی دیتا ہے جس میں شہر پناہ برج اور سبزہ زار' وہاں پانی اور کھانے پینے کی تمام چیزیں ملیں گی' آؤ چلیں پانی بھی لے آئیں اور راہ کے لیے گوشت' پھل وغیرہ بھی خرید لیں۔ انہوں نے کہا ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں اس شہر میں کافر اور مشرک نہ رہتے ہوں اور ہمیں گرفتار کر لیں یا مار ڈالیں اور ہمارا خون خود ہماری گردن پر ہو۔ لہٰذا ہم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہتے۔ میں بولا' اے لوگو! تم پر میرا کوئی زور نہیں چلتا لیکن میں اپنے بھائیوں کو لے کر جاؤں گا۔ انہوں نے بھی کہا کہ ہم ڈرتے ہیں تیرے ساتھ نہیں جائیں گے۔ میں نے کہا میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ جاؤں گا میں اپنے آپ کو خدا کے حوالے کرتا ہوں اور جو کچھ اس نے میری قسمت میں لکھا ہے اس پر راضی ہوں۔ جب تک میں وہاں جا کر لوٹ نہ آؤں تم میری راہ دیکھنا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو بیاسی ویں رات

نو سو بیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ عبداللہ نے کہا کہ جب تک میں لوٹ کر آؤں تم میری راہ دیکھنا۔ الغرض میں انہیں چھوڑ کر چل دیا شہر کے پاس پہنچ کر دیکھا کہ وہ عجیب و غریب شہر ہے' شہر پناہ بلند' برج مضبوط' عمارتیں عالی شان' دروازے چینی لوہے کے اور ان پر ایسے نقش و نگار ہیں کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ دروازے پر پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سنگین چبوترا ہے اس پر ایک شخص پیتل کی زنجیر ہاتھ میں لیے بیٹھا ہے اور اس زنجیر میں چودہ کنجیاں ہیں۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ شخص دربان ہے اور شہر کے چودہ دروازے ہیں۔ میں نے اس کے پاس جا کر سلام کیا لیکن اس نے جواب نہ دیا' پھر میں نے دوبارہ اور سہ بارہ سلام کیا وہ پھر بھی منہ سے نہ بولا۔ اب میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو سلام کا جواب کیوں نہیں دیتا؟ سو رہا ہے گونگا ہے یا غیر مسلم؟ اب بھی نہ اس کی زبان ہلی نہ سر میں اسے غور سے دیکھنے لگا معلوم ہوا کہ وہ پتھر ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا عجیب صنعت ہے پتھر کو کاٹ کر اس خوبی سے انسان کی شکل بنائی گئی ہے کہ سوا گویائی کے اور کوئی کسر نہیں۔ میں اسے چھوڑ کر اندر گیا اور ایک شخص کو راہ میں کھڑا دیکھ کر اس کے پاس گیا دیکھا تو وہ بھی پتھر کا تھا۔ اس کے بعد میں گلی کوچوں میں سیر کرنے لگا جو انسان نظر آتا اور میں غور سے دیکھتا تو پتھر کا پاتا۔ میں نے ایک بڑھیا کو دیکھا جس کے سر پر کپڑوں کی گٹھڑی رکھی ہوئی تھی جسے وہ دھونے کے لیے جا رہی تھی۔ قریب گیا تو وہ بھی پتھر کی نکلی اور اس کی گٹھڑی بھی پتھر کی۔

تاجروں کے بازار میں گیا تو ہر دکان میں دکان دار بیٹھے ہوئے ہیں اور مال بھرا پڑا ہے

لیکن سب کے سب پتھر کے' کپڑے ایسے ہیں جیسے مکڑی کا جالا۔ وہاں مجھے صندوق نظر آئے انہیں کھولا تو تھیلیوں میں سونا دیکھا۔ تھیلیاں ہاتھ لگاتے ہی ریزہ ریزہ ہو گئیں لیکن سونا اپنی حالت پر قائم رہا میں نے اتنا سونا لے لیا جتنا اٹھا سکتا تھا ور اپنے دل میں کہنے لگا اگر میرے بھائی بھی ساتھ ہوتے تو وہ بھی کافی سونا لے لیتے۔ ایک دوسری دکان میں جا کر میں نے اس سے بھی زیادہ سونا دیکھا لیکن جتنا میرے پاس تھا اس سے زیادہ میں اٹھا نہیں سکتا تھا۔ اسی طرح میں بازار بازار سیر کرتا رہا دیکھا کہ ہر چیز پتھر کی ہے یہاں تک کہ کتے بلیاں بھی' اس کے بعد میں سنار بازار پہنچا دیکھا کہ لوگ دکانوں میں بیٹھے ہیں بعض گہنے ان کے ہاتھ میں ہیں اور بعض آگے رکھے ہوئے۔ اے امیرالمومنین! یہ دیکھ کر میں نے سونا پھینک دیا اور جتنا گہنا اٹھا سکتا تھا اٹھا لیا' وہاں سے جوہری بازار میں پہنچا دکانوں میں یاقوت' ہیرے' زمرد' اور بلخش وغیرہ پڑے ہوئے دیکھے اور لوگ پتھر کے۔ اب میں نے سارا گہنا پھینک دیا اور جواہرات لے لیے اور افسوس کرنے لگا کاش میرے بھائی ساتھ ہوتے اور جتنے جواہرات چاہتے لے لیتے اس کے بعد میں ایک بڑے دروازے پر پہنچا جس پر نہایت عمدہ نقش و نگار تھے اندر چوکیاں پڑی تھیں جن پر نوکر چاکر اور لشکری بیٹھے تھے مگر سب پتھر کے۔ میں نے ان میں سے ایک کا لباس چھوا اور وہ مکڑی کے جالے کی طرح ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اندر جا کر مجھے ایک محل دکھائی دیا جس کی نظر دنیا میں نہ ہو گی۔ اس میں امراء وزراء اور رؤسا تھے لیکن سب پتھر کے' اور ایک سونے کی کرسی پر جو ہیرے جواہرات سے مرصع تھی ایک شخص بیٹھا تھا جس کے سر پر شاہی تاج تھا اور اس میں نہایت عمدہ جواہرات جڑے ہوئے تھے' قریب پہنچ کر دیکھا تو وہ بھی پتھر کا تھا۔

اس دربار سے نکل کر میں حرام سرا میں گیا دیکھا کہ ایک سونے کی کرسی پر ملکہ بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے سر پر جواہرات کا تاج ہے اردگرد چاند سی لڑکیاں اور عمدہ عمدہ لباس پہنے کرسیوں پر بیٹھی ہیں۔ اس دربار کی شان و شوکت ایسی تھی کہ عقل دنگ ہو جائے۔ اس میں شمع دان لٹکے ہوئے تھے اور شمع دان میں ایک لاجواب بیش بہا ہیرا

تھا۔ اے امیرالمومنین! میں نے پہلے کے جواہرات میں سے جتنے لے سکتا تھا لے لیے اور سوچنے لگا کہ کون سے لوں اور کون سے نہ لوں۔ اس کے بعد میں نے ایک چھوٹا سا دروازہ کھلا ہوا دیکھا اس کے اندر جا کر زینے کی چالیس پیڑھیاں چڑھا ہوں گا میں نے سنا کوئی شخص مہین آواز سے قرآن پڑھ رہا ہے اس آواز کی طرف چل دیا' چلتے چلتے محل کے دروازے پر جا پہنچا دیکھا کہ ریشم کا ایک پردہ پڑا ہوا ہے اس میں موتی' مونگے اور یاقوت زمرد کے ٹکڑے پروئے ہوئے ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔ میں پردہ اٹھا کر اندر گیا تو دیکھا کہ وہاں ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی نفیس پوشاک اور عمدہ عمدہ جواہرات پہنے بیٹھی ہے۔ اے امیر المومنین! لڑکی کو دیکھتے ہی میں اس کی محبت کا شکار ہو گیا۔ وہ ایک اونچے چبوترے پر بیٹھی حفظ قرآن پڑھ رہی تھی۔ آواز ایسی دل فریب جیسے جنت کے دروازے کے کھلنے کی جب رضوان اسے کھولے اور جو الفاظ اس کے منہ سے نکلتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جواہرات بکھر رہے ہیں۔ جب میں نے قرآن پڑھتے سنا تو میری آواز بند ہو گئی اور مجھے سلام کرتے بھی بن پڑا۔ میری عقل اور آنکھیں دونوں دنگ ہو گئیں۔ بالاخر میں نے دل مضبوط کر کے اسے سلام کیا۔ اس نے کہا تیرے اوپر بھی سلام اے عبداللہ بن فاضل اے میرے پیارے اور آنکھ کے تارے! اہلاً و سہلاً و مرحبا! میں نے کہا اے میری آقا! تجھے میرا نام کہا سے معلوم ہوا تو کون ہے اور اس شہر کا کیا ماجرا ہے کہ سب کے سب پتھر ہو کر رہ گئے ہیں۔ خدا کے لیے ساری باتیں سچ سچ بتا۔ اس نے کہا اے عبداللہ بیٹھ جا میں اپنا اور اس شہر کا سارا قصہ تفصیل کے ساتھ تجھے سنا دوں گی۔ میں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا اور اس نے کہنا شروع کیا اے عبداللہ! خدا تجھ پر رحمت بھیجے! میں اس شہر کے بادشاہ کی بیٹی ہوں میرا باپ وہی ہے جسے تو نے دربار میں اونچی کرسی پر بیٹھا دیکھا ہے جس کے اردگرد اس کی حکومت کے امراء اور رؤسا ہیں۔ میرا باپ بہت بڑا بادشاہ تھا اور گیارہ لاکھ بیس ہزار اس کے لشکری تھے' محض اس کے امراء کی تعداد چوبیس ہزار تھی۔ قلعوں' گڑھیوں' گاؤں اور جاگیروں کے علاوہ اس کی حکومت ایک ہزار شہروں

پر تھی۔ محض عربوں کے ایک ہزار سردار اس کے ماتحت تھے جن میں ہر ایک کے حکم میں بیس بیس ہزار سوار تھے' اس کے پاس اس قدر مال و دولت' ذخیرے' معدنیات اور جواہرات تھے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کسی کان نے سنے ہوں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو تراسی ویں رات

نو سو تراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ پتھروں کے شہر کے بادشاہ کی بیٹی نے عبداللہ سے کہا باوجود ان تمام باتوں کے میرا باپ کافر مشرک تھا' بتوں کی پرستش کرتا تھا اس کی فوج بھی سب کی سب کافر تھی اور بتوں کو پوجتی۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اس کے امراء اردگرد تھے کہ یک بہ یک ایک شخص دربار میں آیا جس کے چہرے کی روشنی سے سارا دربار چمک اٹھا۔ میرے باپ نے دیکھا کہ وہ سبز پوشاک پہنے ہوئے ہے' بلند بالا ہے اور اس کے ہاتھ گھٹنوں سے نیچے تک ہیں' اس کے چہرے سے دبدبہ پایا جاتا اور نور ٹپکتا ہے۔ اس نے میرے باپ سے کہا' اے باغی اے جھوٹے کب تک تو بتوں کی عبادت میں گمراہ پڑا رہے گا؟ اقرار کر کہ سوا خدا کے کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بندہ اور رسول ہے تو بھی مسلمان ہو جا اپنی قوم کو بھی مسلمان کر لے اور بتوں کی پوجا چھوڑ دے کیونکہ وہ نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ شفاعت کر سکتے ہیں۔ کسی کی عبادت درست نہیں سوائے اللہ کے جس نے آسمانوں کو بے کھمبوں کے اٹھایا ہے اور زمین کو بچھایا ہے اور جو بندوں کے لیے رحمت ہے اس نے جواب دیا اے شخص! تو کون ہے کہ بتوں کی پرستش سے منع کرتا اور ایسی باتیں کرتا ہے؟ کیا تو ڈرتا نہیں کہ بت تجھ سے ناراض ہو جائیں گے؟ اس شخص نے کہا بت تو پتھر ہیں' نہ ان کے غصے سے مجھے نقصان نہ ان کی خوشی سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ منگا تو اپنے بت کو اور اپنے لوگوں سے کہہ کہ وہ بھی اپنی اپنے بت لے آئیں۔ جب سارے بت آ جائیں تو ان سے کہیوں کہ وہ مجھ پر ناراض ہوں پھر میں اپنے پروردگار سے دعا کروں گا کہ وہ ان پر ناراض ہو' اور تم خالق اور مخلوق کی ناراضگی میں فرق دیکھ لو گے۔ تمہارے بت مصنوع ہیں اور میرے خدا صانع۔ اگر یہ بات تمہیں سچ معلوم ہو تو اس کی پیروی کرنا جھوٹ

نکلے تو اسے چھوڑ دینا میرے باپ نے کہا تو اپنے رب کی دلیل پیش کرتا ہے کہ ہم اسے دیکھیں۔ اس شخص نے کہا تم اپنے ربوں کو پیش کرو۔ بادشاہ نے حکم دیا ہر شخص

اپنا اپنا بت لے کر آئے سب لشکری اپنے اپنے بت جا کر لے آئے۔

یہ تو ان کا ماجرا ہوا' اب میری کہانی سن۔ میں اپنے باپ کے دربار کے سامنے پردے کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی' میرا بت ہرے زمرد کا تھا اور آدمی کے قد کے برابر۔ میرے باپ نے اسے بھی منگوایا میں نے بھیج دیا اور وہ میرے باپ کے بت کے برابر رکھا گیا۔ میرے باپ کا بت یاقوت کا تھا وزیر کا الماس کا' دوسرے لوگوں کے بت بلخشں' عقیق' مونگے' قماری عود' آبنوس' چاندی اور سونے کے تھے۔ عوام الناس کے بت پتھر' لکڑی اور مٹی کے۔ ہر بت کا رنگ الگ الگ تھا بعض لال بعض ہرے بعض کالے اور بعض سفید۔ اس شخص نے کہا اپنے بتوں سے کہو مجھ پر ناراض ہوں۔ میرے باپ نے اٹھ کر اپنے بت کو سجدہ کیا اور کہا اے میرے خدا! تو مہربان پروردگار ہے ان بتوں میں تجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں اور تو جانتا ہے کہ یہ شخص تیری پروردگاری پر اعتراض کرتا' تیرا مذاق اڑاتا ہے۔ اس کا گمان ہے کہ اس کا پروردگار تجھ سے زیادہ طاقتور ہے وہ کہتا ہے کہ ہم تیری پرستش چھوڑ کر اس کے خدا کی عبادت کریں۔ لہٰذا اے میرے خدا! اس پر اپنا قہر نازل کر۔ لیکن بت نے اسے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس کی طرف متوجہ بھی نہ ہوا۔ میرے باپ نے کہا اے میرے خدا! تیری یہ عادت تو کبھی نہ تھی جب میں تجھ سے بات کرتا تو جواب دیتا' اس وقت تو کیوں چپ ہے اور جواب نہیں دیتا؟ کیا تو غافل ہے یا سو رہا ہے' جاگ میری مدد کر اور مجھ سے بات کر۔ اس شخص نے کہا تیرا بت تو کچھ بھی نہیں کہتا' اس نے جواب دیا یا تو وہ غافل ہے یا سو رہا ہے۔

اب اس شخص نے میرے باپ سے کہا اے خدا کے دشمن! تو ایسے خدا کی کیا پوجا کرتا ہے جو بات تک نہیں کرتا میرے خدا کی پرستش نہیں کرتا جو قریب ہے اور جواب دیتا ہے' حاضر ہے اور کبھی غائب نہیں ہوتا نہ غافل ہوتا نہ سوتا ہے' وہ دیکھتا ہے اور

دکھائی نہیں دیتا اور ہر چیز پر قادر ہے؟ تیرا خدا اپنے آپ کو بھی بچا نہیں سکتا۔ مردود شیطان اس کے اندر تھا لیکن اب وہ بھی بھاگ گیا ہے۔ لہٰذا خدا کی عبادت کر اور اقرار کر کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تیرا خدا اپنے آپ کو تو بچا نہیں سکتا پھر وہ تجھے کیوں کر بچا سکتا ہے' تو خود دیکھ لے کہ وہ کیسا ناکارہ ہے۔ اب اس شخص نے اٹھ کر بت کے کندھے پر ایک گھونسا مارا وہ زمین پر گر پڑا۔ بادشاہ نے طیش میں آ کر حاضرین سے کہا اس منکر نے میرے خدا پر گھونسا مارا ہے اس کو قتل کر دو۔ انہوں نے اٹھنا چاہا لیکن کوئی اٹھ نہ سکا اس نے اس کے آگے اسلام پیش کیا وہ مسلمان نہ ہوئے۔ اس نے کہا اب میں تمہیں اپنے رب کا غصہ دکھاتا ہوں اور ہاتھ اٹھا کر اس نے دعا مانگی اے میرے خدا اور مالک! یہ لوگ تیری روزی کھاتے اور دوسروں کی عبادت کرتے ہیں' میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں کہ انہیں پتھر بنا دے۔ اس پر سارے شہر والے پتھر ہو گئے۔ میں اس کی دلیل سن کر مسلمان ہو گئی اور میرا حشر وہ نہ ہوا جو ان کا ہوا تھا۔ اب اس شخص نے میرے پاس آ کر کہا' تو نیک بخت نکلی۔

اس وقت میں برس کی تھی اور آج میری عمر تیس برس کی ہے۔

جب میں بچ گئی اور اس کے ہاتھ پر اسلام لے آئی تو میں نے کہا تو میرا شیخ ہے' مجھے اپنا نام بتا۔ وہ بولا میرا نام ابوالعباس خضر ہے اور اس نے میرے لیے ایک انار کا درخت لگا دیا وہ فوراً بڑا ہو گیا اس میں پتے' پھول اور پھل نکل آئے اس نے کہا خدا کا رزق کھا اور اس کی خوب عبادت کر۔ اسی نے مجھے نماز' روزہ اور قرآن سکھایا۔ آج تیئیس سال سے میں اسی جگہ بیٹھی خدا کی عبادت کر رہی ہوں۔ ہر روز اس درخت پر سے ایک انار گرتا ہے اور میں اسے کھا لیتی ہوں۔ خضر ہر جمعے کو میرے پاس آتے ہیں انہی نے مجھے یہ خوش خبری دی تھی کہ تو عنقریب یہاں آنے والا ہے اور کہا تھا کہ جب وہ تیرے پاس آئے تو اس کی عزت کیجیو' اس کا حکم مانیو' اس کی بیوی بنیو اور وہ جہاں لے جائے جائیو۔ جب میں نے تجھے دیکھا تو پہچان لیا۔ اس نے مجھے

انار کا درخت دکھایا' اس میں ایک انار لگا ہوا تھا' آدھا اس نے کھایا اور آدھا مجھے دیا۔
اس سے زیادہ شیریں اور لذیز میں نے کبھی نہیں کھایا تھا۔ میں نے کہا حضرت خضر

علیہ السلام کا حکم تجھے منظور ہے کہ تو میری بیوی بنے میں تیرا شوہر اور تو میرے ساتھ
میرے وطن بصرے میں چل کر رہے؟ اس نے کہا ہاں' انشاء اللہ میں تیری بات سنوں
گی اور تیرا حکم مانوں گی۔ میں نے اس سے پکا وعدہ لیا اور وہ مجھے اپنے باپ کے خزانے
میں لے گئی وہاں سے ہم نے اتنا مال لیا جتنا کہ اٹھا سکتے تھے اور وہاں سے چل دیئے
بھائیوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ مجھے تلاش کر رہے ہیں' انہوں نے کہا تو کہا تھا؟
تو نے بڑی دیر لگائی' ہمارا دل تجھ میں لگا ہوا تھا۔ ناخدا نے مجھ سے کہا کہ اے تاجر
عبداللہ! ہوا بہت دیر سے موافق ہے اور تو نے ہمیں سفر سے روک رکھا ہے۔ میں نے
کہا مضائقہ نہیں' ممکن ہے کہ دیر میں بھلائی ہو۔ دیکھو اس دیر کی وجہ سے مجھے کیا
ہاتھ آیا۔ یہ کہہ کر میں نے تمام جواہرات دکھائے اور جو کچھ پتھر کے شہر میں دیکھا
تھا ان سے بیان کیا اور کہا اگر تم میرا کہنا مانتے اور میرے ساتھ چلتے تو تمہیں بھی
بہت سے ہیرے جواہرات ملتے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

ooo

• نو سو چوراسی ویں رات

نو سو چوراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ عبداللہ نے کہا اگر تم میرے ساتھ چلتے تو تمہیں بھی بہت سے ہیرے جواہرات ملتے۔ وہ بولے خدا کی قسم اگر ہم چلتے بھی تو شہر کے بادشاہ کے پاس جانے کی ہماری ہمت کبھی نہ پڑتی۔ میں نے اپنے بھائیوں سے کہا مضائقہ نہیں جو کچھ میں لایا ہوں وہ ہم سب کے لیے کافی ہو گا اور میں نے مال کے حصے کیے برابر بھائیوں اور ناخدا کو دیئے خود بھی اتنا ہی لیا تھوڑا تھوڑا نوکروں اور ملاحوں کو بھی دیا۔ وہ خوش ہو گئے اور انہوں نے مجھے دعا دی' لیکن معلوم ہوتا تھا کہ میرے بھائی راضی نہ تھے کیونکہ ان کی تیوری بدلی ہوئی آنکھیں پھری ہوئی تھیں۔ میں نے کہابھائیو! میرے خیال میں تم اس سے خوش نہیں جو میں نے تمہیں دیا ہے لیکن میں تمہارا بھائی ہوں اور تم میرے بھائی' مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں میرا مال اور تمہارا مال ایک چیز ہے اور اگر میں مر گیا تو تو تمہی میرے والی وارث ہو گے۔ اب میں نے لڑکی کو لے جا کر ایک کوٹھڑی میں بٹھایا اس کے لیے کھانا پینا بھیجا اور خود بیٹھ کر اپنے بھائیوں کے ساتھ بات چیت کرنے لگا۔ انہوں نے پوچھا بھائی' تو اس حسین لڑکی کا کیا کرے گا؟ میں نے کہا بصرے پہنچ کر اس سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ ان میں سے ایک بولا بھائی' یہ لڑکی بہت حسین ہے اور مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے میں چاہتا ہوں کہ تو اس لڑکی کو میرے حوالے کر دے تا کہ میں اس سے شادی کر لوں۔

دوسرے بھائی نے کہا میری بھی یہی حالت ہے اور میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں بولا بھائیو! میں اسے زبان دے چکا ہوں اگر میں تم سے کسی کو دے دوں تو میں وعدہ خلاف بھی بنوں گا اور اس کا دل بھی ٹوٹ جائے گا۔ وہ آئی ہی اس شرط پر ہے کہ میں اس سے نکاح کروں۔ اس لیے یہ تو ممکن نہیں کہ میں اسے کسی اور

کو دے دوں؟ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بصرے پہنچ کر میں وہاں کی دو بہترین لڑکیوں سے تمہاری شادی کر دوں' مہر میں اپنے پاس سے دوں گا اور تینوں جشن ایک ساتھ ہوں گے وہ چپ ہو گئے۔ میں سمجھا کہ وہ راضی ہیں۔ ہم بصرے کی طرف روانہ ہوئے چالیس دن سفر کرنے کے بعد ہمیں بصرہ دکھائی دینے لگا' ہم خوش تھے۔ غیب کی خبر سوائے خدا کے کسی کو نہیں' میں پڑا سو رہا تھا کہ یکایک آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک بھائی کے ہاتھ میں میرے ہاتھ ہیں اور دوسرے کے ہاتھ میں میرے پاؤں اور وہ چاہتے ہیں کہ مجھے سمندر میں پھینک دیں۔ میں نے کہا' بھائی! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا' اے بدتمیز! تو ایک لڑکی کی خاطر ہماری دل شکنی کرتا ہے لٰہذا ہم تجھے سمندر میں پھینک دیں گے اور یہ کہتے ہی انہوں نے مجھے سمندر میں پھینک دیا۔ اس نے کتوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا' بھائی! یہ سچ ہے کہ نہیں؟ وہ سر نیچا کر کے بھونکنے لگے اور خلیفہ کو تعجب ہوا۔ پھر اس نے اپنی کہانی شروع کی کہ اے امیر المومنین! انہوں نے مجھے سمندر میں پھینک دیا تو میں تھاہ تک پہنچ کر ابھرا پانی مجھے سطح پر لے آیا ایک بڑا سا پرندہ مجھ پر جھپٹا اور مجھے لے کر ہوا میں اڑ گیا' جب میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو ایک نہایت عالی شان محل میں پایا۔ کنیزیں اپنے ہاتھ سینوں پر رکھے کھڑی تھیں اور ان کے بیچ میں ایک عورت سرخ سونے کی کرسی پر بیٹھی تھی جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے اور اس کے سر پر تین حلقوں والا تاج تھا۔ پرندے نے وہاں جا کر مجھے اتارا اور خود شکل بدل کر ایک حسین لڑکی بن گیا۔ ملکہ نے اس سے پوچھا تو آدمی کو کیوں یہاں لائی ہے؟ اس نے کہا اماں جان! یہ وہی شخص ہے جس کی وجہ سے میں جنوں کی لڑکیوں میں منہ دکھانے کے قابل رہی اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟ میں نے کہا نہیں۔ وہ بولا فلاں پہاڑ پر جب ایک کالا اژدھا میری آبرو لینا اور مجھے قتل چاہتا تھا تو تو نے اسے قتل کر کے میری آبرو بچائی تھی' میں وہی سفید سانپن ہوں لیکن دراصل میں ملک احمر کی بیٹی ہوں جو جنوں کا بادشاہ ہے میرا نام سعدیہ ہے اور یہ میری ماں

مبارکہ۔ جو اژدھا میری آبرو لینا چاہتا تھا' وہ ملک اسود کا نہایت بد شکل وزیر در فیل تھا۔

ایک بار اس نے مجھے دیکھ لیا' مجھ پر عاشق ہو گیا اور میرے باپ کے پاس پیغام بھیجا

اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اے بد ذات وزیر! تیری حیثیت کیا کہ تو شاہ زادیوں کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے؟ وزیر اس پر سخت ناراض ہوا اور اس نے قسم کھائی کہ وہ میری آبرو لینے کے درپے رہتا' وہ ایسا چال باز تھا کہ میرے باپ کی اس کے آگے نہ کچھ چلتی۔ میں اس کے ڈر سے روز صورت بدلتی رہتی۔ میں جو صورت اختیار کرتی وہ اس کے مخالف صورت بدلتا۔ ایک روز میں سفید سانپن بن کر اس پہاڑ پر گئی تو اس نے اژدھا بن کر میرا پیچھا کیا اور میں اس کے پنجے میں پھنس گئی۔ اتنے میں تو آ گیا اور تو نے پتھر مار کر اسے مار ڈالا۔ تو نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے اور میں تیری احسان مند ہوں۔ جب میں نے دیکھا کہ تیرے بھائیوں نے تجھے سمندر میں پھینک دیا تو میں اڑ کر تیرے پاس پہنچی اور تجھے بچا لائی۔ ماں نے کہا اے آدمی! مرحبا! تو نے ہمارے ساتھ احسان کیا ہے ہمیں چاہیے کہ تیری عزت کریں اس نے مجھے ایک بڑی قیمتی پوشاک اور بے شمار ہیرے جواہرات دیئے اس کے بعد میں اس کے باپ کے سامنے پیش کیا گیا وہ مجھے دیکھ کر سروقد کھڑا ہو گیا اس کی وجہ سے سارے لشکر نے میری تعظیم کی۔ اس نے میرے بڑا احترام کیا مجھے بہت سی قیمتی چیزیں دیں اور کہا میری بیٹی سے کہو کہ وہ اسے وہیں پہنچا آئے جہاں سے لائی ہے۔ ادھر جب میرے بھائیوں نے مجھے سمندر میں پھینک دیا تو ناخدا کی آنکھ کھل گئی اس نے پوچھا کہ سمندر میں کیا گرا؟ میرے بھائی رونے اور سینہ پیٹنے اور کہنے لگے ہمارا بھائی ضرورت رفع کرنے گیا تھا کہ سمندر میں گر پڑا۔ انہوں نے میرے مال پر قبضہ کر لیا لیکن لڑکی کے بارے میں جھگڑنے لگے' ہر ایک کہتا کہ اسے میں لوں گا۔ وہ جھگڑ رہے تھے کہ سعیدہ نے مجھے کشتی کے بیچ میں لا اتارا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• نو سو پچاسی ویں رات

نو سو پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ عبداللہ کا بیان ہے کہ جب سعیدہ نے مجھے بیچ کشتی میں اتارا اور میرے بھائیوں نے مجھے دیکھا تو مجھ سے لپٹ گئے اور کہنے لگے بھائی! تیرا کیا حال ہے' ہمارا تو دل تجھ میں لگا ہوا تھا؟ سعیدہ بولی اگر تمہیں اس سے محبت ہوتی تو تم اسے سمندر میں نہ پھینکتے۔ اب تم اپنے لیے پسند کر لو کہ کون سی موت مرنا چاہتے ہو۔ یہ کہہ کر اس نے پکڑا اور قتل کرنا چاہتی تھی کہ وہ چلانے لگے بھائی! ہم تیری پناہ میں ہیں۔ میں لڑکی سے سفارش کرتا کہ انہیں قتل نہ کر وہ کہتی کہ میں ضرور قتل کروں گی کیونکہ وہ دغا باز ہیں۔ میں برابر اس کی خوشامد کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے کہا اچھا تیری خاطر میں ان کے قتل سے تو ہاتھ اٹھاتی ہوں لیکن ان پر جادو کر دوں گی۔ یہ کہہ کر اس نے ایک کٹورا نکالا اور اس میں سمندر کا پانی لے کر پڑھا اور کہا انسانی شکل چھوڑ کر کتے بن جاؤ۔ پھر اس نے وہ پانی ان پر چھڑک دیا' وہ کتے ہو گئے جیسا کہ اے خلیفہ! تو انہیں دیکھ رہا ہے۔

یہ کہہ کر وہ کتوں کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا' بھائیو! جو کچھ میں نے کہا سچ ہے؟ انہوں نے سر جھکا لیا یعنی ہاں سچ ہے۔ بعدازاں اس نے کہا اے امیرالمومنین! جادو کرنے کے بعد پری نے کشتی والوں سے کہا سنو! عبداللہ بن فاضل کو میں نے اپنا بھائی بنا لیا ہے میں روز ایک یا دو بار آ کر اس کی خبر لیا کروں گی تم میں سے جو کوئی اس کی مخالفت کرے گا ہاتھ یا زبان سے اسے تکلیف پہنچائے گا اسے بھی انہی دونوں دغا بازوں کی طرح جادو کے زور سے کتا بنا دوں گی۔ اور بولی کے بصرے پہنچ کر اپنے سامان کا جائزہ لیجیو اور مجھے بتائیو۔ اگر اس میں کوئی بھی کمی ہو گی تو میں جس کے پاس اور جس جگہ بھی ہو گا لا کر تیرے حوالے کر دوں گی اور لینے والے کو

جادو سے کتا بنا دوں گی۔ جب اپنا سامان حفاظت سے رکھ چکیو تو ان دونوں دغا بازوں کی گردنوں میں زنجیر باندھ کر ایک اکیلی کوٹھڑی میں تخت کے پائے سے باندھ دیجیو اور ہر روز آدھی رات کے وقت انہیں اتنا ماریو کہ وہ بے ہوش ہو جائیں۔ اگر کسی روز تو نے انہیں نہیں مارا تو میں آ کر پہلے تجھے ماروں گی اور پھر انہیں میں نے بہ سرو چشم کہہ کر ان کی گردنوں میں رسی ڈال دی اور ستون سے باندھ دیا پری چلتی بنی۔ دوسرے دن جب ہم بصرے پہنچے تو تاجر آئے انہوں نے مجھے سلام کیا لیکن کسی نے میرے بھائیوں کے بارے میں کچھ نہ پوچھا۔ کتوں کو دیکھے اور کہتے کہ تو ان کتوں کا کیا کرے گا؟ میں کہتا میں نے انہیں راستے میں پالا ہے اور اب انہیں گھر لایا ہوں' وہ ہنستے کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ وہ میرے بھائی ہیں۔

گھر آ کر میں نے انہیں ایک کوٹھڑی میں بند کیا اور خود سامان کے اتارنے اور تاجروں سے ملنے میں اتنا مشغول رہا کہ کتوں کو مارا نہ باندھا۔ اتنے میں ملک احمر کی بیٹی سعیدہ آ پہنچی اور کہنے لگی تو نے نہ انہیں باندھا نہ کوڑے لگائے' یہ کیوں؟ ادھر اس نے مجھے پکڑ کر اتنے کوڑے مارے کہ میں بے ہوش ہو گیا پھر میرے بھائیوں کے پاس جا کر انہیں اتنا مارا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گئے اور مجھ سے کہنے لگی ہر رات انہیں اسی طرح کوڑے لگایا کر۔ میں نے کہا اے میری آقا! کل ہی میں ان کے گلے میں زنجیریں ڈالوں گا' رات کو انہیں ماروں گا اور ہر روز مارا کروں گا۔ سویرا ہوا تو میں نے دل پر جبر کر کے ان کے لیے سونے کی زنجیریں بنوائیں جیسا اس نے حکم دیا تھا اسی طرح انہیں باندھا اور رات کے وقت بادل ناخواستہ انہیں مارا بھی۔ یہ واقعہ بنی عباس کے پانچویں خلیفہ مہدی کے زمانے کا ہے۔ میں نے اس کے لیے تحفے تحائف بھیجے اور اس نے مجھے بصرے کا والی بنا دیا۔ ایک دن میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب پری کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا ہو گا اور انہیں نہیں مارا' لیکن اس نے آ کر مجھے اتنا مارا کہ میں آج تک بھولا نہیں۔ مہدی کے مرنے کے بعد تو خلیفہ ہوا اور تو نے مجھے ولایت

پر قائم رکھا۔ آج بارہ سال ہو گئے ہیں کہ میں ہر روز اپنے دل پر جبر کر کے انہیں مارتا ہوں پھر ان کی دل دہی کرتا اور اسی قید کی حالت میں انہیں کھلاتا پلاتا ہوں۔ جب تک تو نے ابواسحاق الندیم کو خراج لینے میرے پاس نہیں بھیجا کسی کو اس کی خبر نہ تھی۔ اسے میرا بھید معلوم ہو گیا اس نے تجھ سے بیان کیا اور تو نے اسے دوبارہ بھیج کر مجھے بلوایا۔ بس یہ ہے میری ساری کہانی۔

خلیفہ ہارون الرشید کو بڑا تعجب ہوا وہ کہنے لگا کہ تو نے اب انہیں معاف کر دیا ہے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا اے میرے آقا! خدا انہیں معاف کرے دنیا اور آخرت میں ان سے مواخذہ نہ کرے! میں ان سے معافی کا خواستگار ہوں کیونکہ میں بارہ سال سے ہر روز کوڑے مارتا ہوں۔ خلیفہ بولا اے عبداللہ خدا نے چاہا تو میں انہیں مصیبت سے چھڑا کر پھر آدمی بنا کر تمہارے درمیان صلح کرا دوں گی اور باقی عمر تم سب بھائیوں کی طرح پیار سے رہو گے۔ جا انہیں گھر لے جا اور آج رات نہ ماریو' کل تک سارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ عبداللہ نے کہا تیرے سر کی قسم اگر انہیں میں نے ایک رات بھی نہ مارا تو سعیدہ آ کر مجھے مارے گی اور اب میرا جسم مار پیٹ برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ بولا ڈر نہیں' میں تجھے اپنے ہاتھ سے لکھ کر ایک خط دوں گا' وہ خط تو سعیدہ کو دے دیجیو اگر وہ پڑھ کر تجھے معاف کر دے تو احسان اس کی طرف سے ہے اگر وہ تجھے مارے تو سمجھ لیجیو کہ تو ایک دن انہیں مارنا بھول گیا اور اس وجہ سے تجھ پر مار پڑی۔ لیکن اگر یہ واقعہ پیش آیا اور میں امیرالمومنین ہوں تو اس سے سمجھ لوں گا۔ اس کے بعد خلیفہ نے ایک خط لکھا جو دو سطروں کا ہو گا اور اس پر مہر لگا کر کہا سعیدہ سے کہیو انسانوں کے بادشاہ خلیفہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں انہیں نہ ماروں اور اس نے تجھے سلام کے بعد یہ خط دیا ہے۔ عبداللہ ان دونوں کتوں کو لے کر چل دیا اور دل میں کہنے لگا دیکھا چاہیے میرا کیا حشر ہوتا ہے۔ گھر پہنچ کر اس ان کے پٹے اتار دیئے اور ان سے کہا ڈرو نہیں بنی عباس کے ساتویں خلیفہ نے

تمہاری خلاصی کا بیڑا اٹھایا ہے اور میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے' خدا نے چاہا تو آج رات سے تمہیں نجات مل جائے گی۔ یہ سن کر وہ کتوں کی طرح بھونکنے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

نو چھیاسی ویں رات

نو سو چھیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ یہ سن کر دونوں کتے بھونکنے اور اپنا منہ اس کے قدموں سے ملنے لگے گویا وہ اسے دعا دے رہے تھے۔ عبداللہ ان کی پیٹ سہلانے لگا یہاں تک کہ عشاء کا وقت آ گیا اس نے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا' نوکروں کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہنے لگا والی پاگل معلوم ہوتا ہے' بصرے کا والی ہو کر کتوں کے ساتھ کھانا کھاتا ہے' کیا اسے معلوم نہیں کہ کتے نجس ہوتے ہیں؟ انہیں کیا خبر تھی کہ وہ اس کے بھائی ہیں۔ کھانا کھا کر عبداللہ نے اپنے ہاتھ دھوئے کتوں کے ہاتھ دھلائے ہر شخص انہیں دیکھ دیکھ کر ہنستا۔ اس کے بعد وہ عبداللہ کے پہلو میں بیٹھ گئے اور کسی کی ہمت نہ پڑی کہ اس سے اس کا سبب پوچھے۔ یہ حالت آدھی رات تک رہی اب نوکر چاکر جا کر سو رہے اور کتے بھی ایک تخت پر جا لیٹے لوگوں نے دسترخوان کا کھانا پھینک دیا اور کہنے لگے کہ ہم کتوں کا کھانا کیسے کھا سکتے ہیں؟ اتنے میں یک بہ یک زمین پھٹی سعیدہ نکلی اور اس نے کہا عبداللہ! آج تو نے کیوں کوڑے نہیں لگائے اور ان کے پٹے کیوں اتار دیئے؟ میں ابھی تجھے کوڑے مار کر انہی کی طرح کتا بنائے دیتی ہوں۔ وہ بولا اے میری آقا! میں تجھے اس نقش کی قسم دیتا ہوں جو حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی انگوٹھی پر تھا کہ پہلے میری بات سن لے' اس کے بعد جو تیرا جی چاہے کیجیو۔ ان کے نہ مارنے کا سبب تو یہ ہے کہ آدمیوں کے بادشاہ خلیفہ امیرالمومنین ہارون الرشید نے مجھے حکم دیا ہے کہ انہیں آج رات نہ ماروں۔ اس نے تجھے سلام کہا ہے اور یہ خط دیا ہے۔ اسے لے کر پڑھ' پھر جو تیرا جی چاہے میرے ساتھ کیجیو۔ اس نے خط لے کر کھولا اور پڑھا' اس میں لکھا تھا: "بسم اللہ الرحمن الرحیم' یہ خط آدمیوں کے بادشاہ ہارون الرشید کی طرف سے ملک احمر کی بیٹی سعیدہ کے نام ہے۔ اس شخص نے اپنے بھائیوں کو معاف

کر دیا ہے اور اس کا دعویٰ ان کے خلاف ختم ہو گیا اس لیے میں نے حکم دیا ہے کہ وہ آپس میں صلح کر لیں اور جب صلح ہو گئی تو سزا کیسی؟ اگر تم لوگ میرے احکام میں دخل اندازی کرو گے تو ہم بھی تمہارے احکام میں دخل اندازی کریں گے تمہارے قوانین توڑ ڈالیں گے اور اگر تم ہمارے احکام مانوں گے تو ہم تمہارے احکام مانیں گے۔ اگر تو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتی ہے تو تجھے رسول کے نائب کا حکم ماننا چاہیے۔ اگر تو نے انہیں معاف کر دیا تو میں تجھے حتی الامکان اچھا بدلہ دوں گا۔ میرے حکم ماننے کا ثبوت یہ ہو گا کہ تو ان کا جادو توڑ کر انہیں پھر انسان بنا دے' اور اگر تو نے ان کا جادو نہ توڑا تو میں خدا کی مدد سے زبردستی ان کا جادو توڑ دوں گا۔

پری نے یہ خط پڑھا تو وہ کہنے لگی میں ابھی جا کر یہ خط اپنے باپ کے سامنے پیش کرتی ہوں اور فوراً جواب لے کر آتی ہوں۔ جب سعیدہ اپنے باپ کے پاس پہنچی اور خط پیش کیا تو اس نے خط کو چوم کر سر پر رکھا اور پڑھ کر کہا بیٹی! آدمیوں کے بادشاہ کا حکم ہمارے ہاں چلتا ہے اور ہم اس کی مخالفت نہیں کر سکتے' تو جان کر ان دونوں آدمیوں کو ابھی آزاد کر دے۔ بیٹی نے پوچھا ابا! آدمیوں کے بادشاہ کا حکم یہاں کیوں کر چلتا ہے؟ اس نے جواب دیا کئی وجہ سے' اول تو وہ انسان ہے اور ہم سے بہتر' دوسرے وہ خدا کا خلیفہ ہے' تیسرے وہ فجر کی دو رکعات کبھی ناغہ نہیں کرتا' اس لے ساتوں زمینوں کے جن بھی اکٹھے ہو کر اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ اگر وہ ہم پر ناراض ہو کر فجر کی دور رکعتیں پڑھے اور ہمیں آواز دے تو ہم اس طرح اس کے پاس

جا کر جمع ہو جائیں گے جیسے قصاب کے پاس بھیڑ بکریاں۔ لہٰذا بیٹی' دو آدمیوں کی خاطر ہمیں ہلاکت میں نہ ڈال بلکہ جا کر انہیں آزاد کر دے۔ یہ سن کر وہ عبداللہ بن فاضل کے پاس آئی اور کہا ہماری طرف سے خلیفہ کے ہاتھ چومیو اور کہیو کہ ہم سے ناراض

نہ ہو۔ یہ کہہ کر اس نے وہی کٹورا نکالا اس میں پانی بھر کر منتر پڑھا اور ان پر چھڑک کر کہا کتوں کی صورت سے آدمیوں کی صورت میں آ جاؤ۔ ان کا جادو ٹوٹ گیا وہ پھر آدمی بن گئے اور کلمہ پڑھ کر اپنے بھائی کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے اور اس سے معافی مانگی۔ اس نے کہا تم مجھے معاف کرو اب انہوں نے دل سے توبہ کی اور کہا مردود ابلیس نے ہمیں بد راہ کر دیا تھا اور وہ اپنے بھائی کو منانے' رونے اور پشیمان ہونے لگے۔ اس کے بعد اس نے پوچھا تم نے میری بیوی کے ساتھ کیا کیا؟ وہ بولے جب ہم نے تجھے سمندر میں پھینک دیا تھا تو وہ اپنی کوٹھڑی میں سے نکلی اور کہا کہ میری وجہ سے جھگڑا نہ کرو' میں تم میں سے کسی کی بھی نہ ہوں گی' میرا شوہر سمندر میں گیا' میں بھی اس کے پیچھے جاتی ہوں۔ اس کے بعد وہ سمندر میں کود پڑی اور مر گئی۔ عبداللہ بولا وہ شہید ہو گئی اور رونے لگا۔ بھائیوں نے کہا ہم نے برا کیا اور خدا نے ہمیں سزا دی۔ سعیدہ بولی وہ تیرے ساتھ یہ حرکتیں کرتے ہیں اور تو انہیں معاف کرتا چلا جاتا ہے۔ اس نے کہا بہن' جس میں طاقت ہو اور معاف کرے خدا اس کا نیک بدلہ دیتا ہے۔ وہ بولی خیر تو جان لیکن یہ دغا باز ہیں' ان سے بچتا رہیو' پھر وہ اس سے رخصت ہوئی اور چلی گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

- نو سو ستاسی ویں رات

نو سو ستاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کیا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب سعیدہ رخصت ہو کر چلی گئی تو عبداللہ نے رات اپنے بھائیوں کے ساتھ بڑے لطف سے گزاری۔ سویرا ہوتے ہی انہیں حمام بھیجا بے حد قیمتی لباس پہنایا اور دسترخوان بچھوا کر ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ نوکروں نے انہیں دیکھا تو پہچان گئے کہ اس کے بھائی ہیں انہیں سلام کیا اور امیر عبداللہ سے کہا بھائی تجھے ملے' مبارک ہو! لیکن اتنی مدت تک یہ تھے کہاں؟ وہ بولا وہی ہیں جنہیں تم کتوں کی صورت میں دیکھا کرتے تھے' شکر ہے خدا کا کہ اس نے انہیں جون سے چھٹکارا دیا۔ دربار کا وقت ہوا تو وہ انہیں لے کر خلیفہ کی خدمت میں گیا اس کے آگے زمین چومی اور دعا دی۔ خلیفہ نے کہا مرحبا! بتا کیا ماجرا پیش آیا؟ اس نے کہا میں نے تیرے حکم کے مطابق گھر جا کر ان کے پٹے کھول دیئے اور خدا پر بھروسہ کیا۔ جب ہم سونے گئے تو یک بہ یک ملک احمر کی بیٹی سعیدہ آ پہنچی' اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ اس نے باقی قصہ سنا کر کہا کہ اس وقت یہ امیر المومنین کے سامنے حاضر ہیں۔ خلیفہ ادھر متوجہ ہوا دیکھا کہ دونوں چاند کے مانند ہیں کہا اے عبداللہ! خدا تیرا بھلا کرے! تو نے مجھے ایسی بات بتائی جو مجھے معلوم نہ تھی۔ خدا نے چاہا تو میں فجر کی دو رکعتیں کبھی نہ چھوڑوں گا۔ یہ کہہ

کر اس نے عبداللہ بن فاضل کے دونوں بھائیوں کو بہت ڈانٹا ڈپٹا اور انہوں نے اس کے آگے معافی مانگی۔ خلیفہ نے کہا آپس میں مصافحہ کرو اور ایک دوسرے کو معاف کرو۔ پرانی باتیں خدا معاف کرے! پھر اس نے عبداللہ سے کہ ان دونوں کو اپنا نائب بنا لے اور ان سے کہا کہ اپنے بھائی کا حکم ماننا اور انہیں انعام دے کر بصرے روانہ کر دیا۔

یہ تو وہ باتیں ہوئیں جو انہیں خلیفہ کے ساتھ پیش آئیں۔ اب عبداللہ بن فاضل کی داستان سنو! وہ اپنے بھائیوں کو عزت و احترام سے لے کر بصرے پہنچا لوگ ان کی ملاقات کے لیے آئے اور شہر چراغاں کیا گیا۔ ہر شخص عبداللہ کو دعائیں دیتا اور دونوں بھائیوں کی طرف کوئی متوجہ نہ ہوتا۔ یہ دیکھ کر وہ حسد کرنے لگے۔ عبداللہ ان کی جس قدر خاطر مدارت کرتا اسی قدر ان کے حسد کی آگ بھڑکتی جاتی۔ اس نے دونوں کو ایک ایک کنیز ہم بستری کے لیے دی، چالیس چالیس نوکر، باندیاں کالے اور گورے غلام، پچاس پچاس اصیل گھوڑے اور ان کا روزینہ اور ماہانہ مقرر کر کے اپنا نائب بنا لیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو اٹھاسی ویں رات

نو سو اٹھاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ عبداللہ نے انہیں اپنا نائب بنا کر کہا ہم تم برابر ہیں اور ہم میں کوئی فرق نہیں۔ خدا اور خلیفہ کے بعد میرا اور تمہارا حکم چلے گا۔ میری موجودگی اور غیر موجودگی میں بصرے پر تم حکمرانی کرنا لیکن خدا سے ڈرنا' انصاف کرنا' ظلم نہ کرنا ورنہ اس کی خبر خلیفہ تک پہنچ جائے گی اور ہم تم سب بد نام ہوں گے۔ اگر تمہیں لوگوں کے مال کی خواہش ہو تو تم اس سے زیادہ میرے مال میں سے لے لینا۔ یہ نصیحت کرنے کے بعد اس کو خیال ہوا کہ اب وہ ضرور راہ راست پر آ گئے ہوں گے اور اس لیے وہ ان کے ساتھ اور زیادہ انعام و اکرام کرنے لگا۔ لیکن جتنا وہ انعام و اکرام کرتا بھائی اور زیادہ حسد کرتے۔

ایک روز ناصر نے منصور سے کہا ہم کب تک اپنے بھائی کی فرمانبرداری کرتے رہیں گے؟ وہ تاجر تھا امیر ہو گیا' چھوٹا تھا بڑا ہو گیا۔ ہم نہ بڑے ہو سکتے ہیں نہ ہمارا رتبہ بڑھ سکتا ہے' وہ مذاق اڑاتا ہے ہمیں اپنا نائب بنا رکھا ہے۔ جب چاہے وہ ہمیں معزول کر سکتا ہے۔ ہمارا فائدہ اسی میں ہے کہ ہم اسے قتل کر دیں اس کے مال و دولت پر قبضہ کر کے آپس میں تقسیم کر لیں اور خلیفہ کے پاس تحفے تحائف بھیج کر اس سے کہیں کہ وہ مجھے کوفے کا والی بنا دے اور تجھے بصرے کا یا مجھے بصرے کا اور تجھے کوفے کا۔ منصور بولا تو سچ کہتا ہے لیکن اسے قتل کیوں کر کیا جائے؟ ناصر نے کہا ہم اسے دعوت پر بلائیں اس کی خوب خدمت کریں باتیں کر کے اور قصے سنا کر اسے دیر تک جاگتا رکھیں' اس کے بعد جب وہ سو جائے تو اس کا گلا گھونٹ کر سمندر میں پھینک دیں اور جب صبح ہو تو کہیں اس کی بہن پری آئی تھی اس نے کہا کہ اے حرام زادے! تیری یہ ہمت ہوئی کہ تو نے خلیفہ سے جا کر میری شکایت کی؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ ہم اس سے ڈرتے ہیں' جیسے وہ بادشاہ ہے ہم بھی بادشاہ ہیں؟ اگر

ہم اس کا ادب نہ کرتے تو اسے بری موت مارتے لیکن میں فی الحال تجھے قتل کر کے دیکھتی ہوں کہ خلیفہ کیا کرتا ہے۔ اتنے میں زمین پھٹی اور وہ اسے لے کر زمین میں سما گئی' پھر ہمیں نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔ اس کی خبر ہم خلیفہ کو دیں گے اور وہ اس کی جگہ ہمیں والی بنا دے گا۔ تھوڑی مدت کے بعد ہم خلیفہ کے پاس عمدہ عمدہ ہدیے بھیجیں گے اور اس سے کوفے کا والی بننے کی درخواست کریں گے۔ اس طرح سے ہم میں سے ایک کوفے کا اور دوسرا بصرے کا والی بن جائے گی۔
انہوں نے یہ فیصلہ کر کے اپنے بھائی عبداللہ کو قتل کر ڈالیں ناصر نے دعوت کی تیاری کی اور اس سے کہا کہ تو اور منصور میری دعوت منظور کر کے میرا دل خوش کر دیں۔ عبداللہ بولا بھائی اس میں کیا مضائقہ ہے' تیرا گھر میرا گھر ہے اور دعوت نامنظور کرنا تو ویسے بھی بداخلاقی کی دلیل ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے بھائی منصور کی طرف مخاطب ہو کر کہا تو بھی چلے گا نہ؟ اس نے جواب دیا اس شرط پر کہ تو اس کے بعد میری دعوت بھی منظور کرے۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے' جیسے وہ میرا بھائی ہے تو بھی ہے۔ ناصر نے اپنے بھائی عبداللہ کا ہاتھ چوما اور گھر جا کر دعوت کا سامان کرنے لگا۔ دوسرے روز عبداللہ نے لشکر اور اپنے بھائی منظور کر ساتھ لیا اور ناصر کے گھر پہنچا۔ دسترخوان بچھایا گیا کھایا پیا ہاتھ دھوئے مغرب اور عشا کی نماز پڑھ کر باتیں چیتیں کرنے لگے' منصور ایک کہانی کہتا تو ناصر دوسری' عبداللہ انہیں سنتا۔ محل میں وہ اکیلے تھے اور باقی لشکر دوسری جگہ تھا۔ جب عبداللہ جاگتے جاگتے تھک گیا اور اسے نیند آنے لگی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

نو سو نواسی ویں رات

نو سو نواسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- عبداللہ کو نیند آنے لگی تو وہ تخت پر لیٹ کر سو گیا' دونوں بھائی اس کے پہلو میں دوسرے تخت پر لیٹ گئے اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ سو گیا ہے تو اٹھ کر بھائی کے سینے پر چڑھ بیٹھے' اس کی آنکھ کھل گئی دیکھا کہ بھائی سینے پر چڑھے ہوئے ہیں کہا بھائیو! یہ کیا؟ وہ بولے اے بد تمیز! نہ ہم تیرے بھائی ہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ تو کون ہے۔ تیرے جینے سے تیرا مرنا بہتر ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اس کی گردن پکڑ کر مروڑ دی وہ بے ہوش گیا' انہوں نے سمجھا مر گیا اور سمندر میں پھینک دیا۔

جب وہ سمندر میں گرا تو خدا نے ایک درفیل کو اس پر مسلط کر دیا جو اکثر محل کے نیچے آیا جایا کرتا تھا جب باورچی خانے میں جانور ذبح کئے جاتے تو ان کی آنتیں اور اوجھڑی سمندر میں پھینک دی جاتیں۔ آج چونکہ دعوت تھی اور بہت کچھ سمندر میں پھینکا گیا تھا اس لیے درفیل کو بہت کھانے کے لیے ملا وہ کھا پی کر مضبوط ہو گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ پھر کوئی چیز آ کر سمندر میں گری تو وہ دوڑ کر پہنچا معلوم ہوا کہ کوئی آدمی ہے تو وہ اسے اپنی پیٹھ پر لاد کر کنارے سے دوسرے کنارے پر ڈال آیا۔ ادھر سے ایک قافلہ گزرا لوگوں نے اسے پڑا دیکھ کر قافلہ سالار کو خبر کی کہ وہ مردہ پڑا ہوا ہے۔ اس نے دیکھ کر کہا ابھی اس میں جان ہے عجب نہیں کہ وہ اچھا ہو جائے اور اسے اپنے ساتھ لے لیا۔ تین منزل تک اس کا علاج کرتے رہا۔ عبداللہ کو ہوش آ گیا اور کمزوری محسوس ہونے لگی' تیس دن کے بعد وہ عجم کے ایک شہر میں پہنچے جس کا نام عوج تھا ایک سرائے میں اترے اسے فرش بچھا کر لٹا دیا اور وہ رات بھر پڑا کراہتا رہا۔

صبح ہوئی تو سرائے کے دربان نے آ کر پوچھا کہ اس بیمار کی کیا حالت ہے؟ سالار بولا

ہم نے اسے سمندر کے کنارے راہ میں پڑا پایا تھا اور برابر اس کی دوا دارو کرتے رہے لیکن ابھی تک وہ اچھا نہیں ہوا۔ دربان بولا اسے شیخہ راجحہ کے پاس لے چل۔

یہاں ایک نہایت حسین باکرہ لڑکی ہے' اس کا نام راجحہ ہے۔ لوگ بیماروں کو اس کے پاس لے جاتے اور وہ وہاں رات بھر رہ کر سویرے تک اچھے ہو جاتے ہیں۔ سالار اسے لے کر راجحہ کے پاس گیا دیکھا کہ لوگ نذریں لیے اندر جاتے اور خوش خوش باہر آتے ہیں۔ دربان نے پردے کے پاس جا کر کہا اے شیخہ راجحہ! اجازت ہے؟ ایک بیمار کو لائے ہیں۔ اس نے جواب دیا اسے پردے کے اندر بھیج دے۔ دربان نے عبداللہ سے کہا اندر جا جونہی اندر گیا دیکھا کہ یہ تو میری بیوی ہے جسے مدینتہ الحجر سے لایا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور سلام کیا۔ عبداللہ نے پوچھا تو یہاں کیسے آئی؟ اس نے کہا جب میں نے دیکھا کہ تیرے بھائیوں نے تجھے سمندر میں پھینک دیا ہے اور میرے لیے لڑ رہے ہیں تو میں بھی سمندر میں کود پڑی۔ خواجہ خضر ابوالعباس مجھے وہاں سے اٹھا کر اس زاویے میں لے آئے اور مجھے اجازت دی کہ میں بیماروں کا علاج کیا کروں' شہر میں ڈھنڈورا پیٹ دیا کہ جو شخص بیمار ہو شیخہ راجحہ کے پاس جائے اور مجھ سے کہا تو یہیں ٹھہری رہ جب تک تیرا شوہر تیرے پاس نہ آ جائے۔ سارے بیمار میرے پاس آتے ہیں' ان کی مالش کرتی ہوں اور وہ صبح تک اچھے ہو جاتے ہیں۔ میں دور دور تک مشہور ہو گئی ہوں' لوگ میرے پاس نذریں لاتے ہیں اور تمام لوگ مجھ سے دعا کے طلب گار رہتے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام ہر جمعرات کو میرے پاس آتے ہیں۔ چنانچہ رات ہوئی تو وہ کھا پی کر خضر علیہ السلام کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آ پہنچے اور دونوں کو زاویے سے لے جا کر بصرے میں ایک محل پر اتار دیا اور چلے گئے۔ سویرا ہوا اور عبداللہ نے غور سے دیکھا تو وہ اسی کا محل تھا' اتنے میں اسے باہر شور و غل سنائی دیا۔ جھروکے میں سے جھانکا تو اس کے دونوں بھائی دو تختوں پر لیٹے ہوئے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب انہوں نے اپنے بھائی کو سمندر میں پھینک دیا تو سویرے اٹھ کر رونے

پیٹنے لگے اور کہا ہمارے بھائی کو پری اٹھا کر لے گئی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک ہدیہ تیار کر کے خلیفہ کے پاس بھیجا اور اس سے بصرے کی ولایت طلب کی۔ خلیفہ نے انہیں بلا کر قصہ پوچھا اور بہت ناراض ہوا' صبح کو اس نے دن نکلنے سے پہلے دور رکعتیں

پڑھ کر جنوں کو بلایا ور ان سے عبداللہ کی خبر پوچھی۔ انہوں نے اپنی لا علمی ظاہر کی لیکن ملک احمر کی بیٹی سعیدہ نے آ کر بتا دیا کہ وہ کہاں ہے۔ دوسرے روز اس نے ناصر اور منصور کو خوب پڑوایا۔ انہوں نے اپنی خطا کا اقرار کر لیا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ انہیں لے جا کر عبداللہ کے محل کے دروازے پر پھانسی دے دو۔ غرض کہ عبداللہ دونوں کو دفن کر کے بغداد گیا اور خلیفہ سے سارا ماجرا بیان کیا۔ خلیفہ نے قاضی اور گواہوں کو بلوا کر اس کا نکاح اس لڑکی سے کرا دیا جسے وہ مدینہ الحجر سے لایا تھا اور مرتے دم تک دونوں بصرے میں رہے۔ پاک ہے وہ ذات جو کبھی مرتی نہیں۔

○ رفوگر اور اس کی بیوی کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------ مصر میں ایک رفوگر معروف نام رہتا تھا جو پرانی قالینوں کو رفو کرتا۔ اس کی ایک بیوی تھی جس کا نام فاطمہ تھا اور جسے لوگ رنڈی کے نام سے یاد کرتے تھے کیونکہ وہ بڑی بدکار' شیریر' بے شرم اور چال باز تھی۔ وہ اپنے شوہر پر حکم چلاتی اور دن بھر میں ہزار گالیاں دیتی' برا بھلا کہتی۔ رفوگر اگرچہ غریب تھا لیکن عزت والا ڈرتا تھا کہ کہیں اس کی آبرو پر دھبہ نہ لگ جائے اس لیے وہ اس کے شر فساد سے ڈرتا رہتا۔ اگر وہ کسی دن زیادہ کما کر لاتا تو بیوی پر خرچ کر دیتا اگر کسی دن تھوڑا کماتا تو وہ اس کی زندگی اجیرن کر دیتی۔ ایک روز اس نے معروف سے کہا آج شام کو سویاں لائیو جن پر شہد پڑا ہو۔ وہ کہنے لگا واللہ آج میرے پاس دام

تو نہ ہوں گے لیکن خدا کر کے یہ مصیبت مجھ پر آسان ہو جائے! بیوی بولی باتیں نہ بنا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• نو سو نوے ویں رات

نو سو نوے رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بیوی نے کہا باتیں نہ بنا' آسان ہو یا مشکل' شہد والی سویاں لے کر آئیو ورنہ گھر میں نہ گھسیو۔ اس نے کہا اللہ کریم ہے اور اٹھ کر نماز پڑھی جا کر دکان کھولی اور دعا مانگی کہ خدا وندا مجھے سویاں دیجیو اور اس رنڈی کے ہاتھ سے بچائیو! دوپہر تک دکان پر بیٹھا رہا کوئی کام نہ ملا بیوی کے ڈر کے مارے کانپنے لگا کان بند کر کے چلا حیران پریشان تھا کہ سویاں کہاں سے لائے؟ اس کے پاس تو روٹی کے لیے بھی دام نہیں۔ جب وہ سویوں کی دکان کے پاس سے گزرا تو وہاں ٹھہر گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ سویوں والے نے کہا اے استاد معروف! تو کیوں رو رہا ہے؟ کون سی ایسی مصیبت تجھ پر آئی ہے؟ اس نے جواب دیا میری بیوی بڑی مرد مار ہے اس نے کہا کہ بے سویاں لیے نہ آئیو۔ دوپہر تک دکان میں بیٹھا رہا لیکن میں نے اتنا بھی نہیں کمایا کہ روٹی خرید سکوں۔ سویوں والا ہنسنے لگا اور بولا کتنی سویاں چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا' پانچ رطل۔ دکاندار نے تول کر پانچ رطل سویاں دے دیں اور کہا میرے پاس مکھی کا شہد نہیں' شکر کا شہد ہے جو مکھی کے شہد سے اچھا ہے۔ معروف شرم کے مارے کچھ نہ کہہ سکا کیونکر ادھار لے رہا تھا۔ دکان دار نے پوچھا' روٹی اور پنیر بھی چاہیے؟ اس نے کہا' ہاں۔ اور چار اٹھنیوں کی روٹی ایک کا پنیر اور دس کی سویاں لیں۔ دکان والا بولا' اے معروف! تیری طرف پندرہ اٹھنیاں ہو گئی ہیں' ایک اٹھنی نقد حمام کے لیے بھی لیتا جا۔ دو تین دن میں جب خدا تجھے دے ادا کر دیجیو۔

معروف سویاں' روٹی اور پنیر لے کر اسے دعا دیتا ہوا چل دیا ور راستے بھر کہتا رہا کہ خداوندا تو کتنا کریم ہے! گھر پہنچ کر اس نے سویاں بیوی کے آگے رکھ دیں۔ بیوی نے دیکھا' یہ تو گنے کا شہد ہے۔ کہنے لگی میں نے تو تجھ سے کہا تھا کہ مکھیوں کے

شہد کے ساتھ لائیو تو گنے کا شہد ڈلوا لایا۔ معروف نے معافی مانگی اور کہا میں ادھار لایا ہوں۔ بیوی نے کہا' جھوٹ بکتا ہے اور ناراض ہو کر اس کے منہ پر تھپڑ مارا ور کہا جا کر دوسری سویاں لا اور اس زور سے اس کی کنپٹی پر مکا رسید کیا کہ اس کا ایک دانت ٹوٹ گیا اور خون سینے تک بہنے لگا۔ رفوگر کو بھی غصہ تو بہت آیا لیکن ضبط کیا اور اس نے آہستہ سے بیوی کے سر پر ایک دھول ماری۔ بیوی نے اس کی داڑھی پکڑ لی اور چلانے لگی اے مسلمانو! دوڑو' پڑوسیوں نے آ کر اس کی داڑھی چھڑائی اور عورت کو برا بھلا کہنے لگے اور کہا ہم سب سویوں کو گنے کے شہد کے ساتھ کھاتے ہیں' تو اس بے چارے پر کیوں ظلم کر رہی ہے؟ بری بات ہے۔ ادھر وہ تو دونوں میں صلح کرا کے چل دیئے اور بیوی نے قسم کھائی کہ میں ہرگز نہیں کھاؤں گی۔ شوہر بھوکا تو تھا ہی بولا تو نہیں کھاتی تو میں کھاتا ہوں۔ بیوی نے کہا یہ زہر ہو کر تیرے حلق سے اترے گا! شوہر ہنستا جاتا' کھاتا جاتا اور کہتا تو نے ان کے کھانے کی قسم کھائی ہے۔ خدا نے چاہا تو میں کل شام کو سویاں اور خالص شہد لاؤں گا پھر تو اکیلی انہیں کھائیو۔ وہ بیوی کو سنائے جاتا اور بیوی اسے بد دعائیں دیئے جاتی۔

غرض کہ رات بھر بیوی اسے برا بھلا کہتی اور کوستی رہی' صبح ہوئی تو اس نے اپنے شوہر کو مارنے کے لیے آستینیں چڑھائیں۔ شوہر نے کہا صبر کر' میں جا کر تیرے لیے دوسری سویاں لاتا ہوں۔ وہ ابھی دکان کھول کر بیٹھا ہی تھا کہ قاضی کے دو پیادے آئے اور کہا چل تجھے قاضی بلاتا ہے' تیری بیوی نے تیرے اوپر نالش کی ہے۔ وہ قاضی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کی بیوی پاؤں پر پٹیاں باندھے کھڑی ہے اس کا برقع خون میں لتھڑا ہوا ہے وہ روتی اور آنسو پونچھتی جاتی ہے۔ قاضی نے کہا اے شخص! کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا تو نے اپنی بیوی کو مارا اور اس کی بانہہ توڑ دی؟ دانت توڑا ہے؟ اس نے کہا اگر میں نے اسے مارا ہو یا دانت توڑا ہو تو جو تیرا جی چاہے مجھے

سزا دے۔ اصل قصہ یہ ہے اور پڑوسیوں نے آ کر بیچ بچاؤ کیا ہے۔ قاضی نے چوتھائی دینار نکالا اور کہا اس کی سویاں اور خالص شہد خرید کر باقی بیوی کو دے دے اور دونوں صلح کر لو۔ اس نے کہا یہ دام بیوی کے حوالے کر دے اور بیوی نے لے لیے۔ قاضی نے دونوں میں صلح کرا دی اور کہا اے نیک بخت! اپنے شوہر کا کہنا مان اور اے بھلے مانس! اس کے ساتھ نرمی سے پیش آ۔ بیوی ایک راستے سے چل دی اور شوہر دوسرے راستے سے دکان چلا گیا۔ ابھی دکان کھولی ہی تھی کہ دونوں پیادے آ کر کہنے لگے ہمارا حق دے۔ اس نے کہا قاضی نے تو مجھ سے کچھ نہیں لیا بلکہ چوتھائی مجھے دیا۔ وہ بولے ہمیں اس سے مطلب نہیں قاضی نے تجھے دیا یا تجھ سے لیا' اگر تو ہمارا حق نہ دے گا تو ہم زبردستی لے لیں گے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اسے پکڑ کر گلی میں گھسیٹنا شروع کیا اور اس نے مجبور ہو کر اپنے اوزار بیچے اور انہیں نصف دینار دیا۔ پیادے چلے گئے تو وہ بیٹھ کر افسوس کرنے لگا اب اوزار بھی جاتے رہے' کام کیسے کروں گا؟

اتنے میں اور دو آدمی بھیانک شکل کے اس کے پاس پہنچے اور کہا چل قاضی کے پاس' تیری بیوی نے نالش کی ہے۔ وہ بولا قاضی نے تو ہمارے درمیان صلح کرا دی ہے۔ انہوں نے کہا ہم اس قاضی کے پیادے نہیں ہیں' تیری بیوی نے ہمارے قاضی کے پاس نالش کی ہے۔ وہ بیوی کو کوستا ہوا دونوں پیادوں کے ساتھ چل دیا۔ قاضی کے ہاں پہنچ کر اس نے بیوی کو دیکھا اور کہا اے حلال زادی! کیا ہم میں صلح نہیں ہو گئی؟ بیوی نے کہا' ہم میں صلح نہیں ہو سکتی' شوہر نے قاضی سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا ابھی ابھی فلاں قاضی نے ہم دونوں میں ملاپ کرایا ہے۔ قاضی نے کہا' اے رنڈی جب اس نے صلح کرا دی ہے تو پھر میرے پاس کیوں آئی؟ اس نے جواب دیا میرے شوہر نے اس کے بعد مجھے مارا ہے۔ قاضی بولا ملاپ کر لو' اب تو اسے نہ ماریو اور وہ بھی تیری مخالفت نہیں کرے گی۔ اور پیادوں کا حق دے دے اس نے دے دیا۔ جا کر دکان کھولی اور بیٹھ گیا لیکن مارے رنج و غم کے ہوش ٹھکانے نہ تھے۔ ایک شخص نے آ کر کہا اے معروف! بھاگ' تیری بیوی نے باب علی میں جا کر تیری شکایت کی ہے اور

تیرے اوپر بلا ٹوٹنے والی ہے۔ وہ اٹھا اور دکان بند کر کے باب النصر کی طرف چلا۔ اس وقت اس کے پاس محض پانچ اٹھنیاں باقی تھیں' چار کی تو اس نے روٹیاں خریدیں ایک کا پنیر اور بھاگا۔ راستے میں زور سے پانی برسنے لگا سامنے ایک کھنڈر دکھائی دیا اس میں گھس گیا' رونے لگا اور کہا خداوندا! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے ایسے ملک میں پہنچا دے جہاں وہ میرا پیچھا نہ کر سکے۔ اتنے میں دیوار پھٹی ایک لمبا تڑنگا شخص اس میں سے نکلا اور کہنے لگا اے شخص! تو آج مجھے کیوں پریشان کر رہا ہے؟ میں دو سو سال سے یہاں رہتا ہوں اب تک کوئی اس گھر میں آیا نہیں۔ بتا تیرا کیا مقصد ہے تا کہ میں اسے پورا کر دوں کیونکہ مجھے تجھ پر ترس آتا ہے۔ معروف نے اس سے سارا ماجرا بیان کر دیا جو اسے بیوی کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اس نے کہا میری پیٹھ پر سوار ہو جا وہ سوار ہو گیا۔ وہ شخص اڑا عشاء کے وقت سے لے کر فجر تک اڑتا رہا اور جا کر اسے ایک اونچے پہاڑ پر اتار دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

نو سو اکیانویں رات

نو سو اکیانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ دیو نے رفوگر معروف کو ایک اونچے پہاڑ پر اتار دیا اور کہا اے انسان! یہاں سے اتر کر سامنے والے شہر میں چلا جا' وہاں تیری بیوی کسی حالت میں نہیں پہنچ سکتی۔ معروف اس شہر میں جا پہنچا اور اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔ لوگ اسے دیکھ کر متعجب ہوتے کیونکہ اس کا لباس ان لوگوں سے مختلف تھا۔ ایک شخص نے اس سے پوچھا کیا تو پردیسی ہے؟ اس نے کہا ہاں! اس شخص نے کہا کس ملک سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا مصر سے۔ اس شخص نے کہا کیا تجھے مصر چھوڑے مدت ہو گئی ہے؟ معروف بولا کل عصر کے وقت چھوڑا ہے۔ وہ شخص ہنسنے لگا اور کہا لوگو' آؤ اور سنو کہ یہ شخص کیا کہتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ وہ کل عصر کے وقت مصر سے چلا۔ یہ سن کر سب لوگ ہنس پڑے اور کہنے لگے کہیں تو پاگل تو نہیں ہو گیا کہ ایسی باتیں کرتا ہے؟ یہاں سے مصر کا راستہ پورے سال بھر کا ہے۔ معروف بولا پاگل تم ہو گے' دیکھو یہ میرے پاس مصر کی روٹیاں ہیں جو ابھی تک تازی ہیں۔ روٹیاں دیکھ کر سب اچنبھے میں پڑ گئے کیونکہ وہ روٹیاں ان کی روٹیوں کی سی نہ تھیں۔ اب شہر بھر میں اس کا شہرہ ہو گیا۔ بعض اسے سچا مانتے بعض جھوٹا اور اس کا مذاق اڑاتے۔

اس اثنا میں ایک تاجر خچر پر سوار آ پہنچا' اس کے پیچھے دو غلام تھے' وہ بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا اندر آیا اور کہا لوگو' تمہیں شرم نہیں آتی غریب پردیسی کا مذاق اڑاتے ہو؟ وہ سب کو برا بھلا کہتا رہا کسی نے چوں تک نہ کی پھر اس نے معروف کی طرف مخاطب ہو کر کہا بھائی ان کی باتوں پر خیال نہ کر' یہ بے شرم ہیں اور میرے ساتھ آ۔ وہ اسے ایک بڑے اور خوبصورت مکان میں لے گیا' ایک شاہانہ کرسی پر بٹھایا اور ایک ہزار دینار کی پوشاک پہنائی۔ معروف خوش رو تو تھا ہی پوشاک پہن کر تاجروں کا شاہ بندر

معلوم ہونے لگا۔ اس کے بعد دسترخوان بچھایا گیا دونوں نے کھانا کھایا اس نے معروف سے پوچھا بھائی' تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میرا نام معروف ہے اور پیشہ پرانی قالینوں کی رفوگری۔ اس نے پوچھا وطن؟ معروف بولا مصر۔ اس نے کہا محلہ؟ معروف بولا تو مصر سے واقف ہے؟ اس نے کہا میں وہیں کا باشندہ ہوں۔ معروف نے کہا میرا گھر درب احمر میں ہے۔ اس نے کہا شیخ احمد عطر فروش کو پہچانتا ہے؟ معروف نے کہا میری دیوار سے اس کی دیوار ملی ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا اس کی کتنی اولادیں ہیں؟ معروف نے کہا تین: مصطفیٰ' محمد اور علی۔ مصطفیٰ عالم ہے اور لڑکے پڑھاتا ہے' محمد عطر فروش ہے اور اس کی دکان باپ کی دکان کے پہلو میں ہے۔ اس کی شادی ہو چکی ہے اور اس کا حسن نامی ایک لڑکا ہے۔ اب رہا علی تو میں اور وہ بچپن میں ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ عیسائی لڑکوں کا لباس پہن کر گرجوں میں جاتے' کتابیں چرا لاتے اور انہیں بیچ کر کھاتے اڑاتے۔ ایک دن عیسائیوں نے ہمیں کتاب چراتے پکڑ لیا اور اس کے باپ سے جا کر شکایت کی کہا کہ اگر تو اسے منع نہ کرے گا تو ہم بادشاہ کے پاس جا کر شکایت کریں گے۔ باپ نے ان کی خاطر اسے کوڑے لگائے اور وہ اس وجہ سے بھاگ گیا آج تیس سال ہوئے کہ اس کی کوئی خبر نہیں۔

اس نے کہا شیخ احمد عطر فروش کا بیٹا علی میں ہی ہوں اور تو معروف میرا دوست ہے۔ اب بتا کہ تیرا آنا یہاں کیسے ہوا؟ معروف نے اپنی بیوی کا سارا قصہ بیان کیا اور کہا ایک جن مجھے لا کر چھوڑ گیا ہے۔ یہاں لوگوں کی بھیڑ میرے اردگرد لگ گئی اور انہوں نے مجھ سے حال پوچھا۔ میں نے کہا میں کل مصر سے چلا ہوں انہوں نے یقین نہیں کیا' اتنے میں تو آ پہنچا۔ علی نے کہا میں ناراض ہو کر گھر سے چل دیا تھا اور بیس سال تک شہر بہ شہر خاک چھانتا ہوا یہاں پہنچا۔ اس شہر کا نام اختیان ختن ہے' یہاں کے لوگ بڑے شریف ہیں غریبوں کی مدد کرتے ہیں اور جو کچھ ان سے کہا جائے اسے سچ مانتے ہیں۔ میں نے یہاں آ کر کہا کہ میں تاجر ہوں' میرا سامان پیچھے آ رہا ہے۔ انہوں نے میرا کہنا سچ مانا اور میرے لیے ایک مکان خالی کرا دیا۔ پھر میں نے

کہا جب تک میرا سامان نہ آ جائے مجھے ایک ہزار دینار کی ضرورت ہے۔ انہوں نے مجھے ایک ہزار دینار دے دیئے۔ میں نے ان کا سامان خریدا اور جب اسے بیچا تو مجھے پچاس دینار کا فائدہ ہوا۔ اسی طرح خریدتے بیچتے میں امیر ہو گیا۔ بھائی! تجھے یہ مقولہ معلوم ہے کہ دنیا دغا بازی اور حیلہ سازی کا نام ہے؟ لہٰذا اگر تو کہے گا میں رفوگر اور غریب ہوں اور بیوی کے ڈر سے بھاگ آیا ہوں' وغیرہ وغیرہ تو وہ تیری بات ہرگز نہ مانیں گے اور اگر تو کہے گا کہ مجھے دیو اٹھا کر لایا ہے تو وہ تجھ سے بھاگیں گے اور تیرے پاس کوئی پھٹکے گا بھی نہیں لوگ کہیں گے کہ اس پر جن آتا ہے۔ معروف نے پوچھا' پھر کیا کرنا چاہیے؟ اس نے کہا میں کل تجھے ایک ہزار دینار' ایک خچر اور ایک غلام دوں گا تو سوار ہو کر سوداگر بازار آئیو' میں وہاں تاجروں کے ساتھ بیٹھا ہوں گا سلام کر کے تیرا ہاتھ چوموں گا اور تیری بڑی عزت کروں گا۔ جب میں پوچھوں کہ فلاں کپڑے لایا ہے؟ تو کہیو بے شمار۔ میں ان سے کہوں گا کہ وہ تیرے لیے ایک دکان لے دیں اور ان سے کہوں گا کہ تو بڑا امیر اور سخی ہے۔ جب کوئی فقیر آئے تو جتنا دے سکے دیجیو۔ اس سے انہیں میری بات کا یقین آ جائے گا کہ تو بڑا آدمی ہے اور بے حد سخی وہ تجھ سے محبت کرنے لگیں گے۔ اس کے بعد میں ان سب کی دعوت کر کے تیرے ساتھ شناسائی کرا دوں گا اور سب تجھے جان جائیں گے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو بانوے ویں رات

نو سو بانوے ویں رات ہوئی اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... تاجر علی نے معروف سے کہا سب تجھے جان جائیں گے اور تو سب کو جان جائے گا تاکہ ان کے ساتھ خرید فروخت اور لین دین کر سکے۔ جب سویرا ہوا تو علی نے اسے ایک ہزار دینار دیئے۔ عمدہ پوشاک پہنا کر اسے خچر پر سوار کیا ایک غلام دیا ور کہا اب اپنی بیوی کی بد چلنی کو بھول جا کسی سے اس کا ذکر نہ کیجیو۔ معروف سوار ہو کر سوداگر بازار کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ تاجر علی بہت سے تاجروں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ علی اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اس سے لپٹ گیا اور کہنے لگا اے تاجر معروف! اے بھلائی اور نیکی کے پتلے۔ تیرا نام مبارک ہو! یہ کہہ کر اس نے تاجر کے رو برو اس کا ہاتھ چوما' خچر پر سے اتارا اور اسے تاجروں سے ملایا۔ تاجروں نے پوچھا کیا یہ بھی تاجر ہے؟ اس نے کہا بلکہ سب سے بڑا تاجر' مصر بھر میں اس سے اور اس کے باپ دادا سے امیر کوئی تاجر نہیں' اس کے ساجھی ہند' سندھ اور یمن میں موجود ہیں۔ اس کا یہاں آنا تجارت کی غرض سے نہیں بلکہ سیر و تفریح کی غرض سے ہے کیونکہ کمائی کے لیے اسے پردیس میں جانے کی ضرورت نہیں' اس کے پاس اتنی دولت ہے کہ آگ بھی اسے نہیں کھا سکتی۔ یہ تمام تعریفیں سن کر لوگ اس کے پاس آئے ناشتا اور شربت پیش کیا حتیٰ کہ تاجروں کا شاہ بندر بھی سلام کے لیے حاضر ہوا۔ علی نے اور تاجروں کے سامنے اس سے پوچھا اے میرے آقا! تو فلاں تھان بھی اپنے ساتھ لایا ہے اس نے کہا بے شمار جو کچھ وہ پوچھتا جاتا معروف کہتا کہ بے شمار۔

وہ بیٹھے ہی ہوئے تھے کہ ایک فقیر آیا اور تاجروں سے بھیک مانگنے لگا۔ کسی نے اسے آدھا درہم دیا کسی نے ایک جدید اور اکثر لوگوں نے کچھ بھی نہیں دیا۔ جب وہ معروف کے پاس پہنچا تو اس نے مٹھی بھر سونا اسے دیا اور وہ دعا دیتا ہوا چلا گیا۔ تاجروں کو

بڑا تعجب ہوا' وہ کہنے لگے یہ بھیک نہیں شاہانہ بخشش ہے۔ اگر وہ حد سے زیادہ مال دار نہ ہوتا تو فقیر کو مٹھی بھر کر سونا نہ دیتا۔ فقیروں نے جا کر ایک دوسرے سے اس کا ذکر کیا اور وہ ایک ایک کر کے آتے اور معروف انہیں ایک مٹھی سونا دیتا یہاں تک کہ ہزار دینار ختم ہو گئے۔ اور وہ ہاتھ ملنے لگا۔ شاہ بندر نے کہا اے تاجر معروف! خیر تو ہے؟ اس نے کہا اس شہر والے زیادہ تر فقیر اور مسکین ہیں' اگر میں یہ جانتا ہوں تو اپنے ساتھ خرچی میں زیادہ مال لیتا آتا اور فقیروں کو دیتا۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں مدت تک یہاں رہا تو فقیروں سے کیا کہوں گا؟ فقیروں کو لوٹانا میری فطرت سے بعید ہے۔ شاہ بندر نے کہا ان سے کہیو کہ خدا تمہیں دے! معروف نے کہا میری عادت نہیں اور اسی وجہ سے میں بہت رنجیدہ ہوں۔ شاہ بندر نے ایک نوکر کو بھیج کر ہزار دینار بھجوا دیئے ور اس نے پھر فقیروں کو دینار شروع کر دیا۔ جب وہ ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو ہزار دینار میں سے جو کچھ بچا تھا اس نے نمازیوں پر نچھاور کر دیا۔ پھر اس نے ایک اور تاجر سے ہزار دینار لیے انہیں بھی بانٹ دیا۔ تاجر علی یہ ساری باتیں دیکھتا لیکن زبان نہ کھول سکتا۔ غرض کہ بازار کا دروازہ بند ہوتے ہوئے اس نے پانچ ہزار دینار خرچ کر دیئے جس سے وہ ادھار لیتا کہتا کہ میرا سامان آ جانے دے' چاہے سونا لے لیجیو چاہے کپڑے' میرے پاس بہت سامان ہے۔

شام کو علی نے اسے اور تمام تاجروں کو دعوت پر بلایا جو کوئی اس سے پوچھتا کہ فلاں چیز لایا ہے وہ کہتا بے شمار۔ دوسرے دن وہ پھر بازار گیا اور لوگوں سے ادھار لے لے کر فقیروں کو دینے لگا۔ بیس دن تک اس کی یہی حالت رہی' ساٹھ ہزار دینار اس پر ادھار ہو گئے اور سامان کا کہیں پتا نہیں۔ اب لوگ پریشان ہوئے اور کہنے لگے' تاجر معروف کا مال اب تک نہیں آیا' آخر وہ کب تک لوگوں سے ادھار لے کر فقیروں کو دیا کرے گا۔ تاجر علی بولا ذرا اور صبر کرو' اس کا مال آتا ہی ہو گا۔ اس کے بعد علی نے معروف سے تنہائی میں کہا' یہ کیا تیری حرکت ہے؟ میں نے تجھ سے روٹی سینکنے کے لیے کہا تھا یا جلا دینے کو؟ تجھ پر ساٹھ ہزار دینار کا قرضہ ہو چکا ہے۔ وہ

بولا کیا مضائقہ؟ ساٹھ ہزار دینار کی حیثیت کیا ہے؟ جب میرا سامان آ جائے گا میں ادا کر دوں گا' چاہے وہ کپڑے لے لیں چاہے دینار اور درہم۔ علی کہنے لگا اللہ اکبر! کیا تیرے پاس سامان ہے؟ وہ بولا بے شمار۔ علی نے کہا میں نے ہی تو تجھے یہ گر سکھایا تھا اس نے کہا چل' زیادہ باتیں نہ بنا' کیا میں کوئی بھک منگا ہوں جب میرا سامان آ جائے گا تو میں ایک کے بدلے دو دے دوں گا۔ تاجر علی کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا اے بد تمیز! تو جھوٹ بولتا ہے اور شرماتا نہیں' ٹھہر تو سہی میں تجھے ابھی اس کا مزا چکھاتا ہوں۔ معروف بولا جو تیرا جی چاہے کر' اگر لوگ صبر سے بیٹھے رہے اور میرا سامان آ گیا تو جتنا ان سے لیا ہے اس سے زیادہ دے دوں گا۔ علی اسے چھوڑ کر چلا گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا' پہلے تو میں نے اس کی تعریف کی' اب برائی کس منہ سے کروں؟ تاجروں نے اس کے پاس آ کر کہا' اے علی! تو نے اس سے باتیں کیں؟ اس نے جواب دیا' مجھے شرم آتی ہے۔ میں نے بھی اسے ایک ہزار دینار دیئے ہیں۔ تم نے اسے بے میرے مشورے کے دیا ہے' تم خود اس سے جا کر تقاضا کرو اور اگر وہ نہ دے تو بادشاہ کے پاس جا کر شکایت کرو۔ لوگ بادشاہ کے پاس پہنچے اور شکایت کی ساتھ ہی اس کی سخاوت بھی بیان کی۔ یہ بادشاہ بڑا لالچی تھا' معروف کی سخاوت اور دریا دلی سن کر وزیر سے کہنے لگا وہ ضرور مالدار ہو گا اگر اس کا سامان آ گیا تو سب انہیں دے دے گا حالانکہ اس کا زیادہ مستحق میں ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ میں اس سے محبت بڑھاؤں جب اس کا سامان آ جائے تو بجائے اس کے کہ تاجر اسے لیں میں اس کا مالک بنوں اور اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر کے اس کا مال بھی اپنے مال میں شامل کر لوں۔ وزیر نے کہا۔ جہاں پناہ' میرے خیال میں وہ دغا باز ہے اور دغا باز لالچی کے گھر کو اجاڑ دیتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- ## نو سو ترانوے ویں رات

نو سو ترانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ...... جب وزیر نے کہا کہ وہ دغا باز ہے تو بادشاہ بولا اچھا' میں اس کا امتحان لیتا ہوں اسے بلا کر ہیرے کا ایک ٹکڑا دکھاتا ہوں۔ اگر وہ اسئے پہچان گیا اور اس کی قیمت بتا دی تو وہ سچا ہے ورنہ میں اسے بری موت ماروں گا۔ بادشاہ نے اسے بلوایا اور اپنے پہلو میں بٹھا کر پوچھا لوگ کہتے کہ ان کا تجھ پر ساٹھ ہزار دینار قرضہ ہے۔ معروف بولا سچ ہے جب میرا سامان آ جائے گا تو میں ایک کے دو ادا کر دوں گا۔ اب بادشاہ نے اسے ہیرا دکھا کر کہا بتا یہ کیسا ہے اور اس کی قیمت کیا ہے؟ بادشاہ نے اسے ایک ہزار دینار میں خریدا تھا اور اس کے پاس یہی ایک ہیرا تھا۔ معرورف نے اسے زور سے دبا کر توڑ دیا اور ہنس کر کہنے لگا جہاں پناہ' یہ ہیرا نہیں بلکہ معمولی معدنیے' اس کی قیمت ایک ہزار دینار ہو گی۔ ہیرا ستر ہزار دینار سے کم نہیں ہوتا۔۔ اس کو ہیرا نہیں کہتے بلکہ معدن۔ اگر ہیرے کا ٹکڑا اخروٹ سے چھوٹا ہو تو ہمارے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کیا تیرے پاس ایسے ہیرے ہیں جن کا تو ذکر کرتا ہے؟ وہ بولا بے شمار۔ بادشاہ نے کہا کیا تو مجھے ان ہیروں میں سے دے سکتا ہے؟ اس نے کہا بے شمار' میرا سامان آ جانے دے' میں تجھے بے داموں دے دوں گا۔ بادشاہ خوش ہو گیا اور اس نے تاجروں سے کہا تم جاؤ جب اس کا سامان آ جائے تو اپنے اپنے مجھ سے آ کر لے جانا۔ یہ سن کر تاجر چلے گئے۔

یہ تو معروف اور تاجروں کا قصہ ہوا' اب بادشاہ کا حال سنو۔ اس نے وزیر سے کہا تاجر کے ساتھ بات چیت کر' نرمی سے پیش آ اور اس کے آگے میری بیٹی کا ذکر کرتا کہ اس سے شادی کر لے اور اس کا مال و متاع مجھے مل جائے۔ وزیر بولا وہ تو مجھے مکار معلوم ہوتا ہے' ایسی باتیں جانے دے ایسا نہ ہو کہ بیٹی بھی تیرے ہاتھ سے جاتی رہے۔ اس وزیر نے پہلے بادشاہ سے درخواست کی تھی کہ وہ شہزادی کی شادی اس کے ساتھ

کر دے لیکن وہ راضی نہ ہوا۔ اب بادشاہ نے وزیر سے کہا چونکہ میں اس پر راضی نہ تھا کہ اپنی بیٹی تجھے دوں لہٰذا تو چاہتا ہے کہ وہ پڑی مرتی رہے یہاں تک کہ وہ تجھے مل جائے۔ تیرا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ کیونکر جھوٹا او دغا باز ہو سکتا ہے؟ اس نے میرے ہیرے کی قیمت بتا دی اور اس کے پاس بے شمار جواہرات ہیں' جب وہ میری بیٹی سے ہم بستر ہو گا اور دیکھے گا کہ وہ بڑی خوبصورت ہے تو وہ اپنے سارے ہیرے جواہرات اسے دے دے گا۔ وزیر بادشاہ کے ڈر کے مارے چپ ہو گیا اور معروف کے پاس جا کر کہا بادشاہ تجھ سے بہت محبت کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی تجھ سے کر دے۔ تو کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا مضائقہ نہیں لیکن میرا سامان آ جانے دے کیونکہ شہزادیوں کا مہر بہت زیادہ ہوتا ہے' میرا سامان آ جائے گا تو میں مال دار ہو جاؤں گا۔ کم از کم پچاس ہزار توڑے میں اس کے مہر میں دوں گا' ایک ہزار توڑے فقیر کو بانٹوں گا ایک ہزار توڑے براتیوں پر خرچ کروں گا اور ایک ہزار سے لشکر والے کی دعوت کروں گا۔ سو ہیرے لونڈی غلاموں میں تقسیم کروں گا۔ اس کے علاوہ ایک ہزار سے ننگوں کو کپڑے پہناؤں گا۔ یہ تمام باتیں اس وقت تک نہیں ہ سکتیں جب تک میرا سامان نہ آ جائے۔

وزیر نے یہ تمام باتیں جا کر بادشاہ سے کہیں۔ بادشاہ بولا پھر بھی تو اسے جھوٹا اور دغا باز بتاتا ہے۔ اگر تو نے اپنا منہ بند نہ کیا تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ جا کر اسے میرے پاس لے آ۔ میں اس سے خود باتیں کروں گا۔ وزیر جا کر اسے لے آیا' بادشاہ نے کہا اس طرح کے عذر نہ کر' میرا خزانہ پر ہے' اس کی کنجیاں لے کر جتنا جس پر چاہے خرچ کر اور جب تیرا سامان آ جائے تو تیرا جو جی چاہے اپنی بیوی کو دیجیو ہم مہر میں جلدی نہیں کرتے تیرے سامان کا انتظار کریں گے' ہم میں اور تجھ میں ہر گز کوئی فرق نہیں۔ بادشاہ نے شیخ الاسلام کو بلا کر دونوں کا نکاح نامہ لکھوا دیا جشن منانے کی تیاری کرنے لگا شہر سجایا گیا شادیانے بجنے لگے اور دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے گئے۔ معروف کرسی پر بیٹھا اور بادشاہ نے خزانچی کو حکم دیا کہ سونا

چاندی لا اور معروف مٹھی بھر بھر کر فقیروں کو دینے لگا۔ وزیر یہ دیکھ کر طیش میں آیا جاتا لیکن زبان نہ کھول سکتا۔ تاجر علی تعجب کرتا اور اس سے کہتا کیا تاجروں کا مال تو نے کافی ضائع کیا کہ اب بادشاہ کے مال پر ہاتھ صاف کرتا ہے؟ معروف جواب دیتا تجھے اس سے کیا واسطہ؟ جب میرا سامان آ جائے گا تو میں بادشاہ کو اس سے زیادہ دے دوں گا اور دل میں کہتا کہ جو ہو گا سو ہو گا' تقدیر سے مفر نہیں۔

چالیس دن تک جشن ہوتا رہا' اکتالیسویں دن شہزادی کی منہ دکھائی کی رسم ادا ہوئی اور معروف نے لوگوں پر خوب سونا چاندی نچھاور کیا۔ اب اسے شہزادی کے پاس لے گئے پردہ گرا کر دروازوں میں قفل ڈال دیئے اور اسے دلہن کے پاس چھوڑ کر چلتے ہوئے۔

معروف دیر تک بیٹھا ہاتھ ملتا' اور لاحول پڑھتا رہا۔ شہزادی بولی اے میرے آقا! خیر تو ہے؟ تو رنجیدہ کیوں ہے؟ اس نے کہا میں کیونکر رنجید نہ ہوں؟ تیرے باپ نے ہری کھیتی کو آگ لگا دی ہے۔ شہزادی بولی' میرے باپ نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ اس نے کہا میرا سامان آنے سے پہلے اس نے ہماری شادی کر دی۔ میں چاہتا تھا کہ سو ہیرے تو تیری کنیزوں کو دوں کم از کم ایک ایک ہیرا تو ہر ایک کے حصے میں آئے وہ خوش ہوں اور کہیں جب ہمارا آقا ہماری مالکہ سے ہم بستر ہوا تھا تو ہمیں ایک ایک ہیرا دیا تھا۔ اس سے تیری عزت بڑھتی اور میں اس میں کمی نہیں کرتا کیونکہ میرے پاس بہت ہیرے ہیں۔ شہزادی نے کہا بس اسی وجہ سے تو رنجیدہ ہے۔ میرا خیال نہ کر' میں تیرا سامان آنے تک انتظار کروں گی۔ رہیں کنیزیں ان سے تیرا کوئی تعلق نہیں۔ اٹھ اور اپنے کپڑے اتار کر آرام سے بیٹھ۔ معروف نے کپڑے اتارے فرش پر بیٹھ گیا اور راز و نیاز کی باتیں ہونے لگیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو چورانوے ویں رات

نو سو چورانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ اس کے بعد معروف حمام گیا شاہانہ لباس پہن کر وہاں سے نکلا اور دربار پہنچا۔ بادشاہ نے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اور خزانچی کو حکم دیا کہ خلعتیں لا کر وزیروں' امیروں اور منصب داروں کو پہنا۔ بیس دن تک بادشاہ ہر ایک کو اس کے درجے کے مطابق انعام دیتا رہا لیکن سامان نہ آیا۔ اب خزانچی معروف کی غیبت میں بادشاہ کے پاس گیا دیکھا کہ وہ وزیر کے ساتھ اکیلا بیٹھا ہوا ہے۔ زمین چوم کر کہنے لگا جہاں پناہ' میں تجھ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں' اگر نہ کہوں تو بعد میں تو مجھے لعنت ملامت کرے گا۔ خزانہ خالی ہو گیا ہے اب اس میں زیادہ باقی نہیں اور دس دن کے بعد وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ بادشاہ بولا میرے داماد کا سامان ابھی تک نہیں آیا اور نہ اس کی کوئی خبر آئی۔ وزیر ہنس پڑا اس نے کہا خدا تجھ پر مہربان ہو! آخر تو کب تک اس جھوٹے دغا باز سے غافل رہے گا؟ قسم ہے تیرے سر کی سامان تو درکنار اس کے پاس دھاگے کی لچھی تک نہیں۔ وہ تجھے برابر دھوکا دیئے چلا جا رہا ہے اس نے تیرا مال ضائع کر دیا اور تیری بیٹی سے مفت میں شادی کر لی۔ بادشاہ نے پوچھا پھر کیا کرنا چاہیے؟ وزیر نے کہا شوہر کا حال محض بیوی کو معلوم ہو سکتا ہے۔ تو اپنی بیٹی کو پردے کے پیچھے بلا تاکہ میں اس کی حقیقت دریافت کروں۔ بادشاہ نے کہا بہت خوب' اگر ثابت ہو گیا کہ وہ چال باز ہے تو میں اسے بری موت ماروں گا۔ اس نے اپنی بیٹی کو پردے کے پیچھے بلوایا اور کہا کہ وزیر تجھ سے باتیں کرنا چاہتا ہے۔ ویزر نے کہا اے میری آقا! تیرے شوہر نے تیرے باپ کا سارا مال خرچ کر دیا اور تجھ سے بلا مہر نکاح کیا ہے۔ وہ برابر سامان کا وعدہ کرتا جاتا ہے لیکن اس کا سامان کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تو اپنے شوہر کا حال بتا۔ شہزادی بولی وہ باتیں تو بہت کرتا ہے اور ہر روز جواہرات' سامان اور قیمتی

حال کپڑوں کا مجھ سے وعدہ کرتا ہے لیکن اب تک میں نے کچھ دیکھا نہیں۔ وزیر نے کہا' آج رات تو اس سے باتوں باتوں میں سچی بات پوچھ لے۔ پھر وہ سب باتیں تو ہم سے بیان کر دے۔ شہزادی نے کہا ابا جان میں اس سے تمام باتیں پوچھ لوں گی۔

یہ کہہ کر شہزادی چلی گئی' عشاء کے بعد اس کا شوہر معروف آیا تو وہ اسے سے بغل گیر ہو گئی اور بڑا پیار جتانے لگی' خدا بچائے اس پیار سے جو عورتیں اپنا مطلب نکالنے کے وقت جتاتی ہیں۔ جب اس نے دیکھا کہ شوہر بالکل مست و بے خود ہو گیا تو کہنے لگی اے میرے پیارے آنکھ کے تارے! خدا مجھ میں اور تجھ میں کبھی جدائی نہ ڈالے! تیری محبت میرے دل میں سما گئی ہے اور تیرے عشق کی آگ نے میرا جگر کباب کر دیا ہے' لیکن میں چاہتی ہوں کہ تو سچ سچ بتا دے کہ تیرا کیا قصہ ہے۔ آخر تو کب تک میرے آگے جھوٹ بولا کرے گا؟ اگر تیرا بھید کھل گیا اور ہم اس کے لیے پہلے سے تیار نہیں تو مجھ پر ناراض ہو گا۔ اور تو نے سچ سچ بتا دیا تو تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ آخر تو کب تک کہے جائے گا کہ میں تاجر اور مال دار ہوں میرا سامان آ رہا ہے؟ مدت گزر گئی سامان ہی سامان پکارے جاتا ہے اور سامان کا کہیں پتا نہیں اس غم میں تیرا چہرہ مرجھایا ہوا ہے۔ اگر تو نے جھوٹ بولا ہے تو مجھ سے کہہ دے اور میں تیرے چھٹکارے کی کوئی تدبیر نکال دوں گی۔ معروف نے کہا اے میری آقا! میں تجھ سے اپنا کچا چٹھا کہے دیتا ہوں' پھر تیرا جو جی چاہے کیجیو۔ شہزادی نے کہا کہہ اور سچ سچ کہہ' سچائی نجات کی ناؤ ہے۔ معروف نے کہا اے میری آقا' نہ میں تاجر ہوں اور نہ میرے پاس سامان ہے۔ اپنے وطن میں رفوگر تھا اور میری ایک بیوی تھی جس کا نام فاطمہ تھا لوگ اسے رنڈی کہتے تھے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ شہزادی یہ سن کر ہنس پڑی اور کہنے لگی جھوٹ بولنے اور دغابازی میں تو بڑا ماہر ہے۔ اس نے کہا اے میری آقا! میرا پردہ فاش نہ کر' خدا تجھے سلامت رکھے!

شہزادی بولی سن، تو نے میرے باپ کے ساتھ دغا کیا، اسے اتنا دھوکا دیا کہ اس نے لالچ میں آ کر مجھے تیرے ساتھ بیاہ دیا اور اس کا مال تو نے خوب اڑایا حالانکہ وزیر اس کے خلاف تھا اس نے کتنی بار میرے باپ سے کہا بھی کہ تو دھوکے باز ہے! میرے باپ نے اس کا کہنا اس لیے نہ مانا کہ اس نے ایک بار مجھ سے شادی کی درخواست کی تھی اور وہ راضی نہیں ہوا تھا۔ میری تجھ سے شادی ہو گئی۔ شادی کو بہت دن گزر گئے اور میرا باپ گھبرانے لگا تو اس نے مجھ سے کہا میں تجھ سے گفتگو کروں اور اب میں نے تجھ سے گفتگو کی اور بھید کھل گیا۔ میرا باپ تجھے سزا دینے پر مصر ہے لیکن تو میرا شوہر ہو چکا ہے میں تجھے نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ اگر میں باپ سے کہہ دوں تو تیرا جرم اس کے نزدیک معافی کے قابل نہ ہو گا۔ وہ تجھے ضرور قتل کر دے گا اور لوگوں میں یہ خبر پھیل جائے گی کہ میں نے ایک دغا باز سے شادی کی ہے اور میری بد نامی ہو گی، اگر میرے باپ نے تجھے قتل کر دیا اور چاہا کہ میں کسی دوسرے سے بیاہ کروں تو میں اسے مرتے دم تک گوارا نہیں کر سکتی۔ لہٰذا ابھی اٹھ کر غلاموں کا بھیس بدل اور میرے پاس سے پچاس ہزار دینار لے اور گھوڑے پر سوار ہو کر کسی ایسے ملک میں نکل جا جہاں میرے باپ کا حکم نہ چلتا ہو۔ وہاں جا کر تجارت کر اور مجھے پوشیدہ خط لکھ کہ تو کس ملک میں ہے، مجھ سے جتنا ہو سکے گا بھیجتی رہوں گی اور تو امیر ہو جائے گا۔ اسی اثنا میں اگر میرا باپ مر گیا تو میں تجھے بلا بھیجوں گی تو بڑی عزت کے ساتھ یہاں آ جائے گا اور اگر میں مر گئی یا تو مر گیا تو پھر قیامت کے دن ہم ملیں گے۔

جب تک ہم دونوں صحیح سلامت ہیں میں تجھے برابر خط اور مال بھیجتی رہوں گی۔ فی الحال چلا جا، کہیں ایسا نہ ہو کہ دن نکل آئے اور تیرا سر اڑا دیا جائے۔ معروف نے اٹھ کر غلام کا بھیس بدلا اور سائیس سے کہا گھوڑا تیار کر اور شہزادی سے رخصت ہو کر آخری رات میں شہر سے نکل کھڑا ہوا۔ جو کوئی اسے دیکھتا یہی گمان کرتا کہ بادشاہ

کا غلام کسی کام کے لیے جا رہا ہے۔ صبح ہوئی تو بادشاہ اور وزیر شہزادی کے پاس آئے۔ بادشاہ نے پوچھا بیٹی' کیا کہتی ہے؟ وہ بولی خدا تیرے وزیر کا منہ کالا کرے' وہ چاہتا ہے کہ مجھے اور میرے شوہر کو بدنام کرے۔ بادشاہ نے کہا کیونکر؟ اس نے کہا قبل اس کے کہ کل میں اس سے گفتگو کروں فرج غلام ایک خط لے کر آیا اور کہا کہ دس غلام نیچے کھڑے ہوئے ہیں' انہوں نے مجھے یہ دے کر کہا کہ ہماری طرف سے معروف تاجر کے ہاتھ چوم اسے یہ خط دے اور اس سے کہہ ہم تیرے وہ غلام ہیں جو سامان کے ساتھ ہیں۔ ہمیں خبر ملی تھی کہ تو نے شہزادی سے شادی کی ہے اور ہم تجھے اپنی سرگزشت سنانے آئے ہیں۔ میں نے خط لے کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا: پانسو غلام کی طرف سے ان کے آقا حضرت معروف تاجر کے نام۔ تیرے جانے کے بعد دو ہزار بد سواروں نے ہم پر حملہ کر دیا ہم میں اور ان میں سخت لڑائی ہوئی اور آج تیسواں دن ہے کہ برابر ہو رہی ہے اور انہوں نے ہمارا راستہ روک رکھا ہے' اسی وجہ سے ہم اب تک تیرے پاس نہیں پہنچ سکے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو پچانوے ویں رات

نو سو پچانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ اس کے بعد خط میں یہ تھا کہ بدو' ہمارے دو سو گٹھے لے گئے ہیں اور پچاس غلاموں کو قتل کر ڈالا ہے' جب اسے یہ خبر ملی تو وہ کہنے لگا خدا ان کا ستیاناس کرے' محض دو سو گٹھوں کے پیچھے بدوں سے لڑ رہے ہیں' دو سو گٹھوں میں زیادہ سے زیادہ سات ہزار دینار کا مال ہو گا' بہتر ہے کہ میں جا کر ان سے کہوں کہ جلد چلے آئیں اور جو کچھ بدو لے گئے ہیں اسے جانے دیں۔ میں سمجھوں گا کہ میں نے وہ مال ان پر صدقہ کر دیا۔ یہ کہہ کر وہ ہنستا ہوا چل دیا اور اس کے چہرے پر ذرا سی شکن بھی نہ آئی' نہ مال ضائع ہونے کا ملال تھا نہ غلاموں کے قتل پر افسوس۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے جھروکے میں سے جھانک کر دیکھا تو واقعی دس غلام کھڑے تھے چاند سے زیادہ خوب صورت دو ہزار کی پوشاک پہنے ہوئے۔ وہ انہیں لے کر چل دیا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے میں نے وہ باتیں اس سے نہ پوچھیں جو تو نے مجھ سے پوچھنے کے لیے کہی تھی ورنہ وہ میرے اور تیرا دونوں کا مذاق اڑاتا لیکن یہ ساری خرابی تیرے وزیر کی ہے اس نے میرے شوہر کے بارے میں اسے ناشائستہ الفاظ کہے۔ بادشاہ نے کہا بیٹی! تیرے شوہر کے پاس بڑی دولت ہے اس لیے اسے ان باتوں کی بالکل پروا نہیں' جس روز سے وہ آیا ہے فقیروں کو برابر خیرات دیتا ہے۔ خدا نے چاہا تو عنقریب اس کا سامان آ جائے گا اور ہمیں اس سے بڑا فائدہ پہنچے گا۔ بادشاہ پر بیٹی کی چال چل گئی اس نے اسے تسلی دی اور وزیر کو خوب ڈانٹا۔

یہ تو بادشاہ کا قصہ ہوا' اب تاجر معروف کا حال سنو۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل بیابان میں نکل گیا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ کہاں جائے دل میں کہتا' کاش میں مر گیا ہوتا! چلتے چلتے دوپہر کے قریب ایک گاؤں کے پاس پہنچا دیکھا کہ ایک

کسان دو بیل لیے کھیت جوت رہا ہے۔ بھوک سے وہ اتنا پریشان تھا کہ اس نے کسان کے پاس جا کر سلام کیا اس نے مرحبا کہا اور پوچھا کیا تو سلطان کے غلاموں میں سے ہے؟ معروف بولا ہاں۔ کسان بولا میرے ہاں آج تیریؑ دعوت ہے۔ معروف نے کہا بھائی تیرے پاس تو مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا' تو میری دعوت کیسے کرے گا؟ کسان نے کہا اتر تو سہی' میں قریب والے گاؤں میں جا کر تیرے لیے ناشتہ اور تیرے گھوڑے کے لیے چارہ لے آؤں گا۔ معروف نے کہا اگر گاؤں اتنا قریب ہے تو جتنی دیر میں تو پہنچے گا میں بھی پہنچ جاؤں گا اور جو میرا جی چاہے گا بازار سے مول لے کر کھا لوں گا۔ کسان بولا یہ تو محض ایک چھوٹی سی بستی ہے' نہ بازار ہے نہ لین دین کی کوئی صورت۔ تو یہیں ٹھہر' میں جا کر ابھی لیے آتا ہوں۔ معروگ گھوڑے پر سے اتر پڑا۔ کسان ناشتہ لینے چل دیا' یہ اس کا انتظار کرنے اور اپنے جی میں کہنے لگا میں نے اس کسان کو اس کے کام سے روکا ہے مجھے اس کے بدلے ہل چلانا چاہیے۔ اس نے تھوڑا ہی سا جوتا ہو گا کہ ہل نے کسی چیز سے ٹکر کھائی اور بیل ٹھہر گئے غور سے دیکھا تو ایک سونے کے حلقے میں پھنسا ہوا تھا اور حلقہ مرمر کی ایک گول سل میں لگا ہوا جو چکی کے برابر تھی۔

معروف نے کوشش کر کے سل کو اپنی جگہ سے سرکایا تو اسے اس کے نیچے ایک تہہ خانہ دکھائی دیا جہاں سیڑھیاں تھیں۔ وہ اترا اور دیکھا کہ وہاں چار کمرے ہیں' پہلے میں نیچے سے اوپر تک مٹی بھری ہوئی ہے دوسرے میں زمرد' موتی اور مونگے' تیسرے میں یاقوت' بخلش اور فیروزے اور چوتھے میں ہیرے اور طرح طرح کے قیمتی جواہرات صدر میں ایک بلور کا صندوق ہے جس میں لاجواب جواہرات ہیں جو اخروٹ کے برابر ہیں۔ صندوق کے اوپر ایک ڈبیہ بھی رکھی ہوئی تھی۔ یہ چیزیں دیکھ کر اسے تعجب بھی ہوا اور خوشی بھی اس نے اس ڈبیہ کو اٹھا کر کھولا جو صندوق کے اوپر رکھی ہوئی دیکھا کہ اس میں ایک سونے کی انگوٹھی ہے جس پر طلسمات کندہ ہیں۔ انگوٹھی کو وہ دیکھ ہی رہا تھا کہ اسے کسی چیز سے رگڑ لگی۔ رگڑ لگنی تھی کہ کسی نے آواز دی اے میرے

آقا! میں حاضر ہوں' مانگ کیا مانگتا ہے؟ کوئی شہر تعمیر کر دوں یا کسی شہر کو اجاڑ دوں کسی بادشاہ کو قتل کر دوں یا نہر کھودوں۔ معروف نے کہا اے خدا کے بندے! تو کون ہے؟ جواب آیا میں اس انگوٹھی کا موکل ہوں' تو جو کچھ مانگے گا میں حاضر کروں گا۔ میں جنوں کی ایک قوم کا بادشاہ ہوں۔ بہتر قبیلے میرا لشکر ہے اور ہر قبیلہ بہتر ہزار کا ہے' ہر ہزار کے ماتحت ہزار دیو ہیں ہر دیو ہزار سرداروں پر حکومت کرتا ہے ہر سردار کے نیچے ہزار شیطان ہیں اور ہر شیطان کے نیچے ہزار جن' یہ سب میرے حکم کے تابع ہیں' میری مخالفت نہیں کر سکتے اور میں انگوٹھی کے تابع ہوں اور اس کے مالک کی مخالفت نہیں کر سکتا اس وقت تو اس کا مالک ہے اور میں تیرا فرمانبردار۔ جب کبھی اور جہاں کہیں تجھے میری ضرورت ہو انگوٹھی کو رگڑیو اور میں تیرے پاس آ موجود ہوں گا۔ لیکن خبردار دوبارہ نہ رگڑیو ورنہ میں جل کر مر جاؤں گا اور تو پچھتاوے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• نو سو چھیانوے ویں رات

نو سو چھیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب انگوٹھی کے موکل نے معروف کو سارے گر بتا دیئے تو اس نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا ابوالسعادات۔ معروف نے کہا ابوالسعادات یہ کیا جگہ ہے اور تجھے اس ڈبیہ میں کس نے بند کیا؟ اس نے جواب دیا یہ خزانہ شداد بن عاد کا ہے "جس نے کھمبے والے شہر ارم کو آباد کیا جس کا جواب دنیا بھر میں نہیں پیدا کیا گیا۔" میں اس کے جیتے جی اس کا خادم تھا' یہ تیری قسمت میں لکھی تھی۔ معروف نے کہا' کیا تو اس خزانے کو زمین کے اوپر نکال سکتا ہے؟ اس نے کہا اس سے آسان کوئی بات نہیں اور زمین کی طرف اشارہ کیا وہ پھٹی جن اس میں سما گیا اور وہ تھوڑی دیر کے بعد دو چھوٹے خوب صورت لڑکوں کو لے کر نکلا جن کے ہاتھوں میں سونے کی پراتیں تھیں' وہ انہیں بھر بھر کے اوپر لاتے اور انڈیل جاتے یہاں تک کہ سارا تہہ خانہ خالی ہو گیا۔ معروف نے پوچھا یہ لڑکے کون ہیں؟ اس نے کہا میرے بیٹے' کیونکہ اور جنوں کا لانا ٹھیک نہ تھا' میرے بیٹوں نے تیرا کام کر دیا اور انہیں تیری خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ بتا اب اور کیا چاہتا ہے؟ معروف نے کہا کیا تو اس مال کو صندوقوں میں بھر کر خچروں پر لاد سکتا ہے؟ جن بولا اس سے آسان کوئی بات نہیں اور ایک چیخ ماری اس کے آٹھ سو بیٹے آ موجود ہوئے۔ اس نے ان سے کہا تم میں سے بعض خچر بن جائیں اور بعض ایسے خوبصورت بن جائیں جن پر سونے کے زین ہوں اور ان میں جواہرات ٹنکے ہوئے۔

اب معروف نے صندوق منگائے اور کہا ہر ایک جنس کو الگ الگ صندوق میں رکھو۔ انہوں نے ایسا ہی کر کے انہیں تین سو خچروں پر لاد دیا۔ معروف بولا ابوالسعادات! کیا تو عمدہ عمدہ تھان لا سکتا ہے؟ اس نے پوچھا مصری یا شامی' عجمی' ہندی یا رومی؟ معروف

نے کہا ہر ایک قسم کے سو سو گٹھے سو خچروں پر۔ اس نے کہا صبح تک حاضر ہو جائیں گے۔ معروف نے کہا میرے لیے ایک خیمہ لگا اس نے خیمہ لگا کر اس میں دسترخوان بچھا دیا اور معروف سے کہا اے میرے آقا! خیمے میں بیٹھ اور میرے بیٹے تیری پاسبانی کریں گے۔ ابوالسعادات جنوں کے پاس چلا گیا کہ انہیں کپڑے لینے بھیجے اور معروف خیمے میں جا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں کسان ایک پیالے میں مسور کی دال اور ایک کٹورے میں جو لیے پہنچا دیکھا کہ خیمہ لگا ہوا ہے اور غلام ہاتھ باندھے کھڑے ہیں اس کا خیال ہوا کہ بادشاہ آ گیا ہے وہ ششدر کھڑا کا کھڑا رہ گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کاش میں بادشاہ کے لیے دو چوزے تل کر لایا ہوتا!وہ لوٹنے ہی والا تھا کہ معروف کی نظر اس پر پڑ گئی اس نے آواز دی اور غلام اسے معروف کے پاس لے گئے۔ معروف نے پوچھا کیا لایا ہے؟ اس نے کہا تیرا ناشتہ اور گھوڑے کا چارا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ بادشاہ آیا ہوا ہے تو دو چوزے ذبح کر کے میں اس کی دعوت کرتا۔ معروف نے کہا بادشاہ تو نہیں آیا ہے لیکن میں اس کا داماد ہوں اس سے ناراض ہو کر چلا آیا تھا اب اس نے غلاموں کو بھیج کر مجھ سے صلح کر لی ہے اور میں شہر واپس جا رہا ہوں۔ تو نے بے مجھے پہچانے بغیر میری دعوت کی ہے اس لیے جو کچھ تو لایا ہے میں وہی کھاؤں گا۔ معروف نے پیالہ دستر خوان کے بیچ میں رکھا اور خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ کسان نے دستر خوان پر سجے عمدہ عمدہ کھانے کھائے۔ جب پیالہ خالی ہو گیا تو اس نے اس میں سونا بھر دیا اور کہا' اسے گھر دے آ اور میرے پاس شہر میں آئیو' میں تجھے انعام دوں گا۔ کسان پیالے اور بیلوں کو لے کر اپنے گاؤں چلا گیا۔

جب صبح ہوئی تو گرد اٹھی اور ابو السعادات سات سو خچروں پر تھانوں کے گٹھے لیے آ پہنچا' خیمے کے پاس پہنچ کر خچر پر سے اتر پڑا اور زمین چوم کر کہا۔ اے میرے آقا! تیری ضرورت بالکل پوری ہو گئی اس تخت رواں پر ایک شاہانہ پوشاک ہے۔ اسے پہن کر تخت رواں پر سوار ہو جا اور مجھے حکم دے کہ میں اب کیا کروں۔ معروف بولا میں تجھے خط لکھ کر دیتا ہوں تو اسے لے کر میرے خسر بادشاہ کے پاس اختیان ختن

جا لیکن اس کے پاس انسانی شکل میں جائیو۔ اور معروف نے ایک خط لکھ کر اس پر مہر لگائی اور ابو السعادات اسے لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا' دیکھا کہ وہ وزیر سے کہہ رہا ہے میرا دل داماد میں لگا ہوا ہے' میں ڈرتا ہوں کہ کہیں بدو اسے قتل نہ کر دیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کس طرف گیا ہے تو میں لشکر لے کر اس کی کمک کو پہنچتا! کاش اس نے جانے سے پہلے مجھے بتا دیا ہوتا! وزیر نے کہا' خدا تیری اس غفلت پر رحم کرے! قسم ہر تیرے سر کی اسے معلوم ہو گیا کہ ہم اسے پہچان گئے ہیں اور وہ مارے ڈر کے بھاگ گیا ہے۔

اتنے میں پیادے نے آ کر بادشاہ کے آگے زمین چومی اور دعا دی۔ بادشاہ نے پوچھا تو کون ہے اور کیوں آیا ہے؟ اس نے کہا مجھے تیرے داماد نے بھیجا ہے اور وہ سامان کے ساتھ آ رہا ہے' اس کا یہ خط ہے۔ بادشاہ نے خط لے کر پڑھا' اس میں لکھا تھا کہ ...... "سلام کے بعد میرے خسر کو معلوم ہو کہ میں سامان لے کر آ گیا ہوں۔ لشکر کے ساتھ میرا استقبال کر۔"

بادشاہ نے وزیر سے کہا منہ کالا ہو تیرا! کب تک تو میرے داماد کی عزت آبرو پر دھبہ لگاتا اور اسے جھوٹا اور دغاباز بناتا رہے گا؟ دیکھ وہ سامان لے کر آ گیا ہے۔ وزیر نے مارے شرم اور پشیمانی کے سر نیچا کر لیا اور کہا کہ جہاں پناہ! میں نے یہ اس لیے کہا تھا کہ کوئی سامان آتا نظر نہیں آتا تھا' ڈرتا تھا کہ جو مال اس نے خرچ کر دیا ہے کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ بادشاہ بولا جب سامان آ گیا تو مال کی کیا حیثیت؟ اس کے بدلے وہ ہمیں بہت کچھ دے دے گا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر سجایا جائے اور بیٹی کو جا کر خوش خبری سنائی کہ تیرا شوہر عنقریب سامان لے کر یہاں پہنچ جائے گا۔ دیکھ یہ اس نے خط بھیجا ہے اور میں اس کے خیر مقدم کے لیے جا رہا ہوں۔ بیٹی یہ سن کر اچنبھے میں پڑ گئی اور دل میں کہنے لگی یہ عجیب و غریب ماجرا ہے کیا وہ میرے ساتھ مذاق کرتا اور مجھے بے وقوف بناتا تھا؟ اس نے اپنے آپ کو فقیر بنا کر میرا امتحان لینا چاہا تھا؟ شکر ہے خدا کہ مجھ سے اس کی شان میں کوئی گستاخی نہیں ہوئی۔

یہ تو اس کا قصہ ہوا' اب تاجر علی بصری کا حال سنو۔ جب اس نے دیکھا کہ شہر سجایا جا رہا تو اس کا سبب پوچھا۔ لوگوں نے کہا بادشاہ کا داماد تاجر معروف اپنا سامان لے کر آ رہا ہے۔ علی نے اپنے دل میں کہا اللہ اکبر! یہ کیا قصہ ہے؟ وہ تو اپنی بیوی سے بھاگ کر میرے پاس آیا تھا اور غریب تھا' پھر یہ سامان کہاں سے آ گیا؟ ممکن ہے کہ شہزادی نے اس کے لیے کوئی نہ کوئی تدبیر نکال دی ہو۔ خدا اس کی پردہ پوشی کر رہا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو ستانوے ویں رات

نو سو ستانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- تاجر علی بولا خدا اس کی پردہ پوشی کر رہا ہے' سارے تاجر خوش ہو گئے کہ اب ہمیں دام مل جائیں گے۔ ادھر بادشاہ لشکر جمع کر کے نکلا ادھر ابوالسعادات نے معروف کو جا کر خبر دی کہ میں خط پہنچا آیا ہوں۔ معروف نے شاہی لباس پہنا اور تخت رواں پر سوار ہو گیا وہ بادشاہ سے ہزار گنا زیادہ شان دار معلوم ہوتا تھا۔ آدھے ہی راستے پر پہنچا ہو گا کہ بادشاہ لشکر کے ساتھ آ پہنچا اور معروف کو شاہی لباس پہنے اور تخت رواں پر بیٹھا دیکھ کر لپٹ گیا' سلام کیا۔ تمام امراء نے بھی اسے سلام کیا اور انہیں یہ یقین آ گیا کہ معروف سچا ہے اور اس کی کوئی بات جھوٹ نہیں۔ جب وہ جلوس کے ساتھ شہر میں داخل ہوا تو تاجر دوڑے ہوئے آئے اس کے آگے زمین چومی۔ تاجر علی نے کہا اے دغا بازوں کے استاد تو نے خوب چال چلی لیکن تو اس کا مستحق ہے اور خدا اپنے فضل سے تجھے اور دے گا۔ معروف ہنس کر چل دیا' محل میں جا کر کرسی پر بیٹھا اور کہا میرا سونا بادشاہ کے خزانے میں داخل کر دو اور کپڑوں کے گٹھے یہاں لاؤ۔ انہوں نے ایک ایک گٹھا کر کے کھولنا شروع کیا یہاں تک کہ کل سات سو کے سات سو گٹھے کھول ڈالے۔ ان میں سے بہترین کپڑے چھانٹ کر شہزادی کو بھیجے کہ وہ انہیں کنیزوں میں تقسیم کر دے۔ اس کے بعد اس نے تاجروں کا قرضہ ادا کرنا شروع کیا' جس کا ایک ہزار تھا اسے دو ہزار بلکہ زیادہ کے کپڑے دیئے۔ پھر فقیروں اور مسکینوں کو دینا شروع کیا۔ غرض سات سو کے سات سو گٹھے دے ڈالے۔ لشکریوں کو مٹھی بھر بھر کر معدنیات' زمرد' یاقوت' موتی اور مونگے دیئے۔

بادشاہ نے کہا بیٹا' اتنی بخشش کافی ہے کیونکہ تیرے سامان میں سے اب تھوڑا سا ہی بچا ہے۔ اس نے کہا میرے پاس اور بہت ہے۔ اب اس کی سچائی کا چرچا ہونے لگا

کسی کی ہمت نہ پڑتی کہ اسے جھٹلائے۔ وہ بخشش کی بالکل پرواہ نہ کرتا کیونکہ جو وہ چاہتا موکل لا موجود کرتا۔ اتنے میں خزانچی نے آ کر بادشاہ سے کہا جہاں پناہ' خزانہ بھر گیا اور سونا اور جواہرات ابھی باقی ہیں' انہیں کہاں رکھا جائے؟ بادشاہ نے کہا' فلاں جگہ رکھ۔ شہزادی کو یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی۔ یا اللہ اتنی دولت کہاں سے آ گئی؟ تاجر بھی اس کی بخششوں سے باغ باغ ہو گئے اور اسے دعائیں دینے لگے۔ تاجر علی بڑا متعجب تھا اور کہتا تھا یا اللہ اس نے کون سی ایسی چال چلی کہ اس کے ہاتھ اتنے خزانے لگ گئے۔ اگر یہ محض شہزادی کا دیا ہوا مال ہوتا وہ فقیروں کو اس دریا دلی سے نہ دیتا۔

یہ تو تھا اس کا ماجرا ------ اب بادشاہ کا حال سنو۔ معروف کی سخاوت اور دریا دلی دیکھ کر اسے بے حد تعجب ہوا۔ جب وہ اپنی بیوی کے پاس گیا تو وہ مسکراتی ہوئی اس سے ملی اور اس کا ہاتھ چوم کر کہنے لگی کیا تو میرے ساتھ مذاق کرتا تھا یا یہ کہہ کر تو فقیر ہے اور اپنی بیوی سے بھاگ کر یہاں آیا ہے میرا امتحان کرنا چاہتا تھا؟ خدا کا شکر ہے کہ مجھ سے تیری شان میں کوئی گستاخی نہیں ہوئی' تجھ سے زیادہ مجھے کوئی پیارا نہیں خواہ تو امیر ہو یا غریب' لیکن بتا تو سہی کہ ایسی باتیں کرنے سے تیرا مقصد کیا تھا؟ معروف بولا میں تیرا امتحان کرنا چاہتا تھا کہ آیا تیری محبت خالص ہے یا محض مال اور دنیا کی وجہ سے' اب مجھے یقین ہو گیا کہ ہاں خالص ہے اور تیری قدر قیمت معلوم ہو گئی۔ پھر اس نے ایک گوشے میں جا کر انگوٹھی رگڑی اور جب ابو السعادات حاضر ہوا تو معروف نے کہا میں اپنی بیوی کے لیے شاہانہ پوشاک اور ایسا شاہانہ گہنا چاہتا ہوں جس میں چالیس نایاب موتیوں کا ایک ہار ہو۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اور جا کر لے آیا۔ موکل کو واپس کر کے وہ اپنی بیوی کے پاس گیا اور وہ چیزیں اس کے سامنے رکھ دیں۔ مارے خوشی کے شہزادی کے ہوش جاتے رہے اس نے دیکھا کہ گہنوں میں دو پازیبیں ہیں جو سونے کی ہیں جواہرات سے مرصع اور بڑی کاری گری کی بنائی ہوئی۔ اس نے کہا میں انہیں عید کے دن پہنا کروں گی۔ معروف بولا نہیں

بلکہ انہیں روز پہنا کر' ایسی میرے پاس بے شمار ہیں۔ کنیزیں یہ دیکھ کر خوش ہو گئیں اور اس کے ہاتھ چومنے لگیں۔ اب بادشاہ نے وزیر سے کہا بتا اب تو کیا کہتا ہے؟

اس نے جوب دیا' جہاں پناہ! ایسی باتیں تاجروں سے تو ظاہر ہوتی نہیں وہ ایک ٹکڑا کتان کا بھی بے نفع لیے نہیں بیچتے' ان کے پاس ایسی چیزیں کہاں سے آئیں جو بادشاہوں کو بھی میسر نہیں؟ اس میں کوئی نہ کوئی بات ہے۔ اگر تو میرا کہنا مانے تو میں اس کی تحقیق کر کے تجھے بتا دوں گا۔ بادشاہ بولا بہت خوب۔ وزیر نے کہا' اس سے مل کر محبت جتا اور باتیں چیتیں کر اور کہہ کہ اے میرے داماد! میں تو اور وزیر چل کر باغ کی سیر کریں۔ وہاں پہنچ کر ہم کھائیں پئیں گے اور جب شراب اسے ذرا چڑھ جائے گی تو اس سے سارا بھید لے لیں گے۔ میں کہتا ہوں ایسا نہ ہو کہ وہ لشکر کو مال و دولت دے کر اپنی طرف کر لے اور حکومت تیرے ہاتھ سے جاتی رہے۔ بادشاہ بولا تو سچ کہتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی

○○○

• نو سو اٹھانوے ویں رات

نو سو اٹھانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ نے وزیر سے کہا تو سچ کہتا ہے اور دونوں اس پر متفق ہو گئے۔ صبح کو بادشاہ اٹھ کر بیٹھا ہی تھا کہ نوکروں اور سائیسوں نے آ کر کہا' ہم نے ان گھوڑوں اور خچروں کو باندھ دیا تھا جو سامان لے کر آتے تھے لیکن سویرے ہمیں معلوم ہوا کہ غلام گھوڑوں اور خچروں کو چرا کر بھاگ گئے۔ ہم نے تمام اصطبل چھان مارے نہ وہاں کوئی گھوڑا ہے نہ خچر' اس کے بعد ہم نے اس جگہ جا کر دیکھا جہاں غلام اترے تھے تو ایک کا بھی پتا نہیں نہ جانے وہ بھاگ کیسے گئے۔ بادشاہ بولا اے مردودو! ایک ہزار چوپائے اور پانسو غلام بھاگ گئے اور تمہیں خبر تک نہ ہوئی۔ جاؤ جب تمہارا آقا حرم سرا سے نکلے تو اس سے کہنا۔ اتنے میں معروف حرم سرا سے نکلا اور انہیں رنجید دیکھ کر وجہ پوچھی۔ انہوں نے سارا قصہ سنایا تو وہ کہنے لگا ان کی قیمت ہی کتنی ہو گی کہ تم افسوس کرتے ہو' چلو بھاگ جاؤ۔ یہ سن کر بادشاہ وزیر سے کہنے لگا یہ شخص کیا بلا ہے؟ اس کے سامنے دولت کی حقیقت ہی نہیں۔ اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ نے کہا۔ اے داماد! میں چاہتا ہوں کہ میں' تو اور وزیر باغ میں چل کر سیر و تفریح کریں۔ اس نے کہا بہت خوب اور تینوں باغ پہنچے۔ وزیر نے اچھی اچھی کہانیاں سنانی شروع کیں اور معروف سنا کیا۔ اس کے بعد دستر خوان بچھایا گیا اور شراب کی صراحیاں لائی گئیں' وزیر نے ایک جام بھر کر پہلے بادشاہ کو دیا پھر دوسرا معروف کو۔ معروف نے پوچھا' یہ کیا ہے؟ اس نے کہا شراب' اور اس کی اتنی تعریف کی کہ معروف خود جام بھر بھر کر پینے لگا۔

جب وزیر کو یقین ہو گیا کہ اسے شراب کا نشہ خوب چڑھ گیا ہے تو اس نے کہا۔ اے تاجر معروف! مجھے تعجب آتا ہے کہ تجھے ایسے جواہرات کہاں سے ہاتھ لگے جو

بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں؟ نہ ہم نے عمر بھر تجھ جیسی سخاوت دیکھی' یہ تو بادشاہوں کی خاصیت ہے نہ کہ تاجروں کی۔ معروف بولا نہ میں تاجر ہوں نہ بادشاہ' یہ کہہ کر اس نے اپنا سارا حال شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ وزیر نے کہا خدا کے لیے ہمیں بھی وہ انگوٹھی دکھا ہم بھی دیکھیں وہ انگوٹھی کیسی ہے۔ معروف بد مست تو تھا ہی انگوٹھی اتار کر وزیر کو دے دی۔ اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا اور کہنے لگا اگر میں اسے رگڑوں تو موکل آ جائے گا؟ معروف نے کہا' ہاں' رگڑ موکل آ جائے گا اور تو اس کا تماشا دیکھیو۔ وزیر نے انگوٹھی کو رگڑا ہی تھا کہ آواز آئی اے میرے آقا! مانگ کیا مانگتا ہے؟ تو کوئی شہر اجاڑنا چاہتا ہے یا کسی بادشاہ کو قتل کرنا چاہتا ہے؟ وزیر نے معروف کی طرف اشارہ کر کے کہا اس کم بخت کو لے جا کر جنگل بیابان میں پھینک آ جہاں وہ بھوک پیاس سے مر جائے اور کسی کو خبر نہ ہو۔ موکل معروف کو لے کر اڑا' معروف نے کہا اے ابو السعادات! تو مجھے کہاں لیے جا رہا ہے؟ اس نے کہا اے بے وقوف! جس کے پاس ایسا طلسم ہو کہیں وہ اسے لوگوں کو دیتا ہے کہ وہ اس کا تماشا دیکھیں۔ جو مصیبت تجھ پر اتری ہے بجا ہے اگر مجھے خدا کا ڈر نہ ہوتا تو میں ایک ہزار قد کی بلندی سے تجھے پھینک دیتا اور زمین تک پہنچتے پہنچتے ہوا سے تیرے پرزے پرزے اڑ جاتے۔ معروف چپ ہو گیا اور جن نے اسے غیر آباد زمین میں لا کر اتار دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو ننانوے ویں رات

نو سو ننانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جن نے معروف کو لے جا کر غیر آباد زمین میں پھینک دیا۔ ادھر وزیر نے بادشاہ سے کہا' دیکھا نا وہ کیسا جھوٹا اور دغا باز نکلا۔ بادشاہ نے کہا' اے وزیر! تو سچا ہے دکھا تو مجھے انگوٹھی' دیکھوں تو وہ کیسی ہے۔ وزیر نے طیش میں آ کر اس کے منہ پر تھوک دیا اور کہا اے بے وقوف! تجھے کیوں دوں؟ کیا تیرا مالک ہونے کے بعد پھر تیرا غلام بن جاؤں؟ دیکھ میں تیرا بھی خاتمہ کیے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے انگوٹھی رگڑی اور جن آ پہنچا' اس نے کہا اس بد تمیز کو بھی وہیں جا کر پھینک آ جہاں تو اس کے داماد کو پھینک آیا ہے۔ جن اسے لے کر اڑا تو اس نے کہا' اے خدا کے بندے! میرا کیا جرم ہے؟ جن بولا مجھے معلوم نہیں' میرے مالک نے یہی حکم دیا ہے' جس کے پاس یہ طلسمی انگوٹھی ہو گی میں اس کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ وہ اڑتا اڑتا اس جگہ پہنچا جہاں معروف تھا اور وہاں اسے پھینک کر چلا آیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ معروف وہاں بیٹھا رو رہا ہے نہ اس کے پاس کوئی چیز کھانے کی ہے نہ پینے کی اس کے پاس جا کر اپنا قصہ سنایا اور دونوں بیٹھ کر رونے لگے۔

یہ تو ان دونوں کا ماجرا ہوا' اب وزیر کا حال سنو۔ جب وہ معروف اور بادشاہ سے پیچھا چھڑا چکا تو باغ سے نکل کر سارے لشکر کر بلوایا' دربار گیا انہیں انگوٹھی کا قصہ سنایا اور کہا میں نے معروف اور بادشاہ کو نکال باہر کیا ہے اگر تم نے مجھے اپنا بادشاہ تسلیم نہیں کیا تو میں موکل سے کہوں گا وہ تمہیں بھی وہیں جا کر پھینک آئے گا اور تم بھوکے پیاسے مر جاؤ گے۔ انہوں نے کہا ہمیں نقصان نہ پہنچا۔ ہم تجھے اپنا بادشاہ مانتے ہیں اور تیرا حکم ماننے کے لیے تیار ہیں۔ انہوں نے مجبوراً اسے بادشاہ تسلیم کر لیا اور اس نے انہیں خلعت عطا کیے۔ اس کے بعد اس نے شہزادی کو کہلا بھیجا کہ تیار رہ'

میں آج رات تیرے ساتھ ہم بستر ہوں گا کیونکہ میں تیرا مشتاق ہوں۔ شہزادی رونے اور اپنے باپ اور معروف پر افسوس کرنے لگی اور جواب میں کہلا بھیجا کہ عدت پوری ہو جانے دے اس کے بعد نکاح نامہ لکھوا کر حلال طریقے سے ہم بستر ہو جائیو۔ وزیر نے جواب دیا' میں عدت ودت نہیں جانتا نہ اتنی مدت ٹھہر سکتا ہوں نہ مجھے نکاح نامے کی ضرورت ہے نہ میں حلال اور حرام میں فرق جانتا ہوں' آج رات ہی میں تجھ سے ہم بستری کروں گا۔ شہزادی نے کہا کوئی ہرج نہیں' مرحبا۔ یہ اس کی چال تھی۔
یہ جواب سن کر وہ خوش ہو گیا اور سب لوگوں کے لیے کھانا منگوایا اور کہا کھاؤ' یہ ولیمہ ہے کیونکہ میں آج رات شہزادی سے ہم بستر ہوں گا۔ شیخ الاسلام نے کہا جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو اور تیرا نکاح نامہ مرتب نہ ہو جائے ہم بستری حرام ہے۔ اس نے کہا میں عدت ودت نہیں جانتا۔ باتیں زیادہ نہ بنا' شیخ الاسلام مارے ڈر کے چپ ہو رہا اور لشکر والوں سے کہا کہ وہ کافر ہے' اس کا کوئی دین و مذہب نہیں۔
جب رات ہوئی اور وہ شہزادی کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ بہترین کپڑے پہنے اور بناؤ سنگھار کیئے بیٹھی ہے۔ جب اس کی نظر وزیر پر پڑی تو اس نے کہا مرحبا' اگر تو نے میرے باپ اور شوہر کو قتل کر دیا ہوتا تو زیادہ اچھا تھا۔ اس نے کہا میں انہیں بے مارے نہیں چھوڑوں گا۔ شہزادی نے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اس سے ہنسی مذاق اور محبت کا اظہار کرنے لگی۔ یہ پیاری پیاری باتیں اور مسکراہٹ دیکھ کر وزیر کے ہوش جاتے رہے اور وہ وصال کا طالب ہوا لیکن جب وہ شہزادی کے قریب آیا وہ دور ہٹ کر رونے لگی اور کہا دیکھ وہ شخص میری طرف دیکھ رہا ہے۔ خدا کے لیے اسے یہاں سے دور کر۔ اگر وہ ہماری طرف برابر دیکھتا رہے گا تو تو کیونکر ہم بستر ہو گا؟ وزیر کو غصہ آ گیا اس نے کہا' کہاں ہے وہ شخص؟ شہزادی بولی کہ وہ کیا انگوٹھی کے نگ میں بیٹھا ہوا ہے اور سر نکالے ہماری طرف دیکھ رہا ہے۔ وزیر بولا ڈر نہیں وہ انگوٹھی کا موکل ہے اور میرا فرمانبردار۔ شہزادی نے کہا مجھے بھوت پریتوں سے ڈر لگتا ہے' انگوٹھی اتار کر مجھ سے دور پھینک دے۔ وزیر نے انگوٹھی اتار کر تکیے پر رکھ دی اور جونہی

شہزادی کے پاس آیا اس نے اس زور سے وزیر کے دل پر ایک ٹھوکر ماری کہ وہ چت ہو گیا اور اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ شہزادی نے کنیزوں کو آواز دی' چالیس کنیزوں نے آ کر وزیر کر پکڑ لیا اور اس نے انگوٹھی کو تکیے پر سے اٹھا کر رگڑا۔ ابو السعادات نے آ کر کہا اے میرے آقا! حاضر ہوں۔ شہزادی نے کہا کہ اس کافر کو لے جا کر قید خانے میں بند کر آ اور اس کے پاؤں میں سخت بیڑیاں ڈال دے۔ جب وہ اسے قید خانے میں بند کر کے واپس آیا تو شہزادی نے کہا میرے باپ اور شوہر کو تو کہاں لے گیا ہے؟ اس نے کہا' دنیا کے غیر آباد حصے میں۔ شہزادی نے کہا میں تجھے حکم دیتی ہوں کہ انہیں فوراً لے آ۔ جب جن ان کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ دونوں بیٹھے رو رہے ہیں اور ایک دوسرے سے شکوے شکایت کر رہے ہیں۔ جن نے کہا غم نہ کرو۔ خوشی کے دن قریب ہیں' یہ یہ واقعات پیش آئے ہیں اور میں وزیر کو اپنے ہاتھ سے قید کر آیا ہوں۔

یہ کہہ کر وہ انہیں شہزادی کے پاس اٹھا لایا۔ شہزادی نے انہیں سلام کیا بٹھا کر کھانا اور حلوا کھلایا۔ دوسرے دن دونوں کو شاہی پوشاکیں پہنا کر باپ سے کہا کہ تو شاہی کرسی پر بیٹھ اور پہلے کی طرح حکومت کر' میرے شوہر کو میمنے کا وزیر بنا کر لشکر بلا کر انہیں سارا ماجرا سنا اور وزیر کو قید خانے سے نکال اور قتل کر کے جلا دے' وہ کافر ہے چاہتا تھا کہ بے نکاح کے زبردستی میرے ساتھ ہم بستر ہو۔ یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کافر ہے اور اس کا کوئی دین مذہب نہیں۔ بادشاہ نے کہا بیٹی' تیرا کہنا سر آنکھوں پر لیکن انگوٹھی مجھے یا اپنے شوہر کو دے دے۔ شہزادی نے کہا نہ تو اس کا اہل ہے نہ وہ۔ انگوٹھی میرے پاس رہے گی کیونکہ میں اس کی حفاظت تم دونوں سے بہتر کر سکتی ہوں۔ تمہارا جی چاہے مجھ سے مانگنا اور میں موکل سے منگوا کر تمہیں دے دوں گی' جب تک میں زندہ ہوں کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا اور جب میں مر جاؤں تو انگوٹھی کا جو چاہا کرنا۔ اب بادشاہ اپنے داماد کو لے کر دربار میں گیا۔ لشکر نے ساری رات بڑے رنج و غم میں گزاری تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ وزیر شہزادی کے ساتھ

بے نکاح کے زبردستی ہم بستر ہونا چاہتا ہے جو اسلام کی توہین ہے۔ جب وہ دربار پہنچے تو شیخ الاسلام کو برا بھلا کہنے لگے کہ تو نے وزیر کو اس زبردستی سے روکا کیوں نہیں؟ اس نے جواب دیا لوگو! وہ کافر ہے اور انگوٹھی کا مالک بن بیٹھا ہے ہم تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ خدا اس سے سمجھے گا' تم چپ رہو۔ ورنہ وہ کہیں تمہیں قتل نہ کر دے۔ لشکر والے دربار میں بیٹھے یہی باتیں کر رہے تھے کہ بادشاہ اپنے داماد معروف کے ساتھ داخل ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک ہزارویں رات

ایک ہزارویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب لشکر والوں نے بادشاہ اور اس کے داماد معروف کو دربار میں آتے دیکھا تو وہ خوش ہو کر کھڑے ہو گئے اور اس کے آگے زمین چومی۔ بادشاہ کرسی پر بیٹھا انہیں سارا ماجرا سنایا اور ان کا غم غلط ہو گیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر سجایا جائے اور وزیر کو قید خانے سے لایا جائے۔ وزیر آیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے بری موت مارو۔ لوگوں نے اسے قتل کر کے جلا دیا اور وہ بری حالت میں جہنم واصل ہوا۔ اس کے بعد پانچ سال تک عیش و عشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کے بعد چھٹے سال بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ شہزادی نے معروف کو اس کی جگہ بادشاہ بنایا لیکن انگوٹھی نہ دی۔ اسی اثنا میں اس کے ایک نہایت حسین و جمیل لڑکا پیدا ہوا' وہ پانچ برس کا ہوا تو ماں بیمار پڑی اور اس نے معروف کو بلا کر کہا مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بیٹے کو حفاظت سے رکھیو بلکہ یہ کہ انگوٹھی کی خبر گیری کیجیو۔ یہ کہہ کر اس نے انگوٹھی اتاری اور معروف کو دے دی۔ دوسرے دن اس کا انتقال ہو گیا۔ معروف نے بادشاہ بن کر حکوت کرنی شروع کر دی۔ ایک دن جب اس نے دربار برخاست کیا اور امراء کے ساتھ دیر تک شراب نوشی میں مشغول رہا' آدھی رات کے بعد انہوں نے اجازت چاہی اور چلے گئے اور وہ کپڑے بدل کر سو گیا تو نیند میں اسے محسوس ہوا کہ کوئی چیز اس کے پاس فرش پر ہے۔ ڈر کے اٹھ بیٹھا اور اعوذ باللہ پڑھ کر آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا کہ اس کے پاس ایک بد صورت عورت بیٹھی ہوئی ہے۔ پوچھا کہ تو کون ہے؟ عورت نے جواب دیا ڈر نہیں میں تیری بیوی فاطمہ ہوں۔ معروف نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور باوجود صورت کے مسخ ہو جانے اور دانتوں کے بڑھ جانے کے اسے پہچان لیا اور کہا' تجھے یہاں کون لایا؟ بیوی نے پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ اس نے کہا ختیان ختن اور تو کب مصر سے چلی؟ بیوی

نے کہا' ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔ معروف نے کہا یہ کیسے؟ بیوی نے کہا جب میں نے تجھ سے لڑائی دنگا کرنا شروع کیا شیطان نے مجھے ورغلایا کہ تجھے نقصان پہنچاؤں اور میں نے حکام سے جا کر تیری شکایت کی تھی تو انہوں نے تجھے تلاش کیا لیکن تو نہ ملا۔ دو دن کے بعد میں پچھتائی مجھے معلوم ہوا کہ خطا میری ہے لیکن پچھتانے سے کیا ہوتا تھا۔ مدت تک میں تیری جدائی میں بیٹھی رویا کی۔ ناداری کی وجہ سے بھیک مانگنے نکلی تو دن بھر کسی نے کچھ نہ دیا جس کے پاس روٹی کا ٹکڑا مانگنے جاتی وہ مجھے برا بھلا کہتا اور کچھ نہ دیتا۔ رات کے وقت میرے پاس کچھ کھانے کو نہ تھا اور میں مارے بھوک کے پریشان تھی کیا دیکھتی ہوں کہ ایک شخص میرے سامنے کھڑا کہہ رہا ہے اے عورت کیوں رو رہی ہے؟ میں نے کہا میرا شوہر مجھے کھلاتا پلاتا تھا' کھو گیا ہے اور میں مصیبت میں گرفتار ہوں۔ اس نے پوچھا تیرے شوہر کا کیا نام ہے؟ میں نے کہا' معروف۔ اس نے کہا میں تیرے شوہر کو جانتا ہوں وہ ایک جگہ کا بادشاہ ہے تو چاہے تو میں تجھے اس کے پاس پہنچا دوں۔ میں نے کہا' خدا کے لیے مجھے اس تک پہنچا دے۔ وہ مجھے لے کر اڑا اور اس محل میں پہنچ کر کہا۔ اس حجرے میں جا' وہاں تیرا شوہر تخت پر پڑا سو رہا ہے۔ اندر آ کر میں نے تیری شان و شوکت دیکھی۔ میرا ہمیشہ یہی خیال رہا کہ تو مجھ سے نہیں چھوٹ سکتا کیونکہ میں تیری بیوی ہوں۔ شکر ہے خدا کا اس نے ہمیں ملا دیا!

معروف نے بولا میں نے تجھے چھوڑا ہے یا تو نے مجھ کو؟ تو ہی تو ایک قاضی سے دوسرے کے پاس جا کر میری شکایت کرتی تھی اور بالاخر باب عالی پہنچی اور میرے اوپر قلعے سے بلا نازل ہوئی اور میں تیرے ڈر کے مارے بھاگا۔ اس کے بعد اس نے اپنا سارا ماجرا سنایا اور کہا اب میں بادشاہ ہوں اور شاہ زادی کے ساتھ شادی کی تھی لیکن اس کا انتقال ہو گیا' اس سے میرا ایک بیٹا ہے جس کی عمر سات سال کی ہے۔ بیوی نے کہا جو کچھ ہوا وہ قسمت کی لکیر تھی جو مٹ نہیں سکتی۔ اب میں نے توبہ کی ہے اور تیری پناہ میں ہوں مجھے نہ چھوڑ اور خیرات میں کھانے کو دے۔ وہ برابر خوشامد کرتی رہی یہاں

تک کہ اس کا دل پسیج گیا۔ اس نے کہا' توبہ کر اور میرے ساتھ رہ' تیرے لیے خوشی ہی خوشی ہے' لیکن اگر تو نے پھر شرارت کی تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اب مجھے کسی کا ڈر نہیں نہ یہ اندیشہ ہے کہ تو باب عالی میں جا کر میری شکایت کرے گی' میں بادشاہ ہوں لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں اور میں سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا۔ میرے پاس ایک انگوٹھی ہے' جب اسے میں رگڑتا ہوں تو اس کا موکل حاضر ہو جاتا اور جو کچھ میں اس سے مانگتا ہوں وہ لا حاضر کرتا ہے۔ اگر تو اپنے وطن جانا چاہے تو میں تجھے وہاں ایک دم میں پہنچا دوں گا اور تجھے اتنا کچھ دوں گا کہ عمر بھر کے لیے کافی ہو' اور اگر تو یہاں رہنا چاہے تو میں تیرے لیے ایک محل خالی کرا دوں گا اس میں خاصی ریشمی فرش بچھوا دوں گا تیری خدمت کے لیے بیس کنیزیں دوں گا اور اچھے سے اچھا کھانا اور عمدہ عمدہ پوشاکیں دیا کروں گا تو ملکہ بن کر رہے گی اور بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرے گی۔

بیوی نے کہا' میں تیرے ہی پاس رہنا چاہتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے معروف کا ہاتھ چوما اور شرارت سے توبہ کی۔ معروف نے اس کے لیے ایک محل خالی کرا دیا اسے کنیزیں اور غلام دے کر ملکہ بنا دیا۔ بیٹا جیسے اپنے باپ کے پاس آیا جایا کرتا' اس کے پاس بھی آتا جاتا لیکن وہ اس سے نفرت کرتی تھی کیونکہ وہ اس کا بیٹا نہ تھا۔ جب بیٹے نے اس کے یہ اطوار دیکھے تو وہ بھی اس سے نفرت کرنے لگا۔ ادھر معروف خوبصورت سے خوبصورت کنیزوں کے ساتھ رہنے لگا۔ اپنی بیوی فاطمہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی کیونکہ وہ بوڑھی اور بد صورت ہو چکی تھی سوائے اس کے معروف وہ برائیاں بھی نہیں بھولا تھا جو اس نے اس کے ساتھ کی تھیں۔ مثل ہے کہ برائی مقصد کی جڑ کاٹ ڈالتی اور دل دل میں دشمنی پیدا کر دیتی ہے۔ تاہم وہ برابر اس کے ساتھ بھلائی کرتا رہا۔ کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ خدا اس سے خوش رہے۔

دینا زاد نے اپنی بہن شہر زاد سے کہا تو نے کیسی اچھی اچھی کہانیاں سنائی ہیں! شہر زاد

بولی کہ یہ تو کچھ بھی نہیں' اگر بادشاہ نے مجھے زندہ رکھا اور قتل نہ کیا تو کل کی کہانی اس سے بھی اچھی ہو گی۔ جب صبح ہوئی اور دن نکلا تو بادشاہ نے اپنے دل میں کہا جب تک باقی کہانی نہ سن لوں اسے قتل نہیں کروں گا۔ دربار میں آیا تو وزیر دستور کے موافق بغل میں کفن دبائے پہنچا۔ بادشاہ دن بھر احکام جاری کرتا رہا اور اس کے بعد حرم سرا میں اپنی بیوی شہر زاد کے پاس گیا۔

ooo

• ایک ہزار پہلی رات

ایک ہزار پہلی رات ہوئی تو اور بادشاہ حرم سرا میں اپنی بیوی شہر زاد کے پاس گیا تو دنیا زاد نے اپنی بہن سے کہا' معروف کی کہانی پوری کر دے۔ وہ بولی سر آنکھوں پر یہ شرط طے کہ بادشاہ اجازت دے۔ بادشاہ نے کہا میں اجازت دیتا ہوں کیونکہ میرا دل بھی اسی میں لگا ہوا ہے اور میں اس کے سننے کا مشتاق ہوں۔ شہر زاد نے کہا اے بادشاہ ------

بادشاہ معروف اپنی بیوی کی طرف متوجہ نہ ہوتا اور محض خدا کی خوشنودی کے لیے اسے کھانے پینے کو دیتا۔ بیوی نے یہ دیکھا تو اسے معروف سے دشمنی پیدا ہو گئی اور شیطان نے اسے یہ پٹی پڑھائی کہ اس سے انگوٹھی لے کر اسے قتل کر دے اور اس کی جگہ خود ملکہ بن بیٹھے۔ یہ پختہ ارادہ کر کے وہ ایک رات اپنے محل سے نکلی اور اپنے شوہر بادشاہ معروف کے محل کی طرف چل کھڑی ہوئی۔ اس رات بادشاہ اپنی ایک چہیتی کنیز کے پاس تھا جو بڑی خوبصورت تھی۔ وہ اسم اعظم کا اتنا احترام کرتا کہ جب کسی سے ہم بستر ہوتا تو انگوٹھی اتار ڈالتا اور جب تک پاک نہ ہو جاتا نہ پہنتا۔ اس کی بیوی فاطمہ نے روانہ ہونے سے پہلے یہ پتا لگا لیا تھا کہ جس وقت وہ جماع کرتا ہے تو انگوٹھی اتار کر تکیے پر رکھ دیتا ہے۔ معروف کا دستور تھا کہ ہم بستری کرنے کے بعد کنیز کو کمرے سے باہر کر دیتا تاکہ انگوٹھی جاتی نہ رہے اور کمرے میں قفل لگا کر حمام جاتا اور وہاں سے نکل کر انگوٹھی پہن لیتا۔ فاطمہ کو یہ ساری باتیں معلوم ہو چکی تھیں' اسی لیے وہ رات کے وقت نکلی کہ جب وہ سوتا ہو گا تو میں محل میں جا کر انگوٹھی چرا لاؤں گی اور اسے خبر نہ ہو گی۔

وہ نکلی تو شہزادے نے اسے اندھیرے میں سے دیکھ لیا کہ وہ تیز تیز اس کے باپ کے محل کی طرف جا رہی ہے' اپنے دل میں کہنے لگا دیکھوں تو سہی یہ چڑیل اس وقت اندھیرے

میں اپنے محل سے نکل کر کیوں میرے باپ کے محل کی طرف جا رہی ہے' ضرور کوئی نہ کوئی بات ہے اور وہ اس کے پیچھے پیچھے اس طرح سے ہو لیا کہ وہ اسے دیکھ نہ سکے۔ اس کے پاس ہمیشہ ایک چھوٹی سی تیز تلوار رہتی اور وہ اسے اتنی پیاری تھی کہ جب کبھی وہ باپ کے دربار میں جاتا تو اسے لگا کر جاتا۔ باپ اسے دیکھ کر ہنستا اور کہتا بیٹا' ماشاء اللہ تلوار بڑی شاندار ہے لیکن نہ تو اسے لے کر کسی لڑائی پر گیا ہے نہ کسی کا سر اڑایا ہے۔ وہ جواب دیا اگر کسی کو دیکھوں گا کہ وہ سر اڑائے جانے کے قابل ہے تو اس کا سر اڑا دوں گا۔ باپ یہ سن کر قہقہہ لگاتا۔ اب جب کہ وہ اپنی سوتیلی ماں کے پیچھے چلا تو تلوار میان میں سے نکال کر ہاتھ میں لے لی۔ جب وہ باپ کے محل میں داخل ہوئی تو شہزادہ دروازے پر ٹھہر گیا اور دیکھنے لگا کہ وہ کیا کرتی ہے دیکھا کہ وہ کہہ رہی ہے یا اللہ! اس نے انگوٹھی کہاں رکھی؟ اور اسے ڈھونڈ رہی ہے۔ بیٹے کو یقین ہو گیا کہ وہ انگوٹھی کی تلاش میں ہے۔ اتنے میں اس کی نظر انگوٹھی پر پڑی اس نے یہ کہہ کر کہ مل گئی' اسے اٹھا لیا اور باہر جانے لگی۔ شہزادہ کواڑ کے پیچھے چھپ گیا' عورت دروازے سے نکلی اور انگوٹھی کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی اور چاہتی ہی تھی کہ اسے رگڑے شہزادے نے تلوار اٹھا کر اس زور سے اس کی گردن پر ماری کہ وہ ایک چیخ مار کر گری اور مر گئی۔ معروف کی آنکھ کھل گئی اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی مری پڑی لہو بہہ رہا ہے اور اس کا بیٹا تلوار کھینچے کھڑا ہے۔ اس نے کہا بیٹا' کیا ہے؟ بیٹے نے کہا ابا جان' تو کتنی بار مجھ سے کہہ چکا ہے کہ تیری تلوار تو بڑی شاندار ہے لیکن نہ تو تو اسے لے کر کسی لڑائی پر گیا ہے نہ کسی کر سر اڑایا ہے' دیکھ اب میں نے ایک شخص کا سر اڑا دیا جو اس قابل تھا۔ یہ کہہ کر اس نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔

اس کے بعد معروف نے انگوٹھی ڈھونڈنے لگا۔ وہ کہیں نظر نہ آئی' اس نے دیکھا کہ لڑکا اسے مٹھی میں لیے ہوئے ہے اس نے اسے اس کی مٹھی میں سے نکال لیا اور

کہنے لگا تو واقعی میرا بیٹا ہے۔ جیسے تو نے مجھے اس ناپاک عورت سے نجات دی خدا تجھے دنیا اور آخرت میں نجات دے! اب معروف نے اپنے نوکروں کو بلا کر ان سے فاطمہ کی حرکت بیان کی۔ انہوں نے اسے غسل دے کر کفن پہنایا اور قبر کھود کر گاڑ آئے۔ مصر سے اس کی مٹی وہاں لے گئی تھی۔ پھر معروف نے اس کسان کو بلوایا جس کے پاس بھاگتے وقت وہ مہمان رہا تھا' اسے میمنے کا وزیر بنایا اور جب اسے معلوم ہوا کہ کسان کی ایک بڑی حسین و جمیل بیٹی ہے تو اس نے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ تھوڑے دنوں کے بعد اپنے بیٹے کی بھی شادی کر دی اور وہ عیش و عشرت اور خوشی کی زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا' صحبتوں کو تربتر کرنے والی اور بھرے گھرانوں کو اجاڑنے' بیٹوں اور بیٹیوں کو یتیم کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو زندہ ہے اور کبھی مرتی نہیں اور جس کے ہاتھ میں ملک اور حکومت کی کنجیاں ہیں۔

اس مدت میں شہر زاد کے تین بیٹے بادشاہ سے پیدا ہو چکے تھے۔ جب وہ یہ کہانی کہہ چکی تو اس نے اٹھ کر بادشاہ کے سامنے زمین چومی اور کہا جہاں پناہ! میں تیری لونڈی ہوں اور ایک ہزار ایک راتیں ہو چکی ہیں کہ میں تیرے سامنے پرانے لوگوں کے قصے کہانیاں سنا رہی ہوں اگر تو اجازت دے تو میں تجھ سے کچھ مانگوں۔ بادشاہ بولا' جو مانگے گی' پائے گی۔ شہر زاد نے دائیوں اور غلاموں کو آواز دی کہ میرے بچوں کو لے آؤ اور وہ دوڑ کر لے آئے یہ تین لڑکے تھے۔

ایک پاؤں پاؤں چلتا تھا
دوسرا گھٹنوں کے بل اور
تیسرا دودھ پیتا تھا۔

اس نے ان تینوں کو لے کر بادشاہ کے آگے ڈال دیا اور زمین چوم کر کہا' جہاں پناہ! یہ تیری اولادیں ہیں اور میں تجھ سے یہ مانگتی ہوں کہ ان کے طفیل میں مجھے قتل نہ کر۔ اگر تو مجھے قتل کر دے گا تو یہ بچے بے ماں کے رہ جائیں گے اور انہیں کوئی

عورت نہ ملے گی جو اچھی طرح ان کی تربیت کر سکے۔ یہ سن کر بادشاہ رونے لگا اس نے اپنے بیٹوں کو چھاتی سے لگا لیا اور کہا اے شہر زاد! ان بچوں کے آنے سے پہلے ہی میں تجھے معاف کر چکا تھا کیونکہ میں نے دیکھ لیا تھا کہ تو بڑی نیک پارسا اور پاکباز ہے۔ خدا برکت دے تجھے اور تیرے باپ کو' تیری ماں کو اور سب تیرے اگلوں اور پچھلوں کو! میں خدا کو گواہ بناتا ہوں کہ میں ہر بات سے باز آیا جس سے تجھے تکلیف پہنچے۔ شہر زاد خوش ہو گئی اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگی اور کہا خدا تیری عمر بڑھائے تیرا دبدبہ اور شان زیادہ کرے!

یہ خوش خبری شاہی محل اور پھر سارے شہر میں پھیل گئی۔ بادشاہ کو بھی اتنی خوشی ہوئی کہ سویرا ہوتے ہی اس نے سارے لشکر کو بلوایا اور شہر زاد کے باپ وزیر کو ایک نہایت شان دار خلعت دیا اور کہا خدا تجھے اپنی امان میں رکھے کہ تو نے اپنی نیک بیٹی سے میری شادی کرائی جس کی وجہ سے میں نے لوگوں کی بیٹیوں کو قتل کرنے سے توبہ کی! میں نے دیکھ لیا کہ وہ نیک' پارسا اور پاکباز ہے اور خدا نے اس سے مجھے تین بیٹے عطا کیے۔ اس کی اس مہربانی کا لاکھ لاکھ شکر! اس کے بعد اس نے تمام وزیروں اور امیروں کو خلعت بخشے تین دن تک شہر سجایا گیا اور اس کا بار کسی شہر والے پر نہیں ڈالا بلکہ سارا خرچ شاہی خزانے سے ادا کیا۔ شہر کبھی پہلے اس طرح نہیں سجایا گیا تھا۔ شادیانے بجائے گئے اور باجوں کے تمام استادوں نے اپنی اپنی صنعت دکھائی۔ بادشاہ نے انہیں بڑے بڑے انعام دیئے' فقیروں اور غریبوں کو خیراتیں دیں اور ساری رعیت کے تمام لوگوں عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا' صحبتوں کو تربتر کرنے وال موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جسے زمانہ کبھی فنا نہیں کر سکتا' اس میں کوئی تغیر نہیں ہوتا اور ایک دوسرے کام کو بھلاتا نہیں اور اس میں ہر صفت کمال کے ساتھ پائی جاتی ہے اور درود اور سلام اس شخص پر جو اس کے دربار کا سردار اور بہترین مخلوق ہے۔ ہمارے سر تاج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کے سردار

ہیں' اور ہم ان کے وسیلے سے خدا سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمارا خاتمہ بالخیر کرے!

ختم نبوت ﷺ زندہ باد **عظمت صحابہ زندہ باد**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈ من "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

❖ گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈ من کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی و غیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔

❖ گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔

❖ کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔

❖ ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

❖ اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈ من سے رابطہ کیجئے۔

❖ سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخِ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی و ذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

❖ تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔

❖ عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔

❖ **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**

❖ اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈ من سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد **پاکستان پائندہ باد**

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو